

www.KitaboSunnat.com

تَسْبِيحُ الْحَمْدِ لِسَيِّدِ الْقُرْآنِ

تأليف

محمد لقمان سلفی

ام اے، پی ایچ ڈی (حدیث نبوی)



ناشر

علامہ ابن باز اسلامک اسٹڈیز سنٹر

ہند



مکتبۃ المدینہ

لہجۃ القارئ الہندیۃ - دارۃ الکریمین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

*** تنبیہ ***

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تَسْبِيْرُ الرَّحْمٰنِ لِبَيَانِ الْقُرْآنِ

www.KitaboSunnat.com

تالیف
مُحَمَّدُ قَمَّانُ السَّلَفِيُّ
ایم اے پی ایچ ڈی (حدیث نبوی)



نَاشِرُ



علامہ ابن باز اسلامک اسٹڈیز سینٹر

ہند

لجنة القارة الهندية

دولة الكويت

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و اشاعت محفوظ ہیں

بار اول

۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱ء

دارالداغی

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

پوسٹ بکس نمبر: ۳۴۲۴۸ ریاض: ۱۱۴۶۸، مملکت سعودی عرب

فون: ۴۵۷۶۰۸۷/۴۵۶۶۵۵، فیکس: ۴۵۹۱۵۴۲

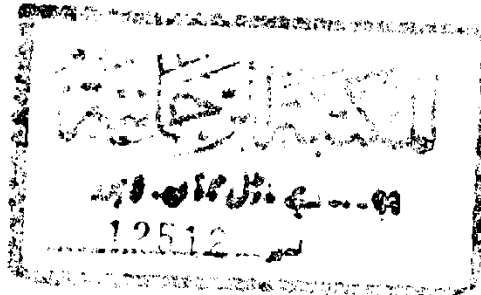
۳۹۵۵

علامہ ابن باز اسلامک اسٹڈیز سنٹر

جامعۃ الإمام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام - ۸۴۵۳۱۲، بہار، ہند

ٹیلیفون / فیکس ۸۲۲۴۹ - ۶۲۵۰ - ۰۰۹۱

www.KitaboSunnat.com



دار الطاهري

للنشر والتوزيع

الرياض . منفوحة . شارع الفرمان

رقم الترخيص : ١٧٢٣٨

١٤٢١/٦/١٥ هـ



مركز العلامة ابن باز

للدراستات الإسلامية

تحت رعاية : جامعة ابن تيمية
مدينة السلام : ٨٤٥٣١٢ - بيهار - الهند

قرار اللجنة

المكثبة لمرآعة الترجمة والتفسير (تفسير الرحمن لبيان القرآن) باللغة الأردية .

- الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد :
- فقد تكونت لجنة برئاسة فضيلة الدكتور محمد لقمان السلفي (مؤسس ورئيس جامعة ابن تيمية ومركز العلامة ابن باز للدراسات الإسلامية بالهند ومدير إدارة الترجمة بمكتب سماحة المفتي العام للمملكة) لمرآعة الترجمة والتفسير اللذين أعدهما الدكتور محمد لقمان السلفي باللغة الأردية . وقامت اللجنة بمراجعتهما ، آخذة في الاعتبار التأكد من صحة اللغة وسلامة المسائل العقديّة وصحة الأحاديث التي أوردها فضيلته في تفسيره وبيان المراجع التفسيرية التي استفاد منها ، فوجدت الترجمة والتفسير المنوه عنهما حسب التالي :
١. راجعت اللجنة الترجمة بالمقارنة مع الترجمات الأردية الموجودة من قبل ، فوجدتها أدق وأقرب إلى المعنى الصحيح للنص القرآني .
 ٢. لغة الترجمة والتفسير راقية وسليمة وسهلة لكون المفسر قوياً في اللغتين العربية والأردية ، وذا خبرة طويلة في مجال الترجمة في عدة لغات .
 ٣. عُنِيَ فضيلته عناية خاصة ببيان العقيدة الصحيحة والرّد على البدع والشركيات المنتشرة في المجتمعات الإسلامية ، مستدلاً بالآيات القرآنية والأحاديث النبوية الصحيحة .
 ٤. اهتم بصفة خاصة بذكر الفوائد التفسيرية والأحكام الفقهية ، مع بيان الربط بين الآيات قدر الإمكان .
 ٥. الأحاديث التي ذكرها في التفسير عزاها إلى مصادرها ، وتحاشى عن إيراد أحاديث ضعيفة أو موضوعة .
 ٦. استفاد في إعداد تفسيره من كتب التفسير المعروفة مثل فتح القدير للشوكاني وتفسير القرآن العظيم لابن كثير ، وتفسير الضوء المنير لابن القيم وفتح البيان للعلامة صديق حسن ، وتفسير أبي السعود ، وتفسير تيسير الكريم الرحمن للسعدي ، ومحاسن التنزيل لجمال الدين القاسمي وتفسير القرطبي ، وتفسير الطبري ، وأيسر التفسير للجزائري ، وتفسير أحكام القرآن لألكيا الهراس . وعزا كلامه غالباً إلى المرجع الذي استفاد منه . وهذا يمزّز مكانة تفسيره العلمي .
 ٧. بذلت اللجنة جهداً مستطاعاً في تصحيح البروفات . فقد قرأ خمسة أشخاص الترجمة والتفسير ، واحد تلو الآخر . وهذا بعد التصحيح الأول للترجمة والتفسير بواسطة صاحب الترجمة والتفسير .
 ٨. النص القرآني الذي وضع في رأس الصفحة مصوّر من المصحف المطبوع في مطبعة شركة التاج الباكستانية المعروفة بالعناية بالصحة والدقة في طباعة القرآن الكريم .
 ٩. وبناءً على ما ذكر أعلاه ، ترى اللجنة : أن هذه الترجمة هي أدق وأصح ترجمة ، وأن هذا التفسير هو أقرب التفسيرات الموجودة باللغة الأردية إلى منهج السلف الصالح في التفسير ، وأنهما أجدر بالنشر والتوزيع بين الناطقين بهذه اللغة التي تحتل مكانة بارزة بين اللغات .
- وبالله التوفيق . وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

أعضاء اللجنة

- رضوان الله الرياضي (خريج جامعة رياض العلوم ، دليي) محمد ماهتاب التيمي (خريج جامعة ابن تيمية . بيهار) فياض أحمد التيمي (خريج جامعة ابن تيمية . بيهار)
- محمد محسن الصديقي (دبلوم عالي ، اللغة العربية ، جامعة الملك سعود) عبد المنان عبد اللطيف المدني (خريج كلية الحديث ، الجامعة الإسلامية بالمدينة)

د . محمد لقمان السلفي

(باحث فتاوى ومدير إدارة الترجمة بمكتب سماحة المفتي العام للمملكة)

ص ب ٣٤٢٤٨ الرياض ١١٤٦٨ ت : ٤٥٧٦٠٨٧ / ٤٠٧١٥٧٢ فاكس : ٤٥٩١٥٤٢ الجوال : ٠٥٥٤١٥٧٢٢
P.O.BOX:34248 RIYADH11468 TEL:4576087/4021572 TELEFAX:4591542 MOBILE:055415722

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



مرکز العلامة ابن باز
للدراسات الإسلامية

تحت رعاية: جامعة ابن تيمية
مدينة السلام: ٨٤٥٣١٢ - بهار - الهند

دار الداعي
للنشر والتوزيع
الرياض . منفوحة . شارع اللريان
رقم الترخيص : ١٧٢٣٨

ھ ١٤٣١ / ٦ / ١٥

قرار داد کمیٹی

برائے تصحیح و مراجعہ ترجمہ و تفسیر ”تیسیر الرحمن لیبیان القرآن“

تمام تفریضیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، اور درود و سلام ہونی کریم ﷺ پر، آپ کی آل، اور تمام صحابہ کرام پر۔ اما بعد:

جناب ڈاکٹر محمد لقمان النشقی (بانی درپیس جامعہ ابن تیمیہ و مرکز علامہ ابن باز للدراسات الإسلامیہ ہند، ومدیر ادارہ ترجمہ و باحث فتاویٰ کتب مفتی عام مملکت سعودی عرب) کے زیر نگرانی آپ کی تصنیف کردہ تفسیر تیسیر الرحمن لیبیان القرآن کی تصحیح و مراجعہ کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نے دوران مراجعہ اس بات کا پورا خیال رکھا کہ ہر دور ترجمہ و تفسیر کی اردو زبان معیاری ہو، تیسیر میں بیان کردہ مسائل عقیدہ قرآن و سنت کے مطابق ہوں، اس میں ذکر کردہ احادیث نبویہ صحیح ہوں، نیز تفسیری حوالوں کے ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو۔ چنانچہ کمیٹی نے پورے ترجمہ اور پوری تفسیر کا بخیر نظر مطالعہ کیا، اور باتفاق آراء مندرجہ ذیل رپورٹ تیار کی:

www.KitaboSunnat.com

۱- اردو میں موجود سابق ترجموں کے ساتھ مقارنہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ یہ ترجمہ زیادہ دقیق اور فصیح قرآنی سے قریب تر ہے۔

۲- ترجمہ و تفسیر کی زبان معیاری اور آسان ہے۔

۳- صحیح اسلامی عقیدہ کی وضاحت اور بدعات و خرافات اور شریکیات کی تردید کا قرآنی آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں خصوصی اہتمام کیا ہے۔

۴- تفسیری فتاویٰ، فقہی احکام اور آجوں کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرنے پر خصوصی توجہ دی ہے۔

۵- تفسیر میں مذکور تمام احادیث نبویہ کے حوالے بیان کر دیے ہیں، اور ضعیف و مضعف احادیث اور کن گھڑت روایات سے پورے طور پر اجتناب کیا ہے۔

۶- مصنف نے اپنی تفسیر میں مندرجہ ذیل کتب تفسیر سے خصوصی طور پر استفادہ کیا ہے:

تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، ہر ای کی تفسیر ”احکام القرآن“، ابن القیم کی تفسیر ”العواء المعسر“، ابن کثیر کی تفسیر ”القرآن العظیم“، تفسیر ابی السعود، شوکانی کی ”فتح القدر“، صدیق حسن کی ”فتح الہدیان“، جمال الدین القاسمی کی ”محاسن التعلیل“، عبد الرحمن السعدی کی ”تیسیر الکریم الرحمن“ اور جزائری کی ”الیر الشافیر“۔ مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مفسر نے جاہل جاہل کتب تفسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۷- کمیٹی نے عبادت کی غلطیوں کی اصلاح پر خصوصی دھیان دیا ہے۔ مفسر موصوف کی پہلی تصحیح کے بعد پانچ اشخاص نے کیے بعد دیگرے پورے ترجمہ و تفسیر کو پڑھا ہے۔

۸- قرآن کریم کا نسخ جو ہر صفحہ کے بالائی حصے پر لکھا گیا ہے۔ وہ پاکستان کی معروف و مشہور ”ساجد کیمپنی“ کا مطبوعہ قرآن ہے، جو صحت کے اعتبار سے پوری دنیا میں لائق اعتماد ہے۔

۹- ہر ای کی کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ یہ ترجمہ قرآن کریم کا صحیح ترین ترجمہ ہے، اور یہ تفسیر اردو زبان میں (جو دنیا میں وسیع پیمانے پر بولی جانے والی زبان ہے) سلف صالحین کے مسلک و منہج سے قریب تر تفسیر ہے، اور اس لائق ہے کہ اسے اردو بولنے والوں کے درمیان بڑے پیمانے پر پھیلایا جائے۔

محمد بن عبد اللہ

محمد حسن الصدیقی

رضوان اللہ ریاضی

فاض احمد انصاری

محمد ماجد انصاری

ممبران کمیٹی

(دیپوم عالی، اللہ العزیز، جامعہ الملک سعود) (خرنچ جامعہ ریاض العلوم، دہلی) (خرنچ جامعہ ابن تیمیہ، بہار) (خرنچ جامعہ ابن تیمیہ، بہار)

ڈاکٹر محمد لقمان النشقی

عبد السنان عبد اللطیف الدینی

(خرنچ کویٹہ الحدیث، الجامعہ للإسلامیہ بالمدینہ) (بحث فتاویٰ و مدبر ادارہ ترجمہ کتب سادات مفتی العام للملک)

انطباعات بعض العلماء و الباطنین عن هذا التفسیر

① إن تفسیر الدكتور محمد لقمان السلفی ، تفسیر واضح وسهل . استطاع المؤلف أن یبیین الدقائق العلمية في أسلوب علمي رصين غير معقد . ② إنه تفسیر سلفی ، التزم فيه المؤلف بتفسیر القرآن الكريم بالآیات القرآنية والأحادیث النبوية وأثار الصحابة . ③ عني عناية خاصة بذكر المسائل الفقهية التي تستنبط من الآيات القرآنية مع بیان الأدلة من القرآن الكريم والسنة النبوية الصحيحة . ④ أهم صفة یمتاز بها هذا التفسیر هو العناية الخاصة ببيان العقيدة الصحيحة مع الرد على البدع والشركيات والإنكار على الغلو في مشايخ الطرق الصوفية .

المخلص : مختار أحمد الندوی السلفی

امیر جمعیة اهل الحديث المركزية بالهند (سابقاً)

① انا على یقین ان حراس الكتاب والسنة سوف یجدون في هذا التفسیر ضالتهم المنشودة ويحلل مكانة خاصة في قلوبهم ، إن شاء الله . ② الحقيقة ان مطالعة هذه الترجمة والتفسیر علمتني الطريقة الصحيحة لترجمة معاني القرآن الكريم وفتحت لي أبواباً جديدة للعلوم والمعارف .

محمد خورشید السلفی

خريج كلية الشريعة بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة

ونائب رئيس جامعة الإمام ابن تيمية . مدينة السلام ، بهار ، الهند

○ إنني لم ار تفسیراً جامعاً باللغة الأردية الراقية مثل هذا التفسیر على طريقة السلف الصالح ومنهجهم .

محمد ارشد السلفی

خريج كلية الشريعة بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة

وكيل جامعة الإمام ابن تيمية . مدينة السلام . بهار . الهند

○ أنه تفسیر سهل المأخذ ومفيد ونافع لجميع طبقات أهل العلم . وإن العناية بذكر المراجع في كل مسألة ليرفع مستوى التفسیر العلمي ويرتاح له القلب وتقرُّ به العين . ولا شك ان هذا التفسیر یعيد إلى الأذهان طريقة السلف الصالح في تأليف التفسیر ، ويشهد للمؤلف حفظه الله بالفطنة والذكاء وسرعة الفهم والإدراك وبذل الجهد والمشقة الكبيرة والهمة العالية لإنجاز هذا العمل العلمي .

امان الله الفيضی (غفر له)

استاذ الحديث الشريف بجامعة الإمام ابن تيمية بالهند

اس تفسیر سے متعلق چند علمائے کرام کے تاثرات

- ① ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب نے اپنی اس تفسیر میں سب سے زیادہ اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اس کی عبارت زیادہ سے زیادہ عام فہم اور آسان رہے .
- ② یہ خالص سلفی تفسیر ہے جس میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآنی آیات ، احادیث ، رسول اور آثار صحابہ سے کی جائے .
- ③ قرآن مجید کی بنیادی تعلیم عقائد اور ایمان کو ایسے قطعی دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدمی شرک و بدعات سے پوری طرح آگاہ اور متنفر ہو جاتا ہے . آیات پرستی ، ائمہ پرستی ، پیر پرستی مشائخ کی پرستش کی تردید میں بڑی محنت کی ہے .
- ④ مفسر اور مترجم عصر حاضر کے وہ معروف جامع عالم ہیں ، جن کی نظر کتاب و سنت کے مجموعے پر بڑی گہری ہے ، موصوف علمی اعتبار سے علم حدیث میں دستور ہیں فکری اعتبار سے علامہ العصر شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کے شاگرد اور ان کے علمی ، ایمانی اور زہد و اتقا کے صحیح وارث ہیں .
- ⑤ تفسیر ” تیسیر الرحمن “ کا اضافہ علمی اور دینی اعتبار سے اللہ کا بڑا انعام ہے .

① کتاب و سنت کے پاسان یقیناً اس تفسیر کو متاعِ ہمیشہ سمجھیں گے . اور اسے حرز جان بنائیں گے ان شاء اللہ .

② حقیقت یہ ہے کہ اس تفسیر کے مطالعہ سے میں نے آیات قرآنیہ کے ترجمہ کا سلیقہ سیکھا اور علوم و معارف کے بہت سارے گوشے وا ہوئے .

محمد خورشید سلفی

○ سلفی کتب فکر کی اتنی جامع اور سلیس تفسیر اردو زبان میں میری نظر سے نہیں گذری ، اللہ تعالیٰ جلد اس عظیم سرمایہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشے .

محمد ارشد سلفی

① تفسیر کا یہ مجموعہ سہل المأخذ مفید اور اہل علم کے ہر طبقہ کے لئے نفع بخش ہے خاص کر ہر مسئلے میں جن حوالیات سے اس کتاب کی تزیین کی گئی ہے اس سے دلی کسکون اور آنکھوں کو جمال ملتا ہے .

② بلاشبہ ذکر کردہ تالیف سلف صالحین کے طرز تحریر کی یاد زندہ کرتی ہے . اور مولف حفظہ اللہ کی جدوجہد ، محنت و مشقت ، فہم و ادراک ، ذہانت و ذکاوت اور اس کے علاوہ دیگر خوبیوں بہت و شجاعت کا پورے طور پر ادراک کرتی ہے .

امان اللہ فیضی غفرلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

www.KitaboSunnat.com

چند باتیں

(اس ترجمہ و تفسیر سے متعلق)

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده :

آج سے تقریباً پینتیس سال قبل جب میں مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد دارالافتاء ریاض سعودی عرب کے شعبہ دعوت و ارشاد میں ملازم ہوا، تو تعلیمی زندگی سے نکل کر ایک بہ یک اجتماعی اور دعوتی زندگی میں آ گیا۔ اُس زمانہ میں سعودی عرب کے بڑے شہروں میں ہندوپاک کے بہت سے تعلیم یافتہ حضرات حکومت سعودیہ کے مختلف اداروں میں کام کرتے تھے۔ ان میں سے بہترے اپنے ملک سے ہی دین سے گہرا ربط رکھتے تھے، اور بہتوں کو جب یہاں آ کر حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی، اور انہوں نے سعودی عرب کے صاف ستھرے دینی ماحول کو دیکھا تو ان میں دینی جذبہ اور قرآن و سنت کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔

دارالافتاء کے شعبہ دعوت و ارشاد میں بھی دن بہ دن توسیع ہوتی گئی، اور ملک و بیرون ملک کے مسلمانوں کا اس سے ربط و تعلق بڑھتا گیا، چنانچہ بہت سے اردو خواں حضرات اپنے دینی سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لئے اس ادارہ سے اتصال پیدا کرنے لگے۔ ان سوالوں میں سے ایک اہم سوال یہ ہوتا تھا کہ اُن کی رہنمائی قرآن کریم کے صحیح ترجمہ و تفسیر کی طرف کی جائے، اور چونکہ شعبہ ترجمہ کا میں ہی ذمہ دار تھا، اس لئے اکثر و بیشتر اس سوال کا جواب مجھے ہی دینا پڑتا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

اُس وقت تک مجھے اُردو زبان میں موجود ترجمہ و تفسیر سے متعلق جتنی معلومات تھی، اور جن متداول ترجموں اور تفسیروں کا مجھے علم تھا، انہیں مد نظر رکھتے ہوئے میرے لئے اس سوال کا جواب دینا بڑا ہی مشکل کام تھا، کیونکہ ان میں سے بہت سی تفسیروں میں قرآن کریم کے بنیادی پیغام ”عقیدہ توحید“ کے ایضاح و تبیین کا اہتمام مفقود تھا، بلکہ بعض تفسیروں کے ذریعہ تو بدعت و ضلالت کی ترویج کی گئی تھی، اور کچھ میں قرآن و سنت کے منہج سے الگ ہٹ کر انفرادی یا گروہی افکار و آراء اور نظریات کو پھیلانے کے لئے قرآن کریم کی آیتوں کی غلط تاویلیں کی گئی تھیں۔ کچھ ایسی تفسیروں کا بھی مجھے اس وقت تک علم ہو چکا تھا جن میں ان کے مرتبین و مؤلفین نے الفاظ کا جادو جگایا تھا اور اپنی اردو زبان دانی کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی تھی۔ جو مترجمین و حاشیہ نگار قرآن و سنت کو ماننے اور جاننے والے شمار ہوتے تھے، ان کے ترجمے اور حواشی پڑھ کر بھی چنداں اطمینان نہیں ہوتا تھا، کیونکہ وہ ترجمے حرنی اور وہ حواشی غیر مربوط اور ناقص معلوم ہوتے تھے۔ انہیں پڑھ کر قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کی تشنگی

نہیں جاتی تھی، بلکہ وہ بہت سے مقامات پر الجھنوں کا شکار ہو جاتے تھے۔

ان تمام ترجموں اور حواشی کو مد نظر رکھتے ہوئے، اُس زمانہ میں اردو خواں حضرات کے سوال کا تفسی بخش جواب دینا اور ان کی کسی مناسب تفسیر کی طرف رہنمائی کرنی یقیناً بڑا ہی مشکل کام تھا۔ اُسی زمانہ میں میرے دل میں یہ بات آئی کہ ایک ایسے ترجمہ اور تفسیر کی اشد ضرورت ہے جو قرآن کریم کی عربی زبان میں موجود تفسیروں کی مدد سے مرتب کی جائے جس میں اس بات کا التزام کیا گیا ہو کہ قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم، صحیح احادیث، صحیح اقوال صحابہ اور صحابہ سے مروی تفسیروں کے ذریعہ کی جائے۔ چونکہ میں اپنے آپ کو اُس زمانہ میں، اس کا کسی درجہ میں بھی اہل نہیں پاتا تھا، اس لئے جو علمائے کرام اور باحشمن عظام ہندوپاک سے سعودی عرب تشریف لاتے تھے، ان کے سامنے امت اسلامیہ ہندوپاک کی اس ضرورت کو رکھتا تھا، اور ان سے درخواست کرتا تھا کہ یہ کام از حد ضروری ہے، تاکہ لاکھوں کی تعداد میں اُردو بولنے والوں کی یہ مانگ پوری ہو۔ بعض حضرات نے اس ضرورت کا احساس کیا، اور بعض جامعات نے اپنے چند اساتذہ کرام کو اس کام پر لگایا، لیکن جس کام کی ابتدا ذاتی رغبت و خواہش سے نہ ہو وہ بالعموم پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، چنانچہ وہ کام اختتام پذیر نہ ہو سکا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں مذکورہ بالا ضرورت کا احساس عام ہو گیا تھا، اسی لئے اب سے تیس چالیس سال کے عرصہ میں چند بہت ہی مفید تفسیری حواشی منصفہ شہود پر ظاہر ہوئے، جیسے مولانا محمد عبدہ الفلاح کا ”اشرف الحواشی“، مولانا سید احمد حسن کی ”احسن التفاسیر“، مولانا نارغب رحمانی کی ”الفضل الکبیر فی اختصار تفسیر ابن کثیر“، مولانا عبد القہار دہلوی کا ”حواشی وحل لغات“، مولانا داؤد راز کا ”فوائد حواشی“، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ”تفسیر ثنائی“ اور حافظ صلاح الدین یوسف کی ”احسن البیان“ جو ان دنوں ”مجمع الملک فہد لطباعت القرآن الکریم“ سے لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر تقسیم کی جا رہی ہے۔

اس عرصہ میں مجھ پر رب العالمین کا ایک خاص احسان یہ ہوا کہ قرآن کریم سننے کا شوق بے پایاں مجھ میں پیدا کر دیا۔ تقریباً پچیس سال سے میری گاڑی کارٹیو ”إذاعة القرآن الکریم“ پر فکس رہتا ہے، جب گاڑی اشارت کرتا ہوں تو قرآن کریم کی آواز کان سے نکلنے لگتی ہے، سونے سے پہلے بھی ”إذاعة القرآن الکریم“ کھول دیتا ہوں، نیند آجاتی ہے اور قرآن کی آواز آتی رہتی ہے، علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کا سننا میری عادت بن گئی ہے، اور اس کا معجزانہ اثر میرے دل و دماغ کو متاثر کرتا رہتا ہے، کبھی کبھار اس کا رعب و جلال مجھ پر ایسا طاری ہو جاتا ہے کہ میں از خود رفتہ ہو جاتا ہوں، آنکھوں سے بے تحاشا آنسو جاری ہو جاتا ہے، اور قلب و روح کی انتہائی گہرائیوں تک اس کی تاثیر پھیل جاتی ہے۔

انہی کیفیات سے میری زندگی گذر رہی تھی کہ آج سے تقریباً چھ سال قبل ایک ہاتف نبی نے مجھے آواز دی

اور میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ میں بھی اپنے رب کائنات کی رضا اور اس کی جنت کو پانے کے لئے قرآن کریم کا ایک ترجمہ اور تفسیر اردو زبان میں تیار کروں۔ میں نے تفسیر قرآن کریم سے متعلق مختلف کتابوں، مقدموں، مقالات اور تفسیری مناہج کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ کئی ماہ کی جہد مسلسل کے بعد مجھ میں یہ جرأت پیدا ہوئی کہ اس عظیم کام کی ابتدا کروں۔

میں نے اس کام کے لئے وہی منہج اور طریقہ کار اختیار کیا جو صحابہ کرام کے زمانہ سے کتب تفسیر کی تالیف کے لئے سلف صالحین کا رہا ہے، یعنی قرآن کی تفسیر قرآن، صحیح احادیث، صحیح اقوال صحابہ اور ان سے مروی تفسیروں کے ذریعہ کروں، آیات کا شان نزول بیان کروں جو صحیح احادیث سے ثابت ہو، آیتوں کے درمیان ربط تلاش کروں جس سے ما قبل اور مابعد کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

جن مضامین کے ایضاح و تبیین کا میں نے خصوصی اہتمام کیا ہے (جو سلف صالحین کی تفسیروں کا طرہ امتیاز رہا ہے) وہ قرآن کریم کا بنیادی موضوع عقیدہ توحید باری تعالیٰ ہے، اس ضمن میں شرکیہ اعمال، بت پرستی، قبر پرستی، مشائخ پرستی، نام نہاد تصوف کے انحرافات اور بدعات و ضلالت کی تردید بھی ہوتی گئی ہے۔ عقیدہ رسالت، ختم نبوت اور باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کی توحید کو بھی میں نے خصوصی طور سے بیان کیا ہے۔ ساڑھے چار سو سے زائد آیات میں قرآن کریم نے انسانی زندگی سے متعلق نیکو احکام بیان کئے ہیں۔ ان تمام فقہی مسائل کو میں نے آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

چونکہ مجھے اپنے مذکورہ بالا منہج اور طریقہ کار کا پابند رہنا تھا، اسی لئے میں نے بنیادی مراجع اور مصادر کے انتخاب میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ چنانچہ جو تفسیریں میری میز پر ہر وقت کھلی رہیں، اور جن سے میں نے بلا واسطہ استفادہ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

حافظ ابن کثیر کی ”تفسیر القرآن العظیم“، امام قرطبی کی ”الجامع لأحكام القرآن“، امام شوکانی کی ”فتح القدير“، حافظ ابن القیم کی ”الضوء المنیر“، نواب صدیق حسن کی ”فتح البیان“، علامہ جمال الدین قاسمی کی ”محاسن التزیل“، علامہ عبدالرحمن السعدی کی ”تیسیر لکریم الرحمن“ اور شیخ ابوبکر جزائری کی ”ایسر التفاسیر“۔ ان کتابوں کے علاوہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد صاحب قلم سیال حافظ ابن القیم کی متعدد مؤلفات سے بھی استفادہ کیا ہے، اکثر و بیشتر جگہ میں نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے، اور کہیں کہیں ان کے نام لئے بغیر ان سے مستفاد افکار کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

ترجمہ کی تیاری میں میں نے اپنی تیار کردہ تفسیر کو ہر وقت سامنے رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات پر میں نے قدیم بزرگان ہندوپاک کی روش سے ہٹ کر ترجمہ کا اسلوب اختیار کیا ہے، لیکن کسی حال میں بھی جمہور

مفسرین کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے شذوذ کی راہ نہیں اختیار کی ہے۔ اپنی تفسیر کے علاوہ مولانا محمد صاحب جو ناگڈھی کا مشہور و معروف ترجمہ، شیخ الإسلام ثناء اللہ امرتسری کا ترجمہ اور محدث عبدالقادر بن ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ بھی میرے سامنے رہا، ان ترجموں کے علاوہ سعدی شیرازی اور ولی اللہ دہلوی کے دو فارسی ترجموں سے بھی میں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ مذکورہ بالا ترجموں سے میرے استفادہ کی نوعیت صرف مناسب ترین اردو الفاظ لینے کی حد تک تھی۔

میں نے ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا ہے کہ ہر آیت کا ترجمہ الگ ہو، لیکن ترجمہ بہر حال با محاورہ اور تشریحی ہو، تاکہ اگر کوئی شخص صرف ترجمہ ہی پڑھنا چاہے تو وہ تسلسل کے ساتھ قرآن کریم کے بنیادی مقاصد و مضامین کو سمجھتا جائے۔

میں نے اپنا یہ ترجمہ اور یہ تفسیر حضرت مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ کو پیش کیا، انہوں نے نئی دن تک اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی بے انتہا خوشی کا اظہار کیا، اور اپنے تاثرات لکھ کر دیئے جس میں انہوں نے میری کوشش کو بہت زیادہ سراہا ہے۔ ان کے علاوہ میں نے اپنا یہ ترجمہ و تفسیر جامعۃ الإمام ابن تیمیہ ہند کے تین چوٹی کے اساتذہ کرام (جن میں سے دو یعنی فضیلۃ الشیخ محمد خورشید سلفی اور فضیلۃ الشیخ محمد ارشد سلفی مدینہ یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور تیسرے یعنی فضیلۃ الشیخ محمد امان اللہ فیضی نے کم از کم پچاس سال سے علوم قرآن و سنت کے سمندر میں غوطہ زنی کی ہے) کو پڑھنے کے لئے دیا، اور انہیں بے لاگ تبصرہ کی اجازت دی، الحمد للہ کہ تینوں حضرات کے نزدیک ان کی پذیرائی ہوئی اور امت مسلمہ ہند و پاک کے لئے انہیں بیش بہا تحفہ قرار دیا۔

میں نے اپنی یہ تفسیر اپنے گھر میں ام عبداللہ کو چھپنے سے پہلے تصویر کر کے دیا تاکہ اس سے استفادہ کرے، اور ہر دو ترجمہ و تفسیر کے بارے میں اپنی رائے دے۔ سیدھے سادے الفاظ میں اس نے کچھ دنوں کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کیا کہ ”مجھے ایسا لگتا ہے کہ اب میں قرآن کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ پہلے کے ترجموں اور حواشی سے میں قرآن کریم کے مفہیم و معانی کو تسلسل کے ساتھ نہیں سمجھ پاتی تھی“۔ ایسا کر کے میں نے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی سنت پر عمل کیا تھا، انہوں نے بھی اپنا ترجمہ اپنی بیگم (زلیخا) کو دیا تھا تاکہ اُسے پڑھ کر وہ بتائیں کہ انہیں وہ ترجمہ سمجھنے میں کوئی دقت تو نہیں پیش آتی ہے۔ چنانچہ ان کا جواب جناب امام الہند کے لئے بہت ہی ہمت افزا تھا۔ رحمہما اللہ رحمۃ الأبرار۔

مذکورہ بالا تینوں علمائے کرام کی رائے کے باوجود میں نے اس ترجمہ و تفسیر پر نظر ثانی اور تصحیح کے لئے پانچ طلبۃ العلم کی ایک کمیٹی بنائی جن میں سے شیخ عبدالمنان مدنی مدینہ یونیورسٹی کے کلیدیہ ایڈ کے ممتاز فارغ التحصیل ہیں، محمد صمدیقی نے شاہ سعود یونیورسٹی ریاض سے عربی زبان میں دبلوم عالی کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے،

فیاض احمد تیمی اور ماہتاب عالم تیمی جامعۃ الإمام ابن تیمیہ ہند کے اور رضوان اللہ ریاضی جامعہ ریاض العلوم دہلی کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان نوجوان علماء نے ترجمہ و تفسیر کی تنقیح و تصحیح میں (میری اجازت سے) اتنی شدت اور دقت نظر سے کام لیا کہ میں کبھی کبھی تلملا اٹھا۔ بہر حال اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میری اور ان نوجوان علماء کی سمجھ اور علم کے مطابق ترجمہ و تفسیر کی زبان نکھر گئی اور بظاہر کوئی بڑی غلطی باقی نہ رہی، لیکن چونکہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، اس لئے اس کے ہر کام میں غلطی اور نسیان کا امکان باقی رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک میری خطاؤں کو معاف کر دے، اور آئندہ ان کی نشاندہی کے بعد ان کے ازالہ کی توفیق دے۔

اس ترجمہ و تفسیر کی طباعت، تنظیم و تنسیق اور تکمیل و تزئین میں عزیزم فیاض احمد تیمی نے شب و روز جو انتھک محنت کی ہے، اور مہینوں کیپوٹریز جیسی دماغ سوزی کرتے رہے ہیں، اس کے لئے میں ان کا خصوصی طور سے شکر گزار ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ رب العالمین ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور دونوں جہان کی نعمتوں سے انہیں مالا مال فرمائے۔

عزیزم رضوان اللہ ریاضی بھی خلوص دل سے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی پیسٹنگ بہت ہی دلجمعی اور محنت سے کی ہے جس کے نتیجے میں نص قرآنی کا حصہ بہت ہی خوبصورت تیار ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اس کدو کاوش کا اچھا سا اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

میں نے اس ترجمہ و تفسیر کی تیاری میں اپنی عمر کے پانچ سال بائیں طور لگائے ہیں کہ اس پوری مدت میں میں نے روزانہ تقریباً سولہ گھنٹے کام کیا ہے، سفر و حضر میں اس کے مسودات اپنے ساتھ لئے پھرا، اور جب بھی اور جہاں بھی موقع ملا، ان کی تصحیح و تدقیق میں لگ گیا، اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ میں نے اس ترجمہ و تفسیر کی تیاری پر پانچ سال نہیں بلکہ پندرہ سال لگائے ہیں، اور پھر بے ساختہ میری زبان پر فارسی کا یہ شعر آجاتا ہے۔

حاصل عمر شمارے سر یارے کردم ☆ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

(میں نے اپنی عمر کا حاصل اپنے یار کے سر شمار کر دیا ہے، میں اپنی زندگی سے خوش ہوں کہ ایک مہتمم بالشان کام انجام دیا ہے)

رب العالمین کی بارگاہ میں بہ ہزار خشوع و خضوع دست بدعا ہوں کہ وہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے،

اسے قبول عطا فرمائے، اور اسے میری، میرے والدین، ان کے والدین، ام عبد اللہ اور میری اولاد کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ نیز مذکورہ بالا علمائے کرام کی کوششوں کو بھی قبول فرمائے، اور ہم تمام کو اپنی رحمت کے زیر سایہ جگہ دے۔ آمین۔

محمد لقمان السلفی

ریاض

۲۳ شعبان ۱۴۲۱ھ

۱۹ نومبر ۲۰۰۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة الفاتحة

① یہ سورت کئی ہے یا مدنی؟

کئی ان سورتوں کو کہتے ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئیں، اور مدنی ان کو جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک سورة الفاتحة ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سورة الفاتحة دو بار نازل ہوئی۔ پہلی بار مکہ مکرمہ میں اور دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔ لیکن راجح یہی ہے کہ یہ صرف ایک بار ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

② اس کے کئی نام ہیں:

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس سورت کے کئی نام آئے ہیں۔ امام قرطبی نے اس کے بارہ نام بتائے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- (الصَّلَاةُ): جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: "قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِ نَصْفَيْنِ" الحدیث۔ یعنی میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اس حدیث میں صلاۃ سے مراد سورة فاتحة ہے۔ اس سورت کا ابتدائی نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی ربوبیت، الوہیت اور ملوکیت کا اعتراف ہے، اور دوسرا نصف حصہ اللہ سے دعا و مناجات ہے۔

۲- (الْحَمْدُ): اس لئے کہ اس سورت میں (حمد) کا ذکر ہے۔

۳- (فَاتِحَةُ الْكِتَابِ): اس لئے کہ قرآن کریم کی تلاوت، مصحف کی کتابت اور نماز کی ابتدا اسی سورت سے ہوتی ہے۔

۴- (أُمُّ الْكِتَابِ): امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر کے شروع میں لکھا ہے کہ اس کا نام (أُمُّ الْكِتَابِ) اس لئے ہے کہ مصحف کی کتابت اور نماز میں قراءت کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ ایک توجیہ اس کی یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سورت میں قرآن کریم کے تمام معانی و مضامین کا ذکر اجمالی طور پر آ گیا ہے۔

۵- (أُمُّ الْقُرْآنِ): امام ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورة الحمد لله "أُمُّ الْقُرْآنِ" ہے "أُمُّ الْكِتَابِ" ہے اور "سبع مثانی" ہے۔

۶- (السَّبْعُ الْمَثَانِي): اس لئے کہ یہ سورت سات آیتوں پر مشتمل ہے، اور نماز کی ہر رکعت میں ان آیتوں کا اعادہ ہوتا ہے۔

۷- (الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ): اس لئے کہ اس میں تمام قرآنی علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔

۸- (الشِّفَاءُ): امام دارمی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ" یعنی سورة فاتحة میں اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے شفا رکھی ہے۔

۹- (المرقبة): یعنی "دم" اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اُس صحابی سے جس نے ایک سردار قبیلہ پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور اُس کے جسم سے سانپ کا زہر اُتر گیا تھا) کہا کہ تجھے کس نے بتایا کہ یہ "دم" ہے؟ تو صحابی نے کہا یا رسول اللہ! میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی۔

۱۰- (الاساس): امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن کی اساس سورہ فاتحہ ہے، جب کبھی بیمار پڑو تو اس سورت کے ذریعہ شفا حاصل کرو۔

۱۱- (الوافیة): سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ یعنی دیگر سورتوں کی طرح اسے نصف نصف دو رکعتوں میں پڑھنا جائز نہیں اس لئے اس کا نام "الوافیة" ہے۔

۱۲- (الکافیة): یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ یہ سورت دوسری سورتوں کے بدلے میں کافی ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسری سورتیں اس کے بدلے میں کافی نہیں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کا نام "الکافیة" ہے۔

۳) اس کی فضیلت:

یہ سورت قرآن کریم کی عظیم ترین سورت ہے۔ اس کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ کی کئی صحیح حدیثیں آئی ہیں۔

یہاں کچھ حدیثوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

۱- ترمذی اور نسائی نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تورات وانجیل میں "اُمّ القرآن" یعنی سورہ فاتحہ جیسی سورت نہیں اُتاری۔ اسی کو "سبع مثنوی" بھی کہتے ہیں۔

۲- مسند احمد میں ہے کہ ابو سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کریم کی عظیم ترین سورت سکھاؤں گا۔ پھر آپ نے اُنہیں سورہ فاتحہ کی تعلیم دی۔ اس حدیث کو امام بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔

۳- امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ ابو سعید مولیٰ عامر بن کرین نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو کہا، میں تجھے مسجد سے نکلنے سے قبل ایک ایسی سورت بتاؤں گا جیسی تورات وانجیل میں نہیں اُتاری گئی، اور نہ ہی قرآن میں ویسی کوئی دوسری سورت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ جب نماز کی ابتدا کرتے ہو تو کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے الحمد للہ رب العالمین پڑھی، آپ نے فرمایا: یہی وہ سورت ہے۔

۴- امام احمد نے عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی سب سے بہترین سورت سورہ فاتحہ ہے۔

۵- اس سورہ کریمہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اسے پڑھ کر پھونکنے سے سانپ کے کانے کا زہر اللہ کے حکم سے اُتر جاتا ہے۔

امام بخاری نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک بار سفر میں تھے۔ ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، تو ایک لڑکی آئی اور بتایا کہ قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور ہمارے لوگ باہر گئے ہوئے ہیں، کیا آپ لوگوں میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ تو ہم میں سے ایک آدمی اُٹھ کر گیا، جس کے بارے میں ہم لوگ نہیں جانتے تھے کہ

دم کرنا جانتا ہے۔ اُس نے دم کیا تو سانپ کا زہر اتر گیا۔ اس نے اسے تیس بکریاں دیں۔ اور ہم سب کو دودھ بھی پلایا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم ”دم“ کرنا جانتے تھے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے تو صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ بکریوں کے معاملہ کو ایسے ہی رہنے دو، یہاں تک کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں۔ جب ہم مدینہ آئے اور آپ ﷺ سے پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ ”منتر“ ہے۔ تم لوگ ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرتے وقت میرا بھی ایک حصہ رکھنا۔ اس حدیث کو امام مسلم اور امام ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے۔ امام مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ دم کرنے والے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

۶- امام مسلم اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اور جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس موجود تھے کہ اوپر سے ایک آواز سنائی دی، جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا کہ آسمان کا یہ دروازہ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ اس سے ایک فرشتہ اتر اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو دو نور دیئے جانے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے: سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ان کا ایک حرف بھی آپ پڑھیں گے تو اس کا بدل آپ کو دیا جائے گا۔

۷- سورہ فاتحہ کی فضیلت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات کو تین بار دہرایا۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ”نماز“ (یعنی سورہ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، اور میں اپنے بندے کو وہ دیتا ہوں جو وہ مانگتا ہے۔ (مسلم، نسائی، مؤطا، مسند احمد)۔

④ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا امام اور مقتدی سب پر واجب ہے:

نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ جن حضرات نے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں سمجھا ہے ان کی مشہور دلیلیں مندرجہ ذیل ہیں:

الف- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ الآية یعنی ”جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی اختیار کرو اور دھیان دے کر سنو“۔ (الاعراف: ۲۰۴) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور نماز میں قرأت فاتحہ کے وجوب سے متعلق حدیثیں خاص اور بہت ہی واضح اور صریح ہیں اور اس آیت کی تخصیص کرتی ہیں۔

ب- ان کی دوسری دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے کہ: ”مالي أناذع القرآن“ یعنی کیا بات ہے کہ نماز میں لوگ میرے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تفعلوا إلا بأتم القرآن فإنه لأصلاة لمن لم يقرأ بها“ یعنی سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھو، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔

ج- ان کی تیسری مشہور دلیل یہ حدیث ہے: ”من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة“ یعنی اگر کوئی شخص

امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت اُس کی قرأت ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں محدثین کا کلام ہے، وجوب قرأت فاتحہ والی صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے یہ قابل قبول نہیں۔ لیکن اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ وجوب قرأت والی حدیثیں اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ یعنی جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوگی۔

اب آئیے، ان احادیث صحیحہ پر ایک نظر ڈالی جائے جن کی بنیاد پر محدثین کرام کی کثیر تعداد نے فاتحہ کی قرأت کو امام اور مقتدی سب کے لئے واجب قرار دیا ہے۔

۱- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اوپر گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی نماز پڑھی، اور اُس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہوگی۔ آپ نے یہ بات تین بار دہرائی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم لوگ تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں نے نماز (سورہ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ الحدیث۔ (مسلم، نسائی، مؤطا، مسند احمد)۔

۲- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ نماز کفایت نہیں کرتی جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ (صحیح ابن خزیمہ)۔

۳- عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا۔ (متفق علیہ)۔

۴- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ اعلان کر دینے کا حکم دیا: "لا صلوة الا بقراءة فاتحة الكتاب فما زاد" یعنی نماز صحیح نہیں ہوتی جب تک سورہ فاتحہ اور قرآن کا کچھ اور حصہ نہ پڑھا جائے۔ (ابوداؤد)۔

یہی قول صحابہ کرام میں عمر بن خطاب، عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، اُبی بن کعب، ابو ایوب انصاری، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عبادہ بن صامت، ابوسعید خدری، عثمان بن ابی العاص، خوات بن جہیر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کا ہے۔ اور ائمہ کرام میں شافعی، احمد، مالک، اوزاعی وغیرہم کی یہی رائے ہے۔ یہ سبھی حضرات نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دیتے ہیں۔

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم:

اس کا معنی یہ ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں" اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کو مردود شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ * وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ *﴾ (الاعراف: ۱۹۹/۲۰۰)۔ اور فرمایا: ﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ * وَأَعُوذُ بِكَ رَبُّ أَنْ يَحْضُرُونِ *﴾ (المؤمنون: ۹۸/۹۷)۔ اور فرمایا: ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ

حَمِيمٍ * وَمَا يَلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يَلْقَاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ * وَإِنَّمَا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ * ﴿۳۶﴾ (نصحت: ۳۶/۳۳)۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو شیطان سے پناہ مانگنے کی نصیحت کی ہے، کیونکہ جنوں کا شیطان، انسان کا ایسا دشمن ہے جو کسی بھی بھلائی اور احسان کو نہیں مانتا، اور ہر وقت اُس کے خلاف سازش میں لگا رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ مسلمان کی زندگی میں اللہ کے ذریعہ شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگنے کی بڑی اہمیت ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر کہتے: "سبحانک اللہم ربنا وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک" پھر تین بار "لا إله غیرک" کہتے، پھر کہتے: "أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه" (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے: "اللهم إني أعوذ بك من الشيطان الرجيم من نفخه ونفثه" (ابن ماجہ)۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آپس میں گالی گلوچ کیا، اُن میں کا ایک آدمی اتنا زیادہ غصہ ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا اس کی ناک غصہ سے پھٹ جائے گی، آپ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جسے اگر وہ کہے تو اُس کا غصہ ختم ہو جائے۔ معاذ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون سا کلمہ ہے؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا، یوں کہے: "اللهم إني أعوذ بك من الشيطان الرجيم" الحدیث۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔ اسی حدیث کو حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم:

عام حالات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا خاص طور پر حکم دیا ہے کہ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا چاہیں تو پہلے اللہ کے ذریعہ شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگ لیں۔ سورۃ النحل میں ہے: ﴿فَلِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ *﴾ "جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ مانگ لو"۔ اسی آیت کے پیش نظر جمہور علماء کا قول ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر حالات میں قرأت قرآن کی ابتدا سے پہلے "اعوذ باللہ" پڑھنا مستحب ہے۔ حالت نماز کے بارے میں راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ کے قبل اعوذ باللہ سری یا جہری طور پر پڑھ لیا جائے، کیونکہ یہ آیت قرأت قرآن کی تمام حالتوں کو شامل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :

یہ کس سورت کی آیت ہے؟

صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو مصحف تیار کیا اور جس کی تمام صحابہ کرام نے تائید و توثیق کی، اُس مصحف میں سورۃ براءت کے علاوہ تمام سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ لکھی گئی۔ اُس مصحف میں کوئی بھی ایسی چیز نہ

لکھی گئی جو قرآن کریم کا حصہ نہ تھی۔ نہ سورتوں کے نام لکھے گئے، نہ ہی آیتوں کی تعداد اور نہ کلمہ آمین۔ تاکہ کوئی شخص - اللہ نہ کرے - غیر قرآن کو قرآن نہ سمجھ لے، اس تمام تر احتیاط کے باوجود ”بسم اللہ“ صرف ایک سورت کے علاوہ تمام سورتوں کی ابتدا میں لکھی گئی، جن کی تعداد ایک سو تیرہ ہے۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ”بسم اللہ“ سورہ نمل کی ایک آیت کا بعض حصہ ہونے کے علاوہ ایک مستقل آیت ہے، جو رسول اللہ ﷺ پر ہر سورت کی ابتدا سے پہلے اُترا کرتی تھی۔ اور اسی کے ذریعہ آپ ﷺ جان پاتے تھے کہ ایک سورت ختم ہوگئی، اب دوسری سورت کی ابتدا ہونے والی ہے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ ایک سورت کی انتہا اور دوسری سورت کی ابتدا اُس وقت تک نہیں جانتے تھے جب تک ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نئے سرے سے نازل نہیں ہوتی تھی“۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ ”بسم اللہ“ قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ اس کے بعد علمائے کرام کا اختلاف رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سورہ براءت کے علاوہ یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے، تو گو یا سورہ فاتحہ کی بھی ایک آیت ہے۔ امام مالک، ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ نہ تو سورہ فاتحہ کی آیت ہے نہ ہی کسی دوسری سورت کی۔ داؤد ظاہری کا خیال ہے کہ ہر سورت کی ابتدا میں یہ ایک مستقل آیت ہے، لیکن کسی سورت کا حصہ نہیں ہے۔

بسم اللہ باواز بلند پڑھی جائے یا آہستہ؟

اس اختلاف کی وجہ سے جبری نمازوں میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو باواز بلند پڑھنے کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہو گیا ہے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت نہیں۔ اور وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک مستقل آیت ہے، کسی سورت کی آیت نہیں، وہ کہتے ہیں کہ جبری نمازوں میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی۔ اور جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ سورہ براءت کے علاوہ ہر سورت کی آیت ہے۔ اُن میں امام شافعی اسے جبری نمازوں میں سورہ فاتحہ اور ہر سورت کے پہلے باواز بلند پڑھنے کے قائل ہیں۔ ان لوگوں نے ابو ہریرہ، ابن عباس، اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ فاتحہ سے پہلے ”بسم اللہ“ باواز بلند پڑھی۔ (دیکھئے ابن کثیر در فتح القدر)۔

لیکن خلفائے اربعہ، احمد بن حنبل اور سفیان ثوری وغیرہم کی رائے ہے کہ نماز میں بسم اللہ باواز بلند نہیں پڑھی جائے گی۔ ان لوگوں نے امام مسلم کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قرأت، الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ اسی طرح صحیحین کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی، یہ حضرات ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔

چونکہ دونوں ہی قسم کی حدیثیں صحیح ہیں۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بسم اللہ کبھی آہستہ پڑھی اور کبھی باواز بلند، اور جس صحابی نے جیسا دیکھا ویسا بیان کیا۔

بہتر یہی ہے کہ کبھی آہستہ پڑھی جائے اور کبھی باواز بلند، تاکہ دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اور ائمہ کرام کا اجماع بھی ہے کہ چاہے بسم اللہ باواز بلند پڑھی جائے یا آہستہ، نماز کی صحت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

بسم اللہ کی فضیلت:

قرآن کریم کی کئی آیتوں اور کئی صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنا باعث خیر و برکت اور اللہ کی نصرت و حمایت اور تائید و حفاظت کا سبب ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ بسم اللہ کہنے سے شیطان ذلیل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ کبھی کی مانند حقیر بن جاتا ہے۔ اسی لئے کھانے پینے، جانور ذبح کرنے، بیوی سے مباشرت کرنے، وضو کرنے، اور بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے اور تمام دوسرے کاموں کے کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔

بسم اللہ کا معنی:

یعنی ”میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے“۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آدمی جب کوئی کام شروع کرنا چاہے تو اس کی ابتدا کرتے وقت نیت کرے کہ میں اس کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرتا ہوں۔

”اللہ“ رب العالمین کا مخصوص نام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات اسی مخصوص نام کے وصف کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ رب العالمین کے علاوہ دوسروں کے لئے اس نام کا استعمال جائز نہیں۔ ”الرحمن“ اور ”الرحیم“ دونوں اللہ کی صفت ہیں۔ اور رحمت سے ماخوذ ہیں، دونوں میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ ”الرحمن“ میں ”الرحیم“ سے زیادہ مبالغہ ہے۔ اسی لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ ”الرحمن“ رحمت کے تمام اقسام کو عام ہے اور دنیا و آخرت میں تمام مخلوق کو شامل ہے جبکہ ”الرحیم“ مومنین کے لئے خاص ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الأحزاب: ۴۳)۔

بعض علمائے تفسیر ”الرحمن“ کو تو ”احسان عام“ کے لئے مانتے ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت اس کی تمام مخلوقات کے لئے عام ہے، لیکن ”الرحیم“ کو مومنین کے لئے خاص نہیں مانتے۔ انہوں نے ان دونوں صفات کی ایک بڑی اچھی توجیہ بیان کی ہے جو عربی زبان کے مدلول کے بالکل موافق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ ”الرحمن“ سے مراد وہ ذات ہے جس کی نعمتوں کا فیض عام ہے، لیکن یہ نفع عارضی بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عربی میں اس وزن کے اوصاف فعل کے عارضی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ لفظ ”الرحیم“ دائمی اور مستقل صفت رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے جب عربی زبان کا سلیقہ رکھنے والا مسلمان اللہ تعالیٰ کی صفت ”الرحمن“ سنتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ ذات جس کی نعمتوں کا فیض عام ہے۔ لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ ”رحمت“ اس کی دائمی صفت ہے۔ اس کے بعد جب وہ ”الرحیم“ کہے تو اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ”رحمت“ اس کی دائمی اور ایسی صفت ہے جو اس سے کبھی جدا ہونے والی نہیں۔ (محاسن التزیل: ۶/۲)۔

یہاں ایک اور بات ذکر کر دینے کے قابل ہے ”الرحمن“ نام اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ غیر اللہ کے لئے اس نام کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الإسراء: ۱۱۰)۔ جبکہ ”الرحیم“ غیر اللہ کی صفت (اس کی حیثیت و کیفیت کے مطابق) بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ یعنی وہ مومنوں کے ساتھ رافت و رحمت کا سلوک کرنے والے ہیں۔ (التوبہ: ۱۲۸)۔

اللہ کے اسماء و صفات پر ایمان لانا ضروری ہے؟

ائمہ سلف کے نزدیک یہ متفق علیہ قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر اور اُس کی صفات پر مرتب شدہ احکام پر ایمان لانا واجب ہے۔ قرآن کریم میں اور نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث میں اللہ کے جو اسماء و صفات ثابت ہیں اُن پر اسی طرح ایمان لانا ضروری ہے جس طرح ثابت ہیں، نہ اُن کی کیفیت بیان کی جائے گی اور نہ ہی اُن کی تاویل کی جائے گی اور نہ اُنہیں معطل قرار دیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: استواء معلوم ہے، اُس کی کیفیت مجہول ہے، اُس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، اور اُس پر ایمان رکھنا واجب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں اُن پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ مثلاً ”الرحمن“ اور ”الرحیم“ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، تو یہ ایمان رکھنا ہوگا کہ اللہ بڑا ہی رحمت والا اور بہت ہی مہربان ہے۔ اسے ہر چیز کا علم ہے۔ یہی قاعدہ تمام صفات الہیہ کے بارے میں جاری ہوگا۔ سلفِ صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اور اسی طریقہ کو اختیار کرنے میں ہر بھلائی ہے۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورة الفاتحہ کی ہے، اس میں سات آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱﴾
 سب تعریفیں (۱) اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے ﴿۲﴾ نہایت مہربان (۳) بے حد رحم کرنے
 والا ہے ﴿۳﴾

تفسیر سورة الفاتحة

(۱) لفظ ”حمد“ کا ترجمہ: تعریف کرنا ہے۔ حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ حمد صرف زبان سے ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ کسی نعمت کے مقابلہ میں ہو۔ جبکہ شکر زبان، دل اور دیگر اعضاء کے ذریعہ کسی نعمت اور داد و دہش پر ہوتا ہے۔ اور اس پر ”الف لام“ استغراق و شمولیت کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے داخل کیا گیا ہے۔ یعنی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف کی وہ تمام قسمیں جو آسمان و زمین کے درمیان ہو سکتی ہیں، وہ سب اللہ کے لئے ہیں۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود بیان کر کے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اس کی تعریف بیان کریں۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (طریق المہجرتین) میں لکھا ہے کہ ہر اعلیٰ صفت، ہر اچھے نام، ہر عمدہ تعریف، ہر حمد و مدح، ہر تسبیح و تقدیس اور ہر جلال و عزت کی جو کامل ترین اور دائمی اور ابدی شکل ہو سکتی ہے، وہ سب اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کی جتنی بھی صفتیں بیان کی جاتی ہیں، جتنے ناموں سے اس کو یاد کیا جاتا ہے، اور جو کچھ بھی اللہ کی بڑائی میں کہا جاتا ہے، وہ سب اللہ کی تعریفیں ہیں اور اُن کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہے۔ اللہ ہر عیب سے پاک ہے، ساری تعریفیں اس کے لئے ہیں، مخلوق کا کوئی فرد اس کی تعریفوں کو شمار نہیں کر سکتا۔

(۲) (الرب) کا معنی ہے: وہ آقا جس کی اطاعت کی جائے، وہ مالک جو تصرف کلی کا حق رکھتا ہے، وہ ذات برتر و بالا جو مخلوق کی اصلاح احوال کے لئے ہر تصرف کا حق رکھتا ہے۔ الف لام کے اضافہ کے ساتھ (الرب) صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مخلوق کے لئے اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مثلاً ”رب الدار“ گھر والا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے: ﴿اٰذِجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اپنے آقا کے پاس لوٹ کر جاؤ۔ (یوسف: ۵۰)۔

(العالمین) عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ”عالم“ کا اطلاق اُنس و جن اور ملائکہ و شیاطین پر ہوتا ہے۔ بہائم ”عالم“ میں داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے جہاں والوں کا آقا و مالک اور اُن میں تصرف کرنے والا ہے۔ ”رب“ کا ایک معنی ”مربی“ بھی کیا گیا ہے، بایں طور کہ وہ (تربیۃ) سے مشتق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا بطور عام اور بطور خاص مدبر و مربی ہے۔

بطور عام مربی اس طرح ہے کہ اس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا، ان کو روزی دی، اور ان امور کی طرف رہنمائی کی

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

قیامت کے دن کا مالک (۳) ہے ﴿۳﴾ ہم تیری ہی عبادت (۵) کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ﴿۵﴾

جو دنیاوی زندگی کے لئے نافع ہیں۔ اور بطور خاص اپنے اولیاء کا مربی ہے، یعنی ایمان کے ذریعہ اُن کی تربیت کرتا ہے، انہیں ایمان کی توفیق دیتا ہے اور صاحبِ کمال بناتا ہے۔ اور اُن رکاوٹوں کو دور کرتا ہے، جو اُس کے اور اُن اولیاء کے درمیان حائل ہو سکتے ہیں۔ یعنی انہیں ہر خیر کی توفیق دیتا ہے اور ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور غالباً یہی راز ہے کہ انبیاء کرام کی تمام دعائیں کلمہ (الدُّب) سے شروع ہوتی ہیں، اس لئے کہ اُن کے تمام مطالب اللہ کی ربوبیت خاص کے ضمن میں آتے ہیں۔

اس تمام تر تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صفتِ خلق و تدبیرِ عالم اور صفتِ کمالِ بے نیازی و تمام نعمت میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے۔ اور آسمان و زمین کی تمام مخلوق ہر اعتبار سے اُس کی محتاج ہے۔

(۳) ان دونوں صفاتِ الہیہ پر کلام بسم اللہ کی تفسیر کے ضمن میں گذر چکا، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ دونوں صفتیں چونکہ اللہ کی رحمت پر دلالت کرتی ہیں اس لئے بندے کے لئے ان میں ایک طرح کی ترغیب ہے۔ جبکہ صفت ”ربوبیت“ میں ترہیب و تحویف ہے۔ اس سورت میں اللہ نے ترہیب و ترغیب دونوں کو جمع کر دیا ہے، تاکہ بندہ اپنے معبود کی اطاعت و بندگی کی طرف زیادہ راغب ہو، اور اس کا اپنی زندگی میں زیادہ اہتمام کرے۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس طرح قیامت کے دن کا مالک ہے، اسی طرح وہ دوسرے تمام دنوں کا مالک ہے۔ یہاں قیامت کے دن کا ذکر بالخصوص اس لئے آیا کہ اُس دن تمام مخلوقات کی بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ تمام شاہان دنیا اور ان کی رعایا، تمام آزاد و غلام اور چھوٹے بڑے سب برابر ہو جائیں گے اور صرف ایک اللہ کی ملوکیت و بادشاہت باقی رہے گی، سبھی اُس کے جلال و جبروت کے سامنے سرنگوں ہوں گے، اس کی جنت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ قیامت کے دن اللہ پوچھے گا: آج کس کی بادشاہت ہے۔ پھر خود ہی جواب دے گا: صرف اللہ کی، جو ایک ہے اور قہار ہے۔ (عافر: ۱۶)۔

قیامت کے دن کو (یوم الدین) اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اعمال کے جزا کا دن ہوگا، جس نے اس دنیا میں جیسا کیا ہوگا، اُسے اُس کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴾ جس دن تم لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، اُس دن تم سے کوئی چیز مخفی نہ رہے گی۔ (الحاقہ: ۱۸)۔

”عبادت“ کا لغوی معنی ہے: ذلت اور خشوع و خضوع۔ شریعتِ اسلامیہ میں عبادت ہر اُس عمل کو کہتے ہیں، جس میں اللہ کے لئے کمالِ محبت کے ساتھ انتہائی درجہ کا خشوع و خضوع اور خوف شامل ہو۔

”استعانت“ کا مفہوم یہ ہے کہ حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کے لئے اللہ تعالیٰ پر پورا پورا بھروسہ کیا جائے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔

(۵) اس آیتِ کریمہ میں عبادت و استعانت دونوں کو اللہ کے لئے خاص کیا گیا ہے، اور اللہ کے علاوہ تمام مخلوقات سے اُن کی نفی کی گئی ہے۔ عربی زبان میں اگر مفعول کو فعل پر مقدم کر دیا جائے تو حصر کا معنی دیتا ہے، یعنی اُس فعل کو اسی مفعول

کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے، اور دوسروں سے اس کی نفی ہو جاتی ہے، تو گویا آیت کا معنی یہ ہوا کہ ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگتے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر ایک کی غلامی سے آزاد کر کے ایک اللہ کا بندہ بنا دے، اس کے ساتھ کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ کرے، نہ اس جیسی کسی سے محبت کرے، اور نہ اس جیسا کسی سے ڈرے، نہ اس جیسی کسی سے امید رکھے، صرف اسی پر توکل کرے، نذر و نیاز، خشوع و خضوع، تذلل و تعظیم اور سجدہ و تقرب سب کا مستحق صرف وہ ہے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔

لیکن انسان نے ہمیشہ ہی اس تعلیم کو پس پشت ڈالا، اور اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا، غیروں سے مدد مانگی، شرک کے ارتکاب کے لئے بہانے تلاش کئے، اور اللہ کے بجائے انبیاء، اولیاء، صالحین اور قبروں میں مدفون لوگوں سے مدد مانگی۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان قوی ہو جاتا ہے، جب ہم آپ (ﷺ) کے فرمان کو یاد کرتے ہیں کہ: اے لوگو! اس شرک سے بچو، یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز ہے۔ (مسند احمد)۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”بندہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر نماز میں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہے۔ اس لئے کہ شیطان اُسے شرک کرنے کا حکم دیتا ہے اور نفس انسانی اس کی بات مان کر ہمیشہ غیر اللہ کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے، اس لئے بندہ ہر دم محتاج ہے کہ وہ اپنے عقیدہ توحید کو شرک کی آلائشوں سے پاک کرتا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ”ہم تیری توحید بیان کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تیری بندگی کرنے کے لئے اور اپنے تمام امور میں۔“

”عبادت“ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی وقت قابل قبول ہوگی، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، اور اس سے مقصود اللہ کی رضا ہو۔

توحید کی تین قسمیں:

اس سورت میں توحید کی تینوں قسموں کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے:

- ۱- توحید ربوبیت: ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے ماخوذ ہے، توحید ربوبیت یہ ہے کہ آسمان و زمین اور اس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات کا خالق و رازق اور مالک و مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
- ۲- توحید الوبیت: لفظ (اللہ) اور ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے ماخوذ ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں، ان سب کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
- ۳- توحید اسماء و صفات: کلمہ ”الْحَمْدُ“ سے ماخوذ ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور رسول اللہ ﷺ نے صحیح احادیث میں اللہ کے جتنے اسماء و صفات ثابت کئے ہیں، اُن کو اسی طرح مانا جائے، نہ ان کا انکار کیا جائے، نہ اُن کی مثال بیان کی جائے، اور نہ ہی کسی غیر اللہ کے ناموں اور صفات کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عرش پر مستوی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ”الإستواء معلوم، والکیف مجهول والسؤال عنه بدعة والإيمان به واجب“ یعنی استواء معلوم ہے، اس کی کیفیت

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

ہمیں سیدھی راہ (۶) پر چلاؤ ﴿۶﴾

مجہول ہے یعنی یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیا کیفیت ہے، اور اس کے بارے میں پوچھنا بدعت ہے، یعنی اسلاف کرام کبھی اس کی گریڈ میں نہ پڑے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے، اور اس کے لئے کمال خشوع و خضوع اور اپنی انتہائی محتاجی و مسکنت کے اظہار کے بعد، بندے کے لئے اب یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ اپنا سوال اس کے حضور پیش کرے اور کہے کہ اے اللہ! صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی کر۔

”ہدایت“ کا معنی: رہنمائی اور توفیق ہے اور ”صراط مستقیم“ سے مراد: وہ روشن راستہ ہے جس میں کبھی نہ ہو، جو اللہ اور اس کی جنت تک پہنچانے والا ہو۔ اور یہ قرآن و سنت کی راہ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد راہِ حق ہے۔ ابو العالیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور ان کے بعد ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کبھی اقوال صحیح ہیں، اس لئے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی، اور ان کے بعد ان کے صاحبین کی اقتدا کی، اس نے حق کی اتباع کی، اور جس نے حق کی اتباع کی، اس نے اسلام کی اتباع کی، اور جس نے اسلام کی اتباع کی اس نے قرآن کی اتباع کی۔ اور یہی قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، اُس کی مضبوط رسی ہے، اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ نواس بن سمران رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم (سیدھی راہ) کی ایک مثال بیان کی ہے، اس راہ کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں، ان میں کچھ دروازے کھول دیئے گئے ہیں، ان دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے ہیں، اور سیدھی راہ پر ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے: اے لوگو! سیدھی راہ پر گامزن ہو جاؤ اور اس سے انحراف نہ کرو۔ ایک اور پکارنے والا سیدھی راہ کے اوپر سے پکار رہا ہے، جب کوئی آدمی ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے، دیکھو اسے نہ کھولو، اگر تم نے اسے کھول دیا، تو اس میں داخل ہو جاؤ گے۔ وہ سیدھی راہ ”اسلام“ ہے۔ دونوں دیواریں اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ کھولے گئے دروازے اللہ کے حرام کردہ امور ہیں۔ اور سیدھی راہ کے سرے پر موجود پکارنے والا اللہ کی کتاب ہے، اور ”سیدھی راہ کے اوپر سے پکارنے والا“ اللہ کی طرف سے ہر مسلمان کے دل میں موجود خیر کی دعوت دینے والا جذبہ ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، نسائی)۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بندہ مومن ہدایت پر ہونے کے باوجود، اس کا محتاج ہے کہ وہ ہر نماز میں اللہ سے زُشد و ہدایت کا سوال کرتا رہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور دوام و استمرار بخشنے۔ اس لئے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ ”اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھ، اور اس کے علاوہ کسی اور راہ کی طرف نہ پھیر دے“۔

امام راغب اصفہانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”ہدایت“ کا معنی قول و عمل میں اچھائیوں اور بھلائیوں کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے اس کا ظہور کئی منازل میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے بعد بالترتیب حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی پہلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو وہ قوتیں عطا کرتا ہے جن کی بدولت وہ اپنے منافع و مصالح تک پہنچ

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۱۰﴾

ان لوگوں کی راہ پر جن پر (۷) تو نے انعام کئے۔ ان کی راہ نہیں جن پر تیرا غضب (۸) نازل ہوا، اور نہ ان کی جو گمراہ (۹) ہو گئے ﴿۱۰﴾

پاتا ہے، جسے انسان کے حواس خمسہ اور اس کی فکری قوت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ یعنی اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی رہنمائی کی۔ (طہ: ۵۰)۔ اس کی دوسری منزل: انبیاء کی بعثت اور دعوت الی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَقِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾ اور ہم نے ان میں اماموں کو پیدا کیا جو ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ (الجمہ: ۲۳)۔ تیسری منزل: وہ روشنی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو کثرت عبادت و عمل خیر کے سبب عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اپنی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۹۰)۔ چوتھی منزل: دخول جنت کو ممکن بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ یعنی ہم نے ان کے دلوں سے کینہ کو نکال دیا، جنت میں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور وہ کہیں گے کہ ساری تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں، جس نے اس جنت کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ (الأعراف: ۳۳)۔

قرآن کریم کی آیات کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت بمعنی ”دعوت و رہنمائی“ سب کے لئے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اور آپ ﷺ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵۲)۔ لیکن ”ہدایت“ بمعنی توفیق اور جنت میں داخل کرنا، سب کو نصیب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص: ۵۶)۔

”ہدایت“ کے مذکورہ بالا معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے مفسرین نے ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کی تفسیر کئی طرح سے کی ہے۔ کسی نے کہا کہ: ”ہدایت“ سے مراد عام ہدایت ہے، اور ہمیں دعا کا حکم اس لئے دیا گیا ہے، تاکہ ہمارے ثواب میں اضافہ ہو۔ کسی نے اس کی تفسیر کی: ہمیں راہ شریعت پر چلنے کی توفیق دے۔ تیسرا قول یہ ہے: گمراہ کرنے والوں، شہوتوں اور شہیہات سے بچا۔ چوتھا قول ہے: ہمیں مزید ہدایت دے۔ پانچواں قول ہے: ہمیں علم حقیقی (نور) عطا فرما۔ چھٹا قول ہے: ہمیں جنت دے۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ یہاں ہدایت کی یہ تمام تفسیریں مراد لی جاسکتی ہیں، کیونکہ ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۷) اس میں ”صراطِ مستقیم“ کی تفسیر بیان کی گئی ہے، کہ ”صراطِ مستقیم“ سے مراد ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا، یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر سورہ نساء میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالْمَسَالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ

رَفِيقًا ﴿﴾ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے، وہ اُن کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہوں گے۔ (النساء: ۶۹)۔ یہ لوگ اہل ہدایت و استقامت ہوتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اوامر کو بجالاتے ہیں اور منکرات و منہیات سے باز رہتے ہیں۔

(۸) اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جن کی نیتیں فاسد ہو گئیں، جنہوں نے حق کو پہچان کر اس سے اعراض کیا، ایسے لوگوں میں پیش پیش ہمیشہ یہود رہے۔ جنہوں نے تورات میں موجود دلائل کی روشنی میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا یقین کر لیا، لیکن عداوت و عناد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔

(۹) اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا علم حاصل نہیں کیا، اور گمراہی میں بھٹکتے رہے۔ ایسے لوگوں میں پیش پیش نصاریٰ رہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں انہوں نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے، اس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ﴾ سے مراد یہود اور ﴿ الضَّالِّينَ ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ”الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ“ سے مراد یہود اور ”الضَّالِّينَ“ سے مراد نصاریٰ ہیں۔

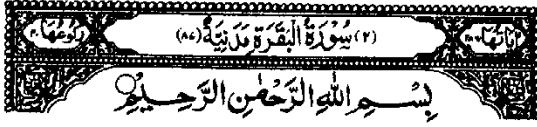
مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿ وَلَا الضَّالِّينَ ﴾ کی (لا) تاکید کے لئے ہے، سامع کے دل میں یہ بات بٹھانے کے لئے کہ یہاں پر دو الگ الگ پُرساد راستوں کا ذکر ہے۔ ایک یہود کا راستہ اور دوسرا نصاریٰ کا۔ تاکہ اہل ایمان دونوں راستوں سے بچیں۔ یہود نے حق پہچاننے کے بعد اس کی اتباع نہیں کی، اس لئے اللہ کے غضب کے مستحق بنے۔ اور نصاریٰ نے حق کو پہچانا ہی نہیں، کیونکہ انہوں نے اُس راہ کو اختیار ہی نہیں کیا، جس پر چل کر آدمی حق پاتا ہے، اس لئے وہ گمراہ ہو گئے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سبھی گمراہ ہیں اور اُن سب پر اللہ کا غضب ہے۔ لیکن یہود اللہ کے غضب کے ساتھ، اور نصاریٰ ضلالت و گمراہی کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

www.KitaboSunnat.com

”آمین“

نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے، جہری نمازوں میں باواؤ بلند اور سرہی نمازوں میں آہستگی کے ساتھ آمین کا معنی ہے: اے اللہ قبول فرما، واکل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴾ پڑھا اور اپنی آواز کو کھینچ کر آمین کہی۔ ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث ”حسن“ ہے۔ اور اسی قسم کی روایات علی، ابو ہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم سے بھی مروی ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴾ پڑھتے تو ”آمین“ کہتے، یہاں تک کہ صفِ اول میں اُن کے آس پاس کے لوگ سنتے۔ (ابوداؤد)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب امام ”آمین“ کہے تو تم بھی کہو، اس لئے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے گی، اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)۔



سورۃ البقرہ مدنی ہے، اس میں دو سو چھیالیس آیتیں اور چالیس رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب امام ﴿ وَلَا الضَّالِّينَ ﴾ کہے تو، آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ (مسلم)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں جب امام سورۃ الفاتحہ ختم کر لے تو تمام مقتدیوں کو باواز بلند آمین کہنا چاہئے، اور اگر سرری نماز ہے تو جب نمازی سورۃ الفاتحہ پڑھ لے تو آہستگی کے ساتھ آمین کہہ لے، تاکہ ان حدیثوں پر عمل ہو جائے، اور آمین کہنے کی خیر و برکت حاصل ہو۔

کلمہ ”آمین“ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ اس لئے مصحف عثمانی میں اسے نہیں لکھا گیا۔

تفسیر سورۃ البقرہ

۱- اس سورت کا نام (البقرۃ) اس مناسبت سے ہے کہ اس کی آیت (۶۷) اور اس کے بعد والی آیتوں میں (بقرہ) یعنی گائے کا ذکر آیا ہے، قرآن کریم کی تقریباً تمام ہی سورتوں کے نام کے لئے ان سورتوں میں مذکور کسی نام، کلمہ یا ابتدائے سورت میں مذکور حروف مقطعات کا استعمال کیا گیا ہے۔

۲- یہ سورت بلا اختلاف مدنی ہے، یعنی پوری سورت رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد اتری ہے۔ اس لئے کہ اکثر و بیشتر مضامین انہی حالات سے مطابقت رکھتے ہیں جو مسلمانوں کو مدنی زندگی میں پیش آئے، جن کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

۳- اس سورت کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی چند چیدہ احادیث کا ذکر یہاں کر دیا جائے:

(الف) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ، جس گھر میں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہے، اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ (مسند احمد، صحیح مسلم، ترمذی، نسائی)۔

(ب) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے کہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے، جس میں سورۃ البقرہ کی تلاوت سنتا ہے۔ (متدرک حاکم، نسائی فی الیوم واللیلہ)۔

(ج) ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: قرآن پڑھا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔ دونوں روشنی پھیلانے والی سورتیں (سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران) پڑھا کرو، دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے دو ہادل ہوں، یا چڑیوں کے دو جھنڈ ہوں، صف ہاندھے ہوئے، اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے دفاع کر رہی ہوں گی۔ سورۃ البقرہ پڑھو، اس لئے کہ اس کا حاصل کرنا برکت

الْقُرْآنَ الَّذِي كُنْتَ تُرِيدُ لِيُفِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝

الم (۱) ﴿۱﴾ اس کتاب (۲) میں کوئی شک و شبہ (۳) نہیں، اللہ سے ڈرنے (۴) والوں کی رہنمائی (۵) کرتی ہے ﴿۲﴾

ہے۔ اور اس کا چھوڑ دینا باعثِ حسرت ہے، اور جادو گر لوگ اس کے پڑھنے والے پر اثر انداز نہیں ہو سکتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی اُن تیس سورتوں کی ابتدا ”حروف مقطعات“ سے ہوئی ہے۔ اس کے معنی و مفہوم کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ پہلا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے، اس کا معنی کسی کو معلوم نہیں۔ اسی لئے ان حضرات نے اس کی تفسیر بیان نہیں کی ہے۔

دوسرا مذہب ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس کی تفسیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں سے اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ (حروف) سورتوں کے نام ہیں۔ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ان (حروف) کے ذریعہ بہت سی قرآنی سورتوں کی ابتدا اہل عرب (جن کے لئے قرآن کریم ایک چیلنج بنا کر بھیجا گیا) کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھانے کے لئے کی گئی کہ یہ قرآن انہی حروف سے مرکب ہے، جن سے تمہاری تقریر و تحریر کے کلمات بنتے ہیں، لیکن تم اس جیسی ایک آیت بھی لانے سے عاجز ہو، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اوائل سورتوں میں ان حروف کے لئے جانے کی حکمت یہی بیان کی ہے کہ ان کا مقصد قرآن کریم کا اعجاز ثابت کرنا ہے کہ اللہ کی کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تمہاری گفتگو کے کلمات بنتے ہیں، لیکن پھر بھی تم اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہو۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ کلام الہی ہے!!

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ جن سورتوں کی ابتدا ان حروف سے ہوئی ہے ان میں قرآن کی عظمت اور اس کے اعجازی کلام ہونے پر زور دیا گیا ہے: ﴿الْم * ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ﴿المص * كِتٰبٌ اُنزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْهِ سُدُوْرٌ حٰزِجٌ مِّنْهُ﴾ ﴿الم * تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ﴿حم * تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّكَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اور اسی طرح وہ تمام سورتیں جن کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوتی ہے، آپ دیکھیں گے کہ ان سب میں قرآن کی عظمت اور اس کے اللہ کا کلام ہونے پر زور دیا گیا ہے۔

(۲) (کتاب) سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی وہ کتاب عظیم جو حقیقی معنوں میں کتاب ہے، اس لئے کہ اس میں علم و حکمت کے ایسے خزانے اور ایسا کھلا ہوا حق بیان کیا گیا ہے جو اگلی کتابوں میں موجود نہیں۔

(۳) اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے، کیونکہ عرب بلاغت کی انتہائی بلندی پر پہنچنے کے باوجود قرآن جیسی ایک چھوٹی سورت لانے سے عاجز رہے، تو کوئی عقل مند آدمی اس کے اللہ کی کتاب ہونے میں شبہ نہیں کرے گا۔

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: متقی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو راہِ ہدایت پر نہ چلنے کی صورت میں اللہ کے عقاب سے ڈرتے ہیں، اور دین اسلام کی تصدیق اور اس پر چلنے کی صورت میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے تقویٰ کا معنی پوچھا تو کہا کہ کبھی خاردار راستہ پر چلے ہو، اس نے کہا: ہاں، تو انہوں نے پوچھا کہ تم نے کس طرح راستہ طے کیا؟ اس نے کہا: جب کاٹنا دیکھتا تو اس سے الگ ہو جاتا۔ تو انہوں نے کہا یہی ”تقویٰ“ ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا سَرَفْنَا لَهُمْ يَنْفِقُونَ ﴿۷﴾

جو غیبی امور (۶) پر ایمان (۷) لاتے ہیں، اور نماز قائم (۸) کرتے ہیں، اور ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ (۹) کرتے ہیں ﴿۳﴾

(۵) قرآن کریم میں لفظ (ہدی) کا استعمال دو معنوں میں ہوا ہے:

پہلا معنی ”رہنمائی کرنا اور راہ حق کو واضح کر دینا“ ہے اس اعتبار سے قرآن کریم راہ حق سے ہٹنے والوں کو لوگوں کے لئے (ہدی) ہے، کہ ان کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، چاہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ﴾ یعنی ہم نے ثمود کی حق کی طرف رہنمائی کی، لیکن انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو پسند کر لیا۔

دوسرا معنی: ”بندہ کے دل میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور توفیق دینا“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبُهِدَاهُمْ أَفْتَدِيهِ﴾ یعنی ”یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت (راہ حق) پر چلنے کی توفیق دی، پس آپ انہی کی راہ کی اتباع کریں“ اس آیت کریمہ میں ہدایت کے دونوں معنی مراد ہیں، اس لئے کہ اہل تقویٰ کو دونوں ہدایتیں حاصل ہوتی ہیں، قرآن ان کی رہنمائی کرتا ہے، اور اُس کے ذریعہ راہ حق پر چلنے کی توفیق بھی انہیں ملتی ہے۔

(۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقائد اور ظاہری اور باطنی اعمال کو بیان کیا ہے جن کو لفظ (تقویٰ) شامل ہے، یعنی تقویٰ وہ ہوگا جس کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف پائے جائیں گے:

(۷) (ایمان) سے مراد ”تصدیق“ ہے، اور (غیب) سے مراد ہر وہ بات ہے جس کا ادراک انسان کے حواس خمسہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کا علم وحی اور انبیاء کی تعلیمات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ”غیب“ سے مراد ہر وہ بات ہے جس تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی اور جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، جیسے ذات و صفات باری تعالیٰ، فرشتوں کا وجود، عرش و کرسی، لوح و قلم، علامات قیامت، عذاب قبر، نشر و حشر، پل صراط و میزبان، جنت و جہنم، اور اسی طرح کے تمام غیبی امور۔

مومن ہر اس بات پر ایمان لاتا ہے جس کی خبر اللہ یا اس کے رسول نے دی ہے، چاہے انسان نے اس کا مشاہدہ کیا ہو یا نہیں، اور چاہے اس نے اسے سمجھا ہو یا نہیں، لیکن ملحدین اور غیبی امور کو جھٹلانے والے اس نعمت (ایمان و تصدیق) سے محروم ہوتے ہیں۔

(۸) یعنی جب وہ نماز ادا کرتے ہیں تو اُس کے تمام ارکان، واجبات، اور شروط کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور مکمل خشوع و خضوع، اور حضور قلب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور ان سنتوں کو بھی ادا کرتے ہیں جو فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ یہی وہ نماز ہے جس کی پابندی کرنے والوں کی اللہ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں تعریف کی ہے۔

﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ اور اسی لئے جب منافقین کی نماز کا ذکر آیا تو ﴿هُوَ يَكَلِّمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ کہا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نماز پڑھنے والے تو بہت ہیں لیکن ”اقامت صلاۃ“ کی صفت والے والے تھوڑے ہیں۔

(۹) یہاں مال خرچ کرنے کی جتنی واجب اور مستحب صورتیں ہو سکتی ہیں سبھی مراد ہیں۔ لفظ (رزق) سے اس طرف اشارہ

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نَزَّلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا نَزَّلْنَا مِنْ قَبْلِكَ وَإِنَّا لَمُوقِنُونَ ۗ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّكَ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب (۱۰) پر جو آپ پر اتاری گئی، اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے اتاری گئیں اور جو آخرت (۱۱) پر یقین رکھتے ہیں ﴿۴۳﴾ یہی لوگ اپنے رب کی سیدھی راہ (۱۲) پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۴۵﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر (۱۳) کیا ان کے لئے برابر ہے کہ آپ انہیں (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۶۶﴾

مقصود ہے کہ مال اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ کوئی اس زعم باطل میں مبتلا نہ ہو کہ اس نے اپنے زور بازو سے حاصل کر لیا ہے۔ اس لئے اس انعام کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے ان رشتہ داروں اور بھائیوں کو نہ بھولا جائے جنہیں اللہ نے اس مال سے محروم رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں "صلاة و زكاة" کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے، اس لئے کہ نماز کے ذریعہ اللہ کے لئے اخلاص کا اظہار ہوتا ہے، اور زکاۃ و صدقہ کے ذریعہ اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کے جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ آدمی کی نیک بختی اور سعادت اسی میں ہے کہ اپنے معبود حقیقی کے لئے مخلص رہے، اور جب تک زندہ رہے اس کی مخلوق کو نفع پہنچانے کی سعی کرتا رہے۔

(۱۰) اس سے مراد قرآن و سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾۔ یعنی اللہ نے آپ پر قرآن و سنت اتارا ہے۔ مومنین صادقین ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن و سنت دونوں ہی اللہ کی وحی ہیں، اور جتنی کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، ان تمام پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کے اوامر و نواہی کے درمیان تفریق نہیں کرتے کہ جو بات ان کی خواہش و مرضی کے مطابق ہوئی اس پر ایمان لے آئے، اور جو ان کی خواہش کے مطابق نہ ہوئی اس کا انکار کر دیا، یا تاویل فاسد کے ذریعہ اس کا معنی و مفہوم بدل دیا۔

(۱۱) (آخرت) سے مراد ہر وہ بات ہے جو موت کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔ اس کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہ ایمان کا ایک بُرکن ہے، اور اس لئے بھی کہ آخرت پر یقین آدمی کو عمل صالح پر آمہار تا اور عذاب الہی سے ڈراتا ہے۔

(۱۲) یہاں (ہدٰی) سے مراد نور بصیرت، اللہ کے دین پر استقامت، اور عمل صالح کی توفیق ہے، یعنی جو لوگ گذشتہ اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف ہوتے ہیں، انہی کو اللہ نور بصیرت اور دین حق پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔ اس لئے کہ اس راہ کے علاوہ تمام راہیں بد بختی، ہلاکت اور تباہی کی راہیں ہیں۔

(۱۳) مومنین متقین کے اوصاف حمیدہ ذکر کرنے کے بعد، ان کا فرط کے اوصاف کا بیان شروع ہوا جو کھلم کھلا کافر تھے، اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا راستہ تباہی و بربادی کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مکرش کافروں کے بارے میں اطلاع دی ہے جو مکر ای کی انتہا کو پہنچ گئے تھے حتیٰ کہ "کفر" ان کی لازمی صفت بن گئی، کہ کوئی وعظ و نصیحت اور کوئی دھمکی ان پر اثر انداز نہ ہوگی۔ آپ ان کے ایمان کی خاطر اتنا زیادہ پریشان نہ ہوں اور اپنی جان ہلاک نہ کریں۔

حَقَّمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَيَأْتِيهِمُ الْآخِرُ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر، اور ان کے کانوں پر مہر (۱۳) لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ان کو بڑا عذاب ملے گا، اور بعض لوگ (۱۵) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ (۱۶) اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ وہ (۱۷) (دل سے) مومن نہیں ہیں ﴿۱۸﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ تمام لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ ایمان وہی لائے گا جس کے لئے نیک بختی لکھ دی گئی ہے، اور جس کے لئے بد بختی لکھ دی گئی ہے وہ گمراہ ہو کر رہے گا۔

(۱۳) کافروں کے بارے میں گزشتہ آیت میں جو حکم بیان ہوا ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے، اس آیت کریمہ میں اس کی علت بیان کی گئی ہے، اور ان امور کا ذکر ہے جو ان کے لئے ایمان سے مانع تھے۔

کسی چیز پر مہر لگانے کا مفہوم ہوتا ہے اس بات کا یقین کر لینا کہ اب اس کے اندر کوئی چیز باہر سے داخل نہیں ہو سکتی۔ یہی حال کافروں کا ہے کہ کفر و ضلالت پر اصرار، تقلید آباء میں انہماک، اور غور و فکر کے صحیح راستوں سے اعراض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی ایسی حالت بنا دی کہ وعظ و نصیحت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی، اور حق بات اس میں داخل نہیں ہوتی۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے جو ہر نفع بخش چیز کے دیکھنے سے مانع ہے۔ دل، کان، اور آنکھ یہی راستے ہیں علم حاصل کرنے کے، جب یہ بند کر دیئے گئے، تو ان سے ایمان لانے کی توقع نہیں کی جاسکتی، اور نہ ان سے کسی خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔ یہ سب کچھ ان کے کفر اور حق سے عناد کی وجہ سے ہوا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَقَلْبُ أُنْفِقْتُمْ وَأَبْصَارُهُمْ كَمَنَا لَمْ يَرَوْا بَلْ هُمْ كَرِهُوا﴾ یعنی ”اور ہم ان کے دل اور آنکھیں اٹھ دیں گے، جیسے پہلی بار نشانی پر ایمان نہیں لائے“۔ اللہ کا یہ فوری عذاب تھا، اور آخرت میں آگ کا سخت عذاب، اور رب العالمین کی دائمی ناراضگی ان کی قسمت بن جائے گی۔ تفسیر ابوالسعود میں ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگانے کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا، اس لئے کہ وجود میں آنے کے اعتبار سے تمام اشیاء کی نسبت اللہ ہی کی طرف ہونی چاہئے، اگرچہ کتاب عمل کے اعتبار سے یہ جو کچھ ہوا، انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ تھا، ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ (۱۵) سچ مسلمانوں اور کلمہ کھلا کافروں کی حالت بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اب منافقین کی حالت بیان کرنی شروع کی، جو ظاہری طور پر تو مسلمان تھے، لیکن درحقیقت وہ کافر تھے۔ دنیاوی مصالح کی خاطر اسلام کا اعلان کر دیا تھا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو اس وقت تین قسم کے لوگ وہاں رہتے تھے۔ اوس و خزرج کے انصار مسلمان، اوس و خزرج کے وہ لوگ جنہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ اور یہود جو تین قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے، بنو قینقاع (حلفائے خزرج) اور بنو نضیر و بنو قریظہ (حلفائے اوس)۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد اوس و خزرج کے بہت سے عرب اسلام میں داخل ہو گئے، اور بہت ہی تھوڑے یہودیوں نے

يَخْدَعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۰﴾ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا
وَكَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۲۰﴾

(یہ لوگ) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ (۱۸) دینا چاہتے ہیں، (یہ لوگ) اپنے آپ (۱۹) کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور سمجھ نہیں رہے ہیں ﴿۲۰﴾ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری (۲۰) کو اور بڑھا دیا (۲۱)، اور ان کو قیامت کے دن دردناک عذاب (۲۲) ملے گا، اس سبب سے کہ جھوٹے ایمان کا اظہار کرتے تھے ﴿۱۰﴾

اسلام کو قبول کیا، ابتدائے ایام مدینہ میں منافقین نہیں پائے گئے، کیونکہ اُس وقت تک مسلمانوں کا رعب و دبدبہ نہ تھا۔ بلکہ حالات کے تقاضے کے مطابق نبی کریم ﷺ نے یہودیوں اور بہت سے عرب قبائل سے مصالحت کر رکھی تھی۔ واقعہ بدر کے بعد مسلمانوں کی ہیبت کا فروں پرطاری ہونے لگی تو عبد اللہ بن ابی بن سلول، جو قبیلہ خزرج کا تھا اور جسے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنا تا چاہتے تھے، جب اُس نے دیکھا کہ اب تو اسلام غالب ہونے لگا اور مسلمانوں کے قدم جم گئے، تو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا، کچھ یہودیوں نے بھی ایسا ہی کیا، اس طرح منافقین وجود میں آئے، اس کے بعد مدینہ اور آس پاس کے بہت سے دیہاتیوں نے بھی ایسا ہی کیا، اور منافقین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

(۱۶) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہی منافقین کی حالت اور ان کے اوصاف بیان کئے ہیں تاکہ مسلمان ان سے دھوکہ نہ کھائیں، اور ان جیسی منافقانہ صفات اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی کہ یہ لوگ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اس لئے کہ ایمان حقیقی یہ ہے کہ زبان سے جو کچھ کہا جا رہا ہے، دل اس کی تصدیق کرے۔

(۱۸) یہ تو درحقیقت اللہ اور اُس کے مومن بندوں کو دھوکہ دینے کے لئے صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر رہے ہیں۔
(۱۹) یہ لوگ حقیقت معنوں میں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور یہ عجیب و غریب بات ہے، کیونکہ ہوتا یوں ہے کہ دھوکہ دینے والا یا تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، یا کم از کم کسی نقصان سے بچا رہتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہی طرح کا ہے، وہ اپنے کمر و فریب کے ذریعہ خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے مکر سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے، اور مسلمانوں کو بھی وہ کیا نقصان پہنچائیں گے، اللہ ان کا حامی و ناصر ہے۔ ان کے مکر و فریب کا وبال تو ان کے سر ہی جائے گا، کہ دنیا میں ذلت و رسوائی، اور مسلمانوں کی نصرت و فتح مندی کے قصے سن سن کر مسلسل غم و ملال، اور آخرت میں (جھوٹ اور کفر و فجور کی وجہ سے) دردناک عذاب کا سامنا ہو گا۔ اور یہ لوگ اپنی جہالت و نادانی میں اس حد تک آگے جا چکے ہیں کہ انہیں اپنی تباہیوں اور بربادیوں کا احساس بھی نہیں۔

(۲۰) یہاں ”مرض“ سے مراد شکوک و شبہات اور نفاق کی بیماری ہے، قلب انسانی کو دو طرح کے امراض لاحق ہوتے ہیں: شبہاتِ باطلہ کا مرض اور مہلک شہوات کا مرض۔ کفر و نفاق اور شکوک و شبہات پہلی قسم سے ہے، اور زنا و فواحش و معاصی سے محبت، دوسری قسم سے۔ اور حقیقی عافیت یہ ہے کہ آدمی دونوں قسم کے امراض سے بچا رہے، تو پھر اُسے یقین و ایمان حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل نفاق کے دل کو (قلب مریض) سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح مومنوں کے دل کو

وَلِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۲۱﴾ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۲۲﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا (۲۱) ہے کہ (اللہ کی) زمین پر فساد نہ پھیلاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ اصل میں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ مومنو! ہوشیار رہو، بے شک یہی لوگ فساد (۲۲) برپا کرنے والے ہیں، لیکن سمجھ (۲۵) نہیں رہے ہیں ﴿۱﴾

(قلب سلیم) سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَّا مَن آتَى اللّٰهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ یعنی وہ دل جو کفر و نفاق کے مرض سے محفوظ ہے۔ (الشعراء: ۸۹)۔

(۲۱) یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی اپنے سابقہ گناہوں کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عقاب) دوسرے گناہوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ﴾ یعنی جن کے دلوں میں گناہ کی گندگی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اور بڑھا دیتا ہے، تو گناہ کی سزا اس کے بعد دوسرا گناہ ہوتا ہے، جیسے نیکی کا ثواب دوسری نیکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ یعنی اہل ہدایت کو اللہ مزید ہدایت دیتا ہے۔ (مریم: ۷۶)۔

کفر و نفاق کے مرض میں مبتلا ہونے اور اُس پر اصرار کی سزا اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دی کہ ان کے دلوں پر مہر لگادی، اب کسی وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی مسلسل دنیوی اور دینی کامیابیوں کی وجہ سے ان کا حسد و ہمد اور کفر و نفاق بڑھتا گیا، اور ان کی حسرتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

(۲۲) دردناک عذاب کا سبب ان کا کذب و نفاق ہے۔ اس میں جھوٹ کی قباحت کی طرف اشارہ ہے، اور اس طرف بھی کہ ”ایمان باللہ“ میں نفاق سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں۔

(۲۳) جب منافقین سے کہا جاتا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ یعنی کفر و معاصی کا ارتکاب نہ کرو، کافروں کے ساتھ دوستی نہ کرو، مسلمانوں کے عہد ان کے دشمنوں کو نہ دو، اور کافروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کی آگ نہ سلگاؤ، تو کہتے کہ دراصل ہم ہی لوگ تو اصلاح کرنے والے ہیں کہ مسلمانوں اور کافروں کے ساتھ مدارات سے کام لیتے ہیں اور اُن کے درمیان اصلاح کرتے ہیں، مسلمان کیا اصلاح کریں گے!! اس طرح انہوں نے قلب حقیقت سے کام لیا، زمین میں فساد پھیلا یا، اور ظاہر کیا کہ ان کا عمل فساد فی الارض نہیں، بلکہ اصلاح بین الناس ہے۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ باطل کی تردید کی کہ ان سے بڑھ کر فساد کی کون ہو سکتا ہے اور اس سے بڑا فساد اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا جائے، اس کے دین سے لوگوں کو روکا جائے، اللہ اور اس کے اولیاء کو دھوکہ دیا جائے، اور اس کے دشمنوں سے دوستی کی جائے۔

(۲۵) مرض نفاق میں مبتلا ہونے کے سبب حق و باطل کے درمیان تمیز کی جس بھی کھوپکے ہیں، اس لئے زمین میں فساد پھیلانے کو اصلاح سمجھ رہے ہیں۔ زمین میں اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے، اس کی بندگی کی جائے۔ اس کے خلاف کرنا، زمین میں فساد پھیلانا اور تباہی و بربادی لانا ہے۔

وَلَا يَقْبَلُ لَهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ مِثْلُ مَنْ آمَنَ الشُّعْبَاءُ وَالْحَمِصَةُ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ وَإِذَا الْقَوْلُ
الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيُطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا آمَنَ مَسْأَلَهُمْ ۗ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا (۲۶) ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے، تو وہ کہتے (۲۷) ہیں، کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف لوگ ایمان لائے، مومنو! ہوشیار رہو، درحقیقت وہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ اس حقیقت کو جان نہیں رہے ہیں ﴿۱۳﴾ اور جب ایمان والوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ کہتے (۲۸) ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں، تو کہتے (۲۹) ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مسلمانوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں ﴿۱۴﴾

(۲۶) نبی عن المنکر یعنی فساد فی الارض سے روکنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ساتھ امر بالمعروف کا اسلوب اختیار کیا، تاکہ خیر خواہی اور ارشاد و رہنمائی کی ذمہ داری پوری طرح ادا ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے ایمان میں وہ خلوص پیدا کرو جو صحابہ کرام کے ایمان میں ہے۔

(النس) سے مراد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مومنین صادقین ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بہترین صفات اور اعلیٰ اخلاق ان میں پائے جانے کی وجہ سے حقیقت میں وہی لوگ ”آدی“ تھے۔

(۲۷) رسول اللہ ﷺ جب انہیں ایمان خالص کی دعوت دیتے، تو وہ لوگ اپنی نجی مجلسوں میں کہتے کہ ”کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں؟“ صحابہ کرام کو سفیہ اور بے وقوف سمجھتے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے، اپنا گھریا چھوڑا اور کافروں سے دشمنی مول لی۔ حالانکہ ان کے نزدیک عقل کا تقاضا اس کے برعکس تھا، اس لئے صحابہ کرام کو کم عقلی اور بے وقوفی کی طرف منسوب کیا، اور اپنے آپ کو دنیا والوں کے سامنے ارباب عقل و خرد باور کرایا۔ وہ لوگ صحابہ کرام کو اس لئے سفیہ کہتے تھے کہ اس زمانے میں اکثر مسلمان غریب و فقیر، اور منافقین اصحاب ریاست و ثروت تھے۔ اس لئے یہ لوگ صحابہ کو بطور تحقیر سفیہ کہتے۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے ان کا راز افشا کیا کہ (چوں بخلوت می بوند آس کار دیگری کنند) یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے تو اسلام کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنی مجلسوں میں صحابہ کرام کے بارے میں اپنے گندے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ فی الواقع منافقین ہی کم عقل اور بے وقوف ہیں۔ اس لئے کہ ناسمجھی کی حقیقت یہ ہے کہ آدی اپنی مصلحت و مضرت میں فرق نہ کر پائے۔ اور یہ صفت ان میں ہی پائی جاتی تھی، نہ کہ صحابہ میں جو اپنے دنیوی اور دینی مصالح کی خاطر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔

(۲۹) آیت (۸) میں منافقین کی زبانی ان کا عقیدہ اور مذہب بیان کیا گیا ہے، اور یہاں ان کے کردار اور گفتار میں تقاض اور تباہی کو انہی کی زبانی بیان کیا گیا ہے، کہ جب مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تاکہ مسلم سوسائٹی کے منافع اور مصالح سے مستفید ہوں، اور جب اپنے سرداروں کی مجلسوں میں جاتے ہیں تو انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم تو آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ ہم تو یونہی مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۳۱﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالََةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ
وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۳۲﴾ مَتَّكُهُمْ كَمَا كُنِيَ الَّذِينَ اسْتَوْقَدُوا نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي
ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۳۳﴾

اللہ ان کا مذاق (۳۰) اڑا رہا ہے، اور ان کو ان کی سرکشی (۳۱) میں بڑھنے دے رہا ہے، جس میں وہ بھٹک رہے ہیں ﴿۱۵﴾ یہی تو ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی (۳۲) خرید لی، لیکن ان کی تجارت (۳۳) نفع بخش نہ ہوئی اور وہ لوگ ہدایت پانے والے نہیں تھے ﴿۱۶﴾ ان کی مثال (۳۴) اس شخص کی مثال (۳۵) ہے جس نے آگ جلائی، جب اس آگ نے اس کے ارد گرد روشنی پھیلا دی، تو اللہ نے ان کا نور چھین لیا، اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا، وہ کچھ نہیں دیکھ (۳۶) پارہے ہیں ﴿۱۷﴾

(۳۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ منافقین تم لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا مذاق اڑائے گا، یعنی ان سے انتقام لے گا، انہیں دنیا میں ذلت و حقارت میں مبتلا کرے گا، اور آخرت میں ان کے ساتھ مذاق یہ ہوگا کہ مومنین جب اپنا نور لے کر چلیں گے تو چانک منافقین کا نور بجھ جائے گا، اور ظلمت و تاریکی میں بھٹکتے رہ جائیں گے، اس سے بڑھ کر ان کا استہزا اور کیا ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَكُنْتُمْ فِتْنَتُمْ فَانْتَمُؤْا أَنفُسَكُمْ وَتَرَبُّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ﴾ یعنی مومنین جب اپنا نور لے کر آگے بڑھ جائیں گے اور منافقین ظلمت میں ٹانک ٹوئیاں کھانے لگیں گے (تو وہ ایمان والوں کو پکار پکار کر کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ تو کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی مگر تم نے نفاق کر کے اپنے آپ کو بلا میں ڈالا اور تم تو ہماری ہلاکت و تباہی کا انتظار کرتے تھے، دل سے ہمارے خیر خواہ نہ تھے، اور اللہ اور رسول کی طرف سے تم کو شک ہی رہا) (الحمدید: ۱۳)۔

(۳۱) یہ بھی منافقین کے ساتھ اللہ کا استہزا ہی ہے کہ انہیں ڈھیل دیتا ہے اور کفر و فحور میں آگے بڑھنے دیتا ہے، درال حالیکہ وہ حیران و پریشان ہوتے ہیں، اور اس سے باہر نکلنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔

(۳۲) ان منافقین کی طرف اشارہ ہے جن کے گھناؤنے اوصاف ابھی ابھی بیان کئے جا چکے ہیں، اور مقصود ان کی بد عقیدگی اور بد کرداری کی مزید توضیح و تاکید ہے۔ مگر ابی اور ضلالت میں بھٹکنے کی ان کی رغبت اس قدر بڑھ گئی جیسے کوئی کسی نفیس سامان کو حاصل کرنے کے لئے اپنا قیمتی مال خرچ کر دیتا ہے، انہوں نے اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت دے کر گمراہی کو قبول کر لیا۔ بڑی ہی بری تجارت تھی یہ، اور بڑی ہی بڑی شے انہوں نے خریدی، اور بڑی ہی قیمتی چیز انہوں نے ضائع کر دی!!

(۳۳) جب اللہ نے ان کی تجارت کو گھٹانے اور خسارے والی بنا دیا، تو یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بدنصیب لوگ تجارت کے اصولوں سے واقف ہی نہ تھے۔ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ تجارت کیسے ہوتی ہے؟ یعنی منافقین کے اندر سے یہ صلاحیت ہی مسلوب تھی کہ وہ نفع نقصان، خیر و شر، نور و ظلمت اور ہدایت و گمراہی میں تمیز کر پاتے۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، اور اس سے پہلے کی دیگر آسمانی کتابوں میں مثالوں کے ذریعہ بہت سے حقائق واضح کئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ، دیگر انبیاء کرام اور حکمائے عالم کے کلام میں مثالیں بہت ملتی ہیں۔ اس لئے کہ مثالوں کے ذریعہ بہت

صُرِّبَتْكُمْ عُنُقِي فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۗ أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَّرَعْدٌ وَّ يَبْرِقُ يُجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُبِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

وہ لوگ بہرے (۳۷) ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، کبھی بھی (حق کی طرف) نہیں لوٹیں گے ﴿۱۸﴾ یا ان کی مثال (۳۸) آسمان سے بارش والے بادل کی ہے، جس میں ظلمتیں ہیں، اور گرج ہے، اور بجلی ہے، کڑک کی شدت کی وجہ سے، موت کے ڈر سے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہر طرف سے گھیرے (۳۹) ہوئے ہے ﴿۱۹﴾

سے پوشیدہ معانی کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ بہت سے حقائق سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ غائب حاضر بن کر سامنے آجاتا ہے اور دشمن کی قلبی کھل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْوَئُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ کہ یہ مثالیں ہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اور انہیں علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۳)۔

(۳۵) منافقین کی حقیقت اور ان کی صفات کو مزید اجاگر کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کی ایک اور مثال بیان کی اور بتایا کہ ان منافقین کی مثال اس آدمی کی ہے، جو کسی جنگل میں شدید ظلمت و تاریکی میں پھنس گیا، اسے روشنی کی شدید ضرورت تھی، اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا کہ آگ روشن کر تا اور روشنی حاصل کر تا۔ اس نے کسی دوسرے سے چنگاری لے کر آگ روشن کی، جب اس کے ارد گرد کا ماحول روشن ہو گیا، وہ جگہ دیکھی جہاں وہ کھڑا تھا، وہاں کے خطرات اور پھر امن و امان کے اسباب دیکھے، اس آگ سے فائدہ اٹھایا، اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی، اور اسے خیال ہونے لگا کہ یہ آگ اور یہ روشنی تو اس کے اختیار میں ہے، تو چاہک اللہ نے اس کی آگ بجھادی، اس کی روشنی چھین لی، اس کی خوشی رخصت ہو گئی، اور گھنا ٹوپ تاریکی چھا گئی، آگ کی سوزش رہ گئی اور روشنی رخصت ہو گئی، اب وہ تھا اور کئی قسم کی تاریکیاں تھیں جو اسے گھیرے میں لئے ہوئی تھیں۔ رات کی تاریکی، بادل کی تاریکی، بارش کی تاریکی، اور روشنی جانے کے بعد کی تاریکی، ذرا اندازہ کیجئے کہ ایسے آدمی کا کیا حال ہو گا!؟

یہی حال منافقین مدینہ کا بھی تھا انہوں نے مسلمانوں کے ایمان کی آگ سے اپنی آگ روشن کی، ان کے پاس اپنے ایمان کی آگ نہ تھی کچھ دیر اس سے فائدہ اٹھایا، ان کی جائیں محفوظ ہو گئیں، ان کے اموال بچ گئے اور دنیا میں یک گونہ سکون ملا۔ (۳۶) وہ اسی حال میں تھے کہ موت نے انہیں دبوچ لیا۔ جس جھوٹے نور سے انہیں فائدہ پہنچ رہا تھا وہ کھو گیا، اور غم و حراماں نصیبی اور عذاب نے انہیں آگھیرا، قبر کی تاریکی، کفر کی تاریکی، نفاق کی تاریکی، مختلف الانواع گناہوں کی تاریکی اور - عیاذ باللہ - اس کے بعد جہنم کی آگ کی تاریکی نے ہر طرف سے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اس سے بڑھ کر کیا بد نصیبی ہو سکتی ہے!؟

(۳۷) اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ خیر کی باتیں سننے سے بہرے ہیں، انہیں اپنی زبان سے ادا کرنے سے عاجز ہیں، اور نعمت بصیرت سے محروم ہیں، اس لئے اب وہ لوگ حق کی طرف کبھی بھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک دوسری مثال دی کہ ان کی مثال آسمان سے ہونے والی بارش کی ہے جس میں تاریکیاں ہوں، کڑک ہو، اور بجلی ہو، جب جب اس بجلی سے ذرا روشنی ہوتی ہے تو وہ چلنے لگتے ہیں، اور جب تاریکی عود کر آتی ہے تو گھبرا کر ٹھہر جاتے ہیں۔

يَكَادُ الْبَرِّ يُخْتَفُ أَبْصَارُهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْهُوا فِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اچک لے، جب جب ان کے لئے روشنی کر دیتی ہے، تو اس میں چل پڑتے ہیں، اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور ان کی آنکھوں کو لے جاتا (۲۰) بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۰﴾ اے لوگو، اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا (۲۱) کیا اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گذر گئے، تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ ﴿۲۱﴾ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش (۲۲) اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا جس کے ذریعہ اس نے مختلف قسم کے پھل نکالے، تمہارے لئے روزی کے طور پر، پس تم اللہ کا شریک (۲۳) اور مقابل نہ ٹھہراؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اس کا کوئی مقابل نہیں) ﴿۲۲﴾

یہی حال منافقین کا تھا کہ جب قرآن کریم میں مذکور اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید سنتے، تو مارے ڈر کے، اور رعب و خوف کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو کانوں میں ڈال لیتے، جتنا ان کے لئے ممکن ہوتا اتنا قرآن اور اس کی تعلیمات سے اعراض کرتے اور اسے بُرا جانتے، بالکل اس آدمی کی طرح جو بارش میں کڑک کی وجہ سے، موت کے ڈر سے، اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ شاید اس طرح موت کا خطرہ اس سے نکل جائے گا۔

(۳۹) لیکن منافقین کو کہاں سے نجات مل سکتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ کون اسے عاجز بنا سکتا ہے، کون اس کے قبضہ قدرت سے نکل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے کر رہے گا۔ (۴۰) جب منافقین کے اوپر ایمان کے سارے ہی راستے مسدود ہو گئے، معنوی طور پر بہرے، گونگے، اور اندھے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے مزید دھمکی دی کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کی ظاہری قوت سماعت و بصارت بھی چھین لیتا، اس لئے کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ دھمکی اس لئے دی کہ شاید وہ اپنی بعض شرارتوں اور منافقانہ چالوں سے باز آجائیں۔

(۴۱) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت اور اسلام کی حقانیت بیان کرنے کے بعد، یہ بتایا کہ مدینہ منورہ میں بسنے والے لوگ قرآن کریم کے بارے میں تین جماعتوں میں بٹ گئے تھے، مومنین کی جماعت جو قرآن پر ایمان لائی اور اس کے شرائع و احکام کو اپنی زندگی میں نافذ کیا، کافروں کی جماعت جس نے کھلم کھلا قرآن کا انکار کر دیا، اور تیسری جماعت منافقین کی جس نے نفاق اور دھوکہ دہی سے کام لیا، اور پھر اللہ نے تینوں جماعتوں کا انجام بتایا۔

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو خطاب کر کے کہا کہ اے انسانو! دیکھو، دھوکے میں نہ آؤ اور اپنی تخلیق کے مقصد کو فراموش نہ کرو، کبر و غرور سے کام نہ لو، اور اس اللہ کی بندگی کے لئے جھک جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تقویٰ کی راہ ہے اور یہی ذریعہ ہے اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچنے کا۔

وَلَنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾

اور اگر تم شک میں ہو اس (کلام) کی طرف سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے، تو اس جیسی ایک سورت (۲۳) لے کر آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے مددگاروں کو بلاؤ، اگر تم سچے ہو ﴿۲۳﴾

(۲۲) تمہارے اُوپر نعمتوں کی بارش کی، زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا، جس پر تم مکان بناتے ہو، کاشت کرتے ہو، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہو، اور آسمان کو تمہارے لئے چھت بنایا، اس میں شمس و قمر اور ستاروں کو بسایا تاکہ وہ تمہیں فائدہ پہنچائیں۔ اور بادل سے پانی برسایا، جس کے ذریعہ مختلف قسم کے پھل پیدا کئے، تاکہ تم انہیں استعمال کرو، ان سے قوت حاصل کرو اور زندہ رہو۔

(۲۳) ان ساری نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک نہ بناؤ، جو تمہاری طرح مخلوق ہیں، اور آسمان و زمین کے درمیان ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اور تم یہ جانتے بھی ہو کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے، روزی دینے والا ہے، اور وہی آسمان و زمین کے درمیان سارے امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس طرح اس آیت میں تین باتیں جمع ہو گئی ہیں، صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم، اس کے سوا کی عبادت کا انکار، اور توحید ربوبیت کا بیان کہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق، رازق اور مدبر نہیں۔ اور یہ کھلی دلیل ہے اس بات کی کہ سارے انسانوں پر صرف اس ذات واحد کی بندگی واجب ہے۔

بہت سے مفسرین نے اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا ہے، کیونکہ جو شخص سفلی اور علوی موجودات و مخلوقات، ان کی شکلوں، رنگوں، مزاجوں اور منافع پر غور کرے گا، اور اس بات پر غور کرے گا کہ اللہ نے انہیں کس مناسب انداز میں اور کیسی مناسب جگہوں پر رکھا ہے تو وہ خالق کے وجود پر ایمان لے آئے گا، اس کی قدرت، حکمت، علم اور اس کی عظیم بادشاہت کا یقین اس کے دل و دماغ پر ثبت ہو جائے گا۔

(۲۴) عقیدہ توحید کو ثابت کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ اور ان کی نبوت کی صداقت پر عقلی دلیل پیش کی ہے، اور کہا ہے کہ اے میرے رسول کی مخالفت کرنے والو، اس دعوت کو رد کرنے والو اور اسے جھوٹا بتانے والو، اگر تمہیں اس بارے میں شبہ ہے کہ واقعی یہ قرآن ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے، تو جان لو کہ وہ تمہاری طرح ایک انسان ہے۔ تم اسے یوم پیدائش سے جانتے ہو کہ نہ وہ لکھتا ہے نہ پڑھتا ہے۔ وہ ایک کتاب لایا اور تمہیں خبر دی کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، تو تم نے کہا کہ اس نے خود گھڑا ہے اور اللہ پر افترا پردازی کی ہے۔ اگر بات ویسی ہی ہے جیسا تم کہتے ہو، تو اس کتاب جیسی ایک سورت لے آؤ اور تمہارے جتنے معاون و مددگار ہوں ان سب کی مدد حاصل کر لو، اور یہ تمہارے لئے آسان بھی ہے اس لئے کہ تم لوگ فصاحت و خطابت کے بادشاہ ہو، اور میرے رسول سے تمہاری دشمنی بھی بہت بڑی ہے۔

اور اگر تم نہیں لاسکتے (جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ چودہ سو سال گذر گئے اور کوئی شخص اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا) تو یہ

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۗ وَبَشِّرِ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ قَرِيبًا قَالُوا
هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا بندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، جو تیار (۳۵) کی گئی ہے کافروں کے لئے ﴿۲۳﴾ اور خوشخبری (۳۶) دے دیتے ہیں ان لوگوں کو جو ایمان (۳۷) لائے اور عمل صالح کیا، کہ ان کے لئے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں (۳۸) جاری ہوں گی، جب جب ان باغات میں سے کوئی پھل (۳۹) کھانے کو دیا جائے گا، تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی (پھل) ہے جو ہمیں اس کے قبل کھانے کو دیا گیا تھا۔ اور ان کو ایسی روزی دی جائے گی، جو ایک دوسرے سے متشابه ہوگی، اور ان کے لئے ان میں پاکیزہ بیویاں (۵۰) ہوں گی، اور وہ لوگ جنتوں (۵۱) میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے ﴿۲۵﴾

کھلی نشانی اور واضح دلیل ہوگی اس امر کی کہ میرا رسول سچا ہے، اور وہ کتاب سچی ہے جو میں نے اس پر اتاری ہے، اور تمہارے عجز کا یہ اعتراف اس بات کا متقاضی ہے کہ تم اس کی اتباع کرو اور اس آگ سے ڈرو جس کا بندھن آدمی اور پتھر ہوگا اور یہ آگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

یہ آیت قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ دونوں کی صداقت پر دلیل ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہدایت قبول کرنے کی توقع اسی سے کی جاتی ہے جو شبہ میں مبتلا ہو اور حق کو جاننا چاہتا ہو، لیکن وہ مخالف جو حق کو جاننے کے باوجود اسے چھوڑ چکا ہو اس سے قبول حق کی توقع نہیں کی جاتی۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے لفظ ”عبد“ کا استعمال، اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی سب سے پہلی صفت یہی تھی، اسی لئے آپ نے اللہ کا حق عبودیت اس طرح ادا کیا کہ دوسرے سے اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

(۳۵) ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ یعنی جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جنت و جہنم اللہ کی دو مخلوق ہیں، اور موجود ہیں۔ جمہور اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے اور بہت سی صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۶) قرآن کریم کا یہ طریقہ ہے کہ ہر ترہیب (ڈرانا) کے بعد ترغیب (رغبت دلانا)، اور ہر خوشخبری کے بعد ہمسک کا ذکر ہوتا ہے، اس لئے جب کفار اور ان کے اعمال و عقاب کا ذکر ہو چکا، تو مناسب تھا کہ اہل ایمان اور ان کے لئے بشارتوں کا ذکر ہوتا۔ آیت میں مخاطب رسول اللہ ﷺ اور ہر دور میں ان کے قائم مقام لوگ ہیں۔

(۳۷) یعنی جو لوگ اپنے دل سے اللہ پر ایمان لائے اور ایمان کی تصدیق نیک اعمال کے ذریعہ کی۔

(۳۸) پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں۔

(۳۹) جنت کے پھل ناموں میں متشابه ہوں گے، لیکن ان کے مزے مختلف ہوں گے۔ ایک دوسرا قول ہے کہ رنگوں میں

متشابه ہوں گے لیکن ان کے نام مختلف ہوں گے۔ ایک تیسرا قول ہے کہ جنت کے پھل خوبصورتی، لذت اور ذائقہ میں ایک دوسرے کے متشابه ہوں گے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَا ذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم (۵۲) نہیں آتی کہ وہ کوئی مثال بیان کرے، مچھر (۵۳) کی، یا اس سے بھی زیادہ (کسی حقیر شے) کی، پس جو لوگ ایمان لائے، وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق بات ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے یہ مثال (۵۴) بیان کر کے کیا چاہا ہے، اس کے ذریعہ (اللہ) بہتوں کو گمراہ (۵۵) کرتا ہے، اور بہتوں کو اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے، اور اس کے ذریعہ صرف فاسقوں (۵۶) کو گمراہ کرتا ہے ﴿۲۶﴾ جو اللہ سے کئے گئے عہد کو توڑتے (۵۷) ہیں۔ اور جس کے جوڑنے (۵۸) کا اللہ نے حکم دیا ہے، اسے کاٹتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾

(۵۰) وہ ہر اعتبار سے پاک ہوں گی، ان کے اخلاق، ان کی خلقت، ان کی زبان اور نظر سب کچھ میں طہارت اور پاکیزگی ہوگی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حیض، نفاس، منی، پیشاب یا پاخانہ، تھوک، رینٹ اور بدبو سے پاک ہوں گی۔ (۵۱) انتہائے سعادت یہ ہوگی کہ ان تمام گونا گوں نعمتوں کے ساتھ وہاں کی زندگی دائمی ہوگی۔ نہ نعمتیں ختم ہوں گی اور نہ موت لاحق ہوگی۔

(۵۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب منافقین کی دو مثالیں بیان کیں، جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں آچکا تو منافقین نے کہا کہ اللہ اس سے برتر و بالا ہے کہ ایسی مثالیں بیان کرے تو ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي﴾ سے ﴿هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ تک نازل ہوئی۔

(۵۳) اللہ تعالیٰ حقیر ترین چیزوں (جیسے مچھر وغیرہ) کی مثال بیان کرنے میں بھی کوئی حیا محسوس نہیں کرتا، ان حکمتوں کے پیش نظر جو ان مثالوں میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اہل ایمان ان پر غور کرتے ہیں اور ان کے علم و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اگر ان پر ان کی حکمتیں نہیں بھی واضح ہوتی ہیں تو بھی وہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ مثالیں حق ہیں۔

(۵۴) لیکن اہل کفر و عناد حیرانگی اور تردد میں پڑ جاتے ہیں، اور ان کے کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور کہتے ہیں کہ ایسی مثال بیان کرنے سے اللہ کا کیا مقصد ہے، یعنی انکار کر دیتے ہیں۔

(۵۵) منافقین کا جواب دیا ہے اور مثالوں کی حکمت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مثالوں کے ذریعہ گمراہی میں بھٹکنے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور جن کے اندر ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے انہیں مزید ہدایت دیتا ہے۔

(۵۶) یہاں ”فسق“ سے مراد کفر ہے۔ ”فسق“ ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی، اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز چاہتے ہی نہیں، اس لئے حکمتِ الہیہ کے تقاضے کے مطابق انہیں گمراہ کر دیا گیا، کیونکہ ہدایت قبول کرنے کی ان کے اندر صلاحیت باقی ہی نہ رہی۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَآفًا لِّعِبَادِكُمْ يُؤْمِنُ بِكُمْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّمَاءِ فَسُؤْلُهُنَّ لَئِي السَّمَاءِ فَسُؤْلُهُنَّ سَبَّهِنَّ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

تم کیسے (۵۹) اللہ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان (۶۰) تھے، تو اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تم پر موت طاری کر دے گا، پھر تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۸﴾ اسی (۶۱) نے تمہارے لئے ان تمام (۶۲) چیزوں کو پیدا کیا جو زمین میں ہیں، پھر آسمان کی طرف متوجہ (۶۳) ہوا اور ان کو ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنایا، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۲۹﴾

(۵۷) ان اہل فسق کی صفت یہ ہوتی ہے کہ یہ اپنے رب سے اور دوسرے انسانوں سے کئے گئے عہد و موافقہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ کے اوامر کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(۵۸) اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ایمان اور اظہارِ عہدیت کے ذریعہ اپنا تعلق اس کے ساتھ استوار کریں، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں، وہ اس طرح کہ ان پر ایمان لائیں، ان سے محبت کریں اور ان کی اتباع کریں۔ اسی طرح والدین، خویش و اقارب، دوست و احباب اور تمام بندگان اللہ کے ساتھ حسب مراتب اپنا رشتہ صحیح رکھیں، اور سب کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ اہل ایمان ان حقوق کا خیال رکھتے ہیں اور حق المقدور ہر رشتے کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن اہل فسق تمام ہی رشتوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ دین حق کا مذاق اڑاتے ہیں اور لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے ہیں، درحقیقت یہی لوگ گھانا اٹھانے والے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے تقض عہد، قطع تعلقات اور فساد فی الارض کو اپنا شیوہ بنا لیا۔

(۵۹) استفہام بمعنی تعجب، انکار اور توہین ہے، اور خطاب انہی کافروں کو ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، کہ حیرت ہے کہ تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں عدم سے پیدا کیا ہے، پھر تمہاری عمریں پوری ہو جانے کے بعد تم پر دوبارہ موت طاری کرے گا، پھر تمہیں قیامت کے دن زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا بدلہ تمہیں دے؟! حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرتے، اللہ پر ایمان لاتے، اس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کے ثواب کی امید کرتے۔

(۶۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، اپنی قدرت، اور اپنے خالق ہونے پر ایک دوسری دلیل پیش کی ہے کہ جس طرح اس نے تمہیں عدم سے پیدا کیا، پھر تمہیں موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا، اسی طرح اس نے تمہارے لئے زمین اور اس میں موجود تمام نعمتیں پیدا کیں اور پھر آسمان کو پیدا کیا۔

(۶۱) اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت پر اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کر کے بعث بعد الموت پر دلیل پیش کیا، پھر اچھوتے انداز میں کائنات کی تخلیق کا ذکر کیا، اور کہا کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے، اس لئے وہ ہر چیز کو احسن طریق پر پیدا کرنے پر قادر ہے، اس نے آدم کو پیدا کیا اور اسے علم سے نوازا جس سے اس کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

(۶۲) یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان کے بارے میں اصل حکم اباحت و طہارت

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ
وَمَن نُّسِئُهُ بِمَعْدِكَ وَقَدْ أَسْلَمْنَا لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۵﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۶۶﴾

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا (۶۵) کہ میں زمین میں ایک نائب (۶۶) بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ (اے اللہ) کیا تو اس میں ایسے آدمی کو نائب بنائے گا جو اس میں فساد (۶۷) پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا، اور ہم تو تیری تسبیح اور حمد و ثنا میں لگے رہتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ نے) کہا جو میں جانتا (۶۸) ہوں تم نہیں جانتے ﴿۳۰﴾ اور (اللہ نے) آدم کو تمام (۶۹) نام سکھا دیئے۔ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش (۷۰) کیا اور کہا کہ مجھے ان کے نام (۷۱) بتاؤ، اگر تم سچے ہو ﴿۳۱﴾

ہے، یہاں تک کہ کسی چیز کی حرمت یا ناپاکی کے بارے میں کوئی صریح دلیل نہ آجائے۔

(۶۳) قرآن کریم میں (استوائی) تین معنوں میں استعمال ہوا ہے: اگر کسی حرف سے متعدی نہیں ہے تو کمال و تمام کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ﴾ اور اگر حرف (علی) کے ذریعہ متعدی ہے تو (علا) اور (ارتفع) کے معنی میں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾ ﴿۳۰﴾ اور اگر (إلى) کے ذریعہ متعدی ہے تو (تقد) کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ﴾ یعنی اللہ نے آسمان کی طرف قصد کیا: اور اسے سات آسمان بنایا اور مضبوط و مستحکم کیا۔ اور وہ آسمان و زمین کے درمیان کی ہر چیز کو جانتا ہے، ہر ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے۔

(۶۴) اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا۔ اور سورہ نازعات کی آیت ﴿وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ ﴿۳۰﴾ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پیدا کیا پھر زمین کو پھیلا یا اور اس میں درخت اور گھاس وغیرہ اگائے۔

(۶۵) اس میں بنی آدم پر ایک طرح کے احسان کا ذکر ہے کہ اللہ نے انہیں پیدا کرنے سے قبل فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر کیا اور ان کی فضیلت بیان کی۔

(۶۶) یعنی ایک ایسی قوم کو پیدا کرنا چاہتا ہوں جس کی ایک نسل دوسری نسل کے بعد آتی رہے گی۔

(۶۷) فرشتوں کی مراد اس سے یہ تھی کہ آدم کی ذریت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زمین میں فساد پھیلائیں گے، اللہ نے شاید خاص طور پر انہیں بشری طبیعت کا علم دے دیا تھا۔ اور اس سوال سے ان کا مقصد تخلیق آدم کی حکمت جانتی تھی، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر اعتراض۔

(۶۸) میں ان میں انبیاء و رسل پیدا کروں گا، ان میں صدیقین، شہداء، صالحین، عباد، زہاد، اولیاء و ابرار، علماء و تقیاء اور اللہ سے خالص محبت کرنے والے پیدا ہوں گے۔

(۶۹) اجمالی طور پر آدم کی فضیلت بیان کرنے کے بعد، اب اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ نیز فرشتوں کے سوال میں اس

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِالْاٰمَاعَلَمَتِنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا اَنْۢبَاَهُمْ
بِاَسْمَائِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تَدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ
قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ (اے اللہ) تیری ذات (ہر عیب سے) پاک ہے، ہمارے پاس کوئی علم نہیں، سوائے اس کے جو
تو نے ہمیں سکھایا (۷۲) ہے، تو ہی بے شک علم و حکمت والا ہے ﴿۳۲﴾ (اللہ نے) کہا اے آدم، تو ان فرشتوں کو
ان چیزوں کے نام بتا، جب آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتادیئے، تو اللہ نے کہا، کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا
کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی (۷۳) ہوئی باتوں کو جانتا ہوں، اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو
چھپاتے ہو ﴿۳۳﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ (۷۴) کرو، تو سب (۷۵) نے سجدہ کیا، مگر ابلیس (۷۶)
نے انکار کر دیا۔ اور استکبار سے کام لیا، اور وہ (اللہ کے علم میں) کافروں (۷۷) میں سے تھا ﴿۳۴﴾

طرف اشارہ تھا کہ وہ آدم سے افضل ہیں، اسی لئے اللہ نے انہیں بتانا چاہا کہ آدم اُس علم کی بدولت جو اللہ نے انہیں دیا ہے اُن
سے افضل ہیں، اور یہ کہ اللہ ہی حکمتوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔

اللہ نے تمام چیزوں سے متعلق ضروری علم اُن کے اندر ودیعت کر دی۔ اور (تمام چیزوں) سے مراد وہ ساری مخلوقات
اور وہ سب اشیاء ہیں جو دنیا میں پائی جاتی ہیں۔

(۷۰) ابن جریر کہتے ہیں کہ ان آیات میں یہودیہ کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، وہ اس طرح کہ
اللہ نے ان آیات میں اپنے نبی کو وہ باتیں بتائی ہیں جن کا علم بغیر وحی کے ممکن نہیں۔ اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ رسول اللہ
ﷺ سچے ہیں اور ان کا دین سچا ہے۔ اس لئے یہودیہ کو ان پر ایمان لے آنا چاہئے۔

(۷۱) اللہ نے فرشتوں سے ان اشیاء کے نام پوچھے، حالانکہ اللہ جانتا تھا کہ وہ ان کے نام بتانے سے عاجز ہیں۔ اس میں
فرشتوں کی ایک طرح سے سرزنش تھی اور اس بات کا مزید اظہار کہ وہ خلیفہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

(۷۲) فرشتوں کو اپنی غلطی اور علمی کم مائیگی کا احساس ہوا، تو فوراً اللہ کے حضور توبہ کی، اور کہا کہ اے اللہ، ہم تو اتنا ہی علم رکھتے
ہیں جتنا تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

(۷۳) تمام غیبی امور کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اسی حقیقت کو یہاں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین اور ان کے
درمیان کے تمام غیبی امور کو جانتا ہے، انہی غیبی امور میں سے اللہ کا یہ علم بھی تھا کہ آدم علیہ السلام تمام اشیاء کا نام بتادیں گے
اور فرشتے عاجز رہیں گے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی آگئی کہ آدم اور اس کی ذریت میں خلیفۃ الارض بننے کے جن اسباب
و مبررات کو اللہ جانتا ہے وہ فرشتے نہیں جان سکتے، اور اس کا مشاہدہ بھی ہو گیا کہ آدم نے تمام چیزوں کے نام بتادیئے جبکہ
فرشتے عاجز رہے۔

(۷۴) جب آدم علیہ السلام نے تمام اشیاء کے نام بتادیئے، اور ان کی فضیلت فرشتوں پر ثابت ہو گئی، تو اللہ نے فرشتوں کو
حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ اس سجدہ سے مقصود آدم کی تعظیم، اور فرشتوں کی طرف سے ایک طرح کا اعتذار تھا اُس بات

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے کہا ہے آدم تم اور تمہاری بیوی (۷۸) جنت میں رہو، اور اس میں جتنا چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ (۷۹) اور اس درخت کے قریب مت جاؤ، ورنہ ظالموں (۸۰) میں سے ہو جاؤ گے ﴿۳۵﴾

پر جو انہوں نے آدم کے بارے میں کہی تھی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے آدم کی انتہائی تکریم تھی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا تھا اور ایسا اللہ کے حکم سے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾ کہا (إلى آدم) نہیں کہا اور ہر حرف کا ایک معنی ہوتا ہے، یعنی آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، آدم کی طرف رخ کر کے، اللہ کے لئے سجدہ کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ﴾ یعنی شمس و قمر کو سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو۔ (فصلت: ۳۷)..... آگے چل کر لکھتے ہیں: سجدہ ایک تشریح ہے، اس کے بارے میں اللہ کے حکم کی اتباع کی جائے گی۔ اگر اللہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ اس کی کسی مخلوق کو سجدہ کریں تو ہم اس کے حکم کی اتباع کریں گے اور اس مخلوق کو سجدہ کریں گے..... معلوم ہوا کہ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اللہ کی بندگی اور اطاعت تھی، اور وہ آدم کے لئے تعظیم و تکریم کا اظہار تھا۔

(۷۵) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فرشتوں سے مراد وہی فرشتے ہیں جو ابلیس کے ساتھ زمین میں تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کا قول نہیں ہو سکتا۔ عام اہل علم کا یہ خیال ہے کہ یہاں تمام فرشتے مراد ہیں۔ جو اس کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن کا انکار کرتا ہے۔ اللہ نے تو فرمایا ہے: ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ یعنی تمام فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ (دیکھئے محاسن التنزیل للقاسمی)۔

(۷۶) ابلیس کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ فرشتوں میں سے تھا یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ جنوں میں سے تھا۔ دونوں ہی جماعتوں نے قرآن کریم سے دلیل پیش کی ہے۔ صاحب کشف کہتے ہیں کہ ابلیس تھا تو جنوں میں سے، اور سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، لیکن چونکہ ابلیس فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا، انہی کی طرح اللہ کی عبادت کرتا تھا، اس لئے جب اللہ نے فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا تو یہ حکم ابلیس کو بھی شامل تھا۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں اقوال دراصل ایک قول ہے، اس لئے کہ ابلیس صورت میں فرشتوں کے جیسا تھا، لیکن اصل و مادہ میں فرشتوں سے مختلف تھا۔ اس لئے کہ اس کی اصل آگ ہے اور فرشتوں کی اصل نور ہے۔ (۷۷) یعنی یہ بات ازل سے اللہ کے علم میں تھی کہ ابلیس ایک دن کافر ہو جائے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلا کافر ابلیس تھا۔ اور اس کا سبب کبر و غرور تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ جس آدمی کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)۔

(۷۸) اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا، ان کو عزت دی، اور پھر ان کی بیوی کو ان کی پہلی سے پیدا کیا، تاکہ آدم ان کے ذریعے سکون حاصل کریں، اور اللہ نے اپنی نعمت ان پر تمام کر دی کہ دونوں کو حکم دیا کہ جنت میں رہیں اور اس کی نعمتوں سے

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرُّوٓا
مَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾

پھر شیطان نے ان دونوں کو لغزش (۸۱) میں مبتلا کر دیا، اور انہیں اُس نعمت و راحت سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا کہ پستی میں اُتر (۸۲) جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن (۸۳) ہو گے، اور تمہارے واسطے زمین ٹھکانا ہے، اور ایک (مقرر) وقت (۸۴) تک فائدہ اٹھانا ہے ﴿۳۶﴾

لطف اندوز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ * وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْنَعُ *﴾ اللہ نے آدم سے کہا کہ جنت میں نہ تمہیں بھوک لگے گی اور نہ تم نگے ہو گے، نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ گرمی۔ (ط: ۱۱۸/۱۱۹)۔

(۷۹) اللہ تعالیٰ نے آدم کے لئے جنت کی ہر نعمت مباح کر دی، سوائے اس درخت کے جس کا کھانا اللہ نے ان کے لئے ممنوع قرار دے دیا، تاکہ ان کے لئے اس ممنوع درخت کو کھانے کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ ممانعت اللہ کی طرف سے ان کا امتحان تھا۔ اور اُس درخت کے قریب ہونے سے منع کیا، اس سے کھانے کی حرمت میں مبالغہ مقصود ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ قرآن و سنت میں اُس درخت کی تعین نہیں آئی ہے، کسی نے کہا وہ گیہوں کا پودا تھا، کسی نے اسے انگوڑا درخت کہا ہے، اور کسی نے انجیر کا۔ ممکن ہے انہی میں سے کوئی درخت ہو۔ بہر حال اس کے جان لینے سے سامع کو نہ کوئی مزید نفع پہنچے گا اور نہ اس کے نہ جاننے سے کوئی نقصان۔ اس لئے اس گریہ میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۸۰) یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آیت میں (نہی) تحریم کے لئے ہے۔ اس لئے کہ ممنوع درخت کو کھانے کا نتیجہ ظلم بتایا گیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ کے اوامر و نواہی کو استحباب و کراہت پر محمول کرنا بغیر کسی ایسی دلیل کے جائز نہیں جو واضح طور پر بتاتی ہو کہ یہ امر یا نہی استحباب یا کراہت کے لئے ہے۔

(۸۱) شیخ الإسلام تقی الدین بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور متاخرین کی جماعت نے کہا ہے کہ ابلیس نے آدم کے سامنے قسم کھائی اور متعدد طریقوں سے انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے لئے خیر خواہ ہے۔ اور آدم کو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے، اس لئے دھوکے میں پڑ گئے، اور گمان کر لیا کہ اگر اس درخت کا پھل کھالیں گے تو جنت سے نہ نکلیں گے، اور یہ بھی ان کے دل میں بات آگئی کہ اگرچہ اس میں یہ خرابی ہے کہ اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے، لیکن فائدہ بہت بڑا ہے کہ ہمیشہ کے لئے جنت کے مقیم ہو جائیں گے، اور بعد میں اللہ سے معذرت کر لیں گے اور توبہ کر کے اپنا گناہ معاف کرالیں گے، اسی لئے انہوں نے معصیت کا ارتکاب کر لیا، اور یہی ہر اس مومن کی نیت ہوتی ہے جو شیطان کے پھندے میں آکر گناہ کرتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ ابھی یہ گناہ کر لیتا ہوں، پھر توبہ کر لوں گا اور اللہ سے معافی مانگ لوں گا۔

چنانچہ شیطان اُن کے پیچھے لگا رہا، انہیں طرح طرح سے بہکا تا رہا، اُن کے دل و دماغ میں یہ بات ڈالتا رہا کہ وہ اس ممنوع درخت کو کھالینے کے بعد ہمیشہ کے لئے جنت میں رہنے لگیں گے اور کبھی بھی اس سے نہ نکلیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿وَقَسَمْنَا لَكَ يَا آدَمُ أَن لَنَمُنَّ بِكَ وَلَا نَجْعَلُ لَكَ جَنَّاتٍ سَائِمِينَ *﴾ اور شیطان نے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا بہت بڑا خیر خواہ ہوں۔ (الاعراف: ۲۱)۔

فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۸۵﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِنَّا يَا آدَمُ كُنتَ هُدًى مِّنْ تَابِهِ هَذَا أَيُّ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَهْمٌ يُحْزِنُوكُمْ ﴿۸۶﴾

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات (۸۵) سیکھے، تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے (۸۶) ﴿۳۷﴾ ہم نے کہا تم سب اس سے نیچے (۸۷) جاؤ، پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت آئے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پابندی کریں گے، انہیں نہ تو کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ ہی وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے ﴿۳۸﴾

(۸۲) یہ خطاب آدم، حوا اور شیطان تینوں کو ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب صرف آدم اور حوا کو ہو، کیونکہ وہ دونوں افزائش نسل انسانی کا ذریعہ تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے۔ (مسلم، نسائی)۔

(۸۳) یعنی آدم اور ان کی اولاد، ابلیس اور اس کی اولاد کے دشمن ہوں گے، اور معلوم ہے کہ ہر شخص اپنے دشمن کو ہر ممکن طریقے سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ اس کا دشمن ہر نعمت سے محروم ہو جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ ﴿۸۴﴾ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، اس لئے تم اُسے دشمن سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ والوں کو بلاتا ہے، تاکہ وہ سب جہنمی ہو جائیں۔ (فاطر: ۶)۔ اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا﴾ ﴿۸۵﴾ کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو، حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ ایسے ظالموں کا بُرا بدلہ ہے۔ (الکہف: ۵۰)۔

(۸۴) یعنی دنیاوی زندگی ختم ہونے تک زمین پر رہو گے، پھر دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو جاؤ گے جس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو، اور جو تمہارے لئے بنایا گیا ہے۔

اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے، یہاں انسان کو اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ آخرت کے لئے تیاری کرے۔

(۸۵) وہ کلمات جو اللہ نے آدم کو سکھائے تاکہ ان کے ذریعہ اپنی توبہ کا اعلان کریں، یہ دعا تھی: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونُنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ﴿۸۶﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا، اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہمارے حال پر رحم نہ کیا تو ہم بے شک خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ (الاعراف: ۲۳)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ آدم نے کہا: یا رب! کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا؟ اللہ نے کہا: ہاں، آدم نے کہا: اگر میں توبہ کروں اور اپنی حالت درست کر لوں، تو کیا تو مجھے دوبارہ جنت میں لوٹا دے گا؟ اللہ نے کہا: ہاں۔ (حاکم)۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے وہی لوگ جہنم والے ہوں گے، اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۳۹﴾

(۸۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام جمع کر دیئے ہیں، اس میں توبہ کرنے والے کے لئے ایک طرح کا وعدہ ہے کہ اللہ اُس کی توبہ قبول کرے گا اور اس پر مہربان ہوگا۔

(۸۷) آدم کے زمین پر چلے جانے کا ذکر دوبارہ اس لئے ہوا تاکہ اس کے بعد آنے والا حکم اُس پر مرتب ہو سکے، اور یہاں مراد آدم کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو خطاب کر کے کہا کہ تم زمین پر رہو گے، اور ہم تمہاری ہدایت کے لئے کتابیں اتاریں گے اور انبیاء و رسل بھیجیں گے، تو جو لوگ میری بھیجی گئی ہدایت کی اتباع کریں گے، انہیں نہ دنیا میں کسی کھوئی ہوئی چیز کا غم ہوگا، اور نہ آخرت میں اپنے انجام کے بارے میں کوئی خوف لاحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾ یعنی جو میری ہدایت کو مانے گا وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں اسے بد نصیبی لاحق ہوگی (ط: ۱۲۳)۔ اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، اُن کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں وہ لوگ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جہنم، جنہیں اُس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا، وہ لوگ نہ اُس میں مریں گے اور نہ زندہ ہی رہیں گے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر ان کو موت لاحق ہو جائے گی، یہاں تک کہ کوئلہ ہو جائیں گے۔ اُس کے بعد ان کے لئے شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور یہاں ابن جریر طبری کی روایت کے الفاظ کا ترجمہ درج کیا گیا ہے)۔ (فائدہ) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جنت جس سے آدم نکالے گئے تھے زمین پر تھی۔ اور جنت سے نکل کر زمین پر جانے کا مطلب، ایک علاقہ سے دوسرے علاقے میں منتقل ہونا ہے۔ اور اس کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے ہیں جو قابل قبول نہیں۔ اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اس جنت سے مراد وہی جنت ہے، جسے اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے۔ اور جو کوئی کہتا ہے کہ وہ جنت زمین پر ہندوستان یا جگہ یا کسی اور جگہ تھی، تو وہ طحطاہ بدعتی ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(فائدہ) ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کا خیال ہے کہ شیطان نے آدم کو براہ راست اور رو برو جا کر بہکایا۔ اس کی دلیل قرآن کریم کی آیات ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے۔ شیطان نے آدم سے کہا: ﴿يَا آدَمُ هَكَذَا أَتَىٰ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ کیا میں تمہیں شجرہ خلد کا پتہ دوں؟ (ط: ۱۲۰)۔ دوسری جگہ کہا: ﴿مَّا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنِ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ﴾ یعنی اللہ نے تم دونوں کو اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ تم دونوں فرشتے یا اس جنت میں رہنے والے نہ بن جاؤ۔ (الأعراف: ۲۰)۔ اور تیسری جگہ قرآن کریم ابلیس کی بات نقل کرتا ہے: ﴿إِنِّي لَكُمْ لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ کہ میں تم دونوں کا بڑا ہی خیر خواہ ہوں۔ اور یہ باتیں تو رو برو گفتگو میں ہی ہو سکتی ہیں۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓئِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّاىَ فَاذْهَبُوْنَ ۝

اے بنی اسرائیل (۸۸) میری اس نعمت (۸۹) کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دیا اور مجھ سے کئے ہوئے عہد (۹۰) کو پورا کرو، میں تم سے کئے ہوئے عہد کو پورا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿۳۰﴾

(فائدہ) مفسرین نے ان آیتوں سے اور انہی جیسی دوسری آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ ثواب و عقاب میں جن انسانوں کے مانند ہیں، اور انسانوں میں جس طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے، اسی طرح جنوں میں بھی ہوں گے، کیونکہ اللہ کے ادھر و نواہی دونوں کو شامل ہیں۔

(۸۸) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی پیدائش کی ابتدا کا ذکر کیا، پھر عام انسانوں کو اپنی بندگی کرنے کی دعوت دی، اس کے بعد ان آیتوں میں بطور خاص بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے رہتے تھے، اور زیادہ حقدار تھے کہ آپ ﷺ پر ایمان لاتے، کیونکہ تورات کے ذریعہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی صداقت کو خوب جان گئے تھے۔

اس آیت سے لے کر آیت (۱۳۲) تک بنی اسرائیل کا ہی ذکر ہے، کہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نرم لہجہ میں اسلام کی طرف بلا یا ہے، اُن پر اور ماضی میں ان کے آباء و اجداد پر اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے، کہیں اُنہیں ڈرایا ہے، تو کہیں ان کے خلاف جہت قائم کر کے ان کی بد اعمالیوں پر انہیں ڈانٹ پلائی ہے، اور ان کے آباء و اجداد کو جو سزائیں ملیں اُن کا ذکر کیا ہے۔

”اسرائیل“ یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے، اس لئے بنی اسرائیل سے مراد اولادِ یعقوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کا ذکر کر کے ان کی اولاد یعنی یہود کو نیکی کی رغبت دلانی چاہی ہے کہ اے اللہ کے نیک بندے یعقوب کے بیٹے، اپنے باپ کے مانند نیک بنو۔

(۸۹) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گونا گوں نعمتیں دیں۔ ان کی ہدایت کے لئے بڑے بڑے انبیاء و رسل بھیجے، کتابیں نازل کیں، فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دی، زمین پر بادشاہت دی، پتھروں سے پانی کے چشمے جاری کئے اور کھانے کے لئے مَن و سلوئی اُتارا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہودیوں کو اللہ نے نصیحت کی کہ وہ اپنے آباء و اجداد پر کئے گئے احسانات کو یاد رکھیں، انہیں فراموش نہ کریں اور دین اسلام میں داخل ہو جائیں، تاکہ ان پر اللہ کا وہ عذاب نہ نازل ہو جو ماضی کے اُن اولادِ یعقوب پر نازل ہوا، جنہوں نے احسان فراموشی کی، اور اللہ کی نعمتوں کو بھول گئے، اس لئے ﴿اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ سے مراد ﴿اَنْعَمْتُ عَلٰی اٰبَائِكُمْ﴾ ہے۔ یعنی ان نعمتوں کو یاد کرو، جو اللہ نے تمہارے آباء و اجداد کو دیا تھا۔

(۹۰) یہاں دو عہدوں کا ذکر ہے، ایک وہ عہد جو اللہ نے بنی اسرائیل سے لیا، اور دوسرا وہ جو اللہ نے بنی اسرائیل سے کیا۔ بنی اسرائیل سے لئے گئے عہد کا ذکر دوسری آیتوں میں یوں آیا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الرِّزْقًا وَاَمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَرْتُمْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهُ قَرْضًا حَسَنًا لَّا تُكْفِرُنَّ عَنْكُمْ سِيِّئَاتِكُمْ وَاَلَا خَلَقْنٰكُمْ وَاَمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور انہیں میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر کئے، اور اللہ نے فرما دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان

وَأَمَّا إِنَّمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا بِآيَاتِي تَمَنَّا قَلِيلًا وَإِنَّمَا فَاتَتْكُمُ ۖ وَلَا تَكُونُوا
الْحَقُّ بِالْبَاطِلِ وَكَذَّبُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور اس کتاب پر ایمان (۹۱) لاؤ جو میں نے اتاری ہے اس کتاب کو سچ (۹۲) بتانے کے لئے جو تمہارے پاس ہے، اور اُس کے سب سے پہلے منکر (۹۳) نہ بنو، اور میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی قیمت (۹۴) نہ لو، اور مجھ سے ڈرو ﴿۳۱﴾ اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ (۹۵) اور جانتے ہوئے حق کو نہ چھپاؤ ﴿۳۲﴾

لائے، اور ان کی مدد کرتے رہے، اور اللہ تعالیٰ کو عمدہ قرض دیتے رہے، تو تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا اور تمہیں اُس جنت میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (المائدہ: ۱۲)۔

اُس عہد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے، جن کی تمام صفات اپنی کتاب تورات میں وہ پڑھ چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے عہد کیا تھا کہ اگر انہوں نے اللہ سے کئے گئے عہد و پیمان کو پورا کیا تو اللہ انہیں جنت میں داخل کرے گا۔

(۹۱) ابن جریر نے اس کی تفسیریوں کی ہے کہ اے بنی اسرائیل کے وہ لوگو جنہوں نے مجھ سے کئے گئے عہد و پیمان کو ضائع کر دیا، اور جنہوں نے میرے رسول (ﷺ) کو جھٹلایا جن پر ایمان لانے کا عہد میں نے ان تمام کتابوں میں لیا تھا جو انبیائے بنی اسرائیل پر اتاری گئیں، مجھ سے ڈرو اور دیکھو آگاہ رہو کہ اگر تم لوگوں نے میرے رسول کی اتباع نہ کی اور قرآن کریم پر ایمان نہ لائے تو کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ لاحق ہو جائے جو تمہارے اُن اجداد کو لاحق ہوا جنہوں نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی، اور میرے رسولوں کی تکذیب کی۔

(۹۲) ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں قرآن کی تصدیق کا حکم دیا، اور بتایا کہ قرآن کی تصدیق دراصل تورات کی تصدیق ہے۔ اس لئے کہ اگر انہیں قرآن میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق اور ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، تو یہی بات انجیل و تورات میں بھی موجود ہے، اس لئے اگر وہ محمد ﷺ پر اتاری گئی کتاب کی تصدیق کرتے ہیں، تو گو یا تورات کی تصدیق کرتے ہیں، اور اگر اس کی تکذیب کرتے ہیں تو گو یا تورات کی تکذیب کرتے ہیں۔

(۹۳) یعنی اہل کتاب میں قرآن کریم کا سب سے اولین انکار کرنے والے نہ بنو، ورنہ کفار مکہ تو قرآن کا پہلے انکار کر چکے تھے۔ مدینہ منورہ کے یہودی بنی اسرائیل میں پہلے لوگ تھے، جن کو اللہ نے قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی، اور حق تو یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی صفات کو پہلے سے تورات کے ذریعہ جانتے تھے، لیکن انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے پہلے منکر بن گئے۔

(۹۴) یعنی دنیا اور اس کی خواہشات کی خاطر (جو بہت ہی قلیل اور فانی ہیں) قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کا انکار مت کرو، اور مجھ سے ڈرتے رہو، یعنی ایمان لے آؤ، حق کی اتباع کرو اور دنیا کی عارضی نعمتوں کے دھوکے میں نہ پڑو۔

(۹۵) یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حق و باطل کو خلط ملط کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کتمان حق سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ ہونا تو یہ چاہئے کہ اہل علم و اہل کتاب باطل کی تردید کریں اور حق کو ظاہر کریں، لوگوں کو بتائیں کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، تاکہ ہدایت چاہنے والے ہدایت حاصل کریں، مگر اہل لوگ حق کی طرف رجوع کریں اور سوسائٹی

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْتَعُوا مَعَ الرَّكْعَيْنِ ۚ أَتَا مَرُؤُنَ النَّاسَ بِالْبُرُودِ تَسْنُونَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۹۶﴾ وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۹۷﴾ الَّذِينَ يَتْلُونَ آيَاتَهُمْ تُقَارِعُهُمْ وَآيَاتُهُمْ يَنْجِعُونَ ﴿۹۸﴾ لِيَذُرَ لِإِسْرَائِيلَ آذِكْرًا وَعِزَّةً لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ وَاللَّهُ فَضْلُهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۹۹﴾

اور نماز قائم ﴿۹۶﴾ کرو اور زکاۃ ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۳۳﴾ کیا تم لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دیتے ہو ﴿۹۷﴾، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو، کیا تم ہوش نہیں کرتے ﴿۳۳﴾ اور مدد لو صبر ﴿۹۸﴾ اور نماز کے ذریعہ، اور یہ (نماز) بہت بھاری ﴿۹۹﴾ ہوتی ہے، سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں ﴿۳۵﴾ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿۳۶﴾ اے بنی اسرائیل، میری وہ نعمت ﴿۱۰۰﴾ یاد کرو جو میں نے تمہیں دی، اور یہ کہ میں نے تمہیں سارے جہان ﴿۱۰۱﴾ والوں پر فضیلت دی ﴿۳۷﴾

میں مخالفین حق کے خلاف حجت قائم ہو۔ کیوں کہ جو لوگ ایسا کریں گے وہی قوموں کے رہنما اور رسولوں کے نائب ہوں گے۔ اور جو حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کریں گے اور کتمان حق سے کام لیں گے، وہ جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ اس لئے کہ لوگ دینی امور میں علماء کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے اے اولاد یعقوب، تم اپنے لئے دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کر لو۔

﴿۹۶﴾ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت میں علمائے بنی اسرائیل اور منافقین بنی اسرائیل کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، نماز پڑھیں، زکاۃ دیں، مسلمانوں کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں اور پورے طور پر اللہ کی بندگی اختیار کر لیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿وَارْتَعُوا مَعَ الرَّكْعَيْنِ﴾ * میں نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے اس سے ثابت ہوا کہ نماز باجماعت واجب ہے۔

﴿۹۷﴾ بنی اسرائیل کے بارے میں سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ تمہارے اندر ایک اور بہت ہی بڑی صفت ہے کہ تم لوگوں کو تو ایمان اور بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم تورات پڑھتے ہو جس میں خیانت، ترک خیر اور قول و عمل میں تضاد پر بہت ہی شدید وعید آئی ہے۔ اس خصلت کی مزید بُرائی بیان کرنے کے لئے اللہ نے آخر میں کہا کہ کیا تمہارے پاس اتنی بھی عقل نہیں کہ قول و عمل کے تضاد کی بُرائی کو محسوس کر سکو!؟

﴿۹۸﴾ بنی اسرائیل کو گزشتہ آیتوں میں حُبِ دُنْیَا اور حُبِ مَال سے بچنے کی نصیحت کی گئی، جو بغیر صبر و ثبات کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اللہ نے اس آیت میں انہیں صبر اور نماز کی تلقین کی۔ صبر کے بغیر تو کوئی کارِ خیر وجود میں نہیں آسکتا۔ اور نماز کا لب لباب اللہ کے حضور دل کا جھکاؤ ہے جو ایمان و عمل کے میدان میں ثبات قدمی کے لئے سب سے بڑی مددگار ہے۔

﴿۹۹﴾ جن کے دل کے اندر اللہ کے لئے جھکاؤ نہیں ہوتا، اُن کے اوپر نماز بہت بھاری ہوتی ہے، اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں، نماز میں انہیں سکون ملتا ہے۔

وَأَتَقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَإِذْ نَبِّئْنَاكَ مِنَ الْإِلٰهِ فِرْعَوْنَ يَسُومُ مَوْلَاكَ سَوْمَ الْعَذَابِ يُدْمِنُ بِكُفْرِهِ وَيَسْتَعِينُ نِسَاءَ كُفْرِهِ فِي ذٰلِكَ لَكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور اس دن سے ڈرو (۱۰۰) جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، اور نہ ہی کوئی معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۱۰۰﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات (۱۰۱) دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اُس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ﴿۱۰۱﴾

(۱۰۰) نعمتوں کی دوبارہ یاد دہانی اس لئے کی گئی ہے تاکہ گذشتہ باتوں کی مزید تاکید کی جاسکے، اور آئندہ آیتوں میں آنے والے وعید شدید کا بنی اسرائیل کے کفرانِ نعمت کے ساتھ ربط پیدا کیا جائے۔

(۱۰۱) نعمتوں کا بالعموم ذکر کرنے کے بعد اب ایک خاص نعمت کا ذکر کیا گیا ہے اور خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے یہود سے ہے، لیکن مراد اُن کے آباء و اجداد ہیں، اور (عالم) سے مراد اُس دور کا عالم ہے، اور فضیلت دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اُن میں رسولوں کو بھیجا، کتابیں اُتاریں، اور اُنہیں بادشاہت عطا کی۔ اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے یہود مدینہ میں نے تمہارے آباء و اجداد کو ان کے دور کے دوسرے لوگوں پر فضیلت دی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہی معنی مراد لینا ضروری ہے کیونکہ اُمّتِ محمدیہ اُن سے بلاشبہ افضل ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ﴾ یعنی اے مسلمانو! تم بہترین لوگ ہو جو پیدا کئے گئے ہو، لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور بُرائیوں سے روکتے ہو، اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا۔ (آل عمران: ۱۱۰)۔

(۱۰۲) یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قیامت کے دن سے ڈرایا ہے، کہ اگر تم لوگ میرے رسول اور اس پر نازل کردہ کتاب پر ایمان نہ لائے اور اسی حال میں قیامت کے دن ہمارا سامنا ہوا تو نہ کوئی رشتہ دار اُس دن کام آئے گا، نہ کسی کی سفارش، اور نہ ہی عذاب سے جان برونے کے لئے کوئی معاوضہ یا رشوت ہی قبول کی جائے گی، اور نہ کوئی تمہاری مدد کے لئے آگے آئے گا۔ ہر رشتہ داری اور ہر سفارش بے کار ثابت ہوگی۔ اُس دن فیصلہ صرف اللہ کے اختیار میں ہوگا، اور بڑوں کو اُن کی بُرائی کا اور اچھوں کو اُن کی اچھائی کا دس گنا بدلہ دے گا۔

(فائدہ) آیت میں شفاعت کی نفی کافروں کے لئے کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ یعنی کافروں کو کسی کی شفاعت کام نہ دے گی (المدثر: ۲۸) اور جہنمی کہیں گے ﴿فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ﴾ یعنی کوئی ہماری شفاعت کرنے والا نہیں۔ (الشعراء: ۱۰۰)۔

مومنوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ثابت ہے، یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، اور قرآن و سنت سے

وَلَا تَرْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ إِلَى السَّمَاءِ فَمَا تَسْتَغِيثُونَ وَأَعْرَفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَلْبَانًا لِّئَلَّا تُكْفَرَ عَنْهُ الْغَوَالِبَ إِذْ كَفَرُوا فَمَنْ أَمْرًا فَاسْتَمِعْنَا لَهُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَخْرَجْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ مِنْ أَهْلِ مَدْيَنَ وَتَوَلَّوْا سَبِيلَ آلِ فِرْعَوْنَ فَأَلْفَوْهُم بِمَا كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ أَوْبَدُكُمْ مُوسَىٰ هُوَ الَّذِي كَفَرَ بِكُمْ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ لَمُعَذِّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِنِّي أَصْلَحُ عَذَابَهُمْ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿۱۰۵﴾

(اور یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑا، تم کو بچا (۱۰۳) لیا اور آل فرعون کو تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے ڈبو دیا ﴿۱۰۴﴾ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا، پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا لیا، تم (اپنے حق میں) بڑے ہی ظالم تھے ﴿۱۰۵﴾

یہی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ مومنین موحدین کے لئے شفاعت کریں گے، اور اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائیں گے۔ (۱۰۳) اب بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ یہود مدینہ سے ہے، لیکن مراد ان کے آباء و اجداد ہیں۔ اور آل فرعون سے مراد: فرعون، اس کا لشکر اور اس کے پیروکار ہیں۔

اس آیت کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے کنعان سے اپنے والدین، بھائیوں اور خولیش و اقارب کو مصر بلالیا، تو انہیں بادشاہ مصر کے حکم سے زرخیز زمین دی۔ ان میں کثرت سے اولاد ہونے لگی۔ یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کے انتقال کے بعد ان کی وقعت تو گھٹ گئی، لیکن افزائش نسل ہوتی رہی۔ آخر کار مصر کا ایک ایسا بادشاہ ہوا جو اسرائیلیوں کی کثرت دیکھ کر ڈر گیا اور اپنی قوم سے کہا کہ بنی اسرائیل ہم سے تعداد میں زیادہ اور شان و شوکت والے ہونگے، یہ تمہارے لئے خطرے کی گھنٹی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمیں ہماری سر زمین سے بے دخل کر دیں۔ اس لئے اس نے حکم دیا کہ انہیں سخت سے سخت کاموں میں لگا دیا جائے۔ اور قرآن کریم کے ذکر کردہ واقعے کے مطابق اس نے ایک خواب دیکھا جس کی تاویل اسے یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ذریعہ اس کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا، اس لئے اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو ذبح کر دیا جائے۔ بنی اسرائیل ان پریشانیوں سے گذرتے رہے، یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہیں فرعون کے عذاب سے نجات دلایا۔

(۱۰۳) نجات دینے کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی قوم کو لے کر رات کے وقت بحر قلزم کی طرف چل پڑے، فرعون نے ان کا پیچھا کیا اور اللہ کے فیصلہ کے مطابق بحر قلزم کے کنارے پر ٹڈ بھیر ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنی لاشی پانی پر ماری، پانی دو طرف ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر چل پڑے اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر بھی، موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے، اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ جب بچ میں پہنچا تو پانی نے ہر طرف سے آگھیرا اور سبھی اس میں غرق ہو گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہود محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے، تو انہوں نے کہا کہ آج ہی کے دن اللہ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی، اس لئے موسیٰ نے اللہ کے شکر کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں موسیٰ کا تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ قَرِيبًا مِّنْ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۶﴾
 قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْجِبَلِ فِتْنًا فَبُوءُوا اِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
 لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ فَاَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف (۱۰۵) کر دیا، شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ ﴿۱۰۵﴾ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب (۱۰۶) اور فرقان (حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی چیز) دیا، تاکہ تم ہدایت حاصل کرو ﴿۱۰۶﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، تم نے پھڑے کو اپنا معبود بنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے خالق کے حضور توبہ (۱۰۷) کرو۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرو، یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے، چنانچہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۱۰۷﴾

(۱۰۵) فرعون اور اس کے پیروکاروں کی ہلاکت کے بعد، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جمل طور پر تورات عطا کرنے کے لئے بلا یا، موسیٰ علیہ السلام وہاں چالیس دن چالیس رات رہے۔ مدت ختم ہونے کے بعد اللہ نے انہیں تورات دی۔ اس اثنا میں بنی اسرائیل نے پھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ ان آیتوں میں انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ ان کے اس جرم عظیم کو اللہ نے معاف کر دیا کہ شاید وہ بطور شکر اس کی طرف رجوع کریں۔

(۱۰۶) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تورات دی یہ اللہ کی عظیم نعمت تھی۔ یہاں اسی نعمت کی یاد دہانی ہے، تاکہ اس میں موجود بشارت کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر اور دین اسلام پر عمل کر کے گمراہی سے نجات حاصل کریں۔

آیت میں (کتاب) سے مراد یا تو تورات ہے جس کی ایک اہم صفت فرقان ہے، یعنی وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرتی ہے۔ یا کتاب سے مراد تورات اور ”فرقان“ سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کفر و ایمان کے درمیان تفریق کرنے کے لئے دیئے تھے۔

(۱۰۷) گذشتہ آیتوں میں جس عفو و مغفرت کا ذکر ہوا اس کی تفصیل یہاں بیان کی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہمارے اس گناہ کی توبہ کیا ہے۔ تو موسیٰ نے کہا تم میں کا بعض بعض کو قتل کرے۔ چنانچہ انہوں نے پھریاں لے کر ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ستر ہزار آدمی قتل ہو گئے تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ انہیں حکم دو کہ اب قتل کرنا بند کر دیں۔ جو قتل ہو گئے انہیں معاف کر دیا گیا، اور جو باقی رہ گئے ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ لاوی بن یعقوب کی اولاد نے پھڑے کی پرستش نہیں کی تھی۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان لوگوں کو قتل کریں جنہوں نے پھڑے کی پرستش کی تھی، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب کی توبہ قبول کر لی۔ یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ موحدین نے مشرکین کو اللہ کے حکم سے قتل کیا تھا۔

وَلَا قَلْبُكُمْ يَمْلِكُ لَنْ تُؤْمِنُوا لَكَ حَتَّى تَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الطَّغْيَةُ وَأَنْتُمْ نَظُرُونَ ﴿۱۰۸﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ
مَرَّةً بَعْدَ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰۹﴾ وَظَلَمْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ السَّنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلًّا مِنْ
طَلِبَاتٍ مَا رَأَيْتُمْ فَمَنْكُمُ وَمَا ظَلَمْتُمْ أَولَئِكَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۰﴾

اور جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک کہ اللہ کو سامنے نہ دیکھ (۱۰۸) لیں،
پس دیکھتے ہی دیکھتے کڑک اور گرج والی آگ نے تمہیں پکڑ لیا ﴿۱۰۹﴾ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تم کو
زندہ کیا، تاکہ شکر گزار بنو ﴿۱۰۹﴾ اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ (۱۰۹) کیا۔ اور تمہارے لئے من و سلویٰ اتارا،
اور (اجازت دی کہ) ہم نے تمہیں جو نعمتیں (۱۱۰) دی ہیں انہیں کھاؤ۔ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے
آپ پر ظلم کر رہے تھے ﴿۱۱۰﴾

(۱۰۸) بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے، تم پر ایمان نہ
لائیں گے۔ بہت سے مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ وہی ستر آدمی تھے جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ طور پر چلنے کے
لئے پھا تھا۔ اور واپسی میں انہوں نے راستہ میں یہ مطالبہ کیا تھا، یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف غایت درجہ کی جرأت
تھی جس کا خریازہ ان کو بھگتنا پڑا کہ آسمان سے ایک کڑک والی بجلی اتری جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی جان لے لی، لیکن
اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ یہ اللہ کا ان پر ایک اور احسان تھا۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ لیکن مومنین صادقین آخرت میں اللہ کو دیکھ
سکیں گے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(۱۰۹) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ان کا فرما لقمہ کے خلاف جہاد کریں جو بیت المقدس پر قابض ہیں۔ تو انہوں نے
انکار کر دیا، اور نہایت پست ہمتی کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور سزا انہیں میدان تیر میں پھینک دیا، جہاں وہ چالیس سال
تک بھٹکتے رہے۔ اس طویل مدت کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ وہاں سے نکلے، اور بیت المقدس کو فتح کیا۔ جب
وہ لوگ میدان تیر میں زندگی گزار رہے تھے تو اللہ نے ایک سفید بادل کو ان کے سروں پر لا کر ٹھہرا دیا تاکہ آفتاب کی
تمازت سے بچے رہیں، اور کھانے کے لئے (من و سلویٰ) دیا۔

(من) شبنم کی مانند ایک چیز تھی جو آسمان سے اترتی تھی اور درختوں اور پتھروں پر جم جاتی تھی، اور مزے میں شہد کی
مانند میٹھی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسآة (سانپ کی چھتری) ”من“ کی ایک قسم ہے جسے اللہ نے بنی اسرائیل کے
لئے اتارا تھا۔ (سلویٰ) بیٹر کے مشابہ ایک چڑیا تھی۔

(۱۱۰) اللہ تعالیٰ نے تو (من و سلویٰ) جیسی نعمتوں کو ان کے لئے حلال بنا دیا تھا تاکہ کھائیں پیئیں اور اللہ کی عبادت کریں،
لیکن نافرمانی اور سرکشی ان کی سرشت بن چکی تھی، اظہار بے صبری و ناراضگی، بے ادبی، شکوہ و شکایت اور اللہ کی ناشکری ان
کا شیوہ ہو چکی تھی، اس لئے اللہ کے عذاب کے مستحق بنے۔

وَاذْقُنَا اِدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فكلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاذْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَاَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ
 خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
 رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ وَاذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ
 مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ فِئْتَهُمْ كَلُومًا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
 مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَاذِ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاوَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا ثَمَّنْتُمُ الْاَرْضَ مِنْ
 بَقْلِهَا وَقِثَاقِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلَهَا لِمَا لَمْ نَسْتَبِدهَا لَنْ نَقْبَلَهُ الَّذِي هُوَ اَدْنَىٰ يَالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطَا مِصْرًا
 فَاِنَّ لَكُمْ فَاَسَاَلْتُمْ وَاضْرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَاَبَاءُ وَيَعْضِبُ مِنْ اَللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
 بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّنَّ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَاَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اور جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ، اور اس میں جتنا چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ، اور دروازہ میں
 سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، اور (حطۃ) (۱۱۱) کہتے جاؤ یعنی ہماری معافی ہو۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔
 اور نیک لوگوں کو ہم زیادہ دیں گے ﴿۵۸﴾ پھر ظالموں نے اس قول کی جگہ جو اُن سے کہا گیا تھا ایک دوسرا قول
 بدل دیا، تو ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کے سبب آسمان سے ایک عذاب اتار دیا ﴿۵۹﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی
 قوم کے لئے پانی مانگا، تو ہم نے کہا کہ آپ اپنی لاشی سے پتھر پر ضرب لگائیے، تو اس سے بارہ چشمے (۱۱۲) اُبل
 پڑے۔ ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ (ہم نے کہا کہ) اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور پیو، اور زمین میں
 فساد کرتے نہ پھرو ﴿۶۰﴾ اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ، ہم تو ایک کھانے پر ہرگز صبر (۱۱۳) نہیں کریں گے،
 اس لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اگاتی ہے یعنی ساگ، کھڑی،
 گیہوں، مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ اچھی چیز کے بدلے گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو، کسی شہر میں اتر کر چلے
 جاؤ، جو مانگ رہے ہو وہ ملے گا۔ اور اُن پر ذلت و محتاجی مسلط کر دی گئی، اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ یہ
 اس لئے کہ وہ لوگ ہمیشہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے رہے، اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے، یہ اس لئے کہ وہ اللہ
 کی نافرمانی کرتے تھے، اور اس کے حدود سے تجاوز کرتے تھے ﴿۶۱﴾

(۱۱۱) بیت المقدس فتح ہو گیا، تو اللہ نے اُن سے کہا کہ جب شہر کے دروازے پر پہنچو تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، اور
 (حطۃ) کہتے جاؤ، یعنی اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے، لیکن ان ظالموں نے بد باطن ہونے کے سبب سرکشی کی راہ
 اختیار کی، اور اپنے سریزوں کے بل (حطۃ) کی بجائے (حبتۃ فی شتغوفۃ) کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ چونکہ اس میں
 اللہ تعالیٰ کے حکم کی عاقبت درجہ اہانت تھی، اس لئے اللہ نے انہیں طاعون میں مبتلا کر دیا۔ (بخاری و مسلم)۔

(۱۱۲) یہ واقعہ بھی میدان تہ میں پیش آیا۔ بنی اسرائیل نے پانی کا مطالبہ کیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اللہ نے
 وحی کی کہ آپ اپنی لاشی پتھر پر ماریے، پانی اُبل پڑے گا، موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ بارہوں قابل بنی اسرائیل کے لئے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۳﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہو گئے، اور نصاریٰ اور بے دین لوگ (۱۱۳) (ان میں سے) جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، ان کو ان کے رب کے پاس اجر ملے گا، اور ان کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی غم لاحق ہوگا ﴿۱۱۳﴾

الگ الگ بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

(۱۱۳) (من و سلویٰ) روزانہ کھا کھا کر جی بھر گیا، تو مصر کے زمانے کی چیزیں یاد آنے لگیں، اور موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں تو کھانے کے لئے سبزی، مکڑی، لہسن، پیاز اور دال چاہئے۔ موسیٰ نے ڈانٹ پلائی، تم کیسے لوگ ہو کہ لذیذ اور پاکیزہ کھانے چھوڑ کر گھٹیا قسم کے کھانوں کا سوال کرتے ہو، یہ چیزیں تو ہر شہر میں کثرت سے ملتی ہیں، اگر یہی تم کو چاہئے تو کسی شہر میں چلے جاؤ، یہ چیزیں اس قابل نہیں کہ انہیں تمہارے لئے اللہ سے اس چمیل میدان میں مانگوں۔

جب بنی اسرائیل پر اللہ کی گونا گوں نعمتوں کا ذکر ہو چکا، اور اسی ضمن میں ان کی خباثوں کا بھی ذکر آیا، تو اللہ نے ان کے کفر اور قتلِ انبیاء جیسے جرائم کا ذکر کر کے، ان کی تمام بد اعمالیوں کا آخری نتیجہ بیان کر دیا کہ اللہ نے ان پر ہمیشہ کے لئے ذلت و مسکنت مسلط کر دی، اس لئے وہ دنیا میں جب بھی رہے اور جس سر زمین پر بھی رہے، قوموں ننان کو ذلیل کیا، اور وہ بذاتِ خود ہمیشہ ذلیل بن کر رہے۔ اگر ان کے پاس دولت بھی آئی تو اس پر ذلت و مسکنت کی چادر پڑی رہی۔

(۱۱۴) (صالحین) سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہود و نصاریٰ کا دین چھوڑ دیا تھا، اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔ یہاں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ توبہ کا دروازہ یہود اور غیر یہود سب کے لئے کھلا ہوا ہے، چاہے گناہ ایسے ہوں جو اللہ کے غضب، اور ذلت و مسکنت کا سبب ہوں جیسے یہود کے گناہ تھے، توبہ کر لینے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے بعد دنیا و آخرت میں انہیں بھی وہی اجر ملے گا جو دیگر مومنوں کو ملے گا۔

اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گذشتہ قوموں میں سے جن لوگوں نے اپنے اپنے زمانے کے نبی کی اتباع کی، ان کو اللہ اچھا بدلہ دے گا، اور یہی حال قیامت تک رہے گا کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک جتنے لوگ آپ کی اتباع کریں گے، ان کو ابدی سعادت ملے گی اور کسی قسم کا غم و خوف انہیں لاحق نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کے بعد ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ نازل ہوئی، یعنی دینِ اسلام آجانے کے بعد دیگر تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

اور اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور صالحین کے لئے جو اجر بتایا گیا ہے وہ نبی کریم ﷺ سے پہلے کے لوگوں کے لئے ہے۔ آپ کے زمانے کے یہود و نصاریٰ اور صالحین میں سے جو لوگ آپ پر ایمان لائے، انہی کو یہ حکم شامل ہوگا، جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے ان کے لئے یہ وعدہ نہیں ہے۔

وَلَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الظُّورَ خُنُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بَقُوعًا وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَنَكُمْ تَتَفَوَّنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأَلْوَا فَضَّلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحِمْتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَيْرِينَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ جَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِلْبَاقِينَ يَدْنَاهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۚ قَالُوا أَكُنْزٌ لَّنَا هَؤُلَاءِ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا، اور طور پہاڑ (۱۱۵) کو تمہارے اوپر اٹھایا (اور کہا کہ) ہم نے تمہیں جو دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو تاکہ (اللہ سے) ڈرو ﴿۶۳﴾ پھر اس کے بعد تم (اپنے عہد سے) پھر گئے، پس اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوتے ﴿۶۳﴾ اور یقیناً تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے تم میں سے ہفتہ (۱۱۶) کے حکم میں زیادتی کی، تو ہم نے ان سے کہا کہ تم لوگ پھنکارے ہوئے بندر ہو جاؤ ﴿۶۵﴾ پس ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لئے اور اس کے بعد آنے والے زمانوں کے لئے عبرت بنادیا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنادیا ﴿۶۶﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں اس بات کا حکم دے رہا ہے کہ ایک گائے (۱۱۷) ذبح کرو۔ انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارا مذاق (۱۱۸) اڑا رہے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ جاہل بنوں ﴿۶۷﴾

(۱۱۵) یہود سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کا باقی حصہ ہے۔ اللہ نے جب ان سے تورات اور اس کی تعلیمات کی حفاظت کا عہد و پیمانہ لیتا چاہا تو اپنی قدرت کا مظاہرہ کرنے کے لئے طور پہاڑ کو ان کے سر کے اوپر اٹھا دیا، اور کہا کہ اسے پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ سنبھالو، اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونے کے لئے صبر سے کام لو۔ انہوں نے اس وقت عہد تو کر لیا، لیکن بعد میں اس کا کوئی خیال نہیں رکھا، اور اسے توڑ ڈالا۔ انجام تو یہ ہوتا چاہئے تھا کہ اللہ کا عذاب ان کو پکڑ لیتا، لیکن اللہ نے ان پر رحم کیا، اور ان کی رہنمائی کے لئے انبیاء و رسل بھیجے کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں۔

(۱۱۶) یہاں یہود کی ایک بستی والوں کی بد عہدی اور حیلہ سازی کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام کر دیا تھا۔ اس دن ان کی آزمائش کے لئے مچھلیاں زیادہ آتی تھیں۔ انہوں نے حیلہ سے کام لیا، ہفتہ کے دن مچھلیاں آکر ان کے جالوں اور تالابوں میں پھنس جاتی تھیں، بستی والے ہفتہ کے دن گذر جانے کے بعد ان کا شکار کر لیتے۔

اللہ نے انہیں حیلہ سازی اور بد عہدی کی یہ سزا دی کہ ان کی صورتوں کو بندر کی صورت میں بدل دیا۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف آیت (۱۲۳) میں مذکور ہے۔

(۱۱۷) بنی اسرائیل کا ایک آدمی قتل کر دیا گیا، مقتول کے ورثہ نے قصاص کا مطالبہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو، اور اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مردہ کے جسم سے لگاؤ، وہ زندہ ہو جائے گا، اور قاتل کی خبر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، لیکن گائے مل جانے اور اسے ذبح کرنے سے قبل انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کس کس طرح جھٹلایا اور کہا کہ کیا تو ہمارا مذاق اڑا رہا ہے، اور پھر گائے کی صفات کی تفصیل میں اپنی کن کن کج فہمیوں کا ثبوت دیا، یہ ساری تفصیلات یہاں بیان کی گئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا احسان یاد دلایا ہے کہ ایک آدمی کے قتل کے بعد تمہارے درمیان اختلاف واقع ہوا تو

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَعْرَةٌ لَا تَارِضُ وَلَا تَكْبُرُ ۚ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ فَاذْعَلُوا
 مَا تَوْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَانٌ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَعْرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعَةٌ لَوْهَانَةٌ ۚ
 النَّظِيرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَعْرَ تَشَبَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝
 قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَعْرَةٌ ۚ لَا ذَلُولٌ تُثِيدُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسْلِمَةً ۚ لَا شَيْبَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا لَئِن جِئْتِ
 بِالْحَقِّ ۚ فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَإِذْ قَاتَلْتُم نَفْسًا فَادَرَأْتُمُوهَا فِيهَا ۚ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ
 كَاذِبِينَ ۝ فَتَلْنَا أَصْرَبُوهُ بَعْضُهَا لِكُذِّبِكَ يُسْمِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ
 قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارِ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِن مِنَ الْحِجَارِ لَمَنْزِلَةٍ يُخَوِّطُ بِهَا وَمِنْهَا
 لَمَّا يَشْفُقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِن مِنْهَا لَمَّا يَحْمِيظُ مِنَ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے تاکہ واضح کر دے کہ وہ کیسی (۱۱۹) ہو (موسیٰ نے) کہا، اللہ کہتے ہیں کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بہت چھوٹی، بلکہ درمیانی عمر کی ہو، پس جو کچھ تم کو حکم ہوتا ہے وہ کرو ﴿۶۸﴾ انہوں نے کہا: آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے، واضح کر دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ (موسیٰ نے) کہا، اللہ کہتے ہیں کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہو، اس کا رنگ اتنا دیدار زیب ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے، واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو، بے شک وہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی، اور ہم ان شاء اللہ ضرور (اُسے) پا جائیں گے ﴿۷۰﴾ (موسیٰ نے) کہا، اللہ کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہ ہو جو زمین میں ہل چلاتی ہو، یا کھیتوں کو سیراب کرتی ہو، تندرست ہو، اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ وہ لوگ بولے کہ اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے۔ پس انہوں نے اسے ذبح کیا، اور امید نہ تھی کہ وہ کرپائیں گے ﴿۷۱﴾ اور جب تم لوگوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا، پھر اس کے بارے میں آپس میں اختلاف کیا، اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے ﴿۷۲﴾ تو ہم نے کہا کہ اس گائے کا کوئی ٹکڑا مردہ جسم سے لگاؤ، اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ (۱۲۰) کرے گا، اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ ﴿۷۳﴾ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت (۱۲۱) ہو گئے، پس وہ پتھر کے مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت، اور بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں، پھر ان میں سے پانی نکل آتا ہے، اور بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر جاتے ہیں، اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے ﴿۷۴﴾

خرق عادت کے طور پر مذبح بوح گائے کا ایک ٹکڑا اس مردہ کے جسم سے لگانے سے بول پڑا، اور قاتل کا نام بتا کر پھر مر گیا۔ (۱۱۸) دوسروں کا مذاق اڑانا نادانوں کی صفت ہے۔ اسی لئے اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے ذریعہ ایسی صفت سے پناہ مانگی۔

(۱۱۹) کج روی اور اللہ کے رسول کو کثرتِ سوالات کے ذریعہ جھک کر نابینی اسرائیل کی فطرت تھی۔ اس واقعہ میں بھی انہوں

اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُؤْمِنُوا بِالْكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ لَيَسْمَعُونَ كَلِمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُوَفُّوْنَهَا مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاِذْ اَقْبَلُوا الذِّكْرَ اَمْؤُا قَالُوْا اَمْكَا۟ءُ وَاِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ اِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوْا اَلَمْ نَكُنْ نُبَيِّنْ لَكُمْ اَللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

کیا تم امید (۱۳۰) رکھتے ہو کہ (یہ لوگ) تمہارے لئے ایمان لے آئیں گے، حالانکہ ان میں کا ایک گروہ کلام الہی سنتا تھا، پھر اسے سمجھ لینے کے بعد، جان بوجھ کر اسے بدل دیتا تھا ﴿۱۳۰﴾ اور (یہ لوگ) جب مسلمانوں سے ملتے (۱۳۱) ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کیا تم انہیں وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تمہیں بتائی ہیں، تاکہ وہ اللہ کے حضور انہیں حجت بنا کر تمہارے ساتھ بھگڑیں، کیا تم سمجھتے نہیں ہو ﴿۱۳۱﴾

نے اپنی کج روی کا ثبوت دیا، اور گائے کی عمر وغیرہ سے متعلق سوال کرنے لگے۔ اگر خاموشی کے ساتھ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو کام بن جاتا، لیکن انہوں نے جب اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ (۱۳۰) مردہ آدمی اُن کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گیا، اور قاتل کا نام بتا دیا۔ یہ واقعہ اس بات کی کھلی دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(۱۳۱) اس چشم دید واقعہ کا تقاضا تھا کہ ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی، اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتے، لیکن ان کے دلوں کی سختی کی گواہی اللہ نے دے دی کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اور ان کے دل کی سختی کی مثال پتھر کی سختی سے اس لئے دی کہ پتھر لوہے اور رانگے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، کیونکہ لوہا تو آگ میں پگھل جاتا ہے، پتھر نہیں پگھلتا، پھر اللہ نے بتایا کہ پتھر ان کے دلوں سے بہتر ہے، اس لئے کہ بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں، بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں، اور بعض پتھر تو ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے ڈر سے اپنی جگہ سے لڑھکتے ہوئے نیچے آ جاتے ہیں!

(۱۳۲) یہود کے دلوں کی سختی بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کیا کہ کیا اب بھی تم لوگ امید کرتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے؟ ان کے آباء و اجداد کی تاریخ یہ ہے کہ تورات کو سنتے تھے، اچھی طرح سمجھتے تھے، اور پھر اسے بدل دیتے تھے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیتے تھے، حق کو باطل اور باطل کو حق بتاتے تھے، ان کا بھی حال ایسا ہی ہے۔ یہ اپنے آباء و اجداد سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اس لئے ان سے کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ یہ دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

(۱۳۳) منافقین اہل کتاب کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ ہی کی طرح مسلمان ہیں، لیکن جب آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو ایک دوسرے کو تنبیہ کرتے ہیں کہ ”تم لوگ کیوں مسلمانوں کے سامنے اسلام و ایمان کا اظہار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم تو تمہاری طرح ہیں، یہ تو ہمارے خلاف ان کے لئے دلیل بن جاتی ہے، اور کہتے ہیں کہ ان یہودیوں نے اقرار کر لیا کہ ہم لوگ (یعنی مسلمان) جس دین پر ہیں وہ حق ہے، اور وہ لوگ (یعنی یہود) جس دین پر ہیں وہ باطل ہے۔ اور قیامت کے دن یہی لوگ اللہ کے سامنے ہمارے خلاف گواہی دیں گے اور

أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمْكًا وَ
 إِنَّهُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۱۳۵﴾ قَوْلِ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ تُكْمِلُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
 لِيَشْهَرُوا بِهِ مُتَمَقِّلِينَ ﴿۱۳۶﴾ قَوْلِ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبْتُ آيَاتِنَا لَهُمْ قَوْلًا مِمَّا كَتَبْتُ ﴿۱۳۷﴾

کیا یہ لوگ جانتے (۱۳۴) نہیں کہ وہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ﴿۱۳۴﴾ اور ان میں سے بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو سوائے چند بے جا آرزو کے (اللہ کی) کتاب میں سے کچھ بھی نہیں جانتے، اور وہ صرف خام خیالی میں مبتلا ہیں ﴿۱۳۵﴾ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ لیتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے کچھ مال حاصل کریں، پس ان کے لئے خرابی ہے، اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی (کتاب) کے سبب، ان کے لئے خرابی ہے ان کی اپنی کمائی کے سبب ﴿۱۳۶﴾

کہیں گے کہ کیا تم لوگ دنیا میں ہمیں نہیں بتایا کرتے تھے کہ تمہاری کتابوں میں ہمارے دین اسلام اور نبی کریم ﷺ کی صداقت کی گواہی موجود ہے، تو اس دن تمام مخلوق کے سامنے ہماری رسوائی ہوگی۔“

(۱۳۴) علمائے یہود کے ذکر کے بعد ان کے عوام کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفر و ضلالت میں سبھی برابر ہیں، یہ لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے تاکہ خود تورات کا مطالعہ کرتے، اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل کو سمجھتے اور ایمان لاتے۔ ان کا کُل اثاثہ کچھ بے بنیاد تمناؤں تھیں جو انہوں نے اپنے علماء سے پایا تھا، وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا، اس لئے کہ ان کے انبیاء جن کی وہ اولاد ہیں، ان کے لئے اللہ کے یہاں شفاعت کریں گے۔ اس کے علاوہ بھی دھیرا ایسی بے بنیاد تمناؤں ان کے دل و دماغ کی آماجگاہ تھیں جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ اور جنہیں محض اپنے علماء کی تقلید میں اپنے ایمان کا حصہ بنا لیا تھا۔ (۱۳۵) علمائے یہود کے لئے وعید کا ذکر ہو رہا ہے جو تورات کی آیات اور اس کے احکام کو دنیا کی حقیر متاع کی خاطر بدل دیتے تھے، اور تحریف کردہ کلام کے بارے میں لوگوں کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے ناجائز طور پر لوگوں پر دو قسم کا ظلم کرتے تھے، ان کا دین بدل دیتے تھے، اور ان کا مال بھی ناجائز طور پر رکھا جاتے تھے۔ اسی لئے آیت میں دو بار ان کے لئے ویل کا ذکر آیا ہے، ویل ہے ان کے لئے، اس لئے کہ انہوں نے تورات کو بدلا، اور ویل ہے ان کے لئے اس لئے کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر رکھا جاتے تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان یہود علماء کی مذمت کی ہے جو تورات کی آیات کو بدل دیتے تھے، لیکن دین اسلام آنے کے بعد ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو بدعتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت میں تحریف کرتے ہیں۔ اس میں ان یہود کی مذمت کی گئی ہے جو تورات کا علم نہیں رکھتے تھے، صرف ان کے پاس چند بے بنیاد تمناؤں تھیں، اور اب اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے صرف حروف کی تبادلات کرتے ہیں، اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کے خلاف کوئی دوسری بات اپنے ہاتھ سے لکھ کر لوگوں میں رائج کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی شریعت اور اللہ کا دین ہے۔ اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو قرآن و سنت کو چھپاتے ہیں، تاکہ ان کا مخالف حق بات پر ان سے استدلال نہ کرے۔

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّكَ النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَمْحَدَنْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُمَخِّلَكُمُ اللَّهُ عَهْدَكُمْ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾ بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمیں آگ (۱۳۶) چند دن سے زیادہ ہرگز نہ چھوئے گی، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد و پیمانہ لے لیا ہے، کہ اللہ اُس عہد کے خلاف نہ کرے گا، یا تم اللہ کے بارے میں وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ﴿۸۰﴾ ہاں (وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے) جنہوں نے گناہ (۱۳۷) کیا، اور ان کے گناہوں نے انہیں گھیر لیا، وہی لوگ جہنمی ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۱﴾ اور جو لوگ ایمان (۱۳۸) لائے اور نیک عمل کیا، وہی لوگ جنتی ہوں گے، اُس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۲﴾

(۱۳۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ایک اور جرم کا ذکر کیا ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ وہ لوگ آخرت میں جہنم میں صرف تھوڑی مدت کے لئے داخل ہوں گے، یعنی اس میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہیں گے۔ ابن عباس اور مجاہد کی روایت ہے؛ یہود کہا کرتے تھے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، اور ہم لوگ ہر ہزار سال کے مقابل ایک دن کے لئے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ صرف اتنی ہی مدت عذاب میں مبتلا ہوں گے، جتنی مدت پچھڑے کی عبادت کی تھی، یعنی چالیس دن، پھر عذاب کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی، اور کہا کہ کیا تم لوگوں نے اللہ سے اس کے لئے کوئی عہد و پیمانہ لے رکھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ پر افترا پر دازی ہے۔

(۱۳۷) اس آیت میں اُن کے گزشتہ دعویٰ کی تردید ہے کہ وہ آگ میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جس آدمی کے گناہ اُسے ہر چہار جانب سے گھیرے میں لے لیں، حتیٰ کہ اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہ رہے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہے گا، اور یہی حال یہود کا ہے ان کے گناہوں نے بھی انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے، اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔

اس آیتِ کریمہ میں (سبیقة اور خطیفة) سے مراد شرک اور کفر ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ دوسری دلیل اللہ کا قول ﴿وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾ ہے، یعنی جس کے گناہوں نے اُسے گھیر لیا ہو، اور یہ گناہ ”شرک“ ہے۔ اس لئے کہ مومن و موحد کا گناہ اُسے ہر چہار جانب سے احاطہ نہیں کر پاتا، اسی لئے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے صرف کافر و مشرک ہی رہیں گے، گناہ گار موحدین جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔

(۱۳۸) قرآن کریم کا یہ طریقہ ہے کہ گناہ گاروں کے لئے وعید کے بعد نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے، تاکہ اللہ کا عدل و انصاف ظاہر ہو کہ اگر وہ کفر پر اصرار کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دے گا، تو ایمان پر اصرار کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے جنت اور اس کی بے بہا نعمتوں سے نوازے گا۔

وَاذْخُرْنَا بِبَيْتِكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَتَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۗ وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا ۗ وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۗ وَقِيَمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ ثُمَّ قُولُوا لِلَّذِينَ لَا ظَنَنَّا أَنتُمْ مَعْرُضُونَ ﴿۱۳۰﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار (۱۲۹) لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت (۱۳۰) نہیں کرو گے، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے، اور رشتہ داروں، یتیموں (۱۳۱) اور مسکینوں کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو گے) اور لوگوں کے ساتھ اچھی (۱۳۲) بات کرو، اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو۔ پھر کچھ افراد (۱۳۳) کے سوا، تم سب نے منہ پھیرتے ہوئے اس عہد کو پس پشت (۱۳۳) ڈال دیا ﴿۸۳﴾

سلف صالحین کا اجماع ہے کہ ”ایمان“ قول و عمل کا نام ہے۔ اس لئے جن آیتوں میں ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں عام کے بعد خاص کا ذکر مقصود ہے۔ اور مقصود عمل صالح کے لئے مزید رغبت دلانا ہے۔ کوئی بھی عمل اسی وقت عمل صالح ہوگا جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس عمل سے مقصود اللہ کی رضا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

(۱۲۹) یہاں نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو وہ باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جن کا اللہ نے ان کے آباء و اجداد کو حکم دیا تھا، اور جن کے کرنے کے لئے ان سے عہد و پیمان لیا تھا، لیکن وہ ایسی سخت دل قوم تھی کہ اس نے کبھی بھی کسی عہد و پیمان کا خیال نہ رکھا، اور سوائے چند لوگوں کے پوری قوم نے بد عہدی کی۔

(۱۳۰) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں گے، اور اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں شریک نہ بنائیں گے۔

اور اس بات کا عہد لیا تھا کہ والدین کے ساتھ احسان و اکرام کا سلوک کریں گے۔ اس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت و اطاعت کی تمام صورتیں داخل ہیں۔ اور رعایت درجہ کی تاکید پیدا کرنے کے لئے اللہ نے توحید اور شرک سے براءت کا حکم دینے کے بعد، والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی کام کا حکم دینا اس کی ضد سے ممانعت کو شامل ہوتا ہے۔ جب والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا گیا تو گو یا اس کی ضد ان کے ساتھ بدسلوکی سے منع کیا گیا جو جرم عظیم ہے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک چھوڑ دینے سے بھی منع کیا گیا جو حرام ہے۔ اور یہی بات رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے بارے میں بھی کہی جائے گی کہ ان کے ساتھ بدسلوکی جرم اور ترک حسن سلوک حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی سورہ نساء میں ایسا ہی حکم دیا ہے، فرمایا: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَالْبَنَاتُ وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا ۚ وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالنَّجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالنَّجَارِ﴾

الْجَنِّبِ وَالْمُتَّحِبِّ بِالْجَنِّبِ وَالْبَنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا ﴿۳۶﴾۔ (النساء: ۳۶)۔ اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور رشتہ داروں، اور یتیموں اور مسکینوں، اور رشتہ دار پڑوسی، اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ، اور پہلو سے لگے ہوئے دوست، اور مسافر، اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ، بے شک اللہ اڑنے والے اور بڑا بننے والے کو پسند نہیں کرتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اُمتِ اسلامیہ نے ان عہد و مواثیق کا دوسری امتوں کے مقابلے میں زیادہ خیال

وَلَا أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَآتِفُونَ بِمَاءِكُمْ وَلَا تَخْرُجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَنْهَدُونَ ﴿۸۴﴾
 ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتَخْرُجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ يَظْهَرُونَ عَلَيْكُمْ بِالنِّمْرِ وَالْعَدْلَانِ وَإِنْ
 يَأْتُواكُمْ أُسْرَى تَعْدُوا لَهُمْ وَهُمْ مُعْتَمَرٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجَهُمْ أَفْتُو مُؤْمِنُونَ بَعْضُ الْكُتُبِ وَكَفَرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا
 جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ
 بِغَافِلٍ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۸۵﴾

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا (۱۳۵) کہ آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو گے، تو تم نے اقرار کیا، اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو ﴿۸۴﴾ پھر تمہارا حال یہ ہے کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو، ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے خلاف گناہ اور ظلم کے طور پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو فد یہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (ان کے گھروں سے) نکالنا ہی تمہارے اوپر حرام تھا۔ کیا تم لوگ اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو مانتے ہو، اور بعض کا انکار کرتے ہو، پس تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، اس کا بدلہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہوگی، اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب کی طرف ان کا رخ موڑ دیا جائے گا۔ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ہے ﴿۸۵﴾

کیا صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے، ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، کہا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، کہا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر بالترتیب جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں۔

(۱۳۱) یتیم اسے کہتے ہیں جس کا باپ بلوغت سے پہلے مر چکا ہو۔ آیت میں یتیم کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ وہ فقیر و محتاج ہو۔ معلوم ہوا کہ اس میں ہر یتیم داخل ہے۔ (مسکین) سے مراد وہ ہے جو کسب معاش سے عاجز ہو۔

(۱۳۲) لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کو اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ کلمہ (الناس) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس حکم میں سبھی لوگ حتیٰ کہ کفار بھی شریک ہیں۔ اگر مخاطب مسلمان ہے تو اسے سلام کیا جائے اور ہنستے چہرے کے ساتھ بات کی جائے، اور اگر کافر ہے تب بھی اس کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کی جائے۔ کیونکہ مسلمان بد زبان، گالی گلوں دینے والا اور جھڑالو نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو، چاہے نیکی یہی ہو کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملو۔ (مسلم، ترمذی)۔

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَصْعَقَتْ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُبْصَرُونَ﴾ ۱ وَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَإِيَّاهُ بُرُوحَ الْقُدُسِ ۚ أَفَكُنَّا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقْنَا كَذِّبْتُمْ وَقَرِيبًا تَقْتُلُونَ ﴿۱۳۶﴾

انہی لوگوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (۱۳۶) قبول کر لی، ان سے نہ تو عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی ﴿۱۳۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (۱۳۷) دی، اور ان کے بعد دیگر رسولوں کو بھیجا، اور عیسیٰ ابن مریم کو معجزے (۱۳۸) دیئے، اور روح القدس (۱۳۹) (جبرئیل) کے ذریعہ ان کی تائید کی۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو تمہاری خواہش نفس کے مطابق نہ تھا، تو تم نے استکبار سے کام لیا، پھر تم نے (انبیاء کی) ایک جماعت کو جھٹلایا، اور ایک دوسری جماعت کو قتل کیا ﴿۱۳۷﴾

(۱۳۳) بنی اسرائیل نے نقص عہد کیا اور مذکورہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں ناکام رہے، سوائے چند لوگوں کے جنہوں نے ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی، جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے وہ ساتھی جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس میں غالباً اس حکمت کا بیان بھی مقصود ہے کہ کسی قوم میں چند صالح افراد کا وجود عذاب الہی سے مانع نہیں ہوتا۔ (۱۳۴) یہود کی بُری عادت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی اطاعت سے اعراض اور اس سے کئے گئے عہد و پیمانہ کو توڑنا ان کی سرشت میں داخل ہے۔

(۱۳۵) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تورات میں یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے، گھروں سے نہ نکالیں گے، اور غلام نہ بنائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے یہود مدینہ کو وہی عہد یاد دلایا جا رہا ہے، اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم لوگوں نے اس عہد کا پاس نہ رکھا، ایک دوسرے کو قتل کیا اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ: اوس و خزرج والے عہد جاہلیت میں بُت پرست لوگ تھے، اور آپس میں جنگ کرتے رہتے تھے۔ قبیلہ بنو قریظہ اور قبیلہ بنو نضیر خزرج کے حلیف ہوتے تھے۔ اور بنو قریظہ اوس کے۔ جب لڑائی چھڑتی تھی تو ہر فریق اپنے حلیف کا ساتھ دیتا تھا، اور یہود جہاں اپنے دشمنوں کو قتل کرتے تھے، اپنے حریف عربوں کے حلیف یہودیوں کو بھی قتل کرتے تھے، اُن کو گھروں سے نکال دیتے تھے، اور تمام مال و متاع لوٹ لیتے تھے، حالانکہ ایسا کرنا تورات میں ان پر حرام قرار دیا گیا تھا۔ اور جب جنگ کا بادل چھٹ جاتا تو تورات کے ایک حکم پر عمل کرتے ہوئے غالب فریق کے پاس سے یہودی قیدیوں کو چھڑا کر آزاد کر دیتے تھے۔

ان کے اسی مغبوض عمل کی وجہ سے اللہ نے ان کے اوپر دنیا میں ذلت و رسوائی مسلط کر دی، اور اپنے رسول کو ان کے خلاف ابھارا جس کے نتیجے میں قتل، قید و بند اور جلا وطنی کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ اور آخرت میں بھی شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہود کے اسی خبیث باطن کی وجہ سے کہ تورات کا جو حکم اپنی خواہش کے مطابق پایا بیان کیا، اور جسے چاہا چھپا دیا، تورات اور اس میں موجود احکام اور رسول اللہ ﷺ کی صفات، آپ کی بعثت اور ہجرت سے متعلق خبروں کے بارے میں اُن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَقَالُوا لَوْ بَدَّلْنَا خَلْقًا مِّمَّنْ كَفَرْنَا بِهِمْ لَوْ كُنَّا كَارِبِينَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف (۱۳۰) پڑا ہے، بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیج دی ہے، اس لئے وہ بہت کم ایمان لائیں گے ﴿۸۸﴾

(۱۳۶) اللہ تعالیٰ نے تورات کے بعض احکام پر ان کے عمل نہ کرنے کا سبب یہ بتایا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ سو چاکہ اگر حلیفوں کی مدد نہ کی تو دنیا عار دلانے گی، اسی لئے عار کے مقابلے میں عذاب نار کو قبول کر لیا۔

(۱۳۷) بنی اسرائیل کے بعض دوسرے جرائم کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے انہیں تورات دی جسے بدل ڈالا، موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان میں دیگر انبیاء و رسل بھیجے تاکہ تورات کو نافذ کریں، لیکن ان کے ساتھ بدترین معاملہ کیا، ان کو جھٹلایا، اور کتوں کو قتل کیا۔ اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، جنہوں نے اللہ کے حکم سے تورات کے بعض احکام میں تبدیلی کی، تو بنی اسرائیل نے ان کو جھٹلایا، اور ان کے خلاف حسد و عناد کا شیوہ اختیار کیا۔ انبیاء کے ساتھ ان کا ایسا معاملہ اس لئے رہا کہ ان کی خواہشات نفس کے مطابق ان کی باتیں نہ ہوتیں تھیں، اور انہیں تورات کے صحیح احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

(۱۳۸) (ببینات) سے مراد وہ معجزے ہیں جو اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے، اور جن کا ذکر آل عمران اور المائدہ میں آیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ مٹی سے بنے ہوئے چیزیاں کے مجسمے میں پھونک مارتے تھے تو اللہ کے حکم سے اُڑنے لگتی تھی، مادر زاد نابینا اور سفید داغ کے مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تو مریض شفا یاب ہو جاتا تھا، لوگوں کو بہت سی غیب کی باتیں بتا دیا کرتے تھے، انہوں نے دعا کی اور آسمان سے لوگوں کے لئے کھانا اتر آیا، اور سب سے بڑا معجزہ انجیل کا نزول تھا۔

(۱۳۹) (روح القدس) سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ ابن مسعود اور ابن عباس کا یہی قول ہے۔ اور حضرت عائشہ کی حدیث (اللَّهُمَّ أَيُّدُ حَسَانَ بَرُوحِ الْقُدُسِ) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس حدیث کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے حسان سے کہا: (أَهْجَم - أَوْهَجَم - وَجَبْرِيلُ مَعَكَ) یعنی کفار کی جھوٹیاں کرو، جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

(۱۴۰) جب نبی کریم ﷺ نے یہود مدینہ کو دعوت اسلام دی، تو انہوں نے آپ کو نادمی کرنے کے لئے تاکہ دوبارہ ان کو دعوت نہ دیں، یہ بات کہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کا معنی یوں مردی ہے: انہوں نے کہا کہ ہمارے دل کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے تمہاری بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ہمارے اوپر محنت نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول یہ مردی ہے کہ ”یہود نے کہا، ہمارے دل علم کے مخزن ہیں یہ پہلے سے ہی علم و معرفت سے بھرے ہوئے ہیں، اب ان میں علم محمد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے“۔

اللہ نے ان کے قول کی تردید کی اور کہا کہ ایسی بات نہیں کہ ان کے دل قبول حق کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ اللہ نے ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر لعنت بھیج دی ہے، اور ان پر مہر لگادی ہے۔ اسی لئے ان کا حال یہ ہے کہ تورات کے بہت ہی تھوڑے احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَأَنَّهُمْ قَبْلُ لَمْ يَسْتَفْهِحُوا عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَعَرَ فَوْكَافَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۳۲﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا تَأْوِينَا اللَّهُ وَتَأْوِينَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور جب ان کے لئے اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو ان کے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق کر رہی تھی۔ (تو اس کا انکار کر بیٹھے) حالانکہ اس کے قبل کافروں پر غلبہ کی تمنا (۱۳۱) (اسی کتاب کے ذریعہ) کرتے تھے۔ تو جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان گئے تو اس کا انکار کر دیا، پس اللہ کی لعنت (۱۳۲) ہو کافروں پر ﴿۹۰﴾ بڑی ہی بُری وہ چیز (۱۳۳) تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، یعنی اللہ کی نازل کردہ (کتاب) کا انکار کر دیا، سرکشی اور حسد کی وجہ سے کہ اللہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (کیوں) اتارتا ہے۔ پس وہ (اللہ کے) غضب پر غضب کے مستحق بنے، اور کافروں کو بڑا زور سوا کن عذاب ملے گا ﴿۹۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے، اس پر ایمان (۱۳۴) لاؤ، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی ہے، اور وہ اس کے سوا (دوسری کتابوں) کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بالکل حق ہے۔ اور ان کے پاس جو کتاب ہے اس کی تصدیق کرتی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم ایمان والے تھے تو پہلے زمانے میں اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے ﴿۹۱﴾

(۱۳۱) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ یہود جزیرہ عرب میں ذلت و مسکنت کی زندگی گزار رہے تھے، اس لئے وہ اپنے لئے ایک طرح کی قوت حاصل کرنے کے لئے بعض قبائل عرب کے حلیف بن کر رہنا پسند کرتے تھے، اور جب اوس و خزرج والے ان پر زیادتی کرتے تو کہتے کہ عنقریب آخری نبی مبعوث ہونے والا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور غلبہ حاصل کریں گے، لیکن جب اللہ نے اس آخری نبی کو عربوں میں مبعوث کیا تو حسد کے مارے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ ہوا، ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

عبد اللہ بن سلام نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ میں یہودیوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ اے قوم یہود، اللہ سے ڈرو، اُس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تم جانتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور دین حق لے کر آئے ہیں۔ (بخاری)۔ (۱۳۲) یہود کے اس صریح کفر اور انکار حق کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی۔ یہاں (الکافرن) سے مراد یہود مدینہ ہیں۔ (۱۳۳) بہت ہی بُری چیز تھی جس کے عوض یہود نے اپنی جانوں کو ہلاکت و بربادی میں ڈال دیا۔ صرف حد اور نبلی تعصب کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ کی نبوت کا یقین رکھتے ہوئے ان پر ایمان نہ لائے، اور اللہ کے ایک غضب کے بعد دوسرے غضب کے مستحق ہوئے، اللہ کا پہلا غضب ان پر اس وقت اُترا جب انہوں نے صرف حسد کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، اور چونکہ انہوں نے صرف کبر و حسد کی وجہ سے ایسا کیا، اس لئے غضب الہی کے ساتھ جہنم کا سوا کن عذاب ان کا انتظار

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۳۵﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْمِعُوا قُلُوبَكُمْ لِقَاءِ رَبِّكُمْ إِنَّكُمْ كَانُمْرًا يَبْتَهِمُونَ ﴿۱۳۶﴾

اور موسیٰ تمہارے پاس معجزے لے کر آئے، پھر تم نے ان کے بعد، حد سے تجاوز کرتے ہوئے پچھڑے (۱۳۵) کو (اپنا معبود) بنا لیا ﴿۱۳۶﴾ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا، اور طور پہاڑ (۱۳۶) کو تمہارے اوپر اٹھایا (اور کہا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے پوری قوت کے ساتھ تھام لو اور سنو، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم کرنے کے نہیں۔ اور ان کے دلوں میں، ان کے کفر کی وجہ سے پچھڑے کی محبت (۱۳۷) بٹھادی گئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بڑی بڑی بات (۱۳۸) کا حکم دیتا ہے ﴿۱۳۷﴾

کر رہا ہے، جو تکبیر کرنے والوں کا ٹھکانا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ کہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کی وجہ سے اعراض کرتے ہیں، وہ جہنم میں ذلیل در سوا ہو کر داخل ہوں گے۔ (نافر: ۶۰)۔

(۱۳۴) جب یہود مدینہ سے کہا جاتا کہ اللہ نے محمد ﷺ پر جو کتاب اتاری ہے، اس پر ایمان لے آؤ، تو وہ کہتے کہ ہم تو صرف تورات پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی قرآن کریم کا انکار کر دیتے، جو ان کی تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے قول و عمل میں تضاد اور تباہی کو بیان کیا کہ اگر تم اور تمہارے آباء و اجداد اپنے دعویٰ میں صادق ہو کہ تم لوگ تورات پر ایمان رکھتے ہو تو پھر انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے، جو تورات کے احکام نافذ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے نفس کے غلام ہو اور صرف اپنی خواہشات نفس کی پرستش کرتے ہو۔

(۱۳۵) دعوئے ایمان میں یہود کی کذب بیانی پر دلیل قائم کرنے کے بعد، اس آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے توحید پر قائم رہنے اور شرک سے دور رہنے کا عہد لیا تھا، لیکن جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے سرگوشی کرنے کے لئے طور پہاڑ پر گئے تو انہوں نے پچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔

آیت میں (ببینات) سے مراد وہ نشانیاں اور دلائل ہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نبی اور رسول ہونے کے ثبوت میں پیش کئے تھے۔ جیسے طوفان، مڈی، جویں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، سمندر میں راستہ، پتھر سے چشموں کا جاری ہونا اور من و سلوئی وغیرہ۔

(۱۳۶) اس سے بھی بڑا ان کا عناد اور نفس پرستی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ہیبت پیدا کرنے کے لئے طور پہاڑ کو ان کے سروں کے اوپر اٹھا دیا، اور ان سے کہا کہ تورات کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اور اس میں موجود ادا اور نواہی کو غور سے سنو اور ان پر عمل کرو، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہاری بات سن لی اور تمہارے حکم کی نافرمانی کی۔ اس آیت کی تفسیر اسی سورت کی آیات (۶۳-۶۴) میں گذر چکی ہے۔

(۱۳۷) اس میں انتہائی درجہ کا مبالغہ ہے کہ ان کے کفر و عناد کی ایک سزا اللہ نے ان کو یہ دی کہ پچھڑے کی محبت ان کی کھٹی میں پڑ گئی۔ (۱۳۸) ان کا دعویٰ تھا کہ وہ تورات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دعوئے ایمان پر نقد کرتے ہوئے کہا کہ اگر تمہارا

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الدُّنْيَا فَاغْتَمِبُوا آلَ الْاٰخِرَةِ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ التَّائِبِ فَتَمْتَمُوا الْمَوْتِ اِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَاَنْتُمْ اَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيْكُمْ وَاَللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاَتَعَدَّ لَهُمْ اٰخِرَ صِرَاطٍ اَلَيْسَ عَلَىٰ حَيٰوَةٍ ۝ وَمِنَ الَّذِيْنَ اٰتٰهُمُ الْيُودُ اَحَدًا هُمْ لَوْ يَعْتَرَفُ سَنَةً ۝ وَاَمَّا هُوَ فَيُزَحِّجْهُ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُعْتَرَفَ وَاَللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ قٰلُۙ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِئِلَ وَمِيْكَئِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر (۱۳۹) صرف تمہارے لئے ہے، اوروں کے لئے نہیں، تو اگر تم سچائی پر ہو تو موت کی تمنا کرو ﴿۹۳﴾ اور وہ اپنے ماضی کے کرتوتوں کی وجہ سے اس کی تمنا (۱۵۰) کبھی بھی نہ کریں گے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۹۵﴾ اور آپ انہیں زندگی کے لئے لوگوں میں زیادہ حریص پائیں گے، حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ، ان میں کا ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار سال کی زندگی ملے، حالانکہ عمر کی زیادتی اسے عذاب سے نہ بچا سکے گی، اور اللہ ان کے کرتوتوں کو دیکھ رہا ہے ﴿۹۶﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر کوئی جبریل کا دشمن (۱۵۱) ہے (تو اسے کچھ نقصان نہیں) اس لئے کہ اس نے قرآن آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے، جو گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور مومنین کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے ﴿۹۷﴾ جو کوئی اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے ﴿۹۸﴾

ایمان انہی بڑے کاموں کا حکم دیتا ہے جو تم کرتے آرہے ہو، تو تمہارا ایمان تمہیں بڑی بڑی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ اس میں یہود کے ایمان کی نفی ہے، اس لئے کہ ایمان اعمال قبیحہ کا حکم نہیں دیتا۔

(۱۳۹) یہود دعویٰ کرتے تھے کہ جنت صرف ان کے لئے ہے، دوسرے لوگ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو تاکہ تم جلد از جلد دنیا کی پریشانیوں سے نجات پا کر جنت کی راحتوں کو پاؤ۔ ابن جریر نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ آیت میں دعوتِ مہلبہ ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ اس قول کے پیش نظر آیت کی تفسیروں ہوگی کہ اے میرے رسول! آپ یہودیوں سے کہئے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ دونوں جماعتوں میں سے جھوٹی جماعت کو موت دے دے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایسی دعا کرنے کو کہا تو انہوں نے انکار کر دیا، کیونکہ انہیں اپنے گناہوں کا علم تھا، اور اس کی خبر خود قرآن کریم نے دے دی کہ وہ ایسا کبھی بھی نہیں کریں گے۔

امام بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اگر اس دعوتِ مہلبہ کے بعد یہود موت کی تمنا کرتے تو سب کے سب مر جاتے، اور جہنم میں اپنا ٹھکانا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔

(۱۵۰) وہ بھلا موت کی تمنا کیسے کر سکتے تھے، وہ تو طولِ عمر کی حد درجہ خواہش رکھتے تھے، کیونکہ موت کے بعد انہیں اپنے برے انجام کا پتہ تھا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ جتنا دن ہو سکے موت ان سے لٹی رہے، تاکہ عذاب سے بچے رہیں۔ وہ تو مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے خواہاں تھے، جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ تھی، اور جو موت کے بعد دوبارہ زندگی پر یقین نہیں رکھتے

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے تم پر کھلی آیتیں (۱۵۲) اتاری ہیں۔ اور اُن کا انکار فاسق لوگ ہی کریں گے ﴿۹۹﴾
تھے، اسی لئے دنیا میں لمبی عمر کی خواہش رکھتے تھے۔

جہاد (يَوْمَ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ گناہ نے طول عمر کی خواہش بڑھادی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما (وَمَا هُوَ بِمُزْحَضِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ان کی یہ خواہش انہیں عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

(۱۵۱) مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت یہود کے جواب میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ جبریل اُن کا دشمن، اور میکائیل اُن کا دوست ہے، لیکن اس کے سبب کی تعیین میں اُن کے درمیان اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کا سبب ایک مناظرہ تھا جو نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بارے میں آپ اور یہود کے درمیان ہوا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

کچھ یہود آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے چند ایسے سوالات کرنا چاہتے ہیں جن کے جوابات نبی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن تم لوگ یہ عہد کرو کہ اگر میں نے تمہارے سوالات کے جوابات صحیح صحیح دے دیے تو تم لوگ اسلام قبول کر لو گے، انہوں نے کہا: ہاں۔ چنانچہ آپ نے ان تمام سوالات کے صحیح صحیح جوابات دے دیے (جن کی تفصیل تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے) اور یہود ان کی صحت کا اعتراف کرتے گئے۔ آخر میں انہوں نے پوچھا کہ فرشتوں میں آپ کا دوست کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جبرئیل، اللہ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ان سب کے دوست جبرئیل تھے۔ یہ سن کر یہود نے کہا، پھر ہم اور آپ اکٹھے نہیں ہو سکتے، اگر کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کرتے اور تصدیق کرتے، آپ نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مناظرہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور یہود کے درمیان نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہوا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس روایت کی سند عمر اور شعبی کے درمیان منقطع ہے۔

آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ ان یہودیوں سے کہہ دیجئے جو گمان کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ آپ کے دوست جبرئیل ہیں کہ تمہارا یہ خیال بکواس ہے، اور کبر و عناد پر مبنی ہے، اس لئے کہ جبرئیل اللہ کے پیغامبر ہیں، اور اللہ کے حکم سے آپ کے قلب مبارک پر قرآن اتارتے ہیں، جو گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور جو مومنوں کے لئے ہدایت و بشارت ہے۔ جبرئیل سے عداوت تو اللہ، اس کے فرشتوں اور اُس کے تمام رسولوں سے عداوت ہے۔ اس لئے کہ جبرئیل سے ان کی عداوت اُس حق کی وجہ سے ہے جو وہ اللہ کی طرف سے تمام رسولوں پر نازل کرتے رہے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث قدسی ہے: (جو میرے کسی دوست سے عداوت کرے گا اسے میں جنگ کی خبر دیتا ہوں) اور جس کا دشمن اللہ ہو گا اس کی دنیا و آخرت

أَوْكَلْنَا عَهْدًا وَعَهْدًا بُدَّاهُ فَرِيقٌ فِيهِمْ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَنَجْآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَأٌ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ يَكْتُمُونَ ۚ وَرَأَى ظُهُورَهُمْ كَالنَّهْمِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّبَعُوا مَا تَلَآوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ لُكُلٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرُوا سُلَيْمًا ۖ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسُ الشَّعْرُ ۖ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۖ وَمَا يَعْلَمُنِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَعْلَمُونَ مِنْهَا مَا يَفْقَهُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرءِ وَرُوحِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَالِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَعْلَمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَقَدْ عَلِمُوا الْمَنَ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۖ وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

کیا ایسا نہیں، کہ جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا، تو ان کی ایک جماعت نے اسے پس پشت (۱۵۳) ڈال دیا، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے ﴿۱۰۰﴾ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو تصدیق کر رہا تھا اس کتاب کی جو ان کے پاس تھی، تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دی (۱۵۳) جیسے کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں ﴿۱۰۱﴾ اور وہ پیچھے ہو لئے ان باتوں کے جو شیاطین، سلیمان کے عہدِ سلطنت میں پڑھا کرتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو (۱۵۵) سکھایا کرتے تھے، اور اس چیز کے پیچھے ہو لئے جو بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتاری گئی۔ اور وہ دونوں کسی کو جادو سکھانے سے پہلے بتادیا کرتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش کے طور پر بھیجے گئے ہیں، اس لئے کفر نہ کر دو۔ پھر بھی لوگ ان دونوں سے وہ کچھ سیکھتے تھے جس کے ذریعہ آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق (۱۵۶) پیدا کرتے تھے، اور وہ اُس (جادو) کے ذریعہ بغیر اللہ کی مشیت کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اور لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جو ان کے لئے نقصان دہ تھی، اور نفع (۱۵۷) نہ پہنچا سکتی تھی۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ جو کوئی جادو (۱۵۸) کو اختیار کرے گا، اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور بہت ہی بری شے تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، کاش وہ اس بات کو سمجھتے ﴿۱۰۲﴾ اور اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس انہیں بہت ہی اچھا بدلہ ملتا، کاش وہ اس بات کو سمجھتے ﴿۱۰۳﴾

دونوں برباد ہو جائے گی۔ اسی لئے اللہ نے جبریل کے دشمنوں کے خلاف اس آیت میں اپنے غضب کا اظہار کیا ہے۔

(۱۵۲) (آیاتِ بینات) سے مراد قرآن کریم کی وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے مخفی علوم و اسرار، بنی اسرائیل کے آباء و اجداد کی خبریں، اور تورات اور ان کی دیگر کتب سماویہ کی وہ باتیں بیان کی ہیں، جنہیں ان کے علماء کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا، اور جنہیں قدیم و جدید یہودیوں نے بدل ڈالا تھا۔

ان آیات کے سننے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آتے، جنہوں نے کسی آدمی سے کچھ سیکھے بغیر انہیں ان باتوں کی اطلاع دی، لیکن وہ اس نعمت سے محروم رہے۔ آیت میں (الفاسقون) سے مراد یہود ہیں۔

(۱۵۳) اس میں اظہارِ تعجب ہے ان کی خبیث عادت پر کہ جب بھی انہوں نے اللہ سے کوئی عہد کیا تو اسے توڑ ڈالا، اور ایک قسم کی تسلی ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے کہ اگر وہ قرآن کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ تو ان کی اور ان کے بڑوں کی پُرانی عادت رہی ہے کہ ہمیشہ ہی اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے رہے ہیں۔

(۱۵۴) اسی بُری عادت کا نتیجہ تھا کہ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، اور قرآن نے تورات کی تصدیق کی، تو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی تمام نشانیاں جاننے اور پہچاننے کے باوجود آپ کی تکذیب کی، اور قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دیا۔

(۱۵۵) یہاں یہود کی ایک گمراہی کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، اور شیطانوں سے جادو سیکھنا شروع کر دیا۔ اس آیت کی تفسیر میں علمائے تفسیر کے کئی اقوال ہیں، میں ان میں سے دو قول یہاں ذکر کرتا ہوں :

پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد شیاطین نے اُن کی کرسی کے نیچے مد فون لکھی ہوئی چیزوں کو نکالا، اور ہر دو سطر کے درمیان جادو اور کفر کی باتیں لکھ ڈالیں، اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سلیمان اسی سحر کی بدولت بادشاہ بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ جاہل یہودیوں نے ان کو ساحر کہا، اور ان پر کفر کا الزام لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان شیاطین کی تکذیب کی اور بتایا کہ سلیمان ساحر نہیں تھے، اور کفر کا ارتکاب نہیں کیا تھا، بلکہ شیاطین نے کفر کی راہ اختیار کی، اور لوگوں کو سحر سکھلایا۔

آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہودیوں نے اُن شیاطین سے وہ سیکھا جسے انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف جھوٹ منسوب کر دیا تھا، اور وہ سحر بھی سیکھا جو باہل میں دو فرشتوں کو لوگوں کی ابتلا و آزمائش کے لئے دے کر بھیجا گیا تھا۔ یہ دونوں فرشتے کسی کو جادو سکھلانے سے پہلے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو، ہم لوگ آزمائش بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور جادو کفر ہے، اسے نہ سیکھو۔

اس طرح یہود نے انبیاء و رسل کے علوم و انوار کو چھوڑ کر دونوں راستوں سے جادو سیکھا، شیاطین سے بھی، اور باہل والے دونوں فرشتوں سے بھی۔

دوسرے قول کے مطابق (شیاطین) سے مراد انسانوں کے شیاطین ہیں، اور وہ لوگ ”جو کچھ بیان کرتے تھے“ سے مراد قصے اور خرافات ہیں۔ اور ”سلیمان نے کفر نہیں کیا“ سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بتوں کی پرستش نہیں کی۔ اور ﴿وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا﴾ میں کفر سے منزل من اللہ آیتوں کا انکار، یا غیر اللہ کی عبادت، یا جادو سیکھ سکا کر کفر کا ارتکاب ہے۔ اور ”ہاروت وماروت“ سے مراد دو آدمی ہیں جنہیں لوگ غایتِ حسن ظن کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے حالانکہ وہ دونوں اچھے لوگ نہیں تھے، بلکہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے ظاہر کرتے تھے کہ وہ اچھے ہیں اور جادو سیکھنے سے منع کرتے ہیں۔

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود نے قرآن کو جھٹلایا، اور اس کے بدلے میں اُن قصوں اور خرافات کی تصدیق کی جو شیاطین انس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کی بادشاہت کے بارے میں پھیلا رکھا تھا، اور مشہور کیا کہ سلیمان نے بتوں کی پرستش کی اور کفر کیا، حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین الجن نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھلایا اور کہا کہ یہ ہاروت وماروت دو آدمیوں پر اترا ہے جنہیں وہ لوگ (ان کی ظاہری نیکی کی وجہ سے) فرشتہ کہتے تھے۔ حالانکہ ان دونوں پر اللہ کی طرف سے کچھ بھی نہ اترا تھا، بلکہ وہ دونوں دو آدمی تھے جو نیک ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے، اور لوگوں کو باور کراتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا آرَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوْكُلُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
 أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ
 ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

اے ایمان والو، تم لوگ (نبی کریم ﷺ) سے رعایت کرنے کی درخواست کرتے وقت ”راعنا“ (۱۵۹) نہ کہو، اور،
 ”انظرنا“ کہو، اور غور سے سنو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۰۳﴾ اور کافر اہل کتاب اور مشرکین
 نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر تم پر اتاری جائے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے
 لئے خاص کر دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ﴿۱۰۵﴾

تھے کہ وہ تو لوگوں کے لئے صرف خیر چاہتے ہیں اور انہیں کفر سے ڈراتے ہیں۔
 (۱۵۶) یہ آیت دلیل ہے کہ جادو کی حقیقت ہے، اور وہ اللہ کے ارادہ کے مطابق نقصان پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں
 صراحت کر دی ہے کہ جادوگر دنیاوی تعلقات میں سب سے قوی اور مضبوط رشتہ یعنی میاں بیوی کے تعلقات کو بھی توڑنے
 میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

(۱۵۷) معلوم ہوا کہ جادو میں کسی طرح کی کوئی دینی یا دنیوی منفعت نہیں ہے۔
 (۱۵۸) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے جادو کو جان بوجھ کر اختیار کیا تھا، ایسی بات نہیں تھی کہ وہ لوگ جادو کے
 نقصانات سے ناواقف تھے۔

(فائدہ) ﴿إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ سے بعض علماء نے جادو سیکھنے والے کے کفر پر استدلال کیا ہے، اور اس کی
 تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی کسی کا بن یا جادوگر کے پاس آیا اور اس کے کہے کی تصدیق
 کی، اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ دین اسلام کا انکار کیا۔ اس حدیث کو حافظ بزار نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کی ہے، اور اس
 کے دیگر شواہد بھی پائے جاتے ہیں۔

جادوگر کی تکفیر پر استدلال ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ سے بھی کیا جاتا ہے، کہ ان سے ایمان کی نفی کر دی
 گئی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سلف صالحین کی یہی رائے ہے۔

بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ جادوگر کافر نہیں ہوتا، لیکن بطور تعزیری سزا اس کی گردن مار دی جائے گی۔
 امام بخاری اور احمد بن حنبل نے بجال بن عبدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں لکھ بھیجا کہ ہر
 ساحر اور ساحرہ کو قتل کر دیا جائے۔ بجال کہتے ہیں کہ ہم نے تین جادوگروں کو قتل کیا۔

یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان کی ایک لونڈی نے جادو کر دیا تو آپ نے اس
 کے قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ قتل کر دی گئی۔ ترمذی نے جناب الازدی سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 جادوگر کی سزا تلوار سے قتل کر دینا ہے۔

(۱۵۹) صحابہ کرام جب نبی کریم ﷺ کی مجلس تعلیم و دعوت میں ہوتے اور کوئی بات آپ سے دوبارہ سمجھنی چاہتے تو (راعنا) کا
 لفظ استعمال کرتے، جس کا معنی ہے (ذرا ہمارا خیال سمجھو اور دوبارہ ارشاد فرما دیجئے) ان مجلسوں میں یہودی ہوتے تھے۔ جب یہ

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلِ مُوسَى مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۸﴾ وَكَذَلِكَ يُرِيدُونَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لِيُؤْذَنُوا وَكَمْ مَرَّةٍ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ لَكُمْ آيَاتُ حَسَدٍ إِذْ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْتَفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تَقَدَّمُوا لَكُمْ مِنَ الْإِنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَقَدَّمْهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح سوالات (۱۰۸) کرتے رہو، جیسے اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) سے سوالات کئے جاتے رہے۔ اور جس نے ایمان کے بدلے کفر کو قبول کر لیا وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا ﴿۱۰۸﴾ بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش وہ تم لوگوں کو ایمان لے آنے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں ﴿۱۰۹﴾ وہ لوگ ایسا محض حسد کی وجہ سے، اور ان پر حق واضح ہو جانے کے بعد کر رہے ہیں، پس تم لوگ عفو و درگزر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکاۃ دو اور جو بھلائی بھی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے پاس پاؤ گے، اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۰﴾

میں ایک حکم نازل فرمایا، اور کچھ دنوں کے بعد اسے منسوخ کر دیا۔ یا اس کے بدلے میں دوسرا کوئی حکم اتار دیا، یہودیوں نے کہا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو آج ایک حکم دیتا ہے، اور کل اُس سے روک دیتا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا حکم دیتا ہے، اس لئے وہ نبی نہیں ہو سکتا، اور نہ یہ قرآن کلام الہی ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں یہودیوں کے اسی قول کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی آیت کو منسوخ کر دیتا ہے تو اس کی جگہ اُس سے بہتر ایسی جیسا حکم لاتا ہے، اور یہ اس لئے نہیں کہ اللہ ابتدا میں ہی دوسرا حکم لانے سے عاجز تھا بلکہ بندوں کی مصلحت اسی میں تھی۔ اور جو اللہ کی قدرت کا کچھ علم رکھے گا وہ ایسی بات کبھی نہیں کرے گا۔

دوسری آیت میں اسی کی مزید تاکید آئی ہے کہ آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے، ساری مخلوق اس کے زیر اطاعت ہے۔ انہیں اللہ کے اوامر و نواہی کو بہر حال بجالانا ہے۔ اللہ انہیں جو چاہے گا حکم دے گا اور جس کام سے چاہے گا روکے گا، اور جو حکم چاہے گا منسوخ کرے گا اور جو چاہے گا باقی رکھے گا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نسخ کا انکار صرف کفر و عناد کی وجہ سے کیا، ورنہ یہ چیز عقلی طور پر ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور گذشتہ آسمانی کتابوں میں نسخ واقع ہوا ہے۔ آدم علیہ السلام کے لئے اپنے بیٹے نبی کی آپس میں شادی حلال تھی، پھر حرام کر دی گئی۔ نوح علیہ السلام جب سفینہ (کشتی) سے باہر آئے تو تمام حیوانات کا کھانا جائز تھا، اس کے بعد بعض کی حلت منسوخ ہو گئی، یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے لئے بیک وقت دو بہنوں سے شادی جائز تھی، اس کے بعد تورات میں اسے حرام کر دیا گیا۔

(۱۶۱) اس آیت میں مسلمانوں کو ایسی چیزوں کے بارے میں کثرت سوال سے منع کیا گیا ہے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئیں۔ صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیل و قال، اضاعت مال اور کثرت سوال سے منع فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے تم لوگ مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں، تم سے پہلے کے لوگ کثرت سوال اور

وَقَالُوا لَنْ نَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِيًّا تِلْكَ آيَاتُ الَّتِي نُنزِّلُ بِهَا آيَاتِنَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۱۶۳﴾

مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَنُجْزِيَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۶۴﴾

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں صرف وہی داخل (۱۶۳) ہوگا، جو یہودی یا نصرانی ہوگا، یہ ان کی من مانی تمنائیں ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ ﴿۱۶۳﴾ ہاں، جو کوئی اللہ کے لئے سر تسلیم خم (۱۶۴) کر دے، اور وہ اچھا کام کرنے والا ہو، تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہے، اور انہیں کوئی خوف و غم لاحق نہیں ہوگا ﴿۱۶۴﴾ انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

محققین نے لکھا ہے کہ یہاں مراد ایسے سوالات کی ممانعت ہے جن کا مقصد محض اعتراض کرنا، اور دین میں شدت پیدا کرنا ہو، اگر سوالات علم حاصل کرنے کے لئے ہوں تو کوئی ممانعت نہیں، بلکہ اللہ نے ایسے سوالات کا حکم دیا ہے: ﴿فَاسْتَلْؤْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ کہ اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔ (الانبیاء: ۷)۔

(۱۶۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو اہل کتاب کافروں کی راہ اپنانے سے منع فرمایا ہے، اور انہیں خبر دی ہے کہ یہ اہل کتاب مسلمانوں سے زبردست عداوت رکھتے ہیں، ان سے حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ مسلمان پھر سے کافر بن جائیں، اور اس کے لئے انہوں نے ہر قسم کی سازش اور مکر و فریب کو روا رکھا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عفو و درگزر اور تحمل سے کام لینے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا، یہاں تک کہ اللہ کا کوئی اور حکم ان کے بارے میں آجائے۔ چنانچہ جہاد کا حکم نازل ہوا، تو بہت سے یہود قتل کئے گئے، بہت سے غلام بنائے گئے، اور بہت سے جلا وطن کر دیئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عفو و درگزر کرنے کا حکم قاتل والی آیتوں سے منسوخ ہو گیا، انہی میں سے ایک آیت یہ ہے: ﴿فَاتَّبَعُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ..... الْآيَةِ﴾ مسلمانوں ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ (التوبہ: ۲۹)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حُصَيِّ بن اخطب اور اس کے بھائی ابو یاسر بن اخطب نے عربوں سے شدید دشمنی اس لئے شروع کر دی تھی کہ اللہ نے اپنا آخری نبی عربوں میں کیوں مبعوث کر دیا۔ یہ دونوں یہودی لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے شدت کے ساتھ روکتے تھے۔ یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

(۱۶۳) یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے غرور کی خبر دی ہے۔ اُن میں سے ہر ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ جنت میں وہی داخل ہوگا، جو اُس کے دین کو ماننے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس دعویٰ کی تردید کی، اور کہا کہ یہ محض تمہاری جھوٹی تمنائیں ہیں جن کی صداقت پر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔

(۱۶۴) اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی دوبارہ تردید کی اور فرمایا کہ یہ محض تمہارا دعویٰ ہے کہ صرف تم ہی لوگ جنت میں جاؤ گے، جنت میں ہر وہ شخص داخل ہوگا، جو موحد اور اپنے عمل میں مخلص ہوگا، اور تہمت سنت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہود و نصاریٰ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ نہ وہ موحد ہیں، نہ اپنے عمل میں مخلص ہیں، اور نہ تہمت سنت ہیں۔

(فائدہ) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عمل کے (عند اللہ) مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خالص

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ قَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَلْمُؤْنَ الْكِتَابَ
كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۶۵﴾

اور یہود (۱۶۵) کہتے ہیں کہ نصاریٰ صحیح دین پر نہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود صحیح دین پر نہیں، حالانکہ سبھی اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، ایسا ہی وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتے ہیں (یعنی بت پرست اور مشرکین عرب) پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن امور میں فیصلہ کر دے گا جن میں آپس میں اختلاف کرتے تھے ﴿۱۶۳﴾ اللہ کے لئے ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔ اگر نیت میں اخلاص ہو لیکن سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل مردود ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ رد کر دیا جائے گا۔ (مسلم)۔

اس لئے راہبوں، سادھوں اور صوفیوں کا عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ان کے عمل میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع مفقود ہے۔ اسی طرح اگر عمل بظاہر شریعت کے موافق ہے، لیکن نیت اللہ کی رضا نہیں، تو ایسا عمل بھی مردود ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ کہ بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ اُن کو دھوکہ دے رہا ہے۔ (النساء: ۱۳۲)۔

(۱۶۵) پہلے اہل کتاب نے اپنے علاوہ تمام اہل ادیان کی گمراہی کا دعویٰ کیا، اب ایک دوسرے پر گمراہی اور کفر کا الزام لگا رہے ہیں۔ اس سے ان کی آپس کی نفرت و دشمنی کا بھی اندازہ ہو تا ہے۔ حالانکہ اہل کتاب ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرتے، کیونکہ تورات و انجیل میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ تمام کتابیں جو اللہ نے بھیجی ہیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ بت پرست جن کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ کوئی آسمانی کتاب، وہ بھی آسمانی ادیان والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ صحیح راہ پر نہیں ہیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل کتاب آپس کی منافرت کی وجہ سے ویسی ہی بات کرتے ہیں جیسی بت پرست کرتے ہیں اور ان کی صف میں آگئے ہیں۔

(فائدہ) فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت بھی بعینہ اسی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے، کہ ہر ایک جماعت دوسری جماعت کی تکفیر کرتی ہے، حالانکہ قرآن سبھی پڑھتے ہیں۔

رازی کا یہ قول مجمل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والی بہت سی جماعتوں نے یا تو قرآن کی اتباع کا دم بھرا، اور رسول کی سنت کا انکار کر دیا، دعویٰ تو کیا کہ قرآن و سنت دونوں کی اتباع کرتی ہیں، لیکن عملاً سنت سے اعراض کیا، طرح طرح کی باطل تاویلات کے ذریعہ سنت کو اپنی عملی زندگی سے خارج کر دیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی ڈگر سے ہٹ گئے، اور مختلف جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے (قرآن و سنت دونوں سے جو راہ جتی ہے اس کے بارے میں) فرمایا ہے: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ اور یہ میری سیدھی راہ ہے، تم لوگ اسی کی اتباع کرو، دیگر راہوں کی اتباع نہ کرو۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهِ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا كَأَفِيضِينَ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ١٢٦

اور اس سے بڑا ظالم (۱۲۶) کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکتا ہے، اور اس کی بربادی کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اُن کے لئے مناسب یہی تھا کہ اُن مساجد میں اللہ سے ڈرتے ہوئے (اور خشوع و خضوع کے ساتھ) داخل ہوتے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (۱۲۷)، اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہوگا ﴿۱۱۳﴾

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، میرے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے اگر ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ تمہارے رہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

آج مسلمانوں میں جتنی گمراہیاں، جتنے اختلافات، اور جتنی جماعتیں ہیں ان سب کا واحد سبب، نبی کریم ﷺ کی سنت سے دوری ہے۔ جب سے نبی کریم ﷺ نبی بنا کر بھیجے گئے قیامت تک صرف ایک جماعت صحیح اسلام پر قائم ہے اور رہے گی، اور یہ وہ جماعت ہے جو اپنے دونوں ہاتھوں میں قرآن و سنت کا مشعل لئے دنیا والوں کو دعوت دے رہی ہے کہ صحیح اسلام کی راہ یہ ہے، آؤ، اس پر گامزن ہو جاؤ۔

(۱۲۶) اس سے کون لوگ مراد ہیں، مفسرین کے دو قول ہیں: عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ نصاریٰ تھے، جنہوں نے یہود کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روکا تھا، اور بخت نصر بابل کی مدد کی تھی، جس نے بیت المقدس کو تاراج کیا تھا۔ ابن جریر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مراد مشرکین مکہ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صلح حدیبیہ کے موقع سے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے منع کر دیا تو یہ آیت اتری۔

حافظ ابن کثیر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ نصاریٰ نے جب یہود کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے منع کیا تو وہ دینی اعتبار سے یہود سے بہتر تھے، یہود پر تو اللہ نے لعنت بھیج دی تھی، ان کی عبادت ہی مقبول نہیں تھی۔ اور کلام کا سیاق و سباق بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان کرنے کے بعد اب مشرکین کی مذمت بیان کی جا رہی ہے، اور مسجد کی بربادی کی کوشش اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے وہاں سے اللہ کے رسول کو نکال دیا، اور خانہ کعبہ کے پاس بُت پرستی کا بازار گرم کیا۔

(۱۲۷) اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے کہ مسلمانوں کو مسجد حرام پر غلبہ نصیب ہوگا، اور مشرکین ذلیل ہوں گے، اور مسجد حرام میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ کہیں انہیں پکڑ نہ لیا جائے یا قتل نہ کر دیا جائے۔

چنانچہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا، کہ مکہ فتح ہوا اور مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ (لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ) میں اسی ذلت کی طرف اشارہ ہے۔ اور آخرت میں عذاب نار کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے کہ انہوں نے بیت اللہ کی حرمت کو پامال کیا، اس میں بتوں کو لا کر نصب کیا، غیر اللہ کو پکارا اور ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فِئْتَهُ وَجْهَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۶۹﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا لَّسُبْحٰنَهُ
بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانُونَ ﴿۱۷۰﴾

اور مشرق و مغرب (۱۶۸) کا مالک اللہ ہے، پس تم جس طرف رخ کرو گے، وہاں اللہ کو پاؤ گے (۱۶۹)، بے شک اللہ کمال و وسعت والا اور بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے (اپنے لئے) اولاد (۱۷۰) بنائی ہے، اللہ پاک ہے۔ بلکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اُس کی ملکیت ہے، ہر چیز اُس کے آگے گردن جھکائے ہوئی ہے ﴿۱۱۶﴾

(فائدہ) علمائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفار کو مساجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ: مساجد کی تعمیر اور انہیں ظاہری اور معنوی طور پر آباد کرنے سے بڑھ کر ایمان والی کوئی بات نہیں۔ جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ﴾ کہ مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (التوبہ: ۱۸)۔

(۱۶۸) ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے سامنے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد خانہ کعبہ کی دید سے بھی محروم ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، اور دل میں یہ خواہش رہی کہ کاش ”مسجد حرام“ مسلمانوں کا قبلہ بن جاتا۔ اسی زمانے میں اللہ نے اپنے رسول اور صحابہ کرام کو تسلی دینے کے لئے یہ آیت اُناری کہ مشرق و مغرب اور تمام جہات کا مالک صرف اللہ ہے۔ اس لئے آپ جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھیں گے، اُس طرف اللہ کو پائیں گے۔

اس کے بعد یہ حکم خاص تو منسوخ ہو گیا، اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آگیا، لیکن اس آیت کا حکم عام باقی رہا کہ جہت قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں، اور نفل نمازوں میں، نیز خوف اور سفر کی حالت میں کسی طرف بھی رخ کیا جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

(۱۶۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے (وجہ) یعنی چہرہ ثابت کیا ہے، اس لئے صحیح عقیدہ والے اللہ کے لئے (وجہ) ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ کی ذات کے لائق ہے، ایسا چہرہ جو دوسرے چہروں کے مشابہ نہیں۔ نیز آیت میں اللہ نے اپنے لئے (واسع) اور (علیم) دو صفت ثابت کی ہے۔ اس لئے ہم بھی ثابت کرتے ہیں، اسی تفصیل کے ساتھ جیسا کہ (وجہ) کے بارے میں کہا گیا ہے۔

(۱۷۰) اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کی تکذیب کی گئی ہے، جنہوں نے عزیز و مسیح کو اللہ کا بیٹا تصور کیا، اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا۔ اللہ نے فرمایا کہ (سبحانہ) یعنی اللہ کی ذات ان باطل دعویٰ سے پاک ہے۔

آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اللہ کے مملوک اور بندے ہیں، اور اس کے حضور بجز و انکساری کے ساتھ جھکے ہوئے ہیں۔ بندوں میں سے کوئی اللہ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے، اولاد تو دو متناسب ذاتوں کے ارتباط سے پیدا ہوتی ہے، اللہ کا کوئی شریک اور نظیر نہیں، اور نہ اس کی کوئی بیوی ہے، پھر اللہ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے!؟

صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذیت کی باتیں سن کر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے لئے بیٹا بتاتے ہیں، پھر بھی وہ انہیں روزی دیتا ہے اور عافیت سے نوازتا ہے۔ (قانتون) یعنی تمام مخلوق اس

بَدِيعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
يَكُوْمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَابِنَا اَيُّهُ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۗ تَشٰهَدَتْ قُلُوْبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین (۱۷۱) کا (بغیر نمونہ دیکھے) پیدا کرنے والا ہے، اور وہ جب کسی چیز (کو وجود میں لانے) کا فیصلہ کر لیتا ہے، تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے ﴿۱۷۱﴾ اور جو لوگ علم نہیں رکھتے، انہوں نے کہا کہ اللہ ہم سے باتیں (۱۷۲) کیوں نہیں کرتا، یا کوئی نشانی (۱۷۳) ہمارے پاس کیوں نہیں آتی، ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کہا تھا جو ان سے پہلے تھے، ان کے دل (۱۷۴) ایک دوسرے جیسے ہیں، ہم نے اپنی نشانیاں (۱۷۵) ان لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں جو یقین رکھتے ہیں ﴿۱۷۸﴾

کے زیر تصرف ہے، اور اس کی عبادت میں لگی ہوئی ہے۔

(۱۷۱) (بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) یعنی اللہ نے آسمان و زمین کو بغیر کسی سابق مثال کے پیدا کیا ہے، جس طرح اس نے مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے کلمہ (کُنْ) سے پیدا کیا۔ لفظ ”بدعت“ اسی سے ماخوذ ہے۔ ہر وہ بات جو اسلام میں نئی پیدا کی جائے اور جس کی تائید قرآن و سنت سے نہ ملے، اسے بدعت کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے (کُلِّ مَحْدُوْفَةٍ بَدْعَةٌ) کہ اسلام میں ہر نئی بات بدعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت اور عظیم بادشاہی کی خبر دی ہے، کہ جب وہ کسی چیز کے ہو جانے کا فیصلہ کرتا ہے، تو (کُنْ) یعنی ”ہو جا“ کہتا ہے، اور وہ چیز اللہ کے ارادے کے مطابق وجود میں آ جاتی ہے۔ کوئی شے (وجود میں آنے سے) نافرمانی نہیں کر سکتی۔

(۱۷۲) ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سند بنی وغیر ہم کی رائے ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے بارے میں اُتری ہے، انہی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو اللہ ہم لوگوں سے بات کر کے کیوں نہیں بتا دیتا کہ اس نے تمہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس رائے کے مطابق آیت میں (الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ) سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ مجاہد کی رائے ہے کہ یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں اُتری ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رافع بن خرمیلہ یہودی نے اعتراض کیا تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیر اور شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(۱۷۳) یہاں ”آیت“ سے مراد مشرکین کی مرضی کی نشانیاں ہیں، جن سے ان کی عقل فاسد اور جرأت علی اللہ کا پتہ چلتا ہے؛ مشرکین مکہ اس قسم کے سوالات ہمیشہ ہی کیا کرتے تھے، کہتے تھے: ”ہم اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں“ ”اگر تم رسول ہو تو ایک فرشتہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں رہتا جو لوگوں کو تمہاری طرف بلا تارے“۔ ”اگر تم رسول ہو تو تمہارے پاس خزانہ کیوں نہیں ہے“۔ ”یا یہ کہ تمہارے پاس کھجور اور انگوروں کا باغ ہونا چاہئے“۔ اُن کا مقصد طلب ہدایت نہیں بلکہ شرارت اور فتنہ انگیزی ہوتی تھی، ورنہ اللہ نے تو نشانیاں ہمیشہ ہی بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء و رُسُل کے ساتھ بھیجی ہیں۔

(۱۷۴) مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے دل کفر و عناد اور سرکشی میں ایک دوسرے جیسے ہیں۔

(۱۷۵) ایمان و یقین والوں کے لئے وہ نشانیاں کافی ہیں جو اللہ نے قرآن میں بیان کر دی ہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجُبُورِ ۝ وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَهُمْ وَرَغِبَ إِلَيْهِمُ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۝ وَكَانَ الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمْ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمْ كَتَبَ يَتْلُونَكَ كِتَابَ اللَّهِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ يَكْفُرُ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ يَبْنَؤُا سُرَابًا لِّذِكْرِهِمْ وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ عَلِيمٌ ۝ فَاصْلَحْ لَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

بے شک ہم نے آپ کو دین حق (۱۷۶) دے کر، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور آپ سے اہل جہنم (۱۷۷) کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا ﴿۱۱۹﴾ اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی (۱۷۸) نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی اتباع کرنے لگیں، آپ کہہ دیجئے کہ اصل ہدایت، اللہ کی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے اُس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے، اُن کی خواہشات (۱۷۹) کی پیروی کی، تو اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہو گا ﴿۱۲۰﴾ جن کو ہم نے کتاب (۱۸۰) دی ہے، اس کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسی ہونی چاہئے، وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے، وہی خسارہ اٹھانے والے ہوں گے ﴿۱۲۱﴾ اے بنی اسرائیل، میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا، اور (خاص طور پر اس احسان کو کہ) میں نے تمہیں اس دور کے تمام جہاں والوں پر فضیلت دی ﴿۱۲۲﴾

(۱۷۶) اس میں گواہی ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (حق) سے مراد دین اسلام ہے جو قرآن و سنت کا نام ہے۔ (۱۷۷) مشرکین عرب کے لئے وعید شدید ہے، اور یہ کہ ان سے ایمان کی توقع نہیں کی جاسکتی، وہ لوگ اللہ کے علم میں جہنمی ہیں۔

(۱۷۸) اس میں یہود و نصاریٰ کے ایمان لانے سے غایت درجہ کی ناامیدی کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی بھی خوش نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ ان کے دین کو قبول کر لیں۔ اس لئے ان کی مرضی حاصل کرنے کی کوشش اچھی بات نہیں، آپ بس اللہ کی رضا طلب کریں۔ اور ان کے سامنے وہ دین حق پیش کریں جو آپ کو دے کر بھیجا گیا ہے، اور جس کے علاوہ کوئی بھی دین، دین حق نہیں ہے۔

(۱۷۹) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس ہدایت نہیں، ہوائے نفس ہے، اور وہ دوسروں کو اسی کی طرف بلاتے ہیں، اور اس میں اُمتِ اسلامیہ کے لئے شدید وعید ہے کہ اگر قرآن و سنت کا علم آجانے کے بعد یہود و نصاریٰ کی راہ اپنائیں گے تو اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

اس آیت کے ضمن میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو محض مدامت کی بنیاد پر کسی کی رائے کو قرآن و سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔ یا سنت کو پس پشت اس لئے ڈال دیتے ہیں کہ کسی امام یا کسی عالم کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور قرآن و سنت کی تاویل کرتے ہیں۔ ان کے معانی و مفہیم کو بدل دیتے ہیں تاکہ کوئی منافق حاکم وقت ناراض نہ ہو جائے۔

گویا کوئی بھی آدمی اگر کسی انسان کی مرضی یا رائے کو مقدم کرنے کے لئے قرآن اور رسول اللہ کی سنت کو نظر انداز کر دیتا ہے، وہ اس آیت کے ضمن میں آئے گا، اور آیت میں موجود تہدید و وعید اس کو شامل ہوگی۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۸۱﴾ وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا بِنَالِ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۸۲﴾

اور اُس دن (۱۸۱) سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور نہ کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی سفارش کام آئے گی، اور نہ کوئی اُن کی مدد کے لئے پہنچے گا ﴿۱۸۲﴾ اور (یاد کرو) جب ابراہیم (۱۸۲) کو اُن کے رب نے چند باتوں (۱۸۳) کے ذریعہ آزمایا، تو انہوں نے اُن سب کو پورا کر دکھلایا، اللہ تعالیٰ نے کہا، میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ کہا: اور میری اولاد میں سے بھی۔ تو اللہ نے فرمایا: ظالم لوگ (۱۸۳) میرے اس وعدہ میں داخل نہیں ہوں گے ﴿۱۸۳﴾

(۱۸۰) مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور ان آیتوں میں اُن کے دعوئے ایمان کی تردید کی جا رہی ہے، اس لئے آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ اُن میں سے جن لوگوں نے اپنی کتاب کی اتباع کی، حلال و حرام کا التزام کیا، ان میں تحریف نہیں کیا، وہی لوگ، اے محمد (ﷺ) اس دین پر ایمان لائیں گے جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے۔ وہ یہود و نصاریٰ نہیں جنہوں نے اپنی کتاب کو بدل دیا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا، آپ سے متعلق نشانیوں کو چھپایا، اسی لئے اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَاِنَّا لَمَعْلَمُونَ﴾ جو لوگ دین کا انکار کریں گے، وہی درحقیقت خسارہ پانے والے ہوں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو شخص بھی، چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی، میرے بارے میں سُنے گا اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔) (مسلم)۔

(۱۸۱) اسی سورت کی آیت (۳۸) کی تفسیر دیکھئے۔ آیت کے تکرار سے مقصود، بنی اسرائیل کو اللہ کے انعامات یاد دلا کر نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دلانی ہے، کہ وہ محض حسد کی بنیاد پر ان کا انکار نہ کریں، اور تورات میں ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں انہیں نہ چھپائیں، اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈریں۔

(۱۸۲) ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے مختلف اوامر و نواہی کے ذریعہ آزمایا، آپ تمام آزمائشوں میں پورے اترے، تو اللہ نے انہیں بطور انعام و اکرام تمام عالم کے لئے توحید کا امام بنا دیا۔ جب یہ خوشخبری ان کو دی گئی، تو انہوں نے خواہش کی اور دعا کی کہ اے اللہ! اس انعام و اکرام میں میری اولاد کو بھی شریک کر دے۔ تو اللہ نے ان کی دعا سن لی، جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ کہ ہم نے ان کی نسل کو نبوت اور کتاب دی۔ (العنکبوت: ۲۷) لیکن اس استثناء کے ساتھ کہ ظالم لوگ اس وعدہ میں شامل نہیں ہوں گے۔

اس میں ایک قسم کی ترغیب ہے ان سب لوگوں کے لئے جو اپنی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں، کہ اگر وہ دنیا میں عزت، اور آخرت میں جہنم سے نجات چاہتے ہیں تو دین اسلام جو دین ابراہیمی ہے، اسے قبول کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ * إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کہ ابراہیم یہودی اور نصرانی نہیں تھے۔ وہ تو موحد مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ ابراہیم کے حقدار وہ ہیں جنہوں نے ان کی اتباع کی، اور یہ نبی

وَرِذِّعْنَا لِلْبَيْتِ مَكَابِدَ إِلْتِأَسٍ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ (۱۸۵) اور گہوارہ اامن بنایا، اور (انہیں حکم دیا کہ) مقام ابراہیم (۱۸۶) کو نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کو وصیت کی کہ میرے گھر کو طواف و اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے صاف ستھرا (۱۸۷) رکھو ﴿۱۲۵﴾ کریم (ﷺ)، اور جو لوگ ایمان لائے۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ (آل عمران: ۶۷-۶۸)

(۱۸۳) حافظ ابن کثیر کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ (کلمات) سے مراد وہ تمام اوامر و نواہی، اور وہ تمام امور ہیں جن کے التزام کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ اتنی۔ ان میں رب العالمین کے لئے خشوع و خضوع، ہجرت فی سبیل اللہ، آگ میں ڈالا جانا، ختنہ اور بیٹے کی قربانی سرفہرست آتے ہیں۔

(۱۸۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ نے اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی ہے کہ ان کی نسل میں ظالم لوگ بھی ہوں گے۔

آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ ظالم لوگ دوسروں کی امامت کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ امام کو عدل و انصاف والا اور عامل بالشریعت ہونا چاہئے۔

اسی طرح اس سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ امور شریعت کی ذمہ داری کسی ظالم کو نہیں دی جائے گی۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے امام کی پیروی کرتے ہیں، اور اگر وہ ظالم یا فاسق ہو گا تو اپنے ماتحت لوگوں کو گمراہ کر دے گا۔

(۱۸۵) اللہ تعالیٰ نے امامت ابراہیم کی نشانی، خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مومن کے دل میں زیارت خانہ کعبہ کی خواہش ہر دم کروٹیں لیتی رہتی ہے۔ ایک بار زیارت کر کے لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دوبارہ زیارت کی خواہش پھر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس گھر کا زائر امن میں ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں آدمی اپنے باپ یا بھائی کے قاتل کو کعبہ کے سامنے پاتا اور اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت تھی۔

(۱۸۶) اس گھر کے بنانے والے (ابراہیم) کا رب العالمین کے یہاں وہ مقام ہے کہ اللہ نے ہمیشہ کے لئے ان کی یاد کو خانہ کعبہ سے جوڑ دیا اور ہر زائر کعبہ کو حکم دیا کہ وہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھے۔ امام بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت کی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کاش مقام ابراہیم کو آپ نماز پڑھنے کی جگہ بنا دیتے تو یہ آیت ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ نازل ہوئی، (الحدیث)۔ کہ تم لوگ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔

مقام ابراہیم وہی پتھر ہے جس پر پاؤں رکھ کر ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیوار بنائی تھی۔ یہ پتھر کعبہ کی دیوار سے لگا ہوا تھا، ایک شدید سیلاب میں بہہ کر مکہ کی وادی میں چلا گیا، تو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسے وہاں سے لا کر دیوار کعبہ سے الگ جمادیا، اور کسی صحابی نے نکیر نہیں کی۔ حافظ ابو بکر بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ مقام ابراہیم، رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت اللہ سے لگا ہوا تھا، حضرت عمر

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾

اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب، تو اس شہر کو پُر امن (۱۲۸) بنا دے، اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں، انہیں مختلف قسم کے میوے عطا فرما، اللہ نے کہا، اور جو کافر ہوگا اُسے بھی کچھ دنوں تک کُفّے پہنچاؤں گا، پھر اسے جہنم کے عذاب میں داخل ہونے پر مجبور کر دوں گا، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی، اور دعا (۱۲۹) کرتے تھے کہ اے ہمارے رب، اس عمل کو ہماری طرف سے قبول فرما لے۔ بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾

رضی اللہ عنہ نے اسے الگ کر دیا۔

(۱۲۷) اس میں اُن مشرکین کی تردید ہے جو اللہ کے بجائے بتوں کی پرستش، اُس گھر کے پاس کرتے تھے جسے ابراہیم علیہ السلام نے صرف رب العالمین کی عبادت کے لئے بنایا تھا، اور جسے ابراہیم اور اسماعیل نے اللہ کے حکم سے بتوں سے پاک کیا تھا، تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ سنت قائم ہو جائے۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ پر بھی نقد ہے کہ وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت و عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ انہوں نے ہی بیت اللہ کو حج و عمرہ میں طواف کرنے، اور اُس کے پاس اعتکاف اور نماز ادا کرنے کے لئے بنایا تھا، لیکن وہ لوگ ایسا نہیں کرتے، پھر خلیل اللہ علیہ السلام کے تتبع کیسے ہو گئے؟! صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ موسیٰ بن عمران اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام نے حج کیا تھا۔

(۱۲۸) ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنانے کے بعد یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس جگہ کو جہاں میں نے تیرا گھر بنایا ہے، اور جہاں تیرے حکم سے اپنی اولاد کو بسایا ہے، ایسا شہر بنا دے جہاں لوگ اُنس محسوس کریں اور ہر خوف سے آزاد رہیں، اور یہاں بسنے والے مومنین کے لئے ہر قسم کا پھل مہیا فرما۔

چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور حرم کو امن کا گہوارہ اور بلند حرام بنا دیا، جہاں ہتھیار اٹھانا حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ صراحت کر دی کہ ”جو کافر ہوگا وہ یہاں تو تمہاری دعا سے فائدہ اٹھائے گا، لیکن آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا“۔

(فائدہ) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا، اور میں مدینہ کو دونوں حرموں کے درمیان حرم بناتا ہوں۔

(۱۲۹) اللہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو بتائیں کہ ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل، اُمّ القریٰ کی سر زمین میں اللہ کا گھر بناتے ہوئے یہ کہتے جا رہے تھے کہ اے ہمارے رب اسے قبول کر لے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ وَإِرْنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنْ يُرَغَّبْ عَنَّا بِرَبِّهِمْ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَكَانَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾

اے ہمارے رب، ہمیں اپنا اطاعت گزار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار بنا۔ اور ہمیں ہماری عبادت (۱۲۸) کے طریقے سکھا دے، اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۸﴾ اور اے ہمارے رب، انہی میں سے ایک رسول (۱۲۹) ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے ﴿۱۲۹﴾ اور ملتِ ابراہیمی (۱۳۰) سے، سوائے اس آدمی کے جس نے اپنے آپ کو احسن بنایا، کون اعراض کر سکتا ہے، اور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا تھا، اور آخرت میں وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا ﴿۱۳۰﴾

عنہما سے روایت کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں کی خیریت معلوم کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اسماعیل بڑے ہو چکے تھے، ابراہیم نے کہا: اے اسماعیل! اللہ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل نے کہا: آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اسے کیجئے، کہا: تم میری مدد کرو گے؟ کہا: (ہاں) میں آپ کی مدد کروں گا۔ کہا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر بناؤں۔

جب دونوں نے مل کر اس گھر کی بنیاد اونچی کر لی تو اسماعیل پتھر لاتے رہے اور ابراہیم جوڑتے رہے، جب مکان اونچا ہو گیا تو وہ پتھر (مقامِ ابراہیم) لائے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم جوڑتے رہے، اور اسماعیل ان کو پتھر لالا کر دیتے رہے۔ دونوں بیت اللہ کے ارد گرد گھوم گھوم کر جوڑتے رہے اور کہتے رہے: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ﴿۱۳۰﴾ اے ہمارے رب ہماری طرف سے اس عمل کو قبول کر، تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ابن ابی حاتم نے وہیب بن الورد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ خلیل الرحمن! آپ اللہ کا گھر بنا رہے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ کا عمل قبول نہ کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ مومن مخلص عمل کرتا ہے اور ڈر رہتا ہے کہ کہیں اس کا عمل اس کے منہ پر نہ مار دیا جائے (وہیب، عبد اللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض اور عبد الرزاق وغیر ہم کے شیخ اور بڑے عابد و زاہد آدمی تھے)۔

(۱۹۰) (مناسک) سے مراد یا توج کے اعمال ہیں، جیسا کہ سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے۔ یا اس سے مراد پورا دین اور ساری عبادت ہیں۔ کیوں کہ (نسک) کا لغوی معنی "تعبد" ہے، یعنی عبادت کرنا۔

(۹۱) ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام نے اللہ سے علم نافع اور عمل صالح کی توفیق، اور اللہ کی رضامندی، اور پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ! اسماعیل کی اولاد میں ایک نبی پیدا کر، جو لوگوں کو تیری آیات پڑھ کر سنائے، انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے، اور انہیں شرک اور تمام گناہوں سے پاک کرے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: میں

اِذْ قَالَ لَهَا رَبُّهَا اَسْلِمِي قَالَتْ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَوَضَىٰ بِهَا اِبْرَاهِمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ طَيْبَتِي اِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوْا نَعْبُدُ الْهٰكِ وَالْهٰ اَبَائِكَ اِبْرَاهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ الْهٰذَا وَاحِدًا ۝ وَنَحْنُ لَكَ مُسْلِمُونَ ۝

(یاد کرو) جب ابراہیم سے اُس کے رب نے کہا کہ (اے ابراہیم) تو اپنے رب کا اطاعت گزار بندہ (۱۹۳) بن جا، تو اُس نے کہا کہ میں رب العالمین کا اطاعت گزار بن گیا ﴿۱۳۱﴾ اور یہی وصیت ابراہیم (۱۹۴) نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے (اپنے بیٹوں کو) کی، کہ اے میرے بیٹو، اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام کو اختیار کر لیا ہے، اس لئے جب مرو تو اسلام کی حالت میں مرو ﴿۱۳۲﴾ کیا جب یعقوب (۱۹۵) کی موت قریب تھی تو تم لوگ وہاں موجود تھے؟ جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم لوگ کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود، ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔ اور ہم اسی (ایک اللہ) کے اطاعت گزار ہیں ﴿۱۳۳﴾

اپنے باپ ابراہیم کی دعا، عیسیٰ کی بشارت، اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ (مند احمد)۔

(۱۹۲) اس آیت میں اہل کتاب اور مشرکین عرب کی تردید ہے جنہوں نے ملتِ ابراہیمی کو چھوڑ کر (جو نبی کریم ﷺ کے آنے کے بعد دین اسلام اور عقیدہ توحید میں محصور ہو گئی) اپنی اپنی ہوائے نفس کی اتباع کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی وحدانیت کا برملا اعلان کیا، اس کے ساتھ کسی کو ایک لمحہ کے لئے بھی شریک نہ بنایا، اور پوری قوم کی مخالفت مولیٰ، حتیٰ کہ اپنے باپ سے براءت کا اعلان کیا، اور اس عقیدہ کی خاطر بے دھڑک آگ میں کود گئے۔ یہی ہے ملتِ ابراہیمی، اسی کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں اور اپنے پوتے یعقوب کو کی، اور اسی ملتِ ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ کے لئے رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور کفار سب کو خطاب کر کے کہا کہ اس سے بڑھ کر اپنے حق میں ظلم کرنے والا اور کون ہوگا، جو اس ملتِ ابراہیمی کو قبول نہیں کرے گا، اور اس کی مخالفت کرے گا، وہی ابراہیم جسے اللہ نے بچپن سے دعوتِ توحید کے لئے چن لیا تھا، یہاں تک کہ اپنا خلیل بنا لیا، اور آخرت میں وہ اُن نیک بخت روحوں میں سے ہوں گے جنہیں اللہ اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔

(۱۹۳) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اخلاص، کمالِ عبودیت اور توحید و اسلام پر ثابت رہنے کا حکم دیا، تو انہوں نے رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

(۱۹۴) ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو، اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو ”دین اسلام“ پر قائم رہنے کی نصیحت کی، جس کے علاوہ اللہ کے نزدیک کوئی دین قابل قبول نہیں۔

(۱۹۵) یہود و نصاریٰ پر حجت تمام کرنے کے لئے یعقوب علیہ السلام کی وصیت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے بھی اپنے بیٹوں کو

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ نَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹۶﴾ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ
 نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۹۷﴾ قُولُوا أَلَمْ نَكُنْ بِاللهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا
 وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ
 رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۹۸﴾

وہ ایک جماعت (۱۹۶) تھی جو گذر چکی، انہوں نے جو کچھ کمایا ان کے لئے ہے، اور تم نے جو کمایا تمہارے لئے، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا ﴿۱۹۶﴾ اور انہوں نے کہا یہودی یا نصرانی ہو جاؤ، تاکہ راہِ راست پر آ جاؤ۔ (اے میرے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ ہم نے ابراہیم کی ملت کو اپنا لیا (۱۹۷) ہے جنہوں نے تمام ادیانِ باطلہ کو چھوڑ کر، دینِ توحید کو قبول کر لیا تھا، اور جو مشرک (۱۹۸) نہیں تھے ﴿۱۹۵﴾ (اے مسلمانو!) تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان (۱۹۹) لائے، اور اس کتاب پر جو ہماری طرف بھیجی گئی، اور ان تعلیمات پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتریں، اور ان تمام کتابوں اور تعلیمات پر جو موسیٰ و عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملیں، ہم ان انبیاء کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اسی اللہ کے اطاعت گزار ہیں ﴿۱۹۶﴾

مرنے سے پہلے (دینِ اسلام) پر چلنے کی وصیت کی تھی۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (الأنبياء إخوانة لعلات، أمهاتهم شتى، ودينهم واحد) انبیائے کرام آپس میں علاقائی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں، اور ان کا دین ایک ہے۔

(۱۹۶) ابراہیم، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اشارہ ہے، کہ ان کے اعتقادات، اعمال اور اخلاق حسنہ ان کے کام آئیں گے، اور (اے یہود و نصاریٰ) تمہاری بد اعمالیاں تمہارے میزانِ عمل میں ہوں گی۔ ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ تم بھی انہی جیسے بنو، اگر انکار کرو گے تو ان کے اعمال تمہارے کام نہیں آئیں گے۔

(۱۹۷) محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن صور یا (جو کان تھا) یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم لوگ صحیح دین پر ہیں، اس لئے اے محمد تم ہماری اتباع کرو، اور نصاریٰ نے بھی ایسی ہی بات کہی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، اور نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان سب سے کہیں کہ ہم تو ابراہیم کے دین کی اتباع کریں گے، جنہوں نے تمام ادیانِ باطلہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے دینِ حنیف (دینِ اسلام) پر چلنے کا اعلان کیا تھا۔

(۱۹۸) اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہود و نصاریٰ شرک میں مبتلا ہو گئے، لہذا راہِ ہدایت سے وہ ہزاروں میل دور ہیں۔ (۱۹۹) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس پر مفصل طور پر ایمان لائیں، اور گذشتہ انبیائے کرام پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں ان پر مجمل طور پر ایمان رکھیں، اور بغیر تفریق سب پر ایمان رکھیں، یہود و نصاریٰ کی طرح نہ کریں کہ کسی پر ایمان کا دعویٰ کریں اور کسی کا انکار کریں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اہل کتاب (یہود) تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے، اور اس کی تفسیر عربی زبان میں مسلمانوں کو بتاتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق

فَإِنْ أَمَّنُوا بِيْئَلٍ مَا أَمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ۝

پس اگر یہ (یہود و نصاریٰ) تمہاری طرح ایمان (۲۰۰) لے آئے، تو راہِ راست پر آگئے، اور اگر انہوں نے حق سے منہ پھیر لیا، تو (اس لئے کہ وہ) مخالفت و عداوت پر آگئے، پس اللہ آپ کے لئے ان کے مقابلے میں کافی ہوگا، اور وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾

کر و اور نہ تکذیب، اور ان سے کہو کہ ہم تو اللہ پر اور اس کی کتاب پر ایمان لے آئے ہیں جو ہم پر اتری ہے (پھر آپ نے پوری آیت پڑھی)۔

(نوائد)

۱- اس آیتِ کریمہ میں وہ تمام چیزیں سمیٹ دی گئی ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے۔ ”ایمان“ کا لفظ بولا جائے گا تو ارکانِ اسلام اور اعمالِ صالحہ سبھی داخل ہوں گے، اسی طرح جب صرف ”اسلام“ کا لفظ بولا جائے گا، تو اس میں ”ایمان“ داخل ہوگا، اور جب دونوں ایک ساتھ بولے جائیں گے تو ”ایمان“ دل کے اقرار و تصدیق کا نام ہوگا، اور ”اسلام“ ظاہری اعمال کا۔

۲- قُولُوا آمَنَّا: یعنی زبان سے کہو، ہم ایمان لے آئے، دراصل حالیہ دل اس کی تصدیق کر رہا ہو، اس لئے کہ اس کے بغیر ثواب و جزا کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر دل کے اعتقاد کی تائید عمل سے نہیں ہوتی تو وہ بھی تقریباً بے اثر اور بے فائدہ ہے۔

۳- قُولُوا: اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ مسلمان اپنے عقیدہ کا اعلان کرتا ہے، اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔

۴- آمَنَّا: جمع کا صیغہ، اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اُمتِ اسلامیہ کے تمام افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہیں، اور افتراق کو قبول نہ کریں۔

۵- آمَنَّا بِاللَّهِ: یعنی ہم ایمان لائے اس اللہ پر جو واجب الوجود ہے، واحد ہے، احد ہے، ہر صفتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، ہر نقص و عیب سے پاک ہے، جو اکیلا تمام انواعِ عبادت کا مستحق ہے، اور جس کا کوئی کسی بھی حیثیت سے شریک نہیں۔

۶- وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا: قرآن و سنت دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ اور اللہ نے آپ پر قرآن و حکمت دونوں اتارا ہے۔ قرآن و سنت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ان دونوں میں موجود تمام صفاتِ باری تعالیٰ، صفاتِ انبیاء و رسل، یومِ آخرت، غیبی امور اور احکامِ شریعہ پر ایمان رکھتا ہے۔

۷- وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا: آیۃ: تمام کتبِ سواہیہ اور تمام انبیاء پر جو جب ایمان کی دلیل ہے یعنی سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۲۰۰) یعنی اے مسلمانو! اگر اہل کتاب (یعنی یہود) اسی ایمان سے متصف ہو جائیں جس ایمان سے تم لوگ متصف ہو اور

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عِبَادُونَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ إِنَّمَا جُعِلْنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ وَلِنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مَخْلُوصُونَ ﴿۱۳۹﴾

(اے یہود و نصاریٰ) اللہ کا رنگ (۲۰۱) اختیار کر لو، اور اللہ کے رنگ سے اچھا کون سا رنگ ہو سکتا ہے، اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں ﴿۱۳۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے (۲۰۲) ہو، حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے اعمال ہمیں کام آئیں گے اور تمہارے اعمال تمہیں۔ اور ہم نے اپنی بندگی اسی کے لئے خاص کر دی ہے ﴿۱۳۹﴾

جس کا ذکر ابھی ہو چکا، تو وہ لوگ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے۔ اور اگر انہوں نے محض آپ کی مخالفت اور عداوت میں آکر حق سے روگردانی کی، تو اللہ اپنے رسول سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اُن کے شر کو آپ سے دور رکھے گا، اور ان کو منہ کی کھانی پڑے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، کچھ قتل کر دیئے گئے، کچھ قید کر لئے گئے، اور کچھ جلا وطن کر دیئے گئے اور ہر طرف تتر بتر ہو گئے، اور یہ قرآن اللہ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جیسا قرآن نے خبر دی تھی ایسا ہی وقوع پذیر ہوا۔ صحیح بخاری میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو قریظ نے جب سعد بن معاذ (جو ان کے حلیف تھے) کو حکم تسلیم کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، وہ ایک گدھے پر آئے۔ جب مسجد کے قریب ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے کہا: تم لوگ اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ، پھر اُن کو بتایا کہ بنو قریظ والوں نے تمہیں حکم مان لیا ہے، تو انہوں نے فرمایا: آپ ان کے جنگ کرنے والوں کو قتل کر دیں، اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو نضیر اور بنو قریظ نے مسلمانوں سے جنگ کی، تو بنو نضیر جلا وطن کر دیئے گئے، اور بنو قریظ احسان کر کے چھوڑ دیئے گئے، لیکن بنو قریظ نے پھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی، تو ان کے مردوں کو قتل کر دیا گیا، اور عورتوں، بچوں اور ان کی جائیدادوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا، سوائے ان بعض لوگوں کے جو پہلے ہی آکر رسول اللہ ﷺ سے مل گئے تو آپ نے اُن کو امن دے دیا، اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے، اس کے بعد تمام یہود مدینہ کو اللہ کے رسول ﷺ نے جلا وطن کر دیا، اور مدینہ ان کے وجود سے پاک ہو گیا۔

(۲۰۱) یہود و نصاریٰ کا دستور تھا کہ جب وہ کسی آدمی کو اپنے مذہب میں داخل کرنا چاہتے یا اپنے بچوں کو ایک خاص عمر میں پہنچنے کے بعد یہودیت یا نصرانیت کی تلقین کرتے، تو کہتے کہ ہم نے اس پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا دیا۔ عیسائیوں نے اس کے لئے ایک زرد پانی ایجاد کیا تھا، جس میں وہ اپنے بچوں کو اور ہر اس شخص کو جو ان کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا تھا، غسل دیتے تھے، جسے عربی میں (صبغة) اور اُردو میں (ہتسمہ) کہتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ تمہارا یہ عمل کوئی معنی نہیں رکھتا، اور اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں، اصلی رنگ تو اللہ کا رنگ ہے اور وہ دینِ اسلام ہے۔ اس لئے تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اسلام کے رنگ میں رنگو، اور اس کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کرو، کیونکہ

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ أَنتُمْ
 أَعْلَمُ أَمْرَ اللَّهِ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۲۰۵﴾ تِلْكَ آيَاتُ
 قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰۶﴾

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اس کی اولاد، یہودی یا نصرانی تھے؟ آپ کہہ دیجئے
 کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی طرف سے، اُس کے پاس موجود گواہی
 کو چھپا (۲۰۴) دیا، اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے ﴿۱۳۰﴾ وہ ایک جماعت (۲۰۵) تھی جو گذر چکی، انہوں
 نے جو کچھ کمایا اُن کے لئے ہے، اور تم نے جو کمایا تمہارے لئے، تم سے اُن کے اعمال کے بارے میں نہیں
 پوچھا جائے گا ﴿۱۳۱﴾

جس طرح رنگ پڑے کے ہر جزو میں پیوست کر جاتا ہے اسی طرح اسلام اپنے ماننے والے کی حالت کو یکسر بدل دیتا ہے۔
 (۲۰۲) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تعلیم دی ہے کہ مشرکین اہل کتاب آپ سے اللہ کے بارے میں بھگڑتے ہیں، تو بھگڑنا
 ختم کرتے ہوئے کہتے کہ تم کیسے لوگ ہو جو اللہ کی توحید و اخلاص اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے میں مجھ سے بھگڑتے ہو،
 حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے۔

اس کے بعد اللہ نے آپ ﷺ کو تعلیم دی کہ آپ ان سے براءت کا اعلان کر دیں، اور کہیں کہ اگر تم شرک پر جے
 رہے تو ہم ایک دوسرے سے بری ہیں، اور ہم تو اپنی عبادت اور تعلق باللہ میں مخلص ہیں۔
 (۲۰۳) یہود و نصاریٰ دعوے کرتے تھے کہ ابراہیم اور دیگر انبیاء جن کا آیت میں ذکر آیا ہے، یہودی یا نصرانی تھے۔ اللہ نے
 ان کی تردید کی اور کہا کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس کے بعد اللہ نے خبر دی کہ وہ لوگ یہود و نصاریٰ نہیں تھے۔ اللہ نے
 دوسری جگہ ابراہیم کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ
 حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ کہ ابراہیم یہودی یا نصرانی نہیں تھے، بلکہ وہ تو موحد مسلمان تھے
 اور مشرکوں میں سے نہیں تھے (آل عمران: ۶۷)۔

(۲۰۴) حسن بصری کہتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب میں پڑھا کرتے تھے کہ سچا دین ”اسلام“ ہے، اور محمد اللہ کے رسول ہیں،
 اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹے یہودیت و نصرانیت سے بری تھے۔

تورات و انجیل میں اللہ نے ان باتوں کو بیان کیا، اور اہل کتاب نے ان کا اقرار کیا، لیکن انہوں نے اس صداقت کو
 جان بوجھ کر چھپا دیا، اسی لئے اللہ نے بطور تہدید و وعید کہا کہ تم بڑے ہی ظالم ہو، اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔
 (۲۰۵) اس آیت کی تفسیر آیت (۱۳۴) میں گذر چکی ہے۔ یہاں تکرار کا مقصد، گذشتہ بات کی یاد دہانی کرانی ہے کہ انسان کا ذاتی
 عمل ہی اس کے کام آئے گا، محض انبیاء و رسل کی طرف نسبت، قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئے گی۔ اس لئے گذشتہ لوگوں
 کے بارے میں باتیں نہ بناؤ، تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، تم سے تو تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے
 گا، تم سے سوال کیا جائے گا کہ خاتم النبیین محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے یا نہیں، ان کی شریعت پر عمل کیا تھا یا نہیں!؟

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَن قِبَلِهِمُ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ٥٠ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ
 عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ٥١ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ٥٢
 إِنَّ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ٥٣ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِعَ آيَاتِنَا إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرءُوفٌ
 رَّحِيمٌ ٥٤

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے اس قبلہ (۲۰۶) (بیت المقدس) سے پھیر
 دیا، جس پر وہ پہلے سے تھے، آپ کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک (۲۰۷) صرف اللہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے
 صراطِ مستقیم پر ڈال دیتا ہے ﴿۱۳۲﴾ اور اس طرح ہم نے تمہیں اے مسلمانو! ایک معتدل (۲۰۸) اور بہترین امت
 بنایا تاکہ تم لوگوں کے بارے میں گواہی (۲۰۹) دو، اور رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں۔ اور وہ قبلہ جس کی
 طرف آپ پہلے سے متوجہ ہوتے تھے، ہم نے اس لئے بنایا تھا تاکہ دیکھیں کہ کون ہمارے رسول کی اتباع کرتا
 ہے (۲۱۰) اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور اسے قبول کرنا بہت ہی بھاری گزر رہا تھا، سوائے ان لوگوں کے
 جنہیں اللہ نے ہدایت دی، اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارا سابق ایمان (و عمل) ضائع کر دے، بے شک اللہ لوگوں کے
 لئے بہت ہی شفقت اور رحمت والا ہے ﴿۱۳۳﴾

(۲۰۶) مکی زندگی میں جب نماز فرض ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ نماز پڑھتے ہوئے اپنا رخ بیت المقدس میں موجود
 صخرہ (چٹان) کی طرف کریں، چنانچہ آپ زکین یمانی اور حجر اسود کے درمیان خانہ کعبہ کو اپنے سامنے کر کے، اور صخرہ
 کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ کو دونوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ آپ
 سولہ یا سترہ ماہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے، اور تمنا کرتے رہے کہ اللہ ان کا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر دے جو ابراہیم علیہ
 السلام کا قبلہ تھا۔ اللہ نے ان کی تمنا پوری کر دی، اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے
 سامنے خطبہ دیا اور انہیں اس بات کی اطلاع دی۔

تھوڑے قبلہ کے بعد آپ نے پہلی نماز (نماز عصر) خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی، جیسا کہ براء بن عازب رضی
 اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے جسے شیخین نے روایت کی ہے۔

اہل قبا کو اس کی خبر دوسرے دن فجر کی نماز میں ہوئی جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جسے شیخین نے
 روایت کی ہے، تو لوگوں نے نماز کی حالت میں ہی اپنا رخ ملکِ شام سے خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔

(۲۰۷) نفسیاتی طور پر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنین کو اس بات کی اطلاع پہلے دے دی کہ
 کچھ نادان لوگ باتیں بنائیں گے، اور کہیں گے کہ آخر ان لوگوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور یہود، منافقین
 اور مشرکین عرب نے آپس میں ایسی باتیں کرنی شروع کر دیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا جواب دیا کہ تمام جہات عالم اللہ
 کی ملکیت ہیں، ان میں سے کوئی جہت بذات خود قبلہ بننے کی مستحق نہیں، وہ قبلہ اس لئے ہے کہ اللہ نے اُسے قبلہ بنایا ہے۔ اس

لئے ایک جہت سے دوسری جہت تھمیل قبلہ پر کوئی تعقید اور سنجیدہ آدمی اعتراض نہیں کرے گا، بلکہ سمجھے گا کہ جب اللہ نے ایسا حکم دیا ہے تو یہی حق ہے، کیوں کہ تمام جہات کا مالک اللہ ہے۔

(۲۰۸) اس آیت کریمہ میں امت مسلمہ کی فضیلت اور بڑائی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! جس طرح ہم نے تمہیں ابراہیم کے قبلہ کی طرف پھیر دیا ہے جو سب سے افضل قبلہ ہے۔ اسی طرح ہم نے تمہیں سب سے بہترین، معتدل اور صاحبِ عدالت امت بنایا ہے، اور تمہیں وہ دین دیا ہے جو کامل اور واضح دین ہے، جس میں نہ یہودیت کی تشدید ہے، اور نہ نصرانیت کی ذلیل۔

(۲۰۹) اس کا مشہور مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن مسلمان، انبیاء کے حق میں ان کی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے، جب وہ امتیں کہیں گی کہ ہمارے پاس کوئی اللہ کی طرف بلانے والا اور اس سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا، تو مسلمان کہیں گے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام رسولوں نے اپنی دعوت ان قوموں تک پہنچائی تھی۔ اسی طرح محمد ﷺ اللہ کے سامنے گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام امت مسلمہ کو پہنچا دیا تھا۔

امام بخاری نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نوح (علیہ السلام) کو بلائیں گے، اور ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے میرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہاں، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے میرا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا، تو وہ لوگ کہیں گے: ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ نوح سے پوچھیں گے: کون ہے تمہارا گواہ؟ تو وہ کہیں گے، محمد اور ان کی امت..... پھر مسلمان گواہی دیں گے کہ ہاں، انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا، اور محمد رسول اللہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے مسلمانوں کو پیغام پہنچا دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: یہی مفہوم ہے اللہ کے قول ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا الْآيَةَ﴾ کا۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ (تاکہ تم دوسری قوموں کو راہِ حق کی طرف بلانے کی ذمہ داری قبول کرو، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کی ذمہ داری سنبھالی ہے) مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ”تاکہ تم محمد ﷺ کے لئے یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کے سامنے گواہ بنو، انہیں دین اسلام کی طرف بلاؤ، بھلائی کا حکم دو، اور بُرائی سے روکو، جو دعوتِ اسلامیہ کی اساس اور اس کی روح ہے“۔

علمائے تفسیر نے اس آیت کے ضمن میں یہ بھی کہا ہے کہ ”اللہ نے مسلمانوں کو لوگوں کے بارے میں گواہ بنایا ہے، اور ان کی گواہی رسول اللہ ﷺ کی گواہی کے قائم مقام ہے“۔

صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام ایک جنازہ کے پاس سے گزرے اور اس کی اچھائی بیان کی، نبی کریم ﷺ نے کہا: واجب ہوگئی۔ پھر ایک دوسرے جنازہ سے گزرے تو اس کی برائی بیان کی۔ آپ نے کہا، واجب ہوگئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا واجب ہوگئی؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم لوگوں نے اس کی اچھائی بیان کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، اور اس کی برائی بیان کی تو اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی، تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ امام حاکم نے اس حدیث کی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ الْآيَةَ﴾۔

(فائدہ) یہ آیت ”اجماعِ امت“ کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے (وسطاً) کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنی عدل اور ثقہ کے ہیں۔ اگر پوری امت غلطی پر اتفاق کر لے گی تو وہ (امتِ وسط) نہیں ہوگی۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرًا ۚ وَالَّذِينَ ذَلَّوْا لَنَبِّئْهُمُ إِنَّ الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١١٣﴾

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، اس لئے ہم آپ کو اُس قبلہ (۲۱۱) کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رخ مسجد حرام (۲۱۲) کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں (۲۱۳) بھی رہو، نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو، اور جو اہل کتاب ہیں وہ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے یہی حق (۲۱۴) ہے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اُس سے غافل نہیں ہے ﴿۱۱۳﴾

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہو جانے سے محفوظ رکھا ہے، اور اس میں ایک ایسی جماعت ہمیشہ رہے گی جس کے ذریعہ قیامت تک حجت پوری ہوتی رہے گی، اسی لئے اُمت اسلامیہ کا "اجماع" حجت ہے، جیسے قرآن و سنت حجت ہے۔

اور اسی لئے اس امت کے اہل حق، سنت اور جماعت کے التزام کی وجہ سے ان باطل پرستوں سے ہمیشہ ممتاز رہے، جو اس زعم باطل میں مبتلا رہے کہ وہ صرف قرآن کی اتباع کرتے ہیں، اور سنت رسول اور اجماع اُمت سے اعراض کرتے ہیں۔ اصحاب سنن و مسانید نے مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ یہ امت بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جائے گی، سبھی جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقہ کے، اور وہ جماعت المسلمین کا فرقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ لوگ اُس پر قائم ہوں گے جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اُتھی۔

اور یہ فرقہ ناجیہ اہل سنت کی جماعت ہوگی۔ یہ لوگ فرقوں میں سب سے بہتر لوگ ہیں، جیسے مذہب اسلام سب سے بہتر مذہب ہے۔

(۲۱۰) یعنی اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا، پھر کعبہ کی طرف پھیر دیا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون آپ کی اتباع کرتا ہے، اور کون اپنے دین سے پھر جاتا ہے، کیونکہ اب بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف متوجہ ہونا مومنین صادقین کے علاوہ کفار اور منافقین پر تو بڑا شاق گذرے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس امتحان میں کئی لوگ ناکام رہے، کئی لوگ مرتد ہو گئے، اور بہت سے منافقین نے اپنا نفاق ظاہر کر دیا اور کہنے لگے: کیا بات ہے کہ محمد، ہمیں کبھی ادھر پھیرتا ہے اور کبھی ادھر؟ مشرکین نے کہا کہ محمد کو اپنے دین میں شک ہو گیا۔ اور انہی بھانت بھانت کی بیویوں کے درمیان بعض مسلمانوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے اور ہمارے فوت شدہ بھائیوں نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں، وہ سب ضائع ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری وہ نمازیں ضائع نہیں ہوئیں، اللہ اپنے بندوں پر مہربانی اور رحم کرنے والا ہے۔

(فائدہ) یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ اعضاء و جوارح کے ذریعہ جو اعمال صالحہ ادا کئے جاتے ہیں، وہ ایمان میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کو "ایمان" سے تعبیر کیا ہے۔

(۲۱۱) یہ آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے متاخر ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے متقدم ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

وَلَكِنَّ اتَّبَعْتَ الَّذِينَ أَدْنُوا إِلَيْكَ بِكُلِّ آيَةٍ تَتَّبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ
وَلَكِنَّ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ قُرْبًا بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۵﴾

اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے تمام نشانیاں (۲۱۵) پیش کر دیں گے، تب بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے، اور نہ آپ ان کے قبلہ کو مانیں گے (۲۱۶)، اور نہ وہ لوگ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے (۲۱۷) والے ہیں، اور اگر آپ نے (اللہ کی طرف سے) آپ کے پاس علم آجانے کے بعد، ان کی خواہشات (۲۱۸) کی اتباع کی تو بے شک آپ ظالموں (۲۱۹) میں سے ہو جائیں گے ﴿۱۳۵﴾

آنے کے بعد اللہ کے حکم کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، اور تمنا کرتے رہے کہ کاش ان کا قبلہ مسجد حرام ہو جاتا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، اور رسول اللہ ﷺ کی تمنا پوری ہوئی۔

(۲۱۲) مسجد حرام سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہت کعبہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے، نہ کہ خاص کعبہ کی طرف۔
(۲۱۳) یعنی بجز وہاں جہاں بھی رہو، نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور خطاب خاص کے بعد خطاب عام سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے، اور یہ کہ مسلمان دنیا کے جس گوشے میں بھی ہوگا، نماز میں رخ کعبہ کی طرف کرے گا۔

(۲۱۴) یہود اپنے انبیاء کی تصریحات کے ذریعہ جو ان کی کتابوں میں موجود تھیں، رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کی صفات کو اچھی طرح جانتے تھے، یہ بھی جانتے تھے کہ دین اسلام جو انسانیت کی ہدایت کے لئے آخری دین ہوگا، وہ محمد ﷺ اور ان کی امت کا دین ہوگا، اور ان صفات محمدیہ کے ضمن میں یہ بھی پڑھتے تھے کہ خاتم النبیین کا قبلہ کعبہ ہوگا، لیکن حسد و عناد کی وجہ سے جہاں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دوسری صفات کا انکار کیا، وہاں کعبہ کے قبلہ ہونے کا بھی انکار کیا۔ اسی لئے اللہ نے انہیں دھمکی دی کہ اللہ ان کے کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔

(۲۱۵) اس میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے کفر و عناد اور ان کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کی مخالفت کی اطلاع دی ہے، اور نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر دی ہے کہ اگر آپ اپنے دین کی صداقت پر تمام دلیلیں اکٹھا کر کے ان یہود و نصاریٰ کے سامنے پیش کر دیں گے، تب بھی یہ آپ کی اتباع نہیں کریں گے، اور اپنی خواہشات کی غلامی سے آزاد نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کا کفر کسی شبہ کی وجہ سے نہیں ہے جسے دلائل کے ذریعہ دور کیا جاسکے، یہ تو صرف کبر و عناد کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔

(۲۱۶) یعنی نہ وہ لوگ اپنے باطل کو چھوڑنے والے ہیں، اور نہ آپ اپنے حق کو چھوڑنے والے ہیں، آپ سے ایسا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔

(۲۱۷) یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے، اور نصاریٰ کا مطلع آفتاب، حالانکہ ان سب کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، لیکن دونوں ہی جماعتیں اپنی اپنی رائے پر سختی کے ساتھ جمی ہوئی ہیں۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے ایک طرح کا اشارہ ہے کہ آپ ان سے بھلائی کی توقع نہ کریں اور ان کی ہدایت کی امید نہ رکھیں۔

(۲۱۸) یہود و نصاریٰ کے مذہب کو (آہوا) یعنی خواہشات نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ ان کا مذہب ان کی خواہشات

الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّ يَتَرَفَعُونَ بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَخْسَ مِنْ رَبِّكَ فَالْأُولَئِكَ أَلَسَوْا بِنُجُوتٍ ﴿١٧٤﴾
 الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّ يَتَرَفَعُونَ بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَخْسَ مِنْ رَبِّكَ فَالْأُولَئِكَ أَلَسَوْا بِنُجُوتٍ ﴿١٧٤﴾
 الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّ يَتَرَفَعُونَ بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَخْسَ مِنْ رَبِّكَ فَالْأُولَئِكَ أَلَسَوْا بِنُجُوتٍ ﴿١٧٤﴾
 الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّ يَتَرَفَعُونَ بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْبَخْسَ مِنْ رَبِّكَ فَالْأُولَئِكَ أَلَسَوْا بِنُجُوتٍ ﴿١٧٤﴾

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی پہچانتے (۲۲۰) ہیں، جیسے وہ اپنے صلیبی بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ان کی ایک جماعت حق کو جانتے ہوئے چھپاتی ہے ﴿۱۳۶﴾ آپ کے رب کی طرف سے یہی حق (۲۲۱) ہے، اس لئے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ بن جائیے ﴿۱۳۷﴾ اور ہر صاحب مذہب کا ایک قبلہ (۲۲۲) ہوتا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے، پس تم لوگ نیک کاموں کی طرف سبقت (۲۲۳) کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اللہ تمہیں اکٹھا (۲۲۴) کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر (۲۲۵) ہے ﴿۱۳۸﴾ اور آپ جہاں کہیں بھی نکل کر جائیں (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کریں، اور بے شک آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے، اور اے لوگو، اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ﴿۱۳۹﴾

کے مجموعے کا نام تھا، اور وہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ جاثیہ آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ﴾ یعنی کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ اس آیت میں بندے کی خواہش نفس کو اس کا معبود بنا لیا گیا ہے۔

(۲۱۹) اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو گا کہ آدمی حق و باطل کو جانتے ہوئے، باطل کو حق پر ترجیح دے۔ یہاں مخاطب اگرچہ رسول اللہ ﷺ ہیں، لیکن ان کی امت اس میں داخل ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ اپنی عظمت شان اور علوم مرتبت کے باوجود ایسا کرنے پر اللہ کے نزدیک ظالم ہو جائیں گے، تو ان کی امت کے لوگوں کا ایسا کرنے پر کیا حال ہو گا؟

(۲۲۰) اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے پر ایسا ہی یقین رکھتے ہیں جیسے انہیں اپنی سلسلی اولاد کے بارے میں یقین ہے کہ یہ ہماری اولاد ہیں۔ اور یہ یقین انہیں ان اوصاف کے ذریعہ حاصل ہو چکا ہے جو تورات و انجیل میں نبی موعود کے بارے میں موجود ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورہ اعراف آیت (۱۵۷) میں فرمایا ہے: ﴿يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ یعنی نبی موعود ﷺ کی صفات ان کے تورات و انجیل میں لکھی ہوئی موجود ہیں، لیکن اہل کتاب کا ایک گروہ اس حق بات کو جانتے ہوئے چھپاتا ہے۔

(۲۲۱) نبی کریم ﷺ اور مومنین کے لئے مزید یقین دہانی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو قرآن نازل ہوا ہے اور انہیں جو دین دے کر بھیجا گیا ہے وہی حق ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، اس لئے آپ کی امت اس حق میں کوئی شبہ نہ کرے۔

(۲۲۲) یہ آیت بتاتی ہے کہ ہر صاحب دین و ملت کے لئے ایک مخصوص جہت ہوتی ہے، جدھر وہ اپنی عبادتوں میں رخ کرتا ہے، جیسے مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں مختلف مذاہب اور متعدد ادیان پائے جاتے ہیں، اس لئے تعلق آدمی کو چاہئے کہ ان میں جو سب سے بہتر اور اعلیٰ وارفع دین ہو، اُسے اپنائے، اور تمام عقائد بے بنی نوع

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا لَنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَكْفُرُوا بَعْدَ الْبَيْعَةِ وَعَلَيْكُمْ نِعْمَتَانِ ۝

اور آپ جہاں کہیں بھی نکل کر جائیے (۲۲۶) وہاں سے (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی رہو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو، تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے، سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا، پس تم لوگ اُن سے نہ ڈرو، اور صرف مجھ سے ڈرو، اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر تمام کر دوں، اور تاکہ تم راہِ راست پر لگ جاؤ ﴿۱۵﴾

انسان کا اس پر اتفاق ہے کہ دین اسلام ہی وہ دین ہے جس میں انسان کے لئے تمام بھلائیاں جمع کر دی گئی ہیں، اس لئے اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے ہر انسان کو ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہئے۔

(۲۲۳) کلمہ مسابقت، مسارعت سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ اس میں دوسروں پر سبقت لے جانے کا معنی بھی پایا جاتا ہے، اور (خیرات) سے مراد وہ تمام اعمالِ صالحہ ہیں جن کے ذریعہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ تمہارا شیوہ ہر خیر اور ہر بھلائی کی طرف سبقت کرنا ہونا چاہئے۔

(۲۲۴) اس میں اعمالِ صالحہ کے لئے ایک قسم کی ترغیب ہے، کیونکہ آدمی کو جب یقین ہوگا کہ اللہ اسے دوبارہ زندہ کرے گا اور اسے اس کے اعمال کا بدلہ چکائے گا، تو پھر وہ آخرت کی تیاری میں تیز تر ہو جائے گا۔

(۲۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں زمین کے گوشے گوشے سے جمع کرنے پر قادر ہے، چاہے تمہارے اجسام و اعضاء ہر طرف بکھر کیوں نہ گئے ہوں۔

(۲۲۶) مسلمانوں کا قبلہ کعبہ بن جانے کے بعد مدینہ منورہ میں ایک فتنہ برپا ہو گیا، اہل کتاب، منافقین اور مشرکین نے طرح طرح کی باتیں بنا کر شروع کر دیں، اور مختلف قسم کے شبھے پھیلا کر شروع کر دیئے، ایسی فضا کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھانے کے لئے کہ کعبہ اب ابد الابد تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ ہو گیا ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ مختلف اسالیب اور مختلف پیرائے میں یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشیں کرادی جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو بیان کرنے کے لئے تکرار کا اسلوب اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سفر و حضر میں کہیں بھی ہوں، نماز میں اپنا رخ کعبہ کی طرف کریں، اور یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام امتِ اسلامیہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی رہو، نماز میں مسجد حرام کی طرف رخ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تھوٹیل قبلہ اللہ کی طرف سے ہے۔

اور یہ سب اللہ نے اس لئے کیا تاکہ اہل کتاب اور مشرکین کے پاس نبی کریم ﷺ کے خلاف باتیں بنانے کا بہانہ باقی نہ رہ جائے، کیونکہ اہل کتاب اپنی کتابوں کے ذریعہ جانتے تھے کہ خاتم النبیین کا قبلہ کعبہ ہوگا، اگر بیت المقدس ہی قبلہ رہ جاتا تو اہل کتاب کو حیرانگی ہوتی اور دل میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شبہ کرتے۔ اور مشرکین کہتے کہ محمد دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر گامزن ہے، اور اس کی اولاد میں سے ہے، تو پھر ابراہیم کا قبلہ کیوں نہیں اختیار کرتا۔ چنانچہ کعبہ کے قبلہ ہو جانے کے بعد سب کی زبانیں تقریباً بند ہو گئیں، سوائے چند ظالموں کے جنہیں کوئی نہ کوئی بات بناتے رہنا تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ بعض

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا تَلُمْتُمْ تَأْتُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥٦﴾ فَادْكُرُوا فِي آذَانِكُمْ وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونَ ﴿١٥٧﴾

جیسا کہ ہم نے تمہاری رہنمائی کے لئے تم ہی میں سے ایک رسول (۲۲۷) بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۶﴾ پس تم لوگ مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو ﴿۱۵۷﴾

یہودیوں نے کہا کہ محمد اپنے باپ کے گھر اور اپنی قوم کے دین کا مشتاق ہو گیا ہے، اور بعض مشرکوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ محمد جب ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ گیا ہے تو اب ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ جائے گا۔

اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ ان کی فتنہ انگیز باتوں سے نہ گھبراؤ، اور مجھ سے ڈرو، اور میرے حکم کی مخالفت نہ کرو، میں چاہتا ہوں کہ اپنی نعمت تم پر تمام کر دوں، اور تم لوگ حق کو پہچان کر اس پر عمل کرو۔

(۲۲۷) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر آج ہم نے تمہیں کعبہ بطور قبلہ عنایت کیا ہے، اور شریعت اسلامیہ جیسی نعمت سے نوازا ہے، تو ہم نے اس سے پہلے تمہارے پاس اپنا رسول بھیجا ہے جو تم ہی میں سے ہیں، تمہیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، بے مثال تربیت کے ذریعہ تمہیں دینی اور اخلاقی خرابیوں سے پاک کرتے ہیں، اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں، نیز وہ تمام اچھی باتیں سکھاتے ہیں جو تم جانتے نہ تھے، اور جو انسان کو دنیا و آخرت میں بلند و بالا کرتی ہیں۔

ان احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ تم مجھے یاد کرتے رہو، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں یاد کرتا رہوں گا، اور میرا شکر ادا کرتے رہو، اور کفرانِ نعمت نہ کرو۔ امام احمد اور امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کہتا ہے (میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ الحدیث)۔ اور امام مسلم نے ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گواہی دی کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی جماعت اللہ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھتی ہے تو فرشتے انہیں گھیرے میں لے لیتے ہیں، رحمت انہیں ڈھانک لیتی ہے، ان پر سکون و اطمینان نازل ہوتا ہے، اور اللہ انہیں اپنے پاس رہنے والوں کے درمیان یاد کرتا ہے۔

(فائدہ) ذکر الہی صرف تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر وہ عمل جو قرآن و سنت کے مطابق ہو، اور جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو، وہ ذکر الہی ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والے تھے، ان کی گفتگو، ان کا امر و نہی، اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، احکام و افعال اور وعدہ و وعید کے بارے میں ان کی حدیثیں، ان کا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنا، اللہ تعالیٰ سے سوال و دعا، جنت کی رغبت دلانا، اور جہنم سے ڈرانا، ان کی خاموشی، سب کچھ ذکر الہی تھا۔ وہ ہر وقت اور ہر حال میں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور سفر و حضر میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ اتنی ذکر الہی کے وہ طریقے اور وہ حرکات و سکنات جو گمراہ صوفیوں نے ایجاد کر لئے ہیں، جن کا ثبوت صحابہ کرام، تابعین عظام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٣٨﴾

اے ایمان والو، صبر (۲۳۸) اور نماز سے مدد لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (۲۳۹) ہے ﴿۱۵۳﴾

اور ائمہ کرام سے نہیں ملتا، بدترین بدعت ہیں۔ انہوں نے سماع کے نام سے اپنی محفلوں میں رقص و موسیقی کو داخل کر دیا، اور مسلمانوں کو قرآن سننے اور سنانے سے روک دیا۔

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب جمع ہوتے تھے تو ان میں کا ایک قرآن پڑھتا تھا، اور باقی لوگ سنتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے: (ذَكَرْنَا رَبَّنَا) کہ ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ۔ چنانچہ وہ قرآن پڑھتے اور عمر سنتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِذَا تَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الْكِتَابِ فَأَجْمَعُنَّ أَصْوَابَهُمْ وَإِنَّا لَمُشَاهِدُونَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَابًا مِّنَ الْجَبَلِ مِثْلًا نَّازِلًا يُخَوِّدُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ اللہ نے سب سے اچھی حدیث نازل کی ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں، پھر ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔ (الزمر: ۲۳)۔

معلوم ہوا کہ قرآن و سنت کے حدود میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالنا، قرآن کریم کی تلاوت اور قرآن کریم کو سمجھنا اور سمجھانا، ذکر الہی کے صحیح طریقے ہیں۔ وہ تسبیحات جن کا ثبوت قرآن و سنت سے نہیں ملتا، مثلاً پالتی مار کر اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا اور دعویٰ کرنا کہ اللہ کا تصور دل و دماغ میں بسایا جا رہا ہے۔ ”حق ہو“ کے نعرے لگانا، دل پر ”لا الہ الا اللہ“ کی ضرر میں لگانا، حلقے بنا کر بیٹھ جانا اور برسی یا جبری ذکر میں بزم خود مشغول ہونا، یہ اور اس قسم کے افعال و حرکات کا، مشروع ذکر الہی سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ کام جس کا ثبوت ہماری شریعت میں نہیں ملتا، وہ مردود ہے۔ چاہے وہ کوئی عقیدہ ہو، کوئی نظریہ ہو، کوئی قول و عمل ہو، اور چاہے ذکر کے خود ساختہ طریقے ہوں، سبھی کچھ مردود ہے اگر قرآن و سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اگر کوئی شخص زندگی بھر مراقبہ میں بیٹھا رہے اور اس زعم باطل میں مبتلا رہے کہ وہ اللہ کی یاد میں مشغول ہے، لیکن اس کے اس عمل کا ثبوت قرآن و سنت سے نہیں ملتا، تو اس کی ساری محنت بے کار ہے، بلکہ قیامت کے دن وبال جان بن کر اس کے سامنے آئے گی۔

(۲۳۸) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو شکر ادا کرنے کا حکم دینے کے بعد، اس آیت میں صبر اور نماز کی اہمیت بیان کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ مومن کی زندگی میں ان دونوں چیزوں کی بڑی اہمیت ہے، اور اللہ کی راہ میں مصائب کو جھیل جانے کا اہم ترین نسخہ صبر اور نماز ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے اسی سورت کی آیت (۲۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ اور تم لوگ صبر اور نماز سے مدد لو، اور یہ نماز اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرنے والوں کے علاوہ لوگوں پر بڑا بھاری گذرتا ہے۔ اور مسند احمد میں حدیث بن میمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی اہم

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْوَاتٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢٣٠﴾

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ (۲۳۰) نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم (اس زندگی کا) شعور نہیں کر پاتے ہو ﴿۱۵۳﴾

معاہدہ پیش آتا، تو نماز پڑھتے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں:

۱- محرمات اور معاصی سے اجتناب پر صبر کرنا ۲- اعمال صالحہ اور اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا ۳- مصائب و حادثاتِ زمانہ پر صبر کرنا۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (السیاسة الشرعية) میں لکھتے ہیں کہ حاکم کے لئے بالخصوص اور رعایا کے لئے بالعموم تین چیزیں عظیم مددگار ثابت ہوتی ہیں:

۱- اللہ کے لئے اخلاص، اور دعا اور غیر دعا کے ذریعہ اس پر توکل، اور دل و جان سے نماز کی حفاظت و پابندی، جو اللہ کے لئے اخلاص کی اصل ہے۔ ۲- مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنا اور زکاۃ ادا کرنا۔ ۳- تکلیف، مصیبت اور حادثاتِ زمانہ کے وقت صبر کرنا۔ اتھی۔

(۲۲۹) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور یہاں (معیت) سے مراد ”معیت خاصہ“ ہے، جو اللہ کی محبت اور اس کی نصرت و قربت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ان سے محبت کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے، اور صبر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اور (معیت) کی ایک دوسری قسم ”معیت عامہ“ ہے یعنی اللہ اپنے علم و قدرت کے ذریعہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ اور یہ ”معیت“ تمام مخلوق کے لئے ہے۔
(۲۳۰) اللہ کی اطاعت پر صبر کرنے کا عظیم ترین نمونہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے کہ آدمی اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں اپنی عزیز ترین شے (جان) کی قربانی دیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شہید کو اس دنیاوی زندگی سے افضل و اعلیٰ زندگی عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور مومنین کو منع کیا ہے کہ وہ شہید کو مردہ کہیں، کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہوتا ہے، لیکن وہ ایسی زندگی ہوتی ہے جس کا ہم شعور نہیں کر پاتے، مگر ہمارے شعور نہ کر پانے سے اللہ کے نزدیک ثابت شدہ حقائق نہیں بدل جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ بَلَىٰ أَمْوَاتٌ فِي أَعْيُنِنَا ۚ وَنَحْنُ أَهْلُ الْبَصَرِ ۚ إِنَّا كُنَّا فِيهَا كَالْعِزَّةِ ۚ وَنَحْنُ كَالْمُهَيْمِنِينَ ۚ ﴾ یعنی وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کی طرف سے روزی مل رہی ہے، اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں دیا ہے، اس پر خوش ہیں، اور ان لوگوں کی نسبت خوش ہو رہے ہیں جو ابھی ان سے ملے نہیں، ان کے پیچھے ہیں، کہ نہ تو انہیں کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ کسی قسم کا غم کھائیں گے۔ وہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے فضل کی وجہ سے خوشیاں مناتے ہیں، اور اس بات سے کہ اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱)۔
(فائدہ) یہ آیت برزخ کی زندگی پر دلیل ہے، اور یہ کہ برزخ کی زندگی دنیاوی زندگی سے افضل و اکمل ہے۔

وَلَكِن لَّوْكَأَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّرَاتِ وَالْبُغْرِ الضَّيْرِينَ ۗ الَّذِينَ إِذَا أصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۗ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۗ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَابِرِ اللَّهِ ۗ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۗ

اور ہم تمہیں آزمائیں گے (۲۳۱) کچھ خوف و ہراس اور بھوک سے، اور مال و جان اور پھلوں میں کمی سے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے ﴿۱۵۵﴾ جنہیں جب کوئی مصیبت (۲۳۲) لاحق ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو بے شک اللہ ہی کے ہیں، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۵۶﴾ ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی نوازشیں (۲۳۳) اور رحمت ہوتی ہے، اور یہی لوگ سیدھی راہ والے ہیں ﴿۱۵۷﴾ بے شک صفا و مروہ (۲۳۴) اللہ کے مقرر کردہ نشانات ہیں، اس لئے جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے، اس کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں کے درمیان طواف کرے، اور جو شخص (اپنی خوشی سے) کوئی کار خیر کرے گا تو اللہ اس کا اچھا بدلہ دینے والا اور بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۵۸﴾

(۲۳۱) یہ خطاب صحابہ کرام کے لئے ہے، لیکن دیگر مومنین بھی اس میں شامل ہیں، اس لئے کہ جو لوگ دعوتِ الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی ذمہ داری قبول کریں گے ان کا مقابلہ اہل فسق و فجور سے ہوگا، اور جو لوگ حق پر قائم رہیں گے اور اس کی طرف دوسروں کو بلائیں گے ان کی ابتلاء و آزمائش لازم ہے، یہی سنتِ ابراہیمی ہے، اور یہ آزمائش اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ جھوٹے اور سچے اور صبر کرنے والے اور جزع و فزع کرنے والے میں تمیز ہو سکے۔

اور جو صبر سے کام لیتا ہے، اللہ سے اجر کی امید رکھتا ہے، اور راضی بقضائے الہی ہوتا ہے، اللہ اسے بشارت دیتا ہے کہ اس کا اجر اس کو پورا پورا ملے گا۔

(۲۳۲) صبر کرنے والوں کی اللہ نے یہ صفت بتائی کہ جب انہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو فوراً اللہ کی تقدیر پر اپنی رضا کا اظہار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے غلام ہیں، ہماری جانیں اور ہمارے اموال سب کچھ اللہ کی ملکیت ہیں، اس لئے ارحم الراحمین اگر اپنے غلاموں اور ان کے اموال میں تصرف کرتا ہے، تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

(۲۳۳) صبر کرنے والوں کے لئے ایک اجر عظیم یہ بھی ہے کہ رب العالمین ان کی تعریف بیان کرتا ہے، اور ان پر رحمت کا نزول فرماتا ہے۔ اور یہی لوگ فی الواقع راہ ہدایت پر ہیں، اس لئے کہ انہوں نے جب جان لیا کہ وہ اللہ کے غلام ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، تو کسی بھی حال میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

صبر کرنے والوں کے لئے اجر عظیم سے متعلق بہت سی صحیح احادیث آئی ہیں، اختصار کی غرض سے صرف ایک حدیث ذکر کرتا ہوں:

شیحین نے ابوسعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو جب بھی کوئی پریشانی، یا حزن و ملال یا غم و تکلیف لاحق ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا آتَيْنَاهُم مِّنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۗ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ الْعَالَمُونَ ۝

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے (۲۳۵) ہیں، اس کے باوجود کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے کتاب میں بیان کر چکے ہیں، ان پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ گناہوں کو منادیتا ہے۔

(۲۳۴) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ صفا اور مردہ دونوں پہاڑیاں اس کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لئے جو کوئی بیت اللہ کاج کرے یا عمرہ کرے، اس کے لئے ان دونوں کے درمیان سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اوس و خزرج کے لوگ اسلام سے پہلے (مناۃ) بت کی پرستش کرتے تھے، جو مقام (مشلل) میں تھا، اور اس کا تلبیہ پڑھتے تھے، اور جو لوگ اس بت کا تلبیہ پڑھتے تھے وہ صفا و مردہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، اس لئے اسلام لانے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ جاہلیت کے دور میں صفا و مردہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، اب اس بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ تو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ امام زہری، ابو بکر بن عبد الرحمن سے ایک دوسری روایت بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ صفا و مردہ کے درمیان سعی کو دور جاہلیت کا عمل سمجھتے تھے، اور انصار کے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم تو دیا گیا ہے، صفا و مردہ کے درمیان سعی کا نہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک اور روایت ہے کہ صفا و مردہ دونوں پہاڑیوں پر اساف اور نائلہ نام کے دو بت تھے، دوو جاہلیت میں لوگ ان دونوں کے درمیان دوڑتے تھے، اسلام آنے کے بعد دونوں بتوں کو پھینک دیا گیا تو لوگوں نے کہا کہ سعی دونوں بتوں کے لئے تھی، اس لئے سعی کرنا بند کر دیا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابو بکر بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ممکن ہے ان تمام ہی قسم کے لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتری ہو۔ صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے طواف کے بعد صفا و مردہ کے درمیان سعی کی، اور فرمایا سعی کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر سعی کو واجب قرار دیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفا و مردہ کے درمیان طواف رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اس لئے کسی کے لئے اسے چھوڑنا جائز نہیں۔ (صحیحین)۔ (فائدہ)

صفا و مردہ کے درمیان سعی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی دوڑ کی یادگار ہے۔ جب کھانا اور پانی ختم ہو گیا، اور اپنے بچے کو پیاس کے مارے بلبلاتے دیکھا تو نہایت اضطراب و پریشانی کے عالم میں اللہ کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑ لگانے لگیں، تو اللہ کی رحمت جو ش میں آئی اور زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا، اور ان کا کرب و الم دور ہوا۔ اس لئے سعی کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے دل میں اللہ کے سامنے اپنی ذلت و محتاجی کا تصور کرے، اپنے گناہوں سے معافی مانگتا رہے، اور دعا کرتا رہے کہ اللہ اس کے دل کی حالت بہتر بنادے اور اس کے عیوب و نقائص کو دور کر دے۔ (۲۳۵) اس آیت میں ان لوگوں کے لئے شدید وعید ہے، جو انبیاء و رسل کے ذریعہ بھیجی گئی ہدایت و رہنمائی کو لوگوں سے

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٢٣٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٢٣٧﴾ خُلِدُوا فِيهَا لَّا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ أَبَدًا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٢٣٨﴾ وَاللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٢٣٩﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْعُلُوقِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسْتَبِينِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٤٠﴾

لیکن جن لوگوں نے توبہ (۲۳۶) کر لی وراپنی اصلاح کر لی اور حق بات لوگوں کے سامنے بیان کر دی، میں اُن کی توبہ قبول کر لوں گا، اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں ﴿۱۶۰﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور حالت کفر ہی میں مر گئے (۲۳۷) ان پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت برس گئی ﴿۱۶۱﴾ وہ اسی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی ﴿۱۶۲﴾ اور تم سب کا معبود ایک اللہ (۲۳۸) ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے ﴿۱۶۳﴾ بے شک آسمان وزمین (۲۳۹) کی تخلیق، لیل ونہار کی گردش، اور اُن کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اور اُس بارش میں جسے اللہ آسمان سے بھیجتا ہے، اور جس کے ذریعہ وہ مردہ زمین میں جان ڈالتا ہے، اور جس زمین پر اللہ نے تمام قسم کے جانوروں کو پھیلا دیا ہے، اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں، اور اُس بادل میں جسے اللہ آسمان وزمین کے درمیان مسخر کئے ہوتا ہے، اصحاب عقل و خرد کے لئے بہت ساری نشانیاں ہیں ﴿۱۶۴﴾

چھپاتے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ یہود و نصاریٰ کے ان علماء کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی صداقت کی نشانیوں کو چھپایا تھا، لیکن اس کا حکم عام ہے، ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حق کی نشانیوں کو چھپائے گا، وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔ کتمان حق اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت و قربت سے دور کر دیتا ہے، اور ساری دنیا کی لعنت ان پر برسنے لگتی ہے۔

(۲۳۶) اس آیت میں حکم سابق سے استثناء ہے کہ جو اپنے گناہوں سے تائب ہوگا اور اپنی اصلاح کر لے گا، اور حق کی جو بات چھپائی تھی اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے گا۔

(۲۳۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے گا، اور اسی حال میں اس کی موت آجائے گی، تو اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت واقع ہو جائے گی، اور جہنم اس کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانا بن جائے گا، نہ عذاب میں کمی آئے گی، اور نہ اللہ اس پر نظر رحمت ڈالے گا۔

(۲۳۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اپنی ذات، اسماء و صفات اور افعال میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اس کے علاوہ کوئی خالق و مدبر نہیں۔ اس لئے عبادت کی تمام صورتیں صرف اللہ تعالیٰ

وَمِنَ الثَّلَاثِ مَنْ يُعْتَدِلُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يُرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْعُقُوبَةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿٢٣٠﴾

اور بعض لوگ (۲۳۰) ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں، اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے ہونی چاہئے، اور ایمان والے اللہ سے بے حد محبت کرتے ہیں، اور یہ ظالم لوگ (۲۳۱) جب اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں گے، تب انہیں یقین آجائے گا کہ واقعی تمام قوت صرف اللہ کے پاس ہے، اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۱۶۵﴾

کے ساتھ خاص ہیں۔

(۲۳۹) اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی اجمالی دلیل بیان کرنے کے بعد اس آیت میں تفصیلی دلائل کا ذکر فرمایا ہے، اور انسان کو دعوتِ فکری ہے کہ ذرا ان نشانیوں میں غور تو کرو، کیا یہ اللہ کے وجود اور اس کے قادر مطلق ہونے کے دلائل نہیں ہیں؟! آسمان کی بلندی، اس کی وسعت و پہنائی، اس میں شمس و قمر اور ستاروں کی دنیا، زمین کی پستی، اس کا ہموار ہونا، اس کے پہاڑ، اس کے سمندر، اس کی آبیاں، اور گونا گوں نفع بخش چیزیں، لیل و نہار کی باضابطہ گردش، گرمی، سردی، موسم کا اعتدال، رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا، کشتیوں اور جہازوں کا سمندروں میں انواع و اقسام کے سامان لے کر چلنا، سمندروں اور ہواؤں کا اس کے لئے مسخر ہونا، آسمان سے بارش کا نزول، جس سے مردہ زمین میں جان آجاتی ہے، اور مختلف الانواع نباتات اور کھانے کی چیزوں کا پیدا ہونا، زمین میں مختلف قسم کے جانور اور بنی نوع انسان کے لئے ان کی تسخیر، ہواؤں کا چلنا، ٹھنڈی، گرم، جنوبی، شمالی، شرقی اور غربی ہواؤں کا تنوع، اور بادلوں کا وجود جو بارش کا پانی لے کر اللہ کے حکم سے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچتے رہتے ہیں۔ یقیناً یہ ساری چیزیں اللہ کے وجود اور اس کی قدرتِ مطلقہ پر دلالت کرتی ہیں، اور ہر صاحبِ عقل و خرد کے لئے اللہ پر ایمان لانے کے لئے یہ نشانیاں کافی ہیں۔

(۲۴۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، اپنی قدرتِ مطلقہ، اپنی توحید اور اپنی رحمت کی نشانیاں اس لئے بیان کر دی ہیں، تاکہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں، اور صرف اسی سے محبت کریں۔ اس کی عبادت اور اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک نہ بنائیں۔ لیکن مشرکین کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے بجائے دوسروں کی پرستش کرتے ہیں، اور اپنے معبودانِ باطل سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کی جانی چاہئے۔ اور جو صادق الایمان ہوتے ہیں، وہ توحید باری تعالیٰ کا صحیح علم رکھنے کی وجہ سے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی پر توکل کرتے ہیں، اور زندگی کے تمام امور میں صرف اللہ کی جناب میں پناہ لیتے ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ”شرح المنازل“ باب التوبہ میں فرماتے ہیں کہ شرک کی دو قسمیں ہیں:

شرک اکبر اور شرک اصغر۔ شرک اکبر کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ معاف نہیں کرتا، اور وہ یہ ہے کہ بندہ کسی کو اللہ کا شریک بنالے، اور اس سے ویسی ہی محبت کرے جیسی اللہ سے کی جانی چاہئے۔ اور یہ وہ شرک ہے جس میں مشرکین اپنے معبودانِ باطل کو رب العالمین کے برابر قرار دیتے ہیں، اور یہ برابر ہی محبت، تعظیم اور عبادت میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ اکثر مشرکین عالم کا حال ہے! بلکہ اکثر مشرکین تو اپنے معبودوں سے اللہ کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتے ہیں، اور ان کو یاد کر کے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

إذ تكبروا الذين اتبعوا من الذين اتبعوا وراوا العذاب وتكفعت بهم الأسباب وقال الذين اتبعوا
لو أن لنا كرة فنتبأ منهم كما تبوءوا منا كذلك يريهم الله أعمالهم حسرات عليهم وما هم بخارجين
من النار يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٣٢﴾

جب پیشوا لوگ اپنی اتباع کرنے والوں سے اظہار براءت (۲۳۲) کر دیں گے، اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ
لیں گے، اور تمام ہی اسباب و وسائل ختم ہو جائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور پیروی (۲۳۳) کرنے والے لوگ کہیں گے کہ
اے کاش، ہم ایک بار دنیا میں لوٹ کر جاسکتے، تاکہ ان پیشواؤں سے ویسا ہی اظہار براءت کرتے جیسا انہوں نے
آج ہم سے کیا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں دکھائے گا کہ ان کے اعمال ان کے لئے باعث حسرت و ندامت بن
گئے، اور وہ لوگ عذابِ نار سے کبھی بھی نہ نکل سکیں گے ﴿۱۶۷﴾ اے لوگو! زمین میں جتنی حلال و پاکیزہ چیزیں (۲۳۴)
ہیں انہیں کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا بڑا ہی کھلا دشمن (۲۳۵) ہے ﴿۱۶۸﴾

اگر ان کے معبودوں اور ان مشائخ کا جنہیں انہوں نے اپنا معبود بنا لیا ہے، کوئی شخص ادب و احترام کے ساتھ نام نہیں لیتا، تو اس
قدر غضبناک ہوتے ہیں جس قدر وہ اللہ کا نام سوائے ادب سے لینے والے پر نہیں ہوتے، اور چیتے یا کتے کے مانند غیظ و غضب کا
اظہار کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اللہ کے مقرر کردہ حدود کو پامال کرتا ہے تو ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، بلکہ تھوڑی سی
دیادی لالچ کی خاطر فوراً خوش ہو جاتے ہیں، جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

(۲۳۱) مشرکین کے لئے دھمکی ہے کہ جب وہ عالم، عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اور اپنے آپ کو اس میں گرفتار
پائیں گے، تب شاید انہیں یقین آئے گا کہ حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے، اور آسمان و زمین کے درمیان ایک تنکا بھی اس کی
قوت تصرف سے خارج نہیں۔

(۲۳۲) قیامت کے دن مشرکین کے لئے وعید بیان کی گئی ہے، اُس دن مشرکین کے باطل معبودان، جنہیں پوجا گیا تھا، جب
عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے تو اپنی پرستش کرنے والوں سے براءت کا اظہار کریں گے، اور تمام رشتے کٹ
جائیں گے جن کی بنیاد پر وہ جمع ہوتے تھے، کوئی معبود بنا تھا، اور کسی نے اس کی پرستش کی تھی۔

(۲۳۳) جب قیامت کے دن مشرکین دیکھیں گے کہ ان کے معبودان باطلہ نے ان سے براءت کا اعلان کر دیا ہے، تو دنیا
میں اپنے کئے پر ندامت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم دوبارہ دنیا میں لوٹا دیئے جاتے، تو ان سے ہم بھی بری
ہو جاتے، اور ایک اللہ کی عبادت کرتے، لیکن وہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہوں گے، بلکہ اگر انہیں لوٹا دیا جاتا تو پھر وہی کرتے
جو پہلے کرتے رہے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اطلاع دی ہے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے بُرے اعمال
ان کے سامنے پیش کر دے گا، جنہیں وہ حسرت و تأسف کی نگاہوں سے دیکھیں گے، لیکن مثل مشہور ہے کہ ”اب بچھتاوت
کیا ہوت جب چڑیا چک گئی کھیت“۔ اب تو جنہم ان کا ٹھکانا ہوگا، جہاں سے وہ کبھی بھی نہیں نکل پائیں گے۔

(۲۳۴) جب یہ بیان ہو چکا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہی ہر شے کا خالق و مالک ہے، تو اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہی
اکیلا روزی دینے والا ہے، اور اسی نے انسانوں کے لئے زمین پر موجود ہر حلال اور طیب (یعنی جوئی نفسہ لذیذ ہو اور جسم و عقل

إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفُسْطَاءِ وَ أَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفَيْئَا عَلَيْنَا يَا أُنَآءُ لَوْ كُنَّا نَأْتُواكُم بَلَاةً وَسَبَأًا لَإِذْعَابُنَا لَعَلَّآءُ ﴿٢٣٧﴾

وہ تمہیں بُرائی اور بے حیائی (۲۳۶) کا حکم دیتا ہے، اور اس بات کا کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرو جن کا تمہیں علم نہیں ﴿۱۶۹﴾ اور جب ان سے کہا جاتا (۲۳۷) کہ اللہ نے جو نازل فرمایا ہے اس کی اتباع کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا، تو کیا اگرچہ اُن کے آباء کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں (انہی کی اتباع کریں گے؟) ﴿۱۷۰﴾

کے لئے نقصان دہ نہ ہو) کو مباح قرار دیا ہے، اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ شیطان کے بہاؤ میں آکر دور جاہلیت والے کئی قسم کے جانوروں کو بتوں کی طرف مختلف انداز میں منسوب کرتے، اور اُن کا گوشت کھانا حرام سمجھتے تھے۔ اس کی تفصیل سورہ مائدہ آیت (۱۰۳) میں آئے گی۔

(۲۳۵) مقصود شیطان سے نفرت دلانا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ ﴿۱﴾ کہ شیطان بلاشبہ تمہارا دشمن ہے، سو تم بھی اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو محض اپنے گروہ کو اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ آتش دوزخ میں پڑیں۔ (الفاطر: ۶)۔

(۲۳۶) شیطان کی عداوت کی تفصیل بتائی گئی ہے کہ وہ تمہیں معاصی کا بالعموم اور فواحش کا بالخصوص حکم دیتا ہے۔ جیسے زنا، شراب، قتل اور دوسروں پر زنا کی تہمت لگانا وغیرہ۔ اور تمہیں شیطان اس بات کا بھی حکم دیتا ہے کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرو جن کا تم علم نہیں رکھتے ہو۔

(فائدہ) ”اللہ کے بارے میں بغیر علم بات کرنے“ میں بہت سی چیزیں داخل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا، اللہ کا کسی کو شریک بنانا، بغیر علم و بصیرت کے کہنا کہ اللہ نے یہ چیز حلال اور وہ چیز حرام کی ہے، اس کام کا حکم دیا ہے اور اُس سے منع کیا ہے۔ اور اس سلسلے کا سب سے بوجرم یہ ہے کہ کوئی گمراہ فرقہ اللہ یا اس کے رسول کے کلام کی تاویل کرے اپنی گمراہی کو حق ثابت کرنے کے لئے دلیل فراہم کرے۔

(۲۳۷) شیطان کی اتباع سے روکنے کے بعد، اب بغیر حجت و برہان آباء و اجداد کی اتباع سے روکا جا رہا ہے جو درحقیقت شیطان ہی کی اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو دین اتارا ہے اس کی اتباع کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے آباء و اجداد کرتے تھے، یعنی بتوں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش کریں گے۔ اللہ نے ان کی تردید کی کہ کیا تم اپنے آباء کی پیروی کرو گے، چاہے انہوں نے دین کو بالکل نہ سمجھا ہو، اور حق سے دور رہے ہوں؟

(فائدہ) اس آیت میں اس بات پر سخت نکیر کی گئی ہے کہ صریح قرآن اور صحیح سنت کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی بات مانی جائے، اور قرآن و سنت کے مقابلے میں اسے دلیل بنایا جائے، اور حجت یہ پیش کی جائے کہ ہمارے امام، ہمارے مرشد، ہمارے بزرگ، اور ہمارے فقیہ زیادہ سمجھتے تھے، اور یقیناً یہ حدیثیں ان کے علم میں رہی ہوں گی، لیکن کسی اتویٰ دلیل ہی کی وجہ سے انہوں نے ان حدیثوں کا انکار کیا ہوگا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّبْءِ يَتَّبِعُ بِمَا لَا يُسْمِعُ الْأُدْعَاءَ وَإِنْ أَصْمَعُوا بَكَرُمْ عَمَىٰ فَبُهُمُ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٣٨﴾
يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ لَكُمْ أِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٢٣٩﴾

کافروں کی مثال (۲۳۸) اس چرواہے کی ہے جو کسی جانور کو پکارتا ہے لیکن وہ (جانور) سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا۔ یہ اہل کفر بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے ﴿۱۷۱﴾ اے ایمان والو! ہماری عطا کردہ پاکیزہ (۲۳۹) چیزیں کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی صرف اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿۱۷۲﴾

اور تم بالائے ستم یہ کہ ان حضرات نے انکار احادیث کے ان واقعات سے فقہی اصول کشید کئے، اور اپنی کتابوں میں مدون کر دیا کہ جب بھی کوئی حدیث ان اصولوں کے خلاف پڑے گی اسے رد کر دیا جائے گا، اس لئے کہ یا تو وہ ضعیف ہوگی یا مرجوح یا منسوخ ہوگی۔

قرآن و سنت کے حق میں اس جرم عظیم کا بدترین نتیجہ یہ سامنے آیا کہ امت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہت سی کمزور اور واہیات قسم کی حدیثیں رائج ہو گئیں، اور وہ صحیح حدیثیں جو بخاری و مسلم نے روایت کی ہیں اور جن پر عمل نہ کرنے کا کوئی جواز امت کے پاس موجود نہیں، سیکڑوں سال سے مسلمانوں کا منہ تک رہی ہیں، اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہم پر عمل کرو، ہم اللہ کے رسول کی صحیح احادیث ہیں، لیکن مقلدین انہیں درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔

اسلام میں تمام گمراہ فرقوں کا وجود، شرک و بدعت کا رواج، قبروں، مزاروں اور درگاہوں کی پرستش، اور عقائد کی تمام بیماریاں اسی چور دروازے سے داخل ہوئی ہیں، کہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں، مشائخ اور خود ساختہ معبودوں کی بات کو ترجیح دی، ان کی تقلید کی اور کہا کہ یہ حضرات جو کرتے آئے ہیں آخر ان کے پاس بھی تو کوئی دلیل رہی ہوگی، اس لئے ہم وہی کریں گے جو ہمارے بزرگ کرتے آئے ہیں۔ اور ان حدیثوں کو ہم نہیں مانیں گے اس لئے کہ ہم اپنے بزرگوں سے زیادہ نہیں سمجھتے۔

(۲۳۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو جانوروں سے تشبیہ دیا ہے کہ جس طرح چرواہا جب اپنے جانوروں کو آواز دیتا ہے تو وہ جانور صرف آواز سن پاتے ہیں، اس کا معنی کچھ بھی نہیں سمجھتے، بعینہ یہی حال ان کافروں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ ہدایت پر چلنے کے لئے پکارتا ہے، قرآن اُتارتا ہے، اور اس کے رسول ﷺ اسے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، لیکن وہ اپنی شوئی قسمت سے کچھ بھی تو نہیں سمجھ پاتے، اس لئے کہ عقل صحیح سے وہ محروم ہیں، وہ بہرے ہیں کہ کچھ بھی نہیں سن پاتے، گونگے ہیں کہ حق کی آواز کا جواب نہیں دے پاتے، اور اندھے ہیں کہ ہزار دلیلوں کے باوجود صداقت ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔

(۲۳۹) آیت (۱۶۸) میں اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو خطاب کر کے کہا ہے کہ حلال و طیب روزی کھاؤ۔ اس آیت میں خطاب مومنین کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اپنے ایمان کی بدولت یہی لوگ اللہ کے اوامر و نواہی سے صحیح معنوں میں استفادہ کر سکتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو پاکیزہ روزی کھانے اور اُس کا شکر ادا کرتے رہنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ نے انبیاء و رسل کو حکم دیا اور فرمایا: ﴿يَأْتِيهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ یعنی اے میرے رسولو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور عمل صالح کرو۔ (المومنون: ۵۱)۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَنَحْمَ الْخَنُزِيرِ وَمَا أُهْلِيَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥

اللہ نے تم پر (۲۵۰) مردہ، خون، سور کا گوشت اور اس جانور کو حرام کر دیا ہے جسے غیر اللہ کے نام سے ذبح (۲۵۱) کیا گیا ہو۔ اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں جبکہ اللہ کا فرمان اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو (استعمال کر لے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ﴿۱۳۳﴾

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (طبیبات) سے مراد وہ کھانے ہیں جو عقل و اخلاق کے لئے نفع بخش ہیں، اور اس کے مقابلے میں (خبائث) ان کھانوں کو کہتے ہیں جو عقل و اخلاق کے لئے نقصان دہ ہیں، اور شراب تمام خبیث کھانوں کی اصل ہے، اس لئے کہ وہ عقل و اخلاق میں فساد ڈال دیتی ہے۔ اتنی۔

(فائدہ) حلال روزی دعا اور عبادت کی مقبولیت کا سبب ہے، اور حرام روزی کھانے سے دعا اور عبادت رد کر دی جاتی ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک آدمی لمبے سفر پر ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، پریشان حال ہے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا کر یارب یارب کہتا ہے، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، اور حرام کے ذریعہ اس کی پرورش ہوئی ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (مسلم)۔

(۲۵۰) اکل حلال کی ترغیب و نصیحت کے بعد، یہاں بعض اُن چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا کھانا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مردہ جانور (چاہے وہ جیسے بھی مرا ہو) خون، سور کا گوشت، اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو، حرام کر دیا ہے، ہاں اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں جان بچانے کے لئے کھا لیتا ہے تو گناہ گار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

مسروق کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اضطراری حالت میں کوئی حرام چیز کھانی کر اپنی جان نہیں بچائی اور مر گیا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ ابوالحسن الکلیا لہر اسی (صاحب احکام القرآن) کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح ہے، جیسے کہ مریض پر اظہار بسا اوقات واجب ہو جاتا ہے۔

(۲۵۱) ۱- جمہور اہل علم نے سمندر کے مردہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَحِلُّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ یعنی تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا۔ (المائدہ: ۹۶)۔

اور نبی کریم ﷺ فرمایا ہے کہ (سمندر کا پانی پاک کرنے والا، اور اس کا مردہ حلال ہے)۔ (مسند، موطا، سنن)۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے لئے دُمر دے اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں۔ دُمر دوں سے مراد: مچھلی اور ٹڈی ہے، اور دو خون سے مراد: کبلی اور تلی ہے۔

۲- امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ بعض لوگ ہمیں گوشت دیتے ہیں، اور ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر اسے کھاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

معلوم ہوا کہ حرام وہ گوشت نہیں جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں، بلکہ

لَٰكِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا آتَاكَ اللَّهُ مِنَ الْكُتُبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا
 النَّارَ وَلَا يَكْلَهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَ
 الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي
 الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
 آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۖ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَ
 الْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۖ وَالْمُؤْمِنُونَ بَعْضُهُمْ إِذَا عَاهَدُوا وَآوَى
 الضَّالِّينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے (۲۵۲) ہیں، اور اس کے بدلے حقیر سی قیمت قبول کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہوگا ﴿۱۷۴﴾ انہی لوگوں نے ہدایت دے کر ضلالت لے لی، اور مغفرت کے بدلے عذاب قبول (۲۵۳) کر لیا۔ یہ لوگ عذاب نار پر کس قدر صبر کرنے والے ہوں گے ﴿۱۷۵﴾ یہ (عذاب انہیں) اس لئے دیا جائے گا کہ اللہ نے سچی کتاب (۲۵۴) اتاری ہے (اور انہوں نے اسے چھپا دیا)، اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں، وہ بڑی مخالفت و عداوت میں پڑ گئے ہیں ﴿۱۷۶﴾ حقیقت معنوں میں نیکی (۲۵۵) یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق و مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، قرآن کریم پر، اور تمام انبیاء پر، اور اپنا محبوب مال خرچ کرے، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر، مسافروں پر، مانگنے والوں پر، اور غلاموں کو آزاد کرانے پر، اور نماز قائم کرے، اور زکاۃ دے، اور جب کوئی عہد کرے تو اسے پورا کرے، اور دکھ اور مصیبت میں اور میدان کارزار میں صبر سے کام لے، یہی لوگ (اپنے قول و عمل میں) سچے (۲۵۶) ہیں، اور یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں ﴿۱۷۷﴾

حرام وہ ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے کہا کہ اگر یہود و نصاریٰ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو نہ کھاؤ اور اگر ایسا نہ سنو تو کھاؤ، اس لئے کہ اللہ نے ان کے ذبح کردہ جانوروں کا گوشت حلال قرار دیا ہے، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ لوگ ذبح کرتے وقت کیا کہتے ہیں۔

(۲۵۲) کستان حق کرنے والوں کے لئے وعید کا دوبارہ ذکر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ امت مسلمہ کے افراد ایسی مذموم صفت سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں۔ یہود نے نبی کریم ﷺ کی ان صفات کو چھپا یا جو آپ ﷺ کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں، تاکہ عربوں پر ان کی برتری باقی رہے، اور جو ہدیے اور تحفے انہیں ان سے ملا کرتے تھے ان کا سلسلہ جاری رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ درحقیقت (ان حقیر ہدیوں کے عوض) اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ مارے غضب کے ان سے بات بھی نہ کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

(۲۵۳) ان کافروں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرتِ الہی کے بدلے عذاب نار کو قبول کر لیا ہے۔ یہ لوگ قیامت کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ أَلْحُوبُ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَأَبَاءُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدْوَابُ بِالْإِحْسَانِ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥٤﴾

اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تمہارے اوپر قصاص (۲۵۴) کو فرض کر دیا گیا، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت۔ اگر کسی (قاتل) کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے، تو مقتول کے ورثہ دیت کے مطالبہ میں نرمی سے کام لیں، اور قاتل اس کی ادائیگی میں خوش اسلوبی سے کام لے، یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک قسم کی آسانی اور رحمت ہے، اب جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے گا، اس کے لئے بڑا دردناک عذاب ہو گا ﴿۲۵۵﴾

دن ایسے سخت اور دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے کہ دیکھنے والے ان کے صبر پر مارے حیرانگی کے کہیں گے کہ اتنا دردناک عذاب یہ لوگ کیسے برداشت کئے جا رہے ہیں!؟

(۲۵۴) اور یہ لوگ ایسے سخت عذاب میں اس لئے مبتلا کئے جائیں گے، کہ اللہ تعالیٰ نے تو کتابیں اس لئے اتاری تھیں کہ حق کا ظہور و غلبہ ہو، اور باطل پامال ہو، لیکن ان لوگوں نے اللہ کی کتاب کا استہزاء کیا، اس میں تحریف کی، اور بالخصوص قرآن کے بارے میں خلاف واقع باتیں کہیں۔ کسی نے کہا یہ جادو ہے، کسی نے کہا یہ شعر ہے، کسی نے کہا یہ گزروے ہوئے زمانہ کی کہانیاں ہیں۔ اور اس طرح وہ حق سے کوسوں دور ہوتے گئے، اور عذاب شدید کے مستحق بنے۔

(۲۵۵) مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کی تردید میں اس وقت نازل ہوئی تھی، جب انہوں نے تھوٹل قبلہ کے بعد اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مختلف قسم کی فتنہ انگیز باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی بعید بات نہیں کہ تھوٹل قبلہ کے بعد بعض مسلمانوں نے اپنی نہایت خوشی کا اظہار کیا ہو، اور اس بارے میں ان کا تشدد اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ کعبہ کا قبلہ بنانا ان کی نظر میں دین کی سب سے بڑی غرض و غایت ٹھہر گیا ہو، تو یہ آیت اتری کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ آدمی مشرق یا مغرب کی طرف اپنا رخ پھیر لے، بلکہ نیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے (جو ہر صفت کمال کے ساتھ متصف اور ہر نقص سے پاک ہے) اور یومِ آخرت اور اس کی ان تمام تفصیلات پر ایمان لائے جن کی خبر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہے، اور فرشتوں پر ان تمام تفصیلات کے ساتھ ایمان لائے جن کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے، اور تمام کتابوں پر ایمان لائے جنہیں اللہ نے اپنے رسولوں پر نازل کی اور خاص طور پر اللہ کی عظیم ترین کتاب قرآن کریم پر، اور تمام انبیائے کرام پر، اور خاص طور پر خاتم النبیین محمد ﷺ پر۔ اسی طرح نیک وہ ہے جو اپنا عمدہ مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں پر اور غلاموں کو آزاد کرنے پر خرچ کرے، اور جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، اللہ اور بندوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کیا، اور جس نے تکلیف و مصیبت کے وقت، اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتے ہوئے صبر و استقامت سے کام لیا۔

(۲۵۶) یہی لوگ اپنے ایمان میں صاق ہیں، اس لئے کہ ان کے اقوال و افعال نے ان کے ایمان قلبی کی تصدیق کر دی، اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ خوف و دہشت اور حالاتِ زمانہ انہیں نہیں بدل سکتے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو کوئی

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢٥٨﴾

اور اے اصحاب عقل و خرد و قصاص میں تمہارے لئے بڑی زندگی (۲۵۸) ہے، شاید کہ تم، اس کی وجہ سے قتل و خونریزی سے بچتے رہو گے ﴿۱۷۹﴾

ایمان کے بعد مذکورہ بالا اوصاف سے متصف نہیں ہوتا، وہ اپنے دعوائے ایمان میں صادق نہیں ہوتا۔

اور یہی لوگ حقیقت معنوں میں متقی ہیں، اس لئے کہ انہوں نے عمرات و ممنوعات کو چھوڑ دیا، اور نیک کاموں کو اپنا شیوہ بنالیا۔

(۲۵۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ قصاص کا حکم نافذ کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیں، آزاد کو آزاد کے بدلے، غلام کو غلام کے بدلے، اور عورت کو عورت کے بدلے قتل کریں، اور اللہ کے احکام کو بدل کر اپنی خواہش کے مطابق نہ کر لیں۔

مفسرین نے اس آیت کا سبب نزول، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے قصاص و دیت سے متعلق آپس کے غیر عادلانہ نظام کو بتایا ہے۔ بنو نضیر نے جاہلیت کے زمانے میں بنو قریظہ سے جنگ کی تھی اور غالب آگئے تھے، اُس کے بعد سے کوئی نضیری کسی قرظی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ایک سو (۱۰۰) و سق (تقریباً پندرہ ہزار کیلوگرام) کھجور کے بدلے نضیری قاتل جاہر ہو جاتا تھا۔ اس کے برعکس قرظی نضیری کے بدلے میں قتل کیا جاتا تھا۔ اور اگر فدیہ پر آپس میں اتفاق ہو جاتا تھا، تو بنو قریظہ والوں کو دو سو و سق (تقریباً تیس ہزار کیلوگرام) کھجور دینی پڑتی تھی۔

یہ سراسر ظلم تھا، اس لئے اللہ نے مسلمانوں کو قصاص میں انصاف کرنے کا حکم دیا، اور کہا کہ آزاد کے بدلے آزاد کو، اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے گا۔ ہاں! اگر مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر دیتا ہے اور دیت لینے پر راضی ہو جاتا ہے، یا مقتول کے بعض ورثہ معاف کر دیتے ہیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا، اور دیت واجب ہوگی۔ ایسی صورت میں مقتول کے ورثہ کو چاہئے کہ قاتل کو سہولت دیں، اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈالیں۔ اسی طرح قاتل کو چاہئے کہ دیت ادا کرنے میں حتی الامکان تاخیر نہ کرے اور نہ اپنے کسی قول و فعل سے مقتول کے اولیاء کو ذہنی اذیت پہنچائے۔ اب اگر مقتول کے ورثہ معاف کر دینے کے بعد یا دیت لے لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیتے ہیں، تو دنیا میں ان سے قصاص لیا جائے گا، اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۲۵۸) اس میں اللہ تعالیٰ نے قصاص کی عظیم حکمت بیان فرمائی ہے، کہ قصاص میں زندگی ہے، اس لئے کہ جس کے ذہن میں یہ بات ہر وقت رہے گی کہ اگر اس نے کسی کو قتل کیا تو قتل کر دیا جائے گا، تو وہ کسی کو قتل نہیں کرے گا۔ اسی طرح جب لوگ قاتل کو قتل ہوتا دیکھ لیں گے، تو دوسروں کو قتل کرنے سے خائف رہیں گے، لیکن اگر قتل کی سزا قتل کے علاوہ کچھ اور ہوتی تو شاید شر کا وہ دروازہ بند نہ ہوتا جو قاتل کھول دیتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (السیاسة الشرعية) میں کہتے ہیں کہ قتل کی تین قسمیں ہیں:

۱- قتل عمد: یعنی کوئی کسی کو قصداً قتل کر دے۔ اس قتل پر قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ مقتول کے ورثہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں، چاہیں تو معاف کر دیں، یا چاہیں تو دیت لے کر معاف کر دیں۔ اور قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کا قتل جائز نہیں ہوتا۔ اگر کوئی

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَتَّىٰ عَلَى الْمُتَّقِينَ ۗ

جب تم میں سے کسی کی موت قریب ہو، اور وہ مال و جائیداد چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہو، تو تمہارے اوپر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے مناسب وصیت (۲۵۹) فرض کر دی گئی ہے، یہ متقی لوگوں پر لازم ہے۔ ﴿۱۸۰﴾

فحص معاف کر دینے اور دیت لے لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیتا ہے، تو وہ پہلے قاتل سے بڑا مجرم ہے، اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا قتل کر دینا واجب ہے، اس کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے حوالے نہیں ہوگا۔

۲- قتل جہدہ عمد: یعنی کسی نے ظلم و عدوان کی نیت سے کسی کو کوڑے یا لاٹھی وغیرہ سے مارنا شروع کیا، اسے جان سے مار دینا نہیں چاہتا تھا، لیکن اس کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے وہ آدمی مر گیا، تو اس کی دیت سوانٹ ہے، جن میں چالیس اونٹیاں حاملہ ہونی چاہئیں۔

۳- قتل خطاً: جیسے کسی نے شکار کرنے کے لئے تیر چلایا اور وہ کسی آدمی کو غلطی سے اور لاعلمی میں لگ گیا، اس میں قصاص نہیں ہے، بلکہ دیت اور کفارہ ہے۔

(نوائد)

۱- جہور اہل علم کا مذہب ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا“۔

۲- مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا“۔

۳- والدین کو اولاد کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

۴- جہور علماء کا مذہب ہے کہ ذمی آدمی مسلمان کے برابر نہیں، اس لئے مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۲۵۹) اس آیت کریمہ میں والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ صحیح قول کے مطابق میراث کی آیت نازل ہونے کے قبل، وصیت واجب تھی۔ آیت میراث کے نزول کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور اللہ کی طرف سے ورثہ کے لئے مقرر کردہ حصے لازم ہو گئے، جنہیں وہ میت کی وصیت کا احسان لئے بغیر پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا، اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ)۔

امام شافعی اپنی کتاب (الرسالہ) میں لکھتے ہیں کہ یہ متن متواتر ہے، اور تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال فرمایا تھا کہ (وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں) امام احمد نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورہ بقرہ کی تلاوت کی، اور جب اس آیت پر پہنچے، تو کہا کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔

لیکن وہ رشتہ دار جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مال میں کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے، ان کے لئے اسی آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے وصیت کرنا مستحب ہے۔ اور اس کام کے لئے مال کا تیسرا حصہ استعمال ہوگا جس کی وصیت کرنی جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے وصیت کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کی ترغیب کی آیات اور احادیث بہت ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو صرف ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔

فَمَنْ بَدَلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ وَإِنَّمَا أُنذِرُكُمْ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۖ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوسٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۗ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِدْيَةَ طَعَامٍ مِسْكِينٍ ۗ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ

پس اگر کوئی شخص وصیت سن لینے کے بعد اسے بدل دے گا تو اس کا گناہ اس کے بدلنے والوں (۲۶۰) کو ہوگا، بے شک اللہ برائے والا، اور جاننے والا ہے ﴿۱۸۱﴾ ہاں اگر کسی وصیت کرنے والے (۲۶۱) کی طرف سے جانبداری یا گناہ کا ڈر ہو، اس لئے اگر کوئی شخص رشتہ داروں کے درمیان صلح کرادے، تو ایسا کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ مغفرت کرنے والا، اور رحم کرنے والا ہے ﴿۱۸۲﴾ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض (۲۶۲) کر دیئے گئے ویسے ہی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو ﴿۱۸۳﴾ یہ روزے گنتی کے چند ایام ہیں، اگر تم میں سے کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو اتنے دن گن کر بعد میں روزہ رکھ لے، اور جنہیں روزے رکھنے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہو، وہ بطور فدیہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، اور جو کوئی اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرنا چاہے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور (مشقت برداشت کرتے ہوئے) روزہ رکھ لینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو ﴿۱۸۴﴾

(۲۶۰) اگر کوئی شخص وصیت کو بدل دیتا ہے، تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا۔ وصیت کرنے والے کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہو گیا۔ (۲۶۱) اگر کسی وصیت کرنے والے سے وصیت کرنے میں غلطی ہو جائے، مثال کے طور پر ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کر دے، یا کسی جیلہ بھانڈے کے ذریعہ کسی وارث کو زیادہ دے دے۔ تو موصی (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) قضیہ کی اصلاح کر دے اور اسے شریعت کے مطابق بنادے۔

(۲۶۲) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی ہے کہ ان پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسے گذشتہ قوموں پر فرض تھے۔ اس لئے کہ روزہ رکھنے میں انسان کے لئے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی ہے، اور اس لئے کہ آدمی جب اللہ کے لئے کھانے پینے اور مباشرت سے رُک جاتا ہے، اور اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں مشغول کر دیتا ہے، تو اللہ اسے تقویٰ کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں روزے ہر ماہ میں تین دن کے لئے رکھے جاتے تھے، اور مریض و مسافر حالت سفر میں روزے نہیں رکھتے تھے، بلکہ دوسرے دنوں میں رکھ لیتے تھے، اور صحت مند آدمی جو روزے رکھ سکتا تھا، اسے اجازت تھی کہ چاہے تو روزے رکھے، اور چاہے تو نہ رکھے، اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔

کچھ دنوں کے بعد یہ حکم صحت مند لوگوں کے لئے رمضان کے روزوں کی فرضیت کے ذریعہ منسوخ ہو گیا، اور بوڑھے کمزور کے لئے باقی رہ گیا۔

امام بخاری نے ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِدْيَةَ طَعَامٍ مِسْكِينٍ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢١٨﴾

وہ رمضان (۲۱۸) کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل ہوا، جو لوگوں کو راہ راست دکھاتا ہے، اور جس میں ہدایت کے لئے اور حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے کے لئے نشانیاں ہیں، پس جو کوئی اس مہینہ کو پائے وہ روزہ (۲۱۸) رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں تو اتنے دن گن کر بعد میں روزے رکھے، اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تمہارے لئے تنگی کو اللہ پسند نہیں کرتا، اور تاکہ تم روزے کی گنتی پوری کر لو، اور روزے پوری کر لینے کی توفیق و ہدایت پر تکبیر کہو (۲۱۵)، اور اللہ کا شکر ادا کرو ﴿۱۸۵﴾

عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لئے ہے، جو روزے نہیں رکھ سکتے، کہ وہ ہرن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ اور (یطبقونہ) کا معنی یہ بتایا ہے کہ جو لوگ عرفانی کو پہنچ جانے کی وجہ سے روزے کی شدت برداشت نہیں کر سکتے وہ افطار کر لیں، اور روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

(۲۱۸) ماہ رمضان کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا، جو دین حق کو کھول کھول کر پیش کرتا ہے، اور حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کو بیان کرتا ہے، نیک بختوں اور بد بختوں کی نشانیاں، اور پھر ان کے انجام بیان کرتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے مسند احمد کی ایک روایت نقل کی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں انبیائے کرام پر اسی مہینے میں نازل ہوئی تھیں۔ صحائف ابراہیمی، تورات، زبور اور انجیل وغیرہ کتابیں انبیاء پر بیک وقت اتری تھیں، اور قرآن کریم ماہ رمضان کی لیلۃ القدر میں آسمان دنیا میں بیت العزت تک بیک وقت اترتا، اس کے بعد وہاں سے رسول اللہ ﷺ پر تیس سال کی مدت میں حالات کے تقاضے کے مطابق جتہ جتہ اترتا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختلف طریقوں سے ایسا ہی مروی ہے۔

(۲۱۸) اسی کے بعد رمضان کے روزے فرض ہو گئے، اور سابق حکم منسوخ ہو گیا، اور ہر صحت مند آدمی کے لئے جو ماہ رمضان میں اپنے شہر میں ہو، روزے رکھنا ضروری ہو گیا۔ اب کسی صحت مند آدمی کے لئے جائز نہیں کہ رمضان میں افطار کرے، اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔

اور چونکہ مریض اور مسافر کے بارے میں حکم سابق اسی طرح باقی رہا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس کا اعادہ کیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ مریض اور مسافر جتنے دن روزے نہیں رکھیں گے، اتنے دن کے روزے صحت مند ہونے اور سفر ختم ہو جانے کے بعد رکھ لیں گے۔ اللہ کی طرف سے بندوں کو یہ سہولت دی گئی ہے، اور تقاضا کہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ رمضان کے فرض روزے پورے ہو جائیں۔

(۲۱۵) ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اللہ تعالیٰ کا بندوں پر انعام ہے، اور جب اللہ کی توفیق سے انہوں نے روزے

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْتُوا لِي لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

اور (اے نبی) اگر آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں قریب (۲۶۶) ہوں، پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہئے کہ میرے حکم کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ راہِ راست پر آجائیں ﴿۱۸۶﴾

محسن و خوبی پورے کر لئے، تو انہیں اب حکم دیا گیا کہ بطور شکر اللہ کو یاد کریں، اور تکبیر کہیں۔ اسی آیت کے پیش نظر بہت سے علماء زعید الفطر میں تکبیر کہنے کو مشروع قرار دیا ہے۔ امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے واجب کہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں باؤز بلند تکبیر کہتے ہوئے عید گاہ جاتے تھے، اور امام کے آنے تک کہتے رہتے تھے، دارقطنی نے ایک سند سے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

(نوآمد)

۱- حالت سفر میں روزہ رکھنا اور افطار کرنا دونوں ہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

صحیحین میں ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمی کے زمانے میں، ماہ رمضان میں ایک سفر پر روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ اور عبد اللہ بن رواحہ کے علاوہ ہم میں سے کسی نے بھی روزہ نہیں رکھا۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو روزے سے تھے، جب عسفان پہنچے تو پانی مانگا اور اسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھایا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں، پھر روزہ توڑ دیا، یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔ اسی حدیث کے پیش نظر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے (سفر میں) روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، اس لئے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے“۔ (متفق علیہ)۔

۲- بعض لوگوں کے نزدیک سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے، اور بعض کے نزدیک افطار، لیکن صحیح ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی حکم مطلق نہیں ہے۔ اگر سفر ایسا ہے جس میں کوئی پریشانی نہیں ہے، اور نہ ہی دشمن کا مقابلہ ہے، تو روزہ رکھنا افضل ہوگا۔ اور اگر روزہ رکھنے سے پریشانی لاحق ہوتی ہے، تو افطار افضل ہوگا۔

اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی سنت سے اعراض کرتے ہوئے اپنے لئے افطار کو مکروہ سمجھتا ہے تو اس پر روزہ رکھنا حرام ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت (چھوٹ) کو قبول نہیں کیا اس پر جبل عرفہ کے برابر گناہ لا دیا جائے گا۔

۳- جمہور اہل علم کے نزدیک چھوٹے ہوئے روزے کا ایک ساتھ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ تسلسل کی پابندی صرف رمضان میں لازم ہے۔

(۲۶۶) یہ آیت گذشتہ آیت کے مضمون کی تکمیل کرتی ہے۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ رمضان کے روزے پورے کر لینے کے بعد تکبیر کہو اور اللہ کا شکر ادا کرو، کہ اس نے رمضان جیسا بابرکت مہینہ عطا کیا، اور اس میں روزے رکھنے کی توفیق بخشی، اور اب اس آیت میں اللہ نے خبر دی کہ وہ اللہ جسے وہ یاد کریں گے اور جس کا شکر ادا کریں گے، اُن سے

قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَدِيدِ﴾ کہ ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ (ق: ۱۶)۔

علمائے تفسیر نے یہ بھی کہا ہے کہ روزوں کے احکام کے درمیان دعا کے ذکر سے مقصود اس طرف اشارہ ہے کہ رمضان میں دعا کی بڑی اہمیت ہے۔ مسند طرابلسی میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر و انظار کے وقت اپنے تمام بال بچوں کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کے انظار کے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ تین آدمی کی دعا رد نہیں کی جاتی: امام عادل کی، روزہ دار کی، اور مظلوم کی۔ (مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمارا رب قریب ہے تاکہ ہم اس سے سرگوشی کریں، یا دور ہے تاکہ اسے پکاریں؟ نبی کریم ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ اپنے بندوں سے قریب ہے، اس لئے کہ وہ (رقیب) ہے، (شہید) ہے، ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے، دلوں کے بھید جانتا ہے، اس لئے وہ اپنے پکارنے والوں سے قریب ہے، اور ان کی پکار کو سنتا ہے۔ جو بندہ اپنے رب کو حضور قلب کے ساتھ پکارتا ہے، اور کوئی چیز دعا کی قبولیت سے مانع نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ خاص طور سے اگر قبولیت دعا کے دینی اسباب بھی موجود ہوں۔ یعنی بندہ اللہ کے اوامر و نواہی کا پابند ہو، اور اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان کامل اور یقین محکم ہو۔ (فوائد)

۱- نبی کریم ﷺ نے سجدے میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ (بہت ممکن ہے کہ تمہارے سجدے کی دعا قبول ہو جائے)۔ (مسلم)۔ آپ خود بھی سجدے میں کثرت سے دعا کرتے تھے۔
۲- قبولیت دعا کی چھ شرطیں ہیں، اگر وہ پوری نہ ہوں تو دعا قبول نہیں ہوتی:

الف- دعا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے واسطے سے کی جائے۔ ب- نیت میں اخلاص ہو۔ ج- دعا کرنے والا اپنی مسکنت و محتاجی کا اظہار کرے۔ د- کسی گناہ کی دعا نہ کرے۔ ہ- کسی ایسی چیز کے لئے دعا نہ کرے جس کے ذریعے اللہ کی نافرمانی پر مدد لینی چاہے۔ و- اسے یقین ہو کہ اللہ نے اگر اسے کسی دنیاوی فائدہ سے محروم رکھا ہے، تو یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، بالکل اس نعمت کی مانند جو اللہ نے اسے دیا ہے۔

۳- مصیبتوں کو نائلے کا سب سے قوی ذریعہ دعا ہے۔ لیکن کبھی وہ اپنا اثر نہیں دکھا پاتی، یا تو اس لئے کہ دعا کسی ایسی چیز کے لئے ہوتی ہے جو اللہ کو ناپسند ہے، یا دعا کے وقت حضور قلب معدوم ہوتا ہے، یا قبولیت دعا کے کسی مانع کے موجود ہونے کی وجہ سے، مثال کے طور پر، دعا کرنے والے کی روزی حرام ہو، یا وہ ظالم ہو، یا اس کے دل پر گناہوں کا دبیز پردہ پڑا ہو، یا وہ غفلت اور لہو و لعب میں مبتلا ہو۔

۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا، مومن کا ہتھیار، اور دین کا ستون ہے۔ اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ (مستدرک الحاکم)۔ دعا کا معاملہ کسی مصیبت کے ساتھ تین طرح کا ہوتا ہے۔ یا تو دعا مصیبت سے زیادہ قوی ہوتی ہے تو اسے دور کر دیتی

أُجِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لَبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۗ قَالَتِ الْيَهُودُ هُنَّ لَبَاسٌ لَكُمْ وَكَلُوا وَاللَّهِ يُؤْتِي الْيَتِيمَ لَكُمْ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ نَسُوا الصَّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا يَبَاشِرُونَ هُنَّ وَأَنْتُمْ عَلَيْكُمْ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَنْقُضُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِيْلِلِ الْبَاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٤﴾

روزے کی رات میں بیویوں کے ساتھ جماع کرنا تمہارے لئے حلال (۲۱۷) کر دیا گیا ہے، وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو، اللہ کو یہ بات معلوم تھی کہ تم لوگ اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، پس اُس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف کر دیا، اب اپنی بیویوں کے ساتھ ملا کرو۔ اور جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا اُسے طلب کرو، اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے جدا ہو جائے، پھر روزے کو رات تک پورا کرو، اور جب تم مسجدوں میں حالتِ اعتکاف میں ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو، یہ اللہ کے حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ کی راہ اختیار کریں ﴿۱۸۴﴾

ہے، یا کمزور ہوتی ہے، تو مصیبت غالب آجاتی ہے۔ اور بندے کو لاحق ہو جاتی ہے۔ (لیکن کبھی کبھار دعا کمزور ہونے کے باوجود مصیبت کو ہلکی کر دیتی ہے) یادوں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو اثر کرنے سے روکتی ہیں۔
۵- دعا بار بار اور خوب الحاح کے ساتھ کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا کرنے سے نہ تھکو، اس لئے کہ جو آدمی دعا کرتا رہتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔ (مسند رک الحاکم)۔

۶- دعا کی قبولیت میں غلبت کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ (آدمی اگر قبولیت میں جلدی نہ کرے تو دعا قبول ہوتی ہے)۔

۷- دعا کی قبولیت کے چھ مشہور اوقات ہیں: آخری تہائی رات میں، اذان کے وقت، اذان اور اقامت کے درمیان۔ فرض نمازوں کے بعد، جمعہ کے دن امام کے ممبر پر جانے کے بعد سے نماز ختم ہونے تک۔ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد آخری ساعت۔ و باللہ التوفیق۔

(۲۶۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزوں سے متعلق چند اہم مسائل بیان کئے ہیں: رمضان کی راتوں میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا، صبح صادق سے پہلے تک کھانا پینا، صبح صادق کے بعد سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنا، اور حالتِ اعتکاف میں جماع سے پرہیز۔ آیت کا سبب نزول بھی انہی مسائل کے ارد گرد گھومتا ہے۔

۱- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد لوگ پورا رمضان اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاتے تھے، لیکن بعض لوگ خیانت کرتے تھے یعنی جماع کر لیتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت (۱۸۷) ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ تَخْتَانُونَ الْآيَةَ﴾ نازل فرمائی، اور رمضان کی راتوں میں جماع کرنا جائز ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب سے بھی ایسی غلطی ہو گئی تھی۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى التَّخَالُفِ بِمَا كَلَّمُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٢٢

اور تم اپنے اموال آپس میں باطل نہ کھاؤ (۲۶۸) اور نہ معاملہ حکام تک اس غرض سے پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ ناجائز طور پر، جانتے ہوئے، کھا جاؤ ﴿۱۸۸﴾

۲- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اگر افطار سے پہلے سو جاتے، تو دوسرے دن تک کچھ بھی نہیں کھاتے پیتے تھے۔ قیس بن صرمہ انصاری اپنے کھیت میں کام کرتے رہے، افطار کے لئے گھر آئے۔ ان کی بیوی کھانا تلاش کرنے گئیں، جب تک انہیں نیند آگئی اور بغیر کھائے پیئے دوسرے دن کاروزہ رکھنا پڑا۔ دوپہر کو بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَجَلٌ لَّكُمْ مِنَ الْفَجْرِ﴾ جسے سن کر صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔

۳- امام بخاری نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے (حیظ آبیض اور حیظ أسود) کا مفہوم نہیں سمجھا اور فجر کے بعد دیر تک کھاتے پیتے رہے، تو اللہ نے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل فرمایا، تب لوگوں نے جانا کہ سفید اور کالے دھاگے سے مراد ”رات اور دن“ ہے۔

۴- ضحاک، مجاہد اور قتادہ وغیرہم سے روایت ہے کہ لوگ حالتِ اعتکاف میں مسجد سے نکل کر گھر جاتے تھے، اور اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کرتے تھے، تو ﴿وَلَا تَبَاسِطُوا وُجُوهَكُمْ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ نازل ہوئی۔ (فوائد)

۱- رمضان کی راتوں میں صبح صادق تک بیوی کے ساتھ جماع اور کھانا پینا جائز ہے۔

۲- افطار میں جلدی کرنا سنت ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

۳- صوم وصال (بغیر افطار کے دو یا زیادہ دن تک روزے رکھنا) سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی چاہے تو سحری تک وصال کر سکتا ہے۔ (صحیحین)۔

۴- اعتکاف کی مدت میں بیوی کے ساتھ جماع جائز نہیں

۵- نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے۔

۶- جہور سلف کے نزدیک، اعتکاف کے لئے دن میں روزہ رکھنا شرط ہے۔ شیخ الإسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔

۷- اگر روزہ دار کی حالت جنابت میں صبح ہو جاتی ہے تو غسل کر کے روزہ پورا کرے گا۔ (صحیحین)

(۲۶۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھانے سے منع فرمایا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ اگر قاضی رشوت لے کر ناسخ فیصلہ کر دیتا ہے، تو اس فیصلہ سے حرام حلال نہیں ہو جاتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آدمی کے بارے میں ہے جس کے ذمے کسی کا مال ہو، اور مال والے کے پاس کوئی دلیل نہ ہو، اس لئے وہ آدمی انکار کر بیٹھے اور معاملہ حاکم کے پاس لے جائے تاکہ فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ گناہ گار ہے، اور حرام کھانے پرتلا ہوا ہے۔

يَسْتَأْذِنُكَ عَنِ الْهَلَاكِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّةِ وَلَيْسَ الْبُرْءُ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ
 الْبُرْءَ مِنَ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٤٠﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ
 يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٢٤١﴾ وَأَقْتُلُواهُمْ حَيْثُ ثَقَفْتُمُوهُمْ وَآخِرُ جُودِهِمْ مَنْ
 حَيْثُ آخَرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ عِنْدَ الْمُسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ
 فَأَقْتُلُوهُمْ كَمَا كُنْتُمْ تُقَاتِلُونَ الْكُفْرِينَ ﴿٢٤٢﴾ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُواهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونُوا فِتْنَةً
 وَيَكُونُوا لِلدِّينِ بِرَءً ۖ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ الظَّالِمِينَ ﴿٢٤٤﴾

اے میرے نبی، لوگ آپ سے ہلال (نئے چاند) کے بارے میں پوچھتے (۲۳۹) ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے
 اوقات کی تعیین، اور حج کے وقت کی تعیین کا ذریعہ ہے، اور یہ نیکی (۲۴۰) نہیں ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں میں پیچھے
 کی طرف سے داخل ہو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی تقویٰ کی راہ اختیار کرے، اور اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل
 ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاسکو ﴿۱۸۹﴾ اور اللہ کی راہ میں قتال (۲۴۱) کرو ان لوگوں سے جو تم سے قتال
 کرتے ہیں، اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۹۰﴾ اور انہیں جہاں پاؤ
 قتل کرو، اور انہیں اُس شہر سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا، اور فتنہ برپا کرنا تو قتل کرنے سے زیادہ
 نقصان دہ ہے، اور مسجد حرام کے پاس اُن سے قتال نہ کرو، یہاں تک کہ وہ تم سے وہاں قتال کرنے میں پہل کریں، پس
 اگر وہ تم سے قتال کریں تو تم انہیں قتل کرو، کافروں کی یہی سزا ہے ﴿۱۹۱﴾ اگر وہ (قتال سے) باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ
 مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ﴿۱۹۲﴾ اور اُن سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ کا خاتمہ ہو جائے اور حاکمیت
 صرف اللہ کی رہ جائے، اگر وہ باز آجائیں (تو تم بھی رُک جاؤ) اس لئے کہ زیادتی تو صرف ظالموں پر ہے ﴿۱۹۳﴾

(فائدہ) لوگوں کا مال حرام طور پر کھانے کی بہت سی شکلیں ہیں، جیسے کسی کا مال غصب کر لینا، چوری کرنا، امانت میں خیانت
 کرنا، سود کھانا، بھوکا مال کھانا، خرید و فروخت میں دھوکہ دینا، ایسے کام کی اجرت جسے ٹھیک سے نہیں کیا، عبادت پر اجرت لینا،
 زکوٰۃ، صدقہ، وقف اور وصیت کا مال ناحق کھا جانا۔ یہ اور اس قسم کی وہ تمام صورتیں جن میں لوگوں کا مال ناحق کھایا جا رہا ہو، وہ
 ”اکل حرام“ ہے، اور کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

(۲۳۹) آیت کا پہلا حصہ ﴿يَسْتَأْذِنُكَ عَنِ الْهَلَاكِ﴾ معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل
 ہوا۔ ان دونوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا راز ہے کہ چاندھاگے کے مانند باریک طلوع ہوتا ہے، پھر بڑا ہوتا جاتا ہے، یہاں
 تک کہ گول ہو جاتا ہے، پھر گھٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ پہلے کی طرح باریک ہو جاتا ہے، ایک حال پر باقی نہیں رہتا۔ تو یہ آیت
 نازل ہوئی۔ (ابو نعیم، ابن عساکر)۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ چاند کے ذریعہ لوگ اپنی ضروریات زندگی کے اوقات مقرر
 کرتے ہیں۔ قرض، روزہ، افطار، حج، اجرتیں، ماہواری کے ایام، عورتوں کی عدت، اور بہت سی شرطوں کی مدت، یہ سارے
 مواعد چاند ہی کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۴۰) انصار اور دوسرے عرب حج کا احرام باندھ لینے کے بعد اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو اپنے گھروں میں دروازوں

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤٢﴾

حرمت والاہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے، اور حرمتیں ایک دوسرے کا بدلہ ہوتی ہیں، پس جو تم پر زیادتی کرے، تم اس پر زیادتی (۲۴۲) کرو اتنا ہی جتنا تم پر زیادتی (۲۴۳) کی، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿۱۹۳﴾

سے داخل نہیں ہوتے تھے، ان کا خیال تھا کہ عبادت اور نیکی کا تقاضا یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، نیکی یہ ہے کہ آدمی تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حالتِ احرام میں بھی اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل ہوں۔

(۲۴۱) ان آیتوں میں مومنوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، اور مسلمانوں میں ذرا قوت آگئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ اب دشمن کا مقابلہ طاقت سے کرو، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، لیکن زیادتی نہ کرو، یعنی نہ جنگ کی ابتدا تمہاری طرف سے ہونی چاہئے، اور نہ جن سے جنگ کرنے سے تمہیں منع کیا گیا ہے ان سے جنگ کرو۔ (مثال کے طور پر عورتیں، بوڑھے، پاگل، بچے، گرجوں میں رہنے والے، اور جن سے تمہارا معاہدہ ہے انہیں قتل نہ کرو) کسی کا مظلہ نہ کرو، حیوانات کو قتل نہ کرو، اور درختوں کو نہ کاٹو، اور اسلام کی دعوت دینے بغیر اچانک کسی قوم پر حملہ نہ کرو، اس لئے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کے بارے میں بالخصوص فرمایا کہ جو لوگ تم سے جنگ کریں انہیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جس شہر سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، وہاں سے تم بھی انہیں نکالو، اس لئے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ ظلم کو روا رکھا، تمہیں عذاب میں مبتلا کیا، وطن سے نکالا، مال و جائیداد پر قبضہ کر لیا، تمہیں آزمائشوں میں مبتلا کیا، اور تمہیں تمہارے دین سے نکال دینا چاہا۔ یہ جرائم قتل سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور دیکھو مسجدِ حرام کے پاس ان سے قتال نہ کرو۔ ہاں اگر وہاں پر قتال کی ابتدا ان کی طرف سے ہوتی ہے، تو پھر فرار کی راہ نہ اختیار کرو بلکہ انہیں قتل کرو، اس لئے کہ کافروں کو ایسا ہی بدلہ ملنا چاہئے۔ اور اگر وہ قتال سے باز ہیں تو تم بھی رُک جاؤ، اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے قتال کرو، تاکہ حرم سے فتنہ و فساد کا صفایا ہو جائے، اور تاکہ وہاں اللہ کے علاوہ کسی کی پرستش نہ ہو، نہ اس کے علاوہ کسی سے ڈرا جائے، نہ کوئی شخص ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کیا جائے، اور نہ دینِ حق پر چلنے کی وجہ سے اسے ستایا جائے۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ بحیثیت فاتحِ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اور جن مشرکینِ مکہ نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں معاہدہ کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مکہ سے نکل جانا پڑا، اور مسجدِ حرام بتوں اور مشرکوں سے پاک ہو گیا، اور مسلمان وہاں باعزت زندگی گزارنے لگے۔

(۲۴۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ وغیرہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ۶ھ میں مدینہ منورہ سے عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، اور حدیبیہ پہنچے، تو مشرکینِ مکہ نے راستہ روک دیا، اور کعبہ تک نہیں پہنچنے دیا، یہ حادثہ ماہِ ذی القعدہ میں وقوع پذیر ہوا جو ماہِ حرام ہے۔ جابر بن عبد اللہ کی ایک روایت کے مطابق جسے امام احمد نے مسند میں

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (۲۷۴) اور احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۹۵﴾

روایت کی ہے، حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا چلی بنا کر مشرکین مکہ کے پاس بھیجا، کسی طرح یہ جھوٹی خبر اڑ گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے، خبر کا پھیلنا تھا کہ مسلمانوں میں ایک کھلیلی مچ گئی، اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشرکین مکہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بیعت لی، جسے تاریخ اسلام ”بیعت الرضوان“ کے نام سے جانتی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلط تھی، تو آپ نے مکہ والوں کے ساتھ صلح کر لی، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی مہینہ میں عمرہ کریں گے۔ چنانچہ معاہدہ کے مطابق آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ دوسرے سال ماہ ذی القعدہ میں عمرہ کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ﴾ کہ ماہ حرام کی رعایت ان کے ساتھ واجب ہے، جو ماہ حرام کی رعایت کریں، اور جو اس ماہ کی حرمت کا خیال نہیں کرے گا اس کے ساتھ ماہ حرام کی حرمت کا خیال نہیں رکھا جائے گا، اس لئے کہ حرمتوں کا لحاظ ان کے ساتھ ہو گا جو پہلے خود لحاظ کریں گے، چاہے وہ ماہ حرام ہو، بلد حرام ہو، احرام ہو، یا اور کوئی شے جس کی حرمت کا پاس رکھنے کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ اور جو کوئی ان حرمتوں کو پامال کرے گا تو ان سے بدلہ لیا جائے گا۔ اگر کوئی ماہ حرام میں جنگ پر آمادہ ہو گا تو اس سے جنگ کی جائے گی۔

(۲۷۳) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے، حتیٰ کہ مشرکین کے ساتھ بھی، اسی لئے دوبارہ مزید تاکید کے طور پر حرمتوں کو پامال کرنے اور کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲۷۴) ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہو گیا تو انصار نے خفیہ طور پر مشورہ کیا کہ اب تو اسلام معزز و مکرم ہو گیا اور اس کے مددگاروں کی تعداد بہت ہو گئی، اس لئے ہمیں اب اپنے مال و جائیداد کا خیال کرنا چاہئے، اور جو ضائع ہو چکا ہے اس کی اصلاح کرنی چاہئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم)۔

اس روایت کے رو سے مال و جائیداد کے پاس اقامت پذیر ہونا، اور اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دینا، ہلاکت و بربادی ہے۔

لیکن قرآن و حدیث کے الفاظ سے استدلال کرتے وقت اس ”سبب خاص“ کا اعتبار نہیں ہوتا، جس کے بعد وہ آیت نازل ہوئی یا وہ حدیث وارد ہوئی، بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس لئے ہر وہ کام اور ہر وہ بات جس میں مسلمانوں کی ہلاکت کا ڈر ہوگا، اس آیت کے حکم میں داخل ہوگی۔

حاکم نے کہا ہے کہ یہ آیت مندرجہ ذیل امور پر دلالت کرتی ہے: اگر ہلاکت کا ڈر ہو تو جہاد میں وقتی طور پر شکست قبول کر لینا جائز ہے۔ اگر امر بالمعروف کی وجہ سے کسی خطرے کا اندیشہ ہو تو خاموشی جائز ہے۔ اگر حاکم وقت کو اپنی اور مسلمانوں کی ہلاکت کا ڈر ہوگا تو کافروں اور باغیوں کے ساتھ مصالحت جائز ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں، علی بن ابی طالب نے صفین میں، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، بلکہ اگر مسلمانوں کی بربادی کا ڈر ہوگا تو دشمن سے مال کے عوض مصالحت جائز ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع سے مدینہ منورہ کے ایک تہائی پھل کے عوض مصالحت کرنی چاہی، لیکن سعد بن عبادہ سے مشورہ کرنے کے بعد ایسا نہیں کیا۔ (سیرت ابن ہشام)۔

وَإِذَا مَا الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَخْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور حج و عمرہ (۲۷۵) اللہ کے لئے پورا کرو، اگر تم روک (۲۷۶) دیئے جاؤ، تو قربانی کا جو جانور میسر ہو اُسے ذبح کرو، اور اپنے سر اُس وقت تک نہ منڈاؤ (۲۷۷) جب تک قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے، اگر تم میں سے کوئی مریض ہو، یا اُس کے سر (۲۷۸) میں کوئی تکلیف ہو (تو بال منڈالے اور) فدیہ دے، چاہے تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، اگر راستہ مامون ہے، تو جو کوئی تمتع (۲۷۹) کرے (یعنی عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام کھول دے پھر حج کے وقت حج کا احرام باندھے) اسے قربانی کا جو جانور میسر ہو ذبح کرے، اگر اسے جانور نہ ملے تو روزے (۲۸۰) رکھے، تین دن یا م حج میں، اور سات دن گھر واپس جانے کے بعد، یہ پورے دس روزے ہیں، یہ حکم ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام (۲۸۱) کے آس پاس نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۱۹۶﴾

(۲۷۵) روزہ اور جہاد کے بعد احکام حج کا بیان شروع ہوا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب حج اور عمرہ میں سے کسی کی ابتدا کرو تو تمام شرائط و اعمال کے ساتھ اسے پورا کرو۔ اور (اللہ) اس لئے کہا کہ مشرکین مکہ حج و عمرہ کے بعض اعمال کے ذریعہ اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کہا کہ حج و عمرہ کے تمام اعمال صرف اللہ کی رضا کے لئے ادا ہونے چاہئیں۔

(۲۷۶) اگر حج یا عمرہ کی راہ میں کوئی مانع پیش آجائے، جیسے کوئی دشمن راستہ روک دے، یا کوئی مرض لاحق ہو جائے، یا راستہ بھٹک جائے تو حُرَّم کو جو جانور میسر ہو گا (اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا ایک بکری) ذبح کرے گا، اور بال منڈا کر حلال ہو جائے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع سے کیا تھا، کہ حدیبیہ ہی میں اپنی اپنی قربانیاں ذبح کیں، اور بال منڈا کر حلال ہو گئے، اور پھر ۶ھ میں اس عمرہ کی تقاضی۔

(۲۷۷) اگر حج کرنے والا "ہدی" کا جانور اپنے ساتھ لے جا رہا ہے تو حالت امن میں "ہدی" کی جگہ حرم ہے۔ جب تک ہدی کا جانور حرم نہ پہنچ جائے اور حج کرنے والا حج و عمرہ کے اعمال سے فارغ نہ ہو جائے، اس کے لئے سر کا بال منڈانا جائز نہیں، اور افضل یہ ہے کہ دس تاریخ کو کنکری مارنے کے بعد پہلے قربانی کرے، پھر بال منڈوائے۔

(۲۷۸) یہ آیت کعب بن عجرہ انصاری کے بارے میں آتری تھی۔ ان کے بال گھنے اور لمبے تھے، عمرہ الحدیبیہ کے موقع پر ان کے سر میں اتنی جوئیں ہو گئیں کہ ان کے چہرے پر گرنے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ بال منڈالو، اور ایک بکری ذبح کرو، یا چھ مسکین کو کھانا کھلا دو، یا تین روزے رکھ لو۔ اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیحین)۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فُضِّضَ فِيهَا فَلا رُفْثَ وَلا فُسُوقَ وَلا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ حَيْثُ يَعْلَمُهُ اللهُ وَتَزَكُّوْا فَإِنَّ حَيْثُ الرَّادِّ الْقَوِيُّ وَاتَّقُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢٨٣﴾

حج کے چند معلوم مہینے (۲۸۳) ہیں، جس نے ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو فرض کر لیا وہ اثنائے حج جماع اور اس کے متعلقات، گناہ اور جنگ و جدال سے اجتناب کرے، اور تم جو نیکی بھی کرو گے اللہ سے جانتا ہے اور زاویرہ (۲۸۳) (سفر کا خرچ) لے لیا کرو، بے شک سب سے اچھا زاویرہ سوال سے بچنا ہے، اور اے عقل والو، مجھ سے ڈرتے رہو ﴿۱۹۷﴾

(۲۷۹) اگر محرم کو راستہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور حرم پہنچ جائے، اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے، پھر آٹھ تاریخ کو یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھے، تو اس پر قربانی واجب ہے، اسے حج تمتع کہتے ہیں۔ اور یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ حج تمتع افضل ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں صاف طور پر کہہ دیا کہ (اب جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو ہدی کا جانور لے کر نہ آتا اور اپنے حج کو حج تمتع بنا دیتا) صحیحین۔ اگر حاجی قارن ہے (یعنی عمرہ کر کے احرام کی حالت میں باقی رہے یہاں تک کہ دس تاریخ کے اعمال سے فارغ ہو جائے) تو بھی قربانی واجب ہے، اس لئے کہ اس نے بھی حج و عمرہ دونوں ایک ساتھ کیا۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام جنہوں نے حجۃ الوداع میں قرآن کی نیت کی تھی، سب نے قربانی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اہمات المؤمنین کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی۔ حج افراد کرنے والے پر قربانی واجب نہیں۔

(۲۸۰) اگر تمتع کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے تو تین روزے حج کے زمانے میں، اور سات روزے اپنے گھر واپس جانے کے بعد رکھے گا۔ حج کے زمانے میں روزے رکھنے سے مراد یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھتے وقت اگر اسے معلوم ہے کہ وہ قربانی کا جانور خریدنے کی سکت نہیں رکھتا، تو اس کے بعد سے تین روزے رکھ لے۔ اور "تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ" اس لئے کہا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اسے اختیار ہے کہ یا تو تین روزے حج کے زمانے میں رکھ لے، یا سات گھر پہنچنے کے بعد۔

(۲۸۱) تمتع یا قرآن کی قربانی ان حاجیوں پر واجب ہے جو اہل حرم میں سے نہ ہوں، کیونکہ اہل حرم کے لئے حج تمتع نہیں ہے۔ اہل حرم سے مراد مکہ میں رہنے والے اور وہ لوگ ہیں جو حرم سے اتنی مسافت پر رہتے ہوں جس پر سفر کا اطلاق نہ ہو۔

(۲۸۲) حج کے مہینے معلوم ہیں، اس لئے کہ حج ملت ابراہیمی میں اور ابراہیم کی ذریت میں ہمیشہ سے رہا، اور وہ ماہ شوال و ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ حج کا احرام انہی دنوں میں باندھنا صحیح ہے، اور جو کوئی ان مہینوں میں حج کی نیت کرے اس پر احرام کی تعظیم واجب ہے۔ اور اس تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ حُرَّم جماع، اور اس کے مقدمات، تمام قسم کے گناہ اور جنگ و جدال سے پرہیز کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے اس گھر کا حج کیا، اور جماع اور دیگر گناہوں سے بچا رہا، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (متفق علیہ)۔

اور چونکہ ترک معاصی کے ساتھ اوامر کا بجالانا بھی ضروری ہے، اس لئے اللہ نے فرمایا کہ تم کوئی بھی نیکی کرو گے، اللہ اسے جانتا ہے۔

(۲۸۳) اہل یمن جب حج کے لئے آتے تو اپنے ساتھ زاویرہ نہ لاتے، اور کہتے کہ ہم نے اللہ پر توکل کیا ہوا ہے، اور جب مکہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَإِذَا أَقَضْتُم مِّنْ عَرَافَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لِسِنِّ الضَّالِّينَ ﴿٢٨٥﴾ تَوَّافِقُوا مِنْ حَيْثُ أَقَضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨٦﴾ فَإِذَا أَقَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا كَرَّمْتُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۚ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٨٧﴾

تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش (۲۸۴) کرو، جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (۲۸۵) کے پاس اللہ کو یاد کرو، اور اُسے یاد کرو جیسا اس نے تمہیں ہدایت دی، اگرچہ تم اس سے پہلے راہ بھٹکے ہوئے تھے ﴿۱۹۸﴾ پھر (اے قریش والو) تم لوگ وہاں سے لوٹو ﴿۲۸۶﴾ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۹۹﴾ جب اعمال حج پورے کر لو تو اللہ کو اس طرح یاد کرو ﴿۲۸۷﴾ جس طرح اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ یاد کرو، بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے ﴿۲۸۸﴾ اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ (۲۸۹) نہیں ہے ﴿۲۰۰﴾

بچپن سے بھیک مانگتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ تم لوگ جب حج کے لئے نکلو تو اپنا زوارہ لے کر چلو تاکہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عقل و خرد والو! میرے عقاب و عذاب سے ڈرو، اور میرے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو۔

(۲۸۴) اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے جب زوارہ لے کر چلنے کی نصیحت کی، اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم دیا، تو اس بات کی بھی خبر دی کہ موسم حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ایسا کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ سمجھتے تھے کہ حج کے ساتھ تجارت کرنا اچھی بات نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عکاظ، مُجَنَّة اور ذوالحجاز دور جاہلیت کے بازار تھے، حج کے زمانے میں لوگ ان بازاروں میں تجارت بھی کرتے تھے، اسلام آنے کے بعد مسلمانوں نے موسم حج میں ان بازاروں میں تجارت کرنا مکروہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲۸۵) یہ آیت مندرجہ ذیل امور پر دلالت کرتی ہے:

دوقف عرفہ حج کارکن ہے، اور یہ بات دور جاہلیت سے معلوم ہے، مزدلفہ میں دسویں تاریخ کی رات میں اور فجر کی نماز کے بعد مشعر حرام کے پاس اللہ کو خوب یاد کرنا چاہئے، بعض لوگوں نے اسے واجب بتایا ہے۔

(۲۸۶) یہاں مراد عرفہ سے روانگی ہے نہ کہ مزدلفہ سے، اور یہاں خطاب قریش کو بالخصوص اور عام مسلمانوں کو بالعموم ہے۔ قریش کے لوگ حج میں مزدلفہ میں ہی رُک جاتے تھے، باقی تمام عرب کے لوگ عرفات تک جاتے تھے۔ قریش کے لوگ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر والے ہیں، حرم سے نہیں نکلیں گے۔ (بخاری)۔

اسلام آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عرفات جانے اور وہاں سے تمام لوگوں کے ساتھ مزدلفہ ہوتے ہوئے

وَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ رَبَّنَا إِنَّا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِى الآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

اور بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھائی نصیب (۲۹۰) فرما، اور آخرت میں بھی اچھائی نصیب فرما، اور ہم کو عذاب نار سے دور رکھ ﴿۲۰۱﴾ ان لوگوں کو اپنی کمائی (دعا) کا ایک حصہ (۲۹۱) ضرور ملے گا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۲۰۲﴾

منیٰ واپس آنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ (حج کا بنیادی کام وقوفِ عرفہ ہے)۔ (۲۸۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمالِ حج سے فراغت کے بعد ذکر کا حکم دیا ہے، کہ اللہ کی توفیق سے یہ عظیم عبادت پوری ہوگی تو اس کا شکر بجالانا چاہئے۔ اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ مزدلفہ سے منیٰ واپسی کے بعد جمرات کے پاس سیلہ لگاتے اور اپنے آباء و اجداد کی شان میں قصیدے پڑھتے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ کو یاد کرتے، اسی لئے اللہ نے مسلمانوں کے فکری دھارے کی اصلاح کی اور انہیں تعلیم دی کہ وہ اللہ کو یاد کریں، اس لئے کہ ذکر و شکر کا وہی اکیلا حقدار ہے۔ اس لئے کنکری مارنے کے بعد جب نجاجِ قربانی، بال منڈانے، طوافِ زیارت اور صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام پذیر ہو جائیں تو اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں۔

(۲۸۸) استغفار اور کثرتِ ذکر کی نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دعا کی طرف توجہ دلائی، اس لئے کہ کثرتِ ذکر کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ اُمید ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں کی خدمت کی جن کی زندگی کا مقصد اول دنیا کا حصول ہوتا ہے، اور ان کی تعریف کی جن کا مطمح نظر آخرت کی کامیابی اور جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ اعرابی لوگ عرفات میں اللہ سے دنیاوی فائدہ مانگتے اور آخرت کا کوئی ذکر نہیں لاتے، بعض نے کہا کہ مشرکین عرب ایسا کرتے تھے، کسی نے کہا کہ بعض مسلمان ہی ایسا کرتے تھے کہ اپنی دنیا سنورنے کی دعا کرتے، اور آخرت کو فراموش کر جاتے۔ انہی لوگوں کے حالات کے پیش نظر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۸۹) یعنی آخرت کی کامیابی کا کوئی حصہ ان کو نہیں ملے گا، الا یہ کہ وہ توبہ کریں اور اللہ انہیں معاف کر دے۔ (۲۹۰) اس دعا میں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی جمع کر دی گئی ہے، اور ہر شر سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ ”دنیا میں بھلائی“ ہر دنیاوی خیر کو شامل ہے، اور ”آخرت میں بھلائی“ کی سب سے اعلیٰ شے اللہ کی رضا اور دخولِ جنت ہے۔

احادیث میں اس دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے یہ دعا کرتے تھے۔ ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہی دعا کرتے تھے۔

امام احمد اور امام مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مریض کی عیادت کی جو سوکھ کر کاٹا ہو گیا تھا، آپ نے اسے یہی دعا کرنے کی نصیحت کی، اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی بیماری دور ہو گئی۔

(۲۹۱) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو لوگ دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں، اللہ ان کی دعا قبول کرتا ہے، اور پوری دعا نہیں تو اس کا ایک حصہ ضرور انہیں ملتا ہے۔ آیت میں ”کمانے“ سے مراد دعا کرنا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجْعِبُكُ قَوْلَهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللّٰهَ عَلَىٰ مَا فِيْ قَلْبِهِ وَهُوَ الَّذِي الْخَصَاوْ۝

اور گنتی کے چند دنوں (۲۹۲) میں اللہ کی یاد میں مشغول رہو، پس جو کوئی دودن میں جلدی چلا گیا (۲۹۳) اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جس نے جلدی نہیں کی اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اُس کے لئے جو متقی ہے، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ تم لوگ اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے ﴿۲۰۳﴾ اور کوئی آدمی (۲۹۴) ایسا ہوتا ہے جس کی بات دنیاوی زندگی میں آپ کو پسند آئے گی، اور وہ اللہ کو اپنے دل کی صداقت پر گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ بدترین جھگڑالو ہوتا ہے ﴿۲۰۳﴾

(۲۹۲) مراد ”ایام تشریق“ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ امام مسلم کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الہی کے ایام ہیں۔ بخاری کی روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں ہر وقت اور ہر حال میں تکبیر کہتے رہتے تھے۔ رمی جمار کے وقت تکبیر کہنا اسی میں شامل ہے۔ (۲۹۳) اگر حاجی گیارہ اور بارہ کی کنکریاں مار کر منیٰ سے رخصت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر تیرہ کی کنکریاں بھی مارے تو بھی کوئی حرج نہیں، سنت یہی ہے کہ تیرہ کی کنکریاں بھی ماری جائیں۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ منیٰ سے تیرہ کی کنکریاں مار کر رخصت ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں (ایام معدودات) سے مراد ایام تشریق ہے، اور وہ چار دن ہیں، قربانی کا دن اور اس کے بعد تین دن، ابن عمر، ابن زبیر، ابو موسیٰ، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے، اور آیت سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی دودن کے بعد منیٰ چھوڑ دے گا تو کوئی حرج نہیں، اور جو کوئی تیسرے دن بھی کنکری مارے گا تو کوئی حرج نہیں۔ اس طرح قربانی کے دن کے بعد ایام تشریق کے تین دن ہوئے۔ (۲۹۴) ابن جریر نے سندی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، حالانکہ وہ دل سے کافر تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہوں نے خیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا مذاق اڑایا تھا۔ بہر حال مشہور قاعدہ کے مطابق کہ قرآن و سنت سے استفادہ کے لئے عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوص سبب کا نہیں، یہ آیت ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جو اسلام کو عقیدہ اور منج حیات کی حیثیت سے قبول نہیں کرتا، لیکن دنیوی مصالح کی خاطر اعلان کرتا پھر تاہے کہ وہ بھی مسلمان ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ ایسے منافقین ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے چمکنی چیری باتیں کرتے ہیں، اور اللہ کو اپنے قول و فعل کی صداقت پر گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ باطل کو حق دکھانے کے لئے بدترین جھگڑالو ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو دھوکہ دیتا ہے، اور جب جھگڑتا ہے تو کالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ (متفق علیہ)۔

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُ جَهَنَّمَ وَلَكِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ الْأَكْبَرِ كَأَنَّهُ ظَاهٍ كَافٍ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً سَوَاتِرَ لِيُخْرِجَ الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

اور جب وہ آپ کے پاس سے لوٹتا ہے (۲۹۵) تو زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے، اور کھیتوں اور مویشیوں کو ہلاک کرتا ہے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۲۰۵﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو (۲۹۶) تو اس کا غرور اسے گناہ پر آمادہ کرتا ہے، پس جہنم اس کے لئے کافی ہے جو بڑا ہی برا اٹھکانا ہے ﴿۲۰۶﴾ اور بعض لوگ (۲۹۷) ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان بیچ دیتے ہیں، اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے ﴿۲۰۷﴾ اے ایمان والو! اسلام میں پورے طور پر داخل (۲۹۸) ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۲۰۸﴾

(۲۹۵) یعنی جب مسلمانوں کے پاس سے غیر مسلموں کے پاس واپس جاتا ہے تب اس کی خباثت ظاہر ہوتی ہے، اور امام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا کرتا ہے، کفر کی تقویت کے لئے سازشیں کرتا ہے، اور مسلمانوں کی ہر قسم کی بربادی کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ کھیتی اور مویشی کے ہلاک کرنے کا بھی مفہوم ہے۔

(۲۹۶) یعنی جب اُس فاجر سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اور اپنے قول و فعل کے تضاد سے باز آ جاؤ، تو مارے کبر و غرور کے پھٹا پڑتا ہے، اور نصیحت قبول نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کا انجام اللہ نے بتا دیا ہے کہ ان کے کفر و نفاق اور کبر و غرور کے بدلے جہنم ان کے لئے کافی ہے، جو بہت برا اٹھکانا ہے۔ حاکم نے لکھا ہے کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کسی کو کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو، تو وہ جواب میں کہے کہ ”تم اپنی فکر کرو“۔

(۲۹۷) منافقین کی صفات بیان کرنے کے بعد، مومنین صالحین کی صفات حمیدہ بیان کی جا رہی ہیں، تاکہ بندہ مومن منافقین کی صفات سے بچے، اور صالحین کی صفات اپنے اندر پیدا کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت صہیب رومی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب مکہ سے ہجرت کے وقت کفار قریش نے انہیں گھیر لیا کہ تم اپنا مال لے کر نہیں جا سکتے، اگر مال چھوڑ کر جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری جائداد اہل مکہ کے حوالے کر دی، اور صرف ایمان لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے یہ آیت نازل ہو چکی تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو کہا کہ "رَبِّحْ صَهِيْبَ رِبْحٍ صَهِيْبٍ"۔ (مسند رک حاکم، طبقات ابن سعد)۔

یہاں بھی وہی بات کہی جائے گی کہ قرآن و سنت سے استفادہ کرتے وقت عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوص سبب کا نہیں۔ اس لئے یہ آیت ہر مجاہد فی سبیل اللہ پر منطبق ہوتی ہے، جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان و مال کی قربانی پیش کر دیتا ہے۔

فَإِنْ زَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ هَلْ يُنظَرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْعَمَامِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَالِلَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

پس اگر تم لوگ، اپنے پاس کھلی نشانیاں آجانے کے بعد بھی، (راہِ حق سے) پھسل (۲۹۹) جاؤ گے تو یقین جانو کہ اللہ بڑا زبردست بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲۰۹﴾ کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں (عذاب لے کر) آجائے اور فرشتے آجائیں، اور ان کے معاملے کا فیصلہ ہو جائے؟ اور تمام امور بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿۲۱۰﴾

(۲۹۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اسلام کو اس کے تمام جزئیات و تفصیل کے ساتھ قبول کریں، ان کی طرح نہ ہو جائیں جو خواہش نفس کے غلام بن گئے کہ جو بات ان کی خواہش کے مطابق ہوئی اسے لے لیا، اور جو ان کی خواہش کے مطابق نہ ہوئی اسے چھوڑ دیا۔ اسلام لانے کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کی ہر خواہش دین کے تابع ہو۔ جن اعمال خیر کو وہ کر سکتا ہے انہیں کرے، اور جنہیں نہیں کر سکتا ہے، انہیں بشرطِ قدرت و امکان کرنے کی نیت رکھے، تاکہ اسے نیت کا اجر ملے۔

آدمی پورے اسلام پر اسی وقت گامزن ہو سکتا ہے جب شیطان کی مخالفت کو اپنی زندگی کا شیوہ بنالے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اتباع سے منع فرمایا، اور تنبیہ کی کہ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ بات تو تمہیں معلوم ہے، اس لئے کہ اسی نے تو تمہارے باپ آدم کے ساتھ کھلی عداوت کی تھی، اور جنت سے نکلوا یا تھا۔ اسی بات کی مزید تاکید کے لئے اللہ نے آگے فرمایا کہ اگر اللہ کی طرف سے واضح دلائل آجائے کہ باوجود تم شیطان کی اتباع کرتے ہو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑی ہی قدرت والا ہے، اس کے انتقام سے کوئی بچ نہیں سکتا، اور حکمت والا ہے، اس کا کوئی بھی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، اس کے قہر و عذاب سے بچنا ناممکن ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آیت میں ”ایمان والوں“ سے مراد اہل کتاب کے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو تو قبول کر لیا تھا، لیکن تورات کے بعض احکام و شرائع کو بھی اب تک گلے لگا رکھا تھا، انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ پورے دین محمدی کو قبول کرو، اس میں سے کسی بھی حکم کو نہ چھوڑو، اور تورات پر اب صرف تمہارا ایمان لانا کافی ہوگا۔ (۲۹۹) اس آیت میں جو وعید وارد ہوئی ہے اس کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ ان کا عناد اور ان کی مخالفت حد سے تجاوز کر گئی ہے، اب انہیں قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا انتظار کرنا چاہئے، جب اللہ تعالیٰ اپنے پورے جلال میں ہوگا، اور صرف اسی کی بادشاہت ہوگی، اسی کے اوامر نافذ ہوں گے، وہی تمام امور میں تصرف کر رہا ہوگا، اور تمام مخلوق اس کے سامنے اس دن بلا تفریق سرنگوں ہوگی، اور اس دن کی ہولناکیاں اس قدر بڑھی ہوں گی کہ ظالموں کے دل دہل رہے ہوں گے، اُس دن اللہ تعالیٰ کا فروں کو ان کے کفر کا مزا چکھائے گا۔

(فائدہ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے (آنے) کی صفت استعمال کی ہے، جیسا کہ دوسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے استواء، نزول اور مجئ وغیرہ کی صفات اپنے لئے ثابت کی ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ کے لئے متعدد صفات کو صحیح احادیث میں ثابت کیا ہے۔ ان تمام صفات کے بارے میں سلفِ صالحین کا منہج رہا ہے کہ ہم بھی انہیں اللہ کے لئے ثابت

سَلِّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَاتِنَا بِبَيِّنَاتٍ ۖ وَمَنْ يُّبَدِلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ زُرِينِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے، ہم نے انہیں بہت ساری کھلی نشانیاں (۳۰۰) دی تھیں، اور جو کوئی اللہ کی نعمت ملنے کے بعد اسے بدل دے گا، تو اللہ بڑا ہی سخت عذاب والا ہے ﴿۲۱۱﴾ اہل کفر کے لئے دنیا کی زندگی خوشنما بنا دی گئی ہے، اور وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اہل تقویٰ کو قیامت کے دن کافروں پر فوقیت حاصل ہوگی، اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۲۱۲﴾

کرتے ہیں، اور ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور مخلوق کی صفات کے ساتھ انہیں تشبیہ نہیں دیتے، اور نہ مخلوق کی کسی صفت کے ذریعہ اس کی مثال بیان کرتے ہیں، اور نہ ان صفات کی ہم تاویل کرتے ہیں، جیسا کہ باطل فرقوں کا شیوہ رہا ہے۔ معطلہ، جمہیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور اسی قسم کے باطل فرقوں نے اللہ کی صفات کو اسی طرح تسلیم نہیں کیا جس طرح انہیں اللہ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے، یا اس کے رسول ﷺ نے اس کے لئے ثابت کیا ہے۔

حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ”اہل سنت بالا جماع اللہ کی ان تمام صفات کو مانتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم یا سنت میں آیا ہے، ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ تمام صفات اللہ کی فی الحقیقت صفات ہیں، مجازاً نہیں، لیکن ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے۔ اہل بدعت جمہیہ، معتزلہ اور خوارج وغیرہم ان کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان صفات سے ان کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔“ انتہی۔

(۳۰۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ان کے کفر و سرکشی پر سرزنش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل بھیجے، اور ان کے ساتھ بہت سی کھلی نشانیاں اور واضح دلائل بھیجے، تاکہ انہیں دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ پید بیضاء، عصائے موسیٰ، شق سمندر، پتھروں سے چشموں کا جاری ہونا، میدان تیرہ میں بادل کا سایہ، من و سلویٰ اور اسی قسم کے اور بھی دلائل اللہ تعالیٰ نے انہیں راہ راست پر لانے کے لئے بھیجے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، اور ایمان کے بدلے کفر کو قبول کر لیا، اور حرمانِ ثواب اور عذابِ نار کے مستحق بنے۔

آیت (۲۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی کو خوش رنگ بنا دیا گیا ہے، جس پر وہ خوش اور مطمئن ہیں، دولت جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ فقیر ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع ہی حقیقی سعادت ہے، اور جو اس سے محروم ہے وہ شقی و بد بخت ہے، لیکن اہل ایمان دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور جو مال وہ حاصل کرتے ہیں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے قیامت کے دن ان کا مقام جنت اور کفار کا جہنم ہوگا۔ وہ علیین میں ہوں گے اور کفار اسفل السافلین میں۔

اور چاہے دنیاوی رزق ہو یا آخری نعمت، اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اسی کے تصرف میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔“

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اختلفُوا فِيهِ ۖ وَمَا اختلفت فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اختلفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِآيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَكِنَّا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ خَلَقُوا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِكُمُ الْبِئْسَاءُ وَالظَّالِمُونَ ۝ وَرُزِّلَ لِرُوحِیُّ يَقُولُ الرُّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُوا اللَّهُ ۖ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

پہلے کبھی لوگ ایک دین پر قائم تھے (۳۰۱) پھر مروجہ زمانہ کے ساتھ ان میں اختلاف ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا، جن کا کام لوگوں کو جنت کی خوشخبری دینا، اور عذاب نار سے ڈرانا تھا، اور ان کے ساتھ برحق کتابیں نازل کیں، تاکہ اللہ لوگوں کے درمیان اُس بات میں فیصلہ کر دے جس میں انہوں نے آپس میں اختلاف کیا، اور اُس میں اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی، اور کھلی نشانیاں آجانے کے باوجود صرف آپس کی دشمنی اور عناد کی وجہ سے اختلاف کیا، تو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کی اس مختلف فیہ بات میں حق کی طرف رہنمائی کی، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿۲۱۳﴾ کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت (۳۰۲) میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گذرے جو تم سے پہلے والے لوگوں کو پیش آئے، انہیں سختیاں اور تکلیفیں لاحق ہوئیں، اور اس طرح جھنجھوڑ دیئے گئے کہ اللہ کے رسول اور مومنین پکار اٹھے، کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے ﴿۲۱۳﴾

(۳۰۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کی مدت تھی۔ اس پوری مدت میں لوگ ایک ہی شریعتِ حقہ پر قائم رہے۔ پھر ان کے درمیان مرد و زمانہ کے ساتھ عقائد میں اختلاف واقع ہو گیا (اتھی) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست پر لانے کے لئے انبیاء کرام کو بھیجا جنہوں نے اللہ کی بندگی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور جنت کی خوشخبری دی، اور اس کی نافرمانی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی ناکامی، محرومی، ذلت و رسوائی اور جہنم سے ڈرایا۔ اور ان انبیاء کے ساتھ کتابیں بھیجیں جن میں سچی خبریں اور نبی بر عدل او امر تھے، جو اصول و فروع میں اختلاف کرنے والوں کے درمیان قول فیصل کا درجہ رکھتی تھیں۔

یہود و نصاریٰ نے اللہ کی کتابوں میں (سب کچھ جاننے کے باوجود) اختلاف کیا، اور اس کا سبب اُن کا آپس کا حسد و عناد تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے فضل و کرم سے حق کی طرف ہدایت دی۔ وہ تمام کتبِ سماویہ پر ایمان لائے، پھر قرآن پر ایمان لائے، اور ان تمام امور میں اعتدال کی راہ اختیار کی جن میں یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

مصنف عبد الرزاق میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم مسلمان زمانہ کے اعتبار سے آخر میں آئے ہیں، قیامت کے دن اولین لوگوں میں سے ہوں گے، ہم لوگ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، حالانکہ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب ملی ہے، اور ہمیں بعد میں کتاب ملی، لیکن اللہ نے ہمیں حق کی طرف اپنے فضل و کرم سے ہدایت دی۔ لوگوں نے جمعہ کے دن کے بارے میں آپس میں اختلاف کیا، تو اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم نے جمعہ کا دن اختیار کر لیا

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مِمَّا انْفَقُم مِّنْ خَيْرِ مَّا لِيَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ
السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں (۳۰۲)، آپ کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم چاہو خرچ کرو والدین کے لئے، رشتہ داروں کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں کے لئے، اور مسافروں کے لئے، اور تم جو کار خیر بھی کرو گے، اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا علم ہوتا ہے ﴿۲۱۵﴾

اور لوگ ہمارے تابع بن گئے، یعنی ہفتہ کا دن یہود نے اختیار کر لیا، اور نصاریٰ نے اتوار کا دن.

(۳۰۲) اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کا امتحان لیتا ہے، اور جس کا حسن درجہ کا ایمان ہوتا ہے، اسی درجہ کا اس کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ گذشتہ انبیاء و مومنین کے ساتھ یہی اللہ کی سنت رہی ہے، اور اللہ کی یہ سنت بدل نہیں سکتی۔ جو بھی اللہ کے دین پر چلے گا اس کی آزمائش ہونی ضروری ہے، تو جو لوگ صبر و استقامت سے کام لیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں سعادت نصیب فرمائے گا۔ اور جو لوگ آزمائش میں پورے نہیں اتریں گے اور دنیاوی پریشانیوں اور مصائب و آلام کو عذابِ آخرت تصور کر لیں گے، انہیں آخرت میں محرومیوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اللہ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ بغیر امتحان و آزمائش سے گذرے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک تمہاری ویسی آزمائش ہوئی ہی نہیں، جیسی آزمائش گذشتہ انبیاء اور مومنین کی ہوئی۔ ان پر جو مصیبتیں آئیں ان کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انبیاء اور ان پر ایمان لانے والے شدت کرب و الم سے چیخ پڑے کہ اے اللہ! اب تو اپنی مدد بھیج دے۔ اور جب ان کا امتحان ہو چکا تو اللہ نے کہا کہ ہاں، اب اللہ کی مدد میرے مومن و صالح بندوں سے قریب ہے، کیونکہ اللہ تو ہر چیز پر ہر وقت قادر ہے۔ اللہ تو آزمانا چاہتا تھا کہ میدانِ عمل میں کون بندہ صادق ہے۔

بخاری نے خواب بن الأرت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سامنے میں ایک چادر کو نگیہ بنائے لیٹے تھے، اور مشرکین کی زیادتی انہما کو پہنچ رہی تھی، تو ہم نے کہا کہ اب تو ہمارے لئے اللہ کی مدد مانگئے، اب تو ہمارے لئے دعا کیجئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے زمانہ میں مسلمان آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا، اور خندق کھود کر گاڑ دیا جاتا تھا، پھر آری سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، یا لوہے کے کنگھے سے اس کا گوشت ہڈی سے الگ کر دیا جاتا تھا، لیکن یہ عذاب اُسے اس کے دین سے نہیں پھیرتا تھا۔ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ اس دین کو پورا کرے گا، یہاں تک ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک جائے گا اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا ڈر نہیں ہوگا، یا چرواہا اپنی بکریوں کے بارے میں بھیریا سے ڈرے گا، لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔

(۳۰۳) لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ وہ اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا، اور ان کی رہنمائی فرمائی کہ وہ کوئی بھی مال حلال اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہیں، چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اس کے بعد آپ نے انہیں بتایا کہ اس سوال سے زیادہ اہم یہ جاننا ہے کہ مال کن پر خرچ کیا جائے۔ چنانچہ انہیں تعلیم دی کہ انسان کی نیکی اور حسن سلوک کے سب سے زیادہ حقدار اس کے والدین ہیں، ان پر خرچ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سب سے بڑی نیکی ہے۔ اور ان کے ضرورت مند ہونے کے باوجود ان پر نہ خرچ کرنا ان کی سب سے بڑی نافرمانی ہے۔

مسند احمد میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اپنی ماں اور باپ پر خرچ کرو، اپنی بہن اور بھائی پر خرچ کرو، اس کے بعد حسب مراتب قریبی رشتہ داروں پر“۔ والدین کے بعد حسب مراتب دوسرے رشتہ داروں، ایتام، مسکین و فقراء اور ان مسافروں

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَلْفٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ يَتْلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالنَّسِيءُ الْحَرَامُ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَبْذُوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَن دِينِهِ فَمَا كَانَ مِن قَوْلِكَ حَاطَتِ أَعْيَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

تم پر جہاد (۳۰۳) فرض کر دیا گیا ہے، اگرچہ وہ تم کو ناپسند ہے، اور بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے لئے اچھی ہے، اور بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بُری ہے، اور اللہ جانتا ہے، اور تم لوگ نہیں جانتے ﴿۲۱۶﴾ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے (۳۰۵) کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا کیسا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکنا ہے، اور اس کا انکار کرنا ہے، اور مسجد حرام سے روکنا، اور مسجد حرام والوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے، اور (اہل توحید کو ان کے دین و عقیدہ کے بارے میں) آزمائش میں ڈالنا قتل سے بڑا گناہ ہے، اور (اے مسلمانو!) اہل کفر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر ان کی استطاعت میں ہو تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں گے، اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، اور پھر حالت کفر میں ہی مر جائے گا، تو اس کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے، اور وہ لوگ جہنمی ہوں گے، اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۱۷﴾

پر خرچ کرنا چاہئے جن کا زور اہم ہو گیا ہو، اور اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے پیسوں کے محتاج ہوں۔ اس تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے علیٰ وجہ الإجمال یہ فرمایا کہ اے مسلمانو! تم جو بھی کار خیر کرو گے، چاہے ان لوگوں کے ساتھ جن کا زور اوپر آچکا، یا اوروں کے ساتھ، تو اللہ سے جانتا ہے اور اس کا بہترین بدلہ تمہیں عطا فرمائے گا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿أَنْتُمْ لَا تُضَيِّعُ عَمَلًا غَامِلٍ مِنْكُمْ مَنْ ذَكَرَ أَوْ أَنْفُسًا﴾ کہ مرد ہو یا عورت، میں کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۱۹۵)۔

نیز فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ کہ جو کوئی ایک ذرہ کے برابر نیکی کرے گا، اسے (روزِ قیامت اپنے میزانِ عمل میں) دیکھ لے گا۔ (الزلزال: ۷)۔

(۳۰۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرض قرار دیا ہے۔ مدنی زندگی کے ابتدائی دنوں میں مسلمان ہر اعتبار سے کمزور تھے، ان کی تعداد کم تھی اور ان کے پاس سامان جنگ بھی نہیں تھا، اس لئے اللہ نے انہیں عفو و درگزر اور صبر کرنے کا حکم دیا، جنگ بدر کے قبل جب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی اور پہلے کے مقابلہ میں قوی ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کا حکم دے دیا، اور کہا کہ اگرچہ اس کام میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے اور مختلف قسم کے خطرات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اللہ جانتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں مومنوں کے لئے خیر ہی خیر

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٠٦﴾
 بے شک جو لوگ ایمان (۳۰۶) لائے، اور اللہ کے لئے اپنا گھربار چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ﴿۲۱۸﴾

ہے۔ دشمنوں کے اوپر غلبہ اور مالی غنیمت کے حصول کے علاوہ آخرت کی کامیابی اور جہنم سے نجات اس کا انجام ہوتا ہے۔ اس طرح انسان بعض چیزوں کو پسند کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ظاہری راحت کی خاطر جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دینے کا انجام دنیا میں ذلت و رسوائی، دشمنوں کا بلا و اسلامیہ پر قابض ہو جانا، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب اور جہنم کے عذاب کا سامنا ہوگا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ تمہاری بھلائی کس کام میں ہے صرف اللہ جانتا ہے، تم کچھ بھی نہیں جانتے، اس لئے اللہ کا جو حکم ہو اسے بجالانے میں ہی خیر ہے۔ چاہے اس میں مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے، اس لئے کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے مہربان ہے، وہ انہی باتوں کا حکم دیتا ہے جن کے بجالانے میں بندوں کی بھلائی ہے۔

(۳۰۵) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ عبداللہ بن جحش کی قیادت میں نخلہ کی طرف روانہ کیا، راستہ میں قریش کے ایک قافلہ سے ٹڈبھیڑ ہو گئی جو طائف کی طرف سے آ رہا تھا۔ ایک مسلمان تیر انداز نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا۔ چونکہ رجب کا مہینہ تھا جو حرمت والا مہینہ ہوتا ہے، اس لئے کفار قریش نے رسول اللہ ﷺ کو عار دلایا کہ تم لوگ تو حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں رکھتے، تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کہا کہ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ جس بات کا تم عار دلاتے ہو اگرچہ وہ بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کے دین سے روکنا، اللہ کا انکار کرنا، مسجد حرام سے روکنا، نبی کریم اور صحابہ کرام کو ان کے گھروں سے نکالنا، یہ جرائم اللہ کے نزدیک بڑے ہیں۔ اور لوگوں کو ان کے دین اسلام پر چلنے کی وجہ سے آزمائشوں میں ڈالنا تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور یہ تمام عیوب تمہارے اندر پائے جاتے ہیں، لیکن تمہیں اپنے عیوب نظر نہیں آتے، اور مسلمانوں کو ان کی ایک غلطی کا عار دلاتے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار جو آپ سے جنگ کرتے ہیں، ان کا مقصد آپ کو اور مسلمانوں کو دین اسلام سے نکال دینا ہے، جو وہ نہیں کر سکیں گے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا، اس کے سارے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے، اور اس کا ٹھکانا ہمیشہ کے لئے جہنم ہوگا۔

(فائدہ) جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں (شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، رجب) میں قتال جائز ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت منسوخ ہو چکی ہے، اس لئے کہ اس کے بعد نازل ہونے والی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں حکم دیا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں انہیں قتل کرو، اور کسی مہینہ کی استثناء نہیں کی۔

(۳۰۶) اہل ارتداد اور ان کے انجام بد کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے، اور اسلامی زندگی کی خاطر وطن، مال و دولت، خاندان اور دوست احباب چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے، اور اللہ کے دین کی نصرت اور دشمنان دین کا قلع قمع کرنے کے لئے جہاد کریں گے، وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا آثَمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَإِسْهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٣٠٤﴾

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال (۳۰۴) کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں، اور ان کے گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑے ہیں۔ اور آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ (۳۰۸) کریں، آپ کہہ دیجئے کہ جو (تمہاری ضروری اخراجات سے) زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم غور و فکر کر سکو ﴿۲۱۹﴾

(۳۰۷) شراب کی حرمت کے بارے میں سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی، اس کے بعد سورہ نساء کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم جب نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (النساء: ۴۳)۔ اور سب سے آخر میں سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ * إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَهُونَ * ﴿۱۰۱﴾ اے ایمان والو! شراب اور جو اور بُت اور قرعہ وغیرہ اور قمرے کے تیر، یہ سب گندی باتیں شیطان کا کام ہے۔ ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں عداوت اور بغض پیدا کر دے، اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے، تو اب کیا تم (شراب پینے سے) رُک جاؤ گے، (المائدہ: ۹۰-۹۱)۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ ہم رُک گئے، ہم رُک گئے۔

دور جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں لوگ شراب پیتے تھے، اس لئے جب اس کا استعمال حرام کر دیا گیا تو اس کے بعض ظاہری منافع کے پیش نظر، کچھ لوگوں کے ذہنوں میں ایک طرح کا اشکال باقی رہ گیا، اور رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا واقعی شراب حرام کر دی گئی ہے؟ اسی طرح لوگ ”جوا“ بھی کھیلا کرتے تھے، اور اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، تو اللہ نے فرمایا کہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ اور کچھ ظاہری منافع بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

شراب انسان کے عقل پر اثر انداز ہوتی ہے، جو اس کے جسم میں سب سے قیمتی متاع ہے۔ اور جنگ و جدال، گالی گلوچ، بہتان و زور اور ترک نماز و ترک اعمال صالحہ کا سبب بنتی ہے۔ اور ”جوا“ محتاجی، دشمنی اور بغض و حسد کا سبب ہوتا ہے۔ لوگوں نے شراب اور جوئے کے منافع کے بارے میں لکھا ہے کہ شراب کی لوگ تجارت کرتے ہیں، اور اس کے استعمال سے نشاط و طرب حاصل ہوتا ہے، اور معدہ کی اصلاح ہوتی ہے، اور ”جوا“ سے فقیروں کو نفع پہنچتا ہے۔

لیکن فسادِ عقل کے بعد کسی ظاہری نفع کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی، اس لئے کہ عقل کے ذریعہ ہی آدمی ایمان و کفر اور خیر و شر میں تمیز کرتا ہے۔ علمائے کرام اور محققین نے اس کے علاوہ بھی شراب کے بہت سے نقصانات بتائے ہیں، مثال کے طور پر: اس سے پیاس نہیں بجھتی، بچوں کی ذہنی اور جسمانی ترقی رُک جاتی ہے، قوتِ ارادی کمزور ہو جاتی ہے، بی بی کی بیماری

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتِيمِ قُلْ إِصْلَاحُهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَاعْتَدْتُمْ لَهُمُ الرِّجَالَ ذُرِّيَّةً ۖ

دنیوی اور آخری امور کے بارے میں۔ اور آپ سے یتیموں (۳۰۹) کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ جس میں ان کے مال کی اصلاح ہو، وہی بہتر ہے، اور اگر تم اپنا کھانا، ان کے کھانے کے ساتھ ملا دو گے (تو کوئی حرج نہیں) کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یتیم کے مال کو کون خراب کرنے والا ہے اور کون اس کی اصلاح کرنے والا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت و پریشانی میں ڈال دیتا، بے شک اللہ زبردست اور بڑا صاحب حکمت ہے ﴿۲۲۰﴾

ہوتی ہے، دل اور خون کی نالیوں پر اثر انداز ہوتی ہے، اور بھی بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہے جن کا ذکر شراب سے متعلق لکھی گئی کتابوں میں آیا ہے۔ اسی طرح ”جو“ انسان کو محتاجی تک پہنچا دیتا ہے، اس کی وجہ سے ایسی عداوتیں پیدا ہوتی ہیں جو قتل و غارت گری اور ایک دوسرے کی عورتوں کی عصمت درمی کا سبب بنتی ہیں، والعیاذ باللہ۔ (۳۰۸) بعض صحابہ کرام نے زکاۃ فرض ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال کا کتنا حصہ خرچ کریں، تو اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اہل و عیال پر خرچ کرنے کے بعد جو بچ جائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ہی اپنی آیتیں کھول کھول کر تم لوگوں کے لئے بیان کر دیتا ہے، تاکہ تم لوگ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی حقیقت کے بارے میں غور و فکر کرتے رہو۔

صحیحین میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی ضرورت پوری ہونے کے بعد ہو، اور ابتدا اس آدمی سے کرو جس کی کفالت تمہارے ذمہ ہو۔

(فائدہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ حکم فرضیت زکاۃ والی آیت کے ذریعہ منسوخ ہو گیا ہے، اور عطاء خراسانی اور سدی وغیرہ کا خیال ہے کہ آیت زکاۃ کے ذریعہ اس حکم کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے کہ آدمی اپنے مال میں سے کیا خرچ کرے اور کن لوگوں پر خرچ کرے۔

(۳۰۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت اتری: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو مستحسن ہو۔ (الانعام: ۱۵۲)۔ اور یہ آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ اور جو لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ اور وہ دوزخ میں جائیں گے۔ (النساء: ۱۰)۔

تو تمام صحابہ کرام نے جن کے گھروں میں یتیم تھے، ان کا کھانا پینا الگ کر دیا، اور جب ان کے کھانے کا کچھ حصہ بچ جاتا تو اسے اٹھا رکھتے، یا تو یتیم اسے کھاتا یا پھر خراب ہو جانے کے بعد اسے پھینک دیا جاتا۔ یہ چیز ان پر بڑی شاق گذری، اور اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو سورہ بقرہ کی آیت اتری کہ مقصود یتیموں کے مال کی حفاظت ہے، اور اگر انہیں کھانے وغیرہ میں شریک کر لیا جائے اس طور پر کہ نیت ان کے ساتھ بھلائی کرنی ہو، ان کا مال کھانا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں،

وَلَا تَتَّبِعُوا الشُّرُكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا بِالْأَمَّةِ الْمُؤْمِنَةِ خِذْلُ مَشْرِكَةٍ وَلَا تَعْجَبَكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الشُّرُكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا بِالْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ خِذْلُ مَشْرِكَةٍ وَلَا تَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٣١٠﴾

اور مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں، نکاح (۳۱۰) نہ کرو، اور مومنہ لونڈی آزاد مشرکہ عورت سے بہتر (۳۱۱) ہوتی ہے، چاہے تمہیں بہت اچھی لگے، اور مشرک مردوں سے اپنی عورتوں کا نکاح (۳۱۲) نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہوتا ہے، چاہے وہ تمہیں بہت اچھا لگے، یہ (مشرکین) جہنم کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۳۱۱﴾

چاہے ان کے کھانے کا کچھ حصہ تم یا تمہارے بچے کھا جائیں، کیونکہ وہ دینی بھائی ہیں، اور دینی اخوت خاندانی اخوت سے زیادہ قوی اور جہتی براخلاص ہوتی ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کس کی نیت یتیم کی خیر خواہی ہے، اور کس کی اس کا مال حیلہ بہانا سے کھانا، اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت و پریشانی میں ڈال دیتا اور ان کا کھانا الگ رکھنے کا حکم دیتا، اور کوئی چیز اسے اس سے نہ روک سکتی تھی، اس لئے کہ اللہ تو ہر چیز پر غالب آنے والا اور صاحب حکمت ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، حاکم)۔

(فائدہ) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح رہیں گے، اور اپنی شہادت کی انگلی اور پجلی انگلی سے اشارہ کیا اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ بنایا۔ (بخاری و مسلم)۔

(۳۱۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکہ اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اہل کتاب کی عورتوں کو بھی شامل ہے۔ اس کے بعد سورہ مائدہ کی آیت نے اس کی تخصیص کر دی اور اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا جائز ہو گیا۔ آیت یہ ہے: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور مومنہ پاکدامن عورتوں سے اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے شادی کرنا تمہارے لئے جائز کر دیا گیا۔ (المائدہ: ۵)۔

بعض دیگر محققین نے لکھا ہے کہ مشرک اور مشرکہ کا لفظ کتابی اور کتابیہ کو شامل نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ دونوں میں تفریق کی ہے اور ایک کے بعد دوسرے کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ﴾ (البینۃ: ۶)۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرک کے مذہب کی بنیاد ہی شرک پر ہے، جبکہ کتابی کے دین کی بنیاد توحید پر تھی، مرور زمانہ کے ساتھ انہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا دیا۔ معلوم ہوا کہ مشرکہ سے نکاح کی حرمت میں اہل کتاب کی عورتیں شامل نہیں ہیں۔

(۳۱۱) مشرکہ کے ساتھ حرمت نکاح کی علت بیان کی گئی ہے، اور مومنہ سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، کہ غلامی کی ذلت کے باوجود، ایمان کی نعمت کفر و شرک پر ہر طرح بھاری ہے۔ چاہے مشرکہ کا حسن و جمال اور اس کا حسب و نسب تمہیں کتنا ہی کیوں نہ بھارہا ہو۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَيْمُونِ ۖ قُلْ هُوَ أَذَىٰ ۖ فَأَعْتَزِلُوا إِلَيْهَا فِي الْمَعِيضِ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَاضِعِينَ ۖ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٣١٣﴾

اور لوگ آپ سے حیض (۳۱۳) کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ گند اور نقصان دہ خون ہوتا ہے، اس لئے حالت حیض میں اپنی عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان کے قریب نہ جاؤ، پس جب خون سے اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے ساتھ اس جگہ جماع کرو جہاں جماع کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اور خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۳۲۲﴾

(۳۱۲) مومنہ عورت (چاہے آزاد ہو یا لونڈی) کی شادی مشرک کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں ہے، اُمت کا اس پر اجماع ہے۔ یہاں بھی اس حرمت نکاح کی علت بیان کی گئی ہے، کہ مومن طوقِ غلامی کے باوجود مشرک سے ہر طرح سے بہتر ہے، چاہے مشرک کیسا ہی مال و دولت اور جاہ و حشم والا کیوں نہ ہو، اس لئے مومنہ عورت کی شادی صرف مومن مرد ہی کے ساتھ حلال ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری وجہ حرمت بیان کی کہ مشرک عورتیں اپنے شوہروں کو اور مشرک مرد اپنی بیویوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے ذریعہ رضائے الہی اور جنت کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں، حرام شادیوں سے بچیں، اور رشتہ ازدواج صرف مومن مردوں اور عورتوں کے ساتھ استوار کریں۔

(فوائد)

- ۱- مشرک اور بدعتی کے ساتھ میل جول رکھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اپنے ہر قول و فعل کے ذریعہ جہنم کی طرف بلاتا ہے۔
- ۲- عورت کا نکاح بغیر ولی کے معتبر نہیں ہوگا، اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ یعنی اپنی عورتوں کا نکاح مشرکین کے ساتھ نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ عورت کی شادی اس کا ولی کرے گا، وہ خود اپنی شادی نہیں کرے گی۔
- ۳- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ سے شادی کو مکروہ سمجھا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان مرد اپنی عورتوں کو چھوڑ کر کتابیات سے شادی کرنے لگیں۔

۴- اس آیت میں ترغیب دلائی گئی ہے کہ مومن مردوں اور عورتوں کی شادی انہی جیسے مومن مردوں اور عورتوں سے ہونی چاہئے۔ اور کافر مردوں اور عورتوں سے رشتہ ازدواج نہیں جوڑنا چاہئے۔ صحیح احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے شادی چار اسباب کی وجہ سے کی جاتی ہے: مال و دولت، حسب و نسب، حسن و جمال اور دینداری، تم دیندار عورت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا ایک عارضی متاع (فائدہ کی چیز) ہے، اور دنیا کی سب سے بہترین متاع ”نیک بیوی“ ہے۔

(۳۱۳) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہود اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے، اور نہ ایک گھر میں ان کے ساتھ سوتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ کیسا معاملہ کریں، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ آپ انہیں بتا دیجئے کہ ماہواری کا خون گند اور نقصان دہ ہوتا ہے، اس لئے

نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأَتُواخْرَجَكُمْ إِلَى شَتَتُمْ وَقَدْ مَوْلَا أَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ وَ
بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، تم اپنی کھیتی میں جدھر سے چاہو آؤ (۳۱۳)، اور اپنے لئے اللہ کے پاس نیکیاں (۳۱۵) بھیجتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ تم لوگ اس سے ملنے والے ہو، اور (اے نبی) آپ مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے ﴿۲۲۳﴾

مدت حیض میں ان کے ساتھ جماعت نہ کرو، اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ، اور جب تک پاکی حاصل نہ کر لیں ان کے ساتھ جماع نہ کرو، اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں، اور نجاستوں اور گندگیوں سے پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(فوائد)

۱- آیت میں ممانعت جماع سے ہے، ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، لینے اور جماع کے علاوہ دیگر امور استمتاع کی ممانعت نہیں ہے۔

صحیحین میں اُم المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ لیٹتے تھے اور میں حائضہ ہوتی تھی اور میرے اور ان کے درمیان صرف ایک کپڑا ہوتا تھا۔

۲- حیض آنے کے بعد بہتوں کے نزدیک جماع کے جواز کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ حیض کا خون آنا بند ہو جائے، اور دوسری یہ ہے کہ عورت غسل کر لے۔ اگر غسل کے لئے پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر لینا کافی ہوگا۔ امام شوکانی کے نزدیک یہی راجح ہے، لیکن امام ابن حزم اور دیگر بہت سے علماء کا خیال ہے کہ غسل کرنا شرط نہیں۔ اگر عورت انقطاع دم کے بعد اپنی شرمگاہ اچھی طرح صاف کر لیتی ہے تاکہ وہاں خون کا کوئی اثر باقی نہ رہے، تو پھر جماع جائز ہوگا۔ محدث شام علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب (آداب الزفاف) میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

۳- خون رُک جانے کے بعد حائضہ کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

(۳۱۳) یہود کہا کرتے تھے کہ اگر عورت کے ساتھ اس کی پشت کی طرف سے اس کے فرج (اگلی شرمگاہ) میں جماع کیا جائے، تو بچہ بھیجے پیدا ہوتا ہے، ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اور بیوی کے ساتھ کسی بھی طرف سے اس کی اگلی شرمگاہ میں جماع کرنا جائز ہے، اور اس سے بچے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (بخاری و مسلم)۔

اس آیت کے شان نزول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے جسے ابو داؤد اور حاکم نے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ قبل از اسلام انصار کے بعض محلے بعض یہودی محلوں کے آس پاس تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہود ان سے علم و فضل میں زیادہ ہیں، اس لئے بہت سی باتوں میں ان کی پیروی کرتے تھے۔ اور اہل کتاب اپنی بیویوں کے ساتھ پہلو کی طرف سے جماع کرتے تھے۔ اس لئے انصار میں بھی یہی عادت چل پڑی تھی۔ اہل قریش اپنی بیویوں سے زیادہ سے زیادہ تَلْدُذ کے لئے آگے سے، پیچھے سے، اور پت لپٹی ہوئی حالت میں جماع کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد ایک مہاجر نے ایک انصاری عورت سے شادی کی اور ایسا ہی کرنا چاہا تو عورت نے نکیر کی، اور کہا کہ ہمارے لوگ اپنی بیویوں کے پاس پہلو کے بل آیا کرتے ہیں ویسا ہی کرو، ورنہ مجھ

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصَلُّوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣١٦﴾

اور تم لوگ اپنی قسموں (۳۱۶) میں اللہ کو آڑ نہ بناؤ، تاکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی، تقویٰ اور ان کے درمیان اصلاح کا کام نہ کرو، اور اللہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے ﴿۳۱۶﴾

سے الگ رہو۔ ان دونوں کی بات لوگوں میں پھیل گئی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کی بات معلوم ہو گئی، اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ﴿نَسَاؤُكُمْ حَزَنٌ لَكُمْ الْآيَةُ﴾

(۳۱۵) چونکہ بات قضائے شہوت سے متعلق ہو رہی تھی، اسی لئے اللہ نے تنبیہ کی کہ آدمی کو شہوت کی بندگی سے آزاد ہو کر ہمیشہ اللہ کی بندگی اختیار کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ حصولِ جنت کے لئے نیک اعمال کرو، اور یاد رکھو کہ موت کے بعد اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، اس لئے اس کی ملاقات کے لئے تیار رہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا کہ آپ اہل ایمان کو اچھے بدلے کی خوشخبری دے دیں۔

(فائدہ)

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے ذہن (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنا حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ جماع کی اجازت دی ہے جو کھیتی کی جگہ ہے۔ اور وہ اگلی شرمگاہ ہے، وہیں جماع کرنے سے اولاد ہوتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف روزِ قیامت دیکھے گا بھی نہیں جو اپنی بیوی کے ذہن یعنی پچھلی شرمگاہ میں جماع کرے گا“۔ (ابن ماجہ)۔ محدثِ سندی کہتے ہیں کہ ابو داؤد اور ترمذی میں بھی اسی معنی کی روایت موجود ہے۔

ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں تو ہلاک ہو گیا، آپ نے پوچھا کہ کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا؟ تو اس نے کہا کہ آج کی رات میں نے اپنی سواری کو اُلٹ دیا تھا، یعنی پیٹ کے بل لیٹی ہوئی حالت میں جماع کیا، آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتوں میں آگے سے، پیچھے سے، جیسے چاہو، آؤ، لیکن ذہن سے اور حیض سے بچے رہو۔ اس حدیث کو دارمی نے بھی روایت کی ہے۔

(۳۱۶) اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ مسلمان جب قسم کھائے تو اسے پورا کرے، لیکن اگر قسم ایسی ہو جو کسی عملِ صالح کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو، تو ایسی قسم توڑ دی جائے گی اور اس نیک کام کو پورا کیا جائے گا۔ اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا جائے گا۔

بعض لوگ اپنے بعض رشتہ داروں سے کسی وقتی اختلاف اور ناراضگی کی وجہ سے قسم کھا لیتے تھے کہ آئندہ اس کے ساتھ وہ بھلائی جاری نہیں رکھیں گے جو وہ پہلے سے کرتے آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ اپنی قسموں کو نیکی، تقویٰ اور بھلائی کی راہ میں رکاوٹ نہ بناؤ۔

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، اگر میں کسی بات پر قسم کھا لوں اور بعد میں اس سے بہتر صورت نظر آجائے، تو ان شاء اللہ میں وہی کروں گا جو بہتر ہے اور قسم توڑ دوں گا۔ اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی قسم کھائے اور بعد میں اس سے

لَا يُؤْخَذُكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخَذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ فَلَوْ بَكُمُ اللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٣١٧﴾
 الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ قَامُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣١٨﴾

اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا (۳۱۷)، لیکن ان (قسموں) پر تمہارا مواخذہ کرے گا، جنہیں تم نے دل سے کھائی ہوئی، اور اللہ مغفرت کرنے والا اور بڑا بردبار ہے ﴿۲۲۵﴾ جو لوگ اپنی بیویوں سے جماع کی قسم کھالیں (۳۱۸)، ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے، اس کے بعد اگر وہ رجوع کر لیں، تو اللہ مغفرت کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۲۶﴾

بہتر کوئی دوسری صورت نظر آئے، تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے اور وہی کرے جو بہتر ہے۔

(فوائد)

۱- مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں ہر بات پر قسم کھانے کی ممانعت آتی ہے۔

۲- اگر کوئی شخص ترک واجب کی قسم کھاتا ہے تو قسم توڑ دینا واجب ہوگا، اور اگر ترک مستحب کی قسم کھاتا ہے تو قسم توڑنا مستحب ہوگا۔ اور اگر کوئی حرام کام کے ارتکاب کی قسم کھاتا ہے تو اس پر بھی قسم توڑ دینا واجب ہوگا۔

(۳۱۷) بسا اوقات انسان کی زبان پر قسم کے الفاظ آجاتے ہیں، ان سے اس کی کوئی نیت نہیں ہوتی، ایسی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ نے اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے بندوں کو خبر دی ہے کہ ایسی قسم پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کریں گے۔ مواخذہ اس قسم پر ہوگا جس میں دل کے قصد کا دخل ہو۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غیر شعوری طور پر (لا والله، بلی

والله) کہہ دیتے تھے۔ (بخاری، موطا، ابوداؤد)۔

(فائدہ) مفسرین نے لکھا ہے کہ (لغو قسم) ہر وہ قسم ہے جس میں الفاظ کے ساتھ دل کی نیت شامل نہ ہو۔ چاہے وہ کوئی بھی صورت اور کوئی بھی حالت ہو۔ اور ایسی قسم پر مواخذہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(۳۱۸) یہاں ایک خاص نوع کی ”قسم“ کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، جسے قرآن و سنت کی زبان میں ”ایلاء“ کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں اگر اس نے چار ماہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی ہے تو اس کی حیثیت عام قسم کی ہوگی۔ اگر مدت پوری ہونے سے قبل ہمبستری کر لیتا ہے، تو اسے کفارہ دینا ہوگا، اور اگر مدت پوری کر لیتا ہے، تو اس پر کوئی کفارہ نہیں، اور اگر اس نے ہمیشہ کے لئے یا چار ماہ سے زیادہ کے لئے قسم کھائی ہے، تو اسے بیوی کے مطالبہ پر صرف چار ماہ کی مدت دی جائے گی۔ اگر یہ مدت پوری کر لینے کے بعد وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کر لیتا ہے تو اس پر صرف کفارہ واجب ہوگا، اور اگر ہمبستری نہیں کرتا تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہیں دیتا تو عورت سے دفع ضرر کے لئے حاکم وقت شوہر کی طرف سے طلاق کو نافذ کر دے گا۔

لیکن چونکہ بیوی کے پاس واپس چلا جانا اللہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اگر قسم کھانے والا آدمی اپنی بیوی کے پاس واپس چلا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہمبستری کر لیتا ہے تو جو غلطی اس سے سرزد ہوئی تھی اللہ اسے معاف

وَأَنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِدَرَجَتِهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِضْلَامًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

۳۲۰

اور اگر طلاق کی نیت کر لیں (۳۱۹) تو اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۲۷﴾ اور مطلقہ عورتیں تین حیض (۳۲۰) گذر جانے تک انتظار کریں گی، اور اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں، تو جو بچہ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کر دیا ہے اسے چھپانا ان کے لئے حلال نہیں۔ اور ان کے شوہر اگر اصلاح کی نیت رکھتے ہوں، تو انہیں لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور بیویوں کے (شوہروں پر) محرف عام کے مطابق حقوق ہیں، جس طرح شوہروں کے ان پر حقوق ہیں، اور مردوں کو عورتوں پر ایک گنا فوقیت حاصل ہے، اور اللہ زبردست اور بڑا صاحبِ حکمت ہے ﴿۲۲۸﴾ کر دے گا، اور اللہ مومنوں پر رحم کرنے والا ہے کہ کفارہ دے کر قسم توڑ دینے کی اجازت دے دی، اللہ چاہتا تو اسے لازم کر دیتا۔ (۳۱۹) اگر شوہر مدت گذر جانے کے بعد طلاق کا ارادہ کر لیتا ہے، اور ایسا کر گذرتا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ حاکمِ وقت اسے مجبور کرے گا، یا اس کی طرف سے طلاق دے دے گا۔

آیت کے آخر میں ایک قسم کی دھمکی ہے ان کے لئے جو اپنی بیویوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اس طرح کی قسمیں کھایا کرتے ہیں۔

(فائدہ) آیت کریمہ میں دلیل ہے اس بات کی کہ ہر چار ماہ میں کم از کم ایک بار بیوی کے ساتھ ہمبستری واجب ہے، اس لئے کہ ایلاء کی قسم کھا جانے کی صورت میں آیت کے بموجب شوہر کو چار ماہ کے بعد مجبور کیا جاتا ہے کہ یا تو اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرے، یا پھر طلاق دے دے۔

(۳۲۰) اس آیت کریمہ میں ایسی مطلقہ عورت کی عدت بیان کی گئی ہے جس کی ماہواری ابھی رُک نہ ہو، اور جس کے ساتھ اس کا شوہر ہمبستری کر چکا ہو، کہ اگر اس کا شوہر اسے طلاقِ رجعی دے دے، تو اس کی عدت تین ماہواری ہوگی۔ قرآن کریم نے ﴿ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے، صحیح قول یہی ہے کہ (قُرُوءٌ) سے مراد حیض ہے، یعنی عورت کو تین حیض کی مدت بطور عدت گذارنی پڑے گی، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے رحم میں بچہ نہیں ہے۔ اور مقصود اس سے یہ ہے کہ لوگوں کا نسب خلط ملط نہ ہو۔ اسی لئے عورت کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ اپنے رحم کی حالت چھپائے۔ اگر حمل کو چھپائے گی تو بچے کو اس کے غیر باپ کے ساتھ ملائے گی جس کے بدترین اور سنگین نتائج ظاہر ہوں گے، بچہ اپنے خاندان اور حقِ وراثت سے محروم ہو جائے گا، محرم عورتیں اس سے پردہ کریں گی، بلکہ بہت ممکن ہے وہ اپنی کسی محرم عورت سے شادی کر لے۔ اسی طرح جس غیر باپ کی طرف وہ منسوب کر دیا جائے گا اس کے مال کا ناجائز وارث ہوگا، اس کی عورتوں کا غیر شرعی محرم بن جائے گا، اور شر و فساد کے دیگر ایسے دروازے کھل جائیں گے، جنہیں کوئی بند نہ کر پائے گا۔ مثال کے طور پر اگر وہ عورت حمل کو چھپا دیتی ہے اور کسی دوسرے سے شادی کر لیتی ہے تو یہ شادی حرام ہوگی، اور دوسرے آدمی کا اس کے ساتھ جماع کرنا ناجائز ہوگا۔

اور اگر حیض کو چھپا دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ طلاق کے بعد تین ماہواری گذر چکی، تو اس نے شوہر کا حقِ رجعت ختم کر دیا۔ اور اپنے آپ کو دوسرے آدمی کے لئے غیر شرعی طور پر مباح کر دیا۔ اور اگر کہتی ہے کہ ابھی تین ماہواری نہیں گذری

الطَّلَاقِ مَرْثُومٌ وَأَمَّا الْكَعْبُورُ أَوْ سُرِّيَةٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِأَعْيُنِكُمْ حَتَّىٰ تَبْلُغُوا الْبُقْعَةَ الَّتِي كُنْتُمْ فِيهَا ۚ وَاللَّهُ يَدْرُسُ مَا تَعْمَلُونَ ۚ

طلاق شرعی (دو طہروں میں) دوبار (۳۲۱) ہے، اس کے بعد یا تو نیک نیتی کے ساتھ بیوی کو روک لو، یا بھلائی کے ساتھ اسے چھوڑ دو، اور تم نے جو کچھ انہیں (مہر میں) دیا تھا، اس میں سے کچھ واپس لینا حلال نہیں (۳۲۲)، الایہ کہ میاں بیوی کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کے حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے، اگر تمہیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے، اس لئے بیوی اگر کچھ مال (شوہر کو) بطور فدیہ دے دے (۳۲۳)، تو ان دونوں کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں، یہ اللہ کے حدود ہیں، انہیں تجاوز نہ کرو، اور جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کر جائیں وہی لوگ ظالم ہیں ﴿۲۲۹﴾

ہے، حالانکہ گزر چکی ہے، تو وہ ناحق نان و نفقہ لینا چاہتی ہے، جو اس کے لئے حرام ہے، اور اگر شوہر اسے رجوع کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہمبستری حرام ہوگی۔ اس لئے کہ عدت گزرنے کے بعد عقد جدید ضروری تھا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر شوہر کی نیت اصلاح کی ہے تو عدت گزر جانے سے پہلے اپنی بیوی کو لوٹا لینے کا وہ زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر عورتوں کے اوپر شوہروں کے حقوق ہیں، تو شوہروں کے اوپر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔ محرف عام کے مطابق کھانا، کپڑا، اچھا برتاؤ، رہائش اور ہمبستری وغیرہ عورتوں کے شوہروں پر حقوق ہیں، جنہیں ادا کرنا ضروری ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے، جس کا لحاظ بیویوں کو بہر حال کرنا ہے۔

(فوائد)

- ۱- یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ تین حیض کی مدت پوری ہو جانے کے سلسلے میں عورت کی بات مانی جائے گی۔
- ۲- اگر عورت کی ماہواری بند ہو چکی ہے یا ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچی ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔ اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور اگر شوہر نے ابھی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی ہے، تو اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔
- (۳۲۱) زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو بغیر تحدید عدد طلاق دیتے رہتے تھے، ایک طلاق کی مدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے، اور پھر طلاق دے دیتے تھے۔ اور مقصود عورتوں کو نقصان پہنچانا ہوتا تھا، اس ظالمانہ فعل سے بہت سی عورتوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تجھے الگ ہونے دوں گا اور نہ ہی تجھے پناہ دوں گا، عورت نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دوں گا، اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے تمہیں رجوع کر لوں گا۔ وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور انہیں یہ بات سنائی، تو عائشہ خاموش رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہیں ماجرا سنایا، آپ ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ شوہر دوبار طلاق دینے کے بعد یا تو رجوع کرے گا، یا تیسری طلاق دے دے گا۔ اس کے بعد عورت جہاں چاہے گی، اور جس سے چاہے گی شادی کر لے گی، اب شوہر کو مزید طلاق و رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

(فائدہ) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اسے ایک طہر میں ایک طلاق دینی چاہئے، اس کے بعد اگر رجوع نہیں کرتا ہے تو پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دینی چاہئے۔ آیت سے یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کوئی شخص ایک ہی بار دو طلاق دے دے تو دونوں واقع ہو جائے گی۔ دوسری طلاق کے بعد اگر چاہے تو عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لے، ورنہ تیسری طلاق دے کر ہمیشہ کے لئے رشتہ ازدواج کو ختم کر لے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ زن و شوہر کا رشتہ ازدواج اُلفت و محبت کی فضا میں ہمیشہ کے لئے استوار رہے، اور اگر کوئی عارضی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے تین طلاقوں کی مہلت دی ہے، تاکہ انسان کو بار بار سوچنے کا موقع ملے، اور عارضی ناراضگی ختم ہو جائے، اور شوہر اپنی بیوی کو رجوع کر لے، اگر ایک ہی طلاق رجعت سے مانع ہوتی، تو یہ عظیم مصلحت مفقود ہو جاتی اور بہت سے خاندان تباہ ہو جاتے، اور سوسائٹی میں ایسی خرابیاں پیدا ہو جاتیں جن کا تدارک ناممکن ہوتا۔

اسی طرح اگر ایک ہی مرتبہ کی تین طلاقیں یا ایک مجلس کی تین طلاقیں نافذ کر دی جائیں تو وہی خرابیاں پیدا ہوں گی جن سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین طلاقیں الگ الگ طہر میں دینے کا حکم دیا ہے، بہت سے خاندان تباہ ہو جائیں، بہت سے بچے بربادی کی راہ پر لگ جائیں، اور بہت سی بے گناہ عورتوں کی زندگی میں آگ صرف اس لئے بھرجائے کہ اس کے شوہر نے وقتی طور پر طیش میں آکر تین بار کلمہ طلاق اپنی زبان سے نکال دیا ہے۔

اسی لئے عہد نبوی، عہد ابو بکر، اور ابتدائے عہد عمر میں بالاتفاق ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔

امام مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عہد نبوی، عہد ابو بکر اور عہد عمر کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ لوگوں نے کثرت سے طلاق دینی شروع کر دی ہے، تو) کہا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، اس لئے ہم تین طلاقوں کو تین نافذ کر دیں گے، چنانچہ نافذ کر دیا۔ اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی، اس کے بعد انہیں اس پر بوزغم ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس طرح طلاق دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا ایک مجلس میں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ وہ سب ایک طلاق شمار ہوں گی، اگر چاہو تو رجوع کر لو، چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا یہ ان کی اپنی رائے تھی، جسے انہوں نے مصلحت عامہ کے تقاضے کے مطابق نافذ کر دیا تھا۔ ورنہ انہیں سنت کا پتہ تھا، اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین حقیقی طلاق اعتبار کرنے سے زیادہ ان کا یہ فیصلہ ایک تعزیری اور اجتہادی حکم تھا، تاکہ لوگ آئندہ طلاق دینے میں عجلت سے کام نہ لیں۔

بعض علماء نے اس مسئلہ پر اجماع قدیم کا دعویٰ کیا ہے اور بہت سے صحابہ کرام اور تابعین نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ امام داؤد ظاہری، بعض اصحاب مالک اور بعض احناف کا بھی یہی قول ہے، اور بعض اصحاب احمد اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس قول کی تائید قرآن و سنت، قیاس اور اجماع قدیم سب سے ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ایسا اجماع نہیں آیا جس نے اس اجماع قدیم کو باطل قرار دے دیا ہو۔

اب جبکہ حالات بدل چکے، اور نکاح حلالہ کا بازار گرم ہے، اور لوگ حرام کاری میں مبتلا ہیں، اور جہالت اس قدر عام

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَيْثُ تَزَوَّجَهَا غَيْرُهُ ۖ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَلَمَا ۚ إِنَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُقَوِّمُ بِهَا الْقَوْمَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٢٣﴾

اس کے بعد شوہر اگر بیوی کو تیسری طلاق دے دے (۳۲۳)، تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اُس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے، پھر اگر دوسرا شوہر اسے طلاق دے دے، تو دونوں کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ آپس میں مل جائیں، اگر انہیں یقین ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم رکھیں گے، اور یہ اللہ کے حدود ہیں، جنہیں وہ جاننے والی قوم کے لئے بیان کر رہا ہے ﴿۳۲۳﴾

ہے کہ اکثر لوگ جانتے بھی نہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین فرض کر لی جاتی ہیں، ضرورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلیفہ کی سنت کو زندہ کیا جائے، تاکہ قتنوں کا دروازہ بند ہو جائے اور نکاح حلالہ کا رواج ختم ہو۔ اس لئے کہ ہر بھلائی قرآن و سنت کی اتباع میں ہے، اور ہر شر اور ہر برائی ان دونوں سے انحراف میں ہے۔

(۳۲۲) یہاں شوہر کو نصیحت کی گئی ہے کہ اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بیوی کو تنگ کرے اور ایسے حالات پیدا کرے کہ اس سے نجات پانے کے لئے بیوی کو جو کچھ بطور مہربا ہدیہ وغیرہ دیا تھا واپس کر دے، تاکہ وہ اسے طلاق دے دے۔ ہاں اگر بیوی بطیب نفس کچھ دے دیتی ہے تو وہ شوہر کے لئے حلال ہوگا۔

(۳۲۳) یہ آیت احکامِ خلع کے بیان میں بنیاد مانی جاتی ہے۔ خلع یہ ہے کہ بیوی تھوڑا یا زیادہ مال دے کر شوہر کو طلاق دینے پر راضی کر لے، اس لئے کہ اس کے ساتھ کسی مجبوری کی وجہ سے ازدواجی زندگی نہیں گذارنا چاہتی۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی تھی، ان کی بیوی ان سے شدید نفرت کرتی تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں ثابت کے دین و اخلاق میں کوئی عیب نہیں لگاتی، لیکن اسلام کے بعد کفر کو کمرہ جانتی ہوں۔ یعنی ڈرتی ہوں کہ مجھ سے ان کے حق میں نافرمانی نہ ہوتی رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس کا باغ اسے واپس کر دو گی؟ اس نے کہا ہاں، تو آپ ﷺ نے ثابت سے کہا کہ باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔

(فائدہ) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع اسی صورت میں جائز ہے، جب قاضی کی نظر میں عورت کا عذر ثابت ہو جائے، بغیر عذر اور بغیر مجبوری کے اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے خلع کراتی ہے تو اس کے بارے میں احادیث میں بڑی شدید وعید آئی ہے۔

مسند احمد میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی مجبوری کے طلاق مانگے گی، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔

مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلع مانگنے والی اور اپنے شوہر سے جدائی مانگنے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں۔

(۳۲۳) یہاں مراد تیسری طلاق ہے، کہ اگر شوہر تیسری طلاق دے دے، تو وہ عورت اس کے لئے نہ رجعت کے ذریعہ حلال ہوگی، اور نہ ہی نکاح جدید کے ذریعہ، یہاں تک کہ کوئی اور مرد اس سے برضا و رغبت اور عرف عام کے مطابق ہمیشہ کے لئے

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَكَلِمَتُنَّ أَجَلُهُنَّ فَمَا سَلُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سِرِّخُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا
لِمَعْتَدٍ فَإِنَّ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوعًا وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا
أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُعْظَمَ بِهَا وَأَتَقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو (۳۲۵) اور ان کی عدت پوری ہونے لگے، تو انہیں نیک نیتی کے ساتھ روک لو، یا خوش اسلوبی کے ساتھ انہیں چھوڑ دو، اور انہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہ روکو، تاکہ حد سے تجاوز کرو، اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا، اور اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ اڑاؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، اور قرآن و سنت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اتارا ہے، جس کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتا ہے، اور اللہ سے ڈرو، اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ کا علم رکھتا ہے ﴿۲۳۱﴾

ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے شادی کرے، اور اس کے ساتھ ہمبستری کرے، پھر کسی وجہ سے اسے طلاق دے دے، تو نکاح جدید کے ذریعہ اسے اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دونوں کا غالب گمان ہو کہ دوبارہ وہ اچھی ازدواجی زندگی گزار سکیں گے، اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں گے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اور کہا کہ رفاعہ نے مجھے تیسری اور آخری طلاق دے دی تھی۔ اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر قرظی سے شادی کر لی، لیکن اس کا مردانہ آلہ تو کپڑے کے بھندنے کی مانند ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ شاید تم رفاعہ کی زوجیت میں دوبارہ جانا چاہتی ہو، ایسا نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ تم دونوں ایک دوسرے کی منگھاس کو چکھ لو (یعنی وہ تمہارے ساتھ جماع کر لے)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح حلالہ کے ذریعہ اگر کوئی آدمی اس عورت کے ساتھ جماع بھی کر لیتا ہے، تو وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے دونوں پر اللہ کی لعنت کی خبر دی ہے۔ اور جس پر لعنت بھیج دی گئی ہو وہ شادی صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اس لئے بھی کہ عرف عام کے مطابق شادی اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے کی گئی ہو۔ اور نکاح حلالہ پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ احادیث کی کتابوں میں نکاح حلالہ سے متعلق حدیثیں دیکھئے۔

حاکم نے نافع سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں دریافت کیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی، اس کے بعد اس کے ایک بھائی نے بغیر کسی سابق ساز باز کے اس سے شادی کر لی، تاکہ اسے اپنے بھائی کے لئے حلال بنا دے تو کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نہیں، ایسے نکاح کے بغیر حلال نہیں ہوگی، جو اس رعبت کے ساتھ کیا گیا ہو کہ اُس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ازدواجی زندگی گزارنی ہے، پھر فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسے نکاح کو نہ تصور کرتے تھے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۳۲۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے طلاق رجعی کا حکم بیان فرمایا ہے کہ ایک یا دو طلاق دینے کے بعد، عدت گزار جانے کے قبل چاہو تو نیک نیتی کے ساتھ رجوع کر لو، یا چاہو تو چھوڑ دو تاکہ اس کی عدت مکمل ہو جائے۔ اور دیکھو اسے نقصان پہنچانے کی نیت سے رجوع نہ کرو، کہ جب اس کی عدت ختم ہونے کو آئے تو رجوع کر لو اور پھر طلاق دے دو، تاکہ اس کی عدت کی مدت

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَا بَيْنَهُمَا بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُؤَظِّمُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ آذَنٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥

اور جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو، اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو انہیں اس بات سے نہ روکو (۳۲۶) کہ وہ اپنے گذشتہ شوہروں سے دوبارہ شادی کر لیں، اگر وہ مشروع شرائط کے مطابق آپس میں راضی ہو جائیں، یہ نصیحت تم میں سے انہیں کی جا رہی ہے، جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی اور طہارتِ نفس کی بات ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے ﴿۳۲۶﴾

طویل ہو جائے اور اسے پھر دوبارہ عدت گزارنی پڑے۔ اس لئے کہ یہ زیادتی ہے، اور ایسا کرنے والا خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے کہ اسے اللہ کے حدود کا پاس و لحاظ نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیتوں کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے کہ بیوی کو طلاق دے دیتے، یا کسی عورت سے شادی کر لیتے، یا کسی غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیتے اور پھر کہنے لگتے کہ ہم تو یونہی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی طلاق کو نافذ کر دیا، اور اس کی بے فائدہ توجیہ کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں، جو چاہے سنجیدگی سے کئے جائیں یا مذاق کی نیت سے وہ نافذ العمل ہوتے ہیں: نکاح، طلاق، اور بیوی کو رجوع کرنا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔
(۳۲۶) اس آیت میں مطلقہ غیر بائنے عورت کے ولی کو خطاب کیا گیا ہے کہ اگر ایک یا دو طلاق کے بعد عدت گذر جائے، اور پھر دونوں ایک دوسرے کو چاہیں، اور نکاح شرعی کے ذریعہ دوبارہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہیں تو انہیں نہ روکو اس لئے کہ اسی میں ہر خیر ہے۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن کے بارے میں نازل ہوئی، انہوں نے اپنی بہن کی شادی ایک مسلمان سے کر دی، کچھ مدت کے بعد اس نے ایک طلاق دے دی اور پھر رجوع نہیں کیا، عدت گذر جانے کے بعد دونوں نے ایک دوسرے میں رغبت ظاہر کی، اور اس آدمی نے دوبارہ پیغامِ نکاح دیا، تو معقل رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، اور کہا کہ اب یہ تیرے نکاح میں کبھی بھی نہ جائے گی، لیکن اللہ کو ان دونوں کی حاجت و رغبت کا علم تھا۔ اس لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ جب معقل رضی اللہ عنہ نے آیت سنی تو کہا کہ اے اللہ! میں نے تیری بات سنی، اور میں تیری اطاعت کرتا ہوں، پھر اس آدمی کو بلا کر کہا کہ میں اپنی بہن سے تمہاری شادی کر دوں گا اور تمہارا اکرام کروں گا۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)۔

(فائدہ) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو دوبارہ اپنے سابق شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے روکیں، اور روکنے کا حق اسی کو حاصل ہوگا جس کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ إِنْ رَضِعَ مِنْ سِوَى نِسْوَتِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ لَا تَكْلَفُ نَفْسٌ إِلَّا رِضْعَهَا ۚ لَا تَضَارُّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْرِعُوا بِأَوْلَادِكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا تَأْتِيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَأَتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (۳۲۷)، یہ ان کے لئے ہے جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہیں، اور باپ پر دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا کپڑا عرف عام کے مطابق واجب ہے، کوئی شخص بھی اس کی طاقت سے زیادہ (اللہ کی طرف سے) مکلف نہیں کیا جاتا، ماں کو اس کے بچے کی خاطر نقصان نہ پہنچایا جائے، اور نہ باپ کو اس کے بچے کی خاطر، (اگر باپ مر چکا ہے تو) اس کے ورثہ پر یہی ذمہ داری عائد ہوگی، اگر والدین آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے بچے کا دودھ دو سال سے پہلے چھڑانا چاہیں، تو ان دونوں کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں، اور اگر تم اپنے بچوں کو (دایہ رکھ کر) دودھ پلوانا چاہو، تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تم نے انہیں جو دینا طے کیا ہے، خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کرتوتوں کو دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۳﴾

(۳۲۷) نکاح و طلاق کے بعد مسئلہ رضاعت کا ذکر آیا ہے، اس لئے کہ طلاق ہو جانے کی صورت میں ممکن ہے کہ ان کا کوئی دودھ پینے والا بچہ ہو، تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس کی پرورش و پرداخت کیسے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مطلقہ مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں گی، یہ حکم اس کے لئے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنی چاہے۔ اگر کوئی ماں باپ اس سے کم ہی مدت کے بعد بچے کا دودھ چھڑا دینا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور باپ اس مطلقہ ماں کو جو دودھ پلائے گی عرف عام کے مطابق کھانا اور کپڑا فراہم کرے گا۔ اور جب وہ مطلقہ ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہو تو باپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ بچہ اس سے لے لے، یا یہ کہ دودھ پلانے کے باوجود اسے کھانا اور کپڑا فراہم نہ کرے۔

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ مطلقہ ماں، باپ کو نقصان پہنچانے کے لئے بچے کو اس کے پاس ڈال دے اور دودھ پلانے سے انکار کر دے، جبکہ بچہ ماں سے مانوس ہو، یا یہ کہ زیادہ پیسے کا مطالبہ کرے۔

اور اگر باپ اپنے بچے کے لئے کوئی دوسری دودھ پلانے والی دایہ مقرر کرنا چاہے (اس لئے کہ ماں نے انکار کر دیا، یا وہ دودھ پلانے سے مجبور ہے، یا شادی کرنا چاہتی ہے) تو بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ طبیب خاطر دایہ کو اس کی مناسب مزدوری دے۔

اور اگر باپ مر چکا ہے تو اس کے ورثہ پر وہی کچھ واجب ہوگا، جو اس کے باپ پر واجب تھا، یعنی وہ ماں سے بچہ کونہ چھینیں گے، اور اس کے اخراجات رضاعت پورے طور پر ادا کریں گے۔

(نوٹ)

۱- اس آیت کریمہ میں اللہ کی طرف سے اس بارے میں بھی رہنمائی ملتی ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے، اس کے بعد رضاعت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی لئے تو اللہ نے فرمایا: ﴿لَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْمِ الرِّضَاعَةَ﴾۔ اکثر ائمہ کرام کی یہی رائے ہے کہ حرمت اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے، جو دو سال کے اندر ہو۔ اگر بچے کی عمر دو سال سے زیادہ ہو جاتی ہے تو رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ترمذی نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ منہ کے ذریعہ دودھ چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھانسنے لگے (یعنی خوب آسودہ ہو کر پیئے) اور مدت رضاعت کے اندر ہو۔ دارقطنی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حرمت اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو دو سال کے اندر ہو۔ اور ابو داؤد طیالسی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدت رضاعت ختم ہو جانے کے بعد حکم رضاعت نہیں، اور بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد تیسری نہیں۔ قرآن کریم کی اسی صریح آیت اور انہی احادیث نبویہ کی وجہ سے بہت سے صحابہ و تابعین کا یہی مذہب تھا۔ علی بن ابی طالب، ابن عباس، ابن مسعود، جابر، ابو ہریرہ، ابن عمر، اُم سلمہ، سعید بن المسیب اور عطاء وغیر ہم کی یہی رائے ہے۔ اور شافعی، احمد، اسحاق اور سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ مدت رضاعت دو سال چھ ماہ ہے اور ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔

امام لیث بن سعد کا خیال ہے کہ اگر بڑے آدمی کو بھی کوئی عورت دودھ پلا دے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا بن جائے گا، اور حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، اور اس کی دلیل میں سہلہ بنت سہیل کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں محسوس کرتی ہوں کہ سالم کا میرے پاس آنا ابو حنیفہ (ان کے شوہر) کو گوارہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سالم کو دودھ پلا دو۔ سہلہ نے کہا میں کیسے دودھ پلا دوں، وہ تو بڑا مرد ہو چکا ہے؟ تو آپ ﷺ مسکرائے اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ بڑا مرد ہو چکا ہے۔ سہلہ نے ایسا ہی کیا، اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور بتایا کہ اب میں ابو حنیفہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں دیکھتی۔ ابو حنیفہ بدری صحابی تھے۔ (ابن ماجہ)۔ اس واقعہ کو امام مسلم، ابو داؤد اور امام مالک نے بھی روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو موسیٰ اشعری کی بھی یہی رائے تھی۔

لیکن ارجح یہی ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ اوپر دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ان کے پاس بیٹھا ہے، آپ نے پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے؟ تو عائشہ نے کہا کہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ ذرا سوچ لیا کرو کہ کون لوگ تمہارے پاس آتے ہیں، اس لئے کہ رضاعت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب وہ بھوک کودور کرے۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ)۔

معلوم ہوا کہ رضاعت جہی ثابت ہوگی کہ دودھ بھوک کودور کرے اور بچے کی غذا صرف دودھ ہو۔ اور سہلہ بنت سہیل اور سالم کے واقعہ کو گذشتہ صریح روایات کی روشنی میں جو اوپر گذر چکیں، خاص مانا جائے گا۔

وَالَّذِينَ يُؤْفِقُونَ مِنْكُمْ وَيَكُونُونَ أَوْلِيَاءَ لِمَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْكُمْ أَتُوبُونَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتُمْ عَنْ تَوْبَتِكُمْ أَجَاهُونَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْتُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣٢٨﴾

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں چار ماہ دس دن (۳۲۸) (بطور عدت) گذریں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، اور اپنے (نکاح کے) بارے میں مناسب انداز میں کچھ کریں، تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے ﴿۳۲۸﴾

اور اس لئے بھی کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اس طرح کا کوئی دوسرا واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا۔ سہلہ رضی اللہ عنہا کے واقعے میں آپ کا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں سالم کو دودھ پلانے کو کہا تو انہیں حیرت ہوئی اور کہا کہ وہ تو اچھا خاصا بڑا آدمی ہے، اسے میں کیسے دودھ پلاؤں؟ تو آپ ﷺ مسکرائے اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ بھرپور جوان ہو چکا ہے۔ اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سہلہ کے گھرانے کے تمام حالات سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے، اور جانتے تھے کہ سالم بہت چھوٹی عمر سے ان کے پاس رہتے ہیں، انہی کے پاس پلے بڑھے ہیں، نہ وہ سالم کے بغیر رہ سکتی ہیں اور نہ سالم ان سے جدا ہو سکتے ہیں۔

اسی لئے جب سہلہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مجبوری آپ ﷺ کو بتائی تو ان کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر وہ حل بتایا جو اوپر گزر چکا۔ ایک طرف اللہ کے رسول تھے اور دوسری جانب ایک صحابیہ کی ضرورت، انہیں اس کی اجازت دی گئی۔ عام صحابہ کرام کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے وہی حکم رہا جو آیت کریمہ میں اور احادیث میں بیان کیا گیا کہ رضاعت کا حکم دو سال کے اندر ہی ثابت ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۲- محدثین کے نزدیک پانچ بار دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کی مشہور دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ قرآن کریم میں دس بار دودھ پینے کے بعد حرمت رضاعت کا حکم نازل ہوا تھا، پھر پانچ بار کے ذریعہ حکم سابق منسوخ ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت یہی حکم موجود تھا۔ دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کا واقعہ ہے، جس میں آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ وہ پانچ مرتبہ سالم کو دودھ پلا دیں۔

۳- احادیث میں (رضعات) کا لفظ آیا ہے، جو رضعہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ”خوب سیراب ہو کر دودھ پینا، اس طرح کہ دودھ سے آنتیں بھر جائیں“ بچہ جب اس طرح پانچ بار کسی عورت کا دودھ پی لے گا، تو وہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی، اور اس کے تمام بچے اس کے رضاعی بھائی بہن ہو جائیں گے، اور اُس کا شوہر رضاعی باپ۔

(۳۲۸) طلاق کی عدت بیان کرنے کے بعد اب وفات کی عدت بیان کی جا رہی ہے کہ اگر کوئی آدمی وفات پا جائے، تو اس کی بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس کے بعد اگر وہ عورت شرعی حدود میں زینت اختیار کرے اور شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کرے، تو اولیاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اُسے منع کریں۔

چار ماہ دس دن کے ذریعہ عدت کی تحدید میں حکمت یہ ہے کہ اگر حمل ہوگا تو ظاہر ہو جائے گا۔ پانچویں ماہ کی ابتدا میں حمل حرکت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس مدت کے بعد وفات پانے والے کی محبت

وَالْجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَزَمْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنُتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتُّوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَأْتِعِدُّوهُنَّ بِمَا رَأَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۗ وَلَا تَعْرُضُوا خِطْبَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝

اور اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں کہ تم اشارے کنائے میں اُن عورتوں کو پیغام نکاح (۳۲۹) دو، یا اپنے دل میں اس ارادے کو چھپائے رکھو، اللہ جانتا ہے کہ تم ان کا ذکر کرو گے، لیکن خفیہ طور پر ان سے شادی کی بات طے نہ کر لو، سوائے اس کے کہ تم کوئی اچھی بات کہو، اور عقدِ زوجان کا عزم اُس وقت تک نہ کرو، جب تک کہ نوشتہ اپنی مدت پوری نہ کر لے، اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی بات جانتا ہے، اس لئے تم اُس سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ مغفرت کرنے والا اور بُرد بار ہے ﴿۲۳۵﴾

اس کے دل میں کمزور پڑ جاتی ہے، اور شادی کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔

(نوائد)

۱- اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت سچے کی ولادت ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ کہ حاملہ عورت کی عدت سچے کی ولادت ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے سنیعہ اسلامیہ کو وضع حمل کے بعد شادی کی اجازت دے دی تھی، حالانکہ ان کے شوہر کے انتقال کو چند ہی دن ہوئے تھے۔ (متفق علیہ)۔

۲- دورانِ عدت عورت کو شادی، زینت اور بغیر شدید ضرورت کے شوہر کے گھر سے باہر رات گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔ پہلی بات پر علماء کا اجماع ہے۔ دوسری بات کی دلیل حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا تو اس کی ماں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنی آنکھوں میں سرمہ لگائے، اس لئے کہ اس کی آنکھوں میں تکلیف تھی، تو آپ نے اجازت نہیں دی۔ (متفق علیہ)۔ اور تیسری بات کی دلیل فریہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ان کے شوہر کو بھاگے ہوئے غلاموں نے مدینہ سے دور کسی جگہ قتل کر دیا۔ فریہ کو جب یہ خبر ملی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ انہیں اپنے خاندان والوں کے پاس عدت گزارنے کی اجازت دے دیں، اس لئے کہ جس گھر میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں دور تھا، تو آپ نے انہیں اجازت نہیں دی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد وغیرہم)۔ البتہ آپ نے بعض صحابیہ کو دن میں ضرورت کے پیش نظر غالباً باغ کا پھل توڑنے کی اجازت دی تھی۔

(۳۲۹) اس آیت میں شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی اور مطلقہ بانسہ کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ عدت گزارنے سے پہلے ایسی عورتوں کو شادی کا پیغام تو نہیں دیا جاسکتا، البتہ جو شخص شادی کرنی چاہے وہ اشارے کنائے میں اسے یہ سمجھانے کی کوشش کر سکتا ہے کہ وہ اس سے شادی کی خواہش رکھتا ہے، لیکن پوشیدہ طور پر اس سے شادی کی بات طے کر لینا یا شادی کر لینا جائز نہیں۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو جب ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے تیسری طلاق دے دی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ ابن اُم کتوم کے گھر میں عدت گزارے، اور عدت گزارنے کے بعد آپ ﷺ کو خبر دے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، تو آپ ﷺ نے اسامہ بن زید کے لئے پیغام دیا، اور ان کی شادی اسامہ سے کر دی۔

لَجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَكْسُوهُنَّ أَوْ تَفَرَّضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرَهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَكْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَوَضَعْنَ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يُعْفُوَنَّ أَوْ يُعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ الزَّكَاءِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝

تمہارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، اگر اپنی بیویوں کو انہیں ہاتھ لگانے، اور ان کی مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو (۳۳۰) اور انہیں کچھ مال بطور متعہ دے دو، خوشحال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق، یہ متعہ مناسب مقدار میں ہو، اور بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو، اور ان کی مہر پہلے سے مقرر کر دی تھی تو انہیں مہر مقرر کا آدھا دے دو (۳۳۱) الایہ کہ وہ معاف کر دیں، یا وہ معاف کر دے جس کے اختیار میں عقد زواج ہے، اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں خیر خواہی کرنا نہ بھولو، بے شک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۷﴾ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو (۳۳۲) اور بالخصوص بیچ والی نماز کی، اور اللہ کے حضور (۳۳۳) پرسکون اور خشوع کے ساتھ کھڑے ہو ﴿۲۳۸﴾

(۳۳۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت کو طلاق دینے کا حکم بیان کیا ہے جس کے ساتھ شوہر نے ابھی مباشرت نہ کی ہو، اور نہ اس کی مہر مقرر کی ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسی عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگی، بلکہ شوہر اپنے حسب حال اسے کچھ مال یا کوئی ہدیہ دے دے گا۔ اگر مالدار ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے گا، اور اگر فقیر ہے تو جو کچھ بھی میسر ہو گا اسے دے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ نصف مہر مثل کے برابر نہ ہو، اور نہ اتنا کم ہو کہ اس کی کوئی قیمت ہی نہ ہو۔ اس سے مقصود عورت اور اس کے گھر والوں کی دل دہی کرنی ہے، تاکہ طلاق کی وجہ سے انہیں جو تکلیف ہوئی اس کا کچھ مداوا ہو سکے۔

(۳۳۱) اس میں ایسی عورت کے طلاق کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، جس کے ساتھ شوہر نے مباشرت نہ کی ہو، لیکن اس کی مہر مقرر ہو چکی ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ اسے نصف مہر دی جائے گی۔ یہ بھی جائز ہے کہ عورت معاف کر دے، اور کہے کہ اس نے مجھے دیکھا نہیں، اور نہ میں نے اس کی خدمت کی، نہ مجھ سے مستفید ہوا، تو میں کیسے اس سے کوئی رقم لے لوں، یا شوہر نے اگر مہر کی پوری رقم ادا کر دی تھی تو وہ معاف کر دے اور عورت سے نصف مہر واپس نہ لے، یا اگر لڑکی نابالغ ہے یا اسے معاملہ کرنا نہیں آتا، تو اس کا ولی شوہر سے نصف مہر نہ لے اور معاف کر دے۔ اور اللہ نے فرمایا کہ بہر حال معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب اور عمل احسان ہے۔ اس کے بعد اللہ نے ہر ایک کو معاف کر دینے کی ترغیب دلائی، کہ جو معاف کر دے گا وہ دوسرے سے بہتر ہوگا۔

(۳۳۲) ذیل کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے، پانچوں نمازوں کی باعموم اور نماز وسطیٰ کی بالخصوص۔ نمازوں کی محافظت اور اہتمام کا مفہوم یہ ہے کہ نمازیں مسنون اوقات میں پڑھی جائیں، اور شروط و ارکان، خشوع و خضوع اور تمام واجبات و مستحبات کا خیال رکھتے ہوئے پڑھی جائیں۔

اور اگر آدمی کو کوئی خطرہ درپیش ہو، چاہے دشمن سے یا جانور سے، تو چلتے ہوئے نماز پڑھ لے، یا سواری پر پڑھ لے،

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ كَبَالًا ؕ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ؕ وَالَّذِينَ يُتَوَقَّؤْنَ مِنْكُمْ وَيَذْرُونَ أَزْوَاجًا ؕ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مِمَّا عَلَّمَهُمُ اللَّهُ إِذَا خَرَجُوا مِنَ الْبُيُوتِ فَإِنْ خَرَجُوا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ؕ

اگر تم حالت خوف (۳۳۳) میں ہو، تو چلتے ہوئے، یا سواری پر پڑھ لو، اور جب امن ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو، جس طرح اس نے تمہیں وہ کچھ سکھایا، جو تم پہلے سے نہیں جانتے تھے ﴿۲۳۹﴾ اور تم میں جو وفات پا جائیں، اور اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں (۳۳۵) کہ وہ سال بھر فائدہ اٹھائیں، اور انہیں (شوہر کے گھر سے) نکالنا نہ جائے، اگر وہ (خود ہی) نکل جائیں، اور نکاح کے بارے میں مناسب انداز میں کچھ کریں، تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور اللہ زبردست اور بڑا صاحب حکمت ہے ﴿۲۴۰﴾

ایسی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، اور جب خطرہ زائل ہو جائے تو مکمل نماز پڑھے، یعنی تمام ارکان، واجبات اور مستحبات وغیرہ کی رعایت کر کے نماز پڑھے۔ "صلاة وسطی" کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک اس سے مراد "عصر" کی نماز ہے۔

صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے غزوہ خندق کے دن کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھردے، جس طرح انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطی سے مشغول کر دیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطی "عصر" کی نماز سے مشغول کر دیا۔ مسند احمد میں سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ﴿حَافِظُوا عَلَيَّ الْمَلَكُوتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى﴾ پڑھا اور ہمیں نام لے کر بتایا کہ وہ "عصر" کی نماز ہے۔ ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلاۃ وسطی سے مراد "عصر" کی نماز ہے۔

(۳۳۳) یعنی نماز میں اللہ کے سامنے نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کے ساتھ کھڑے ہو۔ اللہ کے حضور اس طرح کھڑے ہونے میں یہ امر بدرجہ اولیٰ داخل ہے کہ نماز میں بات نہ کی جائے۔ امام احمد وغیرہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگ ابتدائے عہد نبوی میں نماز میں آپس میں بات کرتے تھے تو یہ آیت اتری۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا، اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو جواب نہ دیا، اور نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ نماز میں آدمی اللہ کی جناب میں مشغول ہوتا ہے۔ (تشفیق علیہ)۔ اور معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے جب نماز میں بات کی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ نماز میں بات کرنی جائز نہیں ہے۔ نماز میں آدمی تسبیح و تکبیر اور ذکر الہی میں مشغول ہوتا ہے۔ (مسلم)۔

(۳۳۴) یہاں اللہ تعالیٰ نے حالت جنگ میں نماز پڑھنے کی کیفیت بیان کی ہے، جہاں آدمی تمام ارکان و واجبات اور سنن و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں چلتے ہوئے یا سواری پر ہی نماز پڑھ لو، چاہے رخ قبلہ کی طرف ہو یا کسی اور طرف۔ امام مالک نے نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صلاۃ خوف (خوف کی

وَالْمُطَلَّاتِ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّحِينَ ۝ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۞

اور مطلقہ عورتوں کو معرف عام کے مطابق خرچ (۳۳۱) دیا جائے، یہ اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے ﴿۲۳۱﴾ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے بیان کرتا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو ﴿۲۳۲﴾

حالت میں نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ شدید ہو، تو چلتے ہوئے یا سواری پر نماز پڑھ لو، چاہے رخ قبلہ کی طرف ہو یا کسی اور طرف۔ نافع کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی تھی۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے بھی روایت کی ہے۔

(۳۳۵) آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی موت قریب ہو تو وہ اپنی بیویوں کے لئے ورثہ کو وصیت کر جائے کہ انہیں ایک سال تک گھر سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جائے اور انہیں نفقہ بھی دیا جائے، لیکن اگر وہ خود ہی شوہر کے گھر سے نکل جائیں اور زینت و خوشبو استعمال کرنے لگیں اور اشارے کتائے میں شادی کی بات کرنے لگیں تو شوہر کے اولیاء کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور ایسی صورت میں نفقہ و مسکن واجب نہیں ہوگا۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جبکہ بیوی کے لئے میراث میں حصہ نہ تھا، اور عدت کی مدت ایک سال تھی، اور اسے اختیار ہوتا تھا کہ چاہے تو شوہر کے گھر میں عدت کی مدت گزارے اور نفقہ لے، اور چاہے تو سال پورا ہونے سے پہلے ہی گھر سے نکل جائے اور اس کے لئے نہ نفقہ ہوتا تھا اور نہ مسکن۔

اس کے بعد اسی سورت کی آیت (۲۳۳) نازل ہوئی، جس کے مطابق عورتوں کی عدت چار ماہ دس دن ہو گئی۔ اسی طرح نفقہ و مسکن کی وصیت کا حکم آیت میراث کے ذریعہ منسوخ ہو گیا، اور بیوی کے لئے پوری جائیداد کا چوتھا یا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔

مجاہد، شیخ الإسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر وغیرہم کی رائے ہے کہ یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہوئی ہے، اور پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ چار ماہ دس دن عورت کی لازمی عدت ہے، جسے اسے بہر حال شوہر کے گھر میں گزارنا ہے۔ اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ میت کے اولیاء کو چاہئے کہ اس کی دلجوئی کی خاطر اور میت کے ساتھ اظہارِ اخلاص و محبت کے طور پر اُسے مزید سات ماہ میں دن شوہر کے گھر میں رہنے دیں، ہاں، اگر عورت چار ماہ دس دن یا وضعِ حمل کے بعد، اپنی مرضی سے اس کے گھر سے منتقل ہونا چاہے تو اسے روکا نہ جائے۔

(۳۳۶) یہ آیت ان لوگوں کی دلیل ہے، جو ہر مطلقہ عورت کے لئے ”مُتَّع“ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ متعہ کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد (مہر کے علاوہ) عورت کو کچھ دیا جائے۔

سعید بن جبیر اور ابن جریر وغیرہما کی یہی رائے ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (متعہ) ہر حال میں واجب نہیں۔ اگر مطلقہ کے ساتھ شوہر نے مباشرت نہیں کی ہے اور اس کی مہر بھی مقرر نہیں ہوئی تھی، تو اس کے لئے متعہ واجب ہے، دوسری تمام مطلقہ عورتوں کے لئے مستحب ہے۔ اور ان کی دلیل قرآن کریم کی وہ آیت ہے جو گذر چکی: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرَهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدْرَهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾ (البقرہ: ۲۳۶)۔

أَمْ تَرَىٰ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلُوفٌ حَذَرَ النَّوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٣٧﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٣٨﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهَا أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۗ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٣٩﴾ أَمْ تَرَىٰ إِلَٰهَ الْمُؤْمِنِينَ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّهِمْ إِنَّهُمَا آبَاؤُنَا لِلْإِسْرَائِيلِ وَإِنَّهُمْ لَفِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالُوا هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ الْإِتْقَانُ أَنْ تُقَاتِلُوا ۗ قَالُوا وَمَا لَنَا أَنْ نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٣٤٠﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (۳۳۷) جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے نکل بھاگے، تو اللہ نے ان سے کہا کہ تم مر جاؤ، پھر اللہ نے انہیں زندہ کیا، بے شک اللہ لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ﴿۳۳۸﴾ اور اللہ کی راہ میں قتال (۳۳۸) کرو، اور جان رکھو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۳۹﴾ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، تو اللہ اسے اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے، اور اللہ ہی تنگی دیتا ہے اور کشادگی عطا کرتا ہے، اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے ﴿۳۴۰﴾ کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں (۳۳۹) کو نہیں دیکھا، جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ آپ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے (۳۴۰) تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، نبی نے کہا، بہت ممکن ہے کہ اگر تمہارے اوپر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم جہاد نہ کرو، انہوں نے کہا ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کریں گے جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور بچوں سے دور کر دیا گیا ہے، پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان کی تھوڑی تعداد کے علاوہ سب نے پیٹھ پھیر لیا، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۳۴۰﴾

(۳۳۷) اس میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے، بنی اسرائیل کے ایک علاقے میں طاعون پھیل گیا، تو وہاں کے باشندے اپنے گھر بار چھوڑ کر موت کے ڈر سے بھاگ پڑے، لیکن بھاگ کر وہ موت سے نہ بچ سکے، اور اللہ نے ان سب پر موت طاری کر دی، پھر اس زمانے کے نبی کی دعا سے اللہ نے ان پر کرم فرمایا، اور انہیں زندہ کر دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لوگ کسی دشمن کے ڈر سے نکل بھاگے ہوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ اور پھر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ اس کی قیادت میں اس دشمن سے جہاد کریں جس نے انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں، آیت میں جہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے، اور فرار کی راہ اختیار کرنے سے ڈرا یا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی موت سے نہیں بچ سکتا۔

(۳۳۸) ذیل کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مال اور بدن کے ذریعہ جہاد کی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی ہے، اس لئے کہ جہاد میں دونوں ہی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ڈر اور خوف نوشتہ تقدیر سے نہیں بچا سکتا، اسی طرح جہاد سے فرار، انسان کے اجل کو نہ قریب کر سکتا ہے اور نہ دور اور وہی قتال جہاد فی سبیل اللہ ہوگا، جو اللہ کے دین کو سر بلند

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١٣١﴾

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے، انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے (۳۳۱) کہ وہ ہمارا بادشاہ بن جائے، جبکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے حقدار ہیں، اور اس کے پاس مال بھی زیادہ نہیں ہے، نبی نے کہا کہ اللہ نے اُسے تمہارے مقابلے میں چُن لیا ہے، اور علم و جسم میں اُسے حظ وافر دیا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے، اور اللہ وسعت و کشادگی والا اور علم والا ہے ﴿۲۳۷﴾

کرنے کے لئے ہوگا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے ”جو قال اس لئے ہو کہ اللہ کا کلمہ اونچا ہو، وہی نبی سمیل اللہ ہوگا۔“ (متفق علیہ)۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ (قرض حسن) سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اہل و عیال پر خرچ کرنا مراد ہے۔

(۳۳۹) بنی اسرائیل کے لوگ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک زمانے تک اہل توحید و استقامت رہے، پھر مرد و زمانہ کے ساتھ توحید کی راہ سے بھٹک گئے اور بتوں کی پرستش شروع کر دی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اوپر عاقلہ کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کی سر زمین پر قبضہ کر لیا، ان کی بہت بڑی تعداد کو قتل کیا، اور بہتوں کو پابند سلاسل کر دیا، اور اُس تابوت کو ان سے چھین لیا، جس میں وہ احکام تھے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر دیئے تھے۔ نیز اُس میں تورات کا نسخہ اور موسیٰ و ہارون اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے آثار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس میں موسیٰ علیہ السلام کی لاش بھی تھی۔ بنی اسرائیل جب اپنے دشمنوں سے جنگ کے لئے جاتے تو اس تابوت کو اپنے آگے رکھتے تھے جس سے ان کو سکون و قرار ملتا تھا اور فتح نصیب ہوتی تھی۔ علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء کے صحیح اور ثابت شدہ آثار کے ذریعہ تبرک حاصل کرنا جائز ہے، جیسے نبی کا عمامہ، اُس کا کرتا اور اُس کا جو تا وغیرہ۔ عاقلہ نے وہ تابوت بھی چھین لیا۔ اُس کے بعد زلت و رسوائی ان کی قسمت بنی رہی، یہاں تک کہ اُن میں صموئیل نبی پیدا ہوئے، اور انہیں توحید کی طرف بلایا، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم لوگ اس کی زیر قیادت عاقلہ سے جہاد کریں، اور اپنی زمین اور تابوت اور تورات وغیرہ ان سے دوبارہ واپس لیں۔

آیت (۲۳۶) سے لے کر (۲۵۱) تک اُسی عہد بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ صموئیل نبی نے جس نوجوان کو اُن کا بادشاہ مقرر کیا اُس کا نام طالوت تھا، وہ بنی اسرائیل کے اس خاندان سے نہیں تھا جس میں اب تک بادشاہت چلی آ رہی تھی، لیکن وہ ایک قوی الجسم اور خوبصورت نوجوان تھا اور جسے اللہ نے علم و بصیرت سے نوازا تھا۔ اور جالوت عاقلہ کی فوج میں ایک مشہور پہلوان اور اس کا کمانڈر تھا جس پر عاقلہ کو بڑا ناز تھا۔

اس واقعہ کے ذکر سے مقصود مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر ابھارنا ہے کہ بادشاہ طالوت جب جنگ کے لئے نکلا تو جن لوگوں نے صبر و استقامت سے کام لیا، ان کو اللہ نے دنیا و آخرت میں عزت دی، اور جنہوں نے بزدلی دکھائی اور راہ فرار اختیار کیا، ان کی دنیا خراب ہوئی، اور آخرت میں بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۳۴۰) جب بنی اسرائیل کے اہل فکر نے جہاد کا ارادہ کر لیا، تو اپنے نبی سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهَا بَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهَا الْمَلَائِكَةُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۖ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۖ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۗ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ لَمَّا مَنَ مِنْ فِتْنَةٍ قَالُوا قَدْ كُفِّرْنَا بِلَاذِنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الظَّالِمِينَ ۗ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا آفِرِّغْ عَلَيْنَا صَدْرًا وَثِقَلْنَا أقدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۗ

اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا، اُس کی بادشاہت (۳۳۲) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آجائے گا، جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون و قرار، اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی متروکہ اشیاء کا باقی ماندہ حصہ ہے، اُسے فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے، اگر تم مومن ہو تو بے شک اس میں تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے ﴿۲۳۸﴾ پس جب طالوت اپنی فوج لے کر باہر نکلا (۳۳۳)، تو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمائے گا، تو جو کوئی اس کا پانی پی لے گا، وہ میرا آدمی نہیں ہوگا، اور جو اس کا پانی نہیں چکھے گا، وہ میرا آدمی ہوگا، سوائے اس آدمی کے جو صرف ایک چلو بھرنی لے، تو ان میں سے چند کے علاوہ سب نے پی لیا، جب طالوت اور اس کے ساتھ ایمان والے نہر پار کر گئے تو انہوں نے کہا کہ آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں، جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملیں گے انہوں نے کہا کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہیں، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۲۳۹﴾ اور جب جالوت اور اس کی فوج سے اُن کا سامنا ہوا، تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب، ہمیں صبر عطا فرما، اور ثابت قدمی دے، اور قوم کفار کے خلاف ہماری نصرت فرما ﴿۲۴۰﴾ تاکہ ہمارے درمیان کا اختلاف ختم ہو جائے اور سب لوگ اس کی اطاعت پر متفق ہو جائیں۔ صموئیل نبی ڈرے کہ شاید یہ ان کا محض زبانی دعویٰ ہے، اور وہ جہاد فی سبیل اللہ نہ کر سکیں گے، تو انہوں نے عزم کا اظہار کیا کہ ہم اپنا وطن واپس لینے کے لئے ضرور جہاد کریں گے۔

(۳۴۱) صموئیل نے جب طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا، تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا، اور کہا کہ خاندان اور ثروت کے اعتبار سے اس سے زیادہ حقدار لوگ موجود ہیں، پھر اسے آپ نے کیوں ہمارا بادشاہ بنایا ہے؟، تو انہوں نے جواب دیا کہ اسے اللہ نے بادشاہ بنایا ہے، اس لئے کہ وہ علم اور قوت و جسم میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے، اور اس لئے کہ بادشاہت کے لئے کثرت مال شرط نہیں اور نہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے شاہی خاندان کا ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی حکومت دے دیتا ہے۔

(۳۴۲) پھر انہیں مزید قانع کرنے کے لئے کہا کہ دیکھو طالوت کو اللہ کی طرف سے بادشاہ مقرر کئے جانے کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ تمہارا گم کردہ تابوت واپس لے آئے گا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تابوت فرشتوں کے ذریعہ طالوت کے پاس آ گیا، تو انہوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

(۳۴۳) جب طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے چلے تو طالوت نے کہا کہ ابھی ایک نہر آئے گی،

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَمَ اللَّهُ الْمَلَائِكَةَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَيْكَ مِمَّا يَشَاءُونَ وَلَوْ لَا دَفَعَهُ اللَّهُ النَّاسَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣٤﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٣٥﴾

تو انہوں نے اللہ کے حکم سے انہیں شکست دی، اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا، اور اللہ نے داؤد کو مملکت و حکمت دیا، اور وہ جو چاہتے تھے انہیں سکھایا، اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرے (۳۳۴)، تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ﴿۲۵۱﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں (۳۳۵) جو ہم آپ پر (بذریعہ جبرئیل) ٹھیک ٹھیک اتار رہے ہیں، اور آپ بے شک رسولوں میں سے ہیں ﴿۲۵۲﴾

یہ نہراہرن اور فلسطین کے درمیان تھی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے صبر کا امتحان یہ ہے کہ شدت پیاس کے باوجود تمہیں اس کا پانی نہیں پینا ہے۔ جو کوئی پی لے گا، وہ ہماری فوج سے الگ ہو جائے گا، اور جو ایک چلو سے زیادہ نہیں پیئے گا وہ ہمارے ساتھ آگے بڑھے گا۔ اس آزمائش میں ان میں سے اکثر لوگ پورے نہ اترے، صرف تھوڑے لوگوں نے صبر سے کام لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جس نے ایک چلو پی لیا وہ سیراب ہو گیا، اور جس نے خوب پیادہ سیراب نہ ہوا۔ جب سب ایمان والے نہراہر کر گئے، تو ان میں سے بعض ضعیف یقین لوگوں نے کہا کہ آج ہم جالوت اور اس کی فوج سے جنگ نہیں کر سکتے، تو ان کے قوی الایمان علماء نے ان کی ہمت بڑھائی جنہیں معلوم تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور فتح و نصرت اللہ کی طرف سے آتی ہے، اس کا تعلق کثرت تعداد سے نہیں ہوتا، اور کہا کہ بسا اوقات تھوڑی تعداد والی فوج اللہ کے حکم سے زیادہ تعداد والی فوج پر غالب آجاتی ہے۔ اس پر ان کی ہمت بڑھی اور انہوں نے جالوت کی فوج سے جنگ کی اور داؤد علیہ السلام نے (جو بعد میں طالوت کی فوج میں آکر شامل ہو گئے تھے، اور جو ابھی نبی اور بادشاہ نہیں ہوئے تھے) جالوت کو قتل کر دیا، اور بنی اسرائیل کو فتح میں حاصل ہوئی۔

(۳۳۴) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہادنی سمیل اللہ کا فائدہ بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجاہدین کے ذریعہ کفار و فجار اور اہل شر و فساد کو مار نہ بھگائے تو وہ زمین میں فساد پھیلائیں، لیکن اللہ نے اپنے لطف و کرم سے جہاد کو واجب قرار دیا تاکہ اہل خیر کا غلبہ ہو، اور اللہ کا دین سرزمین پر جاری و ساری ہو۔

(۳۳۵) بنی اسرائیل کے اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ یہ نشانیاں ہم آپ کے لئے بیان کر رہے ہیں جو سچی ہیں اور آپ کے رسول ہونے کی واضح اور صریح دلیل ہیں، اس لئے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس واقعے کی اطلاع دی جس کا آپ ﷺ کو پہلے سے کوئی علم نہ تھا، اس واقعے میں امت مسلمہ کے لئے بہت سی نصیحتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱- جہادنی سمیل اللہ کے بغیر دین، وطن اور جان و مال کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔
- ۲- مجاہدین کا انجام ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے۔
- ۳- مسلمانوں کی قیادت کے لئے ایسے لوگوں کا اختیار عمل میں آنا چاہئے جو اس کے اہل ہوں، اور اہلیت میں خاص طور پر دو چیزوں

کا اعتبار ہوتا ہے، علم اور قوت جسم کا۔

۴- قائدِ جیش کو اپنی فوج پر نظر رکھنی چاہئے کہ جو جنگ کرنے کا اہل نہ ہو اسے روک دے۔

۵- اگر دشمن کی کثرت یا کسی اور وجہ سے مجاہدین کی صفوں میں یاس و ناامیدی پھیلنے لگے تو ان کی ہمت بڑھانی چاہئے، اور قوتِ ایمانی کو حرکت میں لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔



تِلْكَ الرُّسُلُ فَطَنَّا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ مِنْهُمْ مَن كَذَّبَ اللَّهُ وَرَفَعَهُ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ ۖ وَآيَدْنَاهُ بَرُوقَ الْقُدْسِ ۖ وَكُوشَاةَ اللَّهِ مَا قَاتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَيَسْتَهْمُونَ ۖ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ ۖ وَكُوشَاةَ اللَّهِ مَا قَاتَلُوا ۖ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۲۶﴾

ہم نے ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت (۳۲۶) دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے بات کی، اور بعض کو اللہ نے کئی گنا اونچا مقام دیا، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات دیئے، اور روح القدس (جبریل) کے ذریعہ ان کی تائید کی، اور اگر اللہ چاہتا تو ان (رسولوں) کے بعد آنے والے لوگ، ان کے پاس کھلی نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں جنگ نہ کرتے، لیکن وہ اختلاف میں پڑ گئے، تو ان میں سے بعض ایمان لے آئے، اور بعض نے کفر کی راہ اختیار کی، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۳۲۷﴾ اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو روزی دی ہے، اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (۳۲۷) وہ دن آنے سے پہلے جب نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی، اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی، اور نہ کوئی سفارش، اور کفر کرنے والے (اپنے اوپر ہی) ظلم کرنے والے ہیں ﴿۳۲۸﴾

(۳۲۶) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ انبیاء و رسل کے درمیان گونا گوں فضائل و صفات میں تفاوت رہا ہے، بعض انبیاء کو اللہ نے کوئی ایسی فضیلت دی جو دوسروں کو نہیں ملی، ابراہیم کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا، موسیٰ سے بغیر کسی واسطے کے بات کی، اور رسول اللہ ﷺ کو تمام بنی نوع انسان سے رفیع المرتبت بنایا، کہا جاتا ہے کہ اللہ نے آپ کو ایک ہزار سے زیادہ نشانیاں دی تھیں، اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا، جو تنہا تمام انبیاء پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے کافی تھا، اور عیسیٰ بن مریم کو دیگر معجزات دیئے جن کے ذریعہ اللہ کے حکم سے اندھے کو بینائی اور برص والے کو شفا ملتی تھی، مردوں کو زندہ کرتے تھے، اور جب گود ہی میں تھے تو لوگوں سے بات کی، اور اللہ نے روح القدس کے ذریعہ ان کی تائید کی، یعنی جبریل امین کے ذریعہ، یا اس مقدس روح کے ذریعے جو اللہ نے ان میں پھونکی تھی۔

انبیائے کرام کے کمال و عظمت اور ان کے ساتھ بھیجی گئی نشانیوں کا تقاضا یہ تھا کہ سارے انسان ان پر ایمان لے آتے، لیکن ایسا نہ ہوا، اور اکثر و بیشتر لوگ سیدھی راہ سے برگشتہ ہو گئے، اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے، حالانکہ اللہ چاہتا تو سب کو ایک راہ ہدایت پر ڈال دیتا، لیکن اللہ کی حکمت اس کی مقتضی ہوئی کہ نظام عالم کو اسباب سے جوڑ دیا جائے۔

(فائدہ) آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے افضل بنایا ہے، اور آپ ﷺ کی حدیث (آنا سید ولد آدم) کہ ”میں اولاد آدم کا سردار ہوں“ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اس لئے صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (لا تفضلکونی علی الانبیاء) یعنی ”مجھے دیگر انبیاء پر فوقیت نہ دو“ آپ ﷺ کی طرف سے تواضع پر محمول کی جائے گی۔ (۳۲۷) اس آیت میں مومنوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کسی نے کہا کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ کسی

أَنَّهُ لَدَالَةِ الْإِلَهِ الْأَهْوَىٰ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

اللہ کے علاوہ (۳۳۸) کوئی معبود (۳۳۹) نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام کائنات کی تدبیر کرنے والا ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اسی کی ملکیت (۳۵۰) ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کے لئے شفاعت (۳۵۱) کرے، وہ تمام وہ کچھ جانتا ہے (۳۵۲) جو لوگوں کے سامنے اور اُن کے پیچھے ہے، اور لوگ اُس کے علم (۳۵۳) میں سے کسی بھی چیز کا احاطہ نہیں کرتے ہیں، سوائے اتنی مقدار کے جتنی وہ چاہتا ہے، اس کی کرسی (۳۵۴) کی وسعت آسمانوں اور زمین کو شامل ہے، اور ان کی حفاظت (۳۵۵) اُس پر بھاری نہیں، وہی بلندی اور عظمت والا ہے ﴿۲۵۵﴾

نے راہ جہاد میں خرچ کرنا مراد لیا ہے، اور کسی نے کہا کہ یہ ہر قسم کے فرض اور نفل خرچ کو شامل ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بندہ مومن اس دنیا میں جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اسے قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں پائے گا، جس دن آدمی کو نہ مال کام آئے گا، نہ کوئی دوست، اور نہ کوئی سفارشی، اور اُس دن کافروں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہ ہوگا۔

(۳۳۸) نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آیۃ الکرسی قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے، اس لئے کہ اس میں باری تعالیٰ کی توحید، اس کی عظمت اور اس کی صفات کا بیان ہے۔ مسند احمد میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آیۃ الکرسی قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے۔ مسند احمد میں ہی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آیۃ الکرسی ایک چوتھائی قرآن ہے۔ امام احمد اور نسائی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عظیم ترین آیت جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی، آیۃ الکرسی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے، جسے امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ اور ﴿الْم * اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ *﴾۔

(۳۳۹) اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ تمام مخلوق کا تہما معبود ہے، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور زندہ رہے گا، اور کبھی نہیں مرے گا، وہ قائم بنفسہ ہے، تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، اور تمام موجودات کو اسی نے پیدا کیا ہے، اسی نے انہیں باقی بھی رکھا ہے، اور اپنے وجود و بقا کے لئے انہیں جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ ہی انہیں وہ چیزیں دیتا ہے، اُسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

(۳۵۰) تمام موجودات اس کے غلام ہیں، اور اس کے قبضہ قدرت میں ہیں، اللہ نے فرمایا: ﴿إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا﴾ کہ آسمان و زمین کی تمام مخلوقات اللہ کے بندے ہیں۔ (مریم: ۹۳)۔

(۳۵۱) اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر، کوئی کسی کے لئے اللہ کے حضور شفاعت کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، جب انبیاء اور فرشتے اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کریں گے، تو بھلا وہ اصنام جن کی کفار پریش کرتے ہیں، اور جن کے بارے میں وہ اس

لَا كِرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرِّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ الَّتِي لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٧﴾

دین میں داخل ہونے کے لئے کسی کو مجبور (۳۵۶) نہ کیا جائے۔ ہدایت گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو چکی ہے، پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر دے گا، اور اللہ پر ایمان لے آئے گا، اُس نے درحقیقت ایک ایسے مضبوط کڑے کو پوری قوت کے ساتھ تھام لیا، جو کبھی نہیں ٹوٹے گا، اور اللہ بڑا ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۵۶﴾

زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ وہ اللہ کے یہاں ان کے لئے سفارشی بنیں گے، کیسے شفاعت کر سکیں گے؟! حدیثِ شفاعت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عرش کے نیچے آؤں گا، اور سجدے میں گر جاؤں گا، تو اللہ مجھے اسی حال میں چھوڑ دے گا جتنی دیر چاہے گا، پھر مجھ سے کہے گا کہ اپنا سرا اٹھاؤ اور کہو، سنا جائے گا، اور شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔ (بخاری و مسلم)۔

اور یہ شفاعت اہل توحید کے لئے ہوگی، مشرکین کے لئے نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ کون خوش بخت ہوگا جس کو آپ کی شفاعت نصیب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پورے خلوصِ قلب کے ساتھ کہا ہوگا۔ (بخاری)۔ معلوم ہوا کہ یہ شفاعت اہل توحید کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہوگا۔

(۳۵۲) اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے، کسی بھی مخلوق کا ماضی، حاضر اور مستقبل اس کے علم کے حدود سے خارج نہیں، جیسا کہ اللہ نے فرشتوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا نَنْتَظِرُ إِلَّا بِأَمْرٍ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ یعنی ہم بغیر آپ کے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے۔ ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں، اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں۔ (مریم: ۶۳)۔

(۳۵۳) کوئی بھی شخص اتنا ہی علم رکھتا ہے جتنا اللہ نے اُسے دیا ہے، جیسا کہ اللہ نے فرشتوں کی زبان میں فرمایا: ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ یعنی اے اللہ! تیری ذات پاک اور بے عیب ہے، ہمارے پاس کوئی علم نہیں، سوائے اس علم کے جو تو نے دیا ہے۔ (البقرہ: ۳۲)۔

(۳۵۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "کرسی" سے مراد علم ہے، یعنی اللہ کا علم آسمان اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا﴾ یعنی "اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے"۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "کرسی" سے مراد اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں کی جگہ ہے۔

(۳۵۵) آسمان و زمین اور ان دونوں میں پائی جانے والی تمام مخلوقات و موجودات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، ہر ایک کا وہی اکیلا نگہبان ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، ہر چیز اس کے سامنے حقیر و ذلیل ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے، اور وہ بے نیاز ہے۔

یہ اور ان جیسی تمام آیتوں اور صحیح احادیث میں باری تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر آیا ہے، اُن کے بارے میں سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ ان پر ایمان رکھا جائے، اور ان کی کیفیت نہ بیان کی جائے، اور نہ کسی مخلوق کی صفات کے ساتھ ان صفات کو تشبیہ دی جائے۔

اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ لَهُمُ الظَّالِمَاتُ يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ
النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۵۷﴾

اللہ ایمان والوں کا دوست (۳۵۷) ہے، وہ انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان تک پہنچاتا ہے، اور کفر کرنے والوں کا دوست طاغوت ہے، جو انہیں نورِ ایمان سے محروم کر کے ظلمتِ کفر تک پہنچا دیتا ہے، وہی لوگ جہنم والے ہیں، اُس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ﴿۳۵۷﴾

(۳۵۶) یہ آیت کریمہ دینِ اسلام کے کامل ہونے کی دلیل ہے، اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ دینِ اسلام کی صداقت کے دلائل و براہین واضح ہیں، اس لئے ضرورت نہیں کہ کسی کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے، اگر کوئی شخص اس میں داخل ہوتا ہے تو یہ اس کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے اسے حق قبول کرنے کی توفیق دی، اور اگر وہ کفر کی راہ اختیار کرتا ہے تو گویا اللہ نے اس کے دل کی روشنی چھین لی، اور اس کی آنکھ اور کان پر مہر لگادی، اب اگر ایسے آدمی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور بھی کیا جائے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ حق قبول کرنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔

اس آیت اور جہاد کی آیتوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جہاد اس لئے نہیں فرض کیا گیا کہ لوگوں کو دینِ اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے، جیسا کہ اُد پر گذر چکا کہ جس کے دل پر مہر لگادی گئی ہو، اسے مجبور کرنے پر بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ مجاہدینِ اسلام نے جب بھی کوئی شہر یا علاقہ فتح کیا تو وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے دین پر رہیں اور جزیہ دیں، اور اسلامی حکومت ان کی حفاظت کرے گی۔ جہاد سے متعلق آیات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ اسلامی حکومت کو دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے محفوظ کر دیا جائے، اللہ کا دین غالب ہو، اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہو، اور اگر کسی دشمن کی طرف سے کوئی خطرہ ہو تو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے دفاع میں پیش قدمی کی جائے۔

اس لئے بعض لوگوں کا یہ خیال کہ یہ آیت آیاتِ جہاد کے ذریعہ منسوخ ہے، صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مرتد کا قتل بھی اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں داخل ہونے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا، لیکن جب ایک شخص اپنی مرضی سے اس میں داخل ہو گیا، تو اگر وہ چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے گا، اور اگر زنا کرے گا اور شادی شدہ ہوگا تو اسے رجم کر دیا جائے گا، تاکہ مسلم معاشرہ کو اس کی اور اس جیسوں کی اتار کیوں اور شر و فساد سے بچایا جائے، اسی طرح حاکم وقت کا یہ فرض ہے کہ اگر کوئی شخص دوبارہ کفر کو قبول کر لے تو اسے قتل کر دے، تاکہ مسلم سوسائٹی کو مذہبی انتشار سے بچایا جائے۔

آیت کریمہ میں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دینِ اسلام آنے کے بعد لوگ دو جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت نے اسلام کو قبول کیا اور طاغوتی طاقتوں کا انکار کیا، تو اس نے دین کی اصل اور بنیاد کو مضبوطی سے تھام لیا، اور دوسرے لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور طاغوتی طاقتوں سے رشتہ استوار کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔

(۳۵۷) اس کا تعلق گذشتہ آیت سے ہے۔ گذشتہ آیت اساس اور بنیاد ہے، اور یہ آیت اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، کہ جو لوگ اپنے

الَّذِي تَرَىٰ إِلَىٰ الْغَيْبِ مَا خَبَرَ اِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ اَنْ اِنَّهُ اللهُ الْمَلِكُ مِاذَا قَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّي الَّذِي يُبْحِي وَيُبْهِئُ قَالَ اَنَا نَارٌ
 اُحْيِي وَاُمِيتُ قَالَ اِبْرَاهِيمُ فَاِنَّ اللهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ
 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ؕ اَوْ كَالَّذِي مَزَعَلْنَا لَئِن لَّمْ يَكُن لَّآلِهَةٌ اِلٰهٌ اِلَّا اللهُ لَآئِهَةٌ لَّا يَخْشَوْنَ الْعَذَابَ
 وَاللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا قَامًا مِائَةً اللهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثْنَا قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ
 لَبِثْتُمْ اِمَّا مِائَةً عَامٍ فَاَنْظُرْ اِلَىٰ طَعَامِكُمْ وَاَشْرَابِكُمْ لَمْ يَتَسَنَّوْا وَاَنْظُرْ اِلَىٰ حِمْلِكُمْ وَلَيَجْعَلَنَّ اِيَةً لِلنَّاسِ وَاَنْظُرْ اِلَىٰ
 الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوها الْعِظَامَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ اَعْلَمْتُ اِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَقَدِيرٌ

کیا آپ نے اس شخص (۳۵۸) کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اُن کے رب کے بارے میں حجت کی، اس لئے کہ اللہ نے اُسے حکومت دے رکھی تھی، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے، اُس نے کہا کہ میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا کہ اللہ آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اُسے مغرب سے نکال کر دکھا، تو وہ کافر لاجواب ہو گیا، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۲۵۸﴾ یا اُس آدمی کے حال (۳۵۹) پر غور نہیں کیا، جو ایک ایسی بستی سے گذرا جو اپنی چھتوں سمیت گری پڑی تھی، اُس نے کہا کہ اللہ اب کس طرح اس بستی کو مرجانے کے بعد زندہ کرے گا، تو اللہ نے اُسے تین سال کے لئے مردہ کر دیا، پھر اُسے اٹھایا، اللہ نے کہا کہ تم کتنی مدت اس حال میں رہے، اس نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اس حال میں رہا ہوں، اللہ نے کہا بلکہ تین سال رہے ہو، پس اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ خراب نہیں ہوئی ہیں، اور اپنے گدھے کو دیکھو، اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیں، اور (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ ہم انہیں کس طرح اٹھا کر ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں، پھر اُن پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب حقیقت اس کے سامنے کھل کر آگئی تو کہا میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۵۹﴾

ایمان میں صادق ہوتے ہیں، عمل صالح کرتے ہیں اور ایمان کے منافی تمام کاموں سے بچتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنا ولی اور دوست بنا لیتا ہے، انہیں کفر اور شک و شبہ کی تاریکیوں سے نکال کر کھلے اور واضح حق کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور جو اہل کفر ہوتے ہیں، ان کے دوست شیاطین اور ائمہ کفر و الحاد ہوتے ہیں، وہ کفر و الحاد کو خوشنما بنا کر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور راہ حق سے انہیں برگشتہ کر کے کفر و ضلالت کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے کلمہ "نور" کو مفرد اور "ظلمات" کو جمع استعمال کیا ہے، اس لئے کہ حق ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک رہا ہے، اور کفر کی مختلف قسمیں اور متعدد شکلیں رہی ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ * اور یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو، کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

(۳۵۸) وہ بائبل کا بادشاہ نمرود بن کنعان تھا، جس نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ کون ہے تمہارا رب جس کی طرف ہمیں

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۗ قَالَ أَوْ لِمَ تُؤْمِنُ ۗ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۗ قَالَ فِئْتَدُ
 أَرْبَعَةَ مِائِينَ الظِّلْمِ فَصَرَّفَهُنَّ إِلَيْكَ لِمَا جَعَلْنَا عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ آدَعُهُنَّ يَا تَيْبُكَ سَعِيًّا وَأَعْلَمْنَا أَنَّ
 اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں (۲۶۰) کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ نے کہا کہ تم اس پر ایمان نہیں رکھتے، ابراہیم نے کہا، ہاں، (اے میرے رب!) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرا دل مطمئن ہو جائے، اللہ نے کہا، چار پرندے لے کر انہیں اپنے آپ سے مانوس بنا لو، پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر ڈال دو، پھر انہیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ زبردست اور بڑی حکمت والا ہے ﴿۲۶۰﴾

بلائے ہو؟ اور وہ اس کفر و سرکشی پر اس لئے ٹھل گیا تھا، کہ ایک مدت مدید تک ہاشمت کرنے کی وجہ سے کبر و غرور میں مبتلا ہو گیا تھا، اور شیطان نے اس کے دماغ میں یہ احقانہ خیال بیٹھا دیا تھا کہ وہی رب العالمین ہے۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے جب اس کے جواب میں کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو اس دل کے اندھے نے کہا کہ میں بھی تو زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اس نے اسی مجلس میں دو قیدی منگائے، ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد واضح تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، اور پھر انہیں وجود سے عدم کی طرف لے جاتا ہے، لیکن جب یہ بات اسے سمجھ میں نہ آئی، تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اچھا تو اللہ تعالیٰ آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا، تو وہ مبہوت اور عاجز ہو گیا، اور ظالموں کے پاس بھی حجّت و برہان نہیں ہوتا۔

(۳۵۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی ایک عظیم دلیل پیش کی ہے، جس کا ہر آدمی یوم قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ادراک کر سکتا ہے۔ اور اس دلیل کا اجرا اللہ تعالیٰ نے جس آدمی کے جسم پر کیا، اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام تھے، کسی نے کہا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا۔ اور یہی قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ واقعہ کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آدمی اللہ کی اس قدرت میں شبہ کرتا تھا کہ وہ دوبارہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھا، بلکہ ایک عام انسان تھا جسے بعث بعد الموت میں شبہ تھا۔

وہ شخص ایک ایسی بہستی سے گذرا جو مکمل طور پر تہ و بالا ہو چکی تھی، اور اس کے رہنے والے سبھی لوگ مر چکے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان لوگوں کو اب اللہ کیسے زندہ کر سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اور دیگر لوگوں کے حال پر رحم کرتے ہوئے اسے نو سو سال کے لئے مُردہ بنا دیا، اُس کا گدھا بھی مر گیا، اور اس کے پاس کھانے پینے کی جو چیزیں تھی وہ سب علی حالہ باقی رہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی، جب اللہ نے اسے دوبارہ زندہ کیا تو اس سے پوچھا کہ کتنے دن تم اس حال میں باقی رہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ تب اللہ تعالیٰ نے اسے بعض انبیاء کے ذریعے خبر دی کہ وہ نو سو سال مردہ رہا ہے، پھر اللہ نے اُس سے کہا کہ تم اپنے کھانے پینے کی چیزیں دیکھو، وہ خراب نہیں ہوئی ہیں، اور اپنے گدھے کو دیکھو، اس کے

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۶۰﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ (۳۶۰) کرتے ہیں، اُن کی مثال اُس دانے کی ہے، جس نے سات خوشے اُگائے، ہر خوشے میں سو دانے تھے، اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے، اور اللہ بڑی کشائش والا اور علم والا ہے ﴿۳۶۱﴾

چیتھڑے ہو چکے ہیں اور اس کی ہڈیاں سڑھل گئی ہیں، اس کے بعد اللہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے گدھے کو زندہ کیا، تو بول اٹھا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور یقیناً ہر فرد بشر کو قیامت کے دن زندہ کرے گا۔
(۳۶۰) یہ بعث بعد الموت کی دوسری عظیم دلیل ہے، جس کا اجر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا کہ اے اللہ! میں ان آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ نے کہا کہ کیا اس حقیقت پر تمہارا ایمان نہیں ہے؟ ابراہیم نے کہا کہ اے رب! میرا ایمان ہے کہ تو مردوں کو زندہ کرے گا اور انہیں نیکی و بدی کا بدلہ دے گا، لیکن اس حقیقت کے بارے میں عین یقین کا درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی، اور کہا کہ چار چڑیوں کو ذبح کر کے ایک ساتھ ملا دو، اور انہیں مختلف پہاڑوں پر ڈال دو، پھر انہیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس اڑتی چلی آئیں گی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، اور وہ سب اڑتی ہوئی ان کے پاس آگئیں۔

جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کے بارے میں شبہ نہیں تھا کہ اللہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے، بلکہ اُن کا مقصود یہ تھا کہ قدرت الہیہ کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مزید سکون قلب اور عین یقین حاصل کریں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، کہ کوئی خبر آنکھوں سے دیکھ لینے کی مانند نہیں ہے۔ (مسند احمد)۔ اور یہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ (نحن أحق بالشك من إبراهيم) کہ ہم لوگ ابراہیم کے مقابلے میں شک میں مبتلا ہونے کے زیادہ قریب تھے۔ (بخاری، مشرک حاکم) تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ابراہیم شک میں مبتلا ہوتے تو ہم لوگ اس کے زیادہ قریب تھے۔ اور جب ہم شبہ نہیں کرتے ہیں تو ابراہیم کیسے شبہ کر سکتے تھے؟ قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیائے کرام کے لئے اس قسم کا شبہ جائز نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ کہ میرے مخلص بندوں پر تمہاری نہیں چل سکے گی۔ (الاسراء: ۶۵)۔

(۳۶۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی زبردست ترغیب دلائی ہے۔ اور یہاں ”فی سبیل اللہ“ سے مراد ہر وہ راستہ ہے جو اللہ تک پہنچائے۔ جہاد فی سبیل اللہ، مسلمانوں کے لئے نفع بخش اعمال، مفید علوم کی نشر و اشاعت، اور فقراء و مساکین پر خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، اور ان نیکیوں میں اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے، صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ نے فرمایا کہ ابن آدم کے نیک کام کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے۔ ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اسے میں اللہ کی راہ میں دے رہا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بدلے تمہیں قیامت کے دن اللہ سات سو اونٹیاں دے گا۔ (احمد، مسلم، نسائی، حاکم)۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَمْ يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى تَهُمُ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۰﴾ قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَاتٍ تَتَّبِعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانَ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَكَرِهَ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۲﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَيُحِبُّونَهَا مِثْلَ خُبْزٍ خَالٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْهَامًا ضَعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِيبْهَا وَابِلٌ فَطَالَ وَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳﴾ أَيُّوْذُ أَحَدِكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ خَيْبٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضَعْفَاءٌ فَاصْبِرْ لِحُصْنِ أَعْيُنِكُمْ وَلَا فَاتَحَرَّتْ مِنْكَ ذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان (۲۱) جتاتے ہیں اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ثابت ہے، اور ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ انہیں کوئی غم لاحق ہوگا ﴿۲۰﴾ اچھی بات اور درگزر کر دینا، اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت پہنچائی جائے، اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے ﴿۲۱﴾ اے ایمان والو! اپنے صدقات (۲۲) کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو، اس آدمی کے مانند جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہے، اس کی مثال اس چٹان کی ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش ہو جو اسے صرف ایک سخت پتھر چھوڑ دے، ان ریاکاروں نے جو کچھ کمایا تھا اس میں سے انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ اپنا مال اللہ کی رضا کے لئے اور اپنے آپ کو دین حق پر ثابت رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس باغ کی ہے جو کسی اونچی جگہ پر ہو، جس پر زور کی بارش ہوئی تو اس نے دو گنا پھل دیا، اور اگر بارش نہ ہوئی تو شبنم (ہی کافی ہوگی)، اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ﴿۲۳﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں جاری ہوں، اس میں اس کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں، اور اس کا بڑھا پالا جائے، اور اس کے کمزور و ناتواں بچے ہوں، اور اچانک وہ باغ ایک بگولے کی زد میں آجائے جس میں آگ ہو جو اسے جلا دے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے آیتوں کو بیان کرتا ہے، تاکہ تم غور کرو ﴿۲۴﴾

(۲۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر (اللہ کی راہ میں خرچ) صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو، اور خرچ کرنے والے اصحاب حاجت کو دینے کے بعد احسان نہ جتائیں اور نہ دوسروں سے اس کا ذکر کر کے اس آدمی کو تکلیف پہنچائیں جس پر خرچ کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کو اجر خاص عطا فرمائے گا، اور مستقبل کا نہ انہیں خوف لاحق ہوگا نہ ماضی کا غم۔ اس لئے اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر آدمی مسائل کو کچھ نہ دے سکے تو اچھے اسلوب میں معذرت کر دے، اور اگر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا يَتَذَكَّرُهَا السُّفَهَاءُ وَمِنَهُ تَنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخْذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَمِيدٌ ﴿۲۶۷﴾

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی میں سے اچھی چیزیں (۳۶۳) خرچ کرو، اور اُس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے، اور اُس میں سے خبیث اور گندی چیزیں خرچ کرنے کا قصد نہ کرو، حالانکہ تم خود (دوسروں سے) وہ چیز بغیر چشم پوشی کے نہ لیتے، اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور صاحبِ حمد و ثنا ہے ﴿۲۶۷﴾

سائل کسی کلمہ کے ذریعہ تکلیف پہنچائے تو اسے درگزر کر دے، یہ ایسے صدقہ و خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد صاحبِ حاجت کو اذیت پہنچائے، احسان جنائے اور لوگوں سے بیان کرتا پھرے کہ میں نے فلاں آدمی کو صدقہ دیا ہے، صحیح مسلم میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمی سے نہ بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا: احسان جنائے والا، اپنی لنگی یا پاجامہ ٹخنے سے نیچے پہننے والا، اور اپنا سامان تجارت جھوٹی قسم کے ذریعہ بیچنے والا۔

(۳۶۳) اس آیت میں اور اس کے بعد آنے والی دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے والوں کی تین قسمیں بتائی ہیں اور ان کی تین مثالیں بیان کی ہیں:

پہلی قسم: ان لوگوں کی ہے جو صرف لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اللہ پر ان کا ایمان نہیں ہوتا، اور نہ ان کی نیت ثواب کی ہوتی ہے، ان کا دل سخت اور پکے پتھر کے مانند ہوتا ہے، جس پر مٹی جمی ہوتی ہے، دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ جب بارش ہوگی تو اس میں پودے اُگیں گے، لیکن جب بارش ہوتی ہے تو مٹی ڈھل جاتی ہے اور سخت پتھر باقی رہ جاتا ہے۔ یہ مثال اس آدمی کے دل کی ہے جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، جو ایمان سے عاری اور سخت دل ہوتا ہے، نہ اللہ کی یاد سے نرم ہوتا ہے اور نہ اس کے خوف سے اس میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔

دوسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی رضا کے لئے صدق دل سے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال بلند اور اونچی جگہ پر پائے جانے والے اُس باغ کی ہے، جو ہوا اور آفتاب کی گرمی سے مستفید ہوتا ہے، اور وہاں پانی بھی خوب پایا جاتا ہے، اس لئے پیداوار دو گنی ہوتی ہے، اور اگر پانی اسے سیراب نہیں کر پاتا، تو شبنم ہی اتنی زیادہ گرتی ہے، اور اس باغ کی مٹی اتنی اچھی ہوتی ہے کہ وہی شبنم اس باغ کے درختوں کے بڑھنے اور لہلہانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

تیسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو خرچ تو کرتے ہیں اللہ کے لئے لیکن اس کے بعد احسان جتاتے ہیں، اور لوگوں کو بتاتا کہ صاحبِ حاجت کو اذیت پہنچاتے ہیں، اور اس طرح اپنا عمل ضائع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اُس آدمی کی ہے جس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور جس میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور باغ والا بوڑھا چوکا ہو، اور اس کے پاس چھوٹے چھوٹے نیچے ہوں۔ اچانک ایک سخت آندھی آتی ہے جو کہیں سے آگ اٹھا کر لاتی ہے اور باغ کو جلا دیتی ہے، اور باغ والے کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

دنیا میں نیک اعمال کرنے والے انہیں تینوں قسموں میں سے ایک قسم کے ہوتے ہیں۔ مسلمان کو چاہئے کہ اپنی نیت کا محاسبہ کرتا رہے، اور ہر ممکن کوشش کرے کہ اس کا ہر عمل صالح صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو، تاکہ آخرت میں ذلت و رسوائی اور

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۶۵﴾
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذُكُرُونَ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۳۶۶﴾

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا (۳۶۵) ہے، اور برائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تمہیں مغفرت اور فضل و کرم کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا ہی کشائش اور علم والا ہے ﴿۲۶۸﴾ اللہ جسے چاہتا ہے حکمت (۳۶۶) دیتا ہے، اور جسے حکمت مل گئی اُسے بہت زیادہ بھلائی مل گئی، اور نصیحت صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں ﴿۲۶۹﴾

خسارے کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

(۳۶۳) اتفاق اور کیفیت اتفاق کے بیان کے بعد، اُس مال کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنا بہترین مال خرچ کریں، چاہے وہ مال بذریعہ تجارت حاصل ہوا ہو، یا کھیتوں سے حاصل شدہ غلے ہوں، کیونکہ ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ اسی لئے اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ کہ ”جب تک تم پسندیدہ چیز سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے“ (آل عمران: ۹۲)۔

ردی اور گلا سزا مال اللہ کی راہ میں نہیں دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ طیب اور پاک ہے، اور عمدہ اور اچھا مال ہی قبول کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ خراب مال اللہ کی راہ میں نہ خرچ کرو، حالانکہ خود تمہارا حال یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارا قرض چکانے کے لئے خراب مال دے تو تم اسے بطیب خاطر قبول نہیں کرو گے، آنکھیں بند کر کے بصورت جبر و اکراہ ہی قبول کرو گے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ کھجور پکنے کے زمانے میں لوگ مسجد نبوی میں دو عمودوں کے درمیان رسی سے کھجور کے گچھے لٹکادیتے، تاکہ غریب مہاجرین کھایا کریں۔ بعض لوگ ان کچھوں میں ردی کھجوروں کے گچھے ملا دیتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تنبیہ فرمائی کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی)۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال حرام ہے، کہ اللہ کی راہ میں حرام مال نہ خرچ کرو۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلا قول ہی صحیح ہے۔

امام شوکانی نے دونوں ہی مراد لیا ہے، یعنی اللہ کی راہ میں نہ حرام مال خرچ کرو اور نہ ہی ردی مال۔ (۳۶۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ مسلمان دو دعوت دینے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک اللہ کا داعی ہوتا ہے جو اُسے بھلائی کی طرف بلاتا ہے، اور بھلائی، ثواب اور خرچ کر وہ مال کے نعم البدل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور دوسرا شیطان کا داعی ہوتا ہے، جو اُسے بخل پر اُکساتا ہے اور محتاجی سے ڈراتا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کی پکار پر لبیک کہتا ہے، اور اُس کی دی ہوئی روزی میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ اسے گناہوں کی مغفرت اور ہر مقصد کے حصول کی خوشخبری دیتا ہے، اور جو کوئی شیطان کی بات مان کر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا، تو وہ اپنے لئے جہنم کی راہ ہموار کرتا ہے۔

(۳۶۶) صدقات و خیرات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے اموال واجرو ثواب کا ذکر ہو چکا، تو اب ایک ایسی نعمت کا ذکر ہو رہا ہے جو اُن سب سے افضل ہے، اور وہ ہے ”حکمت“ یعنی نفع بخش علوم، عقل راجح، فہم حاکم اور اقوال و افعال میں

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ إِنَّ بُدْءَ
الضَّدَّاتِ فَبِعَمَائِهِمْ وَإِنْ تُخَفُّوهَا وَتُؤْتُوهُمَا الْفَقْرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ هُدُومٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۝ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِقُكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا
ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ الْيَتِيمَ وَالْيَتِيمَ وَالْيَتِيمَ ۝

اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ (۳۶۷) کرتے ہو یا کوئی نیت مانتے ہو، تو اللہ بے شک اُسے جانتا ہے، اور ظالموں
کا کوئی مددگار نہ ہو گا ﴿۲۷۰﴾ اگر تم صدقات و خیرات (۳۶۸) کو ظاہر کرتے ہو تو اچھی ہی بات ہے، اور اگر محتاجوں
کو دیتے وقت اُسے چھپاتے ہو، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اللہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، اور اللہ تمہارے
اعمال سے باخبر ہے ﴿۲۷۱﴾ (اے میرے رسول!) انہیں ہدایت (۳۶۹) دینا آپ کی ذمہ داری نہیں، لیکن اللہ جسے
چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم جو بھی کوئی اچھی چیز (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے، تو اس کا فائدہ خود تمہیں ہی
پہنچے گا، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، صرف اللہ کی رضا کے لئے کرو، اور تم جو بھی کوئی اچھی چیز (اللہ کی راہ میں)
خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۷۲﴾

صائب الرائے ہونا۔ اسی لئے اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جسے اللہ نے حکمت دے دی اُسے خیر کثیر سے نواز دیا۔ ابن عباس
رضی اللہ عنہما کے نزدیک ”حکمت“ سے مراد فہم قرآن ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد فقہ اور قرآن ہے۔ امام مالک کے نزدیک ”حکمت“ فقہ فی الدین اور ایسی چیز کو کہتے ہیں
جسے اللہ اپنے فضل و کرم سے لوگوں میں ڈال دیتا ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو شیطان کے وعدوں کے دھوکے میں نہیں
آتا، اور اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اسے حکمت جیسی دولت سے نواز دیا، نیز حکمت کا تقاضا یہ ہے
کہ آدمی اللہ کی راہ میں پاکیزہ مال خرچ کرتا رہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ
کو کہتے سنا ہے کہ حدود و چیزوں میں جائز ہے، اللہ نے ایک آدمی کو مال دیا جسے وہ راہ حق میں خوب خرچ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ
آدمی جسے اللہ نے حکمت دی ہے جس کے مطابق وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے، اور انہیں اس کی تعلیم دیتا ہے۔
(مسند احمد، بخاری، مسلم)۔

(۳۶۷) اللہ کی راہ میں لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں، یا نذرانہ پیش کرتے ہیں اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ اور
اس علم کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ انہیں ان اعمال کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا، اور یہ کہ کسی کا ایک ذرہ کے برابر بھی عمل ضائع
نہیں ہوگا۔ اور جو ظالم لوگ ان پر واجب کردہ حقوق کو ادا نہیں کرتے یا حرام کارکناب کرتے ہیں، اللہ کا عذاب انہیں پکڑ لے
گا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

(۳۶۸) آیت کے اس حصہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ کو چھپانا افضل ہے تاکہ ریاکاری کا شبہ نہ رہے۔ لیکن اگر ظاہر
کرنے میں کوئی دینی مصلحت ہو، جیسے نیت یہ ہو کہ خیر میں دوسرے لوگ اس کی اقتدا کریں تو ظاہر کرنا ہی افضل ہوگا۔
اسی لئے جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ چھپانے کی افضلیت نقلی صدقہ کے ساتھ خاص ہے۔ فرض صدقات و زکاۃ میں ظاہر کرنا ہی

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعْمَقِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْتَلْوْنَ النَّاسَ الْخَائِفَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْإِتْيَانِ وَالْتِهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۰﴾

صدقہ اُن فقراء (۲۴۰) کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں بند ہو گئے، زمین میں (طلبِ رزق کے لئے) چل پھر نہیں سکتے، ناواقف لوگ اُن کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے اُنہیں مالدار سمجھتے ہیں، آپ انہیں اُن کے چروں سے پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے سوال کرنے میں الحاح سے کام نہیں لیتے، اور تم جو بھی کوئی اچھی چیز (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے، تو اللہ بے شک اُسے جانتا ہے ﴿۲۴۳﴾ جو لوگ اپنے اموال (۲۴۱) رات میں، اور دن میں، خفیہ طور پر، اور دکھلا کر خرچ کرتے ہیں، اُن کا اجر ان کے رب کے پاس ثابت ہے، اور اُن پر نہ خوف طاری ہوگا، اور نہ اُنہیں کوئی غم لاحق ہوگا ﴿۲۴۳﴾

افضل ہے صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں ایک وہ آدمی ہوگا جس نے صدقہ دے کر چھپایا، یہاں تک کہ اُس کے ہائیں ہاتھ نے نہ جانا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔

(۳۶۹) اس سے مقصود مومنوں کو اللہ کے اوامر کی اطاعت پر ابھارنا اور انہیں یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو راہِ راست پر چلانے کے مکلف نہیں ہیں، یہ تو اللہ کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کام تو لوگوں کو صرف راستہ بتادینا ہے۔

اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، قیامت کے دن اس کا حقیقی اور ابدی فائدہ اسی کو پہنچے گا، اس لئے محتاجوں پر اس کا احسان نہ جتاے اور نیت اس سے صرف اللہ کی رضائے رکھے۔ اور اللہ صدقات و خیرات کا ثواب کئی گنا زیادہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نہ کسی کی نیکیوں کو کم کرتا ہے اور نہ کسی کے گناہوں کو زیادہ کرتا ہے۔

(۳۷۰) اللہ تعالیٰ نے مال والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا مال ان فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کریں جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے، یا دن رات اس کی بندگی اور حصولِ علم کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہاں مراد اصحابِ صفہ ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے ان سے مراد وہ تمام مہاجرین لئے ہیں جو مدینہ منورہ میں آکر اقامت پذیر ہو گئے تھے، اور تجارت و حصولِ مال کے اسباب و ذرائع اُن سے منقطع ہو چکے تھے۔

(فائدہ) اس آیتِ کریمہ میں مومنین مہاجرین کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی شدتِ ضرورت و حاجت کے باوجود لوگوں سے الحاح کے ساتھ نہیں مانگتے۔ اسلام نے شدتِ ضرورت کے وقت سوال کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اور بغیر ضرورت سوال کرنے کی بڑی مذمت کی ہے۔ بخاری اور مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی ہمیشہ مانگتا رہے گا، یہاں تک کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔ اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں جن میں لوگوں سے سوال کرنے کی بڑی مذمت آئی ہے۔ امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَكَنَ وَامْرَأَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود (۲۷۵) کھاتے ہیں، وہ (اپنی قبروں سے) اس طرح اٹھیں گے، جس طرح وہ آدمی جسے شیطان اپنے اثر سے دیوانہ بنا دیتا ہے، یہ (سزا نہیں) اس لئے (ملے گی) کہ وہ کہا کرتے تھے، خرید و فروخت بھی تو سود ہی کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے، پس جس کے پاس اُس کے رب کی یہ نصیحت پہنچ گئی، اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا، تو ماضی میں جو لے چکا ہے وہ اُس کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو اس کے بعد لے گا، تو وہی لوگ جہنمی ہوں گے، اُس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ﴿۲۷۵﴾

ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے وہ گویا جہنم کی آگ مانگتا ہے۔ (۳۷۱) اللہ کی رضا کی خاطر مال خرچ کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اور آیت میں رات کو دن پر، اور پوشیدہ کو اعلانیہ پر مقدم کرنے سے مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ پوشیدہ طور پر دینا افضل ہے۔ اہل و عیال پر خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ صحیحین میں مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رضائے الہی کی خاطر تم جو بھی خرچ کرو گے، اس سے اللہ کے نزدیک تمہارا مقام بلند ہوگا، حتیٰ کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔ (۳۷۲) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے احوال و کوائف، اُن کے لئے اجر عظیم کے وعدوں، اور ان کے گناہوں کی معافی کا ذکر ہو چکا، تو اب سود اور لوگوں کا مال حرام طریقوں سے کھانے والوں کا ذکر ہو رہا ہے، اور اُن انجامہائے بد کا بیان ہو رہا ہے جن کا سامنا انہیں روز قیامت قبر سے نکلنے وقت کرنا پڑے گا۔ جس طرح وہ لوگ دنیا میں مال حرام کے حصول میں پاگل بن گئے تھے، برزخ میں اور روز قیامت اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے انہیں شیطانی مس (اثر) کی وجہ سے جنوں اور مرگی لاحق ہوگئی ہو۔ اور یہ سزا انہیں اس لئے ملے گی کہ وہ کہتے تھے کہ بیچ رہا کی مانند ہے۔ اور اس طرح حلال و حرام کو ایک جیسا بناتے تھے، اور سود کو حلال قرار دیتے تھے۔

تحریم ربکے قبل جو مال سود کھانے والے نے لیا تھا، اسے لوٹانا ضروری قرار نہیں دیا گیا، لیکن جو شخص اس کے بعد سود کو حلال قرار دے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اس لئے کہ اس نے نص قرآنی کا انکار کیا، اور اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال بنا لیا۔ (فائدہ) سود کی مذمت اور اس کے دینی اور دنیوی مفاسد کے بیان میں بہت ساری احادیث آئی ہیں۔ حاکم اور بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے تہتر (۷۳) دروازے ہیں، اس کا سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ احادیث کی رو سے سود کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: (ربا الفضل) یعنی ایک چیز کو دوسرے کے مقابلے میں زیادہ دے کر خرید و فروخت کرنا، اور فقہاء نے اس کا قاعدہ کلیہ یہ بتایا ہے کہ ہر وہ دو چیزیں جن میں ”ناپ، وزن اور خوراک“ تینوں صفات میں سے دو پائی جائیں گی، ان کا آپس میں خرید و فروخت کسی ایک کو زیادہ کر کے جائز نہیں۔ جن چیزوں میں یہ تینوں صفات معدوم ہوں گی، یا دونوں کی جنس

يَسْعَىٰ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ
 آقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

اللہ سود کو گھٹاتا (۳۷۳) ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے اور گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا ﴿۲۷۶﴾
 بے شک جو لوگ ایمان (۳۷۴) لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اور نماز قائم کیا، اور زکوٰۃ ادا کیا، اُن کا اجر ان
 کے رب کے پاس ثابت ہے، اور اُن پر نہ خوف طاری ہوگا، اور نہ انہیں کوئی غم لاحق ہوگا ﴿۲۷۷﴾ اے ایمان
 والو! (۳۷۵) اللہ سے ڈرو، اور جو سود لوگوں کے پاس باقی رہ گیا ہے، اگر ایمان والے ہو تو اُسے چھوڑ دو ﴿۲۷۸﴾

مختلف ہوگی، تو پھر کسی ایک کی زیادتی سود نہیں ہوگی۔ اور اگر دونوں کی جنس ایک ہو، لیکن تینوں صفات میں سے صرف ایک
 صفت پائی جائے، تو ایک قول یہ ہے کہ کسی ایک کی زیادتی سود نہیں ہوگی، لیکن راجح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی زیادتی
 سود ہوگی۔ اس کی دلیل عمادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جسے امام احمد اور مسلم نے روایت کی ہے کہ سونا
 سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک
 کے بدلے، برابر اور نقد بیچنا جائز ہے۔ یعنی کسی ایک کو زیادہ کر کے بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ دونوں کی جنس ایک ہے، اور
 تینوں صفات میں سے دو یا ایک صفت دونوں میں پائی جاتی ہے۔

دوسری قسم: (ربا النسيقة) ہے۔ اور اس کی ایک صورت زمانہ جاہلیت میں یہ تھی کہ جب قرض کی مدت پوری
 ہو جاتی، تو قرض والا قرض دار سے کہتا کہ قرض ادا کرو گے یا سود دو گے؟ اگر قرض ادا نہ کر تا تو قرض دینے والا مال کی مقدار
 بڑھا دیتا اور قرض کی مدت بھی بڑھا دیتا، سود کی یہ شکل بالاتفاق حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بیع و شراء کی بعض قسموں کو صرف اس لئے ناجائز قرار دیا، تاکہ سود کے پوشیدہ دروازوں کو بند
 کر دیا جائے۔ اور علمائے اسلام نے بھی ہر زمانے میں ایسی تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیا جن سے سود کے دروازے کھلتے نظر
 آئے۔ اس لئے کہ سود اسلام کی نظر میں عظیم ترین گناہ اور بدترین اجتماعی جرم ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ سود اور بیع و شراء کی
 ان تمام شکلوں سے بچیں جن میں سود کا شبہ پایا جاتا ہو۔

(۳۷۳) اللہ تعالیٰ سود کے مال سے برکت چھین لیتا ہے، اور صدقات کو بڑھاوا دیتا ہے، اس لئے کہ روزی کا مالک تو اللہ
 ہے۔ اور اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کر کے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، اور یہ امر مشاہد ہے کہ سود خور کا مال بظاہر
 تو بڑھتا ہے لیکن اس کی برکت اس سے چھین لی جاتی ہے۔ دنیا میں اس کا سکون چھین جاتا ہے، اولاد تالائق ہو جاتی ہے اور قسم
 قسم کی پریشانیوں میں وہ گھرا رہتا ہے، اور آخرت میں تو عذاب ناراس کا انتظار کر ہی رہا ہے۔

(۳۷۴) ربا (سود) کی آیتوں کے درمیان اس آیت کو لانے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سودی کاروبار سے بچاؤ کا اہم
 سبب ایمان باللہ اور اس کے حقوق کی ادائیگی ہے۔

(۳۷۵) اس آیت میں مسلمانوں کو حتمی طور سے حکم دے دیا گیا کہ قرضداروں پر سود کی جو رقم رہ گئی ہے اب نہ لی جائے،
 ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ سود اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كَانَ دُونُ عُسْرٍ فَظَرَ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۖ وَإِنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَعْتُمْ بَيْنَكُمْ بِدِينٍ أَوْ مَالٍ فَلْيَكْتُبُوا بَيْنَكُمْ كَاتِبًا بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۖ فَلْيَكْتُبْ ۖ وَلْيَمْلِكِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ ۖ وَلْيَسْتَقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ مِنْهُ شَيْئًا ۖ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمِيزَ هُوَ فَلْيَمْلِكِ وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ ۖ وَأَسْتَشْهِدُ وَالشَّهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۖ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۖ وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ تَكْتُبُوا صَعِيدًا أَوْ كَهْدِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۖ ذَٰلِكُمْ أَهْطُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۖ وَأَشْهَدُ وَالذَّاتِ بَاعِعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَارُ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۖ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے جنگ (۳۷۶) کے لئے خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم نے توبہ کر لی تو اصل رقم تمہاری ہوگی، نہ تمہیں ظلم کرنا چاہئے، اور نہ تم پر ظلم ہونا چاہئے ﴿۲۷۹﴾ اور اگر (قرضدار) تنگ دست ہو تو سہولت ہونے تک اُسے مہلت دی جائے، اور تمہارا انہیں معاف کر دینا، اگر تم سمجھتے تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ﴿۲۸۰﴾ اور اُس دن سے تم لوگ ڈر کر رہو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر ایک آدمی کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ ہو گا ﴿۲۸۱﴾ اے ایمان والو! جب تم ایک مدت معینہ تک کے لئے آپس میں لین دین (۳۷۷) کرو، تو اُسے لکھ لیا کرو، اور چاہئے کہ ایک کاتب تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے، اور کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اللہ نے اُسے علم دیا ہے اُسے لکھنا چاہئے، اور جس کے ذمہ حق ہو لکھوائے، اور اللہ سے ڈرے جو اُس کا رب ہے، اور اُس میں کچھ کمی نہ کرے، پس اگر وہ آدمی جس کے ذمہ کسی کا حق ہے، بیوقوف یا کمزور ہو، یا وہ لکھوانہ سکتا ہو، تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوادے، اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ مقرر کر لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہوں گی، جنہیں تم بطور شاہد پسند کرو، تاکہ ایک کے بھول جانے کی صورت میں دوسری اُسے یاد دلائے، اور گواہوں کو جب بلا یا جائے تو وہ انکار نہ کریں، اور معاملہ کی جب ایک مدت مقرر ہو، تو چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اُس کے لکھنے میں سستی نہ کرو، یہ کارروائی اللہ کے نزدیک انصاف سے زیادہ قریب ہے، اور گواہی کو زیادہ ٹھوس بنانے والی ہے، اور شک کو دور کرنے کی مناسب ترین کارروائی ہے، الا یہ کہ تمہارے درمیان نقد تجارت کا لین دین ہو، تو اُسے نہ لکھنے میں تمہارے لئے کوئی حرج کی بات نہیں، اور جب آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ مقرر کر لو، اور کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اور اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے حق میں گناہ کی بات ہوگی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿۲۸۲﴾

(۳۷۶) سود لینا اللہ اور رسول کے خلاف جنگ ہے۔ اور جس کی جنگ اللہ اور اس کے رسول سے ٹھن جائے وہ کب فلاح پائے گا؟ سودی کا رد بارے سے توبہ کرنے کے بعد صرف اصل مال لینا جائز ہوگا۔ اور اگر قرضدار تنگدست ہے، اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے پیسے نہیں، تو اسے مہلت دینی چاہئے۔ اور اگر قرض والا تنگدست قرضدار کو معاف کر دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ آخرت میں اُس کا اچھا بدلہ پائے گا۔

(۳۷۷) سودی کا رد بارے کے بیان کے بعد آپس میں بذریعہ قرض لین دین کا بیان ہو رہا ہے، تاکہ لوگ اپنی مالی ضرورتیں جائز اور مشروع طریقوں سے پوری کریں۔ یہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے۔ اور ابن جریر طبری نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عرش سے نازل ہونے والی آخری آیت تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تعلیم دی ہے کہ جب وہ بذریعہ قرض لین دین کریں تو اسے لکھ لیا کریں، اس لئے کہ قرض کی مقدار، اس کی ادائیگی کا وقت، اور گواہوں کو ریکارڈ میں لانے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ضمانت پر لیا گیا قرض جس کی مدت معلوم ہو حلال ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ (بخاری، طبری)۔

قرض کے ذریعہ لین دین کو لکھنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ کوئی اس کا انکار نہ کر سکے، یا بھول نہ جائے۔ اس آیت کریمہ سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

- ۱- قرض کے ذریعہ لین دین جائز ہے۔
- ۲- قرضوں کے تمام لین دین میں مدت کی تحدید ضروری ہے۔
- ۳- اللہ تعالیٰ نے قرضوں کو لکھ لینے کا حکم دیا ہے۔
- ۴- لکھنے والا عدل و انصاف کے ساتھ لکھے، اور قرابت یا عداوت سے متاثر نہ ہو۔
- ۵- یہ ضروری ہے کہ لکھنے والا انصاف کے تقاضوں کو جانتا ہو، اور خود بھی صفتِ عدل کے ساتھ متصف ہو۔
- ۶- کاتب کی تحریر قرضدار کا اعتراف ہوتا ہے، اور اگر وہ صغیر، کم عقلی، جنون، گونگا پن، یا عدم قدرت کی وجہ سے اپنے اوپر لوگوں کے حقوق کی تعبیر اچھی طرح نہیں کر سکتا، تو اس کے ولی کی تعبیر اس کی تعبیر کے قائم مقام ہوگی۔
- ۷- قرضدار جب لوگوں کے حقوق کو لکھائے تو اللہ سے ڈرے، اور ان کے حقوق اور شروط و قیود میں کمی و زیادتی نہ کرے۔

۸- خرید و فروخت میں گواہ مقرر کرنا ضروری ہے۔

۹- گواہ دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گی۔

۱۰- گواہی یقینی بات پر ہو، شک پر نہیں۔

۱۱- جب گواہ کی ضرورت پڑے تو اسے انکار نہیں کرنا چاہئے۔

۱۲- کاتب و شاہد کو کسی کے نقصان کا سبب بننا چاہئے، اسی طرح اصحابِ معاملہ کو کاتب و شاہد کے نقصان کا سبب نہ بننا چاہئے۔

وَأِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِيَ مِنْ أَمَانَتِهِ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾
 اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْذَرُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوْنَ بِهَا سِنَكُمْ بِهِ اللَّهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾

اور اگر تم حالت سفر (۲۸۳) میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ، تو قبضہ میں لیا ہوا گروی استعمال کرو، پس اگر تم میں سے کوئی کسی پر بھروسہ کر لے، تو اُسے (جس پر بھروسہ کیا گیا ہے) چاہئے کہ اُس کی امانت ادا کر دے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو کوئی اُسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہوگا، اور اللہ تمہارے کئے کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۲۸۳﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی ملکیت (۲۸۴) ہے، اور تمہارے دل میں جو کچھ ہے، اُسے ظاہر کر دیا چھپاؤ، اللہ اُس پر تمہارا محاسبہ کرے گا، پھر جسے چاہے گا معاف کر دے گا، اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۸۳﴾

(۲۸۳) اگر آدمی سفر میں ہو، اور خرید و فروخت کی نوبت آجائے، اور کاتب میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں حقوق کی توثیق رہن کے ذریعہ کر دینی چاہئے، تاکہ رہن اس بات کا ثبوت ہو کہ رہن رکھنے والے کے ذمہ اس آدمی کا حق ہے جس کے پاس رہن موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ اشیائے رہن اور ضمانتوں کے ذریعے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے، اور خلاف و نزاع کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رہن ہمیشہ صاحب حق کے قبضے میں رہنا چاہئے، اور یہ بات تحریر میں آجانی چاہئے۔ اگر رہن اور مرہن کے درمیان مقدار قرض میں اختلاف واقع ہو جائے تو بات صاحب حق کی مانی جائے گی، اس لئے کہ رہن اس کے ہاتھ میں بطور وثیقہ موجود ہے۔ آیت سے یہ بھی مستفاد ہے کہ آپس میں اعتماد ہونے کی صورت میں بغیر وثیقہ اور بغیر گواہ بنائے بھی خرید و فروخت اور قرض کالین وین کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی مستفاد ہے کہ گواہ کا اپنی گواہی چھپا نا حرام ہے۔ (۲۸۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ بندوں کے تمام احوال و کوائف کو جانتا ہے، ان کے دلوں کی ظاہر اور چھپی تمام باتوں کو جانتا ہے، اور ان پر ان کا محاسبہ کرے گا، جسے چاہے گا معاف کر دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

امام احمد، مسلم، نسائی وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم لوگ کہو کہ اے ہمارے رب! ہم نے سنا اور اطاعت و بندگی کے لئے جھک گئے۔ تو اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا، اور اگلی آیت نازل ہوئی، یعنی ﴿لَا يَكْتُمُ اللَّهُ النَّفْسَ﴾ الآیۃ، اور بات اس پر آکر رُک کر بندہ اسی قول و فعل کا ذمہ دار ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے، اور اس سے پہلی والی آیت منسوخ ہو گئی۔ جیسا کہ امام بخاری نے مروان الأصغر سے اور انہوں نے ایک صحابی رسول سے جو غالباً ابن عمر تھے روایت کی ہے کہ آیت ﴿وَإِنْ تُبْذَرُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوْنَ﴾ اس کے بعد والی آیت کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے۔ یہی قول علی، ابن مسعود، فضعی، عکرمہ، سعید بن جبیر اور قتادہ کا ہے۔

لیکن ابن جریر نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے۔ اور ابن جریر نے اسی قول کو

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَيْكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا يُفَرِّقُ
 بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ لَا يُكَلِّمُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا
 وَوَسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا
 إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لِطَافَتِكَ تَابَهُ وَأَعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
 أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥

رسول اللہ (ﷺ) اُس چیز پر ایمان (۳۸۰) لے آئے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، اور مومنین بھی،
 ہر ایک ایمان لے آیا اللہ پر، اور اُس کے فرشتوں پر، اور اُس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر (وہ کہتے ہیں
 کہ) ہم اُس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور انہوں نے کہا کہ (اے اللہ!) ہم نے تیرا حکم سنا اور
 اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں، اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ﴿۲۸۵﴾ اللہ کسی
 آدمی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، جو نیکی کرے گا اُس کا اجر اُسے ملے گا، اور جو گناہ کرے گا اس کا
 خمیازہ اُسے بگھلتا پڑے گا، اے ہمارے رب! بھول چوک اور غلطی پر ہمارا مواخذہ نہ کر، اے ہمارے رب! اور
 ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال، جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے کے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! اور ہم پر اس قدر بوجھ
 نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہ ہو، اور ہمیں درگزر فرما، اور ہماری مغفرت فرما، اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا آقا
 اور مولیٰ ہے، پس کافروں کی قوم پر ہمیں غلبہ نصیب فرما ﴿۲۸۶﴾

ترجیح دی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ حساب عقاب کو لازم نہیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حساب لینے کے بعد معاف کر دے،
 جیسا کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب اپنے ایک بندے سے اس کے کان کے قریب
 جا کر اس کے گناہوں کا اعتراف کروالے گا، تو کہے گا کہ میں نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی تھی، اور آج تمہیں معاف کرتا ہوں۔
 بعض دوسرے حضرات جو اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے
 کہ بندے کے دل میں جو کچھ گذرتا ہے، جب تک اپنے قول و عمل کے ذریعہ اس کی تصدیق نہ کر دے اللہ اسے معاف کر دے گا،
 تو اس سے مراد وہ خیالات پر اگندہ ہیں جو بندے کے دل میں گذرتے ہیں، اور جن کے کر گذرنے کا وہ عزم نہیں کرتا۔ اور یہاں
 اس آیت میں مراد وہ پختہ ارادہ، اور دل کا وہ عزم معصم ہے، جو عمل کے مترادف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کا اس پر محاسبہ
 کرے گا۔ کیونکہ ایسی نیت اس کے کسب و عمل میں داخل ہے۔ جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے کہ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا
 مَا اكْتَسَبَتْ﴾

(۳۸۰) ذیل کی دونوں آیتوں کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ امام بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی
 ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دونوں آیتیں رات میں پڑھ لے گا، وہ اس کو کافی ہوں گی۔
 امام احمد نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے، اور مسلم نے عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے
 نیچے خزانے میں تھیں، اور رسول اللہ (ﷺ) کو معراج کی رات میں عطا ہوئیں۔ سورہ فاتحہ کی فضیلت کے بیان میں بھی ان آیتوں



سورہ آل عمران مدنی ہے، اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کی فضیلت کا ذکر آیا ہے۔ (دیکھئے سورۃ الفاتحہ کی فضیلت کا بیان)۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ مومنین تمام ارکان ایمان پر ایمان رکھتے ہیں، اور یہ کہ مسلمان قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا اعلان کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں اس بات کی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی جناب میں گریہ و زاری اور دعا کرنے کی تعلیم دی ہے، تاکہ جو تقصیر حاصل ہوئی ہے اسے اللہ معاف کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کی یہ دعا قبول کر لی، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بندوں نے یہ دعا کی تو اللہ نے کہا کہ ہاں! میں نے قبول کر لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ (مسلم)۔

(فائدہ) اس آیت سے یہ شرعی قاعدہ ماخوذ ہے کہ دین اسلام میں تمام اعمال کی بنیاد نرمی اور آسانی پر ہے۔

تفسیر سورہ آل عمران

۱- اس سورت کا نام ”آل عمران“ اس مناسبت سے ہے کہ اس میں خاندانِ عمران کے برگزیدہ اشخاص (عیسیٰ، یحییٰ، مریم اور ان کی ماں) کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر آیا ہے۔

اس کا نام ”زہراء“ بھی ہے، اس لئے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہل کتاب کے شبہات کا ازالہ کرتی ہے۔ اس کا نام ”امان“ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس سے استفادہ کرنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ اسے ”کنز“ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ اسرارِ عیسوی کا خزانہ ہے۔ اسے ”مجادلہ“ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ اس کی اسی (۸۰) سے زیادہ آیتیں نجران کے نصرانیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ اسے سورۃ ”الاستغفار“ بھی کہتے ہیں جو آیت ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَابِ﴾ سے مستفاد ہے۔ اسے ”طیبہ“ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ اس میں ”طیبین“ یعنی اچھے لوگوں کا ذکر ہے۔ یعنی آیت کریمہ ﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَابِ﴾ کی طرف اشارہ ہے۔

ناموں کی اس تفصیل سے اس سورت کے مرکزی مضامین پر ایک گناروشنی پڑتی ہے، جن کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

۲- قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت بالاجماع مدنی ہے۔ اور اس کی دلیل ابتدا کی جراسی (۸۳) آیتیں ہیں، جو نجران کے عیسائی وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، اور یہ وفد مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ۹ھ میں آیا تھا۔

الْمَلَأَ اللَّهُ لَأ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحُ الْفَيَوْمَ ۝ نَزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ مَنْ قَبْلَ هُدَىٰ لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْعُرْقَانَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْفِي عَلَيْهُ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

الم (۱) ﴿﴾ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو ہمیشہ سے زندہ (۲) ہے، اور تمام کائنات کی تدبیر کرنے والا ہے ﴿﴾ (۲) اسی نے آپ پر برحق کتاب (۳) اتاری ہے، جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اسی نے تورات و انجیل کو نازل کیا ﴿﴾ جو زمانہ گذشتہ میں لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور اسی نے قرآن اتارا، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست، انتقام لینے والا ہے ﴿﴾ (۳) اللہ (۴) سے آسمان اور زمین میں کوئی چیز مخفی نہیں ﴿﴾ (۵) وہی ماں کے پیٹ میں (۵) تمہیں جیسی چاہتا ہے صورت عطا کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو زبردست، حکمت والا ہے ﴿﴾ (۶)

۳- اس کی فضیلت میں کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ امام احمد نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں آیا ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران سیکھو، یہ دو خوشنما پودے ہیں جو قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں پر بادل کی طرح سایہ کئے ہوں گے۔

نواس بن سمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور اہل قرآن کو لایا جائے گا جو اس پر دنیا میں عمل کرتے تھے، سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران ان کے آگے ہوں گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کی مثال بیان کی کہ گویا وہ دو بادل ہوں گے، یا گھنے سائے، یا صاف باندھے چڑیوں کی دو جماعت، جو ان کے پڑھنے والوں کی طرف سے دفاع کر رہی ہوں گی۔ (مسلم، ترمذی، احمد)۔

(۱) ابتدائے سورۃ البقرہ میں، کلمہ (الم) کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔
(۲) سورۃ البقرہ میں آیۃ الکرسی کی تفسیر میں "الھی" اور "القیوم" دونوں صفات الہیہ کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔
(۳) یہاں "کتاب" سے مراد قرآن کریم ہے، جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ "تورات" عبرانی لفظ ہے، جس کا معنی "شریعت" ہے، اور "انجیل" یونانی لفظ ہے، جس کا معنی "خوشخبری" ہے۔ یہ دونوں کتابیں قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ نزول قرآن کے بعد دونوں منسوخ ہو گئیں۔ اُمّت محمدیہ منسوخ شریعتوں کی مکلف نہیں۔ "فرقان" سے مراد یا تو تمام آسمانی کتابیں ہیں، اس لئے کہ سبھی حق و باطل کے درمیان تفریق کرتی ہیں، یا صرف قرآن مراد ہے، جو حق و باطل کے درمیان بالعموم تفریق کرتا ہے، یا اس حق و باطل میں تفریق کرتا ہے جس میں یہود و نصاریٰ اختلاف کرتے ہیں۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ الایۃ سے مقصود قرآن کریم پر ایمان لانے کی ترغیب، اور بصورت انکار اللہ کے عذاب سے خوف دلانا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ لوگوں کے ایمان و کفر سے باخبر ہے، اور ہر ایک کو اس کے ایمان یا کفر کا بدلہ ضرور دے گا۔
(۵) اللہ تعالیٰ مرد و عورت، خوبصورت و بدصورت، اور نیک و بد بخت، جیسا چاہتا ہے رحم میں پیدا کرتا ہے۔ اشارہ ہے اس

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۶۵﴾

اسی نے آپ پر کتاب اتاری (۱) ہے، جس میں محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی اصل ہیں، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں، پس جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ فتنہ انگیزی کی غرض سے اور (اپنی خواہش نفس کے مطابق) تاویل کی غرض سے انہی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور راسخ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لے آئے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور نصیحت تو صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں ﴿۱۶۵﴾

طرف کہ عیسیٰ بن مریم دیگر تمام انسانوں کی طرح اللہ کے ایک مخلوق بندہ تھے، اللہ نے انہیں بھی مریم کے رحم میں جیسا جاپا بنایا، تو پھر وہ ”اللہ“ کیسے ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ نصاریٰ کا باطل عقیدہ ہے۔

(۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور کمالِ قیامت کی خبر دی ہے کہ اسی نے قرآن کریم کو نازل کیا ہے جس کی نظیر قیامت تک نہیں پائی جائے گی۔ اس کا ایک حصہ صریح اور واضح احکام پر مشتمل ہے، جیسے حلال و حرام، حدود، عبادات اور عبرتوں اور نصیحتوں والی آیتیں۔ اور ایک حصہ ایسی آیتوں پر مشتمل ہے جن کا علم اور جن کی حقیقت اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، یا جن میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ جیسے سورتوں کی ابتدا میں حروفِ مقطعات، غیبی امور اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا یہ قول: ﴿وَكَلِمَتُهُ أَلْفَاها إِلَىٰ مَوْزِنٍ وَّوُجُحٌ مِنْهُ﴾ کہ وہ ”اللہ کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف ڈال دیا، اور اس کی طرف سے ایک روح“۔ (النساء: ۱۷۱)۔

لیکن جن کے دلوں میں کفر و نفاق ہے وہ متشابہ آیتوں کے درپے ہوتے ہیں، تاکہ لوگوں کو شبہات میں مبتلا کر سکیں، اپنے باطل عقائد و نظریات پر فاسد تاویلات کے ذریعہ ان سے استدلال کر سکیں، اور اسلام میں بدعتوں کو رواج دے سکیں، اور جن کا ایمان اور علم راسخ ہوتا ہے وہ ان متشابہات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں، ان کا جو معنی و مفہوم دیگر قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور عربی زبان کے مطابق انہیں سمجھ میں آتا ہے وہ لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کی حقیقت اور کنہیات کی کرید میں نہیں پڑتے، اس لئے کہ اصحابِ عقل و دانش کے لئے محکم آیتیں ہی کافی اور وافی ہوتی ہیں۔ اور بیمار عقل والے ہمیشہ ہی مشتبہ آیتوں کی تلاش میں ہوتے ہیں، تاکہ اپنے باطل افکار کی تائید میں کوئی دلیل لاسکیں، اور مسلمانوں میں شر اور فتنہ پھیلا سکیں۔

محکم اور متشابہ کی علمائے تفسیر نے کئی تعریضیں بیان کی ہیں، امام شوکانی نے ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تعریضیں جزوی اور ناقص ہیں، اور ان کی تفصیل بیان کی ہے، پھر کہا ہے کہ ”محکم“ کی سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ ”جس کا معنی واضح اور جس کی دلالت ظاہر ہو“۔ اور متشابہ یہ ہے کہ ”جس کا معنی واضح نہ ہو، یا جس کی دلالت ظاہر نہ ہو“۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ ”وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“ کا ما قبل سے کوئی تعلق نہیں۔ اور مجاہد کا خیال ہے کہ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
 لِيَوْمٍ لَا نُدْرِكُ فِيهِ مِنَ اللَّهِ إِلَّا الْخُلُوفَ الْمَيْعَادَ ﴿۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ
 اللَّهِ شَيْئًا ۗ وَأُولَئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ۗ كَذَّابِ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
 فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰﴾

اے ہمارے رب (۷) ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد کج روی میں نہ مبتلا کر دے، اور ہمیں اپنے پاس سے
 رحمت عطا فرما، بے شک تو بڑا عطا کرنے والا ہے ﴿۸﴾ اے ہمارے رب! تو لوگوں کو اکٹھا کرے گا ایک ایسے
 دن میں جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، بے شک اللہ میعاد کے خلاف نہیں کرتا ﴿۹﴾ بے شک جن لوگوں نے
 کفر کیا (۸) ان کے اموال اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے بچاؤ کے لئے انہیں کچھ بھی کام نہ آئے گی، اور وہی
 لوگ آگ کا ایندھن بنیں گے ﴿۱۰﴾ ان کا حال فرعونوں جیسا اور ان لوگوں جیسا ہے جو ان سے پہلے تھے،
 انہوں نے ہماری آیتوں کو ٹھٹھایا، تو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں پکڑ لیا، اور اللہ کا عذاب بڑا
 سخت ہوتا ہے ﴿۱۱﴾

www.KitaboSunnat.com

اس کا ما قبل سے تعلق ہے، اور تشابہ آیتوں کی تاویل راسخ العلم لوگ بھی جانتے ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ
 عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے، اور کہا ہے کہ قرآن کریم میں
 ”تاویل“ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے؛ تاویل بمعنی حقیقت شے اور اس کا انجام و نتیجہ، اگر تاویل سے مراد یہ لیا جائے تو
 وقف ”اللہ“ پر ہوگا، اس لئے کہ اشیاء کے حقائق و کتبیات کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر ”تاویل“ سے مراد ”تفسیر اور
 بیان“ لیا جائے، تو ”الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“ اللہ پر معطوف ہوگا، اس لئے کہ علماء کو ان آیات کا مفہوم ضرور جاننا چاہئے
 جن کے مسلمان مخاطب ہیں۔

(۷) چونکہ یہاں مستقیم اور منحرف دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے، اس لئے اللہ نے مومنوں کو تعلیم دی کہ وہ اللہ سے ایمان
 پر ثبات قدمی کی دعا کریں، اور اس بات کا دل سے اقرار کریں کہ وہ بعث بعد الموت اور جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اور یہ کہ
 اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ترمذی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعا
 کرتے تھے (يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَىٰ دِينِكَ) کہ اے دلوں کو الٹ پھیر کرنے والے! میرے دل کو تو
 اپنے دین پر قائم رکھ۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ یہ دعا بہت زیادہ مانگا کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر
 انسان کا دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے، چاہتا ہے تو حق پر قائم رکھتا ہے، اور چاہتا ہے تو اسے گمراہ کر دیتا ہے۔

(۸) ذکر قیامت کے بعد اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے اللہ کا انکار کیا اور رسولوں کی تکذیب کی جہنم میں
 ضرور داخل ہوں گے۔ اور ان کا مال اور ان کی اولاد انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی، اور دنیا میں بھی ان کا حشر فرعون اور
 ان لوگوں جیسا ہوگا جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی، کہ اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں پکڑ لیا، اور عذاب آخرت
 سے پہلے دنیاوی مصیبتوں اور عقوبتوں میں مبتلا کیا۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْتُغْلِبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۚ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ كَذَبُوا أَنَّهُمْ مُّشْرِكُونَ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زَيْنٌ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب (۹) ہو گے، اور جہنم کی طرف لے جانے کے لئے جمع کئے جاؤ گے، اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے ﴿۱۲﴾ یقیناً تمہارے لئے (۱۰) دونوں گروہوں میں ایک نشانی تھی، جو ایک دوسرے کے مقابل میں آگئے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنے سے دو گنا دیکھ رہا تھا۔ اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے، بے شک اس میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے ﴿۱۳﴾ لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت (۱۱) خوبصورت بنا دی گئی ہے، یعنی عورتوں کی محبت، بیٹوں کی محبت، سونے اور چاندی کے خزانوں کی محبت، پلے ہوئے گھوڑوں، چوپایوں، اور کھیتی کی محبت، یہ ساری چیزیں دنیاوی زندگی کا سامان ہیں۔ اور اچھا ٹھکانا تو اللہ کے پاس ہے ﴿۱۴﴾

(۹) اس سے مراد یہود مدینہ ہیں، اس کے شان نزول کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ بدر کے بعد مدینہ منورہ واپس آئے تو بنو قینقاع کے بازار میں تمام یہودیوں کو جمع کیا، اور کہا کہ اے جماعت یہود! تم لوگ اسلام لے آؤ قبل اس کے کہ تمہارا وہی انجام ہو جو اہل قریش کا ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ اے محمد! تم اس بات سے دھوکے میں نہ آ جاؤ کہ منھی بھر جنگ سے ناواقف قریشیوں کو قتل کر کے آ گئے ہو، اگر ہم سے جنگ ہوئی تو سمجھ جاؤ گے کہ ہم کون لوگ ہیں، ہم جیسوں سے ابھی تمہیں سابقہ نہیں پڑا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا کہ بنو قریظہ قتل کر دیئے گئے، بنو نضیر کو جلا وطن ہونا پڑا، اور خیبر فتح ہوا، اور باقی لوگوں پر جزیہ لگایا گیا۔

(۱۰) یہاں بھی مخاطب یہود مدینہ ہیں، کہ غزوہ بدر میں جو کچھ ہوا اس سے تمہیں عبرت حاصل کرنی چاہئے تھی، اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اللہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا، اور اپنے رسول کی مدد ضرور کرے گا۔

"فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" سے مراد اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام ہیں، جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ اور "فِئَةٌ أُخْرَىٰ" سے مراد مشرکین قریش ہیں، جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کفار کو مسلمان اپنے سے دو گنا نظر آنے لگے، یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی مدد تھی تاکہ کفار پر رعب طاری ہو جائے۔ اس کے علاوہ اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرشتوں کے ذریعہ بھی کی۔ اور یہ جو سورہ انفال میں آیا ہے: ﴿وَيَقْلُلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ﴾ "اور تمہیں ان کی نظروں میں کم دکھایا" تو یہ ابتدائے امر میں ہوا تاکہ کفار ڈر کے مارے بھاگ نہ جائیں۔ اور جب دونوں فوجیں ٹکرائیں گئیں تو اللہ نے مسلمانوں کو کافروں کی نظر میں دو گنا کر دکھایا، تاکہ کافروں پر رعب طاری ہو جائے، اور اللہ نے جس امر کا فیصلہ کر دیا تھا وہ ہو کر رہا، یعنی کفار قریش کے کشتوں کے پشے لگ جائیں۔

(۱۱) اوپر بیان ہوا کہ کافروں کو ان کے تمام دنیاوی قوت و اسباب کام نہ آئے، اور جنگ بدر میں گجر مومنی کی طرح قتل کر دیئے

قُلْ أُو۟نِبۡتُكُمْ بِمَغۡرِبٍ مِّنۡ ذٰلِكُمْ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا۟ عِنۡدَ رَبِّهِمْ جَدۡتُكَ بَعۡرَىٰ مِمَّنۡ تَحۡتَٰهَا الۡأَنۡهَارُ خُلَٰدٍ مِّنۡ فِیۡہَا وَاَزۡوَاجُ
مُطَهَّرَةٌ وَّ رِضۡوَانٌ مِّنۡ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌ بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِیۡنَ یَقُولُوۡنَ رَبَّنَا اِنۡنَاۤ اِنۡمَانَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاِنۡنَا
عِندَ النَّارِ ۝

آپ کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز کی خبر دوں (۱۲) اللہ سے ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ملیں گی، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور پاکیزہ بیویاں ملیں گی، اور اللہ کی خوشنودی ملے گی، اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے ﴿۱۵﴾ جو کہتے (۱۳) ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہمارے گناہ معاف کر دے، اور جہنم کے عذاب سے ہمیں بچا دے ﴿۱۶﴾

گئے۔ اب اسی دنیا اور اس کی لذتوں کی حقارتِ شان بیان کر کے لوگوں کو اللہ کی جنت کے حصول کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ "حُبُّ الشَّهَوَاتِ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمی اپنی شہوتوں سے اندھی محبت کرتا ہے، حالانکہ یہ شہوتیں جب حدِ اعتدال سے بڑھ جاتی ہیں تو اصحابِ حکمت و دانائی کے نزدیک قابلِ حقارت ہو جاتی ہیں، اور ان کا غلام بہائم سے قریب ہو جاتا ہے۔ بخاری کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ اور اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ مِنْ اَزۡوَاجِكُمْ وَاَوۡلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاخۡذَرُوۡهُمۡ ﴾ یعنی "تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں، تم ان سے بچ کر رہو"۔ (التحاین: ۱۳)۔ اور فرمایا: ﴿ كَلَّا اِنَّ الْاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖۤ اِنَّہٗ لَکٰفِرٌ ۙ اَنۡ رَّآہٗ اَسۡتَغۡفٰی ۙ * اَنۡ رَّآہٗ اَسۡتَغۡفٰی ۙ * ﴾ یعنی "انسان اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو دولت میں گھرا دیکھ لیتا ہے"۔ (العلق: ۷-۶)۔

(۱۲) قیامت کے دن اہل تقویٰ کے لئے اچھی منزل کا اجمالی ذکر ہونے کے بعد اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے، تاکہ مومنین اس کے حصول کے لئے سبقت کریں۔ جنت میں شہد، دودھ، شراب اور پانی وغیرہ کی نہریں جاری ہوں گی، اور ایسی نعمتیں ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا نہ کسی کان نے سنا ہو گا، اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا کھنکا ہوا ہو گا۔

"پاکیزہ بیوی" سے مراد ایسی بیویاں ہیں جو ہر طرح کی نجاست اور گندگی سے پاک ہوں گی۔ "اللہ تعالیٰ کی خوشنودی" سے مراد اللہ کی ایسی رضا ہے جس کے بعد اللہ کبھی بھی جنتیوں سے ناراض نہ ہو گا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے پوچھے گا کہ کیا تم لوگ خوش ہو گئے؟ تو جنتی کہیں گے کہ ہم کیوں نہ خوش ہوں، تو نے تو ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو بھی نہ دیا۔ تو اللہ کہے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز دیتا ہوں، میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں، ایسی رضامندی جس کے بعد تم پر کبھی بھی ناراض نہ ہوں گا۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت الفردوس کی دعا کرتا ہوں، اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۱۳) اس میں ان اہل تقویٰ کی صفت بیان کی گئی ہے، جو اللہ کی جنت اور اس کی نعمتوں کے حقدار بنے۔ اور اس میں دلیل ہے کہ دعا کرنے والا اپنی نیکیوں کا ذکر کر کے دعا کرے۔ اور اس کی تائید صحیحین کی "اصحابِ غار" والی حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آیا ہے کہ ان تینوں نے جو غار میں گھر گئے تھے اپنی اپنی نیکیوں کو وسیلہ بنا کر دعا کی تھی، اور اللہ نے پتھر کو غار کے دہانے سے ہٹا کر ان کی جان بچا دی تھی۔

الضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسَارِ ۝ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا
اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُنزِلَتْ إِلَيْهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

جو صبر کرنے والے، اور سچ بولنے والے، اور خاکساری اختیار کرنے والے، اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے، اور پچھلی (تہائی) رات میں اللہ سے مغفرت (۱۳) مانگنے والے ہوتے ہیں ﴿۱۷﴾ اللہ گواہی (۱۵) دیتا ہے کہ اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور اہل علم گواہی دیتے ہیں، وہ (اپنے احکام میں) عدل پر قائم ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو عزت والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۸﴾ بے شک دین برحق اللہ کے نزدیک اسلام (۱۶) ہے، اور اہل کتاب نے اُن کے پاس علم آجانے کے بعد حسد و عناد کی وجہ سے مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا تو اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾

(۱۳) اس میں اہل تقویٰ کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں "وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ" میں استغفار سحر گاہی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صحیحین اور احادیث کی دوسری کتابوں میں کئی صحابہ کرام سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے، اور کہتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے جسے میں دوں، کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول کروں، کوئی مغفرت چاہنے والا ہے جسے میں معاف کر دوں!؟
مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے، اور کہتا ہے کہ کون قرض دے گا ایسے کو جو فقیر نہیں، اور ظالم نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ طلوع فجر تک (ایسا ہی رہتا ہے)۔

(۱۵) یہ مالک دو جہاں، اُس کے فرشتوں اور اہل علم کی زبانی ایک عظیم شہادت ہے، یعنی اللہ عزوجل کی توحید کی شہادت اور اس بات کی شہادت کہ عدل و انصاف اور ائمان اس کی صفت ہے۔ اس آیت میں اہل علم کی بھی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ نے توحید کی شہادت کے لئے انہیں خاص کر دیا، ان کی شہادت کو اپنی اور فرشتوں کی شہادت کے ساتھ جوڑ دیا اور اسے توحید کی بہت بڑی دلیل قرار دیا، اور مخلوق کے لئے ان کی شہادت کو قبول کرنا واجب قرار دیا۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہاں اہل علم سے مراد قرآن و سنت کا علم رکھنے والے ہیں۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ کے نزدیک "اسلام" کے علاوہ اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ ہر نبی یہی دین لے کر آئے، اور ان کے زمانے کے لوگوں کے لئے اسی کی اتباع لازم ہوئی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، اور تمام سابقہ ادیان منسوخ ہو گئے، اور صرف وہ دین رہ گیا جو اللہ نے آپ ﷺ کو دے کر مبعوث کیا۔ آپ ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص کسی دوسرے دین کی اتباع کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جائے گا تو اس کی موت کفر پر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت کا کوئی بھی آدمی جو میرے بارے میں سنے گا، چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، اور دین اسلام پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنمی ہوگا۔ (مسلم)۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں سرخ اور کالے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)۔

وَأَنْ كَانُوا فَكُلَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالذِّمِّيْنَ أَسْلَمْتُمْ فَإِنْ
 أَسْلَمُوا فَقَدِ احْتَمَوْنَا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَانكأَعَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ بُصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ
 يَقْتُلُونَ النَّبِيْنَ بَعْدَ حَقِّهِ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَئِكَ
 الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ
 الْكِتَابِ يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيُقَاسَ بِهِمْ ثُمَّ يُؤَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝

پس اگر وہ لوگ آپ کے ساتھ جھگڑیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تو اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا دیا (۱۷) ہے، اور
 میرے ماننے والوں نے بھی، اور آپ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگوں نے بھی اپنا سر
 اللہ کے سامنے جھکا دیا؟ پس اگر وہ اسلام لے آئیں گے تو ہدایت پالیں گے، اور اگر زور گردانی کریں گے تو آپ کی
 ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار
 کرتے ہیں، اور انبیاء کو ناحق قتل (۱۸) کرتے ہیں، اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتے
 ہیں، انہیں آپ دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۲۱﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں
 ضائع (۱۹) ہو گئے، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿۲۲﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں اللہ کی کتاب (۲۰)
 کا ایک حصہ ملا، انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، پھر ان کی ایک
 جماعت اُس سے اعراض کرتے ہوئے لوٹ جاتی ہے ﴿۲۳﴾

اور یہ بھی فرمایا کہ ہر نبی ایک خاص قوم کے لئے مبعوث ہوتا تھا، اور میں تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (بخاری)۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ یہود نے قرآن کا انکار لائے کی وجہ سے نہیں بلکہ حسد و عداوت کی وجہ سے کیا۔

(۱۷) اسلام کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت ثابت ہو جانے کے باوجود بھی اگر اہل کتاب کفر و عناد کی راہ اختیار کرتے
 ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تو اپنا ظاہر و باطن اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے، اور یہی حال میری اتباع کرنے والے مسلمانوں کا
 بھی ہے، اور اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب کو کہہ دیجئے کہ اگر تم اسلام لے آؤ گے تو صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاؤ گے، اور
 اگر زور گردانی کر دو گے تو میرا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور حساب تو تمہیں اللہ کو دینا ہوگا۔

(۱۸) یہاں بھی مراد اقوام یہود ہیں، جنہوں نے زکریا اور ان کے بیٹے یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا، اور حزقیل علیہ السلام کو بھی
 قتل کیا، اور ان کا خود گمان ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے یہود اپنے
 باپ دادوں کے کرتوتوں سے راضی تھے، اس لئے ان قبیح اعمال کی نسبت ان کی طرف کرنا صحیح ہوا۔ امام حاکم نے لکھا ہے، اس
 آیت میں دلیل ہے کہ داعی الی اللہ اپنی جان کا خطرہ ہونے کے باوجود لوگوں کو بھلائی کی دعوت دیتا رہے گا۔

(۱۹) دنیا میں ان کے اعمال اس طرح ضائع ہوئے کہ اللہ نے ان کی مذمت کی، ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، قتل کئے
 گئے، ان کی عورتیں اور بچے قیدی اور غلام بنائے گئے، اور ان کے اموال بطور غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اور
 آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کے ثواب کو عذابِ الیم سے بدل دے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ نَّبْسُتَ النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدًا وَعَذَّرُوْهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ نَاكُوْلِيْفَتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنَاهُمْ يَوْمًا لَا رَيْبَ فِيْهِ وَاُوْقِيْتُمْ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْكُمْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُزَلِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُنَزِّلُ الْخَيْلَ بِرِجَالِكِ الْخَيْلَ بِرِجَالِكِ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَ قَدِيْرٌ ۝

یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ چند دن (۲۱) کے علاوہ ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، اور انہیں اُن کے دین کے معاملے میں اُن کی افترا پردازیوں نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ﴿۲۳﴾ پس کیسا حال ہو گا اُن کا، جب ہم انہیں ایک دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور ہر آدمی کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور اُن پر ظلم نہیں ہو گا ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے (۲۲) کہ اے میرے اللہ! حقیقی بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کرتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ذلیل بنا دیتا ہے، تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۶﴾

(۲۰) "کتاب" سے مراد تورات، اور "جنہیں اس کا ایک حصہ دیا گیا" سے مراد علمائے یہود ہیں۔ اور "کتاب اللہ" سے مراد قرآن کریم ہے۔ بعض مفسرین نے "کتاب اللہ" سے بھی مراد تورات لیا ہے، اور کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ایک خاص واقعہ کی طرف ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود مدینہ اپنے دو زانی مرد اور عورت کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے، تو آپ ﷺ نے رجم کا حکم دے دیا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہماری کتاب (یعنی تورات) میں تو صرف منہ کالا کرنا ہے۔ پھر تورات منگائی گئی تو اُس میں رجم کا ذکر ملا، چنانچہ ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ اس پر یہود ناراض ہوئے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(فائدہ) جب کسی شخص کو اللہ کی کتاب اور اس میں موجود شریعت کی طرف بلا یا جائے تو قبول کرنا واجب ہے۔ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

(۲۱) یہودیوں نے قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ سے دو اسباب کی وجہ سے اعراض کیا۔ اول تو ان کا یہ گمان کاذب کہ جنہم کی آگ انہیں چند ہی دن اپنی لپیٹ میں لے گی، جس کی انہوں نے من مانی تحدید کر لی تھی۔ اور دوم یہ کہ اللہ کی آیات کی تکذیب کی وجہ سے شیطان نے اُن کے بُرے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا بنا کر پیش کیا، اور وہ دھوکے میں آگئے اور سمجھ بیٹھے کہ وہ حق پر ہیں۔ حق سے اعراض کی وجہ سے اللہ کی طرف سے یہ ایک سزا تھی۔ ایسے لوگوں کا قیامت کے دن کیا حال ہو گا؟ اور کیسے عذاب کی سزا انہیں بھگتنی پڑے گی؟ اس کا تصور انسان اس دنیا میں نہیں کر سکتا۔

(۲۲) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو طریقہ دعا سکھلایا ہے، اور تسبیح و تحمید کی تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ مالکِ کل، مالکِ مطلق، اور مالکِ حقیقی ہے۔ اپنے ملک میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، ایجاد کرتا ہے، ختم کرتا ہے، مارتا ہے، زندہ کرتا ہے، عذاب یا ثواب دیتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اُسے روک سکتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے، بادشاہ بنا دیتا ہے، اس لئے کہ حقیقی بادشاہت اسی کے ساتھ خاص ہے، اور دوسروں کی بادشاہت مجازی اور عارضی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں عزت و ذلت ہے، اور اسی کے ہاتھ میں تمام بھلائیاں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت میں "ملک" سے مراد "تجوت" ہے۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ السَّحَابَ مِنَ السَّمَاءِ وَتَرْسُلُ مِنَ السَّمَاءِ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ سِرُّ الْكَافِرِينَ أَوَّلِيكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ
فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُ تُقَاهُ وَيُعَذِّبُكُمُ اللَّهُ نَفْسًا وَاللَّهُ الْمَعْلُومُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ مَخْشَوْنَا مَا فِي صُدُورِكُمْ
أَوْ نُبْدَاهُ فَعَلِمَهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾

تورات کو دن میں، اور دن کو رات میں داخل (۲۷) کرتا ہے، اور زندہ کو مردہ سے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور توجسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۲۷﴾ مومنوں کے لئے مناسب نہیں کہ مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست (۲۸) بنائیں، اور جو ایسا کرے گا اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، مگر یہ کہ اُن کے شر سے بچنا مقصود ہو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ تم چاہے اپنے سینے کی باتوں (۲۹) کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ انہیں جانتا ہے، اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، انہیں جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۹﴾

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اُمتِ مسلمہ پر احسان کر کے نبوت بنی اسرائیل سے نبی کریم ﷺ کی طرف منتقل کر دی، اور ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا، اور پوری دنیا میں پھیلا دیا، اس لئے مسلمانوں کو اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ (۲۳) رات اور دن کو ایک دوسرے میں داخل کرتا ہے، یعنی ایک کو دوسرے کے پیچھے لا کر یا نقص و زیادتی کے ذریعہ۔ اور حیوان کو نطفہ سے اور نطفہ کو حیوان سے پیدا کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مومن کو کافر سے، اور کافر کو مومن سے نکالتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بلا حد و حساب روزی دیتا ہے۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بنائیں، اس لئے کہ مومنوں کا ولی اللہ ہے۔ اور مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی کئی آیتیں آئی ہیں۔ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض و عداوت ایمان کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی کافروں کو اپنا دوست بنائے گا، اللہ اس سے بری ہے، اور اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں، اگر کافروں سے کوئی خطرہ ہو، تو مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وقتی طور پر زبان سے دوستی کا اظہار کرے۔ امام بخاری نے ابوالدرداء کا قول نقل کیا ہے کہ ہم لوگ بعض قوموں کے سامنے مصنوعی مسکراہٹ کا اظہار کرتے تھے، حالانکہ ہمارے دل اُن پر لعنت بھیجتے تھے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں اپنی ذاتِ مقدس سے ڈرارہا ہے، دیکھو! اس کے احکام کی مخالفت اور اس کے دشمنوں سے دوستی کر کے اسے ناراض نہ کرو۔ اس میں انتہا درجے کی دھمکی ہے۔

(۲۵) اللہ کی طرف سے بندوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں، اور ایسے اعمال کا ارتکاب نہ کریں جن سے اس نے منع کیا ہے، اور جو اس کی ناراضگی کا سبب بنیں، اور بندہ اس یقین کے ساتھ دنیا میں رہے کہ اللہ سے کوئی بات بھی مخفی نہیں، وہ دلوں کے بھید جانتا ہے، چاہے بندہ اسے ظاہر کرے یا چھپائے، وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ زمینوں،

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَأَوْجِبُوا لَكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرٰهِيْمَ وَالْإِسْمٰعِيلَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اُس دن (۲۶) کو یاد کرو جب ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اپنے سامنے پائے گا، اور اپنے کئے ہوئے گناہوں کو بھی چاہے گا کہ کاش اُن بد اعمالیوں اور اس کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے ﴿۳۰﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت (۲۷) کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾ آپ کہہ دیجئے (۲۸) کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا ﴿۳۲﴾ بے شک اللہ نے تمام دنیا کے لوگوں (۲۹) کے مقابلے میں آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو چن لیا ﴿۳۳﴾ جو ایک دوسرے کی نسل سے ہیں، اور اللہ خوب سننے والا بڑا جاننے والا ہے ﴿۳۳﴾

پہاڑوں، اور سمندروں کا ایک ذرہ یا اس سے بھی کوئی چھوٹی چیز اللہ سے مخفی نہیں۔ اور جب کوئی چیز مخفی نہیں تو اگر کوئی شخص پوشیدہ طور پر کافروں سے دوستی رکھے، یا نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرے، یا کفر کا ارتکاب کرے، تو اللہ تعالیٰ سے یہ باتیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں!؟

(۲۶) اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی کو ڈھیل دیتا ہے تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے اعمال مخفی ہیں، بلکہ اس کے اعمال قیامت کے دن کے لئے اٹھا کر رکھ دیئے جاتے ہیں، جس دن ہر آدمی اپنی نیکیوں کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب اپنے گناہوں کو اپنے سامنے دیکھے گا، تو تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور ان گناہوں کے درمیان ایسی دوری ہوتی جس کے بعد کوئی دوری نہیں ہو سکتی۔

(۲۷) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اُن تمام لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور طریقہ محمدی پر گامزن نہیں ہوتے۔ جب تک آدمی اپنے تمام اقوال و افعال میں شرع محمدی کی اتباع نہیں کرتا، وہ اللہ سے دعویٰ محبت میں کاذب ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل مردود ہوگا۔

(۲۸) یہ آیت دلیل ہے کہ طریقہ محمدی کی مخالفت کفر ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا: ”اگر انہوں نے اِعراض سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا“۔ معلوم ہوا کہ طریقہ محمدی سے اِعراض کرنے والا کافر ہوتا ہے۔

(۲۹) اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح علیہما السلام کو نبوت کے لئے چن لیا، اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالم کے مقابلے میں چن لیا، آل ابراہیم میں نبی کریم ﷺ بدرجہ اولیٰ داخل ہیں، اس لئے کہ وہ اولاد ابراہیم سے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں درحقیقت یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نام کی صراحت برگزیدگی میں کمال شہرت، اور امام الانبیاء ہونے کی وجہ

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَئِن كَرِهْتَ الْإُنثَىٰ ۖ وَلَئِن سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ۖ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾

جب عمران کی بیوی (۳۵) نے کہا، اے میرے رب! میں نے تیرے لئے اپنے پیٹ کے بچے کی آزاد کر کے نذرمان لی ہے، تو میری طرف سے اُسے قبول فرمالے، بے شک تو ہی خوب سننے والا بڑا جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ پس جب اُس نے اُسے جنا تو کہا کہ اے میرے رب! میں نے اسے بچی جنا ہے، اور جو اس نے جنا ہے اللہ اُسے خوب جانتا تھا، اور وہ لڑکا جس کی اُس نے خواہش کی تھی، اُس لڑکی کی مانند نہیں جو اللہ نے اُسے دیا، (اُم مریم نے کہا) اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اسے اور اس کی اولاد کو مرد و شیطان کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ﴿۳۶﴾

سے ضروری نہ رہی۔ آل عمران سے مراد: مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔

حافظ سیوطی نے اپنی کتاب (الاکلیل) میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ (العالمین) میں فرشتے بھی داخل ہیں۔ اور اللہ نے انبیاء کو (العالمین) پر فضیلت دی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے بتایا کہ یہ خیر و برکت ان کی ذریت میں تسلسل کے ساتھ جاری رہی، مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی۔ (۳۰) محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ عمران کی بیوی یعنی مریم علیہا السلام کی ماں کو حمل قرار نہیں پاتا تھا، انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے بیٹا عطا کر۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی، جب حمل قرار پایا تو انہوں نے نذرمانی کہ بچے کو عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لئے بالکل فارغ کر دوں گی۔ جب ولادت ہو گئی تو انہوں نے کہا، اے میرے رب! یہ تو بچی ہوگی، اور میں نے تو سوچا تھا کہ بچہ ہوگا تو بیت المقدس کی خدمت کرے گا۔ اور اللہ کو تو معلوم ہی تھا کہ انہوں نے کیا جتنا۔ اللہ نے کہا کہ وہ بچہ جس کی انہوں نے خواہش کی تھی قوت، صبر و تحمل اور مسجد اقصیٰ کی خدمت میں اس بچی کی مانند نہ ہوتا جو پیدا ہوئی ہے۔ اُم مریم نے اس بچی کا نام مریم رکھ دیا، مفسرین نے لکھا ہے کہ مریم کا معنی ان کی زبان میں ”عابدہ اور رب کی خادمہ“ کے ہے۔ اُس کے بعد اُم مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے ”مَس“ کرتا ہے یعنی اُس پر اپنا اثر ڈالتا ہے تو بچہ چیخنے لگتا ہے، لیکن مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام شیطان کے ”مَس“ سے محفوظ رہے، اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: ﴿وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾

(فائدہ) یہ آیت دلیل ہے کہ ماں اپنے بچے کی نذرمان سکتی ہے، اور یہ کہ ماں اپنے چھوٹے بچے سے اپنی ذات کے لئے استفادہ کر سکتی ہے۔ اسی لئے اُم مریم نے کہا کہ اے میرے رب! میں اپنے حمل کو تیرے لئے وقف کرتی ہوں۔ آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ جب اللہ سے اولاد مانگے تو اُم مریم کی طرح اچھی اولاد کی نیت کرے، اور اس کے لئے عمل صالح کی خواہش کرے۔

فَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَوَقَّلَهَا زَكْرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَمِيمٌ كَلِمَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝

تو اس کے رب نے اُسے شرف قبولیت (۳۱) بخشا، اور اُس کی اچھی نشوونما کی، اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا، جب بھی زکریا اُس کے پاس محراب میں جاتے، اُس کے پاس کھانے کی چیزیں پاتے، وہ پوچھتے کہ اے مریم! یہ چیزیں کہاں سے تیرے لئے آئی ہیں، وہ کہتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۳۷﴾ اسی جگہ اور اسی وقت زکریا نے اپنے رب سے دعا (۳۲) کی، کہا اے میرے رب! مجھے تو اپنے پاس سے اچھی اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو سننے والا ہے ﴿۳۸﴾

حافظ سیوطی نے (الإکلیل) میں لکھا ہے: یہ آیت دلیل ہے کہ بچے کا نام ولادت کے دن ہی رکھنا جائز ہے۔ ساتویں دن کی ہی تعیین صحیح نہیں۔ آیت سے یہ بھی مستفاد ہے کہ ماں اپنے بچے کا نام رکھ سکتی ہے، یہ کام باپ ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ (۳۱) اُم مریم نے بیٹے کی نیت کی تھی تاکہ بیت المقدس کی خوب خدمت کرے۔ جب بچی ہوئی تو انہیں ایک طرح کی مایوسی ہوئی چنانچہ اللہ نے ان کا دل رکھا، اور ان کی نذر قبول کر لی، اور پھر وہ لڑکی ایسی ہوئی کہ صلاح و تقویٰ اور دینی مقاصد کے حصول میں ہزاروں لڑکوں پر سبقت کر گئی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کی نذر قبول کر لی، اور اس لڑکی کو ایسا شرف قبولیت حاصل ہوا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے آگے بڑھ گئی۔ اور پھر اللہ نے ان کی کفالت زکریا کے ذمہ لگا دی، جو ان کے خالو تھے۔ دوسری آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے: ﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ حَزِيمًا﴾ جب وہ لوگ اپنے قلم (نہر میں) بطور قرعہ اندازی ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے؟ (آل عمران ۴۴)۔ مریم علیہا السلام نے زکریا علیہ السلام سے علم نافع اور عمل صالح حاصل کیا، اور دینی ماحول اور فضا میں ان کی تربیت ہوتی رہی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بھی زکریا علیہ السلام اُن کے پاس جاتے تو موسم سرما کا پھل موسم گرما میں، اور گرما کا سرما میں پاتے تھے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ مریم علیہا السلام دن رات عبادت میں لگی رہتی تھیں، اور محراب سے صرف بشری تقاضوں کے لئے ہی نکلتی تھیں۔

(فائدہ) آیت میں دلیل ہے کہ اللہ کے دوستوں کے ذریعہ کرامات صادر ہوتے ہیں۔ اس کی تصدیق خیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے، جنہیں مکہ مکرمہ میں کافروں نے شہید کر دیا تھا، اور جن کے پاس قید کے زمانے میں انگور کے سچھے ملا کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح البخاری کتاب الجہاد)۔ لیکن اللہ کا دوست وہی ہو گا جو پابند شریعت، قرآن و سنت کا تبع، اور بدعات و خرافات سے ہزاروں کوس دور ہو گا، اور جس کے بارے میں قرآن و سنت کے تبع علماء اور فضلاء اس بات کی گواہی دیں کہ وہ عقیدہ صحیحہ اور دین خالص کے ساتھ تمام شرائع اسلامیہ کا پابند ہے۔ مشرک، بدعتی، قرآن و سنت سے دور اور عمل صالح میں کوتاہ بھیجی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا، اور ایسے لوگوں سے جن فخری عادت اُمور کا ظہور ہوتا ہے وہ جاود اور شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہئے!!

(۳۲) جب زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے ساتھ اللہ کا یہ لطف و کرم دیکھا، تو اپنی کبر سنی اور بیوی کے سن یاس کو

فَلَدَاتُهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنْزِلْ عَلَيَّ الْوَحْيَ وَإِنِّي أَهْلِي عَاقِرٌ وَقَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۚ قَالَ إِنَّا جَعَلْنَا لَكَ آيَةً إِذْ لَمْ تُكَلِّمْنَا النَّاسَ لَوْلَا إِذْ لَمْ يَكُنْ لَكَ كَلِمٌ إِلَّا السَّمْعُ أَنتَ بِآيَاتِنَا عَلِيمٌ ۝

تو فرشتوں نے انہیں آواز دی جبکہ وہ محراب (۳۳) میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، کہ اللہ آپ کو بچی کی بشارت دے رہا ہے، جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا، اور سردار، اور پاکباز، اور صالح نبی ہوگا ﴿۳۹﴾ زکریا نے کہا، اے میرے رب! مجھے لڑکا (۳۳) کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے!؟ کہا، اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۳۰﴾ کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی (۳۵) مقرر کر دے، کہا تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک لوگوں سے صرف اشارے سے بات کر سکو گے، اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو، اور شام کو اور صبح کو اس کی تسبیح بیان کرو ﴿۴۱﴾

بہنچ جانے کے باوجود نیک لڑکے کے لئے دعا کی، جو نیکی اور طہارت و نجابت میں مریم کی مانند ہو۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی، اور فرشتوں کے ذریعہ ولد صالح کی بشارت بھیج دی۔

(۳۳) زکریا علیہ السلام اپنے محراب عبادت میں نماز پڑھنے میں مشغول تھے کہ فرشتوں نے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتا ہے، جس کا نام بچی ہوگا، جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا، علم و عبادت میں لوگوں کا سردار ہوگا، گناہوں سے محفوظ رہے گا، اور نبی صالح ہوگا۔

(فائدہ) اس آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے نبی ہونے کی بشارت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی بشارت پائی جاتی ہے۔ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے اور دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔

(۳۳) جب زکریا علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اللہ انہیں بیٹا عطا کرے گا، تو ظاہری حالات کے پیش نظر تعجب کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے لڑکا کیسے ہوگا، میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے!؟ تو اللہ نے فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جس حال میں ہو اسی حال میں لڑکا پیدا ہوگا، اس لئے کہ اللہ کسی ظاہری سبب کا محتاج نہیں، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اور اس کے نزدیک کوئی بات بھی بڑی نہیں ہے۔

(۳۵) زکریا علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب! کوئی نشانی بتادے تاکہ جان سکوں کہ واقعی حمل قرار پا گیا ہے، اور اللہ نے انہیں ابتدا ہی میں نشانی اس لئے بتادی کہ نعمت کا شکر ادا کرنا شروع کر دیں۔ نشانی یہ تھی کہ وہ تین دن تک زبان سے بات نہ کر سکیں گے، اور یہ نشانی اس لئے دی تاکہ اس مدت میں اللہ کے ذکر و شکر میں خوب مشغول رہیں۔

(فائدہ) اس آیت میں ذکر الہی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ اگر ترکیب ذکر الہی کی کسی کو اجازت ہوتی تو ذکر الہی کو توڑ کر یا کو ہوتی، اس لئے کہ وہ بات کرنے سے عاجز تھے۔ لیکن اللہ نے اس حال میں بھی انہیں اپنے ذکر کا حکم دیا۔

وَلَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۷﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَفَلَا مَهْمُ إِلَيْهِمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۸﴾

اور جب فرشتوں نے کہا (۳۶) اے مریم! اللہ نے تمہیں برگزیدہ بنایا، اور تمہیں پاک کیا، اور سارے جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا ﴿۳۷﴾ اے مریم (۳۷)! تم اپنے رب کے لئے خاکساری اختیار کرو، اور سجدہ کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۳۸﴾ یہ غیب کی خبریں (۳۸) ہیں، جو ہم آپ کو بذریعہ وحی بتا رہے ہیں، اور آپ اُن کے پاس اُس وقت نہیں تھے، جب وہ اپنے قلم (بطور قرعہ نہر اُردن میں) ڈال رہے تھے، کہ مریم کی کفالت کون کرے، اور جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ اُن کے پاس موجود نہیں تھے ﴿۳۸﴾

(۳۶) دوبارہ آل عمران کے فضائل کا بیان ہو رہا ہے۔ فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا کہ اللہ نے اُن کی کثرتِ عبادت اور ذہنی الدنیا کی وجہ سے اپنی محبت و قربت کی چادر اُن پر ڈال دی ہے، اور انہیں برتری اور فوقیت دے دی ہے۔

صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ ”دنیا کی سب سے بہتر عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں“ اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور اس پر حدیث صحیح کا حکم لگا یا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا کی سب سے افضل عورت خدیجہ، فاطمہ، مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ تھیں“۔ علامہ البانی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مردوں میں بہت سے لوگ کامل ہوئے، اور عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل بنیں۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر“۔

(۳۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ فرشتوں نے مریم کو کثرتِ عبادت، خشوع و خضوع، رکوع و سجود اور مسلسل عملِ صالح کا حکم دیا، تاکہ اُس امر الہی کے لئے ذہنی اور روحانی طور پر تیار ہو جائیں جس کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا، اور جس میں اُن کی بڑی آزمائش تھی، اور دنیا و آخرت میں اُن کی رفعتِ شان بھی۔ یعنی اُن کے بطن سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہونا تھا۔

(۳۸) اس قصہ میں بہت بڑی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے نبی اور رسول تھے، اس لئے کہ جو واقعہ ہزاروں سال قبل گذر چکا تھا، اس کی خبر آپ نے لوگوں کو تفصیل کے ساتھ دی، نہ اس میں زیادتی کی اور نہ کمی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتائیں اور آپ نے من و عن لوگوں کو سنا دیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں آتا ہے کہ اُن کی ماں انہیں مسجد میں لے گئیں اور علماء سے کہا کہ میں نے اس کی نذر مانی تھی وہ میں پوری کر رہی ہوں، اور آپ لوگوں کے حوالے کر رہی ہوں، اب آپ لوگ اس کی دیکھ بھال کریں، تو ہر آدمی ان کی کفالت کے لئے آگے بڑھنے لگا، کیونکہ وہ ان کے امام عمران کی بیٹی تھیں۔ ذکر یا علیہ السلام نے کہا کہ میں زیادہ حقدار ہوں، اس لئے کہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ بلا آخر سب نے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا، اور نہر اُردن میں

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُاِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُنَّ الْمُسْمٰىةُ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۗ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنے ایک (۳۹) ”کلمہ“ کی خوشخبری دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، جو دنیا اور آخرت میں باعزت ہوگا، اور میرے مُقَرَّب بندوں میں سے ہوگا ﴿۳۵﴾ اور لوگوں سے گود (۴۰) میں اور ادھیڑ عمر کو پہنچنے کے بعد بات کرے گا، اور میرے نیک بندوں میں سے ہوگا ﴿۳۶﴾

سب نے اپنے اپنے قلم ڈالے، اس شرط کے ساتھ کہ جس کا قلم پانی کی تہہ میں جا کر پھر اوپر اُٹھ آئے گا وہی مریم کی کفالت کرے گا۔ زکریا علیہ السلام کا قلم اوپر اُٹھ آیا اور سب کے قلم نیچے ہی رہ گئے۔ چنانچہ زکریا انہیں اپنے گھر لے آئے اور ان کی خالہ کی گود میں ان کی پرورش ہونے لگی، یہاں تک کہ بڑی ہو گئیں اور محراب میں یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں لگ گئیں۔ (نوائد)

۱- اس آیت سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب کا علم رکھتے تھے۔ انہیں غیب کی وہی باتیں معلوم ہوتی تھیں جن کی خبر اللہ بذریعہ وحی انہیں دیتا تھا، جیسا کہ اس واقعے میں اس کی صراحت آئی ہے۔

۲- اس سے منکرین وحی کی تردید بھی ہوتی ہے، اس لئے کہ جو باتیں رسول اللہ ﷺ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں لوگوں کو بتائیں وہ یا تو مشاہدہ کا نتیجہ ہو سکتی تھیں، جو محال تھا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ان دنوں موجود نہ تھے۔ یا پھر اللہ نے انہیں بذریعہ وحی بتائی تھی، اور یہی بات صحیح تھی کہ اللہ نے آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا جس میں اس واقعے کی تفصیلات موجود ہیں۔

(۳۹) یہاں سے عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے، اور مریم علیہا السلام کو بشارت دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک عظیم المرتبت لڑکا عطا فرمائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے، جو اس کے ایک کلمہ کے ذریعہ بغیر باپ کے وجود میں آئے گا، جس کا لقب ”مسیح“ اور نام ”عیسیٰ“ ہوگا۔ بقایا نے ”مسیح“ لقب سے متعلق لکھا ہے: اُس وقت کی شریعت میں تھا کہ امام وقت جس کے بدن میں مقدس تیل لگا دیتا تھا وہ طاہر ہو جاتا تھا، اور صاحب برکت بن کر حکومت، علم اور دیگر بڑی ذمہ داریاں اٹھانے کا اہل بن جاتا تھا۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ”مسیح“ کا لقب دے کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اللہ کی جانب سے اُن تمام خوبیوں کے پیدا کنی مالک ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ کسی مریض پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ شفا یاب ہو جاتا تھا، اسی لئے انہیں مسیح کہا گیا۔ ”ابن مریم“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوں گے، اس لئے ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف ہوگی، اور تمام دنیا کی عورتوں پر مریم کی فضیلت کا یہی سبب تھا۔

(۴۰) وہ لڑکا جب گود میں ہوگا تو بطور معجزہ بات کرے گا، اور نبی ہو کر ادھیڑ عمر میں اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بذریعہ وحی تعلیمات ملیں گی انہیں لوگوں تک پہنچائے گا۔ چونکہ انبیاء کا کلام دونوں حالتوں میں ایک ہی جیسا ہوتا ہے، اس لئے اس میں مریم علیہا السلام کو یہ بشارت بھی دے دی گئی کہ ان کا لڑکا چالیس پچاس سال کی عمر تک زندہ رہے گا۔

قَالَتْ رَبِّ اِنَّيْ يَكُوْنُ لِيْ وَوَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشْرٌ قَالْ كَذٰلِكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّهَا يَقُوْلُ
 لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلَىٰ بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ اَنّٰى قَدْ جِئْتُكُمْ
 بِاٰيٰتٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اِنّٰى اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفَعُوْا فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا يٰۤاٰذِنُ اللّٰهُ وَاَبْرِيْ
 الْاَكْمَةَ وَالْاَبْرَصَ وَاَسْمٰى الْمَوْتٰى يٰۤاٰذِنُ اللّٰهُ ۝ وَاَنْبِئْكُمْ بَاَنْتُمْ اَكْلُوْنَ وَاَمَّا تَخٰوُّوْنَ لِىْ بِبُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ
 لٰاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

مریم نے کہا (۳۱) اے میرے رب! مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان نے چھوا بھی نہیں ہے، کہا، اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ ”ہو جا“ کہتا ہے، تو وہ چیز ہو جاتی ہے ﴿۳۷﴾ اور اللہ اُسے کتاب کا علم (۳۲)، حکمت، اور تورات و انجیل دے گا ﴿۳۸﴾ اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گا، (جو ان سے کہے گا کہ) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بناؤں گا، پھر اُس میں پھونک ماروں گا، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جائے گا، اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو، اور برص والے کو ٹھیک کر دوں گا، اور مُردوں کو زندہ کر دوں گا، اور جو کچھ تم کھاتے ہو، اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو، اُن کی تمہیں خبر دوں گا، اگر تم ایمان والے ہو تو اس میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے ﴿۳۹﴾

(۳۱) جب مریم علیہا السلام کو بذریعہ ملائکہ یہ بشارت مل گئی، تو اپنی مناجات میں کہا کہ اے میرے رب! مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ میرا نہ تو کوئی شوہر ہے، اور نہ میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے، اور نہ ہی میں بدکار عورت ہوں؟ تو فرشتوں نے اللہ کی طرف سے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کا ایسا ہی فیصلہ ہے کہ بغیر کسی مرد کے ملاپ سے وہ تمہیں بیٹا عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی سبب کا محتاج نہیں، اور کوئی شے اُسے عاجز نہیں کر سکتی۔

(۳۲) یہ بشارت کی تکمیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانی کتابوں کا اور خاص طور پر تورات و انجیل کا علم دے گا، اور دین کی سمجھ عطا کرے گا، اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے نبی بنائے گا۔ اُس وقت وہ ان سے کہیں گے کہ میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد اس نشانی کی تفصیل بیان کی۔

کلمہ "یاٰذِنُ اللّٰهُ" میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اُن معجزات کا ظہور نہ ہوتا۔ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اعتقادِ اَلُوْہِیْتِ کی بھی نفی ہو جاتی ہے، اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے بندے تھے، اللہ نے اپنی قدرتِ مطلقہ سے ان کے ہاتھ پر ان معجزات کا اجرا کیا، تاکہ لوگ ان کے ثبوت پر ایمان لے آئیں۔

(فائدہ) چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ، طبیوں اور علمِ طبیعیات کے ماہرین کا زمانہ تھا، اس لئے اللہ نے انہیں ایسے معجزات دیئے جن کا تعلق طب اور علمِ طبیعیات سے تھا، لیکن اُس دور کا انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود ان کی مثال و نظیر لانے سے عاجز رہا، اور ثابت ہو گیا کہ اُن کے ہاتھوں جو معجزانہ اُمور ظاہر ہوئے وہ اللہ کی طرف سے اُن کی رسالت و نبوت کے

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِلْحَاقًا لِّكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُزِبَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عَمَلَكُمْ إِنَّ اللَّهَ رَفِيعٌ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَفِيعٌ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَلَمَّا أَحَسَّ عَيْنِي مِنْهُمْ انْكَرُ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ إِمْنَا بِاللَّهِ وَاشْهَدْنَا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

اور مجھ سے پہلے جو تورات نازل (۴۳) ہو ہے اس کی میں تصدیق کرنے والا ہوں، اور تاکہ میں تمہارے لئے بعض اُن چیزوں کو حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں، اور میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿۵۰﴾ بے شک اللہ (۴۴) میرا اور تمہارا رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ﴿۵۱﴾ پس عیسیٰ نے ان کی جانب سے کفر کو بھانپ لیا، تو کہا کہ اللہ کی خاطر میری کون مدد کرے گا؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں، اور (اے عیسیٰ!) آپ گواہ رہئے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں ﴿۵۲﴾

اثبات کے لئے معجزات تھے، کسی انسانی علوم کا نتیجہ نہ تھے۔

(۴۳) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔ بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اُن کے ذریعہ تورات کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے بعض ایسی چیزوں کی حلت بیان کی جن کے بارے میں علمائے یہود آپس میں اختلاف کرتے تھے، اور اپنی طرف سے انہیں حرام بنا رکھا تھا۔

(۴۴) تمام انبیاء کرام کی دعوت کی بنیاد توحید باری تعالیٰ رہی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کے سامنے یہی دعوت پیش کی، اور کہا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے، اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو۔ کچھ لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کے پیروکار بن گئے، اور کچھ نے ان کا انکار کر دیا اور ان کی تکذیب کی۔ اور یہودیوں نے ان کی ماں مریم علیہا السلام کو زنا کے ساتھ متہم کیا۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے کفر کا یقین ہو گیا، اور یہ بات واضح ہو گئی کہ لوگوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا ہے، تو انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنی مدد کے لئے پکارا اور کہا کہ تم میں سے کون اللہ اور اس کے دین کی خاطر میری مدد کرنے کے لئے تیار ہے؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ پھر کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، اور اے نبی! آپ گواہ رہئے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کا ایک حواری (مخلص اور خاص مددگار) ہوتا ہے، اور زیر میرے حواری ہیں۔ (تفق علیہ)۔

عیسیٰ علیہ السلام کا تمام تر توکل تو اللہ پر تھا، لیکن ظاہری اسباب کے طور پر انہوں نے اپنے پیروکاروں سے مدد مانگی، جن کی تعداد بارہ بتائی جاتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کفار قریش کے ظلم و جور سے نکل آکر ابوطالب وغیرہ سے مدد طلب کی، اور مدینہ منورہ آنے کے بعد صحابہ کرام سے ہر شکل وقت میں مدد طلب کی، اور انہوں نے اپنی جان و مال سے آپ کی مدد کی۔

رَبَّنَا مَا أَنزَلْنَاكَ وَإِتْبَاعَنَا الرَّسُولَ فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَكُرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُوسُفُ إِنَّكَ مُتَوَقِّفٌ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ إِنِّي مَرَجَعْتُكَ وَأَحْكَمَ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

اے ہمارے رب (۳۵)! تو نے جو نازل فرمایا، اُس پر ہم ایمان لے آئے، اور تیرے رسول کی اتباع کی، پس تو ہمیں حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ دے ﴿۵۳﴾ اور انہوں نے سازش (۳۶) کی، اور اللہ نے بھی تدبیر کی، اور اللہ تو سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۳﴾ جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ! میں تجھے پورا (۳۷) لینے والا ہوں، اور تجھے اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں، اور کافروں (کی خباثت آلود فضا) سے تجھے پاک کرنے والا ہوں، اور تیری اتباع کرنے والوں کو قیامت تک کافروں کے اوپر کرنے والا ہوں، پھر تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، تو تمہارے درمیان اُن باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم آپس میں اختلاف کرتے رہے تھے ﴿۵۵﴾

(۳۵) حواری حضرات عیسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہونے کے بعد اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا کہ اے ہمارے رب! تو گواہ رہ کہ ہم تیری نازل کردہ شریعت پر ایمان لے آئے، اور تیرے رسول کے پیروکار بن گئے، اس لئے تو ہمیں ان لوگوں میں لکھ دے جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔

(۳۶) کفار بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروانے کی سازش کی، اور اُس وقت کے کافر بادشاہ سے شکایت کی کہ ایک آدمی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، اور انہیں بادشاہ کی اطاعت سے روکتا ہے، عوام میں اختلاف پیدا کرتا ہے، باپ کو بیٹے سے جدا کر دیتا ہے، اور وہ (العیاذ باللہ) اپنی ماں کا ناپائز لڑکا ہے۔ بادشاہ یہ سب سن کر سخت یاہو گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سو لی پر چڑھا دینے کا حکم دے دیا۔ جب لوگوں نے ان کے گھر کا گھبراوا کر لیا اور اس گمان میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے اُن کو پالیا، تو اللہ نے انہیں اس گھر کے ایک روشن دان کے راستے آسمان پر اٹھالیا، اور سازشوں کے سرغنہ کو اُن کا شبیہ بنا دیا، جسے لوگوں نے پکڑ لیا، اس کی خوب اہانت کی اور پھر سو لی پر چڑھا دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں قیامت تک کے لئے کفر و ضلالت کی ظلمتوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا، ان کے دل سخت ہو گئے، اور اللہ کی طرف سے قیامت تک کے لئے اُن پر ذلت و مسکنت کی چادر پڑ گئی۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش کی، لیکن اللہ کی تدبیر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اللہ سے بڑھ کر کون تدبیر کرنے والا ہو سکتا ہے!؟

(۳۷) جب بنی اسرائیل کے کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش مکمل کر لی، اور اس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے ملا لیں، تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰ! میں تمہیں پورے طور پر لے لینے والا ہوں اور اپنے پاس اٹھا کر لانے والا ہوں، اور آسمان پر بلا کر کافروں کی خباثت آلود فضا سے تمہیں دور کرنے والا ہوں، اور تمہاری اتباع کرنے والوں کو کافروں پر قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں۔

کلمہ "متوفیک" کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں: قoadہ وغیرہ کا قول ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ "میں تمہیں ابھی زنداں اٹھا لوں گا، پھر قبل از قیامت دنیا میں بلا کر طبعی موت دوں گا"۔ ایک دوسرا قول یہ

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعْدِبْهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۵۷﴾ وَأَقَامَ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ ذَلِكَ تَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ
وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۵۹﴾

پس جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، انہیں دنیا اور آخرت (۵۷) میں شدید عذاب دوں گا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا تو اللہ انہیں اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۸﴾ یہ آیتیں اور حکیمانہ نصیحتیں، ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں ﴿۵۹﴾

ہے کہ ”میں تمہیں دنیا سے بغیر موت پورے طور پر لے لینے والا ہوں“۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ”تَوْفَىٰ“ اور ”رَفَعَ“ دونوں یہاں پر مترادف ہیں، یعنی ”میں تمہیں پورے طور پر اٹھالینے والا ہوں“۔ اکثر و بیشتر مفسرین نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے دنیا میں دوبارہ آئیں گے، دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے، اور نبی کریم ﷺ کی اتباع کریں گے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ”میں تمہارے پیروکاروں کو کافروں پر قیامت تک کے لئے فوجیت دینے والا ہوں“ تو اس سے مراد مومنین بنی اسرائیل کی وہ جماعت ہے جو اُن پر ایمان لائی تھی، اور کافروں کے مقابلے میں ان کی مدد کا اعلان کیا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کی امت کے دنیا میں آجانے کے بعد یہی لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح پیروکار ہوئے، اس لئے اللہ نے کفار کے مقابلے میں ان کی مدد کی، اور ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا، اور بفضل باری تعالیٰ قیامت تک اسلام اور مسلمان اسی حال میں رہیں گے۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ ”نصاری جو عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے ہیں یہودیوں پر ہمیشہ غالب رہیں گے“۔ اس قول کے مطابق آیت میں کافروں سے مراد یہود ہیں۔ ایک اور قول ہے کہ ”اہل روم اپنے مخالف کافروں پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ ایک چوتھا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری لوگ کافروں پر غالب رہیں گے“۔

اگر ان اقوال کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمان عیسائیوں پر غالب نہیں آئیں گے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے یہ بات ثابت ہے کہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ دیگر تمام اہل ادیان پر غلبہ دے گا۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، اور جزیہ قبول نہیں کریں گے، ان کے نزدیک یا تو اسلام ہوگا یا نہیں تو قتل، وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے، اور مسلمان ہی اُن کے مددگار اور پیروکار ہوں گے، اور بہت ممکن ہے کہ اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہو۔

آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے اوپر ہے۔ قرآن کریم کی دیگر کئی آیتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اور یہی مذہب سلف ہے، حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ”الْعُلُوُّ لِلْعَلِيِّ الْعَفَّارِ“ اور ابن رشد نے اپنی کتاب ”مناہج الأدلة“ میں اسی مذہب سلف کو ترجیح دیا ہے، اور متاخرین اشاعرہ اور معتزلہ وغیرہ کی تردید کی ہے۔ (۳۸) گذشتہ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا تھا کہ تمام انسانوں کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اور اللہ ان کے درمیان فیصلہ

إِن مَثَلٌ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ مَخْلُوقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاكَمَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَىٰ نَدْوَىٰ آبَائِكَ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ وَأَنْفُسُكُمْ وَأَنْفُسُنَا وَانْفُسَكُمْ ثُمَّ تَبَيَّلُوا لَكُمْ فَبَتَّعِلُوا لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ الْعَرْشُ الْعَلِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

بے شک عیسیٰ (۴۹) کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال ہے، اُسے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا ﴿۵۹﴾ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق بات ہے، اس لئے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے ﴿۶۰﴾ پس جو کوئی آپ سے اس بارے میں آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جھگڑے، تو کہہ دیجئے کہ آؤ (۵۰) ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو، اور عورتوں کو، اور اپنے آپ کو اکٹھا کر لیں، پھر عاجزی کے ساتھ دعا کریں، اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ﴿۶۱﴾ بے شک یہی سچا بیان ہے، اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پس اگر وہ اعراض کریں، تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۶۳﴾

کرے گا۔ ان آیتوں میں اسی فیصلے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(۴۹) نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا تھا۔ اللہ نے ان کے دعوے کی تردید کی کہ اگر تمہاری یہ بات صحیح ہوتی تو پھر آدم کو بدرجہ اولیٰ اللہ کا بیٹا ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ اللہ نے انہیں بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا، بلکہ مٹی سے پیدا کیا۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے، آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے، اور حوا کو صرف مرد سے پیدا کر کے اپنی قدرت مطلقہ کا اظہار کیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ یہی ہے۔ نہ مریم نے معبود کو جنا، جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں، اور نہ انہوں نے یوسف النجار کے ساتھ بدکاری کی! جیسا کہ یہود اُن پر بہتان باندھتے ہیں۔

(۵۰) اسے آیت مہابلہ کہتے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے مناظرہ کیا۔ وہ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے، اور نبی کریم ﷺ نے دلائل کے ذریعہ ثابت کیا کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔ جب باطل پر اُن کا اصرار حد سے آگے بڑھ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے ساتھ مہابلہ کا حکم دیا۔ امام بخاری نے حدیث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نجران کے نصرا نیوں کے دو سردار رسول اللہ ﷺ کے پاس مہابلہ کے لئے آئے۔ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ایسا نہ کرو۔ اللہ کی قسم، اگر یہ نبی ہے اور ہم نے مہابلہ کیا تو ہم اور ہمارے بعد ہماری نسل کبھی بھی فلاح نہ پائے گی۔ چنانچہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مہابلہ کی نیت کرنے والے ایسا کر گزرتے تو لوٹنے کے بعد نہ انہیں اپنا مال ملتا اور نہ اہل و عیال۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ دونوں سردار ابن نجران کے ساتھ گئے وعدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت علی، فاطمہ اور حسن و حسین کے ساتھ باہر نکلے اور ان دونوں کو بلا

قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَتَقُولُوا الشَّهْدُ وَإِن يَأْتِ الْكُفْرَ لَمُتَّخِذُونَ فِي آيَاتِهِمْ وَمَا أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ وَالْإِنجِيلَ إِلَّا مِّنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰذَا نُفَصِّلُ لَكُمْ لِمَ لَمْ نَجْعَلْ لَكُمْ فِيهِ عِلْمًا فَلَمْ تُخَاجِرُوا فِيهَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (۵۱)؛ آؤ ایک کلمہ پر جمع ہو جائیں جس میں ہم اور تم برابر ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے، پس اگر وہ اعراض کریں تو (مسلمانو!) تم کہہ دو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں ﴿۶۳﴾ اے اہل کتاب! ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو، حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بہت بعد میں نازل کی گئی ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں ہو ﴿۶۵﴾ (کم عقلو!) تم نے کج بحثی کر لی، جس بارے میں تمہیں کچھ علم تھا، لیکن جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی علم نہیں اس میں کیوں کج بحثی کرتے ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے ﴿۶۶﴾

بھجا، تو انہوں نے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر تیار ہو گئے۔

(۵۱) اس آیت میں مخاطب یہود و نصاریٰ اور عام لوگ ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو تین باتوں کی طرف بلائیں۔ اول یہ کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ دوم یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور سوم یہ کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون اور ان کی تحلیل و تحریم کے احکام کو نہ مانیں۔

بخاری، مسلم اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مجھ سے ابو سفیان نے بیان کیا کہ ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگا یا اور اسے پڑھا، تو اس میں یہ تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل ”عظیم روم“ کے نام۔ سلام ہو اس پر جو راہ حق کی اتباع کرے، اما بعد! میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پالو گے، اللہ تمہیں دو گنا اجر دے گا، اور اگر روگردانی کی تو اریسوں کا گناہ تمہارے سر ہو گا۔ خط میں اس کے بعد یہی آیت ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ سے لے کر ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ تک تھی۔ تو گویا رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم کو بھی دعوت اسلام کے بعد آیت کریمہ میں مذکورہ تینوں باتوں کی طرف بلا یا تھا۔

﴿ وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ ﴾ میں مسیح و عزیر کی الوہیت کا انکار ہے، اور اشارہ ہے کہ یہ لوگ ہماری اور تمہاری طرح انسان تھے معبود کیسے بن گئے؟ اور اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جنہوں نے اللہ کا دین حاصل کرنے میں لوگوں کی اندھی تقلید کی، اور ان کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور ان کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جانا، اور اس طرح انہیں اپنا معبود بنا لیا۔ امام ترمذی نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی آیت ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَدُهْنَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ پڑھی، اور کہا کہ وہ لوگ ان علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن وہ علماء جب ان کے لئے کوئی چیز حلال کر دیتے تو اسے حلال سمجھتے، اور جب کسی چیز کو حرام کر دیتے تو اسے حرام سمجھتے، اللہ نے ان کے اس فعل کو انہیں معبود بنا لینے کے مترادف قرار دیا۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ
بِإِبْرَاهِيمَ لَكَذِبِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّصِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾ وَكَذَلِكَ ظَلَمْنَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
لَوْ يَضِلُّوكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ
تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْسِبُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ
ظَلَمْنَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيْنَا وَجَاءَ التَّهَارُ وَالْكَفْرُ فَأَخَذْنَا عَنْهُمْ
يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾

ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی (۶۷) بلکہ موحد مسلمان تھے، اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے ﴿۶۷﴾ لوگوں میں
سب سے زیادہ ابراہیم کے حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کی اتباع کی، اور یہ نبی، اور جو لوگ ایمان لائے، اور
اللہ مومنوں کا دوست ہے ﴿۶۸﴾ اہل کتاب (۶۸) کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تم لوگوں کو گمراہ کر دے، حالانکہ وہ
لوگ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں، اور انہیں اس کا احساس نہیں ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا
کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ تم اُن کی حقانیت کی گواہی دیتے رہے ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب! تم حق و باطل کو کیوں
خلط ملط (۷۱) کرتے ہو، اور جانتے ہوئے حق کو چھپاتے ہو ﴿۷۱﴾ اور اہل کتاب کے ایک گروہ (۷۱) نے کہا کہ
ایمان والوں پر جو کچھ اُتر ہے اُس پر تم لوگ دن چڑھے ایمان لے آؤ، اور شام کے وقت انکار کر دو، شاید کہ وہ
لوگ (اپنے دین سے) پھر جائیں ﴿۷۲﴾

مفسر الکلیا الہر اسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو بغیر کسی دلیل شرعی کے "استحسان" کے
قائل ہیں، اور ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تحلیل و تحریم میں بغیر دلیل شرعی بیان کئے امام کا قول قبول کرنا
واجب ہے۔

(۵۲) یہود و نصاریٰ، مشرکین اور مسلمان سبھی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ لوگ ملت ابراہیم پر قائم ہیں۔ محمد ابن اسحاق، ابن
جریر، اور بیہقی نے "کتاب الدلائل" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نجران کے نصاریٰ اور علمائے یہود
رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھا ہو گئے، اور جھگڑنے لگے، علمائے یہود نے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے، اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ تو
نصرانی تھے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی تکذیب کی کہ تو ابراہیم کے تقریباً ایک ہزار سال بعد نازل ہوئی اور
انجیل تقریباً دو ہزار سال کے بعد، تو ابراہیم یہودی یا نصرانی کیسے ہو گئے؟! اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم ظلیل اللہ کی
طرف نسبت کے زیادہ حقدار یا تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کے دین میں اُن کی اتباع کی، یا محمد ﷺ اور ان کے مہاجرین و انصار
صحابہ کرام اور دیگر مسلمان۔

(۵۳) یہاں اہل کتاب سے مراد بنو نصیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے یہود ہیں جنہوں نے بعض مسلمانوں کو یہودیت کی
دعوت دی تھی۔

(۵۴) یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی صفات اور ان کی نبوت کی بشارت موجود تھی، لیکن ان حقائق کو وہ

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا بِالَّذِينَ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْكُمْ مَالًا فَحَبَسُوهُ مِنْكُمْ حَتَّىٰ يَمُوتُوا أَوْ يُنْفِقُوا حَبَسَتِهِمْ وَذَلِكَ بِمَا ظَنَنْتُمْ إِنَّ اللَّهَ يُغْنِي عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنَّهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّي إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ إِن تَأْمَنَّهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّي إِلَيْكَ إِلَّا مَا دَمَّتْ عَلَيْهِ قَالِمًا ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمَمِينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

اور تم لوگ صرف اسی پر اعتماد (۵۶) کرو جو تمہارے دین کی اتباع کرتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، (اور یہ ہرگز نہ مانو) کہ کسی کو ویسا ہی دین دیا جائے گا جیسا تمہیں دیا گیا ہے، یا وہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم سے بھگڑیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا اور بڑا جاننے والا ہے ﴿۴۳﴾ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، اور اللہ فضل عظیم والا ہے ﴿۴۴﴾ اور اہل کتاب میں بعض (۵۷) ایسے ہوتے ہیں جنہیں اگر ایک خزانے کا امین بنا دو گے، تو وہ تمہیں لوٹادیں گے، اور ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ایک دینار کا بھی امین بنا دو گے، تو تمہیں نہیں لوٹائیں گے، مگر یہ کہ ان کے سر پر سوار رہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں، ان اُن پڑھوں کے ساتھ بد دینا ہتی کرنے سے ہمارے اوپر کوئی گناہ نہیں، اور اللہ کے بارے میں جانتے ہوئے کذب بیانی کرتے ہیں ﴿۴۵﴾

لوگوں سے چھپاتے تھے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ حق کو ٹھکانا، اور اس سلسلہ میں تلہیس سے کام لینا اللہ کے نزدیک بہت ہی بُری بات ہے۔

(۵۵) یہاں اہل کتاب کی ایک نئی سازش کا ذکر ہے، جس کا مقصد یہ تھا کہ کچھ سیدھے سادے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی صداقت کے بارے میں شبہ پیدا کر سکیں۔ انہوں نے آپس میں طے کر لیا کہ ان کے کچھ افراد صبح کے وقت ایمان لانے کا اعلان کریں، اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں، اور جب شام ہو تو اپنے دین کی طرف لوٹ جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ کمزور مسلمان یہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ اہل علم اور اہل کتاب ہیں، ان کی نیت حق پانے کی تھی، اور اب جبکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلام سچا دین نہیں ہے۔ اللہ نے بذریعہ وحی ان کی سازش کا پردہ فاش کیا، اُن کی سازش ناکام رہی، اور مسلمانوں پر اس کا کوئی بُرا اثر نہ پڑا۔ (۵۶) اہل کتاب کے کلام کا تمہ ہے۔ وہ یہودیوں سے کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں پر بھروسہ نہ کرو، اپنا راز اور اپنے دل کی باتیں انہیں ہرگز نہ بتاؤ۔

یہودیوں کی اس سازش کو بیان کرنے کے بعد اللہ نے اپنے رسول ﷺ سے کہا کہ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہدایت کا سرچشمہ اسلام ہے، اس کے علاوہ سب کچھ گمراہی ہے۔ تم لوگوں کی سازش اور تمہارا یہ حسد اس لئے ہے کہ تم یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ تمہاری طرح دوسروں کو بھی شریعت الہیہ، علم اور اللہ کی کتاب دی جائے۔ یا تمہارا یہ رویہ اس لئے ہے کہ یہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی نہ دیں کہ وہ ایمان لے آئے اور تم لوگوں نے حق واضح ہو جانے کے باوجود کفر

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا
 قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

ہاں (ضرور گناہ ہوگا) جو شخص اپنا عہد پورا کرے گا، اور اللہ سے ڈرے گا، تو اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے ﴿۱۸۷﴾
 بے شک جو لوگ (۱۸۷) اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں کوئی معمولی قیمت قبول کر لیتے
 ہیں آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور اللہ ان سے بات نہیں کرے گا، اور قیامت کے دن ان کی طرف
 نظر اٹھا کر دیکھے گا بھی نہیں، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہوگا ﴿۱۸۸﴾

کی راہ اختیار کی۔ اے رسول! آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ قرآن کریم اور دوسری نعمتیں سب اللہ کے اختیار میں ہیں، اللہ جسے چاہتا
 ہے دیتا ہے۔

(۱۸۷) گذشتہ آیتوں میں یہودیوں کی دینی خیانت کا ذکر تھا، اب ان کی مالی خیانت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر
 دی ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر مال کثیر کے سلسلہ میں بھروسہ کیا جاسکتا ہے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ
 جن پر ایک دینار کے لئے بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

عدی بن حاتم کا قول ہے کہ ”آیت میں امانت دار اہل کتاب سے مراد نصاریٰ اور خیانت کرنے والوں سے مراد یہود
 ہیں۔“ یہ خائن یہود لوگوں کو باور کراتے تھے کہ ”ہمتین“ یعنی عربوں کا مال کسی طرح بھی لینا جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ مشرک
 ہیں، حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور اللہ پر بہتان تھا۔ اللہ نے کبھی بھی کسی کا مال دوسرے کے لئے غیر شرعی طور پر لینا جائز نہیں
 قرار دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی مال حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی، وہ اللہ سے اس حال میں
 ملے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہوگا۔ (مسند احمد)۔

(۱۸۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے جو دنیاوی حقیر فائدوں کے حصول کے لئے
 جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، اور اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمانہ کا پاس و لحاظ نہیں رکھتے، کہ انہیں آخرت میں کوئی بھلائی نصیب
 نہیں ہوگی، نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا، یعنی ان سے شدید ناراض ہوگا، اور نہ گناہوں سے
 انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

امام بخاری نے عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی بازار میں ایک سامان لے آیا، اور قسم
 کھائی کہ اس نے اتنی قیمت میں خریدا ہے، اس کا مقصد ایک مسلمان کو پھنسانا تھا تاکہ وہ سامان خرید لے۔ تو یہ آیت آتری۔
 اشعث بن قیس کندی کا قول ہے کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی، میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک
 زمین تھی۔ یہودی نے انکار کر دیا تو میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا
 تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے یہودی سے کہا کہ تم قسم کھاؤ۔ تو میں نے کہا، اے اللہ کے
 رسول! تب تو یہ قسم کھالے گا، اور میرا مال ہڑپ جائے گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد)۔

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفِرِيقًا يُكُونُ بِالْكَتِبِ لِعَسَبُوهُ مِنَ الْكُتُبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكُتُبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنَّبُوءَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۶۰﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۶۱﴾

اور اُن میں بے شک ایسے لوگ (۵۹) بھی ہیں، جو اپنی زبانوں کو کتاب پڑھتے وقت مروڑتے ہیں، تاکہ تم لوگ اسے کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتا، اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہوتا، اور جانتے ہوئے اللہ کے بارے میں کذب بیانی کرتے ہیں ﴿۵۸﴾ یہ ناممکن ہے کہ اللہ ایک آدمی کو کتاب و حکمت اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے (۶۰) بن جاؤ، بلکہ (وہ یہ کہے گا کہ) تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، اس وجہ سے کہ تم لوگ دوسروں کو اللہ کی کتاب سکھاتے تھے، اور خود بھی اسے پڑھتے تھے ﴿۵۹﴾ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ تمہیں فرشتوں اور انبیاء کو رب بنا لینے کا حکم دے، کیا وہ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا ﴿۶۰﴾

(۵۹) یہ آیت بھی یہود سے متعلق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں جو تورات میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے تھے۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ لوگ تورات میں تحریف کرتے تھے، اور لوگوں سے جھوٹ کہا کرتے تھے کہ تورات میں ایسا ہی ہے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر افترا پر دازی ہے۔

امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہود تورات میں یہ تحریف کرتے تھے کہ معنی بدل کر بیان کرتے تھے۔ کوئی شخص اللہ کی کسی کتاب کا کوئی لفظ نہیں بدل سکتا، بلکہ وہ لوگ تحریف معنوی کیا کرتے تھے۔

(۶۰) اس آیت کریمہ میں نصاریٰ کی بالعموم اور نجران کے نصرانیوں کی بالخصوص تردید ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں افترا پر دازی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں نے ہی اپنے پیروکاروں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے وحی، آسمانی کتاب اور نبوت جیسی نعمتوں سے نوازا ہو، اور علم شریعت کا فہم بھی عطا کیا ہو، اس کے لئے عقلی طور پر ممنوع اور مستحیل ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت، یا انبیاء یا فرشتوں کی عبادت کی طرف بلائے، اس لئے کہ یہ کفر صریح ہے، وہ تو اللہ کی طرف سے دین خالص لے کر اس لئے مبعوث ہوا تھا کہ لوگوں کو کفر کی راہ سے روکے۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا تزکیہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ تم لوگ علم دین سے بہرہ ور

اور اللہ والے بن جاؤ۔

آیت کریمہ میں ”بشر“ کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک انسان تھے، جنہیں اللہ نے رُجہ نبوت سے نوازا تھا، وہ معبود کیسے ہو سکتے تھے؟ ابن اسحاق، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے دلائل النبوة میں ابن عباس

وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتِ الْغُيُوبِ لَمَّا أَنْتُمْ كُنْتُمْ كُتَيْبًا وَحِكْمَةً ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ
وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۗ قَالَ أَأَقْرَبُكُمْ وَآخِذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ أَصْرِي ۗ قَالُوا أَأَقْرَبُنَا ۗ قَالَ فَاشْهَدُوا ۗ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ
الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اور جب اللہ نے نبیوں سے بیثاق (۶۱) لیا کہ میں تمہیں جو کچھ کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری چیزوں کی تصدیق کرے، تو اس پر ضرور ایمان لے آؤ گے، اور اس کی ضرور مدد کرو گے، اللہ نے کہا کہ کیا تم لوگوں نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا، انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کر لیا، اللہ نے کہا، پس تم لوگ گواہ رہو، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ﴿۸۱﴾ پس جس نے اس کے بعد اعراض کیا وہی لوگ فاسق ہیں ﴿۸۲﴾

رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ علمائے یہود اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے، اور آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، تو ابراہیم قرظی نے کہا: اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری عبادت کریں، جس طرح نصاریٰ عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں؟ تو ایک نصاریٰ نے بھی کہا کہ اے محمد! کیا تم واقعی ہم سے یہی چاہتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے یا اس کا حکم دینے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے، اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حصول علم اور تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ”ربانی“ بن جائے۔ اگر حصول علم سے کسی کی نیت ”تعلق باللہ“ نہیں تو اس نے عمر ضائع کی اور نقصان و خسارہ اس کا نصیب ہوا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”ہم اللہ کے ذریعہ پناہ مانگتے ہیں ایسے علم سے جو نفع نہ پہنچائے، اور ایسے دل سے جو اللہ کے لئے نہ جھکے۔“ (مسلم)۔

آیت سے یہ بھی مستفاد ہے کہ جو علماء و مشائخ قرآن و سنت سے ہٹ کر اپنی مرضی سے اپنے پیروکاروں کے لئے حلال و حرام کرنے کی دوکان سجاتے ہیں، وہ اپنی عبادت کرواتے ہیں۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! نصرا نیوں نے اپنے علماء کی عبادت تو نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں، ان علماء نے اپنی مرضی سے ان کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیا، تو انہوں نے ان کی اتباع کی۔ یہی ان کی عبادت تھی۔

(۶۱) اس آیت میں بھی نجران کے نصاریٰ کی تردید ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی سے یہ عہد و پیمانہ لیا کہ جب بھی کوئی نیا رسول آئے گا جو گزشتہ انبیاء کی تصدیق کر رہا ہوگا، تو گزشتہ نبی اور اس کے پیروکاروں پر لازم ہوگا کہ اس پر ایمان لے آئیں، اور اس کی مدد کریں۔ چنانچہ تمام انبیاء نے اس کا اقرار کیا، اور اس اقرار کے گواہ بنے، اور اللہ نے بھی شہادت دی۔ اس عمومی اقرار و عہد نامے کا تقاضا یہ تھا کہ جب محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائیں گے تو وہ تمام لوگ جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے پیروکار ہوں گے، ان پر ایمان لے آئیں گے، اس لئے اب اگر کوئی شخص محمد ﷺ کی اتباع نہیں کرتا تو وہ فاسق، اللہ کا نافرمان اور اس نبی کو جھٹلانے والا ہوگا جس کی محبت کلام بھر رہا ہے اور جس پر ایمان

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿١٩٠﴾ قُلْ أَمَّا يَأْتِيهِ
وَمَا أَنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ
وَعِيسَىٰ وَالْحَبَشِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٩١﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ
دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿١٩٢﴾

تو کیا وہ اللہ کے دین (۱۹۰) کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہتے ہیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب نے برضا اور بغیر رضا اسی کے سامنے گردن جھکا رکھا ہے، اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۸۳﴾ آپ کہہ (۱۹۱) دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا، اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے لئے اپنی گردن جھکائے ہوئے ہیں ﴿۸۳﴾ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا، تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں گھانا پانے والوں میں سے ہوگا ﴿۸۵﴾

لانے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور اگر نجران کے نصاریٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، اور محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے، تو وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں۔

علی بن ابی طالب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ: "اللہ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث کیا، تو اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اللہ نے اس کی زندگی میں محمد ﷺ کو مبعوث کیا، تو وہ محمد پر ایمان لائے گا اور اس کی مدد کرے گا۔ ہر نبی کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے اس بات کا عہد لے گا کہ اگر محمد مبعوث ہوئے اور وہ لوگ زندہ رہے، تو ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسی اثر کے پیش نظر بعض علماء نے کہا ہے کہ آیت کریمہ میں مذکور عہد نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ قاضی عیاض نے اپنی کتاب "الشفاء" میں بیان کیا ہے۔

(۶۲) جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا تمام انبیاء اور ان کی امتوں پر لازم ہے، تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو شخص دین محمدی سے اعراض کرے گا، گویا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا۔ اسی حقیقت کو اللہ نے اس آیت میں بیان کیا ہے، کہ کیا وہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہتے ہیں، حالانکہ آسمان و زمین کی ساری کائنات (برضا یا بغیر رضا) اسی کے سامنے جھک رہی ہے۔ مومن دل و جان سے، اور کافر اللہ کے قہر و جبروت کے نیچے آکر، کائنات کا ایک ذرہ بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

(۶۳) اس آیت میں بھی سیاق کلام اہل کتاب سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ اہل کتاب سے کہہ دیجئے کہ تم دین اسلام اور محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے (حالانکہ موسیٰ و عیسیٰ پر ایمان لانے کا تقاضا بھی تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا) لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تو اللہ پر، قرآن کریم پر، اور ان تمام آسمانی صحائف پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد، موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء پر نازل کیا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ أَن عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَلِدُوا فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٨٩﴾

اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دے گا ایسے لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر (۱۳۷) ہو گئے، اور اپنی اس گواہی کے بعد کہ رسول برحق ہے، اور اُن کے پاس کھلی نشانیاں آجانے کے بعد، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۸۶﴾ ایسے لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ اُن پر اللہ اور فرشتوں اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت پڑ گئی ﴿۸۷﴾ وہ لوگ اسی میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ﴿۸۸﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، تو بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ﴿۸۹﴾

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید فرمادیا کہ محمد ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین میں ثابت نہیں، اُسے رد کر دیا جائے گا“۔ یعنی اب دین اسلام کے علاوہ کوئی دین، کوئی مذہب، یا کوئی عقیدہ اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

(۶۳) اب بھی سیاق کلام اہل کتاب ہی سے متعلق ہے، اگرچہ بعض مرتد ہونے والوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کا آثار حق سمجھتے تھے، اور آپ کے واسطے سے مشرکین کے خلاف اللہ سے فتح کی دعا کرتے تھے، لیکن آپ کی بعثت کے بعد آپ کا انکار کر دیا، اور اُن پر ایمان نہیں لائے۔

اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں ایک آدمی تھا جو پہلے مسلمان ہو چکا تھا، وہ مرتد ہو کر مشرکوں کے ساتھ جا ملا، پھر نامد ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو خبر کی کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ﴾ الآية۔ (نسائی، حاکم، ابن حبان، حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے)۔

اس آیت کریمہ میں انہی یہودیوں اور مرتد ہونے والوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو کبھی بھی ہدایت نہیں دے گا، اور یہ کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت برسی رہے گی، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا جس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ البتہ اس وعید سے وہ لوگ مستثنیٰ رہیں گے جو اپنے کفر اور گناہوں سے تائب ہوں گے اور اپنی حالت کی اصلاح کر لیں گے۔

روایات میں آیا ہے کہ وہ آدمی جو مرتد ہو گیا تھا جب اُسے یہ آیت پہنچی، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنی توبہ کا اعلان کیا اور دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کافر اور گناہ گار کی توبہ قبول کی جائے گی۔ البتہ مرتد کے بارے میں بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ اس آیت اور سورہ نساء کی آیت (۱۳۷) ﴿إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ءَامَنُوا﴾ کے پیش نظر اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ قرآن کریم میں اور بھی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جائے گی، لیکن عمل صالح کے ذریعہ اپنی نیت کی صداقت کی دلیل پیش کرنی ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَذَادُوا الْفُرْكَانَ لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَسُوْا لِكُلِّ يَوْمٍ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهِمْ يَتُوبُونَ ۝

بے شک جو لوگ (۶۵) ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے، پھر ان کے کفر میں اضافہ ہوتا گیا، اُن کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور وہی لوگ حقیقی معنوں میں گمراہ ہیں ﴿۹۰﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر (۶۶) کیا، اور حالت کفر میں ہی مر گئے، اُن کی طرف سے زمین بھر کر سونا بھی بطور نذر یہ قبول نہیں کیا جائے گا، اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا، اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿۹۱﴾

(۶۵) یہاں بھی سیاق کلام اہل کتاب سے ہی متعلق ہے۔ قتادہ، عطاء خراسانی اور حسن کا قول ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی کتابوں کے ذریعہ جاننے اور پہچاننے کے باوجود اُن کا انکار کر دیا۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن یہود و نصاریٰ نے نبی کریم ﷺ کا انکار کر دیا تھا، اور اسی حال پر باقی رہے، یہاں تک کہ موت نے انہیں آیا، تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور درحقیقت وہی لوگ گمراہ ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کئی بار مرتد ہوئے، کہ اللہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرے گا، اس لئے کہ کفر اُن کے دلوں میں راسخ ہو چکا ہے۔ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء (۱۳۷) میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَذَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾ کہ جو لوگ ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے رہے، تو اللہ تعالیٰ انہیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گا اور نہ انہیں راہ راست پر لائے گا۔

(۶۶) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور حالت کفر میں ہی مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ان کا انجام بتایا ہے، کہ اُس دن کسی کے پاس کوئی مال نہ ہوگا، لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی کے پاس مال و دولت ہو، تو چاہے وہ پوری زمین بھر کے بھی سونادے کر اپنی جان جہنم کی آگ سے ٹھنڈا بنا چاہے گا تو بیخ نہ سکے گا، یعنی کوئی بھی چیز اُسے اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

مسند احمد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایک جہنمی سے پوچھا جائے گا کہ اگر تم زمین کی ہر چیز کے مالک ہوتے تو کیا اُسے دے کر اپنی جان ٹھنڈا بنا چاہتے؟ وہ کہے گا ہاں۔ تو اللہ کہے گا کہ میں نے تو تم سے اس سے آسان چیز چاہی تھی۔ میں نے تم سے (جب تم اپنے باپ آدم کی بیٹیہ میں تھے) یہ عہد لیا تھا کہ تم میرے ساتھ شرک نہ کر دو گے تو تم نے انکار کر دیا“۔

مسند احمد اور صحیح مسلم میں ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ سے عبد اللہ بن جدعان کے بارے میں پوچھا گیا، جو مہمانوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، قیدیوں کو ٹھنڈا تا تھا، اور مسکینوں کو کھانا دیتا تھا، کہ یہ نیکیاں اُس کے کام آئیں گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس لئے کہ اُس نے پوری زندگی میں ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ: ”اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دینا“۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ
 حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنزَلَ التَّوْرَةُ ۚ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ
 فَاتْلُوا مَا أَنْزَلْنَا ۚ قُلْ لَنْ أَتِيَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۚ قُلْ لَكُمْ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ
 صَدَقَ اللَّهُ ۚ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

تم لوگ بھلائی (۶۷) ہرگز نہیں پاؤ گے، جب تک (اللہ کی راہ میں) وہ مال نہ خرچ کرو گے جسے تم محبوب رکھتے ہو، اور تم جو کچھ خرچ کرو گے، اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۹۲﴾ بنی اسرائیل کے لئے تمام کھانے حلال (۶۸) تھے، سوائے اس کے جسے یعقوب نے تورات نازل ہونے سے پہلے، اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، (اے نبی!) آپ (ان یہودیوں سے) کہئے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو ﴿۹۳﴾ پس جو لوگ اس کے بعد، اللہ کے بارے میں جھوٹ افتر پردازی کریں گے، وہی ظالم ہوں گے ﴿۹۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ کہا ہے، پس تم لوگ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو، جو موحد مسلمان تھے، اور مشرکین میں سے نہیں تھے ﴿۹۵﴾

(۶۷) گذشتہ آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کوئی چیز کافروں کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی، اور نہ اس دن صدقہ و خیرات کا موقع ہوگا۔ صدقہ و خیرات کی جگہ یہ دنیا ہے۔ اسلام لانے کے بعد یہاں جو آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، قیامت کے دن اسے پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کی اسی طرف رہنمائی کی ہے کہ تم اللہ کی خوشنودی اور اس کی جنت کو نہیں پاسکتے جب تک کہ اللہ کی راہ میں اپنا مرغوب و محبوب مال نہ خرچ کرو۔

بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ منورہ میں ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بہت مالدار آدمی تھے، اور ان کا سب سے محبوب مال ”بیرحاء“ باغ تھا جو مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار اس میں داخل ہوتے اور اس کا بیٹھا پانی پیتے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرا سب سے محبوب مال ”بیرحاء“ ہے، اسے میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں۔ تو آپ نے کہا کہ بہت خوب، یہ تو قیمتی مال ہے، جو تم نے کہا، میں نے سن لیا، میری رائے ہے کہ تم اسے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ تو ابو طلحہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ایسا ہی کروں گا، چنانچہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

حافظ ابو بکر بزاز نے روایت کی ہے، عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے یہ آیت سنی تو اپنے اموال پر غور کیا، میری سب سے قیمتی شے ایک روئی لونڈی تھی، اسے میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔

(۶۸) زخشری نے لکھا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے رد میں اور ان کی تکذیب کے لئے نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کی آیت (۱۶۱/۱۶۰) میں اور سورہ انعام کی آیت (۱۳۶) میں بیان کیا کہ ہم نے ان کے ظلم و طغیان کی وجہ سے ان پر کئی حلال چیزوں کو حرام کر دیا تھا، تو اس سے وہ بہت ہی زیادہ جیسے بجبیں ہوئے، اور اللہ نے جو انہیں ظلم و طغیان کے ساتھ متہم کیا تھا، اس کی تکذیب کی، اور کہا کہ یہ غلط ہے کہ یہ چیزیں سب سے پہلے ہم پر حرام کی گئی تھیں، یہ تو نوح، ابراہیم، اور لاد اسرائیل پر قدیم زمانے سے حرام تھیں، تو ہمارے لئے بھی ان کی حرمت باقی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تکذیب کی کہ اللہ نے

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٩٣﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ
وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ
عَزِيزٌ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٤﴾

بے شک (اللہ کا) پہلا گھر (۱۹۳) جو لوگوں کے لئے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، اور تمام جہان والوں کے لئے باعث برکت و ہدایت ہے ﴿۱۹۳﴾ اُس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آجاتا ہے، اور اللہ کی رضا کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے، جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور جو انکار کرے گا، تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے ﴿۱۹۴﴾

بنی اسرائیل پر کوئی بھی کھانا حرام نہیں کیا تھا، البتہ اسرائیل یعنی یعقوب نے خود ہی بطور نذر بعض کھانوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اگر انہیں اپنی افزا پر دازی پر اصرار ہے تو آپ ان سے کہئے کہ تم لوگ تورات کھول کر دیکھو، تمہارے دعوے کی صداقت کی قلعی کھل جائے گی، یعنی تورات میں یہ نہیں بھی نہیں ہے کہ یہ چیزیں قدیم زمانے سے حرام رہی ہیں۔

ترندی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا مجھے بتائیے کہ یعقوب نے اپنے لئے کس چیز کو حرام کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ بادیہ میں رہتے تھے، انہیں عرق النساء کی بیماری ہو گئی، انہیں بطور علاج یہی سبجہ میں آیا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیں، چنانچہ انہوں نے اسے اپنے اوپر حرام بنا لیا (یعنی دونوں چیزوں کا کھانا بیٹا بند کر دیا) یہودیوں نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ اس حدیث کو احمد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ امام احمد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دونوں چیزوں کو بطور نذر اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جو حکم دیا کہ آپ ان سے کہیں، اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ یہ تحریم قدیم ہے، تو وہ تورات سے یہ بات ثابت کر دکھائیں، اس میں نبی کریم ﷺ کی صداقت اور ان کے جھوٹے ہونے کی بہت بڑی دلیل موجود ہے، اس لئے کہ انہوں نے تورات لانے کی جسارت نہیں کی۔

اس کے بعد آیت (۹۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر انفر پر دازی کرے گا، وہ ظالم ہوگا، اور اللہ اس کا پردہ فاش کر کے رہے گا۔ اور آیت (۹۵) میں فرمایا کہ ثابت ہو گیا کہ اللہ سچا ہے، اور یہود جھوٹے ہیں، اس لئے اب انہیں یہودیت سے اعلان براءت کر کے ملت ابراہیم یعنی دین اسلام کو اختیار کر لینا چاہئے۔

(۶۹) یہود کے ایک نئے جدال کی تردید ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیت المقدس لوگوں کا پہلا قبلہ ہے۔ اور خانہ کعبہ سے افضل ہے، اس لئے کہ وہ ارض مقدس میں واقع ہے، اور بہت سے انبیاء کرام ہجرت کر کے یہاں آتے رہے ہیں، پھر محمد نے اسے چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیسے بنا لیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی، اور کہا کہ سر زمین پر اللہ کا پہلا گھر خانہ کعبہ ہے، اور جب تک دنیا رہے گی وہ گھر متبرک اور انسان کی ہدایت کا ذریعہ رہے گا، لوگ دنیا کے چپے چپے سے کھج کر یہاں حج و زیارت کے لئے آتے رہیں گے، اور جب تک دنیا رہے گی اس کی طرف رُح کر کے نماز پڑھتے رہیں گے، اور اللہ کو یاد کرتے رہیں گے۔

صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کون سی مسجد پہلے بنائی

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ كَفَرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿١٩٥﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُؤْهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ وَمَا اللَّهُ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٩٦﴾

(اے نبی!) آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے (۱۹۵) ہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس پر شاہد ہے ﴿۱۹۸﴾ (اے نبی!) آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے ان لوگوں کو کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آئے ہیں، اس میں عیب جوئی کرتے ہو، حالانکہ تم اس کے دین برحق ہونے کے دل سے معترف ہو، اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے عاقل نہیں ہے ﴿۱۹۹﴾

گئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے پوچھا: پھر کون؟ تو آپ نے کہا مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا: دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ تھا؟ آپ ﷺ نے کہا چالیس سال۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو بنایا، اس کے چالیس سال کے بعد یعقوب بن اسحاق علیہما السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا۔
آیت میں "آیات بینات" (کھلی نشانیاں) سے مراد مقام ابراہیم ہے، یعنی وہ پتھر جس پر پاؤں رکھ کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیوار بنائی، اور جس پر اللہ کے حکم سے اُن کے دونوں قدموں کے نشان بن گئے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ آیت (۱۲۵) کی تفسیر)۔

اسی طرح صفاد مرہ، زمزم کا پانی، خانہ کعبہ کا زمانہ جاہلیت سے گہوارہ امن ہونا اور دیگر تمام مشاعر ج مراد ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ نے اس دن سے (بلد حرام) بنا دیا ہے، جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اور یہ قیامت تک بلد حرام رہے گا۔

جبہور علماء نے ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ سے حج کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ حج سن بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے، جسے امام احمد اور مسلم نے روایت کی ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ نے تمہارے اُدپر حج فرض کیا ہے، اس لئے تم لوگ حج کرو۔

اور حج صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ حاکم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس آیت کریمہ میں (سبیل) سے کیا مراد ہے، تو آپ نے فرمایا: راستے کا خرچ اور سواری۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ میں کفر سے مراد یا تو فریضہ حج کا انکار ہے، یا اس کی عدم ادائیگی۔ ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جو شخص سفر کا خرچ اور سواری ہونے کے باوجود حج نہیں کرے گا، تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہودی یا نصرانی ہو کر مرے۔ اگرچہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن قرآن کریم کی اس آیت اور دیگر احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۷۰) گذشتہ آیتوں میں اہل کتاب کی سازشوں کا بیان ہوا، اور ان کے خلاف بہت ساری جتیں قائم کی گئیں، اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہیں، تم لوگ جان بوجھ کر کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو؟ کیوں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن طُيْعُوا فَأَرْيَقْنَا قُلُوبَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۚ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ
وَأَنْتُمْ تَنْشُرُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

اے ایمان والو! اگر تم لوگ (۷۱) اہل کتاب کے ایک گروہ کی پیروی کرو گے، تو وہ تمہیں ایمان کے بعد دوبارہ کافر بنا دیں گے ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کو کیسے قبول کر لو گے؟ جب کہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی ہیں، اور اللہ کے رسول تمہارے درمیان موجود ہیں، اور جو شخص اللہ سے اپنا رشتہ استوار کر لیتا ہے، وہ سیدھی راہ پر آجاتا ہے ﴿۱۰۱﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنا چاہئے ﴿۷۲﴾ اور تمہاری موت آئے تو اسلام پر آئے ﴿۱۰۲﴾

خاتم النبیین پر ایمان نہیں لاتے؟ خود اسلام میں داخل نہیں ہوتے اور اللہ کی مخلوق کو بھی روکتے ہو۔

(۷۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تنبیہ کی ہے کہ انہیں یہودیوں کے مکرو فریب اور ان کی سازشوں سے ہمیشہ بچ کر رہنا چاہئے۔ حافظ ابن کثیر اور امام شوکانی نے اس آیت کا پس منظر بیان کرنے کے لئے زید بن اسلم کی روایت نقل کی ہے، جسے ابن جریر، ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کی ہے کہ شاس بن قیس یہودی مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا، ایک دن انصار مدینہ کی ایک مجلس کے پاس سے اس کا گذر ہوا، تو مسلمانوں کے آپس کی محبت والفت کو دیکھ کر اس کی نفرت و عداوت جاگ اٹھی، اور ایک نوجوان یہودی کو انصار کی مجلس میں بھیجاتا کہ انہیں ”جنگ بعثت“ کی یاد دلا کر اوس و خزرج کے مسلمانوں کے درمیان پھر سے جنگ کی آگ بھڑکائے، اور ایسا ہی ہوا، ان کی قبائلی حمیت جاگ اٹھی، آپس میں بدزبانی پر اتر آئے اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور انہیں اللہ کی یاد دلائی، اور جاہلیت کی عصمت اور اس کی خطرناکیوں کا خوف دلایا، تو شرٹل گیا، لوگوں نے ہتھیار پھینک دیا، دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور آپس میں گلے ملنے لگے۔

آیت (۱۰۱) میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ حادثہ کو مد نظر رکھتے ہوئے خبر دی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفر کو قبول نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ لوگ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، اور اللہ کے رسول ان کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہتے ہیں، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ دین اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ کفر قبول کر لیں۔

(۷۲) ابن ابی حاتم اور حاکم وغیرہما نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”حق تقاتہ“ کا معنی یہ بیان کیا کہ ”اللہ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد کیا جائے، بھولا نہ جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے“۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت کا ابتدائی حصہ سورہ تغابن کی آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ یعنی ”اللہ سے اپنی طاقت بھر ڈرتے رہو“ کے ذریعہ منسوخ ہے، لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بندہ ہر وقت ہر حال میں اللہ سے تعلق رکھے، اس کے عقاب سے ڈرتا رہے، اور اس کی عظمت و جلال کا اعتراف اس کے دل و دماغ پر مسلط رہے، اور سورہ تغابن والی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا ہے۔

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور تم سب اللہ کی رستی (۷۳) کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اور اختلاف نہ کرو، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑا، اور اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم لوگ جہنم کی کھائی کے کنارے پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا، اللہ اپنی آیتوں کو اسی طرح تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو ﴿۱۰۳﴾ اور تم میں سے ایک گروہ ﴿۷۳﴾ ایسا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۱۰۳﴾

(۷۳) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، آیت کا سیاق و دلالت کرتا ہے کہ اس آیت میں اوس و خزرج کے ماضی کی طرف اشارہ ہے، کہ ان کے درمیان کیسی دشمنی تھی، لیکن اسلام کو قبول کر لینے کے بعد اللہ کے لئے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

”اللہ کی رستی“ سے مراد یا تو اللہ سے کیا گیا عہد و پیمان ہے، یا قرآن کریم۔ امام مسلم نے کتاب فضائل الصحابہ میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو، میں تمہارے پاس دو بہت ہی بھاری اور عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے، جو اللہ کی رستی ہے، جو اس کی اتباع کرے گا وہ ہدایت پر رہے گا، اور جو اسے چھوڑ دے گا، وہ گمراہ ہو جائے گا۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی نصیحت کی گئی ہے، اور ہر قسم کے افتراق و اختلاف سے ڈرایا گیا ہے، اور اتفاق کی بنیاد قرآن کریم کو بتایا گیا ہے۔

اور جیسا کہ معلوم ہے کہ سنت قرآن سے جدا نہیں ہو سکتی، اور قرآن بغیر سنت کے نہیں سمجھا جاسکتا، اس لئے مسلمانوں کے درمیان حقیقی اتفاق و اتحاد صرف قرآن و سنت پر عمل کر کے ہی پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس معنی کی حدیثیں متعدد ہیں جن میں اُمت کو افتراق سے ڈرایا گیا ہے، اور انہیں سکھایا گیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ صرف قرآن و سنت کے ذریعہ ہی متحد ہو سکتی ہے۔ اور یہ کہ اُمتِ تہتر (۷۳) فرقوں میں صرف اس وجہ سے بٹ گئی کہ اس نے ان دونوں بنیادوں کو پس پشت ڈال دیا۔

جس فرقہ کو (ناجیہ) کہا گیا ہے، اس کی صفت خود اللہ کے رسول نے بتادی ہے کہ جو میری اور میرے صحابہ کی راہ پر گامزن ہوگا۔ اس لئے اگر کسی بھی زمانے میں مسلمانوں کے درمیان اتحاد ہوگا تو صرف قرآن و سنت کی بنیاد پر۔ کسی دوسری بنیاد پر اُمتِ مسلمہ کی جماعتوں میں حقیقی اتحاد وجود میں نہیں آسکتا۔

(۷۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو ایک بہت بڑی ذمہ داری دی ہے، اور کہا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا ہونا لازماً ضروری ہے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے، اچھائی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے، اس کے بعد اللہ نے صراحت کر دی کہ اُمتِ مسلمہ کی دینی اور دنیاوی فلاح و بہبودی کی یہی بنیادی شرط ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَكْفُرُوا وَاسْتَكْفَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٥٥﴾
 يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَاسْوَدُّ وُجُوهٌ ۖ فَمَا أَتَى الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ فَيُكْفَرُتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَلَوْ قُوا
 الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٧﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں (۵۵) میں بٹ گئے، اور ان کے پاس نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا، اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جس دن کچھ چہرے (۵۶) چمکتے ہوں گے، اور کچھ چہرے کالے ہوں گے، جن کے چہرے کالے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا کہ تم لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کو قبول کر لیا تھا، تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو ﴿۱۰۶﴾ اور جن کے چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۰۷﴾

(۷۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف گروہوں میں بٹ جانے سے منع فرمایا ہے، جنہوں نے حق سے روگردانی کر کے خواہش نفس کی اتباع کی، اور ایک دوسرے سے حد کیا، یہاں تک کہ انبیاء کرام کو بھی انہوں نے آپس میں بانٹ لیا، دین میں بدعت کورہ دی، اور اس طرح حق بات کے واضح دلائل آجانے کے باوجود ان کے آپس میں حسد و عداوت اور بغض و عناد پیدا ہو گیا، اور ان کے دل مختلف ہو گئے۔

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ ”اُن میں سے ہر ایک دعویٰ کرنے لگا کہ وہ حق پر ہے، اور اس کا مخالف باطل پر ہے“۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ”اگر انصاف کے ساتھ غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ اس زمانے کے اکثر علماء میں بھی یہ صفت پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے اور ہمارے حال پر رحم کرے“۔ علمائے سلف میں یہ صفت نہیں پائی جاتی تھی۔ صحابہ کرام قرآن و سنت کی روشنی میں فتاویٰ دیتے تھے اور اگر کبھی ان کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کے دلوں میں فرق نہیں آتا تھا۔ مسلمانوں میں دلوں کا اختلاف تہلیلہ جاد اور فقہی مذاہب کی اندھی عصیت کے بعد پیدا ہوا۔ قرآن و سنت سے جتنا دور ہوتے گئے، اتنا ہی یہ مرض بڑھتا گیا، اور نوبت ایک دوسرے کی تکفیر و تفصیل تک پہنچ گئی۔ بعض کج فہموں اور امت میں اختلاف کورہ دینے والوں نے (اختلاف اُمتی رحمة) جیسی ضعیف اور کمزور حدیث کا سہارا لینا چاہا۔ اس حدیث کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔ اسے طبرانی نے اور بیہقی نے (المدخل) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند ضعیف کے ساتھ مرفوعاً روایت کی ہے۔ اس حدیث کی سند تو کمزور ہے ہی، اس کے علاوہ بہت سی قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ * إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ﴾ (ہود: ۱۱۹/۱۱۸) کہ ”لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے، سوائے اس آدمی کے جس پر اللہ رحم کرے“۔ اس آیت میں اختلاف اور رحمت میں تباہی بتایا گیا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: (لا تختلفوا فتختلف قلوبكم) یعنی ”آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے“۔ (مسلم)۔

(۷۶) گذشتہ آیت کے آخر میں اختلاف کرنے والوں کو عذاب الیم سے ڈرایا گیا ہے، یہاں بتایا جا رہا ہے کہ یہ عذاب انہیں اُس دن ملے گا جب مومنوں کے چہرے نور ایمان سے چمک رہے ہوں گے اور کافروں اور دین میں اختلاف پیدا کرنے والوں کے چہرے نور ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوں گے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لِكٰنَ خَيْرًا لَّكُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

یہ اللہ کی آیتیں (۱۰۷) ہیں، جنہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں، اور اللہ دونوں جہان والوں میں سے کسی پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا ﴿۱۰۸﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ کی ملکیت ہے، اور تمام امور بالآخر اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿۱۰۹﴾ (اے مسلمانو!) تم بہترین لوگ (۱۰۸) ہو، جو انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو، بھلائی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے بعض مومن ہیں، اور اکثر کافر ہیں ﴿۱۱۰﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ روشن چہرے والوں سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں، اور سیاہ چہرے والوں سے مراد اہل بدعت اور اُمت میں افتراق پیدا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن روشن چہروں والا بنائے۔ آمین۔ (۱۰۷) نبی کریم ﷺ کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اب تک جو کچھ بیان ہوا سب اللہ کی برحق آیتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا، اور نہ کسی کی نیکی میں کوئی کمی کرتا ہے، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس لئے اللہ کسی پر ظلم کیوں کرے گا۔

(۱۰۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کی فضیلت دوسری اُمتوں پر بیان کی ہے کہ اے مسلمانو! تم سب سے اچھے لوگ ہو، اس لئے کہ تمہیں اللہ نے اس لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ بنی نوع انسان کو بھلائی کا حکم دو، برائی سے روکو، اور اللہ پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جن پر اللہ نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کی یہ فضیلت دوسری تمام اُمتوں پر علی الاطلاق ہے۔ اور اس فضیلت میں اُمتِ مسلمہ کے ہر دور کے لوگ شریک ہیں، خود اُمتِ مسلمہ کے درمیان درجات میں تفاوت تو موجود ہے، جیسے صحابہ کرام کو دیگر مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن مسلمان چاہے جس دور کے ہوں، انہیں غیر مسلموں پر فضیلت حاصل ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے معاویہ بن حنیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! تمہارا وزن ستر اُمتوں کے برابر ہے، اور تم ان سے بہتر اور اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ مکرم ہو۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”اُمتِ مسلمہ کو یہ مقام، ان کے نبی محمد ﷺ کی وجہ سے ملا ہے، اس لئے کہ اللہ نے انہیں مخلوق میں سب سے اشرف اور رسولوں میں سب سے اعلیٰ بنایا تھا، اور انہیں ایک ایسا عظیم اور کامل دین دے کر بھیجا تھا جو ان سے پہلے کسی نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ ان کے اس دین کا پابند رہ کر تھوڑا عمل بھی دوسرے مذاہب والوں کے عمل کثیر سے زیادہ افضل ہے۔“

اور یہ مقام ہر اس شخص کو ملے گا جو مذکورہ بالا صفات کے ساتھ متصف ہوگا، اور جس کے اندر یہ صفات نہیں پائی جائیں گی، وہ اہل کتاب یعنی یہودیوں کے مشابہ ہوگا، جیسا کہ آیت کے اگلے حصہ میں ان کا ذکر آیا ہے، کہ ان میں سے اکثر لوگ کفر و ضلالت اور فسق و معصیت میں مبتلا ہیں۔

لَنْ يَضُرُّكُمْ إِلَّا أذىً وَإِنْ يُقَالُوا لَكُمْ يُؤْمِنُ الْإِسْلَامُ كَمَا كُنْتُمْ يَكْفُرُونَ لَنْ يَضُرُّكُمْ مِنْ اللَّهِ وَحَبْلِ مَنْ النَّاسِ وَبِأَنَّهُمْ يَغْضِبُ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٨٠﴾ لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَّبِعُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْتَ الْبَيْتِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿٨١﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٢﴾ وَمَا يَعْلَمُونَ خَيْرٌ فَكُنْ بِكَفْرِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾

(یہ لوگ) کچھ ایذا رسانی (۷۹) کے سوا، تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، اور اگر تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے، پھر کوئی ان کی مدد کو نہ آئے گا ﴿۱۱۱﴾ وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے، ان پر ذلت (۸۰) مسلط کر دی گئی ہے، الا یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں اور لوگوں کی پناہ میں آجائیں۔ وہ لوگ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ اور ان پر مسکینی مسلط کر دی گئی۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوا ﴿۱۱۲﴾ یہ لوگ برابر (۸۱) نہیں ہیں، اہل کتاب کا ایک گروہ حق پر ہے، وہ لوگ راتوں کو اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور سجدہ کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ وہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور خیر کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ لوگ نیکی کرنے والوں میں سے ہیں ﴿۱۱۴﴾ اور وہ لوگ جو بھی بھلائی کریں گے، اس کے اجر و ثواب کے لئے، ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾

(۷۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی ہے کہ اہل کتاب پر نصرت و فتح تمہارا نصیب ہے، یہ ملحد اور کافر اہل کتاب یعنی یہودی تمہیں تکلیف تو پہنچا سکتے ہیں، لیکن جب تم سے ان کی جنگ ہوگی تو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، اور ایسا ہی ہوا، خیبر کے دن اللہ نے یہودیوں کو رسوا کیا، اور مدینہ میں بھی رسوا ہوئے، اور شام کے نصرا نیوں کی تو صحابہ کرام نے کھڑوڑ دی۔ ان کا ملک ہمیشہ کے لئے ان کے ہاتھ سے نکل گیا، اور اللہ کے حکم سے اب شام میں مسلمانوں ہی کا غالبہ ہے اور رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے قریب وہاں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور شریعت محمدی کا نفاذ کریں گے۔

(۸۰) اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کو یہود کی قسمت بنا دی ہے، وہ جہاں اور جس زمانے میں بھی ہوں گے، ذلیل و رسوا ہی ہو کر رہیں گے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں اور کسی زمانے میں بھی انہیں احترام و عزت نصیب نہیں ہوئی۔ انہیں عارضی چین اور سکون صرف دو میں سے ایک ہی صورت میں ملے گا، یا تو جزیہ دے کر بطور ذمی زندگی گزاریں گے، یا کسی بڑی غیر اسلامی طاقتور حکومت کی پشت پناہی حاصل ہو جائے گی، جیسا کہ آج کل فلسطین میں یہودیوں کی ایک حکومت، امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور دیگر کافر حکومتوں کی شہ پر، اور ان کی مدد سے قائم ہے۔ ابھی حال ہی میں مشہور نو مسلم مفکر رجا بارودی کا بیان شائع ہوا ہے کہ اگر امریکہ اپنا ہاتھ کھینچ لے، تو اسرائیل کی حکومت عرب مسلمانوں کے سامنے چوٹیں گھسنے سے زیادہ نہیں ٹک سکتی۔ ان کی ذلت و رسوائی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ فلسطینی مسلمان بچوں نے پتھر مار مار کر ان کی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتُهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٨٣﴾

بے شک جن لوگوں (۸۲) نے کفر کو قبول کر لیا، ان کے اموال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہ آئے گی، اور وہی لوگ جہنمی ہیں، وہ لوگ اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ﴿۱۱۶﴾ وہ لوگ اس دنیاوی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اس تیز ہوا کی ہے جس میں کڑا کے کی سردی ہو، جو ایسی قوم کی کھیتی کو جا لگے جس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہو، اور اس (کھیتی) کو تباہ کر دے ماور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا ﴿۱۱۷﴾

زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔

(۸۱) اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور دیگر کئی محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید، اسد بن عبید اور کچھ دوسرے یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا، تو علماء یہود کہنے لگے کہ محمد پر بڑے لوگ ایمان لائے ہیں، اگر وہ اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑ دیتے۔ اور ان مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگوں نے اپنا دین بدل کر خسارہ اٹھایا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، کہ وہ اہل کتاب جنہوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا، ان اہل کتاب کی مانند نہیں ہیں جو اپنے کفر پر قائم رہے۔

امام احمد اور نسائی وغیرہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے لئے بہت تاخیر سے تشریف لائے، اور فرمایا کہ اہل ادیان میں سے تمہارے علاوہ کوئی نہیں جو اس وقت اللہ کو یاد کرے، تو ”لَيْسُوا سَوَاءً“ سے ”بِالْمُتَّقِينَ“ تک تین آیتیں نازل ہوئیں۔

اس روایت کے مطابق بھی آیت کا مفہوم یہی ہوگا کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے، اور جن کی صفات وہ ہیں جو یہاں بیان کی گئی ہیں، وہ لوگ ان اہل کتاب کی مانند نہیں ہیں، جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔ (۸۲) یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کفر کا حال بیان کیا ہے کہ ان کا مال، ان کی اولاد، اللہ کے عذاب کو ان سے نہیں ٹال سکے گی، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

آیت (۱۱۷) میں ایک مثال کے ذریعہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کفر اگر اپنا مال کسی خیر کے کام میں بھی خرچ کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کے کام نہ آئے گا، اللہ تعالیٰ نے ایسے بد نصیب کافروں کی بد نصیبی کی مزید وضاحت کے لئے یہ مثال بیان کی، کہ جیسے کسی قوم کا کوئی ہرا بھرا باغ یا کھیت ہو جسے دکھ دیکھ کر وہ خوش ہو رہے ہوں، کہ اچانک ایک سخت ٹھنڈی ہوا چلے، جس میں آگ کی سی تیزی ہو، جو اسے مارے ٹھنڈک کے جلا دے۔ یعنی کافروں کو ان کے کارہائے خیر کا کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، کیوں کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل بھی اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَتَهُمْ مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٨٣﴾

اے ایمان والو! تم غیر مسلموں کو اپنا راز دار (۸۳) نہ بناؤ، وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھیں گے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تمہیں مشقت و پریشانی لاحق ہو، ان کی زبانوں سے دشمنی ظاہر ہو چکی ہے، اور ان کے سینوں نے جو چھپا رکھا ہے وہ تو زیادہ بڑی عداوت ہے، اگر تم عقل والے ہو تو ہم نے تمہارے لئے آیتوں کو بیان کر دیا ہے ﴿۱۱۸﴾

(۸۳) ابن جریر، ابن اسحاق، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کچھ مسلمانوں کا یہود مدینہ کے ساتھ پڑوس میں ہونے کی وجہ سے، یاد ورجاہلیت کے کسی معاہدے کی بنا پر ایک گنا تعلق تھا، جس کی وجہ سے خدشہ رہتا تھا کہ وہ مسلمان اپنے دل کی باتیں اور مسلمانوں کے راز انہیں بتا دیا کریں گے اور مسلمانوں کو ان کی اس نادانی کی وجہ سے کوئی خطرہ لاحق ہو جائے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور مسلمانوں کو منع کیا کہ وہ غیر مسلموں کو اپنا راز دار بنائیں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی تاکہ مسلمان ان سے اپنے دل کی بات اور مسلمانوں کا راز نہ بتائیں۔ اس لئے کہ بعد والی آیت میں ان لوگوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ ”جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف مارے غصہ کے اپنے دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں“۔ اور یہ صفات منافقین کی تھیں۔

بعض نے کہا ہے کہ آیت میں تمام کفار مراد ہیں۔ لفظ (مِن دُونِكُمْ) یعنی ”تم اپنے سوا کسی دوسرے کو اپنا راز دار نہ بناؤ“ سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حیرہ کا ایک نصرانی غلام ہے جو بڑا ہی ذہین و فطین کاتب ہے، آپ اسے اپنا کاتب کیوں مقرر کر لیتے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کسی غیر مسلم کو اپنا بٹانہ اور راز دار بنا لوں؟ رازی کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کیا تھا۔

اور اس ممانعت کی علت قرآن نے یہ بتائی کہ غیر مسلم ہمیشہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی سوچتے رہتے ہیں، اور ہر وقت تمنا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اے مسلمانو! کیا تم دیکھتے نہیں کہ ان کا چھپا ہوا بغض و حسد کبھی کبھار ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ غیر مسلموں کو مسلم ممالک کی آفسوں میں ایسی ذمہ داریاں نہیں دینی چاہئے، جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کے راز حاصل کریں، اور دشمنوں کو ان کی اطلاع دیں۔ مفسر الکلیاۃ ۳ لکھتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر کسی ذمی (غیر مسلم جو مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہے) سے مسلمانوں کے کسی معاملے میں مدد لینا جائز نہیں۔

هَآئِنْتُمْ اُولَآئِكَ جُنُودُهُمْ وَلَا يُجِبُوكُمْ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذْ الْغَوَاكُمُ قَالُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ مَا كُنَّا نَعْتَدُ بِاللّٰهِ اِلاَّ اٰمَلْنَا مِنَ الْاِنْسَانِ اِلٰهًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ عَظِيْمًا قُلْ مُؤْتُوْا بَعْضِكُمْ اِلَآءًا اِنْ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذٰلِكَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ حَسَنَةً ۗ سُوْهُمُ وَاِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۗ وَاِنْ تُصِيبْكُمْ اِحْسَانٌ فَاَوْفُوا بِاللّٰهِ اَلَيْسَ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ ۝۱۲۰

۱۲۰

تم خود دیکھ لو کہ تم تو ان سے محبت (۸۳) رکھتے ہو اور وہ تمہیں بالکل نہیں چاہتے، اور تم تو تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو تم سے مارے غصہ کے اپنی انگلیاں اپنے دانتوں سے کاٹتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے غصہ میں مرتے رہو، اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾ اگر تمہیں کوئی بھلائی (۸۵) ملتی ہے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو ان کا مکر و فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۱۲۰﴾

(۸۳) اس ممانعت کی مزید علت بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ تم اپنی سادگی میں ان سے محبت کرتے ہو، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں بالکل نہیں چاہتے، بلکہ شدتِ نفرت اور شدتِ بغض و عداوت کی وجہ سے اپنے دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں کہ کب انہیں کوئی ایسا موقع ملے کہ تمہارے وجود سے چھٹکارا پالیں۔

اس کے بعد اللہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اپنے غیظ و غضب کے مارے زندہ رہتے ہوئے بار بار مرتے ہو، اللہ تو اپنی نعت کو مسلمانوں پر تمام کر کے رہے گا اور اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنا کر رہے گا۔ (۸۵) کافروں کی مسلمانوں سے شدتِ عداوت کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے، اللہ نے فرمایا کہ تم ان کافروں سے دوستی رکھتے ہو، جب کہ تم سے ان کی عداوت کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی بھلائی تمہیں چھو بھی جاتی ہے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے، تو مارے خوشی کے آپے سے باہر نکلے جاتے ہیں۔ تو بھلا ایسوں کو دوست بنانا کہاں کی دانشمندی ہے؟! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے شر و فساد سے بچنے کا یہ طریقہ بتایا کہ مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے آزمائشوں پر صبر کی عادت ڈالنی چاہئے، ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے، تقویٰ اور بندگی کی راہ اختیار کرنی چاہئے، اور غیر مسلموں سے مدد نہیں لینی چاہئے، اگر وہ ایسا کریں گے تو کافروں کا مکر و فریب انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا، اس لئے کہ جو اللہ پر توکل کرے گا، آزمائشوں پر صبر کرے گا اور صرف اسی سے مدد مانگے گا، وہ یقیناً اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔ اللہ اسے کبھی بھی مضائقہ نہیں کرے گا، اور دشمن کے مقابلہ میں اسے فتح و نصرت عطا کرے گا، اور جو غیروں سے مدد چاہے گا، اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دے گا، اور اپنی نصرت سے اسے محروم کر دے گا۔

کاش مسلمان آج بھی یہ نسخہ استعمال کر کے دیکھتے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جبہ سائی نہ کرتے۔ بڑی طاقتوں کو اپنا معبود نہ بناتے، اللہ کے بجائے ان سے مدد نہ مانگتے، تو اللہ کا وعدہ ہمیشہ کے لئے ایک ہی ہے۔ فتح و کامیابی ان کا

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٦﴾

اور (اے نبی!) جب آپ صبح کے وقت (۸۶) اپنے گھر سے چلے، مسلمانوں کو جنگی ٹھکانوں پر متعین کر رہے تھے، اور اللہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۱۲۱﴾

قدم چومتی، عزت و سیادت ان کے سرکا تاج ہوتی اور دوسری قومیں ان کے سامنے گھٹنا ٹیک دیتیں۔ کیا کوئی ہے جو اس آواز پر کان دھرے؟

(۸۶) غزوات کے مورخین اور جمہور علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت واقعہ اُحد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس واقعہ کے ساتھ غزوہ بدر کے ذکر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فتح و نصرت اور شکست و ناکامی کے باب میں نظام الہی یہ ہے کہ صبر و تقویٰ کا نتیجہ نصرت و کامیابی ہوتی ہے، اور بے صبری اور عدم تقویٰ کا لازمی نتیجہ شکست و ناکامی ہوتی ہے۔ اور اس کی مثال مسلمانوں کا ماضی قریب ہے، کہ میدان اُحد میں بے صبری اور حرص دینا کا ثبوت دیا تو فتح کے بعد شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اور ان کے دشمنوں نے خوشی کے نغمے گائے، اور میدان بدر میں صبر و تکلیب کا ثبوت دیا، اور تقویٰ اور تعلق باللہ کی راہ پر گامزن رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتحیاب کیا، اور ان کے ستر (۷۰) بڑے بڑے دشمن مارے گئے، اور ستر (۷۰) قیدی بنے، اور غنیمت کا بہت سامان ان کے ہاتھ آیا۔

اس آیت سے جنگ اُحد کے واقعہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور تقریباً ساٹھ آیتوں میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ واقعہ شوال ۳ھ میں وقوع پذیر ہوا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ جنگ بدر میں جب قریش کے سرداران مارے گئے، اور رسوا کن شکست سے دوچار ہوئے، تو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے کفار قریش ابوسفیان کی قیادت میں تین ہزار کی تعداد میں جبل اُحد کے قریب آکر جمع ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر ہی دفاع کیا جائے، یا باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، کچھ لوگوں کی پہلی رائے تھی۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول رَأْسُ الْمُنَافِقِينَ کی بھی یہی رائے تھی۔ کچھ نوجوان اور پرجوش صحابہ کی رائے دوسری تھی، اور اس پر انہوں نے اصرار کیا۔ نبی کریم ﷺ اسی دوسری رائے کے مطابق گھر کے اندر تشریف لے گئے، اور زہرہ پہن کر باہر آگئے۔ دوسری رائے والے صحابہ نے سمجھا کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مجبور کیا ہے، اس لئے انہوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو پہلی رائے پر عمل کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا نبی جب زہرہ پہن کر گھر سے باہر آجاتا ہے تو اُس وقت تک نہیں اتارتا جب تک اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ نہ کر دے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایک ہزار لشکر کے ساتھ جمعہ کے بعد جبل اُحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ عبد اللہ بن ابی بن مقام ”شوط“ سے اپنے تین سوا فراد کے ساتھ یہ بہانا بنا کر واپس آ گیا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔

جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، لیکن جن تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے جبل اُحد پر مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ہمیں چڑیاں بھی اُچک کر لے جائیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا، انہوں نے مال غنیمت لوٹنے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دی، اور خالد بن ولید نے اُس طرف سے حملہ کر دیا، اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد، ابن القیم رحمہ اللہ)۔

بعض لوگوں نے "غدوت" کا معنی "صبح کے وقت نکلنا" کیا ہے، اور پھر یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ پھر یہ کیسے صحیح ہے کہ

إذ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَكُوا بِاللَّهِ وَلِئِهِمَا وَعَىٰ اللَّهُ فَايْتَوْكُلِ الْمُؤْمِنُونَ ۖ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ
بِذُرِّيَّةٍ لَّكُمْ لِكُلِّ طَّائِفَةٍ لِّعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۗ إِذْ يَقُولُ الْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُرْسِلَ إِلَيْنَا
أَلْفَ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُزْبِلِينَ ۗ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا أَيُّ ذُرِّيَّتِكُمْ مَّخْسُوفَةً
الَّذِينَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۗ

جب تم میں سے دو گروہوں (۸۷) نے پسا پائی کا ارادہ کیا، اور اللہ ان کا دوست ہے، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے ﴿۱۲۲﴾ اور اللہ نے میدان بدر (۸۸) میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم نہایت کمزور تھے، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، تاکہ تم (اللہ کی اس نعمت کا) شکر ادا کرو ﴿۱۲۳﴾ جب آپ مومنوں (۸۹) سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے ﴿۱۲۴﴾ ہاں، اگر تم لوگ صبر کرو گے، اور اللہ سے ڈرو گے، اور تمہارے دشمن جوش میں آکر تم تک آجائیں گے، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا ﴿۱۲۵﴾

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد نکلے۔ صاحب فتح البیان نے لکھا ہے کہ بسا اوقات "غدوق" مطلق خروج کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں بھی "غدوت" "خَرَجْتَ" کے معنی میں ہے۔ اس لئے اشکال باقی نہیں رہتا۔

(۸۷) یہاں دونوں گروہوں سے مراد خزرج کا قبیلہ بنو سلمہ، اور اس کا قبیلہ بنو حارثہ ہے۔ بخاری اور مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی، اور یہ ہمیں بہت پسند اس لئے ہے کہ اس میں اللہ نے اپنے آپ کو ہم دونوں قبیلے والوں کا دوست بتایا ہے۔

(۸۸) اوپر بیان ہو چکا کہ واقعہ اُحد کے ساتھ غزوہ بدر کے ذکر کرنے کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ اللہ پر توکل اور صبر و تقویٰ کا پھل فتح و کامرانی ہوتی ہے، جنگ بدر میں یہی ہوا کہ مسلمان ہر طرح سے کمزور تھے، لیکن جب انہوں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اور صبر و ثبات قدمی سے کام لیا تو اللہ نے انہیں کافروں پر غلبہ دیا۔

(۸۹) اس آیت میں مسلمانوں سے نبی کریم ﷺ کے وعدے کا ذکر ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کی تین ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا، اور اس کے بعد والی آیت میں پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کے وعدے کا ذکر ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ جنگ بدر سے متعلق تھا یا جنگ اُحد سے متعلق، مفسرین کے دونوں اقوال ہیں۔ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدے کا تعلق یوم بدر سے تھا، اس لئے کہ سیاق کلام واقعہ بدر سے متعلق ہے۔ اور سورہ انفال میں واقعہ بدر کے بیان میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کا جو ذکر ہے، وہ اس آیت میں تین ہزار یا اس سے زیادہ کے ذریعہ مدد کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ سورہ انفال والی آیت میں ایک ہزار فرشتوں کے ذکر کے بعد "مُرْسِلِينَ" کا لفظ آیا ہے، یعنی ایک ہزار کے بعد مزید فرشتے آئیں گے۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کی ایک ہزار کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار کے ذریعہ، پھر جب صبر اور تقویٰ کا مظاہرہ کیا تو پانچ ہزار کے ذریعہ۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ انفال میں واقعہ بدر سے متعلق سیاق کلام، بالکل ان آیتوں کے سیاق کلام کے مشابہ ہے، یعنی دونوں ہی سیاق کلام واقعہ بدر سے متعلق ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُعْثًا لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَقًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْتَسِبُهُمْ فَيُنْقَلِبُوهُمْ خَائِبِينَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۝ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے محض خوشخبری (۹۰) بتائی ہے، اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ہو، ورنہ مدد تو صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو بڑی عزت و حکمت والا ہے ﴿۱۲۶﴾ تاکہ اہل کفر کی ایک جماعت کا صفایا کر دے یا انہیں شکست دے، تاکہ نامراد واپس ہوں ﴿۱۲۷﴾ ان کافروں کے معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار (۹۱) نہیں ہے، چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے یا چاہے تو انہیں عذاب دے، اس لئے کہ وہ ظالم ہیں ﴿۱۲۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کی ملکیت ہے، اللہ جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۹﴾

(۹۰) فرشتوں کے ذریعہ امداد کی خبر مسلمانوں کے لئے ایک خوشخبری تھی، اور مقصد یہ تھا کہ ان کے دل مطمئن ہوں، ورنہ نصرت و نفع تو اللہ کی طرف سے آتی ہے، اللہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے بعد آیت (۱۲۷) میں اللہ نے فرمایا کہ اللہ چاہتا ہے کہ کفار قتل و بند کی سزا بھگتیں، یا شکست کے بعد ذلت و رسوائی اٹھائیں۔

(۹۱) یہ ایک جملہ معترضہ ہے، جس سے مقصود نبی کریم ﷺ کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں آپ کے ذہن و دماغ میں یہ بات نہ آجائے کہ آپ کی ذات بھی کچھ مؤثر ہے، اور آپ کے عقیدہ توحید میں فرق آجائے، آپ تو ایک انسان ہیں آپ کا کام اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں کو ڈرانا ہے، ان کی بخشش یا عذاب کا معاملہ تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کسی دن فجر کی نماز میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! فلاں اور فلاں قبائل عرب پر لعنت بھیج، تو یہ آیت اتری کہ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی دوسری رکعت میں حارث بن ہشام، سمیل بن عمرو، اور صفوان بن امیہ پر لعنت بھیجتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اس کے بعد توبہ کیا اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔

انس بن مالک سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ جب جنگ احد میں آپ زخمی ہوئے، تو کہا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا، تو یہ آیت اتری۔

آیت (۱۲۹) میں اسی مضمون کی تائید ہے، کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ ہے، وہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا، اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ کسی بندے کو، چاہے وہ نبی مرسل ہو یا ولی مکرّم، یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی کی قسمت کا فیصلہ کرے، اور کسی کو جنت میں بھیج دے اور کسی کو جہنم میں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاتَّقُوا الْكَارِثَةَ الَّتِي
 أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّتْ عُرُوشُهَا
 السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُعْطُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ
 النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا کر سود (۹۲) نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ﴿۱۳۰﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور تیزی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی جانب جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۳﴾ جو لوگ خوشی اور غم ہر حال میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے ﴿۱۳۴﴾

(۹۲) واقعہ اُحد کے بیان میں ”سود“ کا بیان اچانک آ گیا ہے، اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آیت (۱۲۰) اور (۱۲۵) میں یہ بتایا گیا ہے کہ فتح و نصرت کار از صبر و تقویٰ میں مضمر ہے، اور تقویٰ ہی دنیا و آخرت کی ہر کامیابی کا ذریعہ ہے۔ تو طبعی طور پر ذہنوں میں تقویٰ کی صفات جاننے کا شوق پیدا ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے (جنگ اُحد کی مزید تفصیلات بیان کرنے سے پہلے) تقویٰ کی اہم صفات کو بیان کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہاں سود سے متعلق آیتوں میں تین بار لفظ (تقویٰ) کو دہرایا گیا ہے، گویا سود نہ لینا تقویٰ کی اہم صفت ہے۔ ایک دوسرا سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اُحد میں فتح، شکست میں اس وجہ سے بدل گئی کہ تیر انداز مسلمان مال کی لالچ میں پڑ گئے، اور لالچ اور دولت پرستی کی سب سے گھناؤنی صورت ”سود“ ہے، اسی لئے اللہ نے اس سے منع فرمایا، اور اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت بیان کی۔

زمانہ جاہلیت میں جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی، تو قرض والا کہتا کہ تم میری رقم واپس کرو، یا میں مدت بڑھا دیتا ہوں اور تم رقم میں اضافہ کرو۔ آیت میں لفظ ”ایمان“ کے ساتھ خطاب سے اس طرف اشارہ ہے، کہ ایمان کا تقاضا سود کو چھوڑ دینا ہے۔ اور سورہ بقرہ میں سودی کاروبار کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کہا گیا ہے۔ کئی گنا بنا کر سود لینے کا ذکر، زمانہ جاہلیت کی عادت بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے، کہ وہ لوگ ایسا کرتے تھے۔ ورنہ سود تو ہر حال میں حرام ہے، چاہے کم ہو یا زیادہ، اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ سود نہ لیا جائے۔

آیت (۱۳۱) میں سود خوروں کو اُس آگ سے ڈرایا گیا ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ سود خوری کبھی آدمی کو کفر تک لے جا سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، وہ کہتے تھے کہ قرآن کریم میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے، کہ اگر مسلمانوں نے تقویٰ کی راہ اختیار نہ کی تو اس آگ کا سامنا کرنا پڑے گا جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

آیت (۱۳۲) میں مزید تاکید کے طور پر اللہ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ فَرِحَ وَاللَّهُ وَ
 لَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتِ بُعْرَىٰ مِنَ تَحْتِهَا الْكَنْهَرُ
 خَلِيدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

اور جب ان سے کوئی بدکاری (۱۳۵) ہو جاتی ہے، یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور اللہ کے علاوہ کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، اور اپنے کئے پر، جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے ﴿۱۳۵﴾ ان لوگوں کو بدلہ میں ان کے رب کی مغفرت، اور وہ جنتیں ملیں گی، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور عمل صالح کرنے والوں کا بدلہ اچھا ہوتا ہے ﴿۱۳۶﴾ سو لینا یکسر بند کر دیں، تاکہ اللہ کی رحمت ان کے شامل حال ہو۔

آیت (۱۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ ایمان والے ان اعمال صالحہ کی طرف سبقت کریں جو اللہ کی مغفرت کا سبب بنتے ہیں، اور جن کی وجہ سے اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں اس جنت میں داخل کرے گا جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، اور جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

یہاں جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر بتائی گئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جنت کی حقیقی وسعت ہے، اور اس کا ذکر یہاں اس لئے آیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کا طول اس کے عرض سے یقیناً زیادہ ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ اللہ کی جنت ہمارے گمان سے بہت ہی زیادہ وسیع ہوگی۔

آیت (۱۳۳) میں اہل جنت کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ وسعت اور تنگی ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو اُسے پی جاتے ہیں، اور اُس پر عمل نہیں کرتے۔ امام احمد نے جاریہ بن قدامہ السدوسی سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ”اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی نفع بخش بات بتائیے، لیکن ایسی بات نہ ہو تاکہ میں اُسے یاد کر لوں، تو آپ نے فرمایا: غصہ مت کرو۔ صحابی نے بار بار اپنا سوال دہرایا، اور ہر بار آپ نے ان سے یہی کہا: غصہ مت کرو۔“ اہل جنت کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ان کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے تو اُسے معاف کر دیتے ہیں، اور اپنے دل میں اس کے خلاف کوئی بغض و کینہ نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ شوریٰ آیت (۳۷) میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

(۹۳) اہل جنت کی ایک اور صفت یہ بتائی گئی کہ جب ان سے کبیرہ یا صغیرہ گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے، تو انہیں اللہ سے حیا آتی ہے، اور اس کے عقاب کا ڈر لاحق ہو جاتا ہے، تو فوراً اللہ سے معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے علاوہ گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟ اس کے سوا کسے اس کا اختیار حاصل ہے؟ امام احمد نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ ابلیس نے اپنے رب سے کہا تیری عزت و جلال کی قسم، میں بنی آدم کو جب تک ان کی سانس چلتی رہے گی گمراہ کرتا رہوں گا۔ تو اللہ نے کہا، میری عزت و جلال کی قسم، جب تک وہ مجھ سے مغفرت چاہتے رہیں گے، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔

اور اس طلبِ مغفرت والی صفت کی تکمیل یہ ہے کہ وہ جانتے ہوئے گناہ پر اصرار نہیں کرتے، یعنی اگر گناہ ہو جاتا ہے تو

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ۝ هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ
وَهَذَىٰ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلَا تَهْمُؤُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَأْسَوا لِمَا سَأَلْتُمُ اللَّاعِلِينَ ۝ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ إِن يَسْئَلْكُمُ
قَوْمٌ فَمَاذَا نَسَّ الْقَوْمَ فَزَجَّهٖمْ فِي سُبُلٍ مَّشْتَرَاةٍ ۝ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاوَالْبَابِئِنِّ النَّاسِ ۝ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ
مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۝ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيَسْخِصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَسْحَقَ الْكٰفِرِينَ ۝

تم سے پہلی امتوں (۹۳) کے واقعات گزر چکے ہیں، پس تم زمین میں چلو اور دیکھو کہ (اللہ کے رسول کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ﴿۱۳۷﴾ یہ (قرآن) عام انسانوں کے لئے اعلانِ حق، اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾ اور تم کمزور نہ (۹۵) بنو، اور غم نہ کرو، اور اگر تم ایمان والے ہو گے تو تم ہی سب سے بلند ہو گے ﴿۱۳۹﴾ اگر تمہیں زخم (۹۶) لگا ہے، تو تمہاری طرح تمہارے دشمنوں کو بھی زخم لگا ہے۔ اور ان ایام کو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، اور تاکہ اللہ مومنوں کو جان لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنائے، اور اللہ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿۱۴۰﴾ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو نکھار دے، اور کافروں کو مٹا دے ﴿۱۴۱﴾

استغفار کرتے ہیں۔ کیونکہ دل سے استغفار کر لینے کے بعد اگر دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے، تو اسے گناہ پر اصرار نہیں کہا جاتا۔ ابوداؤد، ترمذی، بزار اور ابو یعلیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ سے مغفرت مانگ لی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا، چاہے وہ دن میں سو بار اس کا ارتکاب کرے۔ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ”حسن“ کہا ہے۔ امام احمد نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی آدمی گناہ کرتا ہے، تو اس کے بعد اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے۔

آیت (۱۳۶) میں مذکورہ بالا صفات والوں کے لئے یہ اجر و ثواب بتایا گیا ہے کہ اللہ ان کے تمام گناہ معاف کر دے گا، اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا جس کے نیچے نہرں جاری ہوں گی، جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ (۹۳) واقعہ اُحد کے درمیان اس آیت کو لانا کا مقصد مسلمانوں کو تسلی دینا ہے، اور انہیں یہ بتانا ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قومیں آئیں، اُن کا امتحان ہوا، اور مسلمانوں کو کافروں سے جنگ کرنی پڑی، وہ صبر و ثبات قدمی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہے، بالآخر نصرت و فتح یابی مسلمانوں کے حصہ میں آئی اور اللہ کے دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اور اگر اس میں شبہ ہو تو دنیا میں گھوم کر دیکھ لو، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اس کے بعد آیت (۱۳۸) میں اللہ نے بتایا کہ حق و باطل کو لوگوں کے لئے کھول کھول کر اس لئے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ اللہ سے ڈرنے والے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔

(۹۵) اس میں بھی مسلمانوں کو تسلی ہی دی جا رہی ہے، کہ میدانِ اُحد میں تمہیں جو زخم لگے ہیں، اور تمہارے جو آدمی قتل ہو گئے، اس سے تمہارے پاؤں میں لغزش نہیں آنی چاہئے، اور تمہیں سُسُت اور کامل نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ انجام کار غلبہ تمہیں نصیب

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ
 الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

کیا تم نے یہ سمجھ (۹۷) لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا، اور جنہوں نے صبر سے کام لیا ﴿۱۳۲﴾ تم لوگ موت کو سامنے دیکھنے سے پہلے اس کی تمنا کرتے تھے، پس تم لوگوں نے اب اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿۱۳۳﴾

ہوگا، اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے دل مضبوط رکھو، اللہ پر بھروسہ رکھو، اور دشمنوں کی پرواہ نہ کرو۔ (۹۶) یہاں بھی مسلمانوں کو ایک دوسری طرح سے تسلی دی جا رہی ہے کہ میدانِ اُحد میں اگر تمہیں زخم لگے ہیں، اور تمہارے لوگ قتل ہوئے، تو تمہارے دشمنوں کے ساتھ بھی تو ایسا ہوا ہے، لیکن کافر ہوتے ہوئے، انہوں نے اپنی قوم کو بزدلی نہیں دکھائی، اور اپنی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا، تم تو مسلمان ہو، اللہ نے تم سے فتح و نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے، اس لئے تمہیں بدرجہ اولیٰ قوت و شجاعت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ اور یہ تو دنیاوی اور عارضی زندگی ہے، یہاں تو ایسا ہی ہوتا رہتا ہے کہ کبھی اللہ کے دوستوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور کبھی اس کے دشمنوں کو۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اور وہاں کی کامیابی اصل کامیابی ہے، اور وہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور ایسا اس لئے بھی ہوتا ہے تاکہ مومنوں اور منافقوں میں تمیز ہو سکے، اور کچھ لوگوں کو شہادت کا مقام مل سکے، اور تاکہ اللہ مومنوں کو ان کے گناہوں سے اور ان کے نفس کے آفات سے پاک کر دے (جیسا کہ اس واقعہ نے مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز کر دیا) اور تاکہ کافروں کو ہلاک کر دے، وہ اس طرح کہ جب وہ غالب آئیں گے تو کبر و غرور میں طاغوتی طاقت بن کر ابھریں گے، مسلمانوں سے ٹکرائیں گے، اور پھر پاش پاش ہو جائیں گے، چنانچہ ان تمام کافروں کا انجام جنہوں نے جنگِ اُحد میں حصہ لیا بعد میں ایسا ہی ہوا، کبھی مارے گئے یا ذلیل و خوار ہو کر در در کی ٹھوکریں کھاتے رہے۔

(۹۷) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کہا کہ تم یہ نہ گمان کرو کہ بغیر جہاد کئے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، اس لئے غزوہ اُحد میں جو کچھ ہوا اُسے ہونا ہی تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ عملی طور پر جان لے کہ کون اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اور اس راہ کی کٹھنائیوں پر صبر کرتا ہے، قرآن کریم میں اللہ نے اس مضمون کو کئی جگہ دہرایا ہے۔ سورہ بقرہ آیت (۲۱۳) اور سورہ عکبوت آیت (۲۱) میں اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آزمائشوں کی بھیجی میں ڈال کر صبر کرنے والے مجاہدین کو میدانِ کارزار چھوڑ کر بھاگنے والوں سے الگ کرنا چاہتا ہے۔

آیت (۱۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے کلامِ کارِخ پھر واقعہ اُحد کی طرف پھیر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے بدر کی فضیلت بیان کی، تو جن صحابہ کرام کو اس میں شرکت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا، انہوں نے جہاد کی تمنا کی، تاکہ شہید ہو کر اپنے بدری بھائیوں جیسی فضیلت کے حقدار بن جائیں۔ چنانچہ غزوہ اُحد کے موقع سے وہ دن آئی گیا، لیکن جب حالات نے پلٹا لکھایا، اور موت سامنے نظر آنے لگی تو بہت سے صحابہ کرام بھاگ کھڑے ہوئے، اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے، اور ایک قسم کا عتاب ہے کہ تم لوگ تو موت کی تمنا کر رہے تھے، اور جب اس کا منظر تمہاری آنکھوں کے سامنے آ گیا تو میدان چھوڑ بیٹھے!؟

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا نُجُجًا لَهَا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَسَتَجْزِي الشُّكْرِينَ ۝ وَكَاتِبِينَ مِمَّنْ تَبَى قَتْلًا مَعَهُ رِيثُونَ كَثِيرٌ ۖ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثِقَلْنَا قُلُوبَنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنَّهُمْ اللَّهُ

ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور کسی جان کو اللہ کے حکم کے بغیر موت (۹۹) نہیں آسکتی، اللہ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اور جو شخص دنیاوی بدلہ چاہتا ہے تو ہم اسے اس میں سے دیتے ہیں، اور جو آخروی ثواب چاہتا ہے تو ہم اسے اس میں سے دیتے ہیں، اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیں گے ﴿۱۳۵﴾ اور بہت سے انبیاء کے ساتھ اللہ والوں کی ایک بڑی تعداد نے جہاد (۱۰۰) کیا، تو اللہ کی راہ میں ان کو جو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے نہ ہار مان لی اور نہ کمزور پڑے، اور نہ دشمن سے دب گئے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳۶﴾ اور ان کی زبان (۱۰۱) پر اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو معاف کر دے، اور اپنے حق میں ہم نے جو زیادتیاں کی ہیں (انہیں بھی معاف کر دے) اور ہم کو ثابت قدم رکھ، اور کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما ﴿۱۳۷﴾ تو اللہ نے انہیں دنیاوی اجر بھی دیا، اور آخرت میں اچھا ثواب دیا، اور اللہ اچھا عمل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳۸﴾

جیسے یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔

(۹۹) میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے والے مسلمانوں کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، اُس دن اور اُس وقت سے پہلے موت نہیں آسکتی، اور جب اس کا مقرر وقت آجائے گا تو کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ اس لئے بزدلی دکھانے سے کیا فائدہ!؟

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو اپنے نیک اعمال کے ذریعہ دنیاوی فوائد و مصالح کے حصول کی نیت کرتا ہے تو اسے ہم اس کی نیت کے مطابق دیتے ہیں، لیکن آخرت میں اس کا کوئی اجر اُسے نہیں ملے گا، اور جو آخرت میں اجر و ثواب کی نیت کرتا ہے تو اسے ہم اس کی نیت کے مطابق دیتے ہیں۔ اور ہم شکر گزار بندوں کو اُن کا اجر و ثواب ضرور دیں گے۔

(۱۰۰) میدان اُحد میں مسلمانوں سے جو تقسیم ہوئی اور ماضی میں اللہ والے مجاہدین کا جہاد میں اپنے رسولوں کے ساتھ جیسا معاملہ رہا، دونوں کا تقابل کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہیں ان اللہ والے مجاہدین کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ میدان جنگ میں انہیں زخم لگے یا ان کے افراد شہید ہوئے، تو انہوں نے دشمنوں کے سامنے کمزوری اور شکست خوردگی کا مظاہرہ نہیں کیا، بلکہ ثبات قدمی کا ثبوت دیا۔

(۱۰۱) اللہ والے مجاہدین کی عملی خوبیاں بیان کرنے کے بعد ان کے قول کی خوبی بیان کی جا رہی ہے کہ وہ لوگ اللہ کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے، توبہ و استغفار کرتے تھے، اور اپنے رب سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں ثبات قدمی عطا فرما اور دشمنوں پر غلبہ دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُوا كُفْرًا بِكُمْ وَعَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٠٢﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ الْمَوْلَىٰ سِرِينَ ﴿١٠٣﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَوَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٤﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہل کفر کی اطاعت (۱۰۲) کرو گے، تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں دوبارہ کفر کی طرف لوٹادیں گے، پھر تم گھائے میں پڑ جاؤ گے ﴿۱۰۳﴾ بلکہ تمہارا آقا تو اللہ ہے، اور وہ سب سے اچھا مددگار ہے ﴿۱۰۴﴾ ہم عنقریب اہل کفر کے دلوں میں رعب (۱۰۳) ڈال دیں گے، اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا جن کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور ظالموں کے لئے وہ بُری جگہ ہوگی ﴿۱۰۵﴾

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے ہی دشمن غالب آجاتا ہے، اور شیطان کو مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کا موقع مل جاتا ہے، فتح و کامرانی کی شرط اڈل اللہ کی اطاعت و بندگی ہے، اسی لئے اللہ کے نیک بندوں نے کہا: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا ﴾ انہیں معلوم تھا کہ ثبات قدمی اور نصرت و فتح اللہ کی طرف سے ملتی ہے، اس لئے انہوں نے اللہ سے ثبات قدمی اور دشمن پر غلبہ کے لئے دعا کی۔ آمین۔

آیت (۱۳۸) میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نیک بندوں کو ان کی توحید، اللہ پر توکلِ کامل اور گناہوں سے معافی مانگنے کی وجہ سے دنیا میں بھی کامیابی دی، اور آخرت میں اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت دے گا۔ آیت کے آخر میں اللہ نے ان کا اچھے نام کے ساتھ ذکر کر کے اُن سے محبت کا اظہار کیا۔

(۱۰۲) سیاق کلام جنگِ احد سے ہی متعلق ہے۔ اوپر گزر چکا کہ شیطان نے مشہور کر دیا کہ محمد کا قتل ہو گیا، تو منافقین نے بعض مسلمانوں سے کہا کہ اگر محمد نبی ہوتے تو قتل نہ ہو جاتے، اس لئے تم لوگ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف پھر جاؤ۔ چونکہ یہ بات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی سازش تھی، اس لئے اللہ نے انہیں متنبہ کیا، کہ اگر تم لوگوں نے ان کافروں کی اطاعت کی تو یہ تمہیں اسلام سے برگشتہ بنا دیں گے، اور ہر طرح کا خسارہ تمہارا نصیب بن جائے گا۔

آیت (۱۵۰) میں اللہ نے کہا کہ اے مسلمانو! اللہ ہی تمہارا مولیٰ اور دوست ہے، اس لئے تم لوگ اسی کی اطاعت کرو، اور وہ سب سے بہترین مددگار ہے۔

(۱۰۳) امام شوکانی لکھتے ہیں کہ واقعہ احد کے بعد جب مشرکین مکہ کی طرف واپس ہونے لگے، تو انہیں پھر خیال آیا کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی جڑی کیوں نہ کاٹ دی جائے، بہت بُرا کیا کہ ہم نے انہیں قتل تو کیا لیکن بھاگنے والوں کو چھوڑ دیا، چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ واپس جا کر مسلمانوں کا صفایا کر دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا، اور وہ ڈر گئے کہ اگر اب دوبارہ گئے تو زخمی شیر انہیں زندہ نہیں واپس آنے دیں گے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مشرکانہ عمل کی وجہ سے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔

بخاری و مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں: میرا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر بیٹھا مجھ سے خوفزدہ رہتا ہے۔ الحدیث۔

وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسَّتْ لَهُمْ يَازْنِبَةُ حَتَّىٰ إِذَا فَيَسَلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا آتَاكُمْ فَأَتُّبْتُمْ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِذْ تَصُولُونَ وَلَا تَكُونُوا عَلَى الرَّسُولِ يَدُعُّكُمْ فِي أَخْبَارِكُمْ فَانَابَكُمْ غَنَابًا بَعْضٌ لِّكَيْلَا تَعْزُبُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اور اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ (۱۰۴) سچ کر دکھایا، جب تم کافروں کو اللہ کے حکم سے (گاجر مولیٰ کی طرح) کاٹ رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمتی دکھلائی، اور اپنے معاملہ میں خود آپس میں جھگڑنے لگے، اور جب اللہ نے تمہیں تمہاری پسندیدہ چیز دکھلا دی تو اللہ کی نافرمانی کر بیٹھے، تم میں سے کوئی دنیا چاہتا تھا، اور تم میں سے کوئی آخرت چاہتا تھا، پھر اللہ نے تمہیں ان کافروں سے پھیر دیا، تاکہ تمہیں آزمائے، اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، اور اللہ کا مومنوں پر بڑا فضل و کرم تھا ﴿۱۰۵﴾ جب تم بھاگے چلے (۱۰۵) جا رہے تھے، اور کسی کو مزہ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ تمہیں تمہارے پیچھے سے بلا رہے تھے، تو اللہ نے تمہیں غم پر غم پہنچایا، تاکہ تم سے جو کھو گیا اور تمہیں جو مصیبت لاحق ہوئی، اُس پر غم نہ کرو، اور اللہ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿۱۰۶﴾

(۱۰۴) یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ واقعہ احد کے موقع سے بھی اللہ کا وعدہ سچا تھا، کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد کرتا ہے، اور کافروں پر انہیں غلبہ دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے تمہیں تمہارے دشمنوں پر غلبہ دیا تھا، اور اگر تم اطاعت و فرمانبرداری پر قائم رہتے اور رسول کے حکم کی اتباع کرتے، تو اللہ کی نصرت آخر تک تمہارے لئے باقی رہتی، لیکن جب تم نے روگردانی کی اور اپنے مرکز کو چھوڑ دیا، تو بطور عقاب اللہ کی نصرت تم سے چھن گئی، اور پاساپلٹ گیا۔ (اس کی تفصیل آیت (۱۲۱) میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لیجئے)۔

”بعض نے دنیا کا ارادہ کیا“ یعنی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے، نبی کریم ﷺ کے متعین کئے ہوئے مرکز کو چھوڑ دیا۔ اور ”بعض نے آخرت کا ارادہ کیا“ یعنی شوق شہادت میں جنگ کرتے رہے، جیسا کہ انس بن الصغر نے کیا کہ دشمنوں سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کو کافروں کا پیچھا کرنے سے روک دیا، تاکہ اس واقعہ کو مسلمانوں کے لئے امتحان و آزمائش کا سبب بنادے، اور تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، اور اپنے گناہوں سے معافی مانگیں۔ اس کے بعد اللہ نے خبر دی ہے کہ اس نے مسلمانوں کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا۔

(۱۰۵) سلسلہ کلام غزوہ احد کے بارے میں ہی ہے۔ جب خالد بن ولید کے دستہ نے باقی ماندہ تیر اندازوں کو قتل کر کے پہاڑی کی طرف سے حملہ کر دیا، تو مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی، اور رعب و دہشت کی وجہ سے ایسا سرپٹ بھاگے کہ کسی کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہیں تھے۔ بعض مدینہ کی طرف بھاگے، اور بعض پہاڑوں کی طرف، رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلانے لگے کہ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ مسند امام احمد میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف بارہ (۱۲) آدمی رہ گئے تھے۔ اور مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صرف

لَمْ أَنْزَلْ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْعَذَابِ أَمْنَةً لِمَا سَاءَ بِعَثَشِي طَائِفَةً مِّنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ عِذْرَ الْحَقِّ ظَنُّوا أَنَّهُمُ الْمُؤْمِنُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُبَدِّخَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٣﴾

پھر اللہ نے غم کے بعد تمہارے اوپر سکون (۱۵۶) نازل کیا، جو ایک نیند تھی، جو تم میں سے ایک جماعت پر غالب آرہی تھی، اور ایک دوسری جماعت تھی جس کو صرف اپنی فکر لگی ہوئی تھی، جو اللہ کے بارے میں ناحق دورِ جاہلیت کی بدگمانیوں میں مبتلا تھی، کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کسی بات کا اختیار ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمام امور اللہ کے اختیار میں ہیں، یہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے رہتے ہیں جنہیں آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اگر ہماری کوئی بات مانی جاتی، تو ہم یہاں پر قتل نہ کئے جاتے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہوتے، تو جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا دیا گیا تھا، وہ اپنی قتل گاہوں میں پہنچ ہی جاتے، اور تاکہ اللہ تمہارے سینوں کے اندر چھپی باتوں کو آزمائے، اور تمہارے دلوں کے اندر پوشیدہ رازوں کو نکھارے، اور اللہ سینوں کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۵۳﴾

نو (۹) آدمی رہ گئے تھے۔

اللہ نے فرمایا کہ راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے انہیں مالِ غنیمت فوت ہو جانے کا غم، شکست کا غم، بہتوں کے زخمی ہونے کا غم، بہتوں کے قتل ہونے کا غم، اور پھر یہ غم اٹھانا پڑا کہ شیطان نے یہ بات پھیلادی کہ محمد کا قتل ہو گیا، اور یہ سب اس لئے ہوا تاکہ انہیں مصیبتوں پر صبر کرنے کی عادت پڑے، اور ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ فتح و نصرت اور حصول مالِ غنیمت سب اللہ کی جانب سے ہوتا ہے، ان کی قدرت و طاقت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

(۱۵۶) ان تمام غم و آلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مخلص مسلمانوں پر، جنہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول کی ضرورت دکرے گا، اور ان کی امیدوں کو ضرور پوری کرے گا، بطور امن و سکون ایک اونگھ طاری کر دی۔ امام بخاری نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، کہ میدانِ احد میں لوگ صفوں میں کھڑے تھے، اور ہم پر اونگھ کا غلبہ تھا، میری تلوار میرے ہاتھ سے گر جاتی تھی اور میں دوبارہ اسے پکڑ لیتا تھا۔ ترمذی کے الفاظ ہیں، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے میدانِ احد میں سر اٹھایا تو دیکھا کہ ہر آدمی اونگھ کی وجہ سے جھکا پڑا ہے۔

فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ اونگھ کے کئی فوائد تھے۔ ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو بیکسر ختم کر دینے کے درپے تھے، اس لئے نیند کی حالت میں محفوظ و مامون رہنا اس بات کی سب سے بڑی دلیل تھی، کہ اللہ تعالیٰ اس حال میں بھی ان کا حامی و ناصر تھا، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے وعدے پر ان کا یقین بڑھ گیا، اور دشمن کا خوف ان کے دل سے نکل گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ لِيَنصَحَ لَكَ اللَّهُ عَفْوَ رَحِيمًا

بے شک تم میں سے جن لوگوں نے پیٹھ (۱۰۷) دکھلایا، جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں، شیطان نے ان کے بعض بڑے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اور اللہ نے یقیناً انہیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۵۵﴾

لیکن منافقین پر یہ اونگھ طاری نہیں ہوئی، انہیں صرف اپنی فکر لاحق تھی، انہیں نہ تو اپنے دین کی فکر تھی، نہ اپنے رسول کی، اور نہ ہی صحابہ کرام کی، خوف و قلق اور جزع و فرزع کی وجہ سے انہیں کہاں نیند آسکتی تھی!! انہوں نے اللہ کے بارے میں بدگمانی شروع کر دی، اور اس سوء ظن میں مبتلا ہو گئے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور منافقین سے شک اور بدظنی کے علاوہ اور کس بات کی امید کی جاسکتی تھی؟ منافقین نے اپنے سوء ظن کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگوں کی تو بات چلتی نہیں، اگر ہماری بات مانی جاتی تو آج یہ حال نہ ہوتا۔ یہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی طرف اشارہ ہے۔ جنگ کے لئے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اس نے یہی مشورہ دیا تھا کہ شہر کے اندر ہی رہ کر دفاع کیا جائے، اس لئے جب اُسے خبر ملی کہ خزرج کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے، تو اس نے مسلمانوں میں بدظنی پھیلانے کے لئے کہا کہ ﴿هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ یعنی ہماری بات تو چلتی نہیں، اگر محمد نے میری بات مانی ہوتی تو اتنے لوگ قتل نہ ہوتے۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا کہ اگر تم سب اس بات پر اتفاق کر لینے کہ تم اور وہ تمام لوگ جو قتل ہو گئے اپنے گھروں سے نہ نکلو گے، تو لوح محفوظ میں جنہیں قتل ہو جانا لکھا تھا، وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر اپنی قتل گاہوں تک ضرور پہنچ جاتے، قضاء و قدر کی تحفید کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈال دیتا کہ وہ گھروں سے نکل کر وہاں پہنچ جائیں۔ اور یہ جو کچھ ہوا اس میں بہت سی حکمتیں تھیں، جنہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ایک حکمت یہ تھی کہ مخلص مسلمانوں کا اخلاص اور منافقوں کا نفاق ظاہر ہو، کیونکہ ایسے حالات سے گزرنے کے بعد مومن کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اور منافق کے جسم اور زبان سے بے قراری، قلق و اضطراب اور اسلام کے بارے میں عدم اطمینان کا اظہار ہونے لگتا ہے۔

اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ امتحان و آزمائش کے مراحل سے گذر کر مومن شیطانی وسوسوں، غفلت اور ان تمام آلائشوں سے نجات پاسکے جو ایمان و اسلام اور اصلاح و تقویٰ کے منافی ہیں۔

(۱۰۷) ابن عباس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، کہ یہ آیت عثمان بن رافع بن المعلیٰ اور خارجہ بن زید کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اس بارے میں کئی دوسری روایتیں بھی آئی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں اور مشرکوں کی مڈ بھیسڑ ہو گئی اور حالات نے پلٹا کھایا تو کچھ مسلمان بھاگ پڑے، اور یہ سب ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ہوا، اور شیطان کو انہیں بہکانے کا موقع مل گیا۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال لشکر کی مانند ہیں، اگر اچھے ہیں تو ان سے دشمن کے خلاف تقویت ملتی ہے اور اگر بُرے ہیں تو دشمن کو تقویت ملتی ہے۔

اس کے بعد اللہ نے ان مسلمانوں کی معافی کا اعلان کر دیا، اس لئے کہ ان کا فرار نفاق کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ ایک

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا
عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ، لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ، وَاللَّهُ يُخَيِّمُ وَيُمِيتُ ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ﴿١٠٨﴾ وَلَئِنْ قَتَلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٠٩﴾ وَلَئِنْ مِتُّمْ
أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تُخْشَرُونَ ﴿١١٠﴾ فِيمَا رَحِمْتُمْ مِنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ فَكُنْتَ فَظًا غَالِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفْضُوا
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١١١﴾ إِنْ يَتَضَرَّكُمْ اللَّهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ ، وَإِنْ يَنْصُرْكُمْ فَلاَ مُمْسِكٍ ، وَإِنْ يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ، وَعَلَى اللَّهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١٢﴾

اے ایمان والو! ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر (۱۰۸) کیا، اور اپنے بھائیوں کے بارے میں، جب وہ سفر یا جہاد
کے لئے نکلے (اور موت آگئی) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہیں مرتے اور نہ قتل کئے جاتے، تاکہ اللہ اس
خیال کو ان کے دلوں کی حسرت بنا دے، اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے
﴿۱۰۶﴾ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے یا موت آگئی، تو اللہ کی مغفرت و رحمت، اس مال و دولت سے زیادہ
بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں ﴿۱۰۷﴾ اور اگر تم مر جاؤ گے یا قتل کر دیئے جاؤ گے، تو یقیناً تم اللہ کی طرف ہی جمع کئے
جاؤ گے ﴿۱۰۸﴾ آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لئے نرم (۱۰۹) ہوئے ہیں، اور اگر آپ بد مزاج اور سخت
دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجئے، اور ان کے لئے مغفرت طلب کیجئے،
اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے، پس جب آپ پختہ ارادہ کر لیجئے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے، اللہ تعالیٰ توکل کرنے
والوں سے محبت رکھتا ہے ﴿۱۰۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہارا ساتھ
چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۱۱۰﴾

عارضی غلطی تھی۔

(۱۰۸) یہاں ”اہل کفر“ سے مراد منافقین ہیں، جنہوں نے واقعہ اُحد کے بعد کہا کہ اگر ہماری بات مانی جاتی اور مدینہ سے باہر
جا کر دشمنوں سے جنگ نہ کرتے تو اتنے لوگوں کا قتل نہ ہوتا اور اتنے لوگ زخمی نہ ہوتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہمارے یہ
نظریاتی یا خاندانی بھائی سفر میں نہ جاتے یا جنگ میں شریک نہ ہوتے، اپنے گھروں میں رہتے تو انہیں موت لاحق نہیں ہوتی اور
قتل نہ کئے جاتے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ اپنی زبان اور دل کی حفاظت کریں۔
نہ دل میں ایسا اعتقاد رکھیں اور نہ ہی زبان پر ایسے کلمات لائیں، کیونکہ ایسے عقیدہ سے صرف منافقین کی حسرت میں اضافہ ہوتا
ہے، فائدہ کچھ نہیں ہوتا، اس لئے کہ موت اور زندگی کا مالک اللہ ہے۔ اُس نے جس کی موت جب، جس طرح اور جہاں لکھ
رکھی ہے، اسی وقت، اسی طرح اور اسی جگہ آئے گی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر کہا تھا کہ میرے جسم
میں ایک بالشت جگہ بھی تلوار یا نیزے کے نشان سے خالی نہیں اور اب میں اونٹ کی طرح بستر مرگ پر مر رہا ہوں، بزدلوں
کی آنکھوں سے نیند اڑ جائے۔
آیت (۱۵۷) میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان دینے سے بہتر کوئی موت نہیں، کیونکہ اللہ اس کے گناہوں

کو معاف کر دیتا ہے، اور اس پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے، جو دنیا اور اس کی تمام لذتوں سے بہتر ہے۔

آیت (۱۵۸) میں بحث بعد الموت کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ چاہے آدمی طبعی موت مرے یا قتل کر دیا جائے، بہر حال اسے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اعمال کا بدلہ پانا ہے۔

(۱۰۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی صفات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے، اور ان پر اور مسلمانوں پر احسان بتایا ہے کہ نرمی کا یہ جذبہ جو آپ کے اندر مسلمانوں کے لئے موجزن ہے، اللہ کا عطیہ ہے، اسی نے آپ پر اور صحابہ کرام پر رحم کھاتے ہوئے یہ جذبہ نرم خوئی آپ کے اندر پیدا کر دیا ہے کہ آپ ہر حال میں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، ورنہ میدانِ اُحد میں انہوں نے آپ کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ تو بڑا ہی غصہ دلانے والا تھا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ بدخلق، سخت زبان، سخت دل ہوتے، اور اپنے صحابہ کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تو ایک ایک کر کے سب آپ سے الگ ہو جاتے اور دعوت کا کام رُک جاتا، لیکن اللہ نے آپ کو نرم خو، نرم زبان، خوش مزاج، اور رحم دل بنایا ہے۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تورات میں وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں موجود ہیں، کہ آپ سخت زبان، سخت دل، اور بازاروں میں شور مچانے والے نہ ہوں گے اور بُرائی کا جواب بُرائی سے نہیں دیں گے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں گے۔

اس لئے اُن سے آپ کے حق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اُسے درگزر کر دیجئے، جیسا کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے، اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، اور جنگی اور غیر جنگی تمام معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے رہئے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں صحابہ کرام سے بہت سے معاملات میں مشورہ کرتے رہے، غزوہ بدر کے موقع سے دشمن کی فوج کو جالینے کے بارے میں مشورہ کیا، غزوہ اُحد کے موقع سے مشورہ کیا کہ شہر میں رہ کر ہی دفاع کیا جائے، یا باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، غزوہ خندق کے موقع سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ مشورہ کے بعد جو رائے طے پا جائے، اس کام کو کر گزرنے کے لئے اللہ پر بھروسہ کیجئے، لوگوں کے مشورہ پر نہیں۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ مقصود انہی اُمور میں مشورہ کرنا ہے، جن کے بارے میں شرع میں حکم صریح موجود نہ ہو۔ بعض علمائے امت کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ مسلمان حکام کو علماء سے اُن اُمور میں ضرور مشورہ کرنا چاہئے، جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے۔

قرطبی نے ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ علماء کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو حاکم، اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا اسے معزول کر دینا واجب ہے۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ توکل کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ آدمی اپنے آپ کو مہمل اور بے کار سمجھے، جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے، ورنہ مشورہ کرنا توکل کے خلاف ہوتا۔ توکل یہ ہے کہ آدمی ظاہری اسباب کو تو اختیار کرے، لیکن دل سے اُس پر بھروسہ نہ کرے، بھروسہ ہو تو صرف اللہ پر۔

آیت (۱۶۰) میں اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرنی چاہے جیسا کہ میدان بدر میں کیا، تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر اپنی مدد کھینچ لے جیسا کہ میدان اُحد میں کیا، تو کوئی تمہاری مدد کو نہیں آسکتا، اس لئے کہ تمام اُمور صرف اللہ کے اختیار

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَتَّعَلَّكَ ۖ وَمَنْ يَتَّعَلَّكَ يَأْتِ بِغُلُوبٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٠٩﴾ أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَفَرَ بَاءً بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا أُولَئِكَ بِمُعْتَدِلِينَ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١١٠﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرَتِكُمْ لَبَّاءُ يَعْنُونَ ﴿١١١﴾

اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی خیانت (۱۱۰) کرے، اور جو خیانت کرے گا، وہ قیامت کے دن اس چیز کے ساتھ آئے گا جو اس نے خیانت کی تھی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا ﴿۱۱۱﴾ کیا جو شخص رضائے الہی (۱۱۱) کا تابع رہا، اس شخص کی طرح ہوگا جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بُرا ٹھکانا ہوگا ﴿۱۱۲﴾ اُن (رضائے الہی کی اتباع کرنے والوں) کے اللہ کے یہاں مختلف درجے ہوں گے، اور اللہ ان کے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۳﴾

میں ہیں، اور اس کی مدد فرما تیر داروں کو حاصل ہوتی ہے، اور گناہ زوالِ نعت اور مغلوبیت و مہر و میت کا سبب ہوتا ہے، اس لئے مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، اس ایمان و یقین کے ساتھ کہ اس کے علاوہ کوئی حامی و ناصر نہیں۔

(۱۱۰) ابو داؤد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میدانِ بدر میں ایک سُرخ چادر کھو گئی، تو کسی نے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لیا ہے، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حافظ ابن مردودیہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت کی ہے کہ کوئی چیز کھو گئی تو بعض منافقین نے رسول اللہ ﷺ کو متہم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس سے مقصود نبی کریم ﷺ کی رفعتِ شان اور اُن کی عصمت کی شہادت دینی ہے۔

اس کے بعد اللہ نے خیانت کی وعید بیان کی، کہ خائن آدمی قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ خیانت کا مال اس کی گردن پر ہوگا، تاکہ محشر والوں کے سامنے اس کی رسوائی ہو۔

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خیانت کے بارے میں بات کی اور اسے بہت ہی زیادہ اہمیت دی، پھر کہا: ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی قیامت کے دن میرے سامنے اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو جو چیخ رہا ہو، اور وہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے، تو میں کہوں گا کہ آج میں کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تمہیں تنبیہ کر دی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اسی طرح گھوڑے، بکری، آدمی اور زمین کے ٹکڑوں کا ذکر کیا، اور ہر بار یہی بات دہرائی کہ میں کہوں گا: آج میں کچھ نہیں کر سکتا۔

(۱۱۱) خائن کی خیانت اور اس کا انجام بیان کرنے کے بعد کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ دوسروں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہیں ملے گا، اس لئے ایک حکم عام لا کر اس بات کی تاکید کر دی گئی کہ جو شخص اپنے اعمال کے ذریعہ اللہ کی رضا کا طالب ہوگا چاہے جو بھی عمل ہو، اس آدمی کی مانند نہیں ہو سکتا جو گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے اور اپنے رب کی ناراضگی مول لے رہا ہے۔ اور پھر بات یہیں نہیں ختم ہو جاتی، بلکہ اللہ کے پاس نیکیوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کے درجات کے مطابق درجات ملیں گے، اور بدوں کے بھی جہنم میں (العیاذ باللہ) طبقات ہوں گے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٣﴾ أَوْلَا أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا قُلْتُمْ أَلَىٰ هَذَا أَقُلُّ هُوَ مِن عِنْدِ أَنفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٤﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَفَىٰ الْجَمْعِينَ فِإِذِ انبَدَ اللَّهُ وَلِيْعَلَّمَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ ﴿١٦٥﴾ وَلِيْعَلَّمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْادِعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمِيًّا أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ يَا أُفٍّ هُم تَأْتِينَا قُلْتُمْ يَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۗ ﴿١٦٦﴾

اللہ کا مومنوں پر یقیناً یہ احسان (۱۶۳) ہے کہ اس نے ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے ﴿۱۶۳﴾ کیا جب تمہیں مصیبت (۱۶۳) لاحق ہوئی، جس کے دو گنا تم (اپنے دشمن کو) تکلیف پہنچا چکے تھے، تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی، آپ کہہ دیجئے کہ یہ تمہارے اپنے کئے کا نتیجہ ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۶۵﴾ اور جب دونوں فوجیں مل گئیں اس دن تمہیں جو بھی تکلیف پہنچی، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، اور تاکہ اللہ مومنوں کو جان لے ﴿۱۶۶﴾ اور تاکہ نفاق کرنے والوں کو جان لے، اور ان سے کہا گیا کہ اُو اللہ کی راہ میں جنگ کرو، یا (دشمنوں کو) ہٹاؤ، تو کہنے لگے، اگر ہم جانتے کہ لڑائی ہوگی تو تمہارے پیچھے چلتے، وہ لوگ اُس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ انہیں زیادہ جانتا ہے ﴿۱۶۷﴾

(۱۱۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اوپر اپنے احسان کا ذکر کیا ہے، کہ اس نے ان کی رہنمائی کے لئے انہی جیسے ایک عربی آدمی کو اپنا رسول بنا کر بھیجا، تاکہ اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر سکیں اور اس کی تعلیمات سے مستفید ہو سکیں، اور چونکہ رسول کی بعثت سے مسلمان ہی حقیقی معنوں میں مستفید ہوئے، اس لئے انہیں کے اوپر احسان کا ذکر آیا، ورنہ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیج گئے تھے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ الانبیاء آیت (۱۰۷) میں فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کہ ہم نے آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اُس رسول کی صفت یہ ہے کہ وہ انہیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، جبکہ اس کے پہلے ان عربوں کے پاس کوئی وحی نہیں آئی تھی، انہیں دعوتِ توحید اور دعوتِ اسلام کے ذریعہ شرک اور گناہوں سے پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔ عرب والے نبی کریم ﷺ کی بعثت اور ان کے تزکیہ و تعلیم کے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، حرام اور گندمی چیزیں کھاتے تھے، اور ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔ اللہ نے اپنا نبی بھیج کر انہیں ظلمت سے نکال کر روشنی تک پہنچادیا، اور علم، زہد اور عبادت میں انہیں دنیا کا بہترین انسان بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ احسان عظیم تھا، جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے۔

فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عربوں میں پیدا کیا، یہ عربوں کے لئے بڑے فخر و شرف

الَّذِينَ قَالُوا لَإِنَّمَا أَطَاعُوا مَا مَلَائِكُوا قُلُوبًا فَأَدْرَأُوهُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ الْبُتُونَ إِنَّ لَكُمْ لَصُدُوقَيْنَ ﴿١١٣﴾

انہی لوگوں نے اپنے بھائیوں (۱۱۳) سے کہا اور بیٹھ گئے کہ اگر ہماری بات مانتے تو قتل نہ کئے جاتے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو پھر موت کو اپنے آپ سے ٹال دو ﴿۱۶۸﴾

کی بات تھی، اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام پر فخر کرنا تو یہود، نصاریٰ اور عرب سیہوں میں مشترک تھا۔ اور یہود و نصاریٰ، موسیٰ، عیسیٰ، اور تورات و انجیل پر فخر کیا کرتے تھے۔ عربوں کے پاس ان کے مقابلہ میں فخر کی کوئی بات موجود نہ تھی، جب اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا، اور ان پر قرآن نازل فرمایا، تو یہ عربوں کے لئے بڑے شرف کی بات تھی، جس میں دوسری قومیں شریک نہ تھیں۔

(۱۱۳) اب تک سیاق کلام غزوہ اُحد ہی سے متعلق ہے۔ مسلمان جب قتل، زخم اور شکست کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے، تو ان کی زبان سے حیرت و استعجاب کے طور پر نکلا کہ ایسا کیسے ہوا؟! جبکہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کے نبی کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمہیں مصیبت لاحق ہوئی، یعنی تمہارے ستر (۷۰) آدمی قتل ہو گئے (حالانکہ تم میدان بدر میں اپنے دشمن کو اس کے دو گنا زک پہنچا چکے تھے، یعنی ان کے ستر (۷۰) آدمیوں کو قتل کیا، اور ستر (۷۰) کو پابند سلاسل کیا) تو تم نے کہا کہ اللہ نے توفیق و نصرت کا وعدہ کیا تھا، پھر ایسا کیوں ہوا؟ تو اللہ نے اپنے رسول سے کہا کہ آپ انہیں جواب دیجئے کہ یہ تمہارے کرتوت کا ہی نتیجہ ہے، تم نے مرکز کو چھوڑ کر اپنے نبی کے حکم کی مخالفت کی تو یہ دن دیکھنا پڑا، اس لئے کہ اللہ کا وعدہ تو اطاعت اور ثبات قدمی کے ساتھ مشروط تھا۔

آیات (۱۶۷/۱۶۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معرکہ اُحد میں جب مومنین اور کفار کی ٹڈ بھیر ہوئی، اور تمہیں مصیبت لاحق ہوئی، تو وہ اللہ کی تقدیر کا نتیجہ تھا، تاکہ صادق الایمان مسلمانوں کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے، اور ان منافقین کا بھی پتہ چل جائے جو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے تھے، حالانکہ ان کے دل کفر اور اللہ اور اس کے رسول کی عداوت سے بھرے ہوئے تھے۔ اور جب اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا کم از کم بظاہر ہی سہی مسلمانوں کی تعداد تو بڑھاؤ، تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم جانتے کہ واقعی یہ جنگ ہے اور شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے، تو ہم تمہارا ساتھ دیتے، لیکن تمہارا یہ فیصلہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ یہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ ہے، جب مقام شوط سے ایک تہائی کی تعداد میں منافقین، عبد اللہ بن ابی کی بات مانتے ہوئے مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ منافقین اُس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آدمی کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی کوئی شخص کفر کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، اور کبھی کوئی شخص ایمان کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ واحدی نے لکھا ہے، یہ آیت دلیل ہے کہ جو آدمی اپنی زبان سے کلمہ توحید کا اقرار کرے گا، اس کا کفر جانتے ہوئے بھی اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

اللہ نے ان منافقین کی یہ صفت بیان کی کہ وہ اپنی زبان سے تو ایمان کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان کے دل کفر سے بھرے ہوئے ہیں۔

(۱۱۳) انہی منافقین کے بارے میں جو مقام ”شوط“ سے واپس چلے گئے تھے، کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، اور

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْفَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْقَوْا مِنْهُمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٦﴾ لِيَسْتَبْشِرُوا بِنِعْمَةِ قَرْنِ اللَّهِ وَفَضْلِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٧﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے (۱۱۵) آپ انہیں مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور انہیں روزی دی جاتی ہے ﴿۱۱۶﴾ در انحالیکہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے اُس پر خوش ہیں، اور ان لوگوں کے بارے میں خوش ہو رہے ہیں جو ابھی اُن کے بعد اُن سے آکر ملے نہیں ہیں، کہ ان پر نہ خوف طاری ہو گا اور نہ غم لاحق ہو گا ﴿۱۱۷﴾ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں، اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ﴿۱۱۷﴾

اپنی نجی مجلسوں میں کہنے لگے، کہ اگر وہ لوگ ہماری بات مانتے اور باہر نہ نکلتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا، آپ ان سے کہئے اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے کہ تم موت کو ٹال سکتے ہو، تو ذرا اپنی موت کو ٹال کر دکھاؤ۔ چونکہ وہاں تمہارا قتل ہونا اللہ کی تقدیر میں نہیں لکھا تھا، اس لئے تم وہاں قتل نہیں ہوئے، تمہارے گھروں میں بیٹھ جانے سے تمہاری تقدیر نہیں بدل گئی۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واقعہ اُحد کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقین نے از خود اپنے دل کی بات کہی، جسے مسلمانوں نے سنا، اور اللہ نے جو جواب دیا، اسے بھی مسلمانوں نے سنا، اور نفاق اور اس کے انجام کو جانا، کہ کس طرح منافق دنیا و آخرت کی نیک بختیوں سے محروم ہو جاتا ہے اور ہر بد بختی اُسے گھیر لیتی ہے۔

(۱۱۵) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا مقصد مومن و منافق اور صادق و کاذب کے درمیان تفریق کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے اور اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے، ان کا مقام بہت ہی اونچا ہے، جس کی تفصیل اس آیت میں آئی ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جسے حاصل کرنے کے لئے ہر آدمی کو کوشش کرنی چاہئے، اللہ کی راہ میں جان دینا ایسا عمل ہے، جس کی طرف ہر ایک کو سبقت کرنی چاہئے۔

بعض نے کہا کہ یہ آیت شہدائے بدر کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اور بعض نے کہا کہ بڑھو نہ کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جن کی تعداد چالیس (۴۰) یا ستر (۷۰) تھی، اور جنہیں عامر بن الطفیل الجعفری نے غار میں گھیر کر قتل کر دیا تھا۔ لیکن جیسا کہ علمائے تفسیر ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، خصوص سبب کا نہیں۔ یعنی شہیدوں کی جو فضیلت یہاں بیان کی گئی ہے، وہ سارے شہدائے اسلام کے لئے عام ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک شہداء حقیقی معنوں میں زندہ ہیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں مجازی زندگی مراد ہے، لیکن راجح پہلی رائے ہے، صحیح احادیث کے مطابق ان کی رو میں سبز چڑیوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں، وہ جنت کے چل کھاتی ہیں، اور عرش کے ساتھ معلق قدیلوں میں پناہ لیتی ہیں۔ اور اللہ نے ان کے ساتھ جو اکرام کا معاملہ کیا ہے، اس سے غایت درجہ خوش ہیں، اور دنیا میں اُن کے جو مومن بھائی رہ گئے ہیں، اُن کے بارے میں سوچ سوچ کر خوش ہوتی ہیں کہ انہیں بھی دنیا

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا آصَابَهُمُ الْقَمَرُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ
 قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ
 مِنْ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَسْئَلْهُمْ سَوْءًا ۝ وَالْبَعُولُ أَرْضَاؤَانَ اللَّهِ ۝ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ
 يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ ۝ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

جن لوگوں نے کاری زخم (۱۱۶) لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی، ان میں سے جن لوگوں نے
 اچھے کام کئے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی، ان کے لئے اجر عظیم ہے ﴿۱۴۲﴾ جن سے لوگوں (۱۱۷) نے کہا کہ کفار تم سے
 جنگ کے لئے جمع ہو گئے ہیں، تم ان سے ڈر کر رہو، تو اس خبر نے ان کا ایمان بڑھا دیا، اور انہوں نے کہا کہ اللہ
 ہمارے لئے کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے ﴿۱۴۳﴾ پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر لوٹے، انہیں کوئی تکلیف
 نہیں پہنچی، اور انہوں نے رضائے الہی کی اتباع کی، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ﴿۱۴۴﴾ بے شک وہ شیطان ہے جو
 اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے، پس تم لوگ اس سے نہ ڈرو، اور اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو ﴿۱۴۵﴾

سے رخصت ہونے کے بعد نہ کوئی خوف لاحق ہوگا، اور نہ کسی بات کا غم ہوگا، اور جنت کی نعمتوں اور آسائشوں سے مستفید
 ہوں گے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو بہت بڑی تسلی دی
 ہے، کہ جو مسلمان میدانِ اُحد میں کام آگئے انہیں آپ لوگ مردہ نہ کہیں، وہ تو اللہ کے پاس حقیقی زندگی گزار رہے ہیں، اور ہر
 طرح کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

(۱۱۶) اس آیت کریمہ میں اُن زخمی صحابہ کرام کی طرف اشارہ ہے، جنہوں نے جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان اور اس کی فوج
 کا پیچھا کیا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابوسفیان اور مشرکین مکہ جنگِ اُحد کے بعد جب واپس ہونے لگے، تو کچھ دور جانے
 کے بعد انہیں خیال آیا کہ کیوں نہ مدینہ واپس جا کر مسلمانوں کا صفایا کر دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی،
 تو انہیں ڈرانے اور یہ احساس دلانے کے لئے کہ مسلمان ابھی قوی ہیں اور کافروں کا صفایا کر سکتے ہیں، انہی صحابہ کرام کو
 جنہوں نے جنگِ اُحد میں شرکت کی تھی، اپنے ساتھ کافروں کا پیچھا کرنے کا حکم دیا، جابر بن عبد اللہ واحد صحابی تھے جنہوں نے
 جنگِ اُحد میں اپنی بہنوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے باپ کے حکم سے شرکت نہیں کی تھی، تاکہ ان کے باپ جنگ میں شریک
 ہو سکیں۔ انہیں اللہ کے رسول نے اجازت دے دی کہ وہ ابوسفیان کا پیچھا کرنے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرام نے اپنے
 نبی کے حکم پر لبیک کہا اور ہزار تکلیفوں اور زخموں کے باوجود ابوسفیان کی تلاش میں نکل پڑے، یہاں تک کہ حمراء الاسد پہنچ
 گئے، جہاں معبد الخزاعی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ابوسفیان کے پاس
 جا کر اسے مسلمانوں سے خوف دلائیں۔ ابوسفیان کو معبد کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا، اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس محمد اور
 اس کے ساتھیوں کے بارے میں خبر ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ تو کسی طرح تمہیں پالینا چاہتے ہیں، اگر انہوں
 نے تمہیں آیا تو تمہاری خیر نہیں۔ محمد کے وہ ساتھی جنہوں نے جنگِ اُحد میں شرکت نہیں کی تھی وہ بھی ساتھ ہو گئے ہیں۔

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّ الَّذِينَ اَشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَيُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اَشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ كَثِيرٌ ۝ وَلَا يَحْسَبُنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ ائْتَانُنِي لَهُمْ خِزْيَانٌ لَغْوِيٍّ إِنَّهُمْ لَيَبْذُلُونَ ائْتَانًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

اور جو لوگ کفر میں سبقت (۱۱۸) کر رہے ہیں وہ آپ کو غمگین نہ بنادیں بے شک وہ لوگ اللہ کو کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں انہیں کوئی حصہ نہ دے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا ﴿۱۲۶﴾ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر کو خرید لیا، وہ اللہ کو ہرگز کچھ بھی نہ نقصان پہنچا سکیں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا ﴿۱۲۷﴾ اور کفر کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دے رہے ہیں، ان کے لئے بہتر ہے، ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ ان کے گناہ اور بڑھ جائیں، اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا ﴿۱۲۸﴾

ابوسفیان نے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میری رائے بس یہ ہے کہ تم لوگ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جاؤ، چنانچہ وہ لوگ گھبرا کر مکہ کی طرف لوٹ گئے۔

(۱۱۷) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ معبد الخزامی جب ابوسفیان اور اس کی فوج کو مسلمانوں سے مرعوب کرنے کے بعد واپس ہو گئے، تو قبیلہ عبد القیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے پاس سے گذرا، اس نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ کہا: مدینہ، پوچھا کس لئے؟ کہا: خوراک حاصل کرنے کے لئے، ابوسفیان نے کہا کہ تم لوگ محمد کو ہمارا ایک پیغام پہنچا دو، اس کے بدلے ہم تمہیں عکاظ کے بازار میں کشش دیں گے۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ کہا کہ جب محمد سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ ہم نے باقی مسلمانوں کا صفایا کرنے کے لئے آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ عبد القیس کا یہ قافلہ حمراء الأسد میں ہی رسول اللہ ﷺ سے جا ملا، اور ابوسفیان کا پیغام پہنچا دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمانوں نے کہا "حسبنا الله ونعم الوكيل" کہ "اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور بہتر کارساز ہے"۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت میں پہلے (الناس) سے مراد قافلہ عبد القیس، اور دوسرے سے مراد ابوسفیان اور اس کا لشکر ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں کا ایمان بڑھ گیا، اور اللہ پر اعتماد اور توکل میں اضافہ ہو گیا۔

احادیث میں "حسبنا الله ونعم الوكيل" کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "حسبنا الله ونعم الوكيل" ابراہیم نے کہا جب وہ آگ میں ڈالے جانے لگے، اور محمد ﷺ نے کہا جب لوگوں نے کہا کہ مشرکین قریش اپنی پوری قوت مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے جمع کر رہے ہیں۔

آیت (۱۲۴) میں اللہ نے اطلاع دی ہے کہ مسلمان حمراء الأسد سے بحیر و عافیت اور شجاعت و ایمان میں مزید قوت و صلابت کے ساتھ واپس ہوئے۔

آیت (۱۲۵) میں اللہ نے نصیحت کی ہے کہ اے مسلمانو! شیطان اپنے اولیاء اور پیروکاروں کا تمہیں خوف دلاتا ہے، لیکن تمہیں ان سے نہیں ڈرنا چاہئے، اس لئے کہ مسلمان تو صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔

(۱۱۸) اس آیت کا اور اس کے بعد آنے والی دونوں آیتوں کا تعلق بھی غزوہ احد ہی سے ہے۔ اس غزوہ کے بعد منافقین کا

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْغَيْبَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ تَرْسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ تَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْنُونَ بِنَاءَ آلِهِمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ أَلَهُمْ ۗ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ ۗ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

اللہ مومنوں کو اس حال (۱۱۹) پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے، اور نہ اللہ تمہیں غیب کی باتیں بتانا چاہتا ہے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے مکن لیتا ہے، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے تو تمہیں بڑا اجر ملے گا ﴿۱۷۹﴾ اور جو لوگ اُس فضل میں بخالت (۱۲۰) کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں دیا ہے، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ تو ان کے لئے بُری چیز ہے، جس مال میں وہ بخالت کر رہے ہیں، قیامت کے دن وہ ان کی گردن میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا، اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ کے لئے ہے، اور اللہ تمہارے کئے کی اچھی طرح خبر رکھتا ہے ﴿۱۸۰﴾

نفاق، کفار قریش اور یہود مدینہ کا کفر اور ان کی سازشیں کھل کر سامنے آ گئیں، تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی کہ ہزار جانفشانی کے باوجود یہ لوگ اسلام کیوں نہیں لاتے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ اگر وہ لوگ کفر میں بڑھے جارہے ہیں تو آپ اس کا غم کیوں کرتے ہیں؟ وہ لوگ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ تو چاہتا ہے کہ آخرت میں انہیں کوئی کامیابی نصیب نہ ہو۔

آیت (۱۷۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان کے بدلے کفر کو اپنا رہے ہیں، وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا پائیں گے اور قیامت کے دن اُن کے حملے دردناک عذاب ہوگا۔

آیت (۱۷۸) میں اللہ نے فرمایا کہ ہم جو کافروں کی عمریں لمبی کر رہے ہیں، اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے رہے ہیں، تو یہ ان کے لئے بہتر نہیں ہے، بلکہ اس سے تو ان کے گناہوں میں اضافہ ہوگا، اور پھر عذاب میں اضافہ ہوگا، اور قیامت کے دن اُن کے لئے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

(۱۱۹) جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ غزوہٴ اُحد کے بعد منافقین تقریباً ظاہر ہو گئے اور اپنے دل کی باتیں اُگنے لگے، اور لوگ (کافر، مومن اور منافق) تین گروہوں میں بٹ گئے، اور مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اُن کے گھروں میں اور اُن کے ساتھ بھی اُن کے دشمن موجود ہیں، اس لئے احتیاط کرنے لگے، اور اپنے آستین کے سانپوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں غزوہٴ اُحد کی اسی حکمت کو بیان کیا ہے کہ مومن و منافق کی تمیز کئے بغیر مسلمانوں کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا، اور غیب کی کسی کو خبر ہو نہیں سکتی تھی، اس لئے کہ غیب کی خبر تو اللہ صرف اپنے رسولوں کو دعوتی حالات کے تقاضے کے مطابق ہی دیتا ہے۔ لیکن غزوہٴ اُحد کے بعد کے حالات نے از خود منافقین کو مسلمانوں سے جدا کر دیا۔

(۱۲۰) گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جان کی قربانی دینے کی خوب ترغیب دلائی ہے، اور یہاں مال کی قربانی پر

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَكَتَبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝
قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلاَّ نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَنَا بَقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ
قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالذِّمَىٰ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ كَذَّبُ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ
قَبْلِكَ جَاءَهُمُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝

اللہ نے ان لوگوں کی بات یقیناً سن لی ہے، جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ فقیر^(۱۲۱) ہے اور ہم لوگ مالدار ہیں، ہم ان کی باتیں لکھ رہے ہیں، اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ رہے ہیں، اور ہم ان سے کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو ﴿۱۸۱﴾ یہ ان اعمال کا نتیجہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے بھیجا تھا، اور اللہ اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے ﴿۱۸۲﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد^(۱۲۲) لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کوئی قربانی نہ لائے جسے آگ جلا دے۔ آپ کہئے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس انبیاء آئے جو بہت سی نشانیاں اور وہ نشانی بھی لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کر رہے تھے، تو تم نے انہیں قتل کیوں کر دیا اگر تم اپنی بات میں سچے تھے ﴿۱۸۳﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں، تو آپ سے پہلے بھی انبیاء جھٹلائے گئے تھے جو معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ﴿۱۸۴﴾

زور دیا ہے، اور بخیلوں کے لئے وعید شدید کا ذکر کیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مال جمع کرنا ان کے لئے نفع بخش ہے، یہ تو قیامت کے دن عذاب الیم کا سبب بنے گا اور طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔

امام بخاری نے کتاب الزکاة میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جسے مال دیا اور اس کی زکاة ادا نہیں کی، قیامت کے دن وہ ایک زہریلا سانپ بن کر اس کے سامنے آئے گا، جس کی دونوں آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور اسے دونوں جڑوں سے پکڑے گا، پھر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد اللہ کے رسول نے یہی آیت پڑھی۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، ان کا مالک تو اللہ ہے، پھر کسی کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ نہیں کرے؟!

(۱۲۱) حافظ ابن مردودہ اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَنُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ یعنی ”کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، پس اللہ اسے خوب بڑھا چڑھا کر دے، تو یہود نے کہا کہ اے محمد! تیرا رب فقیر ہو گیا ہے، اسی لئے اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یہود نے جو بات اللہ کے بارے میں کہی، اس سے بڑھ کر اللہ کے خلاف تمرد و سرکشی کی مثال نہیں ہو سکتی، اسی لئے وعید شدید کے طور پر اللہ نے کہا کہ ان کی یہ بات ہم ان کے خلاف درج کر لے رہے ہیں، اور وہ تو اس کے پہلے قتل انبیاء

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمَتَاعٌ الْعُرُورُ ﴿١٨٥﴾ لَتَكْتُبُونَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصَدَّقُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾

ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا (۱۸۴) ہے، اور قیامت کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، پس قیامت کے دن جو شخص آگ سے دور کر دیا جائے گا، اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا، وہ فائز المرام ہو جائے گا، اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ﴿۱۸۵﴾ تمہیں یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں آزمایا (۱۸۴) جائے گا، اور تم یقیناً ان لوگوں کی جانب سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، اور مشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو بے شک یہ ہمت و عزیمت کا کام ہے ﴿۱۸۶﴾

جیسے جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں، ہم انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ قیامت کے دن ہم انہیں کہیں گے کہ اب جہنم کا عذاب چکھو۔ آیت (۱۸۲) میں اسی مضمون کی تکمیل ہے کہ یہ تمہارے کئے کا تمہیں پھل مل رہا ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (۱۸۲) اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے ایک دوسرے جھوٹے دعویٰ اور اللہ کی طرف سے اس کی تکذیب کا بیان ہے، یہودیوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسی کو رسول مانیں اور اسی کی تصدیق کریں، جس کی دعا سے آسمان سے ایک آگ اترے جو تمام جمع شدہ صدقات کو چاہے وہ حیوان ہو یا غیر حیوان جلا ڈالے۔ اور اے محمد! تمہارے ذریعہ اس معجزے کا ظہور نہیں ہو سکا، اس لئے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تو اللہ نے کہا کہ اے میرے نبی! آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تمہارے پاس تو مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء کھلی نشانیاں لے کر آئے، اور وہ معجزہ بھی لے کر آئے جس کا مطالبہ مجھ سے کر رہے ہو، پھر اگر تم سچے تھے تو انہیں کیوں قتل کر دیئے؟

آیت (۱۸۳) میں اللہ نے کہا کہ اگر یہ یہود اُن کے جھوٹے عذر کا پل کھل جانے کے بعد بھی آپ کی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ غم نہ کریں، اس لئے کہ آپ کے پہلے بھی بہت سے انبیاء کی اُن کی قوموں نے تکذیب کی، حالانکہ انہوں نے کھلی نشانیاں پیش کیں، اور اللہ کی کتابیں پڑھ پڑھ کر انہیں سنا تے رہے۔

(۱۸۳) اس آیت کریمہ میں بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ دنیا جزا کی جگہ نہیں ہے، یہ تو عمل کی جگہ ہے، یہاں سے ہر آدمی کو گذر جانا ہے، یہاں تو بہت سے مجرم اور ظالم دندا تے پھرتے ہیں، اور انہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ اور بہت سے نیک اور صالح لوگ پوری زندگی اللہ کی مرضی کے کاموں میں گزار دیتے ہیں، اور انہیں کوئی راحت جان نصیب نہیں ہوتی، جزا و سزا کی جگہ تو قیامت کا دن ہوگا۔ اُس دن جو جہنم سے دور کر دیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا، وہی حقیقی معنوں میں فائز المرام ہوگا۔ یہ دنیاوی زندگی تو دھوکے کی ٹٹی ہے۔

امام احمد اور مسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چاہتا ہے کہ جہنم سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، تو اُسے چاہئے کہ اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (۱۸۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر و ثبات قدمی کی تعلیم دی ہے جو ایمان کا تقاضا ہے۔ مومن اپنی زندگی میں

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لُبِّيذًا لِّلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَبَدَّلُوهُ وَإِذْ أَخَذُوا مِيثَاقَهُ قَلِيلًا فَبَيَّضُوا مَا يُشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد و پیمانہ (۱۸۷) لیا، کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے لئے بیان کرو گے، اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اُسے پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت قبول کر لی، پس بُری چیز تھی جو انہوں نے خریدی ﴿۱۸۷﴾

اللہ کی جانب سے آزمایا جاتا ہے، کبھی اس کے مال و جائداد پر کوئی آفت آتی ہے تو کبھی اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں، قتل و بند اور زخم و مصیبت، اور دیگر قسم کے شہداء سے دوچار ہوتا ہے۔ اور اس کا ایمان اس سے تقاضا کرتا ہے کہ اللہ کے لئے اور جنت کی خاطر بخوشی کروے گھونٹ پیتا رہے، اور زبان پر کلمہ شکایت نہ لائے۔ سورہ بقرہ کی آیات (۱۵۶/۱۵۵) میں یہی مضمون گذر چکا ہے۔

ترمذی نے کتاب الزہد میں مصعب بن سعد سے اور انہوں نے اپنے والد سعد سے روایت کی ہے کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ! سب سے زیادہ کس کی آزمائش ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”انبیاء کی، اُن کے بعد بتدریج سب سے اچھے مسلمانوں کی۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین و ایمان کے درجہ کے مطابق ہوتی ہے، دین میں جو جتنا سخت ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اور جو دین میں ڈھیلا ہوتا ہے، اس کی آزمائش اسی حساب سے ہوتی ہے۔ بندہ کی آزمائش ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کے سارے گناہ مٹ جاتے ہیں۔“

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی ایذا رسانی کی باتیں سنو گے، لیکن تمہیں دل گرفتہ نہیں ہونا ہے بلکہ صبر سے کام لینا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ بات جنگِ بدر سے پہلے کہی تھی کہ ابھی وہ صبر سے کام لیں، ابھی یہود اور منافقین کو چھیڑنے کا موقع نہیں آیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ایک گدھے پر سوار ہو کر یہود و مشرکین اور مسلمانوں کی ایک مشرکہ مجلس کے پاس سے گذرے۔ عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر ڈال کر کہا کہ تم لوگ ہماری مجلسوں میں غبار نہ اڑاؤ۔ جب آپ نے اس کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور دعوتِ اسلام دیا، تو کہنے لگا کہ تم لوگ ہماری مجلسوں کی فضا مکدر نہ کرو، تمہارے پاس جو جائے اسے ہی اپنی باتیں سنایا کرو۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ ہمیں اپنی بات ضرور سنائیں، اس کے بعد مسلمانوں اور یہود و مشرکین نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اللہ کے رسول نے سب کو خاموش کر لیا۔ جب آپ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جن کی عیادت کے لئے آپ نکلے تھے، تو ان سے ساری باتیں بتائی۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ اس (عبد اللہ بن ابی) کو معاف کر دیجئے۔ اسے لوگوں نے اپنا بادشاہ بنا ناچا تھا کہ اللہ نے اپنا دین بھیج دیا، جو اس کے حلق کا کاٹنا بن گیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ اس زمانے میں دوسرے یہود و منافقین کے ساتھ بھی آپ کا یہی رویہ رہا۔ جب میدانِ بدر میں سردارانِ قریش مارے گئے، تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب تو یہ دین غالب ہو رہا ہے، اس لئے آؤ محمد کے ہاتھ پر اسلام کا اعلان کر دیں۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ يُؤْتُوا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ وَلَا تَحْسَبَنَّكُمْ بِمَفَازٍ مِنَ الْعَذَابِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جو لوگ اپنے کے پر خوش (۱۲۶) ہو رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ناکردہ اعمال پر بھی ان کی تعریف کی جائے، انہیں آپ عذاب سے محفوظ نہ سمجھیں، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا ﴿۱۸۸﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾

معلوم ہوا کہ جو کوئی اسلام کی دعوت دے گا، خیر کی طرف بلائے گا، اور شر سے روکے گا اُسے اذیتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔

(۱۲۵) یہاں سیاق کلام علمائے یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے، اللہ نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ تورات و انجیل کے تمام احکام اور تمام باتیں لوگوں کو بتائیں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ اُن میں رسول اللہ ﷺ کی صفات بھی تھیں اور یہ حکم بھی کہ وہ اُن پر ایمان لائیں گے، لیکن انہوں نے ان تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا، اور دنیاوی حقیر فائدوں کی خاطر اللہ کے کلام کو بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں علماء پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ وہ حق کو کھول کھول کر بیان کریں، اور کسی دنیاوی مفاد کی خاطر اللہ کے دین کی صحیح باتوں کو اُمت سے نہ چھپائیں۔ بہت سے لوگ جو عالم دین کہلاتے ہیں، اور کسی فقہی مسلک کے لئے اندھی عصبیت کی وجہ سے صحیح احادیث کو چھپاتے ہیں، یا وہ لوگ جو اپنے پیٹ یا کرسی کی خاطر اُمت میں ایسی بدعتوں کو رواج دیتے ہیں، جن کا کوئی ثبوت قرآن و سنت سے نہیں ملتا، یا وہ دنیا دار علماء جو کسی حاکم وقت کو خوش کرنے کے لئے شرعی مسائل کو بدل دیتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب قرآن و سنت کے خلاف ہے، اس قسم کے تمام نام نہاد علمائے دین اس آیت میں بیان کردہ وعید میں شامل ہیں۔

(۱۲۶) اس آیت کریمہ میں ایسے تمام لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ریاکاری اور نام و نمود کی خاطر کام کرتے ہیں، اور جتنا کرتے نہیں اس سے زیادہ کا اظہار کرتے ہیں، یا جو خوبی ان کے اندر نہیں ہوتی اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ امام احمد اور امام مسلم کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بارے میں کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تاکہ لوگوں کے سامنے بڑا بنے، تو اللہ تعالیٰ اس کا وقار گھٹا دیتا ہے۔ ایک دوسری حدیث ہے جو صحیحین میں مروی ہے، کہ جو شخص کسی ایسی خوبی کا دعویٰ کرے جو اللہ نے اُسے نہیں دیا ہے، وہ جھوٹ اور فریب کے دو کپڑے پہننے والے کی مانند ہے۔

علمائے تفسیر نے اس آیت کا شان نزول بیان کرنے کے لئے بخاری اور مسلم کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ ابن عباس کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ اس آیت کے بموجب ہر وہ آدمی جو اپنے پاس موجود شے پر خوش ہوتا ہے، اور پسند کرتا ہے کہ جو اس نے نہیں کیا ہے اس پر اس کی تعریف ہو، عذاب دیا جائے گا، تو کیا ہم سب کو عذاب ہو گا؟! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سن کر کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ آتَوْا الْكِتَابَ﴾ والی آیت پڑھی، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود مدینہ سے تورات کی کوئی بات پوچھی، تو انہوں نے اُسے چھپا دیا اور بدل کر دوسری بات بتادی، اور جب وہاں سے چلے تو خوش ہو کر چلے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جواب بھی دے دیا اور صحیح بات چھپا بھی دی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۗ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کی گردش میں (اُن) عقل والوں (۱۲۷) کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۱۹۰﴾ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ کو یاد (۱۲۸) کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے انہیں بے کار نہیں پیدا کیا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے، پس تو ہمیں عذاب نار سے بچا ﴿۱۹۱﴾

بخاری اور مسلم نے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ میں جاتے تو منافقین پیچھے رہ جاتے، اور اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے، اور جب رسول اللہ کی واپسی کے بعد ان کے پاس جاتے تو حلفیہ عذر پیش کرتے، اور چاہتے کہ انہوں نے جو خیر کا کام نہیں کیا ہے اُس پر اُن کی تعریف ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت فحاص اور اشیع علمائے یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان سبھی واقعات کے پیش نظر یہ آیت نازل ہوئی ہو، کیونکہ آیت کا مضمون سب پر منطبق ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔

(۱۲۷) گذشتہ آیتوں میں یہود کی بد باطنی اور اللہ کے ساتھ استہزاء کا بیان ہوا، حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فقیر تک کہا۔ آنے والی آیتوں میں انہیں اور دیگر انسانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تو سب کا رب، خالق، مالک اور معبود ہے، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر چیز اس کے تصرف میں ہے، وہ فقیر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ ساری کائنات اس کی محتاج ہے، آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور لیل و نہار کی گردش میں اللہ اور اس کی قدرت مطلقہ پر ایمان لانے کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ باتیں وہ اصحاب عقل و دانش سمجھتے ہیں، جن کی صفات مندرجہ ذیل آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ (۱۲۸) وہ لوگ اٹھتے، بیٹھے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور کبھی بھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر کر کے اس یقین تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان سب کا کوئی خالق ضرور ہے جو قادر مطلق، مدبر اور حکیم ہے۔

ابن ابی الدنیانے ”کتاب التوکل والإعتبار“ میں ابو سلیمان دارانی کا قول نقل کیا ہے کہ میں جب اپنے گھر سے نکلتا ہوں، اور میری نظر کسی چیز پر پڑتی ہے، تو اسے اپنے لئے اللہ کی نعمت، اور اس میں ایک عبرت پاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے، گو یا خالق کے بارے میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات و صفات کی کنہیات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

جب وہ عقل والے اس حقیقت کو پالیتے ہیں کہ ہمارا اور ساری کائنات کا کوئی رب ضرور ہے، تو انتہائے خشوع و خضوع اور بے پایاں تعظیم کے ساتھ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے انہیں بے کار نہیں پیدا کیا ہے، تو تمام عیوب

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ ، وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ سَمِيعٌ مُتَذَكِّرٌ
 لِلْإِنْسَانِ أَنْ آمَنُوا بِرَبِّكُمْ فَامْكُرُوا لَكُمْ رَبَّنَا مَا كَفَرْنَا لَكُمْ قَوْلًا نَدُّونَا وَلِكَفَرْنَا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنا مَعَ الْآبِرَارِ ۝ رَبَّنَا وَإِنَّا مَا
 وَعَدْتْنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُنْفِرْنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْوَعْدَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ
 عَمَلَ عَامِلٍ فَمَنْ دُكِرَ أَوْ أُشْفِيَ ، بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ، فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ
 أُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 ثَوَابًا مِمَّنْ عَنِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

اے ہمارے رب! تو جس کو جہنم میں داخل کر دے گا، اس کو ذلیل و رسوا (۱۲۹) کر دے گا، اور ظالموں کا کوئی مددگار
 نہ ہو گا ﴿۱۲۹﴾ اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی (۱۳۰) کو سنا جو ایمان لانے کے لئے پکار رہا تھا، اور کہہ رہا تھا
 کہ اے لوگو! تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو معاف
 کر دے، اور ہماری خطاؤں کو درگزر فرما، اور دنیا سے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا ﴿۱۳۱﴾ اے ہمارے رب!
 تو نے اپنے رسولوں کی زبانی جو ہم سے وعدہ (۱۳۱) کیا تھا وہ ہمیں دے، اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کر بے شک
 تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ﴿۱۳۲﴾ پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں تم میں سے کسی کا نیک عمل (۱۳۲) ضائع
 نہیں کرتا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، تم سب آپس میں برابر ہو، پس جن لوگوں نے ہجرت کی، اور اپنے گھروں
 سے نکالے گئے، اور میری راہ میں انہیں تکلیف دی گئی، اور جہاد کیا، اور قتل کئے گئے، میں ان کے گناہوں کو ضرور
 معاف کر دوں گا، اور انہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اللہ کی جانب سے
 ان کو یہ اجر ملے گا، اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے ﴿۱۳۵﴾

سے پاک ہے، تو ہمیں عذابِ نار سے بچادے۔

(۱۲۹) یہاں اہانت سے مراد روزِ محشر تمام اہل موقف کے سامنے تذلیل و اہانت ہے، جس دن ظالموں کو ہمیشہ کے لئے جہنم
 میں ڈال دیا جائے گا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ اصحابِ عقل و دانش اس دن کی ذلت و رسوائی سے پناہ مانگتے ہیں۔
 (۱۳۰) دعا کا یہ انداز اللہ تعالیٰ کے لئے کمالِ خشوع و خضوع، اور قبولیتِ دعا کے لئے انتہائے رغبت کے اظہار کے لئے ہے۔
 اور منادی سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ اور لفظ منادی کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پکار
 پکار کر اسلام کی دعوت، پوری تہذیبی اور جانفشانی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر دی۔

(۱۳۱) اے اللہ! رسولوں کی زبانی، تو نے جو وعدہ کیا تھا، کہ جو تجھ پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لے آئے گا، انہیں تو اچھا
 بدلہ دے گا، اور تیرا یہ بھی وعدہ تھا ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ کہ ”اللہ قیامت کے
 دن اپنے نبی کو اور مومنوں کو رسوا نہیں کرے گا“ تو آج میری دعا قبول فرما لے، اور قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کر۔
 (۱۳۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان مومنوں کی دعا اللہ نے قبول کر لی، اور انہیں بشارت دی کہ میں
 اپنے کسی نیک بندے کا عمل ضائع نہیں کرتا، چاہے مرد ہو یا عورت۔

لَا يَعُذْرَكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ مَا لَهُمْ حِجَابٌ وَمَا يَدْرَأُونَ بِهِ لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَزَاءٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَمُوتُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْكَافِرِينَ ۖ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِيعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اہل کفر کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ (۱۳۳) میں نہ ڈال دے ﴿۱۹۶﴾ یہ تو تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بُری جگہ ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈریں گے، ان کو ایسی جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے ان کی ضیافت و تکریم ہوگی، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت بہتر ہے ﴿۱۹۸﴾ اور بے شک اہل کتاب میں بعض (۱۳۳) ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور ان کتابوں پر جو تمہارے لئے اور ان کے لئے اُتاری گئی ہیں ایمان رکھتے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں، اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی قیمت قبول نہیں کرتے ہیں، ان لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس ثابت ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾ اے ایمان والو! صبر سے کام لو، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرو، اور جہاد کے لئے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ ﴿۲۰۰﴾

ترمذی، حاکم اور سعید بن منصور نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا نام نہیں لیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أَنْفِي لَا أُضْيَعُ عَمَلًا عَامِلٍ مِنْكُمْ مَنْ ذَكَرَ أَوْ أَنْفِي بَعْضِكُمْ مَنْ بَعْضٍ﴾ کہ مرد ہو یا عورت میں کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا﴾ سے آخر آیت تک عامل کے عمل کی تفصیل ہے۔

(۱۳۳) گذشتہ آیات میں مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی کہ وہ ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں، کوئی چیز انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی، اور اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کو قبول کرتا ہے، اور وہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا، اور ان کا مقام جنت ہوگا، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اس آیت کریمہ میں کافروں کی حالت بیان کی گئی ہے، کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں تجارتی سفروں میں جاتے ہیں، تاکہ خوب دولت اکٹھا کریں۔ اللہ نے کہا کہ اس سے آپ کو اور مسلمانوں کو دھوکے میں نہ پڑنا چاہئے، یہ تو عارضی فائدہ ہے، جو ثوابِ آخرت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

آیت (۱۹۸) میں بیان کیا گیا کہ ان کے برعکس متقیوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جگہ دے گا، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ صحیحین کی روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو چٹائی پر لیٹے دیکھا، ان کے پہلو پر چٹائی کا نشان دیکھ کر رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عمر نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کسرئی اور قیصر تو عیش کی زندگی گذاریں، اور اللہ کے رسول کا یہ حال ہو!! تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ ان کے لئے

دنیا ہو، اور ہمارے لئے آخرت۔

معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، اور وہ مسلمانوں کے لئے ہے، کافر اس دن جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔

(۱۳۴) اس آیت کریمہ میں اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض اہل کتاب میں دین داری ہوتی ہے، وہ دوسرے عام اہل کتاب کی مانند نہیں ہوتے ہیں، جن کے شرمناک اعمال کا ذکر اور گنہگار ہے، اور آئندہ بھی آئے گا۔ یہ لوگ سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان کے ساتھ، اللہ پر اور نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ دین و قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں، اللہ کے لئے خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ سے متعلق بشارتوں اور نشانیوں کو نہیں چھپاتے۔ ان اچھی صفات کے لوگ یہودیوں میں کم پائے گئے، جیسے عبد اللہ بن سلام اور بعض دیگر علمائے یہود جن کی تعداد دس سے کم ہی تھی، لیکن نصاریٰ میں اچھے لوگ زیادہ ہوئے جن میں سے بہتوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا۔ انہی مسلمان اہل کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں، اور کئی دوسری آیتوں میں اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

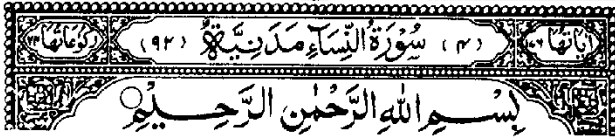
امام احمد نے ہجرت حبشہ سے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں آیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب نے جب نجاشی کے سامنے سورہ مریم کی تلاوت کی، تو وہ اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے دیگر علمائے نصاریٰ اس طرح روئے کہ آنسو سے ان کی داڑھیاں بھیگ گئیں۔

اس آیت کے شان نزول میں صحیحین کی روایت آتی ہے کہ جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا انتقال ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی اور میدان میں جا کر صحابہ کے ساتھ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، اور صحابہ سے کہا کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو، تو بعض منافقین نے کہا کہ محمد ہمیں ایک کالے موٹے حبشی کے لئے دعائے مغفرت کا حکم دیتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تین باتوں کی نصیحت کی ہے جو ہر طرح کی سعادت و نیک بختی کا ذریعہ ہیں: پہلی نصیحت صبر کی ہے، کہ بندہ مومن گناہوں سے اجتناب کرے، مصائب پر صبر کرے، اور ان اوامر کے بجالانے اور نواہی سے اجتناب میں صبر کرے جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور صبر کی اس صفت پر مداومت برتے۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ اللہ کے دین اور مسلمانوں سے دفاع کے لئے مورچہ بند رہے۔ اور تیسری نصیحت یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتا رہے۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ کامیابی اور فلاح دارین کا یہی ذریعہ ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کے لئے رات کو اٹھتے تو سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھتے تھے۔

بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے پاس سویا، جب رات کا ایک تہائی حصہ رہ گیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ پھر وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز پڑھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے آل عمران کی دس آیتیں پڑھیں، حافظ ابن مردویہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی حدیث روایت کی ہے۔



يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

سورة النساء مدنی ہے، اس میں ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو! (۱) جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا، اور اُن دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا، اور اُس اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور قطعِ رحم سے بچو، بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے ﴿۱﴾

تفسیر سورۃ النساء

نام: اس سورت کا نام ”سورۃ النساء“ اس لئے ہے کہ عورتوں کے مسائل اس میں دیگر سورتوں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ زمانہ نزول: ابن عباس، عبد اللہ بن زبیر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ صرف ایک آیت فح مکہ کے سال مکہ میں عثمان بن طلحہ انجی کے بارے میں نازل ہوئی، وہ آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ہے۔

بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ سورۃ النساء نازل ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی، یعنی ام المومنین کی حیثیت سے۔ اور اس بات پر سارے علماء کا اتفاق ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس رخصت ہو کر مدینہ میں گئی تھیں، اس کے علاوہ اس سورت میں بیان کردہ مسائل پر غور کرنے کے بعد بالکل یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مدنی سورت ہے۔

فضیلت: حاکم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورۃ النساء میں پانچ ایسی آیتیں ہیں جن کے بدلے میں دنیا و ما فیہا کو قبول نہیں کروں گا۔ عبد الرزاق نے ان سے روایت کی ہے کہ سورۃ النساء میں پانچ ایسی آیتیں ہیں جو میرے نزدیک پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ دونوں روایتوں میں مندرجہ ذیل آیتوں کا ذکر ہے:

- ۱- ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾. (الآیة: ۳۰). ۲- ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَآئِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾. (الآیة: ۳۱).
- ۳- ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾. (الآیة: ۴۸). ۴- ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾. (الآیة: ۶۳).
- ۵- ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾. (الآیة: ۱۱۰).

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں تمام نبی نوع انسان کو چاہے وہ مومن ہوں یا کافر، یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور دنیا میں رحم کے ذریعہ جو رشتہ داریاں قائم ہیں، اُن کا خیال رکھیں۔ اور ان اسباب کو بیان کیا ہے جو دونوں کے دُجوب و لُزوم کا تقاضا کرتے ہیں۔

اللہ سے اس لئے ڈرتے رہنا ہے کہ وہی انسان کا رب ہے اسی نے اُسے پیدا کیا ہے، وہی اُسے روزی دیتا ہے، اور اس

وَأَنْتُمْ يَا بَنِي آدَمَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَلَقْنَا آدَمَ وَنُوحًا وَمُوسَىٰ وَآلِ هَارُونَ إِذْ أَخَذْنَا مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ مَوَالِيَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوهُنَّ إِنَّهُنَّ لَكُنَّ عَائِلًا لَكُمْ وَأَنْتُمْ كَمَا كُنْتُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٥﴾

اور یتیموں (۲) کا مال ان کے حوالے کر دو، اور حلال و پاک کے بدلے میں حرام و ناپاک کو نہ اختیار کرو، اور اپنے مال کے ساتھ ان کا مال ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے ﴿۲۳۵﴾

پراس کے بے شمار احسانات ہیں۔ اسی نے انسان کو آدم سے پیدا کیا، اور آدم ہی کی بائیں پہلی سے اس کی بیوی حوا کو پیدا کیا۔ تاکہ انسان کی بیوی اس کے مناسب حال ہو، اس کی قربت سے اُسے سکون و راحت ملے، اور اللہ کی نعمت اس پر تمام ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہیں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا، تاکہ ان سے تم سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کیا۔ (الروم: ۲۱)۔

اللہ سے اس لئے بھی ڈرتے رہنا ہے کہ آدمی اللہ کا نام لے کر ہی اپنی کوئی حاجت کسی کے سامنے رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ مسئول کے دل میں اللہ کی کبریائی اور عظمت کا جو تصور ہے، اس کے پیش نظر اس کی مانگ ضرور پوری کرے گا۔ اللہ کی اس عظمت و کبریائی کا تقاضا ہے کہ آدمی اس کی عبادت کرے اور اُس سے ڈرتا رہے۔

صلہ رحمی کی اہمیت کو آدمی کے دل میں بیٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ”رحم“ کے حق کو جوڑ دیا، تاکہ معلوم ہو کہ جس طرح اللہ کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے، اسی طرح رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا بھی واجب ہے، اور جو شخص رشتہ میں جتنا قریب ہوگا، اتنا ہی اس کے حق کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق کی اہمیت بتانے کے لئے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد بغیر کسی تاخیر کے والدین کے ساتھ ایچھے برتاؤ کا حکم دیا۔ اللہ نے فرمایا: ﴿أَلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا إِلَٰهًا وَيَبْأُو الدِّينِ إِحْسَانًا﴾ (الإسراء: ۲۳)۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَبْأُو الدِّينِ إِحْسَانًا وَبِذِي النُّفُوسِ﴾ (النساء: ۳۶)۔ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ”رحم عرش سے معلق ہے، وہ کہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے اللہ اُسے جوڑے، اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے اپنی رحمت سے کاٹ دے“۔ صحیحین ہی میں جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رحم کو کاٹنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اللہ تمہارے احوال و اعمال سے واقف ہے، اس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی اس طرح گزارے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ثبت ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور میرے تمام اعمال اس کی نگاہ میں ہیں۔

(۲) اوپر کی آیت میں تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کا اللہ نے جو حکم دیا ہے، اُس کی اب تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یتیموں کے حقوق کی حفاظت کو دیگر احکام پر مقدم کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔ لفظی طور پر یتیم ہر اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا باپ و داتا چکا ہو، لیکن شرعی اصطلاح میں یہ لفظ اُس بچے کے لئے خاص ہو گیا ہے جس کے سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے اس کا باپ مر گیا ہو۔ ابو داؤد نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلوغت کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔

وَأِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ فَأَلْفِكُمْ مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَشْفَىٰ وَتِلْكَ أَرْبَعٌ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ تِلْكَ أَلْفَاظٌ لَا تَعْدِلُوا

اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم بچیوں (۳) سے شادی کے معاملہ میں انصاف نہیں کر سکو گے، تو دوسری پسندیدہ دو، اور تین تین، اور چار چار، عورتوں سے شادی کر لو، اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ (ان کے درمیان) انصاف (۴) نہ کر سکو گے، تو ایک پر اکتفا کرو، یا لونڈی سے اپنی ضرورت پوری کر لو، یہ اس اعتبار سے زیادہ مناسب ہے کہ تم بے انصافی کے مرتکب نہیں ہو گے ﴿۳﴾

آیت میں ”یتیموں“ سے مراد وہ نوجوان ہیں جو ابھی ابھی سن بلوغت کو پہنچے ہوں، اور ان پر ہوشمندی کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اولیاء اور ادویاء کو حکم دیا ہے کہ ان کا مال انہیں دینے میں ٹال مٹول نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ نے کہا کہ یتیموں کا مال اپنے مال سے نہ بدل لیا کرو، کیوں کہ ان کا مال تمہارے لئے حرام اور خبیث ہے، اور تمہارا مال تمہارے لئے حلال اور طیب ہے۔ لہذا تم تھوڑے سے فائدہ کے لئے حلال اور طیب دے کر حرام اور خبیث کو نہ قبول کرو۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے، اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو ایک اور فعل منکر سے منع کیا، جس کا ارتکاب زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے، کہ اپنے مال کے ساتھ یتیموں کا مال ملا لیا کرتے تھے، تاکہ اخراجات میں وسعت پیدا ہو جائے۔ اللہ نے کہا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اگر نیت یتیموں کے ساتھ بھلائی کی ہو تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ اللہ نے سورہ بقرہ میں فرمایا: ﴿وَإِنْ تَخَالَطُوهُمْ فَلَا حَرَمَ لَكُمْ﴾ الآية ۲۲۰۔ (تفصیل کے لئے اس آیت کی تفسیر کا مطالعہ کیجئے)۔

(۳) یہاں ”یتامی“ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اے یتیم بچیوں کے اولیاء! اگر تمہیں ڈر ہو کہ ان یتیم بچیوں کے ساتھ نکاح کر کے ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کر سکو گے، یا تو مہر کم کر دو گے یا ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرو گے تو ان کے علاوہ دوسری غیر رشتہ دار لڑکیوں سے شادی کر لو، دنیا میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ اور پھر ایک نیتیم چار بیویاں بہ یک وقت رکھ سکتے ہو۔

امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی، جس کے پاس کھجور کا ایک باغ تھا، اس باغ کی لالچ میں اُسے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے شادی کر لی، نہ اس کے پاس جاتا تھا اور نہ اُسے چھوڑتا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ایک دوسری روایت ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ آیت میں مراد ایسی یتیم بچی ہے جو اپنے ولی کے پاس بیتی ہے، اور اُس کے مال میں شریک ہوتی ہے، اور خوبصورت بھی ہوتی ہے۔ اس کا ولی اس سے شادی کر لیتا چاہتا ہے لیکن مہر مثل نہیں دیتا۔ ایسے آدمی کو حکم دیا گیا ہے کہ یا تو مناسب مہر دے کر شادی کرے یا پھر دوسری لڑکیوں سے شادی کرے۔

ایک تیسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے بخاری نے روایت کی ہے کہ آیت میں مراد ایسی یتیم بچی ہے

جو اپنے ولی کے پاس پلتی ہے اور اس کے مال میں شریک ہوتی ہے، لیکن اس کا ولی اس سے شادی کرنا نہیں چاہتا، اور نہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی شادی کسی اور سے کر دے، اس ڈر سے کہ اس کا شوہر مال میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے فعل سے منع فرمایا ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے شادی کر لیں، اور انہیں چار بیویوں تک سے شادی کرنے کا اختیار دیا ہے، اور چار سے زیادہ بیویاں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اسی پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں، اسی پر اُمت کا اجماع ہے۔ صرف بعض شیعوں نے چار سے زیادہ کو جائز کہا ہے۔

علمائے اُمت نے چار سے زیادہ کی حرمت پر غیلان ثقفی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جن کے پاس دس بیویاں تھیں۔ جب اسلام لائے تو اللہ کے رسول نے اُن سے کہا کہ چار کے علاوہ باقی کو طلاق دے دو۔ اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے، اور علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

دوسرا واقعہ نوفل بن معاویہ کا ہے جن کے پاس اسلام لانے کے وقت پانچ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ چار کو رکھ لو اور ایک کو چھوڑ دو۔ اسے امام شافعی نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔

تیسرا واقعہ قیس بن حارث اسدی کا ہے جن کے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ چار کو رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اور علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

چوتھا واقعہ عمیر اسدی کا ہے جن کے پاس بھی آٹھ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ان میں سے چار کو بچ لو۔ اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اور علامہ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں اس کی تصحیح کی ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اُمت کا اجماع اسی پر ہے کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھنا اُمت کے کسی فرد کے لئے جائز نہیں۔ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔ البتہ قرآن کریم اور صحیح احادیث کی روشنی میں چار بیویاں رکھنے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ قرآن کریم نے تو اس کی حلت کی صراحت کر دی، بلکہ امر کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو بظاہر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن صیغہ امر کے بعد اللہ تعالیٰ نے "ماطاب" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں "امر" وجوب کے لئے نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک سے زیادہ بیوی رکھنا حلال ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا، اور آج تک ہر دور میں مسلمان اس کے قائل رہے ہیں، اور اس کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں۔

اور یہ جو قرآن نے کہا ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ ان کے درمیان تم عدل و انصاف سے کام نہ لے سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو، تو یہ ایسی شرط ہے جس کا تعلق ہر آدمی کے دل سے ہے۔ اگر شادی کرنے والا جانتا ہے کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا تو بہتر یہی ہے کہ ایک بیوی رکھے، اس کا تعلق تشریح اور قانون سازی سے نہیں ہے۔

تعداد ازواج کے بعض منکرین نے قرآن کی آیت: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ نے خود نفی کر دی ہے کہ کوئی آدمی عدل و انصاف نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے اسی آیت کا اس کے بعد کا حصہ قصداً چھوڑ دیا، اللہ نے کہا: ﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ کہ تم پورے طور پر تو انصاف نہیں کر سکتے، لیکن کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ، معلوم ہوا کہ اگر کسی ایک

وَأُولُو النِّسَاءِ صَدَقْتِهِنَّ نِعْلَهُمْ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُنَّ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ⑤

اور عورتوں کو ان کا مہر (۵) بخوشی دے دو، اگر وہ اپنی خوشی سے، اس میں سے کچھ تمہیں دے دیں تو اسے خوشی اور رغبت کے ساتھ کھا لو ﴿۳﴾

کی طرف پوری طرح جھکاؤ نہ ہو تو جائز ہوگا۔
(۳) جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اگر کوئی آدمی اپنی طرف سے بے انصافی سے ڈرے تو ایک ہی بیوی رکھے، یا پھر لونڈی سے ہی گزارا کرے، جس میں نہ عدد کی شرط ہے، اور نہ ان کے درمیان بالکل ٹھیک ٹھیک عدل و انصاف کی۔
اس کے بعد اللہ نے کہا کہ ایک پر اکتفا کرنا، یا لونڈیوں سے کام چلا لینا، اس اعتبار سے زیادہ مناسب ہے کہ تم سے بے انصافی کا ارتکاب نہ ہوگا۔

بعض دوسرے مفسرین نے (أَلَا تَعْلَمُونَ) کا معنی یہ کیا ہے ”تاکہ تمہاری اولاد زیادہ نہ ہو، اور پھر ان کے اخراجات مہیا کرنے کے لئے تیسوں کے مال پر دست درازی کرتے پھر“۔ زید بن اسلم، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی سے یہی تفسیر منقول ہے۔ عائشہ، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور حسن و غیر ہم سے پہلی تفسیر منقول ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔

بہر حال، پہلی اور دوسری دونوں ہی تفسیروں کے مطابق آیت سے اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بارے میں ڈرتا ہے کہ وہ انصاف نہ کر سکے گا تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا بہتر ہے۔ لیکن اس آیت سے یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک سے زیادہ بیوی صرف ناگزیر حالت میں ہی رکھنا چاہئے، اور بغیر ناگزیر حالت کے ایسا کرنا نامناسب اور خطرناک ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ یہ ایسی تفسیر ہے جس کی یہ آیت متحمل نہیں ہے۔ اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے کسی قول و فعل سے یہ بات مترشح نہیں ہوتی کہ صرف ناگزیر ضرورت کے پیش نظر ہی دوسری بیوی رکھنی جائز ہے۔
قرآن کریم، احادیثِ نبویہ اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی حیاتِ طیبہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ایک سے زیادہ بیوی رکھنا جائز ہے، اور اس میں کسی طرح کی کوئی دینی یا اخلاقی قباحت نہیں پائی جاتی ہے۔
(۵) آیت میں کلمہ ”نِعْلَهُ“ کا معنی عائشہ نے ”فریضہ“ کیا ہے، اور ابن زید نے ”واجب“ کیا ہے۔ یعنی شادی کے وقت عورت کا مہر مقرر کرنا واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ اُمّت کے کسی فرد کے لئے بغیر مہر کے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مہر کی تعیین کے وقت نیت بھی صحیح ہونی چاہئے کہ یہ عورت کا حق ہے جو اسے ملنا چاہئے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں کا مہر خود لے لیتے تھے اور انہیں کچھ بھی نہیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی فعلِ شیع کی تردید کی، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ شادی کے وقت عورتوں کا مہر ضرور متعین کریں، اور ان کا حق ان کو ضرور دیں۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر بیوی طیبہ نفس کے ساتھ مہر کا کچھ حصہ شوہر کو دے دے، تو اس کا استعمال جائز ہوگا۔ آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر بیوی حیا کی وجہ سے، یا شوہر کی بد اخلاقی یا برے برتاؤ کے ڈر سے ایسا کرتی ہے، اور شوہر اسے قبول کر لیتا ہے، تو یہ قرآنی تعلیم کی خلاف ورزی ہوگی۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَادْرَؤُهُمْ فِيهَا وَأَكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا

اور اپنا مال کم عقلوں (۶) کے حوالے نہ کرو، جسے اللہ نے تمہارا ذریعہ معاش (۷) بنایا ہے، اور اس میں سے ان کے کھانے اور پہننے کا انتظام کرتے رہو، اور ان سے نرم لہجہ میں بات کرتے رہو ﴿۵﴾

(۶) آیت میں "سُفَهَاءَ" سے مراد کون لوگ ہیں، اس بارے میں علماء کی تین رائیں ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ ان سے مراد کم عقل اور نابالغ ایام ہیں، ان کے اولیاء کو منع کیا گیا ہے کہ ان کا مال ان کے حوالے کر دیں، اس لئے کہ وہ اپنی نا سمجھی اور کم عقلی کی وجہ سے اُسے ضائع کر دیں گے۔

اور مال کی نسبت اولیاء کی طرف اس لئے کی گئی ہے، تاکہ انہیں احساس دلایا جائے کہ ان کے رشتہ دار یتیموں کا مال انہی کا مال ہے، اور اس کی حفاظت ان پر اپنے مال کی حفاظت کی طرح واجب ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ان سے مراد "عورتیں اور بچے" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا مال اپنی عورتوں اور بچوں کو دینے سے منع فرمایا ہے کہ آدمی اپنا مال انہیں دے کر خود ان کا محتاج بن جائے اور ان کا منہ تکتا رہے۔ اور ان کے لئے "سُفَهَاءَ" کا لفظ اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے۔ یہ اشارہ ہے اس طرف کہ وہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے مال کی حفاظت نہیں کر پائیں گے، بلکہ ضائع کر دیں گے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ ان سے مراد ہر وہ آدمی ہے جس کے پاس مال کی حفاظت کے لئے کافی عقل نہ ہو۔ اس رائے کے مطابق آیت کا حکم عورتوں، بچوں، یتیموں اور ان تمام لوگوں کو شامل ہو گا جو کم عقل اور نادان ہوں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نادانوں پر مالی معاملات کرنے کی پابندی لگانا اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ پابندی کئی اسباب سے لگتی ہے، کبھی کم سنی کی وجہ سے، کبھی جنون کی وجہ سے، کبھی کم عقلی یا بے دینی کی وجہ سے، جس کے زیر اثر آدمی مال کو ضائع کرے، اور کبھی مفلس آدمی پر پابندی لگادی جاتی ہے، تاکہ اس کا مال بچ کر اس کے قرضداروں کا قرض ادا کیا جائے۔

(۷) اس میں مال کی حفاظت کی ترغیب دلائی گئی ہے، اس لئے کہ آدمی کے دنیاوی حالات بغیر مال کے متوازن نہیں رہتے۔ زحصری نے سلف کا قول نقل کیا ہے کہ "مال مومن کا ہتھیار ہے"۔ سفیان ثوری کے پاس ایک سامان تھا، اُسے وہ لنتے پلنتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ نہ ہو تا تو بنی عباس مجھے اپنے ہاتھ کا رومال بنا لیتے۔

اس کے بعد اللہ نے نصیحت کی کہ ان یتیموں کو یا اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو کھانے اور کپڑے کا خرچ دیتے رہو، ان پر تنگی نہ کرو۔ ایک معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس مال سے تجارت کرو، اور ان نادانوں کا خرچ نفع کے مال سے دو، تاکہ اصل مال ختم نہ ہو جائے، اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو، اور انہیں کہو کہ جب تم سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تمہارا مال تمہارے حوالے کر دیں گے۔ باپ بیٹے سے کہے کہ میرا مال تمہارا ہی مال ہے، جب بڑے ہو جاؤ گے اور زندگی کا تجربہ ہو جائے گا تو تمہیں مال دیا کروں گا۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا
وَبِدَارًا أَنْ يَكْبُرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْعِفْنَاهُ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ فَإِذَا دَفَعْتُمْ
إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْ
الْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

اور یتیموں (کے سمجھ بوجھ) کو آزما تے (۸) رہو یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائیں، اگر تمہیں ان کی ہوشمندی کی طرف سے اطمینان ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو، اور فضول خرچی کر کے، اور ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی کر کے اسے نہ کھا جاؤ، اور جو مالدار ہو، وہ (یتیم کا مال کھانے سے) بچے، اور جو محتاج ہو وہ اپنی مناسب مزدوری کے مطابق کھائے، پھر جب ان کا مال ان کے سپرد کر دو تو ان پر گواہ بنا دو، اور اللہ بحیثیت حساب لینے والے کے کافی ہے ﴿۶﴾ والدین اور قریبی رشتہ دار جو مال (۹) چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا حصہ ہوتا ہے، اور والدین اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا حصہ ہوتا ہے، اور والدین اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہوتا ہے، چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اور یہ حصے (اللہ کی طرف سے) مقرر کر دیئے گئے ہیں ﴿۷﴾

(۸) اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے اولیاء کو حکم دیا ہے کہ کبھی کبھار کچھ مال دے کر عقلی اور مالی معاملات میں ان کی ذہنی صلاحیت کا امتحان لیتے رہو، اور جب بالغ ہو جائیں یعنی انہیں احتلام ہونے لگے، یا ان کی عمر پندرہ سال ہو جائے، اور تمہارے مشاہدے میں یہ بات آجائے کہ ان میں نیکی ہے، اور مالی امور میں سمجھدار اور ہوشیار ہیں، تو ان کا مال بغیر تاخیر ان کے حوالے کر دو۔ آیت کریمہ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو یتیم دینی یا مالی اعتبار سے نااہل ثابت ہوگا، مثال کے طور پر فضول خرچ ہوگا، یا ذہنی اور عقلی طور پر کمزور ہوگا، یا دینی اعتبار سے قابل اعتماد نہ ہوگا، تو اس کا مال اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ نے اولیاء کو نصیحت کی ہے کہ یتیموں کے مال میں فضول خرچی نہ کرو، اور تمہاری یہ نیت نہ ہو کہ ان کے بڑے ہونے سے پہلے ان کا مال بے جا خرچ کرو، اس ڈر سے کہ بڑا ہونے کے بعد وہ اپنا مال تم سے لے لیں گے۔ اور اگر یتیم کا ولی مالدار ہے، تو اسے اس کا مال کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ وہ مال اس کے لئے مُردے اور خون کی مانند حرام ہے۔ اور اگر غریب ہے، اور یتیم کے مال کی دیکھ بھال اور اس میں کاروبار کی وجہ سے اپنے بچوں کے لئے دوسرا کام نہیں کر سکتا، اور دیکھ بھال نہ کرنے سے یتیم کا مال ضائع ہو جائے گا، تو اپنی ضرورت اور اپنی محنت کی مناسب مزدوری لے لے۔ حافظ ابن کثیر نے فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اپنی مزدوری اور اپنی ضرورت میں سے جو کم ہوگا وہ لے گا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جب سن بلوغ کو پہنچنے اور عقل و سمجھ کا یقین ہونے کے بعد، یتیم کا مال اس کے حوالے کرو تو گواہ بناؤ، تاکہ بعد میں کوئی تمہیں متہم نہ کرے، اور کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔ اور اللہ تو سب سے بڑا گواہ اور تمہارے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے، اس لئے یتیم کا مال پوری امانت کے ساتھ اس کی طرف منتقل کر دو۔

(۹) یتیموں کے مال کا حکم بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام، اور ورثہ کے درمیان اس کی تقسیم کی کیفیت بیان کرنی شروع کی ہے۔ آیت میں عورتوں کا نام مستقل طور پر لینے سے مقصود زمانہ جاہلیت کی اس فبیح عادت کی تردید

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَلْزَمُوا فَلَاقُوا مِنْهُ وَقَوْلُوا لَهُمُ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۖ وَيَخْشَىٰ
الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَةً ضَعِيفًا لَإِذَا فَعَلُوا عَلَيْهِنَّ فَلْيَخْشَوْا اللَّهَ ۖ لِيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝

اور اگر تقسیم میراث کے وقت رشتہ دار، ایام اور مساکین موجود ہوں^(۱۰) تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دو، اور ان سے نرمی سے بات کرو ﴿۸﴾ اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اگر اپنے بعد (انہی یتیموں کی طرح) اپنی کمزور اولاد^(۱۱) کو چھوڑ جاتے تو ان کے ضائع ہو جانے کا انہیں کیسا خوف لاحق ہوتا، پس وہ اللہ سے ڈریں اور درست بات کہیں ﴿۹﴾

ہے، کہ لوگ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے تھے، اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حصوں میں فرق ہے۔ اور لفظ ”قربت“ سے وراثت کی علت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اور (نَصِيبًا مَّفْرُوضًا) کا مطلب یہ کہ اللہ کے یہ احکام واجب ہیں، اور حصوں میں تفاوت کے باوجود اصل وراثت میں تمام لوگ برابر ہیں۔
(۱۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وراثت سے متعلق ایک ضمنی حکم بیان کیا ہے، کہ جب وراثت کا مال تقسیم ہو رہا ہو، اور وہاں ایسے رشتہ دار جو وراثت کے حقدار نہ ہوں اور یتیم اور غریب لوگ آجائیں تو مال تقسیم کرنے سے پہلے بطور صدقہ اور ان کا دل رکھنے کے لئے انہیں کچھ مال دے دینا چاہئے۔

اس آیت کے بارے میں دو رائے ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ یہ محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے۔ اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کی بھی یہی رائے ہے کہ ورثہ پر یہ حکم واجب ہے، لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔
دوسری رائے یہ ہے کہ اس آیت کا حکم احکام وراثت کے ذریعہ منسوخ ہو چکا ہے، عکرمہ، ابوالشعثاء اور قاسم بن محمد کی یہی رائے ہے، اور ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ البتہ مال میں وصیت کا حکم غیر وارثوں کے لئے باقی ہے۔ صاحب مال اپنی زندگی میں ایک تہائی مال میں بذریعہ وصیت تصرف کر سکتا ہے، جیسا کہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک تہائی مال میں بطور وصیت تصرف کرنے کا حق دیا تھا۔

بعض لوگوں نے پہلی رائے کو ترجیح دیا ہے، اور کہا ہے کہ آیت کو منسوخ ماننے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ مال کی تقسیم کے وقت اگر کچھ رشتہ دار موجود ہوں اور وہ محتاج بھی ہوں، تو صلہ رحمی کا جذبہ رکھنے والے ورثہ بھی مناسب سمجھیں گے کہ انہیں بھی کچھ دے دیا جائے، تاکہ جہاں ان کے کسی رشتہ دار کا مال تقسیم ہو رہا ہے وہاں سے وہ محروم نہ واپس جائیں۔ اور خاص طور سے وہ یتیم بچے جن کے باپ کا انتقال دادا کے ہوتے ہوئے ہو گیا ہو اور وراثت سے محروم ہو گئے ہوں، اور پھر ان کے دادا کے انتقال کے بعد وراثت تقسیم ہو رہی ہو، اور ان کے چچا اور پھوپھیاں وراثت کا مال پا کر خوش ہو رہی ہوں، اور یہ بچے ان کا منہ تک رہے ہوں اور ان کے حصہ میں کچھ نہ آرہا ہو، صرف اس لئے کہ ان کے والد کا انتقال دادا سے پہلے ہو چکا ہے، تو ان کی محرومی کا کیا عالم ہوگا، ایسے بچوں کے حق میں تو یہ آیت آب حیات کے مترادف ہے۔ اور خاص طور پر اگر دادا کی جائیداد بڑی ہو، اور ورثہ ان یتیموں کے حال پر رحم کریں تو ان کے حصہ میں بھی اچھی خاصی جائیداد آسکتی ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ غُلْمًا تِلْمًا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۗ يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمٰثِلْ حِظَّ الْأُنثٰثِيْنَ ؕ فَإِن لَّكَ نِسَاءٌ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَكُلْهُنَّ كُلًّا مَّا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلَا جُورَ لِيَكُلَّ وَاحِدًا مِّنْهُمَا الشُّرُوسَ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةُ أَبَوَاهُ فَلِأَخِيهِ الثُّلُثُ ۚ وَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأَخِيهِ الشُّرُوسُ مِمَّا بَعْدَ وَصِيَّتِهِ يُؤْتِي بِهَا أَوْلَادُهُنَّ أَبَاؤُهُنَّ وَأَبْنَاؤُهُنَّ لَآ تَدْرُونَ إِلَيْهِنَّ أَقْرَبَ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں (۱۲) وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں، اور عنقریب بھڑکتی آگ کا مزا چکھیں گے ﴿اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم (۱۳) دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی ملے گا، اور اگر ایک لڑکی ہوگی تو اسے آدھا ملے گا، اور اگر اس کا کوئی لڑکا ہے، تو اس کے باپ ماں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر اس کا کوئی لڑکا نہیں ہے اور اس کے وارث اس کے باپ ماں ہیں، تو اس کی ماں کو تہائی حصہ ملے گا، اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (وراثت کی یہ تقسیم) میت کی وصیت (۱۴) کی مستفید، یا اگر اس پر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ہوگی، تم نہیں جانتے کہ تمہارے آباء اور تمہارے لڑکوں (۱۵) میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع بخش ہیں (اس لئے) اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصوں کو نافذ کرو، بے شک اللہ بڑا علم والا اور عظیم حکمتوں والا ہے ﴿۱۱﴾ اور ان کی غربت دور ہو سکتی ہے۔

(۱۱) علمائے تفسیر نے اس آیت کی کئی توجیہات بیان کی ہیں :

پہلی توجیہ یہ ہے کہ اس میں یتیموں کے اوصیاء کو کہا گیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں جیسا وہ چاہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بچوں کے ساتھ لوگ کریں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حکم مریض کی عیادت کرنے والوں کے لئے ہے، کہ اگر مریض اپنے مال میں بے جا تصرف کی وجہ سے اپنی اولاد کو نقصان پہنچا رہا ہو تو اسے روکیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حکم ورثہ کے لئے ہے، کہ تقسیم وراثت کے وقت جو کمزور رشتہ دار، ایام و مساکین موجود ہوں تو ان کا خیال کریں، یہ سوچ کر کہ اگر ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بچے ہوتے تو کیا وہ چاہتے کہ کوئی انہیں صدقہ و احسان سے محروم کر دے۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ وصیت کرنے والا ورثہ کا خیال رکھے اور وصیت میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ جیسا کہ حدیث سعد بن وقاص میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک ثلث سے زیادہ مال کی وصیت کی اجازت نہیں دی۔

ابن جریر، ابن کثیر اور رازی وغیرہم نے پہلی توجیہ کو ترجیح دی ہے، اور کہا ہے کہ سیاق و سباق کی آیتیں اسی رائے کی تائید کرتی ہیں۔

(۱۲) اس میں یتیموں کے مال کی حفاظت کی مزید تاکید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ وارث یا ولی یا حاکم کوئی بھی اگر یتیموں کا

مال ناجائز طور پر کھاتا ہے، وہ گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے، اور قیامت کے دن اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ابو داؤد، نسائی اور حاکم وغیرہم نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو جن کے پاس ایام تھے، انہوں نے ڈر کے مارے ان کا کھانا پینا لگ کر دیا، اور جو کھانا بچ جاتا، یا تو اسے یتیم کھاتا، یا خراب ہو جاتا۔ یہ چیز اُن پر بڑی شاق گذری، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو سورہ بقرہ کی آیت (۲۲۰) ﴿وَيَسْتَأْذِنُكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَارْحَمُوا أَعْيُنَكُمْ﴾ الایۃ نازل ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر نیت اصلاح کی ہو تو یتیموں کے کھانے کے ساتھ کھانا ملانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۳) یہاں سے احکام میراث کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت اور اس سورت کی آخری آیت ان سے اور ان کی تفسیر کے طور پر جو حدیثیں آئی ہیں اُن سے علم فرائض مستنبط ہے۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کی میراث کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، یعنی اگر کوئی شخص ایک لڑکا ایک لڑکی اور تین دینار چھوڑ کر مرتا ہے تو لڑکے کو دو دینار اور لڑکی کو ایک دینار ملے گا۔ اور اگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں اور کوئی لڑکا نہ ہو، تو لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا، اور باقی مال عصبہ میں تقسیم ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آخری آیت میں دو بہنوں کا حصہ دو تہائی مال بتایا ہے، تو دو لڑکیاں بدرجہ اولیٰ دو تہائی کی حقدار ہوں گی۔ اور امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ربیع کی دو لڑکیوں کے لئے دو تہائی مال کا فیصلہ کیا، اور ان دونوں کی ماں کے لئے آٹھویں حصہ کا، اور جو بچ گیا وہ عصبہ کو دے دیا۔

اگر لڑکی ایک ہوگی تو آدھا مال لے گی، اور باقی عصبہ کو ملے گا۔ اولاد کے ساتھ باپ اور ماں بھی ہوں، تو باپ کو چھٹا حصہ اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اور باپ کو دوسرا چھٹا حصہ عاصب ہونے کی حیثیت سے ملے گا۔ اگر ورثہ میں صرف باپ اور ماں ہوں، تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا، اور باقی مال باپ کو ملے گا۔ اور اگر باپ اور ماں کے ساتھ، شوہر یا بیوی ہو، تو شوہر آدھا مال لے گا، اور بیوی کو چوتھائی، اور ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا، جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ماں کو پورے مال کا تیسرا حصہ ملے گا، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بیوی ہے تو اسے چوتھا حصہ ملے گا، اور ماں کو پورے مال کا تیسرا حصہ۔ اور اگر شوہر ہے تو شوہر کو پورے مال کا آدھا، اور ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ لیکن راجح پہلا قول ہے۔

باپ اور ماں کی تیسری حالت یہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ بھائی بھی ہوں، چاہے سگے، یا باپ کی طرف سے، یا ماں کی طرف سے، تو بھائیوں کو باپ کے ساتھ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن ایسی حالت میں ماں کو تہائی مال کے بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر باپ اور ماں کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہوگا تو باقی مال باپ کو ملے گا۔ جمہور کے نزدیک دو یا دو سے زیادہ بھائیوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اور اگر بھائی صرف ایک ہے، تو ماں کو تہائی مال ملے گا۔

اہل علم کا خیال ہے کہ بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو صرف چھٹا حصہ اس لئے ملتا ہے کہ ان کا باپ ہی ان کی شادی اور دیگر اخراجات کا متحمل ہوتا ہے، اس لئے ماں کے چھٹے حصہ کے بعد باقی مال باپ کو مل جائے گا، تاکہ ان بھائیوں کی پرورش و پروا ختم ہو کر رہے۔

(۱۴) تمام علمائے اُمت کا اجماع ہے کہ قرض کی ادائیگی وصیت کی تنفیذ پر مقدم ہے۔ اور آیت میں وصیت کو اس لئے مقدم رکھا

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ وَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَكَانَ أَخَاهُ أَوْ أُخْتًا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدْهُنَّ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

اور تمہاری بیویوں (۱۶) کے ترکہ کا تمہیں آدھا حصہ ملے گا، اگر ان کا کوئی لڑکا نہیں ہوگا، اگر ان کا کوئی لڑکا ہوگا، تو تمہیں ان کے ترکے کا چوتھا حصہ ملے گا (وراثت کی یہ تقسیم) ان کی وصیتوں کی تنفیذ، یا اگر ان پر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ہوگی، اور تمہارے ترکہ کا بیویوں کو چوتھا حصہ ملے گا، اگر تمہارا کوئی لڑکا نہیں ہوگا، اگر تمہارا کوئی لڑکا ہوگا، تو انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا (وراثت کی یہ تقسیم) تمہاری وصیتوں کی تنفیذ، یا اگر تم پر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ہوگی، اور اگر میت ایسا آدمی (۱۷) ہو جس کے وارث کلالہ (۱۸) ہوں (یعنی جس کے باپ اور بیٹا بیٹی نہ ہوں) یا کوئی ایسی عورت ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو، تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں، تو وہ سب ایک تہائی مال میں شریک ہوں گے (۱۹) (وراثت کی یہ تقسیم) وصیت کی تنفیذ، یا اگر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ہوگی، درانحالیکہ (اس وصیت یا اس قرض کے اعتراف سے) کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو (۲۰) اللہ کے اس حکم کو نافذ کرو، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۲﴾

گیا ہے، تاکہ لوگ اس کی تنفیذ میں سستی نہ کریں۔ اور یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تنفیذ کے بعد ہی وراثت کی تقسیم ہوگی۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ سعد بن الأطلول سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ان کا بھائی تین سو درہم چھوڑ کر مرا، انہوں نے اُسے ان کے بال بچوں پر خرچ کرنا چاہا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی قرض میں گھرا ہوا ہے، اس لئے پہلے اس کا قرض ادا کرو۔

(۱۵) میراث کے یہ حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں، اور وہی حکمتوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے، تم نہیں جانتے کہ ورثہ میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ اگر وراثت کی تقسیم تمہارے اوپر چھوڑ دی جاتی تو تم بغیر حکمت جاننے اس کی تقسیم کرتے، جو تمہارے لئے اور ورثہ کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوتا۔

(۱۶) اللہ نے شوہروں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تمہاری بیویاں مال چھوڑ کر مریں اور ان کی کوئی اولاد نہ ہو، تو تمہیں آدھا مال ملے گا، اور اگر ان کی کوئی اولاد ہوگی تو تمہیں چوتھا حصہ ملے گا، لیکن وراثت کی یہ تقسیم قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تنفیذ کے بعد ہی ہوگی۔

اور اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، تو تمہارے ترکہ کا تمہاری بیویوں کو چوتھا حصہ ملے گا، اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہوگی، تو انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا، اور یہ ترکہ انہیں قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تنفیذ کے بعد ہی ملے گا۔ (۱۷) اگر کوئی ایسا مرد یا عورت مر جائے، جس کا نہ باپ ہو نہ دادا اور نہ کوئی لڑکا، نہ پوتا نہ پرپوتہ، نہ کوئی لڑکی، نہ پوتی نہ پرپوتی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْبُدُوهُ وَارْتَضُوا اللَّهَ رَبًّا وَرَبِّكُمْ فَاعْبُدُوهُ إِنَّ اللَّهَ يَبْصُرُ عَمَلَكُمْ
الْعَظِيمِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ ذَا ذِكْرٍ يَرْزُقْهُ مِنْ غَيْرِ حِسَابٍ وَرَبِّهِ كَرِيمٌ ﴿٢١﴾

یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں (۲۱) ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، تو وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی ﴿۱۳﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اور اس کی (مقرر کردہ) حدود کو تجاوز کرے گا، اُسے اللہ آگ میں داخل کرے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا ﴿۱۴﴾

اور ماں کی طرف سے اس کا کوئی بھائی یا بہن ہو، تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں گے تو سب تہائی مال میں شریک ہوں گے۔ اور یہ ترکہ انہیں قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تصفیہ کے بعد ہی ملے گا۔ قرآن کی اصطلاح میں (کالہ) اُس آدمی کو کہتے ہیں، جس کی نہ کوئی اولاد ہو اور نہ باپ۔ ابو بکر، عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ اور جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی قول ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ماں کی جانب سے بھائی، بہن، باقی ورثہ سے تین باتوں میں مختلف ہوتے ہیں:

۱- جس کے ذریعہ میت سے ان کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اس کے ساتھ (یعنی ماں کے ساتھ) وراثت کے حقدار بن جاتے ہیں۔
۲- ان کے مرد اور عورت وراثت میں برابر ہوتے ہیں۔

۳- یہ لوگ اسی حالت میں وارث بنتے ہیں جب کہ میت کی اولاد یا باپ یا دادا نہ ہو۔

(۱۸) لفظ "کالہ" اس پر دلالت کرتا ہے کہ میت کی شائخص (یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پر پوتا، اور پر پوتی وغیرہ) اور اُس کے مذکور اصول (یعنی باپ، دادا اور پردادا وغیرہ) ماں کی اولاد کو ساقط کر دیتے ہیں۔

(۱۹) آیت کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی عورت، شوہر، ماں، سگے بھائی، اور ماں کی طرف سے بھائی چھوڑ کر مرے، تو شوہر کو آدھا، ماں کو چھٹا حصہ، اور ماں کی طرف سے بھائیوں کو تہائی ملے گا، اور سگے بھائی ساقط ہو جائیں گے، اس لئے کہ اللہ نے تہائی حصہ انہی کے لئے بتایا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ماں کی طرف سے بھائیوں کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، جبکہ سگے بھائی عصبہ ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن کے حصے اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں پہلے انہیں دو، اس کے بعد جو بچ جائے، وہ سب سے قریبی مرد رشتہ دار کو دے دو۔

(۲۰) "غیر مضار" یعنی صاحب مال وصیت کرتے وقت عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے، ایسا نہ ہو کہ کسی وارث کو محروم کر دے، یا کم دے، یا اپنی طرف سے کسی کا حصہ بڑھادے۔ نسائی اور ابن جریر وغیرہ نے ابن عباس سے موقوفہ روایت کی ہے کہ وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو نقصان پہنچانے کی نیت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے۔ اسی لئے اگر کوئی آدمی مرنے سے قبل کسی وارث کے لئے کسی حق کا اعتراف کرے، یا اپنے ذمہ کسی کے قرض کا اعتراف کرے، تو راجح قول یہی ہے کہ اس کا اعتراف قابل قبول نہیں ہوگا۔ اور اگر واقعی اس نے اس اعتراف کے ذریعہ بعض ورثہ کو نقصان پہنچانا چاہا ہے تو یہ بالاجماع حرام ہوگا۔

(۲۱) آیات (۱۳/۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ میراث کے احکام اللہ کے فرض کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان سے تجاوز

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْعَاجِزَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْكُمْ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَقَّعَنَّ الْمَوْتَ أَوْ يُجْعَلَ اللَّهُ لهنَّ سَبِيلًا ۗ وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّامِكُمْ فَاذُوهُمَا ۚ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

اور تمہاری عورتوں میں سے جو زنا (۲۲) کا ارتکاب کریں، تو ان پر چار مرد گواہ لاؤ، اگر وہ گواہی دیں تو انہیں گھروں میں بند کر دو، یہاں تک کہ ان کی موت آجائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور سبیل نکال دے ﴿۱۵﴾ اور تم میں سے جو دو افراد ایسا کریں (۲۳) تو انہیں ایذا دو، پس اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں، تو ان سے اعراض کر لو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے ﴿۱۶﴾

کرنا جرم ہے۔ اور جو شخص وراثت کی تقسیم اور دیگر امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہاں نہ انہیں موت لاحق ہوگی، اور نہ ہی وہاں سے نکالے جائیں گے۔ اور جو اللہ کے ان حدود کو تجاوز کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۲۲) وراثت کے احکام بیان کرنے کے بعد یہاں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے متعلق بعض دوسرے احکام بیان کئے ہیں۔ سنی، قتادہ اور ابن جریر وغیرہم نے کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں ایسی شادی شدہ عورت کے بارے میں جس سے زنا کا ارتکاب ہو جاتا اور چار مرد گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتا، تو حکم یہ تھا کہ اسے گھر میں بند کر دیا جاتا اور نکلنے نہ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی۔ اور علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ زانی مردوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوتا تھا، اس کے بعد غیر شادی شدہ کو کوڑے لگانے اور شادی شدہ کو رجم کئے جانے کے حکم کے ذریعہ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ امام احمد، مسلم اور اصحاب سنن نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جب وحی آتی تو آپ پر اس کا اثر ہوتا تھا، آپ مارے دباؤ کے تھک جاتے اور آپ کے چہرہ پر اس کے آثار ظاہر ہوتے۔ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی، اور جب آپ کو سکون ہو گیا تو فرمایا: مجھ سے یہ حکم لے لو، زانیہ عورتوں کے لئے اللہ نے راستہ نکال دیا ہے، اگر زنا کا مرتکب مرد یا عورت شادی شدہ ہے تو سو کوڑے اور رجم کرنا ہے، اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا ہے۔ امام احمد کا قول اسی حدیث کے مطابق ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک شادی شدہ زانی کو صرف رجم کیا جائے گا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے معز اسلمی، غامدہ عورت، اور دو یہودیوں کو صرف رجم کیا تھا، انہیں کوڑے نہیں لگائے تھے۔

(۲۳) ابتدائے اسلام میں اگر زنا کے مرتکب (مرد اور عورت) غیر شادی شدہ ہوتے، تو ان کے بارے میں یہ حکم تھا کہ انہیں برا بھلا کہا جاتا، عار دلایا جاتا اور کچھ زد و کوب بھی کیا جاتا، تاکہ اپنے کئے پر نادم ہوں، اور جب توبہ کر لیتے اور اپنی اصلاح کر لیتے، تو خاموشی اختیار کرنی جاتی اور زد و کوب بند کر دیا جاتا۔ اس لئے کہ گناہ سے تائب اس آدمی کی مانند ہو جاتا ہے، جس نے گناہ نہ کیا ہو، جب سورہ نور کی آیت (۲) ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾ کے زانی اور زانیہ کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو، نازل ہوئی تو یہ حکم بھی گزشتہ حکم کی طرح منسوخ ہو گیا، اور جمہور کے نزدیک ان کے حق میں صرف کوڑے لگانے کا حکم باقی رہ گیا۔

گزشتہ دونوں آیتوں میں بیان کردہ حکم کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی آیت میں صرف عورتیں مراد ہیں،

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشُّرُوءَ بِمَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَكَسَبَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشَّيْئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اللَّهَ وَلَا الَّذِينَ يُمُوتُونَ وَهُمْ لَفَاءٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اللہ کے نزدیک صرف ان لوگوں کی توبہ قبول (۲۳) ہوتی ہے جو نادانی میں گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، تو اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۷﴾ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب (ان میں سے کسی کی) موت سامنے ہوتی ہے، تو کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کر لی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۸﴾

چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، یعنی انہیں حصّہ دوام کی سزا دی جاتی، اور دوسری آیت میں صرف مرد مراد ہیں، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کہ انہیں زد و کوب کیا جاتا اور ایذا پہنچائی جاتی۔ ابن نحاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور قرطبی نے مجاہد وغیرہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ حصّہ دوام صرف عورت کے ساتھ خاص تھا، اس لئے پہلی آیت میں صرف عورت کا ذکر آیا، اور ایذا پہنچانے کا حکم دونوں کے بارے میں تھا، اس لئے دوسری آیت میں دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ لیکن تینوں آراء کے مطابق بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور شادی شدہ مرد و عورت کے حق میں رجم کا حکم، اور غیر شادی شدہ کے حق میں کوڑے لگانے کا حکم باقی رہ گیا۔

مجاہد نے کہا ہے کہ دوسری آیت ایسے دو مردوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو آپس میں لواطت کریں۔ اصحاب سنن نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ عمل لوط کے فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

(۲۳) آیات (۱۸/۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ بندہ کی توبہ کب قبول ہوتی ہے؟ اور کب رد کر دی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی نادانی اور بے وقوفی میں کسی گناہ کا ارتکاب کر لے، اور پھر جلد ہی اس پر نادم ہو اور اللہ کے حضور توبہ کر لے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے۔ لیکن جو آدمی گناہ پر گناہ کرتا رہتا ہے اور اپنے گناہوں پر کبھی نادم نہیں ہوتا اور جب اس کی آنکھوں کو موت نظر آنے لگتی ہے اور زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے، تو کہتا ہے کہ اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں، تو ایسی توبہ کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرعون نے اپنی آنکھوں سے موت کو دیکھ لیا اور کہا کہ میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے جواب دیا کہ اب تک تو تم نافرمانی کرتے رہے ہو اور زمین میں فساد پھیلاتے رہے ہو، اور اب جب موت نے آدبو چاہے تو ایمان کا اعلان کرتے ہو، اب تمہاری توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

امام احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ حلق میں آخری سانس اٹکنے سے پہلے تک قبول کرتا ہے۔

ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر توبہ کرنے والا ابھی اپنی زندگی کی اُمید رکھتا ہے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی،

يَأْتِيَهُمُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَيْتِ لَكُمْ أَنْ تَرْتُوا النَّسَاءَ كَرَاهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ إِتْدَهُنَّ بَعْضُ مَا آتَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَايِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿٢٣٨﴾

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث (۲۳۵) بن جاؤ، اور انہیں اس لئے نہ روک (۲۳۶) رکھو، تاکہ تم نے انہیں جو دیا تھا اُس میں سے کچھ تمہیں واپس مل جائے، اِلا یہ کہ وہ کھلی بُرائی کا ارتکاب کریں، اور ان کے ساتھ معاشرت اور بود و باش (۲۳۷) میں اچھا برتاؤ کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں، تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناپسند ہو، اور اللہ نے اُس میں تمہارے لئے بہت سی بھلائیاں رکھی ہوں ﴿۱۹﴾

لیکن روح جب خلق میں آکر انگ جائے اور فرشتے کو اپنی آنکھوں کے سامنے پائے اور سانس کا زیروم بگڑ جائے، تو اس وقت کی توبہ اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حالت کفر و شرک میں مر جاتا ہے، تو ایسے آدمی کی توبہ اور ندامت بھی کسی کام کی نہیں۔

امام احمد اور حاکم نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے یا اُسے معاف کر دیتا ہے، جب تک ”حجاب“ نہ واقع ہو جائے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ ”حجاب“ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حالت شرک میں ہی جان نکل رہی ہو۔

(۲۳۵) زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں کے ساتھ جو ظلم و زیادتی کیا کرتے تھے اسی کی اس آیت میں تردید آئی ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ (زمانہ جاہلیت میں) جب کوئی آدمی مر جاتا تھا، تو اس کے ورثہ اس کی بیوی کے زیادہ حقدار سمجھے جاتے تھے، یا تو ان میں سے کوئی اس سے شادی کر لیتا تھا، یا کسی دوسری جگہ اس کی شادی کر دیتے تھے، اور چاہتے تو اس کی شادی نہیں کرتے، اور اس کے شوہر کے ورثہ اس کے خاندان والوں سے زیادہ اس کے حقدار ہوتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۳۶) یہاں خطاب شوہر سے ہے اور عورتوں سے متعلق ایک دوسرا حکم بیان کیا جا رہا ہے، کہ ایک آدمی کسی وجہ سے اپنی بیوی سے نفرت کرنے لگے، اور اس کے ذمہ اس کا مہر باقی ہو، تو اُسے تنگ کرنے لگے اور نقصان پہنچانے لگے تاکہ بیوی مہر کی پوری رقم یا اس کا کچھ حصہ چھوڑ دے، اور اس کے بدلے میں اس سے طلاق لے لے۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لئے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ہاں، اگر عورت زنا کا ارتکاب کرتی ہے یا حکم کھلا نافرمانی یا بدزبانی پر عمل جاتی ہے، تو شوہر کے لئے یہ جائز ہے کہ جو مہر اس نے دیا تھا وہ لوٹالے، اور اگر بیوی دینے سے انکار کرے تو اسے مجبور کرے۔

(۲۳۷) اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ قول و فعل کے ذریعہ اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ بسا اوقات بُرا برتاؤ تعلقات میں کشیدگی، غیروں سے تعلقات، نافرمانی اور بد اخلاق کا سبب ہوتا ہے۔

حافظ سیوطی نے (الإکلیل) میں لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ دلائل کرتی ہے کہ بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا واجب ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ اس کا پورا مہر ادا کرے، اخراجات اور باری کی تقسیم میں انصاف کرے، اس کے ساتھ نرم گفتگو کرے، اور بے سبب نہ اسے مارے اور نہ سختی کا برتاؤ کرے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر بالفرض تمہیں بیوی سے نفرت ہوگئی ہے، تو صبر اور برداشت سے کام لینا چاہئے، اس

وَاِنْ اَرَدْتُمْ اِسْتِئْذَانَ زَوْجِكُمْ لِمَا كَانَ مِنْكُمْ فَاذْنُوهُمْ وَيَا اَيُّهَا الْمَرْءُ مَا كَانَ لَكَ عَلَيْهَا مِنْ مَحَرِّ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ لَمَّا تَزَوَّجْتَهُمْ فَاِنْ اَرَدْتُمْ اِسْتِئْذَانَ زَوْجِكُمْ لِمَا كَانَ مِنْكُمْ فَاذْنُوهُمْ وَيَا اَيُّهَا الْمَرْءُ مَا كَانَ لَكَ عَلَيْهَا مِنْ مَحَرِّ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ لَمَّا تَزَوَّجْتَهُمْ

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی (۲۸) کرنا چاہو، اور ان میں سے ایک کو مال کثیر دیا تھا، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم (وہ مال) اس پر بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کر کے لینا چاہتے ہو ﴿۲۰﴾ اور وہ مال تم کیسے لو گے، حالانکہ تم دونوں آپس میں (گوشہ تہائی میں) مل چکے ہو، اور انہوں نے تم سے بہت ہی سخت عہد و پیمان لے رکھا ہے ﴿۲۱﴾

لئے کہ آدمی بسا اوقات کسی چیز کو نہیں چاہتا، حالانکہ اس میں اس کے لئے کوئی خیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ اسے اس کے بطن سے نیک اولاد عطا فرمائے، اور صبر کرنے اور اس پر خرچ کرنے کے بدلے آخرت میں اچھا بدلہ دے۔
مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی ایک خصلت اسے بُری لگے گی تو دوسری کوئی خصلت اچھی لگے گی۔
اسلام میں بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی بڑی ہی تاکید آئی ہے۔ ایک تو یہی آیت ہے جس کا ابھی آپ مطالعہ کر رہے ہیں۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہتر ہے، اور میں اپنی بیویوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔ اس حدیث کو الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی اور حاکم وغیرہم نے روایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ غایت درجہ اچھا تھا، ہمیشہ ان کے ساتھ ہنستہ چہرہ کے ساتھ بات کرتے، ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے، اور اُمّ المؤمنین عائشہ کے ساتھ دوڑ لگاتے تھے، ہر رات ان سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے، اور سونے سے پہلے اپنی بیوی کے ساتھ تھوڑی دیر تک بات کرتے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کی مبارک ذات ان کی اُمت کے افراد کے لئے نمونہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو بھی اپنی بیویوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔

(۲۸) آیات (۲۰) (۲۱) میں اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو صرف اس لئے طلاق دینا چاہتا ہے تاکہ کسی دوسری عورت سے شادی کرے، تو اس کے لئے یہ کسی طرح بھی حلال نہیں ہے کہ اس نے جو مہر دیا ہے، اس میں سے کچھ واپس لینے کے لئے ایسے حالات پیدا کرے، کہ بیوی مجبور ہو کر طلاق لینے کے لئے مہر کا کچھ پیسہ واپس کر دے۔ اللہ نے اسے کھلا ظلم اور بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ مہر واپس لینے کو تم کیسے حلال سمجھتے ہو، حالانکہ تم نے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہے، اور وہ عقد زواج کے ذریعہ تمہاری زوجیت میں آئی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے یہ شرعی فائدہ مستنبط ہے کہ مہر میں بڑی رقم دینا جائز ہے، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ”اگر تم نے اپنی بیوی کو مال کثیر بطور مہر دیا، تو اس میں سے کچھ بھی کسی طرح واپس نہ لو“۔ اگرچہ مہر کم رکھنا ہی بہتر ہے۔

ابوداؤد اور حاکم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا مہر آسان مہر ہوتا ہے۔ اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ایک صحابی سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کتنے مہر کے بدلے میں

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ كَانَ فَاحْشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۗ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
وَبَنَاتُكُمْ وَأَخْوَالُكُمْ وَعَخْلَكُمُ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّيْثِ وَأُمَّهُنَّ اللَّيْثِ
وَأَخْوَالُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَأُمَّهَاتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعِ وَأُمَّهُتُمْ نِسَائِكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
الَّذِينَ فِي جُحُومِكُمْ مِمَّنْ نَسِيتُمْ فِي الْأَرْحَامِ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اور جو عورتیں تمہارے باپوں کی منکوحہ تھیں ان سے نکاح (۲۹) نہ کرو، الّا یہ کہ جو گذر چکا، یہ بدکاری ہے اور غضب کا موجب اور بدترین شیوہ ہے ﴿۲۲﴾ تم پر حرام کر دی گئی ہیں (۳۰) تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور بھائی کی بیٹیاں، اور بہن کی بیٹیاں، اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری رضاعی بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری گود میں پروردہ تمہاری ان بیویوں کی لڑکیاں جن کے ساتھ تم نے ہمبستری کی ہو۔ اگر تم نے ان کے ساتھ ہمبستری نہیں کی تھی تو (ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں) تمہارے لئے کوئی حرج نہیں، اور تمہارے اپنے بیٹوں کی بیویاں، اور دو بہنوں کو جمع کرنا، الّا یہ کہ جو (عہد جاہلیت میں) گذر چکا، بے شک اللہ مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۲﴾

شادی کی ہے؟ اس نے کہا: چار اوقیہ۔ تو آپ نے اُسے زیادہ سمجھا۔

(۲۹) یہاں سے اللہ تعالیٰ نے شادی کے محرمات کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ سب سے پہلے باپ کی منکوحہ کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم اس سے شادی نہ کرو، اور جس کسی نے زمانہ جاہلیت میں ایسا کیا اور اسلام لانے کے بعد فوراً اس سے باز آ گیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ باپ کی منکوحہ سے شادی کرنا بدترین خصلت ہے، اس لئے کہ یہ ماں سے شادی کرنے کی مانند ہے، اور یہ حرکت اللہ اور اس کے مروت والے بندوں کے نزدیک بہت ہی مبغوض، اور بہت ہی بُرا چلن ہے، اس لئے کہ یہ باپ کی عزت سے کھلوڑ ہے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایسی حرکت کرنے والا، اسلام سے مرتد مانا جائے گا، اس لئے اسے قتل کر دیا جائے گا، اور اس کا مال بیت المال میں دے دیا جائے گا۔

امام احمد نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا حارث بن عمرو کو ایک ایسے آدمی کو قتل کر دینے اور اس کے مال پر قبضہ کر لینے کے لئے بھیجا، جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔ (۳۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نسبی، رضاعی اور سرالی محرمات کو بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے نسبی محرمات کو ذکر کیا جو مندرجہ ذیل ہیں:

مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی، اور عورت اور اس کی خالہ کو نکاح کے ذریعہ جمع کرنا حلال نہیں ہے۔ اس کے بعد رضاعی محرمات کا ذکر ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

رضاعی مائیں، رضاعی نانیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی خالائیں، رضاعی باپ کی بیٹیاں، رضاعی باپ کی بہنیں، اور رضاعی باپ کی مائیں۔ قرآن کریم میں اگرچہ صراحتاً صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر آیا ہے، لیکن آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نسب کے ذریعہ محرمات کی تمام ہی صورتیں رضاعت کے ذریعہ بھی ثابت ہیں۔ اور اس کی تائید نبی کریم ﷺ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ رضاعت کے ذریعہ وہ تمام حرماتیں ثابت ہوتی ہیں جو نسب کے ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔ (متفق علیہ)۔

مدتِ رضاعت اور مقدارِ رضاعت پر سیر حاصل بحث سورہ بقرہ آیت (۲۳۳) کی تفسیر کے ضمن میں آچکی ہے، اسے دوبارہ پڑھ لینا مناسب ہوگا۔

اس کے بعد سسرالی محرمات کا ذکر آیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

بیویوں کی مائیں (بیویوں کے ساتھ صرف عقد کرنے سے ہی ان کی مائیں حرام ہو جاتی ہیں) اور بیویوں کے پہلے شوہر کی لڑکیاں، جن بیویوں کے ساتھ ان کے شوہر ہمبستری کر چکے ہوں (اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جماع سے پہلے ہی طلاق دے دے یا مر جائے، تو اس کے پہلے شوہر کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے) بیٹوں کی بیویاں (رضاعی بیٹوں کی بیویوں کا بھی یہی حکم ہے) اور دو بہنوں کو بذریعہ نکاح اکٹھا کرنا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے زمانہ جاہلیت میں دو بہنوں کو بذریعہ نکاح اپنے پاس جمع کیا تھا اور اب اس سے باز آگیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔



وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا
بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصَنِينَ غَيْرَ مَسْفُوحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَاجْتَنَاهُ عَلَيْكُمْ
فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۴﴾

اور (تم پر حرام کر دی گئیں) شوہر والی (۳۱) عورتیں، مگر وہ عورتیں جو (جنگ کے بعد) تمہاری ملکیت میں آگئی
ہوں، اللہ نے تم پر ان احکام کو فرض کر دیا، اور تمہارے لئے ان کے علاوہ (۳۲) عورتوں سے مہر (۳۳) دے کر
شادی کرنا حلال کر دیا گیا ہے، بشرطیکہ نیت نکاح کی ہو، زنا کی نہیں، پس ان سے جب (بجیثیت بیوی) تم فائدہ
اٹھاؤ، تو انہیں ان کا مقرر شدہ مہر دو (۳۴) اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد، اگر تم (دونوں میاں بیوی) آپس میں
کسی مبلغ کے گھٹانے بڑھانے پر اتفاق (۳۵) کر لیتے ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے، بے شک اللہ بڑا علم والا، بڑی
حکمتوں والا ہے ﴿۲۴﴾

(۳۱) جو اجنبی عورتیں شادی شدہ ہوں گی، ان سے شادی حرام ہوگی، جب تک کہ ان کے پہلے شوہر طلاق نہ دے دیں یا وہ
مر نہ جائیں، اور وہ عورتیں طلاق یا وفات کی عدت نہ گذار لیں، چاہے وہ عورتیں آزاد ہوں یا لونڈی اور چاہے مسلمان ہوں یا
کتابیہ، تاکہ دو مردوں کا نطفہ مل کر بچے کا نسب ضائع نہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ شادی شدہ اجنبی عورتیں جہاد فی سبیل اللہ کی جنگی
قیدی بن کر مسلمان کے پاس آجائیں، تو ممکن ہے کہ ان کے شوہر جنگ میں نہ مرے ہوں، لیکن چونکہ دار الحرب میں شوہر
اور خاندان سے ان کا تعلق ختم ہو گیا، اور وہ لونڈی بن گئیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے، ان کے
مسلمان مالکوں کو ایک ماہواری گذر جانے کے بعد ان کے ساتھ ہمبستری کرنے کی اجازت دی ہے۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی،
نسائی اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ واقعہ اوطاس کے بعد (جو جنگ حنین کے بعد پیش آیا)
کچھ ایسی عورتیں ہماری قیدی میں آگئیں جن کے شوہر زندہ تھے، تو ہم نے ان کے شوہروں کے ہوتے ہوئے ان کے ساتھ
ہمبستری کو بُرا سمجھا، چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور ہم نے ان کے
ساتھ ہمبستری کو حلال جانا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگر لونڈی کی ملکیت بیع، وراثت، یا کسی اور وجہ سے دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہو جائے،
تو اس کا عقد نکاح منقطع ہو جائے گا۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ”لونڈی کی طلاق چھ طرح
سے واقع ہوتی ہے: اسے بیچ دیا جائے، آزاد کر دی جائے، ہدیہ کر دی جائے، ایک حیض گذر جائے، اس کا شوہر اسے طلاق دے
دے، یا اس کا غلام شوہر بیچ دیا جائے“۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ لونڈی کو بیچ دینا طلاق کے مترادف نہیں۔ اور اس کی
دلیل بریرہ رضی اللہ عنہا کا مشہور واقعہ ہے، جسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے خرید کر آزاد کر دیا تھا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اسے
اختیار دیا کہ چاہے تو وہ اپنے شوہر (مغیث) کے ساتھ رہے، اور چاہے تو نکاح کو فتح کرالے۔

(۳۲) علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ اس حکم عام کی بھی دیگر چند محرمات کے ذریعہ تخصیص ہو چکی ہے، وہ محرمات مندرجہ ذیل ہیں:
عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو عقد نکاح کے ذریعہ جمع کرنا، عدت گزارنے والی عورت، آزاد بیوی کے ہوتے

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكَحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَبِنَ أَيْمَانِكُمْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ
 أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ
 مُسَفِّحَاتٍ وَلَا مُتَمَيِّزَاتٍ أَخْدَانٍ فَإِذَا أَحْصَيْتُمْ فَإِنَّ أَيْمَانَ بِنِكَاحِكُمْ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفٌ مِمَّا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ
 مِنَ الْعَدَايِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصِدُّوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۵﴾

اور تم میں سے جو شخص مومنہ آزاد عورتوں سے شادی کرنے کی استطاعت (۳۱) نہ رکھتا ہو، تو وہ تمہاری مومنہ
 لونڈیوں میں سے کسی سے شادی کر لے، اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے، (اے مومنو!) تم سب آپس میں
 ایک ہو، پس تم ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے شادی کر لو، اور ان کا مہر حسب دستور ان کو دو، بشرطیکہ وہ
 پاکدامن ہوں زانیہ نہ ہوں، اور پوشیدہ طور پر شناساؤں کو رکھنے والی نہ ہوں، پس جب وہ نکاح میں آجائیں پھر
 زنا کا ارتکاب کریں، تو انہیں آزاد عورتوں سے آدھی سزا دی جائے گی (لونڈیوں سے شادی کا) یہ حکم تم میں
 سے ان کے لئے ہے، جنہیں زنا کا خوف لاحق ہو جائے، اور صبر سے کام لینا تمہارے لئے بہتر ہے، اور اللہ بڑا
 مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۵﴾

ہوئے لونڈی سے شادی کرنا، آزاد عورت سے شادی کی قدرت ہوتے ہوئے لونڈی سے شادی کرنا، چار بیویوں کے ہوتے
 ہوئے پانچویں بیوی، نیز لعان کرنے والی عورت ہمیشہ کے لئے لعان کرنے والے مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔
 (۳۳) جن عورتوں سے شادی کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ان کے علاوہ کسی بھی عورت سے ایک مسلمان عقد زواج کے
 شرعی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیک وقت ایک سے چار تک شادیاں کر سکتا ہے۔ اور لونڈی تو جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ لیکن
 شرط یہ ہے کہ اس بیوی کا مہر مقرر ہو اور ایجاب و قبول کے ذریعہ شادی تمام پائے، اور اعلانیہ یا چھپے طور پر زنا کرنا مقصود نہ ہو۔
 آیت کا یہ حصہ دلیل ہے کہ شادی میں مہر دینا اللہ نے واجب قرار دیا ہے، بغیر مہر کے شادی شریعت میں جائز نہیں ہے۔
 (۳۴) اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی کر لی، تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔ اور اگر ہمبستری
 نہیں کی ہے، تو آدھا مہر دینا ہوگا، اور اگر پہلے سے مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا، اور ہمبستری بھی نہیں کی، اور طلاق ہو گئی تو اسے کچھ
 مال دے دیا جائے گا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کے عموم سے نکاحِ مٹعہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ نکاحِ مٹعہ
 یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی عورت سے ایک مدتِ معینہ تک کے لئے نکاح کر لے۔ مثال کے طور پر ایک رات، یا دو رات، یا ایک
 ہفتہ کے لئے شادی کرے، اور اپنی ضرورت پوری کر لینے کے بعد اسے چھوڑ دے۔ ابن عباس اور صحابہ کرام کی ایک جماعت
 نے ضرورت کے تحت اس کو مباح کہا ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بعد میں رجوع ثابت ہے۔ امام احمد سے بھی یہ
 منقول ہے۔ ابن عباس، ابی بن کعب، سعید بن جبیر اور سدی نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ
 مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کہ ”جن عورتوں سے تم ایک مدتِ معینہ تک کے لئے فائدہ اٹھاؤ تو انہیں ان
 کا مقرر شدہ مہر دو“۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ آیت نکاحِ مٹعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهْوَاتِ أَنْ تَسِيلُوا مَآئِلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (احکام کو) بیان کر دے (۳۷) اور اُن (اچھے) لوگوں کی راہ پر ڈال دے جو تم سے پہلے تھے، اور تمہارے ساتھ بھلائی کرے، اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲۶﴾ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ بھلائی کرے، اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (راہِ راست سے) بہت دور چلے جاؤ ﴿۲۷﴾ اللہ تم سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ﴿۲۸﴾

لیکن جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے، وہ کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ”نحعہ“ ابتداءً اسلام میں جائز تھا، لیکن اس کے بعد قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔ اُن کی دلیل بخاری و مسلم کی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن نکاحِ نحعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کر دیا تھا“۔ اور مسلم نے سبرہ بن معبد الجعفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا: ”لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے نحعہ کرنے کی اجازت دی تھی، (اب سن لو کہ) اللہ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے، جس کسی کے پاس کوئی ایسی عورت ہو اسے چھوڑ دے، اور تم نے انہیں جو رقم دی ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو“۔

(۳۵) جب شوہر مہر کی پوری رقم بیوی کو ادا کر دے، اس کے بعد بیوی اگر کوئی رقم شوہر کو واپس کر دے، یا مؤخر کر دے، یا اسے ہدیہ کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ مہر کی رقم اس کی ملکیت میں آجانے کے بعد جسے چاہے وہ دے سکتی ہے۔ (۳۶) جو لوگ غربت اور محتاجی کی وجہ سے آزاد مسلمان عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے اور انہیں ڈر ہو کہ کہیں زنا کار تکاب نہ کر بیٹھیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمان لونڈی سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا مالک اس کی اجازت دے، اس لئے کہ لونڈی کا ولی اس کا مالک ہو تا ہے، اور مہر مقرر ہو، نیز شرعی نکاح کے دیگر تمام شروط ملحوظ ہوں، اور اعلانیہ یا ہتھی پر اس سے زنا کرنا مقصود نہ ہو، اور اس لونڈی کا بظاہر مسلمان ہونا بھی ضروری ہے، باطن کی خبر تو صرف اللہ کو ہے، اس لئے کہ ایمان کی حقیقت کو تو وہی زیادہ جانتا ہے۔ چونکہ ایمان دوسرے تمام امتیازات کو مٹاتا ہے، اس لئے اگرچہ وہ لونڈی ہے، لیکن کوئی حرج نہیں کہ اس کے مالک کی اجازت سے مہر مقرر کر کے اس سے شرعی شادی کی جائے، بشرطیکہ اعلانیہ یا چھپا کر اس کے ساتھ زنا کرنے کی نیت نہ ہو۔ اگر شادی کے بعد لونڈیاں زنا کر لیں تو انہیں آزاد غیر شادی شدہ عورت کے آدھا یعنی پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔ اور چونکہ رجم کو آدھا نہیں کیا جاسکتا، اس لئے لونڈیوں سے رجم ساقط ہو جائے گا۔ لونڈی سے شادی کرنے کا جواز اس کے لئے ہے جسے ڈر ہو کہ اس سے کہیں زنا کار تکاب نہ ہو جائے، لیکن بہر حال صبر کرنا اور لونڈی سے شادی نہ کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ سب کی سب لونڈی کے مالک کی مملوک بن جائے گی۔

(۳۷) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شادی کی حلت و حرمت سے متعلق جو احکام بیان فرمائے ہیں، آیت (۲۸/۲۷/۲۸) میں انہی کے فوائد اور حکمتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مسلمان نفع بخش چیزوں کو اپنائیں، اور نقصان دہ چیزوں کو چھوڑ دیں، اور ان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيُ عَلَيْكَ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۖ إِنَّ تَجْتَسِبُوا كَثِيرًا مَّا تَتَّهَوْنَ عَنْهُ تُكْفِرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلُكُمْ مُدَاخِلًا كَرِيمًا ۝

اے ایمان والو! تم لوگ اپنا مال آپس میں ناحق (۳۸) نہ کھاؤ، سوائے اس طور پر کہ آپس کی رضامندی سے بذریعہ تجارت ہو، اور تم اپنے آپ کو (یا ایک دوسرے کو) قتل نہ کرو، اللہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۲۹۹﴾ اور جو شخص ظلم و عدوان کے طور پر ایسا کرے گا، تو عنقریب ہم اسے آگ کا مزا چکھائیں گے، اور اللہ کے لئے یہ آسان بات ہے ﴿۳۰۰﴾ اگر تم لوگ ان کبیرہ گناہوں (۳۹) سے بچو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے، تو تمہارے چھوٹے گناہوں کو ہم مٹادیں گے اور تمہیں عزت و تکریم والا مقام عطا کریں گے ﴿۳۱﴾

سے پہلے جو نیک لوگ گزرے ہیں ان کا طریقہ اختیار کریں، دور جاہلیت کی گمراہی کو چھوڑ کر اسلام کی رہنمائی کو اپنائیں، تاکہ طہارت و پاکیزگی ان کا شعار بن جائے۔

دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ مسلمان فسق و فساد کے بجائے پاکیزگی اپنائیں، لیکن خواہشات نفس کی اتباع کرنے والے زناکار، یہود و نصاریٰ، اور دین کی ڈگر سے ہٹ جانے والے چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی انہی کی طرح دنیاوی لذتوں اور خواہشات میں ڈوب جائیں۔

تیسری آیت میں اللہ نے بتایا ہے کہ جو غریب مسلمان آزاد عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے، اللہ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے لونڈیوں سے شادی کی اجازت دے دی ہے، تاکہ کہیں اپنی جنسی خواہش سے مغلوب ہو کر زنا کار جناب نہ کر بیٹھیں۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم لوگ ایک دوسرے کا مال چوری، دھوکہ دہی، جوا، سود اور دیگر حرام طریقوں سے نہ کھایا کرو، ہاں، جو مال تمہیں آپس کی رضامندی سے تجارت کے ذریعے ملے وہ حلال ہے۔ اور اے مسلمانو! تم لوگ نہ خودکشی کرو، اور نہ ایک دوسرے کو قتل کرو، کیونکہ جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے گا، اللہ اسے جہنم میں ڈال دے گا، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بہت ہی آسان ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے وعدہ ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچے گا، اللہ اس کے صغیرہ گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ ”پانچوں فرض نمازیں، جمعہ سے جمعہ تک، اور رمضان سے رمضان تک، یہ سب اعمالِ صالحہ اپنے درمیان کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے“۔

گناہ کبیرہ کی تعریف میں صحابہ کرام اور دیگر علمائے اسلام کے مختلف اقوال آئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کی سزا آگ، غضب الہی، لعنت یا عذاب الہی بتایا گیا ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ہر وہ گناہ جس کی سزا اللہ نے آگ بتائی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور علمائے اصول کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس پر اللہ نے کوئی حد مقرر کی ہو، یا اس پر کوئی وعید آئی ہو۔ جن کبیرہ گناہوں کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، ان کی تعداد کے بارے میں

وَلَا تَمْنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا ۗ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ يَكْفِي شَيْءٌ عَالِمًا ۝ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيًا وَمِمَّا تَرَكُوا وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض کے اوپر جو برتری دی ہے اس کی تمنا (۴۰) نہ کرو، مردوں کو ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے، اور عورتوں کو ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے، اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو، اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿۳۲﴾ اور ہم نے ہر شخص کے ورثہ (۴۱) بنائے ہیں، اس (مال کی تقسیم) کے لئے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ کر مرے۔ اور جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے انہیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۳۳﴾

بھی کئی اقوال ہیں، کسی نے سات (۷) کسی نے ستر (۷۰) اور کسی نے سات سو (۷۰۰) کہا ہے۔

بعض محقق علمائے تفسیر نے لکھا ہے: صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ میں جن معاصی کو کبیرہ بتایا گیا ہے انہی کو کبیرہ مانا جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ قرآن کریم کو بیان کرنے کے لئے ہی آئے تھے، تو آپ نے جن معاصی کو کبیرہ کہا انہی کو کبیرہ کہا جائے۔

بعض علمائے اسلام نے کبار سے متعلق کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں حافظ ذہبی کی کتاب "الکباائر" اور ابن حجر ہیتمی کی "الزواجر عن اقتراف الکباائر" مشہور ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں بہت تساہل اور توسع سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس تساہل کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے بہت سے گناہوں کو کبیرہ قرار دیا ہے، جب کہ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ان گناہوں کے بارے میں صراحت نہیں آئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ تمنا کرے کہ اللہ نے دوسروں کو جو دیا ہے وہ اسے مل جائے، اس لئے کہ اس طرح کی خواہش اللہ کی تقدیر سے عدم رضا کی دلیل ہے۔ اور اگر اس خواہش کے ساتھ یہ تمنا بھی شامل ہو جائے کہ دوسروں سے اللہ وہ نعمت چھین لے تو یہ حسد ہوگا، جس سے اللہ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام احمد اور ترمذی کی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی جاتی ہے، انہوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ! مرد جہاد کرتے ہیں، اور ہم عورتیں جہاد نہیں کرتیں، اور ہمیں مردوں کا آدھا میراث ملتا ہے، ایسا کیوں؟" تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طبری اور ابن المنذر وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ آدمی اس طرح تمنا نہ کرے کہ کاش اسے فلاں کا مال اور اس کے اہل و عیال مل جاتے! اس لئے کہ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے، بلکہ آدمی کو چاہئے کہ اللہ کا فضل مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں میں الگ الگ صلاحیت و دیعت کی ہے، اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور محنت کے مطابق دنیاوی نعمتوں سے حصہ ملتا ہے، اس لئے اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے، اور اس ایمان کے ساتھ زندہ رہنا چاہئے کہ اللہ ہی حکمتوں کو زیادہ جانتا ہے۔ اور ہر ایک کو اللہ سے اس کا فضل و کرم مانگنا چاہئے، نیز دعائیں خوب الخراج سے کام لینا چاہئے تاکہ اللہ دعا کو قبول کر لے اور اپنے فضل و کرم سے نواز دے۔

(۴۱) اس آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ مرد ہو یا عورت، ہر ایک کے ورثہ اور رشتہ دار ہوتے ہیں، جو اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کے وارث بنتے ہیں، جیسا کہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالطَّالِبَاتُ قُنُوتُ حِفْظِكُمْ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۗ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاحْضِرُوهُنَّ ۗ إِنْ اطَّعْتَكُمْ فَلَا تَبْتَغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْغُوا حَكْمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكْمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝

مرد عورتوں پر حاکم (۳۲) ہیں، اُس برتری کی بدولت جو اللہ نے اُن میں سے بعض کو بعض پر دے رکھی ہے، اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے، پس نیک عورتیں اللہ سے ڈرنے والی، شوہر کے پیٹھ پیچھے (اس کی عزت و مال کی) اللہ کی حفاظت کی بدولت حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں، اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں ڈر ہو، انہیں وعظ و نصیحت کرو، اور بستروں میں اُن سے علیحدگی اختیار کر لو، اور انہیں مارو، پھر اگر تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو ان کے سلسلے میں کوئی اور کاروائی نہ کرو، بے شک اللہ بڑی بلندی اور کبریائی والا ہے ﴿۳۴﴾ اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان اختلاف سے ڈر ہو (کہ معاملہ اور خراب نہ ہو جائے) تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے رشتہ داروں میں سے، اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے بھیجو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہتے ہوں گے تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بڑا علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۵﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میراث کے حصے ان کے حقداروں کو دو، اس کے بعد جو بچ جائے وہ عصبہ یعنی سب سے قریبی مرد رشتہ دار کو دے دو“۔

آیت کے دوسرے حصہ ﴿ وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانَكُمْ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ تم نے جو حلف یا معاہدہ کسی کے ساتھ کیا تھا، تو اس کا حصہ اُسے دو۔ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ ان تمام اقوال کو جمع کرنے اور ان پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو ایک سابق حکم کے لئے ناخ تھی، اور کچھ دنوں کے بعد ایک دوسری آیت کے ذریعہ اس میں موجود حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

مہاجرین جب مدینہ منورہ آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ہر مہاجر کی ایک انصاری کے ساتھ اُخوت قائم کر دی، چنانچہ وہ مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث ہوتا تھا، اس کے رشتہ دار اس کے وارث نہیں ہوتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سابق حکم منسوخ ہو گیا اور ہر انصاری کے قریبی رشتہ دار ہی اس کے وارث ہونے لگے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے۔

اس کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان تعاون، مدد اور آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کا تعلق رہ گیا، اور ایک تہائی مال میں وصیت کی گنجائش رہ گئی، اور وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

لیکن قبل از اسلام لوگوں کے درمیان حلف اور معاہدے ہوا کرتے تھے۔ دو آدمی آپس میں معاہدہ کر لیتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ جب اسلام آیا تو اس طرح کے لوگ موجود تھے، اور وہ اسلام بھی لے آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے معاہدوں کو باقی رکھا اور فرمایا کہ اسلام نے جاہلیت کے ہر حلف میں تاکید و شدت پیدا کر دی ہے۔ البتہ آئندہ

کسی نئے حلف کی نفی کر دی اور فرمایا: "لا حلف فی الإسلام" یعنی اسلام میں کوئی حلف نہیں۔ اس طرح کے مسلمانوں کو ان کے حلیف مسلمانوں کے مرنے کے بعد وارث کا چھٹا حصہ ملتا رہا۔ یہاں تک کہ سورہ انفال کی آیت ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ نازل ہوئی اور حلفاء کے وارث بننے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا، اور صرف قریبی رشتہ دار ہی میت کے وارث کی حیثیت سے باقی رہ گئے۔ اور غیر رشتہ دار حلفاء کے درمیان ﴿وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ کے بموجب ان کے آپس کا تعاون، مدد، اور خیر خواہی باقی رہ گئی جو بہر حال اسلام میں مطلوب ہے۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ دو آدمی آپس میں اس بات کا معاہدہ کرتے تھے کہ ان میں جو پہلے مر جائے گا، دوسرا اس کا وارث ہوگا، جب اللہ تعالیٰ نے ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ نازل فرمایا، تو غیر رشتہ دار کا وارث ہونا ممنوع قرار پا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کے بعد حلفاء کے لئے صرف وصیت کا دروازہ کھلا رہ گیا، جو میت اپنے مرنے سے پہلے کسی بھی غیر وارث آدمی کے لئے کر سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر کئی علمائے سلف نے کہا ہے کہ یہ آیت، سورہ انفال کی آیت ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾ کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے۔

(۴۲) اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک انصاری صحابی ایک عورت کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرا شوہر فلاں بن فلاں انصاری ہے، اس نے مجھے مارا ہے، اور میرا چہرہ زخمی کر دیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے یہ حق نہیں پہنچتا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں نے تو کچھ اور ارادہ کیا تھا، اور اللہ نے کچھ اور چاہا۔ اسے ابن جریر نے روایت کی ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے کئی سندوں سے اسے مرسل روایت کی ہے۔ اور سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت کے کئی شواہد ہیں جو اسے قوی بناتے ہیں۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا حاکم، نگران اور امیر بنایا ہے، اس لئے کہ مرد عورت سے عقل و فہم میں زیادہ ہوتا ہے، اس کی نگاہ دور رس ہوتی ہے، ملک و قوم کی قیادت، جہاد، اذان، خطبہ، گواہی، نکاح میں ولی بنا، طلاق، رجعت، تعدد ازواج، وراثت میں دو گنا حصہ لینا، اور عصبہ ہونا یہ اور اسی طرح کی اور بھی صفات ہیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کے علاوہ وہ نکاح کے وقت مہر ادا کرتا ہے، اور شادی کے بعد ازدواجی زندگی کے سارے اخراجات برداشت کرتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے اور عورت اس کے زیر سایہ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتی ہے۔

مرد کے اندر ان تمام صلاحیتوں اور خوبیوں کا پایا جانا، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں قیادت شوہر کے ہاتھ میں رہے۔ اپنی بیوی کی تربیت اور اصلاح کی کوشش کرتا رہے، اور اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو اصلاح کی خاطر ہلکی پٹائی بھی کر دے۔ لیکن اگر بیوی اچھی ہے، نیک اور صالحہ ہے، تو اسلام شوہر سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کا خیال رکھے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے صالحہ بیویوں کی یہاں تعریف کی، اور کہا کہ صالحہ بیویاں اللہ کی اور اپنے شوہر کی فرمانبردار ہوتی ہیں، اور شوہر کی عدم موجودگی میں اللہ کی مدد سے شوہر کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہیں (اس لئے ایسی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ہونا چاہئے)۔

اس کے بعد اللہ نے یہ بتایا کہ اگر بیوی نافرمانی کرے اور شوہر کے ساتھ بدسلوکی کرے، تو شوہر اسے اپنے حقوق یاد دلائے، اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈرائے، اور اسے بتائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اگر میں کسی کو کسی

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِالْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ
الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ مَالٌ كَلِمَاتُ اللَّهِ لَا يُحِبُّ مَنْ
كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۗ

اور اللہ کی عبادت (۳۳) کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور
رشتہ داروں، اور یتیموں، اور مسکینوں، اور رشتہ دار پڑوسی، اور ارحمی پڑوسی، اور پہلو سے لگے ہوئے دوست، اور
مسافر، اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ۔ بے شک اللہ اکڑنے والے اور بڑا بننے والے کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۶﴾

انسان کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اور پٹائی اور طلاق کی طرف بھی اشارہ کرے، اگر اچھی
ہوگی تو یہی نصیحت کافی ہوگی، ورنہ ایک بستر پر سونے کے باوجود اس سے بات کرنا اور ہمبستری بند کر دے، اور صبر کرے،
یہاں تک کہ وہ نافرمانی سے باز آجائے، اور یہ برتاؤ ایک ماہ سے زیادہ کے لئے نہ ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حفصہ رضی اللہ
عنها کے ساتھ کیا تھا، جب انہوں نے آپ ﷺ کا ایک خفیہ راز عاشرہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا تھا۔ یہ برتاؤ ”ایلاء“ کی طرح چار ماہ
کے لئے نہیں ہوگا۔ اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو اس کی پٹائی کرے، لیکن یہ پٹائی ایسی نہ ہو جس سے جسم کا کوئی حصہ ٹوٹ جائے یا
کوئی عضو بد شکل ہو جائے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں کہا کہ ”ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو،
اس لئے کہ یہ تمہارے پاس قیدی کی مانند ہیں۔ اور ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہاری عزت سے کسی کو نہ کھیلنے دیں۔ اور اگر ایسا
کریں تو انہیں مارو، لیکن مارا ایسی نہ ہو جس سے زخم لگ جائے۔“ ان طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ بتدریج اپنانے کے بعد اگر
عورت راہ راست پر آجائے، تو شوہر اُسے ازیت پہنچانے کے لئے بہانے نہ تلاش کرے اور اپنی طاقت کے زعم میں خواہ مخواہ
اس کی پٹائی نہ کرتا پھرے، یا اس سے قطع تعلق نہ کرے، اور اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ اللہ اُس سے بڑا ہے اور زیادہ
طاقت والا ہے۔

اس کے بعد آیت (۳۵) میں اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی سے متعلق ایک اور حکم بیان کیا کہ اگر شوہر اور بیوی کے
درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہو جائے، ناچاقی اس قدر بڑھ جائے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، تو ایسی صورت
میں بیوی اور شوہر دونوں کے رشتہ دار اپنی طرف سے ایک ایک ”حکم“ یعنی فیصلہ کرنے والا سمجھیں۔ دونوں شوہر اور بیوی سے
مل کر قضیہ کو سمجھیں، اختلاف کے اسباب کو جاننے کی کوشش کریں، اور ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں۔ اگر (اللہ نہ
کرے) اس راہ کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو شوہر اور بیوی کی منظوری لینے کے بعد دونوں میں جدائی کر دیں۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فیصلہ کرنے والوں کو شوہر اور بیوی کو ملانے اور جدا کرنے کا
حق ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ دونوں فیصلہ کرنے والوں کی نیت صحیح ہوگی تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں اتفاق
کی سبیل نکال ہی دے گا۔ تمام اختلافات دور ہو جائیں گے، اور دوبارہ دونوں اُلفت و محبت سے بھری ازدواجی زندگی گزارنے
لگیں گے۔

(۳۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک

الَّذِينَ يَخْلُونُ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُغْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
عَذَابًا أَلِيمًا

جو خود بخل کرتے ہیں، اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، اور اللہ نے انہیں جو فضل دیا ہے اسے چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے بڑا رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۴﴾

نہ بنائیں، اس لئے کہ وہی خالق و رازق ہے، اور اس کے احسانات تمام مخلوقات کو عام اور شامل ہیں۔ اس لئے بندوں پر اس کا حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ پھر آپ نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ اگر بندے ایسا کریں تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے؟ کہ اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔

اس کے بعد اللہ نے ”والدین کے ساتھ حسن سلوک“ کی نصیحت کی اس لئے کہ دنیا میں کسی کے وجود میں آنے کا ذریعہ والدین ہی ہوتے ہیں۔ اطاعت والدین کی اہمیت کے پیش نظر ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کئی آیتوں میں اپنی عبادت اور والدین کے ساتھ احسان و حسن سلوک کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ کہ ”میرا شکر ادا کرو اور والدین کا“۔ اور فرمایا: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ یعنی ”اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ تم لوگ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو“۔ اس کے بعد اللہ نے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہے، اور رشتہ دار کو صدقہ دینا صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)۔

اور یتیموں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا، اس لئے کہ ان کے باپ جو ان کی دیکھ بھال کر سکتے تھے دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اور مسکینوں کے ساتھ جو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کی مالی استعداد نہیں رکھتے، اور رشتہ دار اور غیر رشتہ دار پڑوسیوں کے ساتھ۔ (امام احمد نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل پڑوسی کے بارے میں مجھے ہمیشہ نصیحت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ عنقریب ہی اسے وارث بنا دیا جائے گا)۔ اور پہلو سے لگے ہوئے ساتھی کے ساتھ جیسے بیوی، سفر کا ساتھی، کام کا ساتھی وغیرہ، اور مسافر کے ساتھ اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ، اس لئے کہ غلامی سے بڑھ کر انسان کی اور کوئی کمزوری نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ ”اے مسلمانو! دیکھو نماز کا خیال رکھنا اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا“۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ وہ منکبر کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک حقیر، اور لوگوں کی نگاہوں میں مبغوض اور قابل نفرت ہوتا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بخیلوں کی مذمت کی ہے کہ خود بھی بخل کرتے ہیں، اور لوگوں کو بھی بخل کی تلقین کرتے ہیں، اور اللہ نے انہیں جو نعمت مال دی ہے اُسے چھپاتے ہیں، ان پر نعمت کا اثر ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ گویا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ”بخل“ کافروں کی صفت ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت یہود مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اور یہ ساری صفات انہی کے اندر

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهٗ قَرِينًا قَرِينًا قَرِينًا وَمَا ذَاعَ عَلَيْهِمْ لُؤْلُؤُا بَالِدًا وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يُظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً نُّضَعْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

اور جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے (۳۵) کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور نہ یومِ آخرت پر، اور جس کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بڑا برابر ساتھی ہے ﴿۳۸﴾ اور ان کا کیا بگڑ (۳۶) جاتا، اگر وہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے انہیں جو روزی دے رکھی ہے، اُس میں سے (اللہ کے لئے) خرچ کرتے، اور اللہ انہیں اچھی طرح جاننے والا ہے ﴿۳۹﴾ بے شک اللہ ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم (۳۷) نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہوتی ہے، تو اُسے کئی گنا بڑھاتا ہے، اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتا ہے ﴿۴۰﴾ پس کیسا (۳۸) ہو گا وہ منظر، جب ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے، اور آپ کو (اے رسول!) ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ﴿۴۱﴾ پائی جاتی تھیں۔ وہ بخیل بھی ہوتے تھے، اور انصار کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے۔

(۳۵) اس آیت کریمہ میں منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں، ان کا ساتھی شیطان ہوتا ہے جو انہیں کفر پر اکساتا ہے، اس لئے وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں، بلکہ صرف اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی مذمت نہ بیان کریں۔

(۳۶) اس میں بھی منافقین کے رویہ کی تکبیر کی گئی ہے اور انہیں ایک طرح کی ڈانٹ پلائی گئی ہے کہ اگر وہ لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لے آتے اور اللہ کی مرضی کے لئے اپنا مال خرچ کرتے، تو ان کا کیا نقصان ہوتا۔ یہ ایک طرح کی ربانی دعوت ہے کہ ان منافقین کو چاہئے کہ اپنے ایمان کی تصحیح کریں اور نفاق سے تائب ہو کر اسلام میں خلوص قلب کے ساتھ داخل ہو جائیں۔ آیت کے آخر میں ایک قسم کی دھمکی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی حالت نہ بدلی تو اللہ کی گرفت کا انتظار کریں۔

(۳۷) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت، اور والدین اور دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی، اور نیکل، کبر اور دیگر کئی بُری صفات سے منع فرمایا، تو موقع و مناسبت کا تقاضا تھا کہ خیر و شر کے جزا و سزا کا بھی ذکر ہو۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں اللہ نے بندوں کو خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب کے وقت کسی پر ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہ کرے گا، بلکہ ایک ایک نیکی کو کئی کئی گنا بڑھائے گا، اور ایسے لوگوں کو اپنے پاس سے بھی اجر عظیم دے گا۔

صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث شفاعت میں روایت کی ہے کہ اللہ کہے گا جاؤ، جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ملے اسے آگ سے نکال دو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس کے دل میں ایمان کا ادنیٰ ترین ذرہ بھی ہو اُسے جہنم سے نکال دو۔ چنانچہ بہت سے لوگ جہنم سے نکل جائیں گے۔ ابو سعید نے کہا کہ چاہو تو قرآن کی یہ آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ پڑھو، لیکن کافروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے گا،

يَوْمَئِذٍ يُؤَذِّنُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تَسْوَىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرَضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿۳۷﴾

اُس دن (۳۷) کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش انہیں دفن کر کے زمین برابر کر دی جاتی، اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ﴿۳۷﴾ اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت (۵۰) میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم (نماز میں) جو کہتے ہو اُسے سمجھنے لگو، اور نہ حالتِ جنابت (۵۱) میں (نماز پڑھو) یہاں تک کہ غسل کر لو، سوائے ان کے جو (مسجد سے) گزرنا چاہتے ہوں، اور اگر تم بیمار (۵۲) ہو، یا حالتِ سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے، یا تم نے بیویوں کے ساتھ مباشرت کی ہو، اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے تیمم کر لو، (وہ اس طرح کہ) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے ﴿۳۷﴾

آخرت میں ان کی کوئی نیکی ان کے کام نہیں آئے گی۔ (مسلم، ابوداؤد طحاوی)۔

(۳۸) اس آیت میں گذشتہ آیت کے مضمون کی مناسبت سے، قیامت کی ہولناکیوں اور اس دن کی پریشانیوں کا ذکر ہوا کہ اہل کفر اور اہل شر و فساد کا اس دن کیسا حال ہوگا، جب ہر اُمت کے گواہ کی حیثیت سے اس کے رسول کو بلایا جائے گا جو گواہی دے گا کہ انہوں نے کیا اعمال صالحہ کئے، یا کیسے کیسے کفر و سرکشی کا ارتکاب کیا، تاکہ اس شہادت کے مطابق اُن کا حساب ہو، اور رسول اللہ ﷺ کو اُن کی اُمت کے گواہ کی حیثیت سے بلایا جائے گا، تاکہ مومن و کافر اور موحد و مشرک کا پتہ چلے، اور تاکہ آپ ﷺ گواہی دیں کہ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور جو امانت ان کے سپرد کی گئی تھی اسے بے کم و کاست ادا کر دیا تھا۔

بخاری و مسلم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ”مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، تو میں نے کہا میں آپ کو سناؤں اور آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ آپ نے کہا، ہاں، میں دوسروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں، تو میں نے سورہ نساء پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ ﴿۳۷﴾ تو آپ نے کہا کہ اب بس کرو۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھا۔“ امام مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ”میں گواہ رہا، جب تک ان کے درمیان رہا۔“

(۳۹) یہاں قیامت کی ہولناکی کی ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ اُس دن اہل کفر اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش انہیں مٹی بنا کر زمین میں ملا دیا جاتا، تاکہ حساب نہ دینا پڑتا اور جہنم میں نہ ڈالے جاتے، اور اُس دن ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے، ان کا انگ انگ بولے گا اور ان کے خلاف گواہی دے گا، جیسا کہ اللہ نے سورہ یس میں فرمایا ہے: ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ﴿۳۹﴾ کہ ”آج ہم ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور ان کے پاؤں گواہی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يَشْرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضَلُّوا السَّبِيلَ ۗ وَاللَّهُ
 أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ
 مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مَسْمُوعٍ ۗ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الَّذِينَ
 وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ
 فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہیں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، کہ وہ گمراہی (۵۳) کو خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان بھی راہِ راست سے بھٹک جاؤ ﴿۲۴﴾ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو زیادہ جانتا ہے، اور اللہ بحیثیت دوست کافی ہے، اور اللہ بحیثیت مددگار کافی ہے ﴿۲۵﴾ بعض یہود، کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا کر ان میں تحریف پیدا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا، اور ہم نے نافرمانی کی، (اور کہتے ہیں کہ) تم سنو، تمہیں نہ سنایا جائے (یعنی تم بہرے ہو جاؤ) اور ہماری رعایت کرو، زبان موڑ کر، اور دین میں عیب نکالنے کے لئے، اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور سنئے اور ہمیں مہلت دیجئے، تو ان کے لئے بہتر اور زیادہ مناسب ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت بھیج دی ہے، اس لئے وہ صرف برائے نام ایمان کا اظہار کرتے ہیں ﴿۲۶﴾

دیں گے کہ انہوں نے دنیا میں کیا کیا کر توت کئے تھے۔“

(۵۰) اس آیت کے شان نزول کے بارے میں ابو داؤد، نسائی اور ترمذی وغیرہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ) روایت کی ہے کہ عبد الرحمن بن عوف نے شراب حرام ہونے سے پہلے کچھ مہاجرین و انصار کی دعوت کی، انہوں نے کھایا پیا اور شراب بھی پی، جب نماز کا وقت آیا، تو عبد الرحمن بن عوف نے نماز پڑھائی، اور نشہ کی حالت میں "لا" نافہ کو حذف کر دیا جس سے آیتوں کا معنی بالکل بدل گیا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مسلمانو! تم جب نشہ کی حالت میں ہو تو نماز نہ پڑھا کرو۔ اتنی چنانچہ مسلمانوں نے نماز کے اوقات میں شراب پینا بند کر دیا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد سورہ مانکہ کی آیت (۹۱/۹۰) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ﴾ سے ﴿فَهَلْ أُنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ تک نازل ہوئی، اور شراب ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔

(۵۱) مجلسی کے لئے مسجد میں جانا ممنوع ہے، البتہ اگر اس کا راستہ مسجد سے گذرنا ہو تو گذرنا جائز ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے روایت کی ہے کہ بعض صحابہ کے مکانات کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے، اور انہیں مسجد سے گذرنا پڑتا تھا، انہی کے بارے میں آیت کا یہ حصہ نازل ہوا، کہ حالت جنابت میں مسجد سے ہو کر گذرنا ان لوگوں کے لئے جائز ہے جن کے گھر کے دروازے مسجد میں کھلتے ہوں۔

(۵۲) اگر بیماری کی وجہ سے پانی کے استعمال سے مرض میں اضافہ کا خطرہ ہو، یا کوئی آدمی سفر میں ہو، یا پیشاب یا قضاے حاجت کی وجہ سے وضو جاتا ہے، یا بیوی کے ساتھ ہمبستری کرے، یا شہوت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے، اور غسل یا وضو کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤُوا الْكِتَابَ ائْتُوا عَلَيْنَا نَزْلَنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلُ أَنْ تَقْسِمَ وُجُوهًا فَذَرُّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا
أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعْنَا أَلْعَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۵۳﴾

اے وہ لوگو! جنہیں اللہ کی کتاب (۵۳) دی گئی ہے، ہم نے جو قرآن اتارا ہے اُس پر ایمان لے آؤ، یہ اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم بہت سے چہروں کو بگاڑ کر، انہیں پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر لعنت بھیج دیں، جیسا کہ ہفتہ کے دن والوں پر لعنت بھیج دی تھی، اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے ﴿۴۷﴾ لے پانی میسر نہ ہو، تو ایسی حالتوں میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کو غسل اور وضو کے بدلے میں کافی قرار دیا ہے۔

اور تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دونوں ہاتھوں کو ایک ساتھ مارے، پھر انہیں اپنی دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ پر پھیر لے۔ اس کی دلیل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ”تیمم کے لئے ایسا کرنا کافی تھا، پھر آپ (ﷺ) نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا، پھر انہیں اپنی دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ پر پھیر لیا“۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیمم کے لئے ایک ہی بار دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے تیمم کے لئے مٹی پر دو بار ہاتھ مارا، یا کبھی تک ہاتھ پھیرا۔ (۵۳) ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ”الدلائل“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ”رفاعہ بن زید بن تابوت بڑے شیطان یہودیوں میں سے تھا، جب رسول اللہ ﷺ سے بات کرتا تو اپنی زبان مردڑ کرتا کہ تا کہ الفاظ کے معانی بدل جائیں، اور اپنی مجلسوں میں ہمیشہ اسلام کی بدگوئی کرتا رہتا تھا“ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ یہ یہود ہدایت کے بدلے لگے گئے خریدتے ہیں، اور دنیاوی مفاد کی خاطر ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو علم ہے اسے چھپاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی انہی کی طرح کافر بن جائیں۔

آیات (۳۶، ۳۵) میں اللہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ مسلمانوں کے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور وہ مسلمانوں کا دوست اور مددگار ہے، اسی لئے اُن کے دشمنوں سے آگاہ کر رہا ہے۔ یہود اللہ کے کلام (تورات) کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بدل دیتے تھے، اور نبی کریم ﷺ سے کفر و عناد میں کہتے کہ ہم نے تیری بات سنی اور تیری تافرمانی کی، اور یہ بھی کہتے کہ اللہ کرے کہ تو ہماری بات نہ سنے۔ اور جب وہ ”واعنا“ کہتے جس کا ظاہری معنی ہے ”ہمارا خیال کیجئے“ تو اپنی زبان مروڑتے تاکہ اس کا معنی بدل کر ”چرواہا یا احمق“ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی یہودیوں کے خبث باطن کو بیان کرتے ہوئے نصیحت کی کہ اگر وہ کہتے کہ ہم نے تیری بات سنی اور تیری اطاعت کی، اور کہتے کہ تم میری بات سنو اور ہمارا خیال کرو، تو اُن کے لئے بہتر تھا۔ لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت بھیج دی تھی۔ اسی لئے وہ صرف نام کے لئے ایمان لاتے تھے۔

(۵۳) اس آیت کریمہ میں یہود مدینہ کو ان کے پاس جو علم تھا، اس کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ تم لوگ اس قرآن پر ایمان لے آؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے، قبل اس کے کہ تمہیں ہمارا عذاب آگھرے، اور ہم تمہاری آنکھ، ناک اور منہ کو غائب کر کے تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں، اور انہیں تمہاری پیٹھ کی طرف کر دیں، یا ان پر لعنت بھیج کر مسخ کلی کے ذریعہ تمہاری صورت ہی بدل دیں، جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن والوں کے ساتھ کیا تھا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۗ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكُتُبِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝

بے شک اللہ اس بات کو معاف (۵۵) نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے، اور اُس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اور جو شخص کسی کو اللہ کا شریک بناتا ہے، وہ ایک بڑے گناہ کی افترا پردازی کرتا ہے ﴿۲۸﴾ کیا آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ (۵۶) کہتے ہیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے، اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۹﴾ آپ دیکھئے کہ کس طرح وہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے (۵۷) ہیں، اور صریح گناہ کے طور پر یہی کافی ہے ﴿۵۰﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (۵۸) جنہیں کتاب الہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے، کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں ﴿۵۱﴾

(۵۵) یہاں صراحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو بغیر تو بہ کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ، تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے گا، معاف کر دے گا۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ کہ ”اللہ نے مشرک پر جنت کو حرام کر دیا ہے“۔ اور صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے“۔

(۵۶) اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی مذمت کی گئی ہے، جو ہمیشہ اپنی پاکی بیان کرتے رہتے تھے۔ کہتے تھے کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں“ اور یہ کہ ”جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ دوسرے لوگ داخل نہیں ہوں گے“ اور یہود نے یہ بھی کہا کہ ”ہم آگ میں صرف چند دن کے لئے ڈالے جائیں گے“ اسی طرح کے اور بھی (بزعم خود) اچھے ہونے کے دعوے کرتے رہتے تھے۔ اللہ نے ان لوگوں کا رد کیا کہ اپنا تزکیہ خود کر لینے سے آدمی اچھا نہیں بن جاتا۔ اللہ جسے چاہتا ہے، پہلے اسے ایمان و عمل صالح کی توفیق دیتا ہے، پھر اس کے نتیجہ میں اس کا تزکیہ کرتا ہے۔ بخاری نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو کسی کی بہت زیادہ تعریف کرتے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ ”تم نے اس آدمی کی پیٹھ توڑ دی“۔

(۵۷) یہاں حیرت و استعجاب کے طور پر کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹی باتیں بیان کرنے میں کتنے جری ہیں، اور اس سے بڑا اور کھلا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے!؟

(۵۸) ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کعب بن اشرف یہودی کفار قریش کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے کد گیا، تو قریش نے اس سے کہا کہ تم اہل مدینہ میں سب سے معزز اور ان کے سردار ہو، ذرا اس

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٩﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ فَإِذَا الْيُتُومُونَ
النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٦٠﴾ أَمْ يُحْسَدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَآتَيْنَاهُمْ ثَلَاثًا عَظِيمًا ﴿٦١﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت (۵۹) بھیج دی ہے، اور جس پر اللہ لعنت بھیج دے، آپ اُس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے ﴿۵۹﴾ کیا انہیں بادشاہت کا کوئی حصہ (۶۰) مل گیا ہے؟ پھر تو یہ لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے نقطہ کے برابر بھی نہ دیں ﴿۶۱﴾ یا اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو دیا ہے، اُس پر حسد (۶۱) کرتے ہیں، ہم نے تو آل ابراہیم کو بھی کتاب و حکمت دی تھی، اور انہیں ایک بڑی سلطنت بھی دی تھی ﴿۶۱﴾

حقیر و ذلیل آدمی کو دیکھو تو سہی، جو اپنی قوم سے بھی الگ ہو گیا ہے، اور اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے، حالانکہ حاجیوں کی خدمت کرنا، انہیں پانی پلانا، اور بیت اللہ کی گمرانی کرنا ہمارا کام ہے۔ یہ سن کر کعب نے کہا کہ تم لوگ اس سے بہتر ہو، تو اللہ نے ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ اور یہ آیت نازل فرمائی، اور کعب بن اشرف اور اس جیسے اللہ اور رسول کے دیگر دشمنوں کا راز فاش کیا، اور ان کا کفر واضح کر دیا۔ اس واقعہ کو امام احمد نے محمد بن عدی سے، اور ابن حبان نے اپنی کتاب "الصحيح" میں روایت کی ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ کعب بن اشرف اور حنیئ بن اخطب غزوہ احد کے بعد مکہ کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فیصلہ کن جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے گئے تھے۔

"جبت" سے مراد: بت، کاہن، جادوگر، جادو اور ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے۔ اسی طرح "طاغوت" سے مراد: کاہن، شیطان، ہر گمراہ کن شے، بت، سردارانِ یہود، اور ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ "اہل کفر" سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

(۵۹) یہود اللہ کی لعنت کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے بت پرستوں کو مسلمانوں پر فوقیت دی جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے، اور دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا علم رکھتے ہوئے، ایسی بات اس لئے کہی تاکہ مشرکین مکہ ان کا ساتھ دیں۔ چنانچہ بظاہر ان کی سازش کامیاب رہی، اور مکہ اور اطراف و جوارب کے کفار مسلمانوں کے خلاف ٹوٹ پڑے، اور غزوہ احزاب کے لئے جمع ہو گئے، اور مسلمانوں اور شہر مدینہ کو اتنا بڑا خطرہ لاحق ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کافروں سے بچاؤ کے لئے مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودنا پڑا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حفاظت فرمائی، اور محض اپنے رحم و کرم سے دشمنوں کو مار بھگا یا۔

(۶۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے نخل کا حال بیان کیا ہے کہ اگر ان کے پاس حکومت ہوتی تو شدتِ نخل کی وجہ سے کھجور کی گٹھلی کے شکاف کے برابر بھی کوئی چیز کسی کو نہ دیتے۔

(۶۱) یہودی کی صفتِ نخل کے بیان کے بعد، اُن کی ایک دوسری بڑی خصلت "حسد" کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اور "الناس" سے مراد، نبی کریم ﷺ اور مومنین ہیں۔ اور "فضله" میں فضل سے مراد: نبوت، قرآن کریم، رُشد و ہدایت اور روز بروز اللہ کی مدد اور عزت و شرف میں اضافہ ہے۔

فَبَهُمْ مَنَ امْنٌ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنَ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيْهُمْ نَارًا اَكْبَرًا نَّصَبَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَلًا لِّهَمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لِّهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيْهَا مُدْخِلُوْنَ ۝

تو ان میں سے بعض لوگ (۶۲) اس کتاب پر ایمان لے آئے، اور بعض نے اس کا انکار کر دیا، اور جہنم کی بھڑکتی آگ (ان کے لئے) کافی ہے ﴿۵۵﴾ بے شک جن لوگوں (۶۳) نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم انہیں آگ کا مزہ چکھائیں گے، جب بھی ان کے چڑے پک جائیں گے، ہم ان کے چڑوں کو بدل دیں گے، تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں، بے شک اللہ زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان (۶۳) لے آئے، اور انہوں نے عمل صالح کیا، انہیں عنقریب ہم ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہیں گے، انہیں وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، اور ہم انہیں گھنے سائے میں داخل کریں گے ﴿۵۷﴾

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے یہودیوں کا حسد، غایت درجہ غیر منصفانہ اور بے جا ہے، اس لئے کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ سے پہلے ابراہیم کی اولاد کو بھی جو نبی کریم ﷺ کے اسلاف اور ان یہودیوں کے خاندانی لوگ تھے صحائف ابراہیم، تورات، زبور اور انجیل جیسی کتابیں دیں، اور انبیاء کی سنتیں دیں جو انہیں اللہ سے بذریعہ وحی ملی تھیں۔ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کو عظیم بادشاہی عطا کی تھی۔ تو پھر ان گذشتہ لوگوں سے کیوں حسد نہیں کرتے، اور محمد ﷺ اور مسلمانوں سے کیوں حسد کرتے ہیں!؟

(۶۲) گذشتہ مضمون کی تکمیل ہے کہ آل ابراہیم کو نبوت و رسالت کی صورت میں جو کچھ انعامات الہی ملے، ان پر بنی اسرائیل میں سے کوئی تو ایمان لے آیا، اور کسی نے انکار کر دیا، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکا، حالانکہ ان کا تعلق بھی خاندان ابراہیمی سے ہی تھا، تو آپ سے، اے محمد (ﷺ)! یہ لوگ یقیناً زیادہ ہی حسد کریں گے، اور آپ کی تکذیب زیادہ شد و مد کے ساتھ کریں گے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ان کے اس کفر و عناد کی وجہ سے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ان کا انتظار کر رہی ہے۔

(۶۳) ان کافر جہنمیوں کو آگ میں اس طرح عذاب دیا جائے گا، کہ جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی، اللہ ان کی کھالوں کو بدل دے گا۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس میں عذاب کے دوام اور عدم انقطاع کی طرف اشارہ ہو۔ ابن جریر وغیرہ نے صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم سے روایت کی ہے کہ جہنمیوں کے چڑے دن یا گھنٹے میں کئی کئی بار بدلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

(۶۴) اس آیت کریمہ میں نیک بختوں کے مال و انجام کا ذکر ہے، کہ جو لوگ محمد ﷺ، قرآن کریم، اور جملہ آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لے آئیں گے، اور عمل صالح کریں گے، تو اللہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور وہاں انہیں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، اور وہ گھنی چھاؤں کے نیچے آرام کریں گے۔ بخاری و مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ ”جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے نیچے

إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرِكُمْ لَآتٍ وَتُؤَدُّوْنَ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۗ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۗ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۶۵﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِّعُوا اللَّهَ وَاطِّعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۚ إِنَّ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۶۶﴾

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (۶۵) ان کے مالکوں تک پہنچادو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو انصاف کے ساتھ کرو، بے شک اللہ تمہیں اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿۵۸﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت (۶۶) کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹادو (۶۷) اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے ﴿۵۹﴾

ایک گھوڑ سوار سوسال تک چلے گا اور اس کی مسافت طے نہیں کر پائے گا۔
(۶۵) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ امانتوں کی سختی سے حفاظت کریں، اور ان کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں۔ ابو داؤد، ترمذی اور دارمی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”امانت والے کی امانت ادا کرو، اور جو خیانت کرے، اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔“

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کلمہ ”امانت“ تمام قسم کی امانتوں کو شامل ہے، چاہے وہ اللہ کے حقوق ہوں، جیسے نماز، زکوٰۃ، اور روزہ وغیرہ، اور چاہے بندوں کے آپس کے حقوق ہوں۔ جو انہیں دنیا میں ادا نہیں کرے گا، تو مسلم و احمد کی روایت کردہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انہیں قیامت میں ادا کرے گا، یہاں تک کہ بے سیٹنگ کی بکری کی قصاص سیٹنگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت عثمان بن ابی طلحہ کے بارے میں فتح مکہ کے موقع سے نازل ہوئی، جس کے پاس خانہ کعبہ کی چابی ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب خانہ کعبہ کے پاس پہنچے تو عثمان کو بلا کر چابی لے لی اور کعبہ کا دروازہ کھلوا کر داخل ہوئے اور جب نکلے تو یہی آیت پڑھی، اور عثمان کو بلا کر چابی اس کے حوالے کر دی۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت آپ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ کعبہ کے اندر تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی تعریف فرمائی، اور کہا کہ یہ بڑی اچھی چیز ہے جس کے برتنے کی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کر رہا ہے، چاہے وہ حکام ہوں یا رعایا، اس لئے کہ پُر امن اور شریفانہ زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے کہ مسلم سوسائٹی میں انصاف کا چلن اور عدل کا دور دورہ ہو۔

(۶۶) گذشتہ آیت میں حکام اور رعایا سبھی کو عدل و انصاف کا حکم دینے کے بعد، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رعایا کو چاہے وہ فوج کے افراد ہوں یا عام لوگ، انہیں اپنی، اپنے رسول اور حکام کی اطاعت کا حکم دیا ہے، الا یہ کہ حکام اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں، تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی؟ اس لئے کہ جہاں خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو، وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی،

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يَرِيْدُوْنَ اَنْ يَتَمَكَّنُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اَمْرُوْا اَنْ يَكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلَى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاٰتِ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ (۶۰) کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اتاری گئی اور آپ سے پہلے اتاری گئی کتابوں پر ایمان (۶۱) لے آئے ہیں، چاہتے ہیں کہ غیر اللہ سے فیصلہ کرائیں، حالانکہ انہیں اُس کے انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور شیطان انہیں راہِ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے ﴿۶۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول کے پاس آؤ، تو آپ منافقین کو دیکھتے ہیں کہ یہ آپ سے اعراض کر رہے ہوتے ہیں ﴿۶۱﴾

اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ امام احمد نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کی قیادت میں ایک فوجی دستہ بھیجا۔ دستہ کے امیر کسی بات پر لوگوں سے ناراض ہو گئے، تو انہوں نے ایک آگ جلوائی اور لوگوں کو اس میں کودنے کے لئے کہا، دستہ کے ایک نوجوان نے لوگوں سے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان اس لئے لائے ہیں تاکہ آگ سے بچیں، اس لئے ہم لوگ جلدی نہ کریں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں۔ جب انہوں نے واپس آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے کہا کہ اگر تم لوگ اُس میں کود جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے، امیر یا قائد کی اطاعت بھلائی کے کام میں ہوتی ہے۔

طیبی نے لکھا ہے کہ ﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ﴾ میں فعل کا اعادہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل ہے۔ اور ﴿وَأُوْلِي الْأَمْرِ﴾ میں فعل کا عدم اعادہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی اطاعت مشروط ہے۔ اگر ان کا حکم قرآن و سنت کے مطابق ہوگا تو اطاعت کی جائے گی، ورنہ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک "أُوْلِي الْأَمْرِ" سے مراد اہلِ فقہ و دین ہیں۔ اور مجاہد، عطاء اور حسن بصری وغیرہم کے نزدیک اس سے مراد علماء ہیں۔ لیکن بظاہر حق یہ ہے کہ تمام اہلِ حل و عقد امراء اور علماء مراد ہیں۔

(۶۷) مجاہد اور دوسرے علمائے سلف نے کہا ہے کہ "اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو" سے مقصود قرآن و سنت ہے۔ آیت کے اس حصہ میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ان کے درمیان اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق ہونا چاہئے، اللہ اور آخرت پر ایمان کا تقاضا یہی ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی کسی اختلافی مسئلہ میں قرآن و سنت کا حکم نہیں مانے گا، وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا نہیں مانا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ قرآن و سنت کی طرف رجوع میں ہی ہر خیر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی عمل بہتر ہے۔

(۶۸) ابن اسحاق، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جسٹاس بن صامت،

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قُلْتُمْ يَا قَدْ جَاءَ أَوَّلَ مَا كُنْتُمْ بِاللَّوْنِ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾
 أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۗ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعِظَهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا
 أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنْهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ
 لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾

پھر یہ کیسی بات ہے کہ جب انہیں اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت (۶۰) لاحق ہوتی ہے، تو آپ کے پاس آکر اللہ کی قسم کھاتے ہیں، کہ ہم نے تو صرف بھلائی اور آپس میں ملانے کی نیت کی تھی ﴿۶۲﴾ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کی بات کو اللہ جانتا (۶۱) ہے، پس آپ اُن سے اعراض کیجئے، اور انہیں نصیحت کیجئے، اور انہیں ان کے بارے میں کوئی موثر بات کہئے ﴿۶۳﴾ اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ کی اجازت سے اس کی اطاعت (۶۲) کی جائے، اور اگر یہ لوگ، جب انہوں نے اپنے آپ پر ظلم (۶۳) کیا، آپ کے پاس آتے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے، اور رسول ان کے لئے مغفرت طلب کرتے، تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پاتے ﴿۶۴﴾

مقرب بن قیس اور رافع بن زید منافقین کو ان کی قوم کے بعض مسلمانوں نے ایک قضیہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس چلنے کو کہا، تو انہوں نے کانہوں کے پاس جانا پسند کیا، جس کے بعد یہ آیت ﴿إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا﴾ * تک نازل ہوئی۔ آیت میں ایسے ہی منافقین کے حال پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے، کہ دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں اور فیصلہ طاغوت اور شیطان کا چاہتے ہیں، جس سے اللہ نے اعلان براءت کا حکم دیا ہے۔

(۶۹) آیات (۶۱/۶۰) سے مندرجہ ذیل فوائد ماخوذ ہیں:

- ۱- حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے، قرآن و سنت کے علاوہ کسی اور کو حکم بناتے ہیں، اللہ نے اس آیت میں ان کے ایمان کی نفی کی ہے۔
- ۲- کسی طاغوت کو فیصلہ بنانا، اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہونا کفر ہے۔
- ۳- جو شخص اللہ یا اس کے رسول کے کسی امر کا انکار کرتا ہے، وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔
- (۷۰) رسول اکرم ﷺ کو بشارت دی جا رہی ہے کہ ان منافقین کو مصیبتیں لاحق ہوں گی، اور آپ کے پاس آکر اپنے اخلاص و ایمان کا اظہار کریں گے، اور قسمیں کھائیں گے کہ ان کا مقصد دونوں فریقوں میں صلح کرانا تھا۔
- (۷۱) انہی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے نفاق کو جانتا ہے، لیکن مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ابھی انہیں کوئی سزا نہ دیں، اور صرف اشارے کے ذریعہ دھکی اور نصیحت پر ہی اکتفا کریں، اور انہیں کوئی ایسی بات کہہ جائیں جو ان کے دلوں پر اثر انداز ہو، جو انہیں مغموں بنا دے، اور ان کے دلوں میں خوف سما جائے، مثلاً یہ کہئے کہ نفاق کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے اور کبھی قتل تک کی نوبت آجاتی ہے، اور یہ کہ اُن کے اور مشرکین کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔
- (۷۲) گذشتہ آیتوں میں منافقین کا ایک بڑا جرم بیان کرنے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ کے بجائے کانہوں کے پاس فیصلہ کے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۷۵﴾

پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصلہ (۷۴) نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کر لیں ﴿۷۵﴾

لئے گئے، یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی مزید تاکید فرمائی ہے کہ ”ہم کسی رسول کو اسی لئے بھیجتے ہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور یہ چیز بغیر توفیق الہی کے حاصل نہیں ہوتی“ معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت فرض ہے، اور اس کی فریضت کا انکار کفر ہے۔

(۷۳) اللہ نے فرمایا کہ ان منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے بجائے کاہنوں اور طاغوتوں کو اپنا فیصلہ مان کر اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا، کہ نفاق کے عذاب کے ساتھ ایک اور عذاب الہی کے مستحق بنے۔ اس عذاب سے بچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ اپنے نفاق اور اس جرم عظیم سے تائب ہو کر آپ کے پاس آتے، اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے، اور آپ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے، تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا۔

آیت کا تعلق منافقین کے ایک خاص واقعہ سے ہے جس کا اوپر بیان ہو چکا، کہ نفاق کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے، رسول اللہ ﷺ کے بجائے کاہنوں کو اپنا فیصلہ مانا، ورنہ عام حالات میں توبہ کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایسا اور کوئی واقعہ نہیں ملتا۔

بعض مبتدع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آکر طلبِ مغفرت کی دعا کرنا، ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں آپ کے پاس آکر مغفرت طلب کرنا تھا۔ اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قبر میں ایسا ہی زندہ سمجھتے ہیں جیسے موت سے پہلے تھے۔ کہتے ہیں کہ صرف ایک حجاب حائل ہو گیا ہے، اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ تحریف معنوی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں قرآن و سنت کے سراسر خلاف عقیدہ ہے۔

(۷۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ کوئی آدمی اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو فیصلہ نہیں مان لیتا، اس لئے کہ آپ کا فیصلہ وہ ربانی فیصلہ ہے، جس کے برحق ہونے کا دل میں اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اور عمل کے ذریعہ بھی اس پر ایمان رکھنے کا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ نے اس کے بعد فرمایا: یہ ضروری ہے کہ لوگوں کا ظاہر و باطن اسے تسلیم کر لے، اور اس کی حقانیت کے بارے میں دل کے کسی گوشے میں بھی شبہ باقی نہ رہے۔

اس کے شان نزول کے سلسلہ میں امام بخاری نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا رخ کے پانی کے بہاؤ کے بارے میں ایک انصاری سے اختلاف ہو گیا اور معاملہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا، تو آپ نے کہا کہ اے زبیر! زمین سیراب ہو جانے کے بعد اپنے پڑوسی کی طرف پانی کھول دو۔ تو انصاری نے کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ نے ایسا فیصلہ اس

لئے کیا ہے کہ زیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ اس پر آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور کہا کہ اے زیر! زمین کو سیراب کرو اور پانی کو روک رکھو، یہاں تک کہ پانی تمہاری زمین کی دیوار سے لگ جائے، اس کے بعد اپنے پڑوسی کی طرف پانی کھول دو۔ جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو ناراض کر دیا تو آپ نے زیر کو صراحت کے ساتھ ان کا پورا حق دیا، حالانکہ پہلے آپ نے دونوں کو ایک ایسا مشورہ دیا تھا جس میں انصاری کی رعایت کی گئی تھی۔ بعد میں زیر کہا کرتے تھے کہ میں سمجھتا ہوں یہ آیتیں اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی تھیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کلبی کی تفسیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا کہ ہم لوگ محمد کے پاس چلیں، اور منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ پھر پورا قصہ بیان کیا، جس میں آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کو قتل کر دیا اور یہی ان آیتوں کے نزول کا سبب تھا، اور عمر کا لقب ”فاروق“ پڑ گیا۔

اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن مجاہد نے اس کی تائید کی ہے، اور طبری نے اسے ترجیح دی ہے، تاکہ ان تمام کا تعلق ایک ہی سبب سے ہو جائے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ممکن ہے زیر اور ان کے پڑوسی کا قضیہ بھی انہی دنوں پیش آیا ہو۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کی اہمیت کو ذہن نشیں کرنے کے لئے بعض علمائے اسلام کے اقوال ملاحظہ کر لیں:

۱- فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ کوئی آدمی مومن ہو ہی نہیں سکتا، جب تک کہ اس کے اندر مندرجہ ذیل شرطیں نہ پائی جائیں:

(الف) رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے راضی ہونا۔

(ب) دل میں اس بات کا یقین رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہی برحق ہے۔

(ج) رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنے میں ذرا سا بھی تردد سے کام نہ لینا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر صحیح حدیث اس آیت کے ضمن میں آتی ہے، اور ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، اس پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر صحیح حدیث کو قبول کرے، اور مذہبی تعصب کی وجہ سے کسی حدیث کو رد نہ کرے، ورنہ اس آیت میں مذکور وعید اس کو بھی شامل ہوگی۔

۲- امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ”اعلام الموقعین“ میں لکھا ہے کہ تم بہتوں کو دیکھو گے کہ جب کوئی حدیث اس امام کے قول کے موافق ہوتی ہے جس کی وہ تقلید کرتا ہے، اور اس کے راوی کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ دلیل راوی کی روایت ہے، اس کا عمل نہیں۔ اور جب راوی کا عمل اس کے امام کے قول کے موافق ہوتا ہے، اور حدیث اس کے مخالف ہوتی ہے، تو وہ کہتا ہے کہ راوی نے اپنی روایت کی مخالفت اس لئے کی ہے کہ یہ حدیث اس کے نزدیک منسوخ ہوگئی ہے، ورنہ اس کی یہ مخالفت اس کی عدالت کو ساقط کر دیتی۔ اس طرح وہ لوگ اپنے کلام میں ایک ہی جگہ اور ایک ہی باب میں بدترین تناقض کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن ہمارا ایمان یہ ہے کہ صحیح حدیث آجانے کے بعد امت کے لئے اسے چھوڑنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۳- شیخ الإسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن، سنت اور اجماع کے ذریعہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اللہ نے

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ احْرُقُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ
فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ يَهْلِكَانِ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَبِيئًا ۗ وَإِذَا لَأْتَيْنَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَهَذَا نُسُؤُهُمْ
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالطَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رِزْقًا ۗ

اور اگر ہم ان پر فرض (۷۵) کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ، تو ان میں سے تھوڑی تعداد کے علاوہ اس حکم کی تعمیل نہ کرتے، اور اگر وہ لوگ وہی کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے، تو ان کے لئے زیادہ بہتر، اور انہیں دین پر ثابت قدم رکھنے کے لئے زیادہ موثر ہوتا ﴿۶۶﴾ اور تب ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم (۷۶) دیتے ﴿۶۷﴾ اور انہیں راہ راست پر ڈال دیتے ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت (۷۷) کریں گے، وہ (جنت میں) ان کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء، اور صدیقین، اور شہداء، اور صالحین کے ساتھ، اور یہ لوگ بڑے اچھے ساتھی ہوں گے ﴿۶۹﴾

بندوں پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کیا ہے، اور انہوں نے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اس اُمت پر کسی کی اطاعت کو فرض نہیں کیا ہے۔ اسی لئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم ﷺ کے بعد امت کے سب سے افضل انسان تھے) کہا کرتے تھے کہ میں جب تک اللہ کی اطاعت کروں، تم لوگ میری اطاعت کرو، اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم لوگ میری اطاعت نہ کرو۔ تمام علمائے اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، اسی لئے بہت سے ائمہ کرام نے کہا ہے کہ ہر آدمی کی کوئی بات لی جائے گی اور کوئی چھوڑ دی جائے گی، سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ اور یہی وجہ تھی کہ فقہی مذاہب کے چاروں مشہور اماموں نے لوگوں کو ہر بات میں اپنی تقلید کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (۷۵) اس آیت کا تعلق بھی گذشتہ آیتوں سے ہے۔ نفاق سے تائب ہو کر اللہ کے لئے اخلاص اختیار کرنے کی نصیحت کے بعد، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے ساتھ سختی کرتے، اور انہیں حکم دیتے کہ تم لوگ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنا گھر بار چھوڑ کر باہر چلے جاؤ، تو بہت تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے، اور اکثر لوگوں کا کفر و عناد کھل کر سامنے آجاتا، لیکن ہم نے اپنے بندوں پر رحم کھاتے ہوئے ایسا نہیں کیا، اور آسان احکام جاری کئے، اس احسان و نرمی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان احکام کو پورے اخلاص کے ساتھ قبول کرتے، اور سرکشی چھوڑ دیتے۔

(۷۶) آیت (۶۸/۶۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ منافقین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تو ہم انہیں جنت جیسی نعمت دیتے، اور دنیا میں دین اسلام پر ثبات عطا کرتے۔

(۷۷) اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا یہ ثمرہ بتایا گیا ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا، اور یہ لوگ بہت ہی اچھے ساتھی ہوں گے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں ابن جریر طبری نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس مغموم بیٹھے تھے، آپ نے پوچھا کہ تم مغموم کیوں ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی!

ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خذُوا حُرْمَتَكُمْ فَاغْرُوا ابوابَ أَوْانْفِرُوا جَبِينًا ۖ وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبْتَغَىٰ فَرَّانَ أَصَابَكُمْ مَصِيبَةً ۗ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۖ وَلَكِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لِيَقُولَ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلْبِتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۖ

یہ اللہ کا (ان پر خاص) فضل (۷۸) ہوگا، اور اللہ (لوگوں کو) خوب اچھی طرح جاننے والا ہے ﴿۷۸﴾ اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا انتظام (۷۹) کر لو، پھر فوجی دستوں کی صورت میں نکلو یا ایک ساتھ نکلو ﴿۷۹﴾ اور تم میں سے بعض (۸۰) پیچھے رہ جاتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے، تو کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر کرم کیا کہ میں اُن کے ساتھ موجود نہ تھا ﴿۷۹﴾ اور اگر تمہیں اللہ کا کوئی فضل حاصل ہوتا ہے، تو گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستی تھی ہی نہیں (کہتے ہیں کہ) کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا، تو بڑی کامیابی حاصل کرتا ﴿۷۹﴾

میں ایک بات سوچ رہا ہوں، آپ نے پوچھا: کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ آج ہم آپ کے پاس صبح وشام آتے ہیں، آپ کا چہرہ دیکھتے ہیں، اور آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ کل جنت میں آپ انبیاء کے ساتھ ہوں گے تو ہم آپ کے پاس نہیں پہنچ پائیں گے۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، تو جبریل یہ آیت لے کر آئے۔ آپ نے ان صحابی کو بلا بھیجا اور انہیں خوشخبری دی۔ یہ روایت دیگر کئی تابعین سے بھی مروی ہے، لیکن سعید بن جبیر والی روایت کی سند زیادہ اچھی ہے۔

جنت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت کے سلسلہ میں کئی صحیح حدیثیں آئی ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر یہاں مناسب ہوگا: صحیح مسلم میں ربیعہ بن کعب السلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ وضو اور قضاے حاجت کے لئے پانی لایا، تو آپ نے کہا کہ کچھ پوچھو یا مانگو، تو میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یا اور کوئی چیز؟ تو میں نے کہا بس یہی۔ تو آپ نے کہا کہ: پھر سجدوں کی کثرت سے میری اس سلسلہ میں مدد کرو۔“

ترمذی نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”سچا امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ رہے گا۔“

ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان سب سے بڑی خوشخبری تو وہ ہے جو صحیح احادیث میں صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے، لیکن اُن سے ابھی جا کر ملا نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا رہا ہے۔“ اُنس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسلمان اس حدیث کو سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔

(۷۸) اس آیت کریمہ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جنت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کی رفاقت اللہ کے فضل و کرم سے ملے گی، عبادتوں کی وجہ سے نہیں، عبادتیں تو ایک بہانہ ہوں گی۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اللہ سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔

(۷۹) اس آیت کریمہ میں مومنین مخلصین کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلنے سے پہلے خوب اچھی طرح تیاری کر لو، اسلحہ اور دیگر سامان جنگ کے اعتبار سے بھی، اور مجاہدین کی تعداد کے اعتبار سے بھی۔

فَالْيَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ
يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَمَا لَكُمْ لَأْتِيَاقُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۗ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۙ

پس اللہ کی راہ میں جہاد (۸۱) کریں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں بیچتے ہیں، اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، پھر قتل کر دیا جاتا ہے، یا غالب ہوتا ہے تو اسے ہم عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے ﴿۷۴﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد (۸۲) نہیں کرتے ہو، ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو نجات دلانے کے لئے، جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور تو اپنے پاس سے ہمارا کوئی حمایتی بھیج، اور تو اپنے پاس سے ہمارا کوئی مددگار بھیج ﴿۷۵﴾

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس سے مقصود مسلمانوں کو ہر طرح سے اس کے لئے تیار کرنا تھا، تاکہ دشمن کے مقابلہ میں کمزور نہ پڑ جائیں۔

(۸۰) یہاں منافقین مراد ہیں، جو نفاق کی وجہ سے جہاد کے لئے نہیں نکلتے تھے، اور دوسروں کی ہمت بھی پست کر دیتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی تو یہ خاص عادت تھی۔ غزوہ اُحد کے موقع سے اسی نے لوگوں کو بھڑکایا تھا، اور منافقین کی جماعت کو لے کر راستہ سے واپس چلا گیا تھا۔ جہاد میں مسلمانوں کو جب تکلیف پہنچتی تو منافقین کہتے کہ اچھا ہوا کہ ہم لوگ ان مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھے، اور جب غلبہ نصیب ہوتا، اور مالِ غنیمت ہاتھ آتا، تو اس طرح اظہارِ افسوس کرتے کہ جیسے مسلمانوں سے ان کی پہلے سے کوئی شناسائی ہی نہیں تھی، اور کہتے کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو مالِ غنیمت ہاتھ آتا۔

(۸۱) دشمن سے چوکنار رہنے اور جہاد کی تیاری کا حکم دینے کے بعد، اب مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی جا رہی ہے، کہ جو لوگ دنیا دے کر آخرت خریدنا چاہتے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، تو چاہے شہید ہو جائیں یا غلبہ حاصل کر کے گھر کو لوٹیں، دونوں ہی حال میں اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتا ہے اللہ اس کا ضامن ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر وہ میری راہ میں جہاد کی نیت سے نکلا ہے، مجھ پر ایمان رکھتا ہے، اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے تو میں اس کا ضامن ہوں کہ یا تو اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اجر و غنیمت کے ساتھ اس کے گھر یا میں واپس پہنچا دوں۔“

(۸۲) اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر اُکسایا جا رہا ہے، تاکہ مکہ میں موجود ان کمزور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو قریش کے ظلم و ستم سے نجات دلا جا سکے، جنہیں مشرکین نے ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔ بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ جب نماز میں رکوع سے سر اٹھاتے تو کچھ کمزور مسلمانوں کے نام لے لے کر مشرکین مکہ سے ان کی نجات کے لئے دعا کرتے تھے۔

آیت میں ”قَرْيَةً“ سے مراد مکہ، اور ”الظَّالِمِ أَهْلُهَا“ سے مراد وہاں کے مشرکین ہیں۔ اور ”وَلِيًّا“ میں

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۖ وَقَالُوا إِنَّا لَنَكْتَبُ عَلَيْكُمُ الْقِتَالَ ۖ كَوْلًا أَخْرَجْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

ایمان والے اللہ کی راہ میں جہاد (۸۳) کرتے ہیں، اور اہل کفر شیطان کی راہ میں قتال کرتے ہیں، تو تم لوگ شیطان کے حمایتیوں سے قتال کرو، بے شک شیطان کی چال بڑی کمزور ہوتی ہے ﴿۷۶﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (۸۳) اور نماز قائم کرو، اور زکاۃ دو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا، تو ان کا ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا کہ اے ہمارے رب! تو نے جہاد کو کیوں ہمارے اوپر فرض کر دیا، کیوں نہ ہمیں کچھ اور دنوں تک مہلت دی، آپ کہہ دیجئے کہ دنیاوی فائدہ مختصر ہے، اور آخرت تقویٰ کی راہ پر چلنے والوں کے لئے بہتر ہے، اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہو گا ﴿۷۷﴾

”ولی“ سے مراد اللہ کا کوئی ایسا بندہ جس کے ذریعہ ان کمزور مسلمانوں کے دین کی حفاظت ہو، اور ”خصیماً“ سے مراد کوئی ایسا آدمی جو دشمنوں سے انہیں نجات دلا سکے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعاسنی، ان میں سے کچھ تو نکل کر مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، اور کچھ وہیں رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کیا، اور اللہ نے وہاں کے باقی ماندہ مسلمانوں کو ذلت کے بعد عزت عطا کی۔

(۸۳) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مزید ہمت افزائی کر رہا ہے اور جہاد کی ترغیب دلا رہا ہے، کہ ایمان والے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، اور اہل کفر شیطان کی بندگی کے لئے قتال کرتے ہیں۔

کافروں کو ”أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ“ کہا گیا ہے، گویا یہ اشارہ ہے کہ مسلمان ”أَوْلِيَاءَ اللَّهِ“ ہیں، اور اس میں ایک قسم کی مسلمانوں کی ہمت افزائی بھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے خبر دی کہ شیطان کی چال بہت ہی کمزور ہوتی ہے، اور اللہ کی قدرتِ کاملہ کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

(۸۴) اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کی ایک جماعت کے سلسلہ میں نازل ہوئی، جنہوں نے کئی زندگی میں مشرکین کے ظلم و ستم سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ سے قتال کی اجازت مانگی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی مجھے اللہ کی طرف سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں ملی ہے، ابھی نماز اور صدقات و خیرات کے ذریعہ غریب مسلمانوں کی مدد کرنے پر اکتفا کرنا چاہئے، لیکن جب مدنی زندگی میں جہاد فرض ہوا تو ان ہی میں سے ایک جماعت موت کے ڈر سے جنگ سے کترانے لگی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت یہودِ مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت

إِنَّ مَا كُنْتُمْ تُدْرِكُهُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشْتَدَّةٍ وَإِنْ نُصِبْتُمْ حَسَنَةً يُقُولُوا هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ نُصِبْتُمْ سَيِّئَةً يُقُولُوا هَذَا مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلُّ مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا

تم جہاں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی (۸۵) چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہو گے، اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے، تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری وجہ سے ہے، آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ کے پاس سے ہے، پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ بات سمجھتے ہی نہیں ہیں ﴿۷۸﴾

ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے جہاد فرض ہونے کے قبل اسلام کا اعلان کر دیا تھا، اور جب جہاد فرض ہوا، تو مارے ڈر کے ان کی جان مصیبت میں پڑ گئی۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہی تیسرا قول آیت کے سیاق کے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے کہا تھا ”اے اللہ! تو نے ہمارے اوپر جہاد کیوں فرض کیا؟“ نیز اللہ نے ان لوگوں کی یہ صفت بیان کی کہ ”اگر انہیں بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہے“ اور اس طرح کے اقوال صحابہ کرام سے صادر نہیں ہو سکتے تھے۔

صاحب ”حسان التزیل“ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اور کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت نقل کی جاتی ہے کہ یہ مکی زندگی میں صحابہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی، تو وہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ اور مکی زندگی میں جبکہ مسلمان نہایت درجہ کمزور تھے، اسلام کا اعلان کرنے سے ڈرتے تھے، یہ بات بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے جنگ کرنے کی اجازت مانگی ہوگی۔ اور آیت میں ان لوگوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ ”وہ لوگوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے، یا اس سے بھی زیادہ“ یہ صفت کا فر یا منافق کی ہو سکتی ہے، مسلمان کی نہیں۔

آیت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا قول اور موت سے ان کے خوف و دہشت کا ذکر کیا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ دنیاوی لذتیں چند ہی دنوں میں ختم ہو جانے والی ہیں، اور نیک اعمال اور جہاد فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب ہمیشہ باقی رہے گا۔

(۸۵) اس آیت کریمہ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ موت جس کے ڈر سے تم جہاد سے کترارہے ہو، جب اس کا وقت آجائے گا تو وہ کہیں بھی تمہیں آدبوچے گی۔

اس کے بعد اللہ نے منافقین کی ایک اور صفت بیان کی کہ جب ان کے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور ہمیں اچھا جان کر ہی یہ سب کچھ دیا ہے، اور اگر قحط سالی اور مال و اولاد میں کمی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اے محمد! یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، تم ہی جب سے مدینہ میں آئے ہو یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اور اس بات میں تو یہود بھی منافقین کے ساتھ شریک تھے، کہتے تھے کہ جب سے یہ آدمی (رسول اللہ ﷺ) اور اس کے اصحاب یہاں آئے ہیں، ہمارے اناجوں اور پھلوں میں کمی آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے آپ کہئے کہ اے منافقو! نعمت یا مصیبت سب کا تعلق اللہ سے ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ تم جہالت و عناد میں مبتلا ہو تمہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَأَرْسَلْنَاكَ بِاللَّيْلِ رَسُولًا وَقَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۖ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۗ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۗ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَأُوا مِنْ عُنْدِكَ بَكَتْ عَلَيْهِمُ رُبُعَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۗ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبْصِرُونَ ۗ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ ۗ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

آپ کو جو بھلائی (۸۶) بھی پہنچتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو بُرائی بھی پہنچتی ہے تو آپ کے کئے کا نتیجہ ہوتا ہے، اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ شاہد کے طور پر کافی ہے ﴿۷۹﴾ جس نے رسول کی اطاعت (۸۷) کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا پہرہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے ﴿۸۰﴾ اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم فرمانبردار (۸۸) ہیں، پھر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں، تو ان میں کا ایک گروہ اپنے کہے کے اُلٹا مشورہ کرتا ہے، اور اللہ ان کے خفیہ مشوروں کو لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے اعراض کیجئے، اور اللہ پر بھروسہ رکھئے، اور اللہ بحیثیت کارساز کافی ہے ﴿۸۱﴾

(۸۶) یہاں اللہ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے، تو یہ اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو تمہارے کسی گناہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ترمذی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بندہ کو چھوٹی یا بڑی کوئی بھی تکلیف پہنچتی ہے، تو اس کے گناہ کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اور اللہ تو اکثر گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

اس کے بعد اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ ”ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، تاکہ آپ اللہ کی شریعت اور اس کے اوامر و نواہی ان تک پہنچادیں۔ اور اللہ گواہ ہے کہ اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (۸۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کی اہمیت بیان کی ہے، اور بتایا ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر کے اللہ کا فرمانبردار نہیں بن سکتا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی کر کے اللہ کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے آیت (۵۹) کی تفسیر کے ضمن میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ آپ کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، آپ کی ذمہ داری تو صرف ہمارا پیغام ان تک پہنچانا تھا، وہ آپ نے کر دیا، اب جو شخص آپ کی اتباع کرے گا، وہ نیک بخت ہو گا اور جہنم سے نجات پا جائے گا، اور جو روگردانی کرے گا، وہ دنیا و آخرت میں خسارہ پائے گا۔

(۸۸) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے منافقین کے محبتِ باطن کی خبر دی ہے، کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے تو کہتے کہ ہمارا کام تو آپ کی اطاعت کرنا ہے، لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے تو رات کی تاریکی میں سردارانِ منافقین، آپس میں آپ کی نافرمانی اور سرکشی کے عہد کی تجدید کرتے۔ اس کے بعد اللہ نے ان منافقین کو دھمکی دی ہے کہ اللہ اپنے فرشتوں کے ذریعہ ان کے تمام کرمات کو توت لکھ رہا ہے، اور ان کی اپنی منافقوں اور خباثوں کا پورا پورا اہل مل کر رہے گا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ان کے ساتھ غفودد رگزر سے کام لیجئے، ان کی حقیقت لوگوں سے چھپا کر ہی رکھئے، اور ان سے ڈریئے بھی نہیں،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَذْعَابُهُمْ وَلَوْ كَرِهُوا وَإِلَى الرَّسُولِ وَالْيَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ يُسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

کیا وہ قرآن (۸۹) میں غور نہیں کرتے ہیں، اور اگر یہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے ﴿۸۲﴾ اور جب انہیں امن و خوف کی کوئی خبر ملتی ہے تو اسے پھیلانا (۹۰) شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر اسے رسول اور ذمہ داروں کے سپرد کر دیتے، تو ان میں سے تحقیق کی صلاحیت رکھنے والے اُس کی تہہ تک پہنچ جاتے، اور اگر اللہ کا تم پر فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو چند لوگوں کے سوا تم سبھی شیطان کی اتباع کرنے لگتے ﴿۸۳﴾ اور اللہ پر بھروسہ رکھنے، کیونکہ جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔

(۸۹) منافقین ہی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ لوگ قرآن کریم کو غور سے سنتے، اس کے معانی و مضامین میں تدبر کرتے، تو انہیں معرفت تامہ حاصل ہو جاتی کہ رسول اللہ ﷺ برحق ہیں، اور جو دین لے کر آئے ہیں وہ بھی برحق ہے، اور اس نفاق سے نجات مل جاتی جس نے ان کے دلوں کو فاسد، اور ان کے افکار کو حقیقت بنا رکھا ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ یہ قرآن برحق ہے، اور اللہ کا کلام ہے، اگر غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں اختلاف واضطراب، اور تعارض ہوتا، خاص طور سے نبی امور میں۔ لیکن اس میں ایسی کوئی بات نہیں، سیکڑوں غیبی امور سے متعلق تفصیل ہیں، اور مرور زمانے کے ساتھ ان کی تصدیق و تائید ہی ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے منافقین کو اپنا نفاق چھوڑ کر اس قرآن پر ایمان لے آنا چاہئے۔ (۹۰) اس میں بھی منافقین ہی کا ذکر شر ہے کہ انہیں جب جہادی دستوں کے بارے میں غلبہ یا شکست کی کوئی خبر ملتی ہے، تو لوگوں میں اسے بغیر تحقیق کے فوراً پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، جس سے مسلم سوسائٹی کو کئی طرح کے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، اس لئے کہ عام طور پر بغیر تحقیق شدہ خبروں میں بہت سی جھوٹی باتیں ملی ہوتی ہیں۔ اگر وہ خبریں مسلمانوں کے غلبہ کے بارے میں ہوتیں، اور مبالغہ سے کام لیا گیا ہوتا، اور سچی نہ نکلتیں تو بہتوں کو رسول اللہ ﷺ کی صداقت میں شبہ ہونے لگتا تھا، اس لئے کہ منافقین ان خبروں کی نسبت آپ ہی کی طرف کر کے بیان کرتے تھے۔ اور اگر وہ خبریں مسلمانوں کی شکست کے بارے میں ہوتی تھیں، تو بہت سے کمزور ایمان کے مسلمان فتنہ میں پڑ جاتے تھے۔ ان خبروں کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی خبر بڑی تیزی کے ساتھ کافروں کو ہو جاتی تھی، اور اگر خبر خوف و ہراس والی ہوتی تو کمزور مسلمان خائف ہو جاتے تھے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خبروں کی تشہیر سے منع فرمایا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ ان خبروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور اصحاب بصیرت صحابہ کرام کی رائے کا انتظار کر لیتے، تو انہیں حقیقت حال معلوم ہو جاتی، اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کس خبر کو مشہور کرنا چاہئے، اور کسے چھپانا چاہئے۔ مسلمانوں کی ذہنی تربیت ہی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو کچھ سنے اُسے بیان کرے“۔ (مسلم)۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر نبی کریم (ﷺ) کی بعثت اور قرآن کے نزول کے ذریعہ اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا، تو اے مسلمانو! سوائے چند دیدہ و رسد صحابہ کرام کے تم سبھی شیطان کے پیروکار بن جاتے، اور ان جھوٹی خبروں کی تصدیق کرنے لگتے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْتَفِبَ بِأَسْ أَلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ۝ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِمَّنَّهَا ۚ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَكَيْفٍ مِمَّنَّهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

پس آپ اللہ کی راہ میں جہاد (۹۱) کیجئے، آپ کو صرف اپنی ذات کے لئے مکلف کیا جاتا ہے، اور مومنوں کو (جہاد پر) ابھاریئے، قریب ہے کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے، اور اللہ زیادہ زور والا اور زیادہ سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۸۴﴾ جو شخص کوئی اچھی سفارش (۹۲) کرتا ہے، تو اس کی نیکی کا ایک حصہ اُسے بھی ملتا ہے، اور جو بُری سفارش کرتا ہے، تو اُس کے گناہ کا ایک حصہ اس کے نامہ اعمال میں بھی جاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے ﴿۸۵﴾

(۹۱) گذشتہ آیتوں کی طرح اس آیت کا تعلق بھی عہد نبوی میں جنگی سیاست سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر منافقین آپ کی اطاعت نہیں کرتے تو نہ کریں، آپ اللہ کی راہ میں جہاد کیجئے، آپ اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ آپ کی مدد کرے گا فوج کے افراد نہیں۔ اگر اللہ چاہے گا تو آپ اکیلے ہوں گے، اور دشمنوں پر آپ کو اللہ غلبہ دے گا۔ اور مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریئے (جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے میدان بدر میں مجاہدین کی صفیں درست کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”اس جنت کو پانے کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس کی کشادگی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔“). (مسلم).

اس کے بعد اللہ نے وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں پر کفار مکہ کے ظلم و ستم کا سلسلہ ختم کرنے کے لئے اپنے رسول اور مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دے گا، انہیں شکست ہوگی اور وہ تتر بتر ہو جائیں گے۔ چنانچہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا، اور جزیرہ عرب اور مردِ زمانہ کے ساتھ فارس اور روم کی سر زمین پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

(۹۲) مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کی ترغیب دلانا، اللہ کے نزدیک مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی اور شفاعتِ حسنہ ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں اچھی اور بُری شفاعت کا بیان آیا ہے۔ اچھی شفاعت کی تعریف کی گئی ہے اور اللہ کے وعدہ کا ذکر ہے کہ شفاعت کرنے والے کو بھی اللہ اچھا بدلہ دے گا۔ اور بُری شفاعت، یعنی حاکم وقت کے پاس جا کر لوگوں کی شکایتیں کرنے والے کو اس بد کرداری کا بُرا بدلہ ضرور ملے گا۔

شفاعتِ حسنہ کی فضیلت کے بیان میں کئی صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "إِشْفَعُوا تَوَجَّرُوا" کہ "شفاعت کرو، اس کا تمہیں اجر ملے گا۔"

مجاہد، حسن، کلبی اور ابن زید نے کہا ہے کہ یہ آیت لوگوں کی آپس کی سفارشات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جائز سفارش "شفاعتِ حسنہ" ہوتی ہے، اور ناجائز سفارش "شفاعتِ سیئہ"۔

سفارشات کے بدلے میں ہدیہ قبول کرنے کی بڑی نعمت آئی ہے۔ ابوداؤد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے لئے سفارش کی، جس کے بدلے میں اُس نے اسے ہدیہ دیا، اور اس نے قبول کر لیا، تو وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہو گیا۔"

وَلِذَا حُيِّبْتُمْ بِحَبِيْبَةٍ فَيُؤَايَا حَسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَ كُمُۥ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِتْنَةً وَاللّٰهُ أَزْكٰهُمْ بِمَا كَسَبُوْا التَّوْبُوْنَ أَنْ تَهْتَدُوْا مِنْ أَضَلِّ اللّٰهِ وَمَنْ يُضِلِّ اللّٰهُ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا ۝

اور جب تمہیں سلام (۹۳) کیا جائے تو اُس سے اچھا جواب دو، یا اسی کو لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود (۹۳) نہیں ہے، وہ یقیناً تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے ﴿۸۷﴾ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین (۹۵) کے بارے میں دوگرہوں میں بٹ گئے ہو، حالانکہ اللہ نے تو ان کے کئے کی وجہ سے انہیں اوندھا منہ گمراہی میں دھکیل دیا، کیا تم لوگ اُسے ہدایت دینا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اور اللہ جس کو گمراہ کر دے اس کے لئے آپ راہ نہ پائیں گے ﴿۸۸﴾

(۹۳) جہاد سے متعلق آیتوں کے درمیان ”سلام و تحیہ“ کا ذکر، شاید اس مناسبت سے ہے کہ ابھی چند ہی آیتوں کے بعد آیت (۹۳) میں یہ حکم بیان کیا جائے گا کہ اگر کوئی کافر میدان کارزار میں تمہیں سلام کرے، اور اس بات کا اشارہ دے کہ وہ مسلمان ہے، تو یہ کہہ کر رد نہ کر دو کہ تم مسلمان نہیں ہو، اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے اسے قتل نہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ یا کم از کم اسی جیسے کلمات استعمال کریں۔

اس آیت سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ سلام کا جواب مسلمان اور کافر سب کو دینا واجب ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ کافر کے سلام کا جواب وعلیک السلام کے ذریعے دیتے تھے، اور رحمۃ اللہ کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔ اور شعبی نے ایک نصرانی کے سلام کا جواب دیتے ہوئے ”وعلیک السلام ورحمۃ اللہ“ کہا، ان سے اس بارے میں پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ کیا وہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ زندہ نہیں ہے۔ لیکن صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ”اگر اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو ”وعلیکم“ کہو۔ البتہ ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، یہود اور بُت پرست سبھی تھے، اور آپ نے انہیں سلام کیا۔

مسلمانوں کے درمیان سلام کو عام کرنے کی فضیلت بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں سلام کے دونوں حصے ”سلام علیکم“ اور السلام علیکم آئے ہیں۔ لیکن زیادہ تر کفر یعنی بغیر الف لام کے آیا ہے، اس لئے ”سلام علیکم“، ”السلام علیکم“ سے زیادہ بہتر ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ سلام کرنا سنت ہے، اور جواب دینا فرض ہے۔ ان حضرات نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور اس کا سبب یہ بھی ہے کہ سلام کا جواب نہ دینے میں مسلمان کی اہانت ہے، جو حرام ہے۔ حسن بصری اور سفیان ثوری وغیرہما کا یہی قول ہے۔

(۹۳) اس آیت میں اللہ نے خبر دی ہے کہ تمام مخلوقات کا معبود صرف اللہ ہے، اس کے بعد اللہ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ قیامت کے دن وہ تمام بنی نوع انسان کو ضرور جمع کرے گا، اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ چکائے گا۔ پھر کہا کہ اللہ کی بات سے

وَذُو الْوَالْتِرْفُونَ كَمَا لُفِرُوا فَاتْلُوْن سَوَاءٌ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّهُمْ وَاٰقِلُوْهُمْ حَتِيْثٌ وَّجَدْتُمْوَهُمْ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَّلِيَّاءَ وَّلَا نَصِيْرًا ؕ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلَىٰ قَوْمِ بَيْنِكُمْ وَّبَيْنَهُمْ بِيْعًا مِّمَّا اَوْجَعْتُمْ وَّكُم حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَسَلَطَهُمْ عَلَيْهِمْ فَاَلْقَتُوْكُمْ ؕ فَاِنْ اَعْتَزَلْتُمْوَهُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمْ السَّلَامَ ؕ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

وہ تو چاہتے ہیں کہ اُن کی طرح تم لوگ بھی کافر (۹۱) ہو جاؤ، تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ، پس تم لوگ اُن میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر جائیں، اگر نہ کریں تو انہیں پکڑ لو، اور جہاں پاؤ، انہیں قتل کرو، اور اُن میں سے کسی کو اپنا حامی و مددگار نہ بناؤ ﴿۸۹﴾ ان لوگوں کے علاوہ (۹۲) جو ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں، جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو، یا جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے دل تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے کے تصور سے تنگ ہوں، اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تمہارے اوپر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے جنگ کرتے، پس اگر وہ تم سے دور رہیں اور تم سے قتال نہ کریں، اور تمہیں پیغام صلح دیں، تو اللہ نے تمہیں ان کے خلاف جنگ چھیڑنے کی اجازت نہیں دی ہے ﴿۹۰﴾

بڑھ کر کس کی بات صحیح ہو سکتی ہے۔

(۹۵) اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں منافقین سے مراد عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی ہیں، جو غزوہ اُحد کے موقع سے میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے راستہ سے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر واپس آ گئے تھے۔ بخاری، مسلم، احمد اور ترمذی نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ اُحد کے لئے نکلے، تو کچھ لوگ جو آپ کے ساتھ نکلے تھے، راستہ سے واپس ہو گئے۔ ان کے بارے میں صحابہ کرام کی دورائے ہوئی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمیں انہیں قتل کر دینا چاہئے، اور کچھ لوگوں نے کہا کہ انہیں وہ مسلمان ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان منافقین کا نفاق ظاہر کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ ”یہ طیبہ“ شہر ہے، رنگ اور گندگی کو اس طرح الگ کر دیتا ہے جیسے لوہار کی بھائی لوہے کا رنگ الگ کر دیتی ہے۔“

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مسند احمد میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے کہ کچھ عرب رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ آئے، اور مسلمان ہو گئے، لیکن وہ مدینہ منورہ کے مشہور بخار میں مبتلا ہو گئے، تو اسلام سے برگشتہ ہو کر وہاں سے نکل پڑے۔ راستہ میں کچھ صحابہ کرام نے اُن سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں واپس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مدینہ کی بیماری سے ہم تنگ آ گئے تھے۔ صحابہ نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے بہترین نمونہ نہیں تھے؟ پھر اُن کے بارے میں صحابہ کا اختلاف ہو گیا، کسی نے کہا یہ لوگ منافق ہو گئے، کسی نے کہا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کیا۔ بہت ممکن ہے کہ منافقین مدینہ، اور دیگر منافقین عرب سبھوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، صحابہ کرام کے درمیان اختلاف ہوا ہو، اور اختلاف نے شدت پکڑ لیا ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۹۶) گذشتہ آیت میں مذکور منافقین کی یہاں مزید تفصیل بیان کی جا رہی ہے، کہ وہ تمنا کرتے ہیں کہ اُن کی طرح تم لوگ

سَيُجَادُونَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوا بِنُورِ اللَّهِ وَلِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعْبُدُوا اللَّهَ
وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُوا أَيْدِيَهُمْ فَعُدُّوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقِفُ مُؤَهُمٌ ۗ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ
سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿٩٨﴾

تم کچھ لوگوں کو پاؤ گے (۹۸) جو چاہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امن میں رہیں، اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ جب بھی انہیں فتنہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے، اس میں اوندھے منہ پڑ جاتے ہیں، پس اگر وہ لوگ تم سے دور نہ رہیں، اور تمہیں پیغام صلح نہ دیں، اور اپنے ہاتھ نہ روکے رکھیں، تو انہیں پکڑ لو، اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور ایسے ہی لوگوں کے خلاف ہم نے تمہارے لئے کھلی جُت قائم کر دی ہے ﴿۹۱﴾

بھی کافر ہو جاؤ، اور کفر و گمراہی میں ان کے برابر ہو جاؤ۔ اس لئے تم انہیں دوست نہ بناؤ، یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں دارالکفر سے ہجرت کر جائیں، اور تمہیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے۔ اور اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں، تو اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کریں، ان کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرو، کیونکہ دارالکفر چلے جانے کے بعد ان کا کفر کھل کر سامنے آ گیا، اس لئے انہیں گرفتار کرو، اور جل و حرم جہاں پاؤ انہیں قتل کرو، اور انہیں اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

(۹۷) منافقین کے سلسلے میں اوپر جو حکم بیان ہوا اس سے دو قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مستثنیٰ کر دیا ہے، اور کہا ہے کہ انہیں نہ قید کریں اور نہ ان سے قتال کریں۔ ایک تو وہ منافقین جو کسی ایسی قوم کے پاس جا کر پناہ لے لیں، جن کے ساتھ مسلمانوں کا صلح و امن کا معاہدہ ہو، تو وہ انہی کے حکم میں ہو جائیں گے، ورنہ جنگ چھڑ جائے گی اور نقص بیثاق ہو جائے گا۔ اور دوسرے وہ لوگ جو اپنی صلح جوئی کی وجہ سے نہ مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، اور نہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔

ابن ابی حاتم اور حافظ ابن مردویہ نے حسن بصری سے موقوفار وایت کی ہے کہ بدر و احد کے غزوات کے بعد سراقہ بن مالک مدنی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خالد بن ولید کو میری قوم (بنی مدین) پر چھاپہ مارنے کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ان سے صلح کر لیں، اور جب آپ کی قوم اسلام لے آئے گی تو وہ لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اور اگر وہ اسلام نہیں لائیں گے تو مناسب نہیں کہ آپ اپنی قوم کو ان پر غالب کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سن کر خالد کا ہاتھ پکڑا، اور کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ، اور جیسے چاہتا ہے ویسے کرو۔ چنانچہ خالد نے ان کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے، اور جب قریش اسلام لے آئیں گے تو وہ بھی اسلام لے آئیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَيْهِمْ قَوْمٌ﴾ الآية نازل فرمایا۔

"ولو شاء الله" سے آگے تک ان کافروں کی قوت کی طرف اشارہ ہے، کہ انہیں چھیڑ کر ان کی پوشیدہ قوت کو ظاہر کرنے پر انہیں مجبور کرنا ہے، اس لئے اگر وہ اپنی قوت کے باوجود مسلمانوں سے قتال نہیں کرتے، اور صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو انہیں نہ قید کیا جائے اور نہ قتل کیا جائے، اس لئے کہ اسلام کو ان سے کوئی نقصان نہیں ہے، اور ان سے قتال کرنا ان کی قوت کو ظاہر کرنا ہے۔

(۹۸) اس آیت کریمہ میں ایک تیسرے قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے، جو بہت ہی بدترین قسم کے منافقین تھے، اور

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رُقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمِهِمْ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رُقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ، وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رُقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۹۲﴾

اور کسی مومن (۹۹) کے لئے حلال نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے، الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو وہ ایک مسلمان (غلام یا لونڈی) کو آزاد کر دے، اور اس کے گھر والوں کو دیت دے، الا یہ کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں، پس اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا فرد ہو، اور مسلمان ہو، تو ایک مسلمان (غلام یا لونڈی) کو آزاد کر دے، اور اگر کسی ایسی قوم کا فرد ہو، جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو، تو اس کے گھر والوں کو دیت دے، اور ایک مسلمان (غلام یا لونڈی) کو آزاد کرے، جسے (غلام یا لونڈی) میسر نہ ہو، وہ اللہ سے معافی کے لئے دو ماہ تک مسلسل روزے رکھے، اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۹۲﴾

ان کی نیت مذکورہ بالا جماعتِ منافقین و کفار سے مختلف تھی۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے تھے، تاکہ مسلمانوں کی جانب سے ان کی جان، مال اور ان کی اولاد محفوظ رہے، اور اندر اندر کافروں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے، اور ان کے بتوں کی پوجا کرتے تھے، تاکہ ان کی مخالفت مول نہ لیں۔ ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اہل مکہ میں سے اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو دو غلی پالیسی پر عمل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا۔

امام رازی نے لکھا ہے: بہتوں کے نزدیک یہ آیت دلیل ہے کہ جو کفار صلح کی خواہش کا اظہار کریں اور مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچائیں تو ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

(۹۹) منافقین کے ساتھ قتال کا حکم بیان کرنے کے بعد صادق الایمان مومن کے قتل کا حکم بیان کرنا مناسب معلوم ہوا، سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ مسلمان کے لئے کسی طرح بھی مناسب اور جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرے۔ ہاں، اگر غلطی سے بغیر قصد کے ایسا ہو جائے تو دوسری بات ہے، جیسے کوئی کسی کافر پر گولی چلائے، اور غلطی سے کسی مسلمان کو لگ جائے، یا کسی کافر سمجھ کر گولی چلائے، اور وہ مسلمان نکل آئے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، اور ابن المنذر وغیرہم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے حارث بن یزید کو کافر سمجھ کر مدینہ میں قتل کر دیا تھا۔ حارث اور ابو جہل مکہ میں عیاش کو سزا دیتے رہے تھے۔ بعد میں حارث مسلمان ہو کر مدینہ آگئے۔ عیاش نے ان کو مدینہ میں دیکھا تو سمجھا کہ ابھی کافر ہی ہیں۔ چنانچہ اپنی تلوار سے انہیں قتل کر دیا۔ جب انہیں ان کے اسلام کا علم ہوا تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں قتلِ خطا کا حکم بیان ہوا۔

اگر کوئی شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دیتا ہے، اور مقتول کے ورثہ ”دیت“ معاف کر دیتے ہیں تو دیت ساقط ہو جائے گی، لیکن اللہ کا حق یعنی ایک مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا واجب ہوگا، تاکہ اس کے ہر عضو کے بدلے قاتل کا ہر

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فِجْرًا أَوْ كُفْرًا جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۱۰۰﴾

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر (۱۰۰) قتل کر دے گا، تو اس کا بدلہ جہنم ہوگا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی، اور اس نے اس کے لئے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۹۳﴾

عضو جہنم کی آگ سے آزاد ہو جائے۔ اگر مقتول کے ورثہ معاف نہیں کرتے تو دیت دینا واجب ہوگا، جس کی مقدار عمرو بن حزم اور جابر سے مروی صحیح احادیث کے مطابق سواونٹ، دو سو گائیں، دو ہزار بکریاں، ہزار دینار، یا بارہ ہزار درہم ہے، جسے قاتل کے آبائی رشتہ دار ادا کریں گے۔ اور اگر مقتول ایسی کافر قوم کا فرد ہو جو مسلمانوں کے دشمن ہوں، البتہ وہ مسلمان تھا جس کے اسلام کا پتہ نہ چل سکا تھا، تو ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہوگا، اور دیت ساقط ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کی قوم کے لوگ کافر اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اس لئے اس کے اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان وراثت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اگر مقتول ایسی کافر قوم کا فرد ہے جس کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہے، تو مقتول کے ورثہ کو دیت دینی ہوگی، اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی بھی آزاد کرنا ہوگا۔ اور اگر غلام یا لونڈی دستیاب نہیں ہوتی جسے آزاد کیا جاسکے تو بطور توبہ مسلسل دو ماہ تک روزے رکھنے ہوں گے۔

﴿۱۰۰﴾ اس آیت میں قتل عمد کا حکم بیان کیا گیا ہے، کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دیتا ہے، تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی، اور قیامت کے دن اللہ نے اس کے لئے ایک بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قتل عمد اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ نے متعدد آیات میں اسے شرک باللہ کے ساتھ بیان کیا ہے، جیسا کہ سورۃ الفرقان آیت (۶۸) میں ہے ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ”اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اور کسی نفس کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ“۔ اور احادیث میں بھی اس کی بڑی وعید آئی ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”اگر آسمان وزمین کے تمام رہنے والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں، تو اللہ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا“۔

کسی مومن کو قصداً قتل کرنے والے کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں، اس کے بارے میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کی توبہ نہیں قبول ہوگی۔ بخاری نے سعید بن جبیر سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت آخری دنوں میں نازل ہوئی، اور کسی دوسری آیت نے اسے منسوخ نہیں کیا ہے۔ مسلم، نسائی اور ابوداؤد نے ایک دوسری اسی معنی کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کی ہے، جس کے آخر میں ہے کہ اس آیت کے بعد کوئی دوسری آیت نازل نہیں ہوئی جو اسے منسوخ کرے۔ زید بن ثابت، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمرو، حسن اور قتادہ وغیر ہم کی یہی رائے ہے۔

اور جمہور علمائے امت کا قول ہے کہ قاتل عمد کی اس کے اور اس کے رب کے درمیان توبہ ہے۔ اگر توبہ کر لے، اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی حالت درست کر لے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اور مقتول کو اس کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا زُرْتُمُوهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا نَعْنَدَ اللَّهِ مَعَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۹۳﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کر رہے ہو، تو تحقیق کر لیا کرو، اور اگر کوئی تمہیں سلام (۱۰۱) کرے، تو اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تمہارا مقصد دنیاوی زندگی کا سامان حاصل کرنا ہوتا ہے، جبکہ اللہ کے پاس بہت ساری نعمتیں ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، تو اللہ نے تم پر احسان کیا، اس لئے تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تمہارے کئے کی خبر رکھتا ہے ﴿۹۳﴾

مظلومیت کا اچھا بدلہ عطا کر کے اُسے خوش کر دے گا۔ سورۃ الفرقان کی جو آیت ابھی گزری ہے، اس میں شرک باللہ، قتلِ عمر اور زنا جیسے جرائم کا ذکر کرنے کے بعد، اللہ نے فرمایا ہے: ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ کہ ”جو شخص توبہ کر لے گا، اور ایمان لے آئے گا، اور عمل صالح کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔“ اللہ نے سورۃ الزمر آیت (۵۳) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔“ ان دونوں آیتوں میں تمام گناہوں کے بارے میں حکم عام ہے کہ صدق دل سے توبہ کرنے سے اللہ انہیں معاف کر دیتا ہے۔

اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ قتلِ عمد کا مرتکب جہنم میں ضرور داخل ہوگا، یا تو اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے قول کے مطابق اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، یا جمہور کے قول کے مطابق کہ اس کے پاس کوئی عمل صالح نہیں، تو بھی وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گا، اس لئے کہ آیت میں ”خلود فی النار“ سے مراد لمبی مدت ہے، جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہوگا، وہ جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہاں ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ اُمت کا اجماع ہے کہ توبہ کے ذریعہ کسی کا حق ساقط نہیں ہو جاتا ہے۔ اس لئے توبہ کرنے کے بعد بھی مقتول کا حق قاتل کے ذمہ باقی رہے گا، اور وہ قیامت کے دن اپنے حق کا مطالبہ کرے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قاتل کی توبہ قبول کر لے گا، تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مقتول کو اس کی مظلومیت کا اتنا اچھا بدلہ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا، اور قاتل کی توبہ قبول ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

(فائدہ)

دنیا میں مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے، چاہیں تو قصاص لیں، چاہیں تو معاف کر دیں، اور چاہیں تو دیتِ مَظْلُومَ لے لیں، یعنی سواوٹھیاں۔ اس اجمال کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن اگر مقتول کے اولیاء اسے معاف کر دیں، یا دیت لینے پر راضی ہو جائیں، تو کیا اسے کفارہ بھی دینا ہوگا؟ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ ہاں، اسے کفارہ دینا ہوگا، اس لئے کہ جب قاتل خطا میں کفارہ واجب ہے، تو قاتلِ عمد میں بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَفَضَّلَ اللَّهُ
لِلْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ

بغیر عذر کے (جہاد چھوڑ کر گھروں میں) بیٹھ جانے والے (۱۰۲) مسلمان، اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ جانے والوں پر ایک گنا فضیلت دے رکھی ہے، اور اللہ نے ہر ایک سے اچھے اجر کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ جانے والوں پر اجر عظیم کے ذریعہ فضیلت دی ہوئی ہے ﴿۹۵﴾

(۱۰۱) اس آیت کے سبب نزول کے بیان میں امام احمد اور بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا، کچھ صحابہ کا اس کے پاس سے گذر ہوا، تو اس نے سلام کیا، لیکن صحابہ نے کہا کہ یہ شخص اپنی جان اور بکریاں بچانے کے لئے ہمیں سلام کر رہا ہے، چنانچہ اسے قتل کر دیا، اور اس کی بکریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حافظ ابو بکر بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقداد بن اسود کو ایک فوجی دستہ کا کمانڈر بنا کر کسی قبیلہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ جب مسلمان وہاں پہنچے، تو سارے لوگ بھاگ گئے، صرف ایک آدمی رہ گیا جس کے پاس بہت سارا مال تھا۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا، لیکن اس کے باوجود مقداد نے اسے قتل کر دیا۔ ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا، میں یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ سے ضرور بیان کروں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مقداد کو بلا کر پوچھا اور کہا کہ قیامت کے دن کلمہ "لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ" کا تم کیا کرو گے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے مقداد سے کہا کہ تم بھی تو کمہ میں اپنا ایمان چھپاتے تھے۔ آیت کے اگلے حصہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! مکی زندگی میں تم بھی تو اپنا ایمان چھپاتے تھے۔

(۱۰۲) گذشتہ آیتوں میں مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے، اب ان کے درجات کا بیان ہو رہا ہے۔ اور یہاں وہ مجاہدین مراد ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی، اور وہ لوگ جو کسی مجبوری کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو بلایا، اور انہیں الملاء کرایا، عبد اللہ بن امّ مکتوم نابینا صحابی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم اگر میں جہاد کر سکتا تو ضرور کرتا، تو فوراً ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ نازل ہوا۔

اس پر مزید روشنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے پڑتی ہے جسے احمد، بخاری اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو تمہارے ساتھ پورے سفر میں رہے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگرچہ وہ مدینہ میں رہ گئے ہیں؟ آپ نے کہا، ہاں، جنہیں کسی عذر نے آنے سے روک دیا ہے۔

دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمْ لِّلذِّكْرِ ظَالِمِينَ ۖ قَالُوا أَنفُسُهُمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَسِعَةً فَمَا جَاءُوا فِيهَا ۖ قَالُوا لَيْسَ بِهَا مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ قَالُوا لَيْسَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفُوَ عَنْهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

جو اس کی جانب سے بلند مقامات (۱۰۳) اور مغفرت و رحمت ہوگی، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۹۶﴾ بے شک جن لوگوں کی جانوں (۱۰۴) کو فرشتوں نے اس حال میں قبض کیا کہ وہ اپنے حق میں ظالم تھے، تو وہ (فرشتے) ان سے پوچھیں گے کہ تم لوگ یہاں کیوں رہ گئے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم لوگ اس سر زمین میں کمزور تھے، وہ کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی جہاں ہجرت کر کے چلے جاتے، پس ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بڑی جگہ ہوگی ﴿۹۷﴾ سوائے ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے، اور نہ جنہیں راستہ کا پتہ تھا ﴿۹۸﴾ تو امید ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا مغفرت کرنے والا ہے ﴿۹۹﴾

(۱۰۳) اس آیت میں مجاہدین کے لئے جو اجر عظیم ہے اسی کی تفصیل ہے۔ بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں سو (۱۰۰) درجے ہیں، جنہیں اللہ نے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین کی مسافت ہے“۔

علماء نے اسی آیت جہاد سے استدلال کر کے کہا ہے کہ جہاد فرض عین نہیں ہے، اگر فرض عین ہوتا تو پھر بیٹھے والوں کے لئے کسی فضیلت کا ذکر نہ ہوتا۔ آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جہاد ان تمام اعمال سے افضل ہے جو جہاد میں شرکت نہ کرنے والے لوگ کرتے رہتے ہیں۔ سیوطی نے ”الاکلیل“ میں لکھا ہے کہ اس آیت میں مجاہدین کو تمام دوسرے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے، اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے جو لوگ واقعی جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہوتے ہیں ان کا درجہ بھی مجاہدین ہی کا ہے۔

(۱۰۴) اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ”دار الکفر“ (مکہ) اور اس کے گرد و نواح سے ”دار السلام“ (مدینہ) کی طرف ہجرت نہیں کی، دشمن کی طرف سے ہر ظلم و ستم کو برداشت کیا، اور اللہ کی جیسی عبادت کرنی چاہئے تھی ویسی عبادت نہیں کی، انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر ظلم کرنے والا بتایا ہے۔ فرشتے ایسے لوگوں سے ان کی روح قبض کرتے وقت پوچھیں گے کہ تم لوگوں نے یہاں سے ہجرت کیوں نہیں کی؟ تو وہ لوگ یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم کمزور تھے، فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین میں تم لوگوں کے لئے کشادگی نہیں تھی، جہاں تم ہجرت کر کے چلے جاتے، اور اللہ کی عبادت آزادی کے ساتھ کرتے؟! اللہ نے اس آیت میں ان کا ٹھکانا جہنم بتایا ہے۔

اس آیت کا پس منظر اور سبب نزول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق جسے بخاری، ابن المنذر اور ابن جریر وغیرہم نے الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مکہ میں کچھ ایسے لوگ باقی رہ گئے جو دل سے مسلمان تھے، لیکن کافروں کے ڈر سے انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعَبًا كَثِيرًا وَسَعَةً . وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت (۱۰۵) کرتا ہے، وہ زمین میں بہت سی پناہ کی جگہیں اور کشادگی پاتا ہے، اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی نیت سے نکلتا ہے، پھر اُس کی موت آجاتی ہے، تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہو جاتا ہے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۱۰۰﴾

کیا تھا، اور تکلیف و آزمائش کے ڈر سے ہجرت بھی نہیں کی، جب جنگ بدر ہوئی تو کافروں کے ساتھ ایسے لوگ بھی گئے، ان میں سے کچھ لوگ مسلمانوں کے تیروں اور نیزوں سے مارے گئے، مسلمانوں نے ان کے بارے میں کہا کہ یہ لوگ تو مسلمان تھے، اور مجبوراً میدان جنگ تک آئے تھے، اور ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی، تو یہ آیت نازل ہوئی، اور آخرت میں ان کا انجام بتا دیا گیا۔ البتہ اس انجام سے ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا جو واقعی معذور تھے۔ جیسے کوئی اندھا تھا، کوئی لنگڑا تھا، کوئی بوڑھا ضعیف تھا، اور ان کی عورتیں، اور ان کے بچے، ہجرت کرنے سے مجبور تھے، ان کے بارے میں اللہ نے آیات (۹۹/۹۸) میں بتایا کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا۔

حافظ سیوطی نے ”الإکلیل“ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ”دار الکفر“ سے ہجرت کے وجوب کی دلیل ہے، اس سے صرف وہ شخص مستثنیٰ ہوگا جو معذور ہوگا۔

حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں لکھا ہے کہ اسلام میں دو قسم کی ہجرت واقع ہوئی ہے، ایک تو ”دار الکفر“ سے ”دار المؤمن“ کی طرف، جیسا کہ مصیبت زدگان مکہ کی حبشہ کی طرف دوبار ہجرت، اور مکہ سے مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ابتدائے اسلام میں ہجرت۔ دوسری ”دار الکفر“ سے ”دار الایمان“ کی طرف ہجرت، یعنی جب نبی کریم ﷺ اور بہت سے مہاجرین مکہ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے، اس کے بعد مزید مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی۔ اُس وقت ہجرت صرف مدینہ کے ساتھ خاص تھی۔ جب مکہ فتح ہو گیا، تو یہ خصوصیت ختم ہو گئی، اور کسی ”دار الکفر“ سے کسی ”دار الاسلام“ کی طرف ہجرت کا حکم قیامت تک کے لئے باقی رہ گیا۔

(۱۰۵) اس آیت کریمہ میں ہجرت کی ترغیب دلائی گئی ہے، اور یہ بیان ہوا ہے کہ مومن جب اپنے گھر سے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ہجرت کی نیت کر کے نکل پڑتا ہے، تو اللہ کی سر زمین میں اسے سر چھپانے کی جگہ مل ہی جاتی ہے، اور روزی بھی ملتی ہے، اور یہ کہ ہجرت کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اگر اس کی موت آجاتی ہے تو اس کے لئے ہجرت کا اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ وغیرہ نے سند جید کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حمزہ بن عبد مناف اپنے گھر سے ہجرت کی نیت سے نکلے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام احمد نے عبد اللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کی نیت سے نکلا، اور اپنی سواری سے گر کر مر گیا، تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہو گیا۔

نِ قَلَيْسٍ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۗ إِنَّ خِيفْتُمْ أَنْ يَفْتَبِكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا
عَدَاؤًا بَيْنِيَاكُمْ ۚ وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكُمْ وَلْيَأْخُذُوا
اسْلِحَتَهُمْ ۗ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَسْجُدُوا مَعَكُمْ وَلَا يَأْخُذُوا بِلِبَاسِهِمْ
وَأَسْلِحَتِهِمْ ۗ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً
وَلِجُنَاحِ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أذىٌ مِنْ مُطْرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حُرْمَةَ اللَّهِ إِذَا
لِلْكَافِرِينَ عَدَاؤًا بَيْنِيَاكُمْ ۗ

اور جب تم حالت سفر میں ہو تو نماز (۱۰۶) قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار تم پر آچڑھیں گے، بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور جب آپ اُن کے ساتھ ہوں، اور ان کے لئے نماز کھڑی (۱۰۷) کریں، تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو، اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، پس جب وہ سجدہ کر لیں تو آپ کے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ آجائے جس نے نماز نہیں پڑھی ہے، وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے، اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، کفار تو چاہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے ذرا غافل ہو کہ وہ تم پر یکبارگی چڑھ آئیں، اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو، یا تم مریض ہو، تو تمہارے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ اپنے ہتھیار اتار دو، اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۰۲﴾

(۱۰۶) چونکہ ہجرت بغیر سفر کے ناممکن تھی، اسی لئے ہجرت کے احکام کے ساتھ سفر میں نماز کا حکم بیان کرنا مناسب ہوا، کہ مسلمان جب سفر میں ہوں تو چار رکعت والی نمازیں دو رکعت پڑھیں۔ اور آیت میں ﴿فَلْيَنْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ یعنی ”تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے“ سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ سفر میں قصر کرنا سنت ہے، واجب نہیں۔ مسلم، احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے یعلیٰ بن امیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: کیا امن ہو جانے کے بعد بھی نماز قصر پڑھی جائے گی؟ تو آپ نے فرمایا ”یہ اللہ کا صدقہ ہے، مسلمان اسے قبول کریں“۔ اور رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی تھا کہ سفر میں آپ نے بغیر حالت خوف کے قصر کیا۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ ﴿إِنْ خِيفْتُمْ﴾ ”اگر خوف ہو تو قصر کرو“ کی قید اس زمانہ میں مسلمانوں کا حال بیان کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ قصر ہر سفر میں جائز ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے سفر کے لئے نکلے، اور انہیں رب العالمین کے علاوہ کسی کا خوف نہیں تھا، اور آپ نے دو دو رکعت نماز پڑھی، اور بخاری اور دوسرے محدثین نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اور آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ ہم مدینہ لوٹ کر آگئے۔

(۱۰۷) اس میں اور اس کے بعد والی آیت میں، حالت خوف میں نماز ادا کرنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ احمد، ابوداؤد اور نسائی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مکہ جاتے ہوئے مقام عسفان میں تھے کہ مشرکین نے آپس میں کہا:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا لِلَّهِ فِيمَا وَفَّقُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّفُوضًا ۝ وَلَا تَهْوُوا فِي ابْتِعَادِ الْقَوْمِ إِنَّ كَذِبُكُمْ يَأْتِيكُمُ الْيَوْمَ كَمَا تَأْتِيكُمُ الْيَوْمَ وَلَا تَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

۱۰۸

پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے اللہ کو یاد (۱۰۸) کرتے رہو، اور جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو نماز کو (پہلے کی طرح) قائم کرو، بے شک نماز مقررہ اوقات میں مومنوں پر فرض کر دی گئی ہے ﴿۱۰۳﴾ اور دشمن کو جالینے میں کمزوری (۱۰۹) نہ دکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، تو جیسے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے، اور تم اللہ سے اس اجر کی امید رکھتے ہو جس کی انہیں امید نہیں، اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۰۳﴾

یہ لوگ ابھی کچھ ہی دیر بعد ایک اور نماز پڑھیں گے جو انہیں بہت ہی محبوب ہے، تو ہم ان پر حملہ کر دیں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے حالت خوف کی نماز پڑھی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خوف کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھی، اس لئے کہ اللہ نے صلاۃ خوف کے لئے آپ کا ہونا شرط قرار دیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ آپ کے بعد صحابہ کرام نے حالت خوف میں نماز پڑھی، اور آپ کی سنت پر عمل کیا۔

احادیث میں اس نماز کی ایک صورت یہ آئی ہے کہ مسلمانوں کی فوج دو جماعتوں میں بٹ جائے گی، ایک جماعت دشمنوں کے سامنے کھڑی ہوگی اور دوسری جماعت فوج کے قائد کے ساتھ ایک رکعت پڑھے گی۔ اس کے بعد امام اپنی جگہ پر کھڑا ہے گا اور نماز پڑھنے والی جماعت دوسری رکعت پڑھ کر سلام کے بعد دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑی ہو جائے گی، اور دوسری جماعت امام کے پیچھے آجائے گی، امام انہیں اپنی دوسری رکعت پڑھائے گا، اور سلام پھیر دے گا، اور دوسری جماعت اپنی دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گی، دونوں حالتوں میں مسلمانوں کے ہتھیار ان کے پاس رہیں گے، تاکہ دشمن انہیں خالی ہاتھ سمجھ کر حملہ نہ کر دے۔

امام شوکانی کہتے ہیں کہ احادیث میں صلاۃ خوف کی متعدد صورتیں آئی ہیں، اور تمام ہی صورتیں صحیح ہیں۔ کسی بھی صورت پر عمل کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں نے کسی ایک صورت کو اختیار کیا ہے، اور باقی دوسری صورتوں کو چھوڑ دیا ہے، انہوں نے غلطی کی ہے۔

(۱۰۸) اس آیت میں مومنوں کو ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور خاص طور سے جب وہ حالت جنگ میں ہوں، اس لئے کہ روحانی قوت مادی قوت پر بہر حال غالب ہو کر رہتی ہے، اس لئے مجاہدین اسلام صرف نماز میں ہی ذکر الہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ ہر حال میں اللہ کی یاد سے اپنی زبان کو تر رکھیں۔

اس کے بعد اللہ نے کہا کہ جب امن ہو جائے تو مسلمان پوری نمازیں پڑھیں۔

(۱۰۹) یعنی اپنے دشمن کا پیچھا کرنے میں کمزوری اور سستی نہ دکھلاؤ، اس لئے کہ اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے، یہ تکلیف تمہارے ساتھ خاص نہیں ہے، اور مومنوں کو جنگ میں زیادہ صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ وہ اللہ کی قربت اور اس کی جنت کی امید رکھتے ہیں، جس کی کافر امید نہیں رکھتے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا ۗ وَاسْتَغْفِرِ
 اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۗ وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا
 أَيْمِيًا ۗ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۗ
 كَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هَآئِنَّمْ هُوَآ آءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ
 يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَنْ يُكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝

بے شک ہم نے قرآن حق کے ساتھ نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق فیصلہ (۱۱۰) کریں، اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے دفاع کرنے والے نہ بن جائیے ﴿۱۰۵﴾ اور اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰۶﴾ اور آپ ان لوگوں کے لئے نہ جھگڑیئے جو خود اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ سے پسند نہیں کرتا جو بڑا خائن اور گناہ گار ہو ﴿۱۰۷﴾ وہ لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں، اور اللہ سے نہیں چھپاتے، حالانکہ وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ایسی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتا، اور اللہ ان کے کئے کو خوب جانتا ہے ﴿۱۰۸﴾ یہ وہ تم لوگ ہو جو دنیاوی زندگی میں ان کے لئے جھگڑ رہے ہو، لیکن قیامت کے دن اللہ سے ان کے لئے کون جھگڑے گا، یا کون ان کا وکیل بنے گا ﴿۱۰۹﴾

(۱۱۰) آیت (۱۰۵) سے لے کر (۱۰۹) تک کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی وغیرہم نے ذکر کیا کہ یہ آیتیں بنی امیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جس کا نام طعمہ بن امیرق تھا۔ اس نے ایک آدمی کا (زرہ) چوری کر لیا، اور جب اس کا نام لیا جانے لگا، تورات کو چپکے سے اُسے ایک یہودی کے گھر میں ڈال آیا۔ اور وہ اور اس کے بھائی کہنے لگے کہ فلاں یہودی نے زرہ چوری کیا ہے، اور تمام بھائی مل کر قسم کھا گئے کہ طعمہ نے چوری نہیں کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سچ سمجھا، اور یہودی کا ہاتھ کاٹنا چاہا، تو یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور طعمہ کا جھوٹ کھل کر سامنے آیا۔ چنانچہ اس نے اپنے ارتداد کا اعلان کر دیا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا، جہاں اس کے سر پر چوری کرتے ہوئے ایک دیوار گر گئی اور کفر کی حالت میں مر گیا۔ "بما أَرَاكَ اللَّهُ" یعنی اللہ نے جس کا علم آپ کو بذریعہ وحی دیا ہے۔

"وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا" میں دلیل ہے کہ جب تک کسی کے سچا اور حق پر ہونے کا یقین نہ ہو جائے اس کا ساتھ نہیں دینا چاہئے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو ایک قسم کا عتاب بھی ہے کہ آپ کو خیانت کرنے والوں کی طرف سے دفاع نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لئے اللہ نے آپ سے فرمایا کہ اللہ سے مغفرت طلب کیجئے کہ آپ نے بے گناہ یہودی کا ہاتھ کاٹنا چاہا تھا۔ آیت میں ان لوگوں کے خلاف سخت دھمکی ہے جو بغیر تحقیق کئے دوسروں کا ساتھ دیتے رہتے ہیں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَيْمِيًا﴾ میں "خَوَانٌ" مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ "طعمہ" بہت بڑا خائن اور بہت بڑا گناہ گار ہے۔ چنانچہ حالات نے اس کی تصدیق کر دی کہ وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، اور کفر پر اس کی موت ہو گئی۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهَا عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِي بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا كَاوَأِثْمًا مُبِينًا ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝

اور جو شخص کوئی گناہ (۱۱۱) کرے گا یا اپنے آپ پر ظلم کرے گا، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے گا، تو اللہ کو بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا پائے گا ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۱۱﴾ اور جو شخص کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرے گا، اور اسے کسی بے گناہ پر ڈال دے گا تو وہ بہتان اور کھلے گناہ کا مرتکب ہوگا ﴿۱۱۲﴾ اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو ان کی ایک جماعت نے آپ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، اور وہ لوگ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں، اور آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا پائیں گے، اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاری ہے، اور جو آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھایا ہے، اور آپ پر اللہ کا فضل بڑا تھا ﴿۱۱۳﴾

﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ﴾ میں منافقین کے بد باطن ہونے کی عکاسی کی گئی ہے کہ یہ عار سے بچنے کے لئے لوگوں سے اپنے بڑے اعمال چھپانا چاہتے ہیں، اور اللہ کو دکھا کر کرتے رہتے ہیں، اللہ سے انہیں حیا نہیں آتی جو سارے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ اسی لئے اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ جب سازش کرتے ہوتے ہیں اس وقت اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اے وہ لوگو! جو دنیا میں ان خیانت کرنے والوں کا ساتھ دے رہے ہو، قیامت کے دن اللہ کے مقابلہ میں کون ان کی طرف سے دفاع کرے گا!؟

(۱۱۱) آیت (۱۱۰) سے (۱۱۳) تک کا تعلق بھی طعمہ بن امیرق ہی کے واقعہ سے ہے، جن لوگوں نے چوری کی اور جنہوں نے ابن امیرق کا ساتھ دیا اور اس کا دفاع کیا، اگر وہ اللہ کے حضور توبہ و استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ اور چونکہ قرآن کریم میں ہمیشہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں۔ اس لئے یہ حکم سب کے لئے ہے۔ اور جو کوئی کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس کا وبال اسی کے سر پر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے کسی دوسرے کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کر کے کسی دوسرے کے سر ڈال دیتا ہے، جیسا کہ بنی امیرق نے یہودی کو متہم کر دیا، حالانکہ وہ بری تھا، تو اس نے بہتان دھر اور عظیم گناہ کا ارتکاب کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اپنے احسانات یاد دلانے ہیں کہ اگر اللہ اپنے فضل و کرم سے بذریعہ وحی بتا نہ دیتا کہ چور یہودی نہیں بلکہ ابن امیرق ہے، تو آپ نے بے گناہ کا ہاتھ کاٹ لیا ہوتا۔ اور اس کذب بیانی کا وبال انہی جھوٹوں کے سر ہوگا، رسول اللہ ﷺ کو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا، اس لئے کہ آپ کو حقیقت حال کا علم نہیں تھا۔ اللہ کا اپنے رسول پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے آپ کو قرآن کریم اور سنت جیسی نعمت عطا کی، اور دین و شریعت کے وہ امور سکھائے جنہیں آپ پہلے سے بالکل نہیں جانتے تھے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَاتِهِ أَوْ مَعْرِفَةٍ أَوْ مَصْلَحَةٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ لُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَصُلبَهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

ان کی بہت سی سرگوشیوں (۱۱۲) میں کوئی خیر نہیں ہے، سوائے اس آدمی (کی سرگوشی) کے جو کسی صدقہ یا بھلائی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے، اور جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا، تو ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے ﴿۱۱۳﴾ اور جو شخص راہ ہدایت (۱۱۳) واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا، اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی دوسری راہ کی اتباع کرے گا، تو وہ جہنم میں ڈال دیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہوگا ﴿۱۱۵﴾

فخر الدین رازی نے لکھا ہے: یہ آیت دلیل ہے کہ علم سے بڑھ کر کوئی نعت، کوئی شرف اور کوئی منقبت نہیں ہے۔ (۱۱۲) اس آیت کریمہ کا تعلق بھی بنی امیرق ہی کے واقعہ سے ہے کہ اصل چور کو سزا اور عار سے بچانے کے لئے اس کے حمایتی آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ لیکن تفسیر کے قاعدے کے مطابق آیت کا حکم اور معنی عام ہے، کہ عام طور پر لوگوں کی سرگوشیوں میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہوتی۔ بھلائی صرف اس سرگوشی میں ہوتی ہے جس سے مقصود کوئی خیر کا کام کرنا ہو، جس کی صراحت یہاں اللہ تعالیٰ نے بطور استثناء کر دی ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں سے چھپا کر صدقہ کرنے کے لئے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے، یا کسی اور کار خیر کے لئے سرگوشی کرے تو خیر ہے۔

آیت میں ﴿ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ دلیل ہے کہ ان اعمال کا اجر و ثواب پانے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کاموں سے مقصود اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو۔ ترمذی، ابن ماجہ اور حافظ ابن مردودہ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابن آدم کی ہر بات اس کے سر پر بوجھ ہوتی ہے، اس کے لئے مفید نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ اللہ کو یاد کرے، کسی بھلائی کا حکم دے یا کسی برائی سے روکے“۔

(۱۱۳) اس آیت کریمہ کا تعلق بھی بنی امیرق ہی کے واقعہ سے ہے، اس لئے کہ طمعہ کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور اسلام دین برحق ہے، اس کے باوجود اس نے صحابہ کرام کے بجائے کافروں کی راہ اختیار کی، اور مرتد ہو کر کافروں سے چاملا۔ لیکن اس آیت کا حکم بھی عام ہے جیسا کہ اوپر والی آیت کے بارے میں کہا گیا، چنانچہ جو کوئی بھی حق واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا، اور مسلمان کی راہ یعنی دین اسلام کے علاوہ کسی دوسری راہ کو اپنائے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے اسی مخالفت رسول اور عدم اتباع اسلام کی راہ پر چھوڑ دے گا، بلکہ اس کی نگاہوں میں اس کی اس روش کو خوبصورت اور عمدہ بنا دے گا یہاں تک کہ جہنم میں جا کرے گا۔

یہ آیت دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہے، اور اس پر بھی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت بھی کبیرہ گناہ ہے، اور یہ کہ اجماع قرآن و سنت کی طرح دلیل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے ”اجماع“ کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ چونکہ مومنوں کے طریقہ کی مخالفت کا انجام جہنم بتایا گیا ہے، اس

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٣﴾
 إِنَّ يَدَّ عُنُقٍ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدَّ عُنُقٌ إِلَّا شَيْطَانًا مَجْرُبًا ﴿١١٤﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا تُخَدِّعُنَّ مِنْ عِبَادِكِ
 نَصِيْبًا مَكْرُوسًا ﴿١١٥﴾

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک (۱۱۳) کئے جانے کو معاف نہیں کرتا، اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، وہ گمراہی میں بہت دور تک چلا جاتا ہے ﴿۱۱۶﴾ (یہ مشرکین) اللہ کے علاوہ صرف عورتوں کو پکارتے (۱۱۵) ہیں، اور یہ صرف سرکش شیطان کو پکارتے ہیں ﴿۱۱۷﴾ جس پر اللہ نے لعنت (۱۱۶) بھیج دی ہے، اور شیطان نے کہا کہ میں یقیناً تیرے بندوں سے اپنا مقرر شدہ حصہ لوں گا ﴿۱۱۸﴾ لئے یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ ان کی اتباع کرنا فرض ہے۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ قرآن و سنت میں دین کے تمام امور بیان کر دیئے گئے ہیں، اور اُمت کا اجماع بذات خود حق ہے، اس لئے کہ اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، انہوں نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے استدلال کیا ہے، اور آخر میں کہا ہے کہ امام شافعی نے اسی آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کی راہ کی اتباع نہ کرنے والا و عید کا مستحق ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والا و عید کا مستحق ہے، ورنہ اس وصف کو الگ سے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

آگے چل کر لکھا ہے کہ کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں پایا جاتا جس پر علماء کا اجماع ہو گیا ہو، اور اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی سنت سے دلیل موجود نہ ہو، لیکن کبھی وہ دلیل بعض لوگوں کو معلوم نہیں ہو پاتی، اور علماء کے اجماع کا علم ہو جاتا ہے تو اسی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر آیت (۳۸) میں گذر چکی ہے، تکرار سے مقصود یا تو شرک کی خطرناکیوں کی مزید تاکید ہے، یا طعمہ کے قصہ کی تکمیل، جو مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملا اور حالت شرک میں ہی مر گیا۔ ترمذی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ میرے نزدیک اور کوئی آیت محبوب نہیں ہے۔ اور وجہ بظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں امید دلائی ہے کہ وہ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا معاف کر دے گا۔

اس آیت کریمہ میں شرک کی انتہا درجہ کی پلیدیگی، اور مشرکین کی انتہا درجہ کی حسرت اور حماقت بیان کی گئی ہے، کہ وہ ایسے بتوں کی پوجا کرتے ہیں جنہیں انہوں نے عورتوں کے نام دے رکھے ہیں (منات، عذری، لات اور اسی قسم کے دیگر بہت سے بت، جن کی وہ پوجا کرتے تھے ان کے نام عورتوں جیسے تھے) اور ابلیس کی عبادت کرتے ہیں، یعنی اس کی اطاعت کرتے ہیں، تو گویا اس کی عبادت کرتے ہیں۔

آیت کا تعلق ”شیطان مرید“ سے ہے، کہ اللہ نے ابلیس پر لعنت بھیج دی، تو اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں کی عبادت سے اپنا حصہ ضرور نکالوں گا، یعنی وہ غیر اللہ کی عبادت کریں گے یا عبادت میں ریاکاری کریں گے یا عبادت کر کے اس پر فخر کریں گے یا عبادت تو کریں گے لیکن لوگوں پر ظلم کر کے اسے برباد کریں گے یا عبادت کے بعد کفر کا ارتکاب کریں گے۔

وَالَّذِينَ هُمْ وَلَا يُنَادُونَ لِلَّهِ فَمَلَكُوا بَالِ الْاَعْمَارِ اُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِي الْحَسْبِ اَكْبَرِ ﴿١١٨﴾ وَمَا يَدْرِي اَن يُنَادِيَ بِرَبِّهِ اَمْ اَلَّا يَرَى اَنَّ الْاِنْعَامَ لَمَّا سَخَّرَهَا لَهٗ كَانَ لَا يَدْعُو بِهَا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ﴿١١٩﴾ وَمَا يُدْرِيكَ اَن يَخْلُقَ مَا يَشَاءُ اَمْ لَمْ يُنَزِّلِ الْسَّمَاءَ مِثْرًا ﴿١٢٠﴾ وَمَا يَدْرِي اَن يُخْرِجَ الْحَيَاةَ مِنَ الْمَوْتِ اَمْ لَمْ يُحْيِ الْاِنْعَامَ وَالْاِنْسَانَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ﴿١٢١﴾

اور میں یقیناً انہیں گمراہ کروں گا، اور یقیناً انہیں تمناؤں کے ذریعہ بہکاوں گا (۱۱۷) اور انہیں حکم دوں گا پس وہ جانوروں کے کان چیریں گے، اور میں انہیں حکم دوں گا پس وہ اللہ کی تخلیق کو بدلیں گے، اور جو شخص اللہ کے سوا شیطان کو اپنا دوست بنائے گا اس کا انجام صریح گھانا ہوگا ﴿۱۱۹﴾ شیطان ان سے وعدہ (۱۱۸) کرتا ہے، اور تمناؤں کے ذریعہ انہیں بہکاتا ہے، اور شیطان ان سے صرف جھوٹا وعدہ کرتا ہے ﴿۱۲۰﴾ ایسے ہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور اس سے نجات نہ پا سکیں گے ﴿۱۲۱﴾

(۱۱۷) ابلیس ہی کا قول بیان کیا جا رہا ہے کہ میں انہیں راہِ راست سے بھٹکاوں گا، انہیں لمبی چوڑی تمناؤں کے ذریعہ بہکاوں گا، جیسے کہ ابھی لمبی عمر پڑی ہے، اور بڑی بڑی امیدوں کے ذریعہ بہکاوں گا، انہیں تیرے حکم کے خلاف حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان میں سوراخ کر کے، انہیں حرام قرار دے دیں، جنہیں تو نے حلال کیا ہے۔ (زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب اونٹنی پانچواں بچہ مذکر دیتی تو اس کا کان چھید کر آزاد چھوڑ دیتے نہ اس پر سواری کرتے اور نہ کسی پانی یا چراگاہ سے اُسے روکتے)۔ اور انہیں حکم دوں گا پس وہ اللہ کی تخلیق کو بدلیں گے۔ اس تبدیلی خلق کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے:

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد خُصی کرنا، آنکھ پھوڑ دینا اور کان کاٹ دینا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد شمس و قمر، پتھروں اور دیگر مخلوقات کی پرستش ہے، کہ اللہ نے تو انہیں کسی اور کام کے لئے پیدا کیا تھا مگر مشرکوں نے انہیں معبود بنالیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانا ہے، کسی نے کہا ہے کہ اس سے مراد عورت کی مشابہت اختیار کرنی ہے، اور کسی نے کہا ہے کہ اس سے مقصود دین اسلام کو بدل دینا ہے۔

حافظ سیوطی نے "الاکلیل" میں لکھا ہے کہ یہ آیت خُصی کرنے، گودنا کروانے، اضافی بال جوڑنے، دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے اور چہرے کے بال اکھاڑنے کی حرمت پر دلیل ہے۔

بیضادی نے لکھا ہے کہ "خلق اللہ" سے مراد انسان کا چہرہ، صورت اور صفت ہے۔ اور آزاد کردہ زاونٹ کی آنکھ پھوڑ دینا، غلاموں کو خُصی کرنا، گودنا کروانا اور گال پر زینت کے لئے نشان بنوانا، لواطت، سیحاق (دو عورتوں کا آپس میں جنسی خواہش پوری کرنا) شمس و قمر کی عبادت، اسلام میں تبدیلی لانا، اور اعضاء و جوارح کو غیر مفید کاموں میں استعمال کرنا جس سے انسان کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو، یہ سبھی صورتیں اس آیت کے ضمن میں آتی ہیں۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے جانوروں کے خُصی کرنے کو اس غرض سے جائز کہا ہے کہ وہ موٹے ہوں اور ان کے گوشت میں اضافہ ہو۔ بعض علماء نے اسے مکروہ جانا ہے۔ البتہ انسان کو خُصی کرنا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے۔

قرطبی لکھتے ہیں: اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ انسان کا خُصیہ نکال دینا حرام ہے اور ایسا کرنا اللہ کی تخلیق کو بدل دینا ہے۔

(۱۱۸) ابلیس کے وعدوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس ان سے وعدے کرتا ہے، اور انہیں بڑی

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سُدَّ خَلْفَهُمُ جَنَّتِي تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۗ لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا مَأْنِيكُمْ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۗ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ كَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۗ

اور جو لوگ ایمان (۱۱۹) لائے اور عمل صالح کیا، انہیں ہم ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے ﴿۱۲۲﴾ (اے مسلمانو!) افضل (۱۲۰) ہونے کا تعلق نہ تمہاری تمناؤں سے ہے، اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے، جو کوئی بُرا کام کرے گا اس کا بدلہ اُسے دیا جائے گا، اور وہ اللہ کے علاوہ اپنے لئے نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ مددگار ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص بھی عمل صالح کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، درانحالیکہ وہ مومن ہوگا، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۲۳﴾

بڑی تمناؤں کے خواب دکھاتا ہے، حالانکہ اس کا وعدہ سوائے دھوکے اور گمراہی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اہلیس کے ان دوستوں کا ٹھکانا جہنم ہے، جس سے نکل کر وہ کہیں نہیں جا سکیں گے۔

(۱۱۹) شیطان کی عبادت کرنے والے مشرکین کا انجام بیان کرنے کے بعد رخصت کی عبادت کرنے والے اہل توحید کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ اور مشرکوں کے ساتھ شیطان کے جھوٹے وعدوں کے مقابلہ میں موحدین کے لئے اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ سچا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے، تو کہتے تھے: "إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كَلَامُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ" (ﷺ) کہ سب سے سچی بات اللہ کی بات ہے، اور سب سے اچھی ہدایت محمد (ﷺ) کی ہدایت ہے۔ (مسلم، نسائی)۔

(۱۲۰) آیات (۱۲۳/۱۲۴) کے سبب نزول کے بارے میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے مسروق سے روایت کی ہے کہ نصاریٰ اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی اپنی خوبیوں پر فخر کیا، اور دونوں نے کہا کہ ہم لوگ تم لوگوں سے افضل ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ اے مسلمانو! اور اے اہل کتاب! کسی کے افضل ہونے کا تعلق اس کی خوش کن تمناؤں سے نہیں ہے، اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کوئی اچھا نہیں ہو جاتا، انسان کے اچھایا بُرا ہونے کا تعلق اس کے عمل سے ہے۔ جس کے اعمال بُرے ہوں گے، شرک اور دوسرے گناہوں کا مرتکب ہوگا، اُسے اس کا بدلہ ملے گا، اور جو شخص عمل صالح کرے گا، موحد ہوگا اور عبادتوں میں زندگی گزارے گا، تو اس کا شمار نیک لوگوں میں ہوگا، اور جنت اس کا مقام ہوگا۔

امام احمد نے ابو بکر بن ابوزہیر سے روایت کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! اس آیت کے بعد اب کون نجات و فلاح کی امید کر سکتا ہے، کہ ہر برائی کا بدلہ مل کر رہے گا؟ تو آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، کیا آپ بیمار نہیں ہوتے، کیا آپ کو غم لاحق نہیں ہوتا، کیا آپ کو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی؟ ابو بکر نے کہا، ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ بھی تو بدلہ ہی ہے۔ بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا فَرَسْنَا لَكُمْ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۗ وَاللَّهُ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ۝

اور اس آدمی سے زیادہ دین دار (۱۲۱) کون ہو گا جو اپنی پیشانی اللہ کے سامنے جھکا دے، اور اس کا عمل بھی اچھا ہو، اور مسلم و موحد ابراہیم کی ملت کا قبیح ہو، اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنا لیا تھا ﴿۱۲۵﴾ اور آسمانوں اور زمین کی ہر شے اللہ کی ملکیت (۱۲۲) ہے، اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ﴿۱۲۶﴾

ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان کو جب بھی کوئی تکلیف، مصیبت، بیماری، غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“

(۱۲۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی دیگر تمام ادیان پر فضیلت بیان کی ہے، کہ اُس آدمی کے دین سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے، جس نے اپنی جبینِ نیاز اللہ کے سامنے جھکا دی، اس کے سوا کسی کو اپنا رب نہیں مانا، اور اپنی زندگی میں عمل صالح کرتا رہا، اور اُس ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا رہا جس نے شرک سے پورے طور پر بیزار ہو کر حق پرستی کو اپنی زندگی کا شعارِ اوّل بنا لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسلام کی فضیلت دو باتوں کے ذریعہ بیان کی ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد اعتقاد اور عمل دو چیزوں پر ہے۔ اسلام آدمی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب سمجھے اور اس کے لئے کمالِ عبودیت اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے، جس کی طرف "أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ" میں اشارہ کیا گیا ہے، اور ایمان کے ساتھ اپنی زندگی میں عمل صالح بھی کرتا رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے بندوں کو ابراہیم علیہ السلام ہی کے دین کی طرف دعوت دی۔ اور یہ بات سب کو معلوم تھی کہ ابراہیم نے انسانوں کو صرف ایک اللہ کی طرف بلایا، اور ان کا دین سب کے نزدیک مقبول تھا، اس لئے عقل کا تقاضا یہ تھا کہ محمد ﷺ کا دین سب کے نزدیک مقبول ہوتا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا: ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ کہ اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا تھا۔ اس میں انسانوں کو ایک قسم کی ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ جب ابراہیم اللہ کے خلیل تھے تو ان کے دین (دینِ اسلام) کو قبول کرنا چاہئے۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الجواب الکافی" میں لکھا ہے کہ کلمہ "خَلَقَ" جس سے "خلیل" بنا ہے، اس کا معنی کمالِ محبت اور انتہائے محبت ہے، کہ جس کے بعد دل میں کسی دوسرے کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور یہ منصبِ عظیم صرف ابراہیم و محمد علیہما السلام کے لئے خاص تھا۔

مسلم اور حاکم نے جناب بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دفات کے قبل کہتے سنا: "اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے، جیسے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا تھا۔"

(۱۲۲) یہاں اللہ تعالیٰ نے مشہور اور ثابت شدہ حقیقت کو بیان کیا ہے کہ آسمان و زمین کی ہر شے اللہ کی ملکیت ہے، اس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ اس لئے وہ مالکِ کل سب کو اس کے اعمال کا بدلہ ضرور چکائے گا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں منشا یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو جو اپنا خلیل بنا لیا تو اس وجہ سے نہیں کہ اللہ

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۖ وَمَا يُثَلِّي عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمِّي النِّسَاءَ الَّتِي لَا تُوْتُوهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۗ

اور آپ سے لوگ عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے (۱۲۳) ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان کے بارے میں اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے، اور وہ آیتیں فتویٰ دیتی ہیں جن کی قرآن کریم میں تمہارے لئے تلاوت کی جاتی ہے، ان یتیم بچوں کے سلسلہ میں جنہیں تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے ہو، اور ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اور کمزور بچوں کے سلسلہ میں، اور یتیموں کے معاملہ میں عادلانہ رویہ اختیار کرنے کے لئے، اور تم جو بھی بھلائی کرو گے، بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۱۲۷﴾

ابراہیم کی دوستی کا محتاج تھا، بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے ابراہیم کی غایت درجہ کی تحکیم تھی۔

اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ ابراہیم کا خلیل اللہ ہونا انہیں دائرہ عبودیت سے خارج اور اس سے

اونچا نہیں بنادیتا۔

(۱۲۳) اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے عورتوں کے بارے میں سوال کیا کہ میراث اور دیگر امور میں ان کے کیا حقوق ہیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ عورتوں سے متعلق جو مسائل بیان نہیں کئے گئے ہیں، ان کے بارے میں تمہیں اللہ فتویٰ دیتا ہے، اور جو مسائل پہلے سے گذشتہ آیتوں میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ تو وہ آیتیں تمہیں فتویٰ دیتی ہیں، جس کی تلاوت تم پہلے سے اسی سورت کی ابتدا میں کر آئے ہو، یعنی اللہ کا فرمان: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اور اس کے بعد والی آیتیں۔

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا﴾ کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ ”یہ یتیم لڑکی کے بارے میں ہے، جو اپنے ولی کی زیر نگرانی ہو، اور اس کے مال میں شریک ہو، اور اس کا وہ ولی اس کے مال و جمال کی وجہ سے اس سے شادی کرنا چاہے، لیکن اسے مناسب مہرنہ دینا چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے منع فرمایا کہ وہ اس کے مہر میں انصاف کئے بغیر اس سے شادی نہ کرے۔“

عروہ کہتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ نازل ہوئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کا فرمان: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ اس یتیم لڑکی کے بارے میں ہے جس کا ولی اس کے خوبصورت نہ ہونے کی وجہ سے اس سے شادی نہ کرنا چاہے، اور نہ کسی دوسرے مرد سے اس کی شادی کرنے پر آمادہ ہو، کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ دوسرا آدمی اس کے مال میں شریک ہو جائے گا۔ اس لئے اسے زندگی بھر کے لئے شادی سے روک دیتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں جس طرح عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا، اسی طرح چھوٹے بچوں کو بھی حصہ نہیں ملتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کمزور بچوں کو بھی ان کا حصہ دو، جیسا کہ اللہ نے ابتدائے سورت میں فرمایا ہے: ﴿يُوصِيكُمُ

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصَلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحْرَ وَإِنْ أَنْحَسْتُمُوهَا وَتَمَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی جانب سے نفرت یا بے تعلقی (۱۲۴) کا خوف ہو، تو کوئی حرج نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں، اور صلح اچھی چیز ہے، اور بخالت انسانی نفوس میں رچا دی گئی ہے، اور اگر تم اچھا سلوک کرو گے اور اللہ سے ڈرو گے، تو بے شک اللہ تمہارے کئے کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿۱۲۸﴾

اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ﴿﴾ "اولاد کے بارے میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ مذکر کو مؤنث کے دو گنا دیا جائے۔" اور قییموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، جیسا کہ اللہ نے ابتدائے سورت میں فرمایا ہے: ﴿وَأَتُوا النِّسَامَى أَمْوَالَهُمْ﴾ کہ "قییموں کو اُن کا مال دے دو۔"

(۱۲۴) اس آیت کریمہ میں شوہر اور بیوی سے متعلق ایک حکم بیان کیا گیا ہے، کہ اگر بیوی اپنے شوہر کی طرف سے بے رُخی کا اندازہ لگا رہی ہو، مثال کے طور پر اس کے ساتھ ایک بستر میں سونا چھوڑ دے یا اس کے اخراجات میں کمی کر دے، یا اس کے ساتھ بیٹھنا اور بات چیت کرنا بند کر دے، تو دونوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ آپس میں بیٹھ کر صلح کر لیں اور اس بات پر اتفاق کر لیں کہ شوہر اس کا حق ادا کرے جیسا کہ اسلام کا تقاضا ہے۔ اور اگر ایسا ممکن نظر نہ آئے اور بیوی چاہتی ہو کہ ازدواجی زندگی قائم رہے، تو مہر یا اخراجات کا کچھ حصہ چھوڑ دے یا شوہر کو کچھ اور مال دے دے، یا اگر اس کے پاس کوئی دوسری بیوی ہے جسے وہ زیادہ چاہتا ہے تو اپنی باری کے کچھ ایام اس کو دے دے اور شوہر اسے طلاق نہ دے، اور اگر یہ دونوں ہی صورت ممکن نہ ہو تو پھر شوہر طلاق دے دے، لیکن صلح میں ہر بھلائی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی چیز کسی کو نہ دینا، اس معاملہ میں بخل سے کام لینا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لئے بیوی کو چاہئے کہ شوہر کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو جائے، اسی طرح شوہر کے طبعی بخل کو مد نظر رکھتے ہوئے، اس کی جانب سے کم ہی پر راضی ہو جائے، اور مال کثیر کا مطالبہ کر کے اسے زیر بار نہ کرے، تاکہ صلح کو عملی جامہ پہنانا ممکن ہو سکے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ایسی عورت کے بارے میں ہے جس کا شوہر اب اسے نہیں چاہتا، اسے طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے شادی کرنی چاہتا ہے، بیوی کہتی ہے کہ مجھے طلاق نہ دو اور دوسری شادی کر لو، اور میں اپنے نان و نفقہ اور اپنی باری سے دست بردار ہوتی ہوں۔ حاکم نے عروہ کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ اے میرے بھانجے رسول اللہ ﷺ باری کے معاملہ میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، اور تقریباً ہر دن ہم سب کے پاس آتے تھے، ہر بیوی کے قریب ہوتے لیکن چھوتے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ جس کی باری ہوتی اس کے پاس پہنچتے، اور وہاں رات گزارتے۔ سو وہ بنت زمرہ رضی اللہ عنہا بوڑھی ہو گئی تھیں اور انہیں ڈر ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں، تو آپ نے اسے قبول کر لیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اور اسی طرح کے دیگر حالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا﴾ الایۃ۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصَلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَكَّرُوا يَتَّبِعُوا اللَّهَ وَكَانَ اللَّهُ وَسِعًا كَرِيمًا ۝
 وَاللَّهُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنْ
 تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْأَرْضِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ۝ وَبَلَّغْنَا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي
 الْأَرْضِ ۝ وَكُلٌّ بِاللَّهُ وَكِيلٌ ۝ إِنَّ يَتَشَايِرُ هَيْبَتَكُمْ أَيْهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِالْخَيْرِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ۝

اور تم ہزار چاہنے کے باوجود دعوتوں کے درمیان عدل و انصاف (۱۲۵) نہیں کر سکتے، پس تم (کسی ایک کی طرف) بالکل مائل نہ ہو جاؤ، کہ دوسری کو لٹکائی ہوئی کی طرح نہ بنا دو، اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تو بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۹﴾ اور اگر دونوں جدا (۱۲۶) ہو جائیں گے تو اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی طرف سے کشادگی دے کر ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، اور اللہ بڑی کشادگی والا اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۳۰﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت (۱۳۱) ہے، اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی وصیت کی تھی کہ اللہ سے ڈرو، اور اگر کفر کرو گے، تو بے شک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے، اور اللہ بے نیاز اور ساری تعریفوں کا مستحق ہے ﴿۱۳۱﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے، اور اللہ بحیثیت کار ساز کافی ہے ﴿۱۳۲﴾ اے لوگو! اگر (اللہ) چاہے گا تو تمہیں ختم کر دے گا اور دوسروں کو لائے گا، اور اللہ اس پر پوری طرح قادر ہے ﴿۱۳۳﴾

لئے کیا تاکہ امت کے لئے آپ کا عمل نمونہ بنے۔

اس کے بعد اللہ نے شوہروں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے، اور ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کا تمہیں اچھا بدلہ دے گا۔ (۱۲۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اے لوگو! تم ہزار کوشش کے باوجود اپنی بیویوں کے درمیان پوری طرح مساوات نہیں برت سکتے۔ ابن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہم نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ مسند احمد میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم میں پورا انصاف برتتے، پھر کہتے کہ اے اللہ! جس چیز کا مالک میں ہوں اسے میں نے تقسیم کر دیا، اور جس کا مالک تو ہے میں نہیں، (یعنی دل) اس کے جھکاؤ کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فصیحت کی ہے کہ اگر کسی ایک بیوی کی طرف تمہارا میلان ہو، تو اس میں تمہیں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے کہ دوسری کو آسمان وزمین کے درمیان لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ اصحاب سنن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک طرف پورے طور پر جھک جائے، تو قیامت کے دن اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا“۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے امور کی اصلاح کر لو گے، باری کی تقسیم میں عدل سے کام لو گے، اور ہر حال

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ سُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنَّ يَكُنْ عَنِيًّا أَوْ فَجِيرًا ۚ وَكَانَ اللَّهُ أَوَّلَىٰ بِمَا تَكْتُمُونَ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۚ

جو شخص (۱۲۸) دنیا میں اچھا بدلہ چاہتا ہے، تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کے اچھے بدلے ہیں، اور اللہ بڑا سنی والا اور خوب دیکھنے والا ہے ﴿۱۳۴﴾ اے ایمان والو! انصاف (۱۲۹) پر سختی کے ساتھ قائم رہنے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، چاہے اُس کی ضرب اپنی ذات پر، یا والدین اور رشتہ داروں پر کیوں نہ پڑتی ہو، اور چاہے وہ آدمی مالدار ہو یا فقیر، اللہ ان دونوں سے زیادہ حقدار ہے، پس خواہش نفس کی اتباع کرتے ہوئے انصاف نہ چھوڑ دو، اور اگر کج بیانی کرو گے یا گواہی دینے سے پہلو تہی کرو گے، تو بے شک اللہ تمہارے کئے کی اچھی طرح خبر رکھتا ہے ﴿۱۳۵﴾

میں اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

(۱۲۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اگر شوہر اور بیوی میں ہر ممکن کوشش کے باوجود صلح نہ ہو سکے، اور دونوں ایک دوسرے سے خوش اسلوبی کے ساتھ الگ ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی کر دے گا، اور اس سے اچھے رشتہ کا انتظام کر دے گا، اللہ تعالیٰ بہت وسیع فضل والا اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

(۱۲۷) آیات (۱۳۱/۱۳۲/۱۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کے بیان کے ساتھ تینوں بار اپنے لئے آسمانوں اور زمین کی ملکیت کا ذکر کیا ہے، اور اپنی قدرتِ مطلقہ اور مکمل بے نیازی ثابت کی ہے۔ آیت (۱۳۰) میں شوہر اور بیوی دونوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ جدا ہونے کی صورت میں استغناء اور دوسرے اچھے رشتہ کا وعدہ کیا ہے، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اسی کی ملکیت ہے۔ آیت (۱۳۱) میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے گذشتہ اہل کتاب کو تقویٰ کی وصیت کی تھی، اور اے مومنو! تمہیں بھی وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور کفر نہ کرو، کفر کر کے تم اس کا کچھ نہ بگاڑ لو گے، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اسی کی ملکیت ہے، وہ ہر چیز سے کامل طور پر بے نیاز ہے۔ آیات (۱۳۲/۱۳۳) میں سہ بارہ اللہ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملکیت ہے، اس لئے اگر اللہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اُتار دے اور کسی دوسری قوم کو لے آئے یا انسان کی جگہ کسی دوسری مخلوق کو لے آئے۔ اے انسانو! تمہاری نافرمانیوں کے باوجود اللہ نے جو تمہیں زندہ باقی رکھا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ تمہیں فنا کرنے سے عاجز ہے، وہ تو تمہیں کسی وقت بھی یکسر نیست و نابود کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے، اس لئے تمہیں اس لئے زندہ چھوڑ رکھا ہے کہ وہ تمہاری بندگی سے مکمل طور پر بے نیاز ہے، اور تمہاری نافرمانی سے اس کی عزت و شان میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا ہے۔

(۱۲۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حصولِ آخرت کی ترغیب دلائی ہے، کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف دنیاوی فائدوں کی خواہش کرتے ہیں، جیسے مجاہد جہاد کے ذریعہ حصولِ غنیمت کی نیت کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیاوی فائدوں کے ساتھ اُخروی فائدہ بھی ہے، تو بندہ کیوں نہ دونوں طلب کرے، یا ان میں سے افضل کو طلب کرے۔ قرآن کریم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

اے ایمان والو! (۱۳۰) تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے، اور ان کتابوں پر جو اس نے پہلے اتاری تھی اپنے ایمان میں قوت و ثبات پیدا کرو، اور جو شخص اللہ، اور اس کے فرشتوں، اور اس کی کتابوں، اور اس کے رسولوں، اور یومِ آخرت کا انکار کر دے گا، وہ گمراہی میں بہت دور چلا جائے گا ﴿۱۳۰﴾ میں اس معنی کی اور بھی آیتیں آئی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جو شخص اللہ سے صرف دنیا چاہتا ہے اسے اللہ دنیا دیتا ہے، اور جو دنیا و آخرت دونوں چاہتا ہے اسے اللہ دونوں دیتا ہے۔

(۱۳۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ دنیا میں انصاف پرور بن کر رہیں، اور اگر ان کے پاس کوئی گواہی ہے تو اسے اللہ کی رضا کے لئے ادا کریں، چاہے اس کی ضرب خود انہی پر کیوں نہ آتی ہو، یا وہ گواہی ان کے والدین اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ پڑتی ہو، اور چاہے جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہو وہ کوئی مالدار آدمی کیوں نہ ہو، جس کی خوشنودی کی خاطر عام طور پر لوگ اس کے خلاف گواہی نہیں دیتے، یا کوئی غریب آدمی کیوں نہ ہو، جس پر رحم کھاتے ہوئے لوگ اس کے خلاف گواہی نہیں دیتے، اس لئے کہ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ان کی مصلحت گواہی کے گذر جانے میں ہے۔ اور ذاتی غرض، عصبیت، اور آپس کی عداوت کی وجہ سے انصاف کا دامن نہ چھوڑ بیٹھیں، نہ اس میں اپنی زبان کے ذریعہ تحریف پیدا کریں اور نہ اسے چھپانے کے لئے اس سے اعراض کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے، ان کا انہیں بدلہ دے کر رہے گا۔

مسند احمد میں عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں خیبر کے یہودیوں کے پھلوں اور اناجوں کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا، تو یہودیوں نے انہیں رشوت دینی چاہی تاکہ ان کے ساتھ نرمی کریں۔ تو انہوں نے کہا، اللہ کی قسم، میں تمہارے پاس اپنے محبوب ترین شخص کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اور تم لوگ میرے نزدیک بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ مبغوض ہو، لیکن اس ذات کی محبت، اور تم لوگوں سے میری نفرت مجھ سے بے انصافی نہیں کر سکتی۔ تو یہودیوں نے کہا کہ آسمان وزمین کی بنیاد اسی عدل و انصاف پر ہے۔

(۱۳۰) یہاں خطاب عام مومنوں سے ہے، انہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے ایمان میں مزید قوت اور ثبات پیدا کریں اور ہر حال میں اس پر سختی سے کار بند رہیں۔ آیت میں ”کتاب“ کا لفظ دوبار استعمال ہوا ہے، پہلے سے مراد قرآن کریم، اور دوسرے سے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں۔ قرآن کریم کے لئے ”نزل“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس لئے کہ قرآن تیس سال میں بتدریج نازل ہوا۔ اور دوسری کتابوں کے لئے ”انزل“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ وہ کتابیں ایک بار پوری اترا کرتی تھیں۔ دونوں لفظوں کے لغوی معنی میں یہی فرق ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اور یومِ آخرت کا انکار کرے گا وہ راہِ حق سے ہٹک جائے گا، اور کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا انکار تو کفر ہے ہی فرشتوں، کتابوں، رسولوں، اور یومِ آخرت کا انکار بھی کفر ہے، کیونکہ ان پر ایمان لانے بغیر، اور اس ایمان کے بموجب عمل کئے بغیر ایمان باللہ کا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَدَّوْا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝ بِشِيرِ الْمُنَافِقِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَذَابُ الْيَمِينِ ۝ الَّذِينَ يَخُونُونَ الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءُ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ بِكُفْرِيهَا وَسُئِفْتُمْ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يُخَوِّضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝

بے شک جو لوگ (۱۳۱) ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی گئے، تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، اور نہ انہیں راہِ راست پر لائے گا ﴿۱۳۷﴾ آپ منافقین (۱۳۲) کو خوشخبری دے دیجئے کہ بے شک ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۳۸﴾ جو لوگ مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں، حالانکہ تمام تر عزت تو اللہ کے اختیار میں ہے ﴿۱۳۹﴾ اور اللہ قرآن کریم میں تمہارے لئے اتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے، اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو (۱۳۳) یہاں تک کہ وہ کفار اس کے علاوہ کوئی اور بات کرنے لگیں، ورنہ تم انہی جیسے ہو جاؤ گے، بے شک اللہ تمام منافقین اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے ﴿۱۴۰﴾ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۳۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے جو پہلے ایمان لائے پھر کفر کو قبول کر لیا، پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے، اور کفر میں بڑھتے ہی گئے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف نہیں کرے گا، اور نہ حق و صداقت کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، کیونکہ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے لئے مخلص اور مومن صادق بن جائیں گے، اس لئے کہ کبھی ایمان کا دعویٰ کرنا، اور پھر اس کا انکار کر دینا، اور بار بار اپنے ماضی کی طرف لوٹ جانا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انہوں نے دین کو کھلونا بنا رکھا ہے، ان کی نیت صحیح نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان سے مراد یہود ہیں جو پہلے تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، پھر پھڑے کی پوجا کر کے کفر و شرک کا ارتکاب کیا، پھر موسیٰ کی واپسی کے بعد ان پر ایمان لے آئے، لیکن پھر عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کفر کے مرتکب ہو گئے، اور جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ان کا انکار کر کے اپنے کفر کی تابوت میں آخری کیل ٹھوک دی۔ اور تادم حیات اس کفر پر جے رہے۔ آیت میں منافقین یا یہود کے اسی تذبذب ایمانی کا بیان ہے، عام کفار مراد نہیں ہیں، اس لئے کہ کافر اگر ایمان لے آئے اور اللہ کے لئے مخلص اور صادق الایمان بن جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کا وعدہ کرتا ہے، اور اسلام گذشتہ کفر کو ختم کر دیتا ہے۔

(۱۳۲) آیات (۱۳۸/۱۳۹) میں انہی منافقین کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ اس لئے کہ انہوں نے مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بنا لیا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ کیا کافروں کی دوستی سے ان کا مقصد قوت و غلبہ حاصل کرتا ہے؟ تو یہ ان کی خام خیالی ہے،

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُفْرًا فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِنَ اللَّهِ فَالْوَالِئُ أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَمَنْعَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَجْعَلُ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٣١﴾

جو تمہاری گھات (۱۳۱) میں لگے رہتے ہیں، پس اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، اور اگر کافروں کی کوئی جیت ہوتی ہے، تو (ان سے) کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ تھے، اور مسلمانوں سے تم کو بچایا نہ تھا، پس اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز راہ نہیں دے گا ﴿۱۳۱﴾

اس لئے کہ عزت و قوت کا مالک تو صرف اللہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے عزت اور کامیابی عطا کرتا ہے، کفار اللہ کی مرضی کے بغیر ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے مقصود لوگوں کو اس بات پر ابھارنا ہے کہ وہ صرف اللہ کے بندگانِ عاجز بن کر رہیں، اور اسی کی جناب میں عزت تلاش کریں۔

(۱۳۳) مشرکین مکہ اپنی مجلسوں میں قرآن کریم کا مذاق اڑاتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ بیٹھے سے منع فرمایا، اور سورۃ الأنعام کی آیت (۶۸) نازل کی ﴿وَإِذْ أُرِيتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِينُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ﴿*﴾ ”جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں، تو ان سے کنارہ کش ہو جائیے، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھے“ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں نے کافروں کے ساتھ بیٹھنا بند کر دیا۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہود اور منافقین کے ساتھ ان کی مجلسوں میں بیٹھنا شروع کر دیا، جہاں یہود قرآن کریم کا مذاق اڑاتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں مسلمانوں کو یاد دلایا گیا کہ اس کے قبل قرآن میں اللہ کا حکم اچکا ہے کہ جن مجلسوں میں کفار قرآن کریم کا مذاق اڑایا کریں، ان میں نہ بیٹھو، اس لئے کہ تمہارا ان کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی آیتوں کے انکار کئے جانے اور ان کا مذاق اڑائے جانے پر تم راضی ہو، پھر کفر اور عذابِ جہنم کے مستحق ہونے میں تم انہی کی مانند ہو جاؤ گے، جیسا کہ اللہ نے آگے فرمایا کہ ”اللہ منافقین اور کفار کو جہنم میں اکٹھا کر دے گا“۔

حاکم کہتے ہیں کہ جو علمائے اسلام طہرین اور مخالفین اسلام کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے ان کی مجلسوں میں جاتے ہیں، ان کے لئے کوئی ممانعت نہیں، بلکہ انہیں اجر و ثواب ملے گا۔ اور اگر کسی مجلس میں اللہ، رسول یا دین اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو، تو جو شخص اس سے راضی ہوگا، وہ کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ﴾ یعنی ”تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے“۔ ابن جریر نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ ہر وہ آدمی جو دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتا ہے، اور قیامت تک ہر بدعتی اس آیت کے ضمن میں آئے گا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم میں خصوص سبب کا نہیں بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، اس لئے ہر

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ

بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ (۱۳۵) دینا چاہتے ہیں، اور وہ انہیں دھوکہ میں ڈالنے والا ہے، اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کابل بن کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں سے ریاکاری کرتے ہیں، اور اللہ کو برائے نام یاد کرتے ہیں ﴿۱۳۲﴾

وہ مقام و موقف جہاں دلائل شرعیہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، مثال کے طور پر اسیران تقلید شخصی جو قرآن و سنت کے بدلے میں لوگوں کے آراء کو قبول کرتے ہیں، اور جب کسی عالم کو اس مسئلہ پر قرآن و سنت سے استدلال کرتے دیکھتے ہیں، تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ اس نے ان کے امام مذہب کی مخالفت کر کے، جس کو انہوں نے معلم شریعت ﷺ کا مقام دے رکھا ہے، کسی بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، ایسے لوگوں کی مجلسوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

(۱۳۴) اس میں منافقین کی ایک دوسری صفت بیان کی گئی ہے جو مسلمانوں کو ان سے نفرت کرنے پر مجبور کرتی ہے، یہ منافقین ہر وقت مسلمانوں کی فتح یا شکست کا انتظار کرتے رہتے ہیں، اور دونوں حال میں انہیں صرف اپنا فائدہ مقصود ہوتا ہے، اگر اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو فتح و نصرت ملتی ہے، تو فوراً کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، تمہاری فتح میں ہمارا بھی دخل ہے، اس لئے مالِ غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہئے، اور اگر پاساپلٹ جاتا ہے، اور کافروں کا وقتی طور پر غلبہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ جنگِ احد میں ہوا، تو وہی منافقین کافروں کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے، کیا ہم تمہیں قتل نہیں کر سکتے تھے، اور قید و بند سے نہیں گزار سکتے تھے، لیکن ہم نے یہ سب کچھ نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں کی ہمت پست کرتے رہے، یہاں تک کہ تم ان پر غالب آ گئے، ورنہ تم تو حادثات کا شکار ہو چکے ہوتے۔

اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا یعنی منافقین اس سے دھوکے میں نہ آجائیں کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لینے کی وجہ سے اگر دنیا میں ان کی جان بچی ہوئی ہے تو قیامت کے دن بھی وہ جان برہو جائیں گے۔ قیامت کے دن ان کی یہ ظاہر داری ہرگز ان کے کام نہیں آئے گی۔ اور دنیا میں منافقین کی یہ تمنا کبھی پوری نہ ہوگی کہ مسلمانوں کا وجود ہی ختم ہو جائے، اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی بھی ایسا غلبہ نہیں دے گا، کہ انہیں بالکل ختم کر دے۔

(۱۳۵) اس آیت میں بھی منافقین کے بعض اعمالِ قبیحہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، اپنی زبان سے تو ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل میں کفر چھپائے ہوتے ہیں، اور اپنی کم عقلی اور نادانی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں مسلمانوں کو دھوکہ دے رکھا ہے اور ان کی جان و مال محفوظ ہے، اسی طرح آخرت میں بھی عذاب سے بچ جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہے، کہ دنیا میں ان کی رستی ڈھیل دیتا ہے، اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، اور اس طرح ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہتا ہے تاکہ دھوکہ میں پڑے رہیں، اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم کی سب سے پچی کھائی ہوگی۔

مُذَبِّدِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أُرِيدُوا أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝

وہ شک اور تردد (۱۳۶) کی حالت میں نہ ان کی طرف ہوتے ہیں اور نہ ان کی طرف، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے آپ کوئی راہ نہ پائیں گے ﴿۱۳۳﴾ اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست (۱۳۷) نہ بناؤ، کیا تم اپنے خلاف اللہ کی صریح حجت قائم کر دینا چاہتے ہو ﴿۱۳۳﴾

ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب نماز کے لئے آتے ہیں تو بوجھل جسم کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جیسے کسی نے انہیں اس کام پر مجبور کیا ہو، اس لئے کہ ان کی نیت نماز کی نہیں ہوتی، اور نہ اس پر ان کا ایمان ہوتا ہے، اور نہ ہی نماز کے ارکان و اعمال پر وہ غور و خوض کرتے ہیں۔ ان کا مقصد تو لوگوں کو دکھانا ہوتا ہے تاکہ انہیں مسلمان سمجھا جائے۔ وہ اپنی نمازوں میں بہت کم اللہ کو یاد کرتے ہیں، نہ وہ خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں، اور نہ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ وہ زبان سے کیا پڑھ رہے ہیں۔ حافظ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بات بُری ہے کہ آدمی نماز میں سُست کھڑا ہو، بلکہ اسے خوش و خرم اور شاداب چہرے کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ بندہ نماز میں اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے، اور جب اسے پکارتا ہے تو اس کی پکار سنتا ہے۔

حاکم کہتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ نماز میں سُستی کرنا منافق کی نشانی ہے صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منافقین پر سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے“۔ اور امام مالک نے موطا میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ منافقین کی نماز ہے وہ منافقین کی نماز ہے، کہ آدمی بیٹھا ہے، اور جب آفتاب زرد ہو جائے، اور شیطان کی دو سیٹنگوں کے درمیان پہنچ جائے، تو اٹھے اور چار ٹھوکریں مار لے، اور ان میں اللہ کو بہت ہی کم یاد کرے“۔ (۱۳۶) منافقین کی حالتِ نفاق پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ ایمان و کفر کے درمیان حیران اور مضطرب ہوتے ہیں، کھل کر نہ مومنوں کے ساتھ ہوتے ہیں، اور نہ کافروں کے ساتھ، اور ان میں سے بعض کو شک لاحق ہو جاتا ہے، تو کبھی ادھر مائل ہوتا ہے اور کبھی ادھر۔ بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منافق کی مثال دو بکروں کے درمیان حیران بکری کی ہے، کبھی ایک کی طرف جاتی ہے تو کبھی دوسرے کی طرف، وہ فیصلہ نہیں کر پاتی کہ کس کے پیچھے ہو لے“۔

(۱۳۷) آیت (۱۳۹) میں منافقین کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی صفتِ منافقین سے مسلمانوں کو روکا ہے، کہ اے ایمان والو! کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، اور انہیں مسلمانوں کا راز نہ دو، اگر تم لوگ ایسا کرو گے تو اپنے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کرو گے اور عذاب کے مستحق بنو گے۔

حاکم کہتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ کافر کی دوستی حرام ہے۔ زخمری نے لکھا ہے کہ معصود بن صوحان نے اپنے بھتیجے سے کہا: مومن کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ کرو، اور کافر اور فاجر کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ فاجر تمہارے اچھے اخلاق سے راضی ہو جائے گا، اور مومن کا تم پر حق ہے کہ اس کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ کرو۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذِّكْرِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ كَانُوا أَوْلِيَاءَ لِمَنْ أَهْلَكَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَأُولَٰئِكَ يَبِغُونَ عَلَىٰ آلِهِمْ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ يَبْغِ عَلَيْهِمْ كَبْرَهُمْ وَقَتْلَ الْوَالِدِينَ وَالَّذِينَ ذُكِّرُوا بِهِنَّ وَأَسْرَفْنَ فِي مَالِهِمْ وَأُولَٰئِكَ يُنْفَخْنَ عَنْكَ وَاللَّهُ يُفْعَلُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ إِنَّ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۝

بے شک منافقین جہنم کی سب سے نچلی کھائی (۱۳۸) میں ہوں گے، اور آپ ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائیں گے ﴿۱۳۵﴾ مگر جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی، اور اللہ سے رشتہ مضبوط کر لیا، اور اپنا دین اللہ کے لئے خالص کر لیا، تو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے، اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم سے نوازے گا ﴿۱۳۶﴾ اگر تم شکر ادا کرو گے اور ایمان لاؤ گے تو اللہ تمہیں عذاب (۱۳۹) دے کر کیا کرے گا، اور اللہ بڑا قدر کرنے والا اور بڑا علم والا ہے ﴿۱۳۷﴾

(۱۳۸) منافقین کا انجام بتایا گیا ہے کہ وہ جہنم کی سب سے نچلی کھائی میں ہوں گے۔ آیت (۱۳۶) میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے انجام بد سے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جنہوں نے نفاق سے توبہ کر کے عمل صالح کی راہ اختیار کر لی، کافروں کی دوستی چھوڑ کر اللہ سے اپنا رشتہ استوار کر لیا، اور اپنے دین میں اللہ کے لئے مخلص ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ آخرت میں مومنوں کے ساتھ جنت میں قیام پذیر ہوں گے۔

حاکم نے متدرک میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لو، تمہیں تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا“۔ (۱۳۹) یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ عذاب کا دار و مدار کفر پر ہے کسی اور چیز پر نہیں۔ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، وہ تو بے نیاز ہے، عذاب تو صرف تمہارے کفر کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اگر ایمان و شکر کے ذریعہ کفر کی نفی ہو جائے گی تو عذاب بھی باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ جو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور دل سے ایمان لے آتا ہے، تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے، اس لئے اسے اس کا بہترین اجر عطا کرتا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالشُّوْرِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝ إِنَّ تَبْدُؤَ أَخِيْرًا ۗ أَوْ تُخْفَوُهُ ۗ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوءِ قَوْلِكَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

اللہ کو یہ بات پسند (۱۳۰) نہیں ہے کہ کوئی شخص بُرائی باواز بلند بیان کرے، سوائے اس آدمی کے جس پر زیادتی ہوئی ہو، اور اللہ بڑا سنسنے والا اور بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۳۸﴾ تم چاہے کسی بھلائی کو ظاہر کرو، یا اسے چھپاؤ، یا کسی بُرائی کو معاف (۱۳۱) کرو، تو بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بڑی قدرت والا ہے ﴿۱۳۹﴾

(۱۳۰) اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ آدمی اپنی زبان سے بُری باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرے جیسے گالی گلوچ، غیبت، چغل خوری، خواہ مخواہ کسی کو بد عادت بنا، بد زبانی اور فسق و فجور کے کلمات زبان پر لاتے رہتا۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہ شخص ہے جس پر ظلم ہوا ہو، تو اسے حق پہنچتا ہے کہ حاکم کے سامنے اپنی مظلومیت بیان کرے یا ظالم کے لئے بددعا کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے۔ علماء نے ظلم کی بہت سی صورتیں بتائی ہیں، آیت میں وہ تمام صورتیں مراد ہیں۔

اس معنی کی مزید وضاحت اُس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابو داؤد اور حافظ ابو بکر بزار نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ایک پڑوسی مجھے ایذا پہنچاتا ہے، آپ نے اس سے کہا کہ تم اپنا سامان نکال کر راستہ پر بیٹھ جاؤ۔ اس آدمی نے ایسا ہی کیا، جب کوئی وہاں سے گذرتا تو اس سے پوچھتا کہ کیا بات ہے؟ وہ کہتا کہ میرا پڑوسی مجھے ایذا پہنچاتا ہے، تو ہر آدمی کہتا کہ اے اللہ! تو اس پر لعنت بھیج دے، اے اللہ! تو اسے رسوا کر۔ آخر کار وہ آدمی آیا اور کہا کہ اپنے گھر میں چلے جاؤ، اللہ کی قسم اب میں تمہیں کبھی بھی نہیں ستاؤں گا۔

مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک ایسے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس کے پاس کوئی مہمان آیا تو اس نے اس کا خیال نہیں کیا، اس لئے وہ کسی دوسرے کے پاس چلا گیا اور اس کی بُری خصلت لوگوں سے بیان کرنے لگا۔ اس کے لئے ایسا کرنا جائز قرار دیا گیا۔

ایک دوسری روایت میں مزید صراحت ہے کہ یہ آیت ایسے آدمی کے بارے میں ہے، جس کے پاس کوئی مہمان آئے اور وہ اس کا خیال نہ کرے، تو وہ وہاں سے نکل کر لوگوں سے کہے کہ فلاں آدمی نے میرا خیال نہیں کیا اور میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کلمہ کفر یا اور کوئی بُری بات زبان پر لانے کو اللہ پسند نہیں کرتا، صرف مظلوم و مجبور کے لئے جائز ہے، اور اس کی مثال ابتدائے اسلام میں مکہ کے وہ مسلمان ہیں جن پر کفار قریش ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھاتے تھے، اور انہیں رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تو انہیں کفار نے چھوڑ دیا، اور ان کے ساتھی کو سولی پر چڑھا دیا۔ عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کے بارے میں ہی سورہ نحل کی آیت (۱۰۶) نازل ہوئی تھی، جس میں ان کے ایمان کی شہادت دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص صادق الایمان ہے اور اپنی جان بچانے کے لئے زبان سے کوئی کلمہ کفر ادا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اور قرآن نے ان کے ایمان کی گواہی دی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ﴿إِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ کے عموم میں مذکورہ بالا تمام صورتیں داخل ہیں۔

(۱۳۱) جس پر زیادتی ہوئی ہو اس کے لئے یہ جائز قرار دیا گیا کہ وہ اپنا قضیہ حاکم کے سامنے پیش کرے، لیکن اس آیت کریمہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ الْجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار (۱۳۲) کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور وہ لوگ دونوں کے درمیان کوئی اور راستہ اپنانا چاہتے ہیں ﴿۱۵۰﴾ حقیقت معنوں میں وہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے کافروں (۱۳۳) کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان (۱۳۳) لے آئے، اور ان کے درمیان فرق نہیں کیا، عنقریب اللہ انہیں ان کا پورا اجر دے گا، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۵۲﴾

میں اس سے بہتر اور افضل بات کی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ بُرائی کرے، اور تم اُسے معاف کر دو، تو تمہارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف کرتا ہے، حالانکہ وہ انتقام لینے پر قادر ہے۔ اس لئے اگر تم بھی قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دیتے ہو، تو یقین رکھو کہ اللہ کھلے اور پوشیدہ سب کچھ کو جانتا ہے، وہ تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا، اور تمہیں اس کا اچھا سے اچھا بدلہ دے گا۔

امام احمد اور امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا، اور جو شخص دوسروں کو معاف کر دیتا ہے، اللہ اس کو عزت دیتا ہے، اور جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے رفعت و بلندی عطا کرتا ہے۔

(۱۳۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حافظ ابن کثیر اور شوکانی وغیرہما کا خیال ہے کہ اس آیت میں اہل کفر سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، جو بعض انبیاء پر ایمان لے آئے اور بعض کا بغیر کسی حجت و برہان کے انکار کر دیا۔

یہود نے عیسیٰ اور محمد ﷺ کا انکار کیا، اور نصاریٰ نے خاتم النبیین محمد ﷺ کا انکار کیا۔ اس سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ جس نے بعض انبیاء کا انکار کیا، تو گویا اس نے تمام کا انکار کر دیا، اس لئے کہ اللہ کے تمام ہی انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے، جو شخص حسد، عصبیت، یا اپنی خواہش نفس کی وجہ سے ایک نبی کا بھی انکار کر دے گا، اس نے ظاہر کر دیا کہ جن انبیاء پر اس نے ایمان کا اظہار کیا تھا وہ اللہ کے لئے نہیں تھا، بلکہ عصبیت، خواہش نفس اور کسی دنیاوی غرض کی خاطر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اس آیت کریمہ میں تین بار صفت کفر سے متصف کیا ہے۔

(۱۳۳) انہیں اہل کفر کو ان کے کفر کے نتیجہ میں عذاب الیم کی دھمکی دی گئی ہے۔

(۱۳۴) اس میں نبی کریم ﷺ کی اُمت کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہر کتاب اور نبی مرسل پر ایمان

يَسْأَلُ أَهْلَ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْدًا فَأَخَذْتُمُ الضُّعْفُ بِظُلُومِهِمْ ۖ ثُمَّ أَخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۖ وَإِنَّا لَمُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ۖ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِبَيِّنَاتِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّثْقًا عَظِيمًا ۝

آپ سے اہل کتاب آسمان سے اُن پر کوئی کتاب نازل کرنے کا سوال (۱۳۵) کرتے ہیں، تو انہوں نے موسیٰ سے اس سے بڑا سوال کیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو، تو ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں کڑا کے کی بجلی نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے ان کے پاس کھلے دلائل آجانے کے باوجود، پچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا، تو ہم نے اس گناہ کو معاف کر دیا، اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ عطا کیا ﴿۱۵۳﴾ اور ان سے عہد و پیمان (۱۳۶) لینے کے لئے ان کے سروں کے اُوپر طور پہاڑ لا کھڑا کیا، اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، اور ان سے کہا کہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرو، اور ہم نے ان سے بہت سخت عہد لیا تھا ﴿۱۵۳﴾

رکھتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا، اور ان سے اگر کوئی تقصیر ہوئی ہوگی تو اُسے معاف کر دے گا، اور از روئے رحمت ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دے گا۔

(۱۳۵) محمد بن کعب القرظی، سندھی اور قنادہ کا قول ہے، یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح موسیٰ پر پوری تورات لکھی ہوئی نازل ہوئی تھی، اسی طرح آسمان سے ہمارے لئے کوئی کتاب اُترنی چاہئے، تاکہ ہم تمہارے اوپر ایمان لے آئیں۔ یہ بات انہوں نے ہٹ دھرمی اور کفر کی وجہ سے کہی تھی، ورنہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے تورات میں بیان کردہ دلائل و براہین کے بعد انہیں کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اُن کے اس مطالبہ پر حیرت نہ کریں، انہوں نے تو موسیٰ (علیہ السلام) سے اس بھی بڑا سوال کیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ان ظاہری آنکھوں سے دکھا دو، تو آسمان سے ایک آگ اُتری، جس نے ان کے عناد و استکبار کی وجہ سے، انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے جب بھی کوئی نشانی دیکھی تو اپنے زمانہ کے نبی سے اس سے بڑی نشانی کا مطالبہ کر دیا، اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوئے، جب تک کوئی ایسی نشانی نہیں دیکھی، جس نے انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دیا، اور جس کے بعد ایمان کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ یہ لوگ کبھی بھی دل سے ایمان نہیں لائے، ہمیشہ کفر کو اپنے دل میں بسائے رکھا۔ چنانچہ جب اللہ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے انہیں دوبارہ زندہ کیا تو اپنی فطرت کی کبی اور دل میں چھپے ہوئے کفر کی وجہ سے پچھڑے کو اپنا معبود بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی، جس کی تفصیل سورہ اعراف اور سورہ طہ وغیرہ میں موجود ہے۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور سے واپس آئے اور دوبارہ انہیں توحید کی دعوت دی اور شرک پر ان کی سرزنش کی تب انہوں نے توبہ کی، اور اللہ نے انہیں پھر معاف کر دیا۔

(۱۳۶) بنی اسرائیل نے تورات کے احکام پر عمل کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لینے کے لئے ان کے سروں پر طور پہاڑ کو لا کھڑا کیا تو مارے ڈر کے سجدہ میں گر گئے، اور پہاڑ کی طرف دیکھنے لگے، کہ کہیں ان کے اوپر گرد نہ پڑے، جیسا کہ سورہ اعراف کی آیت (۱۷۱) میں بیان ہوگا۔

فَمَا نَقَضَهُمْ فَبَشَّعْتُمْ وَكَفَرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ
عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ وَكَفَرْتُمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ حَتَّىٰ تَمُوتُنَا عَظِيمًا ۚ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا
الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ
لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظُّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ
عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

(ان کے ساتھ ایسا برتاؤ اس لئے ہوا کہ) انہوں نے (۱۳۷) یثاق کو توڑا، اور اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، اور انبیاء کو ناحق قتل کیا، اور کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی ہے، اس لئے وہ برائے نام ہی ایمان لاتے ہیں ﴿۱۵۵﴾ اور انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، اور مریم پر بہتان عظیم لگایا ﴿۱۵۶﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ ان لوگوں نے انہیں قتل نہیں کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ انہیں شبہ میں ڈال دیا گیا، اور بے شک جن لوگوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ اُن کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، وہ لوگ ان کے متعلق سوائے وہم و گمان کی پیروی کے کوئی صحیح علم نہیں رکھتے، اور انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا ﴿۱۵۷﴾ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا، اور اللہ بڑا زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۵۸﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ بیت المقدس میں سجدہ کرتے ہوئے اور "حِطَّة" کہتے ہوئے داخل ہوں (یعنی اے اللہ! ہم نے جہاد چھوڑ کر، اور تیرے حکم سے سرتابی کر کے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، تو انہیں معاف کر دے) تو انہوں نے دونوں باتوں کی مخالفت کی، نہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوئے اور نہ ہی "حِطَّة" کہا، بلکہ سرین کی طرف سے داخل ہوئے اور "حِطَّة" کہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے سے منع فرمایا، اور اس پر کاربند رہنے کے لئے ان سے بہت ہی سخت قسم کا عہد و پیمانہ لیا، لیکن انہوں نے اس حکم کی بھی مخالفت کی اور حیلہ سازی کر کے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو بند رکھا اور اتوار کے دن ان کا شکار کر لیا۔ اس کی تفصیل سورہ اعراف آیت (۱۶۳) میں آئے گی۔

(۱۳۷) آیت (۱۵۵) سے لے کر (۱۵۸) تک یہود کے ان جرائم کا بیان ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی لعنت کے مستحق بنے :

۱- اللہ سے کئے گئے تمام عہد و مواثیق کو توڑ ڈالا۔

۲- اللہ کے بھیجے گئے دلائل و براہین اور معجزات کا انکار کیا۔

۳- انبیاء کرام کی ایک کثیر تعداد کو قتل کیا۔

۴- استکبار میں آکر کہا کہ ہمارے دل پر پردے پڑے ہیں، ان میں انبیاء کی باتیں داخل نہیں ہوتیں تو ہمارا کیا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کر دی اور کہا کہ بات بالکل برعکس ہے، اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لئے اب حق بات قبول کرنے کی استعداد تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

۵- مریم علیہا السلام پر زنا کی تہمت دھری اور عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا بتایا۔

وَلَنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا كَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ، وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝

اور اہل کتاب کا ہر فرد ان کی وفات کے قبل ان پر ضرور ایمان (۱۳۸) لے آئے گا، اور وہ قیامت کے دن ان کے بارے میں گواہ بنیں گے ﴿۱۵۹﴾

۶- دعویٰ کیا کہ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا تھا اور بطور استہزاء تو کہا کہ دیکھو ”ہم نے اللہ کے رسول کو قتل کر دیا“۔ (اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی، اور کہا کہ انہوں نے عیسیٰ کو نہ قتل کیا اور نہ پھانسی دی، بلکہ وہ شبہ میں ڈال دیئے گئے) اسی لئے اللہ نے کہا کہ جن لوگوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا ہے، دراصل وہ حکم میں مبتلا ہو گئے ہیں، ان کے پاس اس بارے میں کوئی صحیح علم نہیں ہے، وہ تو محض ظن و گمان سے ایک بات کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف بلا لیا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے پھانسی پر چڑھائے جانے کے بارے میں جو تفصیلات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہیں، قرآن و سنت سے ان کا ثبوت نہیں ملتا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی تفسیر کی کتابوں میں موجود ان واقعات کی تلخیص کر کے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے، جن میں تناقض پایا جاتا ہے، کیونکہ ان روایات کے مطابق جب عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے ان کی گرفتاری کے وقت ان کو کہتے سنا کہ کون ہے جو میری شبیہ بنا پند کرے گا، اور وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، ان میں سے ایک نے یہ مرتبہ قبول بھی کر لیا تو پھر کیسے یہودی طرح وہ بھی گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ کو پھانسی دے دی گئی؟!

صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں جو خبر دی ہے، صرف اسی پر (تفصیل میں داخل ہوئے بغیر) ایمان رکھنا چاہئے۔ یہ جاننا ضروری نہیں کہ اللہ نے یہودیوں کو کس طرح شبہ میں ڈال دیا اور عیسیٰ کا شبیہ کسے بنا لیا گیا؟

(۱۳۸) اس آیت کے معنی میں علمائے تفسیر کے دو اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ہر یہودی و نصرانی اپنی موت سے پہلے جب حالت نزاع میں ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئے گا، لیکن اس وقت کا ایمان کام نہ آئے گا۔ محمد بن الحنفیہ، عکرمہ، مجاہد اور محمد بن سیرین وغیرہم کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے تو اس دور کا ہر یہودی و نصرانی ان کی وفات سے پہلے اس بات پر ایمان لے آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے نہ قتل کیا تھا اور نہ پھانسی دی تھی۔ اس وقت دین اسلام کے علاوہ تمام ادیان ختم ہو جائیں گے، اور تمام یہود و نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح دین اسلام کی پیروی کریں گے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن کثیر نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عنقریب ابن مریم تمہارے پاس انصاف و فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے آئیں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ساقط کر دیں گے (یعنی صرف اسلام کو قبول کریں گے) اور مال کی اس قدر بہتات ہو جائے گی کہ کوئی آدمی صدقہ قبول نہیں کرے گا۔ اس زمانہ میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا“۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

فِظْلِهِمْ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَزَمًا عَلَيْهِمْ طَبِئَاتٌ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرٌ ۗ وَأَخَذَهُمُ الرَّبُّ بِأَوْقَادٍ نُّهَوُا عَنْهَا وَأَكْلَهُمْ آمَوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦٠﴾
 لَكِنَّ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْتُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ
 الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦١﴾

پس یہود کے ظلم (۱۶۰) کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ حلال چیزوں کو حرام کر دیا، جو ان کے لئے پہلے حلال کی گئی تھیں، اور اس وجہ سے کہ انہوں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا ﴿۱۶۰﴾ اور سود لیا، حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا تھا، اور لوگوں کا مال ناحق کھایا، اور ہم نے ان میں سے کفر کرنے والوں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۶۱﴾ لیکن ان میں سے (۱۶۰) علم راسخ رکھنے والے، اور ایماندار لوگ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی، اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی، اور جو نماز قائم کرنے والے ہیں، اور زکاۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، انہیں ہم اجر عظیم عطا کریں گے ﴿۱۶۱﴾

کہا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو (اور پھر یہی آیت پڑھی)۔

مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں اسلام کے علاوہ دیگر تمام ادیان کو ختم کر دے گا، اور عیسیٰ علیہ السلام چالیس (دن، مہینہ یا سال) زندہ رہیں گے، اس کے بعد ان کا انتقال ہو جائے گا، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے“ صحیح مسلم میں نواس بن سمان کی روایت ہے کہ ”وہ دمشق میں مشرقی مینارہ کے پاس اتریں گے“۔

حافظ ابن کثیر نے بہت سے صحابہ کرام سے متعدد احادیث نقل کی ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صفت اور جگہ کا ذکر آیا ہے کہ وہ دمشق میں مشرقی مینارہ کے پاس فجر کی نماز کے وقت اتریں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن (عیسیٰ علیہ السلام) اہل کتاب کے بارے میں ان کے ان اعمال کے مطابق گواہی دیں گے جن کا انہوں نے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے مشاہدہ کیا تھا، اور جن کا مشاہدہ زمین پر دوبارہ اترنے کے بعد کریں گے۔

قائدہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ شہادت دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور اللہ کے لئے اپنی عبودیت کا اقرار کریں گے۔ (۱۶۱) یہاں ”ظلم“ سے مراد وہ بڑے بڑے گناہ ہیں جن کا ارتکاب یہودیوں نے کیا تھا، اور جن کا ذکر آیت (۱۵۵/۱۵۶/۱۵۷) میں آچکا ہے۔ ان گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بعض حلال چیزوں کو حرام کر دیا، جو پہلے سے ان کے لئے حلال تھیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس تحریم سے مراد یا تو یہ ہے کہ یہودیوں نے خود تورات میں تحریف کر کے اپنے آپ پر کچھ حلال چیزوں کو حرام بنا لیا، تو گو یا تقدیر میں اللہ نے ایسا ہی ہونا لکھا تھا، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں کچھ ایسی حلال چیزوں کو حرام کر دیا جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں، اور یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے اللہ کے بہت سے بندوں کو صراطِ مستقیم سے روکا، سود کھایا، جبکہ انہیں اس سے روکا گیا تھا، اور لوگوں کا مال ناجائز راستوں سے کھایا، مثال کے طور پر علمائے یہود نے یہودیوں کو ان کی خواہش کے مطابق فتوے دیئے اور ان سے رشوت لی۔

لَا أُوحِيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أُوحِيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَاتَّبَعْنَا دَاوُدَ زَبُورًا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا

بے شک ہم نے آپ پر وحی (۱۵۱) اتاری ہے، جیسے نوح اور ان کے بعد کے دوسرے انبیاء پر اتاری تھی، اور جیسے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر وحی اتاری تھی، اور ہم نے داؤد کو زبور دیا تھا ﴿۱۶۳﴾ اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کے حالات ہم نے اس کے قبل آپ کو (بذریعہ وحی) بتادیئے ہیں، اور ایسے بھی رسول بھیجے جن کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے ہیں، اور اللہ نے موسیٰ سے بول کر (۱۵۲) بات کی ﴿۱۶۳﴾

(۱۵۰) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، زید بن سعید اور اسد بن عبید کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہوں نے یہودیت سے تائب ہو کر اسلام کو قبول کر لیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کو بحیثیت آخری رسول تسلیم کر لیا تھا۔

"راسخ فی العلم" پر سورہ آل عمران کی آیت (۷) کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔ اور "مؤمنون" سے مراد یا تو اہل کتاب کے مومنین ہیں یا مہاجرین و انصار، یا وہ تمام لوگ جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ (۱۵۱) محمد بن اسحاق وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سلکین اور عدی بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ "اے محمد! ہم نہیں جانتے کہ اللہ نے موسیٰ کے بعد کسی دوسرے انسان پر کوئی وحی نازل کی ہے" تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور بتایا کہ اگر اللہ نے محمد ﷺ پر وحی نازل کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس سے پہلے بھی بہت سے انبیاء پر اُس نے وحی نازل کی تھی۔

اللہ نے نوح علیہ السلام کے نام سے اس لئے ابتدا کی، کیونکہ وہ پہلے نبی تھے جنہیں اللہ نے "شریعت" دے کر بھیجا تھا۔ اور "زبور" اس کتاب کا نام ہے جو داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی تھی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان بچیس انبیاء کے نام ذکر کئے ہیں، جن کے نام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کئے ہیں، اکثر و بیشتر انبیاء کے نام معلوم نہیں ہیں۔ ایک حدیث میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ ابن حبان نے اپنی کتاب "الصحيح" میں اسے روایت کی ہے، لیکن ابن الجوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (۱۵۲) اس آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے کہ "اللہ نے موسیٰ سے بات کی" یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوا۔ اور یہ اللہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی انتہائے تکریم تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے لئے صفت "کلام" کو ثابت کیا ہے۔ جمہور سلف اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا، اور یہ غیر مخلوق ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کی صفت ہے۔ معتزلہ اور بعض دوسرے گمراہ فرقوں نے اس کا انکار کیا ہے، انہیں معتزلہ میں سے ایک آدمی کے بارے میں ابو بکر بن عیاش کو معلوم ہوا کہ اس نے اس آیت میں تحریف کر کے "وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا" پڑھا، یعنی کلمہ "اللہ" کو مفعول

رُسُلًا بُشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَكْفُرُوا بِاللَّيظِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ لَكِنَ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ إِلَهًا بَعْلِيَّةً وَالْمَلِكُ يُشْهَدُ وَنُكُفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

ہم نے ایسے انبیاء بھیجے (۱۵۳) جو جنت کی خوشخبری دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے تھے، تاکہ رسولوں کی بعثت کے بعد، لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت نہ باقی رہے، اور اللہ بڑا زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۶۵﴾ (یہ کفار نہیں مانتے تو نہ مانیں) لیکن اللہ اس وحی کی شہادت (۱۵۴) دیتا ہے جو اس نے آپ پر اتاری ہے، اس نے اسے اپنے علم کے مطابق اتارا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور اللہ بحیثیت شاہد کافی ہے ﴿۱۶۶﴾ بے شک جن لوگوں (۱۵۵) نے کفر کیا، اور اللہ کے راستے سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں بہت دور چلے گئے ﴿۱۶۷﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اور ظلم کیا، اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا، اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا ﴿۱۶۸﴾ سوائے جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے ﴿۱۶۹﴾

بادیا، تاکہ معنی یوں ہو جائے کہ ”موسیٰ نے اللہ سے بات کی“ یعنی اللہ نے موسیٰ سے بات نہیں کی، تو ابو بکر نے کہا کہ ”اس طرح ایک کافر ہی پڑھے گا“۔ اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لوگ قرآن کی آیت ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ کو کیا کریں گے۔ اس میں تو فاعل ”رب“ ہے، اور یہاں تحریف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۱۵۳) اس میں انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے مبعوث کیا تاکہ وہ ایمان والوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور کافروں کو عذاب نار سے ڈرائیں، تاکہ قیامت کے دن انسانوں کے پاس اللہ کے سامنے احتجاج کرنے کے لئے کوئی بہانا باقی نہ رہے، کہ اے اللہ! تو نے ہماری ہدایت کے لئے رسول کیوں نہیں بھیجا تھا۔

صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو (بندوں کا) معذرت کرنا پسند نہیں“۔ اسی لئے اس نے جنت کی خوشخبری دینے اور جہنم سے ڈرانے کے لئے انبیاء مبعوث کئے، تاکہ لوگ انبیاء کی تعلیمات کو اپنا کر، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اللہ کی رضا کے حقدار بن جائیں۔

(۱۵۴) ابن اسحاق اور ابن جریر نے اور بیہقی نے ”الدلائل“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے ان سے کہا، اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ تمہیں میرے رسول ہونے کا علم ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کا علم نہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے ہیں تو نہ دیں، اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قرآن اس نے آپ پر اتارا ہے، اسے اس کا علم ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں۔ اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کو ایک قسم کی تسلی دی گئی ہے۔

(۱۵۵) آیات (۱۶۷/۱۶۸/۱۶۹) میں ان لوگوں کا انجام بتایا گیا ہے جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اللہ کا دین قبول کرنے سے روکتے ہیں کہ اللہ نہ انہیں معاف کرے گا، اور نہ راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، بلکہ ان کا ٹھکانا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۗ إِنَّمَا
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْنَاهُ ۗ وَكَلَّمْنَاهُ ۗ الْقَهْمَ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَلَا
تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۗ إِنَّمَا الْخَيْرُ لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ وَآلَهُ الْوَٰحِدُ الْمُسْتَعِينُ ۗ كَذٰلِكَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ ۗ وَكُفِيَ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

الصحیح و کتاب اللہ

اے لوگو! رسول تمہارے رب کی جانب سے حق (۱۵۶) لے کر تمہارے پاس آ پہنچا، پس تم ایمان لے آؤ، تاکہ تمہارا
بھلا ہو، اور اگر کفر کرو گے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے، اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمتوں
والا ہے ﴿۱۵۷﴾ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو (۱۵۷) نہ کرو، اور اللہ کی شان میں حق بات کے علاوہ کچھ نہ کہو،
مسیح عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول تھے، اور اس کا کلمہ، جسے اس نے مریم کی طرف پہنچا دیا، اور اس کی طرف
سے ایک روح، پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اور تین معبودوں کے قائل نہ بنو، اس سے باز
آ جاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے، بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو، آسمانوں
اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کی ملکیت ہے، اور اللہ بحیثیت کار ساز کافی ہے ﴿۱۵۸﴾

جہنم ہو گا جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

(۱۵۶) اس آیت کریمہ میں تمام بنی نوع انسان کے لئے اعلان عام ہے کہ خاتم النبیین ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ دین حق
لے کر دنیا والوں کی ہدایت کے لئے آئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: اے لوگو! تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ،
اور اگر تم کفر کی راہ اختیار کرو گے، تو جان لو کہ آسمان و زمین اسی کی ملکیت ہے، اور وہ تمہیں عذاب دینے پر قادر ہے۔ بعض علماء
نے اس کی تفسیروں کی ہے کہ اگر تم کفر کرو گے، تو جان لو کہ وہ تم سے بے نیاز ہے، نہ تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان پہنچے گا،
اور نہ تمہارے ایمان سے کوئی فائدہ۔

(۱۵۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ ہر دور میں یہ بُرائی ان
کے اندر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پائی گئی۔ انہوں نے دین میں رہبانیت اور عورتوں سے کنارہ کشی کو ایجاد کیا، اور عیسیٰ علیہ
السلام کو اللہ کا مقام دیا، بلکہ اپنے علماء اور راہبوں تک کو اپنا معبود بنا لیا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ
وَدُهْنَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کہ انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو معبود بنا لیا۔

بخاری نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری تعریف میں حد سے
تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے سلسلہ میں کیا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“
اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو تنبیہ کی ہے کہ جس بیماری میں نصاریٰ مبتلا ہوئے، اس میں وہ مبتلا نہ
ہوں۔ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو مقام نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت تک پہنچا دیا، اور انہیں اللہ کا بیٹا بنا دیا، حالانکہ اللہ نے
انہیں مریم کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت آدم کی طرح پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی بنائی تھی۔ وہ اللہ کے بندہ

اور رسول تھے، اس سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں تھی، لیکن ان کے ماننے والوں نے انہیں اپنا معبود بنا لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی آپ ﷺ کے معاملہ میں حد سے تجاوز کر جائیں، اور انہیں مقام رسالت سے اٹھا کر مقام الوہیت تک پہنچادیں۔ افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بات سے ڈرتے تھے وہی ہوا۔ بہت سے اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے آپ ﷺ کو اللہ کا مقام دے دیا اور آپ کو حاجت روا، مشکل کشا اور وہ سب کچھ سمجھنے لگے جو اللہ کی قدرت اور اس کی صفات میں داخل ہیں۔ اور نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نہیں ہوتا، پکار اٹھے کہ س

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر ☆ اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے، انہیں خالص توحید کی راہ پر ڈال دے، اور قرآن و سنت کا سچا قبیح بنادے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر افترا پر دازی نہ کرو، اسے ایسی صفات کے ساتھ متصف نہ کرو جن کے ساتھ اس کا متصف ہونا محال ہے، جیسے یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ اپنی مخلوقات میں حلول کئے ہوئے ہے، نیز اللہ اور بندے میں فی الواقع کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ متحد ہے، یا یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کی بیوی یا اس کا بیٹا ہے۔

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس کے علاوہ کوئی رب نہیں، اسی لئے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں عیسائیوں کے عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول تھے، اللہ نے انہیں بغیر باپ اور بغیر نطفہ کے صرف کلمہ "مُحْن" سے پیدا کیا، جسے اُس نے مریم بنت عمران تک جبرئیل علیہ السلام کے پھونک کے ذریعہ پہنچا دیا، اور عیسیٰ ایک روح تھے، جسے اللہ نے دیگر تمام مخلوق روحوں کی طرح پیدا کیا تھا۔ اور روح کی نسبت اللہ نے اپنی طرف عیسیٰ علیہ السلام کی تکریم کے لئے کی ہے۔ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ "روح" سے مراد مریم کی گریبان میں جبرئیل علیہ السلام کی وہ پھونک ہے، جس کی وجہ سے اللہ کے حکم سے مریم کو حمل قرار پا گیا، اور اس پھونک کو "روح" اس لئے کہا گیا کہ وہ ایک ہوا تھی جو روح سے خارج ہوئی، اور اس کی نسبت اللہ نے اپنی طرف اس وجہ سے کی کہ وہ اللہ کے حکم سے پائی گئی تھی۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جب عیسیٰ کی پیدائش کی حقیقت معلوم ہوگئی، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کے رسول تھے، تو پھر ایمان رکھو کہ اللہ اکیلا ہے، اس کی بیوی یا بیٹا نہیں، اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اس لئے یہ نہ کہو کہ اللہ (اللہ، مسیح اور مریم) تینوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ نصاریٰ کے کفر کی کوئی حد نہیں، اور نہ ان کی گمراہیوں کی کوئی انتہا ہے، ان میں سے کچھ لوگ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ عیسائیوں کے بہت سے گروہ ہیں، جن کی مختلف رائیں اور متناقض اقوال ہیں۔ ان کے انہی فکری تناقض و تباہی کی وجہ سے، بعض متکلمین نے کہا ہے کہ اگر دس نصرانی ایک جگہ جمع ہو جائیں، تو ان کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے گیارہ مختلف اقوال پیدا ہوں گے۔

علمائے اسلام نے عیسائیوں کے اس عقیدہ تثلیث کی تردید کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ عقیدہ عقل و منطق کے خلاف ہے۔ اس وقت امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں ایسے بہت سے عیسائی پائے جاتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کو معبود حقیقی نہیں مانتے، بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ معبود حقیقی صرف ایک "اللہ" ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو خطاب کر کے کہا کہ تم لوگ عقیدہ تثلیث سے باز آ جاؤ، اسی میں تمہارے لئے ہر بھلائی ہے، اس لئے کہ معبود صرف ایک اللہ ہے، وہ اس عقیدہ سے برتر و بالا اور پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، کیونکہ آسمان اور

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْمِلْ يُحْمَلُهُمُ الْيَوْمَ جَمِيعًا ﴿١٥٨﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٥٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿١٦٠﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿١٦١﴾

صبح اللہ کا بندہ (۱۵۸) ہونے کا کبھی انکار نہیں کریں گے، اور نہ مقرب فرشتے، اور جو اس کی عبادت کا انکار کرے گا، اور تکبر کرے گا، تو اللہ ان سب کو اپنے سامنے جمع کرے گا ﴿۱۶۲﴾ پس جو لوگ (۱۵۹) ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اللہ انہیں ان کا پورا پورا اجر دے گا، اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ دے گا، اور جن لوگوں نے (اس کی عبادت کا) انکار کیا اور تکبر کیا، اللہ انہیں دردناک عذاب دے گا، اور وہ اپنے لئے اللہ کے علاوہ کوئی دوست اور مددگار نہ پائیں گے ﴿۱۶۳﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان اور دلیل (۱۶۰) آچکی، اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح نور بھیج دیا ﴿۱۶۲﴾ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے، اور اس کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کر لیا، تو وہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کر دے گا، اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والی سیدھی راہ پر ڈال دے گا ﴿۱۶۱﴾

زمین کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا ملوک و مخلوق اس کا ایک جزو بن جائے؟! تمام مخلوقات کے معاملات اللہ کے حوالے ہیں، اور وہ ان سب سے بے نیاز ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنا لے، بیٹا تو اس کا ہوتا ہے جو عاجز، کمزور اور محتاج ہوتا ہے، تاکہ وہ اس کا قائم مقام بن سکے۔

(۱۵۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کے برعکس عظیم شہادت ہے کہ انہیں اللہ کا بندہ ہونے سے کب انکار ہو سکتا ہے، اللہ کے لئے عبودیت تو وہ عزت و شرف ہے جس پر انہیں ناز ہے۔ یہی شہادت اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں کے لئے بھی دی ہے کہ انہیں بھی اللہ کے لئے اپنی عبودیت پر ناز ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ کی عبادت سے منہ موڑے گا اور کبر و غرور سے کام لے گا، تو اللہ انہیں قیامت کے دن حسب وعدہ جمع کرے گا اور ان کے بارے میں اپنا عادلانہ فیصلہ صادر فرمائے گا۔

(۱۵۹) گذشتہ آیت میں اللہ کی عبادت سے منہ موڑنے والے کو ایک قسم کی دھمکی دی گئی ہے، تو اس آیت میں ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اور آیت کے آخر میں اللہ کی عبادت سے منہ موڑنے والوں کے انجام کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اللہ انہیں سخت عذاب دے گا، اور اس دن اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

(۱۶۰) کافروں کے تمام گروہوں کے عقائد کی تردید کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی، اور کہا کہ ان کی نبوت کی صداقت پر حجت تمام ہو چکی اور حق کو واضح کرنے والا نور (قرآن کریم)

يَتَفَقَّهُونَكَ قُلْ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أُمَّرُؤًا أَهْلَكَ لِئَسْ لَهَا وَلَدٌ وَآلَةٌ أُمَّتٌ فَلَهَا نَصَبٌ مِمَّا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ وَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلْبَانِ مِمَّا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ ۚ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ”کلالہ“ (۱۲۱) کے بارے میں اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مر جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو، تو اسے نصف ترکہ ملے گا، اور اگر بہن مر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو، تو وہ بھائی اس کا وارث ہوگا، اگر بہنیں دو ہوں گی تو ان دونوں کو مال کا دو تہائی ملے گا، اگر کنی بھائی بہن ہوں گے تو ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر ملے گا، (یہ حکم) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان کر دے رہا ہے، تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۲۱﴾

آچکا۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں گے اور اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ کریں گے، تو اللہ ان کے حال پر رحم کرے گا، انہیں جنت میں داخل کرے گا اور ان کے درجات بلند کرے گا اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مومنوں کی دنیا و آخرت میں یہ امتیازی شان ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں عقیدہ و عمل میں راہِ راست پر گامزن ہوتے ہیں، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں اُس راہِ راست پر ڈالے گا جو جنت کی طرف جارہی ہوگی۔ (۱۲۱) اس آیت کریمہ میں "کلالہ" کے میراث کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک "کلالہ" اُس میت کو کہتے ہیں جس کی نہ کوئی اولاد ہو اور نہ والد۔ اس کی تشریح اسی سورت کی آیت (۱۲) کی تفسیر کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں آتا ہے کہ یہ فتویٰ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں مریض تھا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ نے وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے کہا کہ نہ میری کوئی اولاد ہے، اور نہ میرے والد زندہ ہیں، میری میراث کا کیا حکم ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(فوائد)

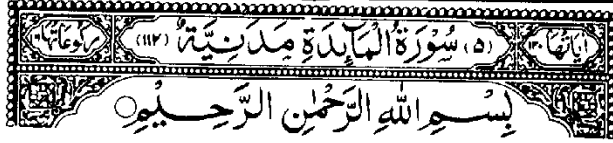
۱- مسند احمد میں ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے شوہر اور بہن کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے شوہر کو نصف اور بہن کو نصف دیا، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔

۲- اگر کوئی شخص ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑ کر مرے گا، تو جمہور کے نزدیک بیٹی کو نصف (فرض کی حیثیت سے) اور بہن کو نصف (عاصب ہونی کی حیثیت سے) ملے گا۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے نزدیک بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اس لئے کہ اس آیت میں بہن کے وارث ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو۔

۳- اگر کوئی شخص ایک بیٹی، ایک پوتی، اور ایک بہن چھوڑ کر مرے، تو بیٹی کو نصف، پوتی کو چھٹا حصہ، اور باقی ایک تہائی بہن کو ملے گا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا، اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ (بخاری)۔

۴- اگر کسی عورت کو اولاد یا والد نہیں، اور اس کا بھائی ہے تو بھائی اس کی تمام جائداد کا وارث ہوگا۔

۵- اگر عورت کا شوہر یا اس کی ماں کی طرف سے کوئی بھائی ہے تو وہ اچھا حصہ پائے گا، اور باقی مال سگے بھائی کو ملے گا۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُّوا إِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ مَا يُرِيدُ ﴿۱﴾

سورة المائدہ مدنی ہے، اس میں ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے
اے ایمان والو! (۱) اللہ سے کئے گئے) اپنے اقراروں کو پورا کرو، تمہارے لئے مودشی چوپایوں (۲) کو حلال کر دیا
گیا ہے، اُن کے علاوہ جو تمہیں بتا دیئے جائیں گے (۳) لیکن جب تم حالتِ احرام میں ہو تو شکار کے جانوروں کو
اپنے لئے حلال نہ بناؤ، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ﴿۱﴾

۶- اگر میت کی دو یا زیادہ بہنیں ہوں تو انہیں دو تہائی مال ملے گا۔ جمہور نے دو بیٹیوں کی وراثت کا حکم اسی سے اخذ کیا ہے جیسے
بہنوں کی وراثت کا حکم سورۃ النساء کی آیت (۱۱) سے اخذ کیا گیا ہے جس میں بیٹیوں کی وراثت کا حکم بیان ہوا ہے۔ آیت یہ
ہے ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثنینِ فَلَهُنَّ ثُلُثًا مَا تَرَكَ﴾ پس اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو انہیں ترکہ کا
دو تہائی ملے گا۔

۷- اگر میت کے بھائی اور بہن دونوں ہوں تو مرد کو عورت کے دو گنا ملے گا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے
مسلمانو! اللہ نے یہ احکام اس لئے بیان کر دیئے ہیں، تاکہ تم ان مسائل میں حق بات چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی غلط
فیصلہ نہ کر بیٹھو۔

تفسیر سورۃ المائدہ

نام: اس سورت کا نام (المائدة) ہے، آیت (۱۱۳) میں اس لفظ کا ذکر آیا ہے۔ چونکہ "مائدہ" سے متعلق قصہ اس سورت میں
مذکور امور میں سب سے عجیب و غریب ہے، اسی لئے سورت کا یہی نام رکھ دیا گیا۔

زمانہ نزول: اس میں ایک سو بیس (۱۳۰) آیتیں ہیں، اور بالا جماع مدنی سورت ہے۔ ترمذی نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما
سے روایت کی ہے کہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح زمانہ نزول کے اعتبار سے آخری سورتیں ہیں۔ اور حاکم نے جبیر بن نصیر سے
روایت کی ہے کہ میں نے حج کیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انہوں نے کہا کہ اے جبیر! کیا تم سورۃ المائدہ پڑھتے ہو؟
میں نے کہا: ہاں! تو انہوں نے کہا یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی تھی، اس میں جو چیزیں حلال بتائی گئی ہیں انہیں حلال جانو،
اور جو حرام بتائی گئی ہیں انہیں حرام جانو۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

امام احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، طبرانی اور بیہقی وغیرہم نے اسماء بنت یزید سے، اور ابو عبید نے محمد بن کعب قرظی
رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورۃ المائدہ حجۃ الوداع میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی۔ (اسماء بنت یزید کی روایت
کی سند کو علامہ شاکر نے صحیح بتایا ہے)۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومنوں کو خطاب کر کے پانچ اہم احکام بیان کئے ہیں:

- ۱- عقود و عہود کا پاس و لحاظ.
- ۲- جانوروں کے گوشت کی حلت.
- ۳- کچھ جانوروں کی حرمت، جن کا بیان آگے آئے گا.
- ۴- محرم کے لئے، اور حدود حرم میں شکار کی حرمت.
- ۵- غیر محرم کے لئے اور غیر حرم میں شکار کی حلت.

لفظ عقود عام ہے، اس سے مراد وہ تمام احکام ہیں جو اللہ نے بندوں پر فرض کئے ہیں، اور وہ تمام عقود و عہود جو انسانوں کے درمیان دنیوی معاملات کے بارے میں طے پاتے ہیں.

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ان تمام عقود و عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ مومن اللہ کا نافرمان نہ ہو، اور نہ اپنی اجتماعی زندگی میں خائن، بدعہد یا دھوکہ دینے والا بنے.

(۲) "بہیمۃ" سے مراد چوپائے ہیں۔ اور "أنعام" "نعم" کی جمع ہے، "نعم" اونٹ، گائے اور بکری کو کہتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری کا یہی قول ہے۔ یعنی تمہارے لئے ان جانوروں کا گوشت کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ خطرناک اور شکار کرنے والے جانور مثلاً شیر اور چیتا، اور ناخن والے جانور "أنعام" میں داخل نہیں ہیں۔ جن دیگر جانوروں کی حلت قرآن و سنت کے صریح نصوص سے ثابت ہے ان کا کھانا بھی حلال ہے، مثلاً ہرنی اور جنگلی گدھا وغیرہ۔ اللہ نے سورہ انعام آیت (۱۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً﴾ "آپ کہہ دیجئے کہ جو کتاب مجھے بذریعہ وحی دی گئی ہے، اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا ہوں سوائے اس کے کہ کوئی مردار جانور ہو"۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "يَحْرُمُ كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ الْمَسْبُوعِ وَمِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ" (مسلم، احمد، ترمذی) "ہر دانت والا درندہ اور ہر چنگل والی چڑیا حرام ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ جانوروں کا کھانا حلال ہے۔ بعض صحابہ کرام نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے مذکورہ جانور کے پیٹ کے بچے کا بھی کھانا حلال قرار دیا ہے۔

(۳) یعنی اس حلت سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کے کھانے کی حرمت قرآن یا سنت میں بیان کر دی گئی ہے۔ جیسے سورہ مائدہ کی آیت (۳) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ﴾ الآیۃ میں جو کچھ بیان ہوا ہے، یا نبی کریم ﷺ کا وہ قول جو ابھی گزرا ہے کہ ہر ناخن والے جانور اور ہر بیچہ والی چڑیا کا کھانا حرام ہے۔

آیت کے اس حصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر سنت "کتاب اللہ" میں داخل ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن جانوروں اور چڑیوں کا کھانا حرام قرار دیا ہے، وہ سب با اتفاق علماء ﴿إِلَّا مَا يُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ میں داخل ہیں۔ اس کی ایک دلیل وہ مزدور والی حدیث بھی ہے جس کے باپ نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! میرا یہ لڑکا فلاں کے یہاں مزدوری کرتا تھا، اور اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے، اس بارے میں فیصلہ کر دیجئے، تو آپ نے فرمایا: "لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بَكْتَابِ اللَّهِ" کہ "میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا" حالانکہ رجم قرآن کریم میں منصوص نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا: ﴿غَيْرِ مُجْلِي الْمَيْتَةِ﴾ یعنی حالتِ احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔ اور شکار کے علاوہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آيَاتِ الْبَيْتِ الْحَرَامِ
يَبْتَغُونَ فَضْلًا لِنَفْسِهِمْ وَيَرْضَوْنَ وَإِذَا حَكَلْتُمْ فَأَصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمُكُمْ شَتَانُ قَوْمٍ أَنْ صَدَّقْتُمْ عَنْ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَلُوا وَآمِنُوا نَوَاعِلَ عَلَى الْبَيْتِ التَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا
اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ٥

اے ایمان والو! (اللہ کی مقرر کردہ) نشانیوں (۳) کو حلال نہ بناؤ، اور نہ حرمت والے مہینے کو، اور نہ قربانی کے
اس جانور کو جسے کعبہ کی طرف لے جایا جا رہا ہو، اور نہ ان جانوروں کو جن کی گردن میں پٹے ڈال کر کعبہ کی طرف
لے جایا جا رہا ہو، (اور نہ حلال بناؤ) بیت حرام کی طرف آنے والوں کو جن کا مقصد اپنے رب کا فضل اور اس کی
خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے، اور جب تم احرام کھول دو (۵) تو شکار کرو، اور کسی قوم کی تم سے دشمنی (۶) کہ
انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، اس پر نہ اُبھارے کہ ان پر زیادتی کرو، اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں
میں آپس میں تعاون (۷) کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دو، اور اللہ سے ڈرتے
رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۲﴾

جانور احرام اور غیر احرام دونوں حالتوں میں حلال ہو گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، کیونکہ وہ مالک کل ہے۔
اسی لئے اس نے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں رائج احکام کے خلاف حکم دیا ہے۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک شعائر سے مراد ”حج کے مناسک“ ہیں۔ دوسروں کے نزدیک اس سے مراد ”اللہ کی
حرام کردہ چیزیں“ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ ان محرمات کا لحاظ رکھیں اور انہیں اپنے لئے حلال نہ بنالیں۔ اسی طرح
اس حکم میں حالت احرام کے محرمات اور حدود حرم کے محرمات سبھی شامل ہیں۔

”شہر حرام“ سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن میں قتال کرنا حرام تھا، یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے۔
ابتداءً اسلام میں ان مہینوں میں قتال کرنا حرام تھا۔ اس کے بعد یہ حکم قرآن کریم کی آیت ﴿فَاقتُلُوا الْمُشْرِكِينَ
حِينَئِذٍ وَجَدْتُمْهُمْ﴾ اور ان دیگر آیتوں کے ذریعہ منسوخ ہو گیا جن میں کفار سے قتال کا عام حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم
ﷺ نے اہل طائف سے ذی القعدہ میں جہاد کیا تھا۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

”ہدی“ سے مراد وہ جانور ہے جسے اللہ کے گھر کے لئے ہدیہ بھیج دیا جاتا تھا۔ ”قلاعد“ سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں
جو تے وغیرہ کا ہار پہنا کر بیت اللہ کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان جانوروں کو نہ چھیڑا جائے اور نہ انہیں
غصب کیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو لوگ حج یا عمرہ یا مکہ بغرض تجارت یا سکونت پذیر ہونے کے لئے جائیں تو
انہیں روکا نہ جائے۔ شروع میں یہ حکم مسلمانوں اور مشرکوں سبہوں کے لئے عام تھا، لیکن جب سورہ توبہ کی آیت (۲۸) ﴿إِنَّمَا
الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ نازل ہوئی تو مشرکین کے حق میں
یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اسی لئے ۹ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حجاج کا امیر بنا کر بھیجا تو حضرت
علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے مشرکین سے براءت کا اعلان کر دیا، اور یہ کہ اس

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَحُمُّ الْخَيْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْتَفِقَةُ وَالْمُتَكَدِّرَةُ وَالْمُتَكَدِّرَةُ وَالطَّيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ ت وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْوَاجِ ذَلِكُمْ فَنقُحُ الْيَوْمَ يَكْفُرُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تُخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنَ ۗ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي بَوْرُضِيَّتْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

تم پر حرام^(۸) کر دیا گیا مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے اور جس کا گلا گھٹ گیا ہو، اور جو چوٹ کھانے سے مر گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مر گیا ہو، اور جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر گیا ہو، اور جسے کسی درندہ نے کھا لیا ہو، (ان میں سے) سوائے اس کے جسے تم نے (مرنے سے پہلے) ذبح^(۹) کر لیا ہو، اور وہ جانور بھی تم پر حرام کر دیا گیا جسے کسی بت کے آستانہ^(۱۰) پر ذبح کیا گیا ہو، اور یہ بھی تم پر حرام کر دیا گیا کہ تیروں^(۱۱) کے ذریعہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرو، یہ بڑے گناہ کا کام ہے، آج اہل کفر تمہارے دین سے ناامید^(۱۲) ہو گئے، پس تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل^(۱۳) کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک کی شدت کی وجہ سے (کوئی حرام چیز کھانے پر) مجبور^(۱۴) ہو جائے اور کسی گناہ کی طرف میلان نہ ہو، تو بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ﴿۳﴾

سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اور کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت صرف مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اس لئے یہ پہلے بھی محکم تھی اور اب بھی محکم ہے۔ اس آیت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد حرام میں ارتکاب معاصی اور شر پھیلانے کی نیت سے داخل ہونا چاہتا ہو تو حرم کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اسے روک دیا جائے، جیسا کہ اللہ نے سورہ حج کی آیت (۲۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَزِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُدِقُهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ﴾ کہ ”جو بھی وہاں ظلم کے ساتھ الحاد کا ارادہ کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے“۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اوپر جو حکم دیا تھا کہ حالت احرام میں اور حدود حرم میں شکار نہ کرو، اس کا مفہوم مخالف یہ تھا کہ جب احرام کھل جائے تو شکار کرنا جائز ہے، اور حدود حرم کے باہر شکار کرنا جائز ہے۔ اسی حکم کی یہاں تصریح کر دی گئی ہے۔

(۶) ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے انہیں عمرہ ادا کرنے کے لئے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ بعض مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ پہنچنے کے بعد ان کے اس بڑے برتاؤ کی وجہ سے عام مشرکین سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ان مشرکین کو حرم کی طرف جانے سے روکا جائے جو مدینہ کے قریب سے گذر کر مکہ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس ارادہ کی تردید کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ لمانت، امانت والے کو پہنچا دو، اور خائن کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ (ابوداؤد)۔

(۷) زیادتی اور حد سے تجاوز کرنے سے منع کرنے کے بعد مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ مسلمان کا شیوہ زیادتی کرنا نہیں،

بلکہ بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ہے، مسلمان آپس میں گناہ اور ظلم و تعدی کے کاموں میں تعاون نہیں کرتے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ دیکھو، ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان سے بچتے رہو، کیونکہ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اور محرمات کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے، اللہ نے ایسے لوگوں کے لئے بڑا شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۸) اُن محرمات کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کی طرف ابتدائے سورت میں ﴿إِلَّا مَا يَخْلَى عَلَيْكُمْ﴾ میں اشارہ ہو چکا ہے۔ اور مردہ، خون، خنزیر کا گوشت، اور جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں، ان کی حرمت کا بیان سورہ بقرہ کی آیت (۱۷۳) میں گذر چکا ہے۔

"المیۃ" سے مراد ہر وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کئے یا بغیر شکار کئے از خود مر گیا ہو۔ اور "الدم" سے مراد وہ خون ہے جو جانور کو ذبح کرتے وقت تیزی سے اس کے جسم سے خارج ہوتا ہے، جسے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں "دم مسفوح" کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں فرمایا ہے: ﴿أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن ماکولات کو حرام قرار دیا ہے ان میں تیزی سے نکلنے والا خون بھی ہے۔ اور "الخنزیر" سے مراد پالتو اور جنگلی دونوں قسم کے سور ہیں۔ اور اس کے گوشت سے مراد اس کے تمام اجزاء ہیں، اس میں چربی بھی شامل ہے۔ "منخنقة" سے مراد ہر وہ جانور ہے جو گلا گھٹ جانے سے مر جائے۔ چاہے کوئی اس کا گلا گھونٹ دے یا از خود پھندا لگنے سے اس کا گلا گھٹ جائے۔ "موقوذة" اس جانور کو کہتے ہیں جسے لکڑی یا ڈنڈے سے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ بکری کو ڈنڈے سے مار مار کر ہلاک کر دیتے تھے، پھر اس کا گوشت کھاتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں شکار کو چوڑے تیر سے مارتا ہوں، اور اُسے لگ جاتا ہے۔ (تو اس کا کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اس کی نوک شکار کو لگے تو اُسے کھاؤ، اور اگر چوڑائی کی طرف سے لگے، تو وہ "وقیذ" ہے، یعنی جسے لکڑی سے مار کر ہلاک کر دیا گیا ہو، اسے نہ کھاؤ۔" امام شوکانی نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور کا گوشت حلال قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کی گولی جانور کے جسم کو پھاڑ کر دوسری جانب نکل جاتی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر شکار کو کسی عریض تیر سے مار دو اور وہ اس کے جسم کو پھاڑ دے تو اسے کھاؤ۔

"متودیة" وہ جانور ہے جو پہاڑ سے نیچے گر کر یا کنواں میں گر کر مر گیا ہو۔ "نطیحة" وہ جانور ہے جسے کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو، اسی طرح اس جانور کا گوشت بھی حرام ہے جس کا بعض حصہ کسی دوسرے جانور نے کھا لیا ہو اور وہ جانور مر گیا ہو۔ اہل جاہلیت ایسے جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔

(۹) مذکورہ بالا جانور اگر مرنے سے پہلے اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیئے جائیں، تو ان کا کھانا جائز ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر مذکورہ جانوروں میں روح باقی ہو، اور انہیں ذبح کر دیا جائے، تو ان کا کھانا جائز ہوگا۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر مو قوڈہ، مترویہ اور نطیحة جانور ہاتھ یا پاؤں ہلا رہے ہوں، اور انہیں ذبح کر دیا جائے تو ان کا کھانا جائز ہوگا۔ طاؤس، حسن، قتادہ اور ضحاک وغیرہم کا یہی قول ہے، اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔

(۱۰) مشرکین مکہ نے بیت اللہ کے ارد گرد بہت سے پتھر نصب کر رکھے تھے، جن پر جانوروں کو ذبح کرتے، اور ان کے گوشت

کے نکلے بناتے تھے۔ وہ لوگ ان پتھروں کی تعظیم کرتے تھے، اور ذبح کے ذریعہ ان پتھروں کے تقرب کی نیت کرتے تھے۔ انہی پتھروں کو "انصاب" کہا جاتا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ان ذبائح کو حرام قرار دیا، چاہے ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اس لئے کہ ایسے پتھروں کے پاس ذبح کرنا شرک باللہ ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ "وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ" میں تقریباً یہی حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ "وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصَبِ" میں ان جانوروں کا حکم بیان کیا گیا ہے جنہیں بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو، اور "وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ" میں ان جانوروں کا جنہیں انبیاء و اولیاء کے لئے ذبح کیا گیا ہو۔

اسلام میں تو اللہ کے لئے بھی ایسی جگہ ذبح کرنا جائز نہیں، جہاں غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا ہو۔ ابو داؤد نے ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی، اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ لوگوں نے کہا، نہیں، آپ نے پوچھا، کیا وہاں جاہلیت کی کوئی عید منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں، تو آپ نے اس آدمی سے کہا کہ اپنی نذر پوری کرو۔ اللہ کی نافرمانی کر کے نذر نہیں پوری کی جائے گی، اور نہ ایسی نذر جس کا آدمی مالک نہ ہو۔

(۱۱) زمانہ جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ وہ تیروں کے ذریعہ خیر و شر کا فیصلہ جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ بیت اللہ میں تین قسم کے تیر رکھے ہوتے تھے، ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ "کرد" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا کہ "نہ کرد" اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا کہ "میرے رب نے مجھے روک دیا ہے" اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ جب کوئی آدمی سفر یا شادی وغیرہ کا ارادہ کرتا، تو بیت اللہ کے ٹکھبانوں کے پاس آتا، اور کہتا کہ میرے لئے ایک تیر نکال دو، مگر ان کعبہ تیروں کو خوب گھمانے کے بعد ایک تیر نکال لیتا۔ اگر حکم و اجازت والا تیر ہوتا، تو اس کام کو کر گذرتا، اگر نہی اور منع والا ہوتا تو اپنے ارادہ سے باز آجاتا، اور اگر خالی تیر ہوتا تو تیروں کے گھمانے اور ایک تیر نکال لینے کے عمل کو دہرایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو فسق کہا اور حرام قرار دیا۔ اس لئے کہ یہ علم غیب میں مداخلت ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کے علاوہ اس میں غیر اللہ کے ذریعہ ایک قسم کا طلب مدد ہے، جو بہر حال شرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو "استحارہ" کی تعلیم دی، تاکہ کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ سے خیر کی دعا کر لیں۔ امام احمد، بخاری اور اصحاب سنن نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے استحارہ کی اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ہمیں سورہ فاتحہ کی تعلیم دیتے تھے۔

(۱۲) اس معنی کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں، لیکن وہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کرتا رہے گا۔"

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے امت اسلام پر اپنی عظیم نعمت اور عظیم احسان کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے انہیں ایک مکمل دین عطا کیا ہے، انہیں اب نہ کسی دوسرے دین کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی دوسرے نبی کی۔

امام احمد اور بخاری و مسلم وغیرہم نے طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی عمر بن خطاب

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فِكُلُوا وَمِمَّا أَمْسَكُنْ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا الِّسْمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَانْقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①

لوگ آپ سے پوچھتے (۱۵) ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال کی گئی ہے، آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے اچھی چیزوں کو حلال کیا گیا ہے، اور ان شکاری جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور جنہیں تم نے سکھا رکھا ہو، جو سدھائے ہوئے ہوں، یعنی اللہ نے تمہیں جو علم دے رکھا ہے، اس میں سے انہیں کچھ سکھاتے رہے ہو، پس جو تمہارے لئے پکڑ رکھیں (۱۶) اس میں سے کھاؤ، اور اس پر بسم اللہ (۱۷) پڑھ لیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۴﴾

رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر وہ ہم پر نازل ہوئی ہوتی، تو اس دن کو ہم ”یوم عید“ بنا لیتے۔ انہوں نے پوچھا، وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ الآیة تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم، میں اُس دن اور اُس وقت کو خوب جانتا ہوں جب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کی شام میں نازل ہوئی تھی۔

(۱۳) اس کا تعلق مذکورہ بالا محرمات سے ہے۔ بیچ کا حصہ بطور جملہ معترضہ ہے، جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ان محرمات کا استعمال فسق اور حرام ہے، اور ان اشیاء کی حرمت دین کامل کا ایک حصہ اور اتمام نعمت ہے۔ یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کسی کے استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے، اور ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے، اور اس کا مقصد کسی پر زیادتی کرنا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔

(۱۵) مذکورہ بالا آیت میں خیانت کا بیان ہونے کے بعد جن کا کھانا انسان کے لئے نقصان دہ ہے، اب یہاں طیب اور حلال چیزوں کا بیان ہو رہا ہے۔ طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابن جریر وغیرہم نے ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، تو لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے کن چیزوں کا کھانا حلال ہے؟ تو نبی کریم ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ قبیلہ طائی کے عدی بن حاتم اور زید بن مہلب رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور بازوں کے ذریعہ شکار کرتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت میں ”طیبات“ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو خمیث نہیں ہے، اور ہر وہ چیز خمیث نہیں ہے جس کی حرمت قرآن و سنت میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ ”جوارح“ سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں آدمی شکار کرنے کے لئے سدھالیتا ہے، جیسے کتا، چیتا، چیل، باز اور شاہین وغیرہ۔

آیت میں کلمہ ”مکلبین“ حرف لام پر زبر اور زبردوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ حرف لام پر زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ان جانوروں کو اس فن کے ماہرین نے تربیت دی ہو، اور زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اُن سدھائے ہوئے جانوروں کے شکار کردہ جانور کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ انہیں خوب اچھی طرح تربیت دی گئی ہو، اور ایسے لوگوں نے تربیت دی ہو جو اس فن کے ماہر ہوں۔

(۱۶) یعنی وہ سدھائے ہوئے جانور جن جانوروں کا شکار کریں، اور اس کا کچھ حصہ کھایا نہ ہو تو ان کا کھانا جائز ہے، چاہے انہیں مار دیا ہو۔

الْيَوْمَ اجْعَلْ لَكُمْ الصَّلَاةَ دُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلْالٌ لَكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حَلْالٌ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَاهِقِينَ وَلَا مُتَّخِذِينَ إِخْدَانٍ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿١٨﴾

آج تمہارے لئے اچھی چیزوں (۱۸) کو حلال کر دیا گیا، اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا (۱۹) ان کے لئے حلال ہے، اور مومن پاکدامن عورتیں (۲۰) اور ان کی پاکدامن عورتیں (۲۱) جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی (تمہارے لئے حلال کر دی گئیں) بشرطیکہ تم عقد زواج کی نیت سے ان کا مہر (۲۲) ادا کر چکے ہو، اعلانیہ زنا، یا پوشیدہ طور پر آشتائی کی نیت نہ ہو، اور جو ایمان (۲۳) لانے سے انکار کرے گا، اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور وہ آخرت میں گھانا پانے والوں میں سے ہوگا ﴿۱۵﴾

(۱۷) یعنی سدھائے ہوئے جانوروں کو شکار پر چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ امام بخاری نے کتاب الذبائح والصيد میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اگر تم اپنے سکھائے ہوئے کتے کو چھوڑو، اور بسم اللہ کہہ لو تو جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھے اسے کھاؤ، چاہے اسے مار ڈالے۔“

معلوم ہوا کہ ایسے شکار کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ سدھائے جانور کو چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کردہ جانور کا کوئی حصہ سدھائے ہوئے جانور نے نہ کھایا ہو۔

امام احمد اور ابوداؤد نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم کسی کتا یا باز کو سدھار کر شکار پر چھوڑو، اور بسم اللہ کہہ لو تو جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھے اسے کھاؤ۔ عدی نے کہا: چاہے اسے مار دیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اسے مار دیا ہو اور اس کا کوئی حصہ کھایا نہ ہو، تو گویا اس نے اسے تمہارے لئے پکڑ رکھا تھا۔“

امام بخاری نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ ”اگر تم اپنے سکھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑو، اور وہ اسے قتل کر دے تو اسے کھاؤ۔ اور اگر اس کا کچھ حصہ کھالے تو نہ کھاؤ، اس لئے کہ اس نے اپنے لئے پکڑ رکھا تھا۔ میں نے کہا کہ میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں تو اس کے ساتھ ایک دوسرا کتا ہو جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ کھاؤ، اس لئے کہ تم نے اپنے کتا کے لئے بسم اللہ کہا تھا، دوسرے کے لئے نہیں۔“

امام بخاری نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ہی ”کتاب الذبائح والصيد“ میں روایت کی ہے کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہم سکھائے ہوئے کتوں کو شکار پر چھوڑتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ کر رکھیں، اسے کھاؤ۔ میں نے پوچھا کہ چاہے انہیں مار دیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا، چاہے انہیں مار دیا ہو۔ میں نے پوچھا کہ ہم لوگ چوڑے تیر سے شکار کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کی نوک اس کے جسم میں داخل ہو جائے تو کھاؤ۔ اور اگر چوڑائی کی طرف سے شکار کو لگے تو نہ کھاؤ۔“

(۱۸) مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ ”اچھی چیزوں“ کو تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں کا حکم بیان کیا گیا۔ ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہم سے مروی ہے کہ یہاں اہل کتاب کے کھانے سے مراد ان کے ذبائح ہیں۔ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ ان کے ذبائح مسلمانوں کے لئے حلال ہیں، اس لئے کہ وہ لوگ بھی مسلمانوں کی طرح

غیر اللہ کے لئے ذبح کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں، لیکن ذبح کرتے وقت اللہ کا ہی نام لیتے ہیں۔

امام شوکانی کہتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ اہل کتاب کے تمام کھانے (چاہے وہ گوشت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور کھانا) مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ اس کے بعد ان کے ان ذبائح کے بارے میں جنہیں بسم اللہ کہہ کر ذبح نہ کیا گیا ہو، یا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو علمائے اسلام کا اختلاف بیان کیا ہے، اور علی، عاکشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر ”کتابی“ نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے تو اسے نہ کھاؤ۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر اس بات کا علم نہ ہو کہ اس نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا تھا، تو لکھنا طبری اور ابن کثیر نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ایسے ذبیحہ کے کھانے کی حلت پر علمائے اسلام کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس حدیث کی بنیاد پر جسے بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بھٹی ہوئی بکری کا گوشت کھایا جو یہودیہ نے آپ کے لئے بھیجا تھا۔ اور عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی بنا پر جسے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ خیبر کے دن انہیں چربی کا ایک کھیلہ ملا جسے انہوں نے اپنے لئے رکھ لیا اور کہا کہ اس میں سے کسی کو نہ دوں گا، رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنسنے لگے۔

محمد الدیسی السوسی المالکی نے اپنے ”فتاویٰ“ میں ابن العربی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی نصرانی مرغی کی گردن اڑا دے تو مسلمان کے لئے اس کا کھانا حلال ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے ہمارے لئے حلال کئے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ اپنے دین کے مطابق کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں، تو ہمارے لئے اس کا کھانا حلال ہوگا، یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہماری طرح ذبح کریں۔ اس لئے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت اور آسانی دی گئی ہے۔ اس سے وہی چیزیں مستثنیٰ ہوں گی جنہیں اللہ نے واضح طور پر حرام قرار دیا ہے۔

(۱۹) مسلمانوں کے ذبائح اہل کتاب کے لئے حلال ہیں، یعنی مسلمانوں کے لئے یہ حلال ہے کہ وہ اہل کتاب کو اپنا ذبیحہ کھلائیں۔

(۲۰) ”محسنات“ سے مراد پاکدامن مسلمان عورتیں ہیں، جنہوں نے زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

(۲۱) یہاں ”محسنات“ سے مراد پاکدامن اہل کتاب کی عورتیں ہیں، جنہوں نے زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

ابن جریر نے علمائے سلف کی ایک جماعت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ہر پاکدامن کتابیہ ہے، چاہے وہ آزاد ہو یا لونڈی۔ بعض لوگوں نے ”محسنات“ سے مراد آزاد کتابیہ عورتیں لی ہیں، ان کے نزدیک کتابیہ لونڈی سے شادی کرنی جائز نہیں ہے۔

بیہقی، عبد الرزاق اور ابن جریر وغیرہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسلمان نصرانی عورت سے شادی کرے گا، لیکن نصرانی مرد کسی مسلمان عورت سے شادی نہیں کرے گا۔

بہت سے صحابہ کرام نے نصرانی عورتوں سے شادی کی تھی، اور ان پر کسی نے نکیر نہیں کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نائلہ سے شادی کی تھی جو نصرانیہ تھی۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے مکروہ جانا اور کہا کہ اس سے بڑھ کر شرک کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی عیسیٰ کو اپنا رب سمجھے۔

(۲۲) کتابیہ عورتوں سے شادی کے جواز کے لئے شرط لگادی گئی کہ ان کا مہر ادا کر دیا گیا ہو، اور مقصود شادی کرنا اور عفت حاصل کرنا ہو، اعلانیہ یا چھپا کر زنا کی نیت نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِن كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْمَرْغَبِ أَوْ لَمْ يَأْتِ الْغَائِطُ أَوْ لَمْ يَأْتِ الْمَاءُ فَامْسَحُوا بِأَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ بِمَاءٍ مِّن مَّاءٍ لَّيْسَ عَلَيْهِ خَمِيرٌ وَلَا يَأْتِي الْغَائِطُ وَلَا يَأْتِي الْمَاءُ ۚ وَلَكِن يَرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے (۲۳) ہو، تو اپنے چہروں کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کر لو، اور اپنے پاؤں (۲۵) دونوں ٹخنوں تک دھولو، اور اگر تم ناپاک (۲۶) ہو تو پاکی حاصل کرو، اور اگر تم بیمار (۲۷) ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے، یا تم نے بیویوں سے مباشرت کی ہو، اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو، پس اپنے چہروں اور اپنے دونوں ہاتھوں پر اس سے مسح کر لو، اللہ تعالیٰ تمہیں کسی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا ہے، بلکہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کرنا چاہتا ہے، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو ﴿۲۶﴾

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پاکدامنی جس طرح عورت میں شرط ہے اسی طرح مرد میں بھی شرط ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرِ مُسَافِحِينَ﴾ کہا، یعنی شادی کرنے والے مرد کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ زانی نہ ہو۔ (۲۳) ایمان سے مراد اسلام کے احکام ہیں، اور مقصود اللہ کے حلال کردہ اور حرام کردہ امور کی عظمتِ شان جتنا، اور ان لوگوں کو تنبیہ کرنی ہے جو ان احکام الہی کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۲۴) نماز کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے وضو کے وجوب یا استحباب کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں: کسی نے ہر نماز کے لئے وضو کو ضروری قرار دیا ہے، چاہے آدمی کا وضو باقی ہو یا ٹوٹ گیا ہو۔ بعض دوسروں نے کہا ہے کہ آیت میں ہر نماز سے قبل وضو کا حکم استحباب کے لئے ہے۔ ایک تیسری جماعت نے کہا ہے کہ اس آیت کے مطابق ہر نماز سے پہلے وضو کرنا ضروری تھا، لیکن فتح مکہ کے وقت یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جمہور اہل علم کی رائے ہے کہ وضو صرف اس پر واجب ہے، جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو۔ امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دیا ہے۔

بعض علمائے کرام نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے وضو میں نیت کو واجب قرار دیا ہے، اس لئے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے کو دھولو۔

وضو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے وضو کے پانی پر بسم اللہ نہیں پڑھا، اس کا وضو نہیں ہوگا۔ (شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے "ارواء الغلیل" میں حسن قرار دیا ہے)۔

برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے، اور سوکر اٹھنے کے بعد ایسا کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "جب تم میں سے کوئی نیند سے اٹھے، تو ہاتھ کو تین بار دھونے سے پہلے پانی میں نہ ڈالے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گذاری ہے"۔ (مشفق علیہ)۔

دھوئیں چہرہ دھونا واجب ہے؛ اور وہ سر کا بال اُگنے کی جگہ سے ٹھنڈی کے آخر تک اور کان سے کان تک کی جگہ ہے۔ اگر داڑھی گھنی ہو تو اس میں انگلی ڈال کر خلال کرنا مستحب ہے، امام احمد نے شقیق سے روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تین بار داڑھی میں خلال کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔

دونوں ہاتھوں کا دھونا بھی واجب ہے، اور جمہور کے نزدیک ہاتھ میں کہنی بھی داخل ہے۔ امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دایاں اور بایاں ہاتھ کہنی کے اوپر بازو تک دھویا۔ اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد کہا کہ ایسے ہی میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جمہور کی رائے ہے کہ دائیں کو بائیں پر مقدم کرنا سنت ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے گا تو اسے سنت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، لیکن وضو صحیح ہوگا۔ جمہور اہل علم کا مسلک ہے کہ زخم یا ٹوٹی ہوئی ہڈی پر بندھی ہوئی پٹی پر مسح کرنا صحیح ہے۔ ابو داؤد اور دارقطنی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے لئے یہ کافی تھا کہ تیمم کر لیتا، اور زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی جسم کو دھولیتا۔“

سر پر مسح کرنا واجب ہے۔ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالات میں سر کے بعض حصہ پر مسح کرنا ہی کافی ہوتا ہے۔ امام مسلم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیشانی اور عمامہ پر مسح کیا، اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

امام شوکانی نے لکھا ہے، سنت سے یہی ثابت ہے کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کرنا کافی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ پورے سر کے مسح کی فضیلت میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اسے واجب کہنے کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں لکھا ہے کہ کسی ایک حدیث سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف سر کے بعض حصہ کا مسح کیا، بلکہ اگر آپ پیشانی پر مسح کرتے تو عمامہ پر مسح کی تکمیل کرتے۔

(۲۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”وَأَنْزَلْنَاهُمْ“ کو لام کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمہور اہل اسلام کا مذہب یہی ہے کہ سر کے مسح کے بعد دونوں پاؤں کا دھونا واجب ہے۔ اور اسی قرأت کی بنا پر جمہور نے وضو میں ترتیب کو واجب قرار دیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب شرط نہیں ہے، یعنی اگر کوئی پہلے دونوں قدموں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے، پھر دونوں ہاتھ دھوئے، پھر چہرہ دھوئے تو وضو صحیح ہوگا، لیکن راجح جمہور کا مسلک ہے، اور ترتیب وضو کی صحت کے لئے شرط ہے۔

صحیحین اور احادیث کی دوسری کتابوں میں جو صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں، ان سے یہی ثابت ہے کہ دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونا وضو کی صحت کے لئے شرط ہے۔ شیعہ حضرات دونوں پاؤں کے مسح کے قائل ہیں، اور ان کی دلیل ”وَأَنْزَلْنَاهُمْ“ میں لام پر زیر والی قرأت ہے، جو بہر حال صحیح اور ثابت شدہ احادیث کے خلاف ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ وضو میں دونوں پاؤں دھونے کے وجوب پر اُمت کا اتفاق ہو چکا ہے، میرے علم کے مطابق فقہائے اسلام میں سے صرف طبری نے اس کی مخالفت کی ہے، اور روانض شیعہ نے۔

(۲۶) اگر خرد مجنی اور شوہر بیوی کی شرمگاہوں کے مل جانے سے جنابت لاحق ہو جائے تو غسل کرنا واجب ہے، اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا واجب ہے۔ ایسی صورت میں تیمم غسل کے قائم مقام ہوگا۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الّٰذِي وَاْتَفَقْتُمْ بِهِ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاَتَقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
بِذٰلِكَ الضُّمُوْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى
اَلَّا تَعْدِلُوْا اَعْدَآءُ لَوْ اَنَّ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاَتَقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكٰذَبُوْا بِآيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّجِيْمِ ۝

اور اللہ نے تمہیں جو نعمت (۲۸) دی ہے، اسے یاد کرو، اور اس عہد و پیمانہ کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا ہے، جب تم نے کہا تھا کہ (اے اللہ!) ہم نے سنا اور تیری اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سینوں میں چھپی باتوں کو جانتا ہے ﴿۷﴾ اے ایمان والو! اللہ کی رضا (۲۹) کے لئے عدل و انصاف کے ساتھ ڈٹ کر گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی عداوت، تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل و انصاف سے کام نہ لو، انصاف کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۸﴾ اللہ کا وعدہ (۳۰) ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں گے، اور عمل صالح کریں گے، کہ وہ انہیں معاف کر دے گا، اور اجر عظیم عطا فرمائے گا ﴿۹﴾ اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کریں گے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، وہ جہنمی ہوں گے ﴿۱۰﴾

(۲۷) اگر آدمی چھٹی یا مریض ہو یا حالت سفر میں ہو یا پاخانہ سے فراغت حاصل کرے، یا کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور طہارت حاصل کرنے کے لئے اسے پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے تیمم کرے، اور اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر مسح کر لے۔ (سورہ نساء میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے) نماز کے لئے طہارت یا تیمم کے حکم سے مقصود بندوں کو تکلیف اور تنگی میں ڈالنا نہیں، بلکہ اللہ اپنے بندوں کو گناہوں سے پاک کرنا، اور اپنی نعمت کو ان پر تمام کرنا چاہتا ہے، اُس نے ہر حال میں ان کے لئے اپنی عبادت کے اسباب مہیا کئے، اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کے ذریعہ طہارت حاصل کرنے کی اجازت دی، تاکہ اللہ کے نیک بندے ان نعمتوں اور آسانیوں پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا کہ نعمت ایمان پر اس کا شکر ادا کریں، اور اس عہد و میثاق کو یاد رکھیں جو اللہ نے ان سے کلمہ توحید کے اقرار کے ذریعہ لیا تھا کہ وہ اپنے رب کی اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے۔ صحابہ کرام نے جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہر حال میں سجد و طاعت کی بیعت کی، تو زبانِ قال سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور مسلمانوں نے جب اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار کیا تو وہی بات زبانِ حال سے کہی۔ آیت میں اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ اللہ دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے۔

(۲۹) یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے تمام حقوق ادا کرتے رہیں، حق کی گواہی دیتے رہیں، اور کسی قوم کی عداوت انہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے۔ اس کے بعد اللہ نے انہیں عدل و انصاف کا حکم دیا، کیونکہ یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور نصیحت کی کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں، اس لئے کہ اللہ بندوں کے تمام کرتوتوں کی خبر رکھتا ہے۔

(۳۰) اس آیت میں اللہ نے اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے کہ اللہ ان کے گناہوں کو معاف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقْبَلْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَدَدْتُمْ لَهُمْ وَاقْرَأْتُمْ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٣٢﴾

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت (۳۱) کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی، تو ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور مومنوں کو چاہئے کہ وہ صرف اللہ پر بھروسہ کریں ﴿۳۱﴾ اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان (۳۲) لیا، اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے، اور اللہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ (۳۳) ہوں، اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے، اور زکوٰۃ دو گے، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، اور ان کی مدد کرو گے، اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو گے، تو بے شک میں تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، پس تم میں سے جو کوئی اس (عہد و پیمان) کے بعد کفر کی راہ اختیار کرے گا، وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہوگا ﴿۳۲﴾

کردے گا، اور جنت میں مقام عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد والی آیت میں قرآن کریم کے عام طریقہ کے مطابق اللہ نے یہ بتایا کہ جو شخص کفر کی راہ اختیار کرے گا اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گا، اللہ اُسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(۳۱) ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا جائے، اور اس پر مداومت برتی جائے۔ اس آیت کریمہ میں اسی بات کی نصیحت کی گئی ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کئی روایتیں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت امام بخاری، عبد الرزاق، ابن جریر اور بیہقی وغیرہم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں کسی مقام پر اترے، لوگ درختوں کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لئے بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار درخت سے لٹکادی، ایک دیہاتی نے اچانک آکر تلوار لے لی اور اسے سونت کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ“ دیہاتی نے دو یا تین بار یہی کہا، اور رسول اللہ ﷺ نے ہر بار جواب دیا کہ ”اللہ“ آخر کار دیہاتی نے تلوار کو میان میں رکھ دیا، تو آپ نے صحابہ کرام کو آواز دی اور دیہاتی کے رویہ کی خبر دی، جو آپ ﷺ کے بغل میں بیٹھا ہوا تھا، اور آپ نے اسے سزا نہیں دی۔

یہود اور مشرکین کی طرف سے بھی نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی مختلف سازشیں ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر بار آپ کی حفاظت فرمائی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ہر حال میں اپنے رسول کی حفاظت فرمائی۔ (۳۲) اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی بعض خیانتوں اور نقض میثاق کا ذکر کیا گیا ہے، اور مقصود مومنوں کو تنبیہ کرنی ہے کہ

فَبِمَا نَقُضُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۗ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۗ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَآئِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفُرْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٣﴾

پھر جب انہوں نے بد عہدی (۳۳) کی تو ہم نے ان پر لعنت بھیج دی، اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا، چنانچہ وہ (اللہ کے) کلام میں لفظی (اور معنوی) تحریف پیدا کرنے لگے، اور جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان کا ایک بڑا حصہ فراموش کر بیٹھے، اور ان میں سے چند کے علاوہ آپ کو ہمیشہ ہی اُن کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہے گی، پس آپ انہیں معاف کر دیجئے، اور درگزر کر دیجئے، بے شک اللہ احسان اور بھلائی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے ﴿۱۳﴾

اللہ نے ان سے جو عہد و پیمانہ لیا ہے، اس کا پاس رکھیں، اور جس طرح بنی اسرائیل نے ان سے لئے گئے مواثیق کو توڑ دیا اس طرح نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل سے بارہ نمائندے چنے، اور انہیں ”قوم جبارین“ کا حال اور ان کی قوت و شوکت کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بہت ہی عظیم قوت کے مالک ہیں، اور ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے آپس میں طے کر لیا کہ بنی اسرائیل کو یہ بات نہیں بتائیں گے، صرف موسیٰ علیہ السلام کو بتائیں گے، لیکن واپس آنے کے بعد ان میں سے دس نے خیانت کی اور اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتادیا، اور حجر پھیل گئی، اور ان سے جنگ کرنے کا معاملہ سرد خانے میں پڑ گیا، اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ”تم اور تمہارا رب جا کر ان سے لڑے۔“

حافظ ابن کثیر نے آیت کی تفسیر میں ”غیب“ کا معنی عریف کیا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کے بارہوں قبائل سے بارہ عریف چنا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی اطاعت کی بیعت لیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ میں عقبہ کی رات میں جب رسول اللہ ﷺ نے انصار سے بیعت لی تو ان کی تعداد بھی بارہ تھی، تین (۳) قبیلہ اوس کے اور نو (۹) خزرج کے تھے۔ انہی لوگوں نے مدینہ آکر رسول اللہ ﷺ کے لئے لوگوں سے بیعت لی تھی۔

اور امام بخاری و مسلم نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے اسلام کی تعداد بھی بارہ (۱۲) ہوگی، لیکن یہ وہ بارہ (۱۲) ائمہ نہیں ہوں گے جن کا رافضی شیعہ باطل اعتقاد رکھتے ہیں، جس کی کوئی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم نماز پڑھو گے، زکاۃ دو گے، میرے رسولوں پر ایمان لے آؤ گے، ان کا ساتھ دو گے، اور فرض زکاۃ کے علاوہ اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو میری نصرت و حمایت تمہارے ساتھ ہوگی، نیز میں تمہارے گناہوں کو معاف کر دوں گا، اور تمہیں جنتوں میں داخل کروں گا۔

(۳۴) اس آیت کریمہ میں بھی یہود کے حبش باطن کو بیان کیا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے عہد لیا گیا تھا کہ

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٣٣٥﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۖ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿٣٣٦﴾ يَهْدِي بِهُ اللَّهُ مِنَ الْبُحْبُوحَاتِ إِلَىٰ سُبُلِ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٣٧﴾

اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے اُن سے بھی عہد (۳۳۵) لیا تھا، تو جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان کا ایک بڑا حصہ فراموش کر بیٹھے، پھر ہم نے ان کے درمیان تاقیامت بغض و عداوت پیدا کر دی، اور عنقریب اللہ انہیں ان کے کئے کی خبر دے گا ﴿۳۳۵﴾ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول (۳۳۶) آ گئے، جو تمہارے سامنے تمہاری کتاب کی بہت سی ان باتوں کو بیان کرتے ہیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے، اور بہت سی باتوں کو نظر انداز کرتے ہو، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کھلی کتاب آچکی ہے ﴿۳۳۶﴾ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کی راہوں کی طرف ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے جو اس کی رضا جوئی میں لگے ہوتے ہیں، اور انہیں اپنی توفیق سے ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے، اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے ﴿۳۳۷﴾

وہ تورات پر عمل کریں گے، اور کنعانیوں سے جنگ کر کے انہیں بیت المقدس سے نکال باہر کریں گے، لیکن انہوں نے اپنے اس عہد کا پاس نہیں رکھا، اس لئے اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی، اور ان کے دل سخت بنا دیئے، جس کے نتیجے میں انہوں نے اللہ کے کلام میں تحریف کیا، اور عیسیٰ اور محمد علیہما الصلاۃ والسلام کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیتوں کو بدل ڈالا، اور اللہ کی طرف سے جاری شدہ بہت سے احکام و شرائع کو پس پشت ڈال دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان میں خیانت کرنے والی ایک جماعت کو ہمیشہ پائیں گے، سوائے ان چند افراد کے جنہوں نے اسلام کو قبول کر لیا جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔ اس لئے نبی الحال آپ انہیں معاف کر دیجئے اور درگزر فرمائیے، اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(۳۳۵) نصاریٰ کا حال بھی یہود سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، اللہ نے اُن سے بھی عہد و پیمانہ لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے، اور اس کی شریعت پر عمل کریں گے، لیکن انہوں نے بہت سے احکام الہی کو قصداً فراموش کر دیا جس کے نتیجے میں اللہ نے دنیا میں انہیں یہ سزا دی کہ وہ آپس میں عداوت اور بغض و حسد کرنے لگے، مختلف جماعتوں میں بٹ گئے اور ان کی آپس کی عداوت انتہا کو پہنچ گئی، اور ان کا یہی حال قیامت تک رہے گا۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کے شر و فساد اور ان کے بُرے کرتوتوں کی خبر دے گا، اور ان کی روحوں کی خباث اور بد اعمالیوں کے مطابق انہیں بدلہ دے گا۔

(۳۳۶) آیات (۱۶/۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے حال پر رحم کھاتے ہوئے انہیں دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ بہت سی باتیں جو تم لوگ چھپاتے تھے، مثال کے طور پر محمد ﷺ کی بعثت، تورات میں رجم والی آیت، اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت، تو اب ہمارے رسول بذریعہ وحی وہ باتیں بیان کر رہے ہیں،

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۗ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ
الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
بِذُنُوبِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝

یقیناً وہ لوگ کافر (۳۷) ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی جانب سے پھر کس کو کچھ بھی اختیار حاصل ہے، کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور تمام اہل زمین کو ہلاک کرنا چاہے (تو وہ آڑے آجائے) اور آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک صرف اللہ ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۷﴾ اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے (۳۸) ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے، بلکہ تم بھی اس کے پیدا کئے ہوئے انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے، اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۸﴾

اور بہت سی باتوں کو نہیں بیان کرتے ہیں تاکہ تمہاری حد سے زیادہ فضیلت نہ ہو جائے۔ دیکھو، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کھلی کتاب آگئی ہے، جس کے ذریعہ اللہ اپنی رضا کے طلب گاروں کی آخرت کے عذاب سے سلامتی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور کفر کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان کی توفیق دیتا ہے، اور دین حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (۳۷) عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کے غلو، اور اللہ تعالیٰ کے حق میں ان کی انتہا درجہ کی زیادتی کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم کا نام ہے وہ کافر ہو گئے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ایک بندہ کو ”اللہ“ بنا دیا، جسے اللہ نے پیدا کیا تھا۔

اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو نصاریٰ پر رحمت قائم کرنے کا طریقہ بتایا کہ فرض کرو اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم، ان کی ماں، اور سارے جہان والوں کو ہلاک کر دینے کا فیصلہ کر لے، تو اسے کون روک سکے گا؟ اس کا جواب قطعی طور پر یہی ہو گا کہ کوئی نہیں، تو پھر اللہ کا ایک بندہ کیسے ”اللہ“ ہو سکتا ہے، یا معبود ہونے میں اس کا شریک کیسے بن سکتا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان ہر شے کی ملکیت اللہ کے لئے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُس نے آدم کو مٹی سے اور حوا کو آدم سے پیدا کیا۔ اسی طرح اگر اس نے عیسیٰ کو مریم سے بغیر باپ کے پیدا کیا، تو عقلی یا شرعی طور پر کیسے ضروری ہو گیا کہ وہ ”اللہ“ ہو جائے؟!

(۳۸) اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی ایک دوسری گمراہی بیان کی گئی ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی اور کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ کہیں باپ اپنے بیٹے کو، اور کوئی محبت اپنے حبیب کو عذاب دیتا ہے، حالانکہ تم خود اپنی زبان سے اعتراف کرتے

قَالُوا يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ مِمَّا رَزَقَهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٥٠﴾ قَالَ رَبِّ
 إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥١﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحْرَمَةٌ عَلَيْهِمْ الرِّبْعَيْنِ
 بَعْضُهُمْ يَبْتَغِي الْآرْضَ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥٢﴾

ان لوگوں نے کہا، اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں رہیں گے ہم لوگ کبھی بھی وہاں نہیں جائیں گے، تم اور تمہارا رب جائے دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے ﴿٢٥٠﴾ موسیٰ نے کہا، اے میرے رب! مجھے اپنے اور اپنے بھائی کے علاوہ کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، پس تو ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان فیصلہ کر دے ﴿٢٥١﴾ اللہ نے فرمایا، تو وہ زمین چالیس سال تک کے لئے ان پر حرام کر دی گئی، وہ لوگ زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے، پس آپ ان نافرمانوں پر افسوس نہ کریں ﴿٢٥٢﴾

اس لئے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے اور عذاب دینے پر یقیناً قادر ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الانبیاء“ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں ابن مریم کا زیادہ حقدار ہوں، اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں“۔

(٣٠) ذیل میں مذکور سات آیتوں میں نبی کریم ﷺ کو ایک قسم کی تسلی دی گئی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دی ہے کہ اگر آپ کے زمانہ کے یہود آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور آپ پر ایمان نہیں لاتے، تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، کیونکہ ان کے اسلاف نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ نے تم پر جو انعامات کئے ہیں انہیں یاد کرو۔ تم میں انبیاء مبعوث کئے، اور تمہیں بادشاہوں کی حیثیت دی، کہ تم پر کسی دوسری قوم کی حکومت نہیں چلتی۔ اور تمہیں ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جو تمہارے زمانہ کی دوسری قوموں کو نہیں ملیں۔

پھر کہا: اے میری قوم! تم لوگ مقدس سر زمین میں داخل ہو جاؤ، جس میں اللہ نے تمہارے لئے سکون و قرار رکھا ہے، تم لوگ شہر کا دروازہ کھول کر اچانک دشمن پر حملہ کرو، اور انہیں مغلوب بنا لو، اور شکست خوردہ ہو کر پیچھے مڑ کر نہ بھاگو، لیکن انہوں نے ایک بات نہ مانی اور موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ اے موسیٰ! اس شہر میں تو جبارہ لوگ رہتے ہیں، ہم تو وہاں نہیں جائیں گے، جب تک وہ لوگ اس شہر سے نکل نہیں جاتے۔

اور ان کی اس ذہنی شکست کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دس نقیبوں نے عمالقہ کے بارے میں اپنے قبائل کو ڈرایا تھا۔ صرف یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا نے راز کی حفاظت کی تھی، جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ دو آدمی جو اللہ سے ڈرنے والے تھے، اور جن پر اللہ کا فضل تھا انہوں نے کہا کہ اگر تم لوگ اچانک شہر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ گے، تو غالب آ جاؤ گے۔ اگر تم لوگ اہل ایمان ہو تو تمہیں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

لیکن انہوں نے پوری خسرت و دناعت کے ساتھ جواب دیا کہ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہوں گے ہم لوگ ہرگز داخل نہ ہوں گے، تم اور تمہارا رب جا کر ان سے جنگ کرے، ہم تو یہیں رہیں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے

وَأَنذَرْتَهُمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ رَأْدًا قَرِيبًا قَدْ بَانَ كَأَنَّ الْفِتْنَةَ لَمَّا كَانَتْ هُمْ مِنَ الْجِبَالِ فَذُوقُوا الْعَذَابَ وَنُذِرْهُمْ كَيْدَهُمْ هَاجِرِينَ ﴿٣١﴾

اور آپ لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں کا سچا واقعہ ^(۳۱) سنا دیجئے، جب دونوں نے (اللہ کے لئے) نذرانہ پیش کیا، تو ان میں سے ایک کی طرف سے قبول کر لیا گیا، اور دوسرے کی طرف سے قبول نہیں کیا گیا، تو اس نے (پہلے سے) کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا (پہلے نے) کہا کہ اللہ صرف صاحب تقویٰ لوگوں کے نذرانے قبول کرتا ہے ﴿۲۷﴾

اعلانِ براءت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میں اور میرے بھائی ہارون اپنی اپنی ذات کے مالک ہیں۔ (اس قوم سے ہم عاجز آ گئے) اب ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو اللہ نے کہا کہ ہم نے چالیس سال تک کے لئے سر زمین مقدس کو ان پر حرام کر دیا، یہ لوگ اب اسی صحرائے سینا میں بھٹکتے رہیں گے۔ آپ ان فاسق لوگوں کے بارے میں کوئی افسوس نہ کریں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کا معاملہ بالکل ہی مختلف رہا۔ امام بخاری نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مقداد بن الأسود بدر کے دن مشرکین پر بددعا کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا اللہ کی قسم، اے اللہ کے رسول! ہم وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا کہ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرے، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں اور آپ کے آگے اور پیچھے جنگ کریں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ اس بات سے چمکنے لگا۔

(۳۱) ذیل میں مذکورہ تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آدم کے بیٹے ہابیل و قابیل کا واقعہ بیان کر کے حد و سرکشی کا انجام بیان کیا ہے، اور یہود کو یہ بتانا چاہا ہے کہ اگر وہ بھی حد و سرکشی پر مصر رہے، تو ان کا انجام بھی دنیا و آخرت میں بہت بُرا ہوگا۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ہابیل بکریاں پالتا تھا، اور قابیل کھیتی کرتا تھا۔ ہابیل نے اللہ کی رضا کے لئے ایک تندرست اور موٹی بکری ذبح کی، اور قابیل نے گھٹیا قسم کا اناج اللہ کی راہ میں نکالا۔ ہابیل کا صدقہ قبول ہو گیا، اور قابیل کی بدینتی کی وجہ سے اس کا صدقہ قبول نہیں کیا گیا، جس کے نتیجے میں قابیل حد کا شکار ہو گیا۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ نسل آدم کی افزائش کے لئے اللہ نے حضرت آدم کے دین میں یہ جائز قرار دیا تھا کہ حوا کے ایک حمل سے پیدا شدہ لڑکے اور لڑکی کی شادی ان کے دوسرے حمل کے لڑکے اور لڑکی سے ہو۔ ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بد صورت تھی، اس لئے قابیل نے اپنی ہی بہن سے شادی کرنی چاہی۔ جھگڑا ختم کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی رضا کے لئے قربانی کرو۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی، اور قابیل کی اس کی بدینتی کی وجہ سے رد کر دی گئی، جس کے نتیجے میں قابیل حد میں مبتلا ہو گیا، لیکن اس واقعہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ بہر حال قرآن کریم سے جو ثابت ہے وہ یہی ہے کہ ان دونوں نے اللہ کی رضا کے لئے الگ الگ قربانی کی، ہابیل کی قبول ہو گئی، اور قابیل کی رد کر دی گئی، جس پر وہ حد میں مبتلا ہو گیا، اور ہابیل سے کہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا، ہابیل نے کہا کہ اللہ اہل تقویٰ کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی تو اپنے آپ کو کوسو میرا اس میں کوئی قصور نہیں، تو پھر مجھے کیوں قتل کرو گے؟ اگر تم بطور ظلم مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں اپنے دفاع میں تمہیں قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ مجھے تو اللہ کا ڈر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

لِرَبِّ بَسَطَكَ إِلَى يَدِكَ لَتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ بِكَ يَدِي إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنْ أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾
 إِنْ أُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِمَا نُنْفِئُ وَإِنَّمَا تَأْتِيكُم مِّنَ اللَّهِ فَتَأْكُلُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهَا نَفْسُهُ
 قَتْلَ أَخِيهِ فَفَتَكَ لَهُ وَأَصْبَحَ مِنَ الخَيْرِينَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُورِثُ سَوْفَةً
 أَخِيَّهُ قَالَ يُورِثُنِي أَخْبَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأَوْرِثِي سَوْفَةً أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ الثَّامِرِينَ ﴿٣١﴾

اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاؤ گے، تو میں تمہیں قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تمہاری طرف نہیں بڑھاؤں گا، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا پالنہار ہے ﴿۲۸﴾ میں چاہتا (۲۹) ہوں کہ میرا گناہ اور تمہارا گناہ تمہارے ہی سر جائے، پھر تم جہنمیوں میں سے ہو جاؤ، اور ظالموں کو ایسا ہی بدلہ ملتا ہے ﴿۲۹﴾ پھر اس کے نفس نے اس کی نظر میں اپنے بھائی کا قتل (۳۰) آسان بنا دیا۔ چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا، اور بڑے ہی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ﴿۳۰﴾ پھر اللہ نے ایک کوا (۳۱) بھیجا جو زمین کو کریدنے لگا، تاکہ اُسے سکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے، اس نے کہا اے افسوس، کیا میں اتنا مجبور ہوں کہ اس کو تھے کے ہی مانند ہوتا، اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا، پھر افسوس کرنے لگا ﴿۳۱﴾

بخاری و مسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب دو مسلمان اپنی اپنی تلوار لے کر ایک دوسرے کے مقابل آجائیں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! قاتل کے بارے میں بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ وہ اپنے مقابل کے قتل کے لئے پوری طرح کوشاں تھا“۔

(۳۲) ہاتیل نے کہا کہ میں تمہارے سامنے اس لئے جھک رہا ہوں، اور تمہیں اس لئے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب تم اللہ کے حضور کھڑے ہو تو تمہارے سر میرے قتل کا گناہ، اور وہ گناہ بھی ہو جو تم نے میرے قتل سے پہلے کیا تھا، یا جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اور ان دونوں گناہوں کی وجہ سے تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۳۳) بھائی کے قتل کی صراحت سے مقصود اس فعل کی شدت قباحت کو بیان کرنا ہے۔ قاتیل دین و دنیا دونوں ہی اعتبار سے بد قسمت بن گیا۔ دینی اعتبار سے کافر ہو گیا اور قیامت تک ہونے والے قتل کے گناہوں کا سزاوار ہوا، اور دنیاوی اعتبار سے اللہ کی مخلوق کی نگاہ میں مغبوض بن گیا۔

امام بخاری اور دوسروں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بھی شخص مظلومانہ طور پر قتل کیا جائے گا، تو پہلے ابن آدم کے سر اس کے خون کا گناہ ضرور ہوگا، اس لئے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کی ابتدا کی تھی“۔

(۳۴) قاتیل قتل کر دینے کے بعد شدید حیرت میں پڑ گیا کہ اب اپنے بھائی کی لاش کو کیا کرے، تو اللہ نے کوا کو بھیج دیا جو اپنی چونچ اور اپنے پاؤں سے زمین کو گہرا کھودنے لگا۔ سدی نے بعض صحابہ کرام سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوتوں کو بھیج دیا جنہوں نے لٹا شروع کر دیا، پھر ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اور زمین کھود کر اس میں ڈال دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُفْرُونَ ۝ إِنَّا جَزَاءُ الَّذِينَ يُعَارِفُونَ اللَّهَ ۖ وَرَسُولَهُ ۖ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُنَقَّطَ أَيْدِيهِمْ وَأرجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَخُوا مِنَ الْأَرْضِ ۖ ذَلِكَ لَهُمْ جزئىٰ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ حکم جاری کر دیا کہ جو شخص کسی آدمی (۳۵) کو بغیر کسی مقتول کے بدلے، یا زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کر ڈالے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جو شخص کسی آدمی کو بچالے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا، اور ہمارے بہت سے انبیاء و رسل بنی اسرائیل کے پاس کھلی نشانیاں (۳۶) لے کر آئے، لیکن اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہی رہے ﴿۳۲﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ (۳۷) کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ رسوائی ان کے لئے دنیا میں ہے، اور آخرت میں انہیں عذاب عظیم دیا جائے گا ﴿۳۳﴾ مگر وہ لوگ جو تمہاری گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں، تو جان لو کہ اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۴﴾

(۳۵) کسی کو ناحق قتل کرنا اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے، اور اس کی وجہ سے شر و فساد کا جو خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے، اس کا بند کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے گا، یا زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے ایسا کرے گا تو گویا وہ تمام بنی نوع انسان کے قتل کا مرتکب ہوگا، اور جو غنمو و درگزر یا کسی اور طریقہ سے کسی کی زندگی کی بقا کا سبب بنے گا، تو وہ گویا تمام لوگوں کی زندگی کا سبب بنے گا۔

ابن جریر نے روایت کی ہے، حسن بصری سے پوچھا گیا کہ کیا اس آیت میں موجود حکم بنی اسرائیل کی طرح ہمارے لئے بھی ہے؟ تو انہوں نے کہا، ہاں، اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، ان کے خون کو کس چیز نے ہمارے خون سے زیادہ قیمتی بنا دیا؟

امام شاطبی رحمہ اللہ نے ”موافقات“ میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں گزشتہ انبیائے کرام کی شریعتوں کے جو احکام بیان ہوئے ہیں، اور یہ نہیں بتایا گیا کہ ان امتوں نے ان احکام میں افزا پر دازی سے کام لیا تھا، تو وہ سارے احکام برحق ہیں۔ (۳۶) آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کے زمانہ کے یہود نے آپ کے خلاف سازشیں کی، اور آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اس سے طول خاطر نہ ہوں، کیونکہ شر و فساد ہمیشہ سے ان کی فطرت کا لازمہ رہا ہے، اور انہوں نے قتل کی جو بھی سازش کی اور جب بھی جنگ کی آگ بھڑکانی چاہی تو جہالت و نادانی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ کی شریعت کو جانتے ہوئے، اور اس کی طرف سے واضح نشانیاں آنے کے بعد ایسا کرتے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اُس تک وسیلہ (۳۸) تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد (۳۹) کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ﴿۳۵﴾

شروفساد پھیلانا اور ظلم و زیادتی کرنا ان میں سے بہتوں کی سرشت میں داخل رہا ہے۔

(۴۷) آیات (۳۳/۳۳) آیات محاربہ کہلاتی ہیں۔ ”محاربہ“ کا لغوی معنی مخالفت ہے، اور اصطلاح شرع میں اس کا اطلاق کفر، ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور دہشت گردی پر ہوتا ہے۔

ابو داؤد اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ ایسا کرنے والا اگر گرفتار کئے جانے سے پہلے توبہ کر لے گا تو بھی اس پر حد قائم کی جائے گی۔

بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عرینہ یا عسکل کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا، لیکن مدینہ کی آب و ہوا انہیں ناموافق پڑی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کی جگہ چلے جائیں، اور ان کا پیشاب اور دودھ پھینکیں۔ انہوں نے وہاں جا کر ایسا ہی کیا اور جب صحت مند ہو گئے تو کچھ دنوں کے بعد اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، نبی کریم ﷺ نے انہیں پکڑنے کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجا، جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے، اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں، اور ان کے زخموں کو بغیر داغے ہوئے چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ مر گئے۔ امام مسلم کی انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے چرواہوں کی آنکھیں پھوڑ دی تھیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی بھی آنکھیں پھوڑ دیں۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین اور غیر مشرکین سب کے بارے میں عام ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عسکل یا عرینہ والوں کو جو سزا دی گئی تھی وہ اس آیت کے ذریعہ منسوخ ہو گئی ہے، اور اب محاربہ کرنے والوں کو وہی سزا دی جائے گی جس کا بیان اس آیت میں آیا ہے۔ ظاہر آیت دلالت کرتی ہے کہ آیت میں مذکور جس سزا کو امام وقت جس کے لئے مناسب سمجھے گا نافذ کرے گا۔ آیت کا ترجمہ ﴿ذَلِكَ لَهُمْ حِزْبِي فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ دلالت کرتا ہے کہ ”محاربین“ کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ سزا ملے گی۔ دنیا میں حد قائم کر دینے سے وہ پاک نہیں ہو جائیں گے، چاہے وہ مسلمان ہوں۔ حافظ سیوطی اور شعرانی وغیرہم کی یہی رائے ہے۔

آیت (۳۳) دلالت کرتی ہے کہ محاربین اگر ہاتھ آنے سے پہلے توبہ کر لیں گے تو آیت میں مذکور حد ساقط ہو جائے گی، اگر وہ کافر ہوں گے تو اسلام لانے کے بعد یہ حد ساقط ہو جائے گی، اور اگر مسلمان ہوں گے تو بھی آیت میں مذکور تمام انواع حد و ساقط ہو جائیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کا اسی پر عمل رہا ہے، لیکن بعض اہل علم کا خیال ہے کہ گرفتار کئے جانے سے پہلے توبہ کر لینے سے قصاص اور دوسرے انسانی حقوق ساقط نہیں ہوں گے۔

(۳۸) یہاں ”وسیلہ“ سے مراد ”قربت“ ہے۔ یعنی اے اہل ایمان! اللہ سے قربت کی کوشش میں لگے رہو۔ ابن عباس، مجاہد، عطاء اور سفیان ثوری وغیرہم نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ قتادہ نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے آیت کی تفسیریوں کی ہے کہ

اللہ کی بندگی اور اس کی رضا کے کاموں کے ذریعہ اس سے قربت حاصل کرو۔ ”وسیلہ“ جنت میں اعلیٰ مقام کا نام بھی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کا مقام اور جنت میں ان کا گھر ہوگا۔ یہ مقام رب العالمین کے عرش سے سب سے قریب ہے۔

امام مسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مؤذن کو اذان دیتے سنو تو جیسے وہ کہتا ہے ویسے ہی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، اس لئے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس بار درود بھیجے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے ”وسیلہ“ مانگو، جو جنت میں ایک ایسا مقام ہے جس کا حقدار اللہ کا صرف ایک بندہ ہوگا، اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں گا، تو جو شخص میرے لئے اللہ سے وسیلہ کا سوال کرے گا، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی“۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے، اور تقویٰ کے ساتھ اگر طاعت و بندگی کا حکم بھی ہو تو اس سے مراد محرمات اور منہیات سے باز رہنا ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”کتاب الوسیلہ“ میں ”وسیلہ“ کی بہت ہی مفید توضیح کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ اور توسل تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

- ۱- واجبات و مستحبات کی ادائیگی کے ذریعہ اللہ کی قربت حاصل کرنا؛ جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ اسراء کی آیت (۵۷) میں آیا ہے۔ وسیلہ کا یہ معنی فرض ہے، اور اس کے بغیر مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔
- ۲- نبی کریم ﷺ سے اللہ کے حضور دعا اور شفاعت کروانا؛ توسل کا یہ معنی نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پایا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف موقعوں سے آپ سے دعائیں کروائیں، اور قیامت کے دن آپ اپنی امت کے لئے شفاعت کریں گے۔
- ۳- نبی کریم ﷺ کی ذات کے ذریعہ توسل؛ یعنی اللہ تعالیٰ کو آپ کی ذات کی قسم دلانا، اور ان کی ذات کے ذریعہ سوال کرنا۔ توسل کی یہ قسم صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے، نہ آپ کی زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد، نہ آپ کی قبر کے پاس اور نہ کسی اور جگہ، اور نہ یہ چیز صحابہ کرام سے ثابت شدہ دعاؤں میں پائی جاتی ہے۔ بعض ضعیف احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے اور بعض ایسے لوگوں کی رائے ہے جن کی رائے اسلام میں حجت نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے توسل کی اس قسم کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ مخلوق کے توسل سے سوال کرنا جائز نہیں، اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے انبیاء کے حق کے طفیل میں سوال کرتا ہوں۔

بعض لوگوں نے صحیح بخاری کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث کا غلط مفہوم سمجھا ہے، جس کی تفصیل یوں ہے کہ جب مدینہ میں قحط سالی ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ! پہلے جب قحط سالی ہوتی تھی تو ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی، اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ذریعہ توسل کا مفہوم آپ سے دعا کرنا ہے، نہ کہ آپ کی ذات کے ذریعہ وسیلہ حاصل کرنا، یہی وجہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی۔ اگر مقصود آپ کی ذات کے ذریعہ توسل ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کے ذریعہ توسل کی کوئی ضرورت نہیں تھی، معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک توسل کا مطلب دعا کروانا تھا، جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد ناممکن ہو گیا، اسی لئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَأَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلًا مَعَهُ لِيُعَذِّبُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمَخْرَجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٥١﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَخْلَبَهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٣﴾ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَعْفُو لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٤﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر (۵۰) کیا، اگر ان کے پاس زمین کی ساری چیزیں، اور اتنی اور ہوں، تاکہ انہیں دے کر اپنے آپ کو قیامت کے دن کے عذاب سے بچالیں، تو وہ ساری چیزیں ان کی جانب سے قبول نہیں کی جائیں گی، اور انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا ﴿۳۶﴾ وہ لوگ آگ سے نکلنا چاہیں گے، لیکن کبھی بھی نہ نکل پائیں گے، اور انہیں دائمی عذاب دیا جائے گا ﴿۳۷﴾ اور چور اور چورنی کے ہاتھ (۵۱) کاٹ لو، ان کے کئے کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر، اور اللہ بڑی عزت والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۳۸﴾ پھر جس نے اپنے اوپر اس ظلم (۵۲) کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ اسے معاف کر دے گا، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ﴿۳۹﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک صرف اللہ ہے، وہ جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور جسے چاہے گا معاف کر دے گا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۰﴾

(۴۰) اطاعت و بندگی اور ترک محرمات کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، اور اس کا بدلہ آخرت کی کامیابی بتائی جو ابدی سعادت ہوگی، ایسی سعادت جس کا تصور دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔ (۵۰) آیات (۳۷-۳۶) میں قیامت کے دن کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے، اور اس سے مقصود مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دلانی ہے، تاکہ ان کا انجام بھی کافروں جیسا نہ ہو۔

(۵۱) ابن کثیر کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ " فَاَقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا " پڑھتے تھے، یعنی چور اور چورنی کا دایاں ہاتھ کاٹ لو۔ یہ قرأت گرچہ شاذ ہے، لیکن تمام علماء کے نزدیک " اَيْدِيَهُمَا " سے مراد دایاں ہاتھ ہی ہے، جو نبی کریم ﷺ کی احادیث سے مستفاد ہے۔

بعض فقہائے ظاہر نے یہ کہا ہے کہ چور چاہے زیادہ چوری کرے یا کم، عموم آیت کے پیش نظر اس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے گا، ان لوگوں نے مال مسروق کے نصاب تک پہنچنے یا محفوظ جگہ سے چوری کرنے کا اعتبار نہیں کیا ہے، لیکن جمہور علماء نے نصاب کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ نصاب کی تحدید میں ان کے درمیان اختلاف ہوا ہے، صحیح احادیث کی روشنی میں جو بات راجح معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر چوری کا مال ایک چوتھائی دینار یا تین درہم کے برابر ہو گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۵۲) آیت میں "ظلم" سے مراد چوری ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور اسے آخرت میں اس چوری کے بدلے میں سزا نہیں دے گا، لیکن دنیا میں چوری کی حد اس سے ساقط نہیں ہوگی، جیسا کہ صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایسے لوگ تائب ہو کر آتے تھے جن پر حد واجب ہوتی تھی، تو آپ ان پر حد

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنَكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَقْوَامِهِمْ وَكَذَّبُوا بِأَفْوَاهِهِمْ
وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا فَوَاسِقًا سَمِعُوا لِكُذِّبِ سَمِعُوا لِكُذِّبِ لَقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ
يَعُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوا مِنْهُ وَذُرُوا كَيْدَ الَّذِينَ يَكُونُونَ لَكُمْ مَرْجُومًا فَخُذُوا مِنْهُ وَذُرُوا كَيْدَ الَّذِينَ يَكُونُونَ لَكُمْ مَرْجُومًا
فِي الدُّنْيَا خُذُوا فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑩

اے رسول! جو لوگ کفر کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں، وہ آپ کو غمگین (۵۳) نہ بنادیں، چاہے وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا (۵۴) اور چاہے یہودیوں میں سے ہوں، یہ لوگ جھوٹ (۵۵) بولنے کے لئے دوسروں کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اور کچھ ایسے لوگوں کے لئے کان لگاتے (۵۶) ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے، کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم (۵۷) دیا جائے تو اسے لے لو، اور اگر یہ نہ دیا جائے تو بچو، اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے اس کے لئے آپ اللہ کی جانب سے کچھ بھی نہیں کر سکتے، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ پاک کرنا نہیں چاہتا، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ﴿۳۱﴾

جاری کرتے تھے۔

دار قطنی، حاکم اور عبد الرزاق وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک چور رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، تو آپ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا، اس کے بعد آپ نے اس سے کہا کہ توبہ کرو، تو اس نے کہا کہ میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی۔ معلوم ہوا کہ توبہ کر لینے سے حد ساقط نہیں ہوتی، لیکن قیامت کے دن اس کی وجہ سے اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر چور کا معاملہ حاکم تک پہنچنے سے پہلے اسے معاف کر دیا جاتا ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ چونکہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ کے لئے ہے، اس لئے وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور چور اور چورنی کا ہاتھ کاٹتا ہے اور جسے چاہے گا توبہ کر لینے کے بعد، قیامت کے دن اس گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا۔

(۵۳) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ کفار اگر اپنے کفر میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں تو آپ ملول خاطر نہ ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو تنہا نہیں چھوڑ دے گا، بلکہ وہ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا۔

(۵۴) یہاں مراد منافقین ہیں، اور یہودیوں سے مراد بنو قریظہ کے یہود ہیں۔

(۵۵) علمائے یہود جو جھوٹی باتیں پھیلاتے ہیں انہیں سننے اور قبول کرنے میں یہود بڑے تیز ہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری خبریں سننے اور جمع کرنے میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں تاکہ ان میں حذف و اضافہ کے بعد اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیں اور مسلم سوسائٹی میں خوف و ہراس پھیلانے کے لئے انہیں بیان کریں۔

(۵۶) ان سے مراد خیبر کے یہود ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے انتہائے عداوت کی وجہ سے انہیں دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے، اس

سَمِعُونَ بِالْكَذِبِ أَكْثَرُونَ لِلسَّمْعِ ۖ وَإِنْ جَاءَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۗ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصُدُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ وَكَيْفَ يُحْكِمُ اللَّهُ لَكَ آيَاتِهِ إِذَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَارُ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يُنصِّرُكُمْ بِهَا لِلتَّقْوَىٰ وَالَّذِينَ هَادُوا وَالشَّكَّارُوتَ الْأُولَىٰ أُولَٰئِكَ هُمُ السَّاجِدُونَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ وَكَانُوا عَلَيْهِمْ مُّشْهِدِينَ ۚ فَلَا تَتَّخِذُوا النَّاسَ وَالْأَشْيَاءَ دُولًا ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ إِيذَنَ اللَّهُ لَهُ شُكْرًا كَثِيرًا ۚ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي إِبْرَاهِيمَ إِذْ بَايَعُوا أَنَّهُمْ كَافَرُونَ ۝

یہ لوگ جھوٹ بولنے کے لئے دوسرے کی باتوں پر کان لگاتے ہیں، اور بڑے حرام (۵۸) کھانے والے ہیں، پس اگر وہ لوگ آپ کے پاس آویں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے یا ان سے منہ پھیر لیجئے، اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں گے تو وہ آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کیجئے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۳۲﴾ اور یہ لوگ کس طرح آپ کو حکم (۵۹) بناتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا فیصلہ موجود ہے، پھر بھی اس کے بعد منہ پھیرتے ہیں، اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۳۳﴾ بے شک ہم نے تورات (۶۰) نازل کیا تھا جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اس کے مطابق وہ انبیاء جو اللہ کے فرمانبردار تھے، یہودیوں کے لئے فیصلے (۶۱) کرتے تھے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلے کرتے تھے) اس لئے کہ انہیں اللہ کی کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ اس کے اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہونے کے گواہ تھے، پس تم لوگوں سے نہ ڈرو ﴿۶۲﴾ اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے گھٹیا چیز نہ خریدو، اور جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ (۶۳) نہیں کریں گے، وہی لوگ کافر ہیں ﴿۳۳﴾

لئے آپ کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔

(۵۷) علمائے یہود یہودیوں کو سمجھاتے تھے کہ ہم نے جو (تحریف شدہ) حکم تمہیں بتایا ہے، اگر وہی حکم تمہیں محمد (ﷺ) بتاتا ہے تو قبول کر لو ورنہ چھوڑ دو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کے دو یہودی مرد اور عورت نے زنا کیا، تو یہود نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جا جائے، اگر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ دونوں کو سو (۱۰۰) سو (۱۰۰) کوڑے مارے جائیں اور ان کے چہرے سیاہ کر کے گدھے پر لٹے بیٹھا کر شہر میں گھمایا جائے، تو ٹھیک ہے (جو انہوں نے تورات میں تحریف کر کے اور رجم کو ساقط کر کے اپنا من مانا حکم وضع کر لیا تھا) تاکہ ہم اللہ کے یہاں یہ کہہ سکیں کہ اللہ کے ایک نبی نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی ان کی اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل امام مالک نے مؤطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور امام احمد اور مسلم وغیرہم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۵۸) اس آیت میں گذشتہ آیت کے مضمون کی تاکید ہے، اور یہود کی ایک دوسری صفت (رشوت خوری) بیان کرنا مقصود ہے رشوت لینا اور مختلف طریقوں سے لوگوں کے مال کھانا یہودیوں کی سرشت میں داخل ہے۔

وَكُتِبَ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ التَّفَسُّسَ بِالنَّفْسِ ۖ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ۖ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ ۖ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ ۖ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۖ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا ۖ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے اس تورات میں ان کے لئے حکم (۶۳) جاری کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت ہے، اور زخموں (۶۵) میں بھی بدلہ ہے، اور جو شخص اسے معاف (۶۶) کر دے گا، تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گا، اور جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہی لوگ ظالم (۶۷) ہیں ﴿۳۵﴾

(۵۹) یہود کی اس بات پر اظہارِ تعجب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے کے باوجود ایک خاص مقصد کے لئے انہیں فیصلہ قرار دیتے ہیں۔ اگر ان کا مقصد اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہو تا تو وہ حکم تورات میں پہلے سے موجود ہے۔ تورات میں اس خاص حکم کا پایا جانا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس میں بہت سی تحریف کردہ باتیں بھی موجود ہیں۔ اسے تورات تو عرف عام، یا اس کی اصل کے اعتبار سے یا اس اعتبار سے کہا گیا کہ اس میں حقیقی تورات کی بہت سی باتیں موجود ہیں۔

(۶۰) اس آیتِ کریمہ میں یہود کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ کی نازل کردہ تورات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس میں تحریف کیا، اور انبیائے کرام سے روشنی اور ہدایت حاصل کرنے کے بجائے انہیں قتل کیا۔ (۶۱) یعنی وہ انبیائے کرام فیصلہ کریں گے جو موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک مبعوث ہوئے اور جو مسلمان تھے، اور یہ فیصلے یہود کے ساتھ خاص ہوں گے۔ نیز اُس زمانے کے اللہ والے اور صالح علماء فیصلے کریں گے، اور تورات کے ان احکام کی بنیاد پر فیصلے کریں گے جن کے بارے میں انہیں پورا علم ہے کہ یہ احکام تحریف سے محفوظ ہیں، اور منسوخ بھی نہیں ہوئے ہیں۔

(۶۲) حکام کو منع کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں سے نہ ڈریں، بلکہ اللہ سے ڈرتے ہوئے احکام شریعت کو نافذ کریں۔ اور یہاں پر خطاب اگرچہ یہود کے رؤساء اور علماء کے لئے ہے، لیکن حکم عام ہے اور مسلمانوں کو بھی شامل ہے۔ (۶۳) امام مسلم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قرآن کریم میں اس معنی کی تینوں آیتیں کفار کے بارے میں ہیں۔ ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیتیں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کے بارے میں ہیں، لیکن ان میں بیان کردہ حکم مسلمانوں کو بھی شامل ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ احکام میں ہمیشہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں۔ یعنی اگرچہ ان میں بیان کردہ احکام کفار یا یہود کے بارے میں نازل ہوئے، لیکن وہ احکام اب مسلمانوں کو بھی شامل ہیں۔

(۶۴) ۱- اس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ڈانٹ پلائی ہے، اس لئے کہ تورات میں یہ نص موجود ہے کہ جان کے بدلے جان لی جائے گی، لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اس کی مخالفت کی اور نصری کے بدلے میں قرظی کو قتل کیا، اور قرظی کے بدلے میں صرف دیت پر اکتفا کیا۔ اسی طرح شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم تورات میں پہلے سے

وَقَفَيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْزِيمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِنَّا لَهُ لَنَجِيلٌ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾

اور ہم نے ان (انبیاء) کے بعد (۶۸) عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، دراصل حالیکہ وہ اس تورات کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے آچکی تھی، اور ہم نے انہیں انجیل دیا جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اور اس تورات کی تصدیق کرتی تھی جو ان سے پہلے آچکی تھی، اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے مکمل ہدایت اور نصیحت تھی ﴿۶۷﴾

موجود تھا، لیکن انہوں نے تورات میں تحریف کر کے کوڑے لگانے، منہ کالا کرنے اور گدھے پر بیٹھا کر تشہیر کرنے پر اکتفا کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ رحم والی آیت کی تحریف کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا وہ کافر ہوگا، اس لئے کہ وہاں انہوں نے جان بوجھ کر اللہ کے حکم کا انکار کر دیا تھا اور یہاں انہیں ظالم کہا گیا، اس لئے کہ انہوں نے مظلوم کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

۲- فقہاء اور علمائے اصول فقہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ گذشتہ شریعتوں کے جو احکام قرآن میں بیان کئے گئے ہیں اور انہیں منسوخ نہیں قرار دیا گیا ہے، وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں۔ تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔
۳- تمام ائمہ کرام نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو جو خط بھیجا تھا اس میں بھی آپ نے فرمایا تھا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ (نسائی)۔
۴- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر ذمی کے بدلے مسلمان کو، اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کیا جائے گا، لیکن جمہور علماء نے ان دونوں مسائل میں ان کی مخالفت کی ہے، اس لئے کہ صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا“۔ اسی طرح ائمہ سلف کے متعدد آثار ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ اسلام کا اس کے بارے میں اجماع نقل کیا ہے۔

(۶۵) یہاں مراد ایسے زخم ہیں جن کا قصاص لینا ممکن ہو، جیسے زبان، ہونٹ، چہرہ اور جسم کے باقی حصے کا زخم، جن زخموں کا قصاص لینے سے عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، یا جن کی مقدار گہرائی، چوڑائی یا لمبائی میں معلوم کرنا ممکن نہ ہو ان میں قصاص نافذ نہیں کیا جائے گا۔

(۶۶) اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ جو معاف کر دے گا اللہ اس کے گناہوں کو درگزر فرمائے گا۔ اور دوسرا معنی یہ بتایا گیا ہے کہ اگر صاحب حق معاف کر دے تو زیادتی کرنے والے سے قصاص اور دوسرے حقوق ساقط ہو جائیں گے۔
(۶۷) جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، انہیں یہاں ظالم اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے مظلوم کے ساتھ انصاف نہیں کیا، اور اللہ کے عادلانہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا۔

(۶۸) تورات سے متعلق حکم بیان کرنے کے بعد اب انجیل سے متعلق حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے بہت سے انبیاء بھیجے، ان سب کے بعد عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جن کو اللہ نے انجیل عطا کیا، اور جنہوں نے تورات کی تصدیق کی، اور اس کے احکام کو انجیل میں نازل شدہ آیات کے ذریعہ منسوخ قرار دیا۔

وَلِيَعْلَمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بَيِّنَاتٍ مِّنَ اللَّهِ فِيهِ يُدْعَوْنَ لِيُؤْمِنُوا وَمَن لَّمْ يُخَافِ يَمَّا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٦٩﴾ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَخَالِكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عِنَايَةً لِّمَنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِثْقَلَهُ ثَمَرَةً وَنِهَايَةً وَمِنْهَا جَاوِزَةٌ وَاللَّهُ لَجَعَلَكُمُ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٧٠﴾

اور انجیل والوں (۶۹) کو چاہئے کہ وہ اسی حکم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے، اور جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے وہی لوگ فاسق ہیں ﴿۳۷﴾ اور ہم نے آپ پر برحق کتاب (۷۰) نازل کی ہے، وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آچکی ہے، اور اس پر غالب و شاہد ہے، پس آپ ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے، اور آپ کے پاس جو حق آچکا ہے اسے چھوڑ کر، ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور راستہ مقرر (۷۱) کر دیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت (۷۲) بنا دیتا، لیکن وہ چاہتا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کو جو دین دیا ہے اس کے مطابق تمہیں آزمائے، پس تم لوگ نیک اعمال کی طرف سبقت کرو، تم سب کو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں ان باتوں کی خبر دے گا جن میں تم آپس میں اختلاف کرتے تھے ﴿۳۸﴾

(۶۹) اہل انجیل کو یہ حکم نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے دیا گیا تھا، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور تمام بنی نوع انسان کو صرف رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے، اور قرآن کریم کو فیصلہ قرار دینے کا حکم دیا گیا۔ اس آیت میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے، یعنی ایسے لوگ اپنے رب کی اطاعت اور حق کی راہ چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونے والے ہیں۔

(۷۰) تورات و انجیل کی فضیلت و اہمیت بیان کرنے کے بعد اب قرآن کریم کی عظمت و اہمیت اور سابقہ سب کتابوں پر اس کی فوقیت بیان کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم کو دیگر تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا، اور ان سب پر غالب اور ان سب کا نگران و نگہبان قرار دیا گیا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں کی منزل من جانب اللہ ہونے کی تائید کرتا ہے، ان کے غیر منسوخ احکام کی توثیق کرتا ہے اور منسوخ احکام کی وضاحت کرتا ہے، ان میں موجود اصول و مبادی کی حفاظت کرتا ہے، اور ان سب کتابوں پر غالب ہے، اس لئے کہ محکم اور منسوخ احکام کا اب صرف قرآن ہی مرجع ہے اور ان سب کا امین اور نگران ہے، اس لئے کہ اب صرف قرآن بتاتا ہے کہ ان سابقہ آسمانی کتابوں کے کون سے احکام قابل عمل ہیں اور کون سے ترک کر دیئے گئے ہیں۔

اس لئے (اے میرے رسول!) آپ ان کے درمیان صرف قرآن کے ذریعہ فیصلہ کریں، اور حق سے منحرف ہو کر گزشتہ اہل ادیان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

وَأَنَّ احْتَمَاطَ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَكْفُرُ أَهْوَاءَهُمْ وَأَحْزَابُهُمْ أَنْ يَفْتَرُوا لَكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤١﴾
 ﴿٤٢﴾ وَاللَّهُ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٤٣﴾

(اور ہم نے آپ پر یہ حکم بھی نازل کیا کہ) آپ ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ (۴۲) کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، اور ان سے ہوشیار رہئے، کہیں آپ کو کسی ایسے حکم سے بہکانہ دیں جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، اور اگر وہ لوگ اعراض کریں، تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے، اور بے شک اکثر لوگ فاسق و نافرمان ہوتے ہیں ﴿۴۱﴾ کیا لوگ دور جاہلیت کا فیصلہ (۴۳) چاہتے ہیں، اور ایمان و یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ کے فیصلہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ﴿۴۰﴾

(۴۱) اس میں گزشتہ امتوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کے لئے انبیاء و رسل بھیجے جنہیں ان امتوں کے حالات کے تقاضے کے مطابق مختلف شریعتیں دی گئیں، لیکن عقیدہ توحید میں وہ سبھی ادیان متفق تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم انبیاء آپس میں علانی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے، یعنی ہم سب دعوت توحید کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ (علانی بھائی ان کو کہتے ہیں جن کے باپ ایک ہوں اور مائیں مختلف ہوں)۔

اس میں گویا اہل تورات اور اہل انجیل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اب صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں، اور قرآن آجانے کے بعد تورات و انجیل کو چھوڑ دیں، اس لئے کہ یہ دونوں کتابیں ان امتوں کے لئے واجب الإلتاع تھیں جو اس دنیا میں ان دونوں کے منسوخ ہونے سے پہلے تھیں۔

(۴۲) یعنی اگر اللہ چاہتا تو تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ہی دین، ایک ہی کتاب اور ایک ہی رسول بھیج دیتا، لیکن چونکہ مقصود انہیں آزمانا تھا اسی لئے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء و رسل اور متعدد ادیان نازل کئے، تاکہ اللہ دیکھے کہ کون اس کی مشیت کے مطابق اپنے زمانے کی شریعت پر عمل پیرا ہوتا ہے، اور کون اپنی خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔

(۴۳) اس کا تعلق گزشتہ آیت سے ہے۔ یعنی ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ یہود و نصاریٰ کے درمیان اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کریں، اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ کہیں وہ آپ کو بعض احکام الہیہ سے منحرف نہ کر دیں۔ اور اگر وہ لوگ اللہ کے حکم کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہیں، تو آپ جان لیجئے کہ اللہ انہیں ان کے دیگر بہت سے گناہوں کے ساتھ اس نافرمانی کے گناہ میں بھی مبتلا کرنا چاہتا ہے، اور بہت سے لوگ کفر میں بڑھے پڑھے اور حد سے متجاوز ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ ان کا حال ہے)۔

(۴۴) ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر جس میں ہر بھلائی ہے، انسانوں کے وضع کردہ افکار و نظریات اور قوانین و احکام کی پیروی کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ فَإِنَّهُ كَانَ
مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٥﴾ فَكَرَىٰ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ خَشْيَ أَنْ
يُصِيبَنَا ذَٰلِكَ فَذُكِّرُوا بِالْقُرْآنِ فَأَمَّا أُولَٰئِكَ فَأَمَّا أُولَٰئِكَ فَأَمَّا أُولَٰئِكَ فَأَمَّا أُولَٰئِكَ فَأَمَّا أُولَٰئِكَ فَأَمَّا أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُوا لِكُلِّ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ كَمَعْكُمْ حَيَّطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَيْرِينَ ﴿٥٦﴾

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست (۵۵) مت بناؤ، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور تم میں سے جو کوئی انہیں اپنا دوست بنائے گا وہ بے شک انہی میں سے ہو جائے گا، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۵۱﴾ اس لئے آپ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری (۵۶) ہے، دیکھ رہے ہیں کہ ان میں مل جانے کے لئے جلدی کر رہے ہیں، کہتے ہیں، ڈر ہے کہ ہمیں کوئی مصیبت لاحق ہو جائے گی، پس توقع ہے کہ اللہ (مسلمانوں کے لئے) فتح یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز بھیج دے، پھر وہ ان باتوں پر نام ہوں جنہیں اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا ﴿۵۲﴾ اور ایمان والے کہیں گے، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے نام کی بڑی شدید قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ لوگ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور گھانا اٹھانے والے ہو گئے ﴿۵۳﴾

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جو لوگ دستور و قانون کی کوئی کتاب اپنی طرف سے وضع کر کے اس پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، وہ کافر ہیں، ان کے خلاف جنگ کرنی واجب ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین قسم کے لوگ اللہ کے نزدیک مغضوب ترین ہیں؛ حدود حرم میں الحاد کو پسند کرنے والا، اسلام آنے کے بعد دور جاہلیت کے طریقے کو اپنانے والا، اور وہ انسان جو ناحق کسی دوسرے کا خون بہانا چاہتا ہو۔“

(۵۵) ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہم نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں روایت کی ہے کہ بعض یہود مدینہ عبادہ بن صامت انصاری اور عبد اللہ بن ابی بن سلول کے حلیف تھے۔ میدان بدر میں جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو فتح ہوئی تو یہود بہت چراغ پا ہوئے اور اپنی بدینتی کا اظہار کرنے لگے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ حال دیکھ کر اپنے حلیفوں سے براءت و علیحدگی کا اعلان کر دیا، اور اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت پر راضی ہو گئے، لیکن عبد اللہ بن ابی نے انکار کر دیا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اور مسلمانوں کی عداوت اُن کے درمیان قدر مشترک ہے۔

اس کے بعد اللہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ جو بھی اُن سے دوستی کرے گا اُن میں سے ہو جائے گا، چاہے وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو کہ اُن کا دین الگ ہے۔

(۵۶) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہوتی ہے وہی لوگ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں ان کی انتہائے شرع و تیزی اور انتہائے رغبت کو بتانے کے لئے اللہ نے (ان کی دوستی میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ رِجْهُمُ وَيُؤْتُونَكَ إِذًا لَعْنَةً عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعْرَضُوا عَلَى الْكُفْرَيْنِ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا، تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسے لوگوں (۷۷) کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرے گا، اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، جو مومنوں کے لئے جھکنے والے اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی بخشش والا، بڑا علم والا ہے ﴿۵۳﴾

تیزی کرتے ہیں) کے بجائے (ان میں مل جانے کے لئے تیزی کرتے ہیں) کے الفاظ استعمال کئے، گویا کہ وہ انہی میں سے ہوجانا چاہتے ہیں۔ اور اس کی علت یہ بتاتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ حالات بدلیں اور ان کے محتاج ہوجائیں، اسی لئے ہم ان کے شر سے بچنے کے لئے پہلے سے ہی احتیاط کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و نصرت دے، اور یہود و نصاریٰ پر جزیہ واجب کر دیا جائے، تو اُس وقت ان (منافقین) کو اپنے کئے پر ندامت ہوگی، اور اس وقت ان کی بدباطنی کھل کر سامنے آجائے گی، اور مسلمان تعجب کریں گے کہ کس طرح یہ لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور قسمیں کھایا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ان (منافقین) کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، اپنی دنیا بھی برباد کی اور آخرت بھی۔

سورہ آل عمران کی آیات (۲۸) اور (۱۱۸) میں غیر مسلموں کو اپنا دوست اور رازداں بنانے سے متعلق تفصیل گزر چکی ہے۔

اس مضمون کو مزید سمجھنے کے لئے ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔
حاکم نے لکھا ہے کہ غیر مسلموں سے مدد لینی جائز نہیں ہے۔ اتنی۔ لیکن یہ حکم علی الملاق صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے قریش اور غیر قریش سے جنگ کرنے کے لئے یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا، جسے انہوں نے غزوہ احزاب کے موقع سے توڑ دیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے "خزاعہ" کے ساتھ بھی معاہدہ کیا تھا جو فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا، اور نبی کریم ﷺ نے منافقین سے بھی مدد لی تھی۔ معلوم ہوا کہ جنگی حالات میں بشرط ضرورت کافروں سے مدد لینی اُن سے دوستی کے مترادف نہیں۔

(۷۷) یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت کے بعد، اب دین اسلام سے ہر زمانے میں مرتد ہونے والوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ اپنی قدرت مطلقہ سے ایسے لوگوں کو ہر زمانے میں لائے گا جو اس کے دین کی تائید کریں گے اور شریعت کو نافذ کریں گے، اور ان کی صفت یہ ہوگی کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، مسلمانوں کے لئے تواضع اختیار کریں گے اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی کی پرواہ نہ کریں گے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت میں "قوم" سے مراد ابو بکر صدیق اور وہ صحابہ کرام اور تابعین ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دین اسلام سے برگشتہ ہونے والوں سے جنگ کی تھی، اور ان کے بعد وہ تمام مسلمان مراد ہیں جنہوں نے

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَتَّقُونَ مِنَ الْإِنِّ أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَإِنْ أَكْثَرْتُمْ فَيُقُونُ ۗ قُلْ هَلْ أُنْتِمْكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ مُنُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَعَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَةَ وَالْحَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۗ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۗ وَإِذْ إِجَاهُكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۗ وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِشْرَارِ وَالْعُدْوَانِ وَ أَكْثَرُهُمُ الشُّعْتُ لِبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۗ

آپ کہہ دیجئے، اے اہل کتاب! تم ہمارے اندر کون سا عیب (۸۲) پاتے ہو، سوائے اس کے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور اس چیز پر جو ہمارے لئے نازل کی گئی اور جو پہلے نازل کی گئی، اور یہ کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ﴿۵۹﴾ آپ کہہ دیجئے، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک انجام کی حیثیت سے ان سے بُرا کون (۸۳) ہے، جن پر اللہ نے لعنت بھیج دی اور جن پر اللہ کا غضب نازل ہو گیا اور جنہیں اللہ نے بندر اور سور بنا دیا، اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی ان کا ٹھکانا بدترین ہوگا، اور یہ لوگ راہِ راست سے بہت دور جا چکے ہیں ﴿۶۰﴾ اور جب وہ لوگ (۸۴) تم مسلمانوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، حالانکہ وہ اپنے دل میں کفر لے کر آئے تھے، اور اسے لئے ہوئے واپس چلے گئے، اور ان کے رازوں کو اللہ خوب جانتا تھا ﴿۶۱﴾ اور آپ ان میں سے بہتوں (۸۵) کو دیکھتے ہیں کہ ارتکابِ گناہ، ظلم و عدوان اور حرام خوری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے جا رہے ہیں، یقیناً ان کے کروت بہت ہی بُرے ہیں ﴿۶۲﴾

www.KitaboSunnat.com

بھگتا ہے تاکہ اذان نہ سن پائے، اور اذان ختم ہونے کے بعد پھر واپس آجاتا ہے۔ الحدیث۔ امام زہری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "اذان" کا ذکر قرآن کریم میں کیا ہے اور یہ آیت پڑھی۔ زخشری نے لکھا ہے یہ آیت دلیل ہے کہ "اذان" نص قرآنی سے ثابت ہے۔

(۸۲) دین اسلام کا مذاق اڑانے والوں کی دوستی سے ممانعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اہل کتاب کو ان کی ان کافرانہ حرکتوں کے اسباب خود ہی بتادیں، تاکہ ان کا کفر مزید کھل کر سامنے آجائے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ اور اس کی نازل کردہ وحی پر ایمان لانا کوئی عیب کی بات نہیں، آیت میں "وَأَنْ أَكْثَرْتُمْ فَيُقُونُ" کا عطف "أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ" پر ہے۔ اس لئے معنی یہ ہوگا کہ "ہم ایمان لائے کہ تم میں سے اکثر لوگ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔"

(۸۳) عیب کیا ہے؟ اور کس میں پایا جاتا ہے؟ اسے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتا دوں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین بدلہ کسے ملے گا؟ وہ تم لوگ ہو گے جن کی صفات یہ ہیں کہ اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی، ان پر اس کا ایسا غضب نازل ہوا کہ پھر وہ کبھی بھی ان سے راضی نہ ہوگا، ان میں بہتوں کو بندر اور سور بنا دیا، اور بالآخر حالتِ بائس جا رسید کہ انہوں نے شیطان کی پرستش شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ تم سے زیادہ بُرے ٹھکانے والا اور تم سے زیادہ راہِ حق سے برگشتہ کون ہو سکتا ہے!؟

(۸۴) مراد یا تو یہود ہیں یا منافقین۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے بارے میں خبر دی کہ جب وہ آپ کے پاس آتے

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الزَّكَاةُ وَالْأَخْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْأَثَمُ وَأَكْلِهِمُ الشَّعْتِ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٥٦﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا إِمَامًا قَالُوا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوتَةٌ يُؤْتِيكَ بِمَنْ تَشَاءُ وَلَا يَرْزُقُكَ كَثِيرًا فَهُمْ هَاهُنَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٥٧﴾ وَالْقَيْنَاتُ بَيْنَهُمُ الْعَادَاةُ وَالْبَعْضَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْعَرْبِ أُطْفِئَهَا اللَّهُ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فسادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٥٨﴾

ان کے اللہ والے اور ان کے علماء انہیں بری بات (۸۶) کہنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے ہیں، یقیناً ان کا کردار بہت بُرا ہے ﴿۶۳﴾ اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا (۸۷) ہوا ہے، انہی کے ہاتھ (ان کی گردن کے ساتھ) باندھ دیئے گئے ہیں، اور اُن کے اس قول کی وجہ سے اُن پر لعنت بھیج دی گئی ہے، بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، اور آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو چیز نازل کی گئی ہے، وہ اُن میں سے بہتوں (۸۸) کی سرکشی اور کفر کو بڑھادتی ہے، اور ہم نے روز قیامت تک کے لئے ان کے آپس میں دشمنی اور بغض (۸۹) پیدا کر دی ہے، جب جب وہ جنگ (۹۰) کی آگ بھڑکانی چاہتے ہیں اللہ اُسے بھجادیتا ہے، اُن کا کام زمین میں فساد پھیلانا ہی ہے، اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۶۳﴾

ہیں تو اپنے دل میں کفر چھپائے ہوتے ہیں، اور واپس جاتے ہیں تو اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں۔ آپ کی مبارک علمی مجلسوں میں جو کچھ سنتے ہیں اس سے کچھ بھی استفادہ نہیں کرتے۔

(۸۵) بہت سے یہود کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ کذب بیانی، ارتکاب معصیت، اور ظلم و زیادتی اور حرام خوری میں، اللہ اور انسانوں سے شرم کئے بغیر تیزی سے آگے بڑھنے والے ہیں۔

(۸۶) ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن کریم میں ڈانٹ اور پھسکار سے متعلق اس سے زیادہ شدید کوئی آیت نہیں ہے، ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن معمر سے روایت کی ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کہا کہ اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ ارتکاب معاصی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، جب وہ گناہوں میں آگے بڑھتے گئے، اور اُن کے علماء اور ارباب حل و عقد نے انہیں نہیں روکا، تو وہ اللہ کی گرفت میں آ گئے۔ اس لئے تم لوگ بھلائی کا حکم دواور بُرائی سے روکو قبل اس کے کہ تمہارا انجام وہی ہو جو اُن کا ہوا۔

(۸۷) طبرانی اور ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شام بن قیس نامی یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، تمہارا رب تو بخیل ہے، خرچ نہیں کرتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابو الشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یہود بنی قینقاع کے سردار ”فخاص“ کے بارے میں نازل ہوئی، جس نے کہا تھا کہ اللہ توفیقیر ہے، اور ہم لوگ مالدار ہیں، جس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے مارا تھا۔ اس کی تفصیل سورہ آل عمران کی آیت (۱۸۱) میں گذر چکی ہے۔ اس کا پھر سے مطالعہ کر لیجئے۔

”اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں“ یعنی وہ بخیل ہے۔ اللہ نے ان کی اس خباثت کا یہ جواب دیا کہ اس بدترین صفت کے مالک اب ہمیشہ کے لئے وہی لوگ رہیں گے، اور ان پر ان کے اس مذموم قول کی وجہ سے لعنت بھیج دی گئی۔ چنانچہ ان کا حال

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكُنَّا عَنْهُمْ سَبَاتٍ ۗ وَلَا ذُنُوبُهُمْ جُنْتٌ تُغْتَمَبُ ۗ

اور اگر اہل کتاب ایمان کی راہ (۹۱) اختیار کرتے اور اللہ سے ڈرتے، تو ہم ان کے گناہوں کو درگزر کر دیتے، اور انہیں نعمتوں والی جنت میں داخل کرتے ﴿۶۵﴾

ایسا ہی ہے کہ بخل، حسد، بزدلی اور ذلت ان کی قسمت بن گئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تو بڑا ہی فضل و کرم اور بڑا ہی جود و سخا والا ہے، اس کے پاس تو ہر چیز کا خزانہ ہے۔ مخلوق کے پاس جو بھی نعمت پائی جاتی ہے، اسی کی طرف سے ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی نے ہر چیز کو ہمارے لئے پیدا کیا ہے۔

"بَلْ يَذَاهُ مَبْسُوطَتَانِ" "بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں" اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں، لیکن مخلوق کے مشابہ نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱) "اس جیسی کوئی چیز نہیں (نہ ذات میں اور نہ صفات میں) اور وہ سنے والا اور جاننے والا ہے"۔ یہی سلف صالحین اور ائمہ کرام کا مذہب ہے۔ اللہ کے ہاتھوں کی تاویل قدرت، یا نعمت یا احسان سے کرنا جیسا کہ بعض گمراہ فرتے کرتے ہیں درست نہیں۔ نیز یہ آیت اُن کا داندان شکن جواب ہے۔ یہاں پر ذکر کردہ تینوں تاویلات میں کوئی تاویل قطعی طور پر مستقیم نہیں ہو سکتی!!

(۸۸) یعنی اے محمد (ﷺ)! اللہ نے آپ کو قرآن اور اسلام کی جو نعمت دی ہے وہ آپ کے دشمنوں (یہود اور غیر یہود) کے حق میں مصیبت بن گئی ہے۔ مومنین تو قرآن کریم سے ایمان، عمل صالح اور علم نافع حاصل کرتے ہیں، اور کفار جو مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں کفر و طغیان میں بڑھتے جا رہے ہیں۔

(۸۹) اسی وجہ سے وہ لوگ کبھی بھی کسی بات پر متفق نہیں ہوتے۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ اہل کتاب بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یا تو مراد یہ ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ کے درمیان عداوت ڈال دی یا خاص طور پر یہودی فرقوں کے درمیان۔ (۹۰) یعنی جب بھی یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانی چاہی اور کوئی شر پھیلا نا چاہا تو اللہ نے خود ان کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا اور ان کے شر کو رسول اللہ ﷺ سے دور کر دیا، یا مراد یہ ہے کہ انہوں نے جب بھی کسی کے خلاف جنگ کی تو مغلوب و مقہور ہوئے، اور اللہ کی نصرت انہیں کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں، مسلم سوسائٹی میں فتنے پھیلانا، اور لوگوں کو دعوت اسلام سے روکنا ان کا وظیرہ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ فساد پھیلانا ان کی سرشت بن گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۹۱) اُن کے ان تمام سینات و معاصی کے باوجود، اگر وہ رسول اللہ ﷺ اور ان پر نازل شدہ قرآن پر ایمان لے آتے، اور آئندہ کے لئے کبیرہ گناہوں سے باز آجاتے، تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا، اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ انہیں جنت میں داخل کرتا۔

یہ آیت یہود و نصاریٰ کے کثرت معاصی، اللہ کی رحمتِ واسعہ، اور ہر گناہ گار کے لئے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہنے

وَلَوْ أَنَّهُمْ آقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْفُرُوا مِنْ فُتُوهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ
مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۗ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ
لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

اور اگر وہ تورات و انجیل اور اس (قرآن) پر عمل پیرا (۹۲) ہوتے جو ان کے رب کی طرف سے ان کے لئے نازل
کیا گیا ہے، تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے روزی پاتے، ان میں سے ایک جماعت (۹۳) راہِ اعدا پر
چلنے والی ہے، اور ان میں سے بہتوں کے کرتوت بُرے ہیں ﴿۲۶﴾ اے رسول! آپ پر آپ کے رب کی جانب
سے جو نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے اس کا پیغام (۹۳) نہیں پہنچایا،
اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۲۷﴾

کی دلیل ہے۔ اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اسلام حالتِ کفر کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور یہ کہ اہل کتاب جب تک
اسلام کو قبول نہیں کریں گے جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اور یہ کہ آخرت میں نجات و سعادت کے لئے ایمان کے ساتھ
تقویٰ اور عملِ صالح بھی ضروری ہے۔

(۹۲) ”اقامتِ تورات و انجیل“ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے احکام و حدود کو نافذ کرتے، اور نبی آخر الزماں ﷺ کے جو اوصاف
ان دونوں میں مذکور ہیں اُن پر ایمان لے آتے، جو ان کے اسلام میں داخل ہونے پر منتج ہوتا، اور قرآن کریم کے کلامِ الہی
ہونے پر ایمان لے آتے، تو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین سے اپنی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتا، اور روزی کے تمام
اسباب مہیا کرتا اور درختوں کے پھل اور غلے زیادہ ہو جاتے۔

یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت روزی میں وسعت کا سبب ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
سورۃ اعراف آیت (۹۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ کہ ”اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر آسمان و زمین سے
برکتوں کے دروازے کھول دیتے“۔

(۹۳) اہل کتاب میں سے جو لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے، جیسے عبد اللہ بن سلام، نجاشی اور سلمان الفارسی وغیرہم
انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت میں شمار کیا جو ایمان لائی اور سیدھی راہ پر گامزن ہو گئی، لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی، اُن میں
سے اکثر و بیشتر نے بُرے اعمال کا ارتکاب کیا، حق کو بدل دیا، اس سے اعراض کیا، اور اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں حد
سے تجاوز کر گئے۔

(۹۴) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو لفظ ”الرسول“ کے ساتھ اس لئے مخاطب کیا تاکہ انہیں اس بات کی یاد دہانی کرائی
جائے کہ منصبِ رسالت اس امر کا متقاضی ہے کہ انہیں جس پیغام کے پہنچانے کا مکلف کیا گیا ہے، اسے پوری ذمہ داری سے
ادا کریں، اس میں کوئی تفسیر نہیں ہونی چاہئے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ ”بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ“ کے عموم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُتْقِنُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ طُغْيَانًا وَكُفْرًا أَفَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٨﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم کسی بھی دین پر (۹۵) نہیں ہو، جب تک کہ تم تورات، انجیل اور اس قرآن پر عمل پیرا نہیں ہوتے جو تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور جو قرآن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا دیتا ہے، پس آپ کافروں پر افسوس نہ کریں ﴿۱۸﴾

کی طرف سے واجب تھا کہ ان پر جو کچھ وحی ہو رہی ہے لوگوں تک بے کم و کاست پہنچائیں، اس میں سے کچھ بھی نہ چھپائیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کا کوئی حصہ خفیہ طور پر کسی خاص شخص کو نہیں بتایا جو اوروں کو نہ بتایا ہو۔ اسی لئے صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جو کوئی یہ گمان کرے کہ محمد ﷺ نے وحی کا کوئی حصہ چھپا دیا تھا وہ جھوٹا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی ابو جحیفہ و ہب بن عبد اللہ السوانی کی روایت ہے کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس وحی کا کچھ حصہ ہے جو قرآن میں موجود نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں، اُس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور ہوا کو پیدا کیا، سوائے اس فہم قرآن کے جو اللہ کسی بندے کو دیتا ہے، اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ راوی کہتے ہیں، میں نے کہا، اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ دیت کے احکام، قیدی کو آزاد کرانا، اور یہ کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔

آیت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر وحی کا کوئی بھی حصہ آپ چھپا دیتے تو ادائے رسالت کی ذمہ داری پوری نہ ہوتی۔ اور حجۃ الوداع میں شریک تمام صحابہ کرام نے اس بات کی شہادت دی کہ آپ نے اللہ کا پیغام بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیا، اور امانت کو پورے طور پر ادا کیا جیسا کہ امام مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے خطبہ کے دوران لوگوں سے پوچھا، اور سب نے گواہی دی کہ ہاں آپ نے پیغام پہنچا دیا۔

"وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" میں اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پر ان کی حفاظت فرمائی۔ بخاری اور مسلم اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے قبل آپ ﷺ کی گمرانی کی جاتی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے خیمہ سے سر نکال کر کہا کہ اے لوگو! واپس چلے جاؤ اب میری حفاظت اللہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت مکہ کے مشرکین سے کی، چنانچہ ہزار دشمنی کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کا بال بھی بیکانہ کر سکے۔ شروع میں ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ حفاظت کروائی جو قریش کے مانے ہوئے سردار تھے۔ ابو طالب کے مرنے کے بعد مشرکین نے کچھ اذیت پہنچائی، لیکن اللہ نے انصارِ مدینہ کو آپ کی حفاظت کے لئے تیار کر دیا، جنہوں نے آپ کی ہر طرح مدد کی، اور اپنی جانوں پر کھیل کر آپ کی حفاظت کی۔ اہل کتاب یا مشرکین میں سے جب بھی کسی نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا تو اللہ نے ان کی چالوں کو ناکام بنا دیا، یہودیوں نے جادو کیا تو اللہ نے "معوذتین" بطور دوا و علاج نازل فرمادیا، اور خیمبر کے یہودیوں نے جب گوشت میں زہر ڈال کر کھلانا چاہا تو بذریعہ وحی اللہ نے آپ کو خبر کر دی اور ان کے شر سے بچایا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ وَالنَّصَارَى مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٥﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَرَأْسُنَا لِنَهِمُهُمْ رُسُلًا كَلَّمْنَا بَأْسًا هُمْ رَسُولُ اللَّهِ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذِبًا وَأُخْرًا وَقَرِيبًا يَقْتَتِلُونَ ﴿٦﴾

بے شک اہل ایمان اور یہود اور بے دین اور نصاریٰ، ان میں سے جو لوگ (۹۶) بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں گے، اور عمل صالح کریں گے، انہیں نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم ﴿۶۹﴾ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمانہ لیا، اور ان کے پاس رسولوں کو بھیجا، جب بھی کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسی چیز لے کر آیا جو ان کی خواہش کے مطابق نہیں تھی، تو انہوں نے (انبیاء کی) ایک جماعت کو جھٹلایا، اور ان کی ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ﴿۷۰﴾

ماوردی نے اپنی کتاب ”اعلام النبوة“ میں نبی کریم ﷺ کی عصمت و حفاظت کے زیر عنوان ایسے واقعات درج کئے ہیں جن میں دشمنوں نے آپ کو قتل کرنا چاہا، لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کی۔ اس ضمن میں ابو جہل، معمر بن یزید اور کلاب بن اسد کے واقعات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آپ کو قتل کرنا چاہا، لیکن اللہ نے کہیں ان دیکھے بھی ایک از دہا اور کہیں خطرناک اونٹ کے ذریعہ ان دشمنوں کو ایسا مرعوب کر دیا کہ انہیں بھاگنے کے لئے راستہ نہ ملا۔

(۹۵) علمائے تفسیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ کیا تم اس بات کا اقرار نہیں کرتے کہ تورات اللہ کی کتاب ہے؟ آپ نے کہا کہ ہاں تو انہوں نے کہا کہ ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں، اور اس کے علاوہ کائنات پر بھی نہیں ہو جب تک کہ تم تورات و انجیل میں موجود اللہ کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کرو، جن میں یہ حکم سر فہرست ہے کہ تم لوگ نبی کریم ﷺ کی اتباع کرو گے، اور قرآن پر بھی عمل کرو گے۔

یہ مضمون پہلے بھی گذر چکا ہے مزید تاکید کے لئے یہاں اُسے دہرایا گیا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کبر و عناد میں ان کی زیادتی، اور تبلیغ و دعوت سے ان کا عدم استفادہ بیان کیا ہے کہ جوں جوں قرآن کریم آپ پر اترا جائے گا، ان کا کفر و عناد بڑھتا جائے گا۔ آیت (۶۳) میں بھی یہ بات گذر چکی ہے کہ مومنین تو قرآن کریم سے ایمان، عمل صالح اور علم نافع حاصل کرتے ہیں، اور کافر جو مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں کفر و طغیان میں بڑھتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت (۸۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ کہ ”یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں، مومنوں کے لئے تو سرسرا شفا اور رحمت ہے، ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا“۔

(۹۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مذکور ہے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا، اور عمل صالح کرے گا اسے قیامت کے دن کوئی خوف اور کوئی غم لاحق نہیں ہوگا، لیکن نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد یہ وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ تمام لوگ اور وہ تمام جماعتیں جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے آپ ﷺ پر ایمان لائیں، دین اسلام کو قبول کریں اور شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل کریں۔ سورہ بقرہ کی آیت (۶۲) میں یہ مضمون گذر چکا ہے، دو بارہ اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

وَحَسِبُوا الْأَلْتَنُونَ فَنْتَنُهُ فَعَمُوا وَصَنُوا أَشْرَآبَ اللَّهِ عَلَيْهِمُ ثَنُوعُوا وَصَنُوا كَثِيرًا مِنَّهُمْ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِنَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ لَقَدْ نَكَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّكَ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَكَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن أَنْصَارٍ ﴿٩٨﴾

اور سمجھ بیٹھے کہ (ان کے خلاف) کوئی فتنہ (۹۷) کھڑا نہیں ہوگا، اس لئے اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان پر نظر کرم کیا، لیکن ان میں سے بہت پھر اندھے اور بہرے ہو گئے، اور اللہ ان کے کرتوتوں کو خوب دیکھنے والا ہے ﴿۹۷﴾ یقیناً وہ لوگ کافر (۹۸) ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں، اور مسیح نے کہا، اے بنی اسرائیل! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تم سب کا رب ہے، بے شک جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿۹۸﴾

(۹۷) آیات (۷۱، ۷۰) میں بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد دیکھ لیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں گے، اور اوامر و نواہی میں صرف اسی کی اطاعت کریں گے، اور ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے ان کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے، اور انہیں حکومت و سلطنت سے نوازا، چنانچہ یوشع بن نون کے زمانے میں ان کی حکومت قائم ہوئی، لیکن انہوں نے مرور زمانہ کے ساتھ بتوں کی پرستش شروع کر دی اور انبیاء میں سے بعض کی تکذیب کی، اور بعض کو قتل کر دیا، اور گمان کر لیا کہ ان کا مواخذہ نہیں ہوگا، اس لئے حق کو قبول کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بائبل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کر دیا۔ جس نے انہیں غلام بنا لیا اور بیت المقدس شہر کو برباد کر دیا۔ اس کے بعد اللہ نے تقریباً ستر (۷۰) سال کے بعد ان پر پھر رحم کھا لیا اور انہیں دوبارہ بیت المقدس شہر پہنچا دیا، اور ان کی ہدایت کے لئے بعض انبیاء بھیجے، جن کی دعوت سے متاثر ہو کر انہوں نے دوبارہ اللہ کی عبادت شروع کر دی، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ان کی دینی حالت گھٹی گئی، یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے مبعوث کیا تو وہ حق کو قبول کرنے سے پھر اندھے اور بہرے ہو گئے، اور انہیں قتل کرنے کی سازش کی، تو اللہ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، اور رومیوں کے ہاتھوں ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

(۹۸) اس آیت کریمہ میں نصاریٰ کی ان جماعتوں پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ عیسیٰ کی ذات میں داخل ہو گیا، اور دونوں متحد ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد ان کی تردید عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کرائی کہ اے بنی اسرائیل! اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ یعنی میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، میں اللہ کیسے ہو سکتا ہوں؟ عیسیٰ علیہ السلام جب اپنی ماں کی گود میں تھے تو کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اور جب بڑے ہوئے اور اللہ نے انہیں نبوت سے نوازا تو بھی یہی بات کہی اور لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف بلایا، اور کہا کہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اس پر جنت حرام ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، شرک پر اللہ کی جنت حرام ہے۔ اللہ نے اس مضمون کو سورہ اعراف کی آیت (۵۰) میں بھی بیان کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَى الْكَافِرِينَ *﴾ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو، یا اور

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثُ ثُلُثٍ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ إِلَهِهِ وَآخِلًا لَهُ وَوَلَّانَ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لِيَمْسَنَ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابُ آيَاتِهِ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ؟ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدْقَةٌ كَمَا نَزَّلْنَا الْأَنْطُرَ الطَّعَامُ أَنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمْ الْآيَاتِ ثُمَّ
أَنْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿١٠٠﴾

بے شک ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں^(۹۹) میں سے ایک ہے، حالانکہ ایک معبود حقیقی کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، اور اگر وہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہوگا ﴿۹۳﴾ کیا وہ اللہ کے حضور توبہ^(۱۰۰) نہیں کریں گے اور اس سے مغفرت نہیں طلب کریں گے، اور اللہ تو بڑا معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۳﴾ مسیح بن مریم^(۱۰۱) ایک رسول تھے اور کچھ نہیں، ان سے پہلے بہت سے انبیاء آچکے تھے، اور ان کی ماں ایک نیک اور پارسا عورت تھیں، دونوں ہی کھانا کھایا^(۱۰۲) کرتے تھے، آپ دیکھ لیجئے کہ ہم اپنی نشانیاں کس طرح ان کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح گم گشتہ راہ ہوئے جارہے ہیں ﴿۹۵﴾

کچھ دے دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے تو جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ اور بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں منادی کر دے کہ جنت میں صرف مسلمان آدمی داخل ہوگا۔

(۹۹) یہاں ان نصاریٰ کی تکذیب کی جا رہی ہے جو اتانیم شلاشا کا عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تین کے مجموعے میں سے ایک ہے، یعنی باپ بیٹا اور روح القدس، باپ بیٹا اور ماں۔ تینوں مل کر ایک معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر ٹھہرایا، اور کہا کہ معبود تو صرف ایک ہے۔ انجیل، تورات اور تمام آسمانی کتابوں میں صراحت موجود تھی کہ ایک اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اسی لئے اللہ نے انہیں دھمکی دی کہ اللہ کی وحدانیت پر قطعی دلائل ہونے کے باوجود اگر وہ اپنی افترا پر دازی اور کذب بیانی پر اڑے رہے تو قیامت کے دن انہیں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔

(۱۰۰) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اپنے بندوں کے ساتھ فضل و رحمت کا معاملہ ہے کہ اس گناہ عظیم اور اقلبِ بین کے باوجود انہیں توبہ و استغفار کی طرف بلاتا ہے، اور وعدہ کرتا ہے کہ جو توبہ کرے گا اللہ اسے معاف کر دے گا، اور اس کے حال پر رحم کرے گا۔

(۱۰۱) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ معجزاتِ عیسیٰ اور کراماتِ مریم علیہما السلام ان کے معبود ہونے کی دلیل ہیں، بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ عیسیٰ کا نبی اور مریم کا ولی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیح بن مریم دیگر رسولوں کی طرح ایک رسول تھے، جس طرح ان انبیاء کو اللہ نے معجزات دیئے، اسی طرح انہیں معجزات دیئے۔ اگر ان کے ذریعہ اللہ نے ابرص کو شفادی اور مردوں کو زندہ کیا، تو موسیٰ کے ذریعہ لاٹھی کو زندگی دی اور اسے سانپ بنا کر دوڑا دیا، اور سمندر کے دو حصے کر دیئے۔ یہ زیادہ تعجب خیز امر تھا۔ اگر انہیں اللہ نے بغیر باپ کے

قُلْ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَكُم فُضُولًا وَلَا نُنْعِمُ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَصَلُّوا عَن سُورَةِ الْإِنجِيلِ ﴿١٠٤﴾

آپ کہنے کہ کیا تم لوگ اللہ کے سوا کسی ایسے کی عبادت کرتے ہو (۱۰۳) جو تمہیں نقصان یا نفع پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا، اور اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۰۶﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم لوگ اپنے دین میں ناحق غلو (۱۰۴) نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو گئے اور بہتوں کو گمراہ کیا، اور راہِ راست سے بھٹک گئے ﴿۱۰۷﴾

پیدا کیا تو آدم کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا، اور یہ زیادہ تعجب انگیز تخلیق تھی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ مریم بنت عمران (اُمّ عیسیٰ) نبی نہیں تھیں، جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کا خیال ہے کہ اُمّ اسحاق، اُمّ موسیٰ اور اُمّ عیسیٰ کو اللہ نے نبی بنایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتے سارہ اور مریم علیہما السلام سے مخاطب ہوئے تھے اور اللہ نے قرآن میں صراحت کی ہے کہ ہم نے اُمّ موسیٰ کو وحی بھیجی کہ تم اسے دودھ پلاؤ۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ انبیاء صرف مرد ہوئے ہیں۔ اللہ نے سورہ یوسف آیت (۱۰۹) میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ﴾ کہ ”آپ سے قبل ہم نے جتنے بھی انبیاء بھیجے، سبھی شہر کے رہنے والوں میں سے مرد تھے جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے“۔ ابوالحسن اشعری نے اس رائے پر اُمت کا اجماع نقل کیا ہے۔ (۱۰۲) یہ صریح دلیل ہے کہ عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں تمام انسانوں کی طرح انسان تھے، اس لئے کہ جو شخص غذا کھانے، اُس کے ہضم ہونے، اور پھر اُس کے اخراج کا محتاج ہوتا ہے، وہ گوشت پوشت، ہڈی، اعصاب اور دیگر اجزاء سے مرکب تمام اجسام کے مانند ایک جسم ہوتا ہے، معبود کیسے ہو سکتا ہے!؟

(۱۰۳) یہ عقیدہ نصاریٰ کے بطلان کی ایک دوسری دلیل ہے۔ آیت میں ”ما“ اسم موصول ہے، جس سے مراد عیسیٰ اور اُمّ عیسیٰ ہیں کہ یہ دونوں نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ سب کچھ کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اگر مخلوق کو کوئی قدرت حاصل ہے تو اللہ کی دی ہوئی ہے، اس لئے عیسیٰ اور اُمّ عیسیٰ بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن میں ”من“ کے بجائے ”ما“ استعمال کیا گیا ہے جو غیر ذی روح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ان دونوں کی حیثیت دیگر تمام اشیاء کی مانند ہے جن کے اندر کوئی قدرت نہیں ہوتی ہے۔

صاحب ”فتح البیان“ نے لکھا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی یہ حیثیت تھی (جو نبی تھے) تو اولیاء کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

(۱۰۴) عقائد نصاریٰ کے بطلان کی توضیح کے بعد انہیں حق کی اتباع اور باطل میں غلو سے دور رہنے کی نصیحت کی جا رہی ہے، کہ اے اہل کتاب! احد سے تجاوز نہ کرو، اور جن کی تعظیم کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ان کے بارے میں اتنا غلو نہ کرو کہ انہیں مقامِ نبوت سے ہٹا کر مقامِ الوہیت تک پہنچاؤ، جیسا کہ تم نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا، اور اپنے اُن گمراہ علماء کی اتباع نہ کرو جو خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے بھٹکا دیا۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١٠٥﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٠٦﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خُلْدٌ ﴿١٠٧﴾

بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت (۱۰۵) بھیج دی گئی، ایسا ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوا، اور وہ لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے تھے ﴿۱۰۸﴾ وہ لوگ جس گناہ کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے، یقیناً وہ جو کچھ کرتے تھے بُرا تھا ﴿۱۰۹﴾ آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اہل کفر کو اپنا دوست بناتے ہیں، انہوں نے اپنے لئے جو کچھ آگے بھیج دیا ہے وہ بُرا ہے، (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اللہ ان سے ناراض ہوا، اور وہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں رہیں گے ﴿۱۱۰﴾

یہ آیت دلیل ہے کہ دین میں غلو جائز نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ طہارت میں غلو کرتے ہیں، اور شریعت میں جو کچھ ثابت ہے اس سے آگے بڑھ جانا تقویٰ سمجھتے ہیں۔ اور جیسا کہ بہت سے لوگ صالحین اور ان کی قبروں کے سلسے میں غلو کرتے ہیں، اور بتوں کی طرح ان کی پرستش کرتے ہیں۔ امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ دین میں غلو کرنے سے بچو، اس لئے کہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے“۔ اور امام بخاری نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری تعریف میں حد سے آگے نہ بڑھو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے ساتھ کیا، میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو“۔

(۱۰۵) آیات (۷۹، ۷۸) میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ قدیم سے بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت بھیج دی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کر گئے، انبیاء کو قتل کیا اور سینات و معاصی کو اپنے لئے حلال سمجھا۔ اور ایک بڑا گناہ یہ بھی کیا کہ انہوں نے ایک دوسرے کو ارتکاب معاصی سے روکنا چھوڑ دیا۔ ان کے اس فعل بد پر مزید تکبر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ ان کے کرتوت بڑے ہی بُرے تھے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت بھیجی جائز ہے، اور یہ کہ نبی عن المنکر، یعنی بُرے اعمال سے لوگوں کو روکنا واجب ہے، اسی لئے حاکم نے کہا ہے کہ نبی عن المنکر نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نبی عن المنکر (یعنی بھلائی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا) اسلام کا اہم ترین قاعدہ اور عظیم ترین شرعی فریضہ ہے۔ اسی لئے اسے چھوڑ دینے والا گناہ کرنے والوں کا شریک، اور اللہ کے غضب و انتقام کا مستحق ہوتا ہے، جیسا کہ ان یہودیوں کے ساتھ ہوا جنہوں نے ہفتہ کے دن کے بارے میں فرمان الہی کا پاس نہیں رکھا، تو اللہ نے ان لوگوں کی بھی صورت مسخ کر دی، جو اس عمل میں شریک نہیں تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے ان پر تکبر نہیں کیا، چنانچہ سبھی کی شکلیں بندروں اور سوروں جیسی ہو گئیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل نے جب گناہوں کا ارتکاب کیا تو ان کے علماء نے منع کیا، لیکن وہ نہ مانے، اور وہ

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنَ الْخُبْرِ وَهُمْ أَوْلِيَاءُ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْلِيَاءَهُمْ وَلَا تُجْرَبُوا بِأَوْلِيَاءِهِمْ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ هُمُ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٦﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكَ لَدُنِّهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٠٧﴾

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَتَلُوا نَبِيًّا وَرُهْبَانًا وَأَكْفَرُوا بِهٖمْ لَئِن لَّمْ يَکْفُرُوا هَٰؤُلَاءِ فَرِيضَتُ اللَّهِ عَلَیْهِمْ لَأَن يُقَاتِلَهُمْ فَغَدَرُوا ۗ وَاللَّهُ عَٰلِمُ الْمُحَدِّثِينَ ﴿١٠٨﴾

اور اگر اللہ اور اس کے نبی، اور جو قرآن ان پر نازل کیا گیا ہے سب پر ان کا ایمان صادق ہوتا، تو ان کافروں کو اپنا دوست (۱۰۶) نہ بناتے، لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) اُن میں سے بہترے فاسق و نافرمان ہیں ﴿۸۱﴾ آپ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن (۱۰۷) یہود اور اہل شرک کو پائیں گے، اور مسلمانوں کے سب سے قریبی دوست ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لئے کہ اُن میں کچھ علماء اور تارک دنیا عبادت گزار ہوتے ہیں، اور وہ کبر و غرور نہیں کرتے ہیں ﴿۸۲﴾

علماء ان کی اس حرکت کے باوجود ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے، ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں میں اختلاف پیدا کر دیا، اور داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی اُن پر لعنت بھیج دی۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے بیان میں نبی کریم ﷺ کی بہت ساری حدیثیں ہیں۔ یہاں میں صرف ایک حدیث کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

امام احمد اور ترمذی نے حذیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ بھلائی کا حکم دو گے، اور بُرائی سے روکو گے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنی جانب سے کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم لوگ اللہ سے دعا کرو گے، تو وہ قبول نہیں کرے گا۔“

(۱۰۶) یہ آیت یہود و یمن کے بارے میں ہے کہ وہ مکہ کے مشرکین اور مدینے کے منافقین کے ساتھ دوستی گانٹھتے ہیں، اور ان کی مدد کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ وہ لوگ تورات کی تعلیمات کے مطابق کافر ہیں اور ان سے دوستی کرنا حرام ہے، اسی لئے اللہ نے ان کے اس فعلِ شنیع کا انجام یہ بتایا کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا، اور روزِ قیامت وہ دائمی عذاب میں ہوں گے۔

اس کے بعد اللہ نے ان کے فعلِ شنیع پر مزید تکلیف کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اپنے ایمان میں صادق ہوتے تو کافروں اور منافقوں کو اپنا دوست نہ بناتے۔

(۱۰۷) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہے کہ یہود اور مشرکین دوسرے لوگوں کی بہ نسبت مسلمانوں کی عداوت میں زیادہ سخت ہیں۔ یہود نے ان سے اس لئے عداوت کی کہ مسلمان عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں پر ایمان لے آئے، اور اس لئے کہ حق کا انکار اور دعاوتِ الٰہی اللہ سے دشمنی انہیں وراثت میں ملی تھی۔ بہت سے انبیاء کو قتل کیا، اور کئی بار نبی کریم ﷺ کو بھی قتل کرنے کی سازش کی، لیکن ہر بار اللہ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا، اور اپنے رسول ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ اور اس لئے بھی کہ اسلام آنے کے بعد عظیم یہودی سلطنت کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور مشرکین نے اس لئے دشمنی کی کہ مسلمانوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اور انبیاء کرام کی نبوتوں پر ایمان لے آئے، جبکہ وہ کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے رہے۔

اور مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں میں سے جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، اور انجیل کے منج کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں وہ مجموعی طور پر اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں نرمی ہوتی ہے، اور یہودی کی بہ نسبت ان کے دلوں میں حقد و حسد کم ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ دین مسیح پر قائم رہنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ حدید آیت (۲۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً﴾ کہ ”ہم نے مسیح کے ماننے والوں کے دلوں میں ہمدردی اور رحمت کا جذبہ رکھا ہے“۔ انجیل میں ہے کہ جو تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تم اس کے سامنے اپنا بائیں گال پیش کرو۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جنگ کرنا دین مسیح میں مشروع نہیں تھا۔ اس کے برعکس مذہب یہود میں ہے کہ جو تمہارے دین کا مخالف ہو اسے نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب بھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے تو اسے قتل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

نصاریٰ مسلمانوں سے زیادہ قریب اس لئے بھی ہیں کہ ان کے اندر حصول علم اور زُہد فی الدنیا کی رغبت پائی جاتی ہے۔ اور جس آدمی کے اندر یہ دونوں چیزیں پائی جائیں گی اس میں بغض و حسد کا مادہ کم ہوتا ہے۔ اسی کی طرف آیت کے آخر میں اشارہ ہے کہ ان میں علماء اور عبّاد و زُہاد ہوتے ہیں جو تواضع اختیار کرتے ہیں، اور یہودیوں کی طرح کبر و غرور میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اور نصاریٰ کی صفت یہ بھی ہے کہ جب وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی بشارت موجود ہے۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں لکھ دے جو اس کے صحیح ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔

ان آیات میں عیسائیوں کی نرمی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ مسلمانوں سے دشمنی نہیں رکھتے۔ اسی لئے قرآن نے ”أَشَدُّ النَّاسِ عَدَاوَةً“ کے کلمات استعمال کئے ہیں کہ نصاریٰ بھی دشمن ہیں، لیکن یہود و مشرکین عداوت میں بڑھے چڑھے ہیں، گزشتہ زمانے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان کی وجہ عداوت بھی تھی، اور یہودیوں کی سازشوں کی وجہ سے بھی ایسا ہوا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ بسا اوقات دلوں میں نرم گوشے ہونے کے باوجود ذاتی یا قومی مفادات کی خاطر بھائیوں، رشتہ داروں، قبیلوں اور قوموں میں جنگیں ہو جایا کرتی ہیں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سورت کی آیت (۸۲) اور ساتویں پارہ میں اسی سورت کی آیات (۸۳/۸۴ اور ۸۵) نجاشی اور اس کے ساتھیوں کا ایمان اور ان کی صفات بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب، ابو بکر بن عبد الرحمن اور عمرو بن زبیر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو ایک خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا اور نجاشی نے خط پڑھ کر جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھ موجود دیگر مہاجرین کو بلا بھیجا، اور اپنے علماء اور زاہدوں کو بلا لیا۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی تلاوت کی اور نجاشی اور اس کے تمام ساتھی قرآن پر ایمان لے آئے، اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہی لوگوں کی حالت اور ایمانی کیفیت بیان کرنے کے لئے مدنی زندگی میں یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

محمد بن اسحاق نے اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس میں انہوں نے مسلمانوں کے حبشہ کی طرف ہجرت کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور یہ کہ کفار قریش نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بہت سارے

ہدیے اور تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا، جنہوں نے وہاں جا کر نجاشی اور حبشہ کے پادریوں کو مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ درغلا یا کہ کسی طرح مسلمان مہاجرین کفارِ قریش کے حوالے کر دیئے جائیں، لیکن جب جعفر بن ابی طالب نے اسلام کی تشریح کی، اور نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کیں، اور مسیح بن مریم کے بارے میں اسلام کا صحیح عقیدہ پیش کیا تو نجاشی بہت زیادہ متاثر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اتھی۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”زاد المعاد“ میں تحریر کیا ہے کہ حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت ۵ھ نبویؐ میں ہوئی تھی۔ اتھی۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ حبشہ میں تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے اس کی نماز جنازہ پڑھو، چنانچہ تمام صحابہ کے ساتھ آپ نے صحرا میں جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کی۔



وَإِذْ أَسْمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا
 قَالَتْ بِنَامَةِ الشُّهَدَاءِ ۖ وَمَا كُنَّا لَنُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ
 الصَّالِحِينَ ۖ فَأَنبَاهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا فَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ
 الْمُحْسِنِينَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْ مَوَاطِنَ مَا
 أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۖ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ
 الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

اور جب وہ لوگ رسول اللہ (ﷺ) پر نازل شدہ قرآن سنتے ہیں، تو آپ دیکھتے ہیں کہ حق کے عرفان کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری (۱۰۸) ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، اس لئے تو ہمارا نام حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ لے ﴿۸۳﴾ اور ہم اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آچکی کیوں نہ ایمان لائیں، جب کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کر دے گا ﴿۸۳﴾ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کلمہ حق کے بدلے میں ایسی جنتیں دیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور نیک عمل کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی، وہی لوگ جہنمی ہیں ﴿۸۶﴾ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال بنائی ہیں انہیں حرام (۱۰۹) نہ بناؤ، اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۸۷﴾ اور اللہ نے تمہیں جو حلال اور پاکیزہ روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ، اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو ﴿۸۸﴾

(۱۰۸) دیکھئے اسی سورت کا حاشیہ نمبر (۱۰۷)۔

(۱۰۹) ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو عورت کی خواہش ہوتی ہے اور میری شہوت ابھر آتی ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کر لیا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اہمات المؤمنین سے آپ ﷺ کے خفیہ اعمال صالحہ کے بارے میں دریافت کیا، اور ان میں سے کسی نے کہا، میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ اور کسی نے کہا، میں شادی نہیں کروں گا، اور کسی نے کہا، میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: ”کچھ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں، حالانکہ میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، اور سوتا ہوں اور جاگتا ہوں، اور گوشت کھاتا ہوں، اور شادی کرتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ مجھ میں سے نہیں ہوگا۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر کھانے پینے کی چیز یا لباس یا کسی اور چیز کو حرام کر لیتا ہے، تو وہ چیز حرام نہیں ہو جاتی، اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے۔ (علماء نے عورت کی تحریم کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے) اس لئے کہ آیت کا حکم مطلق ہے، اور اس لئے کہ جس صحابی نے (ترمذی کی گزشتہ روایت کے مطابق) اپنے اوپر گوشت کو حرام

لَا يُؤْخَذُ كُفْرُكُمْ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخَذُ كُفْرُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْإِيمَانَ فَاذْكُرُوا أَنْ كُنْتُمْ عَشْرَةَ مُسْلِكِينَ
مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَخْرِيرَ رِقَبَةٍ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ
أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَفَظْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں^(۱۱۰) پر تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا، لیکن جن قسموں کے مطابق تمہارا ارادہ پختہ ہوگا، ان پر تمہارا مواخذہ کرے گا، پس ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، ویسا ہی مناسب کھانا جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں پہننے کے کپڑے دینا ہے، یا ایک گردن (غلام یا لونڈی) آزاد کرنا ہے، اور جسے ان میں سے کوئی میسر نہ ہو، وہ تین دن روزے رکھے گا، اگر تم قسم کھاؤ تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، اور اپنی قسموں کی حفاظت^(۱۱۱) کرو، اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے، شاید کہ تم شکر ادا کرو ﴿۸۹﴾

بنالیا تھا، اسے اللہ کے رسول ﷺ نے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو وہ چیز حرام ہو جائے گی، اور اسے کھانے سے کفارہ لازم ہوگا۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ مذہب اس آیت کے خلاف ہے، اور صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے۔

(۱۱۰) ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَحْرَمُوا
طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ نازل ہوئی، تو جن صحابہ کرام نے اپنے لئے عورت اور گوشت کو حرام بنا لیا تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ اس بارے میں اپنی قسموں کا کیا کریں؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور لغو قسم اور دل سے کھائی ہوئی قسم کا حکم بیان فرمایا۔

یہ آیت دلیل ہے کہ لغو قسم پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرے گا، اور نہ ہی اس کا کفارہ ہے۔ لغو قسم وہ ہے جسے آدمی بغیر کسی نیت کے یونہی زبان پر بطور عادت لاتا رہتا ہے، جیسے کوئی کہے: اللہ کی قسم، رب کی قسم، اپنے پیدا کرنے والے کی قسم۔ اس کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی بات پر دل کی نیت کے ساتھ قسم کھاتا ہے، اور اسے پوری نہیں کرتا، تو اسے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی تحدید کے بارے میں صحابہ اور تابعین کے کئی اقوال ہیں:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دو پہر اور رات دونوں وقت کا کھانا کھلانا ہوگا۔ حسن بصری اور محمد بن الحسنیہ کہتے ہیں کہ صرف ایک بار روٹی اور گوشت کھلانا کافی ہوگا۔ عمر، عائشہ اور بعض تابعین کا خیال ہے کہ ایک آدمی کو نصف صاع (تقریباً سوا کیلو) گیہوں یا کھجور دینا کافی ہوگا۔ چونکہ آیت میں اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، اس لئے رائج یہی معلوم ہوتا ہے کہ دس مسکینوں کو پیٹ بھر کھانا کھلادینا کافی ہوگا، اسی طرح لباس کی بھی کوئی تحدید نہیں آئی ہے۔ اس لئے وقت اور حالات کے مطابق رائج لباس دینا کافی ہوگا۔ غلام یا لونڈی کے بارے میں ابو حنیفہ کا قول ہے کہ مسلم اور کافر کوئی بھی کافی ہوگا، لیکن شافعی اور دوسروں کا خیال ہے کہ مسلمان ہونا ضروری ہے، جیسا کہ معاویہ بن الحکم السلمی کی روایت میں آیا ہے، جسے مسلم اور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمُرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَمْزَلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ قُلْ أَنْتُمْ تُنْتَهَوْنَ ﴿١٢١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَبُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٢٢﴾

اے اہل ایمان! بے شک شراب (۱۲۰) اور جوا، اور وہ پتھر جن پر بتوں کے نام سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں، اور فال نکالنے کی تیرنپاک ہیں، اور شیطان کے کام ہیں، پس تم ان سے بچو شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿۹۰﴾ بے شک شیطان شراب اور جوا کی راہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دینا چاہتا ہے۔ تو کیا تم لوگ (اب) باز آ جاؤ گے ﴿۹۱﴾ اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور (نافرمانی سے) بچو، پس اگر تم لوگوں نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کا کام تو کھلے طور پر پیغام پہنچادینا ہے ﴿۹۲﴾

امام مالک وغیرہا نے ذکر کیا ہے کہ انہیں ایک غلام آزاد کرنا تھا، وہ ایک کالی لونڈی لے کر آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے اُس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اُس نے کہا: آسمان میں۔ پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو، یہ مسلمان ہے۔

(۱۱۱) اس میں دلیل ہے کہ قسم نہ توڑنا افضل ہے، لہذا یہ کہ قسم توڑ دینے میں کوئی زیادہ بڑی بھلائی ہو۔

(۱۱۲) پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا کہ وہ اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے لئے حرام نہ بنائیں، اب اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں بیان کی جارہی ہیں، تاکہ اس سے بچیں۔

اس آیت کریمہ میں شراب اور جوا کی حرمت کو بطور تاکید بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئی اسالیب اختیار کئے ہیں: "إِنَّمَا" کا لفظ ابتدائے جملہ میں استعمال کیا، بتوں کی پرستش کے ساتھ دونوں کا ذکر کیا، دونوں کو "وَجَس" یعنی گندی چیز قرار دیا، دونوں کے استعمال کو شیطانی عمل قرار دیا، ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔ اور آخر میں دونوں کے استعمال کے بدترین نتائج کا ذکر کیا۔

سورہ بقرہ کی آیت (۲۱۹) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شراب تین مراحل سے گذر کر سورہ مائدہ کی اس آیت کے نزول کے بعد قطعی طور پر حرام ہو گئی۔ وہاں شراب اور جوا کی خرابیاں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ اس آیت میں شراب اور جوا کے ساتھ ساتھ بتوں کی پرستش اور قرعہ کے تیروں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنے کے عمل کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ آیت میں شراب اور جوا کے دینی اور دنیوی مفاسد کو بھی بیان کر دیا گیا ہے، کہ یہ دونوں چیزیں مسلمانوں کے درمیان عداوت پیدا کرتی ہیں اور نماز اور ذکر الہی سے روکتی ہیں، پھر آخر میں "فَهَلْ أُنْتُمْ مُتَّقُونَ" کے ذریعہ زجر و توبخ کی انتہا کر دی گئی ہے، کہ اب بھی تم لوگ ان کے استعمال سے رک جاؤ گے، یا کسی اور حکم کا انتظار کرو گے۔ چنانچہ حضرت عمر اور دیگر صحابہ نے کہا کہ اے اللہ! ہم رک گئے۔ (مسند احمد)۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا
 وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُبْلِغُوا إِلَيْكُمْ اللَّهُ رِسَالَتَهُ مِمَّنَ الصَّيِّدِ بِنَالِهِ
 آيِدِيكُمْ وَرِمَاحِكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَتَّقُوا بِالْغَيْبِ فَمَنْ اعتدى بعد ذلك فإله عذاب أليم ﴿۱۱۴﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، انہوں نے جو کچھ (پہلے) کھایا اس کا کوئی گناہ (۱۱۳) نہیں، اگر وہ متقی اور ایمان والے تھے اور عمل صالح کیا تھا، پھر (اس کے بعد بھی) متقی اور ایمان والے رہے، پھر تقویٰ اور عمل صالح کی راہ پر گامزن رہے، اور اللہ اچھا کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۱۳﴾ اے اہل ایمان! اللہ تمہیں کچھ شکار کے جانوروں کے ذریعہ آزمائے گا ﴿۱۱۳﴾ جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ پائیں گے، تاکہ اللہ جان لے کہ کون اُس سے بغیر دیکھے ڈرتا ہے، پس جو کوئی اس حکم کے بعد حد سے تجاوز کرے گا، اس کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۱۴﴾

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ آیت صریح دلائل کرتی ہے کہ نشہ پیدا کرنے والی ہر چیز حرام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا سبب وہ دنیوی اور دینی نقصانات بتائے ہیں جو شراب میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ نقصانات اس نشہ کی وجہ سے ہوتے ہیں جو شراب میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے، جیسا کہ امام مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر نشہ والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز حرام ہے“۔

(۱۱۳) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوظلمہ کے گھر میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا (ان دنوں شراب بھجور کی بنی ہوتی تھی) کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کر دیا کہ شراب حرام کر دی گئی۔ تو ابوظلمہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ باہر جا کر اسے بہادو، میں نے باہر جا کر اسے بہادیا، اور وہ مدینہ کی گلیوں میں بنے لگی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مر گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (بخاری و ترمذی)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی تمام چیزوں کو حلال قرار دیا ہے، لیکن اس استثناء کے ساتھ کہ وہ نص صریح کے ذریعہ حرام کی ہوئی چیزوں سے بھیجیں، اللہ پر ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔ دوسرے "اتَّقُوا" کا عطف پہلے "اتَّقُوا" پر ہے۔ یعنی جو لوگ ادیان سابقہ کی حلال اشیاء میں سے اسلام میں حرام کی ہوئی چیزوں سے بچے، اور ان کی حرمت پر ایمان لائے۔ تیسرے "اتَّقُوا" کا عطف دوسرے "اتَّقُوا" پر ہے۔ یعنی جنہوں نے تیسری بار ادیان سابقہ میں حلال چیزوں میں سے اسلام میں حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کیا اور عمل صالح کیا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیت میں تکرار سے مقصود یہ ہے کہ آدمی کو اللہ کے عذاب کے ڈر سے محرمات سے بچنا چاہئے، اور حرام میں پڑنے کے ڈر سے شبہات سے بچنا چاہئے۔ اور اپنے آپ کو حسد و ذالت سے دور رکھنے کے لئے بعض مباح چیزوں سے بھی بچنا چاہئے۔

(۱۱۴) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ وہ انہیں آزمائے گا، تاکہ فرمانبردار اور غیر فرمانبردار دونوں طرح کے لوگوں کا پتہ لگ جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر حالتِ احرام میں شکار کرنے کو حرام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ مَتَعَدًّا فِجْرًا مِمَّنْ لَمَّا قَاتَلَ مِنَ النَّعْمِ
يُجْزَىٰ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّمَّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغًا الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةً طَعَامٍ مِّسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُمْ صِيَامًا لَيْدُونَ وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَتْ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمْ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿١١٥﴾

اے ایمان والو! جب تم حالتِ احرام میں ہو تو شکار کو قتل (۱۱۵) نہ کرو، اور تم میں سے جو شخص اسے جان بوجھ کر قتل کرے گا، تو اس کے بدلے میں اسی جیسا جانور (۱۱۶) ذبح کرنا واجب ہوگا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں گے (۱۱۷) اور جسے قربانی کے جانور کی حیثیت سے کعبہ پہنچایا جائے گا، یا بطور کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، یا اس کے برابر روزے رکھنے ہوں گے، تاکہ وہ اپنے برتاؤ کا بُرا انجام پالے، ماضی میں جو کچھ ہو اللہ نے اسے معاف (۱۱۸) کر دیا، اور جو شخص دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے ﴿۹۵﴾

قرار دیا، اور پھر حالت ایسی کر دی کہ چھوٹے بڑے شکار ان کے دائیں بائیں پھرنے لگے، تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون اس کا حکم مان کر انہیں نہیں چھیڑتا، اور کون اس کی نافرمانی کرتا ہے۔

ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب جنگلی جانور، چڑیاں اور شکار کے دوسرے جانور ان کے خیموں کے پاس اس کثرت سے آنے لگے کہ انہوں نے ایسا کبھی بھی نہیں دیکھا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بطور آزمائش حالت احرام میں انہیں قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(۱۱۵) اگر کوئی شخص حالت احرام میں کسی جانور یا شکار کو قتل کر دے تو اس پر کیا حکم مرتب ہوگا، اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ ابن عباس، امام احمد اور داؤد ظاہری وغیرہم نے آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ غلطی یا بھول کر کسی شکار یا جانور کو قتل کرنے پر کوئی کفارہ واجب نہیں۔ ابن عمر، حسن، نضی، زہری، ابو حنیفہ، مالک اور شافعی وغیرہم کا خیال ہے کہ کفارہ ہر حالت میں واجب ہوگا، اور آیت میں "متعمداً" کا لفظ عام حالت کو بیان کرنے کے لئے آیا ہے، شرط نہیں ہے۔ ابن عباس کی ایک دوسری روایت ہے کہ کفارہ اس شخص پر واجب ہوگا جو حالت احرام کو بھول گیا ہو، اور قصداً شکار کر لیا ہو۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر حالت احرام کے یاد رہتے ہوئے ایسا کرے گا تو اس کا احرام کھل جائے گا، اس لئے کہ اس نے احرام کے خلاف فعل کا ارتکاب کیا، جیسا کہ کوئی شخص نماز میں بات کرنے لگے، یا ہوا خارج کر دے۔

(۱۱۶) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت میں مماثلت مراد ہے۔ اور مالک شافعی، احمد اور جمہور فقہاء کے نزدیک خلقت میں مماثلت مراد ہے۔ شوکانی نے دوسری رائے کی تائید کی ہے، اس لئے کہ "مِنَ النَّعْمِ" یعنی "اونٹ، گائے اور بکرے" کی صراحت اور "هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ" یعنی "وہ فدیہ جانور ہو جو کعبہ تک پہنچایا جائے" سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ بھی قول ہے کہ مماثل جانور کے ہوتے ہوئے قیمت دینا جائز ہے، اور حرم کو اختیار ہے۔

(۱۱۷) ایسے دو آدمی جو مسلمانوں میں نیکی اور عدالت میں مشہور ہوں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے والا ان دونوں میں سے ایک نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق وہ شخص ان دونوں میں سے ایک ہو سکتا ہے۔

أَجَلٌ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَانُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلْيَاثَةِ وَحَوْمٍ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرًّا وَأَتَقُوا اللَّهَ الَّذِي
إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۱۸﴾

تمہارے لئے سمندر کا شکار (۱۱۹) اور اس کا کھانا حلال بنا دیا گیا ہے، تاکہ تم اور سفر کرنے والے دوسرے قافلے فائدہ اٹھائیں، اور جب تک تم حالت احرام میں رہو، تمہارے اوپر خشکی کے جانوروں (۱۲۰) کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا ہے، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے سامنے تم لوگ جمع کئے جاؤ گے ﴿۱۱۸﴾

علماء نے شکار کے ہر جانور کا مماثل متعین کیا ہے۔ شتر مرغ اونٹ کے مشابہ ہے، جنگلی گائے شہری گائے کے مشابہ ہے۔ ہرنی بکری کے مشابہ ہے۔ اور جمہور علماء کا خیال ہے کہ حالت احرام میں شکار کو قتل کرنے والے کے لئے کفارہ کے تینوں اقسام کے درمیان اختیار حاصل ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کھانا کھانا، اور روزہ رکھنا، فدیہ کے جانور نہ ملنے کی صورت میں ہی جائز ہے۔

(۱۱۸) یعنی زمانہ جاہلیت میں اگر کسی نے ایسا کیا تھا تو وہ معاف ہے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کفارہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اگر کسی نے ایسا کیا تھا تو وہ معاف ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس حکم سے صرف پانچ جانور مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پانچ قسم کے جانور بدکار ہیں، انہیں حدود حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا: کوا، چیل، بچھو، چوہا، اور کانٹے والا کتا“۔ زید بن اسلم اور ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ”کانٹے والا کتا“ تمام خطرناک جانوروں کو شامل ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب عتبہ بن ابولہب کے لئے بددعا کی تو کہا کہ اے اللہ! تو اس پر اپنا کتا مسلط کر دے، تو مقام زرقاء پر جنگلی جانوروں نے اسے چیر پھاڑ کر ختم کر دیا۔

(۱۱۹) حالت احرام میں شکار کی حرمت اور اس کا کفارہ بیان کرنے کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بطور احسان یہ بتایا ہے کہ مُحْرَم کے لئے سمندر کی زندہ مچھلیوں کا شکار اور اُن مردہ مچھلیوں کا کھانا بھی حلال ہے جو موجوں کی زد میں آکر ساحل سمندر پر آجاتی ہیں۔

جمہور علماء نے اسی آیت سے سمندر کی مردہ مچھلیوں کا کھانا حلال قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے مالک، بخاری اور مسلم وغیرہم نے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عبیدہ بن الجراح کی قیادت میں تین سو افراد کا ایک لشکر ساحل سمندر کی طرف بھیجا۔ ان کا زاد سفر ختم ہو گیا، تو سمندر کے کنارے انہیں ایک بہت بڑی مردہ مچھلی ملی، جس کا گوشت انہوں نے اٹھارہ دن تک کھایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ صحابہ کرام اس کا کچھ حصہ مدینہ بھی لائے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس میں سے کھایا۔ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں، ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے، اگر اس سے وضو کر لیں تو پیا سے رہ جائیں۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”اس کا پانی پاک ہے، اور اس کا مردہ حلال ہے“۔ (مالک، شافعی، احمد اور اصحاب سنن)۔

ایک اور روایت ہے جسے امام احمد اور ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۷﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۸﴾

اللہ نے بیت حرام کعبہ کو لوگوں (۹۷) کے انتظامی اور معاشی امور کے لئے مفید بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے، اور قربانی کے جانور اور ان جانوروں کو بھی ان کے لئے مفید بنایا ہے جن کے گلے میں حرم تک پہنچنے کے لئے پٹے ڈال دیئے گئے ہوں، ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے ﴿۹۷﴾ تم لوگ جان لو کہ بے شک اللہ بڑا سخت عذاب (۹۸) دینے والا ہے، اور بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۸﴾

”ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں۔ دو مردے؛ یعنی پھیل اور ٹڈی اور دو خون؛ یعنی کلبی اور تلی“۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض فقہانے کہا ہے کہ سمندر کے تمام جانوروں کا کھانا بغیر استثناء جائز ہے۔ اور بعض حضرات نے مینڈک کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس لئے کہ ابو عبد الرحمن التیمی کی روایت ہے جسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(۱۳۰) حالت احرام میں خشکی کے جانوروں کا شکار حرام ہے۔ آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ محرم کے لئے بری شکار کا گوشت کھانا حرام ہے، اگرچہ شکار کرنے والا کوئی دوسرا ہو۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر محرم کے لئے شکار کیا گیا ہے تو اس کے لئے کھانا حرام ہوگا، ورنہ حلال ہوگا۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محرم کے علاوہ کسی دوسرے کا شکار کیا ہو جانور مطلقاً حلال ہوگا۔ (۱۳۱) آیت کریمہ میں "المناس" سے دور جاہلیت کے عرب مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو "بیت حرام" ہے عربوں کے لئے دنیوی اور دینی فوائد و مصالح کا بہت بڑا ذریعہ بنایا تھا، حدود حرم میں داخل ہو جانے والا ہر خوف سے امن میں آجاتا تھا، وہاں کمزور کی مدد کی جاتی تھی، ان کی تجارت میں نفع ہوتا تھا، اور عبادت گزار وہاں سکون قلب کے ساتھ عبادت میں لگا رہتا تھا، اور ہر قسم کے پھل دوسرے شہروں سے وہاں پہنچتے تھے۔

”شہر حرام“ سے مراد رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم چار مہینے ہیں۔ ان مہینوں میں عرب اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے قتال نہیں کرتے تھے، ان مہینوں کی حرمت کا پاس رکھتے تھے، اور "ہدی" کے جانور اور قلاوہ پہنائے ہوئے اونٹوں کو بھی اللہ نے ان کے لئے امن کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ اس لئے کہ جو شخص "ہدی" کا عام جانور یا قلاوہ پہنایا ہو اونٹ لے کر، یا خود اپنی گردن میں قلاوہ ڈال کر حرم کی طرف روانہ ہوتا تھا، وہ مامون ہو جاتا تھا، راستہ میں کوئی اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو فائدہ پہنچانے اور ان سے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے لئے، یہ سارے اسباب اُس وقت مہیا کئے تھے جبکہ ان کی کوئی حکومت نہیں تھی نہ کوئی نظم و نسق تھا، ہر شخص اور ہر قبیلہ بے لگام تھا۔

یہ اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی تمام اشیاء کو ان کے وقوع پذیر ہونے کے پہلے سے جانتا ہے، اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اُسے بھی جانتا ہے۔

(۱۳۲) اللہ کی حرمتوں کو پامال کرنے والوں کے لئے عقاب شدید کی وعید اور ان کی حفاظت کرنے والوں کے لئے رحمت و غفران کا وعدہ ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تُنْفِقُونَ ۖ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْغَنِيثُ وَالْعَلِيْبُ وَلَوْ أَعْجَبَكُمُ الذُّكُورُ الْعَبِيدُ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن تَبَدَّلَ لَكُمْ تَشْكُرُوا وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنزَلُ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

رسول کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچا (۱۲۳) دینا ہے، اور تم لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ سب کچھ جانتا ہے ﴿۹۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر (۱۲۴) نہیں ہوتے ہیں، اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہارے لئے خوش کن ہو، پس اے عقل والو! تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ﴿۱۰۰﴾ اے ایمان والو! تم لوگ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال (۱۲۵) نہ کرو کہ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں (ذہنی طور پر) تکلیف پہنچائیں، اور اگر تم ان کے بارے میں نزول قرآن کے زمانے میں پوچھو گے (۱۲۶) تو تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ نے گذشتہ سوالات کو معاف کر دیا، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا برداشت کرنے والا ہے ﴿۱۰۱﴾

(۱۲۳) یعنی ہمارا رسول پیغام پہنچانے کے بعد اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا اور حجت تمام ہو گئی، اب تمہارے لئے اللہ کی عدم اطاعت کے لئے کوئی عذر نہیں باقی رہ گیا۔ اور اللہ سے کوئی خیر و شر چھپا نہیں ہے، وہ تمہیں اس کا بدلہ دے کر رہے گا۔ (۱۲۴) اللہ کی نگاہ میں اشخاص، اعمال اور اموال میں اچھے اور برے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہمیشہ صالح اعمال اور حلال مال کے حصول کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔ خبیث کی کثرت اگرچہ بعض اوقات انسان کو متاثر کرتی ہے، لیکن اللہ کے نزدیک ہمیشہ اعتبار صالحیت اور عمدگی کا ہوتا ہے، قلت و کثرت کا نہیں۔ اگر افراد، یا مال، یا عمل، صالح ہے تو تھوڑا بھی مذموم و خبیث کی کثرت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس لئے مومنین کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ خبیث سے احتراز کریں اور طیب و صالح کو ترجیح دیں چاہے وہ کم ہو۔

(۱۲۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک تشریحی ادب کی تعلیم دی ہے، اور انہیں ایسے سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے جن میں بظاہر کوئی فائدہ نہ ہو، اور خواہ مخواہ کی کرید سے منع کیا ہے، اس لئے کہ بسا اوقات ایسے غیر ضروری سوالات کے جواب میں ایسی باتیں سننی پڑتی ہیں جن سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے غیر ضروری سوالات کرتے تھے، اور آپ ﷺ کو ذہنی تکلیف ہوتی تھی۔ اس آیت کریمہ میں اس قسم کے تمام سوالات سے منع کیا گیا ہے۔

بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، ایک آدمی نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے کہا: فلاں آدمی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس صحابی کا نام عبد اللہ بن حذافہ تھا۔

امام احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ وغیرہم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتِطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے حج کی فرضیت کا اعلان کیا ہے،

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ مَبْدُورٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيْلَةٍ وَلَا حَآمٍ
وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ وَالْكَذِبُ لَآيَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾

تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات (۱۲۷) کئے تھے، پھر ان احکام کا انکار کر بیٹھے ﴿۱۰۲﴾ اللہ تعالیٰ نے نہ کوئی بحیرہ (۱۲۸) بنایا ہے اور نہ کوئی سائبہ، اور نہ کوئی وصیلہ، اور نہ کوئی حام، لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ہیں ﴿۱۰۳﴾

تو بعض لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حکم ہر سال کے لئے ہے؟ تو آپ خاموش رہے، ان لوگوں نے دوبارہ پوچھا کہ کیا یہ حکم ہر سال کے لئے ہے؟ تو آپ نے کہا کہ نہیں، لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ حکم ہر سال کے لئے واجب ہو جاتا، اور جب واجب ہو جاتا تو تم لوگ اس پر عمل نہ کر پاتے۔ اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

صحیحین میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو پہلے سے حرام نہیں تھی، اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔ ایک دوسری حدیث صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں جب تک تمہیں چھوڑے رکھوں، تم لوگ بھی مجھے چھوڑے رکھو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگوں کو ان کے کثرتِ سوال اور انبیاء کی مخالفت نے ہلاک کیا تھا“۔

(۱۲۶) اللہ تعالیٰ نے غیر ضروری سوالات سے منع فرمانے کے بعد یہاں یہ بات کہی ہے، کہ اگر قرآن کی کوئی آیت اترنے کے بعد تمہارے ذہنوں میں اس سے متعلق کوئی سوال آئے گا، تو ہمارے رسول (ﷺ) اس کا جواب دیں گے اور آیت کی تشریح کریں گے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور اس سے یہ شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے کہ مطلق سوال سے منع کر دیا گیا تھا، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انتظارِ وحی کے بعد کسی ایسی وحی کا نزول تو بند ہو گیا جس سے سوال کرنے والوں کو تکلیف ہو، لیکن خواہ مخواہ کے سوالات کرنا اسلام میں اچھی بات نہیں مانی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے اسلام میں اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرے۔ (ترمذی ابن ماجہ)۔

"عَفَا اللَّهُ عَنْهَا" یعنی ماضی میں جو کچھ ہو اللہ نے اسے معاف کر دیا، آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو کچھ بیان نہیں کیا ہے، انہیں اللہ نے معاف کر دیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو انہیں بھی بیان کر کے تم پر واجب کر دیتا۔

(۱۲۷) گذشتہ اُمتوں نے اپنے رسولوں سے غیر ضروری اور اذیت پہنچانے والے سوالات کئے، اور جب ان سوالات کی وجہ سے ان پر احکام و فرائض عائد کئے گئے تو انہوں نے انہیں بجالانے سے انکار کر دیا اور کفر کے مرتکب ہوئے۔

(۱۲۸) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاک چیزوں کو حرام بنانے سے منع کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ اللہ نے جو حلال اور پاک روزی دی ہے اسے کھاؤ۔ اس کے بعد کھانے پینے کی چیزوں، برسی اور بحری شکار، ہدی کے جانور اور قلاہہ پہنائے ہوئے ان اونٹوں کا ذکر آیا ہے جو اللہ کے نام پر حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں، اور حد و حرم میں انہیں اللہ کی رضا کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اب ان جانوروں کا بیان ہو رہا ہے جنہیں اہل عرب اللہ کے بجائے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اور ان کا کھانا اپنے لئے حرام قرار دیتے تھے۔

وَاذْاقُوا لِقَاءَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا مَا كُنَّا بِلِقَائِهِمْ لِأَعْلَمُونَ
شَيْئًا وَلَا يَحْتَدُونَ ﴿۱۲۹﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف رجوع کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس (دین و عقیدہ) پر اپنے آباء و اجداد کو پایا، وہی ہمارے لئے کافی (۱۲۹) ہے، کیا (وہ اسی پر قائم رہیں گے) اگرچہ ان کے آباء و اجداد نہ کچھ جانتے رہے ہوں اور نہ راہ ہدایت پر رہے ہوں ﴿۱۲۹﴾

"بحیرہ" اس اونٹنی کو کہتے تھے، جس نے پانچ بار بیچ دیئے ہوں، اور آخری بار زجنی ہو۔ تو اس کا کان چھید کر آزاد کر دیتے تھے، نہ اس پر سوار ہوتے تھے نہ ذبح کرتے تھے، اور نہ اُسے حاملہ ہونے دیتے تھے، اور اسے کسی پانی کی جگہ اور چراگاہ سے روکتے نہیں تھے، اور اگر کوئی تھا کا ماندہ بغیر سواری کا آدمی بھی اسے دیکھتا تو اس پر سوار نہ ہوتا تھا۔

"ساقبہ" اس اونٹنی کو کہتے تھے، جسے زمانہ جاہلیت میں بطور نذرانہ یا بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا، نہ اس پر سوار ہوتے تھے، اور نہ اس سے بار برداری کا کام لیتے تھے۔ اس کا ایک دوسرا معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اونٹنی دس بار مادہ بیچ جنتی تھی اور ان میں کوئی بھی زنجیر نہیں ہوتا تھا، تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا، نہ اس پر سوار ہوتے تھے۔ نہ اس کا بال کاٹتے تھے، اور نہ ہی سوائے اس کے بیچ اور مہمان کے کوئی اس کا دودھ پیتا تھا۔ ایک تیسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی دور کے سفر سے آتا، یا کسی بیماری سے شفا یاب ہوتا، یا اس کا چوپایہ کسی مشکل یا جنگ سے بچ جاتا، تو کہتا کہ میری اونٹنی آزاد ہے۔

"وصیلہ" اس بکری کو کہتے تھے جو چھ بار دودھ مادہ بیچ جنتی، اور ساتویں بار ایک مادہ اور ایک زبچہ دیتی، تو لوگ کہتے کہ مادہ نے اپنے بھائی کو ملا لیا، اس لئے زکو اپنے معبودوں کے لئے ذبح نہیں کرتے تھے۔

"حام" اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی مادہ اونٹنی پر جست لگانے کی تعداد مقرر کر دی جاتی تھی، اس کے بعد اس کے جسم پر مور کے پر باندھ دیتے اور اسے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے، بعض کے نزدیک "حام" اس اونٹ کو کہا جاتا تھا جس کے حلب سے دس بار اونٹنی نے بچہ جنا ہو، پھر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

ان چاروں قسم کے جانوروں کی تشریح میں اور بھی اقوال آئے ہیں، لیکن ان کے درمیان کوئی منافات نہیں، اس لئے کہ اہل جاہلیت کی گمراہیاں گوناگوں تھیں، جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا تھا، بلکہ مشرکین نے اپنی طرف سے ایجاد کر لیا تھا۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی امتزیاں گھسیٹ رہا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے "بجیرہ" اور "سائبہ" جانور چھوڑا تھا، اور دین اسماعیل کو بدل دیا تھا۔" مسند احمد میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابو خزاعہ عمرو بن عامر پہلا شخص تھا جس نے "بجیرہ" اور "سائبہ" جانور چھوڑا تھا، اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی امتزیاں گھسیٹ رہا تھا۔"

(۱۲۹) جو مشرکین مختلف شرک کے اعمال میں مبتلا تھے، ان سے جب کہا جاتا کہ تم لوگ اپنے باپ دادوں کی تقلید چھوڑ دو جنہوں نے اللہ کے بارے میں افتراء و درازی سے کام لیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کو کہتے ہیں اس پر عمل کرو، تو وہ فوراً بول اٹھتے کہ ہم تو اپنے باپ دادوں ہی کی تقلید کریں گے، اس کا جواب اللہ نے دیا کہ کیا باپ دادوں کی تقلید ان کے لئے کافی ہوگی، چاہے ان کے وہ باپ دادے حق کو جانتے اور پہچانتے نہ ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَعْذِرْكُمْ عَنْ صَلَاتِكُمْ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعَكُمْ جَمِيعًا فَايُنْبِتْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَاعِدٍ فَبَيْنَكُمْ أَوْ آخَرِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ حَضَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْسِبُوهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيقْسِمُن بِاللَّهِ رَبِّكُمْ لَنْ نَسْتَعِزَّ بِهِنَّ مِمَّا تُلَاقُونَ كَانُوا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَئِنِ الْأَعْمَىٰ ﴿وَأَنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَهْمَا اسْتَحَقَّ إِنَّمَا فَآخَرِ يُقِيمُن مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَىٰ فَيَقْسِمُن بِاللَّهِ شَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعتَدْنَا بِآيَاتِنَا إِذًا لَئِنِ الظَّالِمِينَ ﴿ذَلِكَ أَذَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهَيْهَا أَوْ يخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ آيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کی فکر (۱۳۰) کرو، اگر تم راہ راست پر چلتے رہو گے، تو کسی دوسرے کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، تم سب کو اللہ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، پس وہ تمہیں تمہارے کئے کی خبر دے گا ﴿۱۰۵﴾ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب (۱۳۱) آجائے، تو وصیت کرتے وقت آپس میں گواہی کے لئے مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمی کو گواہ بنا لو، اور اگر تم حالت سفر میں ہو، اور موت کی مصیبت سے دو چار ہو جاؤ، تو غیر مسلموں میں سے دو گواہ بنا لو، دونوں کو نماز کے بعد روک لو گے، پھر اگر تمہیں ان دونوں کی سچائی میں شبہ ہوگا، تو وہ (دونوں) اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم اس قسم کے ذریعہ کوئی فائدہ نہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ (جس کے لئے گواہی دی جا رہی ہے) وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپاتے ہیں، ورنہ ہم بے شک گنہگاروں میں سے ہو جائیں گے ﴿۱۰۶﴾ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں (اپنی گواہی میں) گناہ گار بنے ہیں، تو (میت کے) دو قریب ترین رشتہ دار، ان لوگوں میں سے جن کے حق میں گناہ ہوا ہے، گذشتہ دونوں آدمیوں کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، اور اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے حق کے زیادہ قریب ہے، اور ہم نے کسی پر زیادتی نہیں کی ہے، ورنہ ہم بے شک ظالموں میں سے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ لوگ حقیقتِ حال کے مطابق گواہی دیں، یا ڈریں کہ ہماری قسمیں بھی ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرو، اور (اس کے احکام پر) دھیان دو، اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۱۰۸﴾

(۱۳۰) اندھی تقلید اور مہلک بدعت کی خطرناکیوں کو بیان کرنے کے بعد مناسب تھا کہ اہل ایمان کو نصیحت کی جاتی، کہ وہ قرآن و سنت کی اتباع کر کے اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہیں، اور انہیں اطمینان بھی دلایا جاتا کہ آدمی اگر راہ ہدایت پر گامزن ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کر رہا ہے، تو دوسروں کی گمراہی کا وبال اس کے سر نہیں آئے گا، اس لئے کہ روزِ قیامت کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور ہر شخص کو اس کے اپنے کئے کا بدلہ ملے گا۔ دوسروں کا گناہ اس کے سر نہیں ڈالا جائے گا۔ اس آیت کریمہ میں اسی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، لیکن اس کا یہ ہرگز مفہوم نہیں ہے کہ مسلمان پر امر بالمعروف

اور نبی عن المنکر واجب نہیں ہے۔

اصحاب سنن نے روایت کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حمد و شاکے بعد کہا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو، اور اس کا غلط مفہوم سمجھتے ہو، میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ جب لوگ بُرائی کو دیکھیں گے اور اسے نہیں بدلیں گے، تو قریب ہے کہ اللہ کا عذاب ان سب کو آدبوچے گا۔

ابو ثعلبہ ششی کی ایک اور روایت سے (جسے ترمذی نے روایت کی ہے) ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد وہ مسلمان ہیں جو آخری زمانہ میں آئیں گے، کہ جب ہر شخص اپنی خواہش کا بندہ ہوگا، دنیا کو دین پر ترجیح دے گا، اور ہر آدمی اپنی رائے پر خوش ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس زمانہ کے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ جب ایسا زمانہ آجائے تو عوام الناس کو چھوڑ کر اپنی فکر میں لگ جاؤ۔ اس آیت کی ابتدا میں ہے کہ ابو ثعلبہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں، بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو، یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے جس کا ذکر اوپر آچکا۔

(۱۳۱) اس آیت کریمہ میں وصیت کا ایک اہم حکم بیان کیا گیا ہے۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے، لیکن اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ یہ آیت حکم ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم حالتِ سفر میں ہو، اور تمہاری وفات کے آثار ظاہر ہونے لگیں، اور تمہارے پاس مال و اثاثہ ہو، تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں یا غیر مسلموں میں سے دو اصحابِ عدل و صدق کو اس پر گواہ بنا دو۔ اگر ان دونوں گواہوں کے بارے میں میت کے ورثہ کو شبہ ہو جائے کہ شاید انہوں نے خیانت کی ہے اور میت کا کچھ مال چھپا لیا ہے، تو انہیں عصر کی نماز کے بعد حلف اٹھانے کے لئے روک لیا جائے گا۔ پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں گے اور کہیں گے کہ ہم مال کی وجہ سے اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے، چاہے جس کے لئے ہم قسم کھا رہے ہیں وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور جس گواہی کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے چھپا کر ہم گناہ گار نہیں ہوں گے۔ اور اگر ان دونوں کے قسم کھالینے کے بعد پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے، تو میت کے رشتہ داروں میں سے دو قریبی رشتہ دار آگے بڑھیں گے اور حلف اٹھائیں گے کہ ہم دونوں کی گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ قابل قبول ہے کہ انہوں نے خیانت کی ہے اور کذب بیانی سے کام لیا ہے، اور یہ کہ ہم نے جو ان پر خیانت کی تہمت دھری ہے تو اس میں ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم نے زیادتی کی ہوگی تو ظالموں میں سے ہوں گے اور اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرح حلف لینے کی حکمت و مصلحت بیان کی کہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ گواہانِ آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہوئے، امر واقعہ میں بغیر کوئی تبدیلی لائے ہوئے گواہی دیں گے۔ اور خیانت کا شبہ ہونے کی صورت میں دو قریبی رشتہ داروں سے حلف لینے کی حکمت یہ ہے کہ حالتِ سفر کے گواہانِ ڈریں گے کہ اگر ہم نے کذب بیانی کی تو تمہاری قسم رد کر دی جائے گی اور قریبی رشتہ دار قسم کھائیں گے، اور ہمارا جھوٹ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔

اس واقعہ کے شان نزول میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تیم الداری سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے۔ اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے اختصار کے ساتھ روایت کی ہے کہ بنی سہم کا ایک آدمی تیم الداری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں گیا، اور ایسی جگہ اس کی موت آگئی جہاں کوئی مسلمان شخص نہیں تھا، جب وہ دونوں اس کا متر و کہ سامان لے کر آئے، تو اس کے ورثہ نے اس میں چاندی کا ایک جام نہیں پایا جس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے حلف لیا، اور انہوں نے حلف اٹھالیا۔ اس کے بعد وہ جام مکہ میں پایا گیا، اور پوچھے جانے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے اسے تیم

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقُوبَ ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُّسِ ۖ فَتَكَلَّمَ النَّاسُ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِأِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِأِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جَعَلْتَهُم بِالْبَيْتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

اللہ تعالیٰ جب (روز قیامت) تمام رسولوں (۱۳۲) کو جمع کرے گا، تو ان سے پوچھے گا کہ تمہیں (تمہاری دعوتِ حق کا قوموں کی طرف سے) کیا جواب ملا، تو (خوف و دہشت کے مارے صرف اتنا) کہیں گے کہ ہمیں کوئی خبر نہیں، بے شک تو ہی تمام نبی امور کا جاننے والا ہے ﴿۱۰۹﴾ جب اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! (۱۳۳) تم اپنے اُوپر اور اپنی والدہ پر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس (جبرئیل) کے ذریعہ تمہاری مدد کی، تم لوگوں سے ماں کی گود (۱۳۴) میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرتے تھے، اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت (۱۳۵) اور تورات و انجیل کی تعلیم دی، اور جب تم مٹی سے میرے حکم سے چڑیا کی شکل (۱۳۶) بناتے تھے، پھر اس میں پھونک مارتے تھے، تو میرے حکم سے وہ ایک چڑیا ہو جاتی تھی، اور پیدا کنشی اندھے اور برص کے مریض کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور میرے حکم سے مُردوں کو قبر سے (زندہ) نکالتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تمہیں کوئی تکلیف (۱۳۷) پہنچانے سے روک دیا، جب تم ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے، تو ان کے کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ﴿۱۱۰﴾

اور عدی سے خرید تھا۔ چنانچہ سبھی کے دو رشتہ داروں نے حلف اٹھایا کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ صحیح اور حق کے قریب ہے، اور یہ کہ جام ہمارے رشتہ دار کا ہے۔ اسی واقعہ سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے امام بخاری اور ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے۔

(۱۳۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔ اُس دن اور تو اور، انبیاء کرام کا حال یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ ان کی قوموں کی طرف سے انہیں کیا جواب ملا، تو رعب و دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ان کا جواب جانتے ہوئے بھی اس کا علم اللہ کے حوالے کر دیں گے۔ اور جب انبیاء و رسل کا یہ حال ہوگا، تو دوسروں کا کیا حال ہوگا، اور دوسرے کب جرأت کریں گے کہ وہ اللہ سے بات کریں۔ علماء نے لکھا ہے کہ "مَاذَا أُجِبْتُمْ" مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، یعنی "تمہیں کیا جواب دیا گیا"۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ "اُن قوموں نے تمہیں کیا جواب دیا" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُس دن اللہ تعالیٰ انتہائی درجہ غضبناک ہوگا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ میرا رب اس دن اتنا غضبناک ہوگا کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنا ہوا تھا اور نہ اس کے بعد۔

نفر الدین رازی لکھتے ہیں: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ مختلف قسم کے شرائع و احکام بیان کرنے کے بعد عقائد و الہیات، احوال انبیاء، یا احوال قیامت کی بات کرتا ہے، اور اس سے مقصود ان مذکورہ احکام و شرائع کی تاکید و توثیق ہوتی

وَاذْأَوْحَيْتُ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ أَنْ آمِنُوا بِئِي وَبِرَسُولِي قَالُوا الْمَكَأُ وَاللَّهِدُ بِأَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۸﴾

اور جب میں نے حواریوں کو الہام (۱۳۸) کیا کہ تم لوگ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے، اور اے عیسیٰ آپ گواہ رہئے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں ﴿۱۳۸﴾

ہے۔ اس آیت کریمہ کی بھی یہی حیثیت ہے کہ مختلف الانواع احکام و شرائع بیان کرنے کے بعد اللہ نے قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔

(۱۳۳) میدانِ محشر میں جب تمام بنی نوع انسان اللہ کے حضور سرخم کئے ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم سے بالخصوص ہم کلام ہوگا، اس لئے کہ دنیا کی دو بڑی اُمّتیں ان کے سلسلے میں گمراہی میں مبتلا ہوئیں۔ یہودیوں نے کہا کہ عیسیٰ جادوگر اور ابن الزنا تھے، اور نصرانیوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اللہ اور ابن اللہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہوگا، اور میدانِ محشر کے لوگ سنیں گے، تاکہ مجرمین یہود و نصاریٰ کی حسرت و ندامت میں اضافہ ہو، اور انہیں اپنے کبر و عناد اور ضلالت و گمراہی کا یقین ہو جائے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم بنت عمران پر اللہ کا احسان یہ تھا کہ اس نے انہیں پاکیزہ بنایا، اور سارے جہان کی عورتوں میں سے انہیں چن لیا۔

(۱۳۴) یعنی انسان کی سب سے کمزور اور سب سے قوی دونوں حالتوں میں ایک طرح کی بات کر دے، بچپن اور جوانی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے تمہیں بچپن اور جوانی دونوں حالتوں میں اللہ کی طرف بلانے والا نبی بنایا، میں نے تمہیں بچپن میں جب ماں کی گود میں تھے قوت گویائی دی، تو تم نے اپنی ماں کی ہر عیب سے براءت کی گواہی دی، اور میرے لئے اپنی عبدیت کا اعتراف کیا، اور لوگوں کو خبر دی کہ میں نے تمہیں رسول بنایا ہے، اور لوگوں کو میری عبادت کی دعوت دی۔

(۱۳۵) "کتاب" سے مراد خط و کتابت اور ظاہری علم ہے جو لکھا جاتا ہے، اور "حکمة" سے مراد فہم و ادراک اور وہ باطنی علم ہے جو لکھا نہیں جاتا۔

(۱۳۶) اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو چار معجزے دیئے تھے جن کا ذکر یہاں آیا ہے، اور ہر معجزے کے ذکر کے ساتھ "بیان ذی" کا کلمہ آیا ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اس معجزہ کا ظہور اللہ کے حکم سے اور اس کی قدرت سے ہوتا تھا، اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی قدرت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ انبیاء اور غیر انبیاء کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

(۱۳۷) یہودیوں نے معجزات دیکھنے کے باوجود کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا اور سولی پر چڑھانا چاہا، تو اللہ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور ہر قسم کی نجاست و آلائش سے پاک کر دیا۔

(۱۳۸) یہاں وحی سے مراد الہام اور دل میں القاء ہے۔ اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایک احسان کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے انہیں انصار و مددگار عطا کیا تھا، اور عند الناس انہیں محبوب و مقبول بنا دیا تھا۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنُ بِكَ أَنْ تَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَتَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا لِأُولَانَا وَآخِرَتَنَا وَعَافِيَةً لِنَفْسِنَا إِنَّكَ سَمِيعٌ بَلِيبٌ ۝ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنزِلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حواریوں نے کہا، اے عیسیٰ بن مریم! کیا تمہارا رب ہمارے لئے آسمان سے ایک دسترخوان (۱۳۹) اتار سکتا ہے، تو انہوں نے کہا کہ اگر تم لوگ اہل ایمان ہو تو اللہ سے ڈرو ﴿۱۱۳﴾ انہوں نے کہا کہ ہم اسے کھانا بھی چاہتے (۱۴۰) ہیں اور یہ (بھی چاہتے ہیں) کہ ہمارے دلوں کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے، اور ہم جان لیں کہ واقعی تم نے ہم سے سچی بات کہی ہے، اور ہم بھی اس حق کے گواہ بن جائیں ﴿۱۱۳﴾ عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے اللہ! اے ہمارے رب! تو ہمارے لئے آسمان سے ایک دسترخوان اتار دے جو ہمارے اوائل و اواخر سب کے لئے عید کا موقع بن جائے، اور تیری جانب سے (میری صداقت کی) ایک نشانی بھی بن جائے، اور تو ہمیں روزی عطا فرما، اور تو بہت ہی بہتر روزی دینے والا ہے ﴿۱۱۳﴾ اللہ نے کہا کہ میں وہ (دسترخوان) تمہارے لئے اتار رہا ہوں، پس اگر تم میں سے کسی نے اس کے بعد کفر کی راہ اختیار کی، تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جیسا میں نے دنیا والوں میں سے کسی کو نہ دیا ہو گا ﴿۱۱۵﴾

(۱۳۹) آئندہ آنے والی چار آیتوں میں ”مائدہ“ کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اور اسی مائدہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس سورت کا نام ”مائدہ“ ہے۔ نزولِ مائدہ بھی اللہ تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان تھا، کہ یہ چیز ان کی نبوت و صداقت پر ایک قطعی دلیل تھی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ انجیل میں مذکور نہیں ہے، اور نصاریٰ نے مسلمانوں کے ذریعہ اسے جانا تھا۔ واقعہ کی نوعیت یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اپنے ابتدائے اسلام کے زمانے میں، ان سے مطالبہ کیا کہ اللہ ان کے لئے آسمان سے انواع و اقسام کے کھانوں کا ایک دسترخوان اتارے، تاکہ وہ اسے کھائیں اور ان کے دل کو مزید اطمینان و یقین حاصل ہو۔

حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے نام سے پکارا، اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف کی، تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ لوگ عیسیٰ کی اُلُوہیت یا ولدیت کے معتقد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”ہم ایمان لائے اور آپ (عیسیٰ) گواہ رہے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں“ نیز اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا یہ کلام بھی نقل کیا ہے کہ ”کیا تمہارا رب ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان اتار سکتا ہے؟“۔ علماء نے ان کی ان باتوں کو ان کے ابتدائے اسلام کے زمانہ پر محمول کیا ہے، جب اسلام نے انہیں پورے طور پر ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقام کو ابھی پورے طور پر نہیں سمجھا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض ان حواریوں نے یہ بات کہی ہو جن کا علم و فہم عام لوگوں جیسا رہا ہو، اور مزید اطمینان و یقین حاصل کرنے کے لئے یہ بات کہی ہو۔

وَلَا قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتِ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَارْحَمِ الْيَهُودَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِشَيْءٍ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعَلَّمُوا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَازِمُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود (۱۳۱) بنا لو، تو انہوں نے کہا، تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے، میرے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ میں وہ بات کہوں جو میرا حق نہیں ہے، اگر یہ بات میں نے کہی (۱۳۲) ہے تو تجھے اس کی پوری خبر ہے، تو میرے دل کی چھپی باتوں کو جانتا ہے، اور میں تیرے دل کی کوئی بات نہیں جانتا ہوں، بے شک تو تمام غیبی امور کا جاننے والا ہے ﴿۱۱۶﴾

(۱۳۰) حواریوں نے طلبِ ماندہ کا سبب یہ بتایا کہ ہم اس میں سے کھائیں، اور ہمارے دلوں کو مزید اطمینان و یقین حاصل ہو، اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ دعوائے نبوت اور اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ اللہ ہمیں جنت میں نعمتیں دے گا، اور بنی اسرائیل کے جو لوگ موجود نہیں ہیں، ہم ان کے سامنے نزولِ ماندہ کی گواہی دیں تاکہ ان کے ایمان میں بھی اضافہ ہو، اور ان میں سے جو لوگ اب تک ایمان نہیں لائے ہیں وہ ایمان لے آئیں۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کا مقصد صحیح ہے، اور اپنے سوال پر مصر ہیں، تو انہوں نے بھی اللہ سے اس کے لئے دعا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا، اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لئے آسمان سے ایک دسترخوان اتار دے جس میں اس جنت کی نعمتیں ہوں جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے، اور وہ دن ہمارے لئے اور ہمارے بعد آنے والی نسووں کے لئے عید کا دن ہو، اور تیری کمال قدرت، صدق و وعدہ، اور تیری طرف سے میری نبوت کی تصدیق کی نشانی ہو۔ اے اللہ! ہم نے تجھ سے جو سوال کیا ہے اسے پورا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہاری دعا قبول کرتے ہوئے اسے تمہارے لئے اتاریں گے لیکن اس کے بعد اگر ان میں سے کسی نے کفر کا ارتکاب کیا تو اسے میں تمام جہان والوں سے بڑھ کر عذاب دوں گا۔

اہل علم کا اختلاف رہا ہے کہ آسمان سے ”ماندہ“ نازل ہوا تھا یا نہیں۔ حسن بصری اور مجاہد کی رائے ہے کہ ماندہ نازل نہیں ہوا تھا۔ حسن کہا کرتے تھے کہ جب اللہ نے ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ﴾ الخ کہا، تو ان لوگوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ماندہ نازل نہیں ہوا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ایک مثال تھی جسے اللہ نے اس لئے بیان کیا تھا تاکہ انبیاء کرام سے ان کی قومیں نشانوں کا مطالبہ نہ کریں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس رائے کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ نصاریٰ اسے نہیں جانتے، اور ان کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں آتا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ان لوگوں نے اسے بیان کیا ہوتا، اور ان کی کتابوں میں موجود ہوتا۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ ”ماندہ“ نازل ہوا تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنِّي مَنَّزِلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ کہا ہے، اور اللہ کا وعدہ برحق ہوتا ہے اور ضرور پورا ہوتا ہے۔ اور سلف کے اخبار و آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ترمذی نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آسمان سے ماندہ نازل ہوا جس

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مِمَّا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُ وَاللَّهُ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا كَانُمُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۷۱﴾

میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، کہ (اے اللہ کے بندو!) تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تم سب کا رب ہے، اور میں جب تک ان کے درمیان رہا ان کے اعمال پر شاہد رہا۔ پس جب تو نے مجھے اٹھا (۱۷۱) لیا تو اس کے بعد تو ہی ان کے اعمال سے باخبر رہا، اور تو ہر چیز کا نگہبان ہے ﴿۱۷۱﴾

میں روٹی اور گوشت تھا۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ نہ وہ خیانت کریں اور نہ کل کے لئے جمع کریں، لیکن انہوں نے خیانت کی اور جمع کر کے کل کے لئے رکھ چھوڑا، تو بندروں اور سوروں میں بدل دیئے گئے۔“

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب عیسیٰ بن مریم نے دعا کی تو فرشتے آسمان سے مانده لے کر نازل ہوئے۔ ابن جریر نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن سب سے شدید عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا۔ منافقین، اصحاب مانده اور آل فرعون کو۔ حافظ ابن کثیر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ واقعی آسمان سے مانده نازل ہوا تھا۔

(۱۳۱) یہاں بھی خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کو ہے۔ اور یہ خطاب قیامت کے دن ان نصاریٰ کے سامنے ہوگا جنہوں نے عیسیٰ اور ان کی ماں مریم کو اللہ کے بجائے معبود بنا لیا تھا، اور اس سے مقصود ان کی توبیح و دلاست ہوگی۔ اور یہ اس وجہ سے ہوگا کہ دیگر قوموں کا جرم اس حد تک محدود تھا کہ انہوں نے انبیاء پر طعن و تشنیع کیا، لیکن طہدین نصاریٰ نے تو اللہ کے جلال اور اس کی کبریائی پر کلام کیا، اور اسے ایسی صفات کے ساتھ متعسف کیا جو کسی طرح اس کے لائق نہ تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور ان کی ماں کو اس کی بیوی ٹھہرایا۔ اسی لئے روز قیامت تمام انبیاء و رسول کے سامنے اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایک ایک انعام کا ذکر کر کے ان کی عبودیت کا احساس دلائے گا۔ اس کے بعد ان سے اللہ تمام حاضرین محشر کے سامنے سوال کرے گا، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے اپنی عبودیت اور اس بات کا اعلان کریں کہ انہوں نے اپنی اُمت کو اللہ کی بندگی کا حکم دیا تھا، تاکہ ان کی عبادت کرنے والوں کی تکذیب ہو، اور ان کے خلاف حجت قائم ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے نصاریٰ کو تنبیہ کی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ ان کا عقیدہ کتنا فاسد اور ان کا مذہب کس قدر بے بنیاد ہے۔

(۱۳۲) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول یا عدم قول کے علم کی نسبت اللہ کی طرف کر دی، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی تھی، اس طرح ثابت ہو گیا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا قول نہیں ہے۔

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے گدشتہ قول کی علت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! میرے دل میں جو کچھ چھپا ہوا ہے تو اسے جانتا ہے، اس لئے اگر میں نے کوئی بات ایسی کہی ہوگی تو تجھے یقیناً اور بدرجہ اولیٰ اس کی خبر ہوگی۔ اور تیرے علم کے خزانے میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے اُسے میں نہیں جانتا۔ تو ہی غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا ہے۔

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کی تبلیغ کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، کہ اے لوگو! تم سب اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تم سب کا رب ہے۔ آیت کے اس حصہ میں عیسیٰ علیہ السلام

إِنَّ تَعَذُّبَهُمْ وَإِنْ تُعَذِّبُهُمْ وَأَنْ تَعْفِرَ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۳۳﴾

اگر تو انہیں عذاب دے گا، تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں معاف کر دے گا، تو بے شک تو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۳۳﴾

اور ان کی ماں کی الوہیت کی نفی، اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس بات کا اقرار ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور اس بات کا بھی اعتراف و اعلان ہے کہ غیب کی باتیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس میں انبیاء اور غیر انبیاء سبھی برابر ہیں۔ انبیاء کو بھی غیب کی وہی باتیں معلوم ہوتی تھیں جو بذریعہ وحی انہیں بتائی جاتی تھیں۔

(۱۳۳) قرآن کریم میں "وفاة" کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے: موت کے معنی میں؛ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ (الرمر: ۴۲)۔ نیند کے معنی میں؛ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ﴾ (الانعام: ۶۰)۔ اور اٹھالینے کے معنی میں؛ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے، اور آل عمران کی آیت (۵۵) ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ادْأِغِصْكَ إِلَيَّ﴾ میں آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہاں "وفاة" بمعنی "رفع" کے ہے۔ یعنی "جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا"۔ موت کے معنی میں نہیں ہے، اس لئے کہ (جیسا کہ آل عمران میں بیان کیا جا چکا ہے) صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو موت لاحق نہیں ہوئی، بلکہ وہ آسمان پر اسی حال میں موجود ہیں جس حال میں دنیا میں تھے۔ یہاں تک کہ آخری زمانے میں دوبارہ زمین پر اتریں گے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام جب اپنی دنیاوی عمر پوری کر کے عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، تو انہیں اپنی امتوں کے احوال و اعمال کا پتہ نہیں ہوتا۔ امام بخاری نے اپنی کتاب "المصحيح" کے کئی ابواب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، جنہیں بائیں طرف لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا: اے رب! یہ لوگ تو میرے ساتھی ہیں۔ تو آپ سے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی باتیں پیدا کی تھیں۔ تو میں اللہ کے نیک بندے (عیسیٰ) کی طرح کہوں گا: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ تو ان سے پھر کہا جائے گا کہ یہ لوگ آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہر لمحہ پیچھے ہوتے رہے۔

(۱۳۴) یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کی مشیت میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا، وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے، اس پر اعتراض کا کسی کو کوئی حق نہیں، اگر وہ عذاب دے تو وہ اس کے بندے ہیں، اور اگر معاف کر دے، تو یہ کسی عاجزی کی وجہ سے نہیں، اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے، اس لئے کہ وہ ثواب و عقاب دونوں پر قادر ہے، اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی کام غلط قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے سورہ انبیاء آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ کہ "اللہ سے اس کے کاموں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اور بندوں سے ان کے کرتوتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔

اس آیت کریمہ میں نصاریٰ سے عیسیٰ علیہ السلام کی براءت کا اعلان بھی ہے، جنہوں نے اللہ اور رسول کے بارے میں

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾ ۞ يَلَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾

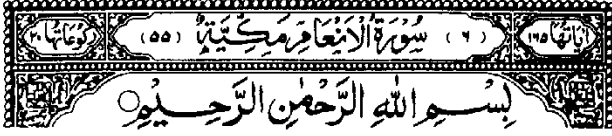
اللہ کہے گا، یہ وہ دن ہے جب سچوں (۱۱۹) کو ان کی سچائی کام آئے گی، انہیں ایسی جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۱۱۹﴾ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز اللہ کی ملک (۱۲۰) ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۲۰﴾

کذب بیانی سے کام لیا اور بندوں کو اللہ کا شریک اور اس کی بیوی اور بیٹا ٹھہرایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کی بڑی شان اور اس کے بارے میں ایک عجیب خبر ہے۔ امام احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک رات نماز پڑھی، تو ایک آیت کو صبح تک دہراتے رہے: ﴿إِن تَعَذَّبْنَاهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرَ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ اسی آیت کو پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، آپ اسی کے ساتھ رکوع کرتے رہے اور اسی کے ساتھ سجدہ کرتے رہے، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت مانگی ہے۔ اور اس نے مجھے وہ چیز دے دی ہے۔ اور ان شاء اللہ وہ ہر اس آدمی کو حاصل ہوگی جو کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائے گا۔ اس حدیث کو نسائی نے روایت کی ہے۔

ایک اور حدیث امام مسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ کے اس قول کی تلاوت کی: ﴿وَبِإِنْهٰنٍ اَضَلْنَا كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهُ مِنِّيْ﴾ اور عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی بھی تلاوت کی: ﴿إِن تَعَذَّبْنَاهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرَ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ پھر ہاتھ اٹھایا اور کہا: اے اللہ! میری امت میری، امت اور رونے لگے۔ تو اللہ نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد کے پاس جاؤ (اور تیرا رب زیادہ جاننے والا ہے) اور پوچھو کہ آپ کیوں رورہے ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان سے پوچھا، تو رسول اللہ ﷺ نے جو کہا تھا، وہ بتایا، (حالانکہ جبرئیل زیادہ جانتے تھے) تو اللہ نے کہا، اے جبرئیل! تم محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے، اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کو جواب ہے۔ جب انہوں نے طحہ بن نصاریٰ سے اپنی براءت کا اظہار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کی گواہی دی، اور انہیں صادقین میں شمار کیا، اور کہا کہ روز قیامت وہ دن ہو گا جب سچوں کو ان کی سچائی کام آئے گی، اور انہیں ایسی جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اور اللہ ان سے راضی ہو گا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ اور یہی عظیم کامیابی ہوگی۔

(۱۲۰) اس آیت کریمہ میں نصاریٰ کی کذب بیانی اور عیسیٰ اور ان کی ماں کے بارے میں ان کے فساد عقیدہ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی مالک نہیں، اس لئے اس کا کوئی شریک کیسے ہو سکتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور ہر چیز اس کی ملکیت ہے، اور اس کے قبضہ قدرت و مشیت میں ہے۔ اس کا کوئی نظیر و وزیر نہیں، نہ اس کے علاوہ کوئی معبود ہے، اور نہ کوئی رب۔



الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿٥٥﴾

(سورة الأنعام مکی ہے، اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں (۱) اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور جس نے تاریکیاں اور روشنی بنائی، پھر (۲) بھی اہل کفر و دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ﴿۱﴾

تفسیر سورة الأنعام

نام: الأنعام کے معنی چوپائے کے ہیں۔ اس سورت میں چوپایوں سے متعلق حلت و حرمت کے اکثر و بیشتر احکام بیان کئے گئے ہیں، نیز مشرکین کی جہالتوں اور بتوں سے تقرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑے جانے کے مشرکانہ عقائد بیان کئے گئے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام "الأنعام" رکھا گیا۔

زمانہ نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورة الأنعام مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت ہے کہ چھ (۶) آیتوں کے علاوہ پوری سورت مکی ہے، ایک ہی بار رات کو نازل ہوئی تھی، اور صحابہ کرام نے پوری سورت رات کو ہی لکھ لی تھی۔

فضیلت: سیدی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب سورة الأنعام نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ارد گرد تھے۔ حاکم نے جابر سے روایت کی ہے کہ جب سورة الأنعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے تسبیح پڑھی اور کہا کہ اس سورت کے نزول کے وقت اس کے ارد گرد اتنے فرشتے تھے کہ آسمان کا اُفق بھر گیا تھا۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

فخر الدین رازی نے علمائے عقائد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سورت کو دو فضیلت حاصل ہے: ایک یہ کہ ایک ہی بار نازل ہوئی، اور دوسری یہ کہ اسے ستر ہزار فرشتے لے کر نازل ہوئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں توحید، نبوت، عدل الہی اور آخرت کا تذکرہ ہے، اور منکرین توحید اور ملحدین کے عقائد و افکار کی تردید کی گئی ہے۔ اور اس سے اسلام کے بنیادی عقائد کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

سنن الدارمی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورة الأنعام قرآن کا لب لباب ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا الحمد سے کی، تاکہ ہر کافر و مسلم سامع کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمام قسم کی تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، اور ان لوگوں پر حجت قائم ہو جائے جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں۔ سورة الفاتحہ کی تفسیر میں اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا تہا ہی پیدا کرنے والا ہے، اس لئے صرف وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے، اس لئے کہ جس ذات نے زمین و آسمان جیسی چیزوں کو پیدا کیا ہے درحقیقت صرف وہی حمد و ثنا کا سزاوار ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَكُمْ وَأَجَلٌ مُّسْتَعْتَبٌ عِنْدَهُ لِمَنْ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ ﴿٢٠﴾ وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَ
فِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ بِمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢١﴾

اسی نے تمہیں مٹی سے پیدا (۲۰) کیا، پھر (موت کا) ایک وقت مقرر کر دیا، اور اس کے نزدیک (دوبارہ اٹھائے جانے کا) ایک اور مقرر وقت ہے، پھر تم اس میں شبہ (۲۱) کرتے ہو ﴿۲۰﴾ اور آسمانوں اور زمین میں صرف وہی اللہ (۲۱) (عبادت کے لائق) ہے، وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر سبھی احوال کو جانتا ہے، اور تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے ﴿۲۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تاریکی اور نور کو بنایا۔ علماء نے ظلمت و نور کا معنی بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ اس کا سب سے بہتر مفہوم یہ ہے کہ ”ظلمت“ میں ہر وہ چیز داخل ہے جس پر ظلمت کا اطلاق ہوتا ہے، اور ”نور“ میں ہر وہ چیز داخل ہے جس پر نور کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو جس ذات نے ظلمت و نور جیسی چیزیں پیدا کی ہیں یقیناً وہی تمام تعریفوں کا حقدار ہے۔ (۲) علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہاں ”ثم“ کا لفظ اس وضاحت کے لئے آیا ہے کہ ان تمام کائناتی دلائل کے باوجود جو اللہ تعالیٰ کے تمہا خالق و مالک ہونے پر دلالت کرتے ہیں شرک کرنا عقلی طور پر بھی مستبعد ہے، لیکن ان مشرکوں کا حال یہ ہے کہ ان قطعی کائناتی دلائل کے باوجود اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں۔

(۳) شرک باللہ کا بطلان بیان کرنے کے بعد بعث بعد الموت کے انکار کی تردید کی جا رہی ہے۔ اگرچہ آسمان و زمین کی تخلیق پر قادر ہونا بعث بعد الموت پر قادر ہونے کی بڑی دلیل ہے، لیکن چونکہ محل نزاع انسانوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا ہے، اسی لئے ان کی ابتدائی تخلیق سے استدلال کرنا زیادہ مناسب رہا۔ اور یہاں بنی نوع انسان کی تخلیق مٹی سے بتائی گئی ہے، اس اعتبار سے کہ تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، تو گویا ہر انسان کی تخلیق میں آدم کی تخلیق کا جزو موجود ہے۔ یا اس اعتبار سے کہ وہ نطفہ جس سے انسان وجود میں آتا ہے، وہ مٹی سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ آیت میں پہلے ”أجل“ سے مراد موت، اور دوسرے ”أجل“ سے مراد روز قیامت ہے، اور ”عندہ“ سے مراد یہ ہے کہ روز قیامت کا علم صرف اللہ کو ہی ہے۔

(۴) یعنی اپنی ابتدائی تخلیق اور انتہائی تخلیق کا مشاہدہ کرنے کے باوجود، بعث بعد الموت کے عقیدہ میں کیسے شبہ کرتے ہو۔ (۵) آسمانوں اور زمین میں صرف وہی ذات باری تعالیٰ عبادت کے لائق ہے۔ وہ دلوں میں کھٹکنے والی باتوں اور اعضاء و جوارح کے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ اور انسان جو بھی خیر و شر کرتا ہے، وہ ان سب کو جانتا ہے۔ سورہ زخرف کی آیت (۸۳) ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾ میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ حمیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اکثر مفسرین نے اس قول کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس کیفیت کے ساتھ مستوی ہے، جو اس کی عظمت و جلال کے لائق ہے۔ البتہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، وہ اپنے علم کے ذریعہ ہر جگہ ہے۔

اس آیت کا صحیح معنی بیان کرنے میں اہل سنت مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی عبادت کی جاتی ہے، اسی کو ”اللہ“ کہا جاتا ہے، اور سوائے کافر جن وانس کے سبھی اسی کو خوف و رجا کی حالت میں پکارتے ہیں۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٣٨٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا يَاسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٨٩﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا مَنْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَوْمٍ مَكَتَهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ يُنْكِرْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا ۖ وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٣٩٠﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قُرْطُبٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَذَا إِلَهٌ مُجْرِمٌ ﴿٣٩١﴾

اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں (۳۸۸) میں سے کوئی بھی نشانی آتی ہے، تو اس سے اپنا منہ موڑ لیتے ہیں ﴿۳۸۹﴾ پس جب ان کے پاس حق (۳۸۹) (یعنی قرآن) آیا تو اسے جھٹلادیا، تو اب عنقریب ان کے پاس اس حق کی خبریں پہنچ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۳۹۰﴾ کیا انہوں نے دیکھا نہیں ہے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک (۳۹۰) کر دیا، جنہیں ہم نے سر زمین پر ایسی قوت و سطوت دی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی، اور ان کے لئے خوب بارش برسایا، اور ان کے نیچے نہریں جاری کر دیں، پھر ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان کے بعد دوسری امتوں کو پیدا کیا ﴿۳۹۱﴾ اور اگر ہم آپ پر کاغذ (۳۹۱) پر لکھی ہوئی کوئی کتاب نازل کرتے، جسے وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو بھی اہل کفر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے ﴿۳۹۲﴾

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ آسمانوں میں صرف وہی (اللہ) ہے۔ اس کے بعد نیا جملہ ہے کہ ”وہ زمین میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔“

(۶) کفار مکہ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ جب بھی کوئی نشانی اللہ کی طرف سے آئی، جیسا کہ ابھی کچھ نشانیوں کا ذکر آیا، تو انہوں نے ان سے عبرت حاصل کرنے اور استفادہ کرنے کے بجائے اعراض و انکار سے کام لیا۔

(۷) "حق" سے مراد یا تو قرآن کریم ہے، یا نبی کریم ﷺ کی مبارک ذات۔ اس آیت میں کفار مکہ کے لئے تہدید و وعید ہے کہ اگر وہ "حق" کو جھٹلاتے ہیں تو جان لیں کہ اس تکذیب کا انجام وہ پا کر رہیں گے، چنانچہ میدان بدر میں وہ لوگ گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ دیئے گئے۔

(۸) کفار مکہ کو مزید نصیحت کی جا رہی ہے، اور انہیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ کیا ان لوگوں نے ان قوموں کا حال نہیں جانتا ہے جو ان سے پہلے گذر چکی ہیں، کہ جب وہ اللہ کے ساتھ سرکشی پر آمادہ ہو گئیں تو اس نے کس طرح انہیں ہلاک کر دیا، جبکہ وہ قومیں کفار مکہ سے شان و شوکت، جاہ و حشم اور قوت و جبروت میں کہیں زیادہ بڑھ کر تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی رسی ڈھیل دی، ان پر نعمتوں کی بارش کی، مال و دولت، آل و اولاد، جنود و عساکر اور دنیاوی اعتبار سے بڑا مقام عطا کیا۔ بارش کی کثرت ہو گئی، اور ان کے لئے نہریں جاری کر دیں، اور جب ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے گناہوں میں اور آگے بڑھتے گئے، تو بالآخر اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا اور ہلاک کر دیا، اور دوسری قوم کو موقع دیا۔ مقصد یہ ہے کہ جب ان قوموں کا یہ حال ہوا تو اللہ کفار مکہ کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

(۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے شدت استکبار کو ایک محسوس مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے، کہ کفر میں ان کی

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكَ الْقَضَىٰ الْأَمْرُ لَمْ لَا يُنظَرُونَ ﴿۱۰﴾ وَوَجَعَلْنَاهُ مَلَكَ جَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّ لَكُنَّا عَلَيْهِمْ قَائِلِينَ ﴿۱۱﴾

اور کافروں نے کہا کہ اس پر کوئی فرشتہ (۱۰) کیوں نہیں اُتارا گیا (جو اس کی نبوت کی شہادت دیتا) اور اگر ہم فرشتہ اُتار دیتے تو معاملے کا فیصلہ ہو جاتا، پھر انہیں مہلت نہیں دی جاتی (یعنی انہیں ہلاک کر دیا جاتا) ﴿۸﴾ اور اگر ہم اس شاہد کی حیثیت سے کسی فرشتہ (۱۱) کو تجویز کرتے تو اسے مرد بنا دیتے اور ان کے لئے وہی شبہ پیدا کر دیتے جس میں وہ پہلے سے پڑے ہوئے ہیں ﴿۹﴾

تختی کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ اپنے رسول پر کاغذ پر لکھی ہوئی ایک کتاب نازل کر دے، جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو کر جان لیں کہ یہ واقعی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب ہے، تو بھی کبر و عناد میں آکر یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب اُتار دے!!

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ محسوس دلائل کو دیکھ لینے کے باوجود ان کا یہ اٹکھا رویا ہی ہے، جیسا کہ اللہ نے ان کے بارے میں سورہ حجر آیات (۱۵/۱۴) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْزَجُونَ ﴿۱﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَنْبَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۲﴾﴾ کہ ”اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں، تب بھی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں متوالی ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔“ اور سورہ طور آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۱﴾﴾ ”اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا ٹکڑا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے تہہ بہ تہہ بادل ہیں۔“ یعنی ان کے کبر و عناد کا حال یہ ہے کہ غایت درجہ کھلی نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود ان کی اپنی کوئی من مانی تاویل کر لیں گے، لیکن انہیں اللہ کی طرف سے رشد و ہدایت کے دلائل مان کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(۱۰) اس آیت کریمہ میں کافروں کے ایک نئے قسم کے کبر و عناد کو بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہے، تو اللہ نے ایک فرشتہ کیوں نہ آسمان سے اُتار دیا جسے ہم دیکھتے، اور جو ہمیں بتاتا کہ یہ نبی ہے تاکہ ہم اس پر ایمان لے آتے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اور فرشتہ نہ بھیجے کا سبب بیان کیا کہ یہ تو اپنی موت تلاش کرنے اور اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودنے کے مترادف ہے، کیونکہ فرشتہ کا اس کی اصل شکل میں اتر آنا سب سے کھلی اور آخری نشانی ہوگی، اور اگر اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے، تو انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ حجر آیت (۸) میں فرمایا ہے: ﴿مَا نُنزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنظَرِينَ ﴿۱﴾﴾ کہ ”ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں، اور اُس وقت وہ مہلت دیئے گئے نہیں ہوتے۔“ اور سورہ فرقان آیت (۲۲) میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿۱﴾﴾ کہ ”وہ لوگ جس دن فرشتوں کو دیکھ لیں گے، اُس دن ان مجرموں کو کوئی خوشی نہ ہوگی۔“

(۱۱) کافروں کے سوال کا دوسرا جواب ہے، کہ اگر کافروں کی رائے کے مطابق ہم نبی (ﷺ) کے ساتھ فرشتہ بھیجتے، تو اسے انسان کی صورت اختیار کرنی پڑتی، اس لئے کہ انسان فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتا، اور آدمی کی شکل میں بھیجنے کی

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ
ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿١١﴾ قُلْ لِمَن مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، قُلْ لِلَّهِ كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ
لِيَجْمَعَكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَمَن لَّيُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾

اور آپ سے پہلے کے رسولوں کا بھی مذاق (۱۲) اڑایا گیا، تو ان کا مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے آلیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ آپ کہتے کہ زمین کی سیر (۱۳) کرو، پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوتا رہا ہے ﴿۱۱﴾ آپ پوچھتے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا (۱۴) ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کا ہے، اس نے رحمت (۱۵) کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، وہ بے شک تم سب کو قیامت کے دن اکٹھا (۱۶) کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، جن لوگوں نے (ایمان و عمل کے اعتبار سے) اپنا خسارہ (۱۷) کر لیا، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۲﴾

صورت میں کافر کہتے کہ یہ فرشتہ نہیں ہے یہ تو آدمی ہے، اور دوبارہ اسی شبہ میں پڑ جاتے جس میں پہلے سے واقع تھے، اور اس سے کہتے کہ تم تو آدمی ہو، فرشتہ نہیں، اور اگر وہ اپنے فرشتہ ہونے پر قرآن یا کسی اور معجزہ سے استدلال کرتا، تو اسے دوبارہ جھٹلا دیتے، جیسا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا۔

(۱۲) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی برتاؤ کیا تھا، تو دنیا میں ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کر دیئے گئے، اور آخرت میں دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔

اس آیت میں آپ ﷺ اور مومنوں کے لئے دنیا میں نصرت و فتیالی کا وعدہ، اور آخرت میں اچھے انجام کی خوشخبری بھی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ذلت و رسوائی اور قتل و ہلاکت کفار مکہ کی قسمت بن گئی، اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو عزت و غلبہ نصیب ہوا۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کہا کہ اگر کفار مکہ قرآن میں مذکور ہلاک شدہ قوموں کے واقعات میں شبہ کرتے ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ زمین میں گھوم کر انبیاء کو جھٹلانے والی قوموں کا حال معلوم کر لو کہ کس طرح اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ گذشتہ آیت میں نبی کریم ﷺ کو جو تسلی دی گئی ہے، اس کا یہ تمہہ ہے، اور اس بات کی تاکید ہے کہ ان کافروں کا انجام بھی پہلوں جیسا ہو گا۔ چنانچہ اللہ کا یہ وعدہ میدان بدر میں پورا ہوا۔

(۱۴) نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کافروں سے پوچھتے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک کون ہے۔ اور اس سوال کا مقصد ڈانٹ اور پھینکار ہے، پھر اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ خود ہی جواب دے دیجئے کہ اللہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے، اور یہ جواب کافروں کو بھی معلوم ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۱۵) یہ جملہ بھی رسول اللہ ﷺ کی زبانی ادا کیا گیا ہے، یعنی آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے، توبہ و استغفار کو قبول کرتا ہے، اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اور عقاب و غضب کے جو احکام قرآن میں بیان ہوئے ہیں، ان کا تعلق بندوں کے اعمال سے ہے۔ اور اسی صفت رحمت کا تقاضا تھا کہ اللہ نے انسانوں کو فطرتاً ہی سلیم دیا، اپنی معرفت و توحید کی طرف

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْلِ وَاللَّهَارُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَعْبُدُوا اللَّهَ اَحَدًا وَلَا تَتَّخِذُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۗ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۹﴾ مَنْ يُصِرْ فَقَدْ رَجِمَهُ ۗ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۲۰﴾

اور جو کچھ رات اور دن میں وقوع پذیر (۱۸) ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اور وہ سب سے زیادہ سننے والا، سب سے زیادہ جاننے والا ہے ﴿۱۳﴾ آپ کہتے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا دوست اور مولیٰ (۱۹) بنا لوں، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہ سب کو روزی دیتا ہے، اور اسے روزی نہیں دی جاتی، آپ کہتے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ پہلا مسلمان بنوں، اور (کہا گیا ہے کہ) تم مشرک نہ بن جاؤ ﴿۱۳﴾ آپ کہتے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا تو مجھے یوم عظیم (روز قیامت) کے عذاب کا ڈر ہے ﴿۱۵﴾ اس دن جس آدمی سے عذاب کو ٹال دیا جائے گا، اس پر اللہ رحم کر دے گا۔ اور یہی کھلی کامیابی ہے ﴿۱۶﴾

ان کی رہنمائی کی، انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ صحیحین کی روایت ہے: ”اللہ نے فرمایا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے“۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی کمالی لکھیت اور کمالی رحمت بیان کرنے کے بعد، آیت کے اس حصہ میں نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ خبر دی ہے کہ رحمت الہی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ انہیں دنیا میں مہلت دے گا اور انہیں بالکل ختم نہیں کرے گا، لیکن قیامت کے دن ان سب کو اکٹھا کرے گا، اور ان کے کرتوتوں پر ان کا محاسبہ کرے گا۔

(۱۷) یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی زبانی ہے، اور اس میں کافروں کی بدترین حالت کو بیان کیا گیا ہے، کہ جن لوگوں نے اپنی پونجی ضائع کر دی، جن کی فطرت مسخ ہو گئی اور جنہوں نے عقل سلیم کھودی، اور رسول اللہ ﷺ کی حیات بابرکات اور نزول وحی سے فائدہ نہیں اٹھایا، ایسے لوگ قیامت پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس دن کے بُرے انجام سے وہ ڈریں گے۔

(۱۸) گذشتہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک صرف اللہ ہے، اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ لیل و نہار میں جو کچھ پایا جاتا ہے اس کا مالک صرف اللہ ہے۔ اور معلوم ہے کہ آسمان و زمین کے علاوہ کوئی مکان نہیں، اور لیل و نہار کے علاوہ کوئی زمان نہیں، اس لئے معلوم ہوا کہ مکان اور اس کے تمام موجودات اور زمان اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے تمام حوادث کا مالک صرف اللہ ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

(۱۹) مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کو بتوں کی پرستش کرنے کو کہا، تو اللہ نے ان سے کہا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بنا لوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور جو تمام مخلوقات کو روزی دینے والا ہے، اور وہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں وہ پہلا شخص بنوں جو اللہ کے سامنے مخلصانہ طور پر اپنا سر جھکا دے، تاکہ دوسروں کے لئے خیر کا نمونہ بنوں، اور مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم مشرکوں میں سے نہ بنو۔ اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو قیامت کے دن کا عذاب مجھے خائف کر رہا ہے، اس سے جو آدمی اس دن بچا لیا جائے گا، گویا اللہ نے اس پر رحم کر دیا، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ سورہ آل عمران آیت (۱۸۵) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ

الَّذِينَ اتَّيَهُمُ الْكُذِّبُ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُغْنِيهِ الظُّلُمُونَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا لِمَقُولِ الَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ شُرَكَاءَ الَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ تَرْغُمُونَ ﴿۲۲﴾ لَكُمْ تَكْنُ فَنَنْهَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾

جنہیں میں نے ماضی میں کتاب دی تھی وہ رسول اللہ (ﷺ) کو ایسا ہی پہچانتے (۲۰) ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے (ایمان و عمل کے اعتبار سے) اپنا خسارہ کر لیا، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۲۰﴾ اور اس سے بڑا (اپنے حق میں) ظالم (۲۱) کون ہو گا جس نے اللہ کے بارے میں جھوٹ بات کہی (یعنی کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا) یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا، بے شک ظلم کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے ﴿۲۱﴾ اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا (۲۵) کریں گے، پھر شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہاں گئے تمہارے وہ باطل معبودان جنہیں تم اللہ کے شرکاء سمجھتے تھے ﴿۲۲﴾ پھر ان کی دیوانگی (۲۶) کا یہ عالم ہو گا کہ وہ کہیں گے، اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم لوگ مشرک نہیں تھے ﴿۲۳﴾

دیا کہ وہ صرف اللہ کی وحدانیت کا اعلان کریں، اور جھوٹے معبودوں سے براءت کا اظہار کریں۔

(۲۳) گذشتہ آیتوں میں نبی کریم (ﷺ) کی نبوت کی تصدیق اور مشرکین مکہ کی تردید میں جو بات کہی گئی ہے اسی کی تفصیل ہے، کہ تم لوگ جو کہتے ہو کہ اہل کتاب نے میرے نبی کی نبوت کی گواہی نہیں دی ہے، تو یہ ان اہل کتاب کی کذب بیانی اور بد قسمتی ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے انکار کر رہے ہیں، وہ تو میرے نبی (ﷺ) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنی صلیبی اولاد کو پہچانتے ہیں، اس لئے کہ تمام انبیاء نے محمد (ﷺ) کی صفات، ان کا ملک، ان کا دارالہجرت، اور ان کی امت کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ ان تمام نشانوں کے باوجود نبی کریم (ﷺ) کی نبوت پر جان بوجھ کر وہی لوگ ایمان نہیں لائیں گے جن کی قسمت میں نقصان و خسارہ لکھ دیا گیا ہے۔ اور ان کا ایمان نہ لانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد (ﷺ) نبی نہیں ہیں۔

(۲۴) مشرکین مکہ اور اہل کتاب کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ مشرکین کا اپنے بتوں کے بارے میں اعتقاد تھا کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں، اس لئے ان کی عبادت کی، اور اہل کتاب نے قرآن کریم اور نبی کریم (ﷺ) کا انکار کیا، تو گو پایہ سبھی لوگ توحید اور اسلام کے خلاف اپنے معاندانہ رویہ کی وجہ سے بڑے ظالم ہیں، اور ظالم کبھی فائز المرام نہیں ہو سکتا۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرک و کافرانوں، جنوں اور شیطانوں کو جمع کرے گا، اور ان سے ان بتوں اور غیر اللہ کے بارے میں پوچھے گا، جنہیں وہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے تھے، کہ کہاں گئے وہ جنہیں تم اللہ کا شریک سمجھتے تھے۔ اور اس سوال کا مقصد مشرکین کو ذلیل و رسوا کرنا ہو گا۔

(۲۶) پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے احوال اور ان کے دام شرک میں پھنس جانے کا ذکر کیا، اور اب یہ خبر دے رہا ہے کہ جب وہ قیامت کے دن مشکل ترین حقائق کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے تو شرک سے اپنی براءت کا اعلان کر دیں گے، اور

أَنْظُرُ كَيْفَ كَذَّبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۷﴾ وَمِنْهُمْ مَن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ
أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كَلِمَةً كَلِمَةً يُؤْمِنُ بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُبَايِعُوكَ يَقُولُ الَّذِينَ
كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۸﴾ وَكُم بِهِمْ عُنُقُهُ وَبُنُوكَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْدَىٰ لَكُمْ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۹﴾

آپ دیکھ لیجئے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو کیسا جھٹلا رہے (۲۷) ہیں اور اللہ کے بارے میں ان کی افترا پر دازیاں آج ان کے کام نہ آئیں ﴿۲۸﴾ اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے (۲۸) ہیں، اور ہم نے ان کے دلوں اور سوچ سمجھ کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی ہے، اور ان کے کانوں سے سننے کی قوت چھین لی ہے، اور اگر وہ ہر ایک نشانی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں، اہل کفر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو صرف گذشتہ قوموں کی کہانیوں کا مجموعہ ہے ﴿۲۹﴾ اور وہ لوگ دوسروں کو اس (قرآن) سے روکتے (۲۹) ہیں، اور خود بھی اس سے اعراض کرتے ہیں، اور وہ تو صرف اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں، لیکن انہیں (اپنی بربادی کا) احساس نہیں ہوتا ہے ﴿۲۸﴾

اپنے اس جھوٹ پر قسم بھی کھا جائیں گے۔ اس قول کے مطابق "فتنة" سے مراد کفر ہے، ایک دوسرا قول یہ ہے کہ "فتنة" سے مراد ان کا جواب ہے۔ یعنی روز قیامت مشرکین کا جواب شرک کا انکار اور اس سے براءت کا اظہار ہوگا۔ اور دونوں ہی قول کے مطابق ان کا عذر ایک دوسرا گناہ ہوگا، جو ان کے مشرک ہونے کی مزید تائید کر رہا ہوگا۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ کہے گا کہ ذرا دیکھو تو سہی، کس طرح یہ لوگ علام الغیوب کے سامنے اپنے مشرک ہونے کی نفی کر کے اپنے آپ کو جھٹلا رہے ہیں، اور کس طرح شرکاء کے بارے میں ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں، نہ وہ سفارشی بن سکے، اور نہ ہی ان کی مدد کر سکے۔

(۲۸) دنیا میں بعض مشرکین کا کرتوت بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو وہ بظاہر سنتے، لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا، اس لئے کہ وہ اس میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے تھے، اور نہ ان کی نیت رُشد و ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی تھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا تھا، تاکہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دیا تھا، تاکہ خیر کی باتوں کو سنیں ہی نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا ہے، وہ قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ تمام نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے، اور یہی کہیں گے کہ یہ سب جادوگری ہے، اس لئے کہ ان کے اندر نہ قوت فہم ہے اور نہ مادۃ النصف۔ اور اللہ کی نشانیاں اور حق کو جھٹلانے میں تو وہ اس قدر آگے ہیں کہ وہ باطل کا ہر سہارے کر آپ سے مناظرہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ماضی بعید کے لوگوں کی اٹکل بچھ باتیں ہیں۔

(۲۹) مشرکین مکہ قرآن کریم کی صرف تکذیب پر ہی اکتفا نہیں کرتے ہیں، بلکہ لوگوں کو اس کے پڑھنے اور سننے سے بھی روکتے ہیں کہ کہیں اس سے متاثر نہ ہو جائیں، اور خود بھی غایت درجہ کی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے، اس سے دور رہتے ہیں۔ اور اس سے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اس لئے کہ اللہ اپنے نور کو مکمل اور اپنے دین کو غالب کر کے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذُ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا كَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَعْمَ الْكَاذِبُونَ ﴿٣٠﴾ بَلْ بَدَأَ الصُّمُتَ قَدْ كَانُوا يُمْسِكُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لَهَا نُهَوِّعُهُمْ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٣١﴾ وَقَالُوا لَئِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِبَعُوثِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذُ وَقَفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ قَالَ أَيْسَرُ هَذَا الْبَاطِلِ وَالنَّوَابِلِ وَقَالُوا فَذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٣﴾

۳۰

اور اگر آپ انہیں دیکھیں گے جب جہنم کے پاس لا کر کھڑے کئے جائیں گے (تو آپ ان کا حال زار دیکھ کر تعجب کریں گے) تو وہ کہیں گے کہ اے کاش! ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے (۳۰) جاتے، اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے ﴿۲۷﴾ بلکہ جو (عقائد اعمال) پہلے سے چھپاتے (۳۱) تھے، وہ سب اب ان کے سامنے کھل کر آجائیں گے، اور اگر انہیں (دنیا کی طرف) لوٹا دیا جائے تو پھر دوبارہ وہی کرنے لگیں گے، جس سے انہیں روکا گیا تھا، اور بے شک وہ لوگ پرلے درجہ کے جھوٹے ہیں ﴿۲۸﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے بعد اب کوئی زندگی (۳۲) نہیں ہوگی، اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے ﴿۲۹﴾ اور آپ اگر انہیں دیکھ لیں گے (۳۳) جب اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، (تو ان کی حالت دیکھ کر تعجب کریں گے) اللہ کہے گا، کیا یہ زندگی برحق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے، ہاں، ہمارے رب کی قسم۔ اللہ کہے گا تو اپنے کافرانہ اعمال کی وجہ سے عذاب چکھو ﴿۳۰﴾

رہے گا، جیسا کہ اس کا وعدہ ہے۔ یہ لوگ خود اپنے آپ کو ہلاکت کے دہانے پر لے جا رہے ہیں، لیکن انہیں اس کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔

(۳۰) مشرکین مکہ اپنے آپ کو کس طرح ہلاک کر رہے ہیں اس کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ وہ دنیا میں تو قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں، لیکن آخرت میں انہیں اپنے اس فعل بد پر ندامت اور شدید افسوس ہوگا، اور تمنا کریں گے کہ کاش ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے جاتے تو قرآن کی تکذیب نہ کرتے، بلکہ اس پر ایمان لے آتے۔

(۳۱) ان کی یہ تمنا عزم صادق اور خلوص اعتقاد کی بنیاد پر نہیں ہوگی، بلکہ ان کے دلوں میں پوشیدہ کفر و شرک ظاہر ہو جائے گا، اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اپنے شرک کی وجہ سے ہلاک ہو کر رہیں گے، اسی لئے پریشانی کے عالم میں اپنی جھوٹی تمنا کا اظہار کریں گے۔ لیکن اللہ جانتا ہے کہ اگر وہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں، اور عذاب آخرت کا جو منظر ابھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہے وہ پس منظر میں چلا جائے تو وہ پھر اپنے کفر و شرک کی طرف لوٹ جائیں گے، اس لئے کہ ہر حال میں جھوٹ بولنا ان کی فطرت میں داخل ہے۔

(۳۲) یعنی اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ لوگ بعث بعد الموت اور قیامت کے مناظر دیکھ لینے کے بعد دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں، تو اللہ جانتا ہے کہ وہ اپنے ترمرد و عصیان کی وجہ سے یہی کہیں گے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد اب کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، اور موت کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

(۳۳) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جب ان مشرکین ان کی ان کے رب کے سامنے پیشی ہوگی، تو آپ کے سامنے

قَدْ خَيْرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِعَلَاءِ اللَّهِ ۗ هَٰئِهِمْ جَاءَتْ تُهْمُهُمُ السَّاعَةَ بَغْتَةً ۖ وَالْوَايْحَةُ تَنَادَىٰ عَلَىٰ مَا فَطَرْنَا فِيهَا ۖ وَهُمْ مَحْمُولُونَ
 أَوْ أَرَاهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمُ السَّاءَ مَا يَزُرُونَ ۖ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ ۖ وَهُمْ كَالَّذِينَ الْأَخْرَجْنَا خَيْرًا لِلَّذِينَ يُكَفِّرُونَ
 أَفْئَلًا يَتَعَفَلُونَ ۖ فَمَا تَعْلَمُونَ لَهُ كَيْدًا الَّذِي يُكْفُرُونَ ۖ وَاللَّهُ لَا يَكِيدُ لِقَوْمِكَ ۖ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝

جن لوگوں نے اللہ سے ملاقات کی تکذیب (۳۴) کی انہوں نے یقیناً نقصان اٹھایا، یہاں تک کہ جب اچانک ان کے سامنے قیامت برپا ہو جائے گی، تو کہیں گے ہائے افسوس، قیامت پر یقین کے بارے میں اپنی کوتاہیوں پر۔ اور وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے ہوں گے، یقیناً وہ بڑی بڑی چیز ڈھور رہے ہوں گے ﴿۳۱﴾ اور دنیا کی زندگی تھیل اور تماشہ (۳۵) سے زیادہ کچھ نہیں، اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لئے آخرت کی زندگی سب سے بہتر ہے، تو کیا تم لوگ عقل و خرد سے کام نہیں لیتے ہو ﴿۳۲﴾ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو کافروں کی باتیں مغموم (۳۶) بنا دیتی ہیں، پس وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں، لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۳﴾ ایک عظیم اور مہیب منظر ہوگا، جب اللہ ان سے بطور زجر و توبخ پوچھے گا کہ اب بتاؤ بعث بعد الموت برحق ہے کہ نہیں؟ تو وہ رب کی قسم کھا کر کہیں گے ہاں، یہ تو بالکل برحق ہے۔

(۳۴) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے خسارے کا حال بیان کیا ہے جو اللہ کے حضور جواب دہ ہونے اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں، کہ اس سے بڑھ کر خسارہ اور گھانا کی بات اور کیا ہو سکتی ہے، اور وہ اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ جب اچانک موت انہیں آدبوچے گی، تو بلند آواز سے اپنی حسرت و ندامت کا اعلان کریں گے کہ افسوس صد افسوس ہم دنیاوی زندگی میں تقصیر سے کام لیتے رہے اور آج حقیقی خسارہ کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کو اپنی پشت پر ڈھور رہے ہوں گے۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو ایک بد شکل انسان کی صورت دے دے، جسے کافر میدان محشر میں اپنی پیٹھ پر ڈھوئے پھرے گا۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تمثیل ہو جس کے ذریعہ روز قیامت کافروں اور مشرکوں کا احوال واقعی بیان کرنا مقصود ہو۔

(۳۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے ثباتی، اور آخرت کی کامیابی کے لئے کوشش کرنے کا درس دیا ہے کہ اے اللہ کے بندو! دنیا کی زندگی لہو و لعب سے زیادہ کچھ بھی نہیں، اس لئے اس کی لذتوں کے سیر نہ بنو، اور اپنی آخرت کو کامیاب بنانے کی کوشش میں لگے رہو، اس لئے کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔

(۳۶) اہل مکہ جب نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرتے، اور کفر و عناد میں حد سے تجاوز کرتے تو آپ کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی اور غم و حزن میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ حال دیکھ کر اس آیت میں تسلی دی ہے، اور اللہ کے نزدیک آپ کا جو عظیم مقام ہے، اسے بتایا ہے، کہ اہل کفر جو کچھ آپ کے ساتھ برا معاملہ کر رہے ہیں، تو درحقیقت وہ اللہ کے ساتھ برا معاملہ کر رہے ہیں، اور وہ ان سے شدید ترین انتقام لے کر رہے گا۔ علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ نبی کریم ﷺ کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بلند و بالا ہے کہ اس کے بعد کوئی مقام نہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تکذیب کو اپنی آیتوں کی تکذیب قرار دیا، بلکہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی نفی کر دی اور اپنی آیتوں کی تکذیب ثابت کی۔

وَلَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِرُسُلِ قَوْمِكُمْ فَاصْبِرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا وَاحْتَقَىٰ أَنَّهُمْ نَصَرْنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَ
 لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنْ بَنِي الْمَدْيَنَةِ ۚ وَإِنْ كَانَ كِبَارًا عَلَيْكُمْ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَبْغِزُوا فِي الْأَرْضِ
 أَوْ سُبْحَانَ السَّمَاءِ فَتَاتِبْتَهُمْ بِأَيِّهِ وَلَوْ نَشَاءُ اللَّهُ لَجَعَلْنَاهُمْ عَلَىٰ الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۚ إِنَّهَا لَيَسْتَجِيبُ
 الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۚ

اور آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے (۳۷) گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب اور ایذا پہنچائے جانے پر صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان تک آ پہنچی، اور اللہ کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ کو (گذشتہ) رسولوں کی کچھ خبریں پہنچ چکی ہیں ﴿۳۸﴾ اور اگر ان لوگوں کی (حق سے) روگردانی (۳۸) آپ پر گراں گذرتی ہے، تو آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان کی طرف کوئی سیڑھی ڈھونڈ لیں، پھر ان کے لئے کوئی نشانی لے آئیں (تو کیجئے) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دیتا، پس آپ نادانوں میں سے نہ بن جائیے ﴿۳۹﴾ بے شک (اسلام کی دعوت) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (قرآن کریم کو دل سے) سنتے (۳۹) ہیں، اور مردوں کو اللہ دوبارہ زندہ کر کے رہے گا، پھر سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۳۹﴾

(۳۷) نبی کریم ﷺ کو مزید تسلی دی جا رہی ہے کہ جب مصیبت عام ہوتی ہے، تو اس کا برداشت کرنا آسان ہوتا ہے۔ آپ کو نصیحت کی گئی ہے کہ جس طرح گذشتہ رسولوں نے اپنی قوموں کی گونا گوں ایذا رسانیوں پر صبر کیا، آپ بھی صبر کیجئے۔ اس میں ضمنی طور پر اللہ کی طرف سے نصرت و کامرانی کا وعدہ بھی ہے۔

(۳۸) اس آیت میں بھی آپ ﷺ کو ایک تیسرے طریقہ سے تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کافروں کا ایمان نہ لانا آپ پر گراں گذر رہا ہے، تو آپ زمین کے کسی سُرنگ سے، یا سیڑھی لگا کر آسمان سے ان کے لئے کوئی ایسی نشانی لے آئیے جو انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دے، لیکن آپ ایسا نہیں کر سکتے، اس لئے کہ اللہ نے آپ کو ایسی قدرت نہیں دی ہے، کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو پھر ایمان لانا ضروری ہو جاتا، لیکن ایسا ایمان ان کے لئے غیر نافع ہوتا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو راہ ہدایت پر جمع کر دیتا، لیکن اس کی مشیت نے غایت قہر اور غایت لطف و مہربانی کے اظہار کی غرض سے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے اے نبی (ﷺ) آپ ان کے ایمان کی شدید تمنا، یا ان کی مانگ پوری کرنے کی شدید خواہش کر کے ان نادانوں میں سے نہ بن جائیے جنہیں اللہ کی مشیت یا اس کی حکمت و مصلحت کے تقاضوں کا پتہ نہیں۔

(۳۹) آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی یہ صفت بتائی تھی کہ ان کے دلوں پر پردہ پڑا ہے، اس لئے قرآن کریم سنتے بھی ہیں تو اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوسرے انداز میں بیان کیا ہے، کہ یہ مشرکین مردوں کے مانند ہیں، ان سے ایمان کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ ایمان تو وہ لوگ لائیں گے جو زندہ ہوں گے اور جو اللہ اور رسول کی باتیں غور سے سنیں گے اور ان سے عبرت حاصل کریں گے۔ انہیں حیوانوں کی زندگی تو ملی ہے، لیکن ان کے دل عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کے زہر سے مرچکے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار چونکہ نہ سنتے ہیں اور نہ جواب

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩٨﴾ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيمٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ مَا فَرَّقْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٩٩﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَجَاوَزُوا فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ يُضِلُّهُ وَمَنْ يَشَاءُ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٠٠﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی جانب سے اس پر کوئی نشانی (۳۹۸) کیوں نہیں اُتاری گئی ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بے شک کوئی بھی نشانی نازل کرنے پر قادر ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ کچھ بھی نہیں جانتے ﴿۳۹۸﴾ اور ہر جانور جو زمین میں پایا جاتا ہے، اور ہر چڑیا جو دو پروں کے ذریعہ اُڑتی ہے، وہ تمہاری طرح اُمتیں ہیں، ہم نے کوئی چیز ریکارڈ (۳۹۹) میں لانے سے چھوڑ نہیں دیا ہے، پھر وہ لوگ اپنے رب کے حضور جمع کئے جائیں گے ﴿۳۹۸﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب (۴۰۰) کرتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں، اور تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے راہِ راست پر لاکھڑا کرتا ہے ﴿۳۹۹﴾

دیتے ہیں اس لئے مردہ ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے گا، اور اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے، اس وقت وہ ان کے اعمال کا بدلہ چکائے گا۔

(۴۰۰) مشرکین مکہ کی ایک اور ہٹ دھرمی بیان کی جا رہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی کھلی نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود، جنہیں دیکھ کر پہاڑ بھی جھک جائیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی مافوق العادہ نشانی کیوں نہیں بھیج دیتا؟ اللہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اللہ بے شک ایسی نشانی اتارنے پر قادر ہے، لیکن ایسا مطالبہ کرنا جہالت و نادانی ہے، کیونکہ اس کے بعد بندے کا وہ اختیار ختم ہو جاتا ہے جو شرعی احکام و فرائض کی بنیاد ہے، اور ایسی نشانی کے انکار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم پھر یکسر ہلاک کر دی جاتی ہے۔

(۴۱) اس آیت سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کی نگرانی، حفاظت اور روزی و سانی تمام مخلوقات کے لئے عام ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر نشانی نازل کرنے پر قادر ہے۔ لیکن مخلوقات کی نگرانی سے متعلق اس کی حکمت اس سے مانع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام چوپائے جو زمین پر چلتے ہیں، اور تمام چڑیاں جو اپنے دو پروں کے ذریعہ اُڑتی ہیں، سب اللہ کی مخلوقات کی الگ الگ قسمیں ہیں، ان تمام کے احوال سے اللہ تعالیٰ واقف ہے، وہ کسی بھی چیز سے غافل نہیں ہے، سب کی نگرانی کرتا اور سب کو روزی دیتا ہے۔ لوح محفوظ میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا علم محفوظ ہے، اللہ کے پاس سب کا علم ہے۔ وہ ان میں سے کسی ایک کی روزی اور نگرانی سے بھی غافل نہیں ہے، اور قیامت کے دن سبھی اللہ کے حضور جمع ہوں گے، اور سب کے ساتھ انصاف ہوگا، یہاں تک کہ صحیح احادیث کے مطابق بے سینگ کی بکری کا حق سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔

(۴۲) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، انکی مثال جہالت، عدم فہم اور فکرو نظر کی زبوں حالی میں اُس بہرے اور گونگے آدمی کی ہے جسے تاریکیوں میں بھٹکتے رہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے، ایسا آدمی کبھی بھی سیدھی راہ نہیں پاسکتا، اور تاریکیوں سے کبھی بھی نہیں نکل سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اہل کفر کے لئے یہ تشبیہ بہت سی آیتوں میں بیان کی ہے تاکہ معلوم

قُلْ أَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَدْعُونَ اللَّهَ وَآلِهَتَكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَنْتُمْ السَّاعَةُ أَعْبُرُوا لِلَّهِ تَدْعُونَ ۚ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ آيَاتُهُ تَدْعُونَ
فَيَكْتُمُهَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَسْتَوُونَ مَا لَكُمْ لِيَكُونَ ۝ وَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَا مِنْهُمُ بِالْبَأْسَاءِ وَالْخَيْرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَّ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝
فَلْيَأْتُوا مَا كَانُوا يَدْعُونَ ۚ فَكُنَّا عَلَيْهِمْ أَبْوَابًا كُلِّ شَيْءٍ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ
مُحْبَسُونَ ۝ فَفُطِحُوا بَابُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

آپ کہتے تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم پر اللہ کا عذاب (۳۳) آجائے، یا قیامت ہی آجائے، تو اگر تم سچے ہو تو کیا غیر اللہ کو ہی پکارتے رہو گے ﴿۳۰﴾ بلکہ اسی ذات واحد کو پکارو گے، پس وہ اگر چاہے گا تو اس بلا کو نال دے گا جس کی وجہ سے تم اسے پکار رہے تھے، اور تم انہیں بھول جاؤ گے جنہیں اللہ کا شریک بناتے تھے ﴿۳۱﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے دوسری امتوں کے پاس بھی (انبیاء و رسل) بھیجے (۳۴) پھر ہم نے انہیں بھوک اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ شاید عاجزی و انکساری اختیار کریں ﴿۳۲﴾ پس جب ہمارا عذاب ان پر نازل ہو گیا، تو انہوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے کرتوتوں کو ان کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کیا تھا ﴿۳۳﴾ پھر جب انہوں نے اس چیز کو بھلا (۳۵) دیا جس کے ذریعہ انہیں اللہ کی یاد دلائی گئی تھی، تو ہم نے ان کے اوپر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو انہیں دی گئی تھیں خوب خوش ہونے لگے، تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا، پھر حسرت و یاس ان کی قسمت بن گئی ﴿۳۴﴾ اور ظالم قوم کی جڑ ہی کاٹ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں ﴿۳۵﴾

ہو جائے کہ وہ جہالت میں پورے طور پر ڈوبے ہوئے ہیں اور فہم و ادراک کے تمام راستے ان کے لئے کلی طور پر بند ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی مخلوقات کے بارے میں جیسا چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے کفر میں بھگتا چھوڑ دیتا ہے۔

(۳۳) یعنی اگر اللہ کا عذاب تمہیں آگھیرے یا قیامت آجائے، تو اس عذاب کو نالانے کے لئے تم اپنے معبودوں کو نہیں بلکہ اللہ کو پکارو گے، اور ان جھوٹے معبودوں کو بھول جاؤ گے، اس لئے کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ ہی اگر چاہے گا تو اس عذاب کو نال دے گا۔ (۳۴) نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ پہلی امتوں کے پاس بھی ہم نے انبیاء بھیجے، جن کو انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو سختی، قحط سالی، امراض اور جان و مال کے خسارہ میں مبتلا کیا، تاکہ شاید وہ ان آزمائشوں کے بعد اللہ کی طرف رجوع کریں۔ لیکن ان کے دل کی سختی کا حال یہ تھا کہ پھر بھی انہوں نے اللہ کے سامنے گریہ و زاری نہیں کی، اور اپنے گناہوں سے تائب نہیں ہوئے، بلکہ شیطان نے ان کے شرکیہ اعمال کو ان کے لئے مزید خوبصورت اور مزین بنا دیا۔

(۳۵) ان قوموں نے جب تکلیف و مصیبت والی آزمائشوں سے عبرت حاصل نہیں کی، تو پھر اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں سے انہیں مالا مال کر دیا، اور یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور ایک خطرناک آزمائش تھی، یہاں تک کہ جب وہ اپنے شرکیہ اعمال کے ساتھ ان نعمتوں میں ڈوب گئے اور خوشی میں گمن ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اچانک پکڑ لیا، اور ان کا وجود ہی ختم

قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مِّنَ الْغَيْرِ اللّٰهِ اَلَا تَنْظُرُوْنَ
 نَصْرَةَ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصُدُّوْنَ ۝ قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَنْتُمْ عَدَاۤءُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرًا هَلْ يَهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمُ
 الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَاَلَهُمْ
 بَعْدُ زُنُوْنٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا سَنُهْمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

آپ پوچھے تمہارا کیا خیال (۳۶) ہے، اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے، اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے، تو کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو وہ چیزیں تمہیں دوبارہ عطا کر دے، آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نشانیوں کو کس طرح مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں، لیکن وہ پھر بھی اعراض سے ہی کام لیتے ہیں ﴿۳۶﴾ آپ کہئے، تمہارا کیا خیال ہے، اگر اللہ کا عذاب تم پر اچانک (۳۷) یا کھلے عام آجائے، تو کیا ظالم قوم کے علاوہ کوئی اور ہلاک کیا جائے گا ﴿۳۷﴾ اور ہم اپنے انبیاء و رسل صرف اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ وہ انسانوں کو (جنت کی) خوشخبری (۳۸) دیں اور (جہنم سے) ڈرائیں، پس جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے انہیں نہ مستقبل کا کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ ماضی کا غم ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، انہیں ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہمارا عذاب پکڑ لے گا ﴿۳۹﴾ کر دیا۔ اور جو کچھ ان کے ساتھ ہو اس پر اللہ کا شکر ہی ادا کرنا چاہئے، کیونکہ کافروں اور اللہ کے سرکش بندوں کے فاسد عقائد و اعمال سے اہل زمین کا نجات پانا ایک بڑی نعمت ہے۔

امام احمد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اس کے گناہوں کے باوجود اس کی خواہش کے مطابق دنیاوی نعمتیں دے رہا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کی رسی ڈھیل دی گئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔

(۳۶) مشرکین مکہ کو نئے انداز میں زجر و توبیح کی جا رہی ہے، اور ان کے مشرکانہ اعمال کے فساد کو بیان کیا جا رہا ہے، کہ اے میرے رسول! (ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھ لے لے، اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو کیا اللہ کے سوا کوئی ہے جو انہیں دوبارہ لوٹا دے؟! آیت میں مذکور تینوں اعضاء جسم انسانی کے اشرف اعضاء ہیں، جب وہ بے کار ہو جاتے ہیں تو جسم انسانی کا نظام مختل ہو جاتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہی تینوں کا ذکر کیا۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ آپ دیکھ لیجئے کہ کس طرح ہم نشانیوں کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں، لیکن یہ مشرکین انہیں دیکھنے کے باوجود اعراض کرتے ہیں، اور حسد و عناد اور کبر و غرور کی وجہ سے ان میں غور نہیں کرتے۔

یہاں "آیات" سے مراد یا تو مطلق دلائل ہیں، یا مطلق قرآنی دلائل، یا وہ دلائل جو ابتدائے سورت سے لے کر یہاں تک بیان کئے گئے ہیں، یا وہ عقلی دلائل جو آسمانوں اور زمین کے بنانے والے اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳۷) "بَغْتَةً" سے مراد وہ عذاب ہے جو اچانک اور کسی سابق اطلاع کے بغیر آئے۔ اور "جَهْرًا" سے مراد وہ جو کسی سابقہ اشارہ اور اطلاع کے بعد آئے۔ یا ان دونوں سے مراد رات اور دن ہے، اس لئے کہ کافر قوموں کو ہلاک کرنے والا عذاب یا تو رات کو اچانک یا پھر دن میں کھلے عام آتا ہے۔ اور "الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ" میں عذاب کے سبب کی طرف اشارہ ہے، کہ ان کی ہلاکت کا سبب ان کا ظلم و طغیان اور اللہ سے سرکشی ہے۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ - إِن أَنْتُمْ إِلَّا رُجُوعٌ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَأَنْذِرْ بِالَّذِينَ يَخَفُونَ أَنْ يُخْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَكْفُونَ ﴿٥١﴾

آپ کہئے، میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے^(۴۹) ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ تک بھیجی جاتی ہے، آپ کہئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے، کیا تم لوگ سوچتے نہیں ﴿۵۰﴾ اور اس قرآن کے ذریعہ آپ ان لوگوں کو وعظ و نصیحت^(۵۰) کیجئے، جو اپنے رب کے حضور جمع کئے جانے سے ڈرتے ہیں، جب اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ ان کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی، شاید کہ وہ تقویٰ کی راہ اختیار کریں ﴿۵۱﴾

(۴۸) انبیاء و رسل کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف لوگوں کو بلائیں، جنت کی خوشخبری دیں اور جہنم سے ڈرائیں۔ ان کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ کافروں کی خواہش اور ان کے منشا کے مطابق اللہ سے نشانیاں بھیجے کی دعا کرتے رہیں۔ تو جو شخص انبیاء و رسل کی اتباع کرتے ہوئے ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا اس کا ٹھکانا جنت ہوگا، نہ انہیں ماضی کا کوئی غم ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف۔ اور جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور یہ اللہ سے ان کی سرکشی کا انجام ہوگا۔

(۴۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا کہ مشرکین مکہ آپ سے کبھی نشانیاں طلب کرتے ہیں، کبھی کوئی اور سوال کرتے ہیں، تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ نے روزی کے خزانے میرے حوالے نہیں کر دیئے ہیں، کہ میں اس میں سے تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں دیتا ہوں، اور پہاڑ کو سونے میں بدلتا ہوں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں کہ قیامت یا نزول عذاب وغیرہ کا وقت بتا دوں، اور نہ میں فرشتہ ہوں کہ مافوق العادہ کرتوں کا مظاہرہ کرتا رہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ نایبنا اور بیانا، یعنی گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر نہیں ہو سکتے، اس لئے اے مشرکین مکہ! تم لوگ اللہ کی نشانیاں میں غور کر کے رُشد و ہدایت کی راہ کیوں نہیں اختیار کر لیتے!؟

کلمہ ”وحی“ جس طرح قرآن کریم کو شامل ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم کی آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ * إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ *﴾ کہ ”میرے رسول اپنی خواہش کے مطابق نہیں بولتے، بلکہ وہی کچھ کہتے ہیں جو بذریعہ وحی ان پر نازل ہوتا ہے“۔ اور سورہ انعام آیت (۵۰) میں فرمایا ہے: ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيْكُمْ﴾ کہ ”میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں“۔ اور سورہ نحل کی آیت (۴۴) میں فرمایا ہے: ﴿لَتَبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ ”تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس وحی کو بیان کر دیں جو آپ پر نازل ہوتی ہے“۔ اور صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”أَوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ“ یعنی ”مجھے قرآن کریم اور اسی کے مانند (یعنی حدیث) دی گئی ہے“۔

(۵۰) گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ مشرکین بہرے، گونگے اور اندھے آدمی کے مانند ہیں، بلکہ مُردے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روز روشن کی طرح واضح نشانوں سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی، اب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۲﴾

اور آپ ان لوگوں کو نہ بھگائیے^(۵۱) جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی خوشنودی چاہتے ہیں، آپ کو ان کا حساب نہیں دینا ہے، اور نہ انہیں آپ کا حساب دینا ہے، پس آپ انہیں اگر بھگادیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے ﴿۵۲﴾ اور ہم نے اسی طرح بعض انسانوں کو بعض کے ذریعہ فتنہ^(۵۲) میں مبتلا کر دیا ہے، تاکہ وہ کہیں کہ کیا اللہ نے ہم میں سے انہی لوگوں پر احسان کیا ہے، کیا اللہ شکر گزار بندوں کو زیادہ نہیں جانتا ہے ﴿۵۲﴾

حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو تبلیغ کیجئے جو اللہ کی وحی سے متاثر اور مستفید ہوتے ہیں۔

(۵۱) امام مسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے، اور امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں روایت کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں کچھ ضعیف اور کمزور قسم کے صحابہ موجود تھے۔ (روایتوں میں سعد بن وقاص، عبداللہ بن مسعود، بلال، صہیب، عمار اور جناب رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نام آئے ہیں) وہاں سے قریش کے کچھ لوگوں کا گذر ہوا، تو انہوں نے کہا کہ اے محمد! کیا تم نے اپنی قوم کے بدلے انہیں کو اپنا لیا ہے، کیا اللہ نے ہمیں چھوڑ کر ان پر احسان کر دیا ہے، کیا ہم ان کے تابع بن جائیں؟ اگر تم انہیں اپنی مجلس سے نکال دو تو شاید ہم تمہاری اتباع کریں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو غریب اور کمزور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے اس لالچ میں بھگانے سے منع کیا کہ قریش کے بڑے لوگ آپ کی مجلس میں آئیں گے، اور آپ کی باتیں سن کر متاثر ہوں گے اور ایمان لائیں گے۔

سعید بن مسیب وغیرہ نے ”صبح و شام“ سے فرض نمازیں مراد لی ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ نے ان کمزور صحابہ کو اپنی مجلس سے بھگادیا، تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

(۵۲) اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ پر اکثر و بیشتر ایمان لانے والے کمزور مرد، عورتیں، غلام اور لونڈیاں تھیں۔ شرفائے قریش میں سے بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا، جیسا کہ قوم نوح نے نوح علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا لَنَا بَادِيًا الْمَوْتَى﴾ کہ ”ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ تمہاری اتباع صرف حقیر لوگ کرتے ہیں“۔ (ہود: ۲۷)۔ اور جیسا کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ اس کی اتباع شرفاء لوگ کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ ابوسفیان نے کہا کہ کمزور لوگ۔ تو ہرقل نے کہا کہ رسولوں کی اتباع ایسے ہی لوگ کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ ان کمزور مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، انہیں عذاب دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا اللہ نے ہمیں چھوڑ کر ان پر احسان کیا ہے؟ تو اللہ نے اس کے جواب میں یہاں فرمایا کہ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو زیادہ نہیں جانتا؟ بے شک اللہ ان کے اقوال و افعال اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے انہیں توفیق دیتا ہے، راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے، ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی میں پہنچا دیتا ہے۔ امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے رنگوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے“۔

وَلَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْبَيْتِ أَفْقُلَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ إِنَّكَ مِنْ عَمَلٍ مَعْتَدٍ
سُوْرَةُ الْجَهَانَةِ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلِحَ ۖ فَاذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ ۖ وَكَذَلِكَ نَفْضِلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ
الْمُجْرِمِينَ ۗ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ لَأَكْبَهُنَّ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذْ أَوْمَأْتُ
أَنَا مِنَ الْهَادِيْنَ ۗ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا اسْتَعْمَلُونَ بِهِ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا
لِلَّهِ يُقْضَىٰ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۗ

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ (۵۳) آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، تو آپ کہئے کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو، تمہارے رب نے اپنے اُور پر رحمت کو لازم کر لیا ہے، یعنی تم میں سے جو کوئی نادانی میں آکر کوئی گناہ کر بیٹھے گا، پھر اس کے بعد توبہ کر لے گا، اور اپنی اصلاح کر لے گا، تو وہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ اور ہم اسی طرح آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اور تاکہ مجرموں کی راہ کا پتہ چل جائے ﴿۵۵﴾ آپ کہئے کہ میں اُن معبودوں کی پرستش سے روک (۵۴) دیا گیا ہوں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، آپ کہئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، ورنہ گمراہ ہو جاؤں گا، اور ہدایت پانے والوں میں سے نہیں ہو سکوں گا ﴿۵۶﴾ آپ کہئے کہ مجھے میرے رب کی جانب سے ایک کھلی دلیل (۵۵) ملی ہوئی ہے، اور تم اسے جھٹلاتے ہو، تم جس (عذاب) کے لئے جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، اللہ کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں فیصلہ نہیں ہے، وہ حق بات بیان کرتا ہے، اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۵۷﴾

(۵۳) بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ میں انہی مومنین کا ذکر ہے جنہیں بھگا دینے کی بات شرفائے قریش نے کی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام عطا فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ انہیں سلام کرنے میں پہل کریں، یا انہیں اللہ کی طرف سے سلام پہنچادیں، اور انہیں وسعت رحمت الہی کی بشارت دے دیں۔ امام احمد اور شیخین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے بارے میں فیصلہ کیا تو اپنی کتاب میں لکھ دیا (جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے) کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔“ اس کے بعد والی آیت میں اللہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے گذشتہ آیتوں میں بہت سے دلائل بیان کر دیئے ہیں، اسی طرح ہمیشہ اپنی آیتیں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو میان کے محتاج ہوتے ہیں اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ مجرمین کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔

(۵۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے علاوہ جن غیروں کی تم عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اور اس بارے میں ان کی امید کو قطعی طور پر ختم کر دینے کے لئے فرمایا: آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہش کے مطابق بتوں کی پوجا نہیں کر سکتا، اور نہ غریب و کمزور مسلمانوں کو اپنے پاس سے بھگا سکتا ہوں۔

مفسر بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں مشرکین کی گمراہی کا سبب خواہش نفس کی اتباع بتایا گیا ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جس پر قائم ہیں وہ اللہ کی ہدایت نہیں بلکہ خواہش نفس کی عبادت ہے، اور حق کے متلاشی کو تھلید آباء چھوڑ کر دلیل و حجت سے ثابت حقائق پر عمل کرنا چاہئے۔

قُلْ لَوْ أَنَّ عِبَادِي مَا اسْتَجَبُوا لِي لَأَقْضِي الْأَمْرَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَعِنْدَهُ مَقَالَةُ الْغَيْبِ
لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرْجِ ۗ وَمَا سَقَطُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ ذُرَّةٍ وَلَا يَلْبَسُ مِنَ الْإِبْرَةِ فِي ظِلْمِ الْأَرْضِ وَلَا تُرْبٍ وَلَا
يَأْسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

آپ کہئے کہ جس چیز کے لئے تم جلدی (۵۶) کر رہے ہو اگر وہ میرے پاس ہوتی، تو میرے اور تمہارے درمیان معاملہ کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ ظالموں کو زیادہ جانتا ہے ﴿۵۸﴾ اور غیب کے خزانے (۵۷) اسی کے پاس ہیں، اس کے علاوہ انہیں کوئی نہیں جانتا، وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، اگر ایک پتہ بھی گرتا ہے، تو وہ اسے جانتا ہے، اور اگر ایک دانا بھی زمین کی تاریکیوں میں گرتا ہے، اور کوئی بھی تازہ، اور کوئی بھی خشک، تو وہ اللہ کی روشن کتاب میں موجود ہے ﴿۵۹﴾

(۵۵) مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ سے بطور استہزاء کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو آئیوں نہیں جاتا؟ اسی کے جواب میں اللہ نے کہا: اے میرے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے بذریعہ وحی جو شریعت میرے پاس بھیجی ہے، اس کی حقانیت کا مجھے پورا یقین ہے، اور تم لوگ اسے جھٹلا رہے ہو۔ تم جس عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہو وہ میری قدرت و اختیار میں نہیں ہے، کہ میں اسے فوراً لے آؤں، اس میں تعجیل یا تاخیر کا تعلق اللہ کے فیصلہ سے ہے، اس نے کسی عظیم حکمت کے پیش نظر ہی اسے مؤخر کر دیا ہے، لیکن اس کا واقع ہونا ضروری ہے۔

(۵۶) مزید تاکید کے طور پر کہا گیا کہ اے مشرکین مکہ! تم جس عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں نے بھی جلدی کی ہوتی اور اللہ کے حکم سے تم پر عذاب نازل ہو چکا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور ان کی رسی اس لئے ڈھیل دی گئی ہے تاکہ کفر و شرک میں اور آگے بڑھتے جائیں اور شدید عذاب کے مستحق بنیں۔

بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عقبہ کے دن ابن عبدیلیل کو اسلام کی دعوت دی، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو آپ کو بہت زیادہ ملال ہوا، اور غم سے ٹڈھال ہو کر ایک طرف چل پڑے، جب قرن منازل پہنچے (جو مکہ سے ایک دن ایک رات کی مسافت پر واقع ہے) تو جبرئیل آئے اور کہا کہ آپ کی قوم نے آپ کو جو تکلیف پہنچائی ہے، اس کی وجہ سے اللہ نے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ چاہیں تو وہ مشرکین مکہ کو دو پہاڑوں کے درمیان پھیل ڈالے، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی اولاد میں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے والوں کو پیدا کرے گا۔

اس حدیث کا اس آیت سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ آیت میں یہ ہے کہ اگر عذاب نازل کرنا رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو جس وقت مشرکین عذاب کے لئے جلدی کر رہے تھے، عذاب آ ہی جاتا۔ اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ عبدیلیل اور دیگر مشرکین نے جلد عذاب آ جانے کا سوال کیا تھا، بلکہ پہاڑوں کے فرشتہ نے پیش کش کی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے ان کے لئے نرمی چاہی، اور اُمید ظاہر کی کہ اللہ ان کی اولاد میں موحدین کو پیدا کرے گا۔

(۵۷) اللہ تعالیٰ نے غیبی امور کو ان قیمتی اور اہم اشیاء سے تشبیہ دیا ہے جنہیں صندوقوں میں بند کر کے غایت احتیاط کے طور پر تالا ڈال دیا جاتا ہے۔ ان غیبی امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم لوگ جس عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہو، وہ میری قدرت سے باہر کی بات ہے۔ اور نہ مجھے اس کا علم ہی ہے کہ میں تمہیں اس کے آنے کا وقت بتاؤں۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ لِيُقَظَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ أَزْفَةٌ ۚ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ۗ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝

اور وہی ہے جو رات کے وقت تم پر نیند (۵۸) طاری کرتا ہے، اور دن کے وقت جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے، پھر تمہیں دن میں دوبارہ اٹھاتا ہے، تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری کی جائے، پھر تمہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہارے کئے کی خبر دے گا ﴿۶۰﴾ اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے، اور وہ تم پر نگراں فرشتے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے، تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں، اور اس بارے میں وہ کوئی بھی کوتاہی نہیں کرتے ہیں ﴿۶۱﴾ پھر انہیں اللہ کے پاس بھیجا جاتا ہے جو ان کا مولائے حقیقی ہے، یقیناً فیصلہ صرف اسی کے اختیار میں ہے، اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے ﴿۶۲﴾

اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم سے ہے، اس کی مشیت جب چاہے گی عذاب آئے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض مشاہدات کا ذکر کر کے مزید تاکید فرمائی کہ تمام نبی امورا کا علم صرف اللہ کو ہے، چنانچہ فرمایا کہ بحر و بر میں جو کچھ ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اور اس حقیقت کے بیان میں مزید مبالغہ کے طور پر کائنات کی ان گنت جزئیات کے بارے میں فرمایا کہ ان سب کا علم صرف اللہ کو ہے۔

صاحب ”فتح البیان“ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے کائناتوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں کی تردید ہوتی ہے، جو کشف والہام کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کسی کا ہن یا نجومی کے پاس گیا، اس نے محمد (ﷺ) پر اُتاری گئی کتاب کا انکار کر دیا۔“ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کو غیبی امور کی چابیوں کے علاوہ سب کچھ دیا گیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”مفتاح الغیب“ سے مراد تقدیر اور روزی ہے، صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مفتاح الغیب پانچ چیزیں ہیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے: کل کیا ہوگا، رحم میں کیا ہے، کوئی بھی آدمی کل کیا کمائے گا، آدمی کی موت کہاں آئے گی، اور بارش کب ہوگی۔“ ایک روایت میں ہے کہ ”قیامت کب آئے گی۔“

(۵۸) نیند کو ”موت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دونوں میں احساس اور قوت تیز جاتی رہتی ہے۔ اور موت کی مناسبت سے بیداری کو ”بعث“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان نیند کا محتاج ہوتا ہے، پھر بیدار ہوتا ہے، اسی طرح اس کی زندگی کے ایام گذرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی دنیاوی زندگی کی عمر پوری ہو جاتی ہے، اور اسے موت آدبوجتی ہے۔ جب قیامت آئے گی تو ہر انسان اپنے خالق و مالک کے حضور پیش ہوگا، اور زندگی میں جو کچھ بھی عمل کیا ہوگا اس کا اُسے بدلہ دیا جائے گا۔ آیت (۶۱) میں اللہ نے فرمایا کہ بندوں کے امور میں صرف اللہ تصرف کرتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ جیسا چاہتا ہے معاملہ کرتا ہے۔

”حفظۃ“ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے آگے پیچھے ہمہ وقت لگے رہتے ہیں اور ہر قسم کی آفت و مصیبت سے اللہ کے حکم سے بچاتے ہیں۔ ابن العزنی نے ”شرح الطحاویہ“ میں لکھا ہے کہ ان کی تعداد چار ہے، دو دن میں رہتے ہیں اور دو رات میں رہتے ہیں۔ یہ اس وقت تک حفاظت کرتے رہتے ہیں جب تک انسان کا اجل مقرر نہ آجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ رعد

قُلْ مَنْ يُضَيِّعْكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ لَيْنَ أُنجِدْنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۵۹﴾ قُلْ اللَّهُ يُضَيِّعُكُمْ مِمَّا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۶۰﴾ قُلْ هُوَ الْعَادِرُ عَلَيَّ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَكْسِفُكُمْ سُيُوعًا وَيُؤَيِّدُ بَعْضَكُمْ بِأَسْبَعْضٍ أَنْظُرْكُمْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۱﴾

آپ کہئے کہ تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں (۵۹) سے کون نجات دیتا ہے، تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی، تو اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۶۳﴾ آپ کہئے کہ اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو ﴿۶۳﴾ آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر (۶۰) ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب بھیج دے، یا مختلف ٹولیاں بنا کر تمہیں آپس میں الجھادے اور ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کا مزا چکھادے، آپ دیکھ لیجئے کہ ہم اپنی نشانیاں کس طرح مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں، تاکہ انہیں بات سمجھ میں آجائے ﴿۶۵﴾

آیت (۱۱) میں فرمایا ہے: ﴿لَهُ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ ”ہر ایک کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے آگے اور پیچھے لگے ہوتے ہیں، اور جو اللہ کے حکم کے مطابق اس کی حفاظت کرتے ہیں“۔

ان میں وہ فرشتے بھی داخل ہیں جو بندوں کے اعمال گنتے اور لکھتے ہیں، اس طرح اس آیت میں فرشتوں کی تین قسموں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب موت کا وقت آجائے گا تو روح قبض کرنے والا فرشتہ اور دوسرے مددگار فرشتے آکر بغیر ادنی تاخیر کے اس کی روح قبض کر لیں گے، اور اللہ کے حکم کے مطابق اگر نیک روح ہوگی تو ”علیین“ میں، اور فاجر ہوگی تو ”سجین“ میں محفوظ کر دیں گے۔

اس کے بعد آیت (۶۲) میں اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام روحوں کی پیشی اللہ کے حضور ہوگی، اور وہ ان کے بارے میں اپنے فیصلے صادر فرمائے گا، اور غایت سرعت کے ساتھ مخلوقات کا حساب لے گا۔

(۵۹) اب بھی سیاق کلام مشرکین مکہ ہی سے متعلق ہے۔ خشکی کی تاریکیوں سے مراد مختلف قسم کی مصیبتیں، دشمن کا خوف اور راستہ بھٹک جانا ہے۔ اور سمندر کی تاریکی سے مراد موجوں کا ڈر، آندھی اور طوفان کا خوف اور راہ بھٹک جانا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی فطرت کی کبھی بیان کی ہے، کہ جب انہیں کوئی خوف لاحق ہوتا ہے تو اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتے ہیں، اور چھپ چھپا کر دعائیں کرتے ہیں، اور اللہ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اس نے اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم اس کے شکر گزار بندے بن جائیں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

آیت (۶۳) میں گزشتہ سوال کا جواب دیتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اس مصیبت سے اور ہر مصیبت سے صرف اللہ نجات دیتا ہے۔ لیکن ان کی فطرت کی کبھی اور مشرکانہ عادت کا نتیجہ دیکھئے کہ نجات پا جانے کے بعد وہ اپنے وعدے بھول جاتے ہیں اور اپنا نجات دہندہ کسی اور کو بتانے لگتے ہیں۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمَكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ لِكُلِّ بَلَاءٍ مُّسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِذْ أَرَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

اور آپ کی قوم نے قرآن کو جھٹلا (۶۱) دیا، حالانکہ وہ برحق کتاب ہے، آپ کہتے کہ میں تمہارا انگریز نہیں مقرر کیا گیا ہوں ﴿۶۱﴾ ہر خبر (کے وقوع پذیر ہونے) کا ایک مقرر وقت ہے، اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ﴿۶۲﴾ اور جب آپ اُن لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں کے خلاف باتیں (۶۳) بناتے ہیں، تو آپ ان سے اعراض کیجئے، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور بات کرنے لگیں، اور اگر شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھئے ﴿۶۴﴾

(۶۰) یعنی اے میرے رسول! (ﷺ) جن مشرکین نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مصیبت سے نجات پانے کے بعد اللہ کے شکر گزار بندے بن جائیں گے، لیکن اپنا وعدہ بھول گئے اور پھر شرک کرنے لگے، آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے عذاب سے امان محسوس کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ وہ تو ہر وقت اور ہر حال میں مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کرنے پر قادر ہے، وہ چاہے گا تو آگ یا پتھروں کی بارش برسا دے گا، یا آسمان کو ہی تمہارے سر پر گرا دے گا۔ یا چاہے گا تو کوئی طوفان بھیج دے گا یا زمین میں دھندلا دے گا۔ یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ دے گا، اور پھر تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہو گے۔

بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: (أَعُوذُ بِوَجْهِكَ) اس کے بعد جب آیت کا یہ حصہ ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَنْ جَلِيكُمْ﴾ نازل ہوا تو آپ نے دوبارہ کہا: (أَعُوذُ بِوَجْهِكَ) پھر جب ﴿أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيَذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ نازل ہوا تو آپ نے کہا: یہ زیادہ آسان ہے۔

مسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک قریبی بستی سے آرہے تھے، تو بنی معاویہ کی مسجد کے پاس سے گزرے۔ آپ نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے بڑی لمبی دعا کی، پھر ہماری طرف مڑ کر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگی تھیں تو اُس نے مجھے دو عطا کیا اور ایک کو روک دیا۔ میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو قسط سالی سے ہلاک نہ کرے، تو اس نے مجھے دیا۔ اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے کے درپے نہ ہو، تو اس دعا کو روک دیا۔

(۶۱) مشرکین مکہ کا احوال واقعی بیان کیا جا رہا ہے، اور نبی کریم ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ کی قوم نے قرآن کو جھٹلا دیا، حالانکہ وہ برحق ہے اور اس میں بیان شدہ ہر بات سچی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں کہ تم ضرور ہی قرآن پر ایمان لے آؤ، میرا کام تو صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔

اس کے بعد آیت (۶۲) میں فرمایا گیا کہ اللہ کے ہر فیصلہ کے وقوع پذیر ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور میں نے تمہیں قرآن اور رسول کی تکذیب اور شرک کا انجام بتا دیا ہے کہ تمہیں ایک دن عذاب آدبوچے گا۔ چنانچہ میدان بدر میں اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَلَكِنْ ذِكْرِي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا
 وَهَلْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكَّرْنَا أَنْ تَسْبَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۗ
 لَنْ نَعْدِلَ كُلَّ عَدْلٍ لَأُنْخِذُ مِنْهَا ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ أُبْسِئُوا بِمَا كَسَبُوا ۗ لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا
 كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾

اور اللہ سے ڈرنے والوں (۶۳) پر ان کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن انہیں نصیحت کرتے رہنا ہے، شاید کہ وہ بھی اللہ سے ڈرنے لگیں ﴿۶۴﴾ اور آپ ان لوگوں کو چھوڑ (۶۴) دیجئے جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے، اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، اور آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہئے کہ کہیں کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاکت و بربادی کی طرف نہ دھکیل دیا جائے، اس کا اللہ کے سوانہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی، اور اگر وہ ہر قسم کا معاوضہ دے گا تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاکت کی طرف دھکیل دیئے گئے، ان کے پینے کے لئے کھولتا ہوا گرم پانی ہوگا۔ اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا ﴿۶۵﴾

(۶۳) ابتدائے اسلام میں مشرکین مکہ صحابہ کرام کو قرآن پڑھتے دیکھتے تو مذاق اڑاتے، اور باتیں بناتے، انہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو منع کیا کہ کفار جب قرآن کا مذاق اڑا رہے ہوں تو ایسی مجلسوں سے اٹھ جائیں، یہاں تک کہ وہ لوگ کوئی اور بات کرنے لگیں۔

اور جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو وہاں بھی کفار اور منافقین کا ایسا ہی رویہ تھا کہ وہ لوگ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ایسی مجلسوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ سورہ نساء آیت (۱۳۰) میں آیا ہے: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيَسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِذْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ﴾ ”اور اللہ قرآن کریم میں تمہارے لئے اتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے، اور اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات کرنے لگیں، ورنہ تم انہی کے جیسے ہو جاؤ گے۔“ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم عام ہے، اور امت مسلمہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ جہاں کہیں بھی اسلام کا یا قرآن و سنت وغیرہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو، یا بدعت و خرافات کی طرف دعوت دی جا رہی ہو اس مجلس کا بائیکاٹ کرے، ورنہ اس پر بھی وہی حکم لگے گا جس کا بیان ابھی سورہ نساء کے آخر میں گذرا ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِذْ أَنْتُمْ﴾ کہ ”تم بھی ان کے مانند ہو جاؤ گے۔“

(۶۳) اس آیت کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے، ایک یہ ہے کہ جب کفار اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑا رہے ہوں، اس وقت اگر اللہ سے ڈرنے والے مسلمان ان کی مجلسوں سے بیٹھیں گے، تو کفار کا گناہ ان کو لاحق نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ایسی مجلسوں سے الگ رہنے کے حکم سے اسر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب ساقط نہیں ہو جاتا۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے لوگ اگر کسی مجبوری سے ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، تو ان کا گناہ ان کو

قُلْ اَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ وَا لَا يَضُرُّكُمْ اَوْ تَرُدُّوْا عَلٰى اَعْقَابِكُمْ اَبَدًا اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَوٰى السَّيْطٰنُ
فِى الْاَرْضِ حَيْرٰنًا لَّوْ اَصْحٰبُ يَدْعُوْنَ كَمَا لِى الْهُدٰى اِنْتَبٰهُ قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى وَاَمْرٌ اَلْبَسِيْمُ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

آپ کہئے، کیا ہم اللہ کے سوا ان کو پکاریں (۶۵) جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور کیا اللہ کی ہدایت ہمارے پاس آجانے کے بعد اگلے پاؤں پھر جائیں، اس آدمی کے مانند جسے شیطان نے بھٹکا (۶۶) دیا ہو اور زمین میں حیران و پریشان پھر رہا ہو، اس کے کچھ دوست بھی ہوں، جو اُسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ آپ کہئے کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں ﴿۱۷﴾

لاحق نہیں ہوگا، لیکن ایسی مجلسوں میں جانے کی اجازت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ علمائے تفسیر نے کہا ہے کہ ایسی مجلسوں میں شرکت کی اجازت ابتدائے اسلام میں تھی، جب مسلمان اپنا ایمان چھپائے پھرتے تھے۔ لیکن مدنی زندگی میں جب سورہ نساء والی آیت نازل ہوئی جس کا ذکر ابھی اوپر آچکا تو یہ اجازت منسوخ ہو گئی۔ (۶۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ جو لوگ دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، انہیں تو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور ہر سعادت دنیا کی لذتوں میں ہے۔ آپ ان کے جھٹلانے کی پروا نہ کیجئے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، یہ لوگ بڑے عذاب کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اس قرآن کے ذریعہ لوگوں کو خوف دلاتے رہئے کہ کہیں وہ اپنے بڑے اعمال کی بدولت روز قیامت ہلاک و برباد نہ کر دیئے جائیں، جس دن ان کا اللہ کے سوانہ کوئی ولی ہوگا جو طاقت کے ذریعہ ان کی مدد کرے اور نہ کوئی سفارشی جو بذریعہ سفارش اللہ کا عذاب ٹال سکے۔ اور اس دن اگر وہ تمام قسم کے فدیے بھی دینا چاہیں گے تو قبول نہ ہوگا۔ اللہ کے دین کا مذاق اڑانے والے اپنے بڑے اعمال اور حرام شہوتوں میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اُس دن پینے کے لئے انہیں گرم پانی دیا جائے گا جو ان کے پیٹ میں گڑ گڑائے گا اور ان کی آنتوں کو کاٹ باہر کرے گا، اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں آگ کا دردناک عذاب دیا جائے گا جو آگ ان کے جسموں میں ہمیشہ مشتعل رہے گی (اللہ تعالیٰ ہمارے جسموں پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے)۔

(۶۵) سبزی نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے کہا کہ ہماری راہ پر چلو اور دین محمد کو چھوڑ دو، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ پوری شدت کے ساتھ ان کی بات کی تردید کر دیں۔

(۶۶) جو آدمی توحید کی دعوت قبول کر لینے کے بعد پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور بتوں کی پرستش شروع کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے آدمی کی یہاں مثال بیان کی ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی صحراء سے گذر رہا ہو، اور شیاطین جنوں کے زنگے میں آجائے، جو اسے راہ راست سے بھٹکا کر کسی اور طرف لے جائیں، اور وہ حیران و پریشان نہ سمجھ سکے کہ کیا کرے، اور اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ہماری طرف آجاؤ، سیدھی راہ ادھر ہے، لیکن وہ شیطانوں کے چکر میں ایسا پھنس گیا ہے کہ نہ وہ اپنے ساتھیوں کی پکار کا جواب دیتا ہے اور نہ ہی اُن کی طرف جاتا ہے۔

وَأَنَّ أَوَّلَ مَا الصَّلَاةُ وَالْقُوَّةُ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۖ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ لَنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلَهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمَلَأْتُ يَوْمَ يَنْفَعُ فِي الصُّورِ ۚ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز قائم (۶۷) کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور تم لوگ اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے ﴿۷۲﴾ اور اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا (۶۸) تو (حشر پیا) ہو جائے گی، اس کا قول برحق ہے، اور جس دن صور پھونکا جائے گا اُس دن اسی کی بادشاہت ہوگی، وہ غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمتوں والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۷۳﴾

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ ایک مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باطل معبودوں اور دعاۃ الی اللہ کی حالت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ اور شیاطین سے مراد جنات ہیں جو لوگوں کو ان کے اور ان کے آباء و اجداد کے نام لے کر پکارتے ہیں، تو ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور ان کی پیروی شروع کر دیتے ہیں، اور سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ صحیح بات پر قائم ہیں، یہاں تک کہ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں، اور بسا اوقات وہ شیاطین انہیں کھا جاتے ہیں، یا کسی ایسی جگہ ڈال دیتے ہیں جہاں پیاس کے مارے مر جاتے ہیں۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو اللہ کے سوا دیگر معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ (جیسا کہ اوپر گذر چکا)۔

(۶۷) اس کا تعلق گذشتہ آیت سے ہے، یعنی آپ کہہ دیجئے کہ جو دین اللہ نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا ہے وہی صحیح دین ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کریں، اور نماز قائم کریں اور اللہ سے ڈرتے رہیں، اور اس یقین کے ساتھ زندگی گذاریں کہ قیامت کے دن سب کو اسی کے سامنے جمع ہوتا ہے۔

(۶۸) جس باری تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں، اسی نے آسمانوں اور زمین کو عدل و حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہی ان دونوں کا اور ان میں موجود تمام مخلوقات کا مالک و مدبر ہے، اور قیامت کے دن انہیں میدان محشر میں کلمہ "مُحْنٌ" کے ذریعہ جمع کرنے پر قادر ہے۔ اس کی مراد اور خواہش اس کے امر اور حکم سے مؤخر نہیں ہو سکتی، اس کا قول و حکم بہر حال نافذ اور واقع ہے۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ " وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ " کے بعد اس آیت کو لانے سے مقصود اس بات پر دلیل قائم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعث بعد الموت پر قادر ہے، اور ان مشرکین کی تردید کرنی ہے جو اس کے منکر ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ یاسین آیت (۸۱/۸۲) میں فرمایا ہے: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۗ * إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۗ﴾ کہ "وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسا پیدا کرے؟ ہاں، وہ قادر ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، اس کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہو جا، وہ چیز اسی وقت ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن قیامت کا صور پھونکا جائے گا۔ اس دن اسی کی بادشاہت ہوگی، اور اپنے مطیع و فریبر دار اور عاصی و گناہ گار بندوں کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق برتاؤ کرے گا۔ اور "صور" سے مراد وہ چیز ہے جس میں اسرائیل علیہ السلام پھونک ماریں گے، جیسا کہ مسند احمد میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ

وَلَذَاقًا لِّإِبْرَاهِيمَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّ لَئِنِ آتَيْتَنِي بِذَكَرٍ فَلَسَأَلَنَّهُ لَمَا ضَلَّ اللَّهُ وَجْهًا عَنَّا إِنَّا كَوْنٌ عَلِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ لِّلرَّبِّهِمْ مَا لَمْ يُلَاحِظْ إِلَّا عَابِدِينَ ﴿۶۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ قَالُوا لِمَا نَدَعُوا آدَمَ مِن بَنِي آدَمَ لِيَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۳﴾ قُلْنَا جَعَلْنَا عَلِيَّ بْنَ آدَمَ إِكْبَادًا فَآوَىٰ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَأَنزَلْنَا فِي قُلُوبِهِمُ الْغَيْبَ وَأَنزَلْنَا عَلَىٰ سُلَيْمَانَ مِن مَّا رَآه فَكَلَّمَهُ نَحْنُ ﴿۶۴﴾ وَتِلْكَ آيَاتُ الْكُتُبِ الَّتِي أَنزَلْنَا عَلَىٰ رُسُلِنَا لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يُلَاحِظْ إِلَّا عَابِدِينَ ﴿۶۵﴾

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر^(۶۱) سے کہا، کیا تم بتوں کو اپنا معبود بناتے ہو، بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں ﴿۶۲﴾ اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت (۶۰) دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ﴿۶۳﴾ پس جب رات آگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب^(۶۱) ہے، پس جب وہ ڈوب گیا، تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں ﴿۶۴﴾

فرمایا کرتے تھے: ”میں آرام کیسے محسوس کروں، جبکہ صور والے (فرشتے) نے صور منہ میں لیا ہوا ہے، اور پیشانی جھکائی ہوئی ہے، اور انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم ملے کہ اس میں پھونک مارے“۔ مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے صور کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک مارا جائے گا“۔ اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

(۶۹) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ جو مشرکین دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں بتادیتے کہ ابراہیم علیہ السلام جن کی محبت کا وہ دم بھرتے ہیں اور جن کی طرف اپنی نسبت پر فخر کرتے ہیں، انہوں نے تو اللہ کی خاطر اپنے مشرک باپ کی بھی پرواہ نہیں کی، اور اس کے مشرکانہ کردار و اعمال کا برملا انکار کیا۔

یہ آیت اس پر قطعی دلیل ہے کہ ”آزر“ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تھا۔ اور اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملیں گے تو آزر کے چہرہ پر غبار اُڑ رہا ہوگا، اور پریشانی طاری ہوگی۔ ابراہیم اس سے کہیں گے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ تو ان کا باپ کہے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا، ابراہیم کہیں گے، اے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا، اور اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ تیری رحمت سے دور کر دیا جائے؟ تو اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ پھر کہا جائے گا، اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو، وہ دیکھیں گے تو انہیں خون میں لت پت ایک جسم ملے گا، جس کے پاؤں کو پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۷۰) "ملکوت" بروزن رجبوت و جبروت، مبالغہ کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا معنی "ملکِ عظیم" ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد آسمانوں اور زمین میں موجود عجائب و غرائب ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ان کے سامنے کھول کر رکھ دی، اور انہوں نے عرش تک اور زمین کی آخری تہ تک سب کچھ کا مشاہدہ کیا۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی خلقت اور ان میں موجود عجائب و غرائب میں غور کر کے اپنی وحدانیت پر استدلال کرنے کی دعوت دی، تاکہ توحید باری تعالیٰ پر ان کا یقین مزید مستحکم ہو جائے۔

(۷۱) مذکورہ بالا اجمال کی یہ تفصیل ہے، اور اس بات کا بیان ہے کہ کس طرح ابراہیم علیہ السلام نے آیات و براہین سے استدلال

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَكَ قَالَ لَيْسَ ثُمَّ يَهْدِي رَبِّي لَكَ الْكَوْكَبَ مِنَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبِيرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُعَوِّدُ لِرَبِّي بِرَبِّي ۖ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَاَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

پس جب انہوں نے چاند (۷۲) کو نکلا ہو دیکھا، تو کہا یہ میرا رب ہے، پس جب وہ بھی ڈوب گیا، تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی تو میں بے شک گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿۷۷﴾ پس جب انہوں نے آفتاب (۷۳) کو نکلا ہو دیکھا، تو کہا یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، پس جب وہ بھی ڈوب گیا، تو کہا، اے میری قوم! میں ان معبودوں سے بری ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو ﴿۷۸﴾ میں نے اپنا رخ (۷۴) اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس حال میں کہ میں نے اللہ کے سوا سب سے منہ موڑ لیا ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ﴿۷۹﴾

کر کے یقین کا رتبہ حاصل کیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ابراہیم کا باپ اور اس کی قوم اصنام، شمس و قمر اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ ابراہیم نے چاہا کہ ان کی اس دینی غلطی کو واضح کر دیں کہ جن باطل معبودوں کی پرستش وہ کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی معبود بننے کا مستحق نہیں ہے۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں ڈوب جانے والے اور غائب ہو جانے والے کو پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ ایسی حقیر صفت اللہ کی نہیں ہو سکتی۔

(۷۲) اس میں قوم ابراہیم کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو آدمی چاند کو اپنا معبود بنا لے وہ یقیناً گمراہ ہے، اور یہ کہ راہ حق کی طرف ہدایت اللہ کی توفیق اور اس کے لطف و کرم سے ملتی ہے۔

اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کی گمراہی کی طرف اشارہ کیا، اور جب ستارہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں سے محبت نہیں کرتا ہوں۔ اور جب ان کے دل میں ان کے عقیدہ کے باطل ہونے کا شبہ پیدا کر دیا، اور چاند بھی ڈوب گیا، تو دوسری بار صراحت سے کہہ دیا کہ تم لوگ گمراہ ہو۔ اس لئے کہ چاند جو ڈوب جایا کرتا ہے، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ (۷۳) لیکن ابھی سورج کے معبود ہونے کی تردید کرنی باقی تھی۔ اسی لئے سورج کے اچھی طرح طلوع ہونے کا انتظار کیا۔ اور جب طلوع ہو چکا تو اپنی مشرک قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ شاید یہ میرا رب ہو، یہ سب سے بڑا ہے، اور مقصود مناظرانہ انداز میں اس کی تردید کرنی تھی۔ چنانچہ کچھ ہی گھنٹوں کے بعد جب وہ بھی ڈوب گیا، اور قوم نے ان کے ساتھ اس کے ڈوب جانے کا نظارہ کر لیا، اور اس کے ضعیف اور ناقص ہونے کا یقین کر لیا، تو ان کو دوبارہ مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم! ذرا بتاؤ تو سہی کہ ایسی بے ثبات اور حقیر چیز معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ میں تمہارے شرکیہ اعمال اور جھوٹے معبودوں سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

(۷۴) ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اب میں نے اپنی نیت اور اپنی ہر عبادت اور عمل صالح کو اللہ کے لئے خالص کر دیا ہے، اور اپنے قلب و روح کی گہرائیوں میں اسی کی محبت کو بسا لیا ہے، اس ذات پاک کی محبت جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور تمام ادیان باطلہ اور عقائد فاسدہ سے دوری اختیار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ میں مشرک نہیں ہوں۔

وَحَاجَّةُ قَوْمِهِ قَالَ أَمْحَاجُونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ يَا إِلَهَ الْإِنسَاءِ رَبِّي سُبْحَانُ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَمَّا الْفِرْعَوْنُ فَأَحْقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑنا (۷۵) شروع کر دیا، انہوں نے کہا، کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے سیدھی راہ دکھائی ہے، اور میں ان معبودوں سے نہیں ڈرتا (۷۶) ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، مگر یہ کہ میرے رب کی ہی کوئی مشیت ہو، میرے رب کا علم ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے ہو ﴿۸۰﴾ اور میں ان سے کیسے ڈروں (۷۷) جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو، اور تم لوگ اس بات سے نہیں ڈرتے ہو کہ تم نے اللہ کا شریک ایسی چیزوں کو بنا رکھا ہے جن کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری ہے، پھر اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سی جماعت امن کی زیادہ حقدار ہے ﴿۸۱﴾

(۷۵) ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے اپنے مشرکانہ عقائد کی تائید اور ان کی دعوت توحید کی تردید میں کبھی انہیں دھمکی دی اور کبھی لچر دلیلوں کے ذریعہ اپنی بات منوانی چاہی، تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم مجھ سے اس بارے میں مناظرہ کرنا چاہتے ہو کہ اللہ کا کوئی شریک و منیل نہیں؟ توحید باری تعالیٰ پر تو میں حجت قائم کر چکا، اور اس بات کی قطعی طور پر نفی ہو چکی کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی لائق عبادت ہے، اس لئے کہ کامل صرف اللہ کی ذات ہے، اور اس کے علاوہ تمام چیزیں ناقص ہیں، اور کوئی ناقص معبود نہیں ہو سکتا۔

(۷۶) مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہہ کر خوف دلایا کہ کہیں ان کے معبودوں کا غضب نہ ان پر نازل ہو جائے، اور وہ کسی مصیبت میں نہ مبتلا ہو جائیں، تو ان کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہارے معبودوں سے نہیں ڈرتا، کیونکہ وہ تو بے جان جمادات ہیں، وہ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تمہارے قول کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ بالکل بے اثر ہیں، اس لئے میں ان سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ ہی ان کی پرواہ کرتا ہوں۔ اگر ان کے بس میں کچھ ہے تو کر گزریں اور مجھے مہلت نہ دیں۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ہاں، اگر میرا رب چاہے گا تو مجھے ان کی جانب سے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، جو محض اللہ کی جانب سے ہوگا، تمہارے معبودوں کا اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔

(۷۷) ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان اصنام سے ڈروں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور جو نہ خالق ہیں نہ رازق، اور تم اس اللہ سے نہ ڈرو جس کے ساتھ تم نے بہت سے معبودان باطل کو بغیر دلیل و برہان شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ تمہارا خالق و رازق ہے اور ہر نفع و نقصان کا صرف وہی مالک ہے۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا معبود اللہ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے، اور تمہارے معبودان مٹی کے ڈھیر ہیں، تو ذرا سوچو تو سمجھی کہ امن و سکون کے حقدار تم مشرکین ہو یا ہم اہل ایمان؟ اگر تمہارے پاس علم کا شائبہ بھی ہو تا تو یقیناً تمہارا جواب یہی ہوتا کہ بے شک اہل ایمان ہی امن و سلامتی کے مستحق ہیں۔

کھول دیتا ہے، اور دیگر لوگوں پر نوقت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی حکمتوں کو جاننے والا ہے۔

(۸۰) ذیل میں مذکور تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کا مقام بیان فرمایا ہے، کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی پوری قوم اور ان کے معبودوں سے براءت کا اعلان کر دیا، تو اللہ نے انہیں اور ان کی بیوی سارہ کو بطور جزائے خیر بڑھاپے میں "اسحاق" کی بشارت دی، اور اسحاق کے بیٹے یعقوب کی بشارت دی۔ نیز یہ بشارت دی کہ بیٹا اور پوتا دونوں نبی ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود آیت (۱۷) میں فرمایا ہے: ﴿فَبَشِّرْنَاَهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَدَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ کہ "ہم نے سارہ کو اسحاق کی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی"۔ یعنی تم دونوں کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ تمہارے بیٹے اسحاق کو یعقوب جیسا بیٹا عطا کرے گا، جسے دیکھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، جیسا کہ اسحاق کی پیدائش سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم کی آیت (۴۹) میں اسی کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کے قبل نوح کو بھی ہدایت کبریٰ یعنی نبوت سے نوازا، اور یہ بات بھی ابراہیم کے لئے باعث شرف ہے کہ ان کے باپ نوح بھی نبی تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام ہر دو کو ایک عظیم خصوصیت عطا کی تھی۔ اللہ نے جب نوح اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ سب کو خرقاب کر دیا، تو زمین پر صرف ان کی ذریت باقی رہ گئی۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء پیدا ہوئے سب ان کی اولاد سے تھے۔ اتنی۔ اس لئے اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ" سے مراد ابراہیم کی اولاد ہے۔ اور لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجا تھے، اس لئے ان کی ذریت میں شمار ہوئے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ذریت ابراہیم میں شمار کیا گیا، حالانکہ وہ مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا کئے گئے تھے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ لڑکیوں کی اولاد آدمی کی ذریت میں داخل ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: "میرا یہ بیٹا سردار ہوگا"۔ اور جب نبی کریم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے مہابلہ کرنا چاہا تو آیت کریمہ ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبْنَاءَنَا وَآبْنَاءَكُمْ﴾ کے بموجب حسن اور حسین کو اپنے ساتھ لے گئے۔

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن معمر کو پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے تم حسن و حسین کو نبی کریم ﷺ کی ذریت میں شمار کرتے ہو، میں نے تو پورا قرآن پڑھا، ڈالا، کہیں بھی یہ چیز نہیں ملی، تو یحییٰ نے کہا بھیجا کہ کیا تم نے سورہ انعام کی آیت ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ * وَذَكَرْنَا وَيْحَنَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ﴾ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا کہ ہاں، تو کہا کہ کیا اس آیت میں "عیسیٰ" کو ابراہیم کی ذریت میں شمار نہیں کیا گیا ہے، حالانکہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے؟ تو اس نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی "ذریت" کے لئے وصیت کرے گا یا وقف کرے گا، یا انہیں کچھ ہبہ کرے گا تو لڑکیوں کی اولاد بھی شامل ہوگی۔ اس آیت کے ضمن میں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ اسماعیل کو اسحاق کے ساتھ اس لئے نہیں ذکر کیا گیا کہ یہاں مقصود انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر ہے جو اسحاق و یعقوب کی اولاد سے

وَمَنْ آتَاهُمْ وَذَرْتَهُمْ وَاخْوَانَهُمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ۝ وَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝

اور ان کے باپ دادوں، اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں (۸۱) میں سے بعض کو بھی (ہم نے راہ راست دکھائی تھی) اور انہیں چن لیا تھا، اور انہیں سیدھی راہ دکھائی تھی ﴿۸۷﴾ یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے، اور اگر وہ لوگ شرک (۸۲) کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ﴿۸۸﴾ انہی لوگوں کو ہم نے کتاب (۸۳) اور شریعت اور نبوت دی تھی، پس اگر یہ مشرکین ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں، تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لئے) ایک ایسی قوم کو مقرر کر دیا ہے جو ان کا انکار نہیں کرتی ہے ﴿۸۹﴾

تھے۔ اسماعیل علیہ السلام کے صلب سے صرف خاتم النبیین پیدا ہوئے جو علی الإطلاق افضل الانبیاء تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کا ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہی کو حکم دیا ہے کہ وہ اقوام عرب کے خلاف شرک کی نفی پر ابراہیم کے عمل سے حجت قائم کریں۔

(۸۱) اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام کو نبوت سے سرفراز کیا، اور ان کے بعد ان کے آباء و اخوان اور ان کی اولاد میں سے بہت سی جماعتوں کو جن لیا، اور انہیں دین خالص کی ہدایت دی، اور اچھے اخلاق و اعمال کی توفیق بخشی۔ اور چونکہ یہ سبھی ذریت ابراہیم میں سے تھے اس لئے یہ سارے خصائص و فضائل ابراہیم کے لئے باعث عز و افتخار بنے، اور ان کے درجات دنیا و آخرت میں بلند سے بلند تر ہوتے گئے۔

(۸۲) ان انبیاء کرام کو نبی اور رسول ہونے کا جو شرف حاصل ہوا، وہ محض اللہ کے فضل و کرم سے حاصل ہوا، اور اسی ذات باری تعالیٰ نے انہیں دین خالص کی ہدایت دی۔ اور اگر وہ ان عظمتوں کے باوجود شرک کا ارتکاب کر بیٹھتے، تو ان کے سارے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے۔ تو اگر دوسرے لوگ شرک کا ارتکاب کریں گے تو ان کا کیا حال ہوگا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں شرک کی ہیبت ناک اور اس کی خطرناکی کو بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ زمر آیت (۶۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ أَوْحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کہ ”آپ کو اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کرام کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا“۔

(۸۳) اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام کو آسمانی کتابیں دیں، اور علم و نبوت کی نعمت سے نوازا۔ مفسر ابوالسعود نے لکھا ہے کہ یہاں ”آسمانی کتابیں دینے“ سے مراد ان میں موجود حقائق کی تفہیم اور تمام بڑے امور کا احاطہ ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض پر کوئی متعین کتاب نازل نہیں ہوئی تھی، اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر کفار قریش رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں تو وہ گویا گذشتہ تمام انبیاء اور آسمانی کتابوں کا انکار کرتے ہیں، اور ان کے اس انکار کی اللہ کو کوئی پروا نہیں، کیونکہ اس نے تو ان دونوں پر ایمان لانے کے لئے صحابہ کرام اور مومنین کی جماعت کو پیدا کر دیا ہے، جو ان پر ایمان لے آئے ہیں، اور ان پر اور دین اسلام پر جان نثار کرنے کے لئے ہمہ دم تیار رہتے ہیں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ أَقْبَنَهُ قُلْ لَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا
 اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَ
 هُدًى لِلنَّاسِ لِيُبَيِّنَ لَهُ الْفُتُورَ فَذَكَرَ لَيْسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَيْفِيَّهَا وَعَلِمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلْ اللَّهُ ثَمَرُ
 ذُرَّهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿۹۱﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، پس آپ (۸۴) انہی کے نقش قدم پر چلے، آپ کہتے کہ میں تم لوگوں سے تبلیغ قرآن پر کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں، یہ تو تمام جہان والوں کے لئے صرف ایک نصیحت ہے ﴿۹۰﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کی حقیقی قدر و منزلت (۸۵) کو نہیں پہچانا، جب کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے، آپ کہتے کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسے موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت کا ذریعہ تھی، تم نے اس کے کچھ اوراق بنا رکھے ہیں جنہیں ظاہر کرتے ہو، اور اس کا زیادہ حصہ چھپاتے ہو، اور تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا (۸۶) جو تم اور تمہارے آباء و اجداد نہیں جانتے تھے، آپ کہتے کہ اللہ نے اتاری تھی، پھر انہیں چھوڑ دیجئے، اپنی مخالف اسلام باتوں سے کھیلتے رہیں ﴿۹۱﴾

(۸۴) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ انہی مذکورہ بالا انبیاء کی اقتدا کریں، کیونکہ اللہ نے انہیں ایمان باللہ، توحید خالص، اخلاق حمیدہ اور اللہ کو راضی کرنے والے اعمال کی توفیق دی تھی۔

شوکانی لکھتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ ابتدائے اسلام میں جن معاملات کے بارے میں قرآن میں کوئی نص نازل نہیں ہوا تھا، ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ گذشتہ انبیاء کی پیروی کریں۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے قرآن کریم کی تعلیم پر کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں، کیونکہ یہ تو رہتی دنیا تک تمام جہان کے لئے اللہ کی طرف سے نصیحت کا خزانہ ہے۔

علمائے تفسیر نے لکھا ہے: یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور ﴿قُلْ لَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ احکام پر اجر لینی جائز ہے۔ اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آدمی کا قصہ مروی ہے جسے سانپ نے ڈس لیا تھا، اور جس پر ایک صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر پھونکا تو اس کا زہر اتر گیا تھا، اس واقعہ میں یہ بھی مروی ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا کہ اس آدمی کے قبیلہ والوں نے صحابہ کرام کو بکریاں دی ہیں، تو آپ نے فرمایا: "إِنْ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابَ اللَّهِ أَصَبْتُمْ اقْتَسَمُوا، وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا" کہ "سب سے اچھا کام جس پر تم اجر لواتی ہو اللہ کی کتاب ہے، تم نے اچھا کیا، حصہ لگاؤ، اور میرا حصہ بھی رکھو۔"

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول عام ہے جو تعلیم قرآن، تلاوت قرآن، حسب طلب قرآن پڑھ کر دم کرنے اور اس ہدیہ کو شامل ہے جو قاری قرآن کو اس لئے دیا جائے کہ وہ قاری ہے۔

(۸۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اتنی جنہوں نے رسول اللہ

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ بِبَرَكَاتٍ مُّصَدِّقٌ لِّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۸۷﴾

اور یہ بھی ایک کتاب (۸۷) ہے جسے ہم نے اتارا ہے، جو بابرکت ہے، اس سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے مضافات والوں کو تبلیغ کریں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان (۸۸) رکھتے ہیں وہ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہی اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۹۲﴾

ﷺ پر نزول قرآن کا بطور مبالغہ انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ اور یہ اللہ کے خلاف ان کی جرأت کی انتہا تھی کہ بعثت انبیاء و رسل کا بالکل ہی انکار کر دیا۔ اور بعض دوسروں کا خیال ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں یہ آیت مدنی ہوگی، جو کئی آیتوں کے درمیان رکھی گئی ہے۔ دونوں ہی قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کا الزامی جواب بصورت سوال دیا کہ اے میرے رسول (ﷺ) آپ ذرا ان سے پوچھئے تو سہی کہ وہ تورات جو موسیٰ پر نازل ہوئی اور جو لوگوں کے لئے نور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے والی کتاب تھی، اسے کس نے اتارا تھا؟ وہ تورات جسے یہود اپنی خواہش کے مطابق ٹکڑوں میں بانٹ کر کچھ ظاہر کرتے ہیں، اور جو ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا اسے چھپاتے ہیں۔ پہلے قول کے مطابق یہ الزامی جواب اس لئے صحیح ہوگا کہ عرب کے لوگ یہود کے ذریعہ تورات کی باتیں سن کر اس کا اعتراف کرتے تھے، اور ان کی تصدیق کرتے تھے۔ اور دوسرے قول کے مطابق جواب واضح ہے، اس لئے کہ یہود موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور تورات کے اللہ کی کتاب ہونے پر ایمان رکھتے تھے، اور اپنی خواہش کے مطابق اس میں تحریف کرتے تھے۔

(۸۶) اور آپ ان سے یہ بھی پوچھئے تو سہی کہ محمد (ﷺ) کے ذریعہ تمہیں اور تمہارے آباء کو جن باتوں کا علم حاصل ہوا، جنہیں تم پہلے سے نہیں جانتے تھے، وہ کیسے حاصل ہوا؟ اس کے بعد اللہ نے خود ہی اس کا جواب دیا، آپ کہہ دیجئے کہ موسیٰ پر تورات اللہ نے نازل کی تھی، اور محمد (ﷺ) کو وہ علوم و معارف اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی ملے ہیں۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر رسولوں پر بالعموم اور نبی کریم ﷺ پر بالخصوص نزول وحی کا تم کیسے انکار کر سکتے ہو!؟

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اسلام اور اقامتِ حجت کے بعد اپنے رسول ﷺ سے کہہ دیا کہ انہیں اپنے باطل عقائد و اعمال کی تاریک وادی میں بھٹکتا چھوڑ دیجئے۔

(۸۷) جب نزولِ وحی کے انکار کی نفی اور تورات کے منزل من اللہ کتاب ہونے کا اثبات ہو چکا، تو اب قرآن کریم کا ذکر کیا گیا جو تورات اور دیگر تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور جس میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں، زمانہ گذشتہ و پیشہ کے تمام علوم، اور بنی نوع انسان کے لئے ہر قسم کے فوائد و منافع بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مکہ مکرمہ کو "امّ القریٰ" اس لئے کہا گیا ہے کہ وہاں وہ پہلا گھر ہے جسے انسانوں کے لئے اللہ کے حکم سے بنایا گیا، اور جو تمام اہل جہان کا قبلہ اور ان کے حج کی جگہ ہے۔

یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام جہان والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف آیت (۱۵۸) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ "آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ اور سورہ فرقان کی آیت (۱) میں فرمایا: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنزِلُ مِنْ مِثْلِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَى إِذُ الظَّالِمُونَ فِي غَمْرَاتِ الموتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ خِرَافًا فَسُخِّرُوا أَنفُسَكُمْ أَيُّكُمْ يُعْذَبُ أَلْسِنًا أَوْ لُحُوفًا أَوْ بِلُحْيَاهُمْ ثُمَّ يُقَالُ كَذِبٌ مُذْتَمِرٌ لَيْسَ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ مِنْ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠١﴾

اور اس سے بڑا ظالم (۸۹) کون ہے جو اللہ پر افترا پردازی کرتا ہے، یا کہتا ہے کہ مجھ پر وحی اتری ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں اتری، اور اس سے بھی (بڑا ظالم کون ہے) جو کہتا ہے کہ جیسا کلام اللہ نے اُتار ہے ویسا میں بھی لا سکتا ہوں، اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیاں جھیل رہے ہوتے ہیں، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی روحوں کو (تو تعجب کریں) آج تمہیں ذلت و رسوائی کا عذاب اس لئے دیا جائے گا کہ تم اللہ کے بارے میں ناحق باتیں کہتے تھے اور تکبر کی وجہ سے اس کی آیتوں سے اعراض کرتے تھے ﴿۹۳﴾

عَلَى عُنُقِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴿۱۰۲﴾ ”بارکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ سارے جہان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے۔“ صحیحین میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر نبی اپنی قوم کے لئے خاص طور پر بھیجا جاتا تھا، اور میں تمام نبی نوع انسان کے لئے بھیجا گیا ہوں۔“

(۸۸) ایمان بالآخرت کا تقاضا ہے کہ آدمی نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لائے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی دعوت کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ نبی نوع انسان کو آخرت میں عذاب نار سے بچنے اور حصول جنت کے لئے عمل کرنے کی دعوت دیں۔ آخرت پر ایمان رکھنے والوں کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور نماز کا ذکر بالخصوص اس لئے کیا گیا کہ ایمان باللہ کے بعد سب سے اہم اور اشرف عبادت یہی ہے۔ اسی لئے سورہ بقرہ کی آیت (۱۳۳) میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَعُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ یہاں ایمان سے مراد نماز ہے۔ اسلام میں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ترک نماز پر کفر کا اطلاق ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی، وہ کافر ہو گیا۔“ اس حدیث کو طبرانی نے انس رضی اللہ عنہ سے ”المعجم الأوسط“ میں روایت کی ہے۔

(۸۹) اس آیت کریمہ میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے زیادہ اپنے حق میں ظالم کون ہو سکتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو افترا پردازی کر کے غیروں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں، یا جو اپنی طرف سے حلال و حرام کے احکام وضع کرتے ہیں، اور دوسرے وہ لوگ جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر اللہ کی جانب سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور تیسرے وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن جیسا کلام پیش کر سکتے ہیں۔ یہ ظالمانہ اعمال و حرکات انہی سے سرزد ہو سکتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو نہیں جانتے کہ آخرت میں ظالموں کا انجام کیا ہوگا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آگے بیان کیا ہے کہ ایسے لوگ جب موت کی شدتوں اور سکرات میں مبتلا ہوں گے، تو فرشتے اپنا ہاتھ پھیلائے انہیں عذاب دے رہے ہوں گے، اور ان سے نہایت سختی کے ساتھ کہیں گے کہ بھاگتے کہاں ہو، نکالو اپنی جانوں کو۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کافروں کی جان کنی کا جب وقت آتا ہے اور فرشتے انہیں عذاب نار اور غضب رحمان

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْكَبْتُمْ أَسْوَاقَ الْبَنَاتِكُمْ وَآلِهَةً ظَاهِرِينَ ۗ وَمَا نُرِي مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفْرَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۗ لَقَدْ نَقَطَ بَيْنَكُمْ وَصَلَّ عَنْكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ اللَّهَ فَلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمْ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۹۱﴾

اور تم ہمارے پاس اکیلے (۹۰) آئے ہو، جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ سب کچھ اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں دیا تھا، اور ہم تمہارے ساتھ (آج) ان سفارشیوں کو نہیں دیکھ رہے ہیں جن کے بارے میں تمہارا خیال تھا کہ وہ (تمہاری پرورش و پرداخت میں) اللہ کے شریک ہیں، تمہارے آپس کے رشتے ٹوٹ گئے، اور تمہارا خیال بالکل غلط نکلا ﴿۹۰﴾ بے شک اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے (۹۱) والا ہے، زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے، وہی اللہ ہے، پھر تم کدھر جا رہے ہو ﴿۹۱﴾

کی خبر دیتے ہیں، تو ان کی رو میں بھاگنے لگتی ہیں اور باہر نکلنے سے انکار کرتی ہیں، فرشتے انہیں مارنے لگتے ہیں تاکہ ان کی رو میں ان کے جسم سے باہر نکلیں اس وقت فرشتے کہتے ہیں کہ اپنی روحوں کو اپنے جسموں سے نکالو، تم جو اللہ کے بارے میں ناحق باتیں بناتے تھے، آج ان کے بدلے میں تمہیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔

(۹۰) میدانِ محشر میں بنی نوع انسان کی حالت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ جب حساب و جزاء کے لئے اللہ کے سامنے ان کی پیشی ہوگی تو وہ بالکل تنہا ہوں گے، نہ ان کا مال ساتھ ہو گا نہ اولاد، اور نہ ہی وہ اصنام اور ان کے وہ جھوٹے معبود ساتھ ہوں گے جنہیں وہ اپنا سفارشی گمان کرتے تھے۔ پیدائش کے وقت ان کی جو حالت تھی اسی حال میں اٹھائے جائیں گے۔ ابن جریر طبری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے جب یہ آیت پڑھی تو کہا، یا رسول اللہ! کیسی رسوائی کی بات ہوگی کہ میدانِ محشر میں مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو دیکھ رہے ہوں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اس دن ہر آدمی اپنے حال میں گم ہوگا، کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھ رہا ہوگا۔

(۹۱) باری تعالیٰ کی توحید کا بیان ہو جانے کے بعد اُس کی قدرتِ تخلیق اور اس کی کچھ مثالیں بیان کی جا رہی ہیں جو اس کے علم و حکمت اور کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے کہ اصلی مقصود اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات و افعال کے ذریعہ پہچانا اور یہ جاننا ہے کہ تمام اشیاء کا خالق صرف اسی کی ذات ہے۔ اور اس علم و ایمان کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عبادت کی تمام قسموں کا مستحق بھی صرف اسی کو مانا جائے، اور اُن اصنام اور باطل معبودوں کو قدموں کے نیچے رونداجائے جنہیں مشرکین اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں اور انہیں اپنا بلجا ماویٰ سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ زمین کے اندر دانے کو پھاڑ کر ہر ابھر اپودا، اور کھجور کی گٹھلی کو پھاڑ کر لہلہاتا درخت نکالتا ہے۔ اس کی قدرت کی کارگیری دیکھئے کہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔ جیسے نطفہ سے حیوان، اور خشک دانے سے سرسبز و شاداب پودے نکالتا ہے۔ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے، یعنی حیوان سے نطفہ اور پودا سے دانہ نکالتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے جو عظیم الشان قدرتوں کا مالک اور عبادت کی تمام قسموں کا تنہا مستحق ہے۔ پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان اُس ذات باری تعالیٰ کے بجائے دوسروں کی عبادت کرنے لگتا ہے۔

فَالْبُقُوعُ الْإِصْبَاحَ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ
 النَّجْمَ لِيَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ
 وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا ۚ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ وَخَرَجْنَا
 بِهِ نَبَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا مُتَّخِرِينَ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَوُجُوهٌ
 جَدَّتْ مِنَ آعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالنُّوَّارُ وَمِثْلَهَا ۚ وَغَيْرُ مِثْلِهَا ۚ أَنْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَكْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَكُمُ
 آيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

وہی صبح کا نکلنے (۹۲) والا ہے اور اسی نے رات کو سکون و آرام کا وقت، اور سورج اور چاند کو (مہینہ اور سال کے) حساب کے لئے بنایا ہے، یہ اس ذات کا مقرر کردہ نظام ہے جو زبردست، بڑا علم والا ہے ﴿۹۱﴾ اور اسی نے تمہارے لئے ستارے (۹۳) بنائے ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرو، ہم نے ایسے لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، آیتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے ﴿۹۲﴾ اور اسی نے تمہیں ایک جان (۹۴) سے پیدا کیا ہے، پس ایک جگہ قرار کی ہوتی ہے، (یعنی ماں کا رحم) اور ایک جگہ امانت کی (یعنی باپ کی پشت) ہم نے ایسے لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے ﴿۹۸﴾ اور اسی نے آسمان سے (۹۵) پانی اتارا ہے پھر ہم نے اس کے ذریعہ تمام پودے نکالے، پھر ان سے ہری ڈالیاں نکالیں جن سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گامھے میں سے خوشے، جو (پھل کے بوجھ سے) جھکے جاتے ہیں، اور انگوروں کے گھنے باغات، اور زیتون، اور انار جو ایک دوسرے سے بعض اوصاف میں ملتے جلتے ہیں، اور بعض دوسرے اوصاف میں نہیں ملتے (یا شکل میں ملتے ہیں اور مزہ اور ذائقہ میں مختلف ہوتے ہیں) جب درخت پھل لاتا ہے تو اس کے پھل کو اور اُس پھل کے پکنے کو تو دیکھو، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿۹۹﴾

(۹۲) اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی کے پردے سے صبح کی روشنی کو نکالتا ہے، اور اس نے رات کی تاریکی کو انسان کے لئے وجہ سکون بنایا، کہ دن بھر کی تھکن کے بعد رات کو سوتا اور آرام کرتا ہے۔ اور آفتاب و ماہتاب کو دن مہینہ اور سال کے حساب کا ذریعہ بنایا، جو گھومتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کی دلیلیں ہیں۔

(۹۳) اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کیا، جن کے ذریعہ بڑی اور بحری راستوں پر سفر کرنے والے رات کی تاریکیوں میں راستہ پہچانتے ہیں۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ ستاروں کی تخلیق کا ایک مقصد تو یہ ہے جو یہاں بیان ہوا، دوسرا مقصد اُن کے ذریعہ مردود شیاطین کو مارنا ہے جو آسمان کی باتیں سنا چاہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ صافات کی آیت (۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ﴾ اور سورہ ملک کی آیت (۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا هَارُوجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾ اور تیسرا مقصد آسمان کی زینت ہے۔ اس کے بعد کہا کہ جو ان فوائد کے علاوہ ستاروں کے بارے میں کسی اور بات کا اعتقاد رکھے گا، وہ اللہ تعالیٰ پر افتر پردازی کرے گا۔

(۹۴) اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت تخلیق کی ایک اور مثال بیان کی گئی ہے، تاکہ اس کے کمال قدرت کا اثبات ہو۔ باری تعالیٰ

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ وَسُبْحَانَكَ يَا عَزِيزٌ ۗ وَتَعَالَى عَنِ السُّفْهَانَ ۗ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنۢى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ ۗ وَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ صَاحِبَةً وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۵﴾

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک (۹۵) بنایا حالانکہ انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے، اور انہوں نے بغیر جانے سمجھے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لی ہیں، وہ ان باتوں سے پاک اور برتر ہے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں ﴿۱۰۰﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا (بغیر کسی سابق مثال و نمونہ کے) پیدا (۹۷) کرنے والا ہے۔ اس کو بیٹا کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۱۰۱﴾

نے انسان کو صرف آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے، اور وہ اس طرح کہ باپ کی بیٹھ میں نطفہ کو پیدا کیا، اور پھر اسے ماں کے رحم میں پہنچایا، جہاں وہ تخلیق و نمو کے مختلف مراحل سے گذرتا ہے، اور پھر انسان بن کر پیدا ہوتا ہے۔

(۹۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت کی ایک عظیم دلیل پیش کی ہے، اور انسانوں کے لئے ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر رحم کرتے ہوئے بادل سے پانی برساتا ہے۔ اس پانی کے ذریعہ انواع و اقسام کے پودے پیدا کرتا ہے، پھر اس پودے کو تروتازہ اور سبز درخت بناتا ہے، پھر ان درختوں میں گچھوں کی شکل میں ڈھیر سارے دانے پیدا کرتا ہے، جیسے گچھوں، جو اور چاول کے خوشے، اور کھجور کے درختوں میں گچھے پیدا کرتا ہے جو بالترتیب خوشے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جو ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں، اور کچھ دور بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعہ انگوروں کے باغ کو بسا دیتا ہے، اور زیتون اور انگور پیدا کرتا ہے، جن میں سے بعض تو شکل و ہیئت اور رنگ و ذائقہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں، اور بعض مشابہ نہیں ہوتے۔ اور ذرا ان میں سے ہر ایک کو دیکھو تو سہی کہ جب پھل نکلتا ہے تو کیسا کمزور اور بے کار سا ہوتا ہے، اور جب وہ پک جاتا ہے تو کیسا نفع بخش اور لذیذ ہوتا ہے۔ یقیناً ان سب چیزوں پر نگاہ عبرت انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ ان کے پیدا کرنے والے کی عظیم قدرت پر ایمان لے آئے۔

(۹۶) جب عالم علوی اور سفلی سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت پر دلائل پیش کر دیئے گئے اور اس کی دی ہوئی انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر ہو چکا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ عبادت کا مستحق صرف اسی کی ذات ہے، تو اب مشرکین کی زبردستی اور ان کے شرکیہ اعمال کی تردید کی جا رہی ہے۔ چونکہ مشرکین نے بتوں کی پرستش جنوں کے حکم سے کی اس لئے انہوں نے گویا جنوں کی عبادت کی۔ حالانکہ جب اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں، تو بلاشبہ وہی بلا شرکت غیرے ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔ آیت میں ان لوگوں کی گمراہی بیان کی گئی ہے، جو اللہ کے بارے میں افترا پردازی کر کے کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی بتاتے تھے، جیسا کہ یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے، اور مشرکین عرب فرشتوں کے بارے میں اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے تمام حادث و ناقص صفات سے یکسر پاک ہے۔

(۹۷) جن لوگوں نے اللہ کے لئے بیٹیا یا بیٹی ثابت کرنے کی جرأت کی، ان کی تردید کی جا رہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بغیر مادہ کے پیدا کیا ہے، وہ فاعل اور مؤثر مطلق ہے، وہ کسی چیز کا اثر قبول نہیں کرتا ہے، اور باپ بیٹے کا عنصر ہوتا ہے اور منفعل ہو کر اثر قبول کرتا ہے، تب بیٹے کا مادہ اس سے منتقل ہوتا ہے، اس لئے اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے بھی اس کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا کہ اس کی کوئی بیوی نہیں، اور بغیر دوہم جنس کے ملاپ کے لڑکا نہیں ہوتا، اور اللہ کا کوئی ہم جنس نہیں۔ اور

ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ أَنَّ اللَّهَ هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۹۸﴾ لَا تَدْعُ بِرَكْعَةِ الْإِبْصَارِ
وَهُوَ يَدْعُ بِرَكْعَةِ الْإِبْصَارِ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۹۹﴾ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ
فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِمَفْظٍ ﴿۱۰۰﴾

وہی اللہ تمہارا رب (۹۸) ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، پس تم لوگ اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا نگران ہے ﴿۱۰۲﴾ مخلوق کی نگاہیں اس کا ادراک (۹۹) نہیں کر سکتیں، اور وہ ان کی نگاہوں کا پورا ادراک کرتا ہے، اور وہ انتہائی دور بین و باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۰۳﴾ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس (دلوں کو روشن کرنے والے) دلائل (۱۰۰) آچکے ہیں، تو جو کوئی ان سے بصیرت حاصل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا، اور جو اندھا ہو جائے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا، اور میں تمہارے اوپر نگہبان نہیں مقرر کیا گیا ہوں ﴿۱۰۴﴾

اس لئے بھی اس کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اور انہی میں سے وہ بھی ہے جسے لوگ اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں، اور مخلوق خالق کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے بھی اس کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اگر اس کا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اس کی صفات کے ساتھ متصف ہوتا، وہ بھی ہر چیز کا علم رکھتا۔ جبکہ یہ صفت غیر اللہ سے بالاجماع منفی ہے۔

(۹۸) جس ذات پاک کی اوپر صفات بیان کی گئی ہیں، وہ اللہ ہے، جو تمام مخلوقات کا رب ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اسی لئے اُس نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں، وہی سب کا نگران، محافظ، مندر اور روزی رسال ہے۔

(۹۹) اس آیت کریمہ کا ایک معنی علمائے تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ گذشتہ آیت کے آخری حصہ میں جو بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کی نگرانی کر رہا ہے، اسی معنی کو بطور تاکید بیان کیا گیا ہے، کہ وہ تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ اور مقصود بندوں کو خوف دلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اس کی گرفت سے بچ کر رہنا چاہئے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اہل دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی دنیاوی وجود رکھنے والے شخص کو اس کا بیٹا قرار دیا جائے!؟

آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جو تمہیں یہ کہے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے رب کو دیکھا تھا، تو وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہی آیت پڑھی۔ لیکن یہ بات رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو میدانِ محشر اور جنت میں دیکھیں گے۔ بخاری و مسلم نے جریر بن عبد اللہ بخلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم لوگ اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

(۱۰۰) یہاں بصیرت سے مراد وہ دلائل اور نشانیاں ہیں جنہیں اللہ نے قرآن کریم میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ

وَكَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اِخْتِمْ مَا آوَجَىٰ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۚ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ وَأَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ وَلَا تَسْتَبُؤُا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسْتَبُؤُا اللَّهَ عَدُوًّا بَغِيضًا عَلَيْهِمْ كَذَلِكَ يُتَوَلَّىٰ لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلُهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور ہم نشانیوں (۱۰۱) کو اسی طرح مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں، اور تاکہ مشرکین کہیں کہ تم نے کسی سے پڑھا ہے، اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے بیان کر دیں جو جانتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی ہے اسی کی پیروی (۱۰۲) کیجئے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اور مشرکوں کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے ﴿۱۰۶﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک (۱۰۳) نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا ہے، اور نہ آپ (ان کی طرف سے مقرر کردہ) ان کے نگران ہیں ﴿۱۰۷﴾ اور اے مسلمانو! تم ان لوگوں کو گالیاں (۱۰۴) نہ دو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں، پس وہ بغیر جانے سمجھے زیادتی کرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے، ہم نے اسی طرح ہر جماعت کی نگاہ میں ان کے عمل کو خوشنما (۱۰۵) بنا دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس وہ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا ﴿۱۰۸﴾

میں بیان فرمایا ہے۔ جو شخص ان دلائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حق کا اعتراف کر لے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا، اور جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے گا، اور حق کو قبول نہیں کرے گا، تو اس کے انجام بد سے اسی کو نقصان پہنچے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زبانی کہا گیا کہ میں تمہارا نگران اور نگہبان نہیں کہ تمہیں گراہی سے بچاؤں، میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔ تمہارے اعمال کو تو اللہ تعالیٰ ریکارڈ کر رہا ہے، اور تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔

(۱۰۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی آیتوں اور دلائل کو مختلف انداز اور متعدد وجوہ میں بیان کیا ہے۔ اس بارے میں مشرکین باتیں بناتے تھے کہ قرآن ایک ہی بات کو بار بار کیوں بیان کرتا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی آیتوں کو مختلف انداز میں اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ مخالفین پر پورے طور سے حجت قائم ہو جائے، اور تاکہ مشرکین اور کفار یہ نہ کہیں کہ اے محمد! تو نے یہ سب کچھ اہل کتاب سے سیکھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اہل مکہ کو قرآن پڑھ کر سنا تے، تو وہ کہتے کہ تم نے یہ سب ”یسا اور خیر“ دوروی غلاموں سے سیکھا ہے، اور دعویٰ کرتے ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو مختلف انداز میں اس لئے بھی بیان کرتا ہے تاکہ حق کے طلب گاروں کے لئے اس قرآن کو کھول کھول کر بیان کر دے تاکہ وہ حق کی اتباع کریں اور باطل سے اجتناب کریں۔

(۱۰۲) نبی کریم ﷺ کے دل کی تقویت اور ان کے حزن و ملال کے ازالہ کے لئے انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اپنی راہ پر ثابت قدمی کے ساتھ چلتے رہئے، اور مشرکین کی باتوں کا خیال نہ کیجئے۔

(۱۰۳) مشرک و کافر کو گمراہ کرنے کی حکمت اللہ ہی جانتا ہے، اگر وہ چاہتا تو تمام بنی نوع انسان کو راہ ہدایت پر اکٹھا کر دیتا، لیکن وہ اپنی مشیت اور حکمت کے تقاضے کے مطابق جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اللہ سے اس

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعُرُكُمْ
أَنَّهَا آيَاتٌ كَذِبَةٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۶﴾

اور وہ اللہ کی بڑی سخت قسم (۱۰۶) کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے گی تو اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہتے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور اے مسلمانو! تمہیں کیا معلوم کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں گی تو وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۶﴾

کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، البتہ بندوں سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ انسانوں کے اعمال و اقوال کا ریکارڈ رکھتے، اور نہ ہی وہ ان کی روزی اور دیگر امور کے ذمہ دار تھے، ان کا کام تو اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا تھا، سوانہوں نے بدرجہ اتم انجام دیا۔

(۱۰۴) اس آیت کریمہ میں مومنوں کو اللہ کے ساتھ غایت تادب کی تعلیم دی گئی ہے، انہیں مشرکین کے جھوٹے معبودوں کو گالی دینے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ مشرکین غصہ میں آکر اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے ہیں۔ عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ مسلمان کافروں کے بچوں کو گالیاں دیتے تھے تو انہیں روکا گیا، تاکہ وہ اللہ کو گالی نہ دینے لگیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے کہا اے محمد! تم ہمارے معبودوں کو گالی دینے سے باز آ جاؤ، ورنہ ہم بھی تمہارے رب کی بُرائی بیان کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بتوں کو گالی دینے سے مومنوں کو منع کر دیا، اس لئے کہ جہاں کسی بڑی برائی کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہو، وہاں چھوٹی نیکی کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ بخاری نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آدمی اپنے والدین پر کیسے لعنت بھیجے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ کسی کے باپ کو گالی دے گا، تو وہ آدمی اس کے باپ کو گالی دے گا، اور اس کی ماں کو گالی دے گا، تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔

(۱۰۵) اللہ تعالیٰ نے جس طرح گزشتہ زمانوں میں اپنے نزدیک معلوم حکمتوں کے پیش نظر بہت سی گمراہ قوموں کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت اور مزین بنا دیا تھا، اسی طرح اس نے مشرکین مکہ کے دلوں میں بھی بچوں کی محبت ڈال دی ہے، اس لئے وہ ان کی وکالت و حمایت کرتے اور انہیں اپنا معبود بتاتے ہیں، لیکن قیامت کے دن جب اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے، تو انہیں ان مشرکانہ اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

(۱۰۶) مشرکین مکہ نے اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے کسی ایک نشانی کا مطالبہ کیا، اور قسم کھا کر کہا کہ اگر یہ نشانی آگئی تو ہم لوگ ضرور ایمان لے آئیں گے، لیکن ان کا مقصد ایمان لانا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ کی آجوں کا مذاق اڑانا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے جواب میں انہیں کہہ دیں کہ آیتیں اور نشانیاں اللہ کے پاس بہت ہیں، لیکن تمہاری مرضی کے مطابق ان کا لانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم جو چاہتے ہو کہ یہ مشرکین مکہ ایمان لے آئیں، تو تمہیں کیا معلوم کہ اگر ان کی مانگ کے مطابق اللہ تعالیٰ نشانیاں بھیج دے گا تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَنُقَلِّبُ أَقْدَانَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أُولَٰئِكَ فَزَادَهُمُ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم ان کے دلوں (۱۰۷) اور ان کی آنکھوں کو (قرآن پر ایمان لانے سے) پھیر دیں گے، جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے، اور انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے ﴿۱۰۷﴾

(۱۰۷) انہی مشرکین مکہ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حق کا ادراک کرنے سے محروم کر دیا ہے، اس لئے وہ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں، اور ان کی آنکھوں کو بصیرت سے محروم کر دیا ہے، اس لئے راہِ حق کو دیکھتے ہی نہیں، اس لئے جس طرح وہ لوگ پہلے ایمان نہیں لائے، اب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اللہ انہیں کفر میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے گا۔



وَلَوْ أَنَّا نُنزِّلُ الْيَوْمَ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيَوْمِنَا إِلَّا أَن تَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۰۸﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُؤْرِثُ بَعْضُهُمْ لِي بَعْضٍ تَخْرُفُ الْقَوْلَ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۰۹﴾

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے (۱۰۸) اتار دیتے، اور ان سے مردے بھی بات کرنے لگتے، اور ہر چیز کو ان کے سامنے لاکھڑا کر دیتے تو بھی وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، سوائے اس کے کہ اللہ چاہے (تو وہ اور بات ہے) لیکن ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں ﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے (ماضی میں بھی) اسی طرح ہر نبی کے، انسان اور جن شیطانوں میں سے دشمن (۱۰۹) بنائے تھے جو دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملح کی ہوئی باتیں ڈالتے تھے، اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسے کام نہ کرتے، پس آپ انہیں اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجئے ﴿۱۱۲﴾

(۱۰۸) مشرکین مکہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اب جو ہم نے نشانی مانگی ہے اگر آگئی تو ایمان لے آئیں گے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت ہی شدت کے ساتھ تکذیب کی ہے کہ یہ لوگ ایک نشانی کی بات کرتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی بھیج دیں جیسا کہ وہ اس سے پہلے مطالبہ کر چکے ہیں کہ ﴿لَوْ لَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْمَلَائِكَةَ﴾ (الفرقان: ۲۱)۔ اور قبروں سے مردے اُٹھ کر ان سے بات بھی کرنے لگیں، جیسا کہ وہ اس سے پہلے سوال کر چکے ہیں کہ ﴿فَأَنشَأُوا بَابًا قَدِ ابْنُ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الذخاں: ۳۶)۔ اور ان کے سامنے دنیا کے تمام حیوانات، نباتات اور جمادات کو بطور نشانی جمع کر دیں تو بھی یہ لوگ اپنے تہر اور سرکشی کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے، ہاں اگر اللہ چاہے گا تو ایمان لے آئیں گے، لیکن اکثر لوگ نادان ہیں، جانتے ہی نہیں کہ ایمان کی دولت اللہ کی مشیت سے ملتی ہے، خلاف عادت نشانیوں کے ظہور سے نہیں۔ علامہ قاشانی نے لکھا ہے کہ ایسے ایمان کا اللہ کے نزدیک اعتبار بھی نہیں جو عادات کے خلاف نشانیوں کو دیکھ کر لایا جائے۔ (۱۰۹) مشرکین مکہ کی عداوتوں سے کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ دل برداشتہ ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی ان کی دل دہی کرتا تھا۔ اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے: ہم نے جس طرح آپ کے دشمن پیدا کئے ہیں جو آپ کی مخالفت کے درپے ہیں، اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کے تمام انبیاء کے بھی دشمن پیدا کئے تھے، جو انسانوں اور جنوں کے اثر اور ہوتے تھے، اور جو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ناحق کو ناحق بنا کر پیش کرتے تھے، اس لئے آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ شیاطین جن وانس آپ کی اور گذشتہ انبیاء کی مخالفت نہ کرتے، آپ انہیں چھوڑ دیجئے تاکہ مزید افترا پردازی کرتے رہیں۔ انہیں عنقریب اپنا انجام بد معلوم ہو جائے گا۔

مسند احمد میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابوذر! اللہ کے ذریعہ جن وانس کے شیاطین کے شر سے پناہ مانگو۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے نبی، کیا انسانوں کے بھی شیاطین ہوتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، ہاں، انس و جن کے شیاطین ایک دوسرے کو طمع کی ہوئی بات لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے پہنچاتے رہتے ہیں۔“ مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جنوں کے کفار شیاطین ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کے کفار یعنی شیاطین انس کو ملح کی ہوئی باتیں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے پہنچاتے رہتے ہیں۔

وَلِتَصْنَعِيَ إِلَيْهِ أَفِيدَةً الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ۝ اَفْعَيْدُ
 اللَّهُ ابْتِغَى حُكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ
 مِنْ سَرَابٍ بِالنِّحْيِ فَلَا تَكُونُ مِنْ الْمُنْتَرِينَ ۝ وَبَيَّنَّا كَلِمَاتُكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ
 السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اور (شیاطین اس لئے بھی ایسی باتیں کرتے ہیں) تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان ^(۱۱۰) نہیں رکھتے، اُن کے دل ان باتوں کی طرف مائل ہوں، اور انہیں پسند کر لیں، اور وہ بھی انہی گناہوں کا ارتکاب کریں جو وہ کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ (اے ہمارے رسول! آپ ان سے کہئے) کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور ہمارے درمیان فیصلہ ^(۱۱۱) کرنے والا تلاش کر لوں، حالانکہ اسی نے تمہارے لئے وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر بات تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے زمانہ میں کتاب دی تھی، وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے، پس آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے ﴿۱۱۴﴾ اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل اور تام ہے، اس کے کلام ^(۱۱۳) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾

(۱۱۰) شیاطین انس و جن اس لئے بھی ملحق سازی سے کام لیتے ہیں، تاکہ جو لوگ یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور انہیں اپنا امام اور پیشوا مان لیں اور اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق جو چاہیں کرتے رہیں۔
 (۱۱۱) یہ استنبہامِ انکاری ہے، بعض مشرکین مکہ کی تردید کرنے کے لئے سوالیہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ میں کیسے گم گشتہ راہ بن جاؤں، اور اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا مان لوں!؟

دراصل یہ جواب تھا کفارِ قریش کے سوال کا کہ اے محمد! ہم اپنے بتوں پر تمہاری تنقیدوں سے تنگ آچکے ہیں۔ اس لئے کسی کو ہمارے اور تمہارے درمیان حکم اور فیصلہ بناؤ جو ہمارا فیصلہ کرے، تو اللہ نے اپنے نبی سے کہا، آپ انہیں جواب دیں کہ کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور طاغوت کو اپنا حکم مان لوں، جبکہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے وہ قرآن اتارا ہے جس میں حق و باطل اور حلال و حرام سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔

اور اہل کتاب تو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے، اس لئے کہ تمام گزشتہ انبیاء نے اس قرآن کی بشارت دی ہے، اور اس لئے کہ یہ قرآن، تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ اس لئے اے نبی! کفارِ قریش کے انکار کی وجہ سے آپ اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شبہ نہ کریں۔

(۱۱۳) یہاں "کلمات" سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی خبریں، احکام، وعدے اور وعید ہیں۔ وہ تمام خبریں اور وعدے اور وعید غایت و درجہ سچے ہیں، اور وہ تمام احکام و اوامر عدل و انصاف کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر و نواہی کے بعد کسی شخص کی قدرت میں نہیں (چاہے دنیا میں یا آخرت میں) کہ وہ اپنے احکام اور اوامر و نواہی کو نافذ

وَأَنْ تُطْعَمَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۳﴾
 إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۴﴾ فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ
 بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۵﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَا حَزَمْتُمْ عَلَيْكُمْ وَإِنَّمَا
 أَضْطَرُّرْتُمْ أَلْيَوْمَ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۶﴾

اور اگر آپ ان لوگوں کی بات مانیں گے جن کی زمین میں اکثریت (۱۱۳) ہے، تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھنکادیں گے وہ لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور بالکل جھوٹی باتیں کرتے ہیں ﴿۱۱۶﴾ بے شک آپ کا رب اُسے خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک جاتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے ﴿۱۱۷﴾ اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اُس جانور کو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو ﴿۱۱۸﴾ اور تم وہ جانور کیوں نہیں کھاؤ گے جس پر اللہ کا نام (۱۱۳) لیا گیا ہو، اور اس نے تو وہ چیزیں تمہاری خاطر تفصیل سے بیان کر دی ہیں جنہیں تم پر حرام کر دی ہیں، سوائے اس کے جسے کھانے پر تم بے حد مجبور ہو جاؤ، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے لوگوں کو اپنی خواہشات کے مطابق گمراہ کرتے ہیں بے شک آپ کا رب حد سے تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾

کر سکے۔ وہی ذات پاک اپنے بندوں کے تمام اقوال کو سننے والا اور ظاہر و مخفی کا جاننے والا ہے۔

(۱۱۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی خطرناک حقیقت کی خبر دی ہے کہ زمین پر رہنے والے اکثر و بیشتر لوگ پہلے بھی گم گشتہ راہ رہے، اور رہتی دنیا تک یہی حال رہے گا۔ حق کو پانے والے اور اس پر قائم رہنے والے ہمیشہ ہی کم رہے ہیں۔ اس لئے افراد کی کثرت حق و صداقت کی کبھی بھی دلیل نہیں رہی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم كذلك" کہ "میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو لوگ ان سے الگ ہو جائیں گے وہ انہیں نقصان نہ پہنچائیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، اور وہ اپنے حال پر باقی رہیں گے۔" اس حدیث کو مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے نبی ﷺ کو متنبہ کیا ہے کہ کثرت آپ کے نزدیک حق کی دلیل نہیں ہونی چاہئے، اور صرف کثرت کی بنیاد پر آپ کو اہل زمین کی اتباع نہیں کرنی چاہئے، ورنہ آپ راہ حق سے ہٹ جائیں گے۔ یہ کفار جو کثیر تعداد میں ہیں اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کے آباء و اجداد حق پر تھے، اس لئے ان کی تقلید کرتے ہیں۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ لوگوں کی اکثریت اسی دین پر قائم ہے جو ان کا بھی دین ہے۔ یہ لوگ اللہ کے بارے میں اٹکل بچو باتیں کرتے ہیں، کبھی کسی کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، تو کبھی بتوں کو اللہ کے پاس اپنا سفارشی بتاتے ہیں، اور کبھی مردہ اور غیر اللہ کے نام پر چھوڑے گئے جانوروں کو حلال قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کا رب خوب جانتا ہے۔ کون اس کی راہ سے بھٹک جائے گا، اس

لئے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، اور کون اس کی راہ کو اختیار کرے گا، تو اس کے لئے اس راہ پر چلنا آسان کر دیتا ہے۔

(۱۱۴) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو گمراہ کافروں کی اتباع سے منع فرمایا ہے۔ ان کی ایک گمراہی یہ تھی کہ وہ اپنی

وَذُرُوا ظَاهِرَ الْأَشْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْأَشْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱۵﴾

اور تم کھلے اور چھپے سب گناہوں (۱۱۵) سے باز آ جاؤ، بے شک جو لوگ گناہ کار تکاب کرتے ہیں وہ عقرب اپنے کئے کی سزا پائیں گے ﴿۱۲۰﴾

طرف سے حلال و حرام کا حکم لگایا کرتے تھے، اور مسلمانوں سے جھگڑتے تھے کہ اللہ جسے ذبح کر دیتا ہے اسے تو تم لوگ نہیں کھاتے ہو، اور اپنا ذبح کیا ہوا کھاتے ہو، جیسا کہ نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم لوگ کافروں کی بات میں آ کر مردے جانور کھانا شروع نہ کرو، بلکہ وہی جانور کھاؤ جس کا کھانا حلال ہو، اور جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ آیت (۱۱۹) میں مسلمانوں کو ان جانوروں کے کھانے کی دوبارہ ترغیب دلائی گئی ہے جنہیں اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جن چیزوں کا کھانا حرام ہے اللہ نے اسے بیان کر دیا ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورہ مائدہ کی آیت (۳) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْيَتِيمَةُ﴾ الایۃ کی طرف اشارہ ہے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ ”مائدہ“ آخری مدنی سورت ہے اور ”انعام“ سکی سورت ہے، بلکہ شاید اشارہ اسی سورت کی آیت (۱۳۵) ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيهَا مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ الایۃ کی طرف ہے، یا مقصود یہ ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے وہ احکام بیان کئے، اس کے بعد قرآن کریم میں ان سے متعلق آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اضطراری حالتوں میں جان بچانے کے لئے حرام چیز کو بقدر حاجت کھا لینا جائز ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور بغیر کسی شرعی دلیل کے اپنی خواہشات و شہوات کے مطابق حلال و حرام کا حکم جاری کرتے رہتے ہیں۔

(۱۱۵) محرمات کی تفصیل کے بعد اب ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جنہیں یکسر چھوڑ دینا واجب ہے، ”ظاہر اور پوشیدہ گناہ“ کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

جہاد کے نزدیک اس سے مراد کھلے اور پوشیدہ گناہ ہیں۔ قنادہ کے نزدیک کم یا زیادہ نیز پوشیدہ اور کھلے گناہ مراد ہیں۔ سیدی کے نزدیک ”ظاہر“ سے مراد طوائفوں کے ساتھ زنا، اور ”باطن“ سے پوشیدہ داشتاؤں کے ساتھ زنا مراد ہے۔ عکرمہ کے نزدیک ظاہر سے مراد ان عورتوں سے شادی ہے جن سے شادی کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیت کا مفہوم عام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے ظاہر و باطن فواحش کو حرام کر دیا ہے“۔ آیت کا جو حصہ اس کے بعد آیا ہے وہ بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے، فرمایا کہ جو لوگ گناہ کریں گے انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا، یعنی وہ گناہ چاہے ظاہر ہو یا باطن۔

امام احمد اور مسلم نے نواس بن سماعان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے گناہ کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: ”گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھلے، اور تمہیں پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے“۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيُؤْوِعُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَاءِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۱۶﴾

اور اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا (۱۱۶) ہو وہ یقیناً فسق ہے، اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے (۱۱۷) ڈالتے رہتے ہیں، تاکہ وہ لوگ تم سے جھگڑیں، اور اگر تم ان کی بات (۱۱۸) مان لو گے، تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے ﴿۱۱۶﴾

(۱۱۶) اس آیت کے شان نزول میں اصحاب سنن نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کرتے ہیں (یعنی ذبح کرتے ہیں) اسے تو کھاتے ہیں، اور جسے اللہ قتل کرتا ہے (یعنی مرنے دیتا ہے) اسے نہیں کھاتے تو ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ سے ﴿إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ تک نازل ہوئی۔ نسائی میں ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ جھگڑا کیا کہ اللہ کے ذبح کئے ہوئے جانور کو تم لوگ نہیں کھاتے، اور جو خود ذبح کرتے ہو اسے کھاتے ہو۔ انتہی۔

جو جانور اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے اس کی حلت کے بارے میں علماء کے تین مشہور اقوال ہیں:
 پہلا قول: داؤد ظاہری، ابو ثور، ابن عمر رضی اللہ عنہما، نافع، شعیب، ابن سیرین اور ایک روایت کے مطابق مالک اور احمد کا ہے کہ جو جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح نہیں کیا گیا ہے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، چاہے قصداً نہ پڑھا ہو یا بھول گیا ہو:
 ۱- ان حضرات نے اسی آیت کے ظاہری الفاظ سے استدلال کیا ہے۔

۲- اور سورہ مائدہ کی آیت (۳) سے جس میں شکار کئے ہوئے جانور کے کھانے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ ﴿فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ کہ جن جانوروں کو شکاری جانوروں نے تمہارے لئے پکڑ رکھا ہوا نہیں کھاؤ، اور اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔

۳- اور ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں ذبح اور شکار کرتے وقت بسم اللہ کہنے کا حکم آیا ہے، جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عدی بن حاتم اور ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہما سے کہا: ”اگر تم اپنے سکھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو تو اس کا شکار کھاؤ“۔

اور صحیحین ہی میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو آلہ ذبح کرتے وقت خون نکال دے اور اُس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھاؤ، اور دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو“۔ اور صحیح مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں سے فرمایا: ”تمہارے لئے ہر وہ ہڈی کھانا جائز ہے جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو“۔ اور صحیحین میں جندب بجلي رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا ہے وہ ایک دوسرا جانور ذبح کرے، اور جس نے نماز سے پہلے ذبح نہیں کیا ہے وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمیں گوشت دیتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہا تھا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا ”بسم اللہ کہو اور کھاؤ“۔ یعنی صحابہ کرام جانتے تھے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا مسلمان کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، اس لئے اگر کوئی مسلمان قصد آیا بھول کر بسم اللہ چھوڑ دیتا ہے تو کوئی نقصان کی بات نہیں ہے۔ یہ قول امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس، ابو ہریرہ اور عطاء سے بھی یہی مروی ہے۔ ان حضرات نے آیت کریمہ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكَرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ کو غیر اللہ کے لئے ذبح کئے گئے جانور پر محمول کیا ہے، اس لئے کہ "فسق" وہی جانور ہوگا جسے غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔ ان کے نزدیک اس مفہوم کی تائید بعد میں آنے والی آیت: ﴿أَوْ فِسْقًا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ سے ہوتی ہے، کہ وہ جانور حرام ہے جو شرک کے طور پر غیر اللہ کے نام سے چھوڑا گیا ہو۔

ابن ابی حاتم نے عطاء سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان جانوروں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہیں قریش اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور ان جانوروں کے بارے میں جنہیں مجوسی ذبح کریں۔ اور ابو داؤد نے اپنے "مراسل" میں صلت سدوسی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، چاہے بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے، اگر وہ نام لے گا تو صرف اللہ کا لے گا"۔ اور اس کی تائید (ان کے نزدیک) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے ہوتی ہے جسے دارقطنی نے روایت کی ہے کہ اگر مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام لے تو اسے کھائے، اس لئے کہ مسلمان کے اندر اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے نئے مسلمانوں کے دیئے ہوئے گوشت کے بارے میں فرمایا کہ "تم لوگ بسم اللہ کہو اور کھاؤ" یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کہنا شرط ہوتا تو جب تک ذبح کرتے وقت اسے کہنے کا یقین نہ ہو جاتا آپ ﷺ ان کو کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

امام خطابی کہتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے کہ بسم اللہ پڑھنا ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، اس لئے کہ اگر شرط ہوتا تو مشکوک حالت میں ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں ہوتا۔ ان حضرات نے قرآن کریم کی آیت: ﴿وَوَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾ اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے" سے بھی استدلال کیا ہے، اس لئے کہ یہ شک بہر حال باقی رہتا ہے کہ انہوں نے بسم اللہ کہا ہے یا نہیں۔

تیسرا قول: امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب اور اسحاق بن راہویہ کا ہے، اور امام مالک اور امام احمد کا بھی مشہور قول یہی ہے کہ اگر ذبح کرنے والا بسم اللہ کہنا بھول گیا ہے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر قصداً بسم اللہ نہیں پڑھا ہے تو کھانا جائز نہیں ہوگا۔ علی، ابن عباس، سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری، ابو مالک، ابن ابی لیلیٰ، جعفر بن محمد اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کا یہی قول ہے۔ ان حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، جسے بیہقی نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "مسلمان کا نام کافی ہے، اگر ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو اللہ کا نام لے اور کھالے"۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، حدیث مرفوع نہیں ہے۔ البتہ ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہو سکتی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ کہ "اے اللہ! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہمارا مواخذہ نہ کر"۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "میری امت سے غلطی اور بھول کو درگزر کر دیا گیا ہے"۔ (ابن ماجہ، طبرانی)۔

امام شوکانی نے بظاہر پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے دوسری رائے کو، یعنی ان کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے شرط نہیں۔ صاحب محاسن التزیل نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے، لیکن احتیاطاً کا تقاضا یہی ہے کہ اگر ذبح

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِمَخَارِجٍ
فِيهَا أَكْذَابُ الَّذِينَ الْكٰفِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۹﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكْبَرًا مِّنْهُمْ لِيَسْأَلُوْا فِيهَا وَا مَا
يَكْفُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

کیا جو شخص مُردہ تھا، تو ہم نے اسے زندہ (۱۱۹) کیا، اور اس کے لئے ہم نے ایک نور مہیا کر دیا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اُس آدمی کے مانند ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اس سے نکل نہیں سکتا ہے، کافروں کے اعمال ان کے لئے اسی طرح خوشنما بنا دیئے جاتے ہیں ﴿۱۲۰﴾ اور اسی طرح ہم ہرستی کے مجرموں (۱۲۰) کو بھی وہاں کا بڑا بناتے ہیں، تاکہ اس میں (اللہ کے دین کے خلاف) سازشیں کریں، حالانکہ ان کی سازشیں خود ان ہی کے خلاف پڑتی ہیں، لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہوتا ہے ﴿۱۲۰﴾

کرنے والے نے قصداً بسم اللہ نہیں کہا ہے تو اسے نہ لکھایا جائے، کیونکہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں (کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ، ایسے جانور کا کھانا فسق ہے) ہاں، اگر مسلمان ذبح کرنے والا بسم اللہ کہنا بھول گیا ہے۔ تو قرآن و سنت میں موجود ان دلائل کے پیش نظر اس کا کھانا جائز ہوگا، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے امت مسلمہ سے غلطی اور بھول چوک کو درگزر کر دیا ہے۔ اور یہ جو قرآن کریم میں آیا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ کھانا حلال ہے تو یہ ایک الگ حکم ہے جسے مسلمان کے ذبیحہ کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۱۷) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وحی کی دو قسمیں ہیں:

ایک اللہ کی وحی محمد ﷺ پر، اور دوسری شیطان کی وحی اپنے ماننے والوں پر۔ ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شیاطین اپنے ماننے والوں کو سکھاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم لوگ اللہ کے ذبح کئے ہوئے کو نہیں کھاتے، اور جسے خود ذبح کرتے ہو کھاتے ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذَكِّرْ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ کہ ”جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ“۔

(۱۱۸) آیت کا یہ حصہ دلیل ہے کہ جو کوئی اللہ کی حرام کردہ کسی شے کو اپنی طرف سے حلال کرے گا یا کسی حلال کو حرام کرے گا، وہ مشرک ہوگا۔ ترمذی نے ﴿اتَّخَذُواْ اٰخْبَارَهُمْ وَذُهَّبٰنَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب نے اپنے اہبار و زہبان کی عبادت تو نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا کہ اہبار و زہبان نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا، اور لوگوں نے ان کی اتباع کی یہی ان کی عبادت تھی۔

(۱۱۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی ایک مثال بیان کی ہے، اور مقصود مومنوں کو کافروں کی اتباع سے نفرت دلانا ہے۔ انسان کفر و ضلالت میں بھٹک رہا تھا، اور گویا وہ مردہ تھا تو اللہ نے اس کے دل کو ایمان کے ذریعہ زندہ کیا، اور وہ مومن بن گیا، لیکن جسے اللہ ایمان کی توفیق نہیں دیتا وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا ہے، اور گویا وہ زندہ ہوتے ہوئے مردہ ہوتا ہے، کیونکہ اصل زندگی ایمان کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں ”ایمان“ کو زندگی اور روشنی سے اور ”کفر“ کو موت اور تاریکی سے تعبیر کیا ہے۔

(۱۲۰) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح ہم نے مکہ میں کچھ بڑے (مجرمین) پیدا کئے ہیں جو اپنے پیروکاروں کو دھوکہ

وَأَذَاءَ تَهْمَائِهِ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِحَاشَى نَفْسِي مِثْلَ مَا أَوْتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْلَمَ حَدِيثٌ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيِّئِيبَ الَّذِينَ أَجْرُمُوا صَغَارَ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۱۲۱﴾ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَكْفُرْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرِيحًا كَأَنَّمَا يُصْعَقُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور جب ان کے پاس کوئی نشانی (۱۲۱) آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں وہ چیز (یعنی رسالت) نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی تھی۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں ودیعت کرے، عنقریب ان مجرموں (۱۲۲) کو اللہ کے نزدیک ان کے مکرو فریب کی وجہ سے ذلت و رسوائی اور شدید عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا ﴿۱۲۲﴾ تو جس کو اللہ ہدایت (۱۲۳) دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ اور گھٹھا ہوا بنا دیتا ہے، جیسے کہ وہ آسمان کی طرف چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، اللہ اسی طرح ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ہیں عذاب (۱۲۴) مسلط کر دیتا ہے ﴿۱۲۵﴾

دینے کے لئے باطل کو بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہر اس بستی میں جس کی ہدایت کے لئے اللہ نے کسی نبی کو بھیجا کچھ بڑے مجرمین پیدا کئے، جنہوں نے حق کا انکار کیا، اور باطل کو خوش رنگ بنا کر عام لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور انہیں دھوکہ میں ڈال کر اللہ کے نبی کی اتباع سے روکا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”مکر“ سے مراد یہی ہے کہ اُن مجرمین نے اپنے ماننے والوں کو چکنی چیزیں باتوں کے ذریعہ گمراہی کی دعوت دی۔ اور انبیاء و رسل کو آزمائشوں میں مبتلا کیا، لیکن بالآخر انبیاء کو اللہ کی نصرت حاصل ہوئی، اور ان مجرموں کی سازشیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

(۱۲۱) ولید بن مغیرہ کے بارے میں مروی ہے، اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر نبوت سچی چیز ہوتی تو اس کا حقدار میں ہوتا، اس لئے کہ میں عمر میں بڑا اور زیادہ مالدار ہوں۔ اور ابو جہل کے بارے میں مروی ہے، اس نے کہا کہ اللہ کی قسم، ہم نہ اس کو مانیں گے اور نہ اس کی اتباع کریں گے، (اللہ یہ کہ ہم پر بھی وحی نازل ہو جیسے محمد ﷺ پر نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ”نور نبوت“ سے اللہ تعالیٰ ہر کسی کو سرفراز نہیں کرتا۔ اللہ جانتا ہے کہ اس کا اہل کون ہے۔ اور اس لامنت کی حفاظت کون کر سکتا ہے۔

مسند احمد اور صحیح مسلم میں وائلہ بن الأسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے آپ کو پہلے اولاد ابراہیم سے چنا پھر بنی اسرائیل سے، پھر کنانہ سے، پھر قریش سے، اور پھر بنی ہاشم سے چنا۔“ مسند احمد کی ایک دوسری حدیث ہے کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوقات، تمام قبائل اور تمام خاندان سے چنا اور پھر بنی ہاشم سے چنا۔

(۱۲۲) چونکہ مکرو فریب وہی ایک قسم کی خفیہ سازش ہوتی ہے اسی لئے اللہ کے بندوں کو بذریعہ سازش اس کی بندگی سے روکنے والوں کو قیامت کے دن بڑے عذاب اور سخت سزا کی خبر دی گئی ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کی پیٹھ پر ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ دہی کا جھنڈا ہے۔

وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۚ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَةَ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ لَهُمْ دَارُ الْآلَةِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُمْ فِيهَا يَبْتَغُونَ
كَأَنَّهُمْ يَعْمَلُونَ ۝ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جِيعًا ۚ لِيُعْشَرَ لِمَنْ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاهُمْ مَنِ
الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْمِعْهُ بَعْضًا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا لَاجِلَنَا الَّذِي أَجَلْتُمْ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَلِيدِينَ فِيهَا إِلَّا نَاشَاءَ
اللَّهِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝

اور یہ دین اسلام (۱۲۵) آپ کے رب کی راہ ہے جو سیدھی ہے، ہم نے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے
ہیں اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے ﴿۱۲۶﴾ انہیں اپنے رب کے پاس سلامتی کا گھر (۱۲۶) ملے گا، اور ان کے
اچھے اعمال کی بدولت وہ ان کا دوست اور کارساز ہے ﴿۱۲۷﴾ اور جس دن اللہ تمام (جنوں اور انسانوں) کو
اکٹھا (۱۲۷) کرے گا اور کہے گا کہ اے جنوں کی جماعت! تم نے تو انسانوں کی بہت بڑی تعداد کو اپنا فرمانبردار
بنالیا، اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم میں سے ایک نے دوسرے سے فائدہ
اٹھایا تھا، اور ہم اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا، اللہ کہے گا کہ تمہارا ٹھکانا آگ ہے جس میں
ہمیشہ کے لئے رہو گے، مگر اللہ جو چاہے گا (۱۲۸) (اسے ہونا ہے) (یعنی جسے چاہے گا اپنی مرضی سے جہنم سے نکال
دے گا) بے شک آپ کا رب بڑی حکمتوں والا، بڑے علم والا ہے ﴿۱۲۸﴾

(۱۲۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی ہے کہ ہدایت و گمراہی اس کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہتا ہے اپنی
رحمت سے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے تقاضائے عدل کے مطابق گمراہ کر دیتا ہے۔ اور ہدایت و گمراہی ہر دور کا ایک مقرر
نظام رہائی ہے۔ جو ہدایت چاہتا ہے اور اس کی طلب صادق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے راستوں کو آسان بنا دیتا ہے
اور تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے، اور قبول ایمان اور اتباع اسلام کے لئے اسے شرح صدر عطا فرماتا ہے۔ اور جو گمراہی چاہتا ہے،
اور اس کی خواہش کرتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ گمراہی کے تمام دروازوں کو کھول دیتا ہے، اور اس کا دل تنگ ہو جاتا ہے کہ
ایمان کے داخل ہونے کے لئے اس میں گنجائش باقی نہیں رہتی، اور اس کی حالت اس آوی جیسی ہوتی ہے جو حکف تمام آسمان
کی طرف چڑھنا چاہتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کر پاتا، یعنی توحید اور ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہو پاتا۔

(۱۲۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہاں "رجس" سے مراد "شیطان" ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کافر کا دل تنگ
بنادیتا ہے اور اس میں نور ایمان داخل نہیں ہو پاتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو بھی مسلط کر دیتا ہے، جو اسے ہمیشہ گمراہ
کر تارہتا ہے اور راہ حق سے روکتا ہے۔

(۱۲۵) یہاں اشارہ دین اسلام، قرآن کریم اور توحید و ایمان کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گمراہ لوگوں کا حال اور ان کا طور
طریقہ بیان کرنے کے بعد دین اسلام اور راہ حق کی فضیلت بیان کی ہے۔

(۱۲۶) "دار السلام" سے مراد جنت ہے، یعنی دین اسلام پر چلنے والوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت دے گا، اور انہیں اپنی
محبت سے نوازے گا، اور ان کا حافظہ ناصر ہو گا۔

(۱۲۷) مومنوں کے لئے انعام و اکرام کا بیان ہو جانے کے بعد اب کافر جن و انس کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ)!

ذَلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَفِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنَّ يَتَّخِذُ هَيْبَتَكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۱۳۳﴾

یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لئے ہے کہ آپ کارب بستوں کو ظلم سے ہلاک (۱۳۲) نہیں کرنا چاہتا، جبکہ ان کے رہنے والے بے خبر ہوں ﴿۱۳۱﴾ اور ہر آدمی کے لئے اس کے اعمال کے مطابق (اللہ کے نزدیک اچھے یا برے) درجات ہیں، اور آپ کارب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے ﴿۱۳۲﴾ اور تیرا رب غنی (۱۳۳) ہے، رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے گا تو تمہیں دنیا سے لے جائے گا اور تمہارے بعد جسے چاہے گا تمہاری جگہ لے آئے گا، جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے پیدا کیا تھا ﴿۱۳۳﴾

کی جرات نہیں ہوگی، اور سبھی اپنے اپنے کفر کا اعتراف کریں گے۔ اب اس آیتِ کریمہ میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دونوں گروہوں سے مزید زبرد تو توحیح کے طور پر پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس ہمارے انبیاء و رسل نہیں آئے تھے؟ ضحاک بن مزاحم نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جنوں میں انبیاء و رسل ہوئے ہیں، لیکن جمہور ائمہ سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء و رسل صرف انسانوں میں ہوئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے استدلال کر کے اسے ثابت کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف آیت (۱۰۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ﴾ ”آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد انسان تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے“۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل صرف انسان مرد ہوا کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۳۱) قیامت کے دن کافر اقرار کریں گے کہ اللہ نے انبیاء و رسل بھیج کر حجت تمام کر دی تھی۔ تب اللہ تعالیٰ کہے گا کہ کافروں کو ان کی دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ایک دوسری شہادت نقل کی ہے، وہ خود ہی گواہی دیں گے کہ انہوں نے انبیاء اور ان کی نبوتوں کا انکار کیا تھا اور کفر کی راہ اختیار کی تھی۔

قیامت کے دن کافروں کا یہ قول بھی قرآن میں منقول ہے کہ ﴿وَاللَّهُ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ ”ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے شرک نہیں کیا تھا“۔ امام شوکانی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ کفار اپنی غایت درجہ کی پریشانی اور عقل و خرد گم ہو جانے کی وجہ سے کبھی کبھی کہیں گے اور کبھی کبھی

(۱۳۲) انبیاء و رسل کی بعثت کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی رہنمائی کے لئے انبیاء اس لئے مبعوث کئے، تاکہ قیامت کے دن کفار و مشرکین یہ نہ کہیں کہ ان کے پاس نہ انبیاء آئے، نہ کتابیں اتریں، اور نہ ہی کسی نے انہیں اللہ کا خوف دلایا، پھر آج انہیں کیوں عذاب دیا جا رہا ہے۔

(۱۳۳) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، نہ ان کی عبادت کا محتاج ہے، نہ ان کا ایمان اسے نفع پہنچاتا ہے، اور نہ ان کا کفر اسے نقصان پہنچاتا ہے، لیکن اس کمال بے نیازی کے باوجود وہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اس کی بے نیازی ان پر رحم کرنے سے مانع نہیں ہے، اگر وہ چاہے تو اپنے نافرمان بندوں کو ٹیکس ہلاک کر دے اور ایک ایسی قوم کو لے آئے جو مطیع و فرمانبردار

إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَأَيُّهَا وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ
مَنْ سَكُنَ لِرَبِّ عَاقِبَةً دَارًا لَّا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا
فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۗ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ
يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾

بے شک جس قیامت (۱۳۴) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آکر رہے گی، اور تم ہمیں عاجز نہیں کر سکتے ہو ﴿۱۳۴﴾ آپ کہتے کہ اے میری قوم! تم اپنے طریقہ پر عمل (۱۳۵) کئے جاؤ، میں (اپنے طریقہ پر) کاربند ہوں، تم لوگ عنقریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہوگا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ﴿۱۳۵﴾ اور اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں ان کا ایک حصہ (۱۳۶) مشرکوں نے اللہ کے لئے مقرر کر دیا، اور اپنے زعم باطل کے مطابق کہا کہ یہ اللہ کے لئے ہے، اور یہ ہمارے معبودوں کے لئے توجو حصہ ان کے معبودوں کا ہوتا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتے اور جو اللہ کا حصہ ہوتا ہے وہ ان کے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے، ان کا فیصلہ بڑا برا ہے ﴿۱۳۶﴾

ہو، جیسا کہ وہ گذشتہ زمانوں میں قوموں کو ختم کر کے دوسری قوموں کو لاتا رہا ہے۔

(۱۳۴) اس سے مراد قیامت اور اس کے احوال ہیں، اور مقصود ان لوگوں کی تردید کرنی ہے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ آدمی مرنے کے بعد سڑگل جاتا ہے اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔

(۱۳۵) اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی کافروں کے لئے ایک قسم کی دھمکی ہے کہ تم لوگ اپنے کفر و شرک پر جسے رہو، مجھے بھی تمہاری اور تمہارے کفر کی کوئی پروا نہیں، میں بھی اسلام پر ثابت قدم رہوں گا۔ تم لوگ عنقریب ہی جان لو گے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون، اور فتح و نصرت اور عزت و غلبہ تمہارا نصیب ہو گا یا ہمارا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے رسول سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا، مکہ فتح ہوا، دشمنان اسلام کو منہ کی کھانی پڑی اور آپ کی زندگی میں ہی پورا جزیرہ عرب حلقہ گوش اسلام ہو گیا، اور آپ کی وفات کے بعد خلفاء کی زندگی میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ فارس و روم اور اس کے بعد برصغیر ہند و پاک کی سر زمین اسلام کی شعاعوں سے منور ہونے لگی۔

(۱۳۶) مشرکین کی ایجاد کردہ بدعات، کفر و شرک، اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بتوں کی جو اہمیت ان کے دل و دماغ میں تھی، انہی باتوں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین اپنے زرمی پیداواروں اور جانوروں کا ایک حصہ اللہ کے لئے اور دوسرا حصہ اپنے بتوں اور معبودوں کے لئے قرار دیتے تھے۔ بتوں کا حصہ پر وہ بتوں اور سادھوؤں پر خرچ کرتے، اور جب وہ پورا خرچ ہو جاتا تو اللہ کا حصہ بھی بتوں ہی کے لئے خاص کر دیتے، اور کہتے کہ اللہ تو مالدار ہے، توجو حصہ بتوں کا ہوتا وہ تو اللہ کو بہر حال پہنچتا ہی نہیں تھا (یعنی صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ پر خرچ نہیں ہوتا تھا) اور جو حصہ اللہ کا ہوتا اسے بھی بتوں پر خرچ کر دیتے تھے۔

آیت کا ایک دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ کے حصہ کا جانور ذبح کرتے تو بتوں کا نام لیتے، اور جب بتوں کے حصہ کا جانور ذبح کرتے تو اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔

وَكَذَلِكَ زَكَّيْنَا لِكَيْفِيرِ قَوْمِ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ لِيُرِدُّوهُمْ وَأَلْيَسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوا فَعَدَّ رَهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرِيبٌ حِجْرٌ كَذِبٌ لَّيْطَعْمَهَا الْأَمْنُ تَشَاءُ بِرُءُوسِهِمْ وَأَنْعَامٌ حَرَمَتْ طَهْرُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِمْ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کی نگاہوں میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل (۱۳۷) کو اچھا بنا دیا ہے، تاکہ انہیں ہلاک کریں، اور ان کے دین میں مشرکانہ اعمال کو داخل کر دیں، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ ایسا نہ کرتے، پس آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اور ان کی افترا پر دازیوں کو بھی ﴿۱۳۷﴾ اور کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتیاں (۱۳۸) (بتوں کے لئے) مخصوص ہیں، وہ اپنے زعم باطل کے مطابق کہتے ہیں کہ انہیں وہی کھائے گا جسے ہم چاہیں گے، اور کچھ جانوروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی ہے، اور کچھ جانور ایسے ہیں جنہیں ذبح کرتے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں، یہ سب اللہ کے بارے میں افترا پر دازی ہے، عنقریب اللہ انہیں ان کی تمام افترا پر دازیوں کی سزا دے گا ﴿۱۳۸﴾

(۱۳۷) یعنی جس طرح گذشتہ تقسیم میں شیاطین نے شرک کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کیا، اور انہوں نے اسے قبول کر لیا، اسی طرح ان شیاطین نے ایک اور بڑے جرم کو مشرکین کی نگاہوں میں خوبصورت اور جائز بنا کر پیش کیا۔ تنگی رزق کے خوف سے اولاد کا قتل، اور ننگ و عار کے ڈر سے بیٹیوں کا درگور کرنا روا کر دیا، اور مشرکین نے شیطانوں کی اتباع کرتے ہوئے اسے قبول کر لیا۔ اور اس طرح شیطانوں نے مشرکین کو شرک اور قتل اولاد کا مرتکب بنا کر انہیں ہلاکت کی طرف دھکیل دیا، اور باطل افکار و نظریات کی ترویج کر کے انہیں اس دین حق سے برگشتہ بنا دیا جس پر ان کے پیش رو بزرگ اسماعیل علیہ السلام قائم تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ یعنی انہوں نے ایسا اللہ کی مشیت کے مطابق کیا، اس لئے آپ ان کی ہلاکت و بربادی پر غم نہ کریں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

(۱۳۸) مشرکین عرب کی عادت تھی کہ وہ بہت سے احکام خود ہی وضع کر لیتے اور انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے، بالخصوص اپنے بتوں کے بارے میں بہت سے مشرکانہ عقائد و اعمال کو اپنے درمیان روانہ دے دیتے اور انہیں اللہ کی طرف منسوب کر دیتے۔ اس آیت کریمہ میں مشرکین کے انہی بعض عقائد و اعمال کو بیان کیا گیا ہے۔ کبھی ایسا کرتے کہ بعض جانوروں اور زرعی پیداواروں کے بارے میں بزعم خود کہہ دیتے کہ یہ صرف ہمارے بتوں کے لئے ہیں دوسروں کے لئے ان کا کھانا ممنوع ہے، انہیں وہی لوگ کھائیں گے جنہیں ہم چاہیں گے، اور ان کا مقصد یہ ہوتا کہ انہیں صرف بتوں کے خدمت گار ہی کھائیں گے۔ اور کبھی کچھ جانوروں کو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اور کہتے کہ ان پر سواری کرنا ممنوع ہے۔ قرآن کریم نے سورہ مائدہ آیت (۱۰۳) میں انہی جانوروں کو بحیرہ، سائبہ، و صیلہ اور حام کے نام سے ذکر کیا ہے (اس آیت کی تفسیر دوبارہ دیکھی جائے) اور کبھی کچھ جانوروں کو بتوں کے نام سے ذبح کرتے اور اللہ کا نام نہ لیتے، اور اللہ پر افترا پر دازی کرتے ہوئے کہتے کہ یہی اللہ کی شریعت ہے۔ اللہ نے ان کے اعمال پر تکبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان کی ان افترا پر دازیوں کا بدلہ انہیں عنقریب ہی دے گا۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمَعْزُمَةٌ عَلٰى أَرْوَاحِنَا وَإِن يَكُن مِّمَّنَّةً فَهُم فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصَفَّهُمْ ۗ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَزَمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۗ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَعَيْنٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلًّا مِّن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتَى حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۗ وَلَا يَسْرِفُونَ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۴۱﴾

اور کہتے ہیں کہ ان (بتوں کے لئے وقف کردہ) چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ صرف ہمارے مردوں (۱۳۹) کے لئے ہے، ہماری بیویوں پر اس کا کھانا حرام ہے، اور اگر وہ بچہ مردہ ہوگا تو اس میں سبھی شریک ہوں گے، اللہ عنقریب انہیں ان کے اس کہنے کی سزا دے گا، وہ بے شک بڑی حکمتوں والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۱۳۹﴾ جن لوگوں نے اپنی اولاد (۱۴۰) کو بے وقوفی سے بغیر جانے سمجھ قتل کر دیا انہوں نے نقصان اٹھایا، اور (ان لوگوں نے بھی خسارہ اٹھایا) جنہوں نے اللہ کی دی ہوئی روزی کو اللہ پر انفر پر دازی کرتے ہوئے اپنے اوپر حرام بنا لیا یقیناً وہ لوگ گمراہ ہو گئے، اور وہ راہ راست پر چلنے والے نہیں تھے ﴿۱۴۰﴾ اور وہی ہے جس نے چھپروں پر چڑھائے ﴿۱۴۱﴾ اور بے چڑھائے ہوئے باغات پیدا کئے ہیں، اور کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں پیدا کی ہیں جن کے دانے اور پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اور زیتون اور انار پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض مشابہ نہیں ہوتے، جب ان کے پھل تیار ہو جائیں تو کھاؤ، اور اسے کاٹنے کے دن اس کی زکاۃ دو، اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۱۴۱﴾

(۱۳۹) اس آیت کریمہ میں مشرکین عرب کی ایک اور گمراہی بیان کی گئی ہے کہ جن جانوروں کو وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، جن کا ذکر اوپر آچکا، ان کے بارے میں یہ شریعت ایجاد کرتی تھی کہ ان کا دودھ پینا، اور ان کے بچوں کا گوشت کھانا صرف مردوں کے لئے حلال ہے عورتوں کے لئے نہیں، چنانچہ عورتیں نہ ان کا دودھ پیتیں اور نہ ان کے بچوں کا گوشت کھاتیں، ہاں اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اس کا گوشت مرد اور عورتیں سبھی کھاتے۔ یہ ان کی خود ساختہ شریعت تھی جسے انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کر رکھا تھا، جس پر تکبر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عنقریب اس کا بدلہ دے گا۔

(۱۴۰) مشرکین عرب نے تنگی رزق کے ڈر سے بیٹوں کو اور تنگ وعار کے خوف سے بیٹیوں کو قتل کیا، اور اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کا گوشت کھانا ان کے لئے حلال بتایا تھا اپنی خود ساختہ شریعت کے ذریعہ انہیں اپنے لئے حرام بنا لیا، اور اس طرح دنیا و آخرت کے ہر خسارے کے مستحق بنے، دنیا میں اولاد کھوئی اور اللہ کی نعمتوں سے محروم رہے، اور آخرت میں اللہ پر انفر پر دازی کی وجہ سے عذاب الیم کے مستحق بنیں گے۔

(۱۴۱) آگے آنے والی آیتوں میں مختلف جانوروں کے گوشت کی حلت و حرمت سے متعلق احکام کا بیان ہے، یہ آیت کریمہ انہیں تفصیلات کی تمہید ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ اللہ کی ذات ہے جس نے چھپروں اور زمینوں پر پھیلنے والے درختوں اور بیلوں کے باغات، کھجور کے درخت، مختلف الانواع زراعتیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے ہیں۔ زمین ایک ہوتی ہے مٹی ایک ہوتی

وَمِنَ الْأَكْمَامِ حُمُولَةٌ وَفَرِشًا كَلُوا مِن مَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَلَا تَكْفُرُوا بِمَا خَلَقُوا الشَّيْطَانُ إِذْ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۳۲﴾

اور چوپایوں میں بعض بوجھ اٹھانے والے (۱۳۲) پیدا کئے ہیں، اور بعض زمین سے لگے ہوئے (یعنی چھوٹے قد کے) اللہ نے تمہیں جو روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۱۳۲﴾

ہے، لیکن کھیتوں کے پھل رنگ، مزہ، بو اور حجم میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح زیتون اور انار کے درختوں کے پتے رنگ اور شکل میں ایک جیسے ہوتے ہیں، لیکن مزے میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی کارگیری ہے اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کون ان باتوں پر قادر ہے!؟

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جب یہ دانے اور پھل پک جائیں تو انہیں کھاؤ، ہم نے تمہارے لئے ہی انہیں پیدا کیا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مقصود ان کے کھانے کی اباحت بیان کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مال میں سے اللہ کا حق نکالنے سے پہلے اس میں سے کھانے کی اباحت بیان کرنی مقصود ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ پھل اور کاشت کاٹنے کے دن اس میں سے غریبوں اور ان لوگوں کا حق نکال دو جو وہاں موجود ہوں۔ عطاء کے نزدیک اس سے مراد زکاۃ نہیں، بلکہ کاٹنے کے وقت جو لوگ آجائیں انہیں کچھ دینا ہے، اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے، اور زکاۃ مدینہ میں فرض ہوئی تھی۔ حسن بصری کا بھی تقریباً یہی قول ہے، اور ابن عباس، انس بن مالک، طاؤس، قتادہ اور ابن جریج وغیرہم کا قول ہے کہ اس سے مراد زکاۃ ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں کاشت کاٹنے کے وقت، مناسب حال حصہ غریبوں کو دینا واجب تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عشر (یعنی دسواں حصہ اگر زمین بارش سے سیراب ہوتی ہو) یا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ اگر کنویں یا نہر وغیرہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو) واجب کر کے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ ابن جریر نے ابن عباس اور ابراہیم نخعی کا یہی قول نقل کیا ہے اور اسی کو ترجیح دیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسراف اور فضول خرچی سے منع کیا ہے، اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے کہ صدقہ دینے میں ایسی فضول خرچی سے کام نہ لیا جائے کہ آدمی اس کے بعد فقیر ہو جائے۔ اور دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ کھانے میں اسراف و فضول خرچی سے بچا جائے کیونکہ اس سے حس اور عقل دونوں کو نقصان پہنچتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف آیت (۳۱) میں فرمایا ہے: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ کہ ”کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی سے کام نہ لو“۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب اللباس“ میں تعلیقاً روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ کرو، بغیر فضول خرچی اور بغیر کبر و غرور کے“۔

(۱۳۲) اس کا تعلق اوپر کی آیت سے ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی جلت و حرمت کے بارے میں مشرکین کے خود ساختہ احکام کی تردید کی ہے۔ جانور کئی قسم کے ہوتے ہیں، بعض بوجھ اٹھاتے ہیں، اور بعض کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر لٹا دیا جاتا ہے۔ ”فروش“ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بال اور اون سے بستریاں کیا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ”حمولة“ سے مراد وہ بڑے جانور ہیں جو بار برداری کے لئے ہوتے ہیں، اور ”فروش“ سے مراد چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

كُنُيَّةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الظَّالِمِ اِثْنَيْنِ وَمِنَ الْمُعْرِضَيْنِ اِثْنَيْنِ قُلْ اَلَّذِكْرَيْنِ حَزْمٌ اَمْرٌ اَلْاِثْنَيْنِ اَمَّا اَشْتَمَلَتْ عَلَيْهِنَّ اَزْوَاجُ
اَلْاِثْنَيْنِ فَيَكُونُنِي بِعِلْمِنَا لَنْتُمْ صِدْقَيْنِ ۝ وَمِنَ اَلْبَقَرِ اِثْنَيْنِ قُلْ اَلَّذِكْرَيْنِ حَزْمٌ
اَمْرٌ اَلْاِثْنَيْنِ اَمَّا اَشْتَمَلَتْ عَلَيْهِنَّ اَزْوَاجُ اَلْاِثْنَيْنِ اَمْ لَنْتُمْ شُهَدَاءُ اِذْ وُضِعَ لَكُمْ اَللَّهُ هٰذَا ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

اَفْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

آٹھ قسم کے جانور (۱۴۳) کھاؤ، بھیڑ کی قسم سے زراور مادہ دو، اور بکری کی قسم سے زراور مادہ دو۔ ذرا آپ ان مشرکوں سے پوچھئے تو سہی کہ اللہ نے دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤمنوں کو یا ان بچوں کو جو دونوں مؤمنوں کے پیٹ میں ہوتے ہیں، اگر سچے ہو تو مجھے کسی علم و آگہی کی خبر دو ﴿۱۴۳﴾ اور اونٹ کی قسم سے زراور مادہ (۱۴۴) دو، اور گائے کی قسم سے زراور مادہ دو، ذرا آپ ان سے پوچھئے تو سہی کہ اللہ نے دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤمنوں کو، یا ان بچوں کو جو دونوں مؤمنوں کے پیٹ میں ہوتے ہیں، کیا جب اللہ نے تمہیں (کچھ جانوروں کو حلال کرنے اور کچھ کو حرام کرنے کا) اختیار دیا تھا، تو تم لوگ اس وقت موجود تھے؟ پس اُس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، تاکہ لوگوں کو بغیر جانے سمجھے گمراہ کرے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۱۴۴﴾

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اُس نے انواع و اقسام کے پھل، زرعی پیداوار اور جانور تمہیں بطور رزق دیئے ہیں، انہیں تم اپنے جسم و جان کی حفاظت کے لئے کھاؤ اور دیکھو، ان کی حلت و حرمت کے بارے میں شیطان کے اوامر و احکام کی اتباع نہ کرو، اس لئے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(۱۴۳) اس کا تعلق بھی گذشتہ آیت سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے کھانے کے لئے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کئے ہیں، ان میں سے چار: دو مذکورہ مؤنث بھیڑ، اور دو مذکورہ مؤنث بکری ہیں، اور ان سب کا کھانا حلال قرار دیا ہے، لیکن مشرکین نے اپنی خود ساختہ شریعت کے ذریعہ ان میں سے بعض اقسام کو (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور جنہیں قرآن کریم نے بحیرہ اور وصیلہ وغیرہ کے نام دیئے ہیں) اپنے اوپر حرام بنا لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہی کی تردید کرتے ہوئے یہاں فرمایا کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ ان بھیڑوں اور بکریوں میں سے اللہ نے دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤمنوں کو، یا ان بچوں کو جو دونوں مؤمنوں کے پیٹ میں پرورش پا رہے ہیں۔ کوئی ایسی بات تو بتاؤ جس کی بنیاد علم و یقین پر ہو؟!

(۱۴۴) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دو اونٹ مذکورہ مؤنث، اور دو گائے پیدا کئے ہیں (جن کی مجموعی تعداد آٹھ ہوتی ہے) اور ان سب کا کھانا حلال قرار دیا ہے، لیکن مشرکین نے ان میں سے بعض اقسام کا کھانا اپنے لئے حرام کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کے اس قبیح عمل کی تردید کی اور ان کی کذب بیانی کو واضح کیا۔ اور اس تردید و انکار کی مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ جب اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم اپنی من مانی شریعت کے ذریعہ بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دو گے، تو کیا تم لوگ اس وقت موجود تھے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے بارے میں افترا پر دازی ہے۔ اللہ نے تو آٹھوں قسموں کو تمام انسانوں کے لئے حلال بنا دیا تھا۔ تم نے اپنی من گھڑت شریعت کے ذریعہ کبھی کسی کو حرام بنا دیا تھا تو کبھی کسی اور کو۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مَرْمُوعًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرٌ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو کتاب مجھے بذریعہ وحی دی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام (۱۳۵) نہیں پاتا ہوں، سوائے اس کے کہ کوئی مُردار جانور ہو، یا پہنے والا خون، یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا ایسا جانور جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو، ہاں، جو شخص بے حد مجبوری کی حالت میں کوئی حرام چیز استعمال کر لے گا، نہ نافرمان ہوگا، اور نہ ہی حد سے تجاوز کرنے والا، تو بے شک آپ کا رب بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۳۵﴾

(۱۳۵) جانوروں کی تحلیل و تحریم کے بارے میں مشرکین عرب کی خود ساختہ شریعت، اور ان کی افترا پر دازی کو بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اب وہ اُن اشیاء کو بیان کر دیں جنہیں اللہ نے بندوں کے لئے حرام بنایا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ”مردہ جانور“ جو موت کی وجہ سے فاسد اور ناپاک ہو جاتا ہے، پہنے والا خون، سور کا گوشت جو (نجاستوں کے کھانے کی وجہ سے) ناپاک ہو جاتا ہے، اور وہ جانور جسے بچوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ قرآن کریم نے ایسے جانور کو ”فسق“ کے نام سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ ”فسق“ کا معنی قرآن کریم کی اصطلاح میں اسلام سے خارج ہو جانا ہے، اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے ان محرمات میں سے صرف بقدر ضرورت استعمال کر لے، تو اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی زندگی کے اس دور تک محرمات صرف یہی چار چیزیں تھیں، اس کے بعد مدینہ میں سورہ مائدہ نازل ہوئی، جس میں مٹھقہ، موقوڑہ، متردیہ اور نظیجہ کو حرام بتایا گیا، جن کی تفصیل مذکورہ بالا سورت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث کے ذریعہ ناخن والے جانوروں، نچنے والی چڑیوں، پالتو گدھوں اور کتوں وغیرہ کی حرمت ثابت ہوئی۔ اس لئے اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد (جو کئی ہے) قرآن کریم یا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ذریعہ جن جانوروں کی حرمت ثابت ہوئی، وہ بھی اسلام میں حرام ہیں۔

امام شوکانی کہتے ہیں کہ ابن عباس، ابن عمر اور عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے، لیکن یہ قول لائق اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس سے بغیر کسی دلیل کے قرآن کریم کی اُن آیتوں کا اہمال و اسقاط لازم آتا ہے جو اس کے بعد نازل ہوئیں، اور ان احادیث کا بھی جو مدنی زندگی میں وارد ہوئیں۔

اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ علم کے سمندر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی آیت کے مد نظر پالتو گدھوں کو حلال قرار دیا ہے، جسے امام بخاری نے روایت کی ہے، تو یہ بات لائق اعتناء نہیں ہے اس لئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے حرمت ثابت ہو گئی تو صحابی کے قول پر عمل کرنا بے سمجھی اور بے انصافی ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزْمًا مِّمَّا كَلَّمُوا مِنْ ذِي ظُفُرٍ، وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَزْمًا عَلَيْهِمْ شُؤْمُهُمْ إِلَّا مَا حَمَلَتْ
ظُهُورُهُمْ أَوْ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَائُهُمْ بِبَعْضِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو
رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے یہودیوں پر ہرناخن والا جانور (۱۳۶) حرام کر دیا تھا، اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی، سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں سے لگی ہوتی ہے، یا جو ہڈی کے ساتھ چسکی ہوتی ہے، ہم نے یہ سزا انہیں ان کی سرکشی کی وجہ سے دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں ﴿۱۳۶﴾ پس اگر وہ لوگ آپ کو جھٹلائیں (۱۳۷) تو کہہ دیجئے کہ تمہارا رب بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا ﴿۱۳۷﴾

(۱۳۶) مسلمانوں کے لئے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان کا بیان ہو جانے کے بعد اب ان چیزوں کو بیان کیا جا رہا ہے جو صرف یہود پر حرام کی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہود پر ہرناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا۔ ”ناخن والے“ سے مراد ہر وہ جانور ہے جس کی انگلیاں پھٹی ہوئی نہ ہوں۔ اس تعریف کے مطابق اس میں ہر وہ جانور داخل ہو جائے گا جو کھرا پیچھے والا ہوگا۔ اس لئے اونٹ، گائے، بکری، شتر مرغ، بلیغ، اور ہر وہ چیز داخل ہوگی جس کے پیچھے ہوں گے، ان تمام جانوروں کا گوشت یہود پر حرام تھا۔ ان کے لئے انہی جانوروں کا گوشت حلال تھا، جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی تھیں، جیسے مرغی اور گوریا وغیرہ۔

اور ”وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے گائے اور بکری کا گوشت بطور خاص حلال کر دیا گیا تھا، صرف ان کی چربی حرام کر دی گئی تھی، سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ سے لگی ہو، یا جو ان کی آنتوں سے چسکی ہوئی ہو، یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، جیسے وہ چربی جو دم، پاؤں، پسلی، سر اور آنکھ کے ساتھ چسکی ہوئی ہے، اور یہ سب کچھ ان کی سرکشی اور اللہ کے احکام کی نافرمانی کی وجہ سے ہوا تھا۔ اور اللہ کا ان کے ساتھ یہ برتاؤ بڑا ہی عادلانہ تھا۔

ابن جریر نے اس کی تفسیر یوں لکھی ہے کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے جو آپ کو یہ خبر دی ہے کہ مذکورہ چیزوں کو ان پر ہم نے حرام کیا تھا یہی صحیح ہے، ان کا یہ گمان باطل ہے کہ خود یعقوب نے اپنے اوپر انہیں حرام کر لیا تھا، اور یہ لوگ ان کی اتباع میں انہیں نہیں کھاتے۔ بخاری و مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی مار ہو یہود پر جب چربی ان کے لئے حرام کر دی گئی، تو اسے پکھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گئے“۔

(۱۳۷) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر مشرکین اور یہود آپ کی تکذیب کریں اور کہیں کہ تحلیل و تحریم سے متعلق تم نے جن احکام کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے، ان میں تم صادق نہیں ہو، تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بڑا ہی رحم کرنے والا ہے کہ تمہاری نافرمانیوں پر تمہیں عذاب دینے میں جلدی نہیں کر رہا ہے، لیکن یہ بات تمہارے ذہنوں سے غائب نہیں ہونی چاہئے کہ عذاب میں تاخیر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مجرم کرنے والی قوموں سے اللہ کا عذاب ٹل جائے گا۔ اللہ کے علم کے مطابق جب اس کا وقت آجائے گا تو اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ یا یہ مراد ہے کہ اگر دنیا میں عذاب نہیں آتا تو آخرت میں مجرموں سے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکے گا۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَمَزْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذُاقُوا بَأْسَنَا ۚ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تُخْرِصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قُلْ هَلَمْ شَهِدْنَا كَمَا الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَزَمَ هَذَا فَاِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعِ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ عُصْبُونَ ۝

جن لوگوں نے شرک کیا (۱۳۸) وہ عنقریب کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو اپنی طرف سے حرام قرار دیتے، اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا یہاں تک کہ ہمارا عذاب انہیں چکھنا پڑا، آپ پوچھئے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے (کہ اللہ تمہارے اعمال سے راضی ہے) تو اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو، تم لوگ صرف ظن و گمان کے پیچھے لگے ہو، اور تم لوگ صرف جھوٹ بولتے ہو ﴿۱۳۸﴾ آپ کہئے کہ حجتِ تامہ (۱۳۹) صرف اللہ کے پاس ہے، پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہِ راست پر لاکھڑا کرتا ﴿۱۳۹﴾ آپ کہئے، تم لوگ اپنے ان گواہوں (۱۵۰) کو لاؤ جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے وہ جانور حرام کر دیئے تھے، پس اگر وہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے، اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور غیر اللہ کو اپنے رب کے برابر مانتے ہیں ﴿۱۵۰﴾

(۱۳۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک شبہ کی تردید کی ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے کہ ہم جو (تمہارے خیال میں) شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، اور بعض چیزوں کو اپنی طرف سے حرام قرار دیتے ہیں تو اس کا علم اللہ کو ہے، وہ ہماری حالت بدل کیوں نہیں دیتا، اور ہمارے دلوں میں ایمان کو داخل کیوں نہیں کر دیتا، جب اللہ ایسا نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ سب کچھ اس کی مشیت اور ارادہ کے مطابق ہے، اور وہ ہم سے راضی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی شبہ کی وجہ سے بہت سے لوگ پہلے بھی گمراہ ہوئے، اور یہ نہایت ہی لچر دلیل ہے، اگر تمہاری بات صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں کیوں مبتلا کرتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ مشرکین سے کہئے کہ اگر تمہارے پاس کچھ ایسی معلومات ہیں جن کی بنا پر تم کہتے ہو کہ اللہ تمہارے حال پر راضی ہے تو اسے ظاہر کرو۔ اس کے بعد اللہ نے خود ہی فرمایا کہ اے اہل شرک! تمہارے پاس وہم و خیال اور اعتقادِ فاسد کے علاوہ کچھ بھی نہیں، تم یونہی اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہو۔

(۱۳۹) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اس کی حکمتِ تامہ اور اسباب کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اگر وہ چاہتا تو تمام بنی نوع انسان کو ہدایت کی راہ پر ڈال دیتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأنعام کی آیت (۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو راہِ ہدایت پر جمع کر دیتا۔“

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ
إِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نُرْزِقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَّنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ
اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَ ظَنَّمْتُمْ بِهِ لَعْنَةً تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۰﴾

آپ کہئے، آؤ، میں پڑھ کر سناؤں (۱۵۰) وہ چیزیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور محتاجی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں اور انہیں سب کو روزی دیتے ہیں، اور برائیوں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں، اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، مگر یہ کہ کسی شرعی حق کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا پڑے۔ اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو ﴿۱۵۰﴾

ضحاک کا قول ہے کہ اللہ کی تافرمانی کرنے والوں کے پاس کوئی جت نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے پاس اپنے بندوں کے بارے میں غایت درجہ کی جت ہے۔

(۱۵۰) اس آیت کریمہ میں مشرکین کو لاجواب کرنے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے، آپ ان سے کہئے کہ تم لوگ اپنے گواہوں کو پیش کرو کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے جنہیں تم حرام سمجھ رہے ہو (حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ ان کے پاس کوئی گواہ نہیں) اگر بفرض مجال کوئی ان کی تائید میں گواہی دیتا ہے جو محض کذب اور تعصب کی بنیاد پر ہو گا تو آپ ان کی تصدیق نہ کیجئے، اور نہ ہی ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع کیجئے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، اور جنوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

(۱۵۱) اوپر کی آیتوں میں مشرکین کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی کہ وہ اور ان کے آباء و اجداد اللہ کے ساتھ دوسروں کو جو شریک بناتے رہے ہیں اور کئی چیزوں کو حرام کہتے رہے ہیں تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق ہوتا رہا ہے۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان محرمات کو بیان کریں جنہیں واقعی اللہ نے حرام کیا ہے، اور جن کی حرمت کا علم بنی نوع انسان کے لئے ضروری ہے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل تین آیتوں میں دس اہم ترین محرمات کا ذکر آیا ہے۔ پہلی آیت میں پانچ محرمات کا ذکر آیا ہے، جنہیں یہاں بالترتیب بیان کیا جاتا ہے:

۱- اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا: مسند احمد، ترمذی اور دارمی وغیرہ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ”اے ابن آدم! تم اگر مجھے پکارو گے اور مجھ سے امید رکھو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا، چاہے تم سے جو بھی گناہ سرزد ہوا ہو اور پرواہ نہیں کروں گا، اور اگر تم زمین بھر کر گناہ لے کر آؤ گے تو اسی کے برابر میں تجھے مغفرت سے نوازوں گا، بشرطیکہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔“

۲- والدین کی تافرمانی: جس کی تحریم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے ساتھ احسان کا حکم دے کر واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کئی آیتوں میں اپنی طاعت و بندگی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالْحَقِّ هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْكَيْلِ وَالْبَيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۗ لَا تُكْلِفُوا نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۗ وَإِذَا قُلْتُمْ قَاعِدُوا لَكُمْ وَأُولَٰئِكَ هُم مَعَكُمْ ۗ وَمَا يُلْقِي إِلَهُكُم مِّنْ سَحَابٍ مِّن دُونِ ۙ

اور یتیم کے مال (۱۵۲) کے قریب نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو اس کے حق میں بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے، اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی پر اس کی طاقت بھر ہی ذمہ داری عائد کرتے ہیں، اور جب بھی کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ کہو چاہے اس کی زد کسی رشتہ دار پر ہی کیوں نہ پڑے، اور اللہ سے کے گئے عہد و پیمان کو پورا کرو، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۱۵۲﴾

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کون سا عمل سب سے اچھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”وقت پر نماز پڑھنا، میں نے کہا پھر کون سا؟ تو آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے کہا: پھر کون سا؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔“

۳- اولاد کا قتل: جو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ دور جاہلیت میں عرب کے لوگ غربت و محتاجی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ اور بچوں کو ننگ و عار کے خوف سے زندہ درگور کر دیتے تھے۔ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”تم اللہ کا کسی کو شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا: پھر کون سا؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔“ الحدیث۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں فرمایا کہ تمہیں اور انہیں ہم روزی دیتے ہیں، اس لئے کہ غلاموں کی روزی ان کے آقا و مولیٰ کے ذمہ ہوتی ہے۔

۴- نخس گناہوں کا ارتکاب: مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے بالخصوص زنا مراد ہے۔ صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو دیکھ لوں تو اسے تلوار سے قتل کر دوں گا، جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ”کیا تم لوگ سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم، میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے، اسی لئے تو اس نے ظاہر و پوشیدہ زنا اور فواحش کی تمام قسموں کو حرام کر دیا ہے۔“

۵- کسی بے گناہ کا قتل: صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں جو شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، سوائے تین قسم کے انسانوں کے: شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اللہ کا دین چھوڑ کر جماعت سے جدا ہو جانے والا۔“

(۱۵۲) اس آیت کریمہ میں چار مزید محرمات کا ذکر آیا ہے:

- ۱- یتیم کے مال میں ناجائز تصرف کرنا: یتیم کے گناہوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور تجارت کے ذریعہ اس میں اضافہ کی سعی کرے، اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دے۔
- ۲- ناپ تول میں کمی کرنا: اللہ تعالیٰ نے سورہ مطففین میں فرمایا ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ ”کم تولنے والوں کے لئے ویل ہے ہلاکت و بربادی ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں فرمایا کہ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَالْبَعُوضُ ۝ وَلَا تَتَّبِعُوا الشُّبُهَاتِ فَتَهْتَكُوا بَیِّنَاتٍ مِّنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعَهَا لَكُمْ لَعْنَةً تَنْقُوتُونَ ﴿۱۵۳﴾

اور بے شک یہی میری سیدھی (۱۵۳) راہ ہے، پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو، اور دوسرے طریقوں پر نہ چلو جو تمہیں اس کی (سیدھی) راہ سے الگ کر دیں، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تاکہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو ﴿۱۵۳﴾ نہیں بناتے، یعنی اگر کوئی شخص حق کی ادائیگی اور اپنا حق لینے میں عدل و انصاف کی پوری کوشش کرے، اور اس کے بعد بھی اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں کرے گا۔

۳- قول وحکم میں زیادتی یا نقصان: اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کی آیت (۱۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَقْوَامًا يَتَذَكَّرُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوَالِدًا يَذَكَّرُونَ﴾ "اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی موئی کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ وہ خود تمہارے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے، یا رشتہ دار عزیزوں کے"۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں اور ہر قول اور ہر فعل میں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے، اور چاہے اس کا تعلق کسی قریبی رشتہ دار سے ہو یا کسی دور کے آدمی سے۔

۴- عہد و پیمانہ کو توڑ دینا: چاہے وہ اللہ کے ساتھ ہو، یا کسی انسان کے ساتھ۔

اس آیت کریمہ میں دسویں حرام چیز کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب اور افکار و نظریات کی اتباع کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دین اسلام پر چلیں کیونکہ یہی اس کی سیدھی راہ ہے۔ امام احمد اور حاکم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لیکر کھینچی اور کہا کہ یہ اللہ کی راہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں لیکریں کھینچیں اور فرمایا کہ ان راستوں میں سے ہر ایک پر ایک شیطان کھڑا ہے جو اس پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ الآية۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اسلام کے لئے لفظ "سبیل" مفرد آیا ہے۔ اور دیگر مذاہب اور فرقوں کے لئے "سبل" جمع آیا ہے۔ اس لئے کہ حق ایک ہے، اور تقلیدی مذاہب اور عقائدی فرقے متعدد اور گونا گوں ہیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ "سبیل" کا لفظ یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور دیگر تمام ملتوں، بدعتوں اور گمراہیوں کو شامل ہے جنہیں اہل ہوا و ہوس نے پیدا کیا ہے، اسی طرح علم کلام کے وہ تمام فرقے اس لپیٹ میں آجاتے ہیں جو خواہ مخواہ کی تفصیلات میں داخل ہوتے ہیں۔ قنادہ کہتے ہیں، جان لو کہ راستہ صرف ایک ہے، اور اہل ہدایت کی جماعت اور اس کا انجام جنت ہے، اور ابلیس نے مختلف راستے پیدا کر دیئے ہیں جو گمراہیوں کی جماعتیں ہیں اور ان کا انجام جہنم ہے۔

یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ امت اسلامیہ کا اتحاد صرف ایک ہی صورت میں وجود میں آسکتا ہے کہ وہ سارے فرقوں اور مذاہب کو چھوڑ کر صرف صحیح اسلام کی تتبع بن جائے، جو صرف قرآن و سنت کا نام ہے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کا متحد ہونا محال ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ امت کسی بھی زمانے میں اسی راہ پر چل کر اصلاح پذیر ہو سکتی ہے، جسے اپنا کر صحابہ کرام اصلاح پذیر ہوئے۔

مندرجہ بالا تینوں آیتوں میں جن دس مُحَرَّمات کا ذکر آیا ہے درحقیقت یہ اسلام کے دس وصایا ہیں، جن پر اسلام کا

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعَالَمٍ يُوقِنُ ۝ وَهَذَا كِتَابُنَا أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكًا وَقُدْرَةً ۝ أَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ نُورًا نَافِثًا مِنْ قَبْلِنَا ۝ وَإِنْ كُنَّا عَنَّا وَرَأْسَهُمْ لَعَظِيمِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَى مِنْهُمْ ۝ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَاسِجِرَى الَّذِينَ يَصْدِفُونَ ۝ عَنِ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَدَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ۝

پھر ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب (۱۵۴) دی تھی، ان لوگوں پر اپنی نعمت کو تمام کرنے کے لئے جو اچھے کام کرتے تھے، اور جس میں ہر چیز کھول کر بیان کر دی گئی تھی، اور انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ﴿۱۵۴﴾ اور یہ قرآن ایک مبارک کتاب (۱۵۵) ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو، اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو، تاکہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو ﴿۱۵۵﴾ اور اسے ہم نے اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ آسمانی کتاب تو ہم سے پہلے کی صرف دو قوموں (۱۵۶) پر نازل کی گئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے کی زبان سے ناواقف تھے ﴿۱۵۶﴾ یا تم یہ نہ کہو کہ اگر ہمارے اوپر بھی کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، تو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل اور رحمت آگئی، تو اب اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گا، اور اس سے اعراض کرے گا، ہم عنقریب ایسے لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے اعراض کرتے ہیں، ان کے اعراض کے نتیجہ میں بدترین عذاب دیں گے ﴿۱۵۷﴾

دار و مدار ہے، اور جن پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر سکتا ہے، اسی لئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو دیکھنا چاہتا ہے جس پر ان کی مہر لگی ہوئی ہے تو یہ تینوں آیتیں پڑھے: ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ ۖ لَئِنِ شِئْنَا بِبَشَرِئِكُمْ فَذَرْكُمْ ۖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تک۔ (۱۵۴) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات جب قرآن کا ذکر کرتا ہے تو تورات کا بھی ذکر کرتا ہے، اسی لئے گذشتہ آیت میں جب ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ﴾ کے ذریعہ قرآن کریم کا ذکر آیا تو اب تورات اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا۔ گویا اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت سے ہے، یعنی اے ہمارے نبی! آپ بذریعہ تلاوت اپنے رب کی یہ بات بھی ان کو بتادیتے کہ ہم نے موسیٰ کو ایک کتاب دی تھی جس کے ذریعہ ہم نے اپنی نعمت کو ان پر تمام کر دی تھی، اور جس میں بنی اسرائیل کے لئے عقائد و عبادات اور دیگر تمام خاص دعائم احکام کی تفصیل موجود تھی جو ہدایت کا ذریعہ اور باعث رحمت تھی، اور عدل و انصاف کی دعوت دیتی تھی۔

(۱۵۵) اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگرچہ تورات میں وہ صفات تھیں جن کا ذکر اوپر آیا، لیکن قرآن اس سے زیادہ جلیل القدر، عظیم المرتبت اور دنیاوی و آخری منافع کے اعتبار سے زیادہ بابرکت کتاب ہے، اس لئے اے مسلمانو! اب اسی کی اتباع کرو اور اس کی مخالفت سے بچو۔

(۱۵۶) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل فرمایا، اور لوگوں تک اسے پہنچانے کا حکم دیا تاکہ کفار عرب قیامت کے دن یہ

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ
نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلْ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۵۷﴾

کیا وہ اس کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے (۱۵۷) آجائیں، یا آپ کا رب ہی آجائے، یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں، جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی اس دن کسی کا ایمان کام نہ آئے گا جو اس کے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، یا جس نے ایمان لانے کے بعد کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا، آپ کہہ دیجئے کہ (اللہ کے فیصلہ کا) تم بھی انتظار کرو ہم بھی کر رہے ہیں ﴿۱۵۸﴾

نہ کہیں کہ اللہ کی کتاب تو یہود و نصاریٰ پر نازل ہوئی تھی، ہم تو جانتے بھی نہ تھے کہ ان دونوں کتابوں میں کیا ہے، کیونکہ وہ ان کی زبانوں میں تھیں، یا یہ نہ کہیں کہ اگر ہم پر بھی اللہ کی کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان یہود و نصاریٰ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تمہارا عذر ختم ہو گیا اور اس کا رسول اس کی کتاب لے کر آ گیا جو اللہ کی کھلی نشانی، ہدایت کا سرچشمہ اور سراپا رحمت ہے۔

(۱۵۷) اللہ تعالیٰ نے دین اسلام آنے کے بعد اپنی وحدانیت، شرک کے بطلان اور نبی کریم ﷺ کی صداقت پر حجت قائم کر دی، دلائل صحیح دیئے اور آیتیں نازل کر دیں، اس کے باوجود جنوں کے پجاری اگر دین اسلام اور خاتم النبیین کی مخالفت کرتے ہیں تو کیا اب اس کا انتظار کرتے ہیں کہ فرشتے ان کی روح قبض کر لیں، یا اللہ تعالیٰ قیامت برپا کر دے اور ان سے نمٹنے کے لئے ان کے سامنے آجائے، یا قیامت کی بعض نشانیاں ہی ظہور پذیر ہو جائیں، وہ نشانیاں جن کے ظاہر ہو جانے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور کوئی ایمان و عمل کام نہ آئے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہیں ہوگا قیامت نہیں آئے گی، جب لوگ اسے دیکھ لیں گے تو تمام اہل زمین ایمان لے آئیں گے، اور یہی وقت ہوگا جب کسی ایسے آدمی کا ایمان اس کے لئے نفع بخش نہیں ہوگا جو پہلے سے مومن نہیں ہوگا۔“

مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین چیزوں کا جب ظہور ہو جائے گا تو کسی کا ایمان نفع بخش نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا؛ مغرب سے طلوع آفتاب، دجال، اور زمین کا جانور۔“ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کافر مغرب سے طلوع آفتاب کے قبل ایمان نہیں لایا ہوگا تو اس کے بعد کا ایمان اس کے لئے نفع بخش نہیں ہوگا، اور اگر کوئی مومن اس کے قبل نیک عمل نہیں کیا ہوگا تو اس کے بعد کا نیک عمل اس کے کام نہیں آئے گا۔

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کے قبل توبہ کر لے گا، اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔“

آیت کے آخر میں کافروں کے لئے بڑی زبردست دھمکی ہے، اور سخت وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان اور توبہ کو اس وقت تک موخر کر دیں گے جب نہ ایمان کام آئے گا اور نہ توبہ، اور وہ مغرب سے طلوع آفتاب کا وقت ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ فَزَعُوا مِنْهُمْ وَكَانُوا يَشِيعَةً مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِتْنَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُبَيِّنُهُمْ
بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَ
هُم لَا يُظْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنِّي هَدَيْتُ رَبِّيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ وَبِئْنَا قَرِيْبًا بِذَلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَ
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف (۱۵۸) پیدا کیا، اور جماعتوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہی انہیں ان کے کئے کی خبر دے گا ﴿۱۵۹﴾ جو شخص نیکی کرے گا تو اسے اس کا دس گنا (۱۵۹) ملے گا، اور جو بُرائی کرے گا تو اسے اسی کے برابر سزا دی جائے گی، اور ان پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۰﴾ آپ کہتے کہ میرے رب نے سیدھی راہ یعنی دینِ قیم (۱۶۰) کی طرف میری رہنمائی کی ہے، جو ابراہیم کا دین تھا، وہ ابراہیم جو صرف اللہ کی پرستش کرنے والے تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۶۱﴾

(۱۵۸) مشرکین کا حال بیان کئے جانے کے بعد اب اہل کتاب کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت تمام کافروں اور ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ اس حکم میں اہل کتاب اور مشرکین کی تمام جماعتیں اور مسلمانوں کی وہ سبھی جماعتیں داخل ہیں جنہوں نے اسلام میں بدعتوں کو ایجاد کیا اور مختلف فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے اللہ کے دین کو چھوڑ دیا اور اس کی مخالفت کی، اللہ کا دین ایک ہے اس میں کوئی اختلاف و افتراق نہیں، جن لوگوں نے اختلاف پیدا کیا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے جیسا کہ مبتدع اور گمراہ فرقوں نے کیا اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے بری قرار دیا ہے۔

ابوداؤد نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل کتاب بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور یہ اُمتِ تہتم فرقوں میں بٹ جائے گی، بہتر (۷۲) کا ٹھکانا جہنم اور ایک کا جنت ہوگا، اور وہ جماعت ہوگی“۔ اور ترمذی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ”جو لوگ اس راہ پر ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں“۔

(۱۵۹) گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کرنے والوں کو دھمکی دی گئی ہے، اسی لئے اب اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لئے اجر عظیم بیان کیا جا رہا ہے، اور یہ اجر انہیں قیامت کے دن ملے گا۔ اور یہاں کم از کم اجر مراد ہے، اس لئے کہ احادیث میں بعض اعمال کا اجر ستر گنا اور بعض کا سات سو گنا اور بعض کا بے حساب بتایا گیا ہے۔

امام احمد اور مسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو نیکی کرے گا، اسے دس گنا یا زیادہ اجر ملے گا، اور جو بُرائی کرے گا اسے ویسا ہی ملے گا یا میں اسے معاف کر دوں گا، اور جو مجھ سے ایک باشت قریب ہوگا میں اس سے دونوں ہاتھوں کی لمبائی کے برابر قریب ہوں گا، اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف دوڑ کر آؤں گا“۔ الحدیث۔

(۱۶۰) اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ کی تردید کی گئی ہے جو اس زعمِ باطل میں تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ لَا شَرِيكَ لَهُ ۗ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا
 أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۗ قُلْ أَغْيَبُ اللَّهُ بِرَبِّي وَأَهُوَ رُبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۗ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۗ وَ
 لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۗ

آپ کہتے کہ میری (۱۶۱) نماز اور میری قربانی، اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے ﴿۱۶۲﴾ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں اللہ کا پہلا فرمانبردار بندہ ہوں ﴿۱۶۳﴾ آپ کہتے کہ کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور رب ڈھونڈ لوں (۱۶۲) حالانکہ وہ تو ہر چیز کا رب ہے، اور جو انسان بھی کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو اس کا وبال (۱۶۳) اسی پر پڑتا ہے، اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی، پھر تمہیں اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، تو وہ تمہیں اس صحیح بات کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۱۶۳﴾

قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا دعویٰ غلط ہے، دین ابراہیم تو دین اسلام ہے جسے اللہ نے اپنے مخلص بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے، اور جس پر میں قائم ہوں۔

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سادین اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”دین حنیفی جس میں تنگی نہیں ہے (یعنی دین اسلام)۔“

امام احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری ٹھنڈی اپنے دونوں کندھوں پر رکھ دی تاکہ میں حبشہ والوں کا کھیل دیکھ سکوں، یہاں تک کہ میں خود ہی تھک کر واپس ہو گئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے اس دن فرمایا: ”یہود جان لیں کہ ہمارے دین میں وسعت ہے، میں دین حنیفی دے کر بھیجا گیا ہوں جس میں وسعت ہے۔“

(۱۶۱) اوپر کی آیت میں دین کی بنیادی بات کی طرف اشارہ ہے، اور اس آیت میں بعض جزئیات کا ذکر کیا گیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرکین کو بتادیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیروں کے نام پر ذبح کرتے ہیں کہ وہ ان کی تمام شریک باتوں میں ان کے مخالف ہیں، اور ان کی نماز، ان کی قربانی اور ان کی زندگی، ان کی موت، سب رب العالمین کے لئے مخصوص ہے۔ اور آخر میں نبی کریم ﷺ نے کہا کہ میں اس امت کا پہلا مسلمان ہوں۔

آپ سے پہلے تمام انبیاء نے اسلام ہی کی دعوت دی، جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت پر ہے۔ نوح، ابراہیم، یعقوب، یوسف، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب نے اپنی زبان سے شہادت دی کہ میں مسلمان ہوں، اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اسی باری تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور گذشتہ شریعتیں ایک دوسرے کے ذریعہ منسوخ ہوتی رہیں یہاں تک کہ اسلام کے ذریعہ وہ تمام سابقہ شریعتیں منسوخ ہو گئیں، اور اب یہی شریعت محمدی قیامت تک باقی رہے گی۔

(۱۶۲) مشرکین نے نبی کریم ﷺ کو اپنے بتوں کی عبادت کی دعوت دی، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا اپنا کوئی اور رب بنا لوں جسے اللہ کی عبادت میں شریک کروں، میں نہ اللہ کے سوا کسی اور پر توکل کروں گا اور نہ ہی کسی اور کی طرف رجوع کروں گا، اس لئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ (۱۶۳) قیامت کے دن کی صورت حال بیان کی گئی ہے کہ اس دن تمام انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، دنیا میں جس

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَيفَةَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيُبْلِغَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ سَرَكَ
سَرِيمَ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۵﴾

﴿۱۶۵﴾ سُرَّةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹) ﴿۱۶۵﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اور اسی نے تمہیں زمین میں خلیفہ (۱۶۳) بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں کئی درجہ بلندی عطا کی، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس کے ذریعہ تمہیں آزمائے، بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے، اور وہ بے شک بڑا ہی مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۶۵﴾

سورة الأعراف کی ہے، اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

نے نیک اعمال کئے ہوں گے اسے اچھا بدلہ ملے گا، اور جس نے برے اعمال کئے ہوں گے اسے برا بدلہ ملے گا۔ کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ آیت (۱۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾ یعنی ”قیامت کے دن کسی پر ایسا ظلم نہیں ہوگا کہ دوسرے کا گناہ اس کے سر تھوپ دیا جائے، یا اس کی نیکیوں میں سے کم کر دیا جائے“۔

(۱۶۳) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر بھیجا، تاکہ وہ اسے یکے بعد دیگرے آباد کریں۔ اور ایک مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہو، اور جب وہ مرجائے تو اس کی اولاد اس کا وارث بنے۔ اور ان کے درمیان فرق مراتب رکھا، اور ایک کو دوسرے پر مختلف اعتبار سے فوقیت دی، تاکہ انہیں آزمائے، مالدار سے قیامت کے دن سوال کرے کہ کیا اُس نے شکر ادا کیا، اور فقیر سے پوچھے کہ کیا اُس نے صبر سے کام لیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معصیت سے ڈراتے ہوئے اور اپنی بندگی کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ بے شک تیرا رب بہت جلد سزا دیتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی نافرمانی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، اور جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اس کی مغفرت فرماتا اور اُس پر رحم کرتا ہے۔

تفسیر سورة الأعراف

نام: اس سورت کی آیت (۳۶) اور (۳۸) میں قیامت کے دن مقام اعراف اور اہل اعراف کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "الأعراف" رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول: آٹھ آیتوں کے علاوہ پوری سورت کی ہے۔ وہ آٹھ آیتیں ﴿وَسَلِّطْنَهُمُ عَلَى الْقَرْيَةِ﴾ سے ﴿وَأِذْ نُنَقِّنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾ تک ہیں۔

ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اسے مغرب کی دو رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

الْبَصِّ ۚ كَتَبَ الْتُورَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ ۖ وَذَكَّرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۗ اِنَّهُمْ لَمَّا لَا يَكْتُمُونَ رَيْبًا وَلَا يَتَّبِعُونَ دُورَهُ اُولَآئِكَ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا فَمَا جَاءَهَا بَأْسُنَا بَيِّنًا اَوْ هُمْ قَائِلُوْنَ ۗ فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ اِذْ جَاءَهُمْ بِاِسْتِزَارٍ اَنْ قَالُوْا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ ۗ

المص (۱) یہ ایک کتاب (۲) ہے جو آپ پر اتاری گئی ہے، پس آپ کے سینہ میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے، تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو تبلیغ کریں، اور اس میں مومنوں کے لئے نصیحت ہے ﴿۲﴾ (مسلمانو!) تمہارے رب کی جانب سے جو کچھ تم پر اتارا (۳) گیا ہے اس کی پیروی کرو، اور اللہ کے سوا دوسرے دوستوں اور مددگاروں کی پیروی نہ کرو، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو ﴿۳﴾ اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک (۴) کر دیا، ان پر ہمارا عذاب رات کو سوتے وقت آیا، یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے ﴿۳﴾ پس جب ہمارے عذاب نے انہیں آیا تو وہ پکارتے تھے اور صرف یہی کہتے تھے کہ بے شک ہم ظالم تھے ﴿۵﴾

(۱) ان حروف کے ذریعہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن کریم انہی جیسے حروف سے مرکب ہے، لیکن تم لوگ اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے بذریعہ وحی اپنے رسول پر نازل کیا ہے، اس لئے اے انسانو! تم لوگ اس پر ایمان لے آؤ۔

(۲) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ کتاب آپ کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے، اس لئے آپ اس خوف سے تنگ دل نہ ہوں کہ یہ مشرکین آپ کو جھٹلائیں گے، آپ کی بات نہیں مانیں گے اور آپ کو تکلیف پہنچائیں گے۔ آپ صبر و استقامت سے کام لیں اللہ ہر حال میں آپ کا حامی و ناصر ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے دل میں قرآن کریم کے کلام الہی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں گذرنا چاہئے۔ یہ قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ مشرکوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور مومنوں کو آخرت کی یاد دلائیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! تم لوگ اس چیز کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے اتاری گئی ہے، اور وہ قرآن و سنت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم کی آیات (۴۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ * اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ *﴾ یعنی ”نبی کریم ﷺ اپنی خواہش نفس کے مطابق نہیں بولتے، بلکہ وہ تو وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے“۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ کے علاوہ دوسروں کو اپنے اولیاء نہ بناؤ جو تمہیں بتوں کی پرستش، اور بدعتوں اور خواہشات نفس کی اتباع پر ابھارتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو، اللہ کا برحق دین چھوڑ کر ہوا و ہوس اور باطل ادیان و نظریات کی اتباع کرتے ہو۔

(۴) جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب و سنت کی اتباع نہیں کرتے انہیں دھمکی دی گئی ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سی بستیوں والوں نے ہمارے رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی تکذیب کی، تو ہمارے عذاب نے انہیں رات کو سونے کی حالت میں (جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ ہوا) یاد دہانی میں دوپہر کو آرام کرتے وقت (جیسا کہ قوم شعیب کے ساتھ ہوا) آدبوچا۔ اس وقت انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور ہم اس عذاب کے حقدار ہیں۔

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۖ فَلَنَقْضِيَنَّهُمْ بِعِلْمِ ۙ وَاللَّكَا كَآبِئِينَ ۖ وَ
الْوَزْنَ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ
الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝

ہم یقیناً ان لوگوں سے پوچھیں گے (۵) جن کی طرف رسول بھیجے گئے، اور یقیناً رسولوں سے بھی پوچھیں گے ﴿۶﴾ پھر ہم انہیں علم کی بنیاد پر سب کچھ بتائیں گے، اور ہم کبھی بھی غائب نہیں تھے ﴿۷﴾ اور اُس دن اعمال کا وزن (۶) کیا جانا برحق ہے، پس جن کے اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے ﴿۸﴾ اور جن کے اعمال کا پلہ ہلکا ہو کر اوپر اٹھ جائے گا وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتی کرتے تھے ﴿۹﴾

(۵) اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام امتوں کو فیصلہ کے لئے جمع کرے گا، تو وہ ہر امت، ہر گروہ، اور ہر فرد سے پوچھے گا کہ انہوں نے انبیاء و رسل کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا، کیا وہ اُس دین اور اس کتاب پر ایمان لائے تھے جو انبیاء لے کر آئے تھے، کیا انہوں نے توحید اور اللہ کی اطاعت و بندگی کے بارے میں ان کا پیغام قبول کیا تھا؟ اور رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے اللہ کا پیغام سن و سُن اور بے کم و کاست پہنچا دیا تھا؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی خبر دے گا، اور وہ لوگ کچھ بھی نہ چھپا سکیں گے۔ اس لئے کہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، وہ تو آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے پوشیدہ راز تک کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ان پر صرف حجت قائم کرنے اور اظہارِ عدالت کے لئے ہوگا، اور کافروں اور سرکشوں کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے زجر و توبیح کے لئے ہوگا۔

(۶) انبیاء و رسل اور افراد اور جماعتوں سے سوال کئے جانے، اور انہیں ان کے اعمال کی خبر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میزان (ترازو) قائم کرے گا تاکہ بندوں کے اعمال و وزن کرے، جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو کر جھک جائے گا وہ جہنم سے نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا، اور جس کا پلڑا نیکیوں کی کمی اور گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہلکا ہو کر اوپر اٹھ جائے گا اسے ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں اور دیگر کئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو وزن کرے گا، اور اس کا قول برحق ہے۔ اسی لئے معتزلہ کے علاوہ جمہور امت کا اس پر ایمان ہے، لیکن وزن کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اعمال کے صحیفے حقیقی معنوں میں وزن کئے جائیں گے، جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا پُرچہ نانوے رہتروں سے بھاری ہو جائے گا۔ اس حدیث کو امام احمد ابن ماجہ اور حاکم وغیرہم نے روایت کی ہے۔ شوکانی نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ خود اعمال و وزن کئے جائیں گے، اگر وہ بغیر جسم کے ہوں گے تو اللہ انہیں اس دن جسم دے دے گا تاکہ ان کا وزن ہو سکے، جیسا کہ قرآن کریم کے بارے میں سنن ابن ماجہ میں مروی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ وہ قیامت کے دن خوبصورت نوجوان کی شکل میں آئے گا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خود صاحبِ اعمال کا وزن ہوگا، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ایک موٹے آدمی کو لایا جائے گا جو اللہ

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۖ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّٰجِدِينَ ۗ قَالَ مَا مَنَعَكَ آلَا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَكْبِرُ ۖ وَنَا خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُمْ مِنْ طِينٍ ۝

اور ہم نے تمہیں زمین کا مکنین (۷) بنایا، اور اس میں تمہارے لئے اسباب معیشت فراہم کئے، مگر تم بہت کم اللہ کا شکر ادا کرتے ہو۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے علاوہ سبہوں نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہو سکا ﴿اللہ نے کہا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو سجدہ کرنے سے کس چیز نے تجھے روک دیا؟ اس نے کہا، میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿۱۲﴾

کے نزدیک چمھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ وزن کی یہ ساری صورتیں صحیح ہوں۔ کبھی اعمال کا وزن ہوگا، تو کبھی صحیفوں کا، اور کبھی خود صاحب اعمال کا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور پیمائش و وزن کے جدید سائنسی وسائل و ذرائع کو مد نظر رکھتے ہوئے اب تو انسانی عقل اس کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اب تو ہواؤں، فضاؤں اور غیر مرئی اشیاء کو وزن کیا جا رہا ہے تو خالق کائنات اور قادر مطلق کے لئے یہ کون سی تعجب کی بات ہے کہ وہ قیامت کے دن ہر چیز کو وزن کرے، اور بندوں کو ان کے نیک و بد اعمال کا حساب چکائے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اپنی گونا گوں نعمتوں کی یاد دلا کر بندوں کو اپنے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کی ترغیب دلائی ہے۔ خالق کائنات نے زمین کو انسانوں کے لئے سکون و قرار کی جگہ بنائی ہے، اس پر پہاڑ بسائے نہریں جاری کیں، شاندار رہائشی مکانات بنانا سکھایا، زمین پر پائی جانے والی چیزوں اور جانوروں سے استفادہ کو مباح قرار دیا، اور کھانے اور پینے کی مختلف اشیاء کو مہیا کر دیا۔ ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ کا خوب شکر ادا کرتا اور اس کی خوب عبادت کرتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر انسان اللہ کا کم ہی شکر ادا کرتے ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی قدر و منزلت اور ان کی فضیلت بیان کرنے کے بعد بنی آدم کو تنبیہ کی ہے کہ ان کا سب سے بڑا دشمن ابلیس ہے، جو آدم کی ابتدائے آفرینش سے ہی ان کے اور ان کی اولاد کے خلاف حسد کی آگ میں جلا رہا ہے، اور انہیں دینی اور دنیاوی طور پر نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا ہے، اس لئے اس سے بچنا لازم ہے۔ آیت میں "خَلَقْنَاكُمْ" جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اور مراد آدم علیہ السلام ہیں، جمع کا صیغہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا اور انسان کی شکل دے کر اس میں روح پھونکی، تو تمام فرشتوں کو (رب العالمین کی تعظیم شان کے لئے) اس کا سجدہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ سب نے بات مانی اور اطاعت کی، لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے سوال کیا کہ میں نے جب تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے روک دیا؟ تو ابلیس لعین نے (عذر گناہ بدتر از گناہ کے طور پر) کہا کہ میں تو اس سے افضل ہوں، تو مجھ کو اسے سجدہ کرنے کا حکم کیسے دیتا ہے؟! مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور آگ مٹی سے اشرف ہوتی ہے!

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿۱۳﴾ قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يَبْعَثُونَ ﴿۱۴﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فِيمَا أُغْوِيَنِي لَأَفْعُدَنَّ لَكَ وَمَا رَبُّكَ الْمُسْتَقِيمُ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَئِي بِيَّتْهُمْ مَفْجَأً وَإِنَّا لَإِي بِيَّتْهُمْ وَعَنْ يَمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿۱۷﴾

اللہ نے کہا، تو اس سے نیچے چلا (۹) جا، تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے نکل جا، تو بے شک ایک فرد ذلیل ہے ﴿۱۳﴾ اس نے کہا، مجھے تو اس دن تک مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے ﴿۱۴﴾ اللہ نے کہا، بے شک تجھے مہلت (۱۰) دے دی گئی ﴿۱۵﴾ اس نے کہا، چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا، اس لئے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے گھات میں بیٹھا ہوں گا ﴿۱۶﴾ پھر میں ان پر حملہ کروں گا، ان کے آگے سے، اور ان کے پیچھے سے، اور ان کے دائیں سے، اور ان کے بائیں سے، اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا ﴿۱۷﴾

قابل غور بات یہ ہے کہ ابلیس نے آگ اور مٹی کے عناصر پر نظر رکھی اور بھول گیا کہ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ اس نے نص صریح ﴿فَقْعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾ ”کہ تم لوگ اس کے لئے سجدہ میں گرجاؤ“ کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا، اور سجدہ کا منکر ہو گیا تو اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا۔ اور اس کا یہ دعویٰ بھی غلط تھا کہ آگ مٹی سے اشرف ہے، کیونکہ مٹی کی فطرت میں سنجیدگی، بردباری، سوچ اور ٹھہراؤ ہے، مٹی میں انواع و اقسام کے پودے اُگتے ہیں، اس میں انسانوں اور حیوانات کی روزی پیدا ہوتی ہے اس کے برعکس آگ چیزوں کو جلا دیتی ہے، اور اس میں طیش اور تیزی کی صفت پائی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ابلیس کو آگ نے دھوکہ دیا، اور آدم علیہ السلام نے (مٹی سے بنے ہونے کی وجہ سے) اللہ کے سامنے خشوع و خضوع سے کام لیا، اور اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ و استغفار کی راہ اختیار کی۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کر کے کہا کہ چونکہ تو نے میرے حکم کی مخالفت کی ہے اس لئے تو جنت سے نکل جا، یہ جگہ اللہ کے نافرمانوں کے لئے نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ تو جس مقام پر اب تک تھا ذلیل و خوار ہو کر اب اس سے نیچے چلا جا، اب وہ مقام تجھے نہیں مل سکتا اس لئے کہ وہ اطاعت کرنے والے اور خشوع اختیار کرنے والے کا مقام ہے۔ (۱۰) ابلیس نے کہا، اے رب! مجھے مہلت دے اور اس دن تک موت نہ دے جب آدم اور اس کی اولاد قبروں سے اٹھائی جائے گی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا کے فنا ہونے کے دن تک کی مہلت دے دی جیسا کہ سورہ حجر آیات (۳۸/۳۷) میں آیا ہے:

﴿قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ * إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ *﴾ یہاں "وقت معلوم" سے فناء دینا مراد ہے۔

ابلیس کا مقصد اولاد آدم کی کثیر ترین تعداد کو گمراہ کرنا تھا تاکہ آدم علیہ السلام سے انتقام لے سکے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا۔ اور جب اللہ نے اس کی طلب مان لی تو عناد و ترمذ میں اور آگے بڑھ کر کہا کہ جب تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے تو اب ان انسانوں کو میں جہنم سے نہیں رہنے دوں گا، ان کے درپے ہو جاؤں گا اور انہیں تیری سیدھی راہ (دین اسلام) سے گمراہ کروں گا، انہیں ہر طرف سے گھیر لوں گا، بھلائی سے روکوں گا، اور بُرائی کو خوبصورت بنا کر پیش کروں گا، تاکہ وہ سرکشی پر اتر آئیں، اور پھر نتیجہ یہ ہو گا کہ ان میں سے اکثر لوگ ناشکری کریں گے، تیری عبادت نہیں کریں گے، اور عقیدہ توحید پر قائم نہیں رہیں گے۔ اور حکمت الہی دیکھئے کہ ابلیس کا یہ ظن اور وہم واقعہ کے مطابق ہو گیا کہ اکثر و بیشتر انسانوں نے اس کی اتباع کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ سبأ کی آیت (۲۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ سَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا لَنْ نَبْعَثَ مِنْهُمُ لَأَكَلْنَ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱﴾ وَيَادُّمُ السُّكُنَ أَنْتَ وَرُجُوكَ الْجِبَةَ فُكْلًا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمْ وَلَا تَقْرَبْ هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲﴾ فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿۱۳﴾ وَقَالَ لَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَوْنٌ الثَّوْحِينُ ﴿۱۴﴾

اللہ نے کہا تو یہاں سے حقیر اور پھٹکارا ہوا بن کر نکل جا (۱۱) اور یقین رکھ کہ ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تو میں جہنم کو تم سب سے بھر دوں گا ﴿۱۲﴾ اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں اقامت پذیر (۱۲) ہو جاؤ، اور جہاں سے چاہو کھاؤ، اور اس درخت کے قریب نہ جاؤ، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ﴿۱۳﴾ تو شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ پیدا کیا، تاکہ ان کے بدن کا جو حصہ (یعنی شرمگاہ) ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا اسے دونوں کے سامنے ظاہر کر دے، اور کہا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتہ نہ بن جاؤ، یا جنت میں ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ بن جاؤ ﴿۱۴﴾ اور ان دونوں کے سامنے خوب قسمیں کھائی کہ میں تم دونوں کا بے حد خیر خواہ ہوں ﴿۱۴﴾

فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾ اور ابلیس نے بنی آدم کے بارے میں اپنا گمان بچ کر دکھایا، پس مومنوں کی ایک جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی کی "اسی لئے نبی کریم ﷺ نے شیطان سے تمام جہات سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ درج ذیل دعا صحیح و شام کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے: "اللهم إني أسألك العفو والعافية في ديني ودنياي وأهلي ومالي؛ اللهم استر عوراتي وآمن روعاتي؛ اللهم احفظني من بين يدي ومن خلفي، وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي، وأعوذ بعظمتك أن أغتال من تحتي" اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے ذریعہ مردود شیطانوں کے شر سے ہر طرف سے پناہ مانگا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے شیطان پر مزید لعنت اور رحمت سے دوری کا اعلان کرتے ہوئے دوبارہ کہا کہ تو یہاں سے ذلیل و رسوا ہو کر نکل جا، اور یہ بات تو اور تیری پیروی کرنے والے جان لیں کہ اگر وہ لوگ تیری اتباع کریں گے، تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

(۱۲) آدم و حوا کی یہ پوری کہانی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے، چونکہ قرآن کریم تیس سال میں نازل ہوا ہے، اور اس مدت میں اطراف عالم سے مختلف وفود آتے رہے، اسی لئے قرآن نے ایک ہی واقعہ کو کئی مقام پر مختلف انداز میں بیان کیا ہے، تاکہ سننے والے اس سے حسب موقع عبرت حاصل کرتے رہیں۔

اللہ نے ابلیس کو جنت سے یا فرشتوں کے زمرے سے نکال دیا، اور آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوا کے لئے جنت کی تمام نعمتوں اور پھلوں کو حلال بنا دیا، صرف ایک درخت کے کھانے سے انہیں روک دیا، اور تنبیہ کر دی کہ دیکھو اگر اس کے قریب جاؤ گے تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہو جاؤ گے۔ شیطان نے جب انہیں اس حال میں دیکھا تو اس کے حد کی آگ بھڑک

فَدَلِمَهُمَا يَغْوَرُونَ فَلَمَّا ذَاكَ الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا مَخْصِفِينَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾

چنانچہ اُس نے دونوں کو دھوکہ (۱۳) دے کر اپنے جال میں پھانس لیا، پس جب دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کی شرمگاہیں دکھائی دینے لگیں اور دونوں اپنے جسم پر جنت کے پتے چسپاں کرنے لگے، اور ان دونوں کے رب نے انہیں پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا تھا، اور کہا نہیں تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے ﴿۲۲﴾ دونوں نے پکارا کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، اور اگر تو نے ہمیں معاف نہیں کیا اور ہم پر رحم نہیں کیا، تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۲۳﴾

اٹھی اور ان کے ساتھ مکرو فریب کی سوچ لی، تاکہ وہ جن نعمتوں سے بہرہ مند ہو رہے ہیں، اور جو خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں ان سے چھین جائے، چنانچہ اس نے اللہ کے خلاف افترا پردازی کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ اگر اسے کھا لو گے تو تم فرشتے بن جاؤ گے، پھر کھانے پینے کی محتاجی نہیں رہے گی یا تمہیں موت لاحق نہیں ہوگی اور جنت میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہو گے۔ اور ابلیس نے انہیں اپنی صداقت کا یقین دلانے کے لئے ذات باری تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا انتہائی خیر خواہ ہوں جیسی یہ راز تمہیں بتا دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر آدم و حوا کو دھوکہ دیا، اس لئے کہ مومن اللہ کے نام سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔

(۱۳) شیطان نے دونوں کو دھوکہ دے کر بلندی سے پستی میں پہنچا دیا۔ اس کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس نے ان دونوں کو ارتکابِ معصیت کی ہمت دلائی، چنانچہ جب انہوں نے اس شجرہ ممنوعہ کو شیطان کے دھوکے میں آکر کھا لیا، تو اس نافرمانی کا انجام فوراً ہی ان کے سامنے آ گیا کہ ان کے لباس ان کے جسموں سے الگ ہو گئے، اور انہیں اپنی شرمگاہیں نظر آنے لگیں، تو جنت کے درختوں کے پتے لے لے کر اپنے جسموں پر چپکانے لگے تاکہ اپنی پردہ پوشی کریں۔ تب اللہ نے بطور عتاب ان سے کہا، کیا میں نے تمہیں اس درخت کے کھانے سے نہیں روکا تھا، اور کہا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ اس وقت انہوں نے اپنی غلطی کا اللہ کے حضور اعتراف کیا، اور اللہ نے انہیں سکھایا کہ اپنی غلطی کی معافی کے لئے یہ دعا کریں: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ *۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کے اندر پانچ خوبیاں پائی گئیں: انہوں نے گناہ کا اعتراف کیا، اس پر نادم ہوئے، اپنے نفس کی ملامت کی، فوراً توبہ کی، اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوئے۔

اور ابلیس میں پانچ برائیاں پائی گئیں:

اپنے گناہ کا اعتراف نہیں کیا، اس پر نادم نہیں ہوا، اپنے نفس کی ملامت نہیں کی، بلکہ اپنے رب پر اعتراض کیا، اور توبہ نہیں کی، اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہو گیا۔

قَالَ اهْبِطْ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۳۷﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۱۳۸﴾ يَبْنِي أَدَمُ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا لِيُؤَارِيَ سَوَاتِيمَكُمْ وَرِيثًا وَ لِبَاسٍ التَّقْوَىٰ ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳۹﴾ يَبْنِي أَدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا إِنَّهُ يَبْزُكُهُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مَن حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ نے فرمایا کہ تم سب نیچے (۱۳۷) چلے جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، اور تمہارے لئے زمین میں ظہرنے کی جگہ ہے، اور ایک وقت مقرر تک فائدہ اٹھانے کا موقع ہے ﴿۱۳۸﴾ اللہ نے کہا، تم اسی زمین پر زندگی گزارو گے، اور وہیں مرو گے، اور اسی سے دوبارہ نکالے جاؤ گے ﴿۱۳۹﴾ اے آدم کے بیٹو! ہم نے تمہارے لئے لباس (۱۵) اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو پردہ کرتا ہے، اور وسیلہ زینت بھی ہے، اور پرہیزگاری کا لباس ہی بہترین ہے۔ یہ لباس اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۱۴۰﴾ اے آدم کے بیٹو! شیطان تمہیں گمراہ (۱۶) نہ کر دے، جس طرح اس نے تمہارے باپ ماں کو جنت سے نکال دیا تھا، ان کے لباس الگ کر دیئے تھے تاکہ دونوں کے سامنے ایک دوسرے کی شرمگاہ ظاہر کر دے، بے شک وہ اور اس کا گروہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے ہو، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہوتے ہیں ﴿۱۴۱﴾

(۱۳۷) اللہ نے آدم و حوا کی توبہ قبول کر لی، لیکن ان سے کہا کہ ارتکاب معصیت کے بعد اب جنت میں تمہارے لئے جگہ نہیں رہی۔ ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا، اور تم دونوں نے شجرہ ممنوعہ کھا کر اللہ کی نافرمانی کی اس لئے اب تمہاری جگہ زمین ہوگی، اور رہتی دنیا تک تم اور تمہاری ذریت اور ابلیس اور اس کی ذریت کے درمیان عداوت چلتی رہے گی۔ تم سب زمین پر ہی رہو گے اور دنیا کی عارضی نعمتوں سے موت آنے تک فائدہ اٹھاتے رہو گے۔ وہیں زندہ رہو گے، وہیں مرو گے، اور قیامت کے دن وہیں سے اٹھائے جاؤ گے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مفسرین نے غیر موثوقہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کرتے ہوئے ان جگہوں کا ذکر کیا ہے جہاں آدم، حوا، ابلیس اور سانپ میں سے ہر ایک زمین پر اترتا تھا، اگر ان کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ ہو تا تو اللہ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ ﷺ ضرور ان کا ذکر کرتے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں رہنے کی جگہ اور کھانے پینے کی مختلف چیزیں دیں، اور جنت کا لباس چھن جانے کے بعد لباس دیا جس کے ذریعہ وہ ستر پوشی کرتا ہے، اور زیب و زینت اختیار کرتا ہے۔ ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے، شکر و معاصی سے تابہ ہو اور تقویٰ کی راہ پر گامزن ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ آدمی اگر تقویٰ کا لباس زیب تن کرے، یعنی ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کرے، اور ہر حال میں اللہ کی خشیت اُس کے دل و دماغ پر طاری رہے تو یہ اس کے لئے ہر طرح سے بہتر ہے۔

وَأَفَاعِلُوا فَا حِشَّةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آيَاتِنَا وَاللَّهُ أَمْرٌ كَمَا يَحْتَسِبُ لَنْ نَلْقَى اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

اور مشرکین جب کوئی بُرا کام (۱۷) (مثلاً شرک اور ننگے ہو کر طواف کعبہ) کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا تھا، اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے، آپ کہئے کہ اللہ بُرائی کا حکم نہیں دیتا ہے، کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے ﴿۲۸﴾

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انسانوں کو مخاطب کیا تاکہ انہیں دوبارہ شیطان لعین کے شر سے ڈرائے، اور اس کی سازشوں میں گرفتار ہونے سے خوف دلائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ”ابلیس اور اس کا لشکر تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم سے نہیں دیکھ رہے ہو“۔ اور اس سے مقصود انسانوں کو مزید تنبیہ کرنی ہے اس لئے کہ انہیں ایسے دشمن سے پالا پڑا ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔ اور ایسا دشمن بڑا ہی خطرناک ہوتا ہے۔ اور اس سے بچنا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ مالک بن وینار کہا کرتے تھے کہ ایسا دشمن جو تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم سے نہیں دیکھ رہے ہو، بڑا ہی بھاری دشمن ہے اور اس سے نمٹنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس کے شر سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ بچالے۔

آیت کے اس حصہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ شیطان کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ انسان اسے کبھی دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ پاتا، لیکن کبھی اسے دیکھ بھی سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے مزید تنبیہ کے طور پر کہا کہ اللہ تعالیٰ شیطانوں کو کافر انسانوں پر مسلط کر دیتا ہے، جو ان کے دلوں سے نور ایمان سلب کر لیتے ہیں اور شر و فساد ان کی فطرت بن جاتی ہے، ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے، انہیں نیکیوں سے وحشت اور معاصی و مینات سے اُنس ہو جاتا ہے، اور وہ شیطان کے گہرے دوست بن جاتے ہیں۔

(۱۷) مشرکین عرب میں شیطانی فتنہ کا ایک نمونہ یہ تھا کہ قریش کے علاوہ تمام مشرکین (مرد اور عورت) بیت اللہ کا طواف ننگا کیا کرتے تھے، اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک بناتے تھے اور دوسرے بڑے بڑے گناہ کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے، اور اللہ نے ہمیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اللہ کو یہ اعمال پسند نہ ہوتے تو ہمارے دلوں سے ان کی رغبت نکال دیتا۔ مشرکین کی یہ دونوں ہی دلیلیں صحیح نہیں تھیں، اس لئے کہ پہلی دلیل جاہلوں کی تقلید ہے، اور تقلید کبھی بھی ذریعہ علم نہیں رہی ہے۔ اور دوسری دلیل اللہ تعالیٰ پر افترا پر دازی ہے، اسی لئے اللہ نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ کبھی بھی گناہ اور بُری بات کا حکم نہیں دیتا، وہ تو اچھے اخلاق و کردار کا حکم دیتا ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں بہت بڑی ڈانٹ اور پھسکار ہے ان لوگوں کے لئے جو راہ حق کو چھوڑ کر اپنے آباء کی تقلید کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ اہل حق کے بجائے اہل کفر کی اتباع ہے۔ کافر ہی کہا کرتے تھے: ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ﴾ * ”بے شک ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا تھا، اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلیں گے“ (الزخرف: ۲۲)۔ اور یہ بھی کہتے تھے: ﴿وَجَدْنَا عَلَيْهَا آيَاتِنَا وَاللَّهُ أَمْرُنَا بِهَا﴾ ”ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی راہ پر پایا ہے، اور اللہ نے ہمیں اسی پر چلنے کا حکم دیا ہے“ (الأعراف: ۲۸)۔ اگر مقلد بھی اس

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۗ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّكُمْ مُّتَعَدُونَ ﴿۱۸﴾

آپ کہتے کہ میرے رب نے تو انصاف (یعنی توحید) کا حکم دیا ہے، اور کہلے کہ تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے چہرے قبلہ کی طرف کر لو، اور عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے رہو اسی کو پکارو، جیسا کہ اس نے تمہیں پہلی بار پیدا (۱۸) کیا تھا (مرنے کے بعد) دوبارہ اسی حال میں لوٹا دیئے جاؤ گے ﴿۲۹﴾ اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی، اور ایک دوسری جماعت کی قسمت میں گمراہی آئی، بے شک ان لوگوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو اپنا دوست اور مددگار بنالیا تھا، اور ان کا خیال تھا کہ وہ راہ راست پر ہیں ﴿۳۰﴾

زعم باطل میں مبتلا نہ ہوتا کہ ہمارے آباء اسی پر قائم تھے اور اللہ نے اسی کا حکم دیا ہے، تو وہ تھلید پر مصر نہ ہوتا۔ اور اسی بری خصلت کی وجہ سے یہودی اپنی یہودیت پر اور نصرانی اپنی نصرانیت پر اور بدعتی اپنی بدعت پر اڑا رہتا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر دین سے غفلت اور حق سے اعراض کیا ہو سکتا ہے کہ یہ مقلد حضرات اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتے ہوئے لوگوں کے اقوال و آراء کی اتباع کرتے ہیں۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ بڑی باتوں کا حکم نہیں دیتا، جیسا کہ مشرکین کہا کرتے تھے، اور جس کی تردید گذشتہ آیت میں ہو چکی۔ وہ تو ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور عبادتوں میں توحید باری تعالیٰ کا حکم دیتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک "قسط" سے مراد انبیاء کرام کی اتباع اور ان کی شریعتوں کی پابندی ہے۔ اور وہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ آدمی جب بھی اور جہاں بھی نماز پڑھے اسی کی رضا کے لئے پڑھے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف ہو، اور عبادت اور دعا کی تمام صورتوں کو اللہ کے لئے خاص کرے، اس لئے کہ کوئی بھی عمل اللہ کے نزدیک جہی قابل قبول ہوتا ہے جب وہ شریعت نبوی کے مطابق ہو اور شرک سے پاک صاف ہو۔ (۱۹) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "کَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ" کے کئی معانی بیان کئے ہیں۔ اور آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو راجع قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ابتدا میں آدم کو مومن و کافر پیدا کیا، جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْكُمْ كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنًا﴾ "اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے پس تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن" (التغابن: ۲)۔ اسی طرح قیامت کے دن انہیں مومن و کافر اٹھائے گا۔ اس کے بعد اس تفسیر کی تائید میں کئی احادیث سے استدلال کیا ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو شروع سے ہی جنتی یا جہنمی پیدا کرتا ہے، اور جیسا اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، اور اسی کے مطابق وہ مسلم یا کافر کی حیثیت سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

لیکن چونکہ صحیحین وغیرہ میں حدیثیں آئی ہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں اس لئے دونوں قسموں کی آیات و احادیث کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ اس کی فطرت میں یہ بات رچی بسی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، لیکن اس کے ساتھ اس نے یہ بھی مقدر کیا ہے کہ ان میں سے کوئی شقی اور کوئی سعید اور کوئی کافر اور کوئی مومن ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ﴾ "اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی، اور ایک دوسری

يُبَيِّنُ أَدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۗ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

اے آدم کی اولاد! تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنا اچھا لباس (۳۰) استعمال کرو، اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز (۳۱) نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۳۱﴾ آپ کہتے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام (۳۲) کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور پاکیزہ روزی کو؟ آپ کہتے کہ یہ چیزیں اہل ایمان کے لئے دنیا میں ہیں، اور قیامت کے دن صرف انہی کو ملیں گی، ہم اپنی آیتیں ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں ﴿۳۲﴾

جماعت کی قسمت میں گمراہی آئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان کی اور فرمایا: ایسا اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کے بجائے شیاطین کو اپنا آقا و مدگار بنا لیا تھا، اور گمان کرتے تھے کہ وہ حق پر ہیں۔ (۲۰) اس آیت کریمہ میں ان مشرکین عرب کی تردید کی گئی ہے جو بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ مسلم، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مرد اور عورت سبھی لوگ بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ مرد دن میں اور عورتیں رات میں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت اور اس کی ہم معنی احادیث کے پیش نظر نماز کے وقت اچھا لباس پہننا مستحب ہے، خاص طور پر جمعہ اور عید کے دن، اور خوشبو لگانا اس لئے کہ یہ زینت میں داخل ہے، اور سواک کرنا اس لئے کہ اس کے ذریعہ زینت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور سب سے افضل سفید لباس ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کھانے اور پینے کا حکم دیا ہے اس لئے کہ اس کے بغیر آدمی زندہ نہیں رہ سکتا اور انہیں حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا ہے، آیت میں "اسراف" سے اکل حرام، فضول خرچی اور کھانے پینے میں بدمعاشی سبھی مراد ہیں۔ فضول خرچی اللہ کے نزدیک مبغوض صفت ہے، اور انسان کو محتاجی تک پہنچا دیتی ہے اور کھانے پینے میں بدمعاشی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے پیٹ سے زیادہ کوئی برابر تن نہیں بھرتا ہے، ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھی رکھیں، اور اگر اتنا ہی ضروری ہو تو ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے۔ (مسند احمد، نسائی، ترمذی)۔

کہتے ہیں کہ ہارون رشید کا ایک نصرانی طبیب تھا، اس نے زین العابدین علی بن الحسین سے کہا کہ آپ لوگوں کی کتاب (قرآن) میں علم طب کی کوئی بات نہیں ہے، حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں: علم ادیان اور علم ابدان، تو زین العابدین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا طب قرآن کریم کی آدمی آیت میں جمع کر دیا ہے، اس نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ انہوں نے کہا، اللہ کا فرمان: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ "کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو"۔

(۲۲) اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کی تردید ہے جو اپنی خواہش نفس کے مطابق کھانے پینے کی چیزوں کو حلال و حرام بناتے تھے۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قریش والے ننگے بیت اللہ کا طواف کرتے

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ إِسْقٍ وَأَنْ تُتْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ، فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَعْتَدُونَ ﴿۲۴﴾ يَبْيِئُ آدَمَ إِذَا مَاتَ بِأَنْ يَتَكَلَّمَ رَسُولٌ مِنْكَ يَفْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنْ نَفَعْتُمْ فِيهَا خَيْرًا لَكُمْ فَلَا يُخَفَىٰ عَلَيْكُمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۶﴾

آپ کہئے کہ میرے رب نے تمام ظاہر و پوشیدہ بد کاریوں (۲۳) کو، اور گناہ اور ناحق سرکشی کو حرام کر دیا ہے، اور یہ (بھی حرام کر دیا ہے) کہ تم لوگ اللہ کا شریک ایسی چیزوں کو ٹھہراؤ جن کی عبادت کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے، اور یہ بھی کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرو جن کا تمہیں علم نہیں ہے ﴿۳۳﴾ اور ہر گروہ کی (اللہ کے علم میں) ایک معیاد متعین (۲۴) ہے، جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہوتے ہیں نہ آگے ﴿۳۳﴾ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے میرے رسول آئیں (۲۵) جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو کوئی تقویٰ کی راہ اختیار کرے گا اور عمل صالح کرے گا اسے نہ مستقبل کا کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ ماضی کا کوئی غم ﴿۳۵﴾ اور جو لوگ میری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور کبر و غرور کی وجہ سے ان سے منہ موڑیں گے، انہی کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے ﴿۳۶﴾

اور بیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی، اور مسلمانوں کو لباس پہننے کا حکم دیا گیا۔ آیت میں "زینة" سے مراد ہر وہ مباح چیز ہے جسے انسان خوبصورتی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور "طینبات" سے مراد کھانے اور پینے کی ہر وہ چیز ہے جسے اللہ نے بندوں کے لئے مباح کیا ہے۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ جس نے روٹی اور کتان کا لباس چھوڑ کر بال اور اُون کا لباس اختیار کر لیا اس نے بہت بڑی غلطی کی، اور جس نے گیبوں کی روٹی چھوڑ کر سبزیاں اور دال کھانا شروع کر دیا، اور جس نے شہوت کے خوف سے گوشت کھانا چھوڑ دیا اس نے بہت بڑی خطا کی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نعمتیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں دراصل مومنوں کے لئے ہیں، کفار ان کے تابع کی حیثیت سے ان میں شریک ہو جاتے ہیں، اور قیامت کے دن تو ساری نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی، کفار ان کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔

(۲۳) اس آیت کریمہ میں اساسی حرمت اور بنیادی گناہوں کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ "فواحش" سے مراد وہ بڑے گناہ ہیں جن کا تعلق شر مگاہوں سے ہوتا ہے، اور "إثم" سے مراد ہر گناہ ہے، اور "بغی" سے مراد لوگوں پر ظلم و زیادتی ہے، اور اللہ پر افترا و دہشت گردی یہ ہے کہ کسی کو اس کا بیٹا بنایا جائے یا حلت و حرمت کے خود ساختہ احکام کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر زمانے کے رہنے والوں کی موت و ہلاکت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب وہ گھڑی آجائے گی تو اسے کوئی نال نہیں سکے گا۔ کبھی اللہ کسی سرکش قوم کو دنیا میں عذاب دے کر ہلاک کر دیتا ہے، اور کبھی کسی کو چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے افراد طبعی موت مر جاتے ہیں، اور ان کا عذاب آخرت کے لئے اٹھا رکھا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْعَذَابِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ
رُسُلُنَا يَتَوَقَّوهُمْ قَالُوا أَلَيْسَ لَنَا نُحُورٌ مِّنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَيْنَا فَمَنْ يَكْفُرُ
بِآيَاتِنَا إِذْ جَاءَهُمْ قَالُوا لَوْ كُنَّا فِي أَمْرٍ قَدْ خَلَقْتُمْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالإِنْسِ فِي النَّارِ لَكُنَّا دَاخِلِينَ ۗ إِنَّهُ لَعَنَتْ أَخْتَبَاءَهُ
حَتَّىٰ إِذَا ذُكِّرُوا فِيهَا جَمِيعًا ۗ قَالَتْ أُحْرِبُهُمْ لَأُولَهُمُ رَبِّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَانْتَهَمُوا عَنَّا وَضَعْنَا مِنِ النَّارِ ذُرِّيَّةً
لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ۗ وَقَالَتْ أُولَهُمُ لِأَخْرَجْتُم مِّنْهَا كَمَا كُنْتُمْ عَلَيْهَا مِن فَضْلٍ فذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

پس اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کے بارے میں افترا پردازی (۲۶) کرے، یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ لوح محفوظ میں ان کے نصیب کا جو لکھا ہے وہ انہیں مل جائے گا، یہاں تک کہ ہمارے فرشتے جب ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو پوچھیں گے، کہاں ہیں وہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہمیں چھوڑ کر غائب ہو گئے، اور اقرار کریں گے کہ وہ یقیناً کافر تھے ﴿۳۷﴾ اللہ کہے گا کہ جن دانس کی جو کافر جماعتیں (۲۷) تم سے پہلے گذر چکی ہیں ان کے ساتھ تم لوگ جہنم میں داخل ہو جاؤ، جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی، تو اپنی جیسی سابقہ جماعت پر لعنت بھیجے گی یہاں تک کہ جب سب جماعتیں اس میں اکٹھی ہو جائیں گی، تو بعد کی جماعت اپنی سابقہ جماعت کے بارے میں کہے گی کہ اے ہمارے رب! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اس لئے تو انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔ اللہ کہے گا کہ ہر ایک کے لئے دوہرا عذاب ہے، لیکن تم جانتے نہیں ہو ﴿۳۸﴾ اور پہلی جماعت دوسری جماعت سے کہے گی، تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوئی۔ پس اپنے کر تو توں کے بدلے میں عذاب چکھو ﴿۳۹﴾

میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں نافرمان امتوں اور قوموں کی ہلاکت ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے بنی آدم کو خبر دی ہے کہ وہ اپنے انبیاء و رسل ان کے پاس بھیجا کرے گا، جو اس کی آیتیں انہیں سنایا کریں گے، تو جو کوئی تقویٰ اور اصلاح کی راہ اختیار کرے گا قیامت کے دن اسے کوئی خوف و غم لاحق نہیں ہوگا، اور جو کوئی اس کی آیتوں کو جھٹلائے گا اور کبر و عناد سے کام لے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۲۶) اللہ پر افترا پردازی کرنے والوں اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کا مزید حال بیان کیا جا رہا ہے کہ ان سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے لئے دنیا میں جو عمر، روزی، اور اعمال خیر و شر لکھ دیئے گئے ہیں انہیں وہ اللہ کی طرف سے ضرور پائیں گے پھر جب ان کی موت کا وقت آجائے گا، اور فرشتے ان کی روحوں کو قبض کر کے جہنم کی طرف لے جائیں گے تو بطور زجر و توبخ ان سے کہیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے تھے آج وہ تمہیں اس عذاب نار سے کیوں نہیں بچا لیتے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ وہ تو غائب ہو گئے، اب تو ہمیں ان سے کوئی امید نہیں ہے، اور اپنے بارے میں اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم دنیا میں کافر تھے۔

(۲۷) "اُمم" جمع ہے، اور یہاں گذشتہ قوموں کے کفار مراد ہیں۔ جب بھی کوئی قوم جہنم میں داخل ہوگی تو ان

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفْعَلُ لَهُمْ آيَاتُ السَّمَاءِ وَلَا يَدُخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبَسَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْغِيَاثِ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۸﴾ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمَنْ فَوْقَهُمْ غَوَاشٍ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۰﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ تَجْعَرِي مَنْ تَحْتَهُمْ لِيَتَذَكَّرُوا وَأَلْقُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَنْ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُكَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا عَمَلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۱﴾

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے، اور کبر و غرور کی وجہ سے ان سے منہ موڑیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے (۲۸) نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں نہیں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے، اور ہم مجرموں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۳۰﴾ ان کا بستر جہنم کی آگ کا ہوگا، اور ان کے اوپر کا اوڑھنا بھی اسی کا ہوگا، اور ہم ظالموں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۳۱﴾ اور جو لوگ ایمان (۲۹) لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ہیں، وہی لوگ جنتی ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۳۲﴾ اور ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کا کینہ (۳۰) نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس راہ پر ڈالا، اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے، یقیناً ہمارے رب کے انبیاء حق بات لے کر آئے تھے، اور انہیں پکار (۳۱) کر بتا دیا جائے گا کہ تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ سے اس جنت کا وارث بنا دیا گیا ہے ﴿۳۳﴾

لوگوں پر لعنت بھیجے گی جو پہلے سے جہنم میں ہوں گے اور کہے گی کہ ہماری گمراہی کا سبب تم ہی تھے۔ آیت میں "أولئ" سے مراد، وہ کافر جن وانس ہیں جن کی لوگ کفر و شرک میں پیروی کرتے تھے، اور "أخروی" سے مراد ان کے ماننے والے ہیں۔ سرادار ان کفر و شرک اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ تم لوگوں نے کفر و گمراہی کو چھوڑ تو نہیں دیا تھا کہ ہمارے مقابلے میں تمہارا جرم ہلکا ہو گیا، تم بھی ویسے ہی گمراہ ہوئے جیسے ہم ہوئے، اس لئے ہماری طرح تم بھی عذاب کے مستحق ہو۔ تو لو اپنے کئے کی پاداش میں جہنم کا عذاب چکھو۔

(۲۸) "کافروں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے" بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب وہ مریں گے تو ان کی رگوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ کسی نے کہا: ان کے اعمال کے لئے، اور کسی نے کہا: ان کی دعاؤں کے لئے، لیکن راجح یہی ہے کہ سبھی مراد لئے جائیں، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نہ ان کا عمل صالح آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا اور نہ ان کی کوئی دعا۔ اور جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ خبیث روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے سوراخ سے گذرنا محال ہے اسی طرح کافر کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔

(۲۹) اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بالعموم جہنم اور اہل جہنم کے ذکر کے بعد جنت اور اہل جنت کا ذکر کرتا ہے اور یہی حال برعکس بھی ہوتا ہے۔ یہاں بھی جہنمیوں کے بعد جنتیوں کا ذکر آیا ہے۔ اور ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ جملہ معترضہ کے

وَيَأْتِي أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا
قَالُوا نَعَمْ، فَإِذَنْ مُؤَذَّنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَعُودُونَ
عُوجًا، وَهُمْ بِالْآخِرَةِ لَكُفْرُونَ ۝

اور جنت والے جہنم والوں کو پکاریں گے (۳۲) کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے حق پایا، تو کیا تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے حق پایا؟ تو کہیں گے، ہاں۔ تب ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ﴿۳۳﴾ جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ وہ ٹیڑھی رہے، اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۵﴾

ذریعہ اللہ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانا اور زندگی میں عمل صالح کرنا مشکل نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ کا نظام ہے کہ وہ بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔

(۳۰) جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کے لولوں سے کینہ و حسد اور بغض و عداوت کو یکسر نکال دے گا، اس لئے کہ اگر وہاں بھی دنیا کی طرح ان کے دل آپس میں صاف نہیں ہوں گے تو جنت کی نعمتیں کامل نہیں ہوں گی۔ اور جنتی اللہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے، اے اللہ! تو نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں ایمان و عمل صالح کی توفیق دی جس کے سبب آج ہم جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

(۳۱) کلمہ ”میراث“ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت عمل صالح کے بدلے میں نہیں ملے گی، بلکہ وہ ایک سبب ہوگا، جس طرح وراثت بغیر کسب و محنت کے ملتی ہے اور نسب اس کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ آیت صحیحین کی اس حدیث سے معارض نہیں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی آدمی کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔

آیت کے اس حصہ کی تفسیر میں امام مسلم نے ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ بے شک اب تم لوگ زندہ رہو گے کبھی نہ مردے، اور بے شک تم لوگ صحت مند رہو گے کبھی بھی بیمار نہیں ہو گے، اور بے شک تم لوگ جوان رہو گے کبھی بھی بوڑھے نہیں ہو گے، اور بے شک تم لوگ عیش کی زندگی گزارو گے کبھی بھی پریشان حال نہ ہو گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہی ہے اللہ کا قول: ﴿وَنُودُوا أَنْ تِلْكَ الْجَنَّةُ﴾ الآية“۔

(۳۲) جب جنتی اور جہنمی کبھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے، تو جنتی جہنمی کی حسرت و یاس بڑھانے کے لئے انہیں پکار کر یہ بات کہیں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان بدر میں کافر مقتولین کو پکار کر یہی بات کہی تھی، رؤسائے کفر کے نام لے لے کر کہا کہ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا وہ تمہیں مل گیا؟ مجھے تو وہ مل گیا جو میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس پر حیرت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں، لیکن جو اب دینے سے عاجز ہیں۔ اس کے بعد انہیں مزید ذہنی تکلیف پہنچانے کے لئے اللہ کی طرف سے ایک منادی پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو جو اپنے آپ کو اور غیروں کو اللہ کے دین سے روکتے تھے، اور اس میں تحریف پیدا کرتے تھے اور یوم آخرت کے مکر تھے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادُوا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِّمُوا عَلَيْهِمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۳۶﴾ وَإِذْ أَصْرَقْتَ أَبْصَارَهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا لَنْ نَبْعَلَنَّهُمْ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾ وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُسْتَكَرِبُونَ ﴿۳۸﴾ أَهْلَ الْأَعْرَافِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَبَالَهُمْ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخَلُوا الْجَنَّةَ لَا يَخُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا أَنْتُمْ تُعَذَّبُونَ ﴿۳۹﴾

اور جنت و جہنم کے درمیان ایک دیوار (۳۳) ہوگی، اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی علامت سے پہچان لیں گے، اور وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو، وہ لوگ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، اور اس کے امیدوار ہوں گے ﴿۳۶﴾ اور جب ان کی نگاہیں اہل جہنم کی طرف پھیری جائیں گی تو کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ ملا دے ﴿۳۷﴾ اور اعراف والے لوگ کچھ جہنمیوں کو ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے، کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا کبر و غرور تمہیں کام نہ آیا ﴿۳۸﴾ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسم کھاتے تھے کہ اللہ کی رحمت ان پر نہیں ہوگی، (پھر اللہ ان سے کہے گا) کہ تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ تمہیں مستقبل کا خوف لاحق ہوگا اور نہ ماضی کا غم ﴿۳۹﴾

(۳۳) جنت اور جہنم کے درمیان ایک دیوار حائل ہوگی، جسے قرآن کریم میں "سود" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے اندر کی طرف اللہ کی رحمت اور جنت ہوگی، اور باہر کی طرف جہنم اور اس کا عذاب۔ اسی حجاب کو "اعراف" کہا گیا ہے جو عرف کی جمع ہے، جس کا اطلاق ہر اونچی جگہ پر ہوتا ہے، اس لئے اعراف سے مراد جنت و جہنم کے درمیان کی دیوار کی اونچی جگہ ہے۔

اصحاب اعراف کے بارے میں مفسرین نے صحابہ و تابعین سے کئی اقوال نقل کئے ہیں؛ کسی نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ابن مسعود، حذیفہ بن الیمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم کا یہی قول ہے، اور بعض حدیثیں اس قول کی تائید کرتی ہیں، اور کسی نے کہا ہے کہ وہ مومنوں میں افضل لوگ ہوں گے۔ کسی نے شہداء، کسی نے انبیاء اور کسی نے ان لوگوں کو بتایا ہے جو اللہ کی راہ میں ستائے گئے ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت اور اہل جہنم سب کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے، اور ان لوگوں کو سلام کریں گے جنہیں جنت کی بشارت دی جا چکی ہوگی ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، لیکن اس کی خواہش ان کے دلوں میں کروٹ لے رہی ہوگی۔ اور اصحاب اعراف جب جہنم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو ان جہنمیوں کو پہچان لیں گے جنہیں دنیا میں انہوں نے کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت و سرکشی کرتے دیکھا ہوگا، تو مارے خوف کے جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے پکار اٹھیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کے ساتھ جہنم میں داخل نہ کر۔

(۳۴) اصحاب اعراف سرداران کفر و شرک کو پکار کر کہیں گے (جنہیں ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے) کہ کہاں گئی تمہاری جماعت اور تمہارا خاندان و قبیلہ اور کہاں ہے آج تمہارا اسکبار؟ پھر جنت کی طرف دیکھیں گے تو وہاں ان کمزور لوگوں کو دیکھیں گے جنہیں کفار دنیا میں رذیل و ذلیل سمجھتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے انہیں چھوڑ کر ان رذیلوں کو کیسے نوازے گا۔ انہیں مخاطب کر کے کہیں گے کہ تم لوگ اب جنت میں داخل ہو جاؤ، وہیں ہمیشہ کے لئے رہو اب تمہیں کوئی غم و خوف لاحق نہیں ہوگا۔

وَنَادَى أَصْحَابَ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَلْفُضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مَخَارِشَ قُلُومِكُمْ اللَّهُ قَالُوا لَنْ نَأْتِيَنَّكَ اللَّهُ حَرَمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرِبَتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَالْيَوْمَ نُنَسِّسُهُمْ كَمَا نَسَّوْا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَحْحَدُونَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُم بِكُتُبٍ قَصَلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسَّوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شِعْرَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

اور اہل جہنم اہل جنت کو پکاریں گے (۳۵) کہ ہمیں کچھ پانی دے دو یا اللہ نے تمہیں جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ دے دو، وہ کہیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں ﴿۵۰﴾ جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا تھا، اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا تھا تو آج ہم انہیں بھول جائیں گے، جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ اور اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ﴿۵۱﴾ اور ہم ان کے پاس ایک کتاب (۳۶) لے کر آئے ہیں جسے پورے علم کی بنیاد پر کھول کر بیان کر دیا ہے، وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ﴿۵۲﴾ کیا وہ لوگ قیامت کے صرف آجانے کا انتظار (۳۷) کر رہے ہیں، جس دن وہ آجائے گی اس دن وہ لوگ جنہوں نے اسے پہلے سے بھلا رکھا تھا، کہیں گے کہ ہمارے رب کے انبیاء سچی بات لے کر آئے تھے پس اب کیا کچھ لوگ ہمارے سفارشی ہیں جو ہمارے لئے سفارش کریں، یا ہم دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تاکہ ہم جو کچھ پہلے کرتے رہے تھے، اس کے بجائے نیک عمل کریں، انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا، اور ان کی افترا پر دازیاں ان کے کام نہ آئیں ﴿۵۳﴾

(۳۵) اس سے مقصود اہل جہنم کی انتہائی رسوائی بیان کرنی ہے کہ دنیا میں تو کمزور مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں چھوڑ کر انہیں کیوں کر اپنی رحمت سے نوازے گا، لیکن اب حال یہ ہے کہ اپنی انتہائی بے بسی کے عالم میں جنتیوں کو پکاریں گے اور مکمل بجزو و انکساری کے ساتھ ان سے کہیں گے کہ ہمیں اس پانی میں سے تھوڑا سا دے دو جو اللہ نے بطور رحمت تمہیں عطا کیا ہے، تاکہ ہم آگ کی تپش اور پیاس کی شدت سے نجات پائیں، یا تمہیں جو کھانے اور پینے کی چیزیں ملی ہیں ان میں سے کچھ دے دو، تو جنتی کہیں گے کہ اللہ نے ان دونوں ہی چیزوں کو جہنمیوں پر حرام کر دیا ہے، جنہوں نے اللہ کے دین کو کھیل اور مذاق بنا لیا تھا، اور دنیا اور اس کی زینتوں میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ آج ہم بھی ان کے ساتھ اس آدمی جیسا معاملہ کریں گے جو انہیں بھول گیا ہو، انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں چھوڑ دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا، اور جس طرح وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

ترمذی نے ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا، تو اللہ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے تمہیں کان، آنکھ، مال اور اولاد نہیں دی تھی، کیا تمہارے لئے چوپایوں

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسْتَغْرَبَاتٌ بِأَمْرِ رَبِّهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۹﴾

بے شک آپ کا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ (۳۸) دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی (۳۹) ہو گیا، وہ رات کے ذریعہ دن کو ڈھانک (۴۰) دیتا ہے، رات تیزی کے ساتھ اس کی طلب میں رہتی ہے، اور اس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا (۴۱) کیا، یہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں، آگاہ رہو کہ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کا حکم ہر جگہ نافذ ہے، اللہ رب العالمین کی ذات بہت ہی بابرکت ہے ﴿۵۲﴾

اور کھیتوں کو مسخر نہیں کر دیا تھا، اور کیا میں نے تمہیں ریاست اور چودھراہٹ نہیں دی تھی، کیا تم سمجھتے نہیں تھے کہ آج کا دن دیکھو گے؟ تو کہے گا کہ نہیں، تو اللہ کہے گا: میں نے تمہیں آج اسی طرح فراموش کر دیا ہے جس طرح تم نے مجھے فراموش کر دیا تھا۔

(۳۶) اللہ تعالیٰ انہی جنیوں کے بارے میں بتا رہا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ان کے اپنے بُرے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ نے تو انبیاء و رسل بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے انہیں اعتقادات، احکام اور تمام اخروی امور کی خبر دے دی تھی۔

(۳۷) نبی کریم ﷺ کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول کے بعد بھی جب اہل مکہ ایمان نہیں لائے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا اب یہ لوگ اس عقاب و انجام کا انتظار کر رہے ہیں، جس کے بارے میں قرآن میں خبر دی جا چکی ہے؟ اس کے بعد فرمایا: جب قیامت کا دن آجائے گا، تو جو لوگ اسے اپنی دنیاوی زندگی میں فراموش کر چکے ہوں گے اب اپنے کفر کا اعتراف کر لیں گے، اور کہیں گے کہ ہمارے رب کے انبیاء نے تو تمام حق باتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا تھا۔

(۳۸) کفار کے کفر و شرک کا جب بیان ہو چکا تو اب اللہ تعالیٰ اپنی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے یہ بتا رہا ہے کہ جس ذات واحد نے انہیں پیدا کیا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس آیت کے علاوہ قرآن کریم کی دیگر کئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو اتوار سے جمعہ تک چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ہر دن دنیا کے دنوں کے برابر تھا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر دن ہزار سال کے برابر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ تو اس بات پر قادر تھا کہ کلمہ "مُحْنٌ" کے ذریعہ ان تمام چیزوں کو ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا، لیکن کسی حکمت کی وجہ سے جسے وہی جانتا ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے معاملات میں نرمی اور غور و فکر کی تعلیم دینے کے لئے ایسا کیا، اور بعض نے لکھا ہے کہ اللہ کے نزدیک ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔

(۳۹) "اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ" کا معنی و مفہوم بیان کرنے میں لوگوں کے بہت سے اقوال ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ سلف صالحین کا ہر دور میں یہی مسلک رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس کے مقام اعلیٰ اور عظمت و جلال کے لائق ہے، نہ اس کا انکار کیا جاسکتا ہے، نہ اسے تشبیہ دی جاسکتی ہے، اور نہ ہی اس کی کیفیت ہی بیان کی جاسکتی ہے۔

صحیح احادیث میں اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ آسمانوں، زمین، اور ان کے درمیان اور پر کی ہر چیز کو محیط ہے۔ امام بخاری کے استاد نعیم بن حماد کا قول ہے کہ جس نے اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیا وہ کافر ہو گیا، اور جس

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۴۲﴾ وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۳﴾

تم لوگ اپنے رب کو نہایت عجز و انکساری اور خاموشی کے ساتھ پکارو (۴۲) بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۴۵﴾ اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد (۴۳) نہ پیدا کرو، اور اللہ کو خوف اور امید کے ساتھ پکار کر، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے ﴿۵۱﴾

نے کسی ایسی صفت کا انکار کیا جو اللہ نے اپنے لئے بیان کیا ہے وہ کافر ہو گیا، اور اللہ نے اپنے لئے جو صفت بیان کی ہے یا اس کے رسول نے بیان کیا ہے اس میں مخلوقات کے ساتھ مشابہت نہیں ہے، اس لئے جس نے اللہ کے لئے ان صفات کو جن کا ذکر قرآنی آیات اور صحیح احادیث میں آیا ہے اسی طرح ثابت کیا جس طرح اس کی ذات کے لائق ہے، اور اس کی ذات کو تمام نقائص و عیوب سے پاک سمجھا تو وہ راہ راست پر باقی رہا۔

(۴۰) یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کے ذریعہ، اور دن کی روشنی رات کی تاریکی کے ذریعہ غائب ہو جاتی ہے۔ ہر ایک دوسرے کے پیچھے لگا ہوتا ہے، کسی حال میں بھی دونوں کی رفتار میں تاخیر نہیں ہوتی۔

(۴۱) اللہ نے سورج، چاند اور ستاروں کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اللہ کی مرضی اور اس کے ارادہ کا پابند ہے، ایک بال کے برابر بھی اپنی مقررہ حرکات و سکنات سے روگردانی نہیں کر سکتا ہے۔ اسی لئے اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ بے شک اسی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، وہی سب کا مالک ہے، اور ہر چیز پر اسی کا حکم نافذ العمل ہے۔

(۴۲) جب اللہ تعالیٰ قادر مطلق، خالق کائنات اور حکیم ہے تو اس کے بندوں کا یہ فرض ہے کہ صرف اسی کی عبادت کریں اور ظاہر و پوشیدہ ہر حال میں صرف اسی کو پکاریں اور اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔

اس آیت کریمہ میں دعا کی دو شرطیں بیان کی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ بندہ اپنے رب کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے۔ حافظ سیوطی نے ”الاکلیل“ میں لکھا ہے کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا عجز و انکساری ہے۔ حافظ بزار نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفات کے میدان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ ریاکاری سے بچے اور بغیر آواز بلند کئے دعا کرے۔

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ اونچی آواز سے دعا کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! ذرا آہستگی اور نرمی سے کام لو، تم کسی گونگے، بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، جس ذات کو تم پکار رہے ہو وہ بڑی سننے والی اور قریب ہے جن بصری کا قول ہے کہ پہلے کے مسلمان دعا کرنے میں خوب محنت کرتے تھے، اور ان کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، وہ لوگ خفیہ طور پر دعا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ اور زکریا علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا﴾ * ﴿جب انہوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا﴾ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، یعنی ان لوگوں کو جو اپنی دعاؤں میں خشوع و خضوع اختیار نہیں کرتے اور اونچی آواز سے دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں پسند نہیں کرتا ہے۔

(۴۳) اللہ تعالیٰ نے زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا ہے، اور اگر وہ فساد زمین کی اصلاح کے بعد ہو تو بندوں کے لئے زیادہ

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا نِّعَالًا سُقْنَا لَهُ لِبَدًا مِّمَّنِّي فَانزَلْنَا
بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُفْرِجُ الْمُؤْتَمِرِينَ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۷۲﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَنْزِعُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ
رَبِّهِ وَالَّذِي حَبِطَ لِأَعْيُنِنَا كَذَا كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿۴۷۳﴾

اور وہی (۴۷۲) ہے جو ہواؤں کو رحمت کی بارش سے پہلے خوشخبری کے طور پر بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی سے بوجھل ہادلوں کو اٹھلاتی ہیں تو ہم اسے خشک اور قحط زدہ ہستی کی طرف روانہ کر دیتے ہیں، پھر اس میں پانی برساتے ہیں اور اس میں ہرم کے پھل پیدا کرتے ہیں، ہم مردوں کو بھی اسی طرح زندہ کریں گے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو (۴۷۳) اور اچھی زمین کا پودا (۴۷۴) اس کے رب کے حکم سے اچھا نکلتا ہے، اور جو زمین بخر ہوتی ہے اس کا پودا بہت ہی کمزور اور بے فائدہ ہوتا ہے، ہم شکر گزار لوگوں کے لئے اپنی آیتوں کو اسی طرح مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں (۴۷۵) ﴿۵۸﴾

تقصان دہ ہے۔ اس لئے اللہ نے اس سے روکا ہے اور بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کے متواضع اور اصلاح پسند بندے بن کر رہیں، اسی کی عبادت کریں اور اس کے عقاب سے ڈرتے ہوئے اور جنت کی امید لئے صرف اسی کو پکاریں۔

(۴۷۳) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے، ہر حال میں اسی کا حکم نافذ العمل ہے، جب یہ سب کچھ بیان کیا جا چکا، اور بندوں کو نصیحت کی جا چکی ہے کہ وہ اسی ذات باری تعالیٰ کو پکاریں تو اب اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ وہی ذات واحد روزی دینے والا ہے، اور وہ قیامت کے دن مردوں کو اسی طرح زندہ کرے گا، جس طرح بارش کے پانی کے ذریعہ مردہ زمین میں زندگی ڈالتا ہے اور طرح طرح کے پھل اور پودے پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب بارش برساتا چاہتا ہے تو باد صبا کو حکم دیتا ہے کہ وہ بادل کو حرکت میں لائے، اور شمالی ہوا سے جمع کرتی ہے، اور جنوبی ہوا کے زیر تاثیر بارش ہوتی ہے، اور ایک دوسری ہوا سے تقسیم کرتی ہے۔ اس بارش کے پانی سے اللہ تعالیٰ مختلف ملکوں میں مختلف قسم کے پھل اور پودے پیدا کرتا ہے، حالانکہ پانی ایک ہوتا ہے، لیکن ہر زمین کی خاصیت اور ہر علاقے کی ضرورت کے مطابق پھلوں اور زراعتوں کی قسمیں بدلتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن مردوں کو بھی اسی طرح زندہ کریں گے۔

(۴۷۵) جو زمین زرخیز ہوتی ہے اسی میں اللہ کے حکم سے پودے اچھے اور نفع بخش نکلتے ہیں، اور جو خراب ہوتی ہے، جیسے کالے پتھروں والی یا بخر زمین اس میں اچھے پودے نہیں پیدا ہوتے، اور جو پیدا ہوتے ہیں وہ نفع بخش نہیں ہوتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعہ مومن و کافر کا حال بیان کیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مومن قرآن کریم سن کر اسے یاد کرتا ہے اور اس کے معانی کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور اس سے مستفید ہوتا ہے، اس زرخیز زمین کی مانند جس میں بارش ہونے کے بعد پودے اُگتے ہیں، لیکن کافر کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال موسلا دھار بارش کی ہے، اچھی زمین اسے قبول کر لیتی ہے، پھر اس میں پودے اور بہت ساری سبزیاں اُگتی ہیں، اور خشک اور سخت زمین پانی کو روک لیتی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، پیٹتے ہیں، جانوروں کو سیراب

وَالِي عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ؕ أَفَلَا تَتَّقُونَ ؕ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُّكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنُظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ؕ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ؕ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَإِنَّا لَكُم نَاصِحٌ أَمِينٌ ؕ أَوْعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۖ وَأَذْكُرُوا أَن جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ ۖ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَضْطَةً ۖ فَادْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؕ قَالُوا أَعِزَّنَا لِلْعِبَادَةِ اللَّهِ وَحْدَهُ ۖ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۚ فَإِنَّا لَمَاتَعِدُ نَأْرَن كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ؕ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَعَظْبٌ ۚ أَلْجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءِ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطٰنٍ ؕ فَاثْنَبْزُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ؕ

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (۳۷) کو بھیجا، اس نے کہا، اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، اُس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم لوگ پرہیزگار نہیں بنو گے ﴿۶۵﴾ اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی انہوں نے کہا کہ ہم تو تجھے احمق پارہے ہیں، اور بے شک ہم تجھے جھوٹا سمجھ رہے ہیں ﴿۶۶﴾ ہود نے کہا، اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، بلکہ میں توبہ العالمین کا ایک رسول ہوں ﴿۶۷﴾ میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں، اور میں تمہارا مخلص امانت دار ہوں ﴿۶۸﴾ کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے رب کی وحی تم ہی میں سے ایک آدمی پر نازل ہوئی ہے، تاکہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کے بعد اپنا خلیفہ مقرر کیا، اور دوسروں کے مقابلہ میں تمہیں زیادہ قوت و جسامت عطا کی، پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ کامیاب ہو جاؤ ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا، کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ داداے بندگی کرتے تھے، پس اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لے آؤ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے ﴿۷۰﴾ ہود نے کہا، تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب آ کر رہے گا، کیا تم لوگ مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اپنی طرف سے رکھ لیا ہے، جن کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری ہے، تو پھر انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿۷۱﴾

لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس کی تصویر اس پر لٹکا دیتے، پھر مرد زمانہ کے ساتھ لوگ ان بزرگوں کے مجسمے بنا کر ان کی پوجا کرنے لگتے، اور جب ان کا شرک حد سے آگے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا تاکہ پھر سے انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنی دعوت کا اعلان کیا تو ان کی قوم کے سرداروں نے انہیں سخت گمراہ قرار دیا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ہر دور میں فاسقوں اور فاجروں کا یہی حال رہا ہے کہ وہ نیک لوگوں کو بے وقوف اور گمراہ سمجھتے رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ میں گمراہ نہیں بلکہ اللہ کا رسول ہوں، اور تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارے لئے مخلص ہوں اور اللہ کی جانب سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، لیکن ان کی قوم ان کی تکذیب و مخالفت میں تیز تر ہوئی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے مومن ساتھیوں کو بچالیا اور ان کے دشمنوں کو طوفان کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔

فَأَنجِبْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَتِنَا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالَّذِينَ نَادَوْا مَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ وَإِلَىٰ نُوحٍ أَخَاهُمُ صَالِحًا قَالَ يُقَوْمُوا عِبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ عَذَابٌ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ هَذِهِ نَافَةٌ لَّكُم يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا تَأْكُلُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا تَمْسُوها يُسْوًا فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ وَأَذْكُرُوا إِذْ جَعَلْنَا خُلَفَاءَ مِن مِّن بَعْدِكُمْ وَأَبْوَابَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهولِهَا قُصُورًا وَتَتَّخِذُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۚ فَادْكُرُوا الْآيَةَ اللَّهُ وَلَا تَعْفُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعُوا لِمَن آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۴۰﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۴۱﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصَلِّهِ أَثْنَتَا بَيِّنَاتٍ لَّأَنَّ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۴۲﴾

پس ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی، اور ہماری آیتوں کی تکذیب کرنے والوں کی جزا ہی کاٹ دی، اور وہ لوگ اہل ایمان نہیں تھے ﴿۳۷﴾ اور ہم نے نوح کی طرف ان کے بھائی صالح ﴿۳۸﴾ کو بھیجا، اس نے کہا، اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل آچکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جسے اللہ نے تمہارے لئے بطور نشانی بھیجی ہے، تم لوگ اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ، ورنہ تمہیں دردناک عذاب پڑے گا ﴿۳۹﴾ اور یاد کرو، جب عاد کے بعد اللہ نے تمہیں اپنا خلیفہ بنایا اور زمین میں ٹھہرنے کی جگہ دی، اس کے میدانی حصے میں تم محل تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے تھے، پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھر دو ﴿۴۰﴾ اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے پوچھا جو ایمان والے تھے، کیا تمہیں یقین ہے کہ واقعی صالح اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو اس چیز پر ایمان لے آئے ہیں جو دے کر وہ بھیجے گئے ہیں ﴿۴۱﴾ ان متکبروں نے کہا کہ جس پر تم ایمان لے آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ پھر انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا، اے صالح! اگر تو واقعی رسول ہے تو وہ عذاب لے آجس کا تو ہم سے وعدہ کرتا تھا ﴿۴۳﴾

﴿۳۷﴾ آیت (۶۵) سے (۷۲) تک ہود علیہ السلام اور ان کی قوم (قوم عاد) کا قصہ بیان کیا گیا ہے، یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے، زبردست جسمانی قوت کے مالک تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا مسکن عمان اور حضرموت کے درمیان ریگستانی علاقہ تھا۔ ہود علیہ السلام اسی قوم کے ایک شریف خاندان سے تھے جنہیں اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا، لیکن جس طرح وہ لوگ جسمانی طور پر بڑے سخت لوگ تھے اسی طرح ان کے دل بھی بہت سخت تھے۔ انہوں نے ہود علیہ السلام کو احمق اور بے وقوف قرار دیا اور جھوٹا بتایا، اور ہزار کوششوں کے باوجود راہ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ قرآن کریم میں کئی جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے انہیں طوفانی ہوا کے ذریعہ ہلاک کیا تھا جو آٹھ دن

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۝ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولًا لِّرَبِّي وَأَكْتَسِبْتُ لَكُمْ وَلِكُنْ لَا تُحِبُّونَ الْمُنْصِحِينَ ۝

پس انہیں زلزلہ نے آیا جس کے نتیجہ میں سب اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے ﴿۷۸﴾ تو صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا، اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے، اور تمہاری خیر خواہی کی ہے، لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے ہو ﴿۷۹﴾

اور سات رات تک مسلسل چلتی رہی تھی۔

(۳۸) آیت (۷۳) سے (۷۹) تک صالح علیہ السلام اور ان کی قوم (قوم ثمود) کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ثمود عربوں کا ایک قبیلہ تھا، یہ لوگ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے، ان کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور قوم عاد کے بعد تھا۔ ان کا مسکن حجاز اور شام کے درمیان وادیِ قرنیٰ اور اس کے ارد گرد تھا اور بہت ہی طاقت ور لوگ تھے۔ اپنی جسانی طاقت اور قوت بازو کے زور سے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اپنے مکانات بنایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے ان کی بستوں سے گزرے تھے جنہیں مدائن صالح کہا جاتا ہے۔

صحیحین اور مسند احمد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک جاتے ہوئے قوم ثمود کے گھروں کے پاس رُکے تو لوگوں نے ان کے کنوؤں کا پانی پیا، اور آٹا گوندھ کر کھانا پکانے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی ہانڈیاں انڈیل دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں، پھر وہاں سے چل کر اس کنواں کے پاس آئے جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی بنتی تھی۔ اور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو قوم ثمود کے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا، اور کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں وہ عذاب اپنی گرفت میں نہ لے لے۔

صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک شریف خاندان سے تھے، اللہ نے انہیں اس قوم کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے اپنی قوم کو تمام انبیاء کی طرح توحید کی دعوت دی، لیکن بہت کم اور کمزور لوگوں نے ان کی بات مانی۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں مزید ڈرایا اور اللہ کا خوف دلایا تو انہوں نے ایک نشانی کا مطالبہ کیا، اور کہا کہ وہ نشانی ایک اونٹنی ہو جو پہاڑ سے نکل کر سامنے آجائے چنانچہ ایسا ہی ہوا، لیکن پھر بھی بہت ہی کم لوگ ایمان لائے اور اکثر و بیشتر نے تمرد اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا تو صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تم لوگ اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔ اللہ نے انہیں بدھ، جمعرات اور جمعہ تین دن کی مہلت دی، جیسا کہ سورہ ہود کی آیت (۶۵) میں آیا ہے: ﴿فَقَالَ مَتَّبِعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ﴾ ”پس صالح نے کہا کہ تم لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں فائدہ اٹھا لو“ اور سنجر کے دن صبح کے وقت ایک عظیم فرشتہ نے ان کے درمیان ایسی چیخ ماری کہ ان کے دل اور ان کی رو میں ہل گئیں اور سب کے سب مر گئے۔ اس کے بعد صالح علیہ السلام نے لاشوں کے درمیان کھڑا ہو کر کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں کی تھی، لیکن تم لوگوں نے اپنے خیر خواہوں کو کبھی بھی پسند نہیں کیا، پھر وہاں سے چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر کے بعد مشولین قریش کے سامنے جن کی لاشیں کنوئیں میں ڈال دی گئی تھیں ایسا ہی کہا تھا، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حیرت و استعجاب پر کہا تھا اللہ کی قسم وہ تم سے زیادہ اچھی طرح سن رہے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

وَلَوْ لَأَذَقْنَا لِقَوْمِهِ الْفَأْحِمَةَ مِمَّا سَبَقُوكُمْ بِهَا مِنْ آحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٣٠﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يُّنَظَّهُرُونَ ﴿٣١﴾ فَأَجْبَدْنَا وَأَمْهَلْنَا إِلَّا مَرَاتَةَ كَأَنَّكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا نَّظَرَ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٣٣﴾

ع ۱۷

اور ہم نے لوط (۲۹) کو بھیجا، تو اس نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم ایسی بُرائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ﴿۸۰﴾ تم اپنی شہوت عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتے ہو، بلکہ تم لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرنے والے ہو ﴿۸۱﴾ اور اس کی قوم کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے اے بستی والو! تم لوگ انہیں اپنی بستی سے نکال دو، اس لئے کہ یہ لوگ بہت پاک بنتے ہیں ﴿۸۲﴾ پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، سوائے اس کی بیوی کے جو ہلاک ہونے والوں کے ساتھ رہ گئی ﴿۸۳﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کر دی، تو آپ دیکھ لیجئے کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوتا ہے ﴿۸۴﴾

(۲۹) آیت (۸۰) سے (۸۴) تک لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام ہارن بن آزر کے بیٹے اور ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجا تھے۔ ان پر ایمان لانے کے بعد ہجرت کر کے ان کے ساتھ شام چلے گئے تھے، لیکن بعد میں وادی اُردن کی بستی "سدوم" میں سکونت اختیار کر لی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی بستی والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد چالیس لاکھ تھی، اور کفر و شرک کے علاوہ لواطت جیسی خبیث ترین اخلاقی بیماری میں مبتلا تھے، جو بیماری ان سے پہلے دنیا میں نہیں پائی گئی تھی۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ قوم لوط سے پہلے دنیا میں کسی مرد نے مرد کے ساتھ اپنی خواہش پوری نہیں کی تھی۔

خلیفہ اموی ولید بن عبد الملک بانی جامع دمشق کا قول ہے کہ اگر اللہ نے قوم لوط کا واقعہ بیان نہ کیا ہوتا تو میں گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی مرد کسی مرد سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ لوط علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی اور اس مہلک اخلاقی مرض سے بھی نجات دلانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ سنی اور ان کا مذاق اڑایا اور اپنے جثت ظاہر و باطن پر اصرار کیا اور لوط علیہ السلام کو اس بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر واجب ہو گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سدوم اور عمورہ بستیوں پر آگ کی بارش کر دی اور پھر انہیں الٹ دیا، اور اس طرح تمام کے تمام لوگ ہلاک ہو گئے، اسی جگہ کو آج کل بحریت کہا جاتا ہے۔ صرف لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ چند مومن بچ گئے جو اللہ کے حکم سے پہلے ہی اس بستی سے نکل گئے تھے۔

اسلام کی نظر میں لواطت ایک بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں گناہوں میں سے صرف شرک، زنا اور لواطت کو نجس اور خبیث سے تعبیر کیا ہے۔ ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ زنا اور لواطت کی نجاست دوسری نجاستوں سے بڑھ کر ہے۔ اتنی۔ لوطی کی دنیاوی سزا کے بارے میں احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم لوگ کسی کو لواطت کرتے پاؤ تو

کرتے تھے۔ راستے میں لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان کا مال چھین لیتے تھے، ان سے جبری ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اور جو لوگ شعیب علیہ السلام کی باتیں سننے کے لئے آنا چاہتے تھے انہیں راستے میں روک کر طرح طرح سے بہکاتے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے انہیں توحید کی طرف بلایا اور شرک سے ڈرایا، اور جو دوسری اخلاقی اور اجتماعی بیماریاں ان میں پائی جاتی تھیں ان کی بُرائی بیان کر کے ان سے باز آجانے کی ترغیب دلائی، اور انہیں اللہ کی یہ نعمت یاد دلائی کہ ان کی تعداد بہت کم تھی تو اللہ نے ان کی نسل میں برکت دی اور وہ کثیر تعداد میں ہو گئے۔



قَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ وَيُشْعِبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَوْمِنَا أَوْ لَنُعَوِّدَنَّ فِي
 مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَرِهِينَ ۖ قَدْ أَفْتَرْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِدْبَارِنَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا
 يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُوذَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا مَنِ افْتَرَى
 بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۖ وَقَالَ الْمَلَائِكَةُ لَعْنُ الْكُفْرَاءِ مِنْ قَوْمِهِ لَئِنْ أَبَعْتُمْ شُعَيْبًا
 إِنَّا لَأَكْذِبُونَ ۖ وَالْأَخْسَرُونَ ۖ فَآخَذْتَهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۖ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَمُوتُونَ
 فِيهَا ۖ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْغَافِرِينَ ۖ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَكُفَّيْتُ
 لَكُمْ كَيْفَ أَلْسِي عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ ۖ

اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا، اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے
 ضرور نکال (۵۱) دیں گے، یا یہ کہ تم لوگ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ شعیب نے کہا کیا ہم ایسا کریں، چاہے اُسے بُرا
 جانتے ہوں ﴿۸۸﴾ ہم اللہ پر افترا پردازی کریں گے، اگر تمہارے دین میں لوٹ جائیں گے، اس کے بعد کہ اللہ نے
 ہمیں اس سے نجات دے دی ہے، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس میں لوٹ جائیں، مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے،
 ہمارا رب اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، ہم نے تو صرف اللہ پر بھروسہ کیا ہے، اے ہمارے رب! تو
 ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر دے، اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۸۹﴾ اور
 اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم لوگوں نے شعیب کی پیروی کی، تو تم یقیناً نقصان اٹھاؤ گے ﴿۹۰﴾ پس
 انہیں زلزلہ نے آلیا، جس کے نتیجے میں سب اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے ﴿۹۱﴾ جن لوگوں نے شعیب
 کی تکذیب کی تھی، گویا کہ کبھی ان گھروں میں رہتے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی، درحقیقت وہی
 لوگ خسارہ اٹھانے والے تھے ﴿۹۲﴾ تو شعیب نے اُن سے منہ پھیر لیا، اور کہا، اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے
 رب کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور تمہاری خیر خواہی کی تھی، اس لئے اب کافروں کی ہلاکت پر کیسے افسوس کروں ﴿۹۳﴾

(۵۱) شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت توحید و اصلاح قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور انہیں اور مسلمانوں کو شہر بدر
 کر دینے کی دھمکی دی، تو انہوں نے ان کی طرف سے ناامید ہو کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! تو ہمارے اور ان کے درمیان اب
 فیصلہ کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے کے لئے ایک ایسی بارش بھیجی جس میں آگ کے شرارے تھے، اور اس کے
 ساتھ آسمان سے ایک چیخ اُٹھی، اور ان کے قدموں تلے زمین ہلنے لگی، اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی روحیں پرواز ہو گئیں اور ان کے
 جسم ڈھیر ہو گئے، اور ایسے ہو گئے جیسے وہاں پہلے ان کا وجود بھی نہیں تھا، جبکہ پہلے اسکبار میں آکر اسی سر زمین سے انہوں نے
 شعیب اور مسلمانوں کو نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ عذاب آجانے اور ان سب کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب شعیب علیہ السلام
 وہاں سے گذرے تو ان کی لاشوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور تمہارے ساتھ
 خیر خواہی کا جو تقاضا تھا وہ پورا کر دیا تھا، لیکن تم نے کفر ہی راہ اختیار کیا، اس لئے اب مجھے تمہارا یہ انجام دیکھ کر کوئی افسوس نہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُّرَّعُونَ ﴿٥٢﴾ تَوْبِكُمْ لَنَا مَكَانَ
 الشَّيْءِ الْحَسَنَةِ حَتَّىٰ عَفَاؤُكَ وَالْأَقْدَمُ أَبَاءَنَا الضَّرَّاءِ وَالسَّرَّاءِ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ وَكُلُّ
 أُمَّةٍ لِّقَوْمٍ أَلْفٌ مِّنَّا وَالنَّفْعُ الْفَعْنُ عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٤﴾
 أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنًا وَهُمْ يَقْسِمُونَ ﴿٥٥﴾ وَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضَعْفًا وَهُمْ
 يُلْعَبُونَ ﴿٥٦﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٧﴾

اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں اپنا کوئی نبی بھیجا، تو اس بستی والوں کو بھوک اور مصیبت (۵۲) میں مبتلا کیا، تاکہ اللہ کے حضور عاجزی و انکساری اختیار کریں ﴿۹۳﴾ پھر ہم نے ان کی تکلیف کو آرام سے بدل دیا، یہاں تک کہ وہ کثیر تعداد میں ہو گئے، اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور راحت دونوں پہنچی تھی، پھر ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا، اور ان کو خبر بھی نہیں ہوئی ﴿۹۵﴾ اور اگر بستیوں والے ایمان (۵۳) لے آتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے، تو ہم آسمان و زمین کی برکتیں ان پر کھول دیتے، لیکن انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، تو ہم نے ان کے کئے کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا ﴿۹۶﴾ کیا بستیوں والے اپنے آپ کو اس بات سے امن میں سمجھ رہے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آجائے جب وہ سو رہے ہوں ﴿۹۷﴾ یا کیا بستیوں والے اپنے آپ کو اس بات سے امن میں سمجھ رہے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن کے وقت آجائے جب وہ کھیل کود رہے ہوں ﴿۹۸﴾ کیا وہ اللہ کی چال سے اپنے آپ کو امن میں سمجھ رہے ہیں، اللہ کی چال سے تو خسارہ اٹھانے والے ہی اپنے آپ کو امن میں سمجھتے ہیں ﴿۹۹﴾

ہے، اور شعیب علیہ السلام کا ان مردوں سے یہ خطاب دیا ہی تھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر میں کفار قریش کے مشقولین کو خطاب کر کے کہا تھا جن کی لاشوں کو ایک کنواں میں ڈال دیا گیا تھا، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ یہ لوگ تم سے زیادہ سُن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے ہیں۔

(۵۲) پانچ انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے واقعات اور انجام کار بیان کرنے کے بعد یہاں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کا مجموعی احوال واقعی بیان کیا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی ہدایت کے لئے کسی نبی کو بھیجا، اور انہوں نے اس کی تکذیب کی اور شرک و گمراہی پر اصرار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی طور پر ہلاک کرنے سے پہلے محتاجی، تنگدستی اور بیماری وغیرہ میں مبتلا کیا، کہ شاید اللہ کی طرف رجوع کریں، لیکن جب وہ اپنے کفر و شرک پر مصر رہے تو اللہ نے ان کی تنگدستی کو فریخی رزق اور بیماری و مصیبت کو عافیت و صحتدی میں بدل دیا، پھر ان کا حال یہ ہو گیا کہ نعمت کی فراوانی نے ان کی آنکھوں پر پٹی اور ان کے دلوں پر مہر لگادی، اور کہنے لگے یہ کوئی اللہ کی جانب سے آزمائش نہیں، بلکہ دستور زمانہ ہے کہ لوگوں کے حالات ایک جیسے نہیں رہتے، ہمارے آباء واجداد کو پریشانی لاحق ہوئی، لیکن وہ اپنے دین پر قائم رہے۔ اب ہمیں آسانیاں میسر ہوئی ہیں، تو ہم بھی انہی کی طرح اپنے دین پر قائم رہیں گے، چنانچہ ان کا کفر و استکبار اور بھی بڑھتا گیا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اچانک ہلاک کر دیا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیت میں کافروں اور اللہ سے غافل لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

لیکن مومنوں کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَنَهُمُ بِدُونِهِمْ ۖ وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۖ وَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانُوا لِيُؤْتُوا
بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۖ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا
أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝

جو لوگ ملک والوں کے دنیا سے رخصت (۵۳) ہونے کے بعد اس کے وارث بن جاتے ہیں، کیا یہ بات ان کی اس طرف رہنمائی نہیں کرتی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیتے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے، پھر وہ خیر کی کوئی بات سنتے ہی نہیں ﴿۱۰۰﴾ ہم آپ کو ان بستیوں کی بعض خبریں (۵۵) سناتے ہیں، اور ان کے پاس ان کے انبیاء کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، لیکن جن باتوں کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے ان پر ایمان لانے والے نہ تھے، اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ﴿۱۰۱﴾ اور ہم نے ان میں سے اکثر کو کسی بھی عہد و پیمان کا پابند نہیں پایا، اور ان میں سے اکثر کو فاسق پایا ﴿۱۰۲﴾

پر صبر کرتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ”مومن کا معاملہ عجیب ہے، اس کی ہر بات خیر لئے ہوئے ہے۔ اور یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر اسے خوشی ملتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے بہتر ہے، اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر ہے۔“

(۵۳) مندرجہ ذیل چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اُن ہلاک کی جانے والی قوموں کی قلت ایمانی کا حال بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ایمان و تقویٰ سے عاری تھے، اگر وہ اپنے زمانے کے انبیاء پر ایمان لائے ہوتے اور محرمات سے اجتناب اور اعمال صالحہ کا التزام کیا ہوتا تو اللہ آسمان اور زمین سے اپنی برکتوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیتا، لیکن انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اپنے اوامر کی مخالفت پر ڈراتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا عذاب تو کسی وقت بھی آسکتا ہے، اللہ کی گرفت کا خوف وہی لوگ اپنے دلوں سے نکال دیتے ہیں جو عقل سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

حسن بصری کا قول ہے کہ مومن نیکیاں کرتا رہتا ہے اور اللہ سے خائف رہتا ہے، اور فاجر انسان گناہ کرتا رہتا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے۔

(۵۳) اس آیت کریمہ میں بنی نوع انسان کے لئے ایک بڑی تنبیہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے ہوئے رہنا چاہئے، اور اُن قوموں کے انجامِ بد سے عبرت حاصل کرنا چاہئے جو پہلے گذر چکی ہیں، کہ جس طرح اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفت میں لے لیا، اسی طرح ممکن ہے ان لوگوں کو بھی اللہ ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے جو ان ہلاک کی گئی قوموں کے بعد آئے ہیں، اور اسی سرزمین پر انہی کی طرح گناہ بھی کر رہے ہیں، جس پر گذشتہ قومیں آباد تھیں۔

(۵۵) ذیل کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا ہے کہ ہم نے ابھی آپ کو پانچ انبیائے کرام اور اُن

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمُ مُوسَىٰ بِالْبَيْنَاءِ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَقَالَ
 مُوسَىٰ لِفِرْعَوْنَ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ
 رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ إِن كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝ فَأَلْفَىٰ
 عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْكَ إِدْرَاكَهُ وَيَضَّأُكَ اللَّهُ ظُنِينٌ ۝

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں (۵۶) دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے ان کے
 نشانوں کا انکار کر دیا، پس آپ دیکھ لیجئے کہ فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے ﴿۱۰۳﴾ اور موسیٰ نے کہا (۵۷)
 اے فرعون! میں رب العالمین کا پیغامبر ہوں ﴿۱۰۴﴾ مجھ پر یہی واجب ہے کہ اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ
 نہ کہوں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں، پس تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ
 جانے دو ﴿۱۰۵﴾ فرعون نے کہا، اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے ظاہر کرو، اگر سچے ہو ﴿۱۰۶﴾ موسیٰ نے اپنی لاٹھی
 زمین پر ڈال دی، اور وہ ایک اژدھا بن کر ظاہر ہو گئی ﴿۱۰۷﴾ اور اپنا ہاتھ باہر کیا، تو وہ دیکھنے والوں کو سفید چمکتا ہوا
 نظر آنے لگا ﴿۱۰۸﴾

کی امتوں کے واقعات اور ان کے انجامہائے بد سنائے ہیں تاکہ آپ کی قوم عبرت حاصل کرے اور ایمان لے آئے، اور تاکہ
 آپ کو تسلی ہو کہ مشرکین کی جانب سے آپ کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے وہ آپ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ گذشتہ زمانوں میں
 دیگر انبیاء کو بھی ایسی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اُن ہلاک شدہ قوموں کی بعض برائیوں کو بیان کیا ہے کہ حق کی تکذیب ان کا شیوہ بن
 گیا تھا۔ جب حق آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا، پھر جب انبیاء نے اس حق کی تصدیق کے لئے دلائل و براہین پیش کئے تو تکذیب حق
 میں تیز تر ہو گئے، اس لئے کہ حق کو جھٹلانا اور ازل میں انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کی خلاف ورزی کرنا ان کی عادت بن
 گئی تھی، اور اللہ کے سرش و نافرمان بندے ہو گئے تھے، اسی لئے اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔

(۵۶) اس آیت کریمہ سے موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعات کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح، ہود،
 لوط اور شعیب علیہم السلام کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور قوم فرعون کی ہدایت کے لئے نشانیاں دے کر مبعوث کیا، لیکن
 انہوں نے ان نشانوں کا انکار کر دیا، اور اپنے کفر و استکبار پر اڑے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں ڈوب دیا، اسی لئے اللہ نے
 فرمایا کہ اے محمد! آپ دیکھ لیجئے کہ زمین میں کفر و شرک کے ذریعہ فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے؟

(۵۷) موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت لے کر فرعون کے پاس گئے، اور اس سے کہا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اور میں تمہیں
 اللہ کی طرف سے حق بات بتانے آیا ہوں، اور اپنی صداقت کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ قرآن کریم کی دیگر آیات بتاتی ہیں کہ اس
 موقع پر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مکالمہ ہوا۔ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کو کون ہے؟ اور موسیٰ علیہ
 السلام کا جواب سننے کے بعد دوبارہ کہا کہ رب العالمین کون ہوتا ہے؟ الخ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ بھی کہا کہ بنی
 اسرائیل کو میرے ساتھ ان کے وطن واپس جانے دو۔ فرعون نے انہیں اپنا غلام بنا رکھا تھا اور وہاں سے نکلنے سے روک رکھا تھا۔

قَالَ الْمَلَأُمِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلَيْهِمْ يُرِيدُ أَنْ يُغْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۖ قَالَ أُولَئِكَ أَكْذَابُ وَإِنِّي أَخَاكُمْ وَأُرْسِلُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۖ يَأْتُواكَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَجَاءَ الشَّعْرَةَ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَكْجُرًا إِنَّ كُنَّا مَعْنُ الْعَلِيِّينَ ۖ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُتَقَرَّبِينَ ۖ قَالُوا يَمْوَسَىٰ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْقَلَبٌ ۖ وَبِمَا أَنْتَ تُكْفِرُ مَعْنُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَالَ الْفُقَرَاءُ فَلِمَ أَقْبَلْتُمُ السَّحَرَةَ وَالْعَيْنُ النَّاسِ وَالسُّرَةُ هُوَهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ۖ

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو بڑا بھاری جادوگر (۵۸) ہے ﴿۱۰۹﴾ یہ تو تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، تو تم لوگ کیا کہتے ہو ﴿۱۱۰﴾ لوگوں نے (فرعون سے) کہا، ابھی اسے اور اس کے بھائی کو روک رکھئے، اور (ملک کے) تمام شہروں میں نمائندے بھیج دیجئے ﴿۱۱۱﴾ جو ہر ماہر جادوگر کو بلا لائیں ﴿۱۱۲﴾ اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے، انہوں نے کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو یقینی طور پر ہمیں اس کی اجرت ملنی چاہئے ﴿۱۱۳﴾ فرعون نے کہا، ہاں، اور تم لوگ بے شک میرے مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے ﴿۱۱۴﴾ جادوگروں نے کہا، اے موسیٰ! یا تو تم اپنا جادو (۵۹) دکھاؤ یا ہم لوگ اپنا جادو دکھائیں ﴿۱۱۵﴾ موسیٰ نے کہا، تم ہی لوگ دکھاؤ، جب انہوں نے اپنا جادو پیش کیا تو لوگوں کی آنکھوں کو مسح کر دیا اور ان کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا اور انہوں نے بڑا جادو پیش کیا تھا ﴿۱۱۶﴾

فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو جس نشانی کا ابھی ذکر کیا ہے اسے دکھاؤ۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی زمین پر ڈال دی جو ایک عظیم و مہیب سانپ میں بدل گئی۔ اور اپنا ہاتھ اپنی جیب یا بغل کے نیچے سے نکالا تو سفید و شفاف بن گیا اور اس سے خوبصورت روشنی پھوٹ کر نکلنے لگی جسے ہر آدمی دیکھنے لگا۔

(۵۸) جب قوم فرعون کے سرداروں نے لاشی کو سانپ کی شکل میں، اور ہاتھ کو بغیر کسی بیماری کے سفید و شفاف دیکھ لیا، تو کہنے لگے کہ یہ تو کوئی بہت بڑا ماہر جادوگر ہے (جادو اس لئے کہا تاکہ عوام کے دل و دماغ پر ان معجزات کا اثر نہ ہو) یہ تو تمہیں ملک مصر سے اپنے جادو کے ذریعہ نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ سورہ شعراء میں آیا ہے کہ یہ بات فرعون نے کہی تھی۔ شوکانی کہتے ہیں کہ یہ بات سب نے کہی تھی، اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس کے بعد فرعون نے سرداروں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ہمیں بتاؤ؟ چنانچہ سب نے مشورہ کرنے کے بعد فرعون سے کہا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو بند کر دیجئے، اور لوگوں کو پورے ملک میں بھیج کر ماہر جادوگروں کو جمع کیجئے۔ اس زمانے میں سرزمین مصر میں جادو کا بہت زیادہ چرچا تھا، اور جادوگروں کی بڑی اہمیت تھی، اسی لئے ان لوگوں نے سمجھا کہ موسیٰ کا کارنامہ بھی جادو کے قبیل سے ہے، اور بڑے جادوگر ہی اس کی کاٹ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے تمام جادوگر جمع ہو گئے، اور فرعون سے یہ شرط کرائی کہ اگر وہ موسیٰ پر غالب آجائیں گے تو انہیں اس کا مناسب انعام ملے گا۔ فرعون نے کہا کہ ہاں، اگر وہ غالب آگئے تو وہ درباریوں اور معزز لوگوں میں داخل کر لئے جائیں گے۔

(۵۹) جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا کہ چاہو تو تم ہی پہلے اپنا کام دکھاؤ، یا ہم اپنا کام دکھائیں۔ گویا انہیں اپنے اوپر بھرپور اعتماد تھا کہ غلبہ انہی کو حاصل ہوگا، چاہے بعد میں ہی اپنا کرتب دکھلائیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پہلے تم ہی لوگ اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جب لوگ ان کے کارناموں کو دیکھ لیں گے تو پھر معجزہ الہی کا ظہور ہوگا، اور اپنی

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۗ فَوَقَّهَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَغِيرِينَ ۗ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ سِحْرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۗ وَقَالَ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۗ قَالَ فِرْعَوْنُ أَمْسُتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَدْنَىٰ لَكُمْ إِنَّ هَذَا الْبُكْرُ مَكْرُومٌ فِي الْمَدِينَةِ لَتُفْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ

اور ہم نے موسیٰ کو بذریعہ وحی کہا کہ اپنی لاشی (۶۰) زمین پر ڈال دو، تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے جادوگروں کے جھوٹ کو نکل گئی ﴿۱۱۷﴾ پس حق ثابت ہو گیا اور جادوگروں کا عمل بے کار ہو گیا ﴿۱۱۸﴾ چنانچہ وہ سب وہاں مغلوب ہو گئے اور ذلت و رسوائی کا انہیں سامنا کرنا پڑا ﴿۱۱۹﴾ اور جادوگر سجدہ میں گر گئے ﴿۱۲۰﴾ انہوں نے کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ﴿۱۲۱﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ﴿۱۲۲﴾ فرعون نے کہا اس کے قبل کہ میں اجازت دیتا، تم لوگ اس پر ایمان (۶۱) لے آئے، یہ یقیناً ایک سازش ہے جو تم لوگوں نے شہر میں اس غرض سے کی ہے تاکہ اس کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال دو، پس تم عنقریب جان لو گے کہ تمہارا انجام کیا ہوتا ہے ﴿۱۲۳﴾

پوری قوت کے ساتھ دیکھنے والوں کے دل بومخ پر اثر ڈالے گا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں ایک قسم کی دھمکی تھی کہ ہاں پہلے تم ہی اپنی جادوگری دکھلاؤ، پھر دیکھ لو گے کہ کیسی ذلت کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ جادو مجزہ پر کبھی بھی غالب نہیں آسکتا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو مسرور کر دیا، لوگ سمجھنے لگے کہ واقعی ان کے سامنے ساپ دوڑ رہا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ آیت (۶۶-۶۹) میں فرمایا ہے: ﴿فَإِذَا جِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ * فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةَ مُوسَىٰ * قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ * وَأَلْقَىٰ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفُ مَا مَسَّنَا وَمَا صَنَّعُوا أَنَّمَا صَنَّعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يَفْلَحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ﴾ یعنی ”موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ چنانچہ موسیٰ اپنے دل ہی دل میں ڈرنے لگے، ہم نے کہا کچھ خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا، تیرے دائیں ہاتھ میں جو لاشی ہے اسے زمین پر ڈال دے تاکہ وہ ان کی تمام کارگیری کو نکل جائے۔ انہوں نے جو کچھ بتایا ہے یہ جادوگروں کے کرتب ہیں، اور جادوگر کہیں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا“۔

(۶۰) اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اب تمہارے دائیں ہاتھ میں جو لاشی ہے اُسے ڈال دو، انہوں نے ایسا ہی کیا، اور وہ لاشی جادوگروں کے تمام جھوٹے سائیلوں کو نکلے گی، یہ دیکھ کر فرعون، اس کے کارکنان اور اس قوم کے لوگ ذلیل و رسوا اپنے گھروں کو لوٹنے لگے، اور جادوگر ﴿آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ * رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ کہتے ہوئے سجدے میں گر گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ لاشی ان کی رسیوں اور لکڑیوں کو نکلتی چلی گئی۔ یہ منظر دیکھ کر جادوگر سمجھ گئے کہ یہ آسمانی مجزہ ہے، کوئی جادو نہیں۔ چنانچہ تمام جادوگر اللہ کے لئے سجدہ میں گر گئے، اور پکار اٹھے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ انہوں نے ”رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ“ کی قید اس لئے لگائی تاکہ فرعون کو اپنا معبود سمجھنے والے یہ نہ گمان کریں کہ انہوں نے فرعون کے لئے سجدہ کیا ہے۔

(۶۱) جب حق واضح ہو گیا اور تمام جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، تو فرعون نے اپنی ذلت و رسوائی پر پردہ ڈالنے

لَا قَطْعَانَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَصَلَبِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۲۵﴾ كَالْوَالِيَاءِ إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَمَا تَنْفَعُهُمْ مِمَّا آتَاكَ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَلَا مِنْ خَلْفِهِمْ إِلَّا أَنْ يَأْمُرَهُمْ اللَّهُ بِهَذَا ۚ وَتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ لِخُدَاةِ الْعَالَمِينَ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾

میں یقیناً تمہارے ایک طرف کے ہاتھ (۱۲۳) اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا، پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا ﴿۱۲۴﴾ انہوں نے کہا (۱۲۳) بے شک ہم سب کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے ہے ﴿۱۲۵﴾ اور ہم سے تمہاری دشمنی کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آگئیں تو ہم ان پر ایمان (۱۲۴) لے آئے، اے ہمارے رب! تو ہمیں صبر عطا فرما، اور دنیا سے ہمیں مسلمان اٹھا ﴿۱۲۶﴾

کے لئے کہا کہ تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ یہاں آنے سے پہلے موسیٰ کے ساتھ مل گئے تھے، اور ایک ریچی رچائی سازش کے مطابق یہاں آئے ہو کہ پہلے تم لوگ موسیٰ کے خلاف بظاہر اپنی تیزی دکھاؤ گے، اور پھر اس کے سامنے ٹھک جاؤ گے، تاکہ تم سب مل کر قبطیوں کو یہاں سے نکال دو اور ان کی جگہ تم لے لو، موسیٰ تمہارا بادشاہ بن جائے اور تم لوگ اس کے ساتھ رہنے لگو، تو عنقریب تم لوگ اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ بھی فرعون کی سازش تھی، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام تو مدین سے آتے ہی فرعون کے پاس پہنچے تھے اور اپنی دعوت پیش کی تھی اور اس کے مطالبہ پر معجزات پیش کیا تھا، انہیں جادو گروں سے ملنے کا کب موقع ملا تھا؟ اور جادو گر تو مختلف علاقوں سے جمع کئے گئے تھے، اور ان کی بھرپور خواہش تھی کہ وہ غالب آجاتے۔ موسیٰ علیہ السلام ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے تھے۔ اور فرعون یہ سب کچھ جانتا تھا، لیکن اس نے اپنی رعایا کو بیوقوف بنانا چاہا جیسا کہ اللہ نے سورہ زخرف کی آیت (۵۳) میں فرمایا ہے: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاَطَاعُوهُ﴾ ”فرعون نے اپنی قوم کو بہلایا اور پھیلایا تو انہوں نے اس کی بات مان لی“۔ اور اس قوم سے بڑھ کر جاہل اور گمراہ کون ہو سکتا ہے جس سے فرعون نے جب کہا: ﴿أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ﴾ ”میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں“ تو اس کی بات مان لی؟

(۶۲) اوپر فرعون نے جادو گروں کو جو دھمکی دی تھی، اسی کی تفصیل ہے۔ (۶۳) یعنی اگر آج تم ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرو گے، تو اللہ تمہیں نہیں چھوڑے گا، تمہارے کروت کا بدلہ تمہیں ضرور دے گا، اور ہمیں اس کی راہ میں جو تکلیف پہنچے گی اس کے بدلے میں ہم پر احسان کرے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ فرعون نے انہیں عذاب دنیا کی دھمکی دی تو انہوں نے اسے عذاب آخرت کی دھمکی دی۔

(۶۴) یعنی جو تمہارے نزدیک ہمارا عیب ہے، وہی ہماری سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس کے بعد جادو گروں نے اپنے لئے ثابت قدمی اور خاتمہ بالخیر کی دعا کی اور فرعون سے کہا: ﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ ”اے امننا! ہمیں اپنے گناہوں سے معاف کر دے اور ہمیں اپنی دنیا کی زندگی میں ہی چلے گا، ہم تو اس امید میں اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں کہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے گا۔ اور جو کچھ تو نے ہم سے زبردستی کرایا ہے وہ تو جادو ہے، اور اللہ ہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے“۔ (ط: ۴۳/۴۴)۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں (اللہ کی مشیت دیکھئے کہ) صبح کو وہ لوگ جادو کرتے اور شام کو اللہ کے نیک اور شہید بندے بن گئے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُمُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَدَّرُكُ وَالْهَتَاكَ ، قَالَ سَنُعْتَلُ
 أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَعْمِي نِسَاءَهُمْ ، وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ
 لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ قَالُوا أَوَدِينَانِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا
 جِئْتَنَا قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿٦٧﴾

اور قوم فرعون کے سرداروں نے اس سے کہا (۶۵) کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی آزاد چھوڑ دیں گے، تاکہ
 زمین میں فساد پھیلائیں، اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو نظر انداز کر دیں؟ فرعون نے کہا کہ ہم ان کے بیٹوں کو
 تیغ کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اور ہم یقیناً ہر طرح ان پر قدرت رکھتے ہیں ﴿۱۲۷﴾
 موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد (۶۶) مانگو اور صبر کرو، بے شک یہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے
 جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور آخرت کی کامیابی اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے ﴿۱۲۸﴾ بنی اسرائیل
 نے کہا، ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی تکلیف (۶۷) دی جاتی رہی ہے، اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ
 نے کہا عنقریب ہی تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور زمین میں تمہیں ان کا جانشین بنا دے گا، تاکہ
 دیکھے کہ تم کیسا کردار پیش کرتے ہو ﴿۱۲۹﴾

(۶۵) موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور جادو گروں کے ایمان لانے کے بعد بنی اسرائیل کے چھ لاکھ آدمی موسیٰ علیہ السلام پر
 ایمان لے آئے، حالات کے اس انقلاب نے فرعون اور اس کے درباریوں کو بلا دیا، اسی لئے درباریوں نے فرعون کو موسیٰ علیہ
 السلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا، اور کہا کہ اگر انہیں اسی طرح آزاد چھوڑ دیا گیا تو یہ لوگ آپ کی رعایا کو خراب کریں گے۔
 اور ملک میں فساد برپا کریں گے اور آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ کر موسیٰ کے رب کی عبادت کی دعوت دیں گے۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ فرعون کا ایک معبود تھا جس کی وہ چھپ کر عبادت کیا کرتا تھا۔ فرعون نے ان کی بات مان کر کہا
 کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو اپنی خدمت کے لئے زندہ رکھیں گے۔ بنی اسرائیل کو فرعونینوں کے
 ہاتھوں دو مرتبہ قتل اور موت کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی بار موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے قبل، جب فرعون نے حکم دے دیا تھا کہ بنی
 اسرائیل میں پیدا ہونے والا ہر بچہ قتل کر دیا جائے تاکہ وہ آدمی وجود میں نہ آسکے جس کے ہاتھوں نجومیوں کی اطلاع کے مطابق
 فرعون کی بادشاہت کا خاتمہ ہونا تھا۔ لیکن موسیٰ پیدا ہوئے اور اللہ نے ان کی حفاظت کی اور فرعون کی چال دھری کی دھری رہ گئی۔
 اور دوسری بار جبکہ اسے اور اس کی بادشاہت کو دوبارہ وہی خطرہ لاحق ہوا جو پہلے لاحق ہوا تھا۔ اس لئے اس نے بنی اسرائیل
 کے بچوں کو قتل کر دینے کا حکم عام جاری کر دیا۔ لیکن اس بار بھی اللہ نے بنی اسرائیل کو عزت دی اور اسے اور اس کی فوج کو ذلیل
 کر کے سمندر میں ڈبو دیا۔

(۶۶) جب فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا، اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع
 ملی تو انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف رجوع کرنے، اسی سے مدد مانگنے اور اسی پر بھروسہ کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت کی،
 اس لئے کہ ہر حال میں مومن کا لگاؤ اللہ سے ہوتا ہے۔ اس کا یقین کامل ہوتا ہے کہ جس کا معین و مددگار اللہ ہوتا ہے، اس کا کوئی

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَصْنَا مِنَ الشَّجَرِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳۰﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَتَكَبَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ إِلَّا إِنَّمَا ظَنَرُوهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوا هَمَّا تَوَاتَرَا فِيهِ مِنْ آيَةٍ لَتَسْحَرَنَّ بِهَا قَوْمًا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفْضَلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لَوْلَا يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ مَالًا غَدِيرًا لَكُنَّا عَنْ الرِّجْزِ لَنُؤْمِنُ لَكَ وَلَتُرْسِلُنَا مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْعُوقَةِ إِذَا هُمْ يَنْكُفُونَ ﴿۱۳۴﴾

اور ہم نے فرعونوں کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی کے عذاب میں مبتلا (۶۸) کیا تاکہ شاید نصیحت حاصل کریں ﴿۱۳۰﴾ پس جب انہیں کوئی اچھی چیز ملتی تو کہتے کہ ہم تو ہیں ہی اس کے حقدار، اور اگر ان کا کوئی نقصان ہو جاتا تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے بدشگونی لیتے، حالانکہ ان کی شومی قسمت تو اللہ کی جانب سے ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ کچھ نہیں جانتے ﴿۱۳۱﴾ اور فرعونوں نے کہا کہ تم چاہے جو نشانی لے آؤ، تاکہ اس کا جادو ہم پر کرو، ہم لوگ تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۳۲﴾ پس ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیوں اور جوڑوں اور مینڈکوں اور خون کا عذاب کھلی اور واضح نشانیوں کے طور پر بھیجا، پھر بھی انہوں نے اللہ سے تکبر کیا، اور وہ تھی ہی مجرموں کی جماعت ﴿۱۳۳﴾ اور جب ان لوگوں پر عذاب آ گیا، تو کہنے لگے، اے موسیٰ! تمہارے رب نے تم سے جو عہد کر رکھا ہے، اس کے مطابق تم اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کرو، اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ٹال دیا، تو ہم تم پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ ضرور بھیج دیں گے ﴿۱۳۴﴾ پھر جب ہم نے عذاب کو ان سے ایک وقت مقرر تک کے لئے ٹال دیا جہاں تک انہیں پہنچنا تھا، تو وہ وعدہ خلافی کر بیٹھے ﴿۱۳۵﴾

بال بیکانہیں کر سکتا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اشارہ کے ذریعہ بشارت دی کہ بلا آخر غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا، اور زمین کے سردار آل فرعون نہیں بلکہ تم ہو گے، اس لئے کہ زمین کا مالک اللہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ (۶۷) بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس سر زمین پر ہم تو پریشان ہی رہے ہیں، آپ کی ولادت سے پہلے ہمارے بچوں کو اس لئے قتل کیا گیا کہ کہیں موسیٰ نہ پیدا ہو جائے جس کے ہاتھوں فرعون کی مملکت کا خاتمہ ہونا تھا۔ اور اب جب آپ نبی مرسل بن کر آئے ہیں، تب بھی ہمارے بچوں کو قتل کیا جا رہا ہے، تاکہ ہمارا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جس بشارت کی طرف اشارہ کیا تھا، اس کی صراحت کر دی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا، اور تمہیں زمین کی سیادت عطا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وعدے کو سچ کر دکھایا۔ داؤد و سلیمان مصر کے بادشاہ ہوئے، اور یوشع بن نون کی قیادت میں بیت المقدس فتح ہوا، اور اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اور اسرائیلیوں کو ان سے نجات دلائی۔

(۶۸) جادو گروں کے ٹکست کھا جانے اور ان کے ایمان لے آنے کے بعد فرعون کے لئے یہ بات آفتاب کی طرف واضح ہو چکی

تھی کہ موسیٰ اللہ کے نبی ہیں، اور دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں تھی کہ ان پر ایمان لے آتا، لیکن غرور و نخوت اور جھوٹی محبوبیت کے زعم میں کفر و عناد پر مصر رہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے اور اس کی قوم کو قحط سالی میں مبتلا کیا کہ اب بھی شاید توبہ کی توفیق ہو جائے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشحالی اور امن و عافیت کی کڑی آزمائش میں مبتلا کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اہلکار میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ جب قحط سالی آئی تو کہنے لگے کہ یہ سب موسیٰ اور بنی اسرائیل کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور جب خوشحالی آئی تو کہنے لگے کہ ہم تو اس کے ہتھار ہیں ہی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ تمام امور کا مدبّر اور ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے، اور خوشحالی اور قحط سالی سب اسی کے اختیار میں ہے۔ موسیٰ اور بنی اسرائیل کے وجود سے بدشگونی لینا تمہارے کفر و عناد کا نتیجہ ہے۔

الغرض ان کا کبر و غرور بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ موسیٰ سے کہا کہ چاہے تم کوئی بھی نشانی لاؤ، ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے، جب ان کا کفر و عناد اس انتہا کو پہنچ گیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! فرعون کی سرکشی حد سے آگے بڑھ گئی ہے، اور فرعونوں نے کسی عہد و پیمان کا پاس نہیں رکھا ہے۔ اس لئے اب تو انہیں ایسی سزا دے کہ یہ لوگ میری قوم کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائیں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی، اور شدید طوفان آیا، اور قریب تھا کہ اس سے ہلاک ہو جاتے کہ وہ لوگ دوڑے ہوئے موسیٰ کے پاس آئے اور ان سے دعا کی درخواست کی تاکہ یہ عذاب ٹل جائے۔ اور وعدہ کیا کہ اگر عذاب ٹل گیا تو ایمان لے آئیں گے، اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ جانے دیں گے، لیکن جب عذاب ٹل گیا، اور موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا، تو انکار کر گئے اور اپنے کفر پر مصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ٹڈی کی فوج بھیجی جس نے ان کی کھیتوں، درختوں اور پھلوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ جب یہ حال دیکھا تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوڑے آئے اور پہلے کی طرح ایمان لانے کا وعدہ کیا، لیکن عذاب ٹل جانے کے بعد پھر انکار کر گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلسل جوڑوں، مینڈکوں اور خون کے عذاب میں مبتلا کیا، اور ہر بار توبہ کا وعدہ کرتے رہے، اور عذاب ٹل جانے کے بعد ایمان لانے سے انکار کرتے رہے۔ اور ان کا یہ و طیرہ اس لئے رہا کہ وہ لوگ واقعی اہل جرائم اور اہل فساد تھے، اور ہر خیر سے محروم تھے۔

آیت (۱۳۳) میں طوفان سے مراد شدید موسلا دھار بارش تھی جس نے کھیتوں اور پھلوں کو تباہ کر دیا، اور انسانوں میں اموات ہونے لگیں۔ "جراد" سے مراد مشہور ٹڈی ہے جس نے ان کی کھیتوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا، اسلام میں اس کا کھانا جائز ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ اسے نہیں کھاتے تھے، جس طرح "حضب" یعنی سانڈا انہیں کھاتے تھے۔ "قمل" سے مراد گھن ہے جو گیکہوں اور ان کے دوسرے دانوں وغیرہ میں لگ گیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس کے دوسرے معانی بھی بیان کئے ہیں۔ "ضمفدع" مینڈک کو کہتے ہیں۔ ان کے گھروں میں، کھانوں میں، غلوں اور بستروں میں ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے۔ اور "دم" سے مراد یہ ہے کہ ان کی نہروں اور کودوں کا پانی خون میں بدل گیا، مچھلیاں مر گئیں اور نہروں کا پانی بدبودار ہو گیا، بعض لوگوں نے اس سے تفسیر کی بیماری مراد لی ہے۔

آیت (۱۳۵/۱۳۴) میں "رجز" یعنی عذاب سے مراد طاعون کی بیماری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس بیماری سے ستر ہزار فرعونی ہلاک ہو گئے تھے۔

فَالْتَقَيْنَاهُمْ فَأَعْرَفْنَاهُمْ فِي الْيَوْمِ بِالَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿٢٩٠﴾ وَأَوْزَيْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لَمَّا وَكَّدْتَ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۗ بِمَا صَبَرُوا وَاذْكُرْنَا مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٢٩١﴾ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿٢٩٢﴾

تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور انہیں دریا برد (۲۹۰) کر دیا، اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور اس کی جانب سے پکسر غافل تھے ﴿۱۳۶﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں دنیا کمزور و ناتواں سمجھتی تھی، اس زمین کے مشرق و مغرب کا مالک (۲۹۱) بنا دیا جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا، اور بنی اسرائیل سے آپ کے رب کا اچھا وعدہ، فرعونوں کے ظلم پر ان کے صبر کرنے کی وجہ سے پورا ہوا، اور فرعون اور اس کی قوم کے لوگ جو عمارتیں اور محلات بناتے تھے انہیں ہم نے تباہ کر دیا، اور ان باغات کو بھی جنہیں وہ ٹٹیوں پر چڑھایا کرتے تھے ﴿۱۳۷﴾

(۲۹) ان تمام آزمائشوں سے گذرنے کے باوجود جب انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوئی، تو اللہ کا آخری عذاب آگیا، جس نے ان کا وجود ہی ختم کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب فرعون نے ملک مصر پر اللہ تعالیٰ کا یکے بعد دیگرے کئی عذاب دیکھا تو بالآخر موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے کوچ کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ بنی اسرائیل رات کے وقت عجلت میں نکل پڑے اور اپنے ساتھ اپنے جانوروں کو بھی لے گئے۔ انہوں نے ”عین شمس“ سے ”سکوت“ جانے کے لئے بحر احمر کا ساحلی راستہ اختیار کیا۔ فرعون نے جب سنا کہ وہ لوگ روانہ ہو گئے، تو اپنے فیصلے پر نادم ہوا، اور فوراً ہی اپنا لاء لشکر لے کر ان کا پیچھا کیا اور انہیں بحر احمر کے ساحل پر جا لیا، بنی اسرائیل ڈر گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے اپنی پریشانی کا اظہار کرنے لگے، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مت ڈرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، اور ایک کشادہ راستہ بن گیا جس سے بنی اسرائیل پار کر گئے۔ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، جب بیچ سمندر میں پہنچا تو موسیٰ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی تیزی کے ساتھ دونوں طرف سے بڑھا اور فرعون اور اس کی فوج کو غرقاب کر دیا، اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کی لاشیں سطح سمندر پر تیرنے لگیں اور ساحل پر آ گئیں، اور بنی اسرائیل نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(۷۰) اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد بنی اسرائیل کو زمین کی سیادت عطا کی، مصر و شام کے علاقے ان کے زیر تصرف آ گئے، یہ وہی لوگ تھے جنہیں فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا اور جن کے ہزاروں بچوں کو قتل کر دیا تھا۔ لیکن جب وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور مصائب و آلام پر صبر و استقامت سے کام لیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کا مالک بنا دیا اور فرعونوں کے محلوں اور باغات کو تاراج کر دیا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ قصص آیات (۲۸۵) میں بیان کیا ہے: ﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ * وَنَمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَمَآئِمَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ *﴾ یعنی ”پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بہت کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا اور انہیں وارث بنانے کا ارادہ کر لیا، اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں، اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے“۔ فرعونوں کی ہلاکت و بربادی اور ان کی تباہی کا حال سورہ دخان آیات (۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰) میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے: ﴿كَمْ

وَجَاؤْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبُحْرَ فَاثْوَأَ عَلَيَّ قَوْمٌ يَعْتَكِفُونَ عَلَيَّ أَصْنَامٌ لَهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا آلِهَةً كَمَا لَهُم آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أَلْهَمْتُمْ فِيهِ وَبَطِلًا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل (۱۳۹) کو سمندر عبور کرا دیا، تو ان کا گذر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت کر رہے تھے، انہوں نے کہا، اے موسیٰ! جس طرح ان کے کچھ معبود ہیں، آپ ہمارے لئے بھی معبود بنا دیجئے، موسیٰ نے کہا کہ واقعی تم لوگ بالکل نادان ہو ﴿۱۳۹﴾ بے شک یہ لوگ جس دین پر ہیں وہ تباہ و برباد کر دیا جائے گا، اور ان کا تمام کیا دھر ا بے کار ہو جائے گا ﴿۱۴۰﴾

تَرْكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ * وَذُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ * وَنَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَاعْبَدُوا * كَذَلِكَ وَأَوْزَيْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿۱۴۱﴾ یعنی ”وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور آرام دہ مکانات، اور انواع و اقسام کی نعمتیں، جن میں وہ عیش کر رہے تھے، سب دھری کی دھری رہ گئیں، اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا“۔
(۱۴۱) گذشتہ آیت کے اختتام کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قبطیوں کے واقعات ختم ہو گئے۔ اب اس آیت کریمہ سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات کی ابتدا ہو رہی ہے، جو فرعون کی غلامی سے آزاد ہونے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کرنے کے بعد جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ان کا گذر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو بتوں کی پرستش کرتی تھی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ وہ کنعانی لوگ تھے، بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ قبیلہ نغم کے تھے اور ”رقہ“ میں اقامت پذیر تھے۔ یہ لوگ گائے کے مجسموں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی ایک ایسا ہی بت چاہئے جس کے سامنے جھکیں۔

مفسر بغوی لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں کوئی شبہ نہیں تھا، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان بت پرستوں کی طرح ان کے لئے بھی کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جس کی تعظیم کر کے اللہ کا تقرب حاصل کریں، اپنی شدت جہالت کی وجہ سے سمجھ بیٹھے تھے کہ اس سے ان کے دین و ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اتنی اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت سے بالکل ناواقف ہو، عبادت کی تمام قسمیں صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں، ان بت پرستوں کا شرک ان کے لئے مہلک اور ان کا عمل سراسر باطل ہے۔

www.KitaboSunnat.com
امام احمد، ترمذی اور ابن جریر وغیرہم نے ابو واقد اللیثی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ حنین کے لئے نکلے تو ایک درخت کے پاس سے گزرے جس پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے، اس لئے اسے ”ذات انواط“ کہا کرتے تھے، تو صحابہ میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی ”ذات انواط“ بنا دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”سبحان اللہ! یہ تو وہی قوم موسیٰ کی بات ہے کہ بت پرستوں کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم لوگ گذشتہ قوموں کی راہ پر ضرور چلو گے“۔

یہی وجہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقام حدیبیہ کے اس درخت کو کٹوا دیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی، جسے بیعت الرضوان کہا جاتا ہے۔ امام ابو بکر طروش مالکی لکھتے ہیں کہ اگر تم کوئی ایسا درخت دیکھو جس کی لوگ زیارت اور تعظیم کرتے ہوں، اسے شفیایانی کا سبب مانتے ہوں، اور اس میں کیلیں ٹھوکتے ہوں اور کپڑوں کے ٹکڑے

قَالَ اعْبُدُوا اللَّهَ ابْنِعُوا لَهُمُ الْهَاءَ وَهُوَ فَضْلُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَإِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مَرْيَمَ أَنْ ابْنِي بِذَلِكَ قَوْمًا لَّيْسَ بِكَ عَلَيْهِمْ حَقٌّ وَاعْذِرِي أُمَّ مَرْيَمَ بِمَا لَهَا ۝ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ لَوْلَا أَلْمَنِتُّ عَلَيْكَ إِذْ رَأَيْتُكَ مَبْعُوثًا فِي الْأَرْضِ وَقَالَ رَبِّ انقِضْ عَنِّي ذُلَّ الْبَيْتِ وَارْتُحِمْنِي إِلَىٰ نَاصِيَةِ رَبِّي إِنَّهُ يَاسِرٌ بِهِ ۝ وَإِذْ صَرَّفْنَا إِلَيْكَ الرِّجْزَ أَلْفَ مِائَةٍ نَبِيًّا وَظَهَرَ الْفُتُورُ ۝ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ لَوْلَا أَلْمَنِتُّ عَلَيْكَ إِذْ رَأَيْتُكَ مَبْعُوثًا فِي الْأَرْضِ وَقَالَ رَبِّ انقِضْ عَنِّي ذُلَّ الْبَيْتِ وَارْتُحِمْنِي إِلَىٰ نَاصِيَةِ رَبِّي إِنَّهُ يَاسِرٌ بِهِ ۝ وَإِذْ صَرَّفْنَا إِلَيْكَ الرِّجْزَ أَلْفَ مِائَةٍ نَبِيًّا وَظَهَرَ الْفُتُورُ ۝

موسیٰ نے کہا، کیا میں تمہارے لئے اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود (۴۲) ڈھونڈھ لاؤں حالانکہ اس نے تمہیں سارے جہان پر فضیلت دی ہے ﴿۱۳۰﴾ اور (اے بنی اسرائیل! یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بہت سخت ایذا پہنچاتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے ایک بڑی آزمائش تھی ﴿۱۳۱﴾ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا، اور انہیں مزید دس رات کا اضافہ کر کے پورا کیا، پس ان کے رب کا وعدہ چالیس (۴۳) رات میں پورا ہوا، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا، آپ میری قوم میں میری نیابت کیجئے، اور ان کی اصلاح کرتے رہئے اور فساد پھیلانے والوں کی راہ پر نہ چلئے ﴿۱۳۲﴾

لکھتے ہوں، تو اسے کاٹ دو، کیونکہ وہ ”ذات النواط“ ہے۔

(۴۲) موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے یہ بھی کہا کہ تم کیسی بہکی بات کرتے ہو، کیا میں تمہارے لئے اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود لا دوں؟ اور اس نے جو تمہارے اوپر احسانات کئے ہیں اور دنیا والوں پر تمہیں جو فضیلت دی ہے ان سب کو فراموش کر جاؤں؟ اور کیا تم بھول گئے کہ ابھی کچھ ہی دنوں قبل اللہ نے تمہیں فرعونوں کے عذاب اور ان کی غلامی سے نجات دلایا ہے۔ اگر آیت (۱۳۱) میں مخاطب رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے یہودیوں کو مان لیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ نے تمہارے آباء و اجداد کو فرعونوں سے نجات دی تھی۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ اولاد اور اہل کی مصیبت آدمی کی ذاتی مصیبت کے مترادف ہوتی ہے۔

(۴۳) بنی اسرائیل جب طور سینا کے قریب ایک جگہ آباد ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک شریعت نازل کرنی چاہی تاکہ وہ اس کے مطابق اپنی زندگی اللہ کی طاعت و بندگی میں گذار سکیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ طور کی چوٹی پر جا کر چالیس دن تک عبادت و بندگی میں گذاریں تاکہ وحی الہی کی عظیم ذمہ داری اٹھانے کے قابل بن سکیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ چالیس دن کی مدت ذی القعدہ کے تیس دن اور ذی الحجہ کے دس دن تھے، ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے چالیسویں دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو ہم کلام ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی جانب روانگی سے قبل بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا دیا، اور انہیں ان کے ساتھ ہمدردی اور اصلاح و اخلاص کی نصیحت کی، اور اہل فساد و معاصی کی اتباع کرنے سے منع کیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات شدت احتیاط کی وجہ سے کہی تھی، ورنہ ہارون خود اللہ کے نبی تھے، ان سے فساد برپا کرنے کی توقع کیسے ہو سکتی تھی؟

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبِقَاعِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ لِيَّكَ قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اِسْتَقَرَّ مَكَانًا فَسَوِّفَ تَرَانِيْ فَاَلَمْ يَجْعَلْ رُبُّهُ لَلْجَبَلِ جَمَلًا دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا قَلْبًا قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ قَالَ يَمْوَسَىٰ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِيْ وَبِكَ لَمْ يَكُنْ مَعًا اٰتِيَّتَكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَكُنْتُمْ اَلَا فِي الْاَلْوَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُّوعِظَةً وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴿۱۳۵﴾ فَخُذْ هٰذَا بِقُوَّةٍ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا وَاَسُوْرِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے، اور ان کا رب ان سے ہم کلام (۱۳۳) ہوا، تو انہوں نے کہا، اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار نصیب فرما، اللہ نے کہا کہ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے ہیں، لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھئے، اگر یہ اپنی جگہ پر باقی رہ جائے، تو مجھے دیکھ لیجئے گا، پس جب اس پہاڑ پر ان کے رب کی تجلی کا ظہور ہوا، تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ 'غش' کھا کر گر پڑے، پھر جب ہوش آیا تو کہا، اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، اور میں پہلا مومن ہوں ﴿۱۳۳﴾ اللہ نے کہا، اے موسیٰ! میں نے آپ کو اپنی پیغامبری اور ہم کلام ہونے کے لئے لوگوں کے مقابلہ میں چن لیا (۱۳۴) پس جو میں نے آپ کو دیا ہے اسے لے لیجئے اور شکر ادا کرتے رہئے ﴿۱۳۴﴾ اور ہم نے تختیوں (۱۳۶) میں ہر چیز کے بارے میں ضروری تعلیم و نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، تو آپ اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لیجئے، اور اپنی قوم کو ان اچھی باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیجئے، میں عنقریب آپ کو فسق کرنے والوں کا انجام (۱۳۵) دکھاؤں گا ﴿۱۳۵﴾

(۱۳۳) جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف ہوا، تو شدت شوق اور غایتِ محبت میں اللہ تعالیٰ کی دید کا سوال کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس دنیا میں آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو مطمئن کرنے کے لئے کہا کہ اس پہاڑ کو دیکھئے، اگر وہ میری تجلی کی تاب لے آئے اور اپنی جگہ باقی رہ جائے، تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ چنانچہ اللہ کی تجلی پہاڑ پر ظاہر ہوئی تو اس کے گلڑے گلڑے ہو گئے اور اپنی جگہ پر باقی نہ رہ سکا، اور موسیٰ علیہ السلام اس منظر کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو اللہ کی پاکی بیان کی اور دوبارہ ایسا سوال کرنے سے توبہ کیا۔

معتزلہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا اور آخرت کہیں بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ لیکن یہ قول بالکل ہی ضعیف ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ قیامہ آیات (۲۳/۲۴) میں فرمایا ہے: ﴿وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ * اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ کہ "اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔"

(۱۳۵) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تکبریم کے طور پر انہیں خوشخبری دی کہ میں نے اپنا رسول بنانے اور آپ سے ہم کلام ہونے کے لئے آپ کو اور دوسروں کے مقابلے میں چن لیا ہے، اس لئے اس نعمت کو قبول کیجئے، اور اللہ کا شکر ادا کیجئے۔

آیت میں کلمہ "المناس" سے مراد صرف موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے لوگ ہیں، یعنی ہم نے موسیٰ کو ان کے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی تھی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کا سردار بنایا ہے، وہ خاتم الانبیاء والمرسلین

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كَلِمَاتٍ آيَاتٍ لَا يُؤْمِنُونَهَا وَإِنْ يَرَوْا
سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْعِزِّ يُعْتَدُوا لَهُ سَبِيلًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۶﴾

میں جلد ہی اپنی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے ان لوگوں کے دلوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر (۷۸) کرتے ہیں، اور اگر وہ لوگ ہر ایک نشانی کو دیکھ لیں گے پھر بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں گے تب بھی اسے اختیار نہیں کریں گے، اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں گے تو اس پر چل پڑیں گے، یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور ان کی طرف سے یکسر غافل رہے ﴿۱۳۶﴾

ہیں، ان کی شریعت قیامت تک نافذ العمل رہے گی، ان پر ایمان لانے والے دیگر انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ آپ ﷺ کے بعد ابراہیم غلیل اللہ علیہ السلام کا درجہ ہے، اور تیسرے نمبر پر موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہ تورات کی تختیاں تھیں، جن میں بنی اسرائیل کی دینی اور دنیوی رہنمائی و بھلائی کی ہر بات نوشتہ تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ قصص آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً﴾ "اور ہم نے گذشتہ قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب "تورات" دی جو لوگوں کے لئے نصیحتوں کا مجموعہ، ہدایت کا ذریعہ اور اللہ کی رحمت تھی۔" ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان تختیوں کو وہ اس عزم کے ساتھ لیں کہ اس میں موجودہ احکام پر عمل پیرا ہوں اور نواہی سے اجتناب کریں، رخصت کے بجائے عزیمت اور نوافل سے پہلے فرائض کا اہتمام کریں، اور غیروں کی اذیت پر صبر کریں اور درگزر کریں۔

(۷۷) یعنی جو لوگ میرے اوامر کو ٹھکرائیں گے اور میری بندگی سے اعراض کریں گے، تم عنقریب ہی دیکھ لو گے کہ ہلاکت و بربادی ان کا انجام ہوگا، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ "دار الفاسقین" سے مراد سرزمین شام و بیت المقدس ہے۔ وہاں کے رہنے والے عمالقہ اللہ کے نافرمان ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ عنقریب ہی وہ لوگ ان علاقوں پر قابض ہو جائیں گے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے عمالقہ سے جنگ کی اور ان علاقوں پر قابض ہو گئے۔ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ میں بنی اسرائیل کے لئے ایک قسم کی تنبیہ ہے کہ اگر وہ تورات میں موجود احکام و شرائع پر عمل پیرا نہیں رہیں گے اور اسے پس پشت ڈال دیں گے تو وہ بھی فاسق ہو جائیں گے، اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور تفسیر کے قاعدہ کے مطابق یہ حکم ان تمام لوگوں کے بارے میں عام ہے جو کسی بھی دور میں اللہ کے احکام و شرائع سے روگردانی کریں گے۔

(۷۸) اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبر و غرور سے بدترین کوئی صفت نہیں، اسی لئے اس کا انجام بھی بدترین بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر کے دل کی روشنی چھین لیتا ہے، وہ تمام دلائل و براہین دیکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی عظمت پر ایمان نہیں لاتا، اس کی شریعت پر عمل پیرا نہیں ہوتا، حق کا راستہ روز روشن کی طرح واضح ہونے کے باوجود اسے اختیار نہیں کرتا، اور ہر گمراہی کی طرف تیزی کے ساتھ پلکتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷۹﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ
 مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ خَلْقِهِمْ عَجَلًا جَدًّا لَهُ إِخْوَارٌ ۖ الْمَرِيرَ وَآثَانَ ۚ لَا يُلَاقِيكَ هُمْ وَلَا يُنصِرُهُمْ سَبِيلًا ۚ
 وَاتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۸۰﴾ وَلَبَّاسِقِطٍ فِي أَيِّدِيهِمْ وَكَأَؤُا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
 يُغْفِرْنَا لَكُنَّا لَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۱﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، ان کے اعمال ضائع (۷۹) ہو گئے، اور جو کچھ وہ دنیا میں کرتے رہے تھے اسی کی انہیں سزا دی جائے گی ﴿۱۳۷﴾ اور موسیٰ کی قوم نے ان کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد اپنے زیورات سے پتھرے (۸۰) کا جسم بنایا، جس سے ایک آواز نکلتی تھی، کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ وہ ان سے نہ باتیں کرتا ہے اور نہ ہی ان کی رہنمائی کرتا ہے، انہوں نے اسے اپنا معبود بنالیا، اور وہ سر اسرطالم تھے ﴿۱۳۸﴾ اور جب وہ اپنے گناہ پر پشیمان (۸۱) ہوئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے، تو کہا کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں معاف نہ کر دیا تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۱۳۹﴾

(۷۹) متکبر انسان اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے، اور ان میں غور و فکر نہیں کرتا، اور جو کوئی اللہ کی آیتوں اور قیامت کے دن کو جھٹلائے گا، اور اسی پر قائم رہے گا یہاں تک کہ اس کی موت آجائے گی، تو روز قیامت اس کے کفر و معاصی کی وجہ سے اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

(۸۰) جب موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق چالیس دن کے لئے کوہ طور پر چلے گئے تو شیطان نے بنی اسرائیل کو شرک میں مبتلا کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مصر کے دور غلامی میں غیر اللہ کی عبادت اور شرک کے اعمال کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد بھی جب بھی کوئی موقع آتا تو فوراً ہی شرک کی طرف لپکتے تھے، جیسی تو انہوں نے کوہ سینا کی طرف آتے ہوئے راستہ میں ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے بھی کوئی معبود بنا دو۔

اور جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے گئے تو شیطان کے بہکاوے میں آ گئے، اور اس پتھرے کی پرستش شروع کر دی جو سامری (بنی اسرائیل کا ایک فرد) نے قبطیوں کے زیورات سے ان کے لئے بنایا تھا۔ یہ زیورات بنی اسرائیل کے پاس عاریضہ آ گئے تھے، لیکن قبطیوں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے مالک بن گئے تھے۔ سامری نے اس پتھرے میں وہ مٹی ڈال دی جو جریکل کے گھوڑے کے کھر کے بیچے سے اس نے لی تھی، جس کی وجہ سے اس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔ چنانچہ سامری نے انہیں دھوکہ دیا اور کہا کہ یہی ہمارا وہ معبود ہے جس نے ہمیں فرعون سے نجات دلائی تھی۔ سب نے اس کی بات مان لی، اور ہارون علیہ السلام کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس پتھرے کی عبادت کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس بت پرستی کی خبر کوہ طور پر ہی دے دی تھی، جب مدت پوری ہونے کے بعد واپس آئے تو مارے غصہ کے اللہ کی طرف سے دی گئی تختیوں کو زمین پر ڈال دیا، اور ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے اور ان کی زجر و توبیح کرنے لگے کہ آپ کے رہتے ہوئے ایسا کیوں ہوا؟ تو انہوں نے اپنی مجبوری بتائی کہ ان کی ہزار کوششوں کے باوجود بنی اسرائیل کے لوگ شرک پر رہتے رہے، بلکہ ان کی سرکشی کا عالم یہ ہو گیا کہ قریب تھا سب مل کر مجھے قتل

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَيُّ كَافٍ أَعْلَمَتُمْ أَعْمَرَ رَبِّكُمْ وَالَّذِي
الْأَلْوَامِ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْنِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْعِبْ
بَنِي الْأَعْدَاءِ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۸۱﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخْوَتِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ
الرَّاحِمِينَ ﴿۸۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِبَالَ سَيِّئًا لَّهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ ذَلِيلٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نُجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۸۳﴾

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ کی حالت میں افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے، تو کہا کہ تم لوگوں نے میرے
جانے کے بعد میری بڑی بڑی نیابت (۸۱) کی ہے، اپنے رب کا حکم (تورات) آنے سے پہلے تم یہ حرکت کر بیٹھے،
اور انہوں نے تختیوں کو ایک طرف ڈال دیا، اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے، ان کے بھائی
نے کہا، اے میرے بھائی! لوگوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا تھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے، پس دشمنوں کو مجھ پر
ہنسنے کا موقع نہ دو، اور مجھے ظالموں میں سے نہ بناؤ ﴿۱۵۰﴾ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو
مخاف (۸۲) کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے، اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۵۱﴾ بے شک
جن لوگوں نے پھڑے کو اپنا معبود بنا لیا، انہیں عنقریب ان کے رب کا غضب (۸۳) آ لے گا، اور دنیا کی زندگی
میں وہ ذلیل ہو کر رہیں گے، اور ہم افترا پر دازی کرنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿۱۵۲﴾

کر دیتے۔ اس آیت کریمہ سے مسلسل چھ آیتوں تک بنی اسرائیل کی اسی گمراہی کو بیان کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کی آنکھوں پر جہالت اور گمراہی کی پٹی بندھ گئی تھی جیسی تو انہیں یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ یہ
پھڑا نہ ان سے باتیں کرتا ہے اور نہ کسی خیر کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے، پھر خالق ارض و سماوات کے بجائے وہ ان کا معبود
کیسے ہو جائے گا؟

(۸۱) موسیٰ علیہ السلام کی نئی جدوجہد کے بعد جب بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور اپنی غلطی پر نادم ہوئے تو انہوں
نے اللہ تعالیٰ سے رحم و مغفرت کی دعا کی۔

(۸۲) انہوں نے کوہ طور سے واپسی کے بعد دیکھا کہ کچھ کے علاوہ سارے بنی اسرائیل پھڑے کے ارد گرد جمع ہیں اور اس کی
عبادت میں لگے ہوئے ہیں، تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام اور دیگر مومنوں سے کہا کہ تم لوگوں نے میری بڑی بڑی نیابت کی
ہے، چالیس دن تک بھی راہ راست پر قائم نہیں رہ سکے، اور بُت کی پرستش شروع کر دی۔ اور اللہ اور اس کے دین کی خاطر فرط
غضب میں تختیوں کو زمین پر بٹخ دیا، کہتے ہیں کہ وہ تختیاں پتھر کی تھیں، ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے سمجھا کہ ہارون علیہ السلام سے تفسیر
ہوئی ہے، اسی لئے ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے۔ لیکن جب انہوں نے اپنا عذر پیش کیا کہ میں نے تو پوری کوشش کی کہ
انہیں راہ راست پر رکھوں لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی، اور پھڑے کی پوجا کرنے لگے۔

(۸۳) جب انہیں ہارون علیہ السلام کی براءت کا یقین ہو گیا تو اللہ سے اپنی اور اپنے بھائی کی مغفرت کے لئے دعا کی۔

(۸۴) ان کی دعا کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ جن لوگوں نے پھڑے کی عبادت کی وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں بچ
سکیں گے، چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ یہ مقرر کی کہ ان کے موحدین پھڑے کی پوجا کرنے والوں کو قتل کریں، جیسا کہ سورہ بقرہ

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۵﴾ وَلَيْسَ كَمِثْلِكَ عَنْ
 مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَابَ ﴿۸۶﴾ وَفِي نُحُسَّتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَهْتَبُونَ ﴿۸۷﴾ وَاخْتَارَ مُوسَى
 قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا رِّبِّيًّا قَالُوا إِنَّا نَخَافُ أَن يُبَدِّلَ اللَّهُ رِجْفَهُ ثُمَّ يُؤْمِنُ الْبَاطِلَ ﴿۸۸﴾ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِنِّي أَهْلِكُنَا
 بِمَا فَعَلْتُ الشَّفْعَاءُ مِمَّا إِن هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ إِنَّكَ لَوَيْلٌكَ فَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۸۹﴾

اور جن لوگوں نے بُرا عمل کیا، پھر اس کے بعد توبہ (۸۵) کر لی اور مومن بن گئے، تو آپ کا رب بے شک ان گناہوں کے بعد بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جب موسیٰ کا غصہ دور ہوا تو تختیوں (۸۶) کو اٹھا لیا، جن پر لکھی ہوئی تحریروں میں ان لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں ﴿۱۵۴﴾ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر (۷۰) آدمی ہمارے مقرر وقت پر آنے کے لئے چن لئے، پس جب زلزلہ نے انہیں اپنی زد میں لے لیا تو کہا کہ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ان سب کو اور مجھے اس کے پہلے ہی ہلاک (۸۷) کر دیا ہوتا، کیا تو ہمیں اس گناہ کی وجہ سے ہلاک کر دے گا جس کا ارتکاب ہمارے نادانوں نے کیا ہے، ان کا وہ ارتکاب گناہ تیری طرف سے ایک آزمائش تھی، تو ایسی آزمائشوں کے ذریعہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا یار و مددگار ہے، پس تو ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم کر دے، اور تو بہت ہی اچھا معاف کرنے والا ہے ﴿۱۵۵﴾

میں آچکا ہے، اور دنیاوی زندگی میں ذلت و رسوائی کبھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر انفراد پر دازی کرنے والے کو ہمیشہ ایسا ہی بدلہ ملا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعت کی ذلت و رسوائی بدعتی کے ساتھ لگی رہتی ہے، جیسا کہ حسن بصری کا قول ہے۔ اور سفیان بن غیبینہ کا قول ہے کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہوتا ہے۔

(۸۵) اللہ تعالیٰ ہر توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے، چاہے اس نے جیسا بھی گناہ کیا ہو۔ اس لئے کہ وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

(۸۶) موسیٰ علیہ السلام کا غصہ جب فرو ہوا، اور انہیں خیال آیا کہ حالت غضب میں انہوں نے اللہ کی طرف سے دی گئی تختیاں زمین پر پٹخ دی تھیں، تو انہیں فوراً اٹھا لیا، کیونکہ وہ تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت کا سرچشمہ تھیں۔

(۸۷) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ستر (۷۰) منتخب آدمیوں کو لے کر کوہ طور پر جائیں، اور بنی اسرائیل نے جو چھڑے کی پرستش کی ہے اس کی معافی کے لئے اللہ کے سامنے توبہ و استغفار کریں۔ جب وہ لوگ مقرر جگہ پر پہنچے تو ان سب پر اچانک ایک شدید کچکی طاری ہو گئی اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے رور و کر دعا کی کہ اے اللہ اگر تو چاہتا تو پہلے بھی ہلاک کر سکتا تھا۔ ہمارے نادانوں نے جو کچھ کیا اس کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ کر۔ یہ تو تیری ہی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں تو نے انہیں ڈال دیا تھا۔ حقیقت میں گمراہی اور ہدایت تو تیرے ہی اختیار میں ہے۔ اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ

وَأَكْتَبَ لَكَ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُنَا نَايِلُكَ ، قَالَ عَدَايَ أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ، وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ
الرَّسُولَ النَّبِيَّ الرَّحْمَنَ الَّذِي يَجِدُونَ أَنَّهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَا مَرْهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُعَلِّمُهُمُ الصَّلَاةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
﴿۸۹﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾

اور (اے میرے رب!) تو ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے، اور آخرت میں بھی ہم نے تیری طرف رجوع کر لیا، اللہ نے کہا، میں اپنے عذاب (۸۸) میں جسے چاہتا ہوں جتلا کرتا ہوں، اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، پس میں اُسے ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ (۸۹) کی راہ اختیار کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿۱۵۶﴾ ان کے لئے جو ہمارے رسول نبی امی (۹۰) کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں، اور اُن بارہائے گراں اور بندشوں کو ان سے ہٹاتے ہیں جن میں وہ پہلے سے جکڑے ہوئے تھے، پس جو لوگ ان پر ایمان (۹۱) لائے ہیں، اور جنہوں نے ان کے مقام کو پہچانا ہے، اور ان کی مدد کی ہے، اور اس نور کی پیروی کی ہے جو ان پر نازل ہوا، وہی فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۵۷﴾

نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

(۸۸) پہلے موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے گناہوں کی معافی مانگی، اور اس کے بعد دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کا یہ جواب دیا کہ میں گناہ گاروں میں سے جسے چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں، اور اس کی حکمت کو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور اس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہوتی ہے، اور جسے چاہتا ہوں معاف کر دیتا ہوں۔ لیکن میری رحمت تو ہر نیک و بد اور تمام مخلوقات کے لئے عام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل چیز عذاب و غضب نہیں، بلکہ رحمت ہے۔ اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حاملین عرش فرشتوں کی زبانی فرمایا: ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا﴾ کہ ”اے ہمارے رب! تیری رحمت ہر شے کو شامل اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے“۔

احمد، مسلم اور ابوداؤد نے جناب الجلیلی سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوجھے ہیں، اس میں سے صرف ایک حصہ رحمت کے ذریعہ اس کی تمام مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، اور وحشی جانور اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اور ننانوے ہسبائے رحمت قیامت کے دن کے لئے مؤخر کر دیئے گئے ہیں۔

(۸۹) دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے، اسی رحمت عامہ کی وجہ سے دنیا میں ہر جاندار کو روزی ملتی ہے۔ دنیاوی نعمتوں میں ہر نیک و بد شریک ہے۔ لیکن آخرت کی نعمت جسے رحمت خاصہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، وہ صرف اللہ کے ان بندوں کے لئے خاص ہوگی جو اس دنیاوی زندگی میں گناہوں سے بچیں گے، زکاۃ دیں گے، اور جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لائیں گے

اور ان پر عمل کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۳۲) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کہ دنیا کی زینت اور حلال روزی مومنوں کو دنیا میں ملے گی، اور آخرت میں انہی کے لئے خاص ہوگی۔

(۹۰) کلام کا رُخ ان بنی اسرائیل کی طرف موڑ دیا گیا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھے، کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ کو پانے کے لئے جو شرائط موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھیں وہی اب بھی ہیں، لیکن ان تمام شرائط کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں اور ان کی اتباع کریں، اور یہ بنی اسرائیل انہیں خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نام اور ان کی صفات تورات و انجیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی صفات تمام آسمانی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں، اور تمام انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو آپ ﷺ کی بعثت کی خوشخبری دی تھی، اور انہیں آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا تھا۔ تورات و انجیل میں بالخصوص وہ صفات باقی رہیں، اور ان کے عالموں کو ان کا خوب علم تھا۔ کعب الاحبار وغیرہ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جو صفات قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں، بھی وہی صفات تورات میں پائی جاتی تھیں، جیسا کہ تفسیر طبری اور مسند احمد میں مروی عطاء بن یسار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کی ایک صفت ”امی“ بیان کی گئی ہے۔ اس لئے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور یہ آپ کے لئے ایک معجزہ اور کمالِ فخر کی بات تھی کہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے باوجود قرآن کو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی حاصل کیا اور آپ کا سینہ علوم و حکم کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا۔

گذشتہ آسمانی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی یہ صفت بھی بیان کی گئی تھی کہ آپ ﷺ بھلائی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، اور اچھی اور پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال کریں گے جو پہلے ان پر حرام تھیں، جیسے چربی اور وہ جانور جنہیں مشرکین نے اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، اور خرید و فروخت اور تجارت کی وہ تمام قسمیں جو حرام خوری سے خالی ہوں۔ اور گندگی اور نقصان دہ چیزوں کو ان کے اوپر حرام کریں گے جیسے سور کا گوشت، سود اور وہ تمام محرمات جنہیں اللہ نے حرام بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی صفت یہ بھی ہوگی کہ ان کا دین آسان ہوگا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بَعَثْتُ بِالْحَنِيفَةِ السَّمِحَةِ“ کہ ”مجھے دعوتِ توحید اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے“۔ (مسند احمد)۔ اور جب آپ ﷺ نے معاذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو دعوتِ اسلام کے لئے یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم دونوں لوگوں کو خوشخبری دینا، وہیں سے نفرت نہ دلاتا، ان کے لئے آسانی پیدا کرنا، انہیں سختی اور پریشانی میں نہ ڈالنا۔ (بخاری)۔

چنانچہ اسلام نے بہت سے مشکل اور تکلیف دہ احکام کو منسوخ کر دیا جو موسیٰ علیہ السلام کے دین میں پائے گئے، جیسے جان کے بدلے جان (دیت یا معافی نہیں تھی) سچے دن کام کرنا حرام تھا، ہر ساتویں سال کھیتی حرام تھی، اگر کوئی اپنے والدین کو مارتا یا گالی دیتا تو اسے قتل کر دیا جاتا وغیرہ۔

(۹۱) اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ وعدہ ہے کہ جو اہل کتاب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے، ان کی تعظیم و توقیر کریں گے، ان کی مدد کریں گے، اور قرآن کریم کی اتباع کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں فائز المرآم بنائے گا۔ یہاں قرآن کریم کو ”نور“ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس کی علامت روشنی خود اس کے معجزہ الہی ہونے کی روشن دلیل ہے، اور اس لئے بھی کہ وہ رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کے لئے روشنی کا مینار رہے گا، اور زندگی کے ہر دور اور ہر گوشے میں اس کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ
 قَامُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الَّذِي يُولِي مِنَ اللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَتَبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۹۳﴾ وَمَنْ قَوْمٍ
 مُوسَى آتَاهُ يَهْدُونَ بِأَحْسَنِ دِينٍ يَدْعُونَ بِهِ يَدْعُونَ ﴿۹۴﴾ وَقَطَعْنَا لَهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَابًا أَمَامًا وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى إِذِ اسْتَسْقَاهُ
 قَوْمَهُ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنثَىٰ أَن سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۵﴾ وَظَلَمْنَا عَلَيْهِمُ
 الْعِمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّانَ وَالسَّلْوَىٰ كُلًّا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا ذَرَأْتُمْ فَتَنَكَّرُوا بِمَا طَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۹۶﴾

آپ کہتے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لئے اس اللہ کا رسول (۹۳) ہوں جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی (۹۴) پر ایمان لے آؤ جو خود اللہ اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کی اتباع کرو، تاکہ تم لوگ ہدایت یافتہ بن جاؤ ﴿۱۵۸﴾ اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ (۹۴) ایسے بھی ہیں جو دین حق پر چلتے ہیں اور اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان انصاف کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ اور ہم نے انہیں بارہ خاندانوں (۹۵) میں تقسیم کر کے بارہ جماعتیں بنا دیں، اور جب موسیٰ سے اس کی قوم نے پانی کا مطالبہ کیا، تو ہم نے انہیں بذریعہ وحی (۹۶) بتایا کہ اپنی لاشیٰ پتھر براریے، چنانچہ اس سے بارہ چشمے اُبل پڑے، تمام لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ پہچان لئے، اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا، اور ان پر من و سلوئی اتارا، اور کہا کہ ہم نے تمہیں جو اچھی چیزیں بطور روزی دی ہیں انہیں کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود اپنے حق میں ظلم کیا ﴿۱۶۰﴾

(۹۳) مندرجہ بالا آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام کے مناقب و فضائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس لئے کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ انبیاء و رسل میں سب سے اعلیٰ مقام انہی کا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل چھیڑ دیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ ﷺ نبیوں میں سب سے افضل ہیں، اور اب رہتی دنیا تک کے لئے تمام بنی نوع انسان کے آپ ہی ہادی و رہبر رہیں گے، اور ضمنی طور پر یہود و نصاریٰ کو خبر دی گئی کہ اب تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو گئے اور جو کوئی بھی آخرت میں جہنم کی آگ سے نجات چاہتا ہے اسے اسلام قبول کرنا ہوگا، اور نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہوگا۔

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں: مجھے سرخ اور سیاہ تمام بنی نوع انسان کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ الحدیث۔ اور مسلم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، امت کے جس کسی کو بھی میری خبر ہوگی، چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا، تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“

(۹۴) یہود و نصاریٰ سمیت تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ نبی امی پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں جیسا کہ ان کی بشارت گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی جا چکی ہے۔ یہاں بھی نبی کریم ﷺ کی صفت ”آئی“ خاص طور سے اس لئے لائی گئی ہے تاکہ اہل کتاب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی صفت ”آئی“ تورات میں مذکور ہے۔

وَلَا ذَوِيلَ لَهُمْ اسْتَكْنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ مُغْتَابًا نَعْفُوكُمْ
خَطِيئَتِكُمْ سَتَرْنَاهُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۰﴾ فَبَكَرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنْ
السَّمَاءِ وَمَا كَانُوا يَنْظُرُونَ ﴿۵۱﴾

اور جب ان سے کہا گیا کہ تم لوگ اس بستی میں سکونت اختیار کر لو، اور جہاں سے چاہو اس میں پیدا ہونے والی چیزوں کو کھاؤ، اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف (۹۷) ہوں، اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا، تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، ہم نیک عمل کرنے والوں کو مزید دیتے ہیں ﴿۱۶۱﴾ پس ان میں سے جو لوگ ظالم تھے انہوں نے اس کے بجائے کوئی اور بات کہی جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، تو ہم نے ان کی زیادتوں کی وجہ سے ان پر آسمان سے ایک عذاب بھیج دیا ﴿۱۶۲﴾

(۹۳) سلسلہ کلام انہی بنی اسرائیل سے متعلق ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ جب سامری اور اس کے پیروکاروں کا ذکر آیا تو شبہ ہو سکتا تھا کہ ان میں کوئی بھی مومن اور اچھا آدمی نہیں تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو خود حق پر قائم تھے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتے تھے، اور لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے تھے۔

(۹۵) یعقوب علیہ السلام کے بارہوں بیٹوں کی اولاد، اور ان کی اولاد کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی، ان کی تعداد کثرت سے بڑھتی گئی، اور ان کے طبائع و عادات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے گئے، اسی لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ انہیں مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور ہر جماعت کا ایک نگران مقرر کر دیا جائے، تاکہ ہر جماعت اپنے الگ الگ نظم و نسق کے مطابق زندگی گزارے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک احسان تھا۔

(۹۶) یہاں سے آخر آیت تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے دیگر تین احسانات کا ذکر کیا ہے۔ پہلا احسان یہ کہ اللہ نے بارہوں قبائل کے لئے پانی کا انتظام کیا۔ دوسرا احسان یہ کہ دھوپ سے بچنے کے لئے ان کے پڑاؤ کے اوپر بادل کو لا کر ٹھہرا دیا، اور تیسرا احسان یہ کہ ان کے کھانے کے لئے آسمان سے ”من و سلویٰ“ بھیج دیا، یہ سب باتیں تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ آیت (۵۷) سے لے کر آیت (۶۰) تک بیان کی جا چکی ہیں۔

(۹۷) بنی اسرائیل کی اخلاقی حالت اتنی پست ہو چکی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا تمام احسانات کو فراموش کر دیا اور سرکشی اور نافرمانی ان کا شیوہ بن گئی، اور اللہ کے احکام کا مذاق اڑانا ان کی فطرت ثانیہ بن گئی، جب بھی اللہ انہیں کوئی حکم دیتا اس کی نافرمانی کرتے اور اس کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ کرتے۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی قسم کی ایک دوسری اخلاقی اور دینی گراؤ کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بیت المقدس میں ”حِطَّة“ کہتے ہوئے داخل ہوں۔ یعنی ”اے اللہ! ہمارے گناہ معاف کر دے“۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی اور اپنے سُرینوں کی طرف سے داخل ہوئے اور ”حِطَّة“ کے بجائے ”حِطَّة“ کہا، جس کے پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں طاعون کی بیماری میں مبتلا کر دیا، اور ہزاروں کی تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ یہ مضمون سورہ بقرہ آیت (۵۸/۵۹) میں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

وَسَلَّمَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً لِّلْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّهَا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۹۸﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُنثَىٰ قَبْلَهُمْ لَمَّا نَعَوْظُونَ قَوْمًا ۗ اللَّهُ مُهْلِئُهُمْ أَوْ مَعْدِبُهُمْ عَدَا بِلَاءٍ شَدِيدًا ۗ قَالُوا مَعْزِدُهُ إِلَىٰ رَبِّكُمْ ۖ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۹۹﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الشُّرِّ وَأَخَذْنَا مِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا بَئِيسًا ۖ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۰۰﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كَلِمَاتٍ وَقَدْ خَلَّيْنَا عَنْهُمْ ﴿۱۰۱﴾

اور آپ ان سے اس ہستی (۹۸) کا حال پوچھے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب اس ہستی کے رہنے والے ہفتہ کے دن کے بارے میں اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے تھے، جب مچھلیاں ہفتہ کے دن اپنا سر نکالے ان کے پاس آجاتی تھیں، اور جب ہفتہ کا دن نہیں ہوتا تو مچھلیاں ان کے پاس نہیں آتی تھیں، ہم نے ایسا اس لئے کیا تاکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں آزمائشوں میں ڈالیں ﴿۱۲۳﴾ اور جب ان کی ایک جماعت (۹۹) نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ تو انہوں نے کہا تاکہ ہم اپنے رب کے حضور معذور سمجھے جائیں، اور ممکن ہے کہ وہ لوگ اللہ سے ڈرنے لگیں ﴿۱۲۳﴾ پھر جب وہ لوگ باتوں کو بھول گئے جن کی انہیں یاد دلائی جاتی تھی، تو ہم نے ان لوگوں کو عذاب سے بچا دیا جو لوگوں کو بُرائی سے روکتے تھے، اور ظالموں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا ﴿۱۲۵﴾ پھر جب انہوں نے ان امور کے سلسلہ میں حد سے تجاوز کیا، جن سے انہیں روکا گیا تھا، تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم لوگ ذلیل بندر ہو جاؤ ﴿۱۲۶﴾

(۹۸) یہاں ان کی ایک تیسری نافرمانی اور اخلاقی دوہمی ہستی کو بیان کیا گیا ہے، جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت (۶۵) میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساحل بحر قزوئم پر واقع ایک یہودی ہستی والوں کے لئے سینچ کے دن مچھلی کا شکار حرام کر دیا تھا، اور ان کی آزمائش کے لئے اللہ کے حکم سے سینچ کے دن مچھلیاں خوب آتی تھیں اور سطح سمندر پر تیرنے لگتی تھیں، اور دوسرے دنوں میں مچھلیاں غائب ہو جاتی تھیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش میں پورے نہیں اترے، اور ایسا طریقہ اختیار کیا کہ سینچ کے دن مچھلیاں پانی کی طرف واپس نہ جا سکیں گی، تاکہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آزمائش میں ان کے سابقہ گناہوں کی وجہ سے ڈالا تھا، تاکہ ان کی سرکشی کھل کر سامنے آجائے اور عذاب کے مستحق بن جائیں۔

(۹۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس ہستی کا نام ”ایلات“ تھا جو بحر قزوئم کے کنارے پرآباد تھی۔ آج کل یہاں پر اسرائیلی کی بندرگاہ واقع ہے۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ اس ہستی کے رہنے والے اسرائیلی لوگ مچھلی کے شکار کے بارے میں تین جماعتوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک جماعت نے (جن کی تعداد ستر (۷۰) ہزار تھی) نافرمانی کی اور شکار کیا۔ دوسری جماعت نے نہ نافرمانی کی اور نہ دوسروں کو منع کیا۔ تیسری جماعت نے شکار نہیں کیا اور دوسروں کو بھی منع کیا اور شکار کرنے والی جماعت سے الگ ہو گئی۔ دوسری جماعت نے تیسری جماعت سے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب دینے والا ہے؟ اور یہ بات انہوں نے گمان غالب کی بنیاد پر کہی تھی، اس لئے کہ بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو یا تو ہلاک کر دیتا ہے یا انہیں کسی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تیسری جماعت نے کہا کہ ہم ایسا اس لئے کر رہے

وَأَذِّنْ لِرَبِّكَ لِيُبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

اور جب آپ کے رب نے خبر دے دی کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط (۱۰۰) کرتا رہے گا جو انہیں سخت عذاب دیا کریں گے، بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور وہ بے شک بڑا مغفرت فرمانے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۲۷﴾

ہیں تاکہ اللہ کے نزدیک ہمارا عذر ثابت ہو جائے، اور ممکن ہے کہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں، لیکن نافرمانوں نے ان نیک لوگوں کی ایک نہیں سنی اور اپنے گناہوں پر مُصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان صالحین کو بچالیا، اور ظالم نافرمانوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے شدید عذاب میں مبتلا کر دیا، اور ان کے کبر اور معاصی پر اصرار کی وجہ سے ان کی صورتیں مسخ کر کے بندر بنا دیا۔ شوکانی کہتے ہیں کہ قرآن کے ظاہری الفاظ یہی بتاتے ہیں کہ عذاب سے صرف وہی لوگ بچ سکے جنہوں نے منع کیا تھا، اور صورتیں انہی کی مسخ ہوئیں جنہوں نے نافرمانی کی تھی۔ دوسری جماعت یعنی جن لوگوں نے نہ نافرمانی کی اور نہ دوسروں کو منع کیا، ان کے بارے میں علمائے تفسیر کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ وہ بھی ہلاک کر دیئے گئے، اور کسی نے کہا کہ وہ لوگ ہلاک نہیں کئے گئے۔ ابن عباس کی رائے یہی تھی کہ وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے، لیکن مکرّمہ نے جب انہیں بتایا کہ ان لوگوں نے پہلی جماعت کے فعل کو بُرا سمجھا تھا اور ان کی مخالفت کی تھی، تو ان کی رائے بدل گئی تھی۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "إغاثة اللہفان" میں دین میں حیلہ سازی کی حرمت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں: اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شیطان کی ایک فریب کاری، دین میں حیلہ، کمر اور دھوکہ دہی کو راہ دینا ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بنایا جاتا ہے، فرائض کو ساقط کیا جاتا ہے، اور اوامر و نواہی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور یہی وہ باطل رائے ہے، جس کی مذمت پر سلف صالحین کا اتفاق ہے، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حیلہ کی ایک قسم کے ذریعہ واجبات کو ساقط کر دیا جاتا ہے اور محرمات کو حلال کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ حیلہ ہے جسے تمام سلف صالح نے مذموم قرار دیا ہے، اور ایسے تمام حیلہ سازوں کی خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اس کے بعد سینچر والے یہودیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے سینچر کے دن مچھلی کے شکار کی حرمت کو حیلہ سازی سے حلال بنا لیا تو اللہ نے ان کی صورتیں مسخ کر کے بندر بنا دیا۔ دین میں حیلہ سازی کو راہ دینے والوں کو بُرے انجام سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

(۱۰۰) سرکشی، اللہ کے اوامر کی مخالفت اور حیلہ کے ذریعہ حرام کو حلال بنانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ذلت و رسوائی بنی اسرائیل کی قسمت بنا دی، اور یہ فیصلہ کر دیا کہ دنیا کی دوسری قومیں انہیں ہمیشہ ابتلاء و آزمائش اور طرح طرح کی مصیبتوں میں ڈالے رکھیں گی۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے خود موسیٰ علیہ السلام نے سات سال تک ان سے ٹیکس وصول کیا۔ سلیمان علیہ السلام کے بعد بائبل کے بادشاہ بخت نصر نے ان کے ملک کو تہ و تاراج کر دیا، مردوں کو قتل کیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا، اور ان پر جزیہ نافذ کر دیا، اور ان میں سے بہتوں کو بائبل کی طرف جلا وطن کر دیا جہاں وہ ستر (۷۰) سال تک بھٹکتے رہے، اس کے بعد بھی مختلف یونانی، کلدانی اور کلدانی بادشاہوں نے انہیں اپنا غلام بنایا، اور ذلت و رسوائی کا یہ دور چلتا رہا، یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے اکہتر (۱۷) سال بعد ان کے ملک پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا جنہوں نے انہیں وہاں سے نکال

وَقَطَعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَّمًا ۖ مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ، وَبَكَوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ ﴿۱۰۲﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرَثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَصَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ
يَأْتَهُمْ عَرَصٌ مِثْلَهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا
وِيهِ وَاللَّهُ الْأَخْبَرُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾

اور ہم نے زمین میں انہیں ٹولیوں میں بانٹ (۱۰۱) دیا، ان میں کچھ نیک لوگ ہوئے، اور کچھ بُرے (۱۰۲) اور ہم نے انہیں نعمتیں دے کے اور پریشانیوں میں مبتلا کر کے، دونوں طرح سے آزمایا، تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں ﴿۱۰۲﴾ پھر اُن کے بعد ایسے لوگ (۱۰۳) آئے جو اللہ کی کتاب کے وارث بننے ہی اس کے بدلے میں اس دنیا کے فائدوں کو قبول کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ (اللہ کی طرف سے) ہمیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر دوبارہ پہلے جیسا کوئی دنیاوی فائدہ انہیں پیش کیا جاتا تو اسے قبول کر لیتے، کیا اللہ کی کتاب میں ان سے یہ عہد و پیمانہ نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں صرف حق بات کہیں گے، اور انہوں نے ان باتوں کو پڑھ بھی لیا تھا جو اس کتاب میں تھیں، اور آخرت کی زندگی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو ﴿۱۰۳﴾

دیا، اور دنیا کے مختلف حصوں میں ذلیل و خوار بن کر تتر بتر ہو گئے۔ ان دنوں جو ان کی بظاہر ایک حکومت سر زمین فلسطین پر قائم ہو گئی ہے تو یہ قرآن کریم کی اس خبر کے خلاف نہیں ہے، بلکہ سورہ آل عمران کی آیت (۱۱۲) کے مطابق امریکہ اور دیگر غیر مسلم حکومتوں کے مل بوتے پر قائم ہے۔ اگر یہ حکومتیں اپنا ہاتھ کھینچ لیں تو اسرائیلی حکومت باقی نہیں رہ سکے گی۔ اور اب بھی جو حکومت قائم ہے، اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ہے، ورنہ ان کی ذلت کا عالم یہ ہے کہ یہودیوں کو وہاں ایک دن کے لئے بھی سکون حاصل نہیں ہے۔

(۱۰۱) جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو دنیا میں تتر بتر کر دیا، تاکہ قیامت تک انہیں کوئی شان و شوکت نہ حاصل ہو، اور یونہی ذلیل و رسوا ہو کر درددل کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔

(۱۰۲) ہر زمانہ میں ان میں کچھ لوگ نیک ہوئے، جو اپنے زمانے کے انبیاء پر ایمان لائے، انہی میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کی اور ایمان نہیں لائے۔ ان گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالا، کبھی ان پر خیرات و برکات کا دروازہ کھول دیا تو کبھی انہیں تنگدستی میں مبتلا کیا، اور مقصد یہ تھا کہ شاید وہ اپنے گناہوں سے تائب ہوں اور ایمان لے آئیں۔

(۱۰۳) بنی اسرائیل کا ہر دور میں یہی حال رہا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ آ گیا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں جو یہودی تھے، انہی کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ نہایت ناخلف لوگ تھے، ہر خوبی ان سے رخصت ہو گئی تھی، اور تورات کے احکام کو بدل کر دنیا کماتا ان کا پیشہ ہو گیا تھا، رشوت لے کر تورات کے خلاف فیصلے کرتے تھے، اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے تھے کہ اللہ ان کا مواخذہ نہیں کرے گا، انہیں معاف کر دے گا، حالانکہ وہ اپنے دل میں اس بات پر مُصر ہوتے تھے کہ اگر کسی نے دوبارہ بھی رشوت دی تو اسے لے لیں گے۔ اور دل سے تائب نہیں ہوتے تھے۔ ان کی دینی اور اخلاقی پستی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کے بارے

وَالَّذِينَ يُسَيِّئُونَ بِالْكِتَابِ وَآقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضْمِيهِمْ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٠٤﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنِي أَدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۗ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوا بَلَىٰ ۗ شَهِدْنَا أَنَّا نَقُولُوا لِيَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴿١٠٥﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٠٦﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٠٧﴾

اور جو لوگ اللہ کی کتاب پر سختی سے کاربند (۱۰۳) رہتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم یقیناً ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ہیں ﴿۱۰۴﴾ اور جب ہم نے پہاڑ (۱۰۵) کو ان کے اوپر اس طرح اٹھایا کہ جیسے وہ کوئی سائبان ہو، اور انہیں گمان ہوا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے (تو ہم نے کہا) کہ ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے اسے پوری قوت کے ساتھ پکڑ لو، اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھو، تاکہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو ﴿۱۰۴﴾ اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی اولاد کو ان کی بیٹیوں (۱۰۶) سے نکالا اور انہیں انہی کے بارے میں گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو انہوں نے کہا، ہاں، ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ کہیں تم لوگ قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہمیں تو ان باتوں کی قطعی کوئی خبر ہی نہیں تھی ﴿۱۰۵﴾ یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادوں نے اس سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد ہی تو تھے، تو کیا تو ہمیں ان باطل پرستوں کے اعمال کی وجہ سے ہلاک کر دے گا؟ ﴿۱۰۶﴾ اور ہم اپنی آیتوں کو اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں، اور تاکہ وہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں ﴿۱۰۷﴾

میں ان کا حکمانہ انداز کہ وہ انہیں معاف کر دے گا، اللہ پر افترا پر دازی تھی اور اس عہد و پیمانہ کے خلاف بات تھی۔ جو ان سے لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں صدق بیانی سے کام لیں گے، اور انہیں تورات کے مطالعہ سے اس عہد کا علم بھی تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے جانتے نہیں تھے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی، دنیاوی حقیر مفادات سے زیادہ بہتر ہے۔

(۱۰۳) بنی اسرائیل میں کچھ لوگ تورات کا علم رکھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے خوب واقف تھے، لیکن ان پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کا اوپر ذکر آچکا۔ اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دینی امور میں تورات کے احکام کی پابندی کرتے تھے، اور ان کی اس پابندی نے انہیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے پر مجبور کیا، اور بالآخر وہ مسلمان ہو گئے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ نے انہیں پابند تورات اور پابند نماز لوگوں کو خوشخبری دی ہے کہ اللہ ان کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔

(۱۰۵) اس واقعہ کا ذکر سورہ بقرہ آیت (۶۳) اور (۹۳) اور سورہ نساء آیت (۱۵۳) میں گذر چکا ہے، یہ کوہ طور کے دامن میں اس وقت پیش آیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وہاں گئے تھے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے تورات پر عمل کرنے کا عہد و پیمانہ لے، اور مقصود یہ تھا کہ ان کے دلوں پر باری تعالیٰ کی ہیبت طاری ہو، اور اس عہد و پیمانہ کی اہمیت کا احساس ان کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہے۔

(۱۰۶) مذکورہ بالا آیت کے اختتام پر موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات کا تسلسل ختم ہو جاتا ہے، اور اب روئے سخن عام

وَأَثَلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرَ وَنَهَا قَاتِبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْعَوِينَ ﴿۱۰۷﴾ وَكُوشَيْتًا لِرَفْعَةِهَا
بِهَا وَكَيْتَةً أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۖ إِنْ مَحْمِلٌ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَرَكَهُ
يَلْهَثُ ۚ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰۸﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسُهُمْ كَانُوا بِظُلْمٍ ﴿۱۰۹﴾

اور آپ انہیں اُس آدمی کی خبر پڑھ کر سنا دیجئے جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں تو وہ ان سے نکل کر باہر (۱۰۷) چلا گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، پھر وہ گم گشتہ راہ لوگوں میں سے ہو گیا ﴿۱۰۸﴾ اور اگر ہم چاہتے تو اسے اس کی وجہ سے رفعت و بلندی عطا کرتے، لیکن وہ پستی میں گرتا چلا گیا اور اپنی خواہش نفس کا فرمانبردار ہو گیا، پس اس کی مثال کتے کی سی ہے، اگر تم اس پر کچھ بوجھ ڈال دو گے تو ہانپنے لگا، یا اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تب بھی ہانپنے لگا، یہ ان کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پس آپ ان لوگوں کو یہ قصے سناتے رہئے، شاید کہ وہ غور کریں ﴿۱۰۹﴾ بہت ہی بدصفت ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، اور وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے ﴿۱۱۰﴾

انسانوں اور بالخصوص نبی کریم ﷺ کے زمانے کے لوگوں کی طرف ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف بنی اسرائیل سے ہی عہد نہیں لیا تھا، بلکہ یہ عہد تو اس نے ہر فرد بشر سے لیا ہوا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ آیت میں آرہی ہے۔ آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی تمام اولاد کو (جو قیامت تک پیدا ہوگی) ازل میں ان کے آباء کی پیٹھوں سے نکالا اور ان سے اس بات کی گواہی لی کہ وہی ان کا رب اور ان کا خالق دمالک ہے۔ شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ صحیح مرفوع اور موقوف احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اللہ نے رُوحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا، اور شہادت انہی رُوحوں نے دی۔ کچھ دوسرے مفسرین نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ازل میں ان سب کو اکٹھا نہیں کیا تھا، بلکہ ابن آدم کی تخلیق اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ان کا خالق اللہ ہے۔ آیت میں مثال کے ذریعہ اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس قول کے مطابق ﴿فَقَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا﴾ کا مفہوم یہ ہو گا کہ انسان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی کمال کارگیری کے جو آثار ہیں، ان ہی کے پیش نظر گویا انسانوں نے کہا کہ ہاں، اے ہمارے اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے، اس لئے کہ شہادت کبھی زبانِ قال سے ادا ہوتی ہے اور کبھی زبانِ حال سے۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے صحیح احادیث میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا ہی ایسا کیا ہے کہ ان کی فطرت اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اللہ ہے، اور اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ان کی فطرت میں یہ بات ودیعت کر دی گئی ہے کہ وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں اے اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں، اور قیامت کے دن بھی وہ اس کا انکار نہیں کر سکیں گے۔

حافظ ابن کثیر نے تقریباً اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ سلف و خلف میں سے ایک جماعت کا یہی کہنا ہے کہ بنی آدم کی ذریت کو گواہ بنانے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی توحید کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور جو روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ اللہ

نے آدم کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکالا، اور ان سے بات کی اور انہوں نے جواب دیا، تو اس طرح کی روایتیں صحیح نہیں ہیں، اور اگر بعض صحیح ہیں تو ان کی عبارتیں آیت کے الفاظ سے ملتی جلتی ہیں، جن سے حتی طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ نے واقعی آدم کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکالا تھا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر روایتیں ابن عباس پر موقوف ہیں، یعنی نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔

اس فطری عہد کے بعد اب کوئی فرد بشر قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہمیں تو پیغام پہنچایا ہی نہیں تھا۔ یا یہ کہ ہم تو اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر چلتے رہے، اس لئے ہمارا مواخذہ کیوں ہو رہا ہے۔ جب ایک فرد بشر کی فطرت پکار پکار کر توحید باری تعالیٰ کی گواہی دے رہی ہے، اور اللہ کے سامنے نہ جھکنے یا اس کے علاوہ غیروں کے سامنے جھکنے کا انکار کر رہی ہے، تو قیامت کے دن کسی مشرک و کافر کے پاس کون سا عذر باقی رہے گا۔ وباللہ التوفیق۔

(۱۰۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے آدمی کی خبر دی ہے جسے اللہ نے آسمانی کتاب کا علم دیا تھا، جس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس میں موجود دلائل و براہین سے استفادہ کر کے اللہ سے اپنا رشتہ استوار کرے، اور صلاح و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے، لیکن معاملہ برعکس رہا، اس نے دنیاوی عارضی مفاد کی خاطر اللہ کا انکار کر دیا اور اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا، اور دامن جھاڑ کر اس سے ایسا الگ ہو گیا جیسے کوئی سانپ اپنے چمڑے کے خول سے نکل کر باہر چلا جاتا ہے۔ اور جب وہ اس حال کو پہنچ گیا تو شیطان نے اسے جالیا اور اسے اپنا دوست اور ساتھی بنا لیا، اور اسے ضلالت و گمراہی کے گھاٹوں پر اندھیرے میں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو اس آسمانی کتاب کی بدولت اسے اوج ثریا پر پہنچا دیتے، لیکن وہ اس کا اہل نہیں تھا، اس نے دنیاوی فائدوں کو ترجیح دیا اور اپنے نفس کا غلام بنا رہا، اور دنیا اس کا منتہائے مقصود رہی، کبھی قانع نہیں ہوا، ایک فائدہ حاصل ہوا تو دوسرے کے پیچھے دوڑنے لگا، اور اسی حصول دنیا میں حیران و پریشان رہا، اسے کبھی سکون نہ ملا، اس کتے کی طرح جو ہر حال میں زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے، چاہے وہ دوڑ رہا ہو یا بیٹھا ہو۔ تو جو شخص آسمانی کتاب کا علم رکھتے ہوئے، اس سے ایمان و عمل صالح کا فائدہ نہیں اٹھاتا، اسے پس پشت ڈال دیتا ہے اور کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، اس کی مثال ہر دور میں اس سانپ کی ہے جو اپنے چمڑے کے خول سے نکل کر باہر چلا جاتا ہے، اور اس کتے کی ہے جو ہر حال میں زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جسے امام شوکانی نے کتب احادیث کے دس حوالوں سے نقل کیا ہے یہ آیت بلعم بن باعور کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، اور جو تورات کا علم رکھتا تھا، لیکن دنیاوی مصالح کی خاطر اس کا انکار کر دیا اور کفر کی راہ اختیار کر لی۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت امیہ بن ابی الصلت کے بارے میں نازل ہوئی تھی جسے آسمانی کتابوں کا علم تھا اور جانتا تھا کہ عنقریب ہی ایک رسول آنے والا ہے، اور امید کرتا تھا کہ وہ خود ہی رسول ہو گا۔ اسی لئے جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اس نے ایمان لانے سے انکار کر دیا اور کفر کی حالت میں مر گیا۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ابو عامر راہب کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے زمانہ جاہلیت میں رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی تھی، لیکن اسلام آنے کے بعد شام چلا گیا اور قیصر کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا رہا اور وہیں مر گیا۔ اسی نے منافقین کو مدینہ منورہ میں مسجد ضرار بنانے پر ابھارا تھا۔

بہر حال آیت کے نزول کا سبب جو بھی ہو، اس کا حکم عام ہے۔ اور اس میں بہت بڑی وعید ہے ان علمائے سو کے لئے جو

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي ، وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَاُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۰۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ، وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا ، وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ، أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغْنَا مِنْكُمُ الْحَقَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۹﴾

جسے اللہ ہدایت (۱۰۸) دے وہی سیدھی راہ پر چلنے والا ہوتا ہے، اور جسے گمراہ کر دے وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں ﴿۱۰۸﴾ اور ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا (۱۰۹) کیا ہے، ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، وہ بہائم کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گم گشتہ راہ ہیں، یہی لوگ درحقیقت بے خبر ہیں ﴿۱۰۹﴾

دنیا کی عارضی لذتوں کی خاطر آخرت کو فراموش کر دیتے ہیں، اور دنیا ہی کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام علمائے اسلام کو اس آیت کا مصداق بننے سے محفوظ رکھے۔

(۱۰۸) آیت (۱۰۷) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ واقعہ کفار قریش کو سنائیں، شاید کہ وہ عبرت حاصل کریں، اور کفر و عناد چھوڑ کر ایمان کی راہ اختیار کریں، یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ وعظ و نصیحت ہدایت پانے کے صرف ظاہری اسباب ہیں، ہدایت تو دراصل اللہ کی طرف سے ملا کرتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اللہ سے ہر وقت توفیق کی دعا کرتا رہے، اس کے سامنے دست سوال پھیلا کر نہایت بجز و انکساری کے ساتھ یہ کہے کہ اے اللہ! تو اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے دین پر قائم رکھ، اپنی رضا کے کام لیتا رہ، اور خاتمہ بالخیر نصیب فرما۔

(۱۰۹) ہدایت و گمراہی اور اللہ کی توفیق و عدم توفیق کی جو بات ابھی گذری ہے، اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی ہے کہ اس نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر اپنے معبود حقیقی کو پہچانیں، اور اسی کی عبادت کریں، اور اسی کے احکام و اوامر کے مطابق زندگی گذاریں۔ بہت سے جنوں اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کا انکار کر دیتے ہیں، اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل کے خلاف جنگ کرتے ہیں، اور اس کی بندگی کی راہ کو چھوڑ کر عناد و استکبار کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور ان کا حال ایسا ہوتا ہے کہ ان کے دل، ان کی آنکھیں اور ان کے کان بیکار ہو جاتے ہیں، کوئی بھی خیر کی بات قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی، تو حید باری تعالیٰ اور طاعت و بندگی کے اللہ ہی کے لئے مختص ہونے کے سارے دلائل و براہین اس کے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں، لیکن ان سے وہ مستفید نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا کبر و غرور بڑھتا ہی جاتا ہے، اس کی حالت جانوروں سے بدتر ہو جاتی ہے، کہ جانور تو کم از کم اپنے نفع و نقصان کے درمیان تمیز کر لیتا ہے، اور وہی کام کرتا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے، لیکن کافر و مشکبر جن و انسان خیر و شر کے درمیان تمیز کی صلاحیت ہی کھودیتا ہے۔ تو گویا اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ جیسے اللہ نے اسے جہنم کے لئے ہی پیدا کیا ہے، وہ جہنم کی راہ پر آگے بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے، اور جنہمی بن جاتا ہے۔ اور یہ بات اللہ کے علم ازلی میں ہے کہ کون حق کی دعوت کو قبول کرے گا اور کون انکار کر دے گا، کسے خیر کی توفیق ہوگی اور کسے نہیں، کون جنت کی راہ پر لگے گا اور کون جہنم کی راہ پر۔

وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۰﴾
 وَمَنْ حَقَّقْنَا لَهُ يَهْدُوكَ بِالسُّبْحِ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور اللہ کے بہت ہی اچھے نام ہیں، پس تم لوگ اسے انہی ناموں کے ذریعہ پکارو^(۱۱۰) اور ان لوگوں سے بر طرف ہو جاؤ جو اس کے ناموں کو بگاڑتے ہیں (اس کے غلط معنی بیان کرتے ہیں) اور انہیں عنقریب ان کے کئے کی سزا دی جائے گی ﴿۱۱۰﴾ اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت^(۱۱۱) ایسی ہے جو دین حق پر چلتی ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتی ہے ﴿۱۱۱﴾

(۱۱۰) آیت (۱۷۸) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔

اور آیت (۱۷۹) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ کبر و غرور کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نہیں مانگتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ یہ آیت کریمہ دو باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے، ایک تو یہ کہ بندہ ہر وقت اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا رہے، دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اسی سے مانگتا رہے، اسی سے لو لگائے رکھے، کیونکہ سب کچھ کا مالک وہی ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور صحیح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو بندہ اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور دوسری بات جو اس آیت سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اچھے ناموں کے ساتھ پکارنے کے بعد جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اُس کے ناموں میں الحاد سے کام نہ لیا جائے، یعنی اسے بدلانا نہ جائے جیسا کہ مشرکین نے اللہ سے ”لات“ ”عزیزہ“ ”عزى“ اور ”منا“ سے ”منات“ بنا لیا تھا، اور نہ قرآن و سنت سے بغیر دلیل کے اللہ کے نئے نئے نام رکھے جائیں، جیسا کہ اہل فارس نے خدا، یزدان اور اہرن من اور ہندؤں نے بھگوان اور ایٹور اور انگریزوں نے گاڈ وغیرہ نام ایجاد کر لئے ہیں۔ اور نہ اللہ کا قرآن و سنت سے کوئی ثابت شدہ نام حذف کر دیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تاویل کر کے ان کے ظاہری معانی کو بدل دینا، یا ان کا کوئی معنی ہی مراد نہ لینا، یا انہیں مخلوق کے ناموں کے ساتھ تشبیہ دینا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کی صورتیں ہیں۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نواے (۹۹) نام ہیں، جو شخص انہیں گئے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ کے نواے نام یاد کرے گا وہ جنت کا حقدار ہوگا۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اللہ کے صرف نواے ہی نام ہیں بلکہ اللہ کے نام اس سے زیادہ ہیں جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے، جیسا کہ ابن مسعود کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے احمد، ابو عوانہ، ابویعلیٰ اور ہزار نے روایت کی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ایک عظیم دعا سکھائی ہے۔ اس میں آیا ہے: "أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ سَمَّيْتَهُ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ" کہ "میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کے ذریعہ مانگتا ہوں جو تو نے اپنے لئے رکھا ہے، یا جسے تو نے اپنے پاس علم غیب میں چھپا رکھا ہے۔" امام نووی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔

(۱۱۱) یہاں "أُمَّة" سے اُمتِ محمدیہ کی ایک جماعت مراد ہے، جن کی صفت یہ ہے کہ وہ حق بات بولتے ہیں، دوسروں کو حق کی دعوت دیتے ہیں، اور خود اس پر عمل کرتے ہیں، اور لوگوں کے درمیان اسی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۚ لَا يُجِئُهَا الْوَقْتُهَا إِلَّا هُوَ نُفِثَتْ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۚ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَافِيٌّ عَنْهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
 يَعْلَمُونَ ﴿۱۱۷﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ
 الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِي السُّوْرَةُ لَئِن آتَانَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

لوگ آپ سے قیامت (۱۱۷) کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی، آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کو ہے، اسے اس کے وقت مقرر پر اللہ کے علاوہ کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین کی ایک بھاری بات ہے، وہ تمہارے سامنے اچانک آجائے گی، لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ جیسے آپ ہر دم اس کی کرید میں لگے ہوئے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ﴿۱۱۷﴾ آپ کہتے ہیں کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں، سوائے اس کے جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب (۱۱۸) کا علم رکھتا تو بہت ساری بھلائیاں اکٹھا کر لیتا، اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، میں تو صرف ایمان والوں کو جہنم سے ڈرانے والا اور جنت کی خوشخبری دینے والا ہوں ﴿۱۱۸﴾

(۱۱۷) یہاں پھر وہی اللہ کی توفیق والی بات آگئی کہ اللہ کی مخلوقات میں فکر و نظر بھی اسی کے لئے مفید ہے جسے اللہ توفیق دے، اور جسے اللہ توفیق نہیں دے گا وہ سرکشی و گمراہی میں بھٹکتا ہی رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ آیت (۳۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يُؤَدِّ اللّٰهُ فَتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ کہ ”جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے گا، اسے آپ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے“۔

(۱۱۷) بعض کفار قریش نے وقوع قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے ہوئے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، آسمان اور زمین میں رہنے والے اس کا علم نہیں رکھتے، اور قیامت بالکل اچانک آئے گی، صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ دوبارہ مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے بارے میں آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ جیسے آپ کو اس کا علم ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے۔

(۱۱۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ کے لئے اپنی کامل عبودیت کا اعلان کر دیں، اور اپنے بارے میں لوگوں کو بتادیں کہ آپ غیبی امور کی کوئی خبر نہیں رکھتے، آپ کو صرف وہی باتیں معلوم ہیں جن کی خبر اللہ نے آپ کو بذریعہ وحی دی ہے۔ سورہ یونس آیات (۳۹/۳۸) میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ مزید تاکید کے طور پر کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا، آپ ﷺ نے قرآن کی زبان میں فرمایا کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو پہلے سے ہی اسباب مہیا کر کے اپنے لئے فوائد و منافع جمع کر لیتا، مثلاً قحط سالی کے زمانے کے لئے زرخیزی اور خوشحالی کے ایام میں ہی تیاری کر لیتا، تو مجھے کوئی تکلیف نہ لاحق ہوتی، لیکن ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا ہوں۔ میں تو اللہ کی وحی کے مطابق اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو صرف اس کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔

وَأَن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُكُمْ ، سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۱۲۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۲۲﴾ أَلَمْ يَأْتِ الْبَشَرُ مِنْ بَعْدِ آدَمَ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ يَسْمَعُ قَوْلَهُ لَمَنْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَلَمْ يَكُن لَكُمْ آيَاتٌ أَنْ يَقُولُوا هَذَا الْقَوْلَ إِنِ ادْعُوا إِلَهُكُمْ إِلَّا أَنْتُمْ كِيدٌ لِّإِنْسَانٍ فَلَا تَنْظُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِلَى اللَّهِ الْمَرْجِعُ نَزَّلْنَا الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَهُوَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْمَعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۗ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۲۵﴾

اور اگر تم انہیں راہِ راست (۱۲۳) کی طرف بلاؤ گے تو تمہاری پیروی نہیں کریں گے، تم انہیں بلاؤ یا چپ رہو، دونوں ہی بات تمہارے لئے برابر ہے ﴿۱۲۳﴾ بے شک اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو، وہ تم ہی جیسے اللہ کے بندے ہیں، تو تم انہیں پکارو، اور اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری پکار کا جواب دینا چاہئے ﴿۱۲۳﴾ کیا ان کے پاؤں (۱۲۳) ہیں جن سے وہ چلتے ہیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ چھوتے ہیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہئے کہ تم اپنے معبودوں (۱۲۳) کو بلا لو پھر میرے خلاف مل کر سازش کرو، اور مجھے مہلت بھی نہ دو ﴿۱۲۵﴾ بے شک میرا یار و مددگار (۱۲۵) وہ اللہ ہے جس نے قرآن نازل کیا ہے، اور وہ نیک لوگوں کا ہمیشہ ہی یار و مددگار ہوتا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد (۱۲۶) نہیں کر سکتے ہیں اور نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں ﴿۱۲۷﴾ اور اگر آپ انہیں راہِ راست (۱۲۷) کی طرف بلائیں گے تو وہ نہیں سنیں گے، اور آپ کو ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ بصارت سے محروم ہیں ﴿۱۲۸﴾

(۱۲۲) اور مشرکین اگر اپنے اصنام کو رُشد و ہدایت کی دعوت دیں گے، تو وہ ان کی پیروی بھی نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ بے جان بتوں کے لئے ہدایت و گمراہی دونوں برابر ہے۔

(۱۲۳) بتوں کی نہایت درجہ تحقیر و تذلیل ہے، اور بت پرستوں کی عقلوں پر ماتم کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو کلی طور پر ان کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔

(۱۲۴) مشرکین کی مزید مذمت، اور ان کی عقلوں پر بار بار ماتم کے طور پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ مشرکین سے کہئے کہ جن بتوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، انہیں میرے خلاف اپنی مدد کے لئے بلاؤ اور تم سب مل کر مجھے مہلت بھی نہ دو، تو کیا تم میرا بال بھی بیکا کر سکو گے؟ ہرگز نہیں، اس لئے کہ تمہیں اپنے بتوں کے کلی طور پر عاجز ہونے کا پتہ ہے۔

(۱۲۵) اور میں تو تمہاری اور تمہارے معبودوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا ہوں، کیوں کہ میرا حامی و ناصر تو وہ اللہ ہے جس نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے، اور وہ ہمیشہ اپنے نیک بندوں کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔

(۱۲۶) تمہارے معبود، اور تمہارے پتھر کے اصنام تمہاری کچھ بھی نصرت و حمایت نہیں کر سکتے ہیں۔

(۱۲۷) وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے ہیں، اس لئے کہ ان کے کان نہیں ہیں، اگرچہ تم نے اپنے ہاتھوں سے ان کے کان بنا دیئے ہیں۔ وہ جماد ہیں، تمہیں دیکھتے نہیں ہیں، اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی پتھر ملی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ پھر بتاؤ تو کسی کہ

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۲۸﴾ وَإِنَّا لَنَزَعْنَاكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعًا فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَإِذَا كُفِرْتُمْ فِي الْغَنِيِّ ثُمًّا لَا يُمْصِرُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَإِذَا كُفِرْتُمْ بِالْبَيْتِ قَالُوا لَوْلَا لَوْ لَا اجْتَبَيْنَاهَا قُلُوبَنَا إِنَّا كَاشِعُونَ مَا يَأْتِي الْإِنسَانَ مِنْ ذُرِّيِّهِ هَذَا بَصَالًا مِنْ رَبِّكُمْ وَهَدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۳۲﴾

آپ عفو و درگزر کو اختیار (۱۲۸) کیجئے اور بھلائی کا حکم دیجئے اور نادانوں سے اعراض کیجئے ﴿۱۲۹﴾ اور اگر کوئی شیطانی وسوسہ آپ کو اُکسائے تو اللہ کے ذریعہ پناہ (۱۲۹) مانگئے، بے شک وہ سب سے بڑا سننے والا، سب سے زیادہ جاننے والا ہے ﴿۲۰۰﴾ بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ لاحق ہوتا ہے، تو وہ اللہ کو یاد (۱۳۰) کرنے لگتے ہیں، پھر وہ اچانک بصیرت والے بن جاتے ہیں ﴿۲۰۱﴾ اور کافروں کے (شیطان) بھائی انہیں کھینچ کر گمراہی (۱۳۱) میں پھنساتے ہیں، اور اس بارے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں ﴿۲۰۲﴾ اور جب آپ ان کی مانگ کے مطابق کوئی نشانی (۱۳۲) نہیں لاتے ہیں تو وہ (بطور استہزاء) کہتے ہیں کہ اسے تم نے خود کیوں نہیں گھڑ لیا، آپ کہتے ہیں کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے بطور وحی مجھ پر نازل ہوتا ہے، یہ قرآن آپ کے رب کی جانب سے بصیرتوں کا خزانہ ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے ﴿۲۰۳﴾

میں ان پتھروں کے معبودوں کی کیا پرواہ کروں!؟

(۱۲۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ غصہ ہونے کے بجائے لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کریں، اس لئے کہ وعظ و نصیحت میں یہی طریقہ سود مند ہے، اور لوگوں کو اچھے اور مستحسن کاموں کا حکم دیں جنہیں انسان بطیب خاطر قبول کر لیتا ہے، اور نادانوں کے ساتھ سختی کا معاملہ نہ کریں، اور اگر آپ کے ساتھ وہ بدسلوکی کریں تو نظر انداز کر جائیں اور تحمل سے کام لیں۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پورے قرآن میں اس سے بڑھ کر کوئی آیت نہیں ہے جس میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کو بیان کیا گیا ہو۔

(۱۲۹) اور اگر شیطان آپ کو ان کی نادانی اور بدسلوکی پر ان کے خلاف ابھارے اور غصہ دلائے، اور دل میں وسوسہ پیدا کرے کہ عفو و درگزر اور نیکی کی راہ چھوڑ دیجئے تو فوراً اللہ کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ مانگئے اور دعا کیجئے کہ اللہ اسے آپ سے دور کر دے، کیونکہ شیطان کے فتنوں سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے۔

(۱۳۰) اللہ سے ڈرنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب انہیں کوئی شیطانی وسوسہ لاحق ہوتا ہے تو انہیں یاد آتا ہے کہ فوراً اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا چاہئے، اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، چنانچہ ایسا کرنے سے انہیں اپنی غلطیاں سمجھ میں آتی ہیں اور شیطان کی سازشوں کا پتہ چل جاتا ہے، اور اللہ کے فضل و کرم سے ان سازشوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(۱۳۱) لیکن جو اللہ سے نہیں ڈرتے اور شیطان کے بھائی ہوتے ہیں، انہیں اللہ کے ذریعہ شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگنا یاد نہیں آتا اور شیطان ان کے دل و دماغ میں کثرت سے شبہات پیدا کرتے ہیں، گناہوں کو خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں اور انہیں کر گزرنے کو ان کے لئے آسان بنا دیتے ہیں۔ آخر کار وہ لوگ ان معاصی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، اور مستقبل میں اسی راہ پر چل پڑتے ہیں۔

وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَ آَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے (۱۳۳) سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۲۰۴﴾

(۱۳۲) مشرکین کی بہت ساری مگر ایہوں میں سے ایک گراہی یہ بھی تھی کہ وہ وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ سے مخصوص نشانیوں کا مطالبہ کرتے، اور مقصود رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنا اور ان کا مذاق اڑانا ہوتا تھا، ورنہ سب سے عظیم معجزہ قرآن کریم تورات دن ان کے سامنے اترتا ہی رہتا تھا، اور اس کی آیتیں اہل ایمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھیں۔ جب مشرکین کسی نشانی کا مطالبہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ اسے ان کے سامنے پیش نہیں کرتے تو بطور استہزاء کہتے کہ تم اسے اپنی طرف سے گھڑ کیوں نہیں لیتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اللہ پر افتخار پر دازی نہیں کرتا، مجھے تو بذریعہ وحی جو کچھ بتایا جاتا ہے اسی کی اتباع کرتا ہوں۔ اور یہ قرآن عظیم تودل کی آنکھوں کو کھولتا ہے، اور اسے بصیرت عطا کرتا ہے، اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور عذاب نار سے بچنے کے لئے اللہ کی رحمت ہے۔

علمائے تفسیر لکھتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر قول و فعل وحی الہی کے مطابق ہوتا تھا، اور جب تک اللہ کی طرف سے حکم نہ مل جاتا تھا آپ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔

(۱۳۳) اوپر کی آیت میں قرآن کریم کے فضائل و خصائص بیان کئے گئے کہ یہ کتاب عظیم دل کی آنکھوں کو کھولتی ہے، اور اسے بصیرت عطا کرتی ہے، اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور عذاب نار سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو، تو اسے غور سے سنو، تاکہ اس کے معانی کو سمجھو، اور اس میں جو پسند و نصح ہیں ان سے مستفید ہو سکو، کفار قریش کی طرح نہ کرو جو اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے: ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ کہ جب محمد قرآن پڑھنا شروع کرے، تو تم لوگ اسے نہ سنو اور تشویش پیدا کرو تاکہ کوئی اس پر کان نہ دھر سکے۔ (نصفت: ۲۶)۔

اس آیت کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت چاہے نماز میں ہو رہی ہو یا کسی اور وقت میں اُسے غور سے سنا اور خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے۔ ان حضرات نے اس آیت کے علاوہ صحیح مسلم کی انس، عائشہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آیا ہے کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، اور جب قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اور مسند احمد اور ترمذی سنن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ قرآن پڑھنے میں میرے ساتھ کیوں جھگڑا جاتا ہے۔ یعنی میں بھی پڑھتا ہوں اور تم لوگ بھی پڑھتے ہو۔

لیکن دوسری صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (جن پر قرآن کریم نازل ہوا) سورہ فاتحہ کی قرأت کو اس حکم عام سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور اس کا پڑھنا ہر مقتدی کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا کہ کیا تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہو، تو صحابہ نے کہا کہ ہاں، اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا کہ اُم القرآن (فاتحہ) کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھو، اس لئے کہ

وَأَذْكُرُ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعُدُوِّ وَالْإِصْحَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ
الْغَافِلِينَ ﴿۱۳۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَعِينُونَ ﴿۱۳۵﴾

اور آپ اپنے رب کو صبح و شام عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور بغیر اونچی آواز کے اپنے دل میں یاد (۱۳۴) کیجئے اور غافلوں میں سے نہ ہو جائیے ﴿۲۰۵﴾ بے شک جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر کی وجہ سے انکار نہیں کرتے ہیں، اور اس کی پاکی (۱۳۵) بیان کرتے ہیں، اور اس کے لئے سجدہ کرتے رہتے ہیں ﴿۲۰۶﴾

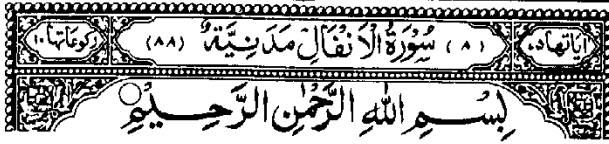
جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”جب میں جہری قرأت کروں تو اُمّ القرآن کے علاوہ کچھ نہ پڑھو“ اسے ابوداؤد، نسائی اور دارقطنی نے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم لوگ جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے، تو اس کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ایسا نہ کرو، اور تمہیں سورہ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لینا چاہئے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری نے اسی کو ترجیح دیا ہے، اور ہر نماز میں چاہے سری ہو یا جہری سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دیا ہے۔ دیگر محدثین کا بھی یہی مسلک رہا ہے۔ حیرت ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جو اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے کیسے چوک ہو گئی، اور کیوں ان احادیث کو نظر انداز کر گئے۔ سبحان من لاشئئ۔ یہ بحث سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اسے دوبارہ دیکھ لینا مفید رہے گا۔ (۱۳۴) یہ حکم معراج کی رات کو ہنچگانہ نمازوں کی فرضیت سے پہلے کا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں۔ نمازوں کی فرضیت کے بعد اس آیت کا حکم عام باقی رہ گیا۔ اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، لیکن اس میں تمام مسلمان داخل ہیں۔ اس آیت سے ذکر الہی کے مندرجہ ذیل آداب مستفاد ہیں:

- ۱- ذکر الہی کی اصل یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کو دل سے یاد کرے، یعنی اگر دل غافل ہے اور زبان چل رہی ہے تو اسے ذکر الہی نہیں کہیں گے، اور اللہ کو چمکے چمکے یاد کرے، تاکہ ریاکاری کا شبہ نہ ہو، اور اخلاص کے زیادہ قریب ہو۔
- ۲- اللہ کے حضور خوب گریہ و زاری اختیار کرے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرے۔
- ۳- اللہ کا خوف اور اس کی خشیت دل پر طاری ہو کہ عمل کی زندگی میں تقصیر کی وجہ سے کہیں اللہ کی گرفت نہ ہو جائے۔
- ۴- آواز اونچی نہ کرے جیسا کہ صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! تم لوگ کسی گونگے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو، جس ذات کو تم پکارتے ہو وہ بہت زیادہ سننے والا اور بہت قریب ہے۔
- ۵- زبان دل کا ساتھ دے۔

۶- ذکر الہی صبح و شام ہو۔ اس آیت سے ان دونوں وقتوں میں ذکر الہی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ کبھی بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔

(۱۳۵) یہی وہ ذکر الہی ہے جس میں فرشتے رات دن خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، اور کبھی بھی نہیں تھکتے۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اس کے حضور سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس سے مقصود مومنوں کو ترغیب دلانا ہے کہ وہ بھی فرشتوں کی



يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ، فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

(سورة الأنفال مدنی ہے، اس میں پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
لوگ آپ سے اموال غنیمت (۱) کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ اموال غنیمت اللہ اور رسول کے لئے ہیں،
پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور اپنے آپس کے تعلقات کو ٹھیک رکھو، اور اگر اہل ایمان ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت کرو ﴿۱۰﴾

طرح کثرت سے اللہ کو یاد کرتے رہیں۔ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں، نماز پڑھیں اور سجدہ کرتے رہیں۔
اس آیت کی تلاوت کے بعد قاری اور غور سے سننے والے دونوں کے لئے قبلہ رخ ہو کر سجدہ کرنا مشروع ہے۔ اور
افضل یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا با وضو ہو۔ قرآن کریم میں یہ پہلا سجدہ ہے۔

صحیحین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غیر حالت نماز میں کوئی سجدہ والی
سورت پڑھتے، تو سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی سجدہ کرتے اور ازدحام کی وجہ سے لوگ اپنی پیشانی کے لئے جگہ نہیں پاتے تھے۔
احادیث میں اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ امام مسلم نے ثوبان سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ
ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: "اللہ کے لئے کثرت سے سجدہ کیا کرو۔ اگر اللہ کے لئے ایک سجدہ کرو گے تو اللہ تمہارا مقام ایک
درجہ بلند کرے گا، اور ایک گناہ مٹا دے گا۔"

تفسیر سورة الأنفال

نام: اس کا نام "الأنفال" سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔
زمانہ نزول: پوری سورت مدنی ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ غزوہ بدر کے دوران
مقام بدر میں نازل ہوئی، اس میں پچھتر آیتیں ہیں۔

(۱) جنگ بدر میں مسلمانوں کو اللہ کی نبی مدد کے ذریعہ فتح مبین ملی، بڑے بڑے صنادید قریش مارے گئے، اور جو قتل ہونے سے
بچ گئے ان میں سے ستر (۷۰) آدمی پابند سلاسل کر لئے گئے اور باقی مکہ کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تمام مقتولین،
قیدی اور بھاگنے والے کفار قریش اپنے پیچھے بہت سارے ہتھیار اور دوسرے اموال غنیمت چھوڑ گئے۔ کچھ مسلمانوں نے انہیں
جمع کیا، اور کچھ مسلمانوں نے دشمنوں کا پیچھا کیا، اور کچھ جانبازوں نے نبی کریم ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے رکھا تاکہ دشمن ان پر حملہ
نہ کر دے۔ رات کے وقت جب سبھی اکٹھا ہوئے تو ان غنائم کے بارے میں آپس میں باتیں کرنے لگے اور ہر ایک نے اموال غنیمت
کے سلسلے میں دور جاہلیت کے باقی ماندہ سماجی اور اخلاقی اثرات کے تحت اپنی اپنی منت و جانفشانی کے مطابق اپنا اپنا حق جتنا شروع

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۗ الَّذِينَ يُعْمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۗ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ كَرِيمَةٌ ۗ

بے شک مومن وہی لوگ (۲) ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل پر خوف طاری ہو جاتا ہے، اور جب ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ (مومنین) صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾ وہی لوگ حقیقی مومن ہیں، انہیں ان کے رب کے پاس بلند مقامات ملیں گے، اور اس کی مغفرت اور باعزت روزی ملے گی ﴿۴﴾

کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو بتایا کہ میدان جنگ میں جو اموال غنیمت ہاتھ آئے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ان میں تصرف کریں گے۔ ان اموال کو اللہ تعالیٰ نے "ذخلف" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ اس لئے کہ "ذخلف" اضافی اور زائد چیز کو کہتے ہیں، گویا مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانی چاہی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا اصل مقصد تو اللہ کی رضا اور جنت حاصل کرنا ہوتا ہے، وہ ان شاء اللہ ملے گا، یہ اموال غنیمت اضافی چیزیں ہیں۔ اللہ نے بطور احسان انہیں تمہارے لئے حلال بنا دیا ہے، جب کہ پہلی امتوں کے لئے حرام تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کے حصول کے لئے آپس میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے، اور جاہلیت کے عادات و اطوار سے بلند ہو کر اعلیٰ اسلامی اخلاق کا ثبوت دینا چاہئے۔

تقسیم غنائم کے سلسلہ میں اس آیت میں موجود اجمال کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۳۱) ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ﴾ میں بیان کر دی ہے، چنانچہ اموال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہا جس میں انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق تصرف کیا، اسی میں سے بعض صحابہ کو اپنی طرف سے تشجیعی انعامات دیئے اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

آیت میں غنائم کا حکم بیان کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کے پیش نظر تقویٰ، آپس میں الفت و محبت اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بھی نصیحت کی ہے، کیونکہ ایمان باللہ کا یہی تقاضا ہے، اور درپردہ انہیں یہ نصیحت بھی کی ہے کہ دور جاہلیت کے عادات و اطوار سے اب انہیں کلی طور پر دور ہو جانا چاہئے، اس لئے کہ اسلام مسلمانوں کے لئے دینی اور اخلاقی ہستی کو گوارہ نہیں کرتا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت میں "الأنفال" سے مراد وہ مال ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بعض مجاہدین کو ان کے حصے کے علاوہ دیا تھا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سعید بن العاص کی تلوار دے دی تھی۔

(۲) اوپر والی آیت میں جن مومنین کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل دو آیتوں میں انہی کے اوصاف بیان فرمائے ہیں:

پہلی صفت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی بھی حیثیت سے آتا ہے تو عظمت و ہیبت باری تعالیٰ کے تصور سے ان پر رعب طاری ہو جاتا ہے، اور مارے خوف کے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم سے اللہ کی نافرمانی ہوگئی ہو، اور اس کی گرفت میں آجائیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ۗ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ
كَانْتُمْ إِسْأَفُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

(جس طرح تقسیم غنائم کا معاملہ اللہ اور رسول کے حوالے کر دینا ہی بہتر رہا، اگرچہ بعض مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا تھا) اسی طرح آپ کے رب نے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر آپ کے گھر سے نکالا (۳) اگرچہ مسلمانوں کی ایک جماعت اسے بارگراں سمجھ رہی تھی ﴿۵۱۹﴾ وہ لوگ حق (اللہ کا وعدہ کہ وہ تجارتی قافلہ اور لشکر قریش دونوں میں سے ایک پر مسلمانوں کو غلبہ دے گا) واضح ہو جانے کے بعد بھی آپ سے جھگڑ رہے تھے، جیسے کہ انہیں موت کی طرف ہانک کر لے جایا جا رہا ہو، اور وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں ﴿۶۱﴾

ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے تو ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور ان کے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

یہ آیت اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ مومن کا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الایمان“ میں ابو عبید القاسم بن سلام کے حوالہ سے ایک سو چھتیس علمائے کرام کے نام ذکر کئے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سے زائد علماء سے ملاقات کی ان سب کا یہی عقیدہ تھا۔ ائمہ کرام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں چونک ہوئی ہے، ان کا خیال تھا کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی ہے، جو اس صریح آیت کے خلاف ہے۔

ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، نہ غیر اللہ سے کوئی امید رکھتے ہیں، نہ ہی ڈرتے ہیں، اور نہ غیر اللہ کے حوالے اپنے معاملات کرتے ہیں۔

ان مومنین کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی فرض نمازیں اول وقت میں تمام ارکان و واجبات کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں۔

اور ان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ جن مومنوں کے اندر مندرجہ بالا صفات ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے چوتھی آیت میں انہیں سرٹھٹک دے دیا کہ ان کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور جنت میں انہیں بلند درجات ملیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور جنت میں انہیں انواع و اقسام کی نعمتیں ملیں گی۔

(۳) یہ اور اس کے بعد آنے والی آیتیں جن کا تعلق غزوہ بدر سے ہے۔ انہیں اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس غزوہ کا پس منظر معلوم ہونا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام پر جب کفار قریش نے عرصہ حیات تک کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کا حکم دے دیا۔ اور مسلمان مشکل ترین حالات کے پیش نظر اور کفار مکہ کے خوف سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے، اور کفار مکہ نے مہاجرین کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔ ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و دولت سے بھرپور ابو سفیان کی قیادت میں شام سے مکہ کی طرف جا رہا ہے۔ آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور کہا کہ ہمیں ان کا پیچھا کرنا چاہئے، اور اس تعاقب سے مقصود کفار قریش کو ذہنی طور پر زک پہنچانا اور انہیں یہ باور کرانا تھا کہ مسلمان اب کفر

وشرک کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مقصد تھا کہ جس طرح کفار قریش نے مسلمانوں کی دولت اور مال و جائداد پر ہجرت کے وقت قبضہ کر لیا، اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کا مال اپنے مال کے عوض چھین لیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تین سو اور کچھ صحابہ کرام کو لے کر سمندر کے کنارے کنارے بدر کی طرف روانہ ہوئے، جو شام سے مکہ جانے کا راستہ تھا۔

ابوسفیان کو معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ قافلہ کا پیچھا کر رہے ہیں، ابوسفیان نے فوراً مضمض بن عمرو کو مکہ روانہ کیا تاکہ اہل مکہ کو اس کی خبر دے۔ اہل مکہ فوراً ہی تقریباً ایک ہزار کا لشکر لے کر قافلہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے، ابوسفیان اپنا قافلہ لے کر دائیں طرف ساحل سمندر کی طرف نکل گئے، اور قریش کا لشکر مقام بدر میں پہنچ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بغیر سابقہ میعاد کے مسلمانوں اور کافروں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے اور مسلمانوں کو اللہ ان کے اولین جانی دشمنوں پر غلبہ عطا فرمائے۔ اسلام کی یہ پہلی جنگ ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ لڑی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست فاش دی۔ ستر (۷۰) سے زیادہ کفار مارے گئے، اور تقریباً اتنے ہی قید کر لئے گئے۔

حافظ ابن مردویہ نے ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب صحابہ کرام نے قافلہ قریش کا پیچھا کرتے ہوئے ایک یادودن کا راستہ طے کر لیا تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ ممکن ہے تمہیں کفار قریش سے جنگ کرنی پڑے، تو صحابہ نے کہا کہ دشمن سے مقابلہ کی ہمارے اندر طاقت نہیں ہے، (اس لئے کہ ہم جنگ کی تیاری کر کے نہیں نکلے ہیں) ہمارا ارادہ تو صرف قافلہ والوں سے نمٹنا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے دوبارہ سوال دہرایا، اور صحابہ نے پہلا ہی جیسا جواب دیا، تو مقداد بن عمرو نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو ویسا ہی جواب نہیں دیں گے جیسا قوم موسیٰ نے دیا تھا۔ ابویوب انصاری کہتے ہیں کہ جب انصار نے مقداد کی یہ بات سنی تو ان میں سے ہر شخص نے تمنا کی کہ کاش ہم نے یہ بات کہی ہوتی۔ اسی پس منظر کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی آیت (۵) ﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ مَبِيتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ﴾ نازل فرمائی۔

اس پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنا آسان ہو گیا، جس کی تعین میں (آیت کی ابتدا میں حرف کاف آنے کی وجہ سے) ائمہ تفسیر کے کئی اقوال آئے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح تم لوگوں نے اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف کیا، اور کچھ اخلاقی پستی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسول کے حوالہ کر دیا، اور انہوں نے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کیا، اور بلاخرچہ چلا کہ مسلمانوں کی مصلحت اسی میں تھی، اسی طرح اللہ نے اپنے رسول کو ان کے گھر یعنی مدینہ سے اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر نکالا، جسے اللہ ہی جانتا تھا، حالانکہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر یہ بات بہت ہی گراں گزری، کہ نکلے تھے قافلہ سے دشمنی کے لئے اور اب ان سے لشکر قریش سے جنگ کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت اور مال غنیمت، سب کچھ سے نوازا۔

آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اسی ذہنی کیفیت کو بیان کیا ہے اور یہ کیفیت ان کی ایمانی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی خستہ حالی اور جنگ کے لئے کسی مادی تیاری نہ ہونے کی وجہ سے تھی۔ جبکہ مشرکین کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی اور پوری طرح سے جنگ کی تیاری کر کے آئے تھے۔

وَلَا يَعِدُّكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنهَذَا لَكُمْ وَتَوَكُّونَ أَنْ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُنْفِثَ السَّيْفَ بِكُمُوتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۗ لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلِيُكْرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۗ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبْ لَكُمْ أُنِي مُسْتَجِيبُ لَكُمْ بِالْعَفْوِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ ۗ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر قریش) جماعتوں میں سے ایک تمہارے قبضہ میں آجائے گی، اور تم چاہتے تھے کہ تمہارے ہاتھ وہ جماعت آجائے جس سے تمہیں کاٹنا نہ چھپے، اور اللہ چاہتا (۴) تھا کہ اپنے احکام کے ذریعہ دین حق کو راسخ کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے ﴿۷۷﴾ تاکہ حق (۵) کو غالب اور باطل کو نیست و نابود کر دے، اگرچہ بحرین ایسا نہیں چاہتے ہیں ﴿۸﴾ جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد (۶) کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سنی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اترتے رہیں گے ﴿۹﴾ اور اللہ نے ملائکہ کو محض تمہاری خوشی کے لئے بھیجا تھا، اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ملے، ورنہ فتح و نصرت تو صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۰﴾

(۴) اللہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی ڈبھیٹ لشکر قریش سے ہو جائے، اور حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے، اور اللہ کی نصرت کے ذریعہ کافروں کی کمر توڑ دی جائے۔ جبکہ مسلمان اپنی ظاہری حالت دیکھ کر یہی چاہتے تھے کہ ان کا سامنا لشکر قریش سے نہ ہو، بلکہ صرف قافلہ قریش سے آمناسامنا ہو، جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔

(۵) اس آیت کریمہ میں اللہ نے لشکر قریش سے ڈبھیٹ ہونے کی حکمت و مصلحت بیان کی ہے کہ اللہ چاہتا تھا کہ باطل کی کمر توڑ دے اور دین حق کے پاؤں ہمیشہ کے لے جم جائیں۔

(۶) امام مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین کی تعداد ایک ہزار ہے، اور صحابہ صرف تین سو دس اور کچھ ہیں، تو قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی شروع کی کہ اے اللہ! مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے آج پورا کر دے، اے اللہ! مجھ سے جو وعدہ کیا تھا عطا فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری عبادت کون کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ ہاتھ پھیلانے اسی طرح دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے کندھے سے نیچے گر گئی، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی چادر آپ کے کندھے پر لٹائی اور کہا کہ اے اللہ کے نبی! بس کیجئے، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اتنی۔ اور مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کرے گا، اور یہ خوشخبری مسلمانوں کے اطمینان خاطر کے لئے تھی، ورنہ اللہ تو بغیر کسی ظاہری اسباب کے اپنے بندوں کی مدد پر پوری طرح قادر ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن فرمایا: ”یہ جبرئیل

إذ يُغَشِّيكُمُ الثُّغَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُمُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهَّرَكُم بِهِ وَيُدْهَبَ عَنْكُم رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَتُنَادِ الَّذِينَ آمَنُوا سَالِقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَالضَّرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۝ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَلِكَ فَذُوقُوا وَأَنْ لِيُكْفِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝

جب اس نے اپنی طرف سے امن و سکون کے طور پر تم پر نیند (۷) طاری کر دی، اور آسمان سے بارش بھیج دی تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے اور شیطانی دوسوہ کو تمہارے دلوں سے دور کر دے، اور تاکہ تمہیں دلجمعی عطا فرمائے اور ثبات قدمی دے ﴿۱۱﴾ جب آپ کے رب نے فرشتوں کو بذریعہ وحی بتایا کہ میں تمہارے ساتھ (۸) ہوں، تو تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پس تم لوگ ان کی گردنوں اور ان کے ہر جوڑ پر کاری ضرب لگاؤ ﴿۱۲﴾ یہ سزا انہیں اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت (۹) کی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوتا ہے ﴿۱۳﴾ یہ دنیاوی سزا ہے جسے تم چکھو، اور کافروں کے لئے یقیناً جہنم کا عذاب ہے ﴿۱۴﴾

ہیں، اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے ہیں، اور جنگ کا اسلحہ لئے ہوئے ہیں۔“

(۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام پر اپنے ایک انعام کا ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ اللہ نے جنگ سے پہلی والی رات میں مسلمانوں پر گہری نیند طاری کر دی، جس سے انہیں سکون مل گیا۔ اور اللہ نے ان کے دلوں سے دشمن کا رعب نکال دیا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں پر یہ اونگھ میدان جنگ میں طاری ہوئی تھی۔

ایک دوسرا انعام جو مسلمانوں پر بدر کے دن ہوا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج دی، جس سے ریتیلی زمین سخت ہو گئی، غبار دب گیا، اور زمین ایسی ہو گئی کہ مجاہدین کے لئے جنگی کروفر آسان ہو گیا۔ نیز ان کے دلوں سے شیطان کا یہ دوسوہ جاتا رہا کہ ریتیلی زمین پر کیسے جنگ کر سکیں گے؟

(۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک پوشیدہ انعام کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ مسلمان اس پر اپنے اللہ کا شکر ادا کریں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بتایا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہوں، اس لئے تم لوگ انہیں ثابت قدم رکھنے کی کوشش میں لگے رہو، ان کے دلوں سے دوسوہ کو نکالتے رہو، ان کے ساتھ مل کر کافروں سے لڑتے رہو، میں عنقریب ہی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اور ان کے ہر اس عضو پر کاری ضرب لگاؤ جو ان کی موت کا سبب بنے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے کہ فرشتوں نے میدان بدر میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ جنگ کی تھی۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کو دنیا میں یہ عذاب اس لئے دیا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بغاوت کی، اور آخرت میں جہنم ان کا ٹھکانا ہو گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَاتَيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْآدْبَارَ ۗ وَمَنْ يُؤَلِّمَهُ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّقًا أَوْ مُتَعَدِّيًا إِلَى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ فَاكْفَرُوا لَهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَاتِلُهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رُمِيَ ۗ وَلِيُنَبِّئَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلََاءَ حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اے ایمان والو! جب تم میدان کارزار میں کافروں کے مقابلہ میں آجاؤ، تو ان کی طرف پیٹھ کر کے نہ بھاگو (۱۰) ﴿۱۵﴾ اور جو شخص اس دن دشمن کو پیٹھ دے گا سوائے اس کے کہ اس میں کوئی جنگی چال ہو، یا لشکرِ اسلام کی کسی جماعت سے مل جانا مقصود ہو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہوگی ﴿۱۶﴾ پس تم لوگوں نے انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ (اور اے میرے رسول!) آپ نے ان کی طرف مٹی نہیں پھینکی (۱۱) بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور تاکہ اللہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۱۷﴾

(۱۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے میدانِ جہاد کا ایک بہت ہی اہم حکم بیان کیا ہے، کہ مسلمان جب کافروں سے برسریکا ہوں تو میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہونا حرام ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا اور جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اس لئے کہ کبھی ایک سپاہی کی بزدلی پوری فوج کی شکست کا سبب بن جاتی ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت نے فرار کی اس حرمت کو غزوہ بدر کے ساتھ خاص بتایا ہے۔ یعنی اہل بدر کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوئی شرعی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہونا ہر حال اور ہر زمانہ میں حرام ہے۔ اس رائے کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابو ہریرہ نے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات کبیرہ گناہوں سے بچو، اور ان میں سے ایک میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونے کو بھی بتایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی صرف ایک صورت کو جائز بتایا ہے، وہ یہ کہ سپاہی دوسرے اہم دستہ کی مدد کرنا چاہتا ہو، یا اس کی مدد لینا چاہتا ہو، یا دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے ایسا کر رہا ہو، تاکہ اچانک پلٹ کر اس پر حملہ کر دے۔ علماء نے لکھا ہے کہ فرار کی یہ حرمت اس شرط کے ساتھ خاص ہے کہ دشمنوں کی تعداد ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو سے زیادہ نہ ہو، اگر دو سے زیادہ ہوگی تو فرار حرام نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۶۶) میں فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ خَفَفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ خُسْفًا فَإِن يَكُنْ مِنْكُمْ مِّقَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِثْلَيْنِ وَإِن يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ کہ ”اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے“۔ یعنی دو کے مقابلہ میں ایک کا بھاگنا حرام ہے۔ اور اگر دشمن کا تناسب اس سے زیادہ ہوگا تو حرمت ساقط ہو جائے گی۔

(۱۱) غزوہ بدر میں مسلمانوں کو ان کی قلت و بے سروسامانی کے باوجود اس لئے فتح حاصل ہوئی کہ اللہ نے فرشتوں کے ذریعہ ان

ذَلِكُمْ وَإِنَّ اللَّهَ مُؤْمِنٌ كَذِبُ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ سْتَعْتَبُوا فَعَدَّ جَائِكُمْ الْفِتْنَةَ ۝ وَإِنْ تَذَبَّهُمْ فَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۝ وَإِنْ تَعُودُوا لَعُدَّ وَلَنْ نُغْنِيَ عَنْكُمْ فِتْنَتَكُمْ هِيَ وَأَلْوَكُنْتُ ۝ وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عُنُقَهُ وَانْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝

یہ (نصرت و غنیمت اور اجر و ثواب تو تمہیں ملانی) اور دوسرا مقصود یہ تھا کہ اللہ یقیناً کافروں کی چال (۱۲) کو کمزور کرنے والا تھا ﴿۱۸﴾ (اے کفار قریش!) اگر تم (دونوں میں سے ایک جماعت کے لئے) فتح چاہتے تھے، تو (لو دیکھو) فتح تمہارے سامنے آگئی، اور اگر تم اپنی سرکشی سے باز آ جاؤ گے، تو اسی میں تمہارے لئے بہتری ہوگی۔ اور اگر تم دوبارہ مسلمانوں سے جنگ (۱۳) کرو گے تو ہم دوبارہ ان کی مدد کریں گے، اور تمہارا جتنہ تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا، چاہے ان کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو، اور بے شک اللہ مومنوں کے ساتھ ہوتا ہے ﴿۱۹﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور رسول کے حکم کو سن کر اس سے روگردانی نہ کرو ﴿۲۰﴾

کی مدد کی، اور ان کے دلوں کو مضبوط کیا، اور کافروں کو ذلیل و رسوا کیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

جب نبی کریم ﷺ نے دعا کرنے کے بعد خیمہ سے نکل کر مٹی بھر مٹی لے کر مشرکین کی طرف پھینکا، تو اسے ان کے چہروں تک اللہ تعالیٰ نے پہنچایا، اس لئے کہ ایک مٹی مٹی ایک بڑے لشکر کی آنکھوں تک انسانی طاقت کے ذریعہ نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ اللہ کی ذات تھی جس کی قدرت کی یہ کاریگری تھی۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے کہ بدر کے دن نبی کریم ﷺ نے ایک مٹی مٹی لے کر مشرکین کی طرف پھینکا اور کہا کہ بُرے ہوں ان کافروں کے چہرے، تو اللہ کی قدرت سے وہ کافروں کی آنکھوں اور ناکوں تک پہنچ گئی، اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو حملہ کرنے کا حکم دیا، اور اللہ کی توفیق سے کافروں کو شکست ہوئی۔ محمد بن اسحاق نے عروہ بن الزبیر سے ﴿وَلِيُنَبِّئِي الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا﴾ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جو احسان کیا تھا، اسے ظاہر کرنا چاہتا تھا، کہ کس طرح اس نے دشمنوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کے باوجود، مسلمانوں کو کامیابی دی، تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ فتح و نصرت کثرت عدد سے نہیں ملتی بلکہ اللہ جیسے چاہتا ہے غلبہ عطا کرتا ہے۔

(۱۲) مسلمانوں کے لئے ایک اور بشارت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی کافروں کی چالوں کو ناکام بنائے گا اور تباہی و بربادی ان کی قسمت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی لئے یہ آیت نبی کریم ﷺ کے لئے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱۳) امام احمد، نسائی اور حاکم وغیرہم نے عبد اللہ بن ثعلبہ سے روایت کی ہے کہ ابو جہل نے میدان بدر میں کہا کہ اے اللہ! ہم میں جو رحم کو کاٹنے والا اور ایسی بات لانے والا ہے جسے لوگ نہیں جانتے اسے تو آج کے دن ہلاک کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعائیں، اور اسے اور اس کی فوج کو ہلاک کر دیا، اس لئے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ اور مکہ کے دیگر مسلمانوں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ نہیں کیا تھا، اور اسی نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کی تھی جو دین ابراہیمی میں ایک نئی بات تھی، اس آیت میں ابو جہل کی اسی دعا کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ تم نے فیصلہ کن بات کی دعا کی تھی، تو لو اللہ کا فیصلہ آ گیا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر تم کفر و شرک اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی سے باز آ جاؤ گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

وَأَن تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُورُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْبَعَهُمْ زُلُفًا وَسَبَّعَهُمْ لَتَوَكَّلُوا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهِكُمْ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن (۲۱) لیا، حالانکہ وہ نہیں سنتے ہیں ﴿۲۱﴾ بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بدتر جانور (۲۲) وہ بہرہ اور گونگے لوگ ہیں جو عقل سے بے بہرہ ہیں ﴿۲۲﴾ اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی (۲۳) ہے، تو انہیں ضرور سنا تا، اور اگر انہیں سنا بھی دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ﴿۲۳﴾ اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کے رسول تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے زندگی (۲۴) کے مترادف ہو، تو ان کی پکار پر لبیک کہو، اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل (۱۸) ہوتا ہے، اور تم لوگ بے شک اسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے ﴿۲۴﴾

اور اگر تم ان سے دوبارہ جنگ کرو گے تو ہم دوبارہ ان کی مدد کریں گے۔ اور تمہاری کثرت تمہیں کوئی کام نہ آئے گی۔ اس لئے کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔

(۱۳) یہاں منافقین اور مشرکین مراد ہیں، جو قرآن کریم کو سنتے تو تھے، لیکن گویا کہ نہیں سنتے تھے، اس لئے کہ دل سے نہیں سنتے تھے، اس میں غور و فکر نہیں کرتے تھے اور نفاق یا شرک سے تاب ہونے کے لئے اس سے نصیحت نہیں حاصل کرتے تھے۔

(۱۵) کافروں اور منافقوں کی ایک بڑی مثال بیان کی گئی ہے، کہ جو لوگ حق بات غور سے نہیں سنتے اور دل سے اس کا اقرار نہیں کرتے وہ زمین پر رہنے والے بدترین جانور ہیں۔ اس لئے کہ جب وہ عقل و فہم رکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے ہیں تو ان جانوروں سے بدترین ہیں جنہیں اللہ نے عقل کی نعمت سے محروم رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف آیت (۱۷۹) میں فرمایا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ كَانُوا لَنَا عَنَامًا ۚ بَلَىٰ هُمْ أَضَلُّ﴾ یعنی ”یہ کافر جانوروں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں“۔

(۱۶) انہی کافروں اور منافقوں کی حالت زار اور کم مائیگی پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے، اگر کوئی خیر ہوتی تو اللہ ان کے لئے مواعظ و نصائح سننے کے مواقع فراہم کرتا، اور چونکہ ان میں کوئی خیر نہیں، اس لئے اگر انہیں سننے کا موقع دیتا بھی تو حق سے اعراض کر بیٹھتے، اور ایمان نہ لاتے۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے ”زندگی“ کے مترادف ہو تو ان کی بات مان جاؤ، کیونکہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور ان کی بات ماننے ہی میں ہر بھلائی ہے۔ آیت میں ”لِمَا يُحْيِيكُمْ“ سے کس چیز کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کو زندگی دیتی ہے؟ اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

کسی نے اس سے ”قرآن کریم“ مراد لیا ہے، اور کسی نے ”اسلام“ مراد لیا ہے۔ اور عروہ بن الزبیر نے اس سے ملا ”جہاد فی سبیل اللہ“ لیا ہے۔ اس لئے کہ اسی جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذلت کے بعد عزت دی، اور ان دشمنوں سے نجات دلائی جنہوں نے مکہ میں ان کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ جہاد فی سبیل اللہ ہر دور میں مسلمانوں کے لئے زندگی کے مترادف

وَالْقَوَائِمَةُ لَا تُصِيبُ بَنِي الْذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَعَاظِمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور تم لوگ ایسے فتنہ سے بچتے رہو جو جس کا اثر تم میں سے صرف ظالموں تک ہی محدود (۱۹) نہیں رہے گا، اور جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوتا ہے ﴿۲۵﴾

رہا ہے اور رہے گا۔ مسلمانوں نے جب بھی اس سے پہلو تہی کی، ذلت و رسوائی ان کا نصیب بن گئی۔ اور جب بھی انہوں نے جہاد کی آواز پر لبیک کہا، فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ جہاد ہی وہ عمل صالح ہے کہ اگر کوئی مسلمان شہید ہو جاتا ہے تو اسے ابدی زندگی مل جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنَّ الدَّانِ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ کہ ”در حقیقت آخرت کی زندگی ہی دائمی زندگی ہے“۔ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ، دنیاوی اور آخروی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے لئے زندگی کے مترادف ہے۔

(۱۸) ”اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے“ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں:

۱- ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اگر ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کے اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، اور اگر گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کثرت سے دعا کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم و ثابت رکھ۔ صحابہ کرام نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور دین اسلام پر ایمان لے آئے، تو کیا آپ پھر بھی ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، ہاں، انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے، انہیں اُلٹتا پھیرتا ہے۔ (مسلم، حاکم، مسند احمد، ترمذی)۔

۲- دوسرا معنی یہ ہے کہ آیت کے اس حصہ میں موت آنے سے پہلے طاعت و بندگی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب بندہ کو موت دے دیتا ہے تو عمل صالح کا ہر دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس لئے زندگی کو قیمت جانو، اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں اخلاص پیدا کرو۔

۳- تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت ہی زیادہ قریب ہے۔ جیسا کہ اللہ نے سورہ ق آیت (۱۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَدِيدِ﴾ کہ ”ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں“۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی چھپی باتوں تک کو جانتا ہے، اس لئے بندہ کو اپنے اللہ سے کبھی بھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی میں گناہ پر خاموش نہ رہیں، ورنہ اس کی وجہ سے جو عذاب آئے گا وہ نیک و بد کے درمیان تفریق نہیں کرے گا۔

آیت میں خطاب اگرچہ صحابہ کرام کو ہے، لیکن اس کا حکم ہر زمانے کے لئے عام ہے۔ امام احمد نے جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی قوم کے بعض لوگ گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، اور اس قوم کے اکثر اور معزز لوگ انہیں نہیں روکتے، تو اللہ تعالیٰ پوری قوم کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے“۔

وَأَذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ مَتَّافُونَ أَنْ يَخَذَفَكُمْ النَّاسُ كَأُولَئِكَ وَ أَيْدِيكُمْ
يَبْصُرُهَا وَ رِزْقَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَ تَخُونُوا
أَمْثَلَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور یاد کرو جب تم تھوڑے (۲۰) اور زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، اور ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک لیں گے، تو اللہ نے تمہیں پناہ دی، اور اپنی خصوصی مدد کے ذریعہ تمہیں قوت پہنچائی اور پاکیزہ اور حلال چیزیں کھانے کے لئے دیں، تاکہ تم شکر گزار بنو ﴿۲۱﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت (۲۱) نہ کرو، اور جانتے ہوئے تمہارے پاس موجود امانتوں میں خیانت نہ کرو ﴿۲۲﴾

(۲۰) مکہ میں جن لوگوں نے اسلام کو پہلے پہل قبول کیا وہ بڑی آزمائشوں سے گذرے، ان کی تعداد تھوڑی تھی، ڈرتے تھے کہ کہیں اعدائے اسلام ایک ہی حملہ میں انہیں ختم نہ کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھائی، انہیں مدینہ میں پناہ دی، انہیں قوت عطا کی، اور میدان بدر میں فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی، اور مال غنیمت کو ان کے لئے حلال بنا کر ان کی تنگدستی دور کی۔ آیت میں صحابہ کرام کے انہی حالات کی طرف اشارہ ہے تاکہ وہ انہیں یاد کر کے اللہ کا احسان مانیں اور اس کا شکر ادا کریں۔

قائد بن دعامہ سدوسی نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کہا ہے کہ عرب والے سب سے ذلیل تھے، سب سے زیادہ بھوکے تھے، سب سے زیادہ ننگے تھے، اور سب سے زیادہ گمراہ تھے۔ اللہ کی قسم، اہل زمین میں ان سے زیادہ گھٹیا اور کوئی قوم نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اسلام آیا جس کے ذریعہ اللہ نے انہیں اپنے وطن میں قرار دیا، ان کی روزی میں وسعت دی، اور انہیں لوگوں کا بادشاہ بنا دیا۔ اے عرب کے لوگو! یہ سب کچھ تمہیں اسلام کے ذریعہ ملا، اس لئے تم لوگ اللہ کا شکر ادا کرو، اس لئے کہ تمہارا رب مہم ہے اور شکر کو پسند کرتا ہے اور جو شکر ادا کرتا ہے، اللہ اسے اور دیتا ہے۔

(۲۱) اس آیت کے شان نزول میں کئی اقوال ہیں: لیکن سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت ابو لبابہ بن عبدالمذر کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن سے قریظہ کے یہودیوں نے مشورہ کیا تھا کہ وہ سعد رضی اللہ عنہ کو خالٹ کی حیثیت سے قبول کر لیں۔ تو انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ تمہیں ذبح کروادیں گے۔ ابو لبابہ کہتے ہیں کہ ابھی میرے قدم پہلے بھی نہیں تھے کہ میں نے جان لیا کہ مجھ سے اللہ اور رسول کے حق میں خیانت ہو گئی ہے۔

ان کا قصہ مشہور ہے کہ پھر انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا، اور جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے انہیں کھول دیا۔ اسے عبدالرزاق نے مصنف میں اور سعید بن منصور نے اپنی کتاب السنن میں روایت کی ہے۔

آیت میں لفظ "خیانت" تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو شامل ہے۔ فرائض میں سستی، اللہ کے حدود سے تجاوز کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کا انکار، اور مسلمانوں کا راز کافروں کو بتانا، یہ اور اسی طرح کے دوسرے سبھی گناہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت میں داخل ہیں۔ امانتوں میں خیانت یہ ہے کہ کوئی آدمی مال غنیمت میں سے کچھ چوری کر لے، یا اگر کسی مسلمان نے اپنے مال، اہل و عیال اور اپنے رازوں کا اس کو امانت دار بنایا ہے، تو اس میں خیانت کرے، اس کا مال ہڑپ جائے، یا اس

وَاِذَا نُنزل عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا اِنْ هَذَا اِلَّا آسَاطِيرُ الْاُولَئِينَ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ قَالُوا الْاَلِهَةُ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اُنزِلْ عَلَيْنَا اَبْرَاسًا ﴿۲۶﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس جیسا ہم بھی کہہ لیں (۲۵) یہ تو صرف گذشتہ قوموں کی کہانیاں ہیں ﴿۳۱﴾ اور جب انہوں نے کہا، اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری برحق کتاب ہے، تو ہم پر آسمان سے پتھروں (۲۶) کی بارش کر دے، یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے ﴿۳۲﴾

ایک سوراخ رکھو جس سے اس کو کھانا پانی دیتے رہو، یہاں تک کہ اس کی موت آجائے۔ آیت میں "لِيُنزِلُوكَ" سے اسی طرف اشارہ ہے۔ لیکن شیطان (جس نے ایک نجدی بوڑھے کی شکل اختیار کر رکھی تھی) نے اس رائے کو نہیں سراہا۔ تو ہشام بن عمرو نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ محمد کو شہر بدر کر دو، پھر یہ کچھ نہیں کر پائے گا۔ آیت میں "اَوْ يُخْرِجُوكَ" سے اسی طرف اشارہ ہے۔ نجدی بوڑھے نے اس رائے پر اعتراض کیا، تو ابو جہل نے کہا، میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ ہر خاندان سے ایک جوان لو، اور وہ سب مل کر ایک ساتھ تلوار سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیں۔ بنی ہاشم تمام اہل قریش سے جنگ نہیں مول لیں گے، اور اگر دیت طلب کریں گے تو ہم سب مل کر دیت دے دیں گے، اس طرح محمد سے نجات پا جائیں گے۔ آیت میں "اَوْ يُقْتَلُوكَ" سے اسی طرف اشارہ ہے۔ بوڑھے نجدی نے اس رائے کی تائید کی، چنانچہ سب رسول اللہ ﷺ کے قتل کر دینے پر متفق ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس سازش کی اطلاع دے دی، اور کہا کہ آج کی رات اپنے بستر پر نہ سوئیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی، آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور کہا کہ میری چادر اوڑھ لینا، وہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے، پھر آپ نے ایک مٹھی مٹی لی اور کافروں کے سروں پر ڈالتے ہوئے اور سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے وہاں سے نکل گئے اور دشمن آپ کو نہ دیکھ سکے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

(۲۵) یہ آیت نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فارس چلا گیا تھا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کے واقعات پر مشتمل کتاب لے کر آیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مجلس سے اٹھ جاتے تو یہ ملعون وہیں بیٹھ کر اس کتاب سے واقعات سناتا اور کہتا کہ بتاؤ تو یہی کہ کسی کی بات زیادہ دلچسپ ہے۔ یہ شخص غزوہ بدر میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پابند سلاسل ہو گیا، اور پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کی گردن مار دی گئی۔

آیت میں جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ تمام کفار قریش زبانِ قاتل اور زبانِ حال سے وہی کہتے تھے جو نصر کہتا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا قرآن لاسکتے ہیں۔ یہ ان کا غرورِ باطل تھا، اس لئے کہ قرآن نے تو انہیں کتنی بار چیلنج کیا تھا، اور کوئی اس کا جواب نہ دے سکا تھا۔

(۲۶) کفار قریش اپنے کبر و غرور اور اسلام اور نبی کریم ﷺ کی عداوت میں کلی طور پر عقل کے اندھے ہو گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری بھیجی ہوئی کتاب ہے، تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش کر کے ہمیں ہلاک کر دے یا کسی اور عذاب میں مبتلا کر دے۔ امام بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ بات ابو جہل نے کہی تھی۔ اور عطاء، مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ نصر بن حارث نے ہی یہ بات بھی کہی تھی، اور تمام کفار قریش زبانِ حال سے یہی کہتے تھے۔ اگر ان کے پاس عقل سلیم ہوتی تو کہتے کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری کتاب ہے، تو ہمیں ہدایت کی راہ پر ڈال

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لِيَسْتَغْفِرُوا ۗ وَمَا لَمْ يَلْعَبْ بِهِمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۗ إِنْ أَوْلِيَاءُؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۗ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصَدِيَةً ۗ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ كَافِرُونَ ۗ

اور جب تک آپ ان کے درمیان رہیں گے اللہ انہیں عذاب (۲۷) نہیں دے گا اور جب تک وہ مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے، اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا ﴿۳۳﴾ اور اللہ انہیں عذاب (۲۸) کیوں نہیں دے گا، اور حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں، جبکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں، اس کی ولایت کے حقدار تو صرف متقی لوگ ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ سیٹیاں اور تالیاں (۲۹) بجاتے تھے، پس تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب اٹھاؤ ﴿۳۵﴾

دے اور اس پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرما۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کی دعا اس لئے قبول نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان موجود تھے۔ جب آپ مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تو میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمام ضادید قریش کو اپنے عذاب کی زد میں لے لیا۔ ترمذی نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لئے مجھ پر دو "آمان" نازل کیا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لِيَسْتَغْفِرُوا﴾ کہ "جب تک آپ ان کے درمیان ہوں گے، اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا، اور جب تک وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے، اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا" جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو ان کے لئے دوسرا ذریعہ آمان "استغفار" قیامت تک باقی رہے گا۔

(۲۸) کفار قریش جن معاصی اور جرائم کا ارتکاب کرتے تھے، ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ انہیں فوراً ہی عذاب میں مبتلا کر دیتا، لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ان کے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود تھے اسی لئے عذاب الہی سے بچتے رہے، جب رسول اللہ ﷺ اور ان کے بعد وہ کمزور مسلمان مکہ سے نکل گئے جو توبہ و استغفار میں مشغول رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جس میں انہیں عذاب کی دھمکی دے دی گئی۔ چنانچہ اللہ نے اپنے رسول کو مکہ فتح کرنے کی اجازت دے دی اور مسلمانوں کے ہاتھوں کفار قریش پر وہ عذاب نازل ہوا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

"وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ" میں مشرکین قریش کے اس زعمِ باطل کی تردید ہے کہ بیت اللہ کے والی ہم ہیں، ہم جسے چاہیں گے حرم کی طرف آنے سے روک دیں گے اور جسے چاہیں گے اجازت دیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کے والی اہل تقویٰ ہوں گے۔ گویا اس آیت میں یہ بشارت ہے کہ مکہ فتح ہوگا اور کافروں کے بجائے مسلمان بیت اللہ کے والی بنیں گے۔

(۲۹) مشرکین مکہ بیت اللہ کے پاس جمع ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے تاکہ مسلمان خشوع و خضوع کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکیں۔ زہری کہتے ہیں کہ سیٹی اور تالی بجا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے تو مشرکین سیٹیاں اور تالیاں بجانا شروع کرتے تھے۔

حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب "اعانة المہمان" میں لکھا ہے کہ تالیاں اور سیٹیاں بجا کر اللہ کی قربت حاصل کرنے والے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ، فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً
ثُمَّ يُعْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُخْسِرُونَ ۗ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ
بَعْضًا عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكَبُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۗ

بے شک اہل کفر اپنی دولت (۳۰) اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں، پس وہ اُسے خرچ کریں گے، پھر وہ ان کی حسرت کا سبب بن جائے گی، پھر وہ مغلوب بن جائیں گے، اور اہل کفر جہنم کے پاس جمع کئے جائیں گے ﴿۳۱﴾ تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ (۳۱) کر دے، اور خبیثوں کو ایک دوسرے پر کر کے ان سب کا ایک ڈھیر لگا دے پھر انہیں جہنم کے سپرد کر دے، وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿۳۲﴾

اور نمازیوں، ذکر کرنے والوں اور قرآن کی تلاوت کرنے والوں کو تشویش میں مبتلا کرنے والے انہی مشرکین مکہ کے مانند ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ تالی بجانا، ڈھول اور تاشے پینا اور بانسری وغیرہ بجانا اللہ کے دین کا حصہ اور اس کی قربت کا ذریعہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دین اسلام سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ نبی کریم ﷺ نے ان باتوں کو مشروع قرار دیا۔ نہ خلفائے اربعہ نے، اور نہ کسی امام نے، اور نہ ہی کبھی ان میں سے کسی نے کسی بھی دور میں ایسا کیا تھا۔

انسوس ہے کہ امت اسلامیہ کی ایک بڑی تعداد انہی گناہوں میں مبتلا ہے، اور گمان کرتے ہیں کہ وہ رقص و غناء کے ذریعہ اللہ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔ "ما أشبه الليلة بالبارحة" یقیناً یہ لوگ مشرکین مکہ سے کم نہیں ہیں۔

(۳۰) محمد بن اسحاق نے زہری سے روایت کی ہے، کہ جب قریش کے کچھ لوگ میدان بدر سے بھاگ کر مکہ واپس پہنچے اور ابوسفیان کا قافلہ بھی پہنچا، تو جن کے رشتہ دار لوگ مارے گئے تھے، انہوں نے ابوسفیان اور دوسرے ان لوگوں سے بات کی جن کا مال تجارت شام سے آیا تھا، کہ محمد (ﷺ) سے دوبارہ جنگ کی تیاری کے لئے مال کے ذریعہ مدد کریں۔ تو ان تاجروں نے اس غرض کے لئے مال اکٹھا کیا۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اور انہیں ان کے انجام کی خبر دی گئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعض جنگوں میں کافروں کا پلڑا نسبتاً بھاری رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بالآخر مسلمانوں کو ہی غالب کیا، اور کفار قریش دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے، مارے گئے اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ ضحاک کی رائے ہے کہ جن بارہ مشرکین قریش نے میدان بدر میں لشکر کفر کو باری باری اونٹ کا گوشت اور کھانا کھلایا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ بہر حال آیت کا حکم عام ہے، اور اسلام و کفر کی جنگ میں جو شخص بھی اپنے مال کے ذریعہ کافروں کی مدد کرے گا وہ آیت میں مذکور دنیاوی اور اخروی عذاب کا مستحق ہو گا۔

(۳۱) اس آیت کا تعلق اوپر والی آیت سے ہے، اور معنی یہ ہے کہ تمام اہل کفر جہنم میں جمع کئے جائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں سے الگ کر دے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جو اہل کفر اپنا مال اسلام کے خلاف کارروائی میں خرچ کریں گے، وہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں حسرت کا باعث بنے گا، اور مسلمان جو مال نبی کریم ﷺ کی نصرت کے لئے خرچ کریں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جزا کے اعتبار سے اسے مشرکوں کے اس مال سے الگ کر دے گا جو وہ نبی کریم ﷺ کی عداوت اور ان کے خلاف جنگ پر صرف کریں گے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو جہنم میں اس طرح اکٹھا کر دے گا کہ مارے ازدحام کے ایک دوسرے پر لدے ہوں گے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۰﴾
 وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونُوا فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ
 بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ نَبَّأُوا بِالنَّبِيِّ وَالنَّبِيُّ وَالنَّبِيُّ

آپ اہل کفر سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنی سرکشی (۳۲) سے باز آجائیں گے تو ان کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا، اور اگر دوبارہ سرکشی کریں گے تو گذشتہ قوموں کا طریقہ گذر چکا ہے ﴿۳۸﴾ اور (مسلمانو!) تم کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (۳۳) کا سدباب ہو جائے اور مکمل اطاعت و بندگی اللہ کے لئے ہو جائے، پس اگر وہ لوگ باز آجائیں، تو بے شک اللہ ان کے کرتوتوں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۳۹﴾ اور اگر روگردانی (۳۴) کریں تو جان لو کہ بے شک تمہارا مولیٰ اللہ ہے، اور وہ بڑا ہی اچھا مولیٰ اور بڑا ہی اچھا مددگار ہے ﴿۴۰﴾

(۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں کتاب و آئینہ و رحیم ہے، کہ ان کا کفر و عناد لوگوں کو راہ حق کی طرف بلانے سے اس کے لئے مانع نہیں بنتا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو بالخصوص اور تمام کفار کو بالعموم کہا ہے کہ اگر وہ کفر اور نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے سے باز آجائیں گے تو اللہ ان کے گذشتہ گناہوں کو معاف کر دے گا، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ اسلام گذشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور توبہ بھی سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اور وہ اگر دوبارہ نبی کریم ﷺ سے جنگ کریں گے تو یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے رسولوں کی مدد کرتا ہے اور ان کے دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ جیسا کہ میدان بدر میں کفار قریش کا انجام ہوا۔

(۳۳) اللہ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ اہل کفر و شرک سے جنگ کرو یہاں تک کہ مشرک کا خاتمہ ہو جائے، یا کافروں کی جانب سے مسلمانوں کی آزمائش کا دور ختم ہو جائے، اور ایک اللہ کی عبادت عام ہو جائے۔ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور اگر مشرکین کفر و معاصی سے ظاہری طور پر باز آجائیں گے تو تم لوگ بھی جنگ کرنے سے رُک جاؤ۔ ان کے باطنی اعمال کو اللہ جانتا ہے، وہی ان کا حساب کرے گا۔ اور ان کے کئے کے مطابق انہیں بدلہ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ آیت (۵) میں فرمایا ہے: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ کہ ”اگر توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو“۔

صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کا خون اور مال محفوظ ہو جائے گا سوائے اس کے کہ اس پر کوئی شرعی حق ہو اور قیامت کے دن اللہ ان سے حساب لے گا“۔ اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت ہے کہ جب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا، تو آپ ﷺ نے کہا کہ قیامت کے دن کلمہ لا الہ الا اللہ کا کیا کرو گے؟ تو اسامہ نے کہا یا رسول اللہ! اس نے صرف جان بچانے کے لئے ایسا کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا، اور بار بار کہتے رہے کہ قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا کیا کرو گے؟ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی اسلام میں داخل ہوا ہوتا۔ (۳۴) مسلمانوں کو ہی خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر کفار و مشرکین ایمان نہیں لاتے، اور کفر و معاصی سے باز نہیں آتے، تو تم لوگ اس یقین کے ساتھ زندہ رہو کہ تمہارا حامی و ناصر اللہ ہے، اور جس کا حامی و مددگار اللہ ہو اسے کون مٹا سکتا ہے !!!

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي قَاتَرْتُمْ وَالتَّيْمِينِ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ أَمْنًا مِمَّنَّ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّبَعِ الْجَمْعِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۵﴾

اور جان لو کہ تمہیں جو کچھ بھی مالِ غنیمت (۳۵) ہاتھ آئے گا، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے، اور (رسول کے) رشتہ داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہوگا، اگر تمہارا ایمان (۳۶) اللہ اور اس نصرت و تائید پر ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتارا تھا جب حق باطل سے جدا ہو گیا، جب دونوں فوجوں کی ٹڈ بھیز ہو گئی، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۵﴾

(۳۵) اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو امت محمدیہ کے لئے حلال بنا دیا ہے۔ ”غنیمت“ اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے جنگ کرنے کے بعد ہاتھ آئے، اور ”فنی“ اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے حاصل ہو، جیسے وہ مال جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مصالحت کے نتیجے میں حاصل ہو، یا کوئی ذمی مال چھوڑ کر مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو، اور وہ مال جو جزیہ اور خراج کے طور پر حاصل ہو۔ اس آیتِ کریمہ کے مطابق مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے، ایک حصہ اللہ، رسول اللہ اور آیت میں مذکور لوگوں کے لئے ہوگا۔ اور باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والوں پر عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ پیدل مجاہد کے لئے ایک حصہ اور گھوڑسوار کے لئے تین حصے، ایک حصہ اس کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کا مال اسی طرح تقسیم کیا تھا۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ جنگ کے بعد تمام اموالِ غنیمت جمع کرنے کا حکم دیتے تھے پھر جو مجاہد کسی کافر سے کوئی چیز چھینے ہو تا تھا وہ اُسے دے دیتے تھے، اس کے بعد پانچواں حصہ الگ کر دیتے تھے، اور اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مند مسافروں پر خرچ کرنے کے بعد جو بیچ جاتا اسے اسلام اور مسلمانوں کے مصالح عامہ میں خرچ کرتے تھے۔ اور باقی مال کا کچھ حصہ ان عورتوں، بچوں اور غلاموں کو دیتے تھے جن کا مالِ غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد باقی مال اس جنگ میں شریک ہونے والے مجاہد مسلمانوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ برابر برابر تقسیم کر دیتے تھے۔ اتنی۔

”ذوالقربی“ سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ اور ”یتامی“ میں (رانج رائے کے مطابق) مالدار اور فقیر سبھی داخل ہیں، اور ”مساکین“ سے مراد وہ اصحاب حاجت ہیں جو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے مال نہیں رکھتے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ان کا اور ان کے رشتہ داروں کا حصہ ابو بکر و عمر جہاد کی تیاریوں پر خرچ کرتے رہے۔ ابو بکر، علی اور قتادہ وغیرہم کی یہی رائے تھی۔ امام مالک اور سلف صالحین میں اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ مالِ غنیمت میں آپ ﷺ کا پانچواں حصہ امام وقت کے زیر تصرف ہوگا، اور وہ اسے اسلام اور مسلمانوں کے مصالح عامہ پر خرچ کرے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ نسائی نے عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ میرے لئے ہے اور وہ بھی تم مسلمانوں پر ہی خرچ ہوگا“۔

(۳۶) یعنی اگر تمہارا ایمان اللہ پر ہے، اور ان آیات، فرشتوں اور نصیبین پر جو ہم نے بدر کے دن اپنے بندہ محمد ﷺ پر اتارا

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۖ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لِاخْتِلافِكُمْ فِي
 السَّيْرِ وَلَكِنَّ لِيَقْضَى اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ
 وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَاوِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
 وَيَغْفِرْ لَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ
 وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ وَإِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ قَلِيلًا ۖ

جب تم لوگ (وادی بدر کے مدینہ سے) قریبی کنارے پر تھے، اور وہ لوگ دور والے کنارے پر، اور تجاری قافلہ
 (ساحل سمندر کی طرف) تم سے نیچے، اور اگر تم دونوں جماعتوں نے پہلے جنگ کا ایک وقت مقرر کیا ہوتا تو وعدہ
 خلافی کر جاتے، لیکن ایسا اس لئے ہوا تاکہ اللہ ایک معاملے کا فیصلہ (۳۷) کر دے جسے بہر حال ہونا تھا تاکہ جو
 ہلاک ہو وہ روشن دلیل آجانے کے بعد ہلاک ہو، اور جو زندہ رہے وہ روشن دلیل دیکھ لینے کے بعد زندہ رہے،
 اور بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۳۷﴾ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب میں انہیں کم دکھایا (۳۸)
 اور اگر آپ کو انہیں زیادہ دکھادیتا تو تم میں بزدلی آجاتی اور جنگ کے معاملے میں تم آپس میں اختلاف کر بیٹھتے، لیکن
 اللہ تعالیٰ نے بچالیا وہ بے شک سینوں کی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے ﴿۳۳﴾ اور جب تمہاری ٹڈبھیڑ ہو گئی تو اللہ
 نے تمہاری آنکھوں میں انہیں کم دکھایا، اور ان کی آنکھوں میں تمہیں کم دکھایا تاکہ اللہ ایک معاملے کا فیصلہ کر دے
 جسے بہر حال ہونا تھا، اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿۳۳﴾

تھا تو پھر غنائم کی تقسیم کے سلسلہ میں ہم نے جو حکم نازل کیا ہے اس کی اتباع کرو۔

(۳۷) میدان بدر کی یاد دلائی جا رہی ہے جہاں اللہ کی عظیم نشانیاں ظاہر ہوئیں اور مسلمانوں کو ان کی قلت عدد، بے سروسامانی
 اور بظاہر ناموافق جنگی حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نصر مبین عطا کیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین جہاں قیام پذیر تھے
 وہاں پانی تھا، زمین ایک حد تک مناسب تھی جس میں پاؤں نہیں دھستا تھا۔ اور جہاں مسلمان قیام پذیر تھے وہاں پانی نہیں تھا، اور
 زمین نامناسب تھی، ریتیلی زمین ہونے کی وجہ سے اس پر پاؤں نہیں ٹکاتا تھا چلنا دشوار تھا، اور ابوسفیان کا قافلہ دشمن کے پیچھے
 تھا، نیز ایک بہت بڑی فوج اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ اور مسلمان نکلے تھے ایک تجارتی قافلہ کا پیچھا کرنے کے لئے اور اللہ کی
 مرضی سے ایک بڑے لشکر سے ٹڈبھیڑ ہو گئی۔ ان نامساعد حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، تاکہ اللہ جو چاہتا تھا
 کہ اس کا دین غالب ہو، اس کا کلمہ بلند ہو وہ ہو کر رہے، اور تاکہ اب اس کے بعد اسلام نہ قبول کرنے کی کوئی حجت کسی کے پاس
 باقی نہ رہے، جو کفر پر ہلاک ہو تو ہلاک ہونے سے پہلے اسے معلوم رہے کہ وہ جان بوجھ کر اسنگبار کی راہ اختیار کر رہا ہے اور کفر
 پر مر رہا ہے، اور جو اسلام لانا چاہے وہ اس ایمان و یقین کے بعد اس دین کو قبول کرے کہ یہی دین برحق ہے، اور اسی کو اختیار کرنے
 میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

(۳۸) مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دکھلایا کہ کافروں کی تعداد تھوڑی ہے۔ آپ نے صحابہ کرام
 کو جب اس کی اطلاع دی تو ان کی ہمت بڑھ گئی اور ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ اگر دشمن کی تعداد زیادہ نظر آتی تو مسلمانوں کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيَمْتُمْ وَرُفِعَتِ أَعْيُنُكُمْ وَأَدْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا الْفِتْنَةَ أَفْئِدًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ حَظِيظٌ ۝

اے ایمان والو! جب دشمن کے کسی لشکر سے تمہاری مدد بھیڑ (۳۹) ہو تو ثبات قدمی سے کام لو، اور اللہ کو خوب یاد کرو، تاکہ تم کامیاب رہو ﴿۳۹﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تم میں بزدلی آجائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر سے کام لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۳۹﴾ اور تم لوگ ان کے مانند نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کے سامنے ریاکاری کرتے ہوئے نکلے، اور ان کا حال یہ تھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے منع کرتے تھے، اور اللہ ان کے کارناموں سے پوری طرح واقف ہے ﴿۳۹﴾

ہمت پست ہو جاتی اور آپس میں اختلاف کر بیٹھتے، کوئی کہتا جنگ کرنی چاہئے اور کوئی کہتا ہم اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و حکمت کے ذریعہ انہیں پست ہمتی اور اختلاف دونوں سے محفوظ رکھا۔ اور جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو اللہ نے مزید یہ کیا کہ مسلمانوں کی ظاہری آنکھوں کے سامنے کافروں کی تعداد کم کر دی، تاکہ انہیں مزید تقویت حاصل ہو، اور کافروں کی نگاہوں میں مسلمانوں کو کم کر دکھایا، تاکہ جنگ پر کافروں کی آمادگی میں اضافہ ہو جائے۔ اور جنگ چھڑ گئی تو اللہ نے اچانک مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نگاہ میں دو گنی کر دی، تاکہ ان پر ہیبت طاری ہو جائے اور اللہ کے عذاب کی زد میں آجائیں جیسا کہ سورہ آل عمران آیت (۱۳) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ نُنزِلُ إِلَيْهِمْ السَّمَاءَ فِي سُدُودٍ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحَدِّثُونَ إِلَى الَّذِينَ كَفَرُوا قَوْلًا مُّبِينًا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحُدُّهُمْ قَوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ﴾ اور یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے اس لئے ہوا تاکہ اللہ کا دین غالب ہو، اس کے مومن بندے فاتح کی حیثیت سے دنیا میں اُبھر سکیں، اور اللہ کے دشمن ذلیل و رسوا ہوں، ان کا غرور ٹوٹے، اور کفر و شرک کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ جائے۔

(۳۹) موقع محل کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل تین آیتوں میں مسلمانوں کو چند اہم جنگی تعلیمات دی ہیں، تاکہ کفار و مشرکین سے جنگ میں انہیں فتح و کامرانی ملے:

۱- جب میدان جنگ میں مسلمانوں کا کافروں سے آمناسامنا ہو تو صبر و استقامت سے کام لیں، اور دشمن کے سامنے چٹان کی طرح اڑ جائیں، اس لئے کہ بزدلی، فرار اور دشمن کے سامنے جزع فزع شکست فاش کا سبب ہوتا ہے۔ صحیحین میں عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ کے موقع سے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا: ”اے لوگو! دشمن کی ملاقات کی تمنا نہ کرو، اور اللہ سے عافیت مانگو، نیز جب دشمن سے ملاقات ہو جائے تو صبر سے کام لو، اور جان لو کہ جنت لکھواروں کے سایہ میں ہے۔“

۲- میدان جنگ اور حالات جنگ میں اللہ کو کثرت سے یاد کریں کبھی بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ اس لئے کہ ذکر الہی کی برکت سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، معیبتیں چھٹ جاتی ہیں، اور فتح و کامرانی مسلمانوں کے قدم چومتی ہے۔ سورہ بقرہ

وَلَذَٰلِكَ لِمَهَّمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لِأَغَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارِكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتِ
الْفُؤُتَيْنِ مَكَصَ عَلَى عَقَبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۝

اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے خوشنما (۳۰) بنا دیا اور کہا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آئے گا، اور
میں تمہارا مددگار ہوں، پس جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں تو وہ لٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا
اور کہا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو مجھے اللہ کا ڈر لگ رہا ہے، اور اللہ
کا عذاب بہت ہی سخت ہوتا ہے ﴿۳۸﴾

میں طاقت و جاہوت کا واقعہ گذر چکا ہے۔ جب طاقت مسلمانوں کے ساتھ جاہوت کے خلاف میدان کارزار میں آئے
تو سب نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا مَبِئَرًا وَثَبِّتْ أَفْئِدَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہمیں صبر عطا فرما، اور ثابت قدمی دے، اور قوم کفار کے خلاف ہماری نصرت
فرما“۔ (البقرہ: ۲۵۰)۔ اور نبی کریم ﷺ نے معرکہ بدر سے پہلے اللہ کے سامنے اتنی مناجات اور اتنی دعائیں کیں کہ آپ
کی چادر آپ کے کندھوں سے گر جاتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورہ رعد آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ
تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ کہ ”اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے“۔ اور مجاہد کو میدان جنگ میں سب سے زیادہ اطمینان
قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳- ہر حال میں لشکر اسلام کے مد نظر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مجاہدین اپنے قائد کی
اطاعت کو ضروری سمجھیں گے۔

۴- لشکر اسلام میں پھوٹ نہ پڑنے پائے ورنہ مسلمانوں کی قوت بکھر جائے گی اور دشمن غالب آجائیں گے۔

۵- مسلمانوں کی جنگ صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوتی ہے اس لئے مجاہدین کے پیش نظر کوئی اور دنیاوی مقصد، مثلاً ریاکاری، یا
اظہار شجاعت وغیرہ نہ ہو، ورنہ اللہ کی تائید حاصل نہیں ہوگی، جیسا کہ ابو جہل اور دیگر کفار قریش نے کیا کہ میدان بدر
میں ان کے پہنچنے سے پہلے ابوسفیان کے قاصد نے آکر ان سے کہا کہ اب تم لوگ لوٹ جاؤ، کیونکہ ہمارا قافلہ اب مسلمانوں
کی زد سے باہر نکل گیا ہے، تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم بدر تک ضرور جائیں گے، وہاں پڑاؤ ڈالیں گے، خوب گوشت
کھائیں گے اور شراب پیئیں گے، اور رقص و سرور کی محفلیں جمائیں گے، تاکہ عرب کے لوگوں کو ہماری شان و شوکت کا پتہ
چلے، اور ہمیشہ کے لئے ہمارا رب ان کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور
فرشتوں کے ہاتھوں انہیں موت کا تلخ جام پینا پڑا اور ان کی ماؤں اور بہنوں نے ان پر نوحہ خانی کی۔ آیت (۴۷) میں ابو جہل
اور اس کے ساتھیوں کی طرف ہی اشارہ ہے۔

(۳۰) شیطان نے مشرکین قریش کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھادی کہ تمہارا ارادہ بہت ہی اچھا ہے، کیونکہ اس طرح محمد اور اس
کے ساتھیوں کی کمر ٹوٹ جائے گی، اور یقین کر لو کہ آج تم غالب ہو کر رہو گے اور محمد اور اس کے ساتھیوں کو بھاگنے کی بھی جگہ
نہیں ملے گی اور میں تمہارا معین و مددگار ہوں گا، لیکن جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان نے فرشتوں کو مسلمانوں

إِذْ يُعَلِّمُونَ الْغُلَامَ وَالنَّبَاتِ فِي فَلُوهِمْ مَرَصِعًا غَرَهُمْ لَأَمْ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَكَوَتَرَىٰ اذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ۝ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيَاتِكُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝

جب منافقین اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں کفر کی بیماری تھی، کہا کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکہ (۴۱) میں ڈال دیا ہے، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بے شک اللہ بڑا زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳۹﴾ اور اگر آپ وہ منظر دیکھ لیں تو تعجب کریں جب فرشتے کافروں (۴۲) کی روح نکالتے ہیں، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب چکھو آگ کا عذاب ﴿۵۰﴾ یہ ان اعمال کی سزا ہے جو تم نے ماضی میں کیا تھا، اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ﴿۵۱﴾

کی مدد کے لئے آسمان سے اترتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور کہنے لگا کہ میں تمہارے عہد جو اسے براءت کا اظہار کرتا ہوں، میں تو فرشتوں کو آسمان سے اترتے دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ رہے ہو اور مجھے ڈر ہے کہ اللہ اس عذاب میں مجھے بھی نہ گرفتار کر دے۔

حسن بصری اور اصم کا خیال ہے کہ شیطان نے بغیر انسان کی شکل اختیار کئے کافروں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تھا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شیطان سراقہ بن مالک الکنانی کی شکل میں کافروں کی فوج کے سامنے آیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا، اور جب فرشتوں کو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ سراقہ کو بھاگتے دیکھ کر ابو جہل ڈرا کہ کہیں قریش کے لشکر میں بھگدڑ نہ مچ جائے اس لئے فوراً آگے بڑھا اور ان سے کہا کہ سراقہ محمد اور اس کے ساتھیوں سے ملا ہوا تھا اسی لئے ہمیں دھوکہ دے کر بھاگ رہا ہے۔ پھر کہا، لات وغزنی کی قسم! ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کو رستیوں میں باندھ کر ساتھ لے جائیں گے اس لئے ان کو قتل نہ کر دیکہ ان کو زندہ گرفتار کرو۔

(۴۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے قریب ہوئیں، اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی نگاہ میں کم دکھایا تو مشرکین نے کہا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے، اسی لئے اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ ہمیں شکست دے دیں گے۔

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ جب مسلمان مدینہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ان کی تعداد بہت ہی کم تھی اور ان کے پاس کوئی سامان جنگ بھی نہیں تھا، تو منافقین اور یہود نے ان کا یہ حال دیکھ کر یہ بات کہی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور نہ اسے کوئی ذلیل و رسوا کر سکتا ہے۔

(۴۲) اس کا تعلق بھی انہی کفار قریش سے ہے جو میدان بدر میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوئے تھے، لیکن بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں ”کافروں“ سے مراد وہ ہیں جو میدان میں قتل نہیں ہوئے تھے اور بھاگ کر مکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یعنی جب ان کی موت آئی تو فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر کوڑے برسارے تھے۔ اور ایک رائے یہ ہے کہ ایسا قیامت کے دن ہوگا جب کفار جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس آیت کا تعلق واقعہ بدر سے ہے، لیکن

كَذَّابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا لِّعِمَّاةٍ اَلْعَمَاءِ اَلْعَمَاءِ عَلٰى قَوْمٍ حٰشٰى يُغَيِّرُ مَا يٰۤاَنفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَذَّابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۝ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَعْرَفْنٰا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَكُلِّۙ كَاۤنُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّ سَخِرَ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ان کفارِ قریش کا حال (۴۳) فرعونوں اور ان لوگوں جیسا ہوا جو ان سے بھی پہلے تھے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا، بے شک اللہ زبردست قوت والا، سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۵۲﴾ یہ اس لئے ہوا کہ اللہ جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو اسے اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک وہ اپنی دینی حالت (۴۴) نہیں بدل لیتی، اور بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۵۳﴾ ان کا حال فرعونوں اور ان جیسا ہوا جو ان سے بھی پہلے تھے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک (۴۵) کر دیا، اور فرعونوں کو ڈبو دیا اور وہ تمام ظالم قومیں تھیں ﴿۵۴﴾ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور (۴۶) کفار ہیں، اسی لئے وہ ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۵۵﴾

یہ حکم تمام کافروں کو شامل ہے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ الانعام آیت (۹۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَالْمَلَائِكَةُ سَابِقُوا اٰيٰتِهِمْ﴾ کہ ”فرشتے اپنے رب کے حکم سے انہیں مار رہے ہوں گے“ اور اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا یہ تمہارے ہی کئے کا نتیجہ ہے۔ (۴۳) اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے کافروں کا انجام بد بیان کرنے کے بعد اب یہاں یہ بتایا کہ کافر قوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ اور ہر دور میں یہی برتاؤ رہا ہے، جس طرح ان کافروں کا انجام بد ہوا اسی طرح ان سے پہلے فرعونوں اور دوسرے کافروں کا انجام برا ہوا ہے۔

(۴۴) اُس عذاب کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کافر و مشرک قوموں کو مبتلا کر تا رہا ہے، اور اس کا سبب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمتیں اس وقت چھین لیتا ہے جب اس کی دینی حالت خراب ہو جاتی ہے، اس کا عقیدہ فاسد ہو جاتا ہے، اور قول و عمل کسی بھی اعتبار سے ان نعمتوں کا حقدار نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ رعد آیت (۱۱) میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنفُسِهِمْ﴾ کہ ”اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے“ یعنی جب کوئی قوم گناہ میں ملوث ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔

(۴۵) اس کا تعلق اوپر کی آیت سے ہے، یعنی جیسا کہ فرعونوں اور ان سے پہلے کے کافروں نے کیا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب کی اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کا غلط استعمال کر کے گناہوں کے مرتکب ہوئے، تو اللہ نے ان سے وہ نعمتیں چھین لی اور انہیں ہلاک کر دیا، اور فرعونوں کو سمندر میں ڈبو دیا۔

(۴۶) کافروں کے اندر کفر، عدم ایمان اور خیانت جیسی تین بڑی صفات پائی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ نہ وہ اللہ کے کسی عہد پر قائم رہتے ہیں اور نہ اپنی کسی بات میں سچے ہوتے ہیں، اسی لئے وہ اللہ کی نگاہ میں گدھوں اور رکتوں سے بدتر ہوتے ہیں، ان کے اندر

الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَكْرَةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۵۳۷﴾ ۞ وَإِنَّمَا تَنَفَقْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرَّدَبَهُمْ مَنْ خَلَفَهُمْ لَعَالَهُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۵۳۸﴾ ۞ وَإِنَّمَا تَخَافُونَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَإِنِذْنُ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَإِيحِبُّ الْخَائِبِينَ ﴿۵۳۹﴾ ۞

جن کے ساتھ آپ نے کئی بار معاہدہ کیا اور وہ ہر بار معاہدہ توڑتے رہے ہیں، اور وہ اللہ سے نہیں ڈرتے ہیں ﴿۵۳۷﴾ پس اگر آپ جنگ میں ان پر غالب (۳۷) آجائیں تو انہیں قتل کر کے ان دشمنوں کو تتر بتر کر دیجئے جو ان کے پیچھے موجود ہیں، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۳۸﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم کی جانب سے خیانت (۳۸) کا ڈر ہو جائے، تو اس کا معاہدہ لو تا کہ معاملہ برابر کر لیجئے، بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۵۳۹﴾

کوئی خیر نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے اگر وہ جنگ میں پکڑے جائیں تو انہیں سخت عذاب دیا جائے، تاکہ وہ دوسروں کے لئے نشانِ عبرت بن جائیں۔

سعید بن جبیر اور مجاہد سے مروی ہے کہ یہ آیتیں یہود مدینہ بالخصوص بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ اور چونکہ گذشتہ آیتوں میں دعوتِ اسلامی کے دشمنوں (کفارِ قریش) کا ذکر ہو رہا تھا اسی لئے ضمناً بنو قریظہ کا ذکر آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بدترین جانور قرار دیا، اور ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے قلعوں کا محاصرہ کئے جانے کے بعد پکڑے گئے تو صحابہ کرام نے ان میں سے ایک ایک سے کہا کہ اسلام قبول کرو تا کہ قتل نہ کئے جاؤ، لیکن انہوں نے قتل کئے جانے کو اسلام لانے پر ترجیح دی۔ ان کی تیسری خاص صفت یہ تھی کہ انہوں نے جب بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تو اس پر قائم نہیں رہے۔ ایک بار معاہدہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہ جنگ کریں گے اور نہ کسی کی ان کے خلاف مدد کریں گے تو اس پر قائم نہیں رہے، اور قریش کی ہتھیاروں کے ذریعہ مدد کی، اور جب ان کی بدعہدی کا پتہ چل گیا تو اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معذرت پیش کی اور دوبارہ عہد کی تجدید کی، لیکن پھر غزوہٴ احزاب کے موقع سے بدعہدی کر دی، اور ان کے ایک سردار کعب بن الأشرف نے مکہ جا کر کفارِ قریش کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ (۳۷) انہی یہود بنو قریظہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اگر یہ لوگ جنگ میں پکڑے جائیں، تو انہیں کاری ضرب لگائیے اور ایسی سزا دیجئے کہ جو دوسرے دشمنانِ اسلام گھات لگائے بیٹھے ہیں وہ ڈر کے مارے تتر بتر ہو جائیں اور یہ یہود ان کے لئے نشانِ عبرت بن جائیں۔

(۳۸) بنو قریظہ کی بدعہدی اور خیانت کا جب ذکر آیا تو موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ایک بہت ہی اہم جنگی اصول بتایا۔ وہ یہ کہ اگر کسی نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ بندی اور صلح کا معاہدہ کیا ہو، لیکن کچھ علاتیں ایسی ظاہر ہو رہی ہوں جن سے مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ یہ لوگ ایک نہ ایک دن خیانت کر ہی بیٹھیں گے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ان سے کہہ دیں کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد باقی نہیں رہا، لیکن ان سے جنگ کرنے میں پہل نہ کریں، تاکہ کفارِ مسلمانوں کو خیانت اور بدعہدی کے ساتھ متہم نہ کر سکیں، اس لئے کہ بدعہدی بہت ہی مذموم صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

یہ تو اس صورت میں ہے کہ ابھی کافروں کی خیانت کھل کر سامنے نہ آئی ہو۔ اگر ان کی بدعہدی ظاہر ہو گئی ہو تو پھر مسلمانوں

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبْقُوا إِذْ أَنَّهُمْ لَا يُجْرُونَ ﴿۳۹﴾ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْغَيْبِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

اور اہل کفر یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی رسائی سے باہر نکل (۳۹) گئے ہیں، وہ اللہ کو کبھی بھی عاجز نہیں بنا سکتے ہیں ﴿۵۹﴾ اور کافروں کے مقابلے کے لئے ہر ممکن طاقت اور فوجی گھوڑوں کو تیار کرو (۵۰) جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو گے اور دوسرے دشمنوں کو بھی جو ان کے علاوہ ہیں، جنہیں تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ جانتا ہے، اور تم اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا کا پورا ادا یا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں ہو گا ﴿۶۰﴾

کی طرف سے نقض عہد کے اعلان کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے ساتھ کیا کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف قبیلہ خزاعہ والوں کو قتل کر کے اپنی بد عہدی کا اعلان کر دیا تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی فوج لے کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے اور کفار قریش کو ان کی آمد کا پتہ اس وقت چلا جب وہ (مر الظهران) پہنچ گئے جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔

(۳۹) یہاں وہ کفار قریش مراد ہیں جو میدان بدر سے جان بچا کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ وہ ہرگز نہ سمجھیں کہ اللہ کی گرفت سے نکل گئے ہیں، اللہ کی گرفت سے کون نکل سکتا ہے اسے کون عاجز بنا سکتا ہے؟

(۵۰) کفار قریش معرکہ بدر میں شکست فاش کے بعد جب مکہ پہنچے، تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دوبارہ جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی تاکہ مسلمانوں سے اپنے متوالین کا انتقام لے سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے موقع کی مناسبت سے مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے مسلمانوں کو ہر حال اور ہر زمانہ میں بھرپور جنگی تیاری کرنی چاہئے۔ اس میں ایک قسم کا لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں نے کوئی جنگی تیاری نہیں کی تھی، وہ تو اللہ کا خاص انعام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے نتیجہ میں اور دین اسلام کو دنیا میں باقی رکھنے کے لئے مسلمانوں کو فتح دی۔ لیکن ایسا ہر وقت اور ہر حال میں نہیں ہو سکتا۔ فتح و نصرت حاصل کرنے کے لئے اللہ کی تائید کے بعد اہم چیز زمانے کے تقاضے کے مطابق، فوجی طاقت، اسلحہ، ٹینکوں، اور جدید ترین اسباب جنگ کی فراہمی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو صریح طور پر حکم دیا ہے کہ وہ دشمنان دین کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری جنگی تیاری کریں اور اس بارے میں کبھی بھی غافل نہ ہوں۔ اور اس کی عظیم حکمت یہ بتائی کہ جب دشمنان اسلام کو معلوم ہو گا کہ مسلمان پوری طرح تیار ہیں اور اگر جنگ کی نوبت آگئی تو وہ ہمارا صفایا کر دیں گے تو ان پر رعب طاری رہے گا اور مسلمانوں پر دست درازی سے باز رہیں گے اور چونکہ جنگی تیاری اور جدید ترین اسلحہ کی صنعت بغیر ذر کثیر کے وجود میں نہیں آ سکتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس راہ کے اخراجات کو "إِنْفَاقٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" سے تعبیر کیا، اور بتایا کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

امام مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر یہ آیت

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۵۱﴾ وَإِنْ يَرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي يُدْكِرُ الْفِرْعَوْنَ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۲﴾

اور اگر وہ صلح (۵۱) کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیے، اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، بے شک وہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۶۱﴾ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ (۵۲) دینا چاہیں گے تو اللہ آپ کے لئے کافی ہوگا، اسی نے اپنی خصوصی مدد اور مومنوں کے ذریعہ آپ کو قوت پہنچائی ﴿۶۲﴾

پڑھی اور فرمایا: ”اصل طاقت تیر اندازی ہے، اصل طاقت تیر اندازی ہے“۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تیر چلاؤ اور سواری کرو، اور تیر چلانا گھوڑے پر سوار ہونے سے بہتر ہے“۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ”چھینکنے“ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو اس زمانے کے ہر اس ہتھیار پر صادق آئے گا جسے دشمن کی طرف سیکڑوں میل کی مسافت سے پھینکا جا رہا ہے، اور دشمن کی صفوں اور ان کے شہروں میں تباہی لائی جا رہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس آیت کریمہ اور مذکورہ بالا احادیث کے پیش نظر جنگی تیاری پر پورا دھیان دینا چاہئے۔

آج مسلمان ذلت و مغلوبیت کا شکار ہیں تو اس کا سبب جہاں ایمان و عمل کی کمی ہے، وہاں یہ سبب بھی ہے کہ وہ اسلحہ سازی اور جنگی تیاریوں میں دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں بہت ہی پیچھے جا چکے ہیں۔ ہر مسلمان ملک ہتھیاروں کے لئے کاسہ گدائی لے کر دوسری قوموں کے پیچھے دوڑ رہا ہے، اور وہ تو میں انہیں صرف دفاعی ہتھیار دینے پر راضی ہوتی ہیں، اس لئے کہ "الكفرة هلة واحدة" کے مطابق وہ کبھی بھی نہیں چاہتیں کہ مسلمان اس پوزیشن میں آجائیں کہ وہ اللہ اور رسول کے ان دشمنوں پر حملہ کر سکیں جنہوں نے بہت سے ممالک میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر رکھا ہے۔ ہالی اللہ المشتكى۔ آیت میں ﴿وَأَخْرَيْنَ مِنَ دُونِهِمْ﴾ سے مراد وہ منافقین ہیں جو مدینہ میں پائے جاتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ آیت (۱۰۱) میں فرمایا ہے: ﴿مِنَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ کہ ”اہل مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو نفاق کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، انہیں آپ نہیں جانتے ہم جانتے ہیں“۔

(۵۱) بھر پور جنگی تیاری کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ دشمن مرعوب ہو کر صلح کی پیش کش کریں گے، اگر ایسا موقع آئے تو جنگی صلاحیت ہونے کے باوجود مسلمانوں کو صلح پر آمادہ ہونے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے اس طرح وہ ایمان لانے کی سوچیں اور حلقہ گوش اسلام ہو جائیں۔ اور مسلمان صلح کرتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کریں تاکہ کافروں کے کمزور فریب سے اللہ مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ بعض علمائے کرام نے کافروں کے ساتھ صلح کے جواز کی شرط یہ لگائی ہے کہ مسلمان کمزور ہوں، اگر مسلمان قوی اور غالب ہوں تو صلح کرنی جائز نہیں ہے، اور انہوں نے سورہ محمد کی آیت (۳۵) سے استدلال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ﴾ ”پس تم بڑے بن کر صلح کی درخواست پر نہ آؤ۔ جبکہ تم ہی بلند و غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے“ لیکن راجح پہلی رائے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ ایسی صورت میں اس آیت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مسلمانوں کو غالب گمان کے مطابق کافروں سے خیانت کا ڈر ہو۔ واللہ اعلم۔ (۵۲) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کافر صلح کے ذریعہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ مسلمانوں کے لئے کافی ہوگا جیسا کہ

وَأَلْفَ بَيْنٍ فَلَوْ بِهِمْ دُلُّوا لَفُتَّتْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتْنَا بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ
عِزَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور مومنوں کے دلوں کو جوڑا (۵۳) اگر آپ دنیا کی تمام چیزیں خرچ کر ڈالتے، تو ان کے دلوں کو نہ جوڑ پاتے، لیکن اللہ نے ان میں محبت پیدا کر دی، وہ بے شک زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۶۳﴾ اے میرے نبی! اللہ آپ کے لئے کافی ہے، اور ان مومنوں کے لئے (۵۳) جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے ﴿۶۳﴾

اس نے میدان بدر میں فرشتوں کے ذریعہ مدد کی تھی۔

(۵۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی کہ وہ مسلمانوں کے درمیان محبت و اُلفت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور پھر اشارہ کیا کہ یہ کام بھی بغیر توفیق الہی کے نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اسلام سے پہلے عربوں کا حال تھا کہ ہر مادی قوت لگا کر ان کے درمیان اُلفت و محبت پیدا نہیں کی جاسکتی تھی، وہ تو اللہ نے اپنے دین کے ذریعہ اور اپنی توفیق سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا تھا۔ صحیحین میں عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم کے وقت ان کے سامنے تقریر کی تو فرمایا کہ کیا تم لوگ گمراہ نہیں تھے تو اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی، اور کیا تم محتاج نہیں تھے تو اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں مالدار بنا دیا، اور کیا تم ٹولیوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے تو اللہ نے میرے ذریعہ تمہارے درمیان اُلفت پیدا کر دی؟ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کے جواب میں انصار کہتے تھے: اللہ اور اس کے رسول زیادہ احسان کرنے والے ہیں۔

(۵۳) آیت (۶۲) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بشارت دی تھی کہ اگر معاہدہ صلح کے بعد دشمن آپ کو دھوکہ دیں گے تو اللہ آپ کے لئے کافی ہوگا، اس آیت میں اس بشارت کو تمام امور اور تمام حالات کے لئے عام کر دیا گیا ہے، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ کے مقدمہ میں اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اکیلا اللہ آپ کے لئے اور آپ کے پیروکار مومنوں کے لئے کافی ہے۔ اب اللہ کے علاوہ آپ کو کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آگے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی زبردست ٹھوک کھائی ہے اور کہا ہے کہ اللہ اور مومنین آپ کے لئے کافی ہیں یہ معنی سراسر غلط ہے، اس لئے کہ توکل، تقویٰ اور عبادت کی طرح (کفایت) بھی اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ جہاں تک تائید کا تعلق ہے تو اللہ اپنے نبی کی تائید کبھی خود کرتا ہے اور کبھی مومنوں کے ذریعہ کرتا ہے۔ اسی لئے آیت (۶۲) میں اللہ نے فرمایا: ﴿فَلَنْ حَسْبُكَ اللَّهُ﴾ یعنی ”آپ کے لئے صرف اللہ کافی ہے“ اس کے بعد فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي آيَّدَكَ بِتَسْوِرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی ”اللہ نے آپ کی تائید خود بھی کی اور مومنوں کے ذریعہ بھی کرائی“۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے جن اہل توحید اور اہل توکل بندوں نے صرف اللہ کو اپنے لئے کافی مانا، اللہ نے سورہ آل عمران کی آیت (۱۷۳) میں ان کی تعریف کی اور فرمایا: ﴿الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّا نَحْنُ وَإِلَهُكُمْ فَأَخَشَوْهُمْ فَلَمَّا دَعَاهُمْ إِلَىٰ مَا بَنَوْا لِقَائِ اللَّهِ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ ”وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھا دیا، اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے“۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے (حسبنا اللہ ورسولہ)۔ یعنی ”اللہ اور اس کا رسول ہمارے لئے کافی ہے“ نہیں کہا، بلکہ یہ کہا کہ صرف اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔

يَأْتِيهَا النَّبِيُّ حَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَعْلَبُوا مَائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَعْلَبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۗ أَلَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَعْلَبُوا مَائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَعْلَبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَقُولَ لَهُ كَاتِبًا فِي الْأَرْضِ ۗ تَرْيِدُونَ عَرْضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اے میرے نبی! آپ مومنوں کو کافروں سے جنگ پر اکسائیے (۵۵) اگر تمہارے میں صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، اس لئے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں (جذبہ جہاد کی طاقت کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے ہیں) ﴿۶۵﴾ اب اللہ نے تمہارا ابو جھ ہلکا کر دیا، اور جان گیا کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر تمہارے سو صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے ہزار ہوں گے تو اللہ کی توفیق سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے ﴿۶۶﴾ نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی ہوتے قبل اس کے کہ وہ زمین میں کافروں کا خوب قتل (۵۶) کر لیتے تم لوگ دنیاوی فائدہ چاہتے تھے، اور اللہ تمہارے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا تھا، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۶۷﴾

(۵۵) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ مومنوں کو دشمنوں کے خلاف جنگ پر ابھاریں۔ امام مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میدان بدر میں جب آپ نے دیکھا کہ کفار قریش مکہ سے اپنی پوری طاقت لے کر آگئے ہیں، تو آپ نے مجاہدین اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بڑھو اس جنت کی طرف جس کی کشادگی آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔ الحدیث۔ اور اللہ نے یہ وعدہ کیا کہ بیس مجاہدین اسلام صبر و ثبات قدمی کے ساتھ دو سو پر، اور ایک سو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔ یہ آیت غزوہ بدر کے موقع سے نازل ہوئی تھی اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان ڈٹ جائے اور بھاگے نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو دس کے مقابلہ میں ایک اور دو سو کے مقابلہ میں بیس کے لئے ڈٹ جانا واجب ہو گیا اور فرار حرام ہو گیا۔ اس کے بعد آیت (۶۶) نازل ہوئی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس حکم میں تخفیف کر دی، اور دو سو کے مقابلے میں ایک سو اور دو ہزار کے مقابلے میں ایک ہزار کا ڈٹ جانا واجب ہو گیا، اور فرار ناجائز ہو گیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت کے ذریعہ منسوخ ہو گئی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ دوسری آیت کے ذریعہ سابق حکم منسوخ نہیں ہوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف کر دی ہے۔

(۵۶) اس آیت کا تعلق معرکہ بدر کے بعد کے حالات سے ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اس جنگ میں ستر (۷۰) کفار قریش مارے گئے، اور دوسرے ستر (۷۰) قید کر لئے گئے، تو سوال یہ پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے؟ امام مسلم اور امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ

لَوْ لَا كُتِبَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۵۷﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَالْقَوْلُ
عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۸﴾

اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے نوشتہ (۵۷) نہ ہوتی، تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا ہے اس کے سبب سے ایک بڑا عذاب تمہیں آ لیتا ﴿۶۸﴾ پس غنائم (۵۸) میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۶۹﴾

عنه نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کی رائے پر عمل کیا اور فدیہ لے کر ان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

امام مسلم نے کتاب الجہاد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی ایک غیر مرفوع حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ پہنچے اور وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں سے عذاب الہی اس درخت سے بھی زیادہ قریب ہو گیا تھا، اور ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں قیدیوں سے فدیہ لینے کو اچھا نہیں بتایا گیا، اور کہا گیا کہ غزہ بدر کے قیدیوں کا قتل کیا جانا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے سے زیادہ بہتر تھا۔ اور آئندہ کے لئے نصیحت کی گئی کہ ہونا تو یہ چاہئے کہ جب مسلمان کافروں پر غالب آئیں تو انہیں خوب قتل کریں تاکہ کفر سرنگوں ہو، اسلام اور مسلمانوں کا رعب و دبدبہ کافروں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ اس کے بعد بھی اگر میدان جنگ میں کچھ لوگ باقی رہ جائیں تو انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ میدان بدر میں صحابہ کرام نے کفار کو اس امید میں بھی پابند سلاسل کیا تھا تاکہ ان سے مال لے کر انہیں آزاد کر دیں گے، اور اس طرح مسلمانوں کی مالی زبوں حالی میں کچھ کمی آئے گی۔ اسی کی طرف آیت میں اشارہ ہے کہ تم لوگوں نے دنیاوی فائدہ کے پیش نظر ایسا کیا، حالانکہ اللہ تمہارے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔

(۵۷) یہاں "کتاب" سے مراد لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی جو لوح محفوظ میں بھی لکھی ہوئی تھی کہ امت اسلامیہ کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا جائے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور نہ فدیہ لے کر کفار قریش کو آزاد کرنے پر اللہ کا عذاب مسلمانوں پر آ ہی جاتا۔

(۵۸) اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا، اس کی تائید صحیحین کی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام کو اطمینان ہوا اور فدیہ کے طور پر جو مال قیدیوں سے لیا تھا اسے استعمال کیا۔ ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں سے چار سوئی کس فدیہ لیا تھا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک قیدیوں کے بارے میں ہر دور میں یہی حکم جاری رہا اور امام وقت کو اختیار رہا، حالات کے تقاضے کے مطابق چاہا تو قتل کیا جیسا کہ بنو قریظہ کے مقاتلین کو قتل کر دیا گیا، اور چاہا تو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا گیا، اور کبھی مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دیا جیسا کہ ایک لوٹھی اور اس کی لڑکی کو جسے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَشْرَىٰ ۖ إِنَّ يَعْلَمَ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِيكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَعْفُو عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۹﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَلَبُوا وَحَسَبُوا وَمَا لَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِنْ الَّذِينَ أَوْوُوا وَانصَرُوا ۗ أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۗ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ ۗ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۶۱﴾

اے نبی! آپ کے ہاتھ میں جو قیدی (۵۹) ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ جان لے گا کہ تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہو گیا ہے، تو تمہیں اس سے اچھا (۶۰) دے گا جو تم سے بطور فدیہ لیا گیا ہے، اور تمہیں معاف کر دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت (۶۱) کرنا چاہیں گے، تو وہ اس کے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں جس کی وجہ سے اس نے مومنوں کو ان پر مسلط کر دیا تھا، اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۶۱﴾ بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت (۶۲) کی اور اپنے مال و دولت اور جانوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دیا اور ان کی مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، ایسے لوگوں سے تمہاری کوئی دوستی نہیں ہونی چاہئے یہاں تک کہ وہ ہجرت کر جائیں، اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنی واجب ہے، سوائے کسی ایسی قوم کے خلاف جن کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تمہارے کارناموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۶۲﴾

سلمہ بن الاکوع نے قید کیا تھا کچھ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں آزاد کر دیا گیا۔ اور کبھی کسی کو غلام بنا لیا۔

(۵۹) حاکم اور بیہقی وغیرہ کی روایتوں کے مطابق یہ آیت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ واقعہ بدر کے بعد ابوالیسر کعب بن عمرو نے انہیں قید کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے تو آپ نے عباس رضی اللہ عنہ سے فدیہ دینے کو کہا، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں تو مسلمان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کو آپ کے اسلام کا زیادہ علم ہے، اگر آپ سچے ہیں تو اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہر حالات کے مطابق آپ اپنی اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل و عقیل کی طرف سے فدیہ ادا کیجئے تو انہوں نے فدیہ دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(۶۰) ابن سعد اور حاکم نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ ابو العلاء حضرفی نے بحرین سے اسی (۸۰) ہزار کی رقم بھیجی، اس سے پہلے اس سے زیادہ مال آپ کے پاس نہیں آیا تھا۔ آپ نے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ میں نے جنگ بدر کے بعد اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ دیا تھا اس لئے مجھے اس مال میں سے دیجئے۔ آپ نے انہیں بہت سارا مال دیا، یہاں تک کہ بوجھ سے اٹھ نہیں پارہے تھے تو رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے جاتے ہوئے کہا کہ اللہ کے دو عدلوں میں سے ایک پورا ہوا، دوسرے کا معلوم نہیں کہ آخرت میں کیا ہوگا۔ اسے امام بخاری نے بھی صیغہ تعقیق کے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَتَعَلَّقُوا نَكَرًا فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے بعض، بعض کے دوست (۶۳) ہیں، اگر تم ایسا نہیں کرو گے (۶۴) (یعنی مسلمانوں سے دوستی اور کافروں سے ترک تعلقات) تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا ﴿۶۳﴾

ساتھ روایت کی ہے۔

(۶۱) رسول اللہ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین فدیہ دے کر اپنی جان چھڑالیں اور بظاہر اسلام کا اعلان کر کے آپ کو دھوکہ دینا چاہیں، اور مکہ پہنچ کر اپنے کفر کی طرف لوٹ جائیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے اور ڈریئے نہیں، انہوں نے تو پہلے بھی کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی تو اللہ نے انہیں آپ کا قیدی بنا دیا، اگر پھر ایسا کیا تو دوبارہ ان کا انجام ایسا ہی ہوگا اور انہیں کفر کی ذلت کے ساتھ قید و بند کی ذلت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(۶۲) معرکہ بدر سے متعلق حالات اور واقعات کے اختتام پذیر ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس دور کے مسلمانوں کو دینی مراتب کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، ایک تو وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کے ذریعہ جہاد کیا، اور دوسرے انصار مدینہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو پناہ دی، ان دونوں قسموں کے مسلمانوں کا اللہ کی نگاہ میں بہت اونچا مقام ہے، ان کے بارے میں اللہ نے کہا کہ یہ لوگ مدد، دوستی اور وراثت میں ایک دوسرے کے حقدار ہیں۔ بعد میں ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ کے ذریعہ وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور تیسرے وہ مسلمان ہیں جنہوں نے کافروں کے ساتھ مکہ میں ہی رہنا پسند کیا اور ہجرت نہیں کی، یہ لوگ اللہ کی نگاہ میں ناقص الایمان لوگ تھے، ان کے اور اول و دوم درجے کے مسلمانوں کے درمیان کوئی دوستی اور وراثت اللہ نے ثابت نہیں کی جب تک کہ ہجرت کر کے مدینہ نہ آجائیں۔ ہاں، اگر یہ لوگ ان کافروں کے خلاف اپنے دین کی حفاظت کے لئے مدد طلب کریں اور مسلمانوں اور ان کافروں کے درمیان پہلے سے کوئی معاہدہ نہ ہو تو ان کی مدد کرنی ضروری ہے۔

(۶۳) اس آیت میں مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں، چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ کافر کا دوست کافر ہی ہوتا ہے۔ اسی آیت سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے کہ مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوگا۔ اور حاکم نے مستدرک میں اسامہ بن زید سے ہی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو دین والے آپس میں وارث نہیں ہوں گے“۔

(۶۴) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو دوست نہیں رکھیں گے، اور کافروں سے قطع تعلق نہیں کریں گے تو بہت بڑے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ جو مسلمان کمزور ہوں گے وہ کافروں کے ساتھ مل جائیں گے، اور ممکن ہے کہ مرتد ہو جائیں، اور اگر مرتد نہ بھی ہوں تو بھی عقیدہ و عمل اور عادات و اطوار میں کافروں کا اثر قبول کر لیں گے۔ اسی طرح اگر مسلمان اس آیت کے بموجب آپس میں متحد نہیں ہوں گے تو کفار ان کے خلاف سازش کر کے ان پر حملہ آور ہو جائیں گے اور ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر آپس میں متحد رہیں گے تو ان کی قوت بڑھتی جائے گی، اور دوسرے مذاہب کے لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے، اور فتنہ و فساد کے بہت سے دروازے از خود بند ہوتے چلے جائیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ أَوْوُوا وَانصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۶۵﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۶۶﴾

اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد (۶۵) کیا، اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دیا اور ان کی مدد کی، وہی لوگ حقیقی مومن ہیں، ان کے لئے اللہ کی مغفرت اور باعزت روزی ہے ﴿۶۴﴾ اور جو لوگ ان کے بعد ایمان (۶۶) لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ تم میں سے ہیں، اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار (۶۷) لوگ ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، بے شک اللہ کے پاس ہر چیز کا علم ہے ﴿۶۵﴾

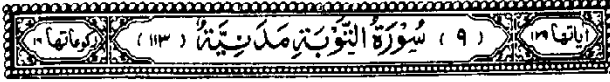
(۶۵) آیت (۷۲) میں جن قسم اول کے مسلمانوں کا ذکر آچکا ہے انہی کا دوبارہ ذکر ہو رہا ہے، تاکہ اللہ کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ بیان کیا جائے اور اللہ کی طرف سے انہیں جو اجر عظیم ملے گا اس کی انہیں خوشخبری دی جائے۔ مہاجرین و انصار کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے علاوہ قرآن کریم کی کئی آیتوں میں تعریف کی ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے۔

(۶۶) یعنی جو لوگ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمان ہوئے، اور ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ بھی سابق مہاجرین و انصار کی طرح مناصرت و موالات کے مستحق ہیں۔ وہ بھی حقیقی مومن ہیں اور آخرت میں ان پر بھی اللہ تعالیٰ عفو و مغفرت کی چادر ڈال دے گا، اور جنت کی نعمتوں سے نوازے گا۔

(۶۷) اس سے مراد وہ تمام رشتہ داریاں ہیں جو رحم کے ذریعہ قائم ہوتی ہیں، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور حسن وغیرہم نے کہا ہے کہ یہ آیت معاہدہ، حلف اور اخوت و دوستی کے ذریعہ وراثت کے حکم کے لئے ناسخ ہے۔ اس آیت کے بعد وراثت کا حکم صرف قرابت آبائی نسب اور سسرالی رشتوں کے ذریعہ باقی رہ گیا، اور معاہدہ و حلف صرف آپس کے تعاون، ایک دوسرے کی مدد اور حسب معاہدہ دیگر امور و احکام کے لئے جاری و ساری رہے۔

ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ پہلے لوگ حلف و معاہدہ کے ذریعہ بغیر کسی خاندانی رشتہ داری کے ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے تو سورہ انفال کی اس آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

ابوداؤد طیالسی، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارگی قائم کر دی تھی جس کے مطابق وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ ”رشتہ دار لوگ ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں“ تو لوگ صرف نسب کے ذریعہ ایک دوسرے کے وارث بننے لگے، اور دیگر اسباب کا اعتبار نہ رہا۔ آیت میں ﴿کتاب اللہ﴾ سے مراد اللہ کا حکم یا لوح محفوظ، یا قرآن کریم ہے۔



سورة التوبة مدنی ہے، اس میں ایک سو انتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

تفسیر سورة التوبة

نام: بعض مفسرین نے اس کے چودہ نام بتائے ہیں۔ ان میں دو نام زیادہ مشہور ہیں؛ "التوبة" اور "براءة" اس لئے کہ اسی لفظ کے ذریعہ اس سورت کی ابتدا ہوئی ہے، اور اس سورت کے اکثر و بیشتر مضامین کا تعلق مشرکین سے "اعلان براءت" سے ہے، اور توبہ اس لئے کہ اس سورت میں آٹھ سے زیادہ بار "توبہ" کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت مدنی ہے، اس میں ایک سو انتیس آیتیں ہیں۔ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورہ براءت آخری سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔

اس سورت کی آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ان تاریخی حقائق و واقعات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے جن کے پیش نظر یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ رمضان ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا، جو دیار عرب سے شرک و کفر کے خاتمہ کا ابتدائی اعلان تھا۔ اس کے بعد ہی غزوہ حنین واقع ہوا جس میں قبیلہ ہوازن نے اپنی پوری قوت جھونک دی، اور شروع میں مسلمانوں کی پسپائی کے باوجود بالآخر ہوازن کے قدم اکھڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو فتح دی۔ اس غزوہ کے بعد مشرکین عرب کی رہی سہی قوت کچل دی گئی۔ اس کے قبل جمادی الاولیٰ ۸ھ میں عربوں کے شمالی علاقہ میں (موتہ) کے مقام پر مسلمانوں کی تین ہزار فوج ایک لاکھ رومیوں سے ٹکرا کر داؤ شجاعت دے چکی تھی، اور اس علاقہ کے کافروں اور اہل کتاب کی نگاہوں میں اسلام اور مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بہت حد تک بیٹھ چکا تھا۔ اور جب رجب ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کی فوج لے کر قیصر کا مقابلہ کرنے کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے اور تبوک کے مقام پر خیمہ زن ہوئے، اور قیصر کا مقابلہ کرنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑا ہوا، اور آس پاس کے چھوٹے چھوٹے عرب ملوک و امراء رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اسلام کا اعلان کرنے لگے، نیز نصاریٰ اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کرنے لگے تو عرب کا نقشہ ہی بدل گیا، اور پورا علاقہ سمجھ گیا کہ اب اس علاقہ سے شرک کا خاتمہ ہو چکا، اب صرف اس کا دستور ہی اعلان باقی ہے، اور جو منافقین مدینہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے تھے وہ بھی سمجھ چکے تھے کہ اب ان کا دور ختم ہو گیا۔ یہ پوری سورت انہی حالات و ظروف کے ارد گرد گھومتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ واحد سورت ہے جس کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی۔ علما نے تفسیر نے اس کے کئی اسباب بیان کئے ہیں:

حافظ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سورہ "براءة" کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی ہے تو انہوں نے کہا کہ بسم اللہ میں اللہ کی طرف سے امان ہے، اور یہ سورت مشرکوں اور کافروں کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ مہر و غیرہ نے اس کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ بھی تقریباً اسی رائے کی تائید کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ کئے گئے سابقہ معاہدہ کو

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ فَيَسْئَلُونَكَ فِي الْأَرْضِ أَرَبْعَةً أَشْهُرًا وَعَافُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ فِي الْبُحْرِ وَالْبَرِّ وَالْأَرْضِ فَاسْمِعُوا لَهُ مَا رَزَقْتَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ الْوَعْدَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ الرُّسُلُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالَ أَلَمِ الْأَكْثَرُ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَرَسُولُهُ ۝ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابِ الْبَلِيمِ ۝

یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں کے حق میں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ تھا، اب ہر عہد و پیمانہ کو ختم کرنے کا اعلان (۱) ہے ﴿۱﴾ پس (اے مشرک!) اس ملک میں چار ماہ (۲) تک چل پھرو، اور جان لو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو، اور بے شک اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ﴿۲﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے سامنے حج کے بڑے دن میں اعلان (۳) کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا مشرکوں سے اب کوئی تعلق نہیں رہا، پس اگر تم لوگ تو یہ کر لو گے تو تمہارے لئے بہتر رہے گا، اور اگر تم نے اسلام سے روگردانی کی تو جان لو کہ تم اللہ کو کسی حال میں عاجز نہیں بنا سکتے ہو، اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۳﴾ توڑنا چاہتا تو مخالف قبیلہ کو اس بارے میں جو خط لکھتا اس کی ابتدا بسم اللہ سے نہیں کرتا۔ اسی لئے جب سورہ براءت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا تاکہ اسے پڑھ کر مشرکین عرب کو سنا دے، چنانچہ انہوں نے اسے بغیر بسم اللہ کے پڑھ کر لوگوں کو سنایا۔

(۱) امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ کے رسول نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف ”اعلان براءت“ دے کر بھیجا تو میں ان کے ساتھ تھا۔ ہم لوگ (حُجَّاج کے درمیان گھوم گھوم کر) اعلان کرتے تھے کہ کافر جنت میں داخل نہیں ہو گا، اور ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا، نیز جس کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اس کی مدت اب سے چار ماہ تک رہے گی۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول مشرکوں سے بری ہیں، اور اس سال کے بعد اب کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کرے گا۔ قرآن کے اس اعلان براءت کے بعد تمام مسلمانوں پر کافروں کے ساتھ اپنے سابقہ معاہدوں سے براءت کا اظہار ضروری ہو گیا اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول ان معاہدوں سے (مشرکوں کی طرف سے نقص عہد کی وجہ سے) جب بری ہو گئے تو مسلمانوں کے لئے ہرگز جائز نہیں رہا کہ مشرکوں کے ساتھ کیا گیا کوئی سابقہ معاہدہ باقی رکھیں۔

(۲) مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صرف چار ماہ کی مہلت دی گئی، جس کی ابتدا ۱۰ ذی الحجہ سے ہوئی اور ۱۰ ربیع الثانی کو ختم ہو گئی۔ ان سے کہا گیا کہ اس مدت میں چاہیں تو اسلام لے آئیں جو ان کے لئے ہر طرح بہتر ہے یا چاہیں تو جزیرہ عرب سے نکل جائیں، اور اگر باقی رہ جائیں گے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا اور قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور یہ چار ماہ کی مدت انہیں دی گئی جن کے معاہدے کی مدت اس سے کم تھی، لیکن جن قبائل نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ مدت کے لئے معاہدہ کیا تھا اور وہ مدت ابھی باقی تھی تو انہیں ان کی پوری مدت دی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَأَتِمُّوا إِلَيْنِهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ﴾ ابن جریر نے اس رائے کو ترجیح دی ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الشُّرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوا شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتَيْنُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ
إِلَىٰ مَدْيَنَ إِذَاقَ اللَّهُ حُكْمَ الْمُتَّقِينَ ③ فَإِذَا اسْلَمْنَا الْأَشْهُرَ الْحُرُمَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا
وَأَحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ إِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ
عَفُورٌ رَّحِيمٌ ④

ہاں مگر وہ مشرکین جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے، اور انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی ہے اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی ہے، تو تم ان کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی مقررہ مدت پوری (۴) کرو، بے شک اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۳﴾ پس جب امن کے چار مہینے (۵) گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور انہیں گرفتار کر لو اور انہیں گھیر لو، اور ہر گھات میں لگنے کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو، پس اگر وہ توبہ (۶) کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۵﴾

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہلت مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے نہیں دی گئی، بلکہ اس میں حکمت یہ ہے کہ شاید تم توبہ کر کے صدق دل سے اسلام کو قبول کر لو، ورنہ تم لوگ کبھی بھی اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہو، اور اگر تم اپنے کفر پر باقی رہے تو اللہ تمہیں رسوا کر کے رہے گا۔

(۳) پہلی آیت اور اس آیت کے معنی میں فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں مشرکوں سے براءت ثابت ہو جانے کی خبر دی گئی ہے، جبکہ اس آیت میں ثابت شدہ براءت کے اعلان کو واجب بتایا گیا ہے۔ اسی طرح براءت کا تعلق ان مشرکین سے تھا جن کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ تھا، اور اعلان براءت تمام لوگوں کے لئے عام تھا تاکہ سب کو خبر ہو جائے۔

"یوم حج اکبر" سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے۔ صحیحین میں ہے کہ ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما نے براءت کا اعلان یوم النحر یعنی دس تاریخ کو کیا تھا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حج اکبر کا دن، قربانی کا دن ہے۔" ابو ہریرہ اور بہت سے صحابہ کی یہی رائے ہے۔

(۴) جن مشرکین کے معاہدوں کی مدت چار ماہ سے کم تھی یا جن کا معاہدہ غیر معین مدت تک کے لئے تھا، انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی، جیسا کہ اوپر گذر چکا، لیکن جن مشرکین کے معاہدوں کی مدت چار ماہ سے زیادہ تھی، اور انہوں نے معاہدوں کی شرط کی پابندی کی تھی انہیں ان کی پوری مدت تک کے لئے مہلت دی گئی۔ اسی حکم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں ﴿أَشْهُرُ حُرْمٍ﴾ سے مراد وہ چار مہینے کی مدت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو اعلان براءت کے بعد بطور مہلت دی تھی، اور جن کی ابتداء ذی الحجہ سے ہوئی تھی اور دس ربیع الثانی کو ختم ہو گئی تھی۔ ایک روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی رائے ہے۔ اور ان مہینوں کو "محرم" اس اعتبار سے کہا گیا کہ اس مدت میں مشرکین سے قتال کو حرام کر دیا گیا تھا۔

کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہاں ﴿أَشْهُرُ حُرْمٍ﴾ سے مراد وہی مشہور چار مہینے ہیں جن میں پہلے سے جنگ کرنا حرام تھا، اور وہ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی رائے ہے،

وَأَن أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجْرُكَ حَتَّىٰ يَمْلَأَ كَلِمَ اللَّهِ تَبْلُغُهُ مَأْمَنًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ (۷) مانگے تو اُسے پناہ دیجئے، تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اُسے اُس کے جائے امان تک پہنچا دیجئے، اس لئے کہ وہ (اسلام کا) کچھ بھی علم نہیں رکھتے ہیں ﴿۶﴾

اور ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو لگاتار چار مہینے کی مہلت دی تھی اور اگر ان سے مراد وہی مشہور چار مہینے مراد لئے جائیں جن میں جنگ کرنا بالعموم حرام ہے تو لگاتار چار مہینے نہیں ہوں گے۔ اتنی۔ ابن کثیر نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اور کہا ہے کہ مشہور چار حرام مہینوں کا حکم اسی سورت میں اس کے بعد آئے گا۔

چار ماہ کی مدت گذر جانے کے بعد مشرکین کے لئے جزیرہ عرب میں کوئی امان نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس مدت کے بعد مشرکین کو جہاں پاؤ یا قتل کر دو، یا چاہو تو قید کر لو، ان کا ہر جگہ محاصرہ کرو، اور انہیں تنگ کرو، یہاں تک کہ اسلام لے آئیں یا پھر قتل کر دیئے جائیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ آیت حرم میں حرمتِ قتال والی آیت کے ذریعہ مخصص ہے، جس میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ﴾ کہ مسجد حرام کے پاس مشرکوں سے قتال نہ کرو یعنی مشرکوں کو قتل کرنا چار مہینے کی مدت گذر جانے کے بعد حرم کے علاوہ جگہوں میں جائز قرار دیا گیا تھا۔ (۶) اگر مشرکین اسلام قبول کر لیں، نماز پڑھنے لگیں اور زکاۃ دینے لگیں تو پھر انہیں قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مانتین زکاۃ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تھا۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ”براءت“ میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اہل کتاب دشمنان اسلام سے جنگ کریں، یہاں تک کہ اسلام قبول کر لیں، یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں، اور دیگر کفار و مشرکین کے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ کافروں کے ساتھ تمام سابقہ معاہدوں سے براءت کا اعلان کر دیں، چنانچہ جن کافروں نے نقض عہد کیا رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف جنگ کیا۔ اور جن کے معاہدے مقررہ مدت کے لئے تھے اور انہوں نے نقض عہد نہیں کیا ان کے معاہدوں کی مدت پوری کی، اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کی، یا جن کے ساتھ غیر معینہ مدت کے لئے معاہدہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی۔ ان تمام کارروائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاہدے کی مدت یا چار ماہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اکثر و بیشتر مشرکین مسلمان ہو گئے، اور جو اہل کتاب حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔

جبکہ منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کا ظاہری اسلام قبول کر لیں اور ان کا باطن اللہ کے حوالہ کر دیں، اور ان کے ساتھ قول و عمل میں سختی کا معاملہ کریں۔ نیز اسلام کے احکام ان تک پہنچاتے رہیں اور اگر وہ مر جائیں تو ان پر نماز نہ پڑھیں اور ان کی قبروں کے پاس کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا نہ کریں۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدُوا عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

مشرکوں کا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیسے کوئی عہد و پیمانہ (۸) ہو سکتا ہے، ہاں، مگر جن کے ساتھ مسجد حرام کے قریب تمہارا معاہدہ ہوا تھا، اگر وہ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ اس پر قائم رہو، بے شک اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۷۷﴾

(۷) اوپر کی آیت میں حکم عام تھا کہ چار ماہ کی مدت، یا مدت معاہدہ گزر جانے کے بعد جو مشرک بھی پکڑا جائے اور جس حال میں بھی ہو اسے قتل کیا جائے، اسی حکم کی تخصیص کے طور پر یہاں کہا جا رہا ہے کہ اگر کوئی مشرک مدت معاہدہ، یا چار ماہ کی مدت گزر جانے کے بعد مسلمانوں سے امان چاہے، تاکہ اسے قرآن کریم سننے اور سمجھنے کا موقع ملے اور اسلام کا بغور مطالعہ کر سکے، تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اسے یہ موقع فراہم کیا جائے، اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ اس کا کفر پر قائم رہنا جہالت اور اسلام کی خوبیوں کو نہ جاننے کی وجہ سے ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کافر شخص نبی کریم ﷺ کے پاس طالب ہدایت یا پیغام رساں کی حیثیت سے آتا تھا تو آپ اسے امان دیتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع سے قریش کے کئی افراد آپ کے پاس آئے، جن میں عروہ بن مسعود کا نام زیادہ مشہور ہے، انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جب مسلمانوں کی عقیدت و محبت کا مشاہدہ کیا تو بہت زیادہ متاثر ہوئے اور واپس جا کر کفار قریش کی محفلوں میں بیان کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد بہت سے کفار قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ اگر مسلمانوں کے درمیان رہنے قرآن کریم سننے اور سمجھنے اور اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مشرف باسلام ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے اس کے امان کی جگہ پہنچا دیا جائے، تاکہ کفار مسلمانوں کو خائن نہ کہیں۔

امام بخاری نے اپنی کتاب التاريخ میں اور نسائی نے سنن میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی آدمی کو پناہ دیا اور پھر اسے قتل کر دیا، تو میں ایسے قاتل سے بری ہوں، چاہے مقتول کافر ہو۔“ اس کے دار الکفر پہنچ جانے کے بعد اگر مسلمان اس علاقہ پر حملہ کریں اور وہ مارا جائے تو مسلمان کو کوئی گناہ لاحق نہیں ہوگا۔

(۸) اس آیت میں مشرکین سے اعلان براءت اور انہیں صرف چار ماہ کی مہلت دیئے جانے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے امان کس بنیاد پر دیا جائے؟ نہ تو وہ ایمان لائے، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا رکھی، حق کے خلاف جنگ کی، باطل کی تائید کی، اور زمین میں فساد برپا کیا۔ اس لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ ہاں، بنی بکر بن کنانہ کے جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع سے حرم کے پاس معاہدہ کر لیا تھا ان کے معاہدہ کا خیال کیا جائے، اگر وہ بھی اس کی پاسداری کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عدو و خیانت کو پسند نہیں کرتا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام، ذی القعدة ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر اہل مکہ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ صلح پر قائم رہے، یہاں تک کہ خود قریش نے نقص عہد کر کے، اور بنو بکر کے ساتھ مل کر قبیلہ خزاعہ والوں کو حرم میں قتل کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے رمضان ۸ھ میں مکہ کے مشرکین پر حملہ کر دیا، اور

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا ذَلَمَةً ۖ يُرِضُونَكُمْ بِأَقْوَاهُمْ وَتَأْتِي قُلُوبُهُمْ ۗ وَ
 أَكْرَهُمْ فَسِقُونَ ۚ اِشْتَرَا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَضَلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا
 يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا ذَلَمَةً ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝ وَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
 وَآمَنُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَتَوَقَّعُوا يَوْمَ يُعْلَمُونَ ۝

مشرکین کے ساتھ کیسے کوئی عہد و پیمان ہو سکتا ہے، اور حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غالب (۹) آجائیں تو تمہارے سلسلے میں کسی قرابت اور کسی عہد کا اعتبار نہ کریں، وہ تمہیں اپنی زبانوں سے خوش کرتے ہیں اور ان کے دل (تمہاری محبت کا) انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ﴿۸﴾ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے معمولی قیمت کی چیز خرید لی پھر لوگوں کو اس کی راہ سے روکنے لگے، بہت ہی بُرا تھا ان کا کہ توت ﴿۹﴾ وہ لوگ مسلمان کے سلسلے میں کسی قرابت اور کسی عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے ہیں، اور وہی لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں ﴿۱۰﴾ پھر اگر توبہ (۱۰) کر لیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اور ہم اپنی آیتیں جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ﴿۱۱﴾

بلد حرام کو مشرکوں سے پاک کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد تقریباً دو ہزار مشرکین مکہ اسلام لے آئے، اور کچھ لوگ اپنے کفر پر باقی رہے اور مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں چار ماہ کی مہلت دی، انہی لوگوں میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ تھے بعد میں ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

(۹) مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کے لئے اللہ کی جانب سے پروانہ امان کیسے مل سکتا ہے؟ جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں پر غالب آجائیں تو بالکل رحم نہ کریں، اور اللہ کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر انہیں سخت عذاب دیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جب یہ مشرکین تم سے خوف کھائے ہوتے ہیں، اس وقت ان کا جو برتاؤ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اس سے دھوکہ میں نہ پڑ جاؤ، یہ تو صرف اپنی منافقانہ میٹھی باتوں سے تمہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دل تمہارے خلاف بغض و عداوت سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر لوگ دیانت و مردت سے کوسوں دور ہیں۔ انہوں نے دنیا کی حقیر متاع کو اللہ اور رسول پر ایمان لانے پر ترجیح دیا، اور خود کو اور دوسروں کو اللہ کی سیدھی راہ پر چلنے سے روکا، اور اللہ اور رسول کے ساتھ اسی عداوت کی وجہ سے وہ کسی مسلمان کے سلسلہ میں کسی معاہدہ وغیرہ کا کوئی خیال نہیں رکھتے۔

(۱۰) اس آیت کے سیاق و سباق میں مسلمانوں کو ایک نصیحت کی گئی ہے کہ تمہاری دوستی اور دشمنی کی بنیاد صرف اللہ کی رضا ہونی چاہئے کوئی خواہش نفس نہیں، اس لئے اگر کوئی تمہارے دین کا مؤید ہے تو اسے اپنا دوست سمجھو۔ اگر وہ مشرکین اپنے شرک سے تائب ہو جائیں اور ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، ان کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرو اور پرانی عداوت کو بھول جاؤ۔

وَلِإِنْ تَكَفَرُوا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ بَعَدَ عَهْدُهُمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا إِنَّتُمْ أَلْتُمْ إِلَهُكُمْ فَلَا أَكْبَادَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿۱۱﴾ الْاِتِّفَاتِلُونَ قَوْمًا تَكَفَرُوا أَيُّهَا النَّاسُ وَهَتُوا بِأَخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَّوْكُمْ وَأَوَّلَ مَرْقُومًا أَخْشَوْنَهُمْ قَالَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ وَيَصْرِكُمْ عَلَيْهِمْ وَيُشْفِئُ صُدُوقَهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَيَذْهَبُ غِيظًا قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۴﴾

اور اگر وہ معاہدہ کے بعد اپنی قسمیں (۱۱) توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں تو سر دارانِ کفر سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، شاید کہ وہ (اپنی کافرانہ حرکتوں سے) باز آجائیں ﴿۱۲﴾ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ (۱۲) نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو شہر بدر کرنے کا ارادہ کر لیا، اور تمہارے ساتھ عہد شکنی کی پہل انہوں نے ہی کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، اگر تم مومن ہو تو اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو ﴿۱۳﴾ تم ان مشرکوں سے جنگ (۱۳) کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا، اور انہیں رسوا کرے گا، اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا، اور مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا ﴿۱۴﴾ اور ان کے دلوں سے غیظ و غضب کو دور کرے گا، اور اللہ تعالیٰ جس کی طرف چاہتا ہے اپنی توجہ فرماتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۵﴾

(۱۱) اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگر مشرکین معاہدہ کی پاسداری کریں تو تم بھی ان کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کا خیال رکھو، یہاں اسی بات کی تکمیل ہے کہ اگر وہ معاہدہ پر قائم نہ رہیں، یا تمہارے خلاف دشمنوں کی مدد کریں، اور تمہارے دین کی عیب جوئی کریں تو ان روسائے کفر سے بالخصوص اور تمام مشرکین سے بالعموم جنگ کرو کیونکہ بد عہدی ان کی گھٹی میں پڑی ہے، ان پر کسی حال میں بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

آیت میں ﴿اٰتْمَةُ الْكُفْرِ﴾ کا بالخصوص ذکر اس لئے آیا ہے کہ دراصل یہی لوگ ہر دور میں داعیانِ حق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، عوام تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اور ”دین کی عیب جوئی“ سے مراد ہر وہ بات ہے جو اللہ یا اُس کے رسول کے خلاف یا قرآن و حدیث کے خلاف کہی جائے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں (اللہ کے نزدیک) وہ کافروں کے سرغنہ ہوتے ہیں۔

(۱۲) مسلمانوں کو بار بار مشرکین مکہ کے خلاف جنگ پر ابھارا جا رہا ہے، اور ان کے وہ اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں جنہیں سُن کر مسلمانوں کا غیظ و غضب بھڑکے اور ان کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوں۔ اللہ نے کہا: یہ وہی مشرکین ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے گئے اپنے معاہدہ کا پاس نہیں رکھا تھا، اور اپنے حلیف بنی بکر کی خزانہ کے خلاف مدد کی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے، اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہر مکہ سے نکلنے کی دارالندوہ میں سازش کی تھی، حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کے رسول کا احترام کرتے اور آپ کا مقام پہچانتے، اور غزوہ بدر کے موقع سے قتال کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی کہ تجارتی قافلہ کو پہچاننے کے لئے مکہ سے چلے تھے، اور قافلہ بچ کر نکل بھی گیا، لیکن انہوں نے کبر و غرور میں آکر مسلمانوں سے جنگ کی ٹھانی، اور مقامِ حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ صلح کو توڑنے میں بھی پہل کی یہاں تک کہ

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَنْ يُعْلِمَ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رُسُولِهِ وَلَا
 الْمُؤْمِنِينَ وَبِئْسَ مَا تَحْكُمُونَ ۝ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى
 أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ
 وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝

کیا تم نے گمان (۱۳) کر لیا ہے کہ تم اپنے حال پر چھوڑ دیئے جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے علاوہ کسی کو اپنا جگری دوست نہیں بنایا، اور اللہ تمہارے تمام کرتوتوں کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿۱۶﴾ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد (۱۵) کریں، حالانکہ وہ اپنے بارے میں کفر کی گواہی دیتے ہیں، ان لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے، اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے ﴿۱۷﴾ اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، پس یہ لوگ امید ہے کہ ہدایت پانے والے ہیں ﴿۱۸﴾

رسول اللہ ﷺ کو ان کی سرکوبی کے لئے مکہ پر چڑھائی کرنی پڑی۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ان مشرکین سے ڈر کر جہاد فی سبیل اللہ سے پہلو تہی نہ کرو، اگر تم مومن ہو تو میرے عذاب اور میرے جبروت سے ڈرو۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ تو قادر ہے کہ آن واحد میں دشمنان دین کو ہلاک کر دے، لیکن اس نے ایسا نہ کر کے جہاد کا حکم دیا، اس لئے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے ہاتھوں ان مشرکین کو سزا دینا چاہتا ہے، انہیں رسوا کرنا چاہتا ہے اور ان کے خلاف مومنوں کی مدد کر کے کافروں کو ہانا چاہتا ہے کہ اللہ مومن بندوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور مشروعیت جہاد کی دوسری علت یہ ہے کہ اللہ اپنے مسلمان بندوں کے ہاتھوں ان کافروں کا صفایا کر دے اور ان کے دلوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے، اس لئے کہ انہیں ان مشرکین کے ہاتھوں بڑی اذیتیں پہنچی ہیں اور بڑا غم اٹھایا ہے، جب اپنے ہاتھوں انہیں قتل کریں گے تو ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

مفسرین لکھتے ہیں یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور ان کی خوشی کا خیال رکھتا ہے جسبی تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دینے کے بعد مسلمانوں سے بطور تاکید فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں ایسی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا جس کے ذریعہ صادق و کاذب اور مومن و منافق کے درمیان تمیز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانا چاہتا ہے جو اللہ کا حکم بلند کرنے کے لئے جہاد کرتے ہیں اور جو اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے علاوہ کسی کافر کو اپنا دوست نہیں بناتے۔ قرآن کریم کی کئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ مشروعیت جہاد کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ اللہ کے فرمانبردار اور نافرمانیہ دار بندے پہچانے جائیں۔

سورہ عنکبوت آیت (۲) میں فرمایا ہے: ﴿أَحْسِبِ النَّاسَ أَنْ يَتْرُكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾

أَجَعَلْتُمْ بَيْعَاتِي الْحَاكِمَ وَعَارَكةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی (۱۹) پلانے والے اور مسجد حرام کو آباد کرنے والے کو اس آدمی کے برابر بنا دیا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان (۲۰) لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا ان کا مقام اللہ کے نزدیک زیادہ اونچا ہے، اور وہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۲۰﴾ ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت اور اپنی خوشنودی اور ایسی جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں انہیں ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں ملیں گی ﴿۲۱﴾ وہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے ﴿۲۲﴾

اور سورہ بقرہ آیت (۲۱۳) میں فرمایا ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَكْتَبِينَ الْبَنَاتِ وَالنِّسَاءِ﴾ الْآيَةَ. ان آیتوں میں یہی بات کہی گئی ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں کو ضرور آزما تا ہے تاکہ مخلص و غیر مخلص، مومن و منافق اور صادق و کاذب میں فرق ہو سکے.

(۱۵) مشرکین قریش کو اس بات کا بڑا زعم تھا کہ وہ مسجد حرام کی دیکھ بھال کرنے والے اور اسے آباد رکھنے والے ہیں، اس لئے وہ اپنے آپ کو اوروں سے ارفع و اعلیٰ تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس زعم باطل کی نفی کی اور کہا، وہ کیسے دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے گھروں کو آباد رکھنے والے ہیں جبکہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کرتے ہیں اور جانتے ہوئے اس پر مصر ہیں۔ ایسے لوگوں کا تو کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ مسجدوں کو آباد کرنے کی شرط یہ ہے کہ آدمی اللہ، اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھے اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر نماز قائم کرے، زکاۃ دے، اور اللہ کے علاوہ کسی کے خوف کو اپنے دل میں جگہ نہ دے، معلوم ہوا کہ جو مومن نہیں ہو گا وہ مسجد کو آباد کرنے والا نہیں ہو گا، اور مسجد کو وہی آباد کرتا ہے جو مومن ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو صبح و شام مسجد کی طرف جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھرتیار کرتا ہے“ (بخاری و مسلم) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو اللہ کی رضا کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے جنت میں گھرتا ہے“۔ (بخاری و مسلم) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جب تم کسی آدمی کو مسجد جانے کا عادی پاؤ تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دو، اس کے بعد ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ﴾ والی آیت پڑھی“۔ (ترمذی).

(۱۶) ابن ابی حاتم اور حافظ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا، بیت اللہ کو آباد کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانے والوں کو آباد کرنے اور جہاد کیا، اور انہیں اس بات پر فخر تھا اور بڑے کبر میں مبتلا تھے کہ وہ اہل حرم ہیں اور اسے آباد کرتے ہیں۔ تو اللہ نے اس آیت کے ذریعہ اللہ پر ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کو مشرکین کے ان اعمال پر ترجیح دی جن کا ذکر اوپر آیا ہے، اور صراحت کر دی کہ حرم کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۵﴾ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اقتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۵۶﴾

اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ (۱۸) اور تمہارے بھائی ایمان کے بجائے کفر کو پسند کر لیں تو انہیں اپنا دوست نہ
بناؤ، اگر تم میں سے جو لوگ انہیں اپنا دوست بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے ﴿۲۳﴾ آپ کہتے کہ اگر تمہارے باپ
اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان، اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ
تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو، اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول
اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب (۱۹) ہیں تو انتظار کر لو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے کر آجائے، اور
اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۲۴﴾

پانی پلانا شرک کے ہوتے بے کار ہیں اور قیامت کے دن ان کے لئے نفع بخش نہیں ہوں گے۔

امام مسلم نے نعمان بن بشر سے روایت کی ہے کہ میں منبر رسول کے پاس بیٹھا تھا، تو ایک آدمی نے کہا اسلام لانے کے
بعد یہی کافی ہے کہ میں مسجد حرام کو آباد کروں۔ دوسرے نے کہا جہاد فی سبیل اللہ اس سے بہتر ہے جو تم نے کہا ہے۔ تو عمر نے
انہیں ڈانٹا اور کہا کہ تم لوگ منبر رسول کے پاس جمعہ کے دن اپنی آوازیں بلند نہ کرو، میں جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس
بارے میں پوچھوں گا۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل کی، اور بتایا کہ ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام
کی دیکھ بھال سے کئی گنا زیادہ افضل ہے، اس لئے کہ ایمان، دین کی اصل اور بنیاد ہے بغیر اس کے اعمال قبول نہیں ہوتے، اور جہاد
فی سبیل اللہ دین کا سب سے اونچا عمل ہے، اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ دین اسلام کی حفاظت کرتا ہے، اور باطل کو سرنگوں کرتا ہے۔

(۱۷) اوپر جو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اسی کو مزید صراحت کے ساتھ اللہ نے اس آیت
میں بیان کر دیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانا، اس کی رضا کی خاطر ملک و وطن اور مال و دولت چھوڑ کر ہجرت کرنا اور اللہ کی راہ میں جان
و مال سے جہاد کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ اونچا مقام رکھتا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا، ان سے ہمیشہ کے
لئے خوش ہو جائے گا، اور انہیں لازوال نعمتوں والی جنتوں میں داخل کرے گا جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مشرکوں کی دوستی سے منع فرمایا ہے، چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ بیہیچے نے
عبداللہ بن شوذب سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب میدان بدر
میں ان کے باپ جراح نے انہیں قتل کرنے کی کئی بار کوشش کی، اور ابو عبیدہ اس کی زد میں آنے یا اسے قتل کرنے سے بچتے
رہے، لیکن جب وہ بار بار اسی کوشش میں لگا رہا تو ابو عبیدہ نے اسے قتل کر دیا، تو سورہ مجادلہ کی آیت (۲۲) ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ الآیۃ نازل ہوئی، جس سے اس آیت کے معنی و مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دھمکی دی ہے جو اللہ کے مقابلہ میں اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو ان کے

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۗ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَذَلِكَ جِزَاءُ الْكَافِرِينَ ۗ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد کی، غزوہ حنین^(۲۰) کے دن مدد کی جب تمہاری کثرت نے تمہارے اندر عجب پیدا کر دیا تھا، لیکن وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے ﴿۲۵﴾ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں کو اپنی طرف سے تسکین عطا کی، اور ایسے لشکر بھیجے جسے تم لوگوں نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو سزا دی، اور کافروں کی یہی سزا ہوتی ہے ﴿۲۶﴾ پھر اس کے بعد اللہ جس کی طرف چاہتا ہے اپنی توجہ فرماتا ہے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۲۷﴾

کفر و شرک کے باوجود ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی محبت کو ہر شے کی محبت پر مقدم رکھا جائے۔ باپ ہو یا بیٹا، بھائی ہو یا بیوی، یا خاندان کا کوئی فرد، یا مال و دولت جسے آدمی اپنی کد کاوش سے حاصل کرتا ہے، یا انواع و اقسام کے اموال تجارت، یا بلند و بالا محلات اور کوٹھیاں، ان سب کی اللہ اور رسول کے مقابلہ میں مومن کے دل میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جس کے نزدیک یہ چیزیں اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہوں گی وہ فاسق اور اپنے حق میں ظالم ہوگا۔

علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ یہ آیت سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا ایمان کا جزو، اور ان کی محبت کو ہر شے کی محبت پر مقدم کرنا واجب ہے، اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ اللہ کی نگاہ میں بہت بڑا گناہ گار ہوگا، اور اسے عذاب الہی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور اسے پہچاننے کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے دو چیزیں آئیں، ایک وہ جسے اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں، اس میں آدمی کا بظاہر کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے، اور دوسری وہ ہے جسے اس کا نفس چاہتا ہے، لیکن اسے اپنانے سے کوئی ایسی چیز فوٹ ہو جاتی جسے اللہ اور اس کے رسول چاہتے ہیں۔ اگر وہ اپنی خواہش نفس کے موافق شے کو اس شے پر ترجیح دے دیتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول چاہتے ہیں تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے حق میں ظالم ہے۔

(۲۰) مندرجہ ذیل تین آیتوں میں غزوہ حنین کا ذکر ہے، جس کا اجمالی ذکر اس سورت کی ابتدا میں آچکا ہے۔ یہ جنگ شوال ۸ھ میں وادی حنین میں (جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے) قبیلہ ہوازن اور اس علاقہ کے کچھ دوسرے مشرکین کے ساتھ لڑی گئی تھی۔ مشرکین عرب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی پہلی جنگ جنگ بدر تھی۔ اور آخری جنگ جنگ حنین۔ ان دونوں ہی میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر مشرکین کی طرف پھینکا تھا، غزوہ بدر نے مشرکین عرب کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھا دیا اور ان کے مزاج کی تیزی میں کمی پیدا کر دی، اور غزوہ حنین نے ان کی کمر ہی توڑ دی، مشرکین کے ترکش کا آخری تیر بھی چل چکا، اور اللہ نے شرک اور مشرکین کو ذلیل کیا، اور اس کے بعد تمام قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، کیوں کہ ان کے لئے اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا، اسلام کا علم بلند ہو چکا تھا، اور کفر و شرک ہمیشہ کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نجسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَاوِمِهِ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! بلاشبہ مشرکین ناپاک ہوتے ہیں، اس لئے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب (۲۱) نہ آئیں، اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر (۲۲) ہے تو اگر اللہ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے جلد ہی تمہیں دولت مند بنا دے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲۸﴾

کے لئے سرنگوں ہو چکا تھا۔ غزوہ بدر اور غزوہ حنین کے درمیان اور بھی غزوات ہوئے، اور بھی فوجی دستے اللہ کے رسول نے مختلف علاقوں میں روانہ کئے، اور ہر غزوہ اور ہر سریت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی دی اور اسلام معزز و تاجدار بنا دیا۔ یہ تمام کامیابیاں اور یہ عزت و غلبہ جو مسلمانوں کو حاصل ہوا وہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید و مدد سے حاصل ہوا۔ ان کامیابیوں میں انسانی قوت اور مادی وسائل حالات کے مطابق کبھی کم کبھی زیادہ استعمال ہوئے، لیکن فتح و نصرت کا تعلق ان وسائل سے نہیں بلکہ محض توفیق باری تعالیٰ سے تھا۔

بسا اوقات مسلمان انسان ہونے کے ناطے شیطان کے دھوکے میں آجاتا ہے، صحابہ کرام بھی انسان تھے، ان میں سے بعض حضرات کے ذہنوں میں کبھی کبھار یہ بات آجاتی رہی ہوگی کہ یہ فتح و کامرانی ہم نے اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے، جو مسلمانوں کے دین و ایمان کے لئے بہر حال زہر بلا ہلا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اور تمام مسلمانوں کی ذہنی تربیت کے لئے یہ بات غزوہ حنین کے ذکر کے موقع سے ان کے ذہن نشیں کرنا چاہا کہ وہ اللہ کی ذات تھی جس نے غزوہ حنین (جب کچھ مسلمانوں کو اپنی کثرت تعداد پر غرور ہو گیا تھا) اور دیگر تمام مواقع پر تمہاری مدد کی، تمام کامیابیاں اسی ذات واحد کی نصرت و تائید سے حاصل ہوتی رہی ہیں، تمہاری تعداد اور تمہاری جنگی تیاریوں کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے جب رمضان ۸ھ میں مکہ فتح کر لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ آپ سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں، تو آپ ﷺ شوال ۸ھ میں بارہ ہزار کی فوج لے کر (جس میں دس ہزار مدینہ سے آئے ہوئے مجاہدین تھے، اور دو ہزار فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے) ان سے ٹھنکنے کے لئے روانہ ہو گئے، بعض مسلمانوں کو اس موقع پر اپنی کثرت تعداد پر غرور ہو گیا۔ جب دونوں فوجیں جمع ہوئیں تو ہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ایک بارگی ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکٹھے گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے، صرف سو (۱۰۰) کے قریب مجاہدین رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد رہ گئے اور مشرکین سے جنگ کرتے رہے، اور نبی کریم ﷺ اپنا ٹیچر (ڈلڈل) مشرکین کی طرف بڑھاتے اور کہتے کہ ”میں نبی ہوں، یہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں“ اور عباس بن عبدالمطلب (جن کی آواز بہت اونچی تھی) کو حکم دیا کہ وہ انصار کو اور باقی مسلمانوں کو آواز دیں۔ جب انہوں نے آواز سنی تو یکبارگی پلٹے اور مشرکین پر ایسے چھپے کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کی عورتوں، بچوں اور مال و دولت سب کچھ پر قبضہ کر لیا۔ تقریباً چھ ہزار آدمی پابند سلاسل ہوئے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بعد میں آزاد کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر لوگ مسلمان ہو گئے۔ غزوہ حنین کے انہی واقعات و احوال کو ان آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

﴿مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ﴾ میں غزوہ بدر، قریظہ، بنو نضیر، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ اور دیگر غزوات اور فوجی دستوں کی طرف

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُعَرِّفُونَ مَا كَلَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَنْتَوُونَ دِينَهُ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

(مسلمانو!) ان اہل کتاب سے جنگ (۲۳) کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر، اور نہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اُسے وہ حرام سمجھتے ہیں، اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ﴿۲۹﴾

اشارہ ہے جن کی تعداد صحیحین کی زید بن ارقم سے مروی ایک حدیث میں انیس بتائی گئی ہے۔

(۲۱) یہ آیت ۹ھ میں نازل ہوئی، اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسی سال ذی القعدہ میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کے قافلہ کا امیر بنا کر روانہ کیا تھا۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کیا، جنہوں نے دس ذی الحجہ کو تمام قبائل عرب کے سامنے جوج کے لئے آئے تھے یہ اعلان کیا کہ اب آئندہ سال سے کوئی مشرک عمرہ یا حج کی نیت سے حرم میں داخل نہ ہو سکے گا اور کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔

آیت میں مشرکین کو "نجس" یعنی ناپاک بتایا گیا ہے، جمہور کے نزدیک اس سے مراد ان کی باطنی ناپاکی ہے ان کے جسموں کی ناپاکی نہیں، اسی لئے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے، اور کتابیہ عورتوں سے شادی جائز ہے، اور اگر کسی مشرک کا بدن کسی مسلمان کے بدن سے چھو جائے تو وہ ناپاکی یا ناپاک نہیں۔ بعض اہل ظاہر نے آیت کے ظاہری الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے ان کے بدن کو بھی ناپاک بتایا ہے، لیکن ان کے عقائد و اعمال کی نجاست ان کے بدن کی نجاست سے بافتاق علماء زیادہ خبیث چیز ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں آئندہ مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیں۔ چنانچہ اس کے بعد مشرکوں کا حرم میں داخلہ ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا گیا۔

(۲۲) مذکورہ بالا حکم کے نازل ہونے کے بعد مکہ کے بعض مسلمانوں نے کہا کہ اب تو ہمارے بازار سنسان ہو جائیں گے، اور ہماری تجارت ٹھپ پڑ جائے گی، اور ہمارا بہت نقصان ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے آیت کا یہ حصہ نازل فرمایا اور مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ اس کی وجہ سے تمہیں محتاجی سے نہیں ڈرنا چاہئے، روزی دینے والا اللہ ہے، وہ اگر روزی کا ایک دروازہ بند کرے گا تو دسیوں دوسرے دروازے کھول دے گا۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگا، اموال غنیمت حاصل ہوں گے، جزیہ کا مال آیا کرے گا، اور دور دور سے لوگ بحیثیت مسلمان اس گھر کی زیارت کے لئے آئیں گے، اور اب سے زیادہ تمہیں روزی ملنا کرے گی۔

(۲۳) اوپر کی آیتوں میں مشرکین سے متعلق احکام بیان کئے گئے، اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے اور ان کے معاہدوں سے اظہارِ براءت کر دیں، اور اظہارِ براءت کے چار ماہ بعد انہیں جزیہ عرب میں نہ رہنے دیں اور جنگ کر کے انہیں قتل کریں نیز مسجد حرام میں ان کا داخلہ ممنوع کر دیں۔

اس آیت کریمہ سے اہل کتاب کے متعلق احکام کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کے تصفیہ کے بعد اب اس علاقہ میں رہنے والے اہل کتاب سے جنگ کی جائے، یہاں تک کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو اہل روم سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهُونَ
قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ إِنْ يُلْفُونَ ﴿۳۰﴾

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے (۳۰) ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کے منہ کی بکواس ہے، ان لوگوں کے قول کی مشابہت اختیار کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا تھا، اللہ انہیں ہلاک کر دے، کس طرح حق سے پھرے جا رہے ہیں ﴿۳۰﴾

اور آپ غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہو گئے۔ کلبی کا قول ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی، اور آپ نے ان کے ساتھ جزیہ لینے کی شرط پر مصالحت کر لی۔ اور یہ پہلا جزیہ تھا جو مسلمانوں کو ملا، اور مسلمانوں کے ہاتھوں اہل کتاب کی پہلی ذلت و رسوائی تھی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جو ۹ھ میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اہل روم سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا، اور اطراف مدینہ کے قبائل عرب کو بھی فوج میں شریک ہونے کا حکم دیا۔ تقریباً تیس ہزار افراد جمع ہو گئے، منافقین مدینہ میں سے بعض شریک نہیں ہوئے، وہ زمانہ خشک سالی اور شدید گرمی کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اہل روم سے جنگ کی نیت سے شام کی طرف روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جنوک پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر بیس دن قیام کیا، پھر اللہ کے حکم سے مدینہ واپس آ گئے۔ اتنی۔ اس سورت کی ابتدا میں بتایا جا چکا ہے کہ جب قیصر روم کو رسول اللہ ﷺ کے آنے کی خبر ہوئی تو میدان چھوڑ کر اپنی فوج کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا اور جنگ نہیں ہوئی، لیکن اس جنگ کا جو مقصد تھا وہ پورا پورا حاصل ہوا، اور وہ تمام علاقے مسلمانوں کے زیر تصرف آ گئے۔

"جزیہ" س مال کو کہتے ہیں جو اہل کتاب اور دیگر کفار سالانہ مسلمانوں کو اس عوض میں دیتے ہیں کہ مسلمان ان سے قتال نہیں کریں گے، اور مسلمانوں کے درمیان انہیں رہنے کی اجازت دی جائے گی، ان کی جائیں اور ان کا مال محفوظ رہے گا۔ اور اس کی مقدار مالدار، متوسط اور فقیر کے اعتبار سے گنتی بڑھتی ہے، جس کی تعیین مسلمان حاکم یا اس کا نمائندہ کرے گا۔ علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے گا یا دوسرے کافروں سے بھی۔ ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور سفیان ثوری کا خیال ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ کسی سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، یہ لوگ جو س کو بھی اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ نے "ہجر" کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ اور مالک اور اوزاعی کی رائے ہے کہ تمام کافروں سے جزیہ لیا جائے گا۔

(۲۴) یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ مسلمان انہیں جان کر ان کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوں۔ جاہل اور غلو کرنے والے یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، جن کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کھمرے ہوئے تورات کو اکٹھا کیا، اور عبرانی زبان میں لکھی ہوئی تمام اسرائیلی کتابوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کے لئے قانون کی ایک عظیم کتاب تیار کی، جس سے متاثر ہو کر یہودیوں نے انہیں اللہ کا مجازی بیٹا کہنا شروع کر دیا، جو توحید باری تعالیٰ کی شان کے خلاف تھا۔

اور گمراہ نصاریٰ میں سے کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کسی نے ان کو بعینہ اللہ اور کسی نے انہیں تین میں سے ایک

إِتَّخَذُوا أَوْلِيَاءَهُمْ وَرُءْبَانَهُمْ أَوْلِيَاءَ بَاقُونَ دُونَ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا
وَّاحِدًا أَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِقُوا سُلُوكَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا
أَنْ يَتِيمَ تَوْرًا وَتُوكِرَهُ الْكُفْرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
﴿۳۳﴾ وَتُوكِرَهُ الشُّرِكُونَ ﴿۳۴﴾

ان لوگوں نے اپنے عالموں اور اپنے عابدوں کو اللہ کے بجائے معبود (۳۱) بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں تو صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے ﴿۳۱﴾ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا (۳۲) چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو بہر حال پورا کرنا چاہتا ہے، اگرچہ کفار ایسا نہیں چاہتے ہیں ﴿۳۲﴾ وہ اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت (۳۳) اور دین حق دے کر بھیجا ہے، تاکہ اسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں ﴿۳۳﴾

معبود قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر ان کے عقائد تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کہا کہ یہ محض ان لوگوں کی اللہ کے بارے میں افتراء و دازی ہے، یہ لوگ گذشتہ زمانہ کے کافروں کی طرح مشرکانہ باتیں کر رہے ہیں، اور جیسے وہ گمراہ ہوئے انہوں نے بھی گمراہی اختیار کر لی ہے۔ اللہ کی ان پر لعنت ہو، کس طرح یہ لوگ حق سے روگردانی کر کے باطل کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔

(۲۵) عیسائیوں کا ایک مجرمانہ فعل یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے بجائے اپنا معبود بنا لیا، یعنی جب ان کے دنیا دار عالموں نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیا تو انہوں نے ان کی پیروی کی۔ امام احمد، ترمذی اور ابن جریر وغیرہم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ان کی گردن میں چاندی کا صلیب لٹک رہا تھا (انہوں نے جاہلیت کے زمانہ میں عیسائیت کو قبول کر لیا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَذُهُبَانَهُمْ أَوْلِيَاءَ مَن دُونَ اللَّهِ﴾ تو میں نے کہا کہ عیسائیوں نے اپنے عالموں کی عبادت تو نہیں کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا لیا، تو لوگوں نے ان کی بات مانی اور ان کی پیروی کی، یہی ان کی عبادت ہے۔ انہوں نے عیسائی علیہ السلام کو بھی اللہ کے بجائے اپنا معبود بنا لیا، حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

(۲۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی ایک اور قسم کی گمراہی کو بیان کیا ہے، یعنی وہ لوگ اپنے جھوٹے اقوال اور باطل مناظروں کے ذریعہ اللہ کے آخری دین، دین اسلام کی تکذیب کرتے ہیں، اور لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ اللہ کا دین نہیں ہے، اور محمد ﷺ اس کے آخری نبی نہیں ہیں، تو ان کی مثال اس آدمی کی ہے جو آفتاب یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے ختم کرنا چاہتا ہو۔ جس طرح اس آدمی کی یہ حرکت مجنونانہ ہے، اور وہ آفتاب یا ماہتاب کی روشنی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح یہ یہود و نصاریٰ اپنی پھونکوں سے اسلام کی شیع ہدایت کو نہیں بجھا سکتے، اس لئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ چہارہ انگ عالم میں اس دین کی روشنی پھیل جائے، اور کافروں کے ہزار نہ چاہنے کے باوجود ایسا ہو کر رہے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْتَنُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّبِعُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۗ
يَوْمَ يُخْطَىٰ عَلَيْهَا فِي تَارِجِهِمْ فُتُكْوَىٰ بِهَا جَبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ فُلُوقًا
مَا كُنْتُمْ تَكْتَنُونَ ۝

اے ایمان والو! بہت سے علماء اور گرجوں کے پجاری لوگوں کا مال ناجائز کھاتے (۲۸) ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع (۲۹) کرتے ہیں، اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں، تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۳۳﴾ جس دن اُسے جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس کے ذریعہ اُن کی پیشانیوں اور اُن کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور اُن سے کہا جائے گا کہ) یہی ہے وہ مال جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، تو اب چکھو اس کا مزہ جو تم جمع کرتے تھے ﴿۳۵﴾

(۲۷) گذشتہ آیت میں جو بات کہی گئی ہے اسی کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ آیت میں "ہدی" سے مراد قرآن کریم، یادہ براہین و معجزات ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عطا کیا تھا۔ اور ﴿وَمِنَ الْحَقِّ﴾ سے مراد دین اسلام یا عقیدہ توحید ہے۔ اور گذشتہ آیت میں اللہ نے دین اسلام کی حفاظت اور اسے پوری دنیا میں پھیلانے کا جو وعدہ کیا تھا اسی کو یہاں پھر دہرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام ادیان کے مقابلے میں شہرت و مقبولیت دے کر رہے گا۔

مسند احمد، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے سکید دیا، اور میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لئے سکید دی گئی ہے"۔ امام احمد نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ "سر زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں ہوگا جس میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچے گی"۔

(۲۸) اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے عالموں اور راہبوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں، رشوت لے کر ان کی مرضی کے مطابق فتوے دیتے ہیں، اور تورات و انجیل میں موجود احکام و مسائل کو بدل دیتے ہیں، اور اپنی افترا پردازیوں کو اللہ کی شریعت بتاتے ہیں۔ دور جاہلیت میں علمائے یہود کا بڑا مقام تھا انہیں لوگوں کی طرف سے خوب پیسے ملتے تھے اور مختلف قسم کے ہدیے ان کے پاس پہنچتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، لیکن اپنی کرسی اور دنیاوی فائدوں کی خاطر اسلام نہیں لائے، تو اللہ نے ان کی عزت و ریاست کو ذلت و رسوائی سے بدل دیا۔

یہاں مقصود مسلمانوں کو ان کے علمائے سوء اور گمراہ کن عابدوں کی طرف سے متنبہ کرنا ہے۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ جو مسلمان عالم گمراہ ہو جاتا ہے، علمائے یہود کے مشابہ ہو جاتا ہے، اور جو مسلمان عابد گمراہ ہو جاتا ہے، وہ عیب و نصاریٰ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے مسلمانو! تم لوگ گذشتہ قوموں کے طریقوں کو ضرور اپناتے ہو اور ان کے نقش قدم پر پورا پورا چلو گے۔ لوگوں نے پوچھا: کیا مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اور کون

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ
الَّذِينَ لَقِيتُمْ فِي الْقُدُومِ فَلَاحِظُوا فِيهِمْ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا الْعِبَادَةُ لِلَّهِ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُؤْمِنُونَ بِأَعْمَالِهِمْ لِيُؤْخَذُوا
عِدَّةَ مَا حَزَمَ اللَّهُ فَيُجِلُّ مَا حَزَمَ اللَّهُ لِيُنزِلَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ سَوْءَ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اسی دن سے اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ (۳۰) ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، یہی صحیح دین ہے، پس تم ان کے بارے میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو، اور تم مشرکوں سے اکٹھے ہو کر جنگ (۳۱) کرو، جیسے وہ تم سے اکٹھے ہو کر جنگ کرتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ بے شک تقویٰ والوں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾ بے شک نسی (مہینوں کا آگے پیچھے کرنا) کفر میں زیادتی ہے، اس کے ذریعہ کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ لوگ کسی خاص مہینے کو ایک سال حلال بنا لیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام بنا لیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں ان کی تعداد میں موافقت کر لیں، اور اللہ نے جو مہینے حرام بنائے ہیں انہیں حلال بنا لیں، ان کے بُرے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۳۷﴾

لوگ ہو سکتے ہیں؟ ایک روایت میں ہے: فارس اور روم کے لوگ۔“

(۲۹) علماء اور عباد کے حالات بیان کرنے کے بعد آیت کے اس حصہ میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو سونا اور چاندی اکٹھا کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ جہنم کا دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ اور یہ حکم عام ہے، اس میں یہود و نصاریٰ کے وہ علماء اور عباد شامل ہیں جو سونا اور چاندی جمع کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تھے، اور وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے ہیں۔ ابو داؤد اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام کو بڑی مشکل پیش آئی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم لوگوں کی مشکل آسان کرتا ہوں، اور جا کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے صحابہ کو اس آیت سے بڑی مشکل پیش آگئی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کیا ہے کہ تمہارے باقی مال کو پاک بنا دے، اور تمہارے مال میں قانون وراثت کو اسی لئے جاری کیا ہے تاکہ تمہارے بعد والوں کو مال ملے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا۔“ الحدیث۔ اسی لئے جمہور علماء کی رائے ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے گی وہ ”کنز“ نہیں ہوگا۔ طبرانی اور بیہقی کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے اسے کنز نہیں کہا جائے گا۔“ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ اس آیت میں ”کنز“ پر جو عید آئی ہے وہ زکوٰۃ کے حکم کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے۔ ان سے ایک موقوف حدیث بھی مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے چاہے وہ سات زمین کے نیچے ہو وہ کنز نہیں کہلائے گا، لیکن جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے، اس پر بڑی شدید عید آئی ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا قیامت کے دن آگ کی تختیوں سے اس کا پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی۔“ الحدیث۔

(۳۰) اہل کتاب کے کچھ حالات و کوائف بیان کئے جانے کے بعد دوبارہ مشرکین عرب کے کچھ دوسرے جرائم بیان کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے آسمانوں اوزمین کو پیدا کیا مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کر دی، اور ان کے نام بھی رکھ دیئے، اور ان مہینوں سے متعلق احکام بھی بیان کر دیئے جن کا ذکر تمام آسمانی کتابوں میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک خاص حکم یہ ہے کہ اللہ نے سال کے چار مہینوں (رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم) کو خاص اہمیت دی ہے، ان کا احترام لازم قرار دیا ہے اور ان میں جنگ کو حرام کر دیا ہے، لیکن زمانہ جاہلیت میں بعض عربوں نے اس حکم کا لحاظ نہیں کیا اور اپنی خواہش کے مطابق مہینوں کو آگے پیچھے کرنا شروع کر دیا، کبھی حج ذی الحجہ میں رکھتے اور کبھی مؤخر کر کے محرم میں لے جاتے۔

اسی طرح اگر کبھی کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر محرم کے مہینہ میں حملہ کرنا ہوتا تو اسے حلال کر لیتے اور اس کے بدلے صفر کے مہینہ کو حرام بنا لیتے۔ اس لئے کہ بہت سے قبائل لوٹ کے مال پر ہی زندگی گزارتے تھے، اور مسلسل تین مہینے حرام ہونے کی وجہ سے انہیں فائدہ نشی کی نوبت آ جاتی تھی، اس لئے ان مہینوں میں سے کسی کو حلال بنا لیتے، اور اس کے بدلے دوسرے کو حرام بنا دیتے۔ اسی کو قرآن نے "نفسہ" کہا ہے، یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر لینا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہینے آپس میں خلط ملط ہو گئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا کہ تمام مہینے اپنی جگہوں پر لوٹ گئے، اور آپ ﷺ کا حج ذی الحجہ میں ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مشرکین عرب کے اسی علاج کو بیان کیا ہے، اور ان کی تردید کی ہے کہ سال کے مشہور بارہ مہینے اور ان میں چار حرام کے مہینے اور ان سے متعلق احکام اللہ کی جانب سے مقرر کردہ ہیں، کسی کے بدلنے سے یہ احکام بدل نہیں جائیں گے۔ اس لئے اے مشرکین عرب! ان حرام کے مہینوں کی حرمت کو پامال کر کے اپنے آپ پر ظلم نہ کرو، اس لئے کہ ایسا کرنا اللہ کے خُرمانت کو حلال اور حلال کو حرام بنانا ہے جو تمہارے کفر حقیقی کے بعد کفر میں اضافہ ہے۔

(۳۱) آیت کا یہ حصہ دلیل ہے کہ مشرکوں سے قتال کرنا واجب ہے۔ اور اگر مسلمانوں کا ایک گروہ اس وجوب کی ادائیگی میں سستی کرے گا تو امت کے ہر فرد پر واجب ہو جائے گا۔

علماء نے اشہر حرم (حرام کے چار مہینے) میں قتال کی حرمت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے، اس لئے کہ اللہ نے اشہر حرم کا ذکر کرنے کے بعد ہی مشرکوں سے قتال کا عام حکم دیا ہے، اگر ان مہینوں میں قتال کرنا ممنوع ہو تا تو اسے ضرور بیان کیا جاتا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ ذی القعدہ کے مہینہ میں کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں مروی حدیث سے ثابت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے اور اشہر حرم میں قتال حرام ہے، اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ﴾ (المائدہ: ۲) اور اسی سورت کی آیت (۵) میں فرمایا ہے: ﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرَ الْحَرَامَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ ان دونوں آیتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اشہر حرم کی حرمت باقی ہے منسوخ نہیں ہوئی ہے اور اس لئے کہ شہر حرام میں مشرکین سے قتال کو اس وقت جائز قرار دیا گیا ہے جب اس کی ابتدا مشرکوں کی طرف سے ہو۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلَوْكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلَوْكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ﴾ یعنی مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ اشہر حرم میں اپنی طرف سے قتال کی ابتدا کریں، اور رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ ذی القعدہ میں نہیں، بلکہ شوال میں کیا تھا، جو باقی رہا یہاں تک کہ ذی القعدہ کا مہینہ آ گیا۔

(فائدہ) اسلام میں شرعی احکام کا تعلق عربی مہینوں سے ہے، جو قمری مہینے ہیں اور جس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ اسلام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفَلَمْ تَكُنْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ
 الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَتَفَرُّوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ وَيَسْتَبَدِلُ قَوْمًا
 عَزِيزًا وَلَا تَتَضَرَّوهُ سَبِيْعًا ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَتَضَرَّوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 ثَانِيَ الثَّنِينَ إِذْ هُمَا فِي الْعِلَاءِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ ۚ وَ
 آيَةٌ لَهُمْ يَنْبُؤُهُمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى ۚ وَاللَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو (۳۲) تو بھاری ہو کر
 زمین سے لگے جاتے ہو، کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی
 زندگی کا فائدہ بہت ہی تھوڑا ہے ﴿۳۸﴾ اگر تم جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا، اور
 تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا، اور تم لوگ اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے
 ﴿۳۹﴾ اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہیں کرو گے تو (کوئی فرق نہیں پڑتا) اللہ نے ان کی مدد اس وقت کی جب کافروں
 نے انہیں نکال دیا تھا، اور وہ دو میں سے ایک تھے جب دونوں غار میں تھے، اور اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم
 نہ کیجئے، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے انہیں اپنی طرف سے تسکین دیا، اور ایسے لشکر کے ذریعہ انہیں
 قوت پہنچائی جسے تم لوگوں نے نہیں دیکھا، اور کافروں کی بات نیچی کر دکھائی، اور اللہ کی بات اوپر ہوئی، اور اللہ
 زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۴۰﴾

سے پہلے مہینہ اور سال کی تعیین کے لئے عام الفیل کا اعتبار ہوتا تھا، اور ابتدائے اسلام میں سال کی ابتدا ربیع الاوّل سے ہوتی
 تھی۔ اس کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قمری مہینوں کی ابتدا محرم کے مہینے سے کی ہے جس پر امت کا اتفاق ہو گیا۔
 (۳۲) اس سورت کی ابتدا میں بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مرکزی مضامین میں سے ایک مضمون غزوہ تبوک اور اس سے متعلق
 حالات و واقعات اور احکام ہیں۔ یہ آیات کریمہ غزوہ تبوک کے موقع سے نازل ہوئی تھیں، اور ان میں ان منافقین اور ضعیف
 الایمان مسلمانوں کی زجر و توبیح کی گئی ہے جو اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

فتح مکہ کے ایک سال بعد رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کر رہا ہے، چنانچہ
 آپ ﷺ نے شوال ۹ھ میں مسلمانوں کو جنگی تیاری کا حکم دے دیا۔ زمانہ سخت گرمی کا تھا، پھلوں کے پکنے کا وقت تھا، مسلمان
 عام تنگدستی میں تھے، لیکن پھر بھی مخلص مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور لشکر کی تیاری میں داسے درے
 قدمے سختی سے حصہ لیا اور جنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہرقل کو جب رسول اللہ ﷺ کے آنے کی خبر ملی تو پیچھے ہٹ گیا، اور آپ ﷺ
 لشکر اسلام کے ساتھ تبوک کے مقام پر ہیں دن تک قیام کرنے کے بعد واپس ہوئے، اسی کو غزوہ تبوک کہا جاتا ہے، اگرچہ
 جنگ نہیں ہوئی لیکن جیسا کہ سورت کی ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ اس کے نتائج بہت ہی دور رس نکلے، اس غزوہ میں بعض ضعیف
 الایمان مسلمان اور بہت سے منافقین گرمی کی شدت کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔ یہ آیتیں اسی پس منظر میں نازل ہوئی تھیں۔
 آیت (۳۸) میں دنیاوی مال و متاع کی حقارت اور آخری زندگی کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد اور مسلم نے روایت

لَا تُرِيدُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

(مسلمانو! راہ جہاد میں نکلو (۳۳) بلکہ ہوتب اور بھاری ہوتب، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اگر تمہارے پاس کچھ علم ہے تو (جان لو کہ) یہی تمہارے لئے بہتر ہے ﴿۳۱﴾)

کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”دنیا کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکال لے“۔ الحدیث۔

آیت (۳۹) میں ان لوگوں کے لئے بالخصوص شدید و عید ہے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، اور بالعموم ان تمام لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

آیت (۴۰) میں نبی کریم ﷺ کو اطمینان و یقین دلایا گیا ہے کہ ظاہری اسباب کے ذریعہ آپ کی مدد تو آپ کے اطمینان کے لئے ہے، ورنہ اللہ کسی ظاہری سبب کا محتاج نہیں ہے، اگر لوگ آپ کی مدد نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں وہ تو ہر حال میں اپنے نبی کی مدد کرتا رہے گا، اور کبھی بھی اسے تنہا نہیں چھوڑے گا، اور اس کی مثال ہجرت کے وقت کے حالات ہیں جب اہل مکہ نے آپ ﷺ کو قتل کر دینا چاہا اور آپ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے چھپ کر نکلے اور تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے، دشمنوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں پالینے کی ہر انسانی تدبیر کر ڈالی، لیکن اللہ نے اپنے نبی کی حفاظت کی اور بحفاظت تمام مدینہ منورہ پہنچایا۔

﴿ثَانِي اثْنَيْنِ﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام احمد اور بخاری و مسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ہم غار میں تھے تو میری نظر مشرکین کے قدموں پر پڑی، جبکہ وہ ہمارے سروں پر کھڑے تھے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اگر دشمنوں میں سے کوئی اپنے قدموں پر نظر ڈالے گا تو ہمیں دیکھ لے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو بکر! آپ کا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے“۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر سکون و اطمینان نازل کیا، اور فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کی جو غار میں آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ اور کفر و شرک مغلوب ہوا اور توحید و اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

(۳۳) اس آیت کریمہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلنے کا صریح حکم ہے کہ مسلمان جس حال میں بھی ہوں، قوی ہوں یا ضعیف، مالدار ہوں یا فقیر، جوان ہوں یا بوڑھے، سوار ہوں یا پیادل جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ بہت صحابہ کرام اسی آیت کے پیش نظر کسی بھی غزوہ سے غیر حاضر نہیں رہے، لیکن جہاد کے اس حکم عام میں کمزور اور مریض شامل نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۹۱) میں فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ﴾ اور نہ اندھے اور لنگڑے شامل ہیں جیسا کہ سورہ نور آیت (۶۱) میں فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ﴾۔

اس کے بعد اللہ کی راہ میں جان و مال کے ذریعہ جہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے، تاکہ فقراء اپنی جانوں کے ذریعہ اور مالدار اپنی جانوں اور مال و دولت کے ذریعہ جہاد کریں، اس لئے کہ جہاد اسلام کا ایک عظیم ترین فریضہ ہے۔ اور عام حالات میں یہ فرض کفایہ ہے، لیکن اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ دشمن کے مقابلے کے لئے تمام مسلمانوں کا نکل کھڑا ہونا ضروری ہو جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ السُّعْيَةُ ۗ وَ سَيَعْلَمُوْنَ بِاِنَّهٗ لَوِ
 اسْتَفْعَنَّا لَجَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۙ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذْنَبْتْ لَهُمْ
 حَتّٰى يَنْبَئِيْنَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمُ الْكٰذِبِيْنَ ۙ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ
 اَنْ يُجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۙ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ
 الْاٰخِرِ وَ اَرْكَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَمُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَكَدُوْنَ ۙ

اگر کوئی فوری فائدہ (۳۴) ہوتا، اور سفر مختصر ہوتا تو وہ (منافقین) آپ کے پیچھے ہو لیتے لیکن ان کے لئے مسافت لمبی
 اور کٹھن ہو گئی، اور وہ اللہ کی قسم کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے لئے ممکن ہوتا تو تمہارے ساتھ ضرور نکلتے، یہ خود اپنی
 ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ لوگ بڑے جھوٹے ہیں ﴿۳۴﴾ اللہ آپ کو معاف کرے، آپ
 نے انہیں (گھروں میں رہ جانے کی) اجازت (۳۵) کیوں دے دی، تاکہ سچے لوگ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتے،
 اور جھوٹوں کو بھی آپ جان جاتے ﴿۳۴﴾ جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ آپ سے اجازت
 نہیں مانگتے ہیں کہ اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کرنے سے پیچھے رہ جائیں، اور اللہ تقویٰ والوں کو
 خوب جانتا ہے ﴿۳۴﴾ آپ سے اجازت صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں،
 اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں، پس وہ اپنے اسی شک میں سرگرداں ہیں ﴿۳۵﴾

(۳۴) جو منافقین غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے انہی کی دینی اور اخلاقی گراؤٹ بیان کی گئی ہے کہ آخرت ان کی نگاہوں
 سے اوجھل ہے، ان کا مٹھ نظر صرف دنیاوی مفاد ہے۔ اگر تبوک کا نہیں کسی قریب کی جگہ کا سفر ہوتا، اور کوئی فوری دنیاوی
 فائدہ نظر آتا تو ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے، لیکن راستہ طویل، گرمی کا زمانہ اور کوئی ظاہری دنیاوی فائدہ سامنے نہیں، اسی لئے
 انہوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں، بہانے کئے اور جہاد میں جانے سے پیچھے رہ گئے، اور اللہ کی ناراضگی اور اپنی ہلاکت و بربادی
 کا سامان کیا۔

(۳۵) نبی کریم ﷺ کو محبت بھرے انداز میں عتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، آپ نے اگر انہیں اجازت نہ دی
 ہوتی تو اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ جھوٹوں کا پول کھل جاتا اور سچوں کا پتہ چل جاتا، اس لئے کہ مجاہد کے قول کے مطابق یہ آیت ایسے
 ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ ہم محمد سے اجازت مانگیں گے، اگر مل گئی تو بہتر ہے ورنہ پھر بھی
 نہیں جائیں گے۔

اسی لئے آیت (۳۴) میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مؤمنین صادقین نے آپ سے اجازت نہیں مانگی تھی، اور آیت
 (۳۵) میں خبر دی ہے کہ آپ سے اجازت صرف منافقین نے مانگی تھی، جن کے دلوں میں نفاق رچ بس گیا ہے۔

یہاں نبی کریم ﷺ سے عفو و درگزر کا ذکر انہیں عتاب کرنے سے پہلے اس لئے آیا ہے، تاکہ عتاب پر آپ کو کوئی
 حزن و ملال نہ ہو، اور معلوم ہو جائے کہ اگرچہ منافقین کو اجازت دے دینا مناسب نہیں تھا، لیکن اللہ نے اسے درگزر فرمادیا۔
 فائدہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے بعد سورہ نور کی آیت (۶۲) ﴿ فَاِذَا سَأَلَكَ بِغَضِّ شَأْنِهِمْ فَاذْنِ لِمَنْ

وَلَوْ آذَاوَا الْحُرُوبَ لَأَعَدُّوْا لَهُ عُدَّةً ۗ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۳۶﴾
 لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أَوْضَعُوا خِلْفًا لَكُمُ الْيَمِينَةَ ۗ وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ ۗ وَ
 اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾ لَقَدْ ابْتَعُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلِ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ
 وَهُمْ كَرُهُونَ ﴿۳۸﴾

اور اگر ان کا ارادہ نکلتے (۳۶) کا ہوتا تو اس کے لئے تیاری کرتے، لیکن اللہ نے (جہاد کے لئے) ان کی روانگی کو پسند نہیں کیا اس لئے انہیں روک دیا، اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی عذر والوں کے ساتھ بیٹھے رہ جاؤ ﴿۳۶﴾ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے لئے شر و فساد میں اضافہ ہی کرتے، اور فتنہ پھیلانے کے ارادے سے تمہاری صفوں میں جھوٹی باتوں کے گھوڑے دوڑاتے، اور اب بھی تمہارے درمیان ان کے جاسوس موجود ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۳۷﴾ انہوں نے پہلے بھی (غزوہ اُحد اور غزوہ خندق میں) فتنہ (۳۷) پیدا کرنا چاہا تھا، اور معاملات کو آپ کے لئے اٹلتے پلٹتے رہے تھے، یہاں تک کہ حق سامنے آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا، اگرچہ وہ نہیں چاہتے تھے ﴿۳۸﴾

شَيْفَتٍ مِنْهُمْ ﴿۳۸﴾ نازل ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ وہ جسے چاہیں کسی بات یا کام کی اجازت دے سکتے ہیں۔ امام شوکانی نے دونوں آیتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اس آیت کریمہ میں پوری طرح چھان بین کرنے سے پہلے اجازت دے دینے کی بات کی گئی ہے، جو اللہ کے نزدیک معلوم مصلحت کے خلاف تھی، اور سورہ نور والی آیت بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کے نازل ہونے کے پہلے سے ہی اللہ کی طرف سے اختیار تھا کہ آپ چھان بین کرنے کے بعد جس کو چاہیں اجازت دیں۔

(۳۶) منافقین اپنا عذر بیان کرنے میں قطعی جھوٹے ہیں، اگر ان کا ارادہ آپ کے ساتھ نکلنے کا ہوتا تو ہتھیار، زاد سفر اور سواری کی تیاری کرتے، لیکن ان کا ایسا ارادہ ہی نہیں تھا، اس لئے اگر انہیں اجازت مل بھی جاتی تو بھی آپ کے ساتھ نہ جاتے۔ اللہ نے بھی نہیں چاہا کہ وہ آپ کے ساتھ جائیں، اس لئے کہ اگر وہ جاتے تو انہی جیسے کچھ دوسرے لوگ جو آپ کے ساتھ گئے تھے، انہیں خراب کرتے (جنہیں قرآن نے "سَمَاعُونَ" یعنی منافقین کے جو اسیس بتایا ہے۔ اسی لئے اللہ نے ان کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ وہ آپ کے ساتھ نہ جائیں) اور مسلمانوں کی صفوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والوں میں عبد اللہ بن ابی بن سلول اور الجعد بن قیس جیسے لوگ تھے، اگر یہ لوگ فوج میں ہوتے تو ان تمام لوگوں کے ذہنوں کو خراب کرتے جن سے ان کا تعلق تھا اور جو ان کے دنیاوی مقام و جاہ کی وجہ سے ان کی بات مانتے تھے۔

(۳۷) منافقوں کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابتدائے اسلام سے یہی رویہ رہا، ہمیشہ ہی شر پھیلانے اور صحابہ کرام کو آپ سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے جنگ اُحد کے موقع سے کیا کہ راستہ سے ہی اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا، جن کی تعداد ایک تہائی لشکر اسلام کے قریب تھی، اور منافقین پوری مدنی زندگی میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش ہی کرتے رہے، جس کی تفصیل سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس لئے اگر غزوہ تبوک کے موقع سے بھی انہوں نے سازش کی، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے اور دوسروں کی بھی ہمت پست کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائِذْنِي وَا لَا تَقْتُلْنِي الْاِي الْقِنْتَةَ سَقَطُوا وَاِنْ جِهَتُمْ لِكَيْطَبَةَ بِالْكَفَرِيْنَ ۝ اِنْ تُصَبِّكَ حَسَنَةً لَّنُؤْتَمَّ وَاِنْ تُصَبِّكَ مُصِيبَةً يَقُولُوْا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرًا مِّنْ قَبْلُ وَيَتَوَكَّلُوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللهِ فَكَيْتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبُّصُوْنَ بِنَا اِلَّا اِحْدَى الْحُسْنِيِّيْنَ ؕ وَنَحْنُ نَرَبُّصُ بِكُمْ اَنْ يُصِيبَكُمْ اللهُ بَعْدَ اِيَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ اَوْ يَأْتِيَنَا فِتْرًا نَّحْصُوْا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے اجازت (۳۸) دے دیجئے، اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے، تو آگاہ رہئے کہ وہ تو آزمائش میں پھنس گئے ہیں، اور بے شک جہنم کافروں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئی ہے ﴿۳۹﴾ اگر آپ کو کوئی خوشی ملتی ہے تو یہ بات انہیں تکلیف (۳۹) پہنچاتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے سے ٹھیک کر رکھا ہے، اور پیٹھ پھیر کر خوشیاں مناتے ہوئے چل دیتے ہیں ﴿۴۰﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ہم تک وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ (۴۰) دیا ہے، وہ ہمارا آقا ہے، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۴۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ تم ہمارے سلسلہ میں دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک کے علاوہ اور کس بات کا انتظار کرتے ہو، اور ہم تمہارے بارے میں انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تمہیں کسی عذاب میں مبتلا کر دے، یا تو خود اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں، پس تم لوگ انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ ان کی ہزار سازشوں کے باوجود اللہ کا دین غالب ہو کر رہا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آگئے تو سارے عرب نے ان کے خلاف محاذ کھول دیا، اور مدینہ میں رہنے والے یہود اور منافقین نے بھی پوری قوت کے ساتھ مخالفت شروع کر دی۔ جب اللہ نے آپ کو میدان بدر میں فتح و نصرت عطا فرمائی، اور اسلام غالب ہوا تو عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ اب یہ دین آگے چل نکلا، چنانچہ وہ لوگ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن اللہ نے جب بھی اسلام اور مسلمانوں کو عزت دی، ان منافقین پر غیظ و غضب کے مارے موت طاری ہوتی رہی۔

(۳۸) محمد بن اسحاق نے زہری، مجاہد اور ابن عباس وغیرہم سے روایت کی ہے کہ یہ آیت العجد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو بنو سلمہ کا سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے تو ایک دن اس سے کہا کہ تم اہل روم کی دودھ دینے والی اونٹنیوں میں رغبت رکھتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ اللہ کے رسول! آپ مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دیجئے اور قنہ میں نہ ڈالئے، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے ان کی عورتوں کو دیکھ لیا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ میں نے تجھے اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اجازت لینے کے لئے جو غیر مؤدبانہ اسلوب اختیار کیا، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا قنہ ہو سکتا ہے کہ غیر مؤدبانہ جموٹا عذر پیش کیا اور جہاد سے پیچھے رہ گیا۔ (۳۹) منافقین کی رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے عداوت کوئی ذمہ کی چھٹی بات نہیں تھی، مسلمانوں کی ہر خوشی سے انہیں تکلیف

قُلْ أَنْفُسُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِتْكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۵۱﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَأَلْيَفْقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ﴿۵۵۲﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵۳﴾

آپ کہنے کہ تم چاہے خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی^(۳۱) سے، تمہاری جانب سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ تم لوگ فاسق ہو ﴿۵۵۳﴾ اور اللہ کی راہ میں ان کے خرچ کئے ہوئے اموال صرف اس لئے قبول نہیں کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا ہے، اور نماز کے لئے آتے بھی ہیں تو کابلی اور سستی کے ساتھ، اور اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں تو دل سے نہ چاہتے ہوئے ﴿۵۵۳﴾ پس آپ کو ان کا مال و دولت اور ان کی اولاد دھوکے^(۳۲) میں نہ رکھے، اللہ تو چاہتا ہے کہ انہیں ان کے سبب دنیاوی زندگی میں عذاب دے، اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں ﴿۵۵۳﴾

ہوتی تھی، اور ان کی ہر تکلیف پر خوش ہوتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم نے تو پہلے سے ہی احتیاط کر لیا تھا اور جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے، اسی لئے تو آج اوروں کی طرح قتل نہیں کئے گئے ہیں، اور انہوں نے ہماری بات نہیں مانی تو یہ دن دیکھنا پڑا!

(۳۰) اللہ تعالیٰ نے منافقین کی کجواس کا جواب دیا ہے کہ اے میرے رسول! آپ ان سے کہئے کہ ہمیں دنیا میں اگر کوئی خوشی ملتی ہے تو اللہ کا انعام ہوتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ کی مشیت سے، ہمیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اسے اللہ نے ہماری تقدیر میں لکھ رکھا ہے۔ تمہیں اپنے قتل نہ ہونے پر خوش نہیں ہونا چاہئے، جب تمہاری باری آجائے گی تو کوئی تدبیر تمہیں نہیں بچا سکے گی۔ اور ہم تو مسلمان ہیں، ہمارا آقا تو اللہ ہے، ہم تو ہر حال میں اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

آیت (۵۲) میں منافقین کو مزید ذہنی اذیت پہنچانے کے لئے اللہ نے کہا کہ اے میرے رسول! آپ ان سے کہئے کہ تم ہمارے بارے میں اللہ کی جانب سے دو عظیم بھلائیوں میں سے ایک کے سوا اور سوچ ہی کیا سکتے ہو، یا تو ہمیں دشمنوں پر فتح ملے گی یا اللہ کی راہ میں شہادت۔ اور ہم تمہارے بارے میں انتظار کر رہے ہیں کہ کب اللہ تم پر کوئی عذاب بھیج دے، یا ہمارے ہاتھوں تمہارا صافیا کر دے۔ اس لئے تم بھی انتظار کر لو، ہم بھی انتظار کر لیتے ہیں، عنقریب تم ہماری خوشیوں کا مشاہدہ کر لو گے اور ہم تمہارے غم و آلام کے قصے غیروں سے سُن لیں گے۔

(۳۱) منافقین چاہے اپنی خوشی سے خرچ کریں، یا قتل کے خوف سے اللہ تعالیٰ سے قبول نہیں کرے گا، اس لئے کہ وہ اللہ کے نافرمان بندے ہیں۔ اس سبب کی مزید توضیح آیت (۵۳) میں کر دی گئی کہ اللہ کی راہ میں ان کا خرچ اس لئے قابل قبول نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں، نماز کو بہت بڑا بوجھ سمجھتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جرمانہ سمجھتے ہیں۔ نسائی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اللہ اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو اللہ کے لئے خالص ہو، اور اسی کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔“ اور سورہ مائدہ (۲۷) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ کہ ”اللہ صرف تقویٰ والوں کا عمل قبول کرتا ہے۔“

وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ اِثْمَهُمْ كِذْبًا وَمَا هُمْ بِبَشِيرِينَ ۗ وَلَئِنَّهُمْ قَوْمٌ يَكْفُرُونَ ۝ لَوْ يَسُدُّونَ مَلْجَأَ اَوْمَعْرَاتٍ اَوْ مَدَنًا خَلَآ لَوْ كُوَالِ اِيَّهِ وَهُمْ يَجْحَدُونَ ۗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكْتُمُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۗ اِنْ اَعْطَوْا مِنْهَا رِضْوَانًا اِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۗ وَلَوْ اَنَّكُمْ رِضْوَانًا مَا اتَّخَذَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۙ وَاَلَا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيِّدُنَا ۙ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۙ اِنَّا اِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۙ

اور وہ اللہ کی قسم (۳۲) کھاتے ہیں کہ وہ لوگ یقیناً تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ ڈرپوک لوگ ہیں ﴿۵۱﴾ اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ (۳۳) یا کوئی غاریا سر داخل کرنے کی کوئی جگہ مل جاتی تو بدکتے ہوئے اس جانب بھاگ کھڑے ہوتے ﴿۵۲﴾ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اموالِ صدقہ کی تقسیم کے بارے میں آپ میں عیب (۳۵) نکالتے ہیں، پس اگر انہیں ان میں سے دیا جاتا ہے تو خوش رہتے ہیں، اور اگر انہیں ان میں سے نہیں دیا جاتا ہے تو ناراض ہو جاتے ہیں ﴿۵۸﴾ اور اللہ اور رسول نے انہیں جو دیا تھا، اگر وہ اس پر خوش رہتے، اور کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے، وہ عنقریب ہمیں اپنے فضل و کرم سے مزید دے گا، اور اس کے رسول دیں گے، ہم بے شک اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا) ﴿۵۹﴾

(۳۲) رسول اللہ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ منافقین کے مال و دولت، اولاد اور ان کی دنیاوی چمک دمک کی وجہ سے آپ دھوکے میں نہ آجائیں، یہ تو انہیں ڈھیل دی گئی ہے، تاکہ اپنی جان جو حکم میں ڈال کر مال و دولت حاصل کریں، اس کی حفاظت کے لئے دن کا چین اور رات کا سکون کھو بیٹھیں، اور اللہ کی طرف سے اس سلسلے میں مصائب و شدائد کو برداشت کریں، اور بالآخر ان کی موت کفر پر ہو جائے۔

(۳۳) منافقین کو کسی حال میں بھی چین نہیں۔ ایک طرف تو میدانِ جہاد میں قتل کا خوف، اور دوسری طرف یہ خوف کہ کہیں ان کا نفاق مسلمانوں پر کھل نہ جائے، اسی لئے قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ بھی مخلص مسلمان ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں گواہی دیتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ تو قسم صرف اس ڈر سے کھاتے ہیں کہ کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں۔ (۳۴) مسلمانوں سے ان کے خوف اور نفرت کا حال یہ ہے کہ اگر انہیں کوئی پناہ گاہ، یا کوئی غاریا اور کوئی داخل ہونے کی جگہ مل جاتی تو وہاں چلے جاتے تاکہ مسلمانوں سے دور ہوتے، اور اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی اور ان کے فتح و غلبہ کی باتیں سن سن کر ان کے دل پر جو چر کے گلتے ہیں اس سے نجات مل جاتی۔

(۳۵) بعض منافقین نبی کریم ﷺ پر صدقات کی تقسیم کے بارے میں نکتہ چینی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد عدل و انصاف سے کام نہیں لیتا، اپنے چہیتوں کو زیادہ دیتا ہے اور ہمیں کم، اللہ نے فرمایا کہ ایسا سوچنا ان کی دنیا پرستی اور نفاق کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ مخلص مسلمان ہوتے تو اللہ اور رسول کی تقسیم پر راضی رہتے اور کہتے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور اللہ آئندہ اپنے فضل و کرم سے مزید دے گا، اور ہمارا مقصود حیات تو یہ ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے۔

بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، اور آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ بنی تمیم کے ذوالخویصرہ نامی شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! انصاف سے کام لیجئے تو رسول اللہ ﷺ

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الزَّكَاةِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۶۰﴾

بے شک اموال صدقہ (۶۰) فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور انہیں اکٹھا کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے ہیں جن کا دل جیتنا مقصود ہو، اور غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے کے لئے اور قرضداروں کا قرض چکانے کے لئے، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اور مسافر کے لئے ہیں، یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۶۰﴾

نے فرمایا کہ تمہاری بربادی ہو، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہیں جن کی نماز اور روزے کے مقابلے میں تم لوگ اپنی نماز اور روزے کو حقیر جانو گے، وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں، لیکن ان کی گردنوں سے آگے نہیں بڑھتا، وہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ (۶۱) رسول اللہ ﷺ کی تقسیم صدقات پر منافقین کی نکتہ چینی بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ صدقات کی صحیح تقسیم اور ان کے حقداروں کی تعیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے، جو عین انصاف ہے۔ نبی کریم ﷺ تو صرف اللہ کے بتائے ہوئے حکم کے مطابق حقداروں تک پہنچا دیتے ہیں، جیسا کہ ابو داؤد نے زیاد بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، تو ایک آدمی آیا اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگا کہ مجھے صدقہ کے مال میں سے دیجئے، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صدقات کی تقسیم کے سلسلے میں کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا، بلکہ اس نے خود ہی اس بارے میں فیصلہ کیا، اور اس کے آٹھ حصے کر دیئے۔ اگر تم ان لوگوں میں سے ہو گے تو تمہارا حق دوں گا۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے جنہوں نے تقسیم صدقہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ پر نکتہ چینی کی تھی۔

آیت میں جن آٹھ قسم کے لوگوں کے لئے زکاۃ کے جواز کی تحدید کر دی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱- فقیر: یعنی وہ مسلمان جس کے پاس اپنے اخراجات کے لئے کچھ مال ہو۔
- ۲- مسکین: جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ بعض نے فقیر و مسکین میں امتیاز اس طرح پیدا کیا ہے کہ دونوں ہی کے پاس کچھ نہیں ہوتا، لیکن فقیر دوسروں سے نہیں مانگتا ہے اور مسکین دوسروں سے مانگتا ہے۔
- ۳- زکاۃ کے ملازمین: ان کی تنخواہیں اسی مال سے دی جائیں گی۔
- ۴- ایسے نو مسلموں کا دل جیتنے کے لئے جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ کی امید ہو، اسی طرح وہ غیر مسلم جس کے بارے میں توقع ہو کہ وہ اسلام لانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لئے نافع ہوگا۔
- ۵- غلاموں اور لونڈیوں کے لئے تاکہ وہ اپنے آپ کو آزاد کرا سکیں۔
- ۶- قرضدار: جو اپنے اور اپنے بال بچوں پر جائز اخراجات کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہو، اور اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے نقدی یا کوئی جائداد وغیرہ نہ ہو۔

وَمِنَهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَدْنَىٰ أُمَّةٍ قُلْ اَلَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۱﴾

اور ان منافقین میں بعض ایسے ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان کا ہلکا (۴۷) ہے (ہر ایک کی سُن لیتا ہے) آپ کہئے کہ وہ تمہارے لئے خیر کی باتیں سنتا ہے، اللہ پر یقین رکھتا ہے، اور مومنوں کی باتوں پر بھروسہ کرتا ہے، اور تم میں سے ایمان والوں کے لئے وہ سراپا رحمت ہے، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۶۱﴾

۷۔ اللہ کی راہ میں: اس سے جہاد فی سبیل اللہ بدرجہ اولیٰ مراد ہے۔ فخر الدین رازی کا خیال ہے کہ اس سے صرف مجاہدین ہی مراد نہیں ہیں۔ قتال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ خیر کے تمام کاموں میں زکاۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے، جیسے مُردوں کی تجہیز و تکفین، مسلمانوں کے لئے قلعوں اور مساجد کی تعمیر، اس لئے کہ ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ میں سارے کام داخل ہیں۔

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کا کلمہ عام ہے، جس کا اطلاق ہر اس نیک کام پر ہوتا ہے جس سے مقصود اللہ کی قربت حاصل کرنی ہو۔ ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حج کو ﴿سَبِيلِ اللَّهِ﴾ میں شمار کیا ہے۔ سعودی عرب کے دارالافتاء کا فتویٰ ہے کہ اسلامی مدارس، جمعیات اور دعوتی مراکز ﴿سَبِيلِ اللَّهِ﴾ میں داخل ہیں۔ اس لئے ایسی بلڈنگوں کی تعمیر، ان کے ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات زکاۃ سے دینا جائز ہے۔ اسی طرح دعوتی کتابوں اور پمفلٹوں کی طباعت بھی زکاۃ کے مال سے جائز ہے، کیونکہ یہ سارے کام اللہ کی راہ میں اور اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

۸۔ مسافر: جس کا زادِ سفر ختم ہو جائے یا چوری ہو جائے تو اسے زکاۃ کا مال دیا جائے گا، چاہے وہ اپنے شہر میں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

امام شافعی وغیرہ کا خیال ہے کہ زکاۃ کی رقم آٹھوں قسم کے لوگوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آٹھوں اقسام کا ذکر تحدید کے ساتھ کیا ہے تو سب پر تقسیم لازم ہے۔ اور ابوداؤد کی زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اللہ نے زکاۃ کی تقسیم کی تحدید آٹھ قسم کے لوگوں میں کر دی ہے“۔ اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور جمہور اہل علم کی رائے ہے کہ اگر آٹھوں میں سے بعض قسم کے لوگوں کو زکاۃ کی پوری رقم دے دی جائے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ آیت سے مقصود یہ نہیں ہے کہ زکاۃ تمام قسموں پر ضرور تقسیم کی جائے، بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ زکاۃ انہی لوگوں کے لئے جائز ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اپنے بندوں پر فرض کر دیا ہے، اور اس سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴۷) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو منافقین مسلمانوں کے پاس آکر قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی مخلص مسلمان ہیں، ان میں سے بعض ان نکتہ چینی منافقوں سے بھی بدتر ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا کہتے ہیں کہ محمد بہت ہی سیدھا اور بے بصیرت آدمی ہے کہ وہ

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ
 مَنِ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿۳۹﴾ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُكَلَّمَ
 عَلَيْهِمْ سُورَةُ تُنْفِثُهُمْ فِيهَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ اسْتَهِزُّوا إِنَّا اللَّهُ مُخْرِجُ مَا تَحْذَرُونَ ﴿۴۰﴾ وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ
 لِيَقُولُوا إِنَّمَا أَكْمُرُكُمْ بِمَا أَنْتُمْ كَاذِبُونَ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ لَمْ يَكُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۱﴾ لَاتَعْتَذِرُوا قَد كَفَرْتُمْ
 بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ يُعَذِّبُ طَائِفَةٌ لَأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۴۲﴾

وہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسم (۳۸) کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش رکھیں، حالانکہ اگر وہ مومن ہوتے تو اللہ اور اس کے رسول زیادہ حقدار تھے کہ انہیں خوش رکھتے ﴿۳۹﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، وہ بہت بڑی رسوائی ہوگی ﴿۴۰﴾ منافقین ڈرتے ہیں کہ آپ پر کوئی سورت نازل (۳۹) ہو جو ان کے دلوں کی خفیہ باتوں کو ان کے سامنے کھول کر رکھ دے، آپ کہتے کہ تم مذاق اڑاتے رہو، اللہ یقیناً ان باتوں کو باہر لانے والا ہے جن سے تم ڈرتے تھے ﴿۴۱﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو یونہی گپ شپ (۵۰) کرتے تھے اور دل بہلاتے تھے، آپ کہتے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے ﴿۴۲﴾ اب (جھوٹی) معذرت نہ پیش کرو، تم لوگ ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے ہو، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (ان کے تابع ہو جانے کے بعد) معاف کر دیں گے، تو دوسرے گروہ کو، اس لئے کہ وہ مجرمین تھے، ضرور سزا دیں گے ﴿۴۲﴾

ہر شخص کی بات مان لیتا ہے، ہم بھی جب اس کے سامنے قسم کھا لیتے ہیں تو ہماری بات بھی مان لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی کہ ہاں، نبی کریم ﷺ سنئے تو ہیں، لیکن وہی باتیں جو مسلمانوں کے لئے مفید ہوتی ہیں اور جو ان کے لئے باعث رحمت ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ نرم خو ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور مومنین صادقین کی خیر و صلاح سے متعلق باتوں کو مان لیتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ ایسی باتوں کے ذریعہ نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ (۳۸) منافقین جب اپنی خلوتوں میں ہوتے تو مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ پر طعنہ زنی کرتے، اور جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو ہوتی، اور ان سے پوچھا جاتا تو قسمیں کھا کر کہتے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا، تاکہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر مسلمان اُن سے خوش رہیں۔ ان کے اسی نفاق اور اخلاقی گراؤٹ پر قرآن کریم نے ماتم کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ حقدار تھے کہ وہ لوگ انہیں راضی کرتے اور نفاق سے تابع ہو جاتے۔

آیت (۶۳) میں اُن کے نفاق کا انجام بد بتایا گیا ہے کہ کیا انہیں پتہ نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کا بدلہ جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

(۳۹) ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر وغیرہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ منافقین آپس میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جب کوئی بات کرتے تو ڈرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو اللہ ہماری بات محمد کو بتا دے۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک منافق نے کہا کہ کاش ہمیں سو (۱۰۰) کوڑے لگائے جاتے اور ہمارے بارے میں قرآن نہ نازل ہوتا جو ہمارا پردہ فاش کر دیتا ہے تو یہ آیت نازل ہوتی،

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِرْمٌ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَنكِرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ
أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۷﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ
جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعْنَةُ اللَّهِ وَاللَّهُ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۵۸﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کا حال ایک (۵۷) ہے، سبھی برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ بھی انہیں بھول گیا، بے شک منافقین ہی فاسق لوگ ہیں ﴿۶۷﴾ اللہ نے منافقین مردوں اور منافقین عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے، جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، یہی سزا ان کے لئے کافی ہوگی، اور اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی ہے، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا ﴿۶۸﴾ اور اللہ نے انہیں دھمکی دی کہ خوب اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاؤ، لیکن یہ جان لو کہ اللہ تمہاری تمام خباثوں اور منافقوں کو طشت ازبام کر کے رہے گا۔

(۵۰) ابو نعیم نے ”حلیہ“ میں شریح بن عبید سے اور ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ وغیرہم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی (اور وہ غالباً عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا) نے غزوہ تبوک کے موقع سے ایک مجلس میں کہا کہ ہم نے ان قرآء سے زیادہ جموٹا اور بزول نہیں دیکھا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی اور قرآن نازل ہوا، تو وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر دوڑ رہا تھا اور لوگ اسے پتھر سے مار رہے تھے، اور کہتا تھا کہ یا رسول اللہ! ہم یونہی گپ شب کر رہے تھے، اور نبی کریم ﷺ کہتے جا رہے تھے کہ کیا تم لوگ اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے تھے؟

آیت (۶۶) میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کو مخاطب کر کے کہا کہ اب کوئی عذر قابل قبول نہیں، تمہارا کفر ظاہر ہو چکا۔ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے تو ہم انہیں معاف کر دیں گے، لیکن جو لوگ اپنے نفاق پر اصرار کریں گے اور اسی طرح قرآن اور اسلام کا مذاق اڑاتے رہیں گے، اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچاتے رہیں گے تو ان جرائم کی پاداش میں ہم انہیں ضرور سزا دیں گے۔

(۵۱) آیت (۵۶) میں گذر چکا ہے کہ منافقین قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے تھے کہ وہ بھی انہی کی طرح مخلص مسلمان ہیں۔ اس آیت میں انہی منافقین کی تردید کی گئی ہے کہ منافقین چاہے مرد ہوں یا عورتیں نفاق، خست، دناعت اور عدم ایمان میں سبھی ایک جیسے ہیں، اور سب کے حالات مومنوں کے حالات سے بالکل مختلف ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں، صلہ رحمی، جہاد اور کسی بھی خیر کے کام میں خرچ نہیں کرتے ہیں، اور اللہ کی یاد سے قطعی طور پر غافل ہوتے ہیں، اس لئے آخر کار اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا، اور اپنی رحمت سے محروم کر دیا، اور اس لئے بھی کہ منافقین اپنے کفر و سرکشی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

آیت (۶۸) میں ان کا آخری انجام بتایا گیا کہ جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا اور یہ سزا ان کے لئے کافی ہوگی، اور ان پر اللہ کی لعنت برس رہی ہوگی، اور جس عذاب میں وہ مبتلا ہوں گے وہ دائمی ہوگا کبھی ختم نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَكَثُرُوا مَالَهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ، فَاسْتَبَعُوا بِمَخْلَقِهِمْ فَاسْتَبَعْتُمْ
بِمَخْلَقِكُمْ كَمَا اسْتَبَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِمَخْلَقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِينَ خَاضُوا أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵۲﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَ
ثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرٰهِيْمَ وَأَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَةَ ، أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ، فَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيُظِلَّهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۳﴾ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَدٍ تَحَرَّىٰ
الْأَنْهَارَ خٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّةٍ عَدْنٍ وَّرِضْوَانٍ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۵۵﴾

تم ان لوگوں کے مانند ہو جو تم سے پہلے (۵۲) تھے، وہ لوگ تم سے زیادہ قوی اور زیادہ مال و اولاد والے تھے، انہوں نے اپنے حصہ کی دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا، تو تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جس طرح ان لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے پہلے تھے، اور تم نے بھی (قرآن، اسلام اور نبی پر) نکتہ چینی کی، جیسا کہ انہوں نے کی تھی، ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے، اور وہی لوگ خائب و خاسر ہیں ﴿۶۹﴾ کیا ان تک ان لوگوں کی خبریں نہیں پہنچی ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے (۵۳) ہیں، یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور ان بستیوں کی خبریں جو اٹل دی گئی تھیں، ان کے انبیاء ان کے لئے کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پس اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿۷۰﴾ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار (۵۴) ہوتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، اللہ انہی لوگوں پر رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۷۱﴾ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جنتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے، اور جنات عدن میں عمدہ مکانات کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑھ کر ہوگی، یہی عظیم کامیابی ہوگی ﴿۷۲﴾

(۵۲) اس آیت میں خطاب منافقین کو ہے کہ تمہارا حال ان قوموں جیسا ہے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی طرح انعام کیا، وہ جسمانی قوت، مال و دولت اور اولاد کے اعتبار سے تم سے زیادہ اچھی حالت میں تھے، اور انہوں نے ان دنیاوی نعمتوں سے خوب فائدہ اٹھایا، خوب مزے کئے، اور کبر و غرور میں مبتلا ہو کر تمہاری ہی طرح اللہ کے دین اور اس کے رسول کے خلاف سازشیں کیں اور ان کا مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گئے، دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے، اور آخرت تو ان کی برباد ہے ہی۔ تو اے منافق! تم بھی خوب مزے اڑا رہے ہو اور آخرت سے غافل رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو، اس لئے تمہارا بھی انجام انہی لوگوں جیسا ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۵﴾
 اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے (۵۵) اور ان پر سختی کیجئے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے ﴿۵۳﴾

(۵۳) گذشتہ آیت میں اجمالی طور پر بتایا گیا کہ منافقین کا حال ان گذشتہ قوموں جیسا ہے جو پہلے ہلاک کی جا چکی ہیں۔ یہاں انہی قوموں میں سے چھ کے حالات نام لے کر بیان کئے جا رہے ہیں اور منافقین سے کہا جا رہا ہے کہ کیا انہوں نے ان قوموں کے بارے میں نہیں سنا کہ جب انہوں نے اللہ سے سرکشی کی تو ان کا انجام کیا ہوا، قوم نوح کو طوفان کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا، قوم عاد کو تیز و تند ہوا کے ذریعہ، قوم ثمود کو زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ، قوم ابراہیم کے بادشاہ نمرود کو چمھر کے ذریعہ جو اس کی ناک کے ذریعہ دماغ تک پہنچ گیا اور اس کی ہلاکت کا سبب بنا، قوم مدین یعنی قوم شعیب کو زلزلہ اور آگ کی بارش کے ذریعہ، اور قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں اور پھر ان پر پتھروں کی بارش کر دی گئی۔ ان قوموں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اللہ کی طرف سے ان پر ظلم نہیں تھا، بلکہ ان کے کفر، انبیاء کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی وجہ سے ہوا۔

(۵۴) آیت (۶۷) میں منافقین اور منافقات کی مذموم صفات بیان کرنے کے بعد اب یہاں مومنین اور مومنات کی صفات حمیدہ بیان کی جا رہی ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے دل سے محبت کرتے ہیں، اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا یہی تقاضا ہے، لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، جس میں سرفہرست توحید باری تعالیٰ اور صرف اسی کی عبادت کی دعوت دینی ہے، اور برائی سے رد کرتے ہیں، اور ذکر الہی میں مشغول رہنے کے لئے نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور منافقوں کی طرح اپنے ہاتھوں کو سینے نہیں رہتے، بلکہ اگر اللہ مال دیتا ہے تو اس کی زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور راہ سرکشی نہیں اختیار کرتے ہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اور ان خوبیوں کی وجہ سے دنیا میں ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

آیت (۷۲) میں بتایا گیا کہ آخرت میں انہیں ایسی جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جناتِ عدن میں اچھے مکانات ملیں گے، اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے خوش ہو جائے گا۔

امام مالک اور بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھے گا کیا تم لوگ خوش ہو گئے؟ تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کیوں نہ خوش ہوں، تو نے تو ہمیں وہ کچھ دے دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا ہے۔ تو اللہ کہے گا کہ کیا میں تجھے اس سے بھی افضل چیز نہ دوں؟ تو وہ پوچھیں گے، یا اللہ! اس سے افضل کیا چیز ہو سکتی ہے؟ تو اللہ کہے گا کہ میں تم سے خوش ہو گیا، اب کبھی بھی میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(۵۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کریں، اور آپ ﷺ کے بعد تا قیامت یہ حکم مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ اور کافروں سے جہاد یہ ہے کہ ان سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ اسلام لے آئیں، یا اگر یہود و نصاریٰ ہیں اور اسلام نہیں لاتے تو ذلت و رسوائی کے ساتھ جزیہ دیں، جیسا کہ اسی سورت کی آیت (۲۹) میں گزر چکا ہے۔ اور منافقین سے جہاد یہ ہے کہ دلائل و براہین کے ذریعہ ان کے خلاف حجت قائم کی جائے یہاں تک کہ تاب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ مسلمانو! کفار و منافقین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کرو، بلکہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

يَسْأَلُونَ يَا اللَّهُ مَا قَالُوا ۗ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَتُّوا بِالنَّمَةِ يَتْلُوهُ
وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا لَكُمْ خَيْرٌ اللَّهُمْ وَإِنْ يَتُوكُوا يُعَذِّبْهُمْ
اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا عَلَى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دُونِي وَلَا نَصِيرٌ ﴿٥٧﴾

منافقین اللہ کی قسم (۵۷) کھاتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بات نہیں کہی ہے، حالانکہ کفر کا کلمہ اپنی زبان پر لاپچھے ہیں، اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے ہیں، اور وہ کام کرنا چاہا جو وہ نہ کر سکے (۵۷) اور انہوں نے اس وجہ سے (رسول اللہ) پر عیب لگایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اللہ کے فضل سے انہیں مالدار (۵۸) بنا دیا تھا، پس اگر وہ توبہ کر لیں گے تو ان کے لئے بہتر ہوگا، اور اگر وہ منہ پھیر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور زمین پر کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہوگا ﴿۵۷﴾

(۵۷) علمائے تفسیر نے اس آیت کا شان نزول بیان کرنے کے لئے جو واقعات بیان کئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک کی تیاری کے دوران، اس غزوہ کے سفر میں، مقام تبوک میں قیام کے دوران، اور واپسی کے بعد منافقین کی زبان سے متعدد کفریہ کلمات نکلے، اور جب بھی رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہو جاتی اور ان سے پوچھا جاتا تو جھوٹ بول دیتے اور قسمیں کھا کر باور کرتے کہ وہ تو تخلص مسلمان ہیں، اس لئے اس سورت میں غزوہ تبوک کے موقع سے منافقین کے حالات بیان کرتے ہوئے کئی بار اس بات کا ذکر آیا ہے کہ منافقین قسمیں کھا کر اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنا چاہتے۔ ان میں سے دو واقعات زیادہ مشہور ہیں۔ ایک عبد اللہ بن ابی بن سلول کا ہے جس نے انصار کو غیر انصار کے خلاف ابھارنا چاہا تھا اور کہا تھا کہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کتے کو کھلا کر مونا کرو تا کہ تمہیں کھا جائے، اور کہا تھا کہ مدینہ واپسی کے بعد باعزت آدمی ذلیل آدمی کو نکال باہر کرے گا۔ اور باعزت سے اپنے آپ کو اور ذلیل سے (خاکم بدین) رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا تھا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی اور اس سے پوچھا تو قسم کھا گیا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی ہے۔

اور دوسرا واقعہ جسٹاس بن سوید کا ہے، جس نے منافقین سے کثرت نزول قرآن سے تنگ آکر کہا تھا کہ اگر یہ آدمی (رسول اللہ ﷺ) سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا تو قسم کھا گیا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ کہتے ہیں کہ بعد میں جسٹاس تائب ہو گیا تھا۔

(۵۷) امام مسلم نے "المصحیح" میں اور بیہقی نے "دلائل النبوة" میں حدیث بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقام تبوک میں قیام کے دوران بارہ آدمیوں نے رات کے وقت منہ پر نقاب ڈال کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہا تھا، آیت کے اس حصہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۵۸) رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل مدینہ بڑی تنگی میں زندگی گزارتے تھے۔ آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان کی اقتصادی حالت اچھی ہو گئی، جب بھی مالِ غنیمت ہاتھ آتا رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان تقسیم کرتے اور دوسرے اموال کے ذریعہ بھی ان کی ضرورتیں پوری کرتے رہتے۔ اور جسٹاس کا ایک غلام قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کی دیت دی جس کی وجہ سے وہ مالدار ہو گیا۔ گویا اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اور ان کے ذریعہ انہیں خوب نوازا۔ اس احسان

وَمِنْهُمْ مَن عَاهَدَ اللَّهُ لَئِنِ آتَيْنَاهُم مِّن فَضْلِهِ لَنُصَدِّقَنَّهُمْ وَلَنُكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۵۸﴾ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا وَفُجِرُوا هُم مَّعْرُضُونَ ﴿۵۹﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهَا بِمَا أَخْلَقُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۶۰﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۶۱﴾ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ الْمُنْظُوعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ يَسْخَرُ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۲﴾

اور ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے روزی دے گا تو صدقہ (۵۹) کریں گے اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۵۸﴾ پھر جب اس نے اپنے فضل سے روزی دی تو کجخوس ہو گئے اور منہ پھیر کر چل پڑے ﴿۶۰﴾ تو اللہ نے بطور سزا ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے نفاق پیدا کر دیا جب وہ اُس سے ملیں گے، اور یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی تھی اور جھوٹ بولتے تھے ﴿۶۱﴾ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے بھیدوں اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور بے شک اللہ غیب کی باتوں کا بڑا جاننے والا ہے ﴿۶۲﴾ جو لوگ ان مومنین کی عیب جوئی کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقہ و خیرات (۶۰) کرتے ہیں، اور ان مومنوں کے صدقے کا بھی مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس اپنی محنت کی کمائی کے علاوہ صدقہ کرنے کے لئے اور کچھ نہیں ہوتا، اللہ ان کا مذاق اڑائے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۶۲﴾

کا بدلہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ آپ ﷺ کا شکر یہ ادا کرتے، لیکن اس کے برعکس منافقین نے آپ کو قتل کر دینا چاہا۔ سچ کہا ہے جس نے بھی کہا ہے کہ جس پر احسان کرو اس کے شر سے ڈرتے رہو۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی دعوت دی ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں گے تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اگر منہ پھیر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ سخت عذاب دے گا۔

(۵۹) تاریخ و سیر کی کئی کتابوں میں آیا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب الانصاری کے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ نیز ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی تھے، اور بدری صحابیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بہت عظیم وعدہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ثعلبہ نامی کوئی اور آدمی رہا ہو اور نام میں مشابہت ہونے کی وجہ سے روایت میں غلطی ہو گئی ہو۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ! آپ میرے لئے روزی میں برکت کی دعا کر دیجئے، اگر اللہ مجھے روزی دے گا تو اس کے حقوق ادا کرتا رہوں گا، لیکن جب اللہ نے اس کی روزی میں خوب برکت دی تو اس کی نیت بدل گئی اور صدقہ و خیرات کرنے اور زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ثعلبہ والی روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اسے خبر ہوئی تو وہ اپنی زکاۃ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ آپ کے بعد ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی اس کی زکاۃ نہیں لی اور عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ مر گیا۔

ضحاک کا قول ہے کہ یہ آیت ایک نہیں کئی معروف منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن کا حال وہی تھا جو آیت میں

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے یا نہ کیجئے (۱۱) (برابر ہے) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا ہے، اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۸۰﴾

بیان کیا گیا ہے۔ آیات (۷۶/۷۷/۷۸) میں انہی منافقین کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے نفاق میں اور اضافہ کر دیا۔

(۶۰) منافقین ہر حال میں مسلمانوں میں عیب لگاتے تھے، اگر کوئی زیادہ مال اللہ کی راہ میں دیتا تو کہتے کہ یہ ریاکار ہے، اور اگر کوئی مزدور اپنی مزدوری لا کر صدقہ کے مال میں جمع کر دیتا تو کہتے کہ اللہ کو اتنے تھوڑے مال کی کیا ضرورت تھی۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دلائی تو عبدالرحمن بن عوف نے چار ہزار صدقہ کیا، اور عامر بن عدی نے ایک سو سق کھجور صدقہ کیا، تو منافقین نے طنز کیا کہ یہ محض ریاکاری ہے، اور ابو عقیل نے اپنی مزدوری ایک صاع کھجور لا کر صدقہ کے کھجوروں میں ڈال دیا تو منافقین نے ان کی خوب ہنسی اڑائی اور کہا کہ اللہ ابو عقیل کے ایک صاع کھجور کا محتاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقین کا یہ انجام بتایا کہ وہ اپنے مومن بندوں کے استہزاء کا انتقام ضرور لے گا، منافقین کو رسوا کرے گا، اور اپنے مومن بندوں کو اونچا کر دکھائے گا، اور آخرت میں ان منافقین کو دردناک عذاب ملے گا۔

(۶۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہے کہ منافقین اللہ کی مغفرت کے اہل نہیں ہیں، اس لئے آپ چاہے ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ اور ستر کے عدد سے مقصود مبالغہ ہے، یہ نہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ ستر سے زائد بار مغفرت طلب کریں گے تو اللہ منافقوں کو معاف کر دے گا۔

مسند احمد اور صحیحین کی روایت ہے، ابن عباس کہتے ہیں، میں نے عمر بن خطاب سے سنا ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرگیا تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے آپ ﷺ سے کہا گیا، آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے کہا کہ کیا آپ اللہ کے دشمن عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھیں گے، جس نے ایسا اور ایسا کہا تھا، اور میں واقعات گناتا رہا اور رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے، جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اے عمر! الگ ہٹ جاؤ، مجھے اختیار دیا گیا ہے: ﴿اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ﴾ الایۃ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زیادہ دعا کرنے سے اسے معاف کر دیا جائے گا تو میں ایسا کروں گا، پھر آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کی قبر کے پاس گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ دو آیتیں نازل ہوئیں: ﴿وَلَا تَصَلُّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَا تَاْبُدُ اَوْ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾ کہ ”آپ منافقین میں سے کسی کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھئے اور اس کی قبر کے پاس نہ جائیے“ تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ جب تک زندہ رہے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی۔

عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ستر سے زائد بار طلب مغفرت کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سِوَاہٖ عَلَیْہِم اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ کہ ”آپ چاہے ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا“۔

قَوْمِ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرْبِ قُلْ نَارِجْهَكُمْ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۖ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۗ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوا لِدُخُورِهِمْ فَعَلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُفَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۗ وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَقَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ۗ

رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت میں پیچھے (۶۲) رہ جانے والے اپنے (گھروں میں) بیٹھے رہ جانے پر خوش ہو گئے، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ جہاد کرنے کو ناپسند کیا، اور لوگوں سے کہا کہ گرمی میں مت نکلو، آپ کہنے کہ جنم کی آگ زیادہ گرم ہے، کاش کہ انہیں یہ بات سمجھ میں آجاتی ﴿۸۱﴾ پس (دنیا میں) وہ تھوڑا سا ہنس لیں گے اور (آخرت میں) اپنے کرتوتوں کی وجہ سے زیادہ روئیں گے ﴿۸۲﴾ پس اگر اللہ آپ کو (مدینہ میں) ان میں سے ایک جماعت تک پہنچادے، اور وہ جہاد میں نکلنے کی آپ سے اجازت (۶۳) مانگیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے، اور میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہرگز جنگ نہ کرو گے، تم لوگوں نے پہلی بار (جنگ تبوک کے موقع سے) بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، تو اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ﴿۸۳﴾ اور ان میں سے جو کوئی مر گیا اس کی نماز جنازہ نہ پڑھئے ﴿۶۳﴾ اور اس کی قبر کے پاس نہ کھڑے ہوئے، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا اور ان کی موت حالت کفر میں ہو گئی ﴿۸۳﴾

حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں کہا ہے کہ ممکن ہے دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہوں، اور آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روک دیا گیا اور یہ خبر بھی دے دی گئی کہ منافقین کے لئے آپ کی دعائے مغفرت ہرگز کام نہ آئے گی۔ (۶۲) جو منافقین غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ کی غزوہ کے لئے روانگی کے بعد خوش ہوئے کہ انہیں جانا نہ پڑا، اور دوسروں کو بھی روکا کہ گرمی میں کہاں جاؤ گے، انہی کا حال اور آخرت میں ان کا انجام بد بیان کیا جا رہا ہے۔ اور آیت (۸۲) میں انہیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ آج وہ تھوڑا سا ہنس لیں آخرت میں اپنے اس برے کردار کی وجہ سے انہیں بہت رونا پڑے گا۔

(۶۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ مدینہ واپس پہنچادے، اور غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے منافقین میں سے ایک جماعت آپ کے پاس آئے اور کہے کہ ہمیں آئندہ غزوات میں شریک ہونے کی اجازت دے دیجئے، تاکہ ہماری جو رسوائی ہوئی ہے اُسے دور کر سکیں تو آپ انہیں اجازت نہ دیجئے اور کہئے کہ تمہیں آئندہ ہمارے ساتھ نکلنے اور دشمن سے جنگ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ جب تم غزوہ تبوک کے موقع سے بیٹھے رہ گئے تو اللہ کی نظر سے گر گئے، اس لئے اب تم ہمیشہ کے لئے عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد بارہ تھی۔ اور آیت میں "طائفة" کا لفظ دلیل ہے کہ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ کبھی منافق نہیں تھے، مثال کے طور پر کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارة بن الربیع العامری مخلص مسلمان تھے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۶۵﴾ وَإِذَا أَنْزَلْتَ سُورَةَ أَنْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الظُّلُمِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذُنُوبَنَا كُنْ مَعَ الْقَوِيدِينَ ﴿۶۶﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْغَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۶۷﴾ لَكِنَّ الرُّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۶۸﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۶۹﴾

اور ان کا مال اور ان کی اولاد آپ کو دھوکہ (۶۵) میں نہ رکھے، اللہ چاہتا ہے کہ انہیں ان کی وجہ سے دنیا میں عذاب دے، اور ان کی موت حالت کفر میں ہو (۸۵) اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان (۶۶) لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو، تو ان کے مالدار لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں معذوروں کے ساتھ بیٹھے رہنے دیجئے (۸۶) انہوں نے پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رک جانا پسند کر لیا اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی پس وہ کچھ نہیں سمجھتے ہیں (۸۷) لیکن رسول اور ان کے ساتھ اہل ایمان نے اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ جہاد کیا (۶۷) انہی کے لئے ہر قسم کی بھلائی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۸۸) اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے (۸۹) (۶۳) آیت (۸۰) کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھی تھی اور اس کی قبر کے پاس گئے تھے۔ اس کا حکم ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جس کا نفاق ظاہر ہو چکا ہو۔ مسند احمد میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلائے جاتے تو مرنے والے کے بارے میں پوچھتے تھے، اگر خیر کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا تو اس کی نماز پڑھتے، ورنہ اس کے رشتہ داروں سے کہہ دیتے کہ تم لوگ جیسا چاہو کر لو، اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے حافظ سیوطی نے ”الاکلیل“ میں لکھا ہے کہ کافر کی نماز جنازہ پڑھنی اور اس کی قبر کے پاس کھڑا ہونا حرام ہے۔

(۶۵) یہ آیت الفاظ میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔ دیکھئے اسی سورت کی آیت (۵۵)۔ (۶۶) جہاد سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے حالات پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے کہ جب بھی قرآن کریم میں کوئی سورت نازل کی جاتی ہے جس میں حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ جہاد کرو، تو مالدار منافقین رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور جھوٹے عذر پیش کر کے عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے اس نفاق کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے اور ان کی عقل پر پردے پڑ گئے ہیں۔

(۶۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اگر منافقین جہاد میں شریک نہیں ہوئے تو کیا ہوا، اس ذمہ داری کو تو مسلمانوں نے بطریق احسن نبایا ہے جو ان سے ہر اعتبار سے بہتر ہیں اور جن کی نیتیں خالص ہیں۔

جان و مال کے ذریعہ جہاد کا ذکر اوپر گذر چکا۔ اور جہاد کے ذریعہ دنیا و آخرت کے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور

وَجَاءَ الْمُعَذِّبُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۸﴾ لَيْسَ عَلَى الْمُشْكِكِ وَلَا عَلَى الْمُرْطِيِّ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَحْدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۹﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَكَلُوا لِتَحِيَّتِهِمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيَابُهُمْ تَوَيْضُ مِنَ اللَّهِ مَعَ حَرَجٍ وَلَا يَحْدُونَ وَلَا يُنْفِقُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور دیہات کے بہانہ بنانے (۹۸) والے لوگ آئے تاکہ انہیں اجازت دے دی جائے، اور جن لوگوں نے اپنے دعوئے اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے کذب بیانی کی تھی وہ بیٹھے رہ گئے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انہیں عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا ﴿۹۸﴾ کمزوروں (۹۹) کے لئے گناہ کی بات نہیں، اور نہ مریضوں کے لئے، اور نہ اُن کے لئے جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ نیک لوگوں پر الزام لگانے کی کوئی وجہ نہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۹۹﴾ اور نہ اُن کے لئے کوئی گناہ کی بات ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ ان کے لئے سواری (۱۰۰) کا انتظام کر دیں، تو آپ نے کہا کہ میرے پاس تمہارے لئے کوئی سواری نہیں ہے، تو وہ واپس ہو گئے درانحالیکہ اُن کی آنکھوں سے غم کے مارے آنسو جاری تھے کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کے لئے مال نہیں ہے ﴿۱۰۰﴾

آخرت میں اللہ تعالیٰ مجاہد کو جنت دے گا جو اس کی سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔

(۶۸) منافقین مدینہ کے احوال بیان کرنے کے بعد اب بادیہ نشین منافقین کے حالات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، ان میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر غزوہ تبوک کے لئے جانے سے عذر پیش کیا۔ کچھ تو جھوٹے تھے اور ان کا عذر باطل تھا، اور کچھ نے ایسا عذر پیش کیا کہ ممکن ہے وہ صادق رہے ہوں، اور ان بادیہ نشینوں میں کچھ صریح منافق تھے وہ اپنے خیموں میں بیٹھے رہ گئے اور چ یا جھوٹ کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ ان تمام لوگوں میں جو منافق تھے ان پر اللہ نے کفر کا حکم لگایا اور انہیں دردناک عذاب کی دھمکی دی۔

(۶۹) اس آیت میں وہ اعذار بیان کئے گئے ہیں جن کی موجودگی میں مسلمان جہاد میں شرکت نہ کرنے سے اللہ کے نزدیک معذور سمجھا جائے گا:

- ۱- وہ کمزور لوگ جو دوڑنے اور مشقت برداشت کرنے سے عاجز ہوں، جیسے بوڑھا، بچہ، عورت اور ناتواں۔
- ۲- وہ معذور جو کسی بیماری کی وجہ سے جہاد نہ کر سکتا ہو، جیسے اندھا، لنگڑا اور پاچ۔
- ۳- وہ صحت مند مسلمان جس کے پاس نہ زاد سفر ہو اور نہ ہتھیار خریدنے کے لئے پیسے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے لئے مخلص ہوں، مسلمانوں میں خوف و دہشت نہ پھیلانیں، مجاہدین کو غذائی کمک پہنچائیں اور ان کے غائبانہ میں ان کے گھر والوں کی دیکھ بھال کریں اور ان کی ضرورتیں پوری کریں۔

مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے مخلص و معذور مسلمانوں کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں۔

(۷۰) حافظ ابن مردودہ اور عونی رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْيَابٌ لَّصُورًا إِنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾

الزام ان لوگوں پر ہے جنہوں نے مالدار (۱) ہوتے ہوئے آپ سے اجازت چاہی، انہوں نے پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنا پسند کیا، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی، پس وہ کچھ نہیں جانتے ﴿۹۳﴾

کو غزوہ تبوک کے لئے روانگی کا حکم دیا تو کچھ صحابہ آئے جن میں سرفہرست عبداللہ بن مغفل المزنی تھے، انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہمیں سواری دیجئے، آپ نے کہا کہ اللہ کی قسم میرے پاس تم لوگوں کے لئے سواریاں نہیں ہیں، تو وہ لوگ روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ جب اللہ نے ان کا یہ اخلاص دیکھا تو ان کا عذر قرآن میں بیان کر دیا۔ اسی لئے صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ میں ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے ہیں۔“ انہوں نے کہا: حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”ہاں، کسی مجبوری نے انہیں آنے سے روک دیا ہے۔“

(۱) عتاب و عقاب ان کے لئے ہے جنہوں نے مالدار ہوتے ہوئے جھوٹا عذر پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی اور عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہنا گوارا کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور نفع و نقصان میں تمیز کرنے کی صلاحیت ان سے چھین لی۔

يَعْتَن رُونَ إِلَيْكُمْ إِذْ رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَنُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَ سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۵﴾ سَيَعْلَمُونَ بِأَلْوَابِكُمْ إِذْ انْفَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَعْرَضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرَضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رَجِسُوا وَمَا وَهُمْ جَاهِلُونَ ﴿۹۶﴾ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۷﴾ يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۸﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَ نِفَاقًا وَأَجْدَدُ الْأَيْعَابِ وَ أَحَدٌ وُدُّ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۹۹﴾

جب تم لوگ ان کے پاس پہنچو گے تو تمہارے سامنے عذر (۹۲) پیش کریں گے، آپ کہیں کہ یہاں نہ بناؤ، ہم تم پر یقین نہیں کریں گے۔ اللہ نے تمہاری خبریں ہم تک پہنچادی ہیں، اور آئندہ بھی اللہ اور اس کے رسول تمہارے کرتوتوں پر نظر رکھیں گے، پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غائب و حاضر سب کا جاننے والا ہے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا ﴿۹۳﴾ جب تم لوگ ان کے پاس لوٹ کر پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھائیں گے، تاکہ تم لوگ انہیں کچھ نہ کہو، تو تم لوگ انہیں کچھ نہ کہو، وہ ناپاک لوگ ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان گناہوں کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے ﴿۹۵﴾ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم لوگ ان سے خوش ہو جاؤ، پس اگر تم ان سے خوش ہو جاؤ گے تو بے شک اللہ ظالم لوگوں سے خوش نہیں ہوگا ﴿۹۶﴾ دیہات کے لوگ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت (۹۳) ہوتے ہیں، اور یہ بات ان کے زیادہ لائق ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل کئے ہیں، ان کے حدود کو نہ جائیں، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۹۷﴾

(۹۲) جو مالدار منافقین بغیر کسی صحیح عذر کے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے، انہی کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے کہ جب آپ جنگ سے واپس ہوں گے تو آپ کے پاس آکر جھوٹے اعذار پیش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ یہاں نہ کرو، ہم تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے، اس لئے کہ اللہ نے ہمیں تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے، اور آئندہ اللہ اور اس کے رسول تمہارا عمل دیکھیں گے، اس لئے کہ عمل ہی انسان کی کسوٹی ہے۔ صرف باتوں سے کام نہیں چلتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد تم اللہ کے سامنے حاضر ہو گے جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، وہ تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دے گا، یعنی بدلہ دے گا۔

آیت (۹۵) میں اللہ نے خبر دی ہے کہ یہ منافقین آپ کے پاس آکر قسمیں کھائیں گے تاکہ آپ انہیں کچھ نہ کہیں، تو آپ ان کی زجر و توبیح نہ کریں اور نہ انہیں کوئی سزا دیں، یہ تو ناپاک اور خمیٹ لوگ ہیں، یہ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان کی پرواہ کی جائے، ان کے لئے یہی کافی ہے کہ جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔

آیت (۹۶) میں بتایا گیا ہے کہ ان کے قسمیں کھانے کا صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ آپ انہیں کچھ نہ کہیں، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سے خوش رہیں جیسے کہ انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔ لیکن مسلمانو! یہ مناسب نہیں ہے کہ جن سے اللہ راضی نہیں ہے ان سے تم راضی ہو جاؤ، بلکہ کسی سے تمہاری خوشی اور ناراضگی، اس سے اللہ کی خوشی اور ناراضگی کے تابع ہونی چاہئے۔ (۹۳) ہادیہ نشیں منافقین کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ ان کا کفر و نفاق دوسروں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے مزاج میں سختی اور وحشت ہوتی ہے، اور علماء کی مجالس سے دور ہونے کی وجہ سے قرآن و سنت کی تعلیمات سے بے بہرہ ہوتے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَكْفُرُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۹۸﴾
 وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبَانًا غَيْرَ سَبِّحَاتِ التَّوَالِيحِ وَلَا نَسَبِ الْوَالِدِ الْكَافِرِ وَلَا إِهْتِكَارِ الْمَالِ الْكَافِرِ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوهُمُ يَلْعَنُوهُمْ يَلْعَنُوهُمْ فِي رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسَّيِّفُونَ الْأُولَئِكَ لَوْ كَانُوا مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰۰﴾

اور بعض دیہاتی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اسے جرمانہ (۹۸) سمجھتے ہیں اور وہ تمہارے لئے مصیبتوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ مصیبت انہی پر آئے، اور اللہ بڑا سنے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۹۸﴾ اور بعض دیہاتی ایسے ہوتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان (۹۹) رکھتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں جو خرچ کرتے ہیں اسے اللہ سے قربت اور رسول کی نیک دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ہاں، یقیناً یہ ان کے لئے قربت (۹۹) کا ذریعہ ہے، عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۹۹﴾ اور مہاجرین اور انصار میں سے وہ اولین لوگ (۱۰۰) جنہوں نے ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں دوسروں پر سبقت کی، اور وہ دوسرے لوگ جنہوں نے ان سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا، اور وہ سب اللہ سے راضی (۱۰۰) ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾

ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بادیہ نشین ہو جاتا ہے اس میں سختی آ جاتی ہے“۔

(۹۸) ان بادیہ نشین منافقین کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں صرف ریاکاری کے لئے کرتے ہیں، اس لئے اسے جرمانہ ہی سمجھتے ہیں۔ اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب حالات بدلیں اور مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تاکہ ان سے نجات ملے اور اپنا مال انہیں نہ دینا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ مصیبت انہی پر آئے گی اور حالات انہی کے حق میں بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔

(۹۹) سبھی بادیہ نشین ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ مخلص بھی ہوتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور اس امید میں خرچ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے دعائے خیر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۱۰۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ کہ ”آپ مومنوں کے لئے دعا کیجئے، آپ کی دعا ان کے لئے باعث سکون و اطمینان ہے“۔ چنانچہ جب کوئی صحابی صدقہ کرتے تو نبی کریم ﷺ ان کے لئے دعا کرتے تھے۔

صحیحین کی روایت ہے کہ جب ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے صدقہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کے اہل و عیال کے لئے خیر و برکت کی دعا کی، اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کی۔

وَمَنْ حَوَّلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُّوا عَلٰى الرِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ مَنْ نَعْلَمُهُمْ
سَعَدًا لَهُمْ مَّزَيِّنٌ ثُمَّ يُدْرَوْنَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اور آپ کے ارد گرد جو دیہاتی لوگ ہیں ان میں منافقین (۵۹) پائے جاتے ہیں، اور اہل مدینہ میں بھی کچھ ایسے لوگ ہیں کہ نفاق جن کی سرشت میں داخل ہو گیا ہے، آپ انہیں نہیں جانتے ہیں، انہیں ہم جانتے ہیں۔ انہیں ہم دوبارہ عذاب دیں گے، پھر وہ عذابِ عظیم کی طرف بھیج دیئے جائیں گے ﴿۱۰﴾

(۷۶) اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید خبر دی ہے کہ مخلص بادیہ نشین مسلمانوں کا صدقہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اور اس کی قربت کا ذریعہ ہے۔ ان منافقین کے برعکس جنہوں نے صدقہ و زکاۃ کو جرمانہ سمجھا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ”قربت“ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ انہیں اپنی جنت میں داخل کرے گا۔

(۷۷) بادیہ نشین مخلص مسلمانوں کے بعد ان نفوسِ قدسیہ کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ کے نزدیک ان بادیہ نشینوں کے کئی گنا برتر و بالا اور افضل و اعلیٰ ہیں۔ ”سابقین اولین“ کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں: کسی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبیلوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی کسی نے کہا: جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی، کسی نے کہا: جو لوگ ہجرت سے پہلے اسلام لائے تھے۔ اور ”جو لوگ اُن کے بعد آئے“ سے مراد وہ سات انصاری مسلمان ہیں جنہوں نے عقبہ اولیٰ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور پھر وہ ستر مسلمان جنہوں نے دوسرے سال رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ تمام انصار جنہوں نے مصعب بن عمیر کی تبلیغ سے متاثر ہو کر ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

لیکن راجح یہ ہے کہ ”سابقین اولین“ میں وہ تمام مہاجرین داخل ہیں جنہوں نے ہجرت کرنے میں پہل کر کے رسول اللہ ﷺ کا دل مضبوط کیا، اور دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔ اور وہ تمام انصار جنہوں نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کا ساتھ دیا۔

ابو منصور بغدادی کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ سب سے افضل خلفائے اربعہ ہیں، پھر غزوہ بدر میں شریک ہونے والے، پھر اُحد میں شریک ہونے والے، پھر مقامِ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے جسے ”بیعت الرضوان“ کہا جاتا ہے۔ اور ”جو لوگ ان کے بعد آئے“ سے مراد تمام متاخرین صحابہ، تابعین اور وہ تمام لوگ ہیں جو قیامت تک اقوال و افعال میں سابقین اولین کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔

(۷۸) اللہ نے ان کی نیکیوں کو قبول فرمایا، ان کے گناہوں کو معاف کر دیا، اور اب ان سے ناراض نہیں ہو گا۔ اور وہ بھی اللہ سے خوش ہو گئے کہ اس نے انہیں اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نوازا دیا، اور ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ محمد بن کعب قرظی نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام کو معاف کر دیا ہے، اور سب کے لئے جنت واجب کر دی ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے بھی جو قیامت تک ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے، اور ان سے دل سے محبت کریں گے۔

(۷۹) منافقین کے حالات پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ مدینہ کے گرد و نواح میں جو بادیہ نشین ہیں، اُن میں اور اہل مدینہ میں بھی منافقین پائے جاتے ہیں۔ اور اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے میں ایسے طاق ہیں کہ آپ اپنی

وَالْخُرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۰﴾
 خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۸۱﴾

اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف (۸۰) کیا، انہوں نے نیک اور برے کام ملا دیئے، امید ہے کہ اللہ ان پر توجہ فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰۳﴾ آپ ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کیجئے (۸۱) تاکہ ان کو پاک کیجئے اور اس کے ذریعہ ان کے باطن کا تزکیہ کیجئے، اور ان کے لئے دعا کرتے رہئے، بے شک آپ کی دعائیں ان کے لئے باعث سکون ہیں، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۱۰۳﴾

ہزار ذہانت و بصیرت کے باوجود انہیں نہیں جانتے ہیں، وہ اپنا کفر چھپانے میں اتنے ماہر ہیں کہ صرف اللہ ہی ان کی خبر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں پہلے اسی دنیا میں دوبارہ سزا دے گا، ذلت و رسوائی ہوگی اور اسلام اور مسلمانوں کی کامیابیوں پر ان کے دلوں میں آگ لگی رہے گی۔ اور آخرت کا عذاب تو ان کا انتظار کر ہی رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ بعض منافقین کو ان کے ناموں سے جانتے تھے۔ اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقین کے نام بتائے تھے۔ لیکن تمام منافقین کو نہیں جانتے تھے۔ امام احمد نے حمیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم نے مکہ میں جو عمل کیا تھا اس کا ہمیں اجر نہیں ملے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا اجر تمہیں مل کر رہے گا چاہے تم لومڑی کے بل میں رہو۔ پھر آپ نے اپنا سر میرے کان کے قریب لا کر کہا کہ میرے صحابہ میں منافقین ملے ہوئے ہیں جو جھوٹی باتیں پھیلاتے ہیں۔

(۸۰) اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مخلص مسلمان تھے، منافق نہیں تھے، لیکن سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے۔ اور جب غزوہ میں شریک نہ ہونے والے منافقین کے بارے میں آیتیں نازل ہوئیں، تو انہیں اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا، اور فکر دامن گیر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے؟ اور اس کی تلافی کیسے ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ان کی تعداد س تھی۔ ان میں سے سات نے طے کیا کہ وہ اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیں گے اور اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ انہیں معاف کر دیں اور اپنے ہاتھ سے انہیں کھول دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا اور ان کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں سب بتایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں اسی حال میں رہنے دو یہاں تک مجھے اللہ کی طرف سے انہیں کھول دینے کا حکم ملے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں کھول دیا۔ اور باقی تین کعب بن مالک، مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ کا قصہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا سامی بائیکاٹ کر دیا، ان کی بیویوں کو ان سے الگ کر دیا، یہاں تک کہ سورۃ التوبہ کی آیت (۱۱۸) ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا﴾ نازل ہوئی، اور اللہ نے ان کی بھی توبہ قبول کر لی۔

انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ انہوں نے جہاد میں شرکت نہ کر کے اپنے سابقہ اعمال صالحہ کے ساتھ گناہ کو ملا دیا تھا، لیکن جب انہوں نے صدق دل سے توبہ کیا تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ (۸۱) ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ جن سات صحابہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے

الَّذِينَ يَدْعُونَ أَنَّهُم مُّسْلِمُونَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَهُمْ ۝ وَقُلْ أَعْمَلُوا
 فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلِّيِّينَ ۝ وَالشَّهَادَةُ قَوْلًا لِّمَن كَانَ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ وَتَعْمَلُونَ ۝ وَ
 الْآخِرُونَ مُّجِدُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَأَكْبَرُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ جَمِيعِ الْوَالِدِينَ ۝

کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ (۸۲) قبول کرتا ہے، اور وہی صدقات لیتا ہے، اور بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۰۴﴾ آپ کہتے کہ تم لوگ نیک عمل (۸۳) کرو، اس لئے کہ اللہ آئندہ تمہارے عمل کو دیکھے گا اور اس کے رسول اور مومنین بھی، اور تم لوگ اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، پھر تمہیں تمہارے کئے کی خبر دے گا ﴿۱۰۵﴾ اور کچھ دوسرے لوگ (۸۴) ہیں جنہیں اللہ کا فیصلہ آنے تک مؤخر کر دیا گیا ہے، یا تو انہیں اللہ عذاب دے گا یا ان پر نگاہِ کرم ڈال دے گا، اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۱۰۶﴾

ستونوں سے باندھ دیا تھا، جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو وہ اپنا مال لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! اسی مال کی وجہ سے ہم پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اسے لینے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، توبہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے صدقہ لیجئے جو ان کی طہارت اور تزکیہ نفس کا ذریعہ بنے گا، اور ان کے لئے دعائے خیر و برکت کیجئے، اس لئے کہ آپ کی دعا مسلمانوں کے لئے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے مال کا ایک تہائی حصہ بطور صدقہ لے لیا، اور باقی انہیں واپس کر دیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگرچہ مذکور بالا صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن وجہ زکاۃ کے بارے میں اس کا حکم عام ہے، اور مسلمان حکمرانوں کا فرض ہے کہ تمام مسلمانوں سے زکاۃ وصول کریں، اور اللہ کے بتائے ہوئے حکم کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کریں۔

(۸۲) اس آیت کریمہ میں توبہ اور صدقہ کی ترغیب دلائی گئی ہے اس لئے کہ ان کے ذریعہ بندوں کے گناہ مٹتے ہیں۔ اور اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ جو بندہ توبہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، اور جو حلال مال کا صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور پھر اپنے بندہ کے لئے اسے کئی گنا بڑھاتا ہے، یہاں تک کہ ایک گھوڑا اُحد پہاڑ کے مانند ہو جاتی ہے۔

(۸۳) یہ اللہ کی جانب سے ایک قسم کی دھمکی اور خوف دلانے والا اسلوب ہے، کہ اے لوگو! تمہارا کوئی عمل اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے مخفی نہیں ہے، اس لئے خیر کا کام کرو، اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرو۔ اور اس میں عمل صالح کرنے کی ترغیب بھی ہے، اس لئے کہ آدمی کو جب یقین ہوگا کہ اس کا ہر عمل اللہ کے نزدیک لکھا جا رہا ہے تو بڑے کام سے بچے گا اور خیر کے کام کرے گا۔ اس کے بعد وعید شدید کے طور پر فرمایا کہ دیکھو! تم سب اس اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے جو غائب و حاضر سب کو جانتا ہے، پھر وہ بڑے کو برا اور اچھے کو اچھا بدلہ دے گا۔

(۸۴) اس سے مراد وہ تین مخلص مسلمان ہیں جو سستی کی وجہ سے غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے منافقین کی طرح جھوٹا عذر پیش کر کے معافی بھی نہیں مانگی، ان کا معاملہ معلق رہا، اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے ان کا سماجی

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفَرُّقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْزَّكَّاتِ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ مِنْ قَبْلُ وَ
 لِيُخَلِّفُوا لَنْ أَزِدَنَّكَ الْإِحْسَنِي وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۵﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٍ أُتِيَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ
 أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّخِذُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿۸۶﴾

اور وہ منافقین بھی ہیں جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر کی باتیں کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے لئے ایک مسجد^(۸۵) بنائی، اور تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے کین گاہ بنے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے رہے ہیں، اور وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کی نیت کی تھی، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ﴿۱۰۷﴾ آپ اُس میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ یقیناً وہ مسجد^(۸۶) جس کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں، اُس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۰۸﴾

بایکاٹ کر دیا۔ اور زمین اپنی ہزار وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یا تو وہ انہیں عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کر لے گا۔ چنانچہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی اور ان کی توبہ قبول ہوئی جس کا ذکر اسی سورت کی آیت (۱۱۸) میں آئے گا۔

(۸۵) (۱۰۷) سے (۱۱۰) تک کا تعلق ان منافقین سے ہے جنہوں نے مسجدِ قبا کے قریب مسجد کے نام سے ایک عمارت بنائی تھی، جس کا مقصد اسلام کے خلاف سازش، اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق اور ابن مردویہ وغیرہما سے ان آیتوں کے شان نزول کے سلسلہ میں جو روایتیں نقل کی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ابو عامر الہاب نامی ایک شخص تھا، جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اس کا خزانہ والوں میں بڑا مقام تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اسے دعوتِ اسلام دیا لیکن اس نے انکار کر دیا، اور غزوہ بدر کے بعد مکہ جا کر کفارِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ابھارا، اور غزوہ اُحد میں کافروں کی صف میں آگے آکر انصار کو مخاطب کر کے اپنی نصرت و تائید کی دعوت دی۔ جس پر انصار نے اسے بہت زیادہ برا کہا، اس کے بعد اس نے روم جا کر وہاں کے بادشاہ ہرقل کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا، اور وہیں سے مدینہ میں اپنے منافق دوستوں کو لکھا کہ وہ ایک مسجد بنائیں جس کا مقصد مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا ہو، اور جب وہ مدینہ واپس آئے گا تو اسے اپنے لئے کین گاہ کے طور پر استعمال کرے گا۔ جب منافقین نے وہ عمارت بنائی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے کمزوروں، بیماروں اور بارش اور سردی کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ وہاں تشریف لے چلیں اور اس میں نماز پڑھیں۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ واپسی کے بعد چلوں گا۔ واپسی میں آپ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر تھے تو وحی نازل ہوئی اور اس عمارت کی حقیقت معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ نے دو صحابہ کو بھیجا جنہوں نے اس مکان کو جلا دیا، جسے اللہ تعالیٰ نے ”مسجدِ ضرار“ کا نام دیا، یعنی وہ مسجد جو قبائلوں کو نقصان پہنچانے کے لئے بنائی گئی تھی۔

(۸۶) اس سے مراد مسجدِ قبا ہے۔ حدیث میں اس مسجد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی پیدل

أَقَمْنِ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٍ أَمْ مَنْ أَسَسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَعَائِرٍ هَانٍ قَانِهَارٍ
 بِهِ فِي تَارِحَتِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يُزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ
 تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈر اور اس کی خوشنودی (۸۷) پر رکھی وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جس نے اپنی بنیاد مٹی کے کسی کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی جو گرنے ہی والا تھا، پس اُسے لئے ہوئے جہنم کی آگ میں گر گیا، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۱۰۹﴾ وہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے اُن کے دل میں نفاق (۸۸) بن کر پرورش پاتی رہے گی، الا یہ کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (یعنی انہیں موت آجائے) اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۱۱۰﴾

اور کبھی سواری پر اس مسجد کی زیارت کے لئے جاتے تھے، اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ بہت سے صحابہ کرام کی رائے ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان اس کے بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد روز اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری مسجد ہے۔ اس حدیث کو مسلم، نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ لیکن ایک اور حدیث ہے جسے امام ابوداؤد اور طبرانی نے عویم بن ساعدہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ مسجد قبا میں تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی مسجد کے واقعہ میں تمہاری طہارت کی تعریف کی ہے۔ تو تم لوگ کس طرح طہارت حاصل کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اپنی شرمگاہ اور نجاست کی جگہ کو پانی سے دھوتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسجد قبا ہے۔

اسی لئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب مسجد قبا وہ مسجد ہے جس کی بنیاد طہارت پر رکھی گئی ہے، تو مسجد نبوی بدرجہ اولیٰ وہ مسجد ہے۔

(۸۷) اس آیت کریمہ میں مومن اور منافق کی نیت اور عمل میں جو بنیادی فرق ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔ مومن جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کی نیت میں اللہ کی رضا اور حصول جنت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس منافق کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے، اس لئے اس کی مثال اس آدمی کی ہوتی ہے جو مٹی کے کسی ایسے تودے پر مکان تعمیر کرے جو اندر سے کھوکھلا ہو، اور مکیں کو لئے ہوئے گر تا ہوا جہنم میں پہنچ جائے۔

(۸۸) منافقین نے جو مسجد بنائی اس نے ان کے نفاق میں اضافہ کر دیا اور اُسے ان کے دلوں میں مزید مستحکم بنادیا۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ مسجد بنانے والے تو تھے ہی منافقین۔ جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسے جلا دیا گیا تو ان کا نفاق اور بڑھ گیا، اور اسلام کے خلاف ان کی دشمنی میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کی یہی حالت رہے گی یہاں تک کہ انہیں موت آجائے گی۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”زاد المعاد“ میں غزوہ تبوک کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن جگہوں میں

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ بَلَاءً مَا كَانُوا أُولِي قَرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّكُمْ أَصْحَابُ
الْبُحَيْرِ ۗ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَاةٍ هَآئِلَةٍ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۗ وَمَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يُجِزِلَ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ مشرکوں کے لئے یہ بات کھل کر سامنے آجانے کے بعد کہ وہ
جنہمی ہیں دعائے مغفرت (۹۱) کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ﴿۱۱۳﴾ اور ابراہیم نے اپنے باپ کے
لئے دعائے مغفرت صرف اُس وعدے کو پورا کرنے کے لئے کیا تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا لیکن جب انہیں
یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے کنارہ کش ہو گئے۔ بے شک ابراہیم درد مند اور بردبار تھے ﴿۱۱۳﴾ اور
اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ (۹۲) نہیں کرتا ہے، یہاں تک کہ ان کے لئے وہ چیزیں بیان کر دیتا ہے
جن سے بچنا ضروری ہے، بے شک اللہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے ﴿۱۱۵﴾

فرمایا: ”میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔“ سیاحت سے مراد یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت کی
نیت سے پہاڑوں، غاروں اور صحراؤں میں چلا جائے۔ اس لئے کہ یہ رہبانیت ہے، جس کی اللہ کے رسول نے ممانعت فرمائی ہے۔
ہاں اگر زمین فتنوں سے بھر جائے اور آدمی کے لئے اپنے دین پر چلنا مشکل ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ شہر اور بستی
چھوڑ کر پہاڑوں پر چلا جائے، جیسا کہ صحیح بخاری کی عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ
فتنوں کے زمانہ میں اپنی بکریاں لے کر پہاڑوں پر چلا جانا بہتر ہوگا۔

اور ”رکوع اور سجدہ کرنے والوں“ سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں، اس لئے کہ نماز کے افعال میں یہ دونوں زیادہ اہم ہیں۔
اس کے بعد اللہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ جو لوگ مومن کامل و صادق ہیں انہیں آپ اللہ کی جانب سے دنیا میں
فتح و کامرانی اور آخرت میں جنت کی خوشخبری دے دیجئے۔

(۹۱) اس سورت کی ابتدا میں اور اس کے بعد والی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منافقین سے کنارہ کشی اور ان سے دوری
اختیار کرنے کو دینی ضرورت قرار دیا ہے۔ اس آیت میں اسی کی مزید تاکید کی گئی ہے کہ مشرکین کا شرک و کفر جب ظاہر ہو جائے
تو ان سے دوری اختیار کرنا ایمان کا تقاضا ہے، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لئے آیت (۱۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے بیان
کیا کہ ابراہیم نے اپنے کا فر باپ آزر کے لئے اس لئے طلب مغفرت کیا تھا کہ انہوں نے اپنی دعوت کے ابتدائی عہد میں اس
سے وعدہ کر دیا تھا کہ وہ اللہ سے اس کے لئے طلب مغفرت کریں گے۔ لیکن بعد میں جب انہیں یقین ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے
تو اس سے کلی طور پر اعلان براءت کر دیا۔ اس لئے کسی کے لئے جائز نہیں کہ ابراہیم کے اس عمل کو دلیل بنا کر مشرکین کے لئے
طلب مغفرت کرے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے۔ وہاں پہلے
سے ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے کہا، بچھا! آپ لالہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ آپ کے لئے میں اللہ کے یہاں

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن قَلْبٍ وَلَا حِجْرٍ ۗ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رُءُوفٌ رَّحِيمٌ ۗ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَصَافَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلَأْنَا مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَٰهًا ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت (۹۳) اللہ کے لئے ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں ہے ﴿۱۱۶﴾ اللہ نے نبی اور مہاجرین اور ان انصار کی طرف توجہ فرمائی جنہوں نے مشکل وقت (۹۳) میں ان کی پیروی کی، جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کجی آرہی تھی، پھر اللہ نے ان پر بھی توجہ فرمائی، بے شک وہ ان پر بہت ہی شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۱۷﴾ اور ان تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جو پیچھے رہ گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، اور خود ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے بھاگ کر اُس کی جناب کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے، تو اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۱۸﴾ اسے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ ﴿۱۱۹﴾

سفر اشرف کر سکو۔ تو ابو جہل اور ابن ابی امیہ نے کہا، ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے دست بردار ہو جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ بار بار ان کے سامنے اپنی بات دہراتے رہے، لیکن ابوطالب نے آخر میں یہ کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، میں جب تک اللہ کی طرف سے روک نہ دیا جاؤں آپ کے لئے طلبِ مغفرت کرتا رہوں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی:

(۹۲) اللہ نے جب مشرکین کے لئے طلبِ مغفرت کی ممانعت کر دی تو جن لوگوں نے اپنے مشرکین رشتہ داروں کے لئے پہلے طلبِ مغفرت کیا تھا، انہیں اللہ کے عذاب کا خوف لاحق ہوا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جو مسلمان پہلے سے راہِ راست پر گامزن ہیں اس نادانستہ غلطی پر ان کا مواخذہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ کی طرف سے مواخذہ اس کا ہوتا ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل پر جما رہے۔

(۹۳) جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے، تو پھر اس کے علاوہ کسی کی پرواہ نہیں کرنی ہے کسی سے نہیں ڈرنا ہے۔ اور دنیا کا بڑا سے بڑا انسان بھی اگر اللہ کا دشمن ہے، تو اس سے دوری اختیار کرنا واجب ہے، اس ایمان دہیقین کے ساتھ کہ مومن کا اللہ کے سوانہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار، اور اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی اس کا ایک بال بھی بیکار نہیں کر سکتا ہے۔

(۹۴) اوپر بتایا جا چکا ہے کہ غزوہٴ تبوک سے کچھ ایسے لوگ بھی پیچھے رہ گئے تھے جو مخلص مسلمان تھے، لیکن سستی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ جاسکے تھے۔ جب منافقین کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہونے لگیں تو انہیں اپنی غلطی کا شدید

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يُرِغُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخَصَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَّوِّئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّ نَيْلًا إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِعُّ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۰﴾

اہل مدینہ اور ان کے آس پاس کے دیہاتیوں (۹۵) کے لئے یہ بات مناسب نہ تھی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جاتے، اور اپنی جانوں کو ان کی جان پر ترجیح دیتے، اس لئے کہ اگر مجاہدین کو راہ جہاد میں پیاس لگی، یا کوئی تکلیف پہنچی، یا بھوک نے ستایا، یا کسی جگہ سے اُن کی گزرنے کا فروں کو ناراض کیا، یا دشمن سے کوئی چیز چھین لی، تو ان میں سے ہر ایک کے بدلے اُن کے لئے ایک نیک کام لکھا گیا، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ﴿۱۲۰﴾

احساس ہوا، اسی لئے ان میں سے کچھ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ اور ان مخلص مسلمانوں میں سے تین حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور منافقین کی طرح جھوٹا عذر نہیں پیش کیا، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے نہیں باندھا، اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا۔ وہ تینوں کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الریح تھے۔ ان تینوں حضرات کو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ تمہارا فیصلہ اللہ کرے گا۔ اور تمام مسلمان مدینہ کو ان سے بات کرنے سے روک دیا۔ اور جب چالیس دن گزر گئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام ملا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں۔ بالآخر پیاس دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اس پیاس دن کی مدت میں وہ تینوں جن ذہنی پریشانیوں سے گزرے، اور زمین اپنی ہزار وسعت کے باوجود جس طرح ان پر تنگ ہوئی، انہی احوال کو آنف کی طرف آیت (۱۱۸) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور انہی کو امام احمد اور بخاری و مسلم نے پوری تفصیل کے ساتھ کعب بن مالک کی زبانی روایت کی ہے۔

ان حضرات کے قبول توبہ کے ذکر سے پہلے نبی کریم ﷺ اور مہاجرین و انصار کے قبول توبہ کا ذکر انہیں یہ یقین دلانے کے لئے کیا گیا کہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی، جس طرح نبی کریم ﷺ اور ان بڑے صحابہ کرام کی توبہ قبول کر لی گئی، اور وہ لوگ بھی اللہ کے مقبول بندوں میں شامل کر لئے گئے، اور یہ کہ اللہ کا ہر بندہ چاہے وہ نبی ہو یا ولی، ہر دم اور ہر حال میں توبہ و استغفار کا محتاج ہے، اور یہ کہ توبہ کرتے رہنا انبیاء و صالحین کی صفت ہے۔

آیت (۱۱۷) میں ﴿مَسَاعِدَ الْعُسْرَةِ﴾ سے مراد غزوہ تبوک کا سفر ہے۔ ابن عرفہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے عیش کو عیش العسرة (لشکر تنگ حالی) کہا گیا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس فوج کو اس وقت سفر کا حکم دیا تھا جب صحابہ شدید تنگ حالی کے دور سے گزر رہے تھے، نہ سواری تھی، نہ زاد سفر اور نہ پانی۔ سخت گرمی اور قحط سالی کا زمانہ تھا۔

اس واقعہ سے مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، سب سے بڑی نصیحت یہ ملتی ہے کہ سچائی میں ہر خیر ہے، اور کذب بیانی دنیا و آخرت کی تمام ناکامیوں کی اساس ہے۔ جن منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کذب بیانی سے کام لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کیا، اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم بتایا۔ اور ان تینوں حضرات نے جرأت ایمانی سے کام لیتے ہوئے

وَلَا يَنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا ظَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ فَمِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيَنْبِذُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۹۸﴾

اور اگر انہوں نے اللہ کی راہ میں چھوٹی رقم خرچ کی یا بڑی (۹۷) یا کسی وادی کو طے کیا، تو ان کے نامہ اعمال میں لکھ دیا گیا، تاکہ اللہ ان کے کاموں کا اچھا بدلہ عطا کرے ﴿۱۲۱﴾ اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تمام ہی مومنین جہاد کے لئے چلے جائیں (۹۷) ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت کے کچھ لوگ نکلیں، تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور جب اپنی قوم سے پاس واپس لوٹیں تو انہیں اللہ سے ڈرائیں، تاکہ وہ بُرے کاموں سے پرہیز کریں ﴿۱۲۲﴾

سچائی کو اپنایا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، اور اس کا اعلان رہتی دنیا تک کے لئے قرآن کریم میں کر دیا۔ آیت (۱۱۹) میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور کہا کہ جھوٹ بولنے کی اجازت کسی کے لئے کسی بھی حال میں نہیں ہے۔ صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے، وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے“۔

(۹۵) نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ میں نکلنے کی مزید تاکید کی گئی ہے، اور ان لوگوں کو عتاب کیا گیا ہے جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں تھے۔ مدینہ کے ارد گرد رہنے والے بادیہ نشینوں سے مراد خزینہ، جھینہ، اشج، السلم اور غفار وغیرہ قبائل ہیں۔ ان قبائل کو خصوصی طور پر اس لئے عتاب کیا گیا کہ انہیں غزوہ کے لئے روانگی کا حکم نبوی پہنچ چکا تھا، اور اس لئے بھی کہ ایمان صادق اور قرب و جوار کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے، اور اپنی جان دے کر ان کی جان کی حفاظت کرتے، اور ہر قدم پر اور ہر تکلیف پر جو انہیں اس راہ میں پہنچتی اور اللہ کی راہ میں ہر خرچ کے عوض اجر و ثواب حاصل کرتے۔

(۹۶) مسند احمد میں عبد اللہ بن امام احمد نے عبد الرحمن بن حباب سلمی سے روایت کی ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کی فوجی تیاری کے لئے ایک ہزار دینار اور تین سواٹھ مع ساز و سامان صدقہ کیا تھا، جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آج کے بعد عثمان کچھ بھی کریں، کوئی حرج نہیں، اور بار بار یہ جملہ دہراتے رہے۔

﴿وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، اپنے اہل و عیال سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اللہ سے قریب ہوتا جاتا ہے۔

(۹۷) جب اسی سورت کی آیت کریمہ ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ نازل ہوئی جس میں تمام مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کی ترغیب دلائی گئی، اور وہ آیتیں بھی نازل ہوئیں جن میں غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں کو شدید عتاب کیا گیا، تو عام صحابہ نے سمجھا کہ جہاد کے لئے بہر حال تمام لوگوں کو نکلنا ہے، اور کسی حال میں پیچھے نہیں رہنا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ جہاد کے لئے نکلنے کا حکم عام مدنی زندگی کے آغاز میں تھا جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اب مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی ہے، اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ مدینہ اور دیگر مسلمان بستیوں کو خالی کر کے سبھی لوگ نہ چلے جائیں، بلکہ ہر بڑی جماعت سے ایک گروہ جہاد کے لئے نکلے، جن سے جہاد کی ضرورت پوری ہو۔ اور کچھ لوگ اپنے شہر اور بستی میں بھی رہیں تاکہ مجاہدین کے گھر والوں کی دیکھ بھال کریں، ان کی ضرورتیں پوری کریں، اور شہر اور بستی کی بھی نگرانی کرتے رہیں۔ اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيُعِدُّوا عَلَيْكُمْ غُلظَةً وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مِّنْهُمْ مِّنْ قَوْلٍ لِّكُلِّ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ قَوْلًا لِّمَن آمَنُوا فَادِّعُهُمْ نَذِيرًا وَهُمْ لَا يُسْتَبَشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا ۝

اے ایمان والو! تمہارے آس پاس جو کفار ہیں ان سے جنگ (۹۸) کرو، اور تمہیں ان کے ساتھ برتاؤ میں سختی کرنی چاہئے، اور جان لو کہ بے شک اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۲۳﴾ اور جب کوئی سورت نازل (۹۹) کی جاتی ہے، تو منافقین میں سے بعض (بطور استہزا) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا ہے؟ پس جو اہل ایمان ہیں، ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا ہے، اور وہ اس سے خوش ہو رہے ہیں ﴿۱۲۳﴾ اور جن کے دل بیمار ہیں ان کی باطنی گندگی میں گندگی کا اضافہ کر دیا ہے، اور ان کی موت حالت کفر میں ہوئی ہے ﴿۱۲۵﴾

کے ساتھ جہاد کے لئے جائیں وہ جہاد کی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ ان کی صحبت سے علمی فائدہ اٹھائیں، قرآن و سنت کا علم حاصل کرتے رہیں، اور جب اپنی اپنی بستیوں اور شہروں میں واپس پہنچیں تو جو کچھ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے، باقی ماندہ لوگوں کو سکھائیں۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ نے جہاد کے سلسلہ میں یہ حکم دیا کہ پہلے ان کافروں سے جنگ کی جائے جو مدینہ کے قریب رہتے ہیں اور جب وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو آگے بڑھا جائے، اور ان کے بعد رہنے والے کافروں سے جنگ کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی اصول کو برتا، چنانچہ آپ کی جہادی کوششوں کے نتیجے کے طور پر آپ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں جزیرہ عرب مشرکین سے پاک ہو گیا، تو اہل کتاب تک دعوت اسلام پہنچانے کے لئے تبوک تک گئے اور وہاں بیس دن رہنے کے بعد واپس ہوئے، اور اس غزوہ سے اسلام کو عظیم فوائد حاصل ہوئے جن کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں جہاد کی تحریک کو جاری رکھا یہاں تک کہ اردن، شام، عراق اور فارس کے علاقے اسلام کے زیر نگیں ہو گئے، اسلام کا جھنڈا ہر طرف لہرانے لگا اور دیگر ذرائع سے دولت کی ریل چیل ہو گئی۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے کسی قسم کی نرمی کا مظاہرہ نہ کریں، ورنہ اس کے خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس کی تاکید فرمادی ہے۔

(۹۹) جیسا کہ اوپر کی آیتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس سورت میں منافقین کی ظاہری اور باطنی خباثتوں کے بہت سے احوال و کوائف بیان کئے گئے ہیں۔ اسی لئے اس سورت کا ایک نام ”فاضحہ“ بھی ہے۔ یعنی ایسی سورت جو منافقین کے عیوب کو بیان کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل چار آیتیں اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔

قرآن کریم کی جب کوئی نئی سورت منافقین کے غائبانے میں نازل ہوتی، اور انہیں خبر ہوتی تو آپس میں بیٹھ کر مذاق اڑاتے اور کہتے کہ بھئی، اس سورت کے نزول کے بعد تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے!؟

أُولَٰئِكَ يَرْوُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذُكُرُونَ ۝ وَإِلَّا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةَ النَّازِعَاتِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ بِبَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰ لَكُمْ مِنْ أَحَدٍ شَيْئًا أَنْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهِ فَلَوْ هُمْ بِبَعْضِهِمْ قَوْمًا لَافْتَقَهُوْنَ ۝

کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی آزمائش (۱۰۰) میں مبتلا کئے جاتے ہیں، پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ عبرت حاصل کرتے ہیں ﴿۱۲۶﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے، تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ﴿۱۰۱﴾ ہیں، اور اشاروں میں پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ رہا ہے، پھر لوٹ جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے پھیر دیا ہے اس لئے کہ وہ قطعی طور پر بے سمجھ لوگ ہیں ﴿۱۲۷﴾

شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافقین یہ بات بعض مسلمانوں سے ہی کہا کرتے تھے کہ یہ جو نئی سورت نازل ہوئی ہے، تو کون سا تمہارے ایمان میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اور ان کا مقصد انہیں اسلام سے برگشتہ کرنا ہوتا تھا۔ یعنی یہ کوئی ایسا دین نہیں ہے جس کی خاطر آدمی دن کا چین اور رات کا سکون کھوئے اور اپنی جان جو کھم میں ڈالے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استہزا اور استخفاف کا یہ جواب دیا کہ ہاں، قرآن کی یہ آیتیں اور یہ سورتیں اہل ایمان کا ایمان بڑھاتی ہیں، اس لئے کہ ہر سورت اور ہر آیت میں کوئی ایسی مفید بات اور نصیحت ہوتی ہے جو انہیں پہلے سے معلوم نہیں ہوتی ہے، اور وہ اپنے ایمان و اخلاص کی وجہ سے ان دنیاوی اور دینی فوائد و مصالح کو پا کر دل سے خوش ہوتے ہیں۔ جمہور محدثین کی رائے یہی ہے کہ مومن کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عمل صالح ایمان میں داخل ہے، تو بات بالکل واضح ہے، کہ آدمی جتنا زیادہ عمل کرتا جاتا ہے اس کا ایمان بڑھتا جاتا ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے، تو بھی بات واضح ہے، اس لئے کہ انبیائے کرام اور صحابہ رسول کا ایمان عام مسلمانوں کے ایمان سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن منافقین کا حال مومنوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جب جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے، ان کا نفاق بڑھتا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز اہل ایمان کے دلوں کو زندگی دیتی ہے، وہی ان کے دلوں کو اور مردہ بنا دیتی ہے، اور بالآخر ان کی موت کفر پر ہوتی ہے۔

(۱۰۰) اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنوں کے لئے دعوتِ توحید ہے کہ ذرا کوئی ان منافقین کی کم عقلی تو دیکھے کہ ہر سال ایک یا دو بار ان کی منافقتوں کا پردہ فاش ہوتا رہتا ہے، ہر سال ایک یا دو بار رسول اللہ ﷺ اور مومنین جہاد کرتے ہیں، اور انہیں فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے۔ اور منافقوں کے دلوں پر چر کے لگتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتے اور تائب ہو کر صدق دل سے اسلام قبول نہیں کرتے۔

(۱۰۱) اور جب کوئی سورت منافقین کی موجودگی میں نازل ہوتی ہے تو بطور استہزا اور وحی آسمانی کا انکار کرتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اب ہم سے برداشت نہیں ہو رہا ہے، ہنسی ضبط کر کے تھک گئے، ڈر ہے کہ ہمیں کوئی ہتھکانہ دیکھ لے، اس لئے دیکھو تو سہمی، اگر ہمیں کوئی مسلمان نہیں دیکھ رہا ہے تو جلدی سے یہاں سے نکل چلیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے کفر و نفاق کی مزید آلائشوں کے ساتھ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ کا انجام بد انہیں یہ دیکھنا پڑا ہے کہ دلوں کے مالک اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قبولِ حق سے یکسر محروم کر دیا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَلَّ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

(مسلمانو!) تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول (۱۰۲) آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گذرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہیں ﴿۱۲۸﴾ اگر اس کے بعد بھی منہ پھیر لیتے ہیں تو آپ کہتے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے، اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے ﴿۱۲۹﴾

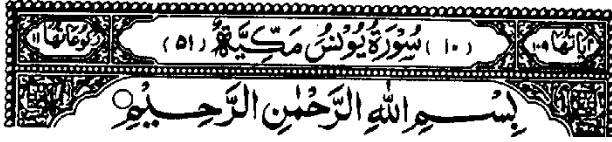
(۱۰۲) نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی امتِ اسلامیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ اس سورت کا اختتام اسی نعمتِ عظمیٰ کے ذکرِ خیر پر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قبائلِ عرب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس نے اپنی پیغامِ رسانی کے لئے تم پر مہربانی کرتے ہوئے ایک ایسے انسان کو چنا ہے، جو تم ہی میں سے ہیں اور تمہاری زبان بولتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ہر قبیلہ عرب سے خاندانی تعلق ہے۔

صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اولادِ اسماعیل سے چن لیا، اور قریش کو اولادِ کنانہ سے، اور بنی ہاشم کو قریش سے“۔ ایک روایت میں ہے: ”میں تمام اچھوں میں اچھا ہوں“۔
رامہرمزی نے اپنی کتاب ”المحدث الفاصل“ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بسند متصل روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں۔ آدم سے لے کر میرے باپ ماں تک میری پیدائش میں زنا داخل نہیں ہوا“۔ اسے ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے۔ اور علامہ البانی نے صحیح الجامع میں اسے حسن کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی دوسری صفت یہ بتائی گئی کہ آپ پر ہر وہ بات شاق گذرتی ہے جس سے امتِ مسلمہ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ آپ کی تیسری صفت یہ ہے کہ آپ دل سے تمنا کرتے ہیں کہ آپ کی امتِ جنہم میں نہ ڈال دی جائے، اور یہ بھی تمنا کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کی طرف اپنی امت کی رہنمائی کر دیں۔
اور چوتھی صفت یہ ہے کہ آپ مومنوں کے لئے بہت ہی رحم دل ہیں، اسی وجہ سے چاہتے ہیں کہ وہ عملِ صالح کریں اور گناہوں کا ارتکاب نہ کریں تاکہ اللہ کی جنت کے حقدار بنیں۔

آیت (۱۲۹) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا کہ آپ کی ان تمام خوبیوں کے باوجود اگر عرب کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری ہوں، اور اپنا اور تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں، جو ہر حال میں میرے لئے کافی ہے۔

سنن ابی داؤد میں بسند صحیح ابودرداء رضی اللہ عنہ سے (موتوفاً) روایت ہے کہ جو آدمی ہردن صبح و شام ”حسبى اللہ عليه توكلت و هو رب العرش العظيم“ سات بار پڑھ لیا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلات کو آسان کر دے گا اور اس کی حاجتوں کو پوری کرے گا۔



الرَّت تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَهُمْ قَدْ مَرَّ صَدَقٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا السَّحْرُ قَبْلُ ۝

سورہ یونس کی ہے، اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
 اگر (۱) یہ حکمت والی کتاب (قرآن کریم) کی آیتیں ہیں ﴿۱﴾ کیا لوگوں کو اس پر تعجب (۲) ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کی کہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان کا ان کے رب کے نزدیک بلند مقام ہے؟ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو گر ہے ﴿۲﴾

تفسیر سورہ یونس

نام: اس سورت کی آیت (۹۸) میں یونس علیہ السلام کا نام آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ”سورہ یونس“ رکھا گیا ہے۔
 زمانہ نزول: آیت (۳۰ اور ۹۳ اور ۹۵) کے علاوہ پوری سورت کئی دور میں نازل ہوئی تھی۔ عقیدہ توحید، وحی، بعث بعد الموت، کفار مکہ کا کفر و عناد، اور ان تضایا سے متعلق ان کے ذہنوں میں موجود شبہات کا ازالہ، یہی وہ مرکزی مضامین ہیں جن کے گرد پوری سورت گھومتی ہے۔

(۱) حروف مقطعات کے بارے میں سورہ بقرہ کی ابتدا میں لکھا جا چکا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک بہتر رائے یہی ہے کہ اس کا صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ”کتاب حکیم“ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور ”ہذہ“ اسم اشارہ قریب کے بجائے ”تلك“ اسم اشارہ بعید کے استعمال سے مقصود قرآن کریم کی عظمت شان بیان کرتا ہے۔

قرآن کریم کی صفت ”حکیم“ اس اعتبار سے لائی گئی ہے کہ یہ وہ کتاب محکم ہے جس میں حلال و حرام اور حدود و احکام تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یا یہ کہ ”حکیم“ بمعنی حاکم ہے۔ اس لئے کہ قرآن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے یا ”حکیم“ بمعنی ”محکوم فیہ“ ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس میں پورے عدل و انصاف کے ساتھ تمام امور میں فیصلے صادر فرمائے ہیں۔

(۲) مشرکین مکہ اس بات پر حیرت کرتے تھے کہ انہی جیسا ایک آدمی ان کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حیرت پر ٹیکر کی ہے کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، بلکہ اگر وہ رسول فرشتہ یا جن ہو تا تو حیرت کی بات تھی، اس لئے کہ بنی نوع انسان یا تو اسے دیکھ نہیں پاتے، یا اگر دیکھ پاتے تو اس سے مانوس نہیں ہوتے۔ کیونکہ انسان اپنے ہی جیسے جسد خاکی رکھنے والے انسان کے ساتھ مانوس ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا فطرت اور عقل کے تقاضے کے مطابق تھا۔ اور جب مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ لوگوں کو آخرت کے دن کے عذاب سے ڈرائیں، اور مومنوں

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۗ إِنَّ رَبَّكُمْ لَإِلَهُكُمْ ۗ إِنَّكُمْ لَعِندَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحْسَبُونَ ﴿۱۰﴾

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۗ إِنَّ رَبَّكُمْ لَإِلَهُكُمْ ۗ إِنَّكُمْ لَعِندَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحْسَبُونَ ﴿۱۰﴾

بے شک تمہارا رب وہ اللہ (۳) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہو کر تمام امور کی دیکھ بھال کرنے لگا، اس کی جناب میں کوئی سفارشی (۴) نہیں، الا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد کوئی سفارش کرے، وہی اللہ تمہارا رب (۵) ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو، کیا تم ان باتوں سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو ﴿۳﴾ تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا (۶) ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، بے شک وہی انسان کو ابتدا میں پیدا کرتا ہے، پھر اسے قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا، تاکہ پورے انصاف کے ساتھ ان لوگوں کو اچھا بدلہ (۷) عطا کرے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا، اور کافروں کو ان کے کفر کے سبب کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب دیا جائے گا ﴿۴﴾

کو خوشخبری دیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے ایمان اور عمل صالح کا اچھا سے اچھا بدلہ دے گا، اور شافع محشر محمد ﷺ ان کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

لیکن کفار قریش نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اور جب ان سے کچھ نہ بن پڑا، تو کہنے لگے کہ یہ آدمی تو صریح جادو گر ہے، اور یہ قرآن کھلا جادو ہے جو انسانوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ یہ آسمان سے نازل شدہ اللہ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔

(۳) مشرکین قریش کے تعجب کی تردید ہے کہ جو ذات باری تعالیٰ ایسی عظیم ترین قدرتوں کا مالک ہو جن کے تصور و ادراک سے عقلیں عاجز ہوں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیج دے؟ اس آیت کی تفسیر ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ تک سورہ اعراف آیت (۵۴) میں گذر چکی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الصحيح" میں ﴿اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے مسئلہ میں جمہیہ پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسْتَوَىٰ" کا معنی ابو العالیہ نے "ارتفع" اور مجاہد نے "علا" کیا ہے۔ یعنی استوا کی بغیر کوئی مثال اور بغیر کوئی کیفیت بیان کئے ہوئے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ عرش وہ جسم ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے، اور تمام مخلوقات سے عظیم تر ہے۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کی دیکھ بھال کرتا ہے، ان کے لئے اپنے اوامر صادر فرماتا ہے، اور اپنی معلوم حکمتوں کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔

(۴) مشرکین مکہ کے معروف عقیدہ باطلہ کی تردید ہے کہ ان کے اصنام اللہ کے یہاں ان کے سفارشی نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ کہ "اس کی اجازت کے بغیر کون اس کی جناب میں سفارش کر سکتا ہے"۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت کا یہ حصہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تنہا اللہ کی ذات تمام امور و جہاں کا مختار کامل ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ایک پتہ بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔

(۵) وہی ذات واحد جو مذکورہ بالا عظیم قدرتوں کا مالک ہے، وہی اللہ ہے اور وہی تمہارا رب ہے۔ اس لئے تم لوگ اسی کی عبادت

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَّةَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُتَّقُونَ ﴿۹۱﴾

وہی ہے جس نے آفتاب (۸) کو چمکتا ہو اور چاند کو روشن بنایا، اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور (مہینہ اور دن کا) حساب جان سکو، اللہ تعالیٰ نے انہیں مخصوص فائدوں کے لئے پیدا کیا ہے، وہ اپنی آیتیں علم والوں کے لئے بیان کرتا ہے ﴿۹۰﴾ بے شک رات (۹) اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں، اور ان سب چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ﴿۹۱﴾

کرو، اور ان بے جان بتوں، پتھروں، درختوں اور جمادات کی عبادت نہ کرو جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔

(۶) ہر شخص اپنی دنیاوی زندگی گزارنے کے بعد موت کی راہ سے گذر کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے ضرور حاضر ہوگا۔ یہ اس کا برحق وعدہ ہے، جو بدل نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو نطفہ سے پیدا کرتا ہے، پھر اس کی مدت عمر پوری ہونے کے بعد اس پر موت طاری کر دیتا ہے، اور جب قیامت آئے گی تو اُسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

(۷) یہاں سے آخر آیت تک موت کے بعد دوسری زندگی کی علت بیان کی گئی ہے، یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ آدمی کو اس کے اچھے یا برے عمل کا بدلہ نہ ملے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عمل کی جگہ بنایا ہے، تو لازم تھا کہ اس عمل کے جزا و سزا کی جگہ ہوتی۔ اسی لئے اللہ نے آخرت کی زندگی بنائی تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ اور یہ کوئی بعید از عقل بات بھی نہیں کہ اللہ اس مکافاتِ عمل کے لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے، کیونکہ جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا ہے وہ یقیناً انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بہت سی عام و خاص نعمتوں سے نوازا ہے، انہی عام اور اہم نعمتوں میں سے سورج اور چاند بھی ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں ان دونوں کی تخلیق اور ان کے عظیم منافع کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت، قدرت اور علم و حکمت کے مزید دلائل پیش کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آفتاب کی تیز شعاعوں کو دن کی روشنی، اور چاند کی دھیمی شعاعوں کو رات کی روشنی کا ذریعہ بنایا، اور آفتاب کے بارہ برج اور چاند کے اٹھائیس منازل بنائے، تاکہ انسان اپنی دنیاوی زندگی میں سالوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کے حساب جان سکے۔ اللہ نے انہیں بے کار اور عبث نہیں پیدا کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے شمس و قمر کو پیدا نہ کیا ہوتا، تو انسانوں کے بہت سے دنیاوی اور دینی مصالح ضائع ہو جاتے۔ کہاں سے معلوم ہوتا کہ سال بارہ مہینوں کا، اور مہینہ تیس یا تیس دن کا، اور دن چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ اور ان حساباتِ سال و ماہ اور روز سے انسانوں کی جن ضروریات کا تعلق ہے وہ کیسے پوری ہوتیں؟

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۗ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ مِنَ النَّارِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِرُكْبَتِهِمْ يُاسِّرُهُمْ يُجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۗ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۗ دَعْوُهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۗ وَأُخْرَىٰ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ وَلَوْ يُعْطِلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَفُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۗ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

بے شک جو لوگ ہماری ملاقات (۱۰) کی امید نہیں رکھتے ہیں، اور دنیا کی زندگی پر خوش اور مطمئن ہیں، اور جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں، ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا ﴿۸﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا، ان کا رب ان کے ایمان کی بدولت انہیں جنت کی راہ پر گامزن کر دے گا، نعمتوں کے باغات میں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ﴿۹﴾ وہاں ان کی دعا سبحانک اللہم ہوگی، (یعنی اے اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے) اور ان کا آپس کا سلام و تحیہ سلام علیکم ہوگا، اور ان کی دعا کا اختتام الحمد للہ رب العالمین ہوگا (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے) ﴿۱۰﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو شر (۱۱) پہنچانے میں ویسی ہی جلدی کرتا جیسی وہ لوگ خیر کی جلدی مچاتے ہیں، تو ان کی موت کا ہی فیصلہ کر دیا گیا ہوتا، پس جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں، ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں ﴿۱۱﴾

(۹) رات اور دن کا ایک دوسرے کے بعد پورے انتظام کے ساتھ آتے رہنا، اور کبھی اس میں کوئی خلل نہ واقع ہونا، دونوں کا کبھی چھوٹا اور بڑا ہونا، رات کی تاریکی اور دن کی روشنی، فضا میں تیرتے کو اکب و سیارات، ہوائیں اور بارش، انسان اور حیوان، خشکی اور تری، پہاڑ اور وادیاں اور شجر و حجر یہ سب یقیناً اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کے کمال قدرت اور اس کی عظیم ترین سلطنت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان صرف اس کی عبادت کرے، اسی سے غایت درجہ کی محبت رکھے، اسی سے ڈرے، اسی سے امید رکھے، اور ہر حال میں اس کا شکر گزار رہے۔

(۱۰) ذکرِ یومِ آخرت کے بعد اس کے منکرین اور پھر اس پر یقین رکھنے والوں کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں اور دنیا کی زندگی پر ہی شاداں و فرحاں رہتے ہیں، اور اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے، ان کا ٹھکانا اللہ نے جہنم بتایا ہے۔ اور جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کرتے ہیں، اللہ انہیں ان کے ایمان کی بدولت جنتوں تک پہنچا دے گا۔ جن میں ان کے قدموں تلے نہریں جاری ہوں گی۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اہل جنت کی دعا اللہ کی تسبیح و تقدیس ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہاں انہیں ہر قسم کی نعمتیں مل جائیں گی، اور امر و زور و فردا کے اندوہ و غم سے یکسر آزاد ہو جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر اللہ کی پاکی اور تعریف بیان کرتے رہیں گے۔ اور ایک دوسرے کو سلام کرتے پھریں گے۔ اور اپنی دعا کے اختتام پر الحمد للہ رب العالمین کہا کریں گے، کہ دنیا و آخرت میں اور ہر حال میں اور ہر وقت وہی ذات واحد ہر قسم کی تعریف اور ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔

(۱۱) کئی زندگی کے جس دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اُس وقت مشرکین مکہ کا عجیب حال تھا۔ شدتِ استکبار اور ذہنی بوکھلاہٹ

وَلَا أَمَسَ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبَةِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۖ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُضُّوهُ مَرَّكَانَ تَوَدَّ لَوْ كَانَتْ يَدَاكَ مُتَدَاعِلَيْنِ لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضَرْبٍ مَسَّكَ ۚ كَذَلِكَ نُرِي الْمُتَسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾ وَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا تَظَلَّمُوا ۖ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾

اور جب انسان کو تکلیف (۱۲) پہنچتی ہے تو اپنے پہلو کے بل یا بیٹھے یا کھڑے ہر حال میں ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے جو اسے پہنچی تھی ہمیں پکارا ہی نہیں تھا، حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے ان کے اعمال اسی طرح خوبصورت بنا دیئے جاتے ہیں ﴿۱۲﴾ اور تم سے پہلے بہت سی قوموں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک (۱۳) کر دیا، اور ان کے انبیاء ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ﴿۱۳﴾ پھر ان کے بعد زمین کا وارث (۱۴) ہم نے تمہیں بنا دیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ﴿۱۴﴾

میں بار بار رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ اگر تم اتنے ہی سچے ہو اور ہم اللہ کے نزدیک اتنے مغضوب ہیں، تو جس عذاب کی بات تم بار بار کرتے ہو وہ ہم پر کیوں نہیں نازل ہو جاتا؟ یہ کفار مکہ کی غفلت کی انتہا تھی کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ ان سے کوئی خیر کی بات کرتے تو جلد عذاب آجانے کا مطالبہ کر بیٹھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھاتے ہوئے ایسا نہیں کیا، بلکہ انہیں توبہ کی مہلت دی اور انہیں ہلاک نہیں کیا کہ شاید ان کی ذریت میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ پر ایمان لے آئیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں جو لوگ ظالم ہوں گے اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لائیں گے، اللہ انہیں کفر و طغیان میں یونہی بھٹکتا ہوا چھوڑ دے گا۔

(۱۲) ان کافروں کا حال بھی عجیب ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ انہیں اللہ کی طرف بلاتے ہیں تو اسٹکبار میں آکر عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اگر اللہ کبھی انہیں گرفت میں لے لیتا ہے تو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں، اور جب اللہ ان کی تکلیف دور کر دیتا ہے، تو دعا اور گریہ و زاری کو ایسا بھول جاتے ہیں کہ جیسے کبھی اللہ کو پکارا ہی نہیں تھا۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ حالت کافروں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بہت سے مسلمانوں کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو خوب دعائیں کرتے ہیں اور اللہ کے حضور گریہ و زاری کرتے ہیں، اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے، تو دعا اور گریہ و زاری سے غافل ہو جاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت اور اس کے احسان کا شکر یہ ادا کرتا بھول جاتے ہیں۔

(۱۳) مشرکین مکہ کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ گذشتہ زمانوں میں جن قوموں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا، اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا، تو کوئی بعید نہیں کہ تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہو۔

(۱۴) آیت میں خطاب ان مشرکین عرب سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے، کہ گذشتہ اقوام کے بعد اللہ نے تمہیں زمین کا مکیں بنایا، تاکہ تمہیں بھی آزمائے اور دیکھے کہ اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا رہتا ہے۔ اگر نیک عمل کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا، اور اگر برا عمل کرو گے تو تمہیں ویسا ہی برا بدلہ دے گا۔

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَدِئْنَا قَالِ الَّذِينَ لَا يُدْعُونَ لِإِفْتِنَا إِنَّا لَنَشُدُّ عَضُدَهُمْ أَنْ يَأْكُرُوا مِائِنًا يَوْمَ يُنْفَخُ أَصْفَادُ السَّمَاوَاتِ وَيُؤْتَى السَّاعِدُونَ أَمْشِرُهُمْ وَيَمْشِي الْعَذَابُونَ عَلَيْهِمْ إِنَّ إِلَهَ لَنَا لَهٗ أَكْبَرُ ۗ إِنَّ إِلَهَ الْإِنسَانِ لَظَلِيمٌ ۝
 قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرِكُمْ بِهِ أَقْدَامَكُمْ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ أَكْثَرُ ظُلْمًا ۝
 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُغْنِيهِ الْجِبْرُوتُونَ ۝

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف اور کھلی آیتوں کی تلاوت (۱۵) کی جاتی ہے، تو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ، یا اسی میں کچھ تبدیلی لے آؤ، آپ کہہ دیجئے کہ میں اسے اپنی جانب سے نہیں بدل سکتا، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو یقیناً ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿۱۵﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو میں تمہارے سامنے اس کی تلاوت نہ کرتا، اور اللہ تمہیں اس کی خبر نہ دیتا، میں تو تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو ﴿۱۶﴾ پس اس آدمی سے بڑھ کر ظالم (۱۶) کون ہے جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک مجرم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے ﴿۱۷﴾

(۱۵) نبی کریم ﷺ جب مشرکین کے سامنے قرآن کریم کی ان آیتوں کی تلاوت فرماتے جن میں توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور شرک باللہ کی تردید ہوتی، تو قیامت اور جزا و سزا کا انکار کرنے والے مشرکین بطور چیلنج یا بطور استہزا آپ ﷺ سے کہتے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ جس میں ہمارے بتوں کی عیب جوئی نہ ہو، یا ان آیتوں کے بدلے جن سے ہمیں تکلیف پہنچتی ہے دوسری آیتیں لے آؤ جنہیں سن کر ہمیں تکلیف نہ پہنچے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے جواب میں یہ کہنے کا حکم دیا کہ میں اس میں اپنی طرف سے ایک حرف کی تبدیلی نہیں لاسکتا ہوں، میں تو اللہ کا حکم بجالانے والا ایک بندہ اور محض پیغامبر ہوں۔ میں تو صرف اللہ کی جانب سے نازل شدہ وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اگر میں نے اللہ کی نافرمانی کی تو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

آیت (۱۶) میں مذکورہ بالا مضمون کی تاکید کے طور پر فرمایا کہ تمہارے سامنے قرآن کریم کی تلاوت میں اللہ کے ارادے اور اس کی مشیت کے مطابق کرتا ہوں، اگر اللہ چاہتا کہ نہ کروں تو میں نہیں کر سکتا تھا، اور میری زبانی اس کا علم تمہیں حاصل نہیں ہوتا۔ اور پیدائش سے لے کر بعثت تک پورے چالیس سال تک میں تمہارے درمیان رہا ہوں۔ میری صداقت و امانت کے چرچے تم میں سے ہر ایک کی زبان پر ہیں، اور مجھے بڑھنا لکھنا بھی نہیں آتا ہے۔ لیکن جب اللہ نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا تو اس کا نازل کردہ قرآن تمہیں سنانے لگا ہوں۔ کیا ان تمام دلائل و قرآن سے تم اس نتیجے پر نہیں پہنچتے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، میری یا کسی اور کی من گھڑت بات نہیں ہے!؟

(۱۶) یہ بھی مشرکین کی گذشتہ استہزا آمیز بات کی تردید کا ایک حصہ ہے کہ اس آدمی سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، جیسے کہ مسیلہ کذاب، سجاح اور اسود غنسی وغیرہم نے کیا تھا، یا جب اللہ کے سچے رسول (ﷺ) کے ذریعہ اس کی آیتیں اس تک پہنچیں تو ان کی تکذیب کرے۔

وَيُصَدِّقُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَبْرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَشْعُرُونَ اللَّهُ
بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۷﴾ وَمَا كَانَ لِلنَّاسِ إِلَّا عِنْدَهُ وَاحِدَةٌ
فَاخْتَلَفُوا لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۸﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا
آيَةٌ مِنْ رَبِّنَا قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانظُرُوا إِلَىٰ مَعْمَرٍ مِنَ الْمُتَضَرِّينَ ﴿۱۹﴾

اور وہ لوگ اللہ کے بجائے ایسوں کی عبادت (۱۷) کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ، اور کہتے ہیں کہ اللہ کے حضور یہ ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہئے کہ کیا تم لوگ اللہ کو ایسی بات کی اطلاع دیتے ہو جس کے ہونے کی خبر اسے نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں، اس کی ذات ان مشرکانہ اعمال سے پاک اور برتر ہے ﴿۱۸﴾ اور تمام لوگوں کی صرف ایک جماعت (۱۸) تھی، پھر ان کے آپس میں اختلاف ہو گیا، اور اگر آپ کے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوتی، تو جن باتوں میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں ان میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿۱۹﴾ اور وہ کہتے (۱۹) ہیں کہ اس کے لئے اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی جاتی ہے، تو آپ کہئے کہ غیب کی باتیں صرف اللہ کے علم میں ہیں، پس تم لوگ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿۲۰﴾

(۱۷) مشرکین عرب کی کم عقلی کا ماتم کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور ان کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک ان کے سفارشی بنیں گے تاکہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔ یا یہ مراد ہے کہ ان کی سفارش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان مشرکین کی دنیاوی حالت ٹھیک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کا جواب اس طرح دینے کو کہا کہ کیا تم اس بات کی خبر دے رہے ہو کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے کچھ سفارشی ہیں، حالانکہ اللہ کو اس کی خبر نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والی اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کا شریک یا اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے حضور سفارش کرنے والا ہے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ان کی ابتداءئے آفرینش میں صرف دین توحید کا تبع بنایا تھا، پھر مرد و زمانہ کے ساتھ انہی میں سے کچھ لوگوں نے دین فطرت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع شروع کر دی اور بتوں کی پرستش کرنے لگے اور مختلف جماعتوں میں بٹ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھاتے ہوئے انبیاء مبعوث کئے، جنہوں نے انہیں توحید کی دعوت دی۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا پہلے سے یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ وہ کسی کو بغیر حجت تمام ہوئے عذاب نہیں دیتا، اور یہ کہ اللہ نے جزا و سزا کو قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس دنیا میں ہی کافر کو ہلاک کر دیتا۔

(۱۹) مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہہ کر وعناد میں کہا کہ قرآن اور دیگر معجزات کے بجائے کوئی ایسی نشانی لاؤ جس کا ہم مطالبہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مردہ کو زندہ کرو، یا پہاڑ کو سونا بنا دو، یا آسمان سے تمہارے لئے کوئی مزین و مزخرف گھراؤ بنا دیا جائے، تاکہ ہم تمہاری نبوت کی تصدیق کر سکیں، تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ ان کے جواب میں کہیں کہ کسی نشانی کا نازل ہونا غیبی بات ہے، جس کا علم صرف اللہ کو ہے، مجھے یا تمہیں یا کسی اور مخلوق کو اس کا علم نہیں ہے، تو میں تمہاری مرضی کے مطابق

وَلِذَا دُفِنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ فَرَآءَ مَسْتَهْمُهُمْ إِذْ أَلْتَمَأْتِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا، إِنْ رُسُلَنَا
يَكْتُبُونَ مَا تَنْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي يُسَوِّدُكُمْ فِي الْبُيُوتِ الْعُزَّى حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْغُلُوبِ وَجَرَيْنَ بِهَيْمِهِمْ بِرِيحٍ غَاطِبَةٍ وَفَرِحُوا
بِهَا جَاءَتْهُمْ رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَكَلَّمُوا اللَّهَ فَأُحْضِرْتُمْ لَهُمْ ۝ دَعَا اللَّهُ مُتَعَلِّصِينَ لَهُ
الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا مِنْ هَذَا وَكُنَّا نَكُونُ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْتَغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ اسْتِخَارَتِنَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ
إِنَّمَا بَغَيْتُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ نِفَاقًا صِیُوقًا لَدُنْ نِيَابَتِكُمْ إِنَّمَا تَصَادُكُمْ عَنْهَا أَنْفُسُكُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اور جب ہم لوگوں کو کسی تکلیف کے بعد اپنے فضل و کرم کا مزہ چکھاتے ہیں، تو وہ اچانک ہماری آیتوں کے بارے
میں مکرو فریب^(۲۰) سے کام لینے لگتے ہیں، آپ کہے کہ اللہ اپنی چال میں تم سے زیادہ تیز ہے، ہمارے فرشتے تمہاری
مکاریوں کو لکھ رہے ہیں ﴿۲۱﴾ وہی ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتی^(۲۱) میں ہوتے
ہو، اور وہ کشتیاں موافق ہواؤں کے سہارے نہیں لے کر چل رہی ہوتی ہیں، اور وہ ان کی رفتار سے خوش ہوتے
ہیں، کہ اچانک ایک تیز ہوا ان کشتیوں کو آلتی ہے اور ہر چہار جانب سے موج ان لوگوں کو اپنے گھیرے میں
لے لیتی ہے، اور انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مکمل طور پر پھنس گئے ہیں، تو وہ اللہ کو اس کے لئے مکمل طور پر بندگی
کو خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں، کہ اے اللہ! اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم تیرے شکر
گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۲۲﴾ پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے
ہیں۔ اے لوگو! بیشک تمہاری سرکشی کا برا انجام تمہیں ہی ملے گا، یہ تو دنیاوی زندگی کا عارضی فائدہ ہے، پھر تمہیں
ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم تمہیں تمہارے کرتوتوں کی خبر دیں گے ﴿۲۳﴾

کیسے کوئی نشانی لا سکتا ہوں؟ البتہ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں کہ اللہ کس کے حق میں فیصلہ کرتا ہے۔
مفسرین لکھتے کہ ان کا یہ سوال صرف کبر و عناد کی بنیاد پر تھا۔ اگر اللہ کے علم میں ہو تا کہ وہ اپنے سوال میں مخلص ہیں تو ان
کی خواہش کے مطابق نشانی ضرور بھیج دیتا۔

(۲۰) جو مشرکین مکہ کفر و عناد کی وجہ سے اپنی من مانی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کے خبت باطن اور اللہ کے ساتھ ان کی
بدعہدی کا حال یہ ہے کہ جب قحط سالی اور تنگی رزق کے بعد اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتے ہوئے آسمان سے بارش بھیجتا ہے اور ان کی
روزی میں وسعت دیتا ہے، تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اپنے بتوں کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں، اور اللہ کی آیتوں کے
بارے میں طرح طرح کی باتیں بنانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کا عذاب تمہارے
مکرو فریب سے زیادہ تیز ہے، فرشتے تمہاری سازشوں کو لکھ رہے ہیں، کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ہے۔ اور جب ان سے مخفی نہیں،
تو اللہ سے تمہاری سازشیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔ تمہیں ان کی سزا مل کر رہے گی۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرکین کی بدعہدی کی ایک دوسری شکل یہ ہے کہ وہ کشتیوں میں سوار ہو کر موافق ہواؤں کے سہارے
اپنی منزل کی طرف رواں ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، کہ اچانک طوفان کی زد میں آ جاتے ہیں اور موج انہیں ہر طرف سے
گھیرے میں لے لیتی ہے، تو پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں، اور دل میں اللہ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر انہیں

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَاتَّخَذَتْ وَظْنَ أَهْلِهَا آلَهُمْ فَذُرُونٌ عَلَيْهِمْ أَمْ يُرَاتِلُكَ لَا أَوْ نَهَا زَا جَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَعْنُ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نَفْصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُفَكِّرُونَ ﴿۲۰﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۱﴾ الَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَاتِهِمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۴﴾

بے شک دنیاوی زندگی (۲۲) کی مثال اس پانی کی ہے جسے ہم آسمان سے بھیجتے ہیں، جو زمین کے ان پودوں کے ساتھ مل جاتا ہے جنہیں لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین خوب بارونق اور خوبصورت بن جاتی ہے، اور اس کے مالکان یقین کر لیتے ہیں کہ وہ اس سے مستفید ہونے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں، تو یک لخت ہمارا فیصلہ (بصورت عذاب) رات یادن میں صادر ہو جاتا ہے، اور ہم ان پودوں کو اس طرح کاٹ کر رکھ دیتے ہیں کہ جیسے وہ کل تھے ہی نہیں، ہم غور و فکر کرنے والوں کے لئے اپنی آیتیں اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ﴿۲۳﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے ﴿۲۳﴾ اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے ﴿۲۵﴾ جو لوگ نیک عمل (۲۳) کریں گے انہیں جنت ملے گی، اور اللہ کا دیدار نصیب ہوگا، اور ان کے چہروں پر نہ غم کی سیاہی ہوگی اور نہ رسوائی کے آثار، وہی لوگ جنتی ہوں گے، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۶﴾ اور جن کے اعمال بُرے ہوں گے، انہیں برائی کا بدلہ اسی جیسا ملے گا، اور ذلت و رسوائی انہیں ڈھانکے ہوگی، انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا، اور ان کا حال ایسا ہوگا کہ گویا ان کے چہروں کو رات کے تاریک ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے، وہی لوگ جہنمی ہوں گے، وہاں ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۷﴾

موت سے نجات مل گئی تو اللہ کے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔ لیکن جب انہیں اس بھنور سے نجات مل جاتی ہے تو پھر سے کبر و عناد کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ تمہاری سرکشی تمہارے علاوہ کسی اور کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اور یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، پھر تمہیں اللہ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، جہاں اللہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(۲۲) دنیا کی بے ثباتی کو ایک دوسری مثال کے ذریعہ بیان کیا جا رہا ہے، کہ جس طرح لہلہاتے پودے کچھ ہی دنوں کے بعد ٹر جھکا جاتے ہیں اور پھر خشک ہو کر اپنی تازگی اور خوبصورتی کھو بیٹھتے ہیں، وہی حال دنیا کا ہے، کہ یہ اپنی عارضی رونق سے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کے ایام ختم ہو جاتے ہیں اور موت آدبوحقی ہے اور سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاتا ہے، اور آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

(۲۳) دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے بعد اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو حاصل کرنے کی ترغیب دلائی ہے جو امن و سلامتی کا گھر ہے، جہاں اللہ جنت کو کوئی پریشانی اور کوئی مصیبت لاحق نہیں ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَرَكِلْنَا أَيْدِيَهُمْ وَقَالَ لَنْ كَأُوهُمْ كَالَّذِينَ
إِنَّا نَعْبُدُونَ ۖ فَكَلِمَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَوِيلِينَ ۝

اور جس دن ہم ان سب کو جمع (۲۵) کریں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ پر ٹھہرے
رہو، پھر ہم ان کے درمیان اختلاف پیدا کر دیں گے، اور ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے
تھے ﴿۲۸﴾ پس ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کی حیثیت سے اللہ کافی ہے، ہم تمہاری عبادت سے بالکل ہی
بے خبر تھے ﴿۲۹﴾

(۲۴) اسلام کی دعوت آنے کے بعد لوگ دو جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت نے اس دعوت کو قبول کیا، دنیا کی رنگینیوں
اور خواہشاتِ نفس سے ہٹ کر اللہ کی رضا جوئی کو اپنا مقصدِ حیات بنایا، اور اس کی اس طرح عبادت کی کہ جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہے
ہوں۔ ایسے مومنینِ مخلصین کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی خوشخبری دی ہے، اور اس سے بھی عظیم تر نعمت دیدار کا وعدہ کیا ہے۔ امام احمد
اور امام مسلم نے صحیبِ رومی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور کہا کہ جب جنتی
جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے، تو ایک منادی آواز لگائے گا کہ اے اہل جنت! اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا،
جسے اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ کیا اللہ نے ہمارے ترازوں کو بھاری نہیں بنادیا، کیا ہمارے چہروں کو روشن نہیں
کر دیا اور ہمیں جہنم سے ہٹا کر جنت میں داخل نہیں کر دیا، اب اور کیا چیز باقی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا، اور جنتی اسے دیکھنے
لگیں گے۔ اللہ کی قسم، اس نعمت دیدار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوگی، اور اس سے بڑھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کوئی
شے نہیں ہوگی۔

اور دوسری جماعت نے دعوتِ اسلام کو ٹھکرا دیا۔ دنیا کی رنگینیوں میں کھو گئے اور شرک و معاصی کا ارتکاب کیا، ایسے
لوگوں کو اللہ نے جہنم کی خوشخبری دی ہے، جس سے بڑھ کر کوئی ذلت و رسوائی نہیں ہوگی۔ اور اللہ کے اس عذاب سے کوئی انہیں
نہیں بچا سکے گا۔

(۲۵) جن لوگوں نے دعوتِ اسلام کو ٹھکرا دیا، اور شرک باللہ کی راہ کو اختیار کیا، جب میدانِ محشر میں اپنے شرکاء کے ساتھ اکٹھا
کئے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم سب اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ تمہیں اپنے شرک کا انجام معلوم
ہو جائے۔ اس کے بعد مشرکین اور ان کے شرکاء کے درمیان کے تمام تعلقات ختم کر دیئے جائیں گے۔ مشرکین کو اپنے شرکاء
سے کسی شفاعت کی امید باقی نہیں رہے گی، اور شرکاء اپنا دامن جھٹک کر کہہ پڑیں گے کہ تم ہماری نہیں بلکہ شیطان کی عبادت
کرتے تھے۔ اور اللہ شاہد ہے کہ نہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا اور نہ ہم نے ایسا چاہا تھا، اور نہ ہمیں اس کا کچھ علم ہے۔ اُس
وقت مشرکین کی بے بسی اور حسرت و یاس کا کیا عالم ہوگا، اس کا تصور اس جہاں میں نہیں کیا جاسکتا۔ ان شرکاء میں انسان، جن،
فرشتے اور پتھر کے بنے بُت سبھی ہوں گے۔ فرشتے، انبیاء اور نیک لوگ تو اپنی زبانوں سے اعلانِ براءت کر دیں گے۔ اور وہ
دنیا میں بھی ان شرکیہ اعمال سے راضی نہیں تھے۔ اور جو پتھر کے بنے بت ہوں گے انہیں بھی اللہ تعالیٰ اس دن قوتِ گویائی
دے گا تاکہ مشرکوں سے اعلانِ براءت کر دیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قول مجازی ہوگا، یعنی وہ بت اپنی زبانِ حال سے
اعلانِ براءت کر رہے ہوں گے۔

هَذَا كَيْتَبُوا كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۲۱﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنْ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَتَنْتَبِهُونَ ﴿۲۲﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ النَّفْسَ الْيَتِيمَ وَيُخْرِجُ الْغَنِيَّ مِنَ الْبَيْتِ وَيُخْرِجُ الْمَيْتَ مِنَ الْحِمَىٰ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأُمُورَ مُسْتَقِيمًا ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُخْرِجَ بِهِ الْحَبَّ وَالنَّخْلَ وَالزَّيْتُونَ ﴿۲۴﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَبْعَثَ الْجِبَالُ تَحْتَهُ أَكُفْرًا مَعًا ﴿۲۵﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۲۶﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۲۷﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۳۲﴾ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً غَيْرَ غَمَامٍ وَلَا سَكَابِغٍ ﴿۳۳﴾

وہاں شخص دُنیا میں کئے ہوئے اپنے اعمال (۲۱) کو پہچان لے گا، اور تمام لوگ صرف اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا حقیقی آقا و مولیٰ ہے، اور وہ سارے معبود اُن سے کھو جائیں گے جن کا وہ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے ﴿۳۰﴾ آپ پوچھیے (۲۲) کہ تمہیں آسمان اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے، یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے، اور کون زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور کون تمام اُمور کی دیکھ بھال کرتا ہے، وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تو آپ کہیں کہ پھر تم لوگ شرک سے کیوں نہیں بچتے ہو ﴿۳۱﴾ پس وہی اللہ تمہارا حقیقی پالنہار ہے، تو اب حق کے بعد سوائے مگر اہی کے اور کیا رہ جاتا ہے، پھر تمہیں حق سے کدھر پھیرا جا رہا ہے ﴿۳۲﴾ اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ (۲۸) فاسقوں کے حق میں صادر ہو چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۳۳﴾

(۲۶) میدانِ محشر میں جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اور ہر آدمی پر خوف و دہشت طاری ہوگی، ہر ایک شخص اپنے اچھے اور بُرے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ کچھ لوگوں کے اعمال رد کئے جا رہے ہوں گے، تو کچھ کے قبول کئے جا رہے ہوں گے۔ کچھ کے نیک اعمال بہت ہی اچھی شکل میں اُن کے سامنے آئیں گے، اور کچھ کے بُرے اعمال بہت بد شکل ہوں گے۔ اور ہر آدمی اپنے دنیاوی اعمال کا مزہ اپنے کام و دہن اور دل و دماغ میں محسوس کر رہا ہوگا۔ اس وقت تمام جھوٹے معبود غائب ہو چکے ہوں گے، اور تمام بنی نوع انسان اپنے مولائے حقیقی کے رُبرو ہوں گے جو بلا شرک و غیرے انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

(۲۷) میدانِ محشر میں مشرکین کا حال زار بیان کرنے کے بعد ان کے شرک کے خلاف دلائل و براہین پیش کئے جا رہے ہیں، اور انہیں دعوتِ فکر و نظر دی جا رہی ہے، کہ جب تم اعتراف کرتے ہو کہ وہی ذات واحد سب کا روزی رسال ہے، اسی نے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت دی ہے، وہی زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، یعنی پھل کو گٹھلی سے اور گٹھلی کو پھل سے، مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے، انڈے کو مرغی سے اور مرغی کو انڈے سے نکالتا ہے، اور وہی سارے جہاں کا تہاہد بڑ ہے، تو پھر تمہیں کیسے ڈر نہیں لگتا ہے کہ اسے چھوڑ کر غیروں کی پرستش کرتے ہو؟

آیت (۳۲) میں اسی مضمون کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جو اللہ سارے جہاں کا پالنے والا ہے، اور جو ان تمام امور کا فاعل حقیقی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے وہی تمہارا معبود حقیقی ہے، اور حق و باطل کے درمیان کوئی تیسری راہ نہیں ہے، اس لئے اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ تو اے مشرکین! تم توحید باری تعالیٰ کی راہ چھوڑ کر کیوں شرک کی راہ پر چلے جا رہے ہو۔

(۲۸) مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لئے صفاتِ ربوبیت کا اعتراف کرنے کے باوجود جب شرک پر اصرار کیا اور اللہ کے بجائے غیروں کی عبادت کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ کا ان کے بارے میں فیصلہ صادر ہو گیا کہ وہ لوگ بد بخت، جہنمی ہیں، اب کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَآلَىٰ تُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَىٰ الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَىٰ الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِيَٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُهُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظُلْمًا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

آپ پوچھے کہ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو مخلوقات کو پہلی بار وجود (۲۹) میں لائے پھر انہیں دوبارہ زندہ کرے؟ آپ کہتے کہ صرف اللہ مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ زندہ کرے گا تو تمہیں بہکا کر کدھر لے جایا جا رہا ہے ﴿۳۳﴾ آپ پوچھے کہ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی (۳۰) کرے، آپ کہتے کہ صرف اللہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا جو رہنمائی نہیں کرتا ہے بلکہ محتاج ہے کہ اس کی رہنمائی کی جائے، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کس طرح تم فیصلہ کرتے ہو ﴿۳۵﴾ اور اکثر مشرکین صرف گمان (۳۱) کی پیروی کرتے ہیں، بے شک گمان حق کو پانے کے لئے کچھ بھی کام نہیں آسکتا ہے، بے شک اللہ ان کے تمام کارناموں کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿۳۶﴾ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ قرآن (۳۲) اللہ کی مرضی کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں، اور اللہ کے مقرر کردہ احکام کی تفصیل بیان کرتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، یہ سارے جہاں کے پانہار کی طرف سے نازل کردہ ہے ﴿۳۷﴾

(۲۹) مشرکین کے خلاف مزید حجت قائم کی جا رہی ہے، کہ اے میرے نبی (ﷺ)! ذرا ان مشرکین سے پوچھے تو سہی کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو انسان کو نطفہ سے پیدا کرے، پھر ایک مدت مقررہ کے بعد اس پر موت طاری کر دے، اور پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں ہے، وہ صرف اللہ ہے جو اس پر قادر ہے، تو پھر تم کیسے اس کے سوا غیروں کی عبادت کرتے ہو!؟

(۳۰) ان مشرکین کے خلاف ایک اور حجت قائم کی جا رہی ہے، کہ اے میرے نبی (ﷺ)! ذرا ان سے یہ بھی تو پوچھئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو بھٹکتے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں ہے، وہ صرف اللہ ہے جو اس پر قادر ہے۔ تو پھر عبادت صرف اسی کی ہونی چاہئے، نہ کہ ان بتوں کی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں۔ یہ کیسی تمہاری کم عقلی ہے، اور کیسا جائزانہ فیصلہ ہے!؟

(۳۱) یہ مشرکین جو بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں، تو ان کے پاس ادہام و خیالات اور قیاس فاسد کے علاوہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور معلوم ہے کہ ادہام و خیالات سے حقائق نہیں بدل جاتے ہیں۔ اس لئے یہ مشرکین جان رکھیں کہ اللہ ان کے تمام شرکانہ اعمال کو ریکارڈ میں لا رہا ہے، جن کا بدلہ قیامت کے دن انہیں ضرور دے گا۔

(۳۲) گذشتہ آیتوں میں توحید باری تعالیٰ کو دلائل و براہین کے ذریعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اب نبی کریم (ﷺ) کی

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ. قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَدْعَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۲﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِهِ لِيُحِيطُوا بِعَلْمِهِ وَلَيَكُنَّ آيَاتُهُمْ تَأْوِيلَهُ ۚ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۳﴾ وَوَيْتُهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۳۴﴾

کیا یہ مشرکین کہتے ہیں کہ محمد نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، آپ کہتے کہ پھر تم لوگ اس جیسی ایک سورت (۳۲) لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو بلاؤ، اگر تم سچے ہو ﴿۳۲﴾ بلکہ انہوں نے ایسی حقیقت کو جھٹلادیا (۳۳) ہے جس کا انہیں پورا علم ہی نہیں ہے، اور ابھی تک ان کے سامنے اس کی پوری حقیقت کھل کر نہیں آئی ہے، اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے، تو آپ دیکھ لیجئے کہ ظالموں کا کیا انجام ہوا ﴿۳۴﴾ اور مشرکین میں سے بعض اس قرآن پر ایمان لے آئیں گے، اور بعض اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کے رب کو فساد پھیلانے والوں کی خوب خبر ہے ﴿۳۴﴾

صدقت اور وحی الہی کی حقانیت کی بات کی جا رہی ہے۔ اس موضوع پر کچھ روشنی اس سورت کی ابتدا میں بھی ڈالی جا چکی ہے۔ دیکھئے آیت (۲۱) کی تفسیر۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کی اس حد کو پہنچا ہوا ہے جو انسان کی سوچ سے بالاتر ہے، جس میں بنی نوع انسان کی دنیاوی اور اخروی بھلائی کے لئے تمام ممکن معانی و مضامین موجود ہیں، وہ اللہ کے بجائے کسی انسان کا گھڑا ہوا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ تو وہ کلام ربانی ہے جو تمام سابقہ کتب ساویہ کی تصدیق و تائید کرتا ہے، اور ان میں جو تحریفات کی گئی ہیں انہیں کھول کر بیان کرتا ہے، اور حلال و حرام اور دیگر تمام احکام جن کا تعلق انسانی زندگی سے ہے انہیں اس تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ کسی صاحب عقل کے دل میں شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کو اس قرآن کے سلسلے میں تین مراحل میں چیلنج کیا۔ ابتدا میں پورے قرآن جیسا لانے کا چیلنج کیا، چنانچہ سورۃ الاسراء آیت (۸۸) میں فرمایا: ﴿قُلْ لَئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ اور جب اہل عرب اپنی تمام لسانی فصاحتوں اور بلاغتوں کے دعووں کے باوجود ایسا کرنے سے عاجز رہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم جیسی دس ہی سورتیں لانے کا چیلنج کیا، جیسا کہ سورۃ ہود آیت (۱۳) میں فرمایا: ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَدْعَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اور جب اس پر بھی خاموش رہے اور ان کے لسانی غرور کا صنم ان ہی کے قدموں میں چکنا چور ہو گیا، تو قرآن کریم نے ان کے کبر و غرور کے تابوت میں آخری کیل ٹھوک دی، اور کہا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ قرآن محمد کا خود ساختہ کلام ہے، تو تم بھی انہی جیسے انسان ہو، ذرا قرآن جیسی ایک سورت لا کر دکھا دو، اور اپنی مدد کے لئے جسے چاہو بلاؤ۔ اس چیلنج کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَدْعَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس چیلنج کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ اور نہ قیامت کے دن تک کوئی دے سکے گا۔ اس لئے کہ یہ قرآن اللہ کا معجزہ ہے، کوئی انسان اس جیسا کلام نہیں لاسکتا۔

وَإِنْ كَذَّبُوا فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلكُمْ عَمَلِكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۳۵﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَوْعُونَ
 إِلَيْكَ الْآثَانَ تَسْبِعُ الضَّمَّةُ وَكَوْكَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۶﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْىَ وَكَوْكَانُوا لَا
 يَبْصُرُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۸﴾

اور اگر وہ آپ کی تکذیب (۳۵) کرتے رہے، تو کہہ دیجئے کہ میرا کام میرے لئے اور تمہارا کام تمہارے لئے ہے، میں جو کچھ کرتا ہوں اس کے تم ذمہ دار نہیں ہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں ﴿۳۶﴾ اور ان میں سے بعض آپ کی باتیں بظاہر سنتے ہیں تو کیا آپ اپنی بات بہروں کو سنائیں گے، اور چاہے وہ عقل سے بے بہرہ ہوں ﴿۳۷﴾ اور ان میں سے بعض آپ کی طرف بظاہر دیکھتے ہیں، تو کیا آپ اندھوں کی رہنمائی کریں گے، چاہے وہ بصیرت سے محروم ہوں ﴿۳۸﴾ بے شک اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا ہے، بلکہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں ﴿۳۸﴾

(۳۴) جب کفار عرب کی جانب سے اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں ملا، اور نہ ہی ملنا تھا، اور ان کے پاس قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے انکار کا کوئی عقلی اور نقلی جواز باقی نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں نے قرآن کریم کو کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی، چونکہ ان کی خواہش کے مطابق نہیں تھا اس لئے بغیر سوچے سمجھے انکار کر دیا، اور اس میں ہدایت اور نور حق کی جو بات ہے اس سے محروم رہے۔

آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہے کہ یہ قرآن تو اللہ کا نبی نوع انسان کے لئے عظیم انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ جن پر رحم کرے گا وہی اس پر ایمان لے آئیں گے، اور اس نور حق سے مستفید ہوں گے، اور جو شقی ہوں گے، وہ آپ کی ہزار کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اللہ کو معلوم ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ (۳۵) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اگر مشرکین عرب آپ کی تکذیب پر مصر ہیں تو ان سے اعلانِ براءت کر دیجئے، اس لئے کہ آپ نے ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا ہے۔ آیات (۲۳۲/۲۳۳) میں بتایا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، ان سے ایمان کی توقع نہیں کی جاسکتی، جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ بظاہر سنتے تو ہیں، لیکن اس سے کوئی استفادہ نہیں کرتے، اس لئے کہ وہ بہرے ہیں اور عقل سے بھی محروم ہیں۔ اور آپ کی طرف وہ بظاہر دیکھتے بھی ہیں، لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اس لئے کہ وہ بصارت اور نور بصیرت دونوں سے محروم ہیں۔

اس کے بعد آیت (۳۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم پر ان کا ایمان نہ لانا، ان کے شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ جب انہوں نے کبر و غرور میں آکر حق کا انکار کر دیا اور باطل پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایمان و عمل کی توفیق چھین لی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ امام مسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی روایت کی ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر دیا ہے، اور تمہارے آپس میں بھی اسے حرام کر دیا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اس کے بعد فرمایا: اے میرے بندو! تمہارے اعمال کو میں گن رہا ہوں، پھر میں تمہیں پورا کا پورا لوٹا دوں گا۔ توجو کوئی اچھا نتیجہ پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے، اور جو برا نتیجہ پائے وہ اپنے آپ کو کو سے۔

وَيَوْمَ مَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَسُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مَعْتَدِينَ ﴿۳۷﴾ وَإِنَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعُكَ وَالْإِنبَاءَ مَرْجِعُهُمْ شَاءَ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۸﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قَضِيَ بَيْنَهُمُ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

اور جس دن اللہ انہیں جمع (۳۷) کرے گا، انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا یا برزخ میں دن کی صرف ایک گھڑی رہے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے، یقیناً خسارہ میں ہوں گے وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا تھا، اور سیدھی راہ کو نہیں اپنایا تھا ﴿۳۵﴾ اور ہم یا تو آپ کو اس عذاب (۳۷) کا بعض حصہ دکھلائیں گے جس کا ان سے وعدہ کرتے ہیں، یا آپ کو اس سے پہلے ہی (دنیا سے) اٹھالیں گے، بہر حال انہیں ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر اللہ ان کے اعمال کا گواہ ہے ﴿۳۶﴾ اور ہر قوم کے لئے ایک رسول (۳۸) آیا ہے، پس جب ان کا رسول آجاتا تھا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جاتا تھا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا ﴿۳۹﴾

(۳۶) اس آیت کریمہ میں قیامت کی ہولناکیوں کی منظر کشی کی گئی ہے، کہ جب لوگ اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے، تو مارے دہشت کے دنیا کی لذتوں کو بھول جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو بہت تھوڑی دیر دنیا میں رہے تھے۔ اور دنیا میں جتنے لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے، وہ سبھی وہاں بھی ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ان میں سے ہر ایک اپنے حال میں مشغول ہو جائے گا، اور کوئی کسی میں دلچسپی نہیں لے گا۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ یومِ آخرت کی تکذیب کرتے ہیں، ان کا خسارہ بڑا خسارہ ہے، اور وہ کبھی بھی راہ ہدایت پر گامزن نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ بعث بعد الموت اور آخرت پر ایمان ہی راہ راست پر چلنے کا بڑا سبب ہے۔

(۳۷) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کافروں سے جو کہہ رکھا ہے کہ آپ کا دین غالب ہو کر رہے گا، اور مسلمان انہیں یا تو قتل کریں گے یا باند سلاسل بنا دیں گے، تو ممکن ہے کہ آپ یہ سب کچھ اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اور اگر اس کے پہلے ہی اللہ نے آپ کو اٹھالیا، تو وہ لوگ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے، آخر تو انہیں مرنے کے بعد ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، اور ہم ان کے کرتوتوں کو دیکھ رہے ہیں، اور ان کے خلاف اپنی شہادتیں جمع کر رہے ہیں۔ تو وہاں آخرت میں ہم انہیں ضرور عذاب دیں گے، اور آپ اپنی آنکھوں سے انہیں اس حالی زار میں دیکھ لیں گے۔ چنانچہ میدانِ بدر اور دوسری جنگوں میں ان میں سے بہت سے مارے گئے، اور بہت سے قیدی بنائے گئے، اور ان کے کبر و غرور کا بت پاش پاش ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے انہیں ذلیل و رسوا ہوتے دیکھ لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔

(۳۸) گزشتہ زمانوں میں اللہ تعالیٰ ہر قوم کی رہنمائی کے لئے ایک رسول بھیجتا رہا ہے۔ اور رسول آجانے کے بعد جس قوم نے بھی اسے جھٹلایا، تو اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا، کہ رسول اور اس کے پیروکاروں کو نجات دے دی، اور اس کے جھٹلانے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ہر قوم کا نبی میدانِ محشر میں اپنی قوم کے سامنے آجائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کر دے گا۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِ اللَّهِ لِكُلِّ أُمَّةٍ
 أَجَلَ لِرَاجَعِهِمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ آتَيْتُمُونَنِي بِمَا بَيَّأْتُكُمْ عَذَابًا بِيَأْتِي الْأُنثَىٰ
 فَتَأْتِي السَّجْلَ بَدْرًا أُولَئِكَ فِي عَذَابٍ مُّتَسَاوِينَ ۝ إِنَّمَا إِذَا مَوْقِعَ آمَنْتُمْ بِهِ إِلَّانَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ
 ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

اور مشرکین کہتے (۳۹) ہیں کہ (اے محمد اور اس کے ساتھیو!) اگر تم سچے ہو تو (عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہو گا ﴿۳۸﴾ آپ کہنے کے میں تو اپنی ذات کے لئے بھی دفع ضرر اور حصول منفعت کی قدرت نہیں رکھتا ہوں، مگر جو اللہ چاہے، ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا وقت آجائے گا تو ایک گھڑی نہ وہ پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ﴿۳۹﴾ آپ کہنے کے تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ کا عذاب (۴۰) رات کے سوتے وقت یا دن میں تم پر نازل ہو جائے، تو اس میں کون سا خیر ہے جس کے لئے مجرمین جلدی چجائے ہوئے ہیں ﴿۵۰﴾ کیا پھر جب وہ عذاب نازل ہو جائے گا، تبھی تم لوگ اس پر ایمان لاؤ گے؟ کیا اب ایمان لے آئے ہو، حالانکہ پہلے تم اس (عذاب) کی جلدی چجائے ہوئے تھے ﴿۵۱﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب چکھو دائمی عذاب، تمہیں تمہارے اعمال کا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے ﴿۵۲﴾

(۳۹) نبی کریم ﷺ جب بھی کفار قریش کو عذاب کی دھمکی دیتے تو وہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ اگر تم اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہو تو کہاں ہے تمہارا وعدہ، کیوں نہیں عذاب اتر جاتا ہم پر؟ تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ جواب دینے کے لئے کہا کہ میں تو خود اپنی ذات کے لئے کسی حصول نفع یا دفع ضرر کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے جو مجھے اس کی مرضی سے حاصل ہوتا ہے۔ تو پھر میں تمہاری مرضی کے مطابق تم پر اللہ کا عذاب کیسے لاسکتا ہوں؟ بس اتنی بات جانتا ہوں کہ ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آجائے گا تو ایک لمحہ نہ پیچھے ہو گا نہ آگے۔

امام شوکانی نے لکھا ہے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے کہ کسی مصیبت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری ذات اس پر قادر نہیں ہے، چاہے وہ کوئی نبی ہو یا ولی یا اللہ کا کوئی نیک بندہ۔

(۴۰) جو کفار مکہ نبی کریم ﷺ سے بطور استہزا عذاب آجانے کی جلدی کرتے تھے، انہی کو نبی کریم ﷺ کی زبانی دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ ذرا تم لوگ بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ کا عذاب رات کو خوابِ غفلت کی حالت میں یا دن کو کام کاج میں مشغولیت کے وقت آجائے، تو کیا تم لوگ اسے برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟! جب ایسی بات نہیں ہے تو اے مجرمو! تم عذاب کی جلدی کیوں چجائے ہوئے ہو۔ یہ کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جس کے لئے جلدی کی جائے۔ کیا تم لوگ اپنے کفر و عناد پر اڑے رہنا چاہتے ہو، یہاں تک کہ جب عذاب آجائے تو ایمان لے آؤ یا درکھو، ایسا ایمان تمہارے کام نہیں آئے گا۔ اس وقت تو اللہ تم سے کہے گا کہ اب ایمان لے آئے ہو، حالانکہ اس کے پہلے تو تم بطور استہزا و انکار عذاب کی جلدی چجائے ہوئے تھے۔ آیت (۵۲) میں بتایا گیا کہ قیامت کے دن ان ظالموں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے لئے اپنے کرتوتوں کے بدلے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

وَيَسْأَلُونَكَ أَحْقُ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ يَوْمَ مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ رِجْلَ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي جَنَّةٍ
الْأَرْضِ لَأَفْتَدَتْ بِهِ ۝ وَأَسْرُوا التَّدَامَةَ لِنَارِ أَوَّالِ الْعَذَابِ ۝ وَفُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝
الْإِنِّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۝ الْإِنِّ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ۝ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَ
لِلَّيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

اور مشرکین آپ سے پوچھتے (۴۱) ہیں کہ کیا آخرت کا عذاب حق ہے؟ آپ کہتے کہ ہاں، میرے رب کی قسم، یہ تو بالکل حق ہے، اور تم لوگ اللہ کو عاجز نہیں بنا سکتے ہو ﴿۵۳﴾ اور ہر وہ شخص جس نے دنیا میں شرک کیا ہوگا، اگر وہ زمین کی ہر چیز کا مالک ہوگا، تو اسے دے کر اپنی جان چھڑانا (۴۲) چاہے گا، اور جب وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو اپنی ندامت کو چھپائیں گے، اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۵۴﴾ آگاہ رہو! بے شک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کی ملکیت (۴۳) ہے، آگاہ رہو! بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ﴿۵۵﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اور تمہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۵۶﴾

(۴۱) کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بار بار اور مختلف انداز میں مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ ابھی اوپر گزر چکا ہے، اور ان کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔ اسی قسم کا ان کا یہ سوال بھی تھا جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اے محمد! تم جو عذاب کی بات کرتے ہو، تو کیا واقعی سچ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو انہیں جواب دینے کو کہا کہ ہاں، میرے رب کی قسم، یہ بات بالکل صحیح ہے، اور تم اللہ کو اس سے روک نہیں سکو گے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس کے نام کی قرآن میں تین جگہ قسم کھائی ہے۔ ایک اس آیت میں کافروں کو عذاب الہی کی یقین دہانی کرانے کے لئے، دوسری سورہ سبا آیت (۳) ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِيَنَا السَّاعَةُ قَطُّ بَلَىٰ وَدَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ﴾ میں قیامت کی یقین دہانی کراتے ہوئے اور تیسری سورہ تغابن آیت (۷) ﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَدَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ میں موت کے بعد کی زندگی کے اثبات کے لئے۔

(۴۲) اس آیت میں قیامت کے دن کی منظر کشی کی گئی ہے، کہ اس دن ظالم لوگ چاہیں گے کہ کاش وہ پوری دنیا دے کر اللہ کے عذاب سے اپنی جان کا چھٹکارا کرالیتے، اور وہ اپنے کئے پر دل میں افسوس کریں گے۔ اور ان کے حق میں اللہ کا فیصلہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ صادر ہوگا۔

(۴۳) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک صرف اللہ ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے، اس لئے جسے چاہتا عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور جان لو کہ اللہ نے کافروں سے عذاب کا جو وعدہ کر رکھا ہے وہ بالکل حق ہے، لیکن اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے ہیں، اسی لئے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس لئے کافروں کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کے کئے کا انہیں بدلہ چکائے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾ قُلْ بِفَضْلِ
 اللّٰهِ وَرِيحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۱﴾ قُلْ اَرَأَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَعَلَلْتُمْ مِنْهُ
 حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ اِذْنَ لَكُمْ اَعْرَضَ عَلَى اللّٰهِ تَقَرُّوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذْبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
 اِنَّ اللّٰهَ لَكَنُ وُفَّيْلٌ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت اور ان بیماریوں کا علاج (۱۰) آ گیا جو سینوں میں ہوتی
 ہیں، اور مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت آگئی ﴿۱۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ انہیں اللہ کے اس فضل اور اس رحمت پر خوش
 ہونا چاہئے، یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں وہ جمع کرتے ہیں ﴿۱۲﴾ آپ پوچھئے کہ تمہارا کیا خیال ہے، اللہ
 نے تمہارے لئے جو روزی بھیجی ہے اس میں سے کسی کو حلال (۱۳) بناتے ہو اور کسی کو حرام، آپ پوچھئے کہ کیا اللہ
 نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے، یا تم اللہ پر انفراداری کرتے ہو ﴿۱۴﴾ اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹ
 بولتے ہیں ان کا کیا خیال ہے؟ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا؟ بے شک اللہ لوگوں پر فضل و کرم
 کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ہیں ﴿۱۵﴾

(۱۳) عقیدہ توحید، نبی کریم ﷺ کی صداقت، اور بعث بعد الموت کی حقانیت ثابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرب و عجم
 کے تمام بنی نوع انسان کو قرآن کریم کی عظمت کا احساس دلایا ہے، اور اس کی عظیم ترین خوبیوں کو بیان کر کے گویا انہیں دعوت
 دی ہے کہ جب قرآن ان گنت خوبیوں والی کتاب ہے، تو اس پر ایمان لا کر اپنی دنیا و آخرت کیوں نہیں سدھار لیتے؟ قرآن کریم
 میں انسانوں کے لئے ہر قسم کی نصیحت ہے، اس کے ذریعہ شک و شبہ اور کفر و نفاق کی بیماریوں سے شفا ملتی ہے، اور یہ مومنوں کے
 لئے ہدایت اور باعث رحمت ہے۔

آیت (۵۸) میں قرآن کریم کو اللہ کے فضل اور اسلام کو اس کی رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ان دونوں کو دنیا و ما فیہا
 سے بہتر بتایا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مومنوں کو ان دونوں نعمتوں کے حصول پر خوشی منانی چاہئے، نہ کہ دنیا کی فانی اشیاء پر۔ ابن
 عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے۔

(۱۴) نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق و تائید کے لئے کہا جا رہا ہے کہ اے کفار مکہ! تم جو بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام
 کہتے ہو، اگر یہ فیصلے تمہاری خواہش نفس کے ہیں تو کسی بھی عقلمند آدمی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں۔ اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ یہ اللہ
 کا فیصلہ ہے، تو بھی غلط ہے، کیونکہ اللہ کے اوامر و احکام کا علم تو صرف انبیاء کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور تمہارے زمانے کے نبی
 محمد ﷺ ہیں۔ اس لئے اللہ کے نزدیک حلال و حرام اشیاء کا علم انہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

آیت (۱۵) میں ان لوگوں کے لئے زبردست دھمکی ہے جو اللہ پر انفراداری کرتے ہوئے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ
 کو حرام بناتے ہیں، اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟
 اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اس کا لوگوں پر بڑا فضل و احسان ہے کہ ان کی دینی اور دنیوی خیر خواہی کرتے ہوئے قرآن نازل کیا اور
 حلال و حرام کو بیان کیا۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كَأَنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودٌ إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ
وَمَا يَنْزِبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ
مُبِينٍ ۝ الْإِنَّا أَنزَلْنَاهُ عَلَيْكَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَبْدِيلُ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكُمْ هُوَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ۝

اور آپ چاہے جس حال میں ہوں، اور قرآن کا جو حصہ تلاوت کریں، اور لوگو! تم چاہے جو کام کرو، جب تم اس کی ابتدا کرتے ہو تو ہم تم سے باخبر^(۳۶) رہتے ہیں، اور آپ کے رب سے زمین و آسمان میں ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی چھوٹی اور نہ بڑی چیز ہے جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو ﴿۶۱﴾ آگاہ رہو ابے شک اللہ کے دوستوں^(۳۷) کو نہ کوئی خوف لاحق ہو گا نہ کوئی غم ﴿۶۲﴾ جو لوگ ایمان لائے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے ﴿۶۳﴾ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کے وعدوں میں تبدیلی نہیں آتی ہے، یہی سب سے عظیم کامیابی ہے ﴿۶۴﴾

(۳۶) نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ ذات باری تعالیٰ آپ، آپ کی امت، اور تمام مخلوقات کے حالات سے ایک ہی وقت میں باخبر رہتا ہے۔ اس لئے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کی خبر نہیں رکھتا ہے۔

(۳۷) جب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، تو وہ اپنے دشمنوں اور دوستوں کو بھی جانتا ہے۔ اوپر کی آیتوں میں اس کے دشمنوں یعنی کفار و منافقین کا ذکر تفصیل سے آچکا، تو اب مندرجہ ذیل تین آیتوں میں اس کے دوستوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس کے دوستوں کو نہ ماضی کا غم لاحق ہو گا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف۔

آیت (۶۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ اپنی رحمت، رضامندی اور جنت کی خوشخبری دی ہے۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابوالدرداء اور عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیاوی زندگی میں بشارت سے مراد نیک خواب ہے جو مسلمان آدمی دیکھتا ہے“۔ اور قرآن و سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرشتے موت سے پہلے اللہ کے نیک بندوں کو جنت کی خوشخبری دے دیتے ہیں۔

آیت میں "اولیاء" سے مراد وہ مخلص اہل ایمان ہیں جو اللہ کی بندگی اور گناہوں سے اجتناب کی وجہ سے اس سے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہاں ان کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اہل ایمان ہوتے ہیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ "ولیی" کا معنی "قریب" ہے۔ یعنی مومن جب ایمان اور عمل صالح پر کاربند ہوتا ہے، اور شرک اور دوسرے گناہوں سے دور رہتا ہے، تو اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ولایت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ولی مستجاب الدعوات ہوتا ہے، یعنی اس کی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ اور مسند بزار میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! اللہ کے اولیاء کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے"۔

آیت (۶۴) کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اس کا وعدہ کبھی بھی بدل نہیں سکتا ہے، یعنی وہ اپنے نیک بندوں کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ اور اس سے بڑھ کر کون سی کامیابی ہو سکتی ہے۔

وَلَا يَخْزِيكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ الْإِنِّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَ مَا يَتَّبِعُهُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْيَلْمَ لَسْتُمْ تَأْتُونَ بِالنَّهَارِ مُبْصِرِينَ فِي ذَلِكَ آيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ هُوَ الْعَزِيزُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ بِهَذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنْ الَّذِينَ يُقْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنزِلُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

اور آپ کو مشرکین کی باتیں غمگین (۳۸) نہ بنا دیں، بے شک تمام عزت اور غلبہ اللہ کے لئے ہے، وہ خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۶۵﴾ آگاہ رہو، کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، بے شک ان کا مالک (۳۹) اللہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے سوا شرکاء کو پکارتے ہیں وہ تو صرف وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور محض بے بنیاد باتیں کرتے ہیں ﴿۶۶﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو روشن بنایا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں ﴿۶۷﴾ مشرکین کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے لئے لڑکا (۵۰) بنایا ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے، وہ بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا وہی مالک ہے، تمہاری اس بات کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے ﴿۶۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ﴿۶۹﴾ یہ لوگ دنیا میں عارضی طور پر مزے کر لیں، پھر انہیں ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب کا مزہ اچکھائیں گے ﴿۷۰﴾

(۳۸) نبی کریم ﷺ کا فرد کی استہزاء آمیز باتوں سے کبھی دل برداشتہ ہو جاتے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کافروں کی جھوٹی باتوں کی پروا نہ کریں اور غم نہ کھائیں، اس لئے کہ آسمان و زمین کی مملکت میری ہے، اور میں ہر چیز پر ہر حال میں غالب ہوں، اس لئے یہ کفار آپ پر کبھی بھی غالب نہیں آسکیں گے، عزت و غلبہ آپ ہی کو ملے گا۔

(۳۹) آسمانوں و زمین کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے، لیکن اس کے باوجود مشرکین ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں، جن کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور مشرکین کے پاس بتوں کی عبادت کے جواز میں سوائے خیالات و اواہام کے کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ آیت (۶۷) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قادر مطلق ہونے کی ایک اور دلیل پیش کی ہے، کہ رات کو سکون کے لئے اور دن کی روشنی کام کرنے کے لئے اسی نے بنائی ہے، تو پھر اس کے علاوہ کون عبادت کا حقدار ہو سکتا ہے؟ یقیناً وہی ذات واحد ہر قسم کی بندگی اور خشوع و خضوع کا مستحق ہے۔

(۵۰) مشرکین کی ایک نہایت ہی دل آزار بات یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرتے تھے، کہتے تھے کہ یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اسی طرح یہود کہتے تھے کہ عزیر اللہ کے بیٹا ہیں، اور نصاریٰ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول باطل کی تردید کی اور کہا کہ وہ اس بہتان سے یکسر پاک ہے، اس لئے کہ وہ غنی ہے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اولاد تو اس

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ أِنَّ كَانَ كِبْرُ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَن كَيْدِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلِيَ اللَّهُ تَوَكَّلْتُ
فَأَجْبِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ يُؤْمِرُونَكُمْ أَنْ تُكْفِرُوا بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ۗ ۞ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاءَ لَكُمْ
مَنْ أَجْرُهُ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَآمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۗ ۞ فَكَذَّبُوهُ فَجَعَلْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ
وَجَعَلْنَاهُمْ خَلْفَهُ وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۗ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكَبِّرِينَ ۗ ۞

اور آپ انہیں نوح (علیہ السلام) کا واقعہ (۵۱) سنا دیجئے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمہارے ساتھ میرا رہنا اور اللہ کی آیتوں کی یاد دہانی تم پر شاق گذرتی ہے، تو میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے، تم اپنی پوری تیاری کر لو، اور اپنے شرکاء کو بھی ساتھ کر لو، پھر تمہاری تدبیر کسی حیثیت سے بھی تمہارے لئے مخفی نہ رہے، پھر میرے ساتھ اسے کر گذرو، اور مجھے مہلت نہ دو ﴿۱﴾ اگر تم پھر بھی مجھ سے منہ پھیر لو گے تو میں نے تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگی تھی، میرا اجر و ثواب تو اللہ دے گا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں ﴿۲﴾ تو ان لوگوں نے انہیں جھٹلادیا، پس ہم نے انہیں بچالیا، اور ان لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، اور انہیں زمین کا وارث بنا دیا، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ڈبو دیا تو آپ دیکھ لیجئے کہ ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جنہیں پہلے ڈرایا گیا تھا ﴿۳﴾

کی ہوتی ہے جو محتاج ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور اولاد تو اسے چاہئے جسے ختم ہو جانا ہے، تاکہ لڑکا اس کی جگہ لے سکے۔ اور اس لئے کہ آسمان وزمین کی ہر شے کو اسی نے پیدا کیا ہے، اور اسی کی ملکیت ہے، تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آقا اپنے ایک غلام کو اپنا بیٹا بنالے۔ اور اس لئے بھی کہ مشرکین کے پاس اس باطل دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے، محض کم عقلی اور جہالت کی بنیاد پر ایسی باتیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد آیات (۷۰-۶۹) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ پر افترا پر دازی ہے، اور مفتری کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر واقعی طور پر ان کا کوئی مقصد حاصل ہو بھی جائے تو وہ دنیاوی حقیر سا فائدہ ہوگا، بالآخر انہیں مرنے کے بعد اللہ کے پاس جانا ہے، جہاں وہ ان کے کفر اور افترا پر دازی کی سخت سزا دے گا۔

(۵۱) چونکہ مشرکین عرب کا حال کفر و شرک میں قوم نوح جیسا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ انہیں قوم نوح کا واقعہ سنا دیجئے۔ جب ان لوگوں نے اپنے کفر و شرک پر اصرار کیا، اور نوح علیہ السلام کی ہزار کوشش کے باوجود اسلام نہیں لائے تو اللہ نے انہیں طوفان کے حوالے کر دیا۔ تو اے مشرکین عرب! کہیں کفر و سرکشی اور شرک پر تمہارے اصرار کی وجہ سے تمہارا انجام بھی انہی جیسا نہ ہو۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تمہارے ساتھ میرا رہنا، اور دعوت الی اللہ کا کام کرنا تم پر بہت زیادہ گراں ہو گیا ہے، تو میں نے بھی اب اپنی طرف سے دفاع کے لئے اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے، تم اور تمہارے شرکاء مجھے ہلاک کرنے کی جو چاہو تدبیر کر لو، اور دیکھو! بالکل کھل کر تدبیر کرو، کوئی کسر نہ اٹھا رکھو، پھر قتل یا شہر بدر کرنے کی جو بھی کوشش کرنی چاہتے ہو کر گذرو، اور مجھے ایک لمحے کی مہلت نہ دو۔ میں نے آج تک تمہیں راہ راست پر لانے کی جتنی بھی کوشش کی اس کا مقصد کوئی دنیاوی حقیر فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا، اور نہ میں نے تم سے اس کام کی کبھی کوئی اجرت مانگی ہے، کہ تم لوگ مجھے تمہم کرو۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَمَا وَهُمْ إِلَّا بِالْهَيْبَةِ فَمَا كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِهَا كَذَّبُوا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى وَهٰرُونَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَٲِهٖ بِآيٰتِنَا فَاَسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اِنَّ هٰذَا لَسَعْرٌ مُّزَيَّبٌ ۝ قَالَ مُوسٰى اَنْتُمْ لَوْنٌ لِّحَقِّ لَمْنَا جَاءَكُمْ اِسْعَرٌ هٰذَا وَاَلَا يَفْلِحُ السَّٰجِرُوْنَ ۝ قَالُوْا اَجْمَعْنَا لِنَلْقِيَنَّكَ عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهَا بٰرٲًا وَتَكُوْنُ لَكُمْ اَلْكِبْرِيٰةُ فِى الْاَرْضِ وَاَنْتُمْ لَكُمْ اَبْوَابٌ مُّوْنِنٌ ۝

پھر ہم نے ان کے بعد بہت سے رسولوں (۵۲) کو ان کی قوموں کے پاس بھیجا، جو ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، لیکن وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آتے، ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر اسی طرح مہر لگادیتے ہیں ﴿۷۴﴾ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (۵۳) اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی آیتوں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے کبر و غرور کی راہ اختیار کی اور وہ لوگ اہل جرائم تھے ﴿۷۵﴾ پس جب ان کے پاس ہماری جانب سے حق آ گیا تو انہوں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادو ہے ﴿۷۶﴾ موسیٰ نے کہا کہ جب حق تمہارے پاس آ گیا، تو کیا تم اسے جادو کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ جادو گر تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے ﴿۷۷﴾ فرعونیوں نے کہا، کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس راہ سے الگ کر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تھا، اور تاکہ اس ملک کی سرداری تم دونوں بھائیوں کو مل جائے اور ہم لوگ تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۷۸﴾

میرا اجر و ثواب تو مجھے میرا اللہ دے گا، چاہے تم ایمان لاؤ یا انکار کر دو۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر حال میں اللہ کا مطیع و فرمانبردار رہوں۔ جب ان تمام ترکوششوں اور نصیحتوں کے باوجود ان کی قوم نے انہیں جھٹلادیا، تو اللہ نے انہیں اور ان کے ماننے والوں کو کشتی میں سوار کر کے طوفان سے بچالیا، جن کی اولاد کے ذریعہ پھر سے دنیا آباد ہوئی، اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والے سبھی لوگ ڈوب دیئے گئے۔

(۵۲) اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بعد ہود، صالح، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم السلام کو ان کی قوموں کی طرف معجزے اور شریعتیں دے کر مبعوث کیا، لیکن چونکہ کفار کی فطرت میں کجی تھی، اور حق و صداقت کو جھٹلانا ان کی دیرینہ عادت تھی، اسی لئے جب اللہ نے خاص طور سے ان میں سے ہر ایک کے لئے نبی بھیجا تو انہوں نے اس کی تکذیب کر دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اللہ کے حدود سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر اسی طرح مہر لگادیتے ہیں۔ یعنی بندہ جب گناہ کرتا جاتا ہے، اور توبہ نہیں کرتا، تو گناہ کرنا اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے، پھر اسے ایمان و عمل صالح کی توفیق نہیں ہوتی اور اس کے دل میں خیر و شر کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

(۵۳) موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی جلالت شان اور فرعون کے ساتھ عقیدہ توحید کے سلسلے میں ان کا جو مناظرہ ہوا، اس کی خاص اہمیت کے پیش نظر ان کا ذکر مستقل طور پر کیا گیا ہے۔ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دعوت توحید لے کر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس گئے تو انہوں نے استکبار سے کام لیا، اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ ان کے سابقہ جرائم

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَا اَنْتُمْ مُلْقُونَ ۗ فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوسَى مَا جِئْتُمْ بِهٖۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصِلُۤهُ عَمَلُ الْفٰسِقِيْنَ ۗ وَيُحَقِّقُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ ﴿۵۳﴾ فَاٰمَنَ الْيَهُودُ بِالَّذِيۤ اٰتٰهُمُ مِنْ قَوْمِهٖ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَٲِيْهِمْ اَنْ يَّغْتَبِيَهُمْ ۗ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنَّ لَلسُّرِفِيْنَ ﴿۵۴﴾ وَقَالَ مُوسٰى يَقُوْمُ اِنْ كُنْتُمْ اٰمِنٰتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهٖ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَقَالُوْا عَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۗ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور فرعون نے کہا ﴿۵۳﴾ کہ میرے پاس تمام ماہر جادو گروں کو حاضر کرو ﴿۵۴﴾ پس جب جادو گر آگئے تو ان سے موسیٰ نے کہا کہ تمہیں جو ڈالنا ہے ڈالو ﴿۵۵﴾ جب انہوں نے (اپنی رستیوں اور لاشیوں کو) زمین پر ڈال دیا، تو موسیٰ نے کہا کہ تم نے جو ابھی پیش کیا ہے جادو ہے، یقیناً اللہ اسے ابھی بے اثر بنا دے گا، بے شک اللہ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو کامیاب نہیں ہونے دیتا ہے ﴿۵۶﴾ اور اللہ اپنے حکم سے حق کو ثابت کر دکھاتا ہے، چاہے مجرمین ایسا نہ چاہتے ہوں ﴿۵۷﴾ پس فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف سے موسیٰ پر صرف ان کی قوم کے لوگ ہی ایمان (۵۵) لائے، انہیں ڈر تھا کہ کہیں فرعون انہیں آزمائش میں نہ ڈال دے، اور بے شک اس ملک میں فرعون بڑا سرکش ہو گیا تھا۔ اور وہ حد سے تجاوز کر گیا تھا ﴿۵۸﴾ اور موسیٰ نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر واقعی ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم مسلمان ہو ﴿۵۹﴾ تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے تو صرف اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوموں کے ذریعہ آزمائش میں نہ ڈال ﴿۶۰﴾ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافروں سے نجات دے ﴿۶۱﴾

کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی۔ اور جب آسمانی معجزوں کے آگے اپنے آپ کو بے بس پایا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ کیا تم اللہ کی طرف سے بھیجے گئے حق کو جادو کہتے ہو؟ یہ جادو کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر جادو ہو تا تو تمہارے ماہر جادو گروں پر میں کیسے غالب آجاتا، اور ان کے جادو کو میں کیسے یکسر ناکام بنا دیتا، جادو گر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب فرعون نے اس قطعی دلیل کے سامنے اپنے آپ کو بالکل عاجز پایا، تو کہنے لگا کہ کیا تم ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو؟ اور کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں اپنا حاکم و آقا مان لیں؟ ایسا نہیں ہو سکتا، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ اسی دنیاوی بڑائی اور کرسی کی محبت نے ہر دور میں کتنوں کو قبول حق سے روک دیا، اور اپنے آپ کو باطل پر سمجھتے ہوئے، اس پر اصرار کیا۔ اسی بیماری کی وجہ سے کتنے کفر پر، کتنے بدعت پر، اور کتنے صحیح حدیث ہونے کے باوجود اپنی فاسد رائے پر سچے رہے!!

﴿۵۳﴾ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی لاشی کو اڑوہا بن کر زمین پر حرکت کرتے، اور ان کے ہاتھ سے نور کی شعاعوں کو پھونٹے دیکھا، تو سمجھا کہ یہ بھی کوئی جادو ہے، اس لئے اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ ملک کے تمام بڑے جادو گروں کو جمع کرو۔ موسیٰ نے ان جادو گروں سے کہا کہ پہلے تم لوگ اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم، بے شک

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّأْ لِقَوْمِكَ بِوَصْرَ بَيْتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ وَبَشِّرِ
 الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَكَ أَزْوَاجَهُ وَأَمْوَالَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلَّكَ عَنْ
 سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کے پاس وحی (۵۶) بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر مہیا کرو، اور اپنے
 ان گھروں کو مسجد بنا لو اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرو، اور اے موسیٰ! آپ مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے ﴿۸۷﴾
 اور موسیٰ نے کہا (۵۷) اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی کے اسباب زینت
 اور مال و دولت کیا اس لئے دیا ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے برگشتہ کریں، اے اللہ! تو ان کے مال و دولت کو
 نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت بنا دے تاکہ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب کو اپنی
 آنکھوں سے دیکھ لیں ﴿۸۸﴾

ہم ہی لوگ غالب آنے والے ہیں، اور اپنی رسیوں اور لاشیوں کو زمین پر ڈال دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ جادو ہے، اللہ کا معجزہ نہیں
 ہے، اللہ عنقریب معجزے کی قوت سے اسے زائل کر دے گا، اللہ تعالیٰ زمین میں فساد پھیلانے والوں کے عمل کو کامیاب نہیں بناتا۔
 موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی زمین پر ڈال دی، وہ اژدہا بن کر ان کے جادو کے سانپوں کو نگل گئی، اور فرعون کے نہ چاہنے کے
 باوجود حق غالب ہو کر رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ اس سورت کے علاوہ سورہ اعراف (۱۱۶) سورہ طہ آیات (۷۲-۷۱) اور
 سورہ شعراء آیت (۳۹) میں بھی آیا ہے۔

(۵۵) موسیٰ علیہ السلام کی اس عظیم کامیابی اور فرعونیوں کی رُسوا کی شکست کے بعد بنی اسرائیل کے نوجوان فرعونوں سے ڈر
 اور خوف کے باوجود موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اور فرعون سے ان کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہایت متکبر اور ظالم
 شخص تھا۔ آیات (۸۶/۸۵/۸۴) میں ہے کہ جب بنی اسرائیل پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا
 کہ اے میری قوم! اگر تم لوگ اللہ پر ایمان لے آئے ہو، تو پھر اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر بھروسہ کرو، تو انہوں نے جواب دیا
 کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا، اور دعا کی کہ اے ہمارے رب! ظالم فرعونیوں کو ہم پر مسلط نہ کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں عذاب
 دے کر دین کی طرف سے آزمائش میں ڈال دیں، اور اپنے رحم و کرم سے ہمیں ان کافروں سے نجات دے۔

(۵۶) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے مصر میں ہی الگ بستی بسائیں، کیونکہ فرعونوں
 کی شکست اور بنی اسرائیل کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں سے فرعونوں کی دشمنی اور سخت ہو گئی تھی، اور ان کے ساتھ زندگی
 گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔ ایک تو فرعونوں کا ظلم و استبداد بڑھ گیا تھا، اور دوسرا یہ کہ مومن صادق اور کافر کا ایک جگہ رہنا ویسے بھی
 ناممکن ہوتا ہے۔ اہل کفر فرعون اور بتوں کے پجاری تھے، اور بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرنے والے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان
 سے کہا کہ تم لوگ اپنے گھروں کو مساجد کے طور پر استعمال کرو، اور اندر ہی نماز پڑھ لیا کرو، تاکہ فرعون کے کارندے تمہیں باہر
 مسجدوں میں نماز پڑھتے دیکھ کر اذیت نہ پہنچائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو خوشخبری دیدیں کہ
 اللہ انہیں دنیا میں عزت و غلبہ دے گا اور آخرت میں جنت عطا کرے گا۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَعْوَتُكُمْ فَاَسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعِنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَجَاوِزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا ۝ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَا وَالْآلُ الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أَلَمْ نَكُ نُحْيِيكَ مَبْدُوكَ لِيَكُونَ لِمَنْ خَلَقْنَا آيَةً وَلِيُنذِرَ لِمَنْ النَّاسِ عَنِ أَيُّومِنَا الْعَظِيمُونَ ۝

۶۳۵

اللہ نے کہا کہ تم دونوں کی دعائیں (۵۸) قبول کر لی گئیں، پس تم دونوں راہِ حق پر قائم رہو اور نادانوں کی راہ کی اتباع نہ کرو ﴿۹۹﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر (۵۹) پار کر دیا، تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی میں آ کر اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہا، میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں اب فرمانبرداروں میں سے ہوں ﴿۹۰﴾ کیا اب ایمان لائے ہو، اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتے رہے اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھے ﴿۹۱﴾ تو آج ہم تیرے جسم کو پانی سے نکال لیں گے تاکہ تو اپنے بعد آنے والوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائے، اور بہت سے لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہوتے ہیں ﴿۹۲﴾

(۵۷) موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی ہزار کوشش کے باوجود فرعون اور اس کے سرداروں کے کبر و غرور میں کمی نہیں آئی، اور ان کا کفر و عناد بڑھتا ہی جا رہا ہے، اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے، تو انہوں نے ان پر بددعا کر دی اور کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس لئے تو اسبابِ زینت اور مال و دولت نہیں دی تھی کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے روکیں۔ اے اللہ! تو ان کی دولت کو تاراج کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ اب وہ اسلام لانے کی سوچیں ہی نہیں، یہاں تک کہ تیرا سخت عذاب انہیں آدبوچے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ بددعا اللہ اور اس کے دین کی خاطر ناراضگی کے سبب اس یقین کے بعد تھی کہ اب فرعونوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔

(۵۸) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں نے تمہاری دعا قبول کر لی، تم دونوں حق پر قائم رہو اور جلدی نہ کرو، جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آجائے گا تو عذاب آہی جائے گا۔ جلدی مچانا اور اللہ کے وعدے کا یقین نہ کرنا نادانوں کا طریقہ ہے۔ یہاں دعا کی نسبت موسیٰ اور ہارون دونوں کی طرف کی گئی ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ دعا دونوں نے کی ہو، لیکن اوپر دالی آیت میں اس کی نسبت صرف موسیٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ صاحبِ رسالت دراصل وہی تھے، ہارون ان کے تابع تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہارون نے موسیٰ کی دعا پرائین کہا ہو، تو دوسری آیت میں انہیں بھی دعا کرنے والا مان لیا گیا ہو۔

(۵۹) موسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے ساتھ جب سمندر کے پاس پہنچے، تو دیکھا کہ فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہوا ان کے قریب آ گیا ہے اور قریب ہے کہ انہیں آ لے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی لاشی پانی پر ماریں، انہوں نے جو نبی ایسا کیا، سمندر کا پانی دو حصوں میں بٹ کر دو پہاڑ کے مانند کھڑا ہو گیا، زمین خشک ہو گئی، اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر پار کر گئے۔ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ (جس کی تعداد قرطبی کے قول کے مطابق پچیس لاکھ سے زیادہ تھی) موسیٰ اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا (جن کی تعداد تقریباً چھ لاکھ بیس ہزار تھی) اور جب پچھ سمندر میں پہنچا، تو اللہ نے سمندر کا کھڑا پانی ان

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صَدَقِي وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الظَّالِمَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ
يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهُ لَوْلَا فَتَنَّاكَ لِيَكُونَ مِنَ الَّذِينَ
يَكْفُرُونَ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ
كُذِّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کی رہائش کے لئے اچھی جگہ (۶۰) مہیا کی اور عمدہ اور پاکیزہ روزی عطا کی، پھر جب ان کے پاس احکام الہی کا علم آ گیا تو آپس میں اختلاف کر بیٹھے بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ صادر کر دے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے ﴿۹۳﴾ پس اگر آپ کو اس کتاب کی صداقت میں شبہ (۹۱) ہو جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، تو ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ کی بعثت کے پہلے سے آسمانی کتابیں پڑھتے رہے ہیں، آپ کے پاس آپ کے رب کی جانب سے حق آچکا ہے، تو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ بن جائیے ﴿۹۳﴾ اور نہ ان لوگوں میں سے ہو جائیے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ورنہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیے گا ﴿۹۵﴾

پر لوٹا دیا، اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ فرعون نے جب اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کرتے دیکھا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل کے لوگ ایمان لائے ہیں، اور میں اب مسلمان ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کو رد کر دیا اور کہا کہ اب ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ اس لوح سے پہلے تک تم نافرمانی کرتے رہے ہو، اور زمین میں فساد پھیلاتے رہے ہو، اور آج میں تمہارے جسم کو ایک اونچی زمین پر ڈال دوں گا تاکہ تم آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنے رہو، اور تاکہ لوگ جان لیں کہ تو ایک حقیر بندہ تھا۔ اللہ اور معبود نہیں تھا۔

(۶۰) فرعون سے نجات دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بڑے احسانات کئے، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد پورے مصر پر بنی اسرائیل کی حکومت ہو گئی۔ لیکن ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ بیت المقدس لوٹ کر جاتے جو ان کے جد اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا ملک تھا، اور جس پر ان دنوں عمالقہ قابض تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں عمالقہ سے جہاد کرنے کو کہا، لیکن انکار کر گئے جس کی وجہ سے اللہ نے انہیں چالیس سال تک میدان تیبہ میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ پہلے ہارون اور پھر موسیٰ اسی میدان تیبہ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بالآخر یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں انہوں نے عمالقہ سے جہاد کیا اور فلسطین میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ دنوں کے لئے اس پر بخت نصر قابض ہو گیا۔ لیکن دوبارہ بنی اسرائیل غالب آ گئے۔ اس کے بعد ایک طویل مدت تک یونانی بادشاہوں کے قبضہ میں رہا۔ انہی کے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، جن کے ساتھ یہودیوں نے سازش کر کے عیسیٰ کے شبیہ کو پھانسی دلائی۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے کے تقریباً تین سو سال بعد یونانی بادشاہ قسطنطین دین مسیح کو خراب کرنے کے لئے جیلہ کر کے اس میں داخل ہو گیا۔ اور اس کے بعد نصرانیوں کا ملک شام، جزیرہ اور بلاد روم پر قبضہ رہا، یہاں تک کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب کے زمانہ میں صحابہ کرام نے ان کے ہاتھوں سے بیت المقدس کو آزاد کرایا۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۗ فَلَئِمَّا كَانَتْ قَرْبَةً ۖ آمَنَتْ فَضَعَّفَهَا آيَاتُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۗ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غِظَابَ الْغِيظِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۗ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا ۖ أَفَأَنْتَ تَكْفُرُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۗ

بے شک جن لوگوں کے خلاف آپ کے رب کا فیصلہ (۶۳) صادر ہو چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۹۶﴾ چاہے ان کے پاس تمام نشانیاں آجائیں، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے ﴿۹۷﴾ پس قوم یونس کے علاوہ کوئی اور بستی ایسی کیوں نہ ہوئی جو (عذاب آنے سے پہلے) ایمان (۶۳) لے آتی تاکہ اس کا ایمان اسے نفع پہنچاتا، جب قوم یونس کے لوگ ایمان لائے تو ہم نے دنیاوی زندگی میں رسوا کن عذاب کو ان سے نال دیا اور ایک وقت مقرر تک انہیں فائدہ اٹھانے دیا ﴿۹۸﴾ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین پر رہنے والے سبھی (انس و جن) ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے تاکہ سب کے سب مومن بن جائیں ﴿۹۹﴾

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ اس آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ کے بے شمار احسانات کا ذکر کر کے کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی ناشکری کی، اور مرد زمانہ کے ساتھ ان کے پاس تورات کا علم ہونے کے باوجود مختلف جماعتوں میں بٹ گئے۔ اس کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود آپ کی بعثت کا انتظار کرتے تھے، لیکن آپ جب مبعوث ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اکثر یہود نے ان پر اور قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر دیا صرف گنے چنے چند افراد اسلام میں داخل ہوئے۔

(۶۱) یہاں مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کی صداقت میں کوئی شک تھا، بلکہ یہ قرآن کا ایک اسلوب ہے جس سے مقصود آپ کی قوت یقین اور دل کے اطمینان میں اضافہ کرنا ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا ﴿وَلَسَىٰ وَلَكِن لَّيَطْمَعِينَ قَلْبِي﴾ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرے اطمینان قلب میں اضافہ ہو جائے۔ عبد الرزاق اور ابن جریر نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے نہ ذرہ برابر شک ہے اور نہ ہی میں کسی سے پوچھوں گا۔“ جو لوگ کتاب پڑھتے ہیں“ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے کہ یہ قرآن برحق کتاب ہے جسے اللہ نے نازل کیا ہے، اس لئے میرے نبی، آپ کو، آپ کی امت کو، اور تمام سامعین کو اس کی حقانیت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہونا چاہئے، اور نہ ان لوگوں میں ہونا چاہئے جو اللہ کی آجوں کی تکذیب کرتے ہیں، اس لئے کہ اس کا انجام دنیا اور آخرت میں خسارہ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

(۶۲) اللہ تعالیٰ اپنے علم ازیلی کے مطابق ہر انسان کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ سے کافر ہو گا یا مومن، خیر کی راہ اختیار کرے گا یا شرکی، اور اس علم کی بنیاد پر اس نے ہر شخص کی تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ وہ ایمان لائے گا یا کفر کی راہ اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اسی علم ازیلی کو اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی قسمت میں لکھ دیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے وہ کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۶۳﴾

اور کوئی شخص اللہ کی مرضی (۶۳) کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا، اور وہ کفر و شرک کی ناپاکی میں انہی لوگوں کو ملوث کرتا ہے جو عقل سے بے بہرہ ہوتے ہیں ﴿۱۰۰﴾

آیت (۹۷) میں اسی مضمون کی مزید تاکید آئی ہے کہ جن کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ وہ جہنمی ہوں گے، ان کے سامنے اللہ کی تمام نشانیاں بھی آجائیں گی تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ البتہ جب وہ اللہ کا عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب ایمان لائیں گے، جیسا کہ فرعون نے جب اپنے آپ کو ڈوبتا دیکھا تو کہا کہ میں موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لے آیا۔ تو مشرکین مکہ بھی جب تک اللہ کا عذاب دیکھ نہیں لیں گے ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن اس وقت کا ایمان ان کے کام نہیں آئے گا۔ (۶۳) مشرکین مکہ کو عذاب آنے سے پہلے ایمان لانے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ان کے سامنے ان بستیوں کی مثال پیش کی جا رہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے ہلاک کر دیا کہ ان کے رہنے والوں نے عذاب آنے سے پہلے ایمان کا اعلان نہیں کیا، جیسا کہ فرعونوں کے ساتھ ہوا کہ جب انہوں نے اپنے آپ کو ڈوبتے دیکھا تو کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ اگر انہوں نے عذاب آنے سے پہلے ایمان کا اعلان کیا ہوتا تو ان کا ایمان ان کے کام آتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم سے یونس علیہ السلام کی قوم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے عذاب آنے سے پہلے اس کے آثار دیکھتے ہی فوراً توبہ کر لی تھی، تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور عذاب کو ٹال دیا تھا۔ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ جملہ نفی کے معنی میں ہے، گویا یوں کہا گیا ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم کے علاوہ ہلاک ہونے والی بستیوں میں سے کوئی بستی بھی ایمان نہیں لائی۔

ائمہ تفسیر نے عبد اللہ بن مسعود، قتادہ اور سعید بن جبیر وغیرہم سے یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے بارے میں جو روایتیں نقل کی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ موصل شہر کے رہنے والے تھے، اللہ نے انہیں نینوی شہر والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا، جسے اشور بن مردو نے بسایا تھا، جو نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی اولاد سے تھا۔ یہ شہر دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اُس وقت اس کی آبادی چھ لاکھ تھی۔ اس زمانے میں اشوریوں کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایشیا کے اکثر علاقے ان کے زیر تصرف آگئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ کبر و غرور میں مبتلا ہو گئے تھے اور اللہ سے سرکشی کرنے لگے تھے۔ انہی کی ہدایت کے لئے اللہ نے یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا، لیکن جب وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے، تو یونس علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اب تم لوگ اللہ کے عذاب کا انتظار کرو جو چالیس دن کے بعد تمہیں آئے گا۔ خود وہاں سے نکل کر صحراء کی طرف چلے گئے۔ جب اشوریوں کے امیر کو پتہ چلا تو ڈر گیا، اور پوری قوم کے ساتھ اللہ کے سامنے تائب ہوا۔ جب اللہ نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنی توبہ میں صادق ہیں، تو عذاب کو ٹال دیا۔

(۶۳) اگر اللہ چاہتا تو تمام اہل زمین ایمان لے آتے، لیکن اس حکمت الہیہ کی وجہ سے جس پر تمام تشریحی احکام کی بنیاد ہے، اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر مشرکین ایمان نہیں لاتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۲۷۲) میں فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ یعنی ”انہیں ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“

قُلْ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا نُغْنِيْ بِاٰيٰتِنَا عَن قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ
 اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَقُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نَحْنُ رٰسِلُوْا
 الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقَّقْنَا لَكُمْ اٰيٰتِنَا لِيُحْكُمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ اِن كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَا اَعْبُدُ
 الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَكَّلُ عَلٰى وَاٰمِرُتْ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ
 اَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيفًا وَاَلَّا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَاَلَّا يَضُرَّكَ وَاَنْ
 تَعْلَمْتَ فَاِنَّكَ اِذَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْ لَكَ خَيْرًا فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ
 يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

آپ کہنے کے ذرا غور (۶۵) تو کرو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے، اور جو ایمان لانا نہیں چاہتے انہیں اللہ کی آیتیں اور دھمکیاں کچھ کام نہ آئیں گی ﴿۱۰۱﴾ کیا یہ لوگ اُن قوموں کے واقعات عذاب کے مانند کسی واقعہ کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿۱۰۲﴾ پھر ہم اپنے رسولوں کو اور مومنوں کو بچا لیتے تھے۔ اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں ﴿۱۰۳﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کی صداقت (۶۶) میں شبہ ہے، تو جان لو کہ میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کے بجائے عبادت کرتے ہو، بلکہ میں تو اس اللہ کی عبادت کروں گا جو تمہیں موت دے گا، اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ مومن بن کر رہوں ﴿۱۰۴﴾ اور یہ کہ آپ موحد بن کر دین اسلام پر قائم رہئے اور مشرکوں میں سے نہ ہو جائیے ﴿۱۰۵﴾ اور اللہ کے سوا ان معبودوں کو نہ پکاریئے جو آپ کو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً اس وقت آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ﴿۱۰۶﴾ اور اگر اللہ آپ کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کے علاوہ کوئی اسے دور نہیں کر سکتا ہے، اور اگر وہ آپ کے لئے کوئی بھلائی چاہے تو اس کے فضل و کرم کو کوئی روک نہیں سکتا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل عطا کرتا ہے، اور وہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۰۷﴾

اسی لئے آیت (۱۰۰) میں اللہ نے فرمایا کہ کوئی بھی آدمی محض اللہ کی توفیق سے ہی ایمان لاتا ہے، اس لئے آپ دعوت کا کام کئے جائیے، لیکن کسی کے ایمان نہ لانے پر پریشان نہ ہوا کیجئے۔ اور رسوائی اور ذلت تو ان لوگوں کے لئے لکھ دی گئی ہے جو اللہ کے بھیجے گئے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔

(۶۵) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بات آئی ہے۔ اسی مناسبت سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ مشرکین مکہ کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیجئے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں، اور انہیں یقین ہو جائے کہ اس کے علاوہ کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جن کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، انہیں نشانیوں اور انبیاء کی نصیحتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَكْتُمُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ وَإِنَّهُ مَا يُؤْتِيكَ وَإِذْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۝ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق (۶۲) آ گیا، پس جو کوئی سیدھی راہ پر چلے گا تو وہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچائے گا، اور جو گمراہ ہو جائے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ﴿۱۰۸﴾ اور آپ اس کی پیروی کیجئے جو بذریعہ وحی آپ پر نازل کی جاتی ہے اور صبر سے کام لیجئے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۱۰۹﴾

آیت (۱۰۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا مشرکین چاہتے ہیں کہ ان پر گذشتہ قوموں کی طرح اللہ کا عذاب آجائے؟ تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ پھر تم لوگ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ اس عذاب کا انتظار کرتا ہوں، جس کے ذریعہ اللہ صرف ظالموں اور مشرکوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اسی لئے آیت (۱۰۳) میں فرمایا کہ جب اللہ کے باغیوں پر ہمارا عذاب آتا ہے تو ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو اس سے بچا لیتے ہیں، اس لئے کہ ہم نے اپنے اوپر اس بات کو واجب کر دیا ہے کہ اہل ایمان کو عذاب سے بچالیں گے۔

(۶۶) نبی کریم ﷺ کی زبانی تمام کفار عرب سے کہا جا رہا ہے کہ دین اسلام کی صداقت میں تمہارے شبہ کی وجہ سے میں اللہ کو چھوڑ کر تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا، میں تو اس اللہ کی عبادت کروں گا جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے، اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں مومن بن کر رہوں، اور اپنی پیشانی موحد بن کر صرف اسی کے سامنے جھکاؤں، اور کسی حال میں بھی اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، اور اس کے علاوہ کسی کو بھی نہ پکاروں جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اس لئے کہ ایسا کرنے سے میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔ اس کے برعکس اگر اللہ مجھے کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کے علاوہ کوئی اسے دور نہیں کر سکتا، اور اگر وہ مجھے کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

(۶۷) یہاں بھی نبی کریم ﷺ کی زبانی تمام بنی نوع انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ لوگو! تمہارے رب کی جانب سے برحق قرآن نازل ہو چکا ہے، جو دین برحق دین اسلام کی مکمل ترجمانی کر رہا ہے۔ اب اگر کوئی اس ہدایت کو قبول کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا، اور اگر کوئی اس کے بعد بھی گمراہ ہو جاتا ہے تو اس کی سزا اسی کو بھگتنی پڑے گی، اور میں تمہاری ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہوں، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی آخری آیت میں آپ ﷺ کو تاکید کی کہ آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہے اسی کی اتباع کیجئے، یعنی کسی دوسرے قول کی اتباع نہ کیجئے۔ اور دعوت کی راہ کٹھن ہوتی ہے، اس لئے اس راہ میں کفار و مشرکین کی جانب سے آپ کو جو بھی تکلیف پہنچے اُس پر صبر کیجئے، یہاں تک کہ مشرکین کے بارے میں اللہ کا کوئی فیصلہ آجائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا، اور میدان بدر اور دیگر جنگوں میں ان میں سے کچھ تو قتل ہوئے اور کچھ پابند سلاسل کر لئے گئے، یہاں تک کہ پورا جزیرہ عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔



الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۱۱۳

سورہ ہود کی ہے، اس میں ایک سو تیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
 آکر^(۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ٹھوس اور محکم بنائی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل اس کی طرف سے بیان
 کر دی گئی ہے جو صاحب حکمت، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱﴾

تفسیر سورہ ہود

نام: چونکہ اس سورت میں ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ”سورہ ہود“ رکھا گیا
 ہے۔ اگرچہ اس میں دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔
 زمانہ نزول: یہ مکہ میں سورہ یونس کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس کی صرف تین آیتیں (۱۲/۱۷-۱۱۳/۱) مدینہ میں نازل ہوئی تھیں،
 جو اس کے ساتھ ملا دی گئی ہیں۔

اس سورت میں مذکور موضوعات و مضامین کی اہمیت کا اندازہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے ہوتا ہے جسے ترمذی، حاکم
 اور ابویعلیٰ وغیرہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ بوڑھے ہو گئے۔ تو آپ
 نے فرمایا کہ ”مجھے ہود، مرسلات، عم یساع لون اور اذال القنس کوزرت نے بوڑھا کر دیا ہے“۔ اتنی۔ اس لئے کہ اس میں گذشتہ قوموں
 کے واقعات، ان کا باغیانہ رویہ اور پھر اس کی پاداش میں ان پر دنیا میں عذاب الہی کا نزول اور آخرت میں عذاب ناری کی وعید، اور
 اسی کے مشابہ مضامین بیان کئے گئے ہیں، اور مشرکین مکہ کو ان سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ انداز بیان میں عام
 مکی سورتوں سے زیادہ گھن گرج اور زیادہ شدید و ہمکنی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ جب اس کی تلاوت فرماتے تھے تو آپ کے دل
 و دماغ پر اس کا کچھ زیادہ ہی اثر پڑتا تھا، اور مکی زندگی میں مکہ والوں کی سرکشی، اللہ سے بغاوت اور قرآن اور دین اسلام کا مذاق اڑانا
 دیکھ دیکھ کر انہیں خوف ہوتا تھا کہ کہیں اللہ کا عذاب الہی مکہ پر نازل نہ ہو جائے۔

(۱) "الو" جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان حروف مقطعات کے بارے میں مفسرین کی بہترین رائے یہی ہے کہ ان کا مقصود حقیقی
 اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

"کتاب" سے مراد قرآن کریم ہے، جس کی یہاں دو صفتیں بیان کی گئی ہیں: پہلی صفت کا تعلق قرآن کریم کی فصاحت
 و بلاغت اور اس کی معجز بیانی سے ہے یعنی قرآن کریم کے حروف و الفاظ اور جملوں اور آیتوں کا نظم و نسق اور ان کی ترتیب و ترکیب
 اتنی عظیم الشان اور ایسی بے بدل ہے جو انسانی قدرت سے یکسر بالاتر ہے۔ اور دوسری صفت کا تعلق قرآن میں مذکور دلائل توحید،
 احکام و واجبات، واقعات اقوام اور مواضع و نصائح سے ہے، کہ ان کی مثال ان موتیوں کی ہے جنہیں ہار میں پرویا جاتا ہے، اور ان
 کے درمیان جگہ جگہ کچھ دوسرے رنگ و حجم کے موتیوں کے ذریعہ خوبصورتی پیدا کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر سورت

الْأَتْعَابُ وَالْإِلَاحَةُ، إِنَّنِي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۗ وَإِنِ اسْتَفْرُوا رَبَّكُمْ لَمْ يُؤْتُوا إِلَيْهِمْ لِيُتَعَمَّرُوا
فَمَا احْتَسَبُوا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۗ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ كَبِيرٍ ۗ إِلَىٰ اللّٰهُ مَرْجِعُكُمْ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۗ إِلَّا إِلَهُكُمْ يَخْتُونُ صُدُّوهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۗ إِلَّا
حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۗ إِنَّهُ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت (۲) نہ کرو، بے شک میں اس کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ﴿۲﴾ اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت (۳) طلب کرو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو، وہ تمہیں ایک محدود وقت (یعنی موت) تک عمدہ عیش و آرام کا فائدہ اٹھانے دے گا، اور ہر زیادہ کار خیر کرنے والے کو اس کا اجر و ثواب دے گا، اور اگر تم لوگ راہ حق سے منہ پھیر لو گے تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿۳﴾ تمہیں اللہ کی طرف ہی لوٹ کر (۴) جانا ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۴﴾ آگاہ رہے! وہ لوگ اپنے سینوں (۵) کو موڑ لیتے ہیں تاکہ اس سے اپنے دل میں پوشیدہ کفر و عناد کو چھپائیں، آگاہ رہے! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھ لیتے ہیں اُس وقت بھی وہ ان کی وہ تمام باتیں جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں میں پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے ﴿۵﴾

اپنے اندر بنی نوع انسان کے لئے کوئی نہ کوئی خیر لئے ہوئے ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، یہ کتاب اس ذات واحد کی نازل کردہ ہے جس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور جو ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔
(۲) زخمی نے کہا ہے کہ ﴿الْأَتْعَابُ﴾ "فصلت" فعل کا مفعول لہ ہے۔ اور معنی یہ ہوگا کہ قرآن کریم میں موجود احکام اور دیگر امور کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ تم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پہلی آیت سے الگ نبی کریم ﷺ کی زبانی ایک مستقل کلام ہے۔ ایسی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے کفار قریش سے کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور یہ کہ میں اللہ کی جانب سے تمہیں عذاب نارے ڈرانے والا اور جنت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

(۳) یہ بھی نبی کریم ﷺ کی زبانی ایک کلام کا حصہ ہے۔ یہاں طلبِ مغفرت اور توبہ کا ذکر آیا ہے۔ اور دونوں تقریباً ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں، اس لئے مقصود توبہ کرنا اور اس میں اخلاص پیدا کرنا ہے۔ اور ایسے استغفار و توبہ پر اللہ نے دو چیزوں کا وعدہ کیا ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص بندوں کو دنیا کی نعمتوں سے ایک طویل مدت تک مستفید ہونے کا موقع دے گا، ان کی روزی میں برکت عطا فرمائے گا اور دیگر نعمتوں سے بھی خوب نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی وعدے کو سورۃ النحل کی آیت (۹۷) میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْتَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ کہ "جو مومن (مرد یا عورت) عمل صالح کرے گا، ہم اسے اچھی زندگی عطا کریں گے"۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیک نیتی اور عمل صالح کے جزا کے طور پر آخرت میں جنت دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی ہی زبانی ان لوگوں کو دھمکی دی جو توبہ و استغفار اور عبادت میں اخلاص سے اعراض کرتے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن کے عذاب

سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

(۴) گذشتہ آیت میں آخرت کے دن کے عذاب کی جو بات آئی ہے، اسی کی تاکید ہے۔

(۵) کفار مکہ کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے کہ کوئی بھی دھمکی اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی کوئی بھی ترغیب ان کی حالتِ کفر و شرک کو نہ بدل سکی۔ بلکہ ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ بعض کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی بات سننے سے اعراض کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ان کے اس اعراض کا علم اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو نہ ہو۔ ﴿أَلَا حِينَ يَسْتَفْشِقُونَ ذُنُوبَهُمْ﴾ میں گذشتہ معنی کی تاکید ہے۔ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم اپنے دروازے بند کر لیں گے، اور کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانک لیں گے، اور اپنے سینوں میں محمد کی عداوت کو چھپائے رکھیں گے تو کسے خبر ہوگی؟! بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کفار مکہ حقیقت معنوں میں ایسا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گذرتے تو اپنا منہ پھیر لیتے اور آپ ﷺ کی طرف پیٹھ کر لیتے اور کپڑے سے اپنا منہ ڈھانک لیتے تاکہ آپ کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑ جائے۔ ﴿يَعْلَمُ مَا يَسِرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ میں انہی کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے اپنی حقیقت چھپانے کی ہزار کوشش کرو، کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تو سب کچھ جانتا ہے، وہ تو سینوں کے تمام رازوں کو جانتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام میں کچھ لوگ قضائے حاجت یا بیوی سے ہمبستری کرتے وقت اپنی شرمگاہ کھولتے ہوئے شرماتے کہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک دوسری روایت ہے کہ یہ اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو رسول اللہ ﷺ سے جب ملتا تو چکنی چیزیں باتیں کرتا، اور دل میں آپ کی عداوت چھپائے رکھتا۔ اکثر مفسرین نے آیت کی پہلی تفسیر کو ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عِبَادًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَقْبُوءُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝

اور زمین پر جو جانور بھی پایا جاتا ہے، اس کی روزی (۶) اللہ کے ذمے ہے، وہ ہر ایک کے دنیاوی (عاضی) اور آخروی (دامی) ٹھکانوں کو جانتا ہے، ہر بات کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے ﴿۶﴾ اور اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا (۷) کیا ہے، اور اس کے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تمہیں آزما کر دیکھے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے، اور اگر آپ کہیں گے کہ تم لوگ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے (۸) جاؤ گے، تو کافر کہیں گے کہ یہ قرآن کھلا جادو ہے ﴿۷﴾

(۶) اوپر گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں تک کو جانتا ہے۔ اسی مفہوم کی تائید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین پر چلنے والے جتنے جاندار ہیں، وہ ان سب کو ان کی تخلیق و تکوین کے مطابق روزی پہنچاتا ہے، یہ اس کا اٹل وعدہ ہے، جو بطور منت و احسان پورا کرتا رہتا ہے۔ جب وہ ایک ایک جاندار کو روزی پہنچاتا ہے، دنیا میں ان کی جگہوں کو اور موت کے بعد ان کے ٹھکانوں کو جانتا ہے، تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے اقوال و افعال اور ان کے دیگر تمام احوال و کوائف سے بے خبر رہے؟! اسے سب کچھ کی خبر ہے، اور لوح محفوظ میں ہر بات لکھی ہوئی ہے۔

(۷) اس آیت میں بھی گذشتہ مفہوم کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ترین قدرتوں کا مالک ہے۔ اور اس کی دلیل آسمان و زمین کی تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو (تواری سے جمع) چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ یہ مضمون سورۃ الاعراف آیت (۵۳) اور سورۃ یونس آیت (۳) میں گذر چکا ہے۔ اور الحمد یاد آیت (۳) الفرقان آیت (۵۹) السجدہ آیت (۳) اور ق آیت (۳۸) میں بھی آئے گا۔ یہ دن یا تو دنیا کے دنوں کے مانند ہوں گے، یا ہر ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، جیسا کہ سورۃ الحج آیت (۴۷) میں آیا ہے: ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ﴾ یعنی ”تمہارے رب کا ایک دن تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہے“۔ آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا، اس کے بعد عرش کو پیدا کیا، اور ان دونوں کے بعد آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ امام احمد اور ترمذی نے ابو رزین العقیلی صحابی سے روایت کی ہے کہ میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ تو آپ نے فرمایا: ”ایسی جگہ جس کے نیچے ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا تھی“۔ اس کے بعد اللہ نے عرش کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اس لئے پیدا کیا، تاکہ اس کے بندے زمین پر سکونت پذیر ہوں، اس کی گونا گوں نعمتوں سے مستفید ہوں، اور ایک اللہ کی عبادت کریں، نیز نیکی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، تاکہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدل دے۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ﴿أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ کہا ہے "أَحْسَنُ عَمَلًا" نہیں کہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک حسن عمل کا اعتبار ہے، کثرت عمل کا نہیں۔ اور کوئی بھی عمل اللہ کی نگاہ میں "احسن" اسی وقت ہوگا، جب وہ اللہ کی رضا کے لئے کیا گیا ہو، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت و شریعت کے مطابق ہو۔ یعنی اگر دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی

وَلَيْنَ أَخْرَجْنَاهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوقًا عَنْهُمْ وَ
حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۗ وَلَيْنَ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَيْفُوسٌ كَفُورٌ ۗ وَلَيْنَ
أَذَقْنَاهُ نِعْمَةً بَعْدَ ضَرْبٍ مِّمَّا مَسَّئَلَهُ لَيَقُولُنَّ ذَهَبَ الشَّيْءُ عَنِّي إِنَّهُ لَكَفُورٌ مُّقْتَدِرٌ ۗ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

اور اگر ہم کچھ گنہ گاروں کے لئے عذاب (۹) کو ان سے نال دیتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ اسے کس چیز نے روک رکھا ہے، آگاہ رہے! جب وہ عذاب ان پر ٹوٹ پڑے گا تو اسے ان سے نہیں روکا جاسکے گا، اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہ انہیں گھیر لے گا ﴿۸﴾ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں، پھر اُس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید (۱۰) ہو جاتا ہے، اور ناشکری پر اتر آتا ہے ﴿۹﴾ اور اگر ہم تنگی رزق کے بعد جو اسے لاحق ہو جاتی ہے، وسعت رزق اور آسائش دیتے ہیں، تو کہنے لگتا ہے کہ اب میری تکلیفوں کا زمانہ ختم ہو گیا، بے شک وہ بڑا اترا نے والا، اپنی تعریف کرنے والا بن جاتا ہے ﴿۱۰﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ہر حال میں صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، انہی کے لئے اللہ کی مغفرت ہوگی اور بڑا ثواب ملے گا ﴿۱۱﴾

تو وہ عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا۔

(۸) چونکہ اوپر اچھے اور بُرے اعمال، اور قیامت کے دن ان کی جزا و سزا کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے یہاں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی بات آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! اگر آپ کفار مکہ سے کہیں گے کہ تم لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، تاکہ ہر شخص کو اس کے اچھے یا بُرے اعمال کا بدلہ دیا جائے، تو وہ کہیں گے کہ اے محمد! تم جو کچھ کہہ رہے ہو جادو کی طرح بے بنیاد اور باطل فکری ہے جس پر یقین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر آیت میں اشارہ قرآن کی طرف مانا جائے، تو معنی یوں ہوگا کہ یہ قرآن جو موت کے بعد اٹھائے جانے کا تصور پیش کرتا ہے کھلا جادو ہے۔

(۹) ان کافروں کی فطرت میں ہی کجی واقع ہوئی ہے، قرآن کریم اور اللہ کے رسول کو جھٹلانا، اور اللہ کی جانب سے بھیجی گئی ہر خبر میں شک کرنا ان کی عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر ایک مدت معینہ تک عذاب کو ان سے نال دیتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ کو فوراً جھٹلانے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے محمد! تم جس عذاب کی بات کرتے تھے اسے کس چیز نے مؤخر کر دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا کہ جلدی نہ کرو، جب وہ تم پر نازل ہو جائے گا تو کوئی طاقت اسے نال نہیں سکے گی۔

(۱۰) یہ اور اس کے بعد کی دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بالعموم ایک مذموم صفت کو بیان کیا ہے، اور اس سے ان مومنین کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو اپنی زندگی میں کسی بھی حال میں صبر کا دامن نہیں چھوڑتے اور عمل صالح کرتے رہتے ہیں۔ وہ مذموم صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو نعمت دے کر پھر کسی سبب سے اس سے چھین لیتا ہے تو فوراً ہی اس کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے، اور ناشکری اور اللہ کی برائی بیان کرنے پر اتر آتا ہے، اور اگر اسے بیماری اور تکلیف کے بعد صحت، اور محتاجی کے بعد خوشحالی سے نوازتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اب کیا ہے، اب تو آرام و راحت ہے اور عیش و خوشحالی ہے، اور اس خوشحالی میں ایسا مگن ہو جاتا ہے کہ اُس نعمت پر اپنے خالق و رازق اور آقا و مالک کا شکر یہ ادا کرنے کا خیال بھی اس کے دل و دماغ میں نہیں گذرتا،

فَلَمَّا كَذَبْنَا بَعْضَ مَا يُوَسَّي إِلَيْكَ وَضَائِقٍ بِهِ صَدَّرْنَا أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كِتَابٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَائِكَةٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِينٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنَّا نَأْتُوا بِعَسْرٍ سُوْرٍ مِثْلِهِ مُفْتَكِرِينَ ۝ وَادْعُوا آمِنَ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَالَّذِينَ يَسْتَجِيبُوا الْكُفْرَ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

پس اے نبی! آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس کا بعض حصہ شاید آپ چھوڑ دیں گے، اور اس سے شاید آپ تنگ دل ہو رہے ہیں، ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا دیا جاتا، یا اس کی تائید کے لئے کوئی فرشتہ (۱۱) کیوں نہیں آجاتا، آپ تو لوگوں کو اللہ کے عذاب سے صرف ڈرانے والے ہیں، اور ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے ﴿۱۲﴾ کیا کفار کہتے ہیں کہ محمد نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ تم اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں (۱۳) لا کر دکھلا دو، اور اگر تم سچے ہو تو اللہ کے سوا جسے بلا سکتے ہو بلا لو ﴿۱۳﴾ پس اے مومنو! اگر وہ لوگ تمہارا مطالبہ پورانہ کر سکیں تو ان سے کہہ دو کہ اب تو یقین کر لو کہ یہ قرآن اللہ کا علم لے کر اترتا ہے، اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو کیا اب تم مسلمان ہو جاؤ گے ﴿۱۳﴾

لیکن جو مومنین تکلیف کی حالت میں صابر اور آرام کی حالت میں اپنے رب کے شاکر ہوتے ہیں، اور ہر حال میں عمل صالح کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے، وہ نہ تو مصیبت کے وقت جزع و فزع کرتے ہیں اور نہ ہی عیش و آرام کی حالت میں اس طرح ترنگ میں آتے ہیں کہ اللہ کو ہی بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

اس معنی کی تائید میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مومن کو کوئی حزن و ملال لاحق ہوتا ہے، کوئی تکلیف پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اگر اسے کوئی کاٹنا چھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے“۔ (مسند احمد)۔ اور صحیحین میں ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ مومن کے بارے میں ہر فیصلہ اس کے حق میں خیر لئے ہوتا ہے۔ اگر اسے کوئی خوشی ملتی ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے، اور اس پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اور یہ شرف و عزت مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے“۔

(۱۱) کفار مکہ نبی کریم ﷺ سے بار بار کہتے تھے کہ تمہاری صداقت کی گواہی دینے کے لئے آسمان سے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترتا، یا اللہ تمہارے لئے کوئی خزانہ کیوں نہیں بھیج دیتا، یا کوئی باغ ہی کیوں نہیں اگا دیتا؟ یہ اور اسی طرح کے دیگر معاندانہ سوالوں سے رسول اللہ ﷺ کبھی دل برداشتہ ہو جاتے تھے۔ تو اللہ نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ ایسا گذشتہ انبیاء کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے، ان کی قوموں نے بھی انہیں جھٹلایا تو انہوں نے صبر کیا، اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجئے اور دل برداشتہ ہو کر اور کافروں کا دل رکھنے کے لئے قرآن کریم کی ان آیتوں کی تبلیغ سے رک نہ جائیے جنہیں کفار سننا نہیں چاہتے۔ آپ کا کام تو پیغام الہی کو سن و عن پہنچانا ہے۔ آسمان سے نشانیاں نازل کرنا تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۱۲) جب کفار مکہ نے وحی الہی کا انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ پر اتہام دھرا کہ قرآن ان کا کلام ہے اللہ کا نہیں، تو اللہ نے چیلنج

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتَهَا لَوْفَ إِلَيْهَا أَعْمَالُهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ تَاكَاثُؤُا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

جو شخص دنیا کی زندگی (۱۳) اور اس کی خوش رنگیاں چاہتا ہے، تو ہم دنیا ہی میں اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیتے ہیں، اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے ﴿۱۵﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں آخرت میں عذابِ نار کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا، اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا ہو گا ضائع ہو جائے گا، اور جو کچھ وہاں کرتے رہے تھے (ایمان کے بغیر) بیکار ہی تھا ﴿۱۶﴾

کر دیا کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، محمد کا کلام ہے تو پھر تم اس جیسی دس سورتیں ہی لا کر دکھاؤ۔ سورہ یونس آیت (۳۹) کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو قرآن کریم جیسا کلام لانے کا چیلنج کئی مراحل میں کیا تھا۔ پہلے کہا کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد کا کلام ہے تو اس جیسا تم بھی پیش کرو، جب عاجز و ساکت رہے تو اس آیت میں کہا کہ اگر پورا قرآن نہیں تو اس جیسی کم از کم دس سورتیں ہی پیش کر دو، جب اس سے بھی عاجز رہے تو سورہ یونس والی آیت میں کہا کہ کم از کم ایک ہی سورت اس جیسی لے آؤ۔ اور سورہ طور آیت (۳۲) میں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ زبانِ دانی کی تابوت میں آخری کیل ٹھوک دی، جب کہا کہ اگر تم سچے ہو تو قرآن جیسی ایک بات بھی لا دو۔ اور عربوں کے تمام فصحاء و بلغاء اور ادباء و شعراء پر گنگ طاری رہی، اور آج تک کوئی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۱۲) میں فرمایا کہ مسلمانو! اگر کفارِ عرب تمہارے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکیں، تو تمہارے علم و یقین میں اضافہ اور پختگی آجانی چاہئے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اس قرآن کا معجزانہ نظم اور اس کی ترتیب کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اور اس میں جن غیبی امور کی خبر دی گئی ہے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا ہے، اور تمہیں اس بات کا بھی پختہ یقین ہونا چاہئے کہ یہ اس اللہ کا کلام ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ غیروں کو اس کا شریک بنانا ظلمِ عظیم ہے۔

(۱۳) چونکہ کفارِ قریش کا عناد اور ان کی سرکشی کا سب سے بڑا سبب دنیاوی زندگی کا عیش و آرام اور ریاست و قیادت کی خواہش تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتوں میں دنیاوی فائدوں کی حقارت اور ان لوگوں کا انجام بیان کیا ہے جو صرف انہی کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اعمالِ صالحہ کے بدلے میں جس کا مطمح نظر صرف دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام اور ٹھاٹھ ہاٹھ ہوتا ہے، تو اللہ اسے ان اعمال کا بدلہ اس کی نیت کے مطابق دیتا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، لیکن آخرت میں انہیں ان اعمالِ صالحہ کا کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا، بلکہ نفاق اور ریاکاری کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو سورۃ الإسراء آیات (۱۸/۱۹/۲۰) میں اور سورۃ الشوریٰ آیت (۲۰) میں بھی بیان کیا ہے کہ جو آدمی نیک کاموں کے ذریعے دنیاوی فائدوں کا طلبگار ہوتا ہے، اللہ اسے اس کی نیت کے مطابق اس کا بدلہ دنیا میں چکا دیتا ہے، لیکن آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اور جو آدمی آخرت کا طلبگار ہوتا ہے، اللہ اسے جنت عطا کرے گا۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود آدمی کی دنیاوی خواہش پوری نہیں ہوتی ہے۔ اسی

اَكْفَرْنَ كَانَ عَلَىٰ بَيْتِهِ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدًا مِنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ اِمَامًا وَاَوْحَيْنَاُ اِلَيْكَ يَا مُنُوْنُ
 بِهٖ وَاَمَّا يَكْفُرُوْا بِهٖ مِنَ الْاَكْذَابِ كَالَّذِيْ اٰتُوْعِدُوْا فَلَا تَكُنْ فِيْ مَرْيَةِ قَوْلِهٖ اِنَّهٗ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ
 لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵﴾

کیا جس شخص کو اس کے رب کی جانب سے قرآن جیسی کھلی نشانی ملی ہو، اور اس کے بعد اس کی جانب سے ایک گواہ بھی آیا ہو (یعنی جبریل) اور اس کے قبل موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہو (کیا ایسا آدمی گمراہ ہو سکتا ہے؟) ایسے ہی لوگ قرآن پر ایمان (۱۴) رکھتے ہیں، اور قوموں اور جماعتوں میں سے جو بھی اس قرآن کا انکار کرے گا اس سے جہنم کا وعدہ ہے، تو آپ قرآن کے بارے میں کسی شک (۱۵) میں نہ پڑیں، وہ یقیناً آپ کے رب کی برحق کتاب ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۱۵﴾

لے قرطبی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت، اور سورہ شوریٰ کی آیت (۲۰) اور سورہ آل عمران کی آیت (۱۴۵) مطلق آیتیں ہیں، جن کی تفسیر سورۃ الاسراء کی آیت (۱۸) سے ہوتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُوْدِعُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا مَشَاءُ لَمَنْ نُوْدِعُ﴾ کہ ”جو آدمی دنیا کا عارضی فائدہ چاہتا ہے، تو ہم جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں“۔ اتنی۔ یعنی اللہ کسی کو نہیں بھی دیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ مسلمانوں کے لئے خطرہ کی کھنٹی بھی ہے کہ آدمی نیک عمل کرتا ہے، لیکن اگر اس میں اخلاص اور لئیت نہیں ہے تو وہ قیامت کے دن اس کے لئے وبال جان بن جائے گا، اور جہنم اس کا ٹھکانا ہو گا۔ امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ روز قیامت جب حساب شروع ہو گا تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ایک ایسے آدمی کو بلائے گا جو بظاہر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے قتل ہوا تھا۔ اس سے پوچھے گا کہ تو نے کیا عمل کیا تھا؟ تو وہ کہے گا کہ اے اللہ! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا، تو اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے مجاہد کہیں، سو یہ بدلہ تجھے دنیا میں مل گیا، پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح ریاکار عالم، ریاکار قاری اور ریاکار مالدار کو بلایا جائے گا، اور سبھوں کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۱۳) طالب دنیا اور طالب آخرت برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ طالب دنیا کا حال گذر چکا۔ یہاں طالب آخرت کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس پر ایمان لائے گا اور نبی کریم ﷺ کی اتباع کرے گا، وہ اس کی نگاہ میں اس آدمی کے مانند ہرگز نہیں ہو سکتا جس کا مہتہائے مقصود دنیا کا عیش و آرام ہو۔ ایک دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ جنہیں اللہ نے قرآن جیسا معجزہ اور برہان قاطع دیا ہے، اور جن کے لئے جبریل علیہ السلام کو بطور شاہد متعین کیا ہے، اور جن کی بشارت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی کتاب ”تورات“ میں مذکور ہے، جو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے رہنما اور رحمت تھی، کیا وہ اللہ کی نگاہ میں اس آدمی کے مانند ہو جائیں گے جس کا مہتہائے مقصود دنیا کا عیش و آرام ہے؟

﴿اُولٰٓئِكَ يَتُومِنُوْنَ بِهٖ﴾ میں اشارہ اُن مومنین صادقین کی طرف ہے جو اللہ کے نازل کردہ دین اسلام پر قائم ہوں، اُن کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں، یا قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے بعد

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا، أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٦٣٩﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَعْتَوِنَهَا عَجُوبًا ۗ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٦٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۗ يُضَعَّفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٦٤١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَصَلَّٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٦٤٢﴾ لَاجِرًا أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخِرُونَ ﴿٦٤٣﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم (۶۳۹) کون ہوگا جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، ایسے لوگ (میدانِ محشر میں) اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے، اور گواہان کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھوٹ بولا تھا، آگاہ رہئے کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ﴿۱۸﴾ جو لوگوں کو اللہ کی سیدھی راہ سے روکتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ وہ ٹیڑھی رہے، اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں ﴿۱۹﴾ یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں بنا سکتے ہیں، اور اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا، ان کو دو گنا عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ (کفر و حسد کی وجہ سے) حق بات سننے کی تاب نہیں لاسکتے تھے اور نہ سیدھی راہ دیکھ سکتے تھے ﴿۲۰﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا، اور ان کی تمام افترا پر دازیاں ان کے کام نہ آئیں ﴿۲۱﴾ ضرور یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ گھانا اٹھانے والے ہوں گے ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ نے اہل کفر اور دیگر تمام کفار عالم کے بارے میں فرمایا کہ جو کوئی نبی کریم ﷺ یا قرآن پر ایمان نہیں لائے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت کا کوئی بھی شخص جسے میری خبر ہو جائے گی، چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔“ (۱۵) نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی قسم کا شک کرنے سے معصوم بنایا تھا، اس لئے مقصود صحابہ کرام اور دیگر مسلمان ہیں، انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ وہ قرآن کے کلامِ الہی ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہ کریں۔

(۱۶) ان لوگوں سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک ظالم و مجرم کون ہو سکتا ہے جو افترا پر دازی کرتے ہوئے کہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور ان کے تراشے ہوئے بت اللہ کے شریک ہیں، اور قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے۔ قیامت کے دن ایسے لوگ نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے، اور فرشتے، انبیائے کرام، دعاۃ و مبلغین اور خود ان مجرموں کے اعضاء و جوارح گواہی دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں افترا پر دازی کی تھی، تو اللہ تعالیٰ کہے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو، جو لوگوں کو اللہ کی سیدھی راہ سے روکنے کے لئے اس میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے تھے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے انہیں تو آخرت پر ایمان تھا ہی نہیں، کیونکہ جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہی سیدھی راہ اختیار کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

آیت (۲۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس بات سے عاجز نہیں ہے کہ ان افترا پر داز کا فروں اور مشرکوں کو قیامت آنے سے پہلے دنیا میں ہی عذاب دے، اور ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہو جو اس عذاب کو ان سے ٹال سکے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ
 الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصْمَىٰ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۗ هَلْ يَسْتَوِينَ مِثْلًا لِّدَاكِلَئِكَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
 إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْآيَةِ ﴿٢٦﴾

بے شک جو لوگ ایمان (۱۷) لائے اور عمل صالح کیا اور اپنے رب کے حضور خشوع و خضوع اختیار کیا وہی لوگ جنت والے ہوں گے، اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ﴿۲۳﴾ کافر اور مسلم دونوں جماعتوں کی مثال اندھے بہرے، اور دیکھنے سننے والے کی ہے، کیا دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، کیا تم لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے ہو ﴿۲۴﴾ اور بے شک ہم نے نوح (۱۸) کو اس کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا (انہوں نے ان سے کہا کہ) میں تو تمہیں اللہ کے عذاب سے کھل کر ڈرانے والا ہوں ﴿۲۵﴾ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تمہارے بارے میں ایک دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿۲۶﴾

کہ دنیا میں انہیں اس لئے عذاب نہیں دیا گیا تاکہ آخرت میں انہیں دو گنا عذاب دیا جائے، اس لئے کہ دین اسلام سے ان کی نفرت و عداوت اس قدر شدید تھی کہ نہ حق بات سننے کی تاب لاتے تھے اور نہ اللہ کی آیتوں میں غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ آیات (۲۲/۲۱) میں انہی کفار و مشرکین کے بارے میں کہا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے بجائے باطل معبودوں کی بندگی کر کے بڑے ہی خسارے کا سودا کیا ہے، وہ جھوٹے معبود ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور آخرت میں ان سے بڑھ کر کوئی خسارہ اٹھانے والا نہیں ہوگا، کہ جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا، جہاں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے۔ آمین۔

(۱۷) آیات (۱۷/۱۶/۱۵) میں بیان کیا جا چکا ہے کہ طالب دنیا اور طالب آخرت برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہاں آیات (۱۸) سے لے کر (۲۳) تک اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے افترا پرداز کفار و مشرکین کا حال بیان کیا گیا ہے، اور اب اہل ایمان کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ اور آیت (۲۳) میں اندھے اور بہرے اور آنکھ اور کان والے کی مثال دے کر بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے ہیں، اسی طرح طالب دنیا اور طالب آخرت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔

(۱۸) اس آیت کریمہ سے پانچ انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے واقعات کی ابتدا ہو رہی ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ کفار و مشرکین کو انداز بدل کر اسلام کی دعوت دی جائے، اور انہیں ڈرایا جائے کہ اگر انہوں نے بھی حق سے اعراض کیا تو ان کا انجام بھی انہی قوموں جیسا ہو سکتا ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کو بھی تسلی دینی مقصود ہے کہ آپ سے پہلے بہت سے انبیائے کرام آئے اور انہیں ان کی قوموں نے جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائیں، لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا اور اللہ کا دین پہنچاتے رہے، یہاں تک کہ ان قوموں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ آ گیا۔ تو اے نبی! آپ بھی صبر سے کام لیں اور پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے رہیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

سب سے پہلا واقعہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو دعوت اسلام دینے کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے کفر و شرک اور شر و فساد سے زمین بھر گئی تھی۔ نوح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَذَرْنَا إِلَّا بِبَشَرِ امْرِئَيْنَا وَمَا نَذَرْنَا إِلَّا الَّذِينَ هُمْ آذَانَا بِأَلْوَى
الْوَأَى وَمَا نَذَرْنَا لَكُمْ عَلَيْكُمَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَطْغَى كُذِّبْتُمْ ۖ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي
وَإِنِّي رَحْمَةٌ مِّنْ عِنْدِي ۖ فَعُوَيْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَرْمِكُوا مَا وَانْتُمْ لَهَا كُرْهُونَ ۖ

توان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے جیسا ہی ایک انسان (۱۹) دیکھ رہے ہیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہاری پیروی ہم میں سے صرف گھٹیا لوگوں نے کی ہے جو ہلکی سمجھ بوجھ والے ہیں، اور ہم اپنے اوپر تمہارے لئے کوئی برتری نہیں پاتے ہیں، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں ﴿۲۷﴾ نوح نے کہا (۲۰) اے میری قوم کے لوگو! اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک صاف اور روشن راہ پر قائم ہوں، اور اس نے مجھے اپنے جناب خاص سے نبوت جیسی رحمت عطا کی ہے، لیکن وہ راہ تم سے چھپا دی گئی، تو کیا میں تمہارے نہ چاہنے کے باوجود، تمہیں اس کا پابند بنا سکتا ہوں ﴿۲۸﴾

کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ لوگو! اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرو، ورنہ مجھے ڈر ہے کہ اللہ کا دردناک عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

(۱۹) نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوت کو رد کر دیا، اور ان کے نبی ہونے میں تین قسم کے شبہات کا اظہار کیا۔ پہلا شبہ یہ ظاہر کیا کہ تم ہماری ہی طرح انسان ہو، تو ہمارے بجائے تم نبوت کے کیسے حقدار بن گئے؟ ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ قوموں کے سرداروں میں سے ایک نے بھی تمہاری اتباع نہیں کی ہے، صرف گھٹیا قسم کے لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے، جو کم عقل اور بے وقوف ہیں، اور اچھی اور گہری سوچ سمجھ نہیں رکھتے ہیں۔ اگر تم نبی ہوتے تو سردارانِ قوم تم پر ایمان لاتے۔

اور تیسرا شبہ یہ تھا کہ تم میں اور تمہارے پیروکاروں میں کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آتی جو ہم میں نہ ہو، تو پھر تم ہی کیسے ہو گئے؟

حافظ ابن کثیر نے ان شبہات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ باتیں قومِ نوح کی جہالت اور کم عقلی کی دلیل تھیں۔ اس لئے کہ حق ہوتا ہے، چاہے اس کی اتباع شرفائے قوم کریں یا غریب لوگ کریں۔ اور تاریخ یہی بتاتی ہے کہ حق کو ماننے والے ہمیشہ زیادہ کمزور لوگ ہوئے ہیں۔ ہر قل شاہِ روم نے ابوسفیان سے جب نبی کریم ﷺ کی صفات کے بارے میں سوالات کئے، تو اس کا ایک سوال یہ تھا کہ اس کے ماننے والے سردارانِ قوم ہیں یا کمزور لوگ؟ ابوسفیان نے کہا: کمزور لوگ، تو ہر قل نے کہا کہ ہمیشہ انبیاء کی پیروی کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کئے ہیں۔ اور یہ جو انہوں نے کہا کہ تمہارے ماننے والے زیادہ گہری فکر والے نہیں ہیں، تو یہ بھی کوئی قابلِ توجہ بات نہیں ہے، اس لئے کہ اگر حق واضح ہو، اور دل کا آئینہ روشن ہو، تو آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی شک و شبہ میں نہیں پڑتا اور حق کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی رسالت کا اعلان کیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی توقف کے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔

(۲۰) نوح علیہ السلام نے ان کی کافرانہ بات سن کر کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اپنے نبی ہونے کا بہانہ قاطع عطا فرمایا ہے۔ صفتِ بشریت میں میرا تمہارے ساتھ برابر ہونا اس بات سے ہرگز مانع نہیں ہے کہ وہ مجھے مقامِ نبوت سے نوازے۔ اسی طرح میرے ماننے والوں کا مابنی اعتبار سے کمزور ہونا بھی نبوت سے مانع نہیں ہے، اس لئے کہ بشریت اور عقل و فہم میں وہ

وَيَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۱﴾ وَمَا أَتَاهُمْ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿۲۲﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۳﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۴﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۷﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۸﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۰﴾ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۱﴾

اور اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے دعوت و تبلیغ^(۲۱) کے عوض مال و دولت نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ دے گا، اور میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نہیں بھگا سکتا ہوں، اس لئے کہ وہ یقیناً اپنے رب سے ملیں گے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ نہایت ہی نادان ہو ﴿۲۹﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! اگر میں نے انہیں (اپنی مجلسوں سے) بھگا دیا تو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے کون میری مدد کرے گا، کیا تم لوگ غور و فکر نہیں کرتے ہو ﴿۳۰﴾ اور میں تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے^(۲۲) ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ جنہیں تمہاری نظریں حقیر جانتی ہیں، انہیں اللہ کوئی خیر عطا نہیں کرے گا، ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے، اگر میں ایسا کہوں گا تو یقیناً ظالموں میں سے ہو جاؤں گا ﴿۳۱﴾

تمہاری طرح ہیں۔ اور یہ نبوت تو اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے جو اس نے مجھے دیا ہے۔ اگر تمہاری بصیرت ختم ہو گئی ہے، اور تم حق کو نہیں دیکھ پا رہے ہو تو میں تمہیں اسے قبول کرنے پر مجبور تو نہیں کر سکتا ہوں۔ میرا کام تو صرف دعوت دینا ہے۔ (۲۱) نوح علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا کہ میں دعوت و تبلیغ کے کام پر تم سے کوئی معاوضہ بھی تو نہیں مانگتا ہوں کہ تمہیں شبہ ہو کہ میں دنیا طلبی کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔ اور تم جو میرے پیروکاروں کو گھٹیا کہتے ہو، اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں انہیں اپنے پاس سے بھگا دوں تاکہ تم لوگ آکر میری بات سنو، تو میں ایسا بھی نہیں کروں گا، اس لئے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ کے نزدیک ان کا مقام بلند ہو گیا ہے، اور جب وہ اللہ سے ملیں گے تو مجھ سے جھگڑیں گے کہ اے رب! انہوں نے ہمیں اپنی مجلس سے نکال دیا تھا۔ اے میری قوم کے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ نہایت ہی نادان ہو، جیسی تو سوچتے ہو کہ اگر ایمان لے آؤ گے تو ہمارے کمزور و ضعیف پیروکاروں کے برابر ہو جاؤ گے۔ اے لوگو! میں تمہیں دوبارہ بتانے دیتا ہوں کہ اگر میں نے ان کمزور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا، تو مجھے اللہ کے عقاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اس لئے کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے بعد اللہ کے نزدیک ان کا مقام بلند ہو گیا ہے۔ اور انہیں صرف اس لئے بھگا دینا کہ وہ غریب اور کمزور ہیں سراسر ظلم ہوگا۔ (۲۲) اس آیت کریمہ میں نوح علیہ السلام نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح بشر ہوں، لیکن اللہ نے مجھے رسالت اور وحی سے نوازا ہے، میں ایسی باتوں کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ میں دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ اللہ کی روزی کے خزانوں کا مالک ہوں، اور نہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہوں، اور نہ ہی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، جب میں خود ایسا دعویٰ نہیں کرتا ہوں تو پھر میرے اندر ان صفات کے مفقود ہونے پر میری نبوت کا کیوں انکار کرتے ہو؟! اور جن غریب مسلمانوں کو تم حقیر جانتے ہو، ان کے بارے میں تمہاری طرح یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے ان

قَالُوا يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِمَا تَعْبُدُونَ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَيْنَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْنَاهُ لَفُتْنًا لَكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ تَوَّابٌ ۝

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

ان کی قوم کے لوگوں نے کہا، اے نوح! تم ہم سے جھگڑتے (۲۳) رہے ہو، اور بہت زیادہ جھگڑتے رہے ہو، تو اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کا ہم سے وعدہ کرتے رہے ہو، اب اسے لے ہی آؤ ﴿۳۲﴾ نوح نے کہا، عذاب تو صرف اللہ لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم اسے عاجز نہیں بنا سکو گے ﴿۳۳﴾ اور اگر میں تمہیں نصیحت کرنی چاہوں تو میری نصیحت تمہیں کام نہیں آئے گی اگر اللہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے، وہی تمہارا رب ہے، اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے ﴿۳۴﴾ کیا کفار کہتے ہیں کہ محمد نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، آپ کہئے کہ اگر میں نے اس قرآن کو گھڑا ہے تو اپنے جرم کا میں ذمہ دار (۲۴) ہوں، اور میں تمہارے جرائم سے بری ہوں ﴿۳۵﴾ اور نوح کو میری طرف سے وحی بھیجی گئی کہ اب آپ کی قوم کا کوئی آدمی ایمان (۲۵) نہیں لائے گا، سوائے ان کے جو ایمان لائے ہیں، تو آپ ان کے کرتوتوں پر افسوس نہ کیجئے ﴿۳۶﴾

کی غربت کی وجہ سے محروم رکھے گا۔ ان کے اندر جو خوبیاں پائی جاتی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے اور تم سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں گا تو میں ان کے حق میں ظالم ہوں گا۔ اس لئے کہ میں نے ان کی قدر و منزلت نہیں پہچانی، اور ان کی شان کے خلاف بات کی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت کے آخری حصہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں نے غریب مسلمانوں کی تحقیر کر کے ظلم و تعدی کا ارتکاب کیا تھا۔

(۲۳) جب قوم نوح کے پاس کفر و عناد پر قائم رہنے کی کوئی دلیل نہیں رہی، اور نوح علیہ السلام کے دلائل و براہین کے آگے انہوں نے اپنے آپ کو یکسر عاجز پایا، تو کہنے لگے کہ اے نوح! ہم تمہارے مناظروں سے تنگ آگئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کا وعدہ کرتے آئے ہو اسے لا کر دکھا دو، تو نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، جب اللہ چاہے گا عذاب آئے گا، اور اس وقت تم اسے عاجز نہ بنا سکو گے۔ اور آیت (۳۳) میں نوح علیہ السلام نے کہا کہ اگر اللہ تمہیں گمراہ اور ہلاک کرنا چاہے گا، تو میرا تمہیں توحید کی طرف بلانا اور عذاب سے ڈرانا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

(۲۴) قوم نوح کے اس قول کی تردید ہے کہ نوح علیہ السلام پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ آپ ان کافروں سے کہئے کہ اگر میں نے اللہ پر افتراء پر دازی کی ہے تو اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں، اور اگر میں سچا ہوں اور تم لوگ مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم لوگ اس کی تکذیب کی سزا پانے کے لئے تیار رہو۔ اور یہ جان لو کہ میں تمہارے جرائم سے یکسر بری ہوں۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو خبر دے دی کہ جو لوگ اب تک ایمان لائے ہیں، ان کے علاوہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ حسن بصری کا قول ہے کہ جب اللہ نے نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دے دی تو وہ ان کے ایمان لانے سے ناامید

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الْذِّمِينَ ظَلَمُوا ۗ إِنَّهُمْ مُخْرَقُونَ ۗ وَيَصْنَعِ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِمْ بَلَاءٌ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۗ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۗ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ۗ حَتَّى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ

اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی (۲۶) بنائیے، اور ظالموں کی نجات کے سلسلے میں ہم سے بات نہ کیجئے وہ بلاشبہ ڈبو دیئے جائیں گے ﴿۳۷﴾ نوح کشتی بناتے تھے، اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران ان کے پاس سے گذرتے تو ان کا مذاق (۲۷) اڑاتے، نوح نے کہا، اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم یقیناً تمہارا مذاق اڑائیں گے، جیسا کہ تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو ﴿۳۸﴾ تم عنقریب ہی جان لو گے کہ کس پر ایسا عذاب نازل ہوگا جو اسے ذلیل و رسوا کر دے گا، اور کس پر ایک دائمی عذاب مسلط ہو جائے گا ﴿۳۹﴾ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور اہل پڑا، تو ہم نے کہا کہ آپ کشتی میں ہر جانور کا ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ) ڈال لیجئے (۳۸) اور اپنے گھر والوں کو، سوائے ان کے جن کے ڈبو دیئے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور مومنوں کو سوار کر لیجئے، اور بہت تھوڑے لوگ ان پر ایمان لائے تھے ﴿۴۰﴾

ہو گئے اور ان کے حق میں بددعا کر دی کہ اے اللہ اب کسی کافر کو زمین پر نہ رہنے دے۔

(۲۶) جب عذاب کا آنا یقین ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور اس کی تعلیم دی، تاکہ وہ اور ان کے ماننے والے مسلمان طوفان سے بچ سکیں، اور کافروں کی نجات کے لئے شفاعت کرنے سے منع فرمادیا، اس لئے کہ ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا کہ انہیں طوفان کی نذر ہو جاتا ہے۔

صاحب ”فتح البیان“ کہتے ہیں کہ ”اعین“ عین کی جمع تعظیم اور مبالغہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے، نہ کہ کثرت کے لئے۔ اور عین یعنی آنکھ بھی اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے ہیں، لیکن اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۲۷) نوح علیہ السلام کو کشتی بناتے دیکھ کر کفار کہنے لگے کہ نبی ہونے کے بعد اب بڑھتی ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ یہ کام وہ پانی سے بہت دور ایک میدان میں سخت گرمی کے زمانے میں کرتے تھے۔ اسی لئے کافروں نے ان سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے پہلے سے کشتی نہیں دیکھی تھی، تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمیں لے کر پانی پر چلے گی، تو وہ ہنسے اور مذاق اڑانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آج تم میرا مذاق اڑا رہے ہو تو اڑالو، کل طوفان میں تمہارے ڈوبنے کا نظارہ ہم سب مسلمان کریں گے۔ آیت (۳۹) میں کہا کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں رسوا کن عذاب اور آخرت میں دائمی عذاب نارا کون مستحق ہے۔

(۲۸) جب قوم نوح کی ہلاکت کا حکم آ گیا، اور پانی پوری شدت کے ساتھ اٹنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر پائے جانے والے تمام جانوروں اور چڑیوں وغیرہ کے جوڑے کشتی میں رکھ لیں، اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ اپنے صرف ان رشتہ داروں کو سوار کر لیں جو ان پر ایمان لائے ہیں، قوادہ اور ابن جریر کے قول کے مطابق ان کی تعداد آٹھ تھی، نوح، ان کی

وَقَالَ اذْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ حَجْرَتًا لَّيْسَ لَهَا سَمٌ وَلَا حِجَابٌ ۗ اِنَّ رَبِّي لَعَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهَمِّ فِى مَوْجٍ كَالْجِبَالِ
وَكَادَى نُوْحٌ اِنْهَكَ وَكَانَ فِى مَعْرَلٍ يُّبْئِى اِذْ كَبَّ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاوِىْ اِلَى جَبَلٍ
يَّعِصُمْنِى مِنَ الْمَاءِ ۗ قَالَ لَا عٰصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۗ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ
الْمُعْرِضِيْنَ ۝ وَقِيلَ يَا رَجُلُ اِنَّا نَبِئُكَ اِنَّكَ لَمِنَ الْاٰمِرِيْنَ ۗ وَقَضِىَ الْاَمْرُ وَاَسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ
وَقِيلَ بَعْدَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

۱۱

اور نوح نے کہا کہ تم لوگ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ (۲۹) اس کا چلنا اور رکننا اللہ کے نام سے ہے، بے شک میرا رب بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾ وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑوں کے مانند موج میں چلنے لگی، اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی (۳۰) جو کشتی سے الگ کھڑا تھا، اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہ جاؤ ﴿۳۲﴾ اس نے کہا کہ میں کسی پہاڑ پر پناہ (۳۱) لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا، نوح نے کہا، آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، سوائے اس ذات پاک کے جو رحم کرنے والا ہے، اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی، پس وہ ان لوگوں میں جا ملا جنہیں ڈبو دیا گیا ﴿۳۳﴾ اور کہا گیا کہ اے زمین! تو اپنا پانی پی جا (۳۲) اور اے آسمان! تو بارش برسنا بند کر دے، اور پانی خشک ہو گیا، اور اللہ کا حکم پورا ہو چکا، اور کشتی جو دی پہاڑ پر رک گئی، اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری لکھ دی گئی ﴿۳۳﴾

بیوی، ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں۔ ان کا بیٹا کنعان اور ان کی بیوی اُم کنعان مومن نہیں تھے، اسی لئے ان کے ساتھ کشتی پر سوار نہیں ہوئے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی (۸۰) تھی۔ ان میں نوح کے بیٹے سام، حام، یافث اور ان تینوں کی بیویاں تھیں۔ انہی مسلمانوں میں سے ایک شخص بجر ہم بھی تھا، جس کے نام سے قبیلہ جرہم مشہور ہوا جو ہاجرہ اور اسماعیل کے بعد مکہ مکرمہ میں آکر آباد ہو گیا تھا۔

(۲۹) نوح علیہ السلام نے جب طوفان کو اٹھتے دیکھا تو اپنے مسلمان ساتھیوں سے کہا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ، یہ اللہ کے نام سے چلے گی اور اسی کے نام سے اس کی مرضی کے مطابق رُکے گی، بے شک میرا رب مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، وہ ہمیں ضرور اس طوفان سے نجات دے گا۔

علماء نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کشتی یا جانور پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ کہنے کو مستحب کہا ہے۔ نبی کریم

ﷺ کی سنت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۰) جب نوح اور ان کے مسلمان ساتھی بسم اللہ کہہ کر سوار ہو گئے، تو کشتی پہاڑوں کے مانند اونچے موجوں کے درمیان چلنے لگی۔ اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو کافر ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا، کہ اے میرے بیٹے! اب بھی موقع ہے کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دو۔

(۳۱) اس نے جواب دیا کہ میں کسی پہاڑ پر جا کر پناہ لے لوں گا اور ڈوبنے سے بچ جاؤں گا، تو نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے صرف وہی بچ سکے گا جس پر اللہ اپنا رحم و کرم فرمائے گا، اور اس کا رحم آج صرف مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ باپ بیٹے

وَنَادَى نُوحٌ زُرَّتْكَ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِي مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّكَ سَعِيْ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰ نُوحُ اِنَّكَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۙ اِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرُ صٰلِحٍ ۙ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۙ اِنِّيْ اَعْطٰكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ وَاَلَا تَعْفٰوُنِيْ وَتَرْحَمُنِيْ اِنْ كُنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا (۳۳) اور کہا، اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بے شک تیرا وعدہ برحق ہوتا ہے، اور تو سب سے بڑا حاکم ہے (۳۵) اللہ نے کہا، اے نوح! وہ آپ کے گھر والوں (۳۴) میں سے نہیں ہے، وہ تو مجسم عمل غیر صالح ہے، پس آپ ایسا سوال نہ کیجئے جس کا آپ کو کوئی علم نہ ہو، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے (۳۶) نوح نے کہا، میرے رب! میں تیرے ذریعہ اس بات سے پناہ مانگتا (۳۵) ہوں کہ تجھ سے کوئی ایسا سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں۔ اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا، اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں گھانا اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا (۳۷)

کے درمیان اس گفتگو کے بعد ایک بڑی ہیبت ناک موج اٹھی جس نے کنعان کو اپنی پیٹ میں لے لیا اور ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ (۳۲) جب تمام اہل زمین ڈوب گئے، اور کوئی کافر زندہ نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ چوہاں اوپر ابل آیا تھا اُسے فوراً پی جائے، اور آسمان کو حکم دیا کہ بارش برساتا روک دے، چنانچہ پانی خشک ہو گیا اور اللہ کا فیصلہ پورا ہو گیا، جس کو چھانا چاہا بچا دیا، اور جسے ہلاک کرنا چاہا ہلاک کر دیا۔ جب پانی کم ہونے لگا، اور پہاڑوں کی چوٹیاں ظاہر ہونے لگیں تو کشتی جو دی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی، جو موصل شہر کے قریب واقع ہے۔ اور اللہ کی جانب سے اعلان ہو گیا کہ اب ظالموں سے زمین پاک ہو گئی (خس کم جہاں پاک) عبد الرحمن بن خلدون نے لکھا ہے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ طوفان کی وجہ سے زمین پر رہنے والے سبھی لوگ ہلاک ہو گئے تھے، اور جو مسلمان نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، ان کی بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ صرف نوح کے تینوں بیٹوں سے نسل چلی، اسی لئے نوح علیہ السلام آدم ثانی کہلائے۔ مقررہ نے اپنی کتاب ”الخطط“ میں بھی تمام اہل ادیان کا اسی پر اتفاق نقل کیا ہے۔

(۳۳) نوح علیہ السلام نے شفقت پداری سے متاثر ہو کر اپنے رب سے دعا کی، اور کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور تیرا وعدہ برحق ہے، تو نے کہا کہ اپنے گھر والوں کو بھی کشتی پر سوار کر لو تاکہ سب طوفان سے بچ جائیں، تو آج تو اسے توفیق دے دے کہ ایمان لے آئے اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے پھر نوح کو اپنا حتمی فیصلہ بتا دیا کہ اے نوح! وہ ایمان نہیں لائے گا، اس لئے کہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، آپ کے گھر والے تو دین و شریعت کے پابند اور اہل صلاح ہیں اور وہ صالح نہیں ہے، اس لئے وہ طوفان سے نہیں بچے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ جس مقصد کے پورے طور پر صائب ہونے کا آپ کو علم نہ ہو اس کا اللہ سے سوال نہ کیجئے، اس لئے کہ ایسا کرنا نادانوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ علماء نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس بات کے مطابق شرع ہونے کا آدمی کو علم نہ ہو اس کی دعا نہیں کرنی چاہئے۔

(۳۵) جب نوح علیہ السلام کو اس بات کا علم ہو گیا کہ اللہ سے ان کا سوال شریعت کے مطابق نہیں تھا، اور یہ محض ان کا وہم تھا کہ

قِيلَ يٰ نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ اٰمِمْ قَوْمِكَ مِنْ مَعَكَ وَاْمُرْ سَمْعِيَةَ بِهَا وَمُرَّهَا بِمَا عَلَيْهَا مِنْ اٰثِمٍ مِمَّنْ لَمْ يَلِدْ عَلَيْهَا وَاِنَّهَا كَافِرَةٌ مِّنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۶ تٰلٰكُ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ الْعٰقِبَةِ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۷ وَاٰلِ عَادِ اِخٰنًا هُمْ مُّؤَدَاۗءُ ۚ قَالَ يٰ قَوْمِ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۳۸ يٰ قَوْمِ لَا اَنْتُمْ لَكُمْ عَلَيْهِ اَجْرٌ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰى الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۹

کہا گیا، اے نوح! اب آپ ہماری جانب سے سلامتی کے ساتھ کشتی سے نیچے اتر آئیے (۳۶) اور آپ پر اور آپ کے ساتھ جو مومنین ہیں، ان میں سے کچھ کی نسل سے پیدا ہونے والی جماعتوں پر ہماری برکتیں نازل ہوں گی، اور کچھ قوموں کو ہم دنیا میں آرام و آسائش دیں گے، پھر آخرت میں ہمارا دردناک عذاب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا ﴿۳۸﴾ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو ہم آپ کو بذریعہ وحی (۳۷) بتا رہے ہیں، آپ اور آپ کی قوم اس سے پہلے ان خبروں کو نہیں جانتی تھی، پس آپ (دعوت الی اللہ کی راہ میں) صبر سے کام لیجئے، آخر کار اچھا انجام متقیوں کے لئے ہے ﴿۳۹﴾ اور ہم نے ہود (۳۸) کو ان کے بھائی قوم عاد کے پاس رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تم لوگ اللہ پر صرف افترا پردازی کرتے ہو ﴿۵۰﴾ اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے دعوت و تبلیغ پر کوئی معاوضہ (۳۹) نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر و ثواب تو وہ اللہ دے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے ﴿۵۱﴾

ممکن ہے کہ عان مسلمان بن کر کشتی پر سوار ہو جائے گا، تو اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اللہ سے مغفرت و رحمت طلب کی۔

(۳۶) جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ سلامتی کے ساتھ کشتی سے زمین پر اتر جائیے، آپ پر اور آپ کے کچھ ساتھی مسلمانوں پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا سایہ رہے گا۔ اور ان میں سے کچھ کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آگے چل کر کفر کی راہ اختیار کر لیں گے، اور ان کا مصلحتاً مقصود دنیا کا عیش و آرام ہو جائے گا، تو ہم انہیں اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے، لیکن انجام کار انہیں دردناک عذاب سے دوچار کر دیں گے۔

(۳۷) اس آیت کریمہ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات کی خبر آپ کو اور آپ کی قوم کو بالکل نہیں تھی۔ یہ ساری تفصیلات آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہیں، اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچے اس پر نوح علیہ السلام کی طرح صبر سے کام لیجئے، اور اس یقین کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کئے جائیے کہ دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں نعمت ابدی ہم اپنے انہی بندوں کو دیں گے جو تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے۔

(۳۸) یہاں سے اللہ کے دوسرے نبی ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہدایت کے لئے ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا تھا، جو انہی میں سے تھے۔ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا واقعہ سورۃ الاعراف آیات (۶۵) سے (۷۵) تک تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ ہود علیہ السلام نے ان سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور تم جو اسے چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو تو یہ بہت بڑی افترا پردازی ہے، اس

وَيَقُومُ اسْتَغْفِرُ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ تَوْبَةِ الْإِنبِيَاءِ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا جُنُودَكُمْ ۗ
 قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِ هَيْثَانَ عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ بِكَ بِمُؤْمِنِينَ ۗ إِنَّ تَقْوَلُ إِلَّا اغْتِرَالِكُ
 بَعْضُ الْهَيْثَانِ سُبُوهُ قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهُ وَالسَّمْعُ وَالْأَبْنَى بَرِيٌّ مِمَّنَّا تُشْرِكُونَ ۗ

اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے رب سے مغفرت (۳۰) طلب کرو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو، وہ تمہارے لئے خوب بارش برسائے گا، اور تمہیں مزید قوت دے گا، اور اللہ کی نگاہ میں مجرم بن کر اس کے دین سے روگردانی نہ کرو ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا، اے ہود! تم نے ہمارے سامنے کوئی کھلی نشانی (۳۱) نہیں پیش کی ہے، اور ہم اپنے معبودوں کو صرف تمہاری بات میں آکر نہیں چھوڑ سکتے ہیں، اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں ﴿۵۳﴾ ہم تو بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں کسی بیماری (۳۲) میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہود نے کہا، میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے شرکاء سے قطعاً بری ہوں ﴿۵۴﴾

لئے کہ اللہ نے تمہیں کبھی نہیں کہا کہ اس کے بجائے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرو۔ (۳۹) اور اے میری قوم کے لوگو! اس دعوت و تبلیغ کے کام پر میں تم سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتا ہوں کہ تمہیں شبہ ہو کہ میں کسی دنیاوی غرض کی خاطر تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں، میرا اجر تو وہ اللہ دے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تمہیں اتنی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ میری بے لوث دعوت، میری صداقت کی دلیل ہے۔

(۴۰) دعوت توحید کے بعد ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کے حضور توبہ و استغفار کی دعوت دی، اور کہا کہ اگر تم لوگ شرک سے توبہ کر لو گے اور اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو وہ تمہارے کھیتوں اور باغات کے لئے خوب بارش برسائے گا، اور مال و اولاد کے ذریعہ تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا۔ یہ لوگ کھیتوں اور باغات والے تھے اور بڑی زبردست جسمانی قوت کے مالک تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ باراں اور زیادتی قوت کا وعدہ کر کے ایمان کی ترغیب دلائی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو اگر تم لوگ میری دعوت سے اعراض کرو گے اور اپنے کفر پر اصرار کرو گے تو اللہ کی نگاہ میں تم بڑے مجرمین میں سے ہو جاؤ گے۔

(۴۱) لیکن انہوں نے کبر و عناد کی وجہ سے تمام دلائل و براہین کا یکسر انکار کر دیا اور دانستہ جھوٹ بولنے ہوئے کہا کہ اے ہود! چونکہ تم اپنی صداقت پر اب تک کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے، اس لئے ہم صرف تمہاری باتوں میں آکر اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں اور تم پر ایمان نہیں لاسکتے ہیں۔

(۴۲) انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تم جو ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کرتے رہتے ہو، اسی لئے ہمارے کسی معبود نے تمہیں جنون میں مبتلا کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ ہود علیہ السلام نے انہیں ایسا جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کافروں کی باتوں کی کوئی پردہ نہیں کی اور کہا کہ ان کا اعتماد صرف اللہ پر ہے، وہی ان کی حفاظت کرے گا، اور وہ سب مل کر بھی ان کا بال بیکانہ کر سکیں گے۔ اس کے بعد کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے شرک سے بالکل بری ہوں، اب تم لوگ اپنی پوری طاقت لگا دو اور میرے خلاف جو سازش کرنا چاہو کرو، اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُ وُنِي جَمِيعًا لَمْ لَا تُنظِرُونَ ۝ اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اخَذَ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ اِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسَلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا اِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُ اَمْرُنَا ابْتِغَيْنَا هُوْدًا وَاٰلِ ذِي الْقُرْبٰنِ اَمْنًا مَّعَهُ بِرَحْمَتِنَا ۝ وَكَيْفَ نُنزِلُ مِنَ عَدٰٓءِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَتِلْكَ اَعَاذُ لِحَدِّ وَاٰلِ اٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصُوْا رُسُلَهُ وَاَتَّبِعُوْا اَمْرًا كَثِيْرًا ۝

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو تم سب مل کر میرے خلاف سازش کر لو، پھر مجھے مہلت بھی نہ دو ﴿۵۵﴾ میں نے اس اللہ پر بھروسہ ﴿۳۳﴾ کیا ہے جو میرا اور تم سب کا رب ہے، کوئی بھی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی چوٹی اللہ نے نہ پکڑ رکھی ہو، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے ﴿۵۶﴾ پس اگر تم اس کے دین سے روگردانی کرتے ہو تو (جان لو کہ) میں جو پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا ﴿۳۴﴾ ہے، اور میرا رب تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو تمہاری جگہ لائے گا، اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ﴿۵۷﴾ اور جب ہمارا حکم ﴿۳۵﴾ (عذاب) آ گیا، تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود اور ان کے مومن ساتھیوں کو نجات دے دی، اور ہم نے انہیں ایک بہت ہی سخت عذاب سے نجات دی ﴿۵۸﴾ اور یہ قوم عاد ﴿۳۶﴾ کے لوگ تھے، انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کر دیا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اور ہر سرکش و نافرمان کے حکم کی اتباع کی ﴿۵۹﴾

﴿۳۳﴾ انہوں نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا کہ میں نے تو اس اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، اس لئے تم مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکو گے۔ زمین پر پائے جانے والے ہر ذی روح کا وہی مالک ہے، وہ ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے، جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ اور میرا رب اپنے ملک و سلطنت میں بڑے عدل و انصاف کے ساتھ تصرف کرتا ہے، اور میں نے اسی کی جناب میں پناہ لی ہے، اور وہ ظلم کو گوارا نہیں کرتا ہے، اور تم ظالم ہو، اس لئے وہ تمہیں مجھ پر غالب نہیں ہونے دے گا۔

﴿۳۴﴾ ہود علیہ السلام نے ان سے مزید کہا کہ میں نے تمہیں دعوتِ توحید پہنچا دی ہے، اس لئے اگر تم لوگوں نے اعراض سے کام لیا تو اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا، اور کسی دوسری قوم کو لائے گا جو تمہارے اراضی اور اموال کا مالک بن جائے گی، اور تمہارے کفر و عناد، یا تمہاری ہلاکت سے اللہ کی سلطنت و حکومت میں کوئی کمی نہیں آجائے گی، جو کچھ نقصان ہوگا تمہارا ہوگا۔ اور میرا رب تو ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے، کوئی چیز بھی اس کے احاطہ علم سے خارج نہیں ہے، اس لئے تمہارے سارے اعمال اس کی نگاہ میں ہیں، اور وہ تمہیں ان کی سزا ضرور دے گا۔

﴿۳۵﴾ چنانچہ اللہ کا عذاب ایک ایسی شدید اور خوفناک آندھی کی شکل میں آیا جس میں کوئی خیر نہیں تھی، اور جو سات رات اور آٹھ دن تک چلتی رہی، تمام کفار ہلاک ہو گئے، اور اللہ نے ہود اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو بچا لیا، اور قیامت کے دن انہیں عذابِ نار سے بھی نجات دے گا۔

﴿۳۶﴾ یہ لوگ قوم عاد کے نام سے جانے جاتے تھے، انہوں نے کفر باللہ کا ارتکاب کیا تھا، اور آفاق و انفس میں موجود ان نشانیوں کا انکار کر دیا تھا جو اللہ کی وحدانیت پر دلیل تھیں، اور مشرکانہ اعمال میں اپنے ان متکبر سرداروں کی پیروی کی تھی جو اللہ کے بندوں

وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعِدُ الْعَادُ قَوْمٌ هُودٍ ۖ وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ طَالِيسًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنْتُمْ مِمَّنْ الْأَرْضُ وَاسْتَعْرَضْتُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ تَوْبَةً آلِيهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ۖ قَالُوا يَصْطَرِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّ آبَاءَنَا لَمَّا كَانُوا إِلَهُؤُنَا يُرِيدُونَ ۖ

اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت (۴۷) لگا دی گئی (یعنی ان کے بعد آنے والے انبیاء نے ان پر لعنت بھیجی) اور آخرت کے دن بھی ان پر لعنت بھیجی جائے گی، آگاہ رہئے، کہ قوم عاد نے اپنے رب کا انکار کر دیا تھا، آگاہ رہئے کہ ہود کی قوم، عاد کے لئے رحمت سے دوری لکھ دی گئی ﴿۶۰﴾ اور ہم نے صالح (۴۸) کو ان کے بھائی ثمود کے پاس رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، اور اس میں تمہیں آباد کیا، تو تم اس سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو، بے شک میرا رب قریب ہے اور دعا قبول کرتا ہے ﴿۶۱﴾ انہوں نے کہا، اے صالح! اس سے پہلے ہم لوگ تم سے اچھی امیدیں (۴۹) وابستہ کئے ہوئے تھے، کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور ہم بے شک اس بات کی صداقت میں بہت بڑے شک میں مبتلا ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو ﴿۶۲﴾

کورسولوں کی تکذیب پر ابھارتے تھے۔

(۴۷) اور چونکہ انہوں نے اپنے متکبر و مغرور سرداروں کی پیروی میں کفر و شرک کی راہ اختیار کی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر اس دنیا میں لعنت بھیج دی، اور آخرت میں بھی دائمی لعنت کے طور پر جہنم کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ گویا لعنت اور اللہ کی رحمت سے دوری ان کے لئے ہر حال میں لازم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیج دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے دوبارہ فرمایا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لئے ہلاکت و بربادی کی بددعا بھیج دی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم عاد سے غایت درجہ غضبناک تھا، اور ان سے اس کی نفرت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

(۴۸) اس آیت کریمہ سے صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ یہ واقعہ سورۃ الأعراف میں آیات (۷۳) سے (۷۹) تک گزر چکا ہے۔ یہ لوگ مدائن حجر میں رہتے تھے جو تبوک اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع تھا۔ صالح علیہ السلام ہود علیہ السلام کے سوسال کے بعد مبعوث ہوئے تھے، اور دو سو اسی (۲۸۰) سال زندگی پائی تھی۔ ہود علیہ السلام کی طرح انہوں نے بھی اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو جس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، جس نے تم سب کو مٹی سے پیدا کیا ہے (آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور جو قطرہ منی انسان کی پیدائش کا ذریعہ ہے، اس کے اجزائے ترکیبی میں مٹی ہی بنیادی عنصر ہے) اور تمہیں زمین میں آباد کیا، اور اسے آباد رکھنے کی تمہارے اندر صلاحیت و ودیعت کی، اس لئے تم لوگ شرک سے توبہ کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو، اللہ بڑا ہی قریب ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

قَالَ يَقُولُونَ إِنَّمَا كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتَةٍ مِّن رَّبِّي وَاسْتَوَىٰ مِنِّي رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن عَصَيْتُهُ تَدْفَعُنَا
 تَزِيدُ وَنُبْنِي غَيْرَ تَحْسِيرٍ ۖ وَيَقُولُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ كَرِهَتْ لَكُمْ آبَهُ فَذَرْوَهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسْتَوْسُوا سَوَاءً
 فَمَا لَكُمْ لِمَ عَذَابِ قَرِينِكُمْ ۖ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ كَسَبْتُمْ ذُنُوبَكُمْ فَمَا كَسَبَتْ قَرِينُكُمْ فَذَرْوَهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسْتَوْسُوا سَوَاءً ۖ

صالح نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک صاف اور روشن راہ (۵۰) پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب خاص سے نبوت جیسی رحمت عطا کی ہے، تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کی گرفت سے بچنے کے لئے میری کون مدد کرے گا، تم لوگ سوائے خسارہ کے مجھے کچھ بھی نہیں دو گے ﴿۶۳﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! یہ اللہ کی اونٹنی (۵۱) ہے جو تمہارے لئے بطور نشانی بھیجی گئی ہے، تم اسے چھوڑ دو، یہ اللہ کی زمین میں جہاں سے چاہے گی کھائے گی، اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ، ورنہ تمہیں ایک فوری عذاب پکڑ لے گا ﴿۶۴﴾ تو انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ کر اسے ہلاک (۵۲) کر دیا، تب صالح نے کہا کہ تم لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں آرام سے رہو، یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے ﴿۶۵﴾

(۳۹) صالح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو ان لوگوں نے رد کرتے ہوئے کہا کہ اے صالح! بچپن سے تمہارے عادات و اطوار کو دیکھ کر ہم نے امید لگا رکھی تھی کہ تم ہمارے سردار بنو گے اور ہمیں تم سے فائدہ پہنچے گا، اپنے انفرادی و اجتماعی امور میں تم سے مشورے لیا کریں گے، لیکن تمہاری باتیں سن کر ہماری امیدوں پر پانی پڑ گیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ تمہارے اندر کوئی خیر نہیں ہے، جیسی تو تم ہمیں ان مجبوروں کی عبادت سے روکتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں۔ تم جس توحید کی دعوت ہمیں دے رہے ہو اس کی صداقت کے بارے میں ہمارے دلوں میں بڑا قوی شک و شبہ پایا جاتا ہے۔

(۵۰) صالح علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں اپنے رب کی جانب سے نازل کئے گئے دین حق پر قائم ہوں، اور اس نے مجھے نبوت سے نوازا ہے۔ اب ذرا بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہیں خوش کرنے کے لئے اس کی نافرمانی کروں، تو مجھے اس کے عذاب سے کون بچائے گا؟ تم جو میری ہمت پست بنا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ دعوت کا کام چھوڑ دوں، تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ میں خائب و خاسر ہو جاؤں گا اور اللہ کے عقاب کا مستحق ہو جاؤں گا۔

(۵۱) اس آیت کی تفسیر سورۃ الأعراف آیت (۷۳) میں گذر چکی ہے۔ صالح علیہ السلام نے جب انہیں دعوتِ توحید دی، تو انہوں نے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہو تو اللہ سے کہو کہ بطور نشانی اس پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال دے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی۔ تب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ نے بطور معجزہ تمہارے مطالبہ کے مطابق اونٹنی بھیج دی ہے، تم لوگ اسے نہ چھیڑو، یہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے گی جائے گی، کھائے گی، پیئے گی، کوئی اسے نہ چھیڑے اور نہ تکلیف پہنچائے، ورنہ تم پر بہت جلد اللہ کا عذاب آجائے گا۔

(۵۲) لیکن ان بد بختوں نے ان کی ایک نسنی، اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا، اور ان کی سرکشی انہما کو پہنچ گئی، تو صالح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان سے کہا کہ اب تم لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں رہ کر اپنے انجام کا انتظار کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا قہر اور جہنم فیصلہ ہے۔ انہوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تھا، اس کے بعد (جمعرات، جمعہ اور ہفت) تین دن تک زندہ رہے، اتوار کے دن

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ آلَافًا مِّنْ أَسْمَاءٍ كَمَا جَعَلْنَا لِكُلِّ قَوْمٍ لُّغَةً وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَمْتُوا بِهَا وَكُفَرُوا بِهَا لَوْلَا ذِكْرُ اللَّهِ لَفَاسَتْ أُمَّةٌ لَّكُلِّ قَوْمٍ لُّغَةٌ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَمْتُوا بِهَا وَكُفَرُوا بِهَا لَوْلَا ذِكْرُ اللَّهِ لَفَاسَتْ أُمَّةٌ لَّكُلِّ قَوْمٍ لُّغَةٌ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَمْتُوا بِهَا وَكُفَرُوا بِهَا لَوْلَا ذِكْرُ اللَّهِ لَفَاسَتْ أُمَّةٌ لَّكُلِّ قَوْمٍ لُّغَةٌ ۝

پس جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا، تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح اور ان کے مومن ساتھیوں کو نجات (۵۳) دے دی، اور اس دن کی ذلت سے بچالیا، بے شک آپ کا رب ہی حقیقی قوت والا، بڑا زبردست ہے ﴿۶۶﴾ اور ظالموں کو ایک چیخ (۵۴) نے پکڑ لیا، چنانچہ وہ سب اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر اس طرح ہلاک ہو گئے ﴿۶۷﴾ کہ گویا وہ ان گھروں میں کبھی تھے ہی نہیں (۵۵) آگاہ رہے، کہ قوم ثمود نے اپنے رب کا انکار کر دیا تھا، آگاہ رہے کہ قوم ثمود کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری لکھ دی گئی ﴿۶۸﴾ اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری (۵۶) لے کر آئے انہوں نے کہا، سلام علیکم۔ ابراہیم نے کہا سلام علیکم، پھر جلد ہی ایک بھنا ہوا مچھڑالے کر آئے ﴿۶۹﴾ پس جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف کھانے کے لئے نہیں بڑھ رہے ہیں، تو انہیں پسند نہیں کیا، اور ان سے دل میں ڈرنے (۵۷) لگے، انہوں نے کہا، آپ ڈریئے نہیں، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۷۰﴾

صبح کے وقت اللہ کا عذاب ان پر نازل ہو گیا۔

(۵۳) اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو اس عذاب سے بچالیا۔

(۵۴) وہ ہیبت ناک اور خطرناک چیخ تھی جو آسمان سے آئی تھی، جس کی شدت تاثیر سے تمام کافروں کے جسموں پر کچپی طاری ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سبھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔

(۵۵) اور ان کی بستیاں ایسی ویران و سنان ہو گئیں کہ جیسے پہلے سے وہاں کوئی رہتا ہی نہیں تھا۔ اور ان کے ساتھ ایسا اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لئے لعنت و بربادی مسلط کر دی۔ یہ آیت خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم عاد کی طرح، قوم ثمود سے بھی غایت درجہ غضبناک تھا، اور ان سے اس کی نفرت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

(۵۶) اس آیت کریمہ سے لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجا تھے۔ قوم لوط کی بستیاں شام کے علاقے میں تھیں، اور ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا تھا وہاں جانے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے، تاکہ انہیں بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب کی خوشخبری دیں۔ یہ فرشتے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی تعداد نو تھی، اور بعض کا خیال ہے کہ ان کی تعداد گیارہ تھی، انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے اپنے کلام کا آغاز سلام سے کیا یعنی سلام علیکم کہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا بہتر جواب دیا، اور انہیں مہمان سمجھ کر بہت خوش ہوئے، اور کھانے کے لئے پھڑے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔

(۵۷) لیکن جب دیکھا کہ وہ کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں، تو دل میں ان کے بارے میں شبہ ہونے لگا اور کسی انجام

وَأَمَّا أَنْ قَالَتْ فَذَبْحْتِكُمْ فَبَشَّرْنَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۗ قَالَتْ يُونُكُنِي إِذْ أُنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجِيبٌ ۗ قَالُوا الْعَجِبِينَ ۗ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبُرُكَّتْ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْبَيْتِ ۗ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝

اور ان کی بیوی کھڑی تھی (۵۸) وہ ہنسنے لگی، پس ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری دی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی ﴿۵۷﴾ کہنے لگی، ہائے رسوائی! کیا میں بچہ پیدا کروں گی، حالانکہ میں بوڑھی (۵۹) ہوں، اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہوگی ﴿۵۲﴾ فرشتوں نے کہا، کیا تم اللہ کے فیصلے پر تعجب (۶۰) کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم اہل بیت کے لئے ہیں، وہ بے شک لائق حمد و ثنا، بزرگی والا ہے ﴿۴۳﴾

خطرے کی آمد سے ڈر گئے، اس لئے کہ اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ مہمان جب کسی برائی کی نیت سے آتا تو میزبان کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ تب ان فرشتوں نے کہا کہ اے ابراہیم! آپ نہ ڈریے، ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

(۵۸) ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی، دونوں ہی مہمان کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ ابراہیم بیٹھے تھے، اور سارہ کھڑی تھیں۔ کھانے کی چیزیں مہمانوں کے سامنے لا کر رکھ رہی تھیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہم نے تو مہمان کی خاطر اتنا سب کچھ کیا ہے، اور یہ کیسے مہمان ہیں کہ ہمارا کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو وہ بھی ڈر گئیں، لیکن جب انہوں نے اپنی حقیقت بتادی، تو ان کے دل سے بھی خوف جاتا رہا، اور خوشی اور حیرت کی وجہ سے ہنس پڑیں، کہ جنہیں وہ انسان سمجھ رہی تھیں وہ فرشتے نکلے، اور خوش ہوئیں کہ یہ لوگ کسی شرکی نیت سے ان کے پاس نہیں آئے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اس خبر پر خوش ہوئیں کہ یہ لوگ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں جن کا شر و فساد انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ جب ابراہیم اور ان کی بیوی سارہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اللہ کے فرشتے ہیں، تب اللہ نے ان فرشتوں کے ذریعہ سارہ علیہا السلام کو اسحاق کی اور اسحاق کے بیٹے یعقوب کی خوشخبری دی۔

(۵۹) اس وقت سارہ کی عمر نوے سال تھی۔ اور ایک قول کے مطابق ننانوے سال تھی۔ اور ابراہیم علیہ السلام ایک سو، یا ایک سو بیس سال کے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے اسماعیل عطا کیا تو سارہ نے تمنا کی، کاش انہیں بھی بیٹا ہوتا، لیکن اپنی کبر سنی کی وجہ سے ناامید تھیں، اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی، اور انہیں بیٹے کی خوشخبری دی، تو سارہ نے غایت تعجب کی وجہ سے ان فرشتوں سے کہا کہ مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، میں تو نوے سال کی بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہوگی کہ بوڑھے اور بوڑھی کے ملاپ سے لڑکا پیدا ہو!

(۶۰) فرشتوں نے سارہ کی حیرت و استعجاب دیکھ کر کہا کہ تم تو نبی کی بیوی ہو، تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو پھر یہ تعجب کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ اور یہی حکم ہے۔ تم لوگ نبی کے گھرانے والے ہو، تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور اللہ تو ہمیشہ اپنے بندوں پر نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ اس کی تعریف بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں، اور وہ ہمیشہ ہی اپنے بندوں پر احسان کرتا رہتا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۗ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَكَلِيمٌ ۗ أَوَلَمْ يَكُن مِّنْ قَبْلِهِمُ آيَاتُ مِنَّا وَلَكِن أَعْرَضُوا عَنْهَا ۗ إِنَّهَا قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتُنَا بَدَلًا ۗ وَإِنَّهُمْ لِبِهِمُ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۗ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا إِلَيْهِمْ وَصَاقٍ بِهِمْ وَصَاقٍ بِهِمْ وَصَاقٍ بِهِمْ ۗ وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۗ وَجَاءَهُ قَوْلُهُ يُخَرِّعُونَ أَلْيَهُ وَمَنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۗ قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۗ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ زَكِيٌّ ۗ

پس جب ابراہیم کے دل سے ڈر (۶۱) نکل گیا، اور انہیں خوشخبری مل گئی، تو وہ قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگے ﴿۶۲﴾ بے شک ابراہیم بردبار درد مند اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے ﴿۶۵﴾ اے ابراہیم! آپ اس معاملہ میں نہ پڑیے (۶۳) آپ کے رب کا حکم اچکا، اور بے شک ان پر عذاب آکر رہے گا جسے روکا نہیں جاسکتا ﴿۶۶﴾ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے، تو وہ پریشان اور بے قرار (۶۳) ہو گئے، اور کہا کہ یہ تو بڑا مشکل دن ہے ﴿۶۷﴾ اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے (۶۳) اور وہ پہلے سے ہی برائیاں کرتے آرہے تھے، لوط نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں، پس تم اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کو چھیڑ کر مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی آدمی بھی سمجھدار نہیں ہے ﴿۶۸﴾

(۶۱) جب ابراہیم کے دل سے ڈر نکل گیا، اور انہیں بیٹے اور پوتے کی خوشخبری مل گئی، تو قوم لوط کی ہلاکت کے بارے میں فرشتوں سے کہنے لگے کہ وہاں لوط اور کچھ دیگر مسلمان بھی ہیں، ان کا کیا حال ہوگا۔ اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اسی بہانے اللہ قوم لوط سے عذاب کو نال دے، اس لئے کہ ابراہیم بڑے ہی بردبار اور بڑے ہی رحم دل تھے برا کرنے والوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتے تھے، اور ہر دم اللہ سے لو لگائے رہتے تھے۔

(۶۲) فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ اس موضوع پر کوئی بات نہ کیجئے۔ اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے، اور ان پر عذاب آکر رہے گا، کوئی دعا اور کوئی سفارش اسے نال نہیں سکتی ہے۔

بعض مفسرین نے مذکورہ بالا آیات کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ معلوم ہوا کہ اولاد زینہ اللہ کی نعمت ہے، اور اللہ کے نافرمانوں کا ہلاک ہونا بھی نعمت ہے، اور جب کسی کو کوئی خوشخبری ملے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اہم نے روایت کی ہے کہ فرشتے ابراہیم کے پاس اس وقت آئے جب وہ کھیت میں کام کر رہے تھے۔ کام سے فارغ ہوتے ہی اپنی کدال زمین پر رکھ دی اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اور سلام کرنا جائز ہے، اور اس کا بہتر جواب دینا سنت ابراہیمی ہے، اس لئے کہ ابراہیم نے جواب میں "سلام" کہا جو افضل جواب پر دلالت کرتا ہے، اور بیوی آدمی کے اہل بیت میں داخل ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ کی بیویاں (امہات المؤمنین) آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔

(۶۳) جب وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے، تو وہ خوبصورت کم عمر نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ لوط انہیں اس حال میں دیکھ کر پریشان خاطر ہوئے، اور دل میں سوچا کہ آج کا دن تو بڑا ہی مشکل دن ہے۔ میں ان مہمانوں کو بد معاشوں سے کیسے بچا سکوں گا!؟

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا لَنَا فِي بَيْتِكُمْ مِنْ حَقٍّ، وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بَيْتُكُمْ فُؤَادًا أَوْ أُوتِيَ إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۶۶﴾

انہوں نے کہا، تم جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں (۶۵) کی کوئی خواہش نہیں ہے، اور ہم جو چاہتے ہیں اس کا تمہیں خوب پتہ ہے ﴿۶۶﴾ لوط نے کہا کاش مجھے تمہیں سیدھا کرنے کے لئے طاقت (۶۶) ہوتی، یا تم سے نمٹنے کے لئے کوئی مضبوط سہارا مل جاتا ﴿۸۰﴾

(۶۳) قوم لوط کو ان خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع ملی، تو ان کے ساتھ لواطت کی نیت سے بہت ہی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے، اس لئے کہ پہلے سے ہی مردوں کے ساتھ بد فعلی کرنے ان کی خبیث عادت چلی آرہی تھی اور شرم و حیاء نام کی کوئی چیز ان کے اندر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ جب انہوں نے ان مہمانوں کی طرف دست درازی کرنی چاہی، تو لوط نے مہمانوں کا دفاع کرتے ہوئے، اور بد معاشوں کو خیر کی نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں یعنی قوم کی بچیاں موجود ہیں، تم لوگ ان سے شادی کر لو، دنیاوی اور اخروی ہر اعتبار سے یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ اور اچھی رہیں گی۔ دیکھو! اللہ سے ڈرو، اور زنا سے بھی خبیث لواطت کا ارتکاب کر کے اس کی نافرمانی نہ کرو، اور مہمانوں پر دست درازی کر کے مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو اس فعل قبیح سے باز آجائے، اور نیکی کی راہ اختیار کرے؟

(۶۵) ان بد بختوں نے لوط علیہ السلام کی نصیحت پر کوئی دھیان نہیں دیا، اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط! تم پہلے سے جانتے ہو کہ ہم عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے ہیں، تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں، ہمیں اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لئے وہ کم عمر خوبصورت لڑکے چاہئے جو تمہارے پاس موجود ہیں۔

(۶۶) جب لوط علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ وہ بد بخت ان کے مہمانوں پر ضرور دست درازی کریں گے تو کہا، کاش! مجھ میں قوت ہوتی یا میرے خاندان کے لوگ یہاں موجود ہوتے تو میں ضرور تمہیں مار بھگاتا، اور اپنے مہمانوں کی حفاظت کرتا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المسل والنحل" میں لکھا ہے: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جو صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اللہ لوط پر رحم کرے، وہ کسی قوی چیز کا سہارا ڈھونڈتے تھے" یہ لوط علیہ السلام پر رسول اللہ ﷺ کا اعتراض تھا، تو یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ لوط علیہ السلام نے خاندان یا مسلمان پیروکاروں کے ذریعہ فوری مدد چاہی تھی، تاکہ اپنی قوم کو فعل لواطت سے روک سکیں۔ ان کے دل و دماغ سے یہ بات ایک لمحہ کے لئے بھی غائب نہیں ہوئی تھی کہ اللہ کا سب سے قوی سہارا انہیں ہر حال میں حاصل ہے۔ اور لوط نے اگر لوگوں کا سہارا ڈھونڈھا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ کہ "اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دور نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا"۔ (البقرہ: ۲۵۱)۔ اور خود نبی کریم ﷺ نے انصار و مہاجرین سے مدد مانگی تھی تاکہ اللہ کا دین دوسروں تک پہنچا سکیں، تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوط علیہ السلام پر ایسے فعل کے بارے میں اعتراض کیا ہو جو انہوں نے خود کیا تھا؟ اس لئے حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوط علیہ السلام کے بارے میں خبر دی

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصْلَوْا إِلَيْكَ فَأَنْزِرْ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ الْبَيْلِ وَلَا يَلْبُثُونَ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَكْذِبُهُ
مُجِيبِيهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الضُّمُّ الضُّمُّ الْكَيْسُ الضُّمُّ يَقْرُبُ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّن سَبِيلٍ مِّنْضُورٍ ۝ مُسَوِّدَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝

فرشتوں نے کہا، اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرشتے (۶۷) ہیں، یہ آپ پر دست درازی نہیں کر سکتے ہیں، پس آپ اپنے گھروالوں کو لے کر جب رات کا کچھ حصہ باقی رہے، یہاں سے نکل جائیے، اور آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، مگر آپ کی بیوی کو وہ عذاب لاحق ہو کر رہے گا جو انہیں لاحق ہوگا، بے شک ان کے عذاب کا وقت صبح کا وقت ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے ﴿۸۱﴾ پس جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا، تو ہم نے اس بستی کا اوپری حصہ (۶۸) نیچے کر دیا، اور اس پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے کنکڑیے پتھر کی بارش کر دی ﴿۸۲﴾ جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے، اور وہ بستی مکہ کے ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہے ﴿۸۳﴾

ہے کہ انہیں اللہ کی جانب سے بھیجے گئے فرشتوں کا سہارا حاصل تھا، جس کی انہیں ابتدا میں خبر نہیں تھی۔

(۶۷) جب فرشتوں نے ان کی یہ درد بھری بات سنی اور دیکھا کہ ان کی قوم کے بد معاش لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں، اور وہ مہمانوں کا دفاع کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں، تو اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور کہا کہ اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرشتے ہیں، یہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، آپ آخری پہر رات میں جب لوگ خواب غفلت میں مبتلا ہوں اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیے، تاکہ کوئی کافر آپ لوگوں کو یہاں سے نکل جانے سے روک نہ سکے، اور جب ان پر عذاب نازل ہو رہا ہو اور آپ لوگ ان کی چیخ و پکار سنیں تو مڑ کر نہ دیکھئے، تاکہ کہیں اُس عذاب کا اثر آپ تک نہ پہنچ جائے، لیکن آپ کی بیوی پر وہ عذاب ضرور نازل ہوگا، اس لئے کہ وہ مومن نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صبح کے وقت روانہ ہونے والے مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی تھی، لیکن جب اس نے چیخ و پکار سنی تو مڑ کر دیکھنے لگی، اچانک آسمان سے ایک پتھر آیا اور اُسے ہلاک کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق لوط علیہ السلام کے پاس مہمانوں کی اطلاع بد معاشوں کو اسی نے دی تھی۔

(۶۸) جب عذاب کا وقت موعود آگیا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے اپنا پر قوم لوط کی پانچوں بستیوں کے نیچے داخل کر کے انہیں زمین کی سطح سے بہت ہی اوپر اٹھادیا، اور پھر انہیں اُلٹ کر زمین پر دے مارا، اُس کے بعد ان پر لگاتار پتھروں کی بارش کر دی، جن پر اللہ کی جانب سے ہر کافر کے نام لکھے تھے۔

مفسر مہابھی لکھتے ہیں کہ چونکہ ان کا عمل زانیوں کے عمل کے مشابہ تھا، اسی لئے ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بستیاں مکہ کے مشرکین سے کچھ زیادہ دور نہیں ہیں۔ جب وہ شام کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں، تو ان بستیوں کے بھولے بسرے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ کہیں انہیں بھی قوم لوط کی طرح اللہ کا عذاب پکڑ نہ لے۔ ان بستیوں کی جگہ اب کھارے پانی کا سمندر پایا جاتا ہے، جسے ”بحر میت“ کہتے ہیں، اس لئے کہ اس کا پانی کوئی جاندار نہیں پی سکتا ہے، اسے ”بحیرہ لوط“ بھی کہتے ہیں۔ اور اس کے آس پاس کی زمین نمبر ہے، جو کچھ بھی نہیں اگاتی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَاتَّبَعُوا أَمْرًا رَبِّي وَمَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَثْرَتُ ثَمَرِهِمْ وَلَا يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ يُعَذِّبُهُمْ وَقَدْ أَلْمَنُوا بِأَنزَالِ الْوَحْيِ عَلَيْهِمْ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ أَلَمْ يَكْفُرُوا بِاللَّهِ إِذْ قَالُوا هُوَ اللَّهُ فَذَكَرَ اللَّهُ لَهُمْ هَالِكًا ۚ وَمَا أَعْتَدُوا لَهُمْ عَذَابًا يُعَذِّبُهُمْ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُسْتَبِدِينَ ۗ بَقِيَّتُ اللَّهُ خَيْرًا لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۗ وَاللَّوَالِيَةُ شَعْبُ ۙ

اصْلُوْتِكُمْ تَأْمُرُكَ اَنْ تَكْتُرِكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُكَ اَوْ اَنْ تَفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ اِنَّكَ اَلَنْتَ الْعَلِيْمُ الرَّسِيْدُ ۝

اور ہم نے شعیب (۶۹) کو ان کے بھائی اہل مدین کے پاس رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، میں تمہیں خوشحال دیکھ رہا ہوں، اور بے شک میں تمہارے بارے میں ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو ہر چیز کو اپنے احاطے میں لے لے گا ﴿۸۳﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! تم عدل و انصاف کے ساتھ ناپ تول پورا کیا کرو ﴿۷۰﴾ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلانے والے بن کر نہ رہو ﴿۸۵﴾ اگر تم مومن ہو تو اللہ کا دیا جو حلال مال بچ جائے، وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ﴿۷۱﴾ ہے، اور میں تم لوگوں کا نگہبان نہیں ہوں ﴿۸۶﴾ انہوں نے کہا، اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں ﴿۷۲﴾ تمہیں حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، یا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں، بے شک تم تو بڑے ہی بُر دار اور سمجھدار ہو! ﴿۸۷﴾

(۶۹) اس آیت کریمہ سے شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم اہل مدین کے واقعہ کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ واقعہ سورۃ الأعراف میں آیات (۸۵) سے (۹۳) تک تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ شعیب علیہ السلام اپنے حسن خطابت کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہلاتے تھے۔ انہوں نے پہلے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، اس کے بعد ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا، جو کفر کے بعد ان کی دوسری بُری صفت تھی۔ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے تو بڑا پیمانہ اور بڑا سیر استعمال کرتے، اور جب کوئی چیز بیچتے تو چھوٹا پیمانہ اور چھوٹا سیر استعمال کرتے۔ پھر کہا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے گونا گوں نعمتوں سے نوازا رکھا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے یہ نعمتیں تم سے چھین جائیں، اور کوئی تمہیں اور دروناک عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے۔

(۷۰) پہلے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا، اب اسی کی تاکید کے طور پر کہا کہ جب لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے پورا ناپ اور تولو۔ اس کے بعد مزید تاکید کے طور پر کہا کہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہ کرو، چاہے وہ ناپ تول میں ہو یا کوئی اور معاملہ ہو، اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اور "فساد" میں ہر وہ عمل داخل ہے جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو (جیسے شرک باللہ کا ارتکاب کرنا، اور اس کی طرف غیروں کو بلانا، اور اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنا) یا بندوں کے حقوق پامال ہو رہے ہوں جیسے چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا اور ناپ تول میں کمی کرنا وغیرہ۔

(۷۱) آخر میں شعیب علیہ السلام نے انہیں نہایت مخلصانہ نصیحت کی کہ لوگوں کے حقوق عدل و انصاف کے ساتھ ادا کرنے کے بعد، تمہارے پاس اللہ کا دیا ہوا جو حلال مال بچ جائے، وہ اس مال سے زیادہ بابرکت ہے جو ناپ تول میں کمی، لوگوں کے حقوق مار کے، اور چوری اور ڈاکہ زنی کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد ان سے کہا کہ میں تو اللہ کے دین کا مبلغ ہوں، اپنی ذمہ داری

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتِكُمْ مِنْ شَرِّهِ وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَ كُمْ مَالًا مَا أَهْلَكُمْ عَنْهُ ۖ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۖ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ وَيَقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ ۖ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۖ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوا لَكُمْ ثُمَّ تُوَلُّوا إِلَيْهِ إِنْ رَبِّي رَحِيمٌ قَدُودٌ ۝

شعیب نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک صاف اور روشن راہ (۷۲) پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھی روزی دی ہے (تو کیا میں اسے چھوڑ دوں) اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تم کو روکتا ہوں اس کے الٹا کرنے لگوں، میں تو اپنی طاقت کی حد تک صرف اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں، اور مجھے توفیق دینے والا صرف اللہ ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ﴿۸۸﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! میری مخالفت (۷۳) میں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھو جس کی وجہ سے تم پر ویسی ہی مصیبت نازل ہو جائے جیسی قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر نازل ہوئی تھی، اور قوم لوط کا زمانہ اور ان کا علاقہ تم سے کچھ دور نہیں ہے ﴿۸۹﴾ اور اپنے رب سے مغفرت (۷۵) طلب کرو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو، بے شک میرا رب نہایت مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے ﴿۹۰﴾

پوری کر رہا ہوں۔ تم پر نگراں مقرر نہیں کیا گیا ہوں کہ تمہیں زبردستی برے اعمال سے روک دوں۔

(۷۲) شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے اور ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے، اسی لئے کافروں نے ان کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں تمہیں حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، یا اپنے مال کے بڑھاوے کے لئے جو کچھ ہم کرتے آئے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ تم تو خاندان اور قوم میں بہت ہی سوجھ بوجھ والے سمجھے جاتے تھے، پھر یہ ہنسی ہنسی باتیں کیوں کرتے ہو؟!

(۷۳) شعیب علیہ السلام نے ان کے کفر و عناد اور استہزا کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ لوگو! اللہ نے مجھے علم و نبوت کی نعمت سے نوازا ہے، اور میری حلال روزی میں خوب وسعت عطا فرمائی ہے، تو کیا میرے لئے یہ مناسب ہے کہ صرف تمہیں خوش رکھنے کے لئے اللہ کی وحی میں خیانت کروں، لوگوں کو شرک و ظلم سے روکنا اور اصلاحِ نفس کی دعوت دینا چھوڑ دوں؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تمہیں روکتا ہوں وہی کام میں خود کروں، تمہیں توبتوں کی عبادت سے منع کروں اور خود اس پر عمل نہ کروں۔ اور میں نے جو تمہیں خیر کے کام کرنے کی دعوت دی ہے، اور برائی سے روکا ہے، تو میرا مقصود تمہاری اصلاح ہے۔ اور مجھے ہر خیر کی توفیق دینے والا اللہ ہے، میرا اعتماد صرف اسی پر ہے اور خوشی اور غم ہر حال میں میرا جلا دوائی صرف وہی ہے۔

(۷۴) انہیں کفر و عناد سے ڈراتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میری دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے اپنے کفر و فساد انگیزی پر اصرار نہ کرو، ورنہ تم پر بھی اللہ کا عذاب اسی طرح نازل ہو جائے گا، جس طرح قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط پر تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے۔ اور قوم لوط کا زمانہ اور ان کا علاقہ تم سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا جو عذاب آیا وہ تمہیں معلوم ہے، اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے کفر و عناد پر اصرار کیا اور لوط علیہ السلام کی بات کو ٹھکرادیا تھا۔

قَالُوا يَشْعِبُ مَا نَفَقَهُ لَيْدِي أَمِنَّا تَقُولُ وَإِنَّكَ لَمِنَّا ضَعِيفًا ۚ وَلَوْ لَا رَمَطُكَ لَرَمَيْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿۹۱﴾
 قَالَ يَقَوْمِ أَرْضِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخِذْ مَثْوًى وَادَّاءُكُمْ ظَهْرِيَا إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۹۲﴾ وَيَقَوْمِ اشْكُوهَا عَلَى
 مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُغْرِبُهُ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿۹۳﴾ وَ
 لَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا لَمَّخَيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْئَةَ فَكَبَبُوا بِهَا فِي دِيَارِهِمْ
 جِثِيمٍ ﴿۹۴﴾ كَانَ لَمْ يَخُونُوا فِيهَا إِلَّا بَعْدَ الْمَدِينِ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودٌ ﴿۹۵﴾

انہوں نے کہا، اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے (۹۱) ہیں، اور ہم تو تمہیں اپنے درمیان کمزور دیکھ رہے ہیں، اور اگر تمہارے خاندان کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیتے، اور ہماری نظر میں تمہاری کوئی عزت نہیں ہے ﴿۹۱﴾ شعیب نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! کیا میرا خاندان تمہاری نظر میں اللہ سے زیادہ عزیز (۹۲) ہے، اور تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے؟ شک میرا رب تمہارے تمام کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ﴿۹۲﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! تمہیں اپنی جگہ جو کرنا ہے کئے جاؤ (۹۳) میں بھی اپنے دین و عقیدہ کے مطابق عمل کرتا ہوں گا، تم لوگ عنقریب جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب نازل ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے، اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿۹۳﴾ اور جب ہمارا حکم (۹۴) (عذاب) آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو نجات دی، اور ظلم کرنے والوں کو ایک چیخ نے پڑ لیا، پس وہ سب کے سب اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر اس طرح ہلاک ہو گئے ﴿۹۴﴾ کہ گویا وہ ان گھروں میں کبھی تھے ہی نہیں، آگاہ رہے کہ قوم مدین کے لئے بھی قوم ثمود کی طرح اللہ کی رحمت سے دوری لکھ دی گئی ﴿۹۵﴾

(۹۵) عذاب سے ڈرانے کے بعد انہیں نصیحت کی کہ وہ بتوں کی عبادت سے تائب ہو جائیں، اللہ سے مغفرت طلب کریں، توحید باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہو جائیں اور ناپ تول میں کمی کرنے سے باز آجائیں، تو اللہ بڑا ہی مہربان ہے اور اپنے بندوں سے بڑا ہی محبت کرنے والا ہے، وہ یقیناً انہیں معاف کر دے گا اور ان پر رحم کرے گا۔

(۹۶) انہوں نے حقارت آمیز انداز میں کہا کہ اے شعیب! تمہاری باتیں تو ہمیں سمجھ میں نہیں آتیں، تم غیبی امور کی باتیں کرتے ہو۔ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، توحید باری تعالیٰ اور مال میں حلال و حرام کی باتیں کرتے ہو، یہ سب باتیں قابل قبول نہیں ہیں۔ اور تم اپنی انہی باتوں کی وجہ سے سب سے کٹ کر تہوارہ گئے ہو تمہاری کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ہے، اگر تمہاری قوم کا خیال نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ اور تم ہماری نظر میں کسی حیثیت سے بھی معزز نہیں ہو کہ تمہیں رحم نہ کرتے، یہ صرف تمہاری قوم کا خیال آتا ہے کہ تمہیں اب تک چھوڑ رکھا ہے، اس لئے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر ہیں۔

(۹۷) شعیب علیہ السلام نے کہا کہ میرا خاندان تمہاری نظر میں اللہ سے زیادہ معزز ہے، تم لوگوں نے اس کے دین، اس کے حکم اور اس کی وحی کو ٹھکرا دیا ہے، اور میرے خاندان کے کافروں کا لحاظ کر کے مجھ پر احسان جتا رہے ہو۔ بے شک میرا رب تمہارے تمام کرتوتوں کو خوب جانتا ہے، اور وہ تمہیں اس کی سزا ضرور دے گا۔

(۹۸) جب شعیب علیہ السلام ان کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئے، تو کہا اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اپنے کفر و سرکشی کی

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۙ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوهُ أَعْمَرُوا فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۙ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۚ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْزُوْدُ ۙ

اور ہم نے موسیٰ (۸۰) کو اپنے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا ﴿۹۶﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، پس انہوں نے فرعون کی راہ کی ہی اتباع کی، حالانکہ فرعون کی راہ صحیح نہیں تھی ﴿۹۷﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے چلے گا ﴿۹۸﴾ اور انہیں جہنم رسید کر دے گا، اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہوگی، جہاں وہ لوگ پہنچا دیئے جائیں گے ﴿۹۸﴾

راہ پر چلتے جاؤ، اور جو کرنا چاہو کئے جاؤ، میں بھی صبر و استقامت کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن رہتا ہوں۔ تم لوگ عنقریب ہی جان لو گے کہ اللہ کا سوا کون عذاب کسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور کون جھوٹا ہے، اور اب تم لوگ اپنی ہلاکت و بربادی کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

(۷۹) جب اللہ کا عذاب قوم شعیب پر نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو اپنے فضل خاص سے ان کے ایمان کی بدولت اس عذاب سے بچالیا، اور جن لوگوں نے کفر و عناد کی وجہ سے اپنے آپ پر، اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر لے کر دوسروں پر ظلم کیا تھا، انہیں اللہ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ عذاب جبریل علیہ السلام کی ایک شدید چیخ تھی جس کے اثر سے ان کی روہیں ان کے جسموں سے پرواز کر گئیں۔ سورۃ الاعراف اور سورۃ العنکبوت میں آیا ہے کہ شدید زلزلہ آیا جس سے متاثر ہو کر تمام لوگ ہلاک ہو گئے، یہ زلزلہ جبریل علیہ السلام کی شدید چیخ کا ہی نتیجہ تھا، اور یہ عذاب شعیب علیہ السلام کی بستی والوں پر آیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ایک والوں کے لئے بھی نبی بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے بھی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں ایک آگ کے ذریعہ ہلاک کر دیا تھا جو آسمان سے آئی تھی۔

جبریل علیہ السلام کی چیخ کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام لوگ اپنے گھروں میں ہی مر گئے۔ اور اس طرح ختم ہو گئے کہ جیسے وہاں کبھی وہ لوگ آباد تھے ہی نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لئے ہلاکت و بربادی مسلط کر دی، جس طرح قوم ثمود پر اس سے پہلے مسلط کر دی تھی، اس لئے کہ ان کے علاقے ایک دوسرے کے قریب تھے، کفر و سرکشی اور ڈاکہ زنی میں بھی ایک جیسے تھے، اور دونوں ہی قومیں دیہات میں رہتی تھیں۔

(۸۰) اس آیت کریمہ سے آیت (۹۸) تک موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بہت ہی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ ساتواں واقعہ ہے جو اس سورت میں انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے واقعات کے ضمن میں بیان ہوا ہے۔ "آیات" اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ﴾ کے معنی کی تعین میں مفسرین کے کئی اقوال آئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ "آیات" سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں، اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ﴾ سے مراد عصائے موسیٰ ہے، جو اگرچہ نو نشانوں میں شامل ہے، لیکن چونکہ اس کی ایک خاص حیثیت تھی، اسی لئے اس کا ذکر مستقل طور پر کیا گیا ہے۔ اور فرعون کے ساتھ صرف سرداران قوم کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ عوام اپنے تمام امور میں انہی سرداروں کی پیروی کرتے تھے۔ اور سرداران اپنے کفر و عناد میں فرعون کی پیروی کرتے تھے، جس کا ہر معاملہ منلا لت و گمراہی لئے ہوئے تھا۔

وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُنَسِّ السَّرْفُودُ * ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَ
حَصِيدٌ * وَكَانَ ظَلَمْتُهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ
شَيْءٍ لِيَتَّجِرَ بِهَا أَمْرُؤُكَ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٌ * وَكَذَلِكَ أَخَذْنَا مِنَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِيَأْخُذَ
الْإِيمَانُ سُدُودًا *

اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت (۸۲) لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت بر سے گی، وہ بہت ہی بُرا
عطیہ ہوگا جو انہیں دیا جائے گا ﴿۹۹﴾ بستیوں کی یہ چند خبریں (۸۳) ہیں جو ہم آپ کو سنارہے ہیں، ان میں سے بعض
ابھی تک موجود ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور ہم نے ان پر ظلم (۸۴) نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر
ظلم کیا تھا، پس جب آپ کے رب کا حکم آگیا تو وہ معبود جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے کچھ بھی کام نہ
آئے، اور ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ بھی انہیں نہیں دیا ﴿۱۰۱﴾ اور آپ کا رب جب ظالم بستیوں کی گرفت (۸۵)
کرتا ہے تو اس کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے، اس کی گرفت بڑی دردناک اور شدید ہوتی ہے ﴿۱۰۲﴾

(۸۱) قیامت کے دن فرعون جنہم کی طرف جاتے ہوئے اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا، جس طرح دنیا میں ضلالت و گمراہی
کی راہوں پر چلنے میں ان سے پیش پیش رہتا تھا، یہاں تک کہ ان سب کو جنہم میں پہنچا دے گا۔

آیت میں فرعون کو اس پہلے جانور سے تشبیہ دیا گیا ہے جو تالاب سے پانی پینے کے لئے جاتے وقت سب جانوروں
سے آگے ہوتا ہے، اور اس کے پیروکاروں کو پیچھے پیچھے آنے والے باقی جانوروں سے، اور جنہم کی آگ کو تالاب کے پانی سے،
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ جنہم کی آگ بڑا ہی براگھاٹ ہوگا جہاں وہ لوگ پہنچیں گے، اس لئے کہ پانی سے پیاس
بھگتی ہے، کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اور آگ تو سینہ کو جلادیتی ہے، اور انتڑیوں اور جگر کو کاٹ کر باہر نکال دیتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۸۲) جنہم جیسے بدترین ٹھکانے کا حال بیان کرنے کے بعد بدقسمت فرعونیوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، کہ اللہ کی لعنت ان پر اس
دنیا میں تو بھیج دی گئی تھی، آخرت میں بھی ان پر لعنت بر سے گی یعنی وہ جہاں بھی ہوں گے اللہ کی رحمت سے دور ہوں گے۔

"رہند" بخشش اور عطا کو کہتے ہیں۔ یہاں لعنت کو بخشش سے تعبیر کر کے فرعونیوں کی غایت درجہ کی اہانت اور ہتک
عزتی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۸۳) اللہ تعالیٰ نے سات انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ ہم یہ
واقعات اس لئے بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ کفار مکہ کو سنادیں، شاید کہ وہ ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ ان بستیوں میں
سے بعض کے کھنڈرات اب تک باقی ہیں، اور بعض کا نشان تک مٹ چکا ہے۔

(۸۴) ان قوموں کو ہلاک کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود اپنے لئے ہلاکت
و بربادی کا سامان مہیا کیا۔ اور جب ان پر عذاب نازل ہوا تو ان کے جھوٹے معبود ان کے کچھ بھی کام نہ آئے، بلکہ درحقیقت دنیا
و آخرت میں وہی ان کی بربادی کا سبب بنے۔

(۸۵) اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ وہ ظالموں کا ضرور مواخذہ کرتا ہے، اس لئے ظالموں کو برے انجام سے ڈرتے
رہنا چاہئے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَن خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لِّلنَّاسِ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدٍّ وَّذَلِكَ يَوْمٌ يَأْتِيكُم بِاتِّكُم بِنَفْسِكُمْ إِلَّا يَآدُنِيهِم فَيُهَنِّمُهُمْ وَيَسْخَرُهُمْ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ سَفَقُوا فَعَقِبُوا فِي النَّارِ لَنُحْمَدُهُمْ فِيهَا زَيْفُورًا وَشَهِيْقًا ۝ خَلْدِيْنَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَٱلْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعَدُوا فَعَقِبُوا فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَٱلْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ ۝

بے شک اس برے انجام میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے (۸۶) ہیں جس دن تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور جس کا تمام اہل محشر مشاہدہ کریں گے ﴿۱۰۳﴾ اور ہم ایک مقررہ وقت تک اس میں تاخیر کر رہے ہیں ﴿۱۰۴﴾ جس دن وہ آجائے گا کوئی آدمی اس کی اجازت کے بغیر بات (۸۷) نہیں کرے گا، پس ان میں سے کوئی بد بخت ہو گا اور کوئی نیک بخت ﴿۱۰۵﴾ تو جو لوگ بد بخت ہوں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا، جہاں وہ چینیں گے اور دھاڑیں ماریں گے ﴿۱۰۶﴾ جب تک آسمان وزمین رہے گی اسی میں ہمیشہ رہیں گے، مگر یہ کہ آپ کارب (اپنی مرضی سے کسی کو نکال دے) بے شک آپ کارب جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۱۰۷﴾ اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے ان کی جائے رہائش جنت ہوگی، جب تک آسمان اور زمین رہے گی اسی میں ہمیشہ رہیں گے، مگر یہ کہ آپ کارب جو چاہے، یہ اللہ کا ایسا عطیہ ہوگا جو کبھی بھی منقطع نہیں ہوگا ﴿۱۰۸﴾

(۸۶) جو واقعات اقوام و امم اور ان کا دردناک انجام اس سورت میں بیان کیا گیا ہے، ان میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، کیونکہ ان سے فائدہ وہی لوگ اٹھائیں گے۔ اور وہ دن ایسا ہوگا جب تمام بنی نوع انسان میدان محشر میں جمع کئے جائیں گے، اور حساب و کتاب کے بعد اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا یا سزا دے گا۔ (۸۷) قیامت کے دن کوئی شخص بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ایک کلمہ نہ اپنے دفاع کے لئے اپنی زبان سے نکالے گا اور نہ ہی کسی کی سفارش میں بولے گا، لیکن سورۃ النحل آیت (۱۱۱) میں آیا ہے کہ ہر آدمی اُس دن اپنی نجات کے لئے جھگڑا کرے گا ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ نُّجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا﴾ اور سورۃ الأنعام آیت (۲۳) میں آیا ہے کہ مشرکین کہیں گے: ﴿رَبَّنَا مَا كُنَّا مُمْشِرِكِينَ﴾ کہ ”اے ہمارے رب! ہم لوگ مشرک نہیں تھے“۔ اس لئے علمائے تفسیر نے ان دونوں قسم کی آیتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ میدان محشر میں لوگوں کے حالات مختلف ہوں گے، کبھی تو کسی کی زبان لگے ہوگی، اور کبھی کوئی اپنی نجات کے لئے جھگڑ رہا ہوگا۔ وغلیٰ بذالقیاس۔

قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے بد بخت ہوں گے، جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور کرب و غم کے مارے ان کے سینوں سے آپہن اٹھ رہی ہوں گی۔ وہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو محض اپنے فضل و کرم سے اس میں نہ ڈالے، یا یہ کہ نافرمان توحید پرستوں کو ایک مدت کے بعد جہنم سے نکال دے۔ ایسی صورت میں ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ سَفَقُوا﴾ کی عبارت کافروں اور مسلمان گناہ گاروں سب کو شامل ہوگی۔ اور یہ بات تو متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ اہل توحید جہنم سے بالآخر نکال دیئے جائیں گے۔ اور اس دن کچھ لوگ خوش قسمت ہوں گے جنہیں ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا، جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

فَلَا تَكُ فِي رِيَّةٍ مِّنَ عِبَادِ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِن قَبْلُ وَإِن لَّهُمْ نَصِيبًا مِّمَّا غَيَّرَ
 مَنَاقِبَ ۗ وَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ مَوَالَهُمْ لَفِي
 شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٌ ۗ وَإِنْ كَلَّمْنَا الْيُوقِينَ مِمَّنْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّا بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۗ فَاسْتَعِمْ كَمَا أَمَرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَدُوا
 تَطَعُوا إِنَّا بِمَا نَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

پس آپ ان معبودوں کے بارے میں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں کسی شبہ (۸۸) میں نہ پڑیں۔ یہ ان کی اسی
 طرح (بغیر عقل سے کام لئے) عبادت کرتے ہیں، جس طرح اس سے پہلے ان کے باپ دادے عبادت کرتے تھے،
 اور ہم یقیناً ان کا پورا بدلہ بغیر کم کئے چکانے والے ہیں ﴿۱۰۹﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، تو اس میں بھی
 اختلاف (۸۹) پیدا کیا گیا (کوئی ایمان لایا اور کوئی نہیں لایا) اور اگر آپ کے رب کی جانب سے ایک بات پہلے ہی
 طے نہ ہو چکی ہوتی تو اسی دنیا میں ان کا فیصلہ کر دیا جاتا، اور بے شک یہ کفار اس قرآن کی طرف سے ایک خطرناک
 شبہ میں مبتلا ہیں ﴿۱۱۰﴾ اور بے شک آپ کا رب ہر ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا (۹۰) وہ بے شک
 ان کے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۱۱۱﴾ پس آپ کو جیسا کہ حکم دیا گیا ہے، راہ حق پر قائم رہئے (۹۱) اور وہ لوگ بھی
 جنہوں نے آپ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا ہے، اور تم لوگ اللہ سے سرکشی نہ کرو، وہ بے شک تمہارے
 اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۲﴾

(۸۸) آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، لیکن مقصود دوسرے لوگ ہیں، جن کے دل و دماغ میں بتوں اور دیگر معبودان باطل
 کے جھوٹے معبود ہونے میں کسی قسم کا شک ہو، اس لئے کہ آپ ﷺ اس قسم کے شک سے قطعی طور پر پاک تھے۔ آیت کا معنی
 یہ ہے کہ آپ کفار کے معبودوں کے باطل ہونے میں بالکل شبہ نہ کریں۔ ان کے معبود بھی ان کے باپ دادوں کے معبودوں کے
 مانند جھوٹے اور باطل ہیں، اور ہم ان کے باپ دادوں کی طرح انہیں بھی عذاب دیں گے اور اس میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔
 (۸۹) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو تورات دیا تھا، تو لوگ اس کے بارے میں دو جماعتوں میں بٹ گئے،
 کچھ لوگ اس پر ایمان لائے، اور کچھ لوگوں نے اس کا انکار کر دیا، اسی طرح کچھ لوگوں نے اس میں موجود احکام پر عمل کیا، اور کچھ
 لوگوں نے عمل نہیں کیا، تو اے میرے نبی (ﷺ)! قرآن کریم کے سلسلے میں بھی کفار کا رویہ دیکھ کر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ اگر
 پہلے سے اللہ کا فیصلہ نہ ہوتا کہ قیامت کے دن تک کے لئے عذاب کو ان سے مؤخر کر دیا جائے، تو فوراً ہی ان کا فیصلہ کر دیا جاتا۔
 آیت کا ایک دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر گئی ہے، اسی لئے اللہ نے انہیں
 ڈھیل دے دیا ہے۔ اور عذاب میں جلدی نہیں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار قرآن کریم کے بارے میں بہت ہی گہرے شک میں
 مبتلا ہیں۔

(۹۰) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اگلی اور پچھلی تمام امتوں کو جمع کرے گا، ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، اگر اچھا
 عمل ہوگا تو اچھا بدلہ دے گا، اور اگر برا عمل کیا ہوگا تو برا بدلہ دے گا۔ ان کا کوئی عمل بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا،
 اچھا ہو یا برا۔ آیت کے اس حصہ میں نیک عمل کرنے والوں کے لئے جنت کا وعدہ اور برا عمل کرنے والوں کے لئے جہنم کی دھمکی ہے۔

وَلَا تَزْكُمُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمَسَّكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ تُكْرَهُونَ ﴿۹۱﴾

اور تم لوگ ان کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا (۹۱) ورنہ جہنم کی آگ تمہیں پکڑ لے گی، اور اللہ کے علاوہ کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ﴿۱۱۳﴾

(۹۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور دیگر مومن بندوں کو دین حق پر ہر حال میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ دشمنان دین پر غالب آنے کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور اللہ کے خلاف بغاوت و سرکشی سے منع کیا ہے، اس لئے کہ ہلاکت و بربادی کا یہی پیش خیمہ ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیار ہو جاؤ! تیار ہو جاؤ! اس کے بعد آپ ہتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔ مفسر ابوالسعود کہتے ہیں کہ ”استقامت“ تمام اصولی و فروعی احکام اور تمام نظری اور عقلی خوبیوں کو شامل ہے۔ اور اس ضمن کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا انتہائی مشکل کام ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا بنا دیا۔ (ترمذی)۔ اور بغاوت و سرکشی سے مراد ظلم و زیادتی، اللہ نے جو حدود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز کرنا، عبادتوں میں غلو کرنا، اور گناہوں کا ارتکاب ہے۔

(۹۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہوں جنہوں نے شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے ظلم کی راہ اختیار کر لی ہے، اس لئے کہ یہ ان کے شرکاتہ اعمال سے راضی ہونے کی دلیل ہوگی۔ ظلم کرنے والوں کو تقویت ملے گی اور حق پر رہنے والے کمزور ہوتے جائیں گے۔

ائمہ تفسیر نے اس آیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ یہاں ظلم سے مراد صرف شرک، اور ظلم کرنے والوں سے مراد صرف مشرکین ہیں، یا ظلم سے مراد ہر وہ فعل ہے جس پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے، اور ظلم کرنے والوں سے مراد مشرک اور غیر مشرک سبھی ہیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پہلا قول نقل کیا ہے۔ اور شوکانی اور صاحب ”فتح البیان“ کہتے ہیں کہ آیت کا مفہوم عام ہے اور مشرک اور غیر مشرک سب کو شامل ہے، اس لئے کہ اگرچہ آیت کا سبب نزول مشرکین ہیں، لیکن مفسرین کے نزدیک ہمیشہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، نہ کہ خصوص سبب کا، لیکن ایسی صورت میں اشکال یہ پیش آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان حکمران کی اطاعت کرو، چاہے وہ جہشی کیوں نہ ہو جس کا سرکش کی مانند ہو، دوسری صحیح احادیث میں ہے کہ جب تک وہ نماز قائم کریں، صریح کفر کا ارتکاب نہ کریں، اور اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں ان کی اطاعت واجب ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان احادیث کے پیش نظر کسی ظلم کرنے والے حکمران کی بات مانتے ہوئے اس کی حکومت میں دینی مناصب کو قبول کرتا ہے، حدود کو قائم کرنے میں اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے اور مسلمانوں کے مصالح خاصہ اور مصالح عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے دیگر امور مملکت کے سنبھالنے اور چلانے میں اس کا ساتھ دیتا ہے، تو کیا وہ اس آیت میں مذکور و عید کا مستحق ہوگا؟ علماء نے اس کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ اگر وہ دل سے اس کے ظالمانہ اعمال کی تائید نہیں کرتا ہے، تو مذکور بالا احادیث اور اس معنی کی دیگر متواتر احادیث کے پیش نظر اس آیت میں مذکور و عید کا مستحق نہیں ہوگا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ظلم سے ممانعت اور اس پر اللہ کی طرف سے دھمکی کی بڑی دلیل ہے، اس لئے کہ جب ظلم کرنے والوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والوں کی سزا جہنم بتائی گئی ہے، تو ان کا حال کیا ہوگا جن کی زندگی مشرکاتہ اعمال اور ظلم و بربریت میں ڈوبی ہوئی ہو۔

وَأَجْرُ الصَّلَاةِ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَاةً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْكَرُ لِلَّذِينَ كَرِهُوا وَأَصِيدُ
فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْكَأَنَّ مِنَ الْفُرُوقِ مِنْ قَبْلِكُمْ أَوْ لَوْ أَبَوَيْتُمْ بِهِمْ عَنِ الْفَسَادِ
فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾

اور آپ دن کے دونوں طرف اور رات گئے نماز (۹۳) قائم کیجئے، بے شک اچھائیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، یہ اللہ کو یاد کرنے والوں کو نصیحت کی جا رہی ہے ﴿۱۱۳﴾ اور آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ﴿۱۱۵﴾ پس جو قومیں تم سے پہلے تھیں، ان میں ایسے عقلمند لوگ کیوں نہ ہوئے جو انہیں زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے (۹۳) ان میں سے کچھ کے سوا جنہیں ہم نے نجات دیا تھا، اور ظالم لوگ اسی عیش و آرام کی راہ پر پڑے رہے جس کے وہ عادی ہو گئے تھے، اور وہ لوگ تھے ہی اہل جہنم ﴿۱۱۶﴾

(۹۳) آیت (۱۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو دین پر استقامت کا حکم دیا ہے۔ چونکہ نماز ایمان کی جڑ اور استقامت کا اہم ترین مظہر ہے، اسی لئے یہاں اس کا ذکر خصوصی طور پر آیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ دن کے شروع اور آخر میں اور آخری پہر رات میں نماز پڑھا کریں، ابن جریر کے نزدیک اس سے مراد فجر، مغرب اور رات کی آخری پہر کی نماز ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ممکن ہے یہ آیت حج گناہ نمازوں سے پہلے نازل ہوئی ہو، جب طلوع شمس اور غروب شمس کے قبل صرف دو نمازیں واجب تھیں، اور قیام اللیل آپ ﷺ اور تمام مسلمانوں پر واجب تھا۔ اس کے بعد عام مسلمانوں سے قیام اللیل کا وجوب ساقط ہو گیا، اور آپ ﷺ کے لئے اس کا وجوب باقی رہا، پھر کچھ دنوں کے بعد ایک قول کے مطابق آپ ﷺ سے بھی اس کا وجوب ساقط ہو گیا، واللہ اعلم۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، اور چونکہ نیکیوں میں نماز کا درجہ بہت ہی اونچا ہے، اس لئے یہ یقیناً برائیوں کو مٹا دیتی ہے۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب کسی مومن سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے، اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس کا وہ گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام بخاری و مسلم وغیرہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں شہر کے مضافات میں ایک عورت کا علاج کر رہا تھا، تو اسے بغیر چھوئے مجھ سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا یعنی میں نے اس کا بوسہ لے لیا، جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی صراحت آئی ہے۔ آپ میرے بارے میں اپنا حکم صادر فرمادیں، آپ ﷺ خاموش رہے، وہ آدمی جانے لگا، تو آپ نے اسے بلایا اور یہی آیت تلاوت فرمائی، یعنی اس گناہ کے بعد تم نے جو نیک عمل کیا ہے اس نے اس گناہ کو ختم کر دیا ہے۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم اسی کے ساتھ خاص ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی جب تک کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے گا اس کی ہر دو نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ بنتی رہیں گی۔“

آیت (۱۱۵) میں نبی کریم ﷺ کو ان تمام مشقتوں پر صبر کی بالعموم تلقین کی گئی ہے جو دعوت و تبلیغ کی راہ میں پیش آئیں۔ اور

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۹۵﴾ وَكَوَيْلًا رَبُّكَ لِيَجْعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَكُونُ لَكُنُفِينَ ﴿۹۶﴾ إِلَّا مَنْ زَجَرَهُ رَبُّكَ وَلِلذَّالِكَ خَلْقُهُمْ ۗ وَكَانَتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَكْمِلَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۹۷﴾

اور آپ کا رب بستیوں کو ناحق ہلاک (۹۵) نہیں کرتا اگر ان میں رہنے والے نیک اور اصلاح پسند ہوتے ﴿۱۱۷﴾ اور اگر آپ کا رب چاہتا (۹۶) تو تمام لوگوں کی ایک ہی جماعت بنا دیتا، اور لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے ﴿۱۱۸﴾ سوائے ان کے جن پر آپ کا رب رحم کرے گا، اور انہیں اسی لئے پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی یہ بات طے شدہ ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں تمام سے بھروں گا ﴿۱۱۹﴾

بالخصوص ان مشقتوں پر جو نمازوں کی پابندی اور محدود اوقات میں ان کی ادائیگی کے لئے اٹھانی پڑے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ آیت (۱۳۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَصْحَابُ عَدَّتِهَا﴾ کہ ”آپ نمازوں کی ادائیگی پر صبر کریں اور اس پر جتنے رہیں“۔ (۹۳) یہاں دوبارہ ان گذشتہ امتوں کی ہلاکت کا سبب بیان کیا جا رہا ہے جن کے واقعات تفصیل کے ساتھ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے جڑ سے کاٹ دیا اور صفحہ گیتی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا کہ جب ان میں گناہ عام ہو گیا تو ہلاک ہونے والوں میں کوئی بھی ایسا آدمی نہ تھا، جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا، سوائے ان چند افراد کے جن کو اللہ نے اس عذاب سے نجات دیا۔ ان ظالموں کو اللہ تعالیٰ نے جو سامان تعیش دیا تھا اس میں ایسا ڈوب گئے کہ عیش پرستی ان کی زندگی کا مقصد بن گئی، آخرت سے یکسر غافل ہو گئے اور دینی، اخلاقی اور سماجی گھناوئے جرائم کا ارتکاب کر کے اللہ کی نگاہ میں مجرم بن گئے، تو ان اعمال مجرمانہ کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

(۹۵) اس آیت کریمہ کی تفسیر دو طرح سے بیان کی گئی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک قوم آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتی ہے اور آپس میں ظلم و زیادتی نہیں کرتی، قوی کمزور کا حق نصب نہیں کرتا، تو محض شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک نہیں کرتا۔ شیخ الإسلام امام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ توباتی رہتی ہے، لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی، جب کوئی قوم یا کوئی حکومت ظالم بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دیتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ جب تک کوئی قوم بھلائی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے اللہ تعالیٰ محض شرک کی وجہ سے اسے ہلاک نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ کسی قوم میں تمام برائیوں کی جڑ یہ ہے کہ اس کے اصحاب عقل و خرد لوگوں کو بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بند کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیت (۱۰۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ کہ ”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں، اور نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ اگر لوگ برائی کو دیکھ کر خاموش رہیں گے اور اسے بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے، تو بہت ممکن ہے کہ اللہ کا عذاب ان کو پکڑ لے۔

(۹۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس بات پر کامل قدرت رکھتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو کفر یا ایمان کی طرف ایک راہ پر اکٹھا کر دے، سب کو کفر پر جمع کر دے، یا سب کو اسلام پر جمع کر دے، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا، اس

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُمْ بِهِ فُؤَادَكَ فِي هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى
لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ إِنْ أَعْبَدُونَّ ﴿۱۲۱﴾ وَانظُرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَبِاللَّهِ عَزِيزٍ
الْحَسْبُ وَاللَّهُ يَرْجِعُ الْأُمُورَ كُلَّهَا وَأَعْبُدُوهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور ہم انبیاء کی خبروں میں سے ہر خبر آپ کو اس لئے سناتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط (۹۷) کریں اور ان واقعات کے ضمن میں آپ کو حق بات پہنچ گئی، اور مومنوں کے لئے ان میں عبرت اور نصیحت ہے ﴿۱۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ پر جو چاہو کئے جاؤ (۹۸) بے شک ہم لوگ بھی اپنے دین پر عمل کئے جائیں گے ﴿۱۲۱﴾ اور اللہ کے حکم کا انتظار کرو بے شک ہم لوگ بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں ﴿۱۲۲﴾ اور آسمان اور زمین کے غیب کی باتیں صرف اللہ کو معلوم (۹۹) ہیں اور تمام امور اسی کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ہر چیز صرف اس کے اختیار میں ہے) پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے، اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے ﴿۱۲۳﴾

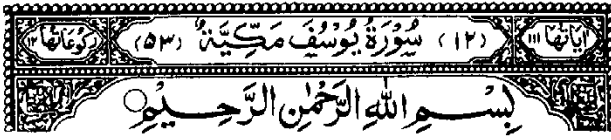
لئے ایسا نہیں ہوا۔ اور لوگ ہمیشہ ہی آپس میں عقیدہ و دین کے بارے میں اختلاف کرتے رہیں گے، کوئی یہودی ہوگا تو کوئی نصرانی، اور کوئی مجوسی و مشرک ہوگا تو کوئی مسلمان، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ البتہ ان میں سے جن کے حال پر اللہ نے رحم کیا، وہ اپنے عہد کے نبی کے صحیح دین پر قائم رہے، اور نسل بعد نسل اسی پر عمل پیرا رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اللہ کا آخری دین لے کر دنیا میں تشریف لائے، تو انہوں نے ان کی پیروی کی، ان پر ایمان لے آئے، اور ان کا ساتھ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے نوازا، اور یہی لوگ فرقہ ناجیہ کہلائے۔ اور اب تک جو بھی قرآن و سنت کی اس راہ پر گامزن رہے گا، اس کا شمار فرقہ ناجیہ میں ہوگا، اور وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے حال پر اللہ نے رحم کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ عقائد و ادیان کے اختلاف کے نتیجے میں ان کی ایک جماعت جنت میں جائے اور ایک جہنم میں۔ اس لئے کہ اللہ کا یہ فیصلہ قطعی ہے کہ وہ نافرمان جنوں اور انسانوں کے ذریعہ جہنم کو ضرور بھرے گا۔

(۹۷) گذشتہ انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے حالات بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہمت افزائی کی جائے، اور انہیں بتایا جائے کہ کفار مکہ آپ کے ساتھ جیسا برتاؤ کر رہے ہیں اس پر آپ دل برداشتہ نہ ہوں، گذشتہ امتوں نے بھی اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کچھ کیا، لیکن بالآخر اللہ نے اپنے رسول کی مدد کی اور ان کو کافروں پر غالب بنایا، تو آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا، کفار مکہ کو منہ کی کھائی پڑے گی اور آپ کو اللہ معزز و مکرم بنائے گا اور دین اسلام غالب ہو کر رہے گا۔

(۹۸) مذکورہ ذیل دونوں آیتوں میں مشرکین مکہ کو سخت دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر تم دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتے ہو اور اپنے کفر پر تمہیں اصرار ہے تو ٹھیک ہے، پھر تم اپنی جگہ جو چاہو کئے جاؤ، ہم بھی اپنی جگہ اسلام پر کاربند رہتے ہیں، اور تم بھی اپنے انجام بد کا انتظار کر لو، ہم بھی اللہ کی جانب سے فتح و نصرت کا انتظار کر لیتے ہیں۔

(۹۹) اس آیت کریمہ میں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی، اور کفار قریش کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، اس لئے



الرَّفْعُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۞

(سورہ یوسف مکی ہے، اس میں ایک سو گیارہ آیتیں، اور بارہ رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اگر (۱) یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو ہر بات کو پورے طور پر بیان کرنے والی ہے ﴿﴾

اے میرے نبی! آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اس کی عبادت میں لگے رہئے، اور کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اللہ ان کے تمام کرتوتوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کی انہیں سزا دے کر رہے گا۔ واللہ التوفیق۔

تفسیر سورہ یوسف

نام: اس کا نام سورہ یوسف اس لئے رکھا گیا، کہ اس کی اکثر و بیشتر آیتوں کا تعلق یوسف علیہ السلام سے ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن الجوزی نے اس پر ائمہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔ اسے سورہ ہود کا تتمہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ سورہ ہود میں مذکور سات انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کئے جانے کے بعد اس سورت میں یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے بھی مرکزی مضامین تقریباً وہی ہیں جو مکی سورتوں کا خاصہ ہیں، یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دینا، اور نبی کریم ﷺ کی ہمت افزائی کرنی اور انہیں تسلی دینی کہ انبیائے کرام ہمیشہ ہی آزمائشوں سے گذر کر اپنی دعوت میں کامیابی سے ہسکتا ہوتے رہے ہیں، اور یہ کہ جس طرح یوسف علیہ السلام غریب الیاری، قید و بند اور عزت و ناموس میں شدید آزمائشوں سے گذرنے کے بعد بالآخر مصر کی حکومت کے مالک بن بیٹھے، اور ان کے بھائیوں کو ان کی جناب میں ہی پناہ یعنی پڑی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو بھی بالآخر کفار قریش پر غلبہ دے گا، اور انہیں آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد کفار قریش آپ کے سامنے جمع کئے گئے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے کہا کہ انخ کریم و ابن انخ کریم کہ آپ ہمارے کریم النفس بھائی ہیں، اور کریم النفس بھائی کے بیٹے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آج تمہیں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا کہ آج تم پر کوئی پابندی نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار قریش نے یہودیوں کے ایماء پر نبی کریم ﷺ سے یعقوب اور ان کی اولاد کے بارے میں سوال کیا، اور ان کا خیال تھا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے تو یہ سورت نازل ہوئی، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اور اس تکلف کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بات وہی صحیح ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

(۱) حروف مقطعات کے بارے میں کہا جا چکا ہے کہ ان کا مقصود اصلی صرف اللہ جانتا ہے۔ اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ قرآن انہیں حرف سے مرکب ہے جن سے انسان کا کلام مرکب ہوتا ہے، لیکن اہل عرب میں سے کوئی بھی ایسا کلام نہ لاسکا۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ۗ وَإِن كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ﴿۱۱﴾ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسُ وَ الْقَمَرَ رَايَتُهُمْ لِي لَيْسَ بِي لَمُحَدِّثِينَ ﴿۱۲﴾

بے شک ہم نے اُسے قرآن بنا کر عربی زبان (۲) میں اتارا ہے تاکہ تم لوگ اسے سمجھو ﴿۱۰﴾ اور ہم اس قرآن کو آپ پر بذریعہ وحی اتار کر آپ کو سب سے اچھا قصہ (۳) سناتے ہیں، اگرچہ آپ اس کے قبل اس سے بے خبر تھے ﴿۱۱﴾ جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے ابا! (۴) میں نے گیارہ ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو اپنا سجدہ کرتے دیکھا ہے ﴿۱۲﴾

﴿کِتَابٌ مُبِینٌ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ اللہ کی وہ کتاب ہے جو حلال و حرام، شریعت کے حدود، اور ان تمام امور کو بیان کرتی ہے جو بنی نوع انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں عربی زبان میں اس لئے نازل فرمایا کہ اس کے مخاطب اول عرب تھے، اگر کسی دوسری زبان میں نازل ہوا ہوتا تو جنت تمام نہیں ہوتی اور عرب کہتے کہ یہ ہماری زبان میں نہیں ہے، اس لئے ہم اس کے مخاطب نہیں ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فصلت آیت (۴۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ﴾ کہ ”اگر ہم نے اس قرآن کو کسی عجمی زبان میں نازل کیا ہوتا تو اہل عرب کہتے کہ اس کی آیتوں کو ہماری زبان میں کیوں نہیں بیان کیا گیا ہے“۔ اور اس لئے بھی یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا کہ یہ دنیا کی وہ فصیح ترین زبان ہے جو اپنے اندر گہرائی اور گیرائی لئے ہوئے ہے، اس کے دامن میں ان تمام افکار و معانی کے لئے وسعت ہے جو انسانی دل و دماغ میں پائے جاسکتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ دنیا کی اشرف کتاب اشرف زبان میں، معزز ترین رسول پر، معزز ترین فرشتہ کے واسطے سے، اشرف زمین پر، اشرف مہینہ یعنی ماہ رمضان میں نازل ہوئی، اس لئے اس کتاب عظیم کو ہر اعتبار سے کمال شرف حاصل ہوا۔

(۳) قرآن کریم کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اسے ﴿أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ اس لئے کہا ہے کہ اس کا انداز نہایت ہی بلیغ اور اس کا اسلوب غایت درجہ فصیح ہے۔ اور اس مضمون میں جو خبریں بیان کی گئی ہیں وہ بالکل سچی ہیں، اور جو نصیحتیں اور علم و حکمت کے جو موتی اس میں بکھیرے گئے ہیں وہ بڑے ہی کام کے اور بڑے قیمتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس واقعہ سے متعلق آپ پر وحی نازل ہونے سے پہلے کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی عدم علم کو یہاں آپ کی عظمت شان کے پیش نظر ”غفلت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۴) یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام سے اپنا خواب اس لئے بیان کیا کہ وہ ان کے کمال علم کے معتقد تھے، اور ان کی غایت درجہ کی شفقتِ پدری اپنے لئے عیاں پاتے تھے، تو سوچا کہ اپنا خواب بیان کرتا ہوں، اگر اس میں میرا کوئی نقصان ہوگا تو وہ اس سے بچنے میں میری مدد کریں گے۔ یہاں گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور شمس و قمر سے مراد ان کے ماں باپ ہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ اس خواب کے چالیس سال بعد جب اللہ تعالیٰ نے ملک مصر میں ان کے والدین اور بھائیوں کو جمع کیا تو یوسف علیہ السلام کی تعظیم میں سبھوں نے ان کے سامنے سجدہ کیا، جو یعقوب علیہ السلام کے دین میں جائز تھا۔

قَالَ يَبْنَخُ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۵﴾ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رُؤْيَاكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُرْتِمُ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَتْكَ عَلَىٰ آبُوتِكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَالسَّقِيقِ إِنَّ رَبَّكَ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۶۶﴾ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّلْمَسَاءِلِينَ ﴿۶۷﴾

انہوں نے کہا، میرے بیٹے! تم اپنا یہ خواب (۵) اپنے بھائیوں کو مت بتاؤ، ورنہ تمہارے خلاف سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا بڑا کھلا دشمن ہے ﴿۶۵﴾ اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں چن (۶) لے گا، اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا، اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو پوری کرے گا، جیسا کہ اس کے قبل تمہارے دادا اسحاق اور پردادا ابراہیم پر اپنی نعمت پوری کی تھی، بے شک آپ کا رب بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۶۶﴾ یقیناً یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے (۷) والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۶۷﴾

(۵) یعقوب علیہ السلام کے لئے اس خواب کی تعبیر بالکل واضح تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس بیٹے کو بڑا مقام عطا کرے گا، اور ان کے تمام بھائی ان سے مقام میں کمتر ہوں گے، اور ایک دن ان سب کو ان کے سامنے جھکنا پڑے گا، اسی لئے ڈرے کہ اگر اس خواب کا ان کے سوتیلے بھائیوں کو پتہ چل گیا تو انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، اسی لئے انہیں نصیحت کی کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کریں، کیونکہ شیطان انسان کا بڑا کھلا دشمن ہے، اس کی پوری کوشش ہوگی کہ ان کے بھائیوں کو ان کے خلاف اکسائے، اور انہیں کسی ایسی بات پر آمادہ کرے جو یوسف علیہ السلام کے لئے نقصان دہ ہو۔

مفسر ابن العربی لکھتے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بھائی اور دوسرے رشتہ دار حسد کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام خواب کی تعبیر جان گئے تھے۔ اور ان پر اس کا اچھا اثر پڑا، اس لئے کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لڑکا اس سے اچھا ہو، لیکن بھائی اپنے بھائی کے لئے ایسا نہیں چاہتا۔

(۶) یعنی تمہارے اس عظیم خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا نبی بنائے گا، اور تمہارے عہد کے اپنے تمام بندوں پر تمہیں فوقیت دے گا، اور انہیں تمہارے لئے اسی طرح مسخر کر دے گا جس طرح تم نے ستاروں اور شمس و قمر کو اپنے سامنے سجدہ کرتے دیکھا ہے، اور تمہیں تعبیر رؤیا کا علم عطا فرمائے گا۔ چنانچہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام تعبیر رؤیا میں تمام لوگوں پر سبقت لے گئے تھے۔ اور تمہیں بادشاہت کے ساتھ علم نبوت بھی دے گا، یا تمہیں دونوں جہان کی بھلائیاں دے گا، اور ملک و نبوت کی نعمتیں تمہارے بھائیوں، تمہاری اولاد، اور بعد میں آنے والی تمہاری نسلوں کو بھی دے گا۔ جس طرح اس نے اس سے پہلے تمہارے دادا اسحاق اور پردادا ابراہیم کو نبوت و رسالت اور دوسری بیش بہا نعمتوں سے نوازا تھا۔ اسحاق کو نبوت دی اور یعقوب جیسا بیٹا اور یوسف جیسا پوتا عطا کیا، اور ابراہیم کو اپنا غلیل بنایا اور آگ سے نجات دی۔

(۷) یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصہ کے بارے میں اہل مکہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور نہ نبی کریم ﷺ کو ہی اس کی کوئی خبر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دینے کے لئے قرآن میں یہ سورت نازل فرمائی۔ اور آپ ﷺ نے پھر اہل مکہ کے سامنے اس کی تلاوت کی تو وہاں کے لوگوں کو اس کا علم ہوا۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل تھی کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی تھے۔ ﴿آيَاتٍ لِّلْمَسَاءِلِينَ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ مفسر قاشانی کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے تین اہم باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

إِذْ قَالَ الْيُوسُفُ لِأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيَّ أُمِّيَ وَمَا حَسُنَ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۸﴾ اقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَوْاطِرُ حُوهٖ
أَيْضًا لِيُخَلَّ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿۹﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْهٖ فِي
عَيْبَتِ الْبَيْتِ يَلْتَمِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارِ قِرَانَ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿۱۰﴾

جب انہوں نے کہا، کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب (۸) ہیں حالانکہ ہماری ایک جماعت ہے، بے شک ہمارے والد کھلی غلطی پر ہیں ﴿۸﴾ تم سب مل کر یوسف کو قتل کر دو (۹) یا اسے کسی دور دراز جگہ ڈال دو، اس طرح تمہارے باپ کی پوری توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی، اور اس کے بعد تم لوگ نیک بن جاؤ گے ﴿۹﴾ ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو (۱۰) بلکہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دو جہاں سے بعض گزرنے والے قافلے اسے نکال لیں گے، اگر تم نے اس کے خلاف کچھ کرنے کی ٹھان ہی لی ہے ﴿۱۰﴾

پہلی بات تو یہ کہ نبوت و رسالت کا تعلق محض اللہ کی مشیت سے ہے، وہ جسے چاہتا ہے یہ نعمت عطا کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو کوئی نعمت دینا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، اور اللہ تعالیٰ جس کی حفاظت کرے اس کا کوئی ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اور تیسری بات یہ کہ شیطان کے مکر و فریب سے انبیاء بھی محفوظ نہیں ہوتے ہیں، اسی لئے وہ ہر وقت اس کے زخموں سے بچنے کے لئے اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں۔

(۸) انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا سا بھائی بنیامین ہمارے باپ کی نگاہ میں ہم سے زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہماری تعداد زیادہ ہے، ہم زیادہ طاقتور ہیں، اور باپ کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں، اس لئے ہم ان دو چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت کے حقدار ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے باپ کی رائے بالکل ہی غلط اور بعید از عقل ہے۔ بھائیوں کو حسد کی وجہ سے یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ یوسف سے اس درجہ محبت کا سبب نجات و سعادت تندی کے وہ آثار تھے جو ان میں نمایاں تھے، اور وہ خواب تھا جو یوسف نے دیکھا تھا اور جس کی خبر بھائیوں کو ہو گئی تھی۔ اور بنیامین سے اس لئے محبت کرتے تھے کہ وہ یوسف کے سگے بھائی، اور یعقوب علیہ السلام کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔ اور آدمی ہمیشہ چھوٹے بچے کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

(۹) بھائیوں کو خواب کی خبر مل چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یوسف نے بچپن کی سادگی میں اگر خود ہی ان لوگوں سے بیان کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کے خلاف سازش کرنے لگے۔ انہوں نے شاید یہ بات یوسف کا مذاق اڑاتے ہوئے بھی کبھی تھی کہ دیکھتے ہیں اس کا خواب کیا کرشمہ دکھلاتا ہے۔ ان کا گمان تھا کہ جب وہ یوسف کو قتل کر دیں گے یا کسی ایسی نامعلوم جگہ میں اسے ڈال دیں گے جس کا علم ان کے باپ کو نہیں ہوگا، اور نہ یوسف وہاں سے خود واپس آسکیں گے، تو ان کے باپ یوسف کے بجائے انہیں اپنی پوری محبت دینے لگیں گے، اور وہ لوگ بعد میں اپنے گناہ سے اللہ کے سامنے تائب ہو جائیں گے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کا یہ ظالمانہ فیصلہ کئی بڑے گناہوں کا پیش خیمہ تھا۔ انہوں نے قربت و صلہ رحمی کا کوئی خیال نہیں رکھا، والدین کی نافرمانی کی، چھوٹے بچے پر رحم نہیں کھایا جس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی، اور بوڑھے باپ کے جذبات کی قدر نہیں کی، اور ان کے چھوٹے بچے کو ان سے بے رحمی کے ساتھ جدا کر دینا چاہا، اللہ انہیں معاف کرے۔

(۱۰) کہا جاتا ہے کہ یہ کہنے والا ان کا بڑا بھائی تھا۔ اور یوسف کا نام اس نے اس لئے لیا تھا کہ بھائیوں کو ان پر کچھ رحم آنے اور

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَنَأْكُلُ لَنَا صُحُونًا ۖ أُرْسِلَهُ مُعْتَادًا وَبِعَبِّ وَإِنَّا لَهُ لَكَاظِمُونَ ﴿۱۱﴾
 قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الدِّيبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ﴿۱۲﴾ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الدِّيبُ وَ
 مَحْنُ عَصَبٍ إِنَّا إِذًا الْخٰسِرُونَ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَنْ يُعْمَلُوهُ فِي غَيْبَتِ الْبَيْتِ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ
 بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۴﴾

انہوں نے کہا، اے ابا! آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ ^(۱۱) کیوں نہیں کرتے ہیں، حالانکہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں ﴿۱۱﴾ کل اسے ہمارے ساتھ جانے ^(۱۲) دیجئے تاکہ کھائے پئے اور کھیلے کودے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے ﴿۱۳﴾ انہوں نے کہا، تمہارا اسے لے کر جانا مجھے منگوم ^(۱۳) بنا دے گا، اور ڈرتا ہوں کہ تم لوگ اس سے بے خبر رہو گے اور بھیڑیا اسے کھا جائے گا ﴿۱۳﴾ بھائیوں نے کہا ^(۱۳) کہ اگر اسے بھیڑیا کھا گیا، حالانکہ ہماری ایک جماعت ہے، تو ہم یقیناً بہت بڑے خسارے میں رہیں گے ﴿۱۳﴾ پس جب وہ لوگ اسے لے گئے اور طے کر لیا کہ اُسے اندھے کنویں ^(۱۵) میں ڈال دیں گے (تو انہوں نے ایسا ہی کیا) اور ہم نے یوسف پر وحی نازل کی کہ آپ انہیں (ایک دن) ان کی اس سازش کے بارے میں بتائیں گے، حالانکہ وہ بے خبر ہوں گے ﴿۱۵﴾

انہیں قتل نہ کریں، اس نے کہا کہ اگر تمہیں یوسف کو اس کے باپ سے جدا کرنے پر اصرار ہے تو تم لوگ اسے کسی ایسے گہرے کنویں میں ڈال دو جس میں پتھر نہیں ہوتا، کوئی قافلہ وہاں سے گزرے گا، اور پانی کے لئے جائے گا تو انہیں یوسف مل جائے گا جسے وہ غلام بنا لیں گے اور اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس طرح تمہارا مقصد حل ہو جائے گا کہ یوسف اپنے باپ کے پاس دوبارہ نہیں آسکے گا۔

(۱۱) اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ان کی آنکھوں میں شرک و دیکھ لیا تھا اور بھانپ گئے تھے کہ وہ لوگ یوسف کے بارے میں کچھ اچھا نہیں سوچ رہے ہیں۔

(۱۲) اس لئے کہ اگر آپ نے یوسف کو اسی طرح ایک جگہ بند رکھا، تو اس کے اندر نشاط اور زندگی نہیں پیدا ہوگی، اور دیگر نوجوانوں کی طرح قوی اور صحت مند نہیں ہوگا۔

(۱۳) یعقوب علیہ السلام نے ان کے سامنے دو عذر پیش کیا، ایک تو یہ کہ یوسف کی جدائی انہیں غمگین بنا دے گی، اور دوسرا یہ کہ ممکن ہے وہ لوگ کھیل کود اور کھانے پینے میں لگ جائیں، اور اچانک بھیڑیا آکر یوسف کو اٹھالے جائے۔

(۱۴) چونکہ دوسرے عذر کا تعلق یوسف کی زندگی سے تھا، اسی لئے انہوں نے اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

(۱۵) وہ لوگ یوسف کو لے تو گئے تھے یہ کہہ کر کہ اس کا خیال کریں گے، اور یوسف ان کے ساتھ سیر و تفریح کر کے خوش ہوں گے، لیکن خفیہ طور پر انہوں نے اس بات پر اتفاق کر رکھا تھا کہ انہیں ایک گہرے کنواں میں ڈال دیں گے۔ سدی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ جوں ہی وہ لوگ یعقوب کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے، انہیں مارنا پیننا اور گالی دینا شروع کیا، پھر اس کنواں کے پاس لائے جس میں انہیں ڈال دینا پہلے سے طے کر رکھا تھا۔ پھر سری میں باندھ کر اس میں پھینک دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف کو بذریعہ الہام اطمینان دلایا، تاکہ ان کی پریشانی کچھ دور ہو، اور انہیں بتا دیا کہ وہ انہیں بھائیوں کی اس سازش سے

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿۱۶﴾ قَالُوا يَا أَبَا نَارَ إِذَا هُنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الدِّيبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾ وَجَاءُوا عَلَى قَيْصِهِ بِدِرْكَابٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ قَالَ يَبْنَؤِي هَذَا أَعْلَمُ وَأَسْرُؤُهُ بِصَاعَةٍ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

اور وہ رات (۱۶) کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے ﴿۱۶﴾ کہا، اے ابا! ہم جا کر دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا اسے کھا گیا ﴿۱۷﴾ اور آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں ﴿۱۷﴾ اور ان کی قیص پر چھوٹا خون ﴿۱۸﴾ لگا لائے، یعقوب نے کہا، بلکہ تمہارے ذہنوں نے ایک سازش گھڑ لی ہے، پس مجھے اچھے صبر سے کام لینا ہے، اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ سے ہی مدد مانگنی ہے ﴿۱۸﴾ اور ایک قافلہ ﴿۱۹﴾ آیا، انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو (پانی کے لئے) بھیجا، اس نے جوں ہی اپنا ڈول کنواں میں ڈالا، پکار اٹھا، ہمارے لئے خوشخبری ہے، یہ تو ایک لڑکا ہے، اور انہوں نے مالی تجارت سمجھ کر قافلہ والوں سے چھپایا، اور اللہ ان کے لئے کو خوب جان رہا تھا ﴿۱۹﴾

نجات دے گا، اور وقت آئے گا کہ وہ اپنی زبان سے یہ سارا ماجرا انہیں سنائیں گے۔

(۱۶) انہوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دینے کے لئے یہ عذر پیش کیا، تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ یوسف اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اور آہستہ آہستہ ان کے دل سے یوسف کی محبت نکل جائے، اور ان کے بھائیوں کو پوری محبت دینے لگیں۔ اور رات کے وقت یعقوب کے پاس اس لئے آئے تاکہ دن کی روشنی میں ان کی جھوٹی معذرت کا بھرم نہ کھل جائے، ان کی آنکھوں میں جھوٹ کو نہ پڑھ لیں، اور رو کر انہوں نے یہ باور کرنا چاہا کہ یوسف سے انہیں بے حد محبت تھی، تاکہ یعقوب کے دل میں ان کے بارے میں کوئی شبہ نہ گذرے۔

(۱۷) یعنی جیسا کہ آپ ڈر رہے تھے، جب ہم آپس میں دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے، اور یوسف ہمارے کپڑوں اور کھانے پینے کے سامانوں کے پاس بیٹھا تھا، واقعی بھیڑیا آیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے نزدیک سچے بھی ہوتے تو ایسی حالت میں ہماری بات نہیں مانتے، تو اب ہماری بات آپ کیسے مانیں گے جبکہ آپ پہلے سے ہی یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔

(۱۸) انہوں نے یوسف کی قیص کو ایک بکرے کے خون میں لت پت کر دیا، اور اسے اپنے باپ کے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ دیکھئے یوسف کی قیص جو اس کے ہلاک ہوجانے کے بعد ہمیں ملی ہے، لیکن یعقوب نے ان کی بات نہیں مانی اور کہا کہ یہ کہانی تم نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق تو بھیڑیا بڑا ہی عقلمند تھا کہ یوسف کو کھا گیا اور اس کی قیص کو نہیں پھاڑا۔ اب میرے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ کار ہے کہ اللہ کی تقدیر پر صبر جمیل سے کام لوں، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں کہ وہ تمہارے جھوٹ کا پردہ فاش کر دے اور یوسف کا صحیح سالم زندہ پایا جانا ظاہر کر دے۔

(۱۹) ایک قافلہ جو شام سے مصر کی طرف جا رہا تھا وہاں سے گذرا، اور کنواں کے آس پاس پڑا ڈالا۔ قافلہ والوں کے لئے پانی مہیا

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَلَيَّ أَنْ تَبْعُنَا أَوْ تُتَخَذَ وَلَدًا لَوْ كُنَّا لَكَ مِثْلَ لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

اور انہوں نے انہیں ایک معمولی قیمت یعنی چند کنوں کے بدلے بیچ (۲۰) دیا، اور وہ لوگ ان میں کچھ زیادہ رغبت بھی نہیں رکھتے تھے ﴿۲۰﴾ اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا (۲۱) اس نے اپنی بیوی سے کہا، اسے باعزت رہائش دو، امید ہے کہ یہ ہمارے لئے نفع بخش ثابت ہوگا، یا ہم اسے بیٹا بنالیں گے، اور اس طرح ہم نے یوسف کے لئے سرزمین مصر میں رہائش مہیا کر دی، اور تاکہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کا علم دیں، اور اللہ اپنے فیصلے پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے ہیں ﴿۲۱﴾

کرنا جن افراد کی ذمہ داری تھی، انہوں نے جب اپنا ڈول کنواں میں ڈالا، تو یوسف نے اسے پکڑ لیا، انہوں نے جھانک کر دیکھا تو وہ ایک لڑکا تھا۔ بہت خوش ہوئے اور یوسف کو سامان تجارت بنالیا اور قافلہ والوں سے کہا کہ ہم نے کنواں والوں سے اسے خریدا ہے۔ انہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ نے آیت کے آخر میں دھمکی کے طور پر فرمایا کہ یوسف کے ان تمام حالات سے گزرنے کا جو لوگ سبب تھے اللہ انہیں خوب جانتا ہے، کہ کس طرح انہوں نے کریم بن کریم بن کریم کو طوق غلامی پہنایا۔ (۲۰) کہتے ہیں کہ تاجروں کا وہ قافلہ مدین سے آیا تھا۔ ان کی ملاقات ایک دوسرے قافلے سے ہوئی جو مصر جا رہا تھا۔ انہوں نے یوسف کو اس قافلہ والوں کے ہاتھ صرف بیس درہم میں بیچ دیا، جیسا کہ امام احمد، طبرانی اور حاکم نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ اور چونکہ یوسف انہیں بغیر قیمت کے مل گئے تھے، اور وہ نہیں جانتے تھے کہ مستقبل کے کس عظیم انسان کو وہ بیچ رہے ہیں، اسی لئے انہوں نے قیمت کی پرواہ کئے بغیر چند کنوں میں بیچ دیا۔ مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب یعقوب اپنے خاندان والوں کے ساتھ مصر پہنچے تو ان کی تعداد تین سو نوے (۳۹۰) تھی، اور جب موسیٰ کے ساتھ وہاں سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم یوسف کے شامل حال تو ہر وقت رہا کہ بے رحم بھائیوں کے پنجے سے نکالا، پھر کنواں سے نکال کر نئی زندگی دی، اور اب اس کا لطف خاص دیکھئے کہ مصر کے خزانوں کا وزیر (عزیز مصر) انہیں خرید کر اپنے گھر لایا اور اپنی بیوی زلیخا سے کہا کہ اس کے کھانے پینے اور اس کی رہائش کا اچھا انتظام کرو، تاکہ ہم سے جلدی مانوس ہو جائے اور اپنے آپ کو اپنوں کے درمیان محسوس کرنے لگے، کیونکہ میں اس کی پیشانی میں خیر و برکت کے آثار پارہا ہوں، مجھے امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے، اس لئے کہ ہماری کوئی اولاد نہیں ہے، اور بڑا ہو کر میری جگہ حاصل کر لے گا، اور امور وزارت سنبھال لے گا۔ کہتے ہیں کہ یوسف جو کام کرتے اس میں کامیاب ہوتے، اور جب سے عزیز مصر کے گھر میں قدم رکھا اس کی کھتی اور مال و تجارت میں خوب برکت ہونے لگی۔ یوسف کے ساتھ شروع سے لے کر اب تک جو کچھ ہوا، اللہ کی مرضی سے ہوا، اور اس لئے ہوا تاکہ اللہ انہیں عزیز مصر کے گھر پہنچا دے۔ پھر وہ کچھ واقع ہوا جو زلیخا کی جانب سے ہوا۔ یوسف جیل جائیں، اور اللہ انہیں خواب کی تعبیر سکھائے، اور پھر وہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتا کر وزارت کی کرسی پر پہنچ جائیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا جسے

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا، وَكَذَلِكَ نُبَيِّنُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۲﴾ وَرَأَوْنَهُ الَّذِي هُوَ فِي بَيْتِنَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّكَ رَبِّي أَحْسَنُ مَنَآئِمَ إِنَّكَ لَا يَفْعَلُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ گئے (۲۲) تو ہم نے انہیں علم و حکمت دی، اور ہم اچھا کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۲۲﴾ اور جس عورت کے گھر (۲۳) میں وہ رہتے تھے، اس نے انہیں گناہ پر ابھارا اور دروازے بند کر دیئے، اور کہا، آ جاؤ، اپنی خواہش پوری کر لو، یوسف نے کہا، اللہ کی پناہ! وہ (تیرا شوہر) میرا آقا ہے اس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہے، بے شک ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے ہیں ﴿۲۳﴾

بہر حال ہونا تھا، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت پر یقین نہیں رکھتے ہیں، کہ اللہ کے فیصلے میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا ہے۔

(۲۲) ابن عباس کے قول کے مطابق جب وہ تینتیس سال کے ہو گئے، اور عکرمہ کے قول کے مطابق پچیس سال کے، اور ایک تیسرے قول کے مطابق چالیس سال کے، تو اللہ نے انہیں حاکم مصر بنا دیا، اور عقل و فہم اور فقہ و نبوت سے نوازا۔

ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ آیت کے آخری حصے: ﴿وَكَذَلِكَ نُبَيِّنُ الْمُحْسِنِينَ﴾ میں اگرچہ ہر بھلائی کرنے والے کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں وہ اچھا بدلہ دے گا، لیکن یہاں مقصود نبی کریم ﷺ ہیں کہ انہیں اللہ مشرکین مکہ سے نجات دے گا اور ان پر غلبہ عطا کرے گا۔

(۲۳) جملہ مترضہ کے بعد اب پھر یوسف کے ساتھ عزیز مصر کے گھر میں جو کچھ پیش آیا اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی نے یوسف سے فعلی بدکا مطالبہ کیا۔ اور اس عورت کے نام کی صراحت اس لئے نہیں کی گئی تاکہ اس کا راز افشا نہ ہو جائے۔ اور عزیز مصر کی بیوی کے بجائے، اللہ نے کہا کہ یوسف کو گناہ پر اس عورت نے آسنا جس کے گھر میں وہ رہتے تھے، تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ یوسف کے لئے وہ کتنی مشکل گھڑی تھی، اور وہ عفت و پاکدامنی کی کس بلندی کو چھو رہے تھے کہ اس گھر میں رہنے کی وجہ سے زلیخا کا بار بار سامنا ہوتا رہا ہو گا اور وہ اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی رہی ہوگی، تاکہ انہیں اپنی ذات میں دلچسپی لینے پر اکسائے، لیکن یوسف پر ان تمام ہتھکنڈوں کا رانی کے دانے کے برابر بھی اثر نہیں ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے ایسا کرنے سے پہلے شدتِ خوف اور غایتِ احتیاط کی وجہ سے سات دروازے بند کئے، تاکہ وہاں تک کسی کے پہنچنے کا گمان بھی نہ ہو سکے۔ یوسف کی پاکدامنی کی یہ بھی ایک عظیم دلیل ہے کہ زلیخانے انسانوں سے خوف کھانے کا ایک بھی عذر باقی نہیں رکھا تھا، اس کے باوجود ان کے دل میں گناہ کا خیال تک نہیں گذرا۔ یوسف نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تمہاری اس دعوتِ گناہ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس لئے کہ یہ تو زنا، جرمِ عظیم، امانت میں خیانت اور محسن کشی ہے۔ اور اسے اس گناہِ عظیم سے باز رکھنے کے لئے اس خیانت کی شدید ترین قباحت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کس کے خلاف خیانت پر ابھارا ہی ہو؟ وہ میرا آقا عزیز مصر ہے جس نے ہر طرح میرا خیال کیا ہے، تو اب میرے لئے یہ کس طرح مناسب ہے کہ اس کی عزت سے کھلیوں۔ ایک دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ "إِنَّهُ" کی ضمیر اللہ کے لئے ہے، یعنی میرے رب نے تو مجھ پر بڑا احسان کیا ہے، مجھے نئی زندگی دی ہے اور عزیز مصر کے پاس پہنچا کر میری تمام پریشانیوں کو دور کر دیا ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میں ظالم ہوں گا، اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ - وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ . كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهٗ الشُّوْءَ وَالنَّعْسَةَ اِذْ رَاكَ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُخٰلِفِيْنَ ۝

اور اس عورت نے ان کے ساتھ گناہ کا پختہ ارادہ (۲۳) کر لیا تھا، اور وہ بھی اپنے رب کا برہان نہ دیکھتے تو اس کے ساتھ ایسا ہی ارادہ کر لیتے، اور ایسا اس لئے ہوا تاکہ ہم ان سے برائی و بدکاری کو دور کر دیں، بے شک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھے جو برائیوں سے پاک کر دیئے گئے ﴿۲۳﴾

(۲۳) عربی زبان میں "ہم" دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک ایسا قصد و ارادہ جس کے ساتھ گناہ کے کر گزرنے کا عزم ہو اور دل سے ایسا کرنا چاہتا ہو، یہ مذموم ہے۔ اور اس پر مواخذہ ہوگا۔ اور دوسرا وہ خیال جو انسان کے ذہن میں پیدا تو ہو، لیکن اس کے کر گزرنے کا عزم نہ پایا جائے۔ ایسے خیال پر انسان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ بخاری و مسلم اور اہل سنن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے اس خیال کو معاف کر دیا ہے جو اس کے دل میں گذرتا ہے، جب تک کہ اسے اپنی زبان پر نہ لائے یا اسے نہ گذرے۔" آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ زلیخانے جب دروازے بند کر کے یوسف کو دعوت گناہ دی، تو اس نے یوسف کے ساتھ چٹ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ اور اگر یوسف نے بھی اپنے رب کے برہان کا ایمانی مشاہدہ نہ کیا ہوتا، اور زنا کی قباحت و شاعت ان کے دل و دماغ میں اس حد تک نہ بیٹھی ہوتی کہ گویا وہ اس کی بدترین شکل کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے، تو وہ بھی ویسا ہی ارادہ کر لیتے، لیکن ان کے دل میں اس کا خیال گذرا ہی نہیں۔

آیت کریمہ اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ "لولا" کا جواب محذوف ہے، جس پر سابقہ عبارت دلالت کرتی ہے۔ فخر الدین رازی اور مفسر ابو السعود کہتے ہیں کہ بشری تقاضے اور فطری رجحان کے مطابق یوسف کا میلان زلیخا کی طرف ہوا تھا، لیکن دل میں ارادہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ اور ایسے فطری میلان سے نبی کی عصمت میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسے کوئی روزہ دار شدید گرمی میں پانی دیکھ کر پینے کی خواہش کرتا ہے، تو اس کا دین اس سے روک دیتا ہے۔

لیکن میرے نزدیک یہ رائے مرجوح ہے اور قابل اعتناء نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی عبارت سے وہی بات سمجھ میں آتی ہے جس کا میں نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے کہ اگر یوسف نے پہلے سے اللہ کے برہان کا ایمانی مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو ان کے دل میں بھی گناہ کا خیال پیدا ہو جاتا۔ صاحب محاسن التزیل، شیخ الإسلام ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہم نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ اور ابھی آگے آئے گا کہ یوسف نے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچانے کے لئے دروازے کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ اور جس انداز میں بھاگے وہ کیفیت اس آدمی کی نہیں ہو سکتی جس کے دل میں عورت کی طرف میلان پیدا ہو گیا ہو۔ قرآن میں ایک کلمہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے ادنیٰ سا اشارہ ہوتا ہو کہ یوسف کے دل میں زلیخا کی طرف میلان پیدا ہوا تھا۔ اور نبی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اگر اس کے دل میں بھی گناہ کا خیال گذر جائے تو پھر اس میں اور غیر نبی میں کیا فرق ہوگا۔ حق تو یہ ہے کہ اس طرح کی بحث چھیڑنا نبی کی عظمتِ شان پر کلام کرنے کے مترادف ہوگا، جو ایک مخلص مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اور یہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر بشری تقاضے کے مطابق انبیاء کے دل میں گناہ کا میلان نہ پیدا ہو تو پھر انہیں اجر کس بات کا ملے گا، تو یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب وہ اپنی حلال بیویوں اور باندیوں کے پاس

وَأَسْتَبْقَا الْبَابَ وَكَذَّتْ قَبِيصَةُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيْ سَيْدٍ هَذَا الْبَابُ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءَ إِلَّا أَنْ يُجْعَلَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَبِيصَةُ قَدْ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَبِيصَةُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَّبَتْ وَهُوَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَيْتُ قَبِيصَةَ قَدْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنْ كَيْدُكُمْ إِنْ كَيْدُكُمْ عَظِيمٌ ۝

اور دونوں نے دروازے کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنا (۲۵) چاہا، اور عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی، اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا، عورت نے کہا، اس آدمی کی سزا جو تمہاری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے ﴿۲۵﴾ یوسف نے کہا، اسی نے مجھے گناہ (۲۶) پر مجبور کرنا چاہا تھا، اور عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی، کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے ﴿۲۶﴾ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ جھوٹی اور یوسف سچا ہے ﴿۲۷﴾ پس جب اس نے دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے، تو کہا کہ یہ تم عورتوں کا مکرو فریب ہے، بے شک تمہارا مکرو فریب بڑا ہوتا ہے ﴿۲۸﴾

ہوتے تھے تو ان کی فطری رغبت جاگتی تھی۔ تو انہیں اجر اس بات کا ملتا تھا کہ فطری قوت ہونے کے باوجود محرمات کے سامنے ان کے دل میں گناہ کا خیال نہیں گذرتا تھا۔ وباللہ التوفیق۔

(۲۵) دونوں ہی دروازے کی طرف دوڑے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہا، یوسف باہر نکل جانے کے لئے، اور زلیخا انہیں روکنے کے لئے۔ یہاں "باب" مفرد استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ اس سے مراد وہ خارجی دروازہ ہے جس سے نکل جانے کے بعد یوسف کو نجات مل جاتی۔ یوسف جب بھاگ رہے تھے تو زلیخا نے پیچھے سے ان کی قمیص پکڑ لی، اور دونوں طرف سے کھینچ تان میں قمیص پھٹ گئی۔ جب دونوں دروازے پر پہنچے تو عزیز مصر کو آتا دیکھا، عورت نے فوراً پینترا بدلا اور کہا کہ جو آدمی تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کی نیت کرے اسے یا تو جیل میں ڈال دینا چاہئے یا کوئی اور سخت سزا دینی چاہئے۔

(۲۶) یوسف نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ اسی نے مجھ سے گناہ کا مطالبہ کیا تھا، تو میں نے انکار کر دیا اور بھاگ پڑا۔ عزیز مصر کے لئے معاملہ کی حقیقت تک پہنچنا مشکل ہو گیا، تو یوسف کی براءت کے لئے اللہ نے اس عورت کے ایک رشتہ دار بچے کو جو ابھی گود میں تھا، قوت گویائی دی، اس نے کہا کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے، اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔ جب عزیز نے دیکھا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو معاملہ کی تکذیب گویا کہ اس کی بیوی نے ہی یوسف کو گناہ پر مجبور کرنا چاہا تھا۔

بعض علماء نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ میں عورتوں سے شیطان کی بہ نسبت زیادہ ڈرتا ہوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے میں کہا ہے: ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ کہ "شیطان کی سازش کمزور ہوتی ہے" اور عورت کے بارے میں کہا ہے: ﴿إِنَّ كَيْدَهُمْ عَظِيمٌ﴾ کہ "عورتوں کی سازش خطرناک ہوتی ہے"۔ اور اس لئے بھی کہ شیطان چھپ کر دل میں دوسرے ڈالتا ہے، اور عورت تو سامنے سے مردوں پر حملہ کرتی ہے۔

يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ لِأَنَّكَ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۖ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۖ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا وَأَتَتْ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝

اے یوسف! تم اس بات کا خیال (۲۷) نہ کرو، اور اے عورت! تم اپنے گناہ کی معافی مانگو، بے شک تم غلطی پر تھی (۲۶) اور شہر کی کچھ عورتوں نے کہا (۲۸) کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو گناہ پر ابھارتی ہے، اس پر فریفتہ ہو گئی ہے، بے شک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں (۳۰) جب عورت کو ان کی سازش کی خبر ہوئی، تو اس نے انہیں دعوت (۲۹) دی اور ان کے لئے ایک مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی، اور یوسف سے کہا، تم ان کے سامنے آؤ، پس جب عورتوں نے انہیں دیکھا، تو ان سے حد درجہ مرعوب ہو گئیں اور اپنے ہاتھ زخمی کر لئے اور کہنے لگیں، بے عیب ذات اللہ کی، یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے، یہ تو یقیناً کوئی اونچے مرتبہ کا فرشتہ ہے (۳۱)

(۲۷) عزیز مصر چونکہ معاملہ کو پوری طرح سمجھ چکا تھا، اسی لئے یوسف کے ساتھ نہایت نرمی کا اسلوب اختیار کیا اور کہا کہ اے یوسف! تمہارے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اسے نظر انداز کر دو اور حادثہ پر پردہ ڈال دو اور کسی سے بیان نہ کرو، اس کے بعد اپنی بیوی سے مخاطب ہو اور کہا کہ ساری غلطی تمہاری ہے، تم نے اس نوجوان کو درد غلام چاہا تھا، اور اب اسی پر تہمت دھرنے کی کوشش کر رہی ہو، اس لئے اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے اپنی بیوی کو اس لئے معذور جانا کہ کسی عورت کے لئے یوسف کا جمال دیکھ کر صبر کرنا نہایت مشکل کام تھا۔ کرنی کہتے ہیں کہ عزیز میں غیرت کی کمی تھی۔ شہاب کہتے ہیں کہ یہ یوسف کے ساتھ کرم فرمائی تھی (اس لئے کہ اگر عزیز غضبناک آدمی ہوتا تو یوسف کو نقصان پہنچ سکتا تھا) ابو حیان کہتے ہیں کہ سرزمین مصر کی یہی خاصیت تھی۔

(۲۸) یوسف اور عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ کسی طرح شہر میں پھیل گیا، عورتیں کہنے لگیں کہ وہ یوسف کو گناہ پر اکساتی ہے، وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے، اور عقل و ہوش کھو چکی ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ آیت کے آخری حصے میں عورتوں نے یہ بھی کہا تھا چاہا ہے کہ ہم نے زلیخا جیسی غلطی نہیں کی ہے۔

(۲۹) عزیز مصر کی بیوی کو جب معلوم ہوا کہ شہر کی کچھ عورتیں اپنی مجلسوں میں یوسف پر اس کی فریفتگی کو موضوعِ سخن بنا رہی ہیں، تو اس نے ایک روایت کے مطابق شہر کی چالیس معزز عورتوں کو اپنے گھر میں دعوت دی، ان میں وہ عورتیں بھی تھیں جو اس کے بارے میں باتیں کرنے میں پیش پیش تھیں۔ انہیں ایک ایسی مجلس میں بٹھایا جس میں گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے، اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دے دی، تاکہ اپنے سامنے رکھے ہوئے گوشت اور پھل کاٹ کر کھائیں۔ اس کے بعد یوسف سے ان کے سامنے آنے کو کہا۔ عورتیں انہیں دیکھ کر ان کے غیر معمولی حسن و جمال سے ایسا متاثر ہو گئیں کہ اپنا ہوش و خرد کھو بیٹھیں اور پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے، اور حیرت و استعجاب کی انتہا کو پہنچتے ہوئے پکار اٹھیں کہ ہمارے سامنے کوئی انسان نہیں، بلکہ آسمان سے کوئی نہایت حسین و جمیل فرشتہ اترا آیا ہے، جس کا غیر معمولی حسن ہماری آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہا ہے، اور

قَالَتْ قَدْ لَبِئْتَ لَيْكِنَّ الَّذِي لَمْتَنِي فِيهِ وَالْقَدْرُ أَوْدُتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا أَمُرُكَ لَيَسْجَنَنَّ
وَلَيَكُونَنَّ مِنَ الضَّغِيرِينَ ۝ قَالَ رَبِّ السَّجُنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا يُدْعُونِي أِلَيْهِ إِلَّا لِتَصْرِفَ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ
وَإِنَّنِي مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ فِيهِمْ
بَعْدَ مَا رَأَوُا آيَاتِ لَيْسَجُنْتَهُ حَتَّىٰ جَاءَهُ ۝

عزیز مصر کی بیوی نے کہا تو یہی ہے وہ جوان (۳۰) جس کے بارے میں تم سب مجھے برا بھلا کہتی تھیں، اور میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، لیکن اس نے اپنے آپ کو بچالیا، اور اگر اس نے میرے حکم پر عمل نہ کیا تو جیل میں ڈال دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا ﴿۳۲﴾ یوسف نے کہا (۳۱) میرے رب! جیل میرے نزدیک اس گناہ سے زیادہ آسان ہے جس کی یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں، اور اگر تو نے میرے خلاف ان کی سازش کو ناکام نہیں بنایا تو میں ان کی طرف ڈھل جاؤں گا اور نادانوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿۳۳﴾ تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول (۳۲) کر لی، اور ان کے خلاف ان عورتوں کی سازش کو ناکام بنادیا، بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ پھر یوسف کی پاکدامنی کی تمام نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی ان لوگوں کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ انہیں کچھ دنوں کے لئے جیل میں ڈال دیں ﴿۳۵﴾

ہمارے ہوش ٹھکانے نہیں رہے ہیں۔ عزیز کی بیوی نے یہ انتظام اس لئے کیا تھا تاکہ شہر کی عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ جس نوجوان کو اس نے درغلانے کی کوشش کی تھی وہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا پیکر حسن و جمال ہے جسے دیکھ کر کسی بھی عورت کا صبر کر جانا اور اپنے آپ پر قابو پالینا ناممکن سی بات ہے۔

(۳۰) زلیخانے ان عورتوں سے کہا کہ یہی وہ پیکر حسن ہے جس کے بارے میں تم عورتیں مجھے کہتی تھیں۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ تمام عورتیں یوسف کے حسن سے مسحور ہو گئی ہیں اور اسے معذور سمجھنے لگی ہیں تو اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ ہاں، میں نے اسے درغلایا تھا، لیکن اس نے قطعی طور پر انکار کر دیا ہے، اور ذرا سی بھی چلک نہیں دکھائی ہے، اس کے بعد اس نے شرم و حیا کی چادر ایک طرف پھینک دی اور عشق و مرستی کی آخری حدوں کو چھوتی ہوئی کہا کہ میرا اس سے جو مطالبہ ہے اگر اس نے پورا نہیں کیا تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا، اور اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۳۱) جب یوسف نے اس کی یہ بات سنی تو سمجھ گئے کہ اس نے ایسا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے، اور اس کا شوہر اس کی ہر بات مانتا ہے، اسی لئے اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے اللہ! جس قید و بند کی یہ عورت مجھے دھمکی دے رہی ہے وہ میرے نزدیک اس بدکاری سے زیادہ قابل قبول ہے جس کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہے، اس لئے کہ جیل کی مصیبت عارضی اور ختم ہو جانے والی ہے، لیکن یہ گناہ عظیم تو دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کا خاتمہ کر دے گی۔ اس کے بعد اللہ کی جناب میں پناہ طلب کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! اگر تو نے ان عورتوں کی سازشوں سے مجھے نہیں بچایا تو بشری تقاضے کے مطابق میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور اس فعل قبیح کا مرتکب ہو کر جاہل و نادان بن جاؤں گا۔

(۳۲) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں گناہ میں پڑنے سے بچالیا۔ اس آیت کے بعد یہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کی

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنَ قَالَ أَحَدُهُمَا لِي أَرِنِي أَصْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ لِي أَرِنِي أَصْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الظُّيُومَ مِنْهُ نَبِئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نُرَاكَ مِنَ الْمُسْتَشِينِ ۝ قَالَ لَا يَا بَيْنَكُمَا طَعَامٌ تُزْفِقُ بِهِ إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذِكْرًا مِمَّا عَلَّمْتَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ وَاتَّبَعَتْ مِثْلَةَ آبَائِهِمْ إِذْ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ وَيَعْقُوبُ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُنْفِرَكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

اور یوسف کے ساتھ دونوں جوان (۳۳) بھی جیل میں داخل ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا، میں نے دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوا ہوں جس میں سے چڑیاں کھا رہی ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے، ہم آپ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں ﴿۳۶﴾ یوسف نے کہا ﴿۳۴﴾ جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے، اسے تمہارے پاس آنے سے پہلے میں تمہیں اس کی تفصیل بتا دوں گا، یہ اس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے رب نے مجھے دیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا دین و ملت چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں ﴿۳۷﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا دین ﴿۳۵﴾ اختیار کر لیا ہے، ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں، یہ (عقیدہ توحید) ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ اللہ کا شکر نہیں ادا کرتے ہیں ﴿۳۸﴾

حفاظت اور اس کے لطف و کرم کے بغیر کوئی شخص گناہ سے نہیں بچ سکتا ہے۔ عزیز مصر نے یوسف کی بے گناہی کے تمام شواہد و دلائل کے باوجود مشیر کاروں اور اپنی بیوی سے مشورہ کرنے کے بعد مصلحت اسی میں سمجھا کہ انہیں ایک مدت کے لئے جیل میں ڈال دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یوسف کو جیل میں بند کر دیا گیا۔

(۳۳) انہی دونوں یوسف کے ساتھ جیل میں دونوں جوان بھی داخل کئے گئے، ایک بادشاہ کا ساتی اور دوسرا نابائی۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے بادشاہ کے کھانے میں زہر ڈالا تھا۔ یوسف نے ان دونوں کو ایک دن مغموم دیکھا تو سب دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ ہم دونوں نے الگ الگ خواب دیکھا ہے جس نے ہمیں مغموم بنا دیا ہے۔ یوسف نے کہا کہ تم دونوں اپنا اپنا خواب بیان کرو۔ ساتی نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ انور نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ سر پر روٹی ہے جس میں سے چڑیا کھا رہی ہے۔ اس کے بعد دونوں نے کہا کہ ہم میں سے دونوں کے خواب کی تعبیر بتا دو، ہم سمجھتے ہیں کہ تم خواب کی تعبیر کا علم رکھتے ہو۔

(۳۴) یوسف نے ان کے خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے انہیں یہ بتانا چاہا کہ وہ ان عام لوگوں میں سے نہیں ہیں جو محض اپنے گمان سے خواب کی تعبیر بتاتے ہیں جو بسا اوقات غلط ہوتی ہے، بلکہ وہ تو غیب کی بھی بعض باتیں بتاتے ہیں، اور اپنی بات میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے کہا کہ تم دونوں کا کھانا آنے سے پہلے بتا دوں گا کہ کھانے کے لئے کیا آ رہا ہے۔ اور یہ علم مجھے اللہ کی جانب سے بذریعہ الہام ملا ہے، اس میں کہانت اور علم نجوم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہ بات یوسف علیہ السلام نے اس لئے کہی تاکہ آئندہ جو دعوت توحید ان کے سامنے پیش کرنے والے تھے اسے دونوں آسانی سے قبول کر لیں۔

(۳۵) انہوں نے ان دونوں کو یہ بھی بتانا چاہا کہ مجھے جو یہ رتبہ بلند ملا ہے، اور یہ الہامی علم حاصل ہوا ہے، تو اس کا سبب یہ ہے کہ

يُصَاحِبِي التَّجْنِ أَذْيَبُكَ مُتَعَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ
 سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ امْرَأَاتٍ الْعَبِيدِ ۖ وَالْإِنَّمَا يَأْتِي
 ذَلِكَ الدِّينَ الْقَيُّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ يَصَاحِبِي التَّجْنِ امْرَأَتٌ كَمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ
 حَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْأَخْرَفُ فَيُصَلِّبُ فَنَأْكُلُ الظَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۖ قَضَى الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ۖ

اے جیل کے ساتھیو! کیا کئی مختلف معبود اچھے (۳۶) ہیں یا اللہ جو ایک اور زبردست ہے ﴿۳۶﴾ اللہ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ صرف نام ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری ہے، ہر حکم اور فیصلے کا مالک صرف اللہ ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۳۷﴾ اے جیل کے ساتھیو! (۳۷) تم میں سے ایک اپنے بادشاہ کو شراب پلائے گا، لیکن دوسرے کو پھانسی دے کر سولی پر لٹکا دیا جائے گا، پھر چڑیاں اس کے سر میں سے کھائیں گی، جس بارے میں تم دونوں پوچھ رہے ہو، اس میں اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے ﴿۳۸﴾

میں نے ان لوگوں کے دین کو قبول نہیں کیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ میں اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین پر ایمان لے آیا جو اللہ کے انبیاء تھے۔ اور اس تفصیل سے ان کا مقصد انہیں یہ بھی بتانا تھا کہ میں خانوادہ نبوت کا چشم و چراغ ہوں، تاکہ جب ان کے سامنے اپنی دعوت رکھیں تو وہ غور سے سنیں۔ اور ﴿۳۷﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَى السَّلَامِ فِي جَمْعِ كَيْفِ ضَمِيرِ أَصْحَابِ دُونِ دُونِ ان کا بھی اعتبار کر کے استعمال کیا، اس لئے کہ بظاہر انہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ دونوں ان کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ اور ﴿۳۸﴾ أَنْ نُنْشِرَكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ فِي "مِنْ شَيْءٍ" "شُرک کے عموم نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے کہ چاہے کوئی چھوٹی چیز ہو یا کوئی حقیر شے، بت ہو یا فرشتہ، یا کوئی جن ہو یا کوئی اور چیز، اسے اللہ کا شریک بنانا حرام ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی وحدانیت کا اقرار اور کسی کو اس کا شریک نہ بنانا موحد مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اکثر لوگ اللہ کے ناشکرے بندے ہوتے ہیں، اسی لئے نہ اس پر ایمان لاتے ہیں، نہ ہی اس کی توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، اور نہ اس کی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔

(۳۶) دونوں کے سامنے اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد اب نہایت ہی حکمت و دانائی کے ساتھ ان کی قوم کے مشرکانہ عقیدہ کی خرابی بیان کرنے کے لئے انہی سے سوال کیا کہ اے جیل کے میرے دونوں ساتھی! انسانوں کے لئے کئی معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا؟ تم لوگ اللہ کے سوا جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے بغیر کسی حجت و برہان کے ان کے نام "معبود" رکھ لئے ہیں۔ مالک اور حاکم تو اللہ ہے، دین و عبادت کے معاملے میں اسی کا حکم چلتا ہے، اور اس نے تو تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، اس لئے کہ عبادت غایت خشوع و خضوع کو کہتے ہیں، جس کا حقدار وہ اللہ ہے جو حقیقی عظمت والا ہے۔ اور یہی توحید باری تعالیٰ جو اس کی کمال عظمت پر دلالت کرتی ہے، صحیح اور برحق دین ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں، اسی لئے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں۔

(۳۷) جب یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنا علمی مقام بتادیا، اور توحید کی دعوت ان کے سامنے پیش کر دی، تو اب ان کے خوابوں

وَقَالَ الَّذِي ظَنَّ أَنَّكَ نَائِبٌ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ. فَأَنسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَكَهِنًا فِي السِّجْنِ بِضَعْرَ سِتْرَيْنِ ۗ وَقَالَ لِلْمَلِكِ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُتَبِلَاتٍ خُضْرًا وَأُخْرًا يُبْسَاتٍ يَأْكُلُهَا الْمَلِكُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنَّ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۗ قَالَ لَوْ أَضْفَأْتُ أَحْلَامَهُ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ۗ وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمَا وَادَّكَّرَ بَعْدَ امْتِنَانِهِ أَنَا أَنْبَأُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسَلُونَهُ ۗ

اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ نجات پا جائے گا، اس سے کہا (۳۸) کہ اپنے بادشاہ سے میرے بارے میں بات کرنا، لیکن شیطان نے اس کے دماغ سے یہ بات بھلا دی کہ بادشاہ کے سامنے ان کا تذکرہ کرتا، اس لئے انہیں کئی سال تک جیل میں رہنا پڑا ﴿۳۲﴾ اور بادشاہ نے کہا (۳۹) میں نے دیکھا ہے کہ سات دہلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیوں کو اور دوسری سات خشک بالیوں کو دیکھا ہے۔ اے حاضرین مجلس! اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتاؤ ﴿۳۳﴾ انہوں نے کہا، یہ پراگندہ خیالات (۴۰) ہیں اور ہم پراگندہ خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے ہیں ﴿۳۴﴾ دونوں نوجوان میں سے جس کی نجات ہو گئی تھی، اس کو ایک زمانے کے بعد یوسف کی بات یاد آئی (۴۱) اس نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، آپ لوگ (مجھے یوسف کے پاس) جانے دیجئے ﴿۳۵﴾

کی تعبیر بتانا شروع کیا۔ اور چونکہ ان کے سوال کے بعد یوسف علیہ السلام کی دعوتی گفتگو طویل ہو گئی تھی، اسی لئے انہوں نے دوبارہ ان دونوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے جیل کے میرے دونوں ساتھی! تم میں سے ایک جیل سے نکل کر پہلے کی طرح بادشاہ کا ساقی بحال ہو جائے گا، اور دوسرا قتل کر دیا جائے گا اور سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور چڑیاں اس کے سر کا گوشت کھائیں گی، جو سوال تم دونوں نے کیا ہے، اس کے بارے میں اللہ کا یہی فیصلہ ہو چکا ہے۔

(۳۸) جس آدمی کو یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ وہ جیل سے نکل جائے گا اور قتل نہیں ہوگا، اس سے کہا کہ جب تمہاری ملاقات تمہارے آقا سے ہو، تو اس سے میرا حال بیان کرنا اور بتانا کہ مجھے اللہ نے خواب کی تعبیر کا علم دیا ہے، اور یہ کہ میں بے گناہ ہوں، مجھے جیل میں ڈال کر مجھ پر زیادتی کی گئی ہے، لیکن جیل سے نکلنے کے بعد شیطان نے اس کی یادداشت سے یہ بات نکال دی، تاکہ یوسف علیہ السلام جیل سے نہ نکل سکیں۔ طبری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر یوسف ساقی سے مدد طلب نہ کرتے تو لمبی مدت تک جیل میں نہ رہتے۔“ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی کمزور ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔

(۳۹) جب یوسف علیہ السلام کی رہائی کا دن قریب آیا تو مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے خواب دیکھا کہ ایک خشک نہر سے سات موٹی گائیں نکلیں، ان کے پیچھے سات دہلی گائیں نکلیں اور موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ سات ہری بالیوں کو سات خشک بالیوں نے اپنی پیٹ میں لے لیا، اور انہیں کھا گئیں۔ اس نے سردار ان قوم سے اس کی تعبیر دریافت کی، اور مصر کے تمام جادو گروں اور داناکوں کو بلا کر ان سے بھی اس کی تعبیر معلوم کی۔

(۴۰) سب نے یہ جواب دیا کہ اس خواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے، محض وہم اور شیطان کا وسوسہ ہے، اور ہم لوگ ایسے پراگندہ

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَتَمَّنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتِ سِمَانٍ يَا أَكْثَرُنَ سَبْعِ عِمَاقٍ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأَحْمَرٍ لَيْسَتْ
لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ قَالَ تَزْعُمُونَ سَبْعَ سِنِينَ ذَا بَأْسًا فَحَصَدْتُمْ فَذُرُّهُ فِي
سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَا أَكْثَرُنَا مَا قَدَّمْتُمْ لَهَا إِلَّا قَلِيلًا
مِمَّا تَحْصِنُونَ ﴿۳۳﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُعَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِضُونَ ﴿۳۴﴾

اے یوسف صدیق! (۳۱) ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات دہلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھار ہی ہیں، اور سات ہری بالیاں ہیں اور دوسری سات خشک بالیاں ہیں، تاکہ میں واپس جا کر لوگوں کو بتاؤں، تو انہیں (آپ کی قدر و منزلت کا) علم ہو ﴿۳۱﴾ یوسف نے کہا (۳۲) تم لوگ مسلسل سات سال تک کاشت کرو گے، اور فصل کاٹنے کے بعد اسے بالیوں میں ہی رہنے دو گے، سوائے اس تھوڑے حصہ کے جو تم کھاؤ گے ﴿۳۲﴾ پھر اس کے بعد سات مشکل سال آئیں گے جو پہلے سے ان سالوں کے لئے تمہارے جمع کردہ غلوں کو کھا جائیں گے، سوائے معمولی مقدار کے جو تم نے احتیاط سے محفوظ رکھا ہو گا ﴿۳۳﴾ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی، اور جس میں لوگ خوب رس نکالیں گے ﴿۳۴﴾

خیالات کی تعبیر نہیں جانتے ہیں، تعبیر تو سچے خوابوں کی ہوتی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ ان جادوگروں اور حکماء نے علم تعبیر رویا سے اپنی نادانیت کا اعتراف کیا ہو، جیسا کہ بادشاہ کا ان کے بارے میں پہلے سے ہی گمان تھا، اسی لئے اس نے کہا تھا کہ اگر تم لوگ خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو بتاؤ۔

(۳۱) اب ساقی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی۔ کہتے ہیں کہ اسے جیل سے نکلے ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اس خواب کی تعبیر میں آپ کو بتاؤں گا، لیکن اس شخص سے پوچھ کر جس کے پاس اس کا علم ہے۔ آپ مجھے حکم دیجئے، اور جیل میں یوسف کے پاس جانے دیجئے۔ چنانچہ وہ جیل میں ان کے پاس پہنچا۔

(۳۲) انہیں صدیق کے نام سے خطاب کیا، اس لئے کہ جیل میں ان کے ساتھ تھا تو ان کی سچائی اور پاکیزگی اخلاق اور طہارت طبع کا تجربہ کر چکا تھا، اور خواب کی جو تعبیر انہوں نے اسے اور اس کے مقتول ساتھی کو بتائی تھی وہ بالکل سچی ثابت ہوئی تھی۔ اس کے بعد بادشاہ کا خواب اسی کے الفاظ میں بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی، اور "أَفْتِنَا" میں جمع کی ضمیر یہ بتانے کے لئے استعمال کیا کہ خواب کسی اور کا ہے، جس کا تعلق عوام سے ہے، اور ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بادشاہ جب آپ کے علم و فضل کو جانے گا، تو ممکن ہے کہ جیل سے آپ کو رہائی دے دے گا۔

(۳۳) یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے سات موٹی گایوں اور سات ہری بالیوں کو سات زرخیز سالوں سے، اور سات دہلی گایوں اور سات خشک بالیوں کو سات خشک سالوں سے تعبیر کیا۔ یعنی سات زرخیز سالوں کے بعد سات خشک سال آئیں گے، اور پھر انہیں تعلیم دی کہ انہیں کیا کرنا ہوگا، تاکہ قحط سالی کے زمانے کے لئے غلہ فراہم کیا جاسکے۔ اس کے بعد انہیں خوشخبری دی کہ سات خشک سالوں کے بعد خوب بارش ہوگی، اللہ کی رحمت کا نزول ہوگا اور ملک میں پھل، انگور، زیتون اور دودھ وغیرہ کی کثرت ہوگی۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ فِي مَنَامِي أَنِّي أَصْبَحُ بِجَانِبِ غَدِيٍّ مُّسْتَضِيًّا ۖ وَأَنَا وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ لِي فِي الدُّنْيَا خَالِدِينَ فِيهَا ۗ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَ مَا خَطْبُكَ إِنَّكَ كَادِحٌ يُّؤَسِّفُ عَن نَّفْسِهِ ۖ قُلْنَا مَا لَنَا عَلَيْكَ مِن سُلْطَانٍ مُّنتَهَىٰ ۗ قَالَتْ أَمْرَاتُ الْعَزِيزِ أَلَمْ يَأْتِكُنَّ حَصْحَصَ الْمُنَىٰ آتَاكِ وَأَوْدَقَهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَتَىٰ لِمَ أَخَذْنَاهُ بِالْغَيْبِ ۗ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

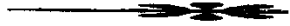
اور بادشاہ نے کہا، اسے میرے پاس لاؤ (۳۱) پس جب ان کے پاس قاصد آیا، تو انہوں نے کہا، اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ، اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کے بارے میں سے کیا خبر ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بے شک میرا رب ان کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے ﴿۵۰﴾ بادشاہ نے پوچھا، تم عورتوں کا کیا واقعہ (۳۵) ہے، جب تم نے یوسف کو گناہ پر اکسایا تھا؟ انہوں نے کہا، بے عیب ہے اللہ کی ذات، ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں پائی، عزیز کی بیوی نے کہا، اب حق کھل کر سامنے آ گیا، میں نے اسے گناہ پر اکسایا تھا اور وہ بالکل سچا ہے ﴿۵۱﴾ یوسف نے کہا، میں نے یہ سوال اس لئے کیا ہے تاکہ عزیز کو یقین ہو جائے، کہ میں نے پوشیدہ طور پر اس کی عزت میں خیانت (۳۶) نہیں کی ہے، اور بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں ہونے دیتا ہے ﴿۵۲﴾

(۳۳) جب ساتی خواب کی تعبیر لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا، تو سن کر اسے بڑا تعجب ہوا اور اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس کے خواب کی یہی تعبیر ہے، اور اسے اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ یوسف کوئی غیر معمولی انسان ہیں، اور خوابوں کی سچی تعبیر کا علم ملک میں ان سے زیادہ کسی کے پاس نہیں ہے، اور یہ کہ وہ نہایت ہی اخلاق مند اور انسان دوست آدمی ہیں کہ جیل کی مصیبتوں سے دوچار ہونے کے باوجود خواب کی تعبیر کے ساتھ قسط سالی کے برے آثار سے بچنے کی تدبیر بھی بتائی ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ انہیں جیل سے فوراً نکال کر اس کے پاس لایا جائے۔ جب بادشاہ کا بیٹا مبران کے پاس آیا تو انہوں نے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں کی اور کہا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، ان کے بارے میں اس کے پاس کیا خبر ہے؟ اور ان کا مقصد یہ تھا کہ پہلے ان کی عفت اور گناہ سے براءت کا اعلان ہو جائے، پھر جیل سے باہر جائیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام میں غایت درجہ کا تحمل اور حلم و بردباری پائی جاتی تھی، جو عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں جیل میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت یوسف رہے تو قاصد کی بات مان کر اس کے ساتھ جیل سے نکل کر بادشاہ کے پاس فوراً چلا جاتا“۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی کے بجائے دوسری عورتوں سے پوچھنا اس لئے بہتر سمجھا، کہ وہ عورت کہیں کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کر دے، اور اس امید میں بھی کہ ممکن ہے کہ وہ عورتیں عزیز کی بیوی کے اعتراف کی گواہی دیں اور بادشاہ کو بتائیں کہ اسی نے یوسف کو گناہ کی دعوت دی تھی۔ اور خود انہوں نے بھی یوسف کو عفت و پاکدامنی کی جس بلندی پر پایا اس کی بھی گواہی دیں۔

(۳۵) جب بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا کہ انہوں نے یوسف کو کیسا پایا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یوسف میں بدرکداری

کاشانیہ تک نہیں پایا، اور عزیز کی بیوی نے بھی اپنی غلطی، اور یوسف کی عفت و پاکدامنی کا اعتراف کر لیا۔ (۳۶) اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ (طویل جملہ معترضہ کے بعد) یہ بھی یوسف علیہ السلام کا قول ہے، یعنی جیل سے نکلنے سے پہلے انہوں نے عورتوں سے اور عزیز کی بیوی سے اس لئے ان کی غلطیوں کا اعتراف کروانا چاہا تاکہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ خیانت نہیں کی ہے۔ آخر میں اس طرف اشارہ ہے کہ زلیخا کا مکرو فریب اس کے کام نہ آیا، اور اپنے شوہر کے ساتھ اس کی خیانت اس کی ذلت و رسوائی کا سامان بن گئی۔ اور خود عزیز مصر کی طرف اشارہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی براءت اس کے سامنے ظاہر ہو جانے کے باوجود زلیخا کے اشارہ پر اس صدق و صفا اور امانت و دیانت کے پیکر کو جیل میں ڈال دیا۔



وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا الْمَثُورِ بِالسُّؤْرِ إِلَّا مَا رَحِمْنَا رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أُنْوِي بِكَ
 اسْتِخْرَاصَهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ
 عَلَيْكَ ۝ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُهُ
 أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور میں اپنے آپ کو خطاؤں سے پاک نہیں بتاتا ہوں (۴۷) بے شک انسان کا نفس برائی پر بہت زیادہ ابھارتا ہے،
 سوائے اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے، بے شک میرا رب بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان
 ہے ﴿۵۳﴾ اور بادشاہ نے کہا، اُسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنا خالص صلاح کار ﴿۵۴﴾ بناؤں گا، پس جب ان
 سے بات کی تو کہا کہ تم آج سے ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ اور قابل اعتماد ہو ﴿۵۵﴾ یوسف نے کہا کہ آپ مجھے
 ملک کے خزانوں کا ذمہ دار بنا دیجئے ﴿۵۶﴾ میں بے شک ان کی خوب حفاظت کروں گا، اور مجھے اس کام کی اچھی
 معلومات ہے ﴿۵۷﴾ اور اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر کا اقتدار دے دیا ﴿۵۸﴾ تاکہ اس میں جہاں چاہیں
 رہیں، ہم اپنی رحمت جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں، اور ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ہیں ﴿۵۹﴾

(۴۷) اس آیت کریمہ سے تیرہویں پارہ کی ابتدا ہو رہی ہے، اس میں یوسف علیہ السلام نے اللہ کے لئے اپنی غایت خشوع
 و خضوع کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتا ہوں، انسان کا نفس تو برائی پر آکساتا ہی رہتا ہے،
 سوائے ان نفوسِ قدسیہ کے جن پر اللہ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے، اس لئے وہ برائی کا حکم نہیں دیتے ہیں۔ اور میرا رب تو بڑا معاف
 کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ زیلجاکے قول کا حصہ ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ
 علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ایسی صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے اپنی غلطی اور یوسف کی عفت و پاکدامنی کا اعتراف
 اس لئے صراحت کے ساتھ کر لیا ہے تاکہ میرا شوہر جان لے کہ میں نے پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ خیانت نہیں کی ہے، اور میں
 اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی ہوں، انسان کا نفس تو گناہ پر ابھارتا ہی رہتا ہے، جیسی تو میں نے یوسف کو گناہ پر ابھارا تھا۔

(۴۸) اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ان کے صبر و استقامت اور عفت و طہارت کی وجہ سے بہت ہی اونچا مقام عطا فرمایا۔
 مقام نبوت سے سرفراز فرمایا، اور شاہ مصر کا خلیفہ اور نائب بنا دیا۔ جب بادشاہ کو ان کی عفت، طہارت، نفس اور وسعتِ علم کی خبر
 ہوئی، تو انہیں اپنے پاس لے آنے کا حکم دیا تاکہ انہیں اپنا خاص مشیر کار بنا لے۔ اور جب ان سے بات کرنے کے بعد اسے تمام
 باتوں کا یقین ہو گیا اور جان گیا کہ یہ وہ گویا ہے جو کسی کو قسمت سے ملا کرتا ہے، تو فوراً یوسف علیہ السلام سے کہا کہ میں
 تمہیں اپنی حکومت میں اعلیٰ منصب پر متعین کرتا ہوں اور اپنی طرف سے ہر چیز کا ذمہ دار اور امانت دار بناتا ہوں۔ چنانچہ انہیں
 اپنے بعد سرزمین مصر کا سب سے بڑا حاکم بنا دیا، اور پورے ملک میں اس کا اعلان کروادیا، اور عظمائے مملکت میں سے ایک کی بیٹی
 سے ان کی شادی کر دی۔

(۴۹) جب بادشاہ نے انہیں اپنا نائب بنا لیا تو انہوں نے اپنی اہلیت و قابلیت اور ملک کی ضرورت کے پیش نظر بادشاہ سے کہا کہ
 مجھے سرزمین مصر کے خزانے کا ذمہ دار بنا دیا جائے، تاکہ اپنے علم و امانت کی روشنی میں قحط سالی کے زمانے میں عوام کو غذا بہم پہنچانے

وَالْأَجْرُ الْآخِرُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ فَاذْلَعُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُتُكِرُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِآيَةٍ كُفْرًا كَمَا كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ ﴿۵۹﴾ إِنِّي أَوْفَىٰ الْكَيْلِ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۶۰﴾ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿۶۱﴾

اور یقیناً آخرت کا اجر و ثواب ان ایمان والوں کے لئے زیادہ بہتر (۵۷) ہوگا جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے ہیں ﴿۵۷﴾ اور یوسف کے بھائی آئے (۵۸) اور ان کی مجلس میں داخل ہوئے تو انہوں نے سب کو پہچان لیا، اور ان سب نے ان کو نہیں پہچانا ﴿۵۸﴾ اور جب ان کا غلہ انہیں دے دیا تو کہا، تم اپنے اس بھائی کو لاؤ جو باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا ناپتا ہوں، اور مہمان نواز بھی سب سے اچھا ہوں ﴿۵۹﴾ پس اگر تم اسے نہیں لائے تو تمہارے لئے میرے پاس غلہ نہیں ہے اور میرے قریب نہ آنا ﴿۶۰﴾

کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دوں جو خوشحالی کے سات سالوں کے بعد آنے والا ہے۔

(۵۰) اس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو سر زمین مصر کا مالک بنا دیا، جس طرح چاہتے تھے اس میں تصرف کرتے تھے، جہاں چاہتے تھے جاتے تھے، ہستی ہو یا شہر ہر جگہ انہی کا حکم چلتا تھا، اور تمام لوگ انہی کے اشاروں پر حرکت کرتے تھے۔

(۵۱) اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ثواب آخرت ثواب دنیا سے زیادہ بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کی کامیابی کے لئے اصل کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ دنیا کا جاہ و جلال اور عزت و شہرت سب عارضی ہے۔ اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

(۵۲) اب یوسف کا خواب پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ سر زمین مصر میں سات سال تک خوب بارش ہوئی، زمین کی زرخیزی کئی گنا بڑھ گئی، کہا جاتا ہے کہ ملک میں سمندر کی ریت کی مانند غلے کی کثرت ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہر شہر کے ارد گرد کے غلے اس شہر میں جمع کئے جاتے رہے۔ سات سال کے بعد مصر و شام اور گرد و نواح میں زبردست قحط سالی شروع ہو گئی۔ لوگ دور دور سے آنے لگے تاکہ اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے غلہ حاصل کریں، کیونکہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ مصر کے خزانوں کے انچارج نے غلے کی بہت بڑی مقدار جمع کر رکھی ہے۔ انہی آنے والوں میں یوسف کے بھائی بھی تھے، جنہیں ان کے باپ یعقوب علیہ السلام نے فلسطین سے بھیجا تھا۔ ان کا قافلہ دس افراد پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا۔ لیکن انہوں نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔ انہوں نے سلام کیا اور ان کا تعظیمی سجدہ کیا تو انجان بن کر پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کنعان سے۔ یوسف نے کہا، تم لوگ جاسوس معلوم ہوتے ہو، یہاں جاسوسی کی غرض سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ، ہم تو آپ کے غلام ہیں اور غلہ کے لئے آئے ہیں، ملک میں قحط کی وجہ سے ہماری حالت غیر ہو گئی ہے۔ اور ہم سب بھائی ہیں، ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگ کتنے بھائی ہو؟ انہوں نے کہا، ہم بارہ بھائی تھے، ایک مر گیا، یوسف نے پوچھا کہ یہاں تم لوگ کتنے ہو؟ انہوں نے کہا دس۔ یوسف نے پوچھا، گیارہ ہواں بھائی کہاں ہے؟ کہا باپ کے پاس۔ کہا میں جانا چاہتا ہوں کہ تم سچے ہو، اس لئے ایک بھائی بطور رہن یہاں رہے، اور باقی غلہ لے جائیں اور چھوٹے بھائی کو لے کر آئیں ورنہ آئندہ تم لوگوں کو غلہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ شمعوں کو روک لیا، اور باقی کو اجازت دے دی، اور انہیں زائوسفر دینے کا حکم صادر کیا۔ آیات (۶۰/۵۹) میں انہی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ لِفَتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا بَنَاكَ مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانَ نَكْتَلْ وَإِنَّا لَحَافِظُونَ ﴿۵۵﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُتُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۗ قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۗ وَهُوَ أَحْرَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۗ قَالُوا يَا بَنَاكَ مَا كُنْتَ عَابِدَ ۗ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۗ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدُكَ كَيْلًا بَعِيرٌ ذَلِكِ كَيْلٌ لِّبَسِيرٍ ﴿۵۷﴾

انہوں نے کہا، ہم پہنچتے ہی اس کے باپ کو اسے ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی (۵۳) کریں گے، اور ہم ضرور ایسا کریں گے ﴿۶۱﴾ اور یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ان سب کی رقمیں ان کے سامانوں میں رکھ دو (۵۴) جب اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے کے بعد اسے پہچانیں گے تو امید ہے کہ دوبارہ آئیں گے ﴿۶۲﴾ جب اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے تو کہا، اے ابا! ہمارے لئے غلہ (۵۵) بند کر دیا گیا ہے، اس لئے آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے تاکہ ہمیں غلہ ملے، اور ہم بے شک اس کی پوری حفاظت کریں گے ﴿۶۳﴾ یعقوب نے کہا (۵۶) اس کے بارے میں تم پر میرا بھروسہ کرنا ویسا ہی ہوگا جیسا میں نے اس کے قبل اس کے بھائی کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا، اس لئے اللہ ہی سب سے اچھا حفاظت کرنے والا ہے، اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے ﴿۶۴﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا (۵۷) تو دیکھا کہ ان کی رقم انہیں واپس کر دی گئی ہے، انہوں نے کہا، اے ابا! ہمیں کیا چاہئے یہ ہماری پونجی ہمیں لوٹا دی گئی ہے، اور اپنے گھر والوں کے لئے غلہ حاصل کریں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ برابر غلہ بھی زیادہ ملے گا، جو تھوڑا ہی ہے (بادشاہ پر گراں نہیں گزرے گا) ﴿۶۵﴾

(۵۳) یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے خازن مصر کی دھکی سن کر کہا کہ اگر تم لوگ اس بھائی کو نہ لائے تو میرے ملک میں دوبارہ نہ آنا، انہوں نے کہا کہ ہم اپنی طرف سے اس کے باپ کو راضی کرنے کی پوری کوشش کریں گے، اور مزید تاکید کے طور پر کہا کہ ہم یقیناً اسے لے کر آئیں گے۔

(۵۴) یوسف علیہ السلام نے تولنے والوں سے کہا کہ جو رقم انہوں نے ادا کی ہے۔ اُسے ان کے سامان میں رکھ دو، تاکہ واپسی کے بعد انہیں اپنی رقم ملے گی تو دوبارہ آئیں گے۔

(۵۵) واپس جا کر اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی بنیامین کو لے کر نہیں جائیں گے تو ہمیں غلہ نہیں ملے گا۔ اس لئے اسے ہمارے ساتھ جانے دیجئے تاکہ ہمیں غلہ مل سکے، اور یقین کیجئے کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔

(۵۶) یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ جو عہد و پیمان میں نے تم لوگوں سے یوسف کی حفاظت کے لئے لیا تھا، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت عہد و پیمان ہوتا ہے جو میں تم لوگوں سے بنیامین کے لئے لوں۔ اس کے باوجود تم نے یوسف کے بارے میں میرے ساتھ خیانت کی، اس لئے اب میں تم لوگوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا ہوں، میں اس کی حفاظت کا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں جو سب سے بڑا محافظ ہے، اور والدین اور بھائیوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ یہ یعقوب علیہ السلام کی طرف سے اشارہ تھا کہ وہ بنیامین کو لے جانے کی اجازت دے دیں گے۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَأْتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۵۸﴾ وَقَالَ يَبْنَئِي لَأَتَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحَكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۵۹﴾

یعقوب نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جانے دوں گا، یہاں تک کہ تم مجھ سے اللہ کے نام کا پختہ عہد کرو کہ تم اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے (۵۸) الٰہیہ کہ تم سب کو ہی گھیر لیا جائے، پس جب سب نے ان سے پختہ عہد کر لیا تو کہا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا ضامن اللہ ہے ﴿۶۶﴾ اور یعقوب نے کہا، میرے بیٹا! تم سب ایک دروازے سے نہ داخل (۵۹) ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اور اللہ کی طرف سے کسی مقدر حکم کو میں تم سے نہیں ٹال سکتا ہوں، ہر حکم اور فیصلہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۶۷﴾

(۵۷) کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک نے راستہ میں اپنے سواری کے جانور کو چارہ دینے کے لئے اپنا سامان کھولا تو اسے اپنی رقم بوری کے منہ پر ہی مل گئی۔ اس نے یہ بات اپنے بھائیوں سے بتائی، اور جب کنعان پہنچ کر سب نے غلے کی اپنی اپنی بوری کھولی تو ہر ایک کو اس کی رقم بوری کے منہ پر ہی ملی، کبھی بہت زیادہ خوش ہوئے، اللہ کا شکر ادا کیا، اور سب نے بیک زبان اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اب ہمیں کیا چاہئے، عزیز مصر نے بے حد کریم کی، غلہ دیا، زاد سفر دیا، اور ہمارے پیسے بھی واپس کر دیئے۔ اور ان کا مقصود اس گفتگو سے یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام بنیامین کو جانے کی اجازت دے دیں۔ اور ہم اگر اس کی بات مان لیں گے اور بھائی بنیامین کو ساتھ لے جائیں گے تو اپنے اہل و عیال کے کھانے کے لئے غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا غلہ لائیں گے، جو بادشاہ پر گراں نہیں گذرے گا۔

(۵۸) یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں اسے تمہارے ساتھ اسی صورت میں بھیج سکتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کی قسم کھا کر مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ تم لوگ ہر حال میں اسے واپس لاؤ گے، الٰہیہ کہ دشمن تم سب کو چاروں طرف سے گھیر لیں، اور تم مغلوب ہو جاؤ اور اس کی جان نہ بچا سکو۔ جب ان لوگوں نے پختہ عہد کر لیا، تو یعقوب علیہ السلام نے انہیں ان کا عہد یاد دلاتے ہوئے اور نقص عہد کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے اس بات پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ انہوں نے اجازت اس لئے دے دی کہ غلہ حاصل کرنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

(۵۹) یعقوب علیہ السلام کے کبھی بیٹے صحت مند اور خوبصورت تھے اور اچھا لباس بھی زیب تن کرتے تھے۔ اس لئے انہیں ڈر ہوا کہ اگر کبھی ایک ہی دروازے سے داخل ہوں گے تو کہیں کسی کی نظر بد نہ لگ جائے، اسی لئے انہیں نصیحت کی کہ سب ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہوں، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس وقت مصر کے چار دروازے تھے۔ لیکن اس کے بعد ہی فوراً یہ کہا کہ میں اپنے اس تدبیر کے ذریعہ اللہ کی قضا و قدر کو نہیں ٹال سکتا ہوں، اس لئے کہ احتیاط تقدیر کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی ہے۔ مفسر ابو السعود لکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ احتیاط بے کار چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَلْفُتُوا يَا بَنِي إِدْرِيسَ إِلَى التَّمَكُّنَةِ﴾ "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ (البقرة: ۱۹۵)۔ نیز

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ قُرْنُ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ وَالْأَحَابِئُ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهُ وَإِنَّا إِتَّكُنَّا لَهُمْ لِنَا عِلْمَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۹﴾

اور جب وہ لوگ (مصر میں) اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا، تو یہ تدبیر اللہ کی کسی تدبیر کو ان سے نہیں ٹال (۶۸) سکتی تھی، یہ تو یعقوب کے دل کی ایک بات تھی جو انہوں نے پوری کی تھی، اور ہم نے انہیں جو علم دیا تھا اس کے سبب وہ (تدبیر و تقدیر کے مسائل کو) خوب جانتے تھے، لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے ہیں ﴿۶۸﴾ اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس گئے، تو انہوں نے اپنے بھائی (بنیامین) کو اپنے قریب (۶۹) کر لیا اور کہا میں ہی تمہارا بھائی ہوں، یہ لوگ جو کچھ اب تک کر رہے ہیں اس کا غم نہ کرو ﴿۶۹﴾

فرمایا ہے: ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ ”احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو“ (النساء: ۷۱/۱۰۲)۔ ان کا مقصد یہ بتانا تھا کہ احتیاط ہی مقصود اصلی نہیں ہے، بلکہ محض تدبیر ہے جسے مفید بنانا اللہ کا کام ہے، اور تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی ہے، وہ اللہ سے مدد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس سے بھاگ کر اسی کی جناب میں پناہ لینے والی بات ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ تمام فیصلے اللہ کے اختیار میں ہیں، ان میں کسی اور کا دخل نہیں ہے، اس لئے میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور تمام لوگوں کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے جانے کی نصیحت اس لئے کی تھی تاکہ انہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن معتزلہ نے بغیر کسی حجت و دلیل کے نظر لگنے کا انکار کیا ہے، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نظر حق ہے، رسول اللہ ﷺ اور بعض صحابہ کو نظر لگی تھی، بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نظر لگنا حق ہے۔ اور حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب ”زاد المعاد“ میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور صحیحین اور دوسری کتابوں سے اس کے ثبوت میں صحیح احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ بات قدیم زمانے سے ثابت ہے کہ نظر لگ جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن و سنت کو دین کا مرجع ماننے والوں کا اجماع ہے کہ بعض انسانوں کی نظر دوسرے انسانوں بلکہ جانوروں تک کو لگ جاتی ہے، اور کتنے لوگ نظر لگنے سے ہلاک ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو ان کی نظر کے شر سے بچانے کے لئے انہیں یا تو جس دوام دے دیا جائے گا یا شہر بدر کر دیا جائے گا۔

(۶۰) باپ کے کہنے کے مطابق مختلف دروازوں سے ان کا داخل ہونا اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتا تھا، اور نہ یعقوب کا ایسا خیال تھا، یہ تو ان کی شفقت پدیری تھی جس کا انہوں نے اس طرح اظہار کیا تھا، انہیں اللہ نے نبی بنایا تھا اور آسمانی علم و حکمت سے نوازا تھا، انہیں معلوم تھا کہ تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی ہے، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال وقوع پذیر ہوتا ہے، لیکن بہت سے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اسباب میں تاثیر ہوتی ہے، جو ان کی خام خیالی ہے، اور تقدیر پر ایمان لانے کے مخالف عقیدہ ہے۔

(۶۱) جب یوسف کے پاس بنیامین کو لے کر پہنچے، تو انہوں نے ان سب کی خوب خاطر مدارات کی، اور بنیامین کو کسی بھانے سے

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رِجْلِ أَحِبِّهِ ثُمَّ ادَّانَ مُؤَدِّنَ أَيُّهَا الْعَبْدُ لَكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْكُمْ مِمَّا ادْفَقْتُمُونَ ﴿۶۲﴾ قَالُوا نَفَقْتُمْ صَوَاعًا الْمَالِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۶۳﴾ قَالُوا نَالَهُ لَقَدْ عَلِمْتُمْ تَنَا جُنَّتِ الْبَغْيُ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿۶۴﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاءُكَ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿۶۵﴾ قَالُوا جَزَاءُكَ مَنْ وَجِدَ فِي رِحْلِهِ فهُوَ جَزَاءُكَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۶۶﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وَعَاءِ أَحِبِّهِ ثُمَّ اسْتَعْرَجَا مِنْ قَوْمِهِ أَخِيهِ ﴿۶۷﴾ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ عِلْمٌ ﴿۶۸﴾

پس جب ان کا غلہ انہیں دے دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پینے کا پیالہ رکھوادیا (۶۱) پھر ایک منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلہ والو! تم لوگ چور ہو ﴿۶۲﴾ وہ لوگ اعلان کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے ﴿۶۳﴾ بادشاہ کے لوگوں نے کہا، ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں مل رہا ہے، اور جو اسے حاضر کر دے گا اسے ایک اونٹ کا غلہ زیادہ ملے گا، اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ﴿۶۴﴾ انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! (۶۵) تمہیں معلوم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے ہیں، اور ہم نے کبھی چوری نہیں کی ہے ﴿۶۶﴾ بادشاہ کے لوگوں نے کہا، اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو چور کی کیا سزا ہوگی ﴿۶۷﴾ انہوں نے کہا، جس کے سامان میں پیالہ نکلے گا وہی اس کے بدلے میں رکھ لیا جائے گا، ہم ظالموں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۶۸﴾ یوسف نے اپنے بھائی (بنیامین) کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں میں تلاش کرنا شروع (۶۹) کیا پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے پیالہ نکال لیا، اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی۔ وہ شاہِ مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے، سوائے اس کے کہ اللہ ایسا ہی چاہے، ہم جسے چاہتے ہیں کئی درجے بلند کرتے ہیں، اور ہر جاننے والے کے اوپر اس سے بڑا جاننے والا ہے ﴿۷۰﴾

الگ بلکہ سارا ماجرا اسناد یا اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، اور کہا کہ جو کچھ میرے سوتیلے بھائیوں نے کیا تھا اس کا غم نہ کرو اور ابھی راز کو افشاء نہ کرو، اور میں تمہیں کوئی سبب پیدا کر کے اپنے پاس روک لوں گا، تاکہ عزت و آرام کے ساتھ میرے پاس رہ سکو۔

(۶۲) چنانچہ انہوں نے اپنے اہل کاروں کو سکھادیا کہ جب یہ لوگ اپنا سامان سفر باندھ رہے ہوں تو بادشاہ کا چاندی کا پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور جب وہ لوگ واپس جاتے ہوئے کچھ دور چلے گئے، تو پیچھے سے ان کے آدمی دوڑتے ہوئے گئے اور کہا کہ تم لوگ چور ہو۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ تو اعلان کرنے والے نے کہا کہ بادشاہ کا پیالہ چوری ہو گیا ہے، اور جس نے اسے لیا ہے، اگر از خود لوٹا دے گا تو اسے ایک اونٹ کا غلہ دیا جائے گا، اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

(۶۳) بھائیوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ہم کنعان سے یہاں چوری کرنے یا کسی بری نیت سے نہیں آئے تھے، ہم تو غلہ کے لئے آئے تھے، اور اس سے پہلے بھی آئے تھے اور چوری کا الزام ہم پر نہیں لگایا گیا تھا، اور نہ کبھی ہم نے زندگی میں ایسا کام کیا ہے۔

قَالُوا إِنَّ يَسْرَافَ فَقَدْ سَرَقَ أَخًا لَهُ مِنْ قَبْلُ، فَاسْتَأْذَنُوا يَوْسُفَ فِي نَفْسِهِ، وَلَمْ يُبَيِّنْهَا لَهُمْ، قَالَ أَنْتُمْ شَرِكُمْ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا كَيْفَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ آيَاتٍ نُنَافِئُكَ بِهَا كَمَا كُنَّا نَمُكِّنُكَ إِذْ أَنْزَلْنَاكَ مِنَ السَّمَاءِ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ أَتَّخِذَ الْإِنْسَانُ مِنْ وُجْدِنَا مَتَاعًا عِنْدَ أَنْزَالِنَا الْكُفْرَ لِيُؤْمِنُوا ۝

انہوں نے کہا، اگر اس نے چوری کی ہے، تو اس کے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری (۶۵) کی تھی، یوسف نے ان کی اس کذب بیانی کو اپنے دل میں ہی چھپائے رکھا اور اس کا اثر اپنے اوپر ظاہر نہیں ہونے دیا، اور دل میں کہا، تم کتنے برے لوگ ہو، اور جو جھوٹ تم بول رہے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۷۷﴾ انہوں نے کہا، اے عزیز! اس کا ایک بہت عمر رسیدہ بوڑھا باپ ہے، آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی ایک کو لے لیجئے (۶۶) ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نیک دل انسان ہیں ﴿۷۸﴾ عزیز نے کہا، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس کے علاوہ کسی اور کو پکڑیں (۶۷) جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، تب تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے ﴿۷۹﴾

تو یوسف کے لوگوں نے کہا کہ اگر تم لوگ جھوٹے نکلے تو چور کو کیا سزا ملنی چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ جس کے سامان میں پیالہ ملے اسے بادشاہ اپنا غلام بنالے، چوری کرنے والوں کو ایسی ہی سزا ملنی چاہئے۔

(۶۳) اعلان کرنے والے نے بنیامین کے سامان سے پہلے بھائیوں کے سامان میں تلاش کیا، پھر بنیامین کے سامان سے پیالہ نکال لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوسف کی غرض پوری کرنے کے لئے ہم نے یہ تدبیر کی تھی، اس لئے کہ شاہ مصر کے قانون و دستور کے مطابق یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ یعقوب علیہ السلام کے دین و شریعت میں یہ تھا کہ چور کو غلام بنالیا جاتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود ان بھائیوں کی زبان سے ان کے باپ کے دین کے مطابق کہلوایا کہ جو چور ہو گا وہ بادشاہ کا غلام بنالیا جائے گا، ان کا یہ کہنا اللہ کی مشیت کے مطابق تھا کہ یوسف اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے علم کے ذریعہ یوسف کو بلند مقام دیا، اسی طرح ہم جسے چاہتے ہیں علوم و معارف دے کر اس کے ہم عصروں میں اسے عالی مقام بنا دیتے ہیں۔ اور ہر علم والے سے بڑا علم والا ہوتا ہے، اسی لئے حسن بصری کہا کرتے تھے کہ ہر علم والے سے بڑا علم والا ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑا کوئی عالم نہیں، اور اس کا علم عمر بے کنار ہے۔

(۶۵) جب پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا، تو ان کے بھائیوں نے (عزیز کے سامنے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم لوگ اس جیسے چور نہیں ہیں) کہا کہ اگر یہ چور نکلا تو اس کا بھائی بھی تو چور تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ان کے اس جھوٹ پر ضبط سے کام لیا، اور اپنے تاثرات کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور دل میں کہا کہ تم کتنے برے لوگ ہو کہ خود یوسف کو اس کے باپ سے دھوکہ دے کر لے گئے تھے اور کنواں میں ڈال دیا تھا اور آج اس مظلوم و بے گناہ پر چوری کی تہمت دھرتے ہو تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے۔

(۶۶) جب انہی کی رائے کے مطابق یہ بات طے پاگئی کہ اب بنیامین کو مصر میں ہی رہنا ہے، تو انہوں نے عزیز مصر سے رحم کی اپیل اس طرح کی کہ آپ ہم میں سے کسی ایک کو بنیامین کے بدلے لیں اور اسے چھوڑ دیں اس لئے کہ اس کے والد بہت ہی

فَلَمَّا اسْتَأْتَيْنَاهُ إِذْ هُوَ قَائِمًا قَالَ لَكُمْ كَيْدُهُمْ أَكْبَرُ مِنْكُمْ وَعَلِمُوا أَنَّ أَبَاهُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمَنْ قَبْلَ مَا فُوتَكُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرُرَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذُنَ لِي أَبِي أَوْ بِعْتُمْ اللَّهَ لِي وَهُوَ خَيْرٌ الْحَاكِمِينَ ﴿۸۱﴾ رَجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا بَنَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرِقٌ ۚ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿۸۲﴾ وَسُئِلَ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۸۳﴾

جب وہ لوگ اس کی جانب سے بالکل ناامید (۱۸) ہو گئے، تو ایک ساتھ الگ جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ بڑے بھائی نے کہا کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کے نام پر عہد و پیمان لیا تھا، اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں تم سے جو تقصیر ہو چکی ہے، وہ تمہیں معلوم ہی ہے، اس لئے میں اس ملک سے واپس نہیں جاؤں گا، یہاں تک میرے والد مجھے اجازت دیں یا اللہ میرے حق میں کوئی فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۸۱﴾ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو (۱۹) ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی تھی۔ اور ہم نے جو جانا ہے اسی کی گواہی دی ہے، اور غیب کی باتوں کی ہمیں کچھ خبر نہیں ہے ﴿۸۱﴾ اور آپ اس ہستی والوں سے پوچھ لیجئے (۷۰) جہاں ہم گئے تھے، اور اس قافلہ والوں سے بھی جن کے ساتھ ہم واپس آئے ہیں، اور یقین کیجئے کہ ہم سچے ہیں ﴿۸۲﴾

بوڑھے ہیں اور اس سے بڑی محبت کرتے ہیں، اور اسے دیکھ کر ہی گم شدہ بیٹے کا غم غلط کرتے ہیں۔ اور آپ نے پہلے ہم پر بہت احسانات کئے ہیں، اس لئے یہ احسان عظیم بھی ہم پر کیجئے۔

(۶۷) عزیز مصر نے ان کی درخواست رد کر دی، اور کہا کہ قصور وار کے بدلے بے گناہ کو لے لینا ظلم و زیادتی ہوگی۔ اور ایسے گناہ کے ارتکاب سے اللہ کی پناہ مانگی، تاکہ ان کے بھائیوں کی امید بالکل ہی ختم ہو جائے۔

(۶۸) جب کوئی امید باقی نہ رہی، تو لوگوں سے الگ ہو کر آپس میں سر جوڑ کر غور و خوض کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ تو بڑے بھائی نے (جس کا نام غالباً زوین تھا) کہا کہ تم سب کو پتہ ہے کہ ہمارے باپ نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہم سے بڑا سخت عہد و پیمان لیا ہے کہ ہم ان کے لڑکے کو بحفاظت تمام ان کے پاس واپس پہنچائیں گے، اور ہم لوگ اس کے پہلے یوسف کے سلسلے میں جس عدم اہتمام کا مظاہرہ کر چکے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ اس لئے اب میں مصر سے اسی وقت کنعان جاؤں گا جب میرے باپ مجھے اجازت دیں گے، یا اللہ تعالیٰ مصر سے میری روانگی کا فیصلہ کر دے یا میرا بھائی بنیامین کسی طرح آزاد کر دیا جائے، اور اللہ بہر حال بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۶۹) بھائیوں سے کہا کہ تم لوگ والد کے پاس جاؤ، اور انہیں سارا ماجرا سناؤ اور کہو کہ آپ کے بیٹے بنیامین کی طرف عزیز مصر کے پیالے کی چوری منسوب کی گئی ہے اور ہم نے دیکھا کہ اس کے سامان سے پیالہ نکالا گیا، ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اور چونکہ ہم غیب کا علم نہیں رکھتے ہیں، اس لئے حقیقت امر کا پتہ نہیں کہ کیا واقعی بنیامین نے چوری کی ہے، یا کوئی اور بات ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ہم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تھی تو ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ چوری کرے گا اور ہماری رسوائی کا سبب بنے گا۔

قَالَ بَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْرًا ، فَصَدَّرْتُمْ أَفْرًا ، وَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ، إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْعَكِيمُ ﴿۸۲﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسْفَى عَلَى يُوسُفَ وَإِذْ صَبَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۳﴾ وَالْوَالِدَاتُ لَرَوْنَهُ بِأَبْصَارِنَّ كَتُمَّاتٍ ذُنُوبُهُنَّ ، وَأَسْفَى عَلَى يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۸۴﴾

یعقوب نے کہا، بلکہ تمہارے ذہنوں نے ایک سازش گھڑ لی (۸۱) ہے، پس مجھے صبر سے کام لینا ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس پہنچا دے گا، بے شک وہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۸۲﴾ اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا، ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر، اور غم سے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں، اور اپنا درد و غم دل میں چھپائے رہتے تھے ﴿۸۳﴾ انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! آپ یوسف کو اسی طرح یاد (۸۲) کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل کر موت کے قریب ہو جائیں گے، یا ہلاک ہی ہو جائیں گے ﴿۸۴﴾

(۷۰) اور یہ بھی کہو کہ آپ کسی کو مصر بھیج کر حقیقت حال کا پتہ چلا لیجئے، اور اس قافلہ والوں سے بھی پوچھ لیجئے جو ہمارے ساتھ وہاں سے آئے ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ ہم لوگ سچے ہیں۔

(۷۱) جب وہ لوگ کنعان پہنچے تو اپنے باپ سے وہی کچھ کہا جو ان کے بڑے بھائی نے سکھا یا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ بات کہ میرے بیٹے نے چوری کی ہے، تمہارے ذہن کی ایک پیداوار ہے، اس نے حقیقت میں چوری نہیں کی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ بنیامین کو کنعان سے مصر لے جانا، تم لوگوں کی پہلے سے سوچی ہوئی سازش تھی تاکہ اسے بھی یوسف کی طرح غائب کر دو۔ اب تو میرے لئے صبر کرنا ہی بہتر ہے۔ اور یعقوب علیہ السلام کے مقام نبوت کے لائق یہی بات تھی۔ بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صبر یہ ہے کہ آدمی پہلی چوٹ کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر جائے۔“

اس کے بعد یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ مجھے امید ہو چکی ہے کہ میرا اللہ میرے تینوں بیٹوں (یوسف، بنیامین اور رؤفین) کو مجھ سے ملا دے گا۔ انہیں پہلے سے کچھ اندازہ تھا کہ یوسف زندہ ہیں، لیکن مفقود الحظر ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بیٹوں سے منہ پھیر لیا، اور یوسف کی گم شدگی پر شدید حزن و ملال کا اظہار کرنے لگے۔ اس لئے کہ ان کی مصیبتوں کی ابتدا انہی کی گم شدگی سے ہوئی تھی۔ وہ گم ہوئے، پھر بنیامین غلام بنا لئے گئے، اور بڑے بیٹے نے بنیامین کے حادثے سے متاثر ہو کر مصر میں ہی غریب الوطنی کی زندگی اختیار کر لی، اور باپ کو منہ دکھانا پسند نہیں کیا۔ یعقوب یوسف کے گم ہونے کے بعد گھٹ گھٹ کر اتنا روئے کہ مسلسل آنسو بہتے رہنے سے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ کسی مصیبت یا کسی چہیتے کی موت یا گم شدگی پر غم کرنا حرام نہیں ہے۔ حرام یہ ہے کہ آدمی چیخ پکار کرے، گریبان پھاڑے اور ایسی باتیں کرے جو صبر و استقامت کے خلاف ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی موت پر کہا تھا: ”آکھ آنسو بہاتی ہے، اور دل مغموم ہے۔ اور ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے اللہ ناراض ہو، اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔“ آیت کے آخری حصہ ﴿فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ میں اشارہ ہے کہ ان کا دل غم سے متاثر تھا، لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

(۷۲) یعقوب علیہ السلام کا حال زار دیکھ کر ان کے بیٹوں کو ان پر بزار تم آتا تھا، اور جب ان کی حالت دن بدن غیر ہونے لگی، اور

قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُ آبَائِكُمْ إِلَى اللَّهِ وَاعْلَمُوا مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۳﴾ يَبْنَؤُا فَمَحْسُورًا مِنْ يُوسُفَ وَ
 أَخِيهِ وَلَا تَأْتِسُوا مِنْ زُورِ اللَّهِ إِنَّكَ لَا يَأْتِسُ مِنْ زُورِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿۷۴﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا
 الْعَزِيزُ مُسْتَنَادًا هَلْكَ الضَّرُّ وَجَمْنَا بِضَاعَكَ مُعْرُجَةً فَأَوْتِنَا الْكَفِيلَ وَصَدَّقَ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ جَزِيءُ الْمُصَدِّقِينَ ﴿۷۵﴾
 قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ يُّوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۷۶﴾

یعقوب نے کہا، میں اپنا درد و غم اور حزن و الم اللہ سے کہتا ہوں (۷۳) اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے ہو ﴿۷۴﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ (۷۳) اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ناامید ہوتے ہیں ﴿۷۴﴾ پس وہ لوگ تیسری بار عزیز کے پاس پہنچے تو کہا، اے عزیز! ہم اور ہمارے اہل و عیال بہت ہی تکلیف (۷۵) میں ہیں، اور ہم کوچی بھی حقیر سی لائے ہیں، لیکن آپ ہمیں پورا غلہ دیجئے اور ہم پر صدقہ کیجئے، بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے ﴿۷۵﴾ یوسف نے کہا (۷۶) تم لوگوں نے نادانی میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، کیا وہ تمہیں یاد ہے ﴿۷۶﴾

ڈرے کہ کہیں یوسف کا غم ان کے دل کو نہ کھا جائے، اور ان کی موت کا سبب نہ بن جائے، تو انہوں نے ان سے کہا کہ اللہ کی قسم! آپ یوسف کو اسی طرح ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ عقل و ہوش کھو بیٹھیں گے، اور آپ کا جسم گھل جائے گا، کہیں یہ غم آپ کی زندگی کا ہی خاتمہ نہ کر دے۔

(۷۳) یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنا درد و غم اور حال زار کسی انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے بیان کرتا ہوں، اور اسی کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں، اسی سے التجا کرتا ہوں، اس لئے تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا یوسف زندہ ہے، اس کا خواب سچا تھا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے ملا دے گا۔ اور صبر کے ساتھ جب مصیبت بھی بڑھتی جاتی ہے، تو عام طور پر آسانی کا وقت بھی قریب ہونے لگتا ہے۔

(۷۴) انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ مصر جائیں اور یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے بارے میں پتہ لگائیں، اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، اس لئے کہ اس کی رحمت سے صرف کافر لوگ ناامید ہوتے ہیں۔

(۷۵) باپ کے حکم کے مطابق باقی ماندہ بھائیوں نے تیسری بار مصر کا سفر کیا، اور عزیز مصر کے دربار میں حاضری دی، اور کہا کہ جناب عالی! ہم اور ہمارے بال بچے قحط اور خشک سالی کی وجہ سے بہت پریشانی میں ہیں، اور بہت ہی تھوڑی رقم لے کر آئے ہیں (انہوں نے یہ انداز بیان بادشاہ کے دل میں اپنے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اختیار کیا تھا) لیکن آپ اپنے وجود و سخا سے ہمیں اتنا چ پہلے کی طرح پورا دیجئے، اور رقم کم ہونے یا اس کے بے وقعت ہونے کا خیال نہ کیجئے، اللہ تعالیٰ صدقہ اور بھلائی کرنے والوں کو ضرور اچھا بدلہ دیتا ہے۔

(۷۶) اپنے خاندان والوں کی غربت و پریشانی، اور اپنے باپ کے درد و غم کا حال جان کر یوسف علیہ السلام کا دل بھرا آیا، اور ان کی آنکھیں نم ہو گئیں، اب قصہ کو مزید طول دینے کی تاب نہ لاسکے، اور اپنے بھائیوں کو اپنی درد بھری داستان یاد دلاتے ہوئے کہا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ نادانی کی وجہ سے ماضی میں جو ظلم و زیادتی کی تھی، کیا وہ تمہیں یاد ہے؟ (یوسف

قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَكْفِي وَيَصْدُرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَفْرَأْنَا اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخٰطِبِينَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِبُوا عَلَيَّ الْيَوْمَ يَعْزُرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ۝ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْفُوكَ عَلَىٰ وَجْهِ إِبْنِي يَأْتُ بِصَدْرٍ ۖ وَأَنْتُمْ بِأَهْدِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

انہوں نے کہا، کیا آپ ہی بالیقین یوسف ہیں؟ (۷۷) انہوں نے کہا، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، بے شک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، تو یقیناً اللہ اچھے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ﴿۹۰﴾ انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فوقیت (۷۸) دی، اور ہم لوگ بے شک گناہ گار تھے ﴿۹۱﴾ یوسف نے کہا، آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں (۷۹) اللہ تمہیں معاف کر دے، وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۹۲﴾ میری یہ قمیص (۸۰) لے جاؤ، اسے لبا کے چہرے پر ڈالو، ان کی بینائی واپس آجائے گی، اور تم لوگ اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ میرے پاس آ جاؤ ﴿۹۳﴾

کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا، اس کی تفصیل گذر چکی ہے، اور ان کے بھائی بنیامین کو ان کے فراق کا غم دیا، اور ہمیشہ ان کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ کرتے رہے (یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یوسف کی جدائی سے سب سے زیادہ انہی کو غم پہنچا تھا، مفسرین لکھتے ہیں کہ ان کا ذکر ان کی جلالت قدر کی وجہ سے نہیں کیا، اور اس لئے کہ یوسف کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش اس لئے ہو رہی تھی تاکہ ان کا مقام بلند ہو۔

(۷۷) بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے اس سوال سے انہیں پوچھنا لیا، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یوسف کا واقعہ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا، اور بے حد حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ یقیناً آپ ہی یوسف ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ آزمائشوں کا دور ختم ہو گیا، ایک مدت کی جدائی کے بعد دونوں بھائی مل گئے ہیں، اور ذلت کے بعد عزت اور وحشت و تنہائی کے بعد انس و قربت نصیب ہوئی ہے، اس کے بعد انہوں نے سب بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرتا رہتا ہے، اور تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، تو اللہ ایسے اچھے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ متقی اور صابر انسان ہی اللہ کے نزدیک صفت احسان کا مستحق ہوتا ہے۔

(۷۸) بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے مقام و مرتبہ اور ماضی میں ان کے حق میں اپنے خطرناک جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت دی ہے، اور آپ کو آپ کے تقویٰ اور صبر کی وجہ سے بڑا اونچا مقام عطا کیا ہے، اور ہم آپ کے حق میں بڑے گناہ گار و خطا کار تھے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ان کے اس اعتراف گناہ میں اشارہ ہے کہ انہوں نے فوراً اللہ سے معافی مانگی اور توبہ کیا۔

(۷۹) یوسف علیہ السلام نے کہا جاؤ، آج میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ ماضی کی غلطی پر تمہارا مواخذہ نہیں کروں گا، اللہ بھی تمہیں معاف کر دے، اور وہ توبے و حذر رحم کرنے والا ہے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُقَدِّدُوا ۖ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۖ
فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۗ
قَالُوا يَا بَانَ اسْتَغْفِرْنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۖ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۖ

اور جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ان کے باپ یعقوب نے (اپنے بال بچوں سے) کہا (۸۱) اگر تم میری عقل کو متہم نہ کرو، تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے ﴿۹۳﴾ ان کے گھر والوں نے کہا، اللہ کی قسم! آپ تو اپنی پرانی خام خیالی (۸۲) میں اب تک مبتلا ہیں ﴿۹۵﴾ پس جب خوشخبری دینے والا آیا (۸۳) اور قیص کو ان کے چہرے پر ڈالا تو فوراً ہی ان کی بینائی واپس آگئی۔ یعقوب نے بیٹوں سے کہا، کیا میں نے تم لوگوں سے کہا نہیں تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تم لوگ نہیں جانتے ہو ﴿۹۶﴾ انہوں نے کہا، اے ابا! آپ اللہ سے ہمارے گناہوں کی مغفرت (۸۴) کی دعا کر دیجئے، ہم یقیناً خطاوار تھے ﴿۹۷﴾ یعقوب نے کہا، میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا، وہ بے شک بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے ﴿۹۸﴾

(۸۰) اب وقت آ گیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے دردِ الم کا دور ختم ہو، ان کے صبر کا نتیجہ ظاہر ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے وحی کے مطابق بھائیوں سے کہا کہ تم لوگ میری یہ قیص لے کر جاؤ، اور میرے باپ کے چہرے پر اسے ڈالو، اللہ کے حکم سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اور تم لوگ اپنے خاندان کے تمام افراد کو لے کر یہاں آ جاؤ۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد ستر یا تیرانوے تھی۔ یوسف علیہ السلام نے انہیں یہ بھی بتایا کہ قحط سالی کے دو سال گذر چکے ہیں، ابھی مزید پانچ سال باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین میں مجھے تم سے پہلے اس لئے پہنچا دیا تاکہ تم سب یہاں آ جاؤ اور سب کی جان بچ جائے۔ یہ ساری باتیں باپ کو بتاؤ، اور اپنے تمام بال بچے، مویشی اور جو کچھ تمہارے پاس ہے سب لے کر یہاں آ جاؤ۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اور شاہ مصر نے انہیں ملک کے سب سے زرخیز علاقے دے دیئے، اور یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ ماں، اور بھائیوں کی خوب خاطر مدارات کی، خوب نوازا، کھانے کے لئے بہترین اناج، پہننے کے لئے عمدہ لباس اور دیگر اخراجات کے لئے بہت سارے پیسے دیئے۔ (۸۱) جب بھائیوں کا قافلہ مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا، تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتوں اور دیگر افرادِ خانہ سے کہا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے، لیکن تم لوگ تو یہی کہو گے کہ بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل متاثر ہو گئی ہے۔ یہ وحی الہی کے ذریعہ ان کے لئے اشارہ تھا کہ یوسف ابھی زندہ بچرے ہیں۔ اور یہ امید تو ان کے دل میں ہمیشہ ہی رہی، یوسف کے خواب کی تعبیر کا یہی تقاضا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹوں کو بھی اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے سے منع کیا تھا۔ جب مصیبت کے دن ختم ہونے والے ہوتے ہیں تو اللہ کے نیک بندوں کو اس کا احساس ہونے لگتا ہے۔

(۸۲) پوتوں نے کہا کہ یہ تو آپ کی وہی فرسودہ باتیں ہیں۔ آپ تو ہمیشہ یوسف کی محبت میں اس طرح کی باتیں کرتے رہے ہیں، اور ان کی دید کی خواہش لئے جیتے رہے ہیں، حالانکہ وہ مر چکے ہیں۔ اس لئے آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئے۔

(۸۳) کہتے ہیں کہ وہ یہود تھا، جس کے سپرد یوسف علیہ السلام نے اپنی قیص کی تھی، جب اس نے وہ قیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی تو ان کی بینائی واپس آگئی۔ تب انہوں نے سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم لوگوں سے کہا نہیں تھا کہ میں

فَلَمَّا كَذَبُوا عَلَىٰ يُونُسَ أُوِيَ إِلَيْهِ أَبُو يُوسُفَ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ لَنَسَاءِ اللَّهِ آمِنِينَ ۗ وَرَفَعَ أَبُو يُوسُفَ عَلَىٰ الْعَرْشِ وَخَزَنُوا لَهُ سُبُعًا وَقَالَ يَا بَنِي هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السَّبْحِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

پس جب وہ سب یوسف کے پاس پہنچے تو اپنے والدین کو اپنے قریب (۸۵) کیا، اور کہا، آپ لوگ شہر میں داخل ہوں، اگر اللہ چاہے گا تو امن کے ساتھ رہیں گے ﴿۹۹﴾ اور اپنے والدین کو شاہی تخت پر جگہ (۸۶) دی، اور سبھوں نے ان کو سجدہ کیا۔ یوسف نے کہا، اے با! میرے گذشتہ خواب کی یہی تعبیر ہے، اللہ نے اسے سچ کر دکھایا ہے، اور مجھ پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ مجھے جیل سے نکالا، اور آپ سب کو بادیہ سے یہاں پہنچایا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا تھا، بے شک میرا رب جو چاہتا ہے اس کی نہایت اچھی تدبیر کرتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۱۰۰﴾

اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔

(۸۳) بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم نے یوسف اور آپ کے حق میں جو غلطیاں کی تھیں ان کی اللہ سے ہمارے لئے مغفرت طلب کر دیجئے۔ تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے اس کا وعدہ کیا اور کہا کہ میں تمہارے لئے اللہ سے دعا کروں گا، اور وہ تو بہت بڑا معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کی مغفرت کے لئے صبح کے وقت دعا کی تھی، دعا و استغفار کے لئے افضل اوقات کا اختیار کرنا سنت سے ثابت ہے۔ جیسے صبح کا وقت، فرض نمازوں کے بعد، حج کے دوران، سجدہ کی حالت میں، اذان کے وقت، اذان اور اقامت کے درمیان، روزے سے انطاری کے وقت، ان اوقات میں دعا کی قبولیت کی اللہ سے زیادہ امید ہوتی ہے۔

(۸۵) یعقوب علیہ السلام اپنے تمام بال بچوں، جانوروں، اور ساز و سامان کے ساتھ کنعان سے سرزمین مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا بیٹا یہودا پہلے گیا تاکہ یوسف علیہ السلام اسے وہ جگہ بتا دیں جہاں ان سب کو آباد ہونا تھا، اور جس کا نام ”جاسان“ تھا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے شہر سے باہر نکل کر ملاقات کی، جب یعقوب نے انہیں دیکھا تو ان کی گردن سے چپک کر بہت دیر تک روتے رہے۔ یوسف علیہ السلام بھی اپنے باپ اور ماں سے گلے مل کر روتے رہے، اور چونکہ انہوں نے شہر سے باہر اپنے والدین، بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کا استقبال کیا تھا، اسی لئے ابتدائی ملاقات کے بعد اپنے ماں باپ کو ان کا مناسب مقام عطا کیا، ان کی خوب دلجوئی کی، اور اپنی خاص سواری پر بیٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہوئے، اور سب رشتہ داروں سے کہا کہ اب آپ لوگ پورے امن و امان کے ساتھ شہر میں داخل ہو جائیں۔

(۸۶) جب یوسف علیہ السلام اپنے باپ کو لے کر دار السلطنت پہنچے، تو انہیں اپنے ساتھ شاہی تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ان کے والدین اور گیارہ بھائی ان کی تعظیم میں سجدہ میں گر گئے۔ تب یوسف علیہ السلام نے کہا ہاجان! میرے گذشتہ خواب کی یہی تعبیر ہے، جسے اللہ نے سچ کر دکھایا ہے۔ اور اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے جیل سے نجات دی (اور کنواں سے اپنے نکالے

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَرَبِّي فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَجْعَلْنِي بِالضَّالِّينَ ۝

میرے رب! تو نے مجھے بادشاہت (۸۷) عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا، اور اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا رومددگار ہے، تو مجھے بحیثیت مسلمان دنیا سے اٹھا، اور نیک لوگوں سے ملا دے ﴿۱۰﴾

جانے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو، جنہیں پہلی ملاقات میں کہہ چکے تھے کہ ماضی کی غلطی پر تمہارا مواخذہ نہیں کیا جائے گا) اور اس کا یہ بھی احسان ہے کہ آپ سب کو بادیہ سے یہاں پہنچادیا (کہتے ہیں کہ ان کا پیشہ مویشی پالنا تھا) اور شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان حسد کی جو آگ لگائی تھی وہ بجھ گئی، اور ہم سب ایک ہو گئے۔

(۸۷) اللہ تعالیٰ نے جب اپنی نعمت یوسف علیہ السلام پر تمام کر دی، والدین اور بھائیوں کو ان کے پاس پہنچادیا، اور انہیں علم نبوت، علم تعبیر رویا، اور مصر کی عظیم بادشاہت سے نوازا، تو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے اللہ! تو میری باقی عمر تک ان نعمتوں کی حفاظت فرما، اور جب موت آئے تو اسلام پر آئے، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کر دے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یوسف علیہ السلام نے موت کی تمنا کی تھی، اور اس دعا کے بعد وفات پا گئے۔ لیکن جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے اس دعا کے ذریعہ موت کی تمنا نہیں کی تھی، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ جب موت آئے تو اسلام پر آئے۔

سند احمد اور صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی کسی تکلیف و مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، اگر نیک آدمی ہو گا تو اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا، اور اگر برا ہوگا، تو ممکن ہے کہ اسے توبہ کی توفیق مل جائے۔ اسے اس طرح کہنا چاہئے کہ اے اللہ! جب تک میری زندگی میرے لئے بہتر ہے، مجھے زندہ رکھ۔“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”اگر موت میرے لئے بہتر ہے تو مجھے موت دے دے۔“

یعقوب علیہ السلام جب مصر پہنچے تو ان کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ یوسف علیہ السلام نے انہیں اور ان کے بیٹوں کو شاہ مصر سے ملایا، اس نے ان کی خوب نگریم کی اور عین شمس کا علاقہ جو سب سے زیادہ زرخیز مانا جاتا ہے، ان کے نام لکھ دیا۔ مصر میں اقامت پذیر ہونے کے بعد متزہ سال زندہ رہے، اور جب وفات پائی تو ان کی وصیت کے مطابق ان کے بیٹوں نے ان کی لاش پر مومیال کر محفوظ کر لیا، اور کنعان لے جا کر اس جگہ دفن کیا جو ”الخلیل“ کے نام سے جانا جاتا ہے، اور جہاں پہلے سے ابراہیم، سارہ، اسحاق، ان کی بیوی اور یعقوب کی بیوی مدفون تھیں۔ یوسف علیہ السلام اس کے بعد طویل مدت تک زندہ رہے، دعوت الی اللہ اور امور سلطنت کی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنے خاندان والوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ وفات کے بعد ان کی اولاد نے انہیں سنگ مرمر کے ایک صندوق میں دریائے نیل کے بالائی علاقے میں دفن کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ اور ان کی عظیم بادشاہت کی کہانی ختم ہو گئی، اور اللہ کی بادشاہت باقی رہی جو ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ چار سو سال کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ان کا تابوت وہاں سے نکالا اور کنعان لے جا کر ان کے آباء و اجداد کے پہلو میں دفن کر دیا۔ سرزمین مصر میں آل یعقوب نے خوب ترقی کی، اور ان کی نسل بھی بہت تیزی کے ساتھ بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک پوری قوم بن گئے، اور ایک بڑے علاقے میں پھیل گئے۔ جب ان میں موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہیں دوبارہ ان کے آباء و اجداد

ذَلِكَ مِنَ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ . وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُونَ ۝ وَمَا أَكْثَرَ
النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا تَنْتَلِهْمُ عَلَيْهِ مِنْ أُجْرَانِ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝ وَكَانَ مِنْ آيَاتِهِ
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمْزُنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝

یہ غیب کی خبریں (۸۸) ہیں، جنہیں ہم آپ کو بذریعہ وحی بتا رہے ہیں، اور جب وہ بطور سازش اپنے ارادے پر متفق ہو رہے تھے، تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے ﴿۱۰۲﴾ اور آپ کی خواہش کے باوجود (۸۹) اکثر و بیشتر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۳﴾ اور دعوت و تبلیغ کے کام پر آپ ان سے کوئی معاوضہ (۹۰) نہیں مانگتے ہیں، یہ قرآن تو اہل جہان کے لئے حق بات کی یاد دہانی ہے ﴿۱۰۴﴾ اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں (۹۱) ہیں جن کے پاس سے وہ لوگ منہ موڑ کر گذر جاتے ہیں ﴿۱۰۵﴾

کے وطن شام واپس لے گئے۔

(۸۸) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کا قصہ غیب کی باتیں تھیں، جو آپ کو بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں، تاکہ آپ کے مخالفین اسے سن کر عبرت حاصل کریں، اور سمجھیں کہ اگر آپ نبی نہ ہوتے اور آپ پر وحی نازل نہ ہوتی تو کہاں سے اس قصے کی تمام تفصیلات کا علم ہوتا۔ جب یوسف کے بھائی انہیں کونوں میں ڈالنے کی سازش کر رہے تھے اور انہیں اپنے ساتھ چلنے پر طرح طرح سے درغلا رہے تھے، تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ آپ کو ان کی اس سازش کا پتہ چل جاتا۔ اور نہ کسی ایسے آدمی سے آپ کا کبھی تعلق رہا جو اس واقعہ کو جانتا تھا، اور جس نے آپ کو سکھلادیا۔ آپ کو جو کچھ معلوم ہوا وحی کے ذریعہ معلوم ہوا۔

(۸۹) لیکن ان تمام کھلی نشانیوں کے باوجود کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اور آپ کی حد درجہ خواہش کے باوجود کہ لوگ ایمان لے آئیں، اکثر و بیشتر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ نبی کریم ﷺ سمجھتے تھے کہ کفار قریش یوسف علیہ السلام کا قصہ سن کر ایمان لے آئیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ کفر پر ان کا اصرار اور بڑھ گیا۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۹۰) آپ قریش والوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، تو ان سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتے ہیں۔ اگر وہ غفلت مند ہوتے، تو آپ کی دعوت کو قبول کر لیتے اور قرآن پر ایمان لے آتے جو سارے جہان کے لئے عبرتوں اور نصیحتوں کا خزانہ ہے۔

(۹۱) مکہ کے کافروں کا بالخصوص اور عام انسانوں کا بالعموم حال یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں موجود توحید باری تعالیٰ کے بہت سے دلائل ان کی نگاہوں کے سامنے سے گذرتے ہیں، لیکن ان میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں، اور انہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ یہ آسمان جو بغیر ستونوں کے ہمارے سروں پر رکھا ہوا ہے، اور یہ متحرک اور ٹھہرے ہوئے ستارے، جو آسمان میں جگمگاتے رہتے ہیں، اور یہ زمین، اس پر پہاڑوں کے سلسلے، چٹیل میدان، سمندر، پودے اور حیوانات، ان میں سے ہر ایک اللہ کی وحدانیت کی دلیل ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہی ان کا خالق و رازق ہے، وہی ہمارا تار اور زندہ کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں، اس کا ساجھی کوئی نہیں۔ لیکن اکثر و بیشتر لوگ ایسی غفلت کا شکار ہوتے ہیں کہ ان دلائل و براہین سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ انہیں ان میں غور و فکر کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۹۲﴾ أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۳﴾ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي يُرِيدُ
اللَّهَ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۴﴾

اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا دعویٰ (۹۲) تو کرتے ہیں، لیکن وہ مشرک ہوتے ہیں ﴿۱۰۶﴾ کیا وہ اس طرف سے مطمئن ہو گئے کہ ان پر اللہ کا کوئی ایسا عذاب (۹۳) آجائے جو انہیں ڈھانک لے، یا قیامت ہی اچانک آجائے اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو ﴿۱۰۷﴾ آپ کہہ دیجئے کہ یہی (دین اسلام) میری راہ (۹۴) ہے، میں اور میرے ماننے والے، لوگوں کو اللہ کی طرف دلیل و برہان کی روشنی میں بلاتے ہیں، اور اللہ کی ذات بے عیب ہے، اور میں مشرک نہیں ہوں ﴿۱۰۸﴾

(۹۲) اکثر و بیشتر انسانوں کا حال یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زبان سے تو اللہ کے وجود اور اس کے خالق و مالک ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل کی زندگی میں مشرک ہوتے ہیں، اللہ کے بجائے غیروں کی پرستش کرتے ہیں، انسانوں کو اللہ کے بیٹے اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے ہیں، جو شرک اکبر ہے، اور جس کا شرک ہونا واضح اور جلی ہے۔ شرک کی ایک دوسری قسم شرک خفی ہے، جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔ جن بصری اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ منافق ہے جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے نیک کام کرتا ہے، وہ مشرک ہے اس لئے کہ اس نے عبادت میں اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا۔ وہ اگرچہ اللہ کی وحدانیت کا اعتقاد رکھتا ہے، لیکن اللہ کے لئے اپنی عبودیت میں مخلص نہیں ہوتا ہے، بلکہ حصول دنیا یا جاہ و منزلت کی خاطر نیک عمل کرتا ہے۔ یہی وہ شرک ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس امت میں شرک چھوٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی طور پر پایا جائے گا۔ (صحیح ابن حبان)۔ معلوم ہوا کہ جو نیک کام بھی لوگوں کے دکھلاوے کے لئے کیا جائے گا، وہ شرک ہوگا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم ”شرک خفی“ ہے، جس کا مرتکب عام طور پر اس کا احساس نہیں کر پاتا ہے۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے عروہ نے روایت کی ہے کہ وہ ایک مریض کے پاس گئے تو اس کے بازو پر ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھا، انہوں نے اسے کاٹ دیا اور یہ آیت پڑھی۔ اور ابو داؤد اور ترمذی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔ اور امام احمد، ابو داؤد وغیرہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جھاڑ پھونک، گنڈا تعویذ، اور دھاگے باندھنا شرک ہے“۔ اور امام احمد نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بد شگون کی وجہ سے کسی کام سے رک گیا، اس نے شرک کیا“۔ معلوم ہوا کہ بعض مسلمانوں میں ایمان حقیقی اور شرک خفی اصغر کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ جس طرح زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں ایمان باللہ اور شرک اکبر دونوں بیک وقت پائے گئے۔ اور شرک خفی اصغر ایمان حقیقی کے منافی نہیں ہے، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کے ذریعہ شرک سے پناہ مانگے۔

(۹۳) اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے کہ کوئی بعید نہیں اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو انہیں ہر طرف سے اپنی گرفت میں لے لے، یا قیامت ہی اچانک آجائے، اور وہ اپنے شرک کی وجہ سے جہنم کے سپرد کر دیئے جائیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ مِنَ أَهْلِ الْقُرَىٰ وَأَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَذَارِ الْأَخْزَرِ الَّذِينَ أَلْفُوا تَقْوَىٰ فَمَا تَقُولُونَ ﴿۹۵﴾

اور آپ سے پہلے ہم نے جتنے انبیاء بھیجے، سبھی شہر کے رہنے والوں میں سے مرد (۹۵) تھے جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے، کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر (۹۶) نہیں کی ہے، تاکہ دیکھتے کہ جو کافر تھیں ان سے پہلے گزر چکی ہیں ان کا انجام کیا ہوا، اور اہل تقویٰ کے لئے یقیناً آخرت کی منزل بہت ہی اچھی ہوگی، کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے ﴿۱۰۹﴾

(۹۳) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا میرا طریقہ، میرا مسلک اور میری سنت ہے۔ میں اور میرے ماننے والے مومنین واضح دلیل و برہان کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اور میرا ایمان ہے کہ اللہ کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مقابل، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیوی۔ وہ ان تمام عیوب و نقائص اور تمام کمزوریوں سے یکسر پاک ہے۔ اور میں مشرکوں کے دین پر نہیں ہوں۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت و حجت کی بنیاد پر ہے۔ قرآن کریم نے اسی کی تعلیم دی ہے، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اسی منہج پر قائم رہے۔ انہوں نے لوگوں کو دلائل کے ذریعہ قانع کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ماننے والے ہر دور میں اللہ کی مخلوق کو اس کی توحید و عبادت کی دعوت دیتے رہیں گے۔ اور دعوت میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کی عقل و سمجھ کے مطابق ایسی صاف ستھری ہو کہ وہ آسانی کے ساتھ قرآن و سنت کی دعوت کو سمجھ لے۔ اور دوائی الی اللہ کا فرض ہے کہ جب تک زندہ رہے بھلائی کا حکم دیتا رہے اور برائی سے روکتا رہے، اس لئے کہ اس کی خاموشی دنیا میں فساد کو پھیلنے کا موقع دے گی، بھلائی دب جائے گی اور برائی سر اٹھا کر دندان تاقی پھرے گی۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

(۹۵) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں بھیج دیئے، تو اللہ نے ان کی تردید میں کہا کہ اے ہمارے نبی! ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء بھیجے، سبھی شہروں میں رہنے والے مرد تھے، جنہیں ہم بذریعہ وحی دین و حکمت کی تعلیم دیتے رہے۔ اس آیت کے مطابق جمہور علماء کی رائے ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت میں "قُورَىٰ" سے مراد شہر ہے بادیہ نہیں، جہاں کے رہنے والے عام طور پر بد اخلاق اور سخت مزاج ہوتے ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ شہروں کے رہنے والے دیہاتیوں کی بہ نسبت نرم خوار خوش مزاج ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت (۹۷) میں فرمایا ہے: ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا﴾ کہ "دیہات کے رہنے والے کفر و نفاق میں دوسروں سے زیادہ آگے ہوتے ہیں"۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے انبیاء شہروں میں سے اختیار کئے، اس لئے کہ وہ علم و حلم میں دیہاتیوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ اللہ کا کوئی نبی نہ بدوی ہوا نہ جن اور نہ کوئی عورت۔

(۹۶) جو مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے انہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ ان علاقوں میں جا کر عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے، جہاں انہی کی طرح ماضی میں قومیں آباد تھیں، اور بہت ہی ٹھاٹھ بانٹھ کے ساتھ رہتی تھیں، لیکن جب انہوں نے انبیاء کا مذاق اڑایا اور اللہ کے دین کو قبول نہیں کیا، تو کس طرح اللہ نے کافروں کو ہلاک کر دیا، اور مومنوں کو نجات دی۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْذَنَ الرُّسُلَ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُنُوا إِجَاءَهُمْ نَصْرًا فَلاَ يَنْجِي مَنْ تَعَاوَىٰ وَلَا يُرَدُّ بَأْسَنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

یہاں تک کہ جب انبیاء پر ناامیدی (۹۷) چھانے لگی، اور ان کی قوموں نے سمجھا کہ عذاب کا وعدہ جھوٹا تھا، تو ہماری مدد ان کے پاس آگئی، پھر ہم نے جسے چاہا نجات دی، اور مجرم قوموں سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاسکتا ہے ﴿۱۱۰﴾ یقیناً ان قوموں کے واقعات میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت (۹۸) تھی، یہ قرآن کوئی ایسا کلام نہیں ہے جسے کسی نے گھڑ لیا ہے، یہ تو آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور اس میں ہر بات کی تفصیل ہے، اور یہ اہل ایمان کے لئے ذریعہ ہدایت اور باعثِ رحمت ہے ﴿۱۱۱﴾

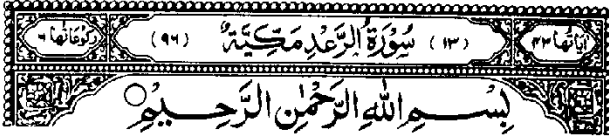
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے اپنے مومن بندوں کو دنیا کے عذاب سے بچایا، اسی طرح آخرت میں انہیں اس جنت میں داخل کریں گے جو دنیا کی تمام نعمتوں اور آسائشوں سے بہتر ہے۔ (۹۷) دعوتِ الٰہی اللہ کی راہ میں ہر زمانے کے لوگوں نے انبیاء کو تکلیفیں پہنچائیں، لیکن بالآخر غلبہ اور کامیابی انبیاء ہی کو حاصل ہوئی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ انبیاء کرام لمبی مدت تک دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہتے تھے، لیکن پھر بھی ان کی قومیں راہِ راست پر نہیں آتی تھیں، تو ایک قسم کی ناامیدی ان کے دل میں آجاتی تھی، اور وہ قومیں بھی سمجھنے لگتی تھیں کہ ان رسولوں نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا، وہ جھوٹا تھا، یا وہ جو دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ اپنے انبیاء کی مدد کرے گا، وہ جھوٹا دعویٰ تھا۔

آیت کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء گمان کرنے لگے کہ ان کا دل ان سے غلط کہا کرتا تھا کہ کافروں کے خلاف اللہ کی جانب سے ان کی مدد کی جائے گی، تو اچانک ہماری مدد ان تک آ پہنچی، وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں، اور جن کو ہم نے چاہا انہیں نجات مل گئی۔ اور جب ہمارا عذاب کسی مجرم پر نازل ہو جاتا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا ہے۔

(۹۸) انبیاء اور ان کی قوموں کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت و نصیحت ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ مراد لیا ہے، اس لئے کہ اس قصہ میں کئی قصے اور مختلف خبریں جمع ہو گئیں ہیں۔ اور کبھی جمع کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے، تو اگرچہ یہاں "قصص" استعمال کیا گیا ہے جو جمع ہے، لیکن وہ مفرد کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن کوئی ایسا کلام نہیں ہے جسے محمد نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے، جو گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ ان میں جو صحیح باتیں رہ گئی ہیں ان کی تائید کرتا ہے، اور انسانوں کی جانب سے تحریف کردہ احکام کا انکار کرتا ہے، اور کچھ احکام کو منسوخ قرار دیتا ہے۔

اور اس قرآن کریم میں ہر وہ بات بیان کر دی گئی ہے جو انسانی زندگی میں پیش آسکتی ہے۔ یہ بنی نوع انسان کی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور مومنوں کے لئے رحمت ہے کہ اس کی تصدیق و اتباع کر کے عذابِ نار سے نجات پائیں گے۔



الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

سورة الرعد کی ہے، اس میں تینا لیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے،
 اَلْمُرَادُ (۱) یہ قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔ اور جو کتاب آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے وہ برحق ہے،
 لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۱۰﴾

تفسیر سورۃ الرعد

نام: اس کا نام آیت (۱۳) ﴿وَيَسْبِغُ الرُّعْدُ بِحَمَلِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾ سے ماخوذ ہے۔
 زمانہ نزول: اس کے زمانہ نزول کی تحدید میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ نحاس نے اپنی کتاب "الناسخ" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ سعید بن جبیر، حسن، عکرمہ اور عطاء وغیرہم کی یہی رائے ہے۔ اور عبد اللہ بن زبیر، کلثبی اور مقاتل کی رائے ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، صرف آیت (۳۱) مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

فضیلت: اس سورت کی فضیلت میں ابن ابی شیبہ اور مروزی نے "کتاب الجہانز" میں جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ جب وہ کسی کو جان کنی کی حالت میں دیکھتے تو اس کے پاس سورۃ الرعد پڑھنا بہتر سمجھتے تھے، اور کہتے ہیں کہ یہ سورت مرنے والے کی تکلیف کو کم کرتی ہے اور روح قبض کئے جانے کو آسان بناتی ہے۔

اس کا مرکزی مضمون قرآن کریم، دین اسلام اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہے۔ اور جیسا کہ مکی سورتوں کا خاصہ ہے، اس میں بھی توحید و رسالت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب و کتاب کا بیان ہے، تاکہ کفار قریش اپنے کفر سے تائب ہو کر مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہو جائیں۔ نیز نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو جابجا تسلی بھی دی گئی ہے، تاکہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آئے۔

(۱) المر: حروف مقطعات کے بارے میں بارہا لکھا جا چکا ہے کہ ان کا مقصود اصلی صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس سورت کی بھی ابتدا حروف مقطعات سے ہوئی ہے، اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے، جس کی حقانیت و صداقت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے، اسی لئے تو اس جیسا کلام کوئی انسان نہیں لاسکتا ہے۔

"تلك" سے اشارہ اس سورت کی آیتوں کی طرف ہے، اور "کتاب" سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور ﴿الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾ سے بھی مراد قرآن کریم ہی ہے۔ اور مقصود نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے یہ بتانا ہے کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو قرآن کریم نازل ہوا ہے وہ برحق ہے، اور اس میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے، وہ سچ ہے، اور انسانی ضروریات و حالات

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِئُ لِجَلِّ مُسَمًّى ۖ يُدَبِّرُ الْأُمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَادِي وَأَنْهَارًا ۚ وَمِنْ كُلِّ الْجِبَالِ جَعَلَ فِيهَا زُرُوقًا حُمْرًا أَسْفَلَ يَخْضَىٰ النَّيْلَ الْفَخَّارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

وہ اللہ کی ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں (۲) کے جنہیں تم دیکھ سکو، اوپر اٹھایا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا، اور آفتاب و ماہتاب کو ڈیوٹی کا پابند بنا دیا، دونوں ایک معین مدت کے لئے چلتے رہتے ہیں، وہی تمام معاملات کا انتظام کرتا ہے، اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو ﴿۲﴾ اور اسی نے زمین کو پھیلا دیا (۳) اور اس پر پہاڑ قائم کئے اور نہریں جاری کیں، اور اس میں تمام پھلوں کے جوڑے پیدا کئے، وہ رات کے ذریعہ دن کو ڈھانک دیتا ہے، بے شک ان تمام باتوں میں سوچنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۳﴾

کے عین مطابق ہے، اور اس میں موجود اموال و نواہی پر عمل کر کے ہی انسان اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ کفر و نفاق کی وجہ سے اس برحق کتاب پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔

(۲) چونکہ اوپر اللہ اور اس کی کتاب پر عدم ایمان کی بات آئی ہے، اس لئے آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی خالقیت کی دلیل پیش کی گئی ہے۔ نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ جو باری تعالیٰ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم رکھنے پر قادر ہے اور جس نے شمس و قمر اور دیگر سیاروں کو اپنے علم و قدرت کے مطابق مسخر کر رکھا ہے، اسی نے یہ قرآن کریم اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ بغیر ستونوں کے سہارے زمین سے اوپر اٹھا رکھا ہے، جن کی اونچائی کا ادراک نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہی قول راجح ہے۔ مجاہد اور عکرمہ کہتے ہیں کہ ستون تو ہیں، لیکن ہم انہیں دیکھ نہیں پاتے ہیں۔ ایسا بن معاویہ کہتے ہیں کہ آسمان زمین کے اوپر قبۃ کے مانند ہے، زمین اور اس کی تمام اشیا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

استواء علی العرش کی تفسیر سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے، اور اس بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے لئے استواء علی العرش کو ثابت کیا ہے، تو اس پر ایمان رکھا جائے، نہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جائے۔ نہ کسی دوسری شے کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور نہ اس کی تاویل کر کے قرآن میں ثابت لفظ کو بیکار بنا دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آفتاب و ماہتاب کو مخلوقات کے منافع اور بندوں کے مصالح و فوائد کے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ اللہ کی مرضی سے ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتے ہیں، اور اپنی اسی رفتار پر اللہ کے حکم کے مطابق چلتے رہیں گے یہاں تک کہ دنیا فنا ہو جائے گی اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ وہی باری تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام امور میں اپنی مرضی اور منشا کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ اس نے اپنی کمال قدرت اور ربوبیت و خالقیت کی نشانیاں قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں، تاکہ لوگ ان نشانوں میں غور کر کے اس بات پر ایمان لے آئیں کہ وہ قادر مطلق یقیناً لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور میدان محشر میں جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب چکانے پر قادر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ ممکن ہے

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعَةٌ مُّتَجَوِّرَةٌ وَجُنُثٌ مِنْ أُعْتَابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِيلٌ صُنُوفٌ وَعِزْرٌ صُنُوفٌ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنَفِضٌ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذَا كُنَّا تُرَابًا إِنْ كُنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۝ وَأُولَئِكَ الْأَعْلَىٰ ۝ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اور زمین کے مختلف الا انواع کلڑے ایک دوسرے سے ملے (۴) ہوئے ہیں، اور انگوروں کے باغات ہیں، اور کھیتیاں ہیں، اور کھجوروں کے درخت ہیں، بعض درختوں کی شاخیں ہوتی ہیں اور بعض کی نہیں سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں، اور ہم بعض کو بعض پر ذائقہ میں فوقیت دیتے ہیں، بے شک ان تمام باتوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۳﴾ اور اگر آپ تعجب (۵) کرنا چاہیں تو ان کا یہ قول لائق تعجب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں پھر نئی زندگی دی جائے گی، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا ہے، اور انہی کی گردن میں بیڑیاں ڈالی جائیں گی، اور یہی لوگ جہنمی ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۵﴾

تم ان نشانیوں میں غور و فکر کے بعد اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو۔

(۳) اپنی قدرت و خالقیت اور علم و حکمت کے آسمانی دلائل بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں انہی حقائق پر زمین اور اس پر پائی جانے والی اشیاء کے ذریعہ استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو طول و عرض میں اتنا پھیلا دیا ہے کہ آدمی کی نگاہ اس کی انتہا کو نہیں پاسکتی ہے، تاکہ انسانوں کے قدم اس پر ٹھہر سکیں اور حیوانات اس پر بآسانی چل پھر سکیں۔ اور زمین پر بڑے بڑے پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ زمین اپنی جگہ ثابت رہے۔ اور اس پر نہریں جاری کر دیں جن میں مخلوق کے لئے گونا گوں فوائد ہیں۔ اور جتنے پھل زمین پر پائے جاتے ہیں، اللہ نے ان سب کی دو دو قسمیں بنائی ہیں، رنگوں یا مزاج کے اعتبار سے یا حجم یا کیفیت کے اعتبار سے۔ ہر قسم میں الگ الگ فائدے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر قسم ایک مستقل نعمت ہوتی ہے۔ فرما کا قول ہے کہ اس سے مراد ہر پھل کا مذکر و مؤنث ہے۔

اللہ تعالیٰ دن کے بعد رات لاتا ہے، اور دن کی روشنی اور سفیدی کے بعد رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی آجاتی ہے۔ اور جب رات لمبی ہوتی ہے تو سردی کا زمانہ آجاتا ہے۔ اور جب دن لمبا ہوتا ہے تو گرمی کا زمانہ آجاتا ہے۔ اور دن اور رات دونوں میں سے ایک کے معتدل ہونے سے موسم خزاں آجاتا ہے، اور دوسرے کے معتدل ہونے سے موسم بہار کی آمد ہونے لگتی ہے۔ بے شک زمین کی کشادگی اور اس پر پائی جانے والی مذکورہ بالا اشیاء میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے کھلی نشانیاں ہیں کہ یقیناً ان کا پیدا کرنے والا اللہ کی ذات ہے جو صاحب قدرت اور صاحب حکمت ہے، اور جو اپنے بندوں کی جانب سے محبت و بندگی کا مستحق ہے۔ آیت کریمہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس ذات واحد نے اپنی مخلوق کے لئے ان گنت نعمتیں پیدا کی ہیں، اس کی ایک عظیم نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی دنیوی اور آخروی سعادت کے لئے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔

(۴) زمین پر پائی جانے والی مزید نشانیوں کا ذکر ہے جو اللہ کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ زمین کے حصے ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں، لیکن ان کی طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے، کوئی حصہ زرخیز ہوتا ہے تو کوئی شور، کوئی سخت ہوتا ہے تو کوئی

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحُسْنَىٰ وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦٠﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِشْرَافًا أَنْتَ مُنذِرٌ
لِّكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٦١﴾

اور اہل کفر آپ سے اچھائی سے پہلے برائی کا مطالبہ (۶) کرتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (عمر تاک) مثالیں گذر چکی ہیں، اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کی بڑی مغفرت (۷) کرنے والا ہے، اور بے شک آپ کا رب بہت سخت سزا دینے والا بھی ہے ﴿۶۱﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں کہ محمد پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی (۸) کیوں نہیں اتاری گئی ہے۔ آپ تو صرف اللہ سے ڈرانے والے ہیں، اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما آچکا ہے ﴿۶۱﴾

نرم۔ یا مفہوم یہ ہے کہ زمین کے نکلنے کے کھلے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں، مٹی ایک ہوتی ہے، پانی ایک ہوتا ہے، لیکن ان میں پیدا ہونے والے دانے اور پھل مختلف ہوتے ہیں، کوئی بیٹھا ہوتا ہے تو کوئی کھٹا، کوئی عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے تو کوئی بد مزہ اور بعض زمینوں میں ایک پھل ہوتا ہے، دوسرا نہیں ہوتا۔

یہ تمام نشانیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ جو صاحب عقل بھی ان میں غور و فکر کرے گا وہ ایمان لے آئے گا کہ جو ذات واحد ان سب پر قادر ہے وہ یقیناً نبی نوع انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ بلکہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ اگر آپ کو اس بات پر تعجب ہے کہ کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں، حالانکہ بچپن سے وہ آپ کو صادق و امین کے نام سے پکارتے رہے، تو اس سے بھی تعجب خیز بات آپ اور آپ کے صحابہ کے لئے یہ ہونی چاہئے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جو ذات واحد ان عظیم قدرتوں کا مالک ہے جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے، اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا بہت ہی آسان ہے۔ اس لئے بعث بعد الموت کا انکار بڑی عجیب سی بات ہے۔ قیامت کے دن ان کافروں کی گردن میں رسی باندھ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ اور ہمیشہ کے لئے اس میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(۶) نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کی تکذیب کرنے والے آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی بات کرتے ہو وہ آ کیوں نہیں جاتا، یعنی بجائے اس کے کہ وہ اللہ سے عافیت اور سلامتی مانگتے، عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی قومیں گذر چکی ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان پر عذاب نازل کر دیا، پھر وہ لوگ ان کے انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے ہیں اور ڈرتے کیوں نہیں ہیں کہ کہیں انہیں بھی عذاب الہی اپنی گرفت میں نہ لے لے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اللہ کی جناب میں تائب و تادم ہو گا، وہ اسے معاف کر دے گا۔ بعض لوگوں نے یہاں ”مغفرت“ سے مراد قیامت کے دن تک سزا کی تاخیر لیا ہے، اور ”الناس“ سے وہ کفار و مشرکین مراد لئے ہیں جو عذاب کی جلدی کرتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ آیت کا آخری حصہ: ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اسی معنی کی تائید کرتا ہے، یعنی ”قیامت کے دن آپ کا رب اگر چاہے گا تو انہیں بڑی سخت سزا دے گا“۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْتَلِكُمْ كُلُّ انْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ نَفْسٍ عِنْدَهُ بِقَدَارٍ ۗ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ ۗ سَوَاءٌ قَدْرُكُمْ مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبًا بِالنَّهَارِ ۝

اور اللہ ہی جانتا (۹) ہے جو کچھ ہر مومنٹ (اپنے پیٹ میں) اٹھائے پھرتی ہے، اور رحموں میں جو کمی بیشی ہوتی ہے، اور اس کے نزدیک ہر چیز ایک خاص اندازے کے مطابق ہے ﴿۸﴾ وہ غائب و حاضر کا علم رکھنے والا، سب سے بڑا، سب سے عالی شان والا ہے ﴿۹﴾ تم میں سے کوئی چاہے اپنی بات چھپائے اور چاہے کوئی اسے ظاہر کرے، اور چاہے کوئی رات کی تاریکی میں چھپ کر کچھ کرے یا دن کی روشنی میں کرے، اس کے نزدیک سب برابر (۱۰) ہے ﴿۱۰﴾

(۸) کفار مکہ کی آنکھوں پر کفر و عناد کی ایسی پٹی بندھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت و خالقیت کی تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی اور ان نشانیوں سے انہیں کوئی ایمانی فائدہ نہیں پہنچتا تھا، اور کہتے تھے اگر محمد اللہ کا بیٹا مہر ہے تو موسیٰ اور عیسیٰ کی طرح نشانیاں کیوں نہیں پیش کرتا، یا ہم جن نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، انہیں کیوں نہیں لے آتا۔ مشرکین کبھی کہتے کہ اے محمد! اگر تم اللہ کے نبی ہو تو صفا پہاڑی کو سونا بنا دو، یا پہاڑوں کو ہٹا کر ان کی جگہ نہریں جاری کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے، کافروں کی مرضی کے مطابق نشانیاں پیش کرنا نہیں۔ اور یہ کام آپ ﷺ نے بدرجہ اتم کیا، اپنی پوری زندگی لگادی اور کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو امت اسلامیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ہر قوم کی رہنمائی کے لئے ایک نبی بھیجا، اور ان انبیاء کو حالات اور زمانے کے مطابق مختلف نشانیاں دیں جو ان کے نبی ہونے پر دلالت کرتی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کو قرآن جیسا معجزہ عطا کیا، اس لئے کفار قریش کا یہ کہنا کہ موسیٰ و عیسیٰ جیسی نشانیاں لائیں یا ان کی مرضی کی نشانیاں پیش کریں، کفر و ضلالت پر ان کی ہٹ دھرمی تھی۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ آپ کا کام تو صرف ڈرانا ہے، قوموں کو ہدایت دینا تو ہمارا کام ہے۔ ہم جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

(۹) مشرکین مکہ کی خواہش کے مطابق اس لئے نشانی نہیں بھیجی گئی کہ تمام امور کی حکمتوں کو صرف اللہ جانتا ہے، اسی کے علم میں ہے کہ کیا چیز دنیا میں کب وقوع پذیر ہونی چاہئے، وہ کفار کے جاہلانہ افکار و خیالات کا پابند نہیں ہے۔ اسی مفہوم کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف وہ جانتا ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، مذکر ہے یا مؤنث، خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک بخت ہے یا بد بخت، اور اس میں کسی عضو کی کمی ہے یا زیادتی، یا بچہ نومبینے کے بعد پیدا ہو گیا یا اس کے پہلے یا اس کے بعد۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کر دی ہے، جس سے وہ نکل نہیں سکتی ہے، وہ ہر غائب و حاضر اور ہر معدوم و موجود کی خبر رکھتا ہے، وہ عظیم ہے، ہر چیز اس کے نیچے ہے، اور وہ اپنی قدرت و عظمت کے ذریعہ ہر چیز پر غالب ہے۔

(۱۰) اس کے لئے ظاہر و مخفی سب برابر ہے، اور چاہے کوئی رات کی تاریکی میں چھپا کر کوئی کام کرے یا دن کی روشنی میں لوگوں کو دکھا کر، سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِن خَلْفِهِ يَحْفَظُنَهَا مِن أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُعَذِّبُوا مَا
بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ آفَاقٍ لَّا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن ءَالٍ ۗ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ
حُوقًا وَاطْمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝

ہر ایک کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے^(۱۱) مقرر ہیں جو اس کے آگے اور پیچھے لگے ہوتے ہیں، اور جو اللہ کے حکم کے مطابق اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی نعمتوں کو اس وقت تک نہیں چھینتا^(۱۲) جب تک وہ اپنی نیکی اور صلاح کی حالت کو برائی میں نہیں بدل لیتی، اور جب اللہ کسی قوم کو عذاب دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر وہ ٹل نہیں سکتا، اور اس کے علاوہ کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہوتا ہے ﴿اللہ وہی ذات باری تعالیٰ ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا^(۱۳) ہے جس سے تم ڈرتے ہو (کہ کہیں تم پر گرنہ جائے) اور امید بھی کرتے ہو (کہ ممکن ہے بارانِ رحمت نازل ہو) اور وہی پانی سے بھرے بادلوں کو پیدا کرتا ہے ﴿۱۴﴾

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے لگا رکھے ہیں، جو ہر جانب سے اس کا احاطہ کئے ہوتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق اس کے ایک ایک قول و عمل کو لکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے فرشتے تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، کچھ فرشتے رات میں ہوتے ہیں اور کچھ دن میں، اور صبح و عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، رات کے فرشتے جب اوپر جاتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندے کو کس حال میں پایا (حالانکہ وہ خوب جانتا ہے) تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہم جب ان کے پاس پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان سے رخصت ہوئے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے“

(۱۲) اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمتوں کو اس وقت تک زائل نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت بدل نہیں لیتی، یعنی خیر و صلاح کی راہ سے منحرف ہو جاتی ہے، اور معاصی اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتی ہے۔ اور آدمی کبھی دوسروں کے گناہوں کی وجہ سے عذاب و مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جیسا کہ بخاری نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہمارے درمیان نیک لوگوں کے ہونے کے باوجود ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں، جب گناہ کی کثرت ہو جائے گی۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ قدرت و عظمت اور جلال و جبروت کو ظاہر کرنے کے لئے بجلی، بادل کی گرج اور صاعقہ یعنی آسمان سے اترنے والی آگ کی تفصیلات کو بیان کیا ہے۔ فرمایا: وہ اللہ کی ذات ہے جو آسمان میں بجلی کی چمک پیدا کرتا ہے تو بعض دفعہ آدمی کو صاعقہ (یعنی آگ والی بجلی) کا خوف ہوتا ہے، اور کبھی اسے امید ہوتی ہے کہ بارش ہوگی، وہی بارش سے بھرے بادل کو پیدا کرتا ہے، نیز فرمایا کہ بجلی کی کڑک اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور یہ اس کی قدرت سے کوئی بعید بات نہیں ہے بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جن کے کان میں بجلی کی کڑک کی آواز جاتی ہے وہ سبحان اللہ والحمد للہ کہتے ہیں، اور فرشتے اللہ کے خوف سے تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صاعقہ بھیج کر جسے چاہتا ہے ہلاک کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کفار (جن کی ذلت و حقارت کو اوپر بیان کیا جا چکا) اللہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ٹھگرتے ہیں، بحث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں، کبر و غلا

وَلَيْسَ مِنَ الْبُغْضِ مَحَبَّةٌ وَالْبَيْكَةُ مِنْ خِيْفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّابِقَ فَيُصِيبُ بِعَازِلٍ مِنْ تَنَكُّؤِهِ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحِسَابِ ۝ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَلْبًا لِيُطِيعَ إِلَى اللَّهِ لِيُنزِلَ فَاوَهُوَ بِأَلْبَانِهِ وَمِمَّا دُعِيَ الْكُفْرَيْنَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ وَلِلَّهِ يُسْجَدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْأَصَالِ ۝

اور بجلی کی کرک، اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد و ثنا میں لگے رہتے ہیں، اور وہ جلا دینے والی بجلیوں کو بھیجتا ہے، جسے جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے، اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، حالانکہ وہ بہت ہی زبردست اور شدید گرفت کرنے والا ہے ﴿۱۳﴾ صرف اسی کو پکارنا حق ﴿۱۳﴾ ہے، اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ ان کی کوئی حاجت پوری نہیں کرتے ہیں، ان کی حالت اس آدمی کی ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے، تاکہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا، اور کافروں کا اپنے معبودوں کو پکارنا رائگاں ہی جاتا ہے ﴿۱۴﴾ اور آسمانوں اور زمین میں رہنے والے (فرشتے اور جن و انس) صرف اللہ کو سجدہ ﴿۱۵﴾ کرتے ہیں، چاہے خوشی سے کریں یا مجبور ہو کر، ان کے سائے بھی صبح و شام (اللہ کو) سجدہ کرتے ہیں ﴿۱۵﴾

کی وجہ سے عذاب آجانے کی جلدی چھاتے ہیں، قرآن کریم اور رسول کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اپنی من مانی نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اس بات سے قطعاً غافل ہوتے ہیں کہ اللہ کی تدبیر اور اس کی گرفت بہت ہی شدید ہوتی ہے۔ جب اس کی گرفت میں آجائیں گے تو کوئی طاقت انہیں نجات نہیں دلا سکے گی۔

﴿۱۴﴾ دعا و عبادت کی تمام قسمیں، خشوع و خضوع، جھکنا اور سر جھکانا، اللہ کے لئے خاص ہے، اس لئے کہ مضطر پریشان حال کی پکار کو وہی سنتا ہے، وہی ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس لئے صرف اسی کی عبادت کی جانی چاہئے، اسی کے سامنے گریہ و زاری کرنی چاہئے۔ اور جو لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کی مثال اس آدمی کی ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے تاکہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، لیکن پانی اس کی پیاس کو محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی دیکھ پاتا ہے کہ کوئی اپنے ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے ہوئے ہے، اس لئے نہ وہ اس کی فریاد سن پاتا ہے اور نہ اس کے منہ تک پہنچتا ہے۔ بتوں کا حال بھی ایسا ہی ہے، وہ اپنی عبادت کرنے والوں کی ادنیٰ مانگ بھی پوری نہیں کر پاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ کافروں کی عبادت اور بتوں سے ان کی فریاد طلبی ان کے کسی کام نہیں آئے گی، بلکہ وبال دین و ایمان بن جائے گی۔

﴿۱۵﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، سب اللہ کے ارادہ و مشیت اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔ کوئی بھی اس کے حکم سے ایک ذرہ کے برابر سرتابی نہیں کر سکتا۔ جو کفار اللہ کو سجدہ نہیں کرتے، وہ بھی اس کے ارادہ و مشیت کے مطابق کبھی صحت مند ہوتے ہیں تو کبھی بیمار، ان میں کوئی مالدار ہوتا ہے تو کوئی فقیر، انہیں بھی ایک محدود وقت تک زندہ رہنے کے بعد موت لاحق ہوتی ہے۔ اہل ایمان اللہ کے سامنے برضا و رغبت جھکتے ہیں، اور کافرا اللہ کے اوامر کو قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں سجدہ سے مراد حقیقی سجدہ ہے، یعنی اللہ کی تعظیم کے لئے زمین پر پیشانی ٹیکنا۔ تو اہل ایمان انس و جن اور فرشتے فی الواقع صبح و شام یعنی ہمیشہ اللہ کو سجدہ کرتے رہتے ہیں، اور اہل کفر حالتِ اضطراب میں اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ نے سورۃ العنکبوت

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، قُلِ اللَّهُ، قُلْ أَفَاتَّخَذْتُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتُمَثِّلُهُ التَّخْلُقِ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب (۱۶) کون ہے؟ آپ خود ہی بتا دیجئے کہ اللہ۔ آپ کہئے کہ کیا تم لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو یار و مددگار بنا لیا ہے جو خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ آپ کہئے کہ کیا تائید اور بیاد و نونوں برابر ہیں، یا کیا تاریکی اور روشنی برابر ہے، یا کیا انہوں نے اللہ کے کچھ ایسے سا جھی بنائے ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح چیزوں کو پیدا کیا ہے، اور وہ مخلوقات ان کی نظر میں گڈ مڈ ہو گئی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ تنہا، زبردست ہے ﴿۱۶﴾

آیت (۶۵) میں فرمایا ہے: ﴿فَإِذَا رَكبُوا فِي الْفَلَكِ دَعَاؤُا لِلَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ کہ ”جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پورے اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں“۔ اسی طرح انسان اور دیگر تمام مخلوقات کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کو سجدہ کرتا ہے تو اس کا سایہ بھی اس کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ کوئی بعید بات نہیں کہ سایہ بھی حقیقی معنوں میں اللہ کو سجدہ کرتا ہو جیسا کہ پہاڑ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل آیت (۳۸) میں فرمایا ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ﴾ یعنی ”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں، ان کے سائے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں، اور وہ اللہ کے لئے عاجزی اور انکساری اختیار کئے ہوتے ہیں“۔

(۱۶) کفار مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی ثابت شدہ حقیقت اور ان کے اعتراف کو یہاں بیان کرنے کے بعد ان سے کہا گیا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے تو پھر اس کے علاوہ دوسروں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا کیوں مانتے ہو، جو خود اپنی ذات کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی نقصان کا ازالہ کر سکتے ہیں، وہ تمہارے حاجت روا اور مشکل کشا کیسے بن جائیں گے؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعہ موحّد مسلمان اور کافر کے درمیان فرق واضح کیا، کہ کافر اپنے دین کے معاملہ میں اندھے کے مانند ہے، اور موحّد مسلمان آنکھ والے کے مانند۔ کافر اپنے کفر کی تاریکی میں جھکتا رہتا ہے اور موحّد ایمان و توحید کا مشعل لئے منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ کفر کی تاریکی اور ایمان کا نور دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ کفار و مشرکین کی کم عقلی اور نادانی کو مزید اجاگر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن باطل معبودوں کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، کیا انہوں نے اللہ کی طرح آسمان، زمین، شمس و قمر، پہاڑ، سمندر اور جن و انس کو پیدا کیا ہے، جنہیں دیکھ کر مشرکوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ وہ شرکاء بھی معبود ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے ان چیزوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ حق بات بیان کر دیں اور کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے، اس لئے عبادت کا بھی مستحق صرف اسی کی ذات ہے۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِعًا وَمِمَّا يُوقَدُونَ عَلَيْكَ فِي النَّارِ أَيْعَاءٌ
جَلِيَّةٌ أَوْ مَتَاعٌ زُبَدٌ مَثَلَةٌ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۗ لَكِنَّ الَّذِينَ اسْتَبَاهُوا إِلَى اللَّهِ هُمْ أَكْثَرُ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
لَهُمْ أَجْرٌ يُكَفِّرُونَ ۚ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَاءً فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدُوا بِهِ ۚ وَأُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۚ وَمَا أُولَئِكَ بِمُحْسِنِينَ ۚ
بِئْسَ الْبِهَادُ ۚ أَفَمَنْ يَعْلَمُ آثِمًا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقَّ لَكِنَّ هُوَ آخِصٌ لِمَا يَكْتُمُونَ الْأَلْبَابَ ۗ

اسی نے آسمان سے بارش بھیجا تو وادیاں اپنی وسعت اور اندازے کے مطابق بہہ پڑیں، پھر سیلاب نے پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے جھاگ کو اٹھالیا، اور جن دھاتوں کو زیور یا کوئی اور چیز بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں، ان پر بھی پانی کے جھاگ کے مانند جھاگ ہوتا ہے، اللہ اسی طرح حق و باطل کی مثال (۱۷) بیان کرتا ہے، پس جھاگ بے سود بن کر ختم ہو جاتا ہے، اور جو پانی لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رب کی بات مانی ان کے لئے اچھا بدلہ (۱۸) (جنت) ہے، اور جنہوں نے اس کی بات نہیں مانی، اگر ان کے پاس زمین کی ساری چیزیں ہوں اور ان کے برابر اور بھی ہوں تو وہ اپنی نجات کے لئے انہیں بطور فدیہ پیش کر دیں، اُن کا بہت ہی برا حساب ہوگا، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بدترین مقام ہوگا ﴿۱۸﴾ کیا جو شخص جانتا ہے کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو (قرآن) نازل ہوا ہے، وہ حق (۱۹) ہے، اس شخص کے مانند ہوگا جو اندھلے، بے شک عقل والے، ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۱۹﴾

(۱۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان ایک نئی مثال کے ذریعہ فرق بیان کیا ہے۔ حق اور اہل حق کی مثال اس بارش کی ہے جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے، اور جس سے وادیاں بھر جاتی ہیں، لوگ اس سے خوب مستفید ہوتے ہیں، خود پیٹتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں اور اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں، اور کچھ پانی زمین کے اوپر ٹھہر رہتا ہے اور کچھ اندر پہنچ کر چشموں اور کنوؤں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور حق اور اہل حق کی مثال اس معدن (دھات) کی بھی ہے جس سے لوگ زیورات، برتن اور مختلف قسم کے آلات بناتے ہیں۔ یہ معدنیات بھی ایک مدت مدید تک باقی رہتے ہیں اور لوگ ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اور باطل کی مثال جھاگ اور زنگ کی ہے جو کسی کام کا نہیں ہوتا اور تھوڑی دیر کے لئے اوپر اٹھنے کے بعد جلد ہی اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ ان دونوں مثالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حق کو ثبات و دوام حاصل ہوتا ہے، اور باطل زوال پذیر ہوتا ہے، جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

(۱۸) اہل حق اور اہل باطل کا انجام بیان کیا گیا ہے، کہ جن اہل حق نے اللہ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے اسے ایک جانا، انبیائے کرام کی تصدیق کی اور اس کی نازل کردہ شریعت پر عمل کیا، ان کی منزل جنت ہوگی، اور جن لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا، قیامت کے دن وہ کسی طرح بھی جان بر نہ ہو سکیں گے اور جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

(۱۹) کافر اور مومن کی ایک مثال بیان کی گئی ہے، کہ جو آدمی یقین رکھتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر نازل کردہ کتاب ہے، وہ اس کے مانند نہیں ہو سکتا جو اس ایمان سے محروم ہے، بلکہ وہ اندھا ہے، خیر و شر میں تمیز نہیں کر پاتا ہے۔ دونوں

الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْعَيْثَ ۗ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۗ وَالَّذِينَ صَبَرُوا بِبُوعَاءٍ وَجَهْدٍ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَعُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
وَأُتُوا بِهَا بِحَسَنَةٍ تَبِيئَةً أُولَئِكَ لَهُمْ عِزٌّ عِزِّي الدَّارِ ۗ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأُو
رَادِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۗ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۗ

اور جو لوگ ﴿۲۰﴾ اللہ سے کئے گئے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے ہیں ﴿۲۰﴾ اور جو لوگ ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور برے حساب سے خائف رہتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور جو لوگ اپنے رب کی خوشی کی خاطر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر اور دکھلا کر خرچ کرتے ہیں، اور برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے ﴿۲۲﴾ یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہو جائیں گے، اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ نیک ہوں گے، اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے ﴿۲۳﴾ اور کہیں گے کہ آپ حضرات پر آپ کے صبر کی بدولت اللہ کی سلامتی ہے، پس آخرت کا وہ گھر کیا ہی اچھا گھر ہے ﴿۲۴﴾

کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا پانی اور جھاگ اور عمدہ اور زنگ آلود معدنیات کے درمیان۔

(۲۰) ایمان والوں کی صفات اور ان کا انجام بیان کیا جا رہا ہے:

- ۱- وہ اللہ اور بندوں کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمانے کے پابند ہوتے ہیں۔
- ۲- اللہ اور بندوں کے ان تمام حقوق کی حفاظت کرتے ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ تمام انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ایمان کے سبب جو رشتہ قائم ہے، اس کا بھی لحاظ رکھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ کہ ”مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں“ اور اپنے دوستوں، خادموں، پڑوسیوں اور رفقاء سفر کی دلجوئی کرتے ہیں۔
- ۳- خشیت الہی ان پر غالب رہتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالاتے ہیں اور محرمات اور نواہی سے بچتے ہیں۔
- ۴- قیامت کے دن کے حساب سے ڈرتے ہیں، اس لئے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔
- ۵- اللہ کے دین پر عمل کرنے میں جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر صبر کرتے ہیں۔ آلام و مصائب پر بھی صبر کرتے ہیں۔
- ۶- پانچوں وقت کی نماز بروقت، خشوع و خضوع کے ساتھ اور سنت کے مطابق ادا کرتے ہیں۔
- ۷- اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے اس کی راہ میں پوشیدہ طور پر اور دکھلا کر خرچ کرتے ہیں۔
- ۸- برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، گناہ کے بعد نیکی کرتے ہیں، کوئی ظلم کرتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں، جو قطع تعلق کرتا ہے اس سے تعلق قائم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت میں ایسے ہی لوگوں کا انجام اچھا ہوگا، اور جنت ان کی منزل ہوگی۔ اور ان کے ساتھ ان کے آباء و اجداد، بیویوں اور اولاد میں سے وہ سب بھی جنت میں داخل ہوں گے جو دنیا میں

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ الْعَذَابُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ اللَّهُ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَعْدِلُ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الْحَيَوَاتُ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَوَاتُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝

اور جو لوگ (۲۱) اللہ سے کیا گیا پختہ وعدہ توڑتے ہیں، اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہوگی، اور ان کے لئے آخرت کا بُرا گھر ہے ﴿۲۵﴾ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی میں وسعت (۲۲) دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اور وہ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایک عارضی فائدہ ہے ﴿۲۶﴾

صلاح و تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے۔ مجاہد نے یہاں "صلاح" سے مراد ایمان لی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے جو لوگ بھی مومن ہوں گے، اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کا اکرام کرتے ہوئے انہیں بھی جنت میں داخل کر دے گا۔ واحدی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ دائمی سلامتی کی جگہ اللہ نے تمہیں اس بدلے میں دی ہے کہ تم دنیا میں صبر و استقامت کے ساتھ اس کے دین پر عمل کرتے رہے۔

(۲۱) اب غیر اہل ایمان کی صفات اور ان کا انجام بیان کیا جا رہا ہے، کہ جو لوگ اللہ سے کئے گئے عہد و موافق کا خیال نہیں رکھتے، اور جن اوامر و نواہی کا انہیں حکم دیا گیا ہے ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے، اور جن تعلقات، رشتوں اور قرابتوں کو جوڑے رکھنے کی انہیں نصیحت کی گئی ہے ان کا پاس نہیں رکھتے، اور کفر و معاصی کے ارتکاب کے ذریعہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کی لعنت کے مستحق بن جاتے ہیں، اور قیامت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۲۲) اللہ تعالیٰ کا فر کی روزی میں وسعت دیتا ہے، گویا اس کی رتی ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ کفر و معاصی میں اور آگے بڑھتا چلا جائے۔ اور بندہ مومن کی روزی میں تنگی پیدا کر دیتا ہے، اور مقصود اس سے اس کی آزمائش ہوتی ہے، اور اس لئے بھی تاکہ اس کے گناہ دنیا ہی میں مٹ جائیں۔ روزی میں وسعت اللہ کی جانب سے کافر کے اعزاز و اکرام کی دلیل نہیں ہوتی، اور نہ تنگی رزق مومن کی تذلیل و لہانت کی۔ اس کے بعد مشرکین مکہ کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی پر نازاں و فرحان ہیں، حالانکہ آخرت کی کامیابی اور حصول جنت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مفسرین نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ دنیاوی کامیابیوں پر اترانا اور گن رہنا حرام ہے۔ ترمذی نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ چٹائی پر سو گئے تو ان کے پہلو میں اس کا نشان پڑ گیا۔ صحابہ کرام نے کہا، ہم آپ کے لئے نرم بستر بنا دینا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ”مجھے دنیا سے کیا مطلب، دنیا میں میری مثال اس مسافر سواری کی ہے جو ایک پل کسی درخت کے سائے میں ٹھہرتا ہے، پھر چل دینا ہے“۔ اور مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے مستور رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکال لے، اس کی انگلی میں پانی کا کون سا حصہ آجائے گا۔ اور آپ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا“۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أُنَابَ ۗ
الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۗ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
طُوبَى لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَّتِهِ قَدْ حَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَّمٌ لَتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الذِّكْرَ الَّذِي أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ ۝

اور اہل کفر کہتے ہیں، کہ محمد پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی (۲۳) کیوں نہیں اتاری گئی ہے، آپ کہتے کہ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے ﴿۲۷﴾ یعنی جو لوگ اہل ایمان ہوتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان (۲۴) حاصل ہوتا ہے، آگاہ رہتے کہ اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے ﴿۲۸﴾ جو لوگ (اس دنیا میں) اہل ایمان ہوں گے اور عمل صالح کریں گے انہیں (آخرت میں) خوشیاں (۲۵) ملیں گی، اور رہائش کی عمدہ جگہ ملے گی ﴿۲۹﴾ ہم نے اسی طرح آپ کو ایسی قوم کے لئے رسول (۲۶) بنا کر بھیجا ہے جن کے پہلے بہت سی قومیں گذر چکی ہیں، تاکہ آپ انہیں وہ قرآن پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کو بذریعہ وحی دیا ہے، اور وہ لوگ نہایت رحم کرنے والے اللہ کی ناشکری کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہی میرا رب ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے (یاد ہی میرا بجا ماویٰ ہے) ﴿۳۰﴾

(۲۳) کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اگر محمد اللہ کا نبی ہے تو موسیٰ و عیسیٰ کی طرح اللہ اس کے لئے بھی کوئی نشانی کیوں نہیں بھیج دیتا۔ اور ان کا مقصد محض کبر و عناد ہوتا تھا، ان کی نیت یہ نہیں ہوتی تھی کہ اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ یہاں بھی انہوں نے وہی سوال دہرایا، تو اللہ نے انہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے چاہے وہ ہزار نشانیاں دیکھ لے، اور جو گناہوں سے تائب ہو کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے چاہے وہ کوئی بھی نشانی نہ دیکھے، اس کی مشیت میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس لئے تمہیں رسول اللہ ﷺ سے نشانیوں کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اللہ کے دین کو قبول کر لینا چاہئے اور اس سے اپنا تعلق استوار کرنا چاہئے تاکہ تمہیں مزید توفیق کی نعمت سے نوازے۔

(۲۴) اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی صفت بیان کی جا رہی ہے جو نعمتِ ہدایت سے سرفراز ہوتے ہیں، کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان لاتے ہیں، اللہ کی یاد سے ان کے دلوں کو سکون ملتا ہے، اور اس کے سوا کسی کو اپنا روبرو دگار نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سکونِ قلب حاصل کرنے کا ایک نسخہ کیا بتایا کہ زبان و قلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے ہی انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے اس کے دل کو صرف اس کی یاد سے ہی سکون مل سکتا ہے۔ تسبیح و تحمید اور تکبیر و توحید، ذکر الہی کے مسنون و معروف طریقے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو "ذکر" کہا ہے، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت، اسے سننا، اور اس میں غور و فکر کرنا، ذکر الہی کے بہت ہی مفید طریقے ہیں۔

(۲۵) اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ انہیں جنت دے گا اور وہاں وہ ایسی اچھی

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ خَلِمَ بِهِ الْمَوْتُ بَلِ اللّٰهُ الْأَمْرُ جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتِ الْبَشَرَ الَّذِينَ
 آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِنُصِيْبِهِمْ مِّمَّا صَنَعُوا قَارِعَةً أَوْ تَحُلُّ
 قُرْيَانًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۳۱﴾

اور اگر کسی قرآن (۲۷) کے ذریعہ پہاڑوں کو چلا دیا جاتا، یا زمین کے ٹکڑے کر دیئے جاتے، یا مردوں کو گویائی دے
 دی جاتی (تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے) بلکہ تمام فیصلے (۲۸) صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ کیا اہل ایمان یہ بات
 نہیں سمجھے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا، اور اہل کفر (۲۹) پر ان کے کئے کی بدولت کوئی نہ
 کوئی مصیبت آتی رہے گی، یا ان کے گھروں کے قریب رہنے والوں پر کوئی آفت آتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا
 وعدہ آجائے گا، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ہے ﴿۳۱﴾

حالت میں ہوں گے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے، ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں ایک درخت عطا
 کرے گا جس کا نام ”طوبی“ ہے اور وہ ایسی نعمت ہوگی جس کی خوبیاں الفاظ میں نہیں بیان کی جاسکتیں۔

(۲۶) نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق و تائید کے طور پر کہا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے بہت سے انبیاء مبعوث کئے، اب
 آپ کو مبعوث کیا ہے، تاکہ آپ کفار قریش اور دیگر لوگوں کو وہ قرآن پڑھ کر سنائیں جو آپ کے لئے اللہ کا سب سے بڑا معجزہ،
 اور نبی نوع انسان کے لئے اللہ کی رحمت ہے۔ لیکن کفار اس ذات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں جس کی ایک صفت ”رحمن“ بھی
 ہے، اور جس نے اپنی اسی صفت رحمت کے تقاضے کے مطابق انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا ہے، اور آپ کو
 رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت (۱۰۷) میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً
 لِّلْعَالَمِينَ ﴾ کہ ”ہم نے آپ کو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے“۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار قریش
 نے نعمت وحی کا شکر نہیں ادا کیا، اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ”رحمن“ اللہ کا نام اور اس کی ایک عظیم صفت ہے جس کا کفار
 انکار کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کہا تھا کہ ہم ”رحمن“ کو نہیں جانتے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی جگہ ”اللہ“ لکھنے پر
 اکتفا کیا تھا۔ (بخاری)۔ صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک سب سے
 اچھے نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں“۔

(۲۷) حافظ ابن کثیر کی رائے کے مطابق اس آیت سے مقصود قرآن کریم کی عظمت شان بیان کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی
 کتابیں نازل کی ہیں، اگر ان میں کوئی ایسی ہوتی جس کی تلاوت کرنے کے بعد پہاڑ اپنی جگہ سے چل پڑتا، یا زمین کے ٹکڑے
 ہو جاتے، یا مردے بول پڑتے، تو وہ قرآن کریم ہوتا۔ لیکن کافروں کا حال یہ ہے کہ اس آیت عظمیٰ اور معجزہ کبریٰ کے ہوتے
 ہوئے موسیٰ اور عیسیٰ کی نشانیاں جیسی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور امام شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ کفار قریش کے سوال کا جواب
 ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ وہ مکہ کے پہاڑوں کو ہٹادیں تاکہ شہر کشادہ ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فساد رائے اور
 قرآن کریم کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ پہاڑ چل پڑے یا زمین کے ٹکڑے
 ٹکڑے ہو جائیں یا مردے بول پڑیں تو بھی کفار اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلَقَدْ اسْتَبْرَأْنا بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَاَمَلَيْتَ لِلَّذِينَ كَفَرُواْ وَانْتُمْ اَخَذْتُمْهُم مِّنْ عِقَابٍ ؕ اَكْمَنَ هُوَ قَائِمٌ
عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُواْ لِلّٰهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ اَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلمُونَ فِي الْاَرْضِ اَمْ يَبْطِئُ هِرْمَانُ
الْقَوْلِ بَلْ زَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُواْ مَكْرَهُمْ وَصُدُّواْ عَنِ السَّبِيلِ ؕ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ؕ

اور آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کا مذاق (۳۰) اڑایا گیا، تو میں نے اہل کفر کو ذلیل دے دی، پھر انہیں پکڑ لیا، تو میری سزا کیسی (سخت) تھی ﴿۳۲﴾ کیا جو باری تعالیٰ ہر شخص کے کئے کا نگہبان (۳۱) ہے ان جھوٹے معبودوں کے مانند ہے جن کو انہوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ آپ کہئے کہ ذرا ان کے نام تو بتاؤ۔ یا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جس کی اسے زمین پر ہونے کی خبر نہیں ہے، یا یونہی ایک بے معنی بات کہتے ہو، بلکہ کافروں کے لئے ان کا مکرو فریب خوبصورت بنا دیا گیا ہے، اور راہ حق سے روک دیئے گئے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ہے ﴿۳۳﴾

(۲۸) اگر اللہ چاہتا تو قرآن کے ذریعہ وہ کچھ ہوتا جس کا بیان اوپر آیا، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا، اس لئے کہ ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ اگر وہ چاہتا تو کفار قریش بغیر نشانیاں دیکھے بھی ایمان لے آتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا، اس لئے پہاڑوں کا چلنا، زمین کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا، مردوں کا بول پڑنا اور دوسری نشانیاں ان کی حالت نہیں بدل سکیں گی۔

(۲۹) آیت کے اس حصہ میں کافروں کے لئے بالعموم یا کفار مکہ کے لئے بالخصوص بہت بڑی وعید ہے کہ ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کے نتیجے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت انہیں لاحق ہوتی رہے گی۔ قتل کئے جائیں گے یا قید کر لئے جائیں گے یا قحط سالی میں مبتلا ہوں گے یا اور کوئی عذاب انہیں آئے گا، یا ان کے قریب رہنے والوں پر کوئی عذاب نازل ہو گا جسے دیکھ کر ان کے دل ہل جائیں گے اور ان کا سکون چھین جائے گا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ "تَحُلُّ" کی ضمیر نبی کریم ﷺ کے لئے ہے، یعنی آپ ان کے علاقے کے قریب رہنے والی کسی قوم کا محاصرہ کریں گے جسے دیکھ کر ان کی جان مصیبت میں رہے گی جیسا کہ طائف والوں کا حال ہوا، اور ان کی یہی کیفیت رہے گی، یہاں تک کہ انہیں موت آجائے گی، اور اللہ کے وعدے کے مطابق جہنم کا عذاب انہیں آدبوچے گا۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ﴿وَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ سے مراد کافروں سے جہاد کرنے کی اجازت ہے، یعنی جب جہاد کی اجازت مل جائے گی تو رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہل ایمان ساتھی میدان کارزار میں ان کے کفر کا انہیں مزا چکھائیں گے۔

(۳۰) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ سے پہلے بھی میرے بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، تو میں نے ان کافروں کو کچھ دنوں کی مہلت دی، خوب چین و سکون کے ساتھ رہے، پھر اچانک میں نے انہیں پکڑ لیا اور میرا عذاب بہت ہی سخت ہوتا تھا۔ (۳۱) اس استفہام سے مقصود کفار کی زجر و توبخ ہے کہ کیا وہ معبود برحق جو ایک ایک انسان کی نگرانی کر رہا ہے، جس سے ان کا کوئی عمل مخفی نہیں، ان بتوں کے مانند ہے جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی نفع و نقصان کی قدرت رکھتے ہیں۔ گذشتہ مضمون ہی کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ ذرا تم اپنے ان باطل معبودوں کی صفات تو بیان کرو اور غور کرو تو سہی کہ کیا وہ تمہاری عبادت کے مستحق ہیں، کیا وہ اس کے اہل ہیں کہ انہیں اللہ کا شریک بنایا جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جھوٹے معبود کا دعویٰ کر کے کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا علم نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ، وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدْنَا
 الْمُتَّقِينَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلُّهَا أَيْمٌ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝ وَ
 الَّذِينَ اتَّبَعَهُمُ الْكُفْبُ يَعْرِضُونَ بِمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ
 أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابٍ ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حِكْمًا عَرَبِيًّا وَلَكِنَّ اتَّبَعَتْ
 أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ وَلَا وَاقٍ ۝

انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب (۳۲) ملے گا، اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہوگا، اور انہیں اللہ سے کوئی نہیں
 بچا سکے گا ﴿۳۳﴾ اس جنت (۳۳) کی تعریف جس کا وعدہ اہل تقویٰ سے کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں
 جاری ہوں گی، اس کے میوے ہمیشہ ملیں گے اور اس کا سایہ ہر وقت رہے گا، یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جو (دنیا میں)
 اللہ سے ڈرتے رہیں گے، اور کافروں کا انجام جہنم ہوگا ﴿۳۵﴾ اور جن کو ہم نے کتاب (۳۴) دی تھی وہ اس قرآن
 سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، اور (یہود و نصاریٰ کے) گروہوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو
 قرآن کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں، آپ کہئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت (۳۵) کروں اور کسی کو اس کا
 شریک نہ بناؤں، میں لوگوں کو اسی کی طرف بلا تا ہوں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۳۶﴾ اور اسی طرح ہم
 نے اس قرآن کو فیصلہ کرنے والا، اور عربی زبان میں نازل (۳۶) کیا ہے، اور اگر آپ نے وحی و رسالت کا علم آپ
 کے پاس آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کے مقابل آپ کا نہ کوئی یار مددگار ہوگا اور نہ کوئی
 بچانے والا ﴿۳۷﴾

تمہارا یہ قول حقیقت کے عین خلاف ہے، ویسا ہی جیسے کوئی جہالت و نادانی میں آکر کسی کالے حبشی کا نام کا فور رکھ دے۔
 (۳۲) جن کافروں کا حال اوپر بیان کیا گیا ہے، انہی کا انجام بتایا جا رہا ہے کہ انہیں دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ عذاب دیا جائے گا،
 یا مفہوم یہ ہے کہ کافر کو کفر کی وجہ سے کبھی سکون میسر نہیں آتا، اور آخرت کا عذاب تو بڑا ہی دردناک ہوگا۔
 (۳۳) کافروں کا انجام بتانے کے بعد اب مومنوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت دے گا جس کے نیچے
 نہریں جاری ہوں گی، اس میں کھانے پینے کی بے شمار نعمتیں اور درختوں کے داگئی سائے ہوں گے۔
 (۳۴) اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد تورات و انجیل، اور خوش ہونے والوں سے مراد وہ یہود
 و نصاریٰ ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عام یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو قرآن کریم کی ان آیتوں کو سن کر خوش
 ہوتے تھے جن سے تورات و انجیل کے احکام کی تائید ہوتی تھی۔ پہلے قول کے مطابق "احزاب" سے مراد وہ یہود و نصاریٰ
 ہوں گے جنہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ اور دوسرے قول کے مطابق مشرکین مکہ اور دیگر کفار ہوں گے، یا بعض یہود
 و نصاریٰ جو قرآن کا انکار اس لئے کرتے تھے کہ اس کے ذریعہ ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئی تھیں۔
 (۳۵) نزول قرآن کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا موقف واضح کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کافروں
 کو بتادیں کہ آپ ﷺ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے۔ اور یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر تمام

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ آيَاتٍ أَنْ يَبْتَغَى الْآيَاتِنَ إِلَّا يَأْذِنَ اللَّهُ لِلْكَافِرِ أَجَلٌ كِتَابٌ ۝ يَتَعَوَّذُوا اللَّهَ بِمَشَاءِ وَيُشْبِثُ ۝ وَعِنْدَ أَمْرِ الْكُذِّبِ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے انبیاء و رسل بھیجے اور انہیں بیویاں (۳۷) اور اولاد دی، اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں تھی کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی نشانی (۳۸) لاسکے، ہر کام کا مقرر وقت لکھا ہوا ہے ﴿۳۸﴾ اللہ جس حکم کو چاہتا ہے مٹا دیتا (۳۹) ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) ہے ﴿۳۹﴾

ادیان سادہ کا اتفاق ہے۔

(۳۷) قرآن کریم کے بعض فضائل کا ذکر، اور اس سے اعراض پر دھمکی دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، اور اس میں شریعت اسلامیہ کے تمام اصول بیان کر دیئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر آپ قرآن جیسا علوم و معارف کا خزانہ ملنے کے بعد بھی یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو اللہ کے سوا آپ کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور اس کی گرفت سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔

(۳۷) بعض کفار رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتے تھے کہ اگر محمد نبی ہوتا تو شادی نہیں کرتا، نبوت کے کاموں میں لگا رہتا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ سے پہلے جو انبیائے کرام دنیا میں آتے رہے ہیں، انہوں نے بھی شادیاں کی تھیں اور ان کی بھی اولاد تھی، ہم نے کسی فرشتہ کو کبھی نبی بنا کر نہیں بھیجا۔

(۳۸) ان کافروں کی تردید کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بار بار موسیٰ و عیسیٰ جیسی نشانی لانے کا مطالبہ کرتے تھے، کہ اللہ کا رسول اس کی مرضی کے بغیر کوئی نشانی نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق ہر وقت کے لئے ایک فیصلہ کر رکھا ہے، جب وہ وقت آتا ہے، تو اس کا ظہور ہوتا ہے، ان فیصلوں کا تعلق کافروں کی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ لوح محفوظ سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور جس حکم اور فیصلہ کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ ہر انسان کے بارے میں لوح محفوظ میں نوٹ ہے کہ وہ نیک ہوگا یا بد، اس کی روزی، عمر، اور اس سے متعلق خیر و شر کی ہر بات لکھی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور ارادہ و مشیت کے مطابق اس میں تبدیلی کرتا ہے، اس کی مشیت میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب، ابن مسعود اور ابن عباس وغیرہم کی یہی رائے ہے۔ ”محمود اثبات“ کی تفسیر میں اور بھی اقوال آئے ہیں، لیکن راجح وہی ہے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (قلم خشک ہو گیا) تو لوح محفوظ میں ”محمود اثبات“ بھی اللہ تعالیٰ کے تقاضا و قدر میں داخل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حالت طواف میں یہ کہتے سنا گیا کہ ”اے اللہ! اگر تو نے میرے لئے بد بختی یا کوئی گناہ لکھ دیا ہے تو اسے مٹا دے۔ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، تیرے ہی پاس لوح محفوظ ہے، اے اللہ! تو میرے لئے نیک بختی اور مغفرت لکھ دے“؛ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی دعا منقول ہے۔ اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ احتیاط تقدیر کے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی، لیکن اللہ تعالیٰ دعا کے ذریعہ تقدیر کی جس بات کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔

وَإِنْ مَا تُرِيدُكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَوَفِّيْنَاكَ وَإِنَّا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَا
 نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ نَكَّرَ الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ فَيَلْبِغُوا الْمَكْرُجِبِيْعًا يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُ كُلُّ نَفْسٍ وَنَسِيعُكُمْ الْكُفْرَ لِمَنْ عَقَّبَى الدَّارَ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ
 كَفَرُوا لَسَتْ مُرْسَلًا قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝

اور یا تو ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھائیں گے جس کا ہم کافروں سے وعدہ کرتے ہیں، یا اس سے پہلے ہی
 آپ کو وفات دے دیں گے، آپ کی ذمہ داری (۳۰) تو پیغام پہنچا دینا ہے، اور حساب لینا ہمارا کام ہے ﴿۳۰﴾ کیا وہ
 دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کے اطراف و جوانب سے گھٹاتے جا رہے ہیں، اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے،
 کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۳۱﴾ اور ان سے پہلے جو لوگ گذرے
 ہیں انہوں نے بھی (اپنے پیغمبروں کے خلاف) سازشیں (۳۲) کی تھیں، لیکن تمام تدبیریں صرف اللہ کے اختیار
 میں ہیں وہ ہر شخص کی کمائی کو جانتا ہے، اور عنقریب کفار جان لیں گے کہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) کس کے لئے
 ہے ﴿۳۳﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں کہ آپ رسول (۳۴) نہیں ہیں، آپ کہتے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کی حیثیت
 سے اللہ کافی ہے، اور وہ لوگ بھی جو کتاب (تورات و انجیل) کا علم رکھتے ہیں ﴿۳۳﴾

(۳۰) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی، اب اگر کوئی آپ کی دعوت قبول نہیں کرتا ہے
 تو اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے گا۔ اور دنیا میں آپ کے دشمنوں کو ممکن ہے کہ اللہ آپ کی زندگی ہی میں ذلیل و رسوا کرے، یا
 ہو سکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ ایسا ہو، بہر حال آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

(۳۱) کفار مکہ کو اس بارے میں کیوں شبہ ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا اور ذلت و رسوائی میں مبتلا نہیں کرے گا، کیا وہ
 دیکھ نہیں رہے ہیں کہ وہ سر زمین مکہ کو ان کے چاروں طرف سے تنگ کر جا رہا ہے، اور ہر سال مسلمان کچھ علاقوں کو فتح کرتے
 ہوئے مکہ کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور کفار مکہ کے لئے زمین تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، کسی کو اٹھاتا
 ہے تو کسی کو گراتا ہے، کسی کو مارتا ہے تو کسی کو زندگی دیتا ہے۔ اس کے فیصلوں میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا ہے۔ اور وہ تو بڑا
 جلد انتقام لینے والا ہے۔ دنیا میں توفیق و بند اور قتل کی شدید آزمائش میں گرفتار ہیں ہی، عنقریب ہی آخرت میں بھی اللہ ان کا حساب
 لے گا اور ان کے بُرے کرتوتوں کا انہیں مزا چکھائے گا۔

(۳۲) اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ سے پہلے بھی جو کفار دنیا میں گذرے ہیں انہوں نے اپنے
 انبیاء کے خلاف سازشیں کیں، لیکن وہ سازشیں ان کے کسی کام نہ آئیں بلکہ ان کے لئے وبال جان بن گئیں، اس لئے کہ کامیاب
 تدبیر تو صرف اللہ کی تدبیر ہوتی ہے۔ وہ اپنے سرکش اور نافرمان بندوں کو جب وہ خواب غفلت میں ہوتے ہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔
 وہ ہر فرد کے اچھے اور برے اعمال سے باخبر ہے، اور کافروں کی ان چالوں سے بھی واقف ہوتا ہے جو وہ انبیاء کے خلاف چلتے ہیں،
 اور ان چالوں کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ آیت کے آخر میں کافروں کو دھمکی دی گئی ہے
 کہ وہ عنقریب جان لیں گے کہ دنیا میں یا آخرت میں یادوںوں جگہ اچھا انجام کس کا نصیب ہوگا۔



الرَّحْمٰنِ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِۗ بِاِذْنِ رَبِّهِمْۗ اِلَى صِرٰطٍ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝

سورہ ابراہیم مکی ہے، اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

آکر^(۱) یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں، انہیں اس اللہ کی راہ پر ڈال دیں جو بڑا زبردست، بڑی تعریفوں والا ہے ﴿۱﴾

(۲۳) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ اے محمد! تم اللہ کے رسول نہیں ہو، تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے انہیں یہ جواب دینے کو کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بحقیقت گواہ کافی ہے، وہ میرے نبی ہونے کی صداقت اور تمہاری کذب بیانی کو خوب جانتا ہے، اور وہ یہود و نصاریٰ بھی جانتے ہیں جنہیں پہلے آسمانی کتابیں دی جا چکی ہیں۔

مشرکین عرب یہود و نصاریٰ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ اسی لئے یہاں ان کا بھی حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنی کتابوں کے ذریعہ جانتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہم نے اسلام لانے کے بعد اس کی شہادت دی کہ تورات و انجیل میں رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی صراحت موجود ہے، جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت (۱۵۷) میں آیا ہے: ﴿الَّذِي يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانْجِيلِ﴾ کہ ”وہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل تورات و انجیل میں بصراحت پاتے ہیں“۔ اور سورۃ الشعراء آیت (۱۹۷) میں ہے: ﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ اَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي اِسْرٰٓءٰٓءِٓلَ﴾ یعنی ”کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء خوب جانتے ہیں کہ محمد اللہ کے نبی ہیں“۔

تفسیر سورہ ابراہیم

نام: ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنانے کے بعد اپنے رب سے کچھ دعائیں کی تھیں، جو امت اسلامیہ کے ظہور کے بعد پوری ہوئیں، جیسے بیت اللہ کا حج اور کعبہ کا مسلمانوں کے لئے قبلہ بنایا جانا۔ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی انہی دعاؤں کی مناسبت سے اس سورت کا نام ”ابراہیم“ رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول: ابن عباس، عکرمہ، حسن، جابر بن زید اور قتادہ وغیرہم کے نزدیک دو یا تین آیتوں (۲۸، ۲۹، ۳۰) کے سوا پوری سورت مکی ہے۔ اس سورت میں بھی عام کی سورتوں کی طرح نبی کریم ﷺ کی نبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ کفار قریش کو قرآن اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور ان کے کفر و عناد کے نتیجے میں مختلف قسم کی دنیوی اور آخری سزاؤں کی دھمکی دی گئی ہے۔

(۱) آکر، یہ حروف مقطعات ہیں، ان کا معنی اللہ ہی جانتا ہے۔ ”کتاب“ سے مراد قرآن کریم ”ظلمات“ سے کفر و ضلالت اور

اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۗ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولَٰئِكَ فِي صُلْبٍ بَعِيدٍ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ
رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوِيٍّ لِّيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک (۲) ہے، اور کافروں کے لئے سخت عذاب کی وجہ سے بربادی و ہلاکت ہے ﴿۲﴾ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی (۳) پسند کرتے ہیں، اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ٹیڑھی رہے، وہی لوگ بہت دور کی گمراہی میں ہیں ﴿۳﴾ اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا تو وہ اپنی قوم کی زبان (۴) جاننے والا ہوتا تھا، تاکہ وہ (دین کی باتیں) ان کے لئے کھول کر بیان کرے، پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ بڑا زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲﴾

بدعت و جہالت کی تاریکی، اور "نور" سے ایمان و ہدایت اور قرآن و سنت کی روشنی ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ قرآن کریم میں مذکور تعلیمت الہیہ کی روشنی میں انسانوں کو اللہ کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق کفر کی تاریکی سے نکال کر دین اسلام کی روشنی تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہدایت دینے والا اللہ ہے، یہاں اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ داعی اور رہنما وہی ہیں۔ اسی لئے ﴿بِإِذْنِ رَبِّنَا﴾ کہا گیا ہے، یعنی اللہ کی مرضی اور اس کی مشیت سے، ہی کسی کو ہدایت ملتی ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ "ظلمات" بلفظ جمع اور "نور" بلفظ مفرد اس بات کی دلیل ہے کہ کفر و بدعت کی راہیں بہت، اور حق کا راستہ صرف ایک ہے۔ انتہی۔ اللہ کا راستہ مجسم نور ہے جسے اختیار کر کے آدمی ہمیشہ رہنے والی جنت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس راہ کی نسبت اللہ کی طرف ہونے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس راہ کا مسافر بھٹکتا نہیں اور اللہ کی توفیق سے منزل مقصود کو پا لیتا ہے۔

(۲) دین اسلام اس اللہ کا راستہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہر چیز کا مالک ہے۔ اس لئے دنیا میں ہلاکت و بربادی اور قیامت کے دن عذاب نار ہے ان کافروں کے لئے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے، اور کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان و اسلام کی روشنی میں داخل نہیں ہو جاتے۔

(۳) انہی کافروں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں کہ وہ آخرت کی زندگی کو فراموش کر دیتے ہیں، اور دنیا کی زندگی کو کامیاب بنانے میں منہمک ہو جاتے ہیں، اور اللہ کے بندوں کو راہ حق پر چلنے سے روکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ صحیح راستہ نہیں ہے، یا چاہتے ہیں کہ لوگ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں، یا اللہ کا دین ان کی خواہش نفس کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ گمراہی کی راہ پر بہت دور چلکے ہیں۔ اور "أُولَٰئِكَ ضَالُّونَ" کے بجائے ﴿أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ﴾ کہنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ گمراہی ان کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کر کے اور نبی کریم ﷺ کو مبعوث کر کے عربوں پر اپنے احسان کی تکمیل یوں کی کہ رسول اللہ ﷺ عربی تھے، ان کی زبان عربی تھی تاکہ آپ امور شریعت کو انہی کی زبان میں ان کے سامنے بیان کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فصلت آیت (۳۴) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۗ﴾ کہ "اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں اتارتے تو وہ کہتے کہ اس کی آیتیں قابل فہم کیوں نہیں بنائی گئی ہیں۔"

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيَدْعُونَ آبَاءَكُمْ وَيُؤْتُونَكُمْ سُلُوكَ السَّبِيلِ ۚ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّذَكِّرٍ ۝ عَظِيمٍ ۝

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات دے کر بھیجا اور کہا کہ آپ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نکال کر روشنی (۵) میں پہنچائیے اور قوموں پر اللہ کی جانب سے نازل شدہ عذاب کے واقعات سنا کر انہیں نصیحت کیجئے، بے شک ان واقعات میں صبر و شکر کرنے والے ہر شخص کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۵﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، جب اس نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بہت سخت سزا (۶) دیتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش تھی ﴿۶﴾

نبی کریم ﷺ پوری دنیا والوں کے لئے اور تمام جن وانس کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، لیکن چونکہ آپ عربی تھے، اور عربی زبان دنیا کی سب سے گہری اور وسیع زبان ہے، اسی لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، اور دوسری قوموں تک قرآن کا پیغام بذریعہ ترجمہ پہنچا۔ ان قوموں نے اسلام لانے کے بعد حفظ قرآن اور فہم قرآن کے لئے خوب محنت کی، تراجم تیار کئے، تفسیریں لکھیں، عربی زبان میں دسترس حاصل کیا اور قرآن و سنت کو ان کی اصل زبان میں سمجھا اور اسلام کی دعوت کو اسی طرح سمجھا جس طرح عرب مسلمانوں نے سمجھا۔

چونکہ قرآن بطور معجزہ کبریٰ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اور اللہ نے اس کی حفاظت کی ضمانت لی ہے۔ اسی لئے ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک دنیا کی کوئی طاقت اس میں ایک نقطہ کی بھی تبدیلی نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی۔ اور اس کی دعوت عربی اور غیر عربی زبانوں میں عام ہوتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ کی دعوت لوگوں تک پہنچادی، لیکن کسی کو راہ راست پر لانا ان کی ذمہ داری نہیں تھی، اور نہ انہیں اس کا اختیار حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنے لطف و کرم سے ہدایت دیتا ہے۔

(۵) تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی امتوں کو راہ راست پر چلنے کی دعوت دیں۔ ان انبیاء میں موسیٰ علیہ السلام ایک بڑے نبی اور رسول تھے، جن کا واقعہ یہاں بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ اور "آیام اللہ" سے مراد ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات ہیں جو قوم موسیٰ سے پہلے گذر چکی تھیں جیسے قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے قوم موسیٰ کو دی تھیں، اور سرفہرست یہ نعمت کہ انہیں فرعون کے ظلم و طغیان سے نجات دی تھی۔ اور ﴿صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ سے مراد وہ مومنین ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب گذشتہ قوموں کی بربادی یا ان پر اللہ کی نعمتوں کی بارش کی داستاںیں سنتے ہیں تو فوراً چوکنا ہوتے ہیں، اپنا حاسبہ کرتے ہیں، اور صبر و شکر کی زندگی اختیار کرتے ہیں۔

وَلَا تَأْذَنُ رَبُّكُمْ لِيَنْ شَاكِرْتُمْ لَكُمْ وَلَا زَيْدٌ تَكْفُرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ لَكُمْ فِرْعَوْنَ أَنْتُمْ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَفِيْرٌ حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَشُعْرُبٍ
وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ مَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَقْوَامِهِمْ
وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا إِيْمَانًا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكِّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝

اور جب تمہارے رب نے یہ خبر دی کہ اگر تم شکر (۷) ادا کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے
تو یاد رکھو کہ بے شک میرا عذاب سخت ہوتا ہے ﴿۷﴾ اور موسیٰ نے (اپنی قوم سے) کہا کہ اگر تم اور زمین پر رہنے
والے تمام لوگ کافر (۸) ہو جائیں تو (بھی کوئی بات نہیں اس لئے کہ) اللہ بے نیاز، بڑی تعریفوں والا ہے ﴿۸﴾ کیا
تمہیں ان قوموں کی خبریں (۹) نہیں پہنچی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود کی خبریں،
اور ان لوگوں کی خبریں جو ان کے بعد دنیا میں پائے گئے، انہیں صرف اللہ جانتا ہے، ان کے انبیاء ان کے پاس کھلی
نشانیوں لے کر آئے، تو انہوں نے بات کرنے سے انہیں روک دیا، اور کہا کہ تم جو (دین) دے کر بھیجے گئے ہو اس
کا ہم انکار کرتے ہیں، اور جو دعوت تم ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو اس کی صداقت کے بارے میں ہمارے دلوں
میں گہرا شک و شبہ ہے ﴿۹﴾

(۶) اس آیت کی تفسیر سورۃ البقرہ آیت (۳۹) اور سورۃ الأعراف آیت (۱۳۱) میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے ﴿سُوْرَةُ
الْعَذَابِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ فرعون اور ان کے اہل کار ان سے غلاموں جیسا معاملہ کرتے تھے اور مشکل ترین کام لیتے تھے،
ان کے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے، اور عورتوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم موسیٰ
کے لئے فرعونیوں کے اس ظالمانہ برتاؤ میں اللہ کی جانب سے بڑی آزمائش تھی، ایک دوسری رائے یہ ہے کہ "ذٰلِكَ" سے
اشارہ "نجات" کی طرف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نعمت دے کر بھی آزماتا ہے، بلکہ یہ آزمائش زیادہ سخت ہوتی ہے مفسرین
نے لکھا ہے کہ آزمائش نعمت اور مصیبت دونوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت (۳۵) میں فرمایا ہے:
﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشُّرُوْبِ الْخٰنِيْنَ فَهِنَةٌ﴾ کہ "ہم تمہیں خیر و شر کے ذریعہ آزمائیں گے"۔

(۷) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ تمہارے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں کا ایمان خالص
اور عمل صالح کے ذریعہ شکر ادا کرو گے تو وہ تمہیں اور زیادہ روزی دے گا، اور دنیا میں معزز و مکرم بنائے گا۔ سفیان ثوری اس کی تفسیر
یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ تمہیں مزید طاقت اور بندگی کی تمتیق دے گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو وہ نعمتیں تم سے چھین لے گا، اور
سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

(۸) موسیٰ نے یہ بھی کہا کہ اگر تم اور زمین میں رہنے والے سبھی لوگ اللہ کے ناشکرے ہو جاؤ گے تو اس کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا،
وہ تمہارے شکر کا محتاج نہیں ہے، تمہاری ناشکری سے اس کی ذات و صفات میں کوئی کمی لاحق نہیں ہوگی۔

غالباً انہوں نے یہ بات اس وقت کہی ہوگی جب دیکھا ہوگا کہ ان کی قوم کفر و عناد پر مصر ہے، اور ترغیب و ترہیب کا کوئی
اسلوب ان پر اثر انداز نہیں ہو رہا ہے۔ امام مسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے

قَالَتْ رَبُّهُمْ اِنِّي اَللّٰهُ شَاطِرٌ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَعْفَرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُخَرِّجَكُم مِّنْ اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَرِيْدُوْا اَنْ تَصُدُّوْا عَنَّا كَانَ يَعْْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَانُوْنَا اِسْلٰطِيْنَ مُّبِيْنِيْنَ ۝۹

ان کے رسولوں نے کہا، کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شبہ (۱۰) ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، وہ تمہیں اپنی طرف اس لئے بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، اور ایک وقت مقرر تک تمہیں مہلت دے، انہوں نے کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے۔ اس لئے تم ہمارے سامنے (اپنی صداقت کی) کوئی دلیل پیش کرو ﴿۱۰﴾

میرے بندو! اگر تم تمام اڈل و آخر اور انس و جن تم میں سے صالح ترین انسان کے مانند ہو جاؤ، تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہو جائے گا۔ میرے بندو! اگر تم تمام اول و آخر اور انس و جن تم میں سے سب سے بدکار انسان کے مانند ہو جاؤ تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آجائے گی، میرے بندو! اگر تم تمام اول و آخر اور انس و جن ایک جگہ اکٹھے ہو کر مجھ سے مانگو، اور میں سب کی مراد پوری کر دوں تو اس سے میرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی، ویسے ہی جیسے کوئی سوئی سمندر میں ڈال کر نکال لی جائے۔“

(۹) ابن جریر کے نزدیک یہ بھی موسیٰ کے قول کا حصہ ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ چونکہ عاد و ثمود کے قصے تورات میں مذکور نہیں ہیں، اس لئے بظاہر یہ اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، عاد و ثمود اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کئے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ اور ایسی قومیں دنیا میں ان گنت ہوئی ہیں جن کی تعداد صرف اللہ جانتا ہے۔ ان رسولوں نے جب دلائل کی روشنی میں اللہ کا دین ان کے سامنے پیش کیا، تو انہیں بات کرنے سے منع کر دیا، اور کہا کہ ہم تم سے ایک کلمہ بھی مزید نہیں سنا چاہتے ہیں، اپنی بات اپنے منہ میں ہی رہنے دو، ہم تمہاری دعوت کا انکار کرتے ہیں، اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلارہے ہو ہمارے دل میں اس کے سچ ہونے میں گہرا شک و شبہ ہے۔

(۱۰) انبیاء کرام نے اپنی قوموں کے کفر اور آسمانی رسالت و دعوت کے انکار پر غایت درجہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کے معبود حقیقی ہونے میں شبہ ہے۔ حالانکہ آسمان و زمین کا وجود اس بات پر شاہد قاطع ہے اور کسی شک کی گنجائش نہیں چھوڑتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہی ہر چیز کا خالق و مالک اور معبود ہے، اور وہی تمہیں ہم پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے، ہم لوگ از خود تمہیں اس کی طرف نہیں بلارہے ہیں۔ اگر تم ہماری تصدیق کرتے ہوئے اللہ پر ایمان لے آؤ گے، تو وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور ایک وقت معین تک دنیاوی زندگی سے مستفید ہونے دے گا۔ کافروں نے انبیاء کی دعوت کو دوبارہ رد کر دیا، اور کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، کھاتے پیتے ہو، تمہیں ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور نہ تم فرشتہ ہو، بس تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے معبودوں کی عبادت سے روک دو۔ اس لئے ہم تمہاری بات اسی وقت مانیں گے جب کوئی واضح اور صریح نشانی لاؤ کہ واقعی تم اللہ کے نبی ہو۔ یہ ان کا محض عناد اور ہٹ دھرمی تھی، ورنہ نہ نبی نے ایسے معجزات اور نشانیاں پیش کیں جو قوموں کی اس یقین دہانی کے لئے کافی تھیں کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَا أَنْ نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصَدِّقَ عَلَىٰ مَا آذَيْنَا وَمَا نَدَّ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعَبَدَ ﴿۱۴﴾

ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم بے شک تمہاری ہی طرح انسان (۱۱) ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے، اور ہم اللہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تمہارے لئے کوئی دلیل نہیں لاسکتے ہیں، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۱۱﴾ اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں، اور اس نے ہمیں سیدھی راہوں پر چلایا، اور تم جو ہمیں تکلیف دے رہے ہو اس پر ہم یقیناً صبر کریں گے، اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۱۲﴾ اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ اگر تم ہمارے دین میں واپس نہ آئے تو ہم یقیناً تمہیں اپنی سر زمین سے باہر (۱۲) کر دیں گے، تو ان کے رب نے انہیں بذریعہ وحی بتایا کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے ﴿۱۳﴾ اور ان کے بعد زمین میں تم لوگوں کو آباد کریں گے، یہ اچھا بدلہ ان کو ملتا ہے جو (روز قیامت) میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں، اور میری دھمکی سے ڈرتے ہیں ﴿۱۳﴾

(۱۱) رسولوں نے کہا کہ ہاں، ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ نے ہمیں بحیثیت نبی جن لیا ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور اسے اپنا نبی بنا لیتا ہے۔ اور ہم کوئی نشانی اپنی مرضی سے نہیں لاسکتے ہیں، اللہ جب چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ اور اُس نے اس وقت نہیں چاہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس کے بعد اپنے مومن ساتھیوں کو خطاب کر کے کہا کہ مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ان کا مقصد سب سے پہلے اپنے آپ کو نصیحت کرنی تھی کہ ہمیں تو مومنوں کی جانب سے جو بھی تکلیف دعوت کی راہ میں پہنچ رہی ہے، اس پر صبر کرنے کے لئے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور اسی سے مدد مانگی جانی ہے۔ اسی لئے آیت (۱۲) میں کہا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کیا عذر باقی رہ گیا ہے، جب کہ اس نے ہم میں سے ہر ایک کو راہ راست پر ڈال دیا ہے اور اس پر استقامت کو واجب کر دیا ہے۔ اور چونکہ کافروں کی اذیت دہانی سے پائے استقلال میں تزلزل آنے کا خطرہ ہوتا، اس لئے اپنی قوت ارادی اور عزم صمیم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! ہم دعوت کی راہ میں تمہاری اذیتوں پر صبر کریں گے۔ اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ داعی الی اللہ کو ہر حال میں صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، کیونکہ ہر قوت و عزیمت کا سرچشمہ صرف اللہ ہے۔

(۱۲) جب کافروں نے دیکھا کہ انبیاء صبر کا پہاڑ بنے مصیبتوں کو جھیل رہے ہیں، اور اللہ پر ان کا ایسا بزدست بھروسہ ہے کہ دعوت کی راہ میں انہیں کسی بات کی پروا نہیں، تو انہوں نے علی الاعلان دھمکی دے دی کہ یا تو تم ہمارے دین میں دوبارہ واپس آ جاؤ گے، یا تمہیں اپنا گھر مار اور وطن چھوڑنا پڑے گا۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ اہل حق ہر زمانے میں کم ہوا کئے ہیں، اور اہل باطل کی

وَأَسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۱۷﴾ فَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ جَبَّارٌ أَوَّحْتُهُ مِنَ الْمَوْتِ وَأَوَّلَتْ أَعْيُنُهُمْ الْغُورُ ﴿۱۸﴾ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَآتَىٰ مَوْلَا سَوَءًا يَتَّبِعُهُ بِالْإِيمَانِ لَمَّا هُوَ سَءَاةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ أَكْفَارًا ﴿۱۹﴾

اور کافروں نے چاہا کہ اللہ ان کے اور رسولوں کے درمیان فیصلہ (۱۳) کر ہی ڈالے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سرکش و متکبر نامراد ہوا ﴿۱۵﴾ اور جہنم تو اس کا پیچھا کر رہا ہے، جہاں اسے (جہنمیوں کے) پیپ کا پانی پلایا جائے گا ﴿۱۶﴾ اسے وہ بہ مشکل گھونٹ گھونٹ پئے گا اور اسے حلق سے نیچے اتار نہیں سکے گا، اور موت اسے ہر چہار جانب سے گھیر لے گی لیکن وہ مر نہ سکے گا، اور سخت عذاب اس کے پیچھے لگا ہو گا ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا ان کے کاموں کی مثال اس راکھ (۱۴) کی ہے، جسے ایک تیز آندھی کے دن ہوا اڑا کر لے جائے، اپنی کمائی کا کچھ بھی حصہ نہ بچا سکیں گے، یہی سب سے بڑی گمراہی ہے ﴿۱۸﴾

کثرت رہی ہے، اور حق کا چراغ بجھانے کے لئے ہمیشہ آپس میں تعاون کرتے رہے ہیں، اسی لئے انہوں نے کبر و غرور میں انبیاء کو ایسی دھمکی دی، تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اطمینان دلایا اور کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے، اور زمین کا مالک آپ ہی کو بنائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصافات آیات (۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳) میں فرمایا ہے: ﴿سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۱﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۷۳﴾﴾ یعنی ”ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مظفر و منصور ہوں گے، اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر رہے گا“۔

(۱۳) انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں ہمارے دشمنوں پر غلبہ نصیب فرما، یا ہمارے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا، اور سرکش و نافرمان کو منہ کی کھانی پڑی۔ اور جہنم بھی ان کا پیچھا کر رہا ہے، جہاں انہیں پینے کے لئے جہنمیوں کا پیپ ملے گا جسے پیتے وقت ان کی جان بلا میں رہے گی، اور موت ہر چہار جانب سے انہیں گھیرے رہے گی لیکن وہ مر نہیں گئے، اور سخت اور نہ ختم ہونے والا عذاب ان کے پیچھے لگا رہے گا۔

(۱۴) کفار مکہ جو اعمال اپنے بتوں کی رضا کے لئے کرتے تھے یا جن سے مقصود ریاکاری ہوتی تھی، مثلاً شہرت اور نام و نمود کے لئے مال خرچ کرتے تھے، یا مہمانوں کے لئے کئی کئی اونٹ ذبح کرتے تھے، تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا سخی اور بڑا مہمان نواز ہے، ایسے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے راکھ سے تشبیہ دی ہے جسے تیز آندھی اڑا کر لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَقَدْ مَنَّا عَلَى الْمَاعْمِلِينَ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ سَبَّحْنَا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي سَمَوَاتٍ مُّتَعَدَّةٍ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۲۴﴾﴾ یعنی ”انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پر آئندہ ذروں کی طرح کر دیا“۔ اور سورۃ آل عمران آیت (۱۱۷) میں فرمایا: ﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَمْلَكَتْهُمْ ﴿۱۱۷﴾﴾ یعنی ”یہ کفار جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالاکھا، جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تھس تھس کر دیا“۔ اس سے بڑھ کر ان کی گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے، اور انہیں ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

الْمُتْرَانِ ۙ اللَّهُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَوْمِ الَّذِي يَأْتِي السَّاعَةَ ۚ قُلْ لَا يَعْلَمُ السَّاعَةَ لَاحِقَاتُ الْيَوْمِ الَّذِي يَأْتِي السَّاعَةَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا ذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۙ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ۚ قَهَلْ أَنْتُمْ مُتَعَنُونَ ۙ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالَ أُوهُدَاهُنَا اللَّهُ لَهْدِيكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا أَمْ صَدْرُنَا مَا لَنَا مِنَ مَحْصِينٍ ۙ

کیا آپ (۱۵) دیکھ نہیں رہے ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو با مقصد پیدا کیا ہے، اگر وہ چاہے گا تو تمہیں ختم کر دے گا اور ایک نئی مخلوق لے آئے گا ﴿۱۹﴾ اور یہ اللہ کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے ﴿۲۰﴾ اور قیامت کے دن جب تمام لوگ اللہ کے سامنے حاضر (۱۶) ہوں گے، تو کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں تکبر کرتے تھے کہ ہم تمہارے پیچھے چلا کرتے تھے، تو کیا آج تم اللہ کے عذاب کا کوئی حصہ ہم سے ٹال دو گے؟ تو وہ کہیں گے کہ اگر دنیا میں اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم نے بھی تمہیں راہ راست پر لگایا ہوتا، چاہے ہم روئیں بیٹیں، چاہے صبر کریں، دونوں برابر ہے، ہمارے لئے چھٹکارے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے ﴿۲۱﴾

(۱۵) آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے، اور مراد ان کی امت ہے، یا کافروں کے ہر فرد سے خطاب ہے۔ اور مقصود یہ بتانا ہے کہ جس ذات باری تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ یسین آیت (۸۱) میں فرمایا ہے: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ یعنی ”جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، بے شک قادر ہے، اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا بینا ہے۔“ نیز مشرکین کو یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ہیں، اگر وہ اس کے اوامر کی اسی طرح خلاف ورزی کرتے رہے، تو بہت ممکن ہے کہ انہیں ہلاک کر دے، اور ان سے اچھے لوگوں کو پیدا کرے، جو اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔ اس لئے کہ قادر مطلق کے لئے کوئی بات مشکل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ النساء آیت (۱۳۳) میں فرمایا ہے: ﴿إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ قَدِيرًا﴾ یعنی ”اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

(۱۶) قیامت کے دن جب مجرمین میدانِ محشر میں جمع ہوں گے تو آپس میں خوب جھگڑیں گے، اور ایک دوسرے سے اعلانِ براءت کریں گے۔ دنیا میں جو مجرمین کمزور تھے اور اپنے سرداروں اور مالداروں کی پیروی کرتے ہوئے اللہ کے دین کا انکار کر دیا تھا، وہ ان سرداروں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہاری بات مانتے رہے تھے، تو کیا آج ہمارا عذاب کچھ ہلکا کر سکتے ہو؟ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو تمہیں بھی اس راہ پر لے چلے ہوتے۔ مطلب یہ کہ ہر ایک اپنی بے بسی کا اظہار کرے گا، اور عذابِ نار کے مزے چکھے گا جس سے چھٹکارے کی کوئی امید نہ ہوگی۔ (العیاذ باللہ) کافروں کے اسی جبر و فروع کو اللہ تعالیٰ نے سورہ سبا آیت (۳۱) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا أَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾ یعنی ”اے دیکھنے والے! کاش کہ ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے،“

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۗ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ
حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ
اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ (۱۹) کی کیسی مثال دی ہے، وہ اس عمدہ درخت کے مانند ہے جس کی جڑ
زمین میں مضبوط ہو، اور جس کی شاخ آسمان میں ہو ﴿۲۲﴾ جو اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اور
اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۵﴾ اور ناپاک اور خبیث کلمہ اس بُرے
اور خبیث درخت کے مانند ہے جو زمین کی بالائی سطح سے ہی اکھاڑ لیا گیا ہو، جس کی جڑ مضبوط نہ ہو ﴿۲۶﴾ اللہ ایمان
والوں کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں حق بات (۲۰) یعنی کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے، اور اللہ ظالموں کو
گمراہ کر دیتا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۲۷﴾

www.KitaboSunnat.com

کے دن اپنے انجام کے بارے میں غور کریں اور ابھی سے اپنی نجات کے لئے تیاری کریں جب شیطان اپنے تمام پیروکاروں
سے اپنی براءت کا اعلان کر دے گا۔

(۱۸) جہنمیوں کا انجام بیان کئے جانے کے بعد اب اہل جنت کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ فرشتے اہل جنت کی تعظیم کریں گے اور
انہیں سلام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت (۷۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾ کہ ”جنت
کے خازن فرشتے اہل جنت کو سلام کریں گے“۔ اور سورۃ الرعد آیات (۲۳/۲۴) میں فرمایا ہے: ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ
مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامًا عَلَيْكُمْ﴾ کہ ”فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آکر سلام کریں گے“۔

(۱۹) مندرجہ ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے ذریعہ کفر و شرک اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح کیا ہے کلمہ ”اسلام
“ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ “ کو کلمہ طیبہ اور کلمہ ”شُرک“ کو کلمہ خبیث کہا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ کلمہ طیبہ سے ہر کلمہ خبیث
سے ہر کلمہ ”شُرک“ مراد ہے۔

کلمہ طیبہ کی مثال اس ہرے بھرے لہلہاتے خوبصورت درخت کی ہے جس سے بھین بھینی خوشبو پھوٹتی ہے، جس کے
پھل بہت ہی لذیذ اور مفید ہوتے ہیں، اور جس کی جڑیں زمین میں اتنی گہری ہوتی ہیں کہ اس کے اکھڑنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔
ایسے درخت کو دیکھ دیکھ کر اس کے مالک کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اور جس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ گویا وہ ہر طرح سے
ایک مکمل اور مفید درخت ہوتا ہے، اس کا پھل عمدہ اور مفید ہوتا ہے، اور ہر موسم میں تیار ہوتا رہتا ہے، کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔

اور کلمہ خبیث کی مثال اس بد باطن درخت کی ہے جس کی زمین میں نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے اور نہ جزء اسی لئے زمین کے اوپر
ظہر نہیں پاتا جیسے کوئی ایسا درخت جسے زمین سے اکھاڑ دیا گیا ہو۔ اس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ یہی مثال کفر و شرک کی ہے۔

(۲۰) ”القول الثابت“ سے مراد کلمہ طیبہ ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ محمد رسول الله“ ہے۔ بخاری و مسلم اور اہل سنن نے
براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ گواہی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبُورِ ۗ جَهَنَّمَ يَصَلُّونَ فِيهَا وَيُكْفَرُونَ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ
 أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِن مَّصِيبُكُمْ إِلَى النَّارِ ۗ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُعِيمُوا الصَّلَاةَ وَ
 يُنْفِقُوا حِمَارًا زُرْقَهُمْ سِرًّا وَاعْلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَلِيَّةَ فِيهِ وَلَا خِلَافٌ ۗ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے میں ناشکری (۲۱) کی، اور اپنی قوم کو بتائی
 کے گھر تک پہنچا دیا ﴿۲۸﴾ یعنی جہنم تک، جس میں وہ لوگ داخل ہوں گے، اور وہ بڑا برا اٹھکانا ہوگا ﴿۲۹﴾ اور انہوں
 نے غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہرایا تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکائیں، آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ (کچھ دنوں کے
 لئے) مزے اڑو، اس کے بعد یقیناً تمہارا اٹھکانا جہنم ہوگا ﴿۳۰﴾ آپ میرے ان بندوں سے کہئے جو اہل ایمان
 ہیں ﴿۲۲﴾ کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں پوشیدہ طور پر اور دکھا کر اس دن کے
 آنے سے پہلے خرچ کریں جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی ﴿۳۱﴾

دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں کہا ہے: ﴿يُنَبِّئُ
 اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ آیت سے مقصود کلمہ حق اور دین اسلام پر ثبات قدمی ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان بس
 جاتا ہے، آزمائشوں کے وقت ان کے پائے استقلال میں تزلزل نہیں آتا۔ اور قیامت کے دن بھی جب ان سے ان کے دین و عقیدہ
 کے بارے میں سوال ہوگا تو میدان محشر کی ہولناکیوں سے متاثر ہو کر ان کی زبان نہیں لڑکھڑائے گی۔

بعض کا خیال ہے ﴿حَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ سے مراد قبر میں سوال کا وقت اور "آخِرَةُ" سے مراد قیامت کے دن حساب کا
 وقت ہے۔ اور مقصود اس آیت سے یہ ہے کہ جب مومنوں سے قبر میں یا قیامت کے دن سوال ہوگا تو بلا جھجک کلمہ شہادت اپنی
 زبان پر لائیں گے، اور دنیا میں دین اسلام پر قائم رہنے کی بات کریں گے۔ اور جنہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر
 ظلم کیا ہوگا، کلمہ شہادت ان کی زبان پر نہ قبر میں آئے گا اور نہ ہی قیامت کے دن حساب کے وقت۔ بعض مفسرین نے ﴿يُضِلُّ
 اللَّهُ الضَّالِّينَ﴾ کے ضمن میں لکھا ہے کہ شخص جو دلائل و براہین کے باوجود حق سے اعراض کرتا ہے، وہ آزمائشوں کے وقت
 دین حق پر ثابت قدم نہیں رہتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کسی کو حق پر ثابت قدمی کی توفیق دیتا ہے، تو کسی کو اس نعمت
 سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے ارادہ و مشیت میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲۱) رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے کفار مکہ کی حالت پر اظہار تعجب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے
 محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا، تو اس نعمت پر انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا، لیکن انہوں نے ناشکری کی اور ان کی رسالت اور
 دین اسلام کا انکار کر دیا، اور سرداران قریش خود تو ڈوبے ہی، پوری قوم کو لے ڈوبے۔ ہمیشہ عوام کی نظر میں کفر کو خوبصورت بنا کر
 پیش کیا اور انہیں اسلام میں داخل نہیں ہونے دیا، اور اس طرح جہنم میں پہنچا دیا جس سے بڑھ کر ہلاکت و بربادی کی جگہ اور کیا
 ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو دھکی دی کہ دنیا کی لذتوں سے خوب لطف اندوز ہو لو، اور لوگوں کو گمراہ کرتے رہو، لیکن

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَاحَ الْبَحْرِيَّ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَأَنْتُمْ مِنْ كَلِمَاتِ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝

وہ اللہ کی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا (۲۳) کیا ہے اور آسمان سے بارش بھیجتا ہے جس کے ذریعہ انواع و اقسام کے پھل پیدا کئے ہیں جو تمہاری روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں، اور تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کیا ہے، تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کیا ﴿۳۲﴾ اور تمہارے لئے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا ہے جو پابندی سے چلتے رہتے ہیں، اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا ہے ﴿۳۳﴾ اور تم نے اس سے جو کچھ مانگا تمہیں عطا کیا، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو نہیں گن سکو گے، بے شک انسان بڑا ظالم، بڑا ناشکر ہے ﴿۳۴﴾

جان رکھو کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۲۲) گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے والوں کے بارے میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ انہیں بتادیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اسی لئے قرآن کریم کے طریقہ کے مطابق اب اللہ نے اپنے نبی (ﷺ) کو حکم دیا کہ وہ مومنین کو کہہ دیں کہ تم لوگ نماز قائم کرو اور اللہ نے جو روزی دی ہے اس میں سے چھپا کر اور دکھلا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرو یعنی زکاۃ ادا کرو، رشتہ داروں پر خرچ کرو اور غیروں کی بھی مدد کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جب کسی کی جانب سے کوئی نذیہ قبول نہیں کیا جائے گا، کہ کوئی معاوضہ دے کر اللہ کے عذاب سے جانبر ہو جائے، اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی کہ کوئی دوست اپنے دوست کے لئے اللہ کے یہاں سفارش کرے اور اسے عذاب سے نجات دلا دے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی میں راہِ خیر میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جب آدمی خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے، اس قیامت کے دن سے قبل جب وہ اس پر قادر نہیں ہوگا، بلکہ وہاں کسی کے پاس مال ہی نہیں ہوگا۔ اور آیت کے آخری حصے: ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا تَنْبِغُ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ﴾ میں گذشتہ حکم کی تاکید ہے۔

صاحب "فتح البیان" لکھتے ہیں کہ اس آیت میں قیامت کے دن دوستی کی نفی کی گئی ہے، اور سورۃ الزخرف آیت (۶۷) ﴿الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ میں اُس دن دوستی کو ثابت کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ کی خاطر دوستی کو ثابت کی گئی ہے، یعنی صرف متقیوں کے لئے ثابت کی گئی ہے اور دوسروں سے اس کی نفی کی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قیامت کے دن مختلف حالات ہوں گے بعض حالات میں ہر دوست اپنے دوست کو پہچاننے سے انکار کر دے گا، اور بعض حالات میں مومنین صالحین اپنے ہی جیسے مومن و صالح دوستوں سے اظہارِ ہمدردی کریں گے۔

(۲۳) مندرجہ ذیل تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر کیا ہے، جو اس کی وحدانیت اور علم و قدرت پر دلیل ہیں۔ آسمانوں اور زمین کو بغیر کوئی سابق نمونہ دیکھے پیدا کیا، اور ان میں بہت سی دیگر اشیاء کو پیدا کیا۔ آسمان کو مخلوقات کے لئے قابلِ اطمینان چھت اور زمین کو ان کے لئے بچھادوں بنا دیا، تاکہ آسمان کے نیچے سکون و اطمینان کے ساتھ زمین پر اپنی

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۗ

اور جب ابراہیم نے کہا، میرے رب! اس شہر کو پر امن (۲۳) بنا دے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچالے ﴿۳۵﴾

زندگی بسر کر سکیں۔ اور ان دونوں کے درمیان ایسی مخلوقات پیدا کیں جو انسانوں کے لئے گوناگوں فوائد و منافع کا سبب ہیں۔ یہ سب اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے، اور ہر بات پر قادر ہے۔ آسمان سے بارش نازل کیا جس کے ذریعہ انواع و اقسام کے پھل اور غلے پیدا کئے جو بنی نوع انسان کے لئے روزی کا کام دیتے ہیں۔ اور کشتیوں کو اس طرح مسخر کیا کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق اللہ کے حکم سے پانی کی سطح پر چلتی رہتی ہیں اور انہیں اور ان کا سامان تجارت لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور نہروں کو مسخر کیا جو زمین کو چیر کر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک پہنچ جاتی ہیں، جن کا پانی لوگ خود پیتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں اور اس سے اپنی زمینیں سیراب کرتے ہیں۔ یہ نہریں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔

اور آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا جن کی روشنی سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے، اور ان دونوں کی روشنی اور ان کی رفتار اور ایک دوسرے کے بعد آنے اور جانے میں عظیم فوائد ہیں جن کا احاطہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ ان سے زمین پر اگنے والے تمام پودے اور اس پر رہنے والے تمام حیوانات مستفید ہوتے ہیں، تاریکی دور ہوتی ہے، آفتاب کے ذریعہ سال کے مختلف موسموں کا پتہ چلتا ہے، اور ماہتاب کی چال سے مہینوں کی ابتدا و انتہا معلوم ہوتی ہے۔ ان دونوں کی یہ معبود و معروف رفتار قیامت تک باقی رہے گی، کسی حال میں منقطع نہیں ہوگی۔ اور رات اور دن کو مسخر کیا، رات آرام کے لئے اور دن روزی حاصل کرنے کی راہ میں تگ و دو کے لئے بنایا۔ سورۃ القصص آیت (۷۳) میں فرمایا: ﴿هُوَ مِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ کہ ”اس نے اپنی رحمت سے رات اور دن بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو“۔ اور بندوں کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے، اسے اللہ نے ان کے لئے فراہم کر دیا، گویا انہوں نے زبان حال سے ان چیزوں کو اپنے لئے اللہ سے مانگا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے بندو! اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے تو نہیں کر سکو گے کیونکہ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور آخر میں یہ بتایا کہ جو آدمی ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے محروم ہوتا ہے وہ اللہ کی ناشکری کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، اور وہ بہت ہی بڑا ناشکرا ہوتا ہے، اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے، اور قول و عمل کے ذریعہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق اس سے چھین لی جاتی ہے۔

(۲۴) مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ کفار قریش نے اللہ تعالیٰ کی عام نعمتوں کی ہی ناشکری نہیں کی، بلکہ اس کی خاص نعمت یعنی مکہ میں بسائے جانے کی بھی ناشکری کی، اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی نافرمانی کی، کیونکہ انہوں نے مکہ میں اپنی اولاد کو اس لئے بسایا تھا تاکہ نماز قائم کریں، بتوں کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ مکہ کو امن و آشتی کا شہر بنا دے، وہاں کے رہنے والوں کے لئے انواع و اقسام کے پھل مہیا کر دے، اور شہر مکہ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اس کی طرف کھینچے چلے آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی، اور اہل مکہ کو ساری نعمتوں سے نوازا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی ناشکری کی اور بلد حرام کو بلکہ کفر بنا دیا اور

رَبِّ اِنَّهُمْ اَصْلَحْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ يَتَّبِعْنِيْ فَاِنَّهُ مَعِيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اِنِّيْ
اَسْأَلُكَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَاوٍ غَيْرِ ذِيْ زُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْتَمُوْنَ اِلَيْهِمْ وَاَرْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نَعْلُنُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَيَّ اللّٰهُ
مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝

میرے رب! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ (۲۵) کیا ہے، پس جو شخص میری اتباع کرے گا وہ بے شک مجھ میں سے ہوگا، اور جو میری نافرمانی کرے گا، تو بے شک تو بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۳۶﴾ اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد (۲۶) کو تیرے بیت حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، اس لئے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے، اور بطور روزی انہیں انواع و اقسام کے پھل عطا کر، تاکہ وہ تیرا شکر یہ ادا کریں ﴿۳۷﴾ اے ہمارے رب! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، تو انہیں خوب جانتا (۲۷) ہے، اور آسمان وزمین میں کوئی بھی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے ﴿۳۸﴾

اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرایا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ”کلمہ طیبہ“ کی مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مقصود لوگوں کو توحید کی دعوت دینی اور بتوں کی پرستش سے روکنا ہے۔ صاحب ”فتح البیان“ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے بعد کا ہے۔ وہاں انہوں نے اپنے رب سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ کوئی دعا کی، اور یہاں اللہ کے حضور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی ہے۔ اور مقام دعا مقام سکوت و ترک دعا سے اعلیٰ وارفع ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دعا کی تھی اس وقت وہ درجہ کمالات میں عروج کو پہنچ چکے تھے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے، ان میں سے کسی نے بھی بت کی پرستش نہیں کی۔

(۲۵) ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا کی علت بیان کی ہے، کہ انہی بتوں کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ یہاں انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو اپنی ذات کا مقام دیا ہے، اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں معصیت سے مراد شرک کے علاوہ دوسرے گناہ ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں اللہ کی مغفرت شرک سے توبہ کے ساتھ مقید ہے۔ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں گے تو اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔

(۲۶) یہاں ابراہیم علیہ السلام کی بعض ذریت سے مراد اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ اور مسجد حرام کو بیت حرام اس لئے کہا گیا کہ دوسری جگہوں میں جو کام کرنا حلال ہے، وہاں اسے کرنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت حرام کے پاس بسانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی اولاد وہاں نماز قائم کرے، اور نماز کا بالخصوص ذکر اس کی غایت درجہ اہمیت کے پیش نظر کیا، اور ”ربنا“ کا دوبارہ ذکر نماز ہی کی اہمیت بتانے کے لئے کیا۔ اور لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھرنے کی دعا اس لئے کی تاکہ وہ ان سے انس و الفت حاصل کریں، آپس میں متعارف ہوں اور گونا گوں منافع سے مستفید ہوں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْيَكْبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَ
مِن ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا
يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۝ إِنَّمَا يُؤَخَّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝

ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل و اسحاق (۲۸) عطا کیا ہے، بے شک میرا رب دعاؤں کو خوب سننے والا ہے ﴿۳۹﴾ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے، اے ہمارے رب! اور میری دعا (۲۹) کو قبول فرمالے ﴿۳۰﴾ اے ہمارے رب! تو مجھے اور میرے والدین کو اور مومنوں کو اس دن معاف کر دے جب حساب ہوگا ﴿۳۱﴾ اور آپ اللہ کو ظالموں کے کرتوتوں سے غافل (۳۰) نہ سمجھئے، وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دے رہا ہے جب آنکھیں پتھرا جائیں گی ﴿۳۲﴾

اور انواع و اقسام کے پھلوں کی جو دعا کی تو اس میں ان کی اولاد اور وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مکہ میں آ کر رہیں گے۔ (۲۷) زختری نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے (جو ابن جریر کی رائے کے قریب ہے) کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے حالات اور ہماری ضرورتوں سے خوب واقف ہے، کیا چیز ہمارے لئے مفید ہے اور کیا نقصان دہ ہے اسے تو خوب جانتا ہے، تو ہم سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا ہے، اس لئے دعا و طلب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو تیرے حضور اظہار بندگی، اور تیری جناب میں اظہار خشوع و خضوع کے لئے تجھے پکارتے ہیں، ہم اس لئے دعا کرتے ہیں کہ تیرے کرم کے محتاج ہیں، اور تیرے فضل و کرم کے لئے ہمارے دل میں جلدی ہے۔ ہمارا حال اس غلام کا ہے جو اپنے مالک کے حضور خوب چالپوسی کرتا ہے تاکہ وہ مزید اپنی نعمتوں سے اسے نوازے، اور مالک بھی ایسا جو اپنے غلاموں کے ادنیٰ طلب پر نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے۔

(۲۸) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے بڑھاپے میں انہیں دو بیٹوں سے نوازا، تاکہ ان کے بعد دعوت الی اللہ کا کام کرتے رہیں، لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں، اور نماز قائم کریں۔ کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ان کی عمر ننانوے سال تھی، اور اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ان کی عمر ایک سو ایک سو بارہ یا ایک سو بیس سال تھی۔

(۲۹) انہوں نے اپنے رب سے یہ دعا بھی کی کہ وہ انہیں اور ان کی اولاد کو نماز کا پابند بنا دے، اور ان کی تمام دعاؤں کو بالعموم اور ان دعاؤں کو بالخصوص قبول فرمالے۔ بعض مفسرین نے یہاں دعا سے مراد عبادت لی ہے۔ اور اللہ سے یہ بھی طلب کیا کہ وہ انہیں اور ان کے ماں باپ کو اور دیگر تمام مسلمانوں کو قیامت کے دن معاف کر دے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ والدین کے لئے انہوں نے یہ دعا اُس وقت کی تھی جب نہیں جانتے تھے کہ وہ دونوں اللہ کے دشمن ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی ماں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ایک قرأت میں "وَالِدِي" آیا ہے یعنی دعا میں صرف اپنے والد کو مراد لیا تھا۔ ایک دوسری قرأت میں "وَلَدِي" آیا ہے، یعنی میرے دونوں بیٹوں اسماعیل اور اسحاق کو بھی معاف کر دے۔

(۳۰) یہاں مخاطب اگرچہ نبی کریم ﷺ ہیں، لیکن مقصود ان کی امت ہے۔ اور "ظالمون" سے مراد مکہ کے مشرکین ہیں، یعنی اگر اللہ نے انہیں مہلت دے دی ہے اور عذاب کو ان سے مؤخر کر دیا ہے، تو اس سے انہیں اس غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہئے کہ وہ ان سے غافل ہے، یا انہیں درگزر کر دیا ہے، بلکہ وہ ان تمام گناہوں کو ایک ایک کر کے ان کے نامہ اعمال میں جمع کر رہا ہے، اور جب وہ دن آجائے گا جب مارے دہشت کے لوگوں کی آنکھیں اٹھی کی اٹھی رہ جائیں گی، تو وہ سارے اعمال بدان کے سامنے

مُهْطِعِينَ مُقْنَعِي رُؤُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاوَةٌ وَانزِلِ النَّاسَ يَوْمَ يَا أَبَتِ ابْنِ آدَمَ الْعَذَابِ
فِيَقُولَ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ لَّحِبِّ دَعْوَاتِكَ وَنَكْبِحُ الرَّسُولَ أَوَلَمْ تَكُنْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلِ
مَا لَكُمْ مِنْ ذُرِّيٍّ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكَنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْآيَاتَ ۗ
وَقَدْ نَكَرُوا مَا كَرَّهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝

اپنے سروں کو اوپر اٹھائے تیزی سے دوڑ (۳۱) رہے ہوں گے، ان کی پلکیں نہیں جھکیں گی، اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے ﴿۳۳﴾ اور آپ لوگوں (۳۲) کو اس دن سے ڈرائیے جب عذاب ان کے سامنے ہوگا، تو ظالم لوگ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں کچھ دنوں کے لئے مہلت دے دے تاکہ تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کریں (تو ان سے کہا جائے گا) کیا تم لوگوں نے اس کے قبل قسم نہیں کھائی تھی کہ تم کبھی بھی ختم نہ ہو گے ﴿۳۴﴾ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں رہ چکے ہو جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم (۳۳) کیا تھا، اور تم پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا، اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں ﴿۳۵﴾ اور ان لوگوں نے اپنی چال چلی (۳۳) تھی، اور اللہ کو ان کی چالوں کا پتہ تھا، اگرچہ ان کی سازشیں ایسی تھیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں ﴿۳۶﴾

پیش کر دیئے جائیں گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور نصرت و کامرانی کا وعدہ کیا گیا ہے، اور کفار مکہ کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی حالت نہیں بدلی تو بُرے انجام کا انتظار کریں۔

(۳۱) جب قیامت برپا ہوگی تو مردے اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف بڑی تیزی میں دوڑیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المعارج آیت (۳۳) میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَّاءَ﴾ کہ ”اس دن لوگ اپنی قبروں سے نکل کر خوب تیزی سے دوڑیں گے“۔ اپنے سر اوپر کی طرف اٹھائے ہوں گے اور آنکھیں کھلی ہوں گی، پلکوں میں حرکت بھی نہیں ہوگی، اور مارے گھبراہٹ کے ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے۔

(۳۲) یہاں بھی خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے۔ اور ”النَّاسَ“ سے مراد یا تو عام لوگ ہیں، یا اہل مکہ ہیں۔ پہلا قول راجح ہے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن سے ڈرایا جانا مسلم و کافر سب کو شامل ہے۔ کفار موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے، اور جب کوئی داعی الی اللہ ایسی بات کرتا، تو قسمیں کھا کر کہتے کہ دوسری زندگی کا عقیدہ باطل ہے۔ سورۃ النحل آیت (۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ﴾ کہ ”وہ لوگ بھاری قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ جو آدمی مر جائے گا اللہ اسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا“۔

(۳۳) یعنی تم ان بستیوں کو دیکھ چکے ہو جن کے رہنے والوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، جیسے عاد و ثمود کی بستیاں۔ اللہ نے ان پر جو عذاب نازل کیا تھا اس کے آثار اب تک باقی ہیں، اور اس کی خبریں تو اتنے کے ساتھ تم تک پہنچ چکی ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا جس کی وجہ سے وہ اس انجامِ بد کو پہنچے، وہ ساری باتیں تمہیں معلوم ہیں، پھر بھی تم میں کوئی ایسا نہ ہو جو عبرت حاصل کرتا اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِيفًا وَعِدَّةَ رَسُولِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو نَبَاتٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَسْرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ سَرَابٍ مُّهِمٍّ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْفَى وُجُوهَهُمْ النَّارُ ۝

تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی (۳۵) کرے گا، بے شک اللہ بڑا زبردست، انتقام لینے والا ہے ﴿۳۷﴾ جس دن (۳۶) اس سر زمین کے علاوہ کوئی اور زمین ہوگی اور آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے، اور تمام لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے جو ایک ہے، سب پر غالب ہے ﴿۳۸﴾ اور اس دن آپ مجرموں (۳۷) کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے ﴿۳۹﴾ ان کے پیر، ہن گندھک (۳۸) کے ہوں گے، اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانکے ہوگی ﴿۵۰﴾

(۳۳) اہل مکہ نبی کریم ﷺ اور دعوتِ اسلامیہ کے خلاف بڑی زبردست سازشیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی وہ تمام سازشیں لکھی جا رہی ہیں جن کا بدلہ انہیں مل کر رہے گا۔ اور وہ سازشیں اتنی ہیبت ناک تھیں کہ پہاڑوں کو اکھاڑ پھینکتیں اور انہیں تہہ و بالا کر دیتیں، لیکن اللہ اپنے نبی ﷺ اور دینِ اسلام کی حمایت کرتا رہا، اور ان کی چالیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ (۳۵) دینِ اسلام اور نبی کریم ﷺ کی حمایت کے وعدہ کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو نصر بین عطا فرمائے گا۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت کئی جگہ آئی ہے۔ سورہ خافرات (۵۱) میں ہے: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ کہ ”ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے“۔ سورہ المجادلہ آیت (۲۱) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبِنَا وَأَنَا وَرُسُلِي﴾ یعنی ”اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے انبیاء ضرور غالب رہیں گے“۔ اور سورہ النور آیت (۵۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ کہ ”اللہ نے تم میں سے اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین کا وارث بنائے گا“۔

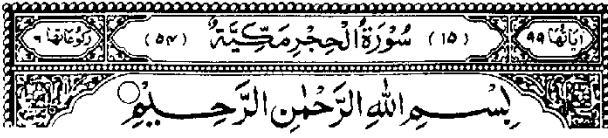
(۳۶) آیت (۳۳) میں قیامت کے دن کا ذکر آیا ہے، اسی کا یہاں دوبارہ ذکر ہو رہا ہے کہ اُس دن زمین و آسمان کا نقشہ ہی بدلا ہوگا، پہاڑ روٹی کے گالے کے مانند اڑ رہا ہوگا، سمندر کا پانی پھوٹ پڑے گا، اور زمین ہموار ہو جائے گی۔ آسمان کے ستارے بکھر جائیں گے اور شمس و قمر بے نور ہو جائیں گے۔ اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کے لئے دوڑ رہے ہوں گے، تاکہ وہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ چکائے۔

(۳۷) اور مجرموں کی حالت یہ ہوگی کہ ان میں سے ہر ایک قسم کے مجرمین کو الگ الگ جمع کیا جائے گا، اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ان کی گردنوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا۔

(۳۸) اور ان کے لباس گندھک کے ہوں گے، اور ان کے چہروں پر آگ لپک رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی شکل و صورت کی قباحت اور ان کی بدترین حالت بیان کرنے کے لئے انہیں اس خارش زدہ اونٹ سے تشبیہ دیا ہے جس کے جسم سے پیپ نکل رہی ہو اور بدبو آ رہی ہو، اور علاج کے لئے اس کے سارے جسم پر گندھک مل دیا گیا ہو، جس کی بدبو بہت ہی شدید اور جس کا منظر بڑا ہی قبیح ہوتا ہے۔

زخسری نے لکھا ہے کہ جہنمیوں کے جسموں پر گندھک ڈال دیا جائے گا جو قیص کی مانند انہیں ڈھانک لے گا۔ جس سے چار قسم کے آثار مرتب ہوں گے: گندھک کی کٹن اور اس کی جلن، اور آگ تیزی کے ساتھ ان کے جسموں کو جلائے گی، اور ان کا

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ تَاكِبَتُ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ هَذَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّهَا هَوَالَةٌ
وَاحِدٌ وَلِيُنذِرُوا أُولَ الْأَنْبِيَاءِ ۝



الذِّكْرِ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ ۝

تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ (۳۹) چکائے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۵۱﴾ یہ لوگوں کے لئے اللہ کا پیغام (۴۰) ہے، اور تاکہ انہیں اس کے ذریعہ ڈرایا جائے، اور تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں ﴿۵۲﴾

سورۃ الحج کی ہے، اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

اگر (۱) یہ کتاب کامل اور تمام امور کو بیان کرنے والی، قرآن کی آیتیں ہیں ﴿۵۱﴾

رنگ خوفناک ہوگا، اور تیز بدبو ان کے جسموں سے پھوٹے گی۔ اور دنیا کے گندھک اور جہنم کے گندھک میں وہی فرق ہوگا جو دونوں جگہوں کی آگ میں ہوگا، اور ہر وہ عذاب جہنم جس کی اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی ہے، اس میں اور اس جیسے دنیاوی عذاب میں جو فرق ہوگا اس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ گو یا کہ اس دنیا میں ان کے صرف نام ہی مستعمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

(۳۹) قیامت کے دن اہل جرائم کے ساتھ جو کچھ ہوگا، اس لئے ہوگا، تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ چکائے۔ (۴۰) یہ سورت نصیحت اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور جو شخص اس میں مذکور احکام و نصاب پر عمل پیرا ہوگا اسے دنیا و آخرت کی نیک بخشی حاصل ہوگی۔ اور اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے جو دلائل اس میں بیان ہوئے ہیں، ان میں غور و فکر کرنے سے اسے یقین ہو جائے گا کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں قرآن کریم کی طرف اشارہ مراد لیا ہے۔ اس لئے کہ پورا قرآن کریم ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ اور باری تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے دلائل و براہین سے پُر ہے۔ اس دوسرے قول کی تائید اس سورت کی پہلی آیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿الرَّكِبَاتِ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ یعنی ”یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں“۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الحج

نام: آیت (۸۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُنْسِكِينَ﴾ اور آیت (۸۳) تک انہی

اصحابِ حجر کا کفر و عناد اور پھر ان کے انجامِ بد کو بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورت کا نام انہی (اصحابِ حجر) کے نام سے ماخوذ ہے۔ زمانہ نزول: قرطبی نے ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور مضامین پر نور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورہ ابراہیم کے بعد نازل ہوئی ہوگی، جب رسول اللہ ﷺ کو مکہ والوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔

اس سورت میں بھی مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید، نبوت و رسالت اور بعثت بعد الموت جیسے بنیادی موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ کفار مکہ کو نصیحتوں سے آگے بڑھ کر ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے دھمکی دی گئی ہے، اور نبی کریم ﷺ کو بار بار تسلی دی گئی ہے کہ آپ گذشتہ انبیاء و رسل کی طرح صبر و استقامت سے کام لیں، بالآخر غلبہ آپ ہی کو حاصل ہوگا۔ (۱) آرا، یہ حروف مقطعات ہیں، ان کا معنی اللہ ہی جانتا ہے۔ "تلك" سے اشارہ اس سورت کی آیت یا پورے قرآن کی آیتوں کی طرف ہے، اور "کتاب" سے مراد یا تو قرآن کریم ہے، یا عام آسمانی کتابیں جن میں قرآن بھی داخل ہے۔



رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ذُرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُهُمُ الْكَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ قَوْمٍ إِلَّا وَلَهُمْ كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجْلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝

بسا اوقات (قیامت میں) کفار تمنا^(۲) کریں گے کہ کاش وہ (دنیا میں) اسلام لے آئے ہوتے ﴿۲﴾ (اے میرے نبی!) آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے ﴿۳﴾ کھائیں اور مزے اڑائیں، اور تمنائیں انہیں غفلت میں مبتلا رکھیں، عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا ﴿۳﴾ اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک ﴿۴﴾ کیا تو اس کی ہلاکت کا مقرر وقت لکھا ہوا تھا ﴿۴﴾ کوئی قوم اپنے وقت مقرر سے نہ آگے ہلاک ہو سکتی ہے، اور نہ ہی اس میں تاخیر ہو سکتی ہے ﴿۵﴾ اور کفار مکہ نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا ﴿۵﴾ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے، تو یقیناً پاگل ہے ﴿۶﴾

(۲) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کے لئے بشارت ہے کہ آپ کا دین غالب ہو کر رہے گا، اور ایک دن ایسا آئے گا کہ کفار تمنا کریں گے کہ کاش وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہوتے تو انہیں بھی آج وہ مقام حاصل ہوتا جو ان کبار صحابہ کو حاصل ہے، جنہوں نے ابتدا میں ہی اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے سابقین اولین کے اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۃ الحدید آیت (۱۰) میں فرمایا ہے: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلْ أُولَئِكَ أَكْبَرُ مَنْ دَرَجَةً﴾ کہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا ان کا مقام بہت ہی اونچا ہے، دوسرے لوگ ان کے برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس بشارت کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کی ہمت افزائی بھی کی جا رہی ہے کہ آپ دعوت کے کام میں صبر و استقامت کے ساتھ لگے رہیں، کیونکہ انجام کار غلبہ آپ کو حاصل ہوگا۔ صاحب محاسن التزئیل نے یہی تفسیر بیان کی ہے، لیکن ابن کثیر اور شوکانی وغیرہا نے لکھا ہے کہ کفار یہ تمنا یا تو موت کے وقت کریں گے یا قیامت کے دن۔ جب حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور انہیں اپنے دین و عقیدہ کے باطل ہونے کا یقین ہو جائے گا تب یہ تمنا کریں گے۔ ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مشرکین اور گناہ گار مسلمانوں کو جہنم میں اکٹھا کر دے گا، تو مشرکین مسلمانوں سے کہیں گے کہ تمہاری توحید تمہیں کام نہیں آئی، تو اللہ تعالیٰ غضبناک ہو کر اپنے فضل و رحمت سے مسلمانوں کو جہنم سے نکال دے گا، اس وقت مشرکین ایسا کہیں گے۔

(۳) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور انہیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ وہ جانوروں کے مانند خوب کھائیں پیئیں، خوب مزے کریں، اپنی شہوتوں کو پوری کریں، اور ان کی جھوٹی امید کہ ان کا انجام بخیر ہوگا، انہیں توبہ و استغفار اور ذکر الہی سے غافل بنائے رکھے، وہ عنقریب قیامت کے دن اپنے برے انجام کو پہنچ جائیں گے، اور جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا۔

(۴) اللہ تعالیٰ جب کسی بستی کو گناہوں پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا ایک وقت مقرر کر دیتا ہے، تاکہ اس کے پہلے اس بستی والوں کو اسباب ہلاکت پر خوب غور و فکر کرنے کا موقع مل جائے، شاید کہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ کوئی بھی ظالم قوم اس کے وقت مقرر سے پہلے ہلاک نہیں ہوتی۔ اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ حجت پوری ہو چکی ہوتی ہے اور اسے معذور سمجھے جانے کا کوئی سبب باقی نہیں رہ جاتا۔

(۵) کفار مکہ کا غایت استکبار و عناد بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر پھبتیاں کتے تھے، اور کہتے تھے کہ اے اس بات کا دعویٰ

لَوْ مَا تَأْتِيَنَا بِالْمَلِكَةِ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنزِلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنتَظِرِيْنَ ۝ إِنَّا لَمَعْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيْبِ الْأَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَأْتِيَهُمْ مِنْ رُّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

اگر تم سچے ہو تو ہماری یقین دہانی کے لئے فرشتے^(۶) کیوں نہیں لے آتے ہو ﴿۷﴾ فرشتوں کو ہم (صرف قوموں کو) عذاب دینے کے لئے اتارتے ہیں، اور اس وقت انہیں کوئی مہلت نہیں دی جاتی ہے ﴿۸﴾ بے شک ہم نے قرآن (۷) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿۹﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے اقوام گذشتہ کی بہت سی جماعتوں میں رسول (۸) بھیجے ہیں ﴿۱۰﴾ اور جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آتا تھا تو اس کا مذاق اڑاتے تھے ﴿۱۱﴾ کرنے والے کہ تم پر قرآن اتارتا ہے، تم تو زے پاگل ہو کہ ہم سے اپنے آپ کو رسول منوانے کی بات کرتے ہو، اور دعویٰ کرتے ہو کہ آسمان سے تم پر وحی نازل ہوتی ہے۔

(۶) کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کبر و عناد میں آکر کہا کہ اگر تم سچے ہو تو آسمان سے فرشتوں کو کیوں نہیں اتار لاتے جو تمہاری صداقت کی گواہی دیتے، اور تبلیغ و دعوت کے کام میں تمہاری مدد کرتے۔ قرآن کریم نے ان کی اسی بات کو اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ ﴿لَوْ لَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِ مَلَكًا فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا﴾ یعنی ”اس کے لئے کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا ہے جو اس کے ساتھ مل کر تبلیغ و انداز کار کام کرتا“ (الفرقان: ۷)۔ اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا: ﴿فَلَوْ لَا أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ أَسْوَدَةً مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ﴾ کہ ”اس کے لئے سونے کے ٹکٹن کیوں نہیں اتار دیئے گئے ہیں، یا اس کے ساتھ صف باندھ کر فرشتے کیوں نہیں آئے ہیں“ (الزخرف: ۵۳)۔

اللہ تعالیٰ نے آیت (۸) میں ان کے اس کبر و عناد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتے تبلیغ و دعوت کے لئے تو نہیں آتے، البتہ گناہ گار قوموں پر اللہ کا عذاب نازل کرنے کے لئے آتے ہیں، اور اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُودًا﴾ کہ ”جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی، اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ آج جنت اور اس کی نعمتیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں“۔

(۷) اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کفار مکہ نے اس قرآن کا انکار کر دیا ہے تو کیا ہوتا ہے، اس کے خلاف ان کی کوئی سازش کارگرنہ ہوگی، کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اسی نے اسے اپنے رسول ﷺ پر اتارا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی کا سامان بھی ہے، اور تمام مسلمانوں کے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے، کہ اس مشعل ہدایت کو کوئی بھانہ سکے گا، اس کا نور عالمتاب قیامت تک انسانوں کو راہ دکھاتا رہے گا۔ آندھیاں چلیں گی، طوفان اٹھیں گے، بڑی بڑی سازشیں ہوں گی، لیکن جب تک قیامت نہیں آجاتی، یہ قرآن بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تحریف کے باقی رہے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میں دوسرا جملہ ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ﴾ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی قیامت تک حفاظت کرتا رہے گا۔

(۸) یہاں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کفار قریش آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تو اس سے آپ کو دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو ہمیشہ سے قوموں کا شیوہ رہا ہے کہ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کے پاس آیا تو

كَذَلِكَ نَسُكُّكَ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۗ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۗ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۗ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّقْسُورُونَ ۗ وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۗ

ہم مجرموں کے دلوں میں کفر اور انکار رسالت (۹) کو اسی طرح داخل کر دیتے ہیں ﴿۱۲﴾ کفار مکہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، اور گزشتہ قوموں کا بھی یہی دستور تھا ﴿۱۳﴾ اور اگر ہم کافروں کے لئے آسمان کا ایک دروازہ (۱۰) کھول دیں، اور وہ اس میں چڑھتے چلے جائیں ﴿۱۴﴾ پھر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو مدہوش کر دیا گیا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان میں (آفتاب و ماہتاب اور متحرک سیاروں کے لئے) منزلیں (۱۱) بنائی ہیں اور اسے دیکھنے والوں کے لئے (ستاروں سے) آراستہ کیا ہے ﴿۱۶﴾

انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے ان گزشتہ مجرموں کے دلوں میں گمراہی کو داخل کر دیا تھا، کفار مکہ کے دلوں میں بھی کفر و ضلالت کو پیوست کر دیں گے، پھر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہمیشہ سے اللہ کی یہی سنت جاری ہے کہ وہ ایسی قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے اور اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو غالب بناتا رہا ہے۔

(۱۰) ان دونوں آیتوں سے مقصود کفار قریش کے خلاف حجت قائم کرنی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم کو ان کے دلوں میں اسی طرح داخل کر دیا ہے جس طرح ان مومنوں کے دلوں میں، جنہوں نے قرآن کی تصدیق کی، لیکن کافروں نے جان بوجھ کر اس کی تکذیب کی اور مومنوں نے اس کی تصدیق کی، دونوں ہی نے اپنا اپنا کام علم و فہم کے بعد کیا، تاکہ کافروں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے کہ انہوں نے تو قرآن کی معجزانہ قدروں کو سمجھا ہی نہیں تھا جس طرح مسلمانوں نے سمجھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابھی سے (جب کہ مہلتِ ایمان باقی ہے) یہ بتادیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر معاندانہ طور پر قرآن کا انکار کیا ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم﴾ کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صاف اور روشن راہ پر ڈال دے جس کے آثار و مظاہر کے مشاہدے کا تقاضا یہ ہو کہ آدمی فوراً ایمان لے آئے، یعنی ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے اور وہ چڑھتے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ بھی کر لیں جس کا لازمی نتیجہ ایمان ہونا چاہئے، تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کہیں گے کہ محمد نے ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا ہے، جس کی وجہ سے حقائق ہمارے سامنے بدل کر آ رہے ہیں۔

(۱۱) مندرجہ ذیل آیتوں میں اللہ نے اپنے عجائب قدرت اور غرائب تخلیق کے کچھ مظاہر بیان فرما کر اپنی وحدانیت پر استدلال کیا ہے۔ یہاں "بروج" سے مراد آفتاب و ماہتاب اور سات متحرک سیاروں کے وہ منازل ہیں جن کی تعداد تجربہ کے مطابق بارہ ہے۔ عربوں کے نزدیک زمانہ قدیم سے ستاروں کے منازل کا علم بڑا مفید مانا گیا ہے۔ انہی کے ذریعہ راستوں، وقتوں اور زرخیزی و قحط سالی وغیرہ کا پتہ چلاتے رہے ہیں۔ اس علم والوں کا خیال ہے کہ آسمان کے بارہ برج ہیں، ان میں سے ہر تین برج عناصر اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) میں سے ایک کے مزاج کے مطابق واقع ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بارہوں برج اٹھائیس منازل میں منقسم ہیں، ہر برج کی دو اور ایک تہائی منزل ہے۔ اور آسمان کے یہی بارہوں برج ساتوں متحرک سیاروں کے

وَحَفِظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيبٍ ۝ إِلَّا مِنْ أَسْتَرَقَى السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا
الْقَيْنَا فِيهَا سُرُورًا وَأَنْهَبْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَمُوزُونَ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ
بِرَبِّرِ قَيْنٍ ۝ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِالْقَدْرِ مَعْلُومٍ ۝

اور اسے ہر مردود شیطان کی رسائی سے محفوظ کر دیا ہے ﴿۱۷﴾ سوائے اس شیطان کے جو چوری سے کوئی بات سن لے،
تو ایک چمکدار شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے ﴿۱۸﴾ اور ہم نے زمین کو پھیلا (۱۲) دیا، اور اس پر بڑے بڑے پہاڑ
رکھ دیئے، اور اس میں ہر مناسب اور موزوں پودا اُگایا ﴿۱۹﴾ اور ہم نے تمہارے لئے اس میں زندگی کے
اسباب (۱۳) پیدا کئے، اور ان کے لئے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے ہو ﴿۲۰﴾ اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے
خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور اُسے ہم ایک معین مقدر میں ہی اتارتے ہیں ﴿۲۱﴾

منازل ہیں۔ انہی سیاروں اور ان کے منازل میں ان کی گردش سے موسم کی تبدیلی، سردی، گرمی، خزاں، بہار اور بہت سی مفید
معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے آسمان کی زینت بھی ہیں، اور اہل نظر کے لئے فکرو نظر کا سامان بھی
مہیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو مردود شیطان کی رسائی سے محفوظ کر رکھا ہے تاکہ ملائعہ اعلیٰ کی باتیں نہ سن سکیں، اور اگر ان میں سے
کوئی تمرد اختیار کرتا ہے اور آگے بڑھ کر سننے کی کوشش کرتا ہے، تو آگ کا انگارہ اس کا پیچھا کر کے اسے ختم کر دیتا ہے۔ حسن
بصری وغیرہ کی یہی رائے ہے کہ قبل اس کے کہ وہ ملائعہ اعلیٰ کی کوئی سنی ہوئی بات اپنے پیچھے والے جن کو بتائے، شہاب ثاقب
اسے قتل کر دیتا ہے، لیکن صحیح بخاری کی ابو ہریرہ سے مروی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی تو وہ اپنے پیچھے والے جن کو سنی ہوئی
بات بتا دیتا ہے، پھر شہاب ثاقب اس کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیتا ہے، اور کبھی وہ بات بتانے سے پہلے ہی شہاب اسے قتل کر دیتا
ہے، لیکن امام شوکانی نے حسن بصری کے قول کو ہی ترجیح دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آسمان کی خبریں انبیاء و رسل کے
علاوہ دوسروں کو نہیں ملتی ہیں، اور اسی لئے کہانت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کا بیان ابھی جاری ہے، کہ زمین کو انسانوں کے لئے فرش بنا کر پھیلا دیا، اور بڑے بڑے پہاڑوں
کو اس کے اوپر جمادیا تاکہ حرکت نہ کرے، اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق اس پر پودے اُگائے، بایں طور کہ ان چیزوں
میں کوئی شخص نہ کمی لاسکتا ہے اور نہ زیادتی، اور جس ہیئت و کیفیت میں انہیں پیدا کیا ہے اس سے عمدہ کوئی کیفیت نہیں ہو سکتی ہے۔

(۱۳) اور انسانوں کے کھانے پینے، پہننے کی چیزیں اور دیگر جتنی ضروریات زندگی ہو سکتی ہیں ان سب کو زمین پر مہیا کیا۔ اور
جانوروں چوپایوں اور دیگر تمام مخلوقات کے لئے روزی فراہم کیا۔ اور اپنی قدرت و خالقیت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس
کے پاس ہر چیز کا خزانہ ہے، وہ جب چاہے اور جتنا چاہے ظاہر کر دے، لیکن وہ آسمان سے زمین پر اپنے بندوں کے لئے اتنا ہی اتارتا
ہے جس کا اس کی مشیت تقاضا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ آیت (۲۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ نَسَطَ اللَّهُ الْوِزْنَ
لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يَنْزِلُ بِالْقَدْرِ مَائِنَاءً﴾ کہ ”اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے روزی کو خوب کشادہ کر دیتا،
تو وہ زمین پر سرکشی کرنے لگتے، لیکن اپنی مشیت کے مطابق جتنی چاہتا ہے اتنی دیتا ہے۔“

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاحِجٍ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا كُنُوزًا وَمَا آتَتْكُمْ لَهَا بِحَازِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّا لَنَعْنُ شِحْيًا وَنُبَيْتًا
وَوَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۱۵﴾ وَإِن رَيْبَكَ هُوَ يُحْشِرُهُمُ إِنَّ اللَّهَ حَكِيمٌ
عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿۱۷﴾ وَالْإِنْسَانَ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّجُوتِ ﴿۱۸﴾

اور ہم ہواؤں (۱۳) کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بوجھل بنا دیتی ہیں، پھر ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں، اور اُسے تمہیں پلاتے ہیں، اور زمین میں تم سے جمع نہیں کرتے ہو ﴿۲۲﴾ اور یقیناً ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہوں گے ﴿۲۳﴾ اور تم میں سے جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ہم انہیں جانتے ﴿۱۵﴾ ہیں، اور جو لوگ بعد میں (قیامت تک) آئیں گے ہم انہیں بھی جانتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور بے شک آپ کا رب ان سب کو جمع کرے گا، وہ بے شک بڑی حکمت والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۲۵﴾ اور ہم نے انسان کو کھٹکنا تے ٹھیکرے سے پیدا ﴿۱۶﴾ کیا ہے جو سڑی ہوئی مٹی کا بنا تھا ﴿۲۶﴾ اور ہم نے اس سے پہلے جنوں کو گرم ہوا کی آگ سے پیدا کیا ہے ﴿۲۷﴾

(۱۳) اور ٹھنڈی ہواؤں کے ذریعہ بادل کو (جو محض بھاپ ہوتی ہے) بارش کے پانی میں بدل دیتا ہے۔ پھر اسے زمین پر برساتا ہے جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتا ہے اور اپنی زمینوں اور جانوروں کو بھی سیراب کرتا ہے۔ انسان اس بارش کے ایجاد کرنے اور اسے زمین پر برسانے سے بالکل عاجز ہے، اور نہ ہی اسے وادیوں، پہاڑوں، چشموں اور کنوؤں تک پہنچا کر آئندہ کے لئے محفوظ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ہے جو ان تمام باتوں پر قادر ہے وہی زندہ کرتا ہے، اور مارتا ہے، اور تمام مخلوقات کی ہلاکت کے بعد صرف اسی کی ذات باقی رہے گی۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے تمام انسانوں کی خبر رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے جتنے لوگ دنیا میں آئے اور گزر گئے، اور جتنے لوگ قیامت تک پیدا ہوں گے سب کی خبر رکھتا ہے۔ کون انبیاء پر ایمان لایا، کس نے اللہ کی بندگی کی، اور کس نے نافرمانی کی، کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت جس طرح اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے، اسی طرح اس کے کمال علم کی بھی دلیل ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اول و آخر تمام انسانوں کو ان کی کثرت کے باوجود میدانِ محشر میں جمع کرے گا، اور اپنے علم و حکمت کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا، کس آدمی کے اندر کون سی بُری صفات پوشیدہ ہیں اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے، سب کو ان کے اعمال و اخلاق کے مطابق بدلہ دے گا۔

(۱۶) ان دونوں آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت پر استدلال کیا ہے، اور بعثت بعد الموت کے عقیدہ پر عقلی دلیل قائم کی ہے کہ جس مٹی کے گارے نے آدم کی تخلیق کے وقت نکلونی عمل اور روح کو قبول کیا، وہ یقیناً اللہ کے حکم سے دوبارہ ان باتوں کو قبول کرے گا، اور زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف دوڑے گا۔

"صلصال" اس مٹی کو کہتے ہیں جو ایسی خشک ہو کہ ذرا سی ٹھوک سے اس میں کھٹک کی آواز پیدا ہو۔ اور "حما" جو سڑ کر کالی ہوگئی ہو۔ اور "مسنون" حما کی صفت ہے، جس کا لغوی معنی بدلی ہوئی اور سڑی ہوئی ہے۔ اور "سموم" کا معنی ایسی شدید گرم ہوا ہے جو شدت حرارت کی وجہ سے رگ و پے میں کھسی جاتی ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ۗ وَاِذْ اَسْوَيْتُهُ وَاَنْفَعْتُمْ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ
فَقَعُوْا لِيَٰسَجِدِيْنَ ۗ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُوْنَ ۗ اِلَّا اِبٰلِيْسَ اَبٰى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ ۗ قَالَ يَا اِبٰلٰيْسُ
مَا لَكَ الْاِتْكَٰنُ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ ۗ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْبُدْ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلٰصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ۗ قَالَ
فَاخْرُجْ مِنْهَا وَاَنْتَكَ رَجِيْمٌ ۗ وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلَىْ يَوْمِ الدِّيْنِ ۗ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْ اِلَىْ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۗ قَالَ
وَاِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِيْنَ ۗ اِلَىْ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک آدمی (۱۷) کو سڑی ہوئی مٹی کے کھٹکناتے ٹھیکرے سے پیدا کرنے والا ہوں ﴿۲۸﴾ پس جب میں اُسے بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم سب اس کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گرجاؤ ﴿۲۹﴾ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿۳۰﴾ لیکن ابلیس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائے ﴿۳۱﴾ اللہ نے کہا، اے ابلیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوئے ﴿۳۲﴾ اس نے کہا، میں ایک ایسے انسان کو سجدہ نہیں کر سکتا جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے کھٹکناتے ٹھیکرے سے پیدا کیا ہے ﴿۳۳﴾ اللہ نے کہا، تو یہاں سے (۱۸) نکل جا، تو بے شک (میری رحمت سے) محروم کر دیا گیا ﴿۳۴﴾ اور بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت برسی رہے گی ﴿۳۵﴾ اس نے کہا، میرے رب! پس تو مجھے اس دن تک مہلت (۱۹) دے جب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے ﴿۳۶﴾ اللہ نے کہا، تجھے مہلت دے دی گئی ﴿۳۷﴾ معلوم گھڑی (قیامت کے دن) تک ﴿۳۸﴾

(۱۷) آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کے وقت جو عزت بخشی اسی کا ذکر ہو رہا ہے، کہ فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، تو سب ان کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گر گئے، لیکن ابلیس نے کفر و عناد اور حسد و استکبار کی وجہ سے اس حکم سے سرتابی کی، اور اللہ سے کہا کہ میں آدم کو سجدہ نہیں کروں گا جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے گارے سے پیدا کیا ہے، جبکہ مجھے آگ سے پیدا کیا ہے جو مٹی سے برتر و بالا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ لفظ "صلصال" کو بار بار دہرانے سے مقصود حضرات انسان کو اس کی اصل کی یاد دہانی کراتے رہنا ہے، تاکہ کبر و نخوت میں پڑ کر تمدد سرکشی کی زندگی نہ اختیار کرے۔

(۱۸) "منہا" کی ضمیر سے مراد "معزز و مکرم فرشتوں کی جماعت" ہے۔ اور "رجیم" سے مراد "ہر خیر اور ہر عزت و تکریم سے محروم کیا گیا" ہے۔ مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جواب میں ابلیس کے شبہ کا جواب بھی ہے کہ جو شخص قیاس کے مقابلے میں نص کا انکار کر دیتا ہے وہ اللہ کی نگاہ میں مردود و ملعون ہوتا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ (قیامت کے دن تک) سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس دن کے بعد اللہ تعالیٰ کی لعنت ابلیس سے منقطع ہو جائے گی، بلکہ اس سے مراد دائمی اور غیر منقطع لعنت ہے۔

(۱۹) ابلیس نے جب قیامت کے دن تک اپنے اوپر لعنت کی بات سنی تو سمجھا کہ اس کا عذاب اس وقت تک ٹال دیا گیا ہے، اسی لئے اس نے اللہ سے طلب کیا کہ اُسے اُس دن تک موت نہ آئے، گویا اُس نے یہ طلب کیا کہ اُسے کبھی بھی موت نہ آئے، اس لئے کہ قیامت کے دن کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیت (۳۸) میں "وقت معلوم" سے مراد قیامت آنے سے پہلے کا وقت ہے۔ یعنی قیامت آجانے کے بعد ابلیس بھی مر جائے گا،

قَالَ رَبِّ بِأَعْوَابِي إِلَى الَّذِينَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَاغُوبِيَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ الْإِعْبَادُ لَهُمْ وَإِنَّهَا لَكُلٌّ بَابٌ وَإِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَمِينٍ ۝

اس نے کہا، میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ (۲۰) کر دیا ہے، اس لئے اب میں بھی زمین میں گناہوں کو ان کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کروں گا، اور ان تمام کو گمراہ کروں گا ﴿۳۹﴾ ان میں سے سوائے تیرے ان بندوں کے جو جن لئے گئے ہوں گے ﴿۴۰﴾ اللہ نے کہا یہی وہ راہ ہے جو مجھ تک سیدھی پہنچتی ہے ﴿۴۱﴾ بے شک میرے (ان مخلص) بندوں پر تیری ایک نہیں چلے گی، سوائے ان گمراہوں کے جو تیری اتباع کریں گے ﴿۴۲﴾ اور بے شک ان تمام سے جہنم کا وعدہ ہے ﴿۴۳﴾ اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک متعین گروہ ہو گا ﴿۴۴﴾ بے شک اللہ سے ڈرنے (۲۱) والے لوگ بانگوں اور چشموں میں رہیں گے ﴿۴۵﴾ (ان سے کہا جائے گا کہ تم لوگ یہاں سلامتی اور پورے امن و اطمینان کے ساتھ داخل ہو جاؤ ﴿۴۶﴾

اور دوسرے جنوں اور انسانوں کی طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

(۲۰) یعنی تو نے جو مجھے گمراہ کر دیا ہے، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک آدم کی اولاد دنیا میں رہے گی، میں دنیا کو ان کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کروں گا، اور انہیں گناہوں پر ابھاروں گا، لیکن جو تیرے مخلص بندے ہوں گے اور اپنے دین و اعمال کو اللہ کے لئے خالص کریں گے ان پر میرا دواؤ نہیں چلے گا، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ مجھ تک پہنچنے کی یہی سیدھی راہ ہے، جو اس پر چلتا رہے گا وہ تمہارے دام فریب میں نہیں آئے گا۔ ہاں، جو لوگ راہ حق سے ہٹکے ہوئے ہوں گے اور گمراہی جن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہوگی، وہ تمہاری سازش کا شکار ہو جائیں گے، ایسے تمام لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا جس کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے سے جہنمیوں کی ایک حصّین تعداد اپنے اپنے برے اعمال کے مطابق داخل ہوگی۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عکرمہ سے مروی ہے کہ سات دروازوں سے مراد جہنم کے سات طبقے ہیں۔ اور ابن عباس کی روایت کے مطابق ان کے اور ان میں داخل ہونے والوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

جہنم جو سب سے اوپر کا طبقہ ہے، اہل توحید کے لئے جو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد اللہ کی رحمت خاص سے جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، لظمی یہود کے لئے، ٹھکمرہ نھرائیوں کے لئے، سعیر بے دینوں کے لئے، سقر مجوسیوں کے لئے، جیم مشرکوں کے لئے اور ہادیہ منافقوں کے لئے، جو سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔

(۲۱) قرآن کریم اپنے معروف طریقہ کے مطابق، جہنم اور اہل جہنم کا حال بیان کرنے کے بعد، اب اہل جنت کا حال بیان کر رہا ہے۔ جمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک یہاں "محققین" سے مراد شرک باللہ سے بچنے والے ہیں، اور ایک قول کے مطابق ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام گناہوں سے بچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے جس کی خبر اس آیت میں دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کہے گا کہ تم لوگ پوری سلامتی کے ساتھ اور تمام آفات و بلیات سے محفوظ و مامون، جنت میں داخل ہو جاؤ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۲۲﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا نَجْوَىٰ مُدْخِرِينَ ﴿۲۳﴾
 لَيْسَ عِبَادِي إِلَيَّ إِلَّا الْغُفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۲۴﴾ وَأَنَّ عَدَايَ إِلَىٰ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۲۵﴾ وَنَبَأَهُمْ عَنْ صَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿۲۶﴾
 إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجَلُونَ ﴿۲۷﴾ قَالُوا لَا تَنْجِرُنَا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْكَ ﴿۲۸﴾ قَالَ أِبَشَرْتُنِي
 عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكَرْبُ فَبِمَ تَبَشِّرُونِ ﴿۲۹﴾ قَالُوا ابْشُرْنَا بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفَاطِرِينَ ﴿۳۰﴾ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ
 مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿۳۱﴾

اور ہم ان کے سینوں کے سینوں (۲۲) سے کینہ کو یکسر نکال دیں گے، پھر آپس میں بھائی بن کر آنے سے سانسے تھتوں پر بیٹھا کریں گے ﴿۳۱﴾ انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، اور نہ وہاں سے وہ نکالے جائیں گے ﴿۳۸﴾ آپ میرے بندوں کو خبر (۲۳) کر دیں کہ میں ہی بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہوں ﴿۳۹﴾ اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے ﴿۵۱﴾ اور آپ انہیں ابراہیم کے مہمانوں (۲۳) کے بارے میں اطلاع دے دیں ﴿۵۱﴾ جب وہ ان کے پاس آئے، پھر سلام کیا، ابراہیم نے کہا، ہمیں تم لوگوں سے ڈر لگ رہا ہے ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا، آپ ڈریے نہیں، ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا، کیا تم لوگ مجھے اس کے باوجود خوشخبری دے رہے ہو کہ بڑھاپے نے مجھے آلیا ہے، پس تم لوگ کس بنیاد پر مجھے خوشخبری دے رہے ہو ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا، ہم آپ کو سچی خوشخبری دے رہے ہیں، اس لئے آپ ناامید ہونے والوں میں سے نہ بن جائیے ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا، مگر اہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہو سکتا ہے ﴿۵۶﴾

(۲۲) اللہ تعالیٰ اہل جنت کے سینوں میں کوئی ایسا جذبہ نہیں رہنے دے گا جو ان کی خوشیوں کو پامال کرے اور ان کے دل و دماغ میں ٹھکڑ پیدا کرے، اس لئے ان کے سینوں سے بغض و عداوت اور حسد و کینہ کو یکسر نکال دے گا، اور جب ان کے سینے ایسے جذبول سے پاک ہو جائیں گے تو آپس میں بھائی بن کر آنے سے سانسے کر سکیں گے۔ وہاں انہیں کوئی تھکن اور کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، اس لئے کہ جنت میں کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو تکلیف کا باعث ہو۔ وہاں تو خوشیاں ہی خوشیاں اور راحت ہی راحت ہوگی۔ اہل جنت جس چیز کی بھی خواہش کریں گے از خود ان کے پاس آجائے گی۔ اور اہل جنت وہاں سے کبھی بھی نہیں نکالے جائیں گے۔

(۲۳) گذشتہ آیتوں میں جنت و جہنم کی جو بات آئی ہے یہ دونوں آیتیں اسی کا تتمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا ہے کہ آپ میرے بندوں کو اس بات کی خبر دے دیجئے کہ جو اپنے گناہوں سے تائب ہو گا اور ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کرے گا، اس کے گناہوں کو میں معاف کر دوں گا اور اس کے حال پر رحم کروں گا، اور جو شخص اپنے کفر و عصیان پر مصر رہے گا تو اسے جان لینا چاہئے کہ میرا عذاب بڑا ہی دردناک ہے۔

امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ”رحمت“ کو پیدا کیا، تو اسے سوحصلوں میں تقسیم کر دیا۔ ننانوے حصوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور ایک حصہ کو اپنی تمام مخلوقات میں تقسیم کر دیا۔ اللہ کے پاس رحمت کا جو خزانہ ہے، اگر اس کا علم کافر کو ہو جائے تو بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اور اللہ کے پاس عذاب کی جو مقدار ہے اگر اسے مومن جان

قَالَ مَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۖ قَالُوا إِنَّا رَسُولُنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِبِينَ ۗ إِلَّا آلَ لُوطٍ ۗ إِنَّا لَمُتَّبِعُونَ ۗ
 إِلَّا أُمَّرَاتَهُنَّ فَمَنْ زَكَرْنَا إِلَهُنَّ الْغَابِرِينَ ۗ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۗ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّتَكَبِّرُونَ ۗ قَالُوا
 بَلْ جِنَّاتِكُمْ مَا كَانُوا فِيهِ يَكْتُمُونَ ۗ وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۗ

اور کہا، تو اے اللہ کی جانب سے بھیجے گئے فرشتو! تم کس مہم (۲۵) پر آئے ہو ﴿۵۷﴾ انہوں نے کہا، ہم ایک مجرم قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں ﴿۵۸﴾ سوائے خاندان لوط کے، جنہیں ہم یقیناً نجات دیں گے ﴿۵۹﴾ جز ان کی بیوی کے جس کے بارے میں ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ ضرور مجرموں کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی ﴿۶۰﴾ پس جب وہ فرشتے (۲۶) خاندان لوط کے پاس آئے ﴿۶۱﴾ تو لوط نے کہا، تم لوگ انجانے ہو ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا، ہم آپ کے پاس وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے ﴿۶۳﴾ اور آپ کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں، اور ہم بالکل سچے ہیں ﴿۶۴﴾

لے تو جنم کی آگ سے کبھی اپنے آپ کو مومن نہ سمجھے۔ معلوم ہوا کہ مومن کو امید و ناامیدی اور خوف و رجاء کے درمیان جو معتدل راہ ہے اسے اختیار کرنا چاہئے، نہ اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے ایمان و عمل کی راہ کو چھوڑ دے، اور نہ ہی اس کی رحمت سے ناامید ہو کر بیٹھ جائے۔

(۲۳) جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا تھا، وہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تھے، اور انہیں اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی تھی۔ چونکہ اس واقعہ میں خوف و رجاء، خوشخبری اور ضمنی طور پر قوم لوط کی ہلاکت کی خبر تھی، اس لئے اس سے گزشتہ آیت کے مضمون کی تائید ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کے لئے غفور رحیم ہے اور ظالموں کے لئے اس کا عذاب بہت ہی دردناک ہے۔

یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ سورہ ہود میں گذر چکا ہے۔ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانوں کی شکل میں مہمان بن کر آئے اور سلام کیا تو وہ بہت خوش ہوئے، لیکن جب انہوں نے کھانے اور گوشت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، تو ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بارے میں شبہ ہوا اور ڈرے کہ شاید ان کی نیت اچھی نہیں ہے، تو فرشتوں نے انہیں فوراً بتایا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں، آپ خائف نہ ہوں، اور ہم آپ کو ایسے بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ مجھے تم بڑھاپے کے باوجود ایسی خوشخبری دے رہے ہو یہ کیسی عجیب بات ہے؟! اور کیسی انہونی خوشخبری دے رہے ہو؟! فرشتوں نے مزید تاکید کے طور پر کہا کہ ہم نے آپ کو ایسی یقینی بات کی خوشخبری دی ہے جس کے نہ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کا وعدہ ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، آپ ناامید نہ ہوں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہرگز ناامید نہیں ہوں، ناامید ہونا تو گمراہوں کا طریقہ ہے، میں تو تمہاری خوشخبری کے مطابق امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے بیٹا دے گا۔ مجھے تو حیرت صرف اس لئے ہوئی ہے کہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے۔

(۲۵) ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا تھا کہ فرشتے صرف انہیں بیٹے کی خوشخبری دینے کے لئے آسمان سے نہیں اترے ہیں، ضرور کوئی اور بات بھی ہے، اسی لئے انہوں نے پوچھا کہ تمہاری آمد کا دوسرا مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم ایک مجرم و گناہ گار قوم

فَأَمْرٌ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ الْبَيْلِ وَالَّتِيْعَةُ أَذْبَاهُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَأَمْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ
ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنْ دَابِرَ هَوْلًا مَقْطُوعٌ مُضْمَرٌ ۖ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۖ قَالَ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ فَلَا
تَفْضَحُونَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَحْزَنُوا قَالُوا أَوْلَكُمُ نَهْكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۖ قَالَ هَذَا لَكُمْ بِذُنُوبِكُمْ أَنْ كُنْتُمْ فَعِيلِينَ ۖ

اس لئے آپ اپنے لوگوں کو لے کر کچھ رات رہتے ہی نکل (۲۷) جائے، اور آپ ان سب کے پیچھے چلے، اور آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا آپ لوگوں کو حکم دیا جائے وہاں چلے جائے ﴿۶۵﴾ اور ہم نے لوط کو یہ فیصلہ (۲۸) سنا دیا کہ صبح کے وقت ان مجرموں کی جڑ کاٹ دی جائے گی ﴿۶۶﴾ اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے ﴿۶۷﴾ لوط نے کہا، یہ لوگ میرے مہمان ہیں، (اللہ کے لئے) مجھے رسوا نہ کرو ﴿۶۸﴾ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا، کیا ہم نے تمہیں دنیا والوں کی حمایت کرنے سے روک نہیں رکھا ہے ﴿۷۰﴾ لوط نے کہا، یہ میری بیٹیاں ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو ﴿۷۱﴾

کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں، پھر فوراً ہی آل لوط کو مستثنیٰ قرار دیا جو مجرم نہیں تھے، اور تاکید کے طور پر کہا کہ ہم آل لوط کو یقیناً نجات دیں گے۔ اور آل لوط سے مراد ان پر ایمان لانے والے تھے، اسی لئے لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں فوراً ہی کہا گیا کہ وہ کافروں کے ساتھ رہ جائے گی اور ضرور ہلاک کی جائے گی، اس لئے کہ وہ ایمان نہیں لائی تھی۔

(۲۶) جب فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس آئے، تو انہوں نے کہا کہ میں تمہیں نہیں پہچان رہا ہوں، اور نہ تمہاری آمد کی غرض مجھے معلوم ہے، کہیں تم لوگ کسی بڑی نیت سے تو نہیں آئے ہو؟ تو فرشتوں نے کہا کہ ہم وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس میں آپ کی قوم کے لوگ شک کرتے تھے اور آپ کو مچھلاتے تھے، ہم وہ امر یقینی لے کر آئے ہیں جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور جو خبر ہم آپ کو دے رہے ہیں اس میں ہم بالکل سچے ہیں۔

(۲۷) آپ رات کے آخری پہر میں اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیے اور آپ ان کے پیچھے رہئے، تاکہ انہیں تیز چلنے پر ابھارتے رہے اور خیال رکھے کہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے، اور نہ کوئی پیچھے مڑ کر دیکھے، اور شام کے اس علاقے میں چلے جائیے جہاں جانے کا آپ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ لوگ مصر چلے گئے، ایک تیسرا قول ہے کہ اٹلی شہر کی طرف چلے گئے اور کسی نے کہا ہے کہ قوم لوط کی ایک دوسری بستی کی طرف چلے گئے۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس عذاب کی خبر پہلے ہی دے دی تھی کہ صبح کے وقت تمام کفار ہلاک ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ جب (سدوم) شہر والوں کو خوبصورت نوجوانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو خوش ہونے لگے کہ آج ارتکاب لواطت کا اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔ لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں، اللہ کے لئے ان کے ساتھ بدکاری کر کے مجھے رسوا نہ کرو، اس لئے کہ مہمان کی رسوائی میزبان کی رسوائی ہوتی ہے۔ اور ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، اور مجھے ذلیل نہ کرو، تو ان لوگوں نے کہا، کیا ہم نے تمہیں بارہا نہیں کہا ہے کہ جب ہم کسی کے ساتھ بدکاری کرنا چاہیں تو ہمیں روکا نہ کرو۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے لوط علیہ السلام کو پہلے سے منع کر رکھا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنا مہمان نہ بنایا کریں؟ لوط علیہ السلام نے کہا، اگر تمہیں اپنی خواہش پوری کرنی ہے تو یہ ہماری بیٹیاں ہیں، ان سے تم لوگ شادی کر لو۔ (سورہ ہود کی تفسیر میں اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے)۔

لَعْنَةُ إِيَّاهُمْ لَعْنُ سَكَرْتِهِمْ يَمْمُونُونَ ﴿۲۹﴾ فَأَذَانُكُمْ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَلْنَا عَلَيْهِمْ سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۳۱﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّلِينَ ﴿۳۲﴾ وَإِنَّهَا لَلسَّبِيلُ لِقَابٍ مُّقْبِلٍ ﴿۳۳﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾

آپ کی جان کی قسم! (۲۹) وہ لوگ اپنے گناہوں کے نشے میں دیوانہ ہوئے جا رہے تھے ﴿۲۹﴾ تو آفتاب نکلنے کے بعد ایک چیخ (۳۰) نے انہیں پکڑ لیا ﴿۳۰﴾ پھر ہم نے انہیں تہہ وبالا کر دیا اور ان پر نکلنے کے پتھروں کی بارش کر دی ﴿۳۱﴾ یقیناً اس واقعہ میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۳۲﴾ اور وہ ہستی سیدھے راستے پر واقع ہے ﴿۳۳﴾ بے شک اس میں مومنوں کے لئے ایک نشانی ہے ﴿۳۴﴾

(۲۹) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی باقی زندگی کی قسم کھا کر کہا کہ سدوم ہستی کے رہنے والے بے شک اپنی گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے۔ قاضی عیاض نے مفسرین کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے، لیکن ابن العربي کہتے ہیں کہ اس بات سے کون سی چیز مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام کی زندگی کی قسم کھائے۔ اور جب اللہ لوط کی زندگی کی قسم کھا سکتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم بدرجہ اولیٰ کھا سکتا ہے۔ قرطبی نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ لوط علیہ السلام کے قصہ کے درمیان نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم کھانا جملہ معترضہ ہو جائے گا۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اقسام القرآن" میں جمہور مفسرین کی رائے کی تائید کی ہے، بلکہ یہاں "حیة لوط" مراد لینے کو باطل قرار دیا ہے۔ ابوالجوزاء نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کے علاوہ کبھی کسی دوسرے کی زندگی کی قسم نہیں کھائی ہے۔

قوم لوط پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک زبردست چیخ کی شکل میں صبح کے وقت نازل ہوا، اس کے بعد فرشتوں نے پوری ہستی کو الٹ دیا، اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً ان باتوں میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور وہ ہستی مدینہ سے شام جانے والوں کے راستے میں واقع ہے۔ اس راہ کا ہر مسافر اس کے باقی ماندہ آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، یقیناً ایمان والوں کو اس سے بڑی عبرت و نصیحت ملتی ہے۔

(۳۰) حافظ سیوطی نے "الإکلیل" میں لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ "علم فراست" کے لئے دلیل ہے۔ ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "مومن کی فراست سے ڈرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی" اس حدیث کو اگرچہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۱۸۲۱) لیکن اس کا مفہوم بہت حد تک صحیح ہے۔

علم فراست یہ ہے کہ انسانوں کی ہیئت کدائی، ان کی شکلوں، رنگوں اور اقوال سے ان کے اخلاق اور فضائل و رذائل پر استدلال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۲۷۳) میں بھیک نہ مانگنے والے غریب مسلمانوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے: ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ﴾ کہ "آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیں گے"۔ اور سورۃ محمد آیت (۳۰) میں منافقین کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ کہ "آپ انہیں ان کے انداز گفتگو سے ہی پہچان لیں گے"۔ معلوم ہوا کہ علم فراست ایک حقیقت ہے جس کا قرآن اعتراف کرتا ہے، اور انسانوں کے ظاہری احوال کے ذریعہ ان کے بہت سے باطنی اخلاق اور خصلتوں کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ۖ فَانْقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۗ وَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجْرِ
 الْمُرْسَلِينَ ۗ وَإِنَّهُمْ لَيَتَنَا فِكَاؤُهُمْ مَعْزُومِينَ ۗ وَكَانُوا يَحْتُونُ مِنْ أَجْبَالٍ بُيُوتًا أَمِينِينَ ۗ فَأَخَذْتَهُمُ
 الصَّيْحَةُ مُضْغِبِينَ ۗ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۗ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا
 بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ فَاصْفِرِ الصَّفْحَةَ الْجَمِيلَ ۗ

اور اصحاب ایکہ (۳۱) یعنی قوم شعیب کے لوگ) بھی حد سے تجاوز کر گئے تھے ﴿۷۸﴾ تو ہم نے ان سے بھی بدلہ
 لے لیا، اور یہ دونوں ہی بستیاں سیدھے راستے پر واقع تھیں ﴿۷۹﴾ اور اصحاب حجر (۳۲) نے بھی ہمارے رسولوں کو
 جھٹلایا تھا ﴿۸۰﴾ اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دی تھیں، تو انہوں نے ان سے منہ موڑ لیا ﴿۸۱﴾ اور وہ لوگ پہاڑوں
 کو کاٹ کر گھر بناتے تھے جن میں امن کے ساتھ رہتے تھے ﴿۸۲﴾ تو صبح کے وقت زبردست چیخ نے انہیں پکڑ لیا
 ﴿۸۳﴾ پھر ان کے مال و اسباب ان کے کام نہ آئے ﴿۸۴﴾ اور ہم نے آسمانوں (۳۳) اور زمین کو اور ان کے درمیان
 کی ساری چیزوں کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے، اور قیامت یقیناً آنے والی ہے، پس آپ لوگوں سے خوش اسلوبی کے
 ساتھ درگزر کر جائیے ﴿۸۵﴾

(۳۱) اصحاب ایکہ سے مراد شعیب علیہ السلام کی قوم ہے، یہ لوگ ایک ایسے علاقہ کے رہنے والے تھے جہاں کثرت سے درخت
 پائے جاتے تھے، ان کا ظلم یہ تھا کہ وہ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے تھے، راہ چلنے مسافروں کو لوٹ لیتے تھے، اور ناپ
 تول میں کمی کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، لیکن انہوں نے ان کی تکذیب
 کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے کے لئے ایک ایسا بادل بھیج دیا جس میں آگ تھی جس نے انہیں جلا کر خاکستر کر دیا۔ قوم لوط
 اور قوم شعیب کی بستیاں شاہراہ پر ایک دوسرے کے قریب تھیں۔

(۳۲) اصحاب حجر سے مراد قوم ثمود ہے۔ ”حجر“ مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک مشہور وادی ہے جہاں یہ لوگ رہتے تھے،
 بلاد شام کے ٹحساج کا گذر اس وادی سے ہوا کرتا ہے۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا،
 جن کی انہوں نے تکذیب کی تھی۔ اور ”مومسلین“ جمع کا صیغہ اس لئے آیا ہے کہ جو ایک نبی کی تکذیب کرتا ہے، گویا وہ سارے
 نبیوں کی تکذیب کر دیتا ہے۔ انہوں نے صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ نبی ہیں تو پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھلائیں۔ صالح
 علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ کے حکم سے پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی، لیکن جن کے دلوں پر اللہ کفر کی مہر لگا دے انہیں کب ہدایت
 مل سکتی ہے، انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تین دن مہلت دی، اور اس کے بعد
 انہیں ایک انتہائی شدید اور خطرناک چیخ کے ذریعہ ہلاک کر دیا، اور ان کی دولت اور پہاڑوں کو کھود کر بنائے گئے مکانات انہیں
 اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ ان کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ کبر و غرور کی وجہ سے اپنی طاقت کے اظہار کے لئے بغیر ضرورت
 پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر مکانات بناتے تھے۔ بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ تبوک جاتے
 ہوئے وہاں سے جب گذرے تو اپنا سر جھکا لیا اور تیزی کے ساتھ گذر جانے کے لئے سواری کو مہمیز لگائی اور صحابہ کرام سے کہا کہ
 عذاب دی گئی قوموں کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو، اور اگر روانہ آئے تو روٹی شکل بنا لو، اس ڈر سے کہ کہیں تمہیں بھی انہی

إِنَّ رِبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَلِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ لَا تَمُنَّكَ عَيْنُكَ إِلَى مَا مَنَّاعْنَا بِهِ أُولَآئِكَ أَهْمُهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

بے شک آپ کا رب ہی پیدا (۳۴) کرنے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۸۶﴾ اور ہم نے آپ کو سات دہرائی (۳۵) جانے والی آیتیں اور قرآن عظیم دیا ہے ﴿۸۷﴾ آپ اپنی نگاہیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھائیے ﴿۳۶﴾ جو ہم نے کافروں کی کئی جماعتوں کو دے رکھا ہے، اور ان کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے، اور مومنوں کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کیجئے ﴿۸۸﴾

جیسا عذاب نہ لاحق ہو جائے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو بے مقصد و بے کار نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں دیکھ کر ان کے خالق کو یاد کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس لئے جو اس کی ناشکری کرے گا اور کفر کی راہ اختیار کرے گا وہ اسے ہلاک کر دے گا، جیسا کہ مذکورہ بالا قوموں کا انجام ہوا کہ جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر گزار نہیں ہوئیں تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ایسی نافرمان قوموں کا یہ انجام بد دنیا میں ہوتا ہے، اور آخرت میں تو انہیں بڑا ہی دردناک عذاب دیا جائے گا، جس کی آمد میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی قوم کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیجئے، اور ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لیجئے۔ سورۃ الزخرف آیت (۸۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَأَصْنَفْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ کہ ”آپ انہیں معاف کرو لیجئے اور سلام کہہ کر رخصت ہو جائیے، پس وہ عنقریب جان لیں گے“۔

(۳۴) اوپر قیامت کے برپا ہونے کی جو بات کی گئی ہے، اسی کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ رب العالمین ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، کوئی شے اسے عاجز نہیں کر سکتی ہے، وہ ان تمام اجسام کی خبر رکھتا ہے جو مر کر اور مٹی میں گل سر کر ختم ہو گئے ہیں۔ سورہ یسین آیت (۸۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ﴾ کہ ”جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، بے شک قادر ہے، اور وہی بہت بڑا پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے“۔

(۳۵) نبی کریم ﷺ کو کفار قریش کی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے بے شمار عظیم نعمتوں سے نوازا رکھا ہے، جن میں سب سے بڑی نعمت سورۃ الفاتحہ اور پورا قرآن کریم ہے، اس لئے آپ دل چھوٹا نہ کیجئے اور پیغام رسائی کے کام میں لگے رہئے۔ کیونکہ آدمی جب اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کو یاد کرتا ہے تو دعوت کی راہ کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

(۳۶) سورۃ الفاتحہ اور قرآن کریم جیسی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی ہر شے حقیر ہے، اس لئے اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہئے، اور اہل دنیا کو ہم نے جو عارضی نعمتیں دے رکھی ہیں ان کی خواہش نہ کیجئے۔ وہ نعمتیں ہم نے انہیں اس لئے دی ہیں تاکہ ہم انہیں آزمائیں، اور جو اس آزمائش میں کامیاب نہیں ہوگا، اس کے لئے وہ نعمتیں وبال جان بن جائیں گی۔ اور کفار قریش اگر ایمان نہیں لاتے ہیں تو غم نہ کیجئے، اور جو تائب اور کمزور مسلمان آپ کے ساتھ ہیں ان کے ساتھ تو اسلحہ اختیار کیجئے،

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۳۷﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۳۸﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿۳۹﴾ فَوَرَّكَ لِنَسْأَلَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۰﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾

اور کہہ دیجئے (۳۷) کہ میں تمہیں واضح طور پر عذاب الہی سے ڈرانے والا ہوں ﴿۳۸﴾ جس طرح کا عذاب ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے (انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مکہ کے) راستے بانٹ رکھے تھے ﴿۳۹﴾ جنہوں نے قرآن (۳۸) کے مختلف حصے بنا دیئے تھے ﴿۳۹﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے (۳۹) پوچھیں گے ﴿۴۰﴾ ان کے کرتوتوں کے بارے میں ﴿۴۱﴾

انہیں اپنے آپ سے قریب کیجئے، اور روسائے قریش کے کفر و عناد کی پرواہ نہ کیجئے۔

(۳۷) اور کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں اللہ کی طرف سے لوگوں کو ایسے دردناک عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا عذاب اللہ نے قوم صالح کے ان کافروں پر نازل کیا تھا جنہوں نے ان کی مخالفت اور تکذیب کی تھی اور انہیں قتل کرنے کی آپس میں قسم کھائی تھی۔ سورۃ النمل آیت (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے انہی کافروں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَالُوا اتَّفَقْنَا سَمُوْنَا بِاللَّهِ لَنُنَبِّئَنَّهٗ وَآٰلِهٖ ثُمَّ لَنُقُوْلُنَّ لِيُوْلِيْهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكًا اٰلِهٖهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ ﴿۳۹﴾ انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپے پادیں گے، اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے، اور ہم بالکل سچے ہیں۔“

فر۲ء کا قول ہے کہ "مقتسمون" سے مراد وہ سولہ کفار قریش ہیں جنہیں ولید بن مغیرہ نے مکہ میں داخل ہونے کے راستوں پر متعین کیا تھا، تاکہ وہ ہر آنے والے کو اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے برگشتہ کریں۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد کفار قریش کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کا مذاق اڑانے کے لئے اس کی سورتوں کو آپس میں بانٹتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سورت میری ہے اور یہ تیری۔ جو تھا قول یہ ہے کہ ان سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کی تقسیم کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا بعض حصہ شعر، بعض جادو اور بعض گذشتہ قوموں کے واقعات ہیں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، جنہوں نے قرآن کریم کے بعض حصہ کی تصدیق کی اور بعض کا انکار کر دیا۔

(۳۸) پہلے قول کے مطابق یہاں قرآن سے مراد وہ آسمانی کتاب ہوگی جس کی اتباع کا قوم صالح کو حکم دیا گیا تھا، کہ انہوں نے اس آسمانی کتاب کے کھڑے کھڑے اور ان کے قتل کی سازش کی۔ باقی اقوال کے مطابق قرآن سے مراد قرآن کریم ہوگا جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کافروں کے اعمال کا محاسبہ کرے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مومن و کافر تمام بنی نوع انسان مراد ہیں۔ اس قول کی تائید قرآن کریم کی ان آیتوں سے ہوتی ہے جن میں تمام بنی نوع انسان سے پوچھے جانے کی صراحت آئی ہے۔ مثلاً سورۃ الغاشیہ کی آیات (۲۶، ۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّا اِلَيْنٰ اِنْبَا بَهُمْ ﴿۲۶﴾ اِنَّا اِلَيْنٰ حِسَابُهُمْ ﴿۲۵﴾﴾ بے شک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔“ صاحب محاسن التنزیل کی رائے ہے کہ ﴿عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ سے مراد کفار قریش کا قرآن کریم کے بارے میں عمل تقسیم ہے کہ اس کا بعض حصہ شعر، بعض جادو اور بعض گذشتہ اقوام کے واقعات ہیں، انہی کافروں کو اس آیت میں دھمکی دی گئی ہے۔

فَأَصْدِرْ بِمَا تَوَمَّرُوا وَعَرَضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّكَ فَعْلَانِ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرَكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝

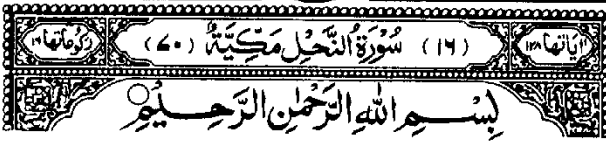
پس آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اسے کھول کر (۳۰) بیان کر دیجئے اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے ﴿۹۴﴾ ہم (۳۱) مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لئے آپ کی طرف سے کافی ہیں ﴿۹۵﴾ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک بناتے ہیں، تو وہ عنقریب جان لیں گے ﴿۹۶﴾ اور ہم یہ خوب جانتے (۳۲) ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ پریشان اور تنگ دل ہوتے ہیں ﴿۹۷﴾ پس آپ اپنے رب کی تعریف بیان کیجئے اور اس کے حضور سجدہ کرتے رہئے ﴿۹۸﴾ اور اپنے رب کی عبادت (۳۳) کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے ﴿۹۹﴾

(۳۰) واحدی نے مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے قبل نبی کریم ﷺ لوگوں کو اسلام کی طرف پوشیدہ طور پر بلاتے رہے۔ جب اس آیت میں آپ کو حکم دیا گیا کہ وہ کھل کر لوگوں کے سامنے آئیں اور اسلام کی دعوت پیش کریں اور مشرکوں کی پرواہ نہ کریں، تو آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ باہر نکل کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے لگے۔

(۳۱) اس آیت کریمہ کے ذریعہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دے دی کہ جو دوسرے قریش آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، ہم ان سے نمٹ لیں گے، وہ آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ ابن اسحاق نے عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ کا مذاق اڑانے والے کافروں میں پانچ بڑے مشہور تھے: ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، بن حارث بن زعمہ، اسود بن عبد یغوث اور حارث بن ظالمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی دن ہلاک کر دیا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الوضو میں روایت کی ہے، کہ وہ کفار قریش: ابو جہل، عقبہ، شیبہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط تھے، جو میدان بدر میں بری طرح قتل کر دیئے گئے، اور دیگر مقتولین کے ساتھ ایک کنواں میں ڈال دیئے گئے۔ انہی لوگوں نے کچھ دیگر کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے کی حالت میں اونٹ کی او جھڑی ڈال دی تھی، تو آپ نے بد دعا کر دی تھی کہ اے اللہ! تو اہل قریش اور ان بد معاشوں سے نمٹ لے۔

(۳۲) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دی ہے کہ کفار قریش کی استہزا آمیز باتوں سے آپ کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی اللہ کو خبر ہے۔ انسانی فطرت کا یہی تقاضا ہے، لیکن آپ صبر سے کام لیں اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں اور نماز پڑھا کریں، تو آپ کا غم ہلکا ہو جائے گا اور ذہنی اذیت کم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ کہ ”آپ صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ سے مدد مانگیں“۔ اور سورۃ الرعد آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ کہ ”آگاہ رہو! اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو طمینان ملتا ہے“۔

(۳۳) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ نماز اور دوسری عبادتیں انسان پر اسی وقت تک واجب ہیں جب تک اس کی عقل کام کرتی رہے۔ اور اس سے طہدین کی اس رائے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ ”یقین“ سے مراد ”معرفت“ ہے، اور جب کوئی آدمی مقام معرفت تک پہنچ جائے گا تو تمام عبادت و اعمال اس سے ساقط ہو جائیں گے۔ یہ کفر و ضلالت اور جہالت



اِنَّ اَمْرَ اللّٰهِ فَلَآ تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَلٰى عَمَّا يَشْرِكُوْنَ ①

سورۃ النحل کئی ہے، اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سورۃ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کا حکم آچکا ہے، پس اے کافر! تم لوگ جلدی (۱) نہ مچاؤ، وہ مشرکوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے ﴿۱﴾

ہے، اس لئے کہ انبیائے کرام اور ان کے صحابہ اللہ کا مقام تمام انسانوں سے زیادہ پہچانتے تھے، اور اس کے حقوق و صفات کی معرفت تمام لوگوں کی یہ نسبت انہیں زیادہ حاصل تھی، اس کے باوجود وہ تمام لوگوں سے زیادہ اللہ کی عبادت کرتے، اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک نیک کاموں کی پابندی کرتے تھے۔

تفسیر سورۃ النحل

نام : اس کا نام آیت (۶۸) ﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنْ اتَّخِذِ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول : حسن، عکرمہ، عطاء اور جابر بن عبد اللہ کے نزدیک پوری سورت کئی ہے۔ ابن عباس اور ابو زبیر کے نزدیک تین آیتوں کے سوا پوری سورت کئی ہے۔ وہ آیتیں آیت (۹۵) ﴿وَلَا تَسْتَفْتُوا الْبَعْدَ اللّٰهَ نَمٰنًا قَلِيْلًا﴾ سے ﴿يَعْمَلُوْنَ﴾ تک ہیں۔ قنادہ کے نزدیک پانچ آیتوں (۱۰/۱۲۶، ۱۲/۱۲۸ اور ۱۳۱) کے علاوہ پوری سورت کئی ہے۔

اس سورت میں بھی عام سورتوں کی طرح اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے کی تردید کی گئی ہے اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لانے پر جرد و توبخ اور اس کے برے نتائج بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے وعدہ کے مطابق قیامت آجانے یا انہیں ہلاک کئے جانے کی بڑی جلدی مچاتے تھے، اور اس سے مقصود آپ ﷺ کا مذاق اڑانا اور قیامت کی تکذیب کرنی ہوتی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأنفال کی آیت (۳۲) میں نصر بن حارث کا قول نقل کیا ہے: ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَآءِ اَوْ اِقْتِنَا بِعَذَابِ اٰلِيْمٍ﴾ چنانچہ چند ہی سال کے بعد وہ میدان بدر میں مارا گیا اور جہنم رسید ہوا۔ اس آیت کریمہ میں ایسے ہی کافروں سے کہا گیا ہے کہ تم سے جس قیامت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقوع پذیر ہونا ایسا امر یقینی ہے کہ گویا وہ آچکی، اس لئے تمہیں اس کے جلد آجانے کی تمنا نہیں کرنی چاہئے، جب وہ آجائے گی تو اللہ کا درد ناک عذاب تمہیں اپنے گھیرے میں لے لے گا اور تم ہرگز اس سے جان برنہ ہو سکو گے۔

آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بتوں اور جھوٹے معبودوں سے اپنی براءت اور برتری بیان کی ہے، جن کی محبت میں پرکردہ لوگ روز قیامت اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی تکذیب کرتے تھے۔

يُنزِلُ الْمَلَكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَآ إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَ الْإِنْعَامِ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْمَعُونَ وَحِينَ يُسْرَحُونَ ۝ وَ تَحْمِلُ أُنْفُسَكُمْ إِلَىٰ بَلَدِكُمْ تَكُونُونَ بَلْغِيهِ الْآبَشِقِ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْحَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْجِبَدُ لَتَرْكَبُنَهَا وَزِينَةٌ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

وہ اپنے فیصلہ کے مطابق فرشتوں کو وحی (۲) دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اُتارتا ہے، اور انہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو ﴿۲﴾ اُس نے آسمانوں اور زمین کو مقصد سے پیدا (۳) کیا ہے، وہ مشرکوں کے شرک سے برتر و بالا ہے ﴿۳﴾ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا لو بن جاتا ہے ﴿۴﴾ اور اس نے چوپایوں کو پیدا کیا ہے جن میں تمہارے لئے گرمی حاصل کرنے کا سامان اور دیگر منافع ہیں، اور ان میں سے بعض جانوروں کا تم گوشت کھاتے ہو ﴿۵﴾ اور ان میں تمہارے لئے زینت و جمال کا سامان بھی ہے جب شام کو انہیں (چراگاہ سے گھر) واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (چراگاہ کی طرف) لے جاتے ہو ﴿۶﴾ اور وہ جانور تمہارے بوجھ ان شہروں تک لے جاتے ہیں، جہاں تم بہت ہی پریشانی اور جانفشانی سے پہنچ سکتے تھے، بے شک تمہارا رب بڑی شفقت والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۷﴾ اور اس نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم ان پر سوار ہو، اور تمہاری زینت بنیں، اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے ہو ﴿۸﴾

(۲) نبی کریم ﷺ نے جب مشرکین کو قرب قیامت اور اس کے امر یقینی ہونے کی خبر دی اور اس بارے میں عجلت نہ کرنے کی نصیحت کی تو ان کے ذہنوں میں اللہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اتصال (یعنی وحی) کی صداقت کے بارے میں شک و شبہ پیدا ہوا۔ اس آیت میں اسی شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے، کہ وہ ذات برحق فرشتوں کو وحی دے کر اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے، تاکہ وہ بنی نوع انسان کو ڈرائیں اور انہیں بتائیں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، اس لئے صرف اسی سے ڈرنا چاہئے۔ اس آیت کریمہ اور کئی دیگر آیتوں میں (وحی) کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے۔

(۳) آیت (۳) سے آٹھویں آیت تک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین، انسانوں اور بہائم اور انسانوں کے لئے کئی مفید اشیاء کی تخلیق کا ذکر کر کے اپنی وحدانیت پر دلیل قائم کی ہے، اس لئے کہ جب ان چیزوں کو اس کے علاوہ کسی اور نے پیدا نہیں کیا ہے تو یقیناً اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے اور عبادت بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور اشرف المخلوقات انسان کو ایک قطرہ حقیر سے اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ یہ سب اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کریں، لیکن یہ انسان بڑا ہونے کے بعد اپنے پیدا کرنے والے کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کی وحدانیت کا انکار کر دیتا ہے، اور اس کے رسولوں کے خلاف محاذ آرائی کرنے لگتا ہے، حالانکہ اس نے اسے اس لئے پیدا کیا تھا تاکہ اس کا مخلص و مطیع بندہ بن کر رہے۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَاذِبٌ. وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٥﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجْرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿٤٦﴾ يُثْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٤٧﴾

اور سیدھی راہ (۴) بتا دینا اللہ پر واجب ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا ﴿۴۶﴾ اسی نے آسمان سے تمہارے لئے بارش (۵) نازل کیا ہے، اس کا بعض حصہ پینے کے کام آتا ہے، اور بعض سے ایسے درخت اُگتے ہیں جنہیں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو ﴿۴۷﴾ اور اس کے ذریعہ وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور کے درخت اور متعدد قسم کے انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۴۸﴾

اللہ نے انسانوں کے فائدے کے لئے چوپایوں کو پیدا کیا ہے، جن کے بال اور اُون سے آدمی کپڑا تیار کر کے سردی سے بچتا ہے، ان کے دودھ پیتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے، ان کے گوشت کھاتا ہے، اور اپنی فطرت کے مطابق ان جانوروں کو اپنی ملکیت میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اس کے پاس یہ جاندار بھی ہے۔ اور اونٹوں پر بوجھ لاد کر ایسے شہروں تک اسے منتقل کرتا ہے، جہاں بغیر ان کے اپنا سامان منتقل نہیں کر سکتا تھا، اور اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے ہیں جنہیں انسان بطور سواری استعمال کرتا ہے، اور ان جانوروں کی موجودگی سے آدمی کی دنیاوی زینت و زیبائش میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

مالک، ابو حنیفہ اور ان دونوں کے اصحاب اور اوزاعی و مجاہد وغیرہم نے آیت (۸) سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ خچر اور گدھے کی طرح گھوڑے کا گوشت بھی حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں آیتوں کی منفعت صرف سواری کرنا بتایا ہے، اور اس لئے بھی کہ ان کا ذر حلال جانوروں سے الگ کیا ہے۔ اگر اس کا گوشت کھانا جائز ہو تا تو دیگر چوپایوں سے الگ اس کا ذکر نہ کیا جاتا، لیکن جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس کے منافع میں سے سواری کا ذکر کرنا اس کے گوشت کی حلت کے منافی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صحیح احادیث سے اس کی حلت ثابت ہے۔ بخاری و مسلم نے اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ”ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت کھلایا۔ اور ترمذی، نسائی و غیرہم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھلایا اور پالتوں گدھوں کے گوشت سے منع کیا“۔ اور بخاری و مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پالتوں گدھوں کے گوشت سے منع کیا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی“۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر مذکورہ بالا تمام احسانات سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے راہ مستقیم (یعنی دین اسلام) کو ان کے لئے بیان کر دیا، جس پر چل کر وہ اس کی رضا کو حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے عقاب و عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی ادیان و مذاہب ہیں چاہے وہ یہودیت ہو یا نصرانیت، مجوسیت ہو یا ہندو ازم، سب کے سب راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، ان پر چل کر اللہ کی رضا کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ آیت میں ﴿وَمِنْهَا جَاذِبٌ﴾ سے یہی باطل مذاہب مراد ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام بنی نوع انسان کو راہ راست پر لاکھڑا کر دیتا، اس کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں تھی، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ خیر و شر کی دونوں راہوں کو بیان کر دیا اور انسان کو اختیار دے دیا کہ جو

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِ رَبِّكَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾
 وَمَا ذَرَأْنَا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۴﴾

اور اس نے تمہارے لئے رات (۶) اور دن، اور آفتاب و ماہتاب کو اپنے حکم کے تابع بنا دیا، اور ستارے بھی اس کے حکم کے تابع ہیں، بے شک ان تمام باتوں میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقلمند ہیں ﴿۱۳﴾ اور ان چیزوں کو بھی تابع بنا دیا جنہیں اُس نے تمہارے لئے زمین (۷) میں پیدا کیا ہے، جو مختلف رنگوں کے ہیں، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ﴿۱۴﴾

راہ راست پر چلے گا، اسے وہ ہدایت دے گا اور جو گمراہ ہونا چاہے گا اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا۔

(۵) بندوں پر اللہ تعالیٰ کے گونا گوں احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے جسے آدمی پیتا ہے، اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرتا ہے، اور جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انواع و اقسام کے درخت اور پودے اُگاتا ہے، وہ گھاس اور پودے جانوروں کے لئے چراگاہ ہوتے ہیں، اور جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتوں کو اور زیتون، کھجور، انگور اور تمام اقسام کے پھل اور سبزیوں کو اُگاتا ہے۔

بارش کا اس طرح آسمان سے نازل ہونا، اور اس کے ذریعہ اُن تمام فوائد و منافع کا حاصل ہونا جن کا ذکر اوپر آچکا، یقیناً اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت اور اس کی رحمت کے واضح دلائل ہیں، اور اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، لیکن یہ تمام دلائل و براہین ان کے لئے مفید ہیں جو غور و فکر سے کام لیں اور عبرت حاصل کریں۔ جو لوگ بہائم کے مانند زندگی گذارتے ہیں اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہوتے ہیں، انہیں ان دلائل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے رات کو سکون و راحت حاصل کرنے کے لئے، اور دن کو جہد و عمل اور طلب معاش کے لئے ایک مسلسل و مظم حرکت کا پابند بنا رکھا ہے، کبھی بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں۔ اور آفتاب و ماہتاب بھی اس کی مرضی کے تابع ہیں۔ آفتاب سے روشنی اور حرارت ملتی ہے، اور ماہتاب کی روشنی سے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب معلوم ہوتا ہے۔ اور ستارے بھی اس کے حکم و ارادہ کے پابند ہیں تاکہ ان کے ذریعہ بحر و بر میں راستوں کا پتہ لگایا جاسکے۔ اور یہ ستارے آسمان دنیا کے لئے زینت بھی مہیا کرتے ہیں۔ رات اور دن آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی تسخیر اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور صرف اسی کے لائق عبادت ہونے کے واضح دلائل ہیں، لیکن یہ دلائل ان کے لئے مفید ہیں جو اپنی عقلوں سے کام لیتے ہیں اور ان مخلوقات کے اسرار و حقائق میں غور و فکر کر کے ان کے خالق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ بہائم کے مانند ہیں، یا پاگلوں کے مانند جو اپنی عقلیں کھو چکے ہوتے ہیں انہیں ان دلائل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

(۷) اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے زمین پر ان کے فائدے کے لئے بہت سے حیوانات اور انواع و اقسام اور رنگ برنگ کے نباتات، جمادات اور معدنیات پیدا کئے جن میں گونا گوں منافع اور خاصیتیں ہوتی ہیں۔ یہ عجائب و غرائب خالق کائنات کے وجود پر صاف اور صریح دلائل ہیں، اور بنی نوع انسان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں، لیکن یہ دلیلیں انہی کے لئے مفید ہیں جو نصیحت حاصل کریں اور اپنے رب کی سیدھی راہ پر گامزن رہیں، اس کے

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كَمَا طَرِيقًا وَاسْتَعْرَضْنَا مِنْهُ حُلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا وَتَكْرَى الْفُلُوكَ مَوَاطِرَ فِيهِ
وَلِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَالْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَايَا أَنْ يُمَيِّدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلِمْتَ وَأَبْلَجْتُمْ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝

اور اسی نے سمندر (۸) کو تابع کر دیا ہے تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ، اور اس سے وہ زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو، اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ سمندر کا پانی چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہتی ہیں، اور تاکہ تم اس کی پیدا کی ہوئی روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو ﴿۱۴﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑ (۹) رکھ دیئے تاکہ وہ تمہیں اٹھائے ہوئے ڈگمگاتی نہ رہے، اور نہریں اور راستے بنائے تاکہ تم (اپنی منزل تک) راہ پاسکو ﴿۱۵﴾ اور کئی دیگر نشانیاں بنائیں، (جن سے) اور ستاروں سے وہ رہنمائی حاصل کرتے ہیں ﴿۱۶﴾

احکام کی پابندی کریں اور برائیوں اور گناہوں سے بچیں، اور اس طاعت و بندگی کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی سعادت و نیک بختی حاصل کریں۔

(۸) خشکی کی نعمتوں کے بعد اب سمندر کی نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اس طرح مسخر کیا کہ اس میں غوطہ لگانے کو آسان بنا دیا، اور کشتیاں سہولتِ تمام اس پر دوڑتی رہتی ہیں، اور انسانوں اور ان کی ضروریاتِ زندگی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں۔ ان سمندروں کو اللہ نے اس لئے مسخر کیا ہے تاکہ لوگ مختلف ذرائع استعمال کر کے پھیلوں کا شکار کریں اور ان کا تازہ گوشت کھائیں، بعض مفسرین نے لکھا ہے ”تازہ گوشت“ اس لئے کہا گیا ہے کہ پھل جب تازہ ہو اسی وقت اسے کھایا جائے کیونکہ وہ بہت جلد خراب ہو جاتی ہے، اور پرانی ہونے کے بعد نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور ان سمندروں کو اس لئے بھی مسخر کیا ہے تاکہ غوطہ لگا کر موتی اور دیگر قیمتی جواہرات نکالیں جو ان کے لئے اور ان کی عورتوں کے لئے زیور کا کام دیں۔ اور تخییر سمندر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں کشتیاں چلتی رہیں جن کے ذریعہ انسان بے خوف و خطر بھاری تجارتی سامان اور اسبابِ رزق لے کر تھوڑی مدت میں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک چلا جاتا ہے اور روزی حاصل کرتا ہے۔ یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے، بندوں کو چاہئے کہ اللہ کے ان احسانات کو یاد کریں اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بسا دیئے، تاکہ زمین میں حرکت نہ پیدا ہو، اس لئے کہ اگر زمین ہلتی تو اس پر انسان کا جینا دو بھر ہو جاتا۔ اور زمین پر اللہ نے نہریں جاری کر دیں جو مختلف زمینوں سے گذرتی اور انہیں سیراب کرتی ہیں اور انسانوں کی روزی کا سبب بنتی ہیں۔ اور زمین پر مختلف راستے بنا دیئے جن پر چل کر انسان ایک شہر سے دوسرے شہر جاتا اور اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرتا ہے، اور زمین میں اللہ نے ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں جن کے ذریعہ لوگ سفر میں اپنے راستے پہچانتے ہیں اور منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں، اور بحر و بر میں رات کی تاریکی میں ستاروں کی مدد سے لوگ صحیح سمت میں چلتے رہتے ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کی رہنمائی کے لئے اب جن آلات کا استعمال ہوتا ہے ان کی بناوٹ میں ستاروں کی روشنی سے ہی مدد لی جاتی ہے۔

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۚ أَفَلَا تُدْرِكُونَ ۝ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَعَفُورٌ رَحِيمٌ ۝
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝
أَمْواتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ إِنْ هُمْ إِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝

کیا جو (اللہ) پیدا (۱۰) کرتا ہے وہ اس کے مانند ہے جو پیدا نہیں کرتا ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ہو ﴿۱۷﴾ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں (۱۱) کو شمار کرنا چاہو گے تو انہیں شمار نہیں کر سکو گے، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۸﴾ اور اللہ ان تمام باتوں کو جانتا (۱۲) ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور جنہیں ظاہر کرتے ہو ﴿۱۹﴾ اور جن (معبودوں) کو وہ اللہ کے سوا پکارتے (۱۳) ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے ہیں، اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں ﴿۲۰﴾ وہ مردے بے جان ہیں، اور کچھ بھی شعور نہیں رکھتے ہیں کہ (دوبارہ) کب اٹھائے جائیں گے ﴿۲۱﴾ تم سب کا معبود ایک (۱۳) ہے، پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، ان کے دل انکار کرتے ہیں، درانحالیکہ وہ تکبر کرتے ہیں ﴿۲۲﴾

(۱۰) یہ مشرکین مکہ کے لئے ایک الزامی قول اور ڈانٹ اور پھینکا ہے کہ جس ذات واحد نے مذکورہ بالا عظیم مخلوقات کو پیدا کیا ہے، کیا اس کے مانند وہ اصنام اور جھوٹے معبود ہو سکتے ہیں جو کچھ بھی پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔
(۱۱) بحر و بر کی گونا گوں نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کی نعمتیں بے شمار ہیں اور اس کے احسانات ان گنت ہیں، آدمی انہیں پوری زندگی گنتا رہے تو نہیں گن سکتا، اور جب انہیں گن نہیں سکتا تو ان کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، اگر بندے سے ادائے شکر میں تقصیر ہوتی ہے تو اپنی بخشش و کرم فرمائی اور وہ نہیں دیتا، بلکہ معاف کر دیتا ہے اور توبہ کی مہلت دیتا ہے۔

(۱۲) اس سورت میں اللہ کی قدرت، اس کے علم و حکمت اور اس کی نعمتوں کے مظاہر کی آخری کڑی یہ آیت کریمہ ہے کہ وہ ان کی تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں اور ان کی حاجتوں اور ضرورتوں کو جانتا ہے، اس لئے انہیں اسی کے سامنے سر جھکانا چاہئے اور اسی کی عبادت کرنی چاہئے، تاکہ وہ ان کی ضرورتوں کو پوری کر سکاں اور اس کی نعمتوں کا تسلسل باقی رہے۔ نیز چونکہ سیاق کلام مشرکین مکہ سے متعلق ہے، اس لئے اس آیت میں انہیں دھمکی بھی دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان کی سازشیں اللہ سے مخفی نہیں ہیں۔ کسی دن یہ سازشیں خود انہی کے گلے کا پھندا بن جائیں گی۔

(۱۳) کفار قریش کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ جن بتوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ پوجنے والوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے انہیں بنایا ہے، گویا وہ اپنے پجاریوں سے بھی زیادہ عاجز اور کمزور ہیں، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ﴾ کہ ”کیا جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو کاٹ کر بناتے ہو انہی کی عبادت کرتے ہو؟“ (الصافات: ۹۵)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ وہ تو مردہ ہیں نہ کبھی زندہ تھے اور نہ مستقل میں انہیں زندگی ملے گی، اور انہیں شعور بھی نہیں کہ وہ کبھی اٹھائے جائیں گے، تو پھر وہ اللہ کے سوا معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟

لَا جُرْمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۷۶۱﴾ وَلَا إِقْبِيلَ لَهُمْ مَتَىٰذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ
 قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۷۶۲﴾ لِيَعْلَمُوا أَنزَالَهُمْ كَالْيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿۷۶۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ يُضَلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ إِلَّا سَاءَ
 مَا يَكْرَهُونَ ﴿۷۶۴﴾ قَدْ نَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاذَىٰ اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ الشَّقَقُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَنْزَلَ
 اللَّهُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۷۶۵﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِنُهُمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ
 فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۷۶۶﴾

بلاشبہ اللہ ان تمام باتوں کو جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے ہیں اور جنہیں ظاہر کرتے ہیں، وہ بے شک تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۲۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں (۱۵) اقوام گذشتہ کے افسانے ﴿۲۳﴾ تاکہ قیامت کے دن اپنے سارے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں، اور ان لوگوں کے کچھ گناہوں کا بھی جنہیں بغیر علم گمراہ کرتے رہے تھے، خبر دار رہو کہ وہ بڑا ہی بُرا بوجھ اٹھائے پھر گے ﴿۲۵﴾ جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے سازش (۱۶) کی تو اللہ نے ان کی عمارت کو جڑوں سے گرا دیا، پس ان پر چھت ان کے اوپر سے آگری، اور اللہ کا عذاب ان پر اس جہت سے آگیا جس کے بارے میں وہ سوچتے بھی نہیں تھے ﴿۲۶﴾ پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کے بارے میں تم (اہل توحید کے ساتھ) جھگڑتے تھے۔ اہل علم کہیں گے کہ بے شک آج رسوائی اور عذاب کا فردوں کے لئے ہے ﴿۲۷﴾

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متعدد دلائل پیش کرنے کے بعد اب نتیجہ بیان کر دیا اور مقصود حقیقی کی صراحت کر دی کہ اے انسانو! تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے، جو خالق ہے، رازق ہے، آسمانوں اور زمین کے امور کا مدبّر ہے، زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے، اور تمام آسمانے حسنی اور صفات علیا اسی کے لئے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کفر و عناد اور ان کے استکبار کی علت یہ بیان کی کہ وہ آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اگر وہ جزا و سزا کے دن پر ایمان رکھتے تو راہِ راست پر چلتے اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے۔ آیت (۲۳) میں انہی منکرین قیامت اور باری تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنے والوں کو دھکی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام خفیہ اور ظاہر اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے، اور وہ ان جیسے تکبر کرنے والوں کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ غافر آیت (۶۰) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ کہ ”جو لوگ کبر کی وجہ سے میری عبادت سے منہ پھیرتے ہیں، وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے“۔

(۱۵) مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا قائل نصر بن حارث تھا، جو قرآن کریم کا مذاق اڑانے کے لئے مسلمانوں سے ایسی باتیں کرتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے قائل وہ مشرکین تھے جو باہر سے اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے آنے والوں سے کہتے تھے کہ یہ قرآن اگلے زمانے کے واقعات کا مجموعہ ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان جب قرآن کریم کے بارے میں مشرکین کو کہہ کر معلوم کرتے تو وہ کہتے کہ یہ تو گذشتہ قوموں کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام لوگوں کا انجام یہ بتایا کہ وہ قیامت کے دن اپنے کندھوں پر اپنے سارے گناہ اٹھائے ہوئے ہوں گے، اور ان لوگوں کے گناہ بھی اٹھائے ہوں گے

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوْا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ فَادْخُلُوا الْبَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلْيَلْسُنْ مَثْوَى الْمُنْكَرِينَ ﴿۱۶﴾

ان کی رو میں (۱۵) فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہوں گے، تو وہ نیاز مندی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم تو کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے، تو ان سے کہا جائے گا، ہاں، بے شک تم لوگ جو کچھ کیا کرتے تھے انہیں اللہ خوب جانتا ہے ﴿۲۸﴾ پس تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جہاں تم ہمیشہ کے لئے رہو گے جو تکبر کرنے والوں کے لئے بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۲۹﴾

جن کو وہ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے گمراہ کرتے رہے تھے، یا جنہیں وہ ان کی جہالت و نادانی کی وجہ سے گمراہ کرتے رہے تھے۔ جن گناہوں کو وہ ڈھونڈ پھر رہے ہوں گے وہ بڑی ہی بُری چیز ہوگی، جو انہیں جہنم رسید کر دے گی۔ (۱۶) امام شوکانی اور صاحب ”فتح البیان“ نے اکثر مفسرین کی رائے نقل کی ہے کہ اس آیت میں مکر کرنے والے سے مراد نمرود بن کنعان ہے جس نے بابل میں ایک بہت ہی لمبی عمارت بنا کر آسمان پر چڑھنا چاہا تھا، تاکہ اہل آسمان سے جنگ کرے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک شدید آندھی کے ذریعہ اُسے گرا دیا جس کے نیچے دب کر نمرود اور اس کے ماننے والے ہلاک ہو گئے۔ اسی نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا ظالم و جابر اور متکبر انسان تھا، لیکن مفسرین کے قاعدے کے مطابق آیت کا یہ حکم ہر زمانے کے باطل پرستوں اور اللہ کے دین کے خلاف سازش کرنے والوں کو عام اور شامل ہے۔ اسی لئے اس آیت کو یہ میں ان مشرکین مکہ کے لئے دھمکی ہے جنہوں نے بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی زندگی اجیرن بنا دی تھی۔ انبیاء کے خلاف سازش کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی ایسا شدید انتقام لیا کہ انہیں بیخ و بن سے ختم کر دیا، اور ان پر اس طرح اچانک عذاب مسلط کر دیا کہ انہیں سوچنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ یہ تو ان کا دنیا میں حال ہوا، اور قیامت کے دن اللہ انہیں مزید ذلیل و رسوا کرے گا اور کہے گا کہ بتاؤ، کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جنہیں معبود ثابت کرنے کے لئے تم لوگ مومنوں سے جھگڑتے تھے۔ تو وہ کچھ بھی نہ بول سکیں گے، ان کی زبانیں گنگ ہوں گی، لیکن انبیاء اور علماء جن سے وہ مشرکین جھگڑتے تھے، کہیں گے کہ آج کی ذلت و رسوائی اور دردناک عذاب ان کافروں کے لئے ہے جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے تھے۔ (۱۷) شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ان کافروں کی جان نکالنے کے لئے جب فرشتے آتے ہیں، اور موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، تو اللہ کے لئے اپنی طاعت و بندگی کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور مجسم و عجز و انکساری بن جاتے ہیں اور مارے و دہشت کے شرک کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو شرک کا ارتکاب کیا ہی نہیں تھا، تو فرشتے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہاں، تم نے شرک کا ارتکاب کیا تھا، اور اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے، اس لئے جھوٹ بولنے اور انکار کرنے سے تم جان بر نہ ہو سکو گے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گناہوں اور شرکیہ اعمال کے مطابق جہنم کے مختلف طبقات میں ان کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ کے لئے اسی میں جلتے رہو، جو اللہ کی عبادت سے منہ پھیرنے والوں کے لئے بدترین ٹھکانا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کفار کی رو میں موت کے بعد ہی جہنم میں داخل ہو جاتی ہیں، اور قبروں میں جہنم کی آگ کی سوزش ان کے جسموں تک پہنچتی رہتی ہے۔ قیامت کے دن ان کی رو میں ان کے اجسام میں دوبارہ داخل کر دی جائیں گی اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلْ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرٌ الَّذِينَ أَحْسَنُوا لِي هَذَا الدُّنْيَا حَسَنَةً وَكَذَلِكَ أُنزِلَتْ خَيْرًا
وَلِنَعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كُنُوزٌ لَكَ يَمْجِزِي اللَّهُ
الْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّاتِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے والوں سے پوچھا (۱۸) جائے گا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تھا، تو وہ کہیں گے کہ
بھلائی (نازل کی تھی) جو لوگ نیک عمل کریں گے انہیں اس دنیا میں بھلائی ملے گی، اور آخرت کا گھر یقیناً زیادہ بہتر
ہوگا، اور اللہ سے ڈرنے والوں کا گھر بہت ہی اچھا ہوگا ﴿۳۰﴾ عدن کے باغات (۱۹) ہوں گے جن میں وہ داخل
ہو جائیں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان جنتوں میں ان کی خواہش کے مطابق ہر چیز ملے گی، اللہ تقویٰ
والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے ﴿۳۱﴾ ان کی روحوں کو فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ خوش (۲۰) ہوتے ہیں،
کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو، جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے، ان کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿۳۲﴾

(۱۸) آیت (۲۳) میں گذر چکا ہے کہ جب بد بخت کافروں سے قرآن کریم کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے
کیا نازل کیا ہے، تو وہ اللہ کی رحمت کا انکار کرتے ہیں اور کفرانِ نعمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ تو گذشتہ قوموں کے واقعات کا
مجموعہ ہے۔ اور وہاں ان کا انجام بد بھی بتا دیا گیا ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے برعکس جب اہل تقویٰ مسلمانوں سے یہی سوال
کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے جو ہمارے لئے مجسم خیر و برکت ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے ان بندوں سے کر رکھا ہے جو دنیا میں
عمل صالح کرتے ہیں کہ وہ انہیں دنیا میں اچھا بدلہ دے گا اور آخرت میں انہیں جو ملے گا وہ تو اللہ کی عظیم ترین نعمت (جنت) ہوگی
جو متقیوں کے لئے بہت ہی اچھا گھر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۹۷) میں فرمایا ہے: ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِمَّا
ذَكَرْنَا وَأَنْتَاهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ کہ ”جو
شخص نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو اُسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا کریں گے اور ان کے نیک اعمال کا
بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے۔“

(۱۹) اس جنت کی صفت بیان کی گئی ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے کہ اس میں درخت ہوں گے، نہریں
جاری ہوں گی، حور و قصور ہوں گے، اور کھانے اور پینے کی ہر لذیذ چیز ہوگی، اور اللہ کی جانب سے انہائے اکرام یہ ہوگا کہ وہاں
ہر وہ شے ہوگی جس کی اہل جنت خواہش کریں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ اللہ اہل تقویٰ کو ایسے ہی اچھے بدلے دیا کرتا ہے۔
(۲۰) ان اہل تقویٰ کا جو کفر و معاصی کے ذریعہ اپنے آپ پر ظلم نہیں کئے ہوتے ہیں، موت کے وقت حال یہ ہوتا ہے کہ جب
فرشتے ان کے پاس پہنچتے ہیں تو ان کے احترام و محبت میں انہیں سلام کرتے ہیں، اور خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم لوگ
اپنے نیک اعمال کے بدلے ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سورہ فصلت آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ
الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخْفَأُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ
الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ ”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے یہ

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۱﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتٌ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا اخْتَرْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۳۴﴾

کیا اہل کفر اس بات کا انتظار (۳۱) کر رہے ہیں کہ فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے آجائیں، یا آپ کے رب کا حکم (عذاب لے کر) آجائے، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ایسا کیا تھا، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے تھے ﴿۳۲﴾ پس ان کے بُرے اعمال نے انہیں آلیا، اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے انہیں آگھیرا ﴿۳۳﴾ اور مشرکین کہتے (۳۲) ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اُس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے اور نہ بغیر اس کے حکم کے کسی چیز کو حرام قرار دیتے، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، پس رسولوں کی ذمہ داری تو (پیغام حق کو) واضح طور پر پہنچا دینا ہے ﴿۳۵﴾ اور ہم نے ہر گروہ کے پاس ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور شیطان اور بتوں کی عبادت سے بچتے رہو، پس اُن میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی، اور بعض کے لئے گمراہی واجب ہو گئی، پس تم لوگ زمین میں گھوم پھیر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا بُرا انجام ہوا ﴿۳۶﴾

کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو، بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔“ (۲۱) رُخ سخن پھر مشرکین کی طرف پھیر دیا گیا ہے، اور مقصود ان کی تنبیہ ہے کہ دنیاوی زندگی کے دھوکے میں نہ پڑے رہیں اور اپنے کفر و عناد میں آگے نہ بڑھتے جائیں، ورنہ بُرے انجام کے لئے تیار رہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ گویا اب انہیں صرف اس بات کا انتظار ہے کہ موت کے فرشتے آکر ان کی رحوں کو عذاب دیتے ہوئے قبض کر لیں، یا ان پر ایسا عذاب آجائے جو ان کا وجود ہی ختم کر دے، یا قیامت برپا ہو جائے اور اس کی روح فرسا خوف کیوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے لگیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے پہلے کی قوموں نے بھی انہی کی طرح اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا تھا اور اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا، تو اللہ کے عذاب نے انہیں آدو بچا تھا۔ اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا اللہ کی طرف سے ظلم نہیں تھا، بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا تھا جس کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑا تھا۔ تو گویا ان کے بُرے کرتوت ہی ان کے گلے کا پھندا بن گئے، اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے انہیں آگھیرا۔

(۲۲) مشرکین مکہ اپنے کفر و شرک کے لئے اللہ کی تقدیر کو دلیل بناتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ کے سوا غیروں کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ جانوروں کو حرام کہتے ہیں اور ہمارے آباء و اجداد بھی ایسا کرتے رہے ہیں تو اس میں ہمارا اور ان کا کوئی قصور نہیں ہے، یہ تو اللہ کی مشیت کے مطابق ہے، اگر اس کی مرضی نہ ہوتی جیسا کہ محمد کا گمان ہے تو ہم ایسا نہ کرتے، تو

إِنْ تَحَرَّضَ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَكَيْدٌ مِّنْ يُّضِلُّكَ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿۲۳﴾ وَأَسْكُوا لِلَّهِ جَهْدًا
إِنبَاءَهُمْ لِيَبْعَثَ اللَّهُ مَن يَمُوتُ بَلْ وَعَدَ عَلَيْهِمْ حَقًّا وَالَكِنَّا كَذِبًا ﴿۲۴﴾ لَيْسَ لِمَنْ أَلْهَىٰ مِنَ اللَّهِ مَن يَخْتَلِفُونَ
فِيهِ وَيَلْعَلُهُمُ الْكُفْرُ أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿۲۵﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۲۶﴾

اگر آپ اُن کی ہدایت کی شدید خواہش (۲۳) رکھتے ہیں تو جان لیجئے کہ اللہ اس آدمی کو ہدایت نہیں دیتا ہے جس کے لئے گمراہی لکھ دیتا ہے، اور اُن کا کوئی مددگار نہیں ہو تا ﴿۲۴﴾ اور اہل کفر اللہ کی بڑی سخت قسمیں (۲۳) کھاتے ہیں کہ جو مر جائے گا اللہ اُسے زندہ نہیں کرے گا، ہاں (وہ زندہ کئے جائیں گے) یہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۲۸﴾ تاکہ جس بات کی صداقت میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے، اُسے اُن کے لئے ظاہر کر دے، اور تاکہ اہل کفر جان لیں کہ وہ (اپنی قسم میں) جھوٹے تھے ﴿۲۹﴾ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے صرف یہ کہتے ہیں کہ ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی ہے ﴿۳۰﴾

گویا ہمارا اس کی مرضی کے مطابق ایسا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محمد جھوٹا ہے اور اللہ کی طرف غلط بات منسوب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے پہلے کے مشرکین بھی اسی طرح کے ذہنی شبہ میں مبتلا ہوتے رہے اور انہی جیسی جھوٹی بات اللہ کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں۔ پھر ان کے شبہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اس نے تمہارے شرک و کفر کی تردید نہیں کی، بلکہ اس نے اس کا شدید انکار کیا ہے اور انتہائی سختی کے ساتھ اس سے روکا ہے اور ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے انبیاء بھیجے ہیں، جنہوں نے صرف اللہ کی عبادت کی طرف بلایا اور غیروں کی عبادت سے روکا۔ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء کی ایک ہی دعوت تھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں آیت (۳۶) میں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم کے لئے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان اور بتوں کی عبادت سے دور رہو۔ اس لئے کسی مشرک کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم غیروں کی عبادت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خیر و شر اور جنت و جہنم کے دونوں راستے بتادیئے۔ خیر کی راہ پر چلنے کا حکم دیا اور شر کی راہ سے منع فرمایا، بلکہ اس سے زیادہ یہ کیا کہ مشرکوں کو دنیا میں ان کے شرک کی سزا دی، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ ان کے شرکیہ اعمال سے راضی نہیں ہے، آیت (۳۶) کے آخر میں یہی بات کہی گئی ہے۔ خیر و شر کی اس وضاحت و صراحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب اور مشیت کو نبی کے مطابق جسے چاہا خیر کی توفیق دی اور جسے چاہا بھٹکتا چھوڑ دیا۔

(۲۳) اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی مشیت کو نبی کے مطابق گمراہ چھوڑ دے تو نبی کریم ﷺ کی ہزار خواہش کے باوجود وہ راہ راست پر نہیں آسکتا ہے، اور نہ عذاب الہی کو کوئی اس سے ٹال سکتا ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ سورہ یونس کی آیات (۹۷/۹۶) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۷﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۹۶﴾﴾ ”یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے ان کے پاس تمام دلائل پہنچ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں“۔

(۲۴) کفار قریش کے کفر اور کبر و عناد کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَا جَزَاءَ لِأَخْرَجَ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَتَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

اور جن لوگوں نے ان پر ظلم کئے جانے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت (۲۵) کی، ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہوگا، کاش کہ اس حقیقت کا انہیں علم ہو تا (۳۱) جن لوگوں نے (اللہ کی راہ میں تکلیفوں پر) صبر کیا، اور جو (ہر حال میں) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (۳۲) اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں (۲۶) کو ہی پیغامبر بنا کر بھیجا تھا جن پر اپنی وحی نازل کرتے تھے، پس اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو (تورات و انجیل کا) علم رکھنے والوں سے پوچھ لو (۳۳) ہم نے انہیں معجزات اور کتابیں دے کر بھیجا تھا، اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے، اور تاکہ لوگ غور و فکر کریں (۳۴)

جانے کو ایک امر مستحیل سمجھتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ جو مر جائے گا اللہ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں، ایسا ہو کر رہے گا، یہ اللہ کا ایسا وعدہ ہے جسے پورا ہونا ہے، لیکن اکثر لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت آسان ہے، اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ لوگ دوبارہ زندہ ہوں تاکہ دنیا میں اپنے کئے کی پاداش پائیں، عمل صالح کرنے والے جنت میں داخل کئے جائیں اور برا کرنے والے اپنے کئے کی سزا پائیں۔ آیات (۳۰، ۳۹) میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جھوٹے تھے، اور انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت آسان ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو ”ہو جا“ کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے، ممکن نہیں کہ کوئی شے اللہ کے اس قول کے بعد وجود میں نہ آئے۔ اور لوگوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا اللہ کی مذکورہ بالا قدرت سے خارج نہیں ہے۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اللہ چاہے اور مردے دوبارہ زندہ نہ ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

(۲۵) اس آیت کریمہ میں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کا دنیاوی اور اخروی اجر بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ آیت میں مذکور مہاجرین سے مراد مکہ کے وہ مسلمان ہیں جو اپنی قوم کی ایذا رسانی سے عاجز آکر اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے نبی کریم ﷺ کے حکم سے حبشہ چلے گئے تھے۔ ان کی تعداد چھوٹے بچوں کے علاوہ تیراکی تھی۔ اسلام آنے کے بعد اللہ کی راہ میں مسلمانوں کی یہ پہلی ہجرت تھی۔ اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ سورت کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد مہاجرین مدینہ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہجرت سے پہلے ہی اجر عظیم کی خوشخبری دے دی تھی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت مدنی ہے جسے مکی سورت میں جگہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو دنیا میں عزت و منزلت، عمدہ روزی اور فتح و نصرت کی خوشخبری دی ہے، اور اس کے بعد کہا ہے کہ آخرت میں انہیں جو اجر ملے گا وہ تو بڑا ہی عظیم ہوگا جس کا تصور بھی انسان اس دنیا میں نہیں کر سکتا ہے۔ اس آیت میں ان مسلمانان مکہ کو ہجرت کی ترغیب بھی دی گئی

ہے جو کسی دنیاوی وجہ سے ہجرت کرنے میں دیر کر رہے تھے۔ اور جس اجر کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ مہاجرین کو اس لئے ملے گا کہ انہوں نے مشرکین مکہ کی ایذا رسانی پر صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے گھربار چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ کسی مہاجر مسلمان کو اس کا حصہ دیتے تو کہتے، اپنا حصہ لے لو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے، یہ وہ مال ہے جس کا اللہ نے تم سے دنیا میں وعدہ کیا تھا۔ اور قیامت کے دن تمہیں جو ملے گا وہ تو اس سے کہیں زیادہ اچھا ہوگا۔

آیت (۳۲) سے یہ بھی مستفاد ہے کہ صبر اور توکل داعی الی اللہ کی دو اہم ترین صفات ہیں، ان کے بغیر وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

(۲۶) مشرکین مکہ کو تعجب ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان (مرد) کو کیسے اپنا نبی بنا دیا؟ ان کے اسی شبہ کی تردید کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء ہم نے بھیجے سبھی انسان مرد تھے، ایک بھی نبی فرشتہ نہیں تھا۔ اور مشرکین مکہ سے کہا کہ اس بات کی تصدیق کے لئے یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو جنہیں تم بھی اہل علم و دانش سمجھتے ہو، وہ بھی تمہیں اپنی کتابوں کے حوالے سے یہی بتائیں گے کہ انبیاء کرام ہمیشہ انسان مرد ہوا کئے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ ان کی صداقت کے واضح دلائل اور انسانوں کی ہدایت کے لئے کتابیں دے کر بھیجتا رہا ہے۔

تقلید شخصی کے قائلین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے جن کے پاس علم نہ ہو انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اہل علم سے پوچھ لیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت ایک خاص موضوع کے بارے میں سوال کرنے سے متعلق ہے جس کا تقلید شخصی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ابن جریر، بغوی اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ سیوطی نے اپنی تفسیر (در منثور) میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ آیت کریمہ سے مراد عام سوال ہے تو "اہل ذکر" سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کلمہ "ذکر" سے مراد صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ یعنی ان لوگوں سے پوچھا جائے جو قرآن و سنت والے ہوں۔ اور جن سے پوچھا جائے وہ جواب میں اللہ کا قول یا رسول اللہ ﷺ کا قول بیان کر دیں، اور سوال کرنے والا اس پر عمل کرے۔ ایسی صورت میں یہ آیت مقلدین کے خلاف حجت بن گئی، اس لئے کہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ لوگوں کے اقوال بغیر دلیل مانگے قبول کر لئے جائیں، جبکہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن و سنت کا علم رکھنے والے سوال کرنے والوں کو قرآن کی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث بتادیں۔ اور اگر کوئی مقلد اپنے امام کا مذہب نہیں بلکہ قرآن و سنت کا سوال کرتا ہے تو وہ مقلد نہیں رہتا، بلکہ وہ قرآن و سنت کا تبع ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت تقلید شخصی کی نہیں بلکہ اتباع قرآن و سنت کی دلیل ہے، اور تقلید شخصی کے قائلین کے خلاف دلیل و حجت ہے۔ واللہ التوفیق۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی مزید تائید و تصدیق کے طور پر فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے جو لوگوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے، اور آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ بحیثیت رسول ان اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید کو لوگوں کے لئے بیان کر دیں جو اس قرآن میں موجود ہیں۔ اور لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کی آیات میں غور و فکر کر کے ہدایت کی راہ پر گامزن ہوں اور فلاح دارین حاصل کریں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۷﴾
 أَوْ يَأْخُذُهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۲۸﴾ أَوْ يَأْخُذُهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۹﴾ أَوْ لَمْ يَرَوْا
 إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يُتَّبِعُونَهُ أَضِلُّوا عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَالِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿۳۰﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا
 فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ لَا يُسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۱﴾

کیا جو لوگ (اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچانے کے لئے) بدترین تدبیریں (۲۷) کرتے ہیں، اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، یا اللہ کا عذاب انہیں اس جہت سے آلے جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے ہیں ﴿۲۷﴾ یا انہیں اُس وقت پکڑ لے جب وہ زمین میں چل پھر رہے ہوں، پس وہ (کسی بھی حال میں) عاجز نہیں کر سکیں گے ﴿۲۸﴾ یا انہیں اس وقت پکڑ لے جب وہ (عذاب کے خطرہ سے) خوفزدہ ہوں، پس بے شک تمہارا رب بڑا ہی مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۹﴾ کیا انہوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا ہے جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے جن کے سائے نہایت انکساری کے ساتھ سجدہ (۲۸) کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکے رہتے ہیں ﴿۳۰﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جتنے چوپائے ہیں اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، اور فرشتے بھی، دراصل اللہ وہ تکبر نہیں کرتے ہیں ﴿۳۱﴾

(۲۷) مشرکین کہ کو ڈرایا جا رہا ہے تاکہ شرک سے توبہ کریں، اور نبی کریم ﷺ کی نبوت، روز قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لائیں۔ آیت کریمہ میں "سیقات" سے مراد وہ تمام معاصی ہیں جن کا اہل مکہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ ان میں سرفہرست نبی کریم ﷺ کے قتل کی سازش، کمزور مسلمانوں کو ایمان سے برگشتہ کرنے کے لئے روح فرسا سزائیں دینی، اور اسلام کی بیخ کنی کی سازشیں کرنی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مشرکین مکہ جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی نبوت اور روز قیامت کا انکار کرتے رہے ہیں، اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف بدترین سازشیں کرتے رہے ہیں، کیا انہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا اچانک کسی عذاب میں مبتلا کر دے، یا کوئی طوفان آجائے، یا کوئی وبا یا قحط سالی جو انہیں محتاج و فقیر بنا دے، یا جب تجارت کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہے ہوں تو اچانک اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے؟ اور ایسا کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کو روک نہیں سکتے ہیں، یا انہیں یکے بعد دیگرے ہلاک کرے، یہاں تک کہ ان کا ایک فرد بھی باقی نہ رہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے بڑا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے، اس لئے اس نے اہل مکہ کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا بلکہ انہیں تائب ہونے اور حق کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دی۔

(۲۸) مشرکین مکہ کو اوپر جو دھکی دی گئی ہے اسی کی مزید تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال اور کبر یائی بیان کی ہے کہ یہ بات تم سے وہ اللہ کہہ رہا ہے جس کی بارگاہ میں جن وانس، حیوانات و جمادات اور فرشتے سبھی سجدہ ریز ہیں، حتیٰ کہ ہر چیز کا سایہ بھی صبح و شام نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اس کو سجدہ کرتا ہے اور اس کی مرضی سے سر موٹا خراف نہیں کرتا ہے۔

آیات (۳۰، ۳۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں میں رہنے والے تمام فرشتے اور زمین پر چلنے والے تمام چوپائے، سب اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں، سبھی اس کے منشا اور ارادہ کے پابند ہیں۔ حیات و موت اور صحت و بیماری ہر شے میں

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۷۶۹﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا لِلدِّينِ وَالْهِمَنِ الشُّنَيْنَ ؕ إِنَّمَا جِئْتُمْ هُوَالَهُ وَاحِدًا فَأَيُّ الْفِرْعَوْنِ ﴿۷۷۰﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصْبَاً فَغَيْرِ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿۷۷۱﴾ وَمَا يَكُ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَالْيَدِ يَجْتَرُونَ ﴿۷۷۲﴾ ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فِرْقَانُ فِرْقَانًا يَدْعُونَ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۷۷۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمْتَعُوا ثُمَّ قُتِلُوا ﴿۷۷۴﴾

اپنے رب سے اپنے اوپر کی طرف سے ڈرتے ہیں، اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں ﴿۷۶۹﴾ اور اللہ کہتا ہے کہ تم لوگ (اپنے لئے) دو معبود (۲۹) نہ بناؤ، معبود تو صرف ایک ہے، پس صرف مجھ سے ڈرو ﴿۷۷۱﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا (۳۰) ہے، اور صرف اسی کی اطاعت دائمی طور پر لازم ہے، کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو ﴿۷۷۲﴾ اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں اسی اللہ کی جانب سے ہیں، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے ہو ﴿۷۷۳﴾ پھر جب وہ تمہاری تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ غیروں کو شریک بناتا ہے ﴿۷۷۴﴾ تاکہ ہم نے انہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کی وہ لوگ ناشکری کریں، پس تم مزے اڑالو، عنقریب تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا ﴿۷۷۵﴾

اس کے فیصلہ کے پابند ہیں۔ بالخصوص فرشتے اس کی عبادت اور اس کے سامنے سجدہ کرنے سے کبھی بھی انکار نہیں کرتے ہیں، اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو عظمت و کبریائی والا ہے اور تمام مخلوق اس کے نیچے ہے۔ اور اللہ کی جانب سے جو احکام و اوامر ان کے لئے صادر ہوتے ہیں انہیں پورے جذبہ بندگی کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ آیت (۵۰) سے علمائے سلف نے اللہ تعالیٰ کے لئے ”فوقیت اور علو“ کی صفت ثابت کی ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور جو بندوں کی صفت ”فوقیت و علو“ کے مشابہ نہیں ہے۔

(۲۹) جب آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات اللہ کے سامنے تسلیم خم کئے ہوئی ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ صرف اسی کی ذات عبادت کے لائق ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو جن انسان کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ بھی عملی طور پر اس کا ثبوت بہم پہنچائیں اور ایک اللہ کے سوا دوسرا معبودوں کا انکار کر دیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت میں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے لئے دو جھوٹے معبود نہ بنائیں، اس لئے کہ معبود حقیقی صرف ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔ اور صرف اسی سے ڈرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ اس لئے کہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ کسی دوسرے کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، وہی مارنے والا، زندہ کرنے والا اور نفع و نقصان پہنچانے والا ہے۔ اس کے علاوہ سبھی بالکل عاجز ہیں، اور کوئی قدرت نہیں رکھتے۔

(۳۰) مذکورہ بالا مضمون کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک ہے، اور ہر حال میں اور ہر وقت اسی کی طاعت و بندگی واجب ہے، اور اس کے علاوہ کسی سے ڈرنا اس کی وحدانیت، خالقیت اور رازقیت پر ایمان لانے کے منافی ہے۔ نیز فرمایا کہ تم لوگ اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تمام کی تمام اللہ کی دی ہوئی ہیں، اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گریہ و زاری کرتے ہو، اس لئے کہ تم جانتے ہو کہ اس کے علاوہ کوئی

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَحْسَبُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَأْلِيَةً لَّكُنْتُمْ تُفَكَّرُونَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ أَيَسْكَرُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَكُنُ فِي الثَّرَابِ ﴿۵۹﴾ أَلَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۶۰﴾

اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے، اس میں سے ان معبودوں کے لئے حصہ (۳۱) نکالتے ہیں جن کے معبود ہونے کی انہیں کوئی خبر نہیں ہے، اللہ کی قسم! تم (اس کے متعلق) جو افترا پردازی کرتے ہو اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا ﴿۵۶﴾ اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں (۳۲) ثابت کرتے ہیں، اس کی ذات اس سے پاک ہے، اور اپنے لئے وہ چیز جس کی وہ خواہش کرتے ہیں ﴿۵۷﴾ اور ان میں سے کسی کو جب لڑکی (۳۳) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، درانحالیکہ وہ غم سے نڈھال ہوتا ہے ﴿۵۸﴾ جو بڑی خبر اسے دی گئی ہے اس کی وجہ سے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے (سوچتا ہے) کیا ذات و رسوائی کے باوجود اسے اپنے پاس رکھے، یا مٹی میں ٹھونس دے، آگاہ رہو کہ ان کا فیصلہ بڑا بُرا ہے ﴿۵۹﴾

اسے دور نہیں کر سکتا۔ اور تمہارے حال پر رحم کھاتے ہوئے جب وہ اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا کرشمہ ہے، انہی کی بدولت ہماری یہ تکلیف دور ہوئی ہے۔ اور اس طرح وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور کفر و عناد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی اور کہا کہ کچھ دنوں کے لئے مزے اُڑالو، عنقریب قیامت کے دن تمہیں اپنے انجام اور ٹھکانے کا پتہ چل جائے گا۔

(۳۱) مشرکین مکہ کا ایک دوسرا عیب اور ان کی باطل پرستی یہ بھی ہے کہ جن عبادات و شیطین کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتے، انہی کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں، اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ کی دی ہوئی روزی کا ایک حصہ خرچ کرتے ہیں، ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، ان کے نام کی نذریں مانتے ہیں اور جانوروں کو ان کے نام سے ذبح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت (۱۳۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأْنَا مِنَ الْاَنْعَامِ نَصِيبًا﴾ الآیۃ کہ ”اللہ نے جو کھیتیاں اور جانور پیدا کئے ہیں ان کا ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لئے مقرر کر دیا“ اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر ان سے کہا کہ قیامت کے دن اپنی ان افترا پردازیوں کے بارے میں پوچھے جاوے گا۔

(۳۲) اور ان کے مشرکانہ جرائم میں سے ایک جرم یہ ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا، حالانکہ اس سے نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے وہ تو تمام عیوب و نقائص سے یکسریاں ہیں، اور ان کی حسرت و رذالت کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے لئے بیٹیاں ثابت کیں جنہیں وہ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہیں، بلکہ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم آیات (۲۲/۲۱) میں فرمایا ہے: ﴿اَلَا لَكُمْ الذَّكْرُ وَالْاُنثَىٰ * تِلْكَ اِذَا قَسَمْتَ ضَيْزَىٰ﴾ ”کیا تمہارے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہیں، یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے“۔ اور سورۃ الصافات آیت (۱۵۳/۱۵۳) میں فرمایا ہے: ﴿اَصْنَفَى الْبَنَاتِ عَلٰی الْبَنِيْنَ * مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ ”کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح

لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۰﴾ وَكُلُّ يَوْمٍ آخِذُ اللَّهِ
بِطُلُوبِهِمْ مَا تَرَكُوا عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخَّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ
سَاعَةً وَلَا يَسْتَعْتَدُونَ ﴿۳۱﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذْبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ لَاجِرُونَ
لَهُمُ النَّارُ وَاللَّهُ مُفْرَطُونَ ﴿۳۲﴾

جو لوگ آخرت (۳۰) پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، انہی کے لئے بُری مثال ہے، اور اللہ کے لئے تو سب سے عمدہ مثال ہے، اور وہ بزاز بردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳۰﴾ اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کی گرفت (۳۵) کرتا تو زمین پر کسی چوپایا کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک کے لئے مہلت دیتا ہے، پس جب ان کا وقت آجائے گا تو وہ ایک گھڑی بھی نہ پیچھے ہو سکیں گے اور نہ آگے ﴿۳۱﴾ اور وہ اللہ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت (۳۱) کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے لئے بُرا سمجھتے ہیں اور اپنی زبانوں سے جھوٹ کہتے ہیں کہ بے شک بھلائی انہی کے لئے ہوگی۔ بلاشبہ انہی کے لئے جہنم کی آگ ہے اور وہی (جہنمیوں کے) آگے آگے ہوں گے ﴿۳۲﴾

دی ہے، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیا حکم لگاتے پھرتے ہو؟!

(۳۳) مشرکین عرب کی اس بات کی مزید شاعت و بشاعت واضح کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خود ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے گھر لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو مارے شرم و خجالت کے اس کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے، اور کرب و الم سے اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے کہ اب وہ لوگوں کو کیسے منہ دکھائے گا، اور دو حالتوں کے درمیان حیران و پریشان ہوتا ہے کہ اسے اپنے پاس رہنے دے اور ذلت و رسوائی برداشت کرے، یا زندہ درگور کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ فیصلہ کتنا برا ہے کہ جس لڑکی کو وہ اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں، اسے اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں اور اپنے لئے اس سے بہتر یعنی لڑکا پسند کرتے ہیں۔

(۳۴) انہی مشرکین عرب کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ذلت و حقارت کی تمام صفات سے وہی لوگ متصف ہیں، وہی اولاد کے محتاج ہیں، وہی لڑکیوں کو ناپسند کرتے ہیں اور بخجالت کی وجہ سے انہیں زندہ درگور کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے جمع کی ضمیر استعمال کرنے کے بجائے ﴿لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ یہ بتانے کے لئے کہا کہ ان کے اندر مذکورہ بالا تمام بُری صفات انکارِ آخرت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور اللہ کے لئے تو تمام اعلیٰ ترین صفات ثابت ہیں، وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ وہ سارے جہاں کا پالنے والا اور سب کا مالک ہے، ساری بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ کوئی اس کا مقابل ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ اور وہ بزاز بردست اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

(۳۵) بنی نوع انسان کے شرک و کفر اور معاصی کو بیان کرنے کے بعد، یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا اجتہاد کرم، عفو و درگزر اور حلم و بردباری بیان فرمائی ہے، کہ اگر وہ لوگوں کا ان کے گناہوں پر مواخذہ کرتا تو زمین پر کسی ذی روح کو باقی نہ چھوڑتا، لیکن ان پر رحم کرتے ہوئے موت کے وقت تک انہیں مہلت دیتا ہے، تاکہ جو کوئی مغفرت طلب کرے اسے معاف کر دے، اور جو اپنے گناہوں پر اصرار کرے اس کے عذاب میں زیادتی کر دے۔ اور جس کا وقت مقرر آجائے گا اسے ایک لمحہ کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی، اور نہ وقت مقرر سے پہلے اسے موت آئے گی۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اَمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَمِنْ اَعْمَالِهِمْ فَهُوَ وَرَثَتُهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿۳۷﴾
مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لِهٖمُ الَّذِي اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۸﴾

اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے گزر جانے والی امتوں (۳۷) کے پاس رسول بھیجے تھے، تو شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا، پس وہ آج ان کا دوست ہے، اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے ﴿۳۷﴾ اور ہم نے آپ پر کتاب اس لئے نازل (۳۸) کی ہے تاکہ جس بات میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے، اور وہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۳۸﴾

(۳۶) آیات (۵۷۱/۵۷۲) میں مشرکین مکہ کے جس بدترین جرم کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں، اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے ہیں، اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جو شدید تکبر کی ہے، اسی کی مزید تاکید، اور مشرکین کی زجر و توبیح کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ وہ خود تو گوارہ نہیں کرتے کہ کوئی ان کے مال و جائداد میں ان کا شریک بن جائے، اور اللہ کے لئے غیروں کو شریک بناتے ہیں، اور جن لڑکیوں کی نسبت اپنی طرف کرنا اپنے لئے معیوب سمجھتے ہیں، انہی کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر اس انفراد پر دازی کے باوجود کہتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آئے گی تو ہمارا انجام اچھا ہی ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فصلت آیت (۵۰) میں منکرین قیامت کا قول نقل کیا ہے: ﴿وَلَقِن رَّجِعْتَ اِلٰى رَبِّيْ اِنْ لِيْ عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى﴾ کہ ”اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو یقیناً مجھے اس کی جانب سے اچھا انجام ملے گا۔“ اور سورہ الکہف آیت (۳۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ فَاْتَمَّةً وَّلٰكِن رُّدَّتْ اِلٰى رَبِّيْ لِاُجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ یعنی ”میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی اور اگر مجھے اپنے رب کے پاس جانا ہی پڑا تو اس (دنیاوی باغ) سے بہتر انجام وہاں ملے گا۔“ یعنی بد عملی کرتے ہیں اور اللہ سے ناممکن نتیجہ کی تمنا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم باطل اور جھوٹی تمنا کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا ٹھکانا جہنم کے سوا کہیں نہیں ہوگا، اور اس میں وہ بہت جلد ڈال دیئے جائیں گے۔

(۳۷) نبی کریم ﷺ کو مکی زندگی میں کفار قریش کی جانب سے جو صبر آزما تکلیفیں اور اذیتیں پہنچتی تھیں، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ انہیں ان پر صبر کرنے کی نصیحت کرتا اور مختلف انداز میں انہیں تسلی دیتا تھا تاکہ آپ دل ہار نہ بیٹھیں۔ قرآن کریم میں اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء کرام کی مثال دے کر آپ ﷺ کو تسلی دینی چاہی ہے، کہ آپ سے پہلے گذشتہ امتوں کے پاس بھی ہم انبیاء بھیجتے رہے ہیں، اور شیطان ان کے کفر و شرک کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر پیش کرتا رہا ہے، اور ان کی دوستی کا دم بھر تار رہا ہے، تو وہ آج اپنے آپ کو ان کا دوست ظاہر کر لے، اور انہیں خوب گمراہ کر لے اور مشرکین بھی اس کی آج بندگی کر لیں، لیکن قیامت کے دن کا دردناک عذاب ان مشرکوں کا انتظار کر رہا ہے، جس سے وہ جان برنہ ہو سکیں گے۔ اور اگر ”الیوم“ سے مراد روز قیامت لیا جائے، تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ کہاں ہے ان کا وہ دوست! آج اپنی دوستی کا ثبوت دے اور ان کی مدد کر دکھائے۔

(۳۸) آپ ﷺ کو مزید تسلی دینے کے لئے، اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ آپ ایک عظیم رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ توحید و شرک اور ہدایت و گمراہی جیسے مسائل کو کھول کر بیان کر دیں جن میں

وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِنْهَا قَرْنًا بَطْنًا مِنْ بَيْنِ قَرْنَيْهِ مِنْ بَيْنِ قَرْنَيْهِ وَدَرِّ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّرْبِيِّينَ ﴿۴۰﴾ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۴۱﴾

اور اللہ نے آسمان سے پانی (۳۹) اتارا جس کے ذریعہ اُس نے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو دل کے کان سے سنتے ہیں ﴿۶۵﴾ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں (۴۰) میں بھی عبرت ہے، اس کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر ہم تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا ذائقہ دار ہوتا ہے ﴿۶۶﴾ اور کھجوروں (۴۱) اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ آور شراب اور کھانے کی عمدہ چیزیں تیار کرتے ہو، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں ﴿۶۷﴾

لوگ آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور یہ کتاب عظیم ہدایت کا سرچشمہ اور رحمت باری تعالیٰ کا منبع ہے، اس میں صحیح عقیدہ، عبادت کے طریقے، اسلامی آداب و اخلاق اور انسانی زندگی کے تمام ضروری امور بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہدایت و رحمت کے ان خزانوں سے وہی لوگ مستفید ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے۔ غیر مومنین ان سے محروم رہ جائیں گے۔ (۳۹) جس طرح اللہ تعالیٰ وحی و رسالت کے ذریعہ کفر و شرک کی بیماری سے مردہ دلوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے، اسی طرح وہ اپنی عظیم قدرت کے ذریعہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے اور مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور مختلف قسم کے نباتات اُگتے ہیں۔ یقیناً یہ باتیں دلیل ہیں کہ اللہ ایک ہے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، لیکن ان دلائل سے انہی لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں، اور ان میں موجود عبرتوں اور نصیحتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔

(۴۰) اور اس ذات باری تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کے ذریعہ اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو پیدا کیا ہے۔ ان کی تخلیق سے ایک بڑی عبرت یہ ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ سے، گوبر اور خون کے درمیان سے، ان کی تھنوں میں سے دودھ جاری کرتا ہے جو خون کی سرخی اور گوبر کی گندگی سے بالکل پاک و صاف ہوتا ہے۔ حالانکہ تینوں ایک برتن میں جمع ہوتے ہیں۔ چوپایہ جب چارہ کھاتا ہے تو اس کا ایک حصہ معدہ میں چلا جاتا ہے جو گوبر کھلاتا ہے، اور ایک حصہ خون بن کر رگوں میں دوڑنے لگتا ہے۔ دونوں کے بیچ کا حصہ دودھ بن کر تھنوں میں پہنچ جاتا ہے، جو مفید و لذیذ ہوتا ہے اور پینے والے کے حلق میں نہیں اٹکتا۔ حق تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے بہت بڑی نصیحت ملتی ہے، اور اللہ کی ایسی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ اس سے بے پناہ محبت کرنے اور اس کی طاعت و بندگی پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔

(۴۱) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کے ذریعہ کھجور اور انگور کے پھل پیدا کئے ہیں، جن کے رس سے شراب اور کھانے کی دیگر عمدہ چیزیں بنتی ہیں مہلا پھل، کھجور کا رس، کشمش اور سرکہ وغیرہ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں "سکر" سے مراد شراب ہے، اور یہ آیت شراب حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ "سکر" سے مراد میٹھا اور حلال رس ہے

وَأَوْسَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ امْتَحِنِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۖ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُكًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦١﴾

اور آپ کے رب نے شہد (۶۱) کی مکھی کو حکم دیا کہ تو پہاڑوں اور درختوں پر اور لوگوں کے بنائے ہوئے چھتروں پر اپنا گھر بنا ﴿۶۱﴾ پھر تمام قسم کے پھلوں سے غذا حاصل کر، پھر (لوٹ کر) اپنے رب کے راستوں پر چلی جا، جو آسان بنا دی گئی ہیں، اس کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اُس میں لوگوں کے لئے (بیماریوں سے) شفا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۶۱﴾

جسے اگر چھوڑ دیا جائے تو نشہ آور بن کر حرام ہو جاتا ہے۔ یقیناً ان باتوں میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے علم اور اس کے رحم و کرم پر دلالت کرتی ہیں، اور انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ صرف اسی کی عبادت کرے۔ (۶۲) اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی ایک نشانی شہد کی مکھی بھی ہے، جس کی تفصیل اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنا عجیب و غریب گھر جو چھ تساوی اضلاع پر منقسم ہوتا ہے، پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے گھروں میں بنائے۔ اور اس کے دماغ میں یہ بات بھی ڈالی کہ چراگا ہوں میں گھوم پھر کر اپنی غذا حاصل کرنے سے پہلے اپنا گھر بنائے۔ اسی لئے شہد کی مکھی پہلے اپنا گھر بناتی ہے، پھر روزی کی تلاش میں نکلتی ہے، اور انواع و اقسام کے پھلوں کے رس چوس کر اپنے گھر کی طرف لوٹتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ان رسوں کا شہد بناتی ہے۔ ﴿فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُكًا﴾ میں "سُبُل" سے مراد شہد بنانے کے طریقے ہیں، یا اس سے مراد "راستے" ہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے اندر یہ بات ودیعت کر دی ہے کہ پھلوں کا رس چوسنے کے لئے چاہے وہ کتنی ہی دور چلی جائے، لیکن پھر باسانی اپنے گھر کو لوٹ آتی ہے اور راستہ نہیں کھوتی۔ ان کھیبوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جسے شہد کہا جاتا ہے، اور غذا کے رنگ اور اس کے مزاج کے اختلاف سے اس کا بعض قسم سفید، بعض زرد اور بعض سرخ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے امراض کے لئے نشانی بنایا ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تمام امراض کے لئے نشانی ہے۔ اور کچھ دوسروں کی رائے ہے کہ یہ بعض امراض کے لئے نشانی ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ "مشفاء" نگرہ ہے جو یہاں عموم پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں: علم طب کے قوانین اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کو اگر مفرد استعمال کیا جائے تو بعض امراض کے لئے نشانی ہوتا ہے، اور دیگر دواؤں کے ساتھ ملانے کے بعد بہت سے امراض کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے، بہر حال شہد ایک ایسی چیز ہے جو غذا اور دواؤں اعتبار سے بہت ہی عظیم المنفعت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں شہد کے علاوہ کسی دوسری چیز میں کم ہی پائی جاتی ہیں۔ شہد کی افادیت کا اندازہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے کیا جاسکتا ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو اسہال کی شکایت تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے بھائی سے کہا کہ اسے شہد پلائے، وہ شہد پلا تا گیا اور اس کا اسہال بڑھتا ہی گیا، اور ہر بار آپ ﷺ نے کہا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاؤ اسے شہد پلاؤ، چنانچہ تیسری بار کے بعد اس کا اسہال رُک گیا اور وہ شفا یاب ہو گیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب اس کے پیٹ سے تمام فاسد مادہ نکل گیا تو

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عَلِيمٍ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَأْسِي رَضُوا فَمَا أَمَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَاذْكُرُوا فِيهِ سَوَاءٌ أُنزِلَتْ إِلَيْكُمْ أَمْ جَاءَكُم مِّنَ السَّمَاءِ ۝

اور اللہ نے تم لوگوں کو پیدا (۴۳) کیا ہے، پھر تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے، اور تم میں سے بعض کو گھنٹیا عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ بہت کچھ جاننے کے بعد ایسا ہو جائے کہ اسے کچھ بھی یاد نہ رہے، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿۷۰﴾ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری (۴۴) دی ہے، پس جنہیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو نہیں دے دیتے تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ﴿۷۱﴾

اس کی بیماری ختم ہوگئی۔ بے شک ان تمام تقاضیل میں اہل فکر و نظر کے لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت کی دلیل پائی جاتی ہے۔

(۴۳) مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیتوں میں پانی، پودوں، چوپایوں اور شہد کی مکھوں میں پائے جانے والے عجائب و غرائب کو بیان کرنے کے بعد، اس آیت میں انسان کی تخلیق سے متعلق عجائب کو بیان کیا ہے، کہ وہ ابتدائے آفرینش سے آخری عمر تک چار مراحل سے گذرتا ہے۔ پہلا مرحلہ نشوونما کا ہوتا ہے، دوسرا جوانی کا، تیسرا ادھیڑ عمر کا جس میں آدمی اپنی عمر اور صحت کے اعتبار سے زوال پذیر ہونے لگتا ہے۔ اور چوتھا بوڑھاپے کا، جب کمزوری اور ناتوانائی اس کا لازمہ بن جاتی ہے، اور جوں جوں اس کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی تمام جسمانی صلاحیتیں کمزور ہوتی جاتی ہیں، اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بالکل بچہ کے مانند ہو جاتا ہے، اس کی عقل جاتی رہتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ السنین آیات (۵۴) میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۖ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾ ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صفت میں پیدا کیا، پھر اسے نیچوں سے نیچا کر دیا“۔

(۴۴) اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لئے ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے روزی میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے، کوئی فقیر ہوتا ہے اور کوئی مالدار، کوئی آقا ہوتا ہے اور کوئی غلام۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان عقل و علم، فہم و دانائی، اخلاق اور قوت و توانائی اور صحت و بیماری کے اعتبار سے فرق رکھا ہے۔ اور جس کی روزی میں اللہ نے وسعت دی ہے وہ اپنی دولت اپنے غلاموں کو نہیں دے دیتا تاکہ وہ اس کے برابر ہو جائیں۔ تو جب تم اپنے ہی جیسے انسان غلاموں کو اپنے برابر دیکھنا نہیں گوارا کرتے، تو اللہ کے غلاموں کو اس کے برابر کیسے بناتے ہو؟ اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم آیت (۲۸) میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے: ﴿ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ هَلْ لَّكُم مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيهِ مَارَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی، جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے، کہ تم اور وہ اس میں برابر رہے کے ہو“۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْوَابِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ
 أَفَبَالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۷۷﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۷۸﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۹﴾
 ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا أَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنْ آدَمِ رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا
 هَلْ يَسْتَوُونَ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں (۳۵) بنائیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہیں لڑکے اور پوتے عطا کئے اور روزی کے طور پر پاکیزہ چیزیں عطا کیں، کیا وہ لوگ باطل معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ﴿۷۷﴾ اور اللہ کے بجائے ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ان کی روزی کے کسی بھی حصہ کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ﴿۷۸﴾ پس تم لوگ اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو، بے شک اللہ جانتا ہے اور تم لوگ (کچھ بھی) نہیں جانتے ہو ﴿۷۹﴾ اللہ ایک زر خرید غلام کی مثال (۳۶) بیان کرتا ہے جس کے پاس کوئی قدرت نہیں ہوتی، اور ایک ایسے شخص کی جس کو ہم نے اپنی جانب سے اچھی کشادہ روزی دی ہے پس وہ اس میں سے پوشیدہ طور پر اور دکھا کر خرچ کرتا ہے، کیا یہ لوگ برابر ہو سکتے ہیں، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۸۰﴾

(۳۵) اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانوں کی ایک دوسری حالت بیان کر کے شرک اور غیر اللہ کی عبادت کی تکبیر کی ہے، کہ اس نے انہی کے جنس سے اور انہی کی شکل و صورت کی ان کی بیویاں بنائیں تاکہ ان کے درمیان انس و محبت پیدا ہو، اور پھر ان بیویوں سے لڑکے، لڑکیاں، پوتے اور نواسے پیدا کئے جو ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہوتے ہیں، اور ان کی خدمت کے لئے ہمہ دم ان کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اس نے انہیں کھانے اور پینے کے لئے عمدہ روزی عطا کی، لیکن مشرکوں کے کفران نعمت کا حال یہ ہے کہ وہ ان تمام نعمتوں کو اپنے بتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اللہ کے سوا ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کی روزی کے مالک نہیں ہیں۔ چونکہ اس سے بڑھ کر احسان فراموشی نہیں ہو سکتی کہ آدمی کھائے کسی کا اور گائے کسی کا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم کے بیٹو! کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، اور اس کے لئے مثالیں نہ بیان کرو کہ جس طرح وزیر امیر کے دربار میں لوگوں کی سفارش کرتا ہے، اسی طرح تمہارے یہ جھوٹے معبود اللہ کے دربار میں تمہاری سفارش کریں گے۔ تمہارے یہ مشرکانہ اعمال کس قدر قبیح اور برے ہیں اس کا علم صرف اللہ کو ہے، تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اگر تمہیں اس کا صحیح اندازہ ہو جاتا تو ان کے ارتکاب کی جرأت نہ کرتے۔

(۳۶) عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے، یعنی دونوں کے درمیان موازنہ کر کے مومن کی برتری ظاہر کرنی مقصود ہے۔ اور مجاہد کی رائے ہے کہ یہ بتوں اور اللہ تعالیٰ کی مثال ہے۔ شوکانی، صاحب فتح البیان اور جمال الدین قاسمی وغیرہم نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔ امام ابن القیم نے بھی اعلام المؤمنین میں اسی کی تائید کی ہے، کہ جس طرح غلام جس کے پاس کچھ نہیں ہو تا اور اپنے آقا کے مال میں اس کی بغیر اجازت کے تصرف کرنے سے بالکل عاجز ہوتا

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّرَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجَّهُهُ لِآيَاتِ اللَّهِ يُعَذِّبُهُمْ هَلْ يُسْتَوَىٰ هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أُنزِلَتِ السَّاعَةُ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بَطْنِ بَيْتُونِ أَهْلَيْكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ دو آدمی کی مثال (۳۷) بیان کرتا ہے، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی کام کی قدرت نہیں رکھتا، اور وہ اپنے آقا کے لئے بوجھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی اُسے بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا، کیا وہ اُس آدمی کے برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے، دراصل ایسا وہ سیدھی راہ پر گامزن ہوتا ہے ﴿۷۶﴾ اور آسمانوں اور زمین کے غیبی امور (۳۸) کا علم صرف اللہ کو ہے، اور قیامت کا آنا آنکھ جھپکنے کی مانند ہوگا یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۷۷﴾ اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ (۳۹) سے جب نکالا تو تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں، اور دل بنایا، تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۷۸﴾

ہے، اس آزاد انسان کے برابر نہیں ہو سکتا جسے اللہ تعالیٰ نے خوب مال و دولت سے نوازا ہے اور پوری آزادی اور فراوانی سے دن اور رات خرچ کرتا ہے، حالانکہ اللہ کی مخلوق اور انسان ہونے میں دونوں برابر ہیں، لیکن دونوں کے حالات برابر نہیں ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو سارے جہان کا پالنا ہے، اس کے برابر پتھر کے تراشے ہوئے بُت کیسے ہو سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ساری تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں اس لئے کہ تمام نعمتیں اس کی دی ہوئی ہیں۔ پتھروں کے بنے ہوئے اصنام کیسے کسی حمد و ثناء کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن اکثر لوگ (جو شرک کرتے ہیں) اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں۔

(۳۷) اس دوسری مثال کے ذریعہ بھی بتوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے، کہ ایک آدمی گونگا اور بہرا ہے، اپنا مافی الضمیر ادا نہیں کر سکتا، اور نہ ہی کسی مفید قول و عمل کی قدرت رکھتا ہے، اور اپنے رشتہ داروں پر بیکسر بوجھ بنا ہوا ہے، کسی بھی حیثیت سے نہ اپنے کام کا ہے اور نہ دوسروں کے کام کا۔ ایسا آدمی اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو گفتگو کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے، ہوش و خرد کا مالک ہے، لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دے کر انہیں نفع پہنچاتا ہے، اور اچھے اخلاق والا اور صاحب دین ہے، اور اپنا مقصد آسان اور سیدھے راستوں سے حاصل کر لیتا ہے؟ جس طرح یہ دونوں آدمی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے، اس کے برابر وہ پتھر کے بُت کیسے ہو سکتے ہیں جنہیں بُت پرست ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈھوٹا پتھر تارے، اور وہ اس کے لئے بوجھ بنے ہوئے ہیں، نہ اسے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان!؟

(۳۸) اس آیت کریمہ میں یا تو مشرکین مکہ کا جواب دیا گیا ہے جو قیامت آنے کی بڑی جلدی چاہتے تھے، یا اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال علم و قدرت بیان فرمایا ہے، اور دونوں صورتوں میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مشرکوں کے جھوٹے معبود غیب کی کوئی خبر نہیں رکھتے، اور قیامت کب اور کیسے آئے گی؟ ان باتوں کا انہیں کوئی علم نہیں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بندوں سے متعلق جتنی باتیں، فیصلے اور احکام پوشیدہ ہیں ان سب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اسی ضمن میں قیامت کا علم بھی ہے۔ اور جب اس کا وقت آجائے گا تو پلک جھپکنے آجائے گی، یا اس سے بھی تیزی کے ساتھ واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ اللہ

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ السَّمَاءِ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۰﴾
 وَ اللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَ مِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَتَانَا وَمَتَاعًا إِلَى حِينٍ ﴿۵۱﴾ وَ اللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ خَلْقِ ظِلَالًا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْبَأْسَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿۵۳﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۵۴﴾

کیا ان لوگوں نے چڑیوں (۵۰) کو نہیں دیکھا جو فضائے آسمانی میں اللہ کی تابع فرمان ہیں، اللہ ہی انہیں (گرنے سے) روک رکھتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اہل ایمان ہوتے ہیں ﴿۷۹﴾ اور اللہ نے تمہارے گھرد (۵۱) کو تمہارے لئے رہنے کی جگہ بنائی ہے، اور چوپایوں کے چمڑوں سے تمہارے لئے خیموں کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر و حضر میں اٹھائے پھرتے ہو، اور ان (بھیڑوں) کے اُون اور اونٹوں اور بکریوں کے بالوں سے اوڑھنا بچھونا اور ایک وقت مقرر تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں ﴿۸۰﴾ اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے، اور پہاڑوں میں تمہارے لئے غار بنائے، اور تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے زرہ و جوشن بنائے جو تمہیں جنگ کی خطرناکیوں سے بچاتے ہیں، وہ اپنی نعمتوں کو تمہارے اوپر اسی طرح تمام کرتا ہے تاکہ تم مطیع و فرمانبردار بنو ﴿۸۱﴾ پس اگر وہ منہ موڑ لیں تو آپ کی ذمہ داری صرف کھلم کھلا (پیغام) پہنچانا ہے ﴿۸۲﴾ وہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر ان کا انکار کر دیتے ہیں، اور ان میں اکثر لوگ ناشکر گزار ہیں ﴿۸۳﴾

ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳۹) مفسر ابو السعد لکھتے ہیں کہ آیت (۶۵) ﴿وَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ﴾ سے توحید باری تعالیٰ کے جن دلائل کے بیان کی ابتدا ہوئی ہے، اور جو آیت (۷۰) ﴿وَ اللَّهُ خَلَقَكُمْ﴾ اور آیت (۷۱) ﴿وَ اللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ اور آیت (۷۲) ﴿وَ اللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ میں بیان کئے گئے ہیں، انہی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو جب اس کی ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے تو اسے کسی بات کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ اللہ اسے کان، آنکھ اور دل دیتا ہے اور بچپن سے لے کر بڑا ہونے تک ان توتوں کو بڑھاتا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرے، اس کی وحدانیت کا اعتراف کرے، اور اسی کی عبادت کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ نعمتیں اس لئے دی ہیں تاکہ ان کی مدد سے اس کے سامنے زندگی بھر جھکتا رہے۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی ایک دلیل چڑیوں کی تخلیق بھی ہے، جو فضا میں بغیر کسی مادی سہارے کے اطمینان کے ساتھ ہر چہار طرف اڑتی رہتی ہیں۔ وہ اللہ کی ذات ہے جس نے ان کے اندر یہ قدرت ودیعت کی ہے اور جو انہیں فضا میں روکے رکھتی ہے۔ چڑیوں کے لئے اس کام کے لائق پر بنانا اور انہیں کھولنا اور بند کرنا سکھانا جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے، اور فضا اور ہوا کی اس طرح

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُدْعَى لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا لَهُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۵۱﴾

اور آپ اس دن کو یاد کیجئے جب ہر گروہ سے ہم ایک گواہ (۵۲) کھڑا کریں گے، پھر کافروں کو (بولنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ وہ اپنا عذر پیش کریں ﴿۸۳﴾

تسخیر میں یقیناً اہل ایمان کے لئے بڑی نشانیاں ہیں، جن میں غور و فکر کر کے وہ اپنے خالق کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں اور صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

(۵۱) یہاں سے ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہیں تاکہ ان میں غور و فکر کر کے اس کی وحدانیت کا اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پتھروں، بالوں اور دیگر چیزوں کے ذریعہ بنے ہوئے گھردیئے، تاکہ ان میں سکون و راحت حاصل کر سکیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں آسانی سیکروں کی طرح ہر دم حرکت کرتا ہوا یا زمین کی طرح ساکن و جامد بنا دیتا۔ انہیں چوپایوں کے چمڑے سے بھی بنے ہوئے گھردیئے، جنہیں وہ سفر و حضر میں اٹھائے پھرتے ہیں، اور ان چوپایوں کے بالوں اور اُون سے بنے ہوئے سامان، بستر اور کھیل وغیرہ دیئے جن سے لوگ ایک مدت تک استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ حاصل کرنے کے دوسرے بہت سے ذرائع پیدا کئے ہیں، تاکہ اگر کسی کے پاس خیمہ یا مکان نہیں ہے یا حالت سفر میں ہے تو ان ذرائع کو استعمال کرے مثلاً درخت، دیوار یا چھتری سے سایہ حاصل کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں جنہیں انسان بہت سے مواقع پر نہایت مفید اغراض کے لئے استعمال کرتا ہے، مثلاً سفر کرتا ہوا انسان کبھی ان میں اپنے دشمن، بارش، سردی اور گرمی سے پناہ لیتا ہے۔ اس زمانے میں پہاڑوں میں سرنگیں بنا کر فوج، ہوائی جہاز اور اسلحہ جات کے لئے مامون جگہ بنائی جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اون، روئی اور کتان وغیرہ کے بنے ہوئے لباس مہیا کئے، تاکہ ان کے ذریعہ سردی اور گرمی سے بچا جائے، اور لوہے سے بنے ہوئے زرہ، خود اور بکتر بند گاڑیاں دیں تاکہ آدمی انہیں جنگوں میں استعمال کر کے تلواروں، نیزوں، توپوں، راکٹوں اور میزائلوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام نعمتیں اور اسی طرح کی دوسری بہت سی ایسی دینی اور دنیاوی نعمتیں انسانوں کو دی ہیں، جن میں آدمی اگر غور کرے تو دین اسلام کو قبول کر لے اور اللہ کے سامنے سرتسلیم خم کر دے۔

آیت (۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان تمام نعمتوں کو گنائے جانے اور حق کو اس وضاحت کے ساتھ بیان کئے جانے کے باوجود اسلام سے روگردانی کرتے ہیں، تو آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی، اور اب ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہا۔

آیت (۸۳) میں فرمایا کہ مشرکین مکہ جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام نعمتوں کا خالق اللہ ہے، لیکن کہتے ہیں کہ یہ ہمیں ہمارے معبودوں کی سفارشات سے ملی ہیں، اور اس طرح ان میں سے اکثر لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں ”نعمت“ سے مراد نبی کریم ﷺ کی نبوت ہے۔ کفار مکہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں، لیکن کبر و عناد کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔

(۵۲) کفار و مشرکین کا قیامت کے دن کیا حال ہو گا اسے یہاں بیان کیا جا رہا ہے، کہ اس دن اللہ تعالیٰ ہر قوم کے نبی کو ان کے سامنے لائے گا، جو ان کے حق میں یا تو ایمان و یقین کی شہادت دے گا، یا ان کے خلاف کفر و عناد کی گواہی دے گا۔ اور اس دن کافروں کو کوئی معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ انہیں موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کی ناراضگی کو دور

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا بُخْفَ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ آتَوْا اللَّهَ كُفْرًا هُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَذَا الَّذِي كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَالْقَوْلَ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَكْرَمُ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝

اور جب ظالم لوگ عذاب (۵۳) کو دیکھ لیں گے، تو ان سے وہ عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ﴿۸۵﴾ اور جب مشرکین اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے، اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے وہ شرکاء جنہیں ہم تیرے بجائے پکارتے تھے، تو وہ انہیں کہہ انھیں گے کہ بے شک تم لوگ جھوٹے ہو ﴿۸۶﴾ اور اس دن وہ لوگ اللہ کی جناب میں سر جھکا دیں گے اور وہ معبود ان سے غائب ہو جائیں گے جو ان کی افترا پر دازی کا نتیجہ تھے ﴿۸۷﴾ جن لوگوں نے کفر (۵۴) کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہم انہیں عذاب بالائے عذاب دیں گے، اس لئے کہ وہ (زمین میں) فساد پھیلاتے تھے ﴿۸۸﴾

کریں، اس لئے کہ آخرت دار عمل نہیں ہوگی، اور نہ ہی دنیا کی طرف واپس بھیجے جائیں گے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المرسلات آیات (۳۶، ۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ۝ وَلَا يُؤَذِّنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۝﴾ کہ ”آج کے دن (کفار) نہ ایک کلمہ اپنی زبان سے بول سکیں گے، اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ (اللہ کے حضور) اپنی معذرت پیش کر سکیں گے“۔

(۵۳) جب مشرکین عذاب جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، تو ان کی ہزار تمنا ہوگی کہ کس طرح یہ عذاب ان سے ٹل جائے، لیکن ملنا تو دور کی بات ہوگی اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی انہیں توبہ کی مہلت دی جائے گی۔ اور جب مشرکین ان معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں وہ دنیا میں اللہ کا شریک بناتے تھے (اور بخاری و مسلم کی تفسیر علیہ حدیث ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ ان کے بتوں کو بھی زندگی دے گا، اور مشرکین سے کہا جائے گا کہ ہر شخص اپنے معبود کے پیچھے لگ جائے) تو پکارا انھیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی معبود ہیں جن کی ہم تیرے سوا عبادت کرتے تھے۔ ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ مشرکین یہ بات اس امید سے کہیں گے کہ شاید اس طرح ان سے عذاب ٹل جائے گا، یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ مشرکین کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے اس دن بتوں کو زبان دے دے گا، جو ان کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو تمہیں نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف آیت (۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لِلَّهِ لَمَّا أَعْتَدُوا عَذَابًا لِيُؤْتُوا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ کہ ”جس دن لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے، تو اصنام ان کے دشمن بن جائیں گے، اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے“۔ آیت (۸۷) میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اللہ کے عذاب کے سامنے سپر ڈال دیں گے، اور مجسم عاجزی اور انکساری بن جائیں گے۔ اور دنیا میں جنہیں اللہ کا شریک بناتے رہے تھے سبھی ایک ایک کر کے ان سے چھٹ جائیں گے۔ (۵۴) جو لوگ اس دنیا میں کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ حق پر چلنے سے روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں قیامت کے دن دوہرا عذاب دے گا، ایک تو ان کے کفر کی وجہ سے اور دوسرا اس لئے کہ وہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتے رہے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ لَوْ كُنَّا عَلَيْكَ
الْكِتَابَ نَبِيًّا لَإِذْ لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرٍ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَ
إِيْتَائِي ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفُسْخَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

اور آپ اس دن کو یاد کیجئے جب ہم ہر گروہ سے ان پر ایک گواہ (۵۵) کھڑا کریں گے، اور آپ کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے پیش کریں گے، اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرتی ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے ﴿۸۹﴾ بے شک اللہ انصاف (۵۶) اور احسان اور رشتہ داروں کو (مالی) تعاون دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی اور ناپسندیدہ افعال اور سرکشی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اسے قبول کر لو ﴿۹۰﴾

تھے۔ سورۃ الانعام آیت (۲۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ﴾ اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں، اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ یہ آیت دلیل ہے کہ جہنم میں کافروں کے عذاب کے درجات ہوں گے، جس طرح جنت میں مومنوں کے درجات اور مقامات ہوں گے۔

(۵۵) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ آپ اس دن کو یاد کریں جب ہم ہر قوم کے نبی کو بحیثیت شاہد اور گواہ ان کے سامنے پیش کریں گے۔ اور کافروں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے جس میں ہر بات کھول کر بیان کر دی گئی ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ، رحمت کا ذریعہ اور جنت کی خوشخبری لئے ہوئے ہے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت (۴۱) میں بھی بیان کیا ہے: ﴿فَخَيَّفْنَا إِذْ أَجَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ ”پس کیسا ہو گا وہ منظر جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ لائیں گے، اور آپ کو (اے رسول!) ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔“ دہاں اس مضمون کی بہت عمدہ تشریح کی گئی ہے۔

(۵۶) چونکہ اوپر کی آیت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل فرمایا جس میں ہر بات کھول کر بیان کر دی گئی ہے، اسی لئے اس کے بعد یہ آیت لائی گئی ہے جس میں اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے ہر ضروری اور بنیادی بات بیان کر دی گئی ہے۔ یہاں ”عدل اور احسان“ کے مفسرین کرام نے مختلف معانی بیان کئے ہیں، لیکن امام شوکانی کے نزدیک ”عدل“ کا سب سے بہتر اس کا لغوی معنی ہے یعنی افراط و تفریط کے درمیان کا راستہ۔ یعنی دینی امور میں نہ غلو ہونا چاہئے اور نہ ہی اس میں کوئی کمی ہونی چاہئے۔ اسی طرح ”احسان“ کا سب سے بہتر اس کا لغوی معنی ہے، یعنی وہ عمل صالح جو واجب نہ ہو جیسے نقلی صدقہ، اور عبادات جو بندوں پر واجب نہیں ہیں ”احسان“ کا ایک معنی وہ بھی ہے جسے حدیث جبریل میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جائے کہ جیسے بندہ اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرابت داروں کو ان کی ضروریات کے مطابق دینے کا حکم دیا ہے، کیونکہ صلہ رحمی کا یہی تقاضا ہے۔ نیز نفس اور بڑے گناہوں سے، اور ہر بڑے کام سے، اور اللہ کے خلاف سرکشی اور بغاوت اور لوگوں پر ظلم و زیادتی سے منع فرمایا ہے۔

امام شوکانی نے احادیث کی کئی کتابوں کے حوالے سے عبد الملک بن عمیر سے روایت کی ہے کہ جب حکیم عرب اسلم بن صیفی کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد اخلاق عالیہ کا حکم دے رہا ہے

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذْ عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَظَتْ عُزْلَتُهُمْ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَالًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونُوا آئِنَهُ مِنْ أَرْبَىٰ مِنْ أَسَدٍ إِنَّمَا يَلْبُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَيَكْتُمِبُنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا لَمْ تُنْمِقُوا فِيهِ فَتَعْتَلِفُونَ ﴿۵۹﴾

اور جب اللہ سے عہد و پیمان (۵۷) کرو تو اسے پورا کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد نہ توڑو، حالانکہ تم نے اس پر اللہ کو گواہ بنایا تھا، بے شک اللہ تمہارے افعال کو خوب جانتا ہے ﴿۹۱﴾ اور تم لوگ اس عورت کی مانند نہ ہو جاؤ جس نے اپنا دھاگہ (۵۸) مضبوط کاٹنے کے بعد ریزہ ریزہ کر ڈالا (ایسا نہ ہو) کہ تم لوگ اپنی قسموں کو اپنے درمیان (دھوکہ دہی کا ذریعہ) بناؤ، اس لئے کہ اب ایک گروہ دوسرے گروہ سے طاقت ور ہو گیا ہے، بے شک اللہ تمہیں اس کے ذریعہ آزمانا چاہتا ہے، اور قیامت کے دن وہ یقیناً تمہارے سامنے اس بات کو کھول کر رکھ دے گا جس میں تم آپس میں اختلاف کرتے تھے ﴿۹۲﴾

اور برے اخلاق سے روک رہا ہے، پس تم لوگ اس دین کو قبول کرنے میں آگے بڑھ کر حصہ لو اور سردار بن جاؤ، پیچھے رہنے والے نہ بنو۔ قنادہ کہتے ہیں کہ دور جاہلیت کے لوگوں میں اچھے اخلاق کی جو بات بھی پائی گئی، اس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا ہے، اور برے اخلاق کی جن باتوں کے ذریعہ ایک دوسرے کو عار دلاتے تھے ان سب سے اس میں منع کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر گھٹیا اور برے اخلاق سے روکا ہے۔

(۵۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کو پورا کرنے، اور قسموں کو نہ توڑنے کی نصیحت کی ہے۔ بعض لوگوں نے اس عہد سے اسلام قبول کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر کی گئی بیعت مراد لی ہے، لیکن عہد کی اضافت اللہ کی طرف ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ہر عہد و پیمان مراد ہے جو انسان اللہ، اس کے رسول اور دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اللہ کے نام کی جو قسم بھی کھائی جائے اس کا توڑنا ممنوع ہے۔ البتہ جن قسموں میں تاکید پیدا کی گئی ہوتی ہے، ان کا توڑ دینا زیادہ بڑا گناہ ہوتا ہے۔ لیکن صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قسم کھانے کے بعد آدمی کو پتہ چلے کہ اس کا پابند نہ رہنا ہی دینی اعتبار سے بہتر ہے، تو قسم توڑ دے، اور وہ کرے جو بہتر ہے، اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "اللہ کی قسم! اگر اللہ نے چاہا تو میں کوئی بھی قسم کھاؤں گا، اور پھر اس کے بجائے دوسری بات کو بہتر سمجھوں گا، تو میں بہتر کام کو کروں گا، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔"

(۵۸) اس آیت کا تعلق گذشتہ آیت سے ہے۔ یعنی اللہ کے نام پر کئے گئے وعدوں کو پورا کرو، اور اپنی قسموں کو نہ توڑو، اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری مثال اس احمق اور پاگل عورت کی ہو جائے گی جو مضبوط اور پابند اردھاگے بانٹی ہو اور پھر اسے کھول کر بھیر دیتی ہو۔ کہتے ہیں کہ مکہ میں ربطہ بنت عمر نام کی ایک عورت تھی جو ایسا کرتی تھی، اس مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقل و ہوش والے مرد اپنی قسمیں نہیں توڑتے ہیں، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ احمق اور ناسمجھ عورتوں کے ڈمرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد اہل ایمان کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنی قسموں کو دھوکہ دہی اور زمین میں فساد پھیلانے کا ذریعہ

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُدًى مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَنُسَخِّنَنَّ عَنْكُمْ تَمَجُّدَكُمْ أَنْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾
 وَلَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَلَا إِبنَاءَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوْءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ
 اللَّهِ ۗ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦١﴾

اور اگر اللہ چاہتا (۵۹) تو تم تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم سے تمہارے کئے کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا ﴿۹۳﴾ اور تم لوگ اپنی قسموں (۶۰) کو آپس میں دھوکہ دہی کا ذریعہ نہ بناؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کا قدم اسلام پر جمنے کے بعد (تمہاری اس برتاؤ کی وجہ سے) پھسل جائے، اور اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے تمہیں سزا بھگتنی پڑے، اور (آخرت میں) تمہیں بڑا عذاب دیا جائے ﴿۹۳﴾

بنائیں، مثال کے طور پر مسلمان کسی جماعت یا قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کر لیں، اور پھر اس پر قائم نہ رہیں اور اس جماعت یا قبیلہ کی مخالف جماعت یا قبیلہ کے ساتھ صرف اس لئے معاہدہ کر لیں کہ یہ لوگ پہلے والوں سے زیادہ طاقت ور یا جتھہ والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے حالات پیدا کر کے وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے کہ تم اپنے عہد و پیمانہ پر باقی رہتے ہو، یا دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر تقض عہد کر بیٹھتے ہو۔

اگر "عہد" سے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت مراد لی جائے تو مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کئی دور کے مسلمانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے عہد و پیمانہ پر قائم رہتے ہیں یا قریش والوں کی کثرت تعداد اور قوت و جاند اور مسلمانوں کی قلت عدد اور محتاجی و کمزوری کی وجہ سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور اسلام سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حق و باطل کو واضح کر دے گا، اور آج جو لوگ حق پر قائم رہیں گے اور قریش کی کثرت و طاقت کے دھوکے میں نہیں پڑیں گے، اُس دن انہیں ابر عظیم عطا فرمائے گا اور ان کے درجات بلند کرے گا، اور جن کے قدموں میں لغزش آجائے گی اور اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے انہیں عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(۵۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مومن اور کافر تمام لوگوں کو دین حق پر جمع کر دیتا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ جسے حق کی جستجو ہو اور اسے قبول کرنے کی جس میں رغبت ہو اسے ہدایت دے، اور جو گمراہ ہونا چاہے اور گمراہی پر اصرار کرے اسے بھٹکتا چھوڑ دے۔ اور دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے قیامت کے دن ضرور پوچھا جائے گا۔ اور اس سوال سے مقصود جزو توحیح ہو گا نہ کہ استفسار اور دریافت کرنا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔

(۶۰) آیت (۹۳) میں جس بات سے ضمنی طور پر منع کیا گیا ہے، اسی سے یہاں صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ کے نام کی قسم اس لئے کھائیں تاکہ کسی کو دھوکہ دیں اور کوئی دنیاوی مقصد حاصل کریں، اس لئے کہ یہ حق و صداقت پر ثبات قدمی کے خلاف ہے، اور جو لوگ ایسا کریں گے انہیں اللہ کی طرف سے دنیا میں ہی اس کا بُرا انجام مل جائے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے دعوتِ اسلامی کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا، اور جن لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہو گا وہ مسلمانوں کی

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَعُ
 وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۗ وَلَنْ يُزَيِّنَ الَّذِينَ صَدَقُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ
 أَنفَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۗ وَنَجْعَلِيَنَّاهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ ۝ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ
 فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۗ إِنَّهُ لَيَسُ لَكَ السُّلْطٰنُ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۗ إِنَّمَا
 سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۗ

اور اللہ کے عہد و پیمان کو تھوڑی قیمت (۱۱) کے بدلے نہ بیچ ڈالو، اگر تمہیں علم ہوتا تو یہ بھی جانتے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ﴿۹۵﴾ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا، اور جو لوگ (اللہ کے دین پر) صبر کریں گے، ہم انہیں ان کے اعمال سے زیادہ اچھا بدلہ دیں گے ﴿۹۶﴾ جو کوئی مرد یا عورت نیک کام (۱۲) کرے گا، در انحالیکہ وہ مومن ہوگا، تو اسے ہم پانچ سو روپیہ اور عمدہ زندگی عطا کریں گے، اور ان کے اعمال سے زیادہ اچھا بدلہ انہیں دیں گے ﴿۹۷﴾ پس جب آپ قرآن پڑھیں (۱۳) تو اللہ کے ذریعہ مرد و شیطان سے پناہ مانگئے ﴿۹۸﴾ بے شک اہل ایمان اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے والوں پر اس کا کوئی زور نہیں چلتا ہے ﴿۹۹﴾ اس کا زور صرف ان پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں، اور جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ﴿۱۰۰﴾

جانب سے بد عہدی اور بے وفائی دیکھ کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ اور دوسرے لوگ بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کو قبول نہیں کریں گے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بھی بڑے عذاب کی دھمکی دی ہے۔

(۶۱) قریش کے لوگ کمزور مسلمانوں کو لالچ دیتے تھے کہ اگر وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے تو وہ انہیں مال و متاع سے نوازیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کی گئی بیعت کے بدلے تم لوگ دنیا کی متاع حقیر کو قبول نہ کرو۔ اس کے بعد کہا کہ نصرت و فتح، مال غنیمت اور رزق کثیر اور آخرت میں جنت جیسی لازوال نعمت اس عارضی متاع سے زیادہ بہتر ہے جس کی قریش لالچ دیتے ہیں۔

آیت (۹۶) میں مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ تمہارے پاس دنیا کی جو بھی نعمت ہے وہ ختم ہو جائے گی، اور اللہ کی جنت ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس کے بعد کئی دور کے ہی مسلمانوں کو ملحوظ رکھ کر فرمایا کہ جو لوگ آج مشرکین کی اذیتوں پر صبر کریں گے اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لئے تکلیفیں جھیلیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے صبر و استقامت کا کئی گنا اچھا بدلہ دے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہر اس مسلمان کے لئے ہے جو کسی بھی زمانے میں اپنے ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور دنیا کی حقیر فائدوں کی خاطر اپنے دین کو داؤ پر نہیں لگائے گا۔

(۶۲) اس آیت کریمہ میں ہر مسلمان (مرد و عورت) کو خوشخبری دی گئی ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو کوئی بھی قرآن و سنت کے مطابق عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اس دنیا میں راحت و سعادت اور وسیع رزق حلال عطا کرے گا، اور قیامت کے دن ان کے اعمال صالحہ کا کئی گنا بہتر بدلہ دے گا۔

(۶۳) چونکہ قرآن کریم اللہ کی برحق کتاب ہے، اور ”حق“ کا جنوں اور انسانوں کے شیاطین میں سے ایک دشمن اور مخالف ضرور

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۳﴾ قُلْ نَزَّلَهُ
رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۶۴﴾

اور جب ہم کسی آیت (۶۳) کے بدلے دوسری آیت لاتے ہیں، اور اللہ جو کچھ نازل کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے، تو کفار (رسول اللہ ﷺ) سے کہتے ہیں کہ تم خود ہی گھڑ لیتے ہو، (ایسی بات نہیں ہے) بلکہ اکثر اہل کفر کچھ جانتے ہی نہیں ہیں ﴿۱۰۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو جبریل نے میرے رب کے پاس سے برحق نازل کیا ہے، تاکہ یہ ایمان والوں کو ثابت قدم بنائے، اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور ہر خیر کی خوشخبری دینے والا ہے ﴿۱۰۲﴾

ہوتا ہے جو اس کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ جب آپ قرآن کی تلاوت کریں تو اللہ کے ذریعہ مرد و شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگیں۔ شوکانی کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان کے شر سے پناہ مانگنا ضروری ہوا، تو دوسرے نیک اعمال کرنے سے پہلے اس کے شر سے پناہ مانگنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوا۔ آیات (۱۰۰/۹۹) میں بیان فرمایا کہ جو لوگ اہل ایمان ہوتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، اور رات میں اذیتوں پر صبر کرتے ہیں، ان پر شیطان کے وسوسوں کا اثر نہیں ہوتا، وہ لوگ اس کی تمناؤں کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور اس کی سازشوں کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ اس کے وسوسوں کا اثر ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کی پیروی کرتے ہیں، اور اسے اللہ کا شریک بناتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

(۶۳) مشرکین مکہ کہ قرآن کریم سے متعلق ایک شبہ بیان کیا گیا ہے اور اس کی تردید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں بعض جگہوں میں ایسا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمائی، پھر مخلوق کی مصلحت کے پیش نظر اس آیت کو منسوخ کر دیا اور اس کی جگہ دوسرے حکم نے لی۔ مشرکین اپنی کم عقلی اور قلت ایمانی کی وجہ سے کہتے کہ محمد ﷺ جھوٹا ہے، ہر روز اپنی طرف سے ایک نئی بات پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے۔ سورۃ البقرہ آیت (۱۰۶) ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں اس بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔ وہاں یہ بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کے بارے میں یہ شبہ یہود پھیلاتے تھے، اور یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ شبہ مشرکین مکہ پھیلاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمام کافروں کا یہ شیوہ تھا، اور آج بھی طہرین اور دشمنان اسلام کا یہی طریقہ ہے۔ ان سب کے اسی شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں کی مصلحت کی خاطر ایک آیت نازل فرماتا ہے، پھر اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق اسے منسوخ کر دیتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا حکم لے آتا ہے۔ محمد اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، بلکہ جبریل اپنے رب کے حکم سے اسے آپ کے پاس لے کر آتے ہیں، تاکہ مومنوں کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہو۔ جیسے بارش کا پانی جب زمین پر پڑتا ہے تو اسے زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح نزول قرآن سے مومنوں کے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔ قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے، اور مسلمانوں کو فلاح دارین کی خوشخبری دیتا ہے۔ ﴿وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن مسلمانوں کے برعکس دشمنان اسلام کے کفر کو اور بڑھاتا ہے، اور ان کے غم میں اضافہ کر دیتا ہے۔

وَلَقَدْ نَعَلْنَا أَصْحَابَهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجِبِي وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّذِينٌ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِّبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكُذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَسَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْنَاهُمْ عَذَابٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَهُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾

اور ہم خوب جانتے ہیں، کفار کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا (۶۵) ہے، جس آدمی کے بارے میں ان کا گمان ہے، اس کی زبان عجیبی ہے، اور اس قرآن کی زبان واضح عربی ہے ﴿۱۰۳﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان (۶۶) نہیں لاتے، اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا ﴿۱۰۴﴾ جھوٹ تو وہ لوگ گھڑتے ہیں، جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، اور وہی لوگ جھوٹے ہیں ﴿۱۰۵﴾ جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر اللہ کے ساتھ کفر (۶۷) کر بیٹھے گا، سوائے اس آدمی کے جسے مجبور کیا گیا ہو، دراصل ایسا اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے کفر کے لئے اپنا سینہ کھول دیا ہو، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا ﴿۱۰۶﴾ ایسا اس لئے ہوگا کہ انہوں نے آخرت کو بھلا کر دنیا کی زندگی سے محبت کی تھی، اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۱۰۷﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور انہی پر غفلت طاری ہے ﴿۱۰۸﴾

(۶۵) مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہے، بلکہ محمد کسی آدمی سے کچھ کر لوگوں کو سنا رہا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ مفسرین نے اس آدمی کے کئی نام بتائے ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس کا نام ”جبر“ تھا جو روم کا نصرانی تھا اور اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی افترا پر دمازی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ جس آدمی کے بارے میں کفار کہتے ہیں کہ اس سے نبی کریم ﷺ سیکھتے ہیں، وہ تو عجمی ہے اور قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک عجمی آدمی اعلیٰ عربی زبان میں ایسی حکمت کی باتیں کرے اور محمد کو ان کی تعلیم دے۔ (۶۶) رسول اللہ ﷺ کی طرف افترا پر دمازی کی نسبت کی تردید کرنے کے بعد، کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حق کی طرف ان کی رہنمائی نہیں کرتا ہے، اور آخرت میں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کی صداقت کی بشارت دیتے ہوئے آیت (۱۰۵) میں فرمایا کہ جھوٹ وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ جھوٹ بولنا کافروں کی لازمی صفت اور ان کی عادت ہے (اور کفار قریش اس زمرے میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں) اور اس سے بڑھ کر جھوٹ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو مومنوں کے سردار ہیں اور سب سے سچے، سب سے نیک اور ایمان و عمل کے اعتبار سے سب سے اچھے انسان ہیں، وہ کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مؤطا امام مالک کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

لَا جُرمَ أَنهْمُ فِي الْأَخِرَةِ هُمُ الْخَيْرُونَ ﴿١٠٨﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فِتْنَانَا ثَمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا
إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ بِجَادِلٍ عَن نَّفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١٠﴾

یقیناً یہی لوگ آخرت میں گھانا پانے والے ہوں گے ﴿۱۰۹﴾ پھر جن لوگوں نے آزمائشوں (۶۸) میں پڑنے کے بعد ہجرت کی راہ اختیار کی، پھر (اللہ کے لئے) جہاد کیا اور صبر سے کام لیا، تو بے شک آپ کا رب ان آزمائشوں کے بعد بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۰﴾ جس دن ہر شخص اپنی نجات کے لئے جھگڑے گا، اور ہر آدمی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۱۱﴾

(۶۷) چونکہ اوپر کی آیتوں میں اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اسی لئے اب ان لوگوں کے لئے وعید شدید بتائی جا رہی ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد کسی عارضی تکلیف و مصیبت کی وجہ سے دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جو ظلم و ستم سے تنگ آکر جان بچانے کے لئے کفر کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر لے آتے ہیں، لیکن دل سے کفر کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ جو لوگ دل سے دوبارہ کفر کو قبول کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر اللہ کا غضب ہوگا، اور قیامت کے دن بڑے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے، اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ اور کفر کی راہ اختیار کر لینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بھی نہیں دے گا، اور ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دے گا، اور انہیں غفلت میں مبتلا کر دے گا اور ان پر خیر و صلاح کے سارے دروازے بند کر دے گا۔ اور معلوم ہے کہ دنیا میں مومن کی حیثیت تاجر کی ہے جو اپنی نیکیوں کے ذریعہ آخرت کی سعادت خریدتا ہے، لیکن جب کسی انسان میں محرومی کے مذکورہ بالا تمام اسباب جمع ہو جائیں گے، تو اسے خسارے کے سوا کچھ نہیں ملے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۱۰۹) میں فرمایا کہ آخرت میں درحقیقت یہی لوگ خسارہ پانے والے ہوں گے۔

حدیث کی متعدد کتابوں میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت عمار بن یاسر کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب مشرکین مکہ نے انہیں عذاب دے دے کر مجبور کر دیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو برا کہیں اور ان کے معبودوں کی تعریف کریں۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا واقعہ بیان کیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے ایمان سے پورے طور پر مطمئن ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ اگر دوبارہ تمہارے ساتھ ویسا برتاؤ کریں تو تم دوبارہ ویسے ہی کلمات استعمال کرو۔ اسی لئے قرطبی نے لکھا ہے کہ مفسرین اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ کفر زبان پر لے آئے گا اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جو شخص کفر کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے لئے ظاہری طور پر کفر کا اظہار کرنا جائز ہوگا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ انکار کر دے، جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ ہر تکلیف برداشت کرتے رہے اور احد احد کا نعرہ لگاتے رہے۔ بلال کہتے ہیں کہ اگر مجھے کوئی اور کلمہ معلوم ہوتا جو کافروں کو زیادہ غصہ دلاتا تو میں وہ ضرور کہتا۔

(۶۸) مکہ میں کچھ ایسے کمزور مسلمان تھے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ اور جب ہجرت کرنا چاہا تو قریش نے انہیں روک دیا، اور زبان سے کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا، لیکن دل سے کفر کو ایک لمحہ کیلئے بھی قبول نہیں کیا۔ اور کچھ دنوں کے

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِجَالُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۴﴾ فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ إِذَا أَثْمَرَ وَاصْبِرُوا لِحُكْمِ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ لَا تُعْبَدُونَ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ایک بستی (۶۹) کی مثال پیش کرتا ہے جو پر امن اور پرسکون تھی، اس کی روزی کشادگی کے ساتھ ہر جگہ سے آتی تھی، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں شدید بھوک اور خوف و ہراس کا مزہ چکھا یا ﴿۱۱۳﴾ اور ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا، تو انہوں نے اسے جھٹلادیا، تو عذاب نے انہیں اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظلم کر رہے تھے ﴿۱۱۳﴾ پس اللہ نے تمہیں جو حلال دیا کیزہ (۷۰) روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ، اور اگر تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر ادا کرو ﴿۱۱۳﴾

بعد جب انہیں ہجرت کا موقع ملا تو مدینہ پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا اور صبر و استقامت کا ثبوت ہم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی مسلمانوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن معاف کر دے گا اور ان کے حال پر رحم کرے گا۔ جب ہر آدمی کو صرف اپنی فکر ہوگی، اور اس کوشش میں لگا ہوگا کہ اسے عذاب نارسے نجات مل جائے۔ اور دنیا میں ہر آدمی جو بھی خیر و شر کے ہوگا، اس کا اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

(۶۹) اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں "قویۃ" سے مراد مکہ ہے۔ وہاں کے لوگ سکون کی زندگی گزارتے تھے، اور ہر چہار جانب سے اللہ کی روزی وہاں پہنچتی تھی، لیکن جب انہوں نے اللہ کی ناشکری کی، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں حالتیں بدل دیں، اور نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے بد دعا کر دی کہ اے اللہ! انہیں یوسف کے زمانے کے قحط کے مانند قحط میں مبتلا کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ ہر چیز ختم ہو گئی اور مردے کا گوشت کھانے کی نوبت آ گئی، اور نبی کریم ﷺ کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ ان کے دل و دماغ پر لشکر اسلام کا ایسا عرب مسلط کر دیا کہ ان کا امن و سکون چھین گیا، یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا، اور سب کچھ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اگر "قویۃ" سے مراد مکہ ہی مان لیا جائے تب بھی اس آیت کا حکم ہر اس قوم کو شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا، اور مرور زمانہ کے ساتھ نعمت کے نشے میں ایسا مست ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے اور سرکشی ان کی سرشت بن گئی، تو اللہ نے ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیا۔ مذکورہ بالا مثال کی تکمیل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین مکہ کی ہدایت کے لئے انہی میں سے ایک رسول آیا جس کے حسب و نسب کو وہ لوگ جانتے تھے، اس رسول نے انہیں بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے روکا، تو انہوں نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ تم رسول نہیں ہو، تو اللہ کے عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور وہ لوگ بڑے ہی ظالم تھے کہ اپنے لئے ابدی عذاب کا سبب بنے، اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکا۔

(۷۰) جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں خطاب مسلمانوں کے لئے ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم جب ایمان لے آئے ہو اور کفر کو چھوڑ دیا ہے تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے جو مال غنیمت ہاتھ آئے اسے کھاؤ، وہ تمہارے لئے حلال ہے اور خیانت یعنی مردہ اور خون وغیرہ کھانا چھوڑ دو، اور اگر واقعی تم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس کے حق کو پہنچانو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزُرِ وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ مِمَّنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۸﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّنُّ كُمُ الْكُذِّبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لَتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِّبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِّبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۷۹﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۸۰﴾

بے شک اس نے تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام (۷۸) کر دیا ہے، اور ان تمام جانوروں کو حرام کر دیا ہے جو غیر اللہ کے نام سے چھوڑے یا ذبح کئے گئے ہوں، پس جو شخص مجبور ہو جائے، در انحالیکہ وہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، تو بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۷۸﴾ اور جن چیزوں سے متعلق تم اپنی زبانوں سے جھوٹ (۷۹) کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، تو ایسا نہ کہو، تاکہ اللہ کے بارے میں کذب بیانی سے کام لو، بے شک جو لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوتے ہیں ﴿۷۹﴾ انہیں بہت تھوڑا فائدہ پہنچے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۸۰﴾

(۷۸) یہ آیت گذشتہ آیت کے مضمون کی تکمیل کرتی ہے، تاکہ طیب اور خبیث کے درمیان تمیز ہو جائے۔ ان محرمات کا ذکر البقرہ، المائدہ اور الانعام میں آچکا ہے۔ بار بار بیان کرنے سے مقصود مسلمانوں کے ذہنوں میں ان کی حرمت کی شدت کو بیٹھانا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اور یہاں چار محرمات کا ذکر آیا ہے، جبکہ سورۃ المائدہ میں دس محرمات کا ذکر ہے۔ اس لئے کے بنیادی محرمات یہی چار ہیں، باقی چھ ان کے تابع ہیں؛ متفقہ، موقوفہ، متردیہ، نطیجہ اور جس کا کچھ حصہ کسی جانور نے کھا لیا ہو "میتہ" کے تابع ہیں۔ اور جسے بتوں پر ذبح کیا گیا ہو، وہ غیر اللہ پر ذبح کئے گئے جانور کے تابع ہے۔ اگر کسی شخص کو بھوک کی شدت سے موت کا خطرہ لاحق ہو جائے، تو اس کے لئے بقدر ضرورت ان محرمات میں سے کھا کر اپنی جان بچا لینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔

(۷۹) کسی انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام بنا لے، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس نے جس چیز کو چاہا حلال بنایا اور جسے چاہا حرام بنایا، لیکن مشرکین عرب کا دستور تھا کہ وہ بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام قرار دیتے تھے۔ جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی وغیرہ جانور، جنہیں وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور ان کا گوشت کھانا حرام سمجھتے تھے۔ انہی مشرکین کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اللہ کے بارے میں جھوٹ نہ بولا کرو اور اپنی طرف سے چیزوں اور جانوروں پر حلال اور حرام کا حکم نہ لگایا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کے خلاف افتراء پر دازی ہوگی کہ اس نے تو ایک چیز کو حلال بنایا اور تم اسے حرام کہتے ہو، اور جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے گا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ اور اگر ایسے لوگ دنیا میں کھاپنی رہے ہیں اور ظاہری طور پر ٹھانڈھ کر رہے ہیں، تو اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ بڑے کامیاب ہیں۔ یہ دنیا تو بالکل عارضی چیز ہے، مرنے کے بعد دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ ابن ابی قحتم نے ابو نصرہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے جب سے سورۃ النحل کی یہ آیت پڑھی ہے فتوئی دینے سے ڈرتا ہوں۔ صاحب فتح البیان نے ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ انہوں نے سچ کہا ہے، اللہ ان پر رحم کرے۔ اس لئے کہ یہ آیت کریمہ ہر اس مفتی کو شامل ہے جو اللہ کی کتاب یا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف فتویٰ دے، جیسا کہ بہت سے وہ لوگ کرتے ہیں جو کسی امام کی رائے کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، یا وہ لوگ جو قرآن و سنت کے علم سے سب بہرہ ہوتے ہیں۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزْمًا مِمَّا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٣﴾
 ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ
 رَحِيمٌ ﴿٤٤﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَاكْرَمًا يَكُ مِنَ الشُّرَكِيِّنَ ﴿٤٥﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ
 إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾ وَاتَّبَعَهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَآلَهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ آيَاتِنَا
 بِآيَاتِنَا حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الشُّرَكِيِّنَ ﴿٤٨﴾

اور جو لوگ دین یہودیت پر تھے، ان پر ہم نے وہ چیزیں حرام (۴۳) کر دی تھیں جو ہم آپ کے لئے بیان کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا، لیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿۱۱۸﴾ پھر جن لوگوں نے لاعلمی (۴۴) کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی، تو بے شک آپ کا رب اس توبہ کے بعد ان کے لئے بڑا معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۹﴾ بے شک ابراہیم راہبر اور اللہ کے فرمانبردار تھے، سب سے کٹ کر اللہ کے ہو گئے تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۰﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے، اللہ نے انہیں جن (۴۵) لیا تھا اور راہ راست پر ڈال دیا تھا ﴿۱۲۱﴾ ہم نے انہیں دنیا میں اچھائی دی تھی، اور بے شک وہ آخرت میں نیک لوگوں میں ہوں گے ﴿۱۲۲﴾ پھر ہم نے آپ پر وحی نازل کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کیجئے جو سب سے کٹ کر اللہ کے ہو گئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۳﴾

(۴۳) شریعت اسلامیہ میں محرمات کا ذکر کرنے جانے کے بعد، یہود کی شریعت میں محرمات کا ذکر کیا جا رہا ہے، اور مقصود یہ بتانا ہے کہ مشرکین عرب نے جن جانوروں کو اپنی طرف سے حرام بنا رکھا ہے، ان کی حرمت آسمانی دین میں ثابت نہیں ہے۔ یہ محض ان کی افترا پر دازی ہے۔ نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر جن سابقہ حلال چیزوں کو حرام کر دیا تھا جیسا کہ سورۃ الانعام آیت (۱۲۶) اور سورۃ النساء آیت (۱۶۰) میں آیا ہے، تو یہ تحریم ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوئی تھی، اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا۔ (۴۴) اس سورت کی اب تک جتنی آیتیں گزری ہیں، ان سب کا عام موضوع شرک کی تردید اور ان کافروں کی زجر و توبیح رہا ہے جو نبی کریم ﷺ کی نبوت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے، اسی لئے اب جبکہ یہ سورت ختم ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے توبہ کا دروازہ کھول دیا کہ جو لوگ اب تک نادانی اور جہالت کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہیں اور وحی و رسالت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے رہے ہیں وہ اگر اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان لائیں اور اپنی نیت اور اپنے اعمال و احوال کی اصلاح کریں، تو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم کرے گا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ گویا قرآن کریم کی زبان میں کفار مکہ کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوشخبری تھی۔

(۴۵) مشرکین مکہ کہتے تھے کہ وہ اپنے جد اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں جنہوں نے اللہ کا گھر بنایا تھا، حج کے اعمال بیان کئے تھے اور خانہ کعبہ اور اس کے ارد گرد کے علاقے کو حرم قرار دیا تھا۔ یہود و نصاریٰ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ وہ لوگ بھی ملت ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ اور سب نے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، جو فی الحقیقت وہی دین ہے جسے ابراہیم

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۳﴾ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۴﴾

بے شک ہفتہ (۷۶) کے دن کی تعظیم ان لوگوں پر واجب تھی جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا، اور بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اُن کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۱۲۳﴾ آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت (۷۷) اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے، اور ان کے ساتھ بحث و نقاش میں سب سے عمدہ اسلوب اختیار کیجئے، بے شک آپ کا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے برگشتہ ہو گئے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے ﴿۱۲۴﴾

علیہ السلام لے کر آئے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ابراہیم علیہ السلام کی روحانی اور دینی زندگی کو بیان کر کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو آئینہ دکھایا ہے، تاکہ ان میں سے ہر جماعت اپنا چہرہ دیکھ کر پہچانے کہ کیا وہ واقعی دین ابراہیمی پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم ایک صالح، تمام خوبیوں کے مالک اور لائق اقتداء امام تھے۔ اور وہ اپنے رب کے بڑے ہی فرمانبردار تھے، اور اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک نہیں بناتے تھے، اور اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، یعنی اس کی رضا کے کاموں میں ان نعمتوں کا استعمال کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رسالت اور اپنی دوستی کے لئے جن لیا تھا، اس لئے کہ جب انہوں نے ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو ان کے دل میں اس کی محبت پیوست کر گئی اور کسی دوسرے کی محبت کے لئے اس میں جگہ باقی نہ رہی، اور اللہ نے ان کی سیدھی راہ یعنی دین اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور دنیا میں انہیں اچھائی دی یعنی ان کا ذکر جمیل تمام اہل ادیان کی زبانوں پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا، اور آخرت میں وہ صالحین کی جماعت کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کی جلالت قدر و منزلت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو اللہ کی خاطر تمام مشرکین سے الگ ہو گئے تھے معلوم ہوا کہ ابراہیم کی طرف اپنی نسبت کرنے کے حقدار مشرکین اور یہود و نصاریٰ نہیں بلکہ موحد مسلمان ہیں، جنہوں نے تمام باطل معبودوں کو ٹھکرا کر صرف ایک اللہ کی بندگی کو اپنالیا، اور جنہوں نے اپنی عبادت اور اپنا جینا اور مرنا صرف اللہ رب العالمین کے لئے خاص کر دیا۔

(۷۶) اس آیت کریمہ کا ماقبل والی آیت سے یہ تعلق ہے کہ یہود کہتے تھے کہ سنیچر کے دن کی تعظیم ابراہیم علیہ السلام کے دین کا حصہ تھا۔ انہی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نہ ابراہیم کے دین کا حصہ تھا، نہ ہی کسی اور نبی کے دین کا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ان یہود پر فرض کر دیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔ ان کے اس اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ جمعہ کا دن افضل ہے، تو انہوں نے عناد میں آکر کہا کہ سنیچر کا دن افضل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو حکم دیا کہ وہ ہفتہ میں کسی ایک دن کی تعظیم کریں۔ تو انہوں نے آپس میں اختلاف کیا، اور یہود نے سنیچر کا دن پسند کیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسی دن تمام مخلوقات کی تخلیق سے فارغ ہوا تھا۔ اور نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن تمام مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ

وَلَنْ عَاقِبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِنِثْلِ مَا عُوِّقْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوْخِيْلُ الضُّبَيْرِ ۝

اور (مسلمانو!) اگر تم سزا دو (۷۸) تو اتنا ہی دو جتنی سزا تمہیں دی گئی تھی، اور اگر تم صبر کرو گے، تو (جان لو کہ) ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھی بات ہے ﴿۱۲۶﴾

نے دونوں کے لئے ان کے پسند کئے ہوئے دن کی تعظیم کو لازم کر دیا۔ اور اس امت کے لئے اس نے اپنے فضل و کرم سے جمعہ کا دن پسند کیا، جو ان کے لئے ہر طرح بابرکت دن ثابت ہوا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن انہیں دین میں اختلاف کرنے، زمین میں فساد پھیلانے اور راہ حق سے برگشتہ ہونے کا بدلہ ضرور دے گا۔

(۷۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ مخلوق کو اس کے دین کی طرف حکمت اور دانائی کے ساتھ بلائیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ”حکمت“ سے مراد قرآن و سنت ہے۔ یعنی دعوت کا طریقہ ان ہی دونوں کی روشنی میں متعین کریں۔ صاحب فتح البیان کہتے ہیں کہ ”حکمت“ سے مراد ایسی صحیح اور صریح بات ہے جو حق کو واضح کر دے اور ہر شک و شبہ کا ازالہ کر دے۔ اور ”موعظہ“ سے مراد ایسی اچھی گفتگو ہے جسے سننے والا پسند کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے، لیکن اگر داعی الی اللہ کا واسطہ کبھی سخت اور جھگڑالو مخالف سے پڑ جائے تو اس کے سامنے حق کو بیان کرنے کے لئے مناظرانہ اسلوب اختیار کرے، ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی نرمی کے ساتھ ایسی مدلل بات کرے کہ اس کا اثر دب جائے، اور حق کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حق کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو آپ پریشان نہ ہوں، اس لئے کہ ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔ اللہ زیادہ جانتا ہے کہ گمراہی پر کون باقی رہے گا اور کون ہدایت کو قبول کرے گا، اور وہ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی ہدایت یا گمراہی کے مطابق بدلہ دے گا۔ آپ کو دعوت کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے تاکہ حجت پوری ہو جائے اور کافروں کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

(۷۸) داعیانِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر ان کا واسطہ غیر مسلموں سے پڑے تو پہلے انہیں حق قبول کرنے کی دعوت دیں، اور اگر انکار کریں اور جزیہ بھی نہ دیں تو ان سے قتال کریں۔ اگر دشمنوں سے بدلہ لینے کی نوبت آئے تو زیادتی نہ کریں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اگر کوئی مظلوم ظالم کو پالے اور اس سے بدلہ لینے پر قادر ہو جائے، تو بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے۔ اور بہر حال بہتر یہی ہے کہ جس پر زیادتی ہوئی ہے وہ صبر کرے اور غنودر گذر سے کام لے۔ جمہور کی رائے ہے کہ یہ آیت محکم ہے، اس لئے کہ اس میں انتقام نہ لینے کی نصیحت کی گئی ہے اور صبر کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔

اور بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ آیت ان آیات کے ذریعہ منسوخ ہو گئی ہے جن میں کافروں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شوکانی کہتے ہیں اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس آیت کے شان نزول میں محدثین نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ جنگ احد میں چونکہ نصاریٰ اور چھ مہاجرین کام آگئے، ان میں حمزہ بھی تھے۔ کافروں نے ان مقتول صحابہ کا مظلہ کیا، یعنی ان کی شکل و صورت بگاڑ دی تھی۔ انصار نے کہا کہ جس دن ہمیں موقع ملے گا، ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔ جب مکہ فتح ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ آپ نے کہا کہ ہم صبر کریں گے اور انتقام نہیں لیں گے۔ صحابہ سے کہا کہ تم لوگ سوائے چار آدمی کے کسی اور سے تعرض نہ کرو۔ (ترمذی، زوائد مسند احمد اور حاکم۔ محدث البانی نے اس کی تصحیح کی ہے)۔

وَأَصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا
وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝

اور (اے میرے نبی!) آپ صبر سے کام لیجئے، اور صرف اللہ کی توفیق سے ہی آپ صبر کریں گے، اور (کافروں کے ایمان نہ لانے سے) آپ ملول خاطر (۷۹) نہ ہوں، اور جو سازشیں وہ کر رہے ہیں اُن سے آپ تنگ دل نہ ہوں ﴿۱۲۷﴾ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہوتے ہیں، اور جو بھلائی اور نیک کام کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۱۲۸﴾

(۷۹) نبی کریم ﷺ کو دعوتِ اسلامیہ کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچتی تھیں، اللہ نے انہیں ان پر صبر کرنے کی نصیحت کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر مشرکین مکہ اسلام قبول نہیں کرتے ہیں تو آپ غم نہ کھائیں اور ان کی سازشوں کو سوچ سوچ کر تنگ دل نہ ہوں۔ اللہ آپ کے لئے کافی اور آپ کا حامی و ناصر ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے اُن بندوں کا معین و مددگار ہوتا ہے جو خیر کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، ان کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے۔ مفسر ابوالسعود کہتے ہیں کہ اس حکم میں نبی کریم ﷺ بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ ہرم بن حیان سے ان کی جان کنی کے وقت کہا گیا کہ آپ کوئی وصیت کیجئے، تو انہوں نے کہا کہ وصیت مال کی ہوتی ہے، اور میرے پاس مال نہیں ہے۔ البتہ میں تمہیں سورۃ النحل کی آخری آیتوں کو یاد رکھنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔



سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهِ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِیْكَ مِنْ الْاٰیٰتِ اِنَّكَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

سورہ بنی اسرائیل کی ہے، اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے، (تمام عیوب و نقائص سے) پاک^(۱) ہے وہ جو اپنے بندے (محمد) کو رات کے وقت مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿۱﴾

تفسیر سورہ بنی اسرائیل

نام: اس کا نام (بنی اسرائیل) اس کی آیت (۳) ﴿وَقَضَيْنَا اِلَىٰ مَبْنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرْتِنَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ سے ماخوذ ہے۔ اسے سورہ "اسراء" اور سورہ "سجنا" بھی کہتے ہیں۔
 زمانہ نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال میں پوری سورت کی ہے۔ ابن الزبیر کا بھی یہی قول ہے، لیکن انہوں نے تین آیتوں ﴿اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ (الاسراء: ۶۰) اور ﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفْرِزُوْا نَعْلَكَ﴾ (الاسراء: ۷۶) اور ﴿وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ (الاسراء: ۸۰) کو مدنی بتایا ہے۔ مقاتل نے آیت (۱۰۷) ﴿اَوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ﴾ کو بھی مدنی کہا ہے۔ اس کی پہلی آیت بتاتی ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اور صحیح احادیث کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ "معراج" نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے صرف ایک سال پہلے واقع ہوا تھا گویا یہ سورت مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی تھی، اسی لئے اس میں جہاں عام مکی سورتوں کی طرح مشرکین کو ایمان باللہ اور رسالت و آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہیں یہود کو بھی مخاطب بنا کر انہیں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، جن سے عنقریب مدنی زندگی میں سابقہ پڑنے والا تھا، اور اسلام کی دعوت کو مشرکین عرب کے دائرہ سے نکال کر یہود و نصاریٰ کے سامنے پیش کیا جانا تھا۔ اور چونکہ اسلام انسانوں کو ایک مکمل ضابطہ حیات دینے کے لئے آیا تھا، اسی لئے اس سورت میں جو مدنی زندگی شروع ہونے سے کچھ ہی دنوں پہلے نازل ہوئی تھی، عام اخلاقی، تمدنی اور اجتماعی زندگی کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں، اور داعیان اسلام کو صبر و استقامت اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حالات عنقریب بدلنے والے ہیں، کفر کا زور ٹوٹے گا اور اسلام بلند و بالا ہوگا۔

(۱) عربی زبان میں "سبحان" "سبح" "سبح" کا مصدر ہے، جس کا معنی پاکی بیان کرنا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تمام عیوب سے اس کی پاکی بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی عظمت

اور اس کی کبریائی بیان کرنے کے لئے آیا ہے کہ اس کی ذات ایسی چیزوں پر قادر ہے جس پر کوئی دوسرا قادر نہیں ہے۔ اور اس کا مظہر اسراء اور معراج کا واقعہ ہے، کہ وہ اپنے بندے کو رات کے صرف ایک پہر میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا، جو مسافت عام حالات میں ایک مسافر چالیس راتوں میں طے کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جمہور مفسرین کے نزدیک "عبد" سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اہل علم کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے لئے عبد یعنی بندہ سے بہتر کوئی نام اللہ کے نزدیک ہوتا، تو اس آیت میں جبکہ آپ کا عظیم مقام بیان کیا جا رہا ہے ضرور اس نام سے آپ کو یاد کیا جاتا۔ آیت بتاتی ہے کہ معراج کی رات نبی کریم ﷺ کو مسجد حرام سے لے جایا گیا۔ لیکن مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ کو اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے لے جایا گیا تھا، اس لئے کہ بعض احادیث میں صراحت آئی ہے کہ اُس رات رسول اللہ ﷺ کو اُن ہی کے گھر سے لے جایا گیا تھا۔ اور نماز فجر سے پہلے وہاں واپس آگئے تھے۔ اسی لئے بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو اُم ہانی کے گھر سے خانہ کعبہ کے پاس لے جایا گیا۔ وہاں آپ کے دل کو آب زمزم سے دھویا گیا، اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا، اور پھر آپ کو وہاں سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کو جمع کر دیا، تمام انبیاء نے آپ کی امامت میں نماز پڑھی، اور اس طرح آپ تمام نبیوں کے امام ہو گئے۔ آیت میں مسجد اقصیٰ کی صفت ﴿الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ بیان کی گئی ہے۔ یعنی دور دراز کی وہ مسجد جس کے ارد گرد اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی بے شمار برکتیں رکھی ہیں، جہاں بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء مبعوث ہوئے، جو بے شمار اولیاء و صالحین کا مسکن رہا ہے اور جس سر زمین میں انواع و اقسام کے پھل اور کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

اور اس (اسراء و معراج) کا مقصد آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنی عظیم آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرانا چاہا، جیسے آپ ﷺ کا رات کے صرف ایک پہر میں چالیس راتوں کی مسافت طے کرنا، بیت المقدس کا مشاہدہ، انبیاء کرام کا آپ کے سامنے آنا اور ان کی امامت کرنی، اور ان انبیاء کرام کے بلند و بالا مقامات کا مشاہدہ۔ اور پھر آسمانوں کے دروازوں کا کھولا جانا، اور جنت و جہنم وغیرہ کا مشاہدہ کرنا۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل واقع ہوا تھا۔ زہری اور ابن سعد وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے۔ امام نووی کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ امام ابن حزم نے تو مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ معراج ماہ رجب ۱۲ نبوی میں واقع ہوا تھا۔ حافظ عبدالمعنی مقدسی نے ستائیس رجب کی تاریخ کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔

اکثر و بیشتر علمائے سلف و خلف کی رائے ہے کہ نبی کریم ﷺ جسم و روح دونوں کے ساتھ بیت المقدس اور پھر آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابو ہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابو حنیفہ البدری، ابن مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، سعید بن المسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، مسروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے۔ طبری، احمد بن حنبل اور اکثر متاخرین فقہاء و محدثین اور متکلمین و مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معراج صرف روحانی واقعہ ہوا تھا۔ اور انہوں نے اس سورت کی آیت (۶۰) ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ﴾ سے استدلال کیا ہے، کہ قرآن نے صراحت کر دی ہے کہ وہ ایک خواب تھا۔ اور ابن اسحاق نے عائشہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں پایا گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے: "بينا أنا نائم" کہ "جب یہ واقعہ پیش آیا تو میں سویا ہوا تھا"۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ بیت المقدس تک کا سفر جسم کے ساتھ طے کیا اور وہاں سے آسمان کی طرف آپ نے

وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا يَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكَيْلًا ۗ ذُرِّيَّتِهِ مَن حَبَلْنَا مَعَهُ
نُوحًا إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (۲) (تورات) دی، اور اُسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا، (اور اُن سے کہا) تم سب میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ ﴿۲﴾ تم لوگ ان کی اولاد سے ہو جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، وہ بے شک ایک شکر گزار بندے تھے ﴿۳﴾

روحانی سفر کیا۔ اس لئے کہ آیت میں اسراء کی تحدید مسجد اقصیٰ تک کر دی گئی ہے۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب "الشفاء" میں لکھا ہے کہ حق اور صحیح ان شاء اللہ یہی ہے کہ معراج کا واقعہ آپ ﷺ کے جسم و روح دونوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آیت کریمہ، صحیح احادیث، اور غور و فکر سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اور ظاہری معنی چھوڑ کر تاویل کی راہ اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب ظاہری معنی مراد لینا ناممکن ہو۔ اور جسم کے ساتھ حالت بیداری میں معراج کا وقوع پذیر ہونا اللہ کی قدرت سے بعید بات نہیں ہے۔ اگر روحانی سفر ہوتا تو اللہ تعالیٰ "بعیدہ" کے بجائے "بدرج عبیدہ" کہتا۔ اور اگر خواب کا سفر ہوتا تو اس میں نہ کوئی نشانی ہوتی نہ ہی کوئی معجزہ، اور نہ کفار سے اپنی عقل سے بعید بات سمجھتے اور نہ اس کا انکار کرتے۔ حدیث معراج میں ہے کہ آپ نے انبیاء کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی، جبریل علیہ السلام براق لے کر آئے، آپ آسمان کی طرف چڑھے، آپ کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے گئے اور جبریل سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے، تو انہوں نے کہا: محمد۔ اُن آسمانوں پر آپ کی ملاقات انبیائے کرام سے ہوئی، انہوں نے آپ کو مرحبا کہا، آپ کی امت پر نماز فرض کی گئی اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس بارے میں مشورے کئے۔ بعض روایات میں آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر آسمان کی طرف چڑھے، پھر چڑھتے رہے، یہاں تک کہ میں اس جگہ پر پہنچ گیا جہاں سے میں قلم سے لکھے جانے کی آواز سن رہا تھا۔ پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، جنت میں داخل ہوئے اور وہاں اشخاص و اشیاء کا مشاہدہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حالت خواب میں نہیں۔ قاضی عیاض آگے لکھتے ہیں کہ اگر یہ سب کچھ حالت خواب میں ہوا ہوتا تو "أسرى" کا لفظ استعمال نہ ہوتا، اس لئے کہ خواب کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔

(۲) نبی کریم ﷺ اور معراج کے ذکر کے بعد، موسیٰ کلیم اللہ اور ان کی کتاب تورات کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔ اس لئے کہ بسا اوقات قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام اور قرآن و تورات کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے۔ رازی کہتے ہیں کہ پہلی آیت میں چونکہ نبی کریم ﷺ اور معراج کا ذکر آیا ہے، اس لئے مناسب رہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا اور بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے انہیں تورات جیسی آسمانی کتاب دی تھی۔ دونوں ہی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی کو اپنا دوست اور معبود نہ بنائیں۔

آیت (۳) میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نوح کی ذریت کے لفظ سے تعبیر کر کے انہیں یہ احساس دلانا چاہا ہے کہ اس نے تمہارے جدِ اعلیٰ کو سمندر میں ڈوبنے سے بچالیا تھا، اس احسان کا تقاضا ہے کہ تم لوگ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ آیت کے آخر میں نوح علیہ السلام کو شکر گزار بندہ بتایا گیا ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر کی اور اس کا شکر گزار

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَزْيِينٌ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَآمَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ وَابْنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنَّ أَحْسَنَكُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَ إِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَالِيُتَبَرَّأُوا مَا عَالَمُوا تَبَرُّرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُرْسِلَ غَمًّا ۝ وَإِنْ عُدْتُمْ عَدُنَا ۝ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيدًا ۝

تفسیر لائبریری

اور ہم نے بنی اسرائیل کو تورات میں اپنا فیصلہ (۳) سنا دیا تھا کہ تم لوگ سر زمین (شام) میں دوبار فساد پھیلاؤ گے، اور سرکشی میں بہت دور چلے جاؤ گے ﴿۳﴾ پس جب دونوں میں سے پہلی سرکشی کا وقت آچکے گا، تو ہم تمہارے مقابلے میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجیں گے جو بڑے ہی جنگجو ہوں گے، پھر وہ قتل و غارتگری کے لئے گھروں میں گھس جائیں گے، اور یہ ایک ایسا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا ﴿۵﴾ پھر (ایک مدت مدید کے بعد) ہم تمہیں اُن پر غالب کر دیں گے، اور تمہیں مال و اولاد دیں گے، اور تمہاری تعداد بڑھا دیں گے ﴿۶﴾ اگر تم اچھا کام کرو گے تو اپنے لئے کرو گے، اور اگر برا کرو گے تو اس کا وبال تمہارے ہی سر ہوگا، پس جب تمہاری دوسری سرکشی کا وقت آجائے گا (تو ہم اپنے دوسرے بندے کو بھیجیں گے) تاکہ وہ تمہیں ایسی سزا دیں کہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں، اور تاکہ جس طرح وہ پہلی بار مسجد اقصیٰ میں داخل ہو گئے تھے، دوبارہ اُس میں داخل ہو جائیں، اور ہر اس چیز کو ہلاک کر دیں جس پر وہ چڑھ بیٹھیں ﴿۷﴾ امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کر دے، اور اگر تم پھر سرکشی کی طرف لوٹو گے تو ہم اسی کارروائی کی طرف لوٹ جائیں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے قید کرنے کی جگہ بنائی ہے ﴿۸﴾

بندہ بن کر دنیا میں رہے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے شکر ہی کی وجہ سے اللہ نے انہیں غرق ہونے سے بچالیا تھا۔ اس لئے ان کی ذریت کو انہی کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنی اسرائیل کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ وہ لوگ گناہوں کا ارتکاب کر کے زمین میں فساد پھیلائیں گے، اللہ کے قوانین کی نافرمانی کریں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور زمین کو ظلم و فساد سے بھر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دیا جو بہت ہی زیادہ طاقتور اور ظلم و جور والے تھے۔ انہوں نے ان کے گھروں میں گھس کر خوب قتل و غارتگری کی اور انہیں غلام بنالیا۔ جب انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اولاد اور مال و دولت سے نوازا اور ان کی ذریت میں خوب برکت دی، یہاں تک کہ ان کی بہت بڑی تعداد ہو گئی۔

آیت (۷) میں اوپر کہی گئی بات کی علت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ بنی اسرائیل کو مظلوم ہو جائے کہ اگر وہ توبہ کریں گے اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں گے تو اس کا اچھا نتیجہ انہی کو ملے گا، اور اگر اپنے گناہوں پر اصرار کریں گے تو اس کا بُرا انجام انہی کو ملے گا۔ جیسا کہ اب تک ہوا ہے کہ جب وہ اچھے تھے تو اللہ نے انہیں نعمتوں سے نوازا، اور جب تمہارا رب تم پر رحم کر دیا اور اپنی نعمتیں چھین لیں۔ اور جب دوبارہ خراب ہو گئے تو اللہ نے ان پر دوبارہ ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا، جنہوں نے ان پر خوب ظلم کیا اور انہیں قید و بند کی زندگی سے

گزارا، مسجد اقصیٰ کو منہدم کیا اور ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیا۔

آیت (۸) میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، ان کے برے اعمال کا نتیجہ تھا، اور اس لئے ہوا تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی طرف رجوع کریں، اپنے گناہوں سے تائب ہوں اور تورات کے مطابق اپنی زندگی گذاریں۔ اس لئے کہ اب تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب گناہوں کی وجہ سے آتا ہے، اور نجات توبہ کے ذریعہ ملتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل اپنی توبہ پر قائم نہیں رہے اور سہ بارہ تہذیب اور سرکشی کی زندگی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے سہ بارہ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا۔ قرآن کریم کے اس اجمال کو سمجھنے کے لئے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے، جو مندرجہ ذیل ہے: کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً نو سو سال پہلے، سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد ان کے لڑکے نے زمام حکومت سنبھالی جس نے اپنی قوم کے لئے بتوں کی عبادت کو جائز قرار دے دیا۔ چنانچہ مصر کے بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کر کے ہیکل سلیمانی یعنی مسجد اقصیٰ کے خزانے لوٹ لئے۔ اور حالت بائس جا رسید کہ ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک کا نام مملکت یہوذا پڑا جو یہوذا اور بنیامین کی اولاد پر مشتمل تھی، اور دوسرے کا نام مملکت اسرائیل پڑا جو یعقوب علیہ السلام کے دوسرے دس بیٹوں کی اولاد سے بنی تھی۔ مملکت اسرائیل کا پہلا بادشاہ یربعام بنا جس نے سونے کے دو پتھر بنائے اپنی رعایا کو ان کی عبادت کا حکم دیا، تاکہ انہیں بیت المقدس نہ جانا پڑے، اس لئے کہ اسے ڈر تھا کہ وہاں جا کر کہیں مملکت یہوذا کے بادشاہ سلیمان کے بیٹے کی تائید نہ کرنے لگیں۔ ان لوگوں نے ڈھائی سو سال تک حکومت کی۔ اس سچ میں ان کے بعض بادشاہوں نے بت پرستی کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن پھر پہلی حالت عود کر آئی تھی۔

جب ان کے گناہ بہت زیادہ بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اشور کے بادشاہ کو مسلط کر دیا، جس کے ہاتھوں مملکت اسرائیل کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد مملکت یہوذا میں سال سے کچھ زیادہ دنوں تک باقی رہی، بالآخر ان کا بادشاہ ایک بڑا ہی خبیث اور مشرک آدمی بنا جس کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بابل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کر دیا۔ جس نے ان میں سے بہتوں کو غلام بنالیا۔ یہ ان کی پہلی ذلت و رسوائی تھی جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ بنا جو اپنے باپ ہی کے مانند تھا، چنانچہ آٹھ سال کے بعد دوبارہ بخت نصر نے پھر ان پر چڑھائی کی اور خوب لوٹ مار کیا اور بہتوں کو غلام بنالیا۔ یہ ان کی دوسری ذلت و رسوائی تھی۔

ان کا آخری بادشاہ تمام اگلے بادشاہوں سے بڑا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سہ بارہ شاہ بابل کو ان کے خلاف فوج کشی پر ابھارا، اس نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، اس بادشاہ کو پابند سلاسل کیا، شہر اور ہیکل سلیمانی کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور کچھ مسکینوں کے علاوہ تمام قوم یہوذا کو غلام بنالیا، اور انہیں جانوروں کی طرح ہانگ کر بابل لے گیا، اور مملکت یہوذا کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ ان کی تیسری ذلت و رسوائی تھی۔

ستر سال کے بعد جب غلامی سے آزاد کئے گئے تو دوبارہ آکر فلسطین میں آباد ہوئے، لیکن اس کے بعد ہمیشہ کسی نہ کسی کے زیر اثر رہے۔ فارس و یونان اور روم کے بادشاہوں نے انہیں کبھی بھی چھین سے نہ رہنے دیا، یہاں تک کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح کیا اور صحرہ سے قبلہ کی جانب مسجد تعمیر کی، جسے دوبارہ ولید بن عبد الملک نے بنوائی، جو اب تک باقی ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمٌ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۗ
 أَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَذُرُّ الْإِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ
 الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۗ وَجَعَلْنَا الْآيَةَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ مِّنْ قَسْوِنَا آيَةَ الْبَيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ الْفَخْرِ مُبْصِرَةً لِّتُبْتَغُوا فُضْلًا
 مِّنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلٌّ مِّنْهُ فُضِّلْنَا تَفْصِيلًا ۝

بے شک یہ قرآن (۳) اُس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے (یعنی اسلام کی طرف) اور ان مومنوں کو خوشخبری دیتا ہے جو عمل صالح کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لئے بڑا اجر ہے ﴿۹۹﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۰۰﴾ اور آدمی (۵) کبھی اپنے لئے برائی اور بدبختی کی دعا اسی طرح کرنے لگتا ہے جس طرح بھلائی کی دعا کرتا ہے، انسان بہت ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے ﴿۱۱﴾ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں (۶) بنائی ہیں، پس ہم رات کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں (یعنی بے نور بنا دیتے ہیں) اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیتے ہیں، تاکہ تم اپنے رب کی پیدا کردہ روزی حاصل کرو، اور تاکہ تم سالوں کی تعداد اور دوسرے حسابات معلوم کرو، اور ہم نے (قرآن میں) ہر چیز تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہے ﴿۱۲﴾

(۳) اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کی وہ خوبی بیان کی گئی ہے جس کے سبب وہ تمام دیگر آسمانی کتابوں پر فائق ہو گیا۔ کلمہ "اقوم" کے بعد عبارت محذوف ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ یہ قرآن سب سے بہتر حالت، یا سب سے بہتر ملت یا سب سے عمدہ راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور وہ راہ دین اسلام کی راہ ہے جس کی اتباع میں انسانوں کے لئے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی ہے۔ اور یہ قرآن ان لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے جو اپنے ایمان میں مخلص ہوتے ہیں، عمل صالح کرتے ہیں، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں، اور جو لوگ بعث بعد الموت اور آخرت میں جزا و سزا پر ایمان نہیں رکھتے، انہیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اللہ نے ان کے لئے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۵) مفسر ابوسعود لکھتے ہیں کہ قرآن جو ہادی ہے، اس کا حال بیان کرنے کے بعد، اب انسان جو مہتدی ہے، اس کا حال بیان کیا جا رہا ہے، اور ان دونوں کے درمیان جو تائید پایا جاتا ہے، اسے اجاگر کیا جا رہا ہے۔ اور انسان سے مراد جنس انسان ہے جس کے بعض افراد کا حال یہاں بیان کیا گیا ہے، یا بعض اوقات میں اس کی جو حالت ہوتی ہے اسے یہاں بیان کیا گیا ہے۔

پہلی صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ قرآن انسان کو اس بھلائی کی طرف بلاتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں، اور اس شر (یعنی عذاب الیم) سے ڈراتا ہے جس کے بعد کوئی شر نہیں۔ اور کافر جو انسان ہوتا ہے، اپنے لئے برائی چاہتا ہے، یا تو اپنی زبان کے ذریعہ یا اپنے اعمال کے ذریعہ۔

اور دوسری صورت میں معنی یہ ہو گا کہ قرآن تو انسان کو بھلائی کی طرف بلاتا ہے، لیکن وہ خود بعض اوقات جب غصہ میں ہوتا ہے تو اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے بد دعائیں کرتا ہے، اور دونوں ہی حالتوں میں انسان بڑا ہی جلد باز ہوتا ہے، صبر سے کام نہیں لیتا اور حالات بدل جانے کا انتظار نہیں کرتا۔

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَلْعَهُ فِي عُرْفِهِ ۖ وَنُخْرِجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَكْتُمُهُ مَتَشُورًا ۖ أَقْرَأْ كِتَابَكَ ، كَفَىٰ
بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۖ مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَلَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَمَا لَكُمْ مَعِدَّةَ بَيْنَ يَدَيْ حَتَّىٰ تَلْبِغُوا رَسُولًا ۚ

اور ہم نے ہر آدمی کا نامہ اعمال (۷) اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم اس کے اعمال کی ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ اپنے سامنے کھلی ہوئی پائے گا ﴿۱۳﴾ (اس سے کہا جائے گا کہ) اپنا نامہ اعمال پڑھو، آج تم خود بحیثیت محاسب اپنے لئے کافی ہو گے ﴿۱۳﴾ جو کوئی راہ راست (۸) کو اپناتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لئے ایسا کرتا ہے، اور جو کوئی گم گشتہ راہ ہو جاتا ہے، تو اس کا وبال اسی کے سر ہوتا ہے، کوئی شخص بھی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں ڈھوتا ہے، اور ہم جب تک اپنا رسول نہیں بھیج دیتے ہیں (کسی قوم کو) عذاب (۹) نہیں دیتے ہیں ﴿۱۵﴾

(۶) چونکہ اوپر قرآن کریم کی خوبیوں کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے یہاں بعض ان نشانیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پوری تفصیل کے ساتھ قرآن میں بیان کر دیا ہے، اور لوگوں کو فکر و نظر کی دعوت دی ہے تاکہ اُس کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جائیں۔

رات اور دن کی ہیئت، ان کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا، اور چھوٹا بڑا ہونا، دو ایسی نشانیاں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا ایک خالق ہے جو بڑی حکمتوں والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رات کے لئے چاند کو بنایا ہے، جس کی روشنی دھیمی ہوتی ہے، اور دن کے لئے سورج کو بنایا ہے جس کی روشنی تیز ہوتی ہے، تاکہ آدمی معاش کی تلاش میں باسانی حرکت کر سکے۔ اور ان دونوں کا بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ انہی کے آنے جانے، گھٹنے بڑھنے، اور مسلسل حرکت کے ذریعہ دن اور رات کے گھنٹوں، اوقات، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب معلوم کیا جاتا ہے۔ اگر اللہ نے انہیں پیدا نہ کیا ہوتا تو یہ حسابات معلوم نہیں ہوتے اور لوگوں کے معاملات ٹھپ پڑ جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت ذہنوں میں مزید بٹھانے کے لئے فرمایا کہ ہم نے قرآن میں ہر وہ بات بیان کر دی ہے جس کی انسان کو دین و دنیا کی سدھار کے لئے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل آیت (۸۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کہ ”ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے“۔

(۷) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر چیز بیان کر دی ہے، تو کسی کے پاس راہ ضلالت اختیار کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا۔ اسی لئے اس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ ہر آدمی اپنی مرضی اور اختیار سے جو بھی اچھے یا برے اعمال کرتا ہے، اس سے وہ چھٹکارا نہیں پاسکتا ہے، اس کا عمل اس کے ساتھ ایسا ہی لگا ہوتا ہے جیسے کسی کی گردن کا طوق، اس سے کسی حال میں بھی الگ نہیں ہوتا ہے۔ اور اس عمل کے مطابق سعادت و نیک بختی یا شقاوت و بد بختی بھی اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ اس سے وہ چھٹکارا نہیں پاسکتا ہے۔ اگر بد بخت ہوگا تو جہنم، اور نیک بخت ہوگا تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہر آدمی اپنا نامہ اعمال اپنے آگے

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُنْزِلِيهَا فَتَسْقُوا فِيهَا فَنَنْزِلُ عَلَيْهَا الْقَوْلَ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿۱۰﴾

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک (۱۰) کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے عیش پرستوں کو اجازت دے دیتے ہیں، پھر وہ اس میں فسق کا بازار گرم کرتے ہیں، تو اس پر عذاب ثابت ہو جاتا ہے، پھر ہم اُسے یکسر تباہ و برباد کر دیتے ہیں ﴿۱۰﴾

پھیلا ہوا پائے گا، اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھو جس میں تمہارے چھوٹے بڑے تمام اعمال درج ہیں، اور آج تم خود ہی اپنے اعمال کا حساب لگاؤ گے اور گواہ بنو گے کہ تم نے ان کا ارتکاب کیا تھا۔

(۸) اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے ہر آدمی کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جو شخص آج راہ ہدایت کو اختیار کرے گا، اللہ، اس کے رسول، یوم آخرت اور جنت و جہنم پر ایمان لائے گا، عمل صالح کرے گا، اور شرک و معاصی سے اجتناب کرے گا، تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا، عذاب سے نجات پائے گا اور جنت کا مستحق بنے گا۔ اور جو شخص گمراہ ہوگا، قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کو جھٹلائے گا، اور شرک و معاصی کا ارتکاب کرے گا، تو اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا، اور جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے گناہوں کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(۹) آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے اپنا فضل و کرم اور ان کے ساتھ اپنا عدل و انصاف بیان فرمایا ہے کہ وہ کبھی بھی کسی قوم کو اپنا رسول بھیجے سے پہلے عذاب نہیں دیتا۔ جب اپنا رسول بھیج کر حق و باطل کو ان کے لئے آشکارا کر دیتا ہے، اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے، تو ان پر اپنا عذاب نازل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ آیت (۱۳۴) میں فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَا هُم مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا إِنَّا لَوْلَا أَرْسَلْنَا رَسُولًا فَتَتَّبِعِ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنزِلَ وَنَخْزِي﴾ ﴿۱۰﴾ کہ ”اگر ہم اس سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا، کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و خوار ہوتے۔“ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب تک اپنا رسول بھیج کر حجت تمام نہیں کر دیتا، نہ دنیا میں کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کسی کو عذاب دے گا۔

(۱۰) جس عذاب کا اوپر ذکر آیا ہے، اسی کا سبب بیان کیا جا رہا ہے، اور اس طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد نیاوی عذاب ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم کسی قوم کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں اور ناز و نعم میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اپنے رسول کی زبانی طاعت و بندگی کا حکم دیتے ہیں، لیکن وہ لوگ ہمارے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی اور تمرد ان کا شیوہ بن جاتا ہے، تو ان پر عذاب کا نزول واجب ہو جاتا ہے، پھر ہم انہیں یکسر تباہ و برباد کر دیتے ہیں، جیسا کہ بیت المقدس والوں کے ساتھ ہوا کہ جب یہود نے اللہ کے دین کو پس پشت ڈال دیا، تو ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا۔

آیت کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ہم کسی قوم کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس میں فاسقوں اور فاجروں کی تعداد بڑھا دیتے ہیں جو کثرت کے ساتھ فسق و فجور کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اگرچہ اللہ کا حکم تمام لوگوں کو شامل ہوتا ہے، لیکن یہاں عیش کو شوں کا ہی ذکر اس لئے آیا ہے کہ دنیا میں شر و فساد پھیلانے والے درحقیقت یہی لوگ ہوتے ہیں، پھر دوسرے لوگ ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلُهَا مَنْ مُؤْمِنًا مُدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْأَخْذَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ فُشُورًا ۝ كَلَّا يُؤْمَدُ هَؤُلَاءِ هَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَٰئِذَا لَأَكْبَرُ دَرَجَاتٍ ۚ وَ أَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقَعَّمَ مَذْمُومًا فَعِلًا ۚ وَلَا

اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی قوموں کو ہلاک (۱۱) کر دیا، اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۱۷﴾ جو کوئی دنیا چاہتا (۱۲) ہے، تو ہم ان میں سے جس کو جتنا چاہتے ہیں اس دنیا میں سے دے دیتے ہیں، پھر اس کا ٹھکانا جہنم مقرر کر دیتے ہیں، جس میں وہ ذلیل و رسوا ہو کر داخل ہو جائے گا ﴿۱۸﴾ اور جو کوئی آخرت چاہتا ہے، اور اس کے لئے اس جیسی کوشش کرتا ہے، درانحالیکہ وہ مومن ہوتا ہے، تو ان کی کوششوں کا انہیں پورا بدلہ چکایا جائے گا ﴿۱۹﴾ (اے میرے نبی!) آپ کے رب کی بخششوں (۱۳) سے ہم ہر ایک کو دیتے ہیں، انہیں بھی اور انہیں بھی اور آپ کے رب کی بخشش رکھی ہوئی نہیں ہے ﴿۲۰﴾ آپ دیکھئے کہ کس طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دے رکھی ہے، اور یقیناً آخرت کے درجے سب سے بڑے اور اس کی فوقیت سب سے اونچی ہوگی ﴿۲۱﴾ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ بنائیے، ورنہ آپ رسوا اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جائیے گا ﴿۲۲﴾

(۱۱) گذشتہ قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب انہوں نے کفر و سرکشی کی راہ اختیار کی تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کفار مکہ کے لئے ایک قسم کی دھمکی ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کفر پر جتھے رہے تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ کا عذاب ان پر نازل ہو جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے، اس لئے انہیں ڈر کر رہنا چاہئے کہ کہیں ان کا گناہ ان کی ہلاکت کا سبب نہ بن جائے، اس لئے کہ قوموں کی ہلاکت کی بات آنے کے بعد گناہوں کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی قوم کو اس کے گناہوں کی وجہ سے ہی ہلاک کیا جاتا ہے۔ (۱۲) آیت (۱۳) میں آچکا ہے کہ ہر آدمی کا عمل، چاہے اچھا ہو یا برا، اس کا لازمہ بن جاتا ہے، اس سے وہ کسی حال میں چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا ہے، اور اسی کے مطابق قیامت کے دن کی نیک بختی یا بد بختی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں تقریباً اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی کی زندگی کا مقصد دنیا طلبی ہوتی ہے وہ گویا اپنے لئے شومی قسمت کو دعوت دیتا ہے، اور جس کا مقصد حیاتِ آخرت کی تیاری ہوتی ہے وہ اپنے لئے سعادت و نیک بختی کو اختیار کر لیتا ہے۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے عارضی فائدے کی طلب میں لگا رہتا ہے، اس کی کوشش کا منہائے مقصود دنیا کی کامیابی ہوتی ہے، آخرت پر اس کا ایمان نہیں ہوتا، اس لئے مرنے کے بعد اسے اللہ سے نہ ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ ہی سزا کا ڈر، ایسے لوگوں میں سے کسی کے لئے تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق دنیاوی منافع کے دروازے کھول دیتا ہے، اور کسی پر ان

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا لِيَاكُومُوا بِأَلْوَالِدِينَ إِحْسَانًا مَّا يَبْلُغُونَ عِنْدَ الرَّبِّ أَحَدُهَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيٌ وَلَا نَهْرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَأَحْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ۝

اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ (۱۳) کر دیا ہے کہ لوگو! تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں آف نہ کہو، اور انہیں ڈانٹو نہیں، اور ان کے ساتھ نرمی اور ادب و احترام کے ساتھ بات کرو ﴿۲۳﴾ اور جذبہ رحمت کے ساتھ، ان کے سامنے تواضع اور انکساری اختیار کرو، اور دعا کرو کہ اے میرے رب! جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش و پرداخت کی تھی تو ان پر رحم فرما ﴿۲۳﴾

دروازوں کو جگ کر دیتا ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی نوری عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتا ہے، اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور اللہ کے ناشکرے بندے ہونے کی وجہ سے اس کی نگاہ میں بُرے اور اس کی رحمت سے دور ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان لانے کے بعد طلبِ آخرت کے لئے کوشاں ہوں گے، اور ان کی زندگی کا منجھائے مقصود اللہ کی رضا حاصل کرنی ہوگی، قیامت کے دن انہیں ان کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ دیا جائے گا۔

(۱۳) جہاں تک دنیاوی زندگی کا تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی اس کے تمام ہی بندوں کو شامل ہے، چاہے وہ مومن ہوں یا کافر۔ وہ دونوں قسم کے لوگوں کو زندگی کے آخری لمحہ تک روزی پہنچاتا ہے۔ البتہ موت کے بعد دونوں کے احوال مختلف ہو جائیں گے، جس کا مقصد حیاتِ صرف دنیا طلبی ہوگی، اسے جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا، اور جو آخرت کا طلبگار ہوگا اسے جنت میں جگہ ملے گی۔ دنیا میں کسی کافر کا کفر اور کسی نافرمان کی نافرمانی اللہ کی روزی سے محرومی کا سبب نہیں بنتی ہے۔

آیت (۲۱) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے تمام بنی نوع انسان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی نعمتوں کی تقسیم میں اپنی حکمت کی بنیاد پر ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتا ہے، کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم، کوئی قوی ہوتا ہے اور کوئی کمزور، کوئی صحت مند ہوتا ہے اور کوئی بیمار لیکن آخرت میں درجات کی کمی بیشی اور ایک کا دوسرے پر فوقیت پانا، زیادہ واضح ہوگا، خاص طور پر مومن و کافر کے درمیان یہ تفریق زیادہ کھل کر سامنے آجائے گی، کہ مومن اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور کافر کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

آیت (۲۲) میں آخرت کی کامیابی اور جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا بنیادی عمل یہ بتایا گیا کہ آدمی شرک سے دوری اختیار کرے اور ایمان باللہ کے تقاضوں کو پورا کرے، اس لئے کہ جو شخص عبادت میں اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک کرتا ہے، وہ اس کا بدترین بندہ ہوتا ہے، اور وہ اسے انہی جھوٹے معبودوں کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس کی نصرت و تائید سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ سورہ آل عمران آیت (۱۶۰) میں ہے: ﴿وَإِن يَخُذْ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾ کہ ”اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے“۔

(۱۳) شرک سے ممانعت کے بعد، یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے صراحت کے ساتھ توحید کا حکم دیا، اور اس

رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صٰلِحِينَ فَإِنَّكَ كَانَ لِلذَّٰلِئِینِ غَفُورًا ۝

(لوگو! تمہارا رب تمہارے دلوں کی باتوں (۱۵) کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ اپنی طرف لوٹ کر آنے والوں کو بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۲۵﴾)

کے بعد ہی والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا حکم دے کر انسان کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھانی چاہی کہ توحید باری تعالیٰ اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے بعد، دنیا میں والدین کے حقوق سے بڑھ کر کوئی حق نہیں۔ اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق و موجد ہے، اس لئے اس کی عبادت ضروری ہوئی، اور رحم مادر میں باپ کا نطفہ قرار پانے کے بعد، ماں اس کا بوجھ نو ماہ تک ہزار تکلیفیں برداشت کر کے ڈھوتی رہتی ہے اور جب اللہ کی قدرت سے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بالکل عاجز و کمزور ہوتا ہے اس میں حرکت کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی، اس وقت سے ماں اور باپ، اللہ کے بعد اس کا سہارا بننے ہیں، اس کی حفاظت کی خاطر دن کا چین اور رات کا سکون کھودیتے ہیں اور ہر جتن کر کے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اسے اپنی نگاہ شفقت کے زیر سایہ پالتے ہیں۔ تو گویا اس کے وجود و بقا کے لئے اللہ کی قدرت و ربوبیت کے بعد انہی دونوں کی شفقت و محبت کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کا جو طریقہ سکھایا اس سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے والدین کی تعظیم و تکریم اور خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھنی چاہئے۔ جب دونوں یا ان میں سے ایک بوڑھے ہو جائیں تو ان پر نگاہ شفقت و محبت ڈالے، ان کی خدمت کر کے قلبی راحت محسوس کرے اور ان کی خدمت کرتے ہوئے اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اُف تک نہ کرے اور ان کے ساتھ غایت محبت و اکرام کا معاملہ کرے، ان کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر رکھے، سخت لہجہ میں بات نہ کرے، آواز اونچی نہ کرے، ان کی خدمت کو دنیا و آخرت کی سعادت و نیک نیتی کا سبب سمجھے، اس لئے کہ آج وہ دونوں اس شخص کی مدد کے محتاج ہو گئے ہیں جو پیدائش کے بعد سے ان کی مدد کا محتاج ترین فرد تھا، یہاں تک کہ ان کے سایہ عاطفت میں پل بڑھ کر جوان ہو گیا۔

فقال نے ﴿وَاحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ جس طرح چڑیا غایت حفاظت کے پیش نظر اپنے چوزوں کو اپنے پر سے ڈھانک لیتی ہے اور جب پرواز سے فارغ ہو کر زمین پر اترتا چاہتی ہے تو اپنے پر سمیٹ لیتی ہے اسی طرح لڑکا جب جوان ہو جائے اور والدین بوڑھے ہو جائیں تو ہر دم ان کی حفاظت کرتا رہے اور ان کے سامنے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ رہے۔ آیت کے اس حصہ میں تو واضح اور انکساری کی طرف ایک بلیغ اشارہ ہے۔ سعید بن جبیر نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اے انسان! تو اپنے والدین کے لئے اس طرح تو واضح اور انکساری کا اظہار کر جس طرح غلام اپنے سخت مزاج اور سخت گیر آقا کے سامنے کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے گویا یہ کہنا چاہا ہے کہ والدین کے لئے اپنی عارضی شفقت و محبت پر اکتفا نہ کرو، بلکہ جب تک زندہ رہو، روزانہ کم از کم پانچوں نمازوں میں ان کے حق میں دعا کرو کہ اللہ ان پر دائمی رحمت کرے، ان کی مغفرت فرمادے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے جس طرح انہوں نے غایت شفقت و محبت کے ساتھ تمہاری پرورش کی تھی جب تم چھوٹے تھے اور حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

(۱۵) دلوں کے بھید اور احوال کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون جانتا ہے؟ جو شخص والدین کے لئے نیک جذبات رکھتا ہے، اللہ اسے خوب

وَأْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقًّا وَالْيَسِيرَ وَالنَّسِيلَ وَلَا تَبْذُرْ تَبَذُّرًا ۖ إِنَّ الْبِذْرَ رِزْقٌ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۖ وَإِنَّمَا تَعْرِضُ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا ۖ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا ۖ

اور آپ رشتہ داروں کا حق (۱۷) ادا کیجئے، اور مسکینوں اور مسافروں کا، اور فضول خرچی نہ کیجئے ﴿۲۶﴾ بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرابندہ ہے ﴿۲۷﴾ اگر آپ ان لوگوں سے پہلو تھی (۱۷) کیجئے، اپنے رب کی جانب سے اس روزی کی خواہش کرتے ہوئے جس کی آپ کو امید ہو، تو ان سے کوئی اچھی بات کہہ دیجئے ﴿۲۸﴾ اور آپ اپنے ہاتھ کو (بخل کی وجہ سے) اپنی گردن سے بندھا ہوا (۱۸) نہ رکھئے، اور نہ (فضول خرچ بن کر) اسے بالکل ہی کھول دیجئے، ورنہ آپ لوگوں کی ملامت کے مستحق اور محتاجی سے تھکے ہارے ہو جائیں گے ﴿۲۹﴾

جاتا ہے اور اگر کوئی شخص ان کے لئے نفرت کا جذبہ رکھتا ہے، اور انہیں بوجھ سمجھتا ہے تو اسے بھی اللہ خوب جانتا ہے۔ اور دونوں قسم کے آدمی کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق اللہ معاملہ کرے گا۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اچھی نیت اور عام حالات میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے باوجود اگر کبھی کوئی تقصیر ہو جائے، اور اس پر آدمی نام نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا اور عذاب نہیں دے گا۔

(۱۷) والدین کے بعد، دیگر رشتہ داروں، فقیروں اور مسافروں کا خیال کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میں ”قرب“ کے بجائے ”ذو القربی“ سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ادنیٰ سی بھی قربت ہے تو اس کا خیال رکھا جانا چاہئے۔ اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اقارب کو صدقہ دینے میں صلہ رحمی کا بھی اجر ملتا ہے۔

آخر میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے، جیسے کوئی آدمی اپنا مال ناجائز کاموں میں خرچ کرے، یا ان لوگوں پر خرچ کرے جو شرعی اصولوں کے مطابق مستحق نہ ہوں۔ زخشری نے کشف میں لکھا ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ اونٹ ذبح کر کے اپنی مالداری کا اظہار کرتے، اور فخر و ریاکاری کے دوسرے کاموں میں اپنا مال خرچ کرتے، اور اپنے اشعار میں اس کا ذکر کرتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا مال ایسے کاموں پر خرچ کریں جو انہیں اللہ سے قریب کرے۔

آیت (۲۷) میں اوپر کے حکم کی علت بیان کی گئی ہے کہ فضول خرچی کرنے والے لوگ ناشکری میں شیطان کے مانند ہیں۔ اور یہ انسان کی نایت خدمت ہے، کیونکہ شیطان سے زیادہ کوئی بُرا نہیں ہے۔ یا مفہوم یہ ہے کہ فضول خرچی کرنے والے لوگ جہنم میں شیطان کے ساتھی ہوں گے۔ آیت کے آخر میں گذشتہ علت کی تکمیل ہے کہ شیطان سے بڑھ کر اللہ کا کوئی ناشکرا بندہ نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جتنی صلاحیتیں دی ہیں ان سب کو اس نے ارتکاب معاصی، زمین میں فساد پھیلانے، لوگوں کو گمراہ کرنے اور کفر کی طرف بلانے میں لگا دیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کی بندگی کے بجائے ناجائز کاموں پر خرچ کرتا ہے تو گویا وہ شیطان کے مانند ہے۔

(۱۷) اس آیت کریمہ میں نصیحت کی گئی ہے کہ جن لوگوں کا اوپر ذکر آیا ہے، اگر ان میں سے کوئی کسی کے سامنے اپنی ضرورت

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّكَ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ ۱۹ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ
إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نُرْزِقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الرِّبَا إِنَّمَا كَانَ قَابَ حَشَةٍ ۖ وَسَاءَ
سَبِيلًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَمَن قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلَاهُ سُلْطَانًا فَلَا
يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۖ

بے شک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی (۱۹) میں وسعت دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کے بارے میں پوری خبر رکھتا ہے، اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۳۰﴾ اور تم لوگ اپنی اولاد (۲۰) کو محتاجی کے ڈر سے قتل نہ کرو، انہیں اور تمہیں ہم روزی دیتے ہیں، بے شک انہیں قتل کرنا بڑا گناہ ہے ﴿۳۱﴾ اور زنا (۲۱) کے قریب نہ جاؤ، بلاشبہ وہ بڑی بے شری کا کام، اور بُرا راستہ ہے ﴿۳۲﴾ اور تم لوگ اس جان (۲۲) کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام بنایا ہے، مگر اس صورت میں کہ اس کا قتل کیا جاتا حق ہو، اور جو شخص ناحق قتل کر دیا جائے، تو اس کے وارث کو ہم نے قوی بنا دیا ہے، پس وہ قاتل کو قتل کرنے میں (شریعت کی) حد سے تجاوز نہ کرے (قصاص کے ذریعہ) اس کی مدد کر دی گئی ہے ﴿۳۳﴾

پیش کرے اور اس کے پاس اس کو دینے کے لئے مال نہ ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ مانگنے والے کو مایوس نہ کرے، اس سے سخت لہجہ میں بات نہ کرے اور اس وعدے کے ساتھ اسے واپس کرے کہ اللہ تعالیٰ جب وسعت دے گا تو اس کی مدد کرے گا۔

(۱۸) اس آیت کریمہ میں بخیل کو اس آدمی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے گئے ہوں، کہ ان ہاتھوں سے وہ نہ کسی چیز کو پکڑ سکتا ہے اور نہ ہی ان کے ذریعہ کسی کو کوئی چیز دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے مومنوں کو نصیحت کی ہے کہ جن لوگوں پر خرچ کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لیں، اور نہ خرچ کرنے میں اتنی فضول خرچی سے کام لیں کہ سب کچھ لٹادیں، بال بچوں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑیں، اس لئے کہ بخل کی صورت میں لوگ ملامت کریں گے کہ مال رہتے ہوئے ان کی مدد نہیں کی، اور فضول خرچی کی وجہ سے سارا مال ضائع ہو جائے گا تو باقی عمر کفِ افسوس ملتے ہوئے گزارے گا، اور دوسروں کا دست مگر رہے گا۔ اور اس کی حالت اس اونٹ کی ہوگی جو راستہ چلتے چلتے تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے، آگے نہیں چل سکتا تو اس کا مالک اسے وہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

(۱۹) بندوں کی روزی میں وسعت اور تنگی، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ وہ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے، اور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق جس کی چاہتا ہے روزی بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ روزی رساں ہے، وہ ہر ایک کی روزی کا ضامن ہے، اس لئے اولاد کو فقر و محتاجی کے ڈر سے مارنے سے منع کیا گیا۔ عہد جاہلیت میں بعض قبائل والے اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ نے کہا کہ انہیں اور تمہیں سب کو ہم روزی دیتے ہیں، اس لئے بھوک اور محتاجی کے ڈر سے انہیں قتل نہ کرو۔ ایسا کرنا گناہِ عظیم ہے، اس لئے کہ یہ نسل انسانی کے ختم ہو جانے کا سبب بن سکتا ہے۔

(۲۱) قتل اولاد سے منع کرنے کے بعد اس آیت کریمہ میں زنا سے منع کیا گیا ہے جو نسب کے خلط ملط ہونے اور بلاخر نسل انسانی

وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالْحَقِّ هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوا بِالْقِسْطِ أَلْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

اور تم لوگ یتیم کے مال (۲۳) کے قریب نہ جاؤ، مگر ایسے طریقہ سے جو اس کے حق میں سب سے بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائے، اور عہد و پیمان کو پورا کرو، بے شک عہد و پیمان کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا ﴿۳۳﴾ اور جب ناپو (۲۴) تو پیمانہ بھر کر دو، اور ڈرست ترازو سے وزن کرو، یہی بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے ﴿۳۵﴾

کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ زنا وہ بدترین فعل ہے جو فطرت سلیم، عقل اور شریعت ہر اعتبار سے گناہ عظیم ہے، اور سوسائٹی پر اس کے نہایت خطرناک اور بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کی عزت محفوظ نہیں رہتی، ان کا نسب اور ان کی نسل خطرے میں پڑ جاتی ہے، اور پاک و صاف سوسائٹی اخلاقی انار کی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور جو اس فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

(۲۲) قتل اولاد اور زنا سے ممانعت کے بعد، اس آیت کریمہ میں کسی بھی بے گناہ آدمی کے قتل سے منع کیا گیا ہے، سوائے اس شخص کے جس کا شرعی طور پر قتل کرنا ضروری ہو جائے، جیسے کوئی مرتد ہو جائے، یا شادی کرنے کے بعد زنا کا مرتکب ہو، یا کسی آدمی کو ناحق قتل کر دے۔ اور اگر کوئی کسی کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے، تو اس کے ولی کو پورا اختیار ہے، چاہے تو قاتل سے حاکم وقت کے ذریعہ قصاص کا مطالبہ کرے، یا ریت لے لے یا چاہے تو اللہ کے لئے معاف کر دے۔ اور قصاص لینے میں حد سے تجاوز نہ کرے، قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، اگر قاتل ایک ہے تو دو یا دو سے زیادہ کو قتل نہ کرے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ ایک کے بدلے کئی کو قتل کر دیتے تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص واجب کر کے مقتول کے اولیاء کی مدد فرمادی ہے، اور جو مناسب بدلہ ہونا چاہئے، اسے مقرر کر دیا ہے، اس لئے اللہ کے حکم سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

(۲۳) جان کی حفاظت کا حکم دینے کے بعد، اب مال کی حفاظت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور چونکہ یتیم کا اللہ کے علاوہ کوئی مضبوط سہارا نہیں ہوتا، اس لئے اس کے مال پر بدنیت لوگوں کی نگاہ لگی رہتی ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے اس کے مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا، اور اس بارے میں انتہائی احتیاط کی تعلیم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، ہاں اگر نیت یہ ہو کہ اس کی دیکھ بھال کی جائے، تجارت کر کے اسے ترقی دی جائے تو پھر اس میں تصرف کرنا جائز ہے، یہاں تک کہ یتیم بالغ ہو جائے اور عقلی طور پر اپنے مال میں صحیح تصرف کرنے کے قابل بن جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ تمہارے جو عقود اور معاہدے ہوں، ان کی پابندی کرو اور دھوکہ نہ دو، اس لئے کہ قیامت کے دن بندوں سے عہود و مواثیق کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، اور اگر کسی نے بے سبب نقص عہد کیا ہو گا تو اس دن اس کی سزا سے بھگتنی ہوگی۔

(۲۴) اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ناپ تول میں کمی نہ کریں، جب کسی کے لئے ناپیں تو پورا ناپیں، اور وزن کریں تو صحیح ترازو سے وزن کریں، ڈنڈی نہ ماریں اور دھوکہ نہ دیں، اسی میں ہر بھلائی ہے، اور انجام کے اعتبار سے یہی بہتر ہے، اس لئے کہ معاملات میں سچائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت دے گا اور قیامت کے دن کوئی مظلوم اس سے

وَلَا تَقْعُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۖ وَلَا تَمْسُقْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۖ كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۖ ذَٰلِكَ بِمَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْفَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ۖ

اور جس بات کا آپ کو علم نہ (۲۵) ہو اس کے پیچھے نہ لگئے، بے شک کان اور دل آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں پوچھا جائے گا ﴿۳۶﴾ اور زمین پر اکر (۲۶) کرنے چلے، آپ یقیناً زمین کو پھاڑ نہیں دیتے گا، اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ جائے گا ﴿۳۷﴾ یہ تمام بُرے کام آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں ﴿۳۸﴾ یہ سب حکمت کی وہ باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کو بذریعہ وحی عطا کی ہیں، اور آپ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو شریک نہ ٹھہرائیے، ورنہ جہنم میں ملامت زدہ اللہ کی رحمت سے دور بنا کر ڈال دیئے جائے گا ﴿۳۹﴾

اپنے حق کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

(۲۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایسی بات کہنے سے منع فرمایا ہے جس کا اسے علم نہ ہو۔ شوکانی کہتے ہیں کہ یہ آیت قاعدہ کلیہ ہے، جس کے ضمن میں وہ تمام اقوال و افعال داخل ہیں جن کی صداقت و حقانیت کا آدمی کو علم نہ ہو۔ مثلاً جھوٹی گواہی دینی، بغیر ثبوت کے کسی کی مذمت کرنی، پاکدامن مردوں اور عورتوں پر بہتان دھرنا، بغیر دلیل شرعی کے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام ٹھہرانا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کی علت یہ بیان کی کہ قیامت کے دن انسان سے اس کے کان، آنکھ اور دل سب کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ ان کے ذریعہ کن کن گناہوں کا ارتکاب کیا گیا تھا۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے انسان کو نصیحت کی ہے کہ وہ زمین میں کبر و غرور کے ساتھ اکر نہ چلے، اس لئے کہ ایسا کرنے سے وہ اونچا نہیں ہو جاتا ہے، جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ کبر و غرور کی وجہ سے زمین کو روند کر چلنے سے وہ زمین میں سوراخ نہیں کر سکتا ہے، اور نہ ہی اکر چلنے سے پہاڑ کے مانند اونچا ہو جاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ تواضع اور انکساری اختیار کرے، کیونکہ کبر و غرور حماقت اور کم عقلی کی نشانی ہے۔

آیت (۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جن بُری باتوں سے روکا گیا ہے، وہ سب نہایت بُرے اعمال ہیں، آدمی کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں ان سے اجتناب کرے، اور جن اچھی باتوں کا حکم دیا گیا ہے، ان پر عمل پیرا رہے۔ آیت (۳۹) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ گذشتہ آیتوں میں جن اخلاقی حمیدہ کا حکم دیا گیا ہے اور جن بُری صفات سے منع کیا گیا ہے، حکمت کی یہ ساری باتیں اللہ نے آپ کو بذریعہ وحی بتائی ہیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا ہے نصیحتوں کا آغاز اسی دعوت توحید سے ہوا تھا، اور اب بات اسی پر ختم کی جا رہی ہے، یہ احساس دلانے کے لئے کہ تمام حکمتوں کی اصل اور بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشرک کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اس وقت وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا پھرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام مخلوقات بھی اسے ملامت کرے گی، اور وہ رحمہ باری تعالیٰ سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیا جائے گا۔

أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا عَنَّا الْقُرْآنَ لِيَذَكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ أَتَا بَنُو إِدْرِيسَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الْغَوْرَ ۝ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَنَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ مَوْلَانِ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے بیٹے (۲۷) خاص کر دیئے ہیں، اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالی ہیں حقیقت یہ ہے کہ تم ایک بہت بڑی بات کہہ رہے ہو ﴿۲۷﴾ اور ہم نے اس قرآن میں (حق بات کو) مختلف انداز (۲۸) میں بیان کیا ہے تاکہ کفار مکہ نصیحت حاصل کریں، مگر یہ چیز ان کی نفرت کو بڑھا دیتی ہے ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود (۲۹) ہوتے، جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں، تو وہ سب عرش والے (اللہ) تک پہنچنے کی راہ تلاش کرتے ﴿۲۲﴾ وہ تمام عیوب سے پاک ہے، اور جو کچھ مشرکین کہتے ہیں اُس سے بہت ہی برتر و بالا ہے ﴿۲۳﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوقات اُن میں پائے جاتے ہیں، سبھی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور ہر چیز صرف اسی کی حمد و ثنا اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہے، لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، وہ بے شک بڑا بڑبڑا، بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۲۳﴾

(۲۷) اس آیت کریمہ میں ان مشرکین عرب کی تردید ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے، اور ان کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ وہ تو اللہ کے بندے ہیں جنہیں اللہ نے اپنی تسبیح و تحمید اور دیگر کارہائے عالم کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا اُس نے تمہارے لئے سب سے اچھی اولاد یعنی لڑکا پسند کیا ہے، اور اپنے لئے کم تر اولاد یعنی بیٹیاں پسند کی ہیں جنہیں تم اپنے لئے گوارہ نہیں کرتے ہو، بلکہ زندہ درگور کر دیتے ہو؟ یہ کتنی عقل و حکمت کے خلاف بات ہے کہ آپ اپنے غلاموں کو تو سب سے اچھی چیز دے اور اپنے لئے گھٹیا چیز پسند کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندوں کے منہ سے اپنے خالق و مالک کے بارے میں یہ بات بہت ہی بُری ہے، کہ ایک تو اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں اور وہ بھی ایسی اولاد جنہیں وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہیں۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے دلائل اور مثالوں کے ذریعہ حق بات کو بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں، اللہ کی طرف رجوع کریں اور شرک کے تمام اقسام سے اس کے پاک ہونے کا عقیدہ رکھیں، لیکن کافروں کا حال یہ ہے کہ قرآن سن کر بد کہتے ہیں اور حق سے اعراض کرتے ہیں۔

(۲۹) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ ان کے کہنے کے مطابق اگر اللہ کے علاوہ کئی اور معبود ہوتے جو انہیں اللہ سے قریب کرتے ہیں، تو وہ معبود بھی عرش والے صاحب جلال و کمال اللہ کی رضا کی جستجو میں لگے ہوتے جو سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، اور اگر ایسا ہو تا تو وہ معبود نہ ہوتے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین میں اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے جس کی بندگی کی جائے اور جو اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ بنیں، اسی لئے اللہ نے آیت (۳۳) میں فرمایا کہ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، اور مشرکین جو کچھ اس ذات واحد کے بارے میں کہتے ہیں اس سے وہ بلند و بالا ہے۔ اور آیت (۳۴) میں فرمایا کہ تمام آسمان و زمین اور ان میں پائے جانے والی مخلوقات اللہ کی پاکی بیان

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جَهَنَّمَ مُنْتَوِيًّا ۗ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
 اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدًا وَلَوَّاعًا لَّ ادْبَارُهُمْ نُفُورًا ﴿۳۰﴾

اور جب آپ قرآن پڑھتے (۳۰) ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں ﴿۳۰﴾ اور ان کے دلوں پر پردے (۳۱) ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ اُسے سمجھ نہ پائیں، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دیتے ہیں، اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیچھے مڑ کر بھاگ جاتے ہیں ﴿۳۰﴾

کرتی ہیں اور ان تمام نقائص و عیوب سے اسے بلند و بالا سمجھتی ہیں جنہیں مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور سب کی سب اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ صفت ربوبیت والوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، حیوانات، نباتات اور عبادات سبھی اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، لیکن لوگ ان کی تسبیحات کو نہیں سمجھتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور راغب اصفہانی نے اپنی کتاب ”المفردات“ میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بڑا ہی حلیم ہے، کفر و تمرد کے باوجود عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا ہے، اور وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے کہ جو اس کے حضور عاجزی کرتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے۔

(۳۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو جو مشرکین روئے قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، اس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کرتے ہیں۔ ان کے کفر و تمرد اور قرآن سے تعافل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتے تھے، جیسے ابو جہل اور ابو لہب کی بیوی ام جمیل وغیرہ اور یہاں قرآن سے مراد یا تو مطلق قرآن ہے، یا سورۃ النحل، الکہف اور الجاثیہ کی مشہور تین آیتیں: ﴿اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمِعُوْهُمْ﴾ (النحل: ۱۰۸) ﴿جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوْهُ﴾ (الکہف: ۵۷) ﴿اَقْرَأْ اٰیٰتِ مَنْ اتَّخَذَ الْاِلٰهَةَ هَوٰٓآءُ وَاَضَلُّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ﴾ (الجاثیہ: ۲۳)۔ خطیب نے لکھا ہے کہ ان آیتوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو مشرکین کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا تھا۔ قرطبی نے ان آیتوں کے ساتھ سورۃ یسین کی ابتدائی آیتوں کا ﴿فَهُمْ لَا يَنْصَرُوْنَ﴾ تک اضافہ کیا ہے، اس لئے کہ روایات سے ثابت ہے کہ ہجرت کی رات اپنے گھر سے نکلنے وقت آپ انہی آیتوں کی تلاوت کرتے رہے اور دشمنوں کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے نکل گئے اور کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔

(۳۱) اور اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر بہت دیز پر وہ ڈال دیتا ہے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ پائیں، اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیتا ہے تاکہ وہ قرآن کو نہ سن پائیں۔ کافروں کی ایک بدترین خصلت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے بتوں کا ذکر بھی سننا چاہتے تھے، اسی لئے جس مجلس میں صرف اللہ کا نام لیا جاتا، اسے پسند نہیں کرتے تھے اور وہاں سے چل دیتے تھے۔ آیت کے دوسرے حصہ

تَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَعْمُونَ بِهِ إِذِ اسْتَعْمُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذِ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَعْمُونَ إِلَّا جَلَاحًا مَسْخُورًا ۖ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۖ وَقَالُوا لَأَنذَرْنَاكَ عَظِيمًا مَّا وَرَفَانَا ۖ إِنَّا الْكَبُورُونَ خَلَقْنَا جَدِيدًا ۖ قُلْ لَوْ نَوَاجِرًا أَوْ حَدِيدًا ۖ أَوْ خَلَقْنَا مِنَّا كَبْرًا فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِينًا ۖ يَوْمَ يُدْعَىٰ عَمَلُهُمْ فَتَلْمِزُونَ بِهِمْ ۖ وَتَلْمِزُونَ إِن لَّيْسَ ثَمَّ إِلَّا قَلِيلًا ۖ

یہ لوگ جب آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو جو بات سنی (۳۲) چاہتے ہیں اُسے ہم خوب جانتے ہیں، اور جب یہ ظالم آپس میں سرگوشی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم لوگ تو محض ایک ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿۳۷﴾ آپ ذرا دیکھئے تو سہی، کہ انہوں نے آپ کی کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں، پھر ایسا گمراہ ہو گئے ہیں کہ سیدھی راہ نہیں پاسکتے ﴿۳۸﴾ اور مشرکین کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مرنے کے بعد) ہڈیاں ﴿۳۳﴾ اور چوراہن جائیں گے، تو نئی تخلیق کے ذریعہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ﴿۳۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ (ہاں ایسا ہی ہوگا) تم چاہے پتھر بن جاؤ یا لوہا ﴿۵۰﴾ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے نزدیک بڑی چیز ہو، تو وہ پوچھیں گے کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ وہی (باری تعالیٰ) جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے۔ پھر وہ (حیرت سے) آپ کے سامنے اپنا سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ آپ کہہ دیجئے کہ شاید وہ وقت قریب ہی ہو ﴿۵۱﴾ جس دن وہ تمہیں پکارے گا، تم سب اس کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے اس کی پکار پر لبیک کہو گے، اور سوچو گے کہ تم (دنیا میں) بہت تھوڑے دن رہے ﴿۵۲﴾

میں ان کی یہی بات بیان کی گئی ہے۔

(۳۲) مشرکین اگر کبھی قرآن سنتے بھی ہیں تو آپس میں بیٹھ کر اس کا مذاق اڑانے کے لئے ان کا مقصد علم و معرفت کا حصول اور حق کو پانا نہیں ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ محمد کو جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اسے جنون لاحق ہو گیا ہے اور یہی باتیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول پر حیرت و استعجاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان ظالموں کو دیکھئے کہ وہ آپ کو شاعر، ساحر اور مجنون کہتے ہیں اور راہِ حق سے بالکل برگشتہ ہو گئے ہیں اور حق تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہیں پارہے ہیں۔ یا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ آپ میں کوئی ایسا عیب نہیں نکال پارہے ہیں جسے دنیا مان لے۔

(۳۳) توحید و رسالت کے سلسلے میں مشرکین مکہ کے شہادت کی تردید کرنے کے بعد، اب بعث بعد الموت کے بارے میں ان کے شہادت کی تردید کی جا رہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کی ہڈیاں گل سرسڑکٹی میں مل جاتی ہیں، یہ بات بعید از عقل ہے کہ سابق جسم کے اجزاء دوبارہ جمع ہو جائیں اور ان میں زندگی عود کر آئے؟! اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ مردہ بدن کو دوبارہ بنا کر اس میں زندگی دوڑا دینا ہمارے لئے بہت ہی آسان ہے، چاہے اس بدن سے زندگی کے آثار پتھر یا لوہے کی طرح کیوں نہ ناپید ہو گئے ہوں، یا کسی اور چیز کی طرح جس کا زندہ ہونا تمہارے نزدیک ناممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا، اور کوئی چیز اس سے مانع نہیں بنے گی۔

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۵۴﴾
 رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّ يَشَاءُ يَرْحَمَكُمْ أَوْ إِنَّ يَشَاءُ يُعَذِّبْكُمْ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۵۵﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَاتَّبَعْنَا أُوْدُودَ زَبُورًا ﴿۵۶﴾

اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں سے وہ بات (۳۴) کریں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان لوگوں کے درمیان فساد پیدا کرتا ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ﴿۵۴﴾ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے، وہ چاہے تو تم پر رحم کرے یا چاہے تو تمہیں عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے ﴿۵۵﴾ اور آپ کا رب ان تمام مخلوقات سے خوب واقف (۳۵) ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داؤد کو زبور دیا تھا ﴿۵۶﴾

مشرکین اس جواب پر کوئی اعتراض نہ کر سکے تو کہنے لگے کہ ہمیں کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے وہ یقیناً دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس جواب پر کفار حیرت و استعجاب اور استہزاء آمیز انداز میں اپنا سر ہلانے لگے کہ ایسا کب ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ وہ دن قریب ہے، جب وہ تمہیں بلائے گا تو تم لوگ فوراً اس کا جواب دو گے۔ یعنی مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے میں اللہ کو دیر نہیں لگے گی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ فی الواقع مُردوں کو آواز دے گا تو وہ اٹھ بیٹھیں گے، جیسا کہ سورہ ق آیت (۳۱) میں آیا ہے: ﴿يَوْمَ يَنفُخُ النُّعْدَانُ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ﴾ کہ ”جس دن پکارنے والا قریب سے پکارے گا“۔ اور مُردے جب زندہ ہوں گے تو اللہ کی تعریف اور اس کی پاکی بیان کر رہے ہوں گے، اور مارے دہشت کے قبروں میں رہنے یا دنیاوی زندگی کی مدت کو بہت کم سمجھیں گے۔ (۳۴) مسلمانوں کا مشرکین مکہ کے ساتھ کبھی کبھار توحید و شرک اور رسالت و آخرت کے مسائل پر ٹکرا ہوا جاتا، تو مسلمان کوئی سخت لفظ استعمال کر جاتے مثلاً جہنم کی دھمکی دے دیتے، اس اسلوب کلام سے کافروں کی عداوت مزید بھڑک اُٹھتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ مسلمانوں کو نصیحت کریں کہ وہ کافروں کو دعوت اسلام دیتے وقت گفتگو کا انداز اچھا رکھیں اور سخت کلامی سے پرہیز کریں، کیونکہ شیطان تو گھات لگائے بیٹھا رہتا ہے کہ کب اسے لوگوں کے درمیان شر پھیلانے کا موقع مل جائے۔ اس کے بعد مشرکین قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حقائق سے خوب واقف ہے۔ اگر چاہے گا تو تم پر رحم فرمائے گا اور تم حلقہ گبوش اسلام ہو کر اس کی جنت کے حقدار بن جاؤ گے، اور اگر چاہے گا تو تمہیں دلدلِ ایمان سے محروم کر دے گا، تمہاری موت شرک پر ہوگی اور تم قیامت کے دن عذاب کے مستحق ہو گے۔

آیت کے آخر میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو کافروں کی ہدایت کا ذمہ دار بنا کر نہیں مبعوث کیا ہے، کہ آپ انہیں بہر حال ایمان لانے پر مجبور کریں، آپ تو ہمارے رسول ہیں، پیغام پہنچانے کے بعد آپ کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔

(۳۵) آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے، ان کے احوال اور ضرورتوں سے اچھی طرح واقف ہے، کون نیک بخت ہے اور کون بد بخت، کون ایمان کو اختیار کرے گا اور کون کفر کو، یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَخَافُونَ أَنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ كَانَ مُعَذِّبًا ۗ

آپ کہہ دیجئے کہ تم اُن کو پکارو جنہیں اللہ کے سوا تم نے اپنا معبود (۳۶) سمجھ رکھا ہے، وہ نہ تمہاری تکلیف دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، اور نہ ہی اُسے بدل ڈالنے کی ﴿۵۶﴾ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، کہ کون اس کے زیادہ قریب ہو جائے، اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرا جاتا ہے ﴿۵۷﴾

عیال ہیں۔ اس لئے اے میرے رسول! اور میرے مسلمان بندو! تم لوگ کافروں کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کرو، اور جو تمہارے اختیار میں نہیں ہے، اس کے لئے طول خاطر نہ ہو، دعوتِ اسلامیہ کے سلسلے میں تم پر جو ذمہ داری ہے، اسے پوری کرو، اور اسے قبول کرنے یا رد کرنے کی بات اللہ کے حوالے کر دو۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر رحم کرتے ہوئے ان کی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل کو مبعوث کرتا ہے، اور اس ذمہ داری کے لئے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، وہی جانتا ہے کہ مقام نبوت پر سرفراز ہونے کا کون اہل ہے۔ اور پھر اس نے ان انبیاء کے درمیان فرق مراتب رکھا ہے، موسیٰ کو تورات دیا اور اپنا کلیم بنایا، عیسیٰ کو انجیل، اور داؤد کو زبور دیا، اور دیگر انبیاء پر ان کو فوقیت دی، اور نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم جیسی عظیم المرتبت کتاب عنایت فرمائی اور اس کی بدولت انہیں اپنے تمام نبیوں پر فضیلت بخشی۔

اور ”زبور“ کا ذکر بطور خاص اس لئے آیا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کی گئی ہیں، اور اس سے اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے داؤد کو زبور دے کر انہیں اُس دور کے تمام انسانوں پر فوقیت دی، اسی طرح اس نے عربوں میں سے محمد ﷺ کو اپنے آخری نبی کے طور پر چن لیا جو اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ صاحبِ عقل و کمال تھے، اور جن کی صداقت و امانت کا چرچا پوری دنیائے عرب میں تھا۔

(۳۶) اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو فرشتوں کے مجسموں کی پوجا کرتے تھے، اور اُن اہل کتاب کی بھی تردید کی گئی ہے جو عزیر، عیسیٰ اور مریم کے معبود ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ ان تمام مشرکین اور اہل کتاب سے کہہ دیجئے جو اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں کہ تم پر جب کوئی مصیبت آئے تو ذرا اپنے ان معبودوں کو پکار کر دیکھو تو سہی، کیا وہ تمہاری تکلیف کو دور کر دیتے ہیں یا دوسروں کی طرف اسے پھیر دیتے ہیں؟ جواب معلوم ہے کہ وہ اس کی قطعی طور پر قدرت نہیں رکھتے، کیونکہ نفع اور نقصان پر قادر تو صرف اللہ ہے۔

آیت (۵۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام، فرشتے، جن اور دیگر صالحین، جنہیں یہ مشرکین پکارتے ہیں، یہ سب تو خود اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ کی جناب میں قربت چاہتے ہیں، اللہ کی رحمت کی امید لگائے رہتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، اس لئے کہ اس کا عذاب وہ عذاب ہے جس سے تمام اربابِ عقل و خرد پناہ مانگتے ہیں۔ تو جو خود اپنے انجام سے واقف نہیں، اور جو اللہ کی رضا کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ ان کی عبادت کیسے کی جاسکتی ہے؟

وَمَنْ قَرَّبَ إِلَيْنَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مَعَدَّ بُوْهَا عَدَا بَابًا شَدِيدًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۳۷﴾
 وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ
 بِالْآيَاتِ إِلَّا تَعْوِيفًا ﴿۳۸﴾

اور روز قیامت سے پہلے ہم ہر ایک بستی کو یا تو (طبعی طور پر) ہلاک (۳۷) کر دیں گے یا (گناہوں کی وجہ سے) اُسے سخت عذاب دیں گے، یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ﴿۵۸﴾ اور نشانیاں (۳۸) بھیجنے سے ہمیں اس بات نے روک دیا ہے کہ گذشتہ قومیں ایسی نشانیاں کو جھٹلاتی رہی ہیں۔ اور ہم نے ثمود کو واضح نشانی کے طور پر اونٹنی دی تھی، تو انہوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی، اور ہم ایسی نشانیاں لوگوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں ﴿۵۹﴾

﴿وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادت کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف پایا جائے، کیونکہ بندہ جب اللہ سے اچھی امید رکھے گا تو کثرت سے نیک اعمال کرے گا، اور جب اس کے عذاب سے ڈرے گا تو گناہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

(۳۷) اس آیت کریمہ میں اہل کفر کی بستیوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے یا تو اللہ تعالیٰ انہیں موت دے کر ہلاک کر دے گا یا ان پر کوئی شدید عذاب نازل کرے گا۔ اور قیامت کے دن سے پہلے کی قید اس لئے لگائی کہ اس دن تو دنیا کی عمر ختم ہو جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمام ہی بستیوں کو ختم کر دے گا، اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود آیت (۱۰۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ کہ ”ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا“۔ اور سورہ الطلاق آیات (۹۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرَسَلَهُ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نَكِرًا﴾ ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا﴾ کہ ”بہت سی بستیوں والے نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور ان دیکھی آفت ان پر ڈال دی، پس انہوں نے اپنے کر توت کا مزہ چکھ لیا، اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا“۔

(۳۸) امام احمد اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ صفا پہاڑی کو سونا میں بدل دیں، اور مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹادیں تاکہ کھیتی کریں، تو آپ ﷺ سے (بذریعہ جبریل) کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو اور انتظار کر لیں، اور چاہیں تو ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ لیکن اس کے بعد اگر وہ کفر پر باقی رہے تو گذشتہ قوموں کی طرح انہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں انتظار کروں گا۔ یہ آیت کریمہ اسی موقع سے نازل ہوئی، اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل قریش کی مطلوبہ نشانیاں ہم اس لئے نہیں بھیجتے ہیں کہ وہ بھی گذشتہ قوموں کی طرح ان نشانیاں کو جھٹلائیں گے، اور انجام کار انہیں بیکسر ختم کر دیا جائے گا۔ اور ہمارا فیصلہ ہے کہ ان کے ساتھ ایسا نہ ہو، اس امید میں کہ شاید وہ ایمان لے آئیں، یا ان کی نسلوں میں ایسے لوگ آئیں جو ایمان لے آئیں۔

اس کے بعد قوم صالح کا ذکر بطور نمونہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اونٹنی بطور نشانی دی، جسے انہوں نے ہلاک کر دیا، تو سنت الہیہ کے مطابق انہیں بالکل ختم کر دیا گیا۔ آگے فرمایا گیا کہ ہم یہ نشانیاں لوگوں کو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا انجام ہلاکت و بربادی ہوگی۔

وَلَوْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي آرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُفُوهُمْ فَمَا يُبْزِلُ هُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿۳۹﴾

اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ بے شک آپ کا رب تمام لوگوں کو اپنے گھیرے (۳۹) میں لئے ہوئے ہے۔ اور ہم نے جو مشاہدات (شب معراج میں) آپ کو کرائے، انہیں ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا تھا، اور اس (زقوم کے) درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت بھیجی گئی ہے۔ اور ہم کفار مکہ کو ڈراتے ہیں، لیکن یہ چیز ان کی سرکشی کو بہت زیادہ بڑھادتی ہے ﴿۶۰﴾

(۳۹) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا ہے کہ آپ کے رب سے لوگوں کی کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ ان کافر و عناد اور آپ کی تکذیب سب اس کے علم میں ہے۔ آپ نے انہیں اپنے آسمان پر بلائے جانے، اور جہنم میں پیدا ہونے والے زقوم کے درخت کی خبر دی تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا ہے۔ یہ خبر لوگوں کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی۔ اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ آیت میں "رؤیا" سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے معراج کی رات دیکھی تھیں۔ جب آپ نے معراج سے واپسی کے بعد لوگوں سے وہ نشانیاں بیان کیں تو کچھ لوگوں نے انکار کر دیا اور آپ کو جھٹلایا، لیکن مخلص مسلمانوں کا ایمان قوی تر ہو گیا۔ ابن جریر طبری نے حسن بصری رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو عشاء کے وقت بیت الحرام سے بیت المقدس لے جایا گیا، جہاں انہوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد اللہ نے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ پھر صبح کے وقت آپ مکہ آگئے اور لوگوں کو معراج کی خبر دی، تو کافروں نے کہا کہ اے محمد! کیا تم شام کو بیت المقدس میں تھے اور صبح کو ہمارے پاس آگئے ہو؟! اس بات سے انہیں اتنی حیرت ہوئی کہ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر کچھ ضعیف الایمان مسلمان مرتد ہو گئے۔

کچھ دوسرے لوگوں کی رائے ہے کہ "رؤیا" سے مراد نبی کریم ﷺ کا یہ خواب ہے کہ آپ مکہ میں بحیثیت فاتح داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے سال آپ صحابہ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، لیکن چونکہ ابھی فتح مکہ کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے آپ کو واپس آنا پڑا، تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں سے تو کہا تھا کہ مکہ میں داخل ہوں گے تو پھر کیوں نہ داخل ہو سکے۔ یہ واقعہ ان کے لئے آزمائش بن گیا۔ جب دوسرے سال مکہ فتح ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ نازل فرمایا۔ اس قول کے مطابق یہ آیت مدنی ہوگی، جو کی سورت میں داخل کر دی گئی ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک آیت میں ﴿شَجَرَةٌ مَلْعُونَةٌ﴾ سے مراد زقوم کا درخت ہے جس کا ذکر سورۃ الصافات آیت (۶۳/۶۳/۶۳) میں آیا ہے: ﴿أَذَلَّكَ حَيِّرْنَا لَمَّا تَمْ شَجَرَةَ الزُّقُومِ﴾ ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا فِيتَنَةَ اللَّطَّالِمِينَ﴾ ﴿إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيهَا أَصْلُ النَّجِيمِ﴾ ﴿کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت، جسے ہم نے ستمگاروں کے لئے سخت سزا بنا رکھا ہے، جو جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے۔﴾

طبری، ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کو ڈرانے کے لئے شجر زقوم کا ذکر کیا، تو ابو جہل نے کہا، اے اہل قریش! وہ شجرہ زقوم جس سے تمہیں محمد ڈراتا ہے، جانتے ہو وہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، تو اس نے کہا: وہ میثرب کی عجو کھجور ہے جسے کھن کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر

وَاذْقُنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْبَجُودًا وَاِلَادِمًا فَمَسْجُودًا وَاِلَّا اِبْلِيسَ ؕ قَالَ ءَاَسْبُدُّ مِنْ خَلْقِكَ طِيْنًا ۙ قَالَ اَرَدَيْتَكَ هٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَنَا عَلٰى ذٰلِكَ اِنْ اَخْرَجْنَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَكَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ قَالَ اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنْ جَهِلَكُمْ جَزَاؤُهُمْ جَزَاءُ هٰؤُلَاءِ هُمُ الْفٰوِرُوْنَ ۙ وَاسْتَفْزِرْ مِنْ اَسْطَعْتُمْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْبِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَاَلْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعْبُدُهُمْ الشَّيْطٰنُ اِلَّا عُرْوَةً ۙ اِنْ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّاَكْفِيْ بِرَبِّكَ وَاَكْبِرًا ۙ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب آدم کو سجدہ (۳۰) کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اُس نے کہا، کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿۶۱﴾ (نیز) کہا، دیکھا تو نے! یہ (آدم) جسے تو نے میرے مقابلے میں عزت دی ہے، اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دی، تو کچھ کے سوا میں اس کی پوری نسل کو ہلاک کر دوں گا ﴿۶۲﴾ اللہ نے کہا، جا، ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا، تو بے شک جہنم تم سب کا پورا پورا بدلہ ہوگی ﴿۶۳﴾ اور ان میں سے تو جسے آواز لگا کر بہکا سکے بہکا لے، اور اُن پر اپنے سوار و پیادہ لشکر کے ذریعہ چڑھائی کر، اور ان کے اموال و اولاد میں ان کا شریک بن جا، اور ان سے اچھے اچھے وعدے کر دے، اور شیطان اُن سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے ﴿۶۴﴾ میرے مخلص بندوں پر تجھے کوئی قدرت حاصل نہیں ہوگی، اور آپ کا رب بطور کار ساز (آپ کے لئے) کافی ہے ﴿۶۵﴾

ہمیں وہ مل جائے تو اسے خوب کھائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور یہاں "ملعونۃ" درخت کی صفت آئی ہے، لیکن اس سے مراد اس کا کھانے والا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدخان آیات (۴۳/۴۴) میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقٰوْمِ طَعَامٌ لِّلْاٰثِمِيْنَ﴾ "زقووم کا درخت گناہ گاروں کا کھانا ہے۔"

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کفارِ قریش کو ان باتوں اور انہی جیسی دوسری باتوں کے ذریعہ ڈرانا چاہتے ہیں تاکہ ایمان لے آئیں، لیکن نتیجہ اُلٹا ہوتا ہے اور اُن کی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے۔

(۳۰) چونکہ کفار و مشرکین کی سرکشی ابلیس لعین کی پیروی کا نتیجہ ہوتی ہے، اسی لئے اب شیطان کی سرکشی بیان کی جا رہی ہے، اور بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور حق کا انکار شیطان اور اس کے پیروکاروں کا شیوہ رہا ہے، اور ان سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ابلیس اور اس کی سرکشی کا یہ واقعہ البقرہ، الاعراف، الحجر، بنی اسرائیل، الکہف، طہ اور ص، سات سور توں میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ واقعہ پانچ آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ہمارے نبی! آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم لوگ آدم کی تکریم و احترام میں اس کا سجدہ کرو، تو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ اس نے نفرد و تمرد کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ تو نے جو اسے مجھ پر فوقیت دی ہے اور مجھے اس کے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، تو ایسا کیوں کیا ہے؟ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی، تو سوائے چند مخلص مسلمانوں کے، میں سب کو گمراہ کر کے ہلاک کر دوں گا، یا میں جدھر چاہوں گا انہیں بہکا کر لے جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔ جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے، ان کا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا، جو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔ تو اب تم ان میں

رَبُّكُمُ الَّذِي يُرِيكُمُ الْفَلَكَ فِي الْبَحْرِ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَإِذْ أَمْسَكُمُ الصُّرُفُ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۗ فَلَمَّا بَلَغْنَاكُمُ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخَسِّفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا يَأْتِيكُمُ الْبَرْقُ وَلَا يَكْمُرُ عَلَيْكُمْ سُحُبًا تُفِيضُ مِنْهُمُ الْغَيْطَ الَّذِي يُسِيلُ عَلَيْكُمْ فَأَصْفَاكُمْ مِنَ الرَّجْمِ ۖ فَيُعْرِضْكُمْ يَوْمَ الْكُفْرِ تُمْرًا لَا تُمْرًا وَلَا يَعْلَمُ لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيْعًا ۖ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں کشتیوں (۳۱) کو چلاتا ہے، تاکہ تم اس کی پیدا کی ہوئی روزی حاصل کرو، وہ تم پر نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۶۶﴾ اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا وہ تمام معبود جنہیں تم پکارتے رہے تھے تم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو اس سے رُوگردانی کر لیتے ہو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) انسان بڑا ہی ناشکر گزار ہے ﴿۶۷﴾ کیا تمہیں اس بات سے اطمینان ہو گیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ خشکی کے کنارے کو دھسائے، یا تم پر پتھروں اور کنکروں والی تند ہوا بھیج دے، پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ ﴿۶۸﴾ کیا تمہیں کیا اطمینان ہو گیا ہے کہ وہ دوبارہ تمہیں سمندر میں لوٹا دے، پھر تم پر ایک شدید طوفانی ہوا بھیج دے، پھر تمہارے کفرانِ نعمت کی وجہ سے تمہیں ڈبو دے، پھر تم اپنے اس انجام کے لئے ہمارا کوئی چچھا کرنے والا نہ پاؤ ﴿۶۹﴾ اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی ہے اور ان کو بحر و بر میں سفر کے لئے سواری دی ہے، اور پاکیزہ چیزیں بطور روزی عطا کی ہے، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی ہے ﴿۷۰﴾

سے جسے آواز دے کر اپنی بیروی پر ابھار سکتے ہو ابھارو اور انہیں دھوکہ دو۔ (بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد لہو و لعب اور شفاء اور موسیقی ہے) اور انہیں اپنا پیر و کار بنانے کے لئے تمام حربے اور تمام ذرائع استعمال کرو، مکرو فریب کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں سب کو اختیار کرو، اور ان کے مال و دولت اور اولاد میں شریک بن جاؤ، بایں طور کہ وہ حرام ذرائع سے دولت حاصل کریں، غصب کریں، چوری کریں، سود کھائیں، اور حرام کاموں پر خرچ کریں، جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑیں، اور ناجائز طریقوں سے اولاد حاصل کریں، عبد الملات اور عبد العزیمی وغیرہ ان کے نام رکھیں، صلاح و تقویٰ کے مطابق ان کی تربیت نہ کریں اور انہیں ٹھہر، زندیق اور کافر بنائیں، اور ان سے وعدہ کرو کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، یا یہ کہ ان کا انجام ہمیشہ اچھا ہوگا اور ہر دم غلبہ انہی کو ملے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان کا وعدہ ہمیشہ فریب پر مبنی ہوتا ہے، پھر شیطان سے کہا کہ میرے جو مخلص بندے ہوں گے، ان پر تمہاری ایک نہیں چلے گی، تم انہیں گمراہ نہیں کر سکو گے، تمہارا رب ان کا حامی ہوگا، وہ اپنے رب پر بھروسہ کریں گے اور تمام امور میں اسی کی جناب میں پناہ لیں گے، اور وہ ان کے لئے کافی ہوگا۔

(۳۱) یہاں سے آیت (۷۰) تک اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت والوہیت کی چند نشانیاں بیان کی ہیں۔ اس نے بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے جو کشتیوں کو سمندر میں ہواؤں کے سہارے چلاتا ہے تاکہ تم اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہو تجارت کی غرض سے جاؤ، اور اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی حاصل کرو۔ یقیناً وہ تم پر بہت مہربان ہے کہ سمندر تک کو تمہارے لئے

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِسْمِهِمْ ۗ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۳۲﴾

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے پیشواؤں (۳۲) کے نام کے ساتھ پکاریں گے، اُس دن جن لوگوں کو ان کا نامہ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ انہیں پڑھیں گے، اور ایک دھاگے کے برابر ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

مسخر کر دیا، تاکہ تم اسے اپنے سفر اور تجارت کے لئے باسانی استعمال کر سکو۔ اور جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور بیچ سمندر میں تمہیں کوئی بیماری یا پریشانی لاحق ہو جاتی ہے یا راستہ کھو بیٹھتے ہو یا کسی سمندر میں پھنس جاتے ہو اور کشتی ڈوبنے لگتی ہے، تو تم اپنے تمام باطل معبودوں کو میکسر بھول جاتے ہو اور فطرت کے تقاضے کے مطابق صرف ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہو، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، لیکن جب وہ تمہیں خیر و خوبی کے ساتھ ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو اس کی یاد سے غافل ہو جاتے ہو، اور پھر اپنے جھوٹے معبودوں کو پکارنے لگتے ہو، اس لئے کہ انسان طبعی طور پر بڑا احسان فراموش واقع ہوا ہے۔

آیت (۶۸) میں اس ناشکری پر دھمکی دیتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ سمندر سے نکل کر جس حصہ زمین پر اترے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو دھسا دے اور تم زمین کے نیچے چلے جاؤ، یا کسی شدید آندھی کو بھیج دے جو تم پر چتروں کی بارش کر دے، اور تمہیں ہلاک کر دے، اور کوئی تمہاری مدد کے لئے نہ آئے۔ یا تم اس بات سے نہیں ڈرتے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں پہنچا دے اور پھر کسی شدید طوفان کی زد میں ڈال کر کفر و تمرد کی وجہ سے فرعونوں کی طرح ڈبو دے، اور تمہارا کوئی ساتھ دینے والا نہ ہو جو پوچھ سکے کہ ہم نے تمہیں عذاب کیوں دیا؟

جب اللہ کے سوا کوئی تمہارا سہارا نہیں، کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں تو کیوں نہیں تم اس پر دل سے ایمان لاتے ہو؟ کیوں نہیں سارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے اس کی غلامی اور بندگی کا عہد کر لیتے ہو؟ اور کیوں نہیں صرف اسی کے ہو جاتے ہو؟ آیت (۷۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو قوت گویائی، عقل دہوش، علم و معرفت، اچھی شکل و صورت اور زمین پر پائی جانے والی تمام اشیاء سے استفادہ کرنے کی قوت دے کر، انہیں بڑی عزت دی ہے، ہم نے ان کے لئے خشکی اور پانی میں سفر کرنے کے تمام ذرائع آسان کر دیئے ہیں، اور انواع و اقسام کی روزی دی ہے، اور انہیں جنوں اور تمام جانوروں پر فضیلت دی ہے، اور ان کے خاص افراد کو فرشتوں تک پر فضیلت دی ہے۔

لیکن آدمی جب کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، عبادت میں اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک کرتا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسروں سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ اللہ کی بدترین مخلوق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البینہ کی آیت (۶) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الْمُدِينِ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ ”بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین، دوزخ کی آگ میں جائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ (اللہ کی) بدترین مخلوق ہیں۔“

(۳۲) قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے اور جزا و سزا کے عقیدہ کو انسانوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ اس دن کو یاد کیجئے جب ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں کے نام کے ساتھ پکاریں گے۔ مفسرین نے ”امام“ کے کئی معانی بیان کئے ہیں بعض نے اس سے مراد نبی لیا ہے، بعض نے ہر زمانہ کا دینی پیشوا، بعض نے وہ کتاب الہی جو ہر قوم کے لئے نازل ہوئی تھی، بعض نے اس سے دین مراد لیا ہے، ابن عباس، حسن، قتادہ اور ضحاک وغیرہم

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۖ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَةً وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ۖ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدَّتْ تَزُكُّمُ الْيَهُودُ شَيْئًا قَلِيلًا ۖ

اور جو اس دنیا میں اندھا (۳۳) ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، اور وہ بڑا ہی گم گشتہ راہ ہوگا ﴿۷۲﴾ اور قریب تھا کہ کفار مکہ آپ کو اس دعوت توحید سے بہکا دیتے (۳۳) جس کا ہم نے آپ کو بذریعہ وحی حکم دیا ہے، تاکہ اس کے بجائے آپ ہماری طرف کوئی جھوٹ منسوب کر دیں، پھر تو وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے ﴿۷۳﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے ﴿۷۴﴾

نے اس سے مراد ہر آدمی کا نامہ اعمال لیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اسی کی تائید سورۃ الاحقاف کی آیت (۷) سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابًا بِيَمِينِهِ﴾ اور سورۃ یٰسین آیت (۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ اور سورۃ الجاثیہ آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا﴾ ہر امت کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔

صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ”اصحاب الحدیث“ کے لئے بہت بڑا شرف بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب سارے انسان اپنے اپنے اماموں اور پیشواؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے تو اصحاب حدیث نبی کریم ﷺ کے نام سے پکارے جائیں گے، اس لئے کہ ان کے امام اور پیشوا وہی ہیں۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اسے پڑھیں گے اور اس میں اپنے اعمال صالحہ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوں گے۔ اور ان کے اجر و ثواب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، جیسا کہ سورۃ مریم آیت (۶۰) میں آیا ہے: ﴿وَلَا يَظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ کہ ”عدل و انصاف والے اللہ کی جانب سے ان پر قطعی ظلم نہیں ہوگا“۔

(۳۳) جو بد نصیب انسان اس دنیا میں بصیرت سے محروم ہو کر حق کو قبول نہیں کرے گا، اور صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں ہوگا، وہ آخرت میں بھی راہِ نجات کو نہیں پائے گا اور کشاں کشاں جہنم میں گر جائے گا۔

(۳۴) مشرکین عرب نے ایک کسر نہیں اٹھا رکھی کہ نبی کریم ﷺ کو جادوہ حق سے برگشتہ کر دیں۔ انہیں تکلیفیں دیں اور ظلم و تشدد کا ہر طریقہ اختیار کیا تاکہ آپ توحید کی دعوت سے باز آجائیں، شرک پر کبیر نہ کریں، ان کے ساتھ باطل کی تائید پر مصالحت کر لیں، اور ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں ان کی مرضی کی بات کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ایسا کرتے تو مشرکین بظاہر آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور لوگوں سے کہتے کہ محمد نے ہمارے کفر کی تائید کر دی ہے اور ہمارے شرک سے راضی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی، مشرکین کی تمام سازشوں کے باوجود آپ محض اللہ کی تائید سے حق پر قائم رہے اور ان کی طرف نہ جھکے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت (۷۴) دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دل میں کافروں کی طرف میلان کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ قرآن کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللهم لا تكلنني إلى نفسي طرفة عين“ کہ ”اے میرے اللہ! مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر۔“

إِذْ أَلْقَيْنَاكَ ضَعْفَ الْحَيَاةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ تَعْلَمُ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿۳۵﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبِثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۶﴾ سُنَّةٌ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ أُولِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿۳۷﴾ أَوِمَّ الصَّلَاةُ لِلدُّلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى عَسْقِ الْيَلِّ وَقُرْآنِ الْفَجْرِ إِنَّ الْفَجْرَ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۳۸﴾

اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دنیاوی زندگی میں اور مرنے کے بعد دوہرے عذاب (۳۵) کا مزا چکھاتے، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے ﴿۳۵﴾ اور قریب تھا کہ کفار آپ کو سرزمین مکہ (۳۶) میں رہنے سے گھبرا دیتے، تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ آپ کے بعد وہاں تھوڑی مدت رہ پاتے ﴿۳۶﴾ یہی طریقہ ان کے رسولوں کے لئے اپنایا گیا تھا، جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، اور آپ ہمارے اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ﴿۳۷﴾ آپ زوال آفتاب کے وقت سے رات کی تاریکی تک نماز قائم (۳۷) کیجئے، اور فجر کی نماز میں قرآن پڑھئے۔ بے شک فجر میں قرآن پڑھنے کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہوتا ہے ﴿۳۸﴾

(۳۵) اس آیت کریمہ میں بہت بڑی دھمکی دی گئی ہے کہ آپ نے اللہ کی تائید سے ایسا کیا تو نہیں، لیکن اگر ایسی غلطی آپ سے ہو جاتی تو اپنے حق میں بہت ہی بُرا کرتے کہ ہم عذاب دینا اور عذابِ آخرت دونوں ہی کو آپ کے لئے دوگنا کر دیتے، اور آپ کا کوئی نجات دہندہ نہ ہوتا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ دوگنا عذاب اس لئے ہو تاکہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو اپنی خصوصی نعمتوں سے نوازتا ہے، اس لئے ان کے گناہ بھی بڑے شمار کئے جاتے، اور ان کی سزا بھی اسی اعتبار سے بڑی ہوتی۔

(۳۶) نبی کریم ﷺ کو ان کی دعوت توحید سے روکنے کی جب تمام شیطانی چالیں ناکام ہو گئیں، تو کافروں نے آپ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، تاکہ آپ تنگ آکر مکہ سے باہر چلے جائیں۔ اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ اگر مشرکین آپ کو نکال دیتے تو آپ کے بعد وہ لوگ کچھ ہی دن زمین پر زندہ رہتے، اس لئے کہ اللہ کی سنت یہی رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی کو شہر بدر کیا، اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا، یا جب بھی اللہ نے کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہا تو پہلے اپنے نبی کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں سے یہ بات نکال دی، چنانچہ انہوں نے آپ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ ترک کر دیا، اس کے بعد آپ خود ہی اللہ کے حکم کے مطابق ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

(۳۷) روز قیامت، اس دن کے جزا سزا اور مشرکین عرب کی بعض سازشوں کو بیان کرنے کے بعد، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے جو سب سے اہم عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ البقرۃ آیت (۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ کہ ”اے مسلمانو! تم لوگ صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ سے مدد مانگو“۔ مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد نمازِ حج گناہ ہے جس کی ادائیگی ان کے محدود اوقات میں فرض ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ ﴿دُلُوكِ الشَّمْسِ﴾ کا معنی زوال آفتاب ہے، جو ظہر اور عصر کی نماز پر دلالت کرتا ہے۔ اور ﴿غَسَقِ اللَّيْلِ﴾ سے مراد رات کی تاریکی ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان مشترک ہے۔ اور ﴿قُرْآنِ الْفَجْرِ﴾ سے مراد نمازِ فجر ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی متواتر قولی اور فعلی سنتوں کے ذریعہ ان اوقات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، اور ابتداء اسلام سے آج تک امت اس پر عمل پیرا ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَجُدْ لَهُمْ فَأَقْلَبَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا ﴿۸۱﴾ وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقِيْ وَاخْرِجْنِيْ مَخْرَجِ صِدْقِيْ وَاَجْعَلْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۳﴾

اور رات کے کچھ حصے میں نماز تہجد^(۳۸) میں قرآن پڑھئے، یہ آپ کے لئے زائد نماز ہوگی۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ”مقام محمود“ پر پہنچا دے گا ﴿۸۱﴾ اور آپ کہتے کہ اے میرے رب! مجھے عمدہ طریقہ سے (مدینہ) پہنچا دے ﴿۸۲﴾ اور مجھے عمدہ طریقہ سے (مکہ سے) رخصت کر دے، اور تو میرے لئے اپنے پاس سے مدد کرنے والی قوت مہیا کر دے ﴿۸۰﴾ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا ﴿۵۰﴾ اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے کی چیز ہوتی ہی ہے ﴿۸۱﴾

مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے ہر نماز کا وقت بیان کر دیا، اور نبی کریم ﷺ نے ہر نماز کی تعداد رکعات بیان فرمادی۔ ابن سیرین، ابن المنذر اور کچھ دیگر ائمہ کرام نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کبھی کبھار بغیر خوف و بیماری اور بغیر بارش کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں سات آٹھ دن تک ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایسا آپ نے بغیر خوف اور بغیر سفر کے کیا، لیکن بہت سے راویوں نے آپ ﷺ کے اس فعل کو برسات کی رات پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿إِنْ قُرْءَانُ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ سے مراد فجر کی نماز کا وقت ہے، جب رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ بخاری شریف کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہی ثابت ہے، اور جمہور مفسرین کی یہی رائے ہے۔ (۳۸) نماز پنجگانہ کے بعد اس آیت کریمہ میں آپ کو نماز تہجد کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نماز آپ پر اس لئے واجب کی گئی تھی، تاکہ آپ کے درجات بلند ہوں، ورنہ آپ کے تو اگلے پچھلے سبھی گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ دیگر مسلمانوں کے لئے یہ نماز مستحب ہے۔ نماز پنجگانہ اور نوافل کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے یہ کریمانہ وعدہ کیا ہے کہ ان کا رب انہیں ”مقام محمود“ یعنی شفاعت کبریٰ کی اجازت مرحمت فرمائے گا، جس کے بموجب آپ قیامت کے دن مخلوق کے لئے اللہ کے حضور سفارش کریں گے، تاکہ ان کے بارے میں اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے، جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں بھیج دیئے جائیں اور مخلوق کو میدانِ محشر کے طویل قیام اور اس کی صعوبتوں سے نجات مل جائے۔ صحیح احادیث سے ”مقام محمود“ کا یہی معنی ثابت ہے۔ ابن جریر اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔

(۳۹) امام احمد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم آنے سے پہلے نازل ہوئی، اس میں آپ کو تعلیم دی گئی ہے کہ نماز اور غیر نماز میں یہ دعا پڑھا کریں گویا یہ بشارت تھی کہ عنقریب ہی ہجرت کا حکم صادر ہونے والا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اپنی دعا میں یوں کہا کیجئے کہ میرے رب! مجھے مدینہ میں داخل کر دے جو میرا دارالہجرہ ہے اور جہاں مجھے کوئی تکلیف نہیں دے گا، اور مجھے مکہ سے نکال دے، بائیں طور کہ میرے دل میں دوبارہ

وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ لِّرُوحِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَإِذْ أَوْعَدْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ عُرْضًا وَنَايِبًا نَّبِيًّا ۗ وَإِذْ آمَسَّهُ الشُّرُكُ كَانَ يُؤَسِّئًا ۝

اور ہم قرآن (۵۱) میں بعض ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنوں کو شفا دینے والی اور ان کے لئے باعثِ رحمت ہوتی ہیں، اور ظالموں کے خسارے میں اضافہ کر دیتی ہیں ﴿۸۲﴾ اور جب ہم انسان کو نعت (۵۲) دیتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، اور بندگی سے دور ہو جاتا ہے، اور جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ناامید ہو جاتا ہے ﴿۸۳﴾ وہاں لوٹ کر جانے کا جذبہ باقی نہ رہے، اور اپنی جانب سے میرا کوئی معین و مددگار تیار کر دے جو تیرے دین کے دشمنوں کے خلاف میری مدد کرے۔

(۵۰) اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو بشارت دی گئی ہے، کہ مکہ فتح ہوگا، اور آپ اس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے، کعبہ کے ارد گرد رکھے ہوئے تین سوساٹھ بتوں کو توڑیں گے، اور اپنی زبان مبارک سے کہیں گے کہ اب حق آپہنچا، اور باطل کی کمر ٹوٹ گئی، اور حق کی جولا نیوں کے سامنے باطل کب ٹھہر سکتا ہے۔

بخاری، مسلم، حافظ ابو یعلیٰ اور دیگر محدثین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سوساٹھ بت تھے۔ آپ انہیں ایک لکڑی سے ٹھوک لگا کر گراتے رہے اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ پڑھتے رہے۔

(۵۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت بتایا ہے۔ اس کے ذریعہ مومنوں کو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی شفا ملتی ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ضلالت و گمراہی، شکوک و شبہات، شیطانی وسوسوں اور تمام بُرے اخلاق و عادات سے نجات ملتی ہے، اور اسے پڑھ کر دم کرنے سے جسمانی امراض سے بھی شفا ملتی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ سورۃ الفاتحہ سات بار پڑھ کر دم کرنے سے سانپ کا زہر اتر گیا، اور اس کے عوض صحابہ کو تیس بکریاں ملیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں ادویہ و اعذیہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ قرآن کے ذریعہ تمام قلبی اور بدنی بیماریوں سے مکمل شفا ملتی ہے، اور دنیا و آخرت کی بھی تمام بیماریوں سے شفا ملتی ہے، لیکن ہر آدمی اس سے مستفید ہونے اور اس کے ذریعہ شفا حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور یہ قرآن مومنوں کے لئے رحمت بھی ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے۔ اور کفار چونکہ اس پر ایمان نہیں رکھتے، اس لئے جوں جوں قرآن نازل ہوتا جاتا ہے، ان کے کفر و طغیان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور قدم بہ قدم جہنم کی کھائی کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔

(۵۲) اس آیت کریمہ میں اس کافر انسان کی حالت بیان کی گئی ہے جو نورِ ایمان سے محروم ہوتا ہے، اور دنیا کی محبت فکرِ آخرت پر غالب ہوتی ہے۔ ایسا انسان اللہ کا بڑا ہی ناشکر گزار ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے ہلاکت سے نجات دے دیتے ہیں تو ناشکری پر اتر آتا ہے اور اسے پکارنا بھول جاتا ہے، اور جب اسے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے، خوف، مرض یا بھوک میں مبتلا ہوتا ہے، تو اللہ پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے یاس و ناامیدی کے گہرے بادل اس پر چھا جاتے ہیں۔ اس کے برعکس مومن نعمتِ پاکر سراپا شکر بن جاتا ہے، اور مصیبت کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ سورۃ ہود کی آیات (۱۱۱۰-۱۱۰۹) میں اللہ تعالیٰ نے اسی

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِرَاتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ۖ وَيَسْتَأْذِنُوا لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْ قَدْ أُوتِيَ قُرْآنًا مِّنْ أَمْرِي ۖ وَمَا أُوْتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَلَكِنَّ شَيْئًا لَّا تَدْرَهُنَّ بِالذِّمَىٰ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لَتُؤَلِّقُنَّ لَكَ يَدًا عَلَيْنَا وَكَيْلًا ۖ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝

آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ (۵۳) کے مطابق عمل کرتا ہے، پس آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر کون ہے ﴿۸۲﴾ اور کفار مکہ آپ سے روح (۵۴) کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے، اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے ﴿۸۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے آپ پر وحی (۵۵) کی ہے اسے واپس لے لیں، پھر اس کا روائی پر ہمارے خلاف آپ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے ﴿۸۶﴾ مگر آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا) بے شک آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے ﴿۸۷﴾

حقیقت کو بیان فرمایا ہے، اور ان مومنوں کو مستحکم قرار دیا ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں، یعنی جب انہیں نعمت ملتی ہے تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتے ہیں۔

(۵۳) اس آیت کریمہ میں مومن کی تعریف اور کافر کی مذمت بیان کی گئی ہے، کہ ہر انسان اپنے مذہب و طریقہ اور اخلاق و کردار کے مطابق عمل کرتا ہے۔ کافر اپنے طریقہ پر چلتا ہے، اور مومن اپنے طریقہ پر۔ اور شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے، لیکن ہدایت یافتہ کون ہے اس کا صحیح علم صرف اللہ کو حاصل ہے، اور قیامت کے دن وہ ہر ایک کو اس کے عمل اور کردار کے مطابق بدلہ دے گا۔

(۵۴) بخاری و مسلم اور امام احمد وغیرہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہود مدینہ نے رسول اللہ ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ یہود مدینہ نے قریش کو کہلا بھیجا کہ وہ محمد سے اہل کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں پوچھیں۔ اگر وہ دو کے بارے میں بتائے اور تیسری چیز کے بارے میں خاموشی اختیار کرے تو وہ نبی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف نازل کی جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ ہے اور یہ آیت نازل کی جس میں روح کا تذکرہ ہے۔

روح کا اطلاق عظیم فرشتہ جبریل علیہ السلام، اور اس پوشیدہ چیز پر ہوتا ہے جو پورے جسم انسانی میں پھیلی ہوتی ہے، اور جس کے سبب انسان کا جسم زندہ رہتا ہے۔ یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے، جس کی حقیقت کسی انسان کو نہ معلوم ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ وہ ایک ایسی شے ہے جس کی حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسانو! تمہیں تو بہت ہی معمولی سا علم دیا گیا ہے، اس لئے اس کریمہ میں نہ پڑو کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

اس آیت کریمہ سے اس بات کی ممانعت ثابت ہوتی ہے کہ آدمی روح سے متعلق غیر ضروری اور غیر مفید بحث میں پڑے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا ماضی میں شیوہ رہا ہے، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا اور بات وہیں کی وہیں رہ گئی کہ روح کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

(۵۵) اللہ تعالیٰ اپنے نبی (ﷺ) پر قرآن کریم جیسی عظیم ترین نعمت کا احسان جتا رہا ہے جو مومنوں کے ہر درد کا درماں اور مجسم

قُلْ لِّیْنَ اَجْمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَیْسَ لَیْ اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِهِ وَاَلَوْ كَانُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِرًا ﴿۱۰﴾ وَاَلْقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مِثْلِ فَاَبٰی اَنْذَرْنَا النَّاسَ الْاَلْفُوْزًا ﴿۱۱﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتّٰی تَنْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَبْنُوْغًا ﴿۱۲﴾ اَوْ كَاَنْ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَحْتِیْ وَعَنْبٌ فَتَنْجِعُ الْاَنْهَارُ حِلْمًا لِّتَجْعِلَ اَوْ سُقِطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا اَوْ تَاْتِیْ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۱۳﴾ اَوْ یَكُوْنُ لَكَ بَیْتُ مِّنْ ذُرْحُفٍ اَوْ تَرْفِیْ فِی السَّمَاءِ وَاَنْ نُّؤْمِنَ لِرَبِّكَ حَتّٰی تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرُؤُا قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۱۴﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انس و جن اکٹھا ہو کر اس قرآن (۵۶) جیسا لانے کی کوشش کریں گے تو اس جیسا نہیں لائیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں ﴿۸۸﴾ اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (۵۷) بیان کی ہیں، لیکن اکثر لوگوں نے انکار ہی کیا ﴿۸۹﴾ اور کافروں نے کہا کہ ہم تم پر ہرگز ایمان (۵۸) نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ تم زمین سے ہمارے لئے ایک چشمہ نہ جاری کر دو ﴿۹۰﴾ یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو جس کے درمیان سے نہریں جاری کر کے دکھا دو ﴿۹۱﴾ یا جیسا کہ کہتے رہے ہو، ہم پر آسمان کے ٹکڑے گر دو، یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا دو ﴿۹۲﴾ یا تمہارا کوئی سونے کا گھر ہو، یا آسمان پر چڑھ جاؤ، اور صرف آسمان پر تمہارے چڑھ جانے سے ہی ایمان نہیں لے آئیں گے، یہاں تک کہ تم ہمارے لئے کوئی کتاب اتار لاؤ جسے ہم پڑھیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، میں تو صرف ایک انسان ہوں جسے اللہ نے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے ﴿۹۳﴾

رحمت ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اسے آپ ﷺ کے سینے اور صفحہ قرطاس سے منادیتا اور ایک آیت بھی باقی نہ رہتی، اور کوئی ہستی ایسی نہ ہوتی جو اللہ تعالیٰ کو اس سے روک سکتی، لیکن اس کا یہ فضل و کرم ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ قرب قیامت تک اس کی حفاظت فرمائے گا، اور آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت پر دلیل و حجت بنا کر اسے باقی رکھے گا۔

آپ ﷺ پر اللہ کا صرف یہی فضل و کرم نہیں ہے، بلکہ اس کے احسانات آپ پر بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا، آسمان کی زیارت کرائی، معراج کی رات بیت المقدس میں آپ نے انبیاء کی امامت کرائی اور قیامت کے دن اللہ آپ کو شفاعت عظمیٰ کی اجازت دے گا۔

(۵۶) ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کفار قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، اگر ہم چاہیں تو تمہارے قرآن جیسا کلام لا سکتے ہیں، اور اُس وقت تمہارا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور تمہاری نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو کر کوشش کریں کہ وہ قرآن جیسا کلام لے آئیں، تو وہ ایسا نہیں کر سکیں گے، اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے بذریعہ وحی اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اور زمانہ گواہ ہے کہ چودہ صدی گذر گئی اور کوئی شخص قرآن جیسا کلام نہیں لاسکا۔

(۵۷) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے، اس قرآن کریم میں ہر وہ بات اور مثال بیان کر دی ہے جس میں غور و فکر انہیں راہ راست پر لا کر کھڑا کر دے لیکن بنی نوع انسان کا حال عجیب رہا ہے کہ اکثر لوگوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ کفر کی راہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا لَوِ ابْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مِّمَّنْ لَكُم مِّلْكًا لِّيُتَّبَعُوا ۗ قُلْ لَوْ كُنَّا فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةً لَّيَكُونُوا مُتَّعِبِينَ لَمَّا كُنَّا عَلَيْهِمْ ۗ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكًا أَوْ نُؤْتَا ۗ ﴿۹۵﴾

اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آئی تو انہیں ایمان لانے سے صرف ان کی اس بات نے روک دیا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو اپنا پیغامبر (۵۹) بنا کر بھیجا ہے ﴿۹۳﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر رہنے والے فرشتے (۶۰) ہوتے جو سکون و اطمینان کے ساتھ اس پر چلتے پھرتے، تو ہم آسمان سے فرشتے کو پیغامبر بنا کر بھیجتے ﴿۹۵﴾

اختیار کر لی اور قرآن کی تکذیب کی، اور یہ اس قضائے الہی کے مطابق ہوا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لشکرِ اہلبیس سے جہنم کو بھر دے گا۔

(۵۸) کفارِ قریش جب قرآن جیسا کلام نہیں لاسکے، اور اس دلیل کے سامنے اپنے آپ کو بالکل بے بس پایا تو دوسری نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے، جن میں سے بعض کا ذکر مندرجہ ذیل آیتوں میں آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری دعوت تو حید پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے، اور روزِ قیامت اور تمہاری نبوت کی اس وقت تک تصدیق نہیں کریں گے، جب تک تم کوئی نشانی نہ پیش کرو۔ یا تو زمین میں کوئی ایسا چشمہ جاری کر دو جس کا پانی ہمیشہ جاری رہے، یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ وجود میں آجائے جن کے درمیان نہریں جاری کر دو، یا اپنے گمان کے مطابق آسمان کو ہی بطور عذاب ہمارے سروں پر گرا دو، یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ جو تمہاری صداقت کی گواہی دیں، یا تمہارے لئے سونے کا کوئی گھر ہی اچانک نکل آئے، یا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھو۔ اور دیکھو، تمہارے صرف آسمان پر چڑھ جانے سے ہی ہم ایمان نہیں لائیں گے بلکہ ضروری ہے کہ وہاں سے ایک کتاب لے کر آؤ جس میں ہمیں حکم دیا گیا ہو کہ تم پر ایمان لے آئیں اور تمہاری پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا: آپ ان کافروں سے کہئے کہ میں تو ایک انسان ہوں جسے اللہ نے اپنا رسول بنایا ہے، ایک بندہ ماموران باتوں پر کہاں قادر ہوتا ہے جن کا تم نے ذکر کیا ہے، یہ سب باتیں تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔

(۵۹) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کا ایک شبہ بیان کیا ہے، جسے قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنا رسول بنا سکتا ہے، اور ان کا یہی شبہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے سے مانع تھا۔ سورہ یونس آیت (۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَكَاَنَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ﴾ ”کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کی ہے، اور اسے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا خوف دلایئے“۔

(۶۰) ان کے شبہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ یہ تو اس کا فضل و کرم ہے کہ بندوں کی رہنمائی کے لئے انہی جیسا رسول بھیجا، تاکہ اس کی بات سمجھیں اور اس کی زندگی ان کے لئے مشعل راہ بنے۔ اگر زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو حکمت کا تقاضا یہی ہوتا کہ ان کی رہنمائی کے لئے انہی جیسا کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا، تاکہ وہ ان کی باتوں کو سمجھتا اور اس کی زندگی ان کے لئے مشعل راہ بنتی۔ اس لئے اسے کفار مکہ! نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار بعید از عقل و قیاس بات ہے۔ بعثت انبیاء کی اسی حکمت کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۱۵۱) میں مسلمانوں سے کہا ہے: ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ ”یعنی جیسا کہ

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ أَتَدْرِكُونَ ﴿۹۱﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَبُهِتَ وَمَنْ يَضِلْ فَلَنْ يُجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَعِيرًا ﴿۹۲﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا لَئِنَّا كُنَّا عِزًّا وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّنَا إِلَىٰ الْمَلَأَةِ أَن الْمَعْمُورُونَ خَلَقْنَا جَدِيدًا ﴿۹۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی ذات بحیثیت گواہ کافی (۹۱) ہے۔ وہ بے شک اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۹۱﴾ اور جسے اللہ ہدایت (۹۲) دے وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، آپ ایسے لوگوں کے لئے اس کے سوا دوسرے دوست نہ پائیں گے۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اکٹھا کریں گے، درانحالیکہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہوگی، ہم ان کے لئے اس کی تپش کو بڑھادیں گے ﴿۹۲﴾ انہیں یہ بدلہ اس کا ملے گا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا، اور کہتے تھے کہ جب ہم ہڈیاں اور چوراہو جائیں گے، تو کیا ہم دوبارہ نئی تخلیق کے ذریعہ اٹھائے جائیں گے ﴿۹۳﴾

ہم نے تمہاری رہنمائی کے لئے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔“

(۹۱) اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کے لئے ایک قسم کی دھمکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے میں نے بحیثیت رسول، اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، اور میری صداقت و امانت پر خود اللہ گواہ ہے جو اپنے بندوں کے تمام احوال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے، اور قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے عدل و انصاف کے ساتھ اس کے اعمال کا بدلہ چکائے گا۔ اس لئے اے کفار مکہ! تمہارے لئے خیر اسی میں ہے کہ میری نبوت پر ایمان لے آؤ اور دین اسلام کو قبول کر لو۔

(۹۲) رُشد و ہدایت اور ضلالت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے، وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے، وہی راہ راست پر آگاتا ہے، اور جسے خود اس کے غلط راہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے گمراہ کر دیتا ہے، اسے نہ کوئی راہ راست پر لا سکتا ہے، اور نہ ہی اس کے قہر و غضب سے بچا سکتا ہے۔

آیت کریمہ میں ہدایت پانے والے کے لئے مفرد کی ضمیر استعمال ہوئی ہے ﴿فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ اور گمراہوں کے لئے جمع کی ضمیر ﴿فَلَنْ نُجَدِّ لَهُمْ﴾ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق کاراستہ ایک ہے، اور اسے اختیار کرنے والے کم ہوتے ہیں، اور کفر و ضلالت کی راہیں متعدد ہیں اور گمراہوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کو ہم ان کے چہروں کے بل گھسیٹیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القمر آیت (۴۸) میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ﴾ ”جس دن کفار جہنم میں اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے“۔ اور چونکہ وہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے راہ حق کو نہیں دیکھ پاتے تھے، اپنی زبانوں سے کلمہ حق ادا نہیں کرتے تھے، اور کانوں سے حق بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے، اس لئے قیامت کے دن اندھے، گونگے اور بہرے اٹھائے جائیں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس کی لپک اور تپش جب بھی کم ہوگی، اللہ اسے اور زیادہ تیز کر دے گا۔

أُولَئِكَ يَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلَ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ فَإِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ ۖ قُلْ لَوْ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۗ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَنُورًا ۙ

کیا وہ اتنی بات نہیں سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا (۱۳) کیا ہے، وہ بے شک ان جیسا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس نے ان کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن ظالموں نے کفر کی ہی راہ اختیار کی (۹۹) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے (۱۳) تمہارے اختیار میں ہوتے، تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم اپنا ہاتھ روک لیتے، اور انسان بخیل واقع ہوا ہے (۱۰۰) ﴿

زخمری نے لکھا ہے کہ چونکہ انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کر دیا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے جسموں پر آگ کو مسلط کر دے گا جو ان کو کھا جائے گی تو اللہ انہیں دوبارہ بنا دے گا، اور اسی طرح فنا ہونے اور دوبارہ بنائے جانے کا عمل جاری رہے گا تاکہ دنیا میں بعث بعد الموت کے انکار کی وجہ سے اس دن ان کی حسرت میں اضافہ ہوتا رہے۔

آیت (۹۸) میں مذکورہ بالا مفہوم کی تائید ہے کہ ایسا برتاؤ ان کے ساتھ اس لئے ہو گا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کر دیا تھا اور کہتے تھے کہ ہم جب مر کر صرف ہڈیاں اور راکھ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟ (۶۳) کافروں کے مذکور بالا شبہ کی تردید کی جا رہی ہے کہ انہیں آخر بعث بعد الموت پر کیوں حیرت ہے، کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن ان جیسا انسان دوبارہ پیدا کرے؟ اس دلیل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں بیان کیا ہے۔ سورہ لیلین آیت (۸۱) میں فرمایا ہے: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝﴾ کہ ”جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جسموں کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ بے شک قادر ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا، بڑا علم والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کی ایک مدت مقرر کر رکھی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور جب وہ گھڑی آجائے گی تو سارے لوگ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ لیکن جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں ان کا شیوہ کفر ہی ہوتا ہے، وہ تمام کھلی اور روشن نشانیوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے ہیں۔

(۶۳) مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ جبل صفا کو سونے میں اور مکہ کے ارد گرد کی زمینوں کو باغوں اور نہروں میں بدل دیں۔ اسی کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی زبانی دیا ہے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے تمام خزانوں کے مالک بن جاتے تو بھی تمہارا بخل دور نہ ہوتا اور اس ڈر سے خرچ نہ کرتے کہ کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں، اس لئے کہ بخل انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ جمہور کا یہ قول ہے کہ یہاں ”انسان“ سے مراد تمام انسان ہیں۔ اور حسن بصری کا خیال ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کی صفات سورۃ المعارج آیات (۱۹) سے (۳۳) تک میں بیان کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خَلِيقٌ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَنَسَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَكْفُرُ بِمُوسَىٰ
مَسْحُورًا ﴿۱۰۱﴾

اور ہم نے موسیٰ کو نوکھلی نشانیاں (۶۵) دی تھیں، تو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے، جب وہ اُن کے پاس (اللہ کا پیغام لے کر) آئے تو ان سے فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ! مجھے یقین ہے کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿۱۰۱﴾

رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۱۰۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۱۰۳﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۱۰۴﴾ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۱۰۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۱۰۸﴾

”بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے، جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑ بڑا اٹھتا ہے، اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر ہتھی کر کے والے ہیں، اور جن کے مالوں میں مقرر حصہ ہے، مالگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی، اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں، اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں، اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں، ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں، جو کوئی اس کے علاوہ راہ ڈھونڈھے گا تو ایسے لوگ حد سے گذر جانے والے ہوں گے، اور جو اپنی امانتوں کو، اپنے قول و قرار کو ہر آن ملحوظ رکھتے ہیں، اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں“۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روزی کے خزانوں کا مالک صرف اللہ ہے، اور وہ بڑا ہی جود و سخا والا ہے۔ اس نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، خرچ کر رہا ہے اور اس کے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ ختم نہیں ہوا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہے۔

(۶۵) کفار قریش نے رسول اکرم ﷺ سے جب ان چھ نشانیوں کا مطالبہ کیا جن کا ذکر ابھی آیات (۹۰) سے (۹۳) میں گذر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نو نشانیاں دی گئی تھیں وہ انہی مطلوبہ نشانیوں کے برابر تھیں، لیکن پھر بھی فرعون اور اس کے پیروکار ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اہل مکہ کے مطالبہ کے مطابق نشانیاں اس لئے نہیں بھیجی جا رہی ہیں کہ اگر ان کے وجود میں آجانے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور اللہ انہیں یکسر ختم نہیں کرنا چاہتا ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی نو نشانیاں مندرجہ ذیل ہیں:

بید بیضاء، عصائے موسیٰ، خون، سمندر کے پانی کا دوحصہ ہو جانا، آل فرعون کے مال و دولت کی بربادی، طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک۔ ان تمام نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی فرعون ایمان نہیں لایا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری عقل میں جادو کی وجہ سے خلل واقع ہو گیا ہے کہ ایسی ہی، ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔ بعض حضرات نے ”مسحور“ کا معنی ساحر کیا ہے، کہ تم جادو کے زور سے خلاف عادت چیزیں پیش کر رہے ہو۔ سورۃ النمل آیات (۱۳/۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنزَلَ هَذِهِ السَّمَوتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ وَإِنِّي لَأَكْثُتُكَ بِفِرْعَوْنَ مَثْبُورًا ۝ فَأَرَادَ أَنْ
يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا ۝ وَقُلْنَا مَنْ بَعْدَهُ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ
فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرِ قَرْنًا لَكُمْ لَفِيضًا ۝

موسیٰ نے کہا (۶۱) تم جان چکے ہو کہ ان معجزات کو آسمانوں اور زمین کے رب نے لوگوں کی بصیرت کے لئے نازل کیا ہے۔ اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے ﴿۱۰۲﴾ پس فرعون نے بنی اسرائیل کو سر زمین مصر سے نکال دینا چاہا، تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ تمام فرعونیوں کو دریا برد کر دیا ﴿۱۰۳﴾ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا ﴿۱۰۴﴾ کہ تم لوگ اب اس سر زمین پر رہو، پس جب آخرت کا وقت آجائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا لائیں گے ﴿۱۰۳﴾

أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ ﴿۱۰۳﴾ پس جب آنکھیں کھول دینے والے ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے، اور انہوں نے انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، صرف ظلم و تکبر کی بنا پر پس آپ دیکھ لیجئے کہ فساد برپا کرنے والوں کا کیسا انجام ہے۔“

(۶۲) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ یہ نشانیاں اس اللہ نے نازل کی ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور سیدھے دل سے اللہ کی ہدایت طلب کرنے والوں کے لئے ان میں بڑی عبرتیں ہیں، لیکن تم اپنے کبر و عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہو اور انہیں جادو کا اثر بتا رہے ہو۔ اے فرعون! میرا خیال ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے ہو، اور بالآخر تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

(۶۷) فرعون نے جب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نشانیوں کے سامنے مجبور پایا تو موسیٰ اور بنی اسرائیل کے خلاف اپنی مادی طاقت استعمال کرنے پر نکل گیا اور انہیں سر زمین مصر سے جلا وطن کرنے کا فیصلہ کر لیا، یا سب کو قتل کر دینا چاہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر کون غالب آسکتا ہے؟ چنانچہ اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کر دیا، اور بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی حکم دیا کہ وہ شام و فلسطین کی سر زمین میں اقامت پذیر ہو جائیں۔ اور مرور زمانہ کے ساتھ ایک وقت ایسا آیا جب بنی اسرائیل کے لوگ فرعون کی سر زمین، اس کے مال و دولت اور زمین و جائداد کے مالک بن گئے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی اسرائیل کو بالآخر سر زمین مصر کا مالک بنا دیا، اسی طرح اگرچہ آج آپ مکہ میں کمزور ہیں اور یہاں سے آپ کو نکل جانا پڑے گا، لیکن ایک وقت آئے گا کہ آپ یہاں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو مکہ سے کافروں کے ظلم و ستم سے نکل کر نکل جانا پڑا، لیکن چند ہی سال بعد آپ وہاں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، اور اہل مکہ آپ کے قبضے میں آگئے جنہیں آپ نے اپنے حکم و کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو اچھے اور بُرے تمام لوگ ایک ساتھ زندہ کئے جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا اور نیک بختوں اور بد بختوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

وَالْحَقُّ أَنزَلْنَاهُ وَالْحَقُّ نَزَلَ . وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَقُرْآنَ فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْتَبٍ وَنَزَلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ قُلْ أَمْتُوايَا أَوْلَاؤِ بَيْنَا أَلَمْ نَبْرَأِكُمْ إِنْ كُنَّا إِلَّا لِيُحْشَرُوا ۝ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كُنَّا إِلَّا لِيُحْشَرُوا ۝ وَعَدْرَتِنَا لِمَفْعُولًا ۝ وَيُحْزَنُونَ لِأَذْقَانِ يَسْئُرُونَ وَزَيْدٌ هُمْ حُشُوعًا ۝

اور ہم نے اس قرآن کو حق (۶۸) کے ساتھ نازل کیا ہے، اور وہ برحق نازل ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور جہنم سے ڈرائیں ﴿۱۰۵﴾ اور ہم نے قرآن کے حصے کر دیئے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو اسے آہستہ آہستہ پڑھ کر سنائیں، اور ہم نے اسے بتدریج اتارا ہے ﴿۱۰۶﴾ آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اس پر ایمان (۶۹) لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا، جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھڈیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں ﴿۱۰۷﴾ اور کہتے ہیں، ہمارا رب ہر عیب سے پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے ﴿۱۰۸﴾ اور وہ ٹھڈیوں کے بل سجدے میں گر کر روتے ہیں، اور قرآن ان کے خشوع کو اور بڑھا دیتا ہے ﴿۱۰۹﴾

(۶۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے قرآن کریم میں جو احکام اور اوامر و نواہی بیان کئے ہیں وہ اس کے علم کا ایک حصہ ہیں، اور قرآن ایسی برحق کتاب ہے جو تمام شبہات سے بالاتر ہے، نہ اس میں انسانوں کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی کمی، جیسا کہ سورہ فصلت آیت (۴۲) میں آیا ہے: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ ”جس کے قریب باطل پھنک بھی نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے“۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو یہ قدرت دے کر نہیں مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیں، آپ کا کام تو صرف دعوت و تبلیغ ہے، اللہ کی اطاعت کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیدیں، اور نافرمانی کرنے والوں کو جہنم سے ڈرائیں۔

آیت (۱۰۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو تیس تیس سالوں میں کسی حکمت کے تقاضے کے مطابق نازل کیا ہے، اور اس لئے ایسا کیا ہے، تاکہ آپ بتدریج اس کی تعلیم صحابہ کو دیتے رہیں، اور لوگوں کے احوال و مصالحوں کے مطابق بتدریج احکام الہی نازل ہوتے جائیں، اور ان کے دل و دماغ میں مثبت ہوتے جائیں۔

(۶۹) نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کافروں کو احساس دلائیں کہ اللہ اور رسول کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، نہ ان کا ایمان لانا کوئی بڑی اہم بات ہے، اور نہ ہی ان کے کفر و عناد سے کسی اور کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ اگر وہ اللہ پر ایمان نہیں لائیں گے اور قرآن کریم کو اس کی کتاب تسلیم نہیں کریں گے، تو کیا ہوتا ہے، ان سے بہت ہی اچھے لوگ، یعنی اہل کتاب کے نیک علماء مثلاً عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور نجاشی وغیرہم اسے اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کو وہی رسول مان چکے ہیں جن کی بشارت تو رات و انجیل میں دی جا چکی ہے۔ اور ان علمائے صالحین کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنی ٹھڈیوں اور سروں کے بل سر بسجود ہو جاتے ہیں کہ اس نے ان پر یہ احسان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا، اور ان پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آئے، اور اس کی عظمت اور پرہاکی بیان کرتے ہیں کہ اس

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعَاؤَ الرَّحْمَنِ أَيُّهَا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُوا بِهَا
وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿۸۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمَلَكُوتِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ
وَلِيٌّ مِنَ الدُّنْيَا وَكَثِيرٌ مِّنْ كَثِيرًا ﴿۸۱﴾

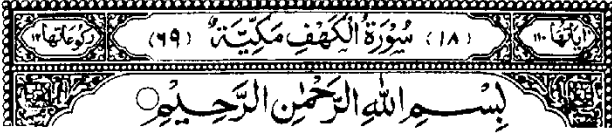
آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اللہ کو اللہ کے نام سے پکارو ویارحمن (۷۰) کے نام سے پکارو، جس نام سے چاہو اسے پکارو،
تمام بہترین نام اسی کے لئے ہیں۔ اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ اونچی آواز سے پڑھئے، اور نہ ہی بالکل پست آواز سے،
بلکہ ان دونوں کے درمیان کا طریقہ اختیار کیجئے ﴿۸۰﴾ اور آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں (۸۱) اللہ کے لئے ہیں جس
نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی، اور نہ (آسمان وزمین کی) بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے، اور نہ عاجزی کی بنیاد پر
کوئی اس کا دوست ہے، اور آپ اُس کی خوب بڑائی بیان کرتے رہئے ﴿۸۱﴾

نے اپنا وعدہ پورا کر دکھا یا اور نبی کریم ﷺ کو دنیا والوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کر دیا، اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے رب
کا ہر وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور قرآن کریم میں مذکور و عظیم و فصیح کو سن کر شدت تاثیر سے اپنی ٹھڈیوں کے بل جمدے میں
گر کر روتے ہیں اور اللہ کے لئے ان کی عاجزی و انکساری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۷۰) ابن جریر اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن کہ میں نماز پڑھی
تو دعا میں یا اللہ یا رحمان کہا۔ کافروں نے سن کر کہا کہ اس بے دین کو دکھو، ہمیں تو دو معبودوں کو پکارنے سے روکتا ہے اور خود
اس پر عمل نہیں کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”اللہ کے بہت سے اچھے نام ہیں، اسے ان ناموں میں سے جس نام
سے چاہو پکارو“۔

بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ﴾ اس وقت نازل ہوئی جب
رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپ کر عبادت کرتے تھے، اور جب صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت
کرتے مشرکین سن کر قرآن اور اس کے نازل کرنے والے کو گالی دیتے۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ اپنی آواز زیادہ اونچی نہ کریں تاکہ
مشرکین نہ سن لیں، اور نہ اتنی پست آواز سے تلاوت کریں کہ صحابہ سن نہ سکیں۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، بعد میں سنت یہ قرار
پایا کہ فجر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کی جائے۔

(۸۱) اس آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے کہیں کہ وہی ذات واحد
ہر حمد و ثنا کا مستحق ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہے، جیسا کہ بعض عربوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا، اور یہود نے عزیر علیہ السلام
کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ نہ ہی دو جہان کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے، جیسا کہ مشرکین
عرب حج میں تلبیہ پکارتے ہوئے کہتے کہ "لبيك لا شريك لك لبيك لا شريك اهو لك" کہ "اے اللہ! تیرا کوئی شریک
نہیں مگر وہ جو تیرا شریک ہے"۔ اور نہ ہی اس میں ذلت اور عاجزی پائے جانے کی وجہ سے اس کا کوئی ولی اور دوست ہے،
جیسا کہ بے دین اور مجوس کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ کے اولیاء نہ ہوتے تو اللہ کو ذلت لاحق ہوتی۔ (العیاذ باللہ)۔ مذکورہ بالا
مضمون کی مزید تاکید کے طور پر اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا، آپ یہ بیان کر دیں کہ میرا رب اس سے بلند و بالاتر ہے کہ
اسے کوئی نقص، عیب، محتاجی یا عاجزی لاحق ہو۔



الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۖ فَيَمْنَنْ بَشَأْسٍ يُدْأَمِنُ لَدُنْهُ وَيُسَبِّحُ
الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۖ مَا كُنْتُمْ فِيهِ أَبَدًا ۖ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ
وَكِدًّا ۖ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ وَلَا لِإِنبَاءِهِمْ كَلِمَةً يَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۖ

سورة الكهف مکی ہے، اس میں ایک سو دس آیتیں، اور بارہ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
سب تعریفیں (۱) اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد) پر قرآن نازل کیا، اور اس میں کوئی کجی نہیں رہنے
دی ﴿۱﴾ اسے ہر اعتبار سے دُرسٹ بنایا تاکہ وہ اللہ کے شدید عذاب سے ڈرائے، اور ان مومنوں کو جو نیک عمل
کرتے ہیں خوشخبری دے کہ ان کے لئے بہت اچھا اجر (یعنی جنت) ہے ﴿۲﴾ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۳﴾ اور
ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنی اولاد بنائی ہے ﴿۴﴾ نہ وہ اس سے متعلق کوئی علم رکھتے ہیں، اور نہ ہی
ان کے آباء و اجداد، یہ ایک بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلا کرتی ہے۔ وہ لوگ سراسر جھوٹ بولتے ہیں ﴿۵﴾

تفسیر سورۃ الکہف

نام: اس کا نام آیت (۱۰) ﴿إِذْ أَوْسَى الْفِتْيَةَ إِلَى الْكَهْفِ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصحاب کھف کے قصے
میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس پر ثابت قدم رہنے کے بہت سے فوائد بیان کئے گئے ہیں۔
زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ ابن عباس کا یہی قول ہے۔ اور آیتوں کے تتبع
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں پر اہل مکہ کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ رہا تھا، تاکہ اصحاب کھف کا
واقعہ سنا کر مسلمانوں کی ہمت افزائی کی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ ان سے پہلے مسلمانوں پر اس سے زیادہ ظلم کیا گیا، لیکن ان
کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی ابتدائی آیتیں (ایک تا آٹھ) اور آیت (۲۸) اور
آیت (۱۰۷) سے (۱۱۰) تک مدنی ہیں۔

فضیلت: امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے
فرمایا: ”جس نے سورۃ الکھف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کر لی وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہو گیا“۔ اور حاکم نے ابوسعید خدری
رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکھف کی تلاوت کرے گا، اس کے لئے
دونوں جمعوں کے درمیان ”ایک نور“ روشنی کئے ہوگا“۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے بہت سی سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں اپنی تعریف بیان کی ہے، اور اس اسلوب کلام سے اس جانب اشارہ مقصود
ہوتا ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ ہر حال میں لائق حمد و ثناء ہے، اور بندوں کو یہ تعلیم دینی بھی مقصود ہوتی ہے کہ ہر مہتمم بالشان چیز کی

فَلَمَّا كَفَرَ بِرَبِّهِمْ إِذَا حُكِمُوا عَلَىٰ أَن يَكْفُرُوا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِيهَا سَاهِبِينَ ﴿١٧﴾ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿١٨﴾

اگر کفار اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو شاید آپ ان کے پیچھے غم سے اپنی جان ہلاک (۲) کر لیں گے ﴿۱۷﴾ جو کچھ زمین پر ہے، اُسے ہم نے اس کی زینت (۳) بنائی ہے، تاکہ ہم انسان کو آزمائیں کہ اُن میں عمل کے اعتبار سے کون سب سے اچھا ہے ﴿۱۸﴾ اور جو کچھ اس پر ہے، اسے ہم ختم کر کے ایک ہموار میدان بنا دیں گے ﴿۱۸﴾

ابتدا اور انتہا اللہ کی ہی حمد و ثنا سے ہونی چاہئے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنی بڑائی اس بات پر بیان کی ہے کہ اس نے بندوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا جو اس کی عظیم ترین نعمت ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کو صفتِ عبدیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ آپ کی اور قرآن کریم کی عظمت ظاہر ہو، اور یہ بھی ظاہر ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے ہیں اور یہی آپ کا اعلیٰ مقام ہے، نہ یہ کہ انہیں اللہ کا بیٹا کہا جائے، جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

اور قرآن کریم میں نہ لغوی اعتبار سے کوئی نقص ہے، نہ ہی اس کے معانی میں تضاد ہے، اور نہ لوگوں کو حق و صداقت کی طرف بلانے کے علاوہ اس کا کوئی اور پیغام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۲) میں قرآن کو "قیم" کہا، یعنی یہ قرآن نہایت ہی معتدل کتاب ہے، ہر افراط و تفریط سے پاک، اور تمام سابقہ آسمانی کتابوں پر غالب ہے، جس بات کو وہ حق بتاتا ہے وہ حق ہے اور جسے باطل قرار دیتا ہے وہ باطل ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔

قرآن کریم کا مشن یہ ہے کہ یہ اہل شرک و معاصی کو اللہ کے دنیاوی اور آخری عذاب سے ڈراتا ہے، اور مومنین صالحین کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

آیت (۴) میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن بطور خاص ان یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو ڈراتا ہے جو اللہ پر افترا پردازی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔

اور آیت (۵) میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایسی جھوٹی بات ہے جس کی بنیاد جہالت، توہم پرستی اور باپ دادوں کی اندھی تقلید پر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی انتہا درجہ کی بُرائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ رب العالمین کے خلاف اپنے منہ سے ایسی غلط بات نکالی ہے جس کا حقیقت و واقعہ سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں ہے، یہ محض افترا پردازی ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور نصیحت کی گئی ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ پر اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس پر اتنا غمگین نہیں ہونا چاہئے کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال لیں، آپ کو صبر سے کام لینا چاہئے اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کے فیصلے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

(۳) یہ دنیا دار الامتحان ہے، دارالقرآن نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر مختلف قسم کے حیوانات پیدا کئے، اور اسے دشتوں، نہروں اور پھول پتیوں سے زینت بخشی، اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے اسے بھر دیا، تاکہ دیکھے کہ کون رنگ رلیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے، اور کون شہوتوں اور خواہشات پر غالب آکر اللہ کی اطاعت و بندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ اور ایک دن ایسا آئے گا کہ زمین اور اس پر موجود تمام اشیاء یکسر ختم ہو جائیں گی، اور زمین بے آب و گیاہ میدان بن جائے گی۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ اصْخَبَ الْكُفَّهِ وَالرَّقِيبِ ۚ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝ إِذْ أَوْى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رِزْقًا وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَا لَبِئُوا أَمَدًا ۝

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار (۴) اور رقیم بستی کے رہنے والے ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے ﴿۹۹﴾ جب ان نوجوانوں (۵) نے غار میں پناہ لے لی تو کہا، اے ہمارے رب! تو ہمیں اپنی رحمت عطا کر، اور ہمیں ہمارے معاملے میں راہِ راست پر رکھ ﴿۱۰۰﴾ تو ہم نے ان پر غار میں کئی سال کے لئے گہری نیند طاری کر دی ﴿۱۱۱﴾ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے ان کے اس حال میں رہنے کی مدت کو زیادہ اچھی طرح گن رکھا ہے ﴿۱۱۲﴾

مفسرین لکھتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں اس لئے کہ جس دنیا اور اس کی لذتوں اور شہوتوں کی خاطر آپ سے کفار عداوت کرتے ہیں، اسے بہر حال ختم ہو جانا ہے اور سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے تاکہ ان کے اعمال کا انہیں بدلہ چکایا جائے۔

(۴) اس آیتِ کریمہ سے اصحابِ کہف کے واقعہ کی ابتدا ہو رہی ہے، اور یہ ان تین سوالوں میں سے ایک کا جواب ہے جو مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے ایماء پر رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا کہ اگر محمد نبی ہوگا تو ان کا جواب دے سکے گا، ورنہ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی اور اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اصحابِ کہف کا واقعہ اس کی سب سے بڑی نشانی نہیں ہے۔ اس کی تو بے شمار بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ جو باری تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اور جو دن رات کو ایک دوسرے کے بعد لاتارہتا ہے، اور جس نے شمس و قمر اور ستاروں کو مسخر کر رکھا ہے، اس کی قدرت کے نزدیک اصحابِ کہف کا واقعہ کوئی بڑی بات نہیں، وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، وہ تو اس سے بھی عظیم ترین نشانیاں لاسکتا ہے۔

(۵) غار میں پناہ لینے والے کچھ نوجوان مسلمان تھے اور ان کے ساتھ ان کا ایک کتا تھا۔ ان کے ملک کا بادشاہ بت پرست تھا، اور لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور جو لوگ اس کی بات نہیں مانتے تھے انہیں سخت سزا دیتا تھا۔ ان نوجوانوں نے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا شہر چھوڑ دیا اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے جو مقام ایکہ کے قریب ”رقیم“ نامی وادی میں واقع تھا۔ ان نوجوانوں کو جب ذرا سکون ملا تو اپنے رب سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم نے جو شرک اور مشرکین سے کنارہ کشی اختیار کی ہے تو اپنی رحمت کو ہم پر سایہ لگن کر دے، اور اپنے دین کی خاطر اپنا گھربار چھوڑا ہے تو ہر گام پر ہماری رہنمائی فرما اور کافروں سے ہمیں نجات دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کے کانوں پر ایک پردہ ڈال دیا جس کے سبب غار سے باہر کی آواز ان تک آنی بند ہو گئی، اور اللہ نے انہیں ایسا سکون عطا فرمایا، اور وہ دشمنوں سے اس طرح امن میں آگئے کہ تین سو نو سال تک سوئے رہے۔ اس طویل مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں نیند سے بیدار کیا تاکہ وہ اس بات کا مشاہدہ کرے کہ ان کی نیند کی مدت کا جن دو گروہوں نے اندازہ لگایا تھا، ان میں سے کس کا اندازہ حقیقت سے زیادہ قریب تھا، اور تاکہ اس کے دیگر بندے

مَنْ نَقَضَ عَلَيْهِمْ بَأْسَهُمْ بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ أَمْتُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَهُمْ هُدًى ۖ وَرَبُّنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَذْقَامُوا
فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذْ أَشْطَطْنَا ۖ هُوَ إِلَهُنَا فَؤْمِنًا أَتَّخِذُوا مِنْ
دُونِهِ إِلَهًا لَوْلَا يُتَوَنَّنَّ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَنِ بَيْنَ قَوْمِنَا أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَدَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ

ہم آپ کو ان کا صحیح واقعہ (۶) سناتے ہیں، بے شک وہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے انہیں راہ راست کی طرف زیادہ ہدایت دی تھی ﴿۱۳﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط (۷) رکھا، جب وہ (دعوت حق کے لئے) کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی دوسرے معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے، ورنہ ہم حقیقت سے دور کی بات کہیں گے ﴿۱۳﴾ ہماری اس قوم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود (۸) بنائے ہیں، تو ان کے معبود ہونے کی کوئی صریح دلیل کیوں نہیں پیش کرتے ہیں۔ پس اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے ﴿۱۵﴾

اس طویل مدت تک ان نوجوانوں کے بغیر طعام و شراب کے رہنے کے بارے میں غور و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت مطلقہ پر ایمان لائیں۔

(۶) واقعہ اصحاب کہف کی اب امر واقع کے مطابق تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یہ نوجوان اپنی مشرک قوم کے برعکس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے تھے، اور اللہ نے انہیں اپنے عقیدہ میں ایسی پختگی دی کہ انہوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی راہ اختیار کر لی اور تمام دنیاوی آرام و آسائش سے منہ موڑ کر غار میں رہنا گوارا کیا۔

حافظ ابن کثیر نے ﴿إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ﴾ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بوڑھوں کے مقابلہ میں نوجوان حق کو جلد قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قریش کے اکثر بوڑھے اپنے کفر پر جمے رہے، ان میں سے بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور ﴿وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ اور اس معنی کی دیگر قرآنی آیتوں سے امام بخاری اور دیگر ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

ان نوجوانوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اس کی تردید کی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اگر وہ لوگ نصرانی ہوتے تو یہود مدینہ ان کی خبروں سے دلچسپی نہیں رکھتے، اور کفار مکہ کو نہ سکھاتے کہ وہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب کی کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے پہلے سے موجود تھا۔

(۷) اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ نوجوان سرداران قوم کے بیٹے تھے۔ ایک دن بتوں کی پوجا کے لئے اپنے گھروالوں کے ساتھ نکلے، لیکن ان کی فطرت سلیم نے بت پرستی کا انکار کر دیا۔ اور ایک اللہ کی عبادت کے عقیدہ پر اٹھا ہو گئے۔ جب بادشاہ وقت کو ان کی خبر ہوئی تو انہیں اپنے دربار میں بلایا اور بتوں کی پرستش سے انکار کا سبب پوچھا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں استقامت عطا کی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس بات کا اعلان کیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اس لئے کسی حال میں بھی ہم اس کے علاوہ کسی کو اپنا معبود نہیں بنائیں گے، اگر تم نے ایسا کیا تو اس سے بڑھ کر جھوٹ، بہتان اور اللہ پر افتراء پر دازی اور کوئی نہیں ہوگی۔

وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يُعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَاوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرُ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئُ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِزْقًا ۝ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَّوَعْنَ كَهْفَهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبْنَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدَىٰ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرِيدًا ۝

اور جب تم نے اپنی قوم سے، اور اللہ کے سوا، اُن کے معبودوں سے کنارہ کشی (۹) اختیار کر لی ہے، تو غار میں پناہ لے لو، تمہارا رب تمہیں اپنی رحمت میں لے لے گا، اور تمہارے لئے تمہارے معاملے میں سہولت بہم پہنچائے گا ﴿۱۶﴾ اور آپ دیکھتے کہ جب آفتاب (۱۰) طلوع ہوتا تھا تو ان کے غار سے دائیں طرف جھک جاتا تھا، اور جب غروب ہوتا تھا تو ان سے بچ کر بائیں طرف ہو جاتا تھا، اور وہ نوجوان غار کے ایک کشادہ حصے میں تھے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے اس کا آپ کوئی راہ دکھانے والا دست نہ پائیں گے ﴿۱۷﴾

(۸) ان نوجوانوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم نے اللہ کے علاوہ دوسرے بہت سے معبود بنائے ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ عمل صحیح ہے تو انہیں اپنے دعویٰ کی صداقت پر واضح اور صریح دلیل پیش کرنی چاہئے، اس لئے کہ دین بغیر دلیل و حجت کے نہیں ثابت ہوتا ہے۔ پھر خود ہی مشرکوں کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے کہا، واقعہ یہ ہے کہ غیروں کو اللہ کا شریک بنانا اللہ پر محض افترا پر دازی ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور جو اللہ پر افترا پر دازی کرے گا اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہوگا۔

(۹) بادشاہ (دقیانوس) نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ان سے زینت کے لباس اُتروائے، اور دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ بتوں کے بارے میں وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کریں۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے وہاں سے بھاگ نکلے، اور آپس میں مشورہ کیا کہ چونکہ ہم لوگوں نے بت پرستوں اور ان کے جھوٹے معبودوں سے اعلان براءت کر دیا ہے اور دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اپنا وطن چھوڑ دیا ہے اس لئے ہمارے لئے مناسب یہ ہے کہ ہم غار میں چھپ جائیں تاکہ ہم پکڑ نہ لئے جائیں، اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارا رب ہمیں ضائع نہیں کرے گا، وہ اپنی رحمتوں کے سائے تلے ہمیں ڈھانک لے گا، ہمارے کھانے پینے کا انتظام کرے گا اور دشمنوں سے نجات دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے دشمن ہزار کوشش کے باوجود ان کا سراغ نہ لگا سکے، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لمبی نیند طاری کر دی۔ اور اللہ نے ان کے لئے جس غار کو چنا تھا وہ عجیب و غریب غار تھا جس کی تفصیل آئندہ آیت میں آرہی ہے۔

بعض لوگوں نے اصحاب کھف کے غار میں روپوش ہونے سے عبادت کے لئے عزت نشینی پر استدلال کیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ اس سے تو صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ جب آدمی کے دین و ایمان کو کسی ظالم کی جانب سے خطرہ لاحق ہو جائے تو اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہئے تاکہ وہاں سکون کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکے اور اس کا دین خطرہ سے محفوظ ہو جائے۔ امام غزالی نے بھی ایسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصحاب کھف ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئے تھے، بلکہ کافروں کے ظلم و استبداد سے فرار کی راہ اختیار کی تھی۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس رائے کی تردید کرتے ہوئے لکھا

وَتَحْسَبُهُمْ آيَاتًا وَهُمْ رُكُودٌ ۖ وَتَفَكَّرْهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۗ وَكَلْبَهُمْ بِاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۗ
لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَكَّيْتُمْ مِنْهُمْ فَارًا ۗ وَلَكِنَّتُمْ مِنْهُمْ رُعْبًا ۗ وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۗ قَالَ قَائِلٌ
مِنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ ۗ قَالَوا لَبِئْنَا يَوْمًا ۗ أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۗ قَالوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِئْتُمْ ۗ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ
إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ ۗ وَلَا يُشْعِرَنَّ بَكُمْ أَحَدًا ۗ وَإِنَّهُمْ إِذْ يَنْظُرُوا
عَلَيْكُمْ يَرْجُوكُمْ أَوْ يُعِيدُكُمْ فِي مَلِيئِهِمْ وَلَنْ تَفْعَلُوا إِذْ أَبَدًا ۗ

اور آپ انہیں بیدار (۱۱) سمجھتے حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، اور ہم انہیں دائیں اور بائیں پلٹتے رہتے تھے، اور ان کا
کتا غار کے دہانے پر اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوا تھا، اگر آپ ان کی طرف جھانک لیتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر
بھاگ پڑتے، اور ان کی کیفیت دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے ﴿۱۸﴾ اور ہم نے اسی طرح انہیں (ایک بار) اٹھایا ﴿۱۲﴾ تاکہ
وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں، ان میں سے ایک نے پوچھا کہ تم سب (اس حال میں) کتنے دن رہے ہو؟
دوسروں نے جواب دیا کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں، پھر کہا کہ تمہارا رب زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنے
دن رہے تم اپنا ایک آدمی چاندی کے اس سکہ کے ساتھ شہر بھیجو، پس وہ دیکھے کہ وہاں سب سے پاکیزہ کھانا کون سا
ہے، تو اس میں سے تمہارے لئے کچھ کھانا (خرید کر) لے آئے، اور خاموشی کے ساتھ کام کر لے، اور کسی کو تمہاری
خبر نہ ہونے دے ﴿۱۹﴾ بے شک وہ لوگ اگر تمہیں پالیں گے تو سنسکارت کر دیں گے، یا تمہیں اپنے دین میں داخل
کر دیں گے، پھر تو تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو گے ﴿۲۰﴾

ہے کہ عزلت اور لوگوں سے کنارہ کشی صرف اسی صورت میں جائز ہوگی کہ آدمی کے دین و ایمان کو خطرہ لاحق ہو جائے۔
(۱۰) یہ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ دھوپ صبح و شام اُس غار میں داخل ہوتی تھی، لیکن ان کے جسموں پر نہیں پڑتی تھی اس لئے کہ
اس کا دروازہ بائیں جانب سے کھلتا تھا، جب آفتاب اوپر چڑھتا تھا تو دھوپ دائیں جانب ہو جاتی تھی، اور غروب کے وقت بائیں
طرف ہو جاتی تھی۔ اور ان کے اجسام غار کے کشادہ حصے میں آفتاب کی شعاعوں سے مامون و محفوظ تھے۔

نیز یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ان صالحین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ایک کرامت تھی، کہ غار میں ہو اور
دھوپ پہنچتی تھی لیکن دھوپ ان کے جسموں پر نہیں پڑتی تھی، تاکہ دھوپ کی تمازت ان کے جسموں کو جلانے دے۔ الغرض اللہ
تعالیٰ نے انہیں اس غار میں پناہ دے کر ان کے دشمنوں سے بھی بچالیا اور ان کے جسموں اور رگوں کو سردی یا گرمی سے متاثر
ہونے سے بھی محفوظ رکھا۔ یقیناً ان صالحین کا یہ حال اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہے۔ لیکن یہ اور اس طرح کی دیگر نشانیوں سے
ہدایت و نبی حاصل کرتا ہے جسے اللہ توفیق دیتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دینا چاہے اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوتا جو اسے سیدھی
راہ پر ڈال دے۔

(۱۱) اس آیت کریمہ میں ان صالحین کی ایک اور عجب و غریب کیفیت بیان کی گئی ہے، کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند
طاری کر دی تھی، لیکن ان کی آنکھیں اس طرح کھلی تھیں کہ اگر کوئی انہیں دیکھتا تو انہیں بیدار سمجھتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے
اجسام دائیں اور بائیں الٹتے پلٹتے رہتے تھے تاکہ زمین انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ اور ان کا کتا غار کے دہانے پر اپنے بازو پھیلائے بیٹھا

وَكَذَلِكَ أَغْتَابْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَن وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُيُوتًا إِنَّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿۱۳﴾

اور اس طرح ہم نے لوگوں کو ان کی خبر (۱۳) کر دی تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اُس وقت لوگ ان کے معاملے میں آپس میں جھگڑنے لگے، کچھ لوگوں نے کہا کہ تم لوگ ان کے اوپر ایک مکان بنا دو، ان کا رب ان کے حال سے زیادہ واقف ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے میں (دوسروں پر) غالب آگئے، انہوں نے کہا کہ ان کے اوپر ایک مسجد بنائیں گے ﴿۱۳﴾

تھا۔ ان کے ان تمام احوال و کوائف سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر کوئی قوی ہمت آدمی بھی انہیں دیکھتا تو اس پر رعب طاری ہو جاتا اور مارے ڈر کے بھاگ پڑتا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کی ایسی کیفیت اس لئے بنادی تھی تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جائے اور نہ کوئی انہیں چھوئے، یہاں تک کہ اللہ کے علم کے مطابق ان کی نیند کی مدت پوری ہو جائے۔

(۱۲) تین سو نو سال تک سوئے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں جب بیدار کیا تو ان کے اجسام اور تمام اعضاء و جوارح حسب سابق بالکل صحیح سالم تھے، ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، تاکہ وہ اور انہیں دیکھنے والے دوسرے لوگ اس بات کا ادراک کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو مارنے اور دوبارہ زندہ کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور تاکہ وہ صالحین ایک دوسرے سے اپنی نیند کی مدت کے بارے میں سوال کریں، اور اللہ نے ان کے ساتھ جیسا اچھا معاملہ کیا اور جس طرح طویل مدت تک ان کی حفاظت کی، ان سب پر غور کر کے عبرت حاصل کریں، اللہ کی عظیم قدرت پر ان کا ایمان بڑھ جائے اور اس کا شکر بجالائیں۔

ان میں سے ایک نے پوچھا کہ بھائیو! ہم لوگ کتنی دیر سوئے ہیں؟ تو ان میں سے بعض نے جواب دیا کہ ہم لوگ یا تو ایک دن سوئے رہے ہیں یا دن کا کچھ حصہ۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ غالباً وہ لوگ غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے، اور جب جسگے تودن کا آخری پہر تھا۔ اسی لئے انہوں نے کہا کہ شاید ہم لوگ دن کا کچھ حصہ سوئے رہے ہیں۔ اتنی۔ لیکن بعض دوسرے نے اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ ہم کتنی دیر اس حال میں رہے ہیں۔ پھر انہوں نے روئے سخن دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی ہمارے پاس موجود چاندی کا سکہ لے کر شہر جائے اور عمدہ اور حلال کھانا خرید کر لائے، اور خوب محتاط رہے تاکہ اپنی کسی حرکت سے لوگوں کو اپنی حقیقت کا پتہ نہ دیدے، اس لئے کہ اگر مشرکین کو ہماری اطلاع ہو جائے گی تو ہمیں سنگسار کر کے ہلاک کر دیں گے، یا اپنا مشرکانہ دین قبول کرنے پر مجبور کریں گے۔ اور اگر ہم ایسا کر بیٹھے تو عذابِ نار سے کبھی بھی نجات نہیں پاسکیں گے، اور کبھی بھی اللہ کی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

(۱۳) جب ایک طویل مدت تک سوئے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ بیدار کیا، تو حالات ایسے پیدا کئے کہ شہر کے لوگوں کو ان کی تفصیلات معلوم ہو گئیں، انہیں پتہ چلا کہ یہ لوگ تو تین سو نو سال تک سوئے رہنے کے بعد جسگے ہیں، اور ان کے اجسام حسب سابق ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اس سے انہیں معلوم ہوا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے کہ وہ تمام انسانوں کو قیامت برپا ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، اور یہ کہ قیامت آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر آدمی کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

سلف صالحین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ اس لئے پیش آیا تھا کہ اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں بعث

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّي
 أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ وَلَيْعَلَّهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرًّا ظَاهِرًا ۗ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۗ وَلَا تَقُولَنَّ
 لَشَأْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكُمْ عَبْدًا ۗ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذْ أَنْسَيْتَ وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنِّي رَبِّي لِأَقْرَبٍ مِنْ
 هَذَا رَشْدًا ۝

عنقریب لوگ کہیں گے کہ وہ تین نوجوان (۱۳) تھے، چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، چھٹا ان کا
 کتا تھا، یونہی گمان کرتے ہیں، اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور آٹھواں ان کا کتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا
 رب ان کی صحیح تعداد زیادہ جانتا ہے، بہت کم لوگ انہیں جانتے ہیں۔ پس آپ ان کے سلسلے میں صرف سرسری
 بحث کیا کیجئے، اور کسی سے ان کے بارے میں کوئی بات نہ پوچھئے ﴿۲۲﴾ اور آپ کسی چیز کے بارے میں نہ کہئے میں
 اس کام کو کل کروں گا ﴿۲۳﴾ ہاں، یوں کہئے کہ اگر اللہ چاہے گا (تو کروں گا) اور اگر یہ کہنا بھول جائیے تو یاد آنے
 کے بعد (اپنے رب کا ذکر کیجئے، اور کہئے، مجھے امید ہے کہ میرا رب بھلائی کے اس سے قریب تر راستہ کی طرف
 میری رہنمائی کرے گا ﴿۲۴﴾

بعد الموت اور قیامت کے دن میں شبہ پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ ان نوجوانوں میں سے ایک جب شہر پہنچا، اور بازار والوں نے اس
 کے پاس کے اس قدیم زمانے کا سکہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور اس کا معاملہ بادشاہ تک پہنچا یا تو اس نے چھان بین شروع
 کر دی، بالآخر ان نوجوانوں کی ساری تفصیلات معلوم ہوئیں۔ اور اس زمانے کے لوگ جس بعثت بعد الموت کے منکر تھے، اس پر
 جب اللہ کی جانب سے دلیل قائم ہو گئی تو ان نوجوانوں کو موت آگئی۔ ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے طے کیا کہ انہیں ان کے
 حال پر چھوڑ دیا جائے اور غار کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ شہر کے بااثر لوگوں نے کہا کہ ہم ان کی یادگار کے طور پر ان کی قبروں کے
 اوپر مسجد بنائیں گے اور ان کے جسموں اور ان کی اس جگہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس میں نماز پڑھیں گے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ گذشتہ قوموں میں شرک باللہ اور توسل بغير اللہ کا دروازہ اسی طرح کھلتا رہا ہے۔ اسی لئے نبی کریم
 ﷺ نے شدت کے ساتھ اس کی تردید فرمائی اور کہا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی
 قبروں پر مسجدیں بنا دیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ان کا کوئی نیک آدمی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے اور اس میں ان کی
 تصویریں آویزاں کر دیتے تھے۔ وہی لوگ قیامت کے دن بدترین لوگ ہوں گے۔ (صحیحین)۔

(۱۳) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جو اہل کتاب موجود تھے، اور جنہوں نے اہل مکہ کو آپ ﷺ سے اصحاب کھف کے بارے میں
 پوچھنے پر آکسایا تھا، انہیں اس کا تو علم تھا کہ کسی زمانے میں یہ واقعہ ہوا تھا، لیکن ان نوجوانوں کی صحیح تعداد کا انہیں علم نہیں تھا۔ کچھ
 لوگ کہتے تھے کہ وہ تین آدمی تھے اور ان کے ساتھ چوتھا کتا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ پانچ آدمی تھے اور ان کے ساتھ چھٹا
 کتا تھا۔ لیکن کسی بات کا انہیں یقین نہیں تھا، یونہی اٹکل پچو باتیں کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی تعداد سات تھی، اور
 ان کے ساتھ آٹھواں کتا تھا۔ مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آخری رائے حقیقت امر کے زیادہ
 قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ اس بارے میں اختلاف کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ ان کی تعداد کا بہتر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تِلْكَ يَوْمَاتِ الَّذِينَ إِزْدَادُوا سُعَاءً ۖ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَيْسَ لَكُمُ الْغَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشِيرُكَ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۗ وَاللَّهُ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابٍ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۗ وَكَانَ تَجَدُّدًا مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۗ

وہ نوجوان اپنے غار (۱۵) میں تین سو سال اور مزید نو سال رہے ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے اس حال میں رہنے کی مدت کو اللہ زیادہ جانتا ہے، آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو صرف وہی جانتا ہے، وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے۔ بندوں کا اس کے سوا کوئی کار ساز نہیں، اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ہے ﴿۲۶﴾ اور آپ پر آپ کے رب کی کتاب کا جو حصہ بذریعہ وحی پہنچ جائے، اسے لوگوں کو پڑھ (۱۶) کر سنا دیا کیجئے، اس کے فیصلوں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اور آپ اس کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں پائیں گے ﴿۲۷﴾

علم اللہ کو ہے۔ اور بہت کم لوگ ان کی صحیح خبر رکھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ میں ان کم لوگوں میں سے ہوں جنہیں ان کی تعداد کا صحیح علم ہے، ان کی تعداد سات تھی۔

اس کے بعد آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اس کے بارے میں اہل کتاب کے ساتھ بھٹکانہ کریں، بلکہ آپ کو جتنی بات بذریعہ وحی بتائی گئی ہے، وہ ان کے سامنے پیش کر دیں، اور ان کی رائے نہ معلوم کریں، اس لئے کہ انہیں حقیقت کا کچھ بھی پتہ نہیں ہے، صرف اپنے ظن و گمان کے مطابق بات کرتے ہیں۔ اور آئندہ اگر کوئی کام کرنا چاہیں تو ”ان شاء اللہ“ کہے بغیر نہ کہیں کہ میں یہ کام کروں گا۔

آیت کے اس حصہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب قریش والوں نے یہود کے اشارے پر آپ سے تین سوالات کئے، تو آپ نے وحی کی امید میں ان سے کہا کہ میں کل تمہارے سوالات کا جواب دوں گا اور ”ان شاء اللہ“ نہیں کہا۔ اس کے بعد چند روز تک وحی نہیں آئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو اپنے رب کے ساتھ حق ادا رکھا گیا کہ آئندہ جب بھی کسی کام کا ارادہ کریں تو کہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا۔ نیز آپ سے یہ بھی کہا گیا کہ جب آپ کبھی ”ان شاء اللہ“ کہنا بھول جائیں تو یاد آجانے پر کہہ لیا کریں۔ اور آپ لوگوں سے یہ بھی کہہ دیں کہ مجھے امید ہے کہ میرا رب میری نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اصحاب کھف کی خبر سے بھی بڑی نشانیاں اور اہم دلائل پیش کرے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کی یہ امید پوری ہوئی کہ اللہ نے آپ کو بذریعہ وحی گزشتہ انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے واقعات کی خبر دی جو آپ کی صداقت کے بہت ہی روشن اور واضح دلائل تھے۔

(۱۵) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس پوری مدت کی خبر دی ہے جس میں اصحاب کھف سوئے رہے تھے۔ وہ شمسی حساب سے تین سو سال اور قمری حساب سے تین سو نو سال کی مدت تھی۔ اس لئے کہ ہر شمسی سو سال، قمری ایک سو تین سال کے برابر ہوتا ہے۔ یہ ان کے سوئے رہنے کی مدت تھی، لیکن بیدار ہونے کے بعد انہیں موت آنے تک یا نزول قرآن تک کتنی مدت تھی، اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی غیبی باتوں کا علم صرف اسی کو ہے۔ وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے، اور ہر آواز کو خوب سن رہا ہے، اس کے علاوہ بندوں کا کوئی حقیقی یار و مددگار نہیں۔ اس نے سارے جہان کی تخلیق اور اس کی تدبیر میں کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا ہے، نہ اس کا کوئی وزیر ہے، نہ ہی کوئی مشیر۔ وہ تمام نقائص سے برتر و بالا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعِيسَىٰ يُرِيدُونَ وَجْهًا ۗ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ ۖ تُرِيدُونَ خَيْرَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَلَا تَطْعَمَنْ مِنْ غَفْلَتِنَا قَلْبًا عَنِ ذِكْرِنَا ۗ وَاتَّبِعْهُ هُوَ ۗ وَكَانَ امْرُؤًا قُرْطًا ۝

اور جو لوگ (۱۷) صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھئے، اور دنیاوی زندگی کی زیب و زینت کی خواہش میں آپ کی آنکھیں اُن سے پھر نہ جائیں، اور آپ اس آدمی کی پیروی نہ کیجئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، اور جو اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے، اور جس کی نافرمانی کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے ﴿۲۸﴾

اور پاک ہے۔

(۱۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں، اور اس میں موجود اوامر و نواہی کو بجالائیں، اور اس میں بیان کردہ حلال و حرام کے پابند رہیں، ورنہ آپ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو جائیں گے، اس لئے کہ جو بھی اس قرآن کی مخالفت کرے گا، قیامت کے دن اس کا انجام جہنم ہوگا۔ اہل معاصی اور قرآن کی مخالفت کرنے والوں سے متعلق اس کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ نے اس کی تلاوت نہیں کی اور اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے، تو اللہ کی وعید آپ کو بھی اپنے گھیرے میں لے لے گی، اور اس کی جناب کے علاوہ کوئی جائے پناہ آپ کو نہیں ملے گی، اس لئے کہ اس کی قدرت آپ کو اور تمام مخلوق کو محیط ہے۔ کوئی شخص اللہ کے کسی فیصلے سے راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا۔

(۱۷) ابن جریر نے روایت کی ہے کہ اہل جاہ و مرتبہ کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ غریب و نادار مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نکال دیں، تاکہ وہ لوگ آپ کی مجلس میں شریک ہوں اور آپ کی باتیں سنیں، تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ ایسا نہ کریں، بلکہ غریب مسلمانوں کا خیال کریں اور انہیں اپنی مجلس سے نہ نکالیں، جن کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی رضا کی خاطر صبح و شام نمازیں پڑھتے ہیں اور اسے یاد کرتے رہتے ہیں، اور آپ ان غریب مسلمانوں کو اس لئے نظر انداز نہ کیجئے تاکہ مکہ کے مالداروں اور سرداروں کے ساتھ ان کا دل رکھنے کے لئے بیٹھ سکیں، اور آپ اس شخص کی پیروی نہ کیجئے جس کے دل پر ہم نے مہر لگا دی ہے، جس کے نتیجے میں وہ ہماری یاد سے غافل ہو گیا ہے، اور اپنی خواہش نفس کا بندہ ہو گیا ہے، اور ہلاکت و بربادی اس کی قسمت بن گئی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ﴿وَلَا تَطْعَمَنْ مِنْ غَفْلَتِنَا قَلْبًا﴾ الایۃ امیہ بن خلف حمی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غریب مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی مجلس سے نکالنے کی تحریک میں پیش پیش تھا۔ امام مسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم چھ آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، تو مشرکین نے آپ سے کہا کہ تم انہیں اپنی مجلس سے نکال دو، تاکہ یہ ہمارے خلاف جری نہ ہو جائیں۔ سعد کہتے ہیں کہ وہ چھ آدمی میں، ابن مسعود، قبیلہ ہذیل کا ایک آدمی، بلال اور دوسرے آدمی تھے جن کے نام میں بھول گیا ہوں۔ چنانچہ آپ کے دل میں یہ بات آگئی، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کی آیت (۵۲) ﴿وَلَا تَطْرُقِ الدِّينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ﴾ نازل فرمائی، کہ جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں، انہیں آپ نہ بھگائیں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهَا اللَّهُ وَإِنَّ يَسْعَى بَيْنَ الْأَنْوَابِ كَالهَمَلِ يَتَّوَى الْوُجُوهُ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۗ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۗ أُولَئِكَ لَهُمْ جَدَّتْ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَكْبَسُونَ فِيهَا حُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۗ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۗ وَاحْتَرَبَ لَهُمْ مَثَلًا يُجَلِّبُونَ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا رِيعًا ۗ وَكُنَّا الْجَنَّتَيْنِ تَاتَا أَكْطَا وَلَمْ نَطْلُمْ مِنْهُ شَيْئًا ۗ وَتَجْرِي خِلْفَهُمَا نَهْرًا ۗ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۗ

اور آپ کہہ دیجئے کہ یہ دعوت حق (۱۸) تمہارے رب کی جانب سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے، اور جو چاہے انکار کر دے، بے شک ہم نے ظالموں کے لئے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناطیں انہیں گھیر لیں گی، اور اگر وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی گھلے ہوئے تانبے کے مانند پانی سے ہوگی، جو ان کے چروں کو بھون دے گا، بہت ہی بُرا پانی ہوگا، اور بہت ہی بُری رہنے کی جگہ ہوگی ﴿۲۹﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، ہم ایسا اچھا کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے ﴿۳۰﴾ ان کو عدن کے باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہاں انہیں سونے کے زیورات پہنائے جائیں گے، اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے ہرے کپڑے پہنیں گے، درانحالیکہ اس میں آرام کرسیوں پر ٹیک لگائے ہوں گے، کتنا اچھا بدلہ ہوگا، اور جنت اچھی آرام گاہ ہوگی ﴿۳۱﴾ اور آپ ان کے سامنے دو آدمی (۱۹) کی مثال پیش کیجئے، دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے، اور ان دونوں باغوں کو کھجوروں کے گھنے درختوں سے گھیر دیا تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی رکھ دی تھی ﴿۳۲﴾ دونوں باغوں نے پھل دیئے، اور کسی باغ نے پھل دینے میں کمی نہیں کی، اور دونوں باغوں کے درمیان ہم نے ایک نہر بھی جاری کر دی تھی ﴿۳۳﴾ اور اس کے پاس دوسرے میوہ جات بھی ہوتے تھے۔ تو اس نے اپنے ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سے مال میں زیادہ ہوں، اور جاہ و حشم کے اعتبار سے بھی تم سے زیادہ عزت والا ہوں ﴿۳۴﴾

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تمہارے رب کا دین برحق آچکا ہے، جس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور کسی کے لئے عذر باقی نہیں رہا ہے۔ اب ہر آدمی کو اختیار ہے، چاہے تو ایمان لے آئے اور بہانے نہ بنائے، اور چاہے تو اس کا انکار کر دے، اور اس کا انجام بھٹکنے کے لئے تیار رہے۔ اور مزید دھمکی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپک انہیں گھیر لے گی، اور جب اپنے جلتے ہوئے دل کی آگ بجھانے کے لئے پانی مانگیں گے تو انہیں گھلے ہوئے لوہے کے مانند پانی دیا جائے گا جو منہ کے قریب ہوتے ہی ان کے چروں کو جھلس دے گا۔ وہ بڑا ہی بُرا پانی ہوگا اور جہنم بڑی ہی بُری جگہ ہوگی۔ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۖ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُودْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۗ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۗ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝

اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے حق میں ظلم کرنے والا تھا۔ کہا کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو جائے گا ﴿۳۵﴾ اور مجھے یقین نہیں ہے کہ قیامت برپا ہوگی، اور اگر (بالفرض) اپنے رب کے پاس لوٹ کر گیا بھی تو میں اس باغ سے زیادہ اچھا بدلہ پاؤں گا ﴿۳۶﴾ اُس سے اس کے ساتھی نے گفتگو کے دوران کہا، کیا تم نے اس ذات باری تعالیٰ کا انکار کر دیا جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہیں اچھا بھلا ایک مرد بنا دیا ﴿۳۷﴾ لیکن میرا عقیدہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے، اور میں اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بناتا ہوں ﴿۳۸﴾

نہیں کرے گا اور انہیں جنت دے گا۔ آیات (۳۱/۳۰) میں اسی اجر عظیم اور جنت کا ذکر آیا ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ مذکور بالا کبر و نخوت والے مشرکین مکہ کی عبرت کے لئے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی مثال بیان کر دیجئے، جن میں سے ایک کافر تھا، اس کے پاس انگوروں کے دو باغ تھے، جنہیں کھجور کے دختوں نے ہر چہار جانب سے گھیر رکھا تھا، اور دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی، گویا اللہ نے اسے انواع و اقسام کے پھل اور کھانے کی چیزیں دے رکھی تھیں۔ دونوں باغوں میں ہر سال خوب پھل آتا تھا، کبھی کبھی نہیں ہوتی تھی، اور دونوں کے درمیان اللہ نے نہر بھی جاری کر دی تھی، اور اس کافر کے پاس دونوں باغوں کے علاوہ دیگر اموال بھی تھے۔ اس نے مسلمان اسرائیلی سے دوران گفتگو کہا کہ میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور جاہ شہم اور اولاد و خدم بھی میرے پاس تم سے زیادہ ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس نے مسلمان کا ہاتھ پکڑا اور باغ میں داخل ہو کر اپنے کفر و استکبار کا اظہار کرتے ہوئے گھومنے لگا اور اس کی خوبیاں بیان کرنے لگا، اور چونکہ وہ زمانے کی ابدیت کا قائل تھا اس لئے کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ میرے یہ باغ ختم ہو جائیں گے، اور چونکہ وہ آخرت اور وہاں کے حساب و کتاب کا قائل نہیں تھا، اس لئے کہا کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ جسے لوگ قیامت کہتے ہیں وہ کبھی آئے گی۔ اور اگر بالفرض مان بھی لوں کہ قیامت آئے گی تو وہاں مجھے ان باغوں سے بہتر باغ ملے گا، اس لئے کہ اللہ کی نگاہ میں میرا مقام اعلیٰ ہونے کی وجہ سے ہی مجھے یہاں یہ سب کچھ ملا ہے، اس لئے اُس زندگی میں مجھے بدرجہ اولیٰ اس سے اچھی نعمتیں ملیں گی۔ اُس کی یہ بات سن کر مسلمان اسرائیلی نے اس سے کہا، کیا تم اپنے اس خالق کا انکار کر رہے ہو جس نے تمہارے باپ آدم کو مٹی سے اور تمہیں نطفہ سے پیدا کیا ہے اور مرد کی شکل میں تمہیں مکمل انسان بنایا ہے!؟

مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ میں ”بعث بعد الموت“ کی دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کی تصریح سورۃ الحج آیت (۵) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تُّرَابٍ﴾ میں کر دی گئی ہے کہ ”اے لوگو! اگر تمہیں بعث بعد الموت میں شبہ ہے، تو سوچو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے“۔ اور سورۃ البقرہ آیت (۲۸) میں آیا ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمُونًا فَانْحَنُوا﴾ کہ ”تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندگی دی“۔ مسلمان اسرائیلی نے مزید کہا کہ میں تمہاری جیسی بات نہیں کرتا ہوں، میں تو اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، وہی سب کا رب ہے، اور میں اس کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں بناتا ہوں۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِنَّ تَرْتِينَ أَنَا أَقَلُّ مِنكَ مَا لَوْ وَوَلَا أَفْعَلِي رَبِّيَ أَن يُفْتِنَنِي
 خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا ۗ وَأَيْضًا يُصْبِحُ مَا وَهَىٰ غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعُ عَلَيْهِ طَبَقًا ۙ
 وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ ۗ وَأَصْبَحَ يَلْعَلُّ يَلْعَلُّ عَلَىٰ مَا انْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۗ
 وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِتْنَةً يَبْتُورُ ۗ وَمَن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۗ هُنَالِكَ الْوَالِيَةُ لِلَّهِ الْحَقُّ ۗ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۗ

اور تم جب باغ^(۲۰) میں داخل ہوئے تھے تو کیوں نہیں کہا تھا کہ اللہ نے جو چاہا ہے وہ ہوا ہے، اللہ کی مشیت کے بغیر کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر تم مجھے اپنے آپ سے مال اور اولاد میں کم تر پاتے ہو ﴿۳۹﴾ تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر باغ دے گا، اور تمہارے باغ پر کوئی آسمانی عذاب بھیج دے گا، پس وہ بے پودے والا چکن میدان ہو جائے گا ﴿۴۰﴾ یا اس کا پانی زمین کی تہ میں چلا جائے، پھر تم اسے حاصل نہیں کر سکو گے ﴿۴۱﴾ اور اس کے تمام پھلوں کو آفت^(۲۱) نے گھیر لیا، پس ان پھلوں پر جتنا مال خرچ کیا تھا، اس پر کفِ افسوس ملنے لگا، دراصل ایک وہ باغ اپنے چھپروں سمیت گرا پڑا تھا۔ اور وہ آدمی کہنے لگا، اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا ﴿۴۲﴾ اور اللہ کے سوا اس کا کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا، اور نہ اس میں انتقام لینے کی قدرت تھی ﴿۴۳﴾ یہاں یہ بات ثابت ہو گئی کہ مدد کرنا اللہ برحق کا کام ہے، وہ بدلہ اور انجام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے ﴿۴۴﴾

(۲۰) کفر اور اللہ کی ناشکری پر کافر کی زجر و توبیح کرتے ہوئے مسلمان نے کہا کہ جب تم باغ میں داخل ہوئے اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر خوش ہوئے، تو اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کیوں نہیں کہا کہ یہ باغ اللہ کی مشیت اور اس کے فضل و کرم سے حاصل ہوا ہے، اگر وہ چاہے گا تو اسے آباد رکھے گا، اور چاہے گا تو خرابات میں بدل دے گا۔ اللہ کے بغیر کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں ہے۔ ہر قوت کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ مسلمان نے کافر سے یہ بھی کہا کہ تم جو مجھے غربت اور فقیری کا طعنہ دے رہے ہو، تو کوئی بعید بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ حالات کو برعکس کر دے اور مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے، اور تمہارے باغ پر کوئی آسمانی آفت نازل کر دے جو اسے یکسر ختم کر دے اور ایسا چھیل میدان بنا دے جس پر تم نہ جتے، یا اس کا پانی زمین کی تہوں میں چلا جائے اور کسی طرح اسے دوبارہ حاصل کرنا ممکن نہ رہے۔

(۲۱) چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ مسلمان اسرائیلی نے کہا تھا۔ اچانک کافر کا باغ اور اس کے دوسرے املاک آفت کی زد میں آ گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا، تو شدت حسرت و یاس سے کفِ افسوس ملنے لگا کہ ہائے جو کچھ خرچ کیا تھا سب ختم ہو گیا اور انگور کا باغ زمین پر ڈھیر ہو گیا، اور پھر مسلمان اسرائیلی کی بات یاد کر کے کہنے لگا کہ کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، اسے یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس کے کفر و شرک اور کبر و سرکشی کی وجہ سے ہوا ہے۔

اور اس نے فخر و مباہات کے طور پر جو کہا تھا کہ اس کے پاس جاہ و حشم اور اولاد و خدم بھی مسلمان سے زیادہ ہیں، تو اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آیت (۴۳) میں فرمایا کہ جب اس پر مصیبت آئی تو اللہ کے مقابلے میں کوئی بھی اس کی

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيوةَ الدُّنْيَا كَمَا أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَانْتَلَقَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ الْمَالُ وَالْبُنُونُ زِينَةُ الْحَيوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ مِّنْ عِنْدِ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۝

اور آپ ان کے لئے دنیاوی زندگی (۲۲) کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ اس پانی کے مانند ہے جسے ہم آسمان سے نازل کرتے ہیں، پس اس کی وجہ سے زمین کا پودا گھنا ہو جاتا ہے، پھر وہ خشک ہو کر کھس بن جاتا ہے جسے ہوا اڑا کر لے جاتی ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۵﴾ مال اور بیٹے (۲۳) دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اور باقی رہنے والے نیک اعمال آپ کے رب کے نزدیک اجر کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں اور اللہ سے اچھی امید کے اعتبار سے بھی ﴿۳۶﴾ مدد کے لئے نہیں آیا، اور نہ وہ خود ہی اللہ کے انتقام سے اپنے آپ کو بچا سکا۔ اس لئے کہ جب کسی پر اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا ہے، تو اس کی ذات کے علاوہ کوئی یار و مددگار نہیں ہوتا۔ آیت (۳۴) میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔

اس آیت کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایسے ہی مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی مشرکوں کے خلاف مدد کرتا ہے اور ان سے انتقام لے کر مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے، جیسا کہ اس مثال میں اللہ نے کافر کے خلاف مومن کی مدد کی اور اس کی بات کو سچ کر دکھلایا۔ اور اس مفہوم کی تائید آیت کے آخری حصہ سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے اور اس کا انجام اچھا کرتا ہے، برعکس کافر کے، جس کے دنیاوی شرف و جاہ کی وجہ سے عذاب الہی اس سے نہیں ٹل جاتا، بلکہ اللہ اسے عذاب دے کر اس پر مومن کی فوقیت ثابت کرتا ہے۔

(۲۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے ثباتی کو مثال سے واضح کیا ہے کہ دنیا اپنی خوش رنگی اور زوال پذیر ہونے میں بارش کے اس پانی کے مانند ہے جسے اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل کرتا ہے، اور جس کی وجہ سے زمین کے پودے لہلہا اٹھتے ہیں اور کثرت شادابی سے ایک دوسرے میں ٹھٹھ جاتے ہیں، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد وہ پودے خشک ہو کر اور ٹوٹ پھوٹ کر کھس بن جاتے ہیں جنہیں ہوائیں ہر چہار جانب اڑائے لئے پھرتی ہیں۔ دنیا اور اس کی پرستش کرنے والوں کی یہی مثال ہے کہ انہیں یہاں جو بھی مقام و جاہ حاصل ہوتا ہے اس پودے کے مانند ہے جو لہلہا کر اچانک خشک ہو جاتا ہے اور بالآخر کھس بن جاتا ہے۔ چونکہ دنیا کی بے ثباتی اس مثال سے بہت زیادہ واضح ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے کئی مقام پر بیان کیا ہے سورہ یونس آیت (۲۴) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَا مِنْ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ﴾ ”بے شک دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی کی ہے جسے ہم آسمان سے بھیجتے ہیں، جو زمین کے ان پودوں کے ساتھ مل جاتا ہے جنہیں لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں“۔ اور سورہ الزمر آیت (۲۱) میں فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے، پھر اسی کے ذریعہ مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے“۔

(۲۳) دنیاوی نعمتوں کی بے ثباتی سے متعلق اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ مال اور اولاد تو صرف حیات دنیا کی زینت ہے، انسان ان دونوں نعمتوں سے صرف یہاں کی زندگی میں مستفید ہوتا ہے، اور عزت و شرف حاصل کرتا ہے۔ آخرت میں تو صرف نیک

يَوْمَ نُسِئُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشْرَبُهُمْ فَلَمَّا نُعَادِرُ مِنْهُمُ أَحَدًا ۗ وَعَرَضُوا عَلَيَّ رَبِّكَ صَمَا لَقَدْ
 جِئْتُمُونَا كَمَا كَلَفْتُمُ أَوَّلَ مَرْقَبِيلَ زَعَمْتُمْ أَنَّنِي نَجْعَلُ لَكُمْ قَوَاعِدًا ۗ وَوَضِعَ الْكِتَابِ فَتَرَى الْبَحْرَيْنِ مُمْشِقَيْنِ
 مِن تَأْفِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۗ وَوَجَدُوا مَا عَدِلُوا حَاضِرًا ۗ
 وَلَا يَظُنُّ رَبُّكَ أَحَدًا ۗ

اور جس دن ہم پہاڑوں (۲۳) کو چلائیں گے، اور آپ زمین کو ظاہر پائیں گے، اور ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پس ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے ﴿۳۷﴾ اور سب آپ کے رب کے سامنے صف لگا کر پیش (۲۵) کئے جائیں گے، (ہم کہیں گے کہ) تم لوگ ہمارے سامنے اسی طرح حاضر ہو گئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ بلکہ تم تو سمجھ رہے تھے کہ تمہارے دوبارہ زندہ کئے جانے کا ہم نے کوئی وقت مقرر نہیں کر رکھا ہے ﴿۳۸﴾ اور نامہ اعمال (۲۶) سامنے لایا جائے گا تو اس میں موجودہ اعمالیوں کی وجہ سے آپ مجرمین کو خوفزدہ دیکھیں گے، اور وہ کہیں گے، اے ہماری بد نصیبی! اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے چھوٹے بڑے کسی گناہ کو بھی بغیر شمار کئے نہیں چھوڑا ہے۔ اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا ہو گا اسے اپنے سامنے پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ﴿۳۹﴾

اعمال کام آئیں گے، وہاں انہی کے درجات بلند ہوں گے، اور وہی لوگ سرخرو ہوں گے، اور انہی لوگوں کو جنت جیسی ابدی نعمت ملے گی جو دنیاوی زندگی میں صحیح عقائد اور اخلاق حسنہ کے حامل ہوں گے، اسلام پر پورے طور پر عمل پیرا ہوں گے، اور اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرنے والے ہوں گے۔

(۲۳) دنیا کی بے ثباتی، اور قیامت میں اعمال صالحہ کا اجر و ثواب بیان کرنے کے بعد، آخرت کے کچھ احوال بیان کرنا مناسب رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس دن کو یاد کیجئے جب ہم پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اکھاڑ کر فضا میں چلائیں گے، یا انہیں گرد و غبار بنا کر فضا میں اڑائیں گے۔ سورۃ النمل آیت (۸۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمْرُومٌ السَّحَابُ﴾ ”اور آپ پہاڑوں کو اپنی جگہ جتھے ہوئے خیال کریں گے، لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے۔“ اور سورۃ الواقعة آیات (۶۷-۶۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَبَسَّتِ الْجِبَالَ بَسًّا ۖ فَكَانَتْ هَبًا عَمُوبًا﴾ ”اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، پھرہ مانند پر اگندہ غبار کے ہو جائیں گے۔“ اور زمین چٹیل میدان ہو جائے گی، اس پر نہ کوئی عمارت ہوگی، نہ پہاڑ، نہ درخت اور نہ کوئی اور چیز اور اللہ تعالیٰ تمام جن و انسان کو میدان محشر میں جمع کرے گا، کوئی ایک فرد بھی نہیں چھوٹ سکے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعة آیات (۵۰-۵۱) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے پچھلے ضرور جمع کئے جائیں گے، ایک مقرر دن کے وقت۔“

(۲۵) تمام حاضرین محشر اللہ کے سامنے صف باندھے کھڑے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، آج دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کیا ہے، حالانکہ اے بعث بعد الموت کا انکار کرنے والو! تم تو

وَاذْقُنَا لِمَلِكِكَ السُّجُودَ وَالْاِدْمَ فَسَجَدُوا اِلَّا الْاِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ اَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم لوگ آدم کو سجدہ (۲۷) کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، تو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، کیا پھر بھی تم لوگ اُسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناؤ گے، حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں، شیطان ظالموں کے لئے (اللہ کا) بڑا بُرا بدل ہے ﴿۵۰﴾

سمجھ رہے تھے کہ ہم نے تمہیں دوبارہ زندہ کرنے اور تمہارے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا کوئی وقت نہیں مقرر کر رکھا ہے، اسی لئے دنیا میں اپنی من مانی کرتے رہے، اور ہماری اطاعت و بندگی سے غافل رہے۔

(۲۶) بندوں کے اعمال کی کتابیں اللہ کے سامنے لائی جائیں گی، اور ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا، مومن کو اس کے دائیں ہاتھ میں، اور کافر کو بائیں ہاتھ میں۔ دنیا میں جرائم و معاصی کا ارتکاب کرنے والے اپنے صحیفوں میں بُرے اعمال کو دیکھ کر مارے ڈر کے کانپیں گے اور کہیں گے، اے ہماری بد نصیبی! اس صحیفہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے چھوٹے بڑے کسی گناہ کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ ہر گناہ اس میں درج ہے۔ انہوں نے دنیا میں جو کچھ بھی کیا ہو گا اسے پوری تفصیل کے ساتھ اپنے سامنے پائیں گے، اور ان اعمال کے مطابق انہیں بدلہ دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا، نہ کسی کا گناہ بڑھا کر لکھ دے گا، اور نہ ہی کسی کی کوئی نیکی ضائع کی جائے گی، اور بالاخر جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے۔

(۲۷) اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر و معصیت کا سبب ہوتی ہے، اور شیطان آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کا سب سے بڑا دشمن اور اللہ کا سب سے بڑا نافرمان ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت دنیا و آخرت میں ہر نامرادی کا ذریعہ اور اس کی مخالفت اور اس سے دشمنی ہر خیر و فلاح کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام فرشتوں سے کہا کہ تم لوگ آدم کی نکریم میں اس کا سجدہ کرو، تو اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، صرف ابلیس نے استکبار میں آکر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ وہ نافرمان اور سرکش جنوں میں سے تھا۔ اس لئے اپنے رب کی اطاعت کا منکر ہو گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال پر اظہارِ تعجب کیا ہے جو ابلیس کی اطاعت کرتے ہوئے کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ کے اوامر کی مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اے لوگو! کیا تم اسے اور اس کی اولاد اور پیر و کاروں کو میرے بجائے اپنے دوست بنا رہے ہو، ان کی اطاعت کرتے ہو، اور میرے بدلے انہیں اختیار کرتے ہو، حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں، اور تمہاری بربادی چاہتے ہیں۔ ظالموں کا اللہ کے بجائے ابلیس کو اپنا آقا بنانا اور اس کی اطاعت کرنی انجام کے اعتبار سے بہت ہی برا ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سورہ یٰسین آیات (۵۹) سے (۶۲) میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور اس کی ہولناکیوں اور نیک بختوں اور بد بختوں کا انجام بیان کرنے کے بعد یہی بات کہی ہے، ذیل میں ان آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

”اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی تابعداری نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت کرنا، سیدھی راہ یہی ہے، شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“

مَا أَشْهَدْتَهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ مُنْجِدِينَ الْمُضِلِّينَ عَصْدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَذَعَبُوهُمْ فَكُنُوا لِسُجُودِ الرَّبِّ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۝

میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش (۲۸) کے وقت حاضر نہیں کیا تھا، اور نہ خود انہیں پیدا کرتے وقت، اور گمراہ کرنے والوں کو مجھے اپنا مددگار نہیں بنانا تھا ۵۱﴾ اور جس دن اللہ کہے گا کہ تم لوگ میرے ان شریکوں کو پکارو (۲۹) جنہیں میرے شریک سمجھتے تھے، تو وہ انہیں پکاریں گے، لیکن وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے، اور ہم ان کے درمیان ہلاکت گاہ کو حائل کر دیں گے ۵۲﴾

(۲۸) ابلیس اور اس کی اولاد اس بات کا مستحق نہیں ہیں کہ اللہ کے بجائے انہیں ولی اور دوست بنایا جائے، اور اللہ کے ساتھ انہیں عبادت میں شریک ٹھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ جب میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو ابلیس اور اس کی اولاد کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلایا تھا، اور نہ جب میں نے خود انہیں پیدا کیا تھا تو ان میں سے بعض کو بعض کی پیدائش کے وقت مدد کے لئے بلایا تھا، بلکہ میں نے تنہا بغیر کسی معین و مددگار کے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اس لئے کس دلیل سے اب تم انہیں میرے ساتھ شریک بناتے ہو؟ اسی مفہوم کی مزید تاکید کے طور پر آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ جن کا کام بنی نوع انسان کو گمراہ کرنا ہے، انہیں میں کیسے اپنا مددگار بنا سکتا ہوں، اور جب مجھے ان کی مدد کی ضرورت تھی تو عبادت میں میرے ساتھ کیسے شریک ہو جائیں گے؟ سورہ سبأ آیت (۲۲) میں اسی دلیل کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے: ﴿وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ﴾ ”اور نہ (زمین و آسمان کی تخلیق میں) ان کا کوئی حصہ ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے“۔

(۲۹) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین سے اس دن کا حال بیان کر دیں جب وہ انہیں مخاطب کر کے کہے گا کہ جنہیں تم دنیا میں میرے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے، انہیں اپنی مدد کے لئے پکارو، تاکہ آج وہ تمہیں عذاب نار سے بچالیں۔ اور یہ بات اللہ ان سے بطور زجر و توبیح کہے گا، تو وہ انہیں نام لے لے کر پکاریں گے، لیکن وہ معبودان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے، اس لئے کہ اس دن کوئی شخص جس کی دنیا میں عبادت کی گئی ہوگی، اپنی زبان پر یہ بات لانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تب ہم کافروں اور ان کے معبودوں کے لئے ایک مشترک ہلاکت گاہ بنا دیں گے، یعنی سب کو جہنم میں دھکیل دیں گے۔

"موبق" کا ایک دوسرا معنی عداوت اور دشمنی بھی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان ایسی شدید عداوت پیدا کر دے گا کہ میدانِ محشر میں ایک دوسرے کو دیکھنا اور ملنا گوارا نہیں کریں گے۔ سورہ مریم آیات (۸۱/۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۖ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۖ﴾ یعنی ”انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعثِ عزت ہوں، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا، وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے اور لڑنے ان کے دشمن ہو جائیں گے“۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک "موبق" ایک گہری وادی کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں کے درمیان حائل کر دے گا۔

وَرَأَى الْجَحْرَمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاعِنُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَلَيْهَا مَصْرُوعًا ۗ وَقَدِّمْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۗ وَآمَنَّا لِلنَّاسِ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ يُسْتَغْفِرُ رَبُّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأُولَىٰ أَوْ آيَاتُهُمْ الْعَذَابُ قُبُلًا ۗ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۗ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا الْيَتِيمَ ۗ وَمَا أَنْزَلْنَاهُ إِلَّا هُزُوًا ۗ

اور مجرمین آگ (۳۰) کو دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے ﴿۵۳﴾ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثال (۳۱) بیان کر دی ہے، اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے ﴿۵۴﴾ اور جب لوگوں (۳۲) کے پاس ہدایت آگئی تو انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت مانگنے سے کسی بات نے نہیں روکا ہے، مگر یہ انتظار کہ ان کے ساتھ بھی گذشتہ قوموں جیسا معاملہ ہو، یا قیامت کے دن کا عذاب اُن کی آنکھوں کے سامنے آجائے ﴿۵۵﴾ اور ہم رسولوں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ لوگوں کو جنت (۳۳) کی خوشخبری دیں اور جہنم سے ڈرائیں، اور اہل کفر، باطل شہادت کے ذریعہ جھگڑتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے حق کو ختم کر دیں۔ اور میری آیتوں کا اور اس عذاب کا جس سے وہ ڈرائے جاتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں ﴿۵۶﴾

(۳۰) میدانِ محشر میں جب کفر و شرک جیسے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے سامنے جہنم کو لایا جائے گا، تو دور ہی سے اسے دیکھ کر انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہی ان کا ٹھکانا ہے اور اس سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ جہنمیوں کو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی جو عظیم حزن و ملال لاحق ہو گا اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔

(۳۱) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے قرآن کریم میں بہت سی مثالیں، گذشتہ قوموں کے واقعات اور توحید باری تعالیٰ کے دلائل بیان کئے ہیں۔ نیز بے شمار مقامات پر نیک لوگوں کے لئے خوشخبری اور بدکاروں کو جہنم کی دھمکی دی ہے۔ اور ان تمام اسالیب دعوت و ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ آدمی ان میں غور و فکر کر کے اللہ پر ایمان لے آئے اور سیدھی راہ اختیار کرے، لیکن انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے، ہمیشہ باطل دلائل کے ذریعے حق کا انکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زجاج نے اسی سورت کی آیت (۵۶) ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں ”انسان“ سے مراد کافر ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ بظاہر عام انسان مراد ہے۔

(۳۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور ہر زمانے کے کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ہی تمرد کی راہ اختیار کی اور ہزار دلائل و براہین کے باوجود حق کو جھٹلانے کی کوشش کی، اور سب نے یہی مطالبہ کیا کہ جس عذاب کی انہیں دھمکی دی جا رہی ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں یعنی کفار ایمان و استغفار پر اس وقت آمادہ ہوتے ہیں جب دنیا میں عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، یا جب آخرت میں جہنم کو دیکھ لیں گے، اور دونوں ہی حالتوں میں ان کا ایمان و استغفار کسی کام کا نہیں۔ (۳۳) اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو دنیا میں اس لئے مبعوث کیا تاکہ وہ ایمان اور عمل صالح والوں کو جنت کی بشارت دیں اور کافروں اور بدکاروں کو جہنم سے ڈرائیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ نے کسی قوم کو دعوت و ارشاد کے عمل سے پہلے ہی عذاب میں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَهُ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمُ أَكْثَافًا ۖ أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَن يَهْتَدُوا إِلَّا إِلَّاذًا بَدًّا ۗ وَرَبُّكَ الْعَوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤْتُوا إِخْذَهُمْ مَا كَسَبُوا لَعْنَتَ لَعْنَتِ لَعْنَتِ الْعَذَابِ ۗ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يُخَدُّوا ۗ وَمِن دُونِهِ مَوْجِدٌ ۗ وَرَبُّكَ الْقَرِيءُ أَهْلَكَنَّهُمْ لِنَظَائِكُمْ وَاجْعَلْنَا لِيَهْلِكُهُمْ مَوْعِدًا ۗ

اور اس آدمی سے بڑا (اپنے حق میں) ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت (۳۳) کی جائے، تو ان سے منہ موڑ لے اور جو گناہ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کئے ہیں انہیں بھول جائے، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دیا ہے۔ اور اگر آپ انہیں سیدھی راہ کی طرف بلائیں گے تو وہ راہ پر ہرگز نہیں آئیں گے ﴿۵۷﴾ اور آپ کا رب بڑا مغفرت (۳۵) کرنے والا، رحم کرنے والا ہے، اگر ان کے کرتوتوں پر ان کا مواخذہ کرتا تو جلد ان پر عذاب بھیج دیتا، بلکہ ان کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت وہ اللہ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے ﴿۵۸﴾ اور ان بستیوں والوں (۳۶) نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر کر دیا تھا ﴿۵۹﴾

بتلا کر دیا۔ لیکن اہل کفر کا ہمیشہ ہی یہ شیوہ رہا کہ انہوں نے بے بنیاد دلائل کے ذریعہ حق کا انکار کیا اور اللہ کی نشانیوں اور اس عذاب کا مذاق اڑایا جس سے انہیں ڈرایا گیا۔

(۳۳) جن اہل کفر نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا، انہی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان سے بڑھ کر اپنے حق میں ظالم کون ہو سکتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف الانواع نشانیوں کے ذریعہ راہ حق کی طرف رہنمائی کرنی چاہی، لیکن انہوں نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اپنے کفر و معاصی سے تائب نہیں ہوئے، اور یہ اس لئے ہوا کہ جب انہوں نے کفر کو ایمان پر اور گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دے دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ہزار پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیئے، تاکہ قرآن کے مقاصد و معانی کو نہ سمجھ پائیں اور حق بات سننے سے محروم کر دیئے جائیں۔ اسی لئے اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اگر آپ ان کافروں کو حق کی دعوت دیں گے تو وہ کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔

(۳۵) آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے، اسی لئے ان کافروں کے کفر و معاصی پر ان کا مواخذہ نہیں کرتا ہے، ورنہ ان کے جیسے جرائم ہیں، ان پر جلد ہی عذاب آجاتا چاہئے تھا۔ اور اس تاخیر عذاب کے سبب ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی توفیق دے دی، اور جو اپنے حال پر باقی رہے، ان کو ان کے کفر و عناد کے مطابق سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے، جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس دن سے مراد یا تو یوم آخرت ہے یا یوم بدر۔

(۳۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عاد و ثمود اور انہی جیسی دیگر تافران قوموں کی ہلاکت کا سبب بیان کیا ہے کہ انہیں ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا، اور کفار قریش کو تنبیہ کی ہے کہ ان قوموں کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر تھا، جب وہ وقت آ گیا تو عذاب نے انہیں آدبوجا، اور کوئی انہیں نہ بچا سکا۔ اس لئے تم بھی عذاب میں تاخیر ہونے کی وجہ سے دھوکے میں نہ پڑو اور یہ نہ سمجھو کہ تم سے عذاب الہی ٹل گیا، اس کا تو ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس

بندہ رہتا ہے جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ چنانچہ اُن کو اللہ کے اُس بندے خضر سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ اُس سفر میں اور دونوں کی ملاقات کے بعد جو کچھ پیش آیا، قرآن نے ان باتوں کو آئندہ آیتوں میں بیان کیا ہے۔

(۳۸) موسیٰ علیہ السلام جب سفر کے لئے روانہ ہوئے تو اللہ کے حکم سے ایک مچھلی تھیلی میں رکھ کر یوشع بن نون کے حوالے کر دی اور کہا کہ اسے دیکھتے رہنا، اور جہاں یہ تھیلی سے نکل کر غائب ہو جائے تو مجھے خبر کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خضر سے ملنے کی جگہ وہی بتائی تھی، جہاں مچھلی غائب ہو جائے گی، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب دونوں ساحل سمندر کے قریب ایک چٹان سے ٹیک لگائے سو رہے تھے تو مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی، اور جہاں سے گزری وہاں کا پانی منجمد ہو کر ایک سُرنگ کی شکل اختیار کر گیا۔ دونوں نیند سے بیدار ہونے کے بعد دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی اور کھانے کے لئے مچھلی مانگی تو یوشع بن نون نے کہا کہ میں تو مچھلی کی بات آپ کو بتانا بھول ہی گیا تھا، ہمیں اس چٹان کے پاس لوٹ کر جانا چاہئے جہاں رُکے تھے، وہ مچھلی تو زندہ ہو کر وہیں تعجب خیز انداز میں سمندر میں چلی گئی تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمیں اسی جگہ پہنچنا ہے جہاں مچھلی غائب ہوئی ہے، وہ آدمی جس کی ہمیں تلاش ہے وہیں ملے گا، چنانچہ دونوں قدم یہ قدم اسی راستہ سے واپس ہوئے جس سے گئے تھے، تاکہ مطلوبہ جگہ پہنچ جائیں۔ وہاں ان کی ملاقات خضر سے ہوئی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نواز تھا اور اپنا ولی بنایا تھا اور بعض غیبی امور کا علم دیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی نہیں تھا۔ اکثر لوگوں کی یہی رائے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت میں "رحمة" سے مراد نبوت لیا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ خضر نبی تھے، واللہ اعلم بالصواب۔

عام محدثین اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول یہ ہے کہ خضر کا انتقال ہو چکا ہے۔ اگر زندہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ کے پاس آکر ان پر ایمان لانا واجب ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے سورة الانبیاء آیت (۳۴) میں فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلِكَ الْخَلْدَ أَفَلَانَ مَتَّ فَنَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ "آپ سے پہلے کسی بھی انسان کو ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لئے رہ جائیں گے۔" اور اس کے بعد والی آیت میں مزید تاکید کے طور پر فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ "ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "أَرَأَيْتُمْ لِيَلْتَكُم هَذِهِ، فَإِنْ عَلِيَ رَأْسُ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ" "اس رات کو یاد کر لو، اس لئے کہ زمین پر آج جتنے بھی انسان زندہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی سو سال کے بعد باقی نہیں رہے گا۔ (مسلم)۔ اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: "وَأَقْسَمُ بِاللَّهِ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ تَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ" "اللہ کی قسم! زمین پر آج جتنے بھی جان دار ہیں ان پر سو سال گزر نہیں سکتا۔" مذکورہ بالا دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خضر انتقال فرما چکے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب ان سے ملے تو کہا کہ میں آپ سے علم حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں، تو خضر نے کہا آپ کے لئے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توورات دیا ہے اور آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ میرے پاس جو علم ہے اس کا حاصل کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، اور آپ کے پاس جو علم ہے اس کا حاصل کرنا میرے لئے مناسب نہیں

قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ لِي بِكَ عَلَيَّ أَنْ تَعْلَمَنِي وَيَعْلَمَتَ رُشْدًا ۝ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ
عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خَبْرًا ۝ قَالَ سَعِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝

اس سے موسیٰ نے پوچھا کہ کیا میں آپ کے ساتھ چلوں (۳۹) تاکہ آپ مجھے رشد و ہدایت کی وہ باتیں سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں ﴿۲۶﴾ اس نے کہا ﴿۳۰﴾ کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے ﴿۲۷﴾ اور جن باتوں کا تمہیں علم نہیں ہے، ان پر تم صبر کیسے کر سکتے ہو ﴿۲۸﴾ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صابر (۳۱) پائیں گے، اور میں آپ کی کسی بات کی نافرمانی نہیں کروں گا ﴿۲۹﴾

ہے۔ پھر ایک چیز یا نہ سمندر میں چونچ مارا، تو خضر نے کہا کہ اللہ کی قسم! میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسا اس چیز یا نہ سمندر میں چونچ ماری ہے۔

یہاں ایک بہت ہی اہم بات کا جان لینا ضروری ہے کہ خضر کے پاس جو علم تھا وہ اللہ کا مخصوص عطیہ تھا جیسا کہ آیت (۶۵) میں اس کی صراحت آگئی ہے۔ اس لئے بعض گمراہ لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے علاوہ بعض دوسروں کو علم لدنی دیتا ہے جو ظاہری علم شریعت سے مختلف ہوتا ہے، گمراہ کن رائے ہے اور شریعت سے آزادی حاصل کرنے کا بہانہ ہے۔ اللہ نے خضر کو بعض غیبی امور کا علم دیا تو قرآن میں اس کی صراحت کر دی۔ اگر کوئی اور شخص خود سے علم لدنی کا دعویٰ کرے گا تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اس لئے کہ اس کے پاس خضر کی طرح قرآن سے دلیل موجود نہیں ہے کہ اللہ نے اسے کوئی مخصوص علم لدنی دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(۳۹) موسیٰ علیہ السلام نے عایت ادب کے ساتھ خضر سے کہا کہ انہیں ان سے علم حاصل کرنے کی اجازت دیں، تاکہ انہیں حق بات کا پتہ چلے اور نور ہدایت حاصل ہو۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خضر موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے، اس لئے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑا علم و مرتبت والا اپنے چھوٹے سے کوئی خاص علم حاصل کرتا ہے جو اس بڑے کے پاس نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات دی تھی جس میں احکام شریعت کے ساتھ دیگر بہت سے علوم تھے، اور ان پر وحی نازل ہوتی تھی، اور خضر کو تو اللہ نے صرف ایک خاص قسم کا علم غیب عطا کیا تھا جس سے مقصود موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کرنی تھی کہ سب سے بڑا علم والا صرف اللہ ہے، وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے اس میں سے اپنی حکمت کے مطابق دیتا ہے۔ صاحب "فتح البیان" لکھتے ہیں، بہت سے گمراہوں نے اس آیت کو بنیاد بنا کر کہا ہے کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو نبی تھے حکم دیا کہ وہ خضر سے علم حاصل کریں۔ یہ کفر صریح ہے، اور ان کی بات کا جواب وہی ہے جو امام شوکانی نے لکھا ہے کہ کبھی کوئی بڑے علم و حکمت والا آدمی بھی کسی چھوٹے سے کوئی خاص علم حاصل کرتا ہے۔ (۴۰) خضر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم جو دے رکھا ہے، جب میں اس کا عملی مظاہرہ کروں گا تو آپ برداشت نہیں کر سکیں گے اور مجھ پر اعتراض کریں گے، اس لئے کہ اللہ نے مجھے جن بعض غیبی امور کا علم دیا ہے اس کی تائید اس علم وحی سے نہیں ہوتی جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ اور چونکہ آپ صاحب شریعت رسول ہیں اس لئے ایسے کام کو دیکھ کر آپ کے لئے سکوت جائز نہیں ہوگا جو آپ کے علم کے مطابق ناجائز اور منکر ہے۔

(۴۱) موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ طلب علم کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، اس لئے کہا کہ میں ان شاء اللہ آپ کے ساتھ صبر کروں گا، اور

قَالَ فَإِنَّ الْمَعْتَنِي فَلَا تُسْأَلُنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحَدِّثَ لَكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ فَأَنْطَلَقَا حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَبَا قَالَ أَخَرَقُنَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا أَمْرًا ۖ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ لَا نَأْخُذُ بِبِئْسَ بُيُوتٍ وَلَا تُرْفِقُنِي مِنْ أَمْرِي غَمْرًا ۖ فَأَنْطَلَقَا حَتَّى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَضَلَّهُ قَالَ أَقْتَلْتُمْ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا ذَكْرًا ۖ

اس نے کہا کہ اگر تمہیں میرے ساتھ چلنا (۴۲) ہی ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرنا، یہاں تک کہ میں خود ہی تمہیں اس کی بابت کچھ بتاؤں ﴿۴۰﴾ چنانچہ دونوں چل پڑے (۴۳) یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس میں سوراخ کر دیا، موسیٰ نے کہا، کیا آپ نے اس میں سوراخ اس لئے کر دیا تاکہ اس میں سوار لوگوں کو ڈبو دیں، آپ نے ایک خطرناک کام کیا ﴿۴۱﴾ اس نے کہا (۴۴) میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے ہو ﴿۴۲﴾ موسیٰ نے کہا جو بات میں بھول گیا تھا، اس پر میرا مواخذہ نہ کیجئے، اور میرے مہم کو میرے لئے مشکل نہ بنائیے ﴿۴۳﴾ پھر دونوں چل پڑے (۴۵) یہاں تک کہ دونوں کی ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی، تو اس نے اسے قتل کر دیا، موسیٰ نے کہا، آپ نے ایک بے گناہ آدمی کو اس پر بغیر قصاص واجب ہوئے قتل کر دیا، آپ نے بہت ناپسندیدہ کام کیا ہے ﴿۴۴﴾

اپنی رائے کے خلاف ہونے کے باوجود آپ کے کسی فیصلہ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

(۴۲) خضر نے کہا کہ اگر آپ نے طلب علم کے لئے میرے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے، تو میری نصیحت ہے کہ جب آپ دیکھیں کہ میں ایسے کام کر رہا ہوں جن کی تائید آپ کے علم وحی سے نہیں ہوتی ہے، تو مجھ پر اعتراض نہ کریں اور انتظار کریں یہاں تک کہ میں خود ہی آپ کو ان کے اسباب و علل بتاؤں۔

(۴۳) صحیح بخاری میں ہے کہ دونوں ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ کشتی کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ ایک کشتی نظر آئی تو اس کے مالک سے بات کی، اس نے خضر کو پہچان لیا اور بغیر کہیے لئے کشتی میں سوار کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خضر نے کشتی کو عیب دار بنانے کے لئے اس کی دیوار میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے تو کشتی میں سوراخ کر کے کشتی والوں کو ڈبو دینا چاہا ہے، آپ نے تو بہت بڑی غلطی کی ہے کہ کشتی کو خراب کیا، بہت سے بے گناہ کو ہلاک کر دینا چاہا، اور احسان فراموشی کی ہے۔

(۴۴) خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی شرط یا دلائل کے میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کسی فعل پر اعتراض نہیں کریں گے، اس لئے کہ آپ کو اس کا سبب معلوم نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھ سے بھول ہو گئی ہے، اس لئے اس پر میرا مواخذہ نہ کیجئے اور اتنی شدت نہ برتنے کہ مجھے اپنا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیجئے، بلکہ میری غلطی کو نظر انداز کر دیجئے۔

(۴۵) کشتی کا سفر طے کرنے کے بعد دونوں کشتی کے راستے پر چل پڑے۔ ایک جگہ کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ خضر نے ان میں سے ایک کو، جو ان کے علم کے مطابق کافر تھا، الگ کر کے زمین پر لٹا دیا اور پتھری سے ذبح کر دیا۔ مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا وہ پیدا کشتی کافر تھا۔ بالغ ہو کر

اپنے والدین کو بھی کفر پر مجبور کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہیں ہو اور ان کے اس فعل پر نکیر کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا جس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا، یہ تو آپ نے کشتی میں سوراخ کرنے سے بھی زیادہ بُرا کام کیا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام شدت تاثر کی وجہ سے یہ سوچنا بھول گئے کہ خضر نے کسی ایسے سبب کی بنا پر اس کا قتل کرنا حلال سمجھا ہے جو انہیں معلوم نہیں ہے۔



قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَا فَاِنَّا لَتَصِيْبُنِيْ ۚ قَدْ بَاغَيْتَ مِنْ رَّبِّيْ عُدْوَانًا ۝ فَاطْلُقْنَا حَتّٰى اِذَا آتٰ اَهْلَ قَرْيَةٍ اَسْتَطَعْنَا اَهْلَهَا فَاَبْوَا اَنْ يُصَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جَدَارًا اَلْبُرِيْدُ اَنْ يَنْقُضَ فَاَقَامَهُ ۝ قَالَ لَوْ شِئْتُمْ لَغَضَبْنَا عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا اِفْرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاَلْتَنِيْكَ بِتَاوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ اِنَّا السَّيْفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنٍ يَعْلَمُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُمْ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وِرَآءَهُمْ مَّرْكَبٌ لِّاِخْتِارِكُمْ اِنْ سَفِيْنَةٌ غَضَبًا ۝ وَاِنَّا لَعٰلَمُوْا فَاَن اَبُوهُ مُؤْمِنِيْنَ فَخَشِيْنَا اَنْ يُزَهِّقَهُمَا طٰغِيَانًا وَاَلْفَرَاۗءَ ۝

اس نے کہا (۳۶) میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے ہو ﴿۷۵﴾ موسیٰ نے کہا (۳۷) اگر میں نے اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا، تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھے گا، میری جانب سے آپ عذر کی انتہا کو پہنچ چکے ﴿۷۶﴾ پھر دونوں چل پڑے (۳۸) یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے، ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے دونوں کی میزبانی سے انکار کر دیا، پھر اس بستی میں دونوں کو ایک دیوار ملی جو گرنا ہی چاہتی تھی، اس نے اُسے سیدھا کر دیا، موسیٰ نے کہا، اگر آپ چاہتے تو اس کام کی مزدوری لے لیتے ﴿۷۷﴾ اس نے کہا، میرے اور تمہارے درمیان جدائی (۳۹) کی یہی گھڑی ہے، جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکتے تھے، میں تمہیں ان کی تاویل بتاتا ہوں ﴿۷۸﴾ وہ کشتی (۵۰) کچھ غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے تھے، میں نے اس میں عیب پیدا کر دینا چاہا، اس لئے کہ ان کے علاقے کے بعد ایک بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو زبردستی لے لیتا تھا ﴿۷۹﴾ اور وہ لڑکا، تو اس کے ماں باپ ایمان والے تھے، میں ڈرا کہ وہ (بڑا ہو کر) اپنے کفر و سرکشی کا ان دونوں پر اثر ڈالے گا ﴿۸۰﴾

(۳۶) صاحب محاسن التزیل نے زخمری سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت (۷۵) میں ﴿اَلَمْ اَقُلْ﴾ کے بعد "لك" کا اضافہ عتاب میں مزید سختی پیدا کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ ایک بار تو غلطی کی اور نظر انداز کر دیا، اب پھر دوبارہ آپ اس غلطی کو دہرا رہے ہیں اور بے جانے بوجھے مجھ پر سخت تکبر کر رہے ہیں۔

(۳۷) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو مجھے اپنی صحبت سے الگ کر دیجئے اور اس کے لئے آپ معذور ہوں گے کہ ایک بار نہیں بلکہ دوبارہ آپ نے میرا عذر قبول کیا اور مجھے اپنے ساتھ رہنے کا موقع دیا۔

(۳۸) دونوں پھر آگے چل پڑے، یہاں تک کہ رات کے وقت ایک شہر میں پہنچے، وہاں دونوں نے شہر والوں سے کھانا مانگا تو کسی نے انہیں مہمان نہیں بنایا۔ اس شہر میں ایک دیوار تھی جو گرنے ہی والی تھی، خضر نے اس پر ہاتھ پھیرا اور وہ سیدھی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو اس کام کی اجرت لینی چاہئے، اس لئے کہ ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے اور ان لوگوں نے ہماری میزبانی بھی نہیں کی ہے۔

(۳۹) خضر نے کہا کہ آپ اپنے وعدہ کے مطابق میرا ساتھ چھوڑ دیں۔ اور میں اب آپ کو اپنے ان افعال کی تاویل بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ موسیٰ پر رحم کرے، کاش کہ وہ صبر کرتے تاکہ

فَأَرَادْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا كُنَّا لَهُمْ عَنْ أَمْرِنَا ذَاكِرِينَ ﴿۸۲﴾

تو ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس لڑکے کے بدلے انہیں کوئی ایسا لڑکا دے جو نیکی و پاکیزگی اور شفقت و رحمت میں اس سے بہتر ہو ﴿۸۱﴾ اور وہ دیوار، اس شہر میں رہنے والے دو یتیم بچوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا، اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، تو تمہارے رب نے چاہا کہ وہ بھرپور جوان ہو جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ آپ کے رب کی ان کے لئے رحمت تھی، اور یہ سارے کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کئے ہیں۔ یہی تاویل ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہیں کر سکتے تھے ﴿۸۲﴾

دونوں حضرات کی مزید خبریں ہمیں معلوم ہوتیں۔“

(۵۰) خضر نے کہا کہ وہ کشتی جس میں نے سوراخ کر دیا تھا، اور جس پر آپ نے مجھے عتاب کیا تھا، سات نادار آدمیوں کی تھی جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو سمندر کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل پہنچایا کرتے تھے اور اس سے اپنی روزی کماتے تھے۔ اس علاقہ کا بادشاہ ایک ظالم آدمی تھا جو ہر عمدہ اور صحیح سالم کشتی کو لے لیا کرتا تھا۔ میں نے اسے عیب دار بنا دینا چاہا تاکہ وہ اسے نہ لے۔ اور وہ لڑکا جسے میں نے قتل کر دیا تھا، اس کے والدین ایمان والے تھے، اور وہ پیدائشی طور پر کافر تھا، مجھے ڈر ہوا کہ بڑا ہو کر اپنے والدین کو بھی کفر و سرکشی کی راہ پر نہ ڈال دے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو اس کے بدلے میں ایک ایسا لڑکا دے جو نیکی، صلاح اور گناہوں سے پاکی میں اس سے بہتر ہو اور اپنے والدین کا مطیع و فرمانبردار ہو۔

بعض اہل علم نے صرف اس سبب کی وجہ سے لڑکے کے قتل کو جائز نہیں سمجھا ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ بالغ تھا اس لئے کفر کی وجہ سے قتل کر دیا گیا، ایک رائے یہ ہے کہ وہ ڈاکو اور لٹیئر تھا اس لئے قتل کئے جانے کا حقدار تھا۔ اور اگر وہ لڑکا نابالغ تھا تو اللہ نے خضر کو ایسا علم دیا تھا جس کے بموجب انہوں نے جان لیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کافر ہو گا اور اپنے مسلمان باپ کو گمراہ کرے گا، اس لئے خضر نے اللہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا۔

اور وہ دیوار جسے میں نے سیدھی کر دی تھی، شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا، اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، اس لئے آپ کے رب نے ان پر فضل و کرم کرتے ہوئے چاہا کہ دیوار کھڑی رہے تاکہ دونوں بڑے ہو کر اسے نکالیں اور مستفید ہوں۔ اور جو کچھ میں نے کیا ہے، اللہ کے حکم سے کیا ہے، اپنی رائے اور اپنی مرضی سے نہیں کیا ہے۔ آپ میری جن باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، ان کی یہی تاویل ہے۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ باپ کی نیکی اولاد کی جانی اور مالی حفاظت کا سبب بنتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں یتیموں کے باپ نے ہی وہ مال دفن کیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کے ساتویں یا دسویں پر دادانے مال دفن کیا تھا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی کئی پشتوں تک کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے۔

ترمذی اور ابن مردویہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ صالح آدمی کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد، اس کے خاندان والوں، اور اس کے ارد گرد کے خاندانوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ ان کے درمیان

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

اور (کفار مکہ) آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال (۵۱) کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ میں عنقریب اس کے حالات سے متعلق کچھ آیتوں کی تلاوت کرتا ہوں ﴿۸۳﴾

جب تک ہوتا ہے، سبھی اس کی وجہ سے اللہ کے حفظ و امان میں ہوتے ہیں۔“ قرطبی نے سورة الأعراف کی آیت (۱۹۶) ﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾ سے اس معنی پر استدلال کیا ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ ”بے شک میرا حامی و ناصر وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے، وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے۔“

(۵۱) سورة الإسراء میں ”روح“ سے متعلق لکھے وقت بتایا جا چکا ہے کہ کفار قریش نے یہودی مدینہ کے اشارے پر نبی کریم ﷺ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تھا۔ روح سے متعلق سورة الإسراء آیت (۸۵) میں لکھا جا چکا ہے، اور اصحاب کہف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اس سورت کی ابتدا میں آچکا ہے۔ اب ذوالقرنین کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

ذوالقرنین کون تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین اور مورخین کے بہت سارے اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ وہ اسکندر بن فیلقوس یونانی تھا جس نے پوری دنیا کو فتح کیا تھا اور جس نے اسکندر یہ شہر آباد کیا تھا۔ قرطبی نے سبیلی سے نقل کیا ہے کہ اسکندر نام کے دو شخص گزرے ہیں۔ ایک ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا جس نے ان کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا تھا، اور دوسرا اسکندر مقدونی یونانی تھا جس کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو سال پہلے بتایا جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ازرتی وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پایا گیا تھا۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرد على المنطقيين" میں لکھا ہے کہ اسکندر بن فیلبس یونانی وہ نہیں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ذوالقرنین کے نام سے آیا ہے، اس لئے کہ یہ مشرک تھا، اور اس کا وزیر اسطو اور اس کی پوری قوم مشرک تھی۔ اور ذوالقرنین اللہ کا نیک اور مومن و موحد بندہ تھا، اور اس کا زمانہ بہت پہلے کا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے "اغاثة الملهفان" میں فلاسفہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان کے بادشاہوں میں سے ایک اسکندر مقدونی تھا جو فیلبس کا بیٹا تھا، اور یہ وہ اسکندر ذوالقرنین نہیں تھا جس کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے، بلکہ دونوں کے درمیان کئی صدی کا فرق ہے اور دونوں کے دین میں بھی بہت زیادہ تباہی تھا۔ ذوالقرنین اللہ کا ایک نیک، صالح اور موحد بندہ تھا اور زندگی بھر بت پرستوں کے خلاف جنگ کرتا رہا اور اس مقصد کے لئے زمین کے مشرق و مغرب کناروں تک پہنچ گیا۔ اسی نے یا جوج ماجوج کو روکنے کے لئے دیوار بنائی تھی۔ بعض لوگوں نے اسے نبی بتایا ہے۔ اور اسے ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ فارس و روم دونوں کا بادشاہ تھا، یا اس لئے کہ اس کے سر پر بال کی دو چوٹیاں تھیں، یا اس لئے کہ اس نے مشرق و مغرب پر حکمرانی کی تھی۔ اور اسکندر مقدونی مشرک تھا اور بتوں کی پرستش کرتا تھا اور اس کی مملکت کے لوگ بھی مشرک تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ کفار قریش آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں اس کے بارے میں قرآن کریم کی وہ آیتیں تمہیں سناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر

إِنَّمَا كُنَّا لَكَ فِي الْأَرْضِ وَإِنِّي نُهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۗ فَاتَّبِعْ سَبَبًا ۗ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا الْقَوْمِئِذِ إِنَّمَا أَنْتُمْ عَذَابٌ وَإِنَّمَا أَنْتُمْ تُنْجَذُونَ فِيهِمْ حَسْبًا ۗ قَالَ إِنَّمَا مِنْ ظِلْمٍ فَسُوفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا مُّكْرَمًا ۗ وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ ۖ الْحُسْنَىٰ ۗ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۗ

بے شک ہم نے سر زمین پر اسے (۵۲) حکومت دی تھی، اور ہر چیز کے لئے اُسے سامان دیا تھا ﴿۸۴﴾ پس وہ سامان لے کر چل پڑا ﴿۸۵﴾ یہاں تک کہ جب وہ آفتاب ڈوبنے کی جگہ (۵۳) پہنچ گیا، تو اُسے گرم کچھڑ کے ایک چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا، اور وہاں سے ایک قوم ملی، ہم نے کہا، اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) یا تو انہیں تم عذاب دو، یا ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو ﴿۸۶﴾ اس نے کہا کہ جو ظالم (۵۴) ہو گا اُسے ہم عذاب دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت عذاب دے گا ﴿۸۷﴾ اور جو ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا، تو اُسے بطور جزا جنت ملے گی، اور اپنے احکام سے متعلق اُسے ہم آسان بات کہیں گے ﴿۸۸﴾

نازل کی ہیں۔

(۵۲) یہاں سے ان باتوں کا بیان شروع ہے جو اللہ نے ذوالقرنین کے بارے میں رسول کریم ﷺ کو بذریعہ وحی بتائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فوجی طاقت، مال و دولت، فکر و نظر اور عظیم شہرت و دبدبہ دیا تھا، اور ہر چیز کو حاصل کرنے کا ذریعہ عطا کیا تھا، یعنی علم، طاقت، آلات و اسلحہ اور دیگر تمام وسائل اسے مہیا تھے، اور ان تمام وسائل و ذرائع کو استعمال کر کے انتہائے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا۔

(۵۳) انتہائے مغرب میں اس نے دیکھا کہ آفتاب ایک ایسے چشمے میں جا کر غروب ہو جاتا تھا جس کی مٹی کالی اور گرم تھی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس چشمے سے مراد بحر اٹلانٹک ہے جس کے ساحل پر جا کر ذوالقرنین رُک گیا اور جہاں غروب آفتاب کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسی سمندر میں غروب ہو رہا ہے، ورنہ آفتاب تو چوتھے آسمان پر ہے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ کوئی بعید بات نہیں کہ ذوالقرنین اس سمندر کو پار کر کے انتہائے زمین تک پہنچ گیا ہو جہاں آفتاب غروب ہو جاتا تھا۔ وہاں سے ایک قوم ملی جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے غالب و حاکم بنا دیا انہیں اس نے دین ابراہیمی کی دعوت دی، تو کچھ لوگوں نے قبول کیا اور کچھ نے انکار کر دیا۔ اللہ نے کہا کہ اے ذوالقرنین! تم چاہو تو انکار کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا کرو اور چاہو تو غفور و رحیم سے کام لو، اور حق کی طرف انہیں بلا تے رہو۔

جن لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین نبی تھا، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے، اور جو لوگ اس کے نبی ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے یہ بات بذریعہ الہام بتائی تھی۔

(۵۴) ذوالقرنین نے کہا کہ جو شرک و کفر کے ذریعہ دنیا میں فساد پھیلاتا رہے گا اور دوسروں کو گمراہی کی دعوت دے گا، اسے ہم قید و بند سے گذاریں گے اور قتل کریں گے، اور موت کے بعد قیامت کے دن جب اپنے رب کے پاس جائے گا تو وہ اسے انتہائی سخت عذاب دے گا، اور جو میری دعوت کو قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے گا اور اس کے ساتھ

ثُمَّ اتَّبَعَهُ سَبِيًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ النَّهْمِ ۖ وَجَدَهَا تَطَّلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ يَجْعَلْ لَهُم مِّنْ دُونِهَا سِتْرًا ۗ كَذٰلِكَ ۙ وَ
 قَدْ أَحْطٰنَا لِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۗ ثُمَّ اتَّبَعَهُ سَبِيًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّكَنِ ۖ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ
 يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۗ

پھر وہ سامان لے کر دوسرے راستے (۵۵) پر چل پڑا ﴿۸۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ آفتاب نکلنے کی جگہ پہنچ گیا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتے ہوئے پایا جن کے واسطے اس کی تمازت سے بچنے کے لئے ہم نے کوئی آڑ نہیں بنایا تھا ﴿۹۰﴾ قصہ اتنا ہی تھا، اور ذوالقرنین کے پاس جو وسائل و اسباب (۵۶) تھے ہم اس کی پوری خبر رکھتے تھے ﴿۹۱﴾ پھر وہ سامان لے کر ایک اور راستے (۵۷) پر چل پڑا ﴿۹۲﴾ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا، تو اُن کے اندر دنی جانب ایسے لوگوں کو پایا جو تقریباً کوئی بات نہیں سمجھتے تھے ﴿۹۳﴾

کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اور نیک عمل کرے گا، اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بطور جزائے خیر جنت دے گا، اور اسے آج ہم نہ کوئی سخت بات کہیں گے اور نہ ہی کسی ایسے کام کا حکم دیں گے جو اس پر شاق گذرے۔ (۵۵) انتہائے مغرب تک پہنچ جانے کے بعد، ذوالقرنین نے مشرق کی طرف واپسی کا راستہ اختیار کیا، اور راہ میں جتنی قومیں آئیں انہیں دین ابراہیمی کی دعوت دی، جن لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، اور جنہوں نے انکار کیا انہیں ذلت و رسوائی سے دوچار کیا، ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا، اور ان قوموں میں سے ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ کر لیا جن کے ذریعہ دوسری قوموں پر غلبہ حاصل کرنے میں مدد ملی، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہونے کی جگہ یعنی انتہائے مشرق تک پہنچ گیا۔ وہاں اس نے ایک ایسی قوم کو پایا جو تمدن سے بالکل ہی دور ننگ و دھڑنگ رہتی تھی، نہ ان کے مکانات تھے، اور نہ وہاں کوئی درخت تھا جو انہیں آفتاب کی تمازت سے بچاتا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ لوگ سرخ رنگ کے پستہ قد لوگ تھے جو غاروں میں رہتے تھے اور مچھلیاں کھاتے تھے۔

(۵۶) اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو دنیا میں بہت ہی اونچا مقام اور بڑی ہی عظیم سلطنت دی تھی جس کا کچھ حال اوپر بیان ہوا۔ اس کی قوت، فوج کی کثرت، تعداد اور دیگر مادی اور روحانی اسباب و وسائل کا صحیح اندازہ صرف اللہ کو ہی تھا۔ (۵۷) انتہائے مشرق تک پہنچ جانے کے بعد، ذوالقرنین نے مشرق و مغرب کے درمیان شمال و مغرب کا راستہ اختیار کیا، اور چلتا ہوا انتہائے شمال مغرب میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں دونوں طرف دو اونچے اور لمبے پہاڑ تھے اور دونوں کے درمیان ایک جگہ خالی تھی۔ وہاں انسانوں کی ایک ایسی جماعت رہتی تھی جو کوئی بھی بات نہیں سمجھ پاتی تھی اس لئے کہ ان کی زبان عجیب و غریب تھی، اور ان کے اندر سمجھنے کی صلاحیت بھی کم تھی۔ مذکور بالا دونوں پہاڑوں کے بارے میں لوگوں کے کئی اقوال ہیں:

کسی نے کہا ہے کہ وہ ارمینیا اور آذربائیجان کے علاقہ میں دو پہاڑ ہیں۔ کسی نے لکھا ہے کہ وہ ترکی کا مشرقی علاقہ ہے جہاں ترکی کی سرحد قائم ہو جاتی ہے۔ امام ابن حزم نے اپنی کتاب ”السلل والنحل“ میں لکھا ہے کہ وہ جگہ انتہائے شمال میں دنیا کے آخری کنارے پر ہے۔ رازی نے لکھا ہے کہ بظاہر وہ جگہ شمال میں واقع ہے۔ اسکندر نے دونوں پہاڑوں کے درمیان اس کھلی جگہ کو بند کر دیا تھا جس کی لمبائی سو فرسخ تھی، اور جسے یاجوج و ماجوج آبادی کی طرف آنے کے لئے بطور راستہ استعمال کرتے تھے۔ قرآن بتاتا ہے کہ وہ لوگ دونوں پہاڑوں کے پیچھے رہتے ہیں اور ان کی سرزمین بہت کشادہ ہے اور بحر اٹلانک تک پھیلی ہوئی ہے۔

قَالُوا يَا قَوْمِ إِنْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ نَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۗ قَالَ مَا مَلَكَتْ فِيهِ رَيْبٌ خَيْرٌ لِّكَ عِنْدِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۗ آتَوْنِي زُبُرًا حَتَّىٰ لَإِذَا سَأَوِي بَيْنَ الضُّدِّ قَدِينٍ قَالَ انْفُخُوا ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلْتُمُ الْأَرْضَ كُلَّهَا قَطْرًا ۗ فَمَا اسْتَطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۗ قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنِّي وَإِذَا جَاءَهُ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۗ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۗ

انہوں نے کہا (۵۸) اے ذوالقرنین! بے شک یا جوج و ماجوج اس سرزمین پر فساد پھیلاتے ہیں، تو کیا ہم تمہارے لئے کوئی معاوضہ مقرر کر دیں تاکہ تم ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دو ﴿۹۳﴾ ذوالقرنین نے کہا، میرے رب نے مجھے جو قدرت دے رکھی ہے وہ (تمہارے معاوضہ سے) بہتر ہے، پس تم لوگ اپنی جسمانی طاقت سے میری مدد کرو، تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک موٹی اور مضبوط دیوار بنا دوں ﴿۹۵﴾ مجھے لوہے کی اینٹیں دو، یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیان کا حصہ اوپر تک برابر کر دیا، تو کہا کہ اب اس میں آگ دھونکو، جب اُسے آگ بنا دیا تو کہا کہ مجھے پگھلایا ہوا تانبا دو تاکہ اس پر ڈال دوں ﴿۹۶﴾ پھر یا جوج و ماجوج کے افراد نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ بنا سکے ﴿۹۷﴾ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ دیوار میرے رب کی رحمت ہے، پس جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو اُسے ریزہ ریزہ کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے ﴿۹۸﴾

(۵۸) ان لوگوں نے ذوالقرنین سے کہا کہ دونوں پہاڑوں کے پیچھے یا جوج و ماجوج کی قوم رہتی ہے، انہیں جب بھی موقع ملتا ہے، دونوں پہاڑوں کے درمیانی راستہ سے ہماری طرف آجاتے ہیں اور قتل و غارتگری کرتے ہیں اور لوٹ کھسوٹ کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔ تو کیا آپ ہم سے معاوضہ لے کر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ کھڑی کریں گے؟ ذوالقرنین نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ مجھے تم لوگوں سے کسی معاوضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے جو مال و دولت اور ملک و سلطنت مجھے دیا ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے جو تم لوگ مجھے دینا چاہتے ہو۔ تم لوگ صرف مزدوروں، صنعت کاروں اور ضروری آلات سے میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط رکاوٹ کھڑی کر دوں، یعنی اس وڑھ کو بند کر دوں جس سے ہو کر وہ لوگ تمہاری طرف آجاتے ہیں۔ مجھے لوہے کے ٹکڑے دو۔ جب دونوں پہاڑوں کی درمیانی جگہ میں لوہے کی اینٹوں کی دو متوازی دیوار بناوی تو ان لوگوں سے کہا کہ اب دونوں دیواروں کے درمیان آگ پھونکو یہاں تک کہ لوہا تپ کر آگ بن جائے۔ جب لوہا آگ بن گیا تو ذوالقرنین نے ان سے کہا کہ اب مجھے پگھلایا ہوا تانبا دو تاکہ اسے گرم لوہے پر انڈیل دوں اور وہ لوہے سے چپک جائے۔ وہ رکاوٹ اتنی اونچی اور چینی تھی کہ اس کے بعد یا جوج و ماجوج کا آنا بند ہو گیا، اور وہ اتنی موٹی اور سخت تھی کہ ان کے لئے اس میں سوراخ کرنا ناممکن ہو گیا۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ دیوار یہاں رہنے والوں کے لئے میرے رب کی رحمت ہے کہ اب یا جوج و ماجوج کے لوگ اس راہ سے آکر ان پر ظلم و ستم نہیں ڈھائیں گے، لیکن جب قیامت کے قریب یا جوج و ماجوج کے ٹکڑے کا وقت آجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس رکاوٹ کے ریزے ریزے کر دے گا اور زمین برابر ہو کر پہلے کی طرح راستہ بن جائے گا۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے کہ قیامت آئے گی اور انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق وہ جزا سزا دے گا۔

وَرَكْنَا بَعْضُهُمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمِي فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَمَجَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۖ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۗ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غَطَاةٍ عَنَّا ۖ وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۗ

اور اُس دن ہم ان سب کو آپس میں جٹھم گٹھا (۵۹) کر دیں گے، اور صور پھونک دیا جائے گا، پھر ہم ان سب کو ایک ساتھ جمع کریں گے ﴿۹۹﴾ اور اس دن ہم جہنم (۶۰) کو کافروں کے بالکل سامنے لائیں گے ﴿۱۰۰﴾ جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور (جو شدتِ عداوت سے) ہمارا کلام نہیں سن سکتے تھے ﴿۱۰۱﴾

فائدہ :

یا جوج و ما جوج دو عجیبی نام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ یا نفث بن نون کی اولاد سے ہیں، اور نرکی کے لوگ انہی میں سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یا جوج ترکوں میں سے اور ما جوج حبیل اور ویلم سے ہے۔ بعض لوگوں نے انہیں پست قد اور بعض نے لمبے قد کا بتایا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ داغستان کے علاقہ میں کوہ قاف کے پیچھے دو قبیلے رہتے تھے جن کے نام ”آقوق“ اور ”ماقوق“ تھے۔ عربوں نے تعریب کے ذریعہ انہیں یا جوج و ما جوج بنا دیا۔ بہت سے دیگر قبائل والے انہیں جانتے تھے اور ان کا ذکر اہل کتاب کی کتابوں میں آیا ہے۔ انہی دونوں قبیلوں کے کثرتِ تناسل سے شمال اور مشرق کی قومیں وجود میں آئیں اور روس اور ایشیا کے ممالک میں پھیلتی گئیں۔

بہر حال یا جوج و ما جوج جو لوگ بھی ہوں، اتنی بات تو صحیح احادیث سے ثابت شدہ ہے کہ قربِ قیامت کے وقت ذوالقرنین کی بنائی ہوئی رکاوٹ پاش پاش ہو جائے گی اور یا جوج و ما جوج کی فوج اُٹھ پڑے گی۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم وغیرہم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور محدث البانی رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ وہ لوگ تمام کنوؤں کا پانی پنی جائیں گے، اور لوگ ان کے ڈر سے قلعوں میں بند ہو جائیں گے۔ اپنا تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو وہ خون سے لت پت ان کے پاس واپس آجائے گا، تو وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو مغلوب کر لیا اور آسمان والوں سے زیادہ بلند مقام والے ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی گڈیوں میں ایک بیماری پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے تمام کے تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ زمین کے چوپائے ان کے گوشت کھا کر مومٹے ہو جائیں گے اور اللہ کا شکر ادا کریں گے۔“

(۵۹) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یعنی دجال کی موت کے بعد جب یا جوج و ما جوج نکلیں گے تو شدتِ ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گے اور ہر طرف مار دھاڑ اور ظلم و ستم کرنے لگیں گے۔ صاحب ”فتح البیان“ لکھتے ہیں کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام مومنوں کو لے کر جبل طور کی طرف بھاگ پڑیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی ناکوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس سے سب کے سب مر جائیں گے، اور مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں داخل نہ ہو سکیں گے اور نہ ان لوگوں تک پہنچ سکیں گے جو ذکر الہی کرتے رہیں گے۔ آیت کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جن و انس آپس میں گڈنڈ ہو جائیں گے، اور اسرافیل علیہ السلام صور پھونک دیں گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ دوسرا صور ہو گا جس کے بعد اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کر دے گا اور میدانِ محشر میں حساب و جزا کے لئے جمع کر دے گا۔

(۶۰) اُس دن اللہ تعالیٰ جہنم کو کافروں کے سامنے لے آئے گا، وہ اسے دیکھیں گے اور اس کی غیظ و غضب بھری آوازیں کرشید

أَفَسِبَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۗ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۗ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا أَيُّهَا رَبِّيهِمْ وَإِلَهُهُ فَقِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزَنًا ۗ ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِجَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَتُتَّخَذُ الْيَتَامَىٰ وَرُسُلِي هُزُوًا ۗ

کیا اہل کفر سمجھتے (۶۱) ہیں کہ (قیامت کے دن) وہ میرے سوا میرے بندوں کو اپنے دوست بنا لیں گے، بے شک ہم نے جہنم کو کافروں کی میزبانی کے لئے تیار کر رکھا ہے ﴿۱۰۲﴾ آپ کہئے، کیا ہم تمہیں خبر دیں کہ (اس دن) اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھائے (۶۲) میں کون ہو گا ﴿۱۰۳﴾ جن کی دنیاوی زندگی کے لئے کوششیں ضائع ہو گئیں، اور وہ سمجھتے رہے کہ بہت اچھا کام کر رہے تھے ﴿۱۰۴﴾ انہی لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا اور اس سے ملاقات کا انکار کر دیا، تو ان کے اعمال بے کار ہو گئے، پس ہم قیامت کے دن ان کا کوئی وزن نہیں رکھیں گے ﴿۱۰۵﴾ ان کا بدلہ جہنم ہو گا اس لئے کہ انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا ﴿۱۰۶﴾

حزن و ملال میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ وہ کفار ہوں گے جن کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑ گیا تھا، اور جن کی قوتِ سماعت بیکسر جاتی رہی تھی، اس لئے نہ ان دلائل و براہین سے انہیں کوئی فائدہ پہنچا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی تھیں، اور نہ انہیں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی آیات میں غور و فکر کی توفیق ہوئی، اور ان کی قوتِ سماعت ایسی معدوم ہو گئی تھی کہ حق و ہدایت کی بات سننے سے بالکل ہی محروم ہو گئے تھے۔

(۶۱) اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ کے شرک کی تردید کی گئی ہے، اور جزو توحیح کرتے ہوئے ان سے کہا گیا ہے کہ کیا وہ اس گمان میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ میرے جن بندوں کو انہوں نے میرے سوا اپنا معبود بنا لیا ہے، وہ انہیں نفع پہنچا سکیں گے؟ یہ ان کی خام خیالی ہے وہ جھوٹے معبودان کے کسی کام نہیں آئیں گے، اور ہم نے تو ایسے کافروں کی ضیافت کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ سورہ مریم آیات (۸۱/۸۲) میں اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۗ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۗ﴾ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعثِ عزت ہوں، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو گا وہ تو ان کی پوجا کے منکر ہو جائیں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔“

(۶۲) حقیقی معنی میں خسارہ اٹھانے والے کون ہیں، مندرجہ ذیل چار آیتوں میں انہی کی صفات بیان کی گئی ہیں اور پھر قیامت کے دن ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے، آپ کافروں سے پوچھئے کیا میں تمہیں بتا دوں کہ سب سے زیادہ کون خسارہ پانے والا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی تمام کوششیں رائیگاں ہو گئیں، حالانکہ وہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے حق میں بہت ہی اچھا کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیتوں، بعث بعد الموت اور حساب و جزا کا انکار کر دیا جس کے نتیجے میں ان کے اعمال بالکل ہی بے کار ہو گئے، اور قیامت کے دن اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی

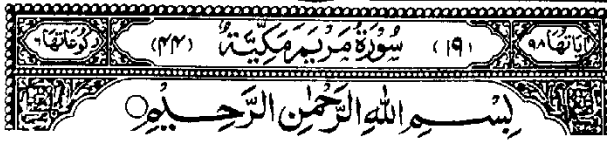
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۖ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَالًا ۗ قُلْ نُو
 كَانَ الْبَعْرُ مِثْلَ الْبَعْرِ قَبْلَ أَنْ تَنْفَعَكَ كَلِمَاتُ رَبِّي ۖ وَكُلُّ جُنَّةٍ يُشْتَبَىٰ مَدَدُهَا ۗ قُلْ إِنَّمَا نَبَأْتُكُمْ لَكُمْ
 يُوحَىٰ إِلَيْكُمْ إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ فَنَ كَانَ يَتُجَوَّلُونَ ۚ رَبِّهِ فَلْيُحْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ۖ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۗ

بے شک جو لوگ ایمان (۶۳) لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا ان کی ضیافت کے لئے فردوس کے باغات ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ ان میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، ان سے نکلنا نہیں چاہیں گے ﴿۱۰۸﴾ آپ کہئے کہ اگر میرے رب کے کلمات (۶۳) لکھنے کے لئے سارا سمندر روشتائی بن جائے، تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر خشک ہو جائے گا، چاہے مدد کے لئے ہم اسی جیسا اور سمندر لے آئیں ﴿۱۰۹﴾ آپ کہئے کہ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان (۶۵) ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے، تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے ﴿۱۱۰﴾

دقت و اہمیت نہیں ہوگی، بلکہ حقارت کے ساتھ ٹھکرادیے جائیں گے، اس لئے کہ اللہ کے نزدیک صرف نیک اعمال کا اعتبار ہے، جب ان کی جمہولی میں اعمال صالحہ رہے ہی نہیں تو حقیر ترین بندے بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اور اس لئے کہ انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔

(۶۳) کافروں کا انجام بیان کئے جانے کے بعد، اب ان لوگوں کا حال و مال بیان کیا جا رہا ہے جو اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں گے، نبی کریم ﷺ پر نازل کردہ کتاب کی تصدیق کریں گے، اور زندگی میں نیک اعمال کرتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی میزبانی کے لئے فردوس برین کو تیار کر رکھا ہے جہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور کبھی اور کسی حال میں بھی وہاں سے نکلنا نہیں چاہیں گے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”تم لوگ جب اللہ سے جنت مانگو، تو فردوس مانگو جو جنت کا مرکزی اور اعلیٰ مقام ہے، جنت کی ساری نہریں وہیں سے نکلتی ہیں“۔ وہ جنت اتنی اچھی ہوگی کہ وہاں کارہنے والا جنتی اسے چھوڑ کر کبھی بھی دوسری جگہ جانا نہیں چاہے گا۔ اے اللہ! میں آپ سے جنت الفردوس کا سوال کرتا ہوں، اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، اپنے اہل و عیال، بہن، بھائی اور قرآن و سنت پر عمل پیرا تمام مسلمان بھائیوں کے لئے۔ آمین یا رب العالمین۔

(۶۴) یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے، وہ جب اور جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے، اس کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر اللہ کے علوم و حکم کے کلمات لکھے جائیں اور سمندر کا پانی بطور روشنائی استعمال کیا جائے، تو کلمات الہی ختم نہ ہوں گے اور سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا۔ اور اگر اسی سمندر جیسا دوسرا سمندر بھی بطور روشنائی استعمال کیا جائے تو وہ بھی ختم ہو جائے گا اور اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب قریش نے یہود کے سکھانے پر رسول اکرم ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿هُمَا أَوْ تِيْتِمُ مَنْ نَعْلَمُ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے“ اور یہود مدینہ کو اس آیت کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ تورات میں تمام چیزوں کا علم موجود ہے، تو ان کے رد میں آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے علم کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ (۶۵) اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا، آپ ان مشرکین سے جو آپ کی رسالت کی تکذیب کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ



(سورہ مریم مکی ہے، اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں مجھ میں اور تم میں فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر وحی نازل فرماتے ہیں۔ قرآن بھی اللہ نے مجھے بذریعہ وحی دیا ہے۔ یہ میرا کلام نہیں ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص میری تکذیب کرتا ہے تو وہ قرآن جیسا کلام لاکر دکھاوے۔ میں نے تمہیں زمانہ ماضی کے جو واقعات سنائے ہیں، وہ بھی مجھے اللہ نے بذریعہ وحی بتائے ہیں، مجھے غیب کا کوئی علم نہیں ہے۔ میں تمہیں یہ بھی خبر دیتا ہوں کہ جس اللہ کی عبادت کی تمہیں دعوت دیتا ہوں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ تو جو کوئی ایمان رکھتا ہے کہ اسے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، اسے شریعت محمدیہ کے مطابق عمل صالح کرنا چاہئے اور چاہئے کہ وہ کسی بھی حال میں اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک نہ کرے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ہو، اور دوسری یہ کہ اس سے مقصود صرف اللہ کی خوشنودی ہو۔ شہرت، نام و نمود، ریاکاری یا کوئی اور دنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورہ مریم

نام: اس کا نام آیت (۱۶) ﴿وَإِذْ نُوحِي النِّبَأَ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرِيفًا﴾ سے ماخوذ ہے۔ صاحب ”فتح البیان“ لکھتے ہیں کہ پورے قرآن میں مریم علیہا السلام کے علاوہ کسی دوسری عورت کا نام نہیں آیا ہے۔ ان کا نام قرآن میں تیس بار دہرایا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب ”السیرۃ“ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب مہاجرین حبشہ میں نجاشی کے سامنے پیش ہوئے، اور اس نے جعفر بن ابی طالب سے قرآن کا کوئی حصہ سنانے کو کہا تو انہوں نے اسی سورت کی ابتدائی آیتوں کی قرأت کی تھی جن سے متاثر ہو کر نجاشی اتار دیا تھا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی۔ اس کے دربار کے دوسرے علمائے نصاریٰ بھی رونے لگے تھے، اور نجاشی نے کہا تھا کہ یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام جو کلام لے کر آئے تھے دونوں ایک ہی مصدر سے آئے ہیں۔ اس میں ذکر کیا، یحییٰ، عیسیٰ، ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، اور مشرکین مکہ کی سوسائٹی سے نکل کر یہود و نصاریٰ کے سامنے دعوت اسلام پیش کرنے کے لئے زمین ہموار کی گئی ہے، اور انہیں یہ باور کرایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کوئی نیا اور اجنبی دین لے کر نہیں آئے ہیں، بلکہ یہ وہی دین ہے جو تمام گذشتہ انبیاء کرام نے اپنی قوموں کے سامنے پیش کیا تھا، اور جس کا لب لباب یہ ہے کہ یہ زمین اللہ کی ہے، اور اس نے تمام انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

كَلِّمِصَّ ۞ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِيًّا ۞ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۞ قَالَ رَبِّ انِّي وَهِنَ الْعَظْمِ مِثِّي وَ
 اشْتَعَلَ النَّاسُ شَيْبًا وَ لَمْ اَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۞ وَ اِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَائِي وَ كَانَتْ اُمْرًا قِيًّا
 فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۞ يَرِيئِي وَيُرِيثُ مِنْ اِلٰى يَعْقُوبَ ۞ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۞ يٰ زَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۞ اِسْمُهُ
 يَحْيٰى ۞ لَمْ نَجْعَلْ لَهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۞

کَلِّمِصَّ (۱) یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا (۲) پر کی تھی ﴿۲۳﴾ جب انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا ﴿۲۴﴾ کہا، میرے رب! میری ہڈی کمزور ہوگئی اور سر کے بال سفید ہو گئے، اور میرے رب! تجھ سے دعا کر کے میں کبھی اس کے اثر سے محروم نہیں رہا ﴿۲۵﴾ اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے مطمئن نہیں ہوں (کہ وہ دعوت کا کام جاری رکھیں گے) اور میری بیوی بانجھ ہے، اس لئے تو مجھے اپنے پاس سے ایک لڑکا عطا کر ﴿۲۶﴾ جو (دعوتی کاموں میں) میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے، اور میرے رب! اسے تو سب کا محبوب بنا ﴿۲۷﴾ اے زکریا! ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری (۳) دیتے ہیں جس کا نام ”یحییٰ“ ہوگا، اس سے پہلے اس کا ہم نے کوئی نام نہیں بنایا ہے ﴿۲۸﴾

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، ان کا معنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر اپنے فضل و کرم کا ذکر کیا ہے، جو بنی اسرائیل کے بہت ہی عظیم المرتبت نبی، اور یحییٰ علیہ السلام کے والد تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ پیشہ کے اعتبار سے بوہنی تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ انہوں نے رات کی تاریکی میں جب دنیا سو رہی تھی، اپنے رب سے خفیہ طور پر دعا کی اور کہا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اور سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہیں، اور اس سے پہلے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ تو نے میری دعا قبول نہ کی ہو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ اللہ کی جناب میں ایک قسم کا توسل تھا کہ اے اللہ! میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری حالت قابل رحم ہو چکی ہے، اور اس سے پہلے تو میری دعائیں قبول کرتا رہا ہے، اس لئے اس بار بھی میری دعا قبول کر لے اور مجھے ناامید نہ کر۔ اور میرے بعد میری قوم کی باگ ڈور میرے جن رشتہ داروں کے ہاتھ میں جائے گی، وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر بھروسہ کیا جائے، ان میں کوئی ایسا نہیں جو دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھ سکے، مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ میری دعوت الی اللہ کے کاڑ کو نقصان پہنچائیں گے۔ اور میری بیوی جوانی کے زمانے سے ہی بانجھ ہے، اس لئے تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک لڑکا عطا فرما جو علم و نبوت اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں میرا اور خاندان یعقوب کے دیگر انبیاء کا وارث بنے۔ اور اے میرے رب! تو اسے بلند اخلاق و کردار والا بنا۔

سورہ آل عمران آیت (۳۸) اور اس کے بعد کی آیتوں میں زکریا علیہ السلام کا یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ جب انہوں نے مریم علیہا السلام کے پاس محراب میں انواع و اقسام کے پھل دیکھے، تو اللہ کی قدرت سے غایت درجہ متاثر ہو کر اپنے بڑھاپے اور اپنی بیوی کی بانجھن کے باوجود اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایک لڑکا عطا کر۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں لڑکے کی خوشخبری دے دی۔ اور انہوں نے صالح لڑکے کی تمنا اس لئے کی تاکہ ان کے بعد ان کی دعوت و تبلیغ کا کام جاری رہے۔

قَالَ رَبِّ اَنْي يَكُونُ لِي عَلْمٌ وَكَانَتْ اُمْرَاتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۝ قَالَ اِنَّكَ الْاَكْثَرُ النَّاسِ تَلْكَ لِيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْسَىٰ اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّكَ وَعَسِيًّا ۝

زکریا نے کہا، میرے رب! میرے گھر لڑکا^(۳) کیسے ہوگا، میری بیوی بانجھ ہے، اور میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں ﴿۸۶﴾ (فرشتے نے) کہا، ایسا ہی^(۵) ہوگا، آپ کا رب کہتا ہے کہ یہ کام میرے لئے بالکل آسان ہے، اور اس کے قبل میں نے آپ کو پیدا کیا ہے، جب آپ کچھ بھی نہیں تھے ﴿۸۷﴾ زکریا نے کہا، میرے رب! مجھے اس کی کوئی نشانی^(۶) بتادے، اللہ نے کہا، آپ کے لئے نشانی یہ ہوگی کہ آپ تین رات تک تندرست ہوتے ہوئے لوگوں سے بات نہ کریں گے ﴿۸۸﴾ پس وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے، اور ان سے اشارہ میں کہا کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو ﴿۸۹﴾

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور کہا، اے زکریا! ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا، اور جس کا مشیل و شبیہ ہم نے اس کے قبل پیدا نہیں کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بانجھ عورتوں نے ان کے قبل ان جیسا بچہ نہیں جنا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ گناہوں کا ارادہ کیا۔

(۴) زکریا علیہ السلام نے یہ خوشخبری پا کر، ظاہری حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا، میرے رب! مجھے لڑکا کیسے ہوگا، میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بوڑھا ہے اس مرحلے میں داخل ہو چکا ہوں جس کے بعد کوئی تدبیر اور کوئی علاج مفید نہیں ہوتا۔ ایک دوسری رائے ہے کہ انہوں نے خوشخبری پانے کے بعد اپنی بیوی کی حالت مدد نظر رکھتے ہوئے، بچہ پیدا ہونے کی کیفیت جانتی چاہی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جیسا آپ نے چاہا ویسا ہی ہوگا۔ پھر ان کی حیرت و استعجاب دور کرنے کے لئے مزید کہا، آپ کا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا یعنی بہت ہی بوڑھے باپ اور ہمیشہ سے بانجھ ماں سے بچہ پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔ اور میری قدرت مطلقہ کو مدد نظر رکھتے ہوئے اس میں حیرت کی آپ کے لئے کوئی بات بھی نہیں ہونی چاہئے، میں تو خود آپ کو اس سے پہلے ایک نطفہ حقیر کے ذریعہ عدم سے وجود میں لا چکا ہوں۔ ماں اور باپ کے ذریعہ پیدا کرنا تو زیادہ آسان ہے۔

(۶) زکریا علیہ السلام نے کہا، میرے رب! مجھے کوئی نشانی بتادے تاکہ جان سکوں کہ واقعی حمل قرار پا گیا ہے، اور میرے دل کو مزید اطمینان حاصل ہو۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ اس سوال سے مقصود یہ تھا کہ جب حمل قرار پا جائے تو انہیں پتہ چل جائے، اس لئے کہ بشارت دیتے وقت اس کا کوئی معین وقت نہیں بتایا گیا تھا۔ ابن الأباری کہتے ہیں کہ خوشخبری سن کر ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اب جلد ہی ان کے گھر بیٹا مولود ہو، اسی لئے انہوں نے چاہا کہ اللہ کی جانب سے ان پر جو احسان ہونے والا ہے، اس کی کوئی فوری نشانی بتادی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کے لئے نشانی یہ ہوگی کہ زبان و جسم کے بالکل صحیح سالم ہونے کے باوجود تین دن اور تین رات کسی سے بات نہ کر سکیں گے۔ یہاں تین رات کا ذکر آیا ہے اور سوہ آل عمران آیت (۴۱) میں تین دن کا۔ اس لئے مراد تین دن اور تین رات ہے، جب زکریا علیہ السلام کی آواز بند ہوگئی تو محراب سے نکل کر فوراً اپنی قوم کے

يَجِيئُ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيحًا ۗ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَرُكُوعًا ۗ وَكَانَ تَقِيًّا ۗ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۗ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۗ وَإِذْ لَوْ فِي الْكِتَابِ مَرَمِيمًا إِذْ أَنْتَبَدَتْ مِنْ أَهْلِهَا امَّاكَانًا اللَّهُ رُؤُوفًا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۗ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۗ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۗ

اے یحییٰ! آپ تورات (۷) کو مضبوطی کے ساتھ تمام لیجئے، اور ہم نے بچپن ہی سے ان کو فیصلہ کرنے کی صلاحیت دے دی تھی ﴿۱۲﴾ اور اپنے پاس سے انہیں رحمہلی، اور پاکیزگی عطا کر دی تھی، اور وہ صاحبِ تقویٰ آدمی تھے ﴿۱۳﴾ اور اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے، اور (اپنے رب کے حق میں) سرکش و نافرمان نہیں تھے ﴿۱۴﴾ اور اللہ کی سلامتی ان کے شامل حال رہی جس دن وہ پیدا ہوئے، اور اس دن بھی رہے گی، جب وہ وفات پائیں گے اور جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے ﴿۱۵﴾ اور آپ قرآن میں مریم (۸) کا ذکر بھی کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق کی جانب ایک جگہ چلی گئی ﴿۱۶﴾ پھر لوگوں کی طرف سے اپنے لئے ایک پردہ بنا لیا، تو ہم نے اس کے پاس اپنے فرشتے جبریل کو بھیجا، پس وہ ان کے سامنے ایک بھلے چنگے انسان کی شکل میں ظاہر ہوئے ﴿۱۷﴾ مریم نے کہا کہ اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو تو میں تم سے ذریعہ پناہ مانگتی ہوں ﴿۱۸﴾ جبریل نے کہا، میں تمہارے رب کا پیغامبر ہوں، تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں ﴿۱۹﴾

پاس آئے اور ان سے اشارہ کی زبان میں کہا کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جاؤ۔ یہاں "اوحی" کا معنی "اشارہ" کیا ہے، جیسا کہ سورہ آل عمران میں "رمزا" کا لفظ آیا ہے، جس کا معنی اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے زمین پر لکھ کر لوگوں سے بات کی تھی۔ عربی زبان میں "وحی" "لکھنے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۷) زکریا علیہ السلام کے گھر وہ لڑکا پیدا ہو گیا، اس کا نام خود اللہ تعالیٰ نے یحییٰ رکھا، اور جب اس نے ہوش سنبھالا تو اللہ نے اس سے کہا، اے یحییٰ! تورات کا علم اچھی طرح حاصل کرو۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تورات ہی پڑھتے تھے، اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام انبیائے بنی اسرائیل اور علماء و احبار لوگوں کے درمیان اسی کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ تورات کو اچھی طرح پڑھتے اور اس میں موجود احکام و شرائع کا فہم حاصل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں علم و حکمت، فہم تورات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق دے دی تھی۔ ان کے اندر اپنے والدین، رشتہ داروں، غیروں اور اللہ کی تمام مخلوق کے لئے رحمت و شفقت کا بے پایاں جذبہ پایا جاتا تھا۔ ﴿حَنَانًا مِّن لَّدُنَّا﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی شفقت و رحمت ہمیشہ ان کے شامل حال تھی۔ وہ گناہوں سے یکسر پاک، اور ایسے نیک تھے کہ گناہ کا سبھی سوچا ہی نہیں، اور اپنے ماں باپ کے ایسے مطیع و فرمانبردار تھے کہ کبھی بھی ان کے سامنے کسی بات پر نہیں اڑے اور نہ ان کی نافرمانی کی۔ ﴿عَصِيًّا﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کے نافرمان بندے نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام آفات و بلیات سے امن و سلامتی کی خبر دے دی، اور ان کے لئے سلام و تحیہ بھیج دیا۔ جس دن وہ پیدا ہوئے اس دن شیطان کے چو نکالگانے سے امان میں رہے، اور جب وفات پائی تو قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے، اور جب دوبارہ اٹھائے جائیں گے

قَالَتْ اِنِّي يَكُونُ لِي عُلُوٌّ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَاَلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰذِهٖٓ وَاجْعَلْهَا اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا ۝

مریم نے کہا (۹) مجھے لڑکا کیسے ہوگا، جبکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا ہے، اور میں بدکار بھی نہیں ہوں ﴿۲۰﴾ جبریل نے کہا، ایسا ہی ہوگا، تمہارا رب کہتا ہے کہ یہ کام میرے لئے آسان ہے، اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی اور رحمت بنائیں، اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے ﴿۲۱﴾

تو نہیں کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بچی علیہ السلام پر انعام خاص اور انتہائے عنایت تھی کہ ان تینوں حالات میں انہیں اللہ کا امن و امان حاصل رہا، جب آدمی شدید غربت و وحشت محسوس کرتا ہے اور ضرورت محسوس کرتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو۔

(۸) چونکہ بچی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں ایک گوندنہ مشابہت ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے بچی علیہ السلام کو نہایت بوڑھے باپ اور بالکل بانجھ ماں سے پیدا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، اور دونوں کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا اظہار ہے، اسی لئے سورہ آل عمران، اس سورت اور سورہ الانبیاء میں دونوں کا ذکر ایک دوسرے کے بعد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اس قرآن میں مریم کا واقعہ پڑھئے اور لوگوں کو سنائیے۔ مریم بنت عمران داؤد علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل کے ایک دیندار اور شریف گھرانے کی لڑکی تھیں۔ ان کی ولادت کا قصہ سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد انہوں نے اپنے خالوزکریا علیہ السلام کے گھر میں پرورش پائی، اور ہوش سنبھالنے کے بعد بہت بڑی زاہدہ، عابدہ اور سب زندہ دار بن گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا، تو مسجد اقصیٰ سے ذرا ہٹ کر مشرق کی جانب چلی گئیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہاں لوگوں کی نگاہوں سے اوچھل ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کے لئے گئی تھیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ان کو ماہواری آئی تھی اور وہاں پردے میں طہارت حاصل کرنے کے لئے گئی تھیں۔ وہاں جبریل علیہ السلام اللہ کے حکم سے ان کے سامنے ایک مکمل آدمی کی شکل میں آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل کتاب پر بھی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا واجب تھا، لیکن مریم علیہا السلام کے اسی عمل کی وجہ سے انہوں نے جہت مشرق کو اپنا قبلہ بنا لیا اور مطلع آفتاب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔

جب مریم علیہا السلام نے دیکھا کہ ایک اچھا خاصا آدمی ان کے پردے کا لحاظ کئے بغیر ان کے سامنے آگیا ہے، تو ان کے ذہن میں شبہ ہوا کہ کہیں یہ آدمی کسی بُری نیت سے تو نہیں آیا ہے، اسی لئے اپنی انتہائی عفت و پاکدامنی کے زیر اثر کہنے لگیں کہ اے آدمی! اگر تجھے اللہ کا خوف ہے تو میں بے حد رحم کرنے والے اللہ کے ذریعہ تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔ تو میرے قریب نہ آ۔ جبریل علیہ السلام نے فوراً ان کے دل سے خوف دور کرنے اور حقیقت حال بیان کرنے کے لئے کہا، میں تمہارے اسی رب کا بیٹا ہوں جس کے ذریعہ تم نے پناہ مانگی ہے، مجھے اسی نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تمہارے گریبان میں پھونک مار کر اللہ کی جانب سے بطور عطیہ ایک لڑکا دیئے جانے کا سبب بنوں جو گناہوں سے پاک ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ التحریم آیت (۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا﴾ اور سورہ الانبیاء آیت (۹۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا﴾ دونوں آیتوں میں یہی بتایا گیا ہے کہ

فَعَمَلَتْهُ فَانْتَبَدَّتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۝ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا
وَكُنْتُ نَسِيًّا قَسِيًّا ۝

چنانچہ وہ حاملہ (۱۰) ہو گئی، تو اسے لئے ایک درجہ چلی گئی ﴿۲۲﴾ پھر زچگی کی تکلیف (۱۱) نے اُسے کھجور کے درخت کے پاس پہنچا دیا، کہنے لگی، اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی، اور ایک بھولی بسری یاد بن گئی ہوتی ﴿۲۲﴾ اللہ نے اپنی طرف سے بذریعہ جبریل ان کے رحم میں عیسیٰ کی روح پھونک دی۔

ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں تمہارے رب کا پیغامبر ہوں، اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہیں تمہارے بطن سے ایک لڑکا مولود ہونے کی خبر دوں جو گناہوں سے پاک ہوگا۔ ایک قرأت میں "لیهب لك" آیا ہے۔ یعنی میں تمہارے رب کا پیغامبر ہوں، تمہارے پاس یہ خبر لے کر آیا ہوں کہ وہ تمہیں ایک ایسا لڑکا دے گا جو گناہوں سے پاک ہوگا۔

(۹) مریم علیہا السلام کو اس خبر سے بہت زیادہ تعجب ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے لڑکا کیسے ہوگا، نہ میرا کوئی شوہر ہے اور نہ ہی میں کوئی بدکار عورت ہوں! جبریل علیہ السلام نے کہا، ہاں، ایسا ہی ہوگا، اگرچہ تمہارا کوئی شوہر نہیں اور تم کوئی بدکار عورت نہیں، اس لئے کہ تمہارا رب ہر چیز پر قادر ہے، وہ کہتا ہے ایسا کرنا میرے لئے بہت ہی آسان ہے۔ اس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، اور حوا کو صرف مرد سے پیدا کیا، اور باقی ذریعہ آدم کو ماں باپ کے ذریعہ پیدا کیا، سوائے عیسیٰ کے جنہیں اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اور اس طرح تخلیق انسانی کے چاروں طریقے اختیار کر کے اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی عظیم قدرت اور بے مثال عظمت کی قطعی دلیل پیش کر دی۔ اور اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے لئے رحمت بنایا تھا، جیسا کہ ہر نبی اپنی قوم کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کو توحید الہی اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دینے لگے۔ آخر میں جبریل علیہ السلام نے مریم سے کہا کہ ایسا ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہو چکا ہے، ایسا ہو کر رہے گا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ﴿وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا﴾ اللہ کا کلام نبی کریم ﷺ سے ہو، کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اللہ کے علم میں پہلے سے مقدر تھا۔

www.KitaboSunnat.com

(۱۰) مفسرین لکھتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نے انہیں اللہ کا فیصلہ سنایا تو راضی برضائے الہی ہو گئیں اور ایک گوند اطینان محسوس کرنے لگیں، تو جبریل نے ان کے قریب آکر ان کے گریبان میں پھونک دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے دامن میں پھونک ماری، اور ایک تیسری روایت ہے کہ ان کے منہ میں پھونک ماری، بہر حال پھونک کا اثر ان کے رحم تک پہنچ گیا، اور اللہ کے حکم سے حمل قرا پا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگوں کی باتوں کے ڈر سے اپنی قوم سے دور پہاڑ کے پیچھے یا وادی میں چلی گئیں۔ (۱۱) مریم علیہا السلام کے حمل کی مدت کے بارے میں کئی اقوال آئے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ حمل اور وضع حمل کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں تھا۔ لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ مدت حمل نو ماہ تھی۔ بہر حال حمل کی مدت جو بھی ہو۔ روایات سے اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہور حمل کے بعد جب لوگوں کی چہ میگوئیوں کا انہیں ڈر ہوا تو بیت المقدس اور اپنی قوم سے دور بیت لحم نام کی بستی چلی گئیں جو بیت المقدس سے صرف آٹھ میل دور تھی جہاں وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں، تاکہ ان کے طعنوں سے بچی رہیں۔ بالآخر ولادت کا وقت قریب آ گیا اور درد کی شدت بڑھ گئی تو ایک کھجور کے درخت کے پاس چلی گئیں تاکہ ولادت کے وقت اس کا سہارا لے سکیں، اور جب انہیں لوگوں کے عار دلانے کا خیال آیا تو بشری تقاضے کے مطابق کہنے لگیں،

فَنَادَاهُمَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِينَ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِمِذْبَعِ النَّحْلِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۝
 فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنَّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ
 الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ فَأَنْتَ بِهِ قَوْمُهَا تَحْمِلُهُ ۚ وَالْوَالِيَةُ يَكْفُرُ بِمَا كَفَرْتَ ۚ يَا خُتْمَ هَرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سَوِيًّا
 وَمَا كَانَتْ أُمَّتُكَ بَعْضِيًّا ۝

تو فرشتے نے اس کی چلی جانب سے پکارا (۱۲) کہ تم غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے نیچے کی جانب ایک چشمہ جاری کر دیا ہے ﴿۲۳﴾ اور کھجور کے درخت (۱۳) کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ، چیدہ اور تازہ کھجوریں تمہارے لئے گریں گی ﴿۲۵﴾ پس کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھ (بچے کو دیکھ کر) ٹھنڈی کرو، پس اگر کسی انسان کو دیکھو تو (اشارہ سے) کہہ دو کہ میں نے رحمن کے لئے خاموش رہنے کی نذر مان رکھی ہے، اس لئے میں آج کسی انسان سے بات نہیں کروں گی ﴿۲۶﴾ پھر وہ بچے کو اٹھائے (۱۴) ہوئے اپنے لوگوں کے پاس آئی۔ انہوں نے کہا، اے مریم! تم نے بہت ہی بُرا کام کیا ہے ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن! تمہارا باپ کوئی بُرا آدمی نہیں تھا، اور تمہاری ماں بدکار نہیں تھی ﴿۲۸﴾ کاش! مجھے اس سے پہلے موت آگئی ہوتی، کاش! میں ایک بھولی بسری کہانی بن گئی ہوتی، فرما کہتے ہیں کہ "فسی" حیض سے ملوث چیتھڑے کو کہتے ہیں، یعنی کاش! میں حیض کا وہ کپڑا ہوتی جسے پھینک دیا جاتا ہے۔

(۱۲) مریم علیہا السلام ایک ٹیلہ پر تھیں، اور جبریل علیہ السلام ٹیلے کے نیچے تھے، جب انہوں نے مریم کی غم سے بھری بات سنی، تو انہیں پکار کر کہا کہ اے مریم! غم نہ کر، اللہ نے تجھے ایک ایسا بچہ دیا ہے جو سردار قوم، صاحب عز و شرف اور رفیع المرتبت ہوگا۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ "سری" چھوٹی نہر کے معنی میں ہے، یعنی اللہ نے تیرے قدموں میں بطور معجزہ نہر جاری کر دی ہے۔ (۱۳) کھجور کی شاخ کو پکڑ کر ہلاؤ، اس سے تمہارے لئے تازہ کھجوریں گریں گی، کھجور کھاؤ، نہر کا تازہ پانی پیو، اور پیارے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور غم نہ کرو، اور جب تم کسی آدمی کو دیکھو جو تم سے بچے کے بارے میں سوال کرے تو اشارہ کی زبان میں کہہ دو کہ میں نے اللہ کے لئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، مفسرین لکھتے ہیں کہ انہیں یہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ نادانوں سے بات کرنے کی انہیں نوبت نہ آئے اور عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہی ان کی براءت و پاکدامنی کی دلیل قاطع بن کر سب کو خاموش کر دے۔

(۱۴) جب مریم علیہا السلام نفاس سے فارغ ہو گئیں، اور اللہ کے انعامات و اکرامات کو دیکھ کر ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا، تو اپنے بچے عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں، لوگوں نے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر غم و حیرت سے ملے جلے جذبہ کا اظہار کیا، کیونکہ مریم بہت ہی بڑے دینی خاندان کی بیٹی تھیں، لوگوں نے ان پر ٹیکر کرتے ہوئے کہا، اے مریم! تو نے بہت بُرا کیا ہے کہ ناجائز بچہ اٹھائے چلی آ رہی ہو۔ مزید ڈانٹ پھینکار کرتے ہوئے کہا، اے ہارون کی بہن! تیرا باپ تو کوئی بدکار آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں ہی زانیہ عورت تھی، آیت میں (ہارون) سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون ہیں، اس لئے کہ مریم ان ہی کی نسل سے تھیں، یا اس لئے کہ لوگ مریم کو ہارون علیہ السلام کی طرح عابدہ اور صالحہ سمجھتے تھے، اسی لئے ان کا نام لے کر انہیں عار دلایا، ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اس نام کا ان کا ایک بھائی تھا جو نیکی اور صلاح میں مشہور تھا، صحیح حدیث سے اسی

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيغًا ۚ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۚ وَ
 جَعَلَنِي مُبْرَكًا مِمَّنْ مَكَانَتْ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۚ وَبَرًّا بِوَالِدَاتِي وَوَدْعَةً لِلنَّاسِ ۚ وَوَاعظَنِي جِبْرَائِيلُ أَنْ
 تَكُونُ مِنَ السَّاغِيَةِ ۚ وَيَوْمَ أُوتِيَ الْوَحْيَ ۚ وَوَيْفَ مَرْيَمَ إِذْ نَبَتْ ۚ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

تو مریم نے بچے کی طرف اشارہ (۱۵) کر دیا، لوگوں نے کہا، ہم کیسے بات کریں اس سے جو ابھی گود کا بچہ ہے ﴿۲۹﴾
 بچے نے کہا، بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے انجیل دیا ہے، اور مجھے نبی بنایا ہے ﴿۳۰﴾ اور جہاں بھی
 رہوں مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکاة کی وصیت کی ہے ﴿۳۱﴾ اور مجھے میری
 ماں کا فرمانبردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش و بد بخت نہیں بنایا ہے ﴿۳۲﴾ اور مجھ پر اللہ کی سلامتی رہی، جس دن میں پیدا
 ہوا، اور اس دن بھی رہے گی جب میں مروں گا، اور جب دوبارہ اٹھایا جاؤں گا ﴿۳۳﴾ عیسیٰ بن مریم کی یہی
 حقیقت (۱۶) ہے، یہی وہ حق بات ہے جس میں تم لوگ اختلاف کرتے رہے ہو ﴿۳۴﴾

کی تائید ہوتی ہے۔ امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں
 نجران کے عیسائیوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ اپنے قرآن میں مریم کے بارے میں ﴿يَا خُتَّاءُ زُنُونَ﴾ پڑھتے
 ہو، حالانکہ موسیٰ عیسیٰ سے سیکڑوں سال پہلے گزرے ہیں۔ واپس آکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے
 فرمایا: ”تم نے ان سے کیوں نہیں کہا کہ لوگ اپنے بچوں کے نام انبیاء و صالحین کے نام رکھتے تھے، یعنی ہارون مریم کے بھائی
 کا نام تھا“۔

(۱۵) مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کر کے لوگوں سے کہا کہ اسی سے پوچھ لو، تو لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ گود کے
 بچے سے کیسے بات کریں؟ عیسیٰ علیہ السلام ان کی بات سن کر بول پڑے، اور کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے ازل میں فیصلہ
 کیا ہے کہ وہ مجھے انجیل دے گا اور مجھے نبی بنائے گا، اور میں جہاں بھی رہوں گا اس نے مجھے صاحب خیر و برکت اور صاحب دعوت
 بنایا ہے، میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا رہوں گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار بات کی تو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ بتایا، اور اس کا بیٹا ہونے کا
 انکار کیا، اور کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: اور مجھے وصیت کی ہے کہ تادم حیات نماز پڑھوں اور زکاة ادا کروں، اور اپنی ماں کا مطیع
 و فرمانبردار رہوں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اعتراف و اعلان تھا کہ اللہ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا
 کیا ہے عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا: اور اللہ نے مجھے متکبر اور گناہ گار نہیں بنایا ہے، اور اللہ کی جانب سے امن و سلامتی میرے
 شامل حال رہی ہے، اس دن جب میں پیدا ہوا، اور اس دن بھی رہے گی جب میری موت آئے گی اور جب میں دوبارہ زندہ اٹھایا
 جاؤں گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کلام صریح کے بعد پھر عیسیٰ علیہ السلام نے، جب تک بات کرنے کی عمر کو نہ پہنچ گئے، کوئی بات نہیں کی۔

(۱۶) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اب تک جو کچھ عیسیٰ کے بارے میں بیان ہوا اور جو انہوں نے خود اپنی زبان سے اپنے بارے
 میں کہا، یہی کچھ ان کی حقیقت ہے، اور یہی وہ قول حق ہے جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، عیسیٰ وہ نہیں ہیں جو ان کے بارے
 میں یہود کہتے ہیں کہ وہ جادو گر تھے اور یوسف نجار کے بیٹے تھے، اور نہ وہ ہیں جو ان کے بارے میں نصاریٰ کی ایک جماعت کہتی

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحٰنَهُ اِذْ اَقْضٰى اَمْرًا وَاَمَّا يَقُوْلُ لَهٗ لَئِنْ كُنْتُمْ فَيَكُوْنُوْنَ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَرَبُّكُمْ
 وَاَعْبُدُوْهُ وَاَهٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَارْتَضٰ اَكْرَابَ مَنْ يَبْتَلِيْهِمْ فَوَقِيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشٰهَدٍ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اَسْمِعْهُ
 بِهِمْ وَاَبْعِرْ يَوْمًا تَوْنًا لِّكِن الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اللہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی لڑکا (۱۷) بنائے، وہ ہر عیب سے پاک ہے، جب کسی چیز کا فیصلہ
 کر دیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی ہے ﴿۳۵﴾ اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب (۱۸)
 ہے، اس لئے اسی کی عبادت کرو، اور یہی سیدھی راہ ہے ﴿۳۶﴾ پھر جماعتوں نے آپس میں (اس بارے میں)
 اختلاف (۱۹) کیا، تو کافروں کے لئے قیامت کے دن حاضری کے وقت بربادی ہوگی ﴿۳۷﴾ جس دن (۲۰) وہ
 لوگ ہمارے سامنے آئیں گے، اس دن ان کی سماعت اور بینائی کس قدر تیز ہوگی، لیکن ظالم لوگ آج کے دن
 کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں ﴿۳۸﴾

ہے کہ وہ اللہ تھے، اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، اور تیسری جماعت کہتی ہے کہ وہ تین معبودوں میں سے ایک
 تھے۔ ان میں سے جن لوگوں نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے، وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔
 (۱۷) اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی لڑکا بنائے، وہ جاہلوں اور نادانوں کی اس بات
 سے بالکل پاک ہے، وہ تو جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اور جس ذات باری تعالیٰ کی یہ
 صفت ہے، اس کے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیات (۶۰/۵۹) میں فرمایا: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ
 اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝﴾ ”اللہ تعالیٰ
 کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے، جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا پس ہو گیا۔ آپ کے رب کی طرف سے حق
 یہی ہے، خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہوئیے“:

(۱۸) یہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے کہ بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، اس لئے اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی
 راہ ہے، جو اس پر چلے گا رشد و ہدایت پائے گا، اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

(۱۹) اہل کتاب نے عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے بارے میں، سب کچھ واضح ہو جانے کے بعد اختلاف کیا، جیسا کہ اوپر بیان
 کیا جا چکا، کہ یہود نے انہیں جا دو گرو اور ان کی ماں کو زانیہ کہا، اور نصاریٰ ان کے بارے میں اتنے طبقوں میں بٹ گئے کہ انہیں شمار
 نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان کا فراند عقائد کی وجہ سے سبھی اللہ کی نگاہ میں کافر ہو گئے، اسی لئے اللہ نے دھمکی دی اور کہا کہ قیامت کے
 دن جب وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو ہلاکت و بربادی ان کی قسمت بن جائے گی اور جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

بخاری و مسلم نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے گواہی دی کہ
 اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے
 رسول ہیں، اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم پر ڈال دیا تھا اور اس کی جانب سے ایک روح ہیں، اور جنت حق ہے، اور جہنم حق
 ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دے گا، چاہے اس کا عمل جو بھی ہو“۔

وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۱﴾ إِنْ أَنْخُنْ نَرْتُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾

اور آپ کافروں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے^(۲۱) جب فیصلہ صادر ہو جائے گا، اور وہ لوگ ابھی غفلت میں ہیں، اور ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۲۱﴾ بے شک زمین اور اس پر رہنے والوں کے ہم وارث^(۲۲) ہوں گے، اور وہ تمام ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۲۰﴾

(۲۰) قیامت کے دن کافروں کا جو حال ہوگا، اسی کی اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ جب وہ لوگ حساب و جزا کے لئے میدان محشر میں آئیں گے تو ان کی قوتِ سماعت و بصارت حیرت انگیز حد تک تیز ہوگی، جبکہ دنیا میں ان کا حال یہ تھا کہ نہ وہ حق بات سنتے تھے، اور نہ ہی حق کی راہ انہیں نظر آتی تھی، اس لئے کہ انہوں نے حق سمجھنے کے لئے کبھی اللہ کی آیات اور نشانیوں میں غور و فکر کی کوشش نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ آیت (۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ نَرَىٰ إِذِ الْمُنْجَرِمُونَ مَا كَسَبُوا سُوءَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا﴾ ”بحر میں اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم نے اچھی طرح دیکھ اور سُن لیا، لیکن اس دن کا دیکھنا اور سننا انہیں کوئی کام نہ آئے گا“۔

(۲۱) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن سب لوگ حسرت کر رہے ہوں گے، گناہ گار اپنے گناہوں کو یاد کر کے اور نیک آدمی یہ سوچ کر کہ اس نے اور زیادہ نیک کام کیوں نہیں کئے تھے۔ اُس دن تمام امور کا فیصلہ ہو جائے گا، حساب ہو چکے گا، نامہ ہائے اعمال لپیٹ کر رکھ دیئے جائیں گے، اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے، لیکن آج حال یہ ہے کہ لوگوں پر شدید غفلت طاری ہے آخرت میں ان کا انجام کیا ہوگا اس کی فکر ہی نہیں، بلکہ اکثر و بیشتر لوگ تو آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ہیں۔

بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا جو سفید دسیاہ رنگ کے مینڈھے کے مانند ہوگی، اسے جنت و جہنم کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا، اے اہل جنت! کیا تم لوگ اسے پہچانتے ہو؟ تو وہ لوگ گردن اٹھا کر دیکھیں گے، پھر کہیں گے، ہاں، یہ موت ہے۔ اور اسے تمام جنتی دیکھیں گے، پھر پکارا جائے گا، اے اہل جہنم! کیا تم لوگ اسے پہچانتے ہو؟ تو وہ لوگ گردن اٹھا کر دیکھیں گے، پھر کہیں گے، ہاں، یہ موت ہے، اور اسے تمام جہنمی دیکھیں گے، پھر حکم دیا جائے گا، تو اسے ذبح کر دیا جائے گا، اور کہا جائے گا، اے اہل جنت! ہمیشہ کے لئے یہاں رہو، اب تمہیں موت نہیں آئے گی، اور اے اہل جہنم! ہمیشہ کے لئے یہاں رہو، اب تمہیں موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے یہ آیت ﴿وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ آخر تک پڑھی، اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ دنیا والے غفلت میں ہیں۔

(۲۲) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ زمین پر موجود تمام مخلوقات فنا کے گھاٹ اتار دی جائیں گی، کوئی باقی نہیں رہے گا، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات رہ جائے گی، وہی زمین اور اپنی تمام مخلوقات کا تہاوارث ہوگا۔ اور پھر سب کے سب دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے پاس آئیں گے، اور اس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب چکائیں گے اور اچھایا بُرا بدلہ پائیں گے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ كَانَ صَادِقًا نَبِيًّا ۗ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَبْغِيهِ وَلَا يَنْفَعُكَ شَيْئًا ۗ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعُلَمَاءِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۗ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۗ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۗ

اور آپ قرآن میں ابراہیم کو یاد (۲۳) کیجئے، وہ بے شک سچے کردار کے اور نبی تھے ﴿۲۱﴾ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا، اے ابا! آپ ایسے کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کسی کام آسکتا ہے ﴿۲۲﴾ اے ابا (۲۳)! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، اس لئے آپ میری پیروی کیجئے تاکہ میں سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہنمائی کروں ﴿۲۳﴾ اے ابا (۲۵)! آپ شیطان کی عبادت نہ کیجئے، بے شک شیطانِ رحمن کا بڑا نافرمان رہا ہے ﴿۲۴﴾

(۲۳) یہاں سے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے کافر باپ آزر کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو کہا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو ابراہیم کی اولاد کہتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، ذرا انہیں آپ قرآن کریم میں ان کا وہ واقعہ سنا دیجئے جو انہیں اپنے باپ آزر کے ساتھ پیش آیا تھا، جو مکہ کے بت پرستوں کی طرح بت پرست تھا، اور ابراہیم بہت بڑے صدق و صفا والے اور اللہ کے نبی تھے۔ ابراہیم نے اپنے باپ کو بت پرستی سے روکنے کے لئے غایت درجہ حسنِ ادب کے ساتھ کہا، اے میرے ابا! آپ ایسے بت کی کیوں پوجا کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کو کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے۔ یعنی عبادت تو بہت بڑی تعظیم ہے، یہ بے جان اصنام تو اس لائق بھی نہیں کہ کوئی صاحبِ عقل انسان انہیں کوئی حیثیت دے۔ پھر آپ کیوں ان کی عبادت کرتے ہیں؟! اس آیت میں اور ذیل میں آنے والی تین آیتوں میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو ہر فصیحت پیش کرنے سے پہلے (اے میرے ابا!) کہا ہے، اس سے مقصود غایت درجہ کی نرمی اور محبت کا اظہار کر کے ان کے دل کو اپنی طرف مائل کرنا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا تھا کہ بیٹے کو بہر حال اپنے باپ کا احترام کرنا ہے۔

(۲۴) انہوں نے دوبارہ نہایت نرمی اور ادب کے ساتھ اپنے باپ کو حق کی طرف بلایا، اور کہا، ابا جان! میرے پاس کچھ ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، اس لئے ناراض نہ ہوئے اور میری بات مان لیجئے، تاکہ میں آپ کو اس راہ پر لے چلوں جو اعتدال کی راہ ہے، نہ اس میں یہ افراط ہے کہ جو عبادت کا مستحق نہیں ہے اس کی عبادت کی جائے، اور نہ تفریط ہے کہ جو عبادت کا مستحق ہے اس کی عبادت چھوڑ دی جائے۔ اور یہی حال اخلاق و اعمال کے باب میں بھی ہے، کہ یہ راہ ہر اچھے اخلاق و اعمال کی طرف لے جاتی ہے اور بُرے اخلاق و اعمال سے دور رکھتی ہے۔ اور یہ بھی سکھاتی ہے کہ اگرچہ عرف عام میں بیٹا باپ کی پیروی کرتا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ حق کی اتباع کی جائے، اور جو محتاج ہدایت ہے وہ انسان کامل کی پیروی کرے۔ و باللہ التوفیق۔

(۲۵) تیسری بار بھی انہوں نے اپنے باپ کو نرمی اور ادب کے ساتھ ہی مخاطب کیا، لیکن جس بت پرستی میں وہ مبتلا تھا اس کی قباحت کو انہوں نے کھول کر بیان کیا اور اس سے روکنے کی کوشش کی۔ کہا، ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کیجئے، یعنی انسان بت کی پوجا شیطان کے حکم سے ہی کرتا ہے، اور شیطان ہی اس کام کو اس کی نظر میں اچھا بنا کر پیش کرتا ہے، اس لئے بت کی پوجا درحقیقت شیطان کی پوجا ہوتی ہے۔ اور اس نرمی و انکار میں تاکید پیدا کرنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے مزید کہا کہ شیطان تو

يَا بَتِّ ابْنِي أَخَاكَ أَنْ يَمْسَكَ عَذَابُكَ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ الْهَيْئِ
يَا بَرَاهِيمَ لَنْ لَمْ تَنْدَ لَكَ رَحْمَتِكَ وَأَهْرَافِي وَلِيًّا ۝ قَالَ سَأَلُوا عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝

اے لبا! مجھے ڈر ہے کہ رحمن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپ کو آئے، پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں گے ﴿۳۵﴾ ان کے باپ نے کہا ﴿۳۷﴾ اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے منہ پھیر رہے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، اور تم مجھ سے ایک طویل مدت کے لئے دور ہو جاؤ ﴿۳۶﴾ ابراہیم نے کہا ﴿۳۸﴾ آپ کو سلام کہتا ہوں، میں اپنے رب سے آپ کے لئے مغفرت کی دعا کروں گا، وہ بے شک مجھ پر بڑا مہربان ہے ﴿۳۷﴾

اللہ کا سرکش و نافرمان بندہ ہے، اس لئے اس کی پیروی تو بہر حال اللہ کی نافرمانی ہے۔

﴿۳۶﴾ چوتھی بار بھی انہوں نے اپنے باپ کو حسن ادب کے ساتھ پکار کر بت پرستی کے بُرے انجام سے ڈرایا، اور کہا کہ اگر اس نے ان کی بات نہ مانی، تو ڈر ہے کہ اللہ کا کوئی عذاب اس پر نازل ہو جائے، اس لئے کہ جو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اور اس کے دشمن کو اپنا دوست بنائے گا، اسے وہ اپنی رحمت سے دور کر دے گا، جیسا کہ شیطان کے ساتھ ہوا ہے، پھر وہ عذاب و لعنت میں شیطان کا ساتھی اور اس کا شریک ہو جائے گا۔

﴿۳۷﴾ آزر نے ان پیغمبرانہ نصیحتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا، اور نہایت ہی سختی کے ساتھ توحید کی دعوت کو ٹھکرا دیا، اور دھمکی دیتے ہوئے کہا، اے ابراہیم! کیا تمہیں میرے معبودوں سے نفرت ہے کہ تم ان کی عیب جوئی کر رہے ہو؟! یاد رکھو! اگر تم انہیں برا کہنے سے باز نہ آئے، اور اپنی نصیحتیں بند نہیں کیں تو میں تمہیں پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پھر میں بھی بُرے اور فوج الفاظ کے ساتھ تمہیں پوری قوم میں مشہور کروں گا۔ اور دیکھو بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ قبل اس کے کہ تمہارے صحیح سالم جسم کو میری جانب سے نقصان پہنچے۔

﴿۳۸﴾ ابراہیم اپنے کا فر باپ کا انتہائی شدید جواب سن کر بھی حد ادب سے نہیں نکلے اور اس کے لئے سلامتی کی دعا کی، گویا یہ کہنا چاہا کہ اگرچہ آپ مجھے سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں، لیکن مجھ سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بہت ہی کرم فرما ہے، مجھے ناامید نہیں کرے گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے برائی کا جواب بھلائی سے دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا وصف بیان کرتے ہوئے سورۃ الفرقان آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ ”جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہو۔ (یعنی تم میں سے جھگڑنا نہیں چاہتا ہوں)۔“

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ وعدہ کہ وہ اللہ سے اس کے لئے مغفرت طلب کریں گے، اس توقع کی بنیاد پر تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا اور کفر پر نہیں مرے گا، چنانچہ ایک طویل مدت تک وہ اس کے لئے طلب مغفرت کرتے رہے۔ شام کی طرف ہجرت کر جانے، مسجد حرام بنانے اور اسحاق و اسماعیل کی ولادت کے بعد بھی اس کے لئے دعا کرتے رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم آیت (۴۱) میں فرمایا ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ ”اے ہمارے رب! قیامت کے دن مجھے معاف کر دینا اور میرے ماں باپ کو اور تمام مومنوں کو بھی۔“

وَاعْتَزَلْتُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ الْأَلْوَنُ بِدَعْوَتِي شَقِيًّا ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَ مَا
يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا وَهْبًا لَّهُ لِمَنْ تَشَاءُ وَيُعْتَقِبُ وَكَلَّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا
لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلَيْهِ ﴿۳۱﴾ وَأَذْكُرُ فِي الْكِتَابِ مَوْلَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿۳۲﴾

اور لوگو! میں تم سب سے جدا (۲۹) ہوتا ہوں اور ان معبودوں سے بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اور میں
اپنے رب کو پکاروں گا، مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر (اس کی رحمت سے) محروم نہیں رہوں گا ﴿۲۸﴾
پس جب ابراہیم ان لوگوں سے کنارہ کش (۳۰) ہو گئے اور ان معبودوں سے بھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے،
تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیا، اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنا دیا ﴿۲۹﴾ اور ہم نے انہیں رحمت سے نوازا،
اور ان کی نیک نامی کو اونچا کیا ﴿۵۰﴾ اور آپ قرآن میں موسیٰ کا ذکر (۳۱) کیجئے، وہ بے شک (اللہ کے) چنے بندے
اور رسول و نبی تھے ﴿۵۱﴾

لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اپنی براءت کا اعلان کر دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت
(۱۱۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوَدَّةٍ وَعَدَّهَا بِإِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ
عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ "اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا صرف اس
دعائے کے سبب تھا جو انہوں نے اس سے کر رکھا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے
اظہار براءت کر دیا، واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔"

(۲۹) ابراہیم علیہ السلام نے کہا: آپ کا یہ گھریار اور شہر چھوڑ کر کہیں اور جا رہا ہوں، اور اللہ کے سوا جن معبودوں کی آپ لوگ
عبادت کرتے ہیں، میں ان سے اپنی دوری کا اعلان کرتا ہوں، اور میں صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا، مجھے امید ہے کہ میرا
رب میری دعا کو ضائع نہیں کرے گا، اور مجھے اہل و عیال عطا کرے گا جو غربت میں میرے انس و سکون کا باعث بنیں گے۔

(۳۰) ابراہیم علیہ السلام جب اللہ کی خاطر اپنے خاندان، گھریار اور شہر کو چھوڑ کر بیت المقدس چلے گئے تو اللہ نے انہیں اسحاق
جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا، دونوں ہی اُن کی زندگی میں نبی ہوئے، اور جنہیں پاکران کی تنہائی دور ہوئی اور آنکھوں کو
ٹھنڈک نصیب ہوئی۔ اور سب کو یعنی ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب علیہم السلام کو اللہ نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت کا دافر حصہ
عطا کیا، نبوت دی، اولاد صالح دی، روزی دی اور بیت المقدس کی سرزمین کا مالک بنا دیا، اور اقوام عالم میں ان سب کو نیک نامی دی،
چنانچہ تمام اصحابِ مطلق و ادیان ابراہیم اور اولاد ابراہیم کی تعریف کرتے ہیں، اور ان کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی صحیح حدیث ہے، نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یوسف
نبی اللہ بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق نبی اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ۔ ایک دوسری روایت میں ہے: کریم بن کریم بن کریم بن کریم
یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

(۳۱) ابراہیم علیہ السلام کے بعد اب موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہو رہا ہے، جن کا مقام بھی اللہ کی نگاہ میں بہت اونچا تھا۔ اللہ
تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ قرآن کریم میں مذکور موسیٰ بن عمران سے متعلق آیتوں کی بھی لوگوں کے

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۖ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا الْخَالَةَ مَرْوَانَ نَجِيًّا ۖ وَادُّرُفِي النُّكُتِ
إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۖ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۖ

اور ہم نے طور کے دائیں جانب سے انہیں پکارا ﴿۳۲﴾ اور انہیں قریب کر کے سرگوشی کی ﴿۵۲﴾ اور اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون ﴿۳۳﴾ کو ان کی خاطر نبی بنا دیا ﴿۵۳﴾ اور آپ قرآن میں اسماعیل کا ذکر ﴿۳۴﴾ کیجئے، وہ وعدہ کے بڑے سچے تھے، اور رسول و نبی تھے ﴿۵۴﴾ اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے ﴿۵۵﴾

سامنے تلاوت کیجئے، اس لئے کہ ہم نے انہیں بھی اپنی پیغامبری کے لئے چن لیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت (۱۳۴) میں فرمایا ہے: ﴿إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ "میں نے آپ کو لوگوں کے مقابلے میں چن لیا ہے"۔ اور اگر "مخلص" کو لام کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ انہوں نے بھی اپنی عبادت کو ہمارے لئے خالص کر دیا تھا، اور اپنی جبین نیاز صرف ہمارے سامنے جھکائی تھی، اور وہ بھی ہمارے رسول اور نبی تھے، ہم نے ان کے اندر بھی دونوں صفتیں جمع کر دی تھیں۔ وہ بھی پانچ بڑے اور اولوالعزم رسولوں میں سے تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہم وسلم اجمعین۔ علماء نے لکھا ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جسے کتاب دی گئی ہے، اور نبی وہ ہوتا ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے اپنی امت کو پیغام پہنچاتا ہے لیکن اسے کوئی الگ اور مستقل کتاب نہیں دی جاتی۔

(۳۲) موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی میں طور پہاڑ کے پاس سے گذرے، وہاں انہیں آگ کی ضرورت پڑی، دیکھا کہ پہاڑ کی طرف ایک درخت تھا، جس کے درمیان سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، اللہ نے انہیں قریب کیا اور ان سے سرگوشی کی اور بغیر واسطہ وحی کے اللہ ان کی بات سُن رہا تھا، اور وہ اللہ کی بات سُن رہے تھے۔ اللہ، اللہ، قربان جائیے، موسیٰ علیہ السلام کی اس خوشی بخشتی، اور ان کی اس عظمت پر!!

(۳۳) موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا احسان یہ کیا کہ ان کی دعا قبول کر کے ان کے بڑے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ سورہ طہ آیات (۳۰، ۳۹) میں ان کی دعایوں نقل کی گئی ہے: ﴿وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي * هَارُونَ أَخِي *﴾ "اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے متعین کر دے، یعنی میرے بھائی ہارون کو"۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا: ﴿فَدَاوُتِيسَ سَوَّلَكَ يَا مَوْسَىٰ﴾ "اے موسیٰ تیری مانگ پوری کر دی گئی"۔ (طہ: ۳۶)۔

(۳۴) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ جس طرح آپ نے مریم، عیسیٰ، ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام سے متعلق قرآنی آیتوں کی تلاوت کر کے لوگوں کو سنایا ہے، اب اسماعیل بن ابراہیم سے متعلق آیتوں کی بھی تلاوت کیجئے، اس لئے کہ وہ وعدہ کے بہت ہی سچے انسان تھے۔ جب بھی کسی انسان سے کوئی وعدہ کرتے تو بہر حال اسے پورا کرتے۔ اور سب سے بڑا اور خطرناک وعدہ اپنی جان کی قربانی سے متعلق اپنے باپ ابراہیم سے کیا اور کہا: ﴿سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ "آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے" (الصافات: ۱۰۲)۔ تو اس وعدے کو ایسی نیاز مندی کے ساتھ پورا کیا کہ رہتی دنیا تک کے لئے سپردگی اور فدائیت کا اولین نمونہ بن گئے۔ اور وہ موسیٰ کے مانند رسول اور نبی تھے، اور اپنے اہل و عیال کو نماز و زکوٰۃ اور دیگر

وَأَذْكُرُ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيْسَ إِذْ كَانَ صِدْقًا نَبِيًّا ۗ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِمَّنْ رَبَّنَا حَبْلْنَا مَعَهُ نُورٌ ۖ وَمَنْ ذُرِّيَّتَهُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَإِسْمَاعِيلَ ۖ وَإِسْحَاقَ ۖ وَيُوسُفَ ۖ وَمُوسَىٰ ۖ وَهَارُونَ ۖ إِنَّهُمْ لَكُلٌّ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَخَبِيرٌ ۖ وَالْبَصِيصُ ۚ

اور آپ قرآن میں اور ایس کا ذکر (۳۵) کیجئے، وہ بیشک بڑے سچے نبی تھے ﴿۵۶﴾ اور ہم نے انہیں بہت اونچے مقام پر پہنچا دیا تھا ﴿۵۷﴾ یہی وہ انبیاء (۳۶) ہیں جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام کیا تھا، جو آدم کی اولاد اور ان کی اولاد سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، اور جو ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے، اور وہ ان میں سے تھے جنہیں ہم نے ہدایت دی تھی اور جنہیں ہم نے چن لیا تھا، جب ان کے سامنے رحمن کی آیتوں کی تلاوت ہوتی تھی تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے ﴿۵۸﴾ پھر ان کے بعد ان کی اولاد میں ایسے لوگ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع (۳۷) کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی، تو وہ قیامت کے دن (جہنم کی وادی) غی میں جگہ پائیں گے ﴿۵۹﴾

نیک کاموں کا حکم دیتے تھے، تاکہ دوسروں کے لئے اچھی مثال بنیں (اور اس لئے بھی کہ ان کے اہل و عیال دوسروں کی بہ نسبت دینی خیر خواہی کے زیادہ حقدار تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ "آپ اپنے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈرائے"۔ (الشعراء: ۲۱۳)۔ اور فرمایا: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ﴾ "آپ اپنے اہل کو نماز کا حکم دیجئے" (طہ: ۱۳۲)۔ اور فرمایا: ﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ " (مومنو!) اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو آگ سے بچاؤ"۔ (التحریم: ۶)۔ اور وہ اپنے رب کی نگاہ میں بڑے پاکباز، نیک سیرت اور صالح انسان تھے۔

(۳۵) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ اور ایس سے متعلق قرآنی آیتوں کی بھی تلاوت کر کے لوگوں کو سنائیے، اس لئے کہ وہ بھی اپنے قول و عمل میں بہت ہی سچے آدمی تھے، اور نبی تھے، اور ہم نے انہیں بہت ہی اونچے مقام پر فائز کیا تھا، شرف نبوت سے نوازا تھا اور اپنے مقرب ترین بندوں میں سے بنایا تھا۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے انہیں زندہ اٹھا کر ایک بلند مقام یعنی چوتھے آسمان پر پہنچا دیا، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں۔ اور ایس علیہ السلام شیخ کے بیٹا اور آدم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آدم کے بعد وہ پہلے رسول تھے۔

(۳۶) ذکر کیا علیہ السلام سے لے کر اور ایس علیہ السلام تک جن انبیائے کرام کا اس سورت میں ذکر آیا ہے، انہیں کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی دنیوی اور دینی نعمتیں دی تھیں۔ یہ انبیائے کرام، آدم، ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کی اولاد سے تھے، ان سب کو اللہ نے راہ حق کی طرف ہدایت دی تھی، اور نبوت جیسے عظیم ترین مقام و مرتبہ کے لئے چن لیا تھا، اور یہ لوگ جب اللہ کا کلام سنتے تھے جس میں توحید کے دلائل اور نصیحت کی دیگر باتیں ہوتی تھیں، تو اللہ کے سامنے سر بسجود ہو جاتے تھے اور شدت خشوع و خضوع کی وجہ سے روتے تھے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں، علماء کا اجماع ہے کہ ان انبیائے کرام کی اتباع میں اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ کرنا مشروع و مستحب ہے۔

(۳۷) یہاں تک انبیائے کرام کے فضائل و محاسن کا ذکر ہوا، تاکہ لوگ ان کی اتباع کریں اور ان کی راہ کو اپنائیں۔ اب ان لوگوں

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۗ جَعَلْنَا عَدْنَ الْإِنْتِى وَعَدْنِ الرَّحْمٰنِ
عِبَادًا بِالْغَيْبِ إِنَّكَ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا ۗ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۚ وَهُمْ فِيهَا رَبُّمُؤَبَّرَةٌ فِيهَا بُرُؤَةٌ وَعِشْيَا ۗ تِلْكَ الْجَنَّةُ
الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادٍ لَمَّا كَانَ تَقْوِيًا ۝

لیکن جن لوگوں نے توبہ (۳۸) کر لی اور عمل صالح کیا، وہ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہیں ہو گا ﴿۶۰﴾ عدن نام کی ان جنتوں میں داخل ہوں گے جن کا رحمن نے اپنے بندوں سے عاقبتانہ وعدہ کر رکھا ہے، بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ﴿۶۱﴾ اُس میں وہ لوگ کوئی لغوات نہیں سنیں گے، صرف ایک دوسرے کو سلام کرتے ہوئے سنیں گے، اور اس میں صبح وشام ان کی روزی انہیں ملتی رہے گی ﴿۶۲﴾ یہ وہ جنت (۳۹) ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے ہم اُسے بنائیں گے جو صاحبِ تقویٰ ہو گا ﴿۶۳﴾

کا ذکر ہو رہا ہے جو انبیاء کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر نہیں چلے، ان کی دعوت کو پس پشت ڈال دیا، اور نماز کو ضائع کر دیا، یعنی وقت گزر جانے کے بعد پڑھی، یا اس کا کوئی ضروری رکن، یا کوئی شرط چھوڑ دی۔ اور جس شخص نے نماز پڑھنی بالکل چھوڑ دی، یا اس کا انکار کر دیا، وہ توبہ درجہ اولیٰ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ اس آیت کریمہ میں نماز ضائع کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ کسی نے کہا ہے: یہود مراد ہیں، اور کسی نے کہا ہے: نصاریٰ مراد ہیں، اور مجاہد نے کہا ہے، ان سے مراد امت محمدیہ کے وہ لوگ ہیں جو آخری زمانہ میں آئیں گے، جانوروں کے مانند سڑکوں پر جمع ہوں گے، نہ انسانوں سے شرمائیں گے اور نہ ہی اللہ سے ڈریں گے۔ اپنی خواہشات نفس کی اتباع کریں گے، گناہوں میں ڈوب جائیں گے، شراب پیئیں گے، جھوٹی گواہی دیں گے، حرام کھائیں گے، لہو لعب میں مشغول ہوں گے، اور فسق و فجور کا ارتکاب کریں گے۔ یہی لوگ بدترین جائیں ہوں گے، ان کا انجام بہت ہی بُرا ہو گا۔ ایک رائے یہ ہے کہ ”غی“ جہنم میں ایک کنواں یا ایک وادی ہے، یعنی قیامت کے دن ایسے لوگ جہنم کے اسی کنواں یا وادی میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(۳۸) ان بُرے جائینوں میں سے جو لوگ تائب ہو جائیں گے، نماز کی حفاظت کریں گے، خواہشات کی غلامی ترک کر دیں گے اور عمل صالح کی زندگی اختیار کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے سلفِ صالحین کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا اور ان کے اعمالِ صالحہ کا معمولی سا اجر بھی ضائع نہیں کرے گا، اس لئے کہ توبہ تمام سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اور وہ جنت، جس میں وہ لوگ داخل ہوں گے اس کا نام ”جنت عدن“ ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں سے کر رکھا ہے جو اس ذاتِ برحق پر بے دیکھے ایمان رکھتے ہیں۔ مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس جنت میں رہنے والے جتنی کوئی فضول اور لغوات نہیں سنیں گے، بلکہ فرشتے انہیں سلام کریں گے، یا آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعة آیات (۲۶/۲۵) میں فرمایا ہے: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيًا ۗ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۗ﴾ ”نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات، صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی“۔ اور ہر کھانے کے وقت ان کا من چاہا کھانا انہیں ملتا رہے گا۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ جنت ہوگی جو ہم اپنے ان بندوں کو دیں گے جو اہل تقویٰ ہوں گے، خوشی اور غم ہر حال میں

وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَآبِينٌ أَيْدِينَا وَمَا خَلَقْنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِثُّ لَسُوْفٍ أَخْرَجَ حَيًّا ۝ أَوْلَا يَذُكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَخْشَرُنَّهُمْ وَالشَّيْطَانُ لَنَخْشَرُنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝

اور (ہم) فرشتے آپ کے رب کی مرضی (۳۰) کے بغیر (زمین پر) نہیں اترتے ہیں، اسی کے پاس ان تمام باتوں کا علم ہے جو ہمارے آگے ہیں، اور جو ہمارے پیچھے ہیں، اور جو ان کے درمیان ہیں، اور آپ کا رب (کسی بات کو) بھولنے والا نہیں ہے ﴿۶۳﴾ وہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی ہر چیز کا رب (۳۱) ہے، اس لئے آپ اسی کی عبادت کیجئے، اور اس کی عبادت کی راہ میں ہر تکلیف کو گوارا کیجئے، کیا آپ کے علم میں اس کا کوئی ہمنام ہے ﴿۶۵﴾ اور انسان کہتا (۳۲) ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو قبر سے زندہ نکالا جاؤں گا ﴿۶۶﴾ کیا انسان یہ بات یاد نہیں رکھتا ہے کہ ہم نے اس کو پہلے بھی پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا ﴿۶۷﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم انہیں اور شیاطین کو ضرور اکٹھا کریں گے، پھر انہیں جہنم کے گرد حاضر کریں گے اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے ﴿۶۸﴾

ہمارے فرمانبردار ہوں گے، غصہ کو دبائیں گے، اور لوگوں کو درگزر کریں گے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ المؤمنوں کی ابتدائی آیتوں میں مومنوں کی صفات بیان فرماتے ہوئے کہا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور آخر میں فرمایا ہے: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ﴾ الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿جن مومنین کی مذکورہ بالا آیتوں میں صفات بیان کی گئی ہیں، وہی لوگ فردوس کے وارث بنیں گے، جہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔﴾

(۳۰) اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے وحی کا نزول بند ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ پریشان ہوئے۔ اس کے بعد جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے، تو آپ نے ان سے کہا کہ آپ کثرت سے کیوں نہیں آتے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام احمد، امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے۔ آیت کا مفہوم جبریل کی زبانی یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ)! ہم فرشتے زمین پر، یا ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر، آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے ہیں۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے، ایک ذرہ بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے، ہم کوئی کام اس کی اجازت کے بعد ہی کرتے ہیں۔ اس لئے میرا آپ کے پاس نہ آنا، اس کا حکم نہ ہونے کی وجہ سے تھا، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ اللہ آپ کو بھول گیا تھا، یا آپ کو چھوڑ دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں فرمایا ہے: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ ”نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے بیزار ہو گیا ہے۔“

(۳۱) آپ کا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور ان کے درمیان جتنی مخلوقات ہیں، ان سب کا رب ہے، اس ذات باری تعالیٰ کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ غفلت اور بھول چوک اس پر طاری ہو سکتی ہے۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ اسی کی عبادت کیجئے اور تادم حیات اس پر ثابت قدم رہئے، کیا آپ کے علم میں آپ کے رب کا کوئی شبیہ و مثیل اور کوئی مد مقابل

ثُمَّ لَنُرَِّعَنَّ مِنْ كُلِّ شَيْعَةٍ اِيَهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۗ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِمَا صَلَبْنَا ۗ وَاَنْ
 مِنْكُمْ اِلَّا وَاْرِدْهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۗ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اٰتَقَوْا وَ نَذِّرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جَذِيًّا ۗ

پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو جدا (۴۳) کریں گے جو اللہ سے سرکشی میں زیادہ تیز تھے ﴿۲۹﴾ پھر ہم یقیناً ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں ﴿۴۰﴾ اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے ضرور گذرے گا ﴿۴۲﴾ یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے ﴿۴۱﴾ پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) اللہ سے ڈرتے رہے تھے، اور ظالموں کو اس میں گھنٹوں کے بل گرا چھوڑ دیں گے ﴿۴۲﴾

ہے، جس کی طرف آپ التفات کریں، تاکہ وہ آپ کی حاجت پوری کر دے؟! جب ایسی بات نہیں ہے تو اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ اسی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف پر صبر کیا جائے۔ (۴۲) مذکورہ ذیل آیات میں بعث بعد الموت اور حساب و جزا کے عقیدہ کو ثابت کیا گیا ہے۔ دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت کا منکر کہتا ہے کہ کیا میں مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟! تو اللہ نے اس کے اس کافرانہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: کیا وہ بھول گیا ہے کہ میں نے اسے جب پہلی بار پیدا کیا تو اس کے قبل وہ موجود نہیں تھا، تو کیا میں اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں؟ اس کے بعد اللہ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا، اے میرے نبی! ہم ان تمام منکرین قیامت اور شیاطین کو میدانِ محشر میں جہنم کے گرد جمع کریں گے، در انحالیکہ وہ مارے دہشت کے ذلیل و خوار گھنٹوں کے بل بیٹھے جہنم کو دیکھ رہے ہوں گے، کھڑے ہونے کی ان کے اندر طاقت ہی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اللہ نے سورۃ الجاثیہ آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَتَرَىٰ كُلَّ اُمَّةٍ جَانِثِيَةً﴾ ”اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھنٹوں کے بل گر رہی ہوگی“۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذلیل ترین مخلوق شیاطین کے ساتھ ان کا حشر، اُن کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے کرے گا، نیز اس طرف بھی اشارہ مقصود ہوگا کہ ان کا شرک و کفر شیاطین کی اتباع کا نتیجہ تھا، اس لئے تابع و متبوع دونوں کو جہنم میں اکٹھا کر دیا جائے گا۔

(۴۳) پھر ان تمام جماعتوں میں سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کرے گا جو دنیا میں زیادہ سرکش اور متکبر تھے، اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے تھے، اور احکامِ الہی کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، ہم زیادہ جانتے ہیں کہ وہ جہنم میں جلائے جانے کے زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ پہلے انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا پھر دوسرے جہنمی ڈالے جائیں گے۔

(۴۴) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک حتمی فیصلہ سنایا ہے کہ مومن ہو یا کافر، ہر ایک کو بہر حال جہنم سے واسطہ پڑے گا، پھر اللہ اپنے فضل و کرم سے اہل تقویٰ کو اس سے نجات دے گا، اور جن لوگوں نے دنیا میں کفر و استکبار کی زندگی گزاری ہوگی، اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا، جہنم میں شدید عذاب جھیلنے کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔

علمائے تفسیر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیت میں "وَرُوْدٌ" سے کیا مراد ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ نیک اور بد سبھی جہنم میں داخل ہوں گے، لیکن نیکوں کے لئے آگ ٹھنڈی بنا دی جائے گی اور پھر اس سے نکال دیئے جائیں گے، اور جو لوگ جہنم کے عذاب کے مستحق ہوں گے، اسی میں چھوڑ دیئے جائیں گے، اور آگ نہ پہلے ان کے لئے ٹھنڈی ہوگی اور نہ اہل تقویٰ کے اس میں سے نکل جانے کے بعد۔ اس رائے کے قائلین نے "وَرُوْدٌ" کا معنی "دخول" کیا ہے اور جابر بن عبد اللہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نیک و بد جہنم میں داخل ہوگا، لیکن مومن

وَاِذَا تَنَلَىٰ عَلَيْهِمْ اِيْتَانِيْتِ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَمْ اَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَاَحْسَنُ نَدِيًّا وَاَكْثَرُ اَهْتِكًا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَدْرِنِ هُمْ اَحْسَنُ اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قُلْ مَن كَانَ فِي الصَّلٰةِ فَلْيُذَكِّرْ الرَّحْمٰنُ مَدَّ اَلْحٰثِي اِذَا رَاوْا مَا يُوعَدُوْنَ اِيْمًا الْعَذَابِ وَاِنَّا السَّاعَةَ فَمَسِيْعًا لَّمْ يَوعَدُوْنَ مَن هُوَ اَشَدُّ مَرَكًا وَاَصْعَقَ جُنْدًا ۝

اور جب ان کے سامنے ہماری صریح آیتوں کی تلاوت (۳۵) کی جاتی ہے، تو اہل کفر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ ہم دونوں گروہوں میں سے مقام و مرتبہ اور مجلس کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے ﴿۴۳﴾ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جو گھریلو ساز و سامان اور اسباب نام و نمود کے اعتبار سے بہتر تھیں ﴿۴۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ جو گمراہ (۳۶) ہو جاتا ہے، اسے رحمن خوب ڈھیل دے دیتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے، یا دنیاوی عذاب یا قیامت، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ مرتبہ کے اعتبار سے کون زیادہ بُرا ہے، اور افراد کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور ہے ﴿۴۵﴾

کے لئے آگ ٹھنڈی ہو جائے گی اور سلامتی بن جائے گی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ "وَرُوْد" سے مراد "مَرُوْد" یعنی گذرتا ہے، یعنی مومن و کافر، نیک و بد سبھی اس پل پر گذریں گے جو جہنم پر رکھا جائے گا، نیک لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق تیز یا آہستہ گذر جائیں گے، اور جو جہنم کے عذاب کے حقدار ہوں گے، اس میں اللہ کے حکم سے گر جائیں گے۔ قرآنی آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت (۱۰۱) میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ "بے شک جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی ٹھہر چکی ہے، وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے"۔ اور امام احمد، ترمذی، حاکم اور بیہقی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سبھی لوگ جہنم پر وارد ہوں گے، پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق اس کے اوپر سے گذر جائیں گے"۔ الحدیث۔ اور یہ حدیث جابر بن عبد اللہ والی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اور مسلم نے ام ہانئ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا، تو حصہ نے کہا، کیا اللہ نے نہیں کہا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَاْرِدُنَا﴾ "تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہوگا؟" تو آپ نے فرمایا: کیا اس کا یہ قول نہیں سنا: ﴿نَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ "پھر ہم اہل تقویٰ کو نجات دے دیں گے"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۳۵) کفار قریش کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جو توحید و رسالت، بعث بعد الموت اور حساب و جزا کو کھول کر بیان کرتی ہیں، اور مومنوں کے لئے جنت کے وعدے اور کافروں کے لئے جہنم کی وعید کا ذکر کرتی ہیں، تو وہ لوگ اپنا اندرونی درد و الم چھپانے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم دنیاوی اعتبار سے محمد کے پیروکاروں سے اچھی حالت میں ہیں، ہمارے مکانات اچھے ہیں، ہماری مجلسیں آباد ہیں، لوگوں کی بھیر لگی ہے، کوئی آرہا ہے، کوئی جا رہا ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تو گمراہ ہوں، اور جو لوگ دربار تم میں چھپے ہوئے ہیں وہ ہدایت یافتہ ہوں؟! تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا کہ جس دنیاوی مال و متاع کی وجہ سے وہ لوگ غرور میں مبتلا ہیں وہ باقی نہیں رہے گا، ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں گذری ہیں

وَكَيْدٌ لِلَّهِ الَّذِينَ اهْتَدَوْهُمْ ذُو الْبَقِيَّةِ الصَّلَاحُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۗ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّكَ مَا آوَدْتَ ۗ أَظَلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۗ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۗ وَنُزِّلُ لَهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۗ

اور جو لوگ سیدھی راہ (۳۷) پر چلتے ہیں، اللہ ان کی مزید رہنمائی کرتا ہے، اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں، اور نتیجہ کے اعتبار سے زیادہ اچھی ہیں ﴿۷۶﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار (۳۸) کیا اور کہا کہ یقیناً مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد ملے گی ﴿۷۷﴾ کیا وہ غیب کی خبر رکھتا ہے، یا اُس نے رَحْمَن سے کوئی عہد لے رکھا ہے ﴿۷۸﴾ ہرگز نہیں (دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے) وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُسے ہم لکھ رہے ہیں، اور اس کے لئے ہم عذاب کو خوب بڑھادیں گے ﴿۷۹﴾ اور وہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اُسے ہم اس سے واپس لے لیں گے، اور وہ تنہا ہمارے سامنے آئے گا ﴿۸۰﴾

جہاں و متاع اور ظاہری حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر تھیں، لیکن ان کے کفر کی وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ دنیاوی مال و متاع اور جاہ و حشم پر فخر کرنے والے کافروں کو یہ جواب دیں کہ جو لوگ کفر و شرک اور کبر و عناد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، اللہ کا ایسے لوگوں کے بارے میں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کی رستی ڈھیل دیتا ہے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ مہلت ختم ہو جاتی ہے اور ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا، تو اللہ انہیں پکڑ لیتا ہے، یا تو مومنوں کے ہاتھوں قید و بند سے گذرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، یا اسی حال میں انہیں موت آجاتی ہے تو قیامت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور تب دونوں ہی حالتوں میں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہی لوگ بدترین ٹھکانا والے اور نہایت ذلیل و خوار لوگ تھے۔

(۳۷) اور جو لوگ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور ہدایت کی راہ پر زیادہ تیز گام ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ کافروں کا دنیاوی مال و متاع تو بالکل عارضی شے ہے، حقیقی متاع تو نیک اعمال ہیں جن کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ جنت دے گا۔

(۳۸) بخاری و مسلم نے اس آیت کے شان نزول میں خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں لوہار کا کام کرتا تھا، اور العاص بن وائل کے ذمہ میرا قرض تھا۔ میں نے مطالبہ کیا تو اس نے کہا، اللہ کی قسم! جب تک تم محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کرو گے، تمہارے پیسے نہیں دوں گا۔ تو میں نے کہا، اللہ کی قسم! میں اس دن تک محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا۔ جب تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ تو اس نے کہا، میں جب مرکز دوبارہ اٹھایا جاؤں گا اور میرے پاس مال اور اولاد ہوگی تو آنا، تمہارے پیسے ادا کروں گا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا اسے غیب کی خبر ہے کہ قیامت کے دن اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی، یا اس نے اللہ سے کوئی عہد و پیمانہ لے رکھا ہے؟! ہرگز نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہم اس کی زبان درازی اور کذب بیانی کو لکھ رہے ہیں، اور قیامت کے دن اس کے سبب اس کے عذاب میں اضافہ کر دیں گے، اور موت کے ذریعہ اس سے

وَالتَّائِبِينَ مِنَ الذَّنْبِ إِلَى اللَّهِ يُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٢٢﴾
 وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُرًا ﴿٢٢٣﴾ لِيَسْقَىٰ الصَّخْرَ مَاءً يَٰسِرًّا ﴿٢٢٤﴾ وَتَجْعَلُ الْمُجْرِمِينَ عَلَيْهِمْ حَبْلًا مَّوَدًّا ﴿٢٢٥﴾ وَتَجْعَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ حَبْلًا مَّوَدًّا ﴿٢٢٦﴾ وَتَجْعَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ حَبْلًا مَّوَدًّا ﴿٢٢٧﴾ وَتَجْعَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ حَبْلًا مَّوَدًّا ﴿٢٢٨﴾ وَتَجْعَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ حَبْلًا مَّوَدًّا ﴿٢٢٩﴾ وَتَجْعَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ حَبْلًا مَّوَدًّا ﴿٢٣٠﴾

اور انہوں نے اللہ کے سوا بہت سے معبود بنائے (۳۹) تاکہ وہ (روزِ قیامت) ان کی حمایت کریں ﴿۸۱﴾ ہرگز نہیں، وہ تو ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور اُلٹے ان کے دشمن بن جائیں گے ﴿۸۲﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم نے شیطانوں (۵۰) کو کافروں کے پیچھے لگا رکھا ہے، وہ انہیں (کفر و معاصی پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں ﴿۸۳﴾ پس آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے، ہم ان کے دن گن رہے ہیں ﴿۸۴﴾ جس دن ہم متقیوں (۵۱) کو رحمن کے پاس بحیثیت مہمان جمع کریں گے ﴿۸۵﴾ اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیسا ہانک کر لے جائیں گے ﴿۸۶﴾ لوگوں کو (کسی کے لئے) سفارش (۵۲) کرنے کا اختیار نہیں ہوگا مگر جس کو رحمن سے اجازت ملے گی (یا لوگ کسی کی سفارش کے حقدار نہیں ہوں گے مگر وہ جس نے (دنیا میں) رحمن کے لئے کلمہ توحید کا اقرار کیا ہوگا) ﴿۸۷﴾

تمام دنیاوی مال و متاع اور اولاد چھین لیں گے، اور وہ میدانِ محشر میں تھا اور خالی ہاتھ آئے گا، کچھ بھی اس کے پاس نہیں ہوگا۔
 (۳۹) مشرکین نے اللہ کے سوا اپنے لئے دوسرے معبود بنائے تاکہ وہ اللہ کے نزدیک سفارشی بن کر ان کی عزت کا سبب بنیں، لیکن قیامت کے دن معاملہ ان کے خیال و گمان کے برعکس ہوگا، وہ جھوٹے معبود ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف آیت (۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ أَحْشَرْنَا النَّاسَ كَمَا نُوْنَاهُمْ أَغْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ﴾ ﴿۶﴾ ”جب لوگ میدانِ محشر میں جمع ہوں گے، تو ان کے شرکاء ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔“

(۵۰) نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے، کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں، یہ بات تو بہت ہی واضح ہے کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کے شیاطین کو کافروں پر مسلط کر دیا ہے جو انہیں شہوتوں کی غلامی اور جرائم و معاصی کے ارتکاب پر شدت کے ساتھ ابھارتے ہیں، اسی لئے تو وہ لوگ شر و فساد کی طرف بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں، لیکن آپ اس بات کی جلدی نہ کریں کہ انہیں جلد ہلاک کر دیا جائے تاکہ زمین ان سے پاک ہو جائے، ہم ان کے اعمال کیا، ان کی سانسوں تک کی گنتی کر رہے ہیں اور جب ان کا مقرر وقت آجائے گا تو ان کے اعمال کا بدلہ انہیں چکا دیں گے۔

(۵۱) قیامت کے دن اہل تقویٰ اللہ تعالیٰ کے سامنے وفد کی شکل میں پہنچیں گے۔ عربی زبان میں "وفد" کا معنی شاہوں اور عظمائے قوم کے سامنے انعامات و مکافات حاصل کرنے کے لئے آنا ہوتا ہے۔ گویا آیتِ کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے دربار میں اس کے اہل تقویٰ بندے معزز و مکرم پہنچیں گے، اس کی جانب سے انعامات و مکافات پائیں گے، اور حسین و جمیل اونٹوں پر سوار ہو کر جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے۔ اور جو مجرمین ہوں گے، وہ نہایت اہانت آمیز پیاسے جانوروں کے مانند جہنم کی طرف ہانک دیئے جائیں گے۔

(۵۲) حافظ ابن کثیر نے اس آیت کا تعلق گذشتہ آیت سے بتایا ہے، اور مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مومنین ایک دوسرے کی شفاعت

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۗ كَذَّابُ السَّمَوَاتِ يَنْظُرُونَ مِنْهُ وَتَنْشُقُ الْأَرْضُ وَنَحْنُ الْجِبَالُ هَذَا ۗ
 أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۗ وَمَا يَكْبَهُ لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۗ إِنَّ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنَ
 عَبْدًا ۗ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۗ وَكُلُّهُمْ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَرْدًا ۗ

اور مشرکین کہتے ہیں کہ رحمن نے کسی کو اپنی اولاد (۵۳) بنا رکھا ہے ﴿۸۸﴾ یقیناً تم لوگوں نے (یہ کہہ کر) بہت بھاری گناہ کیا ہے ﴿۸۹﴾ قریب ہے کہ اس کے اثر سے آسمان پھٹ جائیں، اور زمین میں شگاف پڑ جائے، اور پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ﴿۹۰﴾ اس لئے کہ وہ لوگ رحمن کے لئے لڑکا ثابت کرتے ہیں ﴿۹۱﴾ اور رحمن کے لئے یہ مناسب ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے کسی کو لڑکا بنائے ﴿۹۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب رحمن کے سامنے بندے کی حیثیت سے حاضر ہوں گے ﴿۹۳﴾ اللہ نے ان سب کو پوری طرح گن (۵۴) رکھا ہے ﴿۹۴﴾ اور سب کے سب قیامت کے دن اس کے سامنے تباہ آئیں گے ﴿۹۵﴾

کریں گے، لیکن جن مجرموں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء آیات (۱۰۱/۱۰۰) میں فرمایا ہے: ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۖ وَلَا صَدِيقِي حَمِيمٍ﴾ "اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں اور نہ کوئی سچا غم خوار دوست"۔ اور آیت کے دوسرے حصہ ﴿إِلَّا الْأَمْنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں استثناء منقطع ہے، اس لئے اس سے مراد وہ مومنین ہیں جو "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کی گواہی دیتے ہیں اور اس کے مطابق دنیاوی زندگی میں عمل کرتے ہیں، یہی لوگ دوسرے مومنوں کی شفاعت کریں گے، اور ان کے لئے دوسرے مومنین کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

(۵۳) اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ اور بعض قبائل عرب کی تردید کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرتے تھے۔ یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، اور عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں نے ایک بدترین گناہ کا ارتکاب کیا ہے کہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا ایسی بڑی بات ہے کہ مقام ربانی کے لئے شدت غیرت کے سبب، قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین میں شگاف پڑ جائے، اور پہاڑ پاش پاش ہو جائیں، اس لئے کہ یہ بات کسی طرح مناسب ہی نہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد ہو، وہ تو تمام مخلوقات کا خالق و موجد ہے، اولاد تو مخلوق کی ہوتی ہے۔ اور جب قیامت ہوگی تو آسمان و زمین میں پائے جانے والے تمام انس و جن اور فرشتے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اس کے لئے اولاد کا ہونا خلاف عقل ہے، وہ تو اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، اولاد تو مخلوق کی ہوتی ہے جو اپنے لئے دنیاوی زندگی میں یار و مددگار کا محتاج ہوتا ہے۔

(۵۴) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی تمام مخلوقات کا کلی طور پر احاطہ کر رکھا ہے اور ایک ایک کو گن رکھا ہے، اگر ان میں کوئی معبود ہوتا یا اللہ کا بیٹا ہوتا، تو اسے یقیناً اس کی خبر ہوتی۔ اور قیامت کے دن ان مخلوقات کا ایک ایک فرد اللہ کے حضور تباہ آئے گا، ان کا نہ کوئی یار و مددگار ہوگا، اور نہ ہی کوئی سفارشی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت (۹۵) میں ان کفار کی تردید

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ بُدِّلَتْ لِبْسَانِكُمْ فَاسْمِعُوا لَهَا قَوْلَ الْمُتَّقِينَ
وَتُذَرِّبُهَا قَوْمًا لَّيًّا ۗ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ يُحِشُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۗ

بے شک جو لوگ ایمان لائے (۵۵) اور انہوں نے عمل صالح کیا، رحمن ان کی محبت سب کے دلوں میں جاگزیں کر دے گا ﴿۹۶﴾ پس ہم نے اس قرآن (۵۶) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ آپ متقیوں کو جنت کی بشارت دیں، اور جھگڑنے والوں کو جہنم سے ڈرائیں ﴿۹۷﴾ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک (۵۷) کر دیا ہے، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں، یا ان کی کوئی آہٹ سنتے ہیں ﴿۹۸﴾

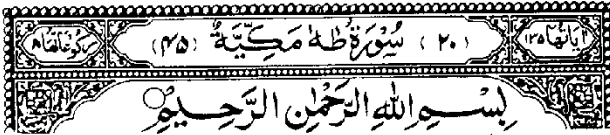
کی گئی ہے جو اپنے استکبار کی وجہ سے کہتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت آئے گی تو اس دن بھی ہمارے پاس غریب و بد حال مسلمانوں سے زیادہ مال و اولاد ہوگی۔

(۵۵) قرآن کریم کے مالف طریقے کے مطابق، کفار و مشرکین کے بعد اب اللہ کے نیک بندوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی محبت اپنے نیک بندوں کے دلوں میں جاگزیں کر دیتا ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبریل سے کہتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبریل اس سے محبت کرتے ہیں، پھر آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے، تم سب بھی اس سے محبت کرو، تو اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اہل زمین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے“۔ الحدیث۔

صاحب محاسن التذریل نے مفسر ابو مسلم کے حوالے سے آیت (۹۶) کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ نیک بندوں سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا تعلق قیامت کے دن سے ہے، یعنی جنت میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ان کی محبوب چیزیں دے گا۔ اور اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ دنیا میں تو مرد صالح کفار اور بہت سے مسلمانوں کی نگاہ میں مبغوض ہوتا ہے، نیز دنیاوی محبت تو بسا اوقات کفار و فساق کو زیادہ حاصل ہوتی ہے، اور تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ دنیا والے اگر نیکوں سے محبت کرتے ہیں تو یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، اور آیت کریمہ میں تو عطاء ربانی کا وعدہ ہے جو آخری منافع و فوائد کے ذریعہ پورا ہوگا۔

(۵۶) صاحب کشف نے لکھا ہے کہ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے گویا یوں کہا ہے کہ اے میرے نبی (ﷺ)! آپ اس قرآن کو لوگوں تک پہنچا دیجئے، یا انہیں قرآن کی آیتیں سنا کر جنت کی خوشخبری اور جہنم سے ڈرا دیجئے، اس لئے کہ ہم نے اسے آپ کی زبان میں اتار کر اس کی قرأت اور اس کی تفہیم و توضیح آسان بنا دی ہے، تاکہ اللہ کے عقاب سے ڈرنے والوں کو آپ جنت کی خوشخبری دیں اور کفار قریش کو جو بدترین جھگڑالو ہیں عذاب نارا کا خوف دلائیں۔

(۵۷) اس آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کفار قریش کو نصیحت کی ہے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جنہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ہماری دعوت کے خلاف سازشیں کیں، اب ان کا وجود باقی نہیں ہے، ان کے نام و نشان ایسے مٹ گئے کہ وہ بھولی بسری یاد بن گئی ہیں، تو آپ کی قوم ان لوگوں کے انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتی اور اللہ کے حضور شرک و معاصی سے تائب ہو کر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتی؟!



طہ ﴿مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْفَىٰ ۖ إِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَنْ خَشِيَ ۖ تَنْزِيلًا مِّنْ خَلْقِ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَىٰ ۗ﴾

سورہ طہ نامی ہے، اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

طہ^(۱) ﴿ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے تاکہ آپ تکلیف اٹھائیے﴾ ﴿۲۰﴾ بلکہ اس میں اس آدمی کے لئے نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے ﴿۳۰﴾ اور یہ اس (اللہ) کا نازل کردہ ہے جس نے زمین اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا ہے ﴿۴۰﴾

تفسیر سورہ طہ

نام: سورت کی ابتدا کلمہ ”طہ“ سے ہوئی ہے، یہی اس کا نام ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی کہتے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک اس کا زمانہ نزول مکی دور ہے۔ سیوطی نے ”الإتقان“ میں صرف ایک آیت ﴿فَأَصْنِبْ عَلٰی مَا يَقُولُونَ﴾ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ سنن دارقطنی میں انس بن مالک سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ مروی ہے، اس میں مذکور ہے کہ جب وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر سن کر ان کے گھر پہنچے تو ان کی خوب زود و کوب کی، اور اپنی بہن کے سر سے خون ٹکٹا دیکھ کر اور ان کی جرأت ایمانی سے متاثر ہو کر (کہ تمہیں جو کرنا ہو کر لو، ہم اسلام کو اب نہیں چھوڑیں گے) کہا کہ ذرا مجھے بھی وہ کلام دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ اس روایت میں آتا ہے کہ وہ لوگ سورہ طہ کی تلاوت کر رہے تھے، اور اسے ہی سن کر عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے تیار ہو گئے تھے، اور خطاب بن الارت (جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے) کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا۔

اس واقعہ سے یہ بات بصرحت ثابت ہوتی ہے کہ یہ سورت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اُس زمانے میں کفار قریش مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ڈھا رہے تھے۔ کچھ مسلمان ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، اور جو لوگ مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے ان کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ انہی حالات کے پیش نظر ابتدائے سورت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں ہوا کہ آپ اور آپ کے اصحاب شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہوں۔ آپ صبر و حکیمانی سے کام لیجئے، بلا آخر غلبہ اور عزت آپ ہی لوگوں کو حاصل ہوگی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے آپ ﷺ کی مزید ہمت بڑھائی گئی ہے کہ وہ بھی آپ ہی کی طرح پہلے تنہا دعوتِ توحید لے کر فرعون اور اس کے پیروکاروں کے سامنے گئے تھے، ان کے پاس کوئی مادی وسیلہ نہیں تھا، کوئی طاقت نہیں تھی، ان کے بھائی کے سوا کوئی نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا، لیکن بلا آخر غلبہ انہی کو نصیب ہوا، اور اللہ نے فرعون کو اس کی فوج کے ساتھ بحرِ قزقم (بحرِ احمر) کی موجوں کے حوالے کر دیا۔

الزَّيْمُنُ عَلَى الْعَرْشِ السَّوْمِيُّ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۝ وَإِنْ تَجْهَدُوا بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كَلِمَةُ الْاِسْمَاءِ الْحُسْنٰى ۝

وہ ”نہایت مہربان“ عرش پر مستوی^(۲) ہے ﴿۵﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین^(۳) میں ہے، اور جو ان دونوں کے درمیان میں ہے، اور جو کچھ مٹی میں ہے، سب اسی کا ہے ﴿۶﴾ اور اگر آپ اونچی آواز^(۴) سے بات کریں گے، تو وہ بے شک خفیہ بات کو جانتا ہے اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ (باتوں کو) جانتا ہے ﴿۷﴾ اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کے بہت اچھے نام ہیں ﴿۸﴾

اس کے علاوہ اس سورت میں دیگر موضوعات بھی قرآن کے معروف دعوتی طریقہ کے مطابق بیان کئے گئے ہیں، جن کا ذکر اور ان کی مناسحوں کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) لفظ ”ط“ کے بارے میں شوکانی اور صاحب فتح البیان نے اہل علم کے نواقول نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا ایک نام ہے۔ اور مفسر واحدی نے اکثر مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ ”یا رجل“ یعنی ”اے شخص“ کے معنی میں ہے، اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ اور مجاہد وغیرہم کا یہی قول ہے۔

ابن کثیر نے ضحاک سے اور صاحب فتح البیان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا شروع کر دیا، یہ دیکھ کر نصر بن حارث اور دیگر کفار مکہ کہنے لگے کہ یہ قرآن تو ان مسلمانوں کے لئے مصیبت بن گیا۔ آیات (۳۲) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے انہی کافروں کی تردید کی گئی ہے، کہ یہ قرآن آپ اور آپ کے صحابہ کے لئے شقاوت و بدبختی کا سبب نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں میں موعظت و نصیحت لئے ہوئے ہے، تاکہ وہ اس سے استفادہ کرتے ہوئے خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں، اور اس راہ میں کفار و مشرکین کی جانب سے جو بھی تکلیف پہنچے اسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کریں۔

آیت (۴) میں قرآن کریم کی عظمت شان کو بیان کیا گیا ہے، کہ اے میرے نبی! یہ قرآن آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمان پیدا کئے ہیں۔ مخلوقات میں سے زمین و آسمان کا بطور خاص اس لئے ذکر آیا کہ بندے اللہ کی ان عظیم مخلوقات کا ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

(۲) خالق ارض و سماء دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا، وہ اللہ ہے جو عرش پر مستوی ہے۔ اللہ کی صفت (استواء) کے بارے میں سورۃ الأعراف آیت (۵۳) اور سورۃ یونس آیت (۳) میں لکھا جا چکا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات ثابت ہیں ان کے سلسلے میں سلف کا مسلک یہی رہا ہے کہ انہیں اسی طرح بغیر تاویل و تحریف، تشبیہ و تمثیل، اور بغیر کوئی کیفیت بیان کئے ہوئے مان لیا جائے۔

(۳) آسمان اور زمین میں اور ان کے درمیان، اور ساتوں زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہیں، سب اللہ کے زیر سلطنت ہیں، ان میں سے کوئی بھی چیز اللہ کی مرضی کے بغیر نہ حرکت کرتی ہے، نہ سکون پذیر ہوتی ہے، نہ بدلتی ہے اور نہ قرار پاتی ہے۔

وَمَلَّاتُكَ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا أَعْلَىٰ تِلْكَ مِنْهَا يَبْقَىٰ أَوْ أُجِدُّ
عَلَى النَّارِ هُدًى ۖ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَوْمَئِذٍ ۖ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ ۖ فَاخْلَعْنَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۖ وَأَنَا
اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُؤْتِي ۖ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۖ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۖ

اور کیا آپ کو موسیٰ کے واقعہ کی اطلاع (۵) ہے ﴿۹﴾ جب انہوں نے ایک آگ دیکھی تو اپنے بال بچوں سے کہا کہ تم لوگ ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے لئے اس میں سے ایک چنگاری لے آؤں، یا آگ کے پاس راستے کا صحیح پتہ پا جاؤں ﴿۱۰﴾ پس جب وہاں پہنچے تو انہیں پکارا گیا، اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ بے شک میں آپ کا رب ہوں، اپنے جوتے اتار دیجئے، آپ ”طویٰ“ نام کی مقدس وادی میں ہیں ﴿۱۲﴾ اور میں نے آپ کو چن لیا ہے، آپ پر جو وحی کی جاتی ہے، اُسے غور سے سنئے ﴿۱۳﴾ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے آپ میری عبادت کیجئے، اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کیجئے ﴿۱۴﴾

(۳) یعنی اگر آپ باواز بلند اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور دعا و مناجات کرتے ہیں، تو جان لیجئے کہ اللہ اس سے بے نیاز ہے، کیونکہ وہ تو چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے، بلکہ راز ہائے سربستہ سے بھی زیادہ مخفی باتوں کو جانتا ہے جنہیں ابن آدم نہیں جانتا ہے، جن کا علم صرف علام الغیوب کو ہو سکتا ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ اس میں اونچی آواز سے ذکر الہی کی ممانعت پائی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت (۲۰۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ نَحَرْنَا فِي نَفْسِكَ تُخَفَّرُ عَنْ وَحَيْفَةٍ﴾ ”آپ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیجئے“ اور صاحب فتح البیان لکھتے ہیں کہ اس آیت میں گویا اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بلند آواز سے ذکر الہی اور دعا اللہ تعالیٰ کو سنانے کے لئے نہیں ہونی چاہئے، بلکہ مقصود ذکر الہی کو دل میں راسخ کرنا، وسوسوں کو دور کر کے ذہن میں یکسوئی پیدا کرنا ہو، اور غایت درجہ کا اظہار مجز و تواضع ہو۔

آیت (۸) میں فرمایا گیا کہ مذکورہ بالا طریقہ عبادت کا مستحق وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تمام پاکیزہ ناموں کا صرف وہی سزاوار ہے جن کی تعداد کے بارے میں امام نووی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ اللہ کے ایک ہزار نام ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ الاعراف (آیت ۱۸۰) کی تفسیر۔

(۵) اوپر توحید باری تعالیٰ کا ذکر ہوا ہے، اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ تمام انبیائے کرام کی دعوت کا مقصود یہی توحید باری تعالیٰ تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جو ایک بڑے نبی اور رسول تھے، ان سے جب اللہ تعالیٰ کوہ طور پر ہم کلام ہوئے تو انہیں ان کے رسول ہونے کی خبر دینے کے بعد جو پہلی بات کہی وہ یہی تھی کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ سے موسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کی ابتدا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ پیغام رسائی کی راہ میں آپ کو جو مشقتیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، یہ کچھ آپ ہی کے ساتھ نہیں ہے، ایسا تو تمام انبیائے کرام کے ساتھ ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ”مدین“ میں دس سال گزار کر اپنی بیوی کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے، تو مصلحت الہی کے مطابق کوہ طور کے قریب راستہ کھو بیٹھے، موسم سرما کی سرد اور اندھیری رات تھی، انہیں روشنی اور آگ دونوں کی ضرورت تھی۔ کوہ طور کی طرف سے انہیں آگ کی روشنی نظر آئی تو

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لَتُتَجَرَّبَنِي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ۗ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنِ الْأَيُّمِينَ بِهَا وَأَتَّبِعْهُ هَوَىٰ
فَرْدَى ۗ وَمَا تِلْكَ بِبَيْعِكَ يَوْمَئِذٍ ۙ

بے شک قیامت (۶) آنے والی ہے، میں اُسے چھپائے ہی رکھوں گا، تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے ﴿۱۵﴾ پس آپ کو اس کی فکر سے وہ شخص غافل (۷) نہ کر دے جو اُس پر ایمان نہیں رکھتا ہے اور اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے، ورنہ آپ ہلاکت میں پڑ جائیے گا ﴿۱۶﴾ اور اے موسیٰ! آپ کے دائیں ہاتھ میں وہ کیا (۸) ہے ﴿۱۷﴾

اپنی بیوی سے بطور شوخبری کہا کہ تم یہیں زکی رہو میں تمہارے لئے آگ لے کر آتا ہوں، یا شاید وہاں کوئی آدمی مل جائے جو ہماری رہنمائی کرے۔ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو وہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ وہاں وادی کے داہنے جانب ایک درخت تھا جو بقیعہ نور بنا ہوا تھا، وہاں سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں آپ کا رب ہوں اور آپ سے مخاطب ہوں، اور آپ اس وقت مقدس وادی طویٰ میں کھڑے ہیں، اپنے رب کے لئے تعظیم و تواضع اور ادب کا اظہار کرتے ہوئے جو تاتار دیجئے۔ یا مفہوم یہ ہے کہ اپنے جو تے اتار دیجئے تاکہ وادی مقدس کی برکات قدموں کے راستے آپ کے جسم میں سرایت کر جائیں۔ اور میں نے آپ کو اس زمانے کے تمام لوگوں کے درمیان سے چن لیا ہے، اور اپنی بیغا مبری کے لئے اختیار کر لیا ہے، اس لئے اب آپ پر جو وحی نازل ہونے جارہی ہے اسے غور سے سنئے اور اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے صرف میری عبادت کیجئے، اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کیجئے۔ مفسرین لکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ اللہ کو یاد کرنے والا نہیں کہلاتا، بلکہ اس کا منکر ہوتا ہے۔

(۶) قیامت کا وقوع پذیر ہونا سبقتی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت محدود تمام انس و جن سے اتنا پوشیدہ رکھا ہے کہ قریب تھا اس کا ذکر ہی نہیں کرتا، اسے صیغہ راز میں رکھتا، یہاں تک کہ اچانک واقع ہو جاتی، لیکن اپنے مومن بندوں پر رحم کرتے ہوئے، انہیں عمل صالح کی ترغیب دلانے کے لئے، اور تاکہ غیر مومنوں کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے، اس کا اجمالی طور پر ذکر کر دیا۔ اُس دن باری تعالیٰ تمام انسانوں کو ان کے نیک و بد اعمال کا بدلہ پچکائے گا جو انہوں نے دنیا میں اپنے اختیار اور مرضی سے کیا ہوگا۔ اس لئے (جیسا کہ آیت (۱۳) میں گذر چکا ہے) اُس دن کی گرفت سے بچنے کے لئے اللہ کی عبادت کرنا اور نماز قائم کرنا واجب ہوا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نصیحت کی، کہیں ایسا نہ ہو کہ منکرین آخرت اور خواہشات کی اتباع کرنے والے آپ کو آخرت پر ایمان لانے سے روک دیں، یعنی آپ ایسے لوگوں کی پیروی نہ کیجئے جو آخرت کا انکار کرتے ہیں، اور جن کی زندگی کا مقصد حصول لذت دنیا ہے، وہ حصولِ رضائے مولیٰ سے بالکل غافل ہیں۔

(۸) موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات دیئے جانے والے تھے، ان ہی سے متعلق کلام کی ابتدا ہو رہی ہے۔ اور سوال سے مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ ان کے ہاتھ میں خشک لکڑی کی ایک لاٹھی ہے، جسے اللہ تعالیٰ بطور معجزہ ایک زندہ اور متحرک سانپ بنا دے گا، اور اس معجزے کا اظہار انہیں فرعون اور فرعونوں کے سامنے کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں نیک لگاتا ہوں، اور اس کے ذریعہ میں اپنی بکریوں کے کھانے کے لئے درختوں سے پتے گراتا ہوں، اور میں اسے دیگر

قَالَ هِيَ عَصَىٰ آتُونَا عَلَيْهَا وَهَشُّ بِهَا عَلَىٰ غَمَمِي وَبِي فِيهَا مَا رَبُّ أُخْرَىٰ ۖ قَالَ أَلْقَهَا يَمُوسَىٰ ۖ فَالْقَهَا
فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ۖ قَالَ خذْهَا وَلَا تَحْمِلَنَّ ۚ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۖ وَاضْمُرْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْزِبَ بَيْضَاءَ
مِنْ غَيْرِ سُوءٍ أَبِئْ أُخْرَىٰ ۖ لِيُبَيِّنَكَ مِنَ الْيَتِيمَانِ الْكُذِبِيِّ ۖ إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي صَدْرِي
وَإَيْتَرِي أَمْرِي ۖ وَاجْلُ عُنُقَهُ ۖ مِّنْ لِّسَانِي ۖ وَيَفْهَمُوا قَوْلِي ۖ

موسیٰ نے کہا، یہ میری لاشھی ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، اور اس کے ذریعہ اپنی بکریوں کے لئے درخت سے پتے جھاڑتا ہوں، اور اس سے میں دوسرے کام بھی لیتا ہوں ﴿۱۸﴾ اللہ نے کہا (۹) اے موسیٰ! آپ سے زمین پر ڈال دیجئے ﴿۱۹﴾ تو انہوں نے اسے زمین پر ڈال دیا، تو وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگی ﴿۲۰﴾ اللہ نے کہا! اسے پکڑ لیجئے اور ڈریئے نہیں، ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے ﴿۲۱﴾ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے بغل سے ملا لیجئے (۱۰) وہ سفید روشن بے عیب بن کر ظاہر ہو گا، یہ دوسرا معجزہ ہو گا ﴿۲۲﴾ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں ﴿۲۳﴾ آپ میرا پیغام لے کر فرعون کے پاس جائیے (۱۱) بے شک وہ حد سے گذر گیا ہے ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا، میرے رب! میرا سینہ میرے لئے کھول (۱۲) دے ﴿۲۵﴾ اور میری مہم کو میرے لئے آسان کر دے ﴿۲۶﴾ اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھیں ﴿۲۸﴾

کاموں کے لئے استعمال کرتا ہوں، مثال کے طور پر میں اس پر اپنا زاد سفر اور پانی لٹکا کر اپنے کندھے پر ڈھونڈتا ہوں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے موسیٰ! آپ اپنی لاشھی زمین پر ڈال دیجئے، انہوں نے اسے زمین پر ڈال دیا، تو اللہ نے اس کے اوصاف بدل کر اسے ایک لمبے جوڑے مہیب سانپ کی شکل دے دی جو تیزی کے ساتھ ڈراونی حرکتیں کرنے لگا اور پتھروں کو نکلنے لگا۔ موسیٰ نے جب اپنی لاشھی کا یہ حال دیکھا تو ڈر کر بھاگنے لگے۔ اللہ نے ان سے کہا کہ آپ اسے پکڑ لیجئے اور ڈریئے نہیں، ہم اسے پہلے کی طرح لاشھی بنا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ لاشھی بن گئی جو ان کے ہاتھ میں پہلے سے تھی۔

(۱۰) موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے دوسرے معجزے کا ذکر ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں "جناح" سے مراد گریبان ہے، جیسا کہ اس کی صراحت دوسری آیتوں میں آئی ہے۔ ان کی مراد سورۃ النمل کی آیت (۱۲) ﴿وَأَذْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ﴾ اور سورۃ القصص کی آیت (۳۲) ﴿اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجَ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوءٍ﴾ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں جیب (گریبان) کی صراحت کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالئے، وہ بغیر برص کی بیماری کے خوبصورت چمکتا ہوا ہو گا۔ یہ آپ کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرنے والا دوسرا معجزہ ہو گا۔ اور حق تو یہ تھا کہ یہ دونوں نشانیاں فرعون کے سامنے ظاہر کی جاتیں، لیکن ہم نے آپ کو پہلے ہی اس لئے دکھایا ہے تاکہ آپ کا دل مضبوط ہو اور فرعون کا چیلنج قبول کرتے وقت اطمینان رہے کہ آپ کے پاس ہمارے عطا کردہ معجزات ہیں، جن کے ظاہر ہوتے ہی اس کا مکر و فریب سب پر عیاں ہو جائے گا اور آپ غالب ہوں گے۔

(۱۱) موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دیئے جانے کا مقصود بیان کیا جا رہا ہے کہ اے موسیٰ! معجزات لے کر ہمارے رسول کی حیثیت سے آپ فرعون کے پاس جائیے جو اپنی حد سے تجاوز کر کے معبود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا ہے، اسے اس کی حیثیت یاد دلائیے، اور

وَأَجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۗ هُوَ رُونَ أَخِي ۗ اشْدُدِيهٖ أَزْرِي ۗ وَاشْرِكِيهٖ فِي أَمْرِي ۗ كَيْ تَسْبِكَ كَيْفَ أُرِيدُ ۗ وَمَنْ لِّكَ كَيْفَ تَكُونُ ۗ وَوَدَّ كُرْكَ كَيْفَ ۗ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۗ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ۗ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۗ

اور میرے گھرانے سے میرا ایک وزیر (۱۳) مقرر کر دے ﴿۲۹﴾ میرے بھائی ہارون کو مقرر کر دے ﴿۳۰﴾ ان کے ذریعہ میری قوت کو بڑھادے ﴿۳۱﴾ اور میری دعوتی مہم میں ان کو میرا شریک بنادے ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم دونوں تیری خوب تسبیح بیان کریں ﴿۳۳﴾ اور تجھے خوب یاد کریں ﴿۳۴﴾ تو ہمارے احوال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۳۵﴾ اللہ نے کہا، اے موسیٰ! آپ کی مانگ (۱۳) پوری کر دی گئی ﴿۳۶﴾ اور ہم نے آپ پر (اس سے قبل بھی) ایک بار احسان کیا ہے ﴿۳۷﴾

میری عبادت کا حکم دیجئے۔

(۱۲) جب انہیں فرعون کے سامنے دعوت توحید رکھنے کا حکم ملا، تو سوچا کہ ان کے سر ایک عظیم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ ایک طرف بحیثیت انسان انہیں اپنی کم مائیگی اور بے سروسامانی یاد آ رہی تھی تو دوسری طرف فرعون جیسے عظیم شاہ مصر کی قوت و جبروت اور اس کا جاہ و جلال ان کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا، اور اس کے کبر و غرور اور کفر و سرکشی کا عالم یہ تھا کہ اس نے اللہ کا انکار کر دیا تھا اور خود معبود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی پیغامبری کے لئے جن لیا تھا، اور انہیں بہر حال یہ کام کرنا تھا، اسی لئے انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! میرا سینہ کھول دے، اور مجھ پر جو ذمہ داری ڈالی ہے اسے آسان کر دے، اس لئے کہ تیری نصرت و اعانت کے بغیر اتنی بڑی ذمہ داری میرے ناتواں کندھے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور میری زبان کی لگنت کو دور کر دے تاکہ میں جب فرعونوں کے سامنے تیری دعوت پیش کروں تو وہ میری بات سمجھ سکیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ بچپن میں انہوں نے اپنے منہ میں چنگاری ڈال لی تھی جس کی وجہ سے ان کی زبان میں لگنت پیدا ہو گئی تھی۔ جب رسالت کی ذمہ داری ان کے سر آئی تو سوچا کہ اس کام کے لئے فصیح اور قادر الکلام آدمی کی ضرورت ہے، اسی لئے انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو وہ لگنت جاتی رہی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کے جواب میں فرمایا ہے: ﴿قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ﴾ ”اے موسیٰ! آپ کی مانگ پوری کی گئی“۔ اور جو انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو بھی اس ذمہ داری کے اٹھانے میں میرا شریک بنادے، کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ تقریر کر سکتے ہیں، تو یہ امر اس بات سے ہرگز مانع نہیں کہ ان کی لگنت جاتی رہی۔ لگنت نہ ہونے کے باوجود بھی ایک آدمی دوسروں کے مقابلے میں کم فصیح ہو سکتا ہے۔

(۱۳) اوپر بیان کیا جا چکا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اے میرے رب! میرے خاندان والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو رسالت کی ذمہ داری اٹھانے میں میرا شریک و مددگار بنادے، تاکہ ہم تیری خوب تسبیح بیان کریں اور تجھے خوب یاد کریں۔ تو ہمارے تمام حالات سے باخبر ہے اور جانتا ہے کہ میں نے تجھ سے جو مانگا ہے وہ ہمارے لئے مفید ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیات (۳۳، ۳۴) تسبیح و ذکر الہی کی فضیلت کی بہت بڑی دلیل ہیں، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ عمل بہت زیادہ پسند ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی دعا کی مقبولیت کے لئے اسے وسیلہ بنایا۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کا شرح صدر فرمادیا، ان کی نصرت و اعانت کا وعدہ کر دیا، ان کی لگنت جاتی رہی، اور ان کے بھائی ہارون کو جوان سے عمر میں بڑے تھے، نبی بنا کر فرعون کے سامنے دعوت پیش کرنے کی ذمہ داری میں ان کا

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمَمِكَ مَا يُؤْمَىٰ ۗ إِنَّ أَقْبَدَ فِيهِ فِي الثَّابُوتِ فَأَقْدَفِيهِ فِي الْيَمِّ فَايْلَقَهُ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذُهُ عُدُوُّ
لِي وَعَدُوُّ لِي وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ حَبِيبَتِي ۗ وَوَلَّيْتُمُ عَلَىٰ عَيْنِي ۗ

جب ہم نے آپ کی ماں سے بذریعہ الہام (۱۵) وہ بات کہی تھی جو کہی جانے والی تھی ﴿۳۸﴾ کہ تم بچے کو صندوق میں بند کر دو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو، تاکہ دریا کا بہاؤ اسے ساحل پر پہنچا دے، وہاں اُسے وہ آدمی لے لے گا جو میرا دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے، اور میں نے اپنی جانب سے آپ کے چہرے میں (لوگوں کے لئے) محبت پیدا کر دی، اور میں نے چاہا کہ میری خاص نگرانی میں آپ کی پرورش ہو ﴿۳۹﴾

شریک دمدگار بنا دیا۔

آیت (۳۷) میں موسیٰ علیہ السلام کے دل کو مزید اطمینان بخشنے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ میں تو اس کے قبل بھی آپ کی طلب و دعا کے بغیر آپ کو بہت سی نعمتوں سے نواز چکا ہوں، اب جبکہ آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں تو زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کی مانگ پوری کروں۔

صاحب فتح البیان نے ان نعمتوں کا بالترتیب ذکر کیا ہے جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بغیر مانگے بچپن سے لے کر نبی ہونے کے زمانے تک دیا تھا۔

- ۱- ان کی ماں کو بذریعہ الہام حکم دیا کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر سمندر کے حوالے کر دیں۔
- ۲- اللہ نے بچپن میں ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی، جو بھی انہیں دیکھتا تھا ان سے محبت کرنے لگتا تھا۔
- ۳- ان کی پرورش اللہ تعالیٰ کی حمایت میں ہوتی رہی۔
- ۴- انہیں ان کی ماں کے پاس دوبارہ پہنچا دیا۔
- ۵- بارہ سال کی عمر میں غلطی سے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا، تو اللہ نے فرعونوں سے انہیں بچا لیا اور ان کا گناہ معاف کر دیا۔
- ۶- رسول ہونے سے پہلے جب بھی کسی آزمائش میں پڑے، اللہ نے انہیں اس سے نجات دی۔
- ۷- ایک قول کے مطابق بیس سال اور ایک دوسرے قول کے مطابق اٹھائیس سال مدین کے مرد صالح شعیب کے پاس رہے اور ان کی لڑکی سے شادی کی۔

۸- اللہ نے انہیں نبی و رسول بنایا تاکہ بنی اسرائیل تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو بذریعہ الہام حکم دیا کہ وہ اپنے بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر اپنے خالق و مالک پر بھروسہ کرتے ہوئے سمندر میں ڈال دیں، تاکہ سمندر اللہ کے حکم کے مطابق اس صندوق کو اس جگہ پہنچا دے جہاں فرعون نہایا کرتا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، صندوق تیرتا ہوا اس نہر تک پہنچ گیا جو سمندر سے نکل کر فرعون کے محل تک پہنچتا تھا۔ جب اللہ اور اس کے رسول موسیٰ کے دشمن فرعون نے وہ صندوق دیکھا تو اسے نکالنے کا حکم دیا۔ اس میں بچہ کو پا کر اللہ کی مشیت کے مطابق فرعون بہت ہی خوش ہوا، اللہ نے اس کے اور دوسروں کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت پوسٹ کر دی، تاکہ اللہ کے حفظ و امان میں فرعون کے گھر میں ہی ان کی پرورش و پرداخت ہو۔

إِذْ نَسِيْنَا أُنْتِكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۗ وَوَقَّتْ لِنَفْسٍ أَقْبَبْنَاكَ مِنَ الْعَوِي ۖ وَقَتْنَاكَ فُتُونًا ۖ فَلَمَّا بَلَغْتُمَا سِنِينَ فِي أُمَّةٍ مَّدِينٍ لَّا تَحْجِثُ عَلَىٰ قَدَرٍ لِّعُوسَىٰ ۖ وَاصْطَمَعْتُمْ لِنَفْسِي ۗ

جب آپ کی بہن (آپ کی خبر گیری کے لئے) چلتی ہوئی وہاں پہنچی اور کہنے لگی (۱۶) کیا میں آپ لوگوں کو ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس کی نگہداشت کرے گی، اس طرح ہم نے آپ کو آپ کی ماں کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کرے۔ اور آپ نے ایک شخص کو جان سے مار دیا تھا، تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی، اور ہم نے آپ کو مختلف آزمائشوں سے گزارا، پھر آپ کئی سال تک مدین والوں کے درمیان رہے، پھر اے موسیٰ! آپ یہاں میرے مقرر کردہ وقت پر آئے ہیں ﴿۳۰﴾ اور میں نے آپ کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے ﴿۳۱﴾

(۱۶) موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے گھر پہنچ گئے، تو وہ اور اس کی بیوی ان سے خوب محبت کرنے لگے، لیکن مشیت الہی کے مطابق وہ کسی بھی دودھ پلانے والی دایہ کا دودھ پینے سے منہ بند کر لیتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص آیت (۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ ”ہم نے ان پر دایاؤں کا دودھ حرام کر دیا تھا“۔ ان کی بہن مریم بنت عمران نے جو لمحہ بہ لمحہ ان کی خبر لے رہی تھی، جب سنا کہ فرعون اور اس کی بیوی آسہ کسی دایہ کی تلاش میں ہیں، تو کہا کیا میں آپ لوگوں کو ایک دایہ کا پتہ دوں جو اس بچے کو دودھ پلائے گی اور اس کی پرورش و پر داخت کرے گی؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ تو کہا کہ وہ میری ماں ہے جن کی گود میں اس وقت میرا ایک سال کا بھائی ہارون ہے۔ چنانچہ جب انہیں بلایا گیا تو موسیٰ فوراً ان کا دودھ پینے لگے۔ اس طرح اللہ نے انہیں ان کی ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بچے کو سمندر میں ڈال دینے کی وجہ سے انہیں جو غم لاحق ہوا تھا اس کا ازالہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان یہ بھی کیا کہ انہوں نے فرعون کے گھر میں بڑے ہو کر ایک قبطی کو غلطی سے قتل کر دیا تو سبھی فرعونی ان کے قتل کے درپے ہو گئے، موسیٰ وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلے اور اللہ نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا۔ اور نبی ہونے سے پہلے گونا گوں آزمائشوں سے گزرے اور ہر بار اللہ نے ان کی مدد کی، اور جب فرعونینوں کے ڈر سے بھاگ کر مدین پہنچے تو مرد صالح شعیب نے سارا ماجرا سن کر کہا کہ اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہاں آکر ظالموں سے تم نجات پا چکے ہو۔ چنانچہ وہاں بیس یا اٹھائیس سال شعیب کے زیر تربیت رہے، اور پھر حکمت الہی کے تقاضے کے مطابق وہاں سے اپنی بیوی کو لے کر چلے، اور کوہ طور کے پاس پہنچے تو اللہ نے انہیں پیغمبری عطا کی اور ان سے ہم کلام ہوا۔

اللہ کے دین کا موسیٰ سے پوچھے احوال ☆ گئے تھے آگ کو پیغمبری عطا کر دی

کوہ طور تک اس وقت ان کا پہنچنا اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے مقدر تھا جس کی انہیں کوئی خبر نہیں تھی۔

آیت (۳۱) میں اللہ نے موسیٰ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے اور مختلف مراحل سے گزار کر اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل بنایا ہے، تاکہ میرا پیغام فرعون اور بنی اسرائیل تک پہنچائے، فرعون کو میری عبادت کی دعوت دیجئے اور بنی اسرائیل کو بھی، مجھ پر ایمان لانے اور عمل صالح کی دعوت دیجئے تاکہ انہیں دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو۔

إِذْ هَبَّ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِالْبَرِّ وَالْأَنْبِيَاءِ ذِكْرِي ۖ إِذْ هَبَّا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۖ فَقَوْلَا لَهُ قَوْلًا لَيْنًا لَعَلَّ بَيْنَكَ وَدُونِ
 أُوَيْسُطَى ۖ قَالَ لَيْنًا إِنَّا خَافُ أَنْ يُعْزِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ۖ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمِعُ وَأَرْى ۖ فَأُوبِيَهُ قَوْلًا
 أَنَا رَسُولُ رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تَعْزِ بِهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ أَتْبَعِ
 الْهُدَى ۖ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۖ

آپ اور آپ کے بھائی، دونوں میری نشانیاں (۱۷) لے کر جائے اور مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کیجئے ﴿۴۲﴾ آپ
 دونوں (میرا پیغام لے کر) فرعون کے پاس جائے، بے شک وہ حد سے گذر گیا ہے ﴿۴۳﴾ پس اُس سے نرم گفتگو
 کیجئے، شاید کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا اس کے دل میں اللہ کا خوف آجائے ﴿۴۴﴾ دونوں نے کہا، ہمارے رب!
 ہمیں ڈر (۱۸) ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر جائے، یا تیرے حق میں مزید سرکشی نہ کرنے لگے ﴿۴۵﴾ اللہ نے کہا، تم
 دونوں ڈرو نہیں، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں ﴿۴۶﴾ پس تم دونوں اس
 کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تمہارے رب کے پیغامبر ہیں، اس لئے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو،
 اور انہیں عذاب نہ دو، ہم تمہارے پاس تمہارے رب کا معجزہ لے کر آئے ہیں، اور سلامتی ہو اُس آدمی پر جو
 راہ حق کی پیروی کرے ﴿۴۷﴾ بے شک ہم پر وحی آئی ہے، کہ اللہ کا عذاب اس پر نازل ہو گا جو حق کو جھٹلائے گا
 اور اس سے روگردانی کرے گا ﴿۴۸﴾

(۱۷) آپ اور آپ کے بھائی ہارون جن کے لئے آپ نے دعا کی ہے، میرے دونوں معجزات لے کر جن کا ظہور میری قدرت
 سے آپ کے سامنے ہو چکا ہے، دعوت کے لئے آگے بڑھئے، اور آپ دونوں پر اب تک میں نے جو احسانات و انعامات کئے ہیں،
 انہیں یاد رکھئے، اور تبلیغ رسالت میں تندہی سے کام لیجئے۔

آیات (۴۳/۴۴) میں مذکور بالا اجمال کی تفصیل ہے، کہ آپ دونوں میرا پیغام لے کر فرعون کے پاس جائے جس نے
 سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے، اور اپنے آپ کو ایک بندۂ عابد و عاجز ثابت کرنے کے بجائے رب اور معبود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا
 ہے۔ اور دیکھئے، آپ دونوں کا اسلوب بیان نرم ہونا چاہئے، اس لئے کہ نرم گفتگو بڑے ظالموں اور سرکشوں کو بھی بسا اوقات موم
 بنا دیتی ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل آیت (۱۲۵) میں فرمایا ہے: ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
 الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ”اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے، اور ان
 سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے“) شاید کہ آپ دونوں کی باتیں اسے غور و فکر پر مجبور کر دیں، اور وہ ایمان و ہدایت کی راہ
 اپنالے، یا ڈرے کہ اگر کفر و ظلم پر مصر رہا تو اللہ کا عذاب اسے اپنی گرفت میں لے لے گا۔

(۱۸) دونوں بھائیوں نے اللہ کا یہ حکم پانے کے بعد، جب حالات پر غور کیا، اور اپنی بے کسی اور فرعون کے قہر و جبروت کا تصور کیا
 تو انسانی فطرت کے مطابق ڈرے، اور اس کا اپنے رب سے اظہار کرتے ہوئے کہا، اے ہمارے رب! ہم ڈرتے ہیں کہ
 کہیں فرط غضب میں وہ ہمیں قتل نہ کر دے یا کوئی سخت سزا دے دے، یا اس کی سرکشی اور بڑھ جائے اور تیری شان و عظمت کے
 خلاف کوئی بات نہ کر بیٹھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان دلایا، اور کہا کہ ڈرنے کی ایسی کوئی بات نہیں، میں آپ دونوں کے ساتھ

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ﴿۱۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿۲۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿۲۱﴾ قَالَ عَلِيٌّ إِنَّ رَبَّنَا لَمُبِينٌ ﴿۲۲﴾

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ﴿۱۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿۲۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿۲۱﴾ قَالَ عَلِيٌّ إِنَّ رَبَّنَا لَمُبِينٌ ﴿۲۲﴾

فرعون نے پوچھا، اے موسیٰ! پھر تم دونوں کا رب (۱۹) کون ہے ﴿۳۹﴾ موسیٰ نے کہا، ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا (۲۰) کیا ہے، پھر (دنیا میں رہنے کے لئے) ان کی رہنمائی کی ﴿۵۰﴾ فرعون نے پوچھا، تو گزشتہ مشرک قوموں کا انجام کیا ہو گا ﴿۵۱﴾ موسیٰ نے کہا، ان کے انجام کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے ﴿۵۲﴾ جس نے زمین کو تمہارے واسطے بچھونا بنایا، اور اس میں تمہارے چلنے کے راستے بنائے ہیں، اور آسمان سے بارش نازل کیا ہے، پس ہم نے اس کے ذریعہ مختلف اقسام کے پودے نکالے ﴿۵۳﴾ خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۵۴﴾

رہوں گا آپ دونوں اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوگی اور جو کچھ وقوع پذیر ہوگا، اسے میں سنوں گا اور دیکھوں گا اور آپ دونوں کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ اس لئے آپ دونوں اس کے پاس جائیے، اور اس سے کہئے کہ ہم دونوں تمہارے رب کے پیغامبر ہیں، تمہارے پاس اس لئے بھیجے گئے ہیں، تاکہ تم بنی اسرائیل کو قید و بند سے آزاد کر دو، انہیں عذاب دینا بند کر دو اور ہمارے ساتھ انہیں ہمارے وطن فلسطین جانے دو۔ اور یہ بھی کہئے کہ ہمارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ہمارے رسول ہونے کی دلیل یعنی معجزے موجود ہیں۔ حکیمانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس سے کہئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تصدیق کرتے ہوئے اس کے بھیجے ہوئے دین کی اتباع کرے گا، وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے گا، اور جو اس کی نشانیوں کی تکذیب کرے گا اور اس کے دین سے روگردانی کرے گا، وہ اس کے عذاب کا مستحق ہوگا۔

(۱۹) فرعون نے ان دونوں کی پوری تقریر سننے کے بعد کہا، اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ وہ اللہ کا منکر اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ دار تھا، اسی لئے اس نے کہا کہ میرے سوا تم دونوں کا رب کون ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک مخلوق کو اس کی مخصوص شکل و صورت میں پیدا کیا ہے، اور ہر عضو میں ایک مخصوص فائدہ رکھا ہے، پھر ہر ایک کو طلب رزق کے طریقے سکھائے اور ان کی نسلوں کی بقا کے وسائل و اسباب دے کر انہیں استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔

(۲۰) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بتایا کہ ان کا رب وہ ہے جس نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا ہے، انہیں روزی دی ہے، اور انہیں زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ہے تو وہ لاجواب ہو گیا، اور شکست خوردہ ہو کر کہنے لگا کہ پھر ان اقوام گزشتہ کے بارے میں تم کیا کہو گے جو بتوں کی پوجا کرتی تھیں، جیسے نوح، ہود، لوط اور صالح کی قومیں جو ایک اللہ پر ایمان نہیں لائیں اور بتوں کی پرستش کرتی ہوئی دنیا سے رخصت ہو گئیں؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان تمام قوموں کے اعمال کا اللہ کو پورا پورا علم ہے، ان کا ہر قول و عمل ان کے نامہ ہائے اعمال میں محفوظ ہے اور وہ روز قیامت انہیں ان کا بدلہ چکائے گا۔ میرے رب کے دائرہ علم سے کوئی ادنیٰ چیز بھی خارج نہیں ہے، اور نہ ہی اس پر نسیان طاری ہوتا ہے۔ میرا رب ان دونوں عیوب

وَمِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ۗ وَلَقَدْ آرَيْنَا لَكُمْ آيَاتِنَا فَكذبَ وَإِذْ قَالَ أَجْمِنَتُنَا
لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسَعْرِكَ يَمْؤَسَى ۗ فَلَمَّا آتَيْنَاكَ بِسَعْرِ مِثْلِهِ فَأَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا
أَنْتَ مَكَانًا نَسْوَى ۗ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الرِّبْوَةِ وَأَنْ يُمْشُرَ النَّاسُ ضَعْفَى ۗ فَتَوَلَّى فِرْعَوْنُ جَمْعَ كَيْدِهِ ثَخْرَانِي ۗ

ہم نے تم سب کو زمین (۲۱) سے پیدا کیا ہے، اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے، اور دوسری بار اسی سے تمہیں نکالیں گے ﴿۵۵﴾ اور ہم نے اُسے اپنی تمام نشانیاں (۲۲) دکھائیں، لیکن اس نے ان سب کو جھٹلادیا اور حق بات کا منکر ہو گیا ﴿۵۶﴾ فرعون نے کہا، اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری سر زمین سے نکال دو ﴿۵۷﴾ پس ہم یقیناً تمہارے مقابلے کے لئے اسی جیسا جادو لے آئیں گے، پس ہمارے اور تمہارے درمیان شہر کے وسط میں مقابلے کا ایک وقت مقرر کر لو جس کی ہم میں سے کوئی خلاف ورزی نہ کرے ﴿۵۸﴾ موسیٰ نے کہا تمہارا وقت عید کا دن ٹھہرا، اور لوگوں کو دن چڑھے جمع ہو جانا چاہئے ﴿۵۹﴾ پھر فرعون اٹھ کر چلا گیا، اور اپنے تمام داؤ بیچ جمع کر کے دوبارہ آیا ﴿۶۰﴾

اور دیگر تمام نقائص سے یکسر پاک ہے، میرا رب وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنا دیا ہے تاکہ تم اس پر زندگی گزار سکو، اور میرا رب وہ ہے جس نے زمین پر تمہارے لئے راستے ہموار کر دیئے ہیں تاکہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکو، اور میرا رب وہ ہے جو آسمان سے بارش نازل کرتا ہے جس سے نہریں بنتی ہیں اور کنوئیں بھرتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب ختم ہو جانے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اپنی وحدانیت پر ایمان لانے کی نصیحت کے طور پر فرمایا کہ ہم ہی اس پانی کے ذریعہ انواع و اقسام کے پودے، پھل اور درخت وغیرہ پیدا کرتے ہیں جو رنگ، حزا، بو اور دیگر اوصاف و خصائص میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس لئے عقل تقاضا کرتی ہے کہ تم ہم پر ایمان لے آؤ۔ اور ان پودوں اور پھلوں میں سے جو تمہارے کھانے کے ہیں انہیں خود کھاؤ، اور جو تمہارے جانوروں کے لئے ہیں انہیں کھاؤ۔ مذکور بالا تمام اعمال اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم ہر بات پر قادر ہیں، ہمارا علم ہر شے کو محیط ہے، اور ہماری رحمت تمام مخلوقات کو شامل ہے، اس لئے صرف ہم ہی عبادت کے مستحق ہیں، لیکن ان دلائل سے صرف اہل عقل و دانش ہی مستفید ہوتے ہیں۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بنی نوع انسان! ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا ہے جس سے نباتات و حیوانات کو پیدا کیا ہے، آدم کو مٹی سے اور اس کی اولاد کو اس نطفہ سے پیدا کیا ہے جو زمین میں پیدا شدہ غذا سے تیار ہوتا ہے، اور موت دے کر اسی مٹی میں لوٹا دیں گے جیسے پودوں، پھلوں اور درختوں کی بیج زمین میں ڈالی جاتی ہے، اور روز قیامت پھر دوبارہ تمہیں تمہاری قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے، اور تمہارے اعمال کا بدلہ تمہیں چکائیں گے۔

(۲۲) یہاں "آیات" سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں، اور جن کا ذکر سورۃ الاسراء آیت (۱۰۱) میں آیا ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ﴾ "ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں دی تھیں"۔ وہ نشانیاں مندرجہ ذیل ہیں: لاشعی، ید بیضاء، قحط سالی، پھلوں کی کمی، طوفان، مڈی، جویں، مینڈک اور خون۔

موسیٰ علیہ السلام میں سال تک فرعون کو دعوت توحید ربوبیت دیتے رہے، اور اس طویل مدت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَإِنَّكُمْ أَتَّفْتُوا عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتْكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَدَىٰ ۖ فَتَنَّا زَعْوًا أَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ ۖ قَالُوا إِنَّ هَٰذِهِنَّ لَسِحْرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُفْرِجَاكَ مِنَ أَرْضِنَا بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرَفَيْكَ الْمَشْأَلَىٰ ۖ
فَأَجْمَعُوا كَيْدًا لَّكُمْ ثُمَّ اتَّصَفَا وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ۖ

موسیٰ نے جادو گروں سے کہا (۲۳) تمہاری شامت ہو، اللہ کے بارے میں جھوٹ نہ بولو، ورنہ وہ تمہیں کسی عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دے گا اور جو افترا پردازی کرتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے ﴿۶۱﴾ تو وہ اپنے معاملے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے، اور سرگوشی کرنے لگے ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا، بے شک یہ دونوں جادو گر ہیں، چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سر زمین سے بے دخل کر دیں، اور تمہارے بہترین مذہب کو ختم کر دیں ﴿۶۳﴾ اس لئے تم سب اپنے داؤ پیچ کو جمع کرو، پھر ایک صف باندھ کر آگے بڑھو، اور آج کے دن جو غالب رہے گا وہ کامیاب رہے گا ﴿۶۳﴾

بالا نشانیاں بھیج کر اسے راہ دکھائی، لیکن وہ کبر و غرور میں سب کو جھٹلاتا رہا اور ایمان لانے سے انکار کرتا رہا، اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ مصر والوں کو اپنے جادو کے زور سے اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے ہو کہ تمہیں اللہ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہماری سلطنت اور ملک مصر پر قابض ہو جاؤ اور ہمیں یہاں سے نکال دو۔ تو سن لو کہ ہم تمہارے جادو کا توڑ اس سے زیادہ قوی جادو سے کریں گے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تم نبی نہیں بلکہ جادو گر ہو۔ اس لئے تم خود ہی، ہمارے درمیان مقابلے کا ایک وقت مقرر کر دو جس کی ہم میں سے کوئی خلاف ورزی نہ کرے، اور اس کے لئے ایک ایسی جگہ تحدید کر دو جہاں کھڑے ہو کر سبھی لوگ مقابلہ دیکھ سکیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس انداز کلام میں فرعون کی جانب سے اس بات کا اظہار تھا کہ موسیٰ نے جادو دکھایا ہے، اور ویسا جادو دکھانے پر وہ پوری طرح قادر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہمارے درمیان مقابلے کا وقت عید کا دن رہا، اور لوگ مقابلہ دیکھنے کے لئے صبح کے وقت جمع ہو جائیں تاکہ دن کی پوری روشنی میں اسے دیکھ سکیں۔ اس گفتگو کے بعد فرعون نے اپنی مجلس برخواست کر دی، اور موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب کرنے کے لئے اپنی سازش کے تانے بانے درست کرنے شروع کر دیئے، اور ملک کے تمام بڑے جادو گروں کو جمع کر کے مقابلہ جیتنے کے لئے سارے کیل کا نئے ٹھیک کر لئے۔

(۲۳) جب جادو گر وقت مقرر پر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے، تو انہوں نے ان سے ازراہ خیر خواہی کہا کہ تم لوگ اللہ کے بارے میں افترا پردازی نہ کرو، اور اپنے جادو کے ذریعہ محض خیالی چیز پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ نہ دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ایک دردناک عذاب کے ذریعہ اللہ تمہیں نیست و نابود کر دے گا، اور جان لو کہ افترا پرداز ہمیشہ گھائے میں رہتا ہے۔ موسیٰ کی بات سن کر جادو گروں کے درمیان اختلاف ہو گیا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ کوئی جادو گر ہے یا واقعی اللہ کا رسول ہے۔ بالآخر ان کی بیبی رائے ہوئی کہ یہ دونوں جادو گر ہی ہیں، اپنے جادو کے ذریعہ فرعون اور ہمیں سر زمین مصر سے نکال کر خود سلطنت پر قابض ہو جانا چاہتے ہیں اور ہماری جگہ اپنی قوم کو یہاں بسانا چاہتے ہیں، اور ہمارے اچھے بھلے دین اور اخلاق کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم لوگ ایک بات پر متفق ہو جائیں، اور صف بنا کر آگے بڑھیں، تاکہ دیکھنے والوں پر ہمارا رعب پڑے۔ اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آج جو غالب ہو گا وہ فرعون اور فرعونوں کی جانب سے خوب وادود ہش پائے گا۔

قَالُوا يٰمُوسَىٰ اِنَّا اَنْتَ تُلْقِيْ وَ اِنَّا اَنْ تَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ اَلْقَى ۗ قَالَ بَلْ اَلْقَوُا۟ فَاِذَا اَصَابَهُمْ وَعَصِيْبُهُمْ مُّخِيْلٌ
 لِّیْنَ مِنْ سِحْرِهِمْ اِنَّمَا اَسْعَى ۗ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۗ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ اَعْلَى ۗ وَاَبْقِ مَا فِیْ يَدَيْكَ
 تَلْفَعُ مَا صَنَعُوا اِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سِحْرٌ وَلَا يُعْلِمُ السِّحْرَ حَيْثُ اَنْتَ ۗ فَالْقَى السِّحْرَةَ سُجُوۡدًا قَالُوۡا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ
 وَ مُّوسَىٰ ۗ قَالَ اٰمَنْتُمْ لِهٰٓءَاذَنْ لَّكُمۡ اٰتَةٌ لَّكُمۡ اِنَّهٗ لَكَيْدِكُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَا قَطْعَانَ اٰیۡدِیْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ مِّنْ
 خِلَافٍ وَّلَا وُصْلٰبِكُمْ فِیۡ جُدُوۡعِ النَّخْلِ وَاَلْتَمَلٰنَّ اٰیۡتًا اَشَدَّ عَذَابًا وَّاَبْقِ ۗ

جادو گروں نے کہا (۲۳) اے موسیٰ! تو تم پہلے اپنی لاشی زمین پر ڈالو، یا ہم ہی پہلے ڈالتے ہیں ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی پہلے ڈالو، تو ان کے جادو کے زیر اثر انہیں ایسا دکھائی دینے لگا کہ جیسے ان کی رسیاں اور لاشیاں زمین پر دوڑ رہی ہیں ﴿۶۶﴾ تو موسیٰ اپنے دل میں خوف محسوس کرنے لگے ﴿۶۷﴾ ہم نے کہا، آپ ڈریے نہیں، بے شک غالب آپ رہیں گے ﴿۶۸﴾ اور آپ کے دائیں ہاتھ میں جو لاشی ہے اسے زمین پر ڈال دیجئے، وہ ان کے تمام بناوٹی سانپوں کو ہڑپ جائے گی، انہوں نے جو بنایا ہے وہ ایک جادو گر کا مکرو فریب ہے، اور جادو گر جدھر سے آئے کامیاب نہیں ہو گا ﴿۶۹﴾ پس تمام جادو گر سجدے (۲۵) میں گر گئے اور پکار اٹھے کہ ہم ہاروں و موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ﴿۷۰﴾ فرعون نے کہا، قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، تم لوگ موسیٰ پر ایمان لے آئے، بے شک یہی تمہارا وہ بڑا جادو گر ہے جس نے تم لوگوں کو جادو سکھایا ہے، تو میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالتا ہوں، اور کھجور کے تنوں پر تمہیں سولی دے دیتا ہوں، اور تب تم ضرور جان لو گے کہ موسیٰ اور مجھ میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر رہنے والا ہے ﴿۷۱﴾

(۲۳) جب جادو گروں کے درمیان اتفاق ہو گیا کہ مقابلہ کیسے کیا جائے، تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ پہلے تم اپنی لاشی زمین پر ڈالو گے، یا ہم ڈالیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پہلے تم ہی ڈالو۔ اور انہوں نے ایسا اس لئے کہا کہ جب جادو گر اپنا کرتب دکھلا چکیں گے، اور ان کے خیالی سانپوں کو موسیٰ علیہ السلام کی لاشی نکل جائے گی، تو معجزہ نبوی زیادہ واضح شکل میں درس عبرت بن کر لوگوں کے سامنے آئے گا۔ جادو گروں نے جب اپنی رسیاں اور لاشیاں زمین پر ڈالیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ جادو کے اثر سے دوڑ رہی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بحیثیت انسان ان سانپوں سے ڈر گئے، یا اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں لوگ جادو گروں کے کرتب سے متاثر نہ ہو جائیں، اس لئے کہ ان کی لاشیاں اور رسیاں بھی موسیٰ علیہ السلام کی لاشی کی مانند سانپ بن کر لوگوں کے سامنے دوڑ رہی تھیں، تو اللہ نے ان سے فرمایا کہ آپ ڈریے نہیں، بہر حال غلبہ آپ ہی کو نصیب ہو گا، اور معجزہ الہی کے سامنے ان کی ایک نہیں چلے گی۔ آپ کے دائیں ہاتھ میں جو لاشی ہے، اسے زمین پر ڈال دیجئے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور وہ لاشی ایک مہیب و عظیم اثر دہا بن کر جادو گروں کی لاشیوں اور رسیوں کو نکلنے لگی، اور تمام لوگ اور جادو گر اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے، یہاں تک کہ میدان میں ایک سانپ بھی باقی نہ رہا، اور جادو شکست کھا گیا اور اللہ کا معجزہ غالب آ گیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ بنایا تھا وہ جادو گروں کا کرتب تھا، اور جادو گر کوئی بھی چال چلے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

وَالْوَالِدُ لِلْوَالِدِ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيْتِ وَالَّذِي فَطَرْنَا فَاقْبِضْ مَا آتَيْتَ قَابِضًا إِنَّمَا نَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۗ

جادوگروں نے کہا کہ ہم تمہیں ہرگز ترجیح (۲۶) نہیں دیں گے اُن واضح دلائل پر جو ہمارے سامنے آچکے ہیں، اور اُس ذات برحق پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تو تمہیں جو فیصلہ کرنا ہے کر گزرو، تم صرف اسی دنیاوی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتے ہو ﴿۷۲﴾

(۲۵) جب جادوگروں نے تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، تو جادوگری کے تمام علوم و فنون سے واقفیت کی وجہ سے انہیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ کے ہاتھوں انہوں نے ابھی جو کچھ دیکھا ہے وہ کوئی جادو نہیں ہے، وہ تو وہ حق ہے جس کی حقانیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ اُس اللہ کی قدرت سے ہوا ہے جو کہتا ہے کہ ”ہو جا“ تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس لئے تمام جادوگر اللہ کے لئے سجدے میں گر گئے اور پکار اٹھے کہ ہم ہاروں و موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ان کے بارے میں قول ہے کہ وہ ستر (۷۰) جادوگر تھے، صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہداء بن گئے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ ان جادوگروں نے تمام لوگوں کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور اسے ڈر ہوا کہ کہیں دوسرے لوگ بھی ان کی پیروی نہ کرنے لگیں اپنی طاقت کے غرور میں ان سے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم لوگ موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو، مجھے یقین ہو گیا کہ یہی موسیٰ وہ بڑا جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے اور تم سب نے مل کر سازش کر رکھی ہے تاکہ اہل مصر کو تم ان کے ملک سے نکال دو۔ ان کی اسی بات کو قرآن کریم نے سورۃ الاعراف آیت (۱۴۳) میں یوں بیان کیا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمَكْرِمْ كَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِيَخْرُجُوْا مِنْهَا اَهْلُهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ”یہ یقیناً ایک سازش ہے جو تم لوگوں نے شہر میں اس غرض سے کی ہے تاکہ اس کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال دو۔ پس تم عنقریب جان لو گے کہ تمہارا انجام کیا ہوتا ہے۔“

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس اتہام سے فرعون کا مقصود لوگوں کے دلوں میں معجزہ کی صداقت کے بارے میں شبہ ڈالنا تھا، تاکہ وہ بھی جادوگروں کی طرح ایمان نہ لے آئیں، ورنہ اسے معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے استاد نہیں تھے۔ فرعون نے ان نئے مسلمانوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تم سے ہر ایک کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا ایک پاؤں کاٹ دوں گا اور کھجوروں کے درختوں پر سولی دے کر لٹکا دوں گا، تب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ شدید اور دائمی ہے یا موسیٰ کے رب کا، جس کے ڈر سے تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو۔

(۲۶) ان جادوگر مسلمانوں پر اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ سچ ہے کہ ایمان صادق کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت پاؤں نہیں جھاسکتی، اس کے سیل رواں میں ہر مادی قوت خس و خاشاک کی مانند بہہ جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے جن معجزات الہیہ کا ظہور ہو چکا ہے، ان پر اور اس ذات برحق پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ اس لئے تمہیں جو کرنا ہو کر ڈالو، تمہارے فیصلے اور احکامات صرف اسی دنیا میں چلیں گے جو محض ایک عارضی ٹھکانا ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد تواب صرف آخرت کی کامیابی ہے۔ مفسر ابوسعود لکھتے ہیں کہ اگرچہ تفسیر کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ فرعون نے ان مسلمانوں کو سولی دے دی تھی، لیکن قرآن کریم یا رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے ثبوت نہیں ملتا کہ فرعون نے اپنے قول پر عمل کر دکھایا تھا، اور انہیں سولی دے دی تھی۔

إِنَّمَا أَمَّا رَبِّنَا لِيَلْعَنُفَنَا كَمَا خَطَبْنَا وَإِنَّمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْلَى ۖ إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۖ وَمَنْ يُؤْتِهِمْ مُّؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۖ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ۖ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَىٰ مُوسَىٰ أَن أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرَبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۖ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ اللَّيْلِ مَا عَاشَيْهِمْ ۖ وَأَصْلَ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۖ

بے شک ہم اپنے رب پر ایمان (۲۷) لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے، اور جادو کے ان کرتبوں کو بھی معاف کر دے جن پر تم نے ہمیں مجبور کیا تھا، اور اللہ کی ذات سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ﴿۴۳﴾ بے شک جو شخص (قیامت کے دن) اپنے رب کے سامنے مجرم کی حیثیت (۲۸) سے آئے گا، تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا ﴿۴۴﴾ اور جو شخص اس کے سامنے مومن کی حیثیت سے آئے گا، عمل صالح کئے ہوگا، تو انہیں بلند درجات ملیں گے ﴿۴۵﴾ ”عدن“ نام کی جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اور جو گناہوں سے پاک ہوتا ہے اسے ایسا ہی بدلہ ملتا ہے ﴿۴۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو وحی (۲۹) بھیجی کہ آپ میرے بندوں کو لے کر رات کے وقت نکل جائیے، پھر (اپنی لاشی کے ذریعہ) سمندر میں ان کے لئے ایک خشک راستہ بنا لیجئے، آپ نہ پکڑے جانے سے ڈریئے گا اور نہ دل میں کسی اور خوف کو جگہ دیتے گا ﴿۴۷﴾ پس فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، تو دریا کی موجوں نے انہیں اپنی پلیٹ میں لے لیا ﴿۴۸﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور انہیں سیدھی راہ پر نہ ڈالا ﴿۴۹﴾

(۲۷) جادو گر مسلمانوں نے فرط جوش ایمانی میں بلا خوف و خطر کہا کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں، تاکہ وہ ہمارے سابقہ گناہوں کو معاف کر دے، اور موسیٰ دہاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے جس جادوگری پر تم نے ہمیں مجبور کیا تھا اسے بھی معاف کر دے، اور ایمان و عمل صالح والوں کے لئے اللہ کا ثواب بہتر ہوتا ہے اور نافرمانوں کے لئے اس کے عذاب کی مدت لمبی ہوتی ہے۔

(۲۸) مفسر نسفی کہتے ہیں کہ آیات (۴۳/۴۴/۴۵) جادو گر مسلمانوں کا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، جس میں کافر و مومن کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ جس کی موت کفر پر ہوگی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں نہ اسے موت آئے گی کہ عذاب سے چھٹکارا پالے اور نہ ایسی زندگی ہوگی جس میں اسے سکون میسر ہو، وہاں وہ زندہ ہوتے ہوئے عذابِ نار سے ایسی شدید تکلیف اٹھائے گا کہ ہر دم اس پر موت کی کیفیت طاری رہے گی۔ اور جو اس دنیا میں ایمان و عمل صالح والی زندگی گزارے گا، قیامت کے دن اس کے درجات بلند ہوں گے اس کا ٹھکانا وہ جنتِ عدن ہوگی جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے اور یہ بدلہ اس کو ملے گا جس نے دنیا میں اپنے آپ کو کفر و معاصی کی آلائشوں سے پاک رکھا ہوگا۔ احمد و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور جب یہ آیت پڑھی تو فرمایا: ”جو لوگ جہنمی ہوں گے، جہنم میں انہیں نہ موت آئے گی، نہ ہی زندہ رہیں گے“۔ اور ابو داؤد نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَبْنَئِ إِسْرَائِيلَ قَدْ أَجْمَيْتُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الْغُورِ الْآيِينَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ﴿٢٩﴾
 كَلَّا مِمَّنْ طَبَّعْتَ مَا رَزَقْنَاكَ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَن يَحِلِّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ﴿٣٠﴾
 وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٣١﴾

اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن (فرعون) سے نجات (۳۰) دی، اور تم سے کوہ طور کے داہنے جانب آنے کا وعدہ لیا، اور تمہارے لئے من و سلویٰ نازل کیا ﴿۸۰﴾ (اور کہا کہ) ہم نے تمہیں جو عمدہ چیزیں روزی کے طور پر عطا کی ہیں، انہیں کھاؤ، اور اس بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہو جاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے ﴿۸۱﴾ اور میں بے شک بہت بڑا معاف کرنے والا ہوں اُسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، پھر سیدھی راہ پر چلتا رہتا ہے ﴿۸۲﴾

”جنت میں بلند مقامات والوں کو ان کے نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ روشن ستارے کو آسمان میں دیکھتے ہو، اور ابو بکر و عمر انہیں میں سے ہوں گے، اور کیا ہی خوب مقام ہوگا دونوں کا“۔

(۲۹) موسیٰ علیہ السلام ایک طویل مدت تک فرعون اور فرعونوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے، لیکن وہ اپنے کفر پر مصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر سرزمینِ مصر سے نکل جائیں۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ البقرۃ، سورۃ الأعراف اور سورۃ یونس میں گذر چکی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ بحرِ قلزم کی طرف جانے لگے تو فرعون نے اپنی فوج کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، اور اللہ کے فیصلہ کے مطابق سمندر کے کنارے پر نڈ بھیر ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنی لائھی پانی پر ماری، پانی دو طرف ہو گیا اور خشک راستہ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر بے خوف و خطر چل پڑے، اور پیچھے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر بھی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے، اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ جب بیچ میں پہنچا تو پانی نے انہیں ہر طرف سے آگھیرا اور سبھی اس میں غرق ہو گئے۔ فرعون نے اپنے کفر و استکبار کی وجہ سے اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈال دیا، اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی نہیں کی۔

(۳۰) بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی تھیں اور ان پر جو احسانات کئے تھے انہی کا ذکر ہوا ہے، اور انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ کا شکر بجالائیں تاکہ وہ نعمتیں باقی رہیں، اور ناشکری نہ کریں تاکہ اللہ کے عذاب و غضب سے بچے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دشمن فرعون سے نجات دی، پھر ان کی دینی رہنمائی کے لئے انہیں حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور کے پاس جائیں، تاکہ اللہ جب ان سے ہم کلام ہو تو اس منظر کو دیکھ کر ان کا ایمان راسخ ہو، اور تورات لے کر موسیٰ کے ساتھ واپس آکر اس پر عمل کریں۔

اللہ نے ان پر یہ بھی احسان کیا کہ میدانِ حیر میں انہیں کھانے کے لئے من و سلویٰ عطا کیا، اور نصیحت کی کہ ہماری دی ہوئی حلال روزی کھاؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو، ورنہ ہمارے غیظ و غضب کے مستحق ہو جاؤ گے، اور جس پر ہمارا غضب نازل ہو جاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے، اور جو کفر و شرک اور معصیت و نفاق سے توبہ کرتا ہے، ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کرتا ہے اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے، ہم اسے معاف کر دیتے ہیں۔

وَمَا آعَجَبَكَ عَنْ قَوْمِكَ يُؤْمِنُونَ ۖ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَى الْآرِئِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ۖ قَالَ فَإِنَّا لَأَقْدَمْنَا قَوْمَكَ
 مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۖ فَرَجَعَهُ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ يَقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبِّكُمْ وَعَدَّٰ حَسَنًا
 أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَادْتُمْ أَنْ نَبْعَلَّ عَلَيْكُمُ غَضَبًا مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَوْعِدِي ۖ قَالَوَأَمَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلَكِنَا
 لِكَيْ نَحْمِلَ آوَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدَتْ فَهَذَا كَذَلِكَ الْفَقِيَ السَّامِرِيُّ ۝

اور اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم سے پہلے آجانے میں کتنی جلدی (۳۱) کی ﴿۸۳﴾ موسیٰ نے کہا، وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، اور میرے رب! میں نے تجھ تک آنے میں جلدی کی تاکہ تو خوش ہو جائے ﴿۸۳﴾ اللہ نے کہا، ہم نے تو آپ کے آنے کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے، اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے ﴿۸۵﴾ تو موسیٰ اپنی قوم کے پاس غصہ کی حالت میں افسوس کرتے ہوئے لوٹے، کہا، اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا، کیا عہد و میثاق کی مدت لمبی ہو گئی تھی، یا تم نے خود ہی چاہا کہ تمہارے رب کا غضب تم پر نازل ہو جائے، اس لئے تم لوگوں نے مجھ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی ﴿۸۶﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنی مرضی سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی (۳۲) نہیں کی، بلکہ قبیلوں کے زیورات کا ہم پر بوجھ لاد گیا تھا، تو ہم نے اسے (آگ میں) ڈال دیا، اسی طرح (سامری کے پاس جو زیورات تھے) اس نے ڈال دیا ﴿۸۷﴾

(۳۱) فرعون کی ہلاکت کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر آگے بڑھے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو لے کر جبل طور کے پاس جائیں، اور وہاں چالیس دن اور رات کا روزہ رکھیں، تاکہ اللہ انہیں تورات عطا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ہم کلام ہونے کے شوق میں غلجٹ سے کام لیا اور اسیلے کوہ طور کی طرف روانہ ہو گئے، اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو کہا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر اطمینان سے آئیں۔ ان کی روانگی کے بعد "سامری" نے بنی اسرائیل کو فتنہ میں ڈال دیا۔ اس نے فرعونوں کے چھوڑے ہوئے زیورات سے ایک پتھر بنایا، اور اس میں جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے کھڑکے نیچے کی ایک مٹھی مٹی ڈال دی جس کی وجہ سے اس سے ایک آواز نکلنے لگی، اور بنی اسرائیل اس سے متاثر ہو کر اس کی عبادت کرنے لگے، اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں گئے۔ جب چالیس دن کی مدت پوری ہو گئی تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بنی اسرائیل کی گمراہی کی خبر دی۔

اس آیت کریمہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کو ان کی غلجٹ پر عتاب ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر تنہا آنے کی کیوں غلجٹ کی جبکہ آپ کو حکم یہ تھا کہ انہیں ساتھ لے کر آتے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، اور میں نے شدت شوق میں جلدی کی تھی تاکہ تیرے حکم کی بجا آوری میں مجھ سے ذرا بھی تاخیر نہ ہو، اور تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ جب اللہ نے انہیں بتایا کہ ہم نے آپ کی روانگی کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے، اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بہت ہی ناراض ہوئے اور بنی اسرائیل کے حال پر کف افسوس ملنے لگے، اور واپس آکر ان سے باز پرس ہوئے، اور انہیں اللہ کا وعدہ یاد دلایا کہ اس نے تو مجھے کوہ طور کے پاس اس لئے بلایا تھا کہ تمہیں تورات دے، لیکن تم احسان فراموش نکلے، اور چند دن بھی میرا انتظار نہ کر سکے اور مجھ سے عقیدہ تو حید

فَأَخْرَجَهُ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا آلَ الْهَوَىٰ فَمَا لَوْ هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ قَسِيًّا ۖ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ إِلَهُكُمُ الْيَوْمَ قَوْلًا لَا يُؤْتِيكُمْ بِهِمْ صُرًا وَلَا تَنْقَعًا ۖ وَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يُعْذِرُ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ مَثَلُهَا ۚ وَإِنْ رَبُّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۖ قَالُوا لَنْ نُبْرِحَ عَلَيْكَ عَظْمَيْنِ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۖ قَالَ يَهْرُونَكَ مَأْمَعًا ۖ إِذَا لَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۖ أَتَتَّبِعُونَ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۖ قَالَ يَبْنَؤُنَّ إِلَّا نَخْذُ بِلْحِيَّتِي ۖ وَلَا يَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْفُقْ قَوْلِي ۖ

پھر سامری نے ان کے لئے (ان زیورات سے) ایک پھڑے کا جسم بنا کر نکالا جس سے گائے کی آواز نکلتی تھی، تو سامری کے پیروکاروں نے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی، لیکن موسیٰ بھول گئے ہیں ﴿۸۸﴾ کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ وہ پھڑان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا ہے، اور نہ انہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے ﴿۸۹﴾ اور ہارون نے تو انہیں اس کے پہلے خبردار (۳۳) کر دیا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم پھڑے کے ذریعہ فتنہ میں پڑ گئے ہو، اور بے شک تمہارا رب رحمن ہے، پس تم لوگ میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو ﴿۹۰﴾ سامریوں نے کہا، ہم تو اسی پھڑے کی عبادت پر جسے یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر آجائیں ﴿۹۱﴾ موسیٰ نے کہا، اے ہارون! آپ نے جب ان سب کو گمراہ ہوتے دیکھا تو کس چیز نے آپ کو روک دیا ﴿۹۲﴾ کہ آپ میرے پیچھے نہ آئے، کیا آپ نے میرے حکم کی مخالفت کی ﴿۹۳﴾ ہارون نے کہا، اے میری ماں کے بیٹے! تم میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑو، مجھے ڈر ہوا، تم کہو گے کہ میں نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق پیدا کر دی، اور کہو گے کہ تم نے میرے حکم کا انتظار نہیں کیا ﴿۹۴﴾

پر ثابت قدمی کا جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دے دی۔

(۳۲) بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم نے اپنی مرضی سے آپ سے کئے گئے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی ہے، بلکہ ہوا یہ کہ ہماری عورتوں کے پاس فرعونوں کے جو زیورات تھے، جب آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو ”سامری“ نے ہم سے کہا کہ یہ تاخیر اس لئے ہو رہی ہے کہ تمہارے پاس فرعونوں کی عورتوں کے جو زیورات ہیں وہ تمہارے لئے حلال نہیں ہیں، اس لئے تم لوگ ان سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ چنانچہ ہم نے تمام زیورات کو ایک گڈھے میں پھینک دیا۔ پھر سامری نے ان زیورات سے ایک پھڑا بنا لیا جس سے ایک آواز نکلتے لگی، تو سامری اور اس کے ساتھیوں نے لوگوں سے کہا کہ یہی ہمارا اور موسیٰ کا رب ہے، موسیٰ نے غلطی کی ہے کہ اپنے رب کی تلاش میں کوہ طور کی طرف گئے ہیں۔

آیت (۸۹) میں اللہ تعالیٰ نے انہی پھڑے کے مٹھاریوں کی عقل پر ماتم کیا ہے کہ کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ وہ پھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ہی ان کا کوئی نفع و نقصان اس کے اختیار میں ہے، پھر اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں!؟ (۳۳) ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تنبیہ کی تھی کہ تم لوگ پھڑے کو اپنا معبود بنا کر گمراہ ہو گئے ہو، تمہارا رب وہ اللہ ہے جس کی صفت رحمن ہے، اس لئے میری بات مانو اور اسی کی عبادت کرو۔ تو ان گمراہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک ہم اپنے اسی معبود کی عبادت کریں گے۔ ہارون علیہ السلام نے جب اس بت پرستی پر ان کا اصرار دیکھا تو ان بارہ ہزار افراد کو

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مَرْيَمُ ۖ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةَ مَرْنِ اِثْرِ الرَّسُولِ فَوَدَعْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝

موسیٰ نے کہا (۳۴) اے سامری! تمہارا کیا معاملہ ہے ﴿۹۵﴾ اس نے کہا، میں نے وہ چیز دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی، تو میں نے جبریل کے پاؤں تلے کی ایک مٹی مٹی لے لی، پھر اسے پھڑے کے ڈھانچے میں ڈال دی، اور میرے نفس نے مجھے اسی طرح کرنے کو اچھا بتا دیا ﴿۹۶﴾

لے کر الگ ہو گئے جنہوں نے پھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام جب واپس پہنچے، اور لوگوں کو پھڑے کے گردناچتے اور گاتے دیکھا تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہنے لگے کہ جب آپ نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تو آکر مجھے خبر کیوں نہیں کی، آپ نے میرے حکم کی کیسے مخالفت کی۔ شدت ناراضگی میں ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے، تو ہارون علیہ السلام نے کہا، میرے بھائی! میری داڑھی اور سر کے بال نہ کھینچو، میں نے تو یہ سوچا کہ اگر میں صرف موحدین کو لے کر تمہارے پاس آجاتا ہوں، اور پھڑے کی عبادت کرنے والوں کو چھوڑ دیتا ہوں تو تم کہو گے کہ آپ نے بنی اسرائیل کو دو حصوں میں بانٹ دیا، اور میری بات کا خیال نہیں کیا کہ میری عدم موجودگی میں ان کی دیکھ بھال کیجئے گا۔

قرطبی لکھتے ہیں: امام ابو بکر طرطوشی سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا، جو ذکر اللہ اور ذکر رسول (ﷺ) کے لئے جمع ہوتے ہیں، ڈھول بجاتے ہیں، اور ناچتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ صوفیاء کا مذہب بے کاری، جہالت اور گمراہی کا مجموعہ ہے، اسلام قرآن و سنت کا نام ہے۔ عبادت کے لئے رقص و سرود کا استعمال سب سے پہلے ”سامری“ نے کیا تھا، اسی نے پھڑا بنا کر لوگوں کو اس کی عبادت کی دعوت دی تھی، اور اس کے گرد رقص و سرود کی محفلیں جمائی تھی۔

معلوم ہوا کہ یہ کافروں کا اور پھڑے کی عبادت کرنے والوں کا دین ہے۔ اور ڈھول کا استعمال سب سے پہلے زندیقوں یعنی بے دینوں نے کیا جن کا مقصد مسلمانوں کو قرآن کریم کی تلاوت سے دور رکھنا تھا۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی مجلس تو ایسی ہوتی تھی کہ گویا ان کے سر دل پر چڑیاں بیٹھی ہوں۔ اس لئے کسی مسلمان کے لئے ایسی مجلسوں میں شریک ہونا حلال نہیں ہے جو عبادت کے نام پر رقص و سرود کے لئے منعقد کی گئی ہوں۔ ائمہ کرام مالک، ابو حنیفہ، شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہم کا یہی مذہب ہے۔

(۳۴) سامری درحقیقت منافق تھا، اور بظاہر اسلام قبول کرنے سے پہلے گائے کی پوجا کرتا تھا، اس لئے جو نبی اسے موقع ملا اپنے کفر کی طرف لوٹ گیا، اور لوگوں کو پھڑے کی عبادت کی دعوت دینے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور لوگوں کو پھڑے کی عبادت کی طرف کیوں بلایا؟ تو جواب دیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ چیز دیکھی تھی جو تمہاری قوم نے نہیں دیکھی تھی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سامری کو فتنہ میں ڈالنا چاہا، اس لئے اس نے جبریل علیہ السلام کو ایک گھوڑے پر سوار دیکھا، اور دیکھا کہ جہاں گھوڑے کی ٹاپ پڑی اس جگہ پودے اُگ گئے۔ سامری دیکھ کر سمجھ گیا کہ اگر جبریل کے گھوڑے کے کھڑکی مٹی کسی جہاد پر ڈال دی جائے گی تو اس میں زندگی آجائے گی۔ اسی لئے اس نے اس مٹی کو محفوظ کر لیا۔ اور جب پھڑا بنایا تو اس کے اندر وہ مٹی ڈال دی جس کے اثر سے اس سے پھڑے کی آواز آنے لگی۔

قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لِمَ سَأَسْ - وَإِنَّكَ لَكَ مَوْعِدٌ لَنْ تُخْلَفَهُ، وَانظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّتِي ظَلَمْتَ عَلَيْهِ عَالِمًا، لَمْ تَسْأَلْهُ ثُمَّ لَنْ نَسْفِكَ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۱﴾ كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ كُنْهَاتِ كُرْآنِكَ ﴿۹۲﴾ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ﴿۹۳﴾ خَلْدَيْنِ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ﴿۹۴﴾

تو موسیٰ نے کہا (۳۵) تم دور ہو جاؤ، اب تم (بخارا ابھر جانے کے ڈر سے) زندگی بھر لوگوں سے یہی کہتے رہو گے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے، اور قیامت میں تیرے عذاب کا ایک اور وعدہ ہے جس کی تمہارے ساتھ خلاف ورزی نہیں ہوگی، اور اپنے معبود کو دیکھو (۳۶) جس کی عبادت پر تم جبرے تھے، ہم اُسے یقیناً جلا دیں گے، پھر اس کی راکھ دریا میں بکیر دیں گے ﴿۹۰﴾ بے شک تم سب کا معبود (۳۷) وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کو محیط ہے ﴿۹۱﴾ (اے میرے نبی!) ہم اسی طرح آپ کو گزشتہ قوموں کی خبریں (۳۸) سناتے رہتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے قرآن دیا ہے ﴿۹۲﴾ جو اس سے روگردانی کرے گا، وہ قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا ﴿۹۳﴾ اور ایسے لوگ اُن گناہوں کو ہمیشہ اٹھائے پھریں گے، اور قیامت کے دن ان کے لئے وہ بڑا ہی بُرا بوجھ ہوگا ﴿۹۴﴾

(۳۵) موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی زبانی تفصیلات سننے کے بعد، اللہ کے حکم سے اسے شہر بدر کر دیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ کوئی آدمی بھی اس سے بات نہ کرے اور ہر شخص اس سے قطع تعلق کر لے، ایک مفہوم تو یہ ہے۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے اسے اللہ کا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوٹ کی بدترین بیماری لگ گئی۔ وہ اب جب تک زندہ رہے گا اُس کا حال یہ ہوگا کہ کسی کو اپنے قریب نہ آنے دے گا، اور ہر شخص سے کہے گا کہ میرے قریب نہ آؤ۔ ﴿لَا مَسَاسَ﴾ کا لغوی معنی یہ ہے کہ ”مجھے کوئی نہ چھوئے اور میں کسی کو نہ چھوؤں“ علمائے تفسیر نے اس کا سب سے بہتر مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سامری پر لوگوں کی قربت کو حرام کر دیا، وہ جب بھی کسی کو چھو تادونوں کو شدید بخارا آجاتا۔ اس لئے کسی آدمی کو اپنے سے قریب ہوتے دیکھ کر بھاگ پڑتا اور چیختے لگتا کہ میرے قریب نہ آؤ۔ چنانچہ وہ شہر سے نکل کر جنگل میں چلا گیا اور جانوروں کی سی زندگی گزارنے لگا، اور اسی حال میں مر گیا، قرآن کے ظاہری الفاظ اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ اس نے جبریل کے گھوڑے کے کھڑکی مٹی چھو کر بنی اسرائیل کو گانے کی عبادت پر لگادیا تھا، اسی لئے اللہ نے اسے یہ سزا دی کہ اس کے بعد زندگی بھر وہ کسی آدمی کو نہ چھوسکا۔ یہ دنیاوی سزا تھی جو سامری کو اللہ کی جانب سے ملی، اور عذابِ آخرت کے بارے میں اسے بتایا گیا کہ اس کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو تمہیں اُسے بھگتنا پڑے گا، کسی حال میں بھی تم اس سے بچ نہ سکو گے۔

(۳۶) موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا کہ تم اپنے جس معبود کے سامنے ہر دم بھگتے رہتے تھے، ہم اسے جلا کر خاکستر بنادیں گے، اور اس کی راکھ سمندر میں بکیر دیں گے تاکہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، ان کا مقصد سامری اور دیگر بُت پرستوں کے سامنے ان کے اس جھوٹے اور حقیر معبود کی حقارت کا اظہار تھا۔

(۳۷) سامری کے مشرکانہ عقیدے اور بُت پرستی کی تردید کے بعد، موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے عقیدہ توحید

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۖ يَخِرُّونَ بِأَيْدِيهِمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۖ لَوْ كُنْتُمْ عَالِمِينَ
 بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ اذْ يَقُولُ أَثْلَمْتُمْ طَرِيقَةً ۖ اذْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا
 فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۗ

جس دن صور^(۳۹) پھونک دیا جائے گا، اور ہم مجرموں کو اُس دن میدانِ محشر میں اکٹھا کریں گے در انحالیکہ ان کی آنکھیں (مارے خوف کے) نیلی پتھرائی ہوئی ہوگی ﴿۱۰۲﴾ چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم لوگ (دنیا میں) صرف دس دن رہے تھے ﴿۱۰۲﴾ وہ لوگ جو کہیں گے ﴿۳۰﴾ اُسے ہم خوب جانتے ہیں، جب کہ اُن میں سب سے اچھی رائے والا کہے گا کہ تم لوگ تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے ﴿۱۰۳﴾ اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال^(۴۱) کرتے ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا ﴿۱۰۵﴾ پھر زمین کو صاف میدان بنا کر چھوڑ دے گا ﴿۱۰۶﴾ نہ اس میں آپ کوئی کچی دیکھئے گا اور نہ ہی کوئی ٹیلہ ﴿۱۰۷﴾

کو بیان کیا ہے کہ تم سب کا معبود اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، نہ کہ وہ بچھڑا جس کے ذریعہ سامری نے تم سب کو گمراہ کر دیا تھا۔ پھر کہا کہ اس ذاتِ واحد کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اور اس کے سوا ہر شخص کا علم ناقص اور اس کی قدرت ناقص ہے، اس لئے اس کے سوا کوئی دوسرا معبود کیسے ہو سکتا ہے!؟

(۳۸) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کے لئے مذکورہ بالا آیتوں میں موسیٰ و فرعون اور موسیٰ و بنی اسرائیل کے واقعات بیان کئے ہیں، اسی طرح آئندہ بھی گذشتہ قوموں کے عبرت آموز واقعات سنائیں گے۔ اور ہم نے آپ کو خاص طور سے قرآن جیسی عظیم کتاب دی ہے، جس میں مومنوں کے لئے نصیحتیں اور عبرت آموز خبریں ہیں۔ ایسی کامل و جامع کتاب کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی۔ جو اس سے اعراض کرے گا، اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا، وہ اپنے کفر کی وجہ سے میدانِ محشر میں بہت سارے گناہوں کے ساتھ آئے گا جو اس کے ناتواں کندھے پر بہت بھاری بوجھ ہوں گے، جنہیں لئے وہ جہنم میں چلا جائے گا۔

(۳۹) یہاں مراد دوسرا "صور" ہے، جس کے پھونکنے جانے کے بعد تمام لوگ زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف چل پڑیں گے، اور اس کی دلیل آیت کا دوسرا حصہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کر دی ہے کہ اُس دن ہم مجرموں کو جمع کریں گے اس حال میں کہ ان کے چہرے مارے رعب و دہشت کے سیاہی لئے زرد ہوں گے، اور ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہیں گے کہ دنیا میں ہماری عیش پرستی کی زندگی دس دن سے زیادہ کی نہیں تھی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آخرت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دنیا میں گزارے ہوئے خوشیوں کے ایام چند روزہ لگیں گے، اور افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے صلاح و تقویٰ کی زندگی گزارنی ہوتی تو اس ابدی زندگی میں ذلت و سوائی اور عذاب و عقاب کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

(۴۰) اُن مجرمین میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کی رائے دنیاوی زندگی اور اس کی خوش رنگیوں کے بارے میں حقیقت کے زیادہ قریب ہوگی، ان پر قیامت کی ہولناکیوں کا ایسا اثر ہوگا کہ وہ مجرمین کی مذکورہ بالا بات کی تردید کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہماری دنیاوی زندگی تو صرف ایک دن سے عبارت تھی۔ آیت سے مقصود دنیا کی زندگی کی حقارت اور بے مانگی ثابت کرنی ہے،

يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُونَ الذَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۗ يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ ۗ

اُس دن وہ لوگ پکارنے والے (۳۲) کے پیچھے ہو لیں گے، ذرا بھی انحراف نہیں کریں گے، اور رحمن کے رُعب سے تمام آوازیں بند ہو جائیں گی، پس آپ ہلکی آہٹ کے سوا کچھ بھی نہیں سنیں گے ﴿۱۰۸﴾ اُس دن سوائے اس آدمی کے کسی کی شفاعت (۳۳) کام نہ آئے گی جسے رحمن شفاعت کرنے کی اجازت دے اور اس کی اس بات کو پسند کر لے (یا اُس دن سوائے اُس آدمی کے کسی کے لئے شفاعت مفید نہیں ہوگی جس کے لئے رحمن کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت دے دے اور اس کے لئے اس بات کو پسند کر لے) ﴿۱۰۹﴾ جو کچھ انسانوں کے آگے (۳۴) ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے، اور لوگوں کا علم اُس کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے ﴿۱۱۰﴾

اور یہ کہ یہ بات مجرمین کی زبانوں پر قیامت کے دن کھل کر آئے گی اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے اُس چند روزہ زندگی کے عیش میں مشغول ہو کر آخرت کی تیاری کو فراموش نہ کیا ہوتا؟!

(۳۱) مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ تو اللہ نے آپ ﷺ سے فرمایا، آپ انہیں جواب دے دیجئے کہ میرا رب انہیں جڑ سے اکھاڑ کر ریت بنا دے گا، پھر روٹی کے گالے کی طرح انہیں فضا میں اُڑا دے گا، اور ان کی جگہیں برابر اور چکنی ہو جائیں گی جن میں نہ کوئی پودا ہوگا اور نہ کوئی عمارت، اور نہ زمین کا کوئی حصہ اونچا نیچا ہوگا۔

(۳۲) اس دن تمام لوگ دائمی محشر کے پیچھے چل پڑیں گے، کوئی بھی اس کی راہ سے ادھر ادھر نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے رُعب و دبدبہ سے پورے میدان محشر پر سکوت طاری ہوگا، کوئی دھیمی آواز بھی نہیں سنائی دے گی۔

(۳۳) قیامت کے دن اسی شخص کی شفاعت کسی دوسرے کے حق میں قبول ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور جس کی بات اس کی جناب میں قابل قبول ہوگی۔ اور اس کی شفاعت اسی شخص کے حق میں قبول ہوگی جس کے لئے شفاعت کی اجازت دی جائے گی، اور جس کی خاطر شفاعت کرنے والے کی شفاعت قابل قبول ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ ”وہ کسی کی سفارش نہیں کریں گے سوائے ان کے جن سے اللہ خوش ہو“۔

مفسر بغوی لکھتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ غیر مومنوں کے لئے کوئی شفاعت نہیں ہوگی۔ صاحب ”فتح البیان“ لکھتے ہیں کہ یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے کہ فاسقوں کے حق میں شفاعت ہوگی، اس لئے کہ کلمہ شہادت یقیناً ایسا قول ہے جو اللہ کو پسند ہے۔

(۳۴) اہل محشر کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا، کون جنت میں داخل کیا جائے گا اور کسے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، اور ان سب نے دنیا میں کیا اچھے یا بُرے اعمال کئے تھے، ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لئے قیامت کے دن اس کا فیصلہ یقیناً عدل و انصاف کے مطابق ہوگا، اور اس کی رحمت ہر حال میں عذاب پر غالب ہوگی۔ مخلوق کا علم اس کی ذات و صفات، اور اس کے

وَعَنْتَ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعَلَّى اللَّهُ الْمَلِئِكُ الْحَقَّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

اور (اُس دن) تمام چہرے اس ذات کی بارگاہ میں جھکے (۳۵) ہوں گے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور جس کے ذریعہ آسمان وزمین کی ہر چیز قائم ہے، اور جو ظلم و شرک کر کے آئے گا وہ خائب و خاسر ہو گا ﴿۱۱۳﴾ اور جو نیک اعمال (۳۶) کرے گا در انحالیکہ وہ مومن ہو گا، اسے کسی ظلم و زیادتی اور کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہو گا ﴿۱۱۳﴾ اور اس طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان (۳۷) میں نازل کیا ہے، اور اس میں ہم نے لوگوں کو دھمکی دینے اور ڈرانے کے مختلف انداز اختیار کئے ہیں تاکہ وہ تقویٰ کی راہ اختیار کریں، یا (قرآن) اُن کے دل میں کوئی عبرت و نصیحت پیدا کر دے ﴿۱۱۳﴾ پس بہت ہی عالی شان والا (۳۸) ہے وہ اللہ جو سارے جہاں کا بادشاہ ہے، اور آپ قرآن کو یاد کرنے کی جلدی (۳۹) نہ کیجئے، اس سے قبل کہ آپ پر اس کی وحی پوری ہو جائے، اور دعا کیجئے کہ میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے ﴿۱۱۳﴾

علوم و احکام کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(۳۵) قیامت کے دن تمام اہل محشر کی گردنیں اللہ کے سامنے جھکی ہوں گی جس کی صفت "حی" ہے، یعنی جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اور جس کی صفت "قیوم" ہے، یعنی جسے کبھی نیند نہ آئی اور نہ کبھی آئے گی، جو ہر چیز کا محافظ و مدبر ہے، وہ اپنی ذات و صفات میں کامل ہے اور ہر شے اس کی محتاج ہے۔

(۳۶) دنیا میں جس کی موت شرک پر ہو گی، وہ آخرت میں بہت بڑا خسارہ اٹھانے والا ہو گا، اور جو حالت ایمان میں عمل صالح کر کے دنیا سے رخصت ہو گا، نہ اس کے گناہوں میں زیادتی کی جائے گی اور نہ ہی اس کی نیکیاں کم کی جائیں گی۔

(۳۷) چونکہ قیامت کا آنا اور نیکی بدی کا بدلہ پانا یقینی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل فرمایا، تاکہ وہ انسانوں کو جنت کی خوشخبری دے اور جہنم سے ڈرائے۔ اس میں مختلف قسم کی دھمکیاں ہیں، تاکہ لوگ کفر و معاصی سے بچیں، اور اس میں گزشتہ اقوام کی ہلاکتوں کے واقعات بھی ہیں تاکہ انہیں سُن کر اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی بلند و عظیم نہیں ہے، اس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے، اور اس کے ارادہ و مشیت میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا ہے، اور اس سے زیادہ کوئی عدل پرورد نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کا پورا پورا راجع دیتا ہے۔

(۳۹) جب جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو قرآن پڑھاتے، تو شدت احتیاط کی وجہ سے ہر حرف اور ہر کلمہ ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے بلکہ انتظار کیجئے تاکہ آپ آیتوں کو اچھی طرح سن اور سمجھ لیجئے، اور پھر انہیں یاد کیجئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القیامہ آیات (۱۷/۱۷) میں فرمایا ہے: ﴿لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝﴾

اِنْ عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنَهُ ۝ ﴿اے نبی! آپ قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے، اس کو جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کو پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ قَنُوبِ وَلَمْ يَجِدْ لَهُ عِزْمًا ۖ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ۖ وَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشقى ۖ إِنَّ لَكَ الْأَتْرَافَ وَبِهَا وَ لَا تَعْرَىٰ ۖ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۖ

اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد و پیمان (۵۰) لیا تھا، تو وہ بھول گئے، اور ہم نے ان کے ارادے میں چٹنگی نہیں پائی ﴿۱۱۵﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب آدم کو سجدہ (۵۱) کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اُس نے انکار کر دیا ﴿۱۱۶﴾ تو ہم نے کہا، اے آدم! بے شک یہ (ابلیس) تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے، پھر تم تکلیف اٹھاتے پھرو ﴿۱۱۷﴾ جنت میں نہ تمہیں کبھی بھوک (۵۲) لگے گی اور نہ تم تنگے ہو گے ﴿۱۱۸﴾ اور نہ اُس میں تمہیں پیاس لگے گی، اور نہ تم دھوپ میں رہو گے ﴿۱۱۹﴾

آیت کریمہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیحت کی ہے کہ آپ اپنے رب سے زیادہ جی علم کی دعا کرتے رہیں۔ صاحب ”فتح البیان“ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو علم کے سوا کسی چیز میں زیادتی طلب کرنے کی نصیحت نہیں کی۔

(۵۰) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو جب جنت میں ٹھہرایا تو ان سے عہد لیا کہ وہ ایک مخصوص درخت کا پھل نہیں کھائیں گے، اور شیطان کے کسی بہکاوے میں نہیں آئیں گے، لیکن وہ اس عہد پر قائم نہیں رہے اور شیطان کی بات مان کر انہوں نے ممنوع درخت کا پھل کھا لیا۔ آدم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کا بھی یہی حال رہا، وہ بھی اپنے باپ کی طرح عہد فراموش رہی اور اپنے دشمن شیطان کی اطاعت کرتی رہی، اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالتی رہی۔ اس لئے اے میرے نبی (ﷺ) اگر آپ کی قوم بھی شیطان کی اتباع کرتی ہے اور ایمان نہیں لاتی تو آپ کو غمگین نہیں ہونا چاہئے۔

(۵۱) اللہ سے عہد کرنے کے بعد آدم نے عزم کیا تھا کہ وہ اس کے ہر حال میں پابند رہیں گے، لیکن شیطان ان کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ ان کے عزم کی چٹنگی جاتی رہی۔ مذکور ذیل آیتوں میں اسی کی تفصیل ہے:

اللہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو یہ واقعہ سنا دیجئے، جب ہم نے فرشتوں کو آدم کے لئے اظہارِ تعظیم کے طور پر سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، تو تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی، لیکن ابلیس جو جنوں میں سے تھا اس نے کبر و غرور میں آکر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، تو ہم نے آدم سے کہا کہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ تم دونوں اس کی بات مان لو اور تمہیں جنت سے نکل جانا پڑے، اور دنیا میں جا کر اپنے اور اپنی بیوی کے کھانے کے لئے کھیتی اور محنت و مزدوری کرنی پڑے، جو تمہاری پریشانی کا باعث ہو۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ سورۃ البقرہ میں گذر چکا ہے۔

(۵۲) اللہ نے یہ بھی کہا: اے آدم! ہم نے تمہیں بہت بڑی نعمت دی ہے، اس کی حفاظت کرنا، کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ یہ نعمت تم سے چھین جائے۔ یہ وہ جنت ہے جس میں تمہیں نہ بھوک لگے گی نہ ہی اس میں کپڑوں کی ضرورت ہوگی، نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ کی تمازت تمہیں تکلیف دے گی۔

فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا أدمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةٍ الْعُلْدِ وَمَلِكِ الْإِبْلِیِّ ۖ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَّتْ لهما سَوَاتِنُهُما وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَیْهِما مِنْ وُرْقِ الْجَنَّةِ وَوَعَصَى ادمُ رَبَّهُ فغَوَى ۖ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَوَهَّدَهُ ۖ قَالَ اهْبِطَا مِنْها جَمِیعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَأَنَا یابِئَاتِكُمْ مَبْتُی هُدًى ۖ فَمَنْ اتَّبَعَهُ هَدَاى فَلا یضِلُّ وَلا یسقی ۖ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِى فَإِنَّ لَهُ مَعِیشَةً ضَنْكًا ۖ وَنَحْشُرُهُ یَوْمَ الْقِیامَةِ اَعْمًى ۖ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِى اَعْمًى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ۝

لیکن شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ (۵۳) پیدا کیا، کہا، اے آدم! کیا میں تمہیں وہ درخت بتا دوں جسے کھا کر تم جنت میں ہمیشہ رہو گے اور کبھی پرانی نہ ہونے والی حکومت پالو گے ﴿۱۲۰﴾ پس دونوں (میاں بیوی) نے اُس درخت میں سے کھا لیا (کھاتے ہی) دونوں کی شرمگاہیں کھل گئیں، اور دونوں جنت کے پتے لے کر اپنے جسموں پر چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو گمراہ ہو گئے ﴿۱۲۱﴾ پھر اُن کے رب نے انہیں چن لیا، تو ان کی توبہ قبول کر لی، اور انہیں راہ راست پر ڈال دیا ﴿۱۲۲﴾ اللہ نے کہا، تم دونوں جنت سے نیچے (۵۴) (زمین پر) چلے جاؤ، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے، پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے، تو جو شخص میری ہدایت کی اتباع کرے گا، وہ دنیا میں گمراہ نہیں ہوگا، اور نہ آخرت میں تکلیف اٹھائے گا ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص میری یاد سے روگردانی (۵۵) کرے گا، وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا، اور قیامت کے دن اُسے ہم اندھا اٹھائیں گے ﴿۱۲۴﴾ وہ کہے گا، میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے، دنیا میں تو میں خوب دیکھنے والا تھا ﴿۱۲۵﴾

(۵۳) لیکن شیطان جو گھات میں لگا تھا، اس نے آدم کے دل میں وسوسہ پیدا کرنا شروع کیا اور کہا اے آدم! کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت بتاؤں جسے کھانے کے بعد تم دونوں جنت سے کبھی نہ نکلو گے، اور ہمیشہ کے لئے یہاں تمہارا راج رہے گا؟ دونوں اس کے بہکاوے میں آ گئے اور اس ممنوع درخت کا پھل کھا لیا، جس کے نتیجے میں دونوں نکلے ہوئے، تو درختوں کے پتے توڑ توڑ کر پردہ پوشی کرنے لگے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی طبیعت میں یہ بات ودیعت کر دی تھی کہ وہ نگار ہنا گوارہ نہیں کریں گے۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور شیطان کی بات مان کر ممنوع درخت کا پھل کھا لیا تو گمراہی کی راہ پر پڑ گئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان سے اس غلطی کا ارتکاب مقام نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ہوا تھا۔ اس غلطی کی انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا اور اپنی پیغامبری کے لئے انہیں چن لیا۔

(۵۴) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ " اھبطا " سے مراد ابلیس و آدم ہیں، اور حوا اپنے شوہر آدم کے تابع ہے۔ اور بعض دوسروں کا خیال ہے کہ اُس سے مراد آدم و حوا ہیں، اس لئے کہ باقی انسان انہی دونوں سے وجود میں آئے ہیں۔ اس کے بعد جمع کے صیغہ سے وہ دونوں اور ان کی اولاد سبھی مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا اور ابلیس سے کہا کہ تم لوگ جنت سے نکل کر زمین پر چلے جاؤ، جہاں تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، ابلیس انسانوں کا دشمن ہوگا، اور انسان آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ وہاں جب تمہارے پاس میرا کوئی رسول آئے اور میرا پیغام پہنچائے، تو جو شخص میرے صحیحہ گئے دین کی پیروی کرے گا، نہ وہ دنیا میں گمراہ اور نہ آخرت میں بد بخت ہوگا۔

قَالَ كَذَلِكَ أَنتُكَ إِنَّمَا فَتِيتَنَا ۖ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنذِي ۖ وَكَذَلِكَ نُجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ
لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ۖ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا هَدَيْنَا قَبْلَهُمْ ۚ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّهْيِ ۗ وَكُلًّا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزُلَمَاءِ وَجَلُّ مُسْمًى ۝

اللہ کہے گا، اسی طرح تمہارے پاس میری آیتیں آئی تھیں تو تم نے انہیں بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج تم بھلا دیئے جاؤ گے ﴿۱۲۶﴾ اور جو حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا ہے، اُسے ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور طویل مدت تک باقی رہنے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ کیا انہیں اس بات سے ہدایت نہیں ملی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک ﴿۵۶﴾ کر دیا، جن کے گھروں میں اب یہ لوگ چل رہے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۱۲۸﴾ اور اگر آپ کے رب کی جانب سے پہلے ہی ایک فیصلہ ﴿۵۷﴾ نہ ہو چکا ہوتا اور (قیامت کا) ایک مقرر وقت نہ ہوتا تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا ﴿۱۲۹﴾

(۵۵) جو شخص اللہ کے دین سے اعراض کرتا ہے، اور قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس عمل بد کا یہ بدلہ دیتا ہے کہ ہر چہار جانب سے اسے تنگی گھیر لیتی ہے، اور روزی کی کشادگی کے باوجود اس کا سکون و اطمینان چھن جاتا ہے، اور مرنے کے بعد اس کی قبر بھی اس پر تنگ ہو جاتی ہے، اور اس کی برزخ کی طویل زندگی شقاوت و بدبختی سے عبارت ہوتی ہے، اور قیامت کے دن اسے اندھا ٹھہرایا جائے گا، اور جب اپنی اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا کہ میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں بنا دیا ہے، میں تو دنیا میں اور قبر سے اٹھنے تک آنکھوں والا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ تم دنیا میں اسی طرح آنکھیں رکھنے کے باوجود دل کے اندھے تھے اور ہماری آیتوں کو ٹھکراتے تھے، اس لئے آج تم جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہارا پرسان حال نہ ہوگا۔

آیت (۱۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی شہوتوں میں منہمک ہو کر اللہ کے دین کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اللہ انہیں دنیا و آخرت میں ایسا ہی بدلہ دیتا ہے، اور آخرت کا عذاب بڑا ہی دردناک اور بہت ہی طویل ہوگا۔

(۵۶) مشرکین قریش کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ کیا ہماری کتاب اور ہمارے رسول کو جھٹلانے والے ان کافروں کی عبرت کے لئے بہت سی اقوام گذشتہ کی ہلاکتوں کے قصے کافی نہیں ہیں، وہ تو عادی و ثمود اور لوط کی بستیوں سے گذرتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔ بے شک عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے ان واقعات میں بڑی عبرت آموز باتیں ہیں۔ سورۃ الحج آیت (۲۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ "کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی جو ان کے دل ان باتوں کو سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان واقعات کو سن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

(۵۷) قاشانی لکھتے ہیں کہ اس امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ اسے یکسر تباہ و ہلاک نہیں کرے گا، اس لئے کہ

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْتَهُمُ آزْوَاجًا فَهُمْ زَهْرَةٌ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا هَلْ نَنبَغُ لَهُمْ فَنُؤِذُ بِرِزْقِ رَبِّكَ خَيْرًا وَأَبْغَىٰ ۝

پس کفار مکہ (آپ کے بارے میں) جو کچھ کہتے (۵۸) ہیں اس پر صبر کیجئے، اور اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کرنے کے لئے تسبیح پڑھئے، آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے، اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح پڑھئے، اور دن کی ابتدا اور انتہا کے وقت، تاکہ آپ خوش رہئے ﴿۱۳۰﴾ اور آپ اپنی آنکھیں (۵۹) دنیاوی زندگی کی اُن عارضی رونقوں پر نہ ڈالئے جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو بہرہ ور کر رکھا ہے، تاکہ ہم انہیں ان کے ذریعہ فتنہ میں ڈال دیں، اور (آپ کے لئے) آپ کے رب کی دی ہوئی روزی زیادہ بہتر اور دیرپا ہے ﴿۱۳۱﴾

نبی کریم ﷺ سرِ پارسا رحمت ہیں، یہی وجہ ہے کہ مشرکین مکہ کے ہزار کفر و سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں کیا، بلکہ ان کا معاملہ آخرت کے دن تک کے لئے اٹھا رکھا، ورنہ ان کا کفر و استکبار تو ایسا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں اسی دنیا میں ہی اپنی گرفت میں لے لیتا۔

(۵۸) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ جو آپ کو جادو گر، شاعر، کاہن، اور کذاب وغیرہ کہا کرتے ہیں، تو آپ ان باتوں کا خیال نہ کیجئے، ان کو عذاب دیئے جانے کا جو وقت مقرر ہے اس وقت انہیں کوئی نہیں بچا سکے گا، آپ صبر و سکون کے ساتھ اپنے رب کی حمد و ثناء میں لگے رہئے، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی تعریف بیان کرنے کے لئے تسبیح پڑھئے، یعنی فجر و عصر کی نمازوں کا خوب اہتمام کیجئے، اور رات کے اوقات میں بھی اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے، یعنی مغرب و عشاء کی نمازوں کا بھی خیال کیجئے، اور دیکھئے، دن کے دونوں کناروں میں اپنے رب کی پاکی بیان کرنے کا زیادہ خیال کیجئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، ان کا دوبارہ ذکر خصوصی اہتمام کے لئے کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہے، اور بعض اس سے دن کے مختلف اوقات میں نفل نمازیں مراد لیتے ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس پر عمل کیجئے گا تو آپ کو اپنے رب کی جانب سے ایسا اجر ملے گا کہ آپ خوش ہو جائیے گا۔

بخاری و مسلم نے جریر بن جلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ اپنے رب کو دیکھو گے، جیسے اس چاند کو دیکھتے ہو، اس کی دید سے تمہیں کوئی چیز نہ روک سکے گی۔ اگر تم سے ہو سکے تو طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نمازوں کی ادائیگی میں اپنے نفس سے مغلوب ہو کر سستی نہ کرو، پھر آپ (ﷺ) نے یہی آیت پڑھی۔

(۵۹) اہل کفر و شرک کو دنیا کی زندگی میں آرام و آسائش کے جو اسباب دیئے گئے ہیں وہ دینی اعتبار سے کوئی اچھی چیز نہیں ہے، بلکہ اُن کے لئے آزمائش اور فتنہ کا باعث ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کی خواہش کرنے سے منع فرمایا، اور بتایا کہ آپ کا رب نیک عمل کرنے والوں کو آخرت میں جو اجر و ثواب دے گا وہ بہت ہی بہتر اور دائمی ہوگا۔

ایک دوسرا معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے آپ کو جس منصب رسالت پر فائز کیا ہے اور جو آخری دین، دین اسلام

وَأْمُرْهُمْ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَوْلَا نَسْنَاكَ رِزْقًا لَمُنُّ نَزْرُقًا وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ۝ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ
فَرَنْ كَرِيمَةٍ أَوْ لَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الضَّعْفِ الْأُولَى ۝

اور آپ اپنے گھروالوں کو نماز کا حکم (۶۰) دیتے تھے، اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے، ہم آپ سے روزی نہیں مانگتے ہیں، ہم آپ کو روزی دیتے ہیں، اور بھلا انجام تقویٰ والوں کے لئے ہے ﴿۱۳۲﴾ اور کفار کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے ہمارے لئے کوئی نشانی (۶۱) کیوں نہیں لے کر آتا ہے، کیا آپ کی نبوت سے متعلق جو دلائل گذشتہ آسمانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، وہ ان کو نہیں پہنچی ہیں ﴿۱۳۳﴾

دے کر بھیجا ہے، وہ ان دنیاوی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو مشرکین کو دیا گیا ہے، دونوں کے درمیان دور کی بھی مناسبت نہیں ہے۔ اس لئے کہ دین اسلام دنیا و آخرت کی نیک بنی کا ذریعہ ہے، اور انہیں جو چیز ملی ہے وہ کچھ ہی دنوں کے بعد ختم ہو جانے والی ہے۔

بزار، ابویعلیٰ اور ابن ابی شیبہ وغیرہم نے ابورافع سے روایت کی ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع الضعیف میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا، آپ کے گھر میں کوئی چیز نہیں تھی، تو آپ نے مجھے ایک بیہودی کے پاس بھیجا کہ وہ ماہر جب کا چاند نکلنے تک کے وعدے پر آنا ادھار دے دے۔ اس نے رہن کا مطالبہ کیا۔ واپس آکر میں نے آپ ﷺ کو خبر دی، تو آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم! میں آسمان میں امین ہوں اور زمین میں بھی، اگر وہ مجھے ادھار دے دیتا تو میں ضرور اس کے پیسے ادا کر دیتا، میرا وہے کا زرہ لے کر اسے دے دو۔ میں ابھی وہاں سے واپس بھی نہ ہوا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو دنیا کی لالچ نہ کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

(۶۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروالوں کو نماز کا حکم دیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں پوری امت مراد ہے، یعنی سب لوگ اپنے گھروالوں کو نماز کا حکم دیں۔ آپ ﷺ اس حکم میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ نماز کی پابندی کیجئے، اور امور دنیا میں مشغول ہو کر اس سے غافل نہ ہو جائیے۔

ابن المنذر، طبرانی، اور بیہقی وغیرہم نے عبد اللہ بن سلام سے روایت کی ہے، جس کی سند کو حافظ سیوطی نے صحیح کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گھرانے کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی، تو آپ انہیں نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور ﴿وَأْمُرْهُمْ بِالصَّلَاةِ﴾ پوری آیت پڑھتے۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ ہم آپ سے یہ نہیں کہتے ہیں کہ اپنے لئے اور بال بچوں کے لئے روزی کی فکر میں لگ جائیے اور نماز سے غافل ہو جائیے۔ آپ کو اور آپ کے گھروالوں کو روزی ہم دیں گے، اور اچھا انجام تقویٰ والوں کے لئے ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں، آیت کا یہ حصہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ تقویٰ ہی تمام بھلائیوں کی جڑ ہے۔

(۶۱) کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ محمد اگر نبی ہے تو گذشتہ انبیاء کی طرح اپنی صداقت کی کوئی نشانی کیوں نہیں پیش کرتا، یا ہم لوگ جن نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا کہ کفار مکہ گذشتہ آسمانی کتابوں کا اعتراف کرتے ہیں، اور ان میں نبی کریم ﷺ کی بشارت اور نشانیاں موجود ہیں، تو پھر کون سی بات ان پر ایمان لانے

وَلَوْ أَنَا أَهْلُكُمْ لَمَّا عَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا إِنَّا لَوَالِدُكُمْ لَوْلَا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُتَوِّعَ إِلَيْكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِيرَ وَ
نُخْزِي ۗ قُلْ كُلُّكُمْ ذُرِّيَّتِي وَقُرْبَتِي فَمَا تَعْلَمُونَ مِنْ أَصْحَابِ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۗ

اور اگر ہم اپنا رسول بھیجنے سے پہلے کسی عذاب (۶۲) کے ذریعہ انہیں ہلاک کر دیتے تو کہتے، اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا تاکہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے ﴿۱۳۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص انجام کا انتظار کر رہا ہے، تو تم بھی انتظار کرو، پس تم عنقریب جان لو گے کہ سیدھی راہ والے کون ہیں اور کون راہ راست پر گامزن ہے ﴿۱۳۵﴾

سے مانع ہے۔

جواب کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ جن قوموں نے اپنے انبیاء سے نشانوں کا مطالبہ کیا تھا، وہ تو میں نشانیاں آنے کے بعد بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک کر دی گئی تھیں، اگر یہ لوگ بھی ایمان نہ لائے تو انہیں عذاب الہی سے کون بچا سکے گا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں "بینة" سے مراد قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت آیات (۵۱/۵۰) میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِن فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةٌ وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۗ﴾ "انہوں نے کہا، اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتاری گئیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کرنے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان کے سامنے پڑھی جا رہی ہے، اس میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں۔"

(۶۲) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھیج کر اور قرآن کریم نازل کر کے اب کسی مشرک و کافر کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا ہے، یہی بات اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ اگر ہم لوگوں کو بعثت نبی اور نزول کتاب سے پہلے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہلاک و برباد کرنے سے پہلے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہیں بھیج دیا تھا، تاکہ ہم ایمان لے آتے، لیکن اب جبکہ ہم نے اپنا آخری رسول بھیج دیا ہے اور اپنی آخری کتاب نازل کر دی ہے، تو ایمان لانے سے اب ان کے لئے کون سی چیز مانع ہے۔

آیت (۱۳۵) میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ سرکش کافروں سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم سبھی اپنے انجام کے منتظر ہیں، انتظار کرو، جب مسلمانوں کو عنقریب فتح و نصرت حاصل ہوگی تو جان لو گے کہ کون دین اسلام پر قائم تھا، کسے اللہ نے راہ نجات کی طرف ہدایت دی، اور کون گمراہ ہو کر ہلاک و برباد ہوا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا، مسلمان آہستہ آہستہ غالب ہوتے گئے، اور کفار و مشرکین جزیرہ عرب سے ناپید ہو گئے۔ فَلَئِمَّا يَلْمِزُوكَ قُلْ لَوْ أَنَا أَهْلُكُمْ لَمَّا عَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا إِنَّا لَوَالِدُكُمْ لَوْلَا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُتَوِّعَ إِلَيْكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِيرَ وَنُخْزِي ۗ قُلْ كُلُّكُمْ ذُرِّيَّتِي وَقُرْبَتِي فَمَا تَعْلَمُونَ مِنْ أَصْحَابِ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۗ



اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝

سورۃ الانبیاء مکی ہے، اس میں ایک سو بارہ آیتیں، اور سات رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب (۱) آ گیا ہے، اور وہ اب تک غفلت میں پڑے، دینِ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ﴿۱﴾

تفسیر سورۃ الانبیاء

نام: چونکہ اس سورت میں کئی انبیائے کرام کے فضائل و واقعات بیان کئے گئے ہیں، اسی لئے اس کا نام ”سورۃ الانبیاء“ رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی کہتے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بنی اسرائیل اور الکھف اور مریم اور ط اور الانبیاء وہ سورتیں ہیں جنہیں میں نے مکی دور کے شروع میں حاصل کیا تھا۔

جیسا کہ تمام مکی سورتوں کا خاصہ ہے، اس میں بھی کریم ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت پر دلیل پیش کی گئی ہے۔ عقیدہ توحید اور بعث بعد الموت پر کفار مکہ کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور گذشتہ انبیائے کرام کی تاریخ دعوت اور ان کی قوموں کا حال بیان کر کے کفار مکہ کو باور کرایا گیا ہے کہ خاتم النبیین جو دین تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ کوئی نیا دین نہیں ہے، اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ نے آپ کے ساتھ جو روش اختیار کر رکھی ہے، اور دعوت توحید کی راہ میں آپ کو جو مصیبتیں جھیلنی پڑ رہی ہیں، یہ کوئی باعث تعجب بات نہیں ہے، آپ سے پہلے جتنے انبیاء کرام دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لئے آئے، انہیں بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا، اور بالآخر ان کے دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی اور غلبہ انبیاء کو حاصل ہوا۔ (۱) اس آیت کریمہ میں عام انسانوں یا کفار مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر دن قیام قیامت سے قریب ہوتے جا رہے ہیں، اور اس طرح گویا وہ میدانِ محشر میں اللہ کے حضور اپنے اعمال کا حساب چکانے سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لاکر اس دن کی کامیابی کے لئے تیاری کرتے، لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے کہ وہ حساب اور جزا و سزا سے بالکل غافل ہیں اور فکر آخرت سے بہت دور چند روزہ دنیا کے عیش و آرام کو اپنا مقصد حیات بنا رکھا ہے۔ حساب کا دن اس لئے قریب ہے کہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے، چاہے وہ ایک مدت کے بعد ہی کیوں نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المعارج آیت (۷۶) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ ”وہ لوگ بے شک قیامت کو دور سمجھ رہے ہیں، اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں“۔ اور اس لئے بھی قریب ہے کہ ہر آدمی کی موت ہی درحقیقت اس کی قیامت کا وقت ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ دنیا کی باقی ماندہ عمر اس کی گذشتہ عمر سے کم رہ گئی ہے۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۗ لَأَهْلِيَّةٌ قُلُوبُهُمْ وَأَسْرَارٌ وَالنَّجْوَىٰ
الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِثْلَكُمۥ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ وَأَنْتُمْ تُبْخَرُونَ ۗ قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۗ بَلْ قَالُوا اضْغَاثٌ أَحْمَرٌ ۗ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۗ فَلْيَأْتِنَا
بآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأُولُونَ ۗ

جب بھی ان کے رب کی جانب سے ان کے لئے کوئی نئی نصیحت (۲) آتی ہے تو وہ اس حال میں سنتے ہیں کہ وہ کھیل
کو درہے ہوتے ہیں ﴿۲﴾ ان کے دل بے پرواہ ہوتے ہیں، اور چپکے چپکے ظالم لوگ سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ تم ہی
جیسا ایک انسان (۳) ہی تو ہے، تو کیا تم لوگ سب کچھ دیکھتے ہوئے جادو کو قبول کر لینا چاہتے ہو ﴿۳﴾ رسول اللہ
نے کہا، میرا رب آسمان اور زمین میں ہونے والی بات کو جانتا (۴) ہے، اور وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۴﴾
بلکہ ان (ظالموں) نے کہا کہ (یہ قرآن) پرانندہ خوابوں کی باتیں (۵) ہیں، بلکہ اس نے گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ ایک
شاعر ہے، پس وہ ہمارے لئے ایک نشانی لے کر آئے، جس طرح گذشتہ انبیاء (نشانیاں دے کر) بھیجے گئے تھے ﴿۵﴾

(۲) قرآن کریم بدستور نازل ہوتا رہا، ایک آیت کے بعد دوسری آیت، ایک سورت کے بعد دوسری سورت۔ اس مسلسل تسبیہ
و نصیحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ کفار مکہ کے دل اسلام کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے، لیکن انہوں نے استکبار کی وجہ سے ہمیشہ
ہی قرآن کا مذاق اڑایا، اپنی لہو و لعب والی زندگی میں مگن رہے، اور ان کے دل قرآنی آیات میں غور و فکر کرنے سے غافل رہے۔
(۳) کفار مکہ کا خیال تھا کہ اللہ کا رسول کوئی فرشتہ ہی ہو سکتا ہے، اس لئے اگر کوئی آدمی نبوت کا دعویٰ کرے گا اور اپنی صداقت
کی دلیل کے طور پر کوئی معجزہ پیش کرے گا، تو وہ جادو گر ہوگا اور اس کا معجزہ دراصل جادو ہوگا۔ اسی لئے انہوں نے لوگوں کو اسلام
سے دور رکھنے کے لئے آپس میں سرگوشی کی اور پھر لوگوں سے کہا کہ محمد تمہارے ہی جیسا انسان ہے، اور اس کی باتیں جادو کے
قبیل کی ہیں، پھر کیوں تم لوگ اس کی پیروی کرتے ہو۔ مفسر ابوسعود لکھتے ہیں: کافروں کے ذہن سے یہ بات جاتی رہی کہ
تشریحی حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ انسان کی رہنمائی کے لئے انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا جائے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی سرگوشی کی اطلاع دی اور کہا، آپ ان کافروں کو بتادیتے کہ میرا رب ہر اس بات کو
جانتا ہے جو آسمان و زمین میں واقع ہوتی ہے، اسی لئے دعوتِ اسلامیہ کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے تم نے جو سرگوشی کی ہے
اسے اس کی خبر ہے۔

(۵) کفار مکہ نے قرآن کریم کے بارے میں لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ جادو، جھوٹے
خواب، اللہ کے خلاف افتراء پر دازی اور شاعری کا مجموعہ ہے۔ اور اگر محمد کو اصرار ہی ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، تو گذشتہ انبیاء کی
طرح کوئی نشانی لا کر دکھائے، جیسے صالح نے اونٹنی نکال کر دکھادی اور موسیٰ اور عیسیٰ نے دوسرے معجزات پیش کئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ان کا یہ سوال خُبث و شرارت اور کفر و عناد پر مبنی تھا، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیتیں اور نبی کریم
ﷺ کے ذریعہ دیگر معجزات کا واقف و قاطن ظہور، ایمان لانے کے لئے کافی تھا، اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ وہ گذشتہ انبیاء جیسی
نشانیاں دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو اللہ ویسی نشانیاں بھی بھیج دیتا، لیکن ان کا یہ انداز گفتگو صرف حق کا انکار کرنے کے لئے تھا،

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرِيْبَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۶۱﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لِتَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا أَلِيًّا كَلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَلِيْدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۶۴﴾

ان سے پہلے کسی ایسی بستی کے لوگ ایمان نہیں لائے جس کو ہم نے (بالآخر ان کے گناہوں کی وجہ سے) ہلاک کر دیا، تو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے ﴿۶۱﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول ﴿۶۲﴾ بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے، اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے پوچھ لو ﴿۶۳﴾ اور ہم نے انہیں کوئی ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں، اور نہ انہیں ہمیشہ کی زندگی مل گئی تھی ﴿۶۴﴾ پھر ہم نے ان کے لئے اپنا وعدہ ﴿۶۳﴾ سچ کر دکھایا، پس ہم نے انہیں اور جن دوسروں کو چاہا عذاب سے بچالیا، اور حد سے گذر جانے والوں کو ہلاک کر دیا ﴿۶۴﴾

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو کافر تھیں ان سے پہلے دنیا میں گذر چکی ہیں، انہوں نے بھی انہی کی طرح نشانیوں کا مطالبہ کیا تھا، اور ان نشانیوں کے آجانے کے بعد ایمان نہیں لائیں، تو ہم نے انہیں مزید مہلت دیئے بغیر ہلاک کر دیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کفار مکہ بھی ایسا ہی کریں گے، اور ہم نہیں چاہتے ہیں کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے، اسی لئے ان کے اصرار کے باوجود ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا رہا ہے۔

(۶) آیت (۳) میں کفار مکہ کا یہ شبہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا، اس آیت میں اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ آدم سے لے کر اب تک جتنے انبیاء گذرے ہیں سبھی انسان ہی تھے جن تک اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اپنا پیغام پہنچاتا تھا۔ جن یہود و نصاریٰ کو تم علم و فہم میں اپنے سے زیادہ سمجھتے ہو ان سے پوچھ لو، وہ بھی اس بات کی تصدیق کر دیں گے۔ بعض حضرات نے اس آیت سے تھلید شخصی کے جواز پر استدلال کیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں "اہل الذکر" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور اگر بالفرض اسے عام بھی مان لیا جائے، تو مقصود قرآن و سنت کے نصوص پوچھنا ہے، نہ کہ کسی انسان کی رائے، جسے قرآن و سنت سے بغیر دلیل مانگے مان لیا جاتا ہے۔ سورۃ النحل آیت (۴۳) کی تفسیر کے ضمن میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

آیت (۸) میں مذکور بالا مضمون کی مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء ہمیشہ گوشت پوست والے انسان ہوا کرتے ہیں، جنہیں زندہ رہنے کے لئے کھانے کی ضرورت پڑتی رہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت (۲۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنْهُمْ لِيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ "ہم نے آپ سے پہلے جتنے انبیاء بھیجے سب کھانا کھاتے تھے"۔ اور وہ انبیاء دنیا میں ایک متعین مدت تک زندہ رہنے کے بعد مر جاتے رہے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۳۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ "ہم نے آپ سے پہلے کسی بھی انسان کو بیٹھکی کی زندگی نہیں دی ہے"۔

(۷) جن گدشہ قوموں نے نشانیوں کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجے گئے رسولوں سے کہا کہ اگر نشانیاں دیکھ لینے کے

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَكَمْ قَصَبْنَا مِنْ قُرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ فَلَمَّا أَحْسَبُوا أَنَّكُمْ لَا تَأْتُونَهُمْ مِنْهَا بَأْسًا إِذْ أَنْهَمُ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۝ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُونَ ۝ قَالُوا يَوْمَئِذٍ إِنْ كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ۝

لوگو! ہم نے تمہارے لئے ایک کتاب (۸) نازل کی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت کی باتیں ہیں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو ﴿۱۰﴾ اور ہم نے بہت سی بستیوں (۹) کو تباہ و برباد کر دیا جو ظالم تھیں، اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا ﴿۱۱﴾ پس جب انہیں ہمارے عذاب کا احساس ہوا تو ان بستیوں سے بھاگنے لگے ﴿۱۲﴾ (ان سے کہا گیا کہ) بھاگو مت، اور اپنے ناز و نعم اور اپنے گھروں کو واپس جاؤ، شاید کہ وہاں تم سے (اہم امور میں) مشورے کئے جائیں ﴿۱۳﴾ کہنے لگے، ہائے ہماری بد نصیبی! بے شک ہم لوگ ظلم کرتے تھے ﴿۱۴﴾ پس وہ یہی پکارتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی فصل اور بچھی ہوئی آگ کی مانند بنا دیا ﴿۱۵﴾

باوجود ایمان نہیں لائیں گے تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، نشانیاں آئیں، اور وہ قومیں ایمان نہیں لائیں تو اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ سب کو ہلاک کر دیا۔

(۸) قرآن کریم کی عظمت بیان کر کے کفارِ قریش پر احسان بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب تمہاری زبان میں تم ہی میں سے ایک فرد پر نازل ہوئی ہے، یہ بات یقیناً تمہارے لئے عزت و شرف کا باعث ہے۔ اور اس قرآن میں تمہارے لئے نصیحت کی باتیں ہیں جن پر اگر تم عمل کرو گے تو تمہاری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائے گی۔

(۹) مفسرین و مورخین کہتے ہیں کہ یہاں "قویۃ" سے مراد یمن کی ایک بستی ہے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے شعیب بن مہدم نامی ایک نبی کو مبعوث کیا، جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ جب ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکوبی کے لئے بخت نصر کو بھیج دیا جس نے انہیں تلواروں سے گاجر مولیٰ کی طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب انہوں نے اپنا یہ حال دیکھا تو اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، لیکن اس وقت ان کی توبہ ان کے کام نہ آئی۔

آیات (۱۱) سے (۱۵) تک اسی بستی والوں کا حال بیان کیا گیا ہے، کہ جب ان لوگوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور کفر کی راہ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بہتوں کو بخت نصر کے ہاتھوں قتل کروادیا، اور ان کی جگہ ایک دوسری قوم کو لے آیا جو دین و اخلاق کے اعتبار سے ان سے اچھی تھی۔ ان پر جب عذاب آنے کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ اپنی بستی سے بھاگنے لگے، تو فرشتوں نے ان سے استہزاء کے طور پر کہا کہ بھاگو نہیں، بلکہ اپنے ناز و نعم میں پڑے رہو، تم تو بڑے لوگ ہو، لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے، وہ تمہارے پاس اپنے مسائل میں صلاح و مشورے کے لئے آئیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ عذاب الہی نے انہیں بخت نصر کی فوجوں کی شکل میں ہر چہار جانب سے گھیر لیا تب اپنے جرائم کا اعتراف کر کے کفِ افسوس ملنے لگے، اور سچ و پکار کرتے رہے یہاں تک کہ بخت نصر کی فوجوں نے انہیں سچ و سچ سے ختم کر دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ﴿۱۰﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَا مِنْهُ لَدُنَّا أَنْ كُنَّا فَعْلِينَ ﴿۱۱﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿۱۳﴾ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشہ کے طور پر نہیں پیدا (۱۰) کیا ہے ﴿۱۱﴾ اگر ہم دل بہلاوے کے لئے (بیوی یا اولاد) بنانا چاہتے، تو اُسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے، اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا ہے ﴿۱۲﴾ بلکہ ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں، پس وہ اس کی سرکوبی کر دیتا ہے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے باطل کا وجود ختم ہو جاتا ہے، اور جو کچھ تم اللہ کے بارے میں کہا کرتے ہو وہ تمہاری تباہی لا کر رہے گی ﴿۱۳﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب اسی کی ملکیت میں ہیں، اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں، اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں ﴿۱۴﴾ وہ شب و روز تسبیح پڑھتے ہیں، سستی نہیں کرتے ہیں ﴿۲۰﴾

(۱۰) اللہ تعالیٰ مشرک اور کافر قوموں کو ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے، یہ دلیل ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی مخلوقات کو اس نے بے کار اور عبث نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان تمام کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بندے اس کی گونا گوں نعمتوں سے بہرہ ور ہوں، اس کا شکر ادا کریں اور اسے یاد کرتے رہیں۔ اسی لئے جو قومیں اس کے ذکر و شکر سے روگردانی کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آیت (۱۲) میں گذشتہ مضمون کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم لہو و لعب کی نیت سے کسی کو اپنی بیوی اور کسی کو اپنا بیٹا بناتے، جیسا کہ مشرکین عرب کہا کرتے ہیں کہ اللہ نے جن سے ازدواجی تعلق قائم کیا تو فرشتے اس کی بیٹیاں پیدا ہوئیں، اور جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ نے مریم کو اپنی بیوی بنا لیا جس سے عیسیٰ پیدا ہوئے۔ اگر ہم بغرض محال ایسا چاہتے تو حوروں اور ہماری عبادت میں مشغول فرشتوں کو اپنی اولاد بنا لیتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں چاہا، اور نہ ہمارے لئے یہ بات مناسب ہے، ہم تو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے مالک ہیں، سب ہمارے غلام ہیں۔ کیا کبھی کوئی آدمی اپنی باندی کو بیوی اور غلام کو بیٹا بنا لیتا ہے۔ جب انسان ایسا نہیں کرتا ہے، تو خالق کائنات کے بارے میں ایسی بات کیوں کر سوچی جاتی ہے؟

آیت (۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں مذکور دلائل و براہین کے ذریعہ یہ باطل عقائد و نظریات پاش پاش ہو جاتے ہیں، اس لئے اے مشرکین کہ! اگر تم قرآن کریم کے نزول کے بعد بھی شرک باللہ سے باز نہیں آتے ہو تو تم اپنی بربادی و تباہی کا انتظار کرو۔

آیات (۲۰/۱۹) میں گذشتہ مضمون کی تاکید ہے کہ جو باری تعالیٰ آسمان وزمین کی تمام موجودات کا مالک ہے، وہ اس سے بالکل بے نیاز ہے کہ اس کی بیوی یا اس کا کوئی لڑکا ہو۔ تمام فرشتے اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، نہ اس کی عبادت کا انکار کرتے ہیں، اور نہ ہی اس سے تھکتے ہیں، شب و روز اس کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں، جس طرح آدمی ہر حال میں سانس لیتا رہتا ہے، اور ہر لمحہ اس کی پلک جھپکتی رہتی ہے، اور جب تک زندہ رہتا ہے کبھی بھی ان دونوں کاموں سے نہیں تھکتا، اسی طرح فرشتے ہر حال

أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ﴿۱۱﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يُفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ﴿۱۳﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ قُلُوبًا مَّا نُوا
بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرٌ مِّن مَّعْبُودَاتِ الْكُفَرِ الَّذِي اتَّخَذُوا مِن قَبْلُ لِيَعْلَمُوا أَنَّ هَٰؤُلَاءِ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَاعْبُدُوا اللَّهَ
وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن نَّبِيٍّ إِلَّا يُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۱۴﴾

کیا انہوں نے مٹی کے ایسے معبود (۱۱) بنا لئے ہیں جو (مردوں کو) زندہ کرتے ہیں؟ ﴿۱۱﴾ اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کئی معبود ہوتے، تو دونوں تباہ ہو جاتے، پس عرش والا اللہ ان تمام نقائص سے پاک ہے جنہیں وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ﴿۱۲﴾ اس کے کاموں کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جاسکتا ہے، اور لوگوں سے ان کے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا ﴿۱۳﴾ کیا لوگوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنا لئے ہیں، آپ کہتے کہ ذرا تم اپنی دلیل تو پیش کرو، یہ ان لوگوں کی کتاب ہے جو میرے ساتھ ہیں (یعنی قرآن) اور ان لوگوں کی کتابیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے تھے (سب میں صرف ایک معبود کی بات ہے) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو جانتے ہی نہیں، اسی لئے اس سے منہ موڑ رکھا ہے ﴿۱۴﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا، اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے تم سب میری ہی عبادت کرو ﴿۱۵﴾

میں تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی انقطاع نہیں ہوتا، اور یہ بات ان کے لئے ایسا امر طبعی ہے کہ کبھی بھی اس سے تھکن نہیں محسوس کرتے۔

(۱۱) ذیل میں آنے والی آیتوں میں مشرکین مکہ کے شرک کی تردید کی گئی ہے، اور عبادت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ آیت (۲۱) میں کہا گیا ہے کہ مشرکین کے تراشے ہوئے اصنام کیا مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں؟ جواب معلوم ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں، اور مشرکین کو بھی اس کا اعتراف ہے، اس لئے وہ کسی حال میں بھی عبادت کے مستحق نہیں بن سکتے ہیں۔

آیت (۲۲) میں اس حقیقت پر دلیل پیش کی گئی ہے کہ ایک اللہ کے سوا چند معبودوں کا ہونا عقلی طور پر محال ہے، اگر ایسا ہوتا تو آسمان وزمین کا پورا نظام مختل ہو جاتا۔ ہر معبود اپنی مرضی چلانا چاہتا، نتیجہ یہ نکلتا کہ ان کے آپس میں اختلاف واقع ہو جاتا اور پورا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون آیت (۹۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ مَعَهُ مِن إِلَهٍ إِذْ أَذْهَبَ كُلَّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ ”اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے پھرتا، اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا“۔

چونکہ چند معبودوں کا پایا جانا ناممکن ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے شرک سے اپنی پاکی بیان کی ہے، اور آیت (۲۳) میں ربوبیت والوہیت کو اپنے لئے مطلق طور پر ثابت کیا ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی نہیں جو اس کے کسی فعل پر اعتراض کرے، اور اس کے سوا جتنے جن و انس ہیں سب سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سب اس کے بندے اور غلام ہیں، اور وہی سب کا اللہ ہے، سب کا آقا اور سب کا معبود ہے۔

آیت (۲۴) میں مشرکین مکہ کے شرک کی دوبارہ تردید کی گئی ہے اور رسول کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ ذرا ان سے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ وَ
مَنْ يُكْفُرْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهُ قَرْنٍ دُونَهُ فَذٰلِكَ نُجْزِيهِمْ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نُجْزِي الظَّالِمِينَ ۝

اور انہوں نے کہا کہ رحمن نے اپنی اولاد (۱۲) بنا رکھی ہے، وہ اس عیب سے پاک ہے، بلکہ (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں ﴿۲۶﴾ وہ اُس سے پہلے (اپنی طرف سے) کوئی بات نہیں کرتے ہیں، اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ﴿۲۷﴾ وہ ان کے آئندہ اور گزشتہ تمام حالات کو جانتا ہے، اور وہ فرشتے صرف انہی کی سفارش کریں گے جن کے لئے اللہ (سفارش کو) پسند کرے گا، اور وہ اللہ کے ڈر سے کانپتے رہتے ہیں ﴿۲۸﴾ اور ان میں سے جو کوئی بھی کہے گا کہ اللہ کے بجائے میں معبود ہوں، تو اُسے ہم اس کا بدلہ جہنم دیں گے، ہم ظالموں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۲۹﴾

پوچھے تو سہی کہ تم جو اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہو تو اپنے دعویٰ کی صداقت پر دلیل بھی تو پیش کرو، یعنی تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر کہا کہ یہ قرآن کریم ہے جو مسلمانوں کی کتاب ہے، اور تورات و انجیل بھی کسی نہ کسی حال میں موجود ہے، ان میں سے کسی بھی کتاب میں اللہ کا کسی کو شریک نہیں ثابت کیا گیا ہے، تو پھر تم کس دلیل کی بنیاد پر ایسی خطرناک بات اپنی زبان پر لاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہیں قرآن کریم کی عظمت کا احساس ہی نہیں ہے، اسی لئے توحید الوہیت سے متعلق اس میں بیان کردہ دلائل و براہین سے تم اعراض کر رہے ہو۔

آیت (۲۵) میں بھی مذکور بالا مضمون یعنی توحید باری تعالیٰ کی مزید تاکید بیان کی گئی ہے، کہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی کریم ﷺ کے زمانہ تک جتنے انبیاء مبعوث ہوئے اور جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، ان سب کا ایک ہی پیغام تھا، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے صرف اسی کی عبادت ہونی چاہئے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں میں بیان کیا ہے۔ انہی میں سے سورۃ الزخرف کی آیت (۲۵) ﴿وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمٰنِ اِلٰهَةً يُعْبَدُونَ ۝﴾ اور سورۃ النحل کی آیت (۳۶) ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۝﴾ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ابن آدم کو یہ تعلیم دینی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور صرف وہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔

(۱۲) خزائن، جہینہ، بنو سلمہ اور بنو لہج کے قبائل کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ یہود کا عقیدہ تھا۔ اور صحیح یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ عام ہیں، اور اس ضمن میں ہر وہ شخص یا گروہ داخل ہے جو اس زمانے میں اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نقص سے اپنی پاکی بیان کی اور فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ تو اللہ کے مكرم بندے ہیں، اپنے کمال عبودیت کی وجہ سے اللہ کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، اور اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں، اس کے حکم سے سر مو بھی روگردانی نہیں کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم ان فرشتوں کے اگلے پچھلے تمام احوال و کوائف کو محیط ہے۔ ان کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہے۔ اور وہ فرشتے قیامت کے دن اللہ کے حضور صرف انہی کی سفارش کریں گے جن کے لئے

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۗ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيًا أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۗ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۗ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۹۳۳﴾

کیا اہل کفر نے سوچا نہیں (۱۳) کہ آسمان اور زمین طے ہوئے تھے، تو ہم نے دونوں کو الگ کر دیا، اور ہر ذی روح کو ہم نے پانی سے پیدا کیا ہے، کیا وہ لوگ (پھر بھی) ایمان نہیں لائیں گے ﴿۳۰﴾ اور ہم نے زمین پر پہاڑ بنائے تاکہ وہ انہیں لے کر ہلٹی نہ رہے، اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ (اپنی منزل کی طرف) جا سکیں ﴿۳۱﴾ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا، اور وہ لوگ اس میں موجود نشانوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ﴿۳۲﴾ اور اسی نے رات اور دن اور آفتاب اور ماہتاب کو پیدا کیا ہے، ہر ایک اپنے دائرہ میں تیر رہا ہے ﴿۳۳﴾

اللہ تعالیٰ سفارش کیا جانا پسند کرے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۲۵۵) میں فرمایا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ اور سورۃ سبأ آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾ دونوں آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی اجازت کے بغیر انبیائے کرام، فرشتے یا اللہ کے دیگر نیک بندے کسی کی شفاعت نہیں کریں گے۔ اور وہ فرشتے اللہ کی مرضی کے بغیر کیسے کسی کی شفاعت کریں گے، وہ تو خود ہی اللہ تعالیٰ کے قہر و جبروت سے شدید خائف ہوں گے۔

آیت (۲۹) میں بتایا گیا کہ فرشتوں کی تمام مذکور بالا خوبیوں کے باوجود، اگر بغرض محال یہ مان لیا جائے کہ ان میں سے کوئی معبود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اس لئے مشرکین کا یہ کہنا محض افتراء پر دازی ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور ان کی عبادت اس لالچ سے کرتا کہ وہ اللہ کے نزدیک سفارشی بنیں گے، ظلم عظیم ہے۔

(۱۳) ذیل میں مذکور آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور الوہیت کے چھ آفاقی دلائل پیش کئے ہیں، جن میں مشرکین نے غور و فکر نہیں کیا، اس لئے شرک کے دلدل سے نہیں نکل سکے:

۱- آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے ایک بند اور مسدود مادہ پایا جاتا تھا، آسمان سے نہ بارش ہوتی تھی، اور نہ زمین پر کوئی پودا اُگتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مادہ سے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور انہیں ہوا کے ذریعہ الگ الگ کیا، آسمان کو اوپر اٹھایا اور زمین کو اس کی جگہ پر رہنے دیا۔ اور آسمان سے بارش نازل کیا، اور زمین میں پودے اُگائے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی بھیجا، اس کے ذریعہ تمام حیوانات و نباتات کو زندگی دی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم آیت (۱۹) میں فرمایا: ﴿وَيُخْبِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ”اور وہ زمین کو اس کے مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرتا ہے“۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں "ماء" سے مراد نطفہ ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ یعنی اللہ نے ہر زندہ چیز کو قطرہٴ مٹی سے پیدا کیا ہے، سورۃ النور آیت (۲۵) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ﴾ ”اللہ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا کیا ہے“۔

وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلِكَ الْخَالِدِينَ وَسْتَ قَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبَأُكُمْ
بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةٌ وَاللَّيْنَةُ تُرْجَعُونَ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو بھیجی (۱۳) نہیں دی، کیا آپ اگر مرجائیں گے تو وہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿۳۴﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں بُرے اور بھلے حالات میں بطور آزمائش ڈالتے ہیں، اور تم تمام کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے ﴿۳۵﴾

۳- زمین پر بڑے اور اونچے پہاڑوں کو کھڑا کر دیا تاکہ زمین حرکت نہ کرے

۴- زمین پر کشادہ راستے بنادیئے تاکہ لوگ ان پر چل کر حصولِ معاش اور دیگر مقاصد کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں۔

۵- آسمان کو زمین کے لئے چھت بنایا اور اسے زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا۔ سورہ ق آیت (۶) میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ﴾ "کیا انہوں نے آسمان

کو اپنے اوپر نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے، اور زینت دی ہے اور اس میں کوئی شکاف نہیں۔"

۶- رات اور دن اور شمس و قمر کو پیدا کیا، اور شمس و قمر میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص دائرہ بنایا جس میں وہ اللہ کے حکم کے مطابق

گردش کرتا رہتا ہے، کوئی ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتا اور اپنے محدود دائرے سے باہر نہیں ہوتا۔ سورہ الأنعام آیت (۹۶)

میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ

الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ "وہ صبح کا نکلنے والا ہے اور اسی نے رات کو راحت کی چیز بنائی ہے اور سورج اور چاند کو حساب سے

رکھا ہے، یہ بات اس ذات کی ٹھہرائی ہوئی ہے جو زبردست ہے، بڑے علم والا ہے" یہی حال تمام دیگر سیاروں کا بھی ہے،

ہر ایک اپنے مخصوص دائرے میں گھومتا رہتا ہے، اور سر مو بھی اس سے باہر نہیں ہوتا، ورنہ نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا،

تمام سیارے آپس میں ٹکراتے اور سارا عالم ہلاک و برباد ہو جاتا۔ یقیناً قدرتِ الہیہ کے یہ تمام مظاہر اس بات کی دلیل

ہیں کہ اللہ ایک ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔

(۱۳) مشرکین مکہ کا گمان تھا کہ نبی کریم ﷺ جلد ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اور ان کے بعد دعوتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھر

جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کی اسی حاقہ نہ خواہش کی تردید کی ہے کہ اس دنیا میں کسی کو بھی دوام حاصل نہیں ہوا

ہے۔ آپ کے ان دشمنوں کو بھی دوام حاصل نہیں ہے، سب کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس لئے اگر آپ وفات پا جائیں گے، تو اس

میں حیرت کی کون سی بات ہے، لیکن اللہ کا دین تو قیامت تک باقی رہے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الحج آیت (۹) میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ "ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

آیت (۳۵) میں گذشتہ مضمون کی تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ ہر مخلوق نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، تاکہ دنیا میں اس

نے جو اچھے یا برے اعمال کئے ہیں قیامت میں ان کا سے بدلہ دیا جائے، اسی لئے اللہ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ وہ اس دنیا میں

انسانوں کو خوشی اور غم، امیری اور فقیری، صحت اور بیماری اور روزی میں کشادگی اور تنگی کے ذریعہ آزماتا ہے، تاکہ صابر و شاکر اور

کافر و ناشکر گزار کا فرق واضح ہو، اور جب موت کے بعد اللہ کے سامنے حاضر ہو تو اس کے مطابق اسے جزا سزا ملے۔

وَإِذْ أَرَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۰﴾ خَلِيقَ الْإِنْسَانِ مِنْ عَجَلٍ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۳۱﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۲﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُونُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارُ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۳﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۳۴﴾

اور جب اہل کفر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا صرف مذاق اڑاتے (۱۵) ہیں، اور کہتے ہیں کیا یہی ہے وہ آدمی جو تمہارے معبودوں کی برائی بیان کرتا ہے، حالانکہ وہ کفار خود اللہ کے ذکر کے منکر ہیں ﴿۳۶﴾ انسان جلد باز (۱۶) پیدا کیا گیا ہے، میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، پس تم لوگ (مجھ سے ان کا) جلد مطالبہ نہ کرو ﴿۳۷﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو بتاؤ، عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا ﴿۳۸﴾ کاش اہل کفر یہ جان لیتے کہ اُس وقت وہ آگ کو نہ اپنے چہروں سے دور کر سکیں گے، اور نہ اپنی پیٹھوں سے، اور نہ کوئی ان کی مدد کرے گا ﴿۳۹﴾ بلکہ قیامت انہیں اچانک آلے گی، اور انہیں حیرت میں ڈال دے گی، پس وہ اسے ٹال نہیں سکیں گے، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ﴿۴۰﴾

(۱۵) ابو جہل اور دیگر مشرکین قریش نبی کریم ﷺ اور ان کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان بد بختوں کو آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا کچھ بھی اندازہ نہیں تھا۔ ان کے اس جاہلانہ تصرف سے اللہ تعالیٰ کو بھی بہت تکلیف پہنچتی تھی، جس کا اظہار اس آیت کریمہ میں ہوا ہے، اور اسی تکلیف کا اظہار سورۃ الفرقان آیت (۴۱) میں یوں کیا گیا ہے: ﴿وَإِذْ أَرَأَوْنَا أَنْ يَخَذُوكَ بِالْأَيْمَانِ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولَنَا﴾ ”تمہیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے سخر پان کرنے لگتے ہیں کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔“ کافروں کے اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ کی جو تحقیر پائی جاتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں جب کہتے ہیں کہ یہ بے جان ہیں اور تمہیں کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچائیں گے تو اس پر چہیں چہیں ہوتے ہیں، اور خود ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ خالق کون و مکان کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں، یا اس کے قرآن کا انکار کرتے ہیں، اور دندناتے پھرتے ہیں کہ جیسے کسی جرم کا ارتکاب ہی نہیں کیا ہے۔

(۱۶) نضر بن حارث جو رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا دشمن تھا، وہ اور دیگر مشرکین مکہ عذاب آجانے کی جلدی کرتے اور رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں سے کہتے کہ اگر تم سچے ہو تو پھر کہاں ہے وہ عذاب جس کی تم لوگ دھمکی دیتے رہتے ہو۔ ان کی اسی عجلت پسندی کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہاں اشارہ کیا ہے کہ انسان طبعی طور پر جلد باز واقع ہوا ہے، وہ اپنی نشانیاں عنقریب ہی دکھلائے گا، انہیں جلدی نہیں کرنی چاہئے، چنانچہ جنگ بدر میں سرداران قریش نہایت ذلت کے ساتھ مارے گئے، اور قیامت کا عذاب بھی قریب ہی ہے، مرنے کے بعد اس کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔

آیت (۳۹) کا تعلق گذشتہ مضمون سے ہی ہے کہ اگر اہل کفر کو روز قیامت کا یقین ہو جاتا جب وہ جہنم کی آگ سے اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں کو نہیں بچا سکیں گے اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کر سکے گا، تو عذاب آجانے کی جلدی نہ مچاتے۔ جہنم کی

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلِنا مِنْ قَبْلِكَ فَمَأْتِ بِالَّذِينَ سَخِرْتُمْ مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۗ قُلْ مَنْ يَكْلُؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ۗ اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنَ دُونِنَا لَاسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِمَّنْ اِيْضَابُونَ ۗ بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَباءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنْ كَانُوا اِيَّيْنَا لَازِلِينَ ۗ اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ اَعْزَمُ مِنَ الْاِلٰهِيْنَ ۗ

اور آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۳۱﴾ اے میرے رسول! آپ کافروں سے پوچھئے کہ رات اور دن میں رحمن کے عذاب سے تمہاری حفاظت (اس کے سوا) کون کرتا ہے، بلکہ وہ لوگ اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں ﴿۳۲﴾ کیا ہمارے سوا ان کے اور بھی معبود ہیں جو انہیں عذاب سے بچالے، وہ نہ تو اپنی مدد آپ کر سکیں گے، اور نہ ہماری طرف سے انہیں کوئی نصرت و حمایت حاصل ہوگی ﴿۳۳﴾ بلکہ (بات یہ ہے کہ) ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو دنیاوی مال و متاع (۱۸) سے بہرہ مند کیا، یہاں تک کہ انہوں نے اسی حال میں ایک لمبی عمر گزار لی (تو اپنی حقیقت بھول گئے) کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم ان کی سر زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے جا رہے ہیں، کیا پھر بھی وہی غالب ہوں گے ﴿۳۴﴾

بیت نائیکال قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ سورۃ الزمر آیت (۱۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ ”انہیں نیچے اوپر سے آگ کے شعلے مثل سائبان کے ڈھانک رہے ہوں گے“۔ اور سورۃ الاعراف آیت (۴۱) میں فرمایا ہے: ﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ ”ان کے لئے آتش دوزخ کا پچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اس کا اوڑھنا ہوگا“۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے۔ آیت (۴۰) میں وقوع قیامت کے بارے میں ہر شک و شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت آئے گی اور ایسی اچانک آئے گی کہ وہ پھر کسی کو مہلت تو بہ و عمل نہیں دے گی۔

(۱۷) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تو آپ صبر سے کام لیجئے اور ان کے انجام کا انتظار کیجئے، اس لئے کہ اہل کفر کا ہر دور میں یہی شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کا مذاق اڑایا، اور انجام کار جس عذاب کا انہوں نے مذاق اڑایا وہ ان پر مسلط کر دیا گیا۔

آیت (۴۲) میں نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ ذرا ان مذاق اڑانے والوں سے پوچھئے تو سہی کہ جس عذاب کے تم مستحق ہو، اگر اللہ تم پر وہ عذاب اتارنا چاہے تو تمہیں کون بچا سکے گا؟ اس کے بعد فوراً ہی ان کے حال پر ماتم کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ وہ قبول حق سے اتنا دور جا چکے ہیں کہ ان نصیحتوں کا ان پر کوئی مفید اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

آیت (۴۳) کا تعلق گذشتہ مضمون سے ہی ہے کہ کیا مشرکین مکہ کے جھوٹے معبود، اس عذاب سے انہیں بچا سکیں گے؟! حالانکہ ان کے اندر اتنی بھی قدرت نہیں ہے کہ وہ خود اپنی مدد کر سکیں، یا کوئی اور ہے جو ان کافروں کو ہمارے عذاب سے بچا سکے؟! جواب ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو انہیں اس سے بچا سکے۔

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصَّوْتُمْ إِذَا مَا يَنْدَرُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَكِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لِيَعْمَلُونَ يَوْمَ يَلْقَاؤُنَا إِنَّا لَكُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ﴿۲۷﴾

اے میرے رسول! آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اللہ کی وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں، اور بہروں کو جب ڈرایا جاتا ہے تو وہ پکار کونہیں سن پاتے ہیں ﴿۲۵﴾ اور اگر انہیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی لگ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں، ہائے ہماری بدنصیبی! ہم بے شک اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے تھے ﴿۲۶﴾ اور قیامت کے دن ہم عدل و انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے، پس کسی آدمی پر کچھ بھی ظلم نہیں ہوگا، اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو اسے ہم سامنے لائیں گے، اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں ﴿۲۷﴾

(۱۸) بتوں کی بے بسی بیان کرنے کے بعد، یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ مشرکین کو جو دنیاوی عیش و آرام حاصل ہے وہ بھی اللہ کی جانب سے ہے، اس لئے اگر وہ انہیں ہلاک کرنا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا۔ مدت مدید سے اللہ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے انہیں دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ ان کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی اور کوئی آفت انہیں لاحق نہیں ہوگی، یہ ان کی بیجا خوش فہمی ہے، کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ جزیرہ عرب کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے جا رہے ہیں، اور اب ان کے شہر کی باری آنے والی ہے۔ تو کیا ان سب مشاہدات کے باوجود بھی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔

آیات (۲۶، ۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مشرکین سے یہ کہنے کا حکم دیا ہے کہ میں جو تمہیں عذاب سے ڈرا رہا ہوں تو یہ میری بات نہیں ہے، بلکہ اللہ نے مجھے بذریعہ وحی اس بات کا حکم دیا ہے، لیکن دل کے بہروں کو کوئی کیسے سنا سکتا ہے۔ قرآن میں مذکور وعدوں اور وعیدوں سے فائدہ اٹھانے کی تمہارے اندر اہمیت ہی نہیں ہے۔ شرک اور جھوٹے معبودوں سے محبت نے تمہارے دل کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ اس لئے تم لوگ میری اور قرآن کی تکذیب کرتے ہو، اور کسی دھمکی کی پرواہ نہیں کرتے ہو۔ اور تمہاری بدعتی دگی کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی ہلکی سی تکلیف بھی تمہیں لاحق ہوتی ہے تو فوراً ادا کر کے لگتے ہو اور بتوں کو چھوڑ کر اللہ کے حضور اپنے گناہوں کا برملا اعتراف کرنے لگتے ہو۔

آیت (۲۷) میں اسی قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے جس سے مشرکوں کو اوپر کی آیتوں میں ڈرایا گیا ہے، اور جس کی وہ تکذیب کرتے رہے تھے، کہ اس دن اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے اعمال کو پورے عدل و انصاف کے ساتھ وزن کرے گا، کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا کوئی عمل ہوگا تو اللہ اسے سامنے لائے گا اور اس کے دیگر اعمال کے ساتھ اس کا وزن کرے گا۔ اور اللہ سے بڑھ کر حساب میں کون دقیق ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ اس سے زیادہ بندوں کے اچھے اور بُرے اعمال کو کون جانتا ہے؟ یہ آیت اس پر بھی دلیل ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا۔ سورۃ الاعراف آیت (۸) کی تفسیر کے ضمن میں وزن اعمال پر تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔ سورۃ الکہف آیت (۱۰۵) میں بھی مجمل طور پر اس کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ یہاں ایک بات یہ بتانی ہے کہ انبیائے کرام اور فرشتوں کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا، کیونکہ ان کا حساب ہی نہیں ہوگا، اسی طرح ان تمام لوگوں کے اعمال وزن نہیں کئے جائیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ بے حساب و کتاب جنت میں داخل کر دے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيكًا وَقِرَّةَ الْعُنُقَيْنِ ۗ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَهُم مِّنَ السَّاعَةِ مَشْفِقُونَ ۝ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنزَلْنَاهُ ۗ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قَالُوا آجِبْنَاكَ يَا لَعَنُوكَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْرِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَكَانَ لِلْكَافِرِينَ أَصْنَامُهُمْ بَعْدَ أَنْ قُولُوا مُدْبِرِينَ ۝

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے والی کتاب (۱۹) دی، اور وہ (کتاب) اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے روشنی تھی اور نصیحت کا ذریعہ تھی ﴿۳۸﴾ ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے اُسے بغیر دیکھے ڈرتے تھے، اور جو قیامت کے تصور سے کانپتے تھے ﴿۳۹﴾ اور یہ بابرکت ذکر (یعنی قرآن) بھی ہم نے نازل کیا ہے، تو کیا تم لوگ اس کے منکر ہو ﴿۵۰﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے اچھی سچھ (۲۰) دی تھی، اور ہم انہیں خوب جانتے تھے ﴿۵۱﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، یہ مورتیاں کیا ہیں جن کی تم عبادت کر رہے ہو ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا، تم اور تمہارے باپ داداے کھلی گمراہی میں تھے ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا، کیا تم واقعی ہمارے پاس دین حق لے کر آئے ہو، یا یونہی ٹھٹھا کر رہے ہو ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا، بلکہ تمہارا رب، آسمان اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں ﴿۵۶﴾ اور اللہ کی قسم! جب تم لوگ پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے، تو میں تمہارے بتوں کے خلاف کارروائی کروں گا ﴿۵۷﴾

صرف انہی جنوں اور انسانوں کے اعمال کا وزن ہوگا جن کا میدانِ محشر میں حساب ہوگا، اور جن کے اعمال اللہ کے سامنے سے گذارے جائیں گے۔

(۱۹) یہاں سے دس انبیائے کرام کے واقعات کی ابتدا ہو رہی ہے۔ اور آیات (۹/۸۷) میں جو بات اجمالی طور پر بیان کی گئی ہے اسی کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ انبیائے کرام کے قصے بیان کرنے سے مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی اور ان کے دل کو تقویت پہنچانی ہے، اس لئے کہ ان تمام ہی قصوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جن لوگوں نے ان انبیاء کی دعوت کو ٹھکرادیا، اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور انبیاء اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو بچالیا، اس لئے آپ اطمینان رکھیں کہ بلا آخر غلبہ آپ کو اور اس دین کو حاصل ہوگا جس کی تبلیغ کے لئے آپ مکلف کئے گئے ہیں، اور مشرکین مکہ کو منہ کی کھائی پڑے گی۔

آیات (۳۹/۳۸) میں "فرقان" سے مراد تورات ہے، جو حق و باطل کے درمیان تفریق کرتی تھی، جہالت کی تاریکیوں میں مشعل کا کام دیتی تھی، اور بنی اسرائیل کے وہ اہل تقویٰ اس کی تعلیمات سے نصیحت حاصل کرتے تھے، جو اپنے رب کے اُن دیکھے عذاب سے ڈرتے تھے، اور روزِ قیامت کے تصور سے خوف کھاتے تھے کہ کہیں اعمالِ صالحہ میں تفریط پر اس دن مواخذہ نہ ہو جائے اور عذاب کے سزاوار نہ ٹھہرا دیئے جائیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُنُودًا اِلَّا كَثِيرًا لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ اِيَّاهُ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتَةِ اِنَّكَ لَبَيْنُ الظَّالِمِيْنَ ﴿۵۹﴾
 قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَدْعُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوا فَاَنْتَوَا بِرَبِّهِ عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

پس انہوں نے ان کے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، تاکہ وہ لوگ اس (بت) کے پاس واپس جائیں ﴿۵۸﴾ انہوں نے کہا، جس نے ہمارے بتوں کا یہ حال بنایا ہے وہ یقیناً ظالم آدمی ہے ﴿۵۹﴾ لوگوں نے کہا، ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے، ان بتوں کے بارے میں بات کرتے سنا تھا ﴿۶۰﴾ سب نے کہا، تو تم لوگ اسے سب کے سامنے لاؤ، تاکہ اسے دیکھیں ﴿۶۱﴾

آیت (۵۰) میں مخاطب کفار مکہ ہیں جو تورات کو آسمانی کتاب سمجھتے تھے، کہ جب تم اس کے کلام الہی ہونے کے معترف ہو تو اس مبارک کتاب کا کیوں انکار کرتے ہو جسے ہم نے تورات کی طرح اپنے رسول محمد (ﷺ) پر نازل کیا ہے۔ (۲۰) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی میں شمس و قمر اور دیگر ستاروں میں غور و فکر کر کے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کو سمجھنے، اس پر ایمان لانے اور اپنے باپ آزر اور اس کی قوم کے سامنے اس دعوت کو پیش کرنے کی توفیق دی تھی، اس لئے کہ اللہ جانتا تھا وہ اس عقیدہ کو قبول کرنے اور پھر اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی پوری اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور اس کی قوم نمرود اور اس کے ماننے والوں سے پوچھا کہ اینٹ، پتھر اور لکڑی کے بنے ان حقیر اور بے جان مجسموں کی کیا حقیقت ہے کہ تم لوگ ان کی عبادت کرتے ہو۔ نہ یہ نفع پہنچاتے ہیں، نہ نقصان۔ یہ خود تمہارے ہی ہاتھوں کے بنے ہوئے بے جان مجسمے ہیں۔ کس عقل کا تقاضا ہے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے آباء و اجداد ان کی عبادت کرتے آئے ہیں، اس لئے ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ آباء و اجداد کی اندھی اور جاہلانہ تقلید کے علاوہ ان کے پاس اپنے مشرکانہ اعمال کی کوئی عقلی دلیل نہیں تھی۔ ابراہیم نے کہا، تم اور تمہارے باپ دادا سبھی کھلی گمراہی میں بھٹکتے رہے ہیں۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر بے عقلی ہو سکتی ہے کہ انسان ایسے بتوں کی پرستش کرے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور جو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں۔ نفسی لکھتے ہیں کہ وہ اور ان کے باپ دادا سبھی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ کافروں نے ان کی یہ بات سن کر کہا کہ اے ابراہیم! جو کچھ تم ہم سے کہہ رہے ہو سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہے ہو، یا یونہی ہم سے مذاق کر رہے ہو، اور تمہاری گفتگو کا کوئی مطلب نہیں ہے؟ تو ابراہیم نے اپنی داعیانہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں اپنی گفتگو میں بالکل سنجیدہ ہوں، اور تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوانہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب قوم ابراہیم کی عید کا دن آیا تو انہوں نے ابراہیم سے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہو گے تو ہمارا دین تمہیں پسند آئے گا۔ ابراہیم نے معذرت کر دی، اور دل میں کہا کہ اگر تم دعوت توحید کو میری زبان سے سن کر قبول نہیں کرتے ہو، تو اب میں تمہیں عملی طور پر سمجھاؤں گا کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور جب تم ان کی پوجا کر کے اپنے گھروں کو چلے جاؤ گے تو میں اس "منکر" کو اپنے ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے کلباڑی سے تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا، اور اس کی گردن میں کلباڑی لٹکادی، تاکہ جب واپس آئیں، اور اپنے معبودوں کا یہ حال دیکھیں، اور بڑے بت کی گردن میں کلباڑی لٹکتا دیکھیں، تو اس سے کچھ پوچھنا

قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَا يَا نَبِيَّهُمْ ۗ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۗ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْتَأْذَنُواهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطَفُونَ ﴿۷۰﴾
 فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ الظَّالِمُونَ ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نَكَسُوا عَلٰی رُؤُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطَفُونَ ﴿۷۲﴾
 قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۷۳﴾

لوگوں نے پوچھا (۲۱) اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کا یہ حال بنایا ہے ﴿۷۲﴾ اس نے کہا، بلکہ اس بڑے بت نے یہ کیا ہے، اگر یہ بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو ﴿۷۳﴾ پھر انہوں نے اپنے دل میں اس بات پر غور کیا، اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ درحقیقت تم لوگ ظالم ہو ﴿۷۳﴾ پھر (نوراً ہی) اعترافِ حقیقت سے منکر گئے اور کہنے لگے کہ تم تو جانتے ہو کہ یہ بت بولتے نہیں ہیں ﴿۷۵﴾ اس نے کہا، تو کیا تم لوگ اللہ کے سوا ان کی عبادت (۲۲) کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان ﴿۷۶﴾

چاہیں۔ اور جب وہ اپنی زبان حال سے اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعلان کرے تو مشرکوں کو کچھ تو سمجھ میں آئے کہ ان کے چھوٹے معبود کیا، بڑا معبود بھی کتنا عاجز دے بس ہے کہ انہیں کچھ بتا بھی نہیں سکتا، تو پھر یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ واپس آنے کے بعد جب انہوں نے بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسی اہانت آمیز حرکت کی ہے، اس نے بہت ہی بُرا کام کیا ہے کہ جن بتوں کی ہم پرستش کرتے تھے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں، تو انہی میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے، ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے سنا گیا تھا، لوگوں نے کہا کہ پھر اُسے ہم سب کے سامنے لایا جائے، اور ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ دوسروں کے لئے عبرت بن جائے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہی تو چاہتے تھے کہ پوری قوم کے سامنے انہیں دعوتِ توحید پیش کرنے اور بتوں کی بے بسی بیان کرنے کا موقع ملے۔

(۲۱) ابراہیم علیہ السلام بھری محفل میں لائے گئے، اور ان سے پوچھا گیا کہ اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے بتوں کا یہ حال بنا دیا ہے؟ تو انہوں نے بت پرستوں کے خلاف جہتِ قائم کرنے کے لئے اور ان کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا کہ جب یہ بڑا بت تمہارا سب سے بڑا معبود ہے اور اسے تم نافع و ضار مانتے ہو تو پھر اسی نے کیا ہوگا، اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہوگا کہ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے بتوں کی تم لوگ کیوں پوجا کرتے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کا مقصود اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا ہرگز نہیں تھا، اس لئے کہ اس سے بڑھ کر کم عقلی اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ ایک پتھر سے تراشے مجسمہ کی طرف توڑ پھوڑ کو سجدگی کے ساتھ منسوب کرتے۔ اور عقیدہ بت پرستی پر ایک کاری ضرب لگانے کے لئے مزید کہا کہ اگر یہ بت معبود حقیقی ہیں تو ان کے اندر کم از کم بولنے کی صلاحیت تو ضرور ہوگی، انہی سے پوچھ لو کہ کس نے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں یہ استہزاء آمیز اور مبنی بر حقیقت جواب سن کر مشرکین لاجواب ہو گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان بے روح جمادات کی عبادت کر کے درحقیقت ہم ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں، اور خواہ مخواہ ابراہیم کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں، لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ان کا کبر و عناد سر اٹھا کر پھر سامنے آ گیا، اس لئے کہنے لگے: تمہیں معلوم ہے کہ یہ اصنام بات نہیں کر سکتے ہیں، تو کیوں کہتے ہو کہ ہم ان سے پوچھ لیں۔ ان کے اس جواب سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد پورا ہو گیا کہ جب تم خود اعتراف کرتے ہو کہ یہ بولنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے ہیں تو پھر کیوں ان کے سامنے جہ سائی کرتے ہو۔

أَفِ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۹۳۲﴾ قَالُوا حَزِقُوا وَأَنْصُرُوا إِلَهُتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فاعِلِينَ ﴿۹۳۳﴾
 قُلْنَا يَا لَأَكُونُنَّ بُرْدًا وَسَلْبًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۹۳۴﴾ وَأَزَادُوا لَهُ كَيْدًا فَبَعَلْنَاهُمُ الْاُخْسَرِينَ ﴿۹۳۵﴾

تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو ﴿۹۳۴﴾ لوگوں نے کہا، تم لوگ اسے جلا دو، اور اگر اپنے معبودوں کی مدد کر سکتے ہو تو کر گزرو ﴿۹۳۵﴾ ہم نے کہا، اے آگ! تو ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی بن جا ﴿۹۳۶﴾ اور انہوں نے اس کے خلاف سازش کرنی چاہی، تو ہم نے انہیں بڑا گھٹاپا نہ والا بنا دیا ﴿۹۳۷﴾

(۲۲) ابراہیم علیہ السلام نے انہیں لاجواب کرتے ہوئے نہایت حقارت آمیز انداز میں کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی کیوں عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں، تف ہو تم پر اور تمہارے معبودوں پر، کیا تمہیں اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ تمہارا یہ فعل کتنا بڑا اور عقل سے کس قدر بعید ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے سامنے جھکتے ہو اور انہیں اپنا معبود سمجھتے ہو۔

جب مشرکین کو ابراہیم علیہ السلام کے استدلال نے عاجز بنا دیا، تو جیسا کہ ہمیشہ باطل پرستوں کا شیوہ رہا ہے کہ حق پرستوں کی دلیل سے بے بس ہو کر طاقت کا استعمال کرتے ہیں اور ظلم و استبداد کی طرح ڈالتے ہیں، انہوں نے آپس میں رائے کی کہ اب ابراہیم کو خاموش کرنے کی ایک ہی شکل رہ گئی ہے کہ ہم لوگ اپنے معبودوں کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دیں، تاکہ دنیا اس کی بے بسی کا نظارہ کرے اور ہر شخص جان لے کہ جو شخص ہمارے معبودوں کی عزت نہیں کرتا اسے ہم ایسی ہی دردناک سزا دیتے ہیں۔ انہوں نے ایک زبردست آگ جلائی، اور ابراہیم کو منجیق کے ذریعہ دور سے اس آگ میں پھینک دیا۔ فخر الدین رازی اور ابو السعود نے لکھا ہے کہ ابراہیم اس آگ میں چالیس یا پچاس دن تک رہے، اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔ ماوردی لکھتے ہیں کہ اس وقت وہ چھبیس سال کے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام جو نبی آگ میں پھینکے گئے اللہ نے اسے حکم دیا کہ وہ ابراہیم کے لئے ٹھنڈی بن جائے، اور ٹھنڈی بھی اس قدر ہو کہ نقصان نہ پہنچائے بلکہ سکون و سلامتی کا باعث ہو۔ چنانچہ وہ ٹھنڈی اور آرام دہ بن گئی۔

امام احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان وغیرہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تو چھپکلی کے علاوہ تمام چوپایوں نے آگ بجھانے کی کوشش کی تھی، چھپکلی آگ میں بھونک مارتی تھی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اُسے مارنے کا حکم دیا ہے، وہ زہریلی اور برص والی ہوتی ہے۔“ محدث البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابراہیم جب آگ میں ڈالے گئے تو پہلا کلمہ جو ان کی زبان پر آیا ”حسبنا اللہ ونعم الوکیل“ تھا، ”ہمارا اللہ ہمارے لئے کافی ہے، اور وہ بڑا کار ساز ہے۔“

آیت (۷۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بت پرستوں نے تو ابراہیم کے خلاف سازش کی کہ انہیں جلا کر خاکستر کر دیں، لیکن اللہ نے ان کی سازش کو انہی کی طرف پھیر دیا، ان کی کوشش ضائع ہوئی، مال کا خسارہ ہوا، اور مقصد حاصل نہیں ہوا، اور دنیا نے جان لیا کہ ابراہیم حق پر ہیں اور وہ سراسر باطل پر۔

وَبَجَّيْنَاهُ وَلَوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ وَجَعَلْنَا لِهَاقِمِ بْنِ يَسْحَانَ مِثْلَ لُوطٍ ۖ وَوَهَبْنَا لِيُحْيَىٰ مِثْلَ لُوطٍ ۖ وَإِنَّا لَتَنَزِّلُنَاكَ فِي الْبَحْرِ كَاللَّذِينَ نَزَّلْنَا لُوطًا أَيْتَانَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَبَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْغَيْبَاتِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا فَيَسْقِينَهُ ۖ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الطَّالِحِينَ ۝

۵۳۵

اور ہم نے انہیں اور لوط کو نجات (۲۳) دے کر اس سر زمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی ﴿۹۳﴾ اور ہم نے انہیں اسحاق عطا کیا، اور مزید برآں یعقوب دیا، اور سب کو ہم نے نیک بنایا ﴿۹۴﴾ اور ہم نے انہیں پیثوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی تھی کہ وہ اچھے کام کریں، اور نماز قائم کریں، اور زکاۃ دیں، اور وہ سب ہماری ہی عبادت کرتے تھے ﴿۹۵﴾ اور ہم نے لوط کو پیغمبری اور علم (۲۴) دیا، اور اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کرتے تھے، وہ لوگ بڑے ہی بُرے اور گناہ گار تھے ﴿۹۶﴾ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر دیا تھا، اور وہ بے شک نیک آدمی تھے ﴿۹۷﴾

(۲۳) ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلنے کے بعد لوگوں کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرتے رہے، اور دن بدن ان کے خلاف بت پرستوں کی عداوت بڑھتی ہی گئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا ملک چھوڑ کر سر زمین شام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، تو وہ اپنے بھتیجا لوط (جو ان کے بھائی ہارن اصغر کے بیٹے تھے) اور اپنی بیوی سارہ (جو ان کے چچا ہارن اکبر کی بیٹی تھیں) کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے جو اپنی زرخیزی، درختوں، نہروں اور پھلوں کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھا، اور جو بہت سے انبیاء کی جائے پیدائش تھا، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مومن و کافر سب کے لئے مبارک کہا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ﴿۹۳﴾ ”اے میرے رب! مجھے نیک لڑکا عطا فرما“ (الصافات: ۱۰۰) تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی تھی، چنانچہ سارہ علیہا السلام کے بطن سے اسحاق پیدا ہوئے، اور اللہ نے اپنی طرف سے فضل و کرم کرتے ہوئے اسحاق علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی یعقوب جیسا بیٹا دیا جو اپنے دادا اور باپ کی طرح نبی ہوئے، اور ان تینوں ہی حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ”صالح“ کا لقب دیا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے خالق و مالک کا حق عبادت پورے طور سے ادا کیا، اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کوئی کمی نہیں کی، اور ان سب کو اللہ تعالیٰ نے رُشد و ہدایت کا امام بنایا تھا، آسمانی وحی کے مطابق لوگوں کی بھلائی کی طرف رہنمائی کرتے تھے، اور خود بھی نیک کام کرتے تھے، نماز کی پابندی کرتے تھے، زکاۃ دیتے تھے، اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو نبوت، علم شریعت اور حکمت و دانائی سے نوازا تھا، اور لوگوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔ وہ اہل سدوم، اہل عمورہ اور آس پاس کی بستیوں میں تبلیغ دین کا کام کرتے رہے، لیکن لوگوں کی حالت نہیں بدلی، اور جن خبیث اعمال کا ارتکاب کرتے تھے انہیں ترک نہیں کیا، تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو لے کر وہاں سے نکل جائیں۔ اور ان بستیوں والوں کو ان کے فسق و فجور، فعل لواطت اور مجلسوں میں گوز کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان شہروں کی تعداد سات تھی، جبریل علیہ السلام نے ان میں سے چھ کو اُلٹ دیا، اور صرف (زغر) نام کی ایک

وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلِهِ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَجَعَلْنَاهُ مِنْ أَهْلِ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۗ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا ۖ وَأَعْرَضْنَا عَنْ قَوْمِهِمْ أَجْمَعِينَ ۖ وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْتَلِمُن فِي الْحَرِّ إِذْ
نَفَسَتْ فِيهِ غَمُّ الْقَوْمِ ۖ وَكُنَّا لِحِكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۖ فَفَتَّمْنَاهُ سُلَيْمَانَ ۖ وَكُلًّا آتَيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَرْنَا
مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۖ وَعَدْنَاهُ صَنْعَةً لَبِيسَ لَكُمْ لِيُتَصَدَّقُوا مِنْ بَأْسِكُمْ
فَقُلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ۖ وَسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۖ وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَغْوِصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ۗ

اور نوح (۲۵) نے بھی جب اس کے قبل ہمیں پکارا، تو ہم نے ان کی پکار کو سن لیا، پس انہیں اور ان کے گھر والوں کو
زبردست مصیبت سے نجات دی ﴿۶۶﴾ اور ان لوگوں کے خلاف ان کی مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب
کی، اور وہ لوگ بڑے ہی بُرے لوگ تھے، اس لئے ہم نے ان سب کو ڈبو دیا ﴿۶۷﴾ اور داؤد و سلیمان (۲۶) جب
کھیتی کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے، جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں گھس گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلے کے گواہ
تھے ﴿۶۸﴾ پس ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے پیغمبری اور علم دیا تھا، اور ہم
نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع بنا دیا تھا، وہ تسبیح پڑھتے تھے، اور چڑیوں کو بھی تابع بنا دیا تھا، اور یہ ہم نے کیا تھا ﴿۶۹﴾
اور ہم نے انہیں تمہارے فائدے کے لئے زرہ بنانا سکھایا، تاکہ وہ (زرہ) تمہیں لڑائی کے نقصانات سے بچائے، تو
کیا تم لوگ اللہ کا شکر ادا کرو گے ﴿۸۰﴾ اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع فرمان بنا دیا تھا، وہ ان کے حکم سے اس
سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور ہم ہر چیز کو جانتے تھے ﴿۸۱﴾ اور بعض شیطان کو بھی
ان کا تابع بنا دیا تھا جو ان کے لئے سمندروں میں غوطہ لگاتے تھے، اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے،
اور ہم ان کی نگرانی کرتے تھے ﴿۸۲﴾

بستی کو لوط علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال کے لئے چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آیت (۷۵) میں فرمایا کہ ہم نے لوط کو ان کے صلاح و تقویٰ کی وجہ سے اپنی رحمت میں داخل کر دیا۔
معلوم ہوا کہ صالحیت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہوتی ہے، اور فسق و فجور اس کی رحمت سے محرومی کا باعث بنتا ہے، اور اللہ کے
نیک بندوں میں سب سے زیادہ اصحاب صلاح و تقویٰ انبیائے کرام ہوتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿وَأَدْخِلْنِي
بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ ”مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں داخل کر دے“۔ (النمل: ۱۹)۔

(۲۵) نوح علیہ السلام بھی اللہ کے بڑے انبیاء میں سے تھے۔ انہیں چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی، اس کے بعد سے نو سو پچاس
سال تک اپنی قوم میں دعوت کا کام کرتے رہے، لیکن وہ لوگ اپنے کفر و انکسار پر اڑے رہے تو نوح علیہ السلام نے ان پر بددعا
بھیج دی اور اپنے رب سے کہا: ﴿أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِر﴾ ”اے میرے رب! میں مغلوب ہوں تو میری مدد فرما“۔ (القرم: ۱۰)
اور کہا: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ ”میرے رب زمین پر کسی کافر کا گھر نہ چھوڑ“۔ (نوح: ۲۶) تو
اللہ تعالیٰ نے طوفان کے ذریعہ نوح علیہ السلام اور مسلمانوں کے سوا تمام کافروں کو ہلاک کر دیا، نوح علیہ السلام طوفان کے بعد

ساتھ سال تک زندہ رہے۔ اس طرح ان کی مجموعی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوتی ہے۔

(۲۶) داؤد اور سلیمان علیہما السلام بھی ان انبیاء صالحین میں سے تھے جن پر اللہ نے اپنا خاص فضل و کرم فرمایا تھا، دونوں کو نبوت اور حکمت و دانائی سے نوازا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ قوم داؤد کے ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کے انگور کے باغ میں گھس گئیں اور پوری کھیتی کو تہس نہس کر دیا۔ مقدمہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا، انہوں نے فیصلہ کیا، کھیت والا بکریاں لے لے، اس لئے کہ خسارہ بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ جب دونوں وہاں سے باہر آئے تو سلیمان علیہ السلام کو فیصلے کا علم ہوا۔ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ فیصلہ تو صحیح ہے، لیکن دونوں کے لئے اس سے زیادہ مفید فیصلہ یہ ہو گا کہ بکریوں کا مالک کھیتی کی دیکھ بھال کرے یہاں تک پہلے کی طرح ہو جائے، اور کھیت والا بکریوں کے دودھ اور اون وغیرہ سے مستفید ہو یہاں تک کہ اس کا کھیت پہلی حالت میں لا کر واپس کر دیا جائے۔

آیات (۷۸/۷۹) میں اسی واقعے کا ذکر ہے اور اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹا دونوں کو حکمت و دانائی دی تھی، لیکن اس قضیہ میں سلیمان کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔ جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ دونوں کے فیصلے اجتہادی تھے اور صحیح تھے، لیکن سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ مناسب حال تھا۔

آیت (۷۹) کے آخر میں بعض ان انعامات الہیہ کا ذکر ہے جو داؤد علیہ السلام کے ساتھ خاص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پہاڑوں اور چڑیوں کو مسخر کر دیا تھا، جب وہ اپنی سرطلی آواز میں تسبیح پڑھتے اور زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑوں سے ویسی ہی آواز آنے لگتی اور چڑیاں فضا میں ٹھہر جاتیں اور ان کی سر میں سر ملا کر اللہ کی تسبیح پڑھنے لگتیں۔ سورہ ص آیات (۱۷/۱۸/۱۹) میں ہے: ﴿وَإِذْ نَادَىٰ دَاوُدَ إِذْ أَلْمَدَّ الْأَيْدِيٰهُ أَوْ أَبِۙءَ ۙ إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُۥ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشْبِيِّۦ وَالْإِشْرَاقِ ۙ وَالطُّيُنِ مَحْشُورَةً كُلُّ لَّهُ أَوْ أَبِۙءَ ۙ﴾ ”اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی طاقت والے تھے، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والے تھے ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح پڑھیں، اور پرندوں کو بھی، سب کے سب جمع ہو کر اس کے زیر فرمان رہتے“۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت میں سے تھیں، اور وہ تو ان سے بھی زیادہ عجیب و غریب باتوں پر قادر ہے، وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی چیز اسے عاجز نہیں بنا سکتی۔

آیت (۸۰) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلحہ سازی کا علم دیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ میں لوہا آتے ہی نرم ہو جاتا تھا، تاکہ اس سے باسانی جو ہتھیار بنانا چاہیں بنا لیں۔ سورہ سبا آیات (۱۱/۱۰) میں ہے: ﴿وَالنَّالَةَ الْحَدِيدِ ۙ إِنَّ إِيَّاهُمْ لَأَعْمَلُ سَابِغَاتٍ وَقَدَّرَ فِي السَّمَاءِ ۙ﴾ ”اور ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ آپ پوری پوری زرہیں بنا لیں، اور جوڑوں میں اندازہ رکھئے (تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں، یا سخت یا نرم نہ ہوں)“۔

اور سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ تیز و تند ہوا ان کے تخت کو اڑانے پھرتی تھی۔ صبح کے وقت اس پر بیٹھ کر جہاد کے لئے ایک ماہ کی مسافت تک جاتے اور شام تک اپنے ملک (شام) واپس آ جاتے۔ سورہ سبا آیت (۱۲) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَسَلِيمَانَ الرِّيحَ غَدُوۙهَا شَهْرًا وَرَاحَهَا شَهْرًا ۙ﴾ ”اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی، اور شام کی منزل بھی، یعنی صبح سے لے کر شام تک دو ماہ کی منزل طے کرتے تھے“۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنوں کو بھی مسخر کر دیا تھا، جو سمندر میں غوطے لگا کر ان کے لئے قیمتی موتی اور جوہر نکالتے

وَاَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرِّهِ
وَأَتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِنْهُمُ مَعَهُمْ رَحْمَةٌ مِنْ عِنْدِنَا وَذَكَرْنَا لِلْعَالَمِينَ ﴿۸۴﴾ وَاسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَ
ذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۸۵﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۶﴾

اور ایوب (۲۷) نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف دہ بیماری لاحق ہو گئی ہے، اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۸۳﴾ تو ہم نے ان کی دعا سُن لی اور ان کی بیماری دور کر دی، اور ہم نے ان کے بال بچے انہیں دے دیئے، اور اپنی جانب سے رحم کرتے ہوئے انہی جیسے اور دیئے، اور تاکہ یہ چیز ہماری عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہے ﴿۸۴﴾ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل (۲۸) سبھی صبر کرنے والے تھے ﴿۸۵﴾ اور ان سب کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کر دیا تھا، اور وہ سبھی نیک لوگ تھے ﴿۸۶﴾

تھے، اور دوسرے کام بھی ان کے حکم سے کرتے تھے، عمارتیں، مجسے، قلعے اور کشتیاں وغیرہ بناتے تھے۔ سورہ سبأ آیت (۱۳) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُونَ مِنْ مَحَابِبٍ وَتَمَّائِيلٍ وَجَفَّانٍ كَالْجَوَابِ﴾ ”جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسے اور حوضوں کے برابر لگن“۔ اور اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص کرم یہ تھا کہ وہ ان تمام چیزوں کی حفاظت کرتا تھا تاکہ کوئی شیطان بنانے کے بعد انہیں ہکا بھکا نہ دے۔

(۲۷) ان انبیائے صالحین میں سے ایوب علیہ السلام بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کا تھا اور ان کا علاقہ بحر میت کے جنوب شرق میں تھا۔ وہ اللہ کے بڑے ہی شاکر و صابر بندے تھے۔ اللہ نے انہیں خوب مال و دولت اور اولاد و جاہ سے نوازا تھا، اس لئے اپنے رب کا خوب شکر ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد اللہ نے انہیں بیماری میں مبتلا کر دیا اور اولاد و دولت سب جاتی رہی، تو اپنے رب کی رضا کے لئے بہت ہی صبر سے کام لیتے رہے، اور دل میں شکوہ کو جگہ نہیں دی۔ جب ان کی تکلیف حد سے بڑھنے لگی اور اسی حال میں اٹھارہ سال کا زمانہ گزر گیا تو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی، اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی، ان کی بیماری جاتی رہی، اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں پہلے سے بھی زیادہ مال و دولت اور اولاد و جاہ سے نوازا۔

اس واقعہ سے نصیحت ملتی ہے کہ صبر کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے، اور اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے واسطے سے اللہ کے حضور دعا اور گریہ و زاری سے مصیبت دور ہوتی ہے، اور دنیا کی مصیبت و تکلیف اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ بندہ اپنے رب کی نگاہ میں ذلیل و بد بخت ہے، اور ایمان و اخلاص کے ساتھ صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پہلے سے کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔

(۲۸) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل بھی انبیائے کرام میں سے تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اسماعیل سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ ان کا اور ادریس کا ذکر سورہ مریم میں آچکا ہے۔ باقی رہے ذوالکفل تو آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے، جیسا ان کا ذکر انبیاء کے ضمن میں آیا ہے۔ انتہی۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ذوالکفل سے مراد حزقیل علیہ السلام ہیں۔ ان تینوں انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والا بنایا ہے یعنی اللہ کی بندگی میں جو تکلیف ہوتی تھی اس پر صبر کرتے تھے، گناہوں سے بچتے تھے، اور قضاء و قدر کے مطابق زندگی میں انہیں جو تکلیف و مصیبت لاحق ہوتی تھی اس پر بھی صبر کرتے تھے، اور تینوں کو اللہ تعالیٰ نے مصعب نبوت پر فائز کیا تھا، اس لئے کہ وہ صلاح و تقویٰ میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

وَذَا التُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَوْلَا إِلَهُ الْآلِهَةِ سَمِعْتَنِي إِنْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَبَجَيْنَاهُ مِنَ الْعَذَابِ وَكَذَلِكَ نُفَجِّئُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ وَذَكَرْنَا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۸۹﴾

اور یونس (۲۹) جب اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل دیئے، تو سمجھے کہ ہم ان پر قابو نہیں پائیں گے، پس انہوں نے تاریکیوں میں اپنے رب کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو تمام عیوب سے پاک ہے، میں بے شک ظالم تھا ﴿۸۷﴾ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی، اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں ﴿۸۸﴾ اور ذکر کیا (۳۰) نے اپنے رب کو پکارا کہ میرے رب! مجھے تہانہ چھوڑ دے، اور تو تو سب سے اچھا وارث ہے ﴿۸۹﴾

(۲۹) ذوالنون سے مراد یونس بن متی علیہ السلام ہیں۔ "نون" مچھلی کو کہتے ہیں، چونکہ مچھلی نے انہیں اللہ کے حکم سے نکل لیا تھا، اسی لئے اللہ نے اس لقب کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے۔ انہیں "موصل" کے علاقے میں نینوی والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، تاکہ لوگوں کو توحید باری تعالیٰ، عدل و انصاف اور اخلاق حسنہ کی دعوت دیں، لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، بلکہ دن بدن ان کی شرانگیزی بڑھتی ہی گئی۔ آخر کار ان کے کفر سے عجب آکر انہیں ہسکی دی کہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر اللہ کا عذاب آکر رہے گا، اور خود وہاں سے نکل کر بیت المقدس آگئے، اور پھر وہاں سے یافا کی طرف روانہ ہو گئے، اور "ترشیش" کی طرف جانے والی ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تیز آمدنی چلنے لگی اور کشتی کو خطرہ لاحق ہو گیا تو لوگوں نے کشتی کا بوجھ کم کرنے کے لئے اپنا سامان سمندر میں پھینک دیا، اس کے بعد بھی خطرہ نہیں ملا تو انہوں نے سوچا کہ کشتی میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جس کی وجہ سے خطرہ لاحق ہے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی تو یونس علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکلا، اس لئے لوگوں نے انہیں سمندر میں پھینک دیا تو طوفان رُک گیا۔ اللہ نے ایک مچھلی کو بھیجا جس نے انہیں نگل لیا، تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے، پھر دعا کی تو اللہ نے قبول کر لی اور مچھلی نے ساحل پر آکر اپنے پیٹ سے انہیں باہر کر دیا۔

ترمذی، نسائی اور حاکم وغیرہم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یونس کی دعا جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" تھی۔ جب بھی کوئی مسلمان اپنے رب سے کسی حاجت کے لئے یہ دعا کرے گا قبول کی جائے گی۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ احمد، حاکم اور ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آیت میں "ظلمات" یعنی تاریکیوں سے مراد رات کی تاریکی، مچھلی کے پیٹ کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کی ناراضگی اللہ کے لئے اپنی قوم کے کفر کی وجہ سے تھی، لیکن ان سے بھول یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کئے بغیر نینوی سے چلے گئے تھے، اسی لئے جب دعا کی تو اپنے آپ کو ظالم کہا، یونس علیہ السلام کے نینوی سے چلے جانے کے بعد جب ان کی قوم کو عذاب کا یقین ہو گیا تو انہوں نے فوراً توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، تو اللہ نے عذاب کو اٹھا لیا، جس کی تفصیل سورہ یونس آیت (۹۸) میں گذر چکی ہے۔

(۳۰) جن انبیائے کرام کی زندگی نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے، ان میں سے زکریا علیہ السلام بھی ہیں۔ انہوں

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَذْعُرُونَ غِبَابَ رَهْبَاءٍ
وَكَانُوا الْكَاخِشِينَ ۝ وَالَّذِي أَحْصَدَتْ فَرجَهَا فَفَنَعَّمْنَا فِيهَا مِنْ دُونِهَا وَجَعَلْنَاهَا وَأَبْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۝

تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں یحییٰ (بیٹا) عطا کیا، اور ان کی بیوی کو اولاد جننے کے قابل بنا دیا، بے شک وہ لوگ خیر کے کاموں کی طرف سبقت (۳۱) کرتے تھے، اور ہمیں امید و بیم کی حالت میں پکارتے تھے، اور ہمارے لئے خشوع و خضوع اختیار کرتے تھے ﴿۹۰﴾ اور وہ عورت (۳۲) جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، تو ہم نے اس کے بطن سے اپنی روح کو پھونک کے ذریعہ پہنچا دیا، اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنا دی ﴿۹۱﴾ نے بڑھاپے میں اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں ایک بیٹا عطا کر دے جو ان کے بعد دعوت الی اللہ کا کام سنبھالے۔ یہ واقعہ سورہ آل عمران آیات (۳۸) سے (۴۱) اور سورہ مریم آیات (۳) سے (۱۵) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے اپنی دعا میں کہا، میرے رب مجھے تہانہ چھوڑ دے، ایک لڑکا دے جو نبوت اور علم و حکمت میں میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور تو تو سب سے اچھا وارث اور سب سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے، تو اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی بیوی کو لڑکا پیدا کرنے کے قابل بنا دیا جن کے بطن سے یحییٰ پیدا ہوئے۔

(۳۱) مذکور بالا انبیائے کرام کا فرد اُفرد اُذکر کرنے کے بعد، اب ان تمام کی مجموعی صفت یہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ حضرات بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے، اور امید و خوف دونوں حالتوں میں اپنے رب کو پکارتے تھے، اور ہر حال میں اس کے لئے خشوع و خضوع اختیار کرتے تھے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ تینوں صفات زکریا، ان کی بیوی اور ان کے بیٹے یحییٰ کی بیان کی گئی ہیں۔

ترمذی نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو ختم کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر پھیر لیتے، اور ترمذی نے ہی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ سے مانگو تو اپنی ہتھیلیوں کے ذریعہ مانگو، ان کی پشت کے ذریعہ نہ مانگو، اور انہیں اپنے چہرے پر پھیر لو“۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سینہ تک اٹھانا دعا ہے، اور انہیں سر سے اوپر اٹھانا گڑبگڑانا ہے۔ (۳۲) اگرچہ مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں، لیکن چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں، اور دونوں کے قصے میں اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کی عظیم نشانیاں پائی جاتی تھیں، اسی لئے یہاں ان کا ذکر مناسب رہا۔ مریم علیہا السلام نے کبھی حرام نہیں کیا، بلکہ حلال سے بھی اپنی شرمگاہ کو چھپایا، انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کلی طور پر فارغ کر لیا تھا اس لئے بلوغت کے بعد کبھی شادی کا خیال بھی ان کے دل و دماغ میں نہیں گذرا۔ اللہ تعالیٰ نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا کرنا چاہا تو جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبانِ یادِ امن میں پھونک مارا اور اللہ کے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام ان کے بطن میں وجود میں آ گئے۔

مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام دونوں کے حالات و واقعات میں دنیا والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہیں۔ مریم کے پاس محراب میں سردی کا پھل گرمی میں اور گرمی کا پھل سردی میں اللہ کے حکم سے آتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت کھجور کے خشک درخت میں پھل آ گیا اور مریم کے قدموں کے نیچے چشمہ جاری ہو گیا۔ اور عیسیٰ

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۖ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلًّا مِنِّي الْجَعُونَ ۖ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الظَّالِمَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَكْفُرَانِ لَسَعِيهٌ وَإِلَّاهُ كَابِتُونَ ۖ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْبَةٍ أَهْلِكْنَاهَا أَن تَكُم لَّا يَكْفُرُونَ ۖ

بے شک یہ تمہاری جماعت (۳۲) ہے، جو ایک جماعت ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ صرف میری عبادت کرو ﴿۹۲﴾ اور لوگ آپس میں (دینی اعتبار سے) ٹولیوں میں بٹ گئے، اور سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے ﴿۹۳﴾ تو جو کوئی حالت ایمان میں عمل صالح کرے گا، اس کی کوششوں کا انکار نہیں کیا جائے گا، اور ہم اس کے اعمال کو لکھ رہے ہیں ﴿۹۴﴾ اور جس بستی کو ہم ہلاک کر دیتے ہیں، اس کے دوبارہ وجود میں آنے کو ہم حرام کر دیتے ہیں ﴿۹۵﴾

علیہ السلام نے ماں کی گود میں لوگوں سے بات کی، اور نبی ہونے کے بعد اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کیا اور سنبھلے اور برص والے کی بیماری دور کر دی۔

(۳۳) یہاں "اُمة" سے مراد دین و ملت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جن انبیائے کرام کا ذکر آیا ہے، ان کے علاوہ بھی حضرت آدم سے لے کر نبی کریم ﷺ تک جتنے انبیاء گزرے ہیں، سبھیوں کا عقیدہ اور دین ایک ہی تھا۔ سبھی عقیدہ توحید پر قائم، اور اس کی دعوت دینے والے تھے۔ ہر نبی نے اپنے عہد کے لوگوں کو توحید باری تعالیٰ کی دعوت دی، شرک سے ڈرایا، اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقات کا رب ہے، اس لئے صرف اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

لیکن انبیائے کرام کے دنیا سے گزر جانے کے بعد، ان کی امتیں مرد در زمانہ کے ساتھ اصل توحید سے برگشتہ ہوتی چلی گئیں، اور مختلف جماعتوں اور فرقوں میں بٹی گئیں، کسی نے اپنا نام یہودی رکھ لیا، کسی نے نصرانی اور کسی نے بُت پرست، اور اصل دین دین اسلام کا نام ان کے ذہنوں سے محو ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب گروہوں کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، تو ان میں سے جو لوگ موحد ہوں گے اور حالت ایمان میں عمل صالح کیا ہوگا، اللہ ان کی محنت کو رانگاہا نہیں کرے گا۔ وہ اپنے فرشتوں کے ذریعہ بندوں کے تمام اعمال کو لکھ رہا ہے۔ اسی مفہوم کو اللہ نے سورۃ الإسراء آیت (۱۹) میں یوں بیان کیا ہے:

﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۖ﴾ "جس کا ارادہ آخرت کا ہو، اور جیسی کوشش اس کے لئے ہوئی چاہئے وہ کرتا بھی ہو اور وہ باایمان بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے یہاں پوری قدر وانی کی جائے گی۔"

آیت (۹۵) میں فرمایا کہ صالحین و موحدین کے مقابلے میں جو لوگ کافر و مشرک ہوں گے، اور ان کے کفر و شرک کی وجہ سے اللہ انہیں دنیا میں ہلاک کر دے گا تو قیامت کے دن وہ ضرور اپنے رب کے حضور جزا و سزا کے لئے لائے جائیں گے۔ اس بات کو اللہ نے قطعی طور پر حرام کر دیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کے پاس لوٹ کر نہ آئیں۔ آیت کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو قوم اپنے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں ہلاک کر دی جاتی ہے، اسے دوبارہ دنیاوی زندگی نہیں دی جاتی ہے۔ تیسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کے بارے میں دنیاوی یا آخری عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے وہ توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی ہرگز اختیار نہیں کرتی ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُجِّعَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ يَوْمَ لَا يُؤْيَلْنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلَّ كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ اِنكُرُوا مَا تَعْبُدُونَ مِّنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاِرْدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هُوَ اِلَهًا مَّا وُرِدُوهَا ۚ وَكُنْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا زَوْجَةٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنَىٰ اُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝

یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج (۳۳) کے لئے دروازہ کھول دیا جائے گا، اور وہ ہر اونچی جگہ سے تیزی میں اترنے لگیں گے ﴿۹۶﴾ اور اللہ کے وعدہ برحق (قیامت) کا وقت قریب آجائے گا، اور اس وقت اہل کفر کی نگاہیں پھرائی ہوئی ہوں گی (اور کہیں گے) اے ہماری بدنصیبی! ہم تو اس دن سے بالکل ہی غافل تھے، بلکہ ہم تو (اپنے حق میں) ظالم تھے ﴿۹۷﴾ بے شک تم لوگ (۳۵) اور تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے جہنم کے ایندھن بنو گے، اس میں داخل ہو گے ﴿۹۸﴾ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں نہ داخل ہوتے، اور وہ تمام کے تمام اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ﴿۹۹﴾ وہ لوگ اس میں چیخ ماریں گے، اور اس میں کچھ بھی نہیں سن پائیں گے ﴿۱۰۰﴾ بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری جانب سے بھلائی (جنت) کا فیصلہ (۳۶) ہو چکے گا، انہیں اس جہنم سے دور رکھا جائے گا ﴿۱۰۱﴾ وہ لوگ اس کی آہٹ بھی نہیں سن پائیں گے، اور جن نعمتوں کی خواہش کریں گے ان میں ہیچنگی کی زندگی گزاریں گے ﴿۱۰۲﴾

(۳۳) جس قیامت کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ اس دن تمام جن وانس اللہ کے پاس ضرور لوٹ کر جائیں گے، اس کے قریب ہونے کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ رکاوٹ جو دو القرنین نے یاجوج و ماجوج کو روکنے کے لئے کھڑی کی تھی، ہٹا دی جائے گی، اور وہ زمین میں تیزی کے ساتھ پھیل جائیں گے، اور جدھر سے گزریں گے ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیں گے، اور کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس وقت قیامت بالکل قریب ہوگی جس کا وعدہ برحق اللہ نے بندوں سے کر رکھا ہے۔

اور اہل کفر جب قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو مارے خوف و ہراس کے ان کی آنکھیں پھرا جائیں گی، اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہنے لگیں گے، ہائے ہماری بدنصیبی! ہم تو اس دن کی کامیابی کے لئے تیاری کرنے سے بالکل ہی غافل تھے، ہمیں تو یقین ہی نہیں تھا کہ قیامت آئے گی۔ ہم نے تو اپنے آپ پر بڑا ہی ظلم کیا کہ آج یہ روزِ سیاہ دیکھنا پڑ رہا ہے، لیکن اس وقت کا افسوس اور اس دن کی توبہ ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

(۳۵) مشرکین مکہ بالخصوص اور تمام مشرکین عالم کو بالعموم خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اور تمہارے وہ معبود جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، سبھی اس جہنم کا ایندھن بنو گے جس میں تم ضرور داخل ہو گے۔ اور اس وقت تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اگر یہ اصنام تمہارے حقیقی معبود ہوتے تو تمہارے ساتھ جہنم کا ایندھن نہ بنتے۔ عابد و معبود سبھی اس جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ پتھر کے تراشے بتوں کو جہنم میں ان کے پجاریوں کی تذلیل و اہانت کے لئے ڈالا جائے گا۔ اور شدت عذاب اور شدت حزن و الم کی وجہ سے جہنیوں کے منہ سے ایک کرناک چیخ نکلتی رہے گی، اور جہنم کی چمکھڑا اور جہنیوں کی چیخ و پکار اور

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِّيلِ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ يُعِيدُهُ وَعِنَّا عَلَيْكُمْ آيَاتُنَا وَإِنَّا لَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كُتِبَ فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

انہیں سب سے بڑی گھبراہٹ (جو دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد لوگوں کو لاحق ہوگی) غمگین نہیں بنائے گی، اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور ان سے کہیں گے) یہی ہے تم لوگوں کا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ﴿۱۰۳﴾ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ (۳۷) دیں گے جس طرح رجسٹر لکھی ہوئی چیز کو لپیٹ دیتا ہے، جس طرح ہم نے انہیں پہلی بار پیدا کیا، انہیں دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم بے شک ایسا کر کے رہیں گے ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں لکھ (۳۸) دیا ہے کہ سر زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے ﴿۱۰۵﴾

شدت عذاب کی وجہ سے جہنمی کچھ بھی نہ سن پائیں گے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ.

(۳۶) کافروں کے بعد اب مومنوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، کہ جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل میں نیک بنختی اور اعمال صالحہ کے لئے توفیق مقدر کر دی ہے، انہیں جہنم سے دور رکھا جائے گا، وہ اس کی آواز بھی نہیں سنیں گے، وہ تو جنت کے باغوں میں ہوں گے، اور اپنی من چاہی چیزیں کھا پی رہے ہوں گے، اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اور جب میدان محشر میں جمع ہونے کے لئے دوسرا صور پھونکا جائے گا تو ان پر کوئی گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔ فرشتے ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھ کر انہیں مبارکباد دیں گے اور کہیں گے کہ یہی وہ تمہاری خوشی کا دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تمہیں تمہاری نیکیوں کا اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

ابن جریر طبری، طبرانی اور حاکم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب آیت (۹۸) نازل ہوئی کہ تم اور تمہارے معبود سبھی جہنم کا ایندھن بنیں گے تو عبد اللہ بن الزبیر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، اے محمد! کیا تم نہیں کہتے ہو کہ عزیر نیک تھے، عیسیٰ نیک تھے، اور مریم نیک تھیں؟ آپ نے کہا، ہاں! تو اس نے کہا کہ فرشتے، عیسیٰ، عزیر اور مریم سب کی عبادت کچھ لوگ کرتے ہیں، تو کیا یہ سبھی جہنم میں جائیں گے؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ نیک ہیں اور ان کی عبادت ان کی مرضی کے بغیر کی جاتی ہے، وہ جہنم کا ایندھن نہیں بنیں گے۔

(۳۷) قیامت کے جس دن کا اوپر ذکر آیا ہے، اسی دن یہ بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح کوئی لکھنے والا نوشتہ مکتوب کو لپیٹ دیتا ہے، تمام ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، آفتاب دہاتاب متصل ہو کر اپنی اپنی جگہ چھوڑ دیں گے، اور پورا نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا، سب اپنی قبروں سے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر ختم شدہ اٹھیں گے، اللہ کا یہ وعدہ سچ ہے اور وہ ایسا کر کے رہے گا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳۸) "زبور" کا لغوی معنی کتاب ہے۔ یہاں اس سے مراد یا تو وہ (زبور) ہے جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، یا تمام آسمانی کتابیں اور "ذکر" سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اور "ارض" سے مراد یا تو جنت ہے یا کافروں کی سر زمین اور "نیک

إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاءٍ لِّقَوْمٍ غُدْبَيْنَ ۗ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۳۹﴾

بے شک اس خبر میں ایک پیغام^(۳۹) ہے ان لوگوں کے لئے جو میری عبادت کرتے ہیں ﴿۱۰۶﴾ اور ہم نے آپ کو سارے جہاں والوں کے لئے سرپارہمت^(۴۰) بنا کر بھیجا ہے ﴿۱۰۷﴾

بندوں“ سے مراد یا تو نبی کریم ﷺ کی امت کے نیک لوگ ہیں، یا ہر امت کے نیک لوگ۔

اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھ دی ہے کہ جنت کے حقدار اس کے نیک بندے ہوں گے، سورۃ الزمر آیت (۷۳) میں آیا ہے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ﴾ ”اور جنتی کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس سر زمین کا وارث بنایا کہ جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔“ یا یہ بات لکھ دی ہے کہ زمین پر اقتدار اس کے نیک بندوں کو حاصل ہوگا۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی امت کے لئے بشارت ہے کہ وہ لوگ کافروں کے ممالک کو فتح کریں گے اور ان کے مالک و حاکم بن جائیں گے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا، قیصر و کسریٰ کے جن علاقوں کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہاں مسلمان پہنچ پائیں گے، وہ سارے علاقے اسلام کے زیر نگیں آ گئے۔ پھر جب مسلمانوں کی دینی حالت خراب ہو گئی تو زوال پذیر ہو گئے۔ اور قیامت تک جب کبھی یہ امت صلاح و تقویٰ کو اپنا شعار بنائے گی اور قرآن و سنت کی بنیاد پر متحد ہو جائے گی تو اللہ کا وعدہ اپنے آپ کو دہرائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور آیت (۵۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ ”تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں، اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔“

(۳۹) یا تو اشارہ اس سورت میں مذکور انبیائے کرام کی خبروں اور دیگر پند و نصائح کی طرف ہے، یا قرآن کریم کی طرف۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ پند و نصائح یا یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی جنت کو پانے کے لئے ان لوگوں کے لئے کافی ہے جو اس کی عبادت میں خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں عبادت سے مراد پنجوقتہ نماز ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جسے ابن مردویہ، دیلمی اور ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ ہجرت نمازیں عبادت میں مشغول رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

(۴۰) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے یعنی جس دین کے ساتھ وہ دنیا میں مبعوث ہوئے وہ جن و انس کے لئے سرپارہمت ہے، دنیا و آخرت کی سعادت اسی کو قبول کر لینے میں ہے، اس لئے بطور مبالغہ نبی کریم ﷺ کو (رحمت) کہا گیا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ سے کہا گیا کہ آپ مشرکوں پر بددعا کر دیجئے، تو آپ نے فرمایا: ”میں لعنت بھیجے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں، میں تو ”رحمت“ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ اسی لئے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد جو ایمان لے آیا، اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں جہان میں رحمت تمام ہو گئی، اور جو ایمان نہیں لایا وہ دنیاوی عذاب سے محفوظ ہو گیا جو گذشتہ قوموں پر سح صورت، زمین

قُلْ إِنَّمَا يُدْعَىٰ إِلَىٰ الْإِيمَانِ إِلَهًا وَاحِدًا ۚ فَهَلْ أُنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۹۳۳﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ وَإِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدُ مَا تُوعَدُونَ ﴿۹۳۴﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهَنَّمَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿۹۳۵﴾ وَإِنْ أَدْرَىٰ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۹۳۶﴾ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۹۳۷﴾

اے میرے رسول! آپ کہہ دیجئے (۹۳۱) مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے، تو کیا تم لوگ اس کی بندگی کرنے والے ہو؟ ﴿۹۳۸﴾ پس اگر وہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں پورے طور پر خبر کر دی ہے، اور میں نہیں جانتا کہ تم سے جس عذاب کا وعدہ کیا جا رہا ہے اس کا وقت قریب ہے، یا دور ﴿۹۳۹﴾ بے شک وہ (اللہ) کھلی بات کو جانتا ہے، اور جسے تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے ﴿۹۴۰﴾ اور میں نہیں جانتا شاید یہ مہلت تمہیں آزمانے کے لئے ہو اور اس لئے ہو کہ تم ایک وقت مقرر تک دنیاوی زندگی سے فائدہ اٹھا لو ﴿۹۴۱﴾ رسول اللہ نے کہا، میرے رب! تو حق کے مطابق فیصلہ کر دے، اور تم لوگ جو کچھ (اللہ کے بارے میں یا میرے بارے میں) بیان کرتے ہو، اس پر ہم اپنے رب سے مدد مانگتے ہیں جو رحمن ہے ﴿۹۴۲﴾

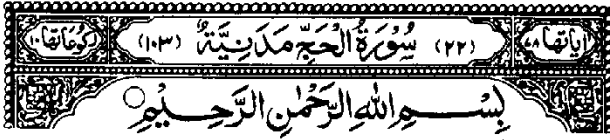
کے دھنس جانے اور پتھروں کی بارش کی شکل میں آتا رہا ہے۔

(۹۳۱) نبی کریم ﷺ جو رحمت لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے وہ توحید باری تعالیٰ ہے، یہی دین اسلام اور تمام ادیان ساویہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کو رحمت کا لقب دینے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ اہل مکہ سے کہہ دیجئے کہ مجھ پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہے، اور وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے تم لوگ اسی کے سامنے جھکو، اسی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر اس بلاغ صریح کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اسلام کو قبول نہیں کرتے ہیں، تو پھر آپ ان سے بر ملا کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح و آشتی کی اب کوئی صورت نہیں ہے، یہ بات تم میں سے سب کو معلوم ہونی چاہئے۔ اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ عذاب جو تم پر اللہ مسلمانوں کے ہاتھوں نازل کرنے والا ہے اس کا وقت قریب ہے یا بعید، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ ہو گا اور اللہ مسلمانوں کے ہاتھوں تمہیں عذاب دے گا۔

آیت (۱۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جو اسلام، قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کا بر ملا مذاق اڑاتے ہو، اور ان کی عیب جوئی کرتے رہتے ہو، تو اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے، اور جو عداوت و دشمنی اور بغض و حسد اپنے دلوں میں چھپائے پھرتے ہو اللہ انہیں بھی جانتا ہے۔ نہ تمہارا ظاہری خبث اللہ سے پوشیدہ ہے اور نہ دل میں چھپا ہوا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفار مکہ کے لئے زبردست دھمکی ہے۔

آیت (۱۱۱) میں فرمایا کہ ہو سکتا ہے کچھ دنوں کے لئے عذاب الہی کا ٹل جانا تمہیں مزید آزمائش میں ڈالنے کے لئے ہو، اور ایک مقرر وقت تک کے لئے اللہ کی جانب سے کسی حکمت کے تقاضے کے مطابق تمہارے لئے چھوٹ ہو، اس لئے اس تاخیر و اہمال سے تمہیں دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔

آیت (۱۱۲) میں جو اس سورت کی آخری آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا نقل کی ہے، جو انہوں نے اللہ کی



يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَمَا أَنَّ زُلْفَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُذْهِلُ كُلَّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝

(سورة الحج مدنی ہے، اس میں اٹھتر آیتیں، اور دس رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (۱) بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہوگی ﴿۱﴾ جس دن تم اُسے دیکھو گے (اُس دن) ہر دودھ پلانے والی (مارے دہشت کے) اس بچے کو بھول جائے گی جسے وہ دودھ پلاتی تھی اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی، اور (اُس دن) آپ لوگوں کو دیکھیں گے کہ جیسے اُن پر نشہ طاری ہے، حالانکہ وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب شدید ہوگا ﴿۲﴾

جانب سے مشرکوں کے خلاف اعلان جنگ کے بعد کی تھی کہ اے میرے رب! تو میرے اور میری قوم کے درمیان اب فیصلہ کر ہی دے، جن کا شیوہ اسلام اور مسلمانوں سے عداوت کرنا بن گیا ہے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی دعا قبول فرمائی، کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں میدان بدر میں کاری ضرب لگوائی، بہت سے قتل کر دیئے گئے اور بہت سے پابند سلاسل بنائے گئے۔ دعا کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ ہمارا رب اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور اس کی ذات ایسی ہے جس سے تمام امور میں مدد مانگی جائے۔ منجملہ ان امور کے کافروں کا یہ کہنا ہے کہ غلبہ انہی کو حاصل ہوگا، تو میں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں کہ وہ ان کے دعویٰ کو جھوٹا کر دکھائے۔ و باللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الحج

نام: آیت (۲۷) ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تین آیتوں کے علاوہ پوری سورت مدنی ہے۔ وہ تین آیتیں ﴿هَذَا أَنْ حَصْنَانٍ﴾ سے شروع ہوتی ہیں، قنادہ کا خیال ہے کہ چار آیتیں مکی ہیں، جن کی ابتدا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ﴾ سے ہوتی ہے۔ جمہور مفسرین کا کہنا ہے کہ پوری سورت میں مکی اور مدنی آیتیں ملی ہوئی ہیں۔ جن آیتوں کی ابتدا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ سے ہے، وہ مکی ہیں، اور جن کی ابتدا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے ہے وہ مدنی ہیں۔

اس سورت میں حج کی فرضیت، اس کے ارکان و واجبات اور دیگر شعائر حج کا بیان آیا ہے، اور اس کے ظاہری اور باطنی فوائد و منافع کا بھی ذکر آیا ہے۔ قرطبی نے عزیزی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت ان عجیب سورتوں میں سے ہے جن کی آیتیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَكِيدُ كُلَّ شَيْطَانٍ مُرِيدٍ ۝ كَتَبَ عَلَيْهِ إِنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ
وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝

اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر جاننے سمجھ جھگڑتے (۲) ہیں، اور ہر سرکش و گمراہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں ﴿۳﴾ اس کے بارے میں یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو اُسے اپنا دوست بنائے گا، وہ اُسے گمراہ کر دے گا اور اسے جہنم کے عذاب تک پہنچا دے گا ﴿۴﴾

اوقات نزول کے اعتبار سے متعدد نوعیت کی ہیں۔ کوئی آیت رات میں نازل ہوئی ہے تو کوئی دن میں، کوئی سفر میں تو کوئی حضر میں، کوئی کئی ہے تو کوئی مدنی، کسی کا موضوع جنگ ہے تو کسی کا صلح، کوئی ناحیہ ہے تو کوئی منسوخ، اور کوئی محکم ہے تو کوئی تشابہ۔ پوری سورت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نزول کے متعدد ہونے کے اعتبار سے اس کے مضامین بھی متعدد ہیں۔ کچھ آیتوں کا تعلق مشرکین مکہ سے ہے، تو کچھ کا منافقین سے، اور کچھ کا تعلق صادق الایمان مسلمانوں سے ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں عام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارو، عمل صالح کرو اور برائیوں سے بچو، اس لئے کہ قیامت کا زلزلہ حادثہ عظیم ہوگا، اور وہ اتنا دہشت ناک ہوگا کہ مارے خوف کے مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اور ہر آدمی اپنا ہوش کھو بیٹھے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے سب نے کوئی مدہوش کن چیز پی لی ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہوگی، بلکہ شدت عذاب الہی کے تصور سے ان پر یہ کیفیت طاری ہوگی۔

آیت (۱) میں جس زلزلہ کا ذکر ہے، وہ کب واقع ہوگا، اس بارے میں مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کی قریب ترین ایک نشانی ہوگی، یعنی قیامت سے پہلے دنیا کی زندگی میں واقع ہوگی۔ اس زلزلہ کے بعد آفتاب مغرب سے طلوع ہونے لگے گا، پہاڑ ریزے بن کر اڑنے لگیں گے، زمین پر ایسا عرشہ طاری ہوگا کہ کوئی چیز اپنی جگہ پر باقی نہیں رہے گی، مائیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ یہ دراصل اللہ کا ایک عذاب ہوگا جس میں وہ اپنی بدترین مخلوق کو مبتلا کرے گا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ خوف دہرا اس اور اضطراب و پریشانی ہے جو قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے نکلنے کے بعد میدانِ محشر میں لاحق ہوگی۔ ابن جریر طبری نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تائید میں کئی احادیث پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں روایت کی ہے کہ اس دن مارے خوف و دہشت کے حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے، اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے، اور پھر آپ نے ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ پڑھی۔

اکثر مفسرین نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے، لیکن چونکہ بعض وہ حدیثیں بھی صحیح ہیں جن میں وقوع قیامت کے بعد کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور ان میں بتایا گیا ہے کہ اس دن حاملہ کا حمل گر جائے گا، اس لئے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اگرچہ اس آیت میں وہی زلزلہ مراد ہے جو قیامت آنے سے پہلے واقع ہوگا، لیکن اسی کے مشابہ حالات میدانِ محشر میں بھی واقع ہوں گے جب ہر آدمی غایت درجہ اضطراب و پریشانی میں ہوگا، اور مارے رعب و دہشت کے سب کی حالت ویسی ہوگی جیسی حالت

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن نُّرَابٍ ثُمَّ نَضَفْنَا لَكُمْ مِنْ عَظْمِكُمْ لُحْمًا مِّن مَّا تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾

مُضْغَةً مُّخْلَقَةً وَغَيْرُ مُخْلَقَةٍ لِّئَلَّا تَبْغُوا فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشْدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمِهِ شَيْئًا وَنُزِّي الْأَرْضَ حَامِدًا فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ بَهِيحًا ﴿۳۱﴾

اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ (۳۰) کئے جانے کے بارے میں شبہ ہے، تو کیوں نہیں سوچتے کہ ہم نے تمہیں (پہلی بار) مٹی سے پیدا کیا تھا، پھر نطفہ سے پیدا کیا، پھر منجند خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے، جو کبھی مکمل شکل و صورت کا ہوتا ہے، اور کبھی ناقص شکل و صورت کا، تاکہ ہم تمہارے لئے اپنی قدرت کا مظاہرہ کریں، اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر وقت تک رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں بچے کی شکل میں باہر نکالتے ہیں، تاکہ تم اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض (اس کے بعد) وفات پا جاتا ہے، اور تم میں سے بعض بدترین عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر ایسا ہو جائے کہ وہ کچھ بھی نہ جانے۔ اور آپ زمین کو خشک دیکھتے ہیں، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے، اور اوپر کی طرف اُبھرتی ہے، اور ہر قسم کے خوبصورت پودے پیدا کرتی ہے ﴿۳۱﴾

میں حاملہ شدت خوف سے قبل از وقت اپنا حمل ساقط کر دیتی ہے۔

(۲) مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو بڑا جھگڑالو تھا، اور اس بات کا منکر تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ بہر حال آیت چاہے جس کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہو، لیکن اس کا مفہوم عام ہے اور ہر اس آدمی کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کرتا ہے، اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتا ہے، اور خیر و صلاح سے دور ہر شیطان کی اتباع کرتا ہے۔ آیت (۳) میں اللہ تعالیٰ نے بھراحت تمام فرمادیا کہ جو شخص بھی شیطان کو اپنا دوست بنائے گا، اور اس کی پیروی کرے گا، شیطان اُسے راہ حق سے دور کر دے گا، اور جہنم کی آگ تک پہنچا دے گا۔

(۳) قیامت کے بعض حالات بیان کئے جانے کے بعد، اب کفار و مشرکین کے لئے بعث بعد الموت کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے، جس کا انکار ہی دراصل تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے، موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے عقیدے پر دو عقلی دلیلیں پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر باقی انسان کو ماں اور باپ کی منی سے پیدا کیا۔ باپ کا نطفہ ماں کے رحم میں پہنچا، اسے پہلے ”جامد خون“ بنا دیا، پھر اسے ایک لوتھڑا بنا دیا، اور وہ لوتھڑا کبھی تو اللہ کی مرضی سے بچے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور کبھی اس میں جان نہیں پڑتی اور رحم سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اللہ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ انسان اس کی قدرت، علم اور حسن تدبیر پر ایمان لے آئے، اس کی عظمت کا اعتراف کرے، اس سے محبت کرے اور اس کی بندگی کرے۔ پھر جو لوتھڑا بچے کی شکل اختیار کر لیتا ہے وہ ایک مدت معینہ تک رحم میں رہنے کے بعد پیدا ہوتا ہے تو نہایت ہی کمزور پچھ ہوتا ہے، پھر بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بھرپور جوان ہو جاتا ہے۔ اور

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخَيِّطُ الْمَوْتَىٰ وَأَنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكَلِيمٌ ۖ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا ۖ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ مِن جَدَلٍ فِي اللَّهِ يُغَيِّرُ عِلْمَهُ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٌ مُّبِينٌ ۖ ثَانِي عَظِيمٌ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طُلُقًا فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۖ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ يَدَاؤَكُمْ أَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۖ

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ برحق^(۳) ہے، اور وہ بے شک مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱﴾ اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، اور بے شک اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں ﴿۲﴾ اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم^(۵) بغیر آسمانی ہدایت، اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں ﴿۸﴾ درانحالیکہ تکبر سے اپنی گردن موڑے ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں، ایسے آدمی کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اُسے آگ کا عذاب دیں گے ﴿۹﴾ (اور اُس سے کہیں گے کہ) یہ اُن اعمال کا بدلہ ہے جنہیں تمہارے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، اور بے شک اللہ اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے ﴿۱۰﴾

کوئی بچہ بلوغت سے پہلے ہی مر جاتا ہے، اس لئے کہ حکمتِ الہیہ کا یہی تقاضا ہوتا ہے۔ اور کچھ لوگ لمبی عمر پاتے ہیں یہاں تک کہ کھوسٹ ہو جاتے ہیں اور عقل و ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کا مٹی سے، اور ان کی ذریت کا قطرہٴ منیٰ سے پیدا کیا جانا اس بات کی قطعی اور واضح عقلی دلیل ہے کہ جس باری تعالیٰ نے انہیں پہلی بار اس طرح پیدا کیا، وہ انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔
بعث بعد الموت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ زمین بے آب و گیاہ مژدہ ہوتی ہے، اور جب بارش ہوتی ہے تو اس میں زندگی آجاتی ہے اور حرکت پیدا ہو جاتی ہے، اور پانی کے اثر سے مٹی پھول کر اونچی ہو جاتی ہے، اور پھر اس میں مختلف قسم کے خوبصورت پودے اُگ آتے ہیں۔ مٹی کی حیثیت رحمِ مادر کی ہوتی ہے، اور بارش کا پانی نطفہ کے مانند ہوتا ہے۔ اور جس طرح نطفہ ماں کے رحم میں پرورش پاتا ہے، اسی طرح بیج بھی مٹی میں پرورش پاتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد ایک زندہ پودا لہلہاتا ہوا اوپر آجاتا ہے، اور پھر ایک مدت معینہ کے بعد جب کھیتی پک جاتی ہے تو انسان اسے کاٹ لیتا ہے، ویسے ہی جیسے انسان اپنی نوشتہ عمر گزار لینے کے بعد رخصت ہو جاتا ہے۔

(۳) تخلیقِ انسانی اور پودوں کی پیدائش سے متعلق جو بات بیان کی گئی ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ برحق ہے، اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس بات کی بھی قطعی دلیل ہے کہ قیامت آئے گی، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا، اور ان کے اعمال کا انہیں بدلہ دے گا۔

(۵) آیات (۳/۳) میں ان جاہل گمراہوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو خود تو علم نہیں رکھتے، بلکہ دوسرے گمراہ کن علم کے دعویداروں کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی اور بے بنیاد باتیں کرتے ہیں۔ اس آیت کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کفر اور کبر و نخوت کا مجسم نمونہ تھا اور لوگوں کو راہِ حق سے دور رکھنے کی ہر کوشش

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَمَا لَا يَضُرُّهُمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ يَدْعُوا لَمَن صُرُّوا أَكْرَبُ مِن نَّفْعِهِ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ۝

اور بعض لوگ (۶) اللہ کی عبادت کنارے پر رہ کر کرتے ہیں، اگر انہیں دنیاوی بھلائی ملتی ہے تو اطمینان کی سانس لیتے ہیں، اور اگر کوئی آزمائش انہیں آتی ہے تو کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں، اپنی دنیا اور آخرت دونوں گواں دیتے ہیں، یہی کھلا نقصان ہے ﴿۱۱﴾ وہ اللہ کے سوا اسے پکارتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچاتا ہے اور نہ نفع، یہی انتہائی درجہ کی گمراہی ہے ﴿۱۲﴾ وہ اُسے پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، یقیناً وہ بڑا بُرا دوست اور بڑا بُرا ساتھی ہے ﴿۱۳﴾

کرتا تھا، لیکن آیت کا مفہوم عام ہے اور کفر و بدعت کے تمام گمراہ کن سرغٹوں کو شامل ہے جو اپنی خواہش کی اتباع میں اللہ اور رسول کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں جن کی عقل صحیح یا نقل صریح سے کوئی دلیل نہیں ملتی، اور ایسے منکبر ہوتے ہیں کہ گردن اکڑا کر اور لوگوں کی طرف سے منہ پھیر کر چلتے ہیں، اور ان کا مقصد اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام لوگوں کا انجام یہ بتایا کہ وہ انہیں دنیا میں رسوا کرتا ہے، اور آخرت میں جہنم ان کا انتظار کر رہی ہے۔ اور اس دن ان سے کہا جائے گا کہ یہ ذلت و رسوائی اور یہ عذاب تمہارے ہاتھوں کی ہی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ دونوں آیتوں میں ایک ہی قسم کے لوگ مراد ہیں، اور تکرار سے مقصود ایسے لوگوں کی مزید بُرائی بیان کرنی ہے، اس لئے کہ دوسری آیت میں ان کافروں کے بارے میں مزید یہ کہا گیا ہے کہ ان کے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت پر نہ کوئی عملی دلیل ہے، نہ عقلی، اور نہ ہی قرآن کریم کی کوئی آیت، ہی ان کے قول کی تائید کرتی ہے۔

(۶) صریح اہل کفر کے بعد، اس آیت کریمہ میں بعض ان منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جو صرف دنیاوی مصالح کی خاطر ظاہر کرتے تھے کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں، جب تک وہ مصالح حاصل ہوتے رہتے تھے اور کسی دکھ اور تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتے تھے دین اسلام پر باقی رہتے تھے، اور جو نبی انہیں کوئی تکلیف لاحق ہوتی تھی ان کا اصلی چہرہ سامنے آجاتا تھا اور کفر کی طرف لوٹ جاتے تھے، اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد کر بیٹھے تھے، اور یہی کسی انسان کا کھلا خسارہ ہے، کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے ایمان میں مخلص ہوتے تو آخرت میں کامیاب ہوتے، اور جو دنیاوی خسارہ ہوا تھا، اللہ اُسے بھی پورا کر دیتا کہ پھر سے مال و اولاد سے نواز دیتا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں مروی ہے کہ بعض لوگ مدینہ آتے تھے (اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تھے) پھر اگر ان کی بیویاں لڑکے جنٹیں اور ان کے مال میں بڑھاوا ہو تا تو کہتے کہ یہ اچھا دین ہے، اور اگر ان کے یہاں لڑکے جنٹیں پیدا ہوتے اور ان کے مال میں اضافہ نہیں ہوتا تو کہتے کہ یہ بُرا دین ہے۔

آیت (۱۲) میں انہی منافقین کے بارے میں مزید کہا جا رہا ہے کہ وہ مرتد ہو جانے کے بعد، اللہ کے سوا ان معبودوں کو پکارنے لگتے ہیں جنہیں اگر نہ پکاریں تو دنیا میں انہیں وہ معبود کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں، اور اگر انہیں پکاریں اور ان کی عبادت

لَإِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤْتِي
مَنْ كَانَ يُظُنُّ أَنْ لَنْ تَبْعُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ
يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يُغِيظُ ۝

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان (۷) لائیں گے اور عمل صالح کریں گے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، بے شک اللہ جو ارادہ کرتا ہے اسے کر گذرتا ہے ﴿۱۳﴾ جو شخص یہ سمجھتا (۸) تھا کہ اللہ اپنے رسول (محمد) کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا، تو اُسے چاہئے کہ چھت سے ایک رسی لٹکا دے پھر اپنا گلہ گھونٹ لے، پھر دیکھے کہ کیا اس کی یہ ترکیب اُس چیز کو دور کر دیتی ہے جو اُسے غصہ دلاتی تھی ﴿۱۵﴾

کریں تو وہ آخرت میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔

آیت (۱۳) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ انہیں فائدہ تو کیا پہنچائیں گے بلکہ ان سے نقصان ہی کی زیادہ توقع ہے، اس لئے کہ دنیا میں ان بے روح جسموں کے سامنے سجدے کر کے اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہیں، اور آخرت میں شدید عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں میں کافروں اور منافقوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، وہی ہر دور کے کافروں اور منافقوں میں پائے گئے، اور ایسے لوگوں کا ہر زمانے میں یہی حال رہا ہے، اور جب تک دنیا قائم رہے گی ان کا یہی حال رہے گا۔

(۷) قرآن کریم اپنے معروف طریقے کے مطابق، کافروں اور منافقوں کے احوال و انجام بیان کرنے کے بعد، اس آیت میں ایمان اور عمل صالح والوں کا ذکر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اپنی حکمتوں کے تقاضے کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے، اپنی اطاعت کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

(۸) اس آیت کریمہ میں ان یہود و مشرکین اور منافقین کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ہر کامیابی و فتحیابی پر جل جاتے تھے اور ان کے سینے غیظ و غضب سے بھر جاتے تھے۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو دشمنان دین اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام، اپنے نبی (ﷺ) اور مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا، اس لئے شک و نفاق میں پڑ کر ایمان نہیں لاتے تھے جیسا کہ بنی اسد و غطفان نے کیا تھا، اور اب جبکہ اللہ کی مدد اپنے دین، اپنے رسول اور مسلمانوں کے لئے عیاں ہو چکی ہے، اور اس کی وجہ سے ان کا غیظ و غضب انتہا کو پہنچ چکا ہے، تو ہم انہیں اپنا غیظ و غضب دور کرنے کا ایک طریقہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک رسی چھت کی لکڑی سے باندھ دیں، اور پھر اسے اپنی گردن میں باندھ کر پوری طاقت سے کھینچیں یہاں تک کہ وہ رسی کٹ جائے اور گلا گھٹ کر ان کی موت واقع ہو جائے۔ پھر وہ اور دوسرے لوگ دیکھیں کہ کیا اس سے وہ سبب دور ہو گیا جس کی وجہ سے ان کا غیظ و غضب انتہا کو پہنچ گیا تھا؟ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے غیظ و غضب میں مرتے رہیں، اللہ اپنے دین و نبی کی مدد کرتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمن آیت (۵۱) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ ”یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے“۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرَمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُعْمَلُ بِأَيْسَاءِ ۝

اور ہم نے قرآن کو اسی طرح واضح آیتوں کی شکل میں نازل (۹) کیا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ﴿۱۶﴾ بے شک جو لوگ ایمان (۱۰) لائے، اور جو لوگ یہودی ہو گئے، اور بے دین لوگ، اور نصاریٰ، اور آگ کی پوجا کرنے والے، اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے ﴿۱۷﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں اور زمین (۱۱) میں ہیں، اور شمس و قمر اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے بنی نوع انسان اللہ کے لئے سجدے کر رہے ہیں، اور بہت سے انسانوں کے لئے عذاب لازم ہو گیا ہے، اور جسے اللہ رسوا کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا ہے، بے شک اللہ جو چاہتا ہے اسے کر گذر تا ہے ﴿۱۸﴾

(۹) قرآن کریم کی تعریف بیان کی جا رہی ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت اور عربی زبان کی تمام اعلیٰ ترین خوبیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اس کی آیتیں اپنے معانی و مقاصد پر انتہائی درجہ صراحت و وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے ہدایت چاہتا ہے اسے ان آیات قرآنیہ میں غور و فکر کی توفیق دیتا ہے، تاکہ حق کو پہچانیں اور اسے قبول کریں۔ (۱۰) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حق و باطل کے درمیان جو جنگ جاری تھی، اور ایمان والوں کے خلاف جو لوگ صف آرا تھے، اسی جنگ اور انہی باطل پرستوں کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں دھمکی دی گئی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اس باطل پرستی کا بدلہ چکانے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال سے پوری طرح واقف ہے، بلکہ ان کے دلوں کے مجیدوں کی خبر رکھتا ہے۔

"صالحین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ستاروں کی پوجا کرتے تھے، اور "مجوس" سے مراد وہ لوگ ہیں جو آگ کی عبادت کرتے تھے اور روشنی اور تاریکی کے دو الگ الگ خالق ہونے کے قائل تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ مجوس آفتاب و ماہتاب کی پرستش کرتے تھے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے یہودیت و نصرانیت دونوں سے کچھ باتیں لے لی تھیں۔ اور "مشرکین" سے مراد خاص طور پر کفار عرب ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

(۱۱) باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، اور ربوبیت والوہیت میں اس کی وحدانیت بیان کی جا رہی ہے کہ آسمان میں جتنے فرشتے رہتے ہیں، اور زمین میں جتنے جن اور چوپائے پائے جاتے ہیں، سبھی اللہ کے لئے سربمجد ہیں، اسی طرح شمس و قمر، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے بنی نوع انسان، اپنے خالق و مالک کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہیں، اس کا حکم ماننے سے سروسرتابی نہیں کرتے ہیں، لیکن انسانوں میں بہت سے ایسے ہیں جو اس کے سامنے سربمجد نہیں ہوتے ہیں، اس لئے ان کے حق میں عذاب

هٰذِهِنَّ حَصْمَةٌ لِّرَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ تَلَاتٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمْ
 الْحَمِيمُ ۖ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۗ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ ۗ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ
 غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ۖ وَذُقُوا عَبَابَ الْحَرِيقِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَأُلُوتًا ۖ أُولَٰئِكَ أَوْلِيَٰهَا فِيهَا حَارِيقٌ ۗ وَهٰذَا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ
 الْقَوْلِ ۗ وَهٰذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيمِ ۗ

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے دشمن (۱۲) ہیں، انہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، پس جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، ان کے لئے قیامت کے دن آگ کے کپڑے بنائے جائیں گے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہو گرم پانی انڈیلا جائے گا ﴿۱۹﴾ جس کی گرمی سے ان کے پیٹ کی ہر چیز اور ان کے چمڑے گل کر الگ ہو جائیں گے ﴿۲۰﴾ اور انہیں لوہے کے گرزوں سے سزا دی جائے گی ﴿۲۱﴾ جب بھی شدت کرب و الم سے اس سے نکلنا چاہیں گے اس میں لوٹادیئے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ اب آگ میں جلنے کا عذاب چکھو ﴿۲۲﴾ بے شک اللہ اہل ایمان (۱۳) اور عمل صالح کرنے والوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، انہیں ان جنتوں میں سونے کے کنگن اور موتی کے زیور پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہو گا ﴿۲۳﴾ اور دنیا میں ان کی رہنمائی کلمہ طیبہ کی طرف کی گئی تھی، اور ہر تعریف کے سزاوار اللہ کی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی تھی ﴿۲۴﴾

لکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ لوگ بھی اگرچہ اللہ کی بندگی کے لئے اپنا سر نہیں جھکاتے ہیں، لیکن اس کے قانون قدرت کے تویہ بھی تابع ہیں۔ صحت و بیماری، مالداری و محتاجی اور زندگی و موت کا قانون ان پر بھی نافذ ہوتا ہے اور اللہ کی مرضی کے سامنے ان کی ایک نہیں چلتی ہے۔

(۱۲) آیت (۱۷) میں جن مومنوں اور کافروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، انہی کو اس آیت کریمہ میں دو فریق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک فریق مسلمان ہے، اور دوسرا فریق گذشتہ پانچوں کافر جماعتوں پر مشتمل ہے۔ دونوں فریق دنیا میں اپنے رب اور اس کے دین و شریعت کے بارے میں جھگڑتے رہے، اور ہر فریق نے دعویٰ کیا کہ وہ حق پر ہے۔ جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر، پھر کافر جماعتوں کو جہنم میں داخل کر دے گا، جہاں انہیں آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے، اور ان کے سروں پر نہایت گرم پانی انڈیلا جائے گا، جس کی گرمی سے ان کے پیٹ کی امتزیاں اور گوشت اور چربیوں پگھل کر باہر نکل جائیں گی، اور ان کے جسم کے چمڑے بھی کٹ کٹ کر الگ ہو جائیں گے، اور جہنم میں ان کے لئے لوہے کے کوڑے ہوں گے جن سے انہیں مارا جائے گا، اور غم و اندوہ اور درد و الم سے بے چین ہو کر جب بھی نکلنا چاہیں گے، تو جہنم پر مامور فرشتے انہیں مار مار کر دوبارہ لوٹادیں گے اور ایک لمحہ کے لئے بھی انہیں نکلنے نہیں دیں گے اور کہیں گے کہ تم آگ کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

(۱۳) جو لوگ دنیا میں اہل ایمان ہوں گے اور انہوں نے عمل صالح کیا ہو گا، انہیں اللہ تعالیٰ اس دن ایسی جنتوں میں داخل کرے گا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِالْعُدْوَىٰ يَظْلَمْ بُدْءَهُ مِن عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

بے شک جن لوگوں نے کفر کی راہ (۱۳) اختیار کی، اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لئے بنایا ہے، جس میں سکونت پذیر اور باہر سے آنے والوں برابر ہیں، اور جو کوئی اس میں اللہ کے حدود کو تجاوز کرتے ہوئے شرک و بدعت کی راہ اختیار کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ اچکھائیں گے ﴿۲۵﴾

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جنت میں انہیں سونے اور موتی کے ننگن پہنائے جائیں گے، اور وہ ریشمی لباس زیب تن کئے ہوں گے، اور آپس میں ایک دوسرے سے اچھی باتیں کریں گے، ایک دوسرے کو سلام کریں گے، اور جنت جیسی نعمت کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں گے۔

(۱۳) یہ آیت کریمہ ان مشرکین مکہ سے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ کے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے فعل پر نکیر کی ہے اور خبر دی ہے کہ ہم انہیں دردناک عذاب چکھائیں گے، لیکن اس کا یہ حکم ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی بھی زمانے میں کفر کرے گا اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکے گا۔

"سبیل اللہ" سے مراد دین اسلام ہے۔ "المسجد الحرام" سے مراد یا تو مسجد حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے، یا وہ پورا علاقہ ہے جو حدود حرم میں داخل ہے۔ اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال کافروں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو صرف مسجد حرام سے نہیں، بلکہ حرم کے حدود میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ یا اس سے مراد مکہ شہر ہے، اس کی تائید اس کے بعد کی عبارت سے ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مکہ میں مقیم اور باہر سے آنے والے دونوں ہی وہاں اقامت پذیر ہونے میں برابر ہیں۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے، عبادت کرنے اور اس میں ٹھہر کر ذکر الہی کرنے میں کبھی برابر ہیں۔ کوئی کسی کو وہاں سے نکلنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ مکہ شہر کے بارے میں اختلاف ہے:

مجاہد، ابو حنیفہ اور مالک وغیرہم کی رائے ہے کہ مکہ کے گھروں سے استفادہ کرنے میں مقیم اور باہر سے آنے والے دونوں برابر ہیں۔ اور اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ مکہ کی عمارتوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوگی۔ ان حضرات نے آیت میں "مسجد حرام" سے مراد مکہ شہر لیا ہے اور متعدد مرفوع احادیث سے استدلال کیا ہے، جنہیں طبرانی، دارقطنی اور ابن مردویہ وغیرہم نے روایت کی ہے، اور جن میں اس بات کی صراحت پائی جاتی ہے کہ مکہ کے گھروں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

شافعی اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ مکہ شہر کی عمارتیں اور مکانات مسجد حرام کی مانند نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے "مسجد حرام" سے مراد مسجد ملی ہے، اور کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کے گھروں کی ملکیت ان کے لئے تسلیم کی تھی، چنانچہ فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا وہ مامون ہو جائے گا، اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہو جائے گا، اور صحیحین کی حدیث ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ مکہ میں اپنے گھر میں قیام کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا، کیا عقیل (ابوطالب کے بیٹا) نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑ دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

وَأَذْبُوقًا لِلْإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا وَطَهَّرَ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ
وَأُوْدُنٍ فِي النَّوْاسِكِ بِآلِ كَعْبٍ يَأْتُواكُم رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۗ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ
وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقْتَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۗ

اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ (۱۵) مقرر کر دی، اور ان سے کہا کہ آپ کسی چیز کو بھی میرا شریک نہ ٹھہرائیے، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے شرک و بت پرستی سے پاک رکھئے ﴿۲۶﴾ اور آپ لوگوں میں حج کا اعلان (۱۶) کر دیجئے، تاکہ وہ آپ کے پاس پیدل چل کر اور ڈبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر ہر دور دراز علاقے سے آئیں ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ اپنے لئے دینی اور دنیاوی فوائد حاصل کریں، اور چند متعین دنوں میں، ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ نے بطور روزی انہیں دیا ہے، پس تم لوگ اس کا گوشت کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھاؤ ﴿۲۸﴾

میں فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنَ دِينِهِمْ﴾ "جو لوگ اپنے گھروں سے نکالے گئے"۔ اس آیت میں گھر کی ملکیت لوگوں کے لئے ثابت کی گئی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنادیا تھا۔ انہی دلائل کی روشنی میں اب تقریباً تمام ہی علماء مکہ کی عمارتوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں، اور اس پر ایک قسم کا جماع سکتی ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

"إِلْحَادٌ" کا لغوی معنی انحراف اور ایک طرف ہونا ہے۔ اور "ظلم" سے مراد بعض کے نزدیک شرک، بعض کے نزدیک شرک اور قتل، اور کسی کے نزدیک جھوٹی قسم ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ میں کسی بھی گناہ کا ارتکاب ہے۔ ﴿وَمَنْ يُؤَدِّبْهُ بِالْحَادِ يُظْلَمْ﴾ سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ مسجد حرام میں اگر کوئی شخص گناہ کا ارادہ بھی کرے گا تو اس پر اللہ کے نزدیک اس کا مواخذہ ہوگا۔

(۱۵) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مشرکین قریش کو ڈانٹ پلائی گئی ہے کہ جو گھر پہلے دن سے اس لئے بنایا گیا تھا تاکہ وہاں صرف ایک اللہ کی عبادت ہو، تم لوگوں نے اس میں سیکڑوں بت لاکر رکھ دیئے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کرنے لگے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایک ہوا کے ذریعہ خانہ کعبہ کی جگہ کی تعیین کر دی، یعنی ہوانے اس جگہ کو صاف کر دیا اور کہا کہ اسے بنانے کے بعد اس میں صرف اسی کی عبادت کیجئے اور اسے ہر قسم کی آلائشوں اور گندگیوں سے پاک رکھئے، تاکہ طواف کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور مسجد حرام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بنایا۔ (۱۶) جب مسجد بن کر تیار ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اس مسجد کی زیارت اور حج کرنے کے لئے پکاریں۔

مفسر واحدی نے دیگر مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے، انہوں نے آواز لگائی کہ لوگو! تمہارے رب نے تم پر مسجد حرام کا حج فرض کر دیا ہے، اس لئے تم لوگ اس کی زیارت اور حج کرنے کے لئے یہاں آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نداد دنیا میں پھیلا دیا،

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَهُؤُهُمْ وَيُؤْفُوا نُدُورَهُمْ وَيَلْطُفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ذَلِكُمْ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ
 خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا
 قَوْلَ الزُّورِ ۗ حُنْفَاءُ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَانَ ثَمَرًا خَرَمًا مِنَ السَّمَاءِ فَتُخَطَفُ السَّيْرُ اَوْ
 تَهْوَىٰ بِهِ السَّيْرُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝

پھر انہیں چاہئے کہ اپنے جسم کا میل صاف (۱۷) کریں، اور اپنی نذر پوری کریں، اور بیت عتیق یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں ﴿۲۹﴾ مذکورہ بالا باتیں لائق اہمیت ہیں، اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں (۱۸) کا احترام کرے گا تو اس کا یہ عمل صالح اس کے رب کے نزدیک اجر و ثواب کے اعتبار سے اس کے لئے زیادہ بہتر ہے، اور تمہارے لئے چوپایوں کو حلال کر دیا گیا ہے، سوائے ان کے جن سے متعلق اس قرآن کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں، پس تم لوگ گندگی یعنی بتوں کی عبادت سے بچو، اور جھوٹ بولنے اور بہتان تراشی سے بچو ﴿۳۰﴾ دراصل حالیکہ تم لوگ اللہ کے لئے موحد بن کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا ہے وہ گویا آسمان سے گرتا ہے تو چڑیاں اسے فضائیں ہی اچک لیتی ہیں یا تیز ہوا اُسے کسی دور دراز جگہ پر پھینک دیتی ہے ﴿۳۱﴾ اور جب تک دنیا رہے گی لوگ اس مسجد کی زیارت اور حج کے لئے پیدل چل کر اور سواریوں پر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے دور دراز علاقوں سے آتے رہیں گے۔

آیت (۲۸) میں حج کی غرض و غایت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے حج میں بہت سے دینی اور دنیوی فوائد جمع کر دیئے ہیں۔ دینی فوائد تو یہ ہیں کہ اللہ حاجیوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے، اور وہ اپنے رب کی رضا و خوشنودی لے کر اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں۔ اور دنیوی فوائد یہ ہیں کہ پورے سفر حج میں وہ تجارت کرتے ہیں، صنعت و حرفت سیکھتے ہیں، اور جو تجربات حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آئندہ تجارتی زندگی میں مفید ہوتے ہیں۔ اور ایام تشریق (دس تاریخ سے تیرہ تاریخ تک) میں اللہ کا نام لے کر جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔

زخشری نے لکھا ہے کہ یہاں ”اللہ کا نام لینے“ سے مراد ذبح کرنا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل اسلام جب بھی قربانی کریں گے یا گوشت کھانے کے لئے جانور ذبح کریں گے تو اللہ کا نام ضرور لیں گے، اس لئے کہ مقصود ہر حال میں اللہ کا نام لینا ہے۔ اور رازی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ مقصود ان مشرکین کی مخالفت ہے جو بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جس جانور کی قربانی کر دے اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور ان محتاجوں کو کھلاؤ جنہوں نے قربانی نہ کی ہو۔

(۱۷) قربانی کرنے کے بعد حجاج احرام کے کپڑے اتار دیں، بال منڈوا لیں، ناخن بڑھے ہوں تو انہیں تراش لیں، اور صاف ستھرے کپڑے پہن لیں، اور اگر نذر مانی تھی کہ حرم میں جانور ذبح کریں گے تو اسے پوری کریں، اور مسجد حرام جا کر بیت اللہ کا طواف افاضہ (طواف زیارت) کریں جو حج کا رکن ہے، اور جو توف عرفہ اور دس تاریخ کو حجرہ عقبہ کی رمی کے بعد کیا جاتا ہے۔ (۱۸) شوکانی لکھتے ہیں کہ ”حرمات“ حرمۃ کی جمع ہے۔ اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ہر وہ حکم ہے جس کو بجالانا ضروری ہے،

ذَلِكُمْ وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿۱۹﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحَبَّاتُ
إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۰﴾

مذکور بالا باتیں لائق اہمیت ہیں، اور جو کوئی اللہ کے شعائر^(۱۹) (نشانیوں) کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ کام دلوں کی پرہیزگاری کی دلیل ہے ﴿۳۲﴾ تمہارے لئے ان جانوروں سے ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھانا جائز ہے، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ تک انہیں پہنچانا ہے ﴿۳۳﴾

چاہے وہ حج سے متعلق ہو یا کسی دوسری عبادت سے۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص گناہوں سے اجتناب کرے گا اور اپنے دل میں احساس رکھے گا کہ ان کا ارتکاب اللہ کے احکام کی بڑی خلاف ورزی ہے تو اللہ اسے اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ مسلمانو! تمہارے لئے جانوروں کا گوشت کھانا حلال بنا دیا گیا ہے سوائے ان جانوروں کے جنہیں سورۃ المائدہ آیت (۳) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ﴾ الایة کے ذریعہ مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے: ”تم پر حرام کر دیا گیا مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے، اور جس کا گلا گھٹ گیا ہو، اور جو چوٹ کھانے سے مر گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مر گیا ہو، اور جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر گیا ہو، اور جسے کسی درندہ نے کھالیا ہو (ان میں سے) سوائے اس کے جسے تم نے (مرنے سے پہلے ذبح کر لیا ہو) اور وہ جانور بھی تم پر حرام کر دیا گیا جسے کسی بت کے آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس لئے تم لوگ اللہ کے حدود کا خیال رکھو، جنہیں اس نے حلال کیا ہے انہیں حرام نہ سمجھو اور جنہیں حرام کیا ہے انہیں حلال نہ بناؤ، اور بتوں کی عبادت سے بچو، اور ہر جھوٹی اور باطل بات سے پرہیز کرو، اور سب سے بڑا جھوٹ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا ہے۔“

آیت (۳۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی اطاعت و بندگی کو صرف اللہ کے لئے خاص کر دو، شرک و باطل سے منہ موڑ کر راہ توحید پر گامزن ہو جاؤ، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس کے بعد اللہ نے شرک کی ایک مثال بیان کی جس کے ذریعہ اس کی ضلالت و گمراہی، ہلاکت و بربادی اور اہ حق سے انتہائی دوری کی عکاسی کی گئی ہے۔ فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک بناتا ہے، اس کی مثال اس آدمی کی ہے جو آسمان سے گرے، اور چڑیاں تیزی کے ساتھ اسے جھپٹ کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، یا یہ کہ گرتا جائے اور ہوا سے بہت ہی دور دراز جگہ پھینک دے، جہاں وہ ہلاک ہو جائے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

(۱۹) "شعائر" شعیرہ کی جمع ہے، اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی ہو۔ اس لئے ﴿شَعَائِرَ اللَّهِ﴾ سے مراد اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں، اور قربانی کے جانور اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ اور ان کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے لئے ایسے جانور حاصل کرنا چاہئے جو بڑے، خوبصورت، موٹے تازے اور قیمتی ہوں، اور خریدتے وقت زیادہ مول تول نہ کرے۔ صحابہ کرام اور اسلاف عظام تین چیزیں خریدتے وقت زیادہ نہیں گھناتے تھے: ہدی، قربانی کا جانور اور غلام۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے دین کی علامتوں کی تعظیم دلوں کے تقویٰ پر دلالت کرتی ہے یعنی ایسا کرنا اہل تقویٰ کا کام ہے۔

آیت (۳۳) میں اللہ نے فرمایا کہ حاجیوں کے لئے ہدی کے جانوروں سے (انہیں قربانی کے دن حدود حرم میں ذبح کرنے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا لِنْسِكِ الَّذِينَ كَرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَيْمَاتِهِ الْأَنْفَاءَ وَالْمَكْمُولِ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۚ فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِئِيلَىٰ الْمُنْتَهَيْنَ ۗ ﴿۲۰﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَالظَّالِمِينَ عَلَىٰ مَا آصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۗ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ وَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَمُكِّمُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْقَابِلَةَ وَالْمَعْتَرَةَ ۚ كَذَلِكَ نَعْتَرُهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۱﴾

اور ہم نے ہر گروہ کے لئے قربانی کا دن (۲۰) مقرر کیا ہے، تاکہ اللہ نے انہیں جو جانور بطور روزی دیا ہے انہیں اللہ کا نام لے کر ذبح کریں، پس تمہارا معبود ایک اللہ ہے، تو تم لوگ اسی کے سامنے جھکو، اور اے نبی! آپ عاجزی و انکساری اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے ﴿۲۰﴾ جن کے سامنے جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل مارے خوف کے کانپنے لگتے ہیں، اور جو مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور ہم نے قربانی کے اونٹوں (۲۱) کو تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں بنائی ہیں، تمہارے لئے ان میں دین و دنیا کی بھلائی ہے، پس جب وہ پاؤں بندھے کھڑے ہوں تو انہیں اللہ کے نام سے ذبح کرو، پس جب وہ اپنے پہلو کے بل گر جائیں تو ان کا گوشت کھاؤ، اور نہ مانگنے والے اور مانگنے والے دونوں قسم کے فقیروں کو کھلاؤ، ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے اس طرح اس لئے تابع بنا دیا ہے تاکہ اللہ کا شکر ادا کرو ﴿۲۱﴾

سے پہلے تک) دیگر فوائد حاصل کرنا جائز ہے۔ بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک اونٹ ہانکے جا رہا ہے، تو اس سے کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا کہ یہ تو ہدی کا اونٹ ہے، تو آپ نے اس سے پھر کہا کہ تمہارا بھلا ہو اس پر سوار ہو جاؤ۔

(۲۰) ابتدائے آفرینش سے جتنی قومیں دنیا میں ہوئیں، اللہ کی طرف سے ان سب کے لئے قربانی کا ایک دن مقرر تھا، جس دن وہ جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ﴿مِنْ بَيْمَاتِهِ الْأَنْعَامِ﴾ میں اشارہ ہے کہ قربانی صرف جانوروں کی ہی جائز ہے۔ اور ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ﴾ میں اشارہ ہے کہ قربانی کا مقصد ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ تم سب کا معبود ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے اس لئے تم سب اسی کی بندگی کرو۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ خشوع و خضوع اختیار کرنے والے اللہ کے مخلص بندوں کو اپنے رب کی جانب سے اچھے انجام کی خوشخبری دے دیجئے، جن کی خوبیاں یہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو اس کی بندگی میں تقصیر اور اس کی یاد میں غفلت کے احساس سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں، اور جب وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو گھبراتے نہیں اور زبان پر کلمہ شگہو نہیں لاتے، بلکہ صبر و شکیبائی سے کام لیتے ہیں، اور جو پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ تمام شروط و ارکان کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں، اور اللہ نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے اپنے اہل و عیال، فقراء و مساکین اور اللہ کے دیگر بندوں پر خرچ کرتے ہیں۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے اونٹ اور گائے کو ”ہدی“ کا جانور قرار دیا، جنہیں وہ اللہ کی نشانی

لَنْ يَتَّالِ اللَّهُ لِعُومِهَا وَلَا دِمَائِهَا وَلَكِنْ يَبَالُغُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتَكْبُرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَوَيْبَسَّرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ أُوذِنَ الَّذِينَ يَفْعَلُونَ بِأَنفُسِهِمْ ظُلْمًا وَإِنِ اللَّهُ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

اللہ تک نہ ان کا گوشت (۲۲) پیچھے گا اور نہ خون، صرف تمہارا تقویٰ اس تک پیچھے گا، اس نے جانوروں کو اس طرح اس لئے تمہارے تابع بنا دیا ہے تاکہ اللہ نے تمہیں جو راہ راست پر ڈالا ہے، اس کا شکر بجالاتے ہوئے تکبیر پڑھو۔ اور اے نبی! آپ بھلا کام کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے ﴿۳۷﴾ بے شک اللہ ایمان والوں کا دفاع (۲۳) کرتا رہتا ہے، بے شک اللہ کسی خائن اور ناشکر گزار کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۳۸﴾ جن مومنوں کے خلاف جنگ (۲۴) کی جارہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی اس لئے کہ ان پر ظلم ہوتا رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے ﴿۳۹﴾

کے طور پر خانہ کعبہ کے پاس ذبح کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ ہدی اور قربانی کے ان جانوروں میں اللہ نے مسلمانوں کے لئے بڑے فوائد رکھے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کے نام پر قربانی کر کے اس کی قربت حاصل کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان کا ایک بایاں پاؤں باندھ کر ان کی گردن پر مٹھری پھیرو تو "بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ" کہو، اور جب وہ زمین پر گر کر ٹھنڈے ہو جائیں تو خود بھی ان کا گوشت کھاؤ، اور محتاجوں اور ان لوگوں کو کھلاؤ جو ان دنوں تمہاری زیارت کے لئے آئیں۔

اس آیت سے قربانی کا یہ حکم استنباط کیا گیا ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں کر دینا چاہئے۔ ایک حصہ آدمی خود کھائے، ایک حصہ ہدیہ کر دے اور ایک حصہ صدقہ کر دے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنو! ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، تم ان پر سوار ہوتے ہو، ان کا دودھ پیتے ہو، اور ان کا گوشت کھاتے ہو، ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ تم اپنے قول و عمل کے ذریعہ اس کا شکر ادا کرو۔

(۲۲) زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب جب اپنے بتوں کے نام سے جانور ذبح کرتے تو اس کا گوشت ان بتوں پر ڈالتے اور ان پر اس کا خون چھڑکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کے نام سے ہدی یا قربانی کا جانور اس لئے ذبح کرتے ہو کہ وہ تمہارا خالق و رازق ہے، اس کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا، اس لئے کہ وہ تو ہر چیز سے بے نیاز ہے، اللہ تو تمہاری نیت اور تمہارے اخلاص و تقویٰ کو دیکھتا ہے کہ تم نے کیا اس کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے!؟

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے لئے اس غرض سے مسخر کیا ہے تاکہ جب تم اللہ کی ہدایت کے مطابق انہیں ایام تشریق میں ذبح کرو تو "بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ" کہو۔ آخر میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو خوشخبری دے دیجئے جو اللہ کی شریعت کے مطابق اچھا عمل کرتے ہیں۔

(۲۳) یہ آیت جہاد فرض ہونے سے پہلے مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو خوشخبری دینی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے، اور جب مشرکین مکہ کے خلاف جہاد کرنے کی نوبت آئے گی تو اللہ ان کی مدد کرے گا، اس لئے کہ مشرکین مکہ

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهَلَّ مَتَّ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصُلُوكٌ وَمَسْجِدٌ يُذَكَّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۰﴾
الَّذِينَ إِنْ مَكَانَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَحَقُّوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۲۱﴾

جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لئے نکال (۲۰) دیئے گئے کہ انہوں نے کہا، ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ ہٹاتا نہ رہتا تو عیسائی راہبوں کی خانقاہیں، گرجے، یہودیوں کی عبادت گاہیں، اور وہ مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کو یاد کیا جاتا ہے، سب کے سب منہدم کر دیئے جاتے، اور اللہ یقیناً ان کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ بڑی قوت والا، بڑا ہی زبردست ہے ﴿۲۰﴾ جنہیں ہم جب سر زمین کا حاکم بناتے ہیں تو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکاۃ دیتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں، اور تمام امور کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے ﴿۲۱﴾

امانتوں میں خیانت کرنے والے، بد عہدی کرنے والے، اور اللہ ورسول کے منکر ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ انہیں پسند نہیں کرتا ہے، اس لئے اگر جنگ ہوگی تو ان کے خلاف اللہ مسلمانوں کی مدد کرے گا۔

(۲۳) ترمذی، نسائی اور طبری وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیئے گئے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ اب جنگ ہوگی، مسند احمد کی ایک روایت میں ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جہاد سے متعلق یہ پہلی آیت نازل ہوئی تھی۔ مگر مکہ میں مسلمانوں کی تعداد کم اور مشرکین کی تعداد زیادہ تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرتا رہا۔ بیعتہ العقبہ کی رات میں اہل مدینہ کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ تھی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اجازت چاہی کہ منیٰ میں موجود مشرکوں کو قتل کر دیں، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین مدینہ میں جمع ہو گئے، اور مہاجرین اور انصار کی مجموعی تعداد سے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی طاقت وجود میں آگئی، اور مدینہ ان کی چھاتی اور مسلمانوں کا دارالسلام بن گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے جہاد کو شروع کر دیا۔

(۲۵) مکہ میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ہوا اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا تو ان کا کوئی تصور نہیں تھا، سوائے اس کے کہ انہوں نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ ان کا رب صرف اللہ ہے۔ اسی لئے مدینہ آنے کے بعد جب ان کی ایک طاقت وجود میں آگئی تو اللہ نے انہیں جہاد کی اجازت دے دی، تاکہ ان پر جو ظلم ہوا تھا اس کا بدلہ لے سکیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاد کی حکمت بیان فرمائی کہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ دیتا اور مسلمانوں کے ذریعہ مشرکوں کو مار نہ بھگاتا، تو ہر دور میں مشرکین اہل ادیان پر غالب آجاتے اور ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کر دیتے۔ اور جو اللہ کے دین کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اور اللہ پر کون غالب آسکتا ہے وہ تو نہایت قوی اور ہر حال میں غالب ہے، وہ جس کی مدد کرنی چاہے ساری دنیا لے کر اسے مظلوم نہیں کر سکتی۔

وَأَنْ يَكْفُرُ بِكُفْرَانٍ كَذِبٍ فَمَلِكُومٌ قَوْمٌ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۗ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ
وَكَذِبَ مُوسَىٰ فَامْلِكُومٌ لِّكُفْرَانٍ ثُمَّ أَخَذْنَاهُمْ فَلَئِمَّتْ كَانُوكُمْ ۗ فَكَأَيُّ قَوْمٍ قَرِيْبَةٍ أَمَلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَبْرُؤُا مَعْطَلَةٌ وَقَصْرٌ مَّشِيدٌ ۗ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ
يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۗ
وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۗ وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۗ وَكَأَيُّ
قَوْمٍ قَرِيْبَةٍ أَمَلِكُومٌ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْنَاهَا وَالَّتِي الْمَصِيْرُ ۗ

اور اگر کفار آپ کو جھٹلاتے (۲۱) ہیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد و ثمود نے بھی تو اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿۳۲﴾ اور قوم ابراہیم اور قوم لوط ﴿۳۳﴾ اور مدین والوں نے بھی تو انبیاء کو جھٹلایا تھا، اور موسیٰ بھی جھٹلائے گئے تھے، تو میں نے کافروں کو تھوڑی مہلت دی، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا، تو ان کی بد اعمالیوں پر میری تکبیر کیسی تھی ﴿۳۴﴾ پس ہم نے بہت سی بستوں کو ہلاک کر دیا، دراصل ایک وہ ظالم تھیں، تو اب وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں، اور بہت سے کنویں بیکار ہیں، اور بہت سے اونچے محل خالی اور ویران ہیں ﴿۳۵﴾ کیا وہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں، تو ان کے ایسے دل ہوتے جن سے سمجھتے اور ایسے کان ہوتے جن سے سنتے، پس بے شک آنکھیں نہیں اندھی ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں پائے جاتے ہیں ﴿۳۶﴾ اور کفار آپ سے عذاب کا جلد مطالبہ (۲۲) کرتے ہیں، اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن، اُن دنوں کے ہزار سال کے مانند ہے جنہیں تم گنتے ہو ﴿۳۷﴾ اور میں نے بہت سی بستوں کو مہلت دی حالانکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا، اور سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿۳۸﴾

آیت (۲۱) میں اللہ کے دین کی مدد کرنے والوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ جب ان کے ہاتھوں میں حکومت آجاتی ہے تو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام امور میں عدل و انصاف کے ساتھ وہی فیصلہ کرے گا، اس لئے اس سے ہر حال میں ڈرتے رہنا چاہئے۔ (۲۶) مشرکین کی جانب سے نبی کریم ﷺ کو جو تکلیف پہنچتی رہی اس پر انہیں صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اور تسلی دی گئی ہے کہ ہر دور کے کافروں کا اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی معاملہ رہا ہے۔ سب نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی رستی ڈھیل دی، اور جب وہ کفر و سرکشی اور ظلم و عدوان کی انتہا کو پہنچ گئے تو اللہ نے انہیں اچانک اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسی مفہوم کی تائید کے طور پر آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت سی بستوں والوں نے جب شرک باللہ اور تکذیب رسول کے ذریعہ اپنے آپ پر ظلم کیا تو ہم نے ان بستوں کو تباہ کر دیا، ان کے تمام مکانات اپنی چھتوں کے بل زمین بوس ہو گئے، وہ کنویں جن کا پانی پیتے تھے اب بے کار پڑے ہیں، اور وہ قصور و محلات جن میں وہ داد عیش دیتے تھے ان میں اب بھوکا عالم ہے۔

آیت (۲۶) میں کفار قریش اور دیگر قبائل عرب سے کہا جا رہا ہے کہ وہ زمین میں گھوم کر ہلاک کردہ قوموں کے آثار قدیمہ پر نگاہ عبرت کیوں نہیں ڈالتے، شاید کہ ان میں غور و فکر سے ان کے دل زندہ ہو جائیں اور ان کے کان خیر کی باتوں پر توجہ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آتَاكُمُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، اے لوگو! میں تو صرف تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا (۲۸) ہوں ﴿۵۹﴾ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، انہیں ان کا رب معاف کر دے گا، اور جنت میں انہیں عزت کی روزی ملے گی ﴿۵۰﴾ اور جو لوگ رسول اللہ اور مسلمانوں کو عاجز بنانے کے لئے ہماری آیتوں کے خلاف سازش میں کوشاں رہتے ہیں، وہی لوگ جہنمی ہیں ﴿۵۱﴾

دیئے لگیں، ابھی تو ان کی آنکھیں اور ان کے کان کسی کام کے نہیں ہیں، اس لئے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں، بلکہ لوگوں کے دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔

(۲۷) یہ آیت کریمہ نیز نضر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو عذاب کی جلدی مچاتے تھے، اور کبر و عناد میں آکر رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ جس عذاب کی انہیں دھمکی دی جاتی ہے وہ ابھی اور اسی لمحہ کیوں نہیں آجاتا۔

سورۃ الأنفال آیت (۳۲) میں ان کے اسی قول کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیرا کلام ہے تو ہم پر تو آسمان سے پتھر برسا دے، یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انہیں عذاب کی بڑی جلدی پڑی ہے، تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ہے، اس کا عذاب آکر رہے گا۔ یہ تو اس کی غایت بردباری اور دشمنان اسلام سے انتقام لینے کی اس کی انتہائے قدرت کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہ جب چاہے گا انتقام لے لے گا، اسی لئے لوگوں کا ہزار سال، اس کی بردباری کے پیش نظر گویا ایک دن کے مانند ہے۔ اسی لئے آیت (۳۸) میں اللہ نے فرمایا کہ اس نے بہت سی گناہ گار بستیوں کو مہلت دی، لیکن جب وہ اپنے گناہوں سے باز نہیں آئیں تو انہیں اچانک اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس لئے مشرکین کی جلد بازی کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اگر دنیا کے عذاب سے بچ جائیں گے، تو انہیں بہر حال میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، جہاں دائمی اور ابدی عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔

فخر الدین رازی نے آیت (۳۷) کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ عقلمند انسان کو عذاب آخرت کی جلدی نہیں مچانی چاہئے، اس لئے کہ آخرت میں ایک دن کا عذاب، شدت کرب و الم کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے عذاب کے برابر ہوگا۔ اگر لوگوں کو عذاب آخرت کی شدت کا اندازہ ہو تا تو جلدی نہ مچاتے۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا، آپ عذاب کی جلدی مچانے والوں سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تمہارا معبود اور رب نہیں ہوں، عذاب نازل کرنا یا کسی کو نوازنا میری قدرت سے باہر کی بات ہے، میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں، مجھے صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ نافرمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور فرمانبرداروں کو اس کی جنت کی خوشخبری دوں۔

آیت (۵۱/۵۰) میں اسی انجام نیک و بد کو بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دگر گذر فرمائے گا اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا، اور جو لوگ اللہ کے بندوں کی آیتوں سے برگشتہ کرنے کے لئے کوشاں رہیں گے، اور اس گمان باطل میں مبتلا رہیں گے کہ وہ اللہ کو عاجز کر دیں گے، تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کو کوئی مغلوب نہیں بنا سکتا، اور ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا إِذَا تَمَكَّنَى أَلْفَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِمْ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُجِزُّهُمُ اللَّهُ لِنَيْهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَكُنُفَى شِقَاقِي بَعِيدٍ ۝ وَيَلْعَلُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ السَّحْقُ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَكَهَادٍ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّلَامَةُ بَعْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيبِهِ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی بھی رسول اور نبی بھیجا (۲۹) اور اس نے خواہش کی کہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر لیں تو شیطان نے اس کی خواہش میں رکاوٹ پیدا کی، تو اللہ نے شیطان کی رکاوٹ کو زائل کر دیا، اور اللہ نے اپنے رسول کی دعوت کے پاؤں جمادئے، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۵۲﴾ تاکہ شیطان جو رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے، اللہ انہیں ان لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، اور جن کے دل سخت ہیں، اور بے شک ظالم لوگ دین حق سے بڑی دور کی مخالفت میں ہیں ﴿۵۳﴾ اور تاکہ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے، جان لیں کہ قرآن آپ کے رب کی برحق کتاب ہے، پس اس پر ایمان لے آئیں، پھر ان کے دل اس کے لئے عاجزی اختیار کریں، اور بے شک اللہ ایمان والوں کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿۵۴﴾ اور اہل کفر ہمیشہ قرآن کی جانب سے شک میں پڑے رہیں گے، یہاں تک کہ قیمت انہیں اچانک آ لے گی، یا کسی منحوس دن کا عذاب ان پر نازل ہو جائے گا ﴿۵۵﴾

(۲۹) کفار و مشرکین کی جانب سے نبی کریم ﷺ کو جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو تسلی دی جاتی، تاکہ آپ کی ہمت بندھی رہے اور اپنا مشن جاری رکھیں۔ ابھی آیت (۴۱) میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار اگر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو دل برداشتہ نہ ہوں، تمام انبیاء کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اس آیت کریمہ میں بھی آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہوں، اور شیطان اپنی طرف سے مشرکوں کے کانوں تک کچھ کلمات پہنچا دے تو آپ پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ان کلمات کو زائل کر دے گا اور قرآن کی آیتوں کو محکم بنا دے گا۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن خانہ کعبہ کے پاس نماز میں سورۃ النجم کی تلاوت کر رہے تھے تو مشرکین سن رہے تھے۔ آپ نے جب ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ کی تلاوت کی تو شیطان نے ان کی زبان پر "تلك الغرانيق العلاب، وإن شفاعتهن لترتجى" "یہ بلند مقام دیویاں، بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے" جاری کر دیا، جسے سن کر مشرکین بہت خوش ہوئے، اس میں ان کے بتوں کی تعریف تھی۔ یہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد واقعہ ہے۔

بہت سی کہتے ہیں کہ یہ قصہ سن گھڑت ہے۔ ابن خزیمہ نے لکھا ہے کہ یہ قصہ زنادقہ نے گھڑا تھا۔ قاضی عیاض اپنی کتاب "الشفاع" میں لکھتے ہیں: امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کی جانب سے جو کچھ بھی پہنچایا اس میں قصداً یا غلطی سے یا بھول کر، کسی طرح بھی ایک حرف کا اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے، اور قرآن نے آپ کے

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُ بِكُمُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي حُدُودِ التَّعْبِيرِ • وَالَّذِينَ كَفَرُوا
 كَذَّبُوا بِالْبَيْتِ الْكَافِرِ لَكُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ • وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ قَاتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيُرَفَقَهُنَّ اللَّهُ
 رِزْقًا حَسَنًا لَوْلَا أَنَّ اللَّهَ لَهْوٌ خَيْرٌ لِلرَّازِقِينَ • لَيْدٌ خَلَقَهُمْ مُدَّ خَلْقِ يَوْمَانِ • وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ •

اس دن بادشاہی (۳۰) صرف اللہ کی ہوگی، وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا، پس جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے عمل صالح کیا ہوگا، وہ نعمتوں والے باغات میں ہوں گے ﴿۵۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا، ان کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا ﴿۵۷﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کر دیئے گئے یا مر گئے، انہیں اللہ یقیناً اچھی روزی عطا کرے گا، اور بے شک اللہ ہی سب سے اچھا روزی رسا ہے ﴿۵۸﴾ وہ انہیں یقیناً ایسی رہائش گاہ میں داخل کر دے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، اور بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑا بڑا بار ہے ﴿۵۹﴾

بارے میں بہت سی آیتوں میں جو کچھ کہا ہے کہ نہ وہ اپنی طرف سے کچھ کہتے ہیں اور بھولتے ہیں اس کے خلاف ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی بھی حیثیت سے بتوں کی تعظیم کی اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے بھی اس قصہ کو باطل قرار دیا ہے، اور اس کی تردید میں ان کا ایک رسالہ بھی ہے، جو اہل علم کے درمیان مشہور ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر تین صحیح مرسل روایتوں کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اتنی بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جب سورۃ النجم کی تلاوت کی تو شیطان نے اپنی طرف سے مشرکوں کے کان میں ایسے کلمات ڈال دیئے جن میں بتوں کی تعریف تھی۔ رسول اللہ کی زبان پر وہ کلمات جاری نہیں ہوئے تھے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے ہمارے نبی (ﷺ) ! ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کوئی رسول یا نبی بھیجا، اور اس نے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت کے درمیان کچھ اپنی طرف سے مشرکوں کے کان تک پہنچایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی شیطان کے القاء کردہ کلمات کو زائل و باطل بنا دیا اور اپنی آیتوں کو محکم اور ثابت کر دیا۔ ایسا اس لئے ہوتا رہا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کو منافقین و مشرکین کے لئے گمراہی اور حق سے دوری کا سبب بنا دے، اور اہل علم مومنوں کا ایمان مزید راسخ ہو جائے کہ قرآن کریم میں جو آیات ثابت ہیں وہی برحق ہیں، اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ ان کے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوا، اور ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔

صاحب محاسن التنزیل نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جب بھی کسی رسول یا نبی نے چاہا کہ اس کی دعوت پھیلے اور اس کی لائی ہوئی شریعت کو تیزی کے ساتھ سر بلندی حاصل ہو، تو شیطان نے زکا و ٹیس کھڑی کرنی چاہیں۔ اور لوگوں کو اس کی دعوت قبول کرنے سے روکنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی چالوں کو ناکام بنا دیا اور اپنے دین اور اپنی آیتوں کو استحکام عطا کیا۔ آیت (۵۳) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنے مومن و متقی بندوں کی ہر حال میں سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انہیں شیطان کے زغے سے بچاتا ہے۔

آیت (۵۵) میں فرمایا کہ اہل کفر قرآن کی حقانیت میں ہمیشہ شک کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ یا تو اچانک قیامت

ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبْ بِمَقْبَلِ مَا عُوِّقَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرْهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ذَلِكَ يَأْتِيَنَّ
اللَّهُ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ ذَلِكَ يَأْتِيَنَّ اللَّهُ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ
مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

مذکور بالا باتیں لائق اہمیت ہیں، اور جو شخص اتنی تکلیف (۳۱) پہنچائے جتنی اسے پہنچائی گئی تھی، پھر دوبارہ اس پر زیادتی کی جائے، تو اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا مغفرت کرنے والا ہے ﴿۶۰﴾ یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل ﴿۶۱﴾ کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿۶۱﴾ اور یہ اس لئے کہ اللہ کی ذات برحق ہے، اور اللہ کے سوا جس کی وہ پرستش کرتے ہیں، وہ باطل ہے، اور بے شک اللہ ہی برتر اور بڑا ہے ﴿۶۲﴾

آجائے گی یا کوئی ایسا دنیاوی عذاب انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا جس میں کوئی بھی خیر نہیں ہوگی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ جنگ بدر کا دن تھا جب ان میں سے بہت سے لوگ ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے اور بہت سے قید کر لئے گئے، اور تب انہیں معلوم ہو گیا کہ قرآن اور دین اسلام برحق ہے۔

(۳۰) قیامت کے دن بادشاہی صرف اللہ کی ہوگی، وہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہوں گے اور عمل صالح کیا ہوگا اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا، اور جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہوگی اور اس کی آیتوں کی تکذیب کی ہوگی، انہیں وہ رسوا کن عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنا گھریا چھوڑ دیا ہوگا، پھر یا تو جہاد کرتے ہوئے قتل کر دیئے گئے، یا طبعی موت سے مر گئے، اللہ انہیں جنت میں بہت ہی اچھی روزی دے گا، اور قیامت کے دن انہیں ایسی رہائش گاہ عطا کرے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔

(۳۱) مقاتل بن حیان اور ابن جریر نے روایت کی ہے کہ یہ آیت صحابہ کرام کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن کی محرم کے مہینہ میں مشرکوں کی ایک جماعت سے مدبھٹھیر ہو گئی تھی، اور مسلمانوں کی ہزار کوششوں کے باوجود کفار جنگ سے باز نہیں آئے اور مسلمانوں پر چڑھ آئے تو مسلمانوں نے مجبوراً ان سے جنگ کی اور اللہ نے ان کو غالب کیا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں "بغی" سے مراد مشرکین مکہ کا مسلمانوں کو مکہ سے نکال دینا ہے، ﴿لَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ﴾ میں انہی مہاجرین سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آیت کا ظاہری مفہوم واضح ہے کہ جو شخص ظالم سے اس کے ظلم کے مطابق انتقام لے لے، پھر ظالم دوبارہ اس پر ظلم کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کرے گا۔ آیت کے آخر میں عفو و درگزر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا مغفرت کرنے والا ہے، اس لئے اس کے بندوں کو بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہئے۔

(۳۲) اللہ تعالیٰ مظلوم کی ضرور مدد کرے گا، اس لئے کہ وہ قادر مطلق ہے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ دن اور رات میں سے ہر ایک کو چھوٹا کر کے دوسرے میں داخل کر دیتا ہے۔ اور یہ عجیب و غریب کاریگری اس بات کی دلیل ہے کہ وہی مالک کل معبود برحق ہے، اس کا کوئی ساجھی اور کوئی مقابل نہیں، اور جن معبودوں کو مشرکین پکارتے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُخْرِجُهُ الْأَرْضُ مَخْضَرَةً إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۱۶۳﴾ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَوَّ الْغَيْبِ الْحَبِيرُ ﴿۱۶۴﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَاءَ فِي الْأَرْضِ وَالْفَلَكَ تَجْرِي فِي
الْبَحْرِ بِأَقْرَبٍ وَيُنسِكُ الثَّمَاءُ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِالْأَذْنِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِي
أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿۱۶۶﴾ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا نَسْكَاهُمْ نَسْكَوَهُمْ فَلَا يُبَارِعُكَ
فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رِبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٌ ﴿۱۶۷﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بارش (۱۶۳) برساتا ہے، پس زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے، بے شک اللہ بہت ہی باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۶۳﴾ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، اور بے شک اللہ بے نیاز، تمام تعریفوں کا مستحق ہے ﴿۱۶۴﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ اللہ نے تم سب کے لئے زمین کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے اور کشتیوں کو مسخر کر دیا جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی رہتی ہیں، اور وہ ذاتِ برحق آسمان کو زمین پر بغیر اس کی اجازت کے گرنے سے روک رکھتا ہے، یقیناً اللہ لوگوں پر بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۱۶۵﴾ اور اسی نے تمہیں زندگی دی ہے، پھر تمہیں موت دے دے گا، پھر تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، بے شک انسان بڑا ہی ناشکر گزار ہے ﴿۱۶۶﴾ ہم نے ہر گروہ کے لئے ایک شریعت (۱۶۶) مقرر کر دی تھی جس کی وہ اتباع کرتے تھے، پس ان (یہود و نصاریٰ اور مشرکین) کو آپ سے دین کے معاملے میں جھگڑانا نہیں چاہئے، اور آپ انہیں اپنے رب کی طرف بلائے رہئے، آپ یقیناً سیدھی راہ پر گامزن ہیں ﴿۱۶۷﴾

ہیں وہ کسی قسم کی کوئی قدرت نہیں رکھتے، بلکہ انہیں خود ان کے پجاریوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ تو کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ لوگ اس قادرِ مطلق، معبودِ برحق اور نفع و نقصان پہنچانے والے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کریں۔ (۳۳) اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب کارگیری یہ بھی ہے کہ وہ آسمان سے بارش بھیجتا ہے تو زمین کھیتی اور پودوں سے ہری بھری ہو جاتی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو اسی نے پیدا کیا ہے، سب کا وہی مالک ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے زمین میں پائے جانے والے تمام جانوروں اور چوپایوں کو انسانوں کے فائدے کے لئے تیار کیا ہے، اور سمندروں کو بھی ان کے لئے مسخر کر دیا ہے جن میں بڑے اور چھوٹے جہاز ان کے اسبابِ معیشت لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے ہیں۔

اور اس کی قدرت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان اس کی مشیت سے اپنی جگہ پر رُکھا ہوا ہے، زمین پر نہیں گرتا۔ اللہ کی یہ ساری نعمتیں انسان سے اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ وہ ہر وقت اس کا شکر ادا کرتا رہے۔ اور اس کے معبودِ برحق ہونے کی قطعی اور یقینی دلیل یہ ہے کہ اسی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اور جب ان کی دنیاوی زندگی کی عمریں پوری ہو جاتی ہیں تو انہیں موت دے دیتا ہے۔ اور جب قیامت آئے گی تو انہیں دوبارہ زندہ کرے گا، اور ان کے اعمال کا انہیں بدلہ چکائے گا، لیکن انسان اتنا بڑا ناشکر گزار واقع ہوا ہے کہ جس خالق و مالک نے یہ نعمتیں دی ہیں، اور جو ایسی عظیم قدرت والا ہے، اسے چھوڑ کر

وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللَّهُ يَخْتَكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝
 أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ۝ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَ
 يُعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝

اور اگر وہ لوگ آپ سے دین کے معاملے میں جھگڑا کریں تو کہہ دیجئے کہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے ﴿۶۸﴾ اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں فیصلہ کر دے گا جن میں تم دنیا میں اختلاف کرتے رہے تھے ﴿۶۹﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ آسمان و زمین کی ہر بات کو جانتا ہے، بے شک یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، بے شک یہ بات اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے ﴿۷۰﴾ اور کفار اللہ کے سوا اس کی عبادت (۳۵) کرتے ہیں جس کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے، اور جس سے متعلق انہیں کوئی علم نہیں ہے، اور ظالموں کا قیامت کے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا ﴿۷۱﴾

دوسرے جھوٹے معبودوں کی پرستش کرتا ہے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان اور قوموں کے حالات کے مطابق متعدد شریعتیں نازل کیں، اور الگ الگ عبادت کے طریقے بتائے۔ تورات کو اس امت کے لئے اتارا جو موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت سے عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک تھی، اور انجیل کو اس کے لئے جو عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت سے نبی کریم ﷺ کی بعثت تک تھی، اور قرآن مسلمانوں کی کتاب ہے جو قیامت تک باقی رہے گی، اور جس کے آنے کے بعد تمام سابقہ شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اس لئے یہود و نصاریٰ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جدال اور مناظرہ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ان پر ایمان لے آنا چاہئے اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہئے۔ اور نہ نبی کریم ﷺ کو ان کے جدال و مناظرہ سے متاثر ہو کر دین برحق سے پھر جانا چاہئے۔

چونکہ یہ دین اللہ کا آخری دین ہے، اور اب اس کے سوا کوئی صحیح دین نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی توحید و عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہیں۔ آیت (۶۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر دین حق کی توضیح کے بعد بھی کفار جدال و مناظرہ سے باز نہ آئیں، تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارے اعمال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے، وہ تمہیں ان کا بدلہ ضرور چکائے گا، اور دین کی جن باتوں میں آج تم جھگڑتے ہو، قیامت کے دن وہ ان کے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا اور بتائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون۔

آیت (۷۰) میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ جن باتوں میں آج کفار اختلاف کر رہے ہیں، انہیں وہ کیوں نہیں جانے گا، وہ تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے، دونوں کے درمیان پائے جانے والا ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، وہ تو تمام کائنات کی خبر اس وقت سے رکھتا ہے، جب اس نے ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا تھا۔ تمام چیزیں لوح محفوظ میں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں۔ ان تمام کی خبر گیری کرنی اور سب کو اپنے احاطہ علم میں رکھنا اس ذات برحق کے لئے بڑا ہی آسان ہے۔ (۳۵) دین حق کی مخالفت کرنے والے کفار و مشرکین کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ کے سوا ان بتوں اور دیوتوں کی پوجا کرتے ہیں، جن کے لائق عبادت ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے، اور نہ ہی ان کے پاس اس کی کوئی عقلی دلیل

وَلَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بِحَيْثُ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ
عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا قُلْ أَفَأَنْتُمْ تُبْشِرُونَ بِذِكْرِ الْآرَاءِ وَعَدَاةِ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُسِ الْمَصِيرُ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ ضَرِبْ مَثَلًا قَاتِمِعْمُوَالِهَ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا أُجَاعًا وَلَا هُمْ يُنصَبُونَ
يَسْأَلُهُمُ الدُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ﴿۳۶﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ
لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۳۷﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتوں کی تلاوت (۳۶) کی جاتی ہے، تو آپ کافروں کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار پہچان لیتے ہیں، قریب ہوتا ہے کہ وہ ان پر چڑھ بیٹھیں گے جو ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے، کیا میں تمہیں ان آیتوں سے بھی زیادہ تکلیف دینے والی چیز کی خبر دوں، وہ ہے جہنم کی آگ، جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہوگا ﴿۳۷﴾ اے لوگو! ایک مثال (۳۷) بیان کی جاتی ہے، جسے غور سے سنو، اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ ایک کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں، چاہے اس کے لئے سبھی اکٹھے ہو جائیں، اور اگر کبھی ان سے کوئی چیز چھین لے، تو اس سے وہ چیز چھڑا نہیں سکتے ہیں، چاہنے والا اور جسے چاہا جا رہا ہے، دونوں کمزور ہیں ﴿۳۸﴾ انہوں نے اللہ کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا، بے شک اللہ بڑی قوت والا، بڑی عزت والا ہے ﴿۳۹﴾

ہے۔ عنقریب قیامت کے دن اس افتخار پر دازی پر ان کا حساب ہوگا، اور اس کا انہیں بدلہ دیا جائے گا، اور اس وقت اللہ کے مقابلے میں اپنے لئے کوئی یار و مددگار نہیں پائیں گے۔

(۳۶) دین برحق کی مخالفت کرنے والے کفار و مشرکین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیتیں پیش کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر واضح اور روشن دلیل ہوتی ہیں، تو ان کے چہرے بگڑ جاتے ہیں، اور ان سے شر جھانکنے لگتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ ان داعیانِ حق پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انہیں قرآن پڑھ کر سنا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو شر اور بُرائی تم لوگ داعیانِ حق کے خلاف اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے ہو، اور جس کے آثار تمہارے چہروں پر نمایاں ہیں، کیا میں تمہیں تمہارے لئے اس سے بھی بُرے انجام کی خبر دوں؟ وہ جہنم کی آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہوگا۔

(۳۷) بتوں کی حقارت بیان کی جا رہی ہے، اور ان کے پجاریوں کی عقل پر ماتم کیا جا رہا ہے کہ ذرا عقل کے ناخن تو لو، اور غور تو کرو کہ جن بتوں کی تم اللہ کے بجائے پوجا کرتے ہو، وہ تمام اکٹھے ہو کر ایک کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں جو اللہ کی حقیر ترین مخلوق ہے، اور وہ حقیر ترین کبھی اگر ان سے کوئی چیز چھین لے تو اُسے وہ واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے بت اور کبھی دونوں ہی حقیر اور کمزور ہیں۔ بلکہ تمہارے معبود تو زیادہ حقیر اور کمزور ہیں کہ وہ اپنے آپ سے کبھی کو بھی نہیں بھگا سکتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۸) میں فرمایا ہے کہ کافروں اور مشرکوں نے اللہ کی قدر و منزلت کو جاننا ہی نہیں۔ وہ تو وہ ہے جس نے اپنی قدرت سے سب کچھ پیدا کیا ہے، اور جو ہر چیز پر غالب ہے، کوئی شے اسے مغلوب نہیں کر سکتی، اور کوئی چیز اس کے

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۝ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

اللہ فرشتوں میں سے اپنے کچھ پیغام پہنچانے والے جن (۳۸) لیتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿۷۵﴾ وہ ان تمام (فرشتوں اور انسانوں) کے اگلے اور پچھلے حالات کو جانتا ہے، اور تمام کام اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں ﴿۷۶﴾ اے ایمان والو! تم اپنے رب کے لئے رکوع (۳۹) کرو اور سجدہ کرو، اور اسی کی عبادت کرو، اور کار خیر کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿۷۷﴾ اور اللہ کی راہ میں جیسی کوشش (۴۰) ہونی چاہئے ویسی کوشش کرتے رہو۔ اس نے تم مسلمانوں کو چن لیا ہے، اور تمہارے لئے دین اسلام میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، وہی جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین و مذہب تھا، اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، ان کتابوں میں جو پہلے نازل ہوئی ہیں اور اس قرآن میں بھی، تاکہ قیامت کے دن رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں، اور تم لوگوں کے بارے میں گواہی دو، پس مسلمانو! تم لوگ نماز قائم کرو، زکاۃ دو، اور اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط رکھو، وہی تمہارا آقا ہے، پس وہ بہت ہی اچھا آقا، اور بہت ہی بہترین مددگار ہے ﴿۷۸﴾

حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔

(۳۸) کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا: ﴿أَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرَ مِنْ بَيْنِنَا﴾ ”کیا ہمارے درمیان سے محمد پر قرآن اتارا گیا ہے“۔ (سورہ ص: ۸) اور کہا: ﴿قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ ”کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے“۔ (الإساء: ۹۳) تو اللہ نے ان کے سوال کا جواب دیا، اور کہا کہ وہ اپنی پیغامبری کے لئے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ وہ فرشتوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لیتا ہے، اور اسی طرح انسانوں میں سے بھی جسے چاہتا ہے اس کام کے لئے اختیار کر لیتا ہے۔

مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت میں اپنی وحدانیت ثابت کرنے کے بعد، گویا یہ کہنا چاہا ہے کہ اس کے کچھ برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اس نے اپنی پیغام رسانی کے لئے اختیار کر لیا ہے، انہی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کی عبادت کرنی لازم ہے۔

آیت (۷۶) میں فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے تمام امور و اعمال سے واقف ہے، اس لئے اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ جسے چاہے اپنی رسالت و پیغامبری کے لئے اختیار کرے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا ہے۔ (۳۹) توحید و رسالت اور بعثت بعد الموت کا عقیدہ بیان کرنے کے بعد اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ تم لوگ رکوع اور سجدہ کرو،

یعنی نماز پڑھو، اس کا خاص اہتمام کرو، اور دیگر عبادات، جن کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے انہیں بھی بجالاؤ، اور بھلائی کے کاموں میں لگے رہو، صلہ رحمی کرو، چیموں کی دلجوئی کرو، محتاجوں اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ، اور اپنے آپ کو اخلاق حسنہ کا پابند بناؤ۔ حصول جنت کا یہی طریقہ ہے۔

(۴۰) یہاں بھی خطاب مومنوں سے ہی ہے کہ اللہ کے لئے اپنی جان، مال اور زبان کے ذریعہ جہاد کرو، تاکہ زمین سے شرک و کفر اور فتنہ انگیزی کا خاتمہ ہو جائے، اور ہر طرف دین اسلام کا دور دورہ ہو جائے، اس نے تمہیں اپنے دین کی نصرت و تائید کے لئے جن لیا ہے۔ اور جو دین اسلام تمہیں عطا کیا ہے اس میں کوئی تنگی نہیں ہے، جو اعمال تمہاری طاقت سے زیادہ تھے ان کا یا تو تمہیں مکلف نہیں کیا، یا انہیں ہلکا بنا دیا، توبہ و استغفار کا دروازہ کھول دیا، تاکہ تم توبہ کرتے رہو اور وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرتا رہے۔

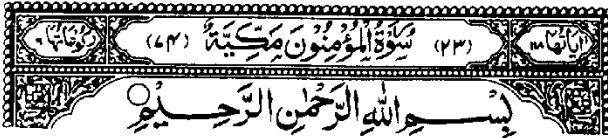
مختصر یہ کہ دین اسلام فطرت انسانی کے مطابق اور آسان دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التغابن آیت (۱۶) میں فرمایا ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ”اپنی استطاعت بھر اللہ سے ڈرتے رہو۔“ اور سورۃ البقرہ آیت (۱۸۵) میں فرمایا ہے: ﴿يُؤَيِّدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُؤَيِّدُ بِكُمْ الْعُسْرَ﴾ ”اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔“ اور نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے: ”میں وہ دین دے کر بھیجا گیا ہوں جس کی بنیاد توحید پر ہے اور جو آسان ہے۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دین اسلام تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو مسلمانوں کا باپ اس لئے کہا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے باپ تھے۔ پھر فرمایا کہ تمہارا نام ”مسلمان“ اللہ نے رکھا ہے، اور یہ نام گزشتہ آسمانی کتابوں میں مذکور ہے، اور قرآن میں بھی مذکور ہے۔ یعنی اللہ نے تمہیں اتنا باعزت نام دے کر گزشتہ امتوں پر فوقیت دی ہے۔

اور اللہ نے تمہیں اتنی اچھی، معتدل، صاحب خیر اور نیک نام امت اس لئے بنایا ہے تاکہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کہہ سکیں کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور تم گواہی دو کہ تمام رسولوں نے اپنی امتوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اس لئے کہ اس دن جب تمام امتیں اُس کی سرداری اور فضیلت کا اعتراف کر لیں گی، تو ان کی گواہی ان امتوں کے بارے میں قبول کی جائے گی۔

سورۃ البقرہ آیت (۱۴۳) میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ ”ہم نے اس طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول اللہ تم پر گواہ ہو جائیں۔“

اور اس عظیم نعمت کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ اللہ کے شکر میں نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اسی کی بارگاہ میں پناہ لو، اس لئے کہ وہی تمہارا آقا ہے، اور وہ کیسا ہی خوب آقا، اور کیسا ہی بہتر حامی و ناصر ہے۔



قُلْ أَقْلِحِ الْمُؤْمِنُونَ ۚ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِقُرُوبِهِمْ حَافِظُونَ ۚ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ ابْتغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَبَائِهِمْ وَوَعْدِهِمْ خَافُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۚ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰﴾

سورۃ المؤمنون کی ہے، اس میں ایک سواٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

یقیناً ان مومنوں نے فلاح (۱) پائی ﴿۱﴾ جو اپنی نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں ﴿۲﴾ اور جو بے کار اور لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں ﴿۳﴾ اور جو زکاۃ ادا کرتے ہیں ﴿۴﴾ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۵﴾ مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے (خواہش پوری کرتے ہیں) تو وہ لائق ملامت نہیں ہیں ﴿۶﴾ پس جو کوئی ان دو کے سوا اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی اور راستہ اختیار کرے گا، تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ﴿۷﴾ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا خیال رکھتے ہیں ﴿۸﴾ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۹﴾ یہی ہیں وہ لوگ جو وارث بنیں گے ﴿۱۰﴾ جو جنت الفردوس کے وارث بنیں گے، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱﴾

تفسیر سورۃ المؤمنون

نام: پہلی آیت ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ سے ماخوذ ہے، مفسر مہابھی نے لکھا ہے کہ چونکہ اس سورت کی ابتدا میں، اور آیات (۵۷) سے (۶۱) تک مومنوں کی عظیم صفات اور ان سے متصف ہونے کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے، اسی لئے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے، امام احمد اور مسلم نے عبد اللہ بن السائب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں صبح کی نماز میں سورۃ المؤمنون پڑھی، یہاں تک کہ جب موسیٰ و ہارون اور عیسیٰ کا ذکر آیا تو آپ کو کھانسی شروع ہوگئی، اس لئے رکوع میں چلے گئے، اتنی موسیٰ و ہارون کا ذکر آیت (۳۵) میں ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت سے آیت (۱۱) تک مومنوں کی وہ صفات بیان کی ہیں، جن سے متصف ہونے کی صورت میں ان سے فلاح اور کامیابی کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اس فلاح سے مراد جہنم سے نجات اور حصول جنت ہے، جیسا کہ اس کی صراحت آیت (۱۱) میں آگئی ہے، اور سورۃ آل عمران آیت (۱۸۵) میں بھی اصل کامیابی جہنم سے نجات اور حصول جنت کو بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ ذُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ”جو شخص جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا“۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ۝ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ۝ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۝ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

اور ہم نے انسان کو مٹی کے ٹھیکرے (۲) سے پیدا کیا ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے اُسے نطفہ کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر پہنچایا ﴿۱۳﴾ پھر نطفہ کو مُجَدَّخُون بنایا، پھر اُس مُجَدَّخُون کو گوشت کا ایک ٹکڑا بنایا، پھر اُس ٹکڑے سے ہڈیاں پیدا کیں، پھر اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے تخلیق کے ایک دوسرے مرحلہ سے گذار کر اسے پیدا کیا، پس برکت والا ہے اللہ جو سب سے عمدہ پیدا کرنے والا ہے ﴿۱۴﴾

وہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی صفت یہ ہے کہ وہ مومنین اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، یعنی سکون و اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ادھر ادھر نہیں جھانکتے ہیں، ان کے دلوں پر رقت طاری ہوتی ہے، اور بسا اوقات اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتا ہے۔ نماز میں خشوع کی اسی اہمیت کے پیش نظر بعض علماء نے اسے فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ طہ آیت (۱۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ ”میرے نبی! مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کیجئے“۔ اس لئے اگر کوئی شخص نماز میں خشوع نہیں اختیار کرتا ہے بلکہ اس کا دل غافل رہتا ہے، تو اس نے نماز کی غرض و غایت پوری نہیں کی۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ ہر ایسی فکر اور ہر ایسے قول و عمل سے اعراض کرتے ہیں جس کی اللہ کی طرف سے اجازت نہ ہو۔ ان کی زندگی میں بیہودہ باتوں اور ناروا کاموں کے لئے فراغ نہیں ہوتا ہے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس سے شرک اور دوسرے معاصی سے نفس کی پاکی مراد لی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الغنم آیت (۹) میں فرمایا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾ ”جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا“۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی معنی مراد ہو، یعنی وہ لوگ زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اپنے نفس کو شرک اور گناہوں سے پاک رکھتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی وہ نہ ننگے ہوتے ہیں اور نہ حرام طریقوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ صرف اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے پاس جاتے ہیں، ایسا کرنے سے وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ان کے لئے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور فعل زنا کی شدت قباحت کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ جو لوگ حلال کی حدوں کو پھلانگنے کی کوشش کریں گے وہ اللہ کی نگاہ میں ظالم ہوں گے۔

یہاں پر قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی فلاح و کامیابی کو شرمگاہ کی حفاظت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے، اور اس کی غایت درجہ اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت نہیں کرے گا فلاح نہیں پائے گا، اور قابلِ ملامت ہوگا، نیز ظالموں میں سے ہوگا۔ اور عفت و پاکدامنی کی شدید اہمیت کے پیش نظر ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ لوگ لمانتوں اور عہود و مواعث کی حفاظت کرتے ہیں، چاہے وہ لمانتیں اللہ کی ہوں یا بندوں کی،

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَكَيْفُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمَا لَكُمَا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ﴿١٧﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا فِي الْأَرْضِ وَقَالُوا عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ لَاقِدْرُونَ ﴿١٨﴾

پھر بے شک تمہیں اس زندگی کے بعد مرجانا^(۱۵) ہے ﴿۱۵﴾ پھر بے شک تم لوگ قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے ﴿۱۶﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا^(۱۶) کئے ہیں، اور ہم اپنی پیدا کردہ چیزوں سے غافل نہیں ہیں ﴿۱۷﴾ اور ہم آسمان سے مناسب مقدار میں بارش برساتے^(۱۷) ہیں، پھر اُسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں، اور بے شک ہم اسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں ﴿۱۸﴾

اور چاہے وہ عہود اللہ کے ساتھ ہوں یا بندوں کے ساتھ۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی پانچوں فرض نمازیں وقت پر باجماعت ادا کرتے ہیں، شرط طہارت کو پوری کرتے ہیں، رکوع اور سجدے میں غفلت نہیں کرتے ہیں، اور نماز کے دیگر سنن و آداب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔

یہی وہ چھ صفات ہیں جو کسی انسان میں پائی جاتی ہیں تو وہ مومن کامل ہوتا ہے، کامیاب و کامران بنتا ہے اور فردوس بریں کا حقدار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی میں سے بنائے۔ آمین۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت اور غایت حکمت کو ثابت کرنے کے لئے حضرت انسان کی تخلیق کے مدارج بیان کئے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ہے۔ یعنی مٹی پانی کے ساتھ ملی تو پودے پیدا ہوئے، جنہیں انسان نے کھایا تو خون بنا۔ اس خون سے ہم نے نطفہ پیدا کیا، اور اس نطفہ کو رحم مادر میں پہنچایا جہاں جا کر اللہ کے حکم سے ٹھہر گیا، پھر اسے سرخ اور محمد خون میں بدل دیا، پھر اُسے گوشت کا ایک ٹکڑا بنادیا، پھر اس ٹکڑے سے ہم نے انسانی جسم کا عموذ فقری اور باقی ہڈیاں تیار کیں، اور پھر ان پر گوشت کی تھیں جمادیں، پھر دیگر اعضاء بنائے، اچھی شکل و صورت بنائی اور ایک انسان کامل بنا کر رحم مادر سے باہر لے آئے۔ یہ سب اس اللہ کی عظیم کاریگری ہے جو عظیم قدرت و حکمت کا مالک ہے۔

(۳) پھر آدمی کو اپنی عمر محدود گزار کر مرجانا ہے۔ لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جس انسان کو اس نے اتنے اہتمام سے پیدا کیا، اور زندگی دے کر عمل کی مہلت دی، اسے یونہی ضائع نہ کر دے، اسی لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسانوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے حساب و جزا کے لئے نکالے گا۔

(۴) قرآن کریم عام طور پر انسانوں کی پیدائش کا ذکر کرنے کے بعد آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمن آیت (۵۷) میں فرمایا ہے: ﴿لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ ”آسمانوں اور زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے“۔ اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد، بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں، اور ہم اپنی مخلوقات سے غافل نہیں ہیں، جمعی تو سارے عالم کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے، ورنہ فساد برپا ہو جاتا، اور ہر چیز تباہ و برباد ہو جاتی۔

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ تَحْتِهَا أَعْنَابٌ لَّكُمْ فِيهَا فَاوَاكِبٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورٍ
سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالذَّهْنِ وَصَبِغٍ لِلأَكْلِيلِ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسَبِطُكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا
مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الفُلُوكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

پھر اُس پانی سے ہم تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کرتے ہیں، ان میں تمہارے لئے بہت سے پھل تیار ہوتے ہیں، اور ان میں سے بعض کو تم غذا کے طور پر استعمال کرتے ہو ﴿۱۹﴾ اور ہم زیتون کا درخت پیدا کرتے ہیں، جو طور سیناء کے آس پاس زیادہ ہوتا ہے، جو تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے آگتا ہے ﴿۲۰﴾ اور تمہارے لئے چوپایوں (۶) میں غور کرنے کا مقام ہے، ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے دودھ پلاتے ہیں، اور ان جانوروں میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں، ان میں سے بعض کا تم گوشت کھاتے ہو ﴿۲۱﴾ اور ان جانوروں پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو ﴿۲۲﴾

(۵) پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آسمان سے انسانوں کی ضرورت کے مطابق بارش نازل کرتے ہیں، پھر اسے زمین کی تہوں میں ٹھہرا دیتے ہیں، اور حسب ضرورت و حکمت چشموں کے ذریعہ اسے اوپر لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت (۲۱) میں فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الأَرْضِ﴾ ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے“۔ اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا: اور ہم جب چاہیں اس پانی کو ختم کر دیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ عظیم نعمت انسانوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر ادا کرتے رہیں، اور ڈرتے رہیں کہ اگر شکر ادا نہ کیا تو نعمت چھینی جاسکتی ہے۔

آیت (۱۹) میں فرمایا کہ ہم نے اس پانی کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے ہیں، جن میں مختلف ذائقے اور رنگ کے پھل پیدا ہوتے ہیں، اور ان پھلوں میں سے بعض انواع کھانا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ کھجور اور انگور کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا کہ اہل حجاز دوسرے پھلوں کی یہ نسبت ان دونوں پھلوں کو زیادہ جانتے تھے۔ دیگر ممالک میں اللہ نے دوسرے بہت سے لذیذ و نافع پھل پیدا کئے ہیں، جن کا شکر ادا کرنے سے ان ملکوں کے رہنے والے عاجز ہیں۔

آیت (۲۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایک اور درخت پیدا کیا ہے جو طور سیناء کے ارد گرد کے علاقوں میں کثرت سے ہوتا ہے، یعنی زیتون کا درخت، جس سے تیل نکلتا ہے، اور جسے کھانے والے سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ (۶) چوپائے بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، اور ان میں انسان کے لئے بڑی عبرت آموز باتیں ہیں، انسان ان کی خلقت، ان کی زندگی اور ان سے حاصل ہونے والے منافع میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آتا ہے۔ نیا سپوری نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہاں ”أنعام“ سے مراد اونٹ ہو، اس لئے کہ عام طور پر بوجھ اسی پر لاداجاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کے ساتھ کشتیوں کا ذکر آیا ہے، جس طرح کشتیاں سمندر کے لئے ہوتی ہیں اسی طرح اونٹ برسی سفر کے لئے ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ لَيَقُوْمُنَّ عِبَادٌ لِلّٰهِ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِهٖ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَتَقَالُ السَّلٰوَةُ الَّذِيْنَ
لَقَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشْرٌ مِّمَّنْ لَكُمْ يٰرَبُّنَا اَنْ يَنْفَضَلَ عَلَيْكُمْ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَانزَلَ مَلٰئِكَةً مِّنْ سَمٰوٰتِنَا
بِهٰذَا اِنۡ يَّآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنَّ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ يَّكُوْمُ بِرَبِّهٖ حَتّٰى حِيْنٌ ۝

اور ہم نے نوح (ؑ) کو ان کی قوم کے پاس بھیجا، تو انہوں نے کہا، اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تو کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو ﴿۲۳﴾ تو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا تھا، کہ یہ تو تمہاری طرح ایک انسان ہے، تم پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل کرتا، ہم نے تو ایسی بات اپنے اگلے باپ دادوں سے تاریخ میں نہیں سنی ہے ﴿۲۴﴾ اس آدمی کو جنوں لاحق ہو گیا ہے، پس تم لوگ اس کے مرنے تک انتظار کر لو ﴿۲۵﴾

گوبر اور خون کے درمیان سے گذرتا ہوا جو دودھ جانوروں کے پیٹ سے نکلتا ہے انسان اسے پیتا ہے، ان کا گوشت کھاتا ہے، ان کے بال اور اُون سے جو کپڑے تیار ہوتے ہیں انہیں پہنتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے، اور ان پر بوجھ لاد کر دور دراز شہروں تک جانے کے لئے برسی راستے طے کرتا ہے، اور بحری راستوں کے لئے کشتیاں استعمال کرتا ہے۔ یہ تمام نعمتیں انسانوں سے تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں، اس کے احسانات کو یاد کریں، اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائیں۔

(۷) دلائل توحید بیان کئے جانے کے بعد، نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے اب کچھ انبیاء و رسل کے واقعات بیان کئے جا رہے ہیں، جن کی بعثت کا مقصد بنی نوع انسان کو توحید باری تعالیٰ کی دعوت دینی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارے رسول! ہم نے آپ سے پہلے نوح کو نبی بنا کر بھیجا تھا، تو ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی، جس طرح آج آپ کی قوم آپ کے ساتھ کر رہی ہے، انہوں نے اللہ کے اوامر کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے ان سے اپنا اور اپنے رسول کا انتقام لے لیا۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ، اس لئے کہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے، تم جو اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہو تو کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا ہے کہ اس کا غضب تم پر نازل ہو جائے!؟

یہ سن کر سرداران قوم نے، جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ (نوح) تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے۔ چاہتا ہے کہ تمہارا سردار بن بیٹھے، اسی لئے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے، اور کہتا ہے کہ مجھ پر آسمان سے وحی آتی ہے۔ اگر اللہ اپنا پیغامبر بھیجنا چاہتا تو آسمان سے فرشتوں کو بھیجتا، ہم نے یہ نہیں سنا ہے کہ گذشتہ قوموں کے پاس اللہ نے کسی انسان کو اپنا نبی بنا کر بھیجا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اس آدمی کو جنوں لاحق ہو گیا ہے، اس لئے لوگو! ہمیں انتظار کرنا چاہئے، ممکن ہے کہ اس کا جنوں زائل ہو جائے، یا اس کی موت آجائے اور اس سے نجات مل جائے۔

رازی لکھتے ہیں کہ یہ پانچوں شبہات جن کا مشرکین قوم نوح نے اظہار کیا تھا، اتنے لچر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیان کروینا ہی کافی سمجھا، کیونکہ ہر عقلمند انسان انہیں سنتے ہی قوم نوح کی بیمار عقل پر ماتم کرنے لگے گا، اس لئے کہ انسانوں کا نبی انسان

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ بُونٍ ﴿۱۸﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَاذْجِبْ أُمَّتَكَ وَأَفِرَّ مِنَ الْكُفُورِ ﴿۱۹﴾ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَى مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۗ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ إِنَّهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذِ السُّؤْمِيَّةُ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِ فَقُلِ الْخَيْرُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۱﴾ وَقُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۲۳﴾

نوح نے کہا (۱۸) میرے رب! چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلادیا ہے اس لئے تو (ان کے خلاف) میری مدد فرما ﴿۲۱﴾ پس ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ کہا کہ آپ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیے، پس جب ہمارا حکم آجائے اور تتور سے پانی اُبل پڑے، تو آپ اس کشتی میں ہر جانور کا ایک (نر و مادہ) جوڑا اور اپنے گھر والوں کو سوار کر لیجئے، ان میں سے سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور آپ مجھ سے ظالموں کے حق میں کوئی سفارش نہ کیجئے، وہ یقیناً ڈوب دیئے جائیں گے ﴿۲۰﴾ پس جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں سوار ہو جائیں، تو کہئے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی ﴿۲۸﴾ اور آپ کہئے کہ میرے رب مجھے کسی برکت والی جگہ پر اتار، اور تو منزل عطا کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ﴿۲۹﴾ بے شک اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں، اور بے شک ہم لوگوں کو آزمانا چاہتے تھے ﴿۳۰﴾

ہی ہونا چاہئے، اور نبی کو اپنی فوقیت بھی ثابت کرنی چاہئے، تاکہ لوگ اس کی اتباع کریں، اور قوم نوح نے اگر نہیں سنا تھا کہ اللہ نے اقوام گذشتہ کے پاس انہی میں سے انبیاء بھیجے تھے، تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ واقعتاً ان کے پاس انبیاء نہیں آئے تھے، اور یہ جو کہا کہ اسے جنون لاحق ہے، تو یہ سراسر جھوٹ تھا، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ نوح ان میں کامل العقل انسان تھے۔

(۸) نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے، اور اس راہ کی ہر اذیت برداشت کرتے رہے، لیکن ان کی قوم کی سرکشی بڑھتی گئی، بالآخر انہوں نے اپنے رب سے مدد مانگی اور کہا اے میرے رب! اب تو میری مدد کر اور ان کی جانب سے میری مسلسل تکذیب کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ آپ میری نگرانی میں اور میری تعلیمات کے مطابق کشتی بنائیے، اور جب تتور سے پانی اُبلنے لگے تو تمام حیوانات کے مذکر و مؤنث جوڑے اور نباتات اور پھلوں کے درخت کشتی میں ڈال لیجئے اور اپنے اہل و عیال کو سوار کر لیجئے، سوائے ان کے جن کا ہلاک ہو جانا مقدر ہو چکا ہے (جیسے ان کا بیٹا اور ان کی بیوی)۔ اور عذاب دیکھنے کے بعد آپ کو ان ظالموں پر رحم نہ آجائے اور سوچنے نہ لگئے کہ اب اگر عذاب ٹل جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں، اس لئے کہ میرا یہ فیصلہ ہے کہ انہیں کفر و سرکشی کی حالت میں ہی ذوب جاتا ہے۔ اور جب آپ اور دیگر اہل ایمان کشتی پر سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجالائے کہ اس نے آپ لوگوں کو ظالموں سے نجات دے دی، اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے کسی مبارک جگہ پر اتار دے۔

آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، اور ہم اپنے بندوں کو خیر و شر کے ذریعہ اس لئے آزما تے ہیں تاکہ کافر و مومن اور عاصی و مطیع کا فرق واضح ہو جائے۔

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۚ فَآرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۚ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْآخِرَةِ قَوْمًا لَّا يَخَافُونَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِنَّا نَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا نَشْرَبُونَ ۚ وَلٰكِنْ اطَّعْتُمْ أَمْرًا لَّيْسَ لَكُم بِهِ حَكْمٌ اِنْ كُنْتُمْ اِذَا الْخَيْرُ اِنْ اَبْعَدُكُمْ اَنْتُمْ اِذَا مِثْمُمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنْتُمْ تَخْرَجُونَ ۚ هِيَ اَمْتَ هِيَ اَمْتَ لِمَا تُوْعَدُونَ ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيٰوةٌ اِلَّا الدُّنْيَا كُنْتُمْ وَاَنْتُمْ اَوْ مَا تَحْنُ يَسْبَعُونَ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ اَفْتٰى عَلٰى اَللّٰهِ كَذِبًا وَاَمَّا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِيْ بِمَا كُنْتُ اَبْرًا ۚ قَالَ لَيْسَ بِحُجَّتِكَ اَنْ تَقِيْلَ لَيْسَ بِحُجَّتِكَ نِدْمِيْنَ ۚ وَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْطَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ عَنَّا قِبْعًا اِلَّا الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں (۹) کو پیدا کیا ﴿۳۱﴾ پس ہم نے انہی میں سے اُن کے لئے ایک رسول بھیجا، جس نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تو کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو ﴿۳۲﴾ تو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا تھا، اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا، اور جنہیں ہم نے دنیا کی زندگی میں خوب آرام و آسائش دے رکھا تھا، کہ یہ تو تمہارے ہی جیسا انسان ہے، جو تم کھاتے ہو وہ کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو وہ پیتا ہے ﴿۳۳﴾ اور اگر تم لوگوں نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی بات مانی تو یقیناً تم گھائے میں رہو گے ﴿۳۴﴾ کیا وہ تم سے (اللہ کی طرف سے) اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جاؤ گے، تو اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے ﴿۳۵﴾ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بڑی ہی انہونی بات ہے ﴿۳۶﴾ ہماری دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے، ہم میں سے کچھ لوگ مرتے ہیں اور کچھ دوسرے پیدا ہوتے ہیں، اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے ﴿۳۷﴾ یہ آدمی اللہ کے خلاف محض جھوٹ بول رہا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۳۸﴾ پیغمبر نے کہا، میرے رب! چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلادیا، اس لئے ان کے خلاف تو میری مدد فرما ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا، کچھ ہی دیر کے بعد وہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہوں گے ﴿۴۰﴾ پس وعدہ برحق کے مطابق انہیں ایک چیخ نے آپکڑا، پھر ہم نے انہیں کوڑے کا ڈھیر بنا دیا، پس ظالموں سے دنیا پاک ہو گئی ﴿۴۱﴾

(۹) واقعہ نوح کے بعد اب قصہ ہود بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے بعد ایک دوسری قوم کو پیدا کیا۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ﴿قَرْنًا آخَرِينَ﴾ سے مراد قوم عاد ہے۔ بعض لوگوں نے قوم ثمود مراد لیا ہے، اس لئے کہ یہاں بتایا گیا ہے کہ اس قوم کو چیخ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا تھا، اور دوسری آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چیخ کے ذریعہ قوم ثمود کو ہی ہلاک کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے انہی کے ایک فرد کو اپنا رسول بنا کر ان کے پاس بھیجا، جس نے انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، اس لئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور کہا کہ تم جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو تو کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا ہے کہ اس کا غضب تم پر نازل ہو جائے؟ تو سرداران قوم، جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور روزِ محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا انکار کیا تھا، اور جو دنیا کے ناز و نعم میں مست تھے، انہوں نے کہا کہ یہ (ہود یا صالح) تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے، تمہاری ہی طرح کھاتا پیتا ہے، پھر تم لوگ کیسے راضی ہو جاؤ گے کہ وہ تمہارا سردار بن بیٹھے۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت قبول کر لی تو اپنی عزت کھو بیٹھو گے اور بڑے خسارے میں رہو گے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿۱۰﴾ مَا نَسِيقَ مِنْ أَقْوَامٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۱۱﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا
 كُلًّا بَأْتَاهُمْ آيَةٌ فَسُئِلُوا لَئِن لَّبِئْتُمْ لَنُرْسِلَنَّ عَلَيْكُمْ لُجُجًا صَائِرًا فَبِأَعْيُنِهِمْ فَصَبَوْا عَنْ قُرُونِهِمْ فِي عَزَابِنَا مَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۱۲﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا
 مُوسَىٰ وَآخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۱۳﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۱۴﴾

پھر ان کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو پیدا (۱۰) کیا ﴿۱۱﴾ کوئی گروہ اپنے وقت مقرر سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے ہو سکتا ہے ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی گروہ کے پاس اس کا رسول آیا، انہوں نے اسے جھٹلایا، تو ہم بھی انہیں یکے بعد دیگرے ہلاک کرتے گئے اور انہیں کہانیاں بناتے گئے، پس ایمان نہ لانے والوں سے دنیا پاک ہوتی گئی ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون (۱۱) کو اپنی نشانیاں اور ایک کھلی دلیل دے کر بھیجا ﴿۱۴﴾ یعنی فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، تو انہوں نے تکبر کیا، اور وہ لوگ بڑے ہی سر پھرے اور متکبر لوگ تھے ﴿۱۶﴾

پھر انہوں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا، اس کی یہ بات کتنی تعجب خیز ہے کہ جب تم لوگ مر کر مٹی بن جاؤ گے اور صرف تمہاری ہڈیاں رہ جائیں گی تو دوبارہ تمہیں زندہ کیا جائے گا۔ یہ بڑی انہونی اور بعید از عقل بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیاوی زندگی جب ختم ہو جائے گی تو ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ آدمی اللہ کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہے کہ اللہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور تمہارے اعمال کا حساب لے کر تمہیں جزا و سزا دے گا، اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جب انہوں نے اپنے پیغمبر کی کھلے عام تکذیب کر دی، اور اپنے کفر کا اعلان کر دیا، اور اللہ کے نبی ان کی جانب سے بالکل ناامید ہو گئے، تو بالآخر انہوں نے اپنے رب سے مدد مانگی اور کہا، اے میرے رب! اب تو میری مدد فرما، اور ان کی جانب سے میری مسلسل تکذیب کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ کچھ ہی دیر کے بعد یہ لوگ اپنے کفر و سرکشی پر نادم ہوں گے۔ چنانچہ ایک روح فرسا چیخ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا جس کے وہ حقدار تھے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بظاہر جو عذاب ان پر مسلط کیا گیا تھا، وہ فرشتے کی چیخ اور شدید ٹھنڈی اور طوفانی ہوا دونوں پر مشتمل تھا۔ اس عذاب نے انہیں ایسا ہلاک کیا کہ وہ سیلاب کے کوڑے کوڑوں کے مانند حقیر ترین شے بن گئے، اور ظالموں کا ان کے کفر و عناد اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی وجہ سے ایسا صفا ہوا گیا کہ دنیا ان کے بدترین وجود سے پاک ہو گئی۔ جس کم جہاں پاک (۱۰) اللہ تعالیٰ نے قوم ہود کی ہلاکت کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں ﴿قُرُونًا آخَرِينَ﴾ سے مراد صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ ان سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم و قدرت کے اظہار کے لئے فرمایا کہ جس کافر قوم کی ہلاکت و بربادی کا جو وقت مقدر ہے، اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس آیت (۴۹) میں فرمایا ہے: ﴿إِذْ أَجَاءَ أَجْلَهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ﴿۱۱﴾ ”جب ان کا وقت مقرر آجائے گا تو ایک گھڑی نہ وہ پیچھے ہو سکیں گے اور نہ آگے“۔

آیت (۴۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قوموں کے پاس انبیاء و رسل مسلسل بھیجتا رہا، لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر لوگ ان انبیاء کی تکذیب کرتے رہے جس کے نتیجے میں ہم پے در پے انہیں ہلاک کرتے رہے، یہاں تک کہ دنیا ان کے وجود سے

فَقَالُوا الْاَنۡوۡمُ مِنْ لَبۡسِكۡرِيۡنَ مِثۡلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ؕ كَذٰلِكَ يُؤۡفَكُاۡنُ وَاۡنۡ اَمِنَ الْمُهۡلِكِيۡنَ ؕ وَلَقَدْ اٰتٰنَا مُوۡسٰى
الۡكِتٰبَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ؕ وَجَعَلْنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّةً اٰیَةً وَاَوۡدٰنَهُمَا اِلٰى رُبُوۡةٍ ذٰتِ قَرَارٍ وَمَعۡیٰنٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا
الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيۡبٰتِ وَاَعۡمَلُوۡا صٰلِحًا لَّآۡنِیۡۤ اِبۡمَاتَعۡمَلُوۡنَ عَلَیۡكُمْ ؕ

انہوں نے کہا، کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسان کے رسول ہونے پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کی پوری قوم ہماری غلام ہے ﴿۳۷﴾ چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو جھٹلادیا، تو انجام کے طور پر ہلاک کر دیئے گئے ﴿۳۸﴾ اور ہم نے موسیٰ کو تورات دی تھی تاکہ (بنی اسرائیل کے) لوگ ہدایت حاصل کریں ﴿۳۹﴾ اور ہم نے مریم کے بیٹے اور ان کی ماں (مریم) کو اپنی قدرت کی نشانی (۱۳) بنائی تھی، اور ہم نے ان دونوں کو ایک اونچی زمین میں پناہ دی جو رہنے کے قابل اور چشمے والی تھی ﴿۵۰﴾ اے میرے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں (۱۳) کھاؤ اور نیک عمل کرو، بے شک میں تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہوں ﴿۵۱﴾

پاک ہو گئی، اور آنے والی نسلوں کے لئے صرف ان کے عبرت تک قہر رہ گئے۔

(۱۱) ان اقوام گذشتہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نشانیاں دے کر، جن میں عصائے موسیٰ کی حیثیت برہان قاطع کی تھی، فرعون اور فرعونوں کو دعوت توحید دینے کے لئے بھیجا، لیکن کبر و نخوت میں آکر ان لوگوں نے موسیٰ و ہارون کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کا جبر و استبداد حد سے تجاوز کر گیا تھا، انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں، اور وہ بھی ایسے دو انسان جن کی قوم ہمیشہ ہماری تابع فرمان رہی ہے، چنانچہ انہوں نے دونوں نبیوں کو جھٹلادیا اور ان کی دعوت توحید کو ٹھکرادیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دریا برد کر دیا۔

آیت (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون اور فرعونوں کی ہلاکت اور ان کی غلامی سے بنی اسرائیل کی آزادی کے بعد ہم نے موسیٰ کو تورات عطا کی، تاکہ بنی اسرائیل اس پر عمل کر کے رضائے الہی کی راہ پر گامزن رہیں۔

(۱۲) عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کی پیدائش بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی نشانی ہے کہ بغیر باپ کے نطفہ کے ان کی ماں مریم علیہا السلام کے رحم میں ان کا حمل قرار پا گیا۔ انسانی قدرت سے بالاتر یہ واقعہ بنی نوع انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ سورۃ الانبیاء آیت (۹۱) ﴿وَجَعَلْنَا هَا وَاٰبۡنَهَا ءَاٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں بھی اس بارے میں لکھا جا چکا ہے۔

صاحب فتح البیان لکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے یہودی بادشاہ نے عیسیٰ اور ان کی ماں کو قتل کرنا چاہا، تو مریم ان کو لے کر فلسطین شہر (رملہ) میں جا کر چھپ گئیں، اور بارہ سال تک وہاں چھپی رہیں۔ یہ شہر اونچائی پر واقع ہے، اور اس کے ارد گرد کی زمین زرخیز ہے اور اس میں پانی کا چشمہ جاری ہے۔ جب یہودی بادشاہ نے دونوں ماں اور بیٹے کے خلاف سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام انہیں (رملہ) چلے جانے کا حکم دیا، تاکہ اس زرخیز اور پر فضا مقام پر دونوں زندگی بسر کریں۔

(۱۳) عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے (رملہ) شہر میں جو نعمتیں دیں، ان کا ذکر آجانے کے بعد یہ

وَأَنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۱۴﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۱۵﴾ فَاذْرُهُمْ فِي غَمَرَاتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۶﴾ اَيُّسَبُّونَ اِنَّا لَنُنذِرُهُمْ مِنْ مِّمَالٍ وَكَافِرِينَ ﴿۱۷﴾ نَسَارُهُ لَهُمْ فِي الْخَيْزَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۸﴾

اور بے شک یہی تم سب کا دین (۱۴) ہے، جو ایک ہی دین ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو ﴿۱۵﴾ پھر انہوں نے آپس میں اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے، ہر گروہ کے پاس جو دین ہے اس سے خوش ہے ﴿۱۶﴾ پس آپ انہیں اُن کی سرمستی (۱۷) میں ایک وقت مقرر تک چھوڑ دیجئے ﴿۱۸﴾ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و دولت اور بیٹوں سے نوازا رہے ہیں ﴿۱۹﴾ تو اُن کو بھلائی پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں، بلکہ وہ (اصل سب کو) سمجھ نہیں پارہے ہیں ﴿۲۰﴾

بیانا مناسب رہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو اکل حلال کا حکم دیا اور کہا کہ بشرط حلال اللہ کی تمام نعمتیں کھائیے اور ان سے فائدہ اٹھائیے۔ چنانچہ سبھی انبیاء نے اکل حلال کا شدید التزام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مریم علیہا السلام دھاگہ بانٹی تھیں، اور اس کی آمدنی سے دونوں ماں بیٹے کا گذر بسر ہوتا تھا۔ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ چند ٹکڑوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چراتے تھے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ان عیسائی راہبوں کی تردید مقصود ہے جو اچھی چیزیں کھانا زہد و تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام ہی انبیاء کو عمل صالح کا حکم دیا، کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی اور نیک بختی کا دار و مدار نیک کاموں پر ہی ہے۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو یہ بھی کہا کہ آپ سب کا دین ایک ہی ہے، وہ یہ ہے کہ لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلائیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران آیت (۱۹) میں فرمایا ہے: ﴿إِن الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ ”بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے“ اور تمام بنی نوع انسان کا رب بھی صرف میں ہوں، اس لئے اگر انہوں نے میری وحدانیت کا انکار کر کے میرے ساتھ فیروں کو عبادت میں شریک بنایا، تو پھر انہیں میرے عقاب و عذاب کا انتظار کرنا چاہئے۔ (۱۵) اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء کو ایک ہی دین دے کر بھیجا، جس کا ذکر اوپر آچکا، لیکن ان انبیاء کے گذر جانے کے بعد لوگ مختلف جماعتوں اور فرقوں میں بٹ گئے، پہلے تو یہود و نصاریٰ بنے، پھر ہر ایک کے بیسیوں فرقے بن گئے۔ اسی طرح جن لوگوں نے شرک کی راہ اختیار کی، ان کی بھی مختلف جماعتیں بنتی چلی گئیں، اور ہر جماعت بزم خود خوش ہوتی رہی کہ وہی حق پر ہے، اور دوسری جماعتیں گمراہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ انہیں ضلالت و گمراہی میں یونہی غلطاں و پچھال چھوڑ دیجئے، ان کے اندر حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، اور اگر ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا تو تنگ دل نہ ہوئے، کیونکہ اللہ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔

آیات (۵۶/۵۵) میں فرمایا کہ ہم جو کافروں کے مال اور اولاد میں بڑھاوا دے رہے ہیں، تو کیا وہ اس خوش فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم انہیں خیرات و برکات سے نوازنے میں جلدی کر رہے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ وہ جانوروں کے مانند

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِي رَبَّهُمْ يُؤْنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ وَلَا تَكْفُفْ نَفْسًا إِلَّا دُسْعًا ۖ أُولَٰئِكَ يَنْتَظِرُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے لرزنے والے (۱۶) ہیں ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۵۸﴾ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے ہیں ﴿۵۹﴾ اور جو اللہ کے لئے جو کچھ دیتے ہیں، اُسے دیتے ہوئے، اُن کے دل خائف ہوتے ہیں کہ بے شک انہیں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۶۰﴾ ایسے ہی لوگ بھلائی کے کاموں میں تیزی کرتے ہیں، اور وہ ان کی طرف دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں ﴿۶۱﴾ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا پابند (۱۷) نہیں کرتے ہیں، اور ہمارے پاس نامہ اعمال ہے جو سچ بولتا ہے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۶۲﴾

عقل و شعور سے عاری ہیں، اسی لئے تو وہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ درحقیقت ان کے لئے رستی ڈھیل دی گئی ہے تاکہ گناہوں کی طرف مزید پیش قدمی کرتے چلے جائیں۔

(۱۶) کافروں کے برعکس اللہ کی جانب سے خیرات و برکات کے حقدار وہ ہوتے ہیں جو مندرجہ ذیل چار صفات سے متصف ہوتے ہیں:

پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی آیتوں اور دلیلوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ تیسری یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بناتے۔ اور چوتھی یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے خائف رہتے ہیں کہ معلوم نہیں صدقہ قبول ہوگا کہ نہیں، اور انہیں یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ قیامت کے دن انہیں اللہ کے عذاب سے کیسے چھٹکارا ملے گا۔

آیت (۶۱) میں کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت ہر خیر و برکت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم وغیرہم نے عاکشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ﴾ کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی چوری کرے، زنا کرے اور شراب پیئے، اور اس کے باوجود اللہ سے ڈرتا رہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی روزہ رکھے، صدقہ کرے اور نماز پڑھے، اور اس کے باوجود اللہ سے ڈرے کہ ایسا نہ ہو اس کا عمل قابل قبول نہ ہو۔

(۱۷) اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرنے والوں کا جب ذکر آیا، تو یہ بتانا مناسب رہا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، انسان اپنی وسعت بھر کو شش کر کے اپنے رب کی رضا اور اس کی جنت کو پاسکتا ہے۔

اس کے بعد اللہ نے بھلائی کی طرف سبقت کرنے والوں کو بتایا کہ ان کے اعمال ایک ایسی کتاب میں لکھے جا رہے ہیں جو کسی بھی نیکی یا بدی کو ضائع نہیں ہونے دیتی ہے، اس لئے ان کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی، بلکہ ان نیکیوں کا انہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجاثیہ آیت (۲۹) میں فرمایا: ﴿هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا أَوْ لَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَسَّاعِلُونَ ﴿۱۸﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذِ هُمْ يُجْرُونَ ﴿۱۹﴾ لَا تَجْرُوا الْيَوْمَ بِأَكْفَامِكُمْ فَيُنَادُوا لَمَنْ تَدْعُونَهُمْ قَالُوا لَا نَعْلَمُ بِمَا تُدْعُونَهُمْ لَمَّا هُمْ لَا يَدْعُونَ لَوْلَا أَعْقَابُكُمْ تَتَّبِعُونَ ﴿۲۰﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِسُلْطَانِكُمْ تَهْجُرُونَ ﴿۲۱﴾ أَفَلَمْ يَكْبُرُوا بِالْقَوْلِ أَمْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ أَنَّهُمْ الْآخِرُونَ ﴿۲۲﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۲۳﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمُ الْبَاطِلُ وَأَكْثَرُهُمُ الْبَاطِلُ كَرِهُونَ ﴿۲۴﴾

لیکن کافروں کے دل اس حقیقت سے غافل (۱۸) ہیں، اور اس غفلت کے علاوہ بھی ان کے دوسرے اعمال ہیں جنہیں وہ آئندہ کرنے والے ہیں ﴿۱۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان کے عیش پرستوں کو عذاب میں مبتلا (۱۹) کریں گے تو چیخ پڑیں گے ﴿۱۳﴾ اس وقت ان سے کہا جائے گا، آج چیخ و پکار مت کرو، بے شک ہمارے مقابلے میں کسی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ﴿۱۵﴾ ہماری آیتوں کی تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی تھی تو تم اپنی ایڑیوں کے بل بھاگ پڑتے تھے ﴿۱۶﴾ تکبر کرتے ہوئے، اپنی رات کی مجلسوں میں اس کے متعلق بکواس کرتے تھے ﴿۱۷﴾ تو کیا انہوں نے قرآن کریم میں غور (۲۰) نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آگئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی ﴿۱۸﴾ یا انہوں نے اپنے رسول کو پہلے سے نہیں پہچانا ہے، اسی لئے اس کا انکار کر رہے ہیں ﴿۱۹﴾ یا کہتے ہیں کہ اُسے جنون لاحق ہو گیا ہے، بلکہ وہ ان کے پاس برحق قرآن یا دین اسلام لے کر آئے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ اس کلام برحق یا دین برحق کو پسند نہیں کرتے ہیں ﴿۲۰﴾

نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۱﴾ ”یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ بول رہی ہے، ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے“۔

(۱۸) روئے سخن کفار کی طرف پھیر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں بھلائی کی طرف سبقت کرنے والے مومنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سے یہ کفار کوسوں دور ہیں، اور ان کے دلوں پر غفلت طاری ہے، اور کفر و شرک کے علاوہ بھی انہوں نے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، جو ان کے نامہ اعمال میں نوشتہ ہیں، اور یہ سارے اعمال انہیں جہنم تک پہنچا کر رہیں گے۔

(۱۹) جن کفار قریش کو اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد سے نوازا تھا، اور جن کی رستی ڈھیل دی تھی، تاکہ کفر و سرکشی میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جائیں۔ جب میدان بدر میں اللہ نے ان کی گرفت کی اور قید و بند اور قتل کی صورت میں اس کا عذاب ان پر مسلط ہو گیا یا جب رسول اللہ ﷺ کی دعا کی وجہ سے اللہ نے انہیں قحط سالی میں مبتلا کر دیا، تو چیخ و پکار کرنے لگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اب چیخ و پکار کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اب ہمارے عذاب سے نجات دلانے کے لئے تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ جب میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور کہا جاتا تھا کہ ان سے نصیحت حاصل کرو، تو تم منہ موڑ کر چل دیتے تھے اور اس غرور میں مبتلا تھے کہ تم لوگ اہل حرم ہو تو بھلا تم پر کون غالب آسکتا ہے؟ اور خانہ کعبہ کے گرد اپنی راتوں کی مجلس میں قرآن میں عیب نکالتے تھے، کبھی اسے جادو بتاتے تھے تو کبھی شعر، تاکہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں۔

بعض مفسرین نے ”عذاب“ سے مراد ”عذابِ آخرت“ لیا ہے، اور کہا ہے کہ کافروں کی چیخ و پکار قیامت کے دن عذابِ جہنم کی وجہ سے ہوگی، میدان بدر میں یا کہ میں قحط سالی کی وجہ سے کافروں نے چیخ و پکار نہیں کی تھی۔

وَلَوْ اتَّبَعَهُ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ لَئِنْ أَنْتَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرَضُونَ
أَمْ تَنْتَهُلُهُمْ خَرْجًا فَخَارَ رِجْلُكَ خَيْرٌ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزْقِينَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْكَافِرِينَ
لَإِيَّانُؤُنَّ بِالْآخِرَةِ ۖ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَّا كِيمُونَ ۝

اور اگر دین حق ان کی خواہشات کے تابع (۲۱) ہو جاتا، تو آسمانوں اور زمین اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز میں فساد برپا ہو جاتا، ہم ان کے لئے ان کی نصیحت لے کر آئے ہیں، پس وہ اپنی نصیحت سے منہ پھیر رہے ہیں ﴿۷۱﴾ اے میرے نبی! کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں، پس آپ کے رب کی اجرت آپ کے لئے زیادہ بہتر ہے، اور وہ بہت ہی اچھا روزی دینے والا ہے ﴿۷۲﴾ اور آپ بے شک انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں ﴿۷۳﴾ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، وہ بے شک راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں ﴿۷۳﴾

(۲۰) نبی کریم ﷺ کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول کے بعد، اہل قریش کا کفر پر اصرار قابل حیرت امر تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبردستی کی ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے قرآن میں صدق دل سے غور و فکر کیوں نہیں کیا، تاکہ یہ بات ان پر آشکارا ہو جاتی، یہ اللہ کی سچی کتاب ہے، اور جن پر نازل ہوئی ہے وہ اس کے سچے رسول ہیں۔ اور ان کی یہ بات بھی قابل ملامت ہے کہ انہوں نے قرآن اور عقیدہ توحید کا اس لئے انکار کر دیا کہ یہ ان کے آباء و اجداد کا عقیدہ نہیں تھا۔ اور ان کی یہ بات بھی قابل حیرت ہے کہ جس آدمی کو انہوں نے بچپن سے جانا پہچانا، زندگی بھر جس کی صداقت و امانت کی گواہی دی، جب انہوں نے اسلام کی دعوت پیش کی تو ان کے ساتھ ایسا کرنے لگے، جیسے پہلے سے ان کے اخلاق و کردار کو جانتے ہی نہیں تھے، اور اس سے بھی گھناونی بات ان کا یہ بہتان ہے کہ محمد کو جنوں لاحق ہو گیا ہے، حالانکہ تمام کفار مکہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ ان میں سب سے زیادہ عقلمند اور سنجیدہ آدمی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کہا، بات دراصل یہ ہے کہ کفار خوب جانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور محمد ان سب سے زیادہ صادق و امین اور عاقل و سمجھدار انسان ہیں، اور جس دین کی طرف وہ انہیں بلا رہے ہیں وہ دین برحق ہے، لیکن ان میں اکثر لوگ اپنے کبر و نخوت اور کفر و سرکشی کی وجہ سے اس کا انکار کر رہے ہیں۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و ضلالت کی مزید تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر دین اسلام ان کی خواہشات کی مطابق ہوتا، تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا، اور آسمان اور زمین میں پائی جانے والی تمام مخلوقات خواہشات نفس کی اتباع اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے جہاد و برباد ہو جاتیں۔ اس کے بعد قرآن نے ان کی عقل پر ماتم کیا ہے کہ قرآن اہل قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے، اور انہی میں سے ایک فرد پر نازل ہوا ہے، یہ بات ان کے لئے باعث فخر و عزت تھی، لیکن انہوں نے اپنے کبر و نخوت کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیا ہے۔

آیت (۷۲) میں ان کی حالت پر مزید اظہار تعجب کیا گیا ہے کہ آپ ان سے تبلیغ اسلام کا کوئی معاوضہ بھی تو نہیں مانگتے ہیں، کہ ان پر یہ بات گراں گذر رہی ہے۔ آپ کو تو آپ کے رب کی جانب سے دنیا میں جو روزی مل رہی ہے، اور آخرت میں جو اجر و ثواب ملے گا وہ ہر چیز سے بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ اور آپ تو انہیں اس راہ کی طرف بلا رہے ہیں جو بالکل سیدھی راہ ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے، یعنی آپ انہیں دین اسلام کی طرف بلا رہے ہیں، اس لئے ہونا تو یہ

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ظُلْمِ اللَّجْبِ إِذْ فِي ظُلْمٍ أَعْدَابُهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَضُرُّهُمْ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَتِنَّا بِعَاذِهِمْ يَابَدُوا ۖ إِذْ أَعْدَابُهُمْ فِيهِ مُبْسُوتُونَ ﴿۲۲﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اور اگر ہم ان پر رحم (۲۱) کریں اور انہیں جو تکلیف و پریشانی لاحق ہے اسے دور کر دیں، تو وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہنے پر اور اصرار کرنے لگیں ﴿۲۱﴾ اور ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا، لیکن وہ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے، اور نہ وہ گریہ و زاری کرتے ہیں ﴿۲۲﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے سامنے سخت عذاب والا ایک دروازہ کھول دیا تو اُس کی وجہ سے وہ ناامیدیوں میں گھر گئے ﴿۲۳﴾ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل (۲۴) بنائے ہیں، تم لوگ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو ﴿۲۴﴾ اور اسی نے تمہیں زمین پر پیدا (۲۴) کیا ہے، اور اسی کے پاس تم سب اکٹھا کئے جاؤ گے ﴿۲۹﴾

چاہئے تھا کہ وہ آپ کا احسان مانتے اور اسے فوراً قبول کر لیتے، لیکن چونکہ وہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، اس لئے اس دین کو قبول کرنے سے اعراض کر رہے ہیں۔

(۲۲) اہل قریش کے کفر و طغیان پر مزید نکیر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ ان کا باطن اس قدر سیاہ ہو چکا ہے کہ اگر ہم ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے بھوک اور قحط سالی کی تکلیف کو دور بھی کر دیں، تو بھٹکتے پھریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اس کا عملی تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ ہم نے انہیں بھوک اور قحط سالی میں مبتلا کیا، اور میدان بدر میں ان میں سے بہت سے قتل کئے گئے، اور جو باقی رہے وہ پابند سلاسل کر لئے گئے، لیکن انہیں اس کی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اپنے رب کے سامنے جھکتے اور گریہ و زاری کرتے، بلکہ اپنے کفر پر اڑے رہے۔ چنانچہ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی، تو ہم نے ان کے سامنے شدید عذاب کا ایک دروازہ کھول دیا جس کی سختیوں نے انہیں بھیانک یاں و ناامیدی میں مبتلا کر دیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس عذاب سے مراد یا تو ”عذاب آخرت“ ہے، یا معرکہ بدر میں ان کا قتل کیا جانا ہے، یا وہ قحط جو رسول اللہ ﷺ کی دعا کی وجہ سے واقع ہوا تھا، یا فتح مکہ، جس کے بعد ان کا غرور ٹوٹ گیا تھا، اور ناامیدی کا گہرا سایہ ان کے دلوں پر پڑ گیا تھا۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر یقیناً قادر ہے، اس لئے کہ اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ اس نے انسانوں کے مٹی سے بنے اجسام میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیت پیدا کی ہے، گوشت کا ایک لوتھڑا پیدا کیا ہے جسے دل کہا جاتا ہے، اور جس میں سوچنے اور سمجھنے کی قدرت رکھی ہے۔ ان نعمتوں سے مومن و کافر سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن مشرکین ان کا شکر یہ ادا نہیں کرتے ہیں، کیونکہ شکر کا عملی تقاضا یہ تھا کہ وہ ایمان لے آتے۔

(۲۴) اور اس نے انسانوں کو پہلی بار بغیر کسی سابق نمونہ کے پیدا کیا، اور نظام تناسل کے ذریعہ ان کی تعداد بڑھا کر چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا، اور جب قیامت آئے گی تو پھر وہ اپنی قبروں سے اٹھ اٹھ کر میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے اور اس کے سامنے اپنے اعمال کا حساب چکائیں گے، تو جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا ہے، وہ یقیناً انہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾
 قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِذْ لَبِئْسَ مَوْتًا لَّكُمُ الْبَعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وَعَدْنَاكَ بَعْدَ مَا نَحْنُ وَإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِذْ كُنَّا إِيَّاهُمْ وَآلِهِمْ كَاذِبِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لَّيْسَ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِلَّا مَتَّعْتُكُمْ فِيهَا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾
 قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ مَنَعُكُمْ مَتْلُوكَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيبُ وَلَا يُجَاوِبُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾

اور وہی ہے جو زندگی اور موت (۲۵) دیتا ہے، اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا جانا، تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے ہو ﴿۸۰﴾ بلکہ یہ لوگ ویسی ہی باتیں کرتے ہیں جیسی اگلے لوگوں نے کی تھی ﴿۸۱﴾ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۸۲﴾ اس قسم کا وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے بھی کیا جاتا رہا ہے، یہ باتیں اگلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ﴿۸۳﴾ اے میرے پیغمبر! آپ ان سے پوچھئے اگر تمہیں معلوم ہے تو بتاؤ کہ زمین اور اس میں رہنے والوں کا مالک کون (۲۶) ہے؟ ﴿۸۴﴾ وہ یہی جواب دیں گے کہ ان کا مالک اللہ ہے، آپ کہئے تو پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے ہو ﴿۸۵﴾ اے میرے پیغمبر! آپ ان سے پوچھئے کہ ساتوں آسمانوں کا رب کون ہے، اور عرش عظیم کا رب کون ہے ﴿۸۶﴾ وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ، آپ کہئے، تو پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو ﴿۸۷﴾ اے میرے پیغمبر! آپ ان سے پوچھئے کہ اگر تمہیں معلوم ہے تو بتاؤ کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے، اور جو سب کو پناہ دیتا ہے، اور اس کی مرضی کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی ہے ﴿۸۸﴾ وہ یہی جواب دیں گے کہ ہر چیز کا بادشاہ صرف اللہ ہے، آپ کہئے، تو پھر تم جادو کئے ہوئے کی طرح کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو ﴿۸۹﴾

(۲۵) اور وہی ہے جو قطرے مٹی کو زندگی دیتا ہے، خون کے لو تھڑے میں روح پھونکتا ہے، اور مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل انسان کی شکل میں رحم مادر سے باہر نکالتا ہے۔ اور وہی ہے جو لیل و نہار کو گھٹاتا بڑھاتا ہے۔ ان تصرفات پر اس کے علاوہ کوئی دوسرا قادر نہیں ہے۔ تو اے اہل مکہ! کیا تمہاری عقل میں اتنی سی بات نہیں آتی ہے کہ جس نے پہلی بار بغیر سابق نمونہ کے تمہیں پیدا کیا تھا، وہ یقیناً تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے؟! حقیقت یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اسے کسی دلیل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے، اسی لئے تم نے تمام دلائل و براہین سننے کے باوجود گذشتہ منکرین آخرت کی طرح یہی کہا کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری صرف ہڈیاں رہ جائیں گی، تو کیا دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اس سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے آباء و اجداد سے ایسی بات کہی جاتی رہی ہے، لیکن اب تک تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ اس لئے یہ پرانی کتابوں کی کہانیاں ہیں جنہیں لوگ بیان کرتے آ رہے ہیں، حقیقت سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲۶) بعث بعد الموت کے عقیدے پر مزید دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اے میرے رسول! اگر آپ ان کافروں سے پوچھیں گے کہ زمین اور اس پر موجود تمام مخلوقات کا مالک کون ہے، تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے، اور وہی ان کا مالک ہے۔ تو پھر آپ ان سے کہئے کہ تم اتنی بات کا اور اک نہیں کہتے ہو کہ جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا ہے، وہ انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر

بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَذَىٰ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾ عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَلَّىٰ ﴿۹۲﴾ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۳﴾

بلکہ ہم ان کے پاس سچی بات (۲۷) (یعنی قرآن) لے کر آئے ہیں، اور وہ بے شک جھوٹے ہیں (کہ اسے اگلے لوگوں کی کہانیاں کہتے ہیں) ﴿۹۰﴾ اللہ نے اپنی کوئی اولاد (۲۸) نہیں بنائی ہے، اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوقات کو لے کر الگ ہو جاتا، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھ بیٹھتا، اللہ ان تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے جنہیں لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ﴿۹۱﴾ وہ غائب و حاضر کا جاننے والا ہے پس وہ ان معبودوں سے بہت ہی بلند و بالا ہے جنہیں مشرکین اس کا شریک ٹھہراتے ہیں ﴿۹۲﴾

یقیناً قادر ہے۔

اور اے میرے رسول! اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ ان کا رب ہے، پھر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ یہ جاننے کے باوجود اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہو، اور قرآن اور رسول کو جھٹلاتے ہو تو کیا تم اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ اور اے میرے رسول! اگر آپ ان سے یہ پوچھیں گے کہ ہر چیز کا مالک کون ہے اور کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا خزانہ ہے، کون ہے وہ جو جسے چاہتا ہے پناہ دیتا ہے، اور کوئی نہیں جو اسے روک دے، اور جسے وہ نقصان پہنچانا چاہے، کوئی نہیں جو اسے بچالے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی ان باتوں پر قادر نہیں ہے، تو پھر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ جانتے ہوئے کیوں دھوکہ کھاتے ہو، اور کیوں بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہو؟

(۲۷) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قول برحق کی خبر دے دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور اس حقیقت کے اثبات کے لئے اُس نے قطعی اور واضح دلائل پیش کر دیئے ہیں، اس لئے کفار قریش جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں، یہ محض ان کی افترا پر دازی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آخری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ ”جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے گا جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا“۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنی نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، اس لئے کہ اگر کئی معبود ہوتے تو ہر ایک اپنی مخلوقات میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا، اور نتیجہ یہ ہوتا کہ نظام عالم کو سنبھالنے میں ان کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہوتا، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، پورے عالم کا نظام غایت درجہ منظم ہے، اور ہر چیز ایک دوسرے سے ایک خاص نظام کے مطابق جڑی ہوئی ہے۔ نیز اگر کئی معبود ہوتے تو ہر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا، اور اگر دونوں ایک دوسرے کے مقابلے میں عاجز ہوتے تو معبود نہ ہوتے، اور اگر ایک غالب ہوتا اور دوسرا مغلوب، تو مغلوب معبود نہ ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ اس کی ذات ظالم مشرکوں کے اس دعویٰ سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہے یا اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ تو غائب و حاضر سب کا علم رکھتا ہے، اس لئے اس کی ذات اعلیٰ صفات مشرکوں کی افترا پر دازی سے

قُلْ رَبِّ اِنَّا تُرِيبُنِي مَا يُوعَدُونَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ تُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ
لَقَدَرُونَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ السَّيِّئَةِ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝ وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ
الشَّيْطٰنِ ۝ وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يُحْضِرُونِ ۝

اے میرے نبی! آپ کہئے، میرے رب! جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ (۲۹) کیا جا رہا ہے، اگر اُسے تو مجھے
دکھانا ہی چاہے ﴿۹۳﴾ تو میرے رب! مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کرنا ﴿۹۳﴾ اور ہم بے شک اس بات پر قادر
ہیں کہ جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے، وہ آپ کو دکھلائیں ﴿۹۵﴾ اے میرے پیغمبر! آپ برائی کے
بدلے میں وہ کیجئے جو سب سے اچھا (۳۰) ہو، کفار آپ کے بارے میں جو کچھ کہا کرتے ہیں، ہم اس سے خوب
واقف ہیں ﴿۹۶﴾ اور آپ کہئے کہ اے میرے رب! میں تیرے ذریعے شیاطین کے وسوسوں (۳۱) سے پناہ مانگتا
ہوں ﴿۹۷﴾ اور میرے رب! میں تیرے ذریعے اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیاطین) میرے قریب پہنچیں ﴿۹۸﴾
بلند و بالا ہے۔

(۲۹) اس اسلوب کلام میں ان مشرکین مکہ کے لئے دھمکی ہے جنہوں نے ہفت محمد اور نزول قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا،
اور اپنے کفر و شرک پر جبرے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا، آپ دعا کرتے رہئے کہ میرے رب! اگر تو کافروں پر عذاب
نازل کرتے وقت مجھے زندہ رکھے تو ان ظالموں کے ساتھ مجھ پر بھی عذاب نہ نازل کرنا۔ مفسرین لکھتے ہیں: اس میں اشارہ
ہے کہ وہ عذاب بڑا ہی شدید ہوگا، اور کافروں کے اس استہزاء کی تردید ہے کہ اگر عذاب کی بات صحیح ہے تو پھر جلد کیوں نہیں آجاتا۔
آیت (۹۵) میں اللہ نے فرمایا کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے، ہم اسے کسی وقت بھی لانے پر قادر ہیں، لیکن
حکمت کا تقاضا ہے کہ اسے اس کے وقت مقرر تک مؤخر رکھا جائے۔

(۳۰) اللہ تعالیٰ نے اہل قریش سے جس عذاب کا وعدہ کر رکھا تھا، اس کا وقت آنے تک، نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ مشرکین جو
ان کا اور دین اسلام کا مذاق اُڑاتے ہیں اس پر صبر کریں، درگزر کریں اور جہاد کے حکم کا انتظار کریں۔ اسی لئے بعض مفسرین کا خیال
ہے کہ یہ آیت، جہاد والی آیت کے ذریعے منسوخ ہو چکی ہے۔ بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ کافروں کے بارے میں تو
آیت جہاد کے ذریعے اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کے سلسلے میں اس کا حکم باقی ہے، یعنی یہ
آیت مسلمانوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آپس میں عفو و درگزر سے کام لیں۔

آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ مشرکین مکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے، یا اس کا
کوئی لڑکا ہے۔ یا وہ جو کچھ اس کے رسول (ﷺ) کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے، یا قیامت اور بعث بعد الموت کی تکذیب
کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان ساری باتوں سے واقف ہے، اور ان شرکوں کو اس کا عذاب بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

(۳۱) مسلمانوں کو اہل کفر سے عفو و درگزر کرنے کی تعلیم دینے کے بعد، نبی کریم ﷺ اور ان کی امت کو شیطان کے نرغوں اور
وسوسوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے ذریعے شیطان مردود اور اس کے وسوسوں سے پناہ مانگتے رہیں۔
امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۳۲﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلِمًا أَنهَآ كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۳﴾

یہاں تک کہ جب ان کافروں میں سے کسی کی موت (۳۲) قریب ہوتی ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب! مجھے دنیا میں دوبارہ لوٹا دے ﴿۳۳﴾ تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، وہاں جا کر عمل صالح کروں، ہرگز نہیں، یہ محض ایک لفظ ہے جسے وہ کہہ رہا ہے (اسے دوبارہ بھی توفیق عمل نہیں ہوگی) اور وہ لوگ اپنی موت کے بعد قیامت کے دن تک عالم برزخ میں رہیں گے ﴿۱۰۰﴾

کو سوتے وقت یہ دعا پڑھنے کی نصیحت کرتے تھے، تاکہ شیطان نیند کی حالت میں ڈرانہ سکے "بسم اللہ أعوذ بکلمات اللہ التامة من غضبه وعقابه وشر عباده، ومن همزات الشيطان وأن يحضرون" "میں اللہ کا نام لے کر سوتا ہوں، اللہ کے مکمل اور پورے کلمات کے ذریعہ اس کے غضب، اس کی سزا، اس کے بندوں کے شر، اور شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔" راوی کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر اپنے بالغ بچوں کو سوتے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین کرتے تھے، اور نابالغوں کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ خالد بن الولید نے نبی کریم ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ! میں نیند میں ڈر جاتا ہوں، تو آپ نے ان سے کہا کہ جب اپنے بستر پر جاؤ، تو یہ دعا پڑھ لو (جو ابھی گزری ہے) تو شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا، اور نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور ابو داؤد و ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ شیطان سے پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے: "أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه" "میں اللہ کے ذریعہ جو بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے، مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں، یعنی اس کے وسوسہ سے، پھونک مارنے سے، اور منہ سے تھوکنے سے پناہ مانگتا ہوں۔" (۳۲) سلسلہ کلام مشرکین مکہ سے متعلق ہے کہ وہ اپنے کفر و ضلالت پر ہی جتھے رہیں گے، یہاں تک کہ جب انہیں اپنی موت کے آثار نظر آنے لگیں گے، اور ان کے گناہوں کے سیاہ بادل ان کی آنکھوں کے سامنے منڈلانے لگیں گے، تو کہیں گے کہ میرے رب! مجھے مہلت دے، تاکہ دنیا میں رہ کر نیک کام کروں، تو اللہ تعالیٰ ان کی طلب کو رد کر دے گا اور کہے گا کہ اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

﴿كَلِمًا أَنهَآ كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات یونہی ان کی زبان سے نکل رہی ہے، اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو بھی وہ اپنے کفر پر جتھے رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَآنُهُمْ اَعْنَهُ﴾ "اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا بھی دیئے جائیں گے تو جس کفر و شرک سے انہیں روکا گیا تھا، وہی دوبارہ کرنے لگیں گے۔"

آیت (۱۰۰) کے آخر میں فرمایا گیا کہ موت آجانے کے بعد ان کے اور دنیا کی طرف دوبارہ لوٹائے جانے کے درمیان، دنیا کی باقی عمر حائل ہو جائے گی، اور وہ عالم برزخ میں رہیں گے یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو وہ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے، لیکن وہ زندگی عمل کی نہیں، بلکہ حساب و جزا کی زندگی ہوگی۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۳۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ خَلَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۳۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوهُهُمُ النَّارَ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿۳۴﴾ أَلَمْ تَكُنْ أَلَىٰ يَمِينِ عَالِيكَ فُكْرًا فَكُنْ بِنَهَارِكُمْ بِهَا كَكَاذِبُونَ ﴿۳۵﴾ وَالْوَارِثُ بَعَاثَتْنَا عَلَيْهِمَا شِقَاقَيْنَا وَلَكُنَا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿۳۶﴾

پس جب صور (۳۱) پھونک دیا جائے گا، اُس دن اُن کے درمیان نہ کوئی رشتہ داری رہے گی، اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے ﴿۳۱﴾ تو جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری (۳۲) ہوگا، وہی لوگ کامیاب رہیں گے ﴿۱۰۲﴾ اور جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے، اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے ﴿۱۰۳﴾ آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی، اور وہ لوگ اس میں نہایت بد شکل اور ڈرونی صورت والے ہوں گے ﴿۱۰۴﴾ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا، کیا میری آیتیں (۳۵) تمہارے سامنے پڑھی نہیں جاتی تھیں، تو تم لوگ انہیں جھٹلاتے تھے ﴿۱۰۵﴾ وہ لوگ کہیں گے، ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی تھی، اور ہم بھٹکے ہوئے لوگ تھے ﴿۱۰۶﴾

(۳۳) یہاں دوسری بار ”صور“ پھونکا جانا مراد ہے، جس کے بعد تمام لوگ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع ہونے کے لئے دوڑنے لگیں گے۔ اس وقت لوگوں پر ایسی گھبراہٹ اور خوف و دہشت طاری ہوگی کہ ہر ایک کو اپنی ذات کے سوا کسی سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہٴ صمص آیات (۳۲) سے (۳۷) تک میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَقْرَأُ الْمُرءُؤْمِنُ أَخْبِيهِ ۖ وَآيُوبُ ۖ وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتُهُ وَبَنِيهِ ۖ لِكُلِّ أُمْرِي ۖ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَتَّىٰ يُغْنِيهِ ۖ﴾ ”اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس دن اپنی نجات کی ایسی فکر دامن گیر ہوگی جو اس کے لئے کافی ہوگی“۔ اور سورۃ العارج آیت (۱۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۖ﴾ ”اس دن کوئی دوست اپنے کسی دوست کو نہیں پوچھے گا“۔

اور سورۃ الصافات کی آیت (۲۷) اور سورۃ الطور کی آیت (۲۵) میں جو آیا ہے: ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۖ﴾ ”اس دن لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے“ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں پر شدید گھبراہٹ قبروں سے نکلنے کے وقت ہوگی، اور ایک دوسرے سے پوچھنے والی بات کسی اور وقت ہوگی۔ اس لئے کہ آیات و احادیث کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیامت کا دن طویل ہوگا۔ اور اس طویل مدت میں لوگ مختلف حالات سے گزریں گے۔

(۳۳) قیامت کے دن جس کی نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا وہ جہنم سے نجات پا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا، اور جس کی بُرائیوں کا پلڑا جھک جائے گا وہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، آگ اس کے چہرے کو جھلس دے گی، اس کے ہونٹ جل جائیں گے، اور اس کے دانت دکھائی دینے لگیں گے اور اس کی شکل گہرے نہایت قبیح اور ڈرونی ہو جائے گی۔

(۳۵) ان کے کرب و اذیت کو بڑھانے کے لئے، ان سے زبرد تو بیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ کیا ہمارے رسول ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتے نہیں تھے؟ لیکن تم انہیں جھٹلاتے رہے۔ تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا، بطور معذرت صرف یہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی تھی کہ ہم دنیاوی لذتوں میں مہمک رہے، خواہشاتِ نفس کی اتباع کرتے رہے، اور راہِ حق سے کوسوں دور رہے۔

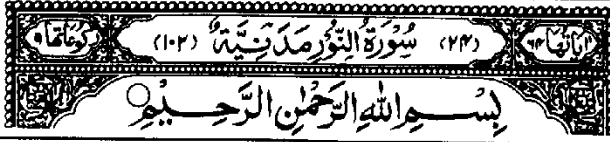
رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّهَا كَانَ فِرْقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّمَا قُضِيَ بَيْنَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۳۸﴾ فَأَتَيْنَهُمْ فِيهَا رَسُولًا بِالْحَقِّ لِيُؤْمِنُوا بِآيَاتِنَا وَيُكْفَرُوا بِمَا كَفَرُوا قَدْ نَبَأَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ أَنَّ اللَّهَ مُنْزِلُ الْغَيْثِ وَرَحْمَتُهُ يُزِيلُ عَنْهَا سَائِرَ الْغَيْثِ إِنَّهُمْ يُكْفَرُونَ ﴿۳۹﴾ قُلْ كَفَرْنَا فِي أَرْضٍ عِنْدَ رَبِّنَا ﴿۴۰﴾ قَالَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ لَوْلَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ أَحْسِبْتُمْ أَنَّكُمُ الْعَالَمِينَ ﴿۴۲﴾ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۳﴾

اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال دے (۳۶) اگر ہم دوبارہ گناہ کریں گے تو یقیناً ظالم ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ اللہ کہے گا، تم پر جہنم میں ہی پھنکارا برستی رہے، اور مجھ سے بات نہ کرو ﴿۱۰۸﴾ میرے بندوں میں سے ایک گروہ دعا کرتا تھا کہ ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، تو ہماری مغفرت فرمادے، اور ہم پر رحم کر، اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰۹﴾ تو تم لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا، یہاں تک کہ ان کے ساتھ تمہاری اس حرکت نے تمہارے دلوں سے میری یاد ہی نکال دی، اور تم ان پر ہنستے ہی رہتے تھے ﴿۱۱۰﴾ آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بہتر بدلہ یہ دیا ہے کہ وہی لوگ کامیاب و بامراد ہیں ﴿۱۱۱﴾ اللہ ان سے پوچھے گا کہ تم لوگ دنیا میں کتنے سال (۳۷) رہے ﴿۱۱۲﴾ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم لوگ ایک دن یاد ان کا کچھ حصہ رہے ہیں، تو اپنے حساب رکھنے والے فرشتوں سے پوچھ لے ﴿۱۱۳﴾ اللہ کہے گا، تم واقعی تھوڑی مدت رہے ہو، کاش تم پہلے ہی اس حقیقت سے باخبر ہوتے ﴿۱۱۴﴾ کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار (۳۸) پیدا کیا ہے، اور تم ہماری طرف دوبارہ لوٹائے نہیں جاؤ گے ﴿۱۱۵﴾

(۳۶) پھر شدت کرب و بلا سے گھبرا کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال کر دوبارہ دنیا میں بھیج دے، اگر ہم نے پھر کفر و شرک کی راہ اختیار کی تو واقعی ہم ظالم ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ انہیں ٹھکرا دے گا اور اس طرح انہیں ڈھٹکار کر چپ کر دے گا جس طرح کتے کو ڈھٹکار کر بھگا دیا جاتا ہے، اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ان سے کہے گا کہ دنیا میں میرے مومن بندے اپنے ایمان و عمل کے وسیلہ سے مجھ سے مغفرت و رحمت طلب کرتے تھے تو تم ان کی عبادتوں اور دعاؤں کا مذاق اڑاتے تھے، آج میں نے انہیں ان کے صبر کے بدلے میں جنت دے دی ہے۔

(۳۷) اس آیت کريمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافر چند سالہ دنیاوی زندگی میں اللہ کی عبادت نہ کر کے آخرت میں بہت بڑا خسارہ اٹھائیں گے، اگر انہوں نے بھی دنیا میں مومنوں کی طرح عمل صالح کیا ہوتا تو آج وہ بھی جنت کے حقدار ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کافروں سے پوچھے گا کہ جس دنیاوی زندگی کے عیش و عشرت میں تم مگن رہے وہ کتنے دن کی زندگی تھی، تو وہ شدت کرب و الم کی وجہ سے دنیا کا عیش و آرام بھول جائیں گے اور انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے دنیا میں انہوں نے صرف ایک دن یا اس سے بھی کم وقت گزارا تھا۔ اور پریشانی اور تکلیف و اذیت سے تنگ آکر کہیں گے کہ یارب! تیرے گننے والے فرشتے زیادہ جانتے ہیں کہ ہم کتنے دن رہے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ پھر ان سے کہے گا کہ بہر حال تم لوگ دنیا میں کم ہی دن رہے تھے، اصل طویل زندگی تو اب شروع ہوئی ہے۔ اگر تم اس حقیقت پر ایمان لائے ہوتے اور فانی زندگی کو ابدی زندگی پر ترجیح نہ دیتی ہوتی، اور صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کی بندگی کی ہوتی تو مومنوں کی طرح آج تم بھی کامیاب اور فائز المرام ہوتے۔

فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُغْلِبُ الْكَافِرُونَ ۝ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝



پس بہت ہی برتر و بالا ہے وہ اللہ جو بادشاہ برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ عرش کریم کا رب ہے ﴿۱۱۶﴾ اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے گا، جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا، بے شک کفار کامیاب نہیں ہوں گے ﴿۱۱۷﴾ اور میرے پیغمبر! آپ کہئے، میرے رب! میری مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم کر دے، اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۸﴾

(سورۃ النور مدنی ہے، اس میں چونسٹھ آیتیں اور نور کو ع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

(۳۸) بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے کافروں کو مزید ڈانٹ پلائی جا رہی ہے کہ کیا تم لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ ہم نے تمہیں بغیر کسی مقصد کے اور بے کار پیدا کیا ہے، اور تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آتا ہوگا۔ اللہ کی ذات اس سے بہت ہی بلند و بالا ہے کہ وہ کسی چیز کو بے کار پیدا کرے۔ ہم نے تو تمہیں اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی عبادت کرے گا، جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، تو اسے اس بُرے عمل کا اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر حساب دینا ہوگا، اور اسے اس بُرائی کا بدلہ مل کر رہے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کو سکھایا کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کرتے رہیں، اور اس سے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہیں۔

تفسیر سورۃ النور

نام: آیت (۳۵) ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ الایۃ سے ماخوذ ہے۔ صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ اس سورت میں اللہ کے نور کو ایک مثال کے ذریعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بنی نوع انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی لئے اس کا نام ”سورۃ النور“ رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت مدنی دور میں غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی تھی، جو محمد بن اسحاق، صاحب ”کتاب السیرۃ“ کی روایت کے مطابق شعبان ۱ھ میں واقع ہوا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی میں مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے مشہور واقعہ اُفک پیش آیا تھا، یعنی اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی پر منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول نے تہمت دھری تھی۔ جس کی تفصیل اس سورت میں موجود ہے۔

اس سورت میں پردہ، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی عفت و پاکدامنی کی حفاظت سے متعلق بہت سے مسائل بیان

سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَقَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيُ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْشُبْهُدَّ عَذَابُهُمَا طَافَةُ ثَمِينِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

یہ ایک سورت^(۱) ہے جسے ہم نے نازل کی ہے، اور اس میں بیان کردہ احکام کو ہم نے فرض کر دیا ہے، اور ہم نے اس میں کھلی آیتیں نازل کی ہیں، تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔ زنا کرنے والی عورت^(۲) اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو، اور اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، تو تمہیں اللہ کے دین کے معاملے میں ان دونوں پر ترس نہیں کھانا چاہئے، اور ان دونوں کو سزا دیتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کو موجود رہنا چاہئے ﴿۲﴾

کئے گئے ہیں، جو اسلامی سوسائٹی کا طرہ امتیاز ہیں۔

(۱) مفسرین لکھتے ہیں کہ کلمہ "سورۃ" کو نکرہ لانے سے مقصود، نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، محمد ﷺ یا کسی اور انسان کا کلام نہیں ہے، اور اس میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں، وہ بہت ہی اہم ہیں اور ان پر عمل کرنا فرض ہے، نیز وہ احکام بہت ہی واضح ہیں، ان کے سمجھنے میں کوئی التباس نہیں پایا جاتا ہے، تاکہ امت مسلمہ بآسانی ان پر عمل کرے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں زانیہ اور زانی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ زانی اور زانیہ اگر غیر شادی شدہ، آزاد، بالغ اور عاقل ہوں گے تو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے، انہیں سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور جمہور علماء کے نزدیک ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیئے جائیں گے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہر بدر کرنے کا تعلق حاکم وقت سے ہے، اگر وہ چاہے تو کرے، اور چاہے تو صرف کوڑے لگانے پر اکتفا کرے۔ جمہور کی دلیل صحیحین کی ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے، جس میں آیا ہے کہ ایک مزدور نے اس آدمی کی بیوی کے ساتھ زنا کیا جس کے پاس وہ کام کرتا تھا، تو آپ نے اسے سو کوڑے لگائے اور ایک سال تک شہر بدر کرنے کا حکم دیا تھا۔

اگر وہ دونوں غلام اور باندی ہوں گے، تو ان میں سے ہر ایک کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس کی دلیل سورۃ النساء آیت (۲۵) ہے: ﴿فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِمْ نَصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ "اگر لونڈیاں زنا کریں تو انہیں آزاد عورتوں کی آدھی سزا دی جائے" یعنی پچاس کوڑے، اور غلام کو بھی لونڈی پر قیاس کرتے ہوئے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

زانی اور زانیہ اگر آزاد، بالغ، عاقل اور شادی شدہ ہوں گے، تو انہیں رجم کر دیا جائے گا۔ صحیح اور متواتر سنت سے یہی ثابت ہے، اور اہل علم کا اسی پر اجماع ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت: ﴿الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَانِيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ﴾ کا لفظ اگرچہ منسوخ ہو چکا ہے، لیکن اس کا حکم باقی ہے صحیحین کی روایت ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کہا، لوگ کہیں گے کہ "رجم کا حکم کہاں سے آگیا، قرآن میں تو صرف سو کوڑے لگانے کا حکم ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ان کے بعد ہم (خلفاء) نے رجم کیا ہے۔ اگر کوئی یہ نہ کہتا کہ عمر نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے، تو رجم کا حکم جس طرح

الْزَّانِيَةُ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهُمَا الْإِنْسَانُ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۖ وَحُرْمٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾
 زانی مرد صرف زانیہ یا مشرک عورت سے نکاح (۳) کرے گا، اور زانیہ عورت سے صرف زانی یا مشرک مرد شادی کرے گا، اور ایمان والوں کے لئے ایسا کرنا حرام کر دیا گیا ہے ﴿۳﴾

نازل ہوا تھا اسی طرح اس میں لکھ دیتا۔ اس معنی کی حدیثیں امام مالک، امام احمد اور نسائی وغیرہم نے بھی روایت کی ہیں۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ سورۃ النساء کی آیات (۱۶/۱۵) میں زانی مردوں اور عورتوں سے متعلق ”قید کرنے اور سزا دینے“ کا جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ اس آیت کے ذریعہ منسوخ ہے۔ ان دونوں آیتوں کی تفسیر دیکھ لینا مناسب رہے گا۔

ایک اور قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک شادی شدہ زانی یا زانیہ کو صرف رجم ہی کیا جائے گا، کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن مردوں اور عورتوں کو اپنے عہد میں رجم کیا انہیں کوڑے نہیں لگوائے تھے۔ امام احمد کے نزدیک انہیں کوڑے بھی لگوائے جائیں گے ان کی دلیل مسلم، امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ کی عبادہ بن صامت سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ سے حاصل کر لو، مجھ سے حاصل کر لو، اللہ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا، غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے، اور شادی شدہ زانی اور زانیہ کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں اور سنگسار کر دیا جائے“۔

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلم سوسائٹی کو بدکاری و فحاشی سے پاک کرنے کے لئے زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں پر قرآن و سنت سے ثابت شدہ حد کو ضرور نافذ کریں، اور شیطان کے ورغلانے میں آکر ان پر رحم کھاتے ہوئے شرعی حد کے نفاذ میں لیت و لعل سے کام نہ لیں۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ مسلم سوسائٹی میں فحاشی اور بدکاری پھیلے، مسلمانوں کی نسلیں خراب ہوں۔ سوسائٹی میں ناجائز بچے وجود میں آئیں، اور امت مسلمہ کی اساس جس عفت و پاکدامنی اور طہارت و پاکیزگی پر ہے اس کا خاتمہ ہو جائے، جیسا کہ آج مغربی ممالک میں ہو رہا ہے کہ ان کی حکومتوں نے لواطت اور زنا کو قانونی درجہ دے دیا ہے، جس کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں بن بیانیہ مائیں اور ناجائز بچے پائے جاتے ہیں، اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اور لواطت کو جائز قرار دے دینے کی وجہ سے دن بدن ان کی فطرت مسخ ہوتی جا رہی ہے، اور ظاہر میں چلتے پھرتے انسان، اندر سے سوروں سے بھی بدتر ہو گئے ہیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ زانی مرد اور زانیہ عورت پر لوگوں کے سامنے حد جاری کی جائے تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔

(۳) اس آیت کریمہ سے مقصود زنا کی قباحت اور زانیوں کی حقارت و دنائت بیان کرنی ہے، اس لئے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ زانی کی حرام رغبت و خواہش پوری کرنے پر زانیہ اور اللہ کی نافرمان بندی ہی تیار ہوگی، یا مشرک عورت تیار ہوگی جو زنا کو حرام نہیں سمجھتی ہے، اسی طرح زانیہ کی حرام رغبت و خواہش پوری کرنے پر زانی اور اللہ کا نافرمان بندہ ہی تیار ہوگا، یا مشرک آدمی جو زنا کو حرام نہیں سمجھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے، اور مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور عروہ بن الزبیر وغیرہم کی بھی یہی رائے ہے۔

زنا کا ارتکاب اور زانیہ عورتوں سے شادی کرنی، یا پاکدامن مسلمان عورتوں کی فاجروں کے ساتھ شادی کر دینی، یہ ساری

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُصَنِّعَاتِ ثُمَّ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾

اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت (۴) دھریں، پھر چار گواہ نہ لائیں، انہیں تم لوگ اسی کوڑے لگاؤ، اور کبھی ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ فاسق ہیں ﴿۴﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اس گناہ کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں، تو بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۵﴾

ہاتھیں مسلمانوں کے لئے حرام کر دی گئی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جنہیں امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی وغیرہم نے اس آیت کا شان نزول بتانے کے لئے روایت کی ہے، اور جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض صحابہ نے بعض زانیہ عورتوں سے شادی کرنی چاہی، تو یہ آیت نازل ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں زانیہ عورتوں سے شادی کرنے سے منع فرمایا۔ حافظ ابن کثیر اور امام شوکانی نے ان روایتوں کو ذکر کیا ہے۔

اسی لئے امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ پاکدامن مرد کی شادی زانیہ عورت سے صحیح نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ صدق دل سے توبہ کرے، اسی طرح پاکدامن عورت کی شادی زانی اور فاجر مرد سے صحیح نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایسا کرنا مومنوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے۔

(۴) اس آیت کریمہ میں زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آزاد، بالغ اور پاکدامن مسلمان مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے، تو شریعت اسلامیہ اس سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت پر چار گواہ پیش کرے، اگر ایسا کرنے سے وہ قاصر رہے گا تو حاکم وقت اسے اسی کوڑے لگائے گا اور اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، یہاں تک کہ وہ توبہ کر کے اپنی حالت سدھار لے۔ ائمہ کرام مالک، شافعی اور احمد کا یہی مذہب ہے، یعنی توبہ کر لینے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور یہی قول راجح ہے، اس لئے کہ توبہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ توبہ کر لینے کے بعد فاسق نہیں رہے گا، لیکن اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ قاضی شریح اور ابراہیم نخعی وغیرہا کا بھی یہی خیال ہے، لیکن کوڑے لگانا کسی کے نزدیک کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ جمہور علماء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص کافر مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور چار گواہ نہیں پیش کرتا تو اسے کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ زہری، سعید بن المسیب اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اس پر بھی حد جاری کی جائے گی۔

اسی طرح جمہور کی رائے ہے کہ غلام کو صرف چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور ابن مسعود، عبد اللہ بن عبد العزیز اور قبصہ وغیرہم کے نزدیک اسے بھی اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور علماء کا جماع ہے کہ اگر کوئی آزاد آدمی کسی غلام پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تو اسے کوڑے کی سزا نہیں دی جائے گی، بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائے اس پر قیامت کے دن حد جاری کی جائے گی۔

وَالَّذِينَ يَمُؤْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَكُلُوْا مِنْ لَدُنْهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعَةٌ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَيَسِّرُ
 الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَذُرُّ اَعْيُنَهَا الْعَذَابَ اَنْ تُشْهَدَ اَرْبَعَةً
 شُهَدٰٓءٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَيَسِّرُ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَكُلُوْا
 فَاَصْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَتَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت (۵) لگائیں، اور ان کے پاس ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہو، تو ایسا آدمی اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ وہ بے شک اپنی بات میں سچا ہے ﴿۶﴾ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو ﴿۷﴾ اور بیوی سے یہ بات عذاب کو ٹال دے گی کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ شوہر بے شک جھوٹا ہے ﴿۸﴾ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو ﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شدید مشقت میں پڑ جاتے، اور بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۱۰﴾

(۵) اس آیت کریمہ میں اس آدمی کا حکم بیان کیا گیا ہے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے، اور اپنی سچائی پر چار گواہ پیش نہ کر سکے، ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اس عورت کو حاکم کے پاس لے جائے اور اس پر جو تہمت لگائی ہے اسے ڈھرائے۔ تو حاکم اس سے کہے گا کہ وہ چار بار گواہی دے کہ اس نے اپنی بیوی پر جو تہمت لگائی ہے اس میں سچا ہے، اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس گواہی کے بعد وہ عورت امام شافعی اور بہت سے علماء کے نزدیک اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، اور اس عورت پر حد زنا واجب ہو جائے گی، الایہ کہ وہ عورت بھی چار بار گواہی دے کہ اس کے شوہر نے اس پر جو تہمت لگائی ہے اس پر بہتان ہے، اور اس کا شوہر جھوٹا ہے، اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

آیت (۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تشریحی حکم اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اس لئے کہ اس کے ذریعہ اس نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی اجتماعی مشکل کا حل بتایا، اور جھوٹے کی فضیحت کے بجائے اس کی پردہ پوشی کر دی کہ ممکن ہے مستقبل میں وہ اپنی حالت سدھار لے اور اللہ کے سامنے صدق دل سے تائب ہو کر اپنی عاقبت اچھی بنا لے، اس لئے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں محدثین کرام نے ہلال بن امیہ انصاری کا مشہور واقعہ بیان کیا ہے۔ امام احمد اور بخاری و مسلم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایتیں نقل کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہلال بن امیہ ایک رات جب اپنے کھیت سے گھر واپس آئے تو اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی آدمی کو دیکھا، اور اپنے کان سے بھی دونوں کی باتیں سنیں۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا، تو آپ پر یہ بات گراں گذری اور سوچا کہ اگر ہلال بن امیہ چار گواہ نہیں پیش کر سکیں گے تو انہیں اٹنیؓ کوڑے لگ جائیں گے۔ ہلال نے آپ کے چہرے میں یہ بات پڑھ لی اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں سچا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مشکل کو حل ضرور کرے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا نَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ نَاسِبٌ مِّنَ الْأَشْيَاءِ وَالَّذِي تُوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

بے شک جن لوگوں نے (عائشہ پر) تہمت لگائی (۶) ہے، وہ تم ہی میں کا ایک چھوٹا گروہ ہے، تم لوگ اس بہتان تراشی کو اپنے لئے برائہ سمجھو، بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے، ان میں سے ہر آدمی کو اپنے کئے کے مطابق گناہ ہوگا، اور ان میں سے جس نے اس افترا پر دازی کی ابتدا کی ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰﴾

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہلال بن امیہ سے کہا کہ اگر تم نے اپنے دعویٰ کی صداقت پر چار گواہ پیش نہیں کئے تو تمہیں کوڑے لگائے جائیں گے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہی یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور آپ نے اس عورت کو بلا بھیجا، اور اور پرعان کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق ہلال نے اپنی سچائی کی گواہی دی، پھر عورت سے کہا گیا تو اس نے بھی چار بار اپنے شوہر کے جھوٹا ہونے کی گواہی دی، اور پانچویں بار سے پہلے رُک کر اور اعتراف زنا کر لینا چاہا، لیکن پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں اپنے قبیلہ کو زورا نہیں کروں گی، کہہ گزری کہ اگر میرا شوہر سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے، لیکن جو بچہ اس عورت کے بطن سے پیدا ہوا وہ ویسا ہی تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ اس کے اوصاف ایسے ایسے ہوں گے تو وہ ہلال بن امیہ کا نہیں ہوگا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا، اگر قسمیں نہ کھائی گئی ہوتیں تو آج عورت کے ساتھ میرا معاملہ کچھ اور ہوتا۔

(۶) اس آیت کریمہ سے مشہور ”واقعہ الکف“ کی ابتدا ہو رہی ہے، جس میں منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف افترا پر دازی کرتے ہوئے ان پر صفوان بن معطل انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ گناہ کا اتہام لگایا تھا۔

اس واقعہ کو بخاری و مسلم، اہل سنن اور دیگر محدثین نے یہاں مذکور اٹھارہ آیتوں کے شان نزول کے طور پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کے لئے پردہ کی فرضیت کے بعد، نبی کریم ﷺ ۶ھ میں صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ بنی المصطلق کے لئے ”رائع“ کی طرف گئے جو مدینہ منورہ اور جدہ کے درمیان واقع ہے۔ واپسی میں ایک رات مدینہ منورہ کے قریب پڑاؤ ڈالا، اور صبح کو روانہ ہو گئے۔ روانگی سے قبل ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تفضائے حاجت کے لئے گئیں تو ان کا ہار ان کے گلے سے گر گیا، جب انہیں پتہ چلا تو اسی کو تلاش کرنے لگیں، یہاں تک کہ قافلہ روانہ ہو گیا اور لوگوں نے ان کا خالی ہودج اونٹ پر یہ سمجھ کر رکھ دیا کہ وہ اس کے اندر بیٹھی ہیں۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے، اس لئے اپنی چادر اوڑھ کر وہیں یہ سوچ کر بیٹھ گئیں کہ جب قافلہ والوں کو ان کی عدم موجودگی کا علم ہوگا تو واپس آئیں گے صفوان بن معطل انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس زمانے کے قاعدے کے مطابق وہیں رُک گئے تھے، تاکہ صبح کی روشنی میں دیکھ لیں کہ قافلہ والوں کا کوئی سامان چھوٹ تو نہیں گیا ہے۔ جب انہوں نے عائشہ صدیقہ کو اچانک دیکھا تو ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھا اور اپنا اونٹ ان کے قریب لاکر بیٹھا دیا، عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں، اور صفوان اونٹ کو ہانکتے ہوئے چل پڑے۔ جب قافلہ کے پاس پہنچے تو منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ آج یہ بچ کر نہیں آئی ہے۔ اور اس بات کو اس نے خوب ہوا دی، اور صحابہ و صحابیات میں سے چار آدمی اس کی اس افترا پر دازی

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۲﴾

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان (۷) کیوں نہیں کیا، اور کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے ﴿۱۲﴾

سے متاثر ہو کر اس کا ساتھ دینے لگے، جن کے نام یہ ہیں: زید بن رفاعہ، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حسنہ بنت جحش۔ کچھ دوسرے لوگ بھی متاثر ہوئے۔ مدینہ آنے کے بعد یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی، رسول اللہ ﷺ، اہل بیت اور صحابہ کرام کے گھروں میں شدید اضطراب و پریشانی آگئی۔ رسول اللہ ﷺ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت ہی زیادہ طول خاطر ہو گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی براءت اور پاکدامنی نازل کی، اور مدینہ کے سوگوار ماحول میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ واقعے سے متعلق ضروری تفصیلات آیات کی تفسیر کے ضمن میں آئیں گی۔

آیت (۱۱) میں نبی کریم ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو تسلی دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اس افترا پر دازی میں منافقوں کے سردار کے ساتھ حصہ لیا ہے وہ مسلمانوں ہی میں سے ہیں۔ اور اس بہتان تراشی سے اگرچہ تمہیں شدید تکلیف پہنچی ہے، لیکن مال و انجام کے اعتبار سے اس سے تمہیں بھلائی ہی پہنچی ہے، وہ اس طرح کہ تم لوگوں نے جس صبر و ٹھیکہائی کے ساتھ اسے جھیلنا ہے، اس پر تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے قرآن کریم میں نازل فرمادی، اور رہتی دنیا تک کے لئے ان کی عفت و پاکدامنی مسلمانوں کے دل و دماغ پر مثبت ہو گئی۔ اور عام مسلمانوں کے لئے اس حکم نے اللہ کی شریعت بن کر دوام حاصل کر لیا، سوائے ان روافضی شیعہ کے جو قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہوئے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان تراشی کرتے ہیں۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

نیز اس واقعے کے ضمن میں منافقین اور شریکوں کو شدید دھمکی دی گئی ہے، اور جن صحابہ کرام نے ابتدا سے ہی اس کی تکذیب کی ان کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ان سب کو اس کا گناہ ملے گا، اور جس نے اس کی ابتدا کی (یعنی عبد اللہ بن ابی بن سلول) اور خوب بڑھ چڑھ کر اس کے پھیلانے میں حصہ لیا، اس کے لئے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابن جریر طبری نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد عبد اللہ بن ابی بن سلول ہے۔ بخاری، ابن المنذر، طبرانی اور بیہقی وغیرہم نے امام زہری سے یہی روایت کی ہے۔ طبری لکھتے ہیں کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حسان، مسطح اور حسنہ بنت جحش کو کوڑے لگوائے، اور عبد اللہ بن ابی کو چھوڑ دیا۔ علماء نے اس کی کئی توجیہات بیان کی ہیں، ایک توجیہ یہ ہے کہ جو مخلص مسلمان تھے، آپ ﷺ نے چاہا کہ حد قائم کر کے ان کے گناہ مٹ جائیں، اور عبد اللہ بن ابی کا گناہ اس کے کفر و نفاق کے ساتھ اٹھا کر آخرت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ امام العز بن عبد السلام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو کوڑے نہیں لگوائے، اس لئے کہ حد جاری کرنے کے لئے دلیل کا پابجا ضروری ہوتا ہے، یا تہمت لگانے والا اپنی زبان سے اس کا اقرار کر لے، اور واقعہ اٹک میں دونوں میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَدَاءِ فَقُلْ بَلْ عِنْدَ اللَّهِ بُرْهَانٌ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ إِنْ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِنَا وَسِعَ اللَّهُ عِلْمَهُ أَلْوَعَالِ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴﴾ وَتَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهِينُونَ ﴿۱۵﴾ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷﴾

افترا پردازوں نے اپنی سچائی پر چار گواہ (۸) کیوں نہیں پیش کئے، پس جب وہ چار گواہ نہیں لاسکے تو وہی لوگ اللہ کے نزدیک پکتے جھوٹے ہیں ﴿۱۳﴾ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل (۹) اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو اس بارے میں تمہاری چہ میگوئیوں کی وجہ سے تمہیں ایک بڑا عذاب آلیتا ﴿۱۴﴾ جب تم لوگ اس بہتان کو ایک دوسرے سے نقل کرتے تھے، اور اپنی زبان پر ایسی بات لاتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم لوگ اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی ﴿۱۵﴾ اور جب تم لوگوں نے یہ جھوٹی خبر سنی، تو کیوں نہیں کہا، ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں، اے ہمارے رب! تو تمام عیوب سے پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے ﴿۱۶﴾

رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی خبر دی تھی، لیکن مسند احمد اور سنن کی روایات کے مطابق امام طبری کا مذکور بالا قول ہی راجح ہے۔ (۷) اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کی گئی ہے، اور انہیں احساس دلایا گیا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور عورتیں ان کی بہنیں ہیں، اور اسلام ان سے تقاضا کرتا ہے کہ جس طرح ان میں کا ہر ایک اپنے آپ کو پاکدامن سمجھتا ہے، تو دوسروں کے بارے میں بھی ان کا ایسا ہی گمان ہونا چاہئے، اور اگر کوئی بد طینت منافق ان میں سے کسی کے خلاف کوئی افترا پردازی کرتا ہے تو اس کی تصدیق نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اسی وقت اس کی تردید کر دینی چاہئے، اور کہہ دینا چاہئے کہ یہ ایک مسلمان بھائی یا بہن کے خلاف بہتان تراشی ہے، اور بالخصوص جو افترا پردازی نبی کریم ﷺ کی ظاہرہ اور پاکیزہ بیوی سے متعلق ہو، اس کے لئے تو مسلمانوں کے دل دو ماخ میں جگہ ہونی ہی نہیں چاہئے۔

(۸) اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایک تشریحی حکم کی تعلیم دی گئی ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی نے یہ بات اپنی زبان سے کہی، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ مسلمان اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کرتے، اور وہ چار کیا ایک گواہ بھی پیش نہ کر سکتا، تو اس کا جھوٹ اسی کی طرف لوٹ جاتا، اور اس پر بہتان تراشی کی حد جاری کی جاتی، لیکن مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا، اسی لئے اس آیت کریمہ میں ان کو ڈانٹ پلائی گئی ہے کہ تم لوگوں نے اس منافق کی تکذیب کیوں نہیں کی، مسلم سوسائٹی میں اسے شرم پھیلانے کا موقع کیوں دیا؟ (۹) اس آیت کریمہ میں بھی مسلمانوں کو عتاب کیا گیا ہے اور ان پر احسان بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں درگزر کر دیا، ورنہ جیسی غلطی تم لوگوں نے کی تھی، اللہ کا شدید عذاب تم پر نازل ہونا چاہئے تھا۔

آیت (۱۵) میں اللہ نے فرمایا کہ تم اخلاقی طور پر اس معاملے میں کتنے پست ہو گئے تھے کہ اس خبر کو سن کر بغیر تحقیق کئے دوسروں سے بیان کرتے رہے، اور سمجھتے رہے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، اور یہ انوہ لوگوں میں پھیلانے سے تم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، حالانکہ یہ بات اللہ کی نگاہ میں بہت بڑی تھی، اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ، عائشہ، ابو بکر اور نبی کے گھرانے کی

يَعْلَمُكُمْ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشْبِعَهُمْ أَفْجَاحَهُمْ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَهِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَفَاسَدَ مِنْكُمْ بَدَنٌ وَأَلَمْ يَكُنِ اللَّهُ يَوْمَ بُرَىٰ مِنْ يَسَعَةَ الْغُلِيِّمْ ۝

اللہ تمہیں نصیحت (۱۰) کرتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو دوبارہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا ﴿۱۷۷﴾ اور اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۸﴾ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بدکاری (۱۱) رواج پائے، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے ہو ﴿۱۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ یقیناً بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے (تو تمہیں سخت عذاب دیتا) ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم (۱۲) پر نہ چلو، اور جو شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے، تو وہ بُرائی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی گناہوں سے پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے، اور اللہ خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۲۱﴾

عزت و ناموس سے تھا۔

آیت (۱۶) میں مزید فرمایا گیا کہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جب تم لوگوں نے یہ بُری بات سنی، اسی وقت اس کا انکار کر دیتے، اور اپنی زبان پر ایک کلمہ بھی ایسا نہ آنے دیتے جس سے یہ افترا پر دازی لوگوں میں پھیلتی، اور صاف کہہ دیتے کہ یہ نبی کی عزت و ناموس کے خلاف ایک سازش اور افترا پر دازی ہے۔

(۱۰) ان دونوں آیتوں میں ان مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے جن سے یہ گناہ سرزد ہوا تھا، کہ اگر تم لوگ مخلص مسلمان ہو گے تو جب تک زندہ رہو گے، دوبارہ کسی مسلمان مرد یا عورت کے بارے میں ایسے گناہ کا ارتکاب نہیں کرو گے۔ اور یہ تشریحی احکام اور اسلامی آداب اللہ نے اس لئے بیان کر دیئے ہیں تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی اخلاق و آداب کے مطابق گزارو۔

(۱۱) اس آیت کریمہ میں بھی مسلمانوں کو ایک اخلاقی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلم سوسائٹی میں اگر ایک شخص کوئی بُری بات سنے، تو اس کا فرض ہے کہ اسے لوگوں سے بیان نہ کرے، اس لئے کہ اس سے کمزور ایمان والوں اور منافقوں کو مسلم سماج میں بُرائی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان اخلاقی اتار کی پھیلے، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں شدید عذاب کی دھمکی دی ہے، اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ بُری بات پھیلانے کے کیسے خطرناک اثرات مسلم سوسائٹی پر مرتب ہوتے ہیں ان کا علم اللہ کو ہے، تم ان کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے ہو، اس لئے اللہ کی جانب سے تمہیں جو اخلاقی تعلیمات دی جا رہی ہیں ان پر سختی کے ساتھ عمل کرو۔ آیت (۲۰) میں اللہ نے دوبارہ احسان بتایا ہے کہ اس نے محض اپنے

وَلَا يَأْتِلُ أَوْلُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالسَّكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا
وَلْيَصْفَحُوا أَلَا يُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝ يُؤْمِنُ يُوقِنُ يُوقِنُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝

اور تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب حیثیت (۱۳) ہیں، وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں
ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ
تمہیں معاف کر دے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۲۲﴾ جو لوگ (۱۴) پاکدامن، گناہوں
سے بے خبر، مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں، وہ بے شک دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، اور ان کے لئے بڑا
عذاب ہے ﴿۲۳﴾ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے (برے)
کرتوتوں کی گواہی دیں گے ﴿۲۴﴾ اُس دن اللہ انہیں ان (کے اعمال) کا پورا بدلہ دے گا، اور وہ جان لیں گے کہ
بے شک اللہ ہی برحق و آشکارا ہے ﴿۲۵﴾

فضل و کرم سے تمہیں فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کیا، ورنہ تمہارا گناہ تو بہت بڑا تھا۔

(۱۲) مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے بچیں، اس لئے کہ وہ تو ہمیشہ بُرے کاموں کا ہی حکم دیتا
ہے، وہ تو چاہتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کے درمیان بُرائی کو ہوا دیں، تاکہ مسلم سوسائٹی کی امتیازی
صفت ختم ہو جائے اور اس میں بُرائی کا دور دورہ ہو۔ آیت کے دوسرے حصہ میں ان مسلمانوں سے کہا گیا ہے جو محض اللہ کے
فضل سے اس بہتان تراشی میں شریک نہیں ہوئے تھے، کہ وہ اپنے آپ کو کامل اور بے گناہ سمجھ کر ہر دم ان مسلمانوں کو ملامت
نہ کرتے رہیں جن سے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی، بلکہ اللہ کے فضل کا اعتراف کریں کہ اس نے انہیں اس گناہ سے بچالیا، اگر اللہ نہ
چاہتا تو وہ بھی اس گناہ میں مبتلا ہو جاتے، اس لئے کہ اللہ جس کے لئے خیر چاہتا ہے اسے شیطان کے زعمے میں پڑنے سے بچالیتا
ہے، اور عمل صالح کی توفیق دیتا ہے۔

(۱۳) بخاری و مسلم، ترمذی، احمد اور طبری وغیرہم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ”واقعہ اُفک“ سے متعلق ایک طویل حدیث
روایت کی ہے، جس میں آتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ مسطح بن اثاثہ کی کفالت کرتے تھے، جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے، جب انہوں
نے ”واقعہ اُفک“ کے موقع سے افتراء پردازوں کی ہاں میں ہاں ملایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت آگئی،
تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اب وہ مسطح کی کفالت نہیں کریں گے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو بکر رضی اللہ
عنہ نے جب اسے سنا تو کہا اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے، اور دوبارہ مسطح کی کفالت جاری کر دی۔

(۱۴) اس آیت کے بارے میں ائمہ تفسیر کے درمیان اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ ان سے متعلق ہے جنہوں نے
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کلام کیا تھا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن ابی کے بارے میں ہے۔ اور ضحاک اور
کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت عائشہ صدیقہ اور دیگر امہات المؤمنین سے متعلق ہے، دوسری مسلمان عورتیں اور مرد اس میں داخل

الْحَيِثُوثُ وَالْخَبِيثُونَ وَالطَّيِّبُونَ وَالطَّيِّبَاتُ ۚ أُولَٰئِكَ دَبَّرُونَهَا وَمَا يَدْرُونَ
لَهُمْ مَغْفِرَةً ۚ وَيُرْسِلُ رَبُّكُمُ ۙ يَأْتِيهِمُ الَّذِينَ آمَنُوا لَا يُدْعُونَ لِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۶﴾

خبیث عورتیں (۱۵) خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں، پاک باز عورتیں پاک باز مردوں کے لئے اور پاک باز مرد پاک باز عورتوں کے لئے ہیں، وہ پاک باز مرد اور عورتیں، ان خبیث مردوں اور عورتوں کی بہتان تراشی سے بالکل ہی بری ہیں، ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور عزت کی روزی ہے ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں نہ داخل (۱۶) ہو، یہاں تک کہ اطمینان حاصل کر لو اور ان گھروالوں کو سلام کر لو، ایسا کرنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۲۷﴾

نہیں ہیں، لیکن راجح یہی ہے کہ اس آیت کا تعلق عبد اللہ بن ابی سے ہے، اور علمائے تفسیر کے عام قاعدے کے مطابق اس کا حکم عام ہے کہ جو شخص کسی پاکدامن مسلمان عورت پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے گا وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے گا، اور دنیا میں اس پر حد جاری کی جائے گی، اور آخرت میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور اس دن ایسے لوگوں کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے بڑے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، اور اللہ انہیں ان بد اعمالیوں کا پورا پورا بدلہ چکا دے گا، اور تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کی ذات برحق ہے۔

صاحب فتح البیان لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے جانے کی جس شدت کے ساتھ نکیر کی ہے، ویسی کسی گناہ پر نہیں کی ہے۔ کبھی مجمل طور پر اس کی تردید کی ہے تو کبھی مفصل طور پر، اور اس تردید و انکار کا بار بار اعادہ کیا ہے، تاکہ لوگوں کو اس گناہ کی قبح و شامت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کر کے تائب ہو جائے گا تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی پر کلام کیا تھا۔

(۱۵) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے متعلق یہ آخری آیت ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں "خبیثات" سے مراد برے کلمات اور "خبیثون" سے مراد برے لوگ ہیں۔ اسی طرح "طبیبات" سے مراد اچھے کلمات، اور "طیبون" سے مراد اچھے لوگ ہیں۔ یعنی خبیث عورتیں اور مرد ہمیشہ بری باتیں کرتے ہیں، اور اچھی عورتیں اور مرد ہمیشہ اچھی باتیں کرتے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کو خبیث کہا گیا ہے جنہوں نے عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی کے خلاف بات بنائی تھی، اور جن صحابہ کرام نے ابتدا سے ہی اس بات کو نہیں مانی تھی انہیں "اچھے لوگوں" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ خبیث سے مراد عبد اللہ بن ابی اور طیب اور طیبہ سے مراد رسول اللہ ﷺ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، یعنی ابن ابی خبیث کو ہی خبیث بیوی ملے گی، رسول اللہ ﷺ تو طیب ہیں اس لئے ان کو عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی طیبہ (اچھی) بیوی ملی ہیں۔

آیت کے دوسرے حصے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان بن معطل کی براءت و پاکدامنی کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اللہ کے یہ نیک بندے عبد اللہ بن ابی کی بہتان تراشی سے بالکل پاک ہیں۔

وَأَنْ لَّمْ يَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَنْخَلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾

پس اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ مل جائے ان میں داخل نہ ہو، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ، تو واپس چلے جاؤ، تمہارے لئے یہی عمل پاکیزہ ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے ﴿۲۸﴾ اور پر کی آیتوں میں زنا کی حرمت بیان کی گئی ہے، نیز پاکدامن مردوں اور عورتوں کو زنا کے ساتھ متہم کرنے کی حرمت اور مسلم سوسائٹی پر اس کے بدترین اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس آیت کریمہ میں دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ مردوں اور عورتوں کے ناجائز اختلاط کو روکا جاسکے، جس سے فحاشی کا وسیع دروازہ کھلتا ہے، اور تاکہ کسی پاکدامن عورت یا مرد کو زنا کے ساتھ متہم کرنے کا کسی کو موقع نہ ملے۔

ایک تیسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بسا اوقات آدمی اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس حال میں اُسے دیکھے۔ اب اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کے گھر میں چلا جائے تو کوئی قسم کی اخلاقی اور سماجی بیماریاں جنم لے سکتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام خرابیوں کا سدباب کرنے کے لئے کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

اگر کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے گھر میں داخل ہونا چاہے، تو اسے چاہئے کہ السلام علیکم کہے اور داخل ہونے کی اجازت مانگے، اور ایسا تین بار کرے۔ اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو، ورنہ واپس چلا جائے۔ آیت کریمہ میں ﴿حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا﴾ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی اجازت لینا ہے، اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اجازت لے کر داخل ہونا مانوس انسان کی خصوصیت ہے، اور بغیر اجازت کے داخل ہونا وحشی جانور کا کام ہے کہ وہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ اس کے اس حکم پر عمل کرنے میں ہی ہر بھلائی ہے۔ آیت (۲۸) میں گذشتہ حکم کی تاکید کے طور پر کہا گیا ہے کہ آدمی جس گھر میں داخل ہونا چاہے اگر اس میں کوئی موجود نہ ہو تو بغیر اجازت نہ داخل ہو، اور اگر اندر سے کوئی آدمی کہے کہ ابھی واپس چلے جاؤ، تو بغیر ناراض ہوئے واپس چلا جائے، اور یہ سمجھے کہ گھر والے کی کوئی مجبوری ہوگی جیسی اسے اجازت نہیں ملی ہے۔ مسلمانوں کے دلوں کی طہارت و پاکیزگی ایسا ہی کرنے میں ہے، اسی سے ان کی آپس کی محبت باقی رہے گی۔ زبردستی کسی گھر میں داخل ہونا زالت اور کیننگی ہے، اور مسلمان کی عزت نفس کے خلاف ہے۔

بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہتے ہیں: میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ ابوموسیٰ اشعری گھبرائے ہوئے داخل ہوئے۔ لوگوں نے سب پوچھا تو بتایا کہ مجھے عمر بن خطاب نے بلا بھیجا تھا، جب گیا تو تین بار اجازت مانگی، لیکن مجھے اجازت نہیں ملی تو میں واپس چلا گیا۔ انہوں نے مجھے دوبارہ بلایا اور پوچھا کہ تم آئے کیوں نہیں تھے؟ میں نے کہا کہ میں آیا تھا اور تین بار اجازت مانگی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اگر کوئی شخص تین بار اجازت مانگے، اور اسے اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے“ اس لئے میں واپس ہو گیا، تو عمر نے کہا کہ تمہیں اس حدیث کی صداقت پر دلیل پیش کرنی ہوگی۔ ابوسعید کہتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ ہم میں سب سے چھوٹی عمر کا آدمی جا کر اس کی گواہی دے دے۔ چنانچہ ابوسعید نے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَكُمْ غُدُرًا مَسْكُونَةً فِيهَا مَا تَكْتُمُونَ لِلَّذِينَ فِيهَا مِنْكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۱۷﴾ قُلْ
لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُوا مِنْ آبَائِهِمْ وَيَحْفَظُوا أَرْوَاحَهُمْ ذَلِكُمْ أَزْكى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۱۸﴾

ان گھروں میں داخل ہونے میں تم پر کوئی گناہ (۱۷) نہیں جو غیر آباد ہوں، جن میں تمہارے مال و اسباب رکھے ہوں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، اللہ ان کی خبر رکھتا ہے ﴿۲۰۹﴾ اے میرے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (۱۸) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، ایسا کرنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے، بے شک وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۳۰﴾

عمر کے پاس جا کر گواہی دی کہ بہت سے صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔ تو عمر نے ابو موسیٰ سے کہا کہ میں نے تمہیں متہم نہیں کیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا معاملہ بڑا شدید ہے (یعنی خوب تحقیق کر لینی چاہئے)۔ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے مٹی کے ایک ڈھیلا سے اپنا سر کھجاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے کمرے میں ایک سوراخ سے جھانکا، بعد میں آپ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ اگر میں اسی وقت جان جاتا کہ تم جھانک رہے تھے تو اسی ڈھیلا سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا۔ کسی گھر میں داخلے کی اجازت کا حکم اسی لئے ہے تاکہ کوئی کسی کے گھر میں نہ جھانکے۔

(۱۷) مذکورہ بالا آیت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، اسی سے بطور استثناء اس آیت میں ان گھروں میں داخل ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، جن میں کوئی آدمی رہائش پذیر نہ ہو، مثال کے طور پر شاہراہوں پر بنے ہوئے ہوٹل، دکانیں اور دیگر تجارتی جگہیں۔ ایسی جگہوں میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز ہے، اس لئے کہ سب کو معلوم ہے کہ ایسی جگہوں میں لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ نہیں رہتے جن کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ البتہ اگر کسی نے ہوٹل کا کوئی کمرہ کرایہ پر لے لیا ہے، اور اس میں اپنی بیوی یا دیگر افراد خانہ کے ساتھ رہتا ہے، تو اس کا حکم بھی گھر کا ہوگا، اور اس میں جھانکنا بغیر اجازت داخل ہونا ممنوع ہوگا۔

(۱۸) مسلمانوں کی روح کی طہارت و پاکیزگی کے لئے اور فحاشی و بدکاری کے دروازوں کو بند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اجنبی اور غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھیں، اور اگر کبھی اچانک کسی غیر محرم عورت پر نگاہ پڑ جائے تو فوراً اپنی نظریں پھیر لیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، نہ بدکاری کریں اور نہ اپنی شرمگاہ کسی ایسے کے سامنے کھولیں جس کے لئے اس کا دیکھنا حرام ہے۔ ان دونوں باتوں پر عمل کرنے سے مسلمان کی روح پاکیزہ رہتی ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ نوافل کی ادائیگی سے زیادہ نگاہ و دل کی حفاظت کرنے سے روح کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

مسلم اور احمد نے جریر بن جلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اچانک کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان سے کہا کہ اپنی نظر پھیر لو۔ اور ابو داؤد نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی نظر تو معاف ہو جائے گی، لیکن دوسری نظر کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الجباب الثانی“ میں نگاہ نیچی رکھنے کے دس فوائد بیان کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت ہے، زہر آلود تیر کا اثر دل تک نہیں پہنچتا، اللہ تعالیٰ سے انس و محبت بڑھتی

وَقُلِ اللَّوْطِيَّةُ يَعْضُضُ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُنْ فُرُوجَهُمْ وَلَا يُدِينُ زِينَتَهُمْ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْحَكُنَّ
بِعُضْرِهِمْ عَلَى جُنُوبِهِمْ - وَلَا يُدِينُ زِينَتَهُمْ إِلَّا لِبُعُولَتِهِمْ أَوْ لِأُمَّهَاتِهِمْ أَوْ لِوَالِدَاتِهِمْ أَوْ لِأُمَّهَاتِهِمْ
بُعُولَتَهُمْ أَوْ لِأَخْوَانِهِمْ أَوْ لِأَخَوَاتِهِمْ أَوْ لِأُمَّهَاتِهِمْ أَوْ لِوَالِدَاتِهِمْ أَوْ لِوَالِدَاتِهِمْ أَوْ لِوَالِدَاتِهِمْ
الَّذِينَ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوَاتِقِ السِّبَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ
زِينَتِهِنَّ وَتَوَوَّأْنَ إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

اور اے میرے نبی! آپ ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (۱۹) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہوتا ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں، اور اپنا بناؤ سنگار کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائی کے، یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے غلاموں کے، یا گھر میں رہنے والے ان لوگوں کے سوا جو عورت کی خواہش نہیں رکھتے یا ان بچوں کے سوا جو ابھی عورتوں کی شرمگاہوں سے آگاہ نہیں ہیں، اور اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں، تاکہ ان کی پوشیدہ زینت لوگوں کو معلوم ہو جائے، اور اے مومنو! تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو، تاکہ کامیاب ہو جاؤ ﴿۳۱﴾

ہے، دل کو قوت و فرحت حاصل ہوتی ہے، دل کو نور حاصل ہوتا ہے، مومن کی عقل و فراست بڑھتی ہے، دل کو ثبات و شجاعت حاصل ہوتی ہے، دل تک شیطان کے پہنچنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے، دل مطمئن ہو کر مفید اور کارآمد باتیں سوچتا ہے۔ نظر اور دل کا بڑا قریبی تعلق ہے، اور دونوں کے درمیان کاراستہ بہت ہی مختصر ہے، دل کی اچھائی یا خرابی کا دار و مدار نظر کی اچھائی یا خرابی پر ہے۔ جب نظر خراب ہوتی ہے تو دل خراب ہو جاتا ہے، اس میں نجاستیں اور گندگیاں جمع ہو جاتی ہیں، اور اللہ کی معرفت و محبت کے لئے اس میں گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

(۱۹) اس آیت کریمہ میں مومن مردوں کی طرح مومن عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اجنبی اور غیر محرم مردوں کو نہ دیکھیں، اور اگر کبھی اچانک کسی غیر محرم مرد پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی نظر نیچی کر لیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، نہ بدکاری کریں اور نہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی شرمگاہ کھولیں۔ اور اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ البتہ جو چیزیں خود ہی ظاہر ہیں، یا انہیں کبھی مجبوراً ظاہر کرنا پڑتا ہے جیسے برقعہ اور اوڑھنی کا ظاہری حصہ، راستہ دیکھنے کے لئے دونوں آنکھیں اور ان کا سرمہ، کوئی چیز پکڑنے کے لئے دونوں ہاتھ اور ان میں اگوشھی، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

مفسرین لکھتے ہیں: ﴿وَلَا يُدِينُ زِينَتَهُمْ﴾ میں اعضائے جسم کے بجائے، ان کی زینت کے اظہار کی ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ عورتیں اپنے جسموں کی غایت درجہ پردہ پوشی کریں، اعضاء تو کیا ان پر موجود زینت کا بھی اظہار کسی حال میں نہ کریں۔ اور اپنے سروں کی اوڑھنیوں کو اپنی گردنوں اور سینوں پر لٹکالیں، تاکہ ان کے بال، ان کی گردنیں، ان کی بالیاں اور ان کے

سینے سبھی چھپ جائیں۔

آیت کریمہ میں دوبارہ اظہارِ زینت کی ممانعت کا ذکر اس لئے آیا ہے، تاکہ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جائے جن کے سامنے مسلمان عورت بغیر پردہ کئے جا سکتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: عورت کا بیٹا، پوتا اور پرپوتا، شوہر کے بیٹے، پوتے اور پرپوتے، سگا بھائی، باپ کی جانب سے بھائی، ماں کی جانب سے بھائی، اور ان کے بیٹے، پوتے اور پرپوتے، بھائی کا بیٹا، پوتا اور پرپوتا، بہن کا بیٹا، پوتا اور پرپوتا، اور بہن چاہے سگی ہو، یا ماں کی جانب سے یا باپ کی جانب سے، اس لئے کہ یہ لوگ عورتوں کے محرم ہیں، ان کی جانب سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ باپ تو ان کا ولی ہوتا ہے جو ان کی حفاظت کرتا ہے، اور شوہر کا باپ بھی اپنے بیٹے کی عزت کی حفاظت کرتا ہے، اور بیٹا تو اپنی ماں کا خادم ہوتا ہے، اسی نے اسے پیدا کیا ہے، اور شوہر کا بیٹا بھی اپنے باپ کی عزت کی حفاظت کرتا ہے، اور بھائی تو باپ کے بعد اس کا سہارا ہوتا ہے، اسی طرح بھائی کا بیٹا بھی اپنی پھوپھی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے، اور یہی حال بہن کے بیٹے کا بھی ہے۔

مسلمان عورت کافر اور مشرک عورت کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہیں کرے گی۔ بعض لوگوں نے "نَسْهَاتِهِنَّ" سے مطلق عورت مراد لیا ہے یعنی مسلمان عورت کے لئے کسی بھی عورت کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنی جائز ہے۔ بعض لوگوں نے ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ سے مراد صرف مشرک لوٹنڈی لی ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ اس سے مراد غلام اور لوٹنڈی دونوں ہیں۔

وہ افراد جو گھر والوں میں شامل ہوں اور جو عورتوں میں کوئی رغبت نہ رکھتے ہوں جیسے نہایت بوڑھا آدمی، نامرد، پاگل وغیرہ۔ اور وہ چھوٹے بچے جن کے اندر ابھی شہوت پیدا نہ ہوئی ہو۔ حافظ سیوطی نے "الإكليل" میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے چچا اور ماموں سے پردہ ضروری قرار دیا ہے، اس لئے کہ آیت کریمہ میں ان دونوں کا ذکر نہیں آیا ہے۔ شخص اور عکرمہ کہتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے لڑکوں سے بیان کریں گے۔ اور حسن بھری کے نزدیک دونوں دیگر محرم مردوں کے مانند ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمان عورت کے لئے جس طرح لوگوں کی نگاہوں سے اپنی زینت چھپانا ضروری ہے، اسی طرح ان کے کانوں تک بھی اپنے زیورات کی آواز نہیں بونچنے دینا ہے۔ اگر کسی عورت نے پازیب پہن رکھا ہے تو اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ پاؤں میخ کر چلے، تاکہ لوگ اس کے پازیب کی آواز سن کر سمجھیں کہ اس نے پازیب پہن رکھا ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس ممانعت میں ہر وہ چھپی ہوئی زینت داخل ہے جو حرکت کرنے سے ظاہر ہو۔ اسی ضمن میں عورت کا خوشبو لگا کر باہر نکلنا بھی آتا ہے تاکہ لوگ اس کی خوشبو محسوس کریں۔ سنن ترمذی میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ عورت جب خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گذرتی ہے تو زانیہ ہوتی ہے۔ اور اسی ضمن میں عورت کا بیچ راستے سے چلنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عورتیں راستے کے کنارے چلتی تھیں، اور دیوار سے چپک جاتی تھیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو اللہ کے حضور صدق دل سے توبہ کرنے کی نصیحت کی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان تمام بُرے اعمال سے تائب ہو جائیں گے جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اور ان تمام اچھے اعمال کو اپنائیں جنہیں وہ پسند کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نگاہ نیچی رکھنی، شرمگاہ کی حفاظت اور عفت و پاکدامنی کا اہتمام نیک اعمال میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔

وَأَنْكَحُوا الْأَيَّامِي مِنْكُمْ وَالظَّالِمِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۰﴾ وَلَيْسَتْ عَفْوَ الدِّينِ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَاشَىٰ يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكُلُوا مِنْهُم مِّنْ خَيْرٍ ۖ وَأَتَوْهُم مِّنْ ثَمَالِ اللَّهِ الَّذِي أَنْتُمْ وَالْكَذِبُ هُوَ أَفْئِتَاكُمْ عَلَىٰ الْبِعَارِ إِن رَأَيْتُمْ مُصْطَبًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يَكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ الْكِرَاهِينِ عَفْوَ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾

اور تم میں جو مرد بغیر بیوی کے اور جو عورتیں بغیر شوہر کے ہوں ان کی شادی (۳۰) کر دو، اور اپنے نیک ایماندار غلاموں اور لونڈیوں کی بھی شادی کر دو، اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں مالدار بنا دے گا، اور اللہ بڑی کسادگی والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾ اور جن کو شادی کے اسباب مہیا نہ ہوں انہیں اپنی پاکدامنی کی حفاظت (۳۱) کرنی چاہئے، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں مالدار بنا دے، اور تمہارے غلاموں میں سے جو مال کے عوض اپنی آزادی کی تحریر لکھواتا چاہیں، اور تمہیں ان میں اس کی صلاحیت معلوم ہو، تو انہیں لکھ کر دے دو، اور اللہ نے تمہیں جو مال دیا ہے ان میں سے انہیں کچھ دے کر ان کی مدد کرو، اور تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامنی چاہتی ہوں تو محض دنیاوی زندگی کے فائدے کی خاطر انہیں زنا پر مجبور نہ کرو، اور جو انہیں مجبور کرے گا، تو بے شک اللہ ان پر جبر کئے جانے کے بعد بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۳۳﴾

(۳۰) زنا اور اس کے اسباب و محرکات سے ممانعت کے بعد، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شادی کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے مقصود اصلی اگرچہ نسل انسان کی حفاظت ہے، لیکن اس کا ایک دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ شہوت کی تیزی جاتی رہتی ہے، اور آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نصیحت کی ہے کہ ان میں جو مرد اور عورتیں غیر شادی شدہ ہوں ان کی شادی کر دیں، اور اپنے ان غلاموں اور لونڈیوں کی بھی شادی کر دیں جن پر نیکی کے آثار ظاہر ہوں، تاکہ مسلم سوسائٹی اخلاقی انارکی سے محفوظ رہے۔ مفسر ابو السعود لکھتے ہیں کہ جو غلام اور لونڈی اچھے نہیں ہوں انہیں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہئے۔ بعض لوگوں نے آیت میں "وَالصَّالِحِينَ" سے مراد وہ غلام اور لونڈی لی ہے جن کے پاس شادی کے لئے مالی اور جسمانی استعداد موجود ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شادی کی مزید اہمیت بتانے کے لئے فرمایا کہ فقیری اور محتاجی شادی سے مانع نہیں ہوتی چاہئے، اللہ کا وعدہ ہے کہ شادی کے بعد وہ محتاجی کو دور کر دیتا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے تھے، مجھے اس فقیر پر تعجب ہوتا ہے جو شادی کر کے اپنی محتاجی دور کرنے کا سامان نہیں کرتا۔

(۳۱) جو شخص کسی مجبوری کے سبب شادی نہ کر سکے اسے چاہئے کہ صبر سے کام لے، روزے رکھے اور نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کرتا رہے کہ وہ شیطان کے نرسے میں نہ پڑ جائے، اور اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کرے۔ ﴿حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے پاکدامن مردوں اور عورتوں کو اپنے فضل و کرم کی امید دلائی ہے، تاکہ دلجمعی کے ساتھ اپنی عفت کی حفاظت کرتے رہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ پاکدامن لوگ اللہ کے فضل کے زیادہ مستحق ہیں۔

بعض لوگوں نے اس آیت کریمہ سے "نکاح حتمہ" کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ نکاح حتمہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ وَمَثَلًا لِّمَنِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

اور ہم نے تمہارے لئے کھلی آیتیں (۲۲) اور تم سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں ان کے واقعات، اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت نازل کی ہے ﴿۲۳﴾

عورت سے ایک محدود مدت کے لئے ایک متعین رقم کے عوض میں شادی کر لے۔ ابتدائے اسلام میں یہ نکاح جائز تھا، پھر اللہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اس لئے اب جمہور امت مسلمہ کے نزدیک یہ نکاح حرام ہے۔ شیعہ اسے جائز قرار دیتے ہیں، جس کی ان کے پاس قرآن اور صحیح سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ اگر ان کے غلام چاہیں کہ انہیں مال دے کر آزادی حاصل کر لیں تو انہیں اس پر رضامند ہو جانا چاہئے اور اسے تحریر میں لے آنا چاہئے، تاکہ لکھی ہوئی شرط کے مطابق قسطوں میں مطلوبہ رقم ادا کر کے وہ آزاد ہو جائیں۔ اور ﴿إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾ میں صفت امانت و قوت کی طرف اشارہ ہے، تاکہ قسطیں ادا کرنے کے لئے چوری نہ کریں، بلکہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مطلوبہ مال حاصل کریں۔ اور اسلام کی نگاہ میں آزادی انسان کی اہمیت کے پیش نظر اللہ نے (مکاتب) غلام کے آقا کو حکم دیا کہ وہ خود بھی مالی طور پر اس کی مدد کرے، یعنی اس کی کچھ قسطیں معاف کر دے۔

آیت کے تیسرے حصہ ﴿وَلَا تَكْرَهُوا فِتْنًا يَأْتِيَكُمُ عَلَى الْبِغْيَاءِ﴾ میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنے سے روکا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ مال کی خاطر اپنی لونڈیوں سے بدکاری کرواتے تھے، جو ایک فتنج ترین عادت تھی۔ چونکہ یہ کام انسانی مروت کے بالکل خلاف ہے، اسی لئے اللہ نے اس سے سختی سے منع فرمایا، اور کہا کہ جو لونڈیاں ظلم و ستم کا نشانہ بنیں گی، اور ایسا کرنے پر مجبور کی جائیں گی، اللہ ان کے گناہ معاف کر دے گا۔

مسلم، سعید بن منصور، اور ابن ابی شیبہ وغیرہم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام مسیکہ تھا، اور دوسرے کا امیمہ۔ دونوں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ابن ابی انہیں زنا کر کے پیسے کمانے پر مجبور کرتا تھا۔ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی، ابن جریر اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرتے تھے، اور ان سے پیسے لیتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ جو آیت کریمہ میں آیا ہے کہ ”اگر وہ پاکدامنی چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو“ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر وہ پاکدامنی نہ چاہیں تو ان سے زنا کروانا جائز ہے، بلکہ اس وقت کے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ عام طور پر وہ بے چاری لونڈیاں مجبور کی جاتی تھیں۔ اسی طرح آیت کا یہ حصہ کہ ”دنیاوی فائدے کے لئے ایسا نہ کرو“ اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی لونڈی کو کسی کے پاس مفت زنا کے لئے بھیج سکتا ہے، بلکہ اس زمانے میں عام طور پر لوگ ماڈی فائدے کے لئے ہی اپنی لونڈیوں سے بدکاری کرواتے تھے۔

(۲۲) مذکورہ بالا احکام بیان کئے جانے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کی تعریف بیان کی ہے کہ جس طرح ہم نے ان احکام کو کھول کر بیان کر دیا ہے، قرآن کی تمام ہی آیات واضح ہیں، اور اس میں بندوں سے متعلق تمام عبادات،

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِ مِثْلٍ نُورُهُ كَاشِكُوقِ فِيهَا وَصَبَاحُ الْيُصْبَاحِ فِي نَجَاجَتِهِ الْيُجَاجَةُ كَانَهَا كُؤُوبٌ دُرِّيٌّ
يُوقَدُ مِنْ شَجَرٍ قَدِيمٍ كَرِيمٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۗ نُورٌ عَلَى نُورٍ
يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور (۲۳) ہے، اس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے جس میں ایک چراغ ہے، چراغ شیشہ کی ایک قندیل میں ہے، قندیل گویا کہ چمکدار ستارہ ہے، وہ چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی، قریب ہے کہ اس کا تیل خود ہی روشنی دینے لگے، چاہے آگ سے نہ بھی چھوئے، نور ہی نور ہے، اللہ اپنے نور سے فائدہ اٹھانے کے لئے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے، اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ﴿۳۵﴾

معاملات اور آداب زندگی کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

اور اس قرآن کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کے عبرتناک واقعات بیان کر کے انسان کو تعلیم دی ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں، اور جس طرح اس سورت میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ تعجب خیز اور نصیحت آموز ہے، اسی طرح قرآن میں مذکور یوسف و مریم کے واقعات بھی تعجب انگیز اور عبرت آموز ہیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف و مریم کی براءت ظاہر کی، اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا بھی قرآن میں اعلان کر دیا۔

اور قرآن کی تیسری خوبی یہ ہے کہ پورا قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت آموز ہے، اور جن کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہو اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہو، انہیں اس قرآن سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

(۲۳) یہ آیت کریمہ ان آیات میں سے ہے، جن سے متعلق علمائے کرام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ امام غزالی کی کتاب ”مشکاۃ الانوار“ مشہور ہے۔ امام ابن القیم نے اپنی کتاب ”النجوش الاسلامیہ“ میں اس آیت کے ضمن میں بہت ہی عمدہ اور مفید بات پیش کی ہے۔

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ میں ”نور“ سے مراد ”نور والی“ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جس نے پوری کائنات کو شمس و قمر اور کوکب کے ذریعہ روشن و منور کر رکھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”نور“ کی تفسیر ”ہادی“ کیا ہے، یعنی جو تمام کائنات کا ہادی و رہنما ہے۔ مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ ”نور والے“ کو ”نور“ سے تعبیر کر کے روشنی کی ”انتہائی قوت“ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اس طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ خود اپنی ذات کے ذریعہ ظاہر ہے، اور اپنے سوا تمام موجودات کو اسی نے ظاہر کیا ہے، جس طرح روشنی بذات خود ظاہر ہوتی ہے، اور دوسری چیزیں اس کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ”نور“ کی اضافت سماوات و ارض کی طرف کی گئی ہے، تاکہ معلوم ہو کہ اللہ کی ذات پوری کائنات کو روشن کئے ہوئے ہے۔

صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تو کہتے: ”اللهم لك الحمد، أنت قيم السماوات والأرض أنت نور السماوات والأرض ومن فيهن الحديث“ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کا نور بتایا ہے۔

فِي نُورٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعُ وَيُذَكَّرَ فِيهَا السُّمُّ لَا يُسْمَخُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْأَصَالِ ۝

وہ چراغ ایسے گھروں (۲۳) میں ہے جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ ان کی قدر و منزلت کی جائے اور ان میں صرف اسی کا نام لیا جائے، ان گھروں (یعنی مسجدوں) میں صبح و شام اس کی تسبیح ایسے لوگ پڑھتے رہتے ہیں ﴿۳۶﴾

﴿مَثَلُ نُورِهِ﴾ وہ نور جو باری تعالیٰ کی ذات سے پھوٹتا ہے، اور جو کائنات کی تمام چیزوں کو روشن کئے ہوئے ہے، اس کی انتہائی قوت اور انتہائی روشنی کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے ایک مثال دی ہے کہ جیسے کسی دیوار میں ایک طاق ہو، اس طاق میں ایک چراغ رکھا ہو، اور وہ چراغ ایک بلوریں شیشے میں ہو، اور وہ شیشہ اتنا صاف و شفاف اور چمکدار ہو کہ جیسے موتی کے مانند چمکتا ہو ا کوئی ستارہ، اور اس چراغ کا تیل زیتون کے ایسے درخت کا ہو جو بیج باغ میں اونچی جگہ پر ہو، جس پر سارا دن دھوپ پڑتی رہتی ہو (کیونکہ ایسے زیتون کا تیل نہایت عمدہ اور صاف ہوتا ہے) جس کا تیل اتنا صاف و شفاف ہو کہ چراغ کو آگ سے روشن کرنے سے پہلے خود تیل سے روشنی پھوٹ رہی ہو۔ یعنی وہ چراغ کیا ہے گویا نور ہی نور ہے، روشنی ہی روشنی ہے۔ اسی طرح اللہ کا نور بھی روشنی ہی روشنی ہے، وہاں ظلمت و تاریکی کا نام و نشان نہیں ہے۔

مفسر ابوالسعود کہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور سے مراد قرآن مجید ہے، جس کی بے پایاں روشنی نے تاریکی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت (۱۷۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾ ”لوگو! ہم نے تمہارے لئے ”نور مبین“ نازل کیا ہے“۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، اور زید بن اسلم کا یہی خیال ہے کہ یہاں ”نور“ سے مراد ”قرآن کریم“ ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں اس لئے بیان کرتا ہے، تاکہ بات کو پوری طرح سمجھ لیں۔ جیسے اس مثال میں اللہ نے ”قرآن مبین“ کو طاق میں رکھے چراغ اور اس کی روشنی سے تعبیر کیا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ”نور“ رکھا ہے، اور اپنی کتاب یعنی قرآن کو نور بنایا ہے، اپنے رسول کو نور بنایا ہے، اور اپنے دین کو نور بنایا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی نگاہوں سے نور کے ذریعہ چھپ گیا ہے، اس نے اپنے اولیاء کا گھر نور سے بنایا ہے جو چمکتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور ”نور“ کی تفسیر ”نور والے“ سے کی گئی ہے جس نے کائنات کو روشن کر رکھا ہے، اور جو آسمانوں اور زمین والوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس آیت میں ”نور“ اس کا فعل ہے۔ اور جو ”نور“ اس کی صفت ہے، وہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ بندہ مومن کے دل میں اللہ کے نور کی مثال ہے۔ اور اللہ نے اپنے بندے رسول ﷺ کو اس نور کا سب سے وافر حصہ دیا ہے۔

امام مسلم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اُسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار ان تمام مخلوقات کو خاکستر کر دیں، جہاں تک اس کی نگاہ پڑے۔ اور مسلم ہی نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ نے فرمایا: ”ایک نور دیکھا، اُسے کہاں دیکھ سکتا تھا“۔ شیخ الإسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ایک نور تھا، جسے نور کے ایک حجاب کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

رَجَالٌ لَا تُلْمِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ مَا يَعَاوَنُونَ يَوْمًا تُنْقَلَبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۗ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَذُرُّ مَنْ يَشَاءُ بِغَدْرِ حِسَابٍ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يُحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ سَيْتًا ۗ وَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابًا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۗ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لَمِيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَابُّ ظُلُمَاتٍ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَرِيهَا ۗ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ۗ

جنہیں کوئی تجارت اور کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکاۃ دینے سے غافل نہیں کرتی ہے، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب (مارے دہشت کے) لوگوں کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ جائیں گی ﴿۳۷﴾ تاکہ وہ لوگ جو نیک کام کرتے ہیں، اللہ انہیں اس کا سب سے اچھا بدلہ دے، اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ بھی دے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۳۸﴾ اور کافروں کے اعمال کسی چٹیل میدان میں سراب (چمکتا ہوا ریت) کے مانند ہیں، جسے پیسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں پاتا، اور وہاں اللہ کو پاتا ہے، جو اس کے اعمال کا پورا حساب اُسے چکا دیتا ہے، اور اللہ بڑا تیز حساب لینے والا ہے ﴿۳۹﴾ یا (ان کے اعمال) کسی گہرے سمندر کی اندرونی تاریکیوں کی مانند ہیں جنہیں موج نے ڈھانک رکھا ہو، اس کے اوپر ایک دوسرا موج ہو جس کے اوپر بادل ہو، گویا اوپر تلے صرف تاریکیاں ہی ہوں، اگر آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اُسے دیکھ نہ پائے، اور جسے اللہ نہ نور عطا کرے، اسے کہیں سے نور نہیں مل سکتا ہے ﴿۴۰﴾

(۲۴) مفسر ابو السعود لکھتے ہیں: چونکہ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام عبادات، معاملات اور آداب زندگی کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، ان احکام پر عمل کرنے والوں اور ان کا انکار کرنے والوں کا ثواب و عقاب بھی بیان کر دیا گیا ہے، اس لئے اب انہی دونوں اچھی اور بُری جماعتوں کے بعض اعمال کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اچھی جماعت ان لوگوں کی ہے جو صبح و شام اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی مسجدوں میں ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد، اقامت نماز اور ادائیگی زکاۃ سے غافل نہیں کرتی ہے۔ اور دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جن کا ذکر آیات (۲۰، ۳۹) میں آیا ہے، کہ کافروں کے اعمال کی مثال اس ”سراب“ کی ہے جسے پیسا آدمی پانی سمجھتا ہے، لیکن جب وہاں پہنچتا ہے، تو اسے یاس و حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ یعنی قیامت کے دن بغیر ایمان ان کے اعمال کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، اور اللہ ان کے کفر اور بُرے اعمال کا پورا پورا حساب انہیں چکا دے گا، یعنی جہنم میں دھکیل دے گا۔

کافروں کے کفر، عقیدہ باطل اور ان کے بُرے اعمال کی ایک دوسری مثال وہ گناہ ٹوپ تاریکی ہے جو کالی رات میں گہرے سمندر میں ہوتی ہے، جس میں یکے بعد دیگرے موجیں اٹھتی رہتی ہیں، اور اوپر آسمان پر کالا بادل ہوتا ہے، گویا تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ ایسی شدید اور بھیاک تاریکی ہوتی ہے کہ اس رات کا مسافر سمندر میں خود اپنا ہاتھ نہیں دیکھ پاتا ہے۔ اس دنیا میں کافر کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں کئی ظلمتیں جمع ہو جاتی ہیں، کفر کی ظلمت، بُرے اعمال کی ظلمت، باطل کی ظلمت، رب العالمین کو نہ پہچاننے کی ظلمت، اور اپنے انجام سے بے خبر ہونے کی ظلمت۔ وہ انہی تاریکیوں میں بہکتا رہتا ہے یہاں

الْمَرَآئِكِ اللَّهُ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفِيًّا ۖ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ
عَلَيْكُمْ بِمَا تَفْعَلُونَ ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۗ ۱۰۰۹ ۗ الْمَرَآئِكِ اللَّهُ يُرْسِلُ سَحَابًا مِّنْهُ يُخْرِجُ مِنْهَا
مَاءً يَسْقِي بِهِ الْبُيُوتَ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِزَّابًا مِّنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَن يَشَاءُ يَكادُ سُبْحَتُهُ تُرْوَاهُ بِأَبْصَارٍ ۗ

اے میرے نبی! آپ دیکھتے نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی تمام مخلوقات اور فضا میں پر پھیلا کر اڑتی ہوئی چڑیاں، سبھی اللہ کی تسبیح (۲۵) بیان کرتی ہیں۔ ہر مخلوق اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتی ہے، اور اللہ ان سب کے اعمال سے خوب واقف ہے ﴿۳۱﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت صرف اللہ کے لئے ہے، اور سب کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۳۲﴾ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ بادلوں کو (ایک دوسرے کی طرف) چلاتا (۲۶) ہے، پھر انہیں آپس میں جوڑتا ہے، پھر انہیں تہ بہ تہ بناتا ہے، پھر آپ بارش کو اس کے درمیان سے نکلتا دیکھتے ہیں، اور اللہ آسمان میں موجود اولوں کے پہاڑوں سے اُلے برساتا ہے (یا پہاڑ جیسے بادلوں سے اُلے برساتا ہے) پس وہ جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اُسے ہٹا دیتا ہے، بادل کی بجلی کی چمک اتنی تیز ہوتی ہے کہ جیسے وہ آنکھوں کی روشنی اُچک لے جائے گی ﴿۳۳﴾

تک کہ موت اُسے آدو جتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۰) کے آخر میں فرمایا کہ ان غلمتوں کو دور کرنے کا علاج واحد اللہ کا دین، اس کا قرآن اور اس کے نبی (ﷺ) کی اتباع ہے۔ جسے یہ نور حاصل نہیں ہوگا اس کی تاریکی ہرگز دور نہیں ہوگی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جبلی مثال رؤسائے کفر کی ہے، جو کفر و ضلالت پر قائم رہتے ہیں اور دوسروں کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔ اور دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو بغیر سوچے سمجھے صرف اپنے رؤسائے کفر کی پیروی کرتے ہیں۔ (۲۵) نبی کریم ﷺ کو بالخصوص اور ہر صاحب عقل و نظر کو بالعموم مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آسمان اور زمین میں پائی جانے والی تمام مخلوقات، چاہے وہ فرشتے ہوں، یا بنی نوع انسان، یا جن، یا حیوان، حتیٰ کہ جمادات بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ چڑیاں فضا میں اُڑتی ہوئی اپنے رب کی تسبیح بیان کرتی رہتی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز کو معلوم ہے کہ اسے اللہ کی تسبیح کیسے بیان کرنی ہے۔ اور رب العالمین کائنات میں وقوع پذیر ہونے والی ہر بات سے واقف ہے۔ سورۃ الاسراء آیت (۳۳) میں گذر چکا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے۔

آیت (۳۲) میں اللہ نے فرمایا ہے کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز اسی کی ہے، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے پاس لوٹ جانا ہے، اس لئے ہر قسم کی عبادت کا صرف وہی ذات واحد مستحق ہے۔

(۲۶) قدرت الہیہ کے مزید مظاہر بیان کئے جا رہے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو ہلکتا ہے، اُن کے ٹکڑوں کو ایک جگہ جمع کرتا ہے، اور انہیں ایک دوسرے پر ڈھیر لگا دیتا ہے، پھر انہیں اس حال میں بناتا ہے کہ وہ بارش کے قطرے بن کر زمین پر برستے ہیں، پہاڑوں کے مانند بڑے بڑے ٹکڑوں کی شکل میں زمین پر نہیں گرتے، ورنہ ساری مخلوقات ہلاک ہو جاتی۔

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَئِنْ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مُبِينَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مَقْعَدَ كُرْسِيِّ بَعْدَ ذَلِكَ ۚ وَمَأْوَاكُم بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهَ مُذْعِنِينَ ۝ أَفَرَأَيْتُمْ فَلَاحُنَّ وَمَنْ يَرْثُهَا بَعْدَ فَالِحِهَا كَمَا يَنْزِلُ فِي السُّورَةِ الْأُولَى ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهَ مُذْعِنِينَ ۝ أَفَرَأَيْتُمْ فَلَاحُنَّ وَمَنْ يَرْثُهَا بَعْدَ فَالِحِهَا كَمَا يَنْزِلُ فِي السُّورَةِ الْأُولَى ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهَ مُذْعِنِينَ ۝ أَفَرَأَيْتُمْ فَلَاحُنَّ وَمَنْ يَرْثُهَا بَعْدَ فَالِحِهَا كَمَا يَنْزِلُ فِي السُّورَةِ الْأُولَى ۝

اللہ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، بے شک اس میں بصیرت والوں کے لئے بڑی عبرت ہے ﴿۴۴﴾ اور اللہ نے ہر جانور کو پانی (۲۷) سے پیدا کیا ہے، پس ان میں سے بعض اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض چار پاؤں پر، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے ﴿۴۵﴾ ہم نے اپنی واضح آیتیں اتار دی ہیں، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے ﴿۴۶﴾ اور (منافقین) کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان (۲۸) لے آئے ہیں، اور ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے، پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے، اور وہ لوگ کبھی ایمان والے تھے ہی نہیں ﴿۴۷﴾ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو ان کا ایک گروہ منہ موڑ کر چل دیتا ہے ﴿۴۸﴾ اور اگر وہ حق بجانب ہوتے ہیں تو اس کے پاس اطاعت گزار بن کر آجاتے ہیں ﴿۴۹﴾ کیا ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، یا انہیں آپ کی نبوت میں شبہ ہے، یا انہیں ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا، بلکہ وہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿۵۰﴾

قدرت الہیہ کا ایک دوسرا مظہر یہ ہے کہ اس نے فضا میں اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کئے ہیں، ان کے ٹکڑے زمین پر اس کے حکم سے گرتے ہیں، اور وہ جسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے اس کی کھیتوں، جانوروں اور مویشیوں کو ہلاک و برباد کر دیتے ہیں، اور اللہ جسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، اس سے انہیں دور کر دیتا ہے۔

قدرت الہیہ کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ فضا میں جو بجلی چمکتی ہے اس کی روشنی اتنی شدید اور قوی ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اسے دیکھتا رہ جائے تو اس کی آنکھوں کی روشنی چلی جائے۔ باری تعالیٰ کی قدرت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ رات اور دن کو الٹا پھیرتا رہتا ہے، رات آتی ہے تو دن چھپ جاتا ہے، اور دن نکلتا ہے تو رات ناپید ہو جاتی ہے۔ ان تمام مذکورہ بالا مظاہر قدرت الہیہ سے اہل عقل و نظر عبرت حاصل کرتے ہیں، اللہ کے جلال و کمال پر ایمان لے آتے ہیں، اور اس کی وحدانیت کا اقرار کر کے صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا ایک عظیم تر مظہر یہ ہے کہ اس نے زمین پر پائے جانے والے ہر حیوان کو پانی سے پیدا کیا ہے، کسی کو نطفہ سے اور کسی کو پانی سے۔ اور ان حیوانات میں سے بعض اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے سانپ اور مچھلیاں وغیرہ، بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور چڑیاں، اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے چوپائے اور بہائم۔ باری تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيُنَازِمَهُمْ أَن يَقُولُوا أَسْمَعُ وَأَطَعُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۵۲﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيُتَّقِ اللَّهَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۵۳﴾

مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا (۲۹) جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سن لی اور اسے مان لیا، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، اور اللہ سے ڈریں گے، اور اس کا تصور کر کے تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے، تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۵۳﴾

کرتا ہے جیسے بعض جانوروں کے چار سے زیادہ پاؤں ہوتے ہیں، بہت سے جانوروں کی عجیب و غریب شکلیں ہوتی ہیں، ان کے اعضاء، ان کی صورتیں اور ان کی حرکتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ اور یہ سب باتیں دلیل ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ان باتوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی واضح اور صریح آیتوں میں بیان کر دیا ہے، اور ان پر ایمان لانا اور ان کے مطابق عمل کرنا اس کی سیدھی راہ ہے۔ اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

(۲۸) جن گروہوں نے اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ کو اختیار نہیں کیا، ان میں منافقین پیش پیش تھے، اور ان سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ آیات (۴۷) سے (۵۰) تک انہی منافقین کی صفات بیان کی گئی ہیں، کہ وہ اپنی زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں، لیکن جب مسلمانوں کی مجلس سے دور ہوتے ہیں تو اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کب محمد پر ایمان لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے بارے میں یہی کہا کہ وہ کبھی بھی مومن نہیں تھے۔ اور ان کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی قضیہ میں انہیں قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کی دعوت دی جاتی ہے، اور وہ حق پر نہیں ہوتے ہیں تو انکار کر دیتے ہیں، اور جب وہ حق پر ہوتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کروانے کے لئے جلدی آتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ بہر صورت حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت (۵۰) میں فرمایا کہ قرآن و سنت سے ان کا یہ اعراض کیا اس لئے ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، یا اس لئے ہے کہ وہ رسول اللہ کی نبوت میں شبہ کرتے ہیں، یا ان کا نجس باطن اس قدر بڑھ گیا ہوا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے!؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا اعراض ان ساری برائیوں کے ساتھ اس لئے ہے کہ ظلم جیسی بدترین صفت ان کے اندر پائی جاتی ہے، وہ اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کر کے ان پر بھی ظلم کرتے ہیں۔

(۲۹) منافقین کے برخلاف جن مومنوں نے اللہ کی سیدھی راہ کو اختیار کر لیا، جب انہیں قرآن و سنت کی طرف بلایا جاتا ہے، تو فوراً سر نیاز خم کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے دنیا و آخرت میں کامیابی کی خوشخبری دے دی ہے، اور مزید تاکید کے طور پر فرمایا ہے کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، اور ظاہر و باطن میں اس سے ڈرے گا، اور اس کے ادا امر و نواہی کی مخالفت نہیں کرے گا، قیامت کے دن وہی لوگ عذاب نارسے بچائے جائیں گے، اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

وَأَسْبُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لِيَنْ أَمْرَهُمْ لِيُخْرِجُوهُمْ قُلْ لَا تَقْسِمُوا طَاعَةً مَعْرُوفَةً إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَآحِلٌ وَعَلَيْكُمْ مَآحِلُكُمْ وَإِن طِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يُعْبُدُونَ رَبِّي أَكْبَرُ كُونَ فِي شَيْءٍ وَأَمِنْ كَفْرٍ بَعْدَ ذَلِكَ قَوْلَ لَيْكُ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾

اور منافقین نے اللہ کی سخت قسمیں (۳۰) کھائیں، کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ جہاد کے لئے ضرور نکلیں گے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھائیں، فرمانبرداری تو خود معلوم ہو جاتی ہے، بے شک اللہ تمہارے کارناموں سے خوب واقف ہے ﴿۵۳﴾ آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو رسول پر تبلیغ کرنی لازم ہے جس کی ذمہ داری ان کے سر ڈالی گئی ہے، اور تم پر اسے قبول کرنا لازم ہے جس کی ذمہ داری تمہارے سر ہے۔ اور اگر تم لوگ ان کی اطاعت کرو گے تو راہ راست پر آ جاؤ گے، اور رسول کی ذمہ داری تو صرف پیغام کو واضح طور پر پہنچانا ہے ﴿۵۴﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ (۳۱) بنائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو بنایا تھا، اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اسے ثابت و راسخ کر دے گا، اور ان کے خوف و ہراس کو امن سے بدل دے گا، وہ لوگ صرف میری عبادت کریں گے، کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے، اور جو لوگ اس کے بعد کفر کی راہ اختیار کریں گے، وہی لوگ فاسق ہوں گے ﴿۵۵﴾

(۳۰) منافقین نبی کریم ﷺ کو اپنے صدق ایمان کا یقین دلانے کے لئے، اور اپنے نفاق پر ایک نہایت دبیز پردہ ڈالنے کے لئے بڑی بھاری قسمیں کھا کر کہتے کہ ہمیں تو آپ کے اشارے کا انتظار ہے، آپ جب اجازت دیں گے تو جہاد کے لئے ضرور نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا، آپ انہیں کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ، بلکہ تم سے تو غیر مشکوک اطاعت و فرمانبرداری مطلوب ہے، جیسے مخلص مسلمانوں کا حال ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تو تمہارے سارے ظاہر و باطن اعمال کی خبر رکھتا ہے، تمہاری جھوٹی قسمیں، نفاق، اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا سب کچھ اسے معلوم ہے، اس لئے اس سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔

آیت (۵۴) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا، آپ منافقین سے کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کے تمام اوامر و نواہی کو بجالاؤ، اور اگر انکار کرو گے، تو رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچا دیں، اور تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم ان کی فرمانبرداری کرو۔ اور جو کوئی بھی اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا، وہ اللہ کی جانب سے اس کی سزا بھگتے گا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا "اگر تم لوگ رسول کی اطاعت کرو گے تو یاقین راہ راست پر آ جاؤ گے"۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس عظیم الشان جملہ کی صداقت پر اگر کوئی شخص قسم کھائے گا تو وہ صادق ہوگا، اس لئے کہ ہر بھلائی نبی کریم ﷺ کی اتباع میں مضمر ہے، اور آپ کی پیروی کرنے والا کبھی بھی گمراہ نہیں ہوتا۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرِّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۲﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ لَفَرُوا مُعْزِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِن نَّفَاذٍ وَلَا يَكُونُ لَهُم مَّعِيذٌ ﴿۳۳﴾

اور مومنو! تم لوگ نماز قائم (۳۲) کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۳۲﴾ آپ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ کفار ہمیں زمین میں عاجز بنا دیں گے، اور ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے ﴿۳۳﴾

آخر میں اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے، دلوں کو حق کی طرف پھیرنا ان کا کام نہیں، اس لئے اگر تبلیغ و دعوت کے بعد کوئی گمراہ ہوتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

(۳۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کی امت کو زمین کا وارث بنائے گا اور خوف کی حالت بدل کر انہیں امن اور حکومت عطا کرے گا۔ جیسا کہ وہ گذشتہ زمانوں میں اپنے نیک بندوں کو اس زمین کا وارث بناتا رہا ہے (فلسطین سے جبارہ کا خاتمہ کر کے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنادیا تھا) اور ان کا دین سربلند ہوگا، اور اس کا جھنڈا مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں لہرانے لگے گا۔ اور وہ لوگ صرف اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو لوگ ان تمام انعامات و اکرامات کے باوجود کفر کی راہ اختیار کریں گے، وہی لوگ اس کے باغی اور اس کے عذاب و عقاب کے مستحق ہوں گے۔

چنانچہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا مسلمان ہجرت سے پہلے اور اس کے کچھ دنوں بعد تک، مشرکین کی جانب سے ہمیشہ خائف اور ہراساں رہتے تھے۔ گھروں سے کسی ضرورت کے لئے نکلتے تو ہتھیار لے کر نکلتے۔ صبح و شام ہر وقت انہیں ڈر لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کب کفار انہیں نقصان پہنچا بیٹھیں گے۔ گویا ان کی دنیاوی زندگی اجیرن ہو گئی تھی، لیکن آہستہ آہستہ حالات نے پلٹا دکھایا، مشرکوں کو اللہ نے ذلیل و سورا کیا، مسلمانوں کی تعداد و قوت بڑھتی چلی گئی، اور یکے بعد دیگرے جزیرہ عرب کے تمام شہروں اور علاقوں پر ان کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ اور مرور زمانہ کے ساتھ انہوں نے مشرق و مغرب کے بہت سے ممالک فتح کر لئے، فارس اور روم کی حکومتوں کے ٹکڑے کر دیئے، اور دنیا کے بہت سے علاقے ان کے زیر سلطنت آ گئے، اور حالت ایسی ہو گئی کہ ہر غیر مسلم مسلمانوں سے خوفزدہ رہنے لگا۔ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ وہ جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کر دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ذلیل و سورا کر دیتا ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر بھلائی ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳۲) صحابہ کرام کو بالخصوص اور مسلمانوں کو باعموم مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اللہ کی بندگی کرو، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور تمام معاملات زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو، ہر زمانے میں تمہاری کامیابی کا یہی راز ہے، اور ایسا ہی کرنے سے رحمت باری تعالیٰ تم پر سایہ ٹھکن رہے گی۔

کفر و شرک، ہلاکت و بربادی اور ذلت و رسوائی لاتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۵۷) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ اہل کفر اللہ سے بچ کر نکل جائیں گے، زمین اللہ کی ہے، کائنات کے ذرے ذرے پر اس کا قبضہ ہے، اس سے بھاگ کر وہ کہاں جائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں رسوا کرے گا، اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جو بدترین جگہ ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَ كُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ طَوْفَاوُنَ عَلَيْكُمْ بِعِضِّكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَلَا ذَا بَأْسَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْعُلَمَاءُ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اے ایمان والو! تمہارے غلام اور لونڈیاں، اور تمہارے نابالغ بچے، تمہارے پاس آنے کی تم سے تین وقتوں میں اجازت (۳۳) لیں، فجر کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تو تمہارے تین پردے کے اوقات ہیں، ان کے علاوہ اوقات میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے، اور نہ ان پر، تم لوگ ایک دوسرے کے پاس کثرت سے آتے جاتے ہو، اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۵۸﴾ اور تمہارے بچے جب بلوغت (۳۴) کو پہنچ جائیں تو تم سے اجازت لیں، جس طرح ان سے پہلے کے لوگ اجازت لیتے رہے ہیں، اللہ اپنی آیتوں کو اسی طرح تمہارے لئے بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۵۹﴾ اور وہ بوڑھی عورتیں (۳۵) جنہیں نکاح کی خواہش نہ رہی ہو، ان کے لئے گناہ کی بات نہیں کہ وہ اپنے دوپٹے وغیرہ اتار کر رہیں، بشرطیکہ وہ اپنی زینت نہ دکھاتی پھریں اور اس سے بھی پرہیز کریں تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اللہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۶۰﴾

(۳۳) دلائل توحید بیان کرنے کے بعد، دوبارہ گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کے مسائل بیان کئے جا رہے ہیں۔ ابتدائے سورت میں غیروں سے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے، یہاں گھر کے افراد سے متعلق حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ غلام، باندیاں، خادم اور خدامائیں اور گھر کے چھوٹے بچے دن اور رات کے تین مخصوص اوقات میں کمروں میں بغیر اجازت نہ داخل ہوں۔ فجر سے پہلے جو رات میں سونے کا وقت ہوتا ہے، دوپہر کے وقت جب لوگ بالعموم آرام کرتے ہیں، اور عشاء کی نماز کے بعد، جب لوگ دن کی محنت و مشقت کے بعد سو جاتے ہیں۔ اس لئے ان تینوں اوقات میں لوگ بالعموم اپنی بیویوں کے ساتھ ہوتے ہیں، کمروں کے اندر پردے کا زیادہ خیال نہیں رکھتے ہیں، اس لئے ان اوقات میں کسی کا اچانک کمرے میں داخل ہو جانا شدید ناگوار گذرتا ہے، اور بسا اوقات ان نوکروں اور بچوں کی نگاہیں پردے کی جگہوں پر پڑ جاتی ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں وہ افراد خانہ بغیر اجازت داخل ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ گھر کی ضرورتوں کے لئے ہر وقت ان کا آنا جانا لگتا رہتا ہے، ہر بار ان کے لئے اجازت لینی بڑی پریشانی کا باعث ہوگا۔

(۳۴) جن بچوں کو تین مخصوص اوقات کے علاوہ باقی وقتوں میں بغیر اجازت کمروں میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی تھی جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں، تو انہیں بھی دوسرے مردوں کی طرح ہر وقت اندر داخل ہونے کی اجازت لینی ہوگی۔ عطاء کہتے ہیں کہ بالغ آدمی چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، بغیر اجازت داخل نہیں ہوگا۔ امام زہری کہتے ہیں کہ آدمی اپنی ماں کے کمرے میں بھی

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْمُرِيضِ حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْأَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ يَتِيمِكُمْ أَوْ
يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ
يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ أَوْ يَتِيمِكُمْ
فَسَلِمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

کوئی حرج کی بات نہیں، نہ اندھے (۳۶) کے لئے، اور نہ لنگڑے کے لئے، اور نہ بیمار کے لئے اور نہ خود تمہارے لئے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ، یا اپنے باپ کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچا کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، کوئی حرج نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ، یا الگ الگ کھاؤ، پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کہو، جو اللہ کی جانب سے مبارک اور پاکیزہ سلام ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿۶۱﴾

داخل ہونے سے پہلے اجازت لے۔

(۳۵) وہ بوجھی عورتیں جن کی ماہواری ایک زمانے سے بند ہوگئی ہو، حمل اور ولادت کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو، اور جن سے اب کوئی شادی نہ کرنی چاہے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ غیر محرموں کے سامنے اپنے سر کی اوڑھنی یا برقعہ اتار دیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے جسم کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر نہ کریں، جیسے ہاتھوں کا خضاب، ننگن اور پازیب وغیرہ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کے لئے بھی بہتر یہی قرار دیا ہے کہ وہ غیروں کے سامنے اپنے سروں سے اوڑھنی اور اپنے جسم سے برقعہ نہ اتاریں، اسی میں ان کے لئے بھلائی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بے پردہ اور بے حیا عورتوں کے لئے بڑی شدید وعید بیان کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”دوسرے کہ جنہیں کو میں نے نہیں دیکھا ہے: ایسے لوگ جن کے پاس گائے کی ڈمروں کی مانند کوڑے ہوں گے، جس سے وہ لوگوں کو مار کریں گے، اور ایسی عورتیں جو ایسا لباس پہنے ہوں گی کہ گویا ننگی ہوں گی، لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف بھانے والی اور تکبر سے منک کر چلنے والی ہوں گی، ان کے سروانٹوں کے کہانوں کے مانند ایک طرف جھکے ہوں گے، ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو بہت دور سے محسوس کی جائے گی۔“

(۳۶) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال آئے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرام جب جہاد کے لئے جانے لگتے، تو اپنے گھر کی چابی اپنے بعض معذور رشتہ داروں یا دوستوں کو دے جاتے، تاکہ وہاں کھائیں پیئیں اور آرام سے رہیں۔ ان معذوروں کو شبہ ہو تاکہ ایسا کرنا ان کے لئے جائز ہے یا نہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معذور صحابہ اپنے صحت مند رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ کھانے میں حرج محسوس کرتے کہ کہیں وہ لوگ برانہ مائیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء خراسانی اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا خیال ہے کہ اس آیت سے مقصود

یہ بیان کرنا ہے کہ معذور لوگ اگر جہاد میں شریک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ بعض معذور لوگوں کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں لے جاتے اور وہاں انہیں کھانا کھلاتے، تو کھانے والوں اور کھلانے والوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوتا کہ ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ مذکورہ بالا تمام ہی صورتوں پر صادق آتی ہے، اور سب سے شبہ اور حرج کا ازالہ کرتی ہے۔ اور مریض کے ساتھ کھانے کے بارے میں لکھا ہے: بہتر یہ ہے کہ ایک ہی دسترخوان پر سب الگ الگ پلیٹوں میں کھائیں، تاکہ اصولوں کے مطابق کسی کو اعتراض یا تکلیف نہ ہو۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ﴿أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ﴾ میں اولاد کے گھر بھی داخل ہیں۔ یعنی آدمی اپنی اولاد کے گھروں میں بغیر اجازت کھاپی سکتا ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ ”تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے“۔ بہت سے لوگوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، جسے احمد، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور جسے محدث البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھاتا ہے، اور اس کا بیٹا اس کی کمائی میں داخل ہے“۔ علماء نے یہ توجیہ بھی بیان کی ہے کہ جب آدمی اپنے باپ کے گھر میں بغیر اجازت کھا سکتا ہے، تو اپنی اولاد کے گھروں سے بدرجہ اولیٰ کھا سکتا ہے۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”بیوتکم“ میں بیویوں کے گھر بھی داخل ہیں۔ یعنی شوہر اپنی بیوی کے گھر سے بغیر اجازت کھا سکتا ہے۔

﴿أَوْ مِمَّا مَلَكَتْمْ مِمَّا تَبَوَّءْتُمْ﴾ کے ضمن میں علماء لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وکیل ہے جو گھر اور باغ، یا چوپایوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ایسا آدمی بغیر اجازت گھر کا کھانا، باغ کا پھل، اور جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے۔ ﴿أَوْ صَدِيقِكُمْ﴾ سے مراد مخلص دوست ہے، جس کے بارے میں یقین ہو کہ اس کے گھر کا کھانا کھالینے کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض عرب بغیر مہمان کے کھانا نہیں کھاتے تھے، اور بعض لوگ دوسروں کے ساتھ کھانے میں حرج محسوس کرتے تھے کہ کہیں ساتھ کھانے والے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں صورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا وَأَوْ أَشْتَاتًا﴾ میں اسی حکم کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اور اسلامی ادب سکھایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے گھر میں داخل ہو جس میں لوگ موجود ہوں تو انہیں سلام کرے، اگر کوئی موجود نہ ہو تو امام بخاری نے ”الادب المفرد“ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اللہ کے نیک بندوں یعنی فرشتوں کو سلام کرے اور ”السلام علینا وعلیٰ عبادہ الصالحین“ کہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت میں ”بیوتنا“ سے مراد مساجد لیا ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونے والا شخص اپنے ہی جیسے نمازیوں کو سلام کرے۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عام مسلمانوں کے منازل و مکانات ہیں، اور یہ حکم عام ہے کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔

امام بخاری اور دیگر محدثین نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم اپنے اہل و عیال کے پاس جاؤ تو سلام کرو جو اللہ کی جانب سے تحیہ و سلام ہے۔ اور جب دوسرے کے گھروں میں داخل ہو تو ان گھروں والوں کو سلام کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ تعلیم اس لئے دی ہے کہ اس میں بہت ساری برکتیں اور فوائد ہیں، جنہیں سلام کیا جاتا ہے

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ . إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ، وَإِذَا سَأَدْتُمُوهُمُ لَبِغْتُمْ فَاذْنُ لِمَنْ شِئْتُمْ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ . إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۴﴾

بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (۳۷) رکھتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں، تو جب تک ان سے اجازت نہیں لے لیتے چلے نہیں جاتے ہیں، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں، وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ لوگ آپ سے اپنی بعض ضرورتوں کے لئے اجازت مانگیں، تو ان میں سے جنہیں آپ چاہئے اجازت دے دیجئے، اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے ﴿۲۴﴾

ان کے دل خوش ہوتے ہیں، آپس میں وحشت ختم ہو جاتی ہے، اور الفت و محبت بڑھتی ہے۔

(۳۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ کی مجلسوں میں جانے اور وہاں سے رخصت ہونے کا ادب سکھلایا ہے کہ وہ مومنین جو اللہ اور رسول پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں، جب وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اہم موقع پر ہوتے ہیں، جیسے کسی جنگی مسئلہ میں رائے مشورہ، اسلام اور مسلمانوں کا دفاع یا کوئی اور اہم مسئلہ جس پر غور و خوض کرنے کے لئے تمام صحابہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، تو وہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر مجلس سے اٹھ کر نہیں چلے جاتے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

اسی لئے اس کے بعد اللہ نے صراحت کر دی کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ منافقین آپ سے اجازت نہیں لیتے، یعنی اجازت لے کر جانا صدق ایمان کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ کے صحابہ اپنی بعض ضرورتوں کے لئے اجازت مانگیں، تو حالات کے مطابق آپ جنہیں چاہیں اجازت دے دیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی ہو کہ انہیں اجازت نہ دی جائے تو اجازت نہ دیجئے، اور اللہ اور رسول پر ایمان کا تقاضا ہے کہ صحابہ اس حکم کو برضائے نفس قبول کر لیں، اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں۔ اور ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی مجلس سے جانے کی نہ سوچیں اور اجازت نہ لیں۔

نبیہتی نے ”دلائل النبوة“ میں عروہ اور محمد بن کعب القرظی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت خندق کھودنے کے موقع سے نازل ہوئی تھی، جب منافقین رسول اللہ ﷺ سے بغیر اجازت لئے چپکے سے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے، اور مخلص مسلمان آپ ﷺ سے اجازت لے کر جاتے اور ضرورت پوری ہوتے ہی واپس آ جاتے تھے۔

زجاج کہتے ہیں کہ ہر دور میں مسلمانوں کا اپنے اماموں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہونا چاہئے کہ ان کی مخالفت نہ کریں، اور ان کی اجازت کے بغیر ان کی اہم مجلسوں سے خاموشی کے ساتھ اٹھ کر غائب نہ ہو جائیں۔ حالات کے تقاضے کے مطابق امام اگر چاہے گا تو اجازت دے گا، ورنہ جانے سے روک دے گا۔

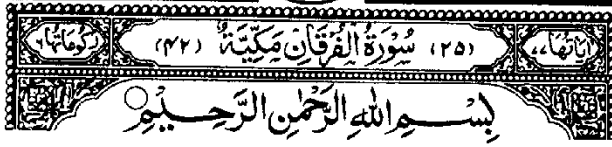
لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وُجُوهٌ يَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيَكْتُبُ لَهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

مسلمانو! رسول کے بلانے (۳۸) کو تم آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ بناؤ۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر آہستگی کے ساتھ چلے جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی بلانا نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آگھیرے ﴿۱۳﴾ آگاہ رہو! آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک (۳۹) اللہ ہے (نیت و عمل کے اعتبار سے) تمہارا جو حال ہے وہ اسے خوب جانتا ہے، اور جس دن لوگ اس کے پاس لوٹائے جائیں گے، تو وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ دنیا میں کرتے رہے تھے، اور اللہ ہر چیز سے اچھی طرح واقف ہے ﴿۱۳﴾

(۳۸) ابن الاثیر اور شوکانی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت سے ہے۔ یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اگر تمہیں کسی ضرورت کے لئے بلائیں، تو اسے اوروں کے بلانے پر قیاس نہ کرو، اور بغیر آپ کی اجازت کے مجلس سے اٹھ کر نہ جایا کرو: ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا﴾ میں ان منافقین کی طرف اشارہ ہے جو آپ سے اجازت لئے بغیر یکے بعد دیگرے چپکے سے ان مجلسوں سے چلے جاتے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام کی ضرورت ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر اور مجاہد کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا نام لے کر سخت لہجے میں نہ پکارو، بلکہ نرمی کے ساتھ ”یا رسول اللہ!“ کہہ کر پکارو۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کو ناراض کر کے ان کی بددعا کے مستحق نہ بنو، اس لئے کہ آپ ﷺ کی بددعا قبول ہو جاتی ہے۔ صاحب محاسن التنزیل نے ابن ابی الحدید اور مہابھی وغیرہم کے حوالے سے لکھا ہے کہ آیت میں ”دعاء“ سے مراد ”حکم“ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کو غیروں کے حکم پر قیاس نہ کرو۔ اور اس کی دلیل ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ﴾ ہے، کہ جو لوگ آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ وہ کسی آزمائش میں نہ ڈال دیئے جائیں، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں اپنی گرفت میں لے لے۔ ”آزمائش“ سے مراد کسی نے قتل، کسی نے زلزلہ، کسی نے ظالم حاکم کا تسلط اور کسی نے دل پر اللہ کی جانب سے مہر لیا ہے۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ﴾ آیت کا یہ حصہ اس بات کی دلیل ہے کہ زندگی کے تمام امور کو نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور ان کی سنت کی کسوٹی پر پرکھنا واجب ہے، جو چیز آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگی اسے قبول کر لی جائے گی، اور جو قول و عمل اس کے مخالف ہوگا اسے رد کر دیا جائے گا، چاہے کہنے یا کرنے والا کوئی بھی انسان ہو۔ صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جو ہماری سنت کے مطابق نہیں ہے، وہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔“

فقہاء نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا ”امر“ جو جب کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں آپ کے حکم کو ترک کر دینے کا لازمی نتیجہ دوسراؤں میں سے ایک کو بتایا گیا ہے کہ یا تو کوئی بلا نازل ہوگی یا کوئی دردناک عذاب۔ اس لئے جو لوگ نبی کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت کرتے ہیں، یا فاسد تادیلوں کے ذریعہ دوسروں کے اقوال کو اس پر ترجیح دیتے ہیں، انہیں اس آیت پر ضرور غور کرنا چاہئے، اور رسول اکرم ﷺ کے مقام و محبت کا تصور کرتے ہوئے، کسی



تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

سورة الفرقان کی ہے، اس میں ستہتر آیتیں، اور چھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے بے شمار خیر و برکت (۱) والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے، تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لئے (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والا بنے ﴿۱﴾

کے قول و عمل کو سنت کے مقابلے میں درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہئے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾ ”یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے جس سے وہ سب کو نہیں نوازتا“۔

(۳۹) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے، سب اسی کے مملوک اور غلام ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، اس کے فیصلوں میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ اور اس نے اپنا رسول اس لئے بھیجا ہے تاکہ اس کی اتباع کی جائے، تو جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈر کر رہنا چاہئے کہ کہیں وہ اس کی گرفت میں نہ آجائیں۔ و ذات برحق انسانوں کے تمام ظاہر و باطن کو جانتا ہے، اور قیامت کے دن سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اُس دن وہ انہیں ان کے تمام اقوال و اعمال کی خبر دے گا، اور جو لوگ دنیا میں اس کے رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

تفسیر سورة الفرقان

نام: اس سورت میں ”فرقان“ کا لفظ تین بار آیا ہے جو قرآن کریم کی اہم ترین صفت ہے۔ اسی لئے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا ہے۔ زمانہ نزول: جمہور اہل علم کے نزدیک یہ سورت مکی دور میں نازل ہوئی تھی۔ قرطبی نے قادمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے آیات (۶۸) سے (۷۰) تک کو مدنی بتایا ہے۔

مکی دور کی سورتوں کی طرح اس میں بھی قرآن کریم، رسول اکرم ﷺ کی نبوت اور دین اسلام کی صداقت سے متعلق کفار مکہ کے شبہات کی تردید کی گئی ہے اور انہیں ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم کو نازل کر کے تمام انس و جن کے لئے اپنی رحمتوں، برکتوں اور بھلائیوں کو عام کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں انہی برکتوں اور بھلائیوں کی طرف اشارہ کر کے باری تعالیٰ نے اپنی ذات برحق کی تعریف بیان کی ہے کہ اس کی بھلائیاں اور برکتیں اس قدر زیادہ اور عام ہیں کہ کائنات کی ہر چیز پر چھا گئی ہیں، اور وہ ذات یکتا و بے ہمتا اپنی تمام صفات اور افعال میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

یہ قرآن حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ اسے اللہ نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ تمام انس و جن کو کفر و شرک کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلاَ يُكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُكِّعَهُ
تَقْدِيرًا ۗ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلاَ يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا وَلاَ
يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلاَ حَيَاةً وَلاَ نُشُورًا ۝

وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک (۲) ہے، اور جس نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی ہے، اور جس کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر اُسے اس کی عین غرض و غایت کے مطابق بنایا ہے ﴿۲﴾ اور مشرکوں نے اللہ کے سوا بہت سے معبود بنائے (۳) ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں، اور اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ہیں، اور نہ موت، اور نہ زندگی، اور نہ دوبارہ زندہ کرنا ان کے اختیار میں ہے ﴿۳﴾

یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام جن وانس کے لئے پیغامبر بنا کر بھیجے گئے تھے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ الاعراف آیت (۱۵۸) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ ”آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں بے شک تم سب کے لئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں“۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں سرخ اور کالے تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

قرآن کریم جیسی عظیم نعمت نازل کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف سورۃ الکہف کی آیات (۲۸) میں بھی فرمائی ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۖ فَيَمَّا يَلِيْزَ رَبًّا سَأَسْأَلُ مَا مَنَ لَّدُنْهُ وَيُنشِرُ الْمَوْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنْ لَهُمْ أَجْرٌ حَسَنًا﴾ ”تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن نازل کیا، اور اس میں کوئی کجی نہیں رہنے دی، بلکہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک رکھا تاکہ اپنے پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے، اور ان مومنوں کو جو عمل صالح کرتے ہیں، خوشخبری دے دے کہ ان کے لئے بہترین بدلہ ہے“۔ (۲) شوکانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنی چار صفتیں بیان کی ہیں:

پہلی صفت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا وہی مالک ہے، اور ان میں پائی جانے والی تمام موجودات اپنے وجود و بقا کے لئے اس کی محتاج ہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا باطل دعویٰ ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ پوری کائنات کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ مشرکوں، بت پرستوں، دو معبودوں کے ماننے والوں، اور شرک خفی کرنے والوں کا فاسد عقیدہ ہے۔ اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اس نے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے، اور ہر ایک کو اس سے مطلوبہ مصلحت کے مطابق بنایا ہے۔ صاحب محاسن التنزیل اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان کو فہم و ادراک، غور و فکر، صنعت و حرفت اور مفید کام بجالانے کی صلاحیت دی، اسی طرح ہر حیوان اور ہر جماد کو اس مصلحت کے مطابق بنایا جو اس سے مطلوب تھی۔

(۳) لیکن تعجب ہے کہ مشرکین اس معبود حقیقی اور مالک کل کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا معبود تصور کرتے ہیں جو کوئی چیز نہیں پیدا کر سکتے ہیں، بلکہ انسانوں کے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہیں، اور اپنے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ہیں، چہ جائیکہ وہ اپنی پوجا کرنے والوں کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ اور نہ وہ کسی کو زندگی دے سکتے ہیں نہ ہی موت، اور نہ مر جانے کے بعد دوبارہ

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا آفَاقٌ أَفْتَرْتَهُ وَآعَانَهُ عَلَيْكُمْ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۗ وَ
 قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۗ كَتَبْنَا فِيهَا فَمَّا نُحَمِّلُ عَلَيْهِمْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ أَوْ صَيْلَةٍ ۗ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۗ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أَنْزَلَ
 إِلَيْهِ مَالٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۗ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا كَانُوا كَذِبًا ۗ قَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا
 رَجُلًا مَسْمُورًا ۗ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۗ

اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن سوائے جھوٹ (۳) کے کچھ نہیں ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے، اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے، پس ان لوگوں نے ظلم اور کذب بیانی سے کام لیا ہے ﴿۳﴾ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوار کھے ہیں پس وہی ان کے سامنے صبح و شام پڑھی جاتی ہیں ﴿۵﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو اس اللہ نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا، بے حد مہربان ہے ﴿۶﴾ اور کافروں نے کہا، اس رسول (۵) کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا ہے تاکہ اس کے ساتھ وہ بھی لوگوں کو ڈراتا ﴿۷﴾ یا اس کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس کے یہ پھل کھایا کرتا، اور ان ظالموں نے (مسلمانوں سے) کہا، تم لوگ تو ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿۸﴾ آپ دیکھ لیجئے کہ یہ آپ کی کیسی کیسی مثالیں دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں گمراہ ہو گئے ہیں، اور اب سیدھی راہ پر نہیں آسکتے ہیں ﴿۹﴾

کسی کو زندہ کر سکتے ہیں۔ ان سب قدرتوں کا مالک صرف اللہ ہے، اس لئے وہی عبادت کا مستحق ہے، مشرکین اپنی عقل پر ماتم کیوں نہیں کرتے کہ اتنی صاف ستھری بات ان کے دماغ میں نہیں آتی ہے۔

(۳) شوکانی لکھتے ہیں کہ اثبات توحید باری تعالیٰ اور مشرکین کے باطل عقائد کی تردید کے بعد، اب اللہ تعالیٰ اُس دور کے منکرین رسالت محمدیہ کے شبہات کی تردید کر رہا ہے۔ مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد جھوٹا ہے، یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ وہ ابولکلیہ، عداس اور جبر جیسے یہودیوں کی معاونت سے، خود ہی اُسے گھڑ کر قرآن کے نام سے لوگوں کو سناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: یہ ظلم ہے کہ انہوں نے اللہ کے معجزانہ کلام کو جو نور و ہدایت کا سرچشمہ ہے، انسانی کلام کہا، اور یہ بُہتان ہے کہ انہوں نے محمد ﷺ جیسے صادق و امین کو جھوٹا بتایا۔ مشرکین کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن گذشتہ زمانوں کے قصے ہیں جنہیں محمد صبح و شام کچھ لوگوں کی مدد سے لکھوا تارہتا ہے، اور پھر انہیں قرآن کے نام سے سناتا ہے۔

کہتے ہیں کہ نضر بن حارث اس شبہ کے پھیلانے میں پیش پیش رہتا تھا۔ اللہ نے ان کی اس شبہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو اس علام الغیوب کی نازل کردہ کتاب ہے جس سے آسمانوں اور زمین کا کوئی راز مخفی نہیں ہے۔ اور وہ کتاب ایسے اسرار و معانی کو حاوی ہے جن تک انسانی عقلیں پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تم ہزار مخالفت اور دشمنی کے باوجود اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہو۔

تَبْرَأُ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيُجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝ بَلْ كَذَّبُوا
بِالسَّاعَةِ ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْمَن كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۖ إِذْ أَرَأْتَهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَرَهِيقًا ۖ وَإِذَا انقَضَتْ عَنْهَا
مَكَانُ الْمُؤْمِنِينَ دَعَوْهَا نَالِكُ بُورًا ۖ لَاتَدْعُوا الْيَوْمَ بُورًا وَوَادِعُوا بُورًا كَثِيرًا ۖ قُلْ أَدْرَاكُمْ حَيْثُ أَمْرُ يَوْمِ
الْمُخْلِدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۖ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَاصِيَةً ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۖ كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُورًا ۖ

بے شمار خیر و برکت والا ہے وہ اللہ جو اگر چاہے تو آپ کے لئے ان باغوں سے بہتر (۶) مہیا کر دے (جن کا ذکر کفار کرتے ہیں) ایسے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور آپ کو بہت سے عالی شان محل عطا کر دے ﴿۱۰﴾ بلکہ ان کافروں نے قیامت کو جھٹلادیا ہے، اور قیامت کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿۱۱﴾ جب جہنم انہیں دور سے دیکھے گی، تو وہ لوگ اس کی غصہ بھری آواز اور چنگھاڑ سنیں گے ﴿۱۲﴾ اور جب وہ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے جہنم کی ایک تنگ جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے، تو وہاں وہ اپنی ہلاکت کو پکاریں گے ﴿۱۳﴾ (تو فرشتے ان سے کہیں گے کہ) آج ایک ہلاکت کو نہیں، بہت سی ہلاکتوں کو آواز دو ﴿۱۴﴾ اے میرے نبی! آپ ان سے پوچھئے کہ جہنم کا یہ دردناک عذاب اچھا ہے، یا ہمیشہ رہنے والی وہ جنت جس کا اللہ نے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا ہے، جو ان کا بدلہ اور ٹھکانا ہوگا ﴿۱۵﴾ اس میں انہیں ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ آپ کے رب کا ایسا حتمی وعدہ ہے جس کا اس سے سوال کیا جائے گا ﴿۱۶﴾

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اس لئے اس نے آیت کے آخری حصہ ﴿إِنَّهٗ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ میں مشرکین مکہ کو، ان کی تمام افترا پر دازیوں اور کفر و عناد کے باوجود، توبہ کر کے اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی ہے۔

(۵) مشرکین مکہ کو نبی کریم ﷺ کے کردار کے خلاف بات بنانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، کیونکہ وہی لوگ تو انہیں نبوت سے پہلے صادق داین کے لقب سے یاد کرتے تھے، اس لئے استہزاء آمیز اسلوب میں کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لئے بازاروں کے چکر لگاتا ہے۔ اگر یہ واقعی رسول ہوتا تو آسمان سے ضرور کوئی فرشتہ اترتا جو ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا اور اس کی مدد کرتا، یا آسمان سے اس کے لئے خزانہ بھیج دیا جاتا، تاکہ طلب معاش کے لئے اسے کدو کاوش نہ کرنی پڑتی، یا اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہوتا، جس کے پھل کھایا کرتا، اللہ تعالیٰ نے آیت (۸) کے آخر میں فرمایا ہے کہ ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ کو مسحور و مجنون کہا، اور صحابہ کرام سے کہا کہ تم لوگ تو ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو جس کی عقل جادو کے اثر سے ماری گئی ہے۔

آیت (۹) میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ان باطل اقوال پر اظہار حیرت کرتے ہوئے، اور اپنے رسول کی شان میں عظیم گستاخی تصور کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ذرا ان عقل کے مارے مشرکین کی جرأت کا فرانہ تو دیکھئے کہ کبھی آپ کو جادو گر کہتے ہیں، تو کبھی شاعر اور کبھی کاہن و مجنون کہتے ہیں، اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ راہ حق سے دور بھٹک گئے ہیں، ان کی ہدایت کی اب کوئی امید نہیں ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَيَأْبَعُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَبُولًا ۗ أَنْتُمْ أَضَلُّتُمْ عِبَادِي هُوَ لِأَمْهُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۗ قَالُوا
 سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَتَّبِعُنَا أَنْ نَنْتَحِزَّ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَإِبَاهُمْ حَتَّىٰ سَأَلُوا لَكَ رُكُوعًا وَكَانُوا
 قَوْمًا بُورًا ۝ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَضِلِّ مِّنكُمْ نَذِقْهُ عَذَابًا كَثِيرًا ۝

اور جس دن (آپ کا رب) انہیں اور ان معبودوں کو جمع (۷) کرے گا جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، تو وہ (ان معبودوں سے) پوچھے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا، یا یہ خود ہی راہ بھٹک گئے تھے ﴿۱۷﴾ وہ کہیں گے، میرے رب! تو تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے ہمارے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو اپنا دوست بناتے، لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو عیش و آرام کی زندگی دی، یہاں تک کہ تجھے یاد کرنا بھول گئے، اور یہ تھے ہی ہلاک ہونے والے لوگ ﴿۱۸﴾ (تو اللہ مشرکوں سے کہے گا) ان معبودوں نے تمہاری بات کو جھٹلادیا (کہ وہ عبادت کے لائق ہیں) اب نہ تم عذاب کو ٹال سکتے ہو، اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی شرک کرے گا، اسے ہم بڑا عذاب دیں گے ﴿۱۹﴾

(۶) مشرکین مکہ کا جو شبہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ محمد اگر اللہ کا رسول ہے تو اسے خزانہ کیوں نہیں دے دیا جاتا ہے، یا اس کے لئے کوئی باغ ہی کیوں نہیں وجود میں آجاتا ہے، اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اطمینان دلایا ہے کہ وہ اللہ جو بے شمار برکتوں والا ہے، اگر چاہتا تو کفار جو کچھ بیان کرتے ہیں، اس سے کہیں بہتر دنیاوی نعمتیں آپ کو عطا کرتا، ایسے باغات دیتا جن کے نیچے نہریں جاری ہوتیں، اور ایک محل کیا، آپ کو بہت سے محل دیتا، لیکن اس نے آپ کے لئے ایسا نہیں چاہا، اس لئے کہ یہ دنیا آپ کے لئے عیش و آرام کی جگہ نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ کوئی اگر آپ پر ایمان لائے تو اس لئے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اس لئے نہیں کہ آپ کے پاس مال کثیر اور محلات و قصور ہیں۔

آیت (۱۱) میں ان کے کفر و سرکشی کی علت یہ بتائی گئی کہ چونکہ وہ بعثت بعد الموت پر ایمان نہیں رکھتے، اسی لئے قرآن کریم اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اگر آخرت پر ان کا ایمان ہوتا تو وہاں کے عذاب سے بچنے اور جنت کی نعمتوں کے حصول کی فکر کرتے۔ اور آخرت کی تکذیب کرنے والوں کا ٹھکانا اللہ نے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ بنائی ہے، جو جہنمیوں کو دور سے ہی دیکھ کر شدید غضبناک ہو جائے گی اور انہیں اپنی گرفت میں لینے کے لئے چیخنے لگے گی، جسے سن کر جہنمی کانپ اٹھیں گے۔ اور جب جہنمیوں کے ہاتھ اور پاؤں ان کی گردنوں کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ کر جہنم کی ایک جگہ جگہ میں پھینک دیئے جائیں گے، تو مارے حسرت و یاس کے پکاریں گے کہ اے ہماری ہلاکت تو کہاں ہے، آہ ہمیں ہلاک کر دے تاکہ اس عذاب سے چھٹکارا پالیں، تو ان کے حزن و ملال اور غم و اندوہ کو مزید بڑھانے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ ایک ہی نہیں، بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔ آج تم جس رسوا کن عذاب میں مبتلا ہو، وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تم بہت ساری ہلاکتوں کو اس سے نجات پانے کے لئے دعوت دو۔

آیت (۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈانٹ پلاتے ہوئے اپنے رسول کی زبانی کہا کہ یہ بھڑکتی ہوئی آگ اور زنجیروں سے جکڑے ہوئے حال میں تمہارا اس میں ڈالا جانا بہتر ہے، یا ہمیشہ کی وہ جنت جس کا اللہ نے اپنے اہل تقویٰ بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے، جو ان کے ایمان و عمل صالح کا بدلہ ہوگا اور جو ان کا ابدی ٹھکانا ہوگا، وہاں وہ جس چیز کی بھی خواہش کریں گے، انہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لِيَاكُفُونَ الظَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ

فِتْنَةً أَنْصِدِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۱۹﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء (۸) بھیجے سب کھانا کھاتے تھے، اور بازاروں میں چلتے تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے باعث آزمائش بنایا ہے (تاکہ دیکھیں) کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب سب کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾

فور اٹے گی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔

(۷) عقیدہ بعث بعد الموت کی تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ جب وہ میدان محشر میں مشرکین اور ان کے معبودوں کو اکٹھا کرے گا، تو ان معبودوں سے وہ پوچھے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا، یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے؟ تو وہ معبود کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تو تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، جب ہمارے لئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا کہ تیرے سوا کسی کو اپنا ولی اور دوست بناتے اور اس کی عبادت کرتے، تو پھر یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے غیروں کو یہ حکم دیا ہو گا کہ تم لوگ اللہ کے سوا ہمیں ولی بنا لو اور ہماری عبادت کرو۔ بات یہ ہے کہ تو نے انہیں گونا گوں نعمتوں سے نوازا تھا، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ تیرا شکر ادا کرتے اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے، لیکن نتیجہ الٹا رہا یعنی وہ شہوتوں میں ڈوب گئے اور تجھے بھول گئے، اور اس طرح ہلاکت و بربادی ان کی قسمت بن گئی۔

آیت (۱۹) میں انہیں مشرکین کو مخاطب کر کے اللہ نے کہا کہ جنہیں تم اپنا معبود کہتے تھے اور جن کی عبادت کرتے تھے، انہیں معبودوں نے تمہیں جھٹلایا، اس لئے اب تم نہ عذاب کو اپنے آپ سے ٹال سکتے ہو، اور نہ ہی کوئی تمہاری مدد کے لئے آگے بڑھے گا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ جو کوئی شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرے گا، وہ اُسے بہت بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(۸) اسی سورت کی آیت (۷) میں مشرکین کی یہ استہزاء آمیز حیرت بیان کی گئی تھی کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لئے بازاروں کے چکر لگاتا ہے، ان کے اسی سفیہانہ قول پر نکیر کی جارہی ہے کہ ابتداءً آفرینش سے جتنے انبیاء و رسل آئے سبھی انسان ہوتے تھے، کھانا کھاتے تھے، اور طلب معاش کے لئے بازاروں میں جاتے تھے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہو۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیشہ سے ہمارا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہم اپنی مخلوق میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈالتے ہیں، مومن کو کافر کے ذریعہ، مالدار کو فقیر کے ذریعہ، صحت مند کو بیمار کے ذریعہ اور شریف کو ذلیل کے ذریعہ۔ اس لئے اے میرے رسول! آپ صبر سے کام لیجئے اور مشرکین کی جانب سے آپ کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے اُسے برداشت کیجئے، اور یقین رکھئے کہ آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کون صبر کرتا ہے، اور کون جزع و فزع سے کام لیتا ہے، اسے سب معلوم ہے۔ اور قیامت کے دن وہ صبر کرنے والوں کو اچھا سے اچھا بدلہ دے گا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْبَلَاغُ لَكُنَّا مُسْتَكْبِرِينَ ﴿۹﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَاءْنَا حَرًّا وَقَدِ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبًّا مَّتَدُونًا ﴿۱۰﴾ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقْرَأً وَاحْسَنُ مَقِيلًا ﴿۱۱﴾

اور جو لوگ ہماری ملاقات کا یقین (۹) نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں بھیج دیئے گئے (جو محمد کی نبوت کی گواہی دیتے) یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھ لیتے ہیں، انہوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیا ہے، اور بڑی سرکشی پر تل گئے ہیں ﴿۱۰﴾ جس دن وہ لوگ فرشتے کو دیکھ لیں گے، اُس دن مجرموں کو کوئی خوشی نہیں ہوگی، اور کہیں گے کہ یہ ہم سے دور رہیں ﴿۱۱﴾ اور انہوں نے دنیا میں جو عمل کیا ہوگا، ہم اس کی طرف متوجہ ہوں گے، اور اسے اڑتا ہوا غبار بنا دیں گے ﴿۱۲﴾ اس دن جنت والوں کا ٹھکانا اور ان کے آرام کرنے کی جگہ بہت اچھی ہوگی ﴿۱۳﴾

(۹) مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی صداقت میں شبہ کا اظہار یوں بھی کرتے تھے (جو دراصل ان کے کبر و نخوت اور بعثت بعد الموت کے انکار کا نتیجہ تھا) کہ اگر محمد واقعی اللہ کا رسول ہے تو اللہ آسمان سے ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں بھیج دیتا جو اس کی نبوت کی گواہی دیں، یا ہمارا رب ہی کیوں نہیں ہمارے سامنے آکر بتا دیتا ہے کہ محمد اس کا رسول ہے؟

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ان کی یہ باتیں محض ان کے کبر و نخوت کا نتیجہ ہیں، وہ اپنے آپ کو بڑی شے سمجھ بیٹھے ہیں اور طریقہٴ نیاز مندی و بندگی کو چھوڑ کر سرکشی پر تل گئے ہیں، اسی لئے تو گردن اکڑا کر اور زبان اینٹھ کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے حضور جا کر انہیں بتائے کہ محمد اس کا رسول ہے۔ کیا قرآن جیسا عظیم معجزہ انہیں محمد کی نبوت کا یقین دلانے کے لئے کافی نہیں ہے!؟

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے کہا، فرشتے کافروں کے پاس اس لئے نہیں آئیں گے کہ ان کے سامنے محمد (ﷺ) کی صداقت کی گواہی دیں، بلکہ موت کے وقت یا قیامت کے دن فرشتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب جہنم کی خوشخبری لے کر آئیں گے، اور ان سے کہیں گے کہ آج تمہارے لئے اللہ کی مغفرت یا کوئی خوشخبری نہیں ہے، بلکہ جنت تمہارے اوپر جنت حرام کر دی گئی ہے۔ آیت (۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے میدانِ محشر میں کافروں کی محرومی کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا میں انہوں نے جو عمل محض دکھاوے کے لئے کیا تھا، قیامت کے دن اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، وہ فضا میں پھیلے ہوئے غبار کے مانند بے وقعت و بے معنی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم آیت (۱۸) میں فرمایا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ﴾ ”جو لوگ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں، ان کے اعمال مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔“

اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہائش کے لئے بہت ہی اچھی جگہ ملے گی، اور انہیں بہت ہی عمدہ آرام گاہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۷۶) میں فرمایا ہے: ﴿خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقْرَأُ وَ مَقَامًا﴾ ”اس میں جنتی ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے۔“

وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزُلُ الْمَلَائِكَةِ تَنْزِيلًا ۝ أَلَمْ تَكُنْ يَوْمَ مِيدَانِ الْحُجِّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝
 وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي أَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يُؤَلِّمُنِي لِيَتَّبِعُنِي لِمَ أَخَذْتُ فَأُلَاقًا
 خَالِيًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ
 قَوْلِي أَخَذْتُهُ وَإِنَّ الْقُرْآنَ مَعْجُوزًا ۝

اور جس دن آسمان (۱۱) پھٹ کر ایک بادل نمودار ہوگا، اور گرہ درگرہ فرشتے اتارے جائیں گے ﴿۲۵﴾ اُس دن حقیقی بادشاہت صرف رحمن کی ہوگی، اور کافروں کے لئے وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا ﴿۲۶﴾ اور جس دن ظالم آدمی (مارے فسوس کے) اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کھائے گا، کہے گا، اے کاش! میں رسول کی راہ پر چلا ہوتا ﴿۲۷﴾ ہائے فسوس! کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا ﴿۲۸﴾ جس نے میرے پاس قرآن آجانے کے بعد اسے قبول کرنے سے مجھے بہکا دیا، اور شیطان کا کام انسان کو رسوا کرنا ہی ہے ﴿۲۹﴾ اور رسول اللہ کہیں گے ﴿۱۲﴾ اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا ﴿۳۰﴾

(۱۱) مظاہر قیامت اور مکرین آخرت کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ اس دن آسمان پھٹ جائے گا، ستارے غائب ہو جائیں گے اور پورا نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا، اور فرشتے آکر تمام مخلوقات کو میدانِ محشر میں گھیر لیں گے۔ اس دن صرف اللہ کی بادشاہی رہ جائے گی، دنیا کے تمام بادشاہ عاجز بندوں کی حیثیت سے میدانِ محشر میں اکٹھا ہوں گے، اور عذاب کی سختی کا تصور کر کے کافروں کا بہت ہی بُرا حال ہوگا۔ مارے حسرت و ندامت کے دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹیں گے، اور کہیں گے، اے کاش! دنیا میں ہم نے رسول کی بات مان لی ہوتی اور ان پر ایمان لے آئے ہوتے۔ اے کاش! میں نے فلاں کافر شیطان کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، جس نے مجھے قرآن پر ایمان لانے سے روکا، اور طرح طرح کے جھوٹے دلائل کے ذریعہ مجھے باور کرایا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ آیت (۲۹) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان کی توصیف ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور گمراہی کی راہ پر دوڑتک لے جاتا ہے، پھر بھٹکتا ہوا چھوڑ کر چل دیتا ہے۔

(۱۲) قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور مشرکین مکہ کا شکوہ کریں گے، کہ اے میرے رب! انہی لوگوں نے دنیا میں تیرے قرآن کے ساتھ بے اعتنائی برتی تھی، جب ان کے سامنے اس کی تلاوت ہوتی تھی تو یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے، بیٹیاں بجاتے تھے اور مختلف قسم کی آوازیں نکالتے تھے، تاکہ لوگ غور سے نہ سن سکیں۔ اور یہ شکوہ اس لئے ہوگا تاکہ اللہ کا عذاب ان کے لئے بڑھا دیا جائے۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے یہ شکوہ دنیا میں کیا تھا۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ھجوہ قرآن" یعنی قرآن کریم کو چھوڑ دینا کئی طرح سے ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اسے غور سے نہ سنے اور اس پر ایمان نہ لائے، اس پر عمل نہ کرے، اپنے تمام معاملات میں اسے فیصلہ نہ مانے، اس میں غور و فکر نہ کرے، اور اپنے روحانی امراض کا علاج اس کے ذریعہ نہ کرے۔ حافظ سیوطی اور ابوالسعود وغیرہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے دھمکی ہے جو قرآن کریم کی روزانہ تلاوت نہیں کرتے ہیں، کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ ان کے خلاف اللہ سے شکوہ کریں گے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْجَائِلِينَ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴿۱۳﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنَتَّبِعُهُ فُؤَادًا لَّو كُنَّا نَتَّبِعُهُ لَآئِمًا بِمَا يُكَلِّمُ بِالْحَقِّ وَأَخْسَنُ تَقْوِيمًا ﴿۱۴﴾

اور اسی طرح ہم نے ماضی میں ہر نبی کا مجرموں میں سے ایک دشمن (۱۳) بنا دیا تھا، اور آپ کا رب بحیثیت ہادی و مددگار کافی ہے ﴿۱۴﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں کہ اس پر پورا قرآن ایک ہی بار (۱۳) کیوں نہیں اتار دیا گیا، اس طرح بتدریج اس لئے اتار آیا تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو تقویت پہنچائیں اور اسے ہم نے آپ کو تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سنایا ہے ﴿۱۴﴾ اور کفار جب بھی آپ کے سامنے (قرآن پر) کوئی نیا اعتراض (۱۵) لاتے ہیں تو ہم آپ کو اس کا صحیح جواب بھیج دیتے ہیں، اور بات کو خوب اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں ﴿۱۴﴾

(۱۳) کفار مکہ نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے، اور قدم قدم پر ان کی دعوت کے آڑے آتے تھے، تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی اور کبھی کبھار دل برداشتہ ہو جاتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء آئے، مجرمین قوم میں سے کوئی نہ کوئی ان کا بڑا پکا دشمن ہوتا تھا، جو ان کی ایذا رسانی کے درپے ہوتا تھا، اور لوگوں کو اپنے کفر کی طرف بلاتا تھا، اس لئے آپ دل برداشتہ نہ ہوں، اور یہ یقین رکھئے کہ جو بھی اللہ کی کتاب پر ایمان لائے گا اور آپ کی تصدیق کرے گا، اُسے اللہ دینا اور آخرت دونوں جہان میں ہدایت دے گا اور اس کی مدد فرمائے گا۔ سورۃ الانعام آیت (۱۱۲) میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات کہی ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ”ہم نے اسی طرح انسانوں اور جنوں کے شیاطین میں سے ہر نبی کا ایک دشمن بنایا تھا“۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دشمن ابو جہل تھا، اور موسیٰ کا دشمن قارون تھا۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔

(۱۴) مشرکین مکہ کبر و نخوت میں آکر بغیر کسی معقول سبب کے کہتے تھے کہ جس طرح تورات اور انجیل وزبور ایک بار نازل ہوئے تھے، قرآن بھی ایک ہی بار کیوں نہ اتار دیا گیا۔ حالانکہ اس طرح کے سوالات کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا، یہ محض ان کے کفر و عناد کا نتیجہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کو ان کے اس قسم کے اعتراضات سے تکلیف پہنچتی تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان دلانے کے لئے فرمایا کہ قرآن کریم آیتوں اور سورتوں کی شکل میں اس لئے نازل ہو رہا ہے تاکہ آپ کے دل کو اس سے تقویت پہنچتی رہے اور آپ کی ہمت افزائی ہوتی رہے۔ جیسے بارش کا پانی جب زمین پر پہنچتا ہے، تو اس میں نئی زندگی آجاتی ہے، اور انواع و اقسام کے پھول اور پھل نظر آنے لگتے ہیں۔

اور قرآن کریم اس لئے بھی ٹکڑوں میں نازل ہو رہا ہے، تاکہ اس کا یاد کرنا، اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل آیت (۱۰۶) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَقَرَأْنَا لَهُمْ تَمَّتْ وَنَزَّلْنَا عَلَيْهِ الْقُرْآنَ جُمْلَةً وَاحِدَةً لَعَلَّهُ يذَكِّرُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مَنكَنٍ وَنَزَّلْنَا لَهُ تَنزِيلًا ﴿۱۰۶﴾﴾ ”قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا ہے تاکہ آپ اسے مہلت کے ساتھ لوگوں کو سنائیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل فرمایا ہے“۔

الَّذِينَ يُحْشِرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ سُوءُ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۖ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ آخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا ۖ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۖ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ سُلَالًا يَدْعُونَ إِلَى الْطَّاغُوتِ عُذًّا أَبَا الْعِمَّا ۖ وَعَادًا وَثَمُودًا ۖ أَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۖ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۖ

وہ لوگ اپنے چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، اُن کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے، اور وہ لوگ سب سے زیادہ گم گشتہ راہ ہیں ﴿۳۲﴾ اور ہم نے موسیٰ (ؑ) کو تورات دی، اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا ﴿۳۵﴾ پس ہم نے کہا کہ آپ دونوں اس قوم کے پاس جاییے، جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلادیا، پھر ہم نے انہیں یکسر ہلاک کر دیا ﴿۳۶﴾ اور نوح کی قوم (۱۷) نے جب رسولوں کو جھٹلادیا، تو ہم نے انہیں ڈبو دیا، اور لوگوں کے لئے انہیں نشانِ عبرت بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۷﴾ اور عاد و ثمود اور کنواں والوں کو اور ان وقتوں کے درمیان پائی جانے والی بہت سی دوسری قوموں کو بھی (ہلاک کر دیا) ﴿۳۸﴾ اور ہم نے ہر ایک کے سامنے دوسروں کی مثالیں پیش کیں (تاکہ عبرت حاصل کریں) اور ہم نے ہر ایک کو ہلاک و برباد کر دیا ﴿۳۹﴾

(۱۵) اس آیت کریمہ میں بھی قرآن کریم کے تیس سالوں میں نازل کئے جانے کی حکمت بیان کی گئی ہے، اور مشرکین مکہ کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! اس کی حکمت یہ ہے کہ کفار مکہ جب بھی کوئی کافرانہ اور معاندانہ اعتراض کریں گے، تو ہم بروقت انہیں ایسا مسکت جواب دیں گے کہ انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔

آیت (۳۳) میں انہی منکرینِ آخرت اور قرآن پر معاندانہ اعتراض کرنے والے مشرکین مکہ کا انجام بتایا گیا ہے کہ فرشتے انہیں ان کے چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جائیں گے، اور کہیں گے یہ لوگ دنیا میں گمراہ ترین لوگ تھے، اور آخرت میں اپنے انجام کے اعتبار سے بدترین لوگ تھے۔

(۱۶) یہاں سے چند انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کئے جا رہے ہیں، تاکہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جائے کہ کفار مکہ آپ کی جو تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ گذشتہ مشرک قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی اسی طرح تکذیب کی تھی۔ اس لئے آپ دل چھوٹا نہ کیجئے، اور پیغامِ رسالتی کے کام میں دلجمعی کے ساتھ لگے رہئے۔ نیز یہ واقعات اس لئے بھی بیان کئے جا رہے ہیں، تاکہ مشرکین مکہ ان سے عبرت حاصل کریں کہ اگر وہ بھی اپنے کفر و سرکشی پر اڑے رہے تو ان کا انجام بھی انہی قوموں جیسا ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی، اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا مددگار بنایا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ فرعون، ہامان اور قبطیوں کے سامنے توحید کی دعوت پیش کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن فرعون اور فرعونوں نے اللہ کی آیتوں اور معجزات کو جھٹلادیا اور موسیٰ و ہارون کی دعوتِ توحید قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو اللہ نے انہیں بحرِ قلزم (بحرِ احمر) میں غرق کر دیا۔ (۱۷) اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھی دعوتِ توحید دے کر ان کی قوم کے پاس بھیجا، لیکن ہزار کوشش کے باوجود وہ لوگ

وَلَقَدْ آتَوْنَا عَلَى الْقُرُونِ الَّتِي أَمْطَرْنَا مَطَرًا السَّوْءِ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۸﴾ وَإِذَا رَأَوْا
 أَنْ يَنْجُوْنَ مِنْكَ الْإِهْزَامَ أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿۱۹﴾ إِنْ كَادَ لَيُبْدِلُنَا عَنْ الْهَيْبَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۲۰﴾

اور اہل قریش کا گذرا سبستی (۱۸) سے ہو چکا ہے جس پر پتھروں کی بدترین بارش کر دی گئی تھی، کیا وہ لوگ اُسے دیکھتے نہیں، بلکہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے پر یقین نہیں رکھتے ﴿۲۰﴾ اور کفار مکہ جب بھی آپ کو دیکھتے (۱۹) ہیں، تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہی ہے وہ آدمی جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿۲۱﴾ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کر دیتا، اگر ہم ان کے بارے میں ثابت قدم نہ رہے ہوتے، اور جب وہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سب سے زیادہ گمراہ تھا ﴿۲۲﴾

ایمان نہیں لائے، اور نوح علیہ السلام اور ان سے قبل کے تمام انبیاء کی تکذیب کر دی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں طوفان کے ذریعہ ہلاک کر دیا، اور آنے والے لوگوں کے لئے ان کی ہلاکت کو درس عبرت بنا دیا، اور آخرت میں تو دردناک عذاب ان ظالموں کا انتظار کر رہا ہے۔

قوم عاد، قوم ثمود، اور (رس) کنواں کے قریب رہنے والوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء کی تکذیب کی، اور دوسری بہت سی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے سب کو انبیاء کے ذریعہ مثالیں دے کر اور دوسری قوموں کے واقعات سنا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن جب ان کے حق میں کوئی دلیل و حجت مفید ثابت نہیں ہوئی اور اپنے کفر و عناد پر مصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

"أصحاب المدرس" "کنواں والوں" کی تعین میں علماء کے کئی اقوال ہیں: سدی کہتے ہیں کہ یہ اٹاکیہ میں ایک کنواں تھا جس میں کافروں نے اس حبیب النجار کو قتل کرنے کا ڈال دیا تھا جس کا ذکر سورہ یس آیت (۲۰) ﴿قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ﴾ میں آیا ہے۔ ابن جریر کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اُن سے مراد "أصحاب الأخدود" ہیں، جن کا ذکر سورہ البروج میں آیا ہے۔

(۱۸) اس آیت کریمہ میں قوم لوط کی بستیوں (سدوم و عموره) کا ذکر ہے، جن کے رہنے والوں نے لوط علیہ السلام کو جھٹلایا، ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اور فعل لواطت پر مصر رہے، تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ مشرکین مکہ اپنے تجارتی سفروں میں شام و فلسطین جاتے ہوئے ان بستیوں سے گذرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ اب وہ بستیاں نشانِ عبرت بن گئی ہیں۔ لیکن اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے اس لئے کہ انہیں آخرت میں حساب اور جزا و سزا پر یقین ہی نہیں تھا۔

(۱۹) مشرکین مکہ جب رسول اللہ ﷺ کو کسی مجلس میں یا راہ چلتے دیکھتے، تو آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے آپس میں نہایت حقارت آمیز انداز میں کہتے کہ یہی ہے وہ جسے اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، یعنی اس کے علاوہ اور کسی پر اللہ کی نظر نہیں پڑی تھی، ہم تو جی ہی گئے کہ اس کے جھانے میں نہیں آئے اور اپنے دین پر قائم رہے، ورنہ ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روک ہی دیتا۔

ارَعَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكَيْلًا ۗ أَمْ تَحْسَبُ أَنْ أَكْذُوبُهُمْ بِمَعُونٍ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنَّ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۗ أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَكَرَ الظَّنِّ ۗ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَائِكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۗ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا تَسْبِيحًا ۗ وَهُوَ الَّذِي جَعَلْ لَكُمْ الْيَلِيلَ لِيَسَاءُوا وَالتَّوْمِ سَاءًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۗ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۗ لِنُنْفِخَ بِهِ الْكُفُورًا ۗ وَنُنْفِئَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنْ آسَى كَثِيرًا ۗ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيهِنَّ لِمَنِ كَانَ عِلْمٌ لِيُنْفِخَ بِهِ الْكُفُورًا ۗ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھ لیا جس نے اپنی خواہش نفس (۲۰) کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں ﴿۲۳﴾ کیا آپ کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں، وہ توجو چاپیوں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ﴿۲۴﴾ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا (۲۱) نہیں کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن بنا دیتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس (سائے) کی پہچان بنا دی ہے ﴿۲۵﴾ پھر ہم اسے اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں ﴿۲۶﴾ اور اسی نے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو راحت کا سبب بنایا ہے، اور دن کو جی اٹھنے اور چلنے پھرنے کے لئے بنایا ہے ﴿۲۷﴾ اور وہی ہوا کو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری کے طور پر بھیجتا ہے، اور ہم ہی آسمان سے پاک کرنے والا پانی بھیجتے ہیں ﴿۲۸﴾ تاکہ اس کے ذریعہ مردہ بستی کو زندہ کر دیں، اور اسے اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں ﴿۲۹﴾ اور ہم نے اپنی آیتوں کو ان کے لئے مختلف انداز میں بیان کیا ہے، تاکہ نصیحت حاصل کریں، لیکن اکثر لوگ ناشکری ہی کی راہ اختیار کرتے ہیں ﴿۵۰﴾

آیت (۳۲) کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ جب وہ لوگ اپنی آنکھوں سے دنیا یا آخرت میں عذاب کو دیکھ لیں گے، تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ گم گشتہ راہ کون تھا، وہ یا اللہ کے رسول اور مومنین۔ دنیاوی عذاب کے اعتبار سے میدانِ بدر میں جس طرح کفار مکہ قتل کئے گئے اور جو رہ گئے قید کر لئے گئے، وہ اس بات کی بین دلیل تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مقابلے میں وہی لوگ گمراہ تھے۔

(۲۰) نبی کریم ﷺ کی مزید تسلی کے لئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اپنی خواہش نفس کا بندہ ہو کہ آج ایک پتھر کی عبادت کر رہا ہے اور کل اگر اُسے کوئی دوسرا خوبصورت پتھر نظر آجاتا ہے تو پہلے کو چھوڑ کر دوسرے کو پوجنے لگتا ہے، کیا آپ ایسے گمراہ انسان کو راہِ راست پر لاسکتے ہیں!! اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

آیت (۳۳) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے انہی مشرکین مکہ کی انتہائی گری ہوئی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ کیا آپ سمجھتے ہیں، ان سے جو کہا جا رہا ہے اسے وہ سن رہے ہیں اور جو مطالبہ کیا جا رہا ہے اسے سمجھ رہے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں کے مانند ہیں، بلکہ جانوروں سے بدتر ہیں، کہ جانور کم از کم آنے جانے کی راہ کو تو سمجھتا ہے، اور چرواہے کی آواز سن کر اس کے مطابق دائیں بائیں تو ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ تو نہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں، اور نہ اس کے رسول کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔

(۲۱) اس آیت کریمہ سے آیت (۵۰) تک توحید باری تعالیٰ کے پانچ دلائل بیان کئے گئے ہیں، جن میں سے ہر دلیل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

وَكُوشِمْنَا لَبَعْنًا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ تَذِيرًا لَهُمْ فَلَا تُطِيعُ الْكُفْرَانَ وَجَاهِدْهُمْ يَوْمَ الْكِبْرِ ۝

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی کے لئے الگ الگ ڈرانے والا (۲۲) بھیج دیتے ﴿۵۱﴾ پس آپ کافروں کی بات نہ مانئے، اور (قرآن کے ذریعہ) اُن سے خوب جہاد کرتے رہئے ﴿۵۲﴾

پہلی دلیل: ”سایہ“ ہے، جو غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک پایا جاتا ہے۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ”سائے“ کو پوری کائنات پر پھیلا دیتا ہے، پھر جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو وہ سایہ آہستہ آہستہ سمٹنے لگتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو اسے ساکن و ثابت بنا دیتا، لیکن اللہ اپنے بندوں کی مصلحت کے مطابق اسے سینٹا جاتا ہے، یہاں تک کہ دن چڑھ آتا ہے، اور کچھ دیر کے بعد آفتاب مغرب کی طرف مائل ہونے لگتا ہے، اور آہستہ آہستہ سایہ دوبارہ پھیلنے لگتا ہے، تاکہ دن کے مختلف حصے اور نمازوں کے اوقات جانے جائیں، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور رات کی تاریکی آ جاتی ہے۔ سائے کا اس طرح شام کے وقت بتدریج پھیلنا، اور صبح کے وقت بتدریج اس کا سمٹنا، اور بندوں کے بہت سے مصالح و منافع کا اس سے متعلق ہونا، اللہ کی قدرت، علم و حکمت، اور بندوں کے لئے اس کی رحمت عام کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: ”رات اور دن“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ”رات“ کو لباس کے مانند پردہ کرنے والا، اور ”نیند“ کو انسانی جسم کے لئے راحت کا ذریعہ بنایا ہے، اور دن کے وقت آدمی روزی حاصل کرنے کے لئے زمین میں بھیل جاتا ہے۔ تیسری دلیل: ”ہوا“ ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بادلوں میں پانی بھر دیتا ہے، جو مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت (۵۷) میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے۔

چوتھی دلیل: ”بارش کا پانی“ ہے، جو میٹھا اور پاک کرنے والا ہوتا ہے۔ اسے انسان اور حیوانات پیتے ہیں، اور لوگ اس کے ذریعہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا، اسے بارش کی شکل میں زمین پر برسایا، انسانوں اور حیوانات کے اجسام کو اس کا محتاج بنایا، اور پھر انہیں اس کا پینا اور استعمال کرنا سکھایا، یہ ساری باتیں اس کے ”رب“ ہونے کی دلیل ہیں۔

یہ آیت اور سورۃ الأفعال کی آیت (۱۱) ﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهَّرَكُمْ بِهِ﴾ دلیل ہے کہ پانی کو اللہ نے پاک کرنے والا بنایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ)۔

پانچویں دلیل: بارش کے پانی میں اللہ کا تصرف ہے، کہ کبھی ایک علاقے میں بارش ہوتی ہے اور دوسرا علاقہ خشک رہتا ہے۔ اللہ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق اسے جہاں چاہتا ہے بھیجتا ہے، اور جہاں سے چاہتا ہے، اسے روک لیتا ہے۔ اس کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

بہت سے مفسرین کے نزدیک ”صرفنا“ سے مراد وہ تمام نشانیاں ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ لیکن اللہ نے سایہ، بادل اور بارش کو قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں میں بار بار اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کر کے اللہ کی توحید ربوبیت کے قائل ہوں، اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

آیت (۵۰) کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ انسان، اللہ کی ان تمام نعمتوں سے مستفید ہوتا ہے، لیکن ان میں اکثر و بیشتر لوگ

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذِيبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا بَحْرٌ آخَرٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّجْبُورًا ۗ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا جَعَلَهُ نَسَبًا وَوَسَرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۗ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝

اور اسی نے دو دریاؤں کو ملا دیا (۲۳) ہے، یہ میٹھا پیاس بھانے والا ہے، اور یہ کھار تلخ ہے، اور اس نے دونوں کے درمیان ایک پردہ اور ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے ﴿۵۳﴾ اور اسی نے پانی (۲۴) سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا اور سسرال والا بنایا، اور آپ کا رب ہر بات پر قادر ہے ﴿۵۴﴾ اور (حال یہ ہے کہ) کفار اللہ کے سوا ان معبودوں کی پرستش (۲۵) کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور کافر ہر دم اپنے رب کی مخالفت پر آمادہ ہوتا ہے ﴿۵۵﴾

اس کے شکر گزار نہیں ہوتے ہیں، اور اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ (۲۲) نبی کریم ﷺ کی عظمت اور فضیلت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو عرب و عجم کی ہر بستی کے لئے الگ الگ پیغمبر بھیج دیتے، جو انہیں ان کے خالق کی عبادت کی دعوت دیتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، بلکہ تمام انس و جن کے لئے اکیلا آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، اس سے جہاں آپ کا مقام بہت اونچا ہو گیا ہے، اور آپ کا اجر و ثواب بڑھ گیا ہے، وہیں آپ کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہو گئی ہیں، اس لئے آپ صبر و ثبات سے کام لیجئے اور کسی بھی معاملے میں کافروں کی بات نہ مانئے، اور قرآن کریم کی دعوت ان تک پہنچانے میں پوری طرح کوشاں رہئے۔ ان کے سامنے اس کی تلاوت کیجئے اور اس میں جو اوامر و نواہی اور نصیحت و موعظت ہیں انہیں بتاتے رہئے، اور اس راہ میں کسی بھی ممکن کوشش سے باز نہ آئیے۔

مفسر ابوسعود لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو کافروں کے ساتھ دعوت و تبلیغ کی راہ میں مدارات اور نری کرنے سے روک دیا گیا ہے، اس لئے کہ ایسا کرنے سے حق کی آواز دب جائے گی، اور اسلام کے پھیلنے میں تاخیر ہوگی۔ (۲۳) اللہ تعالیٰ کے رب اور یکتا دے ہمتا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے رحم اور اس کی قدرت سے دو دریا ساتھ ساتھ بہتے ہیں، ایک کا پانی نہایت میٹھا ہے، اور دوسرے کا نہایت کھار، اور دونوں کے درمیان اس نے ایک ایسی غیر مرئی دیوار کھڑی کر دی ہے کہ دونوں دریا ایک ساتھ بہتے ہیں، لیکن میٹھا کھارے کے ساتھ ہرگز نہیں ملتا ہے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن آیات (۲۰/۱۹) میں بھی بیان فرمایا ہے: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ * بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ *﴾

”اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ ان دونوں میں ایک آرز ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔“ (۲۳) اس کے خالق ورب اور یکتا دے ہمتا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر وہ پل بڑھ کر بڑا ہوتا ہے، اور ان میں سے کوئی مذکر اور کوئی مؤنث ہوتا ہے۔ اور ان سب کی نسبت اپنے باپ دادا کی طرف ہوتی ہے۔ اور جب شادی کرتا ہے، تو بیوی کی طرف سے اس کے بہت سارے رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔ کنبے کا یہ سارا پھیلاؤ ایک قطرہ ہنسی سے وجود میں آتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازیاں ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۵۴) کے آخر میں فرمایا: ﴿وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا﴾ ”آپ کا رب ہر چیز پر قادر ہے۔“

(۲۵) مذکورہ بالا دلائل تو حیدر و بو بیت کا تقاضا تھا کہ مشرکین مکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے، لیکن وہ ان بتوں کی پوجا کرتے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۗ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۗ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ
الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۗ وَكَفَىٰ بِهِ يَدُنُوبٌ عِلًّا ۗ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ الرَّحْمَنُ فَسَبِّحْ لَهُ حَمْدًا ۗ

اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری (۲۶) دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿۵۶﴾ آپ کہہ دیجئے، میں تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی معاوضہ (۲۷) نہیں طلب کرتا ہوں، مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کی راہ اختیار کر لے ﴿۵۷﴾ اور آپ ہمیشہ زندہ رہنے والے پر بھروسہ (۲۸) کیجئے جو کبھی نہیں مرے گا، اور اس کی پاکی اور حمد و ثنا بیان کرتے رہئے، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۵۸﴾ جس نے آسمان (۲۹) اور زمین کو اور ان کے درمیان پائی جانے والی تمام اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا، پس آپ ان کی تفصیلات اس اللہ سے پوچھئے جو ہر بات کی خبر رکھتا ہے ﴿۵۹﴾

ہیں جو ان کی عبادت کے بدلے میں نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں، اور اگر وہ ان کی عبادت نہ کریں تو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور وہ ان بتوں کی نہیں بلکہ درحقیقت شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں بتوں کی عبادت پر روغلاتا ہے۔ تو گویا کافر اپنے رب کے خلاف شیطان کی مدد کرتا ہے، یعنی اُسے مزید اللہ کی نافرمانی پر اکساتا ہے، اور اس کی ہمت بڑھاتا ہے۔ (۲۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ہم نے تو آپ کو جنت کی خوشخبری اور جہنم سے ڈرانے کے لئے بھیجا ہے۔ تو آپ اپنا کام کرتے رہئے، اور اس فکر سے پریشان نہ ہوئیے کہ کون اسلام لے آیا اور کون کفر پر مصر رہا۔ اس لئے کہ ہدایت کی توفیق دینا ہمارا کام ہے، ہم جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں کفر و ضلالت میں بھٹکتا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اللہ کے ہدایت دیتا ہے اور کے نہیں، اس کی تفصیل بارہا گذر چکی ہے کہ جو اللہ سے ہدایت مانگتا ہے اور مسلسل مانگتا رہتا ہے، اللہ اسے ہدایت دیتا ہے اور جو اپنے لئے گمراہی کو پسند کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے، تو اللہ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی کہا کہ اے مشرکین مکہ! میں جو تمہیں قرآن پڑھ کر سناتا ہوں اور ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، تو مجھے تم سے کسی مادی منفعت کی لالچ نہیں ہے، بلکہ میرا مشا تو یہ ہے کہ تم میں سے جو چاہے میری دعوت کو قبول کر کے اللہ پر ایمان لائے، اس کی بندگی کرے، اور اس کی قربت و رحمت کا حقدار بن جائے۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے تمام دعوتی اور غیر دعوتی امور میں صرف اللہ پر بھروسہ کیجئے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، ساری مخلوقات مرجائے گی اور وہ اکیلا زندہ رہے گا، اس لئے وہی اس لائق ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے۔ اور دعوت الی اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں اور صعوبتیں پیش آئیں، انہیں برداشت کرنے اور ثابت قدم رہنے کے لئے اللہ کی تسبیح بیان کیجئے، نماز پڑھئے اور ذکر الہی میں مشغول رہئے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے، اس لئے آپ کافروں اور مشرکوں کے کفر و شرک پر نہ لڑو، اللہ ان کے ایک ایک گناہ کو گن رہا ہے، اور ان کا بدلہ دیر یا سویر انہیں مل کر رہے گا۔ (۲۹) اوپر والی آیت سے متعلق ہے، یعنی آپ اس اللہ پر بھروسہ کیجئے جس کی صفت "حییٰ" ہے، اور جس نے آسمانوں اور زمین

وَلَا قِيْلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ ؕ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ؕ اسْجُدْ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۗ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الْاَيْلَ وَالنَّهَارَ خَلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّذَكَّرَ اَوْ اَرَادَ شٰكُوْرًا ۝۶۲

اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ ”رحمن“ کے لئے سجدہ (۳۰) کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ”رحمن“ کون ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کا تم ہمیں حکم دیتے ہو، اور اس بات سے وہ اور زیادہ بدکنے لگتے ہیں ﴿۶۰﴾ بے شمار خیر و برکت والا ہے وہ اللہ جس نے آسمان میں بُرج (۳۱) بنائے ہیں، اور اُس میں ایک چراغ (آفتاب) اور ایک روشن ماہتاب بنایا ہے ﴿۶۱﴾ اور اُسی نے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا ہے، اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے ﴿۶۲﴾

اور ان دونوں کے درمیان کی ساری چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور جس کی صفت ”رحمن“ ہے، پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا ”استوی علی العرش“ کی تفسیر سورۃ الأعراف آیت (۵۴) اور سورۃ یونس آیت (۳) اور سورۃ الرعد آیت (۲) اور سورۃ ط آیت (۵) میں گزر چکی ہے۔ آخر میں اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور استوی علی العرش وغیرہ کی تفصیل آپ باری تعالیٰ سے پوچھ لیجئے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ان سے متعلق پورا علم رکھتا ہے۔

(۳۰) مشرکین کہ ”رحمن“ کا معنی نہیں جانتے تھے، اور نہ جانتے تھے کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے جب ان سے کہا کہ تم لوگ بتوں کے بجائے ”رحمن“ کو سجدہ کرو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کسی ”رحمن“ کو نہیں جانتے ہیں، صرف ”رحمن الیمامہ“ یعنی مسلمانہ کو جانتے ہیں، جس نے اپنا لقب ”رحمن“ رکھ لیا تھا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تم ہمیں جس کی عبادت کا حکم دوا سی کی عبادت کریں، یعنی چاہتے ہو کہ بس ہم تمہاری ہر بات ماننے رہیں۔ تو ایسا نہیں ہو گا اور ہم ”رحمن“ کو سجدہ نہیں کریں گے۔ یعنی تکبر کی وجہ سے دین و ایمان سے ان کی نفرت اور بڑھ گئی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کافروں کے برعکس، موٹین اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمن اور رحیم ہے، اور اسی کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہئے۔ (۳۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض ایسے مظاہر قدرت کو بیان کیا ہے کہ اگر ”رحمن“ کے لئے سجدہ نہ کرنے والے مشرکین ان میں غور و فکر کریں تو وہ سجدہ کے قائل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات نے آسمان میں سات متحرک سیاروں کے بارہ بُرج یعنی منازل بنائے ہیں۔ وہ سیارے اللہ کے حکم کے مطابق ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان کی اس منتقلی سے حالات و واقعات میں مختلف تبدیلی آتی رہتی ہے۔ بعض لوگوں نے ”بُروج“ سے بڑے بڑے ستارے مراد لئے ہیں۔ شوکانی کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔

نیز اس بابرکت ذات نے آسمان میں آفتاب و ماہتاب بنائے ہیں۔ اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے بعد ضرور آجاتا ہے۔ جب سے اللہ نے دنیا بنائی ہے، اس نظام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، جیسا کہ سورۃ ابراہیم آیت (۳۳) میں آیا ہے: ﴿وَسَخَّرْنَا لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اَلَا تَعْبٰینَ﴾ ”اسی نے تمہارے لئے سورج

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَكْسُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُونَ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَعُوا لَمْ يَنفِرُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخَلَّدُ فِيهِ مَهْمًا ۝ إِلَّا مَن تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۝ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مَن أَرَادْنَا وَذُرِّيَّتَنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝

اور رحمن کے نیک بندے (۳۲) وہ لوگ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب نادان لوگ ان کے منہ لگتے ہیں تو سلام کر کے گذر جاتے ہیں ﴿۶۳﴾ اور جو اپنے رب کے سامنے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گذارتے ہیں ﴿۶۴﴾ اور جو دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو ٹال دے، بے شک اس کا عذاب ہمیشہ کے لئے جان کو لگ جانے والا ہے ﴿۶۵﴾ یقیناً وہ بڑا ہی برا ٹھکانا اور جائے قیام ہے ﴿۶۶﴾ اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ (اپنے آپ کو) تنگی میں ڈالتے ہیں، اور اپنی گذر اوقات دونوں کے درمیان کرتے ہیں ﴿۶۷﴾ اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ہیں، اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے ہیں، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنے گناہوں کا بدلہ پائے گا ﴿۶۸﴾ قیامت کے دن اس کا عذاب دوہرا کر دیا جائے گا، اور وہ اسی میں ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار بن کر رہے گا ﴿۶۹﴾ مگر جو شخص توبہ کرنے گا، اور ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا، تو اللہ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے ﴿۷۰﴾ اور جو شخص توبہ کر لیتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے تو وہ اللہ کی طرف پورے طور پر لوٹ آتا ہے ﴿۷۱﴾ اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے ہیں، اور جب کسی ناپسندیدہ چیز سے ان کو سابقہ پڑتا ہے تو شریفوں کی طرح گذر جاتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور جب انہیں ان کے رب کی آیتیں پڑھ کر نصیحت کی جاتی ہے تو بہروں اور اندھوں کی سی حرکتیں نہیں کرتے ہیں ﴿۷۳﴾ اور جو دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا، اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا ﴿۷۴﴾

اور چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں۔“ لیل و نہار کے اس تعاقب سے اللہ کی عبادتوں کے اوقات کی تعیین ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص دن کی کوئی عبادت بھول جاتا ہے تو اسے رات میں ادا کر لیتا ہے، اور رات کی عبادت دن میں ادا کر لیتا ہے۔ یہ سارے فائدے ان کو حاصل ہوتے ہیں جو اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالانا چاہتا ہے، اور رات میں نمازیں پڑھتا ہے اور اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا ہے، اور دن کے وقت روزے رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْعُقُوبَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا نَجْوَىٰٓ وَوَسْلَىٰٓ ۚ فِيهَا مَقَامٌ أَعْلَىٰ ۖ وَمَقَامٌ أَسْفَلٌ ۚ

انہی لوگوں کو ان کے صبر و استقامت کی بدولت جنت میں اعلیٰ مقام ملے گا، اور اس میں دعائے خیر و سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا ﴿۷۵﴾ وہاں ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھا ٹھکانا اور جائے قیام ہوگا ﴿۷۶﴾

(۳۲) ان آیات کریمہ میں ”رحمن“ کے ان نیک بندوں کی نو صفات بیان کی گئی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فضل و کرم سے جنت عطا کرے گا:

ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ متکبر نہیں ہوتے، جب چلتے ہیں تو سکون و وقار کے ساتھ چلتے ہیں، اگر ڈر نہیں چلتے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ریاکاری میں بیاروں کی طرح چلتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس طرح چلتے تھے کہ جیسے اوپر سے نیچے اتر رہے ہوں۔ اور جب نادان لوگ انہیں کوئی غیر مناسب بات کہہ دیتے ہیں تو برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ ان کے شر سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کرتے ہیں یا کوئی ایسا جواب دیتے ہیں جس سے شرم ل جائے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ راتوں میں اٹھ کر نمازیں پڑھتے ہیں، اور اپنے رب کے حضور گریہ و زاری کرتے ہیں۔ سورۃ الذاریات آیات (۱۸/۱۷) میں ہے: ﴿كَانُوا أَقْبِلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۖ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۖ﴾ ”وہ لوگ راتوں کو بہت کم سوتے تھے، اور صبح کے وقت اللہ سے مغفرت مانگتے تھے“

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ کی طاعت و بندگی میں گزارنے کے باوجود جہنم کے عذاب سے شدید خائف ہوتے ہیں، اور دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! جہنم کے اس عذاب کو ہم سے نال دے جو کبھی ختم نہیں ہوگا، اور جو بدترین ٹھکانا ہوگا۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ مال خرچ کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں، نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں، اور نہ ہی بخل کی وجہ سے اپنی ذات کو اور اپنے اہل و عیال کو تنگی میں ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو سورۃ بنی اسرائیل آیت (۲۹) میں اسی میانہ روی کا حکم دیا ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ ”آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھے اور نہ اسے بالکل کھول دے جسے کہ پھر آپ ملامت کیا ہو اور ماندہ بیٹھ جائے“۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”آدمی کے سمجھدار ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے“۔ (مسند احمد)۔ نیز فرمایا ہے: ”جو میانہ روی اختیار کرے گا وہ محتاج نہیں ہوگا“۔ (مسند احمد)۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہیں جانتے ہیں، اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ کسی بے گناہ کو قتل نہیں کرتے ہیں (الایہ کہ کوئی شخص اسلام سے پھر جائے، یا شادی کرنے کے بعد زنا کرے، یا کسی کو بے سبب قتل کر دے) اور وہ لوگ زنا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ان تین گناہوں میں سے (جن کا ذکر پانچویں اور چھٹے نمبر میں آیا ہے) کوئی گناہ کرے گا وہ عذاب پائے گا، قیامت کے دن اس کا عذاب دو گنا کر دیا جائے گا، اور ذلت و رسوائی کے ساتھ ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔

صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور یہ کہ تم اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے قتل کر دو، اور یہ کہ تم اپنے پڑوسی

کی بیوی کے ساتھ زنا کرو، تو یہ آیت آپ ﷺ کی حدیث کی تائید میں نازل ہوئی۔

آیت (۷۰) میں اللہ تعالیٰ نے اس بھیگی کے عذاب سے ان لوگوں کو مستعفی قرار دیا ہے جو صدق دل سے تائب ہو جائیں گے، اللہ، رسول، آخرت اور دین اسلام پر ایمان لائیں گے اور اسلام کے فرائض خمسہ کی پابندی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اس لئے کہ وہ بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کئی سال تک ﴿يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا﴾ پڑھتے رہے، پھر آیت (۷۰) نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ اتنا زیادہ خوش ہوئے کہ میں نے آپ ﷺ کو اتنا خوش پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اور اس آیت اور سورۃ النساء کی آیت (۹۳) ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ کے درمیان تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ سورۃ النساء کی آیت اگرچہ مدنی ہے، لیکن مطلق ہے، اس لئے اسے اس آدی پر محمول کیا جائے گا جو توبہ نہیں کرے گا، اور سورۃ الفرقان کی یہ آیت توبہ کے ساتھ مقید ہے۔ سورۃ النساء میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے، میں نے اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اسے دیکھ لینا مفید رہے گا۔

آیت (۷۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے نزدیک وہی توبہ قابل اعتبار ہوگی جس کے بعد آدی گناہوں سے بالکل دور ہو جائے، ان پر نادم ہو، اور عمل صالح کے ذریعہ اپنے صدق توبہ کی دلیل فراہم کرے۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوتے جن میں جھوٹ بولا جاتا ہے اور باطل کی تائید کی جاتی ہے، اور نہ وہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک "الزُّوْد" سے مراد مشرکین کے ایام عید ہیں۔ یعنی وہ مشرکین کی عیدوں میں شریک نہیں ہوتے ہیں۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد "گانا" ہے یعنی موسیقی اور گانا نہیں سنتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جب کسی بے جا اور لغو قول و عمل کی مجلس سے گذرتے ہیں، تو اپنی عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

آٹھویں صفت یہ ہے کہ جب کوئی شخص قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر انہیں نصیحت کرتا ہے تو بہرے اور اندھے نہیں ہو جاتے ہیں (تاکہ نہ نصیحت سنیں اور نہ ان آیتوں کے اثرات کو دیکھ پائیں) بلکہ بہت ہی غور سے سنتے ہیں اور ان کے اثرات ان پر ظاہر ہوتے ہیں۔

ان کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ یعنی انہیں توفیق دے کہ وہ تیری بندگی کریں اور تیرے دین پر چلیں، تاکہ ان کی نیکی اور صالحیت سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

حسن بصری سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ بندہ مسلم اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے رشتہ داروں کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار دیکھے، اس سے بڑھ کر اس کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب اور کیا ہو سکتا ہے۔ ابن جریج نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ خویش و اقارب گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کر کے ہمارے لئے تنگ و عار کا سبب نہ بنیں۔

وہ یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بھلائی کے کاموں میں لوگوں کا پیشرو اور سردار بنا، یعنی ہمیں اور ہماری

قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝۲۶



اے میرے نبی! آپ کفار قریش سے کہہ دیجئے (۳۳) اگر تم میرے رب کی عبادت نہیں کرو گے تو وہ تمہاری پرواہ نہیں کرے گا، پس اب جبکہ تم نے رسول اور قرآن کی تکذیب کر دی ہے تو اس کی سزا تمہیں ضرور بھگتنی ہوگی ﴿۲۶﴾

سورۃ الشعراء مکی ہے، اس میں دو سو ستاس آیتیں، اور گیارہ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

اولاد کو بھلائی کے کاموں کی توفیق دے، اور ہمیں سردار بھی بنا، تاکہ لوگ خیر و صلاح کے کاموں میں ہماری اتباع کریں۔ نینسا پوری، قتال، سیوطی اور دیگر مفسرین نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ دینی امور اور بھلائی کے کاموں کے لئے سرداری طلب کرنا واجب ہے۔

اللہ کے جن نیک بندوں کے اندر یہ صفات پائی جائیں گی، ان سے ان کے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے رب کی بندگی کی راہ میں تمام تکلیفیں گوارا کیں اور حق پر قائم رہے، یہاں تک کہ جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اس جنت میں فرشتے انہیں مبارکبادی دیں گے اور ہمیشہ کے لئے امن و سلامتی اور سعادت و نیک نیتی کا پیغام پہنچائیں گے۔ اللہ کے وہ نیک بندے اس جنت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور وہ کیا ہی اچھی جائے رہائش ہوگی کہ جنہیں وہاں رہنا نصیب ہو جائے گا، وہ ہر آفات و بلیات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں گے۔

(۳۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ جن دانس کی بندگی کا محتاج نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، اس نے بندوں کی بھلائی کے لئے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے، انہیں طاعت و بندگی کا حکم دیا ہے، اور کفر و شرک کی راہ چھوڑ کر توحید کی راہ پر گامزن ہونے کی دعوت دی ہے۔ اس لئے جو لوگ اس کی دعوت کو ٹھکرا دیں گے، اس کے قرآن اور اس کے رسول کی تکذیب کریں گے، اور اس کے سوا غیروں کی عبادت کریں گے، انہیں لازمی طور پر عذاب دیا جائے گا۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد میدان بدر میں کفار مکہ کا قتل کیا جانا اور باقی ماندہ گانگنار کیا جانا ہے بعض لوگوں نے اس سے قیامت کے دن کا عذاب مراد لیا ہے، یعنی ان کے لئے قیامت کے دن دائمی عذاب لکھ دیا گیا ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ دنیاوی اور آخروی دونوں عذاب مراد لینے سے کوئی چیز نالغ نہیں ہے۔

تفسیر سورۃ الشعراء

نام : آیت (۲۲۳) ﴿وَالشُّعْرَاءُ يُتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ سے ماخوذ ہے۔ صاحب حاشیہ التذیل نے مفسر مہاجر کی حوالے سے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں رسولوں اور شعراء کے درمیان فرق بیان کر کے نبی کریم ﷺ کے مقام کو شاعروں

طَسْمَ ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ لَعَلَّكَ بَآخِعٌ نَّفْسَكَ ۝ إِن تَنظُرُ نَزْلَ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْيُنُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُخَدَّبٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۝ فَتَدَاكَدُ بِوَأْسِيَائِهِمِ الْبُتُورَ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

طَسْمَ (۱) ﴿۱﴾ یہ سورت اس قرآن کی آیتیں ہیں جو ہر بات کو بیان کرتا ہے ﴿۲﴾ شاید آپ اپنی جان ہلاک (۲) کر لیں گے اس غم میں کہ کفار ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۳﴾ اگر ہم چاہیں تو ان کے سامنے آسمان سے ایک نشانی اتار دیں، پس ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں ﴿۴﴾ ان کے پاس رحمن کی طرف سے جب بھی کوئی نئی نصیحت (۳) آتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ﴿۵﴾ پس اب جبکہ انہوں نے جھٹلادیا، تو جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اس کی حقیقت ان کے سامنے کھل کر آجائے گی ﴿۶﴾

سے ارفع و اعلیٰ ثابت کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "الشعراء" رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: آیت (۲۲۳) سے لے کر (۲۲۷) تک، اور آیت (۱۹۷) کے علاوہ باقی پوری سورت کی دور میں نازل ہوئی تھی۔ دانی کہتے ہیں، یہ روایت بسند صحیح ثابت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شعاعوں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کی، اور دونوں کی تائید و گروہ نہ کی، تو شعراء والی آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے مطابق پوری سورت کی ہے۔

(۱) بارہا لکھا جا چکا ہے کہ قرآنی سورتوں کی ابتدا میں جو حروف مقطعات آئے ہیں، ان کا معنی و مفہوم اللہ کو ہی زیادہ بہتر معلوم ہے۔ آیت (۲) میں قرآن کریم کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اسی لئے اشارہ "قریب" "ہذہ" کے بجائے اشارہ "بعید" "تلك" استعمال کیا گیا ہے، اور اس کتاب عظیم کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ یہ حق و باطل، اور ہدایت و گمراہی کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی گئی ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ پر اور قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے ہیں، تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کر لیجئے، آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے، اسے آپ نے انجام دے دیا، ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔ اور اگر ہم چاہتے کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دیں، تو ہمارے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ہم آسمان سے کوئی ایسی نشانی بھیج دیتے جسے دیکھ کر وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے، جیسے کسی پہاڑ یا کسی بڑے ستارے، یا کسی فرشتہ کو ان کے سروں کے اوپر لے آتے، اور مارے خوف و دہشت کے ان کی گردنیں جھک جاتیں کہ کب ان کے سروں پر گر کر انہیں ہلاک کر دے، اور اپنے آپ کو اس حال میں پا کر مجبوراً ایمان لے آتے، لیکن ایسا ایمان ان کے کسی کام کا نہیں ہوگا۔

(۳) کفار مکہ کے کفر و عناد اور ان کے تکبر اور ہٹ دھرمی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ قرآن کریم بدستور نازل ہو تا رہا، ایک آیت کے بعد دوسری آیت اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت، لیکن وہ لوگ قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب ہی کرتے رہے، ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ سورۃ الانبیاء آیت (۳) میں بھی تقریباً انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی قرآن کریم سے نفرت اور دوری بیان کی ہے۔ آیت (۶) میں ان کے اس کافرانہ رویہ پر دھمکی دی گئی ہے کہ چونکہ انہوں نے قرآن کو جھٹلادیا ہے اس لئے ان پر وہ عذاب آکر رہے گا جس کا مذاق اڑاتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرْوُا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَ
 إِنَّ رَبَّكَ لَهُو الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَإِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ أَنْتَ الْعَوْمُ الظَّالِمِينَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ أَلا يَتَّقُونَ ۝
 قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَلِّمُونِي ۝ وَيُضَيِّقُ صَدْرِي وَلَا يُنْتَظِرُ لِسَافِي فَأَرْسِلْ لِي هَارُونَ ۝

کیا وہ لوگ زمین (۳) کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کتنے سارے عمدہ پودے اگائے ہیں ﴿۷﴾ بے شک اس میں ایک نشانی ہے، لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۸﴾ اور بے شک آپ کا رب ہی زبردست، بے حد مہربان ہے ﴿۹﴾ اور جب آپ کے رب نے موسیٰ (۵) کو پکارا کہ آپ ظالم قوم کے پاس جاییں ﴿۱۰﴾ یعنی قوم فرعون کے پاس، کیا وہ ہماری گرفت سے ڈرتے نہیں ہیں ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے کہا، میرے رب! مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿۱۲﴾ اور میرا سینہ گھٹ جائے گا، اور میری زبان نہیں چلے گی، اس لئے تو ہارون کو بھی اپنا رسول بنا دے ﴿۱۳﴾

(۳) اگر مشرکین کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق پر غور کرتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر زمین اور اس میں پیدا ہونے والے پودوں کو لو، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انواع و اقسام کے بے شمار مفید پودے اور پھل پیدا کئے ہیں، جو اس کے کمال قدرت کی دلیل ہیں، لیکن ایمان باللہ وہ عظیم ترین نعمت ہے جس کی توفیق اللہ ان لوگوں کو نہیں دیتا جو اس کی نشانیوں میں غور نہیں کرتے ہیں، اور جو اپنے اختیار سے کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں۔

آیت (۹) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ صبر و شہادت قدمی کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہئے، اور حزن و ملال نہ کیجئے، اللہ ان کافروں سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر ہے، کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے، اور وہ اپنے نیک بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کی تسلی اور مشرکین مکہ کی تنبیہ کے لئے سات انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کئے جا رہے ہیں۔ یہ واقعات آپ ﷺ کے لئے باعث تسلی یوں تھے کہ جس طرح قریش نے آپ کو جھٹلایا تھا، اسی طرح گذشتہ قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی، اور انہوں نے دعوت کی راہ میں تکلیفوں پر صبر کیا تھا۔ بلا آخر اللہ تعالیٰ نے ان ظالم قوموں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اور مشرکین کے لئے تنبیہ اس طور پر تھی کہ کہیں فرعونوں اور دیگر کافر قوموں کی طرح تمہیں بھی ہلاک نہ کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کے رب نے موسیٰ کو کوہ طور کے پاس آواز دی (جس کی تفصیل سورہ طہ آیت (۱۱) اور اس کے بعد والی آیتوں میں گزر چکی ہے) اور کہا کہ آپ ظالم قوم، قوم فرعون کے پاس جاییں اور ان سے کہئے، کیا انہیں اللہ کے عذاب کا خوف نہیں ہے کہ کفر و سرکشی پر اصرار کر رہے ہیں، اور بنی اسرائیل پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں؟ تو موسیٰ نے اس عظیم ذمہ داری کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی ناتوانی کا اظہار کیا، اور اللہ سے دعا کی کہ میرے رب! مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے جس کے نتیجے میں میں تنگ دل ہو جاؤں گا، اور میری زبان میں جو کلمت پائی جاتی ہے، اس کے سبب پیغام رسائی کی ذمہ داری نہیں پوری کر سکوں گا، اس لئے میرے رب! تو جبریل کو میرے بھائی ہارون کے پاس وحی دے کر بھیج

وَأَلْهَمُوا عَلَىٰ ذُنُوبِكُمْ فَلَمَّا قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا يَا لَيْتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَأَتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ أَسْمَلَ مَعَانِبِي أَسْرَأَيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ الْمُرْتَبِكُ فِينَا وَابْنُهَا وَابْنُهَا مِنْ عَمْرِكِ سَيْنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعَلْتَكَ الْبَنِيُّ فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾

اور مجھ پر ان کے بارے میں ایک گناہ کا الزام (۶) بھی ہے، اس لئے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ﴿۱۵﴾ اللہ نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا، آپ دونوں میرے معجزات لے کر جاییے بے شک ہم آپ کے ساتھ ہوں گے، آپ سب کی گفتگو سنیں گے ﴿۱۶﴾ پس آپ دونوں فرعون کے پاس جاییے اور اس سے کہئے کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں ﴿۱۷﴾ تم بنی اسرائیل (۷) کو ہمارے ساتھ جانے دو ﴿۱۸﴾ فرعون نے کہا، کیا جب تم ایک چھوٹا سا بچہ (۸) تھے، تو ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی تھی؟ اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے درمیان نہیں گزارے تھے؟ ﴿۱۹﴾ اور تم وہ کام کر گئے تھے جو تم نے کیا تھا، اور تم تھے ہی ناشکر گزار ﴿۱۹﴾

دے، تاکہ وہ بھی تیرا رسول ہو جائے اور میری مدد کرے۔ سورہ طہ آیات (۳۰/۲۹) میں آیا ہے: ﴿وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي﴾ ہماروں آہنی ﴿﴾ میرے گھرانے سے میرا ایک وزیر مقرر کر دے، میرے بھائی ہارون کو مقرر کر دے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب نبی بنائے گئے تو وہ شام میں اور ہارون مصر میں تھے۔

(۶) موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا، اے میرے رب! میں نے قبطیوں کے حق میں ماضی میں ایک گناہ بھی کیا ہے یعنی جب میں مصر میں تھا تو غلطی سے ایک قبطی میرے ہاتھوں مارا گیا، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے کہیں قتل نہ کر دیں اور پیغام رسائی کا کام نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ آپ کو قتل کر دیں۔ آپ دونوں ہمارے معجزات لے کر جاییے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں، اور فرعون کو دعوت توحید دیتے وقت آپ دونوں کی اس سے جو بات ہوگی اسے ہم سنتے رہیں گے۔ سورہ طہ آیت (۳۶) میں آیا ہے: ﴿إِنِّي مَعَكُمْ مِّنْ أَسْمَعٍ وَأُذُنٍ﴾ بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔ اور اس اسلوب کلام سے مقصود موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی ہمت افزائی اور اللہ کی جانب سے انہیں یقین دہانی تھی کہ وہ ان دونوں کی حفاظت کرتا رہے گا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ دونوں فرعون کے پاس جاییے، اس سے کہئے کہ ہم دونوں رب العالمین کے پیغمبر ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ دونوں فرعون سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے، لیکن ایک سال تک انہیں اس کے دربار تک رسائی کی اجازت نہیں ملی۔ اللہ نے فرمایا آپ دونوں اس سے یہ بھی کہئے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ ملک شام جانے کی اجازت دے دو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا مصر میں قیام چار سو (۴۰۰) سال تک تھا۔ فرعون اور فرعونوں نے انہیں غلام بنا رکھا تھا، اور جب وہاں سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے تو ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

(۸) جابر و مشکوٰۃ اور اپنے آپ کو معبود سمجھنے والا فرعون یہ کہہ گوارہ کر سکتا تھا کہ اسی کے گھر میں پروردہ ایک معمولی اسرائیلی بچہ بڑا ہو کر اس کے بالمقابل کھڑا ہو، رسول ہونے کا دعویٰ کرے اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کرے۔ اسی لئے اس نے نہایت حقارت آمیز انداز میں کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے گھر میں پلا بڑھا تھا، اور ایک مدت تک ہمارے ساتھ رہا تھا، ہماری روٹی

قَالَ فَعَلَيْهَا إِذَا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۹﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ
 الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيْكَ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۱﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲﴾ قَالَ رَبُّ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۱۴﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
 آبَائِكُمُ الْأُولِينَ ﴿۱۵﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾

موسیٰ نے کہا میں وہ غلطی نادانستگی (۹) میں کر بیٹھا تھا ﴿۲۰﴾ پھر جب مجھے تمہارا ڈر ہوا تو تمہارے پاس سے بھاگ
 نکلا، تو میرے رب نے مجھے علم و حکمت عطا کی اور مجھے اپنے رسولوں میں سے بنا لیا ﴿۲۱﴾ اور وہ ایک نعمت تھی جس کا
 تم احسان جتا رہے ہو، تو اس کا سبب یہ تھا کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا، اور
 رب العالمین (۱۰) کون ہے؟ ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے کہا، وہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی تمام
 مخلوقات کا رب ہے، اگر تمہیں اس بات کا یقین ہو ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے کہا، کیا تم لوگ
 اس کی بات سن نہیں رہے ہو؟ ﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا، وہ تمہارا رب ہے، اور تمہارے گزرے ہوئے باپ دادوں کا
 رب ہے ﴿۲۶﴾ فرعون نے کہا، تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، واقعی پاگل ہے ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا، وہ
 مشرق و مغرب اور دونوں کے درمیان پائی جانے والی ہر چیز کا رب ہے، اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے ﴿۲۸﴾

کہا تارہا تھا، اور تو نے تو ہمارے دربار کے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو بڑا احسان فراموش ہے۔

(۹) موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا، میں نہیں سمجھتا تھا کہ ٹھوکر لگانے یا گھونسا مارنے سے وہ آدمی مر جائے گا، میرا
 مقصد اسے قتل کرنا ہرگز نہ تھا۔ میں تمہارے علاقے سے بھاگ کر مدین چلا گیا، اس ڈر سے کہ کہیں تم لوگ مجھے قتل نہ کر دو۔
 سورۃ القصص آیت (۲۰) میں آیا ہے کہ آل فرعون کے ہی ایک مرد مومن نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ فرعون کے دربار
 میں ان کے قتل کی سازش ہو رہی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ یہاں سے نکل کر کہیں اور چلے جائیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام وہاں
 سے نکل کر مدین چلے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مجھے اللہ نے حکمت و نبوت سے نوازا ہے، اور اپنا رسول بنایا ہے، اور مجھ پر اپنے جس احسان کا
 تم ذکر کر رہے ہو تو وہ لائق ذکر نہیں ہے، اس لئے کہ تم نے تو میری پوری قوم یعنی بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ مجھے تو تم
 نے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ تم نے اپنے گمان کے مطابق مجھے اپنا بیٹا بنا چاہا تھا، یہ بھی تمہاری خود غرضی تھی۔

آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جس احسان کا تم ذکر کر رہے ہو، اس کا محتاج میں اس لئے ہو گیا تھا کہ تم نے بنی اسرائیل
 کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، ان دنوں تم ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اگر تم یہ ظلم نہ کرتے تو میری ماں مجھے دریائے نیل میں ڈال
 دینے پر مجبور نہ ہوتی اور میں تمہارے گھر نہیں پہنچتا، اور آج تمہارے یہ طعنہ نہ سننے پڑتے۔

(۱۰) فرعون نے پوچھا، وہ رب العالمین جس کے تم دونوں رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو، وہ کون ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟
 مفسرین لکھتے ہیں کہ فرعون کے اس اسلوب کلام سے غایت درجہ کا تکبر اور اللہ تعالیٰ کی شان میں حد درجہ کی گستاخی عیاں تھی۔

قَالَ لَنْ اُخَذَتْ اِيَّاهَا غَيْرِي لَجَعَلْتَكِ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿۱۰﴾ قَالَ اَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾ قَالَ فَاْتِ بِآيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۲﴾

فرعون نے کہا، اگر تم نے میرے سوا کوئی اور معبود (۱۱) بنایا تو تمہیں جیل میں ڈال دوں گا ﴿۱۰﴾ موسیٰ نے کہا، اگرچہ میں تمہارے سامنے (اپنی صداقت کی) ایک واضح دلیل پیش کر دوں؟ ﴿۱۱﴾ فرعون نے کہا، اگر تم سچے ہو تو اسے پیش کرو ﴿۱۲﴾

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین وہی ہے جو آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے۔ اور اگر تم کسی چیز پر یقین کرنا جانتے ہو تو یہ بات بدرجہ اولیٰ یقین کرنے کی ہے، اس لئے کہ اس کے دلائل آفتاب کی طرح روشن ہیں۔

فرعون، ان کا یہ جواب سن کر سرداران قوم اور ارکان حکومت کی طرف متوجہ ہوا، اور کبر و غرور کے ساتھ کہنے لگا کہ ذرا تم لوگ اس کی بات تو سنو، میں اس سے اس کے رب کی حقیقت پوچھ رہا ہوں، اور وہ اس کے افعال بتا رہا ہے؟ یعنی میرے علاوہ کوئی رب العالمین ہے ہی نہیں تو وہ کیسے اپنے کسی دوسرے رب کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو اور اپنی پوری قوم کو دھوکہ دے رہا ہے، اور حقیقت کا اعتراف کرنے سے کتر رہا ہے، تو اس کی اور حاضرین مجلس کی مزید آنکھیں کھول دینے کے لئے انہوں نے کہا کہ وہی جو تمہارا رب ہے اور تمہارے گذشتہ آباء و اجداد کا رب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے صراحت کر دی کہ اے فرعون! تم رب العالمین کا ایک حقیر بندہ ہو، رب نہیں، اور اے فرعون کے ماننے والو! تم رب العالمین کو چھوڑ کر اس کے ایک حقیر بندہ، یعنی فرعون کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ فرعون جب بالکل لاجواب ہو گیا، تو اپنی قوم کو مطمئن کرنے کے لئے کہنے لگا کہ موسیٰ پاگل ہو گیا ہے، اور اس کی بات پاگلوں کی بڑ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ تھوڑی سی عقل والا آدمی بھی اسے سمجھتا ہے، یعنی اے فرعون! صرف تمہاری عقل ماری گئی ہے کہ اتنی صاف ستھری بات تمہیں سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مشرق و مغرب کا رب ہونے کی بات اس لئے کی تاکہ فرعون کے دماغ میں یہ بات آسکے کہ آفتاب کو مشرق سے نکالنے اور مغرب میں ڈبونے پر ان کا معبود فرعون قادر نہیں ہے، تو پھر وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ اور تاکہ فرعون کو بتائیں کہ تم تو صرف ایک ملک کے بادشاہ ہو، دوسرے ملکوں پر تمہارا کوئی اختیار نہیں ہے، اور رب العالمین تو وہ ہے جس کی بادشاہی مشرق سے لے کر مغرب تک سارے عالم پر ہے۔

(۱۱) فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی اس معقول اور مدلل گفتگو سے بالکل لاجواب ہو گیا، اور اسے یقین ہو گیا کہ موسیٰ اپنی دعوت کو پھیلانے کے لئے عزم صادق کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، تو ڈرانے اور دھمکانے والا طریقہ اختیار کیا جو ہمیشہ ان متکبروں کا طریقہ رہا ہے جن کے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے دلائل نہیں ہوتے۔

فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۲﴾ وَنَزَعْنَا مِنْهَا آيَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا لِيَقُولُوا وَاللَّهِ إِنَّا كُنَّا بِآيَاتِهِ قَوْمًا مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَقَالَ لِّلْمَلَائِكَةِ إِن هَٰذَا السَّحَرُ عَلَيْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُخْرِجُكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمْ فَمَاذَا كَأْمُرُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۱۵﴾ يَا تَوَكَّلْ بِكُلِّ سَعَاءٍ عَلِيمٍ ﴿۱۶﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لَيْلِيَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿۱۷﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُّجْتَمِعُونَ ﴿۱۸﴾ لَعَلَّكَ نَذِيرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا لِيَتَّقُوا يَوْمَهُمُ الْعَذَابُ بَئِيسَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

چنانچہ موسیٰ نے اپنی لاٹھی (۱۲) (زمین پر) ڈال دی، تو وہ اچانک ایک نمایاں اژدھا بن گئی ﴿۱۲﴾ اور اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کو سفید خوبصورت چمکدار نظر آنے لگا ﴿۱۳﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد موجود سرداروں سے کہا (۱۳) یہ تو یقیناً بڑا ماہر جادوگر ہے ﴿۱۳﴾ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سر زمین سے نکال دینا چاہتا ہے تو اب تم لوگ مجھے کیا مشورہ دیتے ہو ﴿۱۴﴾ سرداروں نے کہا، آپ اُسے اور اُس کے بھائی کو کچھ دنوں کے لئے بند کر دیجئے، اور شہروں میں اپنے نمائندے بھیج دیجئے ﴿۱۵﴾ جو آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ﴿۱۶﴾ چنانچہ تمام جادوگر ایک مقرر دن میں متعین وقت پر جمع کر لئے گئے ﴿۱۷﴾ اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ کیا تم سب جمع ہو رہے ہو؟ ﴿۱۸﴾ تاکہ جب ہم جادوگروں کو غالب ہوتا دیکھ لیں تو انہی کی پیروی کریں ﴿۱۹﴾

اس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تمہیں جیل کی اندھیر کوٹھری میں ڈال دوں گا جہاں مر کر سڑگل جاؤ گے۔ کہتے ہیں کہ فرعون کی جیل قتل سے بدتر تھی، جہاں ہر آدمی کو زمین کے نیچے ایک تنگ اور گہری کھائی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہیں مر جاتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس کا یہ جواب سن کر سمجھ لیا کہ فرعون ان کے دلائل کے سامنے بالکل لاجواب ہو گیا ہے، اور اس میں ایک گونہ کمزوری آگئی ہے، اسی لئے انہوں نے نرم اسلوب کلام اختیار کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کا معجزہ پیش کروں جو ثابت کر دے گا کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں؟ تو فرعون نے کہا ہاں، اگر سچے ہو تو پیش کرو۔

(۱۲) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، تو ایک سچ مچ کا سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ کہتے ہیں کہ وہ سانپ کچھ دیر کے بعد فرعون کی طرف بڑھنے لگا، تو اس نے ڈر کے مارے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے اس رب کی قسم جس نے تمہیں بھیجا ہے، اسے پکڑ لو، موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا، تو وہ لاٹھی بن گیا۔ اور انہوں نے اپنے گریبان سے اپنا ہاتھ نکالا، تو وہ بغیر برص کی بیماری کے خوبصورت چمکتا ہوا نظر آنے لگا۔

(۱۳) فرعون دنوں نشانی دیکھ کر تازہ گیا کہ یہ کوئی مافوق العادہ چیز ہے، لیکن اس نے اپنے ارد گرد فرعونیوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے کہا کہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہاری سر زمین پر قابض ہو جائے اور تمہیں اس سے بے دخل کر دے۔ اس نے یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پھیلانے کے لئے کہی، تاکہ لوگ ان کی بات نہ مانیں۔ فرعون نے کہا کہ اس کے بارے میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ وہی فرعون تھا جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اور اب جبکہ اس کی ربوبیت زوال پذیر تھی، اور اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا، تو وہ لوگوں کی تائید حاصل کرنے، اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لئے، انہیں احساس

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِعِزْرُونَ إِن لَنَا لَأَجْرٌ إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنِّي إِذًا لَمِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوَامَا أَنْتُمْ تُلْقُونَ ۝ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعَصِيَّتَهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سِهْنَهُمْ ۝ قَالُوا آمِنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ۝

پس جب جادوگر (میدان میں) آئے، تو انہوں نے فرعون سے کہا (۱۳) اگر ہم جیت گئے تو کیا ہمیں اس کا کوئی معاوضہ ملے گا ﴿۳۱﴾ فرعون نے کہا، ہاں، اور تب تم سب میرے مقرب درباریوں میں سے بن جاؤ گے ﴿۳۲﴾ موسیٰ نے ان سے کہا (۱۵) تمہیں جو کچھ پیش کرنا ہے، پیش کرو ﴿۳۳﴾ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں، اور کہا، فرعون کی عزت و بزرگی کی قسم! ہم یقیناً غالب ہوں گے ﴿۳۴﴾ تب موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی جو دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پُر فریب کرتیوں کو ٹنگتی چلی گئی ﴿۳۵﴾ اور جادوگر سجدے (۱۶) میں چلے گئے ﴿۳۶﴾ کہنے لگے کہ ہم سب رب العالمین پر ایمان لے آئے ﴿۳۷﴾ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ﴿۳۸﴾

دلارہا تھا کہ وہ لوگ اس لائق ہیں کہ ان سے مشورہ کیا جائے۔

فرعونیوں نے اس سے کہا کہ آپ ان دونوں بھائیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے، اور اپنا آرڈر دے دیجئے کہ ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس کے حکم کے مطابق فرعونیوں کی عید کے دن صبح کے وقت سارے جادوگر جمع ہو گئے۔ اور تمام لوگوں کو وقت پر جمع ہو جانے کی خوب ترغیب دلائی گئی، تاکہ موسیٰ اور جادوگروں کا مقابلہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اور موسیٰ کی شکست کا نظارہ کریں اور اس پر ایمان نہ لے آئیں۔ لیکن ان کے اس جدوجہد سے موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پوری ہوئی کہ جب اللہ کا معجزہ ظاہر ہو تو سب لوگ اسے دیکھیں، تاکہ حق و باطل ان کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جائے۔

(۱۳) جب تمام جادوگر مقابلے کے میدان میں اکٹھا ہو گئے، تو انہوں نے فرعون کو اپنی حیثیت کا احساس دلانے اور موقع سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے، اس سے پوچھا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آگئے تو کیا ہمیں داد و ہش سے نوازا جائے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا کہ تمہیں تمہاری اجرت ملے گی، اور مزید برآں تمہیں دربار کے خاص لوگوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

(۱۵) جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ پہلے تم اپنی جادوگری کا مظاہرہ کر دو گے، یا ہم لوگ کریں؟ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ پہلے تم ہی لوگ جو کرنا چاہتے ہو کرو۔ تو جادوگروں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں میدان میں ڈال دیں، اور ڈالتے وقت فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ یقیناً میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان سانپوں سے بھر گیا، اور موسیٰ علیہ السلام یہ خوفناک منظر دیکھ کر دل میں ڈر گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دیجئے، لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ ایک ہیبت ناک سانپ بن کر جادوگروں کے تمام جموٹے سانپوں کو نگل گئی۔

قَالَ امْنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ اذِنَ لَكُمْ رَبُّهُ لَكَيْدِكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَكُفُّوا عَنْ تَعْلَمُونَ لَا تَقْطَعُوا أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا تُصَلِّبُوا أَعْمَعِينَ ۗ كَالَّذِي أُخَذَ الرِّجَالُ وَالْأَنْفُ إِلَى رِبْتِنَا مُنْقَلَبُونَ ۗ إِنَّا نُنْظِرُ مَنْ يُغْفِرُ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا أَنْ لَنَا أَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ

فرعون نے کہا، تم لوگ مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے، یقیناً یہی تم سب کا استاذ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، تو اب عنقریب تم لوگ اپنا انجام دیکھ لو گے، میں تم سب کے ایک ایک ہاتھ اور دوسری جانب کے ایک ایک پاؤں کاٹ دوں گا، اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا ﴿۲۹﴾ انہوں نے کہا، ہمارا اس سے کوئی حرج نہیں ہے، ہمیں بہر حال اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے ﴿۵۰﴾ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا، اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں ﴿۵۱﴾

(۱۶) جادو گر یہ منظر دیکھ کر فوراً ایمان لے آئے اور سجدے میں گر گئے، انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں، بلکہ اللہ کا عطا کیا ہوا معجزہ ہے، اور موسیٰ جادو گر نہیں، بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ وہاں جو کچھ واقع ہوا، وہ اس بات کی دلیل تھی کہ جادو سے چیزوں کی حقیقت نہیں بدل جاتی، بلکہ آنکھوں کے سامنے ایک خیالی چیز پیش کی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ ہر فن میں مہارت تامہ مفید ہے، جیسا کہ ان جادو گروں نے فن سحر میں مہارت رکھنے کی وجہ سے فوراً سمجھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ جادو گروں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ہیں، جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

فرعون جادو گروں کے یگانگ ایمان لے آنے سے ڈر گیا کہ کہیں پوری قوم نہ ایمان لے آئے، اور وہ تجاہد جائے، اس لئے اس نے دھمکی دیتے ہوئے جادو گروں سے کہا کہ تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو، اب مجھے معلوم ہوا کہ موسیٰ ہی وہ بڑا جادو گر ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ فرعون اگرچہ کسی ایسی بات کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے موسیٰ کی بڑائی ثابت ہو، لیکن یہاں اس کا مقصد عام لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ موسیٰ بھی ایک جادو گر ہے، اور اسی نے دوسروں کو جادو کی تعلیم دی ہے، یعنی یہ کوئی معجزہ نہیں ہے جو موسیٰ کے رب نے اسے عطا کیا ہے۔

فرعون نے کہا: تمہیں عنقریب اپنے کئے کا انجام معلوم ہو جائے گا، میں تم میں سے ہر ایک کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا ایک پاؤں کاٹ دوں گا، اور کھجور کے درختوں پر سولی دے کر لٹکا دوں گا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ فرعون نے ان مسلمانوں کو سولی دے دی تھی، اور بعض کہتے ہیں کہ اس نے ایسا نہیں کیا تھا، اور قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ اس نے اپنے کہے پر عمل کیا تھا۔

مسلمان جادو گروں نے اس کے جواب میں کہا کہ دنیاوی سزا سے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا، بلکہ اگر ہم قتل کر دیئے جائیں گے تو اپنے رب کے پاس اجر عظیم لے کر جائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے کفر اور جادو گری کے گناہ کو اس وجہ سے معاف کر دے گا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد ہم لوگ پوری قوم سے پہلے ایمان لے آئے ہیں۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيٰ إِنَّكَ مُتَّبَعُونَ ﴿۵۲﴾ فَأَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لِعَاظُونَ ﴿۵۵﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَزُونَ ﴿۵۶﴾ فَاخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۷﴾ كَلُوزٍ وَمَقَامِرٍ كَرِيمٍ ﴿۵۸﴾ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۵۹﴾ فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّ الْكُفْرَانَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۶۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کو بذریعہ وحی حکم (۵۲) دیا کہ آپ ہمارے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جائیے، اس لئے کہ آپ لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا ﴿۵۲﴾ اس کے بعد فرعون نے (فوج جمع کرنے کے لئے) شہروں میں اپنے نمائندے بھیج دیئے ﴿۵۳﴾ اس پیغام کے ساتھ کہ بنی اسرائیل (ہمارے مقابلے میں) بہت تھوڑی تعداد میں ہیں ﴿۵۴﴾ اور انہوں نے ہمارے غیظ و غضب کو بھڑکا دیا ہے ﴿۵۵﴾ اور ہم سب پورے طور پر چونکا اور دشمن کے مقابلے کے لئے تیار ہیں ﴿۵۶﴾ پس ہم نے انہیں (اس طرح) ان کے باغات (۱۸) اور چشموں ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور عالی شان مکانات سے نکال باہر کیا ﴿۵۸﴾ ہم نے ان کے ساتھ ایسا کیا، اور ان تمام چیزوں کا مالک بنی اسرائیل کو بنادیا ﴿۵۹﴾ پس وہ لوگ صبح کے وقت (۱۹) ان کے قریب پہنچ گئے ﴿۶۰﴾ جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو نظر آنے لگیں، تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا، اب ہم یقیناً پکڑ لئے گئے ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے کہا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور میری مدد کرے گا ﴿۶۲﴾

(۱۷) اس عظیم کامیابی کے کئی سال بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت خشکی کے بجائے سمندر کی طرف چل پڑیں، اور انہیں بتادیا کہ فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ کا پیچھا کرے گا، لیکن آپ بڑھتے چلے جائیے گا وہ لوگ آپ لوگوں کو نہیں پکڑ سکیں گے۔

فرعون کو جب خبر ہوئی تو اس نے اپنی فوجوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دے دیا، اور بنی اسرائیل کو ان کی نگاہوں میں کمزور ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ ان کی تعداد ہی کیا ہے، ان کی حرکتوں نے ہمیں ناراض کر دیا ہے۔

واحدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق فرعونیوں کی تعداد شمار میں نہیں آتی تھی، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی، اور ان کا مقدمۃ الجیش سات لاکھ پر مشتمل تھا۔

فرعون نے کہا کہ ہم موسیٰ اور بنی اسرائیل کے مکر سے خوب واقف ہیں، اور ان کے شر سے بچنے کے لئے چونکا ہیں، اس لئے اے میری فوج کے جوانو! انہیں جلد از جلد جالو، اور گھیر کر ہمارے پاس واپس لاؤ۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں کشاں کشاں سر زمین مصر، اس کے باغات، نہروں، خزانوں اور عیش کی جگہوں سے دور کر کے پیچھے لگادیا، اور اس طرح ہم نے انہیں ان کے گھروں اور املاک اور جائیدادوں سے الگ کر دیا، اور بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنادیا۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ فرعونیوں کے غرق ہو جانے کے بعد بنی اسرائیل واپس آئے اور مصر کے مالک بن گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل واپس نہیں آئے، اور یہاں وراثت سے مراد فرعونیوں کے زیورات ہیں جو بنی اسرائیل

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اصْرَفْ بِعَصَاكَ الْبَعْرَةَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالظَّوَادِ الْعَظِيمَةِ ۗ وَأَلْقَيْنَا مَاءَ
الْأَخْرُسِ ۗ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۗ شِعْرَ أَخْرُسْنَا الْأَخْرُسِينَ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ
أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُو الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۗ وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۗ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا
تَعْبُدُونَ ۗ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظُرُ لَهَا غَافِقِينَ ۗ

تو ہم نے موسیٰ سے بذریعہ وحی کہا کہ آپ اپنی لاشھی (۲۰) سمندر کے پانی پر پاریے (انہوں نے ایسا ہی کیا) اور سمندر (دو حصوں میں) پھٹ گیا، اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کے مانند ہو گیا ﴿۶۳﴾ اور ہم دوسروں کو بھی اس کے قریب لے آئے ﴿۶۳﴾ اور موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے بچا لیا ﴿۶۵﴾ پھر دوسروں کو ڈبو دیا ﴿۶۶﴾ یقیناً اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۶۷﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑی عزت والا ہے، بے حد مہربان ہے ﴿۶۸﴾ اور آپ ان (کافروں) کو ابراہیم کا واقعہ (۲۱) سنا دیجئے ﴿۶۹﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو ﴿۷۰﴾ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور انہی کی مجاوری کرتے ہیں ﴿۷۱﴾

نے اللہ کے حکم سے ان سے اُدھار لیا تھا۔

(۱۹) فرعون اور اس کی فوج کے لوگ طلوع آفتاب کے وقت، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے قریب پہنچ گئے، جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے، تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی مارے ڈر کے کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لئے گئے، تو انہوں نے پورے ایمان و یقین کے ساتھ کہا کہ ہر گز نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، میرا رب میرے ساتھ ہے، اور وہ راہ نجات کی طرف میری ضرور رہنمائی کرے گا۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ اپنی لاشھی سمندر کے پانی پر پاریے، انہوں نے ایسا ہی کیا، اور آل یعقوب کے بارہ گروہوں کے لئے سمندر میں بارہ راستے بن گئے، اور پانی اونچے پہاڑ کی طرح دونوں کناروں پر کھڑا ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ فرعون اور اس کی فوجوں کو سمندر کے قریب لاتا گیا، اور موسیٰ اور ان کے ساتھی سمندر میں بنے راستوں سے گذر کر دوسری طرف چلے گئے۔ فرعون نے بھی اپنی فوج کے ساتھ انہی راستوں سے گذرنا چاہا، اور جب وہ بچ سمندر میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی طرح کھڑے پانی کو ان پر لوٹا دیا، اور سب کے سب ڈوب گئے۔

آیت (۶۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ اور فرعون کا یہ واقعہ بہت ہی عبرت انگیز ہے، اور اللہ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔ نیز فرمایا کہ فرعونوں میں سے صرف چند ہی ایمان لائے، جیسے حزقیل اور ان کی ایک بیٹی، فرعون کی بیوی آسیہ اور دیگر چند افراد، باقی سب فرعونوں ہی کی پیروی کرتے رہے، یہاں تک کہ غرقاب ہو گئے۔

آیت (۶۸) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کا رب ہر حال میں غالب ہے اور اپنے دشمنوں سے ضرور انتقام لیتا ہے، اور اپنے نیک بندوں پر رحم کرتا ہے اور انہیں تکلیف و مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

(۲۱) موسیٰ علیہ السلام کے بعد اب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ قریش ابراہیم علیہ السلام کی

قَالَ هَلْ يَسْبُغُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۖ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۗ
 قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۗ إِنَّكُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۗ وَاللَّهُمَّ عَذِّبُوا لِي الْأَرْبَابَ الْعَالِمِينَ ۗ وَالَّذِي
 خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۗ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۗ وَإِذَا امْرَأَتِي فَهُوَ يُمِيتُنِي ثُمَّ
 يُحْيِينِ ۗ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۗ

ابراہیم نے پوچھا (۲۲) تم جب انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں ﴿۷۲﴾ یا وہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں ﴿۷۳﴾ انہوں نے جواب دیا، ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے ﴿۷۴﴾ ابراہیم نے کہا (۲۳) کیا تمہیں معلوم ہے کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو ﴿۷۵﴾ تم اور تمہارے گذرے ہوئے باپ دادے ﴿۷۶﴾ بے شک وہ تمام میرے دشمن ہیں، سوائے رب العالمین کے ﴿۷۷﴾ جس نے مجھے پیدا (۲۴) کیا ہے، پھر وہ میری رہنمائی کرتا ہے ﴿۷۸﴾ اور جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے ﴿۷۹﴾ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے ﴿۸۰﴾ اور جو مجھے موت دے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا ﴿۸۱﴾ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ میرے گناہ معاف کر دے گا ﴿۸۲﴾

دعوتی زندگی کے حالات سن کر نصیحت حاصل کریں، اسلام لے آئیں، اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ مشرکین قریش کو ابراہیم کی داستانِ توحید سنا دیجئے، جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ابراہیم جانتے تھے کہ وہ لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں، لیکن ان کا مقصد ان کے جواب سے یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ بت اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ ابراہیم کے باپ آزر اور ان کی قوم کے دیگر افراد نے فخر کے طور پر کہا کہ ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اور دن بھر ان کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، یعنی رات کے وقت ستاروں کی، اور دن میں انہیں ستاروں کے جسموں کی پرستش کرتے ہیں۔

(۲۲) ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا، کہ جب تم لوگ ان بتوں کو پکارتے ہو تو کیا یہ سنتے ہیں، یا تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں، یا اگر تم ان کی عبادت کرنی چھوڑ دو تو کیا تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس سوال کا مقصد ان کے دین کا فساد ثابت کرنا تھا۔ اس لئے کہ اس کا جواب ان کے پاس اس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا کہ واقعی یہ بت نہ ہماری پکار کا جواب دیتے ہیں اور نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تو گویا ان کی عبادت لہو و لعب اور حماقت کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔ اسی لئے مشرکین نے اپنے کفر و شرک پر اصرار کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں، اس لئے ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور اس پر سختی سے قائم رہیں گے۔

حازن نے آیت (۷۳) کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ دینی امور میں تقلید کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور صرف دلائل سے ثابت شدہ احکام کو قبول کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

(۲۳) ابراہیم علیہ السلام نے کہا تو پھر تم سب جان لو کہ جن بتوں کی تم اور تمہارے آباء و اجداد پرستش کرتے رہے ہیں، مجھے ان سب سے دشمنی ہے، سوائے رب العالمین کے جو دنیا و آخرت میں میرا آقا و مولیٰ ہے۔ اس لئے میں صرف اسی کی عبادت کرتا

رَبِّ هَبْ لِي مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَا رَحِيمُ ۝ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ
جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ وَاعْفُرْ لِي رَبِّ إِنِّي كَانُ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝
إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝

میرے رب! مجھے علم و حکمت (۲۵) عطا کر، اور (قیامت کے دن) مجھے نیک لوگوں میں شامل کر دے ﴿۸۳﴾ اور
آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھ ﴿۸۴﴾ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے حقداروں میں بنا دے ﴿۸۵﴾ اور
میرے باپ کو معاف کر دے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا ﴿۸۶﴾ اور جس دن وہ لوگ (اپنی قبروں) سے
اٹھائے جائیں گے، اس دن مجھے رسوا نہ کر ﴿۸۷﴾ جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا اور نہ اولاد ﴿۸۸﴾ سوائے اس
آدمی کے جو (گناہوں سے) پاک دل لئے اللہ کے سامنے آئے گا ﴿۸۹﴾

ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام یہ کہنا چاہتے تھے کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں، لیکن انہیں اپنا دشمن بتایا یعنی جس طرح یہ میرے دشمن
ہیں تمہارے بھی دشمن ہیں، تاکہ مخاطب ان کی نصیحت کو بطیب خاطر قبول کر لے۔

(۲۳) ابراہیم علیہ السلام نے کہا، میں صرف اس رب العالمین کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور جو دین و دنیا
کی ہر بھلائی کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے، اور جو مجھے کھلا تا اور پلاتا ہے، یعنی اس نے مجھے روزی دینے کے لئے تمام آسمانی اور
زمینی اسباب مہیا کئے، بادل بھیجا، پانی برسایا، زمین کو زندگی دی اور انواع و اقسام کے پھل اور غذائی مادے پیدا کئے، اور پانی کو صاف
شفاف اور میٹھا بنایا جسے جانور اور انسان کبھی پیتے ہیں۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں، تو مجھے شفا دینے پر اس کے سوا کوئی قادر
نہیں ہوتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ادب کے طور پر بیماری کو اپنی طرف اور شفا کو اللہ کی طرف منسوب کیا،
ورنہ معلوم ہے کہ بیماری اور شفا دونوں ہی اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں
ہے۔ اس رب العالمین کی صفت یہ بھی ہے کہ وہی تمام انسانوں کو موت دیتا ہے، اور قرب قیامت کے وقت وہ سب کو دوبارہ
زندہ کرے گا۔ اور اسی سے امید کی جاتی ہے کہ قیامت کے دن وہ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت (۸۲) میں "خطیئة" سے مراد وہ تین باتیں ہیں جنہیں ابراہیم علیہ السلام گناہ سمجھتے تھے،
اور جنہیں یاد کر کے قیامت کے دن لوگوں کے لئے شفاعت کرنے سے گریز کریں گے۔ پہلی بات: بتوں کو توڑنے کے بعد ان
کا یہ کہنا کہ یہ کام سب سے بڑے بت نے کیا ہے۔ دوسری بات: ان کا یہ کہنا کہ میں بیمار ہوں، تاکہ اپنی قوم کے ساتھ عید کے
کھیل کود میں شریک نہ ہوں، اور ان کے چلے جانے کے بعد بتوں کا صفایا کر دیں۔ اور تیسری بات: ظالم بادشاہ کے سامنے سارہ
کواچی بہن بتاتا ہے، تاکہ وہ زبردستی انہیں اپنے پاس نہ رکھ لے۔

(۲۵) ابراہیم علیہ السلام جب اپنے رب کی تعریف، اس کی حمد و ثنا اور اس کی گونا گوں نعمتوں کو بیان کر چکے، تو انہوں نے اپنے
دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھادیئے، اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ کہا، میرے رب! مجھے علم و فہم میں کمال عطا فرمایا، اور انبیاء
کی طرح عمل صالح کی توفیق دے، اور جنت میں ان کا مجھے ساتھی بنا، اور دوسروں کے لئے مجھے خیر کا نمونہ بنا، اور آئندہ آنے والی
نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھ۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲۷﴾ وَبُورَتِ الْحَبِيمَةُ لِّلْعَٰوِينَ ﴿۲۸﴾ وَقِيلَ لَهُمْ إِنَّمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۲۹﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُم مَّا يَدْعُونَ ﴿۳۰﴾ فَكُتِبُوا فِيهَا هُم وَالْعَٰوَانُ ﴿۳۱﴾ وَجُنُودُ الْإِبْلِيسِ أَجْمَعُونَ ﴿۳۲﴾ قَالُوا هُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۳﴾ تَاللَّهِ إِنَّ كُفَّالْبَغِيِّ ضَلَالٌ مُّبِينٌ ﴿۳۴﴾ إِذْ نُسِيتُكُمْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾

اور متقیوں کے لئے جنت قریب (۲۷) کر دی جائے گی ﴿۲۷﴾ اور جہنم گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی ﴿۲۸﴾ اور ان سے کہا جائے گا، کہاں ہیں وہ معبودانِ باطل جن کی تم پرستش کرتے تھے ﴿۲۹﴾ بجائے اللہ کے، کیا وہ تمہاری مدد کریں گے، یا آپ اپنی مدد کر سکیں گے ﴿۳۰﴾ پھر وہ جھوٹے معبود اور گمراہ پیر و کار جہنم میں منہ کے بل ڈال دیئے جائیں گے ﴿۳۱﴾ اور شیطان کے لشکر بھی (کبھی اس میں ڈال دیئے جائیں گے) ﴿۳۲﴾ اور اس میں جب اپنے معبودوں سے جھگڑ (۲۷) رہے ہوں گے، تو کہیں گے ﴿۳۳﴾ اللہ کی قسم! ہم تو بڑی کھلی گمراہی میں تھے ﴿۳۴﴾ کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے ﴿۳۵﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، جس کے نتیجے میں تمام اداان والے ان سے محبت کرتے ہیں، اور ان کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ امام مالک نے اس آیت سے اور اسی جیسی دیگر آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ اگر عمل صالح سے انسان کی نیت اللہ کی رضا حاصل کرنی ہو اور یہ بھی چاہے کہ دنیا والے اسے اچھا کہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

انہوں نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا، میرے رب! مجھے بے شمار نعمتوں والی جنت کا وارث بنا۔ یعنی ان میں سے بنا جنہیں تو بغیر منت و مشقت کے جنت عطا فرمائے گا، جیسے انسان کو وراثت بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہے۔ اور میرے رب! میرے باپ کی مغفرت فرمادے، اس لئے کہ اس نے جہالت و نادانی کی وجہ سے تیرے ساتھ غیروں کو شریک بنایا ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے یہ دعا، اور سورۃ ابراہیم آیت (۳۱) میں مذکور دعا، اس وقت کی تھی جب انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ آیت (۱۱۳) میں گزر چکا ہے۔

ابراہیم نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا کہ میرے رب! جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے، اس دن لوگوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا، یا قیامت کے دن مجھے عذاب نہ دینا، جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، صرف وہ آدمی جہنم کے عذاب سے بچ سکے گا جس کا دل دنیا میں کفر و شرک، نفاق اور دیگر مذموم اخلاق و عادات سے محفوظ ہوگا۔ ایسے ہی آدمی کا نیک عمل قیامت کے دن اس کے کام آئے گا۔

(۲۷) قیامت کے دن جنت نیک بختوں کے قریب کر دی جائے گی جسے دیکھ کر وہ خوش ہوں گے، اور جہنم بد بختوں کے سامنے کر دی جائے گی جسے دیکھ کر غم و حسرت سے ان کے دل پارہ پارہ ہوں گے۔ اور جنہیوں سے کہا جائے گا کہ جن معبودوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے وہ کہاں چلے گئے، انہیں ہمارے سامنے لاؤ، کیا آج وہ تم سے یا اپنے آپ سے عذاب کو ٹال سکیں گے۔ یہاں "معبود" سے شیاطین اور جن وانس کے وہ مجرمین مراد ہیں جو دنیا میں اپنے لئے شرک کو گوارا کرتے تھے۔

آیات (۹۵/۹۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں اور ان کی عبادت کرنے والے گمراہوں کو منہ کے بل تھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جس میں لڑھکتے ہوئے اُس کی آخری کھائی تک پہنچ جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ ابلیس کے ان پیر و کاروں اور مددگاروں کو بھی اس میں ڈال دیا جائے گا جو لوگوں کو شرک و معاصی اور زمین میں فساد اور ارتکاب جرائم پر ابھارتے تھے۔

وَمَا أَصَلْنَا إِلَّا الْجَبْرُونَ ﴿۲۸﴾ مَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَا صِدْقٍ حَيْبِينَ ﴿۳۰﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتُكَّرُونَ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۳۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ
 الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۳۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا

اور ہمیں تو بڑے مجرموں نے گمراہ کیا تھا ﴿۹۹﴾ پس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے ﴿۱۰۰﴾ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے ﴿۱۰۱﴾ کاش ہم دوبارہ دنیا میں بھیج (۲۸) دیئے جاتے، تو ایمان لے آتے ﴿۱۰۲﴾ بے شک اس واقعہ میں ایک نشانی (۲۹) ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۰۳﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑی عزت والا، بے حد مہربان ہے ﴿۱۰۴﴾ نوح کی قوم (۳۰) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿۱۰۵﴾ جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا، کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو ﴿۱۰۶﴾ بے شک میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں ﴿۱۰۷﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۰۸﴾

(۲۷) مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جھگڑیں گے، اور کہیں گے، اللہ کی قسم! ہم جو تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے، اور تمہاری عبادت کرتے تھے، تو ہم کھلی گمراہی میں تھے، اور ہماری گمراہی کے ذمہ دار تم ہی مجرمین ہو تم نے ہی ہمیں شرک و کفر اور گمراہی و سرکشی پر ابھارا، خود بھی ڈوبے اور ہمیں بھی لے ڈوبے۔

سورة الاحزاب آیت (۶۷) میں اللہ تعالیٰ نے اہل شرک جہنمیوں کا قول نقل کیا ہے: ﴿وَقَالُوا لَوِ اِذَا بِنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُنَّا اَعْنَاءًا فَاهْطَلْنَا السَّبِيلَا﴾ ﴿۶۷﴾ "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکادیا۔" دنیا میں جنہیں ہم اپنا سفارشی اور مخلص دوست سمجھتے تھے، آج وہ سب کے سب غائب ہیں۔ مشرکین اپنے بتوں کے بارے میں اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے دربار میں ان کے سفارشی بنیں گے، اور انسانوں کے کچھ شیاطین دنیا میں ان کے بڑے پکے دوست تھے، میدان محشر میں کوئی بھی ان کے کام نہیں آئے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورة الزخرف آیت (۶۷) میں فرمایا ہے: ﴿الْاٰخِلَاۡءِ يَوْمَئِذٍ يَبْغُضُهُمْ لِبَغْضِ عَدُوِّۨہُمْ اِلَّا الْمُنٰفِقِيۡنَ ﴿۶۷﴾ "اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، سوائے پرہیزگاروں کے۔"

(۲۸) مشرکین جہنم میں غایت حزن و ملال کے ساتھ کہیں گے، اے کاش! ہم دوبارہ دنیا میں لوٹا دیئے جاتے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے، اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے، لیکن ان کی یہ ایسی تمنا ہوگی جو کبھی پوری نہ ہوگی۔

(۲۹) ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا جو واقعہ ابھی بیان کیا گیا ہے، اس میں صاحب بصیرت انسان کے لئے بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ انہوں نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کی، کس قدر تحمل و بردباری سے کام لیا، اور مسئلہ توحید باری تعالیٰ کی کیسی عمدہ وضاحت کی، یہ اور ان کے علاوہ بہت سی مفید نصیحتیں اس واقعے سے حاصل ہوتی ہیں، لیکن دعوت ابراہیمی کی ان تمام خوبیوں کے باوجود، ان کی قوم کے بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔

آیت (۱۰۳) میں اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کا رب ہر حال میں غالب ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے

وَمَا آتَاكُمْ عَلَيْهِ مِنْ آجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَزْدَلُونَ ۗ قَالَ وَمَا عَلِمْتُمْ بِيَأْتِيكُمْ بِهِ فَأَنبِئُونَا بِمُؤَيَّدَاتِكُمْ ۗ قَالَ إِنْ حَسِبْتُمْ أَنَّ اللَّهَ يُرْسِلُنَا رُسُلًا فَذَرُونَا هَتَفًا وَمَا آتَانَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۗ

اور میں دعوت و تبلیغ کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے ﴿۱۰۹﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۱۰﴾ لوگوں نے کہا، کیا ہم تم پر ایمان (۳۱) لے آئیں، حالانکہ تمہارے پیروکار نہایت گھٹیا لوگ ہیں ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا، مجھے کیا معلوم کہ وہ لوگ کیا کام کرتے ہیں ﴿۱۱۲﴾ ان کے اعمال کا حساب تو صرف میرا رب لے گا، کاش تم اتنی بات سمجھ جاتے ﴿۱۱۳﴾ اور مومنوں کو میں نہیں بھگا سکتا ہوں ﴿۱۱۴﴾ میں تو صرف (اللہ کے عذاب سے) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۱۱۵﴾

اور جیسا چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، اور اس کے بندے اگر اس کی طرف رجوع کریں اور اس کی عبادت میں مخلص ہوں، تو وہ نہایت مہربان ہے، انہیں بے شمار نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا۔

(۳۰) ابراہیم علیہ السلام کے بعد، اب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، تاکہ قریش اس سے نصیحت حاصل کریں، ایمان لے آئیں، اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، اس لئے کہ تمام انبیاء و رسل کی دعوت ایک تھی، سب نے شرک کی نفی کی، اور لوگوں کو توحید باری تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اس لئے جس نے ایک نبی کو جھٹلایا اس نے گویا تمام انبیاء کو جھٹلایا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، کیا تمہیں اللہ کا ڈر نہیں لگتا ہے کہ جنوں کی پرستش کرتے ہو، اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہو؟ اللہ نے مجھے تمہارے لئے پیغامبر بنا کر بھیجا ہے، اور جو کچھ مجھے بذریعہ وحی بتایا جاتا ہے، پوری امانت کے ساتھ تم تک پہنچاتا ہوں، اس لئے اللہ کے عقاب سے ڈرو، کفر کی راہ نہ اختیار کرو، میری کھدیب نہ کرو، جن باتوں کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں ان پر عمل کرو، اللہ پر ایمان لے آؤ، شرک کرنا چھوڑ دو، اور اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق زندگی گزارو۔ اور میں جو تمہیں اللہ کے دین کی تبلیغ کرتا ہوں تو اس کی میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں، میں اپنے اجر و ثواب کی امید رب العالمین سے رکھتا ہوں، اس لئے اللہ کے عقاب سے ڈرو، اور میری بات مانو۔

(۳۱) نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے اس دعوتی خطبے کا یہ جواب دیا کہ ہم تم پر کیسے ایمان لے آئیں؟ اور کیسے تمہاری پیروی کریں؟ اور حال یہ ہے کہ تمہاری پیروی صرف گرے پڑے لوگ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عزت و شرف کا معیار مال و جاہ تھا، نہ کہ بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق۔ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ مال و دولت والے دنیا داروں نے اللہ کے دین اور بلند اخلاق و کردار کی پرواہ نہ کی، اور غریبوں اور کمزوروں کو گھٹیا اور ذلیل سمجھا، اور انہی کمزوروں نے آگے بڑھ کر اللہ کے دن کو گلے سے لگایا، اور اونچے کردار اور اچھے اخلاق کو مال و دولت پر ترجیح دی۔ تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء کی پیروی کرنے والے زیادہ تر غریب اور کمزور لوگ ہوتے تھے، اور دولت مند لوگ اپنے کبر و غرور کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ جس دین کی اتباع حقیر و فقیر لوگ کر رہے ہیں، وہ سچا اور برحق دین کیسے ہو سکتا ہے؟

قَالُوا لَنْ نَمُوتَ نَوْمَ الْيَوْمِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي كَلِمَةٌ كَذَّابُونَ ۝ فَاقْتَرْتُمْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَخْتًا
وَأَخِي وَبَيْنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَجْبِئْهُمْ وَوَعْدَكَ فِي الْفُلْكِ الْمَشْهُورِ ۝ ثُمَّ أَخْرَقْنَا بَعْدَ الْبَاقِينَ ۝
إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

لوگوں نے کہا، اے نوح! اگر تم دعوت و تبلیغ (۳۲) سے باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے ﴿۱۱۶﴾ نوح نے دعا (۳۳) کی، میرے رب! میری قوم نے مجھے یکسر جھٹلا دیا ہے ﴿۱۱۷﴾ تو اب تو ہی میرے اور ان کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دے، اور مجھے اور میرے ساتھ جو مومنین ہیں انہیں بچالے ﴿۱۱۸﴾ پس ہم نے انہیں اور ان لوگوں کو بچالیا (۳۴) جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ﴿۱۱۹﴾ اس کے بعد باقی لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا ﴿۱۲۰﴾ بے شک اس میں ایک نشانی ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں تھے ﴿۱۲۱﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑی عزت والا، بے حد مہربان ہے ﴿۱۲۲﴾

نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے لوگوں کے اعمال کو جاننے کا پابند نہیں بنایا گیا ہے کہ کون کیا کرتا ہے، کون مالدار ہے اور کون فقیر، اور کس کے دل میں کیا ہے، ان باتوں کا علم اللہ کو ہے، اور وہی اپنے بندوں کا حساب لے گا۔ مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو بغیر کسی امتیاز کے اللہ کے دین کی طرف بلاؤں۔ اے میری قوم! لوگو! اگر تمہیں ان باتوں کا شعور ہو تا تو تم لوگوں کی صنعت و حرفت اور ان کی مالداری اور غریبی کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کا معیار نہ سمجھتے۔ اور میں تمہاری یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ غریب مسلمان کو اپنے پاس سے بھگا دوں، میں تو تمہیں اللہ کے عذاب سے صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔ (۳۲) جیسا کہ ہمیشہ سے کافر و مشرک قوموں کا شیوہ رہا ہے کہ جب انہیں اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے کوئی دلیل و حجت نہیں ملی، تو متکبرانہ انداز گفتگو اور دھمکی پر تل گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تم نے ہمارے دین کی عیب جوئی کی اور ہمارے معبودوں کو برا کہا بند نہیں کیا، تو ہم تمہیں پتھر سے مار کر ہلاک کر دیں گے۔

(۳۳) نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال تک اپنی قوم کو دعوت تو حید دیتے رہے، لیکن ظالم قوم اپنے کفر و شرک پر مصر رہی، تو بالآخر انہوں نے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ میرے رب! میری قوم نے مجھے یکسر جھٹلا دیا ہے، اب ان کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں ہے، اس لئے میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، اور مجھے اور میرے اہل ایمان ساتھیوں کو اس عذاب سے بچالے جس کے ذریعہ تو ظالموں کو ہلاک کرے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان مومنوں کی تعداد اسی تھی۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی، انہیں اور ان لوگوں کو نجات دے دی جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے، اور باقی تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا، نوح اور ان کی قوم کے اس واقعہ سے بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، جن سے قوم نوح نے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا، اسی لئے ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

آیت (۱۲۲) میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ کا رب ہر حال میں غالب ہے، وہ اپنے دشمنوں سے ضرور انتقام لیتا ہے اور اپنے نیک بندوں پر مہربان ہوتا ہے، اسی لئے انہیں عذاب نہیں دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَحُوهُمْ هُوْدٌ الْآتِكُونُ ۗ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ اتَّبَعُونَ بِكُلِّ رِيحٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۗ وَتَكَذَّبُونَ مَصَالِحَ لَكُمْ تَخْتَلُونَ ۗ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ ۗ أَمَدَّكُمْ بِالْعَاوِمِ الْبَيْنِ ۗ وَجَلَبَتْ وَغِيُونَ ۗ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۗ

قوم عاد (۳۵) نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تھی ﴿۱۲۳﴾ جب ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا، کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو ﴿۱۲۴﴾ بے شک میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں ﴿۱۲۵﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۲۶﴾ اور میں دعوت و تبلیغ کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے ﴿۱۲۷﴾ کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار عمارت بناتے ہو جس کا کوئی حاصل نہیں ہے ﴿۱۲۸﴾ اور عالی شان محل بناتے ہو، جیسے تم (دنیا میں) ہمیشہ کے لئے رہو گے ﴿۱۲۹﴾ اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو بڑی ظالمانہ گرفت کرتے ہو ﴿۱۳۰﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۳۱﴾ اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں وہ چیزیں دی ہیں جن کا تمہیں علم ہے ﴿۱۳۲﴾ تمہیں چوپائے دیئے اور اولاد دی ﴿۱۳۳﴾ اور باغات اور چشمے دیئے ﴿۱۳۴﴾ بے شک میں تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿۱۳۵﴾

(۳۵) نوح علیہ السلام کے بعد، اب ہود علیہ السلام اور ان کی قوم، قوم عاد کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ اس میں قریش کے لئے درس عبرت ہے۔ یہ واقعہ سورۃ الأعراف میں گذر چکا ہے، اور وہاں بتایا جا چکا ہے کہ قبیلہ عاد کے لوگ عمان اور حضرموت کے درمیان ریتیلے پہاڑوں کے دامن میں سکونت پذیر تھے، یہ علاقہ ”احقاف“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ قوم نوح کے بعد کا تھا۔ اللہ نے انہیں بڑا قوی، تو مند اور ڈیل ڈول والا بنایا تھا، اور وہ لوگ بہت ہی سخت گیر قسم کے لوگ تھے۔ یہ علاقہ بڑا ہرا بھرا تھا، ہر قسم کے باغات پائے جاتے تھے، اور ان کی زمینوں کے درمیان نہریں جاری تھیں، گویا ہر طرح سے بھرے پڑے تھے، لیکن اللہ کے ناشکر گزار بندے تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے انہی میں سے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، جنہوں نے چار سو چونسٹھ سال کی عمر پائی تھی۔ وہ ایک طویل مدت تک قوم عاد کو ایمان کی دعوت دیتے رہے، لیکن وہ لوگ اپنے کفر و سرکشی پر اڑے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔

اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں مجمل طور پر بیان کیا ہے کہ قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی تکذیب کر کے گویا تمام انبیاء کی تکذیب کر دی، اس لئے کہ سب کی دعوت ایک تھی۔ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کے عقاب کا ڈر نہیں لگتا ہے کہ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو، اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرتے ہو؟! مجھے اللہ نے تمہارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ اس کا دین تم کو پہنچا دوں، اور میں اس بارے میں پورے طور پر امانت دار ہوں، اپنی طرف سے کچھ گھٹاتا بڑھاتا نہیں ہوں۔ اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور دیکھو، میں تبلیغ و دعوت کے کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، مجھے اپنے اجر و ثواب کی امید رب العالمین سے ہے، اس لئے کہ اسی نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اسی نے مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے۔

وَالْوَسْوَءَ الْعَيْنِ مَا أُعْطِيَ مِنْ الْأَعْظِيمِ ۚ إِنَّ هَذَا الْأَخْلَقَ الْأَوَّلِينَ ۚ وَمَا مَحْنُ بِمُعَدِّبِينَ ۚ فَكَلِّبُوهُ
فَأَهْلَكْتَهُمْ طَارِكٌ فِي ذَلِكَ آيَاتٍ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُو الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۙ

انہوں نے کہا، چاہے تم نصیحت (۳۶) کرو یا نہ کرو، ہمارے لئے دونوں ہی برابر ہیں ﴿۱۳۶﴾ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہے ﴿۱۳۷﴾ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا ﴿۱۳۸﴾ پس ان لوگوں نے ہود (۳۷) کو جھٹلادیا، تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۳۹﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑی عزت والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱۴۰﴾

ہود علیہ السلام نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا، تم آخرت سے کتنے غافل، اور دنیا میں کس قدر منہمک ہو گئے ہو، کہ آپس میں نفرد مباحات اور محض لہو و لعب کی نیت سے اونچی جگہوں پر اونچے اونچے مکانات اور محلات تعمیر کرتے ہو، اور وقت، قوت جسمانی، اور اپنی دولت کا زیاں کرتے ہو۔ اور تمہاری کوتاہ بینی کا یہ حال ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہو، جیسی تو اونچے اونچے مکانات و محلات بناتے ہو اور دل میں بیٹھکی کی زندگی کی امید لگائے بیٹھے ہو، اور فکر آخرت اور اپنے انجام سے بالکل غافل ہو۔ اور تمہارے دل کی سختی کا یہ عالم ہے کہ دوسروں پر بے رحم ظالموں اور جاہلوں کی طرح چڑھ بیٹھتے ہو۔ کزروں اور ناتوانوں پر تمہیں رحم کرنا نہیں آتا ہے۔

اس لئے اگر تم دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو ان فتنے اور برے اوصاف سے اپنے آپ کو پاک کرو، ظلم و بربریت، تہرہ و سرکشی اور کبر و غرور سے تائب ہو جاؤ، اللہ کی گرفت سے ڈرو، اور میری بات مانو، اُس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں وہ سب کچھ دیا ہے جن کا تمہیں علم ہے۔ اس نے تمہیں اونٹ، گائے اور بکریاں دی ہیں، اولاد دی ہے، باغات دیئے ہیں، اور پانی کے چشمے دیئے ہیں جن کا پانی پیتے ہو، اس سے طہارت حاصل کرتے ہو، اور اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہو۔ اے میری قوم کے لوگو! واقعہ یہ ہے کہ تمہارے شرک و معاصی کی وجہ سے میں تمہارے بارے میں دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دنیا میں وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے، اور آخرت کا عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔

(۳۶) ہود علیہ السلام کی اس طویل تقریر کا ان کی قوم پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوا، اور جواب میں کہا کہ تم ہمیں چاہے نصیحت کرو یا نہ کرو، ہم اپنے دین و مذہب سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ بتوں کی پرستش کرنا، اونچے مکانات بنانا اور ہماری دوسری عادتیں، ہمیں اپنے آباء و اجداد سے ملی ہیں، ان کی وجہ سے ہم پر کوئی عذاب نہیں اترے گا، اور مرنے کے بعد دوسری زندگی کا ہم تصور کرنے سے عاجز ہیں۔

(۳۷) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی یکسر تکذیب کر دی، اور ان کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک ان کی اس پوری کہانی میں مشرکین قریش کے لئے درس عبرت ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کفر پر مصر رہے، اور نبی آخر الزماں کی تکذیب کرتے رہے تو کہیں ان کا انجام بھی قوم عاد جیسا نہ ہو۔

آیت (۱۴۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ہر حال میں غالب ہے، اسی لئے اس نے ظالموں کو پکڑ لیا اور انہیں دردناک عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا، اور وہ نہایت مہربان ہے، اسی لئے اس عذاب سے اس نے اپنے نیک بندوں کو نجات دے دی۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ ۗ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَمَا أَمْرُكُمْ عَلَيَّ مِنْ أَجْرٍ إِن أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ أَتَذْكُرُونَ فِي مَا هُمْنَا أَمِينٌ ۖ فِي جَنَّةٍ وَعُيُونٍ ۗ
وَدُرُوعٍ وَنَخِيلٍ طَلَعُهَا هُضَيْمٌ ۗ وَتَخْتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا لَوْبِيْنٌ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَلَا تَطِيعُوا
أَمْرَ السُّرْفِينِ ۗ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۗ

قوم ثمود (۳۸) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿۱۳۱﴾ جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو ﴿۱۳۲﴾ بے شک میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں ﴿۱۳۳﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو ﴿۱۳۴﴾ اور میں تبلیغ و دعوت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے ﴿۱۳۵﴾ کیا تم لوگ داؤ عیش دینے کے لئے یہاں کی نعمتوں میں امن و سکون (۳۹) کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے ﴿۱۳۶﴾ باغوں اور چشموں میں ﴿۱۳۷﴾ اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے رس بھرے پھلوں سے لدے ہوئے ہوں؟ ﴿۱۳۸﴾ اور تم پہاڑوں کو کاٹ کر فخر و مباہات کے لئے گھر بناتے ہو ﴿۱۳۹﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۴۰﴾ اور حد سے گذر جانے والوں کی اطاعت نہ کرو ﴿۱۴۱﴾ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے ہیں ﴿۱۴۲﴾

(۳۸) ہو علیہ السلام کے بعد، اب صالح علیہ السلام اور ان کی قوم قوم ثمود کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ اس میں بھی قریش کے لئے درس عبرت ہے۔ یہ واقعہ بھی سورۃ الاعراف میں گذر چکا ہے۔
قوم ثمود کے لوگ وادی قرنیٰ اور ملک شام کے درمیان ”حجر“ نامی جگہ میں سکونت پذیر تھے، جو اب ”مدائن صالح“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ قوم عاد کے سوسال بعد، اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قبل کا ہے۔ صالح علیہ السلام دو سو اسی سال (۲۸۰) زندہ رہے، اور ایک طویل مدت تک قوم ثمود کو ایمان کی دعوت دیتے رہے، لیکن وہ لوگ اپنے کفر و سرکشی پر اڑے رہے، تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔

اسی واقعہ کو یہاں مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے، کہ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کر کے گویا تمام انبیاء کی تکذیب کر دی، اس لئے کہ سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کہ تمہیں اللہ کے عذاب کا ڈر نہیں لگتا ہے کہ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو، اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرتے ہو۔ مجھے اللہ نے تمہارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم تک اس کا دین پہنچاؤ، اور میں اس بارے میں پورے طور پر امانت دار ہوں، اپنی طرف سے کچھ گھٹاتا بڑھاتا نہیں ہوں، اس لئے اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو، اور دیکھو، میں تبلیغ و دعوت کے کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، مجھے اپنے اجر و ثواب کی امید رب العالمین سے ہے، اس لئے کہ اسی نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۳۹) صالح علیہ السلام نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: کیا تمہارا اگمان ہے کہ تم ہمیشہ یونہی امن و سکون کے ساتھ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے ٹھاٹھ کرتے رہو گے؟ باغات، چشموں، کھیتوں اور کھجوروں سے فائدہ اٹھاتے رہو گے؟ اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکانات بناتے رہو گے؟ اور اپنی قوت بازو اور فن صناعی پر ناز کرتے رہو گے؟ یہ تمہاری بھول ہے، ہمیشہ کے لئے اس حال میں

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسْكِرِينَ ﴿۳۰﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأَنْبِئْنَا بِبَيِّنَاتٍ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ هَذَا مِنْ نَجْوَىٰ لَهُمَا رَبٌّ وَلَكُمْ شَرِبَ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿۳۲﴾ وَلَا تَلْمِزُوهُمَا سُوْرًا فَمَا أَخَذَكُمُ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ﴿۳۳﴾ فَعَقَرُوْهُمَا فَاصْبِرُوا لِمِنْ هٰذَا فَلَمَّ أَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ لَكُمْ مِنْهُمُ مَوْمِنِينَ ﴿۳۴﴾ وَإِنْ رَيْتُمْ لَهُمُ الْعِزَّةَ الرَّجِيمَةَ ﴿۳۵﴾

انہوں نے کہا، کہ تم پر جادو^(۳۰) کر دیا گیا ہے ﴿۱۵۳﴾ تم تو ہماری طرح ایک انسان ہو، اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو ﴿۱۵۳﴾ صالح نے کہا، یہ اونٹنی ہے، اس کے پانی پینے کا ایک دن ہے، اور تمہارے پینے کا بھی ایک مقرر دن ہے ﴿۱۵۵﴾ اور تم لوگ اسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ، ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا ﴿۱۵۶﴾ لیکن انہوں نے اس کے پاؤں کاٹ^(۳۱) دیئے اور پھر (اللہ کا عذاب دیکھ کر) اپنی حرکت پر پشیمان ہوئے ﴿۱۵۷﴾ پس عذاب نے انہیں پکڑ لیا، بے شک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۵۸﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑی عزت والا، بے حد مہربان ہے ﴿۱۵۹﴾

نہیں رہو گے۔ ایک دن آئے گا کہ موت تمہیں آدبوچے گی، اور اس کے بعد قیامت آئے گی جس دن ہر انسان کی طرح تمہیں اپنے کر تو توں کا حساب چکانا ہو گا۔ اس لئے اللہ کی گرفت اور اسکے عذاب سے ڈرو، اور میری بات مانو، اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے تجاوز کر گئے ہیں، اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور بھلائی کا کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔

(۳۰) صالح علیہ السلام کی اس طویل تقریر کا ان کی قوم پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوا، اور جواب میں کہا کہ تم پر تو جادو کر دیا گیا ہے، جس کے زیر اثر تمہاری عقل ماری گئی ہے، اور ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ تم ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو، اور دعویٰ کر بیٹھے ہو کہ اللہ نے تمہیں ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس لئے زبانی دعویٰ سے کام نہیں چلے گا، اپنی صداقت پر کوئی دلیل پیش کرو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ صالح علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور دعا کرتے رہے، اور لوگ دیکھتے رہے کہ اچانک پہاڑ پھٹا، اور اس سے ایک عظیم الخلق اونٹنی برآمد ہوئی، تو صالح علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ یہ اونٹنی میری صداقت کی دلیل ہے۔ اور چشمہ سے اس کے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہے، اس دن تم لوگ اس چشمہ سے نہیں پیو گے اور تمہارے پینے کا ایک دوسرا دن مقرر ہے، اس دن اس سے صرف تم لوگ پانی پیو گے، اونٹنی نہیں پئے گی۔ اور تم لوگ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا، نہ مارنا، نہ ذبح کرنا، اور نہ اسے اس کے مقرر دن میں پانی پینے سے روکنا۔ اگر ان باتوں میں سے کسی ایک کی بھی خلاف ورزی کرو گے تو تم پر اللہ کا بڑا عذاب نازل ہو جائے گا۔

(۳۱) قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی بات نہیں مانی، ان کو جھٹلادیا، اور ان کی نافرمانی کرتے ہوئے پہلے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے اور جب بیٹھ گئی تو اسے ہلاک کر دیا۔ تب صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اب تمہاری ہلاکت و بربادی یقینی ہو گئی، تین دن تک اپنے گھروں میں مزے کر لو۔ یہ سن کر اور عذاب کے آثار دیکھ کر لوگ اپنی ندامت کا اظہار کرنے لگے، لیکن ایسی ندامت کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ انہوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن ہلاک کیا تھا۔ اس کے بعد فوراً ہی ان کے چہرے زرد ہو گئے، پھر جمعرات کے دن سرخ ہو گئے، اور پھر جمعہ کے دن کالے ہو گئے۔ مقاتل کے قول کے مطابق ان کے جسموں پر دانے نکل آئے

كَلَيْتَ قَوْمَ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٢﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ ااَلْتَفَتُونَ ﴿٣١﴾ اِنِّى لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿٣٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا ﴿٣٣﴾ وَمَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيْ لَآ اَكْمَلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّا تَوَوَدُّوْنَ اَلَّذِيْنَ كَفَرَ بِكُمْ قَبْلَ اَنْ يُّوْحٰى اِلَيْكُمْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿٣٥﴾

لوط کی قوم (۳۲) نے بھی رسولوں کو جھٹلادیا تھا ﴿۱۶۰﴾ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو ﴿۱۶۱﴾ میں بے شک تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں ﴿۱۶۲﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۶۳﴾ میں تبلیغ و دعوت کے کام پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے ﴿۱۶۴﴾ کیا تم سارے جہان والوں میں سے مردوں (۳۳) سے خواہش پوری کرتے ہو ﴿۱۶۵﴾ اور اللہ نے تمہارے لئے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو، سچ تو یہ ہے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو ﴿۱۶۶﴾

جو پہلے دن سرخ تھے، پھر زرد ہو گئے، اور تیسرے دن کالے ہو گئے، اور سنبھریا اتوار کے دن جب ان کی ہلاکت کا وقت بالکل قریب ہوا تو وہ دانے پھوٹ پڑے، اور جبریل علیہ السلام نے ایک شدید چیخ ماری اور دونوں کے اثر سے سب کے سب مر گئے۔ آیت (۱۵۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس واقعہ سے درس عبرت ملتا ہے، اور قوم شموذ کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ اور آیت (۱۵۹) میں فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کا رب ہر حال میں غالب ہے، اسی لئے اس نے ظالموں کو پکڑ لیا، اور وہ نہایت مہربان ہے، اسی لئے اس عذاب سے اس نے اپنے نیک بندوں کو بچا لیا۔

(۳۲) صالح علیہ السلام کے بعد، اب لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، جن کے لئے وہ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ واقعہ بھی سورۃ الاعراف میں پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی سدوم، عموریہ اور اس علاقے کی دوسری بستیوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ لوط علیہ السلام باہل کے رہنے والے تھے، لیکن جب انہیں وہاں کے لئے نبی بنایا گیا، تو وہاں کے رہنے والوں کی طرف ان کی نسبت کر دی گئی۔ لوط علیہ السلام ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہے، لیکن انہیں ان کی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ روز بروز ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی، اور لواطت جیسے بدترین فعل کے ارتکاب پر ان کا اصرار زیادہ ہوتا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ آیات (۱۶۰) سے (۱۶۳) تک کی تفسیر، ہو اور صالح علیہ السلام کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

(۳۳) لوط علیہ السلام نے سدوم اور عموریہ والوں کو پہلے تو ان کے شرک و معاصی کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا، اپنی اطاعت و اتباع کی دعوت دی، اور اپنے بے لوث جذبہ اصلاح کی وضاحت کی کہ انہیں کسی مادی منفعت کی لالچ نہیں ہے۔ اس کے بعد انہیں ان کے نہایت گھٹاؤنے گناہ (لواطت) کا عار دلایا اور کہا کہ تم انسانیت سے کتنے نیچے گر گئے ہو اور حیوانی شہوت نے کس طرح تمہاری عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو، اور اللہ نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان میں تمہارے اندر کوئی رغبت باقی نہیں رہی ہے۔ تمہاری فطرت مسخ ہو گئی ہے، اور حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان پائے جانے والے تمام حدود کو تم پھلانگ گئے ہو۔

قَالُوا لَنْ لَمْ تَنْتَهُ يَلُوطُ لَكَ تَوَكُّنٌ مِنَ الْمُحْرَمِينَ ۗ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ۗ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۗ
فَجَنَّبْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۗ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَدِيرِينَ ۗ ثُمَّ دَرَجْنَا الْأَخْرِينَ ۗ وَامْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ
الْمُنذَرِينَ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۗ كَذَّبَ أَصْحَابُ
لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۗ إِذْ قَالُوا لَهُمْ شُعَيْبٌ أَتَتَقُونُ ۗ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَوْسِينُ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَمَا أَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ

انہوں نے کہا (۳۳) اے لوط! اگر تم ان نصیحتوں سے باز نہ آئے، تو تم یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے ﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا، مجھے تمہارے اس کار بد سے شدید نفرت ہے ﴿۱۶۸﴾ میرے رب! مجھے اور میرے خاندان کو ان کے کرتوتوں کے انجام بد سے بچالے ﴿۱۶۹﴾ پس ہم نے انہیں اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو پچالیا ﴿۱۷۰﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہ گئی تھی ﴿۱۷۱﴾ پھر باقی تمام کو ہم نے ہلاک کر دیا ﴿۱۷۲﴾ اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی، پس بڑی بڑی بارش تھی وہ جوان ڈرائے جانے والوں پر ہوئی ﴿۱۷۳﴾ بے شک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۷۴﴾ اور بے شک آپ کار بڑی عزت والا، بے حد مہربان ہے ﴿۱۷۵﴾ ایک کے رہنے والوں (۳۵) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿۱۷۶﴾ جب ان سے شعیب نے کہا، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو ﴿۱۷۷﴾ بے شک میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں ﴿۱۷۸﴾ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۷۹﴾ میں تبلیغ و دعوت کے کام پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے ﴿۱۸۰﴾

(۳۳) لوط علیہ السلام کی اس تقریر کا ان لوگوں پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوا، اور جواب میں کہا کہ اگر تم ہمیں برا کہنے سے باز نہیں آؤ گے، تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے، اس لئے کہ ہمارے اور تمہارے مزاج میں مطابقت نہیں ہے۔ لوط علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہاری اس بد فعلی کو غایت درجہ مبغوض جانتا ہوں، اس لئے میں خود ہی تمہاری بستی چھوڑ دینا چاہتا ہوں، کیونکہ تمہاری اس مجرمانہ حرکت کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اور چونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اس قوم پر اپنا عذاب ضرور نازل کرے گا، اسی لئے دعا کی کہ میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے بُرے کرتوتوں کے انجام سے نجات دے دے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور انہیں، ان کے گھر والوں اور دیگر مسلمانوں کو اس عذاب سے بچالیا، جس کے ذریعہ وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ البتہ لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی جو کافروں کے فعل بد کی تائید کرتی تھی، اور کافر تھی، وہ بھی دیگر کافروں کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان بستیوں کو اُلٹ دیا، پھر ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ (۳۵) لوط علیہ السلام کے بعد، اب شعیب علیہ السلام اور اصحاب مدین کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، جن کے لئے وہ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "اصحاب ایک" "اہل مدین" ہی ہیں، اور شعیب علیہ السلام انہیں لوگوں میں سے تھے۔ چونکہ وہ لوگ "ایک" نام کے ایک گھنے درخت کی پرستش کرتے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کا ذکر کرتے وقت "أخوهم شعیب" نہیں کہا، تاکہ بت پرستوں کی طرف ان کی نسبت نہ ہو۔ اتھی، اور سورہ ہود میں ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝ وَزُوا بِالْقِسْطِ أَسْبَغُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ وَالْقَوْمَ الَّذِينَ خَلَقْتُمْ وَالْجِبِلَّ الْأُولَىٰ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسْعِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَطَّقْنَاكَ لَكِنَّ الْكُذِبِينَ ۝ فَاسْقِطْ عَلَيْْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

تم لوگ پورا ناپو (۳۶) اور کسی کو خسارہ میں نہ ڈالو (۱۸۱) اور درست ترازو سے وزن کرو (۱۸۲) اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو، اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (۱۸۳) اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور گذرے ہوئے لوگوں کو پیدا کیا ہے (۱۸۴) انہوں نے کہا، تم پر جادو (۳۷) کر دیا گیا ہے (۱۸۵) اور تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو، اور ہم تمہیں ایک جھوٹا آدمی کے سوا کچھ نہیں سمجھتے ہیں (۱۸۶) اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرادو (۱۸۷) شعیب نے کہا، میرا رب تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے (۱۸۸)

شُعَيْبًا ﴿۱۸۸﴾ کہا ہے، اس لئے کہ وہ انہی لوگوں میں سے تھے، آیات (۱۷۷) سے (۱۸۰) تک کی تفسیر ہو، صالح اور لوط علیہم السلام کے واقعات میں گذر چکی ہے۔

(۳۶) شرک باللہ کے علاوہ اصحاب مدین ایک بڑا گناہ یہ کرتے تھے کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے۔ یعنی کسی کو دینے کے وقت کم اور کسی سے لیتے وقت زیادہ تولتے تھے، اور لوگوں سے ان کا مال قرض یا ادھار لیتے اور جب واپس کرتے تو حتی الامکان کم دینے کی کوشش کرتے، اور اس کے لئے ہزار طریقے اختیار کرتے، اور مسافروں اور راہ چلتے لوگوں کا مال و اسباب چھین لیتے تھے۔ ان کا یہ عمل ان کی دعات و کینگی، ان کی گھٹیا ذہنیت اور دنیا سے انہماک کی محبت پر دلالت کرتا تھا۔

شعیب علیہ السلام نے انہیں شرک باللہ سے منع کیا، توحید کی دعوت دی، اور ان کے مذکورہ بالا اعمال کی قباحت و شاعت بیان کر کے عدل و انصاف کی دعوت دی، اور انہیں نصیحت کی کہ جب دوسروں کے لئے ناپ تو پورا ناپو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، عدل و انصاف کے ساتھ وزن کرو "قسطاس المستقیم" کی تفسیر سورۃ الاسراء آیت (۳۵) میں گذر چکی ہے) اور لوگوں کے حقوق و اموال واپس کرتے وقت کٹوتی نہ کرو، اور لوٹ مار اور قتل و غارتگری کے ذریعہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اصحاب مدین اور شعیب علیہ السلام کا یہ واقعہ سورۃ الاعراف آیت (۸۵) اور سورۃ ہود آیات (۸۳/۸۵) میں گذر چکا ہے۔

(۳۷) شعیب علیہ السلام کی اس طویل تقریر کا ان کی قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور جیسا کہ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام سے کہا تھا، اصحاب مدین نے بھی شعیب علیہ السلام سے کہا کہ تم پر تو جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے تمہاری عقل ماری گئی ہے، اور ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو، تم ہمارے ہی جیسے انسان ہو، اور دعویٰ کر بیٹھے ہو کہ اللہ نے تمہیں ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو اس لئے زبانی دعویٰ سے کام نہیں چلے گا، اگر تمہیں اپنی صداقت پر اصرار ہے تو آسمان کے ٹکڑے ہمارے سروں پر گر کر ہمیں ہلاک کر دو۔ شعیب علیہ السلام نے ان کے اس کفر و عناد کا یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کفر اور دیگر معاصی سے خوب باخبر ہے، اور اسے خوب معلوم ہے کہ تم کس عذاب کے حقدار ہو، جب تمہارا نوشتہ وقت آجائے گا

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلُمَةِ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَإِنَّكَ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝ وَإِنَّكَ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَأْعُكِبَكَ عَلَيْنَا ابْنِي إِسْرَائِيلَ ۝

پس جب ان لوگوں نے انہیں جھٹلادیا (۳۸) تو سائے کے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا، بے شک وہ ایک بڑے خطرناک دن کا عذاب تھا ﴿۱۸۹﴾ بے شک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، لیکن اکثر مشرکین ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۹۰﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑی عزت والا، بے حد مہربان ہے ﴿۱۹۱﴾ یہ قرآن (۳۹) رب العالمین کی جانب سے نازل کردہ ہے ﴿۱۹۲﴾ اسے روح الامین (جبریل) نے اتارا ہے ﴿۱۹۳﴾ آپ کے دل پر، تاکہ آپ لوگوں کو اللہ سے ڈرانے والوں میں شامل ہو جائیں ﴿۱۹۴﴾ صاف ستھری عربی زبان میں ﴿۱۹۵﴾ اور یہ بات اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے ﴿۱۹۶﴾ کیا مشرکین مکہ کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں ﴿۱۹۷﴾

تو وہ اپنے علم کے مطابق تمہارے اعمال کا تمہیں بدلہ دے گا۔

(۳۸) جب انہوں نے اپنے نبی کی ہر بات کی تکذیب کر دی، اور اپنے کفر و معاصی پر ان کا اصرار بڑھتا ہی گیا، تو اللہ کے عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، جسے یہاں ”سایہ والے دن کے عذاب“ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بہت ہی خطرناک عذاب بتایا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اصحاب مدین کے ہلاک کئے جانے کا واقعہ قرآن کریم کی تین سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف میں آیت (۹۱) میں بتایا گیا ہے کہ زمین ان کے پاؤں کے نیچے پوری شدت سے ہلنے لگی اور ان کے جسموں پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اور سورۃ ہود آیت (۹۳) میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ ایک چیخ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اور یہاں اس سورت میں ہے کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آسمان کے کٹڑے ان کے سروں پر گرا کر ہلاک کر دیئے جائیں، تو اللہ نے خبر دی کہ انہیں ”سایہ والے دن کے عذاب“ نے اپنی گرفت میں لے لیا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے جب انہیں ہلاک کرنا چاہا تو ان پر تینوں قسم کے عذاب مسلط کر دیئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جننم کی سخت گرم ہوا بھیج دی جو سات دن تک وہاں چلتی رہی، جس کی گرمی سے ان کے بدن پک گئے، ان کے مکانات آگ بن گئے، کنوؤں اور چشموں کا پانی کھولنے لگا، تو اپنے گھروں سے بھاگ پڑے، جب باہر نکلے تو آفتاب کی شدید تمازت نے ان کے دماغوں کو کھولا دیا، اور ان کے قدموں کے نیچے کی زمین آگ بن گئی، یہاں تک کہ ان کے پاؤں جھلس گئے، پھر ایک سیاہ بادل ان کے سروں پر منڈلانے لگا، جس میں شروع میں ٹھنڈک تھی، اسی لئے تمام اصحاب مدین اس کے نیچے آکر جمع ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کی بارش کر دی، اور رعشہ و کپچی، چیخ و پکار اور آگ کی بارش سے سبھی ہلاک ہو گئے۔

(۳۹) ابتدائے سورت کی آیت (۵) میں قرآن کریم کا ذکر آچکا ہے کہ جب بھی اس کی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی ہے، تو

وَلَوْ كُنَّا لَهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَابِ ۖ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۗ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۗ
لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۗ

اور اگر ہم اسے کسی عجمی پر اتار (۵۰) دیتے ﴿۱۹۸﴾ جو انہیں پڑھ کر سنا دیتا، تب بھی اس پر ایمان نہیں لاتے ﴿۱۹۹﴾ ہم نے اس قرآن کو مجرموں کے دلوں سے اسی طرح (بے اثر کئے) گزار دیا ہے ﴿۲۰۰﴾ وہ لوگ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے اس پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿۲۰۱﴾

مشرکین مکہ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ انہی مشرکین کی عبرت و نصیحت کے لئے چند اقوام گذشتہ کی ہلاکتوں کے واقعات بیان کرنے کے بعد، اب دوبارہ روئے سخن قرآن کریم کی طرف موڑ دیا گیا ہے کہ وہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، جسے جبریل امین نے اللہ کے حکم سے نہایت ہی فصیح و بلیغ زبان میں نبی کریم ﷺ کے دل پر نازل کیا ہے، تاکہ آپ ﷺ اسے پڑھ کر اہل قریش کو سنا لیں اور انہیں عذاب جہنم سے ڈرا کر اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔

اس قرآن کا ذکر گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت (۹۷) میں آیا ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر جبریل کا دشمن ہے (تو اس سے کچھ نقصان نہیں) اس لئے کہ اس نے قرآن آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے جو گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔“

تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میں بنی اسرائیل کے بھائیوں کے لئے یعنی عربوں کے لئے آپ ہی جیسا ایک نبی بھیجوں گا، جس کے منہ میں میں اپنا کلام ڈال دوں گا، پھر وہ انہیں میری وصیتیں اپنی زبان سے سنائیں گے۔ اور انجیل میں ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اللہ سے طلب کروں گا کہ وہ تمہارے لئے ایک دوسرا رسول بھیج دے جو تمہارے ساتھ ہمیشہ کے لئے رہے۔ اور وہ تمہیں ہر بات سکھائے گا۔

آیت (۱۹۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تورات و انجیل کے ذریعہ علمائے بنی اسرائیل کا، ان باتوں سے واقف ہونا کہ محمد اللہ کے آخری نبی ہوں گے، اور اللہ اپنا کلام ان کی زبان پر جاری کرے گا، اور تورات و انجیل میں مذکور تفصیلات کے مطابق نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا، اور قرآن کا نازل ہونا، کیا یہ سب باتیں کفار مکہ کے ایمان لانے کے لئے کافی نہیں تھیں۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن سلام بنی اسرائیل کے بہت ہی مشہور اور اچھے عالم تھے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھتے ہی یقین کر لیا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت تورات میں دی گئی ہے۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے انتہائے عناد اور ان کے شدت کفر کو بیان کیا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی رسول پر اتار دیتے، جس کی زبان عربی نہ ہوتی، اور وہ اسے پوری فصاحت کے ساتھ انہیں پڑھ کر سنا دیتا، تو بھی کفار مکہ ایمان نہ لاتے اور اپنے شدت عناد کی وجہ سے اس کی کوئی من مانی توجیہہ کر لیتے۔

آیت (۲۰۱) میں اللہ نے فرمایا کہ جس طرح عجمی رسول کے پڑھ کر سنانے کی صورت میں انکار کر دیتے، اسی طرح یہ مجرمین محمد عربی ﷺ کے پڑھ کر سنانے کی صورت میں بھی قرآن کا انکار کرتے رہیں گے، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے ان کے

فِي آتِيهِمْ بُعْتَةٌ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۱﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿۵۲﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۳﴾ أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿۵۴﴾ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۵۵﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ تَالِكَانِ إِذِ الْمُنْتَعَمُونَ ﴿۵۶﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿۵۷﴾ ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۵۸﴾

جو ان پر اچانک (۵۱) نازل ہو جائے گا، اور وہ لوگ اس کا احساس بھی نہ کر پائیں گے ﴿۲۰۲﴾ تب کہیں گے کیا ہمیں مہلت دی جائے گی ﴿۲۰۳﴾ کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی (۵۲) پجارہے ہیں ﴿۲۰۴﴾ کیا آپ نے غور (۵۳) کیا کہ اگر ہم انہیں برسوں تک دنیا میں عیش کرنے دیں ﴿۱۰۵﴾ پھر ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۱۰۶﴾ تو ان کی عیش پرستی انہیں عذاب سے نہیں بچا سکے گی ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے ہستی کو بھی ہلاک کرنے سے پہلے ڈرانے (۵۴) والے بھیجے ﴿۲۰۸﴾ یاد دہانی کے لئے، اور ہم ظالم نہیں تھے ﴿۲۰۹﴾

دلوں پر پردہ پڑ گیا ہے، وہ کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ صرف ایک صورت میں قرآن کی صداقت کا اعتراف کریں گے کہ جب اللہ کا غضب ان پر نازل ہو گا اور موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اس وقت کعب افسوس ملیں گے اور کہیں گے، واقعی قرآن نے سچی بات کہی تھی کہ اگر ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ کا عذاب ہم پر نازل ہو گا۔ بعض مفسرین نے اس عذاب سے قیامت کے دن کا عذاب مراد لیا ہے۔

(۵۱) کفار کہہ پر اللہ کا وہ عذاب ایسا اچانک آئے گا کہ انہیں اس کی آمد کی خبر بھی نہیں ہوگی، اور اُس وقت وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان پر عذاب نازل نہ ہوتا اور انہیں ایمان و عمل صالح کی مہلت دے دی جاتی، جیسا کہ فرعون نے جب موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، تو کہا میں اس اللہ پر ایمان لے آیا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس پر بنی اسرائیل کے لوگ ایمان لے آئے ہیں۔

(۵۲) کفار کہہ نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے کہ اگر تمہاری بات صحیح ہے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ کا عذاب ہم پر نازل ہو جائے گا، تو پھر جلد ہی وہ عذاب ہم پر نازل ہو جائے۔ سورۃ الاعراف آیت (۷۰) میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے: ﴿فَمَا تَنَا بِنَا تَعْدُنَا﴾ اے محمد! ہم سے جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو، اسے ہم پر اتار دو۔ اور سورۃ الانفال (۳۲) میں ہے: ﴿فَمَا مَنَظِرُ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اِذْ تَنَا بَعْدَا بَ الْعِلْمِ﴾ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے، یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۰۳) میں ان کے اسی استعجال پر نکیر کی اور انہیں دھمکی دی ہے کہ کیا تمہیں ہمارے عذاب کی جلدی ہے؟! تو انتظار کر لو۔

(۵۳) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ہم نے دنیا میں انہیں لمبی عمریں دیں اور مال و اسباب سے نوازا جن سے وہ خوب متعجب ہوئے پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا، اس نے انہیں اچانک اپنی گرفت میں لے لیا، تو اس لمبی عمر اور اس کی عیاشیوں کا کیا فائدہ ہوا، نہ اللہ کا عذاب تلا اور نہ ہلکا ہوا۔

(۵۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق ہر قوم کے پاس اپنا رسول بھیجا، جس نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ایمان باللہ کی دعوت دی، اور جب ان کے ایمان کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا، اللہ کسی قوم پر بھی ظلم نہیں کرتا کہ نبی بھیجنے سے پہلے ہی انہیں ہلاک کر دے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَظِيمُونَ ﴿۵۶﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعزُونَ ﴿۵۷﴾ فَلَا تَنْعُمَ اللَّهُ
 إِلَيْهَا الْخَرَفَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ ﴿۵۸﴾ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۵۹﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِئِن يَبْعَكَ مِنَ
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۰﴾ وَإِنْ عَصَاكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۶۱﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحِيمِ ﴿۶۲﴾ الَّذِي يَرُدُّكَ حِينَ
 تَقُومُ ﴿۶۳﴾ وَتَقْبُكُ فِي السُّجُودِ ﴿۶۴﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۵﴾

اور اس قرآن کو شیطانوں (۵۵) نے نہیں نازل کیا ہے ﴿۲۱۰﴾ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ وہ ایسا
 کر سکتے ہیں ﴿۲۱۱﴾ وہ تو بلاشبہ قرآن سننے سے روک دیئے گئے ہیں ﴿۲۱۲﴾ پس آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ
 پکارتے (۵۱) اور نہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیے گا جنہیں عذاب دیا جائے گا ﴿۲۱۳﴾ اور آپ اپنے قریبی
 رشتہ داروں (۵۷) کو ڈرائیے ﴿۲۱۴﴾ اور جو مومنین آپ کے پیروکار ہیں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجئے ﴿۲۱۵﴾
 اور اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں ﴿۲۱۶﴾ اور آپ اس اللہ پر
 بھروسہ کیجئے جو زبردست، بے حد مہربان ہے ﴿۲۱۷﴾ جو آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ نماز کے لئے تنہا کھڑے
 ہوتے ہیں ﴿۲۱۸﴾ اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ آپ کے اٹھنے بیٹھنے کو دیکھ رہا ہوتا ہے ﴿۲۱۹﴾ بے شک وہ بڑا
 سننے والا ہر بات کو جاننے والا ہے ﴿۲۲۰﴾

(۵۵) مشرکین کہہ سکتے تھے کہ جس طرح شیاطین، کاہنوں کو آسمان کی جھوٹی خبریں سناتے ہیں، اسی طرح وہ شیاطین ایک
 من گھڑت کلام محمد کی زبان پر جاری کر دیتے ہیں، جسے محمد قرآن کا نام دیتا ہے۔ اسی زعمِ باطل کی یہاں تردید کی گئی ہے۔

آیات (۱۹۲/۱۹۳/۱۹۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن رب العالمین کا کلام ہے، اسے جبریل امین نے اللہ کے حکم
 سے نہایت فصیح و بلیغ زبان میں نبی کریم ﷺ کے دل پر اتارا ہے۔ اور یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسے شیاطین نے نہیں اتارا ہے،
 اس لئے کہ اولاً تو یہ قرآن ان کی غرض و غایت نہیں ہے۔ قرآن اللہ کا نور اور انسان کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے، اور شیاطین کا
 کام تو اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنا ہے، ثانیاً یہ کہ شیطان اس کے اہل نہیں بنائے گئے ہیں کہ قرآن کا بوجھ برداشت کر سکیں،
 جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اسے پہاڑ پر اتار دیتے تو وہ اللہ کے ڈر سے چکنا چور ہو جاتا، اور ثالثاً یہ کہ شیاطین کی رسائی اس
 قرآن تک نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل کرتا ہے، اس وقت فرشتوں کا شدید پہرہ
 ہوتا ہے جو آگ کے انگاروں کے ذریعہ ہر اس شیطان کو مار بھگاتے ہیں جو سننے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ قرآن پوری حفاظت
 کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجن آیت (۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ
 فَوَجَدْنَاَهَا مَلَائِكَةً حَاسِبَاتٍ لِّذُنُوبِ الْوَالِدِينَ وَأَنَّا نَسْتَدْرِيهِمْ بِالسُّبْحِ وَالْبُحْرِ وَالْمَسَاءِ﴾ اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور جلا دینے
 والے انگاروں سے بھرا پایا۔“

(۵۶) قرآن کریم کی حقانیت ثابت کرنے کے بعد، بندوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے
 ساتھ غیروں کو شریک نہ بنائیں۔ آیت میں مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں حالانکہ وہ معصوم تھے اور شرک سے یکسر پاک تھے۔ اسی
 لئے مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اگرچہ آپ اللہ کے معزز و مکرم ترین بندے ہیں، لیکن بفرض محال آپ سے ایسی غلطی

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۵۸﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۵۹﴾ يُنْفِقُونَ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ كَذِبُونَ ﴿۶۰﴾

کیا میں تمہیں بتاؤں (۵۸) کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں ﴿۲۲۱﴾ وہ ہر بڑے جھوٹے اور بڑے بدکار پر اترتے ہیں ﴿۲۲۲﴾ وہ فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے کان لگاتے ہیں، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ﴿۲۲۳﴾

ہو جاتی تو آپ عذاب سے نہیں بچ سکتے تھے، تو پھر دوسرے لوگ شرک کر کے اللہ کے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

(۵۷) نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں، اس لئے کہ قیامت کے دن صرف اللہ پر ایمان ہی کسی کی نجات کا سبب بنے گا۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اور اے عبدالمطلب کے بیٹو! میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوں۔ تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔“

اللہ نے آپ کو یہ بھی حکم دیا کہ آپ مومنوں کے ساتھ شفقت و رحم دلی کا برتاؤ کیجئے، تاکہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے، اور اللہ کے جو بندے آپ کی نافرمانی کریں ان سے براءت کا اعلان کر دیجئے، اور ہر حال میں اپنے اللہ پر بھروسہ کیجئے جو ہر چیز پر غالب ہے، اور جو اپنے مومن بندوں پر نہایت مہربان ہے، اور جو آپ کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے، جب آپ رات کے وقت تہجد کے لئے اٹھتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اور جب لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے قیام، رکوع اور سجدہ کرتے ہیں تو بھی وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے، یعنی اللہ کی نگاہ کرم ہر حال میں آپ پر ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ براسننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ جب آپ کو شرک اور مشرکین سے اعلان براءت کا حکم دیا گیا تو لازم تھا کہ آپ کو اللہ پر بھروسہ کرنے کی نصیحت کی جاتی، کیونکہ اعلان براءت کے بعد تمام مشرکین نے آپ سے کھل کر دشمنی کرنا شروع کر دی، ایسی حالت میں آپ ایک فرد واحد کی حیثیت سے اللہ کی نصرت و تائید اور اس کی مدد کے بغیر پوری قوم کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے۔

(۵۸) آیت (۲۱۰) میں قرآن کریم کے بارے میں کفار مکہ کے جس زعم باطل کی تردید کی گئی تھی، اسی کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ قرآن شیاطین کا کلام نہیں، جسے انہوں نے محمد کی زبان پر جاری کر دیا ہے، یہ بات عقلی طور پر محال ہے، اس لئے کہ شیاطین اپنا کلام ان کا ہنوں کی زبان پر جاری کر پاتے ہیں جو پرلے درجے کے جھوٹے اور بڑے ہی گناہ گار ہوتے ہیں، اور محمد ﷺ کی صداقت کی شہرت تو عام ہے، شیاطین ان کے قریب بھی پہنچ نہیں سکتے ہیں، ان پر تو اللہ کا سچا اور برحق کلام اترتا ہے، جس میں کوئی شیطان کسی طرح بھی مداخلت نہیں کر سکتا ہے۔

آیت (۲۲۳) کا ایک مفہوم یہ ہے کہ شیاطین آسمان کی باتیں چھپ کر سننے کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر ایک میں اپنی طرف سے بہت سی جھوٹی باتیں ملا کر کاہنوں کو بتاتے ہیں۔ اور اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کاہن لوگ شیطانوں سے جو کچھ سنتے ہیں، اس میں اپنی طرف سے بہت سی جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں کو بتاتے ہیں۔ پہلے مفہوم کے مطابق ﴿وَإِذْ أَخْبَرُوا هُمْ بِمَا كَذَّبُوا﴾ سے مراد شیاطین ہیں کہ ان کی اکثر باتیں جھوٹ ہوتی ہیں، اور دوسرے مفہوم کے مطابق، اس سے مراد کاہن ہیں کہ شیاطین انہیں جو کچھ بتاتے ہیں ان میں بہت سی جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں کو سنایا کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں، لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! بعض اوقات وہ لوگ صحیح

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۵۹﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۶۰﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۶۱﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا ﴿۶۲﴾ وَمِن بَعْدِ مَا ظَلَمُوا أَوْسِعْ لَهُمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَلَيْسَ مُنْقَلَبًا لِّتَقْلُبُونَ ﴿۶۳﴾

اور شعراء (۵۹) کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں ﴿۲۲۳﴾ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ﴿۲۲۵﴾ اور جو نہیں کرتے اس کا دعویٰ کرتے ہیں ﴿۲۲۶﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان (۶۰) لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اور اللہ کو خوب یاد کیا، اور ان پر ظلم ہوا تو صرف بدلہ لے لیا، اور عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ وہ کس انجام کو پہنچیں گے ﴿۲۲۷﴾

بات بتاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جن چھپ کر اسے سن لیتا ہے، اور اپنے دوست کا ہن کے کان میں ڈال دیتا ہے، جس میں کاہن اپنی طرف سے سوسے زیادہ جھوٹ ملا دیتا ہے۔

(۵۹) بعض مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔ ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ جس طرح شیاطین اور نبی کریم ﷺ کے مزاج میں منافات ہے، شیاطین ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے ہیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ کا شاعر ہونا بھی عقلی طور پر ناممکن ہے، اس لئے کہ ان کے اور عام شاعروں کے مزاج میں شدید منافات ہے۔ نبی کریم ﷺ حق پسند، حق پرست، صادق دامن اور پاکیزہ نفس و پاکیزہ نظر ہیں، جھوٹ، مبالغہ آرائی، افترا پردازی اور لغو اور فحاشی سے ہزاروں کوس دور ہیں، جبکہ شعراء کا حال یہ ہے کہ ان کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو جاہد حق سے دور ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ خیالات کی دنیا میں بھٹکتے ہیں، جھوٹ بولے بغیر ان کی شاعری مکمل نہیں ہوتی، لوگوں کی عزتوں پر حملے کرنا، پاکدامن عورتوں سے اظہار عشق، امر پرستی، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا، لوگوں کو گناہ پر ابھارنا، بے کئے اچھے اعمال کی اپنی طرف نسبت کرنا، اور اسی قسم کی جتنی غلط باتیں ہو سکتی ہیں ان کی شاعری کا موضوع ہوتی ہیں۔

اس لئے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ شاعر نہیں ہیں، اور ان کے لئے شاعر ہونا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کے نبی اور رسول ہیں، تمام برے اوصاف سے پاک اور تمام اچھے اوصاف اور محاسن اخلاق کے ساتھ متصف ہیں۔

(۶۰) شعراء بالعموم ویسے ہی ہوتے ہیں جیسی ان کی مذکورہ بالا آیتوں میں صفات بیان کی گئی ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اہل ایمان ہوتے ہیں، اور ان کی زندگی عمل صالح کرتے گذر جاتی ہے، اور اپنے اشعار میں اللہ، اس کے رسول اور دین اسلام اور اخلاق حسنة کی باتیں کرتے ہیں، اور اگر کوئی دشمن اللہ یا اس کے نبی کی ہجو بیان کرتا ہے تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ ایسے شعراء کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں عام شاعروں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جیسے عبد اللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر وغیرہم، جنہوں نے نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کا دفاع کیا، اور نبی کریم ﷺ نے مختلف اوقات میں ان کی تعریف کی اور انہیں مدح دادی۔ عبد اللہ بن رواحہ سے کہا، اللہ کی قسم! تمہارے اشعار کا فروں پر تیرے سے بھی زیادہ کاری ضرب لگاتے ہیں۔

(مسند احمد) اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا: مشرکین کی ہجو بیان کر دو جبریل تمہارے ساتھ ہیں (ابن سعد، ابن ابی شیبہ) ایک موقع سے کہا: اے اللہ! حسان کی جبریل کے ذریعہ مدد فرما۔ (مسند احمد، ابن سعد)۔ اور یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا، یعنی جو شعراء ایمان و عمل صالح کو اپنا شعار بنائیں گے، توحید کی راہ پر گامزن ہوں گے، بدعت و خرافات سے دور ہوں گے، اور ان



طس تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّهِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝

سورة النمل کی ہے، اس میں تیرا نوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

طس (۱) یہ سورت قرآن اور ایک کھلی کتاب کی آیتیں ہیں ﴿۱﴾ ایمان والوں کے لئے ہدایت و بشارت ہے ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں، اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں ﴿۳﴾

شاعروں کی تردید کریں گے جو اسلام پر اوجھے حملے کریں گے، یا کفر و بدعت کو رواج دینے کی کوشش کریں گے، یا بھلائی سے رکھیں گے اور برائی کی دعوت دیں گے، تو وہ حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن رواحہ جیسے شاعروں کے زمرے میں داخل ہوں گے۔ آیت کے آخر میں کفار مکہ کو دھمکی دی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہتے تھے، اور قرآن کریم کو جادو اور شاعری کا نام دیتے تھے۔

تفسیر سورة النمل

نام : آیت (۱۸) میں "النمل" کا لفظ آیا ہے، جس کا معنی "چیونیاں" ہے۔ یہی لفظ اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ صاحب محاسن التزیل مفسر مہابیحی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں چیونیوں کی آپس کی گفتگو نقل کی گئی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات تک کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ انبیائے کرام اور ان کے اصحاب قصد کسی کو تکلیف پہنچانا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ اور جب وہ اس درجہ کے اعلیٰ وارفع انسان ہوتے ہیں تو ان پر ایمان لانا اور ان پر اعتماد کرنا، عقلی طور پر واجب ہو جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "النمل" رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول : قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ اتنی، اور عام مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی (بعث بعد الموت) کے عقیدے پر مختلف پیرائے سے بحث کی گئی ہے، اور کفار مکہ کو آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے جو تمام دینی اور اخروی بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ چند دیگر موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں، مثلاً قرآن کریم کی حقانیت، توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور نماز و زکاۃ وغیرہ، لیکن مرکزی موضوع آخرت پر ایمان لانا ہی ہے۔

(۱) طس، حروف مقطعه ہیں، اور جیسا کہ پہلے کئی بار لکھا جا چکا ہے، حروف مقطعات کا معنی اور مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ ان حروف کے مختلف سورتوں کی ابتدا میں لانے سے اس طرف اشارہ ضرور ملتا ہے کہ یہ قرآن انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تمہاری گفتگو بنتی ہے، لیکن تم اس جیسا کلام لانے سے یکسر عاجز ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو نبی کریم ﷺ پر بطور معجزہ نازل ہوا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
هُمْ الْأَخْسَرُونَ ﴿۲﴾ وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿۳﴾ إِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِيهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَائِغَةً
مِنْهَا مَخْبَرٌ أَوْ لَيْكُمُ بِشَهَابٍ مِمَّنْ لَعَنَّكُمْ فَبَدَّلَ اللَّهُ فَطْرَتَكُمْ فَلَمَّا قَلَىٰ عَمَلَ آلِهِ اتَّخَذَ ابْنُ مَرْيَمَ نَصِيبًا مِمَّا كَسَبَ ﴿۴﴾

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان (۲) نہیں رکھتے ہیں، ہم نے ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے، پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ﴿۳﴾ انہی لوگوں کے لئے بدترین عذاب ہے، اور آخرت میں وہی لوگ سب سے زیادہ گھانا اٹھانے والے ہوں گے ﴿۴﴾ اور آپ کو قرآن اس ذاتِ برحق کی طرف سے دیا (۳) جاتا ہے جو بڑی حکمت والا، ہر بات کو جاننے والا ہے ﴿۱﴾ جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے، وہاں سے یا تو میں کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا تمہارے لئے سلگتا ہوا ایک انگار اتا کہ تم اسے تاپو ﴿۲﴾

ان آیات میں (آیات قرآنیہ کی) تین صفات بیان کی گئی ہیں: پہلی صفت یہ ہے کہ لوگ ان آیتوں کی تلاوت کیا کریں گے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ یہ قرآن بھی دیگر آسمانی کتابوں کی مانند ایک کتاب ہے، جسے اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ اور تیسری صفت یہ ہے کہ یہ قرآن ایک واضح کتاب ہے، جس نے عقیدہ توحید، عبادت اور دیگر احکام شریعت کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ قرآن اپنے مذکورہ بالا صفات کے ساتھ ان مومنوں کے لئے کتابِ ہدایت اور باعثِ رحمت و رضائے الہی ہے، جو ایمان لانے کے بعد اچھے اعمال کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان اور عمل کی دولت سے محروم ہیں، انہیں اس قرآن سے فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

(۲) آخرت پر ایمان لانا ہی تمام بھلائیوں کی جڑ ہے، اور اس کا انکار تمام شر و فساد کا پیش خیمہ ہے۔ جو شخص آخرت کا منکر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو اس کی نگاہ میں خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اس کے دل سے جزا و سزا کا خوف نکل جاتا ہے، اور وہ شہوتوں اور گناہوں میں ڈوب جاتا ہے پھر تو اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ انہی معاصی میں غوطہ زن رہتا ہے، اور اس کے اندر خیر و شر کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

آیت (۵) میں ایسے لوگوں کا انجام یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا، جیسا کہ کفار مکہ کے ساتھ ہوا کہ جنگ بدر میں قتل کئے گئے اور جو باقی رہ گئے قید کر لئے گئے۔ اور آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ یعنی انہیں آگ کا نہایت ہی سخت عذاب دیا جائے گا۔

(۳) اوپر کی آیتوں میں قرآن کریم اور اس کی بعض صفات کا ذکر آیا ہے، اسی لئے اس آیت میں آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ یہ قرآن آپ پر اس اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے اور جو تمام امور سے اچھی طرح واقف ہے، اس لئے اس قرآن کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور یہ آیت ان عجیب و غریب اخبار و واقعات کے لئے بطور تمہید بھی ہے جو اس کے بعد بیان کی جانے والی ہیں، یعنی کفار مکہ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبریں نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی بتائی ہیں، ورنہ یہ خبریں انہیں کہاں سے معلوم ہوتیں۔ اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اور یہ قرآن اللہ کا برحق کلام ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ يٰمُوسَىٰ إِنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ الْعَزِيزُ
 الْعَكِيمُ ۙ وَالْقَصَاكُ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَرُ كَاثَرًا جَانًّا وَلِيٰ مُدْرِكًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَىٰ
 الْمُرْسَلِينَ ۝

جب موسیٰ وہاں پہنچے (۳) تو آواز آئی کہ بابرکت ہے وہ ذات جو آگ میں ہے اور جو اس کے ارد گرد ہے، اور پاک و بے عیب ہے وہ اللہ جو رب العالمین ہے ﴿۸﴾ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں جو زبردست، بڑی حکمت والا ہے ﴿۹﴾ اور آپ اپنی لامٹھی زمین پر ڈال دیجئے، پس جب انہوں نے اسے ہلتے دیکھا جیسے کوئی سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا، (اللہ نے کہا) اے موسیٰ! آپ ڈرئے نہیں، میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے ہیں ﴿۱۰﴾

(۳) ان عجیب و غریب خبروں میں سے پہلی خبر موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہے۔ جب وہ مدین سے مصر جانے کے لئے اپنی بیوی بنت شعیب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب رات کے وقت کوہ سیناء کے پاس پہنچے، اور زمانہ سردی کا تھا، تو دیکھا کہ پہاڑ کی جانب سے آگ کی روشنی آرہی ہے، انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں جا کر لوگوں سے راستے کا پتہ لگاتا ہوں (اس لئے کہ وہ راستہ بھول گئے تھے) یا تھوڑی سی آگ ہی لے آتا ہوں تاکہ تم سردی کی اس رات میں کچھ گرمی حاصل کرو۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ یہ تو آگ نہیں بلکہ نور ہے، جو ایک بہت ہی ہرے درخت سے پھوٹ کر نکل رہا ہے، اور اس نور کی تیزی اور اس درخت کا ہر اپن بڑھتا ہی جا رہا ہے، اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہ نور آسمان کی طرف سے آرہا ہے اور حد نگاہ تک اس کا تسلسل قائم ہے۔ پھر آواز آئی کہ خیر و برکت ہے اس شخص کے لئے جو اس آگ میں کھڑا ہے جو درحقیقت اللہ کا نور ہے، اور ان لوگوں کے لئے جو اس نور کے ارد گرد رہنے والے ہیں، یعنی سر زمین شام و بیت المقدس والوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت (۷۱) میں سر زمین شام کو بابرکت کہا ہے: ﴿وَنَجِّنَاہُ وَكُلُوْطًا اِلٰی الْاَرْضِ النَّبِیِّ بَارِکْنَا فِیْہَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی“۔

چونکہ اس مقام کا تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بندوں کے ساتھ ہر تشبیہ و مماثلت سے پاک مانا جائے اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا جائے کہ ایسی بات نہیں کہ اللہ رب العالمین اس درخت پر بیٹھا ہے یا اس میں حلول کر گیا ہے، یا کوئی زبان حرکت کر رہی ہے جس سے یہ آواز نکل رہی ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ وہ رب العالمین جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے، کوئی چیز اس کا احاطہ کئے ہوئے نہیں ہے، وہ اکیلا اور بے نیاز ہے، اور تمام مخلوقات کی مماثلت و مشابہت سے یکسر پاک ہے۔

اس کے بعد اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ وہ اللہ ہے جو اس سے بات کر رہا ہے، کوئی فرشتہ، یا کوئی اور مخلوق نہیں ہے۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کے دل کو سکون حاصل ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ آپ اپنی لامٹھی زمین پر ڈال دیجئے۔ ڈالنے ہی لامٹھی ایک سانپ کی طرح تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھتے ہی ڈر کے مارے بھاگ پڑے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا جاہا، تو اللہ نے پکارا کہ اے موسیٰ! آپ ڈرئے نہیں، پیغمبر حضرات میرے پاس نہیں ڈرا کرتے ہیں،

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حَسْتًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخَرُّجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ
فِي تَسْعِ إِلَيْتِ إِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوِيهِ إِنَّهُمُ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا إِسْحَارٌ مُؤْتَيْنِ ﴿۱۲﴾

الایہ کہ کسی نے ظلم (۵) کیا، پھر برائی کے بعد (تائب ہو کر) اچھا کام کیا، تو میں بے شک بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہوں ﴿۱۱﴾ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالئے (۱) وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمکدار نکلے گا، یہ دونشائیاں، نوشانیوں میں سے ہیں، جنہیں لے کر آپ کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس جانا ہے، اس لئے کہ وہ لوگ سرکش و نافرمان ہو چکے ہیں ﴿۱۲﴾ پس جب ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں (۷) پہنچ گئیں، تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ﴿۱۳﴾

اس لئے کہ وہ میری حفاظت میں ہوتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو بشارت دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی اور رسول چن لیا ہے، اور ان کے دل سے خوف کو نکال دیا گیا تاکہ جس کے پاس انہیں دعوت اسلام لے کر جانا تھا، اس سے پوری جرأت و صراحت کے ساتھ بات کر سکیں۔

(۵) بعض چھوٹے گناہ بغیر قصد و ارادے کے بعض انبیاء کرام سے صادر ہوئے، جس کی وجہ سے انہیں اللہ کا خوف لاحق ہو گیا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے غلطی سے ایک قبلی کو قتل کر دیا تھا، جس کا احساس انہیں ہر دم رہتا تھا، چنانچہ آپ نے دعا کی تھی: ﴿رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ﴾ ”میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، تو مجھے معاف کر دے، تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا“۔ (التقصص: ۱۶)۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ سے غلطی تو ہوئی تھی، لیکن اللہ نے آپ کے توبہ و استغفار اور نیک اعمال کی وجہ سے اسے معاف کر دیا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اگر کسی نبی سے کبھی ایسا ہوا بھی تو فوراً توبہ و استغفار کیا اور نیک اعمال کئے، جس کے نتیجے میں اللہ نے انہیں معاف کر دیا، ان کے حال پر رحم کیا، اور ان کی حفاظت کی، جیسا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں انسانوں کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، کہ ایک آدمی اگر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پھر اس سے صدق دل سے تائب ہو جاتا ہے، تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے معاف کر دے گا، اور اس پر رحم فرمائے گا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ عطا کرنے کے لئے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنی قمیص کے گریبان میں ڈالئے، وہ بغیر کسی بیماری کے چاند کے مانند چمکتا ہوا نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، اور ان کا ہاتھ بغیر کسی بیماری کے نہایت ہی چمکدار بن کر آنکھوں کو چکاچوند کرنے لگا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی صداقت ثابت کرنے اور فرعون کو راہ راست پر لانے کے لئے ہم آپ کو نو معجزات دیں گے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت (۱۰۱) میں بھی اللہ تعالیٰ نے صراحت کر دی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں دی تھیں۔ اور وہاں میں نے ان کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونوں کا کفر و عناد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ہماری کھلی اور روز روشن کی طرح واضح

وَحَدَّوْا بِهَا وَاسْتَفْتَنَهَا أَنَسَمُ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ سُلَيْمَانَ عَلَمًا ۖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ۖ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُذْرَنَا مَنطِقَ الظُّلْمِ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَإِنَّ هَذَا هُوَ الْفَضْلُ الْبُيِّنُ ۝

اور ان نشانیوں کا انہوں نے ظلم و سرکشی کی وجہ سے انکار کر دیا، حالانکہ ان کا باطن ان کی صداقت کا یقین کر چکا تھا، تو آپ دیکھ لیجئے کہ زمین میں فساد پھیلانے والوں کا کیا انجام ہوا ﴿۱۳﴾ اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم (۸) دیا، اور دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے ﴿۱۵﴾ اور سلیمان داؤد کے وارث (۹) ہوئے، انہوں نے کہا، اے لوگو! ہمیں چیزوں کی بولی کا علم دیا گیا ہے، اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے، بے شک یہ اللہ کا نمایاں فضل ہے ﴿۱۶﴾

نشانیوں ان کے سامنے پیش کر دی گئیں، اور ان کے انکار کے لئے ان سے کچھ نہ بن پڑا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے، اور اپنے دلوں میں اس بات کا یقین رکھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے معجزے ہیں، ظلم اور غرور کی راہ اختیار کی اور ان کا انکار کر دیا۔ اس لئے آیت (۱۳) کے آخر میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا، آپ دیکھ لیجئے کہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والوں کا کیا انجام ہوا، اللہ نے ان سب کو ایک ساتھ سمندر میں ڈبو دیا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم بھی اپنے کفر و عناد پر اڑے رہے تو کہیں تمہارا انجام بھی فرعونوں جیسا نہ ہو۔

(۸) اس سورت میں مذکور انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے عجیب و غریب قصوں میں سے دوسرا قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے داؤد و سلیمان کو علم کثیر سے نوازا تھا۔ علم شریعت اور علم قضاء کے علاوہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کو زور عطا کیا، زرہ سازی کا علم دیا، لوہا ان کے ہاتھ میں پکھل جاتا تھا، دونوں باپ بیٹا چیزوں کی بولی بھی سمجھتے تھے، اور سلیمان علیہ السلام کے لئے جن و انس، چیزیاں، ہوا اور جانور وغیرہ مسخر کر دیئے گئے تھے، اور دونوں کو اللہ نے بادشاہی سے نوازا تھا۔

ان گونا گوں نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت دی ہے۔ یعنی یہ علم و نبوت اور یہ بادشاہی سب اللہ کا فضل اور اسی کا عطیہ ہے۔ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا ہے، ہم تو اس کے ناچیز بندے ہیں۔ ہم ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی اپنے اندر کب قدرت رکھتے تھے۔

(۹) مفسرین لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے انیس لڑکے تھے، ان میں سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے۔ یہاں وراثت سے مراد میراث علم و نبوت ہے۔ و نیاوی مال و متاع کی وراثت نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے علم و نبوت کا وارث ان کے بعد ان کے چھوٹے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو بنایا تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے، اور ہمیں ہمارے رب کی جانب سے ہر چیز دی گئی ہے، کسی چیز کی کمی نہیں ہے، بے شک اللہ کا ہم پر واضح فضل و کرم ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ بات فخر و مباہات کے لئے نہیں، بلکہ اللہ کے شکر کے طور پر کہی تھی۔

وَحُرِّسُوا لِمَنْ جُودُهُ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۷﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ ﴿۱۸﴾ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا مَطْمَئِنُّكُمْ سُلَيْمِينَ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۹﴾ فَتَبَسَّ بِسَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأُدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۰﴾

اور سلیمان کے لئے جنوں، انسانوں اور چڑیوں پر مشتمل بہت سے لشکر جمع (۱۷) کر دیئے گئے، جو نظم و ضبط کے پابند رکھے جاتے تھے ﴿۱۷﴾ یہاں تک کہ (ایک بار) جب چیونٹیوں کی وادی میں آئے، تو ایک چیونٹی نے کہا، اوجیو نیو! تم سب اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں تمہیں سلیمان اور اس کے لشکر کے افراد غیر شعوری طور پر کچل نہ دیں ﴿۱۸﴾ سلیمان اس کی بات پر مسکرا کر کہنے لگے، میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے باپ ماں کو دی ہیں، اور ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند کرتا ہے، اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر دے ﴿۱۹﴾

(۱۷) سلیمان علیہ السلام کے ایک سفر کا ذکر ہے، جب وہ جنوں، انسانوں اور چڑیوں پر مشتمل اپنی ایک منظم و مرتب فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستہ میں ان کا گذر ایک ایسی وادی سے ہوا جس میں چیونٹیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک چیونٹی نے اس لشکر جرار کو دیکھ کر دیگر چیونٹیوں سے کہا کہ تم سب جلد از جلد اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کی فوج غیر شعوری طور پر تمہیں کچل دے۔ سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرانے لگے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دعا کرنے لگے کہ میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق دے کہ تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر جن نعمتوں کی بارش کی ہے ان کا شکر ادا کروں، اور ایسے نیک کام کروں جنہیں تو پسند کرتا ہے، اور اپنے رحم و کرم سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر دے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ باپ ماں پر احسان گویا آدمی پر احسان ہوتا ہے، اس لئے اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق مانگی، اور چاہا کہ دنیاوی نعمتوں کے ساتھ اللہ انہیں دینی نعمت سے نوازے، اسی لئے عمل صالح کی توفیق مانگی، اور چونکہ مرد مومن کا انتہائے مقصود آخرت کی کامیابی ہے، اسی لئے آخر میں دعا کی کہ اللہ انہیں قیامت کے دن اپنے نیک بندوں میں شامل کر دے۔ یہاں شوکانی نے اپنے لئے دعا کی ہے کہ اے اللہ! میں بھی تجھ سے وہی مانگتا ہوں جو تیرے نبی کریم سلیمان نے تجھ سے مانگا تھا، تو میری دعا قبول کر لے اور مجھ پر فضل فرما، اگرچہ میں عمل میں کوتاہ ہوں، لیکن جنت کے حصول کا سبب محض تیرا فضل و کرم ہے۔ اتھی۔

یہ بندہ عاجز و خطاوار بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو رحم الراحمین کے حضور پھیلا کر دعا کرتا ہے کہ میرے رب! میں بھی تیرے نبی کریم سلیمان کی طرح تجھ سے تیری رضا اور عمل صالح کی توفیق مانگتا ہوں، اور میرے کریم! بڑی عاجزی کے ساتھ تیرے سامنے سر بسجود ہو کر دعا کرتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھے بھی اپنے رحم و کرم سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر دینا، اور میرے والدین، میرے بھائی بہن، میری بیوی، میرے بچے اور تمام بچیوں کو بھی اپنے فضل و کرم کے سامنے میں جگہ دے دینا۔ آمین یا رب العالمین۔

وَتَقَعَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدَىٰ هُدًىٰ مِّنَ الْغَائِبِينَ ۖ لِأَعَدَّ بَنَاتُكَ عَدًّا أَبَاشِدٍ يُدْأَوْنَ لَا ذِمَّةَ أُولَئِكَ فِي يَدِينِي
يُسَاطِنُ مُبِينٍ ۖ فَكَفَّ غَيْرَ يَبْعِدٍ فَقَالَ أَحَطَّتْ بِمَا لَمْ تُحِطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبِيٍّ يَقِينٍ ۖ إِنَّي وَجَدْتُ
أُمَّرَأَةً تَنبَلُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۖ وَجَدْتُهُمْ وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَرَبِّكَ أَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ اغْتَابَتْهُمْ فَصَدَّتْهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۗ أَلَا يَسْجُدُونَ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۗ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّبُّ الْعَظِيمُ ۖ

اور چڑیوں کا جائزہ لیا (۱۱) تو کہا، کیا بات ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں، کیا وہ غائب ہے ﴿۲۰﴾ میں یقیناً اُسے
بہت سخت سزا دوں گا، یا اُسے ذبح کر دوں گا، یا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کا کوئی واضح عذر پیش کرے ﴿۲۱﴾ ابھی
تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اس نے آکر کہا، مجھے وہ خبر معلوم ہوئی ہے جو آپ کو نہیں معلوم ہے، اور شہر سبأ کی ایک
یقینی خبر لے کر آیا ہوں ﴿۲۲﴾ میں نے ایک عورت کو ان پر حکمرانی کرتے پایا ہے، اور اُسے (اللہ کی طرف سے) ہر
چیز دی گئی ہے، اور اس کے پاس بڑا تخت شاہی ہے ﴿۲۳﴾ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کے بجائے آفتاب کو
سجدہ کرتے پایا ہے، اور شیطان نے ان کے کاموں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے، اور انہیں راہ حق سے
روک دیا ہے، پس وہ گمراہ ہو گئے ہیں ﴿۲۴﴾ اسی لئے اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں تمھیں
چیزوں کو باہر نکالتا ہے، اور جو ان تمام باتوں کو جانتا ہے جنہیں تم مٹھپاتے ہو اور جنہیں ظاہر کرتے ہو ﴿۲۵﴾ اللہ
کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے ﴿۲۶﴾

(۱۱) سلیمان علیہ السلام نے ایک دن دوران سفر چڑیوں کی حاضری لی، اور خاص طور پر ہد ہد کے بارے میں دریافت کیا، تو وہ
غائب تھا۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام جب کبھی چشیل میدان میں ہوتے
جہاں پانی کی ضرورت ہوتی تو ہد ہد وہ جگہ بتا دیتا جہاں زمین کے نیچے پانی ہوتا، پھر جن اس جگہ کو کھود کر پانی نکال لیتے۔ ایسی ہی
ضرورت کے پیش نظر سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو طلب کیا تو وہ نہیں ملا، انہوں نے ناراض ہو کر کہا کہ اگر اس نے معقول عذر
نہیں پیش کیا تو میں اسے سخت سزا دوں گا، یا ذبح کر دوں گا، لیکن کچھ ہی دیر کے بعد وہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر ہو گیا،
اور اپنا عذر پیش کرتے ہوئے انہیں خبر دی کہ میں وہ کچھ دیکھ آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں ہے، میں یمن کے شہر سبأ (جو اب
مأرب کہلاتا ہے) کی ایک بالکل سچی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا ہے جو بادشاہ ہے۔ اور جسے اللہ نے
ہر ساز و سامان اور اسباب و ثروت سے نوازا رکھا ہے، اور اس کا ایک بہت عظیم تخت شاہی ہے جس پر بیٹھ کر حکومت کرتی ہے۔

مفسرین نے اس عورت کا نام بلقیس بتایا ہے، اور اس کی فوج، تخت شاہی اور خدم کی تفصیلات بیان کی ہیں، جن
سے اس کی عظیم بادشاہت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہد ہد نے کہا: میں نے اُسے اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا آفتاب کو سجدہ کرتے دیکھا
ہے، اور شیطان نے ان کے ان شرکیہ اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے، اور انہیں راہ حق کی اتباع سے روک دیا ہے،
اسی لئے وہ لوگ بھک گئے ہیں، اور اس اللہ کے لئے سجدہ نہیں کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے۔
آسمان سے بارش بھیجتا ہے، اور زمین کے اندر سے نباتات اور معدنیات کو نکالتا ہے، اور جو تمام پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، وہ اللہ

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۲﴾ اِذْ هَبْ بَنِيكَ مِنْ هَذَا الْقَرْيَةِ يَوْمَ نُبَاتِ الْمَاءِ مَدَّ يَدَيْهِمْ فَاغْنَوْا فُؤَادَهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَإِىَ أَلْقَى إِلَيْنِ الْكِتَابَ كَرِيمًا ﴿۱۴﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱۵﴾ اَلْأَعْلُوْا عَلَيَّ وَاتَّقُوْا مَسْئِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَإِىَ أَفَتُونِيْ فِيْ أَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُوْنَ ﴿۱۷﴾ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوْا فُؤَادَهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَإِىَ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَاجَها آذِنَةً ﴿۲۰﴾ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۲۱﴾

سليمان نے کہا (۱۲) ہم دیکھیں گے کہ تم سچے ہو یا جھوٹے ﴿۲۱﴾ میرا یہ خط لے کر جاؤ، اور ان کے سامنے ڈال دو، پھر ان سے الگ ہو جاؤ، اور دیکھو کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں ﴿۲۸﴾ ملکہ سبآنے (خط پڑھنے کے بعد) کہا، اے سرداران قوم! میری طرف ایک اہم خط پھینکا گیا ہے ﴿۲۹﴾ وہ سليمان کی طرف سے ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۳۰﴾ (اس میں لکھا ہے کہ) تم لوگ مجھ سے اونچے نہ بنو، اور اطاعت گزار بن کر میرے پاس آ جاؤ ﴿۳۱﴾ ملکہ نے کہا (۱۳) اے سرداران قوم! اس معاملے میں مجھے اپنا مشورہ دو، میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گی، یہاں تک کہ تم میری رائے سے موافقت کرو ﴿۳۲﴾ سرداروں نے کہا، ہم لوگ طاقت والے اور زبردست لڑنے والے ہیں، اور فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ خود ہی غور و فکر کر لیجئے کہ ہمیں کیا حکم دینا چاہیے گی ﴿۳۳﴾ اس نے کہا، بادشاہ جب کسی ملک میں (فوج کشی کے ذریعہ) داخل ہوتے ہیں، تو اسے برباد کر دیتے ہیں، اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں، اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ﴿۳۴﴾

جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور جو اس عرش عظیم کلاب ہے، جو آفتاب، تمام ستاروں اور ہر چیز کو محیط ہے، جس کی عظمت کے مقابلے میں اس عورت کے تحت شاہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور جس اللہ کی قدرت کے مقابلے میں اس کا معبود یعنی آفتاب کتنا کمزور اور ناتواں ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ چونکہ ہد ہد نے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے رد کا اس لئے اس کا قتل ممنوع ہے۔ امام احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار جانداروں کو مارنے سے منع فرمایا ہے: چوٹی، شہد کی مکھی، ہد ہد اور لٹورا۔

(۱۲) سليمان عليه السلام نے ہد ہد کی بات سُن کر کہا، میں تمہارا امتحان لے کر دیکھوں گا کہ تم نے سچ بات کہی ہے یا اپنی جان بچانے کے لئے میرے سامنے ایک جھوٹ گھڑ کر بیان کر دیا ہے۔ میرا یہ خط لے کر جاؤ، اور ان کے سامنے ڈال دو اور پھر الگ ہٹ کر چھپ جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہد ہد نے ایسا ہی کیا، اور ملکہ کی گود میں خط ڈال دیا، ملکہ نے خوفزدہ ہو کر اسے پڑھا اور اپنے دربار کے خاص لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے پاس ایک بہت ہی لائق احترام خط بھیجا گیا ہے، یہ خط سليمان کی جانب سے ہے، اور اس کی ابتدا اس اللہ کے نام سے ہے جو بے حد رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے، اور اس کا مضمون یہ ہے کہ تم لوگ بادشاہوں کے عام طریقے کے مطابق کبر و نخوت سے کام نہ لو، اگر وہ نہیں، اور جو دین دے کر میں بھیجا گیا ہوں، اس پر ایمان لاؤ اور میرے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔

وَأَنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرْهُ بِمِرْجِعِ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۰۷۶﴾ فَلَمَّا جَاءَهُ سُلَيْمَانُ قَالَ أَتَيْدُؤُنَّ بِمَالٍ فَمَا آتَى اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا أَنْتُمْ بَلَّغْتُمْ بِهِدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۱۰۷۷﴾ رَجِعْ إِلَيْهِمْ فَمَا لَئِيْنَهُمْ بِمَجْنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَانفِرْ حَتَّى تُصِيبَهُمْ ذُرِّيَّتُهَا فَمَا يَكْفُرُ أُولَئِكَ إِلَّا نَجْمًا يُوقَدُ ﴿۱۰۷۸﴾ أذِلَّةٌ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۱۰۷۹﴾

اور میں ان کے پاس ہدیہ بھیج کر دیکھتی ہوں کہ میرے قاصد کیا جواب لاتے ہیں ﴿۳۵﴾ جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا، تو انہوں نے کہا، کیا تم لوگ مجھے مال دینا چاہتے ہو، اللہ نے جو مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، بلکہ تم خود ہی اپنے ہدیہ پر خوش ہوتے رہو ﴿۳۶﴾ تم ان کے پاس لوٹ جاؤ، ہم ان پر ایسی فوجوں کے ذریعہ حملہ کریں گے جس کی وہ تاب نہ لاسکیں گے، اور انہیں وہاں سے ذلیل و خوار بنا کر نکال دیں گے ﴿۳۷﴾

(۱۳) بلقیس نے جب خط پڑھ لیا، تو دربار میں موجود خاص لوگوں کو اس کا مضمون بتایا، اور ان سے کہا کہ تم لوگ اس بارے میں مجھے اپنی رائے دو، جب تک تم لوگوں کی رائے نہ معلوم کر لوں، صرف اپنی سمجھ پر بھروسہ کر کے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ تو ان زعمائے قوم نے کہا کہ ہم فوجی طاقت اور جنگ کا اچھا تجربہ رکھتے ہیں، اور معرکہ کارزار میں دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے ہیں، اس لئے ہم اپنی جان و مال اور ملک و وطن سے دفاع کی پوری قدرت رکھتے ہیں، اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے، آپ کی دور اندیشی اور عقلمندی پر ہمیں پورا بھروسہ ہے، آپ کا جو حکم ہو گا اسے گزرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ بلقیس نے تمام حالات کا جائزہ لیا، سلیمان علیہ السلام کی قوت و ہیبت کا اندازہ اس سے لگایا کہ چیزیاں تک ان کی تابع فرمان ہیں۔ اور اس نتیجے پر فوراً پہنچ گئی کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلے میں بالکل کمزور ہے، اور بہتری اسی میں ہے کہ سلیمان سے صلح کر لی جائے، اسی لئے اس نے کہا کہ یہ بادشاہ حضرات جب کسی ملک میں قوت کے بل بوتے پر داخل ہوتے ہیں، تو اسے تمہیں نہیں کر دیتے ہیں، اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں، قید کر لیتے ہیں، اور مال و متاع لوٹ لیتے ہیں، اس لئے سلیمان اور اس کی فوج کے لوگ بھی یہاں یہی کچھ کریں گے۔

میں سلیمان اور اس کے عمائدین قوم کے لئے ہدیہ بھیجتی ہوں، اور دیکھتی ہوں کہ میرے قاصد کیا جواب اور تاثر لے کر آتے ہیں۔ جب قاصد سلیمان علیہ السلام کے پاس بلقیس کا قیمتی ہدیہ لے کر پہنچے، اور ان کی خدمت میں پیش کیا، تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم لوگ مجھے مال دے کر خوش کرنا چاہتے ہو، تاکہ تمہارے کفر و شرک کو نظر انداز کر جاؤں، اور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں، مجھے تو اللہ نے تم لوگوں سے کہیں زیادہ اور بہتر عطا کیا ہے۔ علم و نبوت سے نوازا ہے، بادشاہی عطا کی ہے اور جنوں، انسانوں، پرندوں، جانوروں اور ہواؤں تک کو میرے لئے مسخر کر دیا ہے۔ تم لوگ ہدیہ واپس لے جاؤ اور دنیا کی ان عارضی نعمتوں پر خوش ہوتے رہو، مجھے تمہارا ہدیہ قبول نہیں، اور اگر وہ لوگ مسلمان بن کر میرے پاس نہ آئے تو ایک ایسی فوج لے کر ان پر حملہ کر دوں گا جن کے مقابلے کی ان کے اندر طاقت نہیں ہے، اور سب کو شہر سب سے ذلیل و خوار کر کے نکال دوں گا۔

جب قاصدین سلیمان علیہ السلام کا یہ پیغام لے کر بلقیس کے پاس واپس پہنچے، اور اسے یقین ہو گیا کہ سلیمان کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں، تو ایمان لانے کے لئے روانہ ہو گئی۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَأْمُورُ أَيُّكُمْ يَأْتِيَنِي بِعِزِّهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتُ مِنَ الْبَحْرِ أَنَا أَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۝ وَإِنِّي عَلَيْكَ لَقَوِيٌّ أَوْيٌّ ۝ قَالَ الَّذِي عِنْدَكَ عَالِمٌ مِمَّنْ الْكُتُبُ أَنَا أَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَبْرُتَكَ إِلَيْهِ لَوْ طَرَفُوكَ فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۝ لِيَبْلُوكُنِي ءَأَشْكُرُكُمْ أَمْ أَكْفُرُكُمْ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيَ عَزِيزٌ كَرِيمٌ ۝

سلیمان نے کہا (۱۳) اے اہل دربار! تم میں سے کون اس کا تخت شاہی میرے پاس اس سے پہلے لے کر آسکتا ہے کہ وہ میرے پاس اطاعت گزار بن کر آئیں ﴿۳۸﴾ ایک دیو ہیمل جن نے کہا، میں آپ کے پاس اسے اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنی مجلس برخواست کریں، اور میں اس کام کی طاقت رکھتا ہوں اور اسے پوری امانت کے ساتھ نباہوں گا ﴿۳۹﴾ اس آدمی نے کہا جس کے پاس اللہ کی کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے کر آسکتا ہوں۔ جب سلیمان نے اس (تخت شاہی) کو اپنے سامنے رکھا دیکھا، تو کہا، یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزما کر دیکھے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں، اور جو آدمی شکر ادا کرتا ہے، وہ درحقیقت اپنے لئے شکر ادا کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے، تو جان لینا چاہئے کہ میرا رب بے نیاز، کرم والا ہے ﴿۴۰﴾

(۱۳) سلیمان علیہ السلام جنوں کے ذریعہ اس کی آمد کی خبر لیتے رہے، اور جب فلسطین سے بالکل قریب آگئی تو انہوں نے اپنے اعیان حکومت سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم میں سے کون اس کا تخت شاہی میرے پاس ان سب کے آنے سے پہلے لاسکتا ہے؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ اگر بقیس اور اس کی قوم کے لوگ ان کے پاس آکر اسلام کا اعلان کر دیتے تو ان کے لئے اس تخت کا لینا جائز نہ ہوتا، اس لئے کہا کہ کون ان کے آنے سے پہلے اس کا تخت لاسکتا ہے؟ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ان کا مقصد بقیس کے سامنے اپنی نبوت کی دلیل پیش کرنی تھی کہ اللہ نے انہیں یہ قدرت نبوت کی نشانی کے طور پر دی ہے، کہ اس کا تخت فلسطین میں اس کے سامنے موجود ہے۔ بہت سے مفسرین نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

ان کی یہ بات سن کر ایک قوی ہیمل جن نے کہا کہ یہ کام میں انجام دے سکتا ہوں، اور آپ کی مجلس برخواست ہونے سے پہلے اسے لے آؤں گا۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس کی قدرت رکھتا ہوں اور اسے بحفاظت و امانت آپ تک لے آؤں گا۔ جن کی یہ بات سن کر آصف بن برخیا نے کہا، جو بنی اسرائیل میں سے تھا اور سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا، اور جسے اللہ کا وہ اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ اللہ سے مانگنے سے دعا قبول ہوتی ہے، اس نے کہا کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ وہ خود سلیمان علیہ السلام تھے انہی کے پاس اللہ کی کتاب کا علم تھا، انہوں نے ہی جن سے کہا کہ اس سے پہلے تو میں اسے لے آؤں گا۔ شوکانی نے پہلے رائے کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال پلک جھپکنے سے پہلے وہ عرش سلیمان علیہ السلام کے سامنے آگیا، تو انہوں نے کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے، ورنہ میرے اندر اس کی طاقت کہاں تھی، اللہ مجھے آزما چاہتا ہے کہ میں طاعت و بندگی کے ذریعہ اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا معصیت و نافرمانی کے ذریعہ اس کی ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو کوئی اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی پہنچتا ہے کہ اس کی نعمت باقی رہتی ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے،

قَالَ تَكْرَهُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرُ أَتَهْتَبُ حَىٰ أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَخْتَدِرُونَ ﴿۱۵﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عِرْسُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۱۶﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۱۷﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَتْ إِنَّهَا صَرْحٌ قَدْ خَلَّ مِنْ قَورَيْهِ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سَالِكِينَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸﴾

انہوں نے (اپنے لوگوں سے) کہا (۱۵) تم لوگ ملکہ کے تخت کی ظاہری شکل بدل دو ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اسے پہچانتی ہے، یا ان لوگوں میں سے ہے جو اتنی سمجھ نہیں رکھتے ﴿۱۶﴾ پس جب وہ آئی، تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے، تو اس نے کہا، ہو بہو وہی ہے، اور ہمیں تو پہلے ہی آپ کی برتری کا علم ہو چکا تھا، اور آپ کے تابع فرمان ہو چکے تھے ﴿۱۷﴾ اور اسے ایمان لانے سے اب تک اس بات نے روک رکھا تھا کہ وہ اللہ کے سوا غیروں کی عبادت کرتی تھی، وہ بے شک کافروں میں سے تھی ﴿۱۸﴾ اس سے کہا گیا کہ محل کے اندر چلو ﴿۱۹﴾ پس جب اس نے اُسے دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا، اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا، یہ شیشے کا بنا ہوا ایک محل ہے جسے خوب چمکایا گیا ہے، ملکہ نے کہا، میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، اور اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی خاطر اسلام کا اعلان کرتی ہوں ﴿۲۰﴾

تو اللہ اپنے بندوں کے شکر سے یکسر بے نیاز ہے، اس کا محتاج نہیں ہے۔ اور وہ کریم ہے کہ بندوں کے کفر کے باوجود اپنی نعمتیں ان سے نہیں چھینتا ہے۔

(۱۵) سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت کے بعض اوصاف بدل دیئے جائیں، تاکہ دیکھیں کہ بلقیس اسے اپنے سامنے دیکھ کر کیا جواب دیتی ہے، اور اس کی عقل و فہم کا اندازہ ہو سکے، چنانچہ جب وہ اپنے تخت کے قریب پہنچی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے، تو اس نے کہا کہ ہو بہو ایسا ہی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ ”یہ میرا ہی تخت شاہی ہے“ اور نہ یہ کہا کہ ”نہیں میرا تخت تو اور ہے“ اور یہ جواب اس کی عقلمندی کی دلیل تھی تاکہ پہلے جواب کی صورت میں کوئی اسے جھٹلائے نہیں اور دوسرے جواب کی صورت میں کوئی اسے جال نہ کہے۔

سلیمان علیہ السلام نے اس کی ذہانت کا اعتراف کیا اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے اگر اسے عقل و ذہانت سے نوازا ہے، تو ہمیں اس کے قبل اپنی ذات برحق اور دین اسلام کی صداقت کا علم دے رکھا ہے، اور اسی وجہ سے ہم مسلمان کی زندگی گزار رہے ہیں، اور اسے ایک اللہ کی عبادت سے اب تک اس بات نے روک رکھا ہے کہ اس کی پوری قوم کافر تھی اور غیر اللہ کی عبادت کرتی تھی، تو یہ بھی انہی کی پیروی کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک کرتی تھی۔ امام شوکانی نے آیت (۲۰) کو اللہ کا کلام قرار دیا ہے۔ جس میں سلیمان و بلقیس کی گفتگو کے بعد اللہ نے اس کے مشرک ہونے کا سبب بیان کیا ہے۔

(۱۶) سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ایسا محل تھا جس کا فرش چکنے شیشے کا بنا ہوا تھا، اور اس کے نیچے ایک بڑا تالاب تھا جس میں بہت سی مچھلیاں تھیں، اور پانی میں تھوڑے پھول پیدا ہوتا رہتا تھا۔ انہوں نے بلقیس اور اس کی قوم کو اپنی نبوت اور عظیم سلطنت کی

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فِئْتَنٌ مِّنْجَحْتَمُونَ ﴿۳۵﴾ قَالَ يَاقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۶﴾ قَالُوا الظُّلُمَاتُ بِنَاكٍ وَبَيْنَ مَعَكَ قَالَ طَرِكُوا عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّفْتِنُونَ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے قوم ثمود (۱۷) کی ہدایت کے لئے ان کے بھائی صالح کو بھیجا، جنہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، تو وہ دوگروہوں میں بٹ گئے اور آپس میں جھگڑنے لگے ﴿۳۵﴾ صالح نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے بُرائی کی طرف کیوں جلدی کرتے ہو، اللہ سے مغفرت کیوں نہیں طلب کرتے ہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۳۶﴾ انہوں نے کہا، ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے بدشگونئی لی ہے، صالح نے کہا، تمہاری نحوست اللہ کی طرف سے ہے، بلکہ تمہیں آزمایا جا رہا ہے ﴿۳۷﴾

ایک اور نشانی دکھانی چاہی، چنانچہ وہ اس محل میں جا کر بیٹھ گئے، اور ان کے ارد گرد انسانوں اور جنوں کا ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا، اور پھر اس سے کہا گیا کہ سلیمان علیہ السلام اس سے اس محل میں ملنا چاہتے ہیں۔ جب محل کے صحن میں پہنچی تو اس نے پانی کھج کر اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑے اوپر اٹھائے، تو سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا پانی نہیں، بلکہ پکنے شیشے کا فرش ہے۔ یہ آخری چیز تھی جس نے بلقیس کی آنکھیں کھول دی۔ پہلی چیز سلیمان علیہ السلام کا خط تھا، جسے چڑیانے اس کی گود میں ڈال دیا تھا، دوسری چیز اس کا ہدیہ تھا جسے انہوں نے رد کر دیا تھا، تیسری چیز اس کے قاصدوں کا فلسطین سے واپس جانے کے بعد سلیمان علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کی گواہی تھی۔ اور اب اس آخری چیز نے ان کی نبوت پر ایمان لانے پر اسے مجبور کر دیا کہ تمام دنیاوی آرام و آسائش کے اسباب مہیا ہونے کے باوجود سلیمان علیہ السلام کا سر ہر وقت شدت تواضع سے اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ اسی لئے بے ساختہ پکار اٹھی کہ میں اب تک اللہ کے بجائے آفتاب کی پرستش کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی ہوں، میں سلیمان کی پیروی کرتے ہوئے اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں، اور اپنے اسلام کا اعلان کرتی ہوں۔

(۱۷) اس سورت میں مذکور انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے عجیب و غریب واقعات میں سے تیسرا واقعہ صالح علیہ السلام کا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ میں بتایا گیا ہے کہ ان واقعات سے مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی، اور کفار مکہ کے لئے آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل فراہم کرنی ہے کہ یہ عجیب و غریب واقعات آپ کو بذریعہ وحی بتائے جا رہے ہیں، ورنہ ایک اُن پڑھ آدمی جس کا مکہ سے باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں، اسے ان واقعات کی کیسے خبر ہو جاتی جو سیکڑوں سال قبل گذرے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے نسبی بھائی صالح کو نبی بنا کر بھیجا، جنہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔ تو ایک گروہ نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ان پر ایمان لے آیا، اور دوسرے گروہ نے ان کی دعوت کو ٹھکرادیا اور بتوں کی پرستش پر مصر رہا، جیسا کہ سورۃ الأعراف آیات (۷۶/۷۵) میں اس مخالفت و عداوت کی تفصیل گذر چکی ہے، اور صالح علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔ چونکہ نشانی آجانے کے بعد اگر ایمان نہ لاتے تو ہلاک کر دیئے جاتے، اسی لئے انہوں نے ان کے حال پر رحم کھاتے ہوئے کہا، بجائے اس کے کہ تم ایمان لا کر اللہ کی رحمت کے

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصَلُّونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذُوا آلَ اللَّهِ لِبَيْتَتِهِ أَهْلًا ثُمَّ لَقُوا نَزَلَ إِلَيْهِمُ الْمَائِدَةُ مَأْكُومًا مَهْلِكًا أَهْلِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ وَنَكَرُوا مَا كَرَّ أَوْ مَكَرًا نَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْرِهِمْ كَذَّبْتُمْ عَنْ يَوْمِهِمْ فَهُمْ أَنِيعِينَ ۝ فَتِلْكَ نِيَّتُكُمْ خَاوِيَةً بِنَظَائِمٍ لَّئِنِ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَأَنْبِيَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

اور اس شہر میں نو ایسے آدمی (۱۸) تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے، اور اصلاح کی کوئی بات نہیں کرتے تھے ﴿۲۸﴾ انہوں نے آپس میں بات کی کہ تم لوگ اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم سب مل کر اسے اور اس کے گھر والوں کو رات کے وقت قتل کر دیں گے، پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ اس کے گھر والوں کو ہلاک کرنے میں ہم شریک نہیں تھے، اور ہم لوگ بالکل سچے ہیں ﴿۲۹﴾ اور انہوں نے ایک چال چلی، اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی، اور انہیں اس کا احساس نہیں ہونے دیا ﴿۵۰﴾ تو آپ دیکھ لیجئے کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا، ہم نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو تباہ و برباد کر دیا ﴿۵۱﴾ اب ان کے وہ گھر ان کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں، بے شک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور ہم نے ایمان والوں کو بچالیا، اور وہ لوگ میرے عذاب سے ڈرتے تھے ﴿۵۳﴾

طالب ہوتے، عذاب طلب کرنے پر کیوں اصرار کر رہے ہو؟ کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہو تاکہ وہ تم پر رحم فرمائے۔ لیکن صالح علیہ السلام کی اس تقریر کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا، اور جواب میں کہا کہ اے صالح! ہم لوگ تو تم سے اور تمہارے ماننے والوں سے بدشگونی ہی لیتے ہیں، یعنی جب سے تم نے یہ نئی بات شروع کی ہے ہمیں نقصان ہی پہنچتا آیا ہے، صالح علیہ السلام نے جواب میں ان سے کہا کہ تمہیں جو بھی خیر و شر پہنچتا ہے وہ اللہ کی تقدیر سے پہنچتا ہے، وہ چاہتا ہے تو تمہیں روزی دیتا ہے، نہیں چاہتا ہے تو محروم رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم پر تمہارے کفر اور گمراہی کا جادو چل گیا ہے، جو بات تمہاری خواہش نفس کے موافق ہوتی ہے اسے اپنے لئے اچھا سمجھتے ہو، اور جو تمہاری مرضی اور خواہش کے موافق نہیں ہوتی اسے اپنے لئے بدشگونی سمجھتے ہو۔

(۱۸) قوم ثمود کے شہر (حجر) میں نو آدمی ایسے تھے جو پوری قوم کو خراب کرتے تھے اور صالح علیہ السلام کی تکذیب پر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ انہی کی سفارش کے نتیجہ میں قدار بن سالف نے (جو ان میں سے ایک تھا) صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر دیا، اور خود انہیں بھی رات میں قتل کر دینے کی سازش کی، اور اللہ کے نام کی قسم کھائی کہ ہم سب مل کر صالح اور اس کے ماننے والوں کو قتل کر دیں گے اور ان کے رشتہ داروں سے کہہ دیں گے کہ ان کے قتل کئے جانے کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہے، اور ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔

آیت (۵۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے ہمارے نبی اور ان کے پیروکاروں کے قتل کی ناکام سازش کی، اور ہم انہیں اس طرح کشاں کشاں ان کے مقتل کی طرف لے گئے۔ چنانچہ اے میرے نبی! دیکھ لیجئے کہ ان کی سازش ان کے گلے کا پھندا بن گئی، اور ہم نے ان تمام کو ان کے ظلم و کفر کی وجہ سے ایک ساتھ ہلاک کر دیا، اور اب ان کے مکانات خالی اور گرے پڑے ہیں، کوئی نہیں جو انہیں آباد کرے۔ بے شک سمجھدار لوگوں کے لئے ان کے اس واقعہ میں بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ اور جو

وَلَوْ طَآئِفٌ مِّنَ الْقَوْمِ لَتَّابِعُونَكَ ۖ لَوَلَّوْا الْبَحْرَ مَلْءًا مِّمَّا كَانَتْ تُؤْتِيهِمْ مِنْهُ جَبَابٌ فَوْقَهُمْ كَمَا كَانُوا يُؤْتُونَكَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَأَنْتُمْ تُبْحَرُونَ ﴿۱۹﴾ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۗ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّتَعَمَلُونَ ﴿۲۰﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۲۱﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا هُنَّ مِنَ الْغَايِبِينَ ﴿۲۲﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِنَّ مَطَرًا أَقْسَاءَ مَطَرِ الْمُنْذَرِينَ ﴿۲۳﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ اللَّهُ خَيْرٌ مَّا يَشْرِكُونَ ﴿۲۴﴾

اور ہم نے لوط (۱۹) کو مبعوث کیا جنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ جان بوجھ کر بدکاری کرتے ہو ﴿۵۴﴾ کیا تم لوگ شہوت پوری کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے ہو ﴿۵۵﴾ تو ان کی قوم کا جواب (۲۰) اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا کہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ تم لوگ لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو، اس لئے کہ یہ لوگ بڑے ہی پاکباز بنتے پھرتے ہیں ﴿۵۶﴾ پس ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بچالیا، سوائے ان کی بیوی کے جس کے لئے ہم نے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہ جانا مقدر کر دیا تھا ﴿۵۷﴾ اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی، جو ان ڈرائے جانے والوں کے حق میں بڑی بُری تھی ﴿۵۸﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے (۲۱) کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اس کے بندوں پر جنہیں اس نے اپنی رسالت کے لئے چن لیا، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ معبودانِ باطل جنہیں مشرکین اسی کا شریک بناتے ہیں ﴿۵۹﴾

صالح پر ایمان لے آئے تھے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی تھی، ہم نے انہیں اس عذاب سے بچالیا۔ (یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اس سے پہلے الأعراف، ہود اور الشعراء میں گذر چکا ہے)۔

(۱۹) جو تعجب و غریب واقعہ، لوط علیہ السلام اور سدوم اور عمور یہ میں رہنے والی قوم کا ہے، جس کی ہدایت کے لئے وہ مبعوث کئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ لوط کا واقعہ بھی لوگوں سے بیان کر دیجئے۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا، تمہاری اخلاقی گراؤں انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ آپس میں بدکاری کرتے ہوئے سبھی ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہو۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس فعلِ بد کی شاعت و قباحت کو جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہو۔ تم کتنے بُرے ہو گئے ہو کہ اپنی حیوانی شہوت پوری کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو، تم تو حیوانوں سے بھی بدتر ہو گئے ہو، اور تم ایسا اس لئے کرتے ہو کہ بڑے جاہل اور نادان ہو، تمہیں معلوم ہی نہیں کہ تمہارے پیدا کرنے والے کا تم پر کیا حق ہے، اور کفر و سرکشی کا کیسا بُرا انجام ہوتا ہے۔

(۲۰) لیکن لوط علیہ السلام کی اس تقریر کا ان پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوا، اور سب نے مل کر کہا کہ لوگو! لوط علیہ السلام اور اس کے ماننے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو اور بطور استہزاء کہا کہ یہ بڑے نیک اور پاکیزہ لوگ ہیں۔ اور جب ان کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور مسلمانوں کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا، اور تمام اہل قریہ کو ہلاک کر دیا جن میں لوط علیہ السلام کی بیوی بھی شامل تھی۔ اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔

(۲۱) مجرموں کی ہلاکت اور مومنوں کی نجات کی خبر دینے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اس نعمت پر اپنے رب

کا شکر ادا کریں، اور امت محمدیہ کو تعلیم دی ہے کہ جب بھی انہیں اللہ کی کوئی نعمت حاصل ہو تو وہ اپنے رب کا شکر بجالائیں جس نے اپنے فضل سے انہیں وہ نعمت دی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ دعوت کے میدان میں جب سامعین کے سامنے کوئی تقریر کرنی چاہیں یا کوئی تحریر پیش کریں تو اللہ کی برکت حاصل کرنے کے لئے اس کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا اور انبیائے کرام جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں ان پر درود و سلام سے کریں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کے زمانے سے ہر دور میں علماء، خطباء اور واعظین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی حمد و ثنا اور انبیائے کرام پر درود و سلام کے بعد، مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ اللہ بہتر ہے، یا وہ معبودانِ باطل جنہیں وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان معبودانِ باطل میں کوئی خیر نہیں ہے، اور یہ بات کفار مکہ کو معلوم ہے، اور پھر بھی وہ انہی کی عبادت کرتے ہیں، یہ کیسی بے عقلی، کیسی جہالت، اور کیسی نفس پرستی ہے؟! یہ جانتے ہوئے کہ ان میں کوئی بھلائی نہیں ہے، پھر بھی انہیں اپنا معبود مانتے ہیں، ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اور ان کے سامنے سر ٹیکتے ہیں۔ فللہ الحمد علی نعمۃ التوحید۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ
تَبْتُوا أَنْتُمْ وَاللَّهُ بَلٌّ لَّهُمْ قَوْمٌ يَغْفِرُونَ ۝ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ
لَهَا رَوَابِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا إِنَّ مَعَ اللَّهِ لَبَلٌ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا
دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ إِنَّ مَعَ اللَّهِ لَقَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ أَمَّنْ يُهَيِّئُ لَكُمْ
فِي خِلْمَتِ النِّزْلِ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيحَ بِشْرَابٍ يَدْرِي رَحْمَتَهُ إِنَّ مَعَ اللَّهِ لَمَعْرَاضًا تُعَلِّمُ الْكَافِرِينَ ۝ أَمَّنْ يَبْدَأُ
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يُزِفُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ مَعَ اللَّهِ لَقُلُوبًا يُرْهَانَكُمْ ۝
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝

یادہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (۲۲) ہے، اور تمہارے لئے آسمان سے بارش نازل کی ہے، پس ہم نے اس کے ذریعہ بارونق اور خوشنما باغات اگائے، جن کے درختوں کو تم نہیں اگا سکتے تھے، کیا اللہ کے ساتھ کسی اور معبود نے بھی یہ کام کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ راہِ حق سے دور ہو گئے ہیں ﴿۶۰﴾ یادہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کو رہنے کی جگہ بنائی ہے، اور اس میں نہریں جاری کی ہیں، اور اس پر پہاڑ بسادے ہیں، اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑکھڑی کر دی ہے، کیا اللہ کے ساتھ کسی اور معبود نے بھی یہ کام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مشرکین نادان ہیں ﴿۶۱﴾ یادہ ذات بہتر ہے، جسے پریشاں حال جب پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے، اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ اور تمہیں زمین میں جانفیس بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی یہ کام کرتا ہے۔ لوگو! تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو ﴿۶۲﴾ یادہ اللہ بہتر ہے جو سمندر اور خشکی کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے، اور جو ہواؤں کو اپنی بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی یہ کام کرتا ہے۔ اللہ ان کے جھوٹے معبودوں سے برتر و بالا ہے ﴿۶۳﴾ یادہ اللہ بہتر ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اُسے دوبارہ زندہ کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی یہ کام کرتا ہے۔ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو ﴿۶۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں، ان میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا ہے، اور نہ انہیں معلوم ہے کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے ﴿۶۵﴾

(۲۲) معبودانِ باطل کی عمومی نفی کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ مطلقہ کی مثالیں دے کر مشرکین مکہ سے الزامی سوال کیا ہے کہ بتاؤ یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے، ان چیزوں کو کس نے پیدا کیا ہے، یہ نعمتیں کس نے دی ہیں؟ اور جب ہر سوال کا جواب تمہارے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہ سب اللہ کی کرشمہ سازی ہے، تو پھر تم اُسے چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود کیوں بناتے ہو؟!

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے پہلا الزامی سوال یہ کیا کہ ان آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، اور آسمان سے تمہارے

لئے بارش کس نے نازل کی ہے؟ جس کے ذریعہ ہم نے تمہارے لئے خوبصورت باغات اُگائے ہیں، تم ان درختوں کو اُگانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ظاہر ہے، اس کے سوا کوئی جواب نہیں کہ یہ سارے کام اللہ کے ہیں۔ تو پھر تم کیوں اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کرتے ہو؟!

دوسرا سوال یہ کیا کہ اس زمین کو تمہارے لئے قرار کی جگہ کس نے بنائی ہے کہ وہ اُلٹی نہیں ہے، اور تم آرام سے اس پر زندگی گزارتے ہو، اور زمین پر نہریں کس نے جاری کی ہیں، اور اس پر پہاڑ کس نے جمادیئے تاکہ حرکت نہ کرے، اور بیٹھے اور کھارے پانی کے درمیان رکاوٹ کس نے کھڑی کی ہے، کہ وہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے ہیں (سورۃ الفرقان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے) اس کے سوا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں کہ یہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ تو پھر تم کیوں اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناتے ہو؟!

تیسرا سوال یہ کیا کہ جب انسان کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے، کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے، یا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے، یا کسی ظالم کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، تو وہ بے تحاشا کے پکارتا ہے، اور کون ہے جو اس کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے؟ اور کون ہے جو کچھ کو موت دیتا رہتا ہے اور ان کی نسلوں کو زمین کا وارث بناتا رہتا ہے؟ جو اب معلوم ہے کہ وہ اللہ ہے۔ تو اے مشرکین! کچھ کیوں تم اسے چھوڑ کر معبودانِ باطل کے سامنے سربسجود ہوتے ہو؟! حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

مضطر کی دعا کی مناسبت سے حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب ”الاجواب الکافی“ میں لکھا ہے کہ اگر دعا کرتے وقت پورے طور پر حضور قلب حاصل ہو، اپنی حاجت و ضرورت کا شدید احساس ہو، اور رب العالمین کے حضور انتہائی عاجزی و انکساری اور عافیت درجہ کا خشوع و خضوع حاصل ہو، اور دل پر رقت طاری ہو، اور اس حال میں بندہ اپنے رب کے پاکیزہ ناموں اور اعلیٰ صفات کو وسیلہ بنا کر دعا کرے، تو ایسی دعا شاید ہی رد کی جاتی ہے۔

چوتھا الزامی سوال اللہ نے مشرکین سے یہ کیا کہ صحراء اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہاری کون رہنمائی کرتا ہے، اور کون بارش برسانے سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے، جن سے لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اب بارش ہوگی۔ کون ان باتوں پر قادر ہے؟ جو اب معلوم ہے کہ وہ اللہ ہے، تو پھر کیوں تم لوگ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو۔ اللہ تمہارے ان جھوٹے معبودوں سے بہت ہی برتر و بالا ہے۔

پانچواں سوال یہ کیا کہ وہ کون ہے جس نے انسانوں کو پہلی بار پیدا کیا ہے، اور قیامت سے پہلے پھر سے انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس کا جواب اس کے سوا کچھ بھی نہیں (تم چاہے مانویانہ مانو) کہ وہ اللہ کی ذات ہے جو انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور کون ہے جو آسمان سے بارش برسا کر اور زمین سے پودے اُگا کر تمہیں روزی دیتا ہے؟ جو اب معلوم ہے کہ وہ اللہ کی ذات ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہے۔ تو پھر تم جو اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو اور دعویٰ کرتے ہو کہ تم سچے ہو تو اپنی صداقت کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کر کے دکھاؤ۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے الزامی بات یہ کہی کہ نبی امور کا علم آسمانوں اور زمین میں رہنے والی مخلوقات میں سے کسی کو نہیں ہے، ان کا علم صرف اللہ کو ہے۔ جیسا کہ اللہ نے سورۃ الانعام آیت (۵۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعَلِّمُهَا إِلَّا لَٰهُ﴾ ”اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا“۔ اس لئے اس کی ذات

بَلْ اذْكُرْ عَلِمَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ قٰتِلُوْنَ ۝۲۳

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم یکسر عاجز (۲۳) ہے، بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہیں ﴿۲۶﴾

معبود برحق ہے، اور تمہارے معبود چونکہ غیب کا کوئی علم نہیں رکھتے ہیں، اس لئے وہ معبود نہیں ہو سکتے، کیونکہ معبود برحق کو تمام غیبی امور کا علم ہونا چاہئے، تاکہ وہ دونوں جہان اور ان میں پائی جانے والی تمام کائنات کی دیکھ بھال کر سکے۔ بخاری و مسلم اور ترمذی نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ لوگوں کو کل کی خبر جانتا ہے، اس نے اللہ پر بہت بڑی افترا پر دازی کی۔ اللہ تو کہتا ہے: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ”آسمانوں اور زمین میں رہنے والی مخلوقات میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا، انہیں صرف اللہ جانتا ہے۔“

اس الزامی بات کی ایک اہم کڑی یہ ہے کہ قیامت کب آئے گی اور قبروں سے مُردے کب اٹھائے جائیں گے، اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ نے سورۃ الاعراف آیت (۱۸۷) میں فرمایا ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّٰنَ مُّزَسَاۗءِۙ اَقْلَ اِنَّمَا عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّيۙ لَا يُجَلِّيٰهَا لَوْ قَتَلُوْا۟ اِلٰهًا﴾ ”یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوالات کرتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی، آپ فرمادیتے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر سو اللہ کے اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا۔“

اور جن معبودوں کی تم پوجا کرتے ہو، انہیں تو کچھ بھی خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی، اور کب وہ اپنے خالق کے سامنے حساب کے لئے کھڑے ہوں گے۔ اس لئے وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ معبود ہوتے تو انہیں قیامت کی خبر ضرور ہوتی۔ (۲۳) حافظ ابن کثیر نے ﴿بَلْ اذْكُرْ عَلِمَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ کا معنی یہ کیا ہے کہ لوگوں کا علم قیامت کا وقت جاننے سے عاجز ہو گیا۔ بعض لوگوں نے اسے ﴿بَلْ اذْكُرْ عَلِمَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ پڑھا ہے، جس کا معنی یہ ہو گا کہ قیامت کے بارے میں تمام لوگوں کا علم برابر ہو گیا، یعنی کوئی بھی اس کا وقت نہیں جانتا ہے۔ اس کے بعد کلام کا رُخ مکرین قیامت کی طرف پھیر دیا گیا ہے کہ یہ مشرکین قیامت کی آمد میں شک کرتے ہیں، بلکہ ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں کہ اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

بعض لوگوں نے "اد اذرك" کا معنی "نکال" کیا ہے، اور ماضی کو مستقبل کے معنی میں مانا ہے یعنی قیامت کے دن جب مشرکین سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو آخرت پر ان کا یقین کامل ہو جائے گا، لیکن اس علم سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ دنیا میں اس کے بارے میں شک میں تھے اور مختلف انداز میں اس کی تکذیب کرتے رہے تھے۔

زجاج وغیرہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں انکار کا معنی پایا جاتا ہے، اس لئے معنی یہ ہو گا کہ مشرکین کے علم نے آخرت کا اور انک نہیں کیا، بلکہ اس کے بارے میں ہمیشہ شک میں رہے، بلکہ دل کے اندھے ہونے کی وجہ سے انہیں اس کے بارے میں کوئی علم حاصل ہی نہیں ہوا۔ کئی مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذْ كُنَّا تُرَابًا وَإِنَّا لَمُرْجُونَ ﴿۲۳﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِن قَبْلُ لَإِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۴﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۵﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَكْفُرُونَ ﴿۲۶﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۷﴾ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدْفٌ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۲۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۹﴾

اور کافروں نے کہا (۲۳) کہ جب ہم اور ہمارے آباء و اجداد مٹی ہو جائیں گے، تو کیا ہم دوبارہ اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے ﴿۲۴﴾ ایسا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے بھی کیا گیا تھا، یہ باتیں گزرے ہوئے لوگوں کے افسانے ہیں ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے، تم زمین میں گھوم پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوتا رہا ہے ﴿۲۶﴾ اور آپ ان پر غم (۲۷) نہ کیجئے اور ان کی سازش سے آپ تنگ دل نہ ہو جائیے ﴿۲۸﴾ اور وہ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (۲۹) پورا ہو گا ﴿۳۰﴾ آپ کہہ دیجئے، جس عذاب کی تم جلدی پھا رہے ہو، ہو سکتا ہے اس کا بعض حصہ تمہارے پیچھے آگاہ ہو ﴿۳۱﴾ اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل و کرم (۳۲) کرنے والا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ اللہ کا شکر نہیں ادا کرتے ہیں ﴿۳۳﴾

(۲۳) دل کے اندھے ہونے کی وجہ سے ہی مشرکین نے آخرت کا یکسر انکار کر دیا اور کہا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے، تو اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ یہ انہونی بات ہے، اور محمد سے پہلے اسی طرح کے دوسرے لوگ بھی گذشتہ زمانوں میں پیدا ہوئے، اور لوگوں سے یہی بات کہی، لیکن اب تک تو ایسا ہوا نہیں۔ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس قسم کے لوگ ہمیشہ جھوٹی باتیں لوگوں کو سناتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کفر و عناد اور انکار آخرت کا جواب اپنے نبی ﷺ کی زبانی یہ دیا کہ تم لوگ ذرا دنیا میں چل کر ان قوموں کا انجام دیکھ لو، جنہوں نے ہمارے انبیاء کی اور آخرت کی تکذیب کی کہ ہم نے کس طرح انہیں ہلاک کر دیا، اور اپنے انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کو پچالیا۔ اگر وہ انبیاء جھوٹے تھے تو پھر ان قوموں کو کیوں ہلاک کیا گیا۔ اور جس ذات برحق نے انہیں پہلے پیدا کیا تھا اور پھر انہیں ہلاک کر دیا، وہ یقیناً انہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(۲۵) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہیں، تو غم نہ کیجئے عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ظاہر کرے گا جو آپ پر ایمان لائیں گے، اور کفار خس و خاشاک کی مانند مٹ جائیں گے، اور یہ کفار آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں ان سے بھی آپ تنگ دل نہ ہوں، اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔

(۲۶) اس کا تعلق مشرکین مکہ کی گذشتہ بات سے ہے کہ وعدہ آخرت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا، اے محمد اور اس کے ماننے والو! اگر تمہیں اپنے سچا ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر بتاؤ تو سہی کہ وہ وقت کب آئے گا؟ مشرکین یہ بات نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑانے کے لئے کہتے تھے۔ تو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی ان کا جواب دیا کہ جس عذاب کی تمہیں جلدی ہے، اس کا کچھ حصہ عنقریب ہی تم پر نازل ہونے والا ہے، چنانچہ میدان بدر میں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹے گئے اور جو باقی بچ گئے وہ قید کر لئے گئے۔

وَأَنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۲۸﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۲۹﴾ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُضُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكُذْرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۰﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۳۲﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَىٰ الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۳۳﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلُوا مَدَّ بِرِئْسٍ ﴿۳۴﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنِ ضَلَالَتِهِمْ ﴿۳۵﴾ إِنَّ تُسْمِعُ الْأَمَنَ يُؤْمِنُ يَا أَيُّهَا قَوْمُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾

اور بے شک آپ کا رب وہ سب کچھ جانتا ہے، جنہیں ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جن کا وہ اعلان کرتے ہیں ﴿۴۳﴾ اور آسمان وزمین میں جو چیز بھی پوشیدہ ہے وہ ایک ایسی کتاب میں لکھی ہوئی ہے جو ہر بات کو بیان کرتی ہے ﴿۴۵﴾ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل (۲۸) کے لئے ان اکثر باتوں کو بیان کرتا ہے جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور بے شک یہ قرآن (۲۹) مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ﴿۴۷﴾ بے شک آپ کا رب ان کے درمیان اپنا فیصلہ (۳۰) صادر فرمائے گا، اور وہ زبردست، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۴۸﴾ پس آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے، آپ یقیناً صریح حق پر ہیں ﴿۴۹﴾ بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکیں گے، اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکیں گے، جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں گے ﴿۸۰﴾ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر راہ راست پر لاسکتے ہیں، آپ تو صرف ان کو سنائیں گے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان ہیں ﴿۸۱﴾

(۲۷) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا ہے اور مومن و کافر سب کو روزی دیتا رہتا ہے۔ اور بندوں کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ اس کا شکر نہیں ادا کرتے ہیں، بلکہ کفر کرتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہوئے عذاب آنے کی جلدی بچاتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ انہیں توبہ کی مہلت دینے جاتا ہے۔

آیت (۷۳) میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی اور مشرکین کے لئے زبردست و صہمی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اسلام اور اپنے نبی کے خلاف چھپی عداوت اور ان کے ظاہری کفر و شرک کو خوب جانتا ہے، اور آسمان وزمین میں کہیں بھی کوئی چیز یا کوئی عمل مخلوقات کی نگاہوں سے چھپا ہے تو وہ لوح محفوظ میں نوشتہ ہے اور اللہ کو اس کا خوب علم ہے۔ اور جب قیامت آئے گی تو اللہ انہیں ان کے تمام کفر و عناد اور ایک ایک بُرے عمل کا انہیں بدلہ چکائے گا۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل اپنے جن تاریخی واقعات میں آپس میں شدید اختلاف کرتے تھے، ان سے متعلق اس نے صحیح بات اپنے نبی امی کی زبانی قرآن کریم میں نازل فرمایا دیا ہے۔ اس سورت کے شروع میں انبیائے بنی اسرائیل اور ان کی قوموں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، اور انہیں ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔

(۲۹) یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور سراپا رحمت ثابت ہوا جو اس پر ایمان لے آئے۔ ان میں عرب کے بکریوں اور اونٹوں کے چرواہے اور یہود و نصاریٰ کے وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ قرآن کریم کی دعوت کو قبول کر لینا ان کے لئے دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کا سبب بنا، اور وہی عرب جو لٹیروں کے نام سے جانے جاتے تھے

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان کے سامنے قیامت (۳۱) آجائے گی تو ہم زمین سے ان کے لئے ایک چوپایہ نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا، اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے ﴿۸۲﴾

روم اور فارس کے حکمران بن گئے۔

(۳۰) قرآن کریم کی عظمت بیان کرنے اور اس کی اہمیت جتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اُس قرآن پر ایمان لانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کے درمیان عدل و حکمت کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اور وہ ایسا غالب ہے کہ کوئی باطل پرست اس کے فیصلے سے بھاگ نہیں سکے گا، اور وہ ایسا عظام الغیوب ہے کہ حق و ناحق کو خوب جانتا ہے، اس کے فیصلے میں غلطی نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی لئے آیت (۷۹) میں آپ ﷺ کو کہا گیا کہ آپ اللہ پر بھروسہ کر کے دعوت و تبلیغ کا کام کئے جائیے، اور اس یقین کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھئے کہ آپ ایسے واضح حق پر ہیں جس کی صداقت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں اس آیت کریمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حق پرست کو اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ اس کی ضرورت دکرے گا، اور باطل سرگول ہو کر رہے گا۔

نبی کریم ﷺ کو مزید اطمینان دلانے کے لئے آیات (۸۱/۸۰) میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ دعوت اسلامیہ سے وہی لوگ مستفید ہوں گے جو قرآن کریم پر ایمان لائیں گے اور اللہ کے دین کو دل سے قبول کر لیں گے، آپ اس فکر میں ہر دم پریشان نہ رہیں کہ سبھی لوگ آپ کی دعوت کو کیوں نہیں قبول کر لیتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ کفار مکہ قرآن کریم کو اپنے ظاہری کانوں سے سنتے تھے، لیکن ان پر اس کا زاری کے دانے کے برابر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، اسی لئے انہیں مردوں اور بہروں سے تشبیہ دیا گیا، اور ان کی گمراہی دائمی تھی، ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں تھی، اسی لئے انہیں اندھوں سے تشبیہ دیا گیا۔ اور ہر دور میں جن کے لئے ضلالت و گمراہی لکھ دی جاتی ہے، اور جن کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی جاتی ہے، ان کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔

(۳۱) ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا وقت قریب ہوگا، اور زمین میں کوئی بھلائی کا حکم دینے والا اور بُرائی سے روکنے والا باقی نہیں رہے گا، تو اللہ تعالیٰ زمین سے ایک جانور نکالے گا جو لوگوں سے کہے گا کہ تم لوگ ان آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے جن میں قیامت کی خبر دی گئی ہے، تو میں قرب قیامت کی نشانی ہوں، مجھے اس اللہ نے یہ قوت گویائی دی ہے جو قیامت لانے پر قادر ہے۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کی ابتدائی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا، اور صبح کے وقت اچانک ایک جانور نکل کر لوگوں کے سامنے آجائے گا۔ اور دونوں نشانیاں ایک دوسرے کے قریب ہوں گی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یا تو وہ جانور صرف ایک ہوگا، جو لوگوں سے مذکور بالا بات کرے گا، یا مقصود جانور کی ایک قسم ہے، جس کی ایک بڑی تعداد ایک بہ یک زمین کے مختلف حصوں میں ظاہر ہوگی، اور سبھی اللہ کے حکم سے وہی بات کریں گے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

وہ جانور کیسا ہوگا، کہاں ظاہر ہوگا، اور اس سے متعلق دوسری بہت سی تفصیلات کا ذکر ایسے اخبار و آثار میں آیا ہے، جو

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يَكْذِبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۲﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي
وَلَمْ تَحْطُوا بِهَا عُلَمَاءُ مَاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۳﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۴﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا
جَعَلْنَا الْيَمَّالَ لَيْسَ كُنُوفِيهِ وَالتَّهَامُ مُبْصِرًا ۚ وَإِن فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۵﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي
الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ وَكُلُّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿۸۶﴾

اور جس دن (۳۲) ہر امت میں سے ہم ایک گروہ ایسے لوگوں کا اکٹھا کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، پھر وہ صفوں میں کھڑے کئے جائیں گے ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ کہے گا کہ تم لوگوں نے میری آیتوں کو جھٹلادیا، حالانکہ تم نے انہیں اچھی طرح جانا بھی نہیں تھا، یا پھر اور کیا کرتے رہے تھے ﴿۸۴﴾ اور ان کے ظلم کے سبب ان پر جب عذاب کا وعدہ آجائے گا تو وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکیں گے ﴿۸۵﴾ کیا وہ دیکھتے نہیں ہم نے رات (۳۳) اس لئے بنائی ہے تاکہ وہ اس میں آرام کریں، اور دن کو روشن بنایا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایماندار ہیں ﴿۸۶﴾ اور جس دن صور (۳۳) پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے گھبرا پڑیں گے، سوائے ان کے جنہیں اللہ اس گھبراہٹ سے بچالے۔ اور سب کے سب اس کے سامنے عاجزی و انکساری کے ساتھ حاضر ہوں گے ﴿۸۶﴾

قابل اعتبار نہیں، اور نہ ہی اصل موضوع کو سمجھنے کے لئے ان کی ضرورت ہے، اسی لئے ان کے ذکر سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔

(۳۲) جو لوگ دنیا میں قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا، اور اللہ ان سے کیا کہے گا، اسی کو آیت (۸۳/۸۴) میں بیان کیا گیا ہے، کہ ان کی تعداد کثیر ہوگی، اور ان سب کو ایک جگہ گھیر کر اکٹھا کیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کے سامنے انہیں ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ان سے کہے گا کہ تم ہی لوگوں نے میری ان قرآنی آیات کی تکذیب کی تھی جن میں قیامت کی خبر دی گئی تھی؟ اور ان میں غور و فکر کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ تم نے سوائے فساد برپا کرنے اور لوگوں کو راہ راست سے روکنے کے دنیا میں کیا ہی کیا تھا۔ اسی لئے جیسا کہ آیت (۸۵) میں کہا گیا، ان کے لئے اللہ کا عذاب مقدر ہو گیا ہے، اور وہ اپنے دفاع میں ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے ادا نہ کر پائیں گے۔

(۳۳) منکرین قیامت کو دعوت غور و فکر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات بنائی ہے، جس میں لوگ سکون حاصل کرنے کے لئے نیند کی گود میں چلے جاتے ہیں، جو موت کی ہی ایک قسم ہے، اور دن کے وقت جاگ اٹھتے ہیں اور مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ یہ جاگنا موت کے بعد زندگی کی ایک قسم ہے۔ اور جب تک آدمی زندہ رہتا ہے، نیند و بیداری اور موت و زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور یہ سب اللہ کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اگر ایک عقلمند آدمی اس میں غور کرے گا تو وہ یقیناً موت کے بعد دوسری زندگی پر ایمان لے آئے گا، کیونکہ جو اللہ نیند اور بیداری پر قادر ہے، وہ یقیناً موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اس عمل خواب و بیداری میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں، کیونکہ انہی کے دل زندہ ہوتے ہیں، اور وہی اس میں غور و فکر کے بعد بعث بعد الموت پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور جن کے دل کفر کی وجہ سے مردہ ہیں، انہیں غور و فکر کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَابِلَةً وَهِيَ تَمُزُّ مَزَّ السَّمَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ وَإِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿۳۵﴾
 مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِمَّا يَكْتُمُهَا وَهُوَ مِنْ فَدَعٍ يَوْمَئِذٍ أَمْنُونَ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكَلْبَتٌ وَجُوهُهُمْ فِي
 النَّارِ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَ مَا وَلَهُ كُلُّ
 شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾

اور (اس دن) آپ پہاڑوں (۳۵) کو دیکھیں گے تو انہیں ساکن و جامد گمان کریں گے، حالانکہ وہ بادل کی سی تیزی کے ساتھ گذر رہے ہوں گے، یہ سب اس اللہ کی کارگیری ہوگی جس نے ہر چیز کو مضبوط و محکم بنایا ہے۔ بے شک وہ تمہارے تمام کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۳۸﴾ جو لوگ نیک عمل کریں گے انہیں اس کا بہترین بدلہ دیا جائے گا، اور ایسے لوگ اُس دن گھبراہٹ سے محفوظ و مامون رہیں گے ﴿۳۹﴾ اور جو لوگ برا عمل کریں گے، وہ اپنے چہروں کے بل جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، تمہیں تمہارے کئے کا ہی بدلہ دیا جائے گا ﴿۴۰﴾ مجھے تو صرف یہ حکم (۳۶) دیا گیا ہے کہ اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرام بنا دیا ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان بن کر رہوں ﴿۴۱﴾

(۳۴) نوح سے متعلق سورۃ الانعام آیت (۷۳) الکہف آیت (۹۹) طہ آیت (۱۰۲) اور المؤمنون آیت (۱۰۱) میں لکھا جا چکا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسرائیل علیہ السلام تین بار صور پھونکیں گے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ صور دو بار ہی پھونکا جائے گا۔ ماوردی کہتے ہیں کہ اس آیت میں وہ صور مراد ہے جس کے بعد مردے قبروں سے اٹھ کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ جب یہ صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں رہنے والے اللہ کے تمام بندے صور کی شدید آواز سے گھبرا جائیں گے اور سب پر دہشت طاری ہو جائے گی۔ مگر اللہ کے کچھ ایسے نیک بندے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اس خوف و دہشت سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ کے ان نیک بندوں کی تحدید کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان سے مراد تمام اہل ایمان ہیں، جیسا کہ اس کے بعد والی آیت (۸۹) دلالت کرتی ہے کہ مومنین اس دن کی گھبراہٹ سے مامون رہیں گے۔

(۳۵) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ نوح صور کے بعد پہاڑ بظاہر اپنی جگہ پر جامد ہوں گے، لیکن وہ بادلوں کی سی تیزی کے ساتھ چل رہے ہوں گے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے کہ ایسا قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطور آیت (۱۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ اور سورۃ الکہف آیت (۴۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَيَوْمَ نُسِيرُ الْجِبَالَ﴾ دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو بہت تیزی کے ساتھ چلائے گا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی وجہ سے ہوگا جس نے ہر چیز کو ایک مخصوص حکمت کے مطابق پیدا کیا ہے، اور جو بندوں کے تمام اچھے اور برے اعمال سے باخبر ہے، اور قیامت کے دن انہیں ان کا بدلہ دے گا۔

اسی مفہوم کی مزید تاکید کے طور پر آیات (۸۹/۹۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں جو ایمان و عمل کی زندگی گزارے گا اس دن اسے کوئی خوف و ہراس لاحق نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا کرے گا، اور جو لوگ شرک و معاصی کے مرتکب

وَأَنْ أَلْوَ الْقُرْآنَ ؕ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ۖ وَقُلِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ ۖ فَتَعَرَّفُوا لَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۙ

اور قرآن کی تلاوت کروں، پس جو شخص راہ راست پر چلے گا، وہ اپنے ہی بھلائی کے لئے ایسا کرے گا، اور جو گمراہ ہو جائے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا کام تو صرف لوگوں کو اللہ سے ڈرانا ہے ﴿۹۳﴾ اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا، تو تم انہیں پہچان لو گے، اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو ﴿۹۳﴾

ہوں گے، انہیں ان کے منہ کے بل جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ پھر بندوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس دن جو کچھ ہو گا تمہارے اعمال کا نتیجہ ہو گا، کسی پر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں ہو گا۔

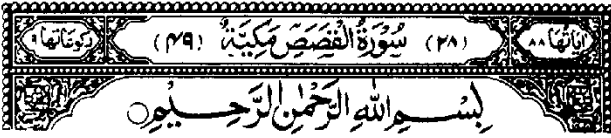
(۳۶) اوپر کی آیتوں میں قیامت کی کچھ نشانیاں اور اس کی بعض ہولناکیاں بیان کر کے کفار قریش کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اب نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ وہ ان کافروں کے سامنے اپنا عقیدہ عمل بیان کر دیں، اور اپنا موقف واضح کر دیں۔ چنانچہ آپ نے قرآن کی زبان میں کافروں سے کہا کہ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف شہر مکہ کے رب کی عبادت کروں، اس کا کسی کو شریک نہ بناؤں، وہ مکہ جسے اللہ نے حرم اور جائے امن بنا دیا ہے، جہاں نہ کسی کو قتل کیا جاتا ہے، نہ کسی پر ظلم ہوتا ہے، نہ اس کے جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے، اور نہ اس کے درخت کاٹے جاتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ شہر مکہ اور اس کے امن و سکون کو ذکر کرنے سے مقصود کفار قریش کو احساس دلانا ہے کہ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس اللہ نے تمہیں یہ نعمتیں دی ہیں ان کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرتے، اور اس کے قرآن اور اس کے رسول پر ایمان لے آتے۔

آپ ﷺ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا: وہی اللہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اور مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی جبینِ نیاز صرف اسی کے سامنے خم کروں۔ اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں اور اس پر ایمان لانے کی تمہیں دعوت دوں، کیوں کہ دونوں جہاں کی سعادت کا راز اسی میں ہے۔ تو جو شخص میری دعوت توحید کو قبول کرے گا، اور شرک سے تائب ہو جائے گا اس کا نفع اسے ہی پہنچے گا، اور جو شخص گمراہ ہو جائے گا، اس کا وبال اسی کے سر ہو گا۔ میرا کام تو صرف پیغامِ حق لوگوں تک پوری صراحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔

آیت (۹۳) میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ نعمتِ اسلام پر کفار قریش کے سامنے اپنے شکر کا اظہار کریں، کہ ہم مسلمان تو اللہ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اس عظیم نعمت سے نوازا ہے، اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ مستقبل میں ہمارا رب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔

چنانچہ اللہ نے انہیں اپنی پہلی نشانی میدانِ بدر میں دکھائی، اور دوسری فتحِ مکہ کے دن، اور آخری نشانی موت کے وقت دکھائے گا جب فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگائیں گے اور کہیں گے کہ اب چکھو جہنم کا عذاب۔ آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کا رب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے، اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور دے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں اللہ کی جانب سے تمام بنی نوع انسان کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے۔



طَسَمَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ نَتَلَوُا عَلَيْكَ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَأَنْخَبُوكَ مِنَ الْخَلْفِ وَقَدِّمُوا عَلَىٰ أَعْيُنِنَا ۝ وَتَسْمِعُ مَا يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ لِقَوْلِهِ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا نَبِيًّا ۝ نَسَاءَ هُمْ إِذَا كَانُوا مِنَ الْمُنْفِيِّينَ ۝

سورة القصص کی ہے، اس میں اٹھاسی آیتیں، اور نور کو ع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے
 طَسَمَ (۱) ﴿۱﴾ یہ (۲) سورت کتاب بین کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کے بعض سچے واقعات (۳) سناتے
 ہیں جو ایمانداروں کے لئے مفید ہیں ﴿۳﴾ بے شک فرعون (۳) سر زمین مصر میں بہت متکبر ہو چلا تھا، اور وہاں کے
 رہنے والوں کو اس نے مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا، ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو اس نے بہت ہی
 کمزور بنا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا، اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بے شک وہ بڑا فساد برپا
 کرنے والا تھا ﴿۴﴾

تفسیر سورة القصص

نام: آیت (۲۵) میں مرد مومن شعیب کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ
 عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ اسی آیت سے یہ نام ماخوذ ہے۔ اور چونکہ دعوت الی
 اللہ کی تاریخ میں موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور بنی اسرائیل کے قصوں کی بڑی اہمیت ہے، اسی لئے ان کی اہمیت کے پیش نظر اس
 سورت کا نام ”القصص“ رکھ دیا گیا ہے، یعنی وہ سورت جس میں بہت ہی اہم تاریخی اور دعوتی قصے وارد ہوئے ہیں۔

زمانہ نزول: ابن مردودہ اور بیہقی نے ”کتاب الدلائل“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة القصص مکہ
 میں نازل ہوئی تھی۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آیات (۵۳/۵۲) ان اصحاب نجاشی کے بارے میں
 نازل ہوئی تھیں جو معرکہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ اتھی۔ اسی طرح آیت (۸۵) کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مقام جھم میں
 سفر ہجرت میں نازل ہوئی تھی۔

کفار مکہ کے ذہنوں میں نبی کریم ﷺ کی نبوت سے متعلق جو شبہات پیدا ہوئے تھے، مختلف اسالیب میں قرآن کریم
 نے انہی کے ازالہ کی کوشش کی ہے، اور انہیں باور کرانا چاہا ہے کہ محمد اللہ کے نبی برحق ہیں اور دنیا و دین کی ہر بھلائی ان کی اتباع
 میں ہی مضمر ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعه ہیں، ان کا معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) مفسرین لکھتے ہیں کہ ”تلك“ اسم اشارہ بعید لانے سے مقصود قرآن کریم کی عظمت کی طرف اشارہ ہے، کہ یہ ایک بہت ہی

وَيُرِيدُ أَنْ يَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا فِي الْأَرْضِ وَيَجْعَلَهُمْ أَيْمَةً وَيَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۗ وَنُكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَثَرَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿۶۱﴾

اور ہم نے ان لوگوں پر احسان (۵) کرنا چاہا جو سر زمین مصر میں بہت ہی کمزور سمجھے جاتے تھے، اور انہیں سردار اور پیشوا بنانا چاہا، اور انہیں زمین کا وارث بنانا چاہا ﴿۶۱﴾ اور ہم نے چاہا کہ انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون وہامان اور ان دونوں کی فوجوں کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں وہ بات دکھلا دیں جس کا انہیں خطرہ تھا ﴿۶۱﴾

عظیم المرتبت کتاب کی آیتیں ہیں جو حق و باطل، خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کو انسانوں کی خیر خواہی میں کھول کر بیان کرتی ہے۔
 (۳) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے کہہ رہا ہے کہ آئندہ آیتوں میں ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا سچا واقعہ سناتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے مفید رہے گا، ان کے ایمان میں پختگی آئے گی، اور اللہ کی نصرت و تائید کے وعدے سے ان کے دلوں کو تقویت ملے گی۔
 (۴) قصے کا آغاز یوں ہو رہا ہے کہ مصر کا بادشاہ (ولید بن ریان) جو فرعون کے لقب سے جانا جاتا تھا، اپنی حکومت و بادشاہت کی رعونت میں بہت آگے بڑھ گیا تھا، حتیٰ کہ رب اور معبود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا تھا، اور بنی اسرائیل کو مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ان سے غلاموں کی طرح خدمت لیتا تھا۔ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے قبیلے مشیر کاروں نے اس سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں اگر یونہی افزائش نسل ہوتی رہی تو وہ دن بدن توی ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ ایک دن وہ مصر کی حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس کو اپنے باپ داؤد کے حوالے سے ابراہیم علیہ السلام کی یہ پیغمبرانہ خبر بھی سنائی تھی کہ فرعون کی حکومت کا خاتمہ ایک ایسے لڑکے کے ہاتھوں ہو گا جو ان کی نسل سے ہو گا۔ اسی لئے اس نے بنی اسرائیل کی افزائش نسل کو روکنے اور اس بچے کو ختم کرنے کے لئے جس کے ہاتھوں تخت فرعون کو تاراج ہونا تھا، اس نے غلامی کی زندگی بسر کرنے والے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروانا شروع کر دیا، اور ان کی عورتوں کو لوٹھیاں اور خادماں بنا کر ان سے خدمت لینے لگا۔

(۵) آخر کار اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی، اسے اپنے ان ناتواں بندوں پر رحم آیا، جو اس کے ظلیل ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ انہیں فرعون کی غلامی سے آزاد کر کے ایمان جیسی عظیم ترین نعمت سے نوازا جانا، اور فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کر کے انہیں سر زمین مصر کا وارث و حاکم بنانا چاہا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت (۱۳۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَوْزَنَّا النُّوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يَسْتَضَعُّونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَأَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَوَدَّعْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ﴾ ﴿۶۱﴾ ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے، اس سر زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور آپ کے رب کا نیک وعدہ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون، وہامان اور ان دونوں کی فوجوں کو وہ کچھ دکھانا چاہا جس کے خوف سے وہ لوگ اسرائیلی بچوں کو قتل کروا رہے تھے، یعنی انہیں اپنی ہلاکت و بربادی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرنا تھا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا، آئندہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسے بیان فرمایا ہے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَاذْأَخْفَيْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقَيْتِهُ فِي الْعِمَّةِ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۗ إِنَّا نَرَاكَ أَدْرُؤُهُ
إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمَرْسُولِينَ ﴿۷﴾ وَالنَّقْطَةُ أَلْ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ
وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿۸﴾ وَقَالَتْ أَفْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتْ عَيْنُهَا بِئِي وَكَأَنِّي كُنْتُ لَوْ كُنْتُ نَسِيًّا لَوْ كُنْتُ نَسِيًّا
وَلَكِنِّي أَكْثَرُ لَيْسَعْرُونَ ﴿۹﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَرِعَاءً ۗ إِنَّ كَادَتْ لِتَبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنَّ رَبَّنَا عَلِيٌّ
قَلِيمًا لَتَكُونُ مِنَ الْمُنْجَرِفِينَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِأُخْتَيْهِ قُصِيَّةُ فَبَصَّرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۱﴾ وَ
حَزَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَ لَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم (۶) دیا کہ تم اسے دودھ پلاتی رہو، اور جب تمہیں اس کی زندگی کا ڈر ہو جائے، تو اسے
سمندر میں ڈال دو، اور نہ ڈرو اور نہ غم کرو، ہم بلاشبہ اسے تمہارے پاس لوٹا دیں گے اور اُسے اپنے رسولوں میں
سے بنائیں گے ﴿۷﴾ پس فرعون کے گھر والوں نے اسے سمندر سے نکال لیا، تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے رنج و الم
کا سبب بنے، بے شک فرعون وہاں اور ان دونوں کے لشکر بڑے ہی خطاوار لوگ تھے ﴿۸﴾ اور فرعون کی بیوی
نے کہا یہ لڑکا میری اور تمہاری آنکھوں کا ٹھنڈک بنے گا، اسے تم لوگ قتل نہ کرو، امید ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے گا
ہم اسے اپنا لڑکا بنا لیں گے، اور انہیں حقیقت حال کی کوئی خبر نہ تھی ﴿۹﴾ اور موسیٰ کی ماں کا دل بیٹھا جا رہا تھا، قریب
تھا کہ وہ اس راز کو فاش کر دیتی، اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے، تاکہ ہمارے وعدے پر اس کا ایمان باقی
رہے ﴿۱۰﴾ موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا ﴿۱۱﴾ کہ اس کے پیچھے پیچھے جاؤ، تو وہ انہیں دور سے دیکھتی رہی، اور
لوگوں کو پتہ نہ چلا ﴿۱۲﴾ اور ہم نے پہلے سے ہی ان پر دیاؤں کا دودھ حرام (۸) کر دیا تھا، اس لئے ان کی بہن نے
فرعون کے گھر والوں سے کہا کیا میں تمہیں ایک ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس بچے کی تمہاری واسطے دیکھ بھال کرے گا،
اور وہ لوگ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے ﴿۱۳﴾

(۶) چونکہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروا دیتا تھا، تاکہ وہ بچہ زندہ نہ رہے جس کے ہاتھوں اس کی حکومت کو ختم ہونا تھا،
اسی لئے موسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو ان کی ماں بہت پریشان ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ فرشتہ اطمینان دلایا، کہ اس
کی حفاظت اللہ کرے گا۔ اس لئے وہ بچے کو دودھ پلاتی رہیں، اور جس دن وہ سمجھ لیں کہ اب فرعون کے جاسوسوں کو ان کے گھر
میں لڑکا ہونے کی اطلاع ہو جائے گی تو اسے بے خوف و خطر دریائے نیل میں ڈال دیں، اور ان کے بارے میں نہ ڈریں اور نہ
پریشان ہوں، اللہ قادر مطلق ان کا بچہ ان کے پاس پھر پہنچا دے گا، اور انہیں یہ خوشخبری بھی دی کہ ان کا وہ بچہ بڑا ہو کر نبی مرسل ہوگا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا، موسیٰ کی ماں نے انہیں ایک مضبوط و محفوظ ٹوکری میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا۔

(۷) انہوں نے اپنی دس بارہ سالہ بچی سے کہا کہ دور سے دیکھتی جا، یہ ٹوکری کہاں جا کر رکتا ہے۔ بچی نے ایسا ہی کیا، اور دیکھا کہ
ٹوکری اللہ کے فیصلے کے مطابق بہتا ہوا فرعون کے محل کے قریب سے گذرا، اور فرعون کے خادموں نے بچے کو ٹوکری سے نکال
کر اس کے محل میں پہنچا دیا۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے بچے کو دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو بہت ہی پیارا بچہ ہے۔ یہ میری اور فرعون کی
آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا، اس لئے دوسرے بچوں کی طرح اسے ہرگز نہ قتل کیا جائے۔ ممکن ہے کہ ہم دونوں اسے اپنا بیٹا بنا لیں،

فَرَدَّدْنَاهُ إِلَىٰ آوَابِهِ كَيْ تَقْرَعِيَنَّهُمْ وَلَا تَحْزَنَ وَلَا تَعْتَمَلَنَّ أَنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۗ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَةِ هَٰذَا وَمِنَ الشَّيْءِ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَّزَهُ مَوْلَىٰ فُقُضَىٰ عَلَيْهِ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۲﴾

اس طرح ہم نے انہیں ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غمگین نہ رہے، اور تاکہ وہ جان لے کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہوتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں ﴿۱۰﴾ اور جب موسیٰ اپنی بھرپور جوانی (۹) کو پہنچ گئے اور ان کی جسمانی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکمت و علم دیا، اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۱﴾ اور ایک دن موسیٰ ایسے وقت میں شہر میں داخل (۱۰) ہوئے جب وہاں کے لوگ غافل تھے، وہاں انہوں نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا، یہ ان کی قوم (بنی اسرائیل) کا تھا، اور یہ ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ جو آدمی ان کی جماعت کا تھا، اس نے ان سے اس کے خلاف مدد مانگی، جو ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ موسیٰ نے اسے گھونسا مارا اور اسے ہلاک کر دیا، موسیٰ نے کہا، یہ شیطان کا کام ہو گیا ہے، بے شک وہ بڑا کھلا گمراہ کن دشمن ہے ﴿۱۲﴾

ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمارے لئے یہ بچہ مفید ثابت ہو۔ گویا اللہ کا فیصلہ تمام فیصلوں پر غالب آ رہا تھا۔

(۸) موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے فرعون کی بیوی آسیہ نے دایہ کو بلوایا، لیکن انہوں نے اس کا دودھ نہیں پیا تو کسی اور دایہ کو بلوایا، اس کا دودھ بھی پینے سے انکار کر دیا، اسی طرح بہت سی دایاؤں کو بلوایا، لیکن بچے نے کسی کا بھی دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ اور اللہ نے فرعون و آسیہ اور محل کے دیگر رہنے والوں کے دلوں میں ان کی ایسی شدید محبت ڈال دی کہ سبھی پریشان و بے چین ہو گئے، اور بات شدہ شدہ محل سے باہر نکل گئی، ان کی بہن تو تمام حالات کا خاموشی کے ساتھ جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر محل والوں سے کہا کہ مجھے ایک دایہ کا پتہ ہے، شاید بچہ اس کا دودھ پینے پر آمادہ ہو جائے، اور وہ لوگ اتنے اچھے ہیں کہ بچے کی اچھی نگہداشت کریں گے۔ محل والوں نے فوراً اس دایہ کو بلوایا جو موسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں۔ بچہ نے ان کے گود میں جاتے ہی لپک کر ان کا دودھ پینا شروع کر دیا، اور اس طرح اللہ نے انہیں دریائے نیل سے نکال کر فرعون کے ذریعہ ان کی ماں کے پاس پہنچا دیا، جہاں وہ ان کی محبت کے زیر سایہ پرورش پانے لگے، اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے لگے، اور اللہ نے اُمّ موسیٰ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا، اور لوگوں کو اس کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔

(۹) جب موسیٰ علیہ السلام پورے شباب کو پہنچ گئے، اور ان کے اندر پختگی آ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے ساتھ ساتھ انہیں حکمت و دانائی سے بھی نوازا۔ اپنے باپ ماں کے گھر میں رہ کر اپنے آباء و اجداد ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف وغیرہم کی تاریخ دعوت و عزیمت سن سن کر ان کی روح کو بالیدگی ملتی گئی، اور قصر شاہی سے اتصال کی وجہ سے دنیاوی علوم و حکم سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ اور جس طرح صالحی ماں کے صالح بیٹے کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا، اللہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرْنَا لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ۝ وَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ
قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَكَوْنِي مُبِينٌ ۝ فَلَمَّا أَنْ أَمَرَادَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَا مُوسَى أَتُرِيدُ
أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۚ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ
مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ آتَيْنَكُم بِكَ
لِيُقَاتِلُوا فَاخْرِجْ رَأْيِي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

انہوں نے کہا، میرے رب! میں نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے، اس لئے تو مجھے معاف کر دے، تو ان کے رب نے انہیں معاف کر دیا، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا ہے، حد مہربان ہے ﴿۱۶﴾ انہوں نے کہا، میرے رب! تو نے مجھ پر جو انعام و احسان کیا ہے، تو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ﴿۱۷﴾ انہوں نے شہر میں ڈرے اور گھبرائے ﴿۱۱﴾ ہوئے صبح کی، تو اچانک پھر وہی شخص انہیں اپنی مدد کے لئے پکار رہا تھا جس نے کل گذشتہ ان سے مدد مانگی تھی، موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو کھلا بے راہ آدمی ہے ﴿۱۸﴾ پس جب انہوں نے اس آدمی پر حملہ کرنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا، تو اس نے کہا، اے موسیٰ! کیا تم مجھے قتل کر دینا چاہتے ہو، جس طرح کل گذشتہ تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، تم تو زمین پر ظالم و سرکش بن کر رہنا چاہتے ہو، اصلاح کرنے والا نہیں بننا چاہتے ہو ﴿۱۹﴾ ایک شخص شہر کی دوسری جانب سے دوڑتا ہوا آیا، کہا اے موسیٰ! فرعون کے دربار والے تمہارے بارے میں آپس میں مشورہ کر رہے ہیں تاکہ تمہیں قتل کر دیں، اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ، میں تمہارا خیر خواہ ہوں ﴿۲۰﴾ پس وہ وہاں سے ڈرے سہمے نکل پڑے، کہا میرے رب! مجھے ظالموں سے بچالے ﴿۲۱﴾

(۱۰) ایک دن موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت یادو پہر کے وقت جب لوگ آرام کر رہے تھے یا مغرب و عشاء کے درمیان قصر شاہی سے نکل کر شہر میں آئے جہاں عام لوگ رہا کرتے تھے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک جگہ ایک اسرائیلی اور ایک قبلی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اسرائیلی مظلوم تھا، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر انہیں ظالم قبلی سے نجات دلانے کے لئے پکارا، انہوں نے قبلی کو ایک گھونسا مار کر بٹانا چاہا، اللہ کی مشیت، کہ اسی ایک گھونسا سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام دم بخود ہو گئے، اور فوراً ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ جو کچھ ہوا، یقیناً ان کے خلاف شیطان کی سازش کا نتیجہ ہے، جو انسان کا کھلا اور گمراہ کن دشمن ہے۔ اور شدت تاثر کی وجہ سے اپنی اس غلطی کو ”ظلم“ سے تعبیر کیا، اور اپنے رب سے مغفرت طلب کی، تو اللہ نے ان کی اس غلطی کو معاف کر دیا، اور ان کے دل میں کسی خاص واسطہ سے یہ بات ڈال دی کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ تو انہوں نے دعا کی کہ میرے رب! تو نے مجھ پر جو یہ احسان کیا ہے، تو میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اب میں فرعون اور فرعونوں کے ساتھ نہیں رہوں گا، جن کا ظالمانہ رویہ اسرائیلیوں کے خلاف تمام حدوں کو تجاوز کر گیا ہے، اور نہ کسی اور مجرم کی کبھی مدد کروں گا۔

(۱۱) اس غیر ارادی اور اچانک قتل کے حادثہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو گئے کہ معلوم نہیں فرعون کو جب اس حادثہ کا علم ہوگا تو ان کے ساتھ کیا کرے گا، ابھی یہ خوف لاحق ہی تھا کہ دوسرے دن پھر وہی اسرائیلی ایک دوسرے قبلی کے ساتھ لڑ رہا تھا،

وَلَمَّا تَوَجَّهَتْ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّيٰ أَنْ يُهْدِيَٰ لِي سَبِيلَ مَدْيَنَ ۗ وَكَلَّمَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهَا
 آتَةً مِنَ النَّاسِ يَسْفُونَ ۗ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۗ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْفُقُ حَتَّىٰ يُصَدَرَ
 الرَّعَاءُ ۗ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۗ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۗ

اور جب مدین کی طرف (۱۲) روانہ ہوئے تو دل میں کہا، امید ہے کہ میرا رب سیدھی راہ کی طرف میری رہنمائی کرے گا ﴿۲۲﴾ اور جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک بھیر دیکھی جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہی تھی، اور ان سے کچھ فاصلے پر دو عورتوں کو پایا جو اپنی بکریوں کو روک رہی تھیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اپنی بکریوں کو اس سے پہلے پانی نہیں پلا سکیں گے کہ تمام چرواہے اپنی بکریاں ہٹالیں، اور ہمارے باپ بہت بوڑھے آدمی ہیں ﴿۲۳﴾ تو موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی پلادیا، پھر مڑ کر سائے میں چلے گئے اور دعا کی کہ میرے رب! اس وقت تو جو خیر بھی میرے لئے بھیج دے، میں اس کا محتاج ہوں ﴿۲۳﴾

اور موسیٰ کو دیکھتے ہی انہیں اپنی مدد کے لئے پکارنے لگا۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو بڑا جھگڑالو معلوم ہوتا ہے، طاقت نہ رکھتے ہوئے سب سے جھگڑتا پھر تا ہے اور لوگوں کے لئے مصائب کا سبب بنتا ہے۔ پھر قبیلے کو پکڑنے کے لئے دوڑے جو کافر تھا اور ان کا اور اس اسرائیلی کا دشمن تھا، تو اس نے ان سے کہا کہ کل تم ایک قبیلے کو قتل کر چکے ہو، اور آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، تم سر زمین میں ظالم و جاہل بن کر رہنا چاہتے ہو، اصلاح پسند نہیں بننا چاہتے ہو۔

امام شوکانی اور جمال الدین قاسمی صاحب محاسن التنزیل نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ اس بات کا قائل قبیلے تھا۔ اتنی قرآن کی ظاہری عبارت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ نیز اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ گذشتہ دن کے قتل کا واقعہ کسی قبیلے کو معلوم نہیں تھا۔ بلکہ معلوم تھا، اور اس کی خبر فرعون کو بھی ہوگئی تھی، جسی تو اس نے فوری طور پر اپنی مجلس منعقد کر کے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کروانے کا فیصلہ صادر کر دیا تھا، اور جس کی خبر لے کر وہ اسرائیلی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا جو خفیہ طور پر مسلمان تھا، اور جو فرعون کی مجلس میں شریک ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ فرعون کی مجلس میں تمہاری قتل کی سازش ہو رہی ہے، اس لئے تم فوراً کسی طرح اس شہر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فوراً ہی چھپتے چھپاتے وہاں سے نکلے، تاکہ کہیں پکڑ نہ لئے جائیں اور قتل نہ کر دیئے جائیں۔ شہر سے نکلنے ہوئے انہوں نے دعا کی کہ میرے رب! مجھے فرعون اور فرعونوں اور ہر ظالم سے نجات دے، اور انہیں مجھ تک پہنچنے نہ دے۔

(۱۲) موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر مدین کی طرف متوجہ ہوئے جو فرعون کے حدود سلطنت سے خارج تھا، اور اپنے رب سے دعا کرتے رہے کہ راستہ میں ان کے دشمن انہیں نہ جالیں، چنانچہ بحفاظت حدود مصر سے نکل کر مدین کے علاقہ میں پہنچ گئے، اور چلتے چلتے ایک کنواں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی بھیر لگی ہوئی ہے، اور سب اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دو لڑکیاں الگ کھڑی ہیں، ان کے قریب گئے اور پوچھا کہ وہ دور کیوں کھڑی ہیں، تو انہوں نے بتایا کہ جب سارے چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر ہٹ جائیں گے تو ہم پلا سکیں گے، اس لئے کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں، اب ان سے یہ کام نہیں ہو سکتا ہے،

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ ابْنِي يَدْعُوكَ لِجَزْيِكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ
عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتُ مِنَ الْقَوَمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ
مَنْ اسْتَأْجَرَ الثَّوَابَ الْآمِنُونَ ﴿۱۱۰﴾ قَالَ رَبِّي يُرِيدُ أَنْ يُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتِي هَتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَجَّجَةً
فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْسُقَ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ ذَلِكَ
بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيُّهَا الرَّاكِبِينَ فَضَيْتُمْ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۱۱۲﴾

پس ان دونوں (۱۱۰) میں سے ایک شرماتی ہوئی چل کر ان کے پاس آئی، کہا، میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ
آپ نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کی آپ کو مزدوری دیں، پس جب وہ اس کے والد کے پاس آئے اور
ان سے اپنا ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اب تم مت ڈرو، ظالموں سے بچ کر نکل آئے ہو ﴿۱۰۹﴾ ان دونوں میں
سے ایک لڑکی نے کہا (۱۱۰) ابا جان! آپ انہیں نوکر رکھ لیجئے، اس لئے کہ سب سے بہتر جسے آپ نوکر رکھیں گے
طاقت ور اور امانت دار آدمی ہوگا ﴿۱۱۰﴾ باپ نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بچیوں میں سے ایک سے
تمہاری شادی کر دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میرے پاس ملازمت کرو گے، اور اگر دس سال پورے
کرو گے تو تمہاری جانب سے میرے ساتھ بھلائی ہوگی، اور میں تم پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ہوں، تم مجھے ان شاء اللہ
اچھے لوگوں میں سے پاؤ گے ﴿۱۱۱﴾ موسیٰ نے کہا، میرے اور آپ کے درمیان یہ بات طے پاگئی، دونوں مدتوں
میں سے جسے بھی پوری کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہئے، اور ہم دونوں جو بات طے کر رہے ہیں اس پر
اللہ گواہ ہے ﴿۱۱۲﴾

اور ہمارے گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں ہے اور ہم ان مردوں کے ساتھ مزاحمت نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

ان دونوں کی بات سن کر موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور ان کی بکریوں کو پانی پلادیا، پھر ایک درخت کے سائے میں
جا کر بیٹھ گئے، اور دعا کی کہ میرے رب! روزی حاصل کرنے کا جو ذریعہ ابھی میرے سامنے ظاہر ہوا ہے، میں اس کا محتاج ہوں
یعنی دونوں لڑکیوں کے باپ کو ایک مزدور کی ضرورت ہے، اور مجھے روزی کی ضرورت ہے۔

(۱۱۰) اکثر مفسرین کی رائے ہے، جیسا کہ امام شوکانی نے لکھا ہے، کہ وہ دونوں شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں تھیں۔ جب دونوں
عادت کے خلاف جلدی ہی بکریوں کو پانی پلا کر گھر پہنچ گئیں، تو ان کے باپ نے حیرت سے سب پوچھا۔ انہوں نے وجہ بتائی تو
باپ نے دونوں میں سے ایک کو واپس بھیجا کہ جا کر اس نوجوان سے کہو کہ میرے والد تمہیں تمہاری مزدوری دینے کے لئے
بلا رہے ہیں۔ لڑکی نہایت شرم و حیا کے ساتھ گھونگھٹ نکالے، موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی (جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ
عنه کی روایت سے ثابت ہے جسے ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے روایت کی ہے) اور اپنے باپ کا پیام پہنچایا، تو موسیٰ علیہ
السلام نے اپنی بے سروسامانی اور شدید ضرورت کی وجہ سے موقع کو غنیمت جانا اور اس کے ساتھ چل پڑے، خود آگے اور لڑکی
پیچھے سے انہیں راستہ بتاتی رہی۔ شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ کر جب انہیں ذرا سکون میسر آیا تو اپنا سارا ماجرا ان سے بیان کیا،
انہوں نے اطمینان دلایا، اور کہا کہ تم ظالموں کی سلطنت کے حدود سے باہر نکل آئے ہو، اب یہاں آرام سے رہو۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۖ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا
تَعْلَىٰ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبْعَثَ عَلَيَّ أَوْ يَأْتِيَنِي مِنَ النَّارِ لَعْنَةٌ تَصْطَلُونُ ۖ فَلَمَّا آتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ
فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَمُوسَىٰ إِنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۗ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهْتَزُّ
كَأَنَّهُ جَانٌّ وَلِي مُدِيرٌ ۗ وَأَلْمَزَ يُعْقَبُ يَمُوسَىٰ أَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ ۖ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ۝

جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی، اور اپنے بال بچوں کو لے کر چلے (۱۵) تو انہوں نے طور پہاڑ کی طرف ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنے بال بچوں سے کہا، یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے لئے (راستہ کی) کوئی خبر لاؤں، یا آگ کا ایک انگارہ، تاکہ تم اسے تاپو ﴿۲۹﴾ پس جب وہاں آئے تو وادی کے دائیں کنارے سے اُس مبارک زمین میں (موجود) درخت سے انہیں پکارا گیا کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں، سارے جہان کا رب ہوں ﴿۳۰﴾ اور آپ اپنی لاشھی زمین پر ڈال دیجئے، پس جب انہوں نے اسے ہلتے دیکھا جیسے کوئی سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے اور پیچھے مُر نہ نہیں دیکھا، تو آواز آئی، اے موسیٰ! ادھر آئے اور ڈریئے نہیں، آپ بالکل امن میں ہیں ﴿۳۱﴾

(۱۳) جب موسیٰ علیہ السلام نے کچھ دن وہاں گزار لیا، اور شعیب علیہ السلام اور ان کے گھر والے ان کے چال چلن سے بہت حد تک واقف ہو گئے، تو ایک دن دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو تنخواہ پر بکریاں چرانے اور گھر کے دوسرے کام کاج کے لئے ملازم رکھ لیں، اس لئے کہ بہتر ملازم وہ ہوتا ہے جو طاقت ور اور مانت دار ہوتا ہے۔ اور کنواں کے پاس پہلی ملاقات سے اب تک اس کا جو کردار ہمارے سامنے آیا ہے وہ یہی بتاتا ہے کہ یہ آدمی طاقت ور ہے، اور لمانت دار ہے کہ اب تک اس نے ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ہے۔

شعیب علیہ السلام بھی ان کے حالات، کردار اور چال چلن کا جائزہ لیتے رہے، اور آیت (۱۳) میں گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکمت و دانائی سے تیس سال کی عمر میں ہی نوازا دیا تھا۔ تو ظاہر ہے کہ اس حکمت و دانائی کے آثار بھی ان پر نمایاں رہے ہوں گے۔ اسی لئے جب شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو ایک دن ان سے کہا کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کی تم سے شادی کر دینا چاہتا ہوں، اس عوض میں آٹھ سال تک تم میرے ملازم رہو اور بکریاں چراؤ، اور اگر تم اپنی طرف سے مزید دو سال میرا کام کر دو گے تو یہ میرے ساتھ تمہارا تعاون ہوگا، یہ کوئی الزامی بات نہیں ہے۔ اور تم مجھے ان شاء اللہ اپنے وعدے کا پابند، اور اچھا برتاؤ کرنے والا پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوئی ہے، اس کے ہم دونوں پابند رہیں گے، اور دونوں مدتوں میں سے جس پر بھی میں عمل کروں، مجھے اختیار حاصل رہے گا، نہ مجھ سے آٹھ سال سے زیادہ کا، اور نہ ہی اس کا مطالبہ کیا جائے گا کہ (میری خواہش کے برخلاف) دس سال سے پہلے ہی اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں، اور ہم دونوں اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔

امام شوکانی لکھتے ہیں یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ ان کے دین میں اجرت پر ملازم رکھنا جائز تھا۔ نیز یہ کہ باپ کسی نیک آدمی کو اپنی لڑکی سے شادی کر لینے کی پیشکش کر سکتا ہے صحابہ کرام کی یہ سنت رہی ہے، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور

أَسْأَلُكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بِيضَاءً مِنْ غَيْرِ سَوْءٍ وَأَضْمُرُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَنْكَ بُرْهَانٌ
مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۳۲﴾

آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالنے وہ بغیر بیماری کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، اور جب آپ کو ڈر لگے تو اپنا بازو اپنے جسم سے ملا لیجئے، یہ آپ کے رب کی جانب سے فرعون اور اس کے اہل دربار کے لئے دو نشانیاں ہیں، بے شک وہ لوگ بڑے نافرمان ہیں ﴿۳۲﴾

ہے کہ انہوں نے ابو بکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کو اپنی بیٹی حنظلہ سے شادی کرنے کی پیشکش کی تھی، اور ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے شادی کرنے کی پیشکش کی تھی، یہ واقعات صحیح روایات سے ثابت ہیں۔

(۱۵) موسیٰ علیہ السلام کی شادی دونوں لڑکیوں میں سے ایک سے ہو گئی، اور عہد نامہ کے مطابق شعیب علیہ السلام کے گھر رہنے لگے۔ ابن ابی شیبہ اور بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ان کی خدمت دس سال تک کی۔ ابن جریر، حاکم اور ابن مردودہ وغیرہم نے یہی بات رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

مدت پوری کرنے کے بعد جب اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو کوہ طور کے قریب رات کے وقت راستہ بھٹک گئے، اور بالکل پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ سخت سردی پڑ رہی تھی، دیکھا کہ پہاڑ کی جانب سے روشنی آرہی ہے، سمجھا کہ وہاں کچھ لوگ ہیں جنہوں نے آگ جلا رکھی ہے۔ اس لئے اپنے بال بچوں سے کہا کہ تم سب یہیں ٹھہرو، میں راستہ پوچھ کر آتا ہوں، یا کم از کم تمہیں گرمی پہنچانے کے لئے آگ لے کر آتا ہوں۔ وہاں جب پہنچے تو بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ جگہ تو تجلی الہی کے سبب ایک مبارک وادی بن چکی تھی، جس کے دائیں جانب موجود ایک درخت کے درمیان سے آواز آئی کہ ”اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں جو سارے جہاں کا پالنا رہا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں جو لاشی ہے، اسے زمین پر ڈالنے۔ ڈالنے ہی ایک ڈراؤنا سانپ بن کر تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور پیچھے مڑ کر بھاگ پڑے اور واپس نہیں آنا چاہا، تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! واپس آئیے اور خوف نہ کھائیے، آپ ہر شر و بلا سے مامون و محفوظ ہیں۔ یہ سب سے بڑا معجزہ تھا جو انہیں عطا کیا گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: اس معجزے کے اظہار کا مقصد یہ بھی تھا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ وہ اس اللہ سے ہم کلام ہیں جو کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔

واپس آ کر جب پہلی جگہ کھڑے ہوئے، تو پھر آواز آئی کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالنے، وہ نور کے مانند خوبصورت چمکتا ہوا ظاہر ہوگا، اور اپنے دل سے سانپ کا خوف دور کرنے کے لئے، اپنا بازو اپنے سینہ سے لگا لیجئے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بظاہر یہ خوبی بھی انہیں ہر وقت کے لئے دی گئی تھی کہ جب بھی انہیں فرعون کی طرف سے خوف لاحق ہو تو وہ ایسا کریں تاکہ خوف زائل ہو جائے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا آدمی بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کرے گا تو ان شاء اللہ اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا۔ اتھی۔

پھر آواز آئی کہ آپ کے رب کی جانب سے یہ دو معجزے ہیں، جو آپ کے نبی مرسل ہونے کی دلیل ہیں، انہیں لے کر آپ فرعون اور فرعونوں کے پاس جائیے جنہوں نے کفر و سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے، میرے سوا غیروں کی عبادت کرتے ہیں، اور انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي مَقَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۱۱۰﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْضَرُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَيِّدُوا ﴿۱۱۱﴾ قَالَ سَنَسُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَجَعَلْنَا لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِأَيِّتِنَا إِنَّتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ﴿۱۱۲﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم مَّوْلٰى بِأَيِّتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۱۱۳﴾ وَقَالَ مَوْلٰى رَبِّىَ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۱۴﴾

موسیٰ نے کہا، میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل (۱۱۰) کر دیا تھا، اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ﴿۳۳﴾ اور میرے بھائی ہارون گفتگو میں مجھ سے زیادہ بہتر ہیں، اس لئے تو انہیں بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج تاکہ وہ میری تائید کریں، میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿۳۴﴾ اللہ نے کہا، میں آپ کے بھائی کے ذریعہ آپ کے بازو مضبوط کروں گا اور آپ دونوں کو ایسی ہیبت عطا کروں گا کہ وہ آپ کے قریب نہیں آئیں گے، ہماری نشانوں کے ذریعہ آپ دونوں اور آپ کے پیروکار ہی غالب ہوں گے ﴿۳۵﴾ جب موسیٰ فرعونوں کے پاس ہماری کھلی نشانیاں (۱۱۴) لے کر گئے، تو انہوں نے کہا، یہ تو ایک گھڑا ہوا جادو ہے، اور ہم نے اپنے گذشتہ باپ دادوں کے زمانے میں ایسی کوئی بات نہیں سنی ﴿۳۶﴾ اور موسیٰ نے کہا (۱۱۸) میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے، بے شک ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے ﴿۳۷﴾

(۱۱۰) موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ حکم سن کر کہا کہ میرے رب! میں نے ایک قبیلے کو قتل کر دیا تھا، اس لئے ڈرتا ہوں کہ وہاں کے لوگ مجھے قتل کر دیں گے، اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اور گفتگو کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں، اس لئے انہیں بھی اپنا رسول اور میرا معاون و مددگار بنا دے، اگر میں اکیلا گیا تو ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔ وہ میرے ساتھ ہوں گے تو میں جو کچھ فرعون سے کہوں گا، اسے وہ اپنی فصیح زبان میں مزید شرح و بسط کے ساتھ اس کے سامنے بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب منظور کر لی اور کہا کہ ہم آپ کے بھائی کو آپ کا معین و مددگار بناتے ہیں، اور آپ دونوں ہمارے معجزات لے کر فرعون کے پاس جائیے، بہر حال غلبہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو ہی حاصل ہوگا۔

(۱۱۱) موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی معجزات لے کر فرعون کے پاس پہنچے، موسیٰ نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا نبی مرسل ہوں اور یہ معجزے میری صداقت کی نشانیاں ہیں، اور پھر دونوں معجزات کا اس کے سامنے مظاہرہ کیا، تو فرعون کہنے لگا کہ یہ موسیٰ تو کہیں سے جادو سیکھ کر آ گیا ہے، بڑا شعبدہ باز ہو گیا ہے، اور اپنی شعبدہ بازی کے ذریعہ ہماری آنکھوں کو مسح کر دیا ہے، اور لاشعی کو سانپ اور ہاتھ کو روشن اور چمکتا ہوا ظاہر کر رہا ہے۔ ہم اور ہمارے باپ دادے نے آج تک ایسا جادو نہیں دیکھا تھا، یا یہ نہیں سنا تھا کہ کوئی انسان نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، یا یہ کہ اس دنیا کا ہمارے سوا کوئی دوسرا معبود ہے جو انسانوں کو اپنے پیغامبر بنا کر معجزات کے ساتھ انہی جیسے انسانوں کے پاس بھیجتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ فرعون نے نھض کبر و عناد کی وجہ سے نبوتوں کا انکار کیا اور جھوٹ بولا، اس لئے کہ یوسف علیہ السلام

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا يَهُارْمُنُ عَلَى الطَّيْنِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا
لَعَلِّي أَظْلِمُ إِلَى اللَّهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَهُ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وظَنُّوا أَنَّهُمُ الْبِئْتَانُ لَا يُرْجَعُونَ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَاظْهَرُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾

اور فرعون نے کہا (۱۹) اے اہل دربار! میں نے اپنے سوا تم لوگوں کا اور کوئی معبود نہیں جانا ہے، پس اے ہامان! اینٹیں پکواؤ اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بناؤ، تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں، اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ﴿۳۸﴾ اور وہ اور اس کے فوجی زمین میں ناحق کبر (۲۰) کرتے تھے اور گمان کر بیٹھے تھے کہ وہ ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے ﴿۳۹﴾ پس ہم نے اسے اور اس کی فوجوں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا، تو آپ دیکھ لیجئے کہ ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا ﴿۴۰﴾

تو ابھی کچھ ہی دنوں پہلے گذرے تھے، اور یہ بات سب کو معلوم تھی کہ وہ نبی تھے، یا یہ کہ وہ ان کی نبوت کا منکر تھا۔
(۱۸) موسیٰ علیہ السلام نے اس کی معاندانہ بات کا جواب (اللہ تعالیٰ کی فصیحت کے مطابق کہ وہ فرعون کو دعوت دیتے وقت نرم اسلوب گفتگو اختیار کریں) دیتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ تم گمراہ، کافر اور جہنمی ہو، بلکہ نہایت نرمی کے ساتھ اپنے بارے میں کہا کہ میرا رب زیادہ جانتا ہے کہ اس نے کسے تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے روشنی اور ہدایت دے کر بھیجا ہے، اور کس کا انجام بہتر ہوگا، یعنی کسے موت کے وقت فرشتے رحمت و رضائے الہی اور جنت کی بشارت دیں گے۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ کفر و سرکشی کے ذریعہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو اللہ نے دنیا میں عزت دی، اور آخرت میں بھی ان کا انجام اچھا ہوگا، اور فرعون اور فرعونیوں کے حصہ میں ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی آئی۔

(۱۹) شوکانی لکھتے ہیں کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کی یہ پُر اثر تقریر سن کر ڈر گیا کہ لوگ اس پر ایمان نہ لے آئیں، اس لئے جانتے ہوئے کہ اس کا رب اللہ ہے، محض اپنی قوم کو دھوکہ دینے کے لئے کہنے لگا کہ لوگو! مجھے تو نہیں معلوم کہ میرے سوا تمہارا کوئی معبود ہے جس کی بندگی و اطاعت کی یہ شخص ہمیں اور تمہیں دعوت دے رہا ہے۔ اور اپنے کبر و جبروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور لوگوں کو اپنے کمال قدرت کا یقین دلانے کے لئے، اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ پختہ اینٹوں کا ایک بلند محل بناؤ جس پر چڑھ کر میں ذرا موسیٰ کے معبود کا سراغ لگاؤں، حالانکہ میں تو اسے ابھی سے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اتھی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا، اس لئے اس نے اپنی قوم کو باور کرانا چاہا کہ موسیٰ اپنے اس دعویٰ میں بالکل جھوٹا ہے کہ میرے سوا کوئی اور بھی معبود ہے۔ اس کی یہی بات سورۃ الشعراء آیت (۲۹) میں یوں بیان کی گئی ہے: ﴿لَئِن اتَّخَذَتِ الْإِنْسَانُ غَيْرِي لِأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ﴾ ﴿۱﴾ ”اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈال دوں گا“ اور سورۃ النازعات آیات (۲۳/۲۴/۲۵/۲۶) میں آیا ہے: ﴿فَحَشْرَ فَنَادَىٰ ۖ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمَا لِأَعْلَىٰ ۖ فَاخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ﴾ ﴿۲﴾ ”پھر اس نے (یعنی فرعون نے) سب کو جمع کر کے پکارا، تم سب کا رب میں ہی ہوں، تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔“

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعُونَ إِلَى الْتَارِكِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْصُرُونَ ۝ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۝ وَوَيْومَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ۝ وَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اور ہم نے انہیں ایسے سردار بنائے جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی ﴿۳۱﴾ اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی، اور قیامت کے دن وہ لوگ نہایت بد حال اور بد شکل ہوں گے ﴿۳۲﴾ اور ہم نے گذشتہ قوموں ﴿۲۱﴾ کو ہلاک کرنے کے بعد، موسیٰ کو کتاب (تورات) دی جو لوگوں کے لئے نصیحتوں کا مجموعہ، ہدایت کا ذریعہ، اور اللہ کی رحمت تھی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۳۳﴾

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کے بارے میں فرمایا، بجائے اس کے کہ وہ اللہ کے عاجز و متواضع بندے بن کر رہتے، انہوں نے سر زمین مصر میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے متکبر و مغرور اور بڑا بنا کر پیش کیا، جس کے وہ کسی طرح اہل نہیں تھے، اس لئے کہ ہر قوم کی کبریائی اور بڑائی تو صرف اللہ کے لئے ہے، اور انہوں نے بعث بعد الموت اور قیامت کا انکار کر دیا، اور سمجھ بیٹھے کہ اس زندگی کے بعد اب کوئی زندگی نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ جل جلالہ نے ان سب کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور سمندر میں ڈبو دیا۔ کہتے ہیں کہ ڈوبنے والوں کی تعداد سولہ لاکھ تھی۔ واللہ اعلم۔

آیت (۳۰) کے آخر میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ کفر کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے، آپ دیکھ لیجئے۔ آیت (۳۱) میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رہتی دنیا تک کے لئے کفر و سرکشی کرنے والوں کا سرغنہ بنا دیا کہ ایسے لوگ ہر دور میں اور ہر جگہ انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے اور کفر و شرک اور گناہوں کا ارتکاب کر کے جہنم کے حقدار بنیں گے، اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، بلکہ ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ آیت (۳۲) میں کہا گیا کہ ہم نے اس دنیا میں ان پر لعنت بھیج دی، اور اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور آخرت میں بھی وہ ہماری ہر خیر و رحمت سے دور کر دیئے جائیں گے، اور عذاب نار کے ذریعہ ان کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے۔

(۲۱) امام شوکانی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک "قورون اولیٰ" سے مراد نوح، عاد، ثمود اور ماضی کی دوسری قومیں ہیں۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرعون اور اس کی فرقوم ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا کافرو قوموں کو ہلاک کر دیا، یا فرعون اور فرعونیوں کو ہلاک کر دیا، تو اس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نزول تورات کے بعد کسی قوم کو یکسر ہلاک نہیں کیا گیا، بلکہ مومنوں کو مشرکوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ ابن جریر نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب سے یکسر ہلاک نہیں کیا، سوائے اس ہستی والوں کے جن کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس تورات کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ لوگوں کے لئے نور بصیرت ہے، اور راہ حق کی طرف ہدایت دیتی ہے، اور عمل صالح کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور یہ اس لئے نازل کی گئی تھی تاکہ اُس زمانہ کے لوگ اس سے نصیحت حاصل کرتے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعَرَبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۗ وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا
فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۖ وَمَا كُنْتَ تَأْوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِن نَّذِيرٍ مِّن
قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اور آپ کوہ طور کے مغربی جانب اس وقت موجود (۲۲) نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو اپنی شریعت دی، اور نہ آپ نے اس کا مشاہدہ کیا ﴿۳۴﴾ بلکہ اس واقعہ کے بعد کئی قومیں گذر گئیں، اور ان پر صدیاں بیت گئیں، اور نہ آپ اہل مدین کے درمیان پائے گئے انہیں ہماری آیتیں سنانے کے لئے، لیکن ہم نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ﴿۳۵﴾ اور آپ کوہ طور کے دامن میں اس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی، لیکن آپ اپنے رب کی جانب سے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ آپ ایک ایسی قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۳۶﴾

(۲۲) مندرجہ ذیل تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ محمد ﷺ اس کے رسول اور قرآن کریم اس کی نازل کردہ کتاب ہے، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام، اہل مدین اور قوم فرعون کے جو واقعات اوپر بیان کئے گئے ہیں، ان کا علم یا تو مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا تھا یا تاریخ کی ورق گردانی سے، اور نبی کریم ﷺ کو یہ دونوں ہی باتیں حاصل نہیں تھیں، نہ سیکڑوں سال پہلے وقوع پذیر ہونے والے ان واقعات کے وقت آپ موجود تھے، اور نہ ہی آپ پڑھنا جانتے تھے کہ تاریخ کی کتابوں سے حاصل کر لیتے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ آپ کو یہ باتیں اللہ نے بذریعہ وحی بتائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوہ طور کے اس مغربی علاقہ یا مغربی وادی میں آپ ﷺ موجود نہیں تھے جہاں اللہ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا، اور انہیں نبی مرسل ہونے کی خبر دی تھی۔ اس کے باوجود اس واقعہ کی صحیح خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیتیں آپ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سی قومیں پیدا ہوئیں، اس طویل مدت میں وحی الہی کا سلسلہ منقطع نہ رہا، لوگ اللہ سے کئے گئے عہود و مواثیق کو بھول گئے، راہ ہدایت کے آثار مٹ گئے، اور اگر ایسی عام ہو گئی، تو بنی نوع انسان پر اللہ کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا جائے تاکہ انہیں کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و یقین کی راہ دکھائیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا مدین جانا، وہاں دس سال تک قیام کرنا، اور شعیب کی بیٹی سے ان کی شادی، یہ سارے واقعات جب رونما ہوئے اس وقت رسول اللہ ﷺ وہاں موجود نہیں تھے، پھر یہ باتیں انہیں کیسے معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان واقعات سے متعلق آیتیں نازل کیں، جن کے ذریعہ آپ کو ان کا علم ہوا۔ اگر آپ نبی نہ ہوتے تو یہ باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔

کوہ طور کے پاس جب اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا، اور انہیں ان کے نبی مرسل ہونے کی خبر دی، اور حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی ہارون کے ساتھ فرعون کے پاس توحید کا پیغام لے کر جائیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ وہاں موجود نہیں تھے، اگر وہ نبی نہ ہوتے تو یہ باتیں انہیں کیسے معلوم ہوتیں۔

وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ يُفَكَّرُوا لَرَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُذِّعَهُ إِيثَابًا وَ
 نَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوْ لَمْ
 يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لِكَافِرُونَ ﴿۳۸﴾

(اور آپ کو اس لئے بھی بھیجا گیا ہے تاکہ) اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت (۳۷) آئے تو یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا، تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لے آتے ﴿۳۷﴾ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے رسول برحق پہنچ گیا تو کہنے لگے کہ موسیٰ کی طرح اسے بھی معجزات کیوں نہیں دیئے گئے ہیں۔ کیا وہ اس سے پہلے موسیٰ کے معجزات کا انکار نہیں کر چکے ہیں، کیا انہوں نے نہیں کہا یہ دونوں ایک جیسے جادوگر ہیں، اور کہا کہ ہم سب کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۸﴾

اسی لئے آیت (۳۶) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ باتیں آپ کو اس طرح معلوم ہوئیں کہ ہم نے بنی نوع انسان پر رحم کرتے ہوئے، آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا، اور آپ پر قرآن نازل کیا جس میں مذکورہ بالا خبریں ہیں اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی خبریں ہیں، تاکہ اس کی آیتیں پڑھ کر آپ اہل مکہ اور تمام عربوں کو اللہ کے عذاب و عقاب سے ڈرائیں۔ (۳۳) کفار مکہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا کفر و شرک اور ان کی سرکشی اتنی آگے جا چکی ہے کہ ان پر عذاب آ جانا چاہئے تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ان کسی قسم کا عذاب اس لئے نازل نہیں ہوا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! تو نے عذاب نازل کرنے سے پہلے اپنا رسول کیوں نہیں بھیج دیا تھا، تاکہ ہم تیرے احکام کی اتباع کرتے اور تجھ پر ایمان لے آتے، اور اس عذاب سے بچ جاتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج کر حجت تمام کر دی اور کافروں کے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا، لیکن رسول آنے کے بعد ان کی حالت نہیں بدلی، بلکہ ہٹ دھری شروع کر دی اور کہنے لگے کہ جس طرح موسیٰ کو معجزات دیئے گئے تھے، اگر محمد بھی رسول ہے، تو اسے بھی اسی جیسے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جن کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہم اس پر ایمان لے آتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ہٹ دھری کا یہ جواب دیا کہ اگر ان کی یہ بات صحیح ہوتی کہ کفار معجزات دیکھنے کے بعد ایمان لے آتے، تو پھر فرعونیوں نے معجزات دیکھنے کے باوجود کیوں کفر کی راہ اختیار کی، وہ بھی تو انہی کفارِ قریش جیسے انسان تھے، اور اللہ کی الوہیت کے منکر اور کفر و سرکشی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور موسیٰ و ہارون کے بارے میں کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں، اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں ایک دوسرے کے معاون ہیں، اور ہم لوگ ان دونوں کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کفارِ قریش اپنی بات میں سچے ہیں تو پھر محمد ﷺ سے پہلے موسیٰ پر کیوں نہیں ایمان لائے تھے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کفارِ قریش نے یہود مدینہ کے پاس آدمی بھیج کر رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اس کے اوصاف تورات میں موجود ہیں، اور وہ کذاب و دجال نہیں ہے۔ تو کفارِ قریش نے تورات کا بھی انکار کر دیا، اور کہا کہ موسیٰ اور محمد دونوں ہی جادوگر ہیں، اور جادو کے ذریعہ موسیٰ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو گمراہ کیا، اور اب محمد بھی وہی کام کر رہا ہے۔ اس لئے ہم دونوں کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

قُلْ فَأْتُوا بِكُتُبٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَّا أُتِّبَعُهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ
 أَنَّمَا يَكْتُمُونَ آيَاتِ اللَّهِ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَغْيُهُ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۴﴾
 وَقَدْ وَصَلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۵﴾ الَّذِينَ اتَّبَعَهُمُ الْكُتُبَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۶﴾ وَإِذَا
 يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا أَمْ كَلَامِ اللَّهِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّكُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۲۷﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ
 بِمَا صَدَّقُوا وَيَدْرُءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَضُوا هُمْ يُغْفِقُونَ ﴿۲۸﴾

آپ کہئے کہ اگر تم سچے ہو تو پھر تم لوگ ہی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب (۲۳) لے آؤ جو (تورات و قرآن) دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو، تاکہ میں اسی کی اتباع کروں ﴿۲۴﴾ پس اگر وہ لوگ آپ کا یہ مطالبہ پورا نہ کر سکیں، تو جان لیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کے بجائے اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے ﴿۲۵﴾ اور ہم ان کے لئے مسلسل قرآن نازل کرتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۶﴾ جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب (۲۵) دی تھی، وہ لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں ﴿۲۷﴾ اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، بلاشبہ یہ ہمارے رب کی برحق کتاب ہے، اور ہم تو پہلے سے ہی مسلمان تھے ﴿۲۸﴾ یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا اجر (۲۶) دیا جائے گا، یہ لوگ نیکی کے ذریعہ بُرائی کو دفع کرتے ہیں، اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۲۸﴾

(۲۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی کافروں سے فرمایا کہ اگر تورات و قرآن از قبیل جادو ہیں، اللہ کی نازل کردہ کتابیں نہیں ہیں، تو پھر تم لوگ اپنے علم کے مطابق اللہ کی نازل کردہ ان دونوں سے اچھی کوئی کتاب لے آؤ، تاکہ میں اس پر عمل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا نہ کریں، اور نہ ان دونوں کتابوں پر عمل کریں، تو سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کے بندے ہیں، اور اس آدمی سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔

آیت (۵۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تو ان کے اور یہود و نصاریٰ کے حال پر رحم کرتے ہوئے نزول قرآن کا تسلسل قائم کر دیا، پے در پے آیتیں، وعدہ جنت، وعید جہنم، قصے، عبرت آمیز واقعات اور نصیحتیں نازل ہوتی رہیں، تاکہ وہ ان میں غور و فکر کر کے آپ پر اور اس قرآن پر ایمان لے آئیں۔

(۲۵) یہاں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ایک گروہ ایسا ہے جو قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، اور ہم اس کے نازل ہونے کے قبل سے موحد تھے اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم تو نزول قرآن کے قبل سے محمد ﷺ اور ان پر نازل ہونے والی کتاب اور دین اسلام پر ایمان رکھتے تھے، کیونکہ ان کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے، اور ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ آخری نبی ہوں گے اور ان پر اللہ اپنا قرآن نازل کرے گا۔

وَلَا يَسْمَعُوا لَكُمْ عِزًّا وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلِّمُوا عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۱۰۶﴾ إِنَّكَ لَتَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۰۷﴾ وَقَالُوا إِن تَتَّبِعِ الْهَدْيَ مَعَنَا فَنَنْخِطْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَكُمْ فَتَكُنْ كَهَمْ حَرَمًا أَمَّا يُجِيبُ إِلَيْهِ فَمَا لَمْ يُجِيبْ إِلَيْهِمْ لَوْلَا أَنَّ لَكُمْ كَرَاهِيَةً لِمَا كَفَرْتُمْ بِهِ لَغَوَّيْنَا لَكُمْ فِيهِ لَوْلَا نَدْوَى الْجَاهِلِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہم تمہیں سلام کہتے ہیں، ہم نادانوں کی دوستی نہیں چاہتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ آپ جسے چاہیں ہدایت (۲۷) نہیں دے سکتے ہیں، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۰۶﴾ اور مشرکین مکہ کہتے (۲۸) ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ دین اسلام کی پیروی کرنے لگیں گے تو ہمیں ہماری سر زمین سے اُچک لیا جائے گا، کیا ہم نے انہیں پر امن حرم میں رہنے کی جگہ نہیں دی ہے جہاں ہر طرح کے پھل ہماری طرف سے روزی کے طور پر پہنچائے جاتے ہیں، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ نادان ہیں ﴿۱۰۷﴾

(۲۶) مذکورہ بالا اگر وہ یہود و نصاریٰ سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا، اور ان پر اور قرآن کریم پر ایمان لائے جیسے عبد اللہ بن سلام اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما وغیرہ۔ ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا، ایک اجر اسلام سے قبل تورات و انجیل پر ایمان لانے اور ان پر عمل کرنے کا، اور دوسرا اجر قرآن اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کا۔

بخاری و مسلم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کو دو گنا اجر ملے گا: ان میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہو گا جو اپنی پہلی کتاب پر اور پھر قرآن پر ایمان لایا۔

ان مومنین اہل کتاب کی صفات یہ بھی ہیں کہ وہ بُرائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، یا گناہ کے بعد توبہ و استغفار اور نیک عمل کرتے ہیں، اور اللہ نے انہیں جو روزی دی ہے اس کا ایک حصہ بھلائی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور محروموں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور جب کسی جاہل و نادان کی زبان سے کوئی بیہودہ اور لغو بات سنتے ہیں، تو اس سے نہ اُلجھتے ہیں اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، بلکہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے اپنے دل میں یہ کہتے ہوئے گزر جاتے ہیں کہ ہمیں ہمارے عمل کا اور انہیں ان کے عمل کا بدلہ ملے گا، ہم نہ انہیں چھیڑیں گے اور نہ ان کی بات کا جواب دیں گے، اس لئے کہ ہم نادانوں کے ساتھ الجھنا نہیں چاہتے ہیں۔ سعید بن جبیر اور زہری وغیرہما سے مروی ہے کہ یہ آیتیں جشہ کے ان نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ میں آکر اسلام قبول کر لیا تھا، اور کافروں کے طنز اور بُری باتوں کا جواب نہیں دیا تھا۔

(۲۷) بخاری و مسلم وغیرہما نے مسیب بن حزن مخزومی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب وہ آپ ﷺ کے بے حد اصرار کے باوجود اسلام نہیں لائے اور کفر کی حالت میں مر گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کر دیا جائے میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، تو سورۃ التوبہ کی آیت (۱۱۳) نازل ہوئی جس میں آپ کو مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا، اور سورۃ القصص

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فِتْنَاكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكِنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا، وَكُنَّا نَحْنُ
 الْوَارِثِينَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَسُولًا لِيَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي
 الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾ وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ
 وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾ أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۶۱﴾

اور ہم نے بہت سی ایسی بستیوں کو ہلاک (۲۹) کر دیا، جن کے رہنے والے اپنی معیشت پر اتر آگئے تھے، پس ان کے
 بعد ان کے مکانات بہت ہی کم آباد ہوئے ہیں، اور ہم ہی ان کے وارث رہ گئے ﴿۵۸﴾ اور آپ کا رب بستیوں کو
 اس وقت تک نہیں ہلاک (۳۰) کرتا، جب تک ان کے مرکزی شہروں میں ایک رسول بھیج دیتا جو ان کے
 سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور ہم انہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جن کے رہنے والے ظالم ہوتے
 ہیں ﴿۵۹﴾ اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ تو دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ
 بہتر اور باقی رہنے والا ہے، کیا تمہیں اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے ﴿۶۰﴾ جس آدمی سے ہم نے ایک اچھا وعدہ
 کر رکھا ہے، اور جو اسے مل کر رہے گا، کیا وہ اس آدمی جیسا ہو گا جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا ساز و سامان دیا ہے، پھر
 اسے قیامت کے دن جو اب دہی کے لئے حاضر کیا جائے گا ﴿۶۱﴾

کی یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔
 (۲۸) مشرکین قریش نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے اسلام نہ لانے کا عذر لٹکایا یہ پیش کرتے تھے کہ اگر ہم تمہاری بات مان لیں
 اور تم پر ایمان لے آئیں تو پوری دنیا عرب ہمارے خلاف ہو جائے گی، اور سب مل کر ہم پر حملہ کر دیں گے اور ہمیں ہلاک
 کر دیں گے۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ ان کے جس خالق و مالک نے ان کی سر زمین کو امن کا گہوارہ بنا رکھا ہے، اور ان کی
 روزی کے لئے انواع و اقسام کے پھل پہنچتے رہتے ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد بھی ان کی
 حفاظت کرے، لیکن بات یہ ہے کہ وہ اپنی شدید جہالت و نادانی کی وجہ سے غور و فکر کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔
 (۲۹) مشرکین قریش کو یہ دھمکی دی جا رہی ہے کہ ان سے پہلے انہی کی طرح بہت سی قوموں کو اللہ نے نعمتوں سے نوازا، لیکن
 انہوں نے جب اللہ کی ناشکری کی، تو انہیں ہلاک کر دیا گیا، اور ان کے منازل اب تک خالی پڑے ہیں، ان کے بعد کوئی ان میں
 سکونت پذیر نہیں ہوا۔ اگر اہل قریش کا بھی یہی حال رہا اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہے، تو کیا تعجب ہے کہ ان کا
 انجام بھی ویسا ہی ہو، اور وہ بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں۔

(۳۰) اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس کے پاس اپنا پیغام بھیجنے سے پہلے کبھی ہلاک نہیں کرتا، جو انہیں حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان
 فرق بتاتا ہے اور اللہ کے عقاب سے ڈراتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر لوگ راہ راست پر نہیں آتے تو عذاب کے مستحق بن جاتے
 ہیں۔ اور قریش کے لوگ جو کہتے ہیں کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو قبائل عرب ہمیں اچک لیں گے، تو درحقیقت یہ دنیا کی زندگی

وَيَوْمَ يناديهم فيقول اأيُّ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿۳۲﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمُ فَكَانَ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَحْتَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يناديهم فيقول مَاذَا آجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾ فَعَبَّتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءَ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۳۵﴾

اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا (۳۱) اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کے ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے ﴿۳۲﴾ تو وہ لوگ جن پر یہ بات صادق آئے گی، کہیں گے، ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، انہیں ہم نے اسی طرح گمراہ کیا جس طرح خود گمراہ ہوئے، ہم تیرے سامنے (ان سے)؛ اہمات کا اظہار کرتے ہیں، یہ لوگ ہماری بندگی نہیں کرتے تھے ﴿۳۳﴾ اور مشرکوں سے کہا (۳۲) جائے گا کہ تم لوگ اپنے شریکوں کو پکارو، تو وہ انہیں پکاریں گے، لیکن وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیں گے، اور جب اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ اگر انہوں نے دنیا میں راہ ہدایت کو اپنایا ہوتا (تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا) ﴿۳۴﴾ اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور پوچھے (۳۳) گا کہ تم نے (دنیا میں) رسولوں کو کیا جواب دیا تھا ﴿۳۵﴾ اس دن انہیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے گی اور ایسے گم سُم ہوں گے کہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہ پوچھیں گے ﴿۳۶﴾

کو آخرت پر ترجیح دینے والی بات ہے، حالانکہ دنیاوی مال و متاع بالکل عارضی شے ہے، اور اہل ایمان کو آخرت میں جو نعمت ملنے والی ہے وہ تمام دنیاوی نعمتوں سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور اللہ نے اپنے نیک بندوں سے جس نعمت کا وعدہ کر رکھا ہے، اور جو انہیں مرنے کے بعد ملے گی، اس کا مقدار نہ دنیا کی عارضی نعمتوں کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ نعمتیں تو موت کے ساتھ ہی منقطع ہو جائیں گی، اور پھر ایمان و اسلام پر انہیں ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگی۔

(۳۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو ڈانٹ اور پیٹھ پھڑک کے ساتھ پکارے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبودان باطل جنہیں تم میرا شریک بناتے تھے؟ تو ان کے بجائے وہ سردارانِ کفر و ضلالت جو دنیا میں اللہ کے ساتھ معبود بنائے گئے تھے، کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے انہیں گمراہ کرنا چاہا تو انہوں نے فوراً ہی ہماری دعوت قبول کر لی اور گمراہی کی راہ پر چل پڑے، یہ بھی گمراہ ہوئے اور ہم بھی گمراہ ہوئے۔ ہم ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ ہماری نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔

(۳۲) مشرکین سے اللہ تعالیٰ دوبارہ کہے گا کہ بلاؤ! اپنے معبودانِ باطل کو تاکہ وہ ذلت و رسوائی والے عذاب سے تمہیں بچالیں، تو وہ اللہ کے حکم کے مطابق انہیں پکاریں گے، لیکن وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے، اس لئے کہ انس و جن کا کوئی فرد اس دن ایسی بات کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اور جب جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہی ان کا ٹھکانا ہے تو اس وقت ان کا غم و افسوس انتہا کو پہنچ جائے گا، اور کہیں گے، اے کاش! ہم نے دنیا میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت قبول کر لی ہوتی۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ ان مشرکین سے یہ بھی پوچھے گا کہ جب ہمارے رسولوں نے تمہیں راہ ہدایت کی طرف بلایا اور نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی دعوت دی تو تم نے کیا موقف اختیار کیا؟ ان پر ایمان لائے یا ان کو جھٹلایا؟ تو ان سب کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی،

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَلَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿۳۴﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَنِ الشُّرْكَوْنَ ﴿۳۵﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۳۶﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْخِزْيَانَةُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَالْأَعْلَمُ وَالْأَكْبَرُ ﴿۳۷﴾

مگر اس دنیا میں جو شخص اپنے گناہوں سے توبہ (۳۴) کرے گا اور ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا تو امید کی جاتی ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا ﴿۳۵﴾ اور آپ کا رب جو کچھ چاہتا (۳۵) ہے پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے (اپنی رسالت کے لئے) چن لیتا ہے، ان مشرکین کو کوئی اختیار نہیں (کہ وہ ہمارے شریک جنیں) اللہ تمام عیوب سے پاک اور مشرکوں کے شرک سے بلند و بالا ہے ﴿۳۶﴾ اور آپ کا رب ان باتوں کو خوب جانتا (۳۶) ہے جنہیں ان کے سینے چھپائے ہوتے ہیں، اور جنہیں وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۳۷﴾ اور وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود (۳۷) نہیں ہے، ساری تعریفیں دنیا و آخرت میں اسی کے لئے ہیں، اور ہر جگہ اسی کی حکمرانی ہے، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ﴿۳۷﴾

اور مارے خوف و دہشت کے آپس میں بھی کوئی بات نہیں کریں گے، اس لئے کہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب ان کا ٹھکانا جہنم کے سوا کوئی دوسری جگہ نہیں ہے۔

(۳۴) جو مشرکین اس دنیا میں شرک سے توبہ کر لیں گے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کی تجدید کر لیں گے، عمل صالح کریں گے، فرائض و واجبات کو ادا کریں گے، اور گناہوں سے بچیں گے، انہیں اللہ تعالیٰ جہنم سے بچالے گا اور اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کر دے گا۔

(۳۵) اس آیت کریمہ میں بندوں سے خلق و اختیار کی نفی کی گئی ہے، کہ نہ وہ کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں، اور نہ انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ اللہ کا نبی بننے کے لئے وہ جسے چاہیں اختیار کریں، اور جس کا چاہیں انکار کر دیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا نبی بناتا ہے۔ اور نہ بندوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس چیز کی چاہیں عبادت کریں اور جیسے چاہیں عبادت کریں۔ یہ حق اللہ خالق کائنات کا ہے کہ وہ صرف اپنی بندگی کا حکم دیتا ہے، شرک سے منع کرتا ہے، اور اپنی بندگی کا مشروع طریقہ بتاتا ہے۔ بندوں کا کام صرف طاعت و بندگی ہے، اسی لئے آیت کے آخر میں کہا گیا کہ اللہ کی ذات مشرکوں کے شرک سے پاک اور بلند و بالا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کی تردید میں نازل ہوئی تھی جب اس نے کہا تھا کہ دونوں بستی والوں میں سے کسی بڑے آدمی کو کیوں نہ اللہ نے اپنا نبی بنایا۔ نیز عام مشرکوں کی تردید میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اپنی مرضی سے اللہ کے لئے شریک بنائے اور گمان کر بیٹھے کہ یہ معبودان باطل قیامت کے دن سفارشی بنیں گے۔

(۳۶) لوگوں کے دلوں میں جو کچھ چھپا ہوتا ہے، اور وہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، ان سب کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے، اس لئے صرف وہی معبود حقیقی ہے، اور کسی کو نبی بنانے کا حق بھی صرف اسی کو حاصل ہے۔ انسان کو تو کچھ بھی معلوم نہیں حتیٰ کہ اس کے ساتھ رہنے والا دوسرا آدمی اپنے سینے میں کیا چھپائے ہوئے ہے اسے معلوم نہیں، پھر اسے یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ جسے چاہے اپنا معبود بنالے، اور اللہ تعالیٰ کو مشورہ دیتا پھرے کہ اس نے فلاں کو اپنا نبی کیوں نہیں بنایا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهَا أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتُرُونَ ﴿۵﴾

۲۸

اے میرے نبی! آپ مشرکین سے پوچھئے، تمہارا کیا خیال ہے، اگر اللہ قیامت تک کے لئے تم پر رات کو مسلط کر دے، تو اللہ کے سوا کون تمہارے لئے روشنی لے آئے گا، کیا تم سنتے نہیں ہو؟ آپ مشرکین سے پوچھئے، تمہارا کیا خیال ہے، اگر اللہ قیامت تک کے لئے تم پر دن کو مسلط کر دے، تو اللہ کے سوا کون تمہارے لئے رات کو لے آئے گا جس میں تم آرام کرتے ہو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں، تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو، اور دن کے وقت اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو؟ اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا (۳۸) اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کے ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے؟ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکالیں گے (۳۹) اور کہیں گے کہ تم لوگ اپنی دلیل پیش کرو، تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بندگی صرف اللہ کا حق تھا، اور ان کے جھوٹے معبود ان سے گم ہو جائیں گے (۴۵)

(۳۷) حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے، ہر قسم کی حمد و ثنا کا دنیا و آخرت میں وہی تمہارا دار ہے، اس لئے کہ دونوں جہان کی نعمتوں کا مالک وہی ہے، اس کے سوا کوئی ایک ذرے کا بھی مالک نہیں ہے۔ ہر چیز میں اسی کی مشیت اور اسی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔ اور سب کو مرنے کے بعد اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اس بات کی بین دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لئے رات کو ہی ثابت کر دے اور دن کو غائب کر دے، تو کیا کوئی اور معبود ہے جو انسانوں کے لئے دن کی روشنی کو واپس لادے، یا اگر قیامت تک کے لئے دن کو ثابت کر دے اور رات کو غائب کر دے تو کیا کوئی اور معبود ہے جو رات کو واپس لادے جس میں لوگ سکون حاصل کرتے ہیں۔

اس کا جواب قطعی طور پر یہی ہے کہ کوئی نہیں جو اس کی قدرت رکھتا ہو۔ تو پھر انسان اس میں غور و فکر کر کے صرف خالق کل اور اللہ واحد کی پرستش پر کیوں نہیں جم جاتا، کیوں اس کے ساتھ غیر دوسرے شریک بنانا پھرتا ہے۔ یقیناً وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اپنی رحمت سے رات اور دن بنائے ہیں، تاکہ آدمی رات میں آرام کرے اور دن میں اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے روزی حاصل کرے۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکین کو پھر پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبودانِ باطل جنہیں تم میرا شریک بناتے تھے۔ اور بار بار انہیں اس طرح پکارنے سے مقصود اس قبیح ترین عمل پر انہیں ڈانٹنا اور پھینکانا ہو گا۔

(۳۹) ہر امت کے نبی کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے سامنے لائے گا، جو گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا

إِنْ قَاتَلْتُمْ مَنْ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُفْرِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ أَبْعَابَ الْعُصْبَةِ
أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۷۷﴾

بے شک قارون (۳۰) قوم موسیٰ کا ایک فرد تھا، پھر وہ ان کے خلاف سرکشی کر بیٹھا، اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیئے تھے کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت اس کی سنجیاں بمشکل اٹھاپاتی تھی، جب اس سے اس کی قوم نے کہا کہ اتر آؤ نہیں، بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۷۶﴾ اور اللہ نے تمہیں جو دولت دی ہے اس کے ذریعہ آخرت کا گھر حاصل کرو، اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھولو، جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی احسان کرو، اور زمین میں فساد نہ چاہو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۷۷﴾

تھا، تب اللہ تعالیٰ مشرکوں سے کہے گا کہ تم جو میرے سوا غیروں کی پرستش کرتے تھے اور انہیں پکارتے تھے، تو تمہارے پاس اس کی کیا دلیل تھی؟ تو وہ لاجواب ہو جائیں گے، اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بندگی تو صرف اللہ کا حق ہے، اور یہ اعتقاد کہ اللہ کے کچھ شریک ہیں جو اسی کی طرح بندگی کے حقدار ہیں، جھوٹ اور اللہ کے خلاف افترا پر دازا ہے۔

(۳۰) مفسرین لکھتے ہیں کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، دوسری رائے یہ ہے کہ وہ ان کا چچا تھا اور تیسری رائے ہے کہ ان کا خالہ زاد بھائی تھا۔ بہر حال وہ تھا بنی اسرائیل کا ایک فرد، لیکن کفر و سرکشی کی وجہ سے فرعون سے جا ملا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے کفر کے بالخصوص جن تین سرغٹوں کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا، ان میں سے ایک تھا، دوسرا ہامان تھا جو فرعون کا قبلی وزیر تھا، اور تیسرا اُس الکفر فرعون تھا۔ اِس قارون کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا مالدار بنایا تھا، اور یہی اس کے کفر و طغیان کا سبب تھا، اور کبر کی انتہا کو پہنچ چکا تھا، اور کہتا تھا کہ میں نے یہ دولت اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اظہار کبر کے لئے غیروں کے مقابلے میں اپنا کپڑا ایک بالشت لہبا بنالیا تھا۔

کفر و سرکشی کے اس سرغنہ کا ذکر یہاں اہل قریش کی تنبیہ کے لئے کیا گیا ہے، جنہوں نے مکہ میں اپنی سرداری، مال و دولت اور دنیاوی مال و متاع کے ضائع ہونے کے خوف سے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا، اور کہتے تھے کہ اگر ہم نے محمد کی پیروی کی تو دنیا سے عرب ہمیں اچک لے جائے گی اور ہمارا وجود ختم ہو جائے گا، ہماری تجارت خطرے میں پڑ جائے گی۔ گویا کفر و استکبار میں ان کی حالت قارون جیسی ہی تھی، اس لئے اس کا واقعہ اور انجام بیان کر کے انہیں تنبیہ کی گئی کہ وہ اپنی دولت کے نشہ میں محمد ﷺ کی دعوت کو نہ ٹھکرائیں جس طرح قارون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرادیا تھا، ورنہ ان کا انجام بھی اسی جیسا ہوگا۔

اس قارون کو اس کی قوم یعنی بنی اسرائیل کے مسلمانوں نے نصیحت کی کہ دنیا کی چمک دمک پر اتنا زیادہ نہ اتراؤ کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ایسی خوشی کو پسند نہیں کرتا جس کے سبب انسان آخرت سے غافل ہو جائے، اور دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے، کیونکہ ہر برائی اور ہر فساد کی جڑ یہی ہے، اور اللہ نے تمہیں دولت دی ہے، اسے کار خیر میں خرچ کر کے آخرت کی کامیابی

قَالَ رَبُّنَا أَوْتَيْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْبَرَ جَمْعًا وَلَا يَسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۳۱﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لِيَكُنَّا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُنذِرَكُمْ ثَوَابَ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّادِقُونَ ﴿۳۳﴾

اس نے کہا، یہ مال و جائداد مجھے اپنے علم و صلاحیت کے ذریعہ ملی (۳۱) ہے۔ کیا اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال و جائداد والی تھیں، اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا ﴿۳۲﴾ پس وہ ایک دن اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے تزک و احتشام کے ساتھ نکلا (۳۲) تو جو لوگ دنیاوی زندگی کے خواہاں تھے انہوں نے کہا، اے کاش! ہمارے پاس بھی ویسی ہی جائداد ہوتی جیسی قارون کو دی گئی ہے، بے شک وہ بڑی قسمت والا ہے ﴿۳۳﴾ اور جو لوگ علم والے تھے، انہوں نے کہا، تمہارے حال پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب زیادہ بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے، اور یہ چیز صرف صبر کرنے والے کو ہی حاصل ہوتی ہے ﴿۳۳﴾

طلب کرو، اور اس دولت سے (بغیر فضول خرچی کے اور بغیر تکبر کے) اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا نہ بھولو، اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کرنا نہ بھولو اور اس مال کے ذریعہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اس لئے کہ اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

(۳۱) اس نصیحت سے اس سرکش و نافرمان قارون کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ نے مجھے یہ مال اس علم کی بدولت دیا ہے جو میرے پاس ہے، اور مجھے اس کا حقدار سمجھ کر دیا ہے۔ یا مفہوم یہ ہے کہ فن تجارت میں مہارت کے سبب میں نے یہ مال حاصل کیا ہے، مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ میں لوگوں پر اسے خرچ کر تا پھروں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی اس کا فرانہ بات کا یہ جواب دیا کہ اگر طاقت اور مال اللہ کے نزدیک فضیلت کا سبب ہوتا تو گذشتہ زمانوں میں بہت سی قوموں کو اللہ ہلاک نہ کر دیتا، جو قارون سے زیادہ طاقتور اور اس سے زیادہ مالدار تھیں۔ کثرتِ معاصی اور کثرتِ جرائم کے سبب جب کسی قوم کو ہلاک کئے جانے کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو انہیں مہلت نہیں دی جاتی ہے، اور ان سے پوچھا نہیں جاتا ہے کہ انہوں نے وہ گناہ کیوں کئے تھے، اور ان کے پاس کیا عذر ہے۔

(۳۲) ایک دن قارون اپنی شان و شوکت اور جھوٹی کبریائی کی نمائش کے لئے اپنے تمام جاہ و حشم کے ساتھ خوبصورت ترین لباس زیب تن کئے شہر کے شاہراہ پر نکلا، جب لوگوں نے اس کا یہ تزک و احتشام دیکھا تو ان کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں، اور دنیاوی زندگی کے خواہاں حضرات اس کا یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر کہنے لگے کہ کاش ہمارے پاس بھی قارون جیسی دولت ہوتی، اور ہم بھی اس کی طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے، یہ تو بڑی قسمت کا مالک ہے۔ بنی اسرائیل کے علمائے صالحین نے ان کی یہ بات سن کر کہا کہ تمہاری نگاہوں سے آخرت اوجھل ہو گئی ہے، اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہو، حالانکہ اللہ کی جنت کے مقابلے میں دنیا کی ان عارضی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور وہ جنت سے ملے گی جو ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا، اور اس نصیحت سے وہی

فَحَسْبُنَا بِهِ وَفِدَاؤُهُ الْأَرْضَ قَبْلًا كَانَ لَهَا مِنْ فِتْنَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿۸۱﴾
 وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَّتْ مِنْهُمُ الْمَكَانِكُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيَكَانُ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّمْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ يَخْتَارُ ﴿۸۲﴾
 لَوْ لَأَنَّ مِنَ اللَّهِ عَلَيْهِ تِلْكَ الْأَنْحُسُفَ بِنَاءً وَيَكَانُ لَا يَفْلَحُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۳﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا
 يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا أُو الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۴﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ
 بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾

پس ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا (۸۳) اور اس کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی، اور نہ وہ آپ اپنی مدد کر سکا ﴿۸۱﴾ اور جن لوگوں نے کل گذشتہ اس کے مرتبہ کی تمنا کی تھی، کہنے لگے، افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی بڑھادیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں دھنسا دیتا، افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ اہل کفر کا میاں نہیں ہوتے ہیں ﴿۸۲﴾ وہ آخرت کا گھر (جنت) ہم انہیں دیں گے جو سر زمین پر اپنی بڑائی اور فساد نہیں چاہتے ہیں، اور آخرت میں اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہوگا ﴿۸۳﴾ جو شخص بھلائی کرے گا اسے اس سے بہتر (۸۴) ملے گا، اور جو بُرائی کرے گا، تو بُرا کرنے والوں کو ان کے عمل کا ہی بدلہ دیا جائے گا ﴿۸۵﴾

لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کے دین پر قائم رہیں گے۔

(۸۳) اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کے کفر اور کبر و غرور کی وجہ سے اس کے گھر بار کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا۔ اس وقت اللہ کے مقابلے میں کوئی گروہ اس کی مدد کے لئے نہیں آیا، اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔ امام بخاری نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی (کبر کی وجہ سے) اپنی چادر زمین پر گھسیٹ رہا تھا، تو اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔“

جن لوگوں نے قارون کا تزک و احتشام دیکھ کر اس جیسی دولت کی تمنا کی تھی، جب انہوں نے اُسے اس کے گھر بار کے ساتھ زمین میں دھنستے دیکھا تو اپنی تمنا پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق لوگوں میں روزی تقسیم کرتا ہے، کسی کو خوب روزی دیتا ہے، اور کسی پر اس کے دروازے تنگ کر دیتا ہے۔ روزی میں وسعت اور تنگی نیک بندگی کی دلیل نہیں ہے، ورنہ آج قارون اپنے مال و اسباب کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا جاتا۔ اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا، اور ہم بھی قارون کی طرح کبر و غرور میں مبتلا ہوتے، تو ہمیں بھی اسی کی طرح زمین میں دھنسا دیا جاتا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، کبر و غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور اللہ کے دین اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں، دنیا و آخرت میں نامرادی ان کی قسمت بن جاتی ہے۔

(۸۴) قارون اور انہی جیسے کافروں، اور اللہ واحد کی عبودیت کا انکار کرنے والوں کی بدبختی و نامرادی بیان کرنے کے بعد، قرآن کریم اپنے معبود طریقے کے مطابق، اب ان لوگوں کا انجام بیان کر رہا ہے جو زمین میں کبر و غرور کی زندگی اختیار نہیں کرتے ہیں، اور نہ کفر و شرک کے ذریعہ فساد پھیلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت اور اس کی ابدی نعمتیں انہی لوگوں کو ملیں گی۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۗ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي
صَلَابٍ مُّبِينٍ ۝ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا
لِّلْكَافِرِينَ ۗ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أَنْزَلَتْ إِلَيْكَ وَأَدْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُبْشِرِينَ ۝
وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۗ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

عَنْ
عَلِيٍّ

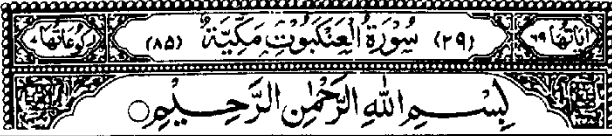
بے شک جس ذات برحق نے آپ کو تبلیغ قرآن کی ذمہ داری سونپی ہے، وہ آپ کو اس مقام پر پہنچا کر رہے گا جس کا
آپ سے وعدہ (۳۶) کیا گیا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اسے زیادہ جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اسے
بھی خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں ہے ﴿۸۵﴾ اور آپ توقع (۳۷) نہیں کرتے تھے کہ آپ پر قرآن اتارا
جائے گا، یہ تو آپ کے رب کی رحمت تھی، اس لئے آپ کافروں کا مددگار نہ بنئے ﴿۸۶﴾ اور کوئی کافر آپ کو اللہ کی
آیتوں کی تبلیغ سے، انہیں آپ پر نازل کئے جانے کے بعد، روک نہ دے، اور آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو
بلاتے رہئے، اور مشرکوں میں سے نہ ہو جائیے ﴿۸۷﴾ اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے، اس کے سوا
کوئی معبود نہیں ہے، اس کے سوا ہر چیز فنا ہو جائے گی، ہر چیز پر اسی کی حکمرانی ہے، اور تم سب اسی کی طرف
لوٹائے جاؤ گے ﴿۸۸﴾

(۳۵) اللہ تعالیٰ کی کریمی اور اس کی رحمتوں کا فیضان دیکھئے کہ اگر کوئی بندہ ایک نیکی کرے گا، تو قیامت کے دن اس کے بدلے
اسے دس نیکیاں ملیں گی، اور کبھی سات سو تک بڑھادی جائیں گی۔ اور اگر کوئی گناہ کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک کی جگہ
ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔

(۳۶) اس آیت کریمہ میں لفظ "معاد" کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے مراد مکہ
مکرمہ ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کی ہے۔ اس کی تائید ابن مردویہ کی اس روایت سے ہوتی
ہے جو انہوں نے علی بن حسین بن واقد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ہجرت کے وقت جھد کے مقام پر نازل ہوئی تھی۔ اتھی۔
یعنی اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو ہجرت کے وقت ہی خوشخبری دے دی کہ اگرچہ آج آپ کو اپنے دین اور اپنی جان کی حفاظت کے
لئے مکہ چھوڑنا پڑا ہے، لیکن ایک دن آئے گا کہ آپ وہاں بحیثیت فاتح واپس جائیں گے۔

بعض لوگوں نے اس سے مراد "جنت" اور بعض نے "قیامت کا دن" مراد لیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے یہی تفسیر بیان کی
ہے۔ صاحب محاسن التذریل نے اس سے مراد "مقام محمود" لیا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا ہوا ہے، کہ قیامت
کے دن انہیں وہ مقام عطا کرے گا۔

آیت کے دوسرے حصہ میں مشرکین مکہ کی تردید کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ کو گمراہ کہتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد اپنے آباء
واجداد کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کا داعی بن گیا ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبانی فرمایا اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون اللہ کا صحیح دین
لے کر آیا ہے، اور کون لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں، یعنی مشرکین مکہ ہی گمراہ ہیں اور ان کی گمراہی ایک کھلی حقیقت ہے۔
(۳۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور پوری انسانیت پر اپنے احسان عظیم کا ذکر کیا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر دنیا میں



سورۃ العنكبوت مکی ہے، اس میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

مبعوث کیا۔ بعثت سے پہلے آپ کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ آپ کو اپنانی بنائے گا اور اپنی آخری کتاب آپ پر نازل فرمائے گا، یہ اس کی رحمت اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس نعمت عظمیٰ کے لئے آپ کو جن لیا، اس لئے اب آپ اپنے دل میں کافروں کے لئے کوئی جذبہ تعاون نہ رکھئے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ اس میں امت محمدیہ کو بھی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ بھی کافروں کے لئے معین و مددگار نہ بنیں۔ کرامی نے اپنی کتاب ”الغرائب“ میں اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اب آپ ان کے درمیان نہ رہیں، یعنی مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ اس نعمت عظمیٰ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت، اس پر عمل، اور اس کی تبلیغ کسی حال میں نہ چھوڑیے اور لوگوں کو اپنے رب کی توحید اور اس کی شریعت پر عمل کرنے کی دعوت دیتے رہئے، اور مشرکوں میں نہ شامل ہو جائیے، اور اللہ کے ساتھ کسی کو کسی حیثیت سے بھی شریک نہ بنائیے۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ چونکہ آپ ﷺ کے بارے میں شرک کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تاکہ انہیں اس سے روکا جائے، اس لئے اس سے مراد مشرکین کو قطعی طور پر ناامید کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے مشرکانہ اعمال میں ان کا کسی بھی حال میں ساتھ دیں گے۔

آیت (۸۸) کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات کے سوا ہر چیز کو فنا لاحق ہو جائے گی۔ مجاہد، ثوری اور امام بخاری نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ ہر وہ عمل جس سے مقصود اللہ کی رضا طلبی نہیں ہوگی وہ رائیگاں جائے گا، اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ اور تمام مخلوقات میں اللہ کا ہی حکم نافذ و جاری ہے، اس کے فیصلوں کو کوئی نہیں بدل سکتا ہے۔ اور سب کو دوبارہ اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے، جہاں حساب و کتاب ہوگا، نیکی اور بدی کا بدلہ چکایا جائے گا۔ یعنی قیامت یقیناً آئے گی، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ العنكبوت

نام: آیت (۳۱) ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنَ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ﴾ سے ماخوذ ہے۔ زمانہ نزول: اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں؛ ایک قول یہ ہے کہ پوری سورت مکی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پوری سورت مدنی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ شروع کی دس آیتوں کے سوا باقی پوری سورت مکی ہے۔ اکثر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ پوری سورت مکی ہے، اور ابتدائے سورت میں نفاق اور منافقین کا جو ذکر آیا ہے تو اس سے مراد مکی دور کے بعض وہ کمزور ایمان والے مسلمان ہیں جو کفار مکہ کے ڈر سے منافقانہ رویہ اختیار کرتے تھے۔

بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ سورت ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی تھی، جب کفار نے مسلمانوں پر عرصہ حیات

الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا إِمَّا كَانُوا هُمُ لَا يُغْتَبُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلِيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلِيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ۝

آلّم^(۱) ﴿۱﴾ کیا لوگوں نے یہ سمجھ^(۲) لیا ہے کہ ان کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے، انہیں چھوڑ دیا جائے گا، اور وہ آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے ﴿۲﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، پس اللہ یقیناً صادق الایمان لوگوں کو جانے گا اور انہیں بھی جانے گا جو دعویٰ ایمان میں کاذب ہیں ﴿۳﴾

تک کر دیا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مسلمانوں کو صبر و استقامت پر ابھارا ہے، اور جو کزور ایمان والے لوگ تکلیفوں اور اذیتوں کی وجہ سے تزلزل اور عدم استقامت کے شکار تھے، ان کی سرزنش کی ہے، اور کافروں کو دھمکی دی ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف معاندانہ اور ظالمانہ روش سے باز نہ آئے تو ماضی میں ہلاک کی جانے والی قوموں کی طرح انجام بد کا انتظار کریں۔

(۱) آلّم یہ حروف مقطعات ہیں، ان کا معنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔
(۲) ہجرت حبشہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں مسلمان بہت سخت حالات سے گزر رہے تھے، کفار کہہ نے ان کی زندگی دو بھر کر رکھی تھی، اور انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق مصیبتوں کی تاب نہ لا کر کبھی گھبرا جاتے، اور آپس میں باتیں کرتے کہ اللہ ہماری مدد کب کرے گا، ان مصیبتوں کا دور کب ختم ہوگا۔

امام بخاری نے خواب بن الازت سے روایت کی ہے کہ پریشانیوں کی تاب نہ لا کر ایک بار وہ یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے کر بیٹھے، جب آپ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں ٹیک لگائے تشریف فرما تھے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم سے پہلے دوسری امتوں کے مومنوں کو اس سے زیادہ تکلیفیں دی گئیں، انہیں آرزو سے چیرا گیا، لوہے کی کنگیوں سے ان کے گوشت اتار لئے گئے، لیکن وہ اپنے دین سے نہیں پھرے۔ پھر آپ نے قسم کھا کر فرمایا: دین اسلام غالب ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ ایک مسافر صنعاء سے حضر موت جائے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہیں ہوگا، لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مکہ کے انہی مسلمانوں سے کہا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو، تو تمہاری آزمائش ہوگی، اور تمہیں صبر و ثبات کے ساتھ ان سے گذر کر اپنی قوت ایمانی کا ثبوت دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے اپنے مومن بندوں کے ساتھ یہی دستور رہا ہے کہ انہیں آزماتا ہے، تاکہ عملی طور پر ثابت ہو جائے کہ ان میں کون صادق الایمان اور کون جھوٹا اور منافق ہے۔

اس معنی و مفہوم کی قرآن کریم میں متعدد آیتیں آئی ہیں۔ سورۃ آل عمران آیت (۱۴۲) میں آیا ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمِ الصَّابِرِينَ﴾ ﴿۱﴾ ”کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا، اور جنہوں نے صبر سے کام لیا“۔ اور سورۃ البقرہ آیت (۲۱۳) میں آیا ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْتَمُ الْبَنَاتُ عَوَالِدًا يُغْتَابُونَ وَالرُّسُلُ يَقُولُونَ لِرَبِّهِمْ إِنَّا نَحْنُ اللَّهُ أَلَا إِنَّكُمْ تَخْلَوْنَ بِاللَّهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَادِيَ بِكُمْ صَوْتًا مِنْ سَمَاءٍ مَقَامًا لَكُمْ فِيهَا أُولَئِكَ ضَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ ﴿۲﴾ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گذرے جو تم سے پہلے والے لوگوں کو پیش آئے، انہیں سختیاں اور تکلیفیں لاحق ہوئیں، اور اس طرح جھجھوڑ دیئے گئے کہ اللہ کے رسول اور مومنین پکار اٹھے، کہ

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۴۰﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ لَاتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۱﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۴۲﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ وَوَعَدْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۴﴾

یاجو لوگ برائیاں (۴۰) کرتے ہیں وہ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے آگے بڑھ جائیں گے، کتنا برا حکم لگاتے ہیں وہ لوگ ﴿۴۱﴾ جو شخص اللہ سے ملنے کی توقع (۴۲) رکھتا ہے، وہ جان لے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت یقیناً آنے والا ہے، اور وہ بڑا سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۴۳﴾ اور جو شخص عمل صالح کے لئے کوشش کرتا ہے، تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے، بے شک اللہ سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے ﴿۴۴﴾ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، ان کے گناہوں کو ہم ختم کر دیں گے، اور جو نیک اعمال کرتے تھے ان کا ہم انہیں بہترین بدلہ دیں گے ﴿۴۵﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کی نصیحت (۴۶) کی ہے، اور اگر وہ دونوں تم پر زور ڈالیں، تاکہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی بات نہ مانو، تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دوں گا ﴿۴۷﴾

اللہ کی مدد کب آئے گی، آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔“

(۳) مومنوں کا ان کے ایمان کے مراتب و درجات کے مطابق امتحان ہوگا، اور جو لوگ اس امتحان میں کامیاب رہیں گے، ان کا مقام جنت ہوگا، اور جو لوگ اس دنیا میں کفر و معاصی کی زندگی اختیار کریں گے، وہ اس خام خیالی میں نہ مبتلا ہوں کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ کر نکل جائیں گے، مولائے برحق ان کی بد اعمالیوں کی انہیں سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے، اور وہ عذاب جہنم ہوگا جس سے سخت عذاب کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۴) اس لئے جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سامنے انہیں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا وہ اپنے زبانی دعویٰ پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ شکر اور گناہوں سے اجتناب کریں اور عمل صالح کرتے رہیں، تاکہ اس دن ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور جنت ان کا مقام بنے۔

آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اس دنیا میں عمل صالح کرے گا تو اس کا اچھا بدلہ اسے ہی ملے گا، اللہ اپنے بندوں کی عبادتوں سے قطعی طور پر بے نیاز ہے۔ آیت (۷) میں مذکورہ بالا معنی کی تائید و توثیق ہے کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کریں گے، اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور ان کے نیک اعمال کا انہیں بہتر سے بہتر بدلہ دے گا۔

(۵) امام احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ یہ آیت سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ وہ نوجوان صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے ابتدائے شباب میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُس وقت ان کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ جب ان کی ماں حنہ بنت سفیان بن امیہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک وہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝ وَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝

اور جو لوگ ایمان (۶) لائیں گے اور عمل صالح کریں گے ہم روزِ قیامت انہیں نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کر دیں گے ﴿۹۹﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان (۷) لے آئے، پس جب اللہ کی راہ میں انہیں تکلیف پہنچتی ہے، تو انسانوں کی جانب سے آزمائش کو اللہ کے عذاب کے مانند سمجھ لیتے ہیں، اور جب مسلمانوں کو آپ کے رب کی جانب سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم بلاشبہ تمہارے ساتھ تھے، کیا سارے جہان والوں کے سینوں میں جو کچھ پوشیدہ ہوتا ہے اسے اللہ خوب نہیں جانتا ہے ﴿۱۰۰﴾ اور اللہ یقیناً ان لوگوں کو جانے گا جو صادق الایمان ہیں، اور وہ یقیناً منافقوں کو بھی جانے گا ﴿۱۰۱﴾

اسلام سے پھر نہیں جائیں گے، وہ کھانا نہیں کھائیں گی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ اگر آپ کے پاس سو روچیں ہوتیں، اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں اپنا دین نہیں چھوڑتا، آپ چاہے کھائے یا نہ کھائے۔ ان کی ماں یہ بات سن کر کفر کی طرف ان کے لوٹنے سے ناامید ہو گئیں، بلاآخر اسلام لے آئیں اور کھانے پینے لگیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی مناسبت سے یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی سخت تاکید کی ہے، اس کے باوجود اگر دونوں اسے اللہ کے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں، تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہیں مانی تھی۔ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اور وہ سب کا حساب لے گا اور ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، اس لئے اس کی اطاعت والدین کی اطاعت پر مقدم ہے۔

(۶) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کی خاطر ماں اور باپ جیسے عزیز ترین رشتہ داروں کی بات بھی نہیں مانیں گے، اور ایمان اور عمل صالح کی زندگی گذاریں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ اس جنت میں جگہ دے گا، جس کی دعا انبیاء کرام اپنے لئے کرتے رہے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: ﴿وَإِنِّي لَأَخْلُقُ فِي رَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ ”میرے رب! مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر دینا“۔ (النمل: ۱۹)۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا: ﴿وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”آخرت میں وہ نیک لوگوں میں شامل ہوں گے یعنی ان کے ساتھ جنت میں ہوں گے“۔ (النمل: ۱۲۲)۔

(۷) مفسرین نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، جب انہیں مشرکین کی جانب سے تکلیف پہنچی تو دوبارہ مشرک بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں میں اسلام گھر نہیں کئے ہوتا ہے، اس لئے جب انہیں اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچتی ہے تو دین سے برگشتہ ہو جاتے ہیں، اور انسان کی طرف سے انہیں جو تکلیف پہنچتی ہے اسے جہنم کے عذاب جیسا سمجھ لیتے ہیں، اور جب مسلمانوں کو اللہ کی جانب سے تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے تو ان کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ہی جیسے مسلمان ہیں، لیکن کافروں

وَابْرِهِمْ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَانْفُتُوا ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۰﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَلَيْسَ لِكُلِّ رِثْقًا أَلْبَسُوا لِنَدَائِهِمُ اللَّهُ لِيُزِقَ وَأَعْبَادُهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۸۱﴾ وَإِن كُنْتُمْ بَوَاقِدِ كُذِّبَ أُمَّمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۸۲﴾

اور ہم نے ابراہیم (۱۸۰) کو بھی نبی بنا کر بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم کچھ جانتے ہو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ﴿۱۸۰﴾ تم اللہ کے سوا صرف بتوں کی پرستش کرتے ہو، اور (اللہ پر) بہتان تراشتے ہو، بے شک اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں، پس تم لوگ اللہ سے روزی طلب کرو، اور اسی کی عبادت کرو، اور اسی کا شکر ادا کرو، تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۸۱﴾ اور اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے، تو تم سے پہلے بھی بہت سی امتوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تھا، اور رسول کی ذمہ داری تو صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے ﴿۱۸۲﴾

نوسو سال تک اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے، اور ان کی جانب سے ہر اذیت و تکلیف برداشت کرتے رہے، اور اس کے باوجود چند ہی لوگ مسلمان ہوئے، نبی کریم ﷺ کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے کہ آپ کو تو بہت تھوڑی مدت میں دعوت کے میدان میں بڑی کامیابی مل رہی ہے، اور ہزار مخالفتوں کے باوجود لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کے لئے نبی بنا کر بھیجا، وہ انہیں ساڑھے نوسو سال تک توحید کی دعوت دیتے رہے، لیکن انہوں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی اور اپنے بتوں (وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) کی پرستش کرتے رہے، بالآخر نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے رب! میں مغلوب ہوں تو میری مدد فرما، تو اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور انہیں اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو بچالیا اور کافروں کو طوفان میں ہلاک کر دیا، اور دنیا والوں کے لئے انہیں مقام عبرت بنا دیا۔

(۱۸۰) ابراہیم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اہل بابل کے لئے نبی بنا کر بھیجا، انہی میں سے ان کا باپ آزر بھی تھا۔ انہوں نے انہیں صرف اللہ کی بندگی کی دعوت دی، شرک و معاصی سے ڈرایا، اور کہا کہ تم لوگ اللہ کے سوا جن بتوں کی پرستش کرتے ہو، اور افترا پردازی کرتے ہوئے انہیں اپنا معبود سمجھتے ہو، تو یہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ تمہاری روزی اور نفع و نقصان کا مالک تو صرف اللہ ہے، اس لئے عبادت بھی صرف اسی کی کرو۔ اور اسی نے تمہیں بے شمار نعمتیں دی ہیں اس لئے شکر بھی صرف اسی کا ادا کرو، اور یاد رکھو کہ مرنے کے بعد تمہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اپنے اعمال کا حساب اسی کو دینا ہوگا، اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی کو راضی کرو۔ اور اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو گذشتہ قوموں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا تھا، اور ان کا جو انجام ہوا تاریخ کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت (۱۸۱) میں مخاطب اہل مکہ ہیں، کہ اگر تم نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرو گے تو گذشتہ قوموں نے بھی اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا کام تو صرف اللہ کا پیغام پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے، اگر ان کی دعوت کو قبول کر لو گے تو تمہارا بھلا ہوگا، اور اگر اپنے کفر و معاصی پر جسے رہو گے تو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہوگا، جیسا گذشتہ کافر و مشرک قوموں کا ہوا تھا۔

أُولَئِكَ يَرُودُ أَيْدِي اللَّهِ الْخَالِقِ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ
بَدَّلَ الْخَالِقِ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ الشَّيْءَ الْأَخْرَجَ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲﴾ يَعْلَبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ
وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۱۳﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا
نَصِيرٍ ﴿۱۴﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَالِيتَ اللَّهُ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَكْسِبُونَ مِنْ رُحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ مخلوق کو پہلی بار پیدا (۱۱) کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ زندہ کرے گا، یہ کام اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے ﴿۱۹﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ زمین میں چلو پھرو اور غور (۱۲) کرو کہ کس طرح اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے، پھر قیامت کے دن انہیں دوبارہ زندگی دے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۰﴾ وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۱﴾ اور تم اللہ کو نہ زمین میں ہر اسکتے ہو اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں ہے ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے منکر ہیں، وہی میری رحمت سے ناامید ہیں، اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۲۳﴾

(۱۱) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنے کے بعد، اس آیت کریمہ میں بعث بعد الموت پر دلیل دیتے ہوئے کہا کہ جو اللہ انسان کو ایک نطفہ حقیر سے پیدا کرتا ہے، ماں کے پیٹ میں اسے متعدد مراحل سے گزارتا ہے، اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے وہاں سے نکالتا ہے، اور پھر ایک عمر کے بعد اسے موت کا مزہ چکھاتا ہے، اور یہی حال دیگر حیوانات اور نباتات کا بھی ہے کہ وہ انہیں زندگی دیتا ہے اور پھر انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے، وہ باری تعالیٰ یقیناً اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، بلکہ یہ کام اس کے لئے بہت آسان ہے، اس لئے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا، اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں بھی بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل قریش کو مخاطب کر کے انہیں بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو زمین میں چل پھر کر مختلف الانواع انسانوں کا مشاہدہ کرنے اور ان میں غور و فکر کی دعوت دیں، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے گونا گوں انسانوں کو پیدا کیا ہے جن کے رنگ، طبائع اور زبانیں الگ الگ ہیں، اسی طرح قیامت کے دن انہیں دوبارہ پیدا کرے گا، اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اس دن کافروں اور منکرین آخرت کو عذاب دے گا، اور مومنوں اور اپنے ادا امر و نواہی کی پیروی کرنے والوں کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا۔

آیت (۲۱) کے آخر میں مذکور بالا عقیدہ بعث بعد الموت کی مزید تاکید و توثیق کے طور پر فرمایا کہ اے انسانو! تمہیں بہر حال اپنے خالق کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔

آیت (۲۲) میں اسی بات کو یوں کہا کہ اے انسانو! تم اللہ کو کسی حال میں عاجز نہیں کر سکو گے، نہ زمین میں اور نہ آسمان

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۳﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ لُّصِمِينَ ﴿۱۴﴾

توان کی قوم کا جواب (۱۳) اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے آپس میں بات کی کہ تم لوگ اسے قتل کر دو، یا اسے آگ میں جلا دو، تو اللہ نے انہیں آگ سے نجات دی، بے شک اس میں ایمانداروں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۲۳﴾ اور ابراہیم نے کہا (۱۴) کہ تم لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو اپنے معبود اس لئے بنائے ہیں، تاکہ دنیا کی زندگی میں تمہاری آپس کی محبت باقی رہے، پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کی دوستی کا انکار کر دے گا، اور ہر ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا، اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگی، اور تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا ﴿۲۵﴾

میں۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر میں جمع کرے گا اور اس کے سوا تم اپنا کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے۔

آیت (۲۳) میں فرمایا کہ جو لوگ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں کا انکار کرتے ہیں جو اس نے اپنے انبیاء پر نازل کی ہیں، اور قیامت کے دن اس کے حضور کھڑے ہو کر حساب دینے کا انکار کرتے ہیں، وہ لوگ اس دن جب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنے کرتوتوں کو سوچ سوچ کر اللہ کی رحمت اور اس کی جنت سے بالکل ناامید ہو جائیں گے، اور بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگی جس میں انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

(۱۴) ابراہیم علیہ السلام کی اس وعظ و نصیحت اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے دھکانے کا ان کی قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کی آئے دن کی ان نصیحتوں سے چھٹکارا پانے کے لئے اسے سب مل قتل کر دیں، یا آگ میں جلا دیں، چنانچہ انہیں آگ میں ڈال دیا گیا، لیکن ان کے رب نے اس سے نجات دی اور وہ آگ کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی بن گئی۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، بے پایاں رحمت اور عظیم حکمت کے بڑے دلائل پائے جاتے ہیں، لیکن ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اہل ایمان ہوں گے، غیر مؤمنین تو مژدوں کے مانند ہیں، فکر و نظر سے محروم ہیں، انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(۱۴) ابراہیم علیہ السلام نے اہل بابل سے یہ بھی کہا کہ تم نے اگرچہ ان بتوں کو بظاہر اپنا معبود بنا رکھا ہے، لیکن اپنے دلوں میں اعتقاد نہیں رکھتے ہو کہ یہ واقعی معبود ہیں، بلکہ ان کی عبادت کے نام پر تم لوگ اپنے دنیوی مصالح و مقاصد کی خاطر اکٹھا ہوتے ہو، ڈرتے ہو کہ اگر ان کی عبادت چھوڑ دی تو تمہارے آپس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا۔

اور یہ بات غیر مسلموں اور ہندوؤں کے بارے میں آج بھی سچ ہے۔ ان میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ ان کا دین کچھ بھی نہیں ہے، اور جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں وہ مٹی کے ڈھیر ہیں، لیکن ان کی عبادت دیگر ہندوؤں کو دکھلانے کے لئے کرتے ہیں، تاکہ آپس میں جڑے رہیں، اور ان کے دنیوی مصالح و مقاصد حاصل ہوتے رہیں۔ بہت سے ہندو اس کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔

فَأَمَّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۗ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ الشُّبُهَةَ وَالرِّكْتَبَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۗ وَإِنَّا فِي الْأَخْرَاقِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝
وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَأِنْتُونَ الْفَاحِشَةَ مِمَّا سَبَقَتْكُمْ يَهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ
لَأِنْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۗ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا
أَنْ قَالُوا أَصْتَبْنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

پھر لوط ان پر ایمان (۱۵) لے آئے، اور ابراہیم نے کہا، میں اپنے رب کی خاطر اپنا وطن چھوڑ رہا ہوں، بے شک وہ
بڑا زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲۶﴾ اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیا، اور ان کی نسل میں نبوت
اور آسمانی کتابیں رکھ دیں، اور ہم نے دنیا میں انہیں ان کا اجر دیا، اور آخرت میں وہ یقیناً نیک لوگوں کے ساتھ
ہوں گے ﴿۲۷﴾ اور ہم نے لوط (۱۶) کو بھی نبی بنا کر بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، تم ایسی بُرائی کرتے ہو،
کہ تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے ﴿۲۸﴾ کیا تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو،
اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں بے حیائی کے کام کرتے ہو، تو ان کی قوم کا جواب اس کے
سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا، اگر تم سچے ہو تو اللہ کا عذاب ہم پر لے آؤ ﴿۲۹﴾

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ قیامت کے دن میدانِ محشر میں جب وہ لوگ جمع ہوں گے تو دنیا میں معبودانِ باطل کی
عبادت پر ان کا آپس کا اتحاد ختم ہو جائے گا، اور ان کے سردار ان کفر اپنے پیر و کاروں سے اظہارِ براءت کر دیں گے، اور وہ
پیر و کار بھی ان سرداروں کی سرداری کا انکار کر دیں گے، اور ہر ایک دوسرے کو خوب لعن طعن کرے گا، یہاں تک کہ سبھی جہنم
میں ڈال دیئے جائیں گے، اور کوئی ان کی مدد کے لئے آگے نہیں آئے گا۔ سورۃ الأعراف آیت (۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے: ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا﴾ ”جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی، اپنی دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی“۔
اور سورۃ الزخرف آیت (۶۷) میں فرمایا ہے: ﴿الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ ”اُس دن گہرے
دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، سوائے پرہیزگاروں کے“۔

(۱۵) ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو ان کی قوم میں سے صرف ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ نے قبول
کیا۔ اس کے بعد وہ اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے، تاکہ وہاں پوری آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور
دوسروں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی راہ میں اذیتیں برداشت کرنے، اور پھر اس کی رضا کی خاطر
ہجرت کے صلہ میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا، اور ہمیشہ کے لئے نبوت اور آسمانی کتابوں کا نزول ان کی اولاد کے
ساتھ خاص کر دیا۔ چنانچہ ان کے بعد تمام انبیاء انہی کی اولاد میں پیدا ہوئے، اور تمام آسمانی کتابیں بھی انہی پر نازل ہوئیں، تورات
موسیٰ پر، زبور داؤد پر، انجیل عیسیٰ پر، اور قرآن کریم نبی کریم ﷺ پر، اور یہ سب اولاد ابراہیم سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا
میں اولاد، روزی اور اس بشارت سے نوازا کہ اب سارے انبیاء انہی کی اولاد میں پیدا ہوں گے، اور آخرت میں انہیں اکابرین
صالحین کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّمَا مَهْلِكُوا بَنِيكُمْ
 أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنْ فِيهَا لَأُلُوطًا مَعَنَا لَوَأْمَعُنْ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ
 لَنُنَجِّيكَ وَآهْلَكَ إِلَّا أُمَّرَأَةً كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئًا بِهِمْ وَضَاقَ
 بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَعْصَنْ إِنَّنَا مُتَجَبِّدُونَ وَأَهْلِكَ إِلَّا أُمَّرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝

لوٹ نے کہا، میرے رب! شر و فساد پھیلانے والوں کے مقابلہ میں تو میری مدد فرما ﴿۳۰﴾ اور جب ہمارے رسول (۱۷) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے، تو انہوں نے کہا، ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ ظالم ہو چکے ہیں ﴿۳۱﴾ ابراہیم نے کہا، وہاں لوٹ بھی رہتے ہیں، تو انہوں نے کہا، ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہاں کون لوگ ہیں، ہم بلاشبہ انہیں اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے، جو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ گئی تھی ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے رسول لوٹ کے پاس آئے (۱۸) تو ان کا آنا انہیں ناگوار گذر اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے، تو فرشتوں نے ان سے کہا، آپ ہمارے بارے میں ڈریئے نہیں اور نہ رنج کیجئے، ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی تھی ﴿۳۳﴾

(۱۷) لوٹ علیہ السلام کا واقعہ بھی نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے واقعے کی طرح نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے لئے بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی سدوم، عموریہ اور آس پاس کی دیگر بستیوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ وہ لوگ شرک اور انکار آخرت کے علاوہ لواطت جیسے قبیح اور گھناؤنے گناہ کا ارتکاب کرتے تھے، مسافروں پر چڑھ بیٹھتے، ان کے ساتھ زبردستی لواطت کرتے تھے، ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے، اسی لئے لوگوں نے ان بستیوں سے گذرنا چھوڑ دیا تھا، اور اپنی مجلسوں میں جمع ہو کر زور زور سے گوز کرتے، اپنے نہ بند اتار کر ننگے ہو جاتے، اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لواطت کرتے، راہ چلنے والوں پر پتھر چلاتے، اور مینڈھے اور مرغے لڑاتے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن مردویہ)۔

لوٹ علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی، ان گناہوں سے روکا، اور اللہ کے عذاب کا خوف دلایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ تم اللہ کے نبی ہو، اور یہ کہ ہم نے اگر اپنے اطوار نہ بدلے، تو ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، تو پھر ایسا کر ہی گذرو۔ لوٹ علیہ السلام نے ان کے کفر پر اصرار کرنے اور ان کی بد اعمالیوں سے تنگ آ کر دعا کی کہ میرے رب! ان ظالموں کے خلاف میری مدد کر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے قوم لوٹ کو ہلاک کرنے کے لئے جو فرشتے بھیجے، انہیں اس کا بھی مکلف کیا کہ وہ ان تک پہنچنے سے پہلے ابراہیم کو بیٹھے (اسحاق) اور پوتے (یعقوب) کی خوشخبری دیتے جائیں۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد، یہ اندوہناک خبر بھی دی کہ اللہ نے انہیں قوم لوٹ کی بستیوں کو ان کے ظلم و کفر کی وجہ سے ہلاک کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے ان بستی والوں پر رحم کھاتے ہوئے اور اس امید میں کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں، کہا کہ لوٹ بھی تو وہاں رہتے ہیں، پھر تم انہیں کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا، ہم خوب جانتے ہیں کہ

إِنَّمَا مَنزِلُونٌ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۖ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْأَخِيرَ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَآخَذَهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جثثِينَ ۖ وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسَلِكِهِمْ وَرِزْقِهِمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَاهُمْ فَصَدَّكُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝

اور ہم اس بستی والوں پر ان کے فسق و فجور کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں ﴿۳۳﴾ اور ہم نے اس بستی کو عقل و ہوش والوں کے لئے ایک کھلی نشانی بنا کر چھوڑ دیا ہے ﴿۳۵﴾ اور ہم نے اہل مدین کے لئے ان کے بھائی شعیب (۱۹) کو بھیجا، تو انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اور قیمت کے دن پر ایمان رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو ﴿۳۶﴾ لیکن ان لوگوں نے انہیں جھٹلادیا، تو سخت زلزلے نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، اور اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے ہلاک ہو گئے ﴿۳۷﴾ اور ہم نے قوم عاد اور قوم ثمود کو بھی ہلاک (۲۰) کر دیا تھا، اور تم لوگ ان کے رہنے کی جگہوں کو دیکھ چکے ہو، اور شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا تھا، اور انہیں راہِ حق سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ ہوشمند لوگ تھے ﴿۳۸﴾

وہاں کون لوگ ہیں، ہم انہیں اور ان کے مسلمان رشتہ داروں کو پچالیں گے، اور ان کی بیوی سمیت تمام کافروں کو ہلاک کر دیں گے۔ (۱۸) جب وہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہیں دیکھ کر وہ بہت پریشان ہوئے اور نہایت کبیدہ خاطر ہوئے کہ اب کیا ہوگا، ان خوبصورت نوجوانوں کو بد معاش لوطیوں سے کیسے پچاسکوں گا۔ فرشتوں نے ان کی پریشانی بھانپ کر کہا کہ آپ ہمارے بارے میں نہ ڈریئے اور آپ کے خاندان کے جو کفار ہلاک کر دیئے جائیں ان کا غم نہ کیجئے، ہم آپ کو اور آپ کے مسلمان رشتہ داروں کو پچالیں گے، سوائے آپ کی کافر بیوی کے جسے بہر حال کافروں کے ساتھ ہلاک ہو جانا ہے۔ ہم اسی بستی والوں پر ان کے فسق و فجور کی وجہ سے جسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں، چنانچہ جبریل علیہ السلام نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی، اور انہیں زمین سے اکھاڑ کر اوندھے منہ اُلٹ دیا، جہاں اب ”بحرِ میت“ پایا جاتا ہے، اور ان کی تاریخ کو عقل و ہوش والوں کے لئے درس عبرت بنا دیا۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے مدین والوں کی ہدایت کے لئے شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ یہ واقعہ سورۃ الأعراف اور سورۃ ہود میں گنڈر چکا ہے۔ یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے توحید باری تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی، اور ناپ تول میں کمی بیشی کر کے اور مسافروں کو لوٹ کر زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا، لیکن انہوں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی، اور ان کو جھٹلادیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شدید زلزلہ مسلط کر دیا جس کے زیر اثر سبھی اپنے گھروں میں ہی گھٹنوں کے بل اوندھے منہ گر کر ہلاک ہو گئے۔

(۲۰) گذشتہ کافر قوموں کی طرح اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو بھی ان کے کفر و سرکشی کی وجہ سے ہلاک کر دیا، جو حضور صوموت کے قریب ”احقاف“ نام کی بستی میں رہتے تھے۔ اور ان کی ہدایت کے لئے ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ اور قوم ثمود کو بھی ان کے کفر و طغیان

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ آلِ فِرْعَوْنَ وَمَنْ لِيَوْمَئِذٍ غَيْرَ آلِ فِرْعَوْنَ إِلَّا ذُكُورًا مُّقْتَصِدِينَ وَمَنْ يَزِدْهُمْ مِغْرَابًا مِّنْ آلِهِ فَمَا لِيَوْمَئِذٍ بِهِمْ أَوْلِيَاءُ مِمَّنْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَلْعَبُونَ ﴿٢١﴾ فَكَلَّمْنَا مَثَلًا لِّقَوْمٍ كَذِبًا أُولِيَاءُ يُرْمَوْنَ ﴿٢٢﴾ فَذَرْنَاهُمْ وَمَنْ عَادَا وَكَلَّمْنَا نوحًا وَآلَهُ الْقَوْمَ الَّذِينَ أَنجَيْنَا مِنَ الْغُوطِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْهِمُ الْغُوثَ ﴿٢٣﴾ فَكَلَّمْنَا هَارُونَ وَآلَهُ الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآمَنُوا وَجَعَلْنَا لُقْمَانَ ذِكْرًا وَعَلَّمْنَاهُ صِدْقًا وَمِثْلَ مَا تُذَكِّرُونَ ﴿٢٤﴾ فَذَرْنَاهُمْ وَمَنْ عَادَا وَكَلَّمْنَا هَارُونَ وَآلَهُ الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآمَنُوا وَجَعَلْنَا لُقْمَانَ ذِكْرًا وَعَلَّمْنَاهُ صِدْقًا وَمِثْلَ مَا تُذَكِّرُونَ ﴿٢٥﴾

اور ہم نے قارون، اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک (۲۱) کر دیا تھا، اور موسیٰ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، لیکن انہوں نے زمین پر تکبر کی راہ اختیار کی، اور وہ لوگ ہم سے بچ کر نہیں نکل سکتے تھے ﴿۲۹﴾ تو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ (۲۲) لیا، تو ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کی بارش کر دی، اور بعض کو ایک زبردست چیخ نے آیا، اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا، اور بعض کو ہم نے ڈبو دیا، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا ﴿۳۰﴾ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا کار ساز (۲۳) بنا لیتے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے، اور سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے، کاش کہ وہ اس بات کو سمجھتے ﴿۳۱﴾ بے شک اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جسے وہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، اور وہ بڑا زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳۲﴾

کی وجہ سے ہلاک کر دیا جو اداوی قریٰ کے قریب ”حجر“ نام کی بستی میں رہتے تھے، اور جن کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔

اللہ نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے مکانوں کے کھنڈرات تمہیں اب بھی بتادیں گے کہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔ شیطان نے ان کی بد اعمالیوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا تھا، وہ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے تھے، زمین میں شر و فساد پھیلاتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ وہ اچھے ہیں اور ان کے اعمال اچھے ہیں، اس لئے راہ حق کی اتباع کی بات انہوں نے سوچی ہی نہیں۔ حالانکہ وہ بظاہر اصحاب عقل و خرد تھے، اگر چاہتے تو انبیاء کے کرام کی تعلیمات میں غور و فکر کر کے راہ حق کو پاسکتے تھے۔ (۲۱) اللہ نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ان کے کفر و استکبار کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ قارون کو زمین میں دھنسا دیا، اور فرعون و ہامان کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر دیا۔ ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام اللہ کی کھلی اور صریح نشانیاں لے کر آئے تھے۔ توحید کی دعوت پیش کی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا، اور اس کی بندگی کی طرف بلا یا، لیکن انہوں نے کبر کی راہ اختیار کی، اور ایک اللہ کی بندگی کا انکار کر دیا، تو وہ اللہ سے بچ کر کہاں جاسکتے تھے۔

(۲۲) اللہ نے مذکور بالا کافروں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ قوم عاد کو ایک تیز اور ٹھنڈی ہوا کے ذریعہ، جس نے ان پر نکل کر دی بارش کر دی، اور ان میں سے ہر ایک کو اوپر اٹھا کر سر کے بل زمین پر دے مارا، جس سے ان کے سر جسموں سے الگ ہو گئے، اور اصحاب مدین اور قوم ثمود کو چیخ کے ذریعہ، اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا، اور فرعون کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوا، ان کے شرک و کفر اور گناہوں کی وجہ سے ہوا، اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ ﴿۲۳﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۴﴾

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، اور انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں ﴿۲۳﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق و با مقصد پیدا ﴿۲۴﴾ کیا ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے ایک نشانی ہے ﴿۲۴﴾

(۲۳) تمام انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ وہ بنی نوع انسان کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں، اور انہیں غیروں کو اپنا معبود اور بار و مددگار ماننے سے روکیں۔ مذکور بالا قوموں میں سب سے پہلی بیماری یہی پائی گئی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا، جو دوسرے گناہوں کے ساتھ مل کر ان کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنی۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ”شُرک“ کی شاعت و قباحت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا کہ جو لوگ اللہ کے سوا غیروں کو اپنا بار و مددگار ماننے ہیں اور ان کے سامنے سر جھکاتے ہیں، ان کی مثال مکڑی اور اس کے جالے کی ہے۔ مکڑی اپنا جالا اپنے ارد گرد بن کر بھرتی ہے کہ اب وہ سردی گرمی اور ہر دشمن سے محفوظ ہے، لیکن وہ جالا کتنا کمزور ہوتا ہے، اس کا علم سب کو ہے۔ یہی حال مشرکوں اور ان کے اولیاء کا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اصنام ان کے کام آئیں گے، حالانکہ ان کی عاجزی و بے بضاعتی کا جو حال ہے، وہ سب کو معلوم ہے کہ اگر ایک کبھی بھی ان بتوں پر بیٹھ جائے تو اسے بھگانے کی ان کے اندر سکت نہیں۔ اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ ادنیٰ عقل کا انسان بھی اسے سمجھتا ہے، لیکن شرک نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے، اس لئے انہیں کچھ بھی نہیں سمجھ میں آتا ہے۔

اسی لئے آیت (۲۲) میں اللہ تعالیٰ نے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ مشرکین اس کے سوا جن باطل معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، اسے ان (معبودوں) کا خوب علم ہے اور وہ غالب و حکیم ہے، ان مشرکانہ اعمال کا بدلہ انہیں ضرور چکائے گا۔ آیت (۲۳) میں فرمایا کہ اس طرح کی مثالوں سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ توحید و شرک کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ لیکن اس کی توفیق بھی اللہ انہی کو دیتا ہے جو اللہ کی ذات و صفات کا راسخ علم رکھتے ہیں، اور جو دلائل و براہین ان کی نگاہوں سے گزرتے ہیں ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔

(۲۴) شرک کی تردید کرنے کے بعد اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو ایک خاص مقصد کی خاطر پیدا کیا ہے، یقیناً وہی قادر مطلق عبادت کے لائق ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک اہل ایمان ہی کر پاتے ہیں۔ کافروں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے، اور ان کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے، انہیں آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے خالق کے بارے میں غور و فکر کی کہاں توفیق ہوتی ہے۔

أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَ قُولُوا أَمْثَلًا بِالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَالنَّزِيلُ إِلَيْكُمْ ۗ وَالْهِنَا وَالْهَيْكُلُ وَاجِدًا وَنَحْنُ لَكُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۲۶﴾

آپ پر جو کتاب (۲۵) بذریعہ وحی نازل کی گئی ہے، اس کی تلاوت کیجئے، اور نماز قائم کیجئے، بے شک نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے، اور یقیناً اللہ کی یاد تمام نیکیوں سے بڑی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے ﴿۲۵﴾ اور تم لوگ اہل کتاب سے بحث و مجادلہ (۲۶) صرف اس طریقہ سے کرو جو سب سے عمدہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، اور کہو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور جو تم پر نازل کی گئی ہے، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے، اور ہم نے اسی کے سامنے اپنے سر جھکا رکھے ہیں ﴿۲۶﴾

(۲۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مومنوں کو قرآن کریم پڑھنے، اس میں غور و فکر کرنے، اور لوگوں تک اس کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا ہے، اور آیت کے دوسرے حصہ میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ نماز ہر قسم کی برائیوں سے روکتی ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ یہاں نماز سے مراد پانچوں فرض نمازیں ہیں۔ انتہی۔

اور اقامت نماز سے مراد یہ ہے کہ نماز ایسی ہو جس سے مقصود اللہ کی رضا ہو، اور پورے حضور قلب کے ساتھ ہر نماز اس کے متعین وقت میں مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے، اور تمام ارکان نماز کی رعایت کرتے ہوئے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے، یہی وہ نماز ہے جو اس کے ادا کرنے والے کو برائیوں سے روکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول برحق ہے کہ نمازی یقیناً برائیوں سے روکتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، اور برائیوں میں بھی ڈوبتا ہے تو ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ اس کی نماز، وہ نماز نہیں ہے جسے اس آیت کریمہ میں فواحش و منکرات سے روکنے والی نماز کہا گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی یاد ہر چیز سے بڑی ہے، کیونکہ درحقیقت اللہ کی یاد ہی بندوں کو برائیوں سے روکتی ہے، اور نماز اس لئے برائیوں سے روکتی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ اسی لئے نماز کو سورۃ الجمعہ آیت (۹) میں "ذکر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ وہ بندوں کے تمام اعمال سے خوب واقف ہے، کوئی بات اس سے مخفی نہیں، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، اس لئے جو جیسا کرے گا اس کا ویسا ہی بدلہ اسے مل کر رہے گا۔

(۲۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ آئندہ دعوتی زندگی میں جب آپ کا واسطہ اہل کتاب سے پڑے تو ان کے ساتھ بات کرتے وقت نرم اور شیریں انداز گفتگو اختیار کیجئے، تاکہ اسلام کی تعلیمات میں انہیں غور و فکر کا موقع ملے، اور اللہ توفیق دے تو ایمان لے آئیں۔

قائدہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت، قتال والی آیت کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ اس کا حکم باقی ہے اور قیامت تک ہر اس شخص کے لئے باقی رہے گا جو دین اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہے گا۔ البتہ جو یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کریں گے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیں گے، ان کے ساتھ طاقت کی زبان میں بات کی جائے گی، اور ان سے قتال کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ اپنا معاندانہ رویہ چھوڑ کر جزیہ دینے پر تیار ہو جائیں۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالَّذِينَ أُنْتَبِهُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ لَا تُخَذِلُ أَسْمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿۲۷﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَأْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۸﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يُجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے اسی طرح آپ پر بھی کتاب (۲۷) نازل کی ہے، پس جن کو ہم نے پہلے سے کتاب دی تھی، وہ لوگ اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان مشرکین میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف اہل کفر کرتے ہیں ﴿۲۷﴾ اور آپ پہلے سے کوئی کتاب نہیں پڑھتے (۲۸) تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، ورنہ باطل پرست لوگ شبہ کرتے ﴿۲۸﴾ بلکہ یہ قرآن علم والوں کے سینوں میں صریح آیتیں ہیں، اور ہماری آیتوں کا صرف ظالم لوگ انکار کرتے ہیں ﴿۲۹﴾

اگر اہل کتاب ایسی خبریں بیان کریں جن کے بارے میں نہیں معلوم کہ وہ سچی ہیں یا جھوٹی، تو ایسی خبروں کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب، بلکہ انہیں مجمل سا جواب دے دیا جائے گا کہ ہم لوگ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھیں، اور جو نزول قرآن کے ساتھ منسوخ ہو گئی ہیں، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں لکھی ہوئی تورات پڑھ کر مسلمانوں کے لئے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب، اور کہو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لے آئے جو ہم پر نازل ہوئی ہے اور ان پر بھی جو تم پر نازل ہوئی تھیں، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے، اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔

(۲۷) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ ہم نے جس طرح گذشتہ آسمانی کتابیں اُن وقتوں کے انبیاء پر نازل کی تھیں، اسی طرح اس قرآن کو آپ پر نازل کیا ہے، اور اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے، اور عربوں میں سے بھی بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اور ہماری آیتوں کا انکار ان تمام گروہوں میں سے صرف وہی لوگ کریں گے جو ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنے کفر پر چمے رہیں گے مفسرین لکھتے ہیں کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے یہاں غیب کی خبر دی ہے ویسا ہی ہوا، کچھ یہود اور بہت سے نصاریٰ، اور اکثر و بیشتر قبائل عرب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، اور نور اسلام نے ان کے دلوں کو روشن کر دیا۔ (۲۸) قرآن کریم کے کلام الہی ہونے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے میرے نبی! نزول قرآن سے پہلے آپ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا، آپ تو ان پڑھ تھے، اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو آپ کی رسالت کے منکرین کو بہانہ مل جاتا، اور کہتے کہ محمد کو کوئی پرانی کتاب مل گئی ہے، جس میں سے گذشتہ قوموں کے واقعات لکھ کر لوگوں کو سنا دیتا ہے۔

نحاس کہتے ہیں کہ یہ بات آپ ﷺ کے سچے نبی ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا، اور اہل کتاب کے ساتھ آپ کا ملنا ثابت نہیں ہے، اور مکہ میں یہود و نصاریٰ نہیں پائے جاتے تھے، اس کے باوجود ایسی عظیم و بے مثل کتاب لوگوں کے سامنے پیش کرنا آپ کی صداقت کی دلیل تھی، اور اس بات کی دلیل تھی کہ یہ قرآن کلام الہی ہے، اسی لئے

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْكَ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ
 أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي
 وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۵۲﴾
 وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۳﴾

اور مشرکین نے کہا (۲۹) کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کچھ نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں، میں تو صرف کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے، جس کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے ﴿۵۱﴾ اے میرے نبی! آپ کہئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان بحیثیت گواہ (۳۰) اللہ کافی ہے، وہ آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے، اور جو لوگ معبودانِ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، وہی لوگ گھانا اٹھانے والے ہیں ﴿۵۲﴾ اور مشرکین مکہ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اگر ایک وقت مقرر (۳۱) نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ ہی جاتا، اور وہ ان پر اچانک آ جائے گا، اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہو گا ﴿۵۳﴾

آیت (۲۹) میں کہا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ صریح آیتیں ہیں جو حفاظِ قرآن کے سینوں میں ہر دور میں محفوظ رہیں گی، اور ان کا انکار حد سے تجاوز کرنے والے ہی کریں گے۔

(۲۹) مشرکین مکہ اپنے کفر و شرک پر اصرار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر محمد اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہے تو گزشتہ نبیوں کی طرح اس کے رب نے اسے بھی کچھ مادی نشانیاں کیوں نہیں دی ہیں؟ تو اللہ نے آپ ﷺ کی زبانی ان کا جواب دیا کہ معجزات کا مالک تو اللہ ہے، وہ اپنی مرضی سے جب اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ کوئی دوسرا اس پر قادر نہیں ہے، میرا کام تو صرف لوگوں کے سامنے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ اللہ کے دین کو بیان کر دینا ہے۔

آیت (۵۱) میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی ہٹ دھرمیوں کا مزید جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، اور جسے آپ انہیں پڑھ کر سناتے ہیں، کیا یہ علیٰ معجزہ ان کے ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہے؟ یقیناً کافی ہے، اور آپ نے تو انہیں بارہا قرآن کی زبان میں چیلنج بھی کیا کہ اگر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن کسی انسان کا کلام ہے تو اس جیسا کلام لا کر دکھادیں، یا کم از کم اس جیسی ایک ہی سورت پیش کر دیں، لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے، اور وہ کہ بھی کیسے سکیں گے، اللہ کے کلام جیسا کلام کہاں سے لاسکیں گے۔ آیت کے آخر میں قرآن کریم کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ تو پوری دنیائے انسانیت کے لئے رحمت ہے، اور اہل ایمان کے لئے اس میں بہت سی نصیحتیں ہیں۔

(۳۰) نبی کریم ﷺ کی زبانی کفار مکہ کو کہا گیا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان، میری نبوت اور قرآن کریم کی صداقت سے متعلق جو باتیں ہوئی ہیں، قرآن کی زبان میں میں نے جو دلیلیں پیش کی ہیں، اور تم لوگوں نے ڈھٹائی کے ساتھ ان کا انکار کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کا گواہ ہے، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں ہے، تو جو لوگ جھوٹے

يَسْتَعْلِفُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُغِيظَةٌ ﴿۱۱﴾ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ نَعْتَبُكُمْ الْعَذَابِ مِنَ فَوْقِهِمْ وَمَنْ تَحْتِ
أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ دُوْعًا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ يُعَادِي الَّذِينَ آمَنُوا لَأَنْزِعَهُنَّ أَوَّاسَةً فَإِنَّمَا فَاعِذُونَ ﴿۱۴﴾
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾

وہ لوگ آپ سے عذاب کا جلد مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ جہنم کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئی ہے ﴿۵۳﴾ جس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا، اور کہے گا کہ اپنے کرتوتوں کا مزا چکھو ﴿۵۵﴾ اے میرے اہل ایمان بندو! بے شک میری زمین کشادہ (۳۲) ہے، اس لئے صرف میری ہی عبادت کرو ﴿۵۶﴾ ہر جان کو موت کا مزا (۳۳) چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۵۷﴾

معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، اور اللہ کی وحدانیت والوہیت کا انکار کرتے ہیں، انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا و آخرت میں ان سے بڑھ کر گھانا اٹھانے والا کوئی نہیں ہے۔

(۳۱) کفار مکہ انتہائے کبر و عناد میں نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ جس عذاب کا تم بار بار ذکر کرتے ہو، وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا؟ تو اللہ نے ان کا جواب دیا کہ ان کی سرکشی تو اتنی بڑھ چکی ہے کہ واقعی عذاب کو نازل ہو جانا ہی چاہئے تھا، لیکن چونکہ اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس لئے وہ اپنے متعین وقت پر ہی نازل ہوگا، اور وہ ایسا اچانک آئے گا کہ اس کے آنے سے پہلے انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوگا۔

اے میرے نبی! یہ کفار کتنے حقیقت نا آشنا ہیں کہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں، حالانکہ وہ تو انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے جیسے انہیں ہر جانب سے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، جب وہ دن آجائے گا اور جب وہ گھڑی آن پہنچے گی تو عذاب جہنم انہیں اوپر اور نیچے سے ڈھانک لے گا، اور ان سے کہا جائے گا جیسا تم نے کیا تھا ویسا بھرو، اور اپنے کرتوتوں کا مزا چکھو۔

(۳۲) قرطبی لکھتے ہیں کہ جب کفار مکہ کا مسلمانوں پر ظلم و ستم حد سے تجاوز کرنے لگا، اور مکہ میں جینا دو بھر ہو گیا، اور اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، تاکہ وہاں اللہ کی عبادت اطمینان و سکون سے کر سکیں۔ انتہی۔

لیکن یہ حکم ہر دور اور ہر جگہ کے لئے عام ہے۔ جب بھی اور جہاں کہیں بھی مسلمان ایسے حالات سے دوچار ہوں گے، اور اللہ کی عبادت کرنے سے روک دیئے جائیں گے، انہیں وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جانا چاہئے جہاں آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکیں، اس لئے کہ انسانوں کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ جب تک دنیا میں رہیں، اپنے خالق و مالک کی عبادت کرتے رہیں۔ اسی لئے کچھ مسلمان ہجرت سے پہلے قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نبی کریم ﷺ کی اجازت سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، جہاں کے بادشاہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ ان کی دکھ بھری کہانی سن کر بہت متاثر ہوئے، اور انہیں اپنے ملک میں پوری آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ اور جب نبی کریم ﷺ کو ہجرت کی اجازت مل گئی تو وہ بھی حبشہ سے مدینہ منورہ چلے گئے۔

(۳۳) مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ہجرت کے لئے مسلمانوں کی ہمت افزائی کی گئی ہے، کہ کہیں موت کا خوف تمہیں

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدَبِّرَنَّ لَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ عُرُشًا يُجْرُونَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ الَّذِينَ صَدَقُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِنَّهَا لَكُمُودٌ ۝ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيُقُولَنَ اللَّهُ كَأَنِّي يُؤْفِكُونَ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور جو لوگ ایمان (۳۴) لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، یہ بہت ہی اچھا بدلہ ہو گا نیک عمل کرنے والوں کا ﴿۵۸﴾ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾ اور بہت سے ایسے چوپائے ہیں جو اپنی روزی (۳۵) نہیں ڈھوئے پھرتے ہیں، اللہ انہیں اور تمہیں روزی دیتا ہے، اور وہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۶۰﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا (۳۶) کیا ہے، اور آفتاب و ماہتاب کو کس نے اپنے حکم کا تابع بنا رکھا ہے، تو وہ کہیں گے: اللہ، تو پھر وہ کہاں بیکے جا رہے ہیں ﴿۶۱﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی کشادہ (۳۷) کرتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے ﴿۶۲﴾

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے سے روک نہ دے، ہر شخص کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس وقت پر اسے بہر حال مر جانا ہے، چاہے وہ اپنی پیدا کئی جگہ پر رہے، یا کہیں اور چلا جائے۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیروں بیان کی ہے کہ موت بہر حال برحق ہے اور ہر شخص کو یہ کڑوا جام پینا ہے، اس لئے اہم بات یہ ہے کہ آدمی وطن اور رشتہ داروں کی محبت سے بالاتر ہو کر اس ابدی زندگی کی کامیابی کے لئے کوشش کرے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کا مقام بتایا ہے جو اس کی خاطر اپنے گھر بار اور خویش واقارب کو چھوڑ کر ہجرت کر جاتے ہیں، اور ہر حال میں اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(۳۵) اس آیت کریمہ میں مہاجرین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں گے، ان کے لئے مقدر روزی پہنچتی رہے گی، روزی کا تعلق زمین سے نہیں، بلکہ اللہ سے ہے، وہ ہر جاندار کو روزی پہنچاتا ہے، چاہے وہ کمزور ہو جو اپنی روزی نہ ڈھوسکتا ہو، یا طاقتور ہو جو اپنی روزی اپنے ساتھ ڈھوسکتا ہو، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو روزی پہنچاتا ہے، چاہے وہ دنیا کے جس گوشے میں بھی رہتا ہو۔

(۳۶) مشرکین کی حالت پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ جب ان سے پوچھیں گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، اور آفتاب و ماہتاب کو انسانوں کے فائدے کے لئے کس نے اپنا تابع فرمان بنا رکھا ہے، تو وہ فوراً کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، تو پھر اس اعتراف حقیقت کے باوجود وہ دوسروں کو اللہ کا شریک کیوں بناتے ہیں جو ان کے نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتے ہیں!؟

(۳۷) بعض مشرکین نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم لوگ حق پر ہوتے، اور اللہ تم سے راضی ہوتا تو محتاجی کے نیچے دبے نہ رہتے۔

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ تَكَلَّمَ مِنَ الْمَاءِ مَا فَاجَبِا بِرِ الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلْ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَاوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ فَلَمَّا نَجَّيْتَهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۴۰﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا (۳۸) ہے، جس کے ذریعہ وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، تو وہ کہیں گے: اللہ، آپ کہئے کہ ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، لیکن اکثر مشرکین عقل سے کام نہیں لیتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور یہ دنیاوی زندگی لہو و لعب (۳۹) کے سوا کچھ نہیں ہے، اور بے شک آخرت کا گھر ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، کاش کہ انہیں اس بات کا علم ہو تا ﴿۳۹﴾ پس جب وہ لوگ کشتی میں سوار (۴۰) ہوتے ہیں، تو اللہ کے لئے بندگی کو خالص کر کے اُسے پکارتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے، تو دوبارہ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿۴۰﴾ تاکہ ہم نے انہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کی ناشکری کریں، اور کچھ اور دن مزے اڑالیں، پس عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا ﴿۴۱﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا کہ روزی کا مالک صرف اللہ ہے، اور وہ اپنی حکمتوں کے مطابق کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے، تاکہ دیکھے کہ وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے یا اس کی ناشکری کرتا ہے، اور کسی کو کم دیتا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ صبر سے کام لیتا ہے، یا اللہ کی تقدیر پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ دولت اور محتاجی دونوں میں سے کوئی بھی اللہ کی رضایا اس کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے۔ اور چونکہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اس لئے روزی میں کمی اور بیشی کی حکمتوں کو صرف وہی جانتا ہے۔

(۳۸) نبی کریم ﷺ سے یہ بھی کہا گیا کہ آپ جب مشرکین سے پوچھیں گے کہ آسمانوں سے بارش کا پانی کس نے بھیجا ہے اور کون اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے؟ تو وہ فوراً جواب دیں گے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، تو اے میرے نبی! آپ اپنے رب کا شکر ادا کیجئے کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی اور شدت عناد کے باوجود اعتراف حق پر اپنے آپ کو مجبور پارہے ہیں، اور خود اپنی زبان سے اپنے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرنا ان کی جانب سے اللہ پر بہتان ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں ہیں، جہی تو ان کے قول و عمل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

(۳۹) اس آیت کریمہ میں دنیا کی حقارت اور اس کی بے ثباتی بیان کی گئی ہے، کہ جیسے بچے کھلونوں کے گرد جمع ہوتے ہیں، چند گھڑی ان سے جی بہلاتے ہیں، پھر انہیں وہیں چھوڑ کر اپنے گھروں کو چل دیتے ہیں، اور سوائے تھکن کے انہیں کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا، یہی حال اس دنیائے دنی کا ہے، یہاں کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے۔ اس کے بجائے آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ وہ زندگی زوال پذیر نہیں ہوگی، جنتی کو نہ تو بیماری اور موت لاحق ہوگی، اور نہ وہ کسی درد و الم سے دوچار ہوگا، جنت لازوال خوشیوں کا نام ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مشرکین کی سمجھ میں یہ بات آجاتی تو دنیا کی اس حقیر زندگی کو آخرت کی لازوال اور بے پایاں نعمتوں اور خوشیوں پر ترجیح نہ دیتے۔

(۴۰) مشرکین کے قول و عمل میں تضاد اور تناقض کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ وہ جب کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں سفر کرتے ہیں

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مَّا وَوَيْعَظُكَ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَتَىٰ الْبَاطِلُ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۳۱﴾
 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
 لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَكَمَّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۳﴾

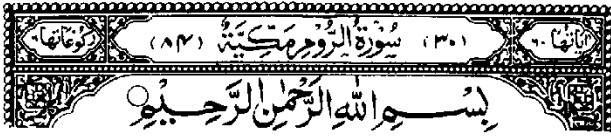
کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایک پُر امن حرم (۳۱) بنایا ہے، جبکہ لوگ ان کے ارد گرد سے اچک لئے جاتے ہیں، کیا وہ لوگ معبودانِ باطل پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کی نعمتوں کا ناشکری کرتے ہیں ﴿۶۷﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم (۳۲) کون ہو گا جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، یا جب برحق قرآن اس کے پاس آجاتا ہے تو اسے جھٹلاتا ہے، کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ ہمارے دین کی خاطر کوشش (۳۳) کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راہِ راست پر ڈال دیتے ہیں، اور بے شک اللہ نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے ﴿۶۹﴾

اور کشتی بھنور میں بچھن جاتی ہے، اور بچنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی، تو فطرت کے تقاضے کے مطابق وہ صرف ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں، اور اپنے بتوں کو بیکسر بھول جاتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس وقت موت کے منہ سے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے انہیں ڈوبنے سے بچا لیتا ہے، تو پھر اپنے بتوں کا ٹن گانے لگتے ہیں، اور اللہ کے احسانات کی ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی اس شرکانہ چال، اور اس عظیم احسان فراموشی کا انجام بد عنقریب دیکھ لیں گے۔

(۳۱) مشرکین مکہ اللہ کی کن کن نعمتوں کی احسان فراموشی کریں گے، اور کب تک اپنے قلب و نظر کی راہوں کو صدائے لالہ الا اللہ کے داخل ہونے سے بند رکھیں گے، کیا وہ اپنے اوپر اللہ کا یہ احسان عظیم نہیں دیکھتے کہ اس نے مکہ کو حرم اور پُر امن بنا دیا ہے، جہاں وہ دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں بہت کم ہونے کے باوجود پُر سکون زندگی گزار رہے ہیں، ان کے خلاف قتل و غارتگری کا کوئی سوچتا بھی نہیں، جبکہ ان کے ارد گرد رہنے والے قبائل ایک دوسرے پر چھاپے مارتے ہیں، قتل کرتے ہیں، مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں اور بہتوں کو قیدی بنا لیتے ہیں، وہ کب تک اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری، اور بتوں کی پرستش کرتے رہیں گے۔

(۳۲) اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو افترا پردازی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک ہے، یا اس حق کو (یعنی رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کو) جھٹلاتا ہے، جسے اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، ایسے لوگ اللہ کے نزدیک کافر ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۳۳) جو لوگ اللہ کی خاطر نفس، شیطان، اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہیں، انہیں خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ انہیں اعمالِ صالحہ کی توفیق دیتا ہے، تاکہ ان کے ذریعہ اس کی قربت حاصل کریں، نیز ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی نصرت و تائید انہیں ہمیشہ حاصل رہے گی۔ وباللہ التوفیق۔



اللّٰهُ غَلَبَتِ الرَّوْمُ ۝ فِيْ اَذْنٰى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْۢ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيِّغَلِبُوْنَ ۝ فِيْ يَضِعُ سِنِيْنَ ۝ لّٰهُ الْاَكْمَرُ
مِنْ قَبْلِ وَرَمٰۤىۤ بَعْدًا وَيَوْمَئِذٍ يَفْعَرُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يَنْصُرُ اللّٰهُ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِیْمُ ۝

سورة الروم کی ہے، اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
اکم^(۱) اہل روم^(۲) مغلوب ہو گئے ہیں ﴿۲﴾ قریب کے سر زمین (شام) میں، اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد
عنقریب ہی (اپنے دشمن اہل فارس پر) غالب آجائیں گے ﴿۳﴾ چند ہی سالوں میں۔ پہلے بھی ہر چیز کا اختیار صرف
اللہ کو حاصل تھا، اور بعد میں بھی صرف اسی کو حاصل رہے گا، اور اُس دن مومنین خوش ہو جائیں گے ﴿۴﴾ اللہ کی
نصرت و تائید پر۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ غالب، بے حد مہربان ہے ﴿۵﴾

تفسیر سورة الروم

نام: اس کا نام سورت کی دوسری آیت ﴿غَلَبَتِ الرَّوْمُ﴾ سے ماخوذ ہے۔
زمانہ نزول: قرطبی لکھتے ہیں کہ پوری سورت بلا اختلاف مکی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ سورت مکہ
میں نازل ہوئی تھی۔

مسلمان مورخین اس کا تاریخی پس منظر یہ بیان کرتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے ۶۱۳ء/۶۱۳ عیسوی
میں ملک شام پر حملہ کر کے دمشق اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، جو اس زمانے میں رومیوں کے مقبوضہ علاقوں میں شامل تھے۔ یہ
زمانہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے سات سال قبل کا ہے، جب کفار مکہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہے تھے، اور کچھ
مسلمان جشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مشرکین مکہ نے ایرانی آتش پرستوں کی فتح یا بیوں کی خبریں سن کر خوشیاں منائیں اور
مسلمانوں سے کہا کہ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، اور ہم اور اہل فارس بت پرست ہیں۔ اور جس طرح
اہل فارس رومیوں پر غالب آ رہے ہیں، ایک دن ہم بھی تمہیں مکہ کی سر زمین سے نکال باہر کریں گے۔ اُس وقت یہ سورت نازل
ہوئی جس میں رومیوں کے مغلوب ہونے اور پھر چند ہی سال کے بعد ان کے غالب ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور اسی طرح
مسلمانوں کے غلبہ کی بھی بشارت دی گئی ہے۔ مشرکین نے جب یہ بات سنی تو ظاہری حالات کے مطابق اسے امر محال سمجھا، اور
آبی بن خلف نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرط کی، جس میں اللہ کے فیصلے کے مطابق اس کی ہار ہوئی، اور رومی فوجوں
نے ہجرت نبوی سے ایک سال قبل ۶۲۱ء میں اہل فارس کے چٹکے چھڑا دیئے، اور ۶۲۳ء میں ایرانیوں کے سب سے بڑے
آتش کدہ کونیست و نابود کر دیا۔ اور اسی سال مسلمانوں کو میدان بدر میں کفار قریش کے مقابلے میں عظیم ترین فتح و کامیابی حاصل
ہوئی، اور قرآن کریم کی معجزانہ خبر حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔
(۱) اکم یہ حروف مقطعات ہیں، جن کا معنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ لِمَنْ خَلِفَ اللَّهُ وَعَدَا وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ ﴿۲﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ ﴿۳﴾

اللہ نے یہ وعدہ کر لیا ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۱﴾ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہری امور (۳) کو جانتے ہیں، اور فکر آخرت سے بالکل ہی غافل ہوتے ہیں ﴿۲﴾ کیا انہوں نے اپنی ذات میں غور و فکر نہیں کیا، اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو برحق اور ایک مقرر مدت کے لئے پیدا کیا ہے، اور بے شک بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں ﴿۳﴾

(۲) جیسا کہ اس سورت کے نزول کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے اوپر لکھا گیا ہے کہ ان آیات کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے پہلے رومیوں کی اہل فارس کے ہاتھوں پہلے مغلوبیت اور پھر ان کے غالب آنے کی خبر دی گئی ہے، اسی طرح مسلمانوں کی فتیابی اور اس سے ان کے خوش ہونے کی بشارت دی گئی ہے، اور دونوں ہی باتیں سچ ثابت ہوئیں۔

اہل روم پہلے اپنے شامی مقبوضات سے نکالے گئے، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ اہل فارس رومیوں کے ہاتھوں شکست پہ شکست کھاتے چلے گئے حتیٰ کہ ۶۲۳ء میں ان کا سب سے بڑا آتش کدہ تباہ کر دیا گیا۔ اور نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کرام کے ساتھ ہجرت کر کے ۶۲۳ء میں مدینہ منورہ پہنچے، اور اس کے صرف دو سال کے بعد ہی میدان بدر میں مسلمانوں کو کفار قریش کے خلاف فیصلہ کن غلبہ حاصل ہوا۔

﴿أُدْنَى الْأَنْضِ﴾ سے مراد اس زمانے میں رومیوں کا وہ علاقہ ہے جو اہل فارس کے علاقے سے قریب تر تھا، یعنی دمشق اور بیت المقدس کا وہ علاقہ جس میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ پھر دس سال کے اندر ہی حالات ایسے بدلے کہ اہل فارس شکست کھاتے چلے گئے اور رومیوں کو زبردست غلبہ حاصل ہوا۔

﴿اللَّهُ الْبَاطِنُ﴾ یعنی رومیوں کا پہلے مغلوب ہونا اور پھر چند ہی سالوں کے بعد ان کا غالب ہونا، اللہ کے فیصلے اور اس کے قضاء و قدر کے مطابق تھا۔ دونوں حال کی حکمتوں اور مصلحتوں کو صرف وہی جانتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آل عمران آیت (۱۳۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَتَلَكُمُ الْآيَاتُ نَذِيرًا وَلَهُمَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ ”اور ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان اڈلتے بدلتے رہتے ہیں“۔

﴿وَيَوْمَ تَذِيقُ الْخِزْيَانِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ مسلمانوں کو دوسری خوشی نصیب ہوئی۔ ایک اس بات کی خوشی کہ اہل روم جو اہل کتاب تھے، انہیں مشرکین فارس پر غلبہ حاصل ہوا، اور دوسری خوشی اس سال انہیں میدان بدر میں کفار قریش کی شکستِ فاش سے حاصل ہوئی، جس کی بشارت قرآن کریم انہیں پہلے دے چکا تھا۔ اور اللہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اس لئے کہ وہ بہر حال غالب ہے، ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے نیک بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے، جیسا کہ رومیوں کے اہل فارس پر اور مسلمانوں کے کفار قریش پر غالب آنے کا وعدہ پورا کر دیا گیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اور فیصلے اس کے نزدیک معلوم حکمت و مصلحت کے مطابق انجام پاتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر لوگ اپنی جہالت و نادانی اور کائنات میں غور و فکر کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔ جب کہ دنیاوی مفادات کو سمجھنے اور انہیں حاصل کرنے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مادی فائدہ انہیں نظر آتا ہے تو کبھی نہیں چوکتے، لیکن فکر آخرت سے

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا لِلذِّكْرِ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا
 الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
 يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا وَالشُّوْأَىٰ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِآيَاتِهِ بُرْءُونَ ۝ اللَّهُ يَبْدَأُ
 الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

کیا یہ لوگ^(۳) زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں، تاکہ دیکھتے کہ ان قوموں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکی
 ہیں۔ وہ قومیں ان سے زیادہ قوت والی تھیں اور انہوں نے زمین کو جو تا اور اسے اس زمانہ کے لوگوں سے زیادہ آباد
 کیا، اور ان کے پاس بھی ان کے انبیاء معجزات لے کر آئے تھے، پس ایسا نہ تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ وہی اپنے
 آپ پر ظلم کرنے والے تھے ﴿۹﴾ پھر جن لوگوں نے برا کیا تھا ان کا انجام بُرا ہوا، انہوں نے اللہ کی آیتوں کو
 جھٹلایا تھا، اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو پہلی بار^(۵) پیدا کرتا ہے، پھر اُسے دوبارہ پیدا
 کرے گا، پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾

یکسر غافل ہوتے ہیں۔ انہیں یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ قیامت آئے گی، اور اس دنیا میں انسان کو اس لئے بھیجا گیا ہے
 تاکہ وہاں کی کامیابی کے لئے کوشش کرے۔ اور آخرت سے ان کی اس غفلت کا سبب بعثت بعد الموت پر عدم ایمان ہے۔
 اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنی ذات میں کیوں نہیں غور کرتے کہ جس خالق و مالک کل نے انہیں پہلی بار پیدا
 کیا، اور پھر ایک حمد و زندگی کے بعد انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا، کیا وہ انہیں دوبارہ پیدا کر کے ان کی دنیا کی زندگی کے اعمال
 کا حساب لینے پر قادر نہیں ہو گا؟ اسی حقیقت کی مزید تاکید کے طور پر آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے
 درمیان کی تمام چیزوں کو معلوم مقصد کی خاطر پیدا کیا ہے، اور ان کی بقاء کی مدت محدود ہے۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو
 یہ ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی اور تمام جن و انسان کو میدانِ محشر میں اللہ کے سامنے جمع ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا، لیکن
 اکثر و بیشتر لوگ اس حقیقت کے منکر ہیں۔

(۳) انہی بعثت بعد الموت کے منکرین سے کہا جا رہا ہے کہ وہ ان گذشتہ قوموں کے علاقوں میں جا کر عبرت کیوں نہیں حاصل
 کرتے، جنہیں اللہ نے ان کے کفر و سرکشی اور انکارِ آخرت کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ وہ لوگ بڑے طاقتور تھے، انہوں نے زمین
 کو اُدھیڑ کر اسے خوب فائدہ اٹھایا تھا، اس میں کاشت کی، اس سے قسم قسم کے معادن نکالے، بڑی بڑی عمارتیں بنائیں، مختلف قسم
 کی چیزیں ایجاد کیں، اور دنیاوی زندگی سے خوب مستفید ہوئے، یہاں تک کہ اپنی شہوتوں کو غلام بن گئے، اپنے خالق کو یکسر
 بھول گئے، اور آخرت ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے ان کی ہدایت کے لئے
 رسولوں کو معجزات اور کھلی نشانیاں دے کر بھیجا، لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کر دی اور اپنے کفر و سرکشی پر جتھے رہے، تو اللہ تعالیٰ
 نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اور ان کا یہ انجام بد ان کے برے اعمال کا نتیجہ تھا، انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، اللہ نے ان پر ظلم
 نہیں کیا تھا۔ یہ تو ان کے ساتھ دنیا میں ہوا، اور آخرت میں ان کا انجام بد ترین ہو گا کہ جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیئے جائیں گے،
 اس لئے کہ دنیا میں وہ لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

(۵) عقیدہ بعثت بعد الموت کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۱﴾ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا إِشْرَاكًا بِهِمْ كُفْرِينَ ﴿۱۲﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِدُ يُتَفَقَهُونَ ﴿۱۳﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَمُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿۱۴﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَفَاتَوْنَا بِآلِ الْآخِرَةِ فَأُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ﴿۱۵﴾ فَسُبْحٰنَ اللَّهِ حِينَ تَسْجُدُونَ وَحِينَ تَقُومُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿۱۷﴾

اور جس دن قیامت (۶) برپا ہوگی اُس دن مجرم لوگ حیران و پریشان ہو جائیں گے ﴿۱۲﴾ اور اللہ کے لئے ٹھہرائے ہوئے اُن کے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا۔ اور وہ خود بھی اپنے شریکوں کا انکار کریں گے ﴿۱۳﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی اُس دن لوگ دو جماعتوں (۷) میں تقسیم ہو جائیں گے ﴿۱۴﴾ پس جو لوگ (دنیا میں) ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کیا ہو گا وہ جنت میں خوش و خرم رہیں گے ﴿۱۵﴾ اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا، اور ہماری آیتوں کی اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی ہوگی، وہ عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے ﴿۱۶﴾ پس تم لوگ اللہ کی پاکی (۸) بیان کرو، جب شام کرو اور جب صبح کرو ﴿۱۷﴾ اور آسمانوں اور زمین میں ہر تعریف صرف اسی کے لئے ہے، اور اس کی پاکی بیان کرو سہ پہر کو اور جب تم دو پہر کرو ﴿۱۸﴾

کارب ہے، اسی نے انسانوں کو پہلی بار پیدا کیا ہے، اور وہی انہیں دوبارہ زندہ کر کے حساب و جزا کے لئے جمع کرے گا۔

(۶) جو لوگ دنیا میں اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کے سلسلے میں جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، جب میدانِ محشر میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، تو اللہ کی رحمت سے بیکرنا امید ہو جائیں گے، اور ایسے مبہوت ہو جائیں گے کہ ان کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی، اور جن معبودانِ باطل کی دنیا میں پرستش کرتے رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے نزدیک ان کے سفارشی بنیں گے، اس دن ان کے کسی کام نہ آئیں گے، اس لئے ان کی ناامیدی اور بڑھ جائے گی، اور اسی ہجوم یا س و ناامیدی میں ان جھوٹے معبودوں کا انکار کریں گے، لیکن اس انکار کا انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

(۷) مرحلہ حساب سے گزرنے کے بعد مومن و کافر الگ الگ ہو جائیں گے، مومنوں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور کافروں کو جہنم کے سپرد کر دیا جائے گا، پھر کبھی جمع نہیں ہوں گے۔ اسی کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہوں گے اور عمل صالح کیا ہو گا وہ جنت کے باغات میں شاداں و فراحاں ہوں گے، اور جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہوگی اور اللہ کی آیتوں اور یومِ آخرت کو جھٹلایا ہو گا انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جو نہ ہلکا ہو گا اور نہ کبھی ختم ہوگا۔

(۸) اوپر کی آیتوں میں مومنوں اور کافروں کا انجام بیان کیا گیا، اس لئے اب حصولِ جنت اور عذابِ جہنم سے نجات کا وسیلہ بیان کرنا مناسب رہا۔ واحدی نے مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰه﴾ "صلوا للہ" یعنی "اللہ کے لئے نماز پڑھو" کے معنی میں ہے۔ محاس کا قول ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں پانچوں نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ ابن مردویہ، عبدالرزاق، ابن جریر اور حاکم وغیرہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں پانچوں نمازوں کے اوقات بیان کئے گئے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ نماز میں اللہ کی پاکی بیان کی جاتی ہے، اور اس کی حمد و ثنا کی جاتی ہے، اسی لئے اسے تسبیح و تحمید

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۗ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۗ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾

وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا^(۹) ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اسی طرح تم لوگ بھی اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے ﴿۱۹﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں^(۱۰) میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر تم انسان بن کر ہر طرف پھیلنے جا رہے ہو ﴿۲۰﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں^(۱۱) تاکہ تم ان کے پاس سکون پاؤ، اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۲۱﴾

تعبیر کیا گیا ہے۔ "تَمْسُونَ" سے مغرب اور عشاء اور "تُصْبِحُونَ" سے فجر مراد ہے۔ اور "عَشِيَاءُ" سے عصر اور "تُظْهِرُونَ" سے نماز ظہر مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ حصول جنت اور عذاب جہنم سے نجات کا سب سے بڑا ذریعہ پانچوں وقتوں کی نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جانب سے تسبیح و تحمید اور طاعت و بندگی کا مستحق اس لئے ہے کہ اس کی ذاتِ قادرِ مطلق ہے، وہ ہر بات، ہر چیز، اور ہر فعل پر بلاشبہ قادر ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، جیسے انسان کو نطفہ سے اور چڑیا کو انڈے سے نکالتا ہے۔ اور نطفہ کو (جس میں بظاہر کوئی جان نہیں ہوتی ہے) انسان سے اور انڈے کو حیوان سے نکالتا ہے۔ اور وہی خشک اور قحط زدہ زمین کو بارش کے پانی کی ذریعہ زندگی دیتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں پودے لپھانے لگتے ہیں، تو جو ذاتِ برحق تمام چیزوں کی پیدائش اور تمہاری پیدائش پر پہلی بار قادر ہے، وہی تمہیں تمہاری قبروں سے دوبارہ نکالنے پر یقیناً قادر ہے۔

(۱۰) انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر اس کے قادر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے، یعنی آدم سے یا نطفہ سے جس کی اصل مٹی ہوتی ہے، اور بظاہر مٹی اور انسان کی ذات و صفات کے درمیان کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی ہے، پھر وہ محض اللہ کی قدرت سے ناطق و متحرک انسان بن کر زمین میں پھیل گیا، اپنے وجود سے کرہ ارضی کو بھر دیا، قلعے بنائے، شہروں کو آباد کیا، خشکی اور تری کے راستے طے کئے، مال و دولت کے حصول کے لئے قریہ قریہ بستی بستی چھان مارا، اور مختلف علوم و فنون ایجاد کئے۔ یہ ساری صلاحیتیں اور قدرتیں مٹی کے بنے جسم میں کس نے ودیعت کی۔ اس کا جواب یقیناً اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ کی ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

(۱۱) انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ اس نے اسی کے جنس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا، تاکہ اس کے قرب و اتصال سے سکون و راحت حاصل کرے، اس لئے کہ محاسنت، محبت و موانست کا باعث ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی کرشمہ ہے کہ جن دوسرے مرد اور عورت میں کبھی کی ملاقات نہیں ہوتی، کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت موجزن ہو جاتی ہے، اور رحمت و ہمدردی کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں، اور ایک دوسرے پر جان نثار کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ سب محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاختلافُ السِّنِّيَّةُ وَالْوَاتِنَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةَ النَّاسِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ۝

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق (۱۲) ہے، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے، بے شک اس میں علم والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۲۲﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سونا (۱۳) ہے اور (جاگ کر) تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں ﴿۲۳﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک (۱۴) دکھاتا ہے جس سے تمہیں ڈر بھی لگتا ہے اور بارش کی امید بھی ہوتی ہے، اور وہ آسمان سے بارش اُتارتا ہے جس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم (۱۵) ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین سے نکلنے کے لئے پکارے گا، تو تم سب یکبارگی نکل پڑو گے ﴿۲۵﴾

(۱۲) اور اس کے قادر مطلق اور وحدہ لا شریک ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان میں پانی جانے والی تمام عجیب و غریب مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ اس نے انسانوں کو ہزاروں قسم کی بولیاں اور زبانیں سکھائیں، اور ہر زبان کو دوسرے سے تمیز بنایا کہ کبھی ایک زبان دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتی، اور اس کے قادر مطلق ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ تمام بنی نوع انسان کی اصل ایک ہی ہونے کے باوجود، قوموں کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اور ہر فرد اپنے چہرے مہرے میں دوسرے سے الگ ہوتا ہے، کوئی دو فرد بشر بھی بالکل ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے اور اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ ذات برحق انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ کے بعث بعد الموت پر قادر ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ لوگ رات میں یادن کے وقت آرام کرنے کے لئے سو جاتے ہیں، اور پھر اٹھ بیٹھتے ہیں تاکہ حصول رزق کے لئے کوشش کریں۔ آدمی کا سو جانا موت کی ہی ایک قسم ہے، اور پھر اللہ کی قدرت و مشیت سے جاگ جانا موت کے بعد زندہ ہونے کے مترادف ہے۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں اور حق کی آواز پر کان دھرنے والوں کے لئے کئی نشانیاں ہیں جو انہیں آخرت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی دعوت دیتی ہیں۔

(۱۴) اور اس کے بعث بعد الموت پر قادر ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ جب اس کی قدرت و مشیت سے فضا میں بجلی چمکتی ہے تو زمین پر رہنے والے انسان ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ بجلی اپنے اندر کوئی ”صاعقہ“ نہ چھپائے ہو جو گر کر ہمیں ہلاک کر دے، اور امید بھی لگائے ہوتے ہیں کہ شاید یہ باران رحمت کا پیش خیمہ ہے۔ اور جب اللہ اپنی مخلوقات پر رحم و کرم کرتے ہوئے بارش بھیج دیتا ہے تو مردہ زمین میں جان آجاتی ہے، پودے لہلہا اٹھتے ہیں اور کھیتیاں آباد ہو جاتی ہیں۔ یہ ساری باتیں عقل و خرد والوں کو دعوت فکرو نظر دیتی ہیں، اور دلیل ہیں کہ اللہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَهٍ قَائِلُونَ ﴿۱۵﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَوَجَّهْنَا لَكَ الْفَضْلَ ﴿۱۶﴾ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۷﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْتَكُمْ فَإِن تُمُوتُوا فِيهِ سَوَاءٌ مَّا تَوَلَّوْهُمْ كَيْفَ تَمُوتُوا أَنفُسُكُمْ كَذَلِكَ نَفْضِلُ الْأَيْدِيَ يَقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۸﴾ بَلِ أَكْثَرُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ مُّصِيرِينَ ﴿۱۹﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اسی کے مملوک (۱۵) ہیں، ہر ایک اسی کا فرمانبردار ہے ﴿۱۶﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ زندہ کرے گا، اور یہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے، اور آسمانوں اور زمین میں وہی اعلیٰ صفت والا ہے، اور وہ بڑا زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۷﴾ وہ تمہیں سمجھانے کے لئے تمہاری ہی ذات سے ایک مثال (۱۷) پیش کرتا ہے، کیا تمہارے غلاموں میں کچھ ایسے ہیں جو ہماری دی ہوئی روزی میں تمہارے ساتھ شریک ہوں، اور تم سب اُس میں برابر ہو، ان غلاموں سے تم اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے برابر کے لوگوں سے ڈرتے ہو، ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ﴿۱۸﴾ بلکہ ظالم (اہل شرک) بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، پس جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون راہ دکھا سکتا ہے، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا ﴿۱۹﴾

(۱۵) اور اس کی قدرت مطلقہ کی یہ بھی دلیل ہے کہ اس نے جب سے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے، بغیر کسی ظاہری سہارے کے محض اللہ کے حکم سے دونوں اپنی اپنی جگہ قائم ہیں، قیامت تک نہ آسمان گر سکتا ہے، اور نہ زمین نیچے جاسکتی ہے۔ اور جب اللہ کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو تمام انسان بغیر کسی توقف کے پوری تیزی کے ساتھ اپنی قبروں اور زمین کے گوشے گوشے سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

(۱۶) آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات پائی جاتی ہیں سب اس کے بندے اور مملوک ہیں۔ اسی نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ ان کا مالک ہے، اور جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ سب کی گردنیں اس کے حکم کے لئے جھکی ہوئی ہیں، اور سب اس کے لئے اپنی بندگی کے معترف ہیں۔ اور وہ جس چیز کو چاہتا ہے بغیر کسی سابق نمونہ کے لفظ "کُنْ" کے ذریعہ پیدا کرتا ہے، اور اس کا وقت مقرر آجانے کے بعد اسے دینا سے اٹھالے گا اور پھر قیامت کے دن اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور یہ کام اس کے لئے بہت ہی آسان ہے، کیونکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار سے آسان ہوتا ہے۔ اور یہ بات انسانی عقل و فہم کو مد نظر رکھتے ہوئے کہی جا رہی ہے، ورنہ اللہ کی قدرت میں کوئی چیز کسی دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں ہے، اس کے کلمہ "کُنْ" کے ذریعہ ہر چیز بلا تاخیر و جود میں آجاتی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ دارِ رفع صفت و تعریف اللہ کے لئے ہے۔ کوئی مخلوق اپنی کسی صفت میں اس کے مانند نہیں ہو سکتی۔

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ﴾ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار سے زیادہ آسان ہے، تو یہ انسانوں کی عقل و فہم کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا گیا ہے، اللہ کی ذات تو اس سے زیادہ اعلیٰ دارِ رفع صفت والی ہے، اس

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَوِيمُ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

پس (اے میرے نبی!) آپ یکسو ہو کر دین اسلام پر قائم (۱۸) رہے، یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے، یہی سچا اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۳۰﴾

کے نزدیک تو تمام چیزوں کا وجود میں آنا برابر اور یکساں ہے۔

(۱۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید کے لئے انسانوں کے حالات زندگی سے ماخوذ ایک مثال پیش کی ہے، کہ تمہارے غلام جو تمہارے ہی جیسے انسان ہوتے ہیں، کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری دی ہوئی روزی میں وہ تمہارے شریک بن جائیں، اور تمہارے برابر بن کر اس میں تمہاری طرح تصرف کریں، اور ان سے تم اسی طرح ڈرنے لگو جس طرح آزاد انسان مال میں تصرف کرتے وقت اپنے دوسرے شریکوں سے ڈرتا ہے۔ جب یہ بات تمہیں پسند نہیں حالانکہ وہ غلام تمہارے ہی جیسے انسان ہوتے ہیں، تو پھر یہ کیسے پسند کرتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اس کے بندوں کو عبادت میں شریک کرو، اور اللہ اس بات کو کیسے پسند کرے گا کہ اس کی مخلوق کے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو اس کا مقابلہ ٹھہرایا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ عقل و ہوش والوں کے لئے اپنی وحدانیت کے دلائل یونہی کھول کر بیان کر دیتا ہے، تاکہ ان میں غور کر کے شرک سے تائب ہوں اور صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اور ان تمام کھلی نشانیوں کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس کی وجہ دلائل و براہین میں کوئی نقص اور کمی نہیں ہوتی بلکہ یہ خواہشات نفس کی اتباع کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور جس کو اللہ اس کے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اس سے اللہ کے عذاب کو کون ٹال سکتا ہے؟

(۱۸) جب اتنے سارے دلائل و براہین کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک اور قادر مطلق ہے، اور اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، تو اے میرے نبی! اور اے مسلمانو! تم سب تمام باطل ادیان سے رخ موڑ کر پورے طور پر دین اسلام پر قائم ہو جاؤ جس کی بنیاد توحید اور عمل صالح پر ہے، اور جو اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو عقیدہ توحید اور دین اسلام پر پیدا کرتا ہے، لیکن خارجی عوارض و موانع کے سبب بہت سے لوگ اس امر فطری سے برگشتہ ہو جاتے ہیں اور کفر و شرک کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، جیسا کہ بخاری و مسلم کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے“۔ اور ایک روایت میں ہے: اس ملت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔ جیسے مادہ چوپایہ ایک مکمل چوپائے کو ضنتی ہے، کیا اس میں کوئی بچہ کان کٹا ہوتا ہے؟ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ اور ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ اس کا کان کاٹ دیتے ہو۔ اس حدیث کی تائید کئی دیگر صحیح احادیث سے ہوتی ہے، جن کا ذکر کتاب الطوائف کا باعث ہو گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ ”مسلمانو! تم لوگ اس فطرت کو نہ بدلو“ بلکہ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعہ اس فطرت کی نشوونما کرو تاکہ بچہ جب بڑا ہو تو عقیدہ توحید پر گامزن ہو اور دین اسلام کا پیرو کار بنے۔ اس لئے کہ یہی اللہ کا وہ سچا دین ہے جس میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن اکثر لوگ

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۹﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۲۱﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمْتَعُوا قَسُوفَ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهَوْاْ بِئْسَ كَلِمٌ بِهِمْ يُلْفُونَ ﴿۲۳﴾

اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے (دین اسلام پر قائم رہو) اور اسی سے ڈرو، اور نماز کو قائم کرو، اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ ﴿۱۹﴾ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے بنا لئے، اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے، ہر گروہ کا جو دین و عقیدہ ہے اس پر خوش ہے ﴿۲۰﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف (۲۰) پہنچتی ہے تو اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پکارتے ہیں، پھر جب وہ انہیں اپنی رحمت کا مزا پکھاتا ہے، تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں ﴿۲۱﴾ تاکہ ہم نے انہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کی ناشکری کریں، پس تم لوگ (چند روز) مزے کرو، عنقریب ہی تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا ﴿۲۲﴾ کیا ہم نے ان کے پاس کوئی دلیل (۲۱) بھیج دی ہے جو انہیں ان شرکاء کی خبر دیتی ہے جنہیں وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ﴿۲۳﴾

اس حقیقت سے بے خبر ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اس صحیح اور سچے دین کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ (۱۹) مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ دین اسلام پر ان کی ثابت قدمی پورے اخلاص کے ساتھ ہو، اور وہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس سے طلب مغفرت کرتے رہیں، اس سے ڈرتے رہیں، اور اپنی نمازوں کی حفاظت کریں، اور کسی حال میں بھی مشرکین میں سے نہ بنیں جنہوں نے دین فطرت (دین اسلام) کو چھوڑ کر سیکڑوں باطل ادیان و مذاہب ایجاد کر لئے، اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے، اور ہر گروہ یہ سوچ کر خوشی میں مگن رہنے لگا کہ اس کا دین سچا ہے، حالانکہ دین اسلام کے سوا کوئی بھی دین صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اب جو شخص بھی راہ ہدایت پر گامزن ہونا چاہے گا، اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ تمام دیگر ادیان و مذاہب، باطل فرقوں اور بدعتوں اور خرافات سے دامن جھاڑ کر دین اسلام کو اختیار کر لے جو اللہ کی آخری کتاب اور خاتم النبیین کی سنت کے مجموعے کا نام ہے۔

(۲۰) کفار مکہ اور دیگر اہل شرک کے سلوک و کردار میں عجیب تضاد پایا جاتا ہے کہ جب انہیں کوئی بیماری، پریشانی یا قحط سالی لاحق ہوتی ہے تو فوراً اللہ کے حضور رور و کر دعائیں کرتے ہیں، اور اپنے تمام باطل معبودوں کو بھول جاتے ہیں، اور جب اللہ ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے تکلیف کو دور کر دیتا ہے، تو ان میں ایک لخت حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو جاتی ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے بتوں کو دوبہانی دینے لگتے ہیں، اور اللہ کے تمام احسانات و انعامات کو یکسر بھول جاتے ہیں اور اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۲۱﴾ ”اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب مزے اڑالو، تمہیں اپنی ناشکری اور شرکیہ اعمال کا انجام قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا“ جب تم ننگے پاؤں اور ننگے بدن اللہ کے سامنے جواب دینے کے لئے کھڑے ہو گے۔ اور اس کے مقابلے میں تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں ہو گا۔

(۲۱) مشرکین اپنے شرک پر کیوں اصرار کرتے ہیں، اور ان کے کردار میں ایسا تین تضاد کیوں پایا جاتا ہے، کیا ہم نے ان کے پاس

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصَبَّهُمْ سَيْئَةٌ بِمَا قَدَّمْتَّ إِلَيْنَا يَدْعُوا رَبَّهُمْ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصَبَّهُمْ سَيْئَةٌ بِمَا قَدَّمْتَّ إِلَيْنَا يَدْعُوا رَبَّهُمْ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصَبَّهُمْ سَيْئَةٌ بِمَا قَدَّمْتَّ إِلَيْنَا يَدْعُوا رَبَّهُمْ ۝ أُولَئِكَ يَدْعُونَ ۝
 اللَّهُ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قَالَتِ الْقُرْبَىٰ حَقًّا وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ
 السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ (۲۲) چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتے ہیں، اور جب انہیں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت جلد ناامید ہو جاتے ہیں ﴿۳۶﴾ کیا لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ جس کی چاہتا ہے روزی (۲۳) بڑھا دیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے، بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں ﴿۳۷﴾ پس اے میرے نبی! آپ رشتہ دار کو اس کا حق (۲۴) دیجئے، اور مسکین کو اور مسافر کو، یہ کام ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۳۸﴾

کوئی صریح اور واضح دلیل بھیج دی ہے جو انہیں شرک کی طرف بلاتی ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سوائے تقلید آباء اور کفر و عناد کے اور کوئی سبب نہیں ہے۔

(۲۲) بالعموم بنی نوع انسان کا حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے صحت و روزی اور دیگر نعمتوں سے نوازتا ہے، تو لوگوں کے سامنے فخر کرنے لگتا ہے، اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اسے اپنی عقل و دانش کا نتیجہ بتانے لگتا ہے، اور جب اس کے کرتوتوں کی پاداش کے طور پر اس پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو اللہ کی رحمت سے یکدم ناامید ہو جاتا ہے، لیکن اہل ایمان عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں، انہیں جب پریشانی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرتے ہیں، اور جب اللہ کی نعمت ملتی ہے تو نیک اعمال کی طرف مزید توجہ کرتے ہیں۔ سورہ ہود آیت (۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِلَّا الَّذِينَ هَمَزُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ جو اہل ایمان صبر اور عمل صالح کو اپنا شیوہ بناتے ہیں ”وہ نہ فخر کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا حال بھی عجیب ہے، اللہ کا ہر فیصلہ اس کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے اور یہ مرتبہ مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوشی ملتی ہے اور شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور صبر کرتا ہے تو بھی اس کے لئے بہتر ہے۔“

(۲۳) یہ استفہام انکاری ہے کہ جو لوگ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں، کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ جس کی چاہتا ہے روزی بڑھا دیتا ہے، اس کی رحمت کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، اور جس کی چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے، وہی مصلحتوں کو جانتا ہے۔ اس لئے بندوں کو چاہئے کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، اور گناہوں سے تائب ہو کر اس سے طلب مغفرت کریں تاکہ وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کا دروازہ دوبارہ کھول دے۔

(۲۴) جب روزی دینے والا اللہ ہے، اور اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، تو بندے کو چاہئے کہ وہ نکل اور تنگ دلی سے کام نہ لے، اور اس ایمان کے ساتھ زندگی گزارے کہ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے، اس لئے اگر اللہ نے اسے روزی دی ہے تو اپنے رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو فراموش نہ کرے۔ اس کے مال میں اللہ تعالیٰ نے جن رشتہ داروں کے حقوق واجب کئے ہیں، انہیں خوش دلی کے ساتھ ادا کرے، اور ان واجب حقوق کے علاوہ بھی ان سب کا حسب مراتب مالی تعاون کرتا رہے۔ اسی طرح اس کے ارد گرد جو محتاج و مسکین لوگ ہوں، ان کی ضرورتوں کا بھی حتی المقدور خیال رکھے۔ اور اگر کسی مسافر کو زائرہ

وَمَا آتَيْتُم مِّن زَبَالٍ يُرِيوُا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرِيوُا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَوٰتٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ
 وَأَوْلِيٰكُمْ هُمْ الْمُضْعِفُونَ ۝ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيدِكُمْ ثُمَّ يُمَيِّدُكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَفْعَلُ
 مِثْلَٰهُ مِن ذَلِكُمْ مِّن شَيْءٍ ۚ سُبْحٰنَ ۙ وَعَلَىٰ عِبَادٍ يُشْرِكُونَ ۝ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ
 بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

اور تم لوگ جو سود (۲۵) دیتے ہو، تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، ایسے ہی لوگ اُسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں ﴿۳۰﴾ وہ اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا (۲۶) کیا ہے، پھر تمہیں روزی دی ہے، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہے، اس کی ذات پاک و بے عیب ہے، اور ان کے شرک سے بہت بلند ہے ﴿۳۰﴾ خشکی اور تری میں فساد (۲۷) پھیل گیا ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو لوگوں نے کئے ہیں، تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض بد اعمالیوں کا مزہ اچکھائے، شاید کہ وہ (اپنے رب کی طرف) رجوع کریں ﴿۳۱﴾

وغیرہ کی کمی ہو جائے تو اس کی بھی مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا کرنا اللہ کی رضا طلب کرنے والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے، اور وہی لوگ دنیا و آخرت میں فائز المرام ہوں گے۔

(۲۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، ضحاک اور قتادہ وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس نیت سے ہدیہ دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں اس سے بہتر کوئی چیز دے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا، لیکن دنیاوی طور پر اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

ابن عباس اور عکرمہ کہتے ہیں کہ ربا کی دو قسمیں ہیں: ایک خرید و فروخت کی ربا، جو شرعاً حرام ہے۔ اور دوسری کسی کو اس نیت سے ہدیہ دینا کہ وہ اسے اس سے بہتر بدلہ دے تو یہ جائز ہے۔

اور اگر کوئی شخص صدقہ و خیرات اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے، تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے اس کا بدلہ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے اور بسا اوقات وہ بڑھ کر سات سو گنا زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے مشرک بندوں کو مخاطب کر کے زجر و توبیح کے طور پر فرمایا کہ اللہ نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے، اور تمہیں روزی دی ہے، وہی تمہیں ایک عمر مقرر گزار لینے کے بعد موت دے گا، اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا۔ تمہارے باطل معبودوں میں سے کوئی بھی ان باتوں کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ تو پھر تم ایک اللہ کے بجائے ان بتوں کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ اللہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، اور اس سے بہت ہی بالا و برتر ہے کہ جھوٹے معبود اس کے ساجھی بنائے جائیں۔

(۲۷) بحر و بر میں سب سے بڑا اثر و فساد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا جائے، اس کی شریعت کو بالائے طاق رکھ کر زندگی گزاری جائے، حلال و حرام کی تمیز اٹھادی جائے جس کے نتیجے میں لوگوں کی جان، مال اور عزت محفوظ نہیں رہتی اور ان کے شامت اعمال کے طور پر اللہ تعالیٰ ان پر قحط سالی، مہنگائی، جنگ و جدال اور فتنہ و فساد کو مسلط کر دیتا ہے، اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ شاید ان دنیاوی سزاؤں سے متاثر ہو کر لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے گناہوں سے تائب ہوں، گویا اس میں بھی

قُلْ سِيدُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۖ ذَاقُوا وَجْهَكَ لِلدِّينِ
الْقَئِيمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصْطَكُ عُنُوقُ ۖ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلَا نَفْسَ هُمْ بِمُهْدُونَ ۗ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِنَا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۗ وَمَنْ آتَاهُ أَنْ
يُرْسِلَ إِلَيْكُمْ مَبَشِّرًا فَوَيْلٌ لَكُمْ مِنَ رَحْمَتِهِ ۗ وَلِيَجْزِيَ الْفَالِكُ بِأَمْرِهِ ۗ وَلِيَتَّبِعُونَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۗ

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ زمین میں چلو (۲۸) اور جا کر دیکھو کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا، ان میں سے اکثر لوگ مشرک تھے ﴿۳۲﴾ پس اے میرے نبی! آپ درست دین (دین اسلام) پر قائم (۲۹) ہو جائیے، اُس دن کے آنے سے پہلے جسے اللہ کی طرف سے کوئی نال نہیں سکتا ہے، جس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے ﴿۳۳﴾ جو آدمی کفر (۳۰) کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر آئے گا، اور جو لوگ نیک عمل کریں گے وہ اپنے ہی لئے بھلائی کی راہ ہموار کریں گے ﴿۳۴﴾ تاکہ اللہ ایمان اور عمل صالح والوں کو اپنے فضل سے اچھا بدلہ دے، وہ یقیناً کافروں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۳۵﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں (۳۱) کو بارش کی خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے، اور تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزا چکھائے، اور تاکہ کشمکش (سندر میں) اس کے حکم سے چلیں، اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور شاید کہ تم اس کا شکر ادا کرو ﴿۳۶﴾

اللہ کی رحمت ہی مضمحل ہوتی ہے۔

(۲۸) نبی کریم ﷺ کی زبانی کفار مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ تم لوگ زمین میں گھوم کر ان قوموں کا انجام اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھ لیتے جو تمہاری طرح مشرکین تھے، اور اپنے انبیاء کی دعوت تو حید کا انکار کر دیا تھا، تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا تھا، اور ان کی بستیوں کے کھنڈرات اب تک ان کی ذلت و رسوائی کی گواہی دے رہے ہیں۔

(۲۹) کفر و شرک کی تباہ کاریوں کو بیان کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی راہ نجات یعنی دین اسلام کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، اور انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ دنیا و آخرت کی برابریوں سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو دین و شریعت کی حیثیت سے قبول کر لیں اور اپنی زندگی میں اس کے احکام کو جاری و ساری کر لیں، اس روز قیامت کے آنے سے پہلے جب فرصت عمل ختم ہو جائے گی، اور لوگ دو جماعتوں میں بٹ جائیں گے، ایک جماعت جنت میں بھیج دی جائے گی اور دوسری جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دی جائے گی، جیسا کہ اسی سورت کی آیت (۱۳) میں آیا ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِنُونَ بِتَقَرُّونَ﴾ "جس دن وہ ساعت برپا ہوگی، اس دن سب انسان گروہوں میں بٹ جائیں گے۔"

(۳۰) یہ دنیا دار العمل ہے، یہاں انسان کو اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ آخرت کی کامیابی کے لئے کوشش کرے، تو جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کرے گا، قیامت کے دن اُسے اپنے کفر کا مزا چکھنا ہوگا، اس لئے کہ اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اور جو لوگ نیک عمل کریں گے وہ اپنے لئے جنت میں گھر بنائیں گے، تاکہ قیامت کے دن اللہ انہیں اپنے فضل و کرم سے وہاں بھیج کر ان کے ایمان و عمل صالح کا اچھا بدلہ دے۔

(۳۱) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی قدرت مطلقہ کی ایک دلیل "ہوا" ہے، جسے اللہ بارش بھیجنے سے پہلے بطور خوشخبری بھیجتا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَنْتَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أُجْرَبُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُفْثِرُ سَحَابًا فَيَسْطُرُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ سَفَاً فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلْقِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنَ قَبْلِهِ لَكَيْبِلِينَ ۝ فَانظُرْ إِلَى ثَمْرِهِمْ لِيُحْيِيَ الْآرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَلِكَ لَكُنْجِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء (۳۲) کو ان کی قوموں کے پاس بھیجا تھا، جو ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پس جن لوگوں نے جرم کیا ان سے ہم نے انتقام لیا، اور ہم پر مومنوں کی تائید و نصرت واجب تھی ﴿۳۷﴾ وہ اللہ ہے جو ہواؤں (۳۳) کو بھیجتا ہے، وہ (ہوائیں) بادل کو حرکت دیتی ہیں، پھر اللہ اس بادل کو آسمان میں جیسے چاہتا ہے بکھیر دیتا ہے، اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پس آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے درمیان سے بارش کے قطرے نکلنے لگتے ہیں، پس جب اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اُسے برساتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور وہ لوگ بارش ہونے سے پہلے بڑے ناامید ہو چکے تھے ﴿۳۹﴾ پس اللہ کی رحمت کے آثار دیکھئے کہ وہ کس طرح زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتا ہے، بے شک وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۵۰﴾

ہے، اور آدمی کو امید ہو جاتی ہے کہ اب جلد ہی بارش ہوگی۔ ہوا کو اس طرح چلانے پر صرف اللہ قادر ہے، تاکہ باران رحمت نازل کر کے لوگوں کے لئے ان کی روزی مہیا کرے، اور تاکہ سمندر میں کشتیاں اس کے حکم سے ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان تجارت لے کر منتقل ہوتی رہیں، اور لوگ مختلف ممالک میں تجارتی سامانوں کی خرید و فروخت کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کریں، اور اپنے رب کا شکر ادا کریں۔

(۳۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیاء و رسل کو اپنی پیغام رسانی کے لئے مبعوث کیا تھا، جیسے نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم السلام اور دیگر انبیاء کے رام اور ان کی تائید و تصدیق کے لئے انہیں آیات و معجزات بھی دیئے تھے، تو جن قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور جو لوگ ایمان لے آئے انہیں بچالیا، اس لئے کہ مسلمانوں کی تائید و نصرت ہم نے اپنے اوپر فرض کر لی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں کفار قریش کے لئے جھمکی ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کفر و شرک سے تائب نہیں ہوئے تو ان کا انجام بھی انہی قوموں جیسا ہوگا۔ اور ہر دور میں مومنوں کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ انہیں عزت و غلبہ دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت (۱۳۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿۱﴾ ”اگر تم مومن ہو گے تو تم ہی غالب رہو گے، اور تم ہی کو برتری حاصل ہوگی“۔

(۳۳) آیات (۵۰/۴۹/۳۸) میں بحث بعد الموت اور قیامت کے دن جزا و سزا کے عقیدے کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ہوا کو بھیجتا ہے جو بادل کو حرکت دیتی ہے، اور وہ بادل اس کے حکم سے فضا میں اس کی حکمت و مصلحت کے مطابق پھیل

وَلَيْنَ أَرْسَلْنَا رِمَافًا رُكُودًا مُمْضِيًا أَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ • فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا كَانُوا مُدْبِرِينَ • وَمَا أَنْتَ بِعِلْمِ الْعَمِيِّ عَنْ صَلَاتِهِمْ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مُسْلِمُونَ ۞ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ

اور اگر ہم ایک دوسری قسم کی ہوا بھیج دیں (۳۴) جس کے اثر سے وہ اپنی کھیتوں کو زرد دیکھنے لگیں، تو اس کے بعد ناشکری کرنے لگتے ہیں ﴿۵۱﴾ پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں، اور نہ گونگوں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جب وہ آپ سے پیٹھ پھیر کر چل دیں ﴿۵۲﴾ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے روک کر راہِ راست پر لا سکتے ہیں، آپ تو صرف انہیں سنا سکیں گے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے ﴿۵۳﴾ وہ اللہ ہے جس نے تم سب کو کمزور پیدا (۳۵) کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت دی، پھر قوت کے بعد کمزور اور بوڑھا بنا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور وہ تو بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿۵۴﴾

جاتا ہے، کہیں گمراہ ہوتا ہے تو کہیں ہلکا، کہیں زیادہ ہوتا ہے تو کہیں کم۔ پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ اس کے ٹکڑے بنا دیتا ہے جن کے درمیان سے بارش کی بوندیں نکل نکل کر سطحِ زمین پر گرتی ہیں، اور لوگ بارانِ رحمت پاکر خوشیاں منانے لگتے ہیں، اور خشکی اور قحطسالی کی وجہ سے انہیں جو حزن و ملال لاحق ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ آیت (۵۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح وہ زمین کو بارانِ رحمت کے ذریعہ زندگی دیتا ہے اور اس میں سبزے لہلہانے لگتے ہیں، اسی طرح وہ قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ زندگی عطا کرے گا، اس لئے کہ وہ ذاتِ برحق ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳۴) اگر اللہ تعالیٰ کبھی لہلہاتی کھیتوں پر بطور آزمائش تیز و تند گرم یا سرد ہوا بھیج دیتا ہے، جو انہیں نیست و نابود کر دیتی ہے، تو کافر انسان اللہ تعالیٰ کی تمام سابقہ نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور یکدم ناشکری پر اتر آتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ ہم نے تو کبھی خوشی دیکھی ہی نہیں، ہم تو ہمیشہ اللہ کی طرف سے آزمائش میں ہی رہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کا حال ان سے مختلف ہوتا ہے۔

آیت (۵۲) میں اللہ تعالیٰ نے انہی بعث بعد الموت کے منکرین کفارِ قریش کو مُردوں اور بہروں سے تشبیہ دی ہے، اور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ جس طرح مُردے اور بہرے کسی کی پکار نہیں سنتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی آپ کی دعوتِ حق کو نہیں قبول کریں گے، اور آپ کی نصیحتوں کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ﴿إِذْ أَوْفَوْا مُذَبَّرِينَ﴾ میں کفارِ قریش کے شدتِ امتناع اور شدتِ اعراض کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص رُک کر پکارنے والے کی آواز سنتی چاہے تو شاید وہ آواز اس کے دل پر اثر کر جائے، لیکن جو شخص اپنے کانوں کو بند کئے پیچھے مڑ کر بھاگتا ہی چلا جائے تو اس سے کہاں امید کی جاسکتی ہے کہ پکارنے والے کی آواز اس پر اثر انداز ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت سے اعراض کرنے میں اہل قریش کی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔

آیت (۵۳) میں اللہ تعالیٰ نے اہل قریش کی مزید ایمانی ابترا بیان کرنے کے لئے انہیں اندھوں سے تشبیہ دی ہے کہ ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں، اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں، انہیں آپ سیدھی راہ پر نہیں لا سکتے ہیں۔ آپ کی

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْبِمُ الْمُجْرِمُونَ ۗ مَا لِيَشُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُفَكِّهُونَ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۖ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ
الَّذِينَ ظَلَمُوا عِذْرَهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۖ

اور جس دن قیامت (۳۶) آئے گی، مجرمین قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں صرف ایک گھڑی ٹھہرے تھے، اسی طرح وہ دنیا میں بھی دھوکہ اور فریب میں پڑے رہے ﴿۵۵﴾ اور جنہیں علم و ایمان کی دولت (۳۷) دی گئی تھی وہ کہیں گے کہ تم لوگ اللہ کی کتاب کے مطابق حشر کے دن تک ٹھہرے رہے، تو یہ ہے حشر کا دن، لیکن تم لوگ جانتے نہ تھے ﴿۵۶﴾ پس آج ظالموں کی معذرت ان کے کام نہ آئے گی، اور نہ ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا ﴿۵۷﴾

دعوتِ حق کو وہ لوگ قبول کریں گے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں، کیونکہ انہی کے دل و دماغ آپ کی آواز پر لپک کہنے کے لئے تیار ہیں اور وہی ہماری نشانیوں میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

(۳۵) اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو بالعموم اور کفار قریش کو بالخصوص مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ بے بعد الموت کا کیسے انکار کرتے ہو؟ کیوں اس سوء ظن میں مبتلا ہو کہ ہم انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر تم لوگ اپنی تخلیق کے مراحل پر غور کر لیتے تو ایسی غلطی نہ کرتے۔ تمہارا جب کوئی وجود نہیں تھا تو ہم نے تمہیں ایک نطفہٴ حقیر سے پیدا کیا۔ پھر بچپن کے مرحلے سے گزار کر جوان بنایا، پھر بوڑھا بنایا، اور اتنا بوڑھا بنایا کہ حسرت و یاس نے تمہارے چہروں پر ڈیرے ڈال دیئے اور کمزوری و ناتوانی کی تم ایک تصویر بن کر رہ گئے، اور پھر موت نے تمہیں آدو بچا۔ تو جو ذاتِ برحق تمہیں عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے، کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا؟ اس سے زیادہ بھونڈی اور بے عقلی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

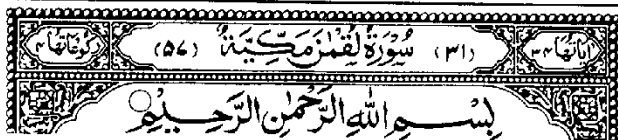
(۳۶) قیامت کے دن کفر و شرک اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والے مجرمین قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے تھے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بولیں گے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح وہ لوگ دنیا میں اتباعِ دینِ حق سے محروم کر دیئے گئے تھے، اسی طرح انہیں میدانِ محشر میں سچی بات زبان پر لانے کی توفیق نہیں ہوگی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کفار میدانِ محشر میں اللہ کی قسم کھا کر یہ بات اس لئے کہیں گے تاکہ ان کے خلاف جہت نہ قائم ہو، گویا وہ یہ کہنا چاہیں گے کہ انہیں تو فرصتِ عمل ملی ہی نہیں تھی اس لئے انہیں معذور جانا جائے۔

(۳۷) جو اہل ایمان علماء دنیا میں منکرینِ قیامت کو ایمان و عمل کی دعوت دیتے رہے تھے اور کوشش کرتے رہے تھے کہ وہ لوگ آخرت پر ایمان لے آئیں، ان کی کذب بیانی بن کر کہیں گے کہ تمہیں تو لوحِ محفوظ میں ثابت شدہ اللہ کے علم کے مطابق قیامت کے دن تک کی مہلت دی گئی تھی، آج وہی قیامت کا دن اور احتساب کی گھڑی ہے، اور اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق تمام بنی نوع انسان کو دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر میں جمع کر دیا ہے، جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے۔

آیت (۵۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس دن مشرکین، منکرینِ ربوبیت اور منکرینِ رسالتِ محمدیہ کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جرائم کا ارتکاب جہالت و نادانی کی وجہ سے کرتے رہے تھے، اور نہ انہیں دوبارہ مہلت دی جائے گی کہ توبہ اور عملِ صالح کے ذریعہ گزشتہ گناہوں کی تلافی کر لیں۔

وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَكِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيُقَوِّنَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ أَنْتُمْ
 الْإِمْبِطُونَ ۝ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ
 لَا يُؤْقِنُونَ ۝



اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال (۳۸) بیان کی ہے، اور چاہے آپ لوگوں کے سامنے کوئی بھی نشانی پیش کر دیں، جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ یہی کہیں گے کہ (مسلمانو!) تم جھوٹے ہو ﴿۵۸﴾ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو بے علم ہوتے ہیں ﴿۵۹﴾ پس اے میرے نبی! آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور (اللہ پر) یقین نہ رکھنے والے آپ کو ہلکا نہ سمجھ لیں ﴿۶۰﴾

سورہ لقمان مکی ہے، اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(۳۸) بعث بعد الموت، قیامت کے دن کے حساب اور جزا و سزا اور دیگر مشاہد آخرت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے اس قرآن میں بہت سی مثالیں بیان کر دی ہیں جو توحید باری تعالیٰ، صداقت انبیاء اور بعث بعد الموت جیسی حقیقتوں کی پوری وضاحت کرتی ہیں، اور کوئی شک و شبہ نہیں چھوڑتی ہیں۔ لیکن اہل کفر و شرک کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے، اور عناد و سرکشی کی وجہ سے موسیٰ و عیسیٰ جیسی نشانوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنی سرکشی میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ اگر آپ ان کے کہنے کے مطابق کوئی نشانی پیش بھی کر دیں گے تو انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور کہیں گے کہ یہ بھی کوئی جادو اور دھوکہ دہی ہے۔

آیت (۶۰/۵۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ صدق نیت کے ساتھ حق کے طالب نہیں ہوتے، اللہ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے۔ اگر آپ ان کے سامنے ہزار نشانیاں پیش کر دیں گے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے میرے نبی! آپ صبر و استقامت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہئے، اور یقین رکھئے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، وہ اپنے رسولوں کو تمہا نہیں چھوڑتا ہے، ان کی مدد ضرور کرتا ہے اور بالآخر عزت و غلبہ انہی کو حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ سورہ الصافات آیت (۱۷۱/۱۷۲/۱۷۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾ ”اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً وہی مدد کئے جائیں گے، اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا“۔

اے میرے نبی! مشرکین کا عناد اور کفر پر ان کا اصرار، اور آپ کے خلاف ان کی سازشیں کہیں آپ کو طیش، عدم صبر اور عدم بردباری میں نہ مبتلا کر دیں جو آپ کے شایان شان نہیں۔ آپ کے رب کا وعدہ برحق ہے، وہ آپ کی اور آپ کے مومن

الْعَزَّ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

آئم (۱) ﴿۱﴾ یہ اس (۲) کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمتوں کا خزانہ ہے ﴿۲﴾ نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ﴿۳﴾ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں، اور زکاۃ دیتے ہیں، اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں ﴿۳﴾ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۵﴾ ساتھیوں کی ضرورت مدد کرے گا، اور انجام کار آپ ہی لوگ غالب رہیں گے۔ وباللہ التوفیق.

تفسیر سورۃ لقمان

نام: اس سورت میں لقمان حکیم کا قصہ مذکور ہے، جن کی حکمت و دانائی کی باتوں اور ان کی نصیحتوں کو قرآن کریم نے بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ”لقمان“ رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ بھی نکی سورت ہے۔ اس میں بھی شرک کی تردید اور توحید کا اثبات مختلف پیرائے میں کیا گیا ہے، جو کئی سورتوں کا خاصہ ہے۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے انکارِ شرک پر خاص زور دیا تھا، اور کہا تھا کہ شرک ظلمِ عظیم ہے۔

(۱) آئم: جیسا کہ بارہا لکھا جا چکا ہے، حروف مقطعات کا معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔
(۲) اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت و اہمیت بیٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ”تلك“ سے اشارہ قرآن کریم کی آیتوں کی طرف کیا گیا ہے، اور علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ اشارہ قریب کے بجائے اشارہ بعید استعمال کرنے سے مقصود قرآن کریم کی عظمت کا اظہار ہے۔

اور ”حکیم“ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں: قرآن حکمتوں سے بھری کتاب ہے، قرآن کتابِ محکم ہے، یعنی قیامت تک کوئی کتاب اسے منسوخ نہیں کرے گی، اور قرآن کتابِ محکم ہے، یعنی ہر قسم کے نقص و خلل اور اپنے اخبار و احکام میں تناقض و تضاد سے یکسر پاک ہے۔

اور یہ کتابِ عظیم نیک عمل کرنے والوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور باعثِ رحمت ہے۔ مفسرین نے یہاں ”محسن“ کے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک محض نیک عمل کرنے والا، اور دوسرا وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت اس طور پر کرتا ہے جسے حدیثِ جبریل میں ”إحسان“ کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

آیت (۳) میں ان عمل صالح کرنے والوں کی تین خصوصی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مقصود ان تینوں صفات کی اہمیت و عظمت بیان کرنی ہے۔ یعنی ان تینوں صفات کے بغیر صفحہ احسان کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اور آیت (۵) میں ان صفات والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اپنے رب کے صحیح راستے پر ہیں، اور یہی جہنم سے نجات پا کر جنت کے حقدار بنیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۱۵۳﴾ وَإِذْ أَنْتَلَىٰ عَلَيْهٖ إِلْتِنَا وَلَىٰٓ مُسْتَكَرًا كَأَنَّ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِيٓ أذُنَيْهِ وَقُرْٓأُ فَبَشَّرَهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۱۵۴﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو اللہ سے غافل^(۳) کرنے والی بات خرید کر لاتا ہے تاکہ بغیر سمجھے جو اللہ کے بندوں کو اس کی راہ سے بھٹکائے، اور اس راہ کا مذاق اڑائے، ایسے لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے ﴿۱۱۵۳﴾ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو مارے تکبر کے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں ہے، گویا کہ اس کے دونوں کان بہرے ہیں، پس آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۱۱۵۴﴾

(۳) اوپر کی آیتوں میں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر ہوا ہے جن کی زندگی اللہ کی یاد میں گذرتی ہے، اور جو ہر قسم کی لغویات سے دور رہ کر فکرِ آخرت میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کے برعکس کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو فکرِ آخرت سے غافل، لہو و لعب، رقص و سرود اور دنیا کی لذتوں میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں انہی کا ذکر آیا ہے، کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ذکرِ الہی اور فکرِ آخرت کے بدلے کھیل کود، گانا بجانا، ہنسی مذاق، جموٹے قصوں اور ہر اُس امر منکر کو اپنا لیتے ہیں جو انہیں اور غیروں کو اللہ کی سیدھی راہ سے ہٹا کر شیطان کی راہ پر ڈال دیتے ہیں اور وہ اپنے کئے کے انجام سے اور اس ذلت و عار اور عذابِ نار سے بے خبر ہوتے ہیں جو موت کے بعد ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد گانا اور موسیقی ہے۔ صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔ امام بخاری نے ”الادب المفرد“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد ہر ناحق بات ہے، اور یہ آیت نضر بن حارث بن علقمہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو عراق و شام جا کر قیصر و کسریٰ کی حکایات کی کتابیں لایا تھا اور کفارِ قریش کو سنا کر قرآن سے انہیں دور رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد گانا ہے۔ نضر بن حارث نے لوگوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے ایسی لوٹنیاں بھی خرید رکھی تھیں جو رقص و سرود میں ماہر تھیں۔ جب اسے مکہ کے کسی اہم آدمی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ اسلام و قرآن سے متاثر ہو رہا ہے تو اس کے پیچھے اپنی کسی لوٹنی کو لگا دیتا جو اسے اپنی محفلوں میں بلاتی اور اسلام کی طرف سے اس کی توجہ پھیر دیتی۔ حکایات و خرافات اور رقص و سرود کی ان محفلوں میں اسلام کا مذاق بھی اڑایا جاتا تھا تاکہ لوگ اس کی طرف سے بالکل ہی برگشتہ ہو جائیں۔ اور ہر زمانے میں جب بھی کوئی شخص اسلام سے دور ہو کر شیطان کی راہ پر لگا اور اس نے رقص و سرود کی محفلیں جمائیں تو بالعموم ایسی محفلوں میں اسلام کا مذاق اڑایا جاتا رہا، اس پر پھبتیاں کسی جاتی رہیں اور طرح طرح کے اوجھے جملے چست کئے جاتے رہے، تاکہ لوگوں کو اسلام سے دور رکھا جائے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں رسوا کن عذاب دیا جائے گا۔

آیت (۷) میں ان لہو و لعب اور رقص و سرود کے دیوانوں کی ایک لازمی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو کبر و غرور کے مارے پیٹھ پھیر کر ایسا بھاگ پڑتے ہیں کہ جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں، جیسے ان کے دونوں کانوں میں ڈاٹ پڑی ہے اور بہرے ہو گئے ہیں کہ کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فِيهَا مِنْ ثَمَرَاتٍ أُكْلَتْ دَائِبَةً وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ مِمَّا حَشَرْنَا هَذَا أَخْلَقْنَا اللَّهُ فَارُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَقَدْ آتَيْنَا لَقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّا نزيدُهُ وَإِنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَمِيدٌ ۝

بے شک جو لوگ ایمان (۳) لے آئے ہیں اور انہوں نے عمل صالح کیا ہے ان کے لئے نعمتوں سے بھری جنتیں ہیں ﴿۸﴾ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۹﴾ اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں (۵) کے پیدا کیا ہے جنہیں تم دیکھ سکو، اور زمین پر پہاڑ رکھ دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں جھکولے کھلائے، اور اس پر ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہم نے آسمان سے بارش برسایا جس کے ذریعہ زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں آگائیں ﴿۱۰﴾ یہ اللہ کی تخلیق ہے، تو اب تم لوگ مجھے دکھاؤ کہ اُس کے سوا دوسرے جھوٹے معبودوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ بلکہ ظالم مشرکین کھلی گمراہی میں ہیں ﴿۱۱﴾ اور ہم نے لقمان کو حکمت (۱) دی تھی کہ اللہ کا شکر ادا کرو، اور جو شکر گزار ہوتا ہے، تو اس کا فائدہ اُسے ہی پہنچتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز، تمام تعریفوں والا ہے ﴿۱۲﴾

(۳) ایمان اور عمل صالح والوں کو پہلے عمومی خوشخبری دی گئی کہ وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں، اور یہاں اُن سے صریح وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ گوناگوں نعمتوں والی جنتوں میں داخل کئے جائیں گے، جن میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا یہ وعدہ برحق ہے، اور وہ ہر حال میں غالب اور اپنے تمام اقوال و افعال میں صاحب حکمت ہے۔

(۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت و حکمت کے چار مظاہر بیان کئے ہیں، اور پھر آیت (۱۱) میں مشرکین مکہ کو دعوت و فکر و نظر دی ہے کہ اللہ کے سوا جن باطل معبودوں کی تم لوگ پرستش کرتے ہو، انہوں نے تو کچھ بھی پیدا نہیں کیا ہے، پھر کیوں تم انہیں اپنا معبود مانتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر نظر آنے والے ستونوں کے سہارے قائم کر رکھا ہے۔ اس نے محض اپنی قدرت سے نظامِ جاہلیت کے ذریعہ انہیں ان کی متعین جگہوں میں ثابت کر دیا ہے۔ زمین پر پہاڑوں کے کھوٹے گاڑ دیئے ہیں تاکہ زمین ہلنے نہ پائے، ورنہ کوئی چیز اپنی جگہ باقی نہ رہتی، اور اس پر رہنے والے انسانوں اور دیگر حیوانات کو سکون و قرار حاصل نہیں ہوتا، ان کی زندگی دھور بھور ہو جاتی، اور اس نے مختلف قسم کے جانور پیدا کر کے انہیں زمین کے تمام گوشوں میں پھیلا دیا ہے۔ اور اس نے آسمان سے بارش بھیجا جو انسانوں اور جانوروں کی زندگی کے لئے از بس ضروری ہے، اور اس کے ذریعہ زمین میں قسم قسم کی غذائیں اور دوائیں پیدا کیں جو انسانی زندگی کے لئے بہت ہی نافع ہیں۔ ان تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ ہے، ان کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اس لئے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ لیکن ظالم مشرکین ضلالت و گمراہی کی مہیب وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ وہ اللہ کی ان مخلوقات میں غور و فکر کر کے تمام باطل معبودوں سے رشتہ توڑ کر اپنی

وَاذْ قَالِ لِقْمٰنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعٰوِضُكَ يٰ بُنَيُّ لَا تَشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت (۷) کرتے ہوئے کہا، اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنا، بے شک شرک ظلم عظیم ہے ﴿۱۳﴾

جبین نیاز اللہ کے سامنے جھکا دیں۔

(۶) آیات (۱۳/۱۲) میں لقمان اور اس حکمت کا ذکر آیا ہے جو اللہ نے انہیں عطا کی تھی۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ لقمان نبی نہیں تھے، بلکہ ایک حکیم ودانا انسان تھے، جنہیں اللہ نے بذریعہ الہام حکمت ودانائی کی بہت سی مفید باتوں اور نافع افکار سے نوازا تھا، جن میں سرفہرست شرک باللہ کا انکار اور توحید ربوبیت و توحید الوہیت کا اعتراف تھا۔ بیشتر مفسرین کے قول کے مطابق یہ مصر کے سوڈانی علاقے کے رہنے والے تھے، اور ایک قول کے مطابق داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے لئے قاضی مقرر کئے گئے تھے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قوم عاد پر عذاب آنے کے بعد جو مسلمان بچ گئے تھے، انہی خاندانوں کے ایک فرد تھے۔ بعد میں یہ لوگ یمن میں بس گئے تھے اور وہاں کے بادشاہ بن گئے تھے۔ لقمان بھی انہی بادشاہوں میں سے ایک تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ توتے سوڈان مصر کے کسی خاندان کے ایک فرد، لیکن مدین یعنی موجودہ عقبہ کے علاقے میں رہتے تھے جس کے سبب ان کی زبان عربی تھی اور ان کی حکمت کی باتیں عربوں میں مشہور ہوئیں۔

یہاں حکمت سے مراد دین کی سمجھ، صائب الرائے ہونا، ہر دم اللہ سے ڈرتے رہنا اور اسی کے ذکر و فکر میں لگے رہنا ہے۔ مفسرین کے ایک قول کے مطابق ”حکمت“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا ہے۔ گویا راس الحکمت یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے رب کا شکر گزار ہے۔ اس کی تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو یاد کر کے اپنے قول و عمل کے ذریعہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا جو اپنے رب کا شکر گزار ہوتا ہے، اس کا فائدہ بہر حال اسی کو پہنچتا ہے، اس کا خالق و مالک اس سے خوش ہوتا ہے، اور اسے مزید دنیوی اور اخروی نعمتوں سے نوازتا ہے، اور جو شخص کفران نعمت کرتا ہے، تو اللہ بے نیاز اور محمود الصفات ہے، وہ کسی کی حمد و ثنا کا محتاج نہیں ہے، اس ناشکری کا نقصان اسی بندہ ناشکر گزار کو پہنچتا ہے کہ اللہ اس سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے اور سب سے بڑی نعمت رضائے الہی ہے جس سے وہ محروم کر دیا جاتا ہے۔

(۷) لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا سا جھسی نہ بناؤ، کیونکہ شرک باللہ ظلم عظیم ہے۔ اللہ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے صرف اسی کی عبادت کرے۔ اس لئے اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا کہ بندہ اپنے خالق کی مرضی کی مخالفت کرتے ہوئے غیروں کے سامنے سجدہ کرے، ہاتھ پھیلائے، مرادیں مانگے اور اپنی جھولیاں پھیلائے۔

امام بخاری نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب سورۃ الانعام کی آیت کریمہ (۸۲) ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اٰيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ نازل ہوئی، تو صحابہ کرام پر بڑا شاق گذرا، اور کہنے لگے کہ ہم میں سے کس نے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کا وہ معنی نہیں ہے جو تم سمجھتے ہو، ظلم سے مراد وہ ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے کو بتایا تھا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلَهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى
 الْمَصِيدِ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَلِحْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَأَقْبِرْهُ
 سَبِيلَ مَنْ آتَابَ إِلَهُ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک (۸) کا حکم دیا ہے، اس کی ماں کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اُسے اپنے پیٹ میں ڈھوتی پھری، اور دو سال کے بعد اس نے دودھ پینا چھوڑا، ہم نے اسے حکم دیا کہ تو میرا شکر ادا کر، اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے ﴿۱۳﴾ اور اگر وہ دونوں تجھے اس پر مجبور کریں کہ تو میرا شریک کسی ایسے کو بنائے جس کے معبود ہونے کا تجھے علم نہیں، تو ان کی بات نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا رہ، اور اس شخص کی راہ اپنا، جس نے اپنی توجہ میری طرف پھیر لی ہے، پھر تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہیں تمہارے کئے کی خبر دوں گا ﴿۱۵﴾

(۸) آیات (۱۳/۱۳) میں لقمان کی نصیحتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی بات ہے، اور اس سے مقصود شرک باللہ کی نفی کی تاکید ہے جس کا لقمان کی نصیحت میں اوپر ذکر آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے بالخصوص اپنی ماں کے ساتھ جو پوری مدت حمل اُسے اپنے پیٹ میں ڈھوتے پھری، کئی طرح کی کمزوریوں اور تکلیفوں کو برداشت کیا، مدت حمل پوری ہونے کے بعد زچگی اور پھر دو سال تک رضاعت کی مصیبتوں کو جھیلنا۔ نبی کریم ﷺ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ میرے حسن سلوک کا زیادہ حقدار کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ صحابی نے پوچھا: پھر کون؟ تو آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ صحابی نے پوچھا: پھر کون؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں ”صرف اپنی عبادت اور اطاعت والدین“ کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ سورۃ الاسراء آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ”آپ کے رب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو“ اور یہاں لقمان کی شرک باللہ کی نفی کی نصیحت کے بعد فوراً فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ ”ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے“ اور اس وصیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ ”میری طاعت و بندگی کرو اور زبان و دل سے میرا شکر ادا کرتے رہو، اور ماں باپ کا بھی شکر ادا کرتے رہو“ وہ یوں کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کی ہر اس بات کو مانو جس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہو۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿إِلَىٰ الْمَصِيدِ﴾ ”تم سب کو میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے“۔ اس لئے اگر تم میرا اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ گے تو اچھا بدلہ پاؤ گے، اور اگر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کرو گے تو بُرا بدلہ پاؤ گے۔

قاضی بیضاوی نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ ان کی دوسری دلیل سورۃ البقرہ کی آیت (۲۳۳) ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ ”مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں گی“۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں اور سورۃ الاحقاف کی آیت (۱۵)

يُبْنَىٰ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۱۰﴾ يُبْنَىٰ أَعْمُ الصَّلَاةِ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْدٌ عَلَىٰ مَا آصَابَكَ ۗ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۱﴾

اے میرے بیٹے! اگر ایک رائی کے دانے (۹) کے برابر کوئی چیز کسی چٹان کے اندر ہے، یا آسمانوں میں ہے، یا زمین میں ہے، تو اللہ اسے سامنے لائے گا، بے شک اللہ بڑا باریک نظر والا، بڑا باخبر ہے ﴿۱۰﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم (۱۰) کر، بھلائی کا حکم دے، اور بُرائی سے روک، اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ سارے کام بڑے ہمت کے اور ضروری ہیں ﴿۱۱﴾

﴿وَحَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے۔

آیت (۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہارے والدین تمہیں شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات نہ مانو، اور جب تک دنیا میں تمہارا اور ان کا ساتھ رہے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور ان لوگوں کی راہ پر چلو جو میرے نیک اور مخلص بندے ہیں، اور لوگوں کو میری عبادت کی دعوت دیتے ہیں مفسرین لکھتے ہیں کہ ان سے مراد بدرجہ اولیٰ رسول اللہ ﷺ اور پھر دیگر صالح مسلمان ہیں۔ اللہ نے آگے فرمایا: پھر مر جانے کے بعد تمہیں میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ اسی وقت میں تمہیں تمہارے تمام کرتوتوں کی خبر دوں گا اور ان کے مطابق اچھایا بُرا بدلہ دوں گا۔

ابو یعلیٰ اور طبرانی وغیرہم نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے اور طبری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت سعد بن وقاص اور ان کی ماں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب ان کی ماں نے ان کے اسلام لانے کے بعد کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور کہا تھا کہ تم جب تک اسلام سے برگشتہ نہیں ہو گے، میں کھانا نہیں کھاؤں گی، تو انہوں نے کہا کہ امی جان! آپ کی اگر تُوڑو جیں ہوتیں، اور ہر ایک باری باری نکل جاتی تو بھی میں اپنا دین نہ چھوڑتا، اس لئے بہتر ہے کہ آپ کھائیے پیجئے اور مجھ سے امر مستحیل کا مطالبہ نہ کیجئے، چنانچہ وہ کھانے لگی۔

(۹) جملہ معترضہ کے بعد، دوبارہ لقمان کی نصیحتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ لقمان نے کہا، میرے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل خیر یا شر ہو گا اور وہ کسی چٹان کے اندر، یا آسمانوں یا زمین کے کسی مخفی گوشے میں ہو گا، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ظاہر کر دے گا۔ اس کا حساب لے گا، اور اس کے مطابق جزایا سزا دے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ہر دقیق و خفی اس کے لئے عیاں ہے، اور ہر ایک کی وہ خبر رکھتا ہے۔

(۱۰) لقمان نے کہا، میرے بیٹے! نماز قائم کرو، یعنی اس کے تمام شروط، ارکان اور واجبات و سنن کی رعایت کرتے ہوئے اسے ادا کرو، اور لوگوں کو اللہ کی بندگی اور بھلائی کا حکم دو، اور انہیں شرک و بدعت، بُرے قول و عمل اور ہر بُرائی سے روکو، اور اس راہ میں تمہیں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو۔ یہ سارے امور اللہ کی جانب سے حتمی اور واجب العمل ہیں۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت میں مذکور اعمال کو بطور خاص اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ یہ تمام بھلائیوں کی اساس ہیں۔ ابن جریر لکھتے ہیں: ﴿إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا امور اعلیٰ ترین اخلاق اور حصول نجات کے لئے اہم ترین اعمال ہیں۔ قرطبی نے اس تفسیر کی تائید کی ہے۔

وَلَا تَصْعِقْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْسِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
وَأَغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيدِ ۝ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مِمَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنبِئٍ ۝

اور لوگوں سے اپنا چہرہ پھیر کر (۱۱) بات نہ کر، اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا ہے جو اکڑ کر چلنے والا، فخر کرنے والا ہوتا ہے ﴿۱۸﴾ اور اپنی چال (۱۲) میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز پست رکھ، بے شک بدترین آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے ﴿۱۹﴾ کیا تم لوگ دیکھتے (۱۳) نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر کر رکھا ہے جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم، بغیر دلیل، اور بغیر کسی روشنی دینے والی کتاب کے جھگڑتے ہیں ﴿۲۰﴾

(۱۱) میرے بیٹے! جب لوگوں سے بات کرو، یا وہ تم سے بات کریں، تو انہیں حقیر سمجھ کر اور تکبر کی وجہ سے ان سے منہ پھیر کر بات نہ کرو، بلکہ ان کے ساتھ نرمی، محبت اور خوش روئی کے ساتھ بات کرو۔

ترندی نے کتاب البر والصلہ میں جابر بن عبد اللہ سے صحیح حدیث روایت کی ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے، اور یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ تم اپنے بھائی سے ہتے چہرے کے ساتھ ملو۔

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ متکبر اور دوسروں کے سامنے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ہے، جو اس خیال غلط میں مبتلا ہوتا ہے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے جیسی تو اس نے اسے یہ نعمتیں دے رکھی ہیں، اس لئے کہ دنیا کی نعمتیں تو اللہ اپنے کافر بندوں کو بھی دیتا ہے۔

(۱۲) لقمان نے اپنی نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا: اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، یعنی بغیر ضرورت نہ اتنا تیز چلو کہ خفیف العقل اور ہلکے بن جاؤ، اور نہ مریل چال چلو۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہودیوں کی اکھڑی تیز چال، اور نصاریٰ کی چیونٹی جیسی چال سے روکا جاتا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مقصود ایک سیدھے سادھے معقول اور شریف آدمی کی ایسی چال ہے جس میں نہ کوئی اینٹھ ہونہ اکڑ ہو، نہ مریل پن، اور نہ ریاکارانہ زہد و انکساری۔

نیز لقمان نے کہا: اپنی آواز پست رکھو، اس لئے کہ بغیر ضرورت آواز اونچی کرنے سے ہر بشیدہ آدمی کو تکلیف ہوتی ہے، جس طرح گدھے کی بڑی آواز سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور اسے برا جانتے ہیں، اور جب کسی کی بدترین کرخت آواز کی برائی بیان کرنی ہوتی ہے تو روزمرہ کے محاورے میں کہتے ہیں کہ فلاں گدھے کی طرح چیختا ہے۔ معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت چیخنا اچھے لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔

(۱۳) لقمان کی نصیحتوں میں سب سے پہلی نصیحت شرک باللہ کا انکار تھا، جو مخلوق کا اپنے خالق کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے، اسی لئے ان نصیحتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر توحید و شرک کی بات چھیڑ دی ہے، اور مشرکین مکہ کے لئے اپنی گونا گوں نعمتوں کا ذکر کر کے انہیں شرک سے توبہ کرنے اور صرف اپنی عبادت کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مشرکین مکہ!

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نُنَبِّئُكُمْ مَا وَجَدْنَا عَلَيْنَا آيَاتِهِ نَبَا أُولَئِكَ كَانُوا لَشَيْطَانٍ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۰﴾
 وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۱۱﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَمِزُكَ
 لُغْوُهُ إِنَّا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿۱۰﴾ کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کی اتباع کرو، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، کیا وہ انہی کی اتباع کریں گے اگرچہ شیطان انہیں بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہے ﴿۲۱﴾ اور جس نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم ﴿۱۵﴾ کر دیا، دراصل انھالیکہ وہ نیکو کار ہو، تو اُس نے مضبوط سہارا تھام لیا، اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے ﴿۲۲﴾ اور اگر کوئی کفر ﴿۱۶﴾ کرتا ہے تو اُس کا کفر آپ کو غمگین نہ بنا دے، انہیں ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، تب ہم انہیں اُن کے کرتوتوں کی خبر دیں گے، بے شک اللہ سینوں میں پوشیدہ باتوں تک کو جانتا ہے ﴿۲۳﴾

کیارات دن تمہارے مشاہدے میں یہ بات نہیں آتی کہ تمہارے فائدے کے لئے اللہ نے ان تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں، جیسے آفتاب و ماہتاب، ستارے اور بارش، اور جو زمین میں ہیں جیسے درخت، نہر، پہاڑ، سمندر، حیوانات اور معدنیات وغیرہ۔ اور اس نے اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا ہے، چاہے وہ ظاہری ہوں، جیسے اچھی شکل و صورت اور مناسب اعضائے جسمانی، اور چاہے وہ باطنی ہوں، جیسے عقل و ادراک، علم و معرفت اور دیگر بے شمار نعمتیں جن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن صدحیف کہ تم ان تمام دلائل و براہین کے باوجود اللہ کی وحدانیت اور اس کے بلا شریک معبود ہونے کے بارے میں بغیر کسی نقلی یا عقلی دلیل کے اور بغیر کسی آسمانی وحی کے صرف کبر و عناد کی بنیاد پر جھگڑتے ہو۔

﴿۱۳﴾ اور جب اُن مشرکین مکہ سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر جو دین و شریعت اور جو آسمانی کتاب نازل کی ہے، اس کی پیروی کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادوں کی ہی راہ پر چلیں گے اور انہی کے بتوں کی پرستش کریں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا وہ انہی آباء و اجداد کی پیروی کریں گے، اگرچہ شیطان انہیں اس شرک و بت پرستی کی طرف بلاتا رہا جو جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہو، اور جو آباء و اجداد کے ساتھ انہیں بھی وہیں پہنچا دے؟

﴿۱۵﴾ مشرکین مکہ کی شرک باللہ پر زجر و توبیح کے بعد، اب لوگوں کی راہ نجات کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو گیا، اور کامل اخلاص کے ساتھ اس کے اوامر و نواہی کو بجالایا، اس نے مضبوط ترین سہارے کو تھام لیا، اس آدمی کے مانند جو کسی اونچے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے اس سے لٹکتے ہوئے مضبوط ترین سہارے کو تھام کر اس کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔

﴿۱۶﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جنہیں اپنے کفر پر اصرار ہے، ان کے کفر کا آپ غم نہ کیجئے، انہیں بہر حال ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، اور ہم انہیں اُن کے بُرے اعمال کی خبر دیں گے اور انہیں ان کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں پوشیدہ تمام عقائد و افکار کو خوب جانتا ہے، اس لئے حساب بہت ہی دقیق اور جزا و سزا بالکل عادلانہ ہوگا۔

نُبِتْعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضَّطْرَهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَمِيدُ ۝ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةَ أَمْجَادٍ لَأَنْفَدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ہم انہیں کچھ دنوں تک دنیاوی زندگی سے لطف اندوز (۱۷) ہونے دیں گے، پھر انہیں ایک بدترین عذاب تک پہنچا دیں گے ﴿۲۴﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے (۱۸) کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے: اللہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں ہیں ﴿۲۵﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ (۱۹) ہے ان کا مالک اللہ ہے، بے شک اللہ بڑا بے نیاز، بڑی تعریفوں والا ہے ﴿۲۶﴾ اور زمین میں جتنے درخت (۲۰) ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں، اور سمندر روشنائی بن جائے، اور اس کے بعد مزید سات سمندر اس کی مدد کریں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ زبردست، بڑا صاحب حکمت ہے ﴿۲۷﴾

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ان مشرکین کی گرفت میں غلبت نہیں کرتے ہیں، انہیں موت تک دنیا کی عارضی نعمتوں سے مستفید ہونے دیتے ہیں، پھر انہیں اُس عذاب میں پہنچا دیں گے جو بڑا بھاری اور سخت ہو گا اور انسانوں کی قوت برداشت سے بالاتر ہو گا۔ (۱۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں گے کہ ان آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے، اللہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کا شکر ہے کہ تمہارے خلاف حجت قائم ہو گئی۔ جب تم اعتراف کرتے ہو کہ وہی خالق و رازق اور مالک کل ہے، تو پھر تم کس دلیل کی بنیاد پر اس کے سوا دوسرے جھوٹے معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟ اللہ نے فرمایا: اکثر و بیشتر مشرکین کی عدم توفیق کا حال یہ ہے کہ ایسی کھلی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

(۱۹) اے میرے نبی! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کے مملوک اور اسی کے بندے ہیں، وہ ذات برحق سب سے بے نیاز اور محمود الصفات ہے، اس کو مشرکین یا غیر مشرکین کی عبادتوں کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے آپ غم نہ کیجئے، اور وہ عبادت کریں یا نہ کریں، پروا نہ کیجئے۔

(۲۰) محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، علمائے یہود نے رسول اللہ ﷺ سے مدینہ میں پوچھا کہ اے محمد! تمہارا یہ قول: ﴿وَمَا أُوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے“۔ ہمارے بارے میں ہے یا تمہاری قوم کے بارے میں؟ تو آپ نے کہا: دونوں کے بارے میں۔ تو انہوں نے کہا، کیا تم اپنے قرآن میں نہیں پڑھتے ہو کہ ہمیں تو رات دی گئی ہے جس میں ہر چیز بیان کر دی گئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے علم کا تھوڑا حصہ ہے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، آیت کا شان نزول دلیل ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی) جس میں نبی کریم ﷺ کے جواب کی تائید تھی کہ اگر زمین کے سارے درخت کاٹ کر قلم بنائے جائیں اور بحر محیط اور اس جیسے دوسرے سات سمندروں کا پانی بطور روشنائی استعمال کیا جائے اور اللہ کا کلام لکھا جائے تو سارے درخت اور سارے سمندروں کا پانی ختم ہو جائے اور اللہ کا کلام ختم نہ ہو۔

مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَبْعَثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً ۗ إِنْ اللَّهُ سَيِّئٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُؤْتِيهِ الْيَلْبُوتَ وَالنَّوْازِلَ الْبَارِئَةَ فِي الْيَلْبُوتِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ وَإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا
يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيمُ الْكَبِيرُ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ يَنْصَرِتُ لِلَّهِ يُرِيدُ بِكُمْ مَوْتًا
لِيَتَّبِعُونَ فِي ذَلِكَ آيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۱﴾

تم سب کو پہلی بار (۲۱) پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ روز قیامت زندہ کرنا ایک شخص کو پیدا کرنے سے زیادہ نہیں ہے، بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا دیکھنے والا ہے ﴿۲۸﴾ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ رات (۲۲) کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر رکھا ہے، سب ایک مقرر وقت تک چلتے رہتے ہیں، اور بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے ﴿۲۹﴾ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے، اور اس کے سوا جن معبودوں کو لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں، اور بے شک اللہ سب سے عالی مقام، سب سے بڑا ہے ﴿۳۰﴾ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ کشتی (۲۳) سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی رہتی ہے، تاکہ وہ تم سب کو اپنی بعض نشانیوں کا مشاہدہ کرائے، بے شک اس میں ہر اُس آدمی کے لئے نشانیاں ہیں جو صبر اور شکر کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾

www.KitaboSunnat.com

(۲۱) مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اُبی بن خلف کی تردید میں نازل ہوئی تھی۔ اس نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ نے انسان کو مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے، اور پوری دنیا کے انسانوں کو صدیوں میں پیدا کیا ہے، پھر تم یہ کیسے کہتے ہو کہ وہ دوبارہ تمام انسانوں کو ایک دن میں پیدا کرے گا اور ان سے حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ دے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ایک آن میں کلمہ کن کے ذریعہ دوبارہ تمام انسانوں کو پیدا کرے گا، اس کے لئے ایک جان کو پیدا کرنا اور تمام جانوں کو پیدا کرنا برابر ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادے اور فیصلے کے پورا ہونے میں آڑے نہیں آسکتی۔

(۲۲) سورہ آل عمران آیت (۲۷) اور سورہ الحج آیت (۶۱) میں یہ مضمون بیان کیا جا چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور ان کے واسطے سے دیگر لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں، اللہ تعالیٰ رات اور دن کو ایک دوسرے میں داخل کرتا ہے، یعنی ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیتا ہے، اور دونوں میں حکمت و مصلحت کے مطابق کمی بیشی کرتا رہتا ہے؟ اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو اپنے حکم کا شدید پابند بنا رکھا ہے، جس سے وہ دونوں ایک بال کے برابر بھی انحراف نہیں کر سکتے ہیں۔ دونوں اللہ کے ارادے اور فیصلے کے مطابق نکلنے اور ڈوبتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کا دن آجائے گا۔ اور وہ ذات برحق بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ جو اللہ ایسی عظیم قدرت اور بے پایاں علم والا ہے، یقیناً وہی معبود برحق ہے، اور اس کے سوا جتنے معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے، وہ سب جھوٹے اور باطل ہیں۔ اسی کی ذات سب سے اعلیٰ و ارفع اور سب سے بڑی ہے، وہی خالق و مالک اور سب کا رب ہے، اور تمام عبادتوں کا صرف وہی مستحق ہے۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم دیکھتے نہیں کہ سمندر میں کشتیاں محض اللہ کے فضل و کرم سے چلتی رہتی ہیں۔ آدمی جب ان

وَاذْغِيبْهُم مَّوْجَهُمْ كَالْظُلْمِ دَعَا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الدِّبْرِ قَالُوا لِمَ لَمْ نَسْمَعْ لِقَامَ رَبِّنَا اَلَا كُنَّا عِندَ اللّٰهِ كَافِرًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلَا نُودُهُمْ جَارًا عَنِ وَالِدِهِ شَيْئًا لَّانَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغْتُرَّكُمْ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۝ وَلَا يَعْزِبُكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُورُ ۝

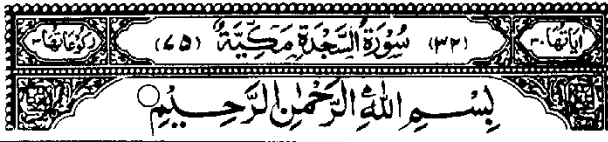
اور جب کوئی موج (۲۴) انہیں سمندر میں سانسٹانوں کی طرح ڈھانکتی ہے، تو اللہ کو اس کے لئے بندگی کو خالص کر کے پکارتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے، تو ان میں سے بعض ہی حق پر قائم رہتے ہیں۔ اور ہماری آیتوں کا ہر وہ آدمی انکار کرتا ہے جو بد عہدی کرنے والا ناشکر گزار ہوتا ہے ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (۲۵) اور اُس دن سے ڈر کر رہو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہیں آئے گا، اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، پس تمہیں دنیا کی زندگی کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اور کہیں شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے ﴿۳۳﴾

جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے اتھاہ پانی میں پہنچتا ہے، اور ان جہازوں کی حیثیت تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی، اور موجوں اور تھپڑوں سے سابقہ پڑتا ہے، اس وقت لمبے اور دہریہ انسان بھی اپنے دل میں اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ صرف اللہ کی ذات ہے جو اس تنکے جیسے جہاز کو اس مہیب سمندر سے بحفاظت لوگوں کی منزل کی طرف لے جا رہا ہے۔ جہازوں کا اس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتے ہوئے منزل کی طرف رواں دواں رہنا اور اللہ کے فضل و کرم سے بحفاظت تمام منزل مقصود پر پہنچ جانا، ان میں اللہ کے ان بندوں کے لئے بڑی عبرت انگیز نشانیاں ہیں جو دشوار اور مشکل گھڑیوں میں صبر کا دامن نہیں چھوڑتے اور نعمتیں پا کر اترتے نہیں، بلکہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲۴) مشرکین کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب وہ جہاز میں سوار ہو کر سمندر میں سفر کر رہے ہوتے ہیں، اور عظیم پہاڑ جیسی موجیں انہیں ہر چہار جانب سے گھیر لیتی ہیں، تو وہ اپنے تمام جھوٹے معبودوں کو بھول جاتے ہیں، اور پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں، تاکہ وہ انہیں اس مصیبت سے نجات دے، اور جب اللہ ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے بخیر و عافیت ساحل سمندر تک پہنچا دیتا ہے، تو ان میں سے بعض لوگ سطح سمندر پر اللہ سے کئے گئے عہد و پیمان پر قائم رہتے ہیں اور اُس کے ساتھ غیروں کو شریک نہیں بناتے ہیں، اور بعض اپنے سابق کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری نشانوں کا انکار بد عہد اور ناشکرے لوگ کرتے ہیں۔ (دیکھئے تفسیر شوکانی) حافظ ابن کثیر نے مجاہد کے حوالے سے "مقتصد" کی تفسیر کا فرکی ہے۔ یعنی جب اللہ انہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو سطح سمندر پر کیا گیا عہد و پیمان بھول کر پھر کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے حال پر رحم کرتے ہوئے، انہیں ایمان باللہ، صرف ایک اللہ کی عبادت، اور صلاح و تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی نصیحت کی ہے، اور اس دن کے عذاب سے ڈرایا ہے جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ باپ کو بیٹے کی فکر ہوگی اور نہ بیٹے کو باپ کی، ہر شخص اپنی نجات کی فکر میں ایسا مشغول ہوگا، اور ایسی دہشت طاری ہوگی کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا۔ اس دن انسان کو صرف اس کا عمل صالح کام آئے گا۔ (اللہ العالمین مجھے ان میں سے بنا جو تیرے سوا کسی سے امید نہیں

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ كَأَظْهَارٍ كَاتِبٍ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٢﴾



بے شک اللہ کو ہی قیامت کا علم (۳۲) ہے، اور وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے اُسے جو ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ اور کوئی آدمی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ زمین کے کس خطے میں اس کی موت واقع ہوگی، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑا خبر ہے ﴿۳۳﴾

سورة السجده کی ہے، اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

رکھتے، اور تیرے علاوہ کسی سے آس نہیں لگاتے!) اور قیامت کے دن میں کوئی شبہ نہیں ہے، یہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ اس لئے دنیا کی زندگی کے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے، اور نہ شیطان کے زغے میں پڑ کر فکر آخرت سے غافل ہونا چاہئے۔

(۲۶) مفسرین لکھتے ہیں، کفار مکہ نبی کریم ﷺ سے بار بار پوچھتے تھے کہ وہ قیامت جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اور جس سے ہمیں ڈراتے ہو وہ آخر کب آئے گی؟ قرآن کریم نے ان کے اس استہزاء امیر سوال کا جواب مختلف آیتوں میں اور مختلف انداز میں دیا ہے۔ یہ آیت کریمہ بھی ان کے اسی سوال کا جواب ہے۔ اور اس جواب کے ساتھ اللہ نے دیگر چار چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے، جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ باتوں کا تعلق غیبی امور سے ہے، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ کل کیا ہوگا؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے، قیامت کب آئے گی؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے، رحم مادر میں کیا ہے؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے، بارش کب ہوگی؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں واقع ہوگی؟ صرف اللہ جانتا ہے۔ وما توشق الابالہ۔

تفسیر سورة السجده

نام: آیت (۱۵) ﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: بیہیٹی اور ابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت کے مطابق (۲۰/۱۹/۱۸) تین آیتیں مدنی ہیں۔

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورة السجده اور سورة الہر پڑھا کرتے تھے۔ اور ترمذی، نسائی اور حاکم وغیرہم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک

الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَارَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱﴾ أَمْ يَقُولُونَ كُنْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِنُنزِلَ قَوْمًا مِمَّا آتَاهُمْ
مِنْ تَنْزِيلٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَحْتَدُونَ ﴿۲﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ دَلِيلٍ وَلَا شَافِعِينَ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۳﴾

آرۓ (۱) ﴿۱﴾ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب (۲) رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے ﴿۲﴾ کیا (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ محمد نے اسے جھوٹ گھڑ لیا (۳) ہے، بلکہ یہ تو آپ کے رب کی برحق کتاب ہے، تاکہ آپ ایک ایسی قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے۔ شاید کہ وہ راہ راست پر آجائیں ﴿۳﴾ وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو، اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں (۴) میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا، اس کے سوا تمہارا نہ کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی سفارشی، کیا تم ان باتوں سے نصیحت نہیں حاصل کرو گے ﴿۳﴾

سورۃ السجده اور سورۃ تبارک الذی نہیں پڑھ لیتے تھے، سوتے نہیں تھے۔

جیسا کہ کئی سورتوں کا خاصہ ہے، اس میں بھی توحید، رسالت اور بعث بعد الموت جیسے موضوعات بیان کئے گئے ہیں، اور کفار مکہ کو ان پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، ان کا معنی و مفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ یہ حروف انہی سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اور اسی نے اسے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ انہی حروف سے مرکب ہے جن سے عربوں کا کلام بنتا ہے، لیکن وہ ہرگز ایسا کلام نہیں لاسکتے ہیں۔ (۲) "کتاب" سے مراد قرآن کریم ہے، اور آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب جس کی تلاوت کی جا رہی ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اور یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں جسے جھوٹ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، نہ یہ جادو ہے، نہ کہانت، اور نہ اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: کفار مکہ کہتے ہیں کہ اسے محمد نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ یہ سراسر ان کی افترا پر دازی ہے۔ یہ تو آپ کے رب کا برحق کلام ہے، جسے اس نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے، تاکہ آپ اس کے ذریعہ ان مشرکین عرب کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، تاکہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کی وحدانیت کا اقرار کریں اور دین حق کو قبول کر کے جہنم کی آگ سے نجات حاصل کریں اور جنت کے حقدار بنیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں "قوم" سے مراد تمام عرب ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے صرف "اہل قریش"، مراد ہیں، اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صیسی علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے درمیانی وقفہ میں پائے گئے۔

(۴) اس آیت کی تفسیر سورۃ الاعراف آیت (۵۳) میں گذر چکی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے، صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ اور "استوی علی العرش" کا معنی و مفہوم بیان کرنے میں سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس

يُدْرِكُ الْأَرْضَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ ذَٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

وہی آسمان سے زمین تک ہر معاملے کی دیکھ بھال (۵) کرتا ہے، پھر ہر بات اُس کے حضور اُس دن پیش ہوگی جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار سال ہوگی ﴿۵﴾ وہ (ذاتِ برحق) تمام غائب و حاضر کا جاننے والا (۶) و اللہ زبردست، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۶﴾

کے مقامِ اعلیٰ کے لائق ہے، نہ اس کا انکار کیا جاسکتا ہے، نہ اسے مخلوق کی صفت کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے، اور نہ ہی اس کی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے۔

﴿مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ﴾ ”تمام انسانوں کا اللہ کے سوا کوئی حقیقی یار و مددگار نہیں ہے۔“ اگر وہ کسی کو رسوا کرنا چاہے تو کوئی اسے عزت نہیں دے سکتا، اور اگر وہ کسی کو ہلاک و برباد کرنا چاہے تو کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ اور اس کے سوا ان کا کوئی سفارشی نہیں ہے کہ اگر وہ ان کے شرک و معاصی کا انتقام لینا چاہے، تو اس کے حضور سفارش کر کے اس کے غضب سے انہیں بچالے۔ جب اللہ کے سوا کوئی خالق ارض و سماء نہیں، اور نہ اس کے سوا کوئی یار و مددگار اور سفارشی ہے، تو پھر انسانوں کو یہ بات کیوں نہیں سمجھ میں آتی کہ اس ذاتِ برحق کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے متعلق تمام احکام و اداسر آسمان سے (جہاں عرش اور لوح محفوظ ہے) زمین کی طرف صادر فرماتا ہے، اور فرشتے اسے نافذ کرتے ہیں۔ زندگی اور موت، صحت و بیماری، بخشش و محرومی، مالداری و محتاجی، جنگ و صلح، اور عزت و ذلت اور مخلوقات سے متعلق تمام فیصلے، اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر کرتا ہے، وہیں سے وہ تمام مخلوقات کی دیکھ بھال کرتا ہے، اور کوئی شے اسے عاجز نہیں کرتی ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام آسمانوں کے اوپر سے اتر کر زمین کی آخری تہ تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے سورۃ الطلاق آیت (۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ ”وہ اللہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے ہیں، اور انہی کے مانند زمین بھی پیدا کی ہے، اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے۔“ اور بندوں کے اعمال ”آسمان دنیا کی طرف اٹھائے جاتے ہیں، اور زمین اور اس کے درمیان کی مسافت پانچ سو سال کی ہے، اور آسمان کی موٹائی کی مسافت پانچ سو سال کی ہے۔ مجاہد اور قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کے نزول کی مسافت پانچ سو سال کی، اور ان کے طلوع کی مسافت پانچ سو سال کی ہوتی ہے جسے فرشتے ایک چشمِ زدن میں طے کر لیتے ہیں۔ اور جب قیامت آجائے گی، اور ہر چیز فنا ہو جائے گی، تو زمین کی طرف ان احکام و اداسر کے صادر ہونے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ نہ زمین رہے گی، اور نہ اس پر کوئی چیز جس میں تصرف اور تدبیر کی ضرورت رہے گی۔ بعض مفسرین نے ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ فرشتے اہل زمین کے تمام اعمال صحیفوں میں لکھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب دنیا اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی تو وہ سارے صحائف اللہ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اور وہ دن اگرچہ دنیا کا ایک دن ہوگا، لیکن آسمان اور زمین کے درمیان غیر فرشتوں کے طلوع و نزول کی مسافت کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔

(۶) جس ذاتِ برحق کے وہ کام ہیں جن کا ذکر اوپر آیا، وہ تمام غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، وہ ہر حال میں اور ہر چیز پر غالب

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَعِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكِرُونَ ۝ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَلَائِكَةُ الْمَوْتِ الَّتِي بَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝

جس نے ہر چیز کو نہایت عمدہ (۷) انداز میں پیدا کیا ہے، اور انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی ﴿۷﴾ پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے خلاصہ اور نچوڑ سے چلایا ﴿۸﴾ پھر اس کی مکمل شکل و صورت بنائی، اور اس میں اپنی روح پھونک دی، اور اس نے تمہارے لئے کان، اور آنکھیں اور دل بنائے، واقعہ یہ ہے کہ تم اس کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو ﴿۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں غائب ہو جائیں گے تو از سر نو پیدا (۸) کئے جائیں گے، بلکہ یہ کفار اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں ﴿۱۰﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ موت کا وہ فرشتہ (۹) جو تم پر متعین کیا گیا ہے، تمہاری روح قبض کر لے گا، پھر قیامت کے دن تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾

ہے، وہ اپنی مخلوقات کے بارے میں جو چاہتا ہے فیصلے کرتا ہے کوئی آڑے نہیں آسکتا ہے، اور وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے، اس کے فیصلے بہر حال ان کے لئے بھلائی اور رحمت لئے ہوتے ہیں۔

(۷) اس نے جتنی چیزوں کو پیدا کیا ہے، ان کی تخلیق نہایت درجہ موزوں اور حکمت کے تقاضے کے مطابق ہے۔ اور اس نے آدم کا ڈھانچہ پہلے مٹی سے تیار کیا، اور اس کی نسل کی بنیاد ایک نطفہ حقیر کے ذریعہ رکھی، پھر ایک مکمل انسان کی شکل دے کر اس میں روح ڈال دی اور وہ ایک زندہ انسان بن گیا۔ اور اس نے اپنی کمال قدرت کے ذریعہ نطفہ حقیر سے بنے انہی جسوں میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیت پیدا کی، اور ان میں دھڑکتے ہوئے دل رکھ دیئے، جن کے ذریعہ انسان سوچتا اور سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ محیر العقول صناعی کہ گوشت کا ایک ٹکڑا سنتا ہے، دوسرا دیکھتا ہے، اور تیسرا اور سب سے اہم (یعنی دل) سوچتا ہے، سمجھتا ہے، فیصلے کرتا ہے، اور انسان کو قوت ارادی دیتا ہے، یہ ساری نعمتیں تقاضا کرتی ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنے خالق کا شکر ادا کرتا رہے، لیکن وہ بالعموم ناشکر گزار ہی ہوتا ہے، بہتوں کو ان باتوں پر غور کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی ہے۔

(۸) مشرکین مکہ جو بعثت بعد الموت کے منکر تھے، حیرت و استعجاب کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے پوچھتے تھے کہ جب ہم گل سڑ کر مٹی میں مل جائیں گے، اور ہمارا وجود ناپید ہو جائے گا، تو کیا ہم نئے سرے سے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ منکرین بعثت بعد الموت، درحقیقت قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا انکار کر رہے ہیں، اور کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی ان منکرین قیامت سے کہا کہ جس فرشتہ موت کے ذمہ تمہاری روحوں کے قبض کرنے کا کام لگایا گیا ہے، جب تمہاری موت کی مقرر گھڑی آجائے گی تو وہ تمہاری روحوں کو قبض کر لے گا، اور تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے، پھر جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ تم سب کو زندہ کرے گا اور میدانِ محشر میں حساب و جزا کے لئے لا کھڑا کرے گا۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُرْمُونَ نَاكِسَ رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا لَعْمَلِ صَالِحٍ إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١﴾ فَذُوقُوا بَأْسَ رَبِّكُمْ إِذْ أَنْتُمْ لَهَا فَاعِلُونَ ﴿١٢﴾ وَإِنَّا لَنُؤْتِيهِمْ مِنْهَا لَئِيْلًا يُؤْمِنُونَ ﴿١٣﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٤﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُوقِنُونَ ﴿١٥﴾

اور کاش آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے (۱۰) ہوں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے سب کچھ دیکھ اور سن لیا، اس لئے اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ نیک عمل کریں، ہمیں آخرت پر پورا یقین آ گیا ہے ﴿۱۲﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو راہِ راست (۱۱) پر ڈال دیتے، لیکن میری یہ بات برحق ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں تمام سے بھر دوں گا ﴿۱۳﴾ (تب ان سے کہا جائے گا) چکھو ﴿۱۴﴾ عذاب کا مزہ، اس لئے کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے، آج ہم بھی تمہیں بھول گئے ہیں، اور اپنے کئے کے سبب ہمیشہ باقی رہنے والے عذاب کا مزہ چکھتے رہو ﴿۱۵﴾ بے شک ہماری آیتوں پر وہ لوگ ایمان (۱۳) لاتے ہیں جنہیں جب ان آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، اور تکبر نہیں کرتے ہیں ﴿۱۵﴾ رات میں ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو اس کے عذاب کے ڈر سے اور اس کی جنت کی لالچ میں پکارتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۱۶﴾

(۱۰) جب منکرین قیامت اپنے آپ کو میدانِ محشر میں اس واقع کے رو بردہ پائیں گے، تو انتہائی ذلت و رسوائی کے سبب اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے، اور عرقِ غدا مت میں ڈوبے جائیں گے کہ دنیا میں انکارِ آخرت، شرک باللہ اور دیگر معاصی کا ارتکاب نہ کرتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ پھر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! جن حقائق کو ہم دنیا میں جھٹلاتے تھے، اب ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور جن باتوں کا ہم وہاں انکار کرتے تھے، اب ہم نے انہیں اپنے کانوں سے سن لیا، اب کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں رہی، ہمیں ساری باتوں کا یقین ہو گیا ہے، اس لئے تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم تلافیِ مافات کر لیں، اور عملِ صالح کر کے اپنی آخرت سداہا لیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی اس التجاجا جواب یہ دیا کہ ہم نے تو دنیا میں خیر و شر کے دونوں راستے بتا کر انسانوں کو اختیار دے دیا تھا کہ جو چاہے جنت کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے جہنم کی راہ۔ اور تم نے اپنی مرضی سے جہنم کی راہ اختیار کر لی۔ اب تمام حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ایسا ایمان میرے نزدیک قابل قبول ہوتا تو میں اپنی مرضی سے تمام انسانوں کو راہِ راست پر لا کر کھڑا کر دیتا۔ میرے نزدیک اعتبار اسی ایمان کا ہے جسے بندہ اپنی مرضی سے دنیا میں اختیار کرتا ہے۔ جو جن وانس دنیا میں اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے ان سے میں جہنم کو بھر دوں گا۔

(۱۲) پھر اللہ تعالیٰ ان منکرین قیامت سے مخاطب ہوگا، اور بطور زجر و توبخ کہے گا کہ تم دنیا میں قیامت کے دن کو فراموش کر بیٹھے تھے، میرا نبی جب اس دن کی تمہیں یاد دلاتا تھا تو اس کا مذاق اڑاتے تھے، تو چکھو اس انکار و استہزاء کا مزہ، اب ہم بھی تمہیں جہنم

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ نَأْتِيَهُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَعْيُنٌ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۴﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۱۶﴾

پس کوئی شخص نہیں جانتا (۱۳) کہ اُس کے نیک اعمال کے بدلے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کون سی نعمتیں چھپا کر رکھی گئی ہیں ﴿۱۴﴾ کیا جو شخص مومن ہو گا اس جیسا ہو گا جو فاسق ہو گا، دونوں قسم کے لوگ برابر نہیں ہو سکتے ہیں ﴿۱۵﴾ جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، ان کی رہائش کے لئے جنتیں ہوں گی، جو ان کے نیک اعمال کے سبب انہیں بطور ضیافت ملیں گی ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ فسق و نافرمانی کی راہ اختیار کریں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا، جب بھی اس سے نکلنا چاہیں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلاتے تھے ﴿۲۰﴾

میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے بھول جاتے ہیں، اب اپنے کئے کے بدلے جہنم کا دائمی عذاب جھیلتے رہو۔ (۱۳) منکرینِ قیامت کا انجام بد بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنینِ مخلصین کا ذکر کیا ہے کہ ہماری آیتوں پر حقیقی معنوں میں وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں قرآن کریم کی تلاوت کر کے جب نصیحت کی جاتی ہے تو اپنے دل کی طہارت اور فطرت کی پاکیزگی کی وجہ سے ان نصیحتوں کو فوراً قبول کر لیتے ہیں، اور قرآن کریم کا ان پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ نعمتِ اسلام پر شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر جاتے ہیں، اپنے رب کی پاکی اور اس کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، اور اہل مکہ کی طرح اس کی عبادت سے قطعاً منہ نہیں موڑتے ہیں، بلکہ زندگی بھر اطاعت و بندگی کے جذبے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت نمازِ مخدومہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اور ﴿وَسَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ حالتِ سجدہ میں "سبحان الله وبحمده" یا "سبحان ربی الاعلیٰ وبحمده" کہتے ہیں۔ اور ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ مومنینِ دیگر مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے سے کبر و نخوت کی وجہ سے گریز نہیں کرتے ہیں۔

ان مومنینِ مخلصین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں اسی لئے جب اس کا وقت آتا ہے تو ان کے پہلوؤں کو بستروں سے دھسائی ہو جاتی ہے، فوراً اٹھ بیٹھتے ہیں اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور سجدے میں جا کر اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ العالمین! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے اور جنت میں داخل کر دے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ صحابہ کرام عشاء کی نماز سے قبل نہیں سوتے تھے۔ لیکن مشہور قول یہی ہے کہ اس سے مراد تہجد کی نماز ہے۔ اور ان مومنینِ مخلصین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اللہ انہیں جو روزی دیتا ہے اس میں سے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

(۱۳) جن مومنین کی مذکور بالا آیتوں میں صفیں بیان کی گئی ہیں، انہی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان کے رب نے ان کے لئے روزِ قیامت جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں، جنہیں اس دن پا کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، ان نعمتوں کا اس دنیا میں وہ تصور بھی نہیں

وَلَنْ يُقَاتِلَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَذَى ذُنُوبَ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۷﴾

اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ (۱۵) چکھائیں گے، شاید کہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں ﴿۱۶﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم (۱۶) کون ہو گا جسے اس کے رب کی آیات پڑھ کر نصیحت کی جائے تو ان سے منہ پھیر لے، ہم بے شک مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے ﴿۲۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو تورات (۱۷) دی تھی، پس آپ قرآن کے کلامِ الہی ہونے میں بھی شبہ نہ کیجئے، اور ہم نے تورات کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا ﴿۲۳﴾ کر سکتے ہیں۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، اور نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی انسان کے دل نے اس کا تصور کیا ہے“۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر چاہو تو تم لوگ یہ آیت پڑھو: ﴿لَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِمَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسانی خیالات و تصورات سے بالاتر یہ نعمتیں انہیں ان نیک اعمال کی وجہ سے ملیں گی جو وہ دنیا کی زندگی میں کرتے رہے تھے۔

آیت (۱۸) میں منکرین قیامت اور مومنین مخلصین کا فرق بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا مومن و فاسق اللہ کے نزدیک برابر ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ بات اُس کے قانونِ عدالت کے خلاف ہے۔

آیات (۲۰-۱۹) میں گذشتہ باتوں کی تائید اور مومن و کافر کے مراتب کا بیان ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں بطور اجر و ثواب جنت عطا کرے گا جس میں وہ ہمیشہ کے لئے اقامت پذیر ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ اس دنیا میں فسق و معصیت کی زندگی اختیار کریں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ جب بھی شدتِ غم اور انتہائے کرب و الم کی وجہ سے اس سے نکل کر بھاگنا چاہیں گے، جہنم کے فرشتے انہیں مار مار کر دوبارہ اس میں لوٹا دیں گے، اور ان کی ذلت و رسوائی بڑھانے کے لئے ان سے کہیں گے کہ اب چکھو اس عذابِ ناز کا مزہ جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے رہے تھے۔

(۱۵) کفار مکہ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ہم انہیں عذابِ آخرت کا وقت آنے سے پہلے، یعنی قبل اس کے کہ موت انہیں کفر کی حالت میں ہی دو بوج لے، مختلف دنیاوی تکلیفوں میں مبتلا کریں گے۔ قید و بند، قتل اور قحطِ سالی کی مصیبتوں سے دوچار کریں گے، شاید کہ ہوش کے ناخن لیں، شرک اور دیگر گناہوں سے تائب ہو کر اپنی حالت کی اصلاح کریں، اور بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آئیں۔

(۱۶) جس آدمی کو قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر نصیحت کی جائے، جنت کی بشارت دی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے، لیکن کبریت و نخوت کی وجہ سے ایمان لانے کے بجائے، ان آیتوں سے منہ موڑے، وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت بڑا ظالم و مجرم ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم کی دعوتِ توحید کو پہنچنے کے باوجود اپنے کفر و شرک پر اڑا رہے گا، اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لے گا، انہیں عذاب میں مبتلا کرے گا، اور اپنے مومن و متقی بندوں کو ان پر غلبہ عطا کرے گا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْدُونَ يَا مَعْرُوفُ أَتَىٰكَ الْبَصِيرُ ﴿۱۷﴾ وَكَانُوا يُرَائِبُونَ ﴿۱۸﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يُفَصِّلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۰﴾

اور جب انہوں نے دین کی راہ میں تکلیف و اذیت پر صبر کیا تو ہم نے ان میں بہت سے رہنما پیدا کئے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہماری آیتوں پر یقین کرتے تھے ﴿۲۳﴾ بے شک آپ کا رب ان باتوں میں قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ (۱۸) کر دے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے ﴿۲۵﴾ کیا اس بات نے کفار مکہ کو راہ نہیں دکھائی (۱۹) کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کی بستیوں سے یہ لوگ گذرتے ہیں، بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں ﴿۲۶﴾

(۱۷) آیات (۳۱، ۳۲) میں اس حقیقت کو آشکارا کیا گیا تھا کہ یہ قرآن کسی انسان کا نہیں، بلکہ رب العالمین کا کلام ہے، اسی نے اسے بذریعہ وحی اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے، پھر چند آیات میں معاد و آخرت، جنت و جہنم، نیک و بد اور ان کا انجام بیان کرنے کے بعد، اب دوبارہ اسی ابتدائی مضمون کی طرف کلام کا رخ پھیر دیا گیا ہے کہ اے میرے نبی! اگر ہم نے آپ کو قرآن کریم جیسی عظیم ترین کتاب دی ہے تو اس میں اہل مکہ کے لئے حیرت و استعجاب کی کیا بات ہے؟ ہم نے اس سے پہلے اپنے بندے اور رسول موسیٰ کو بھی تو ایک عظیم کتاب دی تھی، جس کا علم کفار مکہ کو ہے۔ اور اس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے رُشد و ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا، اور ان میں ایسے علماء پیدا کئے جو لوگوں کی ہمارے دین کی طرف رہنمائی کرتے تھے، اور اس راہ میں انہیں جو تکلیف پہنچتی تھی اسے انگیز کرتے تھے، صبر کرتے تھے، اور ہماری کتاب کی صداقت و حقانیت پر پورا یقین رکھتے تھے، نہ ان کے صبر و استقامت میں فرق آتا تھا، اور نہ ہی وہ ہماری آیتوں میں شک و شبہ کرتے تھے۔

اس لئے آپ کے دور کے لوگوں کو بھی چاہئے کہ قرآن کریم کے کلام الہی ہونے پر ایمان لے آئیں۔ اس میں بیان کردہ رُشد و ہدایت سے فائدہ اٹھائیں، دوسروں کو ایمان و توحید کی دعوت دیں، اور اس راہ میں جو تکلیف بھی اٹھانی پڑے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں اہل اسلام کے لئے زبردست دھمکی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لوگ تورات کی تحریف، سچے دین سے انحراف اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے اللہ کی غضب کے مستحق بن گئے، اسی طرح اس امت کے جو لوگ قرآن و سنت سے انحراف کریں گے، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیں گے، صبر و استقامت اور ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ قوم یہود کی طرح ان پر بھی ذلت و رسوائی مسلط کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد آیت (۱۱) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ "اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہیں بدل لیتی ہے۔"

(۱۸) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے درمیان، اور مومنوں اور کافروں کے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا، اور تب ہر ایک کو پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون اور اب کس کا کیا انجام ہوگا۔ چنانچہ اہل حق جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور اہل باطل جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا نَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ وَتَنْظُرُونَ ﴿۲۱﴾ يَتَوَلَّوْنَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۲﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلْبَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۲۳﴾ فَأَعْرَضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ﴿۲۴﴾

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں (۲۰) ہیں کہ ہم خشک اور بنجر زمین تک پانی پہنچاتے ہیں، پھر اس کے ذریعہ فصل اُگاتے ہیں جسے ان کے جانور اور خود کھاتے ہیں، کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں ﴿۲۱﴾ اور کفار مکہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ فیصلہ (۲۱) کب ہو گا ﴿۲۸﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان نفع نہیں پہنچائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ﴿۲۹﴾ پس آپ ان سے کنارہ کش (۲۲) ہو جائیے اور انتظار کیجئے یہ لوگ بھی انتظار ہی کر رہے ہیں ﴿۳۰﴾

(۱۹) کفار مکہ کو دعوتِ فکر و نظر دی جا رہی ہے کہ ہم ان سے پہلے بہت سی کافر و مشرک قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، اور یہ لوگ شام کا سفر کرتے ہوئے مدائنِ صالح، علاقہ مدین اور بحیرہ کلوب کے قریب سے گزرتے ہیں اور ان کے باقی ماندہ آثار کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کرتے ہیں، تو ان نشانیوں پر نگاہِ عبرت کیوں نہیں ڈالتے، اور وہ کھنڈرات انہیں ان قوموں کی برہادی کے جو واقعات سناتے ہیں ان پر کان کیوں نہیں دھرتے، تاکہ عبرت حاصل کریں اور کفر و شرک سے تائب ہو کر قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آسمان سے بارش نازل کرتے ہیں، اور اسے قطر زدہ زمین تک پہنچاتے ہیں جو پانی کے بغیر مردہ ہو چکی ہوتی ہے، پھر اس کے ذریعہ مختلف قسم کے پودے اُگاتے ہیں جن میں سے بعض کو تو ان کے جانور کھاتے ہیں، اور بعض پودوں کے دانے خود کھا کر زندہ رہتے ہیں۔ تو کفار مکہ عقل کے ناخن کیوں نہیں لیتے، کیوں نہیں سوچتے کہ جس اللہ نے اپنے کمالِ قدرت سے بارش برسایا پھر اس نے پودے اُگائے اور ان میں سے بعض کو انسانوں کے لئے اور بعض دوسرے کو ان کے جانوروں کے استعمال کے قابل بنایا، وہی معبودِ حقیقی ہے، اسی کے سامنے سر جھکانا چاہئے؟

(۲۱) اہل ایمان جب کفار مکہ کے ظلم و جور سے تنگ آ کر کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، اور تمہارے کفر و عناد کا تمہیں حرا چکھائے گا، تو ان کا مذاق اُڑاتے، کیونکہ وہ قیامت کے منکر تھے، اور کہتے کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو ذرا جلدی کرو اور اپنے رب سے کہو کہ اب دیر نہ کرے اور وہ دن آ ہی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۹) میں ان کا جواب یہ دیا کہ اس کی آمد میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس لئے تم اس سے پہلے ایمان لے آؤ، کیونکہ جب وہ دن آجائے گا تو پھر کسی کافر کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا، اور نہ اسے مہلت دی جائے گی کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے۔ فرصتِ عمل اور مہلتِ توبہ صرف اسی دنیا میں دی گئی ہے۔

(۲۲) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ کفار مکہ کی سفیہانہ باتوں اور ان کی کذب بیانیوں کا جواب نہ دیجئے، اور پورے انہماک کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہئے، اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کیجئے، وہ یقیناً آپ کو فتح و نصرت دے گا، اور آپ کے دشمنوں کو رسوا کرے گا، اگرچہ کفار مکہ بھی آپ کے بارے میں بری خبر سننے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ ان کے زعمِ باطل کے مطابق آپ سے ان کو چھٹی مل جائے، لیکن اللہ کے فیصلے پر کس کا فیصلہ غالب آسکتا ہے۔



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكُنْ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

سورة الاحزاب مدنی ہے، اس میں تہتر آیتیں اور نور کو ع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اے میرے نبی! آپ اللہ سے ڈریئے، اور کافروں^(۱) اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑا صاحبِ حکمت ہے ﴿۱﴾ اور آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو وحی^(۲) آتی ہے اس کی اتباع کیجئے۔ (مومنو!) بے شک اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲﴾ اور آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے، اور اللہ بحیثیت کارساز کافی ہے ﴿۳﴾

تفسیر سورة الاحزاب

نام: آیت (۲۰) ﴿يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَأَنْهَمُ بِمَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ﴾ سے ماخوذ ہے۔ واقعہ احزاب (جس کی تفصیل آگے آئے گی) رسول کریم ﷺ کے لئے ایک معجزہ تھا، کہ اللہ نے ہو اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی، مسلمانانِ مدینہ کو کفار عرب کے حملے سے بچالیا، اور مومنین و منافقین پہچانے گئے۔ زمانہ سنزول: پوری سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ (۱) امام شوکانی نے واحدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ”کافروں“ سے مراد ابوسفیان، عکرمہ اور ابوالأعور اسلمی ہیں، اور ”منافقوں“ سے مراد عبد اللہ بن ابی اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد مشرکین مکہ کا ایک وفد ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ آیا، اور عبد اللہ بن ابی، معتب بن قشیر اور طعمہ بن أبیرق کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ معبودانِ قریش پر تکبیر کرنا بند کر دیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”نبی“ کے لفظ کے ساتھ پکارا ہے، اس میں آپ کے لئے تعظیم اور آپ کی نبوت کا اعتراف و اثبات ہے۔ آپ کو اور آپ کے پیروکار مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ تقویٰ کی راہ اختیار کریں، اللہ کی بندگی کریں اور گناہوں سے دور رہیں، اللہ کے اوامر و نواہی کو بجالائیں اور کافروں اور منافقوں کی بات مان کر دعوتِ توحید سے انحراف نہ کریں، اس لئے کہ وہ لوگ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ ان کی تو خواہش ہوتی ہے کہ مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائیں، اور اپنا دشمن چھوڑ کر انہی کی طرح مشرک و منافق بن جائیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بڑا ہی علم و حکمت والا ہے، اس لئے اے نبی! اس کے اوامر کی اتباع اور اس کے نواہی سے اجتناب میں ہی ہر بھلائی ہے۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ الْأَرْوَاحَ مِنَ النَّاسِ تَطْهُرُونَ مِنْهُمْ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ اَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَاخْوَانِكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِنْ مَاءَعْتَدْتُمْ فَأَوْقَعْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اللہ نے کسی کے جسم میں دو دل (۳) نہیں رکھا ہے، اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو، انہیں اللہ نے تمہاری مائیں نہیں بنادی ہیں، اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے بنا دیئے ہیں، یہ تو صرف تمہاری زبانی باتیں ہیں، اور اللہ حق بات کہتا ہے، اور سیدھی راہ دکھاتا ہے ﴿۳﴾ اُن کو ان کے باپ کے نام کے ساتھ پکارو (۴) اللہ کے نزدیک یہی بات انصاف کے زیادہ قریب ہے، اور اگر تمہیں ان کے باپ کا پتہ نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں، اور تم سے اس بارے میں اب تک جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ جن باتوں کا تمہارے دلوں نے قصد و ارادہ کر لیا تھا، ان پر تمہاری گرفت ہوگی، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۵﴾

(۲) آپ ﷺ کو اور آپ کے پیروکار مومنوں کو یہ بھی نصیحت کی گئی ہے کہ آپ پر بذریعہ وحی جو قرآن نازل ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ آپ کو جو احکام ملتے ہیں، انہی کی پیروی کیجئے، نہ مشرکوں اور منافقوں کے مشوروں پر کان دھریئے، اور نہ ہی مجرد رائے پر اعتماد کیجئے۔ آپ اور آپ کی امت کے لئے ہر خیر و برکت کا واحد ذریعہ قرآن کریم کی اجراع ہے۔ آپ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کیجئے اس لئے کہ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے، وہ اُس کو کافی اور اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔

(۳) شوکانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا حصہ ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ﴾ اُن قرآنی احکام کے لئے بطور تمہید آیا ہے، جو اس کے بعد بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب حمان التشریل آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح اللہ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ ایک انسان کے جسم میں دو دل نہ پیدا کئے جائیں اس لئے کہ اگر دونوں ایک ہی بات کو چاہیں گے تو ایک بیکار ہو گا اور اگر دونوں دو مخالف باتوں کا حکم دیں گے تو ایک ہی انسان بیک وقت دو مخالف چیزوں کا چاہنے والا ہوگا، جو ہر شر و فساد کا باعث ہوگا، اسی طرح اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ ایک ہی عورت ایک مرد کی ماں اور بیوی نہ ہو، اور ایک ہی آدمی کسی دوسرے انسان کا حقیقی اور منہ بولا بیٹا نہ ہو۔

آگے لکھتے ہیں کہ یہ مثال زید بن حارثہ کے بارے میں بیان کی گئی تھی، جنہیں لوگ "زید بن محمد" کہا کرتے تھے۔ اور عربوں کے قدیم رواج کے مطابق منہ بولا بیٹا وارث بنتا تھا، اور اس کی بیوی سے طلاق کے بعد شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اسی غلط رواج کو ختم کرنے اور اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا، یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا، اور اسے منہ بولے باپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اس آیت کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس رواج کی تردید کر دی اور حکم دیا کہ ہر ایک کو اس کے باپ کی طرف منسوب کیا جائے، اللہ کے نزدیک عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے، اور اگر کسی شخص کے باپ کا علم نہ ہو تو بھائی یا دوست جیسے الفاظ

النَّبِيِّ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٦﴾

نبی مومنوں کے ان کے اپنے آپ سے زیادہ حقدار (۵) ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اور اللہ کی کتاب میں مومنین و مہاجرین رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، الایہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی بھلائی کرنی چاہو، یہ بات لوح محفوظ میں نوشتہ ہے ﴿۶﴾

کے ساتھ اسے پکارا جائے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کو غلطی سے اس کے غیر باپ کی طرف منسوب کر دے تو وہ اللہ کے نزدیک قابل مواخذہ نہیں ہے۔ مواخذہ اس پر ہو گا کہ کوئی شخص جان بوجھ کر کسی کو اس کے غیر باپ کی طرف منسوب کرے۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ”زید بن حارثہ“ رضی اللہ عنہ کو ”زید بن محمد“ کہا کرتے تھے، یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی، اور منہ بولے بیٹے کی مطلقہ عورت سے شادی جائز ہو گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کی مطلقہ زینب بنت جحش سے شادی کر لی، تاکہ زمانہ جاہلیت کے مذکور بالا غلط رواج کا خاتمہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت (۳۷) میں فرمایا ہے: ﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطْرًا﴾ ”تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جبکہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں“۔

(۵) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی عظمت اور امہات المؤمنین کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام دینی اور دنیاوی امور میں آپ ﷺ کو اپنی ذات پر مقدم رکھیں۔ اپنے آپ سے زیادہ ان سے محبت کریں۔ آپ کا حکم ان کی ذات پر ان کے اپنے حکموں سے زیادہ نافذ العمل ہو، آپ کے حقوق کو اپنے حقوق پر ترجیح دیں، اپنی ذات سے زیادہ آپ سے محبت کریں، اور ان کی خاطر اپنی جانیں فدا کر دیں اور ان کے ہر حکم کی اتباع کریں، کیونکہ دنیا و آخرت کی تمام نیک بختیوں کا یہی واحد سرچشمہ ہے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں ہر مومن کا دنیا و آخرت میں تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہوں“۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم لوگ چاہو تو یہ آیت پڑھو: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾۔ الحدیث۔

صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو گا جب تک کہ وہ اپنی جان و مال، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے نہ محبت کرے“۔

آیت کے دوسرے حصے میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں تمام مسلمانوں کے لئے ماں کا مقام رکھتی ہیں۔ ان کے لئے ان سے شادی کرنا حرام ہے، اور ان کا احترام واجب ہے، لیکن ان کے ساتھ خلوت اور انہیں نظر اٹھا کر دیکھنا جائز نہیں ہے۔ آیت کے تیسرے حصے میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ اہل قربت ایک دوسرے کی میراث کے مہاجرین اور دیگر مومنین سے زیادہ حقدار ہیں۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگ ہجرت، آپس کے بھائی چارہ اور معاہدوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور وراثت صرف قرابت داروں کے ساتھ مختص

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ سَخَّرْنَا لَهُمْ قُلُوبَنَا وَمَنَّا قَلِيلًا ۗ غَالِيًا ۗ لِيَتْلُوَ الصُّدُورُ مِنْ عَن صَدْرِهِمْ ۗ وَأَعَذَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ جُنُودُهُمْ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا أَلْمُوتُوا مَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۗ

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد و پیمان لیا (۶) اور آپ سے لیا، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے لیا، اور ہم نے ان سب سے بڑا پختہ عہد لیا (۷) تاکہ اللہ (قیامت کے دن) سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے، اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے (۸) اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب کافروں کی فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں، تو ہم نے ان پر آندھی، اور ایسے لشکر بھیج دیئے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا (۹)

ہوگی، اور غیر قرابت دار مومنوں اور مہاجرین کے لئے صدقہ، ہدیہ اور وصیت جیسی صورتیں باقی رہ گئیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ احکام لوح محفوظ میں پہلے سے نوشتہ ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے بالعموم اور اولوالعزم انبیاء یعنی نبی کریم ﷺ، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے بالخصوص یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں تک ضرور پہنچائیں گے، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے، ایک دوسرے کی مدد کریں گے، آپس میں اتفاق کے ساتھ رہیں گے، اللہ کے دین کو قائم کریں گے، اور اس میں اختلاف و افتراق نہیں پیدا کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت (۸۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَضْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَضْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ”جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کیا تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“

اس عہد و پیمان کی مزید تصریح سورہ الشوریٰ آیت (۱۳) میں آئی ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ ”مومنو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے اے میرے نبی! آپ کی طرف بھیج دی ہے، اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا، اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔“

آیت (۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ان صادق القول والعمل انبیاء سے ان کی امتوں کے سامنے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے اللہ کا پیغام اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا، تو وہ کہیں گے کہ ہاں، اے ہمارے رب! ہم نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا تھا، تو اللہ انہیں اور ان کے پیروکار مومنوں کو اچھا بدلہ دے گا۔

اس سوال سے مقصود اہل کفر و شرک کو میدانِ محشر میں سب کے سامنے ملزم قرار دینا ہوگا، ورنہ اللہ تو خوب جانتا ہے کہ

ان رسولوں نے پوری امانت کے ساتھ پیغامِ رسائی کا کام انجام دیا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ اس نے کافروں کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، جس میں وہ انہیں ہمیشہ کے لئے ڈال دے گا۔

(۷) آیات (۹) سے (۲۷) تک غزوہٴ احزاب اور غزوہٴ بنو قریظہ کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس سے مقصود مومنوں کو اللہ کی ایک عظیم نعمت کی یاد دلا کر نصیحت کرنی ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں، جس کا عملی تقاضا یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کی بندگی کریں، ہر حال میں اس کے رسول کی اتباع کریں، اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت پر کسی دوسری چیز کو مقدم نہ کریں۔

ان آیات کی تفسیر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن القیم کی کتاب (زاد المعاد) سے مدد لیتے ہوئے مذکور بالا دونوں غزوات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جائے، تاکہ ان آیات میں مذکور جزئیات کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

غزوہٴ اُحد ۳ھ سے واپسی کے وقت مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو دھمکی دی کہ آئندہ سال پھر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا، لیکن خشک سالی کی وجہ سے دوسرے سال مشرکین مکہ جنگ کے لئے نہیں نکلے۔ حنیی بن اخطب یہودی نے اہل قریش کی اس دھمکی کو غنیمت جانا، اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے، شہر مدینہ سے بنو نضیر کی جلا وطنی کا انتقام لینے کا موقع مناسب سمجھا۔ اس لئے وہ کئی دیگر سردارانِ یہود کو لے کر مکہ گیا اور کفارِ قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا، اور ان کے شانہ بشانہ جنگ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ قبیلہٴ غطفان اور دیگر قبائلِ عرب سے بھی جا کر ملے، اور انہیں بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی، تاکہ سب مل کر مسلمانوں کا وجود ہی ختم کر دیں۔ رسول کریم ﷺ کو جب ان حالات کا علم ہوا، تو دفاعی تدبیروں پر غور و فکر کرنے کے لئے صحابہٴ کرام کو جمع کیا، اور سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے سلع پہاڑی کے مشرق میں خندق کھودنے کا فیصلہ کیا، جدھر سے کافروں کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ڈر تھا۔ تقریباً ایک ماہ کی مدت میں خندق کی کھدائی پوری ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ تین ہزار مجاہدین کے ساتھ وہاں پہنچ گئے، جب کافروں کا لشکر وہاں پہنچا جن کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی، تو خندق دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ جنگی چال تو عرب نہیں جانتے تھے، اور اسی سے ان کی ہمت ایک گونہ پست ہو گئی۔

حنیی بن اخطب یہودی سردار بنی نضیر مکہ سے واپس آنے کے بعد بنو قریظہ کے پاس گیا، اور بڑی کوششوں کے بعد انہیں رسول کریم ﷺ کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمانہ کو توڑنے پر آمادہ کر لیا۔ آپ ﷺ کو جب ان کے نقضِ عہد کی اطلاع ملی تو چند صحابہٴ کرام کو حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا، جب انہوں نے واپس آکر اس خبر کی تصدیق کر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! مسلمانو! تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔ تب مسلمانوں کی آزمائش کی شدید گھڑی آن پہنچی، اور منافقوں نے برملا اپنے نفاق کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ قبیلہٴ بنی حارثہ کے بعض افراد نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہہ کر مدینہ واپس چلے جانے کی اجازت مانگی کہ ہمارے مکانات غیر محفوظ ہیں، اسی طرح قبیلہٴ بنی سلمہ نے بھی وہاں سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدمی عطا کی۔

مشرکین نے وہاں ایک ماہ تک قیام کیا، لیکن خندق کی وجہ سے جنگ نہ ہو سکی۔ البتہ قریش کے چند گھوڑ سوار خندق کے ایک تنگ حصے سے گذر کر آگے بڑھے، جن میں عمرو بن عبدود قریشی پیش پیش تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے مقابلے کے لئے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ اور انہوں نے اسے قتل کر دیا، تو باقی گھوڑ سوار ڈر کے مارے واپس چلے گئے۔ رسول کریم ﷺ نے جب دیکھا کہ محاصرے کی مدت طویل ہوتی جا رہی ہے، اور دشمن واپس جانے کا نام نہیں لے رہے

ہیں تو آپ ﷺ نے قبیلہ مغطفان کے دونوں سردار غسیبہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کے ایک تہائی پھلوں کے عوض صلح کی پیش کش کر دی۔ جب سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سردار ابن اوس و خزرج کو اس کی اطلاع ملی تو کہا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ کو اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو تسلیم خم ہے، اور اگر یہ آپ کی ذاتی تدبیر ہے تاکہ ہماری اور ہمارے بچوں کی حفاظت کریں، تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم اور وہ قبائل کفر و شرک پر تھے، تب تو انہوں نے کبھی ہم سے ایسی امید نہیں کی، اور اب جبکہ اللہ نے ہمیں نعمت اسلام سے نوازا ہے، اور آپ کے ذریعہ ہمیں عزت دی ہے، تو ہم کسی حال میں بھی اپنا مال انہیں نہیں دیں گے۔ ہمارا اور ان کا فیصلہ تلوار کرے گی۔

آپ ﷺ ان کی بات سن کر خوش ہوئے، اطمینان کا اظہار کیا، اور کہا کہ یہ میری ذاتی تدبیر تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ سارے عرب مل کر ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو یہ بات ذہن میں آئی تھی۔

اس کے بعد اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ قبیلہ مغطفان کا ایک شخص نعیم بن مسعود بن عامر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو گیا ہوں، آپ مجھے جو چاہئے حکم دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنگ دھوکے کا نام ہے۔ اس لئے تم کفار اور یہود کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ وہ صحابی پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ ان کا پہلے سے تعارف تھا، اور کہا کہ اگر اہل مکہ کی شکست ہوئی تو وہ مکہ واپس چلے جائیں گے، اور تم لوگ ”محمد“ کو اپنا دشمن بنا لو گے۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر کیا کیا جائے؟ نعیم نے کہا کہ جب تک وہ لوگ اپنے کچھ افراد تمہارے پاس بطور رہن نہ رکھ دیں، ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو۔ پھر قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ بنو قریظہ والے محمد کے ساتھ اپنا عہد توڑنے پر نامد ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بات طے کر لی ہے کہ وہ تمہارے کچھ لوگوں کو تم سے بطور رہن لے کر اس کے حوالے کر دیں گے۔ اور اس کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے۔ قبیلہ مغطفان والوں سے بھی ایسی ہی بات کی۔

کفار مکہ نے سنجے کے دن یہود بنی قریظہ کو خبر بھیجی کہ اب ہمارے لئے یہاں زیادہ دیر تک قیام کرنا مشکل ہے، اس لئے آؤ، آج ہی ہم سب ایک ساتھ مل کر محمد اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیں۔ یہودیوں نے کہا کہ آج تو سنجے کا دن ہے، اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے آباء و اجداد نے اس دن کی بے حرمتی کر کے اللہ کی کیسی سزا بھگتی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم لوگ جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ افراد بطور رہن نہیں رکھو گے، ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ قریش والوں نے ان کی یہ بات سن کر کہا کہ نعیم نے سچ کہا تھا، اور اپنے کچھ افراد انہیں بطور رہن دینے سے انکار کر دیا۔ یہودیوں نے ان کی یہ بات سن کر کہا کہ نعیم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ چنانچہ قریش اور بنو قریظہ دونوں نے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔

اللہ کا مسلمانوں پر یہ بھی کرم ہوا کہ شدید سردی والی رات میں تیز ہوا چلی، جس سے دشمنوں کے خمیے اکھڑ گئے، ہانڈیاں اُٹ گئیں، اور فرشتوں نے اللہ کے حکم سے ان کے دلوں میں شدید خوف و رعب پیدا کر دیا، اور انتہائی بے چینی اور پریشانی کے عالم میں وہاں سے جیسے تیسے بھاگ پڑے۔

نبی کریم ﷺ نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا، انہوں نے آ کر آپ کو خبر دی کہ واقعی کفار وہاں سے کوچ کر رہے تھے، تو آپ کو اطمینان ہوا کہ اللہ نے تمام کفار عرب کو بغیر جنگ کے شکست دے دی

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ﴿١٠﴾
هَذَا كِ الْبَيْتِ الْيُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زُلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾

جب دشمن تم پر چڑھ آئے، تمہارے اوپر سے (۸) اور تمہارے نیچے سے۔ اور جب آنکھیں پتھرا گئیں، اور دل گلے تک پہنچ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کرنے لگے ﴿۱۰﴾ اُس موقعہ سے مؤمنین بڑی آزمائش (۹) میں ڈالے گئے، اور پوری شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے ﴿۱۱﴾

تھی۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام جب مدینہ واپس آئے تو ظہر کا وقت تھا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور خبر دی کہ اللہ نے آپ کو یہودی قرظہ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے، اور میں بھی انہی کی طرف جا رہا ہوں تاکہ ان کے دلوں میں خوف و رعب پیدا کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے منادی کرادی کہ جو مسلمان بھی فرمانبردار ہے وہ عصر کی نماز بنو قرظہ کے پاس پڑھے۔ اور مسلمانوں کا جھنڈا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔

پچیس دنوں کے محاصرے کے بعد بنو قرظہ والے رسول کریم ﷺ کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہو گئے، اور بالآخر اپنی خواہش کے مطابق ان کے زمانہ جاہلیت کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق ان کے تمام بالغ مرد قتل کر دیئے گئے جن کی تعداد چھ یا سات سو تھی، اور بچے اور عورتیں غلام اور لونڈی بنائے گئے، اور ان کے اموال مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب سعد بن معاذ کا یہ فیصلہ ان کی زبان سے سنا تو فرمایا کہ یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔

غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قرظہ کے یہی وہ حالات و واقعات ہیں جن کی جزئیات آیت (۹) سے آیت (۲۷) تک بیان کی گئی ہیں، اور ان دونوں غزوں کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو احسانات کئے، انہی کی طرف آیت (۹) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور "جنود" سے مراد کفار قریش اور قبائل عرب پر مشتمل وہ لشکر ہے جو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہوا تھا۔ "دیح" سے مراد وہ تیر ہوا ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لشکر کفار کے خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کی ہانڈیاں الٹ دی تھی۔ اور ﴿جَنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ میں "جنود" سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے اُس دن بھیجا تھا، اور جنہوں نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے، ان کی آگ بجھادی، انہیں تتر بتر کر دیا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

(۸) ﴿مَنْ فَوْقَكُمْ﴾ سے مراد وادی کا بالائی علاقہ ہے، یعنی مدینہ کا مشرقی حصہ۔ اس طرف سے عیینہ بن حصن کی قیادت میں قبیلہ غطفان، عوف بن مالک کی قیادت میں قبیلہ ہوازن، اور طلحہ بن خویلد اسدی کی قیادت میں نجد کے قبائل آئے، اور ان کے ساتھ بنی نضیر کے یہود مل گئے۔ اور ﴿مَنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ﴾ سے مراد وادی کا نشیبی علاقہ ہے، یعنی مدینہ کا مغربی علاقہ۔ اس طرف سے ابو سفیان بن حرب کی قیادت میں کفار قریش اور کچھ دوسرے لوگ آئے۔ اور خندق کی سمت سے بنو قرظہ کے یہودی تھے جن کے ساتھ حنیی بن اخطب یہودی اور عامر بن طفیل وغیرہ تھے۔

ہر چہاں جانب سے دشمنوں کو آتا دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھیں پتھرا گئیں کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آ رہے ہیں اور مارے خوف و دہشت کے ان کے دل باہر نکل جانے کے لئے ان کی گردنوں تک پہنچ گئے، اور اللہ کے بارے میں طرح طرح کے اہام و خیالات ان کے دلوں میں پرورش پانے لگے کہ معلوم نہیں وہ ہماری مدد کرے گا یا ہمارے گناہوں کے سبب ہمیں

وَأَذِيقُوا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَّا وَعَدْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَذِيقُوا ۖ وَإِذْ قَالَتْ طَافِيَةٌ مِّنْهُمْ
يَا لَيْلَ يَأْتِي بَأْسَكُمْ فَاجْعُوا لِكُمْ فِي سِتَائِدُنْ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ الَّذِينَ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٌ
إِنْ يَأْتِيكُمُ الْإِفْرَاقُ ۖ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَمْطَارِهَا ثُمَّ سَبَّحُوا الْقِتْلَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا
يَسِيرًا ۖ وَلَقَدْ كُتِبَ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِاللَّهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْتُواكُمْ الْأَذْبَانَ ۖ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مُسَوِّدًا ۖ

اور جب منافقین (۱۰) اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا ﴿۱۲﴾ اور جب ان میں سے ایک گروہ (۱۱) نے کہا کہ اے یثرب کے رہنے والو! یہ جگہ تمہارے ٹھہرنے کی نہیں ہے، تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اور ان کا ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے ﴿۱۳﴾ اور اگر ان کے دشمن (۱۲) مدینہ کے چاروں طرف سے گھس آتے، پھر ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف فتنہ میں شریک ہونے کو کہا جاتا تو اس میں کود پڑتے، اور اس بارے میں بہت کم توقف کرتے ﴿۱۴﴾ حالانکہ اس کے قبل انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اور اللہ سے کئے گئے عہد کے بارے میں ان سے سوال ہوگا ﴿۱۵﴾

ذلیل و رسوا کر دے گا۔

(۹) اور حالت بائیں جا رسید کہ مومنین شدید ترین آزمائش میں پڑ گئے، دشمن کا خوف، جنگ کی صعوبتیں، بھوک پیاس، اور ہر چہار جانب سے دشمنوں کے محاصرے کی وجہ سے جاں بلب ہو گئے، اور شدید خوف و ہراس اور اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہو گئے، اور یہ سب اس لئے ہوا تاکہ مومن و منافق کا فرق واضح ہو جائے۔

(۱۰) منافقین سے مراد عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی ہیں۔ اور ﴿وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک و شبہ کی بیماری تھی، اور جنہیں ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اُن شدید حالات میں مخلص مسلمانوں کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع مل گیا تھا۔ ان تمام لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جس فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا، وہ محض ایک دل بہلانے والی بات تھی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بات تقریباً ستر (۷۰) منافقین نے کہی تھی، اور اوپر کی آیت میں جس "ظن" کا ذکر آیا ہے، اس کی اس کے ذریعہ تشریح و تفسیر بھی ہوتی ہے کہ منافقوں نے اللہ کے بارے میں ایسی بدگمانی کی، اور مومنوں نے اپنے رب سے فتح و نصرت اور اللہ کے دین کی سر بلندی کی امید لگائی۔

(۱۱) منافقین کی ایک جماعت نے مسلمانوں کے عزم و ثبات کو کمزور کرنے کے لئے کہا کہ خندق اور سلع پہاڑی کی درمیانی جگہ میں رہ کر تم لوگ اپنے بال بچوں کی حفاظت نہیں کر سکتے ہو، اس لئے تم لوگ مدینہ لوٹ جاؤ، اور کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت چاہی کہ ان کے مکانات بالکل غیر محفوظ ہیں اور ڈر ہے کہ دشمن حملہ کر کے ہمارے بچوں کو ہلاک کر دیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور کہا کہ ان کے اجازت مانگنے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے مکانات غیر محفوظ ہیں، بلکہ وہ کسی بہانے میں ان جنگ سے بھاگنا چاہتے ہیں۔

(۱۲) انہی منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے کہ اگر شہر مدینہ کے چاروں طرف سے دشمن حملہ کر دے، اور لوٹ مار شروع کر دے،

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ أَكَلْتُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ قُلُوبًا مِمَّا كَفَرْتُمْ بِهِ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ أَكَلْتُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ قُلُوبًا مِمَّا كَفَرْتُمْ بِهِ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ أَكَلْتُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ قُلُوبًا مِمَّا كَفَرْتُمْ بِهِ

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل (۱۳) کے ڈر سے راہ فرار اختیار کرو گے تو یہ فرار تمہیں بچا نہیں لے گا، اور تب تمہیں دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا بہت ہی کم موقع دیا جائے گا ﴿۱۲﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچانا چاہے (۱۴) تو کون بچالے گا، یا تمہیں اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کون روک دے گا، اور لوگ اللہ کے سوا اپنا نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار ﴿۱۵﴾ اللہ تمہارے درمیان ان لوگوں سے خوب واقف (۱۵) ہے جو لوگوں کو شریعت جہاد سے روکتے ہیں، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے پاس آ جاؤ، اور جنگ میں برائے نام حصہ لیتے ہیں ﴿۱۸﴾

اور ان منافقین سے وہ دشمنان کہیں کہ تم لوگ اسلام کا انکار کر کے دوبارہ کفر و شرک کو قبول کر لو تو وہ لوگ ذرا بھی توقف سے کام نہیں لیں گے، اور فوراً اپنے کفر کا اعلان کر دیں گے۔

آیت (۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے تو اللہ سے عہد و پیمانہ کر رکھا تھا کہ وہ دشمن کو اپنی بیٹی نہیں دکھلائیں گے۔ ان سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگ ہیں، جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، اور مسلمانوں کو وہاں جو فتح و نصرت حاصل ہوئی تھی، اسے سن کر کہتے تھے کہ اگر آئندہ کوئی جنگ ہوگی تو ہم ضرور شریک ہوں گے، لیکن غزوہ احزاب میں ان کا بھرم کھل گیا کہ ان کی باتوں کا صداقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان کے نفاق اور ان کی بزدلی کا یہ جواب دیا کہ اگر تمہاری قسمت میں قتل ہونا لکھا ہوگا، اور تمہاری موت کا وقت آچکے گا تو راہ فرار اختیار کرنے سے تم بچ نہیں جاؤ گے۔ اور اگر تمہاری عمر کا کچھ حصہ باقی ہوگا تو وہ جلد ہی گزر جائے گا اور تم دنیا کی لذتوں سے بہت تھوڑا فائدہ اٹھا سکو گے، اور بالآخر موت تمہیں آدبوچے گی۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے نبی کی زبانی یہ بھی کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں شکست دینا چاہے، یا تمہیں ہلاک کرنا چاہے، یا کسی اور عذاب میں مبتلا کرنا چاہے، تو اس کے سوا تمہیں کون بچا سکتے گا، یا اگر وہ تم پر رحم کرتے ہوئے زرخیزی و کامیابی اور عافیت و صحت سے نوازنا چاہے، تو اس کو کون منع کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہندوں کا نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔ اُن کے لئے اس کی جناب کے سوا کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ہے۔

(۱۵) منافقین کے کچھ افراد خفیہ طور پر مسلمانوں سے ملنے اور ایسی باتیں کرتے جن سے جنگ کرنے سے ان کی ہمت پست ہو، کہتے کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کی ابوسفیان اور اس کے لشکر کے سامنے کیا حیثیت ہے، ان کی ایک جھڑپ بھی برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ اپنی جان جو کھم میں نہ ڈالو اور ہمارے پاس آ کر سایہ دارد رختوں اور پھلوں کے مزے اڑاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ موت کے ڈر سے جنگ کے قریب کم ہی پھٹکتے ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہودی ایسی بات منافقین سے کہتے تھے، اور انہیں نبی کریم ﷺ اور مخلص مسلمانوں کا ساتھ دینے سے روکتے تھے۔

أَشْتَعَلَهُ عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنظَرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْتَنَبُ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ
 فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَفُوا ۗ سَأَلْتَهُمْ بِالسِّنَةِ جِدَادِ أَشْتَعَلَهُ عَلَى الْخَيْرِ أَوْلِيكَ لَمْ يُؤْمِنُوا وَأَلْحَبُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى
 اللَّهِ يَسِيرًا ۗ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابَ يَوَدُّ أَنْ لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ
 يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَأِكُمْ لَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَسَتُوا إِلَّا أَقْبِيلًا ۗ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ
 كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۗ

یہ لوگ تم مسلمانوں کا ساتھ دینے میں بڑے بخیل (۱۶) ہیں، اور جب دشمنوں کا خوف لاحق ہوتا ہے تو آپ ان کا
 مشاہدہ کرتے ہیں، وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہوتی ہیں، اس آدمی کی طرح
 جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو، پھر جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو مال غنیمت کے بڑے ہی حریص بن کر اپنی تیز زبانوں
 کا تمہیں نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تھے، اسی لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے، اور ایسا
 کرنا اللہ کے لئے بڑا آسان تھا ﴿۱۹﴾ یہ لوگ یہی سمجھ (۱۷) رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں اب تک واپس نہیں گئی ہیں،
 اور اگر وہ فوجیں دوبارہ مڑ کر آجائیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ بادیہ میں چلے جائیں اور وہاں سے تمہارے احوال
 معلوم کرتے رہیں، اور اگر یہ لوگ تمہارے درمیان ہوتے تو برائے نام ہی جنگ میں شریک ہوتے ﴿۲۰﴾ فی
 الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول و عمل ایک بہترین نمونہ (۱۸) ہے، ان کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت
 کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں ﴿۲۱﴾

(۱۶) منافقین مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں نہایت بخیل ہیں، نہ انہوں نے خندق کھودنے میں ان کی مدد کی، نہ ہی جہاد
 کے لئے اپنے مال کا کوئی حصہ خرچ کرتے ہیں، اور جب جنگ کی وجہ سے انہیں موت کا خوف لاحق ہوتا ہے تو غایت بزدلی کی
 وجہ سے ان کی آنکھیں دائیں اور بائیں گھومنے لگتی ہیں، جیسے اُس آدمی کی کیفیت ہوتی ہے جس پر موت طاری ہو۔ اور جب جنگ
 کا خطرہ ٹل جاتا ہے تو مسلمانوں کی عیب جوئی اور مذمت کے لئے اپنی زبانیں دراز کرتے ہیں، اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہ
 لوگ بھلائی کے کاموں میں بڑے ہی بخیل ہیں اور اپنے ایمان میں غیر مخلص اور متاثر ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو
 راکھال اور بے سود بنا دیا، اور ایسا کرنا اس کے لئے بڑا ہی آسان تھا۔

(۱۷) منافقین خوف اور بزدلی کی وجہ سے لشکر کفار کے واپس چلے جانے کے بعد بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ابھی وہ لوگ آس پاس
 ہی موجود ہیں، اور ممکن ہے دوبارہ واپس آجائیں۔ اور اگر واقعی دشمن واپس آجائے تو ان کی تمنا ہوگی کہ کاش وہ لوگ بادیہ
 نشینوں کے پاس چلے گئے ہوتے تاکہ جنگ میں شریک ہونے کی نوبت نہ آتی، اور وہیں سے آنے جانے والوں سے مسلمانوں کے
 بارے میں دریافت کرتے کہ لشکر کفار سے مذہبیز میں ان کا انجام کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مدینہ سے چلے بھی
 جاتے تو مسلمانوں کا کچھ نہ بگڑتا، اس لئے کہ اگر یہ لوگ ہوتے بھی تو صرف دکھلاوے کے لئے شریک ہوتے اور کوئی مفید کام
 انجام نہ دیتے۔

(۱۸) نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی نیک صفات اور اچھے اخلاق و کردار میں مومنوں کے لئے بہتر نمونہ ہے۔ آپ مشکل گھڑیوں میں

وَلَبَّارًا الْمُؤْمِنُونَ الْاِحْزَابِ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلْاِيمَانًا
وَتَسْلِيمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجَالَ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا وَاللَّهُ عَلَيْهِ فَايْمُهُمْ مَنْ قَضَىٰ مَحْبَبًا وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ
وَمَا بَدَأُوا بَدَلًا ۝

اور جب مومنوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا (۱۹) تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس بات نے تو ان کے ایمان اور طاعت و فرمانبرداری کو اور بڑھا دیا ﴿۲۲﴾ مومنوں میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان (۲۰) کو سچ کر دکھایا، پس اُن میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے ﴿۲۳﴾

ہمیشہ ثابت قدم رہے، دکھ اور مصیبت پر صبر کیا، اور کسی حال میں بھی آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا ہوئی۔ کئی زندگی میں قریبیوں نے آپ پر مصیبت کے پہاڑ ڈھائے، اور آپ اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر دیا، لیکن آپ ایمان و عزیمت کے ساتھ سب کچھ جمیل گئے۔ آپ ﷺ کے یہ اوصاف ان مومنوں کے لئے مشعل راہ ہیں جو رضائے الہی اور ثوابِ آخرت کی امید لگائے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے وقت بزدلی نہیں دکھاتے اور اللہ کو خوب یاد کرتے رہتے ہیں۔

(۱۹) غزوہ احزاب کے موقع سے یہود و منافقین کی حالت بیان کرنے کے بعد اب مومنینِ مخلصین کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے، کہ جب انہوں نے لشکر کفار کو ہر طرف سے آتا دیکھا، تو کہنے لگے کہ ہمارے رب نے تو ہمیں اس کی خبر پہلے سے دے رکھی ہے کہ جب ہم ہر طرف سے گھیر لئے جائیں گے، اور ہمارا اضطراب اور ہماری پریشانی انتہا کو پہنچ جائے گی، اس وقت ہم اپنے رب سے مدد مانگیں گے اور اس کے سامنے گرہ و زاری کریں گے، تو اس کی مدد آئے گی اور ہمیں فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۲۱۳) میں فرمایا ہے: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ "کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے"۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی خبر دی ہے کہ پہلے مسلمان آزمائے جائیں گے، پھر اللہ ان کی مدد کرے گا اور ان کو غلبہ حاصل ہوگا۔

اللہ اور اس کے رسول کی خبر کی صداقت ظاہر ہو کر رہی، کہ دشمن کی فوج تتر بتر ہو گئی اور بغیر جنگ کے مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ اور اس موقع سے مسلمانوں کو جو بھی پریشانیاں لاحق ہوئیں اور منافقوں کا گھناؤنا کردار سامنے آیا، ان ساری باتوں سے مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہوا، اور انہوں نے اللہ کی تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور صبر و شکیبائی کے ساتھ اسے برداشت کیا۔

(۲۰) ان مومنینِ مخلصین نے اللہ تعالیٰ سے جس صبر و ثبات قدمی کا وعدہ کیا تھا، اس میں سچے ثابت ہوئے، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، عمل صالح کیا اور گناہوں سے بچتے رہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان سے مراد یا تو وہ انصار مدینہ ہیں جنہوں نے بیعتہ عقبہ میں ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا، یا وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے نذر مانی تھی کہ

لِيُغْزِيَ اللَّهُ الصُّدُوقِينَ يَبِئْسَ فِئَمًا لِّلْمُتَّقِينَ إِنَّ سَاءَ أَوْتِيُوا عَلَيْهِمْ وَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢١﴾
 وَكَذَٰلِكَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا يُغَيِّظُهُمْ لَمَّا آوَاخِزُوا ۗ وَكَفَىٰ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٢﴾ وَأَنْزَلَ
 الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۖ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ
 فَرِيقًا ۗ وَأَوْرَثَكُمُ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَّوُّوهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٣﴾

یہ سب کچھ اس لئے پیش آیا تاکہ اللہ سچوں (۲۱) کو ان کی سچائی کا بدلہ دے، اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے، یا چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد مہربان ہے ﴿۲۲﴾ اور اللہ نے کافروں کو غیظ و غضب بھرے دلوں کے ساتھ واپس (۲۲) کر دیا، اپنی کوئی بھی مراد حاصل نہ کر سکے، اور اللہ مومنوں کی طرف سے قتال کے لئے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے ﴿۲۵﴾ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی تائید (۲۳) کی تھی، اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار لیا، اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم لوگ ان میں سے ایک جماعت کو قتل کرنے لگے، اور دوسری جماعت کو قید کرنے لگے ﴿۲۶﴾ اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین، ان کے مکانات اور ان کے مال کا مالک بنا دیا، اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۲۷﴾

اگر انہیں رسول اللہ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کا موقع ملا تو ثابت قدم رہیں گے اور راہ فرار نہیں اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو جنگ اُحد میں کام آگئے جیسے حمزہ، مصعب بن عمیر اور انس بن النضر اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی، اور جو بچ گئے، جیسے عثمان بن عفان، طلحہ اور زبیر وغیرہم وہ اللہ کی فتح و نصرت اور اس کی راہ میں شہادت کا انتظار کرتے رہے، اور انہوں نے اپنے رب سے جو عہد و پیمان کیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں لائی اور نہ ہی منافقوں کی طرح نقض عہد کیا، جس کی طرف اسی سورت کی آیت (۱۵) میں اشارہ کیا گیا ہے، کہ ان منافقوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ میدان کارزار میں دشمن کو اپنی پیٹھ نہیں دکھلائیں گے۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کچھ اس لئے ہوا تاکہ وہ سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا بدلہ دے، اور جنہوں نے نفاق کی راہ اختیار کی، اور توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح نہیں کی، اگر چاہے تو انہیں عذاب دے۔

(۲۲) غزوہ احزاب کا باقی واقعہ اور رسول کریم ﷺ پر اللہ کا جو احسان ہوا، اسے بیان کیا جا رہا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کی فوج کے ذریعہ لشکر کفار کو اس طرح مار بھگا دیا کہ وہ مارے غیظ و غضب کے پھٹے پڑ رہے تھے، اس لئے کہ ان کی جنگی تیاریاں اور تمام قبائل عرب کے ساتھ مدینہ پر دھاوا بول دینے کی زبردست سازش دھری کی دھری رہ گئی، نہ مدینہ پر حملہ کر سکے اور نہ کوئی مالی غنیمت انہیں ہاتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام جنگی چالوں کو ناکام بنا دیا، اور مسلمانوں کو جنگ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ کہا کرتے تھے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَعَزَّ جُنْدُهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَوَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اور اسی نے اپنے بندے کی مدد کی، اور اپنے لشکر کو عزت دی، اور تمام لشکر کفار کو تباہ کشت دی، اس لئے کہ اس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔" (صحیحین)۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَ أَرْوَاهُ لَكُمْ إِن كُنْتُمْ تُؤَدُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَرَبِّهَا فَمَا لِيْنَ أُمْتِعْتِكُمْ وَأَسْرَحْتُمْ سَرَاحًا جَمِيلًا ۖ وَلَئِن كُنْتُمْ تُؤَدُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآرَاءَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ

اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں (۲۳) سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی خوش رنگیاں چاہئے، تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دوں اور خوش اسلوبی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں ﴿۲۸﴾ اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسول چاہئے، اور آخرت کی بھلائی چاہئے، تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیک عمل کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ﴿۲۹﴾

(۲۳) غزوہٴ احزاب کے موقع سے یہود بنو قریظہ نے خیانت کی، نقض عہد کیا اور کفار عرب کے ساتھ مل گئے، انہی کا حال بیان کیا جا رہا ہے، کہ چونکہ انہوں نے بد عہدی کر کے کفار عرب کی تائید کی تھی، اس لئے مسلمانوں نے غزوہٴ احزاب کے بعد ان کا محاصرہ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ وہ اپنے قلعوں کے دروازے کھول کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے اور ہتھیار ڈال دیا، تو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے ان کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا، عورتیں اور بچے لوٹ لیا اور غلام بنا لئے گئے اور ان کے اموال بطور مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ آیت (۲۷) میں اسی کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ مسلمان ان کے کھیتوں، باغات، مکانات، قلعوں، مویشی، ہتھیار، درہم و دینار اور دیگر تمام منقولہ جائیدادوں کے مالک بن گئے، اور کچھ ہی دنوں کے بعد یہود خیر کی زمینوں کے بھی مالک بن گئے۔ بعض مفسرین نے ﴿أَرْضَانِم تَطْفُوها﴾ سے مراد زمین مکہ، اور بعض نے فارس و روم کے علاقے لئے ہیں۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ ممکن ہے تینوں ہی مراد ہوں۔

(۲۴) مفسرین لکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی بیویوں نے دیکھا کہ انصار و مہاجرین کی بیویاں دنیاوی اعتبار سے ان سے اچھی حالت میں ہیں، تو انہوں نے بھی آپ ﷺ سے اپنے اخراجات میں اضافہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اُس وقت ان کی تعداد نو (۹) تھی: عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، میمونہ، جویریہ، اور صفیہ۔ ان کی بات رسول اللہ ﷺ تک عائشہ نے پہنچائی، آپ چونکہ مالی طور پر اس کی قدرت نہیں رکھتے تھے، اس لئے آپ کو اس سے تکلیف ہوئی، اور اپنی تمام بیویوں سے ایک ماہ کے لئے الگ ہو گئے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق ان سب کو اختیار دے دیا، اور اس کی ابتداء عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی اور ان سے کہا کہ وہ اپنے باپ ماں سے مشورہ کرنے سے پہلے کوئی فیصلہ نہ کریں۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے بارے میں میں ان سے مشورہ کروں؟ اور انہوں نے اللہ، اس کے رسول اور آخرت کی راحت و نعمت کو اختیار کر لیا، دیگر امہات المؤمنین نے بھی ایسا ہی کیا، اور سب نے اللہ، اس کے رسول اور آخرت کی خوشیوں کو دنیا کی راحتوں پر ترجیح دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اس اچھی نیت اور عمل صالح کا یہ بدلہ دیا کہ اس سورت کی آیت (۵۲) نازل فرمائی: ﴿لَا يُحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مَن بَعَدُوا لَآئِن تَبَدَّلَ بَيْنَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَكُنَّ عَجَبًا حَسَنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ عَرِيفًا ۖ﴾ ”اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں، اور نہ یہ درست ہے کہ ان کے بدلے دوسری عورتوں سے نکاح کیجئے اگرچہ ان کی صورت اچھی لگتی ہو سوائے ان عورتوں کے جو آپ کی مملوکہ ہوں، ان سے آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے۔“

يُنْسَأُ الشَّيْءَ مَنْ يَأْتِ مِنْكَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَّفُ لَهَا الْعَذَابَ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۲۵﴾
 اے میرے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب (۲۵) کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا،
 اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بڑا ہی آسان ہے ﴿۳۰﴾

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں دنیا کا عیش و آرام چاہئے، اچھا کھانا پینا، عمدہ کپڑے، زیورات اور دیگر سامان عیش چاہئے تو آؤ تمہیں طلاق دے دوں، اور مطلقہ عورتوں کو ہر آدمی کے حسب حال جو مال و متاع دینا چاہئے وہ دے کر تمہیں آزاد کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور جنت چاہئے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اس یقین کے ساتھ زندگی گزارو کہ اللہ نے تم میں سے بھلائی کرنے والیوں کے لئے جنت میں میری معیت میں بہت ہی اونچا مقام تیار کر رکھا ہے۔

(۲۵) مذکورہ بالا آیت کے نزول کے بعد جب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے اللہ، اس کے رسول اور جنت کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ادب سکھانا چاہا کہ انہیں جو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ خاتم النبیین کی بیویاں بن گئیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر ایسی بات سے گریز کریں جس سے نبی ﷺ کے گھرانے کی بدنامی ہو اور دشمنانِ دین انگلیاں اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکی دی اور فرمایا کہ اے میرے نبی کی بیویو! اگر تم میں سے کسی سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوگی جسے از روئے عقل و شرع برا سمجھا جاتا ہے تو اسے دوسری عورتوں سے دوگنا عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ اس سے میرے رسول کو تکلیف ہوگی، اور ان کی اور تمہاری عزت و شرف پر آنچ آئے گی۔

وَمَنْ يُقَدِّتْ مِنْكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَتَعَمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يٰنِسَاءَ التَّيْبِ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَحْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْعَمَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَإِذْ لَكُمْ مَائِيلٌ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحَكْمِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری (۲۶) کرے گی، اور نیک عمل کرے گی تو اُسے ہم دوہرا اجر دیں گے، اور ہم نے اس کے لئے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے ﴿۳۱﴾ اے میرے نبی کی بیویو! تم کوئی عام عورتیں (۲۷) نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو نرم گفتگو نہ کرو، کہ جس کے دل میں (گناہ کی) بیماری ہو وہ لالچ کرنے لگے، اور سیدھی سادی بات کرو ﴿۳۲﴾ اور اپنے گھروں میں بیٹکی رہو، اور اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار کے ساتھ نہ نکلا کرو، اور نماز قائم کرو، اور زکاۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو، اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے یعنی نبی کے گھرانے والوں سے گندگی کو دور کر دے، اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے ﴿۳۳﴾ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد رکھو، بے شک اللہ بڑا باریک میں، بہت ہی باخبر ہے ﴿۳۳﴾

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے اُمہات المؤمنین میں سے نیک، صالح اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والیوں کو خوشخبری دی ہے کہ اللہ انہیں دوہرا اجر دے گا، ایک تو طاعت و تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے پر، اور دوسرا نبی کریم ﷺ کو خوش رکھنے، اور ان کے ساتھ حسن اخلاق اور اچھے برتاؤ پر۔ اور یہ بھی خوشخبری دی ہے کہ دوہرے اجر کے علاوہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں عمدہ ترین روزی دے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اُمہات المؤمنین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

(۲۷) اُمہات المؤمنین کی مزید فضیلت بیان کرنے کے لئے، اور انہیں اس بات کا احساس دلانے کے لئے کہ ان سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد نہ ہو جس سے خاتم النبیین کی عزت پر آج آئے، اور دنیا والوں کو آپ کے گھرانے کے خلاف چہ میگوئیاں کرنے کا موقع ملے، اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میرے نبی کی بیویو! تم دنیا کی عام عورتوں سے مختلف ہو، تم بہت ہی معزز خواتین ہو، تمہارا مقام بڑا ہی اونچا ہے، تم خاتم النبیین کی بیگمات ہو، تمہیں اپنی قدر و منزلت کا پاس رکھنا چاہئے، تم اپنے مقام کی حفاظت اسی صورت میں کر سکو گی کہ صلاح و تقویٰ کو اپنی زندگی کا شعار بنا لو گی۔ اس لئے اجنبی لوگوں سے باتیں کرتے وقت ایسا اسلوب اور انداز نہ اختیار کرو کہ جن کے دلوں میں فسق و فجور کی بیماری ہو، وہ تمہارے بارے میں غلط شبہ کرنے لگیں، صرف ضرورت کے مطابق بات کرو، اور ایسا لہجہ اختیار کرو جو ہر شک و شبہ سے دور ہو۔

آیت (۳۳) میں اللہ نے فرمایا: اور اپنے گھروں میں رہا کرو، صرف ضرورت سے ہی نکلا کرو، اور جب نکلو تو ایسا جاہلیت کی عورتوں کی طرح بن ٹھن کر بے پردہ نہ نکلا کرو۔ مفسرین نے "تبرج" کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ عورت منکفی ہوئی اور زینت کا اظہار کرتی چلے جس سے مردوں کی جنسی خواہش بھڑکے، ایسے باریک اور عریاں لباس پہننے جس سے اس کے جسم کا پردہ نہ ہو،

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعَةَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

بے شک مسلمان مردوں (۳۸) اور مسلمان عورتوں کے لئے، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے، اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں کے لئے، اور سچے مردوں اور سچی عورتوں کے لئے، اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں کے لئے، اور عاجزی اختیار کرنے والے مردوں اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتوں کے لئے، اور صدقہ کرنے والے مردوں اور صدقہ کرنے والی عورتوں کے لئے، اور روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں کے لئے، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مردوں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتوں کے لئے، اور اللہ کو خوب یاد کرنے والے مردوں اور اللہ کو خوب یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ﴿۳۵﴾

اور کوشش کرے کہ اس کی گردن، ہار اور بالیاں وغیرہ لوگوں کو دکھائی دیں۔

نیز فرمایا کہ تم سب نماز قائم کرو، یعنی تمام شروط، ارکان اور واجبات کا لحاظ رکھتے ہوئے، پورے خشوع و خضوع کے ساتھ، صحیح اوقات میں ساری نمازیں ادا کرو، اور اگر اللہ مال دے تو زکاۃ دو، اور اللہ ورسول ﷺ کے تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا کہ تمہیں جن اچھی باتوں کی نصیحت کی گئی ہے، اور جن برائیوں سے روکا گیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں ایسے گناہ اور گندگی سے دور رکھا جائے جو نبی کے گھرانے کے شایان شان نہیں ہے، اور تمہیں ہر اس قول و فعل سے مکمل طور پر پاک کر دیا جائے جس سے روح کی بالیدگی متاثر ہوتی ہے۔

یہ آیت اس بارے میں صریح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ”اہل بیت“ میں شامل ہیں۔ صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن صبح کے وقت کالے بال کی بنی ایک چادر اوڑھے نکلے۔ حسن آئے تو انہیں اس میں داخل کر لیا، پھر حسین آئے تو انہیں اس میں داخل کر لیا، پھر فاطمہ آئیں تو انہیں اس میں داخل کر لیا، پھر علی آئے تو انہیں اس میں داخل کر لیا، پھر آپ نے فرمایا کہ اے اہل بیت! اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا چاہتا ہے، اور تمہیں مکمل طور پر پاک کرنا چاہتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چاروں افراد نبی کریم ﷺ کے گھرانے میں شامل ہیں۔ لیکن یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ”اہل بیت“ کا اطلاق صرف انہی چاروں پر ہوگا۔ اسی لئے ارجح یہی ہے کہ نبی کریم کی ازواج مطہرات ”اہل بیت“ میں قرآن کی صریح نص کے ذریعہ داخل ہیں۔ اور فاطمہ، علی اور حسن و حسین صحیح حدیث کے مطابق۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج ”اہل بیت“ میں داخل ہیں، اس لئے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہی بیان کرنا ہے، اور جو بات آیت کے نزول کا سبب ہوتی ہے وہ آیت کے حکم میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوتی ہے۔

آیت (۳۳) میں امہات المؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے گھروں میں قرآن کریم کی جن آیات کی تلاوت اور نبی کریم ﷺ کی جن سنتوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے جو خیر و برکت کا ذریعہ اور آداب و اخلاق عالیہ کا سرچشمہ ہیں، ان میں غور و فکر کرو اور ان سے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ (۲۹) کر دے، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا ﴿۳۶﴾

فیضیت حاصل کرو، یا مفہوم یہ ہے کہ اس نعمت کو تم سب یاد کرتی رہو کہ اللہ نے تمہیں نبی کے گھر میں جگہ دی ہے، جہاں قرآن و سنت کا ذکر ہو تارہتا ہے۔

(۲۸) نبی کریم ﷺ کے گھرانے والوں کی اللہ تعالیٰ کی زبانی تعریف سن کر یقیناً عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے دل میں یہ تمنا جاگی ہوگی کہ کاش اللہ تعالیٰ اپنی زبان سے کچھ ہمارے بارے میں بھی بیان کر تا۔ چنانچہ ترمذی نے امّ عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے اور احمد و نسائی نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مردوں کی طرح عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں سے دنیا میں گناہوں کی مغفرت اور آخرت میں اجر عظیم یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور ان صفات کا ذکر کیا ہے جو ان کی زندگی کا لازمہ ہوتی ہیں۔ وہ لوگ (مرد ہوں یا عورتیں) اللہ کے حکم کے سامنے تسلیم خم کئے ہوتے ہیں، ایمان کے تمام ارکان پر دل سے یقین رکھتے ہیں، اللہ کی عبادت و بندگی پر دوام برتتے ہیں، اپنے قول و عمل میں سچے ہوتے ہیں، یعنی ریاکاری سے دور رہتے ہیں، حادثات و مصائب، اور اللہ کی بندگی میں جو تکلیف ہوتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، ان کے دل اور ان کے اعضاء و جوارح اللہ کے جلال اور اس کی کبریائی کے لئے ہمیشہ جھکے ہوتے ہیں، فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کرتے ہیں جن کے پاس روزی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، فرض اور نفل روزے رکھتے ہیں جو تقویٰ کا باعث ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں بھوکوں اور پیاسوں کے لئے جذبہ رحمت کو جگاتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی نہ ننگے ہوتے ہیں اور نہ ہی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اپنے اللہ کو شب و روز اپنے دلوں میں اور اپنی زبانوں سے خوب یاد کرتے ہیں۔

(۲۹) اس آیت کریمہ سے زینب بنت جحش (رسول اکرم ﷺ کی چھوٹی بیٹی) سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی سے متعلق تفصیلات کی ابتدا ہو رہی ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی حیثیت دینے کی قرآن کریم میں ممانعت کر دی، جیسا کہ اسی سورت کی آیت (۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا أَدْنِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ﴾ اور آیت (۵) میں فرمایا ہے: ﴿ادْعُوهُمْ لِأَبْنَائِهِمْ﴾ کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کی حیثیت نہیں دے دی ہے، اور انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو، تو اس ضمن میں یہ احکامات بھی صادر ہوئے کہ منہ بولا بیٹا وارث نہیں ہوگا، اور اس کی مطلقہ بیوی اس کے منہ بولے باپ کے لئے حرام نہیں ہوگی، لیکن عملی طور پر ان احکامات کو قبول کرنا ان لوگوں کے لئے آسان نہیں تھا جو زمانہ جاہلیت سے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی حیثیت دیتے تھے۔ ضرورت تھی کہ کسی عملی مثال کے ذریعہ جاہلیت کی اس قبیح عادت پر کاری ضرب لگائی جاتی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے زینب بنت جحش کو زید بن حارثہ سے شادی

وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفَى فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذْ اقْتَضُوا مِمَّنْهُمْ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۰﴾

اور جب آپ اس شخص سے کہتے (۳۰) تھے جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو، اور اللہ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے خائف تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے، پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کر دی، تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے اپنی ضرورت پوری کر لیں، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال ہونا ہی تھا ﴿۳۰﴾

کا پیغام دیا، تو انہوں نے معذرت کر دی کہ قریش کی ایک خاندانی عورت ایک آزاد کردہ غلام سے شادی نہیں کر سکتی، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور مجاہد وغیرہم نے اس آیت کا سبب نزول بیان کیا ہے۔ جب زینب کو اس کی خبر ہوئی تو فوراً شادی کی منظوری دے دی، اور شادی ہو گئی، لیکن زینب ذہنی طور پر اس شادی سے مطمئن نہیں تھیں۔ زید نے جب دیکھا کہ اس شادی کا کوئی فائدہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ سے زینب کو طلاق دے دینے کی اجازت مانگی، لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں روکتے رہے، حالانکہ آپ ﷺ یہ بات جانتے تھے کہ زید کے طلاق دے دینے کے بعد، زینب سے خود شادی کر لیں گے، تاکہ زمانہ جاہلیت کی قبیح عادت پر کاری ضرب لگے، لیکن پھر بھی زید کو طلاق دینے سے منع کرتے تھے، جن کا ذکر آیت (۳۷) میں آیا ہے۔

آیت (۳۶) کا مفہوم یہ ہے کہ کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم صادر ہو جائے تو کسی مومن مرد یا عورت کے لئے یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ اس کی مخالفت کرے اور اپنی یا کسی اور کی رائے پر عمل کرے، اس لئے کہ ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول کی سراسر نافرمانی اور کھلم کھلا گمراہی ہوگی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور حکم تمام امور کو شامل ہے، یعنی کسی بھی معاملے میں جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم صادر ہو جائے، تو کسی کے لئے بھی اس کی مخالفت جائز نہیں ہے، اور نہ کسی کے قول یا رائے کی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت (۶۵) میں فرمایا ہے: ﴿فَلَا وَدَبَّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ﴿۶۵﴾ ”آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصلہ نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کر لیں“۔

(۳۰) مذکور بالا ضروری تمہید کے بعد، اللہ تعالیٰ نے زید بن حارثہ اور زینب بنت جحش کے درمیان طلاق و فراق کا واقعہ بیان کیا، اور خبر دی کہ طلاق کے بعد خود اللہ نے نبی کریم ﷺ کی شادی زینب بنت جحش سے کر دی۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فَمَا أَقْرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۗ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ يَبْلُغُونَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَخْشُونَهُ وَلَا يَخْشُونَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكُنِيَ بِاللَّهِ حَسْبِيًّا ۝

نبی کے لئے اس کام کو کر گزرنے میں کوئی حرج نہیں (۳۱) جسے اللہ نے ان کے لئے ضروری قرار دیا ہے، گذشتہ انبیاء کے لئے بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے، اور اللہ کا ہر فیصلہ طے شدہ ہے ﴿۳۸﴾ وہ انبیاء جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے رہے (۳۲) اور اس سے ڈرتے رہے، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے، اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے ﴿۳۹﴾

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ زید بن حارثہ جنہیں اللہ نے اسلام اور اپنے نبی کی صحبت جیسی نعمتوں سے نوازا، اور جن پر نبی کریم ﷺ نے بھی احسان کیا کہ انہیں آزاد کر دیا، ان سے محبت کی، اور اپنی چھوٹی بچی زاد سے ان کی شادی کر دی، آپ ﷺ ان سے کہتے تھے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق مت دو، اور اس کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ طلاق اس کے لئے عار کا سبب بن جائے گی، اور اسے ذہنی تکلیف ہوگی، اور تم اپنا بھی خیال کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کے بعد تمہیں اچھی بیوی نہ ملے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، زینب، ہمیشہ زید کو اپنی خاندانی شرافت کا احساس دلاتی تھیں، اور کڑوی کسلی سناتی رہتی تھیں۔ اسی لئے زید نے انہیں طلاق دے دینا چاہا، تو آپ ﷺ انہیں صبر و ضبط کی نصیحت کرتے تھے، حالانکہ آپ بذریعہ وحی اس بات سے خوب واقف تھے کہ طلاق ہوگی، اور اللہ کے حکم کے مطابق آپ ﷺ کی زینب سے شادی ہوگی، لیکن لوگوں کے اس طعن کے ڈر سے کہ محمد نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلق سے شادی کر لی ہے، زید کو طلاق دینے سے روکتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے طعنوں سے ڈرتے ہیں، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں اور اس کے فیصلے کو جلد نافذ ہونے دیں۔

مزید وضاحت کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جب زید نے زینب سے شادی کر کے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے بغیر ولی و گواہان اور بغیر مہر کے آپ کی شادی اس سے کر دی، تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ بات واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے ان کے شوہروں کی موت یا طلاق دے دینے کے بعد شادی کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال انجم پانا ہی تھا۔

(۳۱) نبی کریم ﷺ کو مزید اطمینان دلانے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اپنے نبی کے لئے جس شادی کو حلال کر دیا ہے، اور جسے اس نے انسانوں کے لئے آسانی شریعت بنا دی ہے، اس میں آپ کے لئے نہ کوئی قباحت ہے اور نہ ہی کوئی گناہ کا کام ہے۔ تمام گذشتہ انبیاء کرام کے سلسلے میں بھی اللہ کی یہی سنت جاری رہی ہے کہ ان کے لئے ان کے رب کی جانب سے جو چیز مباح بنا دی گئی، اسے کر گزرنے میں شرعی اور اخلاقی طور پر کوئی حرج نہیں تھا۔ انہوں نے شادیاں کیں، لونڈیاں رکھیں، اور مباح و حلال چیزیں کھائیں، اور ان کا عمل ان کی امتوں کے لئے نقش راہ بنا۔

(۳۲) ان انبیاء کرام کی صفت یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کے احکام اور اوامر و نواہی کو اپنی امتوں تک پہنچایا، اور ہر حال میں اپنے رب سے ڈرتے رہے، اس کے سوا کسی سے نہ ڈرے، اور نفاق شریعت کی راہ میں لوگوں کی باتوں اور ان کے ظالمانہ طعن و تفسیح کی پرواہ نہیں کی۔ اور اس باب میں ہمارے نبی کریم ﷺ کا درجہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال کو خوب اچھی طرح ریکارڈ میں لارہا ہے، ان پر ان کا محاسبہ کرے گا، اور ان کا انہیں بدلہ دے گا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۗ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَيَبَلِّغُكُمْ لِكَلِمَاتِهِ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝

محمد تم لوگوں میں سے کسی کے باپ (۳۳) نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے رسول اور انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۳۰﴾ اے ایمان والو! اللہ کو خوب یاد (۳۳) کرو ﴿۳۱﴾ اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو ﴿۳۲﴾ وہ ذات برحق تم پر اپنی رحمت (۳۵) بھیجتا ہے، اور اس کے فرشتے تمہارے لئے دعا کرتے ہیں، تاکہ اللہ تمہیں ظلمتوں سے نکال کر نور حق تک پہنچا دے، اور اللہ مومنوں پر بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۳۳﴾

(۳۳) منافقین اور بعض دیگر کمزور ایمان والے لوگ زینب سے رسول اللہ ﷺ کی شادی سے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ محمد نے اپنے بیٹے زید کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ اسی قول فسح کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تردید کی ہے کہ یہ بات قابل التفات اس وقت ہوتی جب آپ ﷺ زید کے حقیقی باپ ہوتے، لیکن آپ ﷺ صحابہ کرام میں سے کسی کے بھی باپ نہیں ہیں، تو زید کے بھی باپ نہیں ہیں، اور پیار میں کسی کو بیٹا نہ کہہ دینے سے وہ بیٹا نہیں ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں، دنیا والوں کو اس کا پیغام پہنچاتے ہیں، اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا ہے، اس لئے کہ آپ کا لایا ہوا دین قیامت تک تمام انسانوں کے لئے کافی اور دانی ہے، اور قرآن کریم نے انسانی زندگی سے متعلق تمام احکام و آداب بدرجہ اتم بیان کر دیا ہے۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے صادق الایمان مومنوں کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اسے یاد کرتے رہیں، اس کی پاکی، اس کی حمد و ثنا، اور اس کی بڑائی بیان کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بھی عمل واجب کیا تو اس کی ایک حد مقرر کر دی، اور عذر شرعی کی حالت میں اپنے بندے کو معذور جانا، سوائے ذکر الہی کے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی، اور اسے چھوڑ دینے والے کو معذور نہیں جانا، الایہ کہ کسی کی عقل ماری جائے، تو اللہ نے اسے اپنے ذکر سے معذور قرار دیا ہے۔

آیت (۳۲) کی تفسیر کے ضمن میں مفسرین لکھتے ہیں کہ ”تسبیح“ ذکر میں داخل ہے، لیکن چونکہ ذکر الہی کے لئے اسے خصوصی حیثیت حاصل ہے اسی لئے اسے بطور خاص ذکر کیا گیا۔ اور چونکہ صبح و شام تسبیح بیان کرنے کا خاص ثواب ہے اس لئے اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے ﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ سے فجر اور مغرب کی نماز، اور بعض نے فجر اور عصر کی نماز، اور بعض نے تمام نمازیں مراد لی ہیں، اور لکھا ہے کہ یہ آیت نمازِ پنجگانہ کی اہمیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(۳۵) اس آیت کریمہ میں ذکر الہی پر مداومت کی بہت زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ اللہ تمہیں یاد کرتا ہے، اس لئے تم لوگ بھی اسے یاد کرتے رہو۔ اور یہاں ”اللہ کی صلاۃ“ سے مراد اس کی رحمت و مہربانی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں ہر بھلائی کی طرف بلا تا ہے، اور اپنے آپ کو خوب یاد کرنے کی نصیحت کرتا ہے، اور نمازوں اور دیگر نیکیوں پر مداومت کی دعوت دیتا ہے۔ اور ”فرشتوں کی صلاۃ“ سے مراد یہ ہے کہ وہ مومنوں کے لئے اللہ کے حضور دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں کفر و معاصی اور شبہات و اخلاقِ سیئہ کی ظلمتوں سے نکال کر ایمان و اتباع سنت اور اخلاقی حسنہ کے نور سے بہرہ ور کرے۔ اس لئے کہ وہ مومنوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

حَبِيبَتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۖ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ وَ
 دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَيَسْرًا كَرِيمًا ۖ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَرِيمًا ۖ وَلَا تَطْعَمُ الْكُفْرِينَ
 وَالْمُنَافِقِينَ ۚ وَذَعْفُ أَدْبُهُمْ وَتَوَكُّلٌ عَلَى اللَّهِ وَكُفَى بِاللَّهِ وَكَيْلًا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ
 طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدْلٍ تَعْتَلُونَ وَمَا فَتَعَوْهُنَّ وَسَرَ حَوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۖ

جس دن وہ اپنے رب سے ملیں گے اس دن ان کا استقبال سلام (۳۶) سے ہوگا، اور اللہ نے ان کے لئے عمدہ اجر تیار کر رکھا ہے ﴿۳۷﴾ اے میرے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر (۳۷) اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿۳۸﴾ اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے ﴿۳۹﴾ اور آپ مومنوں کو خوشخبری (۳۸) دے دیجئے کہ انہیں اللہ کی طرف سے بڑا فضل ملے گا ﴿۴۰﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے اور نہ ان کی ایذا رسانی پر دھیان دیجئے، اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، اور اللہ بحیثیت کارساز کافی ہے ﴿۴۱﴾ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے شادی کر لو، پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو، تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت (۳۹) واجب نہیں ہے جس کی تم گنتی کرو، اس لئے تم انہیں کچھ دے دو، اور خوش اسلوبی کے ساتھ انہیں چھوڑ دو ﴿۴۰﴾

(۳۶) اہل ایمان جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے انہیں ہمیشہ کے لئے امن و سلامتی کی خوشخبری دیں گے، یا مفہوم یہ ہے کہ خود اہل جنت ایک دوسرے کو امن و سلامتی کی مبارکبادی دیں گے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے لئے جنت جیسی عظیم نعمت تیار کر رکھی ہے، جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی انسان کے دل نے اس کا تصور کیا ہے۔

(۳۷) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی وہ صفات بیان کی گئیں جو آپ کی پیغام رسانی کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاہد بنا کر مبعوث کیا تھا، جو لوگ آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ پر ایمان لائیں گے، قیامت کے دن آپ ﷺ ان کے لئے خیر کی گواہی دیں گے، اور جو لوگ آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، ان کے خلاف آپ کفر و معصیت کی گواہی دیں گے۔ اور آپ ﷺ مومنوں کو اللہ کی رحمت اور اجر عظیم کی بشارت دینے والے، اور کافروں اور گناہ گاروں کو جہنم کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق لوگوں کو اس کے دین، اس کی بندگی اور اس کی وحدانیت کے اقرار کی دعوت دینے والے ہیں۔ آپ سیدھی راہ کی طرف لوگوں کی رہنمائی کے لئے اللہ کا روشن چراغ ہیں۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لے آئیں اور عمل صالح کریں، انہیں اللہ کی جانب سے گناہوں کی مغفرت اور جنت کی بشارت دے دیں، اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں آکر دین کی تبلیغ میں سستی نہ کریں، اور حق کی آواز بلند کرنے اور لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرانے میں کوتاہی نہ کریں، اور ان کے فعل بد کی وجہ سے انہیں نقصان نہ پہنچائیں، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں، اور اپنے تمام امور میں اللہ پر بھروسہ کریں، اس لئے کہ وہ بحیثیت وکیل و کارساز ان کے لئے کافی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنْ أَحْبَبْنَا لَكَ أَنْزُلَ لَكَ الْبَيْتَ اتَّبِعْتِ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَبَدَتِ عَمَكَ وَبَدَتِ عَمَّتِكَ وَبَدَتِ خَالِكَ وَبَدَتِ خَلِيكَ الْبَيْتِ مَا حَجَرْنَا مَعَكَ وَأَمْرًا مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَ الْبَيْتِ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا أَفْرَضْنَا عَلَيْكُمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِيَكُنِيَ لَكُمْ عَالَمٌ حَرِيمٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٠﴾

اے میرے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان بیویوں کو حلال کر دیا (۴۰) ہے جن کے مہر آپ نے ادا کر دیا ہے، اور ان لونڈیوں کو بھی جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اور آپ کی چچا کی بیٹیوں کو اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیوں کو، اور آپ کے ماموں کی بیٹیوں کو، اور آپ کی خالہ کی بیٹیوں کو جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، اور اس مسلمان عورت کو بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کر دے، اگر نبی اس سے شادی کرنی چاہیں، یہ حکم آپ کے لئے خاص ہے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی لونڈیوں کے بارے میں ان پر جو حکم عائد کیا ہے، اس کا ہمیں پورا علم ہے، تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۵۰﴾

(۳۹) زید بن حارثہ اور زینب بنت جحش کے نکاح و طلاق کا واقعہ اور اس کے ضمن میں متعدد احکام بیان کرنے کے بعد مناسب رہا کہ مسلمانوں کے لئے ایسی عورت کی عدت کا حکم بیان کر دیا جائے جسے نکاح کے بعد اور مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ ایسی عورت پر عدت گزارنا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ عورت عدت اس لئے گزارتی ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ اس کے رحم میں کوئی بچہ نہیں ہے، اور مذکور بالا صورت میں یقینی طور پر عورت کا رحم بچہ کے وجود سے پاک ہے۔ اور اگر اس کا مہر مقرر کر دیا گیا تھا تو اسے نصف مہر ملے گا، اور کچھ مال بطور دلجوئی دے دینا مستحب ہے، اور اگر اس کا مہر مقرر نہیں تھا تو شوہر کی مالی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے کچھ مال دے دیا جائے گا، اور بغیر اذیت پہنچانے اسے اس کے گھر والوں کے پاس جانے دیا جائے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے بہت سے احکام ماخوذ ہیں:

۱- کبھی کلمہ نکاح بول کر صرف عقد مراد لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس معنی پر دلالت کرنے والی اس آیت سے زیادہ صریح کوئی آیت نہیں ہے۔

۲- مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق دینی جائز ہے۔

۳- ابن عباس، ابن المسیب، حسن بصری اور زین العابدین وغیرہم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نکاح سے قبل طلاق نہیں ہے۔

۴- علماء کا اتفاق ہے کہ جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ وہ طلاق کے بعد فوراً شادی کر سکتی ہے۔ البتہ اگر مباشرت سے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے گی۔

۵- آیت میں "فمَتَّعُوهُنَّ" سے مراد یہ ہے کہ اگر ایسی عورت کا مہر مقرر ہوگا تو اسے نصف مہر ملے گا، اور اگر اس کا کوئی مہر مقرر نہیں ہوگا تو اسے کچھ مال دے دیا جائے گا۔

(۴۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے وہ اقسام بیان کئے ہیں جو اس نے اپنے رسول ﷺ کے لئے حلال کئے تھے۔ اُن

تُرِجِي مَنْ تَنَاءَمْنَهُنَّ وَتُوَوِّي إِلَيْكَ مَنْ تَنَاءَمَ، وَمِنْ ابْتِغَيْتِ مَنًّا عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ
 أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يُحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْنَهُنَّ كُلَّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ
 عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۵۱﴾

آپ اپنی بیویوں میں جسے چاہئے اپنے آپ سے الگ رکھئے^(۴۱) اور جسے چاہئے اپنے پاس جگہ دیجئے، اور جن کو الگ کر دیا ہو، ان میں سے جسے چاہئے دوبارہ طلب کر لیجئے، آپ کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس برتاؤ سے امید کی جاتی ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، اور غم نہ کریں گی اور آپ ان سب کو جو کچھ دیں گے اس سے خوش رہیں گی، اور (مسلمانو!) تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۵۱﴾

میں سب سے پہلے وہ اہمات المؤمنین تھیں جن سے آپ ﷺ نے مہرتین کر کے شادی کی تھی، چاہے مہر مقدم ہو یا مؤجل۔ ان کے بعد وہ بیویاں جو مال غنیمت کے طور پر آپ کے حصے میں آئی تھیں، جیسے صفیہ اور جویریہ، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی تھی، اور ریحانہ اور ماریہ قبطیہ ام ابراہیم علیہ السلام۔ اور آپ ﷺ کے لئے وہ عورتیں بھی حلال تھیں جو خریدی گئی ہوں، یا جن عورتوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لئے بہہ کر دیا ہو جیسے میمونہ بنت الحارث، زینب بنت خزیمہ ام المساکین ام شریک بنت جابر اور خولہ بنت حکیم۔ آیت میں (مال غنیمت کے طور پر حاصل شدہ عورت) کی قید محض افضلیت بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی ایسی عورتیں آپ کے لئے ان عورتوں سے افضل ہیں جو خریدی گئی ہوں۔ اور آپ ﷺ کے لئے ان بچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد عورتوں سے شادی جائز تھی۔ جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئی تھیں۔ ﴿حَالِصَةً لِّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ کسی ایسی عورت سے بغیر ولی اور مہر کے شادی کر لے جس نے اپنے آپ کو اس کے لئے بہہ کر دیا ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے مومنوں پر نکاح سے متعلق جو شرط عائد کئے ہیں ان کی پابندی لازم ہے، اور جو باتیں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، وہ عام مسلمانوں کے لئے مثال نہیں بن سکتی ہیں، اس لئے ان کے لئے بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے شادی جائز نہیں ہے، اور نہ یہ جائز ہے کہ کوئی بغیر مہر، گواہان اور ولی کے کسی عورت سے شادی کر لے۔ اور لونڈیوں سے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ غزوہ کے بعد گرفتار کر لی گئی ہوں، کوئی ایسی عورت نہ ہو جسے گرفتار کرنا جائز نہ رہا ہو یا جس کی قوم کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ رہا ہو۔ آیت کے آخر میں آپ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ نکاح کی مذکورہ بالا قسمیں آپ کے لئے اس لئے حلال کی گئی ہیں تاکہ آپ کوئی تنگی نہ محسوس کریں۔

(۴۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بیویوں کے رکھنے، چھوڑنے، اور ان کے درمیان باری کی تقسیم کے سلسلے میں پورا اختیار دے دیا تھا، اور یہ سب کچھ آپ ﷺ کے لئے اللہ کی انتہائے محبت کی دلیل تھی۔ آپ کو اجازت دے دی گئی تھی کہ اپنی بیویوں میں سے جس سے چاہیں بغیر طلاق کے علیحدگی اختیار کر لیں، اور جس کے پاس چاہیں رات گزاریں اور مباشرت کریں۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے تمام بیویوں کے درمیان باری تقسیم کرنی واجب تھی، اس کے بعد آپ کے لئے وجوب منسوخ ہو گیا اور آپ ﷺ کو اختیار حاصل ہو گیا کہ جس کے پاس چاہیں جائیں، اور جسے چاہیں بغیر طلاق کے چھوڑ

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَا تَعْجَبِكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَاقِبًا ۝

اب اس کے بعد دوسری عورتیں آپ کے لئے حلال (۴۲) نہیں ہوں گی، اور نہ آپ اپنی موجودہ بیویوں کے بدلے دوسری بیویاں لائیں گے، چاہے ان کا حسن و جمال آپ کو بہت پسند آجائے، سوائے اُن لونڈیوں کے جن کے آپ مالک بن جائیں، اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے ﴿۵۲﴾

رکھیں۔ چنانچہ عائشہ، حفصہ، ام سلمہ اور زینب کے درمیان باری تقسیم کر دی، اور سودہ، جویریہ، ام حبیبہ، میمونہ اور صفیہ کے پاس اگر کبھی چاہتے تو ان کے درمیان باری لگا کر جاتے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں صرف ان عورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لئے بغیر مہر کے ہبہ کر دیا تھا۔ اُن میں سے بعض کو آپ ﷺ نے چن لیا، اور بعض کو چھوڑ دیا، پھر اُن عورتوں نے دوسروں سے شادی نہیں کی۔ اس قول کی تائید عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے احمد اور بخاری نے روایت کی ہے کہ وہ ایسی عورتوں کو عار دلاتی تھیں، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو عائشہ نے آپ ﷺ سے کہا: میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش کی تکمیل میں جلدی کرتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں طلاق دے دیں اور جسے چاہیں رکھیں۔

ان احکامات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آپ کی بیویوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ اختیارات آپ کو اللہ نے دیئے ہیں تو سب مطمئن ہو جائیں گی، اور جنہیں آپ نے چھوڑ رکھا ہے وہ غمگین نہیں ہوں گی اور آپ کی مرضی اور خواہش پر راضی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے تم اپنی بعض بیویوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہو اور بعض کی طرف کم، اسے یہ معلوم ہے، اور اس نے بطور اعزاز و اکرام اپنے رسول (ﷺ) کو وہ اختیار دے دیا ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

(۴۲) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

ابن عباس، مجاہد اور ضحاک وغیرہم کا خیال ہے کہ یہ آیت محکم ہے، اور آپ ﷺ کو نو بیویوں کے علاوہ عورتوں سے شادی کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم آیت (۵۱) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا، اور آپ کے لئے دوسری عورتوں سے شادی کرنا مباح ہو گیا، لیکن آپ نے امہات المؤمنین کا دل رکھنے کے لئے کسی اور سے شادی نہیں کی۔ شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ابی بن کعب اور عکرمہ وغیرہ کی رائے ہے کہ آیت (۵۰) میں جن عورتوں کا ذکر آیا ہے، اس آیت کے نزول کے بعد ان کے علاوہ عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں رہیں۔ صاحب محاسن التذلیل نے اسی رائے کی حمایت کی ہے، اور اس کی تائید میں ابی بن کعب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت (۵۰) میں آپ ﷺ کے لئے متعدد اقسام کی عورتوں سے شادی کرنا حلال قرار دیا، پھر اس آیت میں کہا کہ مذکورہ بالا اقسام کی عورتوں کے علاوہ سے شادی کرنا آپ کے لئے جائز نہیں رہا۔

ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو مومنہ مہاجرہ عورتوں کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَبْزِئِنَ لَهُ وَلَكِنْ إِيذَاعِيكُمْ
فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَعِى مِنْكُمْ وَاللَّهُ
لَا يَسْتَعِى مِنَ الشَّيْءِ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَ
مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِرُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِ آبِدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝
تُبَدُّوْنَ أَوْ تُخْفَوْنَ وَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل (۲۳) نہ ہو کرو، الا یہ کہ تمہیں کھانے کے لئے داخل ہونے کی اجازت دی جائے، لیکن تم (پہلے ہی سے بیٹھ کر) اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو، بلکہ تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور آپس میں بات چیت کرنے میں دلچسپی نہ لو، بے شک تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے، لیکن وہ تم سے حیا کرتے ہیں، اور اللہ حق بات بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا ہے، اور جب تم ان (امہات المؤمنین) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے اوٹ سے مانگو، ایسا کرنے سے تمہارے اور ان کے دل زیادہ پاکیزہ رہیں گے، اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے شادی کرو، تمہارا ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑے گناہ کی بات ہے ﴿۵۳﴾ چاہے تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ، بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿۵۳﴾

علاوہ دوسری عورتوں سے شادی کرنے سے روک دیا گیا۔ چنانچہ مسلمان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں آپ کے لئے حرام کر دی گئیں۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں امہات المؤمنین کا بہت ہی بلند مقام ہے، اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق جب اللہ کی ان نیک بندویوں نے اس کے نبی ﷺ کو دنیا پر ترجیح دی تو اللہ نے ان کے لئے جزائے خیر کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کے علاوہ عورتوں سے شادی کو ممنوع قرار دے دیا، اور اس آیت کریمہ میں عام مومنوں کو ان امہات المؤمنین کا احترام و ادب سکھایا، اور ایسی باتوں سے منع فرمایا جو آپ ﷺ اور امہات المؤمنین کے لئے ذہنی اذیت کا باعث ہو۔

یہ آیت ”آیت حجاب“ سے مشہور ہے، اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے زینب بنت جحش سے شادی کے موقع سے دعوت و لیمہ کی، تو کچھ لوگوں نے کھانا کھانے کے بعد آپ ﷺ کے گھر سے واپس جانے میں کافی دیر کر دی، جس سے آپ ﷺ کو ذہنی تکلیف ہوئی، اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے اپنے اور لوگوں کے درمیان پردہ ڈال دیا اور اندر چلے گئے، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں صحابہ کرام کو آپ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے روک دیا گیا۔

﴿إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ﴾ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بغیر دعوت کسی کے دسترخوان پر کھانا کھانے کے لئے نہیں پہنچ جانا چاہئے۔ حافظ ابن کثیر نے اسے حرام بتایا ہے۔ صاحب محان التزئیل ﴿غَيْرِ نَابِزِينَ إِنَاهُ﴾ کا مفہوم یہ بتاتا ہے کہ دعوت ہونے کے باوجود وقت سے پہلے نہیں پہنچ جانا چاہئے، اس لئے کہ اس سے دعوت دینے والے کو تکلیف ہوتی

لَجَنَاتٍ عَلَيْهِنَ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أُمَّهَاتِهِنَّ وَلَا بَنَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَأَتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

نبی کی بیویوں کے لئے کوئی حرج نہیں (۴۴) کہ حجاب نہ کریں اپنے باپوں سے، اور نہ اپنے بیٹوں سے، اور نہ اپنے بھائیوں سے، اور نہ اپنے بھائیوں کے بیٹوں سے، اور نہ اپنی بہنوں کے بیٹوں سے، اور نہ اپنی (مسلمان) عورتوں سے، اور نہ ان غلاموں اور ان لونڈیوں سے جن کی وہ مالک ہوں، اور اللہ سے ڈرتی رہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے ﴿۵۵﴾

ہے، اور مہمان کے ساتھ بیٹھ کر غیر ضروری باتوں میں اس کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ دعوت کا جو وقت تمہیں بتایا جائے اسی وقت میزبان کے گھر میں داخل ہو۔

﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ میں صحابہ کرام کو ادب سکھایا گیا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے کے لئے یا گھر والوں کی باتیں سننے کے لئے بیٹھے نہیں رہنا چاہئے، اس لئے کہ اس سے نبی کریم ﷺ اور ان کے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور آپ اپنے کمال اخلاق کی وجہ سے اپنی زبان سے نہیں کہہ پاتے ہیں۔ لیکن اللہ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا ہے۔

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا﴾ میں صحابہ کرام کو یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اُمہات المؤمنین سے اگر کوئی چیز مانگتی ہو، تو بے دھڑک ان کے سامنے نہ چلے جائیں، ان کے ساتھ ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ دروازے کے اوٹ سے اور پردہ کے پیچھے سے کوئی چیز مانگی جائے، تاکہ ان کی بے پردگی نہ ہو جائے۔ اور اس کا فائدہ یہ بتایا کہ اس سے تمہارے اور اُمہات المؤمنین کے دلوں کی پائی محفوظ رہے گی، اور شیطان کو ذہن میں برے خیالات پیدا کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

ابوداؤد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چار باتوں میں میری رائے میرے رب کی رائے کے موافق ہوتی ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! بہتر ہو تاکہ آپ اپنی بیویوں کے لئے پردہ ضروری کر دیتے، کیونکہ نیک و بد سبھی ان کے پاس چلے جاتے ہیں، تو اللہ نے ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ﴾ الآية نازل فرمائی۔ ابن سعد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ ۵۵ھ کا واقعہ ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی (غالباً منافق تھا) نے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان کی بعض بیویوں سے شادی کر لے گا، تو ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تَتَّذِرُوا رَسُولَ اللَّهِ﴾ الآية نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بعد اُمہات المؤمنین سے شادی کو تمام مسلمانوں کے لئے حرام کر دیا۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ کسی کا ایسا سوچنا اور کرنا اس کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے، اس لئے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کا احترام و ادب یکسر پامال ہو جائے گا۔ مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک نبی کریم کا کتنا بڑا مقام تھا۔ اسی لئے آیت (۵۴) میں بطور دھمکی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چاہے کسی بات کو ظاہر کرو (جیسا کہ بعض منافقوں نے آپ ﷺ کی بعض بیویوں سے شادی کی بات کی) یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو اسے سب کچھ کا پتہ ہے، اور وہ ان تمام ظاہر و مخفی گناہوں کا بدلہ تمہیں ضرور دے گا۔

(۴۴) یہاں ان رشتہ داروں کا ذکر ہے جن سے رسول اکرم ﷺ کی بیویوں اور دیگر مسلمان عورتوں کے لئے پردہ ضروری نہیں

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۱۱۹۸﴾

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے (۳۵) ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو ﴿۱۱۹۸﴾

ہے اور جن سے بغیر پردہ کئے بات کرنا جائز ہے۔ باپ سے مراد باپ، دادا اور پردادا، بیٹوں سے مراد بیٹے اور ان کے بیٹے اور بیٹیوں کے بیٹے، اور بھائیوں کے بیٹوں اور بہنوں کے بیٹوں سے مراد پوتے بھی ہیں۔ اور ”عورتوں“ سے مراد ایک رائے کے مطابق صرف مسلمان عورتیں ہیں، اور دوسری رائے یہ ہے کہ ﴿وَلَا نَسِئَنَّهِنَّ﴾ میں اضافت سے صرف جنس عورت کی طرف اشارہ ہے، اس لئے مسلمان اور اہل کتاب عورتوں سے مسلمان عورتوں کا پردہ نہیں ہے۔ ﴿وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ عورت کا غلام اس کے لئے اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہاں صرف لونڈیاں مراد ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر اس لئے نہیں آیا ہے کہ وہ دونوں باپ کے برابر ہیں۔ مذکورہ بالا احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہمات المؤمنین کو نصیحت کی کہ وہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتی رہیں، ان کے لئے جو حدیں مقرر کی گئی ہیں ان سے تجاوز نہ کریں، غیروں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، اور پردہ کرنا نہ چھوڑ دیں کہ غیر محرم مردوں کی نگاہیں ان پر پڑیں، اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور دیگر تمام انسانوں کے اعمال و حرکات کو دیکھ رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن وہ ان کے خلاف شاہد بن جائیں، اور ہلاکت و بربادی ان کا انجام بن جائے۔

(۳۵) اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ آسمان و زمین دونوں جگہ لائق صدا احترام ہیں۔ آسمان میں اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں، اور زمین میں تمام اہل ایمان سے مطلوب ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجتے رہیں۔

بخاری نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ ”اللہ کے درود“ سے مراد، فرشتوں کی محفل میں آپ کا ذکر خیر ہے۔ اور ”فرشتوں کے درود“ سے مراد آپ ﷺ کے لئے برکت کی دعا ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”جلاء الأفهام“ میں ”صلاة“ یعنی درود کا معنی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بخاری نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے اور احمد، ابوداؤد نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے ابوسعود ہدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ہم آپ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں، درود کیسے بھیجیں، تو آپ نے کہا: کہو: ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ“

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نماز کے آخری تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے، جو اُسے جان بوجھ کر چھوڑ دے گا اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ امام احمد اور ابن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے، لیکن جمہور کی رائے ہے کہ واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے، اور اگر کوئی اسے چھوڑ دے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

قرطبی نے علمائے اسلام کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ہر مسلمان پر عمر بھر میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے، باقی حالتوں میں مستحب ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جب بھی آئے آپ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا ظَالِمًا قَدْ أَحْمَلُوا بُهْتَانًا وَإِنَّمَا يُبِيتُهَا النَّبِيُّ قُلُوبًا لَّازِلًا وَاجِلًا ۝ وَبَنِيكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِنُ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ آدَبُ الَّذِي أَنْ يُعْرِضَنَّ عَنْهُ فَمَا يُؤْذِينَ ۝ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف (۳۶) پہنچاتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیج دیتا ہے، اور ان کے لئے رسواکن عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ایذا (۳۷) پہنچاتے ہیں، وہ بہتان دھرتے ہیں، اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں ﴿۵۸﴾ اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے، اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ (۳۸) اپنے اوپر لٹکا لیا کریں، یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۵۹﴾

حافظ ابن القیم کی ”جلاء الأفہام“ اور حافظ ابن کثیر کی ”تفسیر القرآن العظیم“۔

(۳۶) مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کو ایذا دینے سے مراد یہ ہے کہ کسی کو اس کا بیٹا یا شریک بتایا جائے، یا کسی بھی حیثیت سے اسے عاجز سمجھا جائے، یا حیوانات کا مجسمہ بنا کر صفتِ خلق میں اس کی مشابہت اختیار کی جائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو کوئی گالی دے، آپ کی عیب جوئی کرے، آپ پر اور آپ کے گھرانے پر طنز و تعریض کرے۔

طبری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے صفیر رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کے موقع پر آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کیا تھا۔ صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ اس آیت کا زینب بنت جحش کی شادی کے واقعے سے زیادہ تعلق ہے۔ آپ ﷺ نے جب ان سے شادی کی تو منافقین نے خوب باتیں بنائی تھیں کہ محمد نے اپنے بیٹے زید کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔

(۳۷) مومن مردوں اور عورتوں کو بھی بغیر سبب شرعی ایذا پہنچانا حرام ہے، اور اس میں ہر وہ بات اور کام داخل ہے جس سے مومنوں کو تکلیف پہنچے، اگر کوئی کسی گناہ کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری کی جائے یا تعزیری طور پر اسے سزا دی جائے تو یہ ایذائے مسلم میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو ایذا پہنچانے میں پہل کرے یا ہل گالی دے یا مارے، اور بطور انتقام دوسرا شخص اسے گالی دے یا مارے تو یہ بھی ایذائے مسلم میں داخل نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی کسی مسلمان کی عزت کو حلال بنالے۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ جب کتابیا خزیر کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے، تو کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا کیسے حلال ہو سکتا ہے!؟

(۳۸) عہد نبوی میں مسلمان عورتیں رات کو قضائے حاجت کے لئے نکلتیں تو بعض منافقین انہیں لونڈیاں سمجھ کر یا اس بہانے سے ان پر آوازیں کتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، اور انہیں حکم دیا کہ جب وہ نکلا کریں تو لمبی چادر سے اپنے آپ کو اوپر سے نیچے تک ڈھانک لیں، تاکہ ایذا پہنچانے والے اور شرارت پسند نوجوان جان جائیں کہ یہ شریف گھرانوں کی آزاد عورتیں

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۗ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثَقِفُوا أَخْدًا وَقَاتِلُوا لِقَاتِي لَآئِمَّةً ۗ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكُفَرِيِّ أَجْرًا يُسْتَكْتَبُ النَّاسُ عَنْ السَّاعَةِ ۗ قُلْ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ ۗ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۗ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۗ

اگر منافقین (۳۹) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر کی بیماری ہے، اور جو لوگ مدینہ میں انواہیں پھیلاتے ہیں، اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے، تو ہم آپ کو ان کے خلاف ابھار دیں گے، پھر وہ آپ کے ساتھ مدینہ میں کچھ ہی دنوں رہ پائیں گے ﴿۶۰﴾ درانحالیکہ ان پر پھنکار برسے گی، جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑ لئے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے ﴿۶۱﴾ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں، ان کے بارے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے، اور آپ اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ﴿۶۲﴾ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے (۵۰) ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، اور آپ کو کیا معلوم کہ قیامت شاید قریب آچکی ہو ﴿۶۳﴾ بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت (۵۱) بھیج دی ہے، اور ان کے لئے جہنم کی بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿۶۴﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اپنا کوئی دوست اور مددگار نہ پائیں گے ﴿۶۵﴾

ہیں، لونڈیاں نہیں، تو پھر اپنی شرارتوں سے باز رہیں گے۔

طبری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ قضائے حاجت کے لئے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے چادر ڈال کر چہرے چھپالیا کریں، اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ ابن ابی حاتم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں بہت ہی باوقار طور پر کالی چادریں اونٹھ کر نکلنے لگیں۔

(۳۹) منافقین کی ایذا رسانیوں اور ان کی ریشہ دوانیوں سے نبی کریم ﷺ اور مسلمان پریشان تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ اپنی خبیث حرکتوں سے باز نہ آئے تو وہ اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو ان کے خلاف برا بھانتہ کر دے گا اور انہیں ان پر مسلط کر دے گا، جس کے نتیجہ میں وہ لوگ مدینہ سے نکال دیئے جائیں گے۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت میں مذکور تینوں صفات منافقین کی ہیں۔ وہ لوگ اہل نفاق، دل کے مریض اور مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلانے والے تھے۔

آیت (۶۱) میں بتایا گیا کہ وہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی نگاہوں میں مبغوض بنا دیئے گئے ہیں، اللہ کی ان پر مار ہو۔ آیت (۶۲) میں کہا گیا ہے کہ افتر پرداز اور ایذا رسان منافقوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ کیا ہے۔

(۵۰) مشرکین مکہ بطور استہزاء اور یہود مدینہ بطور استحسان رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان کا جواب دیا کہ اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے، اس کی خبر اس نے نہ کسی نبی کو دی ہے، نہ ہی کسی فرشتے کو،

يَوْمَ تَقُفُّ أَعْيُنُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا رَسُولَهُ وَقَالُوا لَئِنَّا لَطَعْنَا سَادَاتِنَا
وَكِبْرَاءَنَا فَأَصَلْنَا السَّبِيلَا ﴿٦٦﴾ رَبَّنَا إِنهُمْ ضَعُفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَظْمُ لَعْنَا كَبِيرًا ﴿٦٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذْ وَاتُّوا مَوْسَىٰ فَبَرَأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٨﴾

جس دن اُن کے چہرے آگ میں پلٹے جائیں گے تو وہ کہیں گے، اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی بات مانی ہوتی ﴿۶۶﴾ اور کہیں گے ﴿۶۷﴾ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پیروی کی تو انہوں نے ہمیں گم گشتہ راہ کر دیا ﴿۶۷﴾ اے ہمارے رب! تو انہیں دو گنا عذاب دے، اور ان پر بڑی لعنت بھیج دے ﴿۶۸﴾ اے ایمان والو! تم اُن کی طرح نہ ہو جاؤ ﴿۶۸﴾ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تھی، تو اللہ نے ان لوگوں کی کہی بات سے ان کی براءت ظاہر کر دی، اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے اونچے مقام والے تھے ﴿۶۹﴾

اور ان سے بطور دھمکی کہا، تمہیں کیا معلوم کہ اس کا وقت قریب آ گیا ہو، اور تم اپنے انجام کو پہنچنے ہی والے ہو۔

(۵۱) آیات (۶۶/۶۷/۶۸) میں ان کافروں کا انجام بتایا گیا ہے جو قیامت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اور ان کے لئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، جس میں داخل ہونے کے بعد اس سے کبھی نہیں نکلیں گے، اور نہ وہاں اپنا کوئی یار و مددگار پائیں گے جو اس مشکل ترین گھڑی میں ان کے کام آئے گا، اور جب ان کے چہرے جہنم کی آگ میں اُلٹے پلٹے جائیں گے، جیسے گوشت کو آگ پر بھوننے کے لئے اُلٹا پلٹا جاتا ہے، اس وقت بلک بلک کر روئیں گے، اور مارے حسرت دیاس کے کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی ہوتی تو آج ہمارا یہ حال نہ ہوتا۔

(۵۲) نیز کہیں گے کہ اے ہمارے رب! کفر و شرک میں جو ہمارے سردار تھے، ہم نے ان کی باتوں میں آکر ان کی تقلید اور پیروی کی، تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا، اس لئے تو انہیں آج دو گنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت بھیج دے، اور شدید ترین اور رسوا کن عذاب میں مبتلا کر دے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ردِ تقلید کی بہت بڑی دلیل ہے، اور ان کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو قرآن و سنت سے دور، لوگوں کی تقلید کرتے ہیں اور گمراہی کو راہِ راست سمجھتے ہیں۔

(۵۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی عیب جوئی کر کے انہیں تکلیف پہنچائی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ ان میں جو عیب لگا رہے تھے اس سے وہ بالکل پاک تھے۔ یعنی اے مسلمانو! تم بھی اپنے رسول کو ایذا نہ پہنچاؤ، جیسا کہ بعض منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں نے زید بن حارثہ اور زینب بنت جحش کی شادی، طلاق، اور پھر زینب کی رسول اللہ ﷺ سے شادی کے واقعے کا ذکر کر کے آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کیا تھا۔ بنی اسرائیل کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کا واقعہ امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بہت ہی شرمیلے انسان تھے، اپنے جسم کا بہت ہی سخت پردہ کرتے تھے، بنی اسرائیل کے لوگ سمجھتے تھے کہ موسیٰ کے جسم میں ضرور کوئی عیب ہے جس کی وجہ سے اپنے جسم کا اتنا سخت پردہ کرتے ہیں۔ ایک دن نہانے کے لئے گئے، تو اپنا

کپڑا ایک پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر اللہ کے حکم سے ان کا کپڑا لے کر بھاگتا گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑتے گئے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس پہنچ گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کونہ برس کی بیماری تھی نہ ہی کوئی دوسرا جسمانی عیب۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو گونا گوں تکلیفیں پہنچائیں، ان کی عیب جوئی کی، ان کے ساتھ بے ادبی کی، اور ان پر جھوٹے اتہامات لگائے۔ تورات کا مطالعہ کرنے سے ان باتوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ و دعوت کی راہ میں ان تمام تکلیفوں کو برداشت کیا۔ اسی آیت سے مشابہ سورۃ الصف کی آیت (۵) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ لِمَ تَقُولُونَ لِغُيُوبِكُمْ لَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَأَصْفَاءِ آلِهِ طَائِفَةٌ خَالِفَتْ فِي قَوْلِكُمْ فَاعْلَمُوا﴾۔ ”جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستارہ ہو، حالانکہ تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔ پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔“ ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں نے طرح طرح سے اذیتیں پہنچائیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر (حاکم بدہن) بدکاری کا اتہام دہرا، ایک بار مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت ایک انصاری نے کہہ دیا کہ یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں ہے۔ اور زید وزینب کا واقعہ اوپر گزر چکا۔ آپ ﷺ نے بھی دعوت و تبلیغ کی راہ میں ساری تکلیفیں گوارا کیں تو اللہ نے آپ کا مقام اونچا کیا، اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا۔

فائدہ:

ابن جریر طبری نے ﴿وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِبَاءٌ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ موسیٰ اپنے رب سے جو کچھ مانگتے، ان کی سفارش قبول کی جاتی تھی، ان کا ان کے رب کے نزدیک طاعت و بندگی کی وجہ سے بڑا مقام تھا اور بڑے صاحبِ جاہ تھے، یعنی وہ اللہ سے اپنی قوم کے لئے جو کچھ مانگتے، اللہ اپنا فضل اور اپنی عنایت کرتے ہوئے ان کی مانگ کو پوری کرتا تھا۔ صاحبِ محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ عامۃ الناس اور بہت سے علم کے جھوٹے دعویداروں نے، انبیائے کرام کا اپنے رب کے نزدیک صاحبِ جاہ ہونے کو بہانہ بنا کر ان سے فضائے حاجت کی دعا کو جائز قرار دیا ہے۔ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نبی یا ولی کی خواہش کے مطابق اللہ کے ارادے اور اس کی مشیت میں تبدیلی آجاتی ہے، اور اللہ کے نزدیک ان کا وسیلہ اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے حکامِ دنیا کے پاس بڑے لوگوں سے سفارش کرائی جاتی ہے۔

یہ اعتقاد، عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کوئی نفع یا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے، اس لئے اس کے سوا کسی کو کسی بھی حیثیت میں پکارنا صحیح نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اللہ کے نزدیک تمام انبیاء سے اونچا مقام ہے، لیکن وہ انسانوں کے لئے نفع، نقصان اور رُشد و ہدایت کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور صرف عملِ صالح کا ہی وسیلہ جائز اور صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ "صمد" حاجت روا کو کہتے ہیں، جس کے پاس بندے مدد طلب کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور آیت میں خبر کا مرفوع باللام ہونا، حصر کا فائدہ دیتا ہے، یعنی صرف اللہ کی ذات حاجت روا ہے، اس کے سوا سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ اس مضمون کی صراحت اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۱۸۶) میں کر دی ہے۔ فرمایا: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ "اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصَلِّحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۖ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا
 وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۖ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ
 وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ

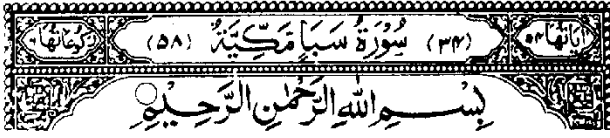
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (۵۲) اور درست بات کہا کرو ﴿۴۰﴾ وہ تمہارے کاموں کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ یقیناً بڑی کامیابی سے سرفراز ہوگا ﴿۴۱﴾ بے شک ہم نے اپنی امانت (۵۵) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اُسے اٹھانے سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اُسے اٹھالیا، وہ بے شک بڑا ہی ظالم، نادان تھا ﴿۴۲﴾ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے (۵۶) اور تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرمادے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے ﴿۴۳﴾

پوچھیں، تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔“ (۵۳) زید بن حارثہ اور زینب بنت جحش کے واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو باتوں کی نصیحت کی ہے: پہلی بات یہ کہ وہ اس کے عذاب و عقاب سے ڈریں، فرائض کو ادا کریں اور حُرمت سے اجتناب کریں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر حال میں حق اور سچی بات کہیں۔ اور ان دونوں کا رہائے خیر کا ثمرہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال قبول کر لے گا، اور ان کے گناہ معاف کر دے گا، اس لئے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ اور آخر میں انہیں خوشخبری دی کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اور امر کو بجالائے گا، اور نواہی سے گریز کرے گا وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرے گا، اسے ہر خوف سے نجات ملے گی اور اس کی ہر نیک تمنا پوری ہوگی، جہنم سے نجات ملے گی اور جنت اس کی ابدی منزل ہوگی۔

(۵۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے (دین متین اور اس کے احکام) کی عظمت و اہمیت بیان کی ہے کہ اس عظیم امانت کو اس نے آسمانوں اور زمین پر پیش کیا، کہ وہ اس بارگراں کو قبول کریں۔ انہوں نے اللہ سے پوچھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اگر تم اس پر عمل پیرا ہو گے تو اچھا بدلہ دوں گا اور اگر برا عمل کرو گے تو تمہیں عذاب دوں گا۔ انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا، تو اس امانت کو قبول کرنے کی انہیں پیش کش کی، انہوں نے اسے قبول کر لیا، اور اپنے اوپر بڑا ظلم کیا کہ ایسی خطرناک ذمہ داری کو قبول کر لی، اور بڑے نادان تھے کہ وہ اس کے انجام سے بے خبر تھے۔

علماء کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں میں پہلے روح ڈالی، پھر ان سے سوال کیا۔ فقال اور کچھ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جس کے ذریعہ دین متین کے احکام کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ اگر ان عظیم اجسام والی مخلوقات کو بھی اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ کا مکلف بناتا تو وہ اس بارگراں کو اٹھانے سے معذرت کر دیتے۔ امام ابن حزم اپنی کتاب ”الفصل“ میں لکھتے ہیں کہ کوئی آدمی نہیں جانتا کہ اس امانت کو آسمانوں، زمین، اور پہاڑوں پر پیش کرنے کی کیا کیفیت تھی، لیکن ہمارا یقین ہے کہ اللہ نے ان میں ایسی قوت پیدا کر دی جس کے ذریعہ انہوں نے امانت کی اہمیت کا ادراک کیا۔

(۵۶) مذکور بالا بارگراں کی خطرناکیوں کی خبر دی گئی ہے، جن کا علم صرف اللہ کو تھا کہ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوں گے جو



الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾

(سورہ سبا کی ہے، اس میں چون آیتیں، اور چھ رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
تمام تعریفیں (۱) اس اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے، اور آخرت میں بھی تمام تعریفیں اسی کے لئے ہوں گی، اور وہ بڑی حکمت والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱﴾
اس "امانت" سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے، یا تو اپنے ایمان و اسلام میں مخلص نہیں ہوں گے، یا کفر و شرک کی راہ اختیار کریں گے، تو اللہ انہیں عہد شکنی کی وجہ سے عذاب دے گا۔ اور جو لوگ اپنے ایمان میں مخلص ہوں گے، اگر ان سے گناہ سرزد ہوگا، اور توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورہ سبا

نام: آیت (۱۵) ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: ابن مردویہ نے اور بیہقی نے اپنی کتاب "الدلائل" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے، صرف آیت (۶) کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے۔

(۱) "الحمد" سے مراد وہ تمام تعریفیں ہیں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہو سکتی ہیں، ان سب کا حقدار صرف اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کا مالک ہے، وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اور وہ تمام نعمتیں جو رب العالمین نے بندوں کو دی ہیں، سب اسی کی پیدا کردہ ہیں، اس لئے آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی مخلوقات کے وجود پر اللہ کی تعریف بیان کرنا، گویا اُس کی ان نعمتوں پر تعریف بیان کرنا ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں۔

اور جس طرح دنیا کی زندگی میں صرف وہ مالک کل تمام تعریفوں کا حقدار ہے، آخرت کی زندگی میں بھی وہی تمام تعریفوں کا حقدار ہوگا۔ اہل جنت جب اپنے رب کے فضل و کرم سے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، تو اس کا گن گائیں گے، اس کی حمد و ثنا بیان کریں گے، کہیں گے: "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا"۔ (الزمر: ۷۳)۔ اور کہیں گے: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس راہ پر ڈالا"۔ (الاعراف: ۴۳)۔ اور کہیں گے: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم و الم کو دور کر دیا (فاطر: ۳۴) اور جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس جنت میں داخل کر دیا ہے"۔ (فاطر: ۳۵)۔

معلوم ہوا کہ رب العالمین جس طرح دنیا میں تمام تعریفوں کا مستحق ہے اسی طرح وہ آخرت میں بھی تمام تعریفوں کا مستحق ہے، اور جس طرح وہ دنیا کا مالک کل ہے، اسی طرح وہ تمہارا آخرت کا بھی مالک ہے، اور وہ اپنے تمام امور میں حکمت والا ہے،

يَعْلَمُ مَا يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝
 قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَلِيمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ
 فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُجْرِمِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رَجْزِ الْكَلِيمِ ۝

وہ ہر اُس چیز کو جانتا^(۲) ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اور جو اس سے نکلتی ہے، اور جو آسمانوں سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے، اور وہ بے حد مہربان، بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۲﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی^(۳) آپ کہہ دیجئے کہ ہاں، میرے رب کی قسم جو غیب کی باتیں جانتا ہے، وہ یقیناً تم پر آ کر رہے گی، اُس سے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی نہیں ہے، اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، ہر چیز اور ہر بات ایک روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے ﴿۳﴾ (اور قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ رب العالمین ان لوگوں کو اچھا بدلہ دے^(۴) جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یہی لوگ (آخرت میں) اپنے رب کی مغفرت اور بہترین روزی سے نوازے جائیں گے ﴿۴﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے خلاف اس زعم میں کوشش کرتے رہے کہ وہ ہمیں عاجز بنا دیں گے انہیں بڑا دردناک عذاب دیا جائے گا ﴿۵﴾

اور اپنی مخلوقات کے اعمال و اسرار سے خوب واقف ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، وہ آسمانوں اور زمین کے درمیان کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ زمین کے اندر جو کچھ ہے، چاہے وہ پانی کے خزانے ہوں یا دوسری چیزوں کے، اور زمین سے جو کچھ نکلتا ہے یعنی درخت، پودے، غلے اور حیوانات، اور آسمان سے جو کچھ نازل ہوتا ہے، یعنی بارش، برف، اولے، بجلیاں، بندوں کی روزی، فرشتے اور صحائفِ آسمانی، اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال، ان سب کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے، اور وہ اپنے توبہ کرنے والے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا رہتا ہے۔

(۳) مشرکین مکہ آخرت کا انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید کی ہے کہ یہ تمہاری خام خیالی ہے، اس رب کی قسم جو تمام غیبی امور کا جاننے والا ہے، قیامت آ کر رہے گی۔ اس علام الغیوب سے آسمانوں اور زمین کے درمیان ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز۔ ہر چیز اور ہر بات اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں درج ہے۔ انسانوں کی ہڈیاں اور ان کے جسموں کے ٹکڑے، جہاں بھی ہوں اور جتنے بھی بکھر گئے ہوں، اسے ایک ایک ذرے کی خبر ہے، اور روزِ قیامت ایک لفظ "کُنْ" کے ذریعہ ان سب کو آن واحد میں جمع کر کے اسی طرح زندہ کر دے گا جس طرح اس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔

(۴) عقل و منطق کا یہی تقاضا ہے کہ جس اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اور انہیں اپنی طاعت و بندگی کا مکلف کیا ہے، وہ انہیں دوبارہ زندہ کرے اور ان کے نیک و بد اعمال کا بدلہ انہیں چکائے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے آیات (۵۴/۳) میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور دنیا کی زندگی میں نیک عمل کریں گے تو قیامت کے دن اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور انہیں

وَيُرَى الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيمِ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَذَا نَدْوَىٰ عَلَىٰ رَجُلٍ يَنْتَسِبُ لَكُمْ إِذَا مَرَّكُمْ كُلُّ مُمْرِقٍ لَكُمْ لَعْنَىٰ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفَتُرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَيْدًا بِأَمْرِهِ حَتَّىٰ يَكِلَ الَّذِينَ لَا يُلَاقُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالصَّلَاةِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ كُنُفَهُمْ خَسِيفٌ ۚ يَوْمَ الْأَرْضِ أَوْ نَسِطُ عَلَيْهِمْ كَسَافِرِينَ ۝ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝

اور جو لوگ اہل علم (۵) ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو قرآن نازل ہوا ہے وہ برحق ہے، اور اُس اللہ کی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بڑا زبردست، بڑی تعریفوں والا ہے ﴿۶﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں، کیا ہم تمہیں ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو بتائے گا کہ جب تم مر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ گے تو ایک نئی زندگی ملے گی ﴿۷﴾ کیا وہ اللہ پر افترا پردازی کرتا ہے، یا اُسے جنون لاحق ہو گیا ہے، بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ (اُس دن) عذاب میں ہوں گے، اور آج شدید گمراہی میں پڑے ہیں ﴿۸﴾ کیا وہ لوگ اپنے آگے اور اپنے پیچھے پھیلے ہوئے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھتے ﴿۹﴾ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں، یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرا دیں، بے شک اس بات میں نشانی ہے ہر اُس بندے کے لئے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾

جنت میں داخل کر دے گا۔ اور جو لوگ اس کی آیتوں کا انکار کریں گے ان میں شبہات پیدا کریں گے اور اس کے بندوں کو ان پر ایمان لانے سے روکیں گے اور اس گمانِ باطل میں جتلا رہیں گے کہ ہم انہیں دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہیں، ایسے لوگ بدترین اور دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

(۵) مشرکین مکہ تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، لیکن اہل کتاب کے علماء جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے دیگر مومن رفقاء یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کی برحق کتاب ہے، کیونکہ تورات میں آخرت، بعث بعد الموت، تقدیر اور لوح محفوظ میں بندوں کے اعمال مدون کئے جانے سے متعلق جو خبریں بیان کی گئی ہیں وہی قرآن کریم میں بھی موجود ہیں، اس لئے جب وہ قرآن کی آیتیں سنتے ہیں تو ان کا یقین بڑھ جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ کی ہی کتاب ہے، جو اس کے دین و شریعت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ (۶) کفار مکہ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن جزا و سزا کا انکار مختلف انداز میں کرتے تھے۔ ایک انداز یہ بھی تھا کہ وہ خاتم النبیین ﷺ کا مذاق اڑانے کے لئے بھی یہ موضوع چھیڑتے تھے، اور اپنے ہی جیسے دیگر کافروں سے کہتے تھے کہ کیا تمہیں ایک ایسا آدمی دکھاؤں جو اپنے مجنونانہ افکار و خیالات میں اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ کہتا پھرتا ہے کہ جب ہم لوگ مر کر مٹی میں گل سڑ جائیں گے، تو اللہ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے کہ اگر اس کے پاس کچھ عقل و خرد ہے تو وہ اللہ پر افترا پردازی کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے یہ بات بذریعہ وحی بتائی ہے، یا پھر واقعی اسے جنون لاحق ہو گیا ہے جس کے زیر اثر اس طرح کی بکی بکی باتیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے متعلق اس استہزاء آمیز بات اور انکارِ آخرت، دونوں کا جواب ان کا انجام بتا کر دیا، یعنی ان

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا لِيَهْبِطَ إِلَيْنَا أَوِيًّا مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَالنَّكَالَ الْحَدِيدَ ۗ أَنْ أَعْمَلَ سِبْغَتٍ وَقَدَّرَ فِي السَّرْدِ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۰﴾

اور ہم نے داؤد کو اپنے فضل خاص سے نوازا (۸) تھا، (ہم نے حکم دیا تھا) کہ اے پہاڑو! ان کے ساتھ تم بھی تسبیح پڑھو، اور چڑیوں کو بھی یہی حکم دیا تھا، اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم بنا دیا تھا ﴿۱۰﴾ (اور کہا تھا) کہ اس کی زرہیں بنائیے، اور ان کے حلقے ٹھیک اندازے کے مطابق بنائیے، اور آل داؤد سے کہا تھا کہ تم لوگ نیک عمل کرو، میں بے شک تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہوں ﴿۱۱﴾

کی بات اس قابل ہے ہی نہیں کہ اس کے صدق و کذب سے متعلق بات کی جائے، بس انہیں جان لینا چاہئے کہ قیامت کے دن انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا، نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ اپنی گمراہی میں بہت دور چپکے ہیں، جہاں سے راہ راست کی طرف ان کے لوٹ کر آنے کی اب کوئی توقع نہیں ہے۔

(۷) منکرین قیامت کے اندر یہ گمراہ کن جرأت اس لئے پیدا ہوئی کہ انہوں نے کبھی آسمان وزمین کی تخلیق کے بارے میں غور کیا ہی نہیں کہ جس قادر مطلق نے ان عظیم و مہیب مخلوقات کو پیدا کیا ہے جو انسانوں کو ان کے آگے اور پیچھے سے بلکہ ہر چہار جانب سے گھیرے ہوئے ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان سے نہایت چھوٹی مخلوق یعنی ابن آدم کو دوبارہ زندہ کر سکے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ جو اللہ آسمان اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ یقیناً اس پر قدرت رکھتا ہے کہ ان سے چھوٹی مخلوق یعنی انسان کو دوبارہ پیدا کرے۔ سورہ یس آیت (۸۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ﴾ ”کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ انہی جیسا دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، وہ یقیناً اس پر قادر ہے“۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے ایسے مہیب آسمان وزمین پیدا کئے ہیں جو انسانوں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ منکرین قیامت پر جلد ہی کوئی عذاب نازل کر دے، چاہے تو قارون کی طرح انہیں زمین میں دھنسا دے اور چاہے تو آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا ان کے سروں پر دے مارے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمان وزمین کی تخلیق، ان کا انسانوں کو ہر چہار جانب سے گھیرے ہوئے ہونا، اور اللہ کی اس بات پر قدرتِ کاملہ کہ وہ چاہے تو زمین یا آسمان کی جانب سے ان پر کوئی عذاب مسلط کر دے، ان سب باتوں میں غور و فکر سے اللہ کے ان بندوں کو عبرت ملتی ہے جو اپنے رب سے اپنا تعلق جوڑے رکھتے ہیں۔

(۸) اوپر کی آیت میں اللہ سے تعلق جوڑنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے بندوں کا ذکر آیا ہے کہ وہی لوگ اللہ کی عظیم نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں، اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس آیت میں اللہ نے اپنے دو ایسے بندوں اور انبیاء کا ذکر کیا ہے جن کی ایک بڑی صفت یہ تھی کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرتے تھے اور توبہ و استغفار میں مشغول رہتے تھے۔ وہ دونوں داؤد اور ان کے بیٹے سلیمان علیہما السلام تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے خاص فضل سے نوازا تھا، انہیں نبوت، زبور اور بادشاہت دی تھی، پہاڑوں اور چڑیوں کو حکم دیا تھا کہ جب داؤد اپنے رب کی تسبیح بیان کریں تو وہ بھی ان کے ساتھ تسبیح بیان کریں، اور ہم نے ان کے

وَلَسَلِيمِنَ الرَّيْمِ غُدُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِبِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ
بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَكْرِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُونَ مِنْ تَحَارِبٍ
وَتَمَائِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَتٍ ۝ اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ۝

اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر (۹) کر دیا تھا، وہ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت، اور شام کے وقت ایک ماہ کی مسافت طے کرتی تھی، اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا، اور ہم نے بعض جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے آگے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تھا ہم اسے بھرتی آگ کا عذاب چکھاتے تھے ﴿۱۲﴾ وہ جن ان کے لئے ان کی خواہش کے مطابق اونچی عمارتیں (۱۰) مجسمے اور بڑے حوض کے مانند لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیکھیں بناتے تھے، ہم نے کہا کہ اے آل داؤد! تم لوگ شکر کے طور پر نیک عمل کرتے رہو، میرے بندوں میں کم ہی لوگ شکر گزار ہوتے ہیں ﴿۱۳﴾

لئے لوہے کو موم کے مانند نرم بنا دیا اور انہیں حکم دیا کہ اسے جس طرح چاہیں استعمال کریں اور کشادہ اور مناسب حلقوں والی زرہیں بنائیں، اور انہیں اور ان کے اہل و عیال کو حکم دیا کہ وہ جب تک زندہ رہیں عمل صالح میں لگے رہیں، اس لئے کہ ہم تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتے ہیں، اور قیامت کے دن ان کا تمہیں بدلہ چکائیں گے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو بھی مسخر کر دیا تھا، جس کے دوش پر سوار ہو کر ان کا لکڑی کا بنا سفینہ تمام ساز و سامان کے ساتھ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور شام کے وقت ایک ماہ کی، یعنی سلیمان ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے کرتے تھے۔

نیز فرمایا: اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا جس سے وہ قسم قسم کے آلات اور ضرورت کی چیزیں بناتے تھے، اور قوی بیگل جنوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنا دیا تھا، جو ان کے اشاروں کے منتظر رہتے تھے اور ہر دم ان کے احکام کی تعمیل میں لگے رہتے تھے۔ اور ہم نے ان جنوں کو خبر دے دی تھی کہ ان میں سے جو کوئی سلیمان کی عدول حکمی کرے گا، ہم اسے قیامت میں آگ کا عذاب دیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ نافرمان جنوں کو دنیا میں ہی آگ کا عذاب دیا جاتا تھا۔ سنی کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک فرشتے کو مکلف کر دیا تھا جو نافرمان جن کو آگ کے کوڑے مارتا تھا جس سے وہ جل کر خاکستر ہو جاتا تھا۔

(۱۰) وہ شیاطین سلیمان علیہ السلام کے لئے بلند و بالا محلات و منازل، مجسمے، حوض کے مشابہ کھانے کے برتن، اور تانبے یا پتھر کی بڑی بڑی دیکھیں بناتے تھے جو ہر وقت چولہوں پر رکھی ہوتی تھیں اور ان میں کھانے پکیتے رہتے تھے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ مجسمے یا تو حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں کے ہوتے تھے، یا سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں انبیاء اور صالحین کے مجسمے بنانا جائز تھا، تاکہ انہیں دیکھ کر لوگ نصیحت حاصل کریں، اور اسلام نے اس جواز کو منسوخ کر دیا، لیکن راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ مجسمے غیر حیوانوں کے ہوتے تھے۔ اس لئے کہ تورات کے نصوص سے یہی ثابت ہے کہ انسانی اور حیوانی تصویریں بنانا ان انبیاء کی شریعتوں میں بھی جائز نہیں تھا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سلیمان اور ان کے اہل و عیال کو حکم دیا کہ ہم نے تم پر جو احسانات کئے ہیں اور نعمتوں کی

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَكَ؛ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۱۳﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِهُمْ آيَةٌ ﴿۱۴﴾ جَنَّتْنِ عَنْ يَبِينٍ وَشِبَالِهِ كَلُؤَامِنٍ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَدْدَةً طَيِّبَةً وَرَبُّ غَفُورٌ ﴿۱۵﴾

پس جب ہم نے ان کی موت کا حکم (۱۱) دے دیا، تو ان کی موت کی خبر جنوں کو زمین کے کیرٹوں کے سوا کسی نے نہیں دی جو ان کی لاشی کو کھاتے رہے تھے، پس جب وہ گر پڑے، تب جنوں کو یقین ہو گیا کہ اگر وہ غیب کا علم رکھتے تو رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ رہتے ﴿۱۳﴾ یقیناً سبأ والوں (۱۳) کے لئے ان کے مقام رہائش میں نشانی تھی، یعنی دائیں اور بائیں دو باغ تھے، (ہم نے ان سے کہا کہ) تم اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، پاکیزہ شہر ہے اور گناہوں کو معاف کرنے والا رب ہے ﴿۱۵﴾

بارش کی ہے، ان کے شکر ادا کرنے کے لئے ہر وقت ہماری ہندگی میں لگے رہو، نماز پڑھو، زکاۃ دو اور تمام ادا کرو، نواہی کو بجالاتے رہو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ عمل صالح کی ادائیگی اللہ کے احسانات و انعامات کے شکر کے طور پر ہونا چاہئے، نہ کہ امید و بیم کی وجہ سے، اور یہ کہ اللہ کا شکر ادا کرنا واجب ہے، اور یہ کہ شکر عمل کے ذریعہ ادا ہوتا ہے نہ کہ صرف زبان سے۔

اس کے بعد اللہ نے خبر دی کہ اس کے کم ہی بندے ایسے ہیں جو ہر وقت اپنے دل، زبان اور اعضاء کے ذریعہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۱۱) ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ اب ان کی موت کا وقت آچکا ہے تو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب! میری موت کی خبر جنوں سے چھپا دے، تاکہ لوگ جان لیں کہ ”جن“ غیب کی کوئی بات نہیں جانتے، چنانچہ انہوں نے ایک لاشی پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنی شروع کر دی، اور اسی حال میں ان کی موت آگئی، اور جن کام کرتے رہے اور انہیں ایک مدت تک اس کی خبر نہ ہوئی، جب اللہ نے چاہا تو دیکھنے والوں نے ان کی لاشی کو نیچے سے کھالیا اور سلیمان علیہ السلام کا جسم زمین پر گر گیا، تب جنوں کو ان کی موت کی خبر ہوئی اور کہنے لگے کہ اگر انہیں غیب کا علم ہو تا تو ایک مدت سے عذاب میں نہ رہتے۔

مفسرین لکھتے ہیں، سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جن غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ اس آیت میں اسی کی تردید کی گئی ہے۔

(۱۲) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ کے کچھ شکر گزار بندوں، اور شکر کی بدولت ان پر اللہ کے جو احسانات ہوئے ان کا ذکر ہوا، اسی ضمن میں اب ایک ایسی قوم کا ذکر ہو رہا ہے جس پر اللہ نے بڑے احسانات کئے تھے، لیکن انہوں نے کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کر لی تو اللہ نے وہ نعمتیں ان سے چھین لیں اور انہیں فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا۔

وہ قوم سبأ بن یثجب بن یثرب بن قحطان کی اولاد تھی، جن کا علاقہ اب ”مأرب“ کے نام سے جانا جاتا ہے اور صنعاء سے تین رات کی مسافت پر واقع ہے۔ ان کے مکانات وادی میں واقع تھے، جس کے دائیں اور بائیں دو دور تک گھنے پھلدار درختوں کے باغات تھے۔ کہتے ہیں کہ عورت ان درختوں کے درمیان سے اپنے سر پر خالی ٹوکرا لے کر گذرتی تھی اور بغیر کسی درخت کو ہاتھ

فَاعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِحَبَّتِهِمْ جَنَّاتٍ ذَاتِ اُكْلٍ خَمْطٍ وَاَكْلٍ وَاَشْيٍ وَاَمِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَاءُ يٰۤاُولٰٓئِهٖٓ مَا كَفَرُوْا وَاُوْهَلُ مُجْرِمِيْٓ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظٰهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السِّيْرَ سِيْرًا فِيْهَا لِيَالِي وَاَيَاكُمَا اٰمِنِيْنَ ۝ فَعَالُوْا رَبَّنَا بَعْدَ بَيِّنٰتِنَا وَاظْلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَيَعْلَنُهُمْ اٰحَادِيْثٌ وَّمَرْقَنُهُمْ كُلُّ مُسْرِقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شٰكُوْرٍ ۝

لیکن انہوں نے (اپنے رب کے حکم سے) منہ موڑ لیا (۱۳) تو ہم نے ان پر ایک سخت اُمد تا ہو ایسیلاب بھیج دیا، اور ان کے دونوں باغوں کو بد مزہ پھل، جھاڑ، اور کچھ بیری والے دو باغوں میں بدل دیا ﴿۱۶﴾ ہم نے انہیں یہ بدلہ ان کے کفر کی وجہ سے دیا تھا، اور ہم صرف ناشکروں کو ہی ایسا بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۷﴾ اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت (۱۳) ڈالی تھی، کچھ کھلی بستیاں آباد کر دی تھیں، جن کے درمیان ہم نے سفر کی مسافتوں کو ایک خاص اندازے کے مطابق بنایا تھا (اور ان سے کہا تھا کہ) ان بستیوں کے درمیان رات دن امن و امان کے ساتھ چلتے پھرتے رہو ﴿۱۸﴾ تو ان لوگوں نے کہا، اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کے درمیان دوری بڑھا دے، اور انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو ہم نے انہیں قصہ پارینہ بنا دیا، اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے لئے صبر کرنے والا، اس کا شکر گزار ہے ﴿۱۹﴾

لگائے تو کرا پھلوں سے بھر جاتا تھا۔ اس وادی میں مچھر، کبھی، جوئیں، بچھو، سانپ اور دوسرے کیڑے کوڑے نہیں پائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان گونا گوں نعمتوں سے نوازا اور کہا کہ تم لوگ اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، نیک عمل کرو اور گناہوں سے بچو۔ اتنا اچھا، خوبصورت اور پاک و صاف شہر اور گناہوں کی مغفرت کرنے والا رب، تم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہر دم اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہو۔

(۱۳) لیکن اللہ کی بے شمار نعمتوں نے انہیں خراب کر دیا، شکر کے بجائے اللہ کی ناشکری کرنے لگے، انہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، اور راہ راست سے برگشتہ ہو گئے، تو اللہ نے ان سے بایں طور انتقام لیا، کہ وہ مضبوط بند جو دو پہاڑوں کے درمیان بنا ہوا تھا، اور جو بارش کے پانی کو روکے رکھتا تھا، اور ضرورت کے مطابق اس بند میں بنے ہوئے سوراخوں سے نکل کر باغات تک پہنچتا تھا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ بند ٹوٹ گیا، اور پانی کی شدید موجوں سے ان کے مکانات غرقاب ہو گئے، اور آبدوشی کا نظام درہم برہم ہو گیا، اور وہ لوگ وہاں سے جان بچا کر دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور ہو گئے، جہاں یا تو ایسے درخت تھے جن کے پھل کڑوے اور ناقابل خوردنی تھے، یا بغیر پھلوں والے جنگلی درخت تھے، اور کچھ بیری کے درخت تھے جو کسی کام کے نہیں تھے۔

آیت (۱۷) میں اللہ نے فرمایا کہ ان کی ناشکری کا ہم نے انہیں ایسا بدلہ دیا، یہ اللہ کا نظام ہے کہ جو اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اس سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے، اور زمتوں اور صیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے پہلے قوم سبا کو دی گئی اپنی نعمتوں کا ذکر کیا، پھر کفرانِ نعمت کی وجہ سے انہیں جو پریشانیاں لاحق ہوئیں ان کا بیان ہوا۔ اب ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو انہیں اس زمانے میں اپنے علاقے سے باہر حاصل تھیں، ان کی بستیوں اور ملک شام کے درمیان شہروں اور بستیوں کا ایک سلسلہ قائم تھا، اور ہر دو بستی کے درمیان کی مسافت آدھے دن کی تھی، جب وہ لوگ تجارت

وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمُ ابْنُ لَيْسَ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُوْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۱۶﴾

۱۵

اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا گمان (۱۵) سچ پایا، پس مومنوں کی ایک جماعت کے سوا تمام اس کی پیروی کرنے لگے ﴿۲۰﴾ اور اُسے اُن لوگوں پر کوئی تسلط (۱۶) حاصل نہیں تھا، لیکن ہم نے ہی جانتا چاہا کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اُس کے بارے میں شک میں مبتلا ہے، اور آپ کارب ہر چیز پر نگرماں ہے ﴿۲۱﴾

کے لئے مازب سے ملک شام کے لئے روانہ ہوتے تو رات ایک بستی میں گزارتے، اور دوپہر دوسری بستی میں اور جہاں جاتے کھانے پینے کی ہر چیز انہیں فراوانی کے ساتھ ملتی تھی۔ اس طرح چار ماہ کی مسافت پورے امن و راحت کے ساتھ کھاتے پیتے طے کرتے تھے اور اپنے ساتھ زاوراہ نہیں ڈھوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُن دنوں یمن و شام کے درمیان شہروں کی تعداد چار ہزار سات سو تھی۔

لیکن انہیں یہ نعمتیں بھی راس نہیں آئیں، اور امن و عافیت کی قدر کرنا بھول گئے، اور کبر و غرور میں آکر کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی سفر ہے کہ ہر تھوڑی مسافت کے بعد بستی پائی جاتی ہے، مزا تو جب آتا کہ چیلیل میدانوں، جنگلات اور پُرخطر وادیوں سے گذر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا اترنا پسند نہیں آیا، اور ان بستیوں کو خرابات میں بدل دیا، اور ان کی تاریخ لوگوں کے لئے کہانیاں بن گئیں جنہیں دنیا والے سن کر حیرت کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ نے ان کے عیش و آرام کو سختی و تنگی میں اور ان کی جمعیت و وحدت کو انتشار و پریشانی میں بدل دیا، یہاں تک کہ وہ عربوں کے لئے ضرب المثل بن گئے کہ جب انہیں کسی قوم کے انتشار و افتراق کا حال بیان کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں: ایسا کھمّر گئے جیسے قوم سبا کی جماعت کھمّر گئی۔ اُن میں سے اوس و خزرج والے بیٹرب (مدینہ الرسول) عثمان کے لوگ شام، ازد والے عمان، اور خزاعہ کے لوگ تہامہ پہنچ گئے، اور اس طرح پوری قوم سبائترتر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ ان ساری تفصیلات میں اللہ کے صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے بندوں کے لئے بہت ساری عبرت و نصیحت کی باتیں ہیں۔

(۱۵) مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق اگر قوم سبا سے مانا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ابلیس نے ان کے بارے میں اپنے دل میں یہ گمان کیا کہ اگر اس نے انہیں گمراہ کیا تو وہ لوگ اس کی پیروی کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے شیطان کی باتوں میں آکر اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا، اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اور اگر اس کا تعلق عام انسانوں سے مانا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ ابلیس نے تمام انسانوں کے بارے میں ایسا گمان کیا کہ اگر وہ انہیں اللہ کی نافرمانی کی طرف بلائے گا تو وہ لوگ اس کی بات مان جائیں گے اور اس کے پیچھے ہو لیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر و بیشتر لوگوں نے اس کی پیروی کی اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔

(۱۶) ابلیس کو انسان پر نہ کوئی مادی قوت حاصل ہے اور نہ معنوی، اسے تو اللہ کی جانب سے صرف اتنی اجازت ملی ہے کہ وہ انسان کے دل میں طرح طرح کے دوسوسے پیدا کرے، گناہ کو اس کی نگاہ میں خوبصورت بنا کر پیش کرے اور اللہ کی نافرمانی کی طرف بلائے، اور یہ اجازت اسے اس لئے ملی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون آخرت پر ایمان لاکر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے، اور کون اس کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو کر معصیت و سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے۔

قُلْ اِدْعُوا الَّذِينَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَبْدُلُ كُفْرًا تَشْقَالَ ذَكَرَ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَتَّبِعُوا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ اذْذَنَ لَهُ مَحْتَىٰ لَإِذْفِرَع عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا اَقَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

اے میرے نبی! آپ مشرکوں سے کہئے کہ جنہیں تم اللہ کے سوا معبود (۱۷) بنا بیٹھے ہو انہیں پکارو تو سہی، وہ تو آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کے برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں، اور نہ ان دونوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے، اور نہ ان لوگوں میں سے کوئی اس کا مددگار ہے ﴿۲۲﴾ اور نہ اس کے نزدیک سفارش (۱۸) کام آئے گی، سوائے اس شخص کے جس کے لئے وہ سفارش کی اجازت دے گا، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ (۱۹) دور ہو جاتی ہے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ تو اوپر والے فرشتے کہتے ہیں کہ ”حق کہا ہے“ اور وہ اونچی شان والا، بڑی کبریائی والا ہے ﴿۲۳﴾

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کرب ہر چیز اور ہر بات سے باخبر ہے، وہ اپنے بندوں کے اچھے اور برے اعمال کو گن رہا ہے، تاکہ قیامت کے دن ان کا حساب لے اور انہیں ان کا بدلہ دے۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی تمام کافروں سے باعموم اور کفار مکہ سے بالخصوص فرمایا کہ جن جنوں کو اللہ کے سوا تم اپنا معبود سمجھتے ہو ذرا انہیں پکارو تو سہی، کیا وہ تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا، اس لئے کہ وہ پتھر کے بے جان صنم ہیں، آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی چیزوں میں سے ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں، نہ ہی ان کی تخلیق و ملکیت میں وہ اللہ کے کسی بھی حیثیت سے شریک ہیں، اور نہ کارہائے کائنات کے چلانے میں اللہ کو ان کی مدد کی ضرورت ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ جب ان کی عاجزی اور بے کسی اس حد کو پہنچی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرح انہیں پکارنا اور ان سے امید لگانا کہاں کی عظمتی ہے۔

(۱۸) قیامت کے دن سفارش اُسی کی سنی جائے گی جسے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، اور سفارش اسی کے حق میں سنی جائے گی جس کے لئے شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ کسی کو اجازت دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو اس آیت کریمہ اور قرآن کریم کی دیگر کئی آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ النجم آیت (۲۶) میں ہے: ﴿وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَاتَغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مَن يَأْذَنُ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ﴾ ﴿۲۶﴾ اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے۔ اور سورۃ الانبیاء آیت (۲۸) میں ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَن ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُسْتَفْقُونَ﴾ ﴿۲۸﴾ وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کریں گے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو، وہ تو خود ہیبت الہی سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کفار کے اس قول کی تکذیب ہے کہ ان کے جموٹے معبود ان کے لئے سفارشی بنیں گے۔ (۱۹) میدانِ محشر میں تمام فرشتے اور انبیاء جن سے متعلق امید کی جائے گی کہ وہ دوسروں کے لئے سفارشی بنیں گے، اور وہ تمام لوگ جو سفارش کے محتاج ہوں گے، انتہائی پریشانی کے عالم میں ہوں گے، اور اللہ کی ہیبت سے نہایت خوفزدہ ہوں گے، کسی کو

قُلْ مَنْ يَدْرِكُ قَلْمَكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ قُلْ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ أَيْنَاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۰﴾ قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا جَزْمًا وَلَا تَسْأَلُونَ عَنْهَا عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱﴾

اے میرے نبی! آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین سے تمہیں روزی کون (۲۰) پہنچاتا ہے؟ آپ خود ہی بتا دیجئے کہ اللہ، اور بے شک ہم راہ راست پر ہیں یا تم، یا ہم میں سے ایک کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے ﴿۲۱﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ ہمارے جرائم کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا (۲۱) جائے گا، اور نہ ہم سے تمہارے کرتوتوں کے بارے میں سوال ہوگا ﴿۲۵﴾

معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ جل جلالہ اپنا کون سا حکم صادر فرمائے گا۔ سبھی اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا، اور اہل محشر کا خوف ایک گنا جاتا ہے گا تو فرشتے اپنے اوپر والے ان فرشتوں سے پوچھیں گے جنہوں نے اذن شفاعت کی خبر دی تھی کہ تمہارے رب نے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ شفاعت کے حقداروں کے لئے شفاعت کی اجازت دے دی گئی ہے۔

آیت کا آخری بند ہے کہ اللہ بہت اونچا اور بڑی کبریائی والا ہے، قیامت کے دن فرشتہ اور کوئی نبی اس کی اجازت کے بغیر دم نہیں مارے گا، اور شفاعت اسی کے لئے کرے گا جس کے لئے اللہ شفاعت کی اجازت دے گا۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی کفار کی زجر و توبیح کے لئے فرمایا کہ تمہیں آسمانوں سے بارش برسا کر اور زمین سے پودے اُگا کر کون روزی دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس کے سوا اور کیا جواب ہے کہ وہ اللہ ہے جو سب کار و روزی رساں ہے۔

آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ کافروں کو خبر دے دیں کہ وہ گمراہی پر ہیں، لیکن ایک ایسے اسلوب میں جس میں ان کے لئے دعوتِ فکر و نظر ہے۔ کہا کہ ہم دونوں جماعتوں میں سے ایک یقیناً راہِ حق پر ہے، اور دوسری جماعت گمراہ ہے۔ ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو صرف اللہ کو خالق و رازق مانتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں، اور دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو پتھر کے تراشے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جن میں کوئی قدرت نہیں ہے۔ عقل و خرد والا یہی کہے گا کہ راہِ حق پر وہ لوگ ہیں جو اس ذاتِ برحق کی عبادت کرتے ہیں جو پیدا کرتا ہے، روزی دیتا ہے، اور نفع و نقصان کا مالک ہے، اور گمراہ وہ لوگ ہیں جو بے جان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲۱) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مشرکین سے پُر امن اعلانِ براءت ہے کہ جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے، ہمارا اور تمہارا کوئی رشتہ اور تعلق نہیں ہو سکتا، ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال کے۔ اگر ہم سے کوئی گناہ سرزد ہوگا تو تم اس کے بارے میں نہیں پوچھ جاؤ گے، اور نہ تمہارے اعمال کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا۔ اگر ایمان لے آؤ گے تو ہم سب بھائی بھائی ہو جائیں گے، ورنہ ہم تم سے بری ہیں اور تم ہم سے بری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس آیت (۳۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ كَذَّبُوا فَقُلْ لِي عَمَلِي وَالْكُمْ عَمَلِكُمْ أَنْتُمْ بَرِيحُونَ مِمَّا عَمِلْتُمْ وَأَنَا بَرِيحٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ﴿۳۱﴾

”اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں“ اور سورہ الکافرون میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ ﴿۱﴾ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ ﴿۲﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو، نہ تم

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲﴾ قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ أُحْصِيْتُمْ بِهِ ثُمَّ كَذِبُوا كَذِبًا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا قَاسِمًا لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾

آپ کہہ دیجئے کہ روز قیامت ہمارا رب ہمیں اکٹھا (۲۲) کرے گا، پھر ہمارے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا عظیم فیصلہ کرنے والا ہے، ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۲۲﴾ آپ کہئے کہ ذرا مجھے دکھاؤ (۲۳) تو سہی وہ معبود جنہیں تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے، ہرگز اس کا کوئی شریک نہیں ہے، بلکہ وہ صرف اللہ ہے جو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲۳﴾ اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری (۲۴) دیئے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں ﴿۲۴﴾

عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔“

شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ اور اس معنی کی دوسری آیتوں کا حکم جہاد و قتال والی آیتوں کے ذریعہ منسوخ ہو چکا ہے۔

(۲۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین کو اس بات کی خبر دے دیں کہ آخرت آئے گی اور میدانِ محشر میں ہم اور تم سبھی اللہ کے حضور جمع ہوں گے، اور وہاں وہ ہمارے درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گا، اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں مشرکین کو عذابِ آخرت کی دھمکی دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر و شرک سے توبہ نہیں کریں گے تو عذابِ آخرت کا انتظار کریں۔

(۲۳) اس آیت کریمہ میں معبودانِ مشرکین کے جھوٹے اور باطل ہونے کی ایک دلیل پیش کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان سے پوچھیں کہ جنہیں تم اللہ کا شریک بتاتے ہو ذرا دکھاؤ تو سہی کہ ان میں کون سی خوبی پائی جاتی ہے، جس کی بنیاد پر تم نے انہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے؟ پھر اللہ نے خود ہی بطور رد و انکار شرک جو اب دیا کہ وہ اپنے جھوٹے معبودوں میں کوئی بھی ایسی صفت ثابت نہیں کر سکتے ہیں، کوئی بھی ایسا معبود نہیں دکھا سکتے ہیں جو اللہ کے سوا انہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہو، وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی تہذات ہے جو بڑی عزت والا، ہر چیز پر غالب اور اپنے تمام اعمال میں حکیم و دانایا ہے۔

(۲۴) عقیدہ توحید بیان کرنے کے بعد اب عقیدہ رسالت بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا، تاکہ آپ ان پر ایمان لانے والوں اور ان کی اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیں، اور ان کی نافرمانی کرنے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈرائیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک تلخ حقیقت کی خبر دی ہے جس سے مقصود آپ کو تسلیم دینی ہے کہ اکثر لوگ رسولوں کی اہمیت اور ان کی دعوت کی افادیت سے ناواقف ہوتے ہیں، اسی لئے ان کی بتائی راہ چھوڑ کر کفر و ضلالت کی راہ اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ کفار مکہ کا حال ہے کہ وہ کفر و شرک پر مصر ہیں، اور آپ کے مقام نبوت سے بے خبر ہیں۔

آپ ﷺ تمام انسانوں کے لئے رسول تھے، اس عقیدے کو قرآن کریم کی کئی دوسری آیتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الأعراف آیت (۱۵۸) میں آیا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔“ اور سورۃ الفرقان آیت (۱) میں ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ ”بہت ہی بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا، تاکہ

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ قُلْ لَكُمْ مَبْعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَكَو تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ الْقَوْلُ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا أَلَا آتَاكُمْ لَكُمْ أُمُومِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا أَنَحْنُ صَدَقْنَا وَكُفِرَ الْهَدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ لَكُنْتُمْ أَفْجُرِينَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِبْرَاهِيمَ الْيَتِيمَ وَالنَّارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا وَأَسْرُوا النَّاسَ أَتَىٰ سَائِرَ الْعَدَابِ وَجَعَلْنَا الْأَعْمَالُ فِي آعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُعْزَبُونَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾

اور کفار کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو قیامت کا وعدہ (۲۵) کب پورا ہو گا ﴿۲۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے ایک دن مقرر ہے، اس سے تم ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکو گے اور نہ آگے ﴿۳۰﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان (۲۶) نہیں لائیں گے، اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے آچکی ہے، اور کاش آپ ظالموں کا حال زار اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے، ایک دوسرے کو قصور وار ٹھہرائیں گے، جو لوگ دنیا میں کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان سے کہیں گے جو متکبر بنے پھرتے تھے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آئے ہوتے ﴿۳۱﴾ وہ متکبرین ان کمزوروں سے کہیں گے کہ کیا ہدایت (۲۷) آجانے کے بعد اس کی اتباع سے ہم نے تمہیں روکا تھا، بلکہ تم خود ہی مجرم تھے ﴿۳۲﴾ اور کمزور لوگ متکبرین سے کہیں گے، بلکہ تم ہی لوگ رات دن سازش کرتے تھے، جب ہمیں اللہ کا انکار کرنے اور اس کے لئے بہت سے ہمسرے بنانے کا حکم دیتے تھے، اور جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنی پشیمانی چھپاتے پھریں گے، اور ہم کافروں کی گردنوں میں بھاری طوق ڈال دیں گے، اور وہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے، اسی کا انہیں بدلہ چکایا جائے گا ﴿۳۳﴾

وہ تمام لوگوں کے لئے آگاہ کرنے والے بن جائیں۔“ اور بخاری و مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”ہر نبی اپنی قوم کے لئے بھیجا جاتا تھا، اور میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ اور صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک دوسری حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں کالے اور گورے سب کے لئے بھیجا گیا ہوں۔“

(۲۵) کفار مکہ جو قیامت اور اس دن کے جزا و سزا کے منکر تھے، نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے استہزاء آمیز انداز میں پوچھتے تھے کہ وہ عذاب کب آئے گا جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ وہ دن اللہ کے علم میں مقرر ہے، جب وہ آجائے گا تو تمہارے چاہنے کے باوجود نہ ایک لمحہ پیچھے ہو گا تاکہ تم اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لو، اور نہ کسی کے کہنے سے ایک لمحہ آگے ہو گا۔

(۲۶) نبی کریم ﷺ کفار مکہ سے توحید و رسالت اور آخرت کی بات کرتے ہوئے کبھی کہتے کہ قرآن کریم کی طرح تورات و انجیل نے بھی ان عقائد پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، تو وہ کبر و عناد میں آکر کہتے کہ ہم نہ قرآن کو آسمانی کتاب سمجھتے ہیں اور نہ ان کتابوں کو جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا نَايِبُونَ كَفِرُونَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أُمَّةٍ أَلِفًا
 وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِبُعْدِيَّينَ ﴿۲۹﴾ قُلْ إِنْ رِئِي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَئِن كُنَّا لَأَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا رسول (۲۸) بھیجا تو اس کے عیش پرستوں نے یہی کہا کہ تم جو پیغام
 دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں، اور
 ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا ﴿۳۱﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا
 ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں ﴿۳۲﴾

(۲۷) میدان محشر اور اُس کے بعد کے مواقف میں کفار کا کیا حال ہوگا، اُسے بیان کر کے انہیں اسی دنیا میں غور و فکر کرنے کی
 دعوت دی گئی ہے، شاید کہ ایمان لے آئیں، نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ کافروں کی بے کسی کا کیسا منظر ہوگا جب وہ
 رب العالمین کے سامنے ذلیل و خوار بن کر کھڑے ہوں گے، اور اپنا تاریک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جب کچھ نہ بن پڑے
 گا تو آپس میں جھگڑیں گے، اور دنیاوی مقام و مرتبہ کے اعتبار سے کمزور کفار جنہوں نے دنیا میں کفر کے سرخوں کی پیروی کی تھی
 اور ایمان نہیں لائے تھے، اُن سرخوں سے کہیں گے کہ اگر تم نے ہمیں ایمان لانے سے نہ روکا ہوتا تو ہم نے اسلام کو قبول کر لیا
 ہوتا، اور آج ہمارا یہ حال نہ ہوتا، تو وہ سرداران کفران کے دعوے کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نے تمہیں اتباع حق سے
 کبھی نہیں روکا تھا، تم لوگ خود ہی اہل جرم و فساد تھے، اسی لئے جب ہم نے تمہیں اپنی پیروی کے لئے پکارا تو تم نے فوراً ہماری
 دعوت قبول کر لی، اور اپنی خواہش کی اتباع کرتے ہوئے رسولوں کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ یہ سن کر پیروی کرنے والے کفار کہیں گے کہ
 بات وہی سہی ہے جو ہم نے کہی ہے، تم لوگ تورات دن اللہ اور اس کے رسول کے خلاف سازش کرتے رہے، اور اپنی سرداری
 اور چودھر اہٹ کا رعب گانٹھ کر ہمیں حکم دیتے رہے کہ اس کے دین کا انکار کر دیں اور جھوٹے معبودوں کو اس کا شریک بنائیں۔

آیت (۳۳) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے کافروں کے مذکور بالا نکرار کے بعد ان کے لئے تیار
 کردہ جہنم کا عذاب جب ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا تو یاس و حسرت سے ان کے دل بھر جائیں گے، لیکن دشمنوں کی ہنسی
 کے ڈر سے ایک دوسرے سے اپنا اندرونی حال بیان نہیں کریں گے۔ اور کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ان کے ہاتھوں
 سمیت باندھ دیا جائے گا، اور یہ سب کچھ ان کے اپنے کئے کا انجام ہوگا۔ سرداران کفر اور ان کے پیروکاروں میں سے ہر ایک اپنے
 اپنے جرائم کے مطابق عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(۲۸) ذیل میں آنے والی آیتوں میں گذشتہ قوموں کے عیش پرستوں اور انبیائے کرام کے ساتھ ان کے برے برتاؤ اور کفر
 و شرک پر ان کے اصرار کا حال بیان کر کے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین قریش کے کفر و شرک سے آپ دل برداشتہ
 نہ ہوں، اس لئے کہ ہر دور کے سرداران کفر اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جب بھی کسی بستی والوں کی ہدایت کے لئے کوئی نبی بھیجا تو ان کے سرداروں، عیش پرستوں
 اور فاسق و فاجر لیڈروں نے اس سے کہا کہ تم جس ایمان باللہ اور وحدانیت باری تعالیٰ کی بات کرتے ہو، ہم ان باتوں کا سراسر انکار
 کرتے ہیں، اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم مان بھی لیں کہ قیامت آئے گی اور کچھ لوگ عذاب دیئے جائیں گے تو ہم ان لوگوں میں
 سے نہیں ہوں گے، اس لئے کہ جب اللہ نے ہمیں یہاں مال و اولاد سے نوازا رکھا ہے، تو آخرت میں وہ ہمیں عذاب نہیں دے گا۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا لَتُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۗ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَهُمْ فِي الْعُرْفَةِ أَمْثُونَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آلِبِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۳۸﴾

اور تمہارے اموال (۳۷) اور تمہاری اولاد وہ چیزیں نہیں ہیں جو تمہیں ہم سے قریب کر دیں گی، بلکہ جو ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا، انہی کو ان کے نیک اعمال کا دوہرا بدلہ ملے گا، اور وہ لوگ جنت کے بالا خانوں میں امن و امان کے ساتھ رہیں گے ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے خلاف (۳۸) اس زعم میں کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز بنا دیں گے انہیں عذاب میں ڈال دیا جائے گا ﴿۳۸﴾

اگر ہم اللہ کی نگاہ میں اچھے نہ ہوتے تو ہمیں یہاں اپنی نعمتوں سے نہ نوازتا، اور ایمان کا دعویٰ کرنے والے اگر اس کی نگاہ میں برے نہ ہوتے تو انہیں یہاں اپنی نعمتوں سے محروم نہ رکھتا۔

آیت (۳۶) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی گمانِ باطل کی تردید کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی زبانی فرمایا ہے کہ رب العالمین اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت سے ہے، اس ضمن میں اچھے اور برے سبھی آتے ہیں کسی کی روزی میں وسعت اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے، اور نہ ہی کسی کی روزی میں تنگی اللہ کے نزدیک اس کے مغبوض ہونے کی دلیل ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں، اور انہی میں سے وہ لوگ ہیں جو دنیا کی کامیابی پر آخرت کی کامیابی کو قیاس کرتے ہیں۔

(۲۹) گذشتہ جواب کی مزید تاکید و توثیق کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اللہ سے قربت کا سبب نہیں بن سکتے ہیں، اللہ کے نزدیک تو صرف ایمان اور عمل صالح کی قدر و قیمت ہے۔ ایمان لانے کے بعد جو شخص جس قدر فرائض و واجبات کی پابندی کرے گا اور نوافل اور دیگر کارہائے خیر کا اہتمام کرے گا، اسی قدر وہ اپنے رب سے قریب ہوتا جائے گا، اور انہیں ان کے اعمال صالحہ کا دو گنا، دس گنا، اور اس سے زیادہ اجر ملے گا، اور وہ قیامت کے دن موت اور ہر شر سے مامون جنت کے بلند و بالا کمروں میں رہیں گے۔

اس آیت کا مضمون سورۃ المؤمن آیات (۵۶/۵۵) میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ نَسَارِعَ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَل لَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿۳۷﴾ ”کیا وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں، ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں، نہیں! بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں“۔ اور سورۃ التوبہ آیت (۵۵) میں آیا ہے: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِمَا فِي الْوَالِدِيَّةِ وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ ﴿۳۸﴾ ”بس آپ کو ان کے مال و اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں، اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے، اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں“۔

(۳۰) آخرت میں مومنوں کا حال بیان کرنے کے بعد اب کافروں کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، ان کے لئے جہنم کا عذاب تیار کیا گیا ہے جس سے وہ چھٹکارا نہیں پاسکیں گے۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَبِيرٌ
الرِّزْقِينَ ۝ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا لِيَقُولَ لِلْمَلِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ كَالْوَأَسْبَاطِ أَنْتَ وَإِنَّا
مِنَ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْحِجْنَ أَكْذُوبًا يَوْمَ يَمُوتُ مَمْنُونٌ ۝ كَالْيَوْمِ لَا يَمُوتُ لَكَ بِعُضُكُم لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا
ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو کشادہ (۳۱) کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اور تم لوگ اس کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ اس کا بدلہ دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی رسال ہے ﴿۳۹﴾ اور جس دن وہ سب کو جمع (۳۲) کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا، کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے ﴿۳۰﴾ فرشتے کہیں گے، میرے رب! تیری ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، تجھ سے ہی ہمارا تعلق ہے، ان سے نہیں، بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر لوگ انہی پر ایمان رکھتے تھے ﴿۳۱﴾ پس اُس دن تم میں سے کوئی کسی کے لئے نفع و نقصان کی قدرت (۳۲) نہیں رکھے گا، اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ اب چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلاتے تھے ﴿۳۲﴾

(۳۱) آیت (۳۶) میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے، اسی کی یہاں دوبارہ تاکید و توثیق کی گئی ہے کہ کسی کی روزی میں تنگی نہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کا منغوض بندہ ہے، اور نہ روزی میں وسعت اللہ کا محبوب بندہ ہونے کی دلیل ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے بندے اس کی راہ میں اور مباح کاموں میں چاہے جتنا بھی خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ دنیا میں انہیں اتنا پھر دے دے گا، اور آخرت میں اس کا اچھا اجر عطا کرے گا۔

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی روایت کی ہے، اللہ کہتا ہے: ”اے ابن آدم! خرچ کرو، تم پر خرچ کیا جائے گا“۔ اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری حدیث روایت کی ہے کہ ”ہر دن صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو پھر دے دے، اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! تجیل کامال ضائع کر دے“۔

(۳۲) اس آیت کا تعلق آیت (۳۱) میں ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ﴾ سے ہے، اور خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ آپ اُس دن کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ تمام جنوں اور انسانوں کو میدان محشر میں اکٹھا کرے گا، پھر کافروں کو ڈانٹنے اور پھینکانے کے لئے فرشتوں سے مخاطب ہو کر پوچھے گا (جنہیں مشرکین اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کی عبادت کرتے رہے تھے) کہ اے فرشتو! کیا تم میری طرح معبود ہو، اور کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ تو فرشتے فوراً اللہ کے سوا معبود ہونے سے اپنی براءت کا اظہار کر دیں گے اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے، ہم تیرے بندے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ہم نے انہیں کبھی نہیں کہا کہ وہ ہماری عبادت کریں، یہ لوگ درحقیقت ابلیس اور دیگر شیاطین کی عبادت کرتے تھے، اور ان میں سے اکثر لوگ انہی کی بات مانتے تھے۔

یہاں فرشتوں کا ذکر بطور خاص مشرکین کے اس عقیدے کی وجہ سے کیا گیا ہے کہ ان کے اصنام درحقیقت اللہ کے مقرب فرشتوں کی شکل کے بنائے گئے ہیں، تاکہ وہ فرشتے ان کے سفارشی بنیں۔

وَإِذْ اتَّخَذْتُمْ عَلَيْهِمْ إِيْتِنَانِيۡنِۙ قَالُوۡا مَا هٰذَا اِلَّا رَجُلٌ يُرِيۡدُ اَنْ يَّصۡدُقَكُمۡ عَلٰۤىۤا كَاۡنَ يَّعۡبُدُ اٰۤبَاۡؤَكُمۡ ۗ وَقَالُوۡا مَا هٰذَا اِلَّا اَرۡفَاۡكُۙ مُفۡتَرًۭى ۗ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَئِنۡ لَّا نَجِۡءُهُمۡ ۙ اِنَّ هٰذَا اِلَّا اَسۡحَرُّۙ مُبِيۡنٌ ۗ وَمَا اَتَيْنَهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ يَّذۡرُسُوۡنَهَا وَمَا اَرْسَلۡنَا اِلَيْهِمۡ قَبۡلِكَ مِّنۡ تَذٰۤنِيۡرٍ ۗ وَكَذٰۤىۡبَ الَّذِيۡنَ مَنۡ قَبۡلِهِمۡ ۗ وَمَا يَلۡغَوۡا مَعَۤشَارًا اَتَيْنَهُمۡ فَاَكۡذَبُوۡا رَسُوۡلِيۡ ۗ فَاَكۡفَبۡتُمْ كَاۡنَ تَكۡذِبُوۡنَ ۗ

اور جب ان کے سامنے ہماری صریح آیتوں کی تلاوت (۳۴) کی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ یہ آدمی تمہیں صرف ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے آباء و اجداد پرستش کیا کرتے تھے، اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ آیتیں اللہ پر افترا پردازی کے سوا کچھ نہیں ہیں، اور جن لوگوں نے ان کے پاس حق آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیا تھا، انہوں نے کہا کہ یہ کھلے جادو کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے ﴿۳۳﴾ اور ہم نے انہیں نہ ایسی کتابیں (۳۵) دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے تھے، اور نہ آپ سے پہلے ان کے پاس اپنا کوئی ڈرانے والا رسول بھیجا تھا ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، انہوں نے بھی جھٹلایا (۳۶) تھا، اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا تھا، اس کا دسواں حصہ بھی اہل مکہ کے پاس نہیں ہے، پس جب انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا، تو دنیا نے دیکھ لیا کہ میں نے انہیں کیسی سزا دی ﴿۳۵﴾

(۳۳) مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ جب فرشتے میدانِ محشر میں معبود ہونے سے اپنی براءت کا اعلان کر دیں گے، تو اللہ تعالیٰ مشرکین کی یاس و حسرت بڑھانے کے لئے اور اس بات کا اظہار کرنے کے لئے کہ وہ فرشتے اس کے عاجز بندے ہیں، ان سے مخاطب ہو کر کہے گا کہ آج کے دن تم میں سے کوئی کسی کے لئے نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا ہے، اور پھر مشرکین سے کہے گا کہ اب چکھو جنہم کا وہ عذاب جسے تم دنیا میں جھٹلاتے رہے تھے۔

(۳۴) دعوتِ اسلامیہ کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے مشرکین مکہ مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے، نبی کریم ﷺ پر جب قرآن کریم نازل ہوتا، اور آپ تازہ بہ تازہ اہل قریش کے سامنے اس کی تلاوت کرتے تاکہ ان کھلی آیتوں کو سن کر اللہ پر ایمان لے آئیں، تو ان پر اس کا الٹا اثر پڑتا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ آدمی تمہیں تمہارے آباء و اجداد کے دین سے روکنا چاہتا ہے، یعنی تم لوگ اپنے باپ دادوں کے دین پر ہی ڈٹے رہو، اس لئے کہ یہ دین صحیح ہے اور محمد جس دین کی طرف تمہیں بلارہا ہے وہ باطل ہے۔ اور قرآن کریم کے بارے میں کہتے کہ یہ ایک جھوٹا کلام ہے جسے اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور جب نبی کریم ﷺ کی دعوتِ الی التوحید سے متعلق موثر بات سنتے اور دیکھتے کہ لوگ اثر قبول کر رہے ہیں اور جو درجہ جو درجہ جو درجہ اسلام میں داخل ہوتے جا رہے ہیں، تو کہتے کہ لوگو! اس کی بات کا اثر نہ لو، یہ تو کھلم کھلا جادو ہے اور محمد بہت بڑا جادو گر ہے۔

(۳۵) مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی بعثت اور نزولِ قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر یہود و نصاریٰ کی طرح ہمارے لئے بھی کوئی کتاب نازل ہوتی تو اس کی تعلیمات پر عمل کر کے اوروں کے مقابلے میں زیادہ راہِ راست پر آجاتے۔ اور جب اللہ نے ان پر احسان کیا اور قرآن نازل کیا تو اس کی تکذیب کر دی اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔

(۳۶) مشرکین مکہ کو اللہ نے دھمکی دی ہے کہ انہی کی طرح ان سے پہلے کی بہت سی قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا، اور ہم نے کفار مکہ کے مقابلے میں انہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا، ان کے پاس تو ان قوموں کا دسواں حصہ بھی اسبابِ زندگی نہیں

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِيَ وَفِرَادَىٰ لِّمَنْ تَتَفَكَّرُونَ مَا صَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ قُلْ إِنْ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَاحُ الْغُيُوبِ ۝ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّلُ الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ ۝ قُلْ إِنْ ضَلَّكَ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتَ فِيمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں صرف ایک نصیحت (۳۷) کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کی خاطر دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو، پھر غور کرو، (تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ) تمہارے ساتھ رہنے والے پیغمبر کو جنوں لاحق نہیں ہے، وہ تو ایک شدید عذاب آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے ﴿۳۶﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اگر تم سے کوئی معاوضہ (۳۸) مانگا ہے تو وہ تم کو ہی دیتا ہوں، میرا اجر تو مجھے صرف اللہ سے چاہئے، اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے ﴿۳۷﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب جو تمام غیبی امور کا جاننے والا ہے، حق کو باطل پر دے مارتا ہے ﴿۳۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا، اور باطل اب نہیں آئے گا اور نہ اپنے آپ کو دہرائے گا ﴿۳۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا خمیازہ میں بھگتوں گا، اور اگر میں راہ راست پر گامزن ہوں تو یہ اس قرآن کی بدولت ہے، جسے میرا رب بذریعہ وحی مجھ تک بھیجتا ہے، وہ بے شک خوب سننے والا، بڑا قریب ہے ﴿۴۰﴾

ہے، لیکن ہم نے ان کو شدید عذاب میں مبتلا کیا اور اپنے رسولوں کی تکذیب کا ان سے بڑا سخت انتقام لیا۔ تو اہل مکہ بھی ہوش میں آجائیں اور اپنی حالت بدل لیں، ایمان لے آئیں اور ہمارے قرآن و رسول کی تکذیب سے باز آجائیں، ورنہ ہمیں ان سے بھی انتقام لینے میں دیر نہیں لگے گی۔

(۳۷) مشرکین مکہ کی تمام تر سرکشی اور اللہ اور اس کے رسول کی صریح تکذیب کے باوجود، اللہ نے انہیں گذشتہ قوموں کی طرح ہلاک نہیں کیا، بلکہ انہیں بار بار ایمان و عمل صالح کی دعوت دی، اور رسول کریم ﷺ کی زبانی انہیں نصیحت کی کہ تم جو کہتے ہو کہ محمد مجنون ہے تو تم لوگ کبھی ایک ساتھ سر جوڑ کر اور کبھی تنہا تنہا ہی ہر قسم کے تعصب اور خواہش نفس سے بالاتر ہو کر اور نہایت اخلاص کے ساتھ اس کے موضوع پر غور کر کے تو دیکھو کہ کیا محمد تمہیں مجنون نظر آتے ہیں؟! وہ تو تمہارے درمیان جس بڑی عقل اور بے مثال ہوشمندی کے ساتھ مشہور ہیں ان کے سچا ہونے کے لئے کافی ہے۔ کیا ایسی عقل والا آدمی بغیر سوچے سمجھے کوئی ایسا دعویٰ کر بیٹھے گا جو اس کی ذلت و رسوائی کا سبب بنے، اور جو اسے ہلاکت و بربادی کے دہانے تک پہنچا دے۔ مزید برآں یہ کہ ان سے بہت سے ایسے معجزات کا بھی ظہور ہو چکا ہے جو اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں اور لوگوں کو ایک شدید عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے اے مشرکین مکہ! تمہارے لئے بھلائی اسی میں ہے کہ تم ایسی جاہلانہ باتوں سے باز آ جاؤ اور محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

(۳۸) داعی الی اللہ کے بارے میں جب لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد دنیا کماتا ہے تو اس کی بات اپنا اثر کھودتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ آپ مشرکین مکہ کے سامنے اس بات کی صراحت کر دیجئے کہ مجھے تم سے کسی دنیاوی مفاد کی لالچ نہیں ہے، میں اپنی دعوت میں نہایت مخلص ہوں اور اپنے اجر و ثواب کی امید اللہ سے رکھتا ہوں، جو میری سچائی اور

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَافَتُوا وَلَا فَوْتٌ وَأَخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ وَقَالُوا الْمَتَابُ لَنَا مِن لَّدُنْهُمْ لَنَنبَغِي ۗ فَأَنزَلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَتَابَ وَالْعِزَّةَ الْكُبْرَىٰ ۗ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۖ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ
بَعِيدٍ ۖ كَمَا فَعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِمَّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۙ

اور کاش آپ اس منظر کا مشاہدہ کرتے جب وہ گہرائے (۳۹) ہوں گے پھر بھاگ نہیں پائیں گے اور نزدیک جگہ سے ہی پکڑ لئے جائیں گے ﴿۵۱﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ ہم اُس پر ایمان لے آئے، اور اُن کے لئے اتنی دور سے ایمان کو حاصل کرنا کہاں ممکن ہوگا ﴿۵۲﴾ جبکہ انہوں نے اس سے پہلے اس کا انکار کر دیا تھا، اور دور دور سے اُن دیکھی خبریں ہانکتے رہتے تھے ﴿۵۳﴾ اور ان کے درمیان اور ان کی خواہش ایمان کے درمیان رکاوٹ (۴۰) کھڑی کر دی جائے گی، جیسا کہ اس سے قبل انہی جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بے شک وہ لوگ بہت ہی گہرے شک میں مبتلا تھے ﴿۵۴﴾

اخلاص سے خوب واقف ہے۔

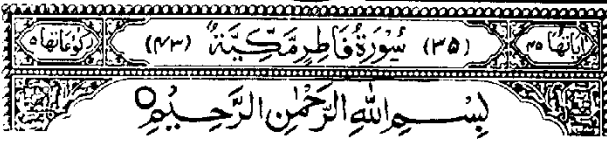
اے میرے نبی! آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اپنی نبوت کے لئے جن لیتا ہے اور اس پر اپنی وحی نازل کرتا ہے، اور چونکہ وہ غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے، اس لئے وہی بہتر علم رکھتا ہے کہ کون رسالت و وحی کا بارگراں اٹھانے کا اہل ہے۔

آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اسلام آچکا، دعوت توحید ظاہر ہو گئی، اور باطل نے دم توڑ دیا اور ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ مشرکین آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد اپنے باپ دادوں کا دین چھوڑ کر گمراہ ہو گیا، تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے نفس کا غلام بن کر گمراہ ہو گیا ہوں، تو اس گمراہی کا وبال مجھ پر پڑے گا، اور اگر میں نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو قبول کر لیا ہے اور راہِ راست پر گامزن ہو گیا ہوں، تو مجھ پر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھے اس کی توفیق بخشی، اور وہ بڑا سننے والا اور بہت ہی قریب ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میں مذکور آخری بات کہ مجھے تو دعوت الی اللہ کا اجر صرف اپنے رب سے چاہئے، تمام داعیانِ حق کے لئے عام ہے، اس لئے کہ جب اللہ نے آپ ﷺ کو (عظیم المرتبت نبی ہونے کے باوجود) یہ حکم دیا کہ اپنے بارے میں ایسی بات کہیں، تو دوسرے لوگ بدرجہ اولیٰ اس حکم میں داخل ہیں۔

(۳۹) قیامت کے دن حساب و کتاب اور جزا و سزا کے فیصلے کے وقت مشرکین کے دل و دماغ خوف و دہشت سے پُر ہوں گے، وہ کہیں بھاگ کر نہ جاسکیں گے، اور عذابِ نار سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، انہیں بہت ہی قریب سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اُس وقت وہ کہیں گے کہ ہم محمد ﷺ (یا قرآن) پر ایمان لے آئے، لیکن اب وہ ایمان کو کہاں پائیں گے، وہ تو اس سے بہت دور، بہت دور جا چکے ہوں گے، وہ تو میدانِ محشر میں ہوں گے، اور ایمان لانے کی جگہ تو دنیا تھی۔ جب ایمان لانا مفید تھا، اور وہ نعمت ان سے بہت ہی قریب تھی، تو اس سے غافل تھے، اور اب جبکہ وہ نعمت ان سے بہت دور ہو چکی ہے تو اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں، اب وہ اسے ہرگز نہیں پائیں گے۔



الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكِةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَعةٍ تَشْتَبِي وَثَلُثَ وَرُبَعَ بِيَزِيدُ فِي الْخَلْقِ
مَا يَسْتَأْذِنُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۝ وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ
لَهَا مِنْ بَعْدِهِ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(سورہ فاطر کی ہے، اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں (۱) اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، اور ایسے فرشتوں کو اپنا پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دود اور تین تین اور چار چار پر ہیں، وہ اپنی مخلوقات کی تخلیق میں جو چاہے اضافہ کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جسے وہ روک دے اس کے بعد اسے کوئی جاری کرنے والا نہیں، اور وہ بڑا زبردست، بڑی حکمت والا ہے﴾ ﴿۲﴾

آیت (۵۳) میں مذکور بالاضمون کی توثیق ہے کہ دنیا میں ان مشرکین نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا تھا، اور محض وہم و گمان کی بنیاد پر انہیں جادوگر، شاعر اور مجنون کہا تھا، نیز موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کر دیا تھا۔ (۳۰) میدان محشر کا ایمان مشرکین کے کام نہیں آئے گا، اور انہیں گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے انہی جیسے کافروں کا انجام ہو چکا ہوگا، یعنی ان کا بھی میدان محشر کا ایمان قبول نہیں کیا گیا تھا اور جہنم میں ڈال دیئے گئے تھے۔ اور مشرکین کہ کا یہ انجام اس لئے ہوگا کہ وہ دنیا کی زندگی میں توحید باری تعالیٰ، نبی کریم ﷺ کی صداقت اور بعثت بعد الموت کے بارے میں ہمیشہ گہرے شک میں ہی مبتلا رہے، ایمان کے قریب بھی نہیں پہنچے اور کفر و شرک کی حالت میں ہی ان کی موت آگئی۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورہ فاطر

نام: سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ بتائی گئی ہے، اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔ اس کا دوسرا نام "الملائکہ" بھی ہے، اس لئے کہ پہلی ہی آیت میں فرشتوں کی بعض صفات اور اللہ کی طرف سے ان پر عائد کردہ ذمہ داریوں کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ سورت سب کے نزدیک کئی ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ فاطر مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) "الحمد" سے مراد وہ تمام تعریفیں ہیں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہو سکتی ہیں، ان سب کا حقدار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر سابق مثال و مادہ کے پیدا کیا ہے، اور جس نے فرشتوں کو انبیاء کے پاس وحی دے کر بھیجا، اور اپنے بعض

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ﴿۱﴾ وَإِنْ يَكْفُرْ بِكَ فَكُفِّرْ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَعْزُبَنَّكُمْ بِاللَّهِ الْعُرُورُ ﴿۳﴾ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّكُمْ يَدْخُلُونَهَا مِنْ لَدُنْهُ وَيَخْرُجُونَ مِنْ لَدُنْهُ لَا يَلْمِزُكُمْ فِي عَمَلِكُمْ لَكُمْ فِيهَا حَيَاتٌ وَمَمَاتٌ وَأَنْتُمْ لَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۴﴾

اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت (۱) کو یاد کرو، کیا اللہ کے سوا اور کوئی پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی پہنچاتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تمہاری عقل کیوں ماری گئی ہے ﴿۳﴾ اور اگر کفار مکہ آپ کو جھٹلاتے (۲) ہیں، تو آپ سے پہلے بھی انبیاء جھٹلائے گئے تھے، اور تمام امور اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں ﴿۴﴾ اے لوگو! اللہ کا وعدہ برحق (۳) ہے، پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اور شیطان تمہیں اللہ کی طرف سے دھوکے میں نہ ڈال دے ﴿۵﴾ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم بھی اُس سے دشمنی رکھو، وہ تو اپنے گروہ کو بلاتا ہی ہے تاکہ سب اہل جہنم میں سے ہو جائیں ﴿۶﴾

دوسرے بندوں کے پاس انہیں الہام اور نیک خوابوں کے ذریعہ اپنا پیغام رساں بنا کر بھیجا، اور دیگر کارہائے بے شمار کی ذمہ داری ان کو سونپی۔ اور ان فرشتوں میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہوتے ہیں، اور کسی کے اس سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات جب رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے چہ سو پر تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جس چیز کو جتنی تعداد میں چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمام رحمتوں، برکتوں، خیرات و ارزاق کے خزانوں کا وہ تہا مالک ہے، کسی کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے، وہ اگر کسی کو ان میں سے دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا، اور اگر کسی کو ان سے محروم کرنا چاہے تو کوئی اسے دے نہیں سکتا۔ وہ صاحب عزت اور ہر چیز پر غالب ہے اور تمام امور میں حکمت و مصلحت کے مطابق تصرف کرتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو حکم دیا ہے کہ ان کے لئے اللہ کی نعمتوں کا جو فیضان عام ہے، اسے یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرتے رہیں، تاکہ وہ نعمتیں باقی رہیں اور مزید نعمتوں کا تسلسل باقی رہے۔ اور ان نعمتوں کو یاد کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ یہ سمجھے گا کہ ان نعمتوں کا پیدا کرنے والا اور انہیں اس تک بھیجنے والا صرف اللہ ہے تو لا محالہ ایک سلیم الفطرت آدمی کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ عبادت کا بھی وہی تہا حقدار ہے، اور اس سے بڑھ کر ناشکر می کیا ہو سکتی ہے کہ کھلائے وہ مالک کل اور بندہ گائے کسی اور کا۔ اسی لئے آیت کے آخر میں کہا گیا کہ جب اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو لوگ اس کی وحدانیت سے کیوں روگردانی کرتے ہیں!؟

(۳) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے باوجود بھی اگر مشرکین مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ کو دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اہل کفر و شرک کا ہر دور میں یہی و طیرہ رہا ہے کہ جب بھی اللہ کا کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ انسانوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا، حساب و کتاب، جزا و سزا اور جنت و جہنم کی باتیں بالکل

الَّذِينَ لَعَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِن لَّمْ يُلْحِقِ اللَّهُ يُضِلْ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ لَبِاسٌ مُّصَنَعُونَ ۝ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَاَسْقِنَهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ۝

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لئے سخت عذاب (۵) ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا ان کے لئے اللہ کی مغفرت اور بڑا اجر ہے ﴿۷﴾ کیا جس شخص کی بد اعمالیاں اس کے لئے خوشنما (۶) بنا دی گئی ہوں، پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے (اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جس کے اندر یہ صفت نہ ہو) پس بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، پس آپ ان کے حال پر افسوس کر کے اپنی جان نہ دے دیجئے، بے شک اللہ ان کے کارناموں کو خوب جاننے والا ہے ﴿۸﴾ اور وہ اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، وہ ہواؤں بادل کو ابھارتی ہیں، جسے ہم مردہ علاقے (۷) تک لے جاتے ہیں، اور اس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۹﴾

صحیح اور برحق ہیں، اس لئے وہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام میں پڑ کر آخرت کی کامیابی کے لئے عمل صالح کرنا بھول نہ جائیں، یہاں تک کہ موت آجائے اور اللہ کے حضور خالی ہاتھ پہنچیں اور اس وقت کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں کہ اے کاش! میں نے اس زندگی کی کامیابی کے لئے عمل صالح کیا ہوتا۔ اور ایسا نہ ہو کہ شیطان انہیں یہ کہہ کر بہکا دے کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اور اس کا فضل و کرم بڑا عام ہے، اس لئے یہاں خوب عیش کر لو، کبھی توبہ کر لینا تو وہ غفور رحیم تمہیں ضرور معاف کر دے گا۔ آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں تنبیہ کی کہ دیکھو شیطان تمہارا بہت بڑا دشمن ہے، تم اس بات کو ہر وقت یاد رکھو تا کہ اس کے دھوکے میں نہ پڑ جاؤ، اس لئے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو ایسے ہی اعمال کی دعوت دیتا ہے جن کا لازمی نتیجہ عذابِ نار ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمان اور فرمانبردار بندوں کا انجام بتلایا ہے کہ کافروں کو آخرت میں سخت عذاب دیا جائے گا، اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دے گا اور انہیں جنت اور اس کی بیش بہا نعمتیں عطا کرے گا۔

(۶) نبی کریم ﷺ کی ایک گمانتہلی، اور ان کی روح کو تقویت پہنچانے کے لئے کہا گیا ہے کہ اگر کافروں اور فاجروں کے برے اعمال کو شیطان اور خووان کا نفس امارہ ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے سارے اعمال درست ہیں، تو گویا اللہ انہیں گمراہ کر دینا چاہتا ہے، کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اس لئے آپ کافروں کی گمراہی اور ایمان نہ لانے پر گھٹ گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کیجئے، اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے خوب واقف ہے، اور وہی انہیں ان اعمال کا بدلہ چکائے گا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں زمین کی موت اور پھر بارش کے بعد اس کی زندگی کی مثال دے کر انسانوں

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۗ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۗ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ
السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَكَلِمَاتٌ لَكَ هُوَ يُبَوِّئُ ۝

جو شخص عزت (۸) چاہتا ہے، اسے معلوم رہے کہ ساری عزت اللہ کے لئے ہے، اچھی باتیں اسی تک پہنچتی ہیں، اور نیک عمل انہیں بلندی کی طرف لے جاتا ہے، اور جو لوگ بری باتیں پھیلانے کے لئے سازش کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے، اور ان کی سازش بالآخر ناکام رہے گی ﴿۱۰﴾

کو دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال کیا ہے۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ زمین بالکل خشک ہوتی ہے، اس میں ایک بھی ہر اچھا نہیں ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے تو اسی زمین میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور جب کاشتکار اس میں بیج ڈالتا ہے تو کچھ ہی دنوں کے بعد اس میں پودے لہلہانے لگتے ہیں۔

اسی طرح انسان کی جب دنیاوی زندگی پوری ہو جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے، اور قیامت سے پہلے جو لوگ موجود ہوں گے وہ سب بھی مرجائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ اسی طرح زندہ کرے گا جس طرح وہ بارش کے ذریعہ زمین کو زندہ کرتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں پودے لہلہانے لگتے ہیں۔

(۸) دنیا و آخرت دونوں جہان میں عزت طلبی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی میں لگا رہے، اس لئے کہ دنیا و آخرت کا وہی مالک ہے۔ ہر طرح کی عزت و آبرو اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو متعدد آیات میں بیان کیا ہے۔ سورۃ النساء آیت (۱۳۹) میں ہے: ﴿أَيُّتَفُونَ عِنْدَهُمْ النُّعْزَةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ اور سورۃ یونس آیت (۲۵) میں ہے: ﴿وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ ان دونوں آیتوں میں یہی بتایا گیا ہے کہ عزت و آبرو صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

آیت میں ﴿الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ سے مراد ہر وہ قول و عمل ہے جو ذکر الہی کے ضمن میں آتا ہے۔ بندہ جب اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو فرشتے ان کلماتِ ذکر کو لے کر اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔

امام شوکانی نے ایک مفہوم یہ بھی لکھا ہے کہ بندہ جب اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے، اور اس کا اسے اچھا بردیتا ہے۔

اور ذکر الہی عمل صالح کے ذریعہ ہی اللہ تک پہنچتا ہے، اگر بندہ فرائض کی پابندی اور دیگر نیک اعمال کرتا ہے تو اس کے اذکار و اوراد کو پر لگ جاتے ہیں اور وہ اللہ تک پہنچ جاتے ہیں، اور جو شخص فرائض کی پابندی نہیں کرتا، اس کے اذکار اس کے منہ پر مار دیے جاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ﴿يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں ریاکار لوگ مراد ہیں۔ ابو العالیہ کا خیال ہے کہ ان سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جنہوں نے دار النہدہ میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے اور کہا ہے کہ ان کی سازشیں ناکام ہو کر رہیں گی، اور ریاکار کی ریاکاری لوگوں کے سامنے ظاہر ہو کر رہے گی۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا عَلِيمًا وَمَا يَعْتَرِفُ مِنْ
تُعْتَمِرُ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۹﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَدَبٌ فَرَاتٌ سَابِغٌ
شَرَابٌ وَهَذَا امْلَأُ أَجَاجٍ وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لِحَمَاهُنَّ وَإِنَّ تَسْخَرُ جُونَ حَلِيَّةٌ تَكَلِّسُونَهَا وَتَرَى الْفَالِكَ فِيهِ وَمَا خَرَدُ
لِتَبْتَعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَعَلَيْكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۱﴾

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا (۹) کیا ہے، پھر تمہیں جوڑا (میاں بیوی) بنایا، اور کسی عورت کو نہ کوئی
حمل قرار پاتا ہے اور نہ وہ کوئی بچہ جنتی ہے مگر اسے اس کا علم ہوتا ہے، اور نہ کسی بڑی عمر والے کی عمر میں کوئی اضافہ
ہوتا ہے، اور نہ اس کی عمر میں کوئی کمی ہوتی ہے، مگر یہ چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوتی ہے، بے شک یہ کام اللہ کے
لئے بڑا آسان ہے ﴿۱۱﴾ اور دونوں دریا برابر (۱۰) نہیں ہیں، یہ میٹھا، پیاس، بھانے والا اور پینے میں خوشگوار ہے، اور
یہ کھاری تلخ ہے، اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت حاصل کر کے کھاتے ہو، اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو، اور
تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر
ادا کرتے رہو ﴿۱۲﴾ وہ رات کو دن میں داخل (۱۱) کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اس نے آفتاب
و ماہتاب کو اپنے حکم کے تابع بنا رکھا ہے، ہر ایک اپنے مقرر وقت تک چلتا رہتا ہے، وہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی
کی بادشاہی ہے، اور اس کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو وہ کجھور کی کجھلی کی بھلی کے بھی مالک نہیں ہیں ﴿۱۳﴾

(۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی ایک دوسری دلیل پیش کی ہے، فرمایا کہ اس نے تمہیں پہلی بار
تمہارے باپ آدم کی صورت میں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہیں اور تمہاری نسلوں کو تمہارے باپ دادوں کے نطفوں سے پیدا کیا،
پھر اس نے اپنے لطف و کرم سے تم میں سے بعض کو مذکر اور بعض کو مؤنث بنایا۔ اور ہر عورت کا حاملہ ہونا اور بچہ جننا، سب کچھ
اس کے علم میں ہوتا ہے، کسی انسان کی عمر لمبی ہوتی ہے اور کسی کی مختصر یہ ساری باتیں لوح محفوظ میں ازل سے مکتوب ہیں۔ اور یہ
تمام افعال اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہیں، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اور اس کی قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔

(۱۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت و صناعی کی ایک مثال پیش کی ہے، کہ اس نے دو قسم کے سمندر پیدا کئے
ہیں، دیکھنے میں دونوں کا پانی بالکل ایک جیسا ہے، لیکن ایک کا پانی میٹھا اور مزے دار ہے، حلق سے نیچے آسانی کے ساتھ اتر جاتا
ہے، اور دوسرے کا پانی نمکین اور کھار ہے، کوئی اسے حلق سے نیچے نہیں اُتار سکتا ہے۔ اور دونوں قسم کے سمندروں میں اللہ نے
ایسی مچھلیاں پیدا کی ہیں جو کھانے میں بہت لذیذ ہوتی ہیں، اور کھارے پانی والے سمندر میں لوٹو اور مرجان پیدا ہوتے ہیں جنہیں
عورتیں زینت کے لئے بطور زیور استعمال کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سمندروں کا پانی ایسا بنایا ہے کہ ان میں کشتیاں نہیں
ڈوبتیں، اور بسہولت تمام تیرتی ہوئی ایک شہر سے دوسرے شہر چلی جاتی ہیں، اور وہ انسانوں کے لئے تلاشِ رزق کا سبب اور
ذریعہ بنتی ہیں۔ یہ نعمتیں اللہ نے اس لئے دی ہیں تاکہ اس کے بندے ان سے مستفید ہوں، اور اس کا شکر ادا کریں۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ اس مثال سے مقصود مومن و کافر اور ایمان و کفر کے درمیان فرق بتانا ہے کہ جس طرح دونوں

إِنْ تَدْعُوهُمْ لِيَأْتِيَهُمْ مَعَاذَ اللَّهِ لَكُمْ وَكُلُّكُمْ سَائِبُونَ وَإِيَّاكُمْ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۗ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۗ إِنْ يَشَاءْ يُنَزِّلِ عَلَيْكُمْ مَائِدًا مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا عَلَيْكُمْ مِنْ شَيْءٍ مِّنْهُ لَئِنْ لَّمْ يَنزِلْ عَلَيْكُمْ مَائِدًا مِّنَ السَّمَاءِ لَتَكْفُرُنَّ بِهِ إِن تُرِيدُونَ إِلَّا الْفِتْرَةَ ۗ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

اگر تم انہیں پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے، اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، اور تمہیں اس کے مانند کوئی خبر نہیں دے سکتا جو ہر چیز سے باخبر ہے ﴿۱۳﴾ اے لوگو! تم ہی سب اللہ کے محتاج (۱۳) ہو، اور اللہ تو بڑا بے نیاز اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے ﴿۱۵﴾ وہ اگر چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے ﴿۱۶﴾ اور یہ کام اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے ﴿۱۷﴾

سندر دیکھنے میں یکساں ہیں، لیکن ذائقہ میں ایک کا پانی دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح مومن و کافر دیکھنے میں ایک ہی جیسے انسان ہیں، لیکن ایمان و کفر کی وجہ سے دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱) ”اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے“ اس کی تفسیر آل عمران آیت (۲۷) الحج آیت (۶۱) اور لقمان آیت (۲۹) میں گذر چکی ہے، کہ ذات باری تعالیٰ کے مظاہر قدرت مطلقہ میں سے یہ بھی ہے کہ کبھی وہ رات کو چھوٹی اور دن کو بڑا بنا دیتا ہے، اور کبھی دن کو بڑا اور رات کو چھوٹی بنا دیتا ہے، اور کبھی بالکل رات آجاتی ہے تو کبھی پورا دن نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آفتاب و ماہتاب کو بندوں کے مصالح و منافع کی خاطر ایک خاص نظام حرکت و جریان کا پابند بنا رکھا ہے، جس سے وہ دونوں تاقیامت سرمو کے برابر انحراف نہیں کر سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا مظاہر قدرت و علم و حکمت اور بندوں کے ساتھ اپنے لطف و کرم کے اعمال بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے تمام جہان والوں کے لئے اعلان کر دیا کہ وہی قادر مطلق سب کارب اور مالک کل ہے، اور مشرکین اس کے سوا جن معبودوں کو پکارتے ہیں وہ تو ایک تنکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ وہ اگر انہیں پکاریں گے تو ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے، اس لئے کہ وہ بے جان ہیں، اور اگر بالفرض محال سن بھی لیں، تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ وہ نفع و نقصان کی ایک ذرہ کے برابر بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں، اور قیامت کے دن تو وہ اپنے معبود ہونے اور اس بات کا قطعی طور پر انکار کر دیں گے کہ مشرکین ان کی پوجا کرتے تھے، یا وہ ان کی عبادت پر راضی تھے۔

(۱۲) اوپر کی آیتوں میں مختلف الانواع دلائل کے ذریعہ یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کارب ہے، اور وہی عبادت کی تمام قسموں کا تہا حقدار ہے، اور اس نے بنی نوع انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن اس سے کسی کو اس غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہئے کہ وہ اپنے بندوں کی عبادتوں کا محتاج ہے، اسی بات کی وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنی زندگی کے ہر لمحہ اور سانس میں اس کی رحمت، لطف و کرم اور اس کی مدد کے محتاج ہو، اور وہ تو سب سے بے نیاز اور تمام تعریفوں کا حقیقی مستحق ہے۔

اس کی بے نیازی اور قادر مطلق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں اس دنیا سے فنا کر دے اور تمہاری جگہ کسی اور مخلوق کو لے آئے، اور یہ کام اس کے لئے نہایت ہی آسان ہے۔

وَلَا تَبْرُرُوا زُرَّارَةً وَاُخْرَىٰ وَلَئِن تَدْعُوا مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِهَيْهَا لَا يُجِيبُ لَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كُنْتُمْ اٰقْرَبِي اِيْمَانًا تَنْذِرُ الدِّينَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَاكْمَلُوا الصَّلٰوةَ وَمَنْ تَرَكْنِي فَاِنَّمَا يَتَرَكَ لِنَفْسِهِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْواتُ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ مِّنْ
يَشَاؤُوْنَ وَمَا اَنْتُمْ مَسْمُوْعٌ مِّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنَّ اَنْتَ الْاِلٰهَ الْبَدِيْعُ ۝

اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ (۱۳) نہیں اٹھائے گی، اور اگر اپنے بوجھ تلے دبی ہوئی کوئی جان اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے کسی کو پکارے گی، تو اس بوجھ کا کوئی حصہ بھی (اس کی طرف سے) اٹھایا نہیں جائے گا، چاہے وہ کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کے ڈرانے سے صرف وہی لوگ مستفید ہوں گے جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو شخص اپنے آپ کو پاک بناتا ہے، تو اس کا فائدہ اسی کو ملتا ہے، اور اللہ کی طرف ہی سب کو لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۸﴾ اندھا اور دیکھنے والا ﴿۱۴﴾ برابر نہیں ہیں ﴿۱۹﴾ اور نہ تاریکی اور روشنی ﴿۲۰﴾ اور نہ سایہ اور دھوپ ﴿۲۱﴾ اور نہ زندہ اور مردہ لوگ برابر ہیں، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے سنا تا ہے، اور جو لوگ قبروں میں مدفون ہیں انہیں آپ نہیں سنا سکتے ہیں ﴿۲۲﴾ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ﴿۲۳﴾

(۱۳) ”قیامت کے دن کوئی آدمی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“ یہ مضمون سورۃ الانعام آیت (۳۱) اور سورۃ الإسراء آیت (۱۵) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ ہر آدمی سے صرف اسی کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا آدمی اس دن تمنا کرے گا کہ کاش کوئی اس کے گناہ بانٹ لیتا، لیکن کوئی اس کی مدد کے لئے آگے نہیں بڑھے گا، چاہے اس کا قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو یعنی ہر آدمی اپنے حال میں پریشان ہوگا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا، ہر شخص کی بے بسی انہما کو پہنچی ہوگی۔ اس دن صرف عمل صالح ہی لوگوں کے کام آئے گا۔

آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی نصیحتوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اپنے رب کے ان دیکھے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ سورۃ النازعات آیت (۳۵) میں ہے: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ مِّنْ يَّخْشٰهُنَّ﴾ ”آپ تو صرف ان لوگوں کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں“۔ اور سورۃ یس آیت (۱۱) میں آیا ہے: ﴿اِنَّمَا تَنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ الْغَيْبِ﴾ ”آپ کے ڈرانے سے صرف وہ شخص فائدہ اٹھائے گا جو نصیحت قبول کرتا ہے، اور رحمن سے بے دیکھے ڈرتا ہے“۔

آپ کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھانے والوں کی دوسری صفت اللہ نے یہ بتائی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، اور کوئی چیز انہیں اس سے غافل نہیں کرتی ہے، نیز فرمایا کہ جو شخص شرک و معاصی سے تائب ہو کر ایمان و عمل کی راہ اختیار کرے گا، اس کا اچھا بدلہ اسے ہی ملے گا، اور سب کو اللہ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں قیامت کے دن کی تین اہم ترین باتیں بیان کی گئی ہیں: اس دن کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، آدمی کا قریب ترین رشتہ دار بھی اس کے کام نہیں آئے گا، اور جو شخص اس دنیا میں نیک عمل کرے گا، قیامت کے دن اس کا اچھا بدلہ صرف اُسے ہی ملے گا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِن مِّن أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ وَإِن يَكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّتَنَافِئًا لِّأُولَئِنَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَیضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَأَلْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۝ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝

بے شک ہم نے آپ کو دین حق (۱۵) دے کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور جو قوم بھی اس دنیا میں گذر چکی ہے اس کے پاس ایک ڈرانے والا ضرور آیا تھا ﴿۲۳﴾ اور اگر کفار کہہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا، ان کے پیغامبران کے پاس کھلی دلیلیں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ﴿۲۵﴾ پھر میں نے اہل کفر کو پکڑ لیا تو میرا عذاب کیسا سخت تھا ﴿۲۶﴾ کیا آپ نے دیکھا (۱۶) نہیں کہ اللہ آسمان سے بارش بھیجتا ہے، پھر ہم اس کے ذریعے بہت سے پھل پیدا کرتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اور پہاڑوں میں مختلف رنگ کی سفید اور سرخ دھاریاں ہوتی ہیں، اور سخت کالی رنگ کی بھی ہوتی ہیں ﴿۲۷﴾ اور اسی طرح لوگوں اور چوپایوں اور جانوروں کے بھی مختلف رنگ ہوتے ہیں، بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں، بے شک اللہ بڑا زبردست، بڑا مغفرت کرنے والا ہے ﴿۲۸﴾

(۱۳) ذیل میں آنے والی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے کہ جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح کافر و مومن برابر نہیں ہو سکتے، اور جس طرح تاریکی اور روشنی برابر نہیں، اسی طرح حق و باطل برابر نہیں ہو سکتے، اور جس طرح سایہ اور دھوپ کی تمازت برابر نہیں اسی طرح جنت اور اس کی نعمتیں، جہنم اور اس کے عذاب کے مانند نہیں ہو سکتیں، اور جس طرح زندہ لوگ مردوں کے برابر نہیں، اسی طرح حق و باطل برابر نہیں ہو سکتے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ ”زندوں“ سے مراد اہل دانش اور مردوں سے مراد جاہل و نادان لوگ ہیں۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ جس طرح مذکورہ بالا چیزیں آپس میں برابر نہیں ہو سکتی ہیں اسی طرح مومن و کافر برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔

آیت (۲۲) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے، اپنی آیتوں کو سمجھنے اور ان سے نصیحت حاصل کرنے کی توفیق دیتا ہے، اور جس طرح قبروں میں مدفون مردے سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اسی طرح وہ مردہ دل لوگ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور فہم قرآن کریم کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، کسی دلیل و حجت اور کسی نصیحت سے مستفید نہیں ہوتے ہیں کفر پر اصرار کرنے والوں کو مردوں سے تشبیہ دے کر، ان کے ایمان سے قطعی طور پر ناامیدی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور آیت (۲۳) میں نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ کی ذمہ داری تبلیغ رسالت ہے، اگر کوئی قبول کرے گا تو اپنے لئے، اور اگر کوئی شرک و کفر پر اصرار کرے گا تو اس کا وبال اسی کی جان پر پڑے گا۔

(۱۵) نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منبع ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ مومنوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور کافروں اور نافرمانوں کو جہنم سے ڈرائیں۔ نیز آپ ﷺ کو اور مومنوں کو خبر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ پہلے

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورًا ۝
لِيُوقِيَهُم أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت (۱۷) کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں سے چھپا کر اور دکھا کر خرچ کرتے ہیں، وہ بے گھائے والی تجارت کی امید رکھتے ہیں ﴿۲۰۹﴾ تاکہ وہ انہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے، اور وہ اپنے فضل سے انہیں زیادہ بھی دے گا، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا (طاعت و بندگی کا) اچھا بدلہ دینے والا ہے ﴿۳۰﴾

نبی نہیں ہیں جسے اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ امتوں میں سے ہر امت کے پاس اپنا رسول بھیجا جس نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا، پھر کفار قریش آپ کے نبی ہونے پر کیوں حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہیں۔ آیت (۲۵) میں نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے کہا گیا کہ اگر کفار قریش آپ کی تکذیب کر رہے ہیں، اور آپ کی دعوت کو قبول نہیں کر رہے ہیں، تو آپ فکر مند نہ ہوں اور ہمت نہ ہاریے، یہ تو پہلے سے ہوتا آرہا ہے کہ جب بھی کسی نبی کو کسی قوم کے پاس معجزات اور حق بیان کرنے والی آسمانی کتاب دے کر بھیجا گیا، تو اس قوم نے اس کی تکذیب کی، اور انجام کار اللہ نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا، اور اس کی گرفت بڑی ہی سخت ہوتی تھی۔

(۱۶) مذکور ذیل دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کی تمام مخلوقات ایک جیسی نہیں ہیں، ان کے درمیان اختلاف و تفاوت پایا جاتا ہے، کوئی مومن ہوتا ہے تو کوئی کافر، کوئی نیک ہوتا ہے تو کوئی بد۔ اُن کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں، وہ خالق کل ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل پیدا کرتا ہے جو مزے اور رنگ میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، بلکہ ایک ہی قسم کا پھل مختلف رنگوں کا ہوتا ہے جیسے کھجور، انگور، سبزیاں اور کئی دیگر پھل۔ پہاڑوں میں رنگ برنگ کے پتھر پائے جاتے ہیں، انسانوں، چوپایوں اور جانوروں کے بھی مختلف رنگ ہوتے ہیں۔

ایمان و کفر، نیکی و بدی اور رنگوں کا یہ اختلاف اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں، جن میں غور و فکر وہی لوگ کرتے ہیں، جنہیں اللہ علم جیسی بیش بہا دولت سے نوازتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۸) کے دوسرے حصے میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے حقیقی معنوں میں ڈرتے ہیں، اہل مکہ تو جاہل و نادان ہیں اسی لئے نہ اللہ سے ڈرتے ہیں، نہ ہی اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ ہر چیز پر غالب ہے وہ کسی وقت بھی انہیں ہلاک کرنے پر قادر ہے، اور وہ توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، اس لئے اہل مکہ شرک و کفر پر اصرار نہ کریں، اور تابع ہو کر اسلام کو قبول کر لیں۔

(۱۷) مذکور ذیل دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی کچھ صفات بیان کی ہیں، اور ان کی وجہ سے ان کے رب کا ان کے ساتھ جب احسان و اکرام کا معاملہ ہو گا اسے ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ جو لوگ پابندی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے حقائق و معانی کو سمجھنے کے لئے اس میں غور و فکر کرتے ہیں، نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں، ارکان، واجبات، سنن، اور خشوع و خضوع کا خاص خیال رکھتے ہیں، اور اللہ نے انہیں جو روزی دی ہے، اس میں سے حالات کے تقاضے کے مطابق کبھی چھپا کر اور کبھی دکھا کر اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ سے ایسے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں جس کا حصول یقینی ہے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا پورا پورا اجر دے گا، بلکہ اپنے فضل و کرم سے اتنا زیادہ دے گا جس کا انہوں نے پہلے

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا
الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۗ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُرِيدُونَ
اللَّهُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾ جَنَّاتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا يُجِئُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَرُلُوفًا ۖ وَلِيَاكُمُ فِيهَا
حَرِيرٌ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۳﴾ الَّذِي أَحْضَاكَ إِذَاقَةَ الْقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۗ لَا
يَسْتَأْذِنُ فِيهَا النَّصَبُ ۖ وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا الْغُوبُ ﴿۳۴﴾

اور جو کتاب (۱۸) ہم نے آپ کو بذریعہ وحی دی ہے وہ برحق ہے، اور اس سے پہلے جو کتاب آئی تھی اس کی تصدیق کرتی ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھتا ہے اور انہیں خوب دیکھ رہا ہے ﴿۳۱﴾ پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ بندوں کو بنایا، تو ان میں سے بعض نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور بعض نے اعتدال کی راہ اختیار کی، اور بعض نے اللہ کی توفیق سے نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کی، یہی درحقیقت اللہ کا بڑا فضل ہے ﴿۳۲﴾ یہ لوگ ”جنات عدن“ میں داخل ہوں گے جہاں انہیں سونے اور موتی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان جنتوں میں ان کا لباس ریشم کا ہو گا ﴿۳۳﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ ساری تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا، بے شک ہمارا رب بڑا معاف کرنے والا (طاعت و بندگی کا) اچھا بدلہ دینے والا ہے ﴿۳۴﴾ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس جنت میں جگہ دی ہے جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، یہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی، اور نہ کوئی تھکاوٹ ہوگی ﴿۳۵﴾

سے تصور بھی نہیں کیا ہو گا، اس لئے کہ رب العالمین اپنے مومن و تابع بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور ان کے نیک اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیتا ہے۔

(۱۸) اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کو بیان کیا گیا ہے، کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے، یہ کسی انسان کی گھڑی ہوئی کتاب نہیں ہے، اور یہ وہ کتاب برحق ہے جو گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، یعنی اس کا پیغام بھی وہی ہے جو تورات و انجیل وغیرہ کا تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے، اس لئے اس کے علم میں یہ بات تھی کہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے جو رہتی دنیا تک ان کے لئے شمع ہدایت بن کر باقی رہے، چنانچہ اس نے اپنے آخری رسول پر قرآن کریم نازل کیا ہے۔ آیت (۳۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اس کتاب کا وارث امت محمدیہ کو بنایا، جنہوں نے صحابہ کرام کے زمانے سے ہر دور میں اسے پڑھا، سمجھا اور دنیا والوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن عمل کے اعتبار سے یہ وارثین قرآن کریم تین طبقوں میں بٹ گئے، ایک طبقہ نے اس پر عمل کرنے میں کوتاہی کی اور بعض کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا، دوسرے طبقہ نے واجبات ادا کئے، محرمات سے اجتناب کیا، لیکن بعض کمزوریاں ارتکاب کیا اور بعض مستحبات کی ادائیگی میں سستی کی، اور تیسرے طبقہ نے اللہ کی توفیق سے فرائض و نوافل ادا کئے اور کبار و صغائر سے اجتناب کیا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِّخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا لَعْمَلٍ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوْ كُنَّا نُعْبِدُكُمْ قَائِلِينَ كَرِهْنَا لَكَ فِيمَا كُنَّا نَعْمَلُ وَجَاءَكَ اللَّهُ التَّائِبِينَ وَقَدْ وَقَّاهَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ تَصَدِيرٍ ۝

اور اہل کفر (۱۹) کے لئے جہنم کی آگ ہوگی، نہ انہیں ختم ہی کر دیا جائے گا کہ مرجائیں، اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر ناشکر گزار کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۳۶﴾ اور وہ لوگ اس میں چیخیں ماریں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال دے، ہم نیک عمل کریں گے، اس کے سوا جو ہم کرتے رہے تھے (تو اللہ کہے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرتا، اور تمہارے پاس تو ہماری طرف سے ڈرانے والا رسول بھی آیا تھا، تو اب اپنے کئے کا مزا چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ﴿۳۷﴾

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے گا، اور سب کو جنت میں داخل کر دے گا، جس میں انہیں پہننے کے لئے سونے اور موتی کے زیورات اور ریشمی لباس ملیں گے، اور جب سب مل کر اپنے رب کی ان کرم فرمائیوں پر اس کا شکر ادا کریں گے جس نے ان کے دل سے ہمیشہ کے لئے حزن و ملال دور کر دیا، اور کہیں گے کہ ہمارا رب بڑا معاف کرنے والا اور نیک اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دینے والا ہے، اسی لئے تو اس نے گناہ گاروں کو معاف کر دیا، اور تھوڑی سی نیکیوں کو قبول کر لیا اور سب کو جنت میں داخل کر دیا۔

نیز کہیں گے: ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہمیشہ باقی رہنے والی جنت میں داخل کر دیا، جہاں ہمیں کبھی بھی تھکن اور پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

(۱۹) اس کا تعلق آیت (۳۰) میں بیان کردہ مضمون سے ہے، جس میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں اور نماز قائم کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

یہاں کفار اور منکرین قیامت کا انجام بیان کیا گیا ہے، فرمایا: جو لوگ اللہ، اس کی آیات اور یومِ آخرت کا انکار کریں گے، وہ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے، جہاں انہیں نہ موت آئے گی تاکہ غم و الم سے چھٹکارا مل جائے اور نہ ایک لمحہ کے لئے ان سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نافرمانوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

آیت (۳۷) میں جہنمیوں کے درد و الم اور شدت عذاب کا حال یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب کچھ بھی نہ بن پڑے گا تو دھائیں مار مار کر روئیں گے، اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال کر دنیا میں دوبارہ پہنچادے، تاکہ عمل صالح کر کے اپنی عاقبت سدھار لیں، تو ان سے اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم لوگ اب جہنم کی آگ سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانا چاہتے ہو، تاکہ عمل صالح کرو، کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی کہ تم میں سے جو چاہتا غور و فکر سے کام لیتا اور راہِ راست کو اختیار کرتا؟ کیا تمہارے پاس ہمارے پیغامبر نہیں آئے تھے؟ اور انہوں نے تمہیں ہمارے عذاب سے ڈرایا نہیں تھا، لیکن تم لوگوں نے شرک اور گناہوں پر اصرار کیا، تو اب چکھو اپنے کئے کا انجام، آج ظالموں کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی آدمی ایمان اور عمل صالح کی زندگی نہیں گزارتا ہے تو قیامت کے دن لمبی عمر اس

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّكَ عَلِيمٌ رِزْدَاتِ الصُّدُورِ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلْقَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يُزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مَقْتًا ۝ وَلَا يُزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۝ أَمْ أُرْسِلْتُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ ۝ بَلَىٰ إِنَّ يَوْمَ الظُّلُمَاتِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ الْأَعْرُورُ ۝

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز (۲۰) سے واقف ہے، بے شک وہ سینوں کے رازوں کو جاننے والا ہے ﴿۲۸﴾ اسی نے تمہیں زمین میں جائیں (۲۱) بنایا ہے، پس جو شخص کفر کرے گا اس کا وبال اسی کے سر ہوگا، اور کافروں کا کفر ان کے رب کے غیظ و غضب کے سوا اور کسی چیز کو نہیں بڑھاتا ہے، اور کافروں کا کفر نقصان اور خسارے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں بڑھاتا ﴿۲۹﴾ اے میرے نبی! آپ مشرکوں سے پوچھئے، کیا تم نے اپنے ان دیوتاؤں کے بارے میں کبھی غور (۲۲) کیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، ذرا مجھے دکھلاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے، یا آسمانوں کی پیدائش میں اللہ کے ساتھ ان کی کوئی شرکت ہے؟ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس میں ان کے شرک کے لئے کوئی دلیل موجود ہے؟ بلکہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے سے صرف دھوکہ اور فریب کی باتیں کرتے ہیں ﴿۳۰﴾

کے خلاف حجت بن جائے گی، جیسا کہ اس آیت میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

(۲۰) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پوشیدہ ہے، اللہ کو ان سب کی خبر ہے، وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، اس لئے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر کفار و مشرکین دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے گئے تو پہلے کی طرح کفر و شرک کا ہی ارتکاب کریں گے اور عمل صالح سے دور رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت (۲۸) میں فرمایا: ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ ”اگر یہ لوگ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو دوبارہ وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا“۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس دنیا کو آباد رکھنے کے لئے ابن آدم کے وجود کا ایک تسلسل قائم کر دیا ہے کہ باپ کے بعد بیٹے اور بیٹوں کے بعد پوتے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس کی پیدا کردہ نعمتوں کے یکے بعد دیگرے وارث بنتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں ابن آدم کو موقع فراہم کرتی ہیں کہ وہ غور و فکر کرے اور سوچے کہ اس کو کہہ ارض پر کسی کو دوام حاصل نہیں ہے، اور کامیاب وہی ہوگا جو توحید باری تعالیٰ پر ایمان لائے گا اور طاعت و بندگی کی راہ اختیار کرے گا، اور جو کفر کرے گا، اسے اس کا بدلہ مل کر رہے گا، کفر ایسی بری بلا ہے جو انسان کو اللہ کی رحمت سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیتی ہے، دنیا میں اس کے بغض شدید اور آخرت میں ہلاکت و بربادی کا سبب بنتی ہے۔

(۲۲) آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی تمام مخلوقات کا خالق و مالک تھا اللہ ہے، اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ اسی حقیقت کو مشرکین قریش کے دل و دماغ میں عقلی دلیل کے ذریعہ اتارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کیا وہ زمین کے پیدا کرنے میں اللہ کے شریک رہے ہیں، یا آسمان کے پیدا کرنے میں، کہ وہ تمہاری نظر میں عبادت کے مستحق بن گئے ہیں؟ یا اللہ کی کوئی نوشہہ تحریر تمہارے پاس ہے جس میں لکھا ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۲۱﴾
 وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنَ الْإِحْدَىٰ الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا كَانُوا لَهُمْ
 إِلَّا نِفُورًا ﴿۲۲﴾ اسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَكُرُ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا يَأْهِلُهُمْ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ
 فَلَنْ يَحْدِلُوا إِلَّا بُدْءًا وَيْلًا ﴿۲۳﴾ وَلَنْ يَحْدِلُوا إِلَّا بُدْءًا وَيْلًا ﴿۲۴﴾

بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو گرنے سے تھام رکھا (۲۳) ہے، اور اگر وہ دونوں گر جائیں تو اس کے سوا کوئی
 انہیں تھامنے والا نہیں ہے، وہ بے شک بڑا بڑبڑا، بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾ اور کفارِ قریش اللہ کے نام کی بڑی
 بڑی قسمیں (۲۲) کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا رسول آئے گا، تو وہ ہر ایک قوم سے زیادہ راہِ راست
 پر چلنے والے ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس ڈرانے والا رسول آیا تو اس کی آمد نے ان کے فرار و نفرت کے سوا
 اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا ﴿۳۲﴾ اور ایسا انہوں نے زمین میں اپنے کبر و غرور اور بری سازشوں کی وجہ سے کیا،
 حالانکہ بری سازش ہمیشہ سازشیوں کے ہی گلے کا پھندا بن جاتی ہیں، پس کیا یہ لوگ اقوامِ گذشتہ کی مانند عذاب
 کا انتظار کر رہے ہیں، پس آپ اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، اور نہ آپ اللہ کے طریقے کو ٹٹنے
 والا پائیں گے ﴿۳۳﴾

اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا جائز ہے؟! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ظالم لوگ
 اپنے آپ کو ایک دوسرے سے یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے نزدیک سفارشی نہیں گئے اور ہمیں اس سے
 قریب کریں گے، اس لئے بغیر دلیل و برہان ان کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲۳) بتوں اور جھوٹے معبودوں کی انتہائی عاجزی اور بے بسی بیان کرنے کے بعد اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم
 قدرت کی دلیل پیش کی ہے کہ صرف اس کی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ان کی جگہوں میں ثابت کر دیا ہے، ان کے
 اندر ایسی قوت پیدا کر دی ہے کہ سارے آسمان اپنی جگہوں میں بغیر کسی مرئی سہارے کے قائم ہیں، اور زمین بھی اپنی جگہ ثابت
 ہے، اس میں حرکت پیدا نہیں ہوتی ہے، ورنہ آسمان انسانوں کے سروں پر گر کر انہیں تباہ کر دیتا، اور زمین ہل کر تمام مخلوقات کو
 تہ و بالا کر دیتی، اور ان کا جینا دو بھر ہو جاتا۔ یہ سب محض اس قادرِ مطلق اور مالکِ کل کی طاقت و قدرت کے سہارے قائم ہیں جو
 نہایت بڑبڑا اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

(۲۴) نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل جب کفارِ قریش کو معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو جھٹلایا تھا، تو
 انہوں نے ان پر لعنت بھیجی اور قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اپنا کوئی نبی بھیجے گا تو وہ اہل کتاب سے اچھے ثابت ہوں گے،
 اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی نکریم کریں گے، لیکن جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے ان سے شدید نفرت
 و عداوت کی، کبر و غرور کی وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے، اور لوگوں کو اللہ کے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے نوع بہ نوع
 سازشیں کیں۔ وہ نادان اس حقیقت سے نابلد تھے کہ ہر بری سازش بالآخر سازش کرنے والے ہی کے گلے کا پھندا بن جاتی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے کردار سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس انتظار میں ہیں کہ اللہ انہیں بھی گذشتہ ظالم قوموں کی طرح

أَوْ كَلِمَاتٍ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكُنُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۝ وَلَوْ يُرِيدُ اللَّهُ الْفِتْنَةَ لِلنَّاسِ لَمَا أَكْسَبُوا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ وَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

سُورَةُ يَسٍ مَكِّيَّةٌ (۳۶) (۴۱) بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر (۲۵) دیکھتے نہیں کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے، اور آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اُسے عاجز بنا دے، وہ تو بے شک بڑا علم والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿۳۴﴾ اور اگر اللہ لوگوں کا ان کے کرتوتوں پر مواخذہ کرتا تو وہ زمین پر کسی جاندار کو نہ رہنے دیتا، لیکن اس نے ایک وقت مقرر تک انہیں مہلت دے رکھی ہے، پس جب ان کا وقت آجائے گا، تو بے شک اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۳۵﴾

(سورہ یس س کی ہے، اس میں تیرا ہی آیتیں، اور پانچ رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ہلاک کر دے۔ اگر انہوں نے اپنی حالت نہیں بدلی تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ کا قانون کبھی نہیں بدلتا ہے، اور نہ ایسا ہوتا ہے کہ عذاب کا مستحق کوئی ہو اور نازل ہو جائے کسی اور پر۔ اس لئے اہل مکہ کے لئے اسی میں خیر ہے کہ عذاب کا وقت آنے سے پہلے توبہ کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔

(۲۵) کفار مکہ کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ ہر عقلمند انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کی حالت دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کہ اگر میں نے بھی اسی جیسا کام کیا تو ایسے ہی انجام سے دوچار ہوں گا، اسی لئے کفار مکہ سے ازراہ ہمدردی کہا جا رہا ہے کہ کیا انہوں نے زمین میں گھوم پھر کر ان قوموں کا انجام نہیں دیکھا ہے جو ان سے پہلے، ان کے قرب و جوار میں رہتی تھیں، اور ان سے زیادہ قوت کی مالک تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ سے سرکشی کی تو اس نے انہیں ہلاک کر دیا، اور انہیں کوئی نہیں بچا سکا، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کو عاجز بنا سکے اور اس سے راہ فرار اختیار کر لے۔ نبی کریم ﷺ کی ایک مسنون دعا میں آیا ہے: "و لا ملجأ و لا منجأ منك إلا الیک" "میرے رب تجھ سے بھاگ کر تیری ہی جناب میں پناہ و نجات مل سکتی ہے"۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔

آیت (۳۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آدمی کے ہر گناہ پر دنیا میں ہی اس کا مواخذہ کرتا، اور اس پر عذاب نازل کرویتا تو کرہ ارض پر کوئی ذمی روح باقی نہیں رہتا، اس نے انسانوں کے حساب و کتاب کے لئے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو وہ سبھوں کو اکٹھا کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دے گا، اور وہ خوب واقف ہے کہ کون اس دن عذاب کا مستحق ہو گا اور کون اعزاز و اکرام کا۔ وباللہ التوفیق۔

يَسَّ وَالْقُرْآنَ الْعَكْبَرِيَّ ۗ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۗ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۗ
لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۗ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۗ

یَسَّ (۱) ﴿۳۶﴾ قسم (۲) ہے اُس قرآن کی جو حکمتوں کا خزانہ ہے ﴿۳۷﴾ آپ بے شک رسولوں (۳) میں سے ہیں ﴿۳۸﴾ آپ سیدگی راہ پر ہیں ﴿۳۹﴾ یہ قرآن غالب و مہربان اللہ کا نازل کردہ ہے ﴿۴۰﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباء و اجداد ڈرائے نہیں گئے تھے، اسی لئے یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں ﴿۴۱﴾ ان میں سے اکثر لوگوں کے بارے میں عذاب کا فیصلہ (۴) ہو چکا ہے، اس لئے وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۴۲﴾

تفسیر سورہ یس

نام: سورت کی ابتدا ہی میں یہ لفظ آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک تھی ہے صرف ایک آیت ﴿وَنَخْتَبُ مَا قَدْ مَوَّازَا نَارَهُمْ﴾ کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔

فضیلت: صاحب محاسن التنزیل نے لکھا ہے کہ اس سورت کی فضیلت سے متعلق جتنی حدیثیں مروی ہیں، سب موضوع، باطل یا ضعیف ہیں۔ دیگر کئی سورتوں کی طرح اس میں بھی کفار قریش کو کفر و شرک، انکار رسالت اور انکار آخرت کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

(۱) کلمہ یَسَّ کے بارے میں علمائے تفسیر کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ”اے انسان“ کے معنی میں ہے سعید بن جبیر اور کچھ دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ یہ کلمہ نبی کریم ﷺ کا ایک نام ہے، اور اس کی دلیل اس کے بعد اللہ کا قول: ﴿إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ہے یعنی اے یَسَّ! آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ ابو بکر و زاق نے کہا ہے کہ اس کا معنی ”یا سید البشر“ ہے۔

(۲) آگے جو بات کہی جانے والی ہے، اس کی تاکید و توثیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھائی ہے جو حکمتوں کا خزانہ ہے۔ (۳) نفاش کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے سوا کسی دوسرے نبی کی نبوت کی توثیق کے لئے اپنی کتاب عزیز کی قسم نہیں کھائی ہے، اور ایسا آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لئے کیا گیا ہے۔ کفار قریش آپ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ تم اللہ کے پیغامبر نہیں ہو جیسا کہ سورۃ الرعد آیت (۴۳) میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے: ﴿لَسْنَا مَسْئَلُكُمْ﴾ اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ آپ بے شک میرے بھیجے ہوئے رسول ہیں، اور آپ میری سیدھی راہ (دین اسلام) پر گامزن ہیں، اور یہ

قرآن اس ذات برحق کا نازل کردہ ہے جو ہر حال میں سب پر غالب اور بے حد رحم کرنے والا ہے، اور یہ آپ ﷺ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ اسے پرہیزگاروں کی قریب کرے اور اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس ایک طویل مدت سے یعنی اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا ہے۔ اسی لئے وہ لوگ خالق و مخلوق کے حقوق کو بھول گئے ہیں، اور کفر و فساد اور انکار آخرت جیسی برائیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

(۴) ابن جریر نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے مطابق لوح محفوظ میں یہ بات لکھ دی ہے کہ اکثر

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا فَبِهِ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخِشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِيرَةً مِمَّنْ نَبَعْفَرُونَ ۝ وَاجْرُكِيمَ ۝

ہم نے بے شک اُن کی گردنوں میں طوق (۵) ڈال دیئے ہیں جو اُن کی ٹھڈیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، جس کے سبب اُن کے سر اوپر کی طرف اٹھادیئے گئے ہیں ﴿۸﴾ اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی (۶) کر دی ہے، پس ہم نے انہیں ہر طرف سے ڈھانک دیا ہے، اس لئے اب وہ کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے ہیں ﴿۹﴾ آپ انہیں ڈرائیے یا نہ ڈرائیے ان کے لئے برابر (۷) ہے، وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰﴾ آپ کا ڈرانا اسی کے لئے مفید ہے جو قرآن کی پیروی کرتا ہے، اور جس کو بن دیکھے اُس سے ڈرتا ہے، پس آپ اُسے گناہوں کی معافی اور بہت ہی عمدہ اجر کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۱۱﴾

و بیشتر کفار قریش ایمان نہیں لائیں گے، اور پوری زندگی کفر پر اصرار کریں گے اور اسی حال میں ان کی موت آجائے گی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ”قول“ سے سورہ ص آیت (۸۵) ﴿لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَتَّبِعُ﴾ مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا ہے کہ میں یقیناً جہنم کو تم سے اور تمہارے پیروکاروں سے بھر دوں گا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ جو بات میں نے ابلیس کو اس کے پیروکاروں کے بارے میں کہی تھی وہ بات ان کافروں کے حق میں (بحیثیت پیروکاران ابلیس) ثابت ہوگئی ہے کہ یہ لوگ جہنم کے ایندھن بنیں گے۔

(۵) مشرکین قریش کا جو حال اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور حالت کفر پر ہی ان کی موت ہوگئی، اسی بات کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ انکار حق میں ان کا حال ان لوگوں جیسا ہے جن کے ہاتھوں میں بیڑیاں ڈال کر ان کی گردنوں سے باندھ دیا گیا ہو اور ان کے ہاتھ ٹھڈی کے نیچے گردنوں میں اس طرح اٹک گئے ہوں کہ ان کے سر بالکل اوپر کی طرف اٹھ گئے ہوں، نہ نیچے کی طرف دیکھ پاتے ہوں اور نہ ہی ادھر ادھر دیکھ سکتے ہوں۔ تو جس طرح ایسے لوگ کبھی بھی نیچے کی طرف دیکھ کر راہ راست پر نہیں چل سکتے ہیں، اسی طرح مشرکین قریش بھی اللہ کی ہدایت سے لاکھوں کوس دور ہیں، اور کبھی بھی حق کی طرف مائل نہیں ہو سکتے ہیں۔

قرآء اور ضحاک کا خیال ہے کہ یہ ایک مثال ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتانا چاہا ہے کہ ہم نے کافروں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیا ہے، جیسا کہ سورہ الاسراء آیت (۲۹) میں آیا ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ﴾ ”آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھئے“ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رُکے۔

(۶) کفار قریش کی دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جن کے آگے اور پیچھے رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہوں، اور وہ کچھ بھی نہ دیکھ پاتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے ایمان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں، اس لئے وہ کفر کے دلدل سے نکل کر دائرہ ایمان میں کبھی بھی داخل نہ ہو سکیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ان کے آگے دنیا رکاوٹ بنی کھڑی ہے، کہ وہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے ہیں، اور ان کے پیچھے انکار آخرت کی رکاوٹ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی، اس لئے انہیں توبہ

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۗ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقُرْيَانِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۗ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اشْتَرِ مِنَّا بِمَثَلٍ فَعَزَّزْنَا بِبِشْرِكٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَهُكُمُ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾

ہم یقیناً مردوں کو زندہ (۸) کریں گے، اور ہم ان تمام اعمال کو لکھ بیٹھتے ہیں، اور ان آثار کو بھی جنہیں وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو روشن کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر رکھا ہے ﴿۱۳﴾ اور اے نبی! آپ انہیں بطور مثال بستی والوں کا قصہ (۹) سنا دیجئے، جب ان کے پاس رسول آئے ﴿۱۳﴾ جب ہم نے ان کے پاس پہلے دو رسول بھیجے، تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلادیا، پھر ہم نے ایک تیسرے رسول کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی، تو تینوں نے مل کر کہا کہ ہم تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ﴿۱۳﴾

کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر رسول کریم ﷺ اور دین اسلام سے نفرت اور بغض کی پٹی باندھ دی ہے، اس لئے وہ دل پینا سے محروم ہو گئے ہیں، وہ حق کو بالکل نہیں دیکھ پاتے ہیں۔
(۷) اکابر بصرہ میں مکہ کے بارے میں آپ ﷺ کو خبر دی گئی ہے کہ آپ چاہے انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اس لئے آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اور اپنی دعوت و تبلیغ کا رخ ان کی طرف پھیر دیجئے جن کے بارے میں امید ہو کہ وہ دعوت حق کو قبول کر لیں گے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، اور دنیا کی زندگی میں اللہ کو بغیر دیکھے اس سے ڈرتے ہیں، اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں، انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا ہے تب بھی اس سے ڈرتے ہوئے گناہ نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو گناہوں سے مغفرت اور اجر کریم یعنی جنت کی بشارت دے دیجئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الملک آیت (۱۲) میں فرمایا ہے:
﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ ﴿۱۲﴾ ”بے شک جو لوگ اپنے رب سے غائبانہ طور پر ڈرتے ہیں، ان کے لئے گناہوں سے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔“

(۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ وہ قیامت کے دن تمام مردوں کو زندہ کرے گا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کافروں میں سے جن کے دلوں کو چاہتا ہے ایمان کے ذریعہ زندہ کر دیتا ہے، جن پر گمراہی کی وجہ سے موت طاری ہو چکی تھی، تو پھر وہ حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو لکھ لیتا ہے، اور ان کی ان اچھی اور بری سنتوں کو بھی لکھ لیتا ہے جو ان کے ذریعہ دنیا میں جاری ہو جاتی ہیں، اور انہیں ان کا ثواب یا گناہ ملتا رہتا ہے۔

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہاں ”آثار“ سے مراد نماز کے لئے مساجد کی طرف جانے والوں کے قدموں کے آثار ہیں۔ محاس نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اس لئے کہ آیت کا سبب نزول یہی ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ چونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا، اس لئے ابن آدم کے تمام اچھے اور بُرے آثار داخل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے لوح محفوظ میں ہر چیز اور ہر عمل کو گن رکھا ہے۔ بعض نے ”امام متین“ سے انسانوں کے نامہ ہائے اعمال مراد لئے ہیں، یعنی آدمی کا ہر عمل اس کے صحیفہ اعمال میں درج کر لیا جاتا ہے۔

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾ قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾

بستی والوں نے کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، اور رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، تم تو نرے جھوٹے ہو ﴿۱۵﴾ رسولوں نے کہا، ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ﴿۱۶﴾ اور ہماری ذمہ داری تو پوری وضاحت کے ساتھ پیغام پہنچانا ہے ﴿۱۷﴾

(۹) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ وہ کفار قریش کو ایک بستی والے کا قصہ سنا دیں، جہاں کے رہنے والوں نے کفر و شرک پر اسی طرح اصرار کیا تھا جس طرح یہ لوگ کر رہے ہیں، اور اللہ کے رسولوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا تھا جیسا یہ لوگ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حج کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان قریشیوں کا انجام بھی اسی بستی والوں جیسا ہو۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ تمام مفسرین کے نزدیک وہ بستی ”انطاکیہ“ تھی۔ اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”رسولوں“ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے، جنہیں انطاکیہ والوں کو دعوت توحید دینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ابن عباس، قتادہ، عکرمہ، کعب الأجر اور وہب بن منبہ وغیرہم سے یہی مروی ہے۔

لیکن بہت سے قدیم و جدید مفسرین کے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عیسائیوں کی غیر مستند روایات سے ماخوذ ہے۔ ان میں سرفہرست حافظ ابن کثیر اور جمال الدین قاسمی ہیں، جن کا خیال ہے کہ وہ بستی انطاکیہ نہیں، کوئی اور تھی جس کا نام اور زمانہ صحیح روایات سے معلوم نہیں ہے۔ اس لئے کہ انطاکیہ وہ پہلا شہر ہے جہاں کے رہنے والے سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ اسی طرح قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بتاتے ہیں کہ جو لوگ اُس بستی والوں کو دعوت توحید دینے گئے تھے وہ اللہ کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کیا تھا۔ اگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب ہوتے تو قرآن کریم کی عبارت اسی کے مطابق ہوتی، اور ان کی بات رد کرتے ہوئے بستی والے یہ نہیں کہتے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔ ان رسولوں نے بستی والوں سے کہا ہو گا کہ ہم اللہ کے رسول ہیں، تو کافروں نے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، یعنی تم نبی نہیں ہو۔

اس بستی کے رہنے والے کفر و شرک میں مبتلا تھے، اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے پہلے دو نبی بھیجے، جنہیں انہوں نے مارا اور جیل میں ڈال دیا، تو ان کی تائید کے لئے تیسرا نبی بھیجا، کہا جاتا ہے کہ ان کے نام صادق، مصدق اور شلوم تھے۔ ایک دوسرا قول ہے کہ ان کے نام سمعان، یحییٰ اور بولس تھے، بہر حال ان کے نام جو بھی رہے ہوں، ان تینوں نے اہل قریہ کو یقین دلانا چاہا کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں، تو لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی اور کہا کہ تم نبی کیسے ہو سکتے ہو، تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، اور اللہ نے کسی کو نبی بنا کر اس پر آسمان سے کبھی بھی کچھ نہیں اتارا ہے، یہ تمہاری افترا پر دازی ہے۔ جب ان کا انکار بڑھا تو رسولوں نے اپنے کلام میں مزید زور پیدا کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم بلاشبہ تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ہم اللہ کا پیغام پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ لوگوں تک پہنچادیں۔

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْهَوْا النَّجَسَ لَكُمُ وَاللَّيْسَ لَكُمْ مِّنْكَ عَذَابُ الْيَوْمِ ۗ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ أَلَيْسَ
 ذِكْرُكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۗ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۙ
 اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَبُونَ ۙ

لوگوں نے کہا، تمہارا آنا ہمارے لئے منحوس^(۱۰) ثابت ہوا ہے، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے، اور
 ہماری جانب سے تمہیں دردناک عذاب بھگتنا پڑے گا ﴿۱۸﴾ رسولوں نے کہا، تمہاری نحوست^(۱۱) تمہارے ساتھ
 ہے، کیا اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (تو یہ نحوست کی بات ہے) بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کر گئے ہو ﴿۱۹﴾ اور
 اطرافِ شہر سے ایک آدمی^(۱۲) دوڑتا ہوا آیا، اور کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم ان رسولوں کی پیروی کرو ﴿۲۰﴾
 ان کی پیروی کرو جو تم سے اپنے کام کی کوئی اجر نہیں مانگتے ہیں، اور وہ سیدھی راہ پر ہیں ﴿۲۱﴾

(۱۰) کافروں نے رسولوں کی یہ بات سن کر کہا کہ ہم تو تمہاری آمد کو اپنے لئے بدشگونی سمجھ رہے ہیں، جب سے تم لوگوں نے اس
 شہر میں قدم رکھا ہے بارش رُک گئی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ تینوں رسول انہیں دس سال تک اللہ کے دین کی طرف بلاتے
 رہے، لیکن حق کی طرف مائل ہونے کے بجائے، ان کا کبر و غرور بڑھتا گیا، اور ایک دن بستی والوں نے رسولوں سے کہا کہ اگر تم
 اپنی دعوت سے باز نہ آئے اور اپنی تحریک بند نہیں کی تو ہم لوگ تمہیں سنگسار کر دیں گے، اور تمہیں بہت ہی سخت سزا دیں گے۔

(۱۱) رسولوں نے کہا کہ تمہاری شامت اور پریشان حالی تمہارے کفر اور رسولوں کو جھٹلانے کی وجہ سے ہے، بارش کارک جانا اور
 قحط سالی تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے، کیا تم لوگ صرف اس لئے ہمارے وجود سے بدشگونی لے رہے ہو کہ ہم نے تمہیں اللہ کی
 طرف بلایا ہے اور اس کی وحدانیت کی دعوت دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ کفر و معاصی میں حد سے گذر گئے ہو۔

(۱۲) اُس بستی کے ایک کنارے پر ایک مرد صالح رہتا تھا جس کا نام حبیب بن موسیٰ نجار تھا جب اس نے سنا کہ بستی والے اللہ
 کے رسولوں کے خلاف قتل کی سازش کر رہے ہیں تو وہ رسولوں اور بستی والے کے لئے خیر خواہی کرتے ہوئے بستی میں آیا اور کہا کہ
 تم لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کے پیروکار بن جاؤ جو اپنی دعوت توحید پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے ہیں، اور وہ
 بڑے ہی ہدایت یافتہ، بااخلاق اور باکمال لوگ ہیں۔

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۳﴾ اَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَنْ يُدْرِكَ أَلْحَمُّنُ بِضُرِّ لَا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُون ﴿۱۴﴾ إِنْ أَرَادَ الْغَيْبُ ضَلِيلٌ مُبِينٌ ﴿۱۵﴾ إِنْ أَمْنْتُ بِرَبِّكُمْ فَادْعُوا مَعُونَ ﴿۱۶﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ بِمَا عَفَوْتُ رِبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۱۸﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۱۹﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَأُذِئِبُوا حَتَّىٰ أُنزِلَ ﴿۲۰﴾

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اُس اللہ کی عبادت (۱۳) نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۲﴾ کیا میں اُس کے سوا ایسے معبود بنا لوں، کہ اگر رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کوئی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے بچاسکیں گے ﴿۲۳﴾ اگر میں ایسا کروں گا تو صریح گمراہی میں پڑ جاؤں گا ﴿۲۴﴾ پس سن لو کہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں ﴿۲۵﴾ اُس سے کہا گیا کہ جنت (۱۴) میں داخل ہو جاؤ، اُس نے کہا، کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا ﴿۲۶﴾ کہ کس سبب سے میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے، اور مجھے معزز بندوں میں شامل کر دیا ﴿۲۷﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج (۱۵) نہیں اتاری تھی، اور نہ ہمیں فوج اتارنے کی ضرورت ہی تھی ﴿۲۸﴾ وہ تو صرف ایک چیخ تھی جس کے سبب وہ لوگ فوراً بھگ گئے ﴿۲۹﴾

(۱۳) پھر اس مرد مومن نے دعوت کے لئے غایت درجہ کا حکیمانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے جو بات لوگوں سے کہنی تھی، اس کا مخاطب اپنے آپ کو بتاتے ہوئے کہا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ میں اُس ذاتِ برحق کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، یعنی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اس اللہ کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے ہو جو تمہارا خالق ہے، اور مرنے کے بعد جس کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا یہ بات کسی طرح عقل میں آتی ہے کہ میں اُس خالقِ دالکِ کل کو چھوڑ کر ایسے بے جان بتوں کی پرستش کروں، کہ اگر اللہ مجھے کسی تکلیف میں مبتلا کر دے، تو وہ میرے کسی کام نہ آئیں گے، نہ وہ اللہ کے پاس سفارشی ہی بن سکتے ہیں اور نہ ہی خود اُس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ یعنی یہ کتنی بڑی حماقت آمیز بات ہوگی کہ جن بتوں کو میں اپنے ہاتھوں سے تراشوں، انہی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں۔ اگر میں ایسا کروں گا تو کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لوگو! سن لو کہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا جو ہم سب کا خالق و رازق اور مالکِ کل ہے، یعنی گواہ رہو کہ میں رب العالمین پر ایمان رکھتا ہوں اور بتوں کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۴) مفسرین لکھتے ہیں کہ جب اس نے یہ بات کہی تو سب نے مل کر یکبارگی اس پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا، بعض نے لکھا ہے کہ اسے ایک خندق میں زندہ گاڑ دیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ جب انہوں نے اسے مارنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان پر اٹھا لیا، پھر اسے جنت میں داخل کر دیا۔ جب اس نے جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کیا تو کہا اے کاش! میری قوم ایمان باللہ اور عقیدہ توحید کو سمجھ جاتی اور اسے اپنالیتی جس کے سبب اللہ نے میرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور مجھے جنت میں شہداء اور صالحین کا مقام دے کر معزز و مکرم بنایا ہے، تاکہ وہ بھی اسی راہ پر چل کر جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس مرد مومن نے اپنی قوم کے لئے زندگی میں اخلاص و محبت کا ثبوت دیا کہ انہیں رسولوں پر ایمان لانے کی نصیحت کی، اور مرنے کے بعد بھی تمنا کی کہ کاش وہ لوگ مسلمان ہو جاتے، تاکہ اللہ کے عذاب سے بچ جاتے اور جنت کے مستحق بن جاتے۔

يَحْسِرُوا عَلَى الْعِبَادِ، مَا يُؤْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِنْ كُلُّ لُكْنًا جَمِيعًا لَدُنَّا لَمُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِنَّ لَهُمُ الْأَرْضَ الْمَيْتَةَ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَبِتُّنَا فِيهَا عُثْبًا وَمِنْ ثَمَرَاتِهَا وَمِنْ ثَمَرَاتِهَا أُكُلُونَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَجِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ، وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ، أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا جَاءَتْ ثَابِتًا لِلْأَرْضِ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

افسوس ہے ایسے بندوں (۳۰) پر کہ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اڑایا ﴿۳۰﴾ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک (۳۱) کر دیا جواب کبھی ان کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گی ﴿۳۱﴾ اور سب (قیامت کے دن) ہمارے سامنے حاضر (۳۲) کی جائیں گی ﴿۳۲﴾ اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین (۳۳) ہے، ہم نے اُسے زندہ کیا، اور اس سے اناج نکالا جسے لوگ کھاتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور ہم نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے، اور اس میں چشمے جاری کئے ﴿۳۴﴾ تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں، اور ان چیزوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا ہے، تو کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کریں گے ﴿۳۵﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں، ایسی چیزوں کے جنہیں زمین اگاتی ہے، اور جو خود ان کے جنس کے ہیں، اور ان چیزوں کے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے ہیں ﴿۳۶﴾

(۱۵) مرد صالح حبیب بن موسیٰ نجار کے قتل کئے جانے کے بعد، اس کافر و ظالم قوم کا ہلاک کیا جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہو گیا، جس کے لئے اس نے آسمان سے کوئی فوج نہیں نازل کی اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، وہ تو ایک چیخ تھی جس کے اثر سے آنا فنا سبھی ہلاک ہو گئے، اور اپنے تمام گناہوں کے ساتھ اُچک لئے گئے، تاکہ قیامت کے دن ان کا بوجھ لئے میدانِ محشر میں اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں اور ان کا بدلہ چکھیں۔

(۱۶) اللہ کے رسولوں اور اس کے دین کی طرف بلانے والوں کا جو لوگ اس دنیا میں مذاق اڑاتے ہیں، اور ان کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں، انہیں قیامت کے دن اس وقت سخت ندامت اٹھانی پڑے گی جب اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمالِ مجرمانہ پر ان سے باز پرس ہوگا۔ اُس وقت انہیں جس ہلاکت و بربادی کا سامنا ہوگا، اسے دیکھ کر ان کی حالت ایسی ہوگی کہ آسمان و زمین کے تمام رہنے والے بھی اس پر اظہارِ حسرت کریں تو کم ہوگا۔

(۱۷) کفار مکہ اور دیگر کافروں کے حال پر اظہارِ حیرت ہے کہ ان سے پہلے جو کافر تھیں، اللہ نے کفر و شرک کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان میں سے کوئی قوم بھی پھر دوبارہ دنیا میں نہیں پائی گئی، تو کیا یہ امر عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، کیا اہل مکہ کو اس سے سبق نہیں لینا چاہئے!؟

(۱۸) اس آیت کریمہ میں غایتِ درجہ کی تاکید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے، ایک فرد بھی نہ کہیں چھپ سکے گا اور نہ بھاگ سکے گا۔

(۱۹) جس عقیدہ بعثت بعد الموت کی بات ابھی گزری ہے، اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین مردہ ہو جاتی

وَاللَّيْلُ هُمُ الْبَيْتُ ۖ سَأَلْتَهُمْ مَوَدَّ الْبَارِكَا فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿۱۲۳۳﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِنَسْتَمْتِرُهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۱۲۳۴﴾ وَالْقَمَرُ قَدْرُهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۱۲۳۵﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۱۲۳۶﴾

اور ان کے لئے ایک نشانی رات (۲۰) ہے، ہم اُس سے دن کو الگ کر دیتے ہیں، پس وہ لوگ تاریکی میں گھر جاتے ہیں ﴿۱۲۳۴﴾ اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ نظام اُس اللہ کا بنایا ہوا ہے جو ہزار بردست، سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۱۲۳۸﴾ اور ماہتاب کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں (جن سے وہ گذرتا ہے) یہاں تک کہ وہ آخر میں کھجور کی قدیم پتلی شاخ کی مانند ہو جاتا ہے ﴿۱۲۳۹﴾ نہ آفتاب کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ماہتاب کو جالے، اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں ﴿۱۲۴۰﴾

ہے، اس میں کوئی پودا نہیں اُگتا، پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیج کر اُسے زندہ کرتا ہے، اس میں دانے اُگاتا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں، اس میں کھجوروں اور انگوروں کے مختلف باغات پیدا کرتا ہے، اور جو پانی زمین میں چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اسے چشموں کی صورت میں دوبارہ زمین پر بہاتا ہے، آدمی ان تمام نعمتوں سے مستفید ہوتا ہے، پھلوں اور دانوں کو کھاتا ہے اور ان پھلوں میں سے کسی کا رس نکالتا ہے، تو سوس کو خشک کر لیتا ہے، یعنی مختلف طریقوں سے انہیں استعمال کرتا ہے۔ یہ گوناگوں نعمتیں کیا بندوں سے تقاضا نہیں کرتی ہیں کہ وہ اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کریں۔ اور کیا یہ ساری باتیں اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ باری تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے!؟

آیت (۳۶) میں مذکورہ بالا مضمون کی مزید تائید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس عیب اور عاجزی سے اپنی پاکی بیان کی کہ وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا، کیوں کہ وہ تو قادر مطلق ہے جس نے تمام نباتات اور انسان کو جوڑا جوڑا یعنی مذکر و مؤنث پیدا کیا ہے، اور آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی بہت سی دیگر اشیاء کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے جن کی ہمیں خبر نہیں ہے۔

(۲۰) عقیدہ بعثت بعد الموت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے، یعنی دن رخصت ہو جاتا ہے اور رات اپنی تاریکی سمیت آجاتی ہے، اور ہر چیز کو ڈھانک لیتی ہے۔ رات اور دن کا اس غایت درجہ ترتیب و انتظام کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد آتے رہنا اور اس میں ذرا بھی خلل واقع نہ ہونا، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ کار ساز ارض و سماء یقیناً انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

تیسری عقلی دلیل آفتاب کی یومیہ گردش ہے جس کے مطابق وہ طلوع اور غروب ہوتا ہے، اور بخاری و مسلم کی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق ہر دن عرش کے نیچے جا کر رب العالمین کو سجدہ کرتا ہے اور نئے دن کے لئے اپنی گردش جاری رکھنے کی اجازت مانگتا ہے۔ جس غالب و عظیم ذات نے اس دقیق نظام شمسی کو قائم کر رکھا ہے، جس سے آفتاب سرسوخاں نہیں کر سکتا، ورنہ کہہ ارض کا پورا نظام درہم برہم ہو کر دنیا خراب و برباد ہو جاتی، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں پیدا کردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر سکے!؟

چوتھی دلیل زمین کے گرد ماہتاب کی گردش ہے، جس کے مطابق وہ اپنے مقررہ اٹھائیس منازل میں پوری پابندی اور

وَاللَّهُمَّ اكْحَمْنَا كَأَكْحَمِنَا فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ نَشْرِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ وَإِنْ نَشَأْنُ غَرِقْهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝

اور ان کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی (۲۱) میں سوار کر دیا ﴿۲۱﴾ اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی (۲۲) دوسری چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں ﴿۲۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں ﴿۲۳﴾ پس نہ کوئی ان کی فریاد کے لئے پہنچنے والا ہو، اور نہ ان کی جان چھڑائی جائے ﴿۲۳﴾ سوائے اس کے کہ ہماری رحمت ان کے شامل حال ہوتی ہے، اور ہم ایک وقت مقرر تک انہیں دنیا سے فائدہ اٹھانے دیتے ہیں ﴿۲۴﴾

ترتیب و انتظام کے ساتھ گھومتا رہتا ہے جس کی وجہ سے دن، ہفتہ، مہینہ اور سال کا حساب معلوم ہو تا رہتا ہے۔ ابتدا میں چاند پتلا ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ چودھویں تاریخ کو بدر کامل بن جاتا ہے، اس کے بعد پھر چھوٹا ہونا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ مہینہ کے آخر میں گھور کی پتلی سوکھی اور زرد شاخ کی مانند ہو جاتا ہے۔ جو ذات برحق ماہتاب کی اس حیرت انگیز گردش پر قادر ہے، وہ یقیناً تمام انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر دوبارہ زندہ کرنے اور ان کے اعمال کا انہیں حساب چکانے پر قادر ہے۔

آیت (۲۰) میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کو یوں واضح کیا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ آفتاب ماہتاب کو جالے، یعنی دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں، اور دونوں ایک دوسرے کے عمل میں دخل انداز ہونے لگیں۔ یہ ناممکن ہے کہ رات اپنے مقرر وقت سے پہلے نکل کر دن سے آگے بڑھ جائے، یا دن رات سے آگے بڑھ جائے، بلکہ دونوں اللہ کی تدبیر و حکمت کے مطابق ہمیشہ ایک دوسرے کے بعد آتے رہتے ہیں۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ شمس و قمر اور کواکب آسمان کے مدار عظیم میں تیرتے رہتے ہیں، نہ وہ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، ورنہ کائنات کے پر نچے اڑ جاتے اور یہ منظم و مرتب دنیا تباہ و برباد ہو جاتی۔ (۲۱) اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے سمندروں کو اس قابل بنایا ہے کہ ان میں مال و اسباب سے لدی ہوئی کشتیاں تیرتی ہوئی ایک شہر سے دوسرے شہر جاتی رہتی ہیں۔ پہلی کشتی نوح علیہ السلام کی کشتی تھی جس میں انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنے مومن پیر و کاروں کو اور اس وقت سر زمین پر پائے جانے والے تمام حیوانات کو سوار کر لیا تھا، اور طوفان کی زد سے ان کے سوا کوئی نہیں بچا تھا۔

(۲۲) مجاہد، قتادہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہے، جس کے ذریعہ لوگ خشکی کا راستہ طے کرتے ہیں۔ قدیم زمانے میں عرب کے لوگ اونٹ کو خشکی کا سفینہ کہتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو کشتی نوح کے بعد بنائی گئیں اور قیامت تک بنتی رہیں گی۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ نے بندوں پر غایت درجہ احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو انہیں اور ان کی کشتیوں کو موجوں کے حوالے کر دیتا اور چیخ و پکار کی بھی مہلت نہ دیتا، لیکن اذراہ لطف و کرم وہ انہیں نہیں ڈبو تا اور سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچاتا رہتا ہے، تاکہ اپنی باقی عمریں خشکی پر گزار کر دنیا سے رخصت ہوں۔

وَإِذْ أَقْبَلَ لَهُمُ انْقِبُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۵﴾ وَمَا نَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳۶﴾ وَإِذْ أَقْبَلَ لَهُمُ انْقِبُوا مِمَّا رَفَعْنَا كُفْرًا فَكُفِّرُوا بِلَدُنِمْ أَنْتُمْ أَنْتُمْ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطَعْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۳۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۰﴾

۱۳۳۵

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس عذاب سے ڈرو (۳۵) جو تمہارے آگے آنے والا ہے، اور جو تمہارے پیچھے گذر چکا ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو وہ دھیان نہیں دیتے ہیں) ﴿۳۵﴾ اور جب بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ﴿۳۶﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تمہیں جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرو، تو اہل کفر (۳۷) ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو ضرور کھلاتا، تم لوگ تو کھلی گراہی میں پڑے ہو ﴿۳۷﴾ اور کفار مکہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا ﴿۳۸﴾ یہ لوگ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی، جب وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ﴿۳۹﴾ اس کے بعد نہ وہ کوئی وصیت کر پائیں گے نہ ہی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے ﴿۴۰﴾

(۲۴) مشرکین کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ جن آفات و بلیات کے درمیان گھبرے ہوئے ہو اور جو مصائب و آلام مستقبل میں تم پر آنے والے ہیں، ان سے ڈرتے ہوئے ایمان لے آؤ تو وہ لوگ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ گذشتہ زمانوں میں جن قوموں نے رسولوں کی تکذیب کی اور جس کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، اسی جیسے عذاب سے تم لوگ بھی ڈرتے رہو، اور آخرت کے عذاب سے بھی ڈرتے رہو، تو مشرکین اس دھمکی کی کوئی پروا نہیں کرتے ہیں۔

آیت (۳۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کا ہمیشہ سے یہ و طیرہ رہا ہے کہ جب بھی ان کے رب کی طرف سے رسولوں کی صداقت کی دلیل آئی تو انہوں نے اس کی تکذیب کر دی اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ مشرکین مکہ کا بھی یہی حال ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت اور دعوت توحید کی صداقت کی ہر دلیل کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنے کفر و شرک پر ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ گویا ان کے دل پتھر کے بنے ہیں، ان میں خیر کی کوئی بات داخل ہی نہیں ہوتی ہے۔

(۲۵) حسن بصری کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ سے مراد یہود ہیں، جنہیں اللہ نے مال و دولت سے نوازا تھا، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ مدینہ کے فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کریں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم انہیں کھلائیں جنہیں اللہ چاہتا تو کھلاتا، یہ تو صریح گمراہی ہے کہ ہم سے اللہ کی مرضی کے خلاف کرنے کو کہا جاتا ہے۔

مقاتل کا خیال ہے کہ ان سے مراد کفار قریش ہیں۔ عاص بن وائل سہمی سے جب کوئی غریب مسلمان کچھ مانگتا تو کہتا کہ اپنے رب کے پاس جاؤ جس پر ایمان لائے ہو۔ خازن نے اپنی تفسیر میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے تو اسے محروم بنا رکھا ہے، اور میں اُسے کھانے کے لئے دوں۔

وَفِي فِي الطُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا يَا بُولُوكَنَا مِنْ بَعَثْنَا مِنْ مَرْقَدٍ نَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا تَطَّلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا إِلَّا تَكْزِبُونَ ﴿۵۴﴾

اور صور (۲۶) پھونکا جائے گا، پھر لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی کے ساتھ چل پڑیں گے ﴿۵۱﴾ کہیں گے، اے ہماری بربادی! ہمیں ہماری قبروں سے کس نے اٹھایا ہے، رحمن نے اسی کا تو وعدہ کیا تھا، اور رسولوں نے سچ کہا تھا ﴿۵۲﴾ وہ تو صرف ایک چیخ (۲۷) ہوگی جس کے بعد تمام لوگ ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے ﴿۵۳﴾ پس اُس دن کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں ہوگا، اور تمہیں صرف انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے رہے تھے ﴿۵۴﴾

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ یہود بدینہ یا کفار قریش یا دونوں ہی قسم کے لوگ ایسی بات مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لئے کہا کرتے تھے۔ اور آیت (۳۸) کے مطابق کفار قریش مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لئے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ تم لوگ جو قیامت اور جنت و جہنم کی بات کیا کرتے ہو اور ہمیں دھمکیاں دیتے ہو تو وہ قیامت کب واقع ہوگی؟! یعنی یہ بات سرے سے غلط ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۹) میں ان کے اس استہزاء کا یہ جواب دیا کہ وہ تو ایک چیخ ہوگی جو انہیں اچانک پکڑ لے گی، جبکہ وہ اپنی عادت کے مطابق خرید و فروخت میں لگے ہوں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ کاروباری معاملات طے کرنے کے لئے لڑ رہے ہوں گے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس چیخ سے مراد پہلا صور ہے جسے زمین پر رہنے والا ہر آدمی سنے گا، اور جو جہاں ہوگا اس کے زیر اثر وہیں مرجائے گا، اسی لئے آیت (۵۰) میں کہا گیا کہ لوگوں کو اتنی بھی مہلت نہیں ملے گی کہ کسی کو کوئی وصیت کر سکیں، یا اپنے بال بچوں کے پاس جا کر ان کا حال معلوم کر سکیں۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت اچانک برپا ہو جائے گی در انحالیکہ دو آدمی کپڑا پھیلا کر خرید و فروخت کرنا چاہتے ہوں گے، نہ اُسے خرید و فروخت کر پائیں گے، نہ ہی اسے لپیٹ پائیں گے۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی جبکہ آدمی پانی کا حوض درست کر رہا ہوگا، لیکن وہ اس میں اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکے گا۔ اور قیامت آجائے گی جبکہ آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ ہاتھ میں لئے ہوگا اور اسے پی نہ سکے گا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی جبکہ آدمی اپنا کھانا منہ کی طرف لے جا رہا ہوگا اور اسے کھانہ سکے گا۔“

(۲۶) جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سارے لوگ دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ بخاری و مسلم کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا زمانہ ہوگا۔ اور جو لوگ دنیا میں قیامت اور بعث بعد الموت پر یقین نہیں رکھتے تھے جب اپنے آپ کو دوبارہ زندہ پائیں گے، اور جس عذاب کی تکذیب کرتے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو شدتِ ہول سے خطبہ الحواس ہو جائیں گے، اور مارے دہشت کے کہیں گے کہ اے ہماری بد نصیبی! ہمیں ہماری قبروں سے کس نے نکالا ہے کہ جہنم جیسا خطرناک اور ہیبتناک عذاب ہماری آنکھوں کے سامنے ہے؟! تو ان سے مومنین یا فرشتے کہیں گے کہ یہ تو وہی دن ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور جس کی خبر تمہیں اس کے سچے رسولوں

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَكَاهُونَ ۗ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرْبَابِ مُتَّكِنُونَ ۗ لَهُمْ فِيهَا كَأْسٌ مِّنْ مَّوَدَّةٍ كَأْسٌ تَبَدَّدَتْ فِيهَا قُرْءَانٌ ۗ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّكَ رَحِيمٌ ۝ وَأَمَّا زَوْجُ الْيَوْمِ أَيْهَا الْمَجْرُمُونَ ۝

بے شک اس دن جنت والے (۲۸) ایک خوش کن مشغلہ کے ذریعہ اپنا دل بہلائیں گے ﴿۵۵﴾ وہ اور ان کی بیویاں سائے میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے ﴿۵۶﴾ انہیں وہاں پھل ملیں گے اور ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے ﴿۵۷﴾ اور انہیں ان کے بے حد مہربان رب کی طرف سے سلام پہنچایا جائے گا ﴿۵۸﴾ اور اے مجرمو! آج تم لوگ اہل جنت سے الگ (۲۹) ہو جاؤ ﴿۵۹﴾

نے دی تھی، اور جسے تم جھلاتے تھے۔

(۲۷) یہ وہی دوسرا تصور ہوگا جس کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے، اور مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور انہیں میدانِ محشر کی طرف ہانک کر لے جانا، بہت ہی آسان ہے۔ پہلی چیخ کے ذریعہ تمام زندہ لوگ موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں گے، اور دوسری چیخ کے ذریعہ دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے، جہاں کافروں کو ان کے کفر کا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا، بلکہ دنیا میں انہوں نے جس کفر و شرک اور ظلم و معاصی کا ارتکاب کیا ہوگا اسی کا پورا پورا بدلہ انہیں چکا دیا جائے گا۔

(۲۸) کافروں کا حال و انجام بیان کرنے کے بعد اہل جنت پر اللہ کا جو انعام و اکرام ہوگا اسے بیان کیا جا رہا ہے، اور اس کے مخاطب بھی کافر ہی ہوں گے، تاکہ ان کے لئے تیار کردہ عذاب الیم کا مشاہدہ کر لینے کے بعد، جب اہل جنت کے لئے تیار کردہ انعامات الہیہ کا ذکر سنیں تو ان کا حزن و الم شدید تر ہو جائے اور ان کی پریشانی اور ان کا اضطراب انتہا کو پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن اہل جنت اللہ کی دی ہوئی بیش بہا نعمتوں سے مستفید ہونے میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ وہ کافروں اور ان کے انجامِ بد سے بالکل غافل ہو جائیں گے، چاہے وہ ان کے اعزاء و اقارب ہی کیوں نہ ہوں گے۔ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ درختوں کے سائے میں گاؤں کیوں پر ٹیک لگائے آرام کریں گے۔ وہاں انہیں انواع و اقسام کے پھل اور ہر وہ نعمت ملے گی جس کی وہ لوگ خواہش کریں گے، اور بے حد رحم کرنے والے رب کی طرف سے انہیں سلام کا پیغام پہنچے گا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی عاقبتِ تعظیم و تکریم کے لئے انہیں سلام کرے گا۔

(۲۹) اللہ تعالیٰ جب اہل جنت کے لئے جنت کا اور اہل جہنم کے لئے جہنم کا حکم دے دے گا تو کافروں سے کہے گا کہ اے وہ لوگو جنہوں نے کفر و شرک اور گناہوں کے سبب اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، اب تم لوگ اہل جنت سے الگ ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلے کو قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ سورہ یونس آیت (۲۸) میں ہے: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءِكُمْ فَرَزِقْنَا بَيْنَهُمْ﴾ ”اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرو، پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے۔“

مفسرین لکھتے ہیں: اس تفریق سے مراد یہ ہے کہ جب مومنین جنت میں بھیج دیئے جائیں گے تو کافروں کو اکٹھا کر کے نہایت ہی ذلت و رسوائی کے ساتھ جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا، اور اس میں وکیل دیئے جائیں گے۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ دَمْرَانَ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۚ وَإِنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝
 وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
 تَكْفُرُونَ ۝ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلَهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ
 أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْجَرُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ لَسَخَفْنَا بَسْمَلَهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَبَاحُوا مَضِيًّا وَلَا يُرْجَعُونَ ۝

اے آدم کے بیٹا! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت (۳۰) نہ کرو، وہ بے شک تمہارا اکلاد دشمن ہے ﴿۶۰﴾ اور میری عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ﴿۶۱﴾ اور اُس نے تم میں سے بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے ﴿۶۲﴾ یہی وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۶۳﴾ آج تم اس میں اپنے کافرانہ اعمال کی بدولت داخل ہو جاؤ ﴿۶۴﴾ ہم آج ان کے منہ پر مہر (۳۱) لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیں (۳۲) پھر وہ راستے کی طرف بڑھیں تو کیسے دیکھ پائیں گے ﴿۶۶﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہوں میں ہی ان کی صورتیں بدل دیں، پھر وہ نہ آگے بڑھ پائیں اور نہ پیچھے لوٹ سکیں ﴿۶۷﴾

(۳۰) پھر اللہ تعالیٰ ان سے بطور زجر و توبیح کہے گا کہ کیا میں نے اپنے رسولوں کی زبانی تمہیں یہ نصیحت نہیں کی تھی کہ تم لوگ شیطان کی عبادت نہ کرو، اس لئے کہ وہ تمہارا اکلاد دشمن ہے، صرف میری عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے، یہی وہ دین اسلام ہے جو اپنے ماننے والوں کو جنت تک پہنچاتا ہے۔

آیت (۶۲) میں انسانوں سے شیطان کی عداوت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس مردود نے تو بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اس لئے وہ تمہارا دوست کیسے بن سکتا ہے؟ کیا اتنی سی بات تمہارے دل و دماغ میں نہیں آتی ہے، آیت (۶۳/۶۴) میں کہا گیا کہ اے اہل کفر و شرک! اب اپنے انجام کو بھگتو اور اس جہنم میں داخل ہو جاؤ جس کی تم تمام زندگی بھر تکذیب کرتے رہے تھے۔ (۳۱) میدانِ محشر میں کافروں کے ایک حال کی منظر کشی کی گئی ہے، جب کفار اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور اپنے گناہوں کا انکار کرنے لگیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا، اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو قوت گویائی دے دے گا، جو ان کے ایک ایک کرتوت کی گواہی دیں گے، اور ان جرائم کی خبر دیں گے جن کا وہ دنیا کی زندگی میں ارتکاب کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حم - السجدہ آیت (۲۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوا الْجُودُ بِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهَ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ”اور وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ کہیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے“۔

(۳۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں کافر و مومن سب کے لئے عام ہے، اسی لئے ہزار کفر و شرک کے ارتکاب کے باوجود اللہ کافروں اور مشرکوں کو روزی دیتا ہے اور انہیں دنیا کی چند روزہ زندگی گزار لینے کا موقع دیتا ہے، اگر وہ کفر و شرک پر دنیا ہی میں ان کی گرفت کرتا تو ان کی آنکھیں چھین لیتا، پھر وہ اپنے جانے پہچانے راستوں پر بھی نہ چل پاتے، اور ان کی صورتوں کو مٹ کر دیتا، نہ آگے جاپاتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے، لیکن اس نے غایتِ رحمت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔

وَمَنْ تُعَذِّبْهُ نَتَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا عَدِثْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۳۴﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا عَمِلُوا أَيْدِيئِنَّا أَنْعَمًا لَهُمْ لَهَا مَا لَكُونُ ﴿۳۵﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ فِيهَا مَنَّافِعٌ وَمِمَّا يَرْبُؤْنَ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۷﴾

اور ہم جسے لمبی عمر (۳۳) دیتے ہیں، اس کی پیدائشی صلاحیتوں کو الٹ دیتے ہیں، کیا لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور ہم نے اپنے نبی کو شعر (۳۴) نہیں سکھایا ہے، اور نہ شاعری ان کے لئے مناسب ہے، یہ (کتاب) صرف نصیحت ہے، اور روشن قرآن ہے ﴿۳۹﴾ تاکہ وہ زندوں کو ڈرائیں، اور کافروں پر جہت پوری ہو جائے ﴿۴۰﴾ کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں کہ جن چیزوں کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے، انہی میں سے ہم نے ان کے لئے چوپائے (۳۵) پیدا کئے ہیں، جن کے وہ مالک بنے پھرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اور ہم نے انہیں اُن کے بس میں کر دیا ہے، پس اُن میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں، اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور ان کے لئے اُن چوپایوں میں دوسرے منافع اور پینے والی چیزیں ہیں، کیا پھر بھی وہ شکر گزار نہیں ہوں گے ﴿۴۳﴾

(۳۳) جس کی عمر جتنی لمبی ہوتی جاتی ہے، اس کی حالت دن بدن اتنی ہی دگرگوں ہوتی جاتی ہے، اس کا جسم گھٹتا جاتا ہے، اور ذہنی اور عقلی کیفیت بدلتی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ اس بچے کے مانند ہو جاتا ہے جو اپنی پیدائش کے وقت تمام بدنی اور عقلی قوی سے محروم ہوتا ہے۔ تو جو قادرِ مطلق انسان کو پیدائش، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گزار کر موت کے گھاٹ اتارنے کی قدرت رکھتا ہے کیا وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ اُسے دوبارہ زندہ کر سکے؟ عقل و فہم کا تو یہی تقاضا ہے کہ وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ (۳۴) مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد شاعر ہے، اور قرآن اس کی شاعری کا نتیجہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں انہی دونوں باتوں کی تردید کی گئی ہے کہ نہ محمد شاعر ہیں اور نہ قرآن ان کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی ہے کہ وہ شعر کہہ سکیں، اور نہ ان کے مقامِ نبوت کے لئے یہ مناسب ہے۔ مصعبِ نبوت کو شاعری پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ شعراء تو جھوٹ بولتے ہیں اور مبالغہ اور خلاف واقعہ باتیں بیان کرتے ہیں، جبکہ قرآن کریم کتابِ الہی ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ بندوں کو ان کے پیدا کرنے والے کی بندگی کی طرف بلایا جائے اور کفر و سرکشی کے انجامِ بد سے انہیں ڈرایا جائے۔ اسی لئے آیت (۷۰) میں کہا گیا ہے کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ ایمان و یقین کے ذریعہ زندہ اور آبادوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، اور کافروں کے لئے ان کے کفر و سرکشی کی وجہ سے عذابِ آخرت ثابت ہو جائے۔

(۳۵) اللہ تعالیٰ کے گونا گوں انعامات و احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ بندے صرف رب العالمین کی عبادت کریں، اور اس کے سوا کسی کے سامنے اپنا سر نہ جھکائیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ چوپایوں کو ہم نے پیدا کیا ہے، ہمارے سوا کوئی ان کی تخلیق پر قادر نہیں ہے، اور پھر ہم نے انہیں بندوں کے لئے مسخر کر دیا ہے، جس طرح چاہتے ہیں بحیثیت مالک ان میں تصرف کرتے ہیں، بعض جانوروں کو سواری کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ چمڑے، بال اور اُون سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور بعض جانوروں کا دودھ بھی پیتے ہیں۔ ان تمام نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کریں، اسی کی عبادت کریں، اور اس کے سوا غیروں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔

وَإِخْرَاجًا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لَعَلَّهُمْ يُضْرُونَ ﴿۳۶﴾ لَا يَسْتَكْبِرُونَ تَضَرُّهُمْ وَهُمْ لَمْ يَجِدُوا مُعْزِزًا لِقَوْلِهِمْ ﴿۳۷﴾ فَلَا يَعْزُبُ عَنْ قَوْلِهِمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يَلْسُرُونَ وَمَا يَغْلِبُونَ ﴿۳۸﴾ أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ وَأَنَّا خَوَّصِمَهُمْ مُبِينًا ﴿۳۹﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُعْطِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ يُعْطِيهَا الَّذِي أَنشَأَنَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۴۱﴾

اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود (۳۶) بنا لئے ہیں، تاکہ ان کی مدد کی جائے ﴿۳۷﴾ وہ معبود ان باطل ان کی مدد نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ وہ مشرکین خود ہی ان کے لئے بطور لشکر حاضر کر دیئے گئے ہیں ﴿۳۸﴾ پس ان کی باتیں (۳۷) آپ کو رنجیدہ نہ بنا دیں، ہم ان تمام باتوں کو جانتے ہیں جنہیں وہ چھپاتے ہیں اور جن کا اظہار کرتے ہیں ﴿۳۹﴾ کیا انسان (۳۸) غور نہیں کرتا، کہ ہم نے اُسے نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر وہ کھلا جھگڑا لو بن گیا ہے ﴿۴۰﴾ اور ہمارے لئے مثال بیان کرتا ہے، اور اپنی تخلیق کی حقیقت کو بھول گیا ہے، کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو گل سڑ جانے کے بعد کون زندہ کرے گا ﴿۴۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ انہیں وہ اللہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ اپنی تمام مخلوقات کے بارے میں پورا علم رکھتا ہے ﴿۴۲﴾

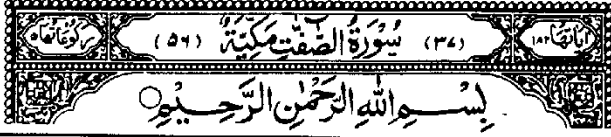
(۳۶) لیکن ان کی بے عقلی اور کومغزی کا حال یہ ہے کہ وہ رب العالمین کے سوا معبود بناتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ مصیبتوں کے وقت وہی کام آئیں گے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ معبود ان باطل ان کی مدد کی ذرہ برابر بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ ان نجاریوں کو شیطان نے ان کی خدمت، دیکھ بھال اور عبادت کے لئے مقرر کر دیا ہے: ﴿وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُخَضَّرُونَ﴾ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جہنم میں معبودوں کے بعد ان کے نجاری بھی ڈال دیئے جائیں گے۔

(۳۷) نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ مشرکین مکہ لوگوں کو آپ سے تنفر کرنے کے لئے آپ کا مختلف نام رکھتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں تو کبھی جادوگر اور کبھی کاہن کہتے ہیں، اور کبھی کہتے ہیں کہ اے محمد! تم اللہ کے رسول نہیں ہو، تو آپ کو ان کی ان استہزا آمیز باتوں سے ٹمکن نہیں ہونا چاہئے، ہم ان کے تمام خفیہ اور ظاہر کرتوتوں سے واقف ہیں، وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے، ہم ان کے کفر و شرک اور کبر و عناد کا بدلہ انہیں چکا کر رہیں گے۔

(۳۸) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے (اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے) کہ عاص بن وائل کہی ایک گلی سزی ہڈی کے پاس آیا، اور اسے اپنی چنگلی سے مسل کر پھینک دیا اور کہا، اے محمد! کیا اب اسے اللہ دوبارہ زندہ کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا، ہاں! اسے دوبارہ اٹھائے گا، اور تمہیں بھی وہ موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر جہنم میں داخل کر دے گا۔ اسی واقعہ کے بعد سورہ لیس کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کرتا ہے پھر اسے بڑا کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ بھرپور جوان آدمی بن جاتا ہے، لیکن وہ اپنے کبر و غرور کے نشے میں اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے لگتا ہے، اور کہنے لگتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ مر جانے کے بعد لوگ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ حالانکہ اسے سوچنا چاہئے کہ جس قادر مطلق نے اسے پہلی بار ایک نطفہ حقیر سے پیدا کیا ہے وہ یقیناً اس پر قادر ہے کہ اسے دوبارہ پیدا کرے۔ آیات (۷۸/۷۹) میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا إِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۖ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْغَفُورُ الْعَلِيمُ ۝ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَكْرُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝



وہ اللہ جس نے ہرے درخت (۳۹) سے تمہارے لئے آگ پیدا کی ہے، جس سے تم اپنے چولہے روشن کرتے ہو ﴿۸۰﴾ کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اُن جیسے آدمی دوبارہ پیدا (۴۰) کرے، ہاں! (وہ یقیناً قادر ہے) اور وہ بڑا پیدا کرنے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۸۱﴾ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ”ہو جا“ اور وہ چیز ہو جاتی ہے ﴿۸۲﴾ پس وہ ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۸۳﴾

سورة الصفات کی ہے، اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

مفسر طبری لکھتے ہیں کہ اس آیت کا عطف آیت (۷۱) ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا﴾ پر ہے، اور دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے گونا گوں نعمتیں پیدا کیں تاکہ انسان اپنے رب کا شکر ادا کرے، لیکن اس نے اس کی شاکری کی۔ اور اس نے انسان کو حقیر پانی کے ایک قطرہ سے پیدا کیا تاکہ وہ اپنے رب کے لئے عاجزی اور انکساری اختیار کرے، لیکن اس نے کبر و عناد سے کام لیا اور اس کے قادر مطلق ہونے میں شبہ کرنے لگا۔

(۳۹) بعث بعد الموت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ درخت کو پانی سے پیدا کرتا ہے جو بڑھ کر ہرا بھرا ہو جاتا ہے، پھر مرور زمانہ کے ساتھ سوکھی لکڑی بن جاتا ہے اور ایندھن کے کام آتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اسے کوئی اس کے کسی فعل و عمل سے روک نہیں سکتا ہے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ جو باری تعالیٰ درخت سے آگ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد صحراء کا وہ درخت ہے جس کی دو شاخوں کو آپس میں گلزانے سے آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ تو جو خالق کائنات ہرے درخت سے آگ نکال سکتا ہے وہ یقیناً انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(۴۰) بعث بعد الموت کی ایک تیسری دلیل آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے، یعنی جو ذات واحد عظیم آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر قادر ہے وہ یقیناً کمزور اور صغیر الحجم انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ تو وہ ہے جو لفظ "کن" سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ذات واحد جو ہر چیز کا مالک ہے، اور جس چیز میں چاہتا ہے، اپنی مرضی اور ارادے کے مطابق تصرف کرتا ہے، وہ ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اور ہر خوبی اور اچھائی کے ساتھ متصف ہے۔ اور قیامت آئے گی، اور سب کو دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے پاس لوٹ کر جاتا ہے، تاکہ وہ خالق کائنات ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے۔ وباللہ التوفیق۔

وَالصَّفَاتِ صَفًا ۖ فَالْمُجْرِبِ زَجْرًا ۖ فَالْمَلِيئِ ذِكْرًا ۖ إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ ۗ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۗ

ان فرشتوں کی قسم (۱) جو (آسمانوں میں) صف باندھے ہوتے ہیں ﴿۱﴾ پھر ان کی جو (بادلوں کو) زبردست ڈانٹ کے ذریعہ ہانکتے ہیں ﴿۲﴾ پھر ان فرشتوں کی قسم جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں ﴿۳﴾ بے شک تم سب کا معبود صرف ایک (۲) ہے ﴿۴﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، اور دنیا کے ان تمام مقامات کا رب ہے جہاں سے آفتاب نکلتا ہے ﴿۵﴾

تفسیر سورۃ الصفات

نام: سورت کی پہلی آیت میں ہی لفظ "الصفات" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ صاحب محامن التنزیل نے مفسر مہابھی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں فرشتوں کی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں جو ان سے الوہیت کی نفی کرتی ہیں، انہی صفات میں سے صفت "صفات" بھی ہے۔ اور فرشتوں سے الوہیت کی نفی ہو گئی تو دوسری مخلوقات سے بدرجہ اولیٰ اس کی نفی ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت ہو گئی۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "الصفات" رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک تھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔

آخری تھی دور کی سورتوں کی طرح اس میں بھی کفار مکہ کی مخالفت عروج پر نظر آرہی ہے، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام انتہائی شدید اور صبر آزمایا حالات سے دوچار ہیں۔ کفار مکہ کو دھمکی دی جا رہی ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ ایک دن آئے گا کہ نبی اور ان کے صحابہ غالب ہوں گے، اور انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دھمکی کے ساتھ قرآن کریم نے اپنے خاص اسلوب میں توحید و آخرت کا عقیدہ بھی بیان کیا ہے، اور مختلف پیرائے میں انہیں ایمان کی ترغیب بھی دلائی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کریمہ کی ابتدا فرشتوں کی قسم کھا کر اپنی ذات کے لئے اثبات و وحدانیت کے ذریعہ کی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ وغیرہم کا خیال ہے کہ "الصفات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو آسمان میں اپنے رب کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میا تم لوگ اسی طرح صفیں نہیں باندھو گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور صفیں باندھتے ہیں؟ لوگوں نے پوچھا: فرشتے اپنے رب کے سامنے کس طرح صفیں باندھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اگلی صفوں کو پوری کرتے ہیں، اور صف میں ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں۔"

"الزاجرات" سے مراد یا تو وہ فرشتے ہیں جو بادلوں کو ہانکتے ہیں، یا وہ جو لوگوں کے دلوں میں نیکی اور بھلائی کا الہام کر کے گناہوں سے روکتے ہیں۔ ﴿التَّالِيَاتِ ذِكْرُكُمْ﴾ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔

(۲) فرشتوں کی قسم کھا کر انسانوں کے عرف عام کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانی چاہی ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی سا جھی نہیں ہے، وہی ہر ایک کا پیدا کرنے والا اور سب کو روزی دینے والا ہے، وہی آسمانوں اور زمین اور ان

لَا تَأْتِيكَ السَّمَاءُ الدُّنْيَا بِزِينَتِي الْكَوَاكِبِ ۖ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۖ لَا يَسْتَعِينُونَ إِلَى الْمَلِكِ الْأَعْلَى وَيُقَدَّرُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُورًا وَأَلَامٌ عَذَابٌ وَأَصِيبٌ ۖ إِلَّا مَنْ خِطَفَ الْخُطْفَةَ فَاتَّبَعَهَا شَهَابٌ كَأَوْبٍ ۝

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ذریعہ خوبصورت (۳) بنایا ہے ﴿۶﴾ اور انہیں ہر شریر شیطان سے (آسمان دنیا کی) حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے ﴿۷﴾ وہ شیاطین عالم بالا کی باتیں نہیں سن سکتے ہیں، اور ہر جانب سے انہیں (آگ کے انگاروں سے) مارا جاتا ہے ﴿۸﴾ دور بھگا دینے کے لئے، اور (قیامت کے دن) ان کے لئے دائمی عذاب ہو گا ﴿۹﴾ مگر کوئی شیطان کوئی خبر (۴) اچک لے جاتا ہے تو ایک دکھتا ہوا انگار اس کے پیچھے لگ جاتا ہے ﴿۱۰﴾ کے درمیان کی ہر چیز کارب ہے، اور وہی مشرق و مغرب کارب ہے۔ آسمان اور زمین کا وجود، اور جب سے دنیا قائم ہوئی ہے شمس و قمر کا مکمل نظم و نسق کے ساتھ چلتے رہنا اور اس میں ذرہ برابر فرق نہ آنا، اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا موجود ہے، اور وہ ایک ہے جو مالک کل ہے اور وہی اپنی مرضی کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے، کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم و حکمت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا ہے۔ یہ ستارے مختلف الانواع ہیں، ان میں سے کچھ ایک جگہ ثابت ہیں، اور کچھ متحرک، کچھ چھوٹے ہیں اور کچھ بڑے۔ یہ ستارے رات کے وقت دیکھنے میں روشن اور چمکدار نظر آتے ہیں، اور آسمان دنیا کو زینت بخشتے ہیں، اور تاریک راتوں میں دیکھنے میں بھلے نظر آتے ہیں۔

ان ستاروں کا ایک دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے شیاطین کو مار کر آسمان کی باتیں سننے سے انہیں دور رکھا جاتا ہے، تاکہ غیب کی باتیں سن کر زمین پر رہنے والے کاہنوں کو نہ بتائیں۔ شیاطین جب بھی اس کی کوشش کرتے ہیں، فرشتے انہیں آسمان کی ہر جہت سے انگاروں کے ذریعے مارتے ہیں تاکہ انہیں آسمان کی باتیں سننے سے دور رکھیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ان شیاطین کو شدید دائمی عذاب دیا جائے گا۔

(۴) مفسرین نے لکھا ہے کہ شیاطین آسمان کے قریب پہنچ جاتے، اور فرشتے جو باتیں آپس میں کرتے، انہیں سننے کی کوشش کرتے، اور ان کی بعض باتیں سن کر جان جاتے کہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے، پھر کاہنوں کو آکر وہی باتیں بتا دیتے اور انہیں باور کراتے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کے قریب تک پہنچنے سے انگاروں کے ذریعے روک دیا، یعنی وہ جب بھی ایسی کوشش کرتے ہیں انہیں انگاروں کے ذریعہ مارا جاتا ہے، جن کی زد میں آکر کبھی تو جل جاتے ہیں، اور کبھی جلتے نہیں تو بعض باتیں کاہنوں کو بتا دیتے ہیں۔

امام شوکانی نے بعض مفسرین کی رائے نقل کی ہے کہ شیاطین وحی الہی کو ہرگز نہیں سن پاتے، بلکہ کبھی فرشتوں کی بعض دوسری باتیں سن لیتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء آیت (۲۱۲) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ﴾ "شیاطین وحی الہی کو سننے سے قطعی طور پر روک دیئے گئے ہیں"۔ اور سورۃ الملک آیت (۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا هَارُوجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾ "ہم نے ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے" اور سورۃ الحجر آیات (۱۸-۱۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَحِفْظًا هَامِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ﴾ "إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَّ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ" ﴿۱۰﴾ "ہم

فَأَسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّ خَلْقَهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ وَإِذَا ذُكِرُوا
لَا يَذْكُرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخَرُونَ ۝ وَقَالُوا لَئِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَأَلْبَسْتُمْ لَهُمْ
أَوْابًا وَنُكُلًا لَئِنْ لَمْ يَنْزُرُوا لَكُمْ سُحُورًا فَآتَتْهُمْ لُحُومًا لَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجْزًا وَّاحِدًا فَاذْهَبْكُمْ يَنْظُرُونَ ۝

پس اے میرے نبی! ذرا آپ ان سے پوچھئے (۵) تو سہی کہ کیا ان کا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ مشکل کام ہے، یا ہماری
ان مخلوقات کا جنہیں ہم پیدا کر چکے ہیں، بے شک ہم نے انہیں چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿۱۱﴾ بلکہ آپ تو (ان
کے انکارِ آخرت پر) تعجب (۶) کرتے ہیں، اور وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں ﴿۱۲﴾ اور جب اس کی یاد دلائی جاتی ہے
تو نصیحت حاصل نہیں کرتے ہیں ﴿۱۳﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں ﴿۱۴﴾ اور کہتے
ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے ﴿۱۵﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے، تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے
جائیں گے ﴿۱۶﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادے بھی اٹھائے جائیں گے ﴿۱۷﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں، اور تم ذلیل
و بے بس ہو گے ﴿۱۸﴾ پس وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی کہ سب دیکھنے لگیں گے ﴿۱۹﴾

نے اسے ہر مرد و شیطان سے محفوظ رکھا ہے، ہاں مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو اس کے پیچھے دکھتا ہوا (کھلا) شعلہ
لگتا ہے۔“

(۵) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ مشرکین سے پوچھئے جو بعثت بعد الموت کا انکار کرتے ہیں کہ جسمانی قوت و متانت
میں وہ زیادہ ہیں یا آسمان و زمین اور پہاڑ؟ اس کا جواب اس کے سوال ان کے پاس کچھ نہیں کہ وہ واقعی کمزور اور ناتواں جسم رکھتے ہیں،
اور آسمانوں و زمین اور پہاڑ ان سے کہیں زیادہ قوی اور بڑے ہیں جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور یہ بات انہیں اس حقیقت کے
اعتراف پر مجبور کرتی ہے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ اس لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا بھی اس کے لئے
بے حد آسان ہے۔

آیت کے آخر میں انسان کی کمزوری و ناتوانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ہم نے تو اسے چپکنے اور کمزور مٹی
سے پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی اس حقیقت کو اور آسمان و زمین اور پہاڑوں کی قوت کو مد نظر رکھتے ہوئے کیوں نہیں ایمان لاتا کہ جو اللہ
ان مہیب آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ یقیناً انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(۶) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ مشرکین مکہ کے انکار بعثت بعد الموت پر آپ کو اس لئے تعجب ہو رہا ہے کہ دلائل و براہین
کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، لیکن ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اسی لئے اتنی واضح ترین حقیقت کا انکار
کر رہے ہیں، اور آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں، اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ عقیدہ بعثت بعد الموت کا انکار نہ کریں تو ان پر اس
کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اور جب انہیں کائنات میں موجود کوئی ایسی نشانی دکھائی جاتی ہے جو اللہ کی اس قدرت پر دلالت کرتی ہے تو
اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ محمد کی ہر بات اور اس کا ہر عمل جادو کے قبیل سے ہے، بھلا یہ بھی کوئی عقل سے لگتی بات
ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں رہ جائیں گی تو ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو دوبارہ
زندہ کیا جائے گا؟!

وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ۗ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۗ أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ
وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۗ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۗ وَقَفَّوهُمْ أَنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۗ مَا لَكُمْ لَا تَنصَحُونَ
بِنَصْرَتِنَا ۗ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۗ وَأَقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۗ قَالُوا إِنَّا كُنْتُمْ نَأْتُونَ نَاعِنَ
الْيَمِينِ ۗ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۗ وَمَا كَانْ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَافِينَ ۗ فَخَسَفَ عَلَيْنَا قَوْلُ
رَبِّنَا إِنَّكَ الْإِنْفُونِ ۗ فَأَعْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غُورِينَ ۗ

اور کہیں گے، ہائے ہماری بربادی! یہ تو قیامت کا دن (۷) ہے ﴿۲۰﴾ یہ تو فیصلے کا وہ دن ہے جسے تم جھٹلاتے تھے ﴿۲۱﴾
جمع کرو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ان کے ہمراہوں کو، اور ان معبودوں کو جن کی یہ پرستش کرتے تھے
﴿۲۲﴾ سوائے اللہ کے، پھر انہیں جہنم کی راہ پر ڈال دو ﴿۲۳﴾ اور ذرا انہیں روک لو (۸) ان سے پوچھا جائے گا ﴿۲۴﴾
تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ آج کے دن ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہو ﴿۲۵﴾ بلکہ آج تو یہ لوگ گردن جھکائے
کھڑے ہیں ﴿۲۶﴾ اور ان کے بعض بعض کی طرف رخ کر کے ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿۲۷﴾ کہیں گے،
تم ہمیں بھلائی اور خیر خواہی کے نام سے بہکاتے تھے ﴿۲۸﴾ وہ جواب دیں گے، بلکہ تم ایمان لانے والے (۹) تھے
ہی نہیں ﴿۲۹﴾ اور ہمارا تم پر کوئی زور نہیں تھا، بلکہ تم تھے ہی سرکش لوگ ﴿۳۰﴾ پس اب ہمارے رب کی بات ہمارے
بارے میں پوری ہو گئی، ہم سب کو یقیناً عذاب کا مزا چکھنا ہے ﴿۳۱﴾ ہم نے تمہیں گمراہ کیا، ہم خود بھی گمراہ تھے ﴿۳۲﴾

آیات (۱۹/۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حیرت آمیز بات کا جواب دیا کہ ہاں تم یقیناً اٹھائے جاؤ گے، اور اس وقت
تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، اور کوئی دلیل و حجت تمہارے کام نہیں آئے گی، وہ تو ایک چیخ ہوگی جو انسانوں
کے دوبارہ زندہ ہونے کے لئے حکم الہی سے تعبیر ہوگی، تو سارے انسان یک لخت زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور کھڑے
ہو جائیں گے اور قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھنے لگیں گے۔

(۷) منکرین قیامت کو جب اس دن اپنی ہلاکت و بربادی کا یقین ہو جائے گا، اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب
بعث بعد الموت کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہی ہے بدلے کا وہ دن جس کا ہم دنیا میں انکار کرتے تھے۔ اور فرشتے
اور مومنین ان سے زجر و توبیخ کے طور پر کہیں گے کہ ہاں، یہی وہ دن ہے جس کی تم لوگ دنیا میں تکذیب کرتے تھے۔ اور اللہ
تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ لے جاؤ ان ظالموں کو اور ان جیسے تمام مجرمین کو اور ان تمام جھوٹے معبودوں کو جن کی یہ لوگ اللہ
کے سوا عبادت کرتے تھے، اور ان سب کو جہنم کی راہ پر ڈال دو، جس پر چل کر اس کی کھائی میں گر جائیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ ان مجرموں کو میدانِ محشر میں روک لو تاکہ ان سے ان کے عقائد، اقوال اور اعمال کے
بارے میں پوچھا جائے، پھر ان سے زجر و توبیخ کے طور پر پوچھا جائے گا کہ تم لوگ دنیا کی طرح یہاں بھی ایک دوسرے کی مدد
کیوں نہیں کر رہے ہو؟ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا، اس دن تو ذلت و رسوائی سے ان کی گردنیں جھکی ہوں گی، اور ان
میں سے جو کمزور لوگ دنیا میں متکبرین کی پیروی کرتے رہے تھے، ان متکبرین سے پوچھیں گے کہ تم لوگ دنیا میں ہمیں اپنی پیروی
پر مجبور کرتے تھے، تو آج کیوں نہیں ہماری مدد کے لئے آگے بڑھتے ہو اور جہنم کا عذاب ہم سے ٹال دیتے ہو؟

وَالَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۲﴾ اِنَّا كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۳﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَيَقُولُوْنَ اِنَّا لَسَا اِكْوَٰلُ الْاِهْتِنَا الشّٰعِرِ تَجْبُوْنَ ﴿۳۵﴾ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّكُمْ لَذٰلِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۷﴾ وَمَا تَجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۸﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخَاصِيْنَ ﴿۳۹﴾ اُولٰٓئِكَ اُنْمِرْ رِزْقًا مَّعْلُوْمًا ﴿۴۰﴾

پس اُس دن وہ تمام لوگ عذاب میں شریک (۳۲) ہوں گے ﴿۳۳﴾ ہم بے شک مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ ان سے جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کبر و غرور کا اظہار کرتے تھے ﴿۳۵﴾ اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک باولے شاعر کی باتوں میں آکر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ﴿۳۶﴾ بلکہ وہ تو دین برحق لے کر آئے ہیں، اور گذشتہ رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں ﴿۳۷﴾ تمہیں یقیناً دردناک عذاب (۱۱) چکھنا ہے ﴿۳۸﴾ اور تمہیں تمہارے کئے کا ہی بدلہ دیا جائے گا ﴿۳۹﴾ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں (۱۲) کے ﴿۴۰﴾ ان کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی روزی مقرر ہے ﴿۴۱﴾

(۹) شیاطین یا سردارانِ کفر جواب دیں گے کہ تم مومن کب تھے کہ ہم نے تمہیں کفر پر آمادہ کیا، اور نیک کب تھے کہ ہم نے تمہیں برائی کی راہ پر ڈال دیا، اور اہل توحید کب تھے کہ ہم نے تمہیں شرک پر مجبور کیا؟ تم لوگ ہمارے زیر تسلط نہیں تھے کہ ہم تمہیں طاقت کے بل بوتے پر کفر سے نکال کر ایمان میں داخل کر دیتے، تم تو ظلم و شرک اور کفر و طغیان میں حد سے تجاوز کئے ہوئے تھے، اس لئے آج اللہ کا وعدہ ہم سب کے لئے ثابت ہو گیا کہ ﴿لَا مَلْأَنَ جَهَنَّمَ مِّنْكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ ﴿۱﴾ اے ابلیس! ہم تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والوں سے جہنم کو بھر دیں گے۔“ (ص: ۸۵)۔ اب ہم سب کو اس عذاب کا مزا چکھنا ہے جس کی دھمکی اللہ نے ہمیں دے رکھی تھی۔ اور بالآخر اپنی مجرمانہ حرکتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں! ہم نے تمہیں گمراہ کیا تھا، ہم چونکہ گمراہ تھے اس لئے چاہا کہ تم بھی ہمارے جیسے ہو جاؤ، لیکن ہم نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا، بلکہ کفر و شرک کی راہوں کو تمہارے لئے خوشنما بنا دیا تو تم ان پر ہمارے ساتھ چل پڑے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے شیاطین و سردارانِ کفر اور ان کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ تمام لوگ ضلالت و گمراہی میں شریک تھے، آج عذاب الہی کا مزا چکھنے میں بھی شریک ہوں گے۔ ہم کفر و شرک کرنے والے مجرمین کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے ہیں۔ مشرکین قریش سے جب ہمارے نبی کہتے تھے کہ تم لوگ اس بات کا اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو کبر و غرور سے ان کی گردنیں اکڑ جاتی تھیں، اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا ہم ایک پاگل کی شاعرانہ باتوں میں آکر جسے وہ قرآن کا نام دیتا ہے، اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں؟

آیت (۳۷) میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی تردید اور اپنے نبی کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نبی جو کچھ تمہیں پڑھ کر سنانے ہیں وہ شاعری نہیں، بلکہ برحق کتاب ہے، اور اسی دعوتِ توحید کو لے کر مبعوث ہوئے ہیں جو تمام انبیاء و رسل کی دعوت رہی ہے۔

(۱۱) میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ ان کفار و مشرکین سے کہے گا جن کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا کہ اب تم جہنم کے دردناک عذاب میں ہمیشہ کے لئے جتلا کر دیئے جاؤ گے، اور یہ انجام بد تمہارے برے اعمال ہی کا نتیجہ ہے۔

قَوَاكِرُهُمْ مَكْرُمُونَ ﴿۱۲۱﴾ فِي جَنَّتِ التَّعْبِیَّةِ ﴿۱۲۲﴾ عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۱۲۳﴾ يُكَافُّ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ ﴿۱۲۴﴾ بِضَاءٍ
لَذِيقٍ لِلشَّرِيبِينَ ﴿۱۲۵﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۱۲۷﴾ كَأَنَّهُمْ بِيضٌ
مَسْكُونٌ ﴿۱۲۸﴾ قَافِلٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ قَالَ قَائِلٌ مِمَّنْ رَأَىٰ كَانَ لِیٰ قَرِینٌ ﴿۱۳۰﴾ یَقُولُ اِنَّكَ لَبِئْسَ
الْمُصَدِّقِینَ ﴿۱۳۱﴾ عَلَاؤُنَا وَكُنَّا رِابًا وَعِظَامًا اِنَّ الْمَلِئِیُونَ ﴿۱۳۲﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ ﴿۱۳۳﴾ قَاطِعَةً فِرَادًا فِی سَوَاءٍ
الْحَبِیْبِ ﴿۱۳۴﴾ قَالَ تَاللَّهِ اِنْ كِدْتَ لَتُرْدِیَنَ ﴿۱۳۵﴾ وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّی لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّیْنَ ﴿۱۳۶﴾

انواع و اقسام کے پھل، درانحالیکہ وہ معزز و مکرم ہوں گے ﴿۱۲۲﴾ نعمتوں کے باغات میں ﴿۱۲۳﴾ آنے سانسے
تختوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿۱۲۴﴾ انیس بہتی شراب کا جام پیش کیا جائے گا ﴿۱۲۵﴾ وہ شراب سفید اور پینے والوں کے
لئے لذیذ ہوگی ﴿۱۲۶﴾ نہ اس سے سر چکرائے گا، اور نہ ہی اس سے ان کی عقل ماری جائے گی ﴿۱۲۷﴾ اور ان کے
پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ﴿۱۲۸﴾ بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ﴿۱۲۹﴾ وہ حوریں (شتر مرغ کے چھپائے ہوئے)
انڈوں کے مانند (نہایت خوبصورت) ہوں گی ﴿۱۳۰﴾ ان کے بعض بعض کی طرف رخ کر کے ﴿۱۳۱﴾ ایک دوسرے
سے پوچھیں گے ﴿۱۳۲﴾ اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا ﴿۱۳۳﴾ کہتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں
میں سے ہے جو یقین رکھتے ہیں ﴿۱۳۴﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے، تو کیا ہمیں ہمارے
اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ﴿۱۳۵﴾ وہ کہے گا، کیا تم لوگ جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو ﴿۱۳۶﴾ پس وہ جھانکے گا تو اسے بیچ
جہنم میں (جلتا ہوا) دیکھے گا ﴿۱۳۷﴾ کہے گا، اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تم مجھے ہلاک کر دیتے ﴿۱۳۸﴾ اور اگر اللہ کا فضل نہ
ہوتا تو میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا جنہیں جہنم میں ڈال دیا گیا ہے ﴿۱۳۹﴾

﴿۱۲۱﴾ مذکورہ بالا عذاب نار سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ انہیں
ان کا رب جنت میں داخل کر دے گا، اور بے شمار نعمتوں سے نوازے گا، ان نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ انہیں بغیر انقطاع کے
صبح و شام عمدہ اور پاکیزہ روزی ملتی رہے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم آیت (۶۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا
بِكُرْهُوَ عَشِيًّا﴾ ﴿۱۲۱﴾ ”وہاں انہیں صبح و شام روزی ملتی رہے گی“۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت (۱۲۲) میں "فواکہ" سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اہل جنت کا کھانا پینا بھوک اور
پاس کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض لذت حاصل کرنے کے لئے ہوگا، اور وہاں وہ بہت ہی باعزت زندگی گزاریں گے، اور وہ آنے
سانے آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے، اور انہیں شراب کی جاری نہروں سے پیالے بھر کر پیش کئے جائیں گے، ایسی شراب
جس سے انہیں نہ کوئی بیماری ہوگی نہ ہی دوسر، اور نہ اس کے زیر اثر ان کی عقل ہی ماری جائے گی۔

﴿۱۲۳﴾ اہل جنت اتنے زیادہ خوبصورت ہوں گے کہ ان کی بیویاں اُن کے سوا دوسرے مردوں پر نگاہ نہیں ڈالیں گی، اور وہ بیویاں
بڑی خوبصورت اور کشادہ آنکھوں والی ہوں گی اور اتنی خوبصورت اور گوری ہوں گی، جیسے شتر مرغ کے صاف ستھرے انڈے
ہوتے ہیں۔

﴿۱۲۴﴾ اہل جنت آنے سانسے کرسیوں پر بیٹھ کر شراب پیئیں گے، باتیں کریں گے، اور دنیا میں ان پر جو بیتی تھی ایک دوسرے سے

أَفَا نَحْنُ بِمَبْتَلِينَ ۗ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَدِّيْنَ ۗ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۗ لِيَسْئَلْنَا هَذَا أَفَلْيَعْمَلِ الْعَمَلُونَ ۗ أَذَلَّكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۗ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۗ إِنَّمَا شَجَرَةُ زُقْرٍ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۗ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُوسُ الشَّيْطَانِ ۗ وَأَلَّهُمْ لَا يَلْكُونَ مِنْهَا فَمَا لَكُلُونَ مِنْهَا الْبُطُونُ ۗ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مَرْنًا حَسِيصًا ۗ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۗ

کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اب ہمیں موت (۱۵) نہیں آئے گی ﴿۵۸﴾ سوائے پہلی موت کے جو آجکی، اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا ﴿۵۹﴾ بے شک یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۶۰﴾ ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے ﴿۶۱﴾ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا زقوم کے درخت (۱۶) کی ﴿۶۲﴾ بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کی آزمائش کے لئے بنایا ہے ﴿۶۳﴾ وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ میں پیدا ہوتا ہے ﴿۶۴﴾ اس کا خوشہ شیطان کے سروں کے مانند ہوتا ہے ﴿۶۵﴾ اہل جہنم یقیناً اُسے کھائیں گے، اور اس سے اپنا پیٹ بھریں گے ﴿۶۶﴾ پھر اس کھانے کے بعد انہیں پینے کو (پہپ) ملا ہوا شدید گرم پانی ملے گا ﴿۶۷﴾ پھر ان کا ٹھکانا بہر حال جہنم ہوگا ﴿۶۸﴾

بیان کریں گے۔ خدام جنت ان کے سامنے آ جا رہے ہوں گے اور انواع و اقسام کی ایسی نعمتیں پیش کر رہے ہوں گے جنہیں دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا تھا، نہ کسی کان نے سنا تھا، اور نہ کسی دل میں ان کا خیال تک گذرا تھا۔

اُس وقت اُن میں سے ایک جنتی کہے گا کہ ایک مشرک میرے ساتھ دنیا میں کبھی کبھار بیٹھتا تھا، وہ آخرت کی تکذیب کرتے ہوئے کہتا تھا کہ کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ ہم جب مر کر گل سڑ جائیں گے اور مٹی میں مل جائیں گے، تو ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور ہمیں ہمارے اعمال کا بدلہ چکایا جائے گا؟! تو آج ہمارے رب نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے، ہمیں جنت میں داخل کر دیا ہے، اور میرے اس ساتھی کو جہنم میں دھکیل دیا ہے۔ کیا تم لوگ اُسے جہنم میں دیکھنا چاہتے ہو؟ پھر وہ جنتی جہنم میں جھانکے گا، تو اُسے سچ جہنم میں دیکھے گا، اور حیرت و دہشت کے طے جلع جذبات سے حائر ہو کر اس جہنمی کو پکارے گا اور اس سے کہے گا کہ اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تم مجھے بھی جہنم میں پہنچا دیتے، اور اگر مجھ پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو آج میں بھی تمہارے ساتھ جہنم کی کھائی میں نظر آتا۔

(۱۵) پھر وہ جنتی اپنے اہل جنت ساتھیوں سے مخاطب ہو کر غایت فرحت و شادمانی میں کہے گا کہ دوستو! ہم نے دنیا میں موت کا جو مزہ چکھا تھا، اس کے بعد اب ہمیں یہاں جنت میں موت نہیں آئے گی، یہاں کی زندگی دائمی ہے اور اس کی نعمتیں لازوال ہیں۔ بے شک مرد مومن کی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے، اور لوگوں کو اسی کے حصول کے لئے دنیا کی زندگی میں کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

(۱۶) اہل جنت کی خوش بختیوں کا ذکر کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کی بد بختیوں کا ذکر کیا ہے، کہ اوپر اہل جنت کے لئے جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے وہ بہترین نعمت ہے، یا بدترین کڑوے زقوم کا درخت، جسے ہم نے ظالم کفار قریش کی آزمائش کا سبب بنا دیا ہے، جو کہتے ہیں کہ بھلا یہ بھی عقل میں آنے والی بات ہے کہ کوئی ایسا بھی درخت ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں زقوم ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ میں پیدا ہوتا ہے، جس کی شاخیں آگ میں لہلہاتی ہیں، اور جس کے پھل شیطانوں

إِنَّهُمْ لِقَوْمٍ ظَالِمِينَ ۖ فَهُمْ عَلَىٰ أَرْهَمٍ يُهْرَعُونَ ۖ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأُولِينَ ۖ وَلَقَدْ أَنْسَلْنَا فِيهِمْ
مُذْرِبِينَ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَذَرِبِينَ ۖ الْأَعْبَادَ لِلَّهِ الْمُتَخَلِّصِينَ ۖ وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنَعْمَ الْبُيُوتُونَ ۖ
وَبَجْنَةَ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۖ وَجَعَلْنَا دُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۖ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ
نُوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۖ إِنَّكَ لَنَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ ثُمَّ انْفِرْنَا الْآخِرِينَ ۖ

بے شک مشرکین مکہ نے اپنے باپ دادوں (۱۷) کو گمراہ پایا ﴿۶۹﴾ تو یہ انہی کے نقش قدم پر دوڑے جا رہے ہیں
﴿۷۰﴾ اور ان سے پہلے اقوام گذشتہ کے اکثر لوگ گمراہ (۱۸) ہوئے ﴿۷۱﴾ اور ہم نے ان کے پاس ڈرانے والے
انبیاء بھیجے ﴿۷۲﴾ تو آپ دیکھ لیجئے کہ ان ڈرائے جانے والوں کا انجام کیا ہوا ﴿۷۳﴾ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں
کے ﴿۷۴﴾ اور نوح (۱۹) نے ہمیں پکارا، تو ہم بہت اچھے فریاد سننے والے تھے ﴿۷۵﴾ اور ہم نے انہیں اور ان کے
گھر والوں کو بڑی مصیبت سے بچالیا ﴿۷۶﴾ اور ہم نے ان کی اولاد کو باقی رکھا ﴿۷۷﴾ اور ہم نے پیچھے آنے والی
نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی (۲۰) رکھا ﴿۷۸﴾ سارے عالم میں نوح پر سلام ہو ﴿۷۹﴾ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ
دیتے ہیں ﴿۸۰﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے باقی کافروں کو ڈوبو دیا ﴿۸۲﴾

کے سروں کے مانند بڑے اور قبیح النظر ہوتے ہیں، جنبی جب بھوک کی شدت سے تڑپیں گے تو اپنے آگے سوائے شجر زقوم
کے کچھ بھی کھانے کے لئے نہ پائیں گے، ناچار اسی کو کھائیں گے اور اپنے پیٹ بھریں گے۔ اور کھانے کے بعد جب انہیں بیاس
لگی تو پینے کے لئے پیپ اور گندگی ملا ہوا شہدید گر مہانی ملے گا، جو ان کی آنتوں کو کاٹ کر باہر نکال دے گا۔

اور ہر حال میں ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا، جہاں بھڑکتی آگ کے شعلے ان کے ناتواں جسوں کو جلاتے رہیں گے، جیسا کہ
سورۃ الرحمن آیات (۳۳/۳۳) میں آیا ہے: ﴿هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذَّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ
حَمِيمٍ آتٍ ﴿﴾ ”یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے، بحر میں اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے۔“
(۱۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل جہنم مذکورہ بالا عذاب شدید سے اس لئے دوچار ہوئے کہ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کو راہ ہدایت
سے بھٹکا ہوا پایا تو انہی کے پیچھے ہوئے، اور شرک و کفر اور ضلالت و گمراہی میں ان کی تقلید کرنے لگے۔ صاحب محاسن التنزیل
لکھتے ہیں کہ آیات (۷۰/۶۹) میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے بغیر غور و فکر اور محض اندھی تقلید کی بنیاد پر اپنے باپ
دادوں کی پیروی میں تیزی کی۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں اس ایک آیت کے سوا ذمہ تقلید میں کوئی دوسری
آیت نہ ہوتی تو بھی کافی ہوتی۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین مکہ سے پہلے بھی بہت سی قومیں گمراہ ہوئیں، اور ہم نے انہیں ان کے برے اعمال کے
انجام بد سے ڈرانے کے لئے انبیاء و رسل بھیجے، اور جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا انہیں ہلاک کر دیا، اور اپنے ان نیک
بندوں کو اس عذاب سے بچالیا جو اخلاص و للہیت کے ساتھ ہماری عبادت کرتے رہے۔

(۱۹) سرکش و نافرمان قوموں کی ہلاکت کا ذکر آنے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض قوموں کے حالات کچھ
تفصیل کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ چنانچہ اس ضمن میں یہاں سات انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

وَأَنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لِأَبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا عَبَدُونَ ۖ أَيْفُكَا
إِلَهَةٌ دُونَ اللَّهِ تَرِيدُونَ ۖ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اور بے شک ابراہیم (۲۱) بھی انہی کی جماعت کے تھے ﴿۸۳﴾ جب وہ اپنے رب کی طرف صاف دل کے ساتھ متوجہ ہوئے ﴿۸۳﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو ﴿۸۵﴾ کیا تم افترا پردازی کر کے اللہ کے سوا دوسرے معبود چاہتے ہو ﴿۸۶﴾ تو سارے جہان کے رب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ﴿۸۷﴾

سب سے پہلا واقعہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح نے ہمیں اپنی قوم کے خلاف مدد کے لئے پکارا (جیسا کہ سورۃ المؤمنون آیات (۲۶ اور ۳۹) میں آیا ہے): ﴿قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُون﴾ ”نوح نے دعا کی، اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔ اور سورۃ القمر آیت (۱۰) میں آیا ہے: ﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِر﴾ ”نوح نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں، تو میری مدد فرما“۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی (اس لئے کہ ہمارے سوا کون کسی پریشان حال کی پکار سن سکتا ہے) اور انہیں اور ان کے خاندان والوں کو (ان کی بیوی اور بیٹے کنعان کے سوا) طوفانِ عظیم سے بچالیا، اور ان کی نسلوں کو دنیا میں باقی رکھا۔ چنانچہ قوم نوح کی ہلاکت کے بعد دوبارہ پوری دنیا نوح کے تین بیٹوں، سام، حام اور یانث کی اولاد سے آباد ہوئی۔

(۲۰) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نوح کے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا، کہ سب ان کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیتے ہیں، اور ان کے لئے سلامتی و رحمت کی دعا کرتے ہیں، اور قیامت تک ان کا ذکر جمیل قوموں میں باقی رہے گا۔ اور فرمایا کہ ہم عمل صالح کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ نوح کا عمل صالح یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک اللہ کے دین کی طرف بلا تے رہے۔ اسی لئے آیت (۸۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح ہمارے صادق الایمان بندوں میں سے تھے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے ایمان کی فضیلت و اہمیت ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ نوح جیسے عظیم نبی کی تعریف کے لئے ان کی اسی صفت کو بطور خاص بیان کیا گیا ہے۔

آیت (۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے اور ان کے اہل ایمان رشتہ داروں اور پیروکاروں کے سوا باقی تمام کافروں کو ہم نے طوفان کی نذر کر دیا۔

(۲۱) دوسرا واقعہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم ایمان اور توحید کی طرف لوگوں کو بلانے میں نوح کی راہ پر ہی گامزن تھے۔ وہ بھی اپنے رب کی طرف ایسے دل کے ساتھ متوجہ ہوئے تھے جو شرک و شک کی آلائشوں سے یکسر پاک، اور فطری طور پر توحید کی طرف مکمل طور پر مائل تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کی بت پرستی پر تکیہ کیا، اور ان سے کہا کہ تم اللہ کے خلاف افترا پردازی کرتے ہوئے اپنے لئے اس کے سوا دوسروں کو معبود جتاتے ہو، اور رب العالمین کی عبادت چھوڑ کر غیروں کی پرستش کرتے ہو، حالانکہ یہ بات تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی چاہئے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

فَنظَرَ نَظْرَةً فِي الْجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۸۹﴾ فَرَأَى إِلَى الْهَيْبَةِ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۗ مَا كُمْ لَا تَتَطَفَّؤْنَ ۗ فَرَأَى عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَسِينِ ﴿۹۰﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَرْفُونَ ﴿۹۱﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَشْبَهُونَ ۗ وَاللَّهِ خَلَقَكُمْ وَأَنْتُمْ عَابِدُونَ ۗ قَالَ أُوْهُؤَالِهَ بُنْيَانًا مَّا لَقَوْهُ فِي الْحَيِّمِ ۗ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿۹۲﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيِّئِينَ ﴿۹۳﴾

پس انہوں نے ایک بار ستاروں (۲۲) کی طرف دیکھا ﴿۸۹﴾ پھر کہا کہ میں تو بیمار ہوں ﴿۸۹﴾ تو لوگ انہیں چھوڑ کر چلے گئے ﴿۹۰﴾ پھر وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے پاس پہنچ گئے، اور ان سے کہا کہ تم لوگ کھاتے کیوں نہیں ہو ﴿۹۱﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بولتے نہیں ہو ﴿۹۲﴾ پھر اپنی پوری قوت کے ساتھ ضربیں لگا کر انہیں توڑنے لگے ﴿۹۳﴾ تب لوگ ان کے پاس تیزی میں آئے ﴿۹۴﴾ ابراہیم نے کہا، کیا تم لوگ ان بتوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو ﴿۹۵﴾ حالانکہ تمہیں اور جو کچھ تم بناتے ہو انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے ﴿۹۶﴾ وہ آپس میں کہنے لگے کہ تم لوگ اسے جلانے کے لئے ایک آتش کدہ (۲۳) بناؤ، پھر اسے اس آگ میں ڈال دو ﴿۹۷﴾ پس انہوں نے ان کے خلاف سازش کرنی چاہی، تو ہم نے انہیں نیچا کر دکھایا ﴿۹۸﴾ اور ابراہیم نے کہا، میں اپنے رب کی خاطر یہاں سے نکل جاتا (۲۴) ہوں، وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا ﴿۹۹﴾

(۲۲) شوکانی نے مفسر واحدی کے حوالے سے مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لوگ علم نجوم کے قائل تھے، اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر میں تمہارے ساتھ میلے میں شریک ہوں گا تو بیمار پڑ جاؤں گا، تاکہ لوگ انہیں میلہ میں شرکت سے معذور سمجھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، لوگوں نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، اور میلے میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام بتوں کے پاس پہنچے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اگر تم عبادت کے مستحق ہو تو تمہارے سامنے اتنے سارے کھانے رکھے ہیں انہیں کیوں نہیں کھاتے ہو، لیکن بتوں نے نہ کھانا کھایا اور نہ ان کی بات کا جواب دیا، تو ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ اے بتو! تم بولتے کیوں نہیں ہو؟! پھر اپنے دائیں ہاتھ میں موجود کلباڑی سے انہیں مار مار کر ان کے گلے گلے کر دیئے۔ مشرکین جب شام کو واپس آئے، اور اپنے معبودوں کا حال زار دیکھا، تو فوراً ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے، اور ان سے پوچھنا شروع کرنے لگے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دفاع میں کہا کہ یہ کیسی تمہاری کور مغزی ہے کہ جن بتوں کو تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو انہی کی پوجا کرتے ہو، حالانکہ تمہارا اور تمہارے معبودوں کا خالق اللہ ہے، اس لئے عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

(۲۳) قوم ابراہیم کے پاس جب اپنے شرک و کفر کی تائید میں کوئی دلیل باقی نہیں رہی، اور ابراہیم علیہ السلام کی صریح اور واضح دلیل نے انہیں لاجواب کر دیا، تو انہوں نے ظلم و جبروت کی راہ اختیار کی، جو حق کی آواز کو دبانے کے لئے ظالموں اور جابروں کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے۔ انہوں نے طے کیا کہ ایک بہت بڑی آگ جلا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دیں۔ آیت (۹۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کی اور ان کو نجانہ کھانا چاہا، لیکن اللہ نے انہیں ہی ذلیل و رسوا کیا، ان کی سازش یکسر ناکام رہی، اور آگ ابراہیم کے لئے شہنشاہی اور سلامتی بن گئی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الطَّالِبِينَ ۝ فَبَعَثْنَا لَهُ عَلِيًّا هَلِيمًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَهُ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنِي لِي أَرَى فِي الْمَنَامِ لِي
 إِذْ بَعَاكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى ۝ قَالَ يَا بَتِ أَعْلَى مَا تَوْمَرُ مَرُوسْتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الطَّالِبِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَا
 لِي الْحَبِيبُ ۝ وَكَادَيْتُهُ أَنْ يَأْتِيَهُمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّيَا إِنْ كَذَلِكَ تَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ
 الْبُيُوتِ ۝ وَقَدْ يُنَبِّئُ بِنُبْحٍ عَظِيمٍ ۝

میرے رب! مجھے ایک نیک لڑکا (۲۵) دے ﴿۱۰۰﴾ تو ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی ﴿۱۰۱﴾ پس جب وہ ان کے ساتھ دوڑ لگانے کی عمر کو پہنچ گیا، تو انہوں نے کہا، میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، پس تم سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہوتی ہے، بیٹے نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے ﴿۱۰۲﴾ پس جب دونوں نے اللہ کا حکم مان لیا، اور ابراہیم نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا ﴿۱۰۳﴾ تو ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! ﴿۱۰۴﴾ آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ بے شک یہی کھلی آزمائش ہے ﴿۱۰۶﴾ اور ہم نے اس لڑکے کے فدیہ کے طور پر ایک بڑا جانور بھیج دیا ﴿۱۰۷﴾

(۲۴) آگ سے نجات پانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا، اور وہاں سے نکل کر شام کے علاقے حران پہنچ گئے، اور جاتے ہوئے اپنے رب سے اس امید کا اظہار کیا کہ وہ انہیں ان کے مقصد میں کامیاب کرے گا، اور انہیں ایمان و توحید پر ثابت قدم رکھے گا۔

رازی نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ جس جگہ دشمنان اسلام کی کثرت ہو جائے، وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

(۲۵) ابراہیم علیہ السلام نے شام کی مقدس سرزمین میں پہنچنے کے بعد دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ایک نیک لڑکا عطا فرما جو غریب الدیاری میں میرے انس و دل بستگی کا سامان بنے، اور تیری طاعت و بندگی میں میری مدد کرے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

پھر اللہ کے حکم سے ماں اور بیٹے کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں پہنچا دیا، جہاں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آب زمزم مہیا کر دیا، اور قبیلہ بکر ہم کو لاکر بسا دیا۔ اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی کے لئے اپنے چہیتے بیٹے کی قربانی دیں، انہوں نے اپنا خواب بیٹے سے بیان کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا تو بیٹے نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے کر گزریے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ساتھ لے کر منیٰ کی طرف چل پڑے اور جمرات کی جگہ پہنچ کر انہیں پیشانی کے بل ڈال دیا، اور ٹھہری ان کی گردن پر رکھ دی۔ اچانک دیکھتے کیا ہیں کہ وہاں ایک مینڈھا کھڑا ہے، ایک فہمی آواز آئی کہ آپ بیٹے کو چھوڑ دیجئے اور مینڈھے کو ذبح کیجئے۔ آیت (۴) سے آگے تک یہی کچھ بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی اور کہا کہ آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، اور کمال طاعت اور عظیم ترین صبر و ثبات کی دلیل پیش کر دی۔ اب آپ بیٹے کو ذبح نہ کیجئے، ہم

وَوَكَّرْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَبَشَرْنَاهُ بِأَسْحَقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۖ وَوَكَّرْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۖ

اور آئندہ آنے والی نسلوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر باقی (۲۶) رکھا ﴿۱۰۸﴾ ابراہیم پر سلام ہو ﴿۱۰۹﴾ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۱۰﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری (۲۷) دی جو نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں، اور ان دونوں کی اولاد میں کچھ تو نیکو کار ہوں گے، اور کچھ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوں گے ﴿۱۱۳﴾

احسان اور عمل کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، بے شک یہی وہ کھلی اور صریح آزمائش ہے جس کے ذریعہ مخلص و غیر مخلص کا امتیاز ہو جاتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں، آیت کریمہ (۱۰۶) میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خواب کی تعمیل میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان تھا کہ وہ اپنے عزیز ترین بیٹے کی قربانی دے کر اللہ سے اپنی غایت محبت اور انتہائی طاعت و بندگی کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ چنانچہ جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے، تو اللہ نے ایک مینڈھا بھیج دیا تاکہ بیٹے کے بدلے اسے ذبح کریں۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا، یہودی، نصرانی، اور مسلمان سبھی ان کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیتے ہیں، اور ان کے لئے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہیں، اور قیامت تک ان کا ذکر جمیل قوموں میں باقی رہے گا۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ہم عمل صالح کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا عمل صالح یہ تھا کہ توحید باری تعالیٰ کی طرف اپنی قوم کو بلانے کی پاداش میں انہیں آگ کی نذر کر دیا گیا، جس سے اللہ نے اپنے فضل خاص سے انہیں نجات دی، اسی لئے آیت (۱۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے صادق الایمان بندوں میں سے تھے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے ایمان کی فضیلت و اہمیت ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ ابراہیم جیسے عظیم نبی کی تعریف کے لئے ان کی اسی صفت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲۷) ابراہیم علیہ السلام جب بوڑھے ہو گئے، اور ان کی بیوی سارہ بھی بوڑھی ہو گئیں، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، یہ بشارت وہ فرشتے لے کر آئے تھے جو قوم لوط کی بستی کو لٹنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ فرشتوں نے جب دونوں کو یہ بشارت دی تو سارہ علیہا السلام اپنی اور اپنے شوہر کی کبرسنی کی وجہ سے شدت تجب سے کہنے لگیں: ﴿أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْطِي سَيَخُافُ﴾ ”کیا مجھے بچہ ہوگا حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں“۔ (ہود: ۷۲)۔

آیات (۱۱۳/۱۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی جو بڑے ہو کر صالح اور نبی ہوں گے، اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر اپنی برکتیں نازل کر دیں، یعنی ان کی اولاد میں کثرت ہوگی، ان میں انبیاء کا سلسلہ جاری رہے گا، ان میں کچھ لوگ بادشاہ ہوں گے، اور ہم انہیں ایسی نعمتیں دیں گے جو دوسروں کو نہیں ملیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ ابراہیم و اسحاق کی اولاد میں کچھ تو مومنین صالحین ہوں گے، اور کچھ لوگ کفر و معاصی کا ارتکاب

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ وَبَخَيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۗ وَنَضَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (۲۸) پر بھی احسان کیا (کہ انہیں نبوت دی) ﴿۱۱۳﴾ اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو بڑی مصیبت سے نجات دی ﴿۱۱۵﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی لوگ غالب آئے ﴿۱۱۶﴾

کر کے اپنے آپ پر کھلا ظلم کرنے والے ہوں گے۔

علماء کا اختلاف ہے کہ ذبح کون تھے۔ اسماعیل یا اسحاق۔ قرطبی اور کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ ذبح اسحاق تھے، لیکن راجح یہی ہے کہ وہ اسماعیل تھے۔ یہ یہود و نصاریٰ کی کارستانی ہے کہ انہوں نے جھوٹی روایات گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا دیا، تاکہ نبی کریم ﷺ سے "ابن الذبیحین" یعنی دو ذبیحوں، اسماعیل اور عبد اللہ کا بیٹا ہونے کا شرف چھین لیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے مطابق صحابہ و تابعین اور دیگر علمائے اسلاف کے نزدیک ذبح اسماعیل ہیں۔ اسحاق کا ذبح ہونا نہیں وجوہات سے باطل ہے۔ آگے لکھا ہے: میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ یہ قول یہود و نصاریٰ سے لیا گیا ہے، حالانکہ یہ دعویٰ خود ان کی کتاب کے نص کے ذریعہ باطل ہے۔ تورات میں ہے، اللہ نے ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں، اور اہل کتاب اور مسلمان سبھی جانتے ہیں کہ اسماعیل ہی ان کے اکلوتے تھے۔ اسحاق کو ذبح کہنے والوں کو اس بات سے دھوکہ ہوا ہے کہ ان کے پاس موجود تورات میں ہے کہ (آپ اپنے بیٹے اسحاق کو ذبح کیجئے) حالانکہ یہ جھوٹ اور یہود کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ ذبح کے اکلوتا ہونے سے متعارض ہے۔ یہود نے حسد کرتے ہوئے یہ افتراء پر دازی کی ہے تاکہ اولاد اسماعیل کو یہ شرف حاصل نہ ہو۔ اسحاق ذبح کیسے ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو اہم اسحاق کو اسحاق اور یعقوب کی بشارت ایک ساتھ دی تھی: ﴿فَبَشِّرْنَا هَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَدَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ ﴿۱۱۶﴾ "ہم نے سارہ کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد ان کے بیٹے یعقوب کی"۔ یہ بات محال ہے کہ انہیں اسحاق کے بیٹے یعقوب کی بشارت دی جائے پھر اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے۔

شیخ الاسلام آگے چل کر کہتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ذبح مکہ میں تھے، اسی لئے تو دس تاریخ کو قربانی، صفاد مرہ کے درمیان سعی اور رمی جمار جیسے اعمال حج ذبح اور ان کی ماں کی یاد میں مکہ مکرمہ میں ادا کئے جاتے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مکہ میں اسماعیل اور ان کی ماں ہاجرہ تھیں نہ کہ اسحاق اور ان کی ماں سارہ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ذبح کرنے کی جگہ اور زمانہ (بیت حرام) سے وابستہ ہے جسے ابراہیم و اسماعیل نے بنایا تھا، اور مکہ میں قربانی کرنا حج بیت اللہ کے شعائر میں سے قرار پایا، جسے دونوں باپ بیٹے نے بنایا تھا۔ اگر ذبح کرنے کا عمل شام میں ہوا تو حج و قربانی کے شعائر مکہ کے بجائے شام میں ادا ہوتے۔

(۲۸) اقوام گذشتہ میں سے چوتھا واقعہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت و رسالت اور دیگر عظیم نعمتوں سے نوازا، انہیں اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون اور فرعونوں کے ظلم و استبداد اور ان کی غلامی سے نجات دی، اور ان پر انہیں غلبہ عطا کیا، بایں طور کہ فرعون نے جب ایک بڑی فوج کے ساتھ ان کا پچھا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بچالیا، اور فرعون اور اس کی پوری فوج کو سمندر میں ڈبو دیا۔ موسیٰ و ہارون اور ان کی قوم پر ایک بڑا احسان یہ تھا کہ اب تک جو فرعونوں کے ظلم کی چکی میں پیسے جا رہے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے عزت و غلبہ دیا، اور ظالم فرعونوں کو سمندر کی نذر کر دیا۔

وَاتَيْنَهُمَا الذِّكْرَ الْمُسْتَبِينَ ۖ وَهَدَيْنَهُمَا صِرَاطَ الْمُسْتَقِيمِ ۗ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرَيْنِ ۖ سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ
 وَهَارُونَ ۖ إِنَّكَ لَكُلٌّ نَجْوَى الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنِ الْيَأْسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ
 الْكَافِرُونَ ۖ اتُّدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۖ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولَىٰ ۖ فَكذبُ بُوَّةٍ وَالنَّهْمُ
 لِعُظْمُرُونَ ۖ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۖ وَتَرَكْنَا عَلَيْكَ فِي الْأَخْرَيْنِ ۖ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِنَّكَ لَكُلٌّ نَجْوَى
 الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ

اور ہم نے دونوں کو واضح اور روشن کتاب (۲۹) دی ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے انہیں سیدھی راہ پر لگادیا ﴿۱۱۸﴾ اور ہم نے آئندہ آنے والی نسلوں میں دونوں کا ذکر خیر باقی رکھا ﴿۱۱۹﴾ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ﴿۱۲۰﴾ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۲۱﴾ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۱۲۲﴾ اور بے شک ایسا (۳۰) بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۲۳﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے ہو ﴿۱۲۴﴾ کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ بیٹھے ہو ﴿۱۲۵﴾ اس اللہ کو چھوڑ بیٹھے ہو جو تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے ﴿۱۲۶﴾ تو ان کی قوم نے ان کو جھٹلادیا، پس وہ سب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ﴿۱۲۷﴾ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ﴿۱۲۸﴾ اور ہم نے آئندہ آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا ﴿۱۲۹﴾ ایسا پر سلام ہو ﴿۱۳۰﴾ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۳۱﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۱۳۲﴾

(۲۹) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون پر یہ بھی احسان کیا کہ انہیں تورات جیسی عظیم کتاب عطا کی، جس میں احکام و تشریعات الہیہ کھول کر بیان کر دیئے گئے تھے، اور انہیں اپنی سیدھی راہ پر ڈال دیا، یعنی دین اسلام کا پیر و بنادیا جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے۔ اور ان دونوں کا ذکر خیر آنے والی قوموں میں باقی رکھا، کہ یہودی و نصرانی اور مسلمان سبھی ان کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں، اور ان کے لئے سلامتی و رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

آیت (۱۲۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم عمل صالح کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور آیت (۱۲۲) میں فرمایا کہ وہ دونوں ہمارے صادق الایمان بندوں میں سے تھے۔

(۳۰) پانچواں واقعہ ایسا علیہ السلام کا ہے، جن کا نام بنی اسرائیل کی کتابوں میں ”ایلیا“ آیا ہے۔ ان کا زمانہ سلیمان علیہ السلام کے بعد کا تھا۔ انہیں اللہ نے شہر بعلبک اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے بنی اسرائیل کے لئے اس وقت نبی بنا کر بھیجا تھا، جب ان میں بت پرستی پھیل گئی تھی، لوگ اللہ کے بجائے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ہر قسم کا نذر و نیاز اور قربانی انہی کے نام سے کرتے تھے، اور تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

ایسا علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں کہ اس کے بجائے بتوں کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اس قدر گمراہ ہو گئے ہو کہ اپنے بڑے بت (بعل) کی پرستش کرتے ہو، اور اللہ احسن الخالقین کو فراموش کر بیٹھے ہو جو تمہارا اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا رب ہے!؟

وَأَنَّ لَوْطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ بُجِبَتْهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۖ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ ۖ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرُسِينَ ۖ
وَأَنكُمْ لَتَمَرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْهِرِينَ ۖ وَاللَّيْلِ أَفْلاكُمْ تَعْقِلُونَ ۖ وَإِنَّ يُوسُفَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ
الْمَشْحُونِ ۖ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ فَالْتَمَهُ الْحُوتَ وَهُوَ مُلِيمٌ ۖ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۖ
لَكُنْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۖ فَبَدَّدْنَا بِالْعُرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۖ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْكَ يَاسَجْرَةَ ۖ فَمِنَ يَقْطِينٍ ۖ وَأَرْسَلْنَاهُ
إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۖ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ ۖ

اور بے شک لوط (۳۱) بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۳۳﴾ جب ہم نے انہیں اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دی
﴿۱۳۴﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ﴿۱۳۵﴾ پھر ہم نے باقی لوگوں کو تباہ کر دیا ﴿۱۳۶﴾
اور تم لوگ تو ان بستیوں سے صبح کے وقت گذرتے ہو ﴿۱۳۷﴾ اور رات کو (ان سے گذرتے ہو) تو کیا تم غور نہیں
کرتے ہو ﴿۱۳۸﴾ اور بے شک یونس (۳۲) بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۳۹﴾ جب وہ بھاگ کر بھری کشتی تک پہنچ گئے
﴿۱۴۰﴾ پھر قرعہ ڈالا تو ہار گئے ﴿۱۴۱﴾ پس مچھلی ان کو نگل گئی، درانحالیکہ وہ اپنے کئے پر شرمسار تھے ﴿۱۴۲﴾ پس اگر ایسا
نہ ہو تاکہ وہ ہر دم تسبیح پڑھتے رہتے ﴿۱۴۳﴾ تو وہ مچھلی کے پیٹ میں اُس دن تک رہتے جب لوگ دوبارہ اٹھائے
جائیں گے ﴿۱۴۴﴾ چنانچہ ہم نے انہیں کھلے میدان میں ڈال دیا، درانحالیکہ وہ بیمار تھے ﴿۱۴۵﴾ اور ہم نے ان کے
سایہ کے لئے کدو کا ایک جھاڑا گادیا ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا
تھا ﴿۱۴۷﴾ پس وہ لوگ ایمان لے آئے، تو ہم نے انہیں ایک مدت تک دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھانے دیا ﴿۱۴۸﴾
اہل بعلبک پر ان کی تقریر کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوا، انہوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کیا اور حالت کفر میں ہی مر گئے، تو
انجامِ کارِ جنم میں ڈال دیئے گئے، سوائے ان چند بندگانِ نیک کے جنہوں نے ان کی ایمان کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اور ان کی
پیروی کی تھی، انہیں اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر دیا۔

آیت (۱۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کا ذکر خیر آنے والی قوموں میں باقی رکھا کہ ہر صاحب ایمان ان کا نام
عزت و احترام سے لیتا ہے، اور ان کے لئے اور ان کے پیروکاروں کے لئے سلامتی و رحمت کی دعا کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے
فرمایا کہ ہم عمل صالح کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور ایسا ہمارے صادق الایمان بندوں میں سے تھے۔
(۳۱) چھٹا واقعہ لوط علیہ السلام کا ہے، یہ بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے، انہوں نے بھی اپنی قوم کو دعوت توحید دی اور انہیں
ان کے بدترین عمل، عملِ لواطت سے روکا، لیکن ان کی دعوت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے تمام بدکاروں کو ہلاک کر دیا،
ان کی بستیوں کو تہہ و بالا کر دیا، اور لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا، سوائے ان کی بڑھیا بیوی کے جو کافروں
کے ساتھ رہ گئی تھی، تو وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔

آیت (۱۳۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے لوط اور ان کے مومن ساتھیوں کے سوا باقی تمام کو ہلاک کر دیا، یعنی ان کی
بستی کو الٹ دیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش کر دی۔ آیات (۱۳۷-۱۳۸) میں اہل مکہ سے کہا گیا کہ تم لوگ ان بستیوں کے پاس
سے کبھی صبح کے وقت اور کبھی شام کے وقت گذرتے ہو، اور عذابِ الہی کے جو آثار اب تک باقی ہیں انہیں دیکھتے ہو، تو کیا تمہیں

وَالسَّفِيهِمُ الْاِرْبَاكَ الْبِنَاتِ وَلَهُمُ الْبُنُونَ ۚ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ اِنَاكًا وَلَهُمْ شَاهِدُونَ ۚ اَلَا اِنَّهُمْ قَوْمٌ اِفْكِهِمْ
 كَيْفُوْلُونَ ۚ وَاَلَا لِلّٰهِ وَاٰتِمٌ لِّكُنْبُونَ ۚ اَصْطَفَى الْبِنَاتِ عَلَي الْبَنِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۚ اَفَلَا تَنْزُرُونَ
 اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۚ فَاَنْتَوۡا بِكَيْفِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

جس اے میرے نبی! زرا آپ اہل مکہ سے پوچھئے کہ کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں (۳۳) ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں ﴿۱۲۹﴾ یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا اور وہ دیکھ رہے تھے ﴿۱۵۰﴾ آگاہ رہئے! ان کی یہ افترا پر دازی ہے، کہتے ہیں ﴿۱۵۱﴾ کہ اللہ کی اولاد ہے، اور وہ بے شک جھوٹے ہیں ﴿۱۵۲﴾ کیا اللہ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی ہے ﴿۱۵۳﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو تم لوگ ﴿۱۵۴﴾ کیا تم لوگ غور و فکر نہیں کرتے ہو ﴿۱۵۵﴾ یا تمہارے پاس اس فیصلہ کی تائید میں کوئی واضح دلیل ہے ﴿۱۵۶﴾ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لاؤ ﴿۱۵۷﴾

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر تم بھی اپنے کفر و شرک پر مصرر ہو گے تو تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہو سکتا ہے! (۳۲) ساتواں واقعہ یونس علیہ السلام کا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں عراق کے شہر نینوی والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ اس زمانے میں نینوی آشوریوں کا ایک عظیم شہر تھا، جہاں ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کے لوگ رہتے تھے، جنہیں آشوری قید کر کے لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کی ہدایت کے لئے یونس علیہ السلام کو نبی بنا کر فلسطین سے نینوی بھیجا تھا۔ یونس علیہ السلام نے انہیں ایمان کی دعوت دی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا، تو یونس علیہ السلام نے انہیں عذاب کی دھمکی دی، اور جب عذاب آنے میں تاخیر ہوئی، تو یونس علیہ السلام ناراض اور تنگ دل ہو کر شہر سے نکل کر سمندر کی طرف چل پڑے۔ جب بندرگاہ پہنچے تو وہاں ایک کشتی کہیں روانہ ہونے کے لئے تیار تھی، اس پر سوار ہو گئے۔ چونکہ اس کا وزن زیادہ تھا، اس لئے بیچ سمندر میں جا کر رک گئی۔ ناخدا کی رائے ہوئی کہ کشتی کا وزن کم کرنا ضروری ہے ورنہ سارے لوگ ڈوب جائیں گے، قرعہ اندازی میں یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا، چنانچہ انہیں لوگوں نے سمندر میں پھینک دیا اور ایک بڑی مچھلی نے آکر نگل لیا، اس لئے کہ وہ اپنے رب کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

آیت (۱۴۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یونس علیہ السلام چونکہ اس ابتلاء و آزمائش سے قبل کثرت سے نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے، اسی لئے اللہ نے ان پر رحم کیا اور انہیں ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کے ورد کا الہام کیا، جس کی برکت سے مچھلی نے اللہ کے حکم سے انہیں ساحل سمندر پر لا کر ڈال دیا، ورنہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے یونس علیہ السلام بیمار ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا یہ سامان کیا کہ وہاں فوراً یقطین کا ایک درخت اُگ آیا جس کے پتے ان پر سایہ نکلنے ہو گئے، اور انہیں دھوپ اور کھسی سے بچانے لگے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے ایک دودھ دینے والی ہرنی کو مسخر کر دیا جو صبح و شام انہیں دودھ پلانے کے لئے ان کے پاس آجایا کرتی، یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گئے اور اپنی قوم کے پاس واپس گئے تو دیکھا کہ وہ سب مسلمان ہو چکے ہیں، اور ان کے جانے کے بعد انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تھی، اس لئے اللہ نے ان سے عذاب کو مٹال دیا تھا۔

آیات (۱۴۷/۱۴۸) میں بتایا گیا ہے کہ یونس علیہ السلام جس قوم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے ان کی تعداد ایک لاکھ یا

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَابًا ۚ وَقَدْ عَلِمْتِ الْيَتِيمَ أَن تَكُنَّ مِنَ الْخَاصِرُونَ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۚ ۝ الْإِعْبَادُ لِلَّهِ
الْمُخْلِصِينَ ۝ فَانكروا مَا تَعْبُدُونَ ۝

اور مشرکین نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ (۳۳) ٹھہرایا ہے، حالانکہ جن یہ جانتے ہیں کہ وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ﴿۱۵۸﴾ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ﴿۱۶۰﴾ پس تم اور تمہارے معبود ﴿۱۶۱﴾

اس سے زیادہ تھی، وہ لوگ جب اللہ پر ایمان لے آئے، اسلام کو بحیثیت دین قبول کر لیا، اور یوں علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے، اور شرک و کفر سے تائب ہو گئے، تو اللہ نے ان سے عذاب کو نال دیا، اور انہیں ایک وقت مقرر تک دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہونے کا موقع دے دیا۔

(۳۳) عرب کے کچھ قبائل اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بدترین افترا پردازی کرتے تھے کہ اللہ نے جنوں کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کر لیا، جس کے نتیجے میں فرشتے پیدا ہوئے، جو اللہ کی بیٹیاں ہیں، یہ بہت بڑی گمراہی تھی جس میں شیطان نے انہیں جتلا کر دیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی باطل مزعومہ پر ان کی زبرد توخی کے لئے اپنے رسول سے کہا کہ ذرا ان سے پوچھئے تو سہی، کیا انہیں شرم نہیں آتی کہ اپنے لئے تو بیٹیاں ثابت کرتے ہیں جسے اپنی عزت و شرف کا باعث سمجھتے ہیں، اور اللہ کے لئے بیٹیاں ثابت کرتے ہیں جنہیں اپنے لئے ذلت و رسوائی کا سبب مانتے ہیں۔ کیا جب ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا تو وہ موجود تھے اور ان کے علم میں یہ بات آگئی تھی کہ فرشتے مؤنث ہیں؟ یقیناً ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ لوگ محض افترا پردازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ ولادت تو ان جسموں کا خاصہ ہے جو نقص و فساد کو قبول کرتے ہیں اور اللہ تو ہر نقص و عیب سے پاک ہے، اس لئے ان کے جھوٹا ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

آیت (۱۵۳) میں اور اس سے آگے فرمایا کہ کیا اللہ نے بیٹوں کے بجائے اپنے لئے بیٹیاں جن لی ہیں؟ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے، اور تمہارا یہ فیصلہ کیسا ہے کہ باری تعالیٰ کے مقام اعلیٰ کی طرف ناقص کو منسوب کرتے ہو، کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اس کی ذات بیوی اور اولاد سے یکسر منزہ ہے۔ آیت (۱۵۶) میں اللہ تعالیٰ نے کفار عرب کو مخاطب کیا کہ کیا تمہارے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل ہے؟ عقلی طور پر تو یہ محال ہے، اس لئے تم لوگ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ کیا یہ بات تمہارے پاس موجود کسی آسمانی کتاب میں ہے؟ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جو کتاب الہی تمہاری ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے، یعنی قرآن کریم، اس کا تو تم انکار کر چکے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہاری بات اللہ کے خلاف محض افترا پردازی ہے۔

(۳۳) آیت (۱۳۹) میں کفار عرب کی جس بات کی تردید کی گئی ہے اور جس پر ان کی زبرد توخی کی گئی ہے، اسی کا یہاں صراحت کے ساتھ انکار کیا گیا ہے، کہ وہ لوگ اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ ازدواج بتاتے ہیں، حالانکہ شیاطین الجن جانتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اگر اللہ سے ان کا رشتہ ہوتا تو وہ انہیں آگ کا عذاب کیسے دیتا، رشتہ داری کا تو تقاضا تھا کہ اللہ انہیں عذاب نہ دیتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے بارے میں یہ بدترین جھوٹ ہے۔ بہت سے مفسرین نے یہاں "الجنة" سے مراد فرشتے لئے ہیں، اور آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ کفار عرب اللہ اور فرشتوں کے درمیان رشتہ بتاتے ہیں۔ یہ بات اللہ کے خلاف افترا پردازی ہے۔ فرشتے بھی جانتے ہیں کہ جو کفار ایسی بات کہتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِقَائِلِينَ ۖ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِحٌ جَبِيحٌ ۖ وَمَا مَثَلُ إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ۖ وَإِنَّا لَنَعْنُ الصَّافُونَ ۖ
وَإِنَّا لَنَعْنُ السُّعْيُونَ ۖ وَإِن كَانُوا لَيَعْتَوُونَ ۖ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأُولِينَ ۖ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ۖ
فَكْفُرُوا بِهِمْ فَسُوفَ يَعْلَمُونَ ۖ

کسی کو اللہ سے گمراہ (۳۵) نہیں کر سکتے ہیں ﴿۱۲۶۲﴾ سوائے اس کے جو جہنم میں جانے والا ہے ﴿۱۲۶۳﴾ اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کا درجہ معلوم ہے ﴿۱۲۶۳﴾ اور بے شک ہم صف باندھے رہتے ہیں ﴿۱۲۶۵﴾ اور بے شک ہم تمام تسبیح پڑھتے رہتے ہیں ﴿۱۲۶۶﴾ اور مشرکین مکہ کہا (۳۷) کرتے تھے ﴿۱۲۶۷﴾ کہ اگر ہمارے پاس پہلوں کی طرح کوئی کتاب آئی ہوتی ﴿۱۲۶۸﴾ تو ہم بھی اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ﴿۱۲۶۹﴾ پھر اللہ کی کتاب کا انکار کر بیٹھے، تو جلد ہی انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا ﴿۱۲۷۰﴾

آیت (۱۵۹) میں اللہ تعالیٰ نے مذکور بالا افترا پر دازی سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی ذات ولادت و نسب جیسے عیب و نقص سے پاک ہے۔ آیت (۱۶۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے مخلص بندے اپنے رب کی طرف اس قسم کے عیوب و نقائص کو منسوب نہیں کرتے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل ایمان جن جہنم میں داخل نہیں کئے جائیں گے اس تفسیر کے مطابق ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ﴾ کا تعلق ﴿إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ سے ہو گا یعنی اہل ایمان جنوں کے سوا دوسرے شیاطین الجن جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(۳۵) کافروں کو بالعموم یا کفار مکہ کو بالخصوص مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اور تمہارے معبودان باطل اللہ کے نیک بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتے ہو، سوائے ان لوگوں کے جو تمہاری طرح گمراہ ہیں اور جن کی قسمت میں جہنمی ہونا لکھ دیا گیا ہے، ایسے لوگ وہی کام کریں گے جو انہیں جہنم میں پہنچادے گا، اور وہی لوگ تمہاری راہ پر چلیں گے۔

(۳۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی ان کی عبودیت کے اعتراف کو بیان کیا ہے، اور اس سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ فرشتے خود اپنی زبان سے اللہ کے لئے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے ہیں، پھر وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہ قول جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا ہے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا، اور جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی زبان میں بیان کیا ہے، کہ طاعت و بندگی اور احکام الہی کی بجا آوری میں ہم میں سے ہر فرشتے کی ایک حد مقرر ہے، جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا ہے، اور ہم تمام فرشتے اللہ کے حضور صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر وقت اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہمیں دوسروں پر تین باتوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے: ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی مانند ہیں، زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے، اور اس کی مٹی ہمارے لئے پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔“

(۳۷) مشرکین عرب کہا کرتے تھے کہ اگر تورات و انجیل کی مانند ہمیں بھی کوئی کتاب ملی ہوتی تو اس پر عمل کر کے ہم بھی اللہ کے مخلص بندے ہوتے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک نہ بناتے، لیکن جب اللہ نے ان کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا جو اس کی عظیم تر کتاب ہے، تو اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ان کی بات محض جھوٹی تمنا تھی، اس لئے انہیں عنقریب

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ إِنَّهُمْ لَمُتَّصِرُونَ ﴿۳۹﴾ وَإِنْ جُنَدُ نَالِهِمُ الْغُلْيُومَ ﴿۴۰﴾ قَوْلًا عَنْهُمْ حَتَّىٰ جِيءَ ﴿۴۱﴾ وَأَبْعُرُهُمْ قُسُوفًا يُبْصِرُونَ ﴿۴۲﴾ أَفَعَدَّ ابْنَايَ اسْتَعْجِلُونَ ﴿۴۳﴾ فَاذْأَنْزَلْنَا بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنذَرِينَ ﴿۴۴﴾

اور ہمارا وعدہ (۳۸) ہمارے ان بندوں کے لئے جو ہمارے رسول ہیں پہلے ہی صادر ہو چکا ہے ﴿۴۱﴾ کہ ان کی مدد ضرور کی جائے گی ﴿۴۲﴾ اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا ﴿۴۳﴾ پس آپ ایک مدت تک ان سے اپنی توجہ (۳۹) ہٹا لیجئے ﴿۴۴﴾ اور انہیں دیکھتے رہئے، پس یہ جلد ہی اپنا انجام دیکھ لیں گے ﴿۴۵﴾ کیا انہیں ہمارے عذاب کی جلدی (۴۰) ہے ﴿۴۶﴾ پس جب وہ عذاب ان کے آگن میں اتر پڑے گا، تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بہت بری ہوگی ﴿۴۷﴾

معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کریم کی تکذیب کا انجام کیا ہوتا ہے۔

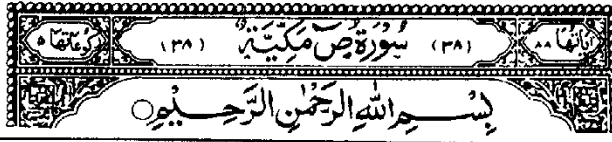
مشرکین عرب کی اس جھوٹی تمنا کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی دیگر آیتوں میں بھی بیان کیا ہے۔ سورہ فاطر آیت (۲۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنَ الْإِحْدَىٰ الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۱﴾﴾ اور کفار نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں، پھر جب ان کے پاس ایک پیغمبر آ گیا، تو ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا۔ اور سورہ الانعام آیات (۱۵۷/۱۵۸) میں فرمایا ہے: ﴿أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ بَرِّ اسْتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿۱﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بَيِّنَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ﴿۲﴾﴾ کہیں تم لوگ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقتے تھے ان پر نازل ہوئی تھی، اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہوتے سبواب تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے، اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتائے، اور اس سے روکے۔

(۳۸) تکذیب قرآن پر مشرکین کو دھمکی دینے کے بعد، اب رسول اللہ ﷺ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اللہ ان کی مدد ضرور کرے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے جن بندوں کو انسان کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا، ان سے ہمارا وعدہ ہے کہ ہم ان کی ضرور مدد کریں گے، اور بلا آخر غلبہ انہی کو حاصل ہوگا جو اللہ کی فوج بن کر اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں۔

(۳۹) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ ابھی مشرکین سے اعراض کیجئے، ان کی باتوں کا جواب نہ دیجئے اور صبر سے کام لیجئے، یہاں تک کہ حالات آپ کے لئے سازگار ہو جائیں، یا ان کے بارے میں اللہ کا کوئی حکم آجائے، یا اللہ انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دے۔ اور آپ انہیں بتادیں جیسے کہ کفر و سرکشی کا انجام کیا ہوتا ہے، اور دلائل کے ذریعہ اسلام کی حقانیت اور ان کی ضلالت و گمراہی ان پر واضح کر دیجئے۔ اور اگر اب نہ سمجھے توجہ اللہ کی نصرت و تائید فتح و کامرانی بن کر آپ کو حاصل ہو جائے گی، تب خود ہی سب کچھ سمجھ جائیں گے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ وَالْبَصْرِ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۖ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۗ وَسَلِّمْ عَلٰی

الْمُرْسَلِينَ ۗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۗ



اور آپ ایک مدت تک ان سے اپنی توجہ (۳۱) ہٹا لیجئے ﴿۱۷۸﴾ اور انہیں دیکھتے رہئے، پس یہ جلد ہی اپنا انجام دیکھ لیں گے ﴿۱۷۹﴾ آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا (۳۲) ہے ان تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۱۸۰﴾ اور سلام ہو رسولوں پر ﴿۱۸۱﴾ اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے ﴿۱۸۲﴾

(سورہ ص سکی ہے، اس میں اٹھاسی آیتیں، اور پانچ رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

(۳۰) کفار کہ اپنے کبر و غرور کے نشے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے کہا کرتے تھے کہ جس عذاب کا ہم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ کب آئے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکی دی اور فرمایا کہ کیا یہ نادان لوگ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ہمارا عذاب تو ایسا ہے کہ جب وہ آجاتا ہے تو اس بد نصیب قوم کی صبح بڑی بُری صبح ہوتی ہے، ہلاکت و تباہی انہیں ہر چہار جانب سے گھیر لیتی ہے۔

بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا محاصرہ کیا، اور یہود مسلمانوں کی فوج دیکھ کر چیخ پکار کرنے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اکبر خربت خیبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين" "آج خیبر کی بربادی کا دن آگیا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں تو ان کی صبح بڑی بُری ہوتی ہے۔"

(۳۱) نبی کریم ﷺ سے دوبارہ کہا جا رہا ہے کہ آپ ابھی مشرکین سے اعراض ہی کیجئے، اور کفر و سرکشی کا انجام انہیں بتا دیجئے، اور اگر اب نہ سمجھے تو جب اللہ کی نصرت و تائید فتح و کامرانی بن کر آپ کو حاصل ہوگی، تب خود ہی سب کچھ انہیں سمجھ میں آجائے گا۔ (۳۲) ان آخری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ان اوصاف سے اپنی پاکی اور نزاہت بیان کی ہے جن کے ساتھ مشرکین اللہ کو موصوف کرتے تھے، اور اپنے رسولوں پر سلامتی بھیجی ہے جنہیں اس نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے مبعوث کیا تھا، ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ اور آخر میں تمام تعریفوں کو صرف اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے، اور جو اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے، اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔

تفسیر سورہ ص

نام: سورت کی ابتدا میں حرف "ص" آیا ہے، یہی اس کا نام ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ ابن ابی شیبہ، احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم وغیرہم نے

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عَذَابٍ وَ شِقَاقٍ ۝ كَذٰهَلِكُنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مَنْ قَرْنَ فِتٰدَا وَاٰرَاتِ
جِيْنٍ مِّنَاصٍ ۝ وَّعَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سِحْرٌ كٰذِبٌ ۝ اَجَعَلْنَا الْاِلٰهَةَ الْاِلهَا وَاٰحَدًا اٰرَانَ
هٰذَا شَيْءٌ عَجَابٌ ۝

ص^(۱) اس قرآن کی قسم جو شرف و عظمت والا ہے (یا جس میں نصیحت ہے کہ محمد ساحر و کاذب نہیں ہیں) ﴿۱﴾ لیکن اہل کفر غرور اور مخالفت میں پڑ گئے ہیں ﴿۲﴾ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک ﴿۲﴾ کر دیا، تب وہ پکار اُٹھیں، اور وہ وقت چھٹکار پانے کا نہیں تھا ﴿۳﴾ اور انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا، اور کافروں نے کہا، یہ آدمی تو جادوگر اور پکا جھوٹا ہے ﴿۴﴾ کیا اس نے تمام معبودوں کا ایک معبود بنا دیا ہے، یقیناً یہ بات بہت زیادہ تعجب میں ڈالنے والی ہے ﴿۵﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابو جہل اور دیگر رؤسائے قریش ابو طالب کی موت کے وقت اس کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی کہ وہ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ آپ اپنی زندگی میں اسے اس بات سے منع کر دیجئے۔ ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایک کلمہ کہہ دیں اور سارا عرب و عجم ان کے زیر نگیں ہو جائے گا، کافروں نے پوچھا وہ کون سا کلمہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کلمہ "لا اِلهَ اِلا اللّٰهُ"۔ تو تمام کفار اپنا کپڑا جھاڑتے ہوئے گھبرا کر اٹھ گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو بہت سے معبودوں کے بجائے ایک معبود کی بات کرتا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے! تو اس سورت کی آیات (۱) سے (۸) تک نازل ہوئیں۔ ترمذی اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۱) "ص" حرف مقطوع ہے، اللہ کو ہی معلوم ہے کہ اس سے مراد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کی قسم کھائی ہے جو تمام انسانوں کے لئے اپنے اندر بے شمار پند و نصیحت کی باتیں لئے ہوئے ہے، اور بتایا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، جیسا مشرکین سمجھتے ہیں کہ محمد جادوگر، شاعر اور جھوٹے ہیں، بلکہ ان کے کبر و غرور اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی گہری عداوت نے انہیں انفرادی دازلوں پر ابھارا ہے، ورنہ انہیں خوب معلوم ہے کہ آپ ﷺ نہ جادوگر ہیں، نہ شاعر، نہ آپ کو جنون لاحق ہے اور نہ ہی جھوٹ بولنا آپ کی عادت ہے۔

(۲) گدشہ کافر و مشرک قوموں کا جو انجام ہوا، اسے بیان کر کے کفار قریش کو دھمکی دی جا رہی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل مکہ سے قبل بہت سی قوموں کو ان کے کبر و غرور اور کفر و شرک کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور جب عذاب آیا تو فریاد رسی کے لئے چیخنے اور پکارنے لگیں، لیکن اس وقت کی چیخ و پکار سے انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا، اس وقت نہ تو وہ لوگ بھاگ سکتے تھے، نہ ہی کوئی انہیں بچا سکتا تھا۔

ان واقعات سے کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہئے تھی، لیکن ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا، اور حیرت و استعجاب کرنے لگے کہ کیسے انہی میں کا ایک آدمی اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بہت سے معبودوں کے بجائے صرف ایک معبود ہو، یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے، اور یہ بات انہوں نے اس لئے کہی کہ ان کے آباء و اجداد مدتِ مدید سے اسی عقیدہ کے حامل تھے، اور یہ بات ان کے رگ و پے میں بس گئی تھی۔ اس لئے یہ بھی ان کی اندھی تقلید میں اسی عقیدہ کے حامل ہیں، شرک نے ان کے دل کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے،

وَأَنطَلِقُ لِمَالِكٍ مِنْهُمْ كَأَن أَمْشُوا وَأَصِيرُ وَأَعْلَىٰ لِهَيْتِكُمْ إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ يُرِيدُ ۖ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْبَلَدِ الْأَخْرَجَةِ ۚ إِنَّ هَذَا
 إِلَّا اخْتِلَافٌ ۖ فَأَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الَّذِينَ كُرِمْنَا بَلْ لَمْ يَكُن فِي هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي بَلْ لَتُبَايَعُنَّ أَكْثَرُ الْأَكْثَرِ أَن يُعَذِّبَهُمُ
 الْعَذَابَ الَّذِي لَعَنُوا ۚ فَذَرْنَهُمْ وَمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۳۷﴾

اور سردار ان کفریہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر جے (۳) کر ہو، بے شک یہ ایک سوچی سمجھی بات ہے ﴿۱۳۷﴾ ہم نے تو یہ بات اقوام گذشتہ کی تاریخ میں نہیں سنی ہے، توحید کی یہ بات تو (اسی محمد کی) گھڑی ہے ﴿۱۳۷﴾ کیا ہمارے درمیان سے اسی پر قرآن اتار دیا گیا ہے، بلکہ وہ لوگ میرے قرآن کی صداقت میں شبہ کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے اب تک میرا عذاب نہیں چکھا ہے ﴿۱۳۸﴾ یا آپ کے غالب اور عطا کرنے والے رب کی رحمت کے خزانے (۳) ان کے پاس ہیں ﴿۱۳۹﴾

اور حق بات قبول کرنے کی صلاحیت ان سے چھین گئی ہے۔

(۳) آیات (۱) سے (۸) تک کے نزول کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابتدا میں لکھا جا چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے کلمہ "لا إله إلا الله" کا مطالبہ کیا تو وہ ابوطالب کے پاس سے دامن جھاڑ کر اٹھ گئے، اور واپس جاتے ہوئے ایک دوسرے کو بت پرستی پر جے رہنے کی تاکید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ لوگو! اپنے آباء و اجداد کے طریقے پر قائم رہو، اور محمد ہمارے اور ہمارے معبودوں کے بارے میں جو چاہے کہتا ہے، ہمیں ان باتوں کی پروا نہیں کرنی ہے، اور اپنے معبودوں کی عبادت نہیں چھوڑنی ہے۔ محمد کی ساری تدبیروں اور کوششوں کا مقصد یہی تو ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ جس توحید کی بات کی جارہی ہے، اور جس پر ایمان لانے کی ہمیں دعوت دی جارہی ہے، وہ تو نصاریٰ کے یہاں بھی موجود نہیں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ یہ محمد کی افترا پر دازی ہے جس کی دلیل اس کے پاس اس کتاب کے سوا کوئی نہیں جسے وہ قرآن کہتا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اللہ کی وحی ہے۔ اور یہ بات اس لئے بھی قابل حیرت ہے کہ ہمارے درمیان اس سے زیادہ مالدار اور صاحب حیثیت لوگ موجود ہیں، تو اس کے بجائے کسی اور کو نبوت کیوں نہیں دی گئی ہے؟! مفسرین لکھتے ہیں کہ ان کی اس بات سے ان کے سینوں میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف پوشیدہ بغض و حسد کی غمازی ہوتی تھی، ان کے دلوں میں آگ لگی تھی کہ اللہ نے ان کے بجائے محمد کو ہی شرف نبوت سے کیوں نواز دیا۔ آیت (۸) کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار قریش کو میرے قرآن کے بارے میں شبہ ہے کہ یہ میری طرف سے نازل کردہ کتاب ہے یا نہیں، اور ان کا یہ شک اس لئے زائل نہیں ہو رہا ہے کہ انکار قرآن پر انہیں اب تک سزا نہیں ملی ہے، اگر اس کی وجہ سے ان پر عذاب آگیا ہو تو سارا شک و حسد از خود دور ہو گیا ہوتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا کفار قریش آپ کے رب کے خزانوں کے مالک ہیں (جن میں نبوت اور دوسری نعمتیں شامل ہیں) کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں؟ جب ایسی کوئی بات نہیں ہے، تو انہیں کہاں سے یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے منصب نبوت پر فائز ہونے پر اعتراض کریں۔ سورۃ الانعام آیت (۱۳۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا منصب کس کو سونپے۔"

أَمَّا لَكُمْ تِلْكَ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا فَكَيْفَ تَقُولُونَ فِي الْأَسْبَابِ ۝ جُنْدًا لَّهُنَّ الْكَافِرُونَ مَهْرُومِينَ مِنَ الْأَنْحَابِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَسَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ ۝ أُولَئِكَ الْأَنْحَابُ ۝ إِنَّ كُلَّ إِلَّا كَذَّبَ

الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابٌ ۝ وَمَا يَنْظُرُ هُوَ إِلَّا الصَّيْئَةَ ۝ وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝

یا آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے درمیان پائی جانے والی چیزیں اُن کی ملکیت (۵) ہیں (تو پھر) سیزھیاں لگا کر اوپر چڑھ جائیں ﴿۱۰﴾ یہ بھی کافر گروہوں کا ایک لشکر ہے جسے شکست کھانا ہے ﴿۱۱﴾ ان سے پہلے قوم نوح (۶) قوم عاد، اور میخوں والے فرعون نے (اللہ اور اس کے رسولوں کی) تکذیب کی تھی ﴿۱۲﴾ اور قوم ثمود اور قوم لوط اور اہل ایکہ نے بھی تکذیب کی تھی، یہی وہ کافر گروہ ہیں (جن کا اوپر ذکر آچکا) ﴿۱۳﴾ ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا، تو اُن کے لئے میری سزا ثابت ہو گئی ﴿۱۴﴾ اور یہ (کفار مکہ) صرف ایک چیخ کے منتظر (۷) ہیں، جس کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہو گا ﴿۱۵﴾

(۵) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا کفار قریش آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کے مالک ہیں؟ اگر ایسی بات ہے تو پھر منزل بہ منزل چڑھتے ہوئے ساتویں آسمان تک پہنچ جائیں، اور نبی کریم ﷺ پر نزولِ وحی کو روک دیں مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں کفار قریش کی غایت درجہ کی تحقیر اور ان کی عاجزی و بے بسی کا بیان ہے۔ اسی لئے اللہ نے آیت (۱۱) میں فرمایا کہ کفار قریش کا تحقیر لشکرِ عنقریب ہی بری طرح شکست کھائے گا، اور ہمیشہ کے لئے ان کا زور ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ ان کی پروا نہ کیجئے، آپ کے خلاف ان کی ہر سازش دھری کی دھری رہ جائے گی۔ چنانچہ میدانِ بدر میں بری طرح قتل کئے گئے، اور جو بچ گئے قید کر لئے گئے، اور فتح مکہ کے دن رہی سہی کمی پوری ہو گئی، اور نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے سامنے آ کر اپنی جان بخشی کی بھیک مانگی؟

(۶) اقوامِ گذشتہ کے کفر و شرک پر اصرار، اور ان کی ہلاکت و بربادی کے قصے بیان کر کے، کفارِ قریش کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ کہیں ان کا انجام بھی انہی قوموں جیسا نہ ہو، اور ساتھ ہی ساتھ انہیں توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت بھی دی جا رہی ہے تاکہ اللہ انہیں معاف کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کی قوم سے پہلے نوح کی قوم اور قوم عاد یعنی ہود کی قوم، اور جاہ و سطوت والے فرعون نے اللہ کے انبیاء کی تکذیب کی، اور قوم ثمود، قوم لوط اور ایکہ والوں نے بھی اپنے اپنے زمانے کے رسولوں کی تکذیب کی، اور وہ قومیں کفارِ قریش کے مقابلے میں تعداد، قوت اور مال و دولت میں بہت آگے تھیں، لیکن جب اللہ کا عذاب آ گیا، تو ان میں سے کوئی قوم بھی ہزار جتن کے باوجود اس سے نہ بچ سکی۔

آیت (۱۲) میں فرعون کی صفت ”میخوں والا“ بتائی گئی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی حکومت بہت ہی قوی تھی جیسے زمین پر میخیں گاڑ دی گئی ہوں، یا یہ کہ اس کے لشکر کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ جہاں ٹھہرتا میخوں کی کثرت سے زمین بھر جاتی تھی، یا مراد یہ ہے کہ فرعون جب کسی کو عذاب دیتا تو اس کے ہاتھ پاؤں میں میخ ٹھوک دیتا تھا۔

(۷) کفارِ قریش کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ انہیں اب صرف اس صورت کا انتظار ہے جو قریب قیامت پھونکا جائے گا اور اس آواز

وَالْوَارِثَاتُ عَمَلٌ لَنَا قَطْنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَادْخُلْ عِبْدًا نَادًا اُوْدَاكَ الْاَكِيدُ إِنَّكَ اَوَابٌ ۝ اِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُصْبِيِّ وَالْاَشْرَاقُ ۝ وَالطُّيُورُ مَحْشُورَةٌ لِّكُلِّ لُكَا اَوَابٌ ۝ وَشَدَّ ذَنَا مَلَكُهُ وَاَتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابَ ۝

www.KitaboSunnat.com

اور کہتے ہیں، اے ہمارے رب! حساب کے دن (قیامت) سے پہلے ہی ہمارے حصے کا عذاب (۸) ہم پر جلدی اتار دے ﴿۱۶﴾ اے میرے نبی! یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، اس پر صبر (۹) کیجئے، اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے، وہ اپنے رب کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے ﴿۱۷﴾ ہم نے پہاڑوں کو اُن کے لئے مسخر (۱۰) کر دیا تھا، وہ شام کو اور صبح کے وقت اُن کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے ﴿۱۸﴾ اور چڑیاں بھی اُن کے گرد جمع ہو کر تسبیح پڑھتیں، ہر ایک اُن کا تابع فرمان تھا ﴿۱۹﴾ اور ہم نے اُن کی سلطنت (۱۱) کو مضبوط بنایا تھا، اور انہیں حکمت اور فیصلہ کرنے کے لئے قوت گویائی دی تھی ﴿۲۰﴾

کے ساتھ ہر جاندار ہلاک ہو جائے گا، صرف اللہ کی ذات باقی رہ جائے گی، یعنی عذاب جہنم اور ان کے درمیان صرف صور اسرافیل حاکم ہے۔

(۸) کفار قریش پر عذاب کی دھمکی کا اُلٹا ہی اثر ہوا، اللہ کے رسول ﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ قیامت تک کیوں انتظار کیا جائے، اسی دنیا میں ہی ہمارے حصے کا عذاب ہم پر بھیج دیا جائے۔ ابن جریر کا خیال ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ قیامت کا کیا انتظار کرنا ہے، خیر یا شر، جس کے بھی ہم مستحق ہیں اسی دنیا میں ہی ہمیں دے دیا جائے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کفار کی ایذا رسائیوں پر صبر کی تلقین کی، اور دیگر انبیائے کرام کے واقعات سنا کر خوشخبری دی کہ ان کی طرح بہر حال فتح و کامیابی آپ کو ہی ملے گی۔ سب سے پہلے آپ ہمارے بندے داؤد کی زندگی کو اپنے مد نظر رکھئے جو اپنے رب کی طاعت و بندگی، امانت کی ادا نیگی، اور دعوت الی اللہ کے کاموں میں بڑے ہی قوی واقع ہوئے تھے، اور اللہ سے ان کا رشتہ اتنا مضبوط تھا کہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی امور میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے، اس کا خوف ہر وقت ان کے دل پر طاری رہتا تھا، اور ہر حال میں اسی کی بندگی میں لگے رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے، اور ایک دن افطار کرتے، آدھی رات تک نماز پڑھتے، اور جب دشمن سے مدد بھیڑ ہو جاتی تو میدان چھوڑ کر نہیں بھاگتے تھے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر بڑے انعامات کئے تھے، انہی کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ نبی کریم ﷺ میں ان کی اقتدار کی رغبت پیدا ہو، اللہ نے فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا، جب وہ عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک اور صبح کے وقت اللہ کی تسبیح پڑھتے تو آس پاس کے پہاڑ اور چڑیاں اُن تسبیحات کو دہرائیں، آیت (۱۹) کے آخر میں فرمایا کہ داؤد، پہاڑ اور چڑیاں، سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے، سب اس کی تسبیح پڑھتے اور اسی کی طاعت و بندگی میں لگے رہتے تھے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا، جو صبح و شام ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح پڑھتے تھے، اسی طرح چڑیاں بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتی تھیں، جب وہ ہوا میں تیرتے وقت زبور کی تلاوت کرتے، تو چڑیاں ان کی آواز سن کر ہوا میں رک جاتیں، اور ان کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتیں۔

(۱۱) ابھی داؤد علیہ السلام کا ہی ذکر خیر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے فوج اور جنگی سامانوں کے ذریعہ دشمنوں کے دلوں

وَهَلْ أُنَبِّئُكَ نَبَأَ الْخَصْمِ إِذْ تَسُوْرُوا الْحَرَابَ ۗ إِذْ خَلَوْا عَلَىٰ دَاوُدَ فَقَرَعَهُ مِنْهُمُ قَالُوا لَا تَحْتَفِ بِحَصْمِنَ بَعِي بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَأَحْكُمْنَا بَيْنَهُمُ وَلَا تَشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ لَّكَ تَسْعَوْنَ تَسْمُونَ نَجْعَةً لِّى نَجْعَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعِيَّتِكَ إِلَىٰ نَعَايِهِ ۗ وَإِنْ كُنَّا لَأَكْثَرَ الْأَخْطَاءِ لِيُبْعَثُ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَابْتَغَىٰ دَرَاكِمًا وَأَنَا ب ۗ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝

اور کیا آپ کو اُن جھگڑنے والوں کی خبر (۱۳) ہے جو دیوار پھانکر داؤد کے عبادت خانے میں پہنچ گئے تھے ﴿۲۱﴾ وہ لوگ جب اچانک داؤد کے پاس پہنچ گئے، تو انہیں اپنے ساتھ دیکھ کر گھبرا گئے، اُن لوگوں نے کہا، آپ ڈریے نہیں، ہم دو دعویدار ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیجئے، اور بے انصافی نہ کیجئے، اور سیدھی راہ کی طرف ہماری رہنمائی کیجئے ﴿۲۲﴾ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دُنیاں ہیں، اور میرے پاس صرف ایک دُنیا ہے، یہ کہتا ہے کہ وہ دُنیا مجھے دے دو، اور بات کرنے میں مجھ پر غالب آگیا ہے ﴿۲۳﴾ داؤد نے کہا، اس نے تمہاری دُنیا مانگ کر، تاکہ اپنی دُنیوں کے ساتھ ملا لے تم پر زیادتی کی ہے، اور بہت سے شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اور ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں، اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے اُن کی آزمائش کی ہے، اسی لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے لگے، اور سجدے میں گر گئے اور (ہماری طرف پوری طرح) متوجہ ہو گئے ﴿۲۴﴾ تو ہم نے اُن کی وہ غلطی معاف کر دی، اور یقیناً اُن کو ہم سے قربت حاصل تھی، اور ان کا ٹھکانا اچھا ہے ﴿۲۵﴾

میں ان کا رعب و دبدبہ بیٹھا کر، اور میدان جنگ میں فتح و نصرت دے کر ان کی حکومت کی جڑوں کو مضبوط بنا دیا تھا، اور ہم نے انہیں نبوت اور بالغ نظری عطا کی تھی، اسی لئے ان کا کوئی قول و عمل حکمت سے خالی نہیں ہوتا تھا اور ہم نے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں انہیں صاحب الرائے بنایا تھا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو (زبور) عطا کیا تھا وہ بے بہا حکمتوں کا خزانہ تھا، اور وہ لوگوں کے درمیان اتنا صحیح فیصلہ کرتے تھے کہ سارے لوگ ان سے محبت کرتے تھے، اور کوئی ان کی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ (۱۲) آیات (۲۱) سے (۲۵) تک اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ایک فیصلے کا ذکر کیا ہے جو ان کی حکمت و دانائی، بالغ نظری اور اللہ سے ان کے شدت خوف پر دلالت کرتا ہے۔

ان آیات کا جمالی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایک دن داؤد علیہ السلام کے پاس دو آدمی دروازے سے داخل ہونے کے بجائے دیوار پر چڑھ کر اس محراب میں داخل ہو گئے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے، تو انہوں نے کہا کہ گھبرائیے نہیں، ہمارے درمیان جھگڑا ہے، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ عدل و انصاف کے مطابق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے کسی پر زیادتی نہ کیجئے، اور صحیح راستے کی طرف ہماری رہنمائی کیجئے۔ پھر وہ آدمی جو اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا تھا، کہنے لگا کہ میرے اس مسلمان بھائی کے پاس ننانوے بکریاں ہیں، اور میرے پاس صرف ایک بکری ہے۔ یہ کہتا ہے کہ تم مجھے اپنی بکری دے دو تاکہ اپنی بکری کے ساتھ

اسے ملاوں، اور اپنی چرب زبانی کی وجہ سے مجھ پر غالب آکر بکری لے لی ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا: اس نے تمہاری بکری مانگ کر تم پر زیادتی کی ہے، اس لئے کہ ننانوے بکریوں کے رہتے ہوئے تمہاری بکری زبردستی لینے کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ مزید کہا کہ بہت سے شرکاء اسی طرح اخوت و صداقت کا پاس نہیں رکھتے، اور زیادتی کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ برادری کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے بھائی کو اپنے آپ پر ترجیح دیں۔ البتہ جو لوگ ایمان و تقویٰ والے ہوتے ہیں وہ ایسی زیادتی نہیں کرتے ہیں، اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ دونوں کے واپس چلے جانے کے بعد داؤد علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ قضیہ اللہ کی طرف سے ان کا امتحان تھا، اس لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے لگے اور ان کے دل پر خشیتِ الہی کا ایسا غلبہ ہوا کہ سجدے میں گر کر رونے لگے اور پوری طرح اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے، تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ آیت (۲۵) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی ہے کہ داؤد کو، ہم سے بہت قربت تھی، اور وہ جنت میں اونچے درجات پر فائز ہوں گے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ ان کی حکمت و بالغ نظری اور فیصلوں میں ان کے صاحبِ الرائے اور صریح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے کسی کی رعایت کئے بغیر حق بات کہی اور مدعی علیہ کی زیادتی کی صراحت کر دی، اس طرح مظلوم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی، اور ظالم نے اپنا ظلم جان لیا، اور سب نے یہ بھی جان لیا کہ عدل و انصاف ہر بات پر مقدم ہے، اور یہ کہ اکثر لوگوں میں دوسروں پر زیادتی کرنے کی صفت پائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، جن کا خلاصہ دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب یہ ہے کہ ان آیات میں ایک گناہ کی طرف اشارہ ہے جس کا داؤد علیہ السلام نے ارتکاب کیا تھا، اور اللہ نے اسے معاف کر دیا تھا۔ ابن جریر وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جس کے ذریعہ دو فرشتوں نے بصورت انسان آکر ان کی غلطی پر انہیں متنبہ کیا تھا۔ اور غلطی یہ تھی کہ داؤد علیہ السلام کے پاس ننانوے بیویاں تھیں، اور ایک آدمی کے پاس صرف ایک بیوی تھی جس پر داؤد علیہ السلام کی نگاہ پڑ گئی اور اس سے شادی کرنی چاہی، اس لئے انہوں نے اس کے شوہر کو میدانِ جنگ میں بھیج دیا جہاں وہ قتل ہو گیا، تو داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے نکاح کر لیا، اور جب انہوں نے دونوں آدمیوں کے درمیان فیصلہ کر دیا اور وہ واپس چلے گئے تو انہیں پتہ چل گیا کہ یہ دونوں فرشتے تھے، جنہیں بھیج کر اللہ نے انہیں ان کی غلطی پر تنبیہ کی ہے، چنانچہ انہوں نے اللہ کے سامنے توبہ کی اور معافی مانگی تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الفصل“ میں لکھتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کا قول ہے جو داؤد علیہ السلام پر سراسر بہتان ہے اور منصب رسالت کے بالکل خلاف ہے۔ پھر انہوں نے اس کی بھرپور تردید کی ہے۔

دوسرا مذہب (جس کے صحیح ہونے کی ابن حزم نے زبردست تائید کی ہے) یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس آنے والے دو فرشتے نہیں، بلکہ انسان تھے، اور ان کا جھگڑا واقعی بکریوں کے بارے میں ہی تھا۔ اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے اور مقصود عورتوں کی طرف اشارہ کرنا تھا، انہوں نے اللہ پر افترا پر دازی کی ہے۔

حافظ ابن حزم کے اس قول کی تائید حافظ ابن کثیر کے قول سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ مفسرین نے یہاں ایک قصہ بیان کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ قصہ جس طرح قرآن میں آیا ہے، اسی پر اکتفا کیا جائے اور اس کی تفصیل کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، اور اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ حق ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ إِنَّ
 الَّذِينَ يُضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَوْمَ الْحِسَابِ ۗ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
 بِإِلَافٍ ۗ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۗ ﴿۲۷﴾ أَمْ يُجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي
 الْأَرْضِ أَمْ يُجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۗ ﴿۲۸﴾

اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین کا حاکم (۱۳) بنایا ہے، پس آپ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور خواہش نفس کی پیروی نہ کیجئے جو آپ کو اللہ کی راہ سے برگشتہ کر دے، جو لوگ اللہ کی راہ سے برگشتہ ہو جائیں گے ان کو اس وجہ سے سخت عذاب ہو گا کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا ﴿۲۶﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے مقصد (۱۴) نہیں پیدا کیا ہے، اہل کفر ایسا ہی خیال کرتے ہیں، پس کافروں کے لئے ہلاکت و بربادی یعنی جہنم کی آگ ہے ﴿۲۷﴾ کیا ہم ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو ان لوگوں جیسا بنادیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں، یا ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو فاجروں جیسا بنادیں گے ﴿۲۸﴾

(۱۳) اس آیت کریمہ کا تعلق گذشتہ آیت سے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے داؤد سے کہا اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیجئے اور برائی سے روکنے، اور اپنے رب کی شریعت کو نافذ کیجئے، پس آپ لوگوں کے درمیان اس عدل کے ساتھ فیصلہ کیجئے جس کا اللہ کی شریعت تقاضا کرتی ہے، اور اپنے نفس کی پیروی نہ کیجئے کہ مال و جاہ یا دوستی یا رشتہ داری کی وجہ سے حق و عدل سے منحرف ہو جائے، اگر ایسا کیجئے گا تو آپ اللہ کی اس ڈگر سے دور ہو جائیں گے، جس پر چل کر قومیں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کرتی ہیں، اور جس سے انحراف حاکم و محکوم سب کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ اس دنیا میں اللہ کی راہ سے برگشتہ ہو جائیں گے، انہیں قیامت کے دن شدید عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا، اور ایمان و تقویٰ کے بجائے کفر و سرکشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ آیت کریمہ حاکموں کے لئے اللہ کی جانب سے وصیت ہے کہ انہیں لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے اور اس سے منحرف نہیں ہونا چاہئے، ورنہ اللہ کی شریعت سے برگشتہ مانے جائیں گے، اور جو اللہ کی شریعت سے برگشتہ ہو جائے گا اور اس کی ملاقات کو بھول جائے گا، اللہ نے اسے قیامت کے دن شدید عذاب کی دھمکی دی ہے۔

(۱۴) اوپر کی آیتوں میں بعثت بعد الموت اور حساب و جزا کی جو بات آئی ہے، اسی کی مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی مخلوقات کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ لوگ وحدانیت پر ایمان لائیں اور صرف ہماری عبادت کریں، لیکن کفار مکہ اور دیگر اہل کفر اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کی پیدائش میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں ہے، یہ ان کی خام خیالی ہے، اور ان کافروں کا ٹھکانا جہنم کی وہ وادی ہوگی جس کا نام ”ویل“ ہے۔ کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ ہم اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو ان لوگوں جیسا بدلہ دیں جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں،

كِتَابُ أَنْزَلَهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا الْبَيِّنَاتِ ۖ وَوَهَّبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِذْ عَرَضَ عَلَيْكَ بِالْعَشِيِّ الضُّفَيْدُ الْيَمِيَادُ ۖ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْغَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۖ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۖ رَدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْمًا بِالشُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۝

اے میرے نبی! یہ ایک مبارک کتاب (۱۵) ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں، اور تاکہ عقل و خرد والے نصیحت حاصل کریں ﴿۲۹﴾ اور ہم نے داؤد کو سلیمان (۱۶) عطا کیا، وہ بڑے اچھے بندے تھے، وہ اپنے رب کی طرف خوب رجوع کرنے والے تھے ﴿۳۰﴾ جب شام کے وقت اُن کے سامنے عمدہ گھوڑے (۱۷) لائے گئے ﴿۳۱﴾ تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہو کر ان گھوڑوں میں دلچسپی لینے لگا، یہاں تک کہ آفتاب پردے میں چھپ گیا ﴿۳۲﴾ ان گھوڑوں کو میرے سامنے لاؤ، پس وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ﴿۳۳﴾

یا تقویٰ کی راہ اختیار کرنے والوں کو ان لوگوں جیسا بنادیں جو ہمارے احکام کی مخالفت کرتے ہیں اور ہم سے دشمنی کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب معاملہ ایسا ہے تو ایک دوسرے عالم کا ہونا یقینی ہے، جہاں اللہ کے فرمانبردار بندے کو اچھا بدلہ دیا جائے گا، اور نافرمان کو سزا دی جائے گی۔ آگے لکھتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ظالم و سرکش کے مال و اولاد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور اسی حال میں اس کی موت آجاتی ہے، اور اللہ کا اطاعت گزار و مظلوم بندہ گھٹ گھٹ کر جان دے دیتا ہے۔ اس لئے یقینی ہے کہ وہ عادل و حکیم اللہ جو ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا ہے، دونوں کے درمیان ایک دن انصاف کرے گا، اور ایسا اگر یہاں نہیں ہوگا تو ایک دوسرا عالم ضرور ہے جہاں مظلوم کو انصاف ملے گا۔

(۱۵) قرآن کریم حکمتوں کا خزانہ ہے، اور دنیاوی اور اخروی بھلائیوں کی طرف انسان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ قرآن ایک مبارک کتاب ہے، جسے ہم نے اپنے رسول ﷺ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں، اس کے انوار سے اپنی عقلوں اور دلوں کو روشن کریں، اللہ پر ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تاکہ دین و دنیا کی سعادت حاصل کریں، اور تاکہ عقل و ہوش والے اس میں موجود نصیحتوں سے مستفید ہوں۔

(۱۶) داؤد علیہ السلام پر اللہ کا ایک انعام یہ بھی تھا کہ اس نے انہیں سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا کیا، جو انہی کی طرح نبی ہوئے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ النمل آیت (۱۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَوَدَّ سُلَيْمَانُ إِنْ دَاوُدَ﴾ ”سلیمان نبوت میں اپنے باپ داؤد کے وارث بن کر آئے۔“ سلیمان علیہ السلام کا ذکر خصوصی طور پر نبی ہونے کی وجہ سے ہی ہوا ہے، ورنہ داؤد علیہ السلام کے ان کے علاوہ بھی بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے بہت اچھے بندہ تھے، اس لئے کہ کثرت سے ذکر الہی اور طلب مغفرت میں مشغول رہتے تھے۔

(۱۷) ایک بار ایسا ہوا کہ شام کے وقت عمدہ جنگی گھوڑوں کی ان کے سامنے نمائش کی گئی، تو انہوں نے کہا کہ میں نے ان گھوڑوں کو اپنے رب کی راہ میں جہاد کی خاطر پسند کیا ہے، جب وہ گھوڑے دوڑتے ہوئے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ انہیں واپس لایا جائے، اور جب سارے گھوڑے واپس آگئے تو ازراہ لطف و محبت ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنے ہاتھ سہلانے لگے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَكَّابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

اور ہم نے سلیمان کو آزمائش (۱۸) میں ڈالا، اور اُن کے تخت شاہی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا ﴿۳۳﴾ انہوں نے کہا، میرے رب! مجھے معاف کر دے، اور مجھے ایک ایسی بادشاہی عطا کر جیسی میرے بعد کسی کو نہ ملے، تو بے شک بڑا عطا کرنے والا ہے ﴿۳۵﴾

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے، بہت سے مفسرین کی رائے ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی نمائش میں ایسا مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت گذر گیا۔ اور علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے۔ ابن جریر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اتھی۔
فخر الدین رازی نے بھی تقریباً اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے، اور لکھا ہے کہ قرآن کے الفاظ اسی تفسیر کے مطابق ہیں۔
صاحب محاسن التنزیل لکھتے ہیں کہ رازی سے پہلے حافظ ابن حزم نے یہی تفسیر بیان کی ہے، اور گھوڑوں کے قتل کو من گھڑت کہانی قرار دی ہے۔

(۱۸) داؤد علیہ السلام کے بیٹے سلیمان علیہ السلام پر بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات کئے تھے، اس آیت کریمہ میں انہی انعامات کا ذکر ہے۔ امام ابن حزم نے ﴿فَتَنَّا سُلَيْمَانَ﴾ کا معنی یہ کیا ہے کہ ہم نے سلیمان کو حکومت و بادشاہی دے کر اپنے لئے ان کی طاعت و بندگی کو آزمایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿إِن هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُخِيلُ بِهَا مَنِ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ﴾ ”موسیٰ نے کہا کہ اے اللہ! یہ تو تیری آزمائش ہے، تو اس کے ذریعہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے“۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی فتنہ سے مراد امتحان ہے، یعنی اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی دے کر آزمایا تاکہ اُن کی فضیلت ظاہر ہو۔

اس معنی کے سوا جتنی باتیں مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھی ہیں سب خرافات ہیں، جنہیں یہودی زندیقوں اور انہی جیسے دوسرے زندیقوں نے گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا دیا ہے۔ اور وہ جسم جو سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا اس سے مقصود کیا ہے، اللہ کو ہی معلوم ہے۔ قرآن میں جس طرح آیا ہے ہم اسی طرح اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے سچ کہا ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے۔ اگر قرآن کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی تو اسے قبول کرتے، لیکن اس طرح کی نہ کوئی آیت ہے اور نہ کوئی صحیح حدیث ہے، اس لئے محض ظن کی بنیاد پر کوئی بات کہنی اللہ پر افترا پر دازی ہوگی۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ جسم ایک ”جن“ تھا جس نے سلیمان علیہ السلام کی صورت اختیار کر لی تھی، تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے ایک رسول کو اس طرح بے آبرو نہیں کرے گا۔ اسی طرح ہم اس بات کو بھی بعید از حقیقت سمجھتے ہیں کہ وہ جسم ان کے ایک بیٹے کا تھا۔ یہ اور اس طرح کی دوسری تمام روایات موضوع اور بے بنیاد ہیں۔ اتھی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس قسم کی تمام روایات یہودیوں سے لی گئی ہیں، اور ان میں سے ایک جماعت تو سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی قائل بھی نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے سلیمان علیہ السلام کے خلاف بہت افترا پر دازی کی ہے۔ اتھی۔

فَقَرَّبْنَا لَهُ الرِّيحَ جَبْرِيَّ يَأْمُرُهُ نُحَاةً حَيْثُ أَصَابَ ۖ وَالشَّيْطَانَ كُلَّ بَلَاءٍ وَغَوَاصٍ ۖ وَالْآخِرِينَ مُقْتَرِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۖ هَذَا عَطَاؤُنَا فَأَمَّنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۗ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحَسَنَ مَّآبٍ ۗ وَإِذْ لُعْبَدْنَا أَيُّوبَ إِذْ دَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصُوبٍ وَعَدَّ آيَةً ۗ أَنْزَلْنَا بِرَبِّكَ هَذَا مُعْتَسِلًا ۖ هَارِدًا ۖ وَكَاشْرَابًا ۖ

پس ہم نے ہوا (۱۹) کو ان کا تابع فرما دیا، جو ان کے حکم سے دھیمی چلتی ہوئی، وہ جہاں چاہتے انہیں وہاں پہنچا دیتی تھی ﴿۳۶﴾ اور ہم نے ہر مکان بنانے والے اور غوطہ لگانے والے شیطانوں کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا ﴿۳۷﴾ اور دوسرے شیطانوں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ﴿۳۸﴾ (ہم نے ان سے کہا) یہ ہمارا عطیہ ہے، آپ چاہیں تو دوسروں کو اس میں سے دیجئے یا نہ دیجئے، اس کا آپ سے کوئی حساب نہیں ہو گا ﴿۳۹﴾ اور یقیناً ان کو ہم سے قربت حاصل تھی، اور ان کا ٹھکانا اچھا ہے ﴿۴۰﴾ اور آپ ہمارے بندہ ایوب (۲۰) کو یاد کیجئے، جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے تکلیف اور مصیبت پہنچائی ہے ﴿۴۱﴾ (ہم نے ان سے کہا) آپ اپنا پاؤں زمین پر ماریے، یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے، اور پینے کے لئے ﴿۴۲﴾

بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعہ کو اس آیت کی تفسیر کے طور پر بیان کیا ہے، لیکن اس حدیث میں اس کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ یہی واقعہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج کی رات اپنی نوے بیویوں سے جماع کروں گا، اور ہر ایک بیوی ایک بچہ جنے گی جو شہسوار ہو گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور ان شاء اللہ نہیں کہا، تو اس کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ صرف ایک بیوی نے بچہ جنا جس کا آدھا ہڑبے کار تھا، لوگوں نے اسے لا کر سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کی اللہ سے معافی مانگی تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اور دعا کی کہ میرے رب مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم کے مطابق ان کے تحت کوبیا ہوا میں تیرنے والے ان کے سفینے کو جہاں چاہتے لے کر جاتی۔ اس بادبانی سفینہ کی رفتار صبح کے وقت ایک ماہ کی، اور شام کے وقت ایک ماہ کی ہوتی تھی۔

اسی طرح اللہ نے ان کے لئے شیاطین الجن کو بھی مسخر کر دیا تھا، جو ان کے حکم کے مطابق مختلف کام کیا کرتے تھے، ان میں کوئی معمار تھا، تو کوئی سمندر میں غوطے لگا کر موتی نکالتا تھا، اور ان میں سے جو نافرمانی کرتا تھا، ان کے ہاتھوں میں بیڑیاں ڈال کر ان کی گردنوں کے ساتھ باندھ دیتے تھے۔ یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ ایسا صرف کافر جنوں کے ساتھ کرتے تھے، اور جب وہ مسلمان ہو جاتے تھے تو انہیں آزاد کر دیتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب سے جو کچھ مانگا انہیں عطا کیا، اور ان سے کہہ دیا کہ اب آپ جسے جو چاہئے اور جتنا چاہئے دیجئے، اور جسے چاہئے نہ دیجئے، آپ سے اس کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کا ایک دوسرا معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ”ہماری نعمتیں آپ کے لئے بے حساب ہیں“۔ آیت (۴۰) میں اللہ نے فرمایا کہ ان ظاہری دنیوی نعمتوں کے علاوہ انہیں مجھ سے قربت بھی حاصل ہے، اور قیامت کے دن بھی ان کا انجام اچھا ہو گا۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلًا وَمَوْلًا كَمِمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذَكَرَى لِأُولَى الْأَنْبِيَاءِ ۝ وَخَذْنَا مِيثَاقَ آدَمَ أَنْ لَا تَخْذِفَ رَأْسًا وَوَعَدْنَا لَلْإِنسَانِ أَهْلًا وَمَوْلًا كَمِمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذَكَرَى لِأُولَى الْأَنْبِيَاءِ ۝ وَخَذْنَا مِيثَاقَ آدَمَ أَنْ لَا تَخْذِفَ رَأْسًا وَوَعَدْنَا لَلْإِنسَانِ أَهْلًا وَمَوْلًا كَمِمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذَكَرَى لِأُولَى الْأَنْبِيَاءِ ۝

اور ہم نے انہیں اُن کے اہل و عیال دے دیئے، اور اُن کے ساتھ انہی جیسا مزید، جو اُن کے ساتھ ہماری مہربانی اور عقل والوں کے لئے نصیحت تھی ﴿۴۳﴾ (اُن سے یہ بھی کہا کہ) آپ اپنے ہاتھ میں تیلیوں کا ایک مٹھالے لیجئے، اور اس سے (اپنی بیوی کو) مار دیجئے، اور قسم کی خلاف ورزی نہ کیجئے، بے شک ہم نے ان کو صبر کرنے والا پایا تھا، وہ میرے اچھے بندہ تھے، وہ بے شک اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے ﴿۴۳﴾

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ داؤد اور سلیمان کی طرح ہمارے بندے ایوب کے حالات کو بھی یاد کیجئے، جنہیں ہم نے آزمائشوں میں ڈالا تو صبر سے کام لیا اور ایک حرف شکایت اپنی زبان پر نہ لائے، اور نہ ہی ان کے دل میں شکوئی کا گزرا ہوا۔ آپ کسی بیماری اور شدید تکلیف میں مبتلا ہو گئے، اور کئی سال تک اسی حال میں رہے، جب تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو اپنے رب سے دعا کی اور کہا اے میرے رب! مجھے شیطان نے تکلیف اور عذاب الیم میں مبتلا کر دیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور بذریعہ وحی ان سے کہا کہ آپ زمین پر اپنا پاؤں ماریئے، پانی کا ایک چشمہ نکل پڑے گا، اس پانی سے نہائیے اور اسے پیجئے، آپ کی بیماری دور ہو جائے گی۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور ان کی تکلیف بالکل ختم ہو گئی جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ اور اللہ نے ان پر مزید رحم کرتے ہوئے ان کا کھویا ہوا خاندان اولاد اور مال و دولت دوبارہ دے دیا، بلکہ ان کا دو گنا دیا۔ ان کی زندگی ارباب عقل و خرد کے لئے سبق آموز تھی کہ مصیبت کے وقت آدمی کو صبر سے کام لینا چاہئے۔ اور اپنی بیوی کی کسی غلطی پر قسم کھائی تھی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے، جب اچھے ہو گئے تو اللہ نے ان سے کہا کہ سو لکڑیوں کا ایک مٹھالے کر اس سے ایک بار مار دیجئے تاکہ آپ کی قسم پوری ہو جائے۔

آیت (۴۳) کے آخر میں اللہ نے ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ وہ اپنے رب کے بڑے ہی اچھے بندے تھے اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے متعلق مندرجہ ذیل چند ملاحظت مد نظر رکھنا مفید رہے گا:

- ۱- آپ کا نام ایوب بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل علیہم السلام تھا، آپ اللہ کے نبی اور مالدار آدمی تھے، اور امرائے قوم میں سے تھے۔ ان کا علاقہ بحر میت کے جنوب مشرق میں بلاد اودوم اور صحرائے عرب کے درمیان واقع تھا۔ وہاں کی زمین بڑی زرخیز تھی، اور بہت سے پانی کے چشمے پائے جاتے تھے۔
- ۲- ان کی آزمائش سے متعلق بہت سے مفسرین نے جھوٹے واقعات اور اسرائیلی قصے بیان کئے ہیں۔ قرآن کریم نے اس آزمائش کا اجمال کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ وہ اپنی جان، مال اور اولاد کے سلسلے میں جس عظیم مصیبت میں مبتلا ہوئے تھے اس پر ایسا صبر کیا کہ وہ ضرب النثل بن گیا، اور اللہ نے انہیں اس کا کئی گنا اچھا بدلہ دیا۔
- ۳- ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کے ساتھ انتہائے ادب کی وجہ سے اپنی تکلیف و بیماری کی نسبت اللہ کے بجائے شیطان کی طرف کی ہے۔
- ۴- ان کی بیوی ان کی صحت و عافیت کی شدید خواہش کی وجہ سے ہر دم دعا کی تلاش میں رہتی تھیں۔ ایک دن شیطان نے ان کی

وَأَذْكُرُ عِدَّةَ نَارِ ابْرَاهِيمَ وَمَا وَسَّعَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْإِسْحَاقَ إِنَّ أَحْسَنَهُمْ بِمَا صَدَقْتُمْ ذَكَرَى الدَّارِ ۗ وَاتَّقُوا عُنْدَنَا
لِمَنِ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۗ وَأَذْكُرُ سَمْعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا النُّفْلِ ۗ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ ۗ هَذَا ذِكْرُ مَنْ آمَنَ وَلَقَدْ كُتِبَ لَهُمْ لِحْسُنِ
مَا بَدَأْتُمْ فِيهَا عَدْنٍ مُمْغِيَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يُدْعَوْنَ فِيهَا بِأَسْمَاءِ كَثِيرَةٍ وَنُزُلًا ۗ وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ الْمُتَّكِرِ
الْأَرْبَابِ ۗ هَذَا مَا تُوَعَّدُونَ لِيُؤْمِرَ الْحِسَابَ ۗ إِنَّ هَذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنَ لَقَائِهِ ۗ

الطَّافِ

اور آپ ہمارے بندوں (۲۱) ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت و بصیرت والے تھے ﴿۳۵﴾ ہم نے بے شک انہیں ایک مخصوص صفت یعنی فکر آخرت کے ساتھ ممتاز کر دیا تھا ﴿۳۶﴾ وہ سب ہمارے برگزیدہ اور نیک بندوں میں سے تھے ﴿۳۷﴾ اور آپ اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے، یہ سبھی اچھے لوگوں میں سے تھے ﴿۳۸﴾ یہ (دنیا میں) ان کا ذکر خیر ہے، اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے ﴿۳۹﴾ یعنی ہمیشہ رہنے والی جنتیں (۴۰) جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہیں ﴿۵۰﴾ وہ لوگ ان جنتوں میں گاؤ تکیوں پر نیک لگائے بیٹھے ہوں گے، وہاں وہ بہت سے پھل اور شراب منگایا کریں گے ﴿۵۱﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ایک ہی عمر کی عورتیں ہوں گی ﴿۵۲﴾ (ان سے کہا جائے گا کہ) یہی وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روز حساب ملنے کا وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۵۳﴾ بے شک یہ چیزیں ہماری عطا کردہ روزی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی ﴿۵۴﴾

شفا کے لئے انہیں کسی شرکیہ عمل کی دعوت دی، انہوں نے آکر اپنے شوہر کو خبر دی، تو ایوب علیہ السلام نے کہا کہ وہ شیطان تھا، اور ناراض ہو کر قسم کھائی کہ اگر اللہ نے انہیں شفا دے دی تو وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے، کہ وہ شیطان کی باتوں میں کیوں آگئیں۔

ان کی بیوی معذرت تھی اس لئے کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان سے بات کرنے والا شیطان تھا، اور ان کی شریعت میں کفارہ نہیں تھا، ورنہ ایوب علیہ السلام کفارہ دے دیتے اور قسم پوری کرنے کے لئے بیوی کو مارنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ایوب کو فتویٰ دیا کہ وہ اپنی نیک بیوی کے ساتھ معذور آدمی کا برتاؤ کریں جو سزا کا مستحق نہیں ہوتا۔ وباللہ التوفیق۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ داؤد، سلیمان اور ایوب کی طرح ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے حالات کو بھی یاد کیجئے جو ہماری طاعت و بندگی میں بڑی قوت کا مظاہرہ کرتے تھے، اور دین کی اچھی سمجھ رکھتے تھے اور اسرار شریعت سے خوب واقف تھے۔ اور چونکہ یہ سب ہر دم فکر آخرت میں لگے رہتے تھے، اس کی کامیابی کے لئے کوشاں رہتے تھے، اور لوگوں کو اسی کی دعوت دیتے تھے، اور دنیا اور اس کی لذتوں پر دھیان نہیں دیتے تھے، اس لئے ہم نے انہیں اپنی خالص اور حقیقی محبت کے لئے خاص کر لیا تھا۔ اور یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور اصحاب خیر تھے۔

اللہ نے فرمایا: اے ہمارے نبی! آپ اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کے حالات کو بھی یاد کیجئے۔ داؤد علیہ السلام سے لے کر ذوالکفل تک جتنے انبیاء کا ذکر آیا ہے، ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۸) کے آخر میں فرمایا کہ یہ تمام اللہ کے برگزیدہ انبیاء تھے۔ اور آیت (۳۹) میں فرمایا کہ ان کا یہ ذکر جمیل دنیا میں ان کے لئے باعث شرف ہے، اور آخرت میں اللہ اپنے

هَذَا وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَكُرْمًا ۖ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَيَنْسِفُهَا إِلَى الْوَهْدِ ۖ هَذَا أَقْلِيكُ وَفَوْقَهُ حَمِيمٌ وَغَسَاقٌ ۖ وَآخِرُ مَنْ شَكَّلَهُ
أَزْوَاجٌ ۖ هَذَا فَوْجٌ مُقْتَضٍ مَعَكُمْ لَا مَرْجَأَ لَهُمْ إِتَّهَمُوا صَالُوا النَّارَ ۖ

یہ تو اہل تقویٰ کا بدلہ تھا، اور سرکشوں (۲۳) کا ٹھکانا بڑا برا ہوگا ﴿۵۵﴾ یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے، پس وہ بُرا بچھونا ہوگا ﴿۵۶﴾ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ، پس وہ لوگ اس عذاب کو چکھتے رہیں ﴿۵۷﴾ اور اسی قسم کے دوسرے طرح طرح کے عذاب ہیں ﴿۵۸﴾ یہ (سرداران کفر کا) ایک گروہ (۲۴) ہے جو تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہو رہا ہے، (سرداران کہیں گے) ان کے لئے کوئی خوش آمدید نہیں ہے، بے شک یہ لوگ عذابِ نار میں داخل ہونے والے ہیں ﴿۵۹﴾

تمام اہل تقویٰ بندوں کو بہت ہی عمدہ جائے رہائش دے گا، جن میں یہ انبیائے کرام بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان انبیائے کرام کے صبر و تحمل کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے حالات سے فائدہ حاصل کریں، اور دعوتِ اسلام کی راہ میں جو بھی تکلیف ہو اسے برداشت کریں۔

(۲۲) اہل تقویٰ سے جس عمدہ جائے رہائش کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہوں گی، جن کے دروازے جنتیوں کے انتظار میں ہر دم کھلے رہیں گے۔ اہل جنت ان جنتوں میں تنگے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ جب چاہیں گے اپنی خواہش کے مطابق بہت سے پھل اور مشروبات مانگ لیا کریں گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں طعام یعنی کھانے کا ذکر اس لئے نہیں ہوا ہے کہ ان کا کھانا اور پینا صرف لذت حاصل کرنے کے لئے ہوگا، دنیا کی زندگی کی طرح غذا نیت حاصل کرنے کے لئے نہیں۔

اور اہل جنت کو ایسی بیویاں ملیں گی جو اپنے شوہروں کے سوا دوسرے مردوں کو نہیں دیکھیں گی، یا ان کے شوہران کے غایت حسن و جمال کی وجہ سے دوسری عورتوں کی طرف نہیں دیکھیں گے، اور وہ بیویاں عمر میں تساوی ہوں گی، مجاہد کے قول کے مطابق ان کی عمریں تیس (۳۳) سال ہوں گی۔

آیت (۵۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اہل تقویٰ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور کہا گیا تھا کہ یہ نعمت قیامت کے دن حساب کے بعد ملے گی، اور یہی ہماری وہ روزی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

(۲۳) یہاں تک ان نیک بختوں کا انجام بیان کیا گیا جو جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ اور جو لوگ اللہ کے سرکش اور باغی بندے ہوں گے ان کا ٹھکانا بڑا ہی بُرا ہوگا، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں وہ لامحالہ داخل ہوں گے، اور وہ ہر چہرہ جانب سے انہیں گھیر لے گی، انہیں پینے کے لئے انتہائی گرم پانی اور جہنمیوں کے جسموں کا لہو اور پیپ دیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ اب اللہ کے سرکش اور باغی بندے ان کا اور انہی جیسے دیگر نوع بہ نوع عذابوں اور ذلتوں اور سوائیوں کا مزہ چکھتے رہیں جو ان کے لئے تیار کی گئی ہیں۔

(۲۴) رؤسائے کفر و شرک کے بعد جہنم میں جب ان کے پیر و کار لوگ داخل ہوں گے، تو جہنم کے ذمہ دار فرشتے ان سرداران کفر کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ اب جہنم کی تنگ کھائیوں میں تمہارے بعد تمہارے مجرم پیر و کار بھی داخل ہو رہے ہیں، تو وہ سرداران ان پیر و کاروں کے بارے میں کہیں گے کہ جہنم میں ان کی منزلیں ہمیشہ تنگ رہیں گی، کبھی کشادہ نہ ہوں گی، پھر اپنی بات کی علت بیان کرتے ہوئے کہیں گے: یہ لوگ بھی ہمارے ہی طرح اپنے برے اعمال کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو رہے ہیں۔ جہاں

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَمَرَجِبًا كَمَا أَنْتُمْ قَدْ مُتُّوهُ لَنَا فِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۱۲۸۵﴾ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمْنَا هَذَا فَرِزْدُهُ عَذَابًا ضَعِيفًا فِي النَّارِ ﴿۱۲۸۶﴾ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِثْلَ مِنَ الْأَشْرَارِ ﴿۱۲۸۷﴾ كُنْزُهُمْ سِغَرًا أَمْزَأَعَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ مَخْلَصَاتِهِمْ ﴿۱۲۸۸﴾

أَهْلِ النَّارِ ﴿۱۲۸۹﴾

(تابعہ از جنہمی) کہیں گے، بلکہ تم سرداروں کے لئے کوئی خوش آمدید (۲۵) نہیں ہے، تم ہی نے تو اس عذاب کو ہمارے لئے بھیج دیا تھا، پس جنہم برا ٹھکانا ہے ﴿۱۲۸۵﴾ وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! جو ہمارے لئے اس عذاب کا سبب بنا ہے، تو جنہم میں اس کا عذاب دو گنا کر دے ﴿۱۲۸۶﴾ اور (جنہمی آپس میں) کہیں گے، کیا وجہ ہے کہ ہم (جنہم میں) اُن لوگوں (۲۶) کو نہیں دیکھ رہے ہیں جنہیں ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے ﴿۱۲۸۷﴾ کیا ہم بے سبب اُن کا مذاق اڑاتے تھے، یا ہماری آنکھیں دیکھ نہیں پارہی ہیں ﴿۱۲۸۸﴾ بے شک اہل جنہم کا آپس میں جھگڑنا (۲۷) سچی بات ہے ﴿۱۲۸۹﴾

عذاب ہی عذاب ہے، تو انہیں راحت و کشادگی کہاں سے ملے گی۔

﴿لَا مَرْحَبًا بِهِمْ﴾ کی ایک دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ بات فرشتے کہیں گے، اور اس سے مقصود اس عذاب کی سختی کو بیان کرنا ہے جس میں اہل جنہم مبتلا رہیں گے، اور اس وحشت و اجنبیت کی طرف اشارہ ہے جو شدت عذاب کی وجہ سے ان کے درمیان پائی جائے گی۔

(۲۵) سرداران کفر کی یہ بات سن کر ان کے پیروکار کہیں گے کہ تم لوگوں نے ہمارے بارے میں جو بات کہی ہے، وہ تم پر زیادہ صادق آتی ہے، اس لئے تمہارے مجرمانہ کردار کی وجہ سے آج تمہیں دوہرا عذاب دیا جائے گا، تم ہی نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اور ہمارے عذاب کا سبب بنے ہو تو آج تمہارے لئے کوئی راحت و کشادگی نہیں ہے۔ پھر اللہ سے کہیں گے کہ اے ہمارے رب! جن مجرمین نے دنیا میں ہمیں گمراہ کیا تھا اور آج ہمارے عذاب کا سبب بنے ہیں، ان کو جنہم میں دوہرا عذاب دے۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب آیت (۶۸) میں آیا ہے کہ عام اہل جنہم اپنے سرداروں کے بارے میں کہیں گے: ﴿رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ "اے ہمارے رب! انہیں دوہرا عذاب دے"۔

(۲۶) روسائے کفر جنہم میں ادھر ادھر دیکھیں گے تو بلال، عمار اور صہیب جیسے کمزور اور فقیر مسلمانوں کو نہیں پائیں گے۔ جنہم دنیا میں حقیر سمجھے جاتے تھے، تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ وہ لوگ یہاں کیوں نہیں نظر آ رہے ہیں، جنہم ہم "برے لوگ" کہا کرتے تھے، اور جن کا ہم مذاق اڑایا کرتے تھے، یا جن پر حقارت کی وجہ سے ہماری نگاہیں نہیں ٹھہرتی تھیں!؟

بعض مفسرین نے ﴿أَمْزَأَعَتْ﴾ میں "اُم" کا ترجمہ "بیل" کیا ہے، یعنی اہل جنہم اپنے آپ کو جھوٹی تسل دیتے ہوئے کہیں گے کہ شاید وہ حقیر لوگ بھی جنہم میں ہی ہیں، لیکن ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل سچ ہے کہ اہل جنہم آپس میں جھگڑیں گے، ایک دوسرے کو الزام دیں گے اور سرداران اور ان کے پیروکار ایک دوسرے کا برا چاہیں گے۔

بعض مفسرین نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ آیت (۵۹) میں ﴿لَا مَرْحَبًا بِهِمْ﴾ سرداران کفر کا

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ لِّمَنْ هُوَ آمِنٌ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبُّوا عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلِكِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِنَّ يُوسَىٰ إِلَىٰ آلِهِمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا (۲۸) ہوں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو اکیلا ہے، سب پر غالب ہے ﴿۱۶۵﴾ جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے، زبردست ہے، بہت بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۱۶۶﴾ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم خبر (۲۹) ہے ﴿۱۶۷﴾ جس سے تم نے منہ پھیر رکھا ہے ﴿۱۶۸﴾ جب فرشتے آپس میں جھگڑ رہے تھے تو مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی ﴿۱۶۹﴾ مجھے تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں بس ایک کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۱۷۰﴾ آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں بے شک مٹی سے ایک انسان (۳۰) پیدا کرنے والا ہوں ﴿۱۷۱﴾

قول ہے، فرشتوں کا نہیں، ورنہ ان کا آپس میں جھگڑنا ثابت نہیں ہوگا۔

(۲۸) انبیائے کرام کے واقعات اور کچھ جنت و جہنم کے احوال بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ مشرکین قریش کو ایک ایسی بات کہیں جس میں ان کے لئے ان کے کفر و شرک پر دھمکی کے ساتھ توحید فی العبادۃ کی دعوت بھی ہو، چنانچہ فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں اللہ کے عذاب سے ہر اس شخص کو ڈرانے والا ہوں جو کفر کی راہ اختیار کرے گا، اور اللہ کے بجائے شیطان کی عبادت کرے گا۔ اور ان سے آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو اپنی ذات و صفات اور ربوبیت و عبادت میں تنہا اور لا شریک ہے، اور اپنی تمام مخلوقات پر قاهر و غالب ہے، اور آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک، اور ان میں بلا شرکت غیرے تصرف کرنے والا ہے، اور جب نافرمانوں کو سزا دیتا ہے تو کوئی اسے مقلوب نہیں کر سکتا، اور ہر اس شخص کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو صدق دل سے اس کے حضور توبہ کرتا ہے۔ (۲۹) اور اے میرے نبی! آپ کفار قریش سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ یہ قرآن کریم آپ کے رب کی ایک عظیم کتاب ہے، جس میں توحید باری تعالیٰ، خاتم النبیین کی نبوت، بعث بعد الموت، اور جنت و جہنم سے متعلق سچی اور یقینی خبریں ہیں، اور وحی کے ذریعہ مجھ پر اس کا نزول بلاشبہ میری صداقت کی بڑی دلیل ہے۔

لیکن اے کفار قریش! تم لوگ اپنی غفلت و بے حسی میں اس قدر آگے جا چکے ہو، کہ اس سے اعراض کر رہے ہو۔ کیا تم سوچتے نہیں ہو کہ نزول قرآن سے پہلے تو مجھے اس کی کوئی خبر ہی نہیں تھی کہ جب اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے آدمی کو پیدا کرنا چاہتا ہوں، اور میں زمین میں اسے اپنا خلیفہ بناؤں گا، تو فرشتوں نے اللہ سے جھگڑا کیا اور کہا کہ اے اللہ! کیا تو زمین میں ایسوں کو پیدا کرے گا جو اس میں فساد برپا کریں گے اور خونریزی کریں گے؟ یہ بات تو مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہے۔ اے کفار قریش! مجھ پر تو اللہ کی طرف یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ میری ذمہ داری لوگوں کو کھلم کھلا اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہے، میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا، اور نہ ہی مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے ان کے ساتھ جبر و تشدد سے کام لوں۔

فَإِذَا سُوِّيَتْهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿۱۲۸﴾ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۱۲۹﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ
 وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۳۰﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي اسْتَكْبَرْتَ أَتَمَرُكْتُمْ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ
 مِنْ خَلْقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۲﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۳﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۴﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۶﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۷﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۸﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۰﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۱﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۲﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۴﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۵﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۶﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۷﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۸﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۴۹﴾ قَالَ فَاتَّخِذْ مِنْ طِينٍ ﴿۱۵۰﴾

پس جب میں اُسے بنالوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم سب اس کے سامنے سجدہ کرنا ﴿۱۲۹﴾ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿۱۲۹﴾ سوائے ابلیس کے جس نے تکبر کیا، اور وہ کافروں میں سے تھا ﴿۱۲۹﴾ اللہ نے کہا، اے ابلیس! میں نے جسے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، اُسے سجدہ کرنے سے تمہیں کس بات نے روک دیا ہے، کیا تم نے تکبر کیا ہے، یا تم حقیقت میں بلند مرتبہ والوں میں سے ہو ﴿۱۲۹﴾ ابلیس نے کہا، میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿۱۲۹﴾ اللہ نے کہا، پس تم اس (جنت) سے نکل جاؤ، تم مردود ہو ﴿۱۳۰﴾ اور تم پر قیامت کے دن تک میری لعنت برسی رہے گی ﴿۱۳۰﴾ ابلیس نے کہا، میرے رب! مجھے اُس دن تک مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے ﴿۱۳۰﴾ اللہ نے کہا، تمہیں مہلت دے دی گئی ﴿۱۳۰﴾ اُس دن تک جس کا وقت معلوم ہے ﴿۱۳۱﴾ ابلیس نے کہا، پس تیری عزت کی قسم! میں یقیناً ان تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا ﴿۱۳۱﴾ سوائے تیرے ان بندوں کے جو مخلص ہوں گے ﴿۱۳۱﴾ اللہ نے فرمایا، پس یہ بات حق ہے، اور میں حق ہی کہتا ہوں ﴿۱۳۱﴾ میں بے شک جہنم کو تم سے اور ان تمام لوگوں سے بھر دوں گا جو تمہاری پیروی کریں گے ﴿۱۳۱﴾

(۳۰) آیت (۶۹) میں مذکور فرشتوں کے جھگڑے کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یہ واقعہ اس سے پہلے البقرہ، الأعراف، الحجر، الإسراء اور الکہف میں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے فرشتوں کو بتایا کہ وہ مٹی سے ایک آدمی بنائے گا۔ اور بنالینے کے بعد انہیں حکم دیا کہ حضرت آدم کی تکریم کے لئے اُن کا سجدہ کریں، تو ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم کی بجا آوری میں آدم کو سجدہ کیا، ابلیس جنوں میں سے تھا، اس کی فطرت میں کبر و غرور تھا، اس نے سجدہ کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں، اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ مٹی سے بہتر ہے۔ ابلیس کی یہ سوچ غلط تھی، اور اس کا قیاس قیاسِ فاسد تھا، چنانچہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر بیٹھا اور کفر کا مرکب ہوا، اس لئے اللہ نے اسے اپنی جناب سے دور کر دیا، اسے رسوا کیا اور ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے محروم کر دیا، اور ذلیل و خوار بنا کر زمین پر بھیج دیا۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ ہو گیا، تو آدم کے خلاف اس کے حقد و حسد کی آگ اور بھڑک اٹھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی، تاکہ آدم اور اس کی ذریت کو خوب گمراہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی، تو اس نے اللہ کی عزت کی قسم کھا کر ازراہ تمرد و سرکشی کہا کہ میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کروں گا۔ ابلیس کی اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الإسراء آیت (۶۲) میں یوں بیان کیا ہے: ﴿قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَيَّ لَئِنِ أَخَّرْتَنِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِأُحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اچھا دیکھ لے، اے تو نے مجھ پر بزرگی

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّمِينَ ﴿۱۸﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۹﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأًا بَعْدَ حِينٍ ﴿۲۰﴾

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، لوگو! میں تم سے دعوت توحید کا کوئی بدلہ (۳۱) نہیں مانگتا ہوں، اور میں دعوت نبوت میں تصنع سے کام نہیں لے رہا ہوں ﴿۱۸﴾ یہ قرآن تو سارے جہان کے لئے صرف عبرت و نصیحت ہے ﴿۱۹﴾ اور تم یقیناً کچھ ہی دنوں کے بعد اس (قرآن) کی حقیقت کو جان لو گے ﴿۲۰﴾

تودی ہے، لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز بہت تھوڑے لوگوں کے اپنے بس میں کر لوں گا۔ اور جن تھوڑے لوگوں کو یہاں مستثنیٰ کیا گیا ہے، ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء کی آیت (۶۵) میں یوں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾ ﴿۶۵﴾ ”میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں، تیرا رب بحیثیت کارساز کافی ہے۔“

جب ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اے اللہ! میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر دوں گا، تو سدی کے قول کے مطابق اللہ نے بھی اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا کہ میں بھی جہنم کو تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے بھردوں گا جو تیری بیوردی کریں گے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ آیت (۱۳) میں یوں بیان کیا ہے: ﴿وَلَكِنَّ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ ﴿۱۳﴾ ”لیکن یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھردوں گا۔“ اور سورۃ الاسراء آیت (۶۳) میں فرمایا: ﴿قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا بِهَا جَزَاءً مَوْفُورًا﴾ ﴿۶۳﴾ ”اللہ نے کہا کہ جا، ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا، تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے۔“ (۳۱) اور یہ بات گذر چکی ہے کہ ابلیس و آدم کا واقعہ بیان کرنے سے مقصود، نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلیل پیش کرنی تھی، اور کفار قریش کو بتانا تھا کہ اس کا علم آپ ﷺ کو اس وحی کے ذریعہ ہوا جو اللہ نے آپ پر نازل کیا۔ اسی بات کے سلسلہ کے طور پر یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ جو لوگ آپ کی رسالت کی تکذیب کرتے ہیں، ان سے آپ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ وحی کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، اور جو کچھ میں تمہیں سنا تا ہوں وہ واقعی اللہ کی وحی ہے، میں اُسے خود نہیں گھڑتا ہوں، اور یہ بات تو تمہیں میرے بارے میں پہلے سے معلوم ہے کہ میں بیچپن سے جھوٹ نہیں بولتا ہوں، اور اپنے لئے کسی ایسی صفت کا دعویٰ نہیں کرتا جو میرے اندر من جانب اللہ نہیں۔ اس لئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر بیٹھوں اور اپنی طرف سے ایک کلام گھڑ کر تمہیں سناؤں، اور کہوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ تو واقعی اللہ کا کلام ہے جسے اس نے دنیا والوں کی عبرت و نصیحت کے لئے نازل کیا ہے۔ اور تمہیں اس کا یقین اس وقت ہو گا جب لوگ جو حق درجوق اسلام قبول کرنے لگیں گے، اور ہر طرف اسلام کا بول بالا ہونے لگے گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ بات نبی کریم ﷺ کی صداقت کی بہت بڑی دلیل تھی، اس لئے کہ جب یہ بات کہی گئی تھی اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اور ہر وقت ان کے ذہنوں پر مشرکوں کا خوف طاری رہتا تھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے حالات نے ایسا پٹا کھلایا کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، اور مسلمان ایک عظیم قوت بن کر دنیا میں ابھرے، اور قرآن کریم کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ وباللہ التوفیق۔



تَنْزِيلِ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ اِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۗ اَللّٰهُ الدِّينَ
الْخَالِصُ ۗ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقْرِبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفَىٰ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝

سورة الزمر کی ہے، اس میں پچتر آیتیں، اور آٹھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

یہ کتاب (۱) اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے جو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿اے میرے نبی! بے شک ہم نے یہ کتاب آپ پر دین حق کے ساتھ نازل کی ہے، پس آپ اللہ کی بندگی، اس کے لئے دین کو خالص کر کے کرتے رہئے ﴿۲﴾ آگاہ رہئے کہ خالص بندگی (۲) صرف اللہ کے لئے ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کو دوست بنایا (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، بے شک وہ لوگ جس حق بات میں آج جھگڑتے ہیں اس بارے میں اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا، بے شک اللہ جھوٹے اور حق کے منکر کو راہ حق کی ہدایت نہیں دیتا ﴿۳﴾

نام: آیات (۷۱/۷۳) میں کلمہ "الزمر" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: ابن عباس، حسن، عکرمہ، اور جابر بن زید سے مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے بعض لوگوں نے ﴿قُلْ يٰۤاٰبِئِيۤنَابِ﴾ سے تین آیتوں کو مدنی کہا ہے۔

عام کی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید کی اہمیت اور شرک کی خرابی اور اس کے سنگین ترین نتائج بیان کئے گئے ہیں، اور کفار قریش کو مختلف پیرائے میں توحید کی دعوت قبول کر لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(۱) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی ہے کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ہر چیز پر غالب اور اپنے تمام امور میں صاحب حکمت ہے۔ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ وہ کتاب برحق ہے جس میں توحید و نبوت، آخرت اور دیگر تمام اوامر و نواہی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

اس لئے اے میرے نبی! آپ صرف اللہ کی عبادت کیجئے جس کا کوئی شریک نہیں، اور انسانوں کو بھی اسی بات کی دعوت دیجئے، اور انہیں بتادیں کہ رب العالمین کا کوئی مد مقابل نہیں ہے، اس لئے اس کے سوا کسی کی عبادت جرم عظیم ہے۔

(۲) اوپر جو بات کہی گئی ہے، اسی کا تتمہ ہے کہ وحدانیت والوہیت میں اللہ تعالیٰ کا یکتا ہونا تقاضا کرتا ہے کہ ہر قسم کی عبادت کو صرف اسی کے لئے خالص کر دیا جائے، باس طور کہ شرک کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔

لیکن جو لوگ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں، وہ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے ضلال و گمراہی کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اور ہماری حاجت بر آری کے

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَكْدًا لَأَصْطَفَىٰ مِنَّا خَلْقٌ مِّمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَانَ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
بِالسَّبْعِ يَوْمَ الْبَيْتِ عَلَى النَّهَارِ وَيَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ لِّعَاجِلِ أَمْرِهِ الْعَاقِلُ ۝

اگر اللہ اپنے لئے کسی کو بیٹا^(۳) بنانا چاہتا، تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، وہ تو نقص و عیب سے پاک ہے، وہ تو اللہ ہے جو اکیلا ہے، ہر چیز پر غالب ہے ﴿۳﴾ اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا^(۴) کیا ہے، اور وہی رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اور اسی نے آفتاب اور ماہتاب کو (ایک نظام خاص کا) پابند بنا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر (یعنی قیامت) تک چلتا رہے گا، آگاہ رہے گا کہ وہ زبردست، بڑا مغفرت کرنے والا ہے ﴿۵﴾

لئے اس کے نزدیک ہمارے سفارشی نہیں۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اور مومنوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا، اور ہر ایک کو ان کے عمل کا بدلہ دے گا۔ مومنوں کو انعام و اکرام سے نوازے گا، اور کافروں اور مشرکوں کو جہنم میں ڈال دے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے معبودان باطل اسے اللہ سے قریب کرتے ہیں، اس لئے وہ انہیں اللہ کا شریک بنا کر کفر کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ ایسے جھوٹے کافر کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا ہے۔ (۳) شرک باللہ کی مزید تردید کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے اولاد کی نفی کی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں، اور نہ عزیر و عیسیٰ اس کے بیٹے ہیں۔ اگر بے شمار بار بغرض محال اللہ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا اختیار کرتا، نہ کہ معاملہ جاہل مشرکوں اور گمراہ یہود و نصاریٰ کی مرضی پر چھوڑ دیتا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے فرشتوں اور عزیر و عیسیٰ کو اللہ کی اولاد بنا دیا ہے۔ اور مخلوق کا اس کی اولاد بننا محال اس لئے ہے کہ خالق و مخلوق میں کوئی مجانت نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ مخلوق اس کا بندہ ہو، اولاد نہیں۔ اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ باری تعالیٰ کی ذات ہر نقص و عیب سے پاک ہے، اور وہ تہا اللہ ہے جس کے قہر و جبروت کے سامنے تمام مخلوقات کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔

(۴) قدرت، ربوبیت اور الوہیت میں باری تعالیٰ کی وحدانیت بیان کی جا رہی ہے، کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ وہی مالک کل اور اپنی مرضی کے مطابق ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہی رات اور دن کو الٹتا پھیرتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے پیچھے لگے رہتے ہیں، اور ذرا بھی نہیں تھکتے ہیں۔ سورۃ الاعراف آیت (۵۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يُغْشِي اللَّيْلُ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا﴾ ”وہ رات سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ رات اس دن کو جلدی سے آتی ہے“۔

اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو بھی ایک مخصوص نظام کا پابند بنا رکھا ہے، دونوں اپنے اپنے مدار میں قیامت تک چلتے رہیں گے، اور اللہ کی مخلوقات ان کے فوائد سے مستفید ہوتی رہیں گی۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں بڑا زبردست ہے، اور اپنی طرف رجوع کرنے والے بندوں کو بڑا معاف کرنے والا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَآتَىٰ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ كَمَلِيَّةً ۚ أَنْزَلْنَا مِنْ سَمَوَاتِنَا مَاءً فَسَخَّرْنَا بِهَا خَلْقَكُمْ ۗ إِنَّكُمْ لَخَلْقَاقٌ مُبْتَلُونَ ۗ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۗ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ فَاتَىٰ خُضْرُفُونَ ۖ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۗ وَإِن تَسْكُرُوا بِأَيْصُنِهِ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۷﴾

اُس نے تم سب کو ایک جان (۵) سے پیدا کیا، پھر اُس سے اُس کا جوڑا بنایا، اور اُس نے تمہارے لئے چوپایوں کی (زودادہ) آٹھ قسمیں پیدا کیں، وہی تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں، تین تاریکیوں میں، یکے بعد دیگرے مراحل سے گزار کر پیدا کرتا ہے، وہی اللہ تمہارا رب ہے، اُسی کی صرف بادشاہت ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم حق بات سے کیسے پھرے جا رہے ہو ﴿۶﴾ اگر تم ناشکری (۶) کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند نہیں کرتا ہے، اور اگر تم شکر گزار بنو گے تو وہ تمہاری طرف سے اسے پسند کرے گا، اور روزِ قیامت کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم سب کو تمہارے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں تمہارے کئے کی خبر دے گا، وہ بے شک سینوں میں چھپی باتوں کو جاننے والا ہے ﴿۷﴾

(۵) اس کی قدرت دو وحدانیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے تمام بنی نوع انسان کو صرف ایک آدم سے پیدا کیا ہے، اور اس کی بیوی حوا کو اس کی بائیں پٹلی سے پیدا کیا ہے۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ پیدا کئے اور ہر ایک کی مذکر و مؤنث دو قسمیں بنائیں۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ انسانوں کو ان کی ماؤں کے بطن میں مختلف مراحل سے گزارتا ہے، پہلے رحم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے، پھر منجمد خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر گوشت کے لوتھڑے کے مانند ہو جاتا ہے، پھر انسان کی شکل و صورت اختیار کرتا ہے اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے، اس کی پرورش تین تاریکیوں کے نیچے ہوتی ہے، پیٹ کی تاریکی، رحم کی تاریکی اور اس جھلی کی تاریکی جو اس مخلوق پر چڑھی رہتی ہے۔

وہ ذاتِ برحق جس نے آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو اور تمہیں پیدا کیا ہے، وہی اللہ تمام انسان کا رب ہے، وہی مالکِ کل ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور جب بات ایسی ہے تو پھر لوگ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں!؟

(۶) اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، سب اس کے محتاج ہیں، اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، اس لئے اگر تمام جن و انسان کفر کی راہ اختیار کر لیتے ہیں تو اس کا نقصان انہی کو ہوگا، اللہ کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ سورہ ابراہیم آیت (۸) میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہی بات یوں کہی ہے: ﴿إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا هَلْ إِلَى اللَّهِ لَغْنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ "اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔"

امام مسلم نے اپنی کتاب "المصحيح" میں حدیث قدسی روایت کی ہے کہ اے میرے بندو! اگر تمہارا پہلا اور آخری شخص اور تمہارے جن و انس تم میں سے بدترین گناہ گار کے مانند ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن اللہ اپنی غایتِ رحمت کی وجہ سے اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا جو ان کی شکوات و بدبختی کا سبب ہوتا ہے،

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَفِيَ عَنْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُ يَدْعُوَ إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا بِكُفْرِكُمْ وَلِيَالِ الْأَعْيُنِ إِنَّكُمْ مِنْ أَعْيُنِ النَّارِ أَنْتُمْ هِيَ قَائِلَاتُ إِذَا دُمِّي الْأَنْبِلُ سَالِحًا وَإِذَا قَابَسَا بِمُحَدِّدِ الْأَحْزَةِ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِمْ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا بَصَائِرُكُمْ لِتُكَلِّمُوا بِهَا النَّاسَ

اور جب انسان کو کوئی تکلیف (۷) پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اس کی طرف دل سے رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے، پھر جب وہ اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے، تو وہ اُس تکلیف کو بھول جاتا ہے جسے دور کرنے کے لئے وہ پہلے اللہ کو پکارتا تھا، اور اللہ کے لئے شریک بناتا ہے، تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے گمراہ کرے۔ اے میرے نبی! آپ (ایسے آدمی سے) کہہ دیجئے کہ تم اپنی ناشکری سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو، بلاشبہ تم جہنمیوں میں سے ہو ﴿۸﴾ (کیا ایسا شخص بہتر ہے) یا وہ جو رات میں سجدہ (۸) اور قیام کے ذریعہ اپنے رب کی عبادت میں لگا ہو، عذابِ آخرت سے ڈرتا ہو، اور اپنے رب سے اس کی رحمت کی امید لگائے ہو۔ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں، بے شک عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۹﴾

وہ تو ان کے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ قول و عمل کے ذریعہ اس کا شکر ادا کرتے رہیں تاکہ انہیں اس کا اچھا بدلہ دے اور جنت ان کا مقام بنے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا، اور اسی کا اسے بدلہ دیا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد ہر شخص کو بہر حال اللہ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، جو اسے ان تمام اعمال کی خبر دے گا جو وہ دنیا میں کرتا رہا تھا، اس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے، وہ تو دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت کے اس جزو میں بہت بڑی دھمکی ہے کہ دنیا میں اگر کسی کا کردار اچھا نہیں ہے تو اسے اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

(۷) مشرک کے کردار میں بڑا تضاد ہوتا ہے، جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اسے نال نہیں سکتا تو دونوں ہاتھ اٹھا کر اور گڑگڑا کر دعا کرتا ہے کہ میرے رب تو میری تکلیف دور کر دے، اور جب اللہ اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے اور پہلے کی طرح غیروں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی اس سے کہا کہ تم اس دنیاوی زندگی سے کچھ دنوں کے لئے لطف اٹھا لو، مرنے کے بعد تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت کے اس جزو میں اہل کفر اور اہل شرک کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم آیت (۳۰) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ تَمَتَّعُوا فَمَا لَكُمْ مَصِيبٌ كُمْ إِلَى النَّارِ﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ خوب مزے کر لو، تمہارا انجام تو آخر جہنم ہی ہے“۔

(۸) مشرکین کی صفات بیان کرنے کے بعد اب مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں، کہا گیا ہے کہ وہ کافر بہتر ہے جو مصیبت ٹل جانے کے بعد غیر اللہ کو پکارنے لگتا ہے، یا وہ مومن جو خوشی اور غم دونوں حال میں راتوں کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، اور عذابِ آخرت کو یاد کر کے سجدے میں اپنے رب کے سامنے گریہ و زاری کرتا ہے، اور حصولِ جنت کی دعا کرتا ہے؟ یقیناً وہ مومن بہتر ہے جو ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرتا رہتا ہے، خوشی ملتی ہے تو اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور غم ملتا ہے تو

قُلْ يُعْبَدُ الَّذِينَ آمَنُوا لِقَاءِ رَبِّكُمْ الَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَأَرْضُ اللَّهِ وَسِعَةٌ إِنَّمَا يُؤْفَى الضَّالُّونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، اے میرے اہل ایمان بندو! اپنے رب سے ڈرتے (۹) رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں اچھے کام کریں گے، انہیں آخرت میں اچھا بدلہ ملے گا، اور اللہ کی زمین کشادہ ہے، بے شک (اللہ کی راہ میں) صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا بے حساب اجر دیا جائے گا (۱۰) اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی (۱۱) اس کے لئے دین کو خالص کر کے کرتا رہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلے درجہ کا مسلمان بنوں (۱۲) اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں ایک بڑے دن (یعنی قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں (۱۳)

اسی سے اس سے نجات پانے کے لئے دعا کرتا ہے۔

آیت کے آخر میں نبی کریم ﷺ کی زبانی کہا گیا ہے کہ علم و جہل اور عالم و جاہل برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی توحید اور اس کے ادامہ و نواہی کا علم حاصل کرتے ہیں، اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، وہ یقیناً ان نادانوں سے بہتر ہیں جو شرک و ضلالت کی داہلوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ اور اس ربانی تعلیم سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنے جسموں میں عقل سلیم رکھتے ہیں۔ (۹) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی زبانی مومنوں کو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرنے کی تعلیم دی گئی ہے، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے وہ لوگو جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کی ہے! اپنے رب سے ڈرتے رہو، اس کی بندگی کرو، اس کی نافرمانی سے بچتے رہو، اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک نہ بناؤ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اس دنیا میں عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں جنت دے گا، اور جن پر وطن کی زمین تنگ ہو جائے، اور اہل کفر کے ظلم و استبداد کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو جائے، انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جانے کا حکم دیا ہے جہاں وہ باسانی اس کی عبادت کر سکیں، انبیاء و صالحین کی یہی سنت رہی ہے۔ سورۃ النساء آیت (۹۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا﴾ ”قیامت کے دن ایسے لوگوں سے فرشتے کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاؤ؟“

بعض مفسرین نے ﴿أَرْضُ اللَّهِ﴾ سے مراد جنت لی ہے، اور کہا ہے کہ یہاں مقصود مومنوں کو حصول جنت کی ترغیب دلانی ہے۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی بغیر صفت صبر کے ممکن نہیں، اس لئے آیت کے آخر میں صبر کی فضیلت اور اللہ کے نزدیک اس کے عظیم اجر و ثواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ترک قوم و وطن کی اذیت برداشت کریں گے، اور اللہ کی رضا کی خاطر کڑے گھونٹ برداشت کریں گے، اللہ انہیں بے حساب اجر و ثواب عطا کرے گا، یعنی جنت دے گا جس کی نعمتیں ان گنت اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہوں گی۔

قَالَ اللَّهُ أَعْبُدْ مُنْصَلًّا لِي دِينِي ۖ فَاعْبُدُوا مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ ۗ قُلْ إِنَّ الْخَيْرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ لَهُمْ مِنْ قَوْلِهِمْ ظُلْمٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلْمٌ ۗ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَ ۗ
يَعْبُدُونَ إِلَّا الْفُتُونَ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، میں تو اپنی بندگی کو اللہ کے لئے خالص کر کے صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں ﴿۱۳﴾
پس تم لوگ اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، آپ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ گھانا پانے والے تو وہ ہیں جو قیامت
کے دن اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالیں گے، آگاہ رہئے کہ وہی کھلا نقصان و خسران ہو گا ﴿۱۵﴾
ان کے لئے ان کے اوپر سے آگ سا تباہ (۱۱) ہوگی اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے سا تباہ ہوں گے، یہ وہ
عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، پس اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرو ﴿۱۶﴾

(۱۰) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین قریش کو یہ بتادیں کہ مجھے تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کی عبادت
کروں، اور اس کے سوا کسی کی طرف التفات نہ کروں، اور مجھے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ اخلاص و عمل اور اطاعت و بندگی
میں تمام مسلمانوں سے آگے رہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ پہلے آدمی تھے جس نے اپنے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت کی، اور لوگوں
کو توحید کی طرف بلایا۔

اور مجھے کفار قریش کو یہ بھی کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور کافروں کی بات مان کر غیر اللہ
کی عبادت کی، تو ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن پکڑ نہ لیا جاؤں اور عذاب میں نہ مبتلا کر دیا جاؤں۔
شکافی نے ابو حمزہ یمنی اور ابن المسیب کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت سورۃ الفتح کی آیت (۲) ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا
تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ کے ذریعہ منسوخ ہو گئی ہے، جس میں اللہ نے آپ کو خبر دی ہے کہ ان کے اگلے اور پچھلے تمام
گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

اور مجھے یہ بات بھی بتادینے کا حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کی ہی عبادت کرتا ہوں، میری عبادت میں شرک کا شائبہ
تک نہیں ہوتا ہے۔ اے مشرکین مکہ! اگر تم میری دعوت قبول نہیں کرتے ہو اور توحید کا انکار کرتے ہو تو اس کے سوا غیروں کے
سامنے سر ہکتے رہو، تمہیں عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

اور مجھے یہ بھی بتادینے کو کہا گیا ہے کہ اصل گھانا پانے والے وہ لوگ ہیں، جو قیامت کے دن کفر و ضلالت کی وجہ سے
خود بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے اور اپنے اہل و عیال کو گمراہ کرنے کی وجہ سے انہیں بھی اپنے ساتھ اس میں لے جائیں گے، اور
جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے جائیں گے۔ درحقیقت یہی وہ خسارہ ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ نہیں،
کہ گوشت اور ہڈی سے بنے انسانوں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے۔

(۱۱) اہل جہنم کے عذاب کی ہولناکی بیان کی جا رہی ہے کہ وہ لوگ اوپر اور نیچے سے آگ کے کئی طبقوں میں ڈھکے ہوں گے،
اس عذاب سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اور انہیں نصیحت کرتا ہے کہ اس سے ڈرتے رہیں اور کوئی ایسا عمل نہ کریں جو
اس کی ناراضگی اور عذاب ناز کا سبب بنے۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ عَذَابِ النَّارِ .

وَالَّذِينَ احْتَنَبُوا الظَّالِمَاتِ أَنْ يَبْعُدُوا عَنْهَا وَأَنْ يَكْفُرُوا بِاللَّهِ لَكُنَّ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۗ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْآكِبَابُ ۗ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كِتَابُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْفِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۗ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا لَهُمْ لَعْنَةُ الْغَافِرِينَ ۗ فَوَقَّهَا عَرْفُكُم مِّنْ تَحْتِهَا الْأَخْطَرُ وَعَدَّ اللَّهُ لِلْمُخْلِفينَ الْعَذَابَ ۗ

اور جو لوگ بتوں (۱۲) کی پرستش سے بچتے ہیں، اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کے لئے خوشخبری ہے، پس اے میرے نبی! آپ میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجئے ﴿۱۷﴾ جو قرآن کو نور سے سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے حق کی راہ دکھادی ہے، اور یہی لوگ عقل و خرد والے ہیں ﴿۱۸﴾ تو کیا جن کے بارے میں اللہ کے عذاب کا فیصلہ ﴿۱۳﴾ ہو چکا ہے، کیا جو جہنم میں جا چکا ہے، اُسے آپ وہاں سے نکال لیں گے ﴿۱۹﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ﴿۱۴﴾ ہیں، ان کے لئے (جنت میں) بالا خانے ہوں گے، جن کے اوپر بھی بالا خانے بنے ہوں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے ﴿۲۰﴾

(۱۲) قیامت کے دن بتوں کے پجاریوں کا انجام بد بیان کرنے کے بعد، اب ان موحدین کا انجام بیان کیا جا رہا ہے جو بتوں کی پرستش نہیں کرتے، اور اپنے دل و دماغ اور تمام اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور اس کے سوا کسی کو پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اس خوشخبری کا ذکر قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں میں آیا ہے، انہی میں سے یہ آیت بھی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے سورہ یونس کی آیت (۶۳) ﴿لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”مومن کو اچھے خواب دکھائے جاتے ہیں“ اور یہ خوشخبری اُسے دینا سے رخصت ہوتے وقت اور قبر میں دی جاتی ہے، اور میدانِ محشر میں بھی دی جائے گی۔

اور جو خوشخبری بتوں سے اعراض کرنے والے موحدین کو دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے وہی خوشخبری ان لوگوں کو دی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی ہر افضل و احسن بات سن کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ یہی لوگ جاہد حق پر گامزن ہیں، اور اپنے جسموں میں عقل سلیم رکھتے ہیں۔

(۱۳) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ جو آدمی اپنی ازلی شقاوت و بدبختی کی وجہ سے کفر و شرک اور ظلم و سرکشی کی زندگی گزار رہا ہے، آپ اُسے عذابِ نار سے نہیں بچا سکتے ہیں، اس لئے کہ جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے وہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ ان کے غم میں پریشان نہ رہئے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت میں ﴿كَلِمَةَ الْعَذَابِ﴾ سے مراد سورہ ص آیت (۸۵) میں ابلیس سے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ اور سورہ الاعراف آیت (۱۸) میں اس کا قول: ﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ہے، جن کا معنی یہ ہے کہ ”اے ابلیس! میں تجھ سے اور ان لوگوں سے جہنم کو بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے“۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفًّى ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطًا مَاءً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ أُولَادٌ يُرِيهَهُمْ ذِكْرًا مِمَّا رَزَقَهُمْ اللَّهُ قَوْلًا لِقَابِهِمْ فَلْيَسِّرْ لَهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَئِكَ فِي صُلْحٍ مُبِينٍ ﴿۱۶﴾

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمانوں سے بارش (۱۵) نازل کرتا ہے، پھر اُسے چشموں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کرتا ہے، پھر اس کے ذریعہ مختلف رنگ کی کاشت نکالتا ہے، پھر وہ پک جاتی ہے، تو آپ اُسے زرد دیکھتے ہیں، پھر اللہ اُسے ریزہ ریزہ بنا دیتا ہے، بے شک اس میں عقل و خرد والوں کے لئے نصیحت ہے ﴿۲۱﴾ کیا اللہ نے جس کا سینہ (۱۶) اسلام کے لئے کھول دیا ہو، پس وہ اپنے رب کی جانب سے نور رکھتا ہو (اس شخص کے مانند ہوگا جس کے پاس اللہ کا نور نہ ہو) پس اُن کے لئے خرابی ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے غفلت کی وجہ سے سخت ہو گئے ہوں، ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿۲۲﴾

(۱۳) آیت (۱۶) میں جنہیوں کی جو حالت بیان کی گئی ہے، اسی سے بطور استدراک اب اللہ سے ڈرنے والوں کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ جنت میں ان کے لئے بلند و بالا اور عالیشان محل ہوں گے، جن کے کمرے بہت سی منزلوں پر مشتمل ہوں گے، اور جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، جو برحق ہے اس کا وعدہ کبھی بھی جھوٹا نہیں ہوتا۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے ثباتی بیان کرنے کے لئے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں دنیاوی زندگی کو اس پانی سے تشبیہ دی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے ہرے بھرے پودے اگتے ہیں، درختوں میں پھل آتے ہیں، اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و علم کے مظاہر بیان کر کے اس کے وجود پر ایمان لانے کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے، نیز دنیاوی زندگی کی بے ثباتی کو بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الکہف آیت (۳۵) میں آیا ہے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْغَيَْاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَلَّتْ بِهِ رَبَابَاتُ الْأَرْضِ فَأَنْبَجَتْ حَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَّاحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا ﴿۳۵﴾﴾ ”ان کے سامنے آپ دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کیجئے جیسے وہ پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں، اس سے زمین کا سبزہ ملاملا نکلتا ہے، پھر آخر کار وہ چوراچورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں اڑائے لئے پھرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

(۱۶) اوپر کی آیت میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے مظاہر علم و قدرت سے وہی لوگ عبرت و موعظت حاصل کرتے ہیں جو عقل سلیم رکھتے ہیں، اسی مناسبت سے قبول اسلام کے لئے اللہ کی جانب سے شرح صدر کا ذکر آیا، کیونکہ اسلام سے حقیقی انتفاع بغیر توفیق الہی ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کا سینہ قبول حق کے لئے کھول دیا جائے، اس آدمی کے مانند کیسے ہوگا جس کے دل پر مہر لگا دیا جائے اور اس کا سینہ اتنا تنگ ہو جائے کہ قبول حق کی اس میں گنجائش باقی نہ رہے۔ ایسے سخت دل اور کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے۔ ان کا حال اس مریض کا ہے جس کے لئے دوا باعث ہلاکت بن جائے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام روحانی بیماریوں کا علاج بتایا ہے، اسے جب مومن سنتا ہے تو اس کے دل پر اس

اللَّهُ تَكْلٍ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيًّا تَشَعَّرَ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْتُونُونَ لَهُمْ ذُرِّيَّتًا لِيُنْجَلُوا بِهَا وَأَعْيُنُهُمْ تَصِبُّ عَلَيْهَا الْمَاءَ وَالْحَمِيمَ ۚ وَقُلْ لِيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ ذِكْرًا وَلِيُنذِرَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ذُو قُوَّةٍ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ جَعَلْنَا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ آيَاتٍ لِيُحْسِنُوا الصَّلَاةَ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ الْحُكْمُ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ كَائِمُونَ ۚ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاثَامُهُمْ الْعَذَابُ الَّذِي لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْعَذَابِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَكَانُوا لَعْنَةً ۚ وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَانُوا لَعْنَةً ۚ وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَكَانُوا لَعْنَةً ۚ وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَكَانُوا لَعْنَةً ۚ وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ

اللہ نے سب سے اچھا کلام (۱۷) نازل فرمایا ہے، یعنی ایک کتاب جس کی آیتیں معانی میں ملتی جلتی ہیں، جنہیں بار بار دہرایا جاتا ہے، جنہیں سن کر ان لوگوں کے بدن کانپ جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف مائل ہوتے ہیں، یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس کے ذریعہ جسے چاہتا ہے راہ حق دکھاتا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ﴿۲۳﴾ کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب (۱۸) سے اپنے چہرے کے ذریعہ بچے گا (اس کے برابر ہوگا جو جنت میں عیش کرے گا) اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم جو کچھ کیا کرتے تھے اس کا سزا چکھو ﴿۲۴﴾ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی (اللہ اور اس کے رسول کو) جھٹلایا تھا، تو عذاب نے انہیں اُس طرف سے آیا جس کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے ﴿۲۵﴾ پس اللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں ذلیل و رسوا کیا، اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت بڑا ہوگا، کاش وہ اس بات کو جان لیتے ﴿۲۶﴾

کار بہت ہی اچھا اثر ہوتا ہے، اور اسے نئی زندگی مل جاتی ہے، لیکن سخت دل کافروں اور مشرکوں پر اس کا اثر معکوس ہوتا ہے، یعنی ان کے دل کی سختی مزید بڑھ جاتی ہے اور ان پر موت طاری ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں کی ہدایت ممکن نہیں، کیونکہ وہ کھلی گمراہی میں پڑ چکے ہوتے ہیں۔

(۱۷) ﴿أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے، اس آیت کریمہ میں اس کی بعض صفات کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے سب سے اچھی ”حدیث“ نازل کی ہے، جس کی آیتیں حسن تعبیر اور صدق معانی میں ایک دوسرے کی مشابہ ہیں، اور جن میں بیان کردہ اوامر و نواہی، وعدہ و وعید اور قصص و مواضع مختلف انداز میں بار بار ذکر کئے گئے ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والے جب عذاب والی آیتیں سنتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور جب رحمت و مغفرت کی آیتیں سنتے ہیں تو ان کے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف قرآن کریم ذریعہ ہدایت ہے، اللہ جسے ہدایت دینی چاہتا ہے، اسے اس پر ایمان لانے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ جس کے لئے کفر و عناد اور کبر و سرکشی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے گمراہی لکھ دی گئی ہو، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ہے۔

(۱۸) سخت دل کفار و مشرکین کا دنیا میں یہ حال بیان کیا گیا کہ وہ ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، اور آخرت میں ان کا حال یہ ہوگا کہ ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف یا گردن کے ساتھ باندھ دیئے جائیں گے اور اندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شقاوت و بد نصیبی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ لوگ ان کے مانند ہو سکتے ہیں جو جنت کے باغوں میں پُرا من

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۗ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا أَحْمَدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اور ہم نے لوگوں کی بھلائی کے لئے اس قرآن^(۱۹) میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے، شاید کہ وہ ان سے نصیحت حاصل کریں ﴿۲۷﴾ وہ قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی نہیں ہے، شاید کہ لوگ تقویٰ کی راہ اختیار کریں ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص (یعنی غلام) کی مثال^(۲۰) بیان کرتا ہے جس میں کئی جھگڑا و آدمی شریک ہیں، اور ایک ایسے شخص کی جو خالص ایک آدمی کی ملکیت ہے، کیا دونوں حالات میں برابر ہو سکتے ہیں، ہر قسم کی تعریف صرف اللہ کے لئے ہے، بلکہ اکثر لوگ صحیح علم نہیں رکھتے ہیں ﴿۲۹﴾

زندگی گزار رہے ہوں گے؟ عطاء اور ابن زید کہتے ہیں کہ جنہی کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ کی طرف باندھ کر چہرہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ اُسے چہرہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا، اور ظالم جہنیوں سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھتے رہو۔

آیات (۲۶/۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کی عبرت و موعظت کے لئے فرمایا کہ ان سے پہلی قوموں نے بھی اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ نے انہیں دنیا میں ذلیل و رسوا کیا کسی کو زمین میں دھنسا دیا، کسی کی صورت مسخ کر دی، اور کسی پر پتھروں کی بارش برسادی، اور کسی کو قید و بند میں مبتلا کیا۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیا کے عذاب سے کہیں سخت ہوگا، جس سے بہر حال انہیں دو چار ہونا ہی پڑے گا۔ کاش کفار اس بات کا یقین کر لیتے، رسولوں کی تکذیب نہ کرتے اور اپنے خالق و مالک پر ایمان لے آتے تو ہلاکت و بربادی ان کا انجام نہ ہوتا۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے قرآن کریم میں بہت سی مثالیں اور گزشتہ قوموں کے واقعات و قصص بیان کئے ہیں، تاکہ ان میں غور و فکر کر کے عبرت حاصل کریں۔ اور اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا، جو ہر تاقص و اختلاف اور التباس و غموض سے پاک ہے، اس کی ہر بات واضح اور ہر بات صریح ہے، جسے سنتے ہی عربی زبان جاننے والے اس کی غرض و غایت سمجھ لیتے ہیں۔ اور اللہ نے انسانوں پر یہ کریم اس لئے کیا تاکہ لوگ اس میں موجود اوامر و نواہی کی اتباع کر کے اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچا سکیں گے۔

(۲۰) یہ آیت کریمہ قرآن میں مذکور بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ہے، تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر کے عبرت حاصل کریں۔ یہ مثال ایک مشرک اور ایک موحد کے درمیان فرق واضح کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک ایسا غلام جس کے کئی آقا ہوں، اور سبھی بد اخلاق اور بد سلوک ہوں، اور وہ ہمیشہ حیران و پریشان رہتا ہو کہ کس کی بات ماننے اور کس کی نافرمانی کرے، اور کس طرح سھوں کو راضی رکھے، ایسا غلام اس غلام کے مانند نہیں ہو سکتا جس کا ایک ہی آقا ہو، اسی کے اشاروں پر عمل کرتا ہو اور اطمینان بھری زندگی گزارتا ہو۔ یہی حال مشرک و موحد کا ہے۔ مشرک مختلف معبودوں کے درمیان حیران و پریشان رہتا ہے، اور موحد رب العالمین کی عبادت کرتا ہے اور اس کا دل سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

إِنَّا كُنَّا بِكُمْ بِرَبِّكُمْ يُتَوَنَّنُونَ ﴿۳۱﴾ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَضِعُونَ ﴿۳۲﴾

اے میرے نبی! آپ بھی مر (۳۱) جائیں گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے ﴿۳۰﴾ پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے پاس ایک دوسرے سے جھگڑو گے ﴿۳۱﴾

مشرک کی اسی حیرانی اور موحد کے اسی سکون و اطمینان کی طرف یوسف علیہ السلام نے اشارہ کیا تھا جب قرآن کی زبان میں انہوں نے خیال کے ساتھیوں سے کہا تھا: ﴿أَأَرْيَا بَاطِنَ الْمُتَّقِينَ خَلْفَ أَمِّ الْوَالِدِ الْفَهَّارِ﴾ ﴿بھانت بھانت کے بہت سارے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو صاحب قہر و جبروت ہے﴾۔

مفسر ابو السعود لکھتے ہیں کہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ کے ذریعہ اوپر بیان کئے گئے مشرک و موحد کے درمیان فرق کی مزید توفیق کی گئی ہے، اور موحد کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اسے جو نعمت توحید حاصل ہوئی ہے وہ محض اللہ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے، اور یہ اتنی بڑی عظیم نعمت ہے جس پر اللہ کا ہر دم شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شرک و توحید اور مشرک و موحد کا فرق ظاہر و واضح ہونے کے باوجود، مشرکین اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں اور شرک و ضلالت کے بھنور میں پھکولے کھاتے رہتے ہیں۔

(۲۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہے کہ آپ کو اور تمام انسانوں کو موت لاحق ہوگی۔ اس میں کفار کہہ کی تردید ہے جو نبی کریم ﷺ کی موت کی تمنا کرتے تھے، ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر محمد مر جائیں گے تو تم لوگ بھی تو مر جاؤ گے، اس لئے کسی کی موت پر خوش ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ نیز ان بعض صحابہ کرام کی فکر کی تصحیح کی گئی ہے جو گمان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ پر موت طاری نہیں ہوگی۔ اور اس کے بعد والی آیت میں جو بات کہی گئی ہے اس کی تمہید بھی ہے، یعنی دنیا ختم ہو جائے گی، سارے لوگ مر جائیں گے اور قیامت کے دن مومن و کافر اور ظالم و مظلوم سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے حقوق کے لئے ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔

آیت (۳۱) کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اے میرے نبی! قیامت کے دن آپ اپنے رب سے لوگوں کے بارے میں بتائیں گے کہ آپ نے اسلام کی دعوت ان تک پہنچادی تھی، اور کفار و مشرکین انکار کریں گے اور عذاب سے بچنے کے لئے کہیں گے کہ ہمیں اسلام کی دعوت پہنچی ہی نہیں تھی۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
 لِلْكَافِرِينَ ۗ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ وَعِنْدَ
 رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
 الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۗ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ
 اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۗ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝

پس اس شخص سے بڑا ظالم (۲۲) کون ہو گا جس نے اللہ پر افترا پردازی کی، اور جب سچی بات اسے پہنچ گئی تو اسے جھٹلادیا، کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے ﴿۳۲﴾ اور جو رسول سچی بات لے کر آیا، اور جن لوگوں نے اس بات کی تصدیق کی وہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں ﴿۳۳﴾ اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہے جس کی وہ خواہش کریں گے، بھلائی اور نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے ﴿۳۴﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے سب سے بُرے کاموں کو معاف کر دے، اور انہوں نے جو سب سے اچھے کام کئے تھے، اُن کا انہیں اجر عطا کرے ﴿۳۵﴾ کیا اللہ اپنے بندے (نبی ﷺ) کے لئے کافی (۲۳) نہیں ہے، اور مشرکین آپ کو اللہ کے سوا جھوٹے معبودوں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے، اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۳۶﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے، اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، کیا اللہ زبردست، انتقام لینے والا نہیں ہے ﴿۳۷﴾

(۲۲) جو مومنین اور کفار قیامت کے دن اللہ کے سامنے جھٹلیں گے ان کا حال بیان کیا جا رہا ہے، کہ اُس آدمی سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ کے بارے میں افترا پردازی کرے اور کہے کہ اس کا کوئی ساجھی یا لڑکا یا بیوی ہے، اور جو اس دین کی تکذیب کرے جسے لے کر نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور ان کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے حقیقی معنوں میں اللہ سے ڈرنے والے ہیں، اور قیامت کے دن انہیں ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے، اور عمل صالح کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایسا ہی بدلہ دے گا، وہ ان کے تمام بڑے اور جھوٹے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور ان کے نیک اعمال کا انہیں بہترین بدلہ دے گا۔

(۲۳) اوپر گنڈر چکا ہے کہ کفار قریش نبی کریم ﷺ کی موت کی تمنا کرتے تھے، اور انہوں نے اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے آپ کو قتل بھی کرنا چاہا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اطمینان دلایا کہ آپ کا رب آپ کے لئے یقیناً کافی ہے۔ اس لئے کفار آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے اور ان کی سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ اور وہ لوگ اپنی غایت جہالت و نادانی میں آپ کو اپنے جتوں سے ڈراتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ بت آپ کو قتل کروادیں گے یا جنوں میں مبتلا کر دیں گے حقیقت یہ ہے کہ اللہ جس کو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، جیسے کفار مکہ ہیں۔ اور جسے اللہ ہدایت دے، جیسے آپ ہیں، اسے راہِ راست سے کوئی بھٹکا نہیں سکتا ہے، اور اللہ بڑا زبردست اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی پوری قدرت رکھتا ہے، اس لئے اگر کفار قریش اس کے رسول کی ایذا رسانی اور اپنے کفر و عناد سے باز نہ آئے تو وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے کر رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور کفار مکہ میدانِ بدر میں جس طرح ذلیل و رسوا کئے گئے تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔ اور بالآخر مکہ فتح ہوا اور

وَكَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَاوِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُغْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا (۲۳) کیا ہے، تو وہ کہیں گے انہیں اللہ نے بنایا ہے، آپ کہہ دیجئے، تمہارا کیا خیال ہے، جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ جھوٹے معبود اللہ کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر دیں گے، یا وہ مجھے اپنی رحمت سے نوازا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو مجھ سے روک دیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، بھروسہ کرنے والے صرف اسی پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۳۸﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ تم سب اپنی جگہ جو کرتے ہو وہ کئے (۲۵) جاؤ، میں بھی اپنا کام کئے جاتا ہوں، پس تم عنقریب ہی جان لو گے ﴿۳۹﴾ کہ کس پر رُسوا کن عذاب نازل ہوتا ہے اور کس پر دائمی عذاب مسلط ہو جاتا ہے ﴿۴۰﴾

کافروں کی طاقت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔

(۲۳) اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کی جہالت و نادانی اور ان کی کم عقلی بیان کی گئی ہے کہ آپ جب ان سے پوچھیں گے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو فوراً جواب دیں گے کہ اللہ ہے۔ تو پھر وہ لوگ خالق ارض و سموات کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبانی ان سے پوچھا کہ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینی چاہے، تو تم لوگ جن بتوں کی پرستش کرتے ہو، کیا وہ میری اس تکلیف کو دور کریں گے؟ اور اگر وہ مجھے اپنے فضل و کرم سے نوازا چاہے تو کیا وہ بت اسے روک دیں گے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے، اس لئے کہ ان کے اندر نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے اے کفار قریش! میرا یہ اعلان سن لو کہ میرا اللہ میرے لئے کافی ہے، میں اسی پر بھروسہ کروں گا اور اسی کی عبادت کروں گا، کیونکہ تمام بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ہو علیہ السلام کی قوم نے جب ان سے کہا کہ ہمارے معبودوں نے تمہاری عقل کو نقصان پہنچا دیا ہے، تو انہوں نے کہا: ﴿إِنِّي أَشْهَدُ بِاللَّهِ وَأَشْهَدُوا أَنِّي رِيٌّ مَّمَّا تَشْرِكُونَ ۚ مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُونِي جَمِيعًا ۚ لَأَنْتَظِرُونَ ۚ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ﴾ ”میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک بنا رہے ہو، اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو، میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔ جتنے بھی پاؤں دھرنے والے ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے، یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے۔“

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ اگر سارے لوگ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر نہیں کیا ہے، تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر سارے لوگ تمہیں

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۗ إِنَّهُ يَتَوَقَّىٰ الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

بے شک ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے آپ پر دین حق کے ساتھ کتاب (۲۶) نازل کی ہے، پس جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنا بھلا کرے گا، اور جو راہ حق سے برگشتہ ہوگا، اس کا نقصان وہ خود اٹھائے گا، اور آپ ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں ﴿۴۱﴾ اللہ روحوں (۲۷) کو ان کی موت کے وقت پورے طور پر لے لیتا ہے، اور جن کی موت نہیں آئی انہیں نیند کی حالت میں لے لیتا ہے، پھر جن کی موت کا فیصلہ کر دیتا ہے انہیں روک لیتا ہے، اور باقی روحوں کو ان کے وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۴۲﴾

کوئی نفع پہنچانا چاہیں جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر نہیں کیا ہے تو وہ نفع نہیں پہنچا سکیں گے۔ (ترمذی و مسند احمد)۔
(۲۵) اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی زبانی کفار قریش کو دھمکی دی گئی ہے کہ تم لوگ دعوت حق سے جس بغض و عداوت کا معاملہ کر رہے ہو، اسی پر باقی رہو، میں بھی ایمان و توحید اور اللہ کی طاعت و بندگی پر قائم رہتا ہوں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں رسوا کن عذاب کسے آ لیتا ہے، اور جہنم کا دائمی عذاب کس کا ٹھکانا ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میدان بدر میں اللہ نے انہیں ذلیل و خوار کیا۔ اکثر و بیشتر منکبیرین قریش مارے گئے، اور ان کی لاشوں کو ایک کنویں کے اندر ڈال دیا گیا، اور جو بچ گئے انہیں پابند سلاسل کر کے مدینہ لے جایا گیا۔

(۲۶) اہل قریش کے کفر پر اصرار کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ ہم نے آپ کو کتاب حق دے کر مبعوث کیا ہے اور آپ کی ذمہ داری تبلیغ و بیان کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے ہیں۔ جو شخص قرآن پر ایمان لائے گا اور ایمان و عمل کی زندگی اختیار کرے گا، اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا کہ وہ جہنم سے نجات پائے گا اور جنت کا حقدار بنے گا، اور گمراہ ہوگا تو اس کا انجام بد وہ خود بھگتے گا بایں طور کہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اللہ کی لعنت و غضب کا مستحق بنے گا۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ آیت، آیت جہاد کے ذریعہ منسوخ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ کلمہ "لا إله إلا الله" پڑھ لیں اور احکام اسلام کے پابند ہو جائیں۔

(۲۷) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ خبر دی ہے کہ پوری کائنات میں وہی اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے، وہی فرشتوں کے ذریعہ انسانوں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکال لیتا ہے، جس کے بعد وہ قیامت تک کے لئے مر جاتے ہیں، اور وہی انسانوں پر نیند طاری کرتا ہے، جس کے سبب اس کے ظاہری حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر ان میں سے جسے اللہ دنیا سے اٹھالینا چاہتا ہے، اسے واقعی موت دے دیتا ہے، اور قیامت تک اس کی روح اس کے جسم میں لوٹ کر نہیں آئے گی، اور جس کی موت نہیں لکھی ہوتی اس کی روح لوٹ آتی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۱﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا
لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِذَا أَدَّكَ اللَّهُ وَحْدَهُ شَمَّازَاتٍ قُلُوبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ وَإِذَا أَدَّكَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۳﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِّمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۴﴾

کیا لوگوں نے اللہ کے سوا کو سفارشی (۳۱) بنا رکھا ہے، آپ کہہ دیجئے، اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اور نہ عقل رکھتے ہیں ﴿۳۲﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ ہر سفارش صرف اللہ کے لئے ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لئے ہے، پھر تم سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے ﴿۳۳﴾ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، جب ان کے سامنے صرف ایک اللہ کا ذکر (۳۴) آتا ہے، تو ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں، اور جب اللہ کے سوا غیروں کا ذکر آتا ہے، تو خوشی سے ان کی باجھیں کھل جاتی ہیں ﴿۳۵﴾ اے میرے نبی! آپ کہئے، اے میرے اللہ! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے (۳۶) غائب اور حاضر کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز (یعنی توحید باری تعالیٰ) کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں ﴿۳۷﴾

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بستر پر جائے تو اسے تہ بند کے دامن سے جھاڑ دے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کیا چیز اس پر آئی ہے۔ پھر کہے میرے رب! میں اپنا پہلو تیرے نام کے ساتھ رکھتا ہوں، اور تیری مدد سے اسے اٹھاؤں گا، اگر تو میری جان قبض کرنے لے تو اس پر رحم کرنا اور اگر دوبارہ اسے آنے دے تو اس کی اسی طرح حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

موت و حیات اور روح کے قبض کئے جانے اور جسم میں اس کے دوبارہ لوٹ آنے میں ان لوگوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ حقائق اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ جو ذات باری تعالیٰ ان باتوں پر قادر ہے، وہ یقیناً قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، اور وہی طاعت و بندگی کا تہا مستحق ہے۔

(۲۸) مشرکین کو ان نشانوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، اور توحید باری تعالیٰ سے برگشتہ ہو کر بتوں کو اللہ کی جناب میں اپنا سفارشی بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے نبی کی زبانی فرمایا کہ کیا یہ بت تمہارے سفارشی ہوں گے اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے پاس عقل ہے؟! کیونکہ وہ تو مٹی اور پتھر کے بنے بت ہیں۔ شفاعت کی تمام قسموں کا مالک اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اور اسی کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا، اس لئے شفاعت کی اجازت اسی سے طلب کرو۔

(۲۹) شرک کا ایک بدترین نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مشرکین کے سامنے جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ان کے دل سخت ترین تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کا اثر ان کے چہروں پر ظاہر ہوتا ہے، اور جب ان کے جھوٹے معبودوں کے نام لئے جاتے ہیں تو خوشی کے مارے ان کی باجھیں کھل جاتی ہیں۔ ان کی بدمیسی دیکھئے کہ دونوں ہی حال میں وہ انتہا کو پہنچتے ہوتے ہیں۔ جب صرف اللہ کا نام آتا ہے تو فرط غم سے ان کے چہروں کا رنگ بدل جاتا ہے، اور

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَدَأَ اللَّهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَهُمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۳۰﴾ وَبَدَأَ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ فَكَانُوا بِسِتْهُرٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا نَجْدًا إِذْ أَخْوَلَهُ نِعْمَةٌ وَمِنَّا قَالِ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ فَكَانُوا بِسِتُونَ ﴿۳۳﴾ فَاصَابَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِبُعْزِينَ ﴿۳۴﴾

اور اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہوتا جو زمین میں ہے، اور اسی جیسا اور ہوتا، تو قیامت کے دن بُرے عذاب (۳۱) سے بچنے کے لئے وہ سارے کا سارا دے ڈالتے، اور (اُس دن) اللہ کی طرف سے اُن کے سامنے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے ﴿۳۰﴾ اور اُن کے بُرے کرتوت اُن کے سامنے ظاہر ہوں گے، اور جن حقائق کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیں گے ﴿۳۱﴾ پس جب آدمی کو کوئی تکلیف (۳۲) پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارنے لگتا ہے، پھر جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتے ہیں، تو وہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے میری دانشمندی کی وجہ سے ملی ہے۔ بلکہ یہ تو ایک آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے ہیں ﴿۳۲﴾ یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، پس ان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی ﴿۳۳﴾ پھر ان کے کرتوتوں کے بُرے نتائج نے انہیں آلیا، اور اُن میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا، انہیں عنقریب ہی اُن کے کرتوتوں کے بُرے نتائج آئیں گے، اور وہ (اللہ کو) شکست نہیں دے سکتے ہیں ﴿۳۴﴾

جب جھوٹے معبودوں کا نام لیا جاتا ہے تو پھولے نہیں ساتے، اور خوشی کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (۳۰) نبی کریم ﷺ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب اُن کے اور کافروں کے درمیان اختلاف شدید ہو جائے اور وہ تنگ دل ہونے لگیں، تو اپنے رب کی طرف تیزی کے ساتھ چلیں، دعا کریں، اور خشوع و خضوع کے ساتھ کہیں کہ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، اور غائب و حاضر کے جاننے والے، تو ہی اپنے مومن و کافر بندوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کرنے والا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، تو حق کی طرف میری رہنمائی کر۔

(۳۱) اس آیت میں عذابِ آخرت کی شدت و ہولناکی بیان کی گئی ہے کہ شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے جب قیامت کے دن عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، تو اس کی ہولناکی کا اندازہ کر کے تمنا کریں گے کہ اگر ان کے پاس زمین بھر کر دولت ہوتی، اور اتنی دولت اور ہوتی، اور سب دے کر اس عذاب سے نجات مل جاتی تو وہ ایسا کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرتے، اس لئے کہ وہ ایسا خطرناک اور دردناک عذاب ہوگا جو ان کے شان و گمان میں بھی نہیں تھا، اور دنیا میں جن گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے تھے ان کا انجام بدن کی آنکھوں کے سامنے ہوگا، اور جس عذاب کا مذاق اڑاتے رہے تھے، وہ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔

(۳۲) مشرک انسان کی قبیح صفت یہ ہے کہ جب اسے کوئی بیماری یا تکلیف لاحق ہوتی ہے، تو اپنے جھوٹے معبودوں سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور خوب گڑگڑا کر اس مصیبت سے نجات کے لئے دعائیں کرتا ہے، اور جب اللہ

اَوْ لَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ يٰعِبَادِىَ

الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی جس کی چاہتا ہے روزی کشادہ (۳۳) کر دیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے کئی نشانیاں ہیں جو (اللہ پر) ایمان رکھتے ہیں ﴿۵۲﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، اے میرے وہ بند و جنہوں نے اپنے آپ پر (گناہوں کا ارتکاب کر کے) زیادتی (۳۳) کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے ﴿۵۳﴾

بطور آزمائش اس کی دعا سن لیتا ہے، اسے اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے، اور اپنی کسی نعمت سے اسے نواز دیتا ہے، تو فوراً ہی طغیان و سرکشی پر تل جاتا ہے، اور لوگوں سے اپنی جھوٹی بڑائی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگتا ہے کہ اللہ کو معلوم تھا کہ میں اس نعمت کا حقدار ہوں جیسا مجھے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خام خیالی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں، وہ تو اللہ کی طرف سے اس کے لئے آزمائش تھی، کہ اس کے بعد بھی طاعت و بندگی کی راہ اختیار کرتا ہے یا احسان فراموشی کر کے پھر اپنے جھوٹے معبودوں کے سامنے سجدہ ریزی کرنے لگتا ہے، لیکن اکثر مشرکین اس حقیقت سے ناواقف ہی رہتے ہیں۔

اس بات کی دلیل کہ کفر و شرک کے باوجود اللہ کی داد و دہش ان کے لئے بطور آزمائش تھی، یہ ہے کہ قارون اور دیگر نافرمانوں نے ان سے پہلے ایسی ہی بات کی، تو اللہ نے فوراً ہی انہیں پکڑ لیا، اور ان کی ساری دولت دھری کی دھری رہ گئی، یعنی ان کے ساتھ جو کچھ ہو وہ ان کے برے اعمال کا نتیجہ تھا، اسی طرح کفار قریش کو بھی ان کے برے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا، اور وہ اللہ کو عاجز نہیں بنا سکیں گے۔

(۳۳) آیت (۴۹) میں جو بات کہی گئی ہے کہ مشرکوں کے لئے اللہ کی نعمت فتنہ و آزمائش ہے، اسی بات کی توثیق کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ روزی میں وسعت اور تنگی دونوں آزمائش کے لئے ہوتی ہے، روزی میں وسعت دے کر اللہ تعالیٰ آزماتا ہے کہ بندہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے، اور تنگی دے کر آزماتا ہے کہ صبر کرتا ہے یا اپنی قسمت کو کومتا ہے اور اللہ سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ نہ وسعت اللہ کی محبت کی دلیل ہے، اور نہ ہی تنگی اس کی نفرت کی نشانی ہے۔ اور ان تمام باتوں میں بڑی مفید نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو اہل ایمان ہوتے ہیں، یعنی وہی لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اہل کفر کو تو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۳۴) واحدی نے لکھا ہے: تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے شرک، قتل اور نبی کریم ﷺ کی ایذا رسانی جیسے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا، اور اسلام لانا چاہتے تھے، لیکن ڈرتے تھے کہ شاید ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ انہیں اور اللہ کے تمام بندوں کو اس کی وسیع رحمت اور عظیم مغفرت کی خوشخبری دے دیں، کہ انہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، وہ تو اپنے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اس لئے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کریم کی سب سے زیادہ امید بھری آیت ہے۔ اس میں اللہ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اور پھر انہیں گناہوں کے ارتکاب میں حد سے تجاوز ہونے کی صورت میں اپنی رحمت سے ناامید ہونے سے منع

وَأَنْبِئْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلَبُوكُم مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ
إِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْضَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ بِحَسْرَتِي
عَلَىٰ مَا فَكَّرْتُ فِي جَدْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لِبَيْنِ السَّائِرِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ
الْمُتَّقِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةٌ فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي
فَلَكَلْبَتًا بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ۝

اور تم سب اپنے رب کی طرف رجوع (۳۵) کرو اور اسی کی طاعت و بندگی میں لگے رہو، اس کے قبل کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے، پھر کسی جانب سے تمہاری مدد نہ کی جائے ﴿۵۳﴾ اور تم سب اس بہترین کلام کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تم پر نازل کیا گیا ہے، قبل اس کے کہ عذاب الہی تمہیں اچانک آ لے، اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو سکے ﴿۵۵﴾ (اُس وقت) آدمی کہنے لگے، ہائے افسوس! اُس کو تاہی پر جو مجھ سے اللہ کے حق میں ہوتی رہی ہے، اور میں تو (اللہ کے رسول اور دینِ اسلام کا) مذاق اڑاتا رہا ﴿۵۶﴾ یا آدمی یہ کہے کہ اگر اللہ نے مجھے راہِ حق دکھایا ہوتا تو میں بھی اُس سے ڈرنے والوں میں ہوتا ﴿۵۷﴾ یا جب عذاب کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لے، تو کہنے لگے، کاش! مجھے دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو میں بھی نیک لوگوں میں سے بن جاتا ﴿۵۸﴾ ہاں، میری آیتیں تم تک پہنچی (۳۶) تھیں، تو تم نے انہیں جھٹلادیا تھا، اور تکبر کیا تھا، اور تم کافروں میں سے ہو گئے تھے ﴿۵۹﴾

فرمایا ہے، اور یہ کہہ کر مزید کرم فرمایا کہ وہ تو تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ کافر و مومن تمام گناہ گاروں کو توبہ کی دعوت دیتی ہے، اور خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے چاہے وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

(۳۵) اللہ تعالیٰ نے حد سے تجاوز کرنے والے اپنے جن بندوں کو عموم مغفرت کی خوشخبری دی، انہیں حکم دیا کہ وہ توبہ کریں اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کریں اور اسی کی طاعت و بندگی میں لگے رہیں، اور اس دن کے عذاب سے ڈرتے رہیں جس دن ان کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اور قرآن کریم میں وارد احکام کی اتباع کریں، اللہ نے اس میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے انہیں حلال سمجھیں، اور جنہیں حرام قرار دیا ہے انہیں حرام سمجھیں، قبل اسکے کہ عذاب الہی انہیں اچانک اپنے گھیرے میں لے لے، اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو، اور اس روز قیامت سے قبل جب اہل جہنم دنیا میں توبہ کی توفیق نہیں ہوئی تھی، مارے حسرت کے کف افسوس ملیں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! میں تو دنیا میں اللہ کے دین اور روز قیامت کا مذاق اڑاتا تھا، یا کہیں گے، اے کاش! مجھے اللہ نے اسلام کی ہدایت دی ہوتی، تو متقیوں میں سے ہوتا اور کفر کا ارتکاب نہ کرتا، یا جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے، اے کاش! مجھے دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو میں بھی ان مومنوں جیسا بن جاتا جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کی، اور آج کے دن اپنے رب کے حضور سرخرو ہوئے۔

(۳۶) اللہ تعالیٰ ان اہل جہنم کی تردید کرے گا، اور کہے گا کہ بات ویسی نہیں جیسی تم کہہ رہے ہو، تمہارے سامنے تو قرآن کریم کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی رہی، لیکن تم نے ان کی تکذیب کی، کبر و عناد سے کام لیا، اور کفر کی راہ اختیار کی۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَةٌ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۗ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمِقَادَتِهِمْ ۖ ذَلِكُمْ فَتْمُهُمُ الشَّعْوَىٰ ۗ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۗ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۗ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَأْتِيهِمُ اللَّهُ أُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُونَ ۗ قُلْ أَغْفِرُ ۗ اللَّهُ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ۗ وَ لَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ ۖ لَئِن أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۗ بَلِ اللَّهُ فَاعْبُدْ ۗ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۗ

اور آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے (دنیا میں) اللہ پر افترا پردازی (۳۷) کی تھی، ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کے لئے ٹھکانا نہیں ہے ﴿۶۰﴾ اور جن لوگوں نے تقویٰ کی راہ اختیار کی تھی، انہیں اللہ جنت کی کامیابی دے کر جہنم سے بچالے گا، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۶۱﴾ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا (۳۸) ہے، اور وہی ہر چیز کا محافظ و نگران ہے ﴿۶۲﴾ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿۶۳﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، نادانوں! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت (۳۹) کا حکم دیتے ہو ﴿۶۴﴾ اور آپ کو اور ان رسولوں کو جو آپ سے پہلے گذر چکے ہیں یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر آپ نے اللہ کا کسی کو شریک بنایا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا، اور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۶۵﴾ بلکہ آپ اللہ کی بندگی کرتے رہئے اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہئے ﴿۶۶﴾

(۳۷) جو بحر میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں افترا پردازی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کے شرکاء ہیں، اس کی بیوی ہے اور اس کی اولاد ہے، روز محشر جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اور اللہ ان کی ان افترا پردازیوں پر شدید غضبناک ہوگا، تو رعب و ہشت کی شدت سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے، اور آج جو لوگ تکبر کی وجہ سے ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار نہیں کرتے ہیں، اُس دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور جو لوگ شرک و معاصی سے بچتے ہیں، اور طاعت و بندگی کی راہ اختیار کرتے ہیں، انہیں اللہ جہنم سے نجات دے گا، اور جنت میں داخل کر کے فَاَزَلْتُمُوهُمْ ۗ انہیں میدان محشر میں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ کر آئے تھے اس کا انہیں کوئی غم نہیں ہوگا، جنت اور اس کی نعمتوں کو پا کر ماضی کی تمام باتیں بھول جائیں گے۔ (۳۸) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہی تمام چیزوں کا خالق و مالک، ان کا پالنے والا، ان میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے والا ہے اور ان کا محافظ و نگران ہے، اس کی قدرت بے پایاں اور اس کا علم لامحدود ہے، اور آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں، رزق و رحمت اور خیر و برکت سب کچھ اسی کے پاس ہے۔ اس لئے عبادت کا صرف وہی تہا حقدار ہے، اور دستِ سوال پھیلا یا جائے تو صرف اسی کے سامنے۔ اور قیامت کے دن حقیقی خسارہ اٹھانے والے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں قرآن کریم اور ان نشانوں کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳۹) کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ بتوں کی پرستش تمہارے آباء و اجداد کا دین ہے، اس لئے تم اپنے رب کی عبادت کرو اور بتوں کی بھی عبادت کرو، اور ہم بھی تمہاری خاطر تمہارے رب کی عبادت کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَدَرُوا الْآرْضَ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝

اور کافروں نے اللہ کی اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق قدر^(۳۰) نہیں کی، اور قیامت کے دن تمام زمین اُس کی ٹھٹی میں ہوگی، اور سارے آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، وہ مشرکوں کے شرک سے پاک اور بلند و بالا ہے ﴿۶۷﴾ اور صور میں پھونک^(۳۱) ماری جائے گی تو آسمانوں اور زمین میں جتنے رہنے والے ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ وہ بے ہوش نہ ہوں) پھر دوسری بار اس میں پھونک ماری جائے گی، تو وہ تمام کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ﴿۶۸﴾

وہ مشرکین کی اس رائے کی پوری صراحت کے ساتھ تردید کر دیں اور کہہ دیں کہ اے نادانو! کیا تم غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلا تے ہو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

آیت (۶۵) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کو اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کو بذریعہ وحی یہ بات بتادی گئی تھی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جو قیامت کے دن حقیقی گھانا اٹھانے والے ہوں گے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ آیت (شرک پر موت) کے ساتھ مقید ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت (۲۱۷) میں آیا ہے: ﴿وَمَنْ يَزِدْكُمْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ "اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور آخروی سب غارت ہو جائیں گے۔"

آیت (۶۶) میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ مضمون کی تکمیل کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ صرف اللہ کی عبادت کیجئے، اور توحید و نبوت اور دعوت و رسالت جیسی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہئے۔

(۳۰) مشرکین کی جہالت و نادانی بیان کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ کی حقیقی قدر و منزلت کا تصور ہی نہیں کر سکے جہی تو اس کے سوا دوسروں کو معبود سمجھا، اور نبی کریم ﷺ کو مشورہ دیا کہ وہ بھی بتوں کی پرستش کریں۔ اس کی ذات تو وہ قادرِ مطلق ذات ہے کہ زمین اپنی عظمت و کثافت کے باوجود قیامت کے دن اس کی ٹھٹی میں ہوگی، اور ساتوں آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، اس دن وہ پورے جلال میں ہوگا، اور کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں وہ جو دنیا میں بادشاہ کہلاتے تھے۔ تو جو ذات ایسی ہو، اور جو ایسی عظیم قدرت کا مالک ہو وہی تمام عبادتوں کا مستحق ہے، اس کے سوا جھوٹے معبودوں کی پرستش جرمِ عظیم ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، اور وہ مشرکوں کے شرک سے بالاتر ہے۔

(۳۱) روزِ قیامت کی ہولناکی، اور ان بڑی نشانیوں اور زلزلوں کا بیان ہے جو اُس دن ظہور پذیر ہوں گے۔ صاحبِ ایسر التفاسیر لکھتے ہیں کہ یومِ آخرت سے متعلق قرآن کریم کی آیات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صور چار بار بھونکا جائے گا۔ پہلی پھونک سے سارے لوگ فنا ہو جائیں گے، دوسری سے سارے لوگ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے، تیسری پھونک کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جس کے اثر سے لوگ مدہوش ہو جائیں گے مریں گے نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث

وَأَمَّا رَقِيبَ الْأَرْضِ بِسُورِ رَبِّهَا وَوَضِعَ الْكِتَابِ وَجَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالشَّهَادَاتِ وَقَضَىٰ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَوَقَيْتَ كُلِّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَسَيُقَاسُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمْرًا ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَهْوَاهَا وَقَالَ أُولَٰئِكَ لَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ لِيَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَ يُنذِرُوكُم لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِن حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۱۳۲﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِمَا كُفِرْتُمْ فِيهَا

اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن (۱۳۰) ہو جائے گی، اور اعمال نامے رکھے جائیں گے، اور انبیاء اور شہداء لائے جائیں گے، اور ان کے درمیان عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۱۳۱﴾ اور ہر جان کو اس کے کئے کا پورا بدلہ چکایا جائے گا، اور اللہ ان کے اعمال سے خوب واقف ہے ﴿۱۳۲﴾ اور کافروں کو جہنم کے دروازے پر لے جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے، اُس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور ان سے جہنم کے محافظ فرشتے کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغامبر نہیں آئے تھے جنہوں نے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنائی تھی، اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈرایا تھا۔ تو وہ کہیں گے، ہاں! مگر کافروں کے بارے میں عذاب کا فیصلہ ثابت ہو گیا ﴿۱۳۳﴾ ان سے کہا جائے گا، تم سب جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اسی میں رہو گے، تکبر کرنے والوں کا وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہو گا ﴿۱۳۴﴾

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا، تو موسیٰ کو عرش کے پاس پاؤں گا، مجھے معلوم نہیں کہ انہیں مجھ سے پہلے ہوش آچکا ہو گا، یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جنہیں اللہ مد ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھے گا“۔ اور چوتھی پھونک کے زیر اثر تمام لوگ رب العالمین کے حضور حساب کے لئے خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے، اور اپنے اپنے انجام کا انتظار کرنے لگیں گے۔

(۱۳۲) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ظاہر ہو گا، تو اس کی تجلی سے پورا میدان محشر اجالا ہو جائے گا، اور لوگوں کے نامہ ہائے اعمال سامنے لائے جائیں گے، اور انبیاء کرام آگے آئیں گے جو گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچادیا تھا، اور نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگ آگے لائے جائیں گے جو گواہی دیں گے کہ گذشتہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں تک اللہ کا پیغام پہنچادیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کے درمیان پورے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا، کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو ان سے زیادہ جانتا ہے، اس لئے حساب میں کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی، اور نہ اس میں کسی غلطی یا بھول چوک کا امکان ہو گا۔

(۱۳۳) قیامت کے دن مومن و کافر، موحد و مشرک اور نیک و بد کے درمیان جب اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے گا، تو دونوں جماعتوں کو ان کے آخری انجام کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ مندرجہ ذیل آیتوں میں اسی کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ کافروں کو فرشتے پوری سختی کے ساتھ ڈانٹنے پھینکارتے، جماعتوں کی شکل میں جہنم کی طرف زبردستی ہانک کر لے جائیں گے، جیسا کہ سورۃ الطور آیت (۱۳) میں آیا ہے: ﴿يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا﴾ ”جس دن وہ لوگ جہنم کی آگ میں دھکے دے کر پہنچائے

وَسَبِقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رُبُّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ وَهِيَ فَتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِّمُوا عَلَيْكُمْ رَبِّكُمْ فَاَدْخَلُوهُمْ خَالِدِينَ ﴿۳۵﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَّهُ وَأَوْزَنَا الْأَرْضَ تَتَّبِعُوا مِن الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿۳۶﴾

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں انہیں جوق در جوق جنت کی طرف لے جایا (۳۳) جائے گا، یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے، اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور ان سے جنت کے محافظ فرشتے کہیں گے، تم پر سلام ہو، چین سے رہو، اور اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ ﴿۳۴﴾ اور اہل جنت کہیں گے تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں جنت کی زمین کا وارث بنا دیا، ہم جنت میں جہاں چاہیں گے رہیں گے، پس نیک عمل کرنے والوں کو کتنا اچھا بدلہ ملا ہے ﴿۳۶﴾

جائیں گے“ اور ان کے وہاں پہنچتے ہی فوراً جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، تاکہ ان کے عذاب دیئے جانے میں کوئی تاخیر نہ ہو۔ پھر جہنم کے سخت دل اور سخت لہجہ دار ونے بطور زجر و توبخ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے اللہ کے پیغامبر نہیں آئے تھے جو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر تمہیں سمجھاتے تھے، اتباع حق کی دعوت دیتے تھے، اور آج کے دن کے عذاب سے ڈراتے تھے؟ تو اہل جہنم کہیں گے کہ ہاں آئے تھے، ہمیں ڈرایا تھا، اور دلائل و براہین کے ذریعہ ایمان و عمل کی دعوت دی تھی، لیکن ہم نے اپنی بدبختی کی وجہ سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت کی۔ تو پھر ان سے کہہ دیا جائے گا کہ تم لوگ جہنم کے اُن دروازوں میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لئے کھول دیئے گئے ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ چونکہ ان کے گناہوں کو دیکھ کر تمام حاضرین میدانِ محشر پکار اُٹھیں گے کہ واقعی یہ لوگ عذابِ نار کے ہی مستحق ہیں، اسی لئے یہاں ”قول“ کی نسبت کسی خاص کی طرف نہیں کی گئی ہے۔ اور شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ بات ان سے عذاب کے فرشتے کہیں گے۔

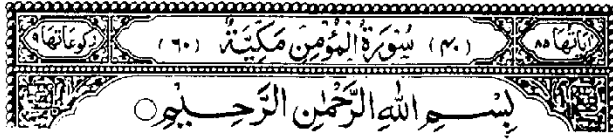
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہنمی جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں کبر و غرور کی وجہ سے حق کی اتباع نہیں کرتے تھے، ان کا وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہوگا۔

(۳۳) اور اللہ سے ڈرنے والوں کو ان کی خدمت پر متعین فرشتے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ جنت کی طرف مخصوص سواریوں پر لے جائیں گے، اور جب وہاں پہنچیں گے تو جنت کے دروازوں کو اپنے استقبال میں پہلے سے کھلا ہوا پائیں گے، اور فرشتے انہیں سلام کریں گے اور کہیں گے کہ اب آپ لوگ تمام آفات و بلیات سے امن میں آگئے، آپ حضرات کی زندگی دنیا میں شرک و معاصی کی آلائشوں سے پاک تھی، اس لئے جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائیے۔

(۳۵) اُس وقت اہل جنت کہیں گے کہ ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کیا (جس کا ذکر سورہٴ مریم آیت (۶۳) میں آیا ہے: ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ ﴿۳۶﴾ ”یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں کو بناتے ہیں جو متقی ہوں“۔) اور ہمیں جنت کا وارث بنایا جس میں ہم جہاں اور جس طرح چاہتے ہیں رہتے ہیں۔ دنیا میں ایمان اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والوں کا یہاں اچھا بدلہ ہے۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ، وَقُضِيَ بَيْنَهُمُ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝



حَمًّا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَكُلِّهِ إِلَّا هُوَ الْبَاقِي ۝

اور آپ فرشتوں کو عرش کے چاروں طرف گھیرا (۳۶) ڈالے دیکھیں گے، اپنے رب کی حمد و ثنا اور پاکی بیان کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور ہر طرف یہی کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے ﴿۴۵﴾

(سورۃ المؤمن مکی ہے، اس میں پچاسی آیتیں اور نور کووع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

حم - ﴿۱﴾ یہ کتاب (۲) اُس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو زبردست، بڑا جاننے والا ہے ﴿۲﴾ گناہوں کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، فضل و کرم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۳﴾

(۳۶) اللہ تعالیٰ نے جب یہ بتایا کہ وہ حساب و کتاب کے بعد اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں بھیج دے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ چکا دے گا، تو اب فرشتوں کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے کہ وہ عرش کے چاروں طرف سر نیاز جھکائے اپنے رب کی پاکی اور بڑائی بیان کرنے میں لگے ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے درمیان پورے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا تو محشر کی کارگزاریاں ختم ہو جائیں گی، اور فرشتے اور جنت میں مقیم مومنین اللہ رب العالمین کا شکر بجالائیں گے، اور اس کی تعریف بیان کریں گے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۃ المؤمن

نام: آیت (۲۸) ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِّن آلِ فِرْعَوْنَ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اس کا نام عافراور الطول بھی ہے۔

زمانہ نزول: ابن عباس، حسن، عطاء، عکرمہ اور جابر وغیرہم کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) حم، حروف مقطعه ہیں، اور اللہ کو ہی معلوم ہے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ البتہ اتنی بات قابل ذکر ہے، جو پہلے بھی کہی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر و بیشتر حروف مقطعات کے بعد قرآن کریم کے وحی الہی اور منزل من اللہ ہونے کی بات کی ہے، اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ یہ غالباً عربوں کے لئے ایک قسم کا چیلنج تھا کہ یہ کتاب الہی انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تمہارا

مَا جَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُوكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ كَذَّبَتْ قَبَائِمُ قَوْمِ نُوحٍ وَالْأَخْرَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْنَا لَهُمْ مَا كَانُوا يَعْتَابُونَ

كَانَ عِقَابٌ ۝

اللہ کی آیتوں کے بارے میں صرف اہل کفر جھگڑتے (۳) ہیں، پس مختلف ممالک میں اُن کا جانا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے ﴿۴﴾ ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا (۴) تھا، اور اُن کے بعد دیگر گروہوں نے، اور (اُن میں سے) ہر قوم نے چاہا کہ وہ اپنے رسول کو پکڑ لے، اور ناحق جھگڑا کیا تاکہ اُس جدال کے ذریعہ حق کو ٹھکست دے، تو میں نے انہیں پکڑ لیا، پھر میری سزا کتنی سخت تھی ﴿۵﴾

کلام مرکب ہوتا ہے، اور تمہیں زبان دانی میں سارے عالم پر اپنی فوقیت کا بھی دعویٰ ہے، تو اگر یہ کلام کسی انسان کا کلام ہے، تو اس جیسا کلام لانے سے تم عاجز کیوں ہو؟ معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، جسے اس نے بذریعہ وحی اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے نازل کر دہے، جو اپنی تمام مخلوقات پر غالب ہے، کوئی بھی اس کے کسی ارادے اور حکم میں مداخلت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے، اور وہ بڑا علم والا ہے، اپنی مخلوقات، ان کی نیوتوں، ان کے اعمال اور ان کی ضروریات کو خوب بہتر جانتا ہے۔ وہ مغفرت چاہنے والوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے، توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے، نافرمانوں اور کافروں کو سخت ترین سزا دینے پر قادر ہے، اور مخلوقات پر خوب انعام و احسان کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، روز قیامت سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جاتا ہے۔

(۳) اوپر بیان ہوا کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اسے اس نے اس لئے نازل کیا ہے تاکہ اس کے بندے اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کریں، اسی مناسبت سے اب ان لوگوں کے احوال بیان کئے جا رہے ہیں جو قرآن کریم کی آیتوں کی تردید و تکذیب کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور اس شیعہ ہدایت کی لو کو بزم خود کم کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی وحدانیت، روز قیامت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت پر دلالت کرنے والی آیتوں میں وہی لوگ شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اور باطل دلائل کے ذریعہ حق کو دباننا چاہتے ہیں جو درحقیقت کافر ہوتے ہیں، اس لئے اسے میرے نبی! ان کی دنیاوی نعمتوں اور صحت و عافیت کو دیکھ کر آپ دھوکے میں نہ پڑ جائیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے، بلکہ اس نے ان کی رسی ڈھیل دی ہے کہ وہ کبر و عناد میں کس حد تک آگے بڑھتے ہیں۔ سورہ آل عمران آیات (۱۹۶، ۱۹۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَغْرُوكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ * مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ *﴾ ”آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے، اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے، اور وہ بڑی جگہ ہے۔“

(۴) کفار قریش سے پہلے قوم نوح، اور ان کے بعد قوم عاد و ثمود، قوم ابراہیم و لوط، اصحاب مدین اور فرعونوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، اور ہر ایک نے انہیں قتل کرنا چاہا، اور باطل دلائل کے ذریعہ حق کی آواز کو دباننا چاہا، تو اللہ نے ان میں سے ہر ایک کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا، اور وہ عذاب بڑا شدید اور دردناک ہوتا تھا۔

اسی طرح کفار قریش کے لئے بھی ان کے کفر و شرک پر اصرار کی وجہ سے اللہ کا عذاب ثابت ہو چکا ہے، اور طے ہے کہ

وَكذَلِكَ حَقَّقَتْ كَلِمَاتُكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ الَّذِينَ يَخْتَلِفُونَ أَلْسِنَتَهُمْ فِي سَبْحِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ بِاللَّهِ وَالرَّبِّ وَرَبُّنَا وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَرَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْحَجِيمِ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

اور اس طرح کافروں کے بارے میں آپ کے رب کا فیصلہ (۵) قرار پا گیا کہ وہ لوگ جہنمی ہوں گے ﴿۶﴾ جو فرشتے عرش اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو فرشتے اس کے گرد جمع ہیں، یہ سب اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کو محیط ہے، پس تو ان لوگوں کو معاف کر دے جنہوں نے توبہ کی، اور تیری راہ کی پیروی کی، اور تو انہیں جہنم کے عذاب سے نجات دے ﴿۷﴾ اے ہمارے رب! اور تو انہیں ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان لوگوں کو بھی تو ان جنتیوں میں داخل کر دے جو ان کے ماں باپ، بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں، توبہ بے شک زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۸﴾ اور تو انہیں گناہوں کی سزا سے بچالے، اور جس کو تو اس دن گناہوں کی سزا سے بچالے گا، اُس پر تو نے رحم فرمادیا، اور یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۹﴾

ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۵) لیکن جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے تقویٰ اور عمل صالح کی راہ اختیار کر لی ہے، ان کا انجام بخیر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ فرشتے جنہوں نے عرش الہی کو تمام رکھا ہے، اور دیگر فرشتے جنہیں رب العالمین کا قرب حاصل ہے، سب اپنے رب کی بڑائی بیان کرتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی ان کا رب نہیں ہے، اور ہر دم اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، اور اہل ایمان کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ مومنوں اور ان فرشتوں کے درمیان ایمان کا رشتہ ان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا کے اہل ایمان انسانوں کے لئے رب العالمین کے عرش کے نزدیک دعا اور طلب استغفار کرتے رہیں، گویا یہ کام بھی ان کے دائمی وظیفہ کا ایک حصہ ہے۔

فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، اور تیرے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، تو اپنے ان بندوں کو معاف کر دے، جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی ہے اور اسلام کی راہ اختیار کر لی ہے، اور تو انہیں جہنم کی آگ سے بچالے، اے ہمارے رب! تو انہیں عدن کے ان باغوں میں داخل کر دے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کے ساتھ ان کے ان آباء و اجداد، بیویوں اور اولاد کو بھی جنہوں نے نیکی اور صلاح کی راہ اختیار کی، تاکہ دخول جنت سے انہیں جو خوشی حاصل ہوئی ہے اس کی تکمیل ہو جائے۔ اے ہمارے رب! تو ہر چیز پر غالب ہے اور بڑی حکمتوں والا ہے۔ اے ہمارے رب! تو انہیں برے اعمال کی سزا سے بچالے ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے۔ تو قیامت کے دن جسے برے اعمال کی جزا سے بچالے گا، اسے ہی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ينادون لِمَعْتَبِ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَعْتَبِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالَ أَوَلَمْ يَأْتِكُمْ آيَاتُنَا وَاحْتِيتُنَا أَشْتَاتِينَ فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجِهِمْ سَبِيلٌ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدًا كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُتْمَرُوا بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝

بے شک اہل کفر (۶) سے پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ (دنیا میں) اللہ کی تم سے بیزاری، اُس بیزاری سے بڑی تھی جس کا اظہار آج تم اپنے آپ سے کر رہے ہو، جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی، تو تم کفر کی راہ اختیار کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اہل کفر کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت (۷) دی، اور دوبار زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا یہاں سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانے کا کوئی راستہ ہے ﴿۱۱﴾ اُن سے کہا جائے گا، تمہارا یہ حال اس لئے ہے کہ جب تمہارا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرنے لگتے تھے، اور اگر اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا تھا، تو تم یقین کر لیتے تھے، پس آج فیصلہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جو سب سے بلند، سب سے بڑا ہے ﴿۱۲﴾

درحقیقت تیری رحمت ڈھانک لے گی۔ مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کے لئے سب سے زیادہ خیر خواہ فرشتے ہیں اور سب سے بدخواہ شیاطین ہیں۔ انہوں نے اسی آیت کے پیش نظریہ بات کہی ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنم سے نجات اور دخول جنت ہی سب سے بڑی کامیابی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت (۱۸۵) میں فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ”جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے گا، اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا، وہ بے شک کامیاب ہو جائے گا“۔

(۶) بارہا یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ قرآن کریم بالعموم ترغیب و ترہیب ایک ساتھ بیان کرتا ہے۔ اوپر مومنوں اور ان کے اہل و عیال کے دخول جنت کا بیان گذر چکا تو اب جہنم میں کافروں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اہل جہنم جب عذاب کی سختیوں سے تنگ آجائیں گے، ان کی شکلیں بدل جائیں گی، اور ان کے چہرے جل کر وحشت ناک اور بد نما ہو جائیں گے، تو انہیں اپنے آپ سے نفرت ہو جائے گی، اور دنیا میں اپنی بد اعمالیوں پر اپنے آپ کو کون سے لگیں گے، اور جب فرشتے ان کی باتیں سنیں گے تو کہیں گے کہ دنیا میں تمہارے کفر و استکبار اور توحید و رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو تم لوگوں سے جو بغض و نفرت تھی وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جو آج عذاب ناری کی وجہ سے تمہیں اپنی ذات سے ہے۔

(۷) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ میدان محشر میں کفار جب اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے۔ سورہ السجدہ آیت (۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَانْجَبْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾ ”کاش! آپ دیکھتے جب کہ گناہ گار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے، کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب تو ہمیں واپس لوٹا دے، ہم نیک اعمال کریں گے، ہم یقین کرنے والے ہیں“۔ لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ پھر جب آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو پہلے سے زیادہ الحاح کے ساتھ سوال کریں گے، لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام آیت (۲۷)

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنذِرُ ۗ قَادُوا لَهُ مَخْلَبِينَ لَهُ الَّذِينَ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۱۳﴾ رَبِّمَعَاذَكَ الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۴﴾

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں (۸) دکھاتا ہے، اور تمہارے لئے آسمان سے روزی اُتارتا ہے، اور نصیحت تو صرف وہ حاصل کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿۱۳﴾ پس تم لوگ اللہ کو اس کے لئے بندگی کو خالص کر کے پکارو ﴿۱۴﴾ چاہے کفار برامانیں ﴿۱۳﴾ وہ اللہ جو اونچے درجات والا، عرش کا مالک ہے، وہ اپنی وحی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو روزِ ملاقات سے ڈرائے ﴿۱۵﴾

میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نَادُوا وَلَا نُكذِّبُ آيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾
”اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے، تو کہیں گے، ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں، اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ پھر جب آگ میں داخل کر دیئے جائیں گے اور اس کی سختیوں کو جھیلنے لگیں گے، اور ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو جائے گی، تو چیخیں ماریں گے اور کہیں گے: ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ﴾ ”اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال دے، ہم اچھے کام کریں گے، برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔“ (فاطر: ۷۳)۔

سورۃ المؤمن کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے سوال سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا اعتراف کریں گے اس امید میں کہ شاید ان کی بات مان لی جائے، کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے اپنی عظیم قدرت کے ذریعہ ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندہ کیا، یعنی ہم نطفوں کی شکل میں مردہ اپنے باپوں کی بیٹھوں میں تھے، تو نے ہمیں زندگی دی، پھر ہم نے موت کا حزا چکھا، اور اب پھر دوبارہ ہمیں زندہ کیا ہے۔ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا ایسا ممکن ہے کہ تو دوبارہ ہمیں دنیا میں بھیج دے، تاکہ نیک عمل کریں؟ تو ان کا سوال رد کر دیا جائے گا، اور اللہ ان سے کہے گا کہ تمہاری خبیث فطرتیں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں، تمہیں تو دنیا میں جب ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو انکار کر دیتے تھے، اور جب اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا جاتا تھا تو ان کے سامنے فوراً سر نیزا جھکا دیتے تھے۔ اس لئے اگر دوبارہ بھی تمہیں دنیا میں بھیج دیا جائے تو توحید باری تعالیٰ کا انکار کرو گے اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراؤ گے۔ تمہارے بارے میں عذاب کا حتیٰ فیصلہ ہو چکا ہے، نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے، اب اپنے آپ کو کوسو، اور اپنی بد بختی پر نوحہ کرو، لیکن ان سب باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۸) اہل کفر و شرک کے لئے قیامت کے دن وعید شدید کا بیان کئے جانے کے بعد، اب انہیں اُس دن سے پہلے اس دنیاوی زندگی میں دعوتِ ایمان دی جا رہی ہے، تاکہ موت سے پہلے ہی تائب ہو کر زمرہ مؤمنین میں داخل ہو جائیں اور جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اہل قریش! تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی توحید اور اپنی عظمت و قدرت کے عظیم دلائل تمہارے سامنے پیش کرتا ہے، اور وہی آسمان سے تمہارے لئے روزی بھیجتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی کہا کہ نصیحت تو وہ حاصل کرتا ہے جو گناہوں سے تائب ہوتا ہے، اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

يَوْمَهُمْ بِالَّذِينَ لَا يُخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِّبَيْنِ الْمَلِكِ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْأَنْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَظِيمِينَ ۝ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ شَيْئًا ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

جس دن لوگ اپنی قبروں سے نکل کر باہر آجائیں گے، اُن کی کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گی (اللہ کہے گا) آج کس کی بادشاہی ہے؟ (پھر خود ہی جواب دے گا) اللہ کی ہے جو اکیلا ہے، ہر چیز پر غالب ہے ﴿۱۶﴾ آج ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، بے شک اللہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لینے والا ہے ﴿۱۷﴾ اے میرے نبی! آپ انہیں قیامت کے دن سے ڈرائیے ﴿۱۸﴾ جب لوگوں کے دل غم کے مارے گھٹ کر حلق تک پہنچ جائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی گہر اور دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے گی ﴿۱۸﴾ اللہ آنکھوں کی خیانت ﴿۱۹﴾ اور اُن باتوں کو جانتا ہے جنہیں سینے چھپائے ہوتے ہیں ﴿۱۹﴾ اور اللہ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ کے سوا جن باطل معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو کوئی فیصلہ نہیں کرتے ہیں، بے شک اللہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے ﴿۲۰﴾

(۹) اہل ایمان کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی راہ پر چلتے رہو، اور کافروں کے غیظ و غضب کے علی الرغم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، جو بہت ہی اونچے درجات اور عرش والا ہے، یعنی جس کی رفعت شان اور عظمت و کمال کی کوئی انتہا نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وہی بھیج کر اپنا رسول بنا دیتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو اس دن سے ڈرائے جب اہل زمین آسمان والوں سے ملیں گے، اور بندے اپنے خالق کے سامنے حاضر ہوں گے، جس دن تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے، کوئی چیز انہیں اللہ سے نہیں چھپائے گی، جب تمام مخلوقات کی روحمیں قبض کر لی جائیں گی، اللہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ تین بار کہے گا: آج بادشاہت کس کی ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا، اس اللہ کی ہے جو تمہا ہے، اور جو ہر چیز پر قاہر و غالب ہے۔ بخاری و مسلم نے اسی معنی کی حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

جس دن ہر شخص کو عدل الہی کے مطابق اس کے کئے کا بدلہ چکا دیا جائے گا، اُس دن کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ صحیح مسلم میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی مروی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم حرام کر دیا ہے، اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بڑا تیز حساب لینے والا ہے۔ سورہ لقمان آیت (۲۸) میں آیا ہے: ﴿مَا خَلَقْنَاكُمْ وَلَا بَعَثْنَاكُمْ إِلَّا كَفَافًا﴾ ”تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلتانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا“۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو قیامت کے دن سے ڈرائیے، جو بہت ہی قریب ہو چکا ہے، تاکہ شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اُس دن کے عذاب کے مستحق نہ بن جائیں۔ اُس دن لوگوں کے دلوں پر ایسا خوف و رعب طاری ہوگا کہ دل اپنی جگہ چھوڑ کر حلق تک پہنچ جائیں گے۔ نہ نکل پائیں گے اور نہ ہی اپنی اصلی جگہ لوٹ سکیں گے، اور دنیا میں اپنے برے

وَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ
 أَثَارًا فِي الْأَرْضِ ۖ فَاخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۗ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ آثَابُهُمْ رُسُلَهُمْ
 بِالْبَيِّنَاتِ فَاكْفَرُوا ۖ فَاخَذَهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۗ وَلَقَدْ آرَسْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ
 فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۖ

کیا انہوں نے زمین کی سیر (۱۲) کر کے دیکھا نہیں کہ ان کافروں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، وہ لوگ ان سے زیادہ طاقت والے، اور زمین میں اپنے آثار کے طور پر زیادہ عمارتوں اور قلعوں والے تھے، پس اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں پکڑ لیا، اور اللہ سے ان کو بچانے والا کوئی نہیں ملا ﴿۲۱﴾ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے تھے، تو وہ انکار کر دیتے تھے، پھر اللہ انہیں پکڑ لیتا تھا، بے شک وہ بہت قوت والا، سخت سزا دینے والا ہے ﴿۲۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں (۱۳) اور کھلی دلیل کے ساتھ بھیجا ﴿۲۳﴾ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس، تو انہوں نے کہا، یہ تو جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے ﴿۲۳﴾

کر تو توں کی وجہ سے غم سے ٹڈھال ہوں گے۔ ان پر مکمل سکوت طاری ہوگا، شرک و معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کا اس دن نہ کوئی رشتہ دار ہوگا اور نہ کوئی مونس و غم و خوار، اور نہ کوئی سفارشی ہوگا، انتہائی مایوسی کا عالم ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ (۱۱) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، وہ آنکھوں کی خیانتوں اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، تاکہ لوگ اس کی نافرمانی سے ڈریں، اور تقویٰ اور عمل صالح کی راہ اختیار کریں۔

”خیانتِ نظر“ کی تشریح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کی ہے کہ آدمی کسی کے گھر میں جائے، وہاں کوئی خوبصورت عورت ہو جسے لوگوں سے نظر بچا کر دیکھنے کی کوشش کرے، اور جب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ پائے، تو نظر نیچی کر لے، لیکن اللہ نے اس کے دل کا حال جان لیا، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ اس عورت کی شرمگاہ کو بھی دیکھ لیتا!!

اللہ نے اپنے بارے میں یہ بھی خبر دی کہ اس کا فیصلہ نہایت عادلانہ ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اچھائی کا بدلہ اچھے انجام کے ذریعہ اور برائی کا بدلہ برے انجام کے ذریعہ دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس کے برخلاف وہ معبودان باطل جنہیں مشرکین پکارتے ہیں کسی فیصلے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں، اس لئے کہ وہ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، اور اللہ تو ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے، اس لئے وہ بندوں کے درمیان عادلانہ فیصلے کی مکمل قدرت رکھتا ہے۔

(۱۲) نبی کریم ﷺ سے ان کی رسالت کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ کی زمین میں گھوم کر ان قوموں کا انجام کیوں نہیں دیکھتے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، تو اللہ نے انہیں عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا، حالانکہ وہ لوگ کفارِ قریش سے زیادہ طاقت ور تھے، انہوں نے زمین کو آباد کرنے کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بنائی تھیں اور دنیاوی اعتبار سے خوب کامیاب تھے، لیکن جب اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کا مواخذہ کیا، تو انہیں کوئی پچانہ سکا۔ ان کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ ان کے پاس انبیاءِ کرام تو حیدر رسالت کے اثبات میں بڑی واضح نشانیاں اور صریح دلائل لے کر آئے، لیکن انہوں نے انکار کر دیا تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا اور ہلاک کر دیا۔ اس ذات برحق کا مقابلہ کون کر سکتا ہے، وہ تو بہت زبردست قوت

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبِّي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفُسَادَ ۝ وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

پس جب موسیٰ ہمارے پاس سے دین حق لے کر اُن کے پاس پہنچے، تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس پر ایمان لے آئے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کر دو، اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو، اور کافروں کی سازش بہر حال ناکام ہوتی ہے ﴿۲۵﴾ اور فرعون نے کہا، مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل ﴿۱۳﴾ کر دوں، اور وہ اپنے رب کو بلا لے، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا، یا ملک میں فساد پیدا کر دے گا ﴿۲۶﴾ اور موسیٰ نے کہا، میں ہر تکبر ﴿۱۵﴾ سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا، اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ﴿۲۷﴾

والا اور بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

﴿۱۳﴾ قرآن کریم اپنے معبود طریقہ کے مطابق، نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان کر رہا ہے، اور یہ بتا رہا ہے کہ بہر حال دنیا اور آخرت میں اچھا انجام اور کامیابی آپ ﷺ کو ہی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارے نبی! ہم نے آپ سے پہلے موسیٰ کو اپنی نشانیاں، دلائل اور ایک بہت ہی کھلا برہان دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا۔

فرعون ملک مصر میں قبطیوں کا بادشاہ تھا، ہامان اس کا وزیر تھا، اور قارون بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، اور اپنے دور کا بہت ہی بڑا مالدار تھا۔ دولت و حشمت نے اسے کبر و غرور میں مبتلا کر دیا تھا، اور فرعون کے ساتھ جا ملا تھا۔ آیت میں ﴿سُلْطَانٌ مُّبِينٌ﴾ سے مراد تورات ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کے سامنے اپنے رب کی دعوت و توحید پیش کی اور عصائے موسیٰ، ید بیضاء اور دیگر معجزات پیش کئے جو ان کے رسول ہونے پر پوری صراحت کے ساتھ دلالت کرتے تھے، اور فرعونوں سے کچھ نہ بن پڑا، تو کہنے لگے کہ یہ تو کوئی بڑا جھوٹا اور جادوگر ہے، اور آپس میں سازش کی کہ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں کو خدمت کے لئے زندہ رکھا جائے۔ اور اس سے مقصود بنی اسرائیل کی اہانت، ان کی تعداد کم کرنا، اور ان کے دلوں میں یہ بات بٹھانی تھی کہ موسیٰ ہی ان کی بربادی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ فرعون کا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا یہ دوسرا آرڈر تھا۔ پہلی بار موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل تھا، اس کے بعد اس نے قتل کرنا بند کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کی سازش دھری کی دھری رہ گئی، دین موسوی پھیلتا گیا، بنی اسرائیل کی نسل میں افزائش ہوتی رہی، اور بالآخر فرعون اور فرعون نے اپنے آخری انجام کو پہنچ گئے۔

﴿۱۴﴾ فرعون نامراد جب اللہ کے معجزوں کے مقابلے میں پے در پے شکست کھاتا گیا، تو اپنی قوم کے سامنے، اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے کہنے لگا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں موسیٰ کو موت کے گھاٹ اتار دوں، اور کبر و تعلیٰ کی آخری حدود کو چھوتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے اس کے رب کی پرداہ نہیں ہے، اسے وہ اپنی مدد کے لئے بلا لے، اور اپنے فیصلے کی تائید میں

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّن قُرْنِ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
مِن رَّبِّكُمْ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ، وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
مَنْ هُوَ مُّسْرِئٌ كَذَّابٌ ۖ يَقَوْمُكُمْ الذُّكُورُ الْمُنَافِقُونَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَبْغِضُكُمْ فَإِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُكُمْ إِنَّ اللَّهَ
يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يُهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ إِلَّا سَبِيلَ الضَّلَالَةِ ۝

اور آل فرعون کے ایک مرد مومن^(۱۶) نے کہا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کیا تم لوگ ایک آدمی کو صرف اس
لئے قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، اور وہ تمہارے سامنے اپنے رب کی کھلی نشانیاں بھی پیش کر چکا
ہے، اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی کو نقصان پہنچائے گا، اور اگر وہ سچا ہے تو تم پر بعض وہ عذاب نازل
ہو جائے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والے بڑے جھوٹے کو راہ حق نہیں
دکھاتا ہے ﴿۲۸﴾ اے میری قوم کے لوگو! آج تو تمہاری بادشاہی^(۱۷) ہے، ملک میں تم کو غلبہ حاصل ہے، لیکن اگر
(کل) اللہ کے عذاب نے ہمیں آلیا، تو تمہاری کون مدد کرے گا۔ فرعون نے کہا کہ میں تو تمہیں وہی سمجھا رہا ہوں
جو میں مناسب سمجھ رہا ہوں، اور میں تو تمہیں وہ راہ دکھا رہا ہوں جسے اختیار کرنے میں ہی تمہاری خیر ہے ﴿۲۹﴾

یہ دلیل پیش کی کہ اے میری قوم کے لوگو! مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنی ساحرانہ چالوں کے ذریعہ تمہارے دل و دماغ پر نہ چھا جائے اور
تم لوگ اس سے متاثر ہو کر اس کا دین و مذہب قبول کر لو، اور تمہارے عادات و اطوار بدل جائیں، اور زمین فساد سے بھر جائے۔
(۱۵) موسیٰ علیہ السلام کو جب اس کی دھمکی کی خبر ہوئی تو اللہ کے ذریعہ اس کے شر سے پناہ مانگی اور کہا کہ میں ہر اس متکبر سے جو
یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، وہی اپنے دین کا محافظ اور اپنے مومن
بندوں کا حامی و ناصر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرعون اس عموم میں بدرجہ اولیٰ داخل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے شر سے
محفوظ رکھا۔

(۱۶) قرآن کریم کے ظاہری بیان کے مطابق آل فرعون کا ایک آدمی خفیہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان رکھتا تھا۔
مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور اس کا نام مہمعان تھا۔ جب اس نے فرعون کی بات سنی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو
قتل کرنے کی بات کر رہا ہے، تو اس نے جرأت کر کے کہا کہ تم لوگ ایک آدمی کو صرف اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ صرف
اللہ کے رب ہونے کا قائل ہے، حالانکہ وہ اپنے اور اپنے عقیدہ کی صداقت پر تمہارے سامنے ایسے دلائل پیش کر چکا ہے جن کی
تم تردید نہیں کر سکتے ہو۔

مرد مومن نے اس کے بعد اپنے لہجے میں تھوڑی نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا، اگر ہم مان لیں کہ وہ جھوٹا ہے تو اس کے
جھوٹ کا نقصان اسے ہی پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جگہ اس کے جھوٹ کی اسے سزا دے گا، اور اگر وہ سچا ہے، اور
تم اسے تکلیف دو گے تو جس دنیاوی اور اخروی عذاب کی وہ دھمکی دیتا ہے اس کی گرفت میں آ جاو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی
اس آدمی کو کامیاب نہیں کرتا جو حد سے تجاوز کرنے والا اور جھوٹا ہوتا ہے۔

(۱۷) مرد مومن نے جب دیکھا کہ اس کی بات نے فرعون اور فرعونوں پر کچھ مثبت اثر ڈالا ہے، تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَئِذٍ أَخَافُ عَلَيْكُمْ قِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۖ وَمِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ
 مِن بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعِبَادِ ۗ وَيَقُولُ الرَّبُّ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۗ يَوْمَ تُنَادُونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ
 مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ ﴿۱۸﴾

اور مردِ مؤمن نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے بارے میں گزشتہ کافر گروہوں کے بُرے دن (۱۸) جیسے دن سے ڈرتا ہوں ﴿۳۰﴾ یعنی قومِ نوح اور قومِ عاد اور قومِ ثمود اور ان کے بعد آنے والی قوموں کے بُرے حال کے مانند حال سے ڈرتا ہوں، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا ہے ﴿۳۱﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے بارے میں اُس دن سے ڈرتا ہوں جس دن میدانِ محشر میں مختلف ندائیں بلند ہوں گی ﴿۳۲﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، لیکن تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ﴿۳۳﴾

انہیں نصیحت کی اور کہا اے میری قوم کے لوگو! آج تم لوگ ملکِ مصر کے بادشاہ ہو، اور تمہیں غلبہ حاصل ہے، تو اللہ کا شکر ادا کرو، اور عذابِ الہی کو دعوت نہ دو، اس لئے کہ اگر عذاب آجائے گا تو ہمیں اور تمہیں کوئی اس سے بچانہ سکے گا۔ فرعون نے جب اس مردِ مؤمن کی یہ بات سنی تو اپنی قوم کو دھوکہ دینے کے لئے اور انہیں یہ باور کرانے کے لئے کہ وہ ان کے لئے بڑا مخلص ہے، کہنے لگا کہ جو رائے مجھے تمہارے حق میں بہتر معلوم ہوئی ہے، یعنی موسیٰ کا قتل کیا جانا، وہی میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے، اور میں نے تمہاری صحیح رہنمائی کرنی چاہی ہے تاکہ موسیٰ زندہ رہ کر تمہارا دین نہ بدل دے اور سر زمینِ مصر میں خلفشار کا سبب نہ بنے۔

(۱۸) مردِ مؤمن نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اگر تم نے موسیٰ کو قتل کر دیا تو مجھے ڈر ہے کہ تم پر بھی اللہ کا کوئی عذاب نازل ہو جائے گا جو تمہیں ہلاک کر دے گا، جیسے گزشتہ زمانوں میں ان قوموں کا انجام ہوا جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔ قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، اور ان کے بعد آنے والی دیگر قوموں نے تمہاری ہی طرح کاروبار اختیار کیا، تو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا۔

اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے بارے میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ آیت میں روزِ قیامت کو ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اس لئے کہا گیا کہ اس دن تمام قومیں اپنے اپنے اعمال کے ساتھ پکاری جائیں گی، اور اہل جنت جنت والوں کو پکاریں گے اور اہل جہنم جہنمیوں کو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب زمین پھٹ پڑے گی، اور قیامت کا ہنگامہ برپا ہو جائے گا، تو سارے لوگ ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگیں گے، اسی لئے اس دن کو ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ کہا گیا ہے، یعنی جس دن ایک دوسرے کو پکاریں گے۔

مفسرِ بغوی وغیرہ کا خیال ہے کہ مذکورہ بالا تمام ہی حالات پیش آئیں گے، اور ان سب کی وجہ سے اس دن کو ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ کہا گیا ہے۔

مردِ مؤمن نے کہا: میں تمہارے بارے میں اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن تم حساب کے بعد ازخرد میدانِ محشر سے جہنم

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن نَّبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن هُوَ مُسْرِفٌ مُّبْتَدِلٌ ﴿۳۲﴾ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَّهُمُوا كَبْرًا مَّقْتَاتِعِنَا اللَّهُ وَعِنْدَ الَّذِينَ أُمَّتًا ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۳﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَٰؤُلَاءِ ابْنِ ابْنِي صِرَاحًا عَلِيًّا أَلَيْسَ الْأَسْبَابُ ﴿۳۴﴾ سَبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَكْتُمُونَنِي إِلَهًا لَهُ مِثْلِي وَلَا تَأْتِيهِ الْكَذِبُ وَلَا كَذِبًا وَلَا كَذِبًا زَيْنَ فِرْعَوْنَ سَوْءَ عَمَلٍ ۖ وَصَدَّ عَنْ السَّبِيلِ ۖ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿۳۵﴾

اور اس سے قبل یوسف (۱۹) تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پس تم اس دعوت کی صداقت میں ہمیشہ شک ہی کرتے رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے، یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ اس کے بعد اب اللہ کوئی دوسرا رسول نہیں بھیجے گا، اللہ اسی طرح ہر اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا، شک و شبہ کرنے والا ہوتا ہے ﴿۳۲﴾ یعنی اُن لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو بغیر کسی دلیل (۲۰) کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، بہت ہی قابل نفرت ہے یہ بات اللہ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک، اللہ اسی طرح تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے ﴿۳۵﴾ اور فرعون نے کہا، اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل (۲۱) بناؤ، شاید کہ میں اُن راستوں تک پہنچ جاؤں ﴿۳۶﴾ جو آسمانوں کے راستے ہیں، تاکہ موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں، اور مجھے توفیقین ہے کہ وہ جھوٹا ہے، اور اس طرح فرعون کی نگاہوں میں اس کے بُرے اعمال خوبصورت اور اچھے بنا دیئے گئے، اور اُسے راہِ حق سے روک دیا گیا، اور فرعون کی سازش کو تو ناکام ہونا ہی تھا ﴿۳۷﴾

کی طرف بھاگ رہے ہو گے۔ اس دن تمہیں عذاب الہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟

(۱۹) مردِ مومن نے اپنی دعوتی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: اے اہل مصر! موسیٰ سے پہلے تمہارے پاس یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) معجزات اور اپنی صداقت کی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، اور بیس سال تک تمہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے، اور خود ان کا اعلیٰ ترین کیرکڑ ان کی پاک باطنی اور ان کے نبی ہونے کی گواہی دیتا رہا، لیکن تم لوگ ان کے لئے ہوئے دین توحید میں شک ہی کرتے رہے۔ اور جب ان کی وفات ہو گئی تو تم بہت خوش ہوئے اور اپنے کفر کی وجہ سے کہنے لگے کہ اب یوسف کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا، یعنی تم نے یوسف اور ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کا انکار کر دیا، یہ تمہاری ضلالت و گمراہی کی انتہا تھی۔ اللہ تعالیٰ افترا پر دازی میں حد سے تجاوز کرنے والے اور ہر بات میں شک کرنے والے کو اسی طرح گمراہ کر دیتا ہے۔

(۲۰) مردِ مومن نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ حق کی آواز کو دبانے کے لئے شیطانی جھکنڈے استعمال کرتے ہیں، اور اللہ کی جانب سے بغیر کسی حجت و برہان کے اُس کی آیتوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں تاکہ لوگ ایمان نہ لائیں ان کا یہ کردار اللہ اور اس کے مومن بندوں کی نظر میں بہت ہی زیادہ مبغوض ہے، اور ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے، ان سے نورِ بصیرت چھین لیتا ہے، پھر وہ حق و باطل کی تمیز سے محروم ہو جاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ اتَّبَعُونِي أَهْدَاكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۖ يَوْمَ اتَّكَاهِدُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا مَتَاعًا ۖ وَإِنَّ الْأَجْرَةَ
هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۖ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِمَّنْ ذُكِّرُوا أَنُفَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَيَوْمَ مَا لِي بِمَا آدَعُوكُم إِلَى التَّجْوَةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى
النَّارِ ۖ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأَشْرُكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِنَّا أَدْعُوكُم إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۖ

اور مردِ مومن نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم میری پیروی (۲۲) کرو، میں تمہیں بھلائی کی راہ دکھاؤں گا ﴿۳۸﴾
اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیاوی زندگی چند دن کی لذت ہے، اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ کا گھر ہے ﴿۳۹﴾ جو
شخص بُرا عمل کرے گا، اُسے اُسی جیسا بدلہ دیا جائے گا، اور جو اچھا عمل کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ
مومن ہوگا، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں انہیں بے حساب روزی ملتی رہے گی ﴿۴۰﴾ اور اے
میری قوم کے لوگو! حیرت ہے کہ میں تو تمہیں جہنم سے چھٹکارے کی دعوت (۲۳) دیتا ہوں، اور تم مجھے جہنم میں
جانے کی دعوت دیتے ہو ﴿۴۱﴾ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں، اور اس کا شریک ایسی چیزوں کو
بتاؤں جن کے معبود ہونے کا مجھے کوئی علم نہیں ہے، اور میں تمہیں اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست، بڑا
معاف کرنے والا ہے ﴿۴۲﴾

(۲۱) فرعون پر مردِ مومن کی تقریر دل پذیر کا کوئی اثر نہ ہوا، اور اپنے طبعی اسکبار کا اظہار کرتے ہوئے ہامان سے کہنے لگا کہ
میرے لئے ایک نہایت بلند و بالا عمارت بناؤ جس کے ذریعہ میں آسمان کے راستے طے کروں اور موسیٰ کے معبود کو دیکھوں،
حالانکہ میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں کہ میرے سوا اس کا کوئی دوسرا معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفر و اسکبار میں حد سے
تجاوز کر جانے کی وجہ سے فرعون کے دل پر مہر لگادی گئی اور اس کی بد اعمالیوں اور کفر کو اس کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا گیا،
اور راہِ حق کی اتباع کرنے سے روک دیا گیا، اور اس کی سازش اور اس کی چال اس کے کسی کام نہ آئی۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ فرعون کی بات دلالت کرتی ہے کہ وہ بہت بڑا جاہل اور کم فہم انسان تھا، اور حقائق کے ادراک سے
بالکل قاصر تھا، جبھی تو اس نے ہامان سے ایسی حماقت آمیز بات کہی تھی۔

(۲۲) مردِ مومن نے دعوت و تبلیغ کے لئے اپنی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں نے جس دین کو
قبول کر لیا ہے اسے تم لوگ بھی قبول کر لو، میں تمہیں اس راہ پر لے چلوں گا جو جنت کی راہ ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیاوی
زندگی چند روزہ ہے، جسے بہر حال ختم ہو جاتا ہے، اور آخرت کی زندگی جو اس زندگی کے بعد آنے والی ہے، وہی درحقیقت ابدی
امن و استقرار اور سکون و راحت کی زندگی ہے، اس لئے تمہیں اس ابدی راحت و سکون والی زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش
کرنی چاہئے۔ اور یاد رکھو کہ حساب کا دن بہت ہی قریب ہے، اور جو شخص اس دنیا میں برائی کرے گا تو اسی کے برابر اسے سزا
ملے گی، اور جو لوگ (مرد ہوں یا عورتیں) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے عملِ صالح کریں گے، وہ جنت میں داخل
ہوں گے جہاں انہیں بغیر ادنیٰ پریشانی کے اُن گنت نعمتیں اور بے شمار روزی ملے گی۔

لَا جَزَاءَ لَكُمَا أَنْ تَدْعُوُنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرَدُّكَ إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ فَسَتَدْرِكُونَهَا قَوْلًا لَكَ وَأَفْوَاضَ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

تم مجھے جن جھوٹے معبودوں کی بندگی کی دعوت دیتے ہو، بے شک وہ اس لائق نہیں کہ انہیں دنیا میں پکارا جائے، اور نہ آخرت میں ہی (انہیں شفاعت کے لئے پکارا جائے گا) اور بے شک ہم سب کو اللہ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے جہنمی ہیں ﴿۴۳﴾ پس میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں عنقریب ہی اسے یاد کرو گے، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ اپنے بندوں کے حالات پر پوری نظر رکھتا ہے ﴿۴۳﴾

(۲۳) مرد مومن نے فرعونیوں سے یہ بھی کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں تو تمہیں راہ نجات پر چلنے کی دعوت دیتا ہوں، اور بتاتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور موسیٰ اس کے رسول ہیں، اور تم لوگ مجھے کفر و شرک کی دعوت دیتے ہو، اور اللہ کے ساتھ ایسے جھوٹے معبودوں کو شریک بنانے کو کہتے ہو جن کے معبود ہونے کا مجھے علم نہیں ہے، اور میں تمہیں اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے، اور جو بڑا معاف کرنے والا ہے۔

جن اصنام کی عبادت کی تم لوگ مجھے دعوت دیتے ہو، انہیں پکارنے کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے کہ وہ ہماری تکلیفوں اور مصیبتوں کو دور کر دیں گے اور ہماری ضرورتیں پوری کر دیں گے، اور نہ ہی آخرت میں ہمارے سفارشی بن کر عذاب کو ٹال سکیں گے، کیونکہ وہ تو پتھر ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کہیں بھی پکارے جانے کے حقدار نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔

یاد رکھو کہ ہمیں بہر حال لوٹ کر اللہ کے پاس ہی جانا ہے، اور اس دنیا میں جو لوگ حد سے تجاوز کریں گے، اللہ کا انکار کریں گے، لوگوں پر ظلم کریں گے، بے گناہوں کا خون بہائیں گے، آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ مرد مومن کی اس بات میں اشارہ تھا کہ فرعون اور اس کے پیروکار کفر و ظلم میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں، اور بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور یہ کہ موسیٰ کے قتل کا ارادہ ظلم میں حد سے بڑھ جانا ہے، جس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔

مرد مومن نے کہا: لوگو! جب عذاب الہی تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا اُس وقت مجھے اور میری باتیں یاد کر دو گے، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں، وہ اپنے فرمانبردار اور نافرمان تمام بندوں سے خوب واقف ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون جزائے خیر کا مستحق ہے اور کون عذاب کا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ مرد مومن کی اس بات میں فرعونیوں کے لئے عذاب کی دھمکی تھی۔ اور یہ بات اس نے اس وقت کہی جب کافروں نے اسے قتل کرنا چاہا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ وہ مرد مومن بھاگ کر پہاڑ کی طرف چلا گیا اور کفار اسے پکڑ نہیں پائے۔

فَوَقَّعَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَّامَكُرُوا وَحَاقَ بِأَلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ وَإِذْ يَتَجَمَّعُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعْفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا أَهْلُ أَنْتُمْ مُعْتَدُونَ عَمَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝

پس اللہ نے اسے فرعون اور فرعونوں کی بُری سازشوں سے بچالیا (۲۴) اور فرعونوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا ﴿۲۵﴾ وہ لوگ صبح و شام نارِ جہنم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت آجائے گی، اللہ کہے گا فرعونوں کو سب سے سخت عذاب میں داخل کرو ﴿۲۶﴾ اور جب جہنمی آگ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے ﴿۲۵﴾ تو کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہاری پیروی کرتے تھے، تو کیا آج عذابِ نار کے کسی حصہ سے تم ہمیں نجات دلا سکتے ہو ﴿۲۷﴾ تکبر کرنے والے کہیں گے کہ ہم سب جہنم میں ہیں، بلاشبہ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے ﴿۲۸﴾

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے اس داعی الی اللہ کو پہلے تو فرعون اور فرعونوں سے نجات دی، اور جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق ہوا تو اسے موسیٰ علیہ السلام اور دیگر مومنین کے ساتھ ڈوبنے سے بچالیا۔ اور فرعون اور فرعونوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا، دنیا میں نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ سمندر میں ڈبو دیئے گئے، اور قبر اور برزخ میں صبح و شام یعنی ہر وقت ان کی روحوں کو آگ کا عذاب دیا جاتا ہے، اور جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ فرعون اور فرعونوں کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو۔

سیوطی نے کرمانی کی کتاب ”العجاب“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت عذابِ قبر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس لئے کہ آیت میں روحوں کو عذاب دیا جانا، روز قیامت کے عذاب سے پہلے بتایا گیا ہے۔ عذابِ قبر نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آگاہ ہو! تم لوگ قبروں میں آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے۔ (احمد و مسلم)۔

اور بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عذابِ قبر حق ہے“۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

(۲۵) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ وہ کیسا وقت ہو گا جب جہنمی جہنم میں آپس میں جھگڑیں گے، اور دنیا میں ان میں سے جو لوگ کمزور تھے اور طاقت و ثروت والے کافروں کے ڈر سے ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، ان سے کہیں گے کہ دنیا میں تم نے ہمیں اپنی پیروی کرنے پر مجبور کر رکھا تھا، اور تمہیں اپنی قیادت و سیادت پر بڑا ناز تھا تو کیا آج عذابِ نار کو ہم سے ہلکا کر سکو گے، کیا آج کچھ بھی ہمارے کام آئے گا؟ تو تکبرین دنیا جو جہنم کی کھائیوں میں جل رہے ہوں گے کہیں گے کہ تمہارے ساتھ ہم بھی جہنم میں ہیں، اگر آج ہم کچھ بھی کر سکتے تھے تو پہلے اپنے آپ کو بچاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے، اہل جنت کو جنت میں داخل کر دیا ہے، اور اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دیا ہے، اب کسی کے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَتِهِمْ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَلَيْنَا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ۖ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ
رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فادْعُوا ۖ وَمَا دَعَا الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۗ إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ
آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۗ يَوْمَ لَا يُفَعِّلُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتَهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ
الذَّكَارِ ۗ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْثَقْنَا بِرَبِّهِ اسْرَائِيلَ الْكِتٰبَ ۗ هُدًى وَذِكْرًا لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ

اور جو لوگ جہنم میں ہوں گے وہ جہنم کے محافظوں سے کہیں گے (۲۶) ذرا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن کے لئے ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے ﴿۳۹﴾ وہ محافظین جہنم کہیں گے، کیا تمہارے پیغامبر کھلی نشانیاں لے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے، وہ کہیں گے ہاں! وہ محافظین کہیں گے، پھر تم خود ہی دعا کرو، اور کافروں کی دعائیں رانگاں ہی جائیں گی ﴿۵۰﴾ ہم بلاشبہ اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی، دنیا کی زندگی میں مدد (۲۷) کرتے ہیں، اور اُس دن بھی کریں گے جب گواہان (اللہ کے سامنے) کھڑے ہوں گے ﴿۵۱﴾ جس دن ظالموں کی معذرت انہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی، اور اُن پر پھنکارا بر سے گی، اور اُن کا ٹھکانا برا ہو گا ﴿۵۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب ہدایت (۲۸) (تورات) دی، اور بنی اسرائیل کو اُس کتاب کا وارث بنا دیا ﴿۵۳﴾ وہ کتاب ہدایت کا سرچشمہ، اور عقل والوں کے لئے نصیحتوں کا خزانہ تھی ﴿۵۴﴾

(۲۶) جہنم میں عذاب پانے والے بڑے اور چھوٹے تمام کفار عذاب کی سختیوں سے تنگ آکر اور ہر طرف سے ناامید ہو کر جہنم پر مامور فرشتوں سے التجا کریں گے کہ ذرا تم ہی اپنے رب سے ہم پر رحم کرنے کی دعا کرو کہ وہ ایک دن کے لئے بھی ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے۔ تو وہ فرشتے جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے لئے بھیجے گئے انبیاء دعوتِ ایمان لے کر نہیں آئے تھے، اور ظاہر دلائل کے ذریعہ اللہ کے دین کی صداقت کو ثابت نہیں کیا تھا۔ اور تمہیں شرک و معاصی سے روکا نہیں تھا؟ تو جہنمی کہیں گے کہ ہاں ہمارے پاس انبیاء آئے تھے، لیکن ہم نے ان کی بات ان سنی کر دی تھی۔ تو فرشتے کہیں گے کہ پھر تم خود ہی اپنے رب کو پکارو، ہم نہ تمہاری بات سنیں گے اور نہ ہی چاہیں گے کہ تمہیں جہنم سے نجات مل جائے۔ اور ہم تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ تم پکارو یا نہ پکارو، نتیجہ ایک ہے کہ تم سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور تم اسی طرح جہنم میں جلتے رہو گے۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ کی اپنے انبیاء کرام کے بارے میں یہ سنت رہی ہے کہ وہ ان کی اور ان کے ماننے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ضرور مدد کرتا ہے، ان کے دین کو غالب کرتا ہے، اور ان کے مخالفین کو قتل، قید و بند اور دیگر عذاب دینا سے دوچار کرتا ہے، اور اس کا وعدہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال صالحہ کا اچھا بدلہ دے گا، یعنی جنت میں داخل کرے گا، اور گونا گوں انعام و اکرام سے نوازے گا، اور ان کے مخالفین کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور انہیں جہنم میں ڈال دے گا۔

یہ وہ دن ہو گا جب ظالم مشرکوں کی کوئی معذرت ان کے کام نہیں آئے گی۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اس دن اہل شرک کو ان کی معذرت کام نہیں دے گی، اس لئے کہ ان کے پاس عذر لنگ کے سوا کچھ بھی نہ ہو گا۔ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خوب موقع دیا تھا، ان کے سامنے دلیل و حجت کا انبار لگایا تھا، اس لئے آخرت میں ان کے پاس سوائے کذب بیانی کے کچھ بھی نہ ہو گا جیسے کہیں گے: ﴿وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ﴿﴾ ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم شرک نہیں کرتے تھے۔

قَاصِبِينَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرُ لَذَنبِكَ وَاَسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَّحِبُّ بِرَبِّكَ بِالْعِشْيَةِ وَالْاَبْحَارِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ
اٰيَاتِ اللّٰهِ يَغِيْرُ سُلْطٰنَ اَتٰهُمْ اِنَّ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اَلْاَكْبٰبُ مَا هُمْ بِبٰلِغِيْهِ ؕ فَاَسْتَعِذُّ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

پس اے میرے نبی! آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہئے، اور
شام کو اور صبح کے وقت اپنے رب کی تعریف اور پناہ کی بیان کرتے رہئے ﴿۵۵﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں میں
بغیر کسی دلیل (۲۹) کے جو ان کے پاس (اللہ کی طرف سے) آئی ہو جھگڑتے ہیں، ان کے سینوں میں کبر و غرور
چھپا ہوا ہے، وہ اپنا مقصد کبھی حاصل نہیں کر پائیں گے، پس آپ اللہ کی پناہ مانگئے، وہ بے شک خوب سننے والا،
بڑا دیکھنے والا ہے ﴿۵۶﴾

چنانچہ وہاں ان کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری اور بدترین عذاب کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔

(۲۸) موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے نبی کریم ﷺ کو ایک گونہ تسلی دی جا رہی ہے، کہ موسیٰ نے بھی اپنی قوم کی طرف
سے بڑی اذیت اٹھائی تھی بالآخر اللہ نے ان کے دین کو غالب کیا اور انہیں ان کے دشمنوں سے نجات دی، تو آپ بھی صبر کیجئے
اور اپنے مشن کی تکمیل میں لگے رہئے، اللہ کا وعدہ برحق ہے، وہ آپ کی ضرور مدد کرے گا اور آپ کا دین اور آپ غالب ہو کر
رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو تورات و نبوت سے نوازا تھا، جیسا کہ سورۃ المائدہ آیت (۴۴) میں آیا ہے: ﴿اِنَّا
اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرًا﴾ ”بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے، نیز فرمایا کہ ہم نے بنی
اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا جو موسیٰ کے بعد بھی مدتوں ان کے پاس رہی، اور جو عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے روشنی اور
نصیحت فراہم کرتی رہی۔

اس لئے اے میرے نبی! آپ بھی موسیٰ کی طرح صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، وہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑ
دے گا، ہر وقت اپنے رب کی یاد میں لگے رہئے، اور استغفار، دعا، نماز اور تسبیح و تہلیل آپ کا شیوہ رہے۔ بعض لوگوں نے صبح و شام
کی تسبیح سے فجر اور عصر کی نماز مراد لی ہے۔ اور حسن اور قتادہ کا خیال ہے کہ ان سے مراد صبح اور شام کے وقت کی دو دو رکعتیں ہیں
جو ہجرت نماز فرض ہونے سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔

(۲۹) اے میرے نبی! جو کفار و مشرکین دین حق کو باطل دلیلوں کے ذریعہ دبانا چاہتے ہیں، اور توحید و رسالت کے صحیح دلائل کی
اپنے فاسد شبہات کے ذریعہ تردید کرنا چاہتے ہیں، درحقیقت ان کے دلوں میں کبر و غرور ہے جو انہیں دعوت حق کو قبول کرنے
اور آپ کی رسالت کا اعتراف کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ انہیں یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، لیکن اللہ کے اس فضل
و کرم پر آپ سے حسد کرتے ہیں، حالانکہ وہ نعمت انہیں کسی حال میں بھی نہیں مل سکتی، اس لئے کہ وہ تو اللہ کا فضل ہے، وہ جسے
چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ نبوت و رسالت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تمنا کرنے سے حاصل ہو جائے۔

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ان کے سینوں میں (بزم خود) بڑائی ہے، جو انہیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اللہ کا

لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۳۱﴾ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۲﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُرِّيًّا ﴿۳۴﴾

یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق (۳۰) انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑی بات ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں ﴿۵۷﴾ اور نابینا اور بینا برابر (۳۱) نہیں ہو سکتے ہیں، اور ایمان والے اور عمل صالح کرنے والے اور برے کام کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے، لوگو! تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿۵۸﴾ بلاشبہ قیامت (۳۲) آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ﴿۵۹﴾ اور تمہارے رب نے کہہ دیا ہے، تم سب مجھے پکارو (۳۳) میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ کبر کی وجہ سے میری عبادت نہیں کرتے، وہ عنقریب ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے ﴿۶۰﴾

فیصلہ ہے کہ وہ انہیں ذلیل کر کے رہے گا۔

اس لئے اے میرے نبی! آپ اپنے رب کے ذریعہ ان لوگوں کے شر سے پناہ مانگئے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے کے لئے بغیر دلیل جھگڑتے ہیں، اور یہ بھی دعا کیجئے کہ آپ کا دل اس کبر سے پاک رہے جس میں وہ لوگ مبتلا ہیں۔
(۳۰) بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں کی تردید کی جا رہی ہے، کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، انسانوں کو پہلی بار اور دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے۔ تو جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بغیر سابق نمونہ اور بغیر موجود مادہ کے پیدا کیا، وہ یقیناً انسانوں کو دوسری بار پیدا کرنے پر قادر ہے، لیکن اکثر لوگ اس دلیل پر دھیان نہیں دیتے ہیں، جیسے بہت سے کفار عرب جو مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اور انسانوں کو دوبارہ پیدا کئے جانے کا انکار کرتے تھے۔

(۳۱) اللہ تعالیٰ نے ایمان و کفر اور مومن و کافر کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں ہو سکتے، دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، اسی طرح مومنین اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ مومن اپنے نور بصیرت کے ذریعہ اللہ کی نشانیوں اور دلائل میں غور کرتا ہے، اور اللہ کی توحید و ربوبیت کا اقرار کر لیتا ہے، اور اس پر ایمان لے آتا ہے، اور کافر نور بصیرت سے محروم ہوتا ہے، اس لئے اس کے سامنے سے ہزار نشانیاں گزر جائیں، اور ہزار دلائل پیش کر دیئے جائیں، ان سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اور دائرہ کفر سے باہر آنے کی اسے توفیق نہیں ہوتی۔

(۳۲) قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس لئے لوگو! دنیا میں اس یقین کے ساتھ زندگی گزارو کہ تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، اور تمہارے اعمال خیر و شر کا تمہیں بدلہ چکایا جائے گا، لیکن اہل کفر اپنی کم عقلی، نادانی اور شومی قسمت کی وجہ سے اس حقیقت کا اور اک نہیں کرواتے ہیں۔

(۳۳) جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہان کا ”رب“ ہے، تو اس نے اپنے بندوں کو ذراہ خیر خواہی اپنے رسول ﷺ کی زبانی یہ تعلیم دی کہ میرے بندو! تم سب صرف مجھے پکارو، میں ہی تمہاری پکار کا جواب دوں گا، اور تمہاری دعائیں قبول

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْجِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۰﴾ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَآئِنِ تُؤْفَكُونَ ﴿۳۱﴾ كَذَلِكِ يُؤْفَكُ الَّذِينَ
كَانُوا يَأْتِي اللَّهَ بِبَيِّنَاتٍ لَّعَلَّ اللَّهُ يَحْكُمَ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴿۳۲﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ
وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرَّكُوا لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ هُوَ الَّذِي لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۴﴾

اللہ نے ہی تمہارے لئے رات (۳۰) بنائی ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور اسی نے دن کو روشن بنایا ہے، بے شک اللہ انسانوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ﴿۳۱﴾ وہی اللہ جو تمہارا رب (۳۵) ہے ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم کدھر تک جا رہے ہو ﴿۳۲﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، وہ اسی طرح بہک جاتے ہیں ﴿۳۳﴾ اللہ نے ہی تمہارے لئے زمین کو ثابت (۳۶) اور آسمان کو چھت بنا دیا ہے، اور تمہاری صورتیں بنائیں، تو تمہیں اچھی شکل و صورت دی، اور تمہیں بطور روزی عمدہ چیزیں عطا کی، وہی اللہ تمہارا رب ہے، پس اللہ عالی شان والا ہے، سارے جہان کا پالنہار ہے ﴿۳۴﴾ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم لوگ بندگی کو اس کے لئے خالص کر کے اس کو پکارو، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پالنہار ہے ﴿۳۵﴾

کروں گا، اس لئے کہ تم سب میرے بندے ہو، اور میں ہی تمہارا رب ہوں۔

مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ کو نہیں پکارتا، اللہ اس سے غضبناک ہو جاتا ہے“ ایک دوسری روایت ہے کہ ”جو اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے“۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ کبر و غرور کی وجہ سے میری عبادت نہیں کرتے ہیں اور مجھے پکارتے نہیں ہیں، وہ نہایت ہی ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یعنی ایسا صرف اہل کفر ہی کر سکتے ہیں، اہل ایمان تو اپنے اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتے ہیں، اور دست سوال پھیلا کر اپنے گناہوں کی معافی، اور دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتے ہیں۔ (۳۴) اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات اور ان میں اپنے تصرفات کا ذکر کر کے انسانوں کو دعوت فکری دی ہے کہ ان مخلوقات میں غور کر کے اُسے پہچانیں، اس پر ایمان لائیں اور صرف اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ماسوا جھوٹے معبودوں کا انکار کر دیں۔ فرمایا کہ وہ اللہ ہے جس نے رات بنائی ہے، تاکہ تم طلبِ معاش کے لئے پیہم حرکت و عمل کو چھوڑ کر نیند کی گود میں چلے جاؤ، اور راحت و سکون حاصل کرو، اور اس نے دن کو روشن بنایا ہے تاکہ تم چل پھر سکو، اور طلبِ معاش اور زندگی کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے نقل و حرکت کر سکو۔ اور اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں جن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ہے، لیکن جاہل و نادان اور کافر کو ان نعمتوں کے اعتراف اور ان پر اللہ کا شکر بجالانے کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔

(۳۵) اللہ تعالیٰ نے اپنا مزید تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ جس اللہ نے رات اور دن بنائے ہیں، وہی تمہارا رب ہے، وہی ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کیسے اسے چھوڑ کر اور اس سے منہ موڑ کر، بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُعْزِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشْكَالَكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شِوْخًا وَمِثْلَهُمْ مَنْ يَتَوَقَّى مِنْ قَبْلُ وَلِيَتَّبِعُوا أَجْلاً مُسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳۸﴾

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، مجھے منع (۳۷) کر دیا گیا ہے کہ میں اللہ کے سوا ان جھوٹے معبودوں کی بندگی کروں جنہیں تم پکارتے ہو، جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس کھلی نشانیاں آچکی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سارے جہان کے رب کے سامنے اپنا سر جھکائے رکھوں ﴿۳۷﴾ اسی نے تمہیں مٹی (۳۸) سے پیدا کیا ہے، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں (رحم مادر سے) بچہ کی شکل میں نکالتا ہے، پھر (تمہارے لئے زندگی کے اسباب مہیا کرتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، پھر (تمہیں زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ، اور تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی مر جاتے ہیں، اور تاکہ تم سب اپنے مقرر وقت کو پہنچ جاؤ، اور شاید کہ تم لوگ ان باتوں کو سمجھو ﴿۳۸﴾

ہو، اور ان کی عبادت کرتے ہو۔

آیت (۶۳) میں کفار قریش کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ جس طرح تم لوگ دلائل و براہین کی کثرت کے باوجود ایمان باللہ اور اس کی وحدانیت کے اقرار سے منہ موڑ رہے ہو، ہر زمانے میں اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والوں کا یہی دتیرہ رہا ہے۔ (۳۶) اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعوتِ فکری دی ہے، تاکہ وہ اپنے خالق و رازق کو پہچانیں، اس پر ایمان لائیں، اور صرف اسی کی عبادت کریں، اس لئے کہ دنیا و آخرت دونوں جہان میں انسانوں کی بھلائی اسی پر موقوف ہے۔ فرمایا کہ وہ اللہ ہے جس نے زمین کو ٹھہری ہوئی بنایا ہے، تاکہ تم اس پر زندگی گزار سکو، چل پھر سکو، اور اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکو، اور جس نے آسمانوں کو مضبوط اور محکم بنایا ہے، جو نہ کبھی پھٹتا ہے، اور نہ اس کا کوئی حصہ ٹوٹ کر انسانوں کے سروں پر گرتا ہے، اور جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے بطن میں اچھی شکل و صورت میں بنایا، یعنی عرصہ کو مناسب ترین جگہ پر رکھا تاکہ تم ان سے فائدہ اٹھا سکو، اور اپنے خالق کے کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت کا اعتراف کر سکو، اور جس نے تمہیں لذیذ ترین کھانے اور پینے کی نعمتیں دیں تاکہ تم اس کا شکر بجالاؤ۔

جس اللہ نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے، وہی تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی بھی صفت ربوبیت کا سزاوار نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کے سوا ہر چیز فنا کے گھاٹ اتار دی جائے گی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے لوگو! صرف اسی کی عبادت کرو، طاعت و بندگی کو صرف اسی کے ساتھ خاص کر دو، عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تمام تعریفیں اسی رب العالمین کے لئے ہیں جو تمام مخلوقات کا مالک ہے، ان بتوں کے لئے نہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی کسی نفع یا نقصان کی قدرت رکھتے ہیں۔

(۳۷) نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم سے بر ملا کہہ دیں کہ میں ان بتوں کی عبادت اور انہیں پکارنے سے قطعی طور پر روک دیا گیا ہوں، جن کی تم لوگ عبادت کرتے ہو اور جنہیں پکارتے ہو۔ میرے پاس میرے رب کی جانب سے کھلے دلائل اور

﴿هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ وَآذَانَ الْقُرْآنِ فَآمُرُوا بِالْكَتَابِ ۚ وَبِمَا أُرْسِلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۗ إِذْ الْأَغْلُلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ
وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ۗ فِي الْحَمِيمِ ۖ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۗ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۗ مِنْ
دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا قَبْلَ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَلِكَ يَضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۝﴾

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے، تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی ہے ﴿۶۸﴾ کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے (۳۹) ہیں، کس طرح وہ لوگ راہِ حق سے پھیرے جا رہے ہیں ﴿۶۹﴾ یعنی وہ لوگ جنہوں نے قرآن اور ان کتابوں کو جھٹلایا جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا، پس وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے ﴿۷۰﴾ جب ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے، اور زنجیروں کے ذریعہ گھیٹے جائیں گے ﴿۷۱﴾ وہ کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جلانے جائیں گے ﴿۷۲﴾ پھر ان سے کہا جائے گا، کہاں ہیں وہ جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے تھے ﴿۷۳﴾ یعنی اللہ کے سوا (جھوٹے معبود) وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے، بلکہ ہم پہلے (اللہ کے سوا) کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے، اللہ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے ﴿۷۴﴾

واضح براہین آگئے ہیں، عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے، اور غیروں کی پرستش باطل اور شرک اکبر ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنی گردن رب العالمین کے سامنے جھکائے رکھوں، اسی کے اوامر و نواہی کی اتباع کروں، اور اپنا ہر معاملہ اسی کے سپرد کروں۔ (۳۸) اے انسانو! وہی ذات برحق جس کی صفات و کمالات کا اوپر ذکر آیا ہے، اسی خالق و مالک کل نے تم سب کو پہلے مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہاری اصل مٹی ہے، یا یہ کہ تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہارے باپ کے نطفہ حقیقہ کو تمہارے باپ سے پیدا کیا، پھر اسے نجد خون بنایا، پھر بچہ کی شکل میں تمہیں تمہاری ماں کے بطن سے باہر نکالا، یعنی مختلف اطوار سے گزار کر تمہیں ایک ننھے منے بچہ کی شکل میں دنیا میں بھیجا، پھر تمہاری پرورش کی، یہاں تک کہ تم بھرپور جوان بن گئے۔ اور پھر مرد و ایام و سال کے ساتھ تم بوڑھے ہو جاتے ہو۔ اور تم میں سے بعض رحم مادر سے مردہ ساقط ہو جاتا ہے، اور کوئی کسی ہی میں وفات پا جاتا ہے، اور کوئی عہد جوانی میں، اور کوئی عہد پیری سے قبل۔ اے انسانو! تمہیں ان سارے اطوار سے اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کون گزارتا ہے، تمہیں ان باتوں پر غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ تم رب العالمین کی قدرت و عظمت کا اعتراف کر سکو، اور بعث بعد الموت پر تمہارا ایمان و یقین پختہ ہو جائے۔

اے لوگو! وہی معبود برحق حقیقہ قطرہ منیٰ کو زندگی دیتا ہے، اور وہی انسانوں کو عمریں پوری ہو جانے کے بعد، انہیں موت دیتا ہے، اسے کبھی بھی موت لاحق نہیں ہوگی، اور اس کے سوا تمام جن و انس مر جائیں گے۔ اور وہ معبود برحق جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کلمہ "کن" کے ذریعہ اسے وجود میں لے آتا ہے، محال ہے کہ وہ چاہے اور کوئی چیز وجود میں نہ آئے۔ (۳۹) یہاں سے ان مشرکین کے حالات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے جو اپنے جھوٹے اور باطل دلائل کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات کی تردید کرتے تھے اور ان میں شکوک و شبہات پیدا کرتے تھے۔ اس جرم عظیم کی ایک فوری سزا انہیں یہ دی گئی کہ ظاہر و صریح

ذَلِكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَسْرَحُونَ ﴿۱۳۳﴾ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا
فِيئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۱۳۴﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ﴿۱۳۵﴾ وَأَمَّا نُرُوتُكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَتَوَقَّئِكَ
فَالْيَنَابِتُ يُرْجَعُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ
عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ إِلَّا بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ فَخِصَىٰ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ
هَٰذَاكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۳۷﴾

تمہارا یہ انجام اس لئے ہے کہ تم زمین میں ناحق رنگ رلیاں (۱۳۰) مناتے تھے، اور اتراتے پھرتے تھے ﴿۱۳۵﴾ جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، جہاں تمہیں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے، پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بڑا برا ہے ﴿۱۳۶﴾ پس آپ صبر (۱۳۱) کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، پھر یا تو ہم آپ کو اُس عذاب کا بعض حصہ دکھلا دیں گے جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے، یا ہم آپ کو (اُس کے پہلے ہی) اٹھالیں گے، تو اُن سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے ﴿۱۳۷﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول (۱۳۲) بھیجے ہیں، اُن میں سے بعض کے واقعات ہم نے آپ کو بیان کر دیئے ہیں، اور بعض کے واقعات ہم نے آپ کو نہیں بیان کئے ہیں، اور کوئی رسول یہ قدرت نہیں رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ پیش کر سکے۔ پھر جس وقت اللہ کا حکم آجائے گا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اُس وقت جھوٹے لوگ خسارہ میں پڑ جائیں گے ﴿۱۳۸﴾

دلائل کے باوجود قبولِ حق کی توفیق ان سے چھین لی گئی، اور قیامت کے دن ان کی گردنوں میں آگ کا طوق اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی، اور انہیں شدید ترین کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا، اور ان کے جسموں میں آگ لگادی جائے گی جیسے لکڑی میں آگ لگادی جاتی ہے۔ اور پھر ان سے زجر و توبیح کے طور پر کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ شرکاء جن کی تم اللہ کے بجائے عبادت کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ وہ تو آج ہم سے غائب ہو گئے ہیں، کہیں بھی نظر نہیں آرہے ہیں۔

ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تو ہمارے کسی کام کے نہیں رہے، ان سے ہماری مصیبتوں کا کوئی مداوا نہیں ہو سکا۔ پھر شدتِ حیرت و اضطراب میں اپنا عقلی توازن کھو بیٹھیں گے اور کہنے لگیں گے کہ ہم نے تو دنیا میں کسی کی عبادت نہیں کی تھی۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اہل کفر کو اسی طرح اپنے آپ سے اور اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، اور ایمان و یقین کے لئے مہلک بیماریِ شرک میں مبتلا کر دیتا ہے جو اسے جہنم رسید کر دیتا ہے۔

(۱۳۰) فرشتے عذابِ نار اور اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ تمہارا یہ انجام اس لئے ہوا ہے کہ تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کی مخالفت کر کے خوب خوش ہوتے تھے، اور مارے خوشی کے آپے سے باہر نکلے جاتے تھے، تو آج تم جہنم کے دروازوں سے گذر کر اس کی آخری کھائی میں پہنچ جاؤ، جو ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کا بدترین ٹھکانا ہے۔

(۱۳۱) مکی زندگی میں صحابہ کرام کفارِ قریش کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر دل میں سوچتے اور کبھی زبان پر یہ بات لاتے کہ نہ معلوم اللہ کی مدد کب آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے کہ کفار کے مقابلے میں وہ آپ کی مدد ضرور

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِيَرْزُقُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۗ وَلكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُعْمَلُونَ ۗ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۗ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُشْكِرُونَ ۙ أَفَلَمْ يَسْزُرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ كَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۙ

اللہ نے ہی تمہارے لئے چوپائے (۳۳) بنائے ہیں، تاکہ اُن میں سے بعض پر تم سوار ہو، اور بعض کا گوشت کھاؤ ﴿۷۹﴾ اور تمہارے لئے اُن میں دوسرے فائدے بھی ہیں، اور تاکہ تم اُن پر سوار ہو کر اپنی اس ضرورت کو پوری کر لو جو تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے، اور تم اُن جانوروں اور کشتیوں پر (ایک جگہ سے دوسری جگہ) لے جائے جاتے ہو ﴿۸۰﴾ اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، تو تم اللہ کی کن کن آیتوں کا انکار کرو گے ﴿۸۱﴾ کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے اُن کافروں کا انجام (۳۳) نہیں دیکھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اُن کی تعداد ان سے زیادہ تھی، طاقت میں زیادہ تھے، اور زمین میں بطور آثار ان کی عمارتیں بہت تھیں، پس اُن کی کمائی اُن کے کسی کام نہ آئی ﴿۸۲﴾

کرے گا اور کافروں کے علی الرغم دین اسلام کو غالب کر کے رہے گا۔ یا تو آپ کی زندگی میں ہی حسب وعدہ کوئی دنیاوی عذاب ان پر نازل ہوگا، اور اگر اس سے پہلے ہی آپ وفات پا گئے، تو انہیں ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے، اور آپ کو عزت و اکرام کے گھر یعنی جنت میں اعلیٰ مقام عطا کریں گے، اور مومنوں کو بھی ان کے اعمال کے مطابق درجہ دیا جائے گا۔

(۳۲) نبی کریم ﷺ کو مزید تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء مبعوث کئے، ان میں سے بعض کے واقعات ہم نے قرآن کریم میں آپ کے لئے بیان کر دیئے ہیں، اور بعض کے بارے میں ہم نے آپ کو کچھ بھی نہیں بتایا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جن کے نام نہیں بتائے گئے ہیں، ان کی تعداد ان انبیاء سے کئی گنا زیادہ ہے جن کے نام قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن میں صرف پچیس ہی انبیاء کے نام آئے ہیں۔

ان رسولوں کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کے مطالبے کے مطابق اپنی مرضی سے معجزات پیش کرتے، انہیں جب اللہ کا حکم ہوتا تھا جبھی اللہ کی قدرت سے کسی معجزے کا اظہار کرتے تھے۔ اور جب کسی کافر و سرکش قوم کی ہلاکت کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیتا تھا، تو وہ اپنے رسول اور اس کے پیروکار مومنوں کو بچالیتا تھا اور اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تکذیب کرنے والے مشرکوں کو ہلاک کر دیتا تھا۔

(۳۳) آیات (۶۱/۶۲/۶۳/۶۴) کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر کر کے انہیں دعوت فکرو نظر دی ہے، تاکہ وہ اپنے خالق و رازق کو پہچانیں، اس پر ایمان لائیں، اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ فرمایا کہ اللہ نے ہی تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں، جن میں بعض پر تم سوار ہوتے ہو، یعنی اونٹ، اور بعض کے گوشت کھاتے ہو جیسے گائے، بکری اور بھیڑ، اور ان میں دوسرے فوائد و منافع بھی ہیں، یعنی ان سے اون، بال اور چمڑا حاصل کرتے ہو۔ اونٹ میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان پر اپنا سامان تجارت لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہو۔ اور اس کے ذریعہ اپنا بری راستہ طے کرتے

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ تَاكُؤُا بِهِ يَسْتَهْرِءُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَحْدَهُ كَمَا كُفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُدَّتْ اللَّهُ الْعَيْنُ قَدْ خَلَّتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرْتُمْ لَكُمْ الْكُفْرُونَ ۝

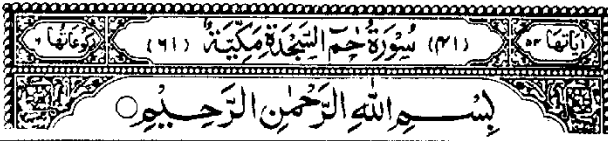
پس جب ان کے پیغامبر اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، تو (بزعم خود) اپنے علم پر خوش ہونے لگے، اور انہیں اُس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿۸۳﴾ پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، تو کہنے لگے، ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے، اور اُن جھوٹے معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں اللہ کا شریک بناتے تھے ﴿۸۳﴾ پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، تو اُن کا ایمان اُن کے کسی کام نہ آیا، اللہ کی اپنے بندوں کے بارے میں ہمیشہ یہی سنت رہی ہے، اور اُس وقت کافروں کو بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا ﴿۸۵﴾

ہو، اور کشتی کے ذریعہ بحری راستہ۔ یہ سب اللہ کی نوع بہ نوع نشانیاں ہیں جو اس کے کمال قدرت اور بندوں کے لئے اس کی عظیم رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۴۴) کفار قریش کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت ساری سورتوں میں گزشتہ زمانوں کی کافر اقوام کے انجام بد بیان کئے ہیں، تاکہ ان سے عبرت حاصل کریں، اور اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں، فرمایا کہ وہ قومیں کفار قریش سے تعداد میں زیادہ تھیں، جسمانی اعتبار سے ان سے زیادہ قوی، اور مالی اعتبار سے ان سے بہت اچھی حالت میں تھیں، انہوں نے اپنے شہروں میں بلڈنگیں بنائیں، فیکٹریاں قائم کیں اور زرعتی میدان میں خوب ترقی کی، لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو اسے کوئی نہ ٹال سکا، اس لئے کہ جب اللہ کے انبیاء ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور بزعم خود اپنے علم اور اپنی سمجھ کو انبیاء پر نازل شدہ وحی سماوی پر ترجیح دی۔ مجاہد کہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم ان نبوت کا دعویٰ کرنے والوں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ نہ ہم دوبارہ پیدا کئے جائیں گے اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا۔

اور جب عذاب الہی نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا، اور بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، تو اپنی توبہ کا اعلان کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے، اور ان تمام طاغوتی طاقتوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، لیکن وہ توبہ ان کے کام نہ آئی، اور وہ ایمان انہیں اللہ کے عذاب سے بچانہ سکا، جیسا کہ فرعون کے ساتھ ہوا کہ جب اس نے موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو پکار اٹھا کہ میں ایمان لے آیا کہ اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل کے لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول نہیں کی اور کہا کہ اب کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ تم اب تک نافرمان رہے ہو اور زمین میں فساد پھیلاتے رہے ہو۔

اسی لئے آیت (۸۵) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر اس قوم کے بارے میں اللہ کا یہی فیصلہ رہا ہے جس نے عذاب دیکھ کر توبہ کی، یعنی اس کی توبہ قبول نہیں کی گئی، اور اسے ہلاک کر دیا گیا۔



سورہ حم السجده مکی ہے، اس میں چوں آیتیں، اور چھ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

تفسیر سورہ حم السجده

نام: اس کا نام حروف مقطعه ”حم“ اور آیت (۳۸) سے ماخوذ ہے، جس کی تلاوت کے بعد نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ میں عتبہ بن ربیعہ کی موجودگی میں سجدہ کیا تھا۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابو یعلیٰ، حاکم، ابن مردویہ، ابو نعیم، بیہقی اور ابن عساکر سب نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے، اور حاکم و ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے کہ ایک دن قریش کے لوگ جمع ہوئے، اور آپس میں رائے کی کہ ان میں جو شخص جاوہ، کہانت اور شعر سب سے زیادہ جانتا ہے، اسے محمد (ﷺ) کے پاس بھیجا جائے جس نے ہمارے درمیان تفریق پیدا کر دی ہے، اور ہمارے دین کی عیب جوئی کی ہے، تاکہ اس سے بات کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ سب کی رائے ہوئی کہ اس کام کے لئے سب سے مناسب آدمی عتبہ بن ربیعہ ہے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا کہ تم بہتر ہو یا عبد اللہ (تمہارے باپ) تم بہتر ہو یا عبد المطلب (تمہارے دادا) اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ بہتر تھے تو وہ انہی معبودوں کی پرستش کرتے تھے جن کی تم نے عیب جوئی کی ہے، اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم بہتر ہو تو بات کرو تاکہ ہم سنیں۔

اللہ کی قسم! تم سے زیادہ ہم نے کسی کو اپنی قوم کے لئے نقصان دہ نہیں پایا ہے، تم نے ہمارے درمیان تفریق پیدا کر دی، ہمارے دین میں عیب نکالا، اور تمام عربوں میں ہماری بے عزتی کرائی۔ تمام عربوں میں مشہور ہو گیا کہ قریش میں ایک جاوہ گر ہے، قریش میں ایک کاہن ہے۔ اللہ کی قسم! اب تم اسی کا انتظار کر رہے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے خلاف تلواریں لے کر تن جائیں۔ اگر تم مال چاہتے ہو تو بتاؤ، ہم لوگ تمہارے لئے اتنا مال اکٹھا کر دیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار بن جاؤ، اور اگر شادی کرنا چاہتے ہو، تو قریش کی جن عورتوں کو چاہو پسند کر لو، ہم تمہاری دس شادیاں کرادیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کیا تمہاری بات پوری ہو گئی؟ اس نے کہا ہاں، تو آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور حم کی تلاوت شروع کر دی اور جب ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ تک پہنچے، تو عتبہ نے کہا، بس کرو، کیا تمہارے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا: نہیں۔ تو وہ اٹھ کر قریش والوں کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جیسا میرے کانوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ اور مجھ سے اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا ہے۔

محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب ”السیرة“ میں اس واقعہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت حمزہ بن عبد المطلب کے اسلام لانے کے بعد نازل ہوئی تھی جب لوگ تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے تھے۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر: حم السجده)۔

حَمَّ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝ فَأَعْرَضَ الَّذِينَ مِنْهُمْ لَمَّا لَمْ يَأْتُوا بِالْحُكْمِ وَرَوُّا قُرْآنًا مِثْلَهُ وَكَانَ أُنزِلَ فِي الْأَنَّامِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَأُتِيَ بِهِ مِنْ أُنْتَابِ الْعَالَمِينَ ۝ فَأَعْرَضَ عَنْ آيَاتِ الْبُرْجَانِ وَالْحَمِيمِ ۝

حم (۱) ﴿۱﴾ یہ کتاب (۲) نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والے کی طرف سے نازل کردہ ہے ﴿۲﴾ یہ ایک ایسی کتاب (۳) ہے جس کی آیتیں واضح کر دی گئی ہیں، جو عربی قرآن ہے، اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ﴿۳﴾ جو خوشخبری (۴) دینے والا اور ڈرانے والا ہے، لیکن اکثر لوگوں نے اُس سے منہ پھیر لیا، اور اسے سنتے ہی نہیں ﴿۳﴾ اور کافروں نے کہا کہ جن باتوں کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، انہیں سننے سے تو ہمارے دل دور پردوں میں چھپے ہیں، اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک اوٹ ہے، پس تم اپنا کام کرو، اور ہم اپنا کام کرتے ہیں ﴿۵﴾

(۱) حم حروف مقطعه ہیں، اور اللہ کو ہی معلوم ہے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ تفسیر سورۃ المؤمن کے آغاز میں حروف مقطعه کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے دیکھ لیجئے۔

(۲) امام صدیق حسن لکھتے ہیں کہ مخلوق کی مثال مریضوں اور محتاجوں کی ہے۔ اور قرآن کریم میں مریضوں کے لئے ہر دوائے شافی ہے، اور صحت مند محتاجوں کے لئے ہر غذائے نافع ہے۔ گویا قرآن کریم انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین عطیہ ہے جو باری تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت (۱۰۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے“۔

(۳) قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہے جس کی آیتیں الفاظ و معانی کے اعتبار سے واضح اور صریح ہیں، ان میں کوئی غموض اور الجھٹلاؤ نہیں ہے، اور ان میں تمام چیزوں کی ایسی تفصیلات ہیں جو دنیا کی کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ (فتح البیان)۔ قنادہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیتوں میں حلال و حرام اور طاعت و نافرمانی کی تمام تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔ حسن بصری کے نزدیک وعدہ و وعید کی، اور سفیان ثوری کے نزدیک جزا و سزا کی تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔ شوکانی کہتے ہیں: کوئی مانع نہیں کہ یہ تمام باتیں مراد لی جائیں۔

اور یہ آیتیں اس قرآن کریم کی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں اہل علم اور اہل نظر عربوں کے لئے نازل کیا ہے، تاکہ اسے بغیر ترجمہ کے سمجھیں اور ایمان لائیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جسے اس نے بذریعہ وحی اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ (۴) اور یہ قرآن کریم اس میں غور و فکر کرنے والوں، اور اس میں مذکور امور و نواہی پر عمل کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے، اور جو لوگ اس سے منہ موڑتے ہیں، انہیں نارجہم میں ہمیشہ جلتے رہنے کی دھمکی دیتا ہے، لیکن اکثر اہل قریش نے اس سے اعراض کیا اور اس پر کوئی توجہ نہیں دی، اور غرور و استکبار کی وجہ سے اسے سننا بھی گوارا نہیں کیا، اور اگر کبھی سن بھی لیا تو کفر و استکبار کی وجہ سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں جب بھی قرآن سنانا چاہا، تو استہزاء کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے دلوں پر کئی پردے پڑے ہیں تاکہ تم جس عقیدہ توحید اور بعث بعد الموت اور جزا و سزا کی بات کرتے ہو اسے ہم سمجھ نہ سکیں، اور ہمارے کان بہرے ہیں، اور ہمارے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَا إِلَهًا لَّهُمَّ اللَّهُ وَاحِدٌ فَاَسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا ۗ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ۗ
الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَدِيرٌ
مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ قُلْ إِنَّكُمْ لَتُكْفَرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ آندَادًا ۗ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۗ

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان (۵) ہوں، مجھے وحی بھیجی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے، پس تم سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور اسی سے مغفرت طلب کرو، اور ویل ہے مشرکوں کے لئے ﴿۶﴾ اس بات کی گواہی نہیں دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور آخرت کے بھی منکر ہیں ﴿۷﴾ بے شک جو لوگ ایمان (۶) لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا ان کے لئے بے حساب اجر ہے ﴿۸﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، کیا تم اس اللہ کا انکار (۷) کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا ہے، اور اس کے لئے شرکاء بناتے ہو، وہی سارے جہان کا پالنہار ہے ﴿۹﴾

اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے، اس لئے نہ ہم تمہاری بات سنتے ہیں، اور نہ جو تم کرتے ہو اسے دیکھ پاتے ہیں، اس لئے جس طرح ہم نے تمہیں چھوڑ رکھا ہے، تم بھی ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں اپنا قرآن سنانے کی کوشش نہ کرو، تم اپنے دین پر چلتے رہو، اور ہم اپنے دین پر چلتے رہیں گے اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ ان مثالوں سے قرآن کریم کا مقصود یہ بتانا ہے کہ ان کے دل قبول حق سے کوسوں دور تھے، اور چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے بالکل دور ہو جائیں اور کسی طرح کا اتصال نہ رکھیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی جواب دیا کہ میں تو تمہارے ہی طرح کا ایک آدمی ہوں، فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، پھر میری بات قبول کرنے سے تمہارے دلوں پر پردے کیوں پڑے ہیں، تمہارے کان کیوں بہرے ہیں، اور تم نے ہمارے اور اپنے درمیان حجاب کیوں حائل کر رکھا ہے؟ اور میں تمہیں کسی ایسی بات کی طرف تو نہیں بلاتا جسے عقل قبول نہ کرتی ہو، میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دیتا ہوں۔ اس لئے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم بتوں سے اعلان براءت کرو، پورے خلوص کے ساتھ اللہ کی بندگی پر ثابت قدم ہو جاؤ، اور اب تک شرک اور دیگر جتنے گناہ تم سے سرزد ہوئے ہیں، ان سے طلب مغفرت کرو۔

اس کے بعد اہل شرک کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ہلاکت و بربادی ہے ان اہل شرک کے لئے جو اپنے آپ کو شرک اور اخلاق رذیلیہ سے پاک نہیں کرتے ہیں، بعث بعد الموت اور قیامت کے دن کی جزا و سزا کا انکار کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ کی تفسیر "لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" سے کی ہے، یعنی وہ لوگ اس بات کی گواہی نہیں دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ عکرمہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ابن جریر نے زکاة سے مال کی زکاة مراد لی ہے، جو محل نظر ہے، اس لئے کہ زکاة ۲۷ھ میں فرض ہوئی تھی، اور یہ آیت مکی ہے۔ اس لئے راجح یہی ہے کہ یہاں زکاة سے مراد شرک سے پاکی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾ "وہ آدمی کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو شرک اور گناہوں سے پاک کیا۔"

(۶) اور جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرتے ہیں، انہیں خوشخبری دی کہ ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایسی نعمتیں دے گا

وَجَعَلَ فِيهَا رُؤَايَا مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكٌ فِيهَا وَقَدَرٌ فِيهَا أَقْوَامًا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِمَنْ يَأْتِيهِمْ مِنْهُمُ الْمَوْتُ ۗ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾
 إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿۱۱﴾ فَقَضَيْتُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ
 فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرًا لَوَزَيْتَنَا السَّمَاءَ الَّتِي بَيْنَا وَبَيْنَ السَّمَاءِ بِمَا يَصْبِرُونَ وَحِفْظًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۱۲﴾

اُس نے زمین میں پہاڑ بنا کر اس کے اوپر رکھ دیا ہے، اور اُس میں برکت ڈال دی ہے، اور چار دنوں میں اس میں پائے جانے والے اسباب زندگی کا بندوبست کیا، پورے چار دنوں میں (یہ جواب) پوچھنے والوں کے لئے ہے ﴿۱۰﴾ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ (۸) ہوا اور ارضیالیہ وہ دھواں تھا، پس اُس سے اور زمین سے کہا، تم دونوں آ جاؤ، چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے، دونوں نے کہا، ہم خوشی سے آ گئے ﴿۱۱﴾ پھر اُس نے آسمان کو دو دنوں میں سات آسمان بنادیا، اور ہر آسمان میں اُس سے متعلق حکم جاری فرمادیا، اور ہم نے آسمان دنیا کو چار اٹھوں سے مزین کر دیا، اور اُن کے ذریعہ اُس کی حفاظت کر دی، یہ تدبیر و انتظام اس اللہ کا ہے جو زبردست، دانابہ ﴿۱۲﴾ جو کبھی بھی ختم نہیں ہوں گی۔

(۷) مشرکین قریش کا کفر و شرک اور تکذیب قرآن کریم پر اصرار بڑھتا ہی گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی انہیں زبرد تو بخ کے طور پر فرمایا کہ کیا تم اس ذات باری تعالیٰ کی الوہیت کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں کی مدت میں پیدا کیا ہے، اور اس کے لئے شرکاء ٹھہراتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو، حالانکہ وہ رب العالمین ہے، اس لئے اس کے سوا کوئی دوسرا کیسے عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

اور کیا تم اس ذات واحد کی الوہیت کا انکار کرتے ہو، جس نے زمین کے اوپر بڑے بڑے پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ دیئے ہیں، اور جس نے زمین میں بنی نوع انسان کے لئے نوع بہ نوع نعمتیں پیدا کی ہیں۔ اور اس کی سطح پر نہریں جاری کیں، درخت اگائے اور چوپائے پیدا کئے، اور ہر ملک کے رہنے والوں کو ان کے مزاج کے مطابق روزی دی ہے۔ یہ نوع بہ نوع نعمتیں اور روزی کی کثرت اللہ تعالیٰ کی برکت کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ نے چار دن کی مدت میں کئے ہیں۔ اتوار اور سوار دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا، اور منگل اور بدھ دو دنوں میں مذکور بالا باقی کام کیا۔

(۸) زمین کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کرنا چاہا، اس وقت وہ دھواں کے مانند ایک لطیف جوہر تھا جو اس پانی سے پیدا ہوا تھا جس پر اللہ کا عرش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آسمان اور زمین دونوں کو بنانا چاہا، تو دونوں نور آہی وجود میں آ گئے۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین سے کہا کہ میں نے تمہارے اندر جو چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں باہر لاؤ۔ اے آسمان! تو آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کو نکال، اور اے زمین! تو درختوں، پھلوں اور نباتات کو نکال، اور نہروں کو باہر کر، تو دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم تیری بات مانتے ہوئے ان تمام چیزوں کو باہر لے آئے جو تو نے ہمارے اندر پیدا کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے سات آسمان دو دن میں بنائے، یعنی دھواں کی نرمی کو دور کر کے انہیں مضبوط و محکم بنایا۔ اور ہر آسمان میں جو کچھ پیدا کرنا چاہا، جن فرشتوں کو رکھنا چاہا، اور اس کے علاوہ وہ کچھ کرنا چاہا جس کا ہمیں علم نہیں ہے سب کو انجام دیا۔ اور آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا، اور انہیں ان شیطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا جو چوری چھپے آسمان کی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ فرشتے ان ستاروں کے ذریعہ ان شیطین کو مارتے ہیں، تو وہ جل جاتے ہیں یا جنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صُِعِقَةً مِثْلَ صُِعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۗ إِذْ جَاءَ تَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَأَتَانَا أَرْسُلُهُمْ بِكُفْرُونٍ ۗ فَاكْفَأُوا عَادًا فَأَسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۗ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِيسَاتٍ لِيُنذِرَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝

اگر پھر بھی (اہل مکہ) آپ کی دعوت سے منہ پھیرتے (۹) ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں عاد و ثمود کے عذاب کے مانند ایک عذاب سے ڈرا دیا ہے ﴿۱۳﴾ جب ان کے پیغمبر (۱۰) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے آئے، اور کہا کہ اللہ کے سوا کی بندگی نہ کرو۔ انہوں نے کہا، اگر ہمارا رب چاہتا تو وہ فرشتوں کو نازل کرتا، پس جو دین دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ چنانچہ قوم عاد نے زمین میں ناحق تکبر (۱۱) کرنا شروع کر دیا، اور کہا کہ ہم سے زیادہ قوت میں کون ہے، کیا انہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بے شک وہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ ان سے زیادہ قوی ہے، اور وہ لوگ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے ﴿۱۵﴾ پس ہم نے ان پر ایک سخت تیز ہوا (۱۲) بھیج دی جو کئی منحوں دنوں تک چلتی رہی، تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں رُسوا کن عذاب کا مزہ اچکھائیں، اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کن ہو گا اور ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی ﴿۱۶﴾

یہ سارے کارنامے اس اللہ کے ہیں جو بڑا زبردست اور اپنے تمام امور میں سب پر غالب ہے ان میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا ہے، اور جو اپنی عظیم بادشاہی اور اپنی مخلوق کے اعمال و احوال سے خوب واقف ہے۔
(۹) مذکورہ بالا تفصیلات کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، علم اور حکمت پر دلالت کرتی ہیں، اور جو اللہ کی وحدانیت اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی دعوت دیتی ہیں، نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اگر اب بھی کفار قریش دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے اعراض کرتے ہیں تو آپ انہیں کھلم کھلا ایسے عذاب کی دھمکی دے دیجئے جس طرح کا عذاب قوم عاد اور قوم ثمود پر نازل ہوا تھا اور جس نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو یکسر ہلاک کر دیا تھا۔

(۱۰) قوم عاد و ثمود کو اس لئے ہلاک کیا گیا تھا کہ ان کے پاس ہود اور صالح جیسے انبیاء آئے، اور ان تک دعوت توحید پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، لیکن کفر و سرکشی پر ان کی ہٹ دھرمی میں کوئی کمی نہیں آئی، اور کہنے لگے کہ اگر اللہ ہم تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ ہمارے ہی جیسے انسان کو۔ اس لئے ہم تمہاری رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۱) قوم عاد نے اللہ کی سر زمین پر ناحق تکبر اور سرکشی کی راہ اختیار کی، اور اپنی جسمانی قوت اور مادی طاقت کے نشے میں ہود علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر دیا، اور کہنے لگے کہ کون ہے ہم سے زیادہ طاقتور، ہم سب کو دیکھ لیں گے، اور اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنی طاقت کے ذریعہ اللہ کے عذاب کو بھی روک دیں گے۔

چونکہ ان کے رویے میں اللہ کے خلاف ایک قسم کا چیلنج تھا، اسی لئے اللہ نے اپنی طاقت کا ذکر کیا اور کہا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ یقیناً ان سے زیادہ طاقتور ہے۔ وہی ہر طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اس نے جب انسان کو پیدا کیا تو وہ بے حد کمزور تھا، پھر

وَأَنَّا مُؤَدِّفُهُمْ فَمَا سَتَجِدُوا الْعَمَىٰ عَلَىٰ الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمُ صِعْقَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٣﴾
 وَجَعَلْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَمْكُتُونَ ﴿١٤﴾ وَيَوْمَ نُحْشِرُ أَعْدَاءَ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَهَارَوا
 عَلَيْهِمْ سَمِعَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ وَجَلُّوا دُورَهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا جُودُهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا يَا آلَ اللَّهِ أَنْطَقْنَا
 اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾

اسی طرح قوم ثمود کو ہم نے راہ دکھائی (۱۳) تو انہوں نے ہدایت کے بجائے گمراہی کو پسند کر لیا، تو ان کے کر تو توں کے بدلے انہیں رسوا کن عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا ﴿۱۴﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان والے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے ﴿۱۵﴾ اور جس دن اللہ کے دشمن جہنم کی طرف ہانک (۱۶) کر لے جائے جائیں گے، تو وہ سب وہاں جمع کر دیئے جائیں گے ﴿۱۷﴾ یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس آجائیں گے تو اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کے چہرے اُن کے بُرے کر تو توں کی گواہی دیں گے ﴿۲۰﴾ اور وہ اپنے چہروں سے کہیں گے ﴿۱۵﴾ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہے، وہ کہیں گے، ہمیں اُس اللہ نے قوت گویائی دے دی ہے، جس نے ہر چیز کو قوت گویائی دی ہے، اور اُس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے، اور اُس کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۱﴾

اللہ نے اسے آہستہ آہستہ قوی اور تومند بنایا۔ پھر اللہ کے مقابلے میں وہ اپنی طاقت پر کیوں نازاں ہیں، اور کیسے ان معجزات کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہود علیہ السلام ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۱۲) جب اپنے کفر و سرکشی سے باز نہیں آئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے کے لئے ان پر ایک تیز اور ٹھنڈی ہوا کو مسلط کر دیا جو سات رات اور آٹھ دن تک چلتی رہی، اور جس نے ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ یہ دن اُن کے لئے بڑے ہی بُرے دن ثابت ہوئے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ایام بدھ سے بدھ تک ماہ شوال کے آخری ایام تھے۔ اس عذاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں رسوا کیا، اور آخرت میں جو عذاب انہیں دیا جائے گا وہ بہت ہی زیادہ رسوا کن ہوگا، اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوگا۔

(۱۳) قوم ثمود کی ہدایت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے راہ نجات کو روشن کر دیا۔ صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کے پاس بھیجا، بہت سی نشانیوں کے ذریعہ حق کو واضح کیا، اور اپنی شریعت نازل کر کے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ان ساری باتوں کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آتے، لیکن انہوں نے ایمان پر کفر کو اور طاعت و بندگی پر معصیت و سرکشی کو ترجیح دی، تو اللہ نے ان کے کر تو توں کی وجہ سے ایک رسوا کن عذاب کے ذریعہ انہیں ہلاک کر دیا، اور صالح علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کو جن کی تعداد چار ہزار تھی، اس عذاب سے بچالیا۔

(۱۴) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ اہل قریش کو وہ احوال و کوائف بتائیں جن سے کفار قیامت کے دن دو چار ہوں گے، شاید کہ عبرت حاصل کریں، جب اللہ کے تمام دشمنان جہنم یا میدانِ محشر کی طرف ہانک کر لے جائے جائیں گے، اور سب ایک جگہ اکٹھا کئے جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جہنمیوں کی تعداد بہت بڑی ہوگی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور ان کے چہرے ان کے جرائم کی گواہی دیں گے، جس اللہ نے ان کی

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا آيَاتُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَيْفَ أَيْدِيكُمْ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَتَّبِعُونَ ﴿۲۳﴾ وَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ وَإِنْ يَسْتَعْبُوا فَسَاءَ مُعْتَبِيهِمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۲۴﴾

اور تم گناہ کرتے وقت اس ڈر سے تو چھپتے (۱۱) ہی نہیں تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، اور تمہاری آنکھیں، اور تمہارے چمڑے گواہی دیں گے، بلکہ تم سمجھتے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کاموں کو نہیں جانتا ہے ﴿۲۲﴾ یہی وہ تمہاری بدگمانی ہے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی، تمہاری ہلاکت کا سبب بن گئی، پس تم گھانا اٹھانے والوں میں سے بن گئے ﴿۲۳﴾ پس اگر یہ لوگ صبر کریں، تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور اگر (اللہ کو) راضی کرنا چاہیں گے تو انہیں (اس کی) رضامندی حاصل نہیں ہوگی ﴿۲۴﴾

زبانوں کو دنیا میں قوت گویائی دی تھی، وہی اس دن ان کے جسموں کے دیگر اعضاء کو قوت گویائی دے گا، اور وہ ان مجرمین کا ایک ایک جرم بیان کریں گے، اور جس کفر و شرک کا اعتراف کرنے سے ان کی زبانیں خاموش تھیں، ان کی گواہی دیں گے۔ (۱۵) اہل شرک اپنے اعضاء جسم کا یہ حال دیکھ کر دم بخود ہو جائیں گے، اور اپنے چیزوں سے (جن سے آواز نکل رہی ہوگی، اور جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن عقل و فہم دے گا) کہیں گے، جنہیں بالعموم تکلیف کا احساس زیادہ شدید ہوتا ہے کہ تم نے ہمارے خلاف ایسی گواہی کیوں دی ہے جو تمہارے درد و الم کا سبب ہوگا؟! تو وہ کہیں گے کہ یہ گواہی ہمارے ذریعہ اس اللہ نے دلوائی ہے جس نے ہر حیوان کو قوت گویائی دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے اعضاء کی قوت گویائی پر حیرت کیوں ہوتی ہے، یہ تو اس اللہ کا حکم ہوگا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے، تو جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے وہ یقیناً تمہارے اعضاء کو قوت گویائی دینے پر قادر ہے۔ اور یاد رکھو کہ تمہیں لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے، یعنی وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، اور تم اُس میدانِ محشر میں جمع ہو کر اپنے کرتوتوں کا حساب چکاو گے جس میں جمع شدہ مشرکین کی ذلت و اہانت کی اس آیت میں منظر کشی کی گئی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین سے کہے گا جب تم لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے تو اپنے کانوں، آنکھوں اور چمڑوں سے پردہ کرنے کی نہیں سوچتے تھے، کیونکہ تمہارے دل میں یہ خیال آتا ہی نہیں تھا کہ قیامت کے دن تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے، اور تم یہ بھی گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے جرائم و معاصی کو نہیں جانتا ہے، جیسی تو ان کے ارتکاب کی جرأت کرتے تھے۔ اپنے رب سے متعلق تمہاری اسی بدگمانی نے تمہیں ہلاکت و بربادی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے۔ اسی وجہ سے تم نے دنیا میں اس کے احکام کی مخالفت کی جرأت کی، اور اب آخرت میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اپنے گناہوں کا انکار کر رہے ہو، اور سب کچھ کھو کر جہنم کی طرف لے جائے جا رہے ہو۔

آیت (۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے اسلوب کلام بدلتے ہوئے فرمایا کہ آج اگر جنہی صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں، تو اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے، کیونکہ اب تو جہنم ہی ان کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانا ہے، اور اگر چاہتے ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہو جائے اور جنت میں داخل کر دیے جائیں، تو ان کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوگی، یعنی نہ جہنم سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔

وَقَيضْنَا لَهُمْ قُرْنًا ۖ فَرَتُّوْا لَهُمْ تَابِيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلَقْنَاهُمْ وَّحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ اُْمْرِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْبَحْرِ وَالْاَرْضِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۙ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالنَّوٰفِلِیْنَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُوْنَ ۙ فَلَنْذِرُقْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ اَوْ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَا الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۙ ذٰلِكَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ النَّكَرُ ۗ لَهُمْ فِيْهَا اٰزِلُ الْخُلْدِ ۗ مُجْرًا ۗ اِیْمًا ۗ كَانُوْا بِآیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۙ

اور ہم نے دنیا میں کچھ شیطانوں کو اُن کا ساتھی (۱۷) بنا دیا تھا، پس انہوں نے اُن کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا، اور جنوں اور انسانوں کی جو کافر تھیں اُن سے پہلے گذر چکی تھیں، اُن کے ساتھ اُن کے حق میں بھی عذاب کا فیصلہ ثابت ہو گیا، بے شک وہ تمام گناہ پانے والے تھے ﴿۲۵﴾ اور کافروں نے کہا، لوگو! اس قرآن کو نہ سنا (۱۸) کرو، اور اس میں تشویش پیدا کرو، شاید کہ اس طرح تم غالب آ جاؤ ﴿۲۶﴾ پس ہم یقیناً کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے، اور اُن کے بُرے کارناموں کا انہیں بدترین بدلہ دیں گے ﴿۲۷﴾ اللہ کے دشمنوں کا یہی بدلہ ہے، یعنی جہنم کی آگ، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، جو اس بات کا بدلہ ہوگی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ﴿۲۸﴾

(۱۷) اہل کفر وشرک کا باطل پر اصرار، اور ان کے نفس کی خباثت جب حد سے تجاوز کر جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کچھ خبیث شیاطین کو ان کے ساتھ لگا دیتا ہے، جو ان کے دوست بن جاتے ہیں، اور ان کے حاضر و مستقبل کے گناہوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ایک دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شیاطین ان کی نگاہوں میں کفر و معاصی کو خوبصورت بنا دیتے ہیں، پھر وہ ان میں ڈوب جاتے ہیں، اور ان کے ذہنوں میں یہ بھی ڈال دیتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ جب ان کا حال یہ ہو جاتا ہے تو ان کے لئے ابدی شقاوت و بدبختی لکھ دی جاتی ہے، اور ان کا نام ان گذشتہ جن وانس کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی، خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور پھر دنیا و آخرت کا خسارہ ان کی قسمت بن جاتا ہے۔

(۱۸) ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں اونچی آواز سے قرآن پڑھتے، تو مشرکین سننے والوں کو وہاں سے بھگا دیتے اور کہتے کہ ”تم لوگ اس قرآن کو نہ سناؤ، اور دوسری بے ہودہ باتیں کرنے لگو، تاکہ سننے والوں کو اس سے روک سکو“ اور جب پست آواز سے پڑھتے تو جو لوگ قرآن سننا چاہتے وہ سن نہیں پاتے تو سورۃ الاسراء کی آیت (۱۱۰) ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ نازل ہوئی، یعنی ”نہ تو آپ اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھئے، اور نہ بالکل پوشیدہ“۔

مشرکین مکہ کے اسی معاندانہ رویہ کو اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ خوب مذاق اڑاؤ، تالیاب، بجاؤ، اور ادھر ادھر کی باتیں کرو تاکہ محمد کی قرأت بے معنی بن جائے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُوْنَ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اس طرح تمہاری آوازیں محمد کی آواز پر غالب آ جائیں گی اور وہ قرآن پڑھنے سے باز آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ان نازیبا اور بے ہودہ حرکتوں پر تکبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم ان کافروں کو شدید عذاب دیں گے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرْنَا الْكَافِرِينَ أَضَلْنَا مِنَ الْحَقِّ وَالْإِنْسِ تَجْعَلُهُم بِمَنْحَتِكَ أَقْدَامًا يَلْكُنُوا مِنَ
 الْأَسْفَلِينَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَتَخَفُوا وَلَا تَعْرُزُوا
 أَيْبَسُوا بِالْحَيَاةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۲۰﴾ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَكَلَّمْنَا فِيهَا
 مَا نَشَاءُ فِي أَنْفُسِكُمْ وَكَلَّمْنَا فِيهَا مَا تَنْكَرُونَ ﴿۲۱﴾ نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ﴿۲۲﴾

اور اہل کفر کہیں گے (۱۹) اے ہمارے رب! ذرا ہمیں اُن جنوں اور انسانوں کو دکھلا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا
 تھا، تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل و رسوا ہوں ﴿۲۱﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا
 کہ ہمارا رب (۲۰) اللہ ہے، پھر اس (عقیدہ توحید اور عمل صالح) پر جمے رہے، اُن پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے
 ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اور اُس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۲۰﴾ ہم دنیا کی زندگی
 میں تمہارے دوست اور مددگار (۲۱) رہے، اور آخرت میں بھی رہیں گے، اور وہاں تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کا
 تمہارا نفس خواہش کرے گا، اور ہر وہ چیز جس کی تم تمنا کرو گے ﴿۲۱﴾ بڑے معاف کرنے والے، بے حد رحم کرنے
 والے اللہ کی جانب سے تمہاری میزبانی ہوگی ﴿۲۲﴾

اور قیامت کے دن ان کے کرتوتوں کا بدترین بدلہ دیں گے۔ اس دن اللہ کے دشمنوں کا بدلہ جہنم کی آگ ہوگی، جس میں وہ ہمیشہ
 جلتے رہیں گے، اس سبب سے کہ وہ دنیا میں اللہ کی کتاب کا انکار کرتے تھے۔

(۱۹) جب آگ میں جل رہے ہوں گے، اور کچھ نہ بن پڑے گا، تو اپنے غیظ و غضب کا اظہار اُن شیاطین جن وانس کے
 خلاف کریں گے جو دنیا میں کفر و معاصی کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر پیش کرتے تھے، کہیں گے کہ اے ہمارے رب! جو
 شیاطین انس و جن ہمیں بہکاتے رہے تھے، ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دے تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں سے روند ڈالیں،
 اور انہیں جہنم کی آخری کھائی میں پہنچا دے، تاکہ انہیں ہم اپنے آپ سے بدترین حال میں دیکھ کر اپنے دل کے پھوڑے پھوڑ لیں۔
 (۲۰) قرآن کریم اپنے معبود طریقہ کے مطابق کافروں کا حال بیان کرنے کے بعد، اب مومنوں کا حال بیان کر رہا ہے۔ اللہ
 تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کو ایک مانتے ہیں، معبودان باطل کی نفی کرتے ہیں، اور صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، ان کے
 پاس دنیا میں، یا موت کے وقت، یا دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت، فرشتے آتے ہیں اور انہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ جو زندگی
 آپ آنے والی ہے، اس کے بارے میں آپ لوگ مطمئن رہئے، اور جن لوگوں کو آپ دنیا میں چھوڑ آئے ہیں، ان کی بھی فکر نہ
 کیجئے، ان کی گمرانی ہم کریں گے، اور دنیا میں آپ لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا تھا، اسے پا کر اب خوش ہو جائیے۔

﴿لَا تَتَخَفُوا وَلَا تَعْرُزُوا﴾ کی ایک دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ لوگ صور اسرافیل اور قیام قیامت کے
 وقت کی گھبراہٹ کی فکر نہ کیجئے۔ یعنی آپ لوگوں کو اس وقت کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہوگی۔ سورۃ الانبیاء آیت (۱۰۳) میں آیا
 ہے: ﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَخْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ ”وہ بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کر سکے گی، اور فرشتے انہیں
 ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔“

(۲۱) فرشتے ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ آپ سے محبت کرنے والے ہیں، اس لئے کہ ہمارے

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا قَرَّمَن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَع بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ وَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلْقُهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقُهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ۝

اور اُس آدمی سے زیادہ اچھی بات (۲۲) والا کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، اور عمل صالح کیا، اور کہا کہ میں بے شک مسلمانوں میں سے ہوں ﴿۳۳﴾ اور نیکی اور برائی برابر (۲۳) نہیں ہوتی، آپ برائی کو بطریق احسن ٹال دیجئے، تو (آپ دیکھیں گے کہ) آپ اور جس آدمی کے درمیان عداوت ہے، وہ آپ کا گہرا دوست بن جائے گا ﴿۳۴﴾ اور یہ صفت صرف اُن لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں، اور یہ صفت صرف بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے ﴿۳۵﴾

اور آپ کے درمیان قدر مشترک اللہ کی طاعت و بندگی ہے، جس طرح شیاطین کافروں سے محبت رکھتے ہیں، اس لئے کہ ان کے درمیان قدر مشترک اللہ کی نافرمانی اور رحمت سے دوری ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں: فرشتے مومنوں سے جان کنی کے وقت کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں آپ کے ساتھ رہے ہیں، آپ کی رہنمائی کرتے رہے ہیں، خیر کی توفیق دیتے رہے ہیں، اور اللہ کے حکم سے آپ کی حفاظت کرتے رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن بھی ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ قبروں میں اور صور اسرافیل کے وقت آپ کے مونس ہوں گے، قبروں سے اٹھائے جانے کے وقت آپ کو اطمینان دلائیں گے، اور ہم آپ کو پل صراط پار کر کے جنت تک پہنچادیں گے۔

اور جنت میں آپ لوگوں کو ہر وہ چیز ملے گی جسے آپ کا دل چاہے گا، اور جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ تمام نعمتیں آپ کے غفور رحیم رب کی طرف سے آپ کی میزبانی کے لئے ہوں گی۔

(۲۲) کفار قریش کا کفر و عناد، قرآن کریم سے ان کا اعراض، اور دعوت اسلامیہ میں ان کی رخنہ اندازی بیان کئے جانے کے بعد، اب نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت مشرکین کی شرانگیزیوں کی پروا نہ کیجئے، اور پوری پابندی کے ساتھ توحید کی دعوت لوگوں کو دیتے رہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آدمی سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، اور جن اعمال صالحہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے ان پر پہلے خود عمل کرتا ہے، اور پورے فخر و اعتراف کے ساتھ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔

یہ بات مسلم ہے کہ یہ صفات رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ اتم پائی گئیں، اس لئے آپ ﷺ کی بات سب سے اچھی بات تھی، اور آپ سب سے اچھے داعی الی اللہ تھے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے مشورہ دیا کہ مشرکین کی باتوں کی پروا نہ کریں اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں لگے رہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق سب سے پہلے انبیائے کرام ہیں، پھر علماء، پھر مجاہدین، پھر اذان دینے والے، اور پھر توحید خالص اور قرآن و سنت کی دعوت دینے والے۔

وَأَمَّا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۳﴾ وَمِنَ الْبَيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِنَاءً تَعْبُدُونَ ﴿۲۴﴾
فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿۲۵﴾

اور اگر شیطان کا کوئی وسوسہ (۲۳) آپ کو گناہ پر ابھارے، تو اللہ کی پناہ چاہئے، وہ بے شک خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۳۶﴾ اور اس کی نشانیوں (۲۵) میں رات اور دن، اور آفتاب و ماہتاب ہیں، لوگو! تم آفتاب کو سجدہ نہ کرو، اور نہ ماہتاب کو، اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿۳۷﴾ پس اگر یہ لوگ تکبر کی وجہ سے اللہ کی عبادت نہ کریں تو (نہ کریں) وہ فرشتے جو آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ رات دن اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور تھکتے نہیں ہیں ﴿۳۸﴾

(۲۳) نبی کریم ﷺ اور دیگر دعاۃ الی اللہ کو ایک بہت ہی اہم تعلیم دی گئی ہے، اور اس کی ابتدا یوں کی گئی ہے کہ اچھا عمل اور برا عمل دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں، اچھا عمل آدمی کو جنت تک پہنچاتا ہے، اور فرشتوں کی صحبت کا سبب بنتا ہے، اور برا عمل جہنم کی طرف لے جاتا ہے، اور شیاطین کی دوستی کا ذریعہ بنتا ہے، اس لئے اے میرے نبی! اگر کوئی بُرائی آپ کے آڑے آئے، تو اچھائی کے ذریعہ اسے اپنے آپ سے دور کر دیجئے، برائی کا جواب اچھائی سے، قصور کا جواب عفو و درگزر سے، غصہ کا جواب صبر سے، لغزش کا جواب نظر انداز کر کے اور دعوت کی راہ میں ایذا رسانیوں کو برداشت کر کے دیجئے۔ آپ جب ایسا کریں گے تو دشمن دوست اور دور قریب کی طرح ہو جائیں گے۔

قاشانی لکھتے ہیں: جب آپ دشمن کی برائی کو کسی بہت ہی بہتر اچھائی کے ذریعہ دور کر سکتے ہیں، تو اس سے کم درجہ کی اچھائی کے ذریعہ اسے دور نہ کیجئے۔ بُرائی کے ذریعہ اس کا دور کرنا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ آگ کے شعلے اور بھڑک اٹھیں گے، اور آپ اپنی خواہش اور شیطان کے پیر و کار ہو جائیں گے۔

آیت (۳۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شریف خصلت اور عظیم فضیلت تو انہیں نصیب ہوتی ہے جو درد و الم کے گھونٹ خاموشی کے ساتھ پی جاتے ہیں، اور اپنے رب کی طاعت و بندگی پر صبر کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ یہ رتبہ بلند تو اسے ملتا ہے جو اللہ کے نزدیک بڑا ہی سعادت مند ہوتا ہے، اس کے اندر خیر کی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہیں، عقل سلیم اور خلق عظیم کا مالک ہوتا ہے، اور سب سے اول و آخر اپنے رب سے ثواب کی امید لگائے زندگی گزارتا ہے۔

(۲۳) اوپر کی آیت میں نبی کریم ﷺ کو جو نصیحت کی گئی ہے اسی کا تتمہ ہے، کہ اگر شیطان آپ کے دل میں وسوسہ پیدا کرے، اور بُرائی کا جواب بُرائی سے دینے پر آمادہ کرے، اور مخالف سے انتقام لینے کو کہے، تو اللہ کی جناب میں پناہ لیجئے، اسی سے مدد مانگئے، اور نفس کی برائی سے بچانے کی التجا کیجئے۔

اسی مفہوم کو سورۃ الاعراف آیات (۲۰۰/۱۹۹) میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ "وَمَا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" ﴿۲۳﴾ "آپ درگزر کرنا اختیار کیجئے، نیک کام کی تعلیم دیجئے، اور نادانوں سے کنارہ کش ہو جائیے، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے"۔ اور سورۃ المؤمنون آیات (۹۸/۹۷) میں آیا ہے: ﴿وَإِنْفَعْ

وَمِن لَّيَالِيهَا تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُجِي الْمَوْتِ
إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادُونَ فِي آيَاتِنَا لَهُمْ مُخَافُونَ عَلَيْنَا لَمَّا آمَنُوا كَفَرُوا فِي الْعَالَمِ حَيْرًا أَمْ يَكْفُرُونَ
بِآيَاتِنَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُمْ مَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَكُرُوا لِبَآئِهِمْ هُمْ وَ
إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آپ زمین کو مُردہ قحط زدہ (۳۱) دیکھتے ہیں، پھر جب ہم اُس پر بارش برساتیے ہیں تو اُس میں زندگی آجاتی ہے اور اُبھر جاتی ہے۔ بے شک جس اللہ نے اُسے زندگی دی ہے وہی مُردوں کو (دوبارہ) زندہ کرے گا، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۹﴾ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کا غلط مفہوم (۳۷) بیان کرتے ہیں، وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، کیا جو شخص آگ میں ڈال دیا جائے گا وہ بہتر ہے، یا جو شخص قیامت کے دن پُر امن آئے گا۔ لوگو! تم جو چاہو عمل کرو، وہ بے شک تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے ﴿۴۰﴾ بے شک جن لوگوں نے قرآن کا انکار کیا، جب وہ اُن کے پاس آیا (وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں) اور وہ یقیناً ایک بلند و بالا مقام والی کتاب ہے ﴿۴۱﴾ نہ اس کے آگے سے باطل پھسکتا ہے، اور نہ اُس کے پیچھے سے، وہ اُس اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے جو بڑی حکمتوں والا، ہر قسم کی تعریفوں والا ہے ﴿۴۲﴾

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السِّيَاقَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝ وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ
بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ۝ ﴿۳۸﴾ ”آپ بُرائی کو سب سے بہتر اچھائی کے ذریعہ دور کیجئے۔ جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں، ہم بخوبی واقف ہیں۔ اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیاطین کی چھیڑ سے، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آجائیں۔“

(۲۵) اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض عظیم نشانیوں کو بیان کرنا شروع کیا ہے جو اس کے کمال قدرت اور اس کے علم و حکمت پر دلالت کرتی ہیں، اور جو انسان کو دعوتِ ایمان دیتی ہیں، لیل و نہار کی گردش اور سُوس و قمر کا نور، اور ان کا ایک محکم نظام کے مطابق اپنے دائرے میں چلتے رہنا، اور اس میں ذرہ برابر کا فرق نہ آنا، یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں، اور سُوس و قمر اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اس لئے نبی نوع انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ لوگو! آفتاب و ماہتاب کی پرستش نہ کرو، بلکہ اس اللہ کی عبادت کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اور عبادت میں اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ بناؤ۔

آیت (۳۸) میں نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اگر ان تمام نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود مشرکین مکہ کبر و غرور کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور اللہ کے لئے بندگی کو خالص نہیں کرتے، تو انہیں بتا دیجئے کہ فرشتے رات دن آپ کے رب کی تسبیح میں مشغول ہیں، اور کبھی بھی نہیں جھٹلتے ہیں۔

(۳۶) اللہ کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی ہو جاتی ہے تو زمین پتھر کے مانند سخت ہو جاتی ہے، اور اس میں کوئی گھاس اور پودا باقی نہیں رہتا، پھر جب اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے تو مٹی میں حرکت آجاتی ہے، پودے اُگ آتے ہیں، اس کی بالائی سطح اُبھر جاتی ہے، اور ہر طرف زندگی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس باری تعالیٰ نے اس

مَا يُعَالِكُ إِلَّا مَا قَدَّ قَبِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَكُنُوزٌ مَعْفُورَةٌ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۷﴾

آپ کو (کافروں کی طرف سے) وہی کچھ کہا جاتا (۲۸) ہے، جو آپ سے پہلے کے رسولوں کو کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کرنے والا، اور دردناک سزا دینے والا ہے ﴿۲۳﴾

مردہ زمین کو زندگی دی، اور اس میں پودے اُگائے، وہی مُردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ کسی چیز کا ہونا چاہے اور وہ وجود میں نہ آئے۔

(۲۷) جو لوگ اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی مذکورہ بالا آیتوں اور قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں غور و فکر کر کے اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں، اس کا علم ان سب کو محیط ہے، اور ان کی ایک ایک حرکت پر اس کی نگاہ ہے، اور جب قیامت آئے گی، وہ انہیں ان کے کرتوتوں کا مزہ اچھکائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جو شخص جہنم میں ڈال دیا جائے گا وہ بہتر ہو گا، یا وہ شخص جو اس دن ہر خوف و خطر سے مطمئن ہو گا؟ جو اب معلوم ہے کہ یقیناً جہنم کے عذاب سے بچ جانے والا بہتر ہو گا۔ پھر مشرکین وہ راہ کیوں نہیں اختیار کرتے جو انہیں جہنم سے بچالے اور جنت میں پہنچا دے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے کافرو! ٹھیک ہے، جو چاہو کرتے رہو، علام الغیوب تمہارے تمام کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔

صاحب محاسن التنزیل لکھتے ہیں کہ اس آیت سے ان تمام باطل فرقوں کی تردید ہوتی ہے، جو اپنے نظریات کی تائید کے لئے قرآن کریم کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں تمام باطنی فرقے، ملحدین، گمراہ صوفیاء، قادیانی، بہائی اور قبر پرست جماعتیں داخل ہیں جو اپنے باطل عقائد کی تائید کے لئے قرآن میں معنوی تحریف کرتی ہیں۔

آیت (۳۱) میں اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں، انہیں ان کے کفر و عناد کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اور آخر میں قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی یہ کتاب ہر تبدیلی اور تحریف سے محفوظ کر دی گئی ہے اور کوئی فرد بشر اس جیسا کلام نہیں لاسکتے گا۔

آیت (۳۲) میں فرمایا کہ یہ وہ کتاب برحق ہے جس کے قریب باطل نہیں پھٹک سکتا ہے، نہ کوئی شخص اس میں کمی کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص اس میں کوئی چیز زیادہ کر سکتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے اس اللہ نے نازل کیا ہے جو بڑی حکمتوں والا ہے، اور جو ہر تعریف کا سزاوار ہے۔

(۲۸) مکی زندگی میں مروی زمانہ کے ساتھ کفارِ قریش کا کفر و عناد بڑھتا ہی گیا، جس سے نبی کریم ﷺ طبعی طور پر متاثر ہوتے تھے، اور قرآن کریم اور اپنے آپ سے متعلق ان کی دل آزار باتیں سن کر کبھی غمگین ہو جاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ گذشتہ انبیائے کرام اور ان کے ساتھ ان کی قوموں کی بدسلوکی کے واقعات سنا کر انہیں تسلی دیتا تھا۔

اس آیت کریمہ میں بھی آپ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ کفارِ قریش آپ سے وہی کچھ کہتے ہیں جو گذشتہ قومیں اپنے رسولوں سے کہتی تھیں، وہی تکلیف دہ باتیں اور اللہ کی نازل کردہ کتاب میں انہی کی طرح شکوک و شبہات پیدا کرنا، اس لئے جس طرح ان انبیاء نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ اور آپ کا رب ان موحدین کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے جنہوں نے آپ

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَءِتَابُ عَجَبٍ وَعَجْبٍ ۚ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَ
شِفَاءٌ ۗ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۗ أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۗ وَ
لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاسْتَخْلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّهُمْ لَكُلِّ
شَيْءٍ لَّمْتُةٌ مُّرِيبٌ ۗ مَن عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۖ

اور اگر ہم اس قرآن کو عجی قرآن (۲۹) بنا دیتے تو وہ کہتے کہ اس کی آیتوں کی وضاحت کیوں نہیں کر دی گئی ہے، کیسی
بات ہے کہ قرآن تو عجی ہے اور رسول عربی ہے، آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن باعث ہدایت و شفا ہے ان لوگوں کے
لئے جو اہل ایمان ہیں، اور جو اہل ایمان نہیں ہیں، ان کے کانوں کے لئے یہ بہر اپن، اور ان کی آنکھوں کا اندھا پن
ہے، ان لوگوں کو کسی بہت ہی دور کی جگہ سے پکارا جا رہا ہے ﴿۳۳﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (۳۰) (یعنی تورات)
دی تھی، تو اس میں اختلاف پیدا کیا گیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی (کہ ان
کا حساب قیامت کے دن ہوگا) تو ان کا اسی دنیا میں ہی فیصلہ کر دیا جاتا، اور بے شک وہ لوگ قرآن کی صداقت کے
بارے میں بڑے گہرے شک میں مبتلا ہیں ﴿۳۵﴾ جو عمل صالح کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے، اور جو بُرا کام کرتا ہے
اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے، اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ﴿۳۶﴾

کی اور گذشتہ انبیاء کی پیروی کی ہے، اور جو اہل کفر آپ کی مخالفت کر رہے ہیں انہیں وہ سخت سزا دینے والا ہے۔
(۲۹) کفار قریش کفر و عناد کی وجہ سے کہتے تھے کہ اگر واقعی محمد اللہ کا نبی ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو یہ کسی عجی زبان میں نازل
ہوا ہوتا، تاکہ ہمیں یقین ہو جاتا کہ اسے سچ اللہ نے ہی بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ویسا ہی ہوتا جیسا وہ کہہ رہے ہیں،
تب بھی ان کے عناد اور سرکشی میں کمی نہ آتی، اور کہتے کہ اس کی آیتوں کو اس زبان میں کیوں نہیں بیان کیا گیا ہے جسے ہم سمجھتے
ہیں، یہ کون سا تک ہے کہ قرآن تو عجی ہے اور رسول عربی ہے، اور اس کے مخاطب عرب ہیں۔ یعنی چونکہ ان کا مقصد ایمان لانا
نہیں ہے، اس لئے اللہ کی آیتیں جس طرح بھی ان کے پاس پہنچیں گی، وہ لوگ قبول نہیں کریں گے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے باعث ہدایت
اور دلوں کے امراض کا علاج ہے، اور اہل کفر کے کان تو اس صدائے ایمانی کو سننے سے اور ان کی آنکھیں اس نور ہدایت سے
مستفید ہونے سے قاصر ہیں۔ ان کافروں کی مثال تو اس آدمی کی ہے جسے بہت ہی دور سے پکارا جائے، اور وہ آواز اس تک نہ
پہنچے، چونکہ کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر بھی مہر لگ گیا ہے، اس لئے قرآن کریم کی آیتوں سے انہیں کوئی فائدہ نہیں
پہنچتا ہے۔

(۳۰) نبی کریم ﷺ کی مزید تسلی کے لئے کہا گیا کہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، تو لوگوں نے ان کی اور اس کتاب کی
تکذیب کی، اور انہیں اذیت پہنچائی، اس لئے اے میرے نبی! جس طرح اولوالعزم انبیاء نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔
اور اگر اللہ کا یہ فیصلہ اٹل نہ ہوتا کہ لوگوں کے اعمال کا بدلہ قیامت کے دن ہی دیا جائے گا، تو کفار قریش کو ان کے
کفر و عناد کی وجہ سے اسی دنیا میں ہی عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا۔ اور یہ لوگ قیامت کے دن پر بالکل یقین نہیں رکھتے ہیں،

اسی لئے انہوں نے کفر و عناد کی زندگی اختیار کر رکھی ہے۔

آیت (۳۶) میں بھی ایک گونہ تسلی ہی کی بات ہے کہ جو آدمی ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرتا ہے، اس کا فائدہ اسے ہی پہنچتا ہے، اور جو کفر و معصیت کی راہ پر چلتا ہے اس کا نقصان اسے ہی ملتا ہے، یعنی اللہ کی ناراضگی اور عذاب الیم کا سزاوار بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے، وہ کسی کا بغیر گناہ مواخذہ نہیں کرتا۔



الْيَوْمَ يُرْكَدُ عَمَلُ السَّاعَةِ وَكَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ الْأَمْهَابِ وَمَا تَنْجِلُ مِنْ أَنْفُسٍ وَلَا تَصْعَقُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ
ثُرَىٰ كَأَنِّي قَالُوا أَذُنُكَ لَمَّا مِتْنَا مِنْ شُهَدَائِكَ ۗ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَكَلَّمُوا مَا كَلَّمْتُمْ مِنْ قَبْلِ ۙ

قیامت کا علم (۳۱) اسی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، اور کوئی پھل شگوفوں سے نہیں نکلتا، اور کسی مادہ کو حمل نہیں قرار پاتا، اور نہ کوئی مادہ بچہ بنتی ہے، مگر اللہ کو ان تمام باتوں کا علم ہوتا ہے، اور جس دن وہ مشرکوں کو پکارے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے شرکاء، وہ کہیں گے، ہم نے تو تجھے بتا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے ﴿۴۷﴾ اور جن جھوٹے معبودوں کو وہ پہلے پکارتے تھے، وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے، اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب بچاؤ کی صورت نہیں ہے ﴿۴۸﴾

(۳۱) قیامت کب واقع ہوگی، اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ حدیث جبریل میں آیا ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ پوچھا جانے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہے۔ یعنی جس طرح آپ کو معلوم نہیں ہے، اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ اور سورۃ النازعات آیات (۴۳، ۴۴، ۴۵) میں آیا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۗ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ۗ﴾ ”لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں، آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق، اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے“۔ اور سورۃ الأعراف آیت (۱۸۷) میں آیا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ ”یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا، آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا اور کوئی ظاہر نہیں کرے گا“۔

اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے، حتیٰ کہ جو پھل شگوفہ کے غلاف سے باہر آتا ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور رحم مادر میں جو بچہ پرورش پاتا ہے، اور کتنے دنوں کے بعد اس کی ولادت ہوگی، اور وہ ناقص ہو گیا پورا، خوبصورت ہو گیا بدصورت، ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے۔

اللہ کا علم الغیوب ہونا اور اس کی عظیم قدرت تقاضا کرتی ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، کسی کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔ اسی لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں سے پوچھے گا کہ جن معبودانِ باطل کو تم میرا شریک بناتے رہے تھے، وہ کہاں ہیں؟ تو وہ کذب بیانی سے کام لیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم نے تجھے بتا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی اس بات کی گواہی نہیں دیتا تھا کہ تیرا کوئی شریک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأنعام آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۚ كَفَرٌ بِمَن يَتَّخِذُ لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنَّمَا يَتَّخِذُهُ لِيُكَلِّمَهُ بِنُحُوذِهِ يَخْتَفِيَ ۚ لِيُؤْذِنَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ إِنَّمَا يَخْتَفُونَ لَهَا إِذْ أُذُنَتْ عَلَيْهِمُ مَن يَخْتَفُونَ ۚ﴾ ”اے اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم لوگ مشرک نہیں تھے“۔

آیت (۴۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین جن بتوں اور غیر بتوں کی دنیا میں پرستش کرتے تھے، قیامت کے دن وہ سب ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے، کوئی ان کی مدد کے لئے نہیں آئے گا، اور انہیں اس وقت یقین ہو جائے گا کہ اب عذابِ نار سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَتَّهَ الشُّرُفِيُّوسَ قَطُوطٌ ۖ وَلَئِنْ أَدْنَىٰ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ خَرَاءَ مَسْتَهَ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي ۖ وَمَا أَطْرُقَ النَّاعَةَ قَائِمَةً ۖ وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۖ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا ۖ وَ لَنُنَبِّئُهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۖ وَإِذَا التَّمِيمَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشُّرُفُ وَدُعَاءُ عَرِيضٍ ۖ

آدمی اپنے لئے بھلائی کی دعا (۳۲) کرنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اُسے کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے، تو اس پر شدید یاس و ناامیدی طاری ہو جاتی ہے ﴿۳۶﴾ اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اُسے پہنچتی ہے، ہم اپنی طرف سے اُسے کسی نعمت (۳۳) سے نوازتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میں تو اس کا مستحق تھا ہی، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی، اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹ کر گیا تو یقیناً مجھے اس کے پاس سب سے اچھا مقام ملے گا، پس اُس وقت ہم کفر کرنے والوں کو یقیناً ان کے بُرے اعمال کی خبر دیں گے، اور ہم یقیناً انہیں نہایت سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے ﴿۵۰﴾ اور جب ہم انسان کو اپنی نعمت سے نوازتے ہیں، تو وہ منہ پھیر لیتا (۳۴) ہے، اور اٹھنے لگتا ہے، اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعا کرنے لگتا ہے ﴿۵۱﴾

(۳۲) بالعموم لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے لئے دنیاوی فوائد کی دعا کرنے سے نہیں تھکتے، جب دیکھے اپنے لئے مال، اولاد اور صحت و عافیت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر کبھی انہیں تکلیف پہنچتی ہے، یا فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے تو غم سے نڈھال ہو جاتے ہیں، اور ناامیدی کا گہرا ابادل ان کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ اب وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے۔ سدی لکھتے ہیں کہ آیت میں کافر انسان مراد ہے، کیونکہ اسی کے بارے میں اللہ نے کہا ہے: ﴿إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رُوحِ الْمَلِكِ إِلَّا الْفَقْمُ الْكَافِرُونَ﴾ ﴿اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ناامید ہوتے ہیں﴾۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ عام انسان مراد لئے جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے مخلص بندے اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۳۳) اور جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے، محتاجی کے بعد اسے دولت عطا کر دیتا ہے، تو اپنا ماضی بھول جاتا ہے، اور لوگوں کے سامنے فخر کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دولت تو میں نے اپنی ذہانت اور محنت سے حاصل کی ہے، اور اللہ کا شکر ادا کرنا بھول جاتا ہے۔ اور جب اسے قیامت کی یاد دلائی جاتی ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی دولت میں سے لوگوں پر صدقہ و احسان کرے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ سب دقیا نوسی باتیں ہیں، انسان کی پیدائش نیچر کا نتیجہ ہے۔ آدمی مرکز گل سڑ جائے گا، اور دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، اور قیامت نہیں آئے گی۔ اور اگر مان بھی لیں کہ ہم دوبارہ اپنے رب کے پاس جائیں گے تو وہاں بھی ہمیں جنت ملے گی، کیونکہ ہم اس کی نگاہ میں اچھے ہیں، جمعی تو اس نے ہمیں اس دنیا میں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منکرین قیامت احسان فراموشوں کا انجام بتایا کہ وہ روز قیامت اُن کے بُرے اعمال ان کے سامنے رکھ دے گا، تاکہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اور اُن کی جھوٹی تمنائیں خاک میں مل جائیں، پھر انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

(۳۴) اس آیت کریمہ میں بالعموم لوگوں کی یہ فطرت بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ انہیں مال و اولاد اور صحت و عافیت سے نوازتا ہے تو اس کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور کبر و غرور میں مبتلا ہو کر طاعت و بندگی کی راہ سے منحرف ہو جاتے ہیں، اور جب وہ نعمتیں ان سے چھین جاتی ہیں، تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتے ہیں، یعنی الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اور مفہوم و معنی کم ہوتا ہے۔ سورہ یونس

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ لُزُومٌ لِّكُمْ بِهِمْ مَنْ أَضَلَّ عَنْهُ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ سَأُرَدُّكُمْ فِي الْآفَاقِ وَ
فِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْوَعْدُ الْحَقُّ أَلَمْ يَكُنْ بِرَبِّكُمْ أَنْتُمْ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّهِيدٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِئَةٍ
مِّنَ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَّا يَكُونَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، کیا تم نے سوچا (۳۵) ہے کہ اگر قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہوا، پھر تم نے اس کا انکار کر دیا ہے، تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو اس کی مخالفت میں دور نکل گیا ہو ﴿۵۲﴾ ہم انہیں اپنی نشانیاں اطراف عالم میں، اور ان کی اپنی ذات میں دکھائیں گے، تاکہ یہ بات ان کے لئے واضح ہو جائے کہ قرآن (اللہ کی) برحق کتاب ہے، کیا آپ کے رب کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے ﴿۵۳﴾ آگاہ رہے! مشرکین کو اس میں شبہ (۳۶) ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے، آگاہ رہے کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ﴿۵۴﴾

آیت (۱۲) میں آیا ہے: ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لَجِنَبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرْكَبًا لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّهِ﴾ ”اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے، لیٹے ہوئے، بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا“۔

(۳۵) نبی کریم ﷺ کی زبانی قریش کو مخاطب کیا گیا ہے جو قرآن کریم کے وحی الہی ہونے کا انکار کرتے تھے، کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور تم اس کا انکار کرتے ہو تو بتاؤ تو سہی کہ تم سے بھی زیادہ کوئی گمراہ ہو سکتا ہے؟ یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے، اور تم بغیر دلیل و برہان اس کا انکار کئے جا رہے ہو۔

آیت (۵۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنے نبی اور ان کے مومن ساتھیوں کو مشرق و مغرب میں غلبہ دیں گے، قیصر و کسری اور دیگر طاقتوں کا زور توڑ دیں گے، اور اسلام تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیلنے لگے گا۔ اور ہمارے رسول اہل قریش کے شہر مکہ کو بھی فتح کریں گے، اور وہاں سے ہمیشہ کے لئے کفر و شرک کا خاتمہ ہو جائے گا، تب کافروں کو یقین ہو جائے گا کہ واقعی قرآن اللہ کا کلام ہے، اور اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے سچ ہے۔

آیت کے آخر میں اہل قریش کو بطور زجر و توبیح کہا گیا ہے کہ کیا قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے لئے اللہ کی گواہی کافی نہیں ہے؟ وہ تو ہر چیز سے باخبر ہے، کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ قرآن اسی نے اپنے رسول محمد ﷺ پر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے۔

(۳۶) کفار قریش جس شر و فساد میں مبتلا ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں دوبارہ زندہ کئے جانے اور اپنے رب کے حضور اپنے کرتوتوں کا حساب دینے پر یقین ہی نہیں ہے۔ آگاہ ہو جائیں کہ اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس کی قدرت سب سے بڑی قدرت ہے۔ قیامت یقیناً آئے گی، اور سارے انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور علام الغیوب اور قادر مطلق اللہ ان کے اعمال کا بدلہ انہیں ضرور چکائے گا۔ وباللہ التوفیق۔



حَمَّ عَسَقٍ ۝ كَذٰلِكَ يُوحِی الْاِلٰهَ الْغٰیْبِ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ كَذٰلِكَ السَّمٰوٰتُ یَنْظُرُوْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْاَرْضُ لَهَا رِجْلٌ وَّیَسْتَعْفِفُوْنَ لِیْسَ فِی
الْاَرْضِ الْاِلٰهَ ۝ اللّٰهُ هُوَ الْعَفُوُّ الرَّحِیْمُ ۝

سورة الشوریٰ کی ہے، اس میں تین آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے
حَمَّ عَسَقٍ ﴿۲۲﴾ اسی طرح اللہ جو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے آپ پر وحی (۲) نازل کرتا ہے، اور ان انبیاء
پر نازل کرتا رہا ہے جو آپ سے پہلے گذر چکے ہیں ﴿۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کی
ملکیت ہے، اور وہ سب سے بلند، سب سے زیادہ عظمت والا ہے ﴿۴﴾ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں،
اور فرشتے اپنے رب کی پاکی، اور اس کی تعریف بیان کرتے ہیں، اور زمین میں رہنے والے (اہل ایمان) کے لئے
مغفرت طلب کرتے ہیں، آگاہ رہے کہ بے شک اللہ ہی بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۵﴾

تفسیر سورة الشوریٰ

نام: آیت (۳۸) ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾ سے اخوذ ہے۔ اسے سورہ حم عسق بھی کہتے ہیں۔
زمانہ نزول: ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کے نزدیک پوری سورت کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک دوسرے
قول کے مطابق آیت (۲۳) ﴿قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ سے چار آیتیں مدنی ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ عام کی سورتوں
کی طرح اس میں بھی اہل قریش کو بہت ہی دل نشین انداز میں ایمان و توحید اور وحی و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔
(۱) اس سے قبل حروف مقطعات سے شروع ہونے والی کئی سورتوں کی تفسیر کی ابتدا میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ ان حروف مقطعات
کا معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) یعنی آپ پہلے رسول نہیں ہیں جس پر پہلی بار اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے، آپ سے پہلے بہت سے انبیاء آئے جن پر اللہ
نے اپنی وحی نازل کی تھی، اور اہل مکہ اس بات سے خوب واقف ہیں، اس لئے اگر اللہ نے آپ پر وحی نازل کی ہے تو انہیں تعجب
کیوں ہے۔ سورہ النساء آیت (۱۶۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلَى نُوْحٍ وَالنَّبِیِّیْنَ
مِنْ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَا اِلَى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلِ وَاِسْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِسْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِیْحٰقَ وَاِیْحٰقَ
وَهَارُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَتَیْنٰدَاوُدَ زَبُوْرًا﴾ ”یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے نوح اور ان کے
بعد آنے والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور
ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی“۔

اس قرآن کو بذریعہ وحی آپ پر اس اللہ نے نازل کیا ہے جو ہر چیز پر غالب و قادر ہے، اور اس کا کوئی قول و فعل حکمت

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيفٌ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا
يَتْلُوهُ أَهْلُ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَيُنذِرَ يَوْمَ الْبَعْثِ الَّذِينَ لَا يُبْعَثُونَ ۚ فِيهِ لَعْنَةُ الْفَرِيقِ فِي السَّعِيرِ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ ۖ وَلَا يُصَدِّقُهُمْ إِلَّا الَّذِينَ
مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسروں کو دوست (۳) اور مددگار بنا لیا ہے، اللہ اُن کے اعمال کو محفوظ کر رہا ہے، اور آپ اُن پر نگراں نہیں مقرر کئے گئے ہیں ﴿۱﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں ایک قرآن (۳) کی وحی کی ہے، تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیے، اور انہیں جمع ہونے کے اُس دن سے ڈرائیے جس کی آمد میں کوئی شبہ نہیں ہے، ایک گروہ جنت میں جائے گا، اور ایک گروہ جہنم میں ﴿۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ایک امت (۵) بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے، اور ظالموں کا اُس دن کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا ﴿۸﴾ کیا انہوں نے اُسے چھوڑ کر دوسرے مددگار (۶) بنا لئے ہیں، پس وہ جان لیں کہ اللہ ہی (حقیقی) مددگار ہے، اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۹﴾

سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے، وہ سب سے اعلیٰ اور سب سے عظیم ہے۔ اس کی عظمت تو وہ عظمت ہے، اور اس کا جلال تو وہ جلال ہے کہ جس کی تاب نہ لا کر اگر آسمان پھٹ کر ایک دوسرے پر گر جائیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ وہ تو وہ ہے جس کی حمد و ثنائیاں کرنے اور اس کی عظمت و کبریائی کا گن گانے میں تمام فرشتے ہر لمحہ اور ہر آن مشغول رہتے ہیں، اور اہل ایمان ہند گان رب العالمین کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہتے ہیں، اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

(۳) مشرکین مکہ کے شرک پر نکیر کرتے ہوئے اور انہیں دھمکی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے سوا بتوں کو اپنا ولی اور دوست بنا لیتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں، اللہ ان کے تمام اعمال کو لکھ رہا ہے، اور قیامت کے دن انہیں ان کا بدلہ ضرور دے گا۔

اور نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ پر ان کی ہدایت کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے کہ ان کے گناہوں کا مواخذہ آپ سے ہوگا، آپ تو پیغامبر ہیں، اور آپ کی ذمہ داری صرف ان تک پیغام پہنچانا ہے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں مذکور حکم، آیت جہاد کے ذریعہ منسوخ ہے۔
(۴) یعنی جس طرح ہم نے آپ سے پہلے دیگر انبیاء پر وحی نازل کی تھی، اسی طرح آپ پر اس قرآن کو نہایت ہی فصیح و بلیغ اور صریح عربی زبان میں نازل کیا ہے، تاکہ آپ اہل مکہ اور ان کے ارد گرد رہنے والوں کو ان کی ہی زبان میں اللہ کا پیغام سنا سکیں، اور قیامت کے دن فصیحیت و رسوائی سے ڈرا سکیں، جب ساری مخلوق جمع ہوگی، اور سب کے سامنے مشرکوں، کافروں اور مجرموں کو ان کے دائمی ٹھکانا جہنم کی طرف ٹھیسٹ کر لے جایا جائے گا، اور جو اہل ایمان ہوں گے اور اس دنیا میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کریں گے انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

(۵) اللہ تعالیٰ اس بات پر یقیناً قادر ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کو دین اسلام کا پابند بنا دے، لیکن اس کی مشیت ازلی کا تقاضا ہوا کہ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذُكِرْتُ لَكُمْ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْكُمْ قَوْلَكُمُ وَاللَّيْلَةُ أُنْيَبُ ۝ قَاطِرُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ جَعَلْ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيهَا فَمَا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ
السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّسْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور تم جس چیز میں بھی اختلاف (۷) کرو، اُس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہی لوٹانا ہے، وہی اللہ میرا رب ہے، میں نے
اُسی پر بھروسہ کیا ہے، اور میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ﴿۱۰﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اُس
نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے جوڑے (۸) بنائے، اور چوپایوں کے جوڑے بنائے، وہ تمہیں زمین میں پھیلاتا
ہے، کوئی چیز اُس کے مانند نہیں، اور وہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے ﴿۱۱﴾ آسمانوں اور زمین کی چابیاں اُسی کے
پاس ہیں، وہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی میں کشادگی دیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، وہ بے شک
ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۱۲﴾

لوگ اپنی فطری استعداد میں اختلاف کے باعث مختلف ادیان و مذاہب میں بٹ جائیں، اور اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت سے دین
اسلام میں داخل کر دے اور اپنی جنت کا حقدار بنا دے۔ اور جو لوگ اپنی فطری کج روی کی وجہ سے راہ حق سے برگشتہ ہو جائیں گے
اور ظلم و شرک کی راہ کو اپنائیں گے، قیامت کے دن ان کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔

(۶) مشرکین کے رویہ پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے کیسے اس بات کو گوارا کر لیا کہ اللہ کے سوا دوسروں
کو اپنا ولی و کارساز مان لیں، اللہ کے سوا کوئی بھی حقیقی کارساز نہیں ہے، وہ تو وہ ہے جو مَرْدوں کو زندہ کرتا ہے، اس کے سوا کون اس
کی قدرت رکھتا ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کے سوا کوئی کسی چیز پر قادر نہیں ہے، اس لئے اس کے سوا غیروں کو کارساز
ماننا ظلم عظیم ہے، اور نہایت ہی حیرت و استعجاب کا باعث ہے۔

(۷) تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ دنیا دین کے کسی بھی معاملہ میں اگر تمہارے درمیان اختلاف ہو گا تو
اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا، جس کا ہر فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں، آیت میں اشارہ
ہے کہ سچا دین صرف دین اسلام ہے، اور مشرکین مکہ اور دیگر مشرکین کا دین و مذہب ان کے آباء و اجداد کی مشرکانہ رسمیں اور
خواہش نفس کی اتباع ہے۔ اور اگرچہ یہ سورت مکی ہے، لیکن یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جن مسائل و معاملات میں اختلاف
ہو جائے، ان میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی فیصلہ قرار پائے گی۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ مشرکین کو بتادیں، میرا رب وہی رب ذوالجلال ہے جو حاکم
عادل ہے اور جس کا فیصلہ ہر فیصلے پر غالب ہے، اس کے سوا میرا کوئی رب نہیں ہے، میں نے اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ
کیا ہے، اپنے آپ کو اسی کے حوالے کر دیا ہے، اور میں ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(۸) میرا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور جس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا ہے
بایں طور کہ حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا، پھر زن و شو کے باہم ملاپ سے نسل انسانی کو باقی رکھا۔ اور میرا رب وہ ہے
جس نے جانوروں کے بھی (مذکر و مؤنث) جوڑے پیدا کئے ہیں، اس ذات باری تعالیٰ نے مرد و زن اور مذکر و مؤنث کے باہم ملاپ

شَرَعْنَا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وُضِيَ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٣٥﴾

اس نے تمہارے لئے وہی دین (۹) مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح کو دیا تھا، اور جو ہم نے آپ کو بذریعہ وحی دیا ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا، اور سب سے کہا تھا کہ تم دین کو قائم کرو، اور اُس میں اختلاف نہ پیدا کرو، آپ جس بات کی دعوت مشرکوں کو دیتے ہیں وہ اُن پر بھاری گزرتی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی قربت کے لئے چن لیتا ہے، اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اسے اپنی راہ دکھاتا ہے ﴿١٣٥﴾

سے انسانوں اور تمام جانوروں اور بہائم کی نسلوں کو باقی رکھا ہے، اور ان کی تعداد کو کثیر بنا کر دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کی ہے کہ کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے، وہ اپنی ذات و صفات میں اکیلا اور تنہا ہے اور وہ تمام آوازوں کو سننے والا اور تمام کائنات کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس نے آسمانوں اور زمین میں اپنی مخلوقات کے لئے جو روزی پیدا کی ہے اور انعامات و اکرامات کے جو خزانے اُن میں ودیعت کی ہے، ان کی چاہیاں اسی کے پاس ہیں، وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے، اپنے علم و حکمت کے تقاضے کے مطابق کسی کی روزی میں وسعت دیتا ہے، اور کسی کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ اس لئے روزی اور دیگر تمام حاجتیں اسی سے طلب کرنی چاہئے، اس کے سوا کوئی جلاواوی نہیں ہے۔

(۹) آیت (۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آپ پر اور آپ سے پہلے دیگر انبیاء پر اللہ نے وحی نازل کی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور ان چاروں اولوالعزم انبیاء کو جن کا اس آیت میں ذکر آیا ہے، ایک ہی بات کا حکم دیا ہے کہ صرف اسی ذات واحد کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ ”ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا تو اس کو بذریعہ وحی یہی حکم دیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی لئے تم سب صرف میری ہی عبادت کرو“۔ اور صحیح بخاری، کتاب الانبیاء میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم انبیاء ایک ماں کی اولاد کی مانند ہیں، ہمارا دین ایک ہے (یعنی ایک اللہ کی بندگی کرنا، اگرچہ ہماری شریعتیں مختلف رہی ہیں)۔ آیت میں انہی پانچ اولوالعزم انبیاء کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ یہ حضرات بڑے انبیائے کرام تھے، ان کی شریعتیں بھی عظیم تھیں اور ان کے ماننے والے دنیا میں بہت بڑی تعداد میں ہوئے ہیں۔ نیز کافروں کے دلوں کو دین اسلام کی طرف مائل کرنا بھی مقصود ہے، اس لئے کہ ان انبیائے کرام میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے نبی ہونے پر تمام کا اتفاق ہے، اور ان کا دین بھی دین اسلام تھا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کالوگوں کو توحید کی طرف بلانا کفارِ قریش پر بڑا ہی گراں گذرتا ہے، لیکن آپ ہمت نہ ہاریے اور پورے عزم و ثبات کے ساتھ اللہ کا پیغام ان تک پہنچاتے رہئے، کون قبول کرتا ہے اور کون اسے رد کر دیتا ہے یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اللہ اپنی حکمت و مصلحت، اور مرضی کے مطابق جسے چاہتا ہے ایمان باللہ کی توفیق دیتا ہے، اور وہ اس عظیم خیر کو قبول کرنے کی توفیق اسے دیتا ہے جو اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اس کی بندگی

وَمَا تَفْرَقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِّبَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَكُنُوا عَنْهَا مُرِيبِينَ ﴿۱۰﴾ فَلِذَلِكَ قَادَعُ ۖ وَأَسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ إِنَّمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاللَّهُ الْعَصِيدُ ﴿۱۱﴾

اور اُن لوگوں نے اُن کے پاس صحیح دین کا علم آجانے کے بعد محض آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اختلاف (۱۰) کیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے، اُن کے بارے میں وقت مقرر تک تاخیر کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا، تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا، اور جو لوگ گذشتہ کافروں کے بعد اللہ کی کتاب (یعنی قرآن) کے وارث بنائے گئے (یعنی یہود و نصاریٰ یا کفارِ قریش) وہ لوگ اس کتاب کے بارے میں بڑے گہرے شک میں پڑے ہیں ﴿۱۳﴾ پس اے میرے نبی! آپ لوگوں کو اسی (دین توحید) کی طرف بلائے (۱۱) رہئے، اور خود بھی اسی پر قائم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور اُن (کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اُن تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کروں، اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے (اس لئے کہ حق واضح ہو چکا ہے) اللہ (قیامت کے دن) ہم سب کو جمع کرے گا، اور سب کو اسی کی طرف لوٹائے گا ﴿۱۵﴾

کی راہ پر لگ جاتا ہے، اور جو باطل پر اصرار کرتا ہے اسے ظلمتوں میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔

(۱۰) کفارِ قریش کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اپنا کوئی نبی بھیجے گا تو اس پر ایمان لے آئیں گے اور یہود و نصاریٰ سے زیادہ راہِ راست پر چلنے والے بن جائیں گے، لیکن جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، تو انہوں نے حق کو پہچانتے ہوئے، ان کی رسالت پر ایمان لانے سے صرف اس لئے انکار کر دیا کہ زمانہ جاہلیت سے ان کی جو سیادت چلی آ رہی تھی وہ خطرے میں پڑ گئی تھی، اس لئے دل میں اعترافِ حق کے باوجود محض جاہلی حیمیت کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں، جیسا کہ سورۃ البینہ آیت (۴) میں آیا ہے: ﴿وَمَا تَفْرُقَ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ﴾ "اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آجانے کے بعد متفرق ہو گئے"۔ بعض دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ عرب اور یہود و نصاریٰ سبھی مراد ہیں اور یہی قول راجح ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد تینوں گروہوں میں سے کچھ نے ان کی دعوت کو قبول کیا، اور کچھ نے حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حق کا انکار کرنے والے ان عرب اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا کہ اگر اللہ کا یہ فیصلہ پہلے ہی نہ ہو چکا ہوتا کہ انہیں دنیا میں عذاب دے کر ہلاک نہیں کیا جائے گا، بلکہ قیامت کے دن تک کے لئے ان کی سزا موخر کر دی گئی ہے، تو ان کے جرائم ایسے ہیں کہ انہیں فی الفور ہلاک کر دیا جاتا۔

آیت کے آخر میں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں پائے جانے والے عربوں اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ

وَالَّذِينَ يُخَاجِرُونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ جُجَاهُهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ أَلَمْ نَأْتِ الْبَنِيَّ الْأَنْزِلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ وَمَا كُنَّا نُرِيدُ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَفْرُيقًا ۝ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۝ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُبَاذِرُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝

اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں، اسے (بہتوں کے ذریعہ) قبول کئے جانے کے بعد جھگڑتے (۱۲) ہیں، ان کی دلیل ان کے رب کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لئے سخت عذاب ہے ﴿۱۶﴾ اللہ نے ہی اپنی کتاب (۱۳) کو حق اور انصاف کے ساتھ نازل کیا ہے، اور اے میرے نبی! آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب آگئی ہو ﴿۱۷﴾ اور جو لوگ اس کی آمد پر یقین نہیں رکھتے وہ اس کی جلدی مچاتے ہیں، اور جو اہل ایمان ہیں اُس سے خائف رہتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ اس کا آنا حق ہے، آگاہ رہے کہ جو لوگ قیامت میں شک کرتے ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں ﴿۱۸﴾

وہ لوگ قرآن، نبی کریم ﷺ اور دین اسلامی کی صداقت کے بارے میں خود غایت درجہ شک و شبہ میں مبتلا ہیں، اور اپنی سوسائٹی میں اسلام کے خلاف شبہات پھیلا کر دوسروں کو بھی قبول حق سے روکتے ہیں۔

(۱۱) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ جس دین و شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے لوگوں کو اسی کی طرف بلائیے، اور خود بھی اسی پر قائم رہئے، اور مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی پیروی میں اس سے ہرگز انحراف نہ کیجئے، اور پوری صراحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ میں ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں جنہیں اللہ نے نازل کی ہیں، میرا شیوہ یہود و نصاریٰ جیسا نہیں کہ اللہ کی کسی کتاب پر ایمان لاؤں اور کسی کا انکار کر دوں، اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے کسی قضیہ میں میرے پاس فیصلہ کے لئے آؤ تو پورے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں اور اللہ کی شریعت سے سرموا انحراف نہ کروں۔ اور اے کفار قریش! اور اے یہود و نصاریٰ! سن لو، کہ ہمارے اور تمہارا رب اللہ ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے، وہی ذات واحد ہر چیز کا رب اور مالک ہے، ہمارے اعمال کا ثواب و عقاب ہمارے لئے ہے اور تمہارے اعمال کا تمہارے لئے، ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ چکایا جائے گا۔

اور چونکہ حق ظاہر ہو چکا ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے، اس لئے ہمارے اور تمہارے درمیان اختلاف و نزاع کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمیں اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہئے، قیامت کے دن وہ ہمیں ضرور جمع کرے گا، اور ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گا، اہل حق کو جہنم سے نجات دے گا، اور جنت میں داخل کر دے گا، اور باطل پرستوں کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دے گا۔

(۱۲) مجاہد کہتے ہیں کہ جب لوگ اسلام میں کثرت سے داخل ہونے لگے تو کچھ کفار اپنے دل میں تمنا کرنے لگے کہ کاش جاہلیت کا زمانہ پھر لوٹ آتا اور اسلام کا سیل رواں زرک جاتا، تو یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کفار چاہتے ہیں کہ کسی طرح محمد اور اس کے ساتھی اسلام سے برگشتہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے انہی کافروں کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن ان کی لچر دلیلیں ہرگز کام نہ دیں گی، اور آفتاب کے مانند عیاں حق کے انکار کی وجہ سے ان پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، اور انہیں شدید عذاب دیا جائے گا۔

بَعَّ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَ
مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝

اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان (۱۳) ہے، وہ جسے چاہتا ہے روزی دیتا ہے، اور وہ قوت والا، زبردست ہے ﴿۱۹﴾ جو شخص آخرت کی کھیتی (۱۵) (یعنی اجر و ثواب) کا خواہاں ہوتا ہے، ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں، اور جو شخص دنیا کی کھیتی (یعنی فائدہ) چاہتا ہے تو ہم اسے اس کا کچھ حصہ دے دیتے ہیں، اور آخرت میں اجر و ثواب کا اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا ﴿۲۰﴾

(۱۳) اس آیت کریمہ میں خبر دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی ذات ہے جس نے تمام آسمانی کتابوں کو نازل کیا ہے، جن میں مذکورہ احکام و اخبار برحق ہیں، اور جس نے میزانِ عدل نازل کیا ہے، یعنی لوگوں کو الہام کیا کہ وہ میزان استعمال کریں تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور سرزمین پر اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے، اور اس کی شریعت کے سوا کسی کا حکم نافذ العمل نہ قرار پائے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کا دن بالکل ہی قریب ہے، اس لئے اے میرے نبی! آپ قرآن کریم کے احکام پر عمل کیجئے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیجئے، اس دن کے آنے سے پہلے جب لوگوں کے اعمال وزن کئے جائیں گے، اور ہر ایک کو اس کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا۔

اور روزِ قیامت کی آمد کی جلدی وہ لوگ مچاتے ہیں جنہیں اس کی آمد کا یقین نہیں ہے، اسی لئے ہمارے نبی سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر تمہاری بات سچ ہے تو پھر آہی جائے وہ دن، ذرا ہم بھی دیکھ لیں، یعنی دوبارہ اٹھائے جانے کی بات بالکل ہی بے بنیاد اور بعید از عقل ہے، لیکن جو لوگ بعث بعد الموت، روزِ قیامت اور اس دن کی جزا و سزا پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی آمد کے تصور سے ڈرتے ہیں، اس لئے کہ وہ نہیں جانتے کہ اس دن ان کا انجام کیا ہوگا۔

آیت (۱۸) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی صداقت پر مزید زور دیتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ قیامت کی آمد میں شبہ کرتے ہیں، وہ راہِ حق سے بہت ہی دور جا چکے ہیں، اتنی دور کہ جہاں سے لوٹ کر راہِ حق پر آجانے کی کوئی امید نہیں ہے۔ (۱۳) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، اس کا لطف و کرم مومن و کافر اور نیک و بد سب کو شامل ہے، اسی لئے تو وہ سب کو روزی دیتا ہے، کافر کفر کا ارتکاب کرتا ہے، اور کافر فسق و فجور سے دنیا کو بھر دیتا ہے، پھر بھی انہیں ہلاک نہیں کرتا ہے، بلکہ زندگی کی آخری سانس تک کھلاتا اور پلاتا رہتا ہے۔

اور اللہ جسے چاہتا ہے خوب روزی دیتا ہے، اور جس پر چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اس وسعت و تنگی کے بھید کو وہی جانتا ہے، نہ وسعتِ رزق اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے، اور نہ ہی تنگیِ رزق اس کی ناراضگی کی دلیل ہے۔

(۱۵) اس کے لطف و کرم کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس کے جو بندگان نیک اپنے اعمالِ صالحہ کے بدلے اس کی رضا اور حصولِ جنت کی نیت کرتے ہیں، وہ ان کے ہر عملِ صالح کا دس سے سات سو گنا تک ثواب دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے، اور جن کا مقصد دنیا اور اس کی عارضی لذتوں کا حصول ہوتا ہے، وہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے، اور آخرت میں انہیں کوئی خوشی نصیب نہیں ہوگی، وہاں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اسی معنی و مفہوم کو سورۃ الاسراء آیات (۱۸/۱۹) میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا

أَفَلَهُمْ شُرَكَاءُ اشْرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٦﴾ تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ لَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿١٧﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكَ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّوْدًا فِيهَا حَسَنَةٌ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿١٨﴾

کیا ان کے ایسے شرکاء (۱۶) ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے، اور اگر اللہ کی جانب سے یہ بات طے نہ ہو گئی ہوتی (کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا) تو اسی دنیا میں ہی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۲۱﴾ اے میرے نبی! آپ اُس دن ظالموں (۱۷) کو اپنے کرتوتوں کی بدولت خائف دیکھیں گے، اور اس کا وبال ان پر آ کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے عمل صالح کیا، وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے، یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے رب کے پاس نہیں ملے گا، یہی اللہ کا بڑا فضل ہے ﴿۲۲﴾ یہی وہ نعمت ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ کی پیغام رسانی پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، صرف قربت کی محبت چاہتا ہوں، اور جو شخص کوئی نیکی کرتا ہے، ہم اس میں اپنی طرف سے ایک نیکی کا اضافہ کر دیتے ہیں، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، نیک کاموں کا بڑا قدر دان ہے ﴿۲۳﴾

مَذْمُومًا مَّنْحُورًا ﴿١٦﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٧﴾

”جس کا ارادہ اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو، اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لئے چاہیں سردست دیتے ہیں، بالآخر اس کے لئے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ برے خالوں دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔ اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو، اور جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہئے وہ کرتا بھی ہو، اور وہ بالایمان بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدر دانی کی جائے گی“۔

(۱۶) کفر و معصیت کی قباحت و شاعت بیان کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ کیا کفار قریش کے کچھ ایسے شیاطین شرکاء ہیں جنہوں نے اللہ کی مرضی کے خلاف ان کے لئے ایسی شریعت گھڑ دی ہے جو شرک و معاصی کا مجموعہ ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں شرک باللہ کا شدید انکار، اور مشرکین کے خلاف اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا اعلان ہے۔ اسی لئے اس کے بعد کہا گیا ہے کہ اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ ان کی سزا قیامت کے دن کے لئے مؤخر کر دی گئی ہے، تو ان کے جرم کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں فوراً ہلاک کر دیا جاتا، اور ایسے ظالموں کو قیامت کے دن دردناک عذاب دیا جائے گا۔

(۱۷) میدانِ محشر کا ایک منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ دنیا میں شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے لوگ اس دن اپنی بد اعمالیوں کو یاد کر کے اپنے برے انجام سے شدید خائف ہوں گے، کیونکہ اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب عذابِ نار سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ فَإِنَّ يَشْعُرُ اللَّهُ يَخْتِمُ عَلَىٰ قَلْبِكَ ، وَيَسْمُرُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحَقِّقُ الْحَقَّ
بِكَلِمَاتِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۸﴾

کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد نے اللہ پر افترا پردازی (۱۸) کی ہے، پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے، اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے، اور حق کو اپنے کلام (قرآن) کے ذریعہ راسخ کر دیتا ہے، وہ بے شک سینوں میں چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے ﴿۲۳﴾

اور جنہوں نے دنیا میں رب العالمین کی ربوبیت کا اقرار کر لیا ہوگا، اسلام کو بحیثیت دین اور محمد ﷺ کو بحیثیت نبی تسلیم کر لیا ہوگا، اور اپنی زندگی عمل صالح کے ساتھ گذاری ہوگی، ان کا مقام خوبصورت ترین جنتیں ہوں گی جن میں ان کے رب کی طرف سے ان کی مرضی کی ہر چیز ملے گی، اور اہل جنت پر اللہ کا یہ بڑا فضل و کرم ہوگا۔

آیت (۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے اپنے وعدے کی تجدید کرتے ہوئے فرمایا کہ خوبصورت ترین جنتوں، بے مثال باغات اور بے بہا نعمتوں کی اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں کو خوشخبری دیتا ہے، جو ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کرتے ہیں۔

آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی فرمایا کہ اے اہل قریش! اتنی عظیم نعمتوں کے حصول کی طرف رہنمائی پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا ہوں، صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کے ساتھ میری جو قربت و رشتہ داری ہے اس کا خیال کر کے میری ایذا رسانی سے باز آ جاؤ، اور دوسروں کو بھی مجھے ایذا پہنچانے سے روکو، تاکہ میں بسہولت اللہ کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچا سکوں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ مومن بھی کوئی عمل صالح کرے گا، تو ہم اس کا بدلہ اُسے کئی گنا بڑھا کر دیں گے، اس لئے کہ ہم توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں، اور نیکو کاروں کو ان کے اعمال صالحہ کا بدلہ کئی گنا بڑھا کر دیتے ہیں۔

(۱۸) مشرکین کہتے تھے کہ محمد جھوٹا ہے، اللہ نے اسے اپنا نبی نہیں بنایا ہے، اور نہ ہی بذریعہ وحی اس پر اپنا قرآن نازل کیا ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ان کی اس افترا پردازی کی تردیدوں کی ہے کہ اگر آپ ہمارے نبی نہ ہوتے اور قرآن ہمارا کلام نہ ہوتا، بلکہ آپ کی افترا پردازی ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر مہر لگا دیتا، نہ کوئی معنی آپ کی سمجھ میں آتا، اور نہ کوئی حرف آپ کی زبان سے ادا ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ وحی کا سلسلہ جاری ہے، قرآن نازل ہو رہا ہے، اور دین اسلام کے احکام مدون ہو رہے ہیں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اللہ آپ سے راضی ہے اور قرآن ہمارا کلام ہے، اور مشرکین عرب جھوٹے ہیں۔

آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہر حال باطل کی بیخ کنی کر دیتا ہے اور قرآنی آیات کے ذریعہ حق کی جڑوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں بھی مشرکین مکہ کی گذشتہ افترا پردازی کی تردید کی گئی ہے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو وہ اسے ضرور مٹا دیتا۔ زخشری نے لکھا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کی افترا پردازیوں کو کامیاب نہیں ہونے دے گا، اور قرآن کریم کے ذریعہ دعوت حق کی جڑوں کو وہ ضرور مضبوط کرے گا۔ اتنی چنانچہ

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۗ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَكَوَسَبَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغْوًا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُدْرِكُ بِقَدْرِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ۗ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قُنُطُوا وَيُنْشُرُ حَيَّاتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۗ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ۗ

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ (۱۹) قبول کرتا ہے، اور ان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے ﴿۲۵﴾ اور ایمان والوں، اور عمل صالح کرنے والوں کی دعا و عبادت کو قبول کرتا ہے، اور اپنے فضل سے انہیں مزید عطا کرتا ہے، اور کافروں کے لئے سخت عذاب ہے ﴿۲۶﴾ اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی (۲۰) میں خوب کثادگی دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے، لیکن وہ جو چاہتا ہے ایک اندازے سے اتارتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۲۷﴾ اور وہی ہے جو بارش نازل کرتا ہے اس کے بعد کہ لوگ اس سے ناامید ہو جاتے ہیں، اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے، اور وہی ہے کار ساز، ہر تعریف کا ساز اور ﴿۲۸﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور وہ جانور ہیں جنہیں اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھا ہے، اور وہ جب چاہے گا انہیں جمع کرنے پر پوری طرح قادر ہے ﴿۲۹﴾

ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت جزیرہ عرب مشرکوں سے پاک ہو گیا، اور توحید کا علم ہر طرف لہرانے لگا۔ (۱۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنے لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہی ذات واحد ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور وہ اپنے بندوں کے تمام کرتوتوں سے خوب واقف ہے، اور وہی ہے جو ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کرنے والوں کو قیامت کے دن ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ دے گا، بلکہ اپنے فضل و کرم سے انہیں زیادہ دے گا یعنی جو طلب نہیں کریں گے وہ بھی دے گا۔ اور جو لوگ اس دنیا میں کفر و سرکشی کی راہ اختیار کریں گے انہیں شدید عذاب دے گا۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور علم و حکمت کے مظاہر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اپنے تمام بندوں کی روزی میں خوب وسعت و کثادگی دے دیتا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے، اور کبر و غرور میں مبتلا ہو جاتے، اور اللہ سے وہ کچھ مانگنے لگتے جس کا انہیں حق نہیں پہنچتا، اسی لئے وہ انہیں اتنی ہی روزی دیتا ہے جو اس کی مشیت و حکمت کے مطابق ہوتی ہے، وہ اپنے بندوں کے احوال و ضروریات سے خوب واقف ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت کے طے جملے تقاضے کے مطابق باران رحمت کو روک لیتا ہے، یہاں تک کہ زمین خشک ہو جاتی ہے، قحط سالی سے انسان اور چوپائے بد حال ہونے لگتے ہیں، حتیٰ کہ بارش سے بالکل ناامید ہو جاتے ہیں، اور اللہ کی مشیت کے سامنے اپنے آپ کو بالکل بے دست و پا سمجھنے لگتے ہیں، اور مشرکین کے جھوٹے معبودوں کی عاجزی اور بے بسی بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اگر معبود ہیں اور کسی قسم کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر اپنی پوجا کرنے والوں کی مدد کے لئے آگے کیوں نہیں بڑھتے

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا اسْكَبْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَيُغْفَوْنَ عَنْكُمْ وَيَرْبِحُوا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ دُونِ وَلَا نُصِيرُكُمْ وَمِنْ آيَاتِ الْجَوَارِ فِي الْمَلَكِ الْوَالِغِ إِنَّ يُشَاءُ لَنْ يَكُونَ الْبَرُّ إِلَّا فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۲۲﴾ إِنَّ يُشَاءُ لَنْ يَكُونَ الْبَرُّ إِلَّا فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۲۲﴾ لَوْلَا عَلَيْنَا ظَهَرَ إِذْ أَنْزَلْنَا فِي ذَلِكَ آيَاتٍ لَكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۲۳﴾

اور تمہیں جو مصیبت (۲۱) بھی لاحق ہوتی ہے، تو وہ تمہارے کئے کا نتیجہ ہوتی ہے، اور وہ (تمہاری) بہت سی خطائیں معاف کر دیتا ہے ﴿۳۰﴾ اور تم اللہ کو زمین میں عاجز نہیں بنا سکتے ہو، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار ﴿۳۱﴾ اور اس کی نشانیوں (۲۲) میں سے سمندر میں پہاڑوں کے مانند چلنے والے جہاز ہیں ﴿۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے، پس وہ جہاز سمندر کی پشت پر ٹھہر جائیں، بے شک اس میں ہر بڑے صابر و شاکر بندے کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۳۳﴾

ہیں، اور آسمان سے بارش کیوں نہیں نازل کرتے ہیں، تب اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے، اور بارانِ رحمت کے ذریعہ بندوں کی ناامیدی و پریشانی کو دور کر دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو عجیب و غریب ہیئت و کیفیت میں پیدا کیا ہے، اور چوپائے پیدا کئے ہیں جو زمین پر چلتے رہتے ہیں، اور فرشتے پیدا کئے ہیں جو فضا کے آسمانی میں تیرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے مظاہر قدرت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہر ذی روح کو موت کے گھاٹ اتار دے گا، اور تمام کے تمام مٹی میں گل سڑ جائیں گے، اور جب قیامت آئے گی تو اسرافیل علیہ السلام کے ایک صور کے ذریعہ تمام کو زندہ کر کے اپنے سامنے لاکھڑا کرے گا۔

(۲۱) اللہ کے علم و قدرت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کا کوئی عمل بھی اُس سے مخفی نہیں ہوتا ہے، اور اس کا کوئی بھی کام مکافاتِ عمل کے قدرتی نظام سے خارج نہیں ہوتا ہے، مسلمان کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ دلیل ہوتی ہے کہ اس سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں کوئی تکلیف دے کر مٹا دینا چاہتا ہے، اور بہت سی غلطیوں اور خطاؤں کو وہ اپنے فضل و کرم سے معاف کر دیتا ہے، اس پر مواخذہ نہیں کرتا ہے۔

ترمذی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندے کو کوئی بھی چھوٹی یا بڑی تکلیف پہنچتی ہے تو ایسا اس کے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اور جن گناہوں کو وہ معاف کر دیتا ہے وہ تو بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ واحدی نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ مومن کو سب سے زیادہ پر امید بناتی ہے، اس لئے کہ مومن کے گناہوں کو دھوئوں میں تقسیم کر کے، ایک حصہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مصائب و تکلیف میں مبتلا کر کے مٹا دیتا ہے، اور دوسرے بڑے حصے کو اپنے فضل و کرم سے دنیا میں ہی معاف کر دیتا ہے۔ اور کافر کے گناہوں کی سزا دنیا میں نہیں دی جاتی ہے، اس کے سارے جرائم و معاصی قیامت کے دن کے لئے اٹھا کر رکھ دیئے جاتے ہیں۔

آیت (۲۱) میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور علم و حکمت کا ایک اور مظہر یہ بیان کیا کہ انسان کے پاس چاہے جتنی بھی قوت و سطوت اور علم و معرفت ہو، وہ اللہ کو عاجز نہیں بنا سکتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو آسمان کو اس کے سر پر گرا دے اور چاہے تو اسے زمین میں دھنسا دے، اور کوئی اسے اس کام سے نہیں روک سکتا ہے۔

أُولَئِكَ يَفْقَهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۖ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُخَادِلُونَ فِي آلِئِنَّا مَا لَهُمْ مِنْ مُجِيبٍ ۖ فَمَا
 أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعٌ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْغَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۗ وَالَّذِينَ
 يَجْتَبِئُونَ كِبْرَ الْأَشْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَإِذَا مَا غَضِبُوا لَهُمْ يُغْفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
 وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۗ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَحِرُونَ ۗ

یا اُن کشتیوں کو اُن میں سوار لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ڈبودے (۲۳) اور وہ (تمہاری) بہت سی خطائیں معاف
 کر دیتا ہے ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ ہماری نشانیوں میں جھگڑتے ہیں، وہ جان لیں کہ عذابِ الہی سے ان کے چھٹکارے
 کی اب کوئی صورت نہیں ہے ﴿۳۵﴾ پس لوگو! تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے، وہ دنیاوی زندگی کا چند روزہ فائدہ (۲۳) ہے،
 اور جو نعمت اللہ کے پاس ہے، وہ زیادہ بہتر اور دیرپا ہے، اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے، اور جو اپنے رب پر
 بھروسہ رکھتے ہیں ﴿۳۶﴾ اور جو بڑے گناہوں اور بے حیائی (کی باتوں اور کاموں) سے بچتے ہیں، اور جب انہیں
 (کسی پر) غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ﴿۳۷﴾ اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا، اور نماز قائم کی، اور
 اُن کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے، اُس میں سے خرچ
 کرتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور جب اُن پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں ﴿۳۹﴾

(۲۲) اس کی قدرت، علم و حکمت اور رحمت کا ایک مظہر سمندروں میں پہاڑوں کے مانند چلنے والی کشتیاں ہیں جو محض اللہ کی
 قدرت کے سہارے ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچ جاتی ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو ہوا کو روک دیتا، پھر وہ کشتیاں سطح سمندر میں ٹھہری رہ
 جاتیں، یا اللہ چاہتا تو کشتی میں سوار لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے تیز و تند آندھی بھیج کر ان کشتیوں کو سمندر میں ڈبودیتا، لیکن اللہ
 اپنے بندوں کے بہت سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور ان پر رحم کرتے ہوئے انہیں سمندر کی نذر نہیں کرتا۔ یہ تمام
 باتیں رب العالمین کے وجود، اس کی قدرت و عظمت اور حکمت و رحمت کی بڑی واضح دلیل ہیں، جن سے وہی لوگ مستفید
 ہوتے ہیں جو اپنے رب کی طاعت و بندگی کی راہ میں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں، اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر زبان و عمل کے
 ذریعہ شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲۳) جب کوئی کشتی ہوا کی زد میں آکر ڈوبنے لگتی ہے، اس وقت اس میں سوار اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والے مشرکین کو
 خوب معلوم ہو جاتا ہے کہ اب اللہ کے عذاب سے انہیں اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا ہے، اس لئے بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کو
 پکارنے لگتے ہیں۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے دینائے دنی اور اس کی نعمتوں کی بے ثباتی، اور جنت کے دوام و بقا کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جنت
 ان کو ملے گی جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں، صرف اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بڑے گناہ جیسے شرک، قتل، ظلم، شراب نوشی، اکل حرام
 اور زنا و لواطت وغیرہ سے بچتے ہیں، جب انہیں کسی پر غصہ آتا ہے، تو اس کی غلطی کو معاف کر دیتے ہیں، جب ان کا رب انہیں
 اپنی طاعت و بندگی کا حکم دیتا ہے تو فوراً سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، یعنی پورے خشوع و خضوع کے ساتھ تمام
 شروط و اركان اور واجبات و سنن کی رعایت کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا ہے تو آپس میں مشورہ

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۝ إِنَّا السَّيِّئِينَ الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَمَنِ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ ۝ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ شَيْءٍ ۝

اور بُرائی کا بدلہ (۲۵) اسی کے برابر ہونا چاہئے، پس جو معاف کر دے، اور اصلاح کر لے اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، وہ بے شک ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے ﴿۳۰﴾ اور جو مظلوم ظلم کئے جانے کے بعد اپنا بدلہ لے لیں، اُن پر کوئی الزام نہیں ﴿۳۱﴾ الزام اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور زمین میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں، اُنہی کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۳۲﴾ اور جو آدمی صبر کرے، اور معاف کر دے، تو بے شک ایسا کرنا بہترین کاموں میں سے ہے ﴿۳۳﴾ اور جسے اللہ گمراہ (۲۶) کر دے، اس کا اس کے بعد کوئی دوست نہیں، اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے، تو آپ انہیں کہتے ہوئے پائیں گے کہ کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے ﴿۳۴﴾

کرنے کے بعد ہی قدم اٹھاتے ہیں، اللہ انہیں جو روزی دیتا ہے اس کا کچھ حصہ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور جب کوئی باغی و طاغی کا فران پر چڑھ دوڑتا ہے، تو اپنی عزتِ نفس کی خاطر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور ظلم و تعدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اس لئے کہ مومن کی عزتِ نفس اور غیرت و خودی کا یہی تقاضا ہے، اور اس لئے بھی کہ ظالم کو ظلم سے روک دینا، اور اُسے قبولِ حق پر مجبور کر دینا اللہ کے نزدیک قابلِ ستائش صفت ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کے جو نیک بندے مذکورہ بالا دسوں صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، وہ اللہ کے فضل و کرم سے دنیا کی حلال نعمتوں سے بھی محروم نہیں ہوں گے، لیکن چونکہ جنت کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں، اسی لئے صرف جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۵) اوپر کی آیت میں مومنین اہل جنت کی دسویں صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ظلم کو قبول نہیں کرتے ہیں، اسی مناسبت سے یہاں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ ظالم کو اس کے ظلم کے مطابق ہی سزا دیتے ہیں، زیادتی نہیں کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ بہر حال عفو و درگزر سے کام لیتا، اور دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کر جاتا اللہ کو زیادہ پسند ہے، اور وہ اپنے ایسے بندوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے، اور ظلم و تعدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

جو شخص ظلم کو قبول نہیں کرتا، اور اس پر جتنی زیادتی ہوئی ہے اتنا بدلہ لے لیتا ہے، تو اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، مواخذہ تو ان کا ہوگا جو دوسروں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں، اور زمین میں ناحق فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں، اور اگر اپنے کئے پر نادم نہیں ہوں گے اور اللہ کے حضور تائب نہیں ہوں گے تو دنیاوی مواخذہ کے بعد آخرت میں بھی دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ آیت (۳۰) میں جو بات کہی گئی تھی، آیت (۳۳) میں اسی کو مزید تاکید کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی کی لذیت کو برداشت کرے گا، اسے معاف کر دے گا، اور بدلہ نہیں لے گا، وہ بہر حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ ستائش ہوگا، اس لئے کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس عظیم صفت کے ساتھ متصف ہوں۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الدَّالِّينَ عَلَىٰ أَنْ يَسْتَنْزِلَ عَلَيْهِمْ نَارٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٢٧﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٢٨﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٢٩﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٠﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣١﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٢﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٣﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٤﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٥﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٦﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٧﴾
 وَكَانَ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ غَدِيرًا ۚ ﴿٣٨﴾

اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آگ کے سامنے لائے جائیں گے، دراصل ایک وہ ذلت و رسوائی کے نیچے دبے ہوں گے، بٹکھیوں سے (آگ کو) دیکھیں گے، اور اہل ایمان کہیں گے کہ بے شک گھاٹا اٹھانے والے تو وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو گھائے میں ڈالیں گے، آگاہ رہے کہ ظالم لوگ بے شک دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے ﴿۳۵﴾ اور اللہ کے سوا ان کے دوسرے حمایتی نہیں ہوں گے، جو ان کی مدد کریں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راہ ہدایت نہیں ہے ﴿۳۶﴾ لوگو! اپنے رب کا حکم مانو (۲۷) اُس دن کے آنے سے پہلے جسے اللہ کی جانب سے کوئی نہیں ٹال سکے گا، اُس دن نہ کوئی جائے پناہ ہوگی، اور نہ بھیس بدل کر چھپ جانے کی جگہ ﴿۳۷﴾ پس اگر وہ اعراض (۲۸) کرتے ہیں، تو اے میرے نبی! ہم نے آپ کو ان کا ٹکراؤ بنا کر نہیں بھیجا ہے، آپ کی ذمہ داری تو صرف تبلیغ و دعوت ہے، اور جب ہم انسان کو اپنی جانب سے مہربانی کا مزا چکھاتے ہیں، تو اس پر خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اس پر کوئی آفت آن پڑتی ہے، تو بے شک انسان بڑا ناشکر گزار بن جاتا ہے ﴿۳۸﴾

(۲۶) اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کر دے، اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا ہے۔ اور قیامت کے دن مشرکین جب جہنم کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش دنیا کی طرف دوبارہ لوٹ جانے کی کوئی صورت نکل جاتی تاکہ ایمان لے آتے، اور موحد بن کر عذابِ نار سے نجات پانے اور دخولِ جنت کے حقدار بن جاتے۔

انہیں جہنم کے سامنے لایا جائے گا تو ذلت و رسوائی کے نیچے دبے ہوں گے، اور مارے خوف و ہشت کے اس کی طرف اُدھ کھلی نگاہوں سے دیکھیں گے، اور اہل ایمان اپنی کامیابی کے غبطہ و سرور میں اور جہنمیوں کی ذلت و رسوائی کو دیکھ کر کہیں گے کہ حقیقی گھاٹا اٹھانے والے آج وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، اور جنت کی دائمی نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے جائیں گے، اور کوئی نہیں ہوگا جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کے لئے آگے آسکے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جسے اللہ گمراہ کر دے وہ نہ تو دنیا میں راہِ حق پر چل سکتا ہے، اور نہ ہی آخرت میں جنت کی راہ پر چل کر اس میں داخل ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا و آخرت کی رسوائیوں سے بچائے۔

(۲۷) دنیا و آخرت کی رسوائیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ رب العالمین کے پیغامبر نے جو دعوتِ ایمان و عملِ دینی ہے اسے قبول کیا جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں نصیحت کی ہے کہ لوگو! اللہ کی دعوت کو قبول کر لو، اس روز قیامت سے پہلے جسے کوئی ٹال نہیں سکے گا، اور جب کافروں کو اللہ کے عذاب سے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی، اور نہ وہ اپنے کرتوتوں کا انکار کر سکیں گے۔

بَلِّغْ لَهُمُ الْبَرَائِدَ وَالسَّمُوتَ وَالْأَرْضَ يُخَلِّقُ مَا يَشَاءُ مِنْ مِثَالِهَا يُهْبَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنْ أَرَادَ أَنْ يُنْفِثَ السَّحَابَ لِمَنْ يَشَاءُ الذِّكْرُ ۗ أَوْ يُرْسِلُ السَّحَابَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۗ وَمَا كَانَ لِمَنْ يُبَشِّرُ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيمٌ عَلِيمٌ ۗ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ

صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصَدَّرُ الْأُمُورُ ۗ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی (۲۹) صرف اللہ کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے ﴿۳۹﴾ یا انہیں لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے، وہ بے شک بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿۵۰﴾ اور کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس سے اللہ بات (۳۰) کرے، سوائے اس کے کہ اس پر وحی نازل کرے، یا کسی اوٹ کے پیچھے سے، یا کسی رسول کو بھیجے جو اس کی اجازت سے، وہ جو چاہے، اس کی وحی پہنچا دے، وہ بے شک سب سے اونچا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۵۱﴾ اور ہم نے اسی طرح اپنے حکم سے آپ پر قرآن کی وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ ایمان کو جانتے تھے، لیکن ہم نے قرآن کو نور بنایا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور اے میرے نبی! آپ یقیناً لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں ﴿۵۲﴾ اس اللہ کی راہ جس کی ملکیت وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، آگاہ رہے کہ تمام معاملات بالآخر اللہ ہی کے پاس لوٹ کر پہنچیں گے ﴿۵۳﴾

(۲۸) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اگر لوگ آپ کی دعوت کو توحید کو قبول نہیں کرتے ہیں، تو نہ کریں، آپ ان کے اوپر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں، آپ کا کام تو محض پیغام رسانی ہے، جو آپ کر رہے ہیں، ان کے کفر و شرک کا ملال نہ کریں، اور ان کا معاملہ ہمارے حوالے کر دیں۔

آیت کے دوسرے حصہ میں کافر اور ضعیف الایمان انسان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اسے اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو مارے خوشی کے آپے سے باہر نکلنے لگتا ہے، اور شکر ادا کرنا بھول جاتا ہے، اور جب اسے اس کے برے اعمال کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ کی ساری نعمتوں اور اس کے سارے احسانات کو بھول جاتا ہے اور صرف اسی تکلیف کو یاد کر کے ناشکری کرنے لگتا ہے۔ وہی کافر جب نعمت ایمانی سے مشرف ہو جاتا ہے تو اس کی حالت یکسر بدل جاتی ہے، اور اس کی طبیعت میں پاکیزگی آجاتی ہے، جب کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر گزار ہوتا ہے، اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔

(۲۹) آسمانوں اور زمین کا بادشاہ صرف اللہ ہے، اس کی بادشاہت میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے، وہ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، کسی کو پیدا دیتا ہے، کسی کو بیٹی دیتا ہے، اور کسی کو دونوں دیتا ہے، اور کسی کو بانجھ بنا دیتا ہے، یعنی اس کے یہاں اولاد نہیں ہوتی۔ ان تمام رازوں اور مجیدوں کو صرف وہی جانتا ہے، اور وہ ہر بات کی قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے بندہ کو اللہ کی تقدیر و قسمت پر ہر حال میں راضی رہنا چاہئے، اسی میں اس کے لئے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

(۳۰) مفسرین اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا اگر تم نبی ہو تو جس طرح موسیٰ نے



سورة الزخرف مکی ہے، اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اللہ سے بات کی تھی، اور طور پر اس کی تجلی کا نظارہ کیا تھا، تم بھی اس سے بات کر کے ہمیں دکھاؤ، توبہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہی کسی انسان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو، البتہ اپنی پیغام رسانی کے لئے جسے اختیار کر لیتا ہے اس کے پاس اپنی وحی بھیجتا ہے یعنی اسے الہام کرتا ہے اور اپنی بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ موسیٰ کو تابوت میں بند کر کے سمندر میں ڈال دیں، اور ابراہیم علیہ السلام کو الہام کیا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسول سے کسی پردے کے اوٹ سے بات کرتا ہے، یعنی رسول اس کی بات تو سنتا ہے، لیکن اسے دیکھ نہیں پاتا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، اور تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی جبرئیل علیہ السلام کو اپنے رسول کے پاس بھیجتا ہے اور وہ حکم الہی کے مطابق اپنے رب کا پیغام بذریعہ وحی رسول تک پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس امر سے بہت ہی بلند و بالا ہے کہ کوئی مخلوق اُس کے سامنے آکر اس سے ہم کلام ہو، اگر ایسا فرض کر لیا جائے تو تجلی الہی کی روشنی اسے خاکستر کر دے گی، اس لئے کہ ناممکن ہے کہ اس کے سامنے کوئی دوسرا ٹھہر جائے۔ اور وہ بڑا ہی حکمت و دانائی والا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ اپنا پیغام اپنے رسول تک کس طرح پہنچائے۔

آیت (۵۲) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ تک ہم نے اپنی وحی انہی مذکور بالا تینوں طریقوں کے ذریعہ پہنچائی ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ کو نہ تو قرآن کا پڑھنا تھا، اور نہ ایمان و عمل کی تفصیلات آپ جانتے تھے کہ خود آپ کو کیسے زندگی گزارنی ہے اور دوسروں کو کیا تعلیم دینی ہے۔ یہ تو وحی الہی کی برکت ہے کہ ہم نے آپ کو قرآن دیا ہے جس کی روشنی کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں راہِ حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور جس کی بدولت آپ لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں، جو آسمانوں اور زمین کے مالک اللہ تک پہنچنے کا واحد سیدھا راستہ ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت میں وحی کو روح سے اسی لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ مُردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے۔

اور اے میرے نبی! آپ جان لیجئے کہ آخرت میں تمام امور کا فیصلہ صرف اللہ کرے گا، جو اپنے بندوں کے درمیان پورے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کا اچھا پورا بدلہ دے گا۔

تفسیر سورة الزخرف

نام: آیت (۳۵) ﴿وَزُخْرِفَاوْا۟ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰ۟ةِ الدُّنْيَا﴾ الآیة سے ماخوذ ہے۔ صاحب محاسن التزیل نے مہابہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس سورت کے نام کے لئے اس لفظ کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ آیت دنیا کی حسرت و ندامت اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دنیا اپنے رب کی نگاہ میں مغفوس ہے، اس لئے فی الواقع یہ اس کے دشمنوں ہی کی جگہ ہے۔

حَمْدًا وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۗ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۗ وَإِنَّهُ فِي أُولَى الْأَنْبِيَاءِ لَدَيْنَا لَعَلٌّ حَكِيمٌ ۗ
 أَنْضَرِبْ عَنْكُمْ الَّذِينَ كَرِهْتُمْ لِكَيْ تَصْفَحُوا لِمَا كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۗ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ۗ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا كَأَنَّهُ بِهِ يُسْتَهْزِءُونَ ۗ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ۗ

تم (۱) ﴿۱﴾ اس کتاب میں (۲) کی قسم ﴿۲﴾ ہم نے بے شک اسے عربی زبان کا قرآن بنا دیا ہے، تاکہ تم لوگ سمجھو ﴿۳﴾ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں ہے، بڑی شان والا، حکمتوں کا خزانہ ہے ﴿۴﴾ کیا ہم اس قرآن کو تم سے صرف اس وجہ سے روک (۳) لیں کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ تھے ﴿۵﴾ اور ہم نے گذشتہ قوموں کے پاس بھی بہت سے انبیاء مبعوث کئے ﴿۶﴾ اور جب بھی ان کے پاس کوئی نبی آتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ﴿۷﴾ پس ہم نے ان سے زیادہ طاقتوروں کو ہلاک کر دیا، اور ان گذشتہ قوموں کے واقعات زبان زدِ خلاق ہو چکے ہیں ﴿۸﴾ زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت بالاجماع مکی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ اس کے مضامین بتاتے ہیں کہ یہ بھی انہی دنوں نازل ہوئی ہوگی جب المؤمن، حم السجدہ اور الشوریٰ نازل ہوئی تھیں۔

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، اور ان کا معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے کتاب میں کی قسم کھائی ہے، جس سے مقصود لوگوں کے دل و دماغ میں قرآن کریم کی قدر و منزلت بٹھانی ہے۔ یعنی یہ کتاب میں وہ عظیم کتاب ہے جس کی قدر و منزلت کی قسم باری تعالیٰ نے کھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اہل عرب! اس کتاب میں کی قسم جو حق و باطل کو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتی ہے، اسے عربی زبان میں ہم نے نازل کیا ہے، تاکہ تم لوگ اس کے اغراض و مقاصد کا ادراک کر سکو اور بغیر واسطہ سمجھ سکو کہ ہمارا تم سے کیا مطالبہ ہے۔

اور یہ قرآن میں ہمارے پاس لوح محفوظ میں موجود ہے، اور اس کا مقام بہت ہی اونچا ہے، اور یہ بڑی حکمتوں والی کتاب ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں، مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ آسمان والوں کے دلوں میں اس قرآن کی قدر و منزلت، زمین والوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ بھی اس کا صحیح مقام سمجھیں اور اس میں مذکور احکام شریعت کی پابندی کریں۔

اسی معنی کو سورۃ البروج آیات (۲۲/۲۱) میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۗ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۗ﴾ ”بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا، اور لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔“

(۳) کفار مکہ کے کفر و شرک پر اصرار اور قرآن کریم سے مسلسل اعراض پر تکبیر کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری زیادتیوں اور حد سے تجاوز کی وجہ سے ہم قرآن کا نازل کرنا بند کر دیں گے، بلکہ حق سے تمہارا اعراض تو اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن نازل ہوتا رہے، شاید کہ کسی دن تمہارے دل میں حق بات اتر جائے، تم مشرف بہ اسلام ہو جاؤ، اور تمہارے دل کی دنیا بدل جائے۔

اور تمہاری جانب سے ہمارے نبی اور قرآن کا حدود انکار کوئی نئی بات نہیں ہے، ہم تم سے پہلے بھی بہت سے انبیاء بھیجتے رہے ہیں، اور ان کی قوموں نے ان کا مذاق اڑایا، ان کی نبوتوں اور اللہ کی کتابوں کا انکار کیا، تو ہم نے ان میں جو سب سے زیادہ

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْمًا كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْهَا مِثْرًا وَمَا تَزْكُونَ ۝ لَيْسْتَ أَعْلَى ظُهُورِهِمْ ثُمَّ تَذْكُرُونَ نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَكَفَّوْنَا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا لَهَا آوًا كَمَا لَهُ مُقَرَّبِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو وہ یہی کہیں گے کہ انہیں اس اللہ نے پیدا کیا ہے جو زبردست، بڑا جاننے والا ہے ﴿۹﴾ وہی جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا (فرش) بنایا ہے، اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے ہیں، تاکہ تم اپنی منزل کی طرف جاسکو ﴿۱۰﴾ اور وہی جس نے آسمان سے ایک معلوم مقدار میں بارش برسایا، پس ہم نے اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندگی بخش دی (قیامت کے دن) تم سب اسی طرح زمین سے نکالے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ اور وہی جس نے تمام جوڑوں ﴿۵﴾ کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں، اور چوپائے پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو ﴿۱۲﴾ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر سواری کرو، پھر جب ان پر اچھی طرح بیٹھ جاؤ تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو، اور کہو: تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے تابع کر دیا ہے، اور ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے ﴿۱۳﴾ اور ہم بے شک اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿۱۳﴾

طاقتور تو میں تھیں انہیں عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا، اور ان قوموں کے واقعات اور ان کی ہلاکت و تباہی کی رودادیں قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مذکور ہیں، جنہیں سن کر تمہیں عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

(۴) مشرکین مکہ کے لئے دعوت توحید کا اعادہ کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اے میرے نبی! اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو بغیر کسی توقف و تردد کے یہی جواب دیں گے کہ انہیں اس ذات واحد نے پیدا کیا ہے جو بڑے مقام و عزت والا ہے اور جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اور ان کا یہ اعتراف ان کے جرم کو اور بڑھا دیتا ہے، اور انہیں شدید ترین سزا کا حقدار بنا دیتا ہے کہ اس اعتراف کے باوجود اس کے سوا غیروں کی عبادت کرتے ہیں، بلکہ پتھر کے بنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو سمع و بصر سے عاری اور نفع و ضرر سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔

آیت (۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بات پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! اس عزیز و علیم ذات کی صفت یہ بھی ہے کہ اس نے زمین کو تمہارے لئے بیچے کے پالنا کی طرح ہموار اور آرام دہ بنایا ہے جس پر تم چلتے ہو، سوتے ہو، اور اپنی تمام ضروریات زندگی پوری کرتے ہو، اور اس نے تمہارے لئے زمین میں پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان راستے بنائے ہیں، تاکہ تم ان پر چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکو، اور اپنی معیشت کے لئے تجارتی کاروبار انجام دے سکو۔

اور اس کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ آسمان سے اپنی حکمت و مصلحت کے تقاضے کے مطابق مناسب مقدار میں بارش نازل کرتا ہے جس سے وہ مردہ شہروں کو زندگی دیتا ہے۔

﴿وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ أَوَلَمْ نَخْلُقْ مِنْ مَاءٍ مَلْحَمٍ مَذْمُومٍ ﴿۱۴﴾ وَإِذَا ابْتِغَاءَ وَجْهَهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ أَوْ مَنْ يَنْشُؤُنَا فِي الْحَلِيَّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرٌ مُبِينٌ ﴿۱۶﴾ وَجَعَلُوا لِلْبَلِيَّةِ الَّذِينَ يُنْهَوْنَ عَنْهَا بِأَعْيُنِنَا قَدْ قَدْ كَفَرْنَا بِهِمْ وَأَبْغَضْنَا إِلَيْهِمْ فَبِئْسَ الْفِرْقَانُ ﴿۱۷﴾﴾

اور کافروں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کی اولاد (۶) ٹھہرایا، بے شک آدمی بڑا کھانا شکر گزار ہے ﴿۱۵﴾ کیا اُس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں رکھ لیں، اور تمہارے لئے بیٹے خاص کر دیئے ﴿۱۶﴾ اور جب اُن میں سے کسی کو اس (بیٹی) کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی نسبت وہ رحمن (اللہ) کی طرف کرتا ہے، تو اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، در انحالیکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے ﴿۱۷﴾ کیا اُس نے اپنے لئے مؤنث کو جن لیا جس کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے، اور جس کی گفتگو بحث وجدال میں غیر واضح ہوتی ہے ﴿۱۸﴾ اور کافروں نے اُن فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں مؤنث ٹھہرا دیا، کیا وہ اُن فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے، اُن کی گواہی لکھی جائے گی، اور اُن سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا ﴿۱۹﴾

آیت (۱۱) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح بارش کے قطروں سے مردہ زمین میں جان آ جاتی ہے، پودے لہلہا اٹھتے ہیں اور انواع و اقسام کے پھل اور پھول اُگ آتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ قیامت کے دن تمام مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، جو زندہ ہوتے ہی میدان محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے اور اپنے رب کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے دست بستہ کھڑے ہو جائیں گے۔

(۵) اس ذات باری تعالیٰ کی صفت یہ بھی ہے کہ اس نے انواع و اقسام کی چیزیں اور تمام حیوانات و نباتات کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ صرف اس کی ذات فرد ہے، اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے۔ اور اس نے انسان کو کشتی بنانے کا علم دیا اور اس کے لئے چوپائے پیدا کئے۔ لوگ ان کشتیوں اور چوپایوں پر سوار ہو کر سفر کرتے ہیں۔

اہل عقل و خرد اور اہل ایمان جب ان کشتیوں اور چوپایوں پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں جس نے ان جانوروں کو ان کے تابع فرمان بنا دیا ہے۔ اگر اللہ نہ چاہتا تو انہیں وہ سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ہمیں لوٹ کر اپنے رب کے پاس ہی جانا ہے، یعنی دنیاوی سفر سے ان کا ذہن اخروی سفر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور دنیا کا زاد سفر دیکھ کر زاد آخرت کی فکر انہیں دامن گیر ہو جاتی ہے۔

(۶) مشرکین مکہ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کے بندوں میں سے بعض کو یعنی فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہا۔ اس سے بڑھ کر جھوٹ اور کفر کیا ہو سکتا ہے۔ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور اللہ کے ساتھ وہ عبادت کے مستحق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کفر ان نعمت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو اعتراف کرتے ہیں کہ وہی ذات واحد خالق ارض و سماء ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، اور پھر اس کے لئے جسم اور اولاد ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی وہ اولاد اس کے مماثل و مشابہ ہے۔

آیت (۱۶) میں ان کے اسی فعل شنیع پر تکبیر کی گئی ہے کہ اللہ کی شان بے نیازی کے خلاف ان کی جرأت دیکھنے کے انہوں نے

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۳۷﴾ أَمْ لَيْسَ لَهُمْ كِتَابٌ مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿۱۳۸﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ آثَانِهِ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿۱۳۹﴾ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِمَّنْ تَذِيرُوا الْقَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ آثَانِهِ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿۱۴۰﴾

اور کافروں نے کہا کہ اگر رحمن (اللہ) چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی پرستش (۷) نہ کرتے، انہیں اللہ کی مشیت کا صحیح مفہوم معلوم نہیں ہے، یہ لوگ بے سمجھے ہوئے ہیں ۱۳۷۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (۸) پر چلتے پایا ہے، اور ہم یقیناً انہی کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہیں گے ۱۳۸۔ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا، تو ان کے عیش پرستوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر چلتے پایا ہے، اور ہم یقیناً انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے ۱۳۹۔

اس کے لئے اولاد بھی ٹھہرایا تو ایسی جسے اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہیں، یعنی بیٹیاں جن سے ان کی نفرت کا حال یہ ہے کہ جب انہیں خبر دی جاتی ہے کہ ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو غم و الم سے ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں، اور ان کے دل کرب و اذیت سے بھر جاتے ہیں۔

اللہ کے خلاف ان کی کیسی جرأت بے جا اور ڈھٹائی ہے کہ جن لڑکیوں کی پرورش (ان کے اندر موجود نقص کو پورا کرنے کے لئے) زینت و زیورات میں ہوتی ہے، اور جو خفیف العقل ہونے کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتیں، انہیں وہ اللہ تعالیٰ کا جزء اور حصہ بتاتے ہیں۔

جو فرشتے لیل و نہار اپنے خالق و مالک کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہوتے ہیں، انہیں اپنی غایت درجہ کی جہالت و نادانی کی وجہ سے عورتیں کہتے ہیں۔ کیا جب اللہ نے انہیں پیدا کیا تھا اس وقت وہ موجود تھے، اور انہیں علم ہو گیا تھا کہ اللہ نے انہیں مومن پیدا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدر و منزلت کے خلاف یہ بڑی ہی ظالمانہ جرأت ہے، جس کے بارے میں قیامت کے دن ان سے سوال ہوگا، اور کہا جائے گا کہ اپنے دعویٰ کی صداقت پر دلیل و برہان پیش کرو، لیکن وہ عاجز رہیں گے، اور تب انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۷) مشرکین کے اس فعلِ شنیع پر جب نکیر کی جاتی ہے اور ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آخر کس دلیل کی بنیاد پر تم فرشتوں اور بتوں کی پرستش کرتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں، اگر ہمارے اس عمل سے وہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں اپنی قدرت کے ذریعہ اس سے روک دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی کہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ ان کے اس فعل سے راضی ہے، یہ محض ان کی بے دلیل و بے بنیاد باتیں ہیں، جن کی تائید نہ کسی آسمانی کتاب سے ہوتی ہے اور نہ ہی کسی نبی مرسل کے قول کے ذریعہ، اسی لئے آیت (۲۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا ہم نے اس کے قبل انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس سے ان کی شرکانہ باتوں کی تائید ہوتی ہے؟

(۸) ان کے فعلِ شنیع پر مزید نکیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے پاس فرشتوں اور بتوں کی پرستش کرنے کی کوئی دلیل

قُلْ أُولَٰئِكَ جُنُودُهُ يَأْتِيهِمْ وَمَا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ ۖ آبَاءُكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۳﴾ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ
 تَوَجَّهَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۲۴﴾ ۖ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۵﴾ ۖ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ
 سَيَهْدِينِ ﴿۲۶﴾ ۖ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقْبِهِ لَعَلَّهُمْ يُرْجَعُونَ ﴿۲۷﴾

پیغامبر نے کہا، کیا (تم اسی طریقہ سے چٹے رہو گے) اگرچہ میں تمہارے سامنے ایسا دین (۹) پیش کروں جو تمہارے
 باپ دادوں کے طریقہ سے زیادہ صحیح ہو۔ کافروں نے کہا کہ ہم اُس دین کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں جسے دے کر
 تمہیں بھیجا گیا ہے ﴿۲۳﴾ پس ہم نے اُن سے بدلہ لے لیا، تو آپ دیکھ لیجئے کہ (اللہ اور اس کے رسول کو) جھٹلانے
 والوں کا انجام کیا ہوا ﴿۲۴﴾ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا ﴿۲۵﴾ میں بے شک تمہارے معبودوں
 سے اعلانِ براءت کرتا ہوں ﴿۲۶﴾ مگر اُس ذاتِ برحق سے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پس وہ یقیناً میری رہنمائی
 کرے گا ﴿۲۷﴾ اور ابراہیم نے اسی کلمہ توحید ﴿۲۸﴾ کو اپنی اولاد میں جاری کر دیا، تاکہ وہ (اپنے رب کی طرف)
 رجوع کرتے رہیں ﴿۲۸﴾

نہیں ہے، صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی دین پر عمل کرتے پایا ہے، اس لئے ہم بھی اسی پر قائم رہیں گے۔
 آیت (۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش کے کافروں نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی ہے، بلکہ ہر دور کے کفار اپنے
 کفر و شرک پر جیسے رہنے کا یہی سبب بیان کرتے رہے ہیں، یعنی آباء و اجداد کی اندھی تقلیدِ قدیم گمراہی ہے، جس میں ہر دور کے
 اہل کفر جتلا رہے ہیں۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ کو اہل قریش کے کفر و شرک پر ملول خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ کفری لکھتے ہیں کہ
 آیت (۲۳) میں تقلیدِ آباء پر جیسے رہنے کا قول، ناز و نعم والوں کی طرف اس بات کی وضاحت کے لئے منسوب کیا گیا ہے کہ ناز و نعم
 ہی نے انہیں غور و فکر کرنے کے بجائے تقلید کی راہ پر ڈال دیا ہے۔

(۹) ہر دور کے نبی نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں تمہاری رہنمائی ایسی راہ کی طرف کروں جو سعادت و نیک بختی کی راہ ہے، تو کیا
 پھر بھی تم اپنے آباء کی اندھی تقلید میں شقاوت و بدبختی کی راہ پر ہی چلتے رہو گے؟ تو کافروں نے بیک زبان کہا کہ ہاں، ہم تمہاری
 دعوت کا انکار کرتے ہیں، یعنی تمہیں ایک ذرہ برابر بھی ہمارے ایمان لانے کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر کافروں کو یقین بھی ہو جاتا کہ ان
 کے عہد کے نبی کی دعوت صحیح ہے، تب بھی اپنی بدبختی اور حق اور اہل حق سے عداوت اور انکسار کی وجہ سے ایمان نہ لاتے۔

آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کفر و شرک پر ان کا اصرار اس حد کو پہنچ گیا، تو ہم نے عذاب بھیج کر ان کا وجود
 ختم کر دیا۔ اللہ کے دین اور نبی کو جھٹلانے والوں کا ہمیشہ ایسا ہی انجام ہوتا رہا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول و خلیل ابراہیم علیہ السلام کا حال بیان کر کے اہل قریش کو دعوتِ فکری دی ہے کہ تم لوگ
 جس ابراہیم کی محبت کا دم بھرتے ہو، انہوں نے تو اپنے باپ دادوں کی تقلید سے اعلانِ براءت کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ میں محض
 تمہاری تقلید میں تمہارے جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا۔ کائنات میں جو عقلی دلائل و براہین موجود ہیں وہ سب اس
 بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ میں اس ذاتِ واحد کی پرستش کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ میرا رب

بَلْ مَنَعْتَهُمُ الْوَيْدَانَ فَجَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولُهُ مُبِينٌ ﴿٣٠﴾ وَلَتَأْجَزَنَّهُمْ الْعُرَىٰ قَالَُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا لَكَاذِبُونَ ﴿٣١﴾
 قَالَ أُولَٰئِكَ نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْبَيْنِ عَظِيمٍ ﴿٣٢﴾ هُمُ الْيَقِينُونَ رَحِمْتَ رَبِّكَ مَن مَّن قَسَمْنَا لَبَنًا لَهُمْ فَعَيْشَتَهُمْ
 فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَكُونَ لِبَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ سَخِرٌ لِّأُورِثَهُمْ رَبِّكَ خَيْرٌ مَّا يَتَّبِعُونَ ﴿٣٣﴾

بلکہ میں نے مشرکین مکہ اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کی نعمتوں سے) فائدہ اٹھانے (۱۲) دیا، یہاں تک کہ
 دین برحق آگیا اور اسے صراحت کے ساتھ بیان کرنے والے رسول آگئے ﴿۳۰﴾ اور جب اُن کے پاس برحق
 قرآن آگیا، تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۱﴾ اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن
 دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی صاحبِ عظمت آدمی (۱۳) پر کیوں نہیں نازل کیا گیا ہے ﴿۳۲﴾ کیا آپ کے
 رب کی رحمت (۱۴) کو لوگوں میں یہ کفار تقسیم کریں گے، ہم نے ہی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ان کے درمیان
 تقسیم کی ہے، اور اُن میں سے بعض کو بعض پر کئی درجہ رفعت و بلندی دی ہے، تاکہ اُن میں سے بعض بعض کو اپنی
 ماتحتی میں رکھے، اور آپ کے رب کی رحمت و مہربانی اُس مال سے زیادہ بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں ﴿۳۳﴾

مجھے ضائع نہیں کرے گا، وہ اپنے صحیح دین کی طرف میری رہنمائی کرے گا، اپنی بندگی کی توفیق دے گا، اور راہ حق پر ثبات عطا
 فرمائے گا، اس لئے کہ جو اس پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے، اسے وہ بالیقین اپنی راہ پر لگا دیتا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ابراہیم نے جس توحید باری تعالیٰ کی خود گواہی دی اور کہا کہ میں تو اس اللہ کی عبادت کروں گا جس
 نے مجھے پیدا کیا ہے، اسی توحید پر گامزن رہنے کی اپنی اولاد کو بھی نصیحت کی، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت (۱۳۲) میں آیا ہے:
 ﴿وَوَصَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ بِرَبِّهِمْ وَيَقُولُوا حُرَّمٌ عَلَيْنَ مِثْلُ مَا كَانُوا عَلَىٰ﴾ اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے اپنی اولاد کو اس بات کی
 وصیت کی کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ گویا انہوں نے اپنی اولاد کو کلمہ توحید کا وارث بنایا، اور یہی وجہ ہے کہ ہر دور
 میں دعوتِ توحید ان کی اولاد میں باقی رہی اور ان میں ایسے لوگ پائے گئے جنہوں نے بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کی اور انہیں
 شرک سے ڈرایا، چنانچہ اللہ نے جنہیں توفیق دی انہوں نے توحید کی دعوت کو قبول کیا اور شرک سے اعلانِ براءت کر دیا۔

(۱۲) ابراہیم علیہ السلام کی مشرک ذریت میں سے اہل قریش بھی تھے، اللہ نے ان کے کفر و شرک کے باوجود انہیں ہلاک نہیں کیا،
 بلکہ زندہ رہنے دیا، یہاں تک کہ اس نے اپنی برحق کتاب یعنی قرآن کریم نازل فرمایا، اور نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے
 اس کی شریعت کو ان کے لئے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا، لیکن انہوں نے قرآن کا انکار کر دیا اور رسول اللہ
 ﷺ کو جادو گر کہا، اور شرک و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اتنی دور نکل گئے کہ راہ حق پر ان کا لوٹ کر آنا ناممکن سا ہو گیا۔

(۱۳) اہل قریش غرور و استکبار میں آکر کہتے تھے کہ منصب رسالت مکہ کے ولید بن مغیرہ یا طائف کے عروہ بن مسعود جیسے آدمی
 کو ملنا چاہئے جو دنیاوی مال و جاہ کا مالک ہے۔ یہ بھی ان کی کور مغزی اور غایت درجہ کی مادہ پرستی تھی کہ رسالت جیسے عظیم منصب کا
 حقدار کسی دنیادار کو سمجھتے تھے، حالانکہ یہ تو روحانیت کا وہ عظیم ترین رتبہ ہے جس کا مستحق وہی انسان ہو سکتا ہے جو صفائے قلب،
 طہارتِ نفس، اخلاق و فضائل اور قدسی کمالات کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ساری صفات نبی کریم ﷺ میں
 جمع کر دی تھی، اس لئے وہی اس عظیم منصب رسالت کے حقدار ہوئے۔

وَلَوْلَا اَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرْ بِالرَّحْمٰنِ لِيُوْتُوْهُمْ سُقُوطًا مِّنْ سَمٰوٰتٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَطْرُقُوْنَ ﴿۳۱﴾
 وَلِيُوْتُوْهُمْ اَنْبِيَاۗءًا وَّسُرًّا عَلَيْهِمْ يَكُوْنُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَذُرِّيًّا وَّوَدَّعٰهُمْ وَاٰلَآءُ عِنْدَ رَبِّكَ
 اِلٰلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی جماعت (۱۵) ہو جائیں گے، تو ہم رحمن (اللہ) کا انکار کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے، اور میڑھیاں بھی، جن کے ذریعہ وہ بالا خانوں پر چڑھتے ﴿۳۱﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے بھی، اور تخت بھی جن پر وہ ٹیک لگاتے ﴿۳۲﴾ اور سونے کے بنے دیگر اسباب زینت دیتے، اور یہ تمام چیزیں محض دنیاوی زندگی کا فائدہ ہیں، اور آخرت کی نعمتیں آپ کے رب کے پاس، اُس سے ڈرنے والوں کے لئے ہیں ﴿۳۳﴾

(۱۳) اہل قریش کی یہ بات چونکہ اللہ کے حق میں غایت درجہ کی گستاخی، اور بندہ ہو کر باری تعالیٰ کی مشیت و اختیار میں ظالمانہ مداخلت تھی، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! کیا آپ کے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کی تقسیم کفار قریش کریں گے، وہ اپنی مرضی سے جسے چاہیں گے دیں گے، اور جسے چاہیں گے اس سے محروم کر دیں گے؟! کیا وہ دیکھتے نہیں کہ دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ہم مہیا کرتے ہیں، ایسے عاجز لوگ اللہ پر اعتراض کرنے کی کیسے جرأت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ محمد جیسے فقیر آدمی کو اللہ نے کیوں اپنا رسول بنا دیا۔

اللہ کی ذات تو وہ ہے جس نے انسانوں کو مختلف طبقات و درجات میں بانٹ رکھا ہے، کسی کو مالدار بنایا ہے تو کسی کو فقیر، اور فقیر کو مالدار کے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ اس کی خدمت کرے اور جو مزدوری ملے اس سے اپنی ضرورت پوری کرے۔ نہ مالدار کی مالداری اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے، اور نہ فقیر کی محتاجی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہے۔ یہ اختلاف درجات اللہ کی حکمت و مصلحت کے مطابق ہے وہی ان بھیدوں کو جانتا ہے۔ کوئی شخص اس کی مرضی کے خلاف کسی کو نہ مالدار بنا سکتا ہے اور نہ فقیر۔ منصب رسالت بھی اللہ کی نعمت اور اس کا عظیم عطیہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے اُس سے نواز دیتا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منصب نبوت دنیا کے مال و جاہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جنہیں یہ نبوت دی گئی ہے، یعنی نبی کریم ﷺ ان لوگوں سے کہیں بہتر ہیں جو اگرچہ مال و دولت رکھتے ہیں، لیکن اللہ کی نگاہ میں ادنیٰ ترین اور حقیر ترین لوگ ہیں، لیکن جن کے دل مال اور خواہش نفس کی محبت کی وجہ سے مریض ہو چکے ہیں، وہ دنیا و داروں کو رسول کریم ﷺ کے مقابلے میں نبوت کا زیادہ حقدار سمجھتے ہیں۔

(۱۵) دنیا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حقیر شے ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر سارے انسانوں کو کفر باللہ جیسے مبغوض ترین عمل پر جمع ہو جانے کی بات نہ ہوتی، تو دنیا تو وہ حقیر شے ہے کہ ہم تمام کافروں کے گھروں کی چھتوں اور میڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے، اور ان کے گھروں کے دروازوں، چارپائیوں اور کرسیوں کو بھی چاندی کا بنا دیتے، اور ہم انہیں سونے اور جواہر کے بنے سامانہائے زینت سے بھی نواز دیتے، تاکہ وہ کفر و طغیان میں اور بڑھتے چلے جاتے اور شدید ترین عذاب کا مستحق بننے، اس لئے کہ دنیا کی ان ماضی نعمتوں کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے،

وَمَنْ يَعْنُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ تَقَيُّضَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لِقَدْرِنِ ۝ وَاللَّهُمَّ لِيَصُدِّ وَنَهْمُ عَنِ السَّبِيلِ وَيَسْبُونَ اللَّهُمَّ
فَهْتَدُونَ ۝ حَلَمِي إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَرْقَبِينَ فَيْسُ الْقَرِينِ ۝ وَلَكِنْ يَنْفَعُكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ
أَنفُسَكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ أَفَأَنْتَ تَسْمَعُ اللَّعْنََةَ أَوْ تَهْدِي السَّمْعَىٰ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَإِنَّا نَأْتِيهِمْ
بَلَاءٌ وَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيكَ الَّذِي وَعَدْنَا لَهُمْ فَأَن آتَيْنَاهُمُ مَّقْتَلِرُونَ ۝

اور جو رحمن (اللہ) کی یاد سے غافل (۱۶) ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ہم ایک شیطان لگا دیتے ہیں، پس وہ اس کا
ساتھی بن جاتا ہے ﴿۳۶﴾ اور وہ شیاطین اُن غافل کافروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور وہ کافر سمجھتے ہیں کہ وہ
راہِ راست پر ہیں ﴿۳۷﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے شیطان ساتھی سے) کہے گا، اے کاش!
میرے اور تمہارے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، پس تو بڑا ہی بُرا ساتھی ہے ﴿۳۸﴾ اور (اللہ یا فرشتے
کہیں گے) چونکہ تم نے دنیا میں ظلم کیا تھا، اس لئے آج تمہاری یہ بات تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، تم سب
عذاب میں شریک ہو ﴿۳۹﴾ اے میرے نبی! کیا آپ بہروں کو سنا (۱۷) سکیں گے، یا اندھوں کو اور اُن لوگوں کو جو
کھلی گمراہی میں ہیں، راہ دکھاسکیں گے ﴿۴۰﴾ پس اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں گے تو ہم یقیناً اُن (کافروں) سے
بدلہ لے کر رہیں گے ﴿۴۱﴾ یا ہم آپ کو وہ عذاب دکھادیں گے جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کیا ہے، اس لئے کہ ہم
بہر حال ان پر قدرت رکھتے ہیں ﴿۴۲﴾

اور حقیقی اور دائمی نعمت تو جنت ہے جسے ہم نے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے مخصوص کر رکھی ہے۔

(۱۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اہمیت بیان کی ہے کہ جو لوگ قرآن اور اس میں موجود احکام سے اعراض
کرتے ہیں، اور اسے چھوڑ کر دیگر گمراہیوں کو اپناتے ہیں، اللہ تعالیٰ بطور عقاب اس کے پیچھے ایک شیطان کو لگا دیتا ہے، جو ہر
وقت اسے گمراہ کرتا رہتا ہے تاکہ حق کو قبول نہ کر لے۔ ﴿فَهُؤُلَاءِ قَدَرِينٌ﴾ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آدمی اُس
شیطان کا بیروکار بن جاتا ہے، اور تمام امور میں اس کی اتباع کرتا ہے۔

آیت (۳۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شیاطین قرآن سے اعراض کرنے والوں کو راہِ حق کی اتباع سے روکتے رہتے
ہیں، اور ان کے دل میں خیال ڈالتے رہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ ایک دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کفار ان شیاطین کو راہِ حق
پر سمجھتے ہیں، اسی لئے ان کی بیروی کرتے ہیں۔

آیت (۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہمارے سامنے دونوں حاضر ہوں گے، تو قرآن کریم سے منہ
پھیرنے والا اپنے شیطان دوست سے کہے گا کہ اے کاش! میرے اور تمہارے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، تو تو بڑا
ہی بُرا ساتھی ہوا، تو نے ہی مجھے راہِ حق سے گمراہ کیا اور کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کو خوبصورت بنا کر پیش کیا جو آج میرے
عذاب کا سبب بن گیا ہے۔

آیت (۳۹) میں بتایا گیا کہ اُس دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ دنیا میں اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے کی وجہ سے
تم پر آج کے دن کا عذاب واجب ہو گیا ہے، اب کوئی تمنا تمہیں کام نہیں دے گی، اور تم سب یعنی تم اور تمہارے شیاطین دوست

كَانَتْ سَيِّئًا بِالَّذِينَ أُورِجَ إِلَيْكَ ۗ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ وَلَا تَلْمِزْ لَكَ وَلِقَوْمِكَ ۗ وَسَوْفَ تُنصَرُونَ ۝ وَسَأَلْنَا مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ۝

پس آپ اُس دین پر تخی کے ساتھ قائم (۱۸) رہے جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے، آپ بے شک راہِ راست پر ہیں ﴿۲۳﴾ اور بلاشبہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے ﴿۲۴﴾ اور آپ ہمارے اُن رسولوں سے پوچھ (۱۹) لیجئے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، کیا ہم نے رحمن کے علاوہ دوسرے معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے ﴿۲۵﴾

عذابِ جہنم میں برابر کے شریک ہو گئے۔

(۱۷) نبی کریم ﷺ کفارِ قریش کے رُشد و ہدایت کی بڑی خواہش رکھتے تھے، اسی لئے ان کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، اور ان کی سردمہری اور بے اعتنائی دیکھ کر ملول خاطر ہوتے، تو اللہ تعالیٰ انہیں تسلی دیتا اور کہتا کہ آپ کا کام تو دعوتِ اسلام پیش کر دینا ہے، ہدایت دینا تو صرف اللہ کا کام ہے۔ اور کفارِ قریش تو بہرے ہیں، ان سے تو قوتِ سماع سلب کر لی گئی ہے، یہ کب اللہ کی آیتوں اور دلیلوں کو سن سکیں گے، یہ تو اندھے ہیں، قوتِ بصارت سے محروم ہیں، اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر بھی ان سے عبرت حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور گم گشتہ راہ ہیں، سیدھی راہ سے کوسوں دور نکل گئے ہیں، اب راہِ راست پر نہ آ سکیں گے۔

یا تو آپ ان پر غالب آنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، تو ہم ان کے کفر و شرک کا انتقام عذابِ جہنم کے ذریعہ لیں گے، یا اپنے وعدے کے مطابق اپنی قدرت کا کرشمہ آپ کو دنیا میں ہی دکھلا دیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ کفارِ قریش کے جتنے بڑے رؤساء تھے، یا تو انہوں نے توحید کا کلمہ بڑھ کر اپنی جان بچالی، یا پھر صحابہ کرام کے ہاتھوں جنگ کے میدانوں میں مارے گئے۔

(۱۸) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جب کفارِ قریش کا حال وہ ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ دعوتِ حق سے استفادہ کی ہر صلاحیت اُن سے سلب کر لی گئی ہے، تو آپ ان کے کفر و شرک پر غمگین نہ ہوئیے، بلکہ جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے، اور جو دینِ حق آپ کو دیا گیا ہے اس پر گامزن رہئے، اور اللہ کا شکر ادا کیجئے۔ جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے، وہ آپ اور آپ کی امت کے لئے نہایت باعثِ شرف و عزت ہے، اور عبرت و موعظت، علوم و حکم اور شرائعِ اسلام کا خزانہ ہے۔ قیامت کے دن آپ کی امت سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کس حد تک اس میں مذکور اور انہی کی پابندی کی۔

(۱۹) تمام انبیائے کرام نے توحید باری تعالیٰ کی دعوت دی، کسی نے بھی بتوں کی پرستش کی طرف لوگوں کو نہیں بلایا، یعنی آپ نے اہلِ قریش کے سامنے کوئی نئی دعوت نہیں پیش کی ہے کہ وہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور آپ کے درپے آزار ہیں۔ یہ تو وہی دعوت ہے جو تمام انبیاء نے اپنی قوموں کے سامنے پیش کی تھی۔ اور نبی کریم ﷺ سے یہ جو کہا گیا ہے کہ آپ گذشتہ انبیاء سے پوچھ لیجئے، تو اس سے مقصود تو رات و انجیل کا علم رکھنے والے مومنوں سے پوچھنا ہے اس لئے کہ ان سے پوچھنا گویا ان انبیاء سے پوچھنا ہے جن پر وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذْ أَهْمُومًا مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الشَّيْطَانُ ادْعُ لَنَا رَبًّا مَعَ عَذَابِكَ ﴿٢٣﴾ إِنَّا لَكَاثِبُونَ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذْ أَهْمُومًا يَتُكَلِّمُونَ ﴿٢٥﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں (۲۰) دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے (فرعونیوں سے) کہا کہ میں رب العالمین کا پیغامبر ہوں ﴿۳۶﴾ پس جب انہوں نے وہ نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں، تو وہ اُن کا مذاق اڑانے لگے ﴿۳۷﴾ اور ہم اُنہیں کوئی بھی نشانی (۲۱) دکھاتے تھے تو وہ اپنی ہی جیسی گزشتہ نشانی سے بڑی ہوتی تھی، اور ہم نے اُن پر عذاب بھی مسلط کیا کہ شاید وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں ﴿۳۸﴾ اور وہ (موسیٰ سے) کہتے، اے جادوگر! تم ہمارے لئے اپنے رب سے، تم سے کئے گئے اس کے وعدہ کے مطابق (عذاب اٹھالینے کی) دعا کرو، ہم ضرور راہِ راست پر آجائیں گے ﴿۳۹﴾ پس جب ہم اُن سے عذاب کو ٹال دیتے، تو وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ﴿۵۰﴾

(۲۰) اہل قریش کا حال فرعون کے حال کے مشابہ تھا، اہل قریش نے کہا کہ اگر اللہ کو رسول بنانا تھا تو مکہ کے ولید بن مغیرہ یا طائف کے عروہ بن مسعود کے مانند کسی مال و جاہ والے کو بنانا، نہ کہ محمد جیسے فقیر اور بے حیثیت آدمی کو۔ اور فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بہتر ہوں یا موسیٰ جیسا حقیر انسان۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرعون و موسیٰ کا واقعہ بیان کر کے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے صبر و ضبط سے کام لیا، آپ بھی ہمت نہ ہاریئے، اور لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے رہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو معجزات دے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ میں اس اللہ کا پیغامبر ہوں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی بندگی کا حقدار نہیں ہے، نہ اس کے سوا کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ رب العالمین کے بندوں کو اپنا بندہ بنائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت توحید اور صدق رسالت کے دلائل پیش کئے، تو فرعون اور فرعونیاں ان کا مذاق اڑانے لگے، بالکل اہل قریش کی طرح جو آپ کا اور آپ کی دعوتی تقریروں اور قرآن کریم کا مذاق اڑاتے ہیں۔ تو آپ کو اُن کی ان اوجھی حرکتوں سے بد دل نہیں ہونا چاہئے، اور دعوت کے کام میں سستی نہیں ہونی چاہئے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی جانب سے نوع بہ نوع تکلیفوں کو برداشت کیا اور اپنی دعوت اس کے سامنے مختلف انداز میں پیش کرتے رہے۔

(۲۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کا استہزاء کچھ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ نشانیاں ہی اس قابل نہ تھیں کہ ان پر اثر انداز ہوتیں، بلکہ وہ ایسا محض کبر و عناد کی وجہ سے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑی ہوتی تھی، اور ہم نے انہیں دنیاوی عذاب میں بھی مبتلا کیا کہ شاید اس طرح وہ رجوع الی اللہ کریں۔ اور جب عذاب کی سختی سے تمللاً اٹھے تو موسیٰ سے کہا اے جادوگر! تم کہتے ہو کہ تمہارا رب تم پر ایمان لانے والوں سے عذاب کو ٹال دیتا ہے، تو دعا کرو کہ وہ ہم سے عذاب کو دور کر دے، اگر ایسا ہو گیا تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے،

وَكَاذِبٌ فَرَعُونَ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقَوْمِ اَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِصْرَ وَهَذِهِ اَلْاَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي اَفَلَا تَبْصُرُونَ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَكِينٌ ۗ وَلَا يَكْذِبُ يَوْمِ ۗ فَلَوْلَا اَلْقِي عَلَيْهِ اَسْوَدَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ۗ فَاسْتَحَفَّتْ قَوْمَهُ وَاَطَاعُوهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَاسِقِيْنَ ۗ فَلَمَّا اَسْفَوْا كَا اَنْتَقَمْتَا مِنْهُمْ فَاَعْرَضْنَاهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۗ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۗ

اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا (۲۲) اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہت میری نہیں ہے، اور یہ نہریں جو میرے مخلوق کے نیچے سے جاری ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو ﴿۵۱﴾ بلکہ میں بہتر ہوں اس (موسیٰ) سے جو ایک ذلیل آدمی ہے، اور قوت بیان سے بھی تقریباً محروم ہے ﴿۵۲﴾ پھر اس کے لئے سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے ہیں، یا اس کے ساتھ پر اباندھے فرشتے کیوں نہیں آئے ہیں ﴿۵۳﴾ پس اُس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا چنانچہ انہوں نے اُس کی بات مان لی، بے شک وہ (اپنے رب کے) نافرمان تھے ﴿۵۴﴾ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض (۲۳) کر دیا تو ہم نے اُن سے انتقام لے لیا، اور اُن تمام کو ڈبو دیا ﴿۵۵﴾ پس ہم نے انہیں آنے والی نسلوں کے لئے یادِ ماضی اور نشانِ عبرت بنا دیا ﴿۵۶﴾

اور جسے تم راہِ ہدایت کہتے ہو اُسے اختیار کر لیں گے، چنانچہ ہم نے ان سے عذاب کو نال دیا، تو وہ فوراً بد عہدی کر بیٹھے اور ضلالت و گمراہی میں اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

(۲۲) جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب الہی ٹل گیا، تو فرعون اپنے دل میں ڈرا کہ کہیں لوگ واقعی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، اسی لئے اس نے پینتر بدلتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ کیا میں حکومتِ مصر کا مالک نہیں ہوں، کیا دریائے نیل کی چاروں شاخیں میرے محل کے پاس سے نہیں گذرتی ہیں، کیا تم لوگ میری ان تمام نعمتوں اور قدرتوں کا مشاہدہ نہیں کرتے ہو، تو پھر میں بہتر ہوں، یا یہ حقیر انسان (یعنی موسیٰ) جو اپنی خدمت آپ کرتا ہے، اور اپنا مافی الضمیر ادا کرنے سے قاصر و عاجز ہے۔

اگر یہ واقعی کسی کا پیغمبر ہے اور بڑا آدمی ہے تو اس کے بھیجنے والے نے اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنادیئے ہیں، تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو تاکہ واقعی یہ کوئی بڑا انسان ہے، یا پھر ایسا کیوں نہ ہو کہ اس کے ساتھ کچھ فرشتوں کو بھیجا ہو تاکہ ہر دم اس کے ساتھ رہتے، اور اس کی نبوت کی گواہی دیتے۔

فرعون نے اپنی قوم کے دل میں یہ بات ڈالنی چاہی کہ رسول کو بڑی شان و شوکت والا اور فرشتوں سے گھرا ہوا ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس کی شیطانی چال کام کر گئی، لوگوں نے اس کی بات مان لی اور موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ پہلے ہی سے اللہ کی بندگی سے برگشتہ تھے۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب فرعون اور فرعونوں نے ہمارے غیظ و غضب کو بھڑکادیا، موسیٰ اور ان کے معجزات کی تکذیب کی، انہیں جادوگر کہا، اور ایمان لانے کا وعدہ کر کے بد عہدی کی، تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور تمام کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اور انہیں آنے والی قوموں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا۔

وَلْيَاخُذِ ابْنُ مَرْيَمَ مَتَلًا إِذْ أَقَامَكَ مِنْهُ يَصِدُونُ ۖ وَقَالُوا لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا خَرُّوا لَكَ الْإِجْدَالَ نَبِيلٌ
هُم قَوْمٌ خَصِصُونَ ۖ إِنَّ هُوَ الْأَعْبُدُ الْأَعْمَىٰ عَلَيْنَا وَجَعَلْنَاهُ مَتَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۗ وَلَوْ نَشَاءُ لَجْعَلْنَا مِنْكُمْ مِثْلَهُ
فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم (۲۴) بطور مثال بیان کئے گئے تو آپ کی قوم کے لوگ اس بات سے مارے خوشی کے چلا اٹھے ﴿۵۷﴾ اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا ابن مریم! انہوں نے آپ سے یہ بات محض کج بحثی کے لئے کہی ہے، بلکہ وہ بڑے جھگڑالو لوگ ہیں ﴿۵۸﴾ عیسیٰ تو ہمارے ایک بندہ (۲۵) تھے جن پر ہم نے انعام کیا، اور بنی اسرائیل کے لئے انہیں اپنی قدرت کی نشانی بنا دی ﴿۵۹﴾ اور اگر ہم چاہتے (۲۶) تو تمہاری جگہ فرشتوں کو بوسادیتے جوزمین میں جانشین ہوتے ﴿۶۰﴾

(۲۴) اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت کریمہ ابن الزہری کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک مجادلہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب سورۃ الانبیاء کی آیت (۹۸) ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ ”تم اور تمہارے معبودان باطل جہنم کا بیدھن بنو گے“ نازل ہوئی، تو ابن الزہری نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ رب کعبہ کی قسم! آج میں تم پر غالب آگیا، کیا نصاریٰ عیسیٰ کی، یہود عزیر کی اور بنو لیح فرشتوں کی پرستش نہیں کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ جہنم میں جائیں گے تو ہم بھی اپنے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ مشرکین اس کی اس بات سے بہت خوش ہوئے، اور شور مچانے لگے، تو سورۃ الانبیاء کی آیت (۱۰۱) ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ ”جن کے لئے ہماری جانب سے پہلے سے ہی جنت کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ لوگ جہنم سے دور رکھے جائیں گے“ نازل ہوئی اور اس سورت کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ابن الزہری نے عیسیٰ کو بتوں کے مشابہ قرار دیا، تو کفار قریش بہت خوش ہوئے اور مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ، یعنی جب عیسیٰ کی عبادت کی جاسکتی ہے، تو فرشتے جن کی ہم عبادت کرتے ہیں بدرجہ اولیٰ عبادت کئے جانے کے حقدار ہیں۔

آیت (۵۸) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! ابن الزہری کا مقصد طلب حق نہیں، بلکہ محض مجادلہ تھا، اور پوری قوم قریش اس مرض میں مبتلا ہے، کہ وہ لوگ باطل کو غالب کرنے کے لئے جدال و نقاش کا سہارا لیتے ہیں۔ ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم وغیرہم نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی قوم گمراہ ہوئی تو اس نے جدال کی راہ اختیار کی، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔

(۲۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام بیان کیا ہے کہ وہ معبود نہیں، بلکہ اللہ کے آن گت بندوں میں سے ایک بندہ ہیں، اللہ نے انہیں منصب رسالت کے لئے چن لیا تھا، اور ان کی پیدائش کو بنی اسرائیل کے لئے عبرت و موعظت کا سبب بنایا تھا، یعنی انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا تھا، اور وہ بطور معجزہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے، گنجبوں اور برص کے مریضوں کو اللہ کے حکم سے شفا دیتے تھے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت شان پر ایمان لے آئیں۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اگر وہ چاہتا تو انسانوں کو ہلاک کر دیتا، اور زمین میں ان کی جگہ فرشتوں کو لاکر بوسادیتا، جو اسے اپنے معبودوں سے آباد کرتے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔

وَأِنَّهُ لَعَلَّمَكُمُ السَّاعَةَ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونْ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ ۝ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَكَاتِبُوا الْعُقُوبَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مُرِيقٌ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

اور بے شک عیسیٰ قیامت کی ایک نشانی (۲۷) ہیں، پس تم لوگ قیامت کی آمد میں شبہ نہ کرو، اور میری پیروی کرو، یہی سیدھی راہ ہے ﴿۶۱﴾ اور شیطان تمہیں (اُس راہ سے) روک نہ دے، وہ بے شک تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۶۲﴾ اور جب عیسیٰ معجزات (۲۸) لے کر (بنی اسرائیل کے پاس) آئے، تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے لئے حکمت و دانائی کی باتیں لے کر آیا ہوں، اور تاکہ میں تمہارے لئے اُن بعض باتوں کی وضاحت کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، پس تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو ﴿۶۳﴾ بے شک اللہ ہی میرا رب ہے، اور تمہارا رب ہے، پس تم سب اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھی راہ ہے ﴿۶۴﴾

شوکانی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کی جگہ آسمان ہونے سے وہ مقام الوہیت پر فائز نہیں ہو گئے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ (۲۷) اس آیت کریمہ کا مفہوم بیان کرنے میں علمائے تفسیر کے کئی اقوال ہیں: مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ کا خیال ہے کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، یعنی خروج و جلال کی طرح ان کا خروج بھی قیامت کی نشانی ہے۔ حسن بصری اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ قرآن کریم مراد ہے، یعنی نزول قرآن قرب قیامت کی نشانی ہے، اور اس میں اس کے احوال و کوائف بیان کئے گئے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا کیا جانا بعثت بعد الموت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اور بعض نے نبی کریم ﷺ کو مراد لیا ہے، یعنی آپ کی بعثت قرب قیامت کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی زبانی فرمایا کہ لوگو! قیامت کے بارے میں ذرا بھی شک و شبہ نہ کرو، اس کا اتنا یقینی ہے، اور اللہ کی طرف سے میں تمہیں جن باتوں کا حکم دیتا ہوں ان پر عمل کرو، اللہ کو ایک جانو، اس کے ساتھ غیروں کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اس نے جو احکام فرض کئے ہیں بجالاؤ، یہی سیدھی راہ ہے۔

دیکھو! شیطان تمہارے دلوں میں اسلام، قرآن اور میرے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اور میری پیروی کرنا نہ چھوڑ دو، کیونکہ میں تمہیں اسی دین کی دعوت دے رہا ہے جو تمام انبیائے کرام کا دین تھا، اور جس کی وضاحت و بیان کے لئے تمام آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔ دیکھو! شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ تم سے اپنی عداوت کی صراحت رب العالمین کے سامنے کر چکا ہے۔ اس لئے اس سے بڑھ کر بے عقلی کیا ہوگی کہ تم اپنے صریح دشمن کی پیروی کرو۔

(۲۸) اوپر کی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام بیان کیا گیا ہے، اسی کے کلمہ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ جب وہ بنی اسرائیل کے پاس انجیل اور دیگر معجزات لے کر گئے، تو انہیں خبر دی کہ میں تمہارے لئے نبی بنا کر اور حکمت کا خزانہ دے کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ تمہیں حکمت کی وہ باتیں سکھاؤں، اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد دین کے جن احکام میں تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، ان میں حق کو واضح کروں۔ اس لئے بنی اسرائیل کے لوگو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرو، اور توحید باری تعالیٰ اور احکام شریعت سے متعلق جو باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں انہیں قبول کرو۔ بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے تم سب صرف اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ قَوْلًا لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَدَاِبِ يَوْمِ الْيَوْمِ ۝ هَلْ يُنظَرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝ يُعَادِرُ الْخَوَافِ عَالِيَهُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝

پس اُن کی جماعتوں نے اختلاف (۲۹) پیدا کر لیا، پس ہلاکت و بربادی ہے ظالموں کے لئے ایک دردناک دن کے عذاب سے ﴿۶۵﴾ وہ لوگ اب صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ اچانک اُن پر آجائے، اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو ﴿۶۶﴾ اس دن متقیوں کے سوا، تمام دوست (۳۰) آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے ﴿۶۷﴾ اے میرے بندو! آج تمہیں کوئی خوف نہیں ہے، اور نہ (آئندہ) کوئی غم لاحق ہو گا ﴿۶۸﴾ وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور مسلمان تھے ﴿۶۹﴾ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿۷۰﴾

عیسیٰ علیہ السلام کا یہی صحیح مقام تھا، کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے، اور بنی اسرائیل کے پاس دعوتِ توحید لے کر آئے تھے، انہوں نے لوگوں کو اپنی بندگی کی ہرگز دعوت نہیں دی تھی۔

(۲۹) عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے زندہ اٹھائے جانے کے بعد، یہود و نصاریٰ ان کے بارے میں مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہود نے کہا کہ ان کی ماں - خاتم بدہن - زانیہ، اور وہ ولد الزنا تھے۔ اور نصاریٰ میں سے فرقہ نسطوریہ نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، یعقوبیہ نے کہا: وہ اللہ تھے، اور فرقہ ملکیہ نے کہا: وہ اللہ، ابن اللہ اور روح القدس تین معبودوں میں سے ایک تھے۔

ان سب ظالموں کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے دردناک عذاب کی دھمکی دی ہے، اس لئے کہ انہوں نے تمام عقلی اور نقلی دلائل کو نظر انداز کر کے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بجز مانہ اور مشرکانہ عقائد کو رواج دیا ہے۔ یہ بجز مین و مشرکین اب گویا صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، جو اچانک آجائے گی، اُس وقت وہ مادہ پرستی، دنیاداری اور شہوتوں کی غلامی میں ایسے منہمک ہوں گے کہ قیامت ہر چہار جانب سے گھیر لے گی، اور انہیں احساس بھی نہ ہو سکے گا۔

آج سارے عالم میں بالعموم اور مغربی دنیا میں بالخصوص جو کچھ ہو رہا ہے، اور یہود و ہنود اور نصاریٰ اللہ سے یکسر غافل، اس کی سر زمین پر جو کچھ کر رہے ہیں، یہ آیت کریمہ ان تمام باتوں کی پوری تصویر پیش کر رہی ہے۔

(۳۰) دنیا میں جن کی دوستی کی بنیاد معصیت، فساد انگیزی، حق سے دشمنی اور دیگر مادی اور شہوانی اغراض و مقاصد پر ہے، قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، اور آپس میں اظہار نفرت کرنے لگیں گے، اس لئے کہ وہ ساری باتیں ان کے عذاب کا سبب بنتی نظر آئیں گی، تو ان کی دوستی دشمنی میں بدل جائے گی۔ البتہ جو لوگ یہاں اللہ سے ڈرتے ہیں، اور آپس میں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن بھی ایک دوسرے سے محبت کریں گے، اس لئے کہ دنیا میں جن دینی اغراض و مقاصد پر ان کی آپس کی محبت کی بنیاد تھی، اُس دن وہ ساری باتیں ان کے ثواب و نجات کا سبب بن جائیں گی، اس لئے ان کی آپس کی محبت اور بڑھ جائے گی۔ اور ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہے گی جب اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر کہے گا کہ اے میرے بندو! آج کے بعد تمہیں کوئی خوف اور کوئی حزن و ملال لاحق نہیں ہو گا۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَالْكَوَابِ ۖ وَفِيهَا مَا كَشَفْتُمُوهَا مِنَ الْأَنْفُسِ وَتِلْكَ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا غُلِيلٌ ۖ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۖ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۖ لَا يُفْعَلُ عَنْهُمْ وَمُمْ فِيهِ مُبْسُوتُونَ ۖ وَمَا ظَنَنْتُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمْ الظَّالِمِينَ ۖ

انہیں سونے کی پلیٹیں^(۳۱) اور گلاس پیش کئے جائیں گے، اور اس جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی نفس خواہش کرے گا، اور جس سے آنکھوں کو خوشی ملے گی، اور تم اس میں ہمیشہ کے لئے رہو گے ﴿۴۱﴾ اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کے سبب وارث بنائے گئے ہو ﴿۴۲﴾ اُس میں تمہارے لئے بہت سے پھل ہیں، جنہیں تم کھاؤ گے ﴿۴۳﴾ بے شک مجرمین^(۳۲) عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۴۴﴾ وہ عذاب اُن سے کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور وہ اس میں نجات سے ناامید پڑے رہیں گے ﴿۴۵﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے حق میں ظالم تھے ﴿۴۶﴾

آیت (۶۹) میں اللہ تعالیٰ نے ان خوش قسمت بندوں کی کچھ صفات بیان کر کے وضاحت کر دی کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں، اور یہودیت، نصرانیت اور بت پرستی کے بجائے دین ابراہیمی یعنی دین اسلام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سے مزید کہے گا کہ اے میرے بندو! تم اپنی نیک بیویوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، جہاں تمہیں ایسی فرحت و شادمانی ملے گی کہ تمہارے چہرے کھل اُٹھیں گے۔ یہی بات سورۃ المطففین کی آیت (۲۳) میں یوں کہی گئی ہے:

﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ "آپ ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے۔"

(۳۱) اہل جنت کے سامنے سونے کی رکابوں اور پلیٹوں میں لذیذ ترین کھانے پیش کئے جائیں گے اور سونے ہی کے بنے پیالوں کا دور چلے گا جو انواع و اقسام کی بہترین شرابوں سے لبا لب ہوں گے۔ صحیحین میں حدیث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ ریشم اور دیباچ نہ پہنو، اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیو، یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لئے ہیں اور تمہارے لئے جنت میں۔"

اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی کوئی نفس خواہش کرے گا، اور جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور ملے گا، اور اہل جنت سے کہا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ یہیں رہو گے، نہ تمہیں موت لاحق ہوگی اور نہ یہ نعمتیں ختم ہوں گی، اور یہ جنت تمہیں ان بھلائیوں اور نیک کاموں کے بدلے ملی ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے تھے۔ یعنی جس طرح ایک انسان جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے ورثہ اس کے مال و جائداد کے حقدار بن جاتے ہیں، اسی طرح تم اپنے نیک اعمال کے بدلے اس جنت کے وارث بن گئے ہو؟

اور جنت میں تمہیں بے شمار تازہ اور خشک پھل ملا کریں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے، اور نہ ہی تمہیں ان کے کھانے سے کبھی روکا جائے گا۔

(۳۲) قرآن کریم بالعموم ترغیب کے بعد ترہیب اور ترہیب کے بعد ترغیب کا اسلوب اختیار کرتا ہے، اسی لئے جنت اور اس کی

وَنَادُوا بِبَنِيكَ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ مَا كَاثِرُونَ ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ۝ أَمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ ۚ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَنَنْسِفُهُمْ وَأَنْحُوهُمْ كِبَالًا وَرُسُلًا لَدَيْهِمْ يَكْتُوبُونَ ۝ قُلْ إِنْ كَانَ لِلزَّالِمِينَ وَلَدٌ فَأَن آوَلُ الْعَبْدِينَ ۝

اور وہ پکاریں گے (۳۳) اے مالک (داروغہ جہنم) تیرا رب ہمیں ختم کر دے، وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ کے لئے اسی میں رہو گے ﴿۷۷﴾ ہم نے تمہارے پاس دین حق بھیجا تھا، لیکن تم میں سے اکثر نے اس دین حق سے نفرت کی ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے مخالفت (۳۴) ٹھان لی ہے، تو ہم نے بھی (ان کی تدبیروں کو ناکام بنانے کا) فیصلہ کر لیا ہے ﴿۷۹﴾ کیا وہ اس خام خیالی (۳۵) میں پڑے ہیں کہ ہم ان کی چھپی باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے ہیں، ہاں، ان کے ساتھ موجود ہمارے فرشتے سب کچھ لکھ لیتے ہیں ﴿۸۰﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگر رحمن کی کوئی اولاد (۳۶) ہوتی، تو میں سب سے پہلا اس کی پرستش کرنے والا ہوتا ﴿۸۱﴾

نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد، اب جہنم اور اس کے عذاب کا بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مجرمین دنیا میں کفر و شرک اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اسی حال میں ان کی موت آجاتی ہے، وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، ان کا عذاب کبھی بھی ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور ان کے دلوں پر ہمیشہ کے لئے یاس و ناامیدی کا گہرا سایہ پڑ جائے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، انہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

(۳۳) اہل جہنم خازن جہنم کو پکاریں گے، اور کہیں گے، اے مالک! تم اپنے رب سے ہمارے لئے سوال کرو کہ وہ ہمیں مار ڈالے تاکہ اس عذاب سے نجات مل جائے، تو ایک طویل مدت کے بعد (جس کے بارے میں کئی اقوال ہیں، کہا گیا ہے کہ وہ اسی (۸۰) سال کی مدت ہوگی، بعض نے کہا ہے کہ وہ ہزار سال کی مدت ہوگی، ایک قول ہے کہ وہ سو (۱۰۰) سال کی مدت ہوگی) مالک انہیں جواب دے گا، میرے رب کا کہنا ہے کہ تم لوگ اب اسی میں رہو گے، اس لئے کہ ہم نے تمہارے پاس کتابیں بھیجیں اور انبیاء معوث کئے جنہوں نے تمہارے سامنے حق کی دعوت پیش کی، تو تم نے انہیں نفرت کیا، اور ایمان نہیں لائے۔

(۳۴) اہل جہنم کی تکلیفوں کے بیان سے یکبارگی کلام کا رخ کفار قریش اور ان کی ان سازشوں کی طرف پھیر دیا گیا ہے جو وہ نبی کریم ﷺ کے خلاف کرتے تھے، اس میں اشارہ ہے کہ ان کے یہی جرائم انہیں جہنم تک پہنچا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں نے میرے نبی اور ان کی دعوت کے خلاف زبردست سازش کر رکھی ہے، تو ہم نے بھی طے کر لیا ہے کہ ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیں گے، اور انہیں عذاب میں مبتلا کریں گے۔ سورۃ الطور آیت (۴۲) میں یہ بات یوں کہی گئی ہے: ﴿أَمْ يَبِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الْمَكِيدُونَ﴾ ﴿۴۲﴾ ”کیا کفار مکہ کوئی سازش کرنی چاہتے ہیں، تو جان لیں کہ درحقیقت انہی کے خلاف تدبیر ہو رہی ہے“۔

(۳۵) کفار مکہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے دلوں کے بھیدوں اور پوشیدہ جگہوں میں اسلام اور رسول اللہ کے خلاف ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے ہیں، یہ ان کی خام خیالی اور نادانی ہے، ہم ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتے ہیں، اور ان کی سرگوشیوں کو سنتے ہیں، اور ہمارے فرشتے ان کے تمام اقوال و افعال لکھ لیتے ہیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَنَّا يَصِفُوْنَ ۝ فَذَرْنَهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حٰثِيْنَ يَلْقٰوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ
يُوعَدُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ اِلٰهُ ۝ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ وَكَبْرًا الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَآءِ عِلْمِ السَّاعٰةِ تَوَالِيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

آسمانوں اور زمین کا رب (۳۷) عرش کا رب ان تمام عیوب و نقائص سے یکسر پاک ہے جو مشرکین بیان کرتے
ہیں ﴿۸۲﴾ پس آپ انہیں چھوڑ دیجئے (۳۸) وہ بے سود اور باطل بحثوں میں پڑے رہیں، اور لہو و لعب میں مشغول
رہیں، یہاں تک کہ اُن کا وہ دن آجائے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۸۳﴾ اور وہی آسمان میں معبود (۳۹) ہے
اور زمین میں بھی معبود ہے، اور وہ بڑی حکمتوں والا، سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۸۴﴾ اور بڑی برکتوں والا ہے وہ اللہ
جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے، اور صرف وہی قیامت کی خبر رکھتا ہے، اور تم سب
کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۸۵﴾

(۳۶) ابتدائے سورت میں کفار عرب کے اس زعم باطل کی تردید کی گئی ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اسی مشرکانہ خیال کی
یہاں دوسرے اسلوب میں تردید کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبانی کہا گیا ہے کہ اگر بغرض محال اللہ کی کوئی اولاد ہوتی، تو سب سے
پہلے میں اس کی عبادت کرتا، لیکن چونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے میں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔
قاشانی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دلیل و برہان کے ذریعہ اللہ کے لئے اولاد ہونے کی نفی کی گئی ہے، یعنی نبی کریم
ﷺ کا کسی کی اس حیثیت سے عبادت نہ کرنا کہ وہ اللہ کی اولاد ہے، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس
لئے کہ اگر اس کی کوئی اولاد ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کی ضرور عبادت کرتے۔ نیز اس آیت میں نبی کریم ﷺ سے شرک کی نفی
کی گئی ہے، کہ آپ ﷺ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔

(۳۷) اللہ تعالیٰ نے مذکور بالا مشرکانہ خیال سے اپنی پاکی بیان کی ہے، یعنی اس کی ذات اس عیب سے پاک ہے کہ کوئی اس کی
اولاد ہے، وہ تو آسمانوں اور زمین کا اور عرش بریں کا رب اور مالک ہے، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔
اور اگر اس آیت کو نبی کریم ﷺ کے گذشتہ قول کا ایک حصہ مانا جائے، تو مفہوم یہ ہوگا کہ میرا رب مشرکوں کے اس
اتہام سے بالکل پاک ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہے۔ وہ تو آسمانوں اور زمین اور عرش بریں کا رب اور مالک ہے کوئی چیز اس کے
قبضہ قدرت سے خارج نہیں ہے۔

(۳۸) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ کی دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے ہیں، اور اپنے شرک پر اصرار
کرتے ہیں، تو آپ انہیں اپنی باطل پرستی میں بھٹکتا چھوڑ دیجئے، اور لہو و لعب میں مشغول رہنے دیجئے، یہاں تک کہ قیامت کا وہ دن
آجائے جب اللہ انہیں ان کی افترا پر دازی کی وجہ سے جہنم میں ڈال دے گا۔

(۳۹) اللہ کی ذات برحق ہی ارض و سماء میں عبادت کئے جانے کے لائق ہے، ہر تعظیم و محبت کا وہی تہا مستحق ہے، اور ہر بندے کی
ذلت و انکساری صرف اسی کے لئے جائز ہے، اس کا ہر فعل جہنمی برحمت، اور اس کا علم مخلوق کے تمام احوال و کوائف کو گھیرے
ہوئے ہے، اس کی ذات بیوی اور اولاد کی محتاج نہیں ہے، وہ اس عیب سے برتر و بالا ہے، آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّى يُؤْفَكُونَ ۝ وَقِيلَ لَهُ رَبُّكَ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَأَضْمِرْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلِمْتُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝



اور اللہ کے سوا جن جھوٹے معبودوں (۳۰) کو یہ مشرکین پکارتے ہیں، اُن کو شفاعت کا کوئی اختیار نہیں ہوگا، ہاں! جن لوگوں نے حق (یعنی توحید) کو جان کر اُس کی گواہی دی (ان کو شفاعت کی اجازت ملے گی) ﴿۸۶﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ انہیں کس نے پیدا (۳۱) کیا ہے، تو وہ کہیں گے، اللہ، پھر وہ کدھر نہکے جارہے ہیں ﴿۸۷﴾ اور اللہ کو اپنے رسول کی اس بات کی بھی خبر (۳۲) ہے کہ اے میرے رب! بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے ﴿۸۸﴾ پس آپ اُن کی طرف سے منہ پھیر لیجئے، اور کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام کرتا ہوں، پس انہیں عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا ﴿۸۹﴾

سورة الدخان مکی ہے، اس میں اٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

ہر شے کا وہی تہما ملک ہے۔ اس کے سوا کسی کو خبر نہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اور سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آخری جملہ میں کفر و شرک اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے زبردست دھمکی ہے۔

(۳۰) مشرکین عرب اس زعمِ باطل میں مبتلا تھے کہ فرشتے اور ان کے دیگر جھوٹے معبود قیامت کے دن اُن کے لئے سفارشی بنیں گے، اسی لئے ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں ان کے اسی شرک کا نہ عقیدہ کی تردید کی گئی ہے کہ وہ معبودانِ باطل کسی کے لئے شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ہیں، شفاعت تو اللہ کی اجازت سے صرف اس کے وہ بندے کسی کے لئے کریں گے جو اللہ کی وحدانیت کے صدقِ دل سے قائل ہوں گے، اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(۳۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا ہے کہ اگر آپ مشرکین سے پوچھیں گے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے، تو وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے، یعنی یہ بات اتنی ظاہر و باہر ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اس کا انکار نہیں کر پاتے ہیں۔ تو پھر ان کی یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ عبادت اس کے سوا غیروں کی کرتے ہیں۔ اسی لئے آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ ان کا خالق اللہ ہے، اس کے سوا غیروں کی عبادت کیسے کرتے ہیں!؟

(۳۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اپنے رسول ﷺ کی اس درد بھری بات کا علم ہے کہ اے میرے رب! یہ مشرکین مکہ ایمان نہیں لائیں گے، ان کا عناد اور ان کے دل کی سختی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ پس اے میرے رسول! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اور ان سے الگ ہو جائیے، انہیں عنقریب ہی اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

حَمْدُهُ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۱۰﴾ إِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ وَإِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿۱۱﴾ وَإِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿۱۲﴾ وَإِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿۱۳﴾ وَإِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿۱۴﴾ وَإِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿۱۵﴾ وَإِنْ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿۱۶﴾

تم^(۱) ﴿۱۱﴾ قسم^(۲) ہے اس کتاب (قرآن) کی جو برات کو بیان کرنے والی ہے ﴿۱۲﴾ بے شک ہم نے اسے ایک برکت والی رات^(۳) میں نازل کیا ہے، ہم نے بے شک (اس کے ذریعہ انسانوں کو) ڈرانا چاہا ہے ﴿۱۳﴾ اسی رات میں ہر فیصلہ شدہ معاملہ بانٹ دیا جاتا ہے ﴿۱۴﴾ وہ فیصلے^(۴) ہمارے ہوتے ہیں، بے شک ہم ہی رسولوں کو بھیجتے رہتے ہیں ﴿۱۵﴾ یہ آپ کے رب کی (انسانوں پر) مہربانی ہے، وہ بے شک خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۱۶﴾

تفسیر سورۃ الدخان

نام: آیت (۱۰) ﴿فَأَرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورہہ بالاتفاق مکی ہے۔ صرف آیت (۱۵) ﴿إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا﴾ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مدنی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ سورہہ الدخان مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے مضامین سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، اور ان کا مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) سورہہ الزخرف کی ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین کی قسم کھائی ہے، اور وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اس سے مقصود لوگوں کے دل و دماغ میں قرآن کریم کی قدر و منزلت بٹھانی ہے یعنی یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کی قدر و منزلت کی قسم باری تعالیٰ نے کھائی ہے۔

(۳) سورہہ الزخرف کی آیت (۲) کی طرح یہاں بھی باری تعالیٰ نے قرآن کریم کی قسم کھا کر اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا کلام نہیں ہے، بلکہ اسے ہم نے نازل کیا ہے۔ اور وہ رات بڑی ہی خیر و برکت والی تھی جس میں ہم نے

اسے نازل کیا تھا۔ وہ شب قدر تھی جس کی صراحت اللہ تعالیٰ نے سورہہ البقرہ آیت (۱۸۵) میں کر دی ہے۔ فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ ”وہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل کیا گیا“۔ اور اس کی مزید صراحت

سورہ القدر آیت (۱) میں یوں فرمادی: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ”ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے“۔

قنادہ کہتے ہیں کہ پورا قرآن کریم شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزۃ تک نازل کیا گیا، پھر وہاں سے اللہ تعالیٰ نے اسے تیس سال کی مدت میں مختلف اوقات میں نازل فرمایا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ چونکہ نزول قرآن کی ابتدا ماہ رمضان میں ہوئی، اسی لئے علی سمیل الغلیب یہاں کہا گیا ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس رات کو برکتوں والی رات کا نام اس لئے دیا ہے کہ اس میں قرآن کریم نازل ہوا، جس میں دین و دنیا کی ہر بھلائی کی طرف بنی نوع انسان کی رہنمائی کی گئی ہے، اور جس کے ذریعہ اللہ کی رحمت و برکت اور عدل و ہدایت سارے عالم میں پھیل گئی ہے، اور جس رات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو بلند ترین رتبہ ملا، اور یہ وہ رات ہے جس میں فرشتوں اور روح الامین کا زمین پر نزول ہوتا ہے، اور جس میں اللہ تعالیٰ آنے والے پورے سال میں وقوع پذیر ہونے والی حیات و موت، خیر و شر اور روزی میں کشادگی اور تنگی اور دیگر تمام مقدرات کو لکھتا ہے۔

رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۸﴾ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ الْآلِ الْوَاقِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ﴿۱۴۰﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۴۱﴾ يُغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۲﴾ رَبَّنَا اكشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿۱۴۳﴾

جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا رب^(۵) ہے، اگر تمہیں اس بات کا یقین ہے ﴿۱۳۸﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے، اور مارتا ہے، وہی تمہارا رب ہے، اور تمہارے ان باپ دادوں کا رب ہے جو ماضی میں تھے ﴿۱۳۹﴾ بلکہ یہ کفار شک میں پڑے لہو و لعب میں مشغول ہیں ﴿۱۴۰﴾ پس اے میرے نبی! آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان کی طرف سے ایک صاف دھواں^(۶) آئے گا ﴿۱۴۱﴾ وہ لوگوں کو ڈھانک لے گا، یہ ایک دردناک عذاب ہو گا ﴿۱۴۲﴾ اہل کفر کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، اس عذاب کو ہم سے ٹال دے ﴿۱۴۳﴾

اور اس قرآن کریم کے نزول کا مقصد جن وانس کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرانا تھا، تاکہ ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر کے عذاب نار سے بچیں، اور جنت کے حقدار بنیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی مزید اہمیت جتانے کے لئے فرمایا کہ اسے ہمارے حکم سے لوح محفوظ سے لکھ کر آسمان دنیا پر نازل کیا گیا ہے۔ اور کہا کہ ہم نے بنی نوع انسان پر مہربانی کرتے ہوئے ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے، اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے، جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت (۱۰۷) میں آیا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ ﴿۱﴾ ”اے ہمارے نبی! ہم نے آپ کو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے“۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں اور آوازوں کو خوب سنتا ہے، اور ان کی ضرورتوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہے، اس لئے اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ان پر رحم کرتے ہوئے دین و دنیا کی ہر بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کے لئے اپنا رسول بھیجے۔

(۵) اس آیت کا تعلق اوپر والی آیت سے ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تمہارے اس رب نے رحمت بنا کر بھیجا ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے۔ اگر واقعی تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ سارے جہان کا رب ہے جیسا کہ تم اس بات کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہو، تو پھر صرف اسی کی عبادت کرو، آیت (۸) میں فرمایا: اس لئے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے، اور وہی تمہارا اور تمہارے گزرے ہوئے آباء و اجداد کا رب ہے۔

آیت (۹) میں مشرکین کو حقیقت حال بیان کر دی کہ وہ توحید باری تعالیٰ اور بحث بعد الموت کے بارے میں گہرے شک میں مبتلا ہیں، اور ان کا اقرار کہ اللہ ہی سارے جہان کا رب ہے، یقین و ایمان سے بالکل عاری ہے، اسی لئے تو عبادت میں اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں، گویا ان کا زبانی اقرار محض لہو و لعب کے طور پر ہے۔

(۶) بخاری، مسلم، امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے مختلف سندوں کے ساتھ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب اہل قریش کا رسول اللہ ﷺ کے خلاف کبر و عناد بڑھتا گیا، تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! انہیں قوم یوسف کی طرح سات سال کی قحط سالی میں مبتلا کر کے میری ان کے خلاف مدد فرما۔ چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ لوگوں نے ہڈیاں، چمڑے اور مردار جانور تک کھائے اور مارے بھوک کے جب آسمان کی طرف دیکھتے تو ان کی آنکھوں کے سامنے دھواں سا آجاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ ﴿۱﴾ نازل کیا۔ اور جب حالات کی سختی اور بڑھی تو ابوسفیان

أَنِّي لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلِّمٌ لِّبَنَاتِنَا أَلَّا يُكَلِّمُنَا وَلَا يُلْقِي عَلَيْنَا كَلِمًا مَّا تُفْهَمُ ﴿۱۴﴾ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ فِتْنَةً أَن يَقُولُوا لِمَن كَذَّبُوا كَذِبًا يُدْعَوْنَ ﴿۱۵﴾ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ فِتْنَةً أَن يَقُولُوا لِمَن كَذَّبُوا كَذِبًا يُدْعَوْنَ ﴿۱۶﴾

انہیں کہاں سے نصیحت (۱۳) حاصل ہوگی، اور ان کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس ایک کھول کر بیان کرنے والا رسول آیا ﴿۱۳﴾ تو انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا، اور کہا کہ یہ تو ایک سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے ﴿۱۴﴾ ہم چند دنوں کے لئے عذاب ٹال دیں گے، تم پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آؤ گے ﴿۱۵﴾ جس دن ہم تمہاری زبردست گرفت کریں گے (اس دن) ہم تم سے (تمہارے کفر و شرک کا) انتقام لے لیں گے ﴿۱۶﴾

نے کہا، اے محمد! تم ہمیں طاعت و صلہ رحمی کی طرف بلاتے ہو، اور تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، اللہ سے دعا کرو کہ یہ قحط سالی ختم ہو جائے، تو اللہ نے ﴿إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ ﴿۱۳﴾ نازل کیا، لیکن جب قحط سالی دور ہوگئی اور ان کا کبر و عناد پہلے سے زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ ﴿۱۶﴾ نازل فرمایا، اور میدان بدر میں ان سے انتقام لے لیا۔

آیت (۱۰) میں جس دھواں کا ذکر آیا ہے، اس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں، ایک تو یہی جو ادھر گزر چکا کہ اس سے مراد دھواں کی وہ کیفیت ہے جو قحط سالی کے دنوں میں بھوک کی شدت سے اہل مکہ کی آنکھوں کے سامنے پیدا ہوتی تھی۔ اس قول کے مطابق وہ دن گذر گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کی دس نشانیوں میں ایک نشانی ہے، اور چالیس دن تک باقی رہے گا۔ اس قول کے مطابق وہ دن ابھی نہیں آیا ہے۔ علی، ابن عباس، حذیفہ اور تابعین کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ کا دن ہے۔

شوکانی نے تینوں اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت کے مد نظر راجح پہلا قول ہے، اور یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی دھواں ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اور نہ اس کے منافی ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک دھواں نظر آیا تھا، جسے ابن سعد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس کی سند محل نظر ہے، اور جس کے پیش نظر ابو ہریرہ نے سمجھا کہ اس آیت میں ”دھواں“ سے مراد وہی فتح مکہ کے دن کا دھواں ہے مفسر ابو السعود نے بھی پہلے قول کو ترجیح دیا ہے۔

آیت (۱۲) میں اللہ تعالیٰ سے عذاب دور کرنے کی جو دعا کی گئی ہے، وہ پہلے قول کے مطابق قحط سالی دور کرنے کے لئے کفار مکہ کی دعا ہے، اور دوسرے قول کے مطابق قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کفار و مشرکین کریں گے۔

(۷) آیت (۱۳/۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے کفر و عناد اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے ان کے اعراض کے پیش نظر اس بات کو بعید قرار دیا ہے کہ وہ قحط سالی سے عبرت حاصل کریں گے، اور اسلام لانے کی بات کریں گے۔ چنانچہ آیت (۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم کچھ دنوں کے لئے عذاب کو ٹال دیں گے، لیکن وہ ایمان لانے کا وعدہ وفا نہیں کریں گے، اور کفر و شرک سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور وہ لوگ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے میدان بدر میں انتقام لے لیا، جس کا ذکر آیت (۱۶) میں آیا ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَذِقُوا إِلَىٰ عِبَادَةِ اللَّهِ إِيَّاكُمْ رَسُولٌ آمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ إِيَّاكُمْ يَسْطَنُ مُبِينٌ ﴿١٩﴾ وَإِيَّيْ عُنْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاغْتَرِبُوا ۖ قَدَاعَا رَبِّيَ أَنْ هُوَ لَا يَوْمُ فِرْعَوْنَ ﴿٢١﴾ فَالْقُرْبَىٰ عِبَادِي لِيَلَا إِيَّاكُمْ مُتَّبِعُونَ ﴿٢٢﴾ وَاتْرِكُوا الْبَحْرَ هُوَ الْبَحْرُ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ﴿٢٣﴾

اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمائش (۱۷) میں ڈالا تھا، اور ان کے پاس ایک معزز رسول آئے تھے ﴿۱۸﴾ جنہوں نے اس سے کہا تھا کہ تم اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو، میں بے شک تمہارے لئے اللہ کا ایک امانت دار پیغامبر ہوں ﴿۱۹﴾ اور اللہ کے حکم سے سرکشی نہ اختیار کرو، میں بے شک تمہارے پاس ایک صریح دلیل لے کر آیا ہوں ﴿۲۰﴾ اور میں اپنے اور تمہارے رب کے ذریعہ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو ﴿۲۱﴾ اور اگر تم لوگ مجھ پر ایمان (۱۹) نہیں لاتے ہو تو مجھ سے دور رہو ﴿۲۲﴾ پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا کہ یہ مجرمین کی جماعت ہے ﴿۲۲﴾ تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ میرے بندوں کو لے کر رات میں نکل جائیے، آپ لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا ﴿۲۳﴾ اور آپ سمندر کو ٹھہرے ہوئے حال میں چھوڑ دیجئے، بے شک وہ لوگ ایک ایسے لشکر کے افراد ہیں جنہیں ڈبو دیا جائے گا ﴿۲۳﴾

شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت (۱۶) میں جس انتقام کا ذکر آیا ہے، بظاہر اس سے مراد جنگ بدر ہی ہے، اس لئے کہ سیاق کلام کفار قریش سے متعلق ہے، اگرچہ قیامت کے دن کی گرفت اور اس دن کا عقاب و عذاب تمام عذابوں سے بڑھ کر ہوگا، جو ہر نافرمان جن و انس کے لئے عام ہوگا۔

(۸) چونکہ سرداران قریش اور فرعون اور فرعونوں کے حالات میں بہت زیادہ تشابہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تسلی اور ذہنی تاقم کرنے کے لئے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے، کہ اگر کفار قریش کی جانب سے آپ کو تکلیف پہنچ رہی ہے، تو موسیٰ کو بھی تو فرعون اور فرعونوں نے تکلیف پہنچائی تھی، اور انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کفار قریش سے پہلے قوم فرعون کو بھی ایمان باللہ اور طاعت و بندگی کا حکم دے کر آزمایا تھا تو انہوں نے کفر کو پسند کر لیا تھا۔ اور ہم نے ان کے پاس اپنا ایک رسول بھیجا تھا جن کا اللہ اور مومنوں کے نزدیک بڑا مقام تھا اور جو حسب و نسب میں اونچے اور نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے۔ وہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام تھے۔

انہوں نے فرعون سے کہا کہ تم اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو آزاد کر دو، اور انہیں میرے ساتھ اُن کے آبائی وطن جانے دو اس لئے کہ وہ آزاد لوگ ہیں، اور ظلم و جور کی وجہ سے اس ملک سے باہر نکل جانا چاہتے ہیں، دیکھو! میں تمہارے لئے اللہ کا سچا اور امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ تمہیں نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے ڈراؤں۔

انہوں نے فرعون سے یہ بھی کہا کہ اللہ کی ربوبیت کا انکار اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ کر کے، اور اس کے نبی کی تکذیب اور اس کے بندوں پر ظلم و ستم ڈھا کر اللہ کے خلاف اعلان بغاوت نہ کرو۔ اور میں اپنے دعویٰ کی صداقت پر واضح اور صریح دلیل پیش کرتا ہوں۔ اور تم نے جو مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کرنے کی دھمکی دی ہے، تو میں نے اس ذاتِ برحق کی بارگاہ میں پناہ لے لی ہے جو میرا اور تم سب کا رب ہے، اس لئے اب مجھے تمہاری طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے میری یہ

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَدَّتٍ وَعَيْوُنٍ ۖ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۖ وَنَعْمَةً كَانُوا فِيهَا قَلِيلِينَ ۖ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿۲۵﴾
 قَبَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا لَبِيحَ إِسْرَائِيلَ مِنْ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۲۷﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ
 إِنَّكَ كَانِ عَالِيًا مِنَ الْمُنْزَلِينَ ﴿۲۸﴾

انہوں نے (اپنے پیچھے) بہت سے باغات^(۱۰) اور چشمے چھوڑے ﴿۲۵﴾ اور بہت سی کھیتیاں اور عمدہ رہائش گاہیں ﴿۲۶﴾ اور بہت سی نعمتیں جن سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے ﴿۲۷﴾ اس طرح ہم نے اُن کو وہاں سے نکالا، اور ان چیزوں کا وارث دوسروں کو بنا دیا ﴿۲۸﴾ پس اُن پر آسمان اور زمین نے آنسو نہیں بہایا، اور انہیں مہلت نہیں دی گئی ﴿۲۹﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات^(۱۱) دے دی ﴿۳۰﴾ یعنی فرعون سے، وہ بے شک سرکش، حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا ﴿۳۱﴾

حفاظت اس بات کی دلیل ہے کہ میں کذاب و مفتری نہیں ہوں، کیونکہ وہ افتر پر دازوں کو پناہ نہیں دیتا ہے۔ صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ اس بات سے ان کا مقصد ان سنگین ترین حالات میں اظہار شجاعت و ثبات قدمی تھا، تاکہ دشمن انہیں کمزور نہ سمجھے۔
 (۹) موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ میری نبوت پر ایمان نہیں لاتے، تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اور ایذا نہ پہنچاؤ، لیکن جب ہر ممکن کوشش کے باوجود قبطیوں نے ان کی دعوت نہیں قبول کی، اور انہیں قتل کرنے کی ٹھان لی، تو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا، اے میرے رب! یہ مجرم و مفسد لوگ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی، اور انہیں بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات وہاں سے نکل جائیں، اور انہیں یہ بھی خبر دی کہ فرعون اور دیگر قبطی، انہیں گھیر کر واپس لانے کے لئے ان کا پیچھا کریں گے۔

آیت (۲۳) میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ جب آپ بحر قلزم پار کر جائیں تو اپنی لاشی مار کر سمندر کو اس کی اصل حالت میں لوٹانے کی کوشش نہ کیجئے، اسے اسی طرح کشادہ رکھا ہوا چھوڑ دیجئے، تاکہ اس میں فرعون اور فرعون کی داخل ہوں اور انہیں ڈبو دیا جائے۔ اور ان کے انجام کی خبر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی اس لئے دی تاکہ ان کا ذر جاتا رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو نجات دی، اور فرعون اور اس کے لشکر کو ڈبو دیا۔

(۱۰) فرعون اور فرعون نے اپنے پیچھے بہت سے باغات اور چشمے، بہت سی کھیتیاں، اور زریب و زینت سے آراستہ بہت سی محافل و مجالس چھوڑ گئے، اور بہت سی دوسری نعمتیں بھی، (جیسے عورتیں، مال و دولت اور جاہ و حشم) چھوڑ گئے، جو ان کے عیش و آرام کا سامان تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں ان تمام نعمتوں سے نکال باہر کیا، اور ان چیزوں کا وارث دوسروں کو بنا دیا، نہ آسمان ان پر رویا اور نہ زمین نے ان پر آہ و نالہ کیا۔ یعنی وہ لوگ اللہ کے ایسے ذلیل بندے تھے کہ ان کی ہلاکت پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں تھا۔ حسن بصری اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ان پر نہ فرشتے روئے اور نہ مومنین، بلکہ سب ان کی ہلاکت پر خوش تھے، یعنی نہ آسمان والوں نے ان پر آنسو بہایا اور نہ زمین والوں نے، ”خس کم جہاں پاک“۔

آیت (۲۹) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں مہلت نہیں دی گئی، بلکہ فوراً پکڑ لئے گئے، اس لئے کہ اللہ ان کی فطرت سے خوب واقف تھا کہ اگر انہیں مہلت بھی دے دی جائے تب بھی وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر ایمان نہیں لائیں گے۔
 (۱۱) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بہت سارے احسانات کئے تھے، یہاں انہی میں سے بعض کا تذکرہ ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ لُوطٍ عَلَيْهِمْ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّهُمْ مِنْ آلِ الْأَيْمَةِ بَلَاؤًا شَدِيدًا ۝ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۝ إِن هِيَ إِلَّا أَمْوَالُنَا آلُوتًا وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ۝ فَأَتَاهَا بِهَاكِنًا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَهْمُ حَيْدًا أَمْ قَوْمُ تُبَعِّ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْتَهُمْ رَبُّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيبِينَ ۝

اور ہم نے (اس زمانے میں) انہیں لائق جانتے ہوئے دنیا والوں پر انہیں ترجیح (۱۲) دی ﴿۳۲﴾ اور ہم نے وہ نشانیاں دیں جن میں ان کے لئے صریح آزمائش تھی ﴿۳۳﴾ بے شک یہ لوگ کہتے (۱۳) ہیں ﴿۳۴﴾ ہماری پہلی موت کے سوا کچھ نہیں ہے، اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے ﴿۳۵﴾ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ﴿۳۶﴾ کیا یہ لوگ بہتر ہیں، یا قوم تبع، اور وہ قومیں جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، وہ سب مجرمین کی جماعتیں تھیں ﴿۳۷﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو لہو و لعب کے طور پر پیدا نہیں کیا ہے ﴿۳۸﴾

غلام بنا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کرنا تھا، ان کی عورتوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے زندہ رکھنا تھا، اور ان سے مشکل ترین کام لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر کے بنی اسرائیل کو اس رسواکن عذاب سے نجات دے دی۔ آیت (۳۱) کے آخر میں اللہ نے فرعون کی ہلاکت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ فرعون بڑا ہی منکبر تھا، اور کفر باللہ، ظلم اور ارتکاب معاصی میں حد سے تجاوز کر گیا تھا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس زمانے کی دیگر تمام قوموں پر فضیلت دی تھی، اپنے اس علم کی بنیاد پر کہ وہ اس قدر و منزلت کے مستحق ہیں۔ آیت سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ اللہ نے انہیں ہر دور کے لوگوں پر فوقیت دی تھی، اس لئے کہ امت محمدیہ کے بارے میں سورہ آل عمران آیت (۱۱۰) میں آیا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ”تم سب سے اچھے لوگ جو جنہیں لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے“۔

اور اللہ نے انہیں بہت سے معجزات و کمالات سے نوازا تھا، جو درحقیقت اللہ کی جانب سے ان کی آزمائش تھی، کہ ان نعمتوں پر وہ اللہ کے شکر گزار ہوتے ہیں یا اس کی ناشکری کرتے ہیں۔

(۱۳) مشرکین قریش قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا ہے، اور دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ان کے جو باپ داؤے گزر گئے، ان میں سے کوئی بھی لوٹ کر نہیں آیا، اس لئے اے محمد! اور اے مسلمانو! اگر بعث بعد الموت کا عقیدہ صحیح ہے، تو ہمارے ان آباء و اجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ، جو مر چکے ہیں۔

مشرکین کی یہ دلیل باطل اور ان کا یہ شبہ فاسد تھا، اس لئے کہ لوگوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا قیامت کے دن ہوگا، اس دنیا میں کسی کو اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں کرایا جائے گا۔ جب دنیا پورے طور پر ختم ہو جائے گی، تو اللہ تعالیٰ تمام جنوں اور انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، اور خالم کافروں کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنائے گا۔

آیت (۳۷) میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دھکی دیتے ہوئے کہا کہ وہ بہتر ہیں یا شیخ حمیری کے لوگ جن کی فوجیں سر قند تک پہنچ گئی تھیں، اور جہاں جہاں سے گذریں، وہاں کے لوگوں کو اپنا تابع فرما لیا تھا، لیکن اللہ نے ان کے کفر و عناد کی وجہ سے انہیں

مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِيقَاتَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۵﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾ إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُونِ ﴿۱۷﴾ طَعَامُ الْأَشْيِثِ ﴿۱۸﴾ كَالْمُهْلِ ﴿۱۹﴾ يَغِيثُ فِي الْبُطُونِ ﴿۲۰﴾ كَغَلِيِّ السَّمِيِّ ﴿۲۱﴾

ہم نے انہیں برحق و بامقصد پیدا (۱۳) کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں ہیں ﴿۲۱﴾ بے شک فیصلے کا دن ان تمام کا مقرر وقت ہے ﴿۲۰﴾ جب کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا، اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی ﴿۲۱﴾ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ رحم کر دے گا، وہ بے شک زبردست، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۲﴾ بے شک زقوم (۱۵) کا درخت ﴿۲۳﴾ گناہ گاروں کا کھانا ہے ﴿۲۴﴾ وہ تانبے کی طرح ہوگا، پیڑوں میں کھولے گا ﴿۲۵﴾ شدید گرم پانی کے کھولنے کی طرح ﴿۲۶﴾

ہلاک کر دیا، ان کے علاقے تیرہ بالا ہو گئے، اور وہ لوگ ٹولیوں میں بٹ کر دنیا میں بکھر گئے۔

(۱۳) یہ آیت کریمہ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن کی جزا و سزا کی دلیل ہے، اس لئے کہ یہ بات حکمت سے عاری ہے کہ اللہ نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بغیر کسی مقصد کے پیدا کیا ہے، اور ایک وقت آئے گا کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا، اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ تو ایسی لغو بات ہوگی جو عقلمند انسانوں کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی، تو اس ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کیسے کہی جاسکتی ہے جس نے انسانوں کو عقل کی نعمت سے نوازا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ جن و انس اس کی عبادت کریں اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں، تو جو شخص ایسا کرے گا اسے وہ قیامت کے دن اس کے نیک اعمال کا اچھا سے اچھا بدلہ دے گا، اور جو ایسا نہیں کرے گا اور کفر و شرک کی راہ اختیار کرے گا، اسے وہ ذلیل و رسوا کرے گا، اور بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔

انہی حقائق کی تائید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۰) میں فرمایا کہ قیامت کے دن (جو حق و باطل کے درمیان فیصلے کا دن ہوگا) تمام لوگ میدان محشر میں اکٹھا کئے جائیں گے۔ اور آیات (۳۱/۳۲) میں فرمایا کہ اس دن کوئی رشتہ دار یا دوست اپنے کسی دوسرے رشتہ دار یا دوست کے کام نہیں آئے گا، البتہ جن پر اللہ نے دنیا میں رحم کیا ہوگا، اور ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی راہ اختیار کی ہوگی، ان پر اللہ آخرت میں بھی رحم کرے گا، یعنی اپنے کسی نیک بندے کو اس کے لئے شفاعت کی اجازت دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر ہے، اور اپنے نیک بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ (۱۵) ذکر آخرت کی مناسبت سے جہنم اور اس میں پائے جانے والے بدترین عذاب کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہاں بڑے مجرمین کو زقوم کا پھل کھانے کو دیا جائے گا۔ زقوم کا درخت بادیاہ میں پایا جانے والا بدترین درخت ہے۔ قیامت کے دن یہ اللہ کے حکم سے جہنم میں پیدا ہوگا، اس کے پھل نہایت بد شکل اور بد مزہ ہوں گے، سورۃ الاسراء آیت (۶۰) میں اس کا نام (ملعونہ) بتایا گیا ہے، یعنی وہ درخت جس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اور سورۃ الصافات آیات (۶۳) سے (۶۶) تک میں اس کا تفصیلی بیان آچکا ہے۔

جہنمی جب بھوک کی شدت سے اسے کھائیں گے تو وہ القطرہ کی تلچھٹ یا پھلے ہوئے تانبے کے مانند ان کے پیڑوں میں پوری شدت کے ساتھ کھولنے لگے گا جو ان کے دلوں کو جلا ڈالے گا۔ سورۃ الہزہ آیات (۷۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿نَارُ اللَّهِ الْمَوْقِدَةُ﴾ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَيَّ الْأَفْئِدَةَ ﴿۷۷﴾ ”وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی، جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی۔“

خُدُوهُ وَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۗ لَمَّا صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيمِ ۗ ذُقْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۗ
 إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۗ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۗ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۗ يَكْتَسُونَ مِنَ الْأَعْنَابِ وَهُمْ فِيهَا
 لَا يَسْخَرُونَ مِنْ أَحَدٍ ۗ يَكْتَسُونَ مِنَ الْأَعْنَابِ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْخَرُونَ مِنْ أَحَدٍ ۗ يَكْتَسُونَ مِنَ الْأَعْنَابِ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْخَرُونَ مِنْ أَحَدٍ ۗ
 فِيهَا الْمَوْتُ إِلَّا الْمَوْتَةُ الْأُولَىٰ ۗ وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۗ

(ہمارا حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو (۱۶) اور کھینچتے ہوئے بیچ جہنم تک لے جاؤ ﴿۴۷﴾ پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے گرم پانی کا عذاب اُنڈیل دو ﴿۴۸﴾ اُن سے کہا جائے گا، اب مز اچکھتے رہو، تم تو بڑے معزز اور شریف آدمی تھے ﴿۴۹﴾ یہی وہ عذاب ہے جس میں تم شبہ کرتے تھے ﴿۵۰﴾ بے شک اللہ سے ڈرنے والے لوگ ایک پر امن جگہ (۱۷) میں ہوں گے ﴿۵۱﴾ بانگوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۵۲﴾ باریک اور موٹے ریشم کے لباس زیب تن کئے ہوئے آسنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿۵۳﴾ ایسا ہی ہو گا، اور ہم اُن کی شادیاں بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے ﴿۵۴﴾ وہاں وہ لوگ ہر تم کے پھلوں کی فرمائش کریں گے ﴿۵۵﴾ (دنیا کی) پہلی موت کے بعد اب وہاں انہیں موت نہیں آئے گی، اور اللہ انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا ﴿۵۶﴾

(۱۶) اللہ تعالیٰ جہنم پر متعین فرشتوں سے کہے گا کہ انہیں ان کے گریبانوں سے پکڑ لو، اور نہایت بے دردی کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم میں ڈال دو، پھر ان کے سروں پر کھولتا ہو پانی اُنڈیل دو، جو ان کے سارے جسم کو جلا ڈالے۔ پھر ان کا ذہنی کرب و الم بڑھانے کے لئے بطور استہزاء ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں بڑی عزت اور اونچے مقام والے بنے پھرتے تھے، اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، تو اب اپنے کبر و غرور کا مزہ اچکھو۔

اموی نے اپنی کتاب ”المغازی“ میں مکرمہ سے ایک مُرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی ابو جہل سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے اس سے کہا کہ مجھے اللہ نے تمہیں یہ کہنے کو کہا ہے: ﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَكَ فِئَاءٌ وَلَمْ يَكُنْ لَكَ فِئَاءٌ﴾ ”افسوس ہے تجھ پر، حسرت ہے تجھ پر، بربادی ہے، اور خرابی ہے تیرے لئے“۔ (القیامہ: ۳۵-۳۴)۔ تو اس نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے کھینچ لیا، اور کہا کہ تم اور تمہارا رب میرا کیا گاڑ سکتے ہو، تم جانتے ہو کہ میں اہل بطحاء کو جس چیز سے چاہتا ہوں روک دیتا ہوں، اور میں عزت و شرف والا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے میدانِ بدر میں اس کی جان لے لی، اسے رسوا کیا، اور قیامت کے دن اس کی بات یاد دلا کر اس سے کہے گا کہ ہاں! اب مز اچکھو، تم تو بڑے ہی عزت و شرف والے ہو۔

آیت (۵۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ یہی وہ عذابِ جہنم ہے جس کے بارے میں تم دنیا کی زندگی میں شک کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ قیامت، بعث بعد الموت اور جنت و جہنم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۱۷) قرآن کے معبود طریقہ کے مطابق اب اہل جنت اور جنت میں پائی جانے والی نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں کفر و معاصی سے بچنے والے قیامت کے دن اس مقام پر ہوں گے جہاں انہیں کوئی خوف و ہراس لاحق نہیں ہو گا، وہ بانگوں میں اور بہتے چشموں کے درمیان ہوں گے۔ وہاں انہیں پہننے کے لئے باریک اور دبیز ریشمی لباس ملے گا، اور ان کے سروں اور منازل کی ایسی ترتیب ہو گی کہ وہ ہر دم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ نے کہا کہ جنتیوں کے ساتھ بالکل

﴿فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ وَأَنْتُمْ لَا تَشْكُرُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ بِاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ بِهِ عَلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۹﴾

یہ آپ کے رب کا ان پر فضل (۱۸) ہوگا، یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۵۷﴾ پس ہم نے اس قرآن کو آپ کی عربی زبان (۱۹) میں آسان کر دیا ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۸﴾ پس آپ انتظار کیجئے، وہ بھی انتظار کر رہے ہیں ﴿۵۹﴾

ویسا ہی برتاؤ ہوگا جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اور ہم ان کی شادیاں گوری چینی خوبصورت ترین آنکھوں والی حوروں سے کریں گے، تاکہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور ان کے دلوں کو سرور ملے۔ اور اہل جنت ان جنتوں میں ہر آفت و مصیبت سے مامون ہوں گے اور اپنی پسند کے نوع بہ نوع پھل حاضر کرنے کا غلمان جنت کو حکم دیا کریں گے۔ انہیں کبھی موت نہیں آئے گی، اور اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب سے نجات دے دے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں: آیت (۵۶) کا آخری حصہ اس بات کی دلیل ہے کہ ممکن ہے غیر متقی موحدین کچھ عذاب بھگتتے کے بعد جنت میں داخل ہوں، البتہ متقی موحدین جہنم میں بالکل داخل نہیں ہوں گے۔

صحیحین کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو ایک میڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا، اے اہل جنت! اب تم ہمیشہ یہیں رہو گے، کبھی موت نہیں آئے گی، اور اے اہل جہنم! اب تم ہمیشہ جہنم میں ہی رہو گے، تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور مسلم نے ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل جنت سے کہا جائے گا، تم اب ہمیشہ صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے، اور تم ہمیشہ خوش و خرم رہو گے کبھی رنجیدہ نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔“

(۱۸) اہل تقویٰ مومنوں کو قیامت کے دن جو نعمت بھی ملے گی، وہ اللہ کا ان پر محض فضل و کرم ہوگا، کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جان لو کہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں پہنچائے گا۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں مجھے بھی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و کرم سے ڈھانک لے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ سے نجات اور دخول جنت وہ عظیم کامیابی ہوگی جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہوگی۔ سورہ آل عمران آیت (۱۸۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ ذُخِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ”جو شخص آگ سے بچا دیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔“

(۱۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تعریف بیان کی ہے کہ اے میرے نبی! ہم نے اسے آپ کی مادری زبان (عربی) میں نازل کر کے آپ کے لئے اس کا دوسروں کو سمجھانا، اور آپ کی قوم کے لئے اس کا سمجھنا آسان بنا دیا ہے، تاکہ اہل مکہ اس میں بیان کردہ عبرتوں، نصیحتوں اور دلائل و براہین سے مستفید ہوں، حق کو قبول کریں، اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔ لیکن اکثر اہل مکہ نے قرآن کریم میں بیان کردہ عبرتوں اور نصیحتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۵۹) میں نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اب آپ ان کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر لیجئے، وہ بھی اسی انتظار میں ہیں کہ کب آپ حوادث زمانہ کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو جائیں اور انہیں آپ سے چھٹی مل جائے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کی جانب سے رسول ﷺ کے لئے نصرت اور اہل مکہ پر غلبہ کا وعدہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے اپنے رسول کو غالب کیا اور کافر سردارانِ قریش کو منہ کی کھانی پڑی۔



حَمْدَهُ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِي خَلْقِكُمْ وَاٰبَاتِكُمْ مِنْ دَآءِبِكُمْ لِقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ ۝ وَاختِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝ يٰلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَتْلُوْهُمَا عَلَيْهِمْ بِالْحَقِّ قُبٰرِيْ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاِلَيْهِ يُرْجٰوْنَ ۝

(سورة الجاثية کی ہے، اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱﴾ یہ کتاب ﴿۲﴾ اُس اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے جو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳﴾ بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۴﴾ اور لوگو! تمہاری پیدائش ﴿۳﴾ میں، اور اللہ نے زمین پر جو جانور پھیلا رکھے ہیں اُن میں یقین رکھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۳﴾ اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں، اور اللہ نے آسمان سے جو روزی (بارش) اُتاری ہے، جس کے ذریعہ وہ زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندگی دیتا ہے، (اس میں) اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں بدلنے میں، عقل و خرد والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۵﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں، جنہیں ہم آپ کو بالکل ٹھیک سنا ہے ہیں، پس وہ اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد، کس بات پر ایمان لائیں گے ﴿۶﴾

تفسیر سورة الجاثية

نام: آیت (۲۸) ﴿وَتَرَىٰ كُلَّ اُمَّةٍ جَآثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُحْزَنُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: حسن، جابر اور عکرمہ کے نزدیک پوری سورت کی ہے۔ ماوردی نے لکھا ہے کہ ابن عباس اور قتادہ کے نزدیک آیت (۱۳) کا پہلا حصہ ﴿قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَزِجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ مدنی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سورت سورۃ الدخان کے بعد نازل ہوئی، اور دونوں کے مضامین میں تشابہ پایا جاتا ہے۔ دونوں میں توحید و آخرت سے متعلق مشرکین مکہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور ان کے شبہات کی تردید کی گئی ہے اور دونوں ہی میں قرآن کریم کی دعوت کو ٹھکرانے پر انہیں دھسکی دی گئی ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، اور ان کا حقیقی معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) سورۃ الزخرف اور سورۃ الدخان کی آیت (۳) کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا کلام نہیں ہے، بلکہ اسے اس اللہ نے نازل کیا ہے جو زبردست ہے اور حکیم بھی ہے۔ اور اس کا زبردست ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ دلائل و براہین کی ایسی بھرمار کر دے کہ اس کے دشمن مبہوت و مغلوب ہو جائیں، اور اس کا حکیم ہونا

وَيَلْجَأُ كُلُّ الْكَاذِبِ إِلَىٰ نَجْوَىٰ اللَّهِ يُسَمِّرُ لَيْلَهُ وَيُنْفِثُ فِيهِ الرِّيحَ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۸۶﴾

تباہی و بربادی (۸۶) ہے ہر جھوٹے گناہ گار کے لئے ﴿۸۶﴾ وہ اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے، جن کی اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے، پھر وہ تکبر کی وجہ سے (اپنے کفر پر) اڑا رہتا ہے، گویا کہ اُس نے اُن آیتوں کو سنا ہی نہیں ہے، تو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۸۶﴾

اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام شکوک و شبہات کا زوالہ کر دے، اور اس کے کلام میں کوئی عیب و نقص نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم توحید باری تعالیٰ کے دلائل و براہین سے بھر پڑا ہے، اور چونکہ وہ کلام ربانی ہے اس لئے اس میں کوئی عیب و نقص نہیں ہے۔ (۳) ذیل کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہی بعض دلائل توحید کا ذکر کیا ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں، یا اُن کی پیدائش میں نوع بہ نوع نشانیاں ہیں، اور چونکہ ان نشانیوں سے مومنین فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لئے بطور خاص ان کا ذکر آیا، ورنہ اللہ کی نشانیاں تو ہر خاص و عام کے لئے ہیں۔

آیت (۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم کا تخلیق کے کئی مراحل سے گذر کر پیدا ہونا، دل، دماغ اور عقل جیسی نعمتوں سے بہرہ ور ہونا، اور سماعت، بینائی اور گویائی پر قادر ہونا، ان کے بارے میں آدمی جتنا غور کرے گا، اللہ کی عظیم قدرت کا اعتراف بڑھتا چلا جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھانت بھانت کے جانور، چوپائے اور حیوانات پیدا کئے ہیں، کوئی خشکی کا جانور ہے، تو کوئی دریا اور سمندر میں رہنے والا۔ ان سب کے بارے میں غور و فکر آدمی کو اس یقین تک پہنچاتا ہے کہ اللہ موجود ہے، وہ علام الغیوب ہے، عزیز و حکیم ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ قیامت کے دن تمام مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کے اعمال کا اُن سے حساب لے۔ رات اور دن کا ایک دوسرے کے بعد پورے انتظام کے ساتھ آتے رہنا، موسم کی تبدیلی کے مطابق دونوں کا چھوٹا اور بڑا ہونا، اور آسمان سے بارش کا نزول جس سے مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے، اور ہواؤں کا رد و بدل، کبھی باد صبح گاہی ہے، تو کبھی شام کے وقت چلنے والی ہوا ہے، کبھی شمالی ہے تو کبھی جنوبی ہے، اور کبھی بادِ موسوم ہے تو کبھی آندھی ہے، ان سب تصرفات پر اللہ کے سوا کس کا اختیار ہے، وہی تو ہے جو ان تمام قدرتوں کا مالک ہے، اور ان میں اہل خرد کے لئے واقعی بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو انسانوں کو صرف اسی ذاتِ واحد کی عبادت کی طرف بلاتی ہیں۔

آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ یہ وہ نشانیاں ہیں جو اس کے کمال قدرت، کمال حکمت اور اس کے کمال ارادہ و مشیت پر دلالت کرتی ہیں۔ تو اب ان نشانیوں کے بعد کفار قریش کو کس دلیل کا انتظار ہے جسے دیکھ کر اللہ پر ایمان لائیں گے۔ ایک دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ ﴿بَعْدَ اللَّهِ﴾ سے مراد "بعد حدیث اللہ" ہے، یعنی اگر یہ لوگ قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب پر ایمان نہیں لاتے ہیں، تو ان کی ہدایت کے لئے اب کون سی کتاب آئے گی جس پر ایمان لائیں گے؟! یعنی یہ شرکین ایمان نہیں لائیں گے۔

(۳) ذیل کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کافر کا انجام و پل (جہنم کی ایک وادی) بتایا ہے، جو اللہ اور اس کی صفات کے بارے میں خلاف دلیل بات کرتا ہے، اور گناہوں کا کثرت سے ارتکاب کرتا رہتا ہے، اور جب اس کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو اس کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، اور کبر و غرور کی وجہ سے اپنے کفر پر اصرار کرتا ہے،

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَ هَٰٓؤُلَاءِ اَوْلِيٰك لَكُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۰﴾ مِنْ وَّرَآهِهِمْ جَهَنَّمُ ۗ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ تَاكْسِبُوۡا۟ اٰتِنَا وَلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوْلِيَا۟ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۗ هٰذَا هُدًى وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ لَآئِمٌّ عَذَابٌ ۗ مِنْ رَّبِّكَ الَّذِيۡ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِيَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيۡهِ بِاَمْرِهِ ۗ وَلِتَبْتَغُوۡا مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور جب اُسے ہماری کسی آیت کی خبر (۱۰) ہوتی ہے، تو اس کا مذاق اڑاتا ہے، ان لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے ﴿۱۰﴾ اُن کے پیچھے جہنم لگی ہوئی ہے، اور دنیا میں انہوں نے جو مال و اولاد حاصل کیا، اُن کے کسی کام نہیں آئیں گے، اور نہ وہ جھوٹے معبود کام آئیں گے، جنہیں انہوں نے اللہ کے سوا اپنے دوست اور مددگار بنائے تھے، اور اُن کے لئے ایک بڑا عذاب ہے ﴿۱۱﴾ یہ قرآن سرچشمہ ہدایت (۱) ہے، اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کر دیا ہے، انہیں شدید دردناک عذاب دیا جائے گا ﴿۱۱﴾ اللہ نے ہی تمہارے لئے سمندر کو مسخر (۷) کر دیا ہے، تاکہ اُس میں کشتیاں اُس کے حکم سے چلتی رہیں، اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر گزار بنو ﴿۱۱﴾ اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ ایسے کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔

(۵) ایسے کافروں کی صفت یہ بھی ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے، اور اس کے احکام بیان کئے جاتے ہیں، تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے جھوٹوں اور محصیت صفت انسانوں کا انجام یہ بتایا کہ ان کے لئے آخرت میں ایسا رسوا کن عذاب تیار کیا گیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ذلت و رسوائی نہیں ہو سکتی ہے۔

آیت (۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنم ان کا انتظار کر رہی ہے، اور اُس دن اُن کا مال و جاہ اور ان کی اولاد اُن کے کچھ بھی کام نہیں آئے گی، اور اللہ کے سوا جن معبودوں کی وہ لوگ پرستش کر رہے ہیں وہ بھی اُن سے عذاب کو ٹال نہیں سکیں گے، اور انہیں بڑا ہی سخت عذاب دیا جائے گا۔

(۶) اس آیت کریمہ میں اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے، جو منبع رُشد و ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ایمان لانے والوں کو گمراہی سے نکال کر راہ ہدایت پر ڈال دیتا ہے، اور کفر و شرک سے نجات دے کر ایمان و توحید کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے، اس لئے کہ وہ سراپا نور اور سرچشمہ خیر و برکت ہے۔

(۷) ذیل کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر کیا ہے، جن سے بنی نوع انسان استفادہ کرتے ہیں، اور جو ایمان باللہ کی دعوت و بیعتی ہیں اور اس کی طاعت و بندگی پر ابھارتی ہیں، اور مقصود اہل قریش کو اللہ کی قدرت و وحدانیت، اور اس کے احسانات کا قائل کرنا ہے تاکہ ایمان لے آئیں، اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ اس کے حکم سے تمہاری کشتیاں اس میں چلتی رہیں، اور تاکہ تم اس کی نعمتیں حاصل کرو۔ چنانچہ آدمی کشتیوں کے ذریعہ سفر کر کے دوسرے شہروں میں علم حاصل کرنے اور تجارت کے لئے جاتا ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اور سمندروں میں غوطے لگا کر موتی نکالتا ہے، اور نوع بہ نوع مچھلیوں کا شکار کرتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَنَافِي السَّمَوَاتِ وَمَنَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا بِإِذْنِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَكِرُونَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا
لِلَّذِينَ لَا يُحِبُّونَ آيَاتُ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ
إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾

اور اُس نے تمہارے لئے اپنی طرف سے اُن تمام چیزوں کو مسخر^(۸) کر دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں
ہیں، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۱۳﴾ اے میرے نبی! آپ ایمان رکھنے
والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اُن لوگوں کو درگزر^(۹) کریں جو اللہ کے عذاب کے دنوں کی امید نہیں رکھتے ہیں، تاکہ
وہ ایک قوم کو ان کے کئے کا بدلہ دے ﴿۱۴﴾ جو شخص عمل صالح^(۱۰) کرتا ہے، وہ اپنے لئے کرتا ہے، اور جو بُرا کرتا
ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۵﴾

ان نعمتوں کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے اس خالق و رازق کا شکر ادا کرے جس نے یہ نعمتیں دی ہیں، اور صرف اسی کی
عبادت کرے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے جنہیں اس نے آسمانوں اور زمین میں تمہارے
فائدے کے لئے پیدا کی ہے۔ شمس و قمر، ستارے، بارش، بادل، ہوائیں، پہاڑ، درخت، نہریں، سمندر، معدنیات اور حیوانات، ان
تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی رحمت سے انسانوں کے لئے مسخر کر دیا ہے، اور بلاشبہ اس کے یہ احسانات و دعوت فکر و نظر دیتے
ہیں، تاکہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں، اس کی وحدانیت کا اقرار کریں، اس کا شکر ادا کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔
(۹) سبکی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اگر انہیں مشرکین قریش کی طرف سے اذیت پہنچتی ہے تو عفو و درگزر
سے کام لیں، اور انتقام لینے کی نہ سوچیں۔ دعوت الی اللہ کی راہ میں حکمت و داناتی کا بھی تقاضا ہے۔ اگر بالفرض مسلمانوں میں
انتقام لینے کی طاقت بھی ہے تب بھی ایسا نہ کریں۔

﴿آيَاتُ اللَّهِ﴾ کی تفسیر بعض نے ”اقوام گذشتہ پر عذاب الہی“ کیا ہے، بعض نے ”مطلق اللہ کا عذاب“ مراد لیا ہے،
اور بعض نے اس سے مراد ”بعث بعد الموت“ لیا ہے۔

آیت میں مذکور عفو و درگزر کا صلہ یہ بتایا گیا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے اس نیک عمل کا اچھا بدلہ دے گا۔
﴿لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے
بُرائے اعمال کا بدلہ دے گا۔ یعنی اے مومنو! تم ان سے انتقام لینے کی نہ سوچو، ان کی ایذا رسانیوں کا بدلہ انہیں ہم دیں گے۔
مفسرین نے لکھا ہے کہ عفو و درگزر کا یہ حکم جہاد کے حکم کے ذریعہ منسوخ ہو گیا ہے۔

(۱۰) جو شخص اس دنیاوی زندگی میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرتا ہے، تو روز قیامت اس کا فائدہ
اسے ہی پہنچے گا کہ عذابِ نار سے نجات پا جائے گا۔ اور جو شخص برا عمل کرتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا کہ جہنم میں ڈال
دیا جائے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں عمل صالح کی ترغیب دلائی گئی ہے، اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔
آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب کو اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عمل

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۗ وَإِنِّي لَهُم مِّنَ الْأُمَمِ قَوْمٌ فَخَرْنَا الْأَلَمِينَ ۗ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٤﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب^(۱۱) (تورات) حکومت اور نبوت دی، اور انہیں عمدہ چیزیں بطور روزی دی، اور (اس عہد کے) جہان والوں پر انہیں فضیلت دی ﴿۱۶﴾ اور ہم نے انہیں دین کے صریح احکام دیئے (یا ان کے لئے صریح معجزات بھیجے) پس انہوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد، محض آپس کی ضد اور عناد کی وجہ سے اختلاف کیا، بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿۱۷﴾

کابلہ دے گا، بھلا کرنے والے کو بھلا، اور بُرا کرنے والے کو بُرا بدلہ ملے گا۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو احسانات کئے تھے، ان میں سے ایک احسان یہ بھی تھا کہ تورات میں نبی کریم ﷺ کی نشانیاں بیان کر دی گئی تھیں، اور بتا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آخری کتاب دے کر بھیجے گا، اور ان باتوں کو ان میں کاہر وہ شخص جانتا تھا جو تورات کا علم رکھتا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود مدینہ اوس و خزرج والوں سے کہا کرتے تھے کہ وہ نبی عنقریب ہی مبعوث ہونے والے ہیں، جن پر ہم ایمان لائیں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ کریں گے اور تم پر غالب آئیں گے۔ اور جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کو اسی طرح پہچان لیا جس طرح کوئی اپنی صلیبی اولاد کو پہچانتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت سورۃ البقرہ آیت (۱۳۶) اور سورۃ الانعام آیت (۲۰) میں کر دی ہے: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَغْرِفُونَ كَمَا يَغْرِفُونَ أَنْبَاءَهُمْ﴾ ”یہود آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں“۔ لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ اولاد اسماعیل بن ابراہیم سے تھے، اس لئے انہوں نے محض بغض و حسد کی وجہ سے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل یعنی اولاد یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کو تورات، اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی فہم و بصیرت دی، اور ان میں موسیٰ، ہارون، یوسف، داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء پیدا کئے، اور ان کے دور ایمانی میں دیگر قوموں پر انہیں فوقیت دی، اور تورات و انجیل میں حلال و حرام کا واضح علم، اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے صریح دلائل بیان کئے، تاکہ ان کی بعثت کے بعد انہیں پہچان کر ان پر ایمان لائیں، لیکن بُرا ہو بغض و حسد کا، جس کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

بہت سے مفسرین نے آیت (۱۷) کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے تورات اس لئے نازل کیا تھا کہ وہ لوگ اس میں بیان کردہ احکام شریعت پر عمل کر کے اپنے آپس کا اختلاف دور کریں، لیکن معاملہ اُلٹا ہوا، اور ایک دوسرے سے بغض و حسد کی وجہ سے انہوں نے احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا، اور ان کا آپس کا اختلاف بڑھتا ہی گیا، اور انہوں نے اللہ کے دین و شریعت کو کھلوٹا بنا لیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن ان یہود کے درمیان فیصلے کرے گا، اور ان کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا۔ حافظ

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيحَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣٠﴾ إِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَبِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٣١﴾ هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١٣٢﴾ الْمُحْسِبُ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مِّنْهَا هُمْ وَمِمَّا نُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٣﴾

پھر ہم نے آپ کو دین کی ڈگر (۱۳۰) پر ڈال دیا، پس آپ اسی پر چلتے رہئے، اور نادانوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے ﴿۱۳۰﴾ بے شک وہ اللہ کے مقابلے میں آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہوتے ہیں، اور اللہ پر ہمہ نگاروں کا دوست اور کارساز ہے ﴿۱۳۱﴾ یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرتوں کا خزانہ، اور یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور سرپا رحمت ہے ﴿۱۳۲﴾ کیا جو لوگ گناہ کا ارتکاب (۱۳۳) کرتے ہیں، ہم انہیں اُن کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے عملِ صالح کیا، ان دونوں جماعتوں کا جینا اور مرنا ایک جیسا ہو، وہ لوگ بہت ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں ﴿۱۳۳﴾

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس میں اُمت محمدیہ کے لئے زبردست تنبیہ ہے کہ قرآن و سنت کے ساتھ اگر انہوں نے بھی ویسا ہی برتاؤ کیا، جیسا یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کے ساتھ کیا ہے، تو پھر وہ بھی بُرے انجام کا انتظار کریں۔ (۱۳) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ اے میرے نبی! ہم نے آپ کو بہت ہی واضح دین اور روشن شریعت دی ہے جو آپ سے پہلے تمام انبیاء کا دین رہا ہے، آپ اسی پر گامزن رہئے، اور اپنی اُمت کو اسی کا حکم دیجئے۔ اور جنہیں اللہ کی توحید اور اس کے دین و شریعت کا علم نہیں، چاہے وہ کفار مکہ ہوں یا یہود و نصاریٰ، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔ اگر آپ ان کی خواہشات کی اتباع کریں گے، تو یہ لوگ اللہ کے عذاب کو آپ سے نہیں ٹال سکیں گے۔

آیت (۱۹) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دشمنانِ اسلام، مومنوں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس لئے کہ اللہ کی نصرت و تائید سے وہ محروم ہیں، جبکہ اہل تقویٰ مومنوں کو اس کی نصرت و تائید حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۲۵۷) میں فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ "ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے، اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں، وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔"

آیت (۲۰) میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے کہ اس میں جو احکام شریعت اور جو براہین و دلائل بیان کئے گئے ہیں ان میں غور و فکر کرنے سے قلب مومن میں ایسی بصیرت پیدا ہوتی ہے کہ وہ نافع و ضار اور حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے لگتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو مومنوں کے لئے منبعِ ہدایت و رحمت ہے۔

(۱۳) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات مختلف پیرائے میں بارہا کہی ہے کہ نیک و بد اور صالح و طالح کا انجام ایک جیسا ہوگا۔ اسی بات کو اللہ نے یہاں بھی بیان کیا ہے کہ کیا شرک و معاصی کا ارتکاب کرنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم انہیں دینا اور آخرت میں ان لوگوں کے برابر بنا دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا۔ اہل ایمان نے تو دنیا میں اپنے

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٣٠﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَأَخْتَمَهُ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاةً فَمَنْ يُهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿١٣٢﴾

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقصد سے پیدا (۱۳۰) کیا ہے، اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ چکایا جائے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے ﴿۱۳۱﴾ کیا آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش (۱۵) کو اپنا معبود بنا لیا، اور اللہ نے اُسے حق بات کا علم ہو جانے کے باوجود گمراہ کر دیا، اور اُس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، ایسے آدمی کو اللہ کے بعد کون راہ دکھا سکتا ہے، کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے ﴿۱۳۲﴾ اور اہل کفر کہتے ہیں کہ ہماری دنیاوی زندگی (۱۳۱) کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں، اور زمانے کے سوا کوئی دوسرا ہمیں ہلاک نہیں کرتا ہے، اور ان کے پاس اس کا کوئی علم نہیں ہے، یہ محض ظن و گمان سے کام لے رہے ہیں ﴿۱۳۲﴾

رب کی بندگی کی اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال رہے، اور آخرت میں اس کی رحمت اور جنت کے حقدار ہوں گے۔ اور شرک و معاصی کا ارتکاب کرنے والے تو دنیا میں اپنے رب کے نافرمان رہے، اور سکون قلب سے محروم رہے، اور آخرت میں اس کی رحمت اور جنت سے محروم کر دیے جائیں گے۔ سورہ ط آیت (۱۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا هُدًى فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۗ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ ”پس جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ بیکے گا، نہ تکلیف میں پڑے گا، اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اُسے روز قیامت اندھا بنا کر اٹھائیں گے۔“

(۱۳) اور جو بات کہی گئی ہے، اسی کی تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اظہار حق اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، اور نیک و بد کا برابر ہونا حق کے متانی اور عدل و انصاف کے خلاف ہو گا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ زمین پر رہنے والے جو جن و انس اس کی بندگی کریں، انہیں اچھا بدلہ دیا جائے اور جو اس کی نافرمانی کریں انہیں ان کے بُرے کرتوتوں کے بدلے عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ان لوگوں کے حال پر اظہار تعجب کیا ہے، جن کا معبود ان کا نفس ہوتا ہے، جو اللہ کے دین کے بجائے اپنے نفس کی عبادت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ضلالت و گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ان میں قبول حق کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔

﴿وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ کی دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ اپنے نفس کا وہ بندہ جان رہا ہوتا ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہئے، اس کے باوجود اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا، اس لئے اللہ تعالیٰ اسے گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دیتا ہے، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیتا ہے، اس لئے نہ وہ خیر کی کوئی بات سن پاتا ہے، نہ ہی خیر و شر کی تمیز کر پاتا ہے، اور نہ حق پر چلنے کی اسے توفیق ملتی ہے۔

وَإِذْ أَنْتَلَىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ مُجْتَهَمًا ۚ الْآنَ قَالُوا يَا بَنِي آدَمَ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُخَبِّرُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُ بِكُمْ بَعْضُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَيَكْفُرُ بِكُمُ الْبَاطِلُونَ ۗ وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَائِعَةً ۖ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا ۖ الْيَوْمَ تُحْزَنُونَ ۖ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنبِئُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی اور واضح آیتوں کی تلاوت (۱۷) کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس بات کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے، پھر تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ہیں ﴿۲۶﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی (۱۸) اللہ کی ہے، اور جس دن قیامت برپا ہو جائے گی، اس دن اہل باطل خسارے میں رہیں گے ﴿۲۷﴾ اور آپ ہر جماعت کو گھنٹوں کے بل گری ہوئی حالت میں دیکھیں گے، ہر جماعت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی (اور کہا جائے گا کہ) آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ چکایا جائے گا ﴿۲۸﴾ یہ ہمارا ریکارڈ ہے جو تمہیں بالکل صحیح بات بتا رہا ہے، ہم تمہارے کئے کو (فرشتوں کے ذریعہ) لکھواتے رہے تھے ﴿۲۹﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کا حال وہ ہو جو اوپر بیان کیا گیا، یعنی جسے اللہ گمراہ کر دے، اُسے ہدایت کی توفیق کون دے سکتا ہے۔ لوگو! تم یہ باتیں سن کر نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے، اور ایمان و عمل کی زندگی اختیار کر کے اپنے رب کی رضا اور جنت کے حقدار کیوں نہیں بنتے!؟

(۱۶) مشرکین مکہ بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ جو زندگی ہم گزار رہے ہیں، اس کے سوا اب کوئی زندگی نہیں ہے، آدمی جسمانی زندگی جیتا ہے اور مرد و زمانہ کے ساتھ اس کے جسم کو موت لاحق ہو جاتی ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ اس زندگی کے بعد نہ کوئی دوسری زندگی ہے، اور نہ کوئی اور عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بات وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں، اس کی ان کے پاس کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں ہے، یہ محض ان کا گمانِ باطل ہے۔

(۱۷) آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے ان آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں یہ بیان آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا، تو ان آیات کی تردید کے لئے ان کے پاس ان کے اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ ”اچھا اگر بعث بعد الموت کا عقیدہ صحیح ہے تو پھر ہمارے گزرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو“۔ اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۶) میں ان کے اس شبہ کی تردید کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی زبانی فرمایا کہ اے کفار قریش! تمہیں زمانہ ہلاک نہیں کر دیتا ہے، بلکہ اللہ تمہیں زندگی دیتا ہے، اور وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتارتا ہے، اور جب قیامت کا دن آئے گا تو وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر میں اکٹھا کرے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس لئے کہ جو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے، لیکن اکثر و بیشتر لوگ جنہیں اللہ کے قادرِ مطلق ہونے پر ایمان نہیں ہے، اور جو اپنی تخلیق کے بارے میں غور نہیں کرتے ہیں وہ اس حقیقت کے ادراک سے قاصر ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۱۸﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاتَّكَبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۹﴾ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَآ نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنَّ نَظْنَ الْأَظْطَا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَقِينَ ﴿۲۰﴾

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اُن کا رب انہیں اپنی رحمت (جنت) میں داخل کرے گا، یہی کھلی کامیابی ہے ﴿۱۸﴾ اور لیکن جن لوگوں نے کفر کیا (اُن سے اللہ کہے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، تو تم نے تکبر کیا، اور تم تھے ہی مجرم ﴿۱۹﴾ اور جب کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق (۱۹) ہے، اور قیامت کی آمد میں کوئی شبہ نہیں ہے، تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے، ہم اسے ایک ظن محض سمجھتے ہیں، اور ہم اس پر بالکل یقین نہیں کرتے ہیں ﴿۲۰﴾

(۱۸) آیت (۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اسی نے انہیں پیدا کیا ہے، اور ان میں تصرف کرتا ہے۔ اور جس کی قدرت اور علم و حکمت کا یہ عالم ہو، اس کی اس بات کو کیسے جھٹلایا جاسکتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کر کے انہیں حساب و جزا کے لئے میدانِ محشر میں جمع کرے گا۔

اور قیامت کا دن وہ دن ہو گا جب اپنے رب کے ساتھ غیردوں کو شریک بنانے والے سب کچھ کھودیں گے اور جہنم میں ڈال دیئے جائیں۔ اور اے میرے نبی! آپ اس دن دیکھیں گے کہ تمام قومیں اور جماعتیں میدانِ محشر میں حساب کے وقت نہایت ذلت و مسکنت کے عالم میں اپنے گھٹنوں کے بل جھکے ہوں گے، اور ہر جماعت کے سامنے اس کا نامہ اعمال پیش کیا جائے گا، یا ہر جماعت کے سامنے وہ کتاب رکھی جائے گی جو دنیا میں ان کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی تھی، اور اُن سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ چکایا جائے گا۔ اور تمہارا یہ نامہ اعمال تمہیں سب کچھ بتائے دے رہا ہے، دنیا میں تم جو کچھ کرتے رہے، ہم اپنے فرشتوں کے ذریعہ اسے لکھتے رہے۔ ایک ذرہ کے برابر بھی تمہاری نیکی یا بدی کہیں غائب نہیں ہو گئی ہے۔ جن لوگوں نے وہاں ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کی، اور شرک و معاصی سے اجتناب کیا، آج ان کا رب انہیں اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل کر دے گا، اور کھلی اور صریح کامیابی یہی ہے کہ آدمی ہر خوف و ہراس سے نجات پا جائے اور دائمی فرحت و شادمانی کو پالے۔

اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، اور شرک و معاصی کا ارتکاب کیا، ان سے کہا جائے گا: کیا میرے انبیاء تمہارے پاس نہیں آئے، اور کیا میری آیتیں پڑھ کر تمہیں سنائی نہیں گئیں، اور تمہیں اللہ کا خوف نہیں دلایا گیا؟ ہاں تمہیں یقیناً میری آیتیں سنائی گئیں، لیکن تم نے استکبار میں آکر ان کا انکار کر دیا، اور تم لوگ تھے ہی بڑے مجرم صفت لوگ، جبھی تو تم نے بندہ ہو کر بندگی کی راہ چھوڑ دی، شیطان کی بیروی کی اور گناہوں کا ارتکاب کیا۔

(۱۹) اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا یہ وعدہ برحق ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، اور حساب و جزا کے لئے انہیں میدانِ محشر میں اکٹھا کرے گا، اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، تو تم کہتے تھے کہ ہمیں قیامت کی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، اسے ہم وہم و خیال ہی سمجھتے ہیں، ہمیں بالکل یقین نہیں ہے کہ قیامت نام کی کوئی چیز واقع ہوگی۔

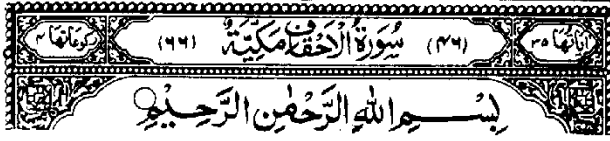
وَبَدَّ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۴﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نُنَسِّكُمْ كَمَا نَسَيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا أَوْ مَا بَدَّ اللَّهُ لَكُمْ الشَّارِءَ مَا كَلَّمْتُمْ مِنْ نَصْرَيْنِ ﴿۳۵﴾ ذَلِكَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۶﴾ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾ وَآلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۸﴾

اور ان کے اعمال کی بُرائیاں (۳۰) ان کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی، اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ انہیں گھیر لے گا ﴿۳۳﴾ اور ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں اسی طرح بھول جائیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا، اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا ﴿۳۴﴾ یہ برتاؤ اس لئے تمہارے ساتھ ہوگا کہ تم اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑاتے تھے، اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا، پس آج وہ اس آگ سے نہیں نکالے جائیں گے، اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی ﴿۳۵﴾ پس تمام تعریفیں (۳۱) اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جو سارے جہان کا رب ہے ﴿۳۶﴾ اور آسمانوں اور زمین میں کبریائی صرف اسی کے لئے ہے، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳۷﴾

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کا بُرا انجام ان کے سامنے ہوگا، اور وہ عذاب نار انہیں ہر چہار جانب سے گھیر لے گا جس کا وہ دنیا میں مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ آج ہم تمہیں جہنم میں ڈال کر اسی طرح بھول جائیں گے جس طرح تم اس دن کو بھول کر شرک و معاصی کا ارتکاب کرتے رہے، اور نیک عمل سے دور رہے جو آج عذاب نار سے تمہاری نجات کا سبب بنتا۔ اور اب کوئی نہیں جو تمہیں عذاب نار سے نجات دلا سکے۔ اور تم اس انجام بد سے اس سبب سے دوچار ہوئے ہو کہ تم نے قرآن کریم کا مذاق اڑایا تھا، اور دنیا کی رنگ رلیوں نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا، اور تم سمجھ بیٹھے تھے کہ نہ کوئی دوسری زندگی ہے، اور نہ ہی حساب و جزا ہے۔

آیت (۳۵) کے آخر میں یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جہنمیوں سے انتہائے نفرت کی وجہ سے منہ پھیر لے گا، اور کہے گا کہ اب یہ بد بخت اس آگ سے کبھی نہیں نجات پائیں گے، اور نہ ان سے یہ کہا جائے گا کہ اپنا عذر پیش کر کے اپنے رب کو راضی کر لیں، کیونکہ توبہ اور معذرت طلبی کی جگہ دنیا تھی، میدان محشر تو صرف حساب و جزا کی جگہ ہوگی۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی ربوبیت کے جو مظاہر بیان کئے ہیں، بندوں پر اپنے جن لطف و کرم کا ذکر کیا ہے، اور حق و عدل کی جو تائید اور ظلم و باطل کی جو تردید کی ہے، ان کا تقاضا ہے کہ اس کے بندے اس کی حمد و ثنائیاں کرتے رہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو سارے جہان کا رب ہے، اس لئے تم اسی کی تعریف بیان کرو، نہ کہ بتوں اور جھوٹے معبودوں کی۔ اور سنو! آسمانوں اور زمین میں ہر بڑائی اور ہر کبریائی اسی کے لئے سزاوار ہے، اس لئے کہ وہ زبردست اور ہر چیز پر غالب ہے، اور اپنے تمام اعمال و تصرفات میں نہایت ہی حکیم و دانا ہے، اس کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ وباللہ التوفیق۔



حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنزِلُوا مُعْرِضُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَا ذَلِكُمْ مِمَّا تَدْعُونَ ۚ إِنَّ فِي الْأَرْضِ لَأَفْهَمَ شِرْكَاءٍ فِي السَّمَوَاتِ يُشْرِكُونَ بِكِتَابِ قُرْآنٍ قَبْلَ هَذَا أَوْ أَشْرَاقٍ مِنْ عِلْمِهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

سورة الاحقاف کی ہے، اس میں پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے
 لَمْ ﴿١﴾ ﴿٢﴾ یہ کتاب (۲) اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲﴾ ہم نے
 آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو مقصدِ خاص (۳) کے لئے اور ایک مقرر وقت تک
 کے لئے پیدا کیا ہے، اور جن لوگوں نے اُس روز قیامت کا انکار کر دیا ہے جس سے وہ ڈرائے گئے ہیں، انہوں نے
 قبولِ حق سے منہ موڑ لیا ہے ﴿۳﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، ذرا غور تو کرو، اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم
 پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا (۴) کیا ہے، یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی
 شراک ہے، اگر تم سچے ہو تو اس قرآن سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی نقل شدہ علم لاؤ ﴿۴﴾

تفسیر سورة الاحقاف

نام: آیت (۲۱) ﴿وَإِنْ كُرْأَخَا عَادِ إِذْ أَنْذَرْتَهُمْ بِأَلْحَقَافِ﴾ سے ماخوذ ہے۔
 زمانہ نزول: ابن مردودہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ حم الاحقاف مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ قرطبی
 نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، اور ان کا تحقیقی معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔
 (۲) سورة الزخرف، سورة الدخان اور سورة الجاثیہ کی ابتدائی آیتوں کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی یقین دہانی
 کرائی ہے کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ کا کلام نہیں ہے، بلکہ اس اللہ کا کلام ہے جو زبردست، ہر چیز پر غالب اور بڑا حکیم و دانہ ہے۔
 (۳) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین، اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو عبث اور بے کار نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان کی تخلیق کا
 ایک عظیم مقصد ہے جسے باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں بارہا بیان کیا ہے اور وہ ہے صرف اسی کی عبادت۔ اور اس نے تمام چیزوں
 کو ایک محدود و متعین مدت کے لئے پیدا کیا ہے، جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو کائنات کی ایک ایک چیز ختم ہو جائے گی۔
 آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کفر اپنی تخلیق کے مقصد سے یکسر غافل ہیں، حالانکہ اللہ نے ان کی
 یاد دہانی کے لئے کتابیں نازل کیں اور انبیاء بھیجے، جنہوں نے انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، تو وہ
 عنقریب اس کفر و سرکشی کا انجام جان لیں گے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ ۝ وَإِذَا نُنزلُ عَلَيْهِمُ الْبُيُوتَ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا جَاءَهُمْ هَذَا سَعْرٌ مُبِينٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۝ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

اور اس آدمی سے بڑھ کر گمراہ (۵) کون ہو گا جو اللہ کے بجائے اُن معبودوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ سن سکیں گے، اور وہ اُن کی فریاد و پکار سے یکسر غافل ہیں ﴿۵﴾ اور جب لوگ میدان محشر میں لائے جائیں گے تو وہ معبود اُن کے دشمن ہو جائیں گے، اور اُن کی عبادت کا انکار کر دیں گے ﴿۶﴾ اور جب اُن کے سامنے ہماری صریح آیتوں (۶) کی تلاوت کی جاتی تھی، تو حق (یعنی قرآن) کا انکار کرنے والوں نے، جب وہ حق اُن کے پاس آچکا، کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے ﴿۷﴾ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اسے محمد نے گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اسے گھڑا ہے، تو تم اللہ کے مقابلے میں میری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے ہو، تم لوگ قرآن کی جو عیب جوئی کر رہے ہو اس سے وہ خوب واقف ہے، اللہ میرے اور تمہارے درمیان بحیثیت گواہ کافی ہے، اور وہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۸﴾

(۳) نبی کریم ﷺ کی زبانی مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو، ذرا اُن کے بارے میں مجھے خبر تو دو کہ انہوں نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے، یا آسمانوں میں پائی جانے والی کسی چیز کی تخلیق میں ان کا حصہ ہے، جس کے سبب وہ عبادت کے مستحق ہیں، یا قرآن کریم سے پہلے تمہارے پاس کوئی ایسی آسمانی کتاب آئی ہے جس میں تمہارے دین و عقیدہ کے صحیح ہونے کی دلیل پائی جاتی ہے، یا تو اُم گدشہ کے علوم کا کوئی حصہ تمہارے پاس ہے جس میں یہ شہادت موجود ہے کہ تمہارے جھوٹے معبود عبادت کے مستحق ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو کوئی بھی دلیل لاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پاس عقلی یا نقلی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس لئے اے مشرکین مکہ! تم اللہ کے ساتھ غیروں کو کیوں شریک بناتے ہو، اور کیوں ان کی عبادت کرتے ہو؟!

(۵) اہل کفر کی شقاوت و بدبختی بیان کی جا رہی ہے کہ اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا کسی ایسے جھوٹے معبود کو پکارتا ہے جو اس کی پکار کو قیامت تک نہیں سن سکتا ہے، اس لئے کہ یا تو وہ مٹی یا پتھر کا بنا بت ہے یا کوئی بندہ عاجز و مسکین ہے جو اپنے حال میں مشغول ہے، اور اللہ کی مرضی کے بغیر ایک تک بھی نہیں ہلا سکتا ہے۔ بلکہ قیامت کے دن میدان محشر میں جب سب لوگ جمع ہوں گے تو وہ معبودانِ باطل ان کے دشمن بن جائیں گے، اور ان سے اعلانِ براءت کر دیں گے۔ اور صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے انہیں نہیں کہا تھا کہ یہ ہماری عبادت کریں، اور نہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے ہماری عبادت کی تھی، اے ہمارے رب! ہم ان سے اپنی بیزاری اور براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ معبودانِ باطل کا اپنی زبان سے اس بات کا اعلان کہ ان مشرکین نے ہماری عبادت نہیں کی تھی، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معبود یا تو شیاطین ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے، یا ملائکہ اور عیسیٰ اور عزیر ہوں گے جو اپنی عبادت کئے جانے پر کبھی راضی نہیں تھے، تو وہ حقیقت معنوں میں اپنی براءت کا اعلان کریں گے، اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَاةِ قَوْمِ الْزُّسَلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا مَا يُؤْتَى الْبَنِي وَمَا أَلَا لَدُنِّي مُؤْتِينَ ﴿۷﴾

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ کے پیغمبروں میں کوئی انوکھا (۷) نہیں (کہ وہ کر دکھاؤں جو دوسرے انبیاء نہیں کر سکتے) اور میں نہیں جانتا کہ (دنیا میں) میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا، میں تو صرف ان احکام کی پیروی کرتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتے ہیں، اور میں تو صرف ایک کھل کر ڈرانے والا ہوں ﴿۹﴾

ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ ان شیاطین کی عبادت کرتے تھے جو انہیں شرک باللہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اور اگر وہ مٹی یا پتھر کے بنے بت ہوں گے، تو یا تو وہ زبان حال سے مشرکین کو جھٹلائیں گے یا اللہ انہیں قوت گویائی دے دے گا، اور وہ اپنے پجاریوں کی پرستش کا انکار کر دیں گے، اس لئے کہ زمین و آسمان کا ایک ایک ذرہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(۶) مشرکین مکہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب ان کے سامنے صریح اور واضح آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بجائے اس کے کہ ان میں غور و فکر کرتے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے، فوراً ان کا انکار کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کھلا جادو ہے۔ بلکہ کفر و سرکشی میں اور آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد (ﷺ) خود گھڑتا ہے اور لوگوں کو اللہ کا کلام بتا کر سناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان کے اس جھوٹ کی تردید یوں کی کہ میں تمہاری خاطر اللہ کے بارے میں ایسی افترا پر دازی کیسے کر سکتا ہوں، جبکہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے اس کے عقاب کو ٹالنے کی ذرہ برابر بھی قدرت نہیں رکھتے ہو۔

قرآن کریم کے بارے میں تم جو کبھی کہتے ہو کہ وہ جادو ہے، اور کبھی کہتے ہو کہ یہ تو محمد کا ہی کلام ہے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری ان ہرزہ مرائیوں کو خوب جانتا ہے، اور میرے اور تمہارے درمیان بحیثیت گواہ اللہ کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کا کلام ہے، اور میں نے یہ بات تم تک پہنچا دی ہے، اور یہ کہ تم لوگ کذاب اور مفتری ہو، کبھی اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہو، اور کبھی میرے اور قرآن کریم کے بارے میں۔

آیت (۸) کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ وہ کفر سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان پر بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(۷) مشرکین مکہ دن رات قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی عیب جوئی میں لگے رہتے تھے۔ ان کی مجلسوں کا اہم ترین موضوع یہ ہوتا تھا کہ محمد اللہ کا بیٹا مگر کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے یہ کہنے کا حکم دیا کہ:

میں اللہ کا کوئی پہلانا نہیں ہوں کہ تمہیں بڑی حیرت ہو رہی ہے، مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء و رسل آئے جنہوں نے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا، اور میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا ہوں کہ آئندہ دنیاوی زندگی میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ مفسرین کے نزدیک ﴿وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ کی یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس سے مراد آخرت کا انجام ہے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے سوا دوسری تفسیر جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ آخرت میں آپ کا مقام جنت ہوگا۔ البتہ دنیا کی زندگی میں آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں آپ کو کن حالات سے گذرنا ہوگا، اور مشرکین قریش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا کرے گا، ایمان لائیں گے، یا کفر کی راہ اختیار کریں گے اور عذاب سے دوچار ہوں گے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ وَثِيلِهِ قَامَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنْ لَمْ يَهْدِ اللَّهُ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَكُنْ لَهُ آيَةٌ فَسَبَّوهُ فَمَا رَبُّنَا بِمُتَّبِعِيهِمْ ۝

آپ کہئے کہ ذرا غور تو کرو، اگر یہ قرآن واقعی اللہ کی جانب (۸) سے نازل کر دہ ہے، اور تم اس کا انکار کر رہے ہو، اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسے قرآن کی گواہی دے چکا ہے، اور ایمان لا چکا ہے، اور تم نے ازراہ تکبر اس کا انکار کر دیا ہے (تو تمہارا انجام کیا ہوگا) بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا ہے ﴿۱۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے ایمان لانے والوں سے کہا کہ دین اسلام بہتر (۹) ہوتا تو اسے قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہیں لے جاتے، اور چونکہ اس قرآن سے انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کی، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پورا ناجھوٹ ہے ﴿۱۱﴾

تیسری بات اللہ نے اس آیت میں اپنے رسول کی زبانی یہ کہی کہ میں تو صرف وحی الہی کی اتباع کرتا ہوں، اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کرتا ہوں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ میں مشرکین مکہ کی تردید کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ سے ایسی نشانیوں کا مطالبہ کرتے تھے جن کے لانے کی وہ قدرت نہیں رکھتے تھے۔

چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ میں اللہ کی جانب سے لوگوں کو صاف صاف ڈرانے والا ہوں، تو جو شخص میری بات پر دھیان دے گا اور شرک و معاصی سے پرہیز کرے گا، وہ عذابِ جہنم سے نجات پائے گا، اور جو ٹھکراوے گا، اس کا معاملہ میرے رب کے حوالے ہے، چاہے گا تو عذاب دے گا، اور چاہے گا تو اسے راہ ہدایت پر ڈال دے گا، اور اس کے حال پر رحم کرے گا۔

(۸) نبی کریم ﷺ کی زبانی اہل قریش کی اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ قرآن جادو ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ تمہارا کیا انجام ہوگا، اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہوگا، اور تم اس کا انکار کرتے ہو، حالانکہ بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے تورات کے بارے میں گواہی دی ہے کہ اسے اللہ نے نازل کیا ہے۔ اس لئے اس میں کون سی تعجب کی بات ہے کہ قرآن بھی اللہ کی نازل کردہ کتاب ہو، چنانچہ وہ اسرائیلی گواہ ایمان لے آیا کہ یہ قرآن کلامِ الہی ہے، اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ حسن، مجاہد، قتادہ اور مکرمہ کی رائے ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، اور وہ گواہ عبد اللہ بن سلام تھے جو تورات کے عالم تھے، اور قرآن سننے کے بعد اس پر ایمان لے آئے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ اے اہل قریش! تم لوگ محض کبر و عناد کی وجہ سے اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

(۹) مشرکین مکہ، بلال، عمار، صہیب، خباب اور ان جیسے کمزور مسلمانوں کا نام لے کر کہتے تھے کہ اگر قرآن اور نبوت محمد میں کوئی خیر ہوتی، تو یہ فقیر و حقیر مسلمان ایمان لانے میں ہم سے سبقت نہیں کر جاتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر عزت و شرف کے پہلے وہی مستحق ہیں، انہیں معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، اور اپنے دین کے لئے جسے چاہتا ہے جن لیتا ہے۔

انہی مشرکین کے بارے میں آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ چونکہ انہیں قرآن کریم پر ایمان لانے کی توفیق نہیں ملی، اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پورا ناجھوٹ ہے جو محمد کو کہیں سے مل گیا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ کلامِ الہی ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ لوگ قرآن اور اہل قرآن کی بُرائی بیان کرتے تھے، اور یہی وہ کبر ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے کہا ہے کہ وہ حق

وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً ، وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِّسَانِ عِبْرِيَّا لِيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ، وَيُنشِئَ لِّلْمُحْسِنِينَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلا هُمْ يَحْزَنُونَ ۗ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ وَوَضَعْنَا لِلإِنسَانِ بِوالدِينِ إِحْسَانًا أَحْكَمَتُهُ أَهْلُهُ كَرَاهًا وَوَضَعْنَاهُ كَرَاهًا وَحَمَلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۗ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (۱۰) (تورات) آچکی ہے، جو بحیثیت ر ہما اور رحمت الہی تھی، اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جو کتاب موسیٰ کی تصدیق کرتی ہے، جو عربی زبان میں ہے، تاکہ ظالموں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے، اور یہ نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دیتی ہے ﴿۱۳﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب (۱۱) اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے تو انہیں نہ کسی بات کا ڈر ہوگا، اور نہ انہیں کوئی غم لاحق ہوگا ﴿۱۳﴾ یہی لوگ اہل جنت ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اُن اعمالِ صالحہ کے بدلے میں جو وہ دنیا میں کرتے تھے ﴿۱۳﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھے برتاؤ (۱۲) کا حکم دیا ہے، اس کی ماں اُسے تکلیف کے ساتھ (پیٹ میں) ڈھونے پھری، اور تکلیف کے ساتھ اُسے جنا، اور اُس کے حمل، اور اُس کے دودھ چھوڑنے میں تیس مہینے لگے، یہاں تک کہ جب وہ بھرپور جوان ہو گیا، اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، تو کہا، میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو دیا ہے، اور ایسے نیک اعمال کروں جنہیں تو پسند کرتا ہے، اور تو میری اولاد کو نیک چلن بنا دے، میں تیرے حضور تو بہ کرتا ہوں، اور بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں ﴿۱۵﴾

کے انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔

(۱۰) مشرکین کے مذکور بالا قول (کہ یہ قرآن پرانا جھوٹ ہے) کی تردید کی گئی ہے کہ اس قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر تورات نازل کی ہے جو لوگوں کی خیر کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ان کے لئے باعث خیر و رحمت ہے۔ اور دونوں کتابیں اصول شریعت میں متفق ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن بھی اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن کریم تورات کی تصدیق کرتا ہے، یعنی دونوں میں بیان کردہ احکام و شرائع ایک جیسے ہیں، حالانکہ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اور تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ یہ بات دلیل ہے کہ قرآن وحی الہی ہے۔ نیز اللہ نے فرمایا کہ یہ قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ نبی کریم ﷺ مشرکین مکہ کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، جنہوں نے شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے، اور نیک عمل کرنے والے مومنوں کو جنت کی بشارت دیں۔

(۱۱) قرآن کریم کا معروف طریقہ ہے کہ ترغیب و ترہیب کو ایک دوسرے کے بعد بیان کرتا ہے۔ چونکہ آیت (۱۱) میں مشرکین مکہ اور ان کے انکار قرآن کا بیان آیا ہے، اسی لئے اس آیت میں رب العالمین پر ایمان لانے والوں اور ان کے اچھے انجام کا ذکر آیا ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَبِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَّ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۱۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کی جانب سے اُن کے بہترین نیک کاموں کو ہم قبول کرتے ہیں، اور اُن کی خطاؤں کو ہم درگزر کرتے ہیں، یہ جنتی لوگ ہیں، اس وعدہ صادق کے مطابق جو اُن سے (دنیا میں) کیا جاتا تھا ﴿۱۶﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، اس کے سوا کوئی نہیں، پھر وہ جب تک زندہ رہے، لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ کے منج پر قائم رہے اور عمل صالح کی پابندی کرتے رہے، انہیں قیامت کے دن نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم۔ ان کا ٹھکانا جنت ہوگا، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بہترین انجام ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت (۱۳) میں لفظ "ثم" اس بات کی دلیل ہے کہ عقیدہ توحید کے بعد ہی عمل صالح کا اعتبار ہوتا ہے۔

(۱۲) انسان کی زندگی میں ایک بہت ہی اہم عمل صالح یہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرے، اور اس کی شقاوت و بدبختی یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم کی تین سورتوں سورۃ العنکبوت (آیت: ۸) سورۃ لقمان (آیت: ۱۴) اور سورۃ الاحقاف کی اس آیت کریمہ میں بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں حالت حمل میں ہر تکلیف گوارا کرتی رہی، اسے اپنے بطن میں ڈھونڈ پھری، اور ولادت کے وقت بھی شدتِ الم سے دوچار ہوئی۔ یہ تمام باتیں انسان سے تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بے حد اچھا سلوک کرے، اور بالخصوص ماں کے ساتھ جس نے تیس ماہ تک مدتِ حمل، وضعِ حمل اور رضاعت کے مراحل سے گزر کر اسے پالا اور بڑا کیا، اور ہر تکلیف کو خوشی خوشی گوارا کیا۔ شوکانی لکھتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ کم سے کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے، اس لئے کہ کامل مدتِ رضاعت دو سال ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت (۳۳) میں آیا ہے: ﴿حَوْلَيْنِ كَمَا مَلَئْتَنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْتَمِ الرِّضَاعَةَ﴾ ”جو شخص مدتِ رضاعت پوری کرنی چاہے وہ جان لے کہ اس کی مدت دو سال ہے“۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کم از کم مدتِ حمل اور کامل مدتِ رضاعت بیان کی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہی رائے عثمان، علی اور کئی دیگر صحابہ کرام کی ہے۔

مومن آدمی ولادت و رضاعت اور نشوونما کے مراحل سے گزرتا ہوا بڑا ہوتا ہے اور بھرپور جوانی کو پہنچ جاتا ہے، اور زندگی گزارتا ہوا جب اس کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے، اور عقل و ہوشمندی میں پختہ ہو جاتا ہے، اور اسے اللہ کے احسانات کے ساتھ اپنے والدین کے احسانات کا احساس شدید ہونے لگتا ہے، تو دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو ہدایت دی ہے، اور مجھ پر اور ان پر ان گنت احسانات کئے ہیں، تو اب ان احسانات کا شکر ادا کرنے کی مجھے توفیق بھی دے، اور مجھے اس بات کی بھی توفیق دے کہ تیری مرضی کے کام کرتا رہوں۔ اور اے میرے رب! میری اولاد میں نیکی کو جاری کر دے، اور ان میں صفتِ صلاح کو رائج کر دے کہ وہ ہر حال میں اس پر قائم رہیں، میرے رب! میں ان گناہوں سے تائب ہوتا ہوں جو میں نے ماضی میں کیا ہے، اور میں تیرے حضور سر تسلیم خم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ تیرے اوامر و نواہی کو مانوں گا اور تیرے حکم کی پیروی کروں گا۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالَيْدِي أُفٍ لَّكُمَا أَتَعِدَانِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَيْتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَنْبِئَانِ اللَّهَ وَإِنَّكَ آمِنٌ إِنْ
وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا سَأطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧٧﴾ وَأُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أَمْرٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِنَ الْبَحْرِ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَيْرِينَ ﴿١٧٨﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا وَلِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٧٩﴾

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میں تم دونوں سے تنگ دل (۱۳) ہوں، کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو کہ میں (اپنی قبر سے زندہ) نکالا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گذر چکی ہیں (اور وہ دنیا میں واپس نہیں آئیں) اور وہ دونوں ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں، اور (اپنے لڑکے سے) کہتے ہیں، تیرا ابراہو، تو ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، وہ کہنے لگا کہ یہ تو گذشتہ قوموں کے افسانے ہیں ﴿۱۷۷﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات صادق آگئی (کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا) جنوں اور انسانوں کی ان جماعتوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گذر چکی ہیں، بے شک وہ لوگ گھانا اٹھانے والے تھے ﴿۱۷۸﴾ اور (مومن و کافر) ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق (ایچھے بائے) درجات ہوں گے، اور تاکہ اللہ ان کے اعمال کا انہیں پورا پورا بدلہ دے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۱۷۹﴾

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: اس میں اشارہ ہے کہ آدمی کی عمر جب چالیس سال ہو جائے تو توبہ کی تجدید کرے، رجوع الی اللہ کرے اور تقویٰ اور عمل صالح والی زندگی گزارنے کا اپنے رب سے عہد و پیمان کرے۔

آیت (۱۶) میں مذکور بالانیک صفت انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کے نیک اعمال کو قبول فرمائے گا انہیں بہت ہی اچھا بدلہ دے گا، اور توبہ کر لینے کی وجہ سے ان کے گناہ معاف کر دے گا، اور ان کے نام اہل جنت کی فہرست میں لکھ دیئے جائیں گے۔ اللہ کا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے دنیا میں انبیاء و رسل کی زبانی کیا جاتا تھا۔

(۱۳) اوپر مومن لڑکے کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اب کافر لڑکے اور اس کی بد اعمالیوں کو بیان کیا جا رہا ہے، کہ جب اس کے والدین نے اسے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کی دعوت دی، تو اس نے ان سے کہا کہ میں تم سے اور تمہاری باتوں سے تنگ آچکا ہوں، کیا تم مجھے اس بات کا یقین دلانا چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد میں اپنی قبر سے دوبارہ اٹھایا جاؤں گا، حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں آئیں اور گذر گئیں، اور کوئی واپس نہیں آیا۔ ماں باپ اس کی کافرانہ باتیں سن کر اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے توفیق ایمان کی دعا کرنے لگے، اور اس سے کہنے لگے کہ اپنی ہلاکت و بربادی سے بچو، ایمان لے آؤ، اللہ کے وعدہ آخرت کی تصدیق کرو، اور اقرار کر لو کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ اللہ کا اپنی مخلوق سے یہ وعدہ برحق ہے کہ وہ انہیں ان کی قبروں سے زندہ اٹھا کر میدانِ محشر میں لاکھڑا کرے گا، تاکہ ان کے اعمال کا انہیں بدلہ چکائے۔ کافر لڑکے نے اپنے ماں باپ کی نصیحت کو ٹھکرا دیا، اور اللہ کے وعدہ آخرت کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ بعث بعد الموت کا عقیدہ گذشتہ قوموں میں رائج ایک افسانہ ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آیت (۱۸) میں انہی بعث بعد الموت اور آخرت کا انکار کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے لئے اللہ کا عذاب واجب ہو گیا، جس کی صراحت سورہ ص آیت (۸۵) میں کر دی گئی ہے: ﴿لَا مَلَأْنَا جَهَنَّمَ مِنْكُمْ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ﴾

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلْهَبْتُمْ طِبَعُكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَإِسْمِعْتُمْ بِهَا وَالْيَوْمَ يُجْزَوْنَ عَذَابَ
 الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَسْفُونَ ۗ وَإِذْ أَخَاعَا إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ
 بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ الثُّدُورُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ الْأَتْعَابُ وَاللَّهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
 عَظِيمٍ ۗ قَالُوا اجْمَعْنَا لِنُفَاكَ عَنِ الْهَيْئَةِ فَاِنْتَابِمَا تَعِدُ نَا إِنَّ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۗ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِن
 آيَاتِكُمْ مَا أَنزَلْنَا لَكُمْ قَوْمًا يَمْهَلُونَ ۗ

اور جس دن اہل کفر آگ کے سامنے (۱۳) لائے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا کی زندگی میں ہی اپنی
 نعمتیں ختم کر لی، اور ان سے لذت اندوز ہو چکے، پس آج تمہیں زمین میں تمہارے ناحق تکبر اور تمہاری نافرمانیوں
 کی وجہ سے ذلت کا عذاب دیا جائے گا ﴿۲۰﴾ اور آپ قوم عاد کے بھائی (۱۵) (ہود) کو یاد کیجئے، جب انہوں نے
 ”احقاف“ میں رہائش پذیر اپنی قوم کو (اللہ سے) ڈرایا، اور ہود سے پہلے اور ان کے بعد بہت سے انبیاء آئے، اور
 کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، میں بے شک ایک بڑے دن کے عذاب سے تمہارے بارے میں ڈرتا ہوں
 ﴿۲۱﴾ قوم عاد نے کہا، کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو تاکہ ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کر دو، اگر تم واقعی
 سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو ﴿۲۲﴾ ہود نے کہا کہ اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے، اور میں
 تو تمہیں وہ پیغام پہنچا دیتا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نادان لوگ ہو ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا کہ ”میں تم سے اور تمہاری پیروی کرنے والوں سے جہنم کو بھر دوں گا“۔ اور اس آیت کریمہ کے
 دوسرے حصہ میں بھی اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ اور آخر میں کہا گیا ہے کہ اصل گھانا پانے والے یہی منکرین قیامت ہیں کہ
 انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لی ہے۔

آیت (۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں قسم کے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے۔ اہل جنت اپنے
 اعمال کے مطابق درجات طے کرتے ہوئے بلندی کی طرف چلے جائیں گے، اور اہل جہنم اپنے گناہوں کے مطابق اسفل السافلین
 کی طرف گرتے چلے جائیں گے اور دونوں فریقوں میں سے کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ
 دیا جائے گا۔

(۱۳) نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ مشرکین مکہ کو اس دن کی یاد دلائیے جب جہنم اور ان کے درمیان سے پردہ اٹھ جائے گا،
 اور آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگیں گے، اور ان سے زجر و توبخ کے طور پر کہا جائے گا کہ تم نے تو دنیا میں اپنی تمام خواہشات
 پوری کر لی اور لذت کی تکمیل کر لی، یہاں اب تمہارے لئے عذاب کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا ہے۔ تم دنیا میں ناحق تکبر کرتے
 تھے، اور اپنے رب کی بندگی سے روگردانی کرتے تھے، اس لئے آج تمہیں ایسا سزاؤں کا عذاب دیا جائے گا، جس سے بڑھ کر کوئی
 ذلت و رسوائی نہیں ہو سکتی ہے۔

(۱۵) ہود علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، اور قوم عاد کے فرد تھے، اسی لئے انہیں ان کا بھائی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو
 حکم دیا کہ آپ اہل قریش کو ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ سنا دیجئے، تاکہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ ان کا مسکن جزیرہ عرب

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالَ هَذَا عَارِضٌ مُسْطَرٌّ بَابِلَ هُوَ مَا اسْتَجَلْتُمْ بِهِ تَدْرِكُهُمْ فِيهَا عَذَابٌ
 أَلِيمٌ ۝ تَدْرِكُ كُلَّ شَيْءٍ مِّمَّا كَرِهَ رَبُّهَا فَاصْبِرُوا لَآيَاتِي الِامْسِكِيهِمْ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ وَلَقَدْ
 مَكَّنَّهُمْ فِيهَا أَنْ مَكَنَّاكُمْ فِيهَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَابْصَارًا وَأَفْئِدَةً ۝ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ
 وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا لَعْنَةً لِيُذَكَّرَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۝

پس جب انہوں نے اس عذاب کو ایک بادل کی شکل میں دیکھا (۱۶) جو ان کی وادیوں کی طرف بڑھ رہا تھا، تو کہنے لگے کہ یہ ایک بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا، بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی، یہ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ﴿۲۴﴾ وہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو نیست و نابود کر رہی تھی، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اب کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا، ہم مجرم قوم کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۲۵﴾ اور (اے کفار مکہ) ہم نے قوم عاد کو ایسی چیزوں کی قدرت (۱۷) دی تھی جن کی قدرت تمہیں نہیں دی ہے، اور ہم نے ان کے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تھے، لیکن ان کے وہ کان اور ان کی وہ آنکھیں اور ان کے وہ دل ان کے کسی کام نہ آئے، اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اسی نے انہیں گھیر لیا ﴿۲۶﴾

کے جنوب میں حضر موت اور عثمان کے درمیان تھا، یہ ایک اُدنیچا اور لبار ریتیلا علاقہ تھا، جہاں ان کے مکانات اور کھیتیاں تھیں، اور یہ لوگ قوی پیکل اور تنومند تھے، آس پاس کی قومیں ان کے ظلم و تعدی سے بہت پریشان رہتی تھیں۔

ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا (جیسے ان سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو ڈرایا تھا) اور کہا کہ لوگو! اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اگر تم نے میری بات نہ مانی تو مجھے ڈر ہے کہ ایک بڑے ہی خطرناک دن کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

قوم عاد نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا، اور ان سے کہا، کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکو، تو سن لو کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، اور تم پر ایمان نہیں لائیں گے، اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ ہم پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے گا تو وہ کر دکھاؤ۔

ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ وہ عذاب آکر رہے گا، لیکن اس کا وقت مجھے معلوم نہیں ہے، اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ میرا کام تو صرف پیغام رسانی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ تم بڑے جاہل اور نادان لوگ ہو، بجائے اس کے کہ تم اپنے رب کی رحمت و مغفرت طلب کرو، اپنے لئے عذاب کی جلدی مچا رہے ہو۔

(۱۶) قوم عاد نے جب اُفق آسمان پر ایک بادل کو پھیلا دیکھا، جو ان کی وادیوں کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ (جو درحقیقت عذاب الہی تھا) تو دل کے اندھے خوشی سے کہنے لگے کہ یہ برسنے والا بادل ہے، تو ہود علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کی تمہیں جلدی تھی، یہ ایک تیز ہوا ہے جو اپنے اندر دردناک عذاب لئے ہوئی ہے، یہ ہوا اپنے رب کے حکم سے تمہاری جان اور مال ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔

وَلَقَدْ أَهَلْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلَّ ضُلُوعُهُمْ وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٩﴾ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْعَجْنِ يَسْتَبْعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿٢٠﴾ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١﴾

اور ہم نے تمہارے گرد و نواح کی بستیوں کو ہلاک (۱۸) کر دیا، اور اپنی نشانیوں کو مختلف انداز میں بیان کیا، تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں ﴿۲۱﴾ پس کیوں نہ مدد (۱۹) کی اُن کی اُن سب نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے معبود بنا رکھا تھا، بلکہ وہ سب اُن سے غائب ہو گئے، اور یہ (معبود سازی) اُن کا جھوٹ اور (اللہ کے خلاف) اُن کی افترا پر دازی تھی ﴿۲۸﴾ اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت (۲۰) کو قرآن سننے کے لئے پھیر دیا تھا، پس جب وہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ تم سب کان لگا کر سنو، جب تلاوت ختم ہو گئی، تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے، در انحالیکہ وہ انہیں عذاب الہی سے ڈرانے والے تھے ﴿۲۹﴾ انہوں نے کہا، اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، جو گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، جو دین برحق اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے ﴿۳۰﴾

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آدمی نے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا، صرف ہود علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھی بچ گئے، اور قوم عاد کے خالی اور ویران مکانات۔

آیت (۲۵) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ انجام بد قوم عاد ہی کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ جو لوگ بھی شرک و محاصی کا ارتکاب کریں گے، اور سرکشی راہ اختیار کریں گے، چاہے وہ اہل مکہ ہوں یا دوسرے لوگ، ان کا بھی ایسا ہی انجام ہوگا۔ (۱۷) اللہ تعالیٰ نے اہل قریش سے کہا ہے کہ ہم نے قوم عاد کو جسمانی قوت اور مال و دولت کا جو حظ وافر عطا کیا تھا، وہ تمہیں نہیں دیا ہے، اور انہیں اللہ کی نصیحتیں سننے کے لئے کان دیئے تھے، اور اس کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں دی تھی، اور نافع اور ضار اشیاء میں تمیز کرنے کے لئے دل دیا تھا، لیکن انہوں نے اللہ کی ان نعمتوں کا استعمال اپنی بھلائی کے لئے نہیں کیا، اس کی آیتوں کا انکار کر دیا اور ان کا مذاق اڑایا، تو عذاب الہی نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اہل قریش کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے، تو ان کا حشر بھی وہی ہو گا جو قوم عاد کا ہوا تھا۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل قریش! تمہارے قرب و جوار میں پائی جانے والی کئی بستیوں کو ہم نے ماضی میں تباہ کیا، جیسے قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین کی بستیاں، ہم نے انہیں تہ و بالا کر دیا، اور مختلف طریقوں سے انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، اور انہیں بہت سمجھا تا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے سے باز آجائیں، لیکن ہر تدبیر ناکام رہی، اور جوں جوں دوا کی، مرض بڑھتا ہی گیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان کی مدد کے لئے کوئی نہیں آیا۔

(۱۹) اے اہل قریش! اگر وہ قومیں اپنے اس دعویٰ میں سچی تھیں کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتی ہیں وہ انہیں ان کے رب سے قریب

يَقَوْمَنَا أَجْبَادًا عِىَ اللّٰهُ وَأَمْثَالِهِ يُعْزِرُ لَكُمْ مَن ذُنُوبِكُمْ وَ يُجْرِكُمْ مَن عَذَابِ اللّٰهِ ۖ وَمَن لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعِيزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ وَمَن لَّا يَأْتِ بِبُرْهَانٍ فَاُولَٰئِكَ أَهْلُ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو، اور اُس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور دردناک عذاب سے تمہیں نجات دے گا ﴿۳۱﴾ اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا، تو وہ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا، وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿۳۲﴾

کر دیں گے، اور ان کے لئے سفارشی بنیں گے تو پھر انہیں عذاب الہی سے کیوں نہیں بچالیا، اُس وقت تو ان کا پتہ ہی نہیں تھا، یہ سب ان کی اس افتخار پر دازی کا نتیجہ تھا کہ وہ اصنام ان کے معبود ہیں، اور اللہ کے نزدیک ان کے سفارشی بنیں گے۔ (۲۰) مفسرین لکھتے ہیں کہ ان آیات سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ انسانوں کی طرح جنوں کے بھی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اور جنوں نے آپ کی زبانی قرآن کریم سنا، اور ان میں سے جنہیں اللہ نے توفیق دی وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آپ کفار مکہ سے اس دن کا ذکر کر دیجئے جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کے پاس پہنچادیا، تاکہ آپ کی زبانی قرآن کریم سنیں۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچے تو آپ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سب خاموشی اختیار کریں اور قرآن کو غور سے سنیں۔ آپ کی تلاوت سن کر جن بہت متاثر ہوئے، اور آپ پر ایمان لے آئے، چنانچہ تلاوت ختم ہوتے ہی سب اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان سے کہا کہ ہم نے اُس قرآن کریم کی تلاوت سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی تورات کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ جو اس پر ایمان نہیں لائے گا اس کے لئے کوئی خیر نہیں ہے۔

عطاء کا قول ہے کہ وہ جن یہودی تھے، اور قرآن سن کر نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آئے تھے۔ خازن نے لکھا ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں میں بھی مختلف ادیان و مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ ان میں بھی یہود و نصاریٰ، مجوس اور بتوں کے پجاری ہیں۔ اور ان کے مسلمانوں میں بعض اہل بدعت ہوتے ہیں اور بعض باطل عقائد والے ہیں۔

جنوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! یہ قرآن گذشتہ آسمانی کتابوں (صحائف ابراہیم، تورات اور زبور و انجیل وغیرہ) کی تائید و تصدیق کرتا ہے، یعنی اس کی دعوت بھی وہی دعوت توحید ہے جو دیگر آسمانی کتابوں کی دعوت تھی۔ یہ قرآن دین حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

لوگو! اللہ کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ، اور ان کی دعوت توحید کو قبول کر لو، اللہ تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو معاف کر دے گا جو تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گے (البتہ وہ گناہ جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہوگا، انہیں یا تو وہ بندے معاف کریں گے یا یہ کہ ان کے حقوق انہیں واپس کر دیئے جائیں) اور تمہیں آگ کے دردناک عذاب سے نجات دے گا۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ آیت (۳۱) اس بات کی دلیل ہے کہ اوامر و نواہی اور ثواب و عقاب میں جن و انس برابر ہیں۔ مالک، شافعی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہم کا یہی خیال ہے۔ اور حسن بصری کہتے ہیں کہ مومن جنوں کا ثواب یہی ہے کہ انہیں عذاب نار سے نجات

دے دی جائے گی، اس کے بعد بہائم کی طرح مٹی ہو جائیں گے۔ امام ابو حنیفہ کی یہی رائے ہے۔

شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن آیات (۳۶/۳۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَمَنِ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ۖ فِيهَا أَيْلَانٌ ۖ يَكْتُمُونَ فِيهَا لُحْمًا يُغْتَمَبُ فِيهَا عَمَزَاتٌ ۖ لَبَّتْ لَهَا وَالْوَدُنُ يُغْوَىٰ عَلَيْهَا ۖ فِيهَا جَنَّاتٌ ۖ أَلْفَاظٌ مِّن دُونِ الْأَلْفَاظِ ۚ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَجَاجِلًا تُظَلِّمُونَ ۚ﴾ اور اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور جنتیں ہیں، پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی جنت جن و انس دونوں کے مومنوں کو ملے گی۔ اور عقل اور عدل و انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جب کافر جنوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان کے مومنوں کو جنت اور اس کی نعمتوں سے نوازا جائے۔

جنوں نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے اپنی قوم سے کہا: لوگو! جو شخص نبی کریم ﷺ کی دعوت کو حید کو قبول نہیں کرے گا، اور ان پر اور قرآن پر ایمان نہیں لائے گا، وہ اللہ سے بھاگ کر کہاں جائے گا، زمین کا ایک ایک حصہ اس کے زیر تصرف اور زیر حراست ہے۔ اس کی گرفت سے کون بچ سکتا ہے، اور اس کے مقابلے میں کون ایسے شخص کی مدد کر سکتا ہے۔ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے وہ کھلی گمراہی میں پڑ جائیں گے، اور کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔

جنوں کا نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن کریم سننے اور آپ سے دین کی باتیں سیکھنے سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے بارہا قرآن کریم سنا، جن میں سے بعض کا قرآن کریم میں اور بعض کا احادیث میں ذکر آیا ہے، اور آپ سے ان کی بہت سی ملاقاتوں کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن و سنت میں نہیں آیا ہے، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نبی کریم ﷺ جنوں کی ہدایت کے لئے بھی مبعوث کئے گئے تھے، اس لئے بہت سے جن آپ کی مجلسوں میں حاضر ہو کر آپ سے اسلام کی تعلیم حاصل کرتے رہے، بلکہ صحیح مسلم میں مروی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک رات آپ ﷺ جنوں کی درخواست پر اکیلے ان کی قوم کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی تعلیم دی۔ اور مسند احمد میں مروی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دوسری بار آپ ﷺ جب جنوں کو اسلام کی تعلیم دینے گئے تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ گئے تھے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں جنوں کے جس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اس کے بارے میں محمد بن اسحاق نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب آپ ﷺ طائف والوں کے قبول اسلام سے مایوس ہو کر مکہ مکرمہ واپس ہو رہے تھے، اور رات کو وادی نخلہ میں ٹھہر گئے تھے، تو نصیب سبین کے جنوں نے آپ کی زبانی قرآن کریم کی تلاوت سنی۔

اس واقعہ کو حاکم، ابن مردودہ، ابو نعیم اور بیہقی نے بھی اختصار کے ساتھ روایت کی ہے، جس میں آیا ہے کہ ان جنوں کی تعداد نو تھی، اور ان میں سے ایک کا نام زولجہ تھا۔ مسند احمد کی ایک صحیح روایت میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔ روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جنوں کی آمد اور قرآن کریم سننے کا علم اُس وقت ہوا جب یہ آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔

حافظ ابن کثیر کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن کی تلاوت سننے کا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا، جیسا کہ مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے جن وحی سادی سن لیا کرتے تھے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جب انہوں نے ایسی کوشش کی تو انہیں انگاروں سے مارا جانے لگا۔ چنانچہ اہلبیس نے جنوں کو پتہ لگانے کے لئے بھیجا، تو انہوں نے آپ ﷺ کو وادی نخلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان قرآن پڑھتے پایا۔

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْزُبْ عَنْهُ مَلَكٌ يُبَلِّغُ إِلَيْهِ أَمْرًا أَنَّ يَوْمَ يَعْرُضُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَلَى النَّارِ الْكَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٢١﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ لَمْ يَكُنِ الْإِنْسَانُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ﴿٢٣﴾

کیا ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا (۲۱) کیا ہے، اور ان کی تخلیق سے نہیں تھکا ہے، وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے، ہاں، وہ بے شک ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۳﴾ اور جس دن اہل کفر آگ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے پوچھا جائے گا) کیا یہ حقیقت (۲۲) نہیں ہے تو وہ کہیں گے، ہاں، ہمارے رب کی قسم! اللہ کہے گا تو پھر تم اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ اچھکتے رہو ﴿۲۳﴾ پس اے میرے نبی! آپ صبر (۲۳) کیجئے، جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا، اور ان کے لئے عذاب کی جلدی نہ کیجئے، جس دن وہ لوگ اُس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (تو ان کی حالت ایسی ہوگی کہ) جیسے وہ دنیا میں دن کی صرف ایک گھڑی ہی رہے تھے، یہ کام ایک پیغامِ الہی ہے، پس گناہ گاروں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا ﴿۳۵﴾

یہ روایت بتاتی ہے کہ جنوں نے ابتدائے وحی میں ہی آپ کی زبانی قرآن سنا تھا، لیکن طائف سے واپسی کے وقت وادیِ نخلہ میں آپ کی زبانی قرآن سننے کے بعد، ان کے وفود آپ ﷺ کے پاس پے در پے آنے لگے اور اسلام کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

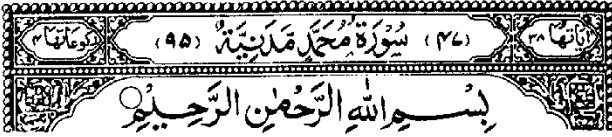
(۲۱) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بعث بعد الموت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا انہیں اتنی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر مطلق نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کوئی نمونہ دیکھے پہلی بار پیدا کیا ہے، اور ان کی تخلیق سے اسے کوئی آئینہ اور پریشانی لاحق نہیں ہوئی، وہ یقیناً مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲۲) مکرمین قیامت کفار جب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، اس وقت اللہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم اب بھی سمجھتے ہو کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا برحق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! اب تو یہ حقیقت ہمارے لئے ایسی آشکارا ہو گئی ہے کہ ہم ہرگز اس کا انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ تب اللہ ان سے کہے گا کہ پھر تم اپنے کفر کی بدولت اب اسی جہنم میں جلتے رہو۔

(۲۳) توحید و رسالت اور بعث بعد الموت کے حقائق و دلائل و براہین کے ذریعہ ثابت کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دعوت کی راہ میں صبر کرنے کا حکم دیا ہے، اور آپ ﷺ سے پہلے جو اولوالعزم انبیاء گذرے ہیں، ان کی سیرت کو اپنے لئے نمونہ بنانے کی نصیحت کی ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اولوالعزم انبیاء سے مراد نبی کریم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ بعض نے ان کی تعداد چھ اور بعض نے نو بتائی ہے۔ اور ان سے مراد وہ انبیاء کرام ہیں جنہوں نے دعوتِ حق کی راہ میں ایسی تکلیف اٹھائی جو دیگر انبیاء کی طاقت سے باہر کی بات تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ بھی نصیحت کی ہے کہ اہل قریش کے ظلم و طغیان سے تنگ دل ہو کر ان کے لئے عذاب کی جلدی



الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّاعُنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝

سورہ محمد مدنی ہے، اس میں اڑتیس آیتیں ہیں، اور چار رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے کفر^(۱) کی راہ اختیار کی، اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا، اور محمد پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لائے، اور وہی ان کے رب کا دینِ برحق ہے، اللہ نے ان کے گناہ مٹا دیئے، اور ان کی حالت کی اصلاح کر دی ﴿۲﴾ یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے باطل کی پیروی کی، اور جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے اپنے رب کے دینِ برحق کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کی اصلاح کے لئے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ﴿۳﴾

نہ کریں، کیوں کہ وہ تو اتنا قریب ہے کہ جب اہل کفر روزِ قیامت کی ہولناکیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، تو مارے دہشت کے بھول جائیں گے کہ وہ دنیا میں کتنے دن ٹھہرے تھے۔

نیز فرمایا کہ یہ قرآن اور جو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں، مشرکین مکہ کی عبرت و نصیحت کے لئے کافی ہیں۔ پس انہیں چاہئے کہ عبرت حاصل کریں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اور اگر وہ کفر و شرک سے تائب نہیں ہوتے تو انہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ کا عذاب انہی لوگوں کو ہلاک کرتا ہے جو اپنے رب کے نافرمان اور سرکش بندے ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورہ محمد

نام : آیت (۲) ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اس سورت کا ایک دوسرا نام ”قتال“ بھی ہے، جو آیت (۲۰) ﴿فَإِذَا أَنْزَلْنَا سُورَةً مُحْكَمَةً وَذَكَرْنَا فِيهَا الْقِتَالَ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَطَرًّا الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول : ماوردی کا قول ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ نے آیت (۱۳) ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ آیت جتہ الوداع کے بعد مکہ سے روانگی کے وقت نازل ہوئی تھی، اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھا۔

(۱) ذیل میں مذکور تین آیتوں میں نیکیوں اور گناہ گاروں کے ثواب و عقاب کا ذکر آیا ہے، تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں، گناہوں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَضْرَبِ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَتَاقَٰتُ وَأَمَّا مَنَابِعُهُمْ فَيَٰحْتَسِبُونَ أَنَّهُمْ مُّسِيئُونَ
 الْحَرْبِ أَوْ آذَانَهُمْ ذَلِكُمْ وَكُنُوزِ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصِرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ
 اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَجْزِيهِمْ وَيُصَلِّحُهُم بِاللَّهِ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

پس مسلمانو! جب (میدان جنگ میں) کافروں کے ساتھ تمہاری ٹڈ بھینز (۲) ہو، تو ان کی گردنوں پر ضربیں لگاؤ، یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر لو، تو باقی ماندہ کو اچھی طرح باندھو، اس کے بعد انہیں یا تو ان پر احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر، یہاں تک کہ جنگ بند ہو جائے، یہ اللہ کا حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان پر غالب آجاتا، لیکن وہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمانا چاہتا ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے، اللہ ان کے نیک اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ﴿۳﴾ وہ عنقریب اپنی راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا ﴿۵﴾ اور انہیں جنت میں داخل کرے گا، جس کی پہچان اس نے انہیں دنیا ہی میں کرادی تھی ﴿۶﴾

سے اجتناب کریں، اور نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن سردارانِ کفر و ضلالت نے اللہ اور اس کی آیتوں کا انکار کیا، توحید باری تعالیٰ کے منکر ہوئے اور جھوٹے معبودوں کی عبادت کی، اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکا، اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے خلاف ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا، بلکہ ان کو ان ہی کی گردنوں کا پھندا بنا دیا، اور قیامت کے دن ان کے وہ نیک اعمال بھی رائیگاں ہو جائیں گے جنہیں وہ حالتِ کفر میں کرتے تھے، اور توقع کرتے تھے کہ انہیں ان کا اجر ملے گا۔

اور جو لوگ تمام آسمانی کتابوں پر بالعموم اور نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ قرآن پر بالخصوص ایمان لائے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے تمام گزشتہ جھوٹے اور بڑے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور آئندہ کی زندگی میں انہیں گناہوں سے محفوظ رکھے گا، اور خیر کے کاموں کی توفیق دے گا۔

علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ اگرچہ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں داخل ہے، لیکن اس کا ذکر بطور خاص اس کی عظمتِ شانِ اُجاگر کرنے اور اس بات کی تعلیم دینے کے لئے ہوا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور ممکن نہیں ہے۔ اس معنی کی تائید، اس کے بعد والے جملے ﴿وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ سے ہوتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم تمام گزشتہ آسمانی کتابوں کے لئے ناخ ہے۔ یعنی اس کے آجانے کے بعد اب کسی آسمانی کتاب کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔

آیت (۳) میں مذکور بالا فیصلے کی علت بیان کی گئی ہے کہ کافروں کے اعمال اس لئے ضائع ہوئے کہ انہوں نے باطل یعنی شرک باللہ اور دیگر معاصی کا ارتکاب کیا، اور مومنوں کے گناہ اس لئے معاف کر دیئے گئے، اور خیر کی راہ کی طرف ان کی اس لئے رہنمائی کی گئی کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان لائے، شرک سے دور رہے اور اچھے اعمال کئے۔ دونوں جماعتوں کے حالات اُمتوں اور قوموں کے لئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی جو کوئی بھی کافر ہو گا اس کے سارے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے، قیامت کے دن اُسے اُن سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اور جو مومن ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

(۲) اوپر کی آیتوں میں مشرکین کی ایک مجرمانہ صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔

ان کے اس فعل شنيع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم مرتب کیا کہ مسلمانو! جب میدان جنگ میں تمہاری مڈبھیڑ اُن سے ہو تو ان کی گردنوں پر کاری ضربیں لگاؤ، یعنی ان میں سے جو لوگ تمہاری تلواروں کی زد میں آجائیں انہیں ٹھکانے لگاؤ، اور جب دیکھو کہ تمہارا غلبہ یقینی ہو گیا ہے، اور دشمن کے باقی افراد شکست خوردہ ہو کر تمہارے قیدی ہو گئے ہیں، تو ان کے ہاتھ اور پاؤں خوب اچھی طرح باندھ دو، تاکہ دھوکہ دے کر کہیں تمہیں قتل نہ کرنے لگیں، یا بھاگ نہ جائیں۔

اور ان قیدیوں کو یا تو ان پر احسان کرتے ہوئے بلا معاوضہ آزاد کر دو، اس لئے کہ اب ان کے غرور کا نشہ ٹوٹ چکا ہے، یا فدیہ اور معاوضہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔ وہ معاوضہ یا تو مال ہو یا دشمن کے پاس موجود کوئی مسلمان قیدی، جسے وہ مسلمانوں کے پاس موجود کسی کافر قیدی کے بدلے آزاد کر دیں۔

اور یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہے جب تک جنگ ختم نہ ہو جائے، اور مشرکین یا تو اسلام قبول کر لیں، یا شکست مان کر جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۱۹۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ ”ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے، اور اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے“۔

علمائے سلف کے درمیان اس آیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ محکم ہے یا منسوخ، یعنی اس میں بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر دشمن کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ باقی ہے، یا منسوخ ہو گیا۔ اور بت پرست قیدیوں کو بہر حال قتل کر دینا ہے:

۱- ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور سدی کہتے ہیں کہ اس آیت میں بیان کردہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، اور سورۃ التوبہ کی آیت (۵) ﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ ”مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو“ کے مطابق اب ہر مشرک جنگی قیدی کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے سوائے بچوں، عورتوں اور ان لوگوں کے جن سے جزیہ لینے کی بات طے ہو گئی ہو۔

۲- اور ابن عمر، عطاء، حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز کی رائے ہے کہ یہ آیت، سورۃ التوبہ کی آیت (۵) ﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ کے لئے ناسخ ہے۔ اور اب مشرک جنگی قیدی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر اسے آزاد کر دینا ہے۔

۳- اور ابن جریر، شوکانی اور صاحب محاسن التزیل کی رائے ہے کہ یہ آیت محکم ہے، یعنی اس کا حکم باقی ہے، اور قیدیوں کا معاملہ حاکم وقت کے سپرد ہوگا، اگر اس کی نظر میں ان میں سے بعض کو قتل کر دینا ہی بہتر ہوگا، تو وہ انہیں قتل کر دے گا، اور اگر چاہے گا تو بلا فدیہ یا فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دے گا، یا انہیں غلام بنا لیا جائے گا، اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں گے، یا جزیہ لگا کر انہیں بطور ذمی اسلامی سلطنت میں رہنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ جنگی قیدیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے تاریخی فیصلے اسی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ ائمہ کرام مالک، شافعی، ثوری، اوزاعی اور ابو عبید وغیرہم کا یہی قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اوپر بیان کردہ حکم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کافروں کے بارے میں اللہ کا یہی حکم ہے، نیز فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو مسلمانوں کو کافروں پر بغیر جنگ کئے ہی فتح و نصرت دے دیتا، یعنی انہیں کسی عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ مومنوں کو ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو کہ کون اس کی راہ میں اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے، اور صبر و ثبات قدمی کا اظہار کر کے اجر جزیل اور ثواب عظیم کا حقدار بنتا ہے۔ اور تاکہ اللہ مومنوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَصُورُوا اللَّهَ يَصْرِكُمْ وَيُكْفِرُكُمْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا لَهُمْ وَالصَّلَٰةُ أَغْمَالُهُمْ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطُوا أَعْمَالَهُمْ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ دَمَرُوا اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَوَلَّىٰ الْكَافِرِينَ أَمْثَالَهُمْ ۝ ذَلِكَ يَأْتِي اللَّهُ مَوْلَىٰ الَّذِينَ آمَنُوا وَإِنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ۝

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد (۳) کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدمی عطا کرے گا ﴿۷۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، اُن کے لئے بربادی ہے، اور اُن کے اعمال کو وہ ضائع کر دے گا ﴿۷۸﴾ یہ اس لئے ہو گا کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ قرآن سے نفرت کی تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ﴿۷۹﴾ کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے دیکھا نہیں کہ ان کافروں کا کیسا انجام (۴) ہوا جو اُن سے پہلے گذر چکے ہیں، اللہ نے اُن کے اوپر سے ان کے گھروں کو تباہ کر دیا، اور مکہ کے کافروں کے لئے بھی ایسی ہی سزا ہے ﴿۸۰﴾ ایسا اس لئے ہو گا کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے، اور بے شک کافروں کا کوئی یار و مددگار نہیں ﴿۸۱﴾

بیز فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرتا ہے، انہیں اس راہ پر چلنے کی توفیق دیتا ہے جو جنت کی طرف لے جاتی ہے، ان کے تمام اُمور و احوال کو ٹھیک کر دیتا ہے، اور بالآخر انہیں اس جنت میں پہنچا دیتا ہے جس کی نعمتوں کی تفصیلات اور وہاں کے منازل و مقامات کے اوصاف اس نے قرآن کی بہت سی آیتوں میں اور اس کے رسول ﷺ نے بہت سی احادیث میں اس طرح بیان کر دیئے ہیں کہ اہل جنت وہاں پہنچتے ہی از خود اپنی اپنی جگہوں کو پہچان لیں گے۔

امام بخاری نے کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اہل جنت اپنی منزلوں تک اپنے دنیاوی گھروں سے بھی زیادہ جلدی اور آسانی کے ساتھ پہنچ جائیں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے مجاہد بندوں سے فتح و کامرانی کا وعدہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر وہ لوگ اس کے دین کی خاطر اس کے دشمنوں سے قتال کریں گے تو وہ ان کی مدد کرے گا، انہیں غالب بنائے گا، ہر معرکہ جہاد میں انہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا، اور دشمنوں کی زمین و جاگہ ادا کا انہیں وارث بنا دے گا۔

اور اہل کفر کو منہ کی کھانی پڑے گی، ہلاکت و بربادی ان کا نصیب ہوگی، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال را نگاہ کر دے گا، ان کے ساتھ اللہ کا یہ برتاؤ اس لئے ہو گا کہ انہوں نے قرآن کریم سے نفرت کی، اور اُس میں بیان کردہ احکام کو پس پشت ڈال دیا، اس لئے اللہ ان کے ان تمام اعمال کو ضائع کر دے گا جو بظاہر اچھے ہوں گے، اس لئے کہ کافر کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہوتا ہے، اور اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی زجر و توبیخ کی ہے، اور اپنے گرد و نواح میں پائی جانے والی کافروں کی ہلاکت و بربادی کے آثار دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت کی ہے، اور کہا ہے کہ اللہ نے ان کے کفر و شرک اور تکذیب انبیاء کی وجہ سے کس طرح انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اور ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا، نیز فرمایا کہ ہر دور میں کافروں کا ایسا ہی انجام ہوا ہے، اور ہوتا رہے گا۔ اس لئے مشرکین مکہ سوچتے کیوں نہیں کہہیں اُن کا انجام بھی ایسا ہی نہ ہو۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَسْتَمِعُونَ وَبِأَكْبَرُونَ
كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَأْوَى لَهُمْ ۗ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتِكَ أَهْلَكَ اللَّهُمَّ فَلَا تَأْخِذْ
لَهُمْ ۗ أَفْسُنُ كَانَ عَلَى بَيْتِكَ ۗ مَنْ زَكَّاهُ كَمَنْ زَكَّاهُ ۗ مَنْ زَكَّاهُ كَمَنْ زَكَّاهُ ۗ مَنْ زَكَّاهُ كَمَنْ زَكَّاهُ ۗ مَنْ زَكَّاهُ كَمَنْ زَكَّاهُ ۗ

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان (۵) لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور اہل کفر (دنیا میں) خوب لذت اندوز ہوتے ہیں، اور جانوروں کی طرح کھاتے ہیں، اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے ﴿۱۳﴾ اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو آپ کی اس بستی سے زیادہ طاقت (۶) والی تھیں جس نے آپ کو نکال دیا ہے، ہم نے ان بستی والوں کو ہلاک کر دیا، اور کوئی اُن کا مددگار نہ تھا ﴿۱۳﴾ کیا وہ شخص جس نے اپنے رب کی طرف سے ایک واضح راستہ پر گامزن ہو، اس کے مانند ہوگا جس کی بد اعمالیاں اس کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دی گئی ہوں، اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوں ﴿۱۳﴾

اور اللہ نے اپنے مومن و مجاہد بندوں کو فتح و کامرانی کی جو خوشخبری دی ہے، اور اہل کفر و شرک کے لئے دونوں جہان میں جس ذلت و رسوائی کی خبر دی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہر حال میں مومنوں کا یار و مددگار ہوتا ہے، جبکہ کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا، اور جسے اللہ چھوڑے اس کی کون مدد کر سکتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا نیک عمل کرنے والے مومنوں سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور اہل کفر کا دنیا میں حال یہ ہوتا ہے کہ وہ فکرِ آخرت سے یکسر غافل، اپنی لذتوں اور نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہتے ہیں، ایسے اہل کفر کا ٹھکانا مرنے کے بعد جہنم ہوگا۔

(۶) اس آیت کریمہ میں اہل مکہ کے لئے زبردست دھمکی اور شدید وعید آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ لیامِ گذشتہ میں بہت سی ایسی بستیاں پائی گئی ہیں جن کے رہنے والے، آپ کی بستی مکہ کے رہنے والوں سے زیادہ طاقت ور اور زیادہ مال و جاہ والے تھے، جب ان کے رہنے والوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور کوئی ان کی مدد کے لئے نہیں آیا۔ اب جبکہ اہل مکہ نے آپ کو یہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا ہے، اور آپ کی تکذیب پر اصرار کر رہے ہیں، تو ہم اس پر بے شک قادر ہیں کہ انہیں ہلاک کر دیں، لیکن چونکہ ہم نے آپ کو رسولِ رحمت بنا کر بھیجا ہے، اسی لئے ان کے ہلاک کئے جانے میں جلدی نہیں کی جا رہی ہے۔

آیت (۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر اور موحد و مشرک کا فرق واضح کر کے مشرکین مکہ کو دعوتِ ایمان دی ہے، اور انہیں اپنی حالت بدلنے کی نصیحت کی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص علم و برہان کی روشنی میں صحیح عقیدے کا حامل ہو، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والا، اور صرف اسی کی عبادت کرنے والا ہو، کیا وہ اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے، جس کے کفر و شرک کو شیطان نے اس کی نظر میں جائز اور خوبصورت بنا دیا ہو، اس لئے وہ بتوں کی پرستش کرتا ہے، اور اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے؟ جو اب معلوم ہے کہ جس طرح زندگی اور موت، اور جنت و جہنم برابر نہیں ہیں، اسی طرح مومن و کافر اور موحد و مشرک برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝

اس جنت کی مثال (۷) جس کا پر ہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں کبھی خراب نہ ہونے والے پانی کی نہریں جاری ہیں، اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ کبھی نہیں بدلے گا، اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے نہایت لذیذ ہوگی، اور خالص شہد کی نہریں ہیں، اور ان کے لئے اس میں انواع و اقسام کے پھل ہیں، اور انہیں اپنے رب کی مغفرت ملے گی، کیا یہ اہل جنت ان کے مانند ہوں گے جو ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلتے رہیں گے، اور جنہیں کھولتا ہوا گر مپانی پلایا جائے گا، جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا ﴿۱۵﴾

(۷) جس طرح مومن و کافر اور موحد و مشرک کے درمیان فرق ہے، اسی طرح روز قیامت ان کے دائمی ٹھکانوں میں بھی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس جنت کے اوصاف جس کا قیامت کے دن اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہیں کہ اس میں پانی کی ایسی نہریں ہوں گی جن کا پانی کبھی بھی بد مزہ نہیں ہوگا، اور اس میں دودھ کی ایسی نہریں ہوں گی جن کا دودھ نہایت سفید اور نہایت میٹھا ہوگا، اور کبھی کھٹا نہیں ہوگا، اور اس میں شراب کی ایسی نہریں ہوں گی جن میں پانی جانے والی شراب دیکھنے میں نہایت خوبصورت اور پینے والوں کے لئے نہایت لذیذ ہوگی، اہل جنت کا جی ان کے پینے سے کبھی نہیں اکتائے گا۔ سورۃ الصافات آیات (۳۷، ۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿بَيْنَمَا نَلْذَةُ لَلشَّارِبِينَ * لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْفَوْنَ *﴾ "جنت کی شراب صاف شفاف اور پینے میں نہایت لذیذ ہوگی، نہ اس کے پینے سے درد سر ہوگا، اور نہ جنتی اُسے پی کر بھکیں گے۔" اور اس میں ایسے شہد کی نہریں ہوں گی جو موم، یا چھتے کے ٹکڑوں اور ہر میل کچیل سے صاف ہوگا۔ اور اہل جنت کو وہاں مذکور بالا مشروبات کے علاوہ انواع و اقسام کے پھل بھی ملیں گے۔ سورۃ الدخان آیت (۵۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَذُوقُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمْنِينَ *﴾ "وہاں وہ ہر طرح کے میوؤں کی فرمائش کریں گے، اور بہت ہی پرسکون ہوں گے۔" اور سورۃ الرحمن آیت (۵۲) میں فرمایا ہے: ﴿فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ وَرِجَانٍ *﴾ "ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوؤں کی دو قسمیں ہوں گی۔"

مسند احمد اور سنن ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ معاویہ بن حیدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جنت میں دودھ کا سمندر ہوگا، پانی کا سمندر ہوگا، شہد کا سمندر ہوگا، اور شراب کا سمندر ہوگا، اور ان سمندروں سے نہریں جاری ہوں گی۔

اہل جنت پر اللہ تعالیٰ یہ بھی احسان کرے گا کہ ان کے چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ جن خوش نصیب لوگوں پر اللہ کے اتنے عظیم احسانات ہوں گے، کیا وہ ان کے مانند ہوں گے جو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، اُس سے کبھی نہیں نکلیں گے، اور جنہیں پینے کے لئے اتنا شدید گرم پانی ملے گا کہ پیتے ہی ان کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سڑیں گے راستے باہر نکل جائیں گی۔

وَمِنْهُمْ مَن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنبَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۗ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًىٰ وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۗ فَهُمْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَتْرَابًا فَأُولَٰئِكَ هُمُ إِذَا جَاءَهُمْ ذُكِرْتُمْ ۝

اور ان میں سے بعض آپ کی باتیں کان لگا کر سنتے (۸) ہیں، یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو اہل علم صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے، اور اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں ﴿۱۶﴾ اور جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا، اللہ نے انہیں اور زیادہ ہدایت دی، اور انہیں ان کے حصہ کے تقویٰ سے نوازا ﴿۱۷﴾ پس وہ لوگ صرف قیامت کا انتظار (۹) کر رہے ہیں، کہ وہ اچانک انہیں آئے، چنانچہ اس کی نشانیاں تو آئی ہی گئیں، پس جب وہ آدھمکے گی تو وہ لوگ اس سے کہاں عبرت حاصل کر سکیں گے ﴿۱۸﴾

(۸) نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے جب خطبہ دیتے، تو منافقین بھی شریک ہوتے، اور ظاہر کرتے کہ وہ آپ ﷺ کی باتیں خوب غور سے سن رہے ہیں۔ اور جب آپ ﷺ کی مجلس سے باہر آتے تو علمائے صحابہ (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء وغیر ہم) سے استہزاء کے طور پر پوچھتے کہ ابھی اس نے (یعنی محمد نے) کیا بیان کیا ہے، ہماری سمجھ میں تو اس کی باتیں نہیں آتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ منافق ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے، اس لئے خیر کی کوئی بات ان میں داخل ہی نہیں ہوتی ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اسی لئے قبول حق کے بجائے کفر و نفاق پر مصر ہیں۔

ان منافقین کے برعکس جن صحابہ کرام نے راہ حق کو اپنایا، اللہ پر ایمان لائے، اور عمل صالح کیا، انہیں اللہ نے اتباع حق کی مزید توفیق دی اور تقویٰ والی زندگی گزارنے پر ان کی مدد فرمائی، یعنی انہیں علم نافع اور عمل صالح کی توفیق سے نوازا۔ (۹) اہل کفر کی ہٹ دھرمی سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اب انہیں اسی کا انتظار ہے کہ اچانک قیامت آجائے، تو وہ جان لیں کہ اس کی علامتیں ظاہر ہونے لگی ہیں۔ حسن بصری اور ضحاک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت قرب قیامت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری بعثت اور قرب قیامت کی مثال ان دو انگلیوں کی مانند ہے، اور آپ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے سے قریب ہیں، اسی طرح میں قیامت کے بالکل قریب بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے متعدد احادیث میں قرب قیامت کی نشانیاں بتائی ہیں، جن میں بعض کا ظہور ہو چکا ہے، اور بعض ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی ہیں۔ بعض حضرات نے اس آیت میں مذکور نشانیوں میں شق قمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونے) اور دھواں کے ظہور کو بھی شمار کیا ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں نے دوسری نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت آجائے گی، اس وقت ماضی کو یاد کر کے افسوس کرنے سے کافروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس لئے کہ وہ وقت عمل کا نہیں، بلکہ مکافات عمل کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر آیت (۲۳)

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثُوكُمْ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَتُحَكَّمَةٌ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَعَاةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ۝ وَإِذَا عَزَمْتَ الْأُمُورَ فَلَوْذَا تَوَالَّى اللَّهُ لَكَ إِنْ كَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۝

پس اے میرے نبی! آپ جان لیجئے کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود (۱۰) نہیں ہے، اور آپ اپنے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کرتے رہئے، اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی، اور اللہ تم سب کی نفل و حرکت اور اقامت و رہائش سے خوب واقف ہے ﴿۱۹﴾ اور اہل ایمان کہتے ہیں کہ (جہاد کے لئے) کوئی سورت (۱۱) کیوں نہیں نازل کی گئی ہے، پس جب ایک محکم سورت نازل کی گئی، اور اُس میں جہاد کا حکم بیان کیا گیا، تو آپ نے ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی، وہ آپ کی طرف اُس آدمی کی نظر سے دیکھ رہے تھے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پس بربادی ہے ان کے لئے ﴿۲۰﴾ فرمانبرداری اور اچھی بات کہنا اُن کے لئے زیادہ بہتر تھا، پس جب جہاد کا پختہ ارادہ ہو گیا، تو ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ صدق و صفا کا معاملہ ہی اُن کے لئے بہتر تھا ﴿۲۱﴾ میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۝﴾ ”اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی، مگر تب اس کے سمجھنے کا کیا فائدہ؟“

(۱۰) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اوپر کی آیتوں میں جب ایمان و کفر اور توحید و شرک کا فرق واضح کر دیا گیا، اور دونوں کے نتائج بھی بیان کر دیئے گئے، تو اے میرے نبی! آپ ٹھیک سے اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اس اللہ کے سوا جو سارے جہان کا خالق و مالک ہے، کوئی دوسرا معبود نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے، پس آپ اسی عقیدہ پر جم جائیے، اس سے سزا و نحراف نہ کیجئے، اور اپنے رب سے اپنے لئے مغفرت طلب کرتے رہئے تاکہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، یا کبھی کبھار ترک اوّلیٰ کے لئے مغفرت طلب کرتے رہئے، اور اپنے رب سے مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی مغفرت طلب کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دے۔

امام بخاری نے کتاب الدعوات میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اپنے رب کے حضور توبہ کرتے رہو۔ میں دن میں ستر (۷۰) بار سے زیادہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور کتاب التمجید میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ إِلَهِي، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ" اس دعا میں آپ ﷺ نے اپنے اگلے پچھلے، پوشیدہ و ظاہر اور ان تمام گناہوں سے معافی مانگی ہے جنہیں اللہ خوب جانتا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! اللہ تمہاری پوری خبر رکھتا ہے، دن اور رات کی ایک ایک گھڑی میں تم کیا کرتے ہو اور کہاں رات گزارتے ہو، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے، یعنی تمہارے ہر قول و فعل سے باخبر ہے، اور قیامت کے دن تمہیں ان کا بدلہ ضرور چکائے گا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَعُوا أَرْحَامَكُمْ • أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ • أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا •

پس اگر تم حکم بن جاؤ گے تو تم سے یہی توقع ہے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ گے، اور اپنی رشتہ داریوں کو کاٹو گے ﴿۲۲﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیج دی ہے، پھر انہیں بہرہ بنادیا ہے، اور ان کی بصارت چھین لی ہے ﴿۲۳﴾ کیا وہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں ﴿۲۴﴾

(۱۱) ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمان جن حالات سے گزر رہے تھے، اور مکہ اور دیگر علاقوں کے کفار مسلمانوں پر جو ظلم و بربریت ڈھا رہے تھے، انہیں سن سن کر مخلص مسلمانوں کے دل تنگ ہو رہے تھے، اور چاہتے تھے کہ انہیں اللہ کی طرف سے جہاد کی اجازت مل جائے، تاکہ کافروں کے ساتھ قتال کر کے ان سے انتقام لے سکیں، چنانچہ قرآن کریم میں حکم جہاد نازل ہوا، تو وہ آیتیں منافقین کے دلوں پر بجلی بن کر گر گئیں، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگے کہ جیسے ان پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ اب تک تو وہ نماز اور دیگر ہلکے اعمالِ اسلام کے ذریعہ اپنے مسلمان ہونے کا ظاہری ثبوت بہم پہنچا رہے تھے، اور اپنے نفاق پر پردہ ڈال رکھا تھا، اب جو حکم جہاد آ گیا، اور ان سے جان و مال کی قربانی کا مطالبہ ہوا تو ان کی آنکھوں میں موت کا نقشہ پھر گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کو دھمکی دی کہ ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے۔ جوہری اور اصمعی نے ﴿أَوَلَمْ يَلْمِ﴾ کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ اس کا ایک دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے، اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنی زبان سے اچھی بات نکالتے اور جب جہاد کا وقت آجاتا، تو انہوں نے اپنی زبان سے جو عہد کیا تھا کہ جب وقت آئے گا تو وہ اللہ کے رسول کے ساتھ جہاد کریں گے، اُس عہد میں سچے ثابت ہوتے، تو یہ باتیں ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ بہتر ثابت ہوتیں۔

آیت (۲۲) میں انہی منافقین کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے ظاہری ایمان سے بھی پھر جاؤ گے اور کفر صریح کا اعلان کرو گے، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم دورِ جاہلیت کی طرح ایک دوسرے کو قتل کرو گے، اور اپنے مسلمان رشتہ داروں کے خلاف جنگ کرو گے۔

﴿إِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ کا ایک دوسرا معنی "إِنْ حَكَمْتُمْ" بھی کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اے وہ لوگو جنہوں نے اسلام کو دل سے قبول نہیں کیا ہے۔ اگر تمہیں حکومت مل جائے گی تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے، ظلم کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تمہیں متحد کر دیا اور نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دے کر جسموں کے ساتھ تمہارے دلوں کو بھی جوڑ دیا ہے۔

آیت (۲۳) میں ان منافقین کا دنیا میں یہ انجام بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، حق بات سننے سے بہرہ بنادیا ہے، اور ان کی بصیرت چھین لی ہے، اسی لئے سیدھی راہ کو دیکھ ہی نہیں پارے ہیں۔

آیت (۲۴) میں انہی منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ یہ لوگ قرآن کریم کی ان آیتوں میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے ہیں جو عبرتوں اور نصیحتوں سے بھری پڑی ہیں، تاکہ انہیں اپنی غلطی کا علم ہو، اور حق کی طرف رجوع کرنے کی سوچیں؟ کیا ان کے

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدَوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۗ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَنلَىٰ لَهُمْ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا
لَلَّذِينَ كُرِهُوا مَأْنَزِلُ اللَّهِ سُنْدِينًا ۖ فَمِنْ بَعْضِ الْأُمُورِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۗ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْتُمُ الْمُؤْمِنِينَ بِضِرْبَتِ
وُجُوهِهِمْ وَأَدْبَارِهِمْ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا كَسَبَتْ اللَّهُ وَكُرْهُوا رِضْوَانَهُ وَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۗ

بے شک جو لوگ اس کے بعد کہ طریق ہدایت ان کے لئے واضح ہو گیا، اپنی پیٹھ پھیر کر (۱۲) چل دیئے، شیطان نے ان کی بد اعمالیوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے اور انہیں مہلت دے دی ہے ﴿۲۵﴾ یہ برتاؤ ان کے ساتھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب سے نفرت کی، کہا کہ ہم (اسلام اور محمد کے خلاف) بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے، اور اللہ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے ﴿۲۶﴾ پس اس وقت ان کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روح قبض (۱۳) کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر کوڑے برسائیں گے ﴿۲۷﴾ ایسا اس لئے ہو گا کہ انہوں نے اس راہ کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا، اور اس کی خوشنودی کو پسند نہیں کیا، تو اللہ نے ان کے نیک اعمال ضائع کر دیئے ﴿۲۸﴾

دلوں پر تالے پڑے ہیں کہ ان کے اندر خیر کی باتیں داخل ہوتی ہی نہیں ہیں؟ یقیناً یہی بات ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اسی لئے قرآن میں مذکور نصیحتوں کا ان کے اندر گزر ہوتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کے دلوں کو کھولنے پر قادر ہے، وہی جسے چاہتا ہے قبولِ حق کی توفیق دیتا ہے۔

(۱۲) سلسلہ کلام منافقین کے بارے میں ہی ہے، کہ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کی صداقت ظاہر ہو جانے کے باوجود نفاق کی راہ اختیار کی، اور جہاد کرنے سے اعراض کیا، درحقیقت شیطان نے ان کی نظروں میں نفاق و ارتداد کو خوبصورت بنا دیا، اور انہیں بہلایا کہ اب تو لمبی عمر پڑی ہے، خوب دادِ عیش دے لو، محمد کا ساتھ دے کر کیوں اپنی جان جو حکم میں ڈالو گے۔ ان منافقین کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے گڈھے میں اس لئے دھکیل دیا کہ انہوں نے مشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازش کی، اور ان سے کہا کہ ہم تمہارے خلاف جنگ نہیں کریں گے، بلکہ دوسروں کو بھی محمد کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کرنے سے روکیں گے۔

آیت (۲۶) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس وقت وہ لوگ مشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف خفیہ طور پر سازش کر رہے تھے، اللہ ان کی تمام باتوں کو سن رہا تھا، اس سے ان کا کوئی راز پوشیدہ نہیں تھا۔ اور اب ان ساری باتوں سے اس نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو باخبر کر دیا ہے، جیسا کہ سورۃ الحشر آیت (۱۱) میں آیا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِن أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فَيْكُمْ أَحَدٌ أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ﴾ ”کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلا وطن کئے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے“۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں اہل کتاب سے مراد بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود ہیں جن کے ساتھ مل کر منافقین ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازش کرتے رہتے تھے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُغْوِيَ اللَّهُ أَصْفَانَهُمْ؟ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَكَلَعْرَفْتَهُمْ بِسَبِّهِمْ هُمْ وَتَعَرَّفْتَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَكِن لَّوَدَّعَاكَ نَعْمًا لَّوَدَّعَاكَ حَتَّى نَعْلَمَ الْجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالضَّالِّينَ وَنُبَلِّغُكَ آخِرَتَهُ ۝

کیا جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری (۱۳) ہے، انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ ان کے کیوں کو ظاہر نہیں کرے گا ﴿۲۹﴾ اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے لئے ان کی نشاندہی کر دیتے، تو آپ انہیں ان کے نشان سے پہچان جاتے، اور آپ یقیناً انہیں ان کے طرز گفتگو سے پہچان لیں گے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے ﴿۳۰﴾ اور ہم یقیناً تمہیں آزمائیں گے (۱۵) تاکہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانیں، اور تاکہ ہم تم سے متعلق خبروں کو آزمائیں ﴿۳۱﴾

(۱۳) انہی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اُس وقت وہ نفاق وارد ہوا کی بد انجامی سے کیسے بچ سکیں گے جب موت کا فرشتہ اور عذاب کے دیگر فرشتے ان کی روح قبض کر لیں گے، اور ان کے چہروں پر (جنہیں انہوں نے اللہ کے دشمنوں کی طرف کر لیا تھا) اور ان کی پیٹھوں پر (جنہیں انہوں نے اللہ کی طرف کر دیا تھا) لوہے کی گرزوں سے مار مار کر جہنم کی طرف لے جائیں گے، اور ان کے ساتھ ایسا زسواکن برتاؤ اس لئے ہو گا کہ انہوں نے وہ کام کئے تھے جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے، اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کا انکار کیا تھا، اور جن کاموں سے اللہ راضی ہوتا ہے ان کو انہوں نے بُرا جانا تھا۔ ایمان، توحید اور طاعت و بندگی سے منہ موڑا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے منافقانہ ایمان اور دکھاوے کے اعمال کو ضائع کر دیا، دنیا میں نفاق کی زندگی بسر کرتے رہے، اور مخلص مسلمانوں کی نگاہوں میں ذلیل بنے رہے، اور اب موت کے وقت ان کے چہروں اور پیٹھوں پر گرزوں کی مار پڑ رہی ہے۔ وَاللَّيذَاتُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا الْيَوْمِ وَاللَّيذَاتُ وَاللَّيذَاتُ

(۱۳) منافقین ہی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ اس خام خیالی میں مبتلا نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا پردہ فاش نہیں کرے گا، اور ان کے نفاق کی خبر مسلمانوں کو نہیں دے گا۔ وہ ضرور ان کی نشاندہی کرے گا تاکہ اہل بصیرت مسلمان ان کی طرف سے چوکانا رہیں، اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں۔

آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر ہم چاہیں تو آپ کو ایک ایک منافق کا پتہ دے دیں اور آپ ہر ایک کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اور ان کی نشانیوں سے انہیں پہچان لیں، لیکن اللہ نے اپنی دانستہ حکمت و مصلحت کے پیش نظر ان میں سے بہتوں پر پردہ ڈال دیا۔ مگر پردہ پوشی کے باوجود وہ اپنے طرز کلام سے پہچانے جاتے ہیں، جب دیکھئے، وہ آپ اور مسلمانوں کی شان گھٹانے والی بات کرتے رہتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی منافق آپ کے سامنے بات کرتا تو آپ اس کے طرز کلام سے اسے فوراً پہچان جاتے تھے۔

آیت (۳۰) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! اللہ تم سب کے اعمال سے خوب باخبر ہے، اور ہر ایک کو روز قیامت اس کے اعمال کا بدلہ ضرور پچکائے گا۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے، اور اس دن کی رسوائی سے پناہ مانگتا رہے۔ (۱۵) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہیں جہاد کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے، اور دیگر اوامر و نواہی کا حکم دے کر آزمائیں گے، تاکہ دیکھیں کہ کس نے اخلاص کے ساتھ ہماری راہ میں جہاد کیا ہے، اور صبر و شجاعت قدمی کا ثبوت دیا ہے، اور کون ان احکام سے تنگ دل ہوا ہے۔ اور تمہارے اقوال و اعمال سے متعلق جو صحیح خبریں ہیں ہم انہیں ظاہر کریں گے، تاکہ لوگ جان لیں کہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا بُيِّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمَهُ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْغِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ نَأَوْا بِهِمْ كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۗ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۗ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَمُ أَعْمَالَكُمْ ۗ

بے شک جن لوگوں نے کفر (۱۶) کیا، اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا، اور رسول کی مخالفت اس کے بعد کی کہ ہدایت اُن کے لئے واضح ہو گئی، ایسے لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اور اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا ﴿۳۲﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت (۱۷) کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو بے کار نہ بناؤ ﴿۳۳﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اور اللہ کی راہ سے روکا، پھر مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، تو اللہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا ﴿۳۴﴾ پس مسلمانو! تم ہمت نہ ہارو (۱۸) اور کافروں کو صلح کی دعوت نہ دو، اور تم ہی بالآخر غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ تمہارے اعمال کا اجر ہرگز کم نہیں کرے گا ﴿۳۵﴾

کس نے ہمارے اوامر کا پاس رکھا ہے، اور کس نے نافرمانی کی ہے۔

(۱۶) مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں منافقین مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے میدان بدر میں لڑنے والے کافروں کو کھانا کھلایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن منافقین نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی، لوگوں کو قبول اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے روکا، ان کی مخالفت کی اور ان سے جنگ کی (حالانکہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا تھا، اور دین حق اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت و دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی تھی) وہ جان لیں کہ ان کے کفر و ارتداد کا نقصان انہی کو پہنچے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے ظاہری نیک اعمال کو رائیگاں کر دے گا، اس لئے کہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَسَيُحْطَبُ أَغْمَا لَهُمْ﴾ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ، دین اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دے گا۔

(۱۷) منافقین اور ان کے اعمال و انجام کا بیان ہو جانے کے بعد اب ایمان والوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں، اور منافقین کی طرح نفاق اور پوشیدہ ارتداد کے ذریعہ اپنے ظاہری نیک اعمال کو ضائع نہ کریں۔ ﴿وَلَا تُبْغِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ میں ہر اس کام سے روکا گیا ہے جو نیک عمل کو ضائع کر دے، جیسے احسان جتانا، فخر و ریاکاری کے لئے کام کرنا، یا کسی نیک عمل کی ابتدا کر کے اُسے چھوڑ دینا، یا ابتدا کرنے کے بعد کوئی ایسا کام کرنا جو اسے باطل کر دے۔ جیسے نماز، روزہ یا حج وغیرہ کی ابتدا کرنے کے بعد چھوڑ دینا کوئی ایسا کام کرنا جو ان اعمال کو ضائع کر دے۔

آیت (۳۳) میں اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں، لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، اور کفر سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا، بلکہ انہیں دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(۱۸) مومنوں کو اللہ نے نصیحت کی ہے کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے میں ہرگز اپنی کمزوری

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لُغَيْبٌ وَلَهُمْ وَأَنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَلَا يَسْتَأْذِنُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۚ إِنَّ يَسْتَأْذِنُكُمْ مَا قَدْ خَلَفْتُمْ
تَبَخَّلُوا وَخَيْرٌ مِمَّا آصَفْتُمْ ۚ هَٰذَا نَتْمُ هُوَ الَّذِي تَدْعُونَ لِنُفْسِكُمْ وَلِنُقُوتِكُمْ ۚ سَبِيلَ اللَّهِ فَبِمَا كُنْتُمْ تَبْخُلُونَ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا
يَبْخُلُ عَنِ نَفْسِهِ ۗ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۗ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۗ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْوَالَكُمْ ۗ

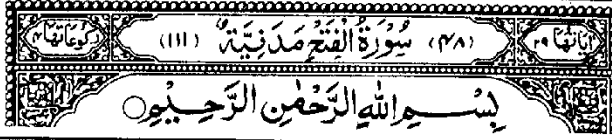
بے شک دنیا کی زندگی کھیل اور تماشاً^(۱۹) ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ گے، اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرو گے، تو وہ تمہیں تمہاری اجر تیں دے گا، اور وہ تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا ہے ﴿۳۶﴾ اور اگر وہ تم سے مال مانگتا، اور اس پر تم سے اصرار کرتا تو تم بخل پر آمادہ ہو جاتے، اور وہ تمہارے کینوں کو ظاہر کر دیتا ﴿۳۷﴾ تم ہی تو ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ^(۲۰) کرنے کے لئے کہا جاتا ہے، تو تم میں سے بعض بخل کرنے لگتا ہے، اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے کام سے بخل کرتا ہے، اور اللہ ہی غنی ہے، اور تم محتاج و فقیر ہو، اور اگر تم دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے، تو اللہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا، پھر وہ لوگ تمہاری طرح نہیں ہوں گے ﴿۳۸﴾

ظاہر نہ ہونے دو، اور جہاد کی طاقت ہونے کے باوجود دشمنوں کو صلح کی پیش کش نہ کرو، بہر حال غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا، اور سر بلند تم ہی ہو گے، اور جب تک تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے اللہ تمہاری مدد کرتا رہے گا اور تمہارے نیک اعمال کا اجر کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بلکہ پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ دے گا۔

(۱۹) دنیاوی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، مجھ دھوکہ ہے، یہاں کی کسی چیز کو ثبات و دوام حاصل نہیں ہے، ہر شے فانی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نصیحت کی ہے کہ تم لوگ اس فانی زندگی کی لذتوں میں مشغول ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہرگز نہ چھوڑو، اور فرمایا کہ اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ گے اور کفر و معاصی سے بچو گے، تو اس کا وعدہ ہے کہ وہ تمہارا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اور اسے تمہارا مال نہیں چاہئے، کیونکہ وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، اگر وہ تم سے مال مانگتا، اور مانگنے میں الحاح سے کام لیتا تو تم بخیلی کرنے لگتے اور اسلام کے خلاف تمہارے دل کے کینے باہر آ جاتے۔ وہ تو تم سے توحید، انکار شرک اور صرف اپنی طاعت و بندگی کا مطالبہ کرتا ہے۔

بعض مفسرین نے ﴿وَلَا يَسْتَأْذِنُكُمْ أَمْوَالُكُمْ﴾ کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا ہے، بلکہ صرف ڈھائی فی صد مانگتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ تمہارے محتاج و فقیر مسلمان بھائیوں کی ضرورت پوری ہو۔ اگر وہ تمہارا مال مانگتا، اور اس پر اصرار کرتا تو تم بخل پر اتر آتے (جیسا کہ طبع انسانی کا خاصہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے مال طلب کرنے میں الحاح کرنے لگتا ہے تو وہ زیادہ بخیلی بن جاتا ہے) اسلام کے خلاف تمہارے دل کے کینے باہر آ جاتے، اور تم اس دین سے ہی نفرت کرنے لگتے جو تم سے تمہارا مال مانگتا ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر بھلائی اور خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جاتی ہے، تو ان میں سے بعض لوگ بخیلی کرتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس بخل کا نقصان انہیں ہی پہنچتا ہے، یعنی اجر عظیم سے محروم ہو جاتے ہیں، اللہ کو بندوں کے مال کی ضرورت نہیں ہے، وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا وہی مالک ہے، محتاج تو بندے ہیں کہ کوئی چیز ان کے اختیار



سورة الفتح مدنی ہے، اس میں اُن تیس آیتیں، اور چار رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

میں نہیں ہے، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محتاجیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اللہ دیتا ہے تو بندے پاتے ہیں۔ اس نے تو بندوں کو مال خرچ کرنے کی نصیحت خود ان کی بھلائی کے لئے کی ہے تاکہ ان کا نفس حرص و ہوس سے پاک ہو، اور ان کا مال بھی پاک رہے، اور جہاد کی تیاری کر کے اپنے اور اللہ و رسول کے دشمنوں کو مار بھگائیں اور اپنی عزت اور جان و مال کی حفاظت کریں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! اگر تم ایمان اور تقویٰ کی راہ سے پھر جاؤ گے، تو وہ تمہارے بجائے ایک دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم سے زیادہ اللہ کی مطیع و فرمانبردار ہوگی، اس کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہاری طرح بخل نہیں کرے گی اور اس کے تمام اوامر و نواہی کو پورے طور پر بجالائے گی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ سے مقصود صحابہ کرام کو خیر کی رغبت دلانا تھا، تاکہ وہ نعمتِ اسلام کی قدر کریں، اور اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لگا دیں۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام اس کسوٹی پر پورے اترے، انہوں نے اسلام کی آبیاری کے لئے اپنا تن من و دھن سب کچھ لگا دیا، اور اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ و باللہ التوفیق۔

تفسیر سورة الفتح

نام: آیت (۱) ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن عباس اور ابن الزبیر کا بھی یہی قول ہے۔ ابن اسحاق، حاکم اور بیہقی نے مسور بن مخزوم اور مردان کا قول نقل کیا ہے کہ پوری سورة الفتح مکہ اور مدینہ کے درمیان صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں قتادہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا، ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا کہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ سے ﴿فَوْزًا عَظِيمًا﴾ تک حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی، جب صحابہ کے دل غم و الم سے بھرے تھے، اور انہوں نے عمرہ کی قربانی حدیبیہ میں ہی کر دی تھی۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے اوپر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہے۔

محمد بن سعد نے لکھا ہے کہ وہ جگہ "ضجنان" ہے جہاں یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ سیوطی نے "الإکلیل" میں لکھا ہے کہ وہ جگہ "کراع الغمیم" تھی، اور ابو معمر نے اسے جھہ بتایا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ تینوں جگہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ سورت رسول اللہ ﷺ پر اُس وقت نازل ہوئی جب ذی القعدہ ۶ھ میں آپ حدیبیہ سے مدینہ واپس آ رہے تھے۔ مشرکین نے آپ کو عمرہ ادا کرنے کے لئے مسجد حرام تک پہنچنے سے روک دیا تھا، اور بالآخر بات مصالحت

پر جا کر ختم ہوئی تھی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ ﷺ اس سال مدینہ واپس چلے جائیں، اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ اکثر صحابہ کرام کو اس صلح سے بہت تکلیف ہوئی، جن میں سرفہرست عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے حدیبیہ کے مقام پر ہی قربانی کر کے اپنے بال منڈوائے، اور مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔ واپسی میں یہ سورت اس جگہ نازل ہوئی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو ”فتح مبین“ سے تعبیر کیا ہے۔ اور سیرت نبوی کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں نتائج کے اعتبار سے زبردست فتح ثابت ہوئی۔ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو (اور فتح مکہ یقیناً فتح تھی) لیکن ہم لوگ یوم حدیبیہ کے بیعت رضوان کو فتح کہتے ہیں، الحمد للہ۔ چنانچہ آنے والے دنوں میں صلح کے مندرجہ ذیل نتائج ظاہر ہوئے:

۱- یہ صلح درحقیقت اہل قریش اور دیگر کفار عرب کی جانب سے مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی قیادت و سیادت میں موجود اسلامی حکومت کا پہلا اعتراف تھا۔

۲- یہ پہلا موقع تھا جب اہل قریش نے یہ بات مان لی تھی کہ مسلمان بھی دیگر عربوں کی طرح خانہ کعبہ کی زیارت کا حق رکھتے ہیں۔

۳- صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے کھل کر اسلام کی تبلیغ کی، اور امام زہری کے قول کے مطابق تین سال کے اندر اسلام اتنی تیزی سے پھیلا کہ فتح مکہ کے وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار مجاہدین موجود تھے۔

۴- صلح کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے اطمینان کی سانس لی اور مسلم سوسائٹی کی جڑوں کو استوار کرنے میں لگ گئے اور اسلام کا دار السلطنت (مدینہ) ایک مستحکم و مضبوط قلعہ اسلام بن کر ابھر آیا۔

۵- اہل قریش اور جنوب کے قبائل عرب کی طرف سے مطمئن ہو جانے کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے شمال اور وسط عرب کی طرف توجہ کی۔ پہلے یہودیوں کا دوسرا قلعہ خیبر مسلمانوں کے قبضے میں آیا، پھر فدک، وادی القرئی، تیماء اور تبوک کی یہودی بستیاں ایک ایک کر کے مسلمانوں کے تابع فرمان ہو گئیں۔

امام شععی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو صلح حدیبیہ میں وہ کچھ ملا جو کسی غزوہ میں نہیں ملا:

۱- اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔

۲- بیعت رضوان صحابہ کرام کے لئے ایک بہت بڑی نعمت تھی۔

۳- مسلمان خیبر کی کھجوروں کے مالک بن گئے۔

۴- قربانی کے جانور حلال ہونے کی جگہ پہنچ گئے۔

۵- اہل روم کو فارس والوں پر غلبہ حاصل ہوا، جس کے سبب مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

امام ابن القیم نے اپنی کتاب ”زاد المعاد“ میں صلح حدیبیہ کی ان عظیم حکمتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

صلح حدیبیہ کی مذکور بالا عظیم فائدوں کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی اہل قریش اور دیگر مشرکین کی قوت از خود جواب دے گئی، اور اسلام ایک عظیم قوت بن کر ابھر آیا، جس کا سب سے پہلا اثر فتح مکہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۗ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۗ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيمًا ۗ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزِيدُوا إِيمَانًا وَاعْتِمَادًا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۗ

اے میرے نبی! ہم نے بے شک آپ کو کھلی اور صریح فتح (۱) دی ہے ﴿۱﴾ تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف (۲) کر دے، اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے، اور آپ کو صراطِ مستقیم پر ڈال دے ﴿۲﴾ اور تاکہ آپ کی زبردست نصرت فرمائے ﴿۳﴾ اسی نے مومنوں کے دلوں میں سکون و اطمینان (۳) اتار دیا تھا تاکہ اُن کے ایمان سابق میں مزید ایمان کا اضافہ ہو جائے، اور آسمانوں اور زمین کی فوجیں اللہ ہی کی ہیں، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿۴﴾

(۱) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، یہاں ”فتح“ سے مراد ”صلح حدیبیہ“ ہے۔ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”ہم لوگ یوم حدیبیہ کی بیعت رضوان کو فتح کہتے ہیں“ امام احمد ابو داؤد اور حاکم وغیرہم نے صحیح بن جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حدیبیہ سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ”كُرَاعِ الْغَمِيمِ“ نامی مقام پر ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ کی تلاوت کی تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یہ ”فتح“ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ ”فتح“ ہے“۔

اور یہ صلح درحقیقت ”فتح“ کیسے تھی؟ اس کے اسباب و وجوہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔

(۲) صلح کی ظاہری شرطوں کو قبول کرنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو بہت زیادہ صبر و ضبط سے کام لینا پڑا، لیکن اس کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔ عربوں کی کثیر تعداد نے اسلام کو قبول کر لیا، اور اللہ پر ایمان لانے والوں میں خوب اضافہ ہوا۔ یہ تمام عظیم نتائج نبی کریم ﷺ کے صبر و ضبط کی وجہ سے حاصل ہوئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے:

۱- آپ ﷺ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے، یعنی دعوتی اور جہادی زندگی میں ”ترکِ اولیٰ“ کی جو کوتاہیاں سرزد ہوئیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمادیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ”ترکِ اولیٰ“ کو آپ ﷺ کے لئے گناہ کہا گیا ہے، دوسروں کے لئے یہ چیز گناہ نہیں ہے۔

۲- آپ ﷺ پر اپنی نعمت تمام کر دی، بایں طور کہ اس نے آپ کے دین (دینِ اسلام) کو عزت دی، آپ کے دشمنوں کو مغلوب بنایا، اور اسلامی حکومت کے علاقے دن بدن پھیلتے چلے گئے۔

۳- آپ ﷺ کی رہنمائی اس دینِ مبین کی طرف کی جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ مفسر ابو السعود لکھتے ہیں کہ اگرچہ آپ ﷺ صلح حدیبیہ سے پہلے بھی راہِ مستقیم پر گامزن تھے، لیکن اس کے بعد راہِ حق کے نشانات زیادہ واضح ہو گئے۔

۴- آپ ﷺ سے مستقبل میں ایسی فتح و کامرانی کا وعدہ فرمایا، جس کے بعد اسلام قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا، اہل کفر و لیل و خوار ہوتے گئے، ان کی تعداد اور ان کی قوت گھٹتی گئی، اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی، اور ان کی اجتماعی اور مالی حالت بھی بہ سے بہتر ہوتی گئی۔

لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَوْ يَكْفُرُ عَنْهُمْ سَائِبَهُمْ ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

تاکہ وہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں (۴) میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور تاکہ وہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے، اور یہ اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے ﴿۵﴾

(۳) صلح کی شرطوں کی وجہ سے پہلے تو صحابہ کرام میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ سب سے زیادہ ناراضگی کا اظہار عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا، بلا آخر تمام صحابہ نے نبی کریم ﷺ کی بات یہ سوچ کر مان لی کہ بہر حال اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے میں ہی ہر خیر ہے۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہ کرام کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کی پریشانی دور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ احسان کیا کہ اس نے ان کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی طاعت کا جذبہ پیدا کر کے ان کی بے قراری کا خاتمہ کیا، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی، اور صحابہ اس پر ایمان لاتے، تو ان کے ایمان کا درجہ بڑھ جاتا تھا۔ امام بخاری اور دیگر ائمہ کرام نے اسی آیت کریمہ سے ایمان میں زیادتی اور نقصان پر استدلال کیا ہے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اس کے بہت سے لشکر ہیں، اس نے بہت سے فرشتے آسمانوں کے لئے اور بہت سے زمین کے لئے پیدا کئے ہیں، ان کے علاوہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کے تابع فرمان ہے، ان لشکروں کے ذریعہ جب چاہے کافروں کو نیست و نابود کر دے، لیکن اس نے جہاد و قتال کو اپنے مومن بندوں پر اپنی جانی سمجھی حکمتوں کی وجہ سے فرض کیا ہے، جنہیں وہی بہتر جانتا ہے۔

(۴) ان حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ طاعت و بندگی اور صبر و جہاد کے ثواب کے طور پر اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اللہ کے نزدیک یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، کیونکہ دخول جنت کے بعد ہر غم دور ہو جائے گا، اور ہر خوشی حاصل ہو جائے گی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ گناہوں کی معافی سے پہلے دخول جنت کی بشارت، اہل جنت کے دلوں کو جلد از جلد خوشی پہنچانے کی غرض سے دی گئی ہے۔

بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ ”تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے“ تو صحابہ کرام نے کہا، اے اللہ کے رسول! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کا انجام بتا دیا، لیکن ہمارا کیا ہوگا، تو آیت (۵) ﴿لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ سے ﴿فَوْزًا عَظِيمًا﴾ تک نازل ہوئی۔ اتنی۔ یعنی مسلمانوں کو بھی ان کا انجام بتا دیا گیا کہ وہ ایسی جنتوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

وَعَذَابَ الْمُتَّقِينَ وَالْمُفْسِقِينَ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّكَ السُّؤْمُ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السُّؤْمِ وَعَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ وَاللَّهُ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ تَكَفَّ فَإِنَّمَا يَتَكَبَّرُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُوْفِيَ بِمَا عَمَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

اور تاکہ منافق مردوں اور عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب (۵) دے، جو اللہ کے ساتھ بدگمانی رکھتے ہیں، مصیبت لوٹ کر انہی پر آنے والی ہے، اور اللہ ان سے غضبناک ہو گیا ہے، اور ان پر لعنت بھیج دی ہے، اور ان کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ﴿۶﴾ اور آسمانوں اور زمین کی فوجیں اللہ ہی کی ہیں، اور اللہ زبردست، بڑی حکمت والا ہے ﴿۷﴾ اے میرے نبی! ہم نے بے شک آپ کو گواہ (۶) اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿۸﴾ مومنو! تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اللہ کے دین کو قوت پہنچاؤ، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو ﴿۹﴾ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پس جو شخص بدعہدی کرے گا، تو اس بدعہدی کا بُرا انجام اسی کو ملے گا، اور جو شخص اُس عہد پر قائم رہے گا جو اُس نے اللہ سے کیا تھا، تو اللہ اُسے اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا ﴿۱۰﴾

(۵) جہاد اسلامی کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دینا چاہتا ہے، جنہوں نے اللہ سے غلط توقع کی کہ وہ اپنے رسول اور مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا۔

اللہ نے فرمایا کہ بُرا انجام ان کا انتظار کر رہا ہے، اللہ انہیں دنیا میں انواع و اقسام کے عذاب سے دوچار کرے گا، ان پر اس کا غضب نازل ہوگا، اور قیامت کے دن انہیں وہ اپنی رحمت سے دور کر دے گا، اور اس نے ان کا ٹھکانا جہنم بنا رکھا ہے، جو بہت ہی بُری جگہ ہوگی۔

آیت (۷) میں اللہ نے مذکور بالا معنی کی تائید کے طور پر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ کے اشارے کے منتظر ہوتے ہیں، اس لئے اس کے قبضہ قدرت سے کون باہر جاسکتا ہے، اور جسے وہ سزا دینی چاہے وہ کب اس کی زد سے بچ سکتا ہے، وہ تو زبردست اور ہر چیز پر غالب ہے، اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

(۶) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اے میرے نبی! ہم نے آپ کو اللہ کے لئے وحدانیت اور کمال مطلق کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے، یعنی آپ نے دنیا والوں کے سامنے اس بات کا اعلان کر دیا کہ اللہ کی ذات یکتا، ہر عیب سے پاک، اور ہر اعتبار سے کامل ہے، اور ہم نے آپ کو آپ کی امت کے لئے اس بات کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے کہ آپ نے اپنے رب کا دین ان تک پہنچادیا۔ اور آپ ایمان اور تقویٰ والوں کو جنت کی بشارت دینے والے، اور اہل کفر و معاصی کو عذاب جہنم سے ڈرانے والے ہیں۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِآيَاتِنَا كَمَا كَانُوا فِي قُلُوبِهِمْ
 قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ
 ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا تَوْهُمًا ۝ وَكُنْتُمْ
 قَوْمًا بُورًا ۝ وَمَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْفُرُ لِمَنْ
 يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

آپ سے پیچھے رہ جانے والے دیہاتی (۸) کہیں گے کہ ہمارے مال و دولت اور ہمارے بال بچوں نے ہمیں مشغول کر دیا، اس لئے آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کر دیجئے، وہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے مقابلے میں کون تمہارے لئے کسی چیز کا مالک ہے، اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے، یا تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے، بلکہ اللہ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۱۱﴾ بلکہ تم نے گمان کر لیا تھا کہ رسول اللہ اور مومنین اپنے اہل و عیال کے پاس کبھی بھی واپس نہ آسکیں گے، اور یہ بات تمہارے دلوں کے لئے خوبصورت بنا دی گئی، اور تم نے نہایت بُرا گمان کر لیا (کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا) اور تم تھے ہی ہلاک ہونے والے لوگ ﴿۱۲﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے گا، تو ہم نے بے شک کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿۱۳﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے، وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۴﴾

اے مومنو! ہم نے انہیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کے دین کی تائید اور اس کا دفاع کرو، ذات باری تعالیٰ کی تعظیم کرو، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔

(۷) یہاں بیعت سے مراد بیعت رضوان ہے یعنی وہ بیعت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ ”اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ کے ہاتھوں پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے“ صحابہ کرام نے حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت کے نیچے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ وہ اہل مکہ سے جنگ کریں گے اور کسی بھی حال میں میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ اس بیعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ بظاہر مسلمان یہ بیعت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کر رہے ہیں، لیکن درحقیقت یہ معاہدہ اور بیعت اللہ کے ساتھ ہے، بیعت کرتے وقت اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا، انہوں نے جنت کے بدلے اللہ سے اپنی جانوں کا سودا کر لیا ہے۔ اس لئے اب جو کوئی نقض عہد کرے گا، اور کافروں سے جنگ نہیں کرے گا، تو اس کا نقصان اسے ہی پہنچے گا، یعنی اس کا وبال اور اس کی سزا اسے مل کر رہے گی۔ اور جو اللہ سے کئے گئے معاہدہ کی پابندی کرے گا، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر کافروں سے جنگ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا، یعنی اسے جنت میں داخل کر دے گا۔

سَيَقُولُ الْكَافِرُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَعَانِمِ لِنَاخُلُوهَا ذُرُوعًا وَنَأْتِكُمْ أَسُفُودًا أَنْ لِيُحِزَّؤُنَا لَوْلَا كَلِمَةُ اللَّهِ فَلَوْلَا تَكْفِيرُكُمْ لَأَخَذُوا مِنْكُمْ مَتَدًا وَأَنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

عنقریب جہاد سے پیچھے رہ جانے والے کہیں گے (۹) جب تم لوگ اموالِ غنیمت لینے کے لئے چلو گے، کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں، آپ کہہ دیجئے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں جاسکو گے، اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرمادیا ہے، تو وہ کہیں گے، بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، بلکہ وہ بہت کم سمجھتے ہیں ﴿۱۵﴾

(۸) اس آیت کریمہ میں مدینہ کے آس پاس رہنے والے دیہاتی قبائل کا حال بیان کیا گیا ہے، جن کے نام غفار، مؤینہ، ہمسینہ، اسلم، اشجع اور دسل تھے۔ صلح حدیبیہ کے سال، عمرہ کے لئے مکہ کی طرف روانگی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا، لیکن کفار قریش کے ڈر سے یہ لوگ نہیں گئے، ان کا خیال تھا کہ قریش مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے، اور ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں آسکے گا۔ ان کی اسی بدینتی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں اپنے رسول کی صحبت اور بیعت رضوان جیسی بابرکت بیعت اور اس کے فضائل و برکات سے محروم رکھا۔ انہی دیہاتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو وہ دیہاتی آپ کے پاس آکر عذر لنگ پیش کریں گے، اور کہیں گے کہ ہم اپنے کاروبار میں لگے رہ گئے، اور ہماری عدم موجودگی میں ہمارے بال بچوں کی دیکھ بھال کرنے والے بھی نہیں تھے، اسی لئے ہم آپ کے ساتھ نہیں جاسکے تھے، آپ ہمارے رب سے ہمارے لئے مغفرت طلب کر دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا نفاق ظاہر کیا، اور انہیں جھٹلاتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں، وہ تو شک و نفاق میں مبتلا ہیں، اور آپ سے طلب استغفار میں بھی صادق نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے کئے پر نادم اور اپنے گناہ سے تائب نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان سے کہا کہ اگر اللہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے، یا تمہیں نفع ہی پہنچانا چاہے، تو اسے اس کے ارادوں سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔ یعنی تمہارے نفاق اور کذب بیانی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طلب مغفرت کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اور آخر میں دھمکی کے طور پر ان سے کہا کہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے، اور وہ تمہیں اُس کا بدلہ ضرور چکائے گا۔

آیت (۱۲) میں نبی کریم ﷺ کی زبانی ہی ان سے کہا گیا ہے کہ تم یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانانِ مدینہ میں سے کوئی بھی بیخ کنہ نہ آسکے گا، کفار قریش ہم میں سے ایک ایک کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے، اور شیطان نے تمہارے دلوں میں اس خیال کو خوب پختہ کر دیا کہ اب ہمارا رب ہماری مدد نہیں کر سکے گا اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی واپس نہیں لوٹے گا۔ یہی اصل وجہ تھی کہ تم لوگ ہمارے ساتھ نہیں گئے، وہ عذر صحیح نہیں ہے جو تم نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔

اور تم اپنے اسی نفاق، کذب بیانی اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی اور اپنی ہلاکت و بربادی کے مستحق بن گئے ہو۔

آیت (۱۳) میں ان کے اسی انجامِ بد کی تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے گا، ایسے کافروں کی سزا کے لئے ہم نے جہنم کی بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُنُدٌ عَزِيزٌ إِلَىٰ قَوْمِ أُولِي الْأَرْبَابِ لَوْ أَنَّ هَؤُلَاءِ لَوَيْسٌ لَّؤُنْهَمَا أَوْ يُسَلِّمُونَ فَإِنْ تَطِيعُوا أَوْحَاكُمْ
اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۰﴾

اے میرے نبی! آپ اُن دیہاتیوں سے جو جہاد میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے، کہہ دیجئے کہ تمہیں ایک سخت جنگجو قوم (۱۰) کی طرف بلایا جائے گا، جن سے تم جہاد کرو گے، یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پس اگر تم رسول اللہ کی بات مان لو گے، تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا، اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے پہلے (حدیبیہ جاتے وقت) روگردانی کی تھی، تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا ﴿۱۰﴾

اور آیت (۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا وہی مالک و حاکم ہے اور وہی ان میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اس لئے اے وہ لوگو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کے لئے جانے سے پیچھے رہ گئے تھے، اب بھی موقع ہے کہ اپنے اس گناہ کی اللہ سے معافی مانگو اور رسول کریم ﷺ کی طاعت کا عہد کرو، تاکہ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے، اس لئے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

(۹) جو دیہاتی منافقین، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ الہدیہ کے لئے جانے سے بہانہ بنا کر پیچھے رہ گئے تھے، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خبر دی ہے کہ جب آپ اپنے مخلص صحابہ کرام کے ساتھ خیبر فتح کرنے کے لئے روانہ ہوں گے تو وہ مال غنیمت کی لالچ میں آپ کے ساتھ جانا چاہیں گے، آپ انہیں اپنے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دیجئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کے اموال غنیمت کا وعدہ صرف ان صحابہ سے کیا ہے جو حدیبیہ کی صلح کے وقت وہاں موجود تھے، دوسروں کے لئے اُن میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ فَاذْكُرُوا أَن لَّوَيْسٌ لَّؤُنْهَمَا أَوْ يُسَلِّمُونَ﴾ کا مجاہد، قتادہ اور جوہر وغیرہم نے یہی مفہوم بیان کیا ہے، یعنی یہ دیہاتی منافقین اہل حدیبیہ سے اللہ کے کئے گئے وعدے کو بدل دینا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے، کیونکہ اللہ نے ہمارے مدینہ واپس آنے سے پہلے ہی ہمیں خبر دے دی ہے کہ خیبر کا مال غنیمت صرف ان کو ملے گا جو عمرہ الہدیہ میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ان منافقین کے بارے میں بتایا کہ وہ لوگ آپ کی یہ بات سن کر مسلمانوں سے کہنے لگیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو، اسی لئے ہمیں اپنے ساتھ جانے سے روک رہے ہو، یعنی یہ اللہ کا حکم نہیں ہے، بلکہ تم ہم سے حسد کی وجہ سے ایسی بات کہہ رہے ہو۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فہم دین میں ان کی بے مانگی بیان کی ہے کہ وہ لوگ دین کی تو قطعی کوئی سمجھ نہیں رکھتے ہیں، صرف تھوڑی سی سمجھ امور دنیا کی رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی عمرہ حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہا کہ عنقریب تمہیں ایک زبردست طاقتور قوم سے جنگ کرنے کے لئے بلایا جائے گا۔ اس طاقتور قوم کی تعین میں علمائے تفسیر کے کئی اقوال ہیں، کسی نے فارس، کسی نے روم، کسی نے دونوں، کسی نے ہوازن و ثقیف، اور کسی نے مسیلہ کذاب کے ماننے والوں کو مراد لیا ہے۔

واحدی نے اکثر مفسرین سے آخری قول نقل کیا ہے، اس لئے کہ یہاں دو ہی صورت بتائی گئی ہے، یا تو وہ لوگ اسلام

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْمُرِيضِ حَرْبٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَعدُّ بِهِ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۖ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

اندھے (۱۱) پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جو شخص روگردانی کرے گا اُسے اللہ دردناک عذاب دے گا ﴿۱۶﴾ یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت (۱۲) کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لئے اُن پر سکون و اطمینان نازل کیا، اور بطور جزا ایک قریبی فتح سے نوازا ﴿۱۸﴾ اور بہت سے اموالِ غنیمت جنہیں وہ حاصل کریں گے، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۹﴾

لائیں گے، یا ان کا فیصلہ تلواریں کرے گی، اُن سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اور مسلمان کذاب کے ماننے والے ہی وہ لوگ تھے جن سے جزیہ لینا جائز نہیں تھا۔ اہل فارس اور اہل روم سے تو جزیہ لیا جاسکتا تھا، اس لئے کہ وہ لوگ اسلام لانے کے بعد مرتد نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم اُن سے قتال کرو گے، الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ اگر تم اس دعوتِ جہاد پر لبیک کہو گے اور ان سے قتال کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں مالِ غنیمت اور آخرت میں جنت دے گا، اور اگر عمرہ حدیبیہ کی طرح اس بار بھی تم جہاد کے لئے جانے سے کتر آؤ گے، تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

(۱۱) مذکورہ بالا وعید سے اللہ تعالیٰ نے جہاد سے معذور لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا، اور فرمایا کہ اندھے، لنگڑے اور مریض کے لئے کوئی حرج نہیں اگر وہ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ اندھا دشمن کو دیکھ نہیں سکتا ہے، اس لئے نہ جنگ کر سکتا ہے، اور نہ دشمن سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، اور لنگڑا چلنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے، اس لئے وہ جنگی کرفتر سے مجبور ہوتا ہے، اور مریض اگرچہ دیکھ سکتا ہے اور کھڑا ہو سکتا ہے، لیکن اپنی بیماری اور کمزوری کی وجہ سے دشمن پر غالب نہیں آ سکتا ہے، بلکہ اپنے آپ سے دشمن کے حملے کو روک بھی نہیں سکتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا کہ اگرچہ ایسے مجبور لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوں گے، لیکن اگر ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ کار فرما ہوگا، تو اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی طاعت سے روگردانی کرے گا، اللہ اُسے دردناک عذاب دے گا۔

(۱۲) یہی وہ بیعت ہے جو صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے کی تھی۔ اس کا ذکر آیت (۱۰) میں بھی آچکا ہے، اور وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اسے ”بیعت رضوان“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جن صحابہ کرام نے یہ بیعت کی تھی، انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کی خوشخبری دی تھی۔ وہ خوشخبری اسی آیت (۱۸) میں دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ جن مومنین نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے ان سے اللہ راضی ہو گیا۔ اس بیعت کی بنیادی شرط یہ تھی کہ کفارِ قریش سے جنگ کرنے میں ہر شخص اپنی جان کی بازی لگا دے گا، اور کسی حال میں بھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔

وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَعَانِمَ كَثِيرًا تَأْخُذُ بِهَا فَجَعَلَ لَكُمْ مِنْهَا مِثْقَالًا لَكُمْ مِنْهَا حَبْءٌ كَمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

اللہ نے تم سے بہت سے اموالِ غنیمت (۱۳) کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، پس اُس نے تمہیں یہ (صلح حدیبیہ یا فتح خیبر) جلدی دے دی، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیا، اور تاکہ یہ کامیابی مومنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں سیدھی راہ پر ڈال دے ﴿۲۰﴾ اور وہ تمہیں ایک دوسرا مالِ غنیمت بھی دے گا، جس پر ابھی تم نے قدرت نہیں پائی ہے، اللہ نے اسے گھیر رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۱﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اس نے مومنوں کے دلوں کی صداقت اور ان کے عہد پر قائم رہنے کے عزم صمیم کو جان لیا، تو انہیں صبر و ثبات قدمی اور سکونِ قلب عطا فرمایا، اور ان کے صبر و شکیبائی کے بدلے انہیں اہل مکہ کے غنائم کے بجائے جلد ہی فتح خیبر اور وہاں پائے جانے والے بہت سے غنائم کی خوشخبری دی۔ اس زمانے میں خیبر کی سر زمین بہت ہی زرخیز مانی جاتی تھی، اور وہاں کے یہودیوں کے پاس بڑی دولت تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام پھلوں، زمینوں اور مال و دولت کو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیا۔

اس بیعت کا سبب یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اہل قریش کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجا، تاکہ وہ انہیں اس بات کا یقین دلائیں کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ عثمان جب پیغامِ رسائی سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو خانہ کعبہ کا طواف کر لو۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے طواف نہیں کروں گا۔ اس بات پر وہ لوگ چراغ پا ہو گئے اور عثمان کو واپس جانے سے روک دیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ عثمان قتل کر دیئے گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک ہم مکہ والوں سے بدلہ نہیں لیں گے، یہاں سے واپس نہیں جائیں گے، اور مسلمانوں کو سر کی بازی لگانے کے لئے اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کا حکم دیا۔

(۱۳) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والے اپنے مومن بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ قیامت تک کافروں کے علاقے فتح کرتے رہیں گے، جس کے سبب بہت سارے اموالِ غنیمت انہیں حاصل ہوتے رہیں گے۔ انہی میں سے وہ اموالِ غنیمت بھی ہیں جو اللہ نے جلدی ہی خیبر میں انہیں عطا کئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر یہ بھی احسان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام حدیبیہ میں تھے، اس وقت یہود مدینہ نے یہود خیبر کے ساتھ مل کر سازش کی کہ وہ مسلمانوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سب مل کر یکبارگی مدینہ پر حملہ کر دیں گے، اور صحابہ کرام کے بال بچوں کو قتل کر دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا زعب ڈال دیا کہ وہ اپنی سازش کو بروئے کار نہ لاسکے۔

اور حصولِ مالِ غنیمت، اور اللہ کی جانب سے یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال کر انہیں مدینہ پر حملہ کرنے سے باز رکھنا اس لئے ہوا تاکہ مسلمان جان لیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے، اور وہ ان کی مدد ضرور کرے گا، اور انہیں ضرور فتح و کامرانی ملے گی۔ اور ایسا اس لئے بھی ہوا تاکہ مسلمانوں کے یقین و بصیرت میں اضافہ ہو، اور اللہ کے فضل و کرم پر ان کا اعتماد زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمْ الذِّينَ كَفَرُوا وَالْوَالِدَآءُ إِذْ بَارَكْتُمْ لَآ يَحْدُونُ وَإِلَآآ وَآلَا نَصِيرًا ﴿١٣﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ الَّتِى قَدْ حَلَكْتَ مِنْ قَبْلِ ؕ وَلَوْ كُنَّ تَحْدًا لَسُبِّتَ اللّٰهُ بِتَبْدِيلِكُمْ ۖ وَهُوَ الَّذِى كَفَىٰ أَيْدِيَهُمْ عَنَّا كُمُ وَإِذْ يَكْفُرُ عَنْكُمْ بِطَنُ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِآتِعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿١٤﴾ هُمُ الَّذِى نَزَّلْنَا وَصْدًا وَكُمُ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُومًا إِنَّ تَبِيلَهُ جَلَدٌ وَلَوْ لَآ رَجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوا هُمُمْ أَنْ تَطَّوُّهُمُ فَتَضَيَّبَكُمْ وَمِنْهُمُ مَعْرُوفٌ بَغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَآءُ لَوْ تَزَيَّبُوا الْعَدَا بُنَا الَّذِى نَ كَفَرُوا وَمِنْهُمُ عَنَابُ الْيَمِينَا ﴿١٥﴾

اور اگر اہل کفر تم سے قتال کرتے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے (۱۳) پھر وہ اپنا کوئی یار و مددگار نہ پاتے ﴿۲۲﴾ اللہ کے اس طریقہ کو دیکھئے، جو پہلے سے آ رہا ہے، اور آپ اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ﴿۲۳﴾ اور اسی اللہ نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھوں کو تم سے روک (۱۵) دیا، اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غالب بنادیا تھا، اور اللہ تمہارے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۲۴﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر (۱۶) کیا، اور تمہیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانور کو اس کی جگہ پر پہنچنے سے روکا، اور اگر (مکہ میں) چند مومن مرد اور چند مومن عورتیں نہ ہوتیں جن کی تمہیں خبر نہ ہونے کی وجہ سے تم انہیں روند ڈالتے، پھر لا علمی میں (ایسا کر گزرنے سے) تمہیں ان کے بارے میں رنج ہوتا (تو تمہیں لڑائی سے نہ روکا جاتا، اور جنگ اس لئے بھی نہیں ہوتی) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت (دین اسلام) میں داخل کر دے، اگر وہ مسلمان الگ ہوتے تو ہم مکہ کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے ﴿۲۵﴾

آیت (۲۱) میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو غنائم خیر کے علاوہ دوسرے ایسے غنائم بھی جلدی ہی دیئے، جنہیں پانے کی ان کے اندر طاقت نہیں تھی، اللہ نے ہر طرف سے ان غنائم کو گھیر رکھا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے جہاد کر کے اس علاقے پر قبضہ کیا، اور وہاں پائے جانے والے اموال غنیمت پر قابض ہو گئے۔

﴿وَأَخْزَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا﴾ سے کس جگہ کے اموال غنیمت مراد ہیں، اس بارے میں علمائے تفسیر کا اختلاف ہے۔ ابن عباس، مجاہد حسن اور مقاتل نے اس سے وہ تمام فتوحات مراد لئے ہیں جو اللہ نے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کے بعد عطا کئے، ان میں فارس اور روم کے علاقے بھی شامل ہیں، ضحاک وغیرہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد ”فتح خیر“ ہے۔ اور قتادہ اور ابن جریر کہتے ہیں کہ اس سے مراد ”فتح مکہ“ ہے۔ اور عکرمہ کے نزدیک اس سے مراد ”حنین“ ہے بشوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(۱۳) یہاں اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان والوں کو بشارت دی ہے کہ اگر مشرکین مکہ حدیبیہ کے مقام پر ان سے جنگ کرتے تو ان کو منہ کی کھانی پڑتی، اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، اور کوئی ان کا یار و مددگار نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کی کافروں کے خلاف مدد کی ہے، حق کو سر بلندی عطا کی ہے، اور باطل کو سرنگوں کیا ہے۔

(۱۵) مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیر ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حدیبیہ کے دن مکہ کے اسی (۸۰) آدمی ہتھیار کے ساتھ جبل تميم کی طرف سے اچانک آدھمکے، اور نبی کریم ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہا، لیکن وہ پکڑ لئے گئے، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاف کر کے آزاد کر دیا۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَنَا عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کے تعصب (۱۷) کو جگایا، تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنا سکون اتارا، اور انہیں تقویٰ والی بات پر قائم رکھا، اور یہ لوگ اس کے سب سے زیادہ حقدار اور سزاوار تھے، اور اللہ ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۲۶﴾

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے مسلمانوں پر احسان بتایا ہے کہ اس نے مشرکوں کو تمہیں ایذا پہنچانے سے باز رکھا، اور تمہیں ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ کرنے سے روکا، اور صلح کے لئے حالات سازگار کئے جو نتائج کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے بہت ہی مفید رہی۔

(۱۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار قریش اور دیگر مشرکین عرب کی مذمت بیان کر کے مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے باری تعالیٰ کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو مسجد حرام تک جانے اور عمرہ کرنے سے روک دیا ہے، اور قربانی کے ستر (۷۰) اونٹ جو آپ ﷺ مدینہ سے لے کر گئے تھے، انہیں بھی حدود حرم کے اندر جانے سے روک دیا ہے۔

کفار و مشرکین کے یہ جرائم اس کے متقاضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے، لیکن مانع یہ ہے کہ مکہ میں مشرکین کے درمیان کچھ مومن مرد اور عورتیں ہیں، جن کے قتل کئے جانے کا ڈر ہے۔ اگر وہ مومن مرد اور عورتیں وہاں نہ ہوتیں جن کا مجاہدین مدینہ کو پتہ نہیں، اور جن کے بارے میں ڈر ہے کہ جنگ ہونے کی صورت میں کافروں کے ساتھ وہ بھی قتل کر دیئے جائیں گے، اور نادانی میں مسلمانوں سے گناہ سرزد ہو جائے گا، کفارہ دینا پڑے گا، اور کفار کہنے لگیں گے کہ مسلمانوں نے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو قتل کر دیا، اگر اس کا ڈر نہ ہو تا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہو کر جنگ کرنے کی اجازت دے دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لئے نہیں دی تاکہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دے، مجاہدین مدینہ کو جنگ و عار سے، اور مکہ میں چھپے مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچالے، اور جو مشرکین مکہ اسلام میں داخل ہونا چاہیں انہیں کفر کے بعد ایمان سے، اور ضلالت کے بعد ہدایت سے نواز دے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مکہ میں پائے جانے والے مومن مرد اور عورتیں مشرکین سے الگ ہوتے، تو ہم مجاہدین مدینہ کو مکہ میں داخل ہو کر کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دے دیتے، اور کافروں کو ان کے ہاتھوں دردناک عذاب دلواتے، یعنی قتل کئے جاتے، اور جو زندہ رہ جاتے وہ قید کر لئے جاتے۔

(۱۷) اگر مکہ میں مومنین نہ ہوتے، یا مشرکین سے الگ تھلگ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ مجاہدین مدینہ کو اہل مکہ سے جنگ کرنے کی اجازت اس لئے دے دیتا کہ ان کافروں نے مسلمانوں کے خلاف جاہلیت کی حمیت کو اپنے دلوں میں ابھارا، وشیقہ صلح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم، اور محمد رسول اللہ لکھنے سے انکار کیا، اور رسول اللہ ﷺ کو اُس سال خانہ کعبہ تک پہنچنے سے روکا، اور کہا کہ ”ان مسلمانوں نے ہمارے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کیا ہے، اور اب ہمارے گھروں میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو قبل عرب کہیں گے کہ مسلمان اہل مکہ کے گھروں میں زبردستی داخل ہو گئے۔ لات وغریب کی قسم! ہم انہیں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔“

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُولَ يَا مُوسَىٰ ۖ لَمَّا خَلَّصْنَاكَ مِنَ الْأَيْدِي ۖ فَذُكِّرْتُم بِنُؤْمَانِهِ ۚ فَتَخَوَّفْنَا ۚ فِئْتَانًا مِّنَ الْأَعْيُنِ ۚ وَمَقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا ۚ فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

اللہ نے اپنے رسول کا برحق خواب (۱۸) سچ کر دکھایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہو گے، درانحالیکہ تم امن میں ہو گے، اپنے سروں کے بال منڈائے یا کٹائے ہو گے، تم خوف زدہ نہیں ہو گے، پس اُسے وہ معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اُس نے اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی ﴿۲۷﴾

لیکن اُن کی تمام شریسیندیوں کے باوجود، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں کے دلوں کو سکون و اطمینان عطا کیا، اسی لئے انہوں نے مشرکین سے جنگ کرنے کی نہیں سوچی، اللہ کے فیصلے پر صبر کیا، اور صلح کی شرط کی پابندی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کلمہ تقویٰ (لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ) کو اپنائیں، تاکہ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے سے باز رہیں۔ اور مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ وہ اس کلمہ کو حید کے زیادہ حقدار تھے، اور دین اسلام اور صحبت رسول کی وجہ سے وہی اس نعمت عظمیٰ کے اہل تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، اس لئے وہ خوب جانتا ہے کہ اس نعمت کا حقدار کون ہے۔

(۱۸) نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ۱۱ھ میں خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے، اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے، چنانچہ آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کا اعلان کر دیا، اور راستہ میں انہیں اپنے خواب کی اطلاع دی تو تمام صحابہ بہت خوش ہوئے، لیکن جب مکہ میں داخل نہیں ہوئے، اور صلح کی تلخ شرطیں قبول کر کے مدینہ واپس ہونے لگے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ نے جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر کیا ہے؟ اور منافقین کہنے لگے کہ ہم نے نہ بال منڈایا نہ کٹوایا، اور نہ مسجد حرام میں داخل ہوئے، آخر یہ کیسا عمرہ ہے!؟

انہی حالات میں حدیبیہ سے واپس آتے ہوئے یہ پوری سورت نازل ہوئی، اور یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنے رسول کا خواب یقیناً سچ کر دکھائے گا، اُن کا خواب برحق ہے۔ مسلمانو! تم لوگ اگر اللہ چاہے گا، تو ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، درانحالیکہ تم ہر خوف و خطر سے دور ہو گے، اور عمرہ کر کے اپنے سر کے بال یا تو منڈواؤ گے یا کٹاؤ گے، تمہیں کسی قسم کا ڈر لاحق نہیں ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے ہو (یعنی مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کا پایا جانا، اور جنگ ہونے کی صورت میں ان کے قتل کئے جانے کا خطرہ) اسی لئے اس نے اس سال تمہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا ہے، اور خواب کے مطابق دخول مکہ سے پہلے، صلح حدیبیہ کے لئے حالات سازگار کئے جو درحقیقت نتائج کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے عظیم فتح کے مترادف ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں ﴿فتحا قریبا﴾ سے ”فتح خیبر“ مراد لیا ہے، لیکن اکثر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد ”صلح حدیبیہ“ ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا خواب ذی القعدہ ۱۱ھ میں عمرہ القضاء کی صورت میں پورا ہوا۔ ذی القعدہ ۱۱ھ میں حدیبیہ سے واپسی کے بعد، آپ ﷺ نے ذی الحجہ اور محرم دو ماہ مدینہ میں قیام کیا، صفر میں خیبر کو فتح کیا، اور ذی القعدہ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ تَعْلِيمًا ۝ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَابِقًا إِتَّبَعُونَ فُضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِّيَسِيَرُوا فِي وَجْهِهِمْ مَنْ أَكْرَهَ السُّجُودَ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزُرْجٍ أَخْرَجَ شَطْرَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

اُسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق (۱۹) دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام ادیان عالم پر غالب بنائے، اور اللہ بطور شاہد کافی ہے ﴿۲۸﴾ محمد اللہ کے رسول (۲۰) ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں، سجدوں کے اثر سے اُن کی نشانی ان کی پیشانیوں پر عیاں ہوتی ہے، تورات میں ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے، اور انجیل میں بھی ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے، اس بھتیگی کی مانند جس نے پہلے اپنی کو نپل نکالی، پھر اُسے سہارا دیا تو وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، وہ کھیت اب کاشتکاروں کو خوش کر رہا ہے (اللہ نے ایسا اس لئے کیا) تاکہ اُن مسلمانوں کے ذریعہ کافروں کو غضبناک بنائے، اُن میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، اُن سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ﴿۲۹﴾

۷۷ میں عمرہ کی نیت سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ وہی صحابہ کرام تھے جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے، اور اس بار آپ اپنے ساتھ قربانی کے ساتھ (۶۰) اونٹ لے گئے تھے۔ مکہ پہنچنے کے بعد آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ ادا کیا، جس کی تفصیل سیرت و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۱۹) نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرنے کے لئے علم نافع اور دین اسلام دے کر بھیجا ہے، جو دین برحق ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ وہ اس دین کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب اور بلند کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دین اسلام پوری دنیا میں چھا گیا، اور دیگر باطل ادیان کمزور ہوتے چلے گئے۔ ابن جریر طبری نے ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اُس وقت ہو گا جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، اور دجال کو قتل کریں گے۔ اُس وقت تمام ادیان باطل ہو جائیں گے، اور ہر طرف اسلام کا غلغلہ ہو جائے گا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اس پر شاہد ہے کہ وہ دین اسلام کو دیگر تمام ادیان پر غالب کرے گا، اور اس بات پر بھی وہ شاہد ہے کہ محمد اس کے سچے رسول ہیں، اور وہ ان کی ضرورت دکرے گا۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو خبر دی ہے کہ وہ مکہ اور دیگر شہروں اور علاقوں کو ان کے زیر نگیں کر دے گا، تاکہ حدیبیہ سے بغیر عمرہ کئے واپس ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں پر حزن و ملال کا جو بوجھ ہے وہ ہلکا ہو جائے۔

(۲۰) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اسی نے نبی کریم ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اسی کی مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے لئے یہ گواہی دینا گویا آپ کے لئے ہر وصف جمیل کی گواہی



سورة الحجرات مدنی ہے، اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول تمام اخلاقی کریمہ اور صفات حمیدہ سے متصف ہوتے ہیں۔

پھر آپ کے صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ وہ کافروں کے لئے ایسے ہی سخت ہوتے ہیں جیسے شیر اپنے شکار کے لئے سخت ہوتا ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہایت ہی رحم دل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف میں سورۃ المائدہ آیت (۵۳) میں فرمایا ہے: ﴿أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”وہ مومنوں کے لئے مانند ابریشم نرم ہوتے ہیں، اور کافروں کے لئے سخت ہوتے ہیں“۔

مخلوق کے ساتھ ان کا معاملہ ایسا ہوتا ہے، اور خالق کے ساتھ ان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی جنت اور اس کی خوشنودی کے لئے کثرت سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اللہ کے ان نیک بندوں کی نشانی، کثرتِ سجدہ اور کثرتِ تہجد و نوافل کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر پائی جاتی ہے۔ اور صحابہ کرام کی یہ نشانی انجیل اور تورات میں بھی پائی جاتی ہے۔

﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ﴾ کے اعراب کے بارے میں دو رائے ہیں:

۱- ﴿مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ مبتدا ہے، اور ”كَزَرْعٍ“ اس کی خبر ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ انجیل میں ان کی مثال پودے کی ہے الخ۔
 ۲- ﴿مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ﴾ پر معطوف ہے۔ اور ”كَزَرْعٍ“ مبتدا محذوف کی خبر ہے، جس کی تقدیر ”هم كَزَرْعٍ“ ہے، اور معنی یہ ہے کہ صحابہ کی مثال اس پودے کی ہے جو زمین سے اپنی کو نپل نکالتا ہے، پھر وہ بڑھ کر درخت بن جاتا ہے، پھر درخت مونا ہوا جاتا ہے، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑا ہوا جاتا ہے، جسے دیکھ کر کاشتکار خوش ہوتا ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعہ صحابہ کرام کی حالت بیان کی ہے کہ ابتدا میں ان کی تعداد کم ہوگی، پھر ان کی تعداد بڑھتی جائے گی، اور وہ پودے کے مانند قوی سے قوی تر ہوتے جائیں گے، اور ایسا اس لئے ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی کثرت و قوت کے ذریعہ کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ کرے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے ان نیک بندوں سے جنہیں صحابہ رسول کہا جاتا ہے، اور جن کے لئے اللہ نے ایمان اور علم صالح کی گواہی دی ہے، وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت عطا فرمائے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام مالک نے ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ ”تاکہ اللہ ان کے ذریعہ کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ کرے“ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان روافض کی تکفیر کی ہے جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں، اور کہا ہے کہ روافض صحابہ سے بغض رکھتے ہیں، اور جو صحابہ سے بغض رکھے گا، وہ اس آیت کے مطابق کافر ہوگا۔ امام مالک کی اس رائے سے علماء کی ایک جماعت نے اتفاق کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا بِيَدِي اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَابَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالِكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۲﴾

اے ایمان والو! تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے آگے نہ بڑھو (۱) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ﴿۱﴾ اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آواز اونچی (۲) نہ کرو، اور ان کے سامنے بلند آواز سے اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم میں سے بعض بعض کے سامنے اپنی آواز بلند کرتا ہے، ورنہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے، اور تم اس کا احساس بھی نہ کر سکو گے ﴿۲﴾

تفسیر سورۃ الحجرات

نام: آیت (۳) ﴿إِنَّ الَّذِينَ ينادونك من وراء الحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ سے ماخوذ ہے۔ زمانہ نزول: قرطی لکھتے ہیں کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے، اس کے مضامین کا نتیجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد مدنی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھی، اور یہ کہ پوری سورت ایک ہی وقت نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس کا سب سے اہم مضمون ان آداب کی تعلیم ہے، جن کا ہر مسلمان کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کرتے وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے، تاکہ آپ ﷺ کی شان میں ان سے گستاخی نہ ہو جائے، اور آپ ﷺ کو ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

(۱) بخاری نے عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بنی تیم کے کچھ سوار نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ ان کا امیر قعقاع بن معبد کو بنا دیا، اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اقرع بن حابس کو بنا دیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارا مقصد صرف میری مخالفت کرنی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنی نہیں ہے۔ دونوں کے درمیان بات بڑھ گئی اور دونوں کی آواز اونچی ہو گئی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ عجلت میں آکر نبی کریم ﷺ سے پہلے کوئی بات کہیں، یا کوئی کام کریں، یا اللہ اور اس کے رسول کا حکم جاننے سے پہلے کوئی اقدام کریں۔

حافظ ابن کثیر نے آیت کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانو! آپ ﷺ سے پہلے کوئی کام کرنے میں جلدی نہ کرو، بلکہ تمام امور میں ان کی پیروی کرو۔ ابن جریر نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اے وہ لوگو جنہوں نے اللہ کی وحدانیت اور اس کے نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا ہے۔ تم اپنے کسی جنگی یا دینی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے پہلے خود کوئی فیصلہ نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف فیصلہ کر لو۔ عرب کہا کرتے ہیں "فلان يتقدم بين يدي إمامه" یعنی فلاں شخص امام سے پہلے امر اور نہی صادر کرنے لگتا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنو! اپنے تمام معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان معاملات میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ کوئی کام کیا جائے، نہ کوئی بات کہی جائے، اور نہ ان کے فیصلے سے پہلے کوئی فیصلہ کیا جائے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ جب وہ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں ہوں تو اتنی اونچی آواز سے نہ

إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَسْوَأَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ سَعِيرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْعُجُرَةِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی (۳) رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے، اُن کے لئے اللہ کی مغفرت اور اجر عظیم ہے ﴿۳﴾ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے (۴) ہیں، اُن میں اکثر لوگ بے عقل ہیں ﴿۴﴾ اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ اُن کے پاس نکل کر آتے، تو اُن کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۵﴾

بولیں، کہ ان کی آواز آپ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جائے، اور آپ ﷺ کو اس طرح نہ پکاریں جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، بلکہ نہایت مؤدبانہ طور پر دھیمی آوازیں اس طرح پکاریں جس طرح نہایت معظم و محترم اور صاحب بیت انسان کو پکارا جاسکتا ہے، اس لئے کہ آپ کی شان میں ادنیٰ گستاخی اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے اور ایسا کرنے والے کے سارے نیک اعمال غیر شعوری طور پر ضائع ہو سکتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اس آیت کے پیش نظر، مسلمانوں پر واجب ہے کہ جب بھی آپ کا ذکر جیل آئے، یا آپ کا کوئی حکم یا کوئی حدیث بیان کی جائے تو ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے، آپ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی نہ ہونے پائے، آپ کی حدیث پر کسی دوسرے کے قول کو مقدم نہ کیا جائے، چاہے وہ دنیا کا کوئی بھی انسان ہو۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول، اس ذات کی قسم! جس نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے، میں جب تک زندہ رہوں گا آپ سے سرگوشی کے انداز میں بات کروں گا۔ حاکم نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ اور بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شماس نے کہا: جن کی آواز اونچی تھی، کہ میری ہی آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے اونچی ہوتی تھی، میرے اعمال برباد ہو گئے، اور میں اہل جہنم میں سے ہوں، اور محزون و مغموم اپنے گھر میں جا کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام نے جب آپ ﷺ کو ان کے حال کی خبر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ تو اہل جنت میں سے ہیں، چنانچہ وہ یمامہ میں مرتد ہونے والوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے مارے گئے۔

(۳) اس آیت کریمہ میں ان صحابہ کرام کی تعریف بیان کی گئی ہے جو مذکور بالا حکم پر عمل کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے حضور نہایت دھیمی آوازیں بات کرتے تھے، جیسے ابو بکر و عمر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ان صحابہ کرام کے دلوں کو تقویٰ اور نیک کاموں کے لئے اس طرح پاک و صاف کر دیا ہے، جس طرح آگ کے ذریعہ سونا رنگ سے صاف کر دیا جاتا ہے، اور ان کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت عطا فرمائے گا۔

(۴) اس آیت کریمہ میں بنی تمیم کے ان سخت دل اور بد اخلاق افراد کی برائی بیان کی گئی ہے، جنہوں نے امہات المؤمنین کے کمروں کے پاس آکر زور زور سے یا محمد ایما محمد! کی آواز لگائی تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِمَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٥﴾

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق (۵) تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اس کی تحقیق کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی میں نقصان پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے ﴿٦﴾

محمد بن اسحاق نے ۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ فتح مکہ، فتح تبوک، اور بنو ثقیف کے مسلمان ہو جانے کے بعد، ہر چہار جانب سے قبائل عرب کے وفد آنے لگے۔ انہی میں ایک وفد بنی تمیم کا تھا۔ ان لوگوں نے مسجد میں داخل ہوتے ہی رسول کریم ﷺ کو کمروں کے باہر سے پکارنا شروع کیا، اور کہا: اے محمد! باہر نکل کر ہمارے پاس آؤ۔ ان کی چیخ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی، آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ ابن اسحاق نے ان سے متعلق طویل روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ انہی کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

مسند احمد کی صحیح روایت میں ہے کہ پکارنے والے کا نام ”اقرع بن حابس“ تھا۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت اقرع بن حابس تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

آیت (۵) میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہایت باادب رہنے کی تعلیم دینے کے لئے فرمایا کہ اگر وہ لوگ مبر کرتے، اور ادب کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر آپ ﷺ کے نکلنے کا انتظار کر لیتے تو ان کے لئے دنیاوی اور آخروی دونوں اعتبار سے بہتر ہوتا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: علماء کا قول ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کے حضور اونچی آواز سے بات کرنے کی ممانعت تھی، اسی طرح آپ ﷺ کی قبر کے پاس آواز بلند کرنا ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ جس طرح زندگی میں واجب الاحترام تھے، مرنے کے بعد اپنی قبر میں بھی واجب الاحترام ہیں۔ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں دو آدمی کو اونچی آواز سے بات کرتے سنا، تو ان پر ننگری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا اور پوچھا کہ تم دونوں کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم طائف کے ہیں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو تمہاری پٹائی کر دیتا۔

(۵) حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جسے رسول اللہ ﷺ نے بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

اس واقعہ کو امام احمد، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مندہ اور ابن مردویہ نے (سیوطی کے قول کے مطابق) سند جید کے ساتھ حارث بن ضرار خزاعی سے روایت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حارث خزاعی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اسلام قبول کر لیا، اور آپ سے کہا کہ میں اپنی قوم کے مسلمانوں کی زکوٰۃ جمع کر کے رکھوں گا، اور آپ کا نمائندہ آکر مجھ سے وہ مال وصول کر لے گا۔ آپ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو اس کام کے لئے بھیجا، لیکن وہ بنو خزاعہ کے ڈر سے راستہ سے ہی واپس آ گیا، اور آپ ﷺ سے کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو حارث کی طرف بھیجا۔ ادھر حارث نے جب رسول اللہ ﷺ کے اہلچی کی آمد میں تاخیر محسوس کی، تو کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے، راستہ میں دونوں جماعتوں کی ٹڈ بھیز ہوئی تو حقیقت حال معلوم ہوئی۔ اور حارث

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَّا فِي قُلُوبِكُمُ وَكَلَّمَكُمُ الْيَقِينَ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّشِيدُونَ ﴿۸۷﴾ فَضَلَّاهُمُ مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۸۸﴾

اور تم جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں، اگر وہ بہت سے امور میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے، اور تمہارے دلوں میں اس کی زینت و خوبی بٹھادی ہے، اور تمہارے لئے کفر اور نافرمانی اور گناہ کو قابلِ صد نفرت بنا دیا ہے، یہی لوگ راہِ راست پر گامزن ہیں ﴿۸۷﴾ یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۸۸﴾

نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ولید بن عقبہ میرے پاس نہیں آیا تھا، تو اس کی کذب بیانی کا حال رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا، اور اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ”المعارف“ میں لکھا ہے کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کا سوتیلا بھائی تھا۔ دونوں کی ماں اروئی بنت کریمہ تھی، فتح مکہ کے دن اسلام لایا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے بنی المصطلق کی زکاۃ لانے کے لئے بھیجا تھا، لیکن وہ راستہ سے ہی واپس آ گیا اور آپ ﷺ سے کہہ دیا کہ انہوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، وہ جھوٹا تھا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومنوں کو نصیحت کی ہے کہ جب کوئی فاسق معصیتِ کبیرہ کا مرتکب، کوئی اہم خبر لے کر آئے تو جلدی نہ کرو، اور کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم عُجَلت اور نادانی میں کسی قوم کی جان و مال کو نقصان پہنچا دو، اور حقیقت کا پتہ چلنے کے بعد تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

یہ آیت دلیل ہے کہ فاسق کی خبر رد کر دی جائے گی۔ اور خبر دینے والا چاہے راوی ہو، شاہد ہو، یا یقینی ہو، اس کا ثقہ اور عدل ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ ثقہ اور عدل ہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی، اگرچہ وہ اکیلے راوی ہے۔

(۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والو! تم یہ نہ بھولو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول بھی رہتے ہیں، اگر تم جھوٹ بولو گے، افترا پردازی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری حقیقتِ حال سے انہیں باخبر کر دے گا۔

اور تم یہ بھی جان لو کہ اگر رسول اللہ ﷺ تمام معاملات میں تمہاری رائے قبول کرتے اور تمہاری ہر بات مان لیتے تو بہت سے امور میں تم اپنی طاقت سے بھاری مشقتوں میں پڑ جاتے، اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتے، اس لئے کہ تمہاری بہت سی رائیں غلط ہوتیں جنہیں رسول اللہ ﷺ مان کر اُن پر عمل کرتے، اور بڑی بڑی غلطیاں کرتے، جیسا کہ بنی المصطلق کے بارے میں ولید بن عقبہ کی جھوٹی بات مان لینے کی وجہ سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف فوج کشی کر کے انہیں قتل کر دیتے اور تاحق ان کے مال پر قبضہ کر لیتے، اسی لئے وہ تمہاری کسی رائے پر اس وقت تک عمل نہیں کرتے جب تک اُس پر غور نہیں کر لیتے ہیں۔

اور تم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ تمہارے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے، اور اس میں کفر باللہ، کذب بیانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی نفرت بیٹھادی ہے، جس کی برکت سے تم بہت سی مشقتوں سے نجات پا جاتے ہو۔

وَأَنْ طَافَيْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَكْفِيَ ۖ وَإِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنَّ فَارِغًا فَمَالِ الْعَدْلِ وَالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ بِمُحْسِنِ الْعَمَلِ عَلِيمٌ ۝٤٩

اور اگر مومنوں کے دو گروہ (۷) آپس میں برسر پیکار ہو جائیں، تو تم لوگ ان کے درمیان صلح کرو، پس اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر چڑھ دوڑے، تو تم سب مل کر باغی گروہ سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف رجوع کر لے، پس اگر وہ رجوع کر لے، تو تم لوگ دونوں گروہوں کے درمیان عدل و انصاف کے مطابق صلح کرو، اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۴۹﴾

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں شہادت دی کہ درحقیقت یہی لوگ راہ حق پر چلنے والے، اور اس پر شدت کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں۔

آیت (۸) میں یہ بات کہی گئی ہے کہ صحابہ کرام پر محض اللہ کا فضل و کرم تھا کہ اس نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی، اور کفر و معصیت کی نفرت پیدا کر دی۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اور کون بُرا۔ اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

(۷) اس آیت کے شان نزول کے بارے میں بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بعض صحابہ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کے پاس اس کی دل دہی کے لئے جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ آپ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور صحابہ کرام پیدل چل پڑے، اُدھر کی زمین نمک والی تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر کہا کہ دور ہی رہو، تمہارے گدھے کی بو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، تو ایک انصاری نے کہا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بو تمہارے جسم کی بو سے زیادہ اچھی ہے، اس بات پر عبد اللہ بن ابی کی قوم کے چند افراد ناراض ہو گئے۔ ادھر صحابہ کرام بھی ناراض ہو گئے، اور دونوں طرف سے کجھور کی شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں کے ذریعہ ایک دوسرے پر حملہ ہونے لگا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعت آپس میں قتال کرنے لگے، تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ان دونوں جماعتوں کو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ قبول کرنے کی دعوت دیں، اگر قبول کر لیں تو یہی مطلوب ہے، اور اگر ایک جماعت اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دے، تو مسلمان اس باغی جماعت سے قتال کریں، یہاں تک کہ وہ قرآن میں مذکور اللہ کا حکم قبول کرنے پر راضی ہو جائے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے درمیان عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیں، یعنی اللہ کے اس حکم کے مطابق جو اس کی کتاب میں مذکور ہے، اور جو عین عدل ہے۔ مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ مومنو! تمہارا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہونا چاہئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اور اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انہیں بہترین بدلہ دے گا۔ علمائے تفسیر نے اس آیت کریمہ سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط کئے ہیں:

- ۱- مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان صلح کرنا واجب ہے۔
- ۲- باغی جماعت سے قتال کرنا واجب ہے، اور یہ حکم اہل کفر اور دیگر تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔
- ۳- جو شخص باغی جماعت سے الگ ہو جائے گا، اس سے قتال نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿حَتَّى تَكْفِيَ﴾ کہا ہے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْحَابُ بَيْتِنَا أَخَوِيكُمْ وَاللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿١٣٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا قَوْمٌ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْكُمْ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّغَابِ بِغِسِّ الْإِسْمِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١٣٦﴾

بے شک مومنین آپس میں بھائی (۸) ہیں، پس تم لوگ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۵﴾ اے ایمان والو! ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق (۹) نہ اڑائے، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں، اور تم اپنے مسلمان بھائیوں پر طعنہ زنی نہ کرو، اور ایک دوسرے کو بُرے القاب نہ دو، ایمان لانے کے بعد مسلمان کو بُرا نام دینا بڑی بُری شے ہے، اور جو ایسی بد زبانی و بد اخلاقی سے تائب نہیں ہوں گے، تو وہی لوگ ظالم ہیں ﴿۱۳۶﴾

یعنی جب باغی جماعت بغاوت سے باز آجائے گی تو اس سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

۳- پیچھے ہٹ جانے والے اور زخمی کا قتل کرنا حرام ہے۔

۵- نہ ان کا مال، مال غنیمت ہوگا، اور نہ ان کی اولاد کو غلام بنایا جائے گا، اس لئے کہ بغاوت کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہو گئے تھے۔

۶- اگر حالت جنگ میں ان کا مال لے لیا گیا تھا، تو اسے واپس کر دیا جائے گا، اور اگر انہوں نے فریق مقابل کی جان یا مال کو نقصان پہنچایا تھا تو وہ اس کے ضامن نہیں ہوں گے۔

۷- اگر کوئی باغی مارا جائے گا، تو اسے نہلایا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا، اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

۸- اگر انصاف پر قائم جماعت کا کوئی فرد مارا جائے گا، تو وہ شہید ہوگا، نہ اسے نہلایا جائے گا، اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

۹- اگر دو جماعتوں کے درمیان نسلی یا قومی عصبيت یا طلب حکومت کی وجہ سے جنگ ہوگی تو دونوں ہی جماعتیں ظالم ہوں گی، اور ہر دو جماعت ایک دوسرے کے خسارے کی ضامن ہوگی۔

(۸) مسلمانوں کی دو مختار جماعتوں کے درمیان جس صلح کا اوپر کی آیت میں حکم دیا گیا ہے، اسی کی مزید تاکید کے طور پر یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں، دین کا رشتہ سب سے قوی رشتہ ہوتا ہے، جس کا تقاضہ ہے کہ اگر کبھی دو مسلمان بھائیوں یا جماعتوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق آپس میں صلح کر لیں، اور اللہ سے ڈریں، اور اس میں ذرا بھی سستی نہ کریں، تاکہ اختلاف بڑھنے نہ پائے، اور مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ صلح کی راہ ہی وہ راہ ہے جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے گا، اور ان کے آپس کا اختلاف بڑھنے نہیں پائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بھی اسلامی اخوت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اُسے رسوا کرے۔ اور بخاری نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مومن مومن کے لئے عمارت کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو طاقت پہنچاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٣﴾

اے ایمان والو! تم لوگ بہت ساری بدگمانی کی باتوں سے پرہیز^(۱۰) کرو، بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے، اور دوسروں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارہ کرے گا، تم اسے بالکل گوارہ نہیں کرو گے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۳﴾

(۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بعض ان امور سے منع فرمایا ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نزاع اور جنگ و قتال کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہاری ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ حقیر سمجھ کر جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، وہ اللہ کے نزدیک مذاق اڑانے والی جماعت سے بہتر ہو، مفسر ابو السعود لکھتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے ایک کے اچھا ہونے کا تعلق اس کی صورت و شکل اور دیگر ظاہری اسباب سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق دلوں میں پوشیدہ باتوں سے ہے۔ اس لئے کوئی کسی کو حقیر نہ جانے، شاید کہ جسے حقیر جانا جا رہا ہے، وہ حقیر جاننے والی جماعت سے اللہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہو۔

اور مردوں اور عورتوں کا اس بارے میں ایک ہی حکم ہے، یعنی کسی مومنہ کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بہن کا مذاق اڑائے، ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک مذاق اڑانے والی سی بہتر ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ الکہف کی آیت (۴۹) ﴿يَوْمَلْتَنَامَا لِهَذَا الْكِتَابِ لَا يَغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾ ”ہائے ہماری خرابی، یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا گناہ بغیر شمار کئے نہیں چھوڑا ہے“ کی تفسیر میں کہا ہے کہ گناہ صغیرہ یہ ہے کہ کسی مومن کا مذاق اڑایا جائے، اور کبیرہ یہ ہے کہ اُس پر قہقہہ لگایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی مسلمان مرد یا عورت اپنے مسلمان بھائی یا بہن میں عیب لگائے۔ اور چونکہ ایمانی رشتہ سب سے قوی رشتہ ہوتا ہے، اس لئے مسلمان آپس میں ایک جان ہوتے ہیں، تو کسی مسلمان کی عیب جوئی گویا خود اپنی عیب جوئی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی کسی کو ایسے نام سے پکارے جسے وہ بُرا سمجھتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی مسلمانوں میں عداوت و اختلاف کا بہت بڑا سبب ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ بدترین بات یہ ہے کہ مسلمان کو بُرے نام سے پکارا جائے، جیسے فاسق، کافر، زانی یا فاسد کہا جائے۔ اور ﴿بِغْضِ الْأَسْمِ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ کی تفسیر میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مسلمان کو بُرے نام سے پکارنے والا فاسق قرار پاتا ہے، جو (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد) اس کے لئے بڑا ہی بُرا نام ہے، جسے اُس نے بُرے کر توت کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید فرمایا کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کا مذاق اڑانے، اس کی عیب جوئی کرنے، اور اسے بُرے ناموں کے ذریعہ پکارنے سے باز نہیں آئے گا، اور ان گناہوں سے تاب نہیں ہوگا، وہ درحقیقت اپنے حق میں بڑا ظالم ہوگا، کہ وہ ان گناہوں کے سبب اللہ کے عقاب کا مستحق ٹھہرے گا۔

(۱۰) اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بدظنی، تجسس اور غیبت سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے، اس کے خلاف تجسس نہ کیا جائے، اور اس کی غیبت نہ کی جائے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ بعض بدظنی انسان کو گناہ تک چھپچھادیتی ہے، جیسے کہ نیک لوگوں سے بدظنی کی وجہ سے ان کے بارے میں بُری باتیں پھیلائی جائیں۔

زجاج کہتے ہیں کہ آیت میں ”ظن“ سے مراد اہل خیر کے بارے میں بدظنی رکھنی ہے، بدکرداروں اور فاسقوں کے ظاہری اعمال سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، ان کے بارے میں ویسا ہی خیال رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرطبی نے اکثر علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس مسلمان کا ظاہر اچھا ہو، اس کے بارے میں بدظنی جائز نہیں ہے، اور جس کا ظاہر خراب ہو اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور تجسس یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے عیوب اور ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹرید میں لگا رہے، اللہ تعالیٰ نے تو ان عیوب اور پوشیدہ باتوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، اور وہ اُن سے پردہ ہٹا دینا چاہتا ہے۔

اور غیبت یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں ایسی بات کہی جائے جسے وہ پسند نہیں کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں وہ بات کہی جائے جو اس کے اندر موجود ہے، اور اگر وہ بُرائی اس کے اندر نہیں ہے تو وہ بہتان ہے۔

اور آیت میں غیبت کو مُردے کا گوشت کھانے سے اس لئے تشبیہ دیا گیا ہے کہ جس طرح مُردہ کو خبر نہیں ہوتی کہ کوئی اس کا گوشت کھا رہا ہے اسی طرح غیبت کئے جانے والے کو خبر نہیں ہوتی کہ کوئی اس کی عیب جوئی کر رہا ہے۔

آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمی کی عزت اس کے گوشت کے مانند ہے، جس طرح اس کا گوشت کھانا حرام ہے، اسی طرح اس کی عزت کے بارے میں بات کرنی بھی حرام ہے۔ اور مقصود غیبت سے نفرت دلانی ہے، کیونکہ انسانی طبیعتیں آدمی کا گوشت کھانے سے نفرت کرتی ہیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانو! جن بُرے اعمال سے تمہیں اس آیت میں روکا گیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو اور اللہ کے عقاب سے ڈرتے رہو۔ اور اگر کسی سے کوئی ایسی غلطی ہو جاتی ہے اور پھر اپنے گناہ پر نادام ہوتا ہے، اور اس سے تاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔

جن بُرے اعمال سے اس آیت کریمہ میں منع کیا گیا ہے، ان کی ممانعت نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث میں بھی آئی ہے۔ بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانو! تم بدظنی سے پرہیز کرو، اس لئے کہ بدظنی سب سے جھوٹی بات ہے، اور تجسس نہ کرو، اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اور آپس میں ایک دوسرے سے حسد، دشمنی اور بغض نہ رکھو، اور کسی کے پیچھے نہ لگو، اور اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بن کر رہو“۔

اور ابو داؤد نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی ٹرید میں لگے رہو گے، تو انہیں خراب کر دو گے“۔

اور ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، اور آواز اتنی اونچی کی کہ عورتوں کو ان کے گھروں میں سنایا، فرمایا: ”اے وہ لوگو جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو، حالانکہ ایمان تمہارے دلوں میں پیوست نہیں ہوا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ قَالَتِ الْأَعْرَابُ لِمَ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُوَلُوا آسَأْنَا وَكُنَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ وَ إِنْ تُؤْيِعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَكِلِكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا (۱۱) کیا ہے، اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۳﴾ دیہاتیوں نے کہا، ہم ایمان (۱۲) لے آئے، آپ کہہ دیجئے کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے، لیکن کہو کہ ہم نے اسلام کو قبول کر لیا ہے، اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے، تو اللہ تمہارے نیک اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۴﴾

ہے، مسلمانوں کی چھپی باتوں کی کرید میں نہ لگو، جو شخص مسلمانوں کی چھپی باتوں کی کرید میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی چھپی باتوں کو کریدتا ہے، یہاں تک کہ اُسے رُسا کر دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہو۔“

(۱۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبر دی ہے کہ وہ سب آدم و حوا کی اولاد ہیں، اس لئے نسب کے اعتبار سے سب برابر ہیں، اب ان میں جو جتنا زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار ہوگا، اتنا ہی اس کا مقام اللہ کے نزدیک اونچا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قوموں اور قبائل میں اس لئے نہیں بانٹا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جھوٹا فخر کریں، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کا مقصد محض یہ ہے کہ وہ بہائم کی طرح زندگی نہ گذاریں کہ کوئی کسی کو نہیں پہچانتا، بلکہ ان کے آپس میں جان پہچان اور تعارف ہونا چاہئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں قوموں، قبیلوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا ہے، تاکہ ان کے درمیان باہمی تعاون کا جذبہ پیدا ہو، اور ایک صالح سوسائٹی وجود میں آئے۔

علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ انساب کی حفاظت کا اہتمام امر مطلوب ہے، کیونکہ اسی کے ذریعہ آپس میں تعارف ہوتا ہے، صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، آپس میں وراثت کی تقسیم ہوتی ہے، اور رشتہ داریاں قائم ہوتی ہیں، لیکن نسب کی بنیاد پر فخر کرنا مذموم ہے، اور متقی آدمی اگرچہ خاندانی اعتبار سے پست ہوگا، غیر متقی خاندانی آدمی پر مقدم ہوگا۔ ابن ابی حاتم نے ابن وہب سے روایت کی ہے کہ میں نے امام مالک سے پوچھا کہ کسی عربی عورت سے غلام کی شادی کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا: حلال ہے، پھر یہی آیت پڑھی، یعنی کفو ہونے کے لئے آزادی کی شرط نہیں لگائی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے نکاح میں کفو ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ سوائے دین کے کوئی شرط نہیں ہے۔

آیت میں مذکور معنی و مفہوم کو نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون شخص زیادہ باعزت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے باعزت وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔“ امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَأْتُوا بِالْبُاطِلِ وَأَمْوَالُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ
الضَّادُّونَ ۝ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِذُنُوبِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (۱۳) لائے، پھر شک میں مبتلا نہیں ہوئے، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ سچے ہیں ﴿۱۵﴾ اے میرے نبی! آپ ان سے کہئے، کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو، حالانکہ اللہ تو ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے ﴿۱۶﴾

نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔"

(۱۲) ابن عباس، قتادہ اور مجاہد سے مختلف سندوں کے ذریعہ مروی ہے کہ یہ آیت قبیلہ بنی اسد کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ قحط سالی سے پریشان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت مدینہ آگئے، اور بظاہر اسلام قبول کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ فلاں فلاں قبیلے آپ کے پاس اپنی سوار یوں پر آئے، اور ہم تو آپ کے پاس اپنے بال بچوں سمیت آگئے ہیں، اور ہم نے فلاں فلاں قبیلوں کی طرح آپ سے جنگ نہیں کی ہے، اور اس احسان جتانے سے ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ صدقہ حاصل کرنا تھا، تو یہ آیت ان کی ایمانی تربیت کے لئے نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دیہاتیوں نے کہا، ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں، اس لئے ہم مومن ہیں، اور ہر اکرام و عزت افزائی کے مستحق ہیں۔ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان سے کہا کہ تم ابھی مومن نہیں ہو، اس لئے کہ ایمان اعتقاد قلب، خلوص نیت اور حصول اطمینان کا نام ہے، تم لوگ یہ کہو کہ ہاں ہم لوگ غلامی اور قتل کے ڈر سے یا صدقہ کی لالچ میں ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو گئے ہیں، اور یہ صفت منافقین کی ہے۔

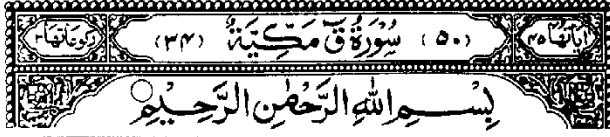
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے، ورنہ اس کا اثر تمہارے جسموں پر ظاہر ہوتا، اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اُس کی تصدیق ہوتی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ "لَمَّا" توقع اور امید کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ بعد میں صحیح معنوں میں مومن ہو گئے تھے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انہی دیہاتیوں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کے اوامر کو بجا لاؤ گے اور ان کے نواہی سے بچتے رہو گے، تو اللہ تمہارے نیک اعمال کا اجر ہرگز کم نہیں کرے گا۔ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے، اس لئے اس کی طرف رجوع کرو، نفاق سے توبہ کرو، اپنے دلوں میں ایمان کو راسخ کرو، اور اس ایمان راسخ کے مطابق عمل کرو، تاکہ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تم پر رحم کرے۔

(۱۳) ایمان صادق کسے کہتے ہیں؟ اور حقیقی مومن کون ہے؟ اسی کی تشریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقی معنوں میں اہل ایمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر صدق دل سے ایمان لے آئے، ایسا ایمان جس کے بعد ان کے دل کے کسی گوشہ میں شک کا شائبہ تک باقی نہ رہا، اور اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور دیگر اعمال صالحہ بھی کئے۔ یہی لوگ اپنے ایمان کے دعویٰ میں صادق ہیں، نہ کہ وہ دیہاتی جن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا، اور نہ ان کے عمل نے ان کے

يُكُونُ عَلَيْكَ أَنْ أَسْكُمُوا قُلُوبَهُمْ لَمْ يُؤْمَرُوا عَلَى إِسْلَامِكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْتُمْ لِيَاثِمَانَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ مَّا تَعْمَلُونَ ۝



دیہاتی آپ پر احسان جتاتے^(۱۳) ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی، اگر تم اپنے اسلام میں سچے ہو ﴿۱۷﴾ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی باتوں کو جانتا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اُسے وہ خوب دیکھ رہا ہے ﴿۱۸﴾

سورہ ق مکی ہے، اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

صادق الایمان ہونے کی تصدیق کی۔

(۱۳) اس آیت کریمہ میں انہی دیہاتیوں سے جن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تھا اور جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے زبرد تو بخ کے طور پر کہا ہے کہ تم اللہ کو اپنے دین و ایمان کی خبر دیتے ہو، تاکہ تمہیں مومن مان لیا جائے، حالانکہ وہ تو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کی خبر رکھتا ہے، اس لئے اسے خوب معلوم ہے کہ تمہارا ایمان کس درجہ کا ہے، اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس لئے تمہارے دلوں میں جو بات ہے اس کے خلاف کوئی بات نہ کہو، ورنہ اس کے عقاب سے بچ نہ سکو گے۔

آیت (۱۷) میں انہی دیہاتیوں کی ایک دوسری غلطی پر تنبیہ کی جا رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ دیہاتی آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ہے، تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ، اس لئے کہ جو راہ ہدایت پر آجاتا ہے وہ اپنا بھلا کرتا ہے، بلکہ اگر تم اپنے ایمان میں صادق ہوتے تو اللہ تم پر احسان جتاتا کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی، لیکن اُسے معلوم ہے کہ تم جھوٹے ہو، اس لئے کہ اس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت (۱۸) میں فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کی خبر رکھتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کون صادق الایمان ہے، اور کون کاذب الایمان۔

تفسیر سورہ ق

نام: پہلی آیت کی ابتدا میں موجود حرف مقطع ”ق“ اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اسے سورہ ”الباقعات“ بھی کہا جاتا ہے۔
زمانہ نزول: تمام کے نزدیک اس کا زمانہ نزول کمی دور ہے۔ ابن عباس اور قتادہ سے مروی ایک روایت کے مطابق صرف ایک آیت ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ مدنی ہے۔
حافظ ابن کثیر اور امام شوکانی کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ مفصل صورتوں کی ابتدا اسی سورت سے ہوتی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ان کی ابتدا سورہ الحجرات سے ہوتی ہے، جس کی تفسیر ابھی گذری ہے۔ سورہ ”ق“ سے لے کر سورہ ”الناس“ تک

قَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝

ق (۱) قسم ہے قرآن کی جو عالی مرتبت عظیم المنافع ہے ﴿۱﴾ بلکہ انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے (اللہ سے) ایک ڈرانے والا آیا ہے، تو کافروں نے کہا یہ تو ایک عجیب چیز ہے ﴿۲﴾

قرآن کریم کی سورتوں کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ سورہ "ق" سے "النازعات" تک کی سورتوں کو "طوال مفصل" سورہ "ہیس" سے لے کر "اللیل" تک کو "وسط مفصل" اور "الضحیٰ" سے "الاناس" تک "قصار مفصل" کہا جاتا ہے۔ فجر کی نماز میں طوال مفصل سے، ظہر اور عشاء میں وسط مفصل سے، اور مغرب میں قصار مفصل سے پڑھنا مستحب ہے۔

امام احمد، مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیشی سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ق اور اقرتبت۔

اور مسلم، ابو داؤد اور نسائی وغیرہم نے ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان سے روایت کی ہے کہ میں نے سورہ ق رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کیا تھا، آپ ﷺ ہر جمعہ اسے پڑھ کر خطبہ دیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ ہر جمعہ کے دن جب لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے تھے تو اسے منبر پر پڑھتے تھے۔

مقتصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورہ ق عید اور جمعہ جیسے مجموعوں میں پڑھا کرتے تھے، اس لئے کہ اس میں انسان کی پیدائش، بعثت بعد الموت، قیامت، حساب و کتاب، جنت و جہنم، ثواب و عقاب اور ترغیب و ترہیب کا ذکر آیا ہے، جنہیں سننے سے آدمی کے اندر فکر آخرت پیدا ہوتی ہے۔

(۱) ق حرف مقطع ہے، جس کے حقیقی معنی و مفہوم کا علم اللہ کو ہی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) کی قسم کھائی ہے، جو بہت ہی بلند و بالا مرتبہ والی کتاب ہے۔ اور اس قسم کا جواب محذوف ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی تقدیر "إِن مُحَمَّدًا الرَّسُولَ أَمِينًا" مانا ہے، یعنی عالی مقام قرآن کی قسم ہے، کہ محمد اللہ کے امانت دار رسول ہیں۔ بعض نے اس کی تقدیر "أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُنذِرَ بِهِ النَّاسَ" مانا ہے، یعنی بلند مقام قرآن کی قسم ہے ہم نے اس قرآن کو آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ اسے پڑھ کر لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔

لیکن مشرکین مکہ نے محمد کے رسول ہونے میں شبہ کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے ان کی بعثت کو ایک امر عجیب قرار دیا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہی درمیان کا ایک فرد رسول بنا کر ہمیں اللہ سے ڈرانے کے لئے بھیج دیا جائے۔ ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ میں گزشتہ بات کی ہی مزید صراحت کر دی گئی ہے، یعنی اس سے زیادہ حیرت انگیز بات نہیں ہو سکتی کہ محمد کو نبی بنا دیا جائے جو ہمارے ہی جیسا آدمی ہے۔

قائدہ کہتے ہیں کہ "ہذا" سے اشارہ "معبود واحد کی پرستش کی دعوت" کی طرف ہے، یعنی یہ عجیب بات ہے کہ ہمیں تمام معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی عبادت کی دعوت دی جا رہی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کافروں کو (بعثت بعد الموت) کی بات پر تعجب تھا، ایسی صورت میں "ہذا" کی تفسیر بعد والی آیت ﴿اِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا﴾ سے ہوتی ہے، یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا بڑی عجیب سی بات ہے۔

عِزًّا مِّنَّا وَكَفَّاتِرَابًا ذٰلِكَ رَجْعُ بَعِيدٌ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۗ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حٰفِیْظٌ ۗ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۴ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَرَازَقْنَاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۳۵

کیا جب ہم مرجائیں گے (۲) اور مٹی ہو جائیں گے، اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا تو عقل سے لگتی بات نہیں ہے ﴿۳۴﴾ زمین اُن کے جسوں میں سے جو کچھ گھٹاتی جاتی ہے، ہمیں اس کا پورا علم (۳) ہے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چیز کا ریکارڈ ہے ﴿۳۴﴾ بلکہ انہوں نے قرآن برحق کو جھٹلایا (۴) ہے، جب اُن کے پاس آ گیا ہے، پس وہ اضطراب و پریشانی میں ہیں ﴿۳۵﴾ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان (۵) کو نہیں دیکھا ہے، ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے، اسے ستاروں سے مزین کیا ہے، اور اس میں کوئی شکاف نہیں ہے ﴿۳۶﴾

(۲) مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا ہی انکار نہیں کیا، بلکہ بعث بعد الموت کا بھی انکار کیا، اس لئے کہ آپ ﷺ انہیں روز قیامت کے ہی عذاب سے توڑاتے تھے، جو بعث بعد الموت کے بعد آنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان کی اسی حیرت و انکار کو بطور تاکید بیان کیا گیا ہے، کہ کیا جب ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، جیسا کہ محمد ہمیں قرآن پڑھ کر اس کی یقین دہانی کراتا ہے۔ ہمارا دوبارہ زندہ کیا جانا ہم و خیل ہے اور امکان و عادت سے بہت دور کی بات ہے۔ (۳) بعث بعد الموت کے انکار کی تردید ہے، یعنی مرنے کے بعد جب انسان دفن کر دیا جاتا ہے، تو زمین اس کے جسم کو آہستہ آہستہ کھا جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے، اس لئے کہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے، اس کا علم کامل اور نہایت لطیف ہے، کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے خارج نہیں ہے، ایسے قادر مطلق اور علام الغیوب کے لئے یہ بات کیسے بعید از امکان مانی جاتی ہے کہ وہ دوبارہ مردوں کو زندہ کرے گا!

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوح محفوظ میں تمام انسانوں کی تعداد، ان کے نام، اور ہر چیز محفوظ ہے، اور جب قیامت آئے گی تو جیسے وہ تمام پہلی بار پیدا کئے گئے تھے، دوبارہ بے کم و کاست پیدا کئے جائیں گے، کسی چیز میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(۴) مشرکین مکہ نے صرف یہی جرم نہیں کیا کہ انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا، بلکہ اس سے بھی بڑا جرم ان کا یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کا انکار کیا، اور نبی کریم ﷺ کا انکار کیا جن پر قرآن نازل ہوا، اور اس معاملہ میں وہ نہایت اضطراب میں مبتلا ہیں، کسی ایک حال پر ان کو قرار نہیں ہے، رسول کریم ﷺ کو کبھی ساحر، کبھی شاعر، اور کبھی کذاب اور منفردی کہتے ہیں، اور قرآن کو اقوام گذشتہ کے خیالی قصے بتاتے ہیں۔ انہیں خود معلوم نہیں کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

(۵) عقیدہ بعث بعد الموت کو ہی مشرکین مکہ کے دل و دماغ میں بٹھانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ یہ منکرین بعث بعد الموت اور یہ منکرین روز قیامت، کیا اپنی آنکھوں سے اپنے سروں کے اوپر اونچے آسمان کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کس طرح اللہ نے بغیر دیکھے جانے والے ستونوں کے سہارے اسے قائم و ثابت رکھا ہوا ہے، اور اسے آفتاب و ماہتاب اور ان گنت ستاروں کے ذریعہ مزین کیا ہوا ہے، اور اس میں کوئی شکاف نہیں ہے، کیا وہ اللہ جو ایسے آسمان کی تخلیق پر قادر ہے، وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ جسے اس نے پہلی بار پیدا کیا ہے، اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا، اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَابِي وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَبْهُوجٍ ۗ تَبَصَّرَةٌ وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۗ
وَنُرَاكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا فَالْتَبَتْنَا بِهِ جَنَّتِي وَحَبَّ الْعَصِيدِ ۗ وَالنَّخْلُ لِيَقُوبَ لَهَا طَلْعُ نَضِيدٍ ۗ زَنَقًا لِلْعِبَادِ ۗ
أَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۗ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۗ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ
لُوطٍ ۗ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ۗ وَقَوْمُ تُبُعَ ۗ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدُ ۗ

اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا^(۶) ہے، اور اس میں پہاڑوں کے کھونے گاڑ دیئے ہیں، اور اُس میں ہر قسم کے خوشنما پودے اُگائے ہیں ﴿۷﴾ ان باتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہر بندے کے لئے عبرت و موعظت ہے ﴿۸﴾ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی ﴿۷﴾ نازل کیا، جس کے ذریعہ ہم نے باغات اور کھیتوں کے دانے اُگائے ﴿۹﴾ اور کھجور کے لمبے درخت اُگائے، جن کے خوشے تہ بہ تہ پھلوں سے بھرے ہوتے ہیں ﴿۱۰﴾ یہ بندوں کے لئے روزی ہوتی ہے، اور بارش کے پانی کے ذریعہ ہم مُردہ شہر کو زندہ کر دیتے ہیں، مُردوں کا زندہ ہو کر قبروں سے نکلنا اسی طرح ہوگا ﴿۱۱﴾ کفار مکہ سے پہلے قوم نوح^(۸) اور رس والوں نے اور ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿۱۲﴾ اور قوم عاد اور فرعون اور لوط والوں نے جھٹلایا تھا ﴿۱۳﴾ اور ایک والوں نے اور قوم ثبیج نے جھٹلایا تھا، ہر ایک نے اپنے رسول کو جھٹلایا، تو میرا وعدہ عذاب پورا ہو گیا ﴿۱۴﴾

(۶) اور کیا یہ منکرین بعث بعد الموت نہیں دیکھتے کہ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے، اور اس کے اوپر پہاڑوں کے کھونے گاڑ دیئے ہیں، تاکہ زمین اپنے اندرونی جوش کی وجہ سے ہلنے نہ لگے۔ اور اس میں انواع و اقسام کے خوبصورت پودے اُگائے ہیں، جو اپنے حُسن و جمال کی وجہ سے گویا کہ مُسکرا رہے ہیں۔ قدرت کے یہ نظارے ہر اس بندے کو دعوتِ فکر و نظر دیتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اس کی رضا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ جو اللہ ان باتوں پر قادر ہے وہ یقیناً انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(۷) اللہ نے آسمانوں سے کثیر المنفعت پانی برسایا ہے، جس کے ذریعہ اُس نے پھلدار درخت اُگائے، اور گیہوں، جو اور دوسرے دانے اُگائے، اور کھجوروں کے لمبے لمبے درخت اُگائے، جن کے پھلوں کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیں۔ اللہ نے یہ ساری چیزیں اپنے بندوں کی روزی کے لئے پیدا کی ہیں۔

اور اللہ نے پانی کے ذریعہ قحط زدہ مُردہ زمینوں میں جان ڈال دی، اور ان میں قسم قسم کے پودے، پھول اور پھل اُگ آئے، جس طرح اللہ کی قدرت سے پانی کے ذریعہ مُردہ زمین میں جان پڑ گئی، اسی طرح قیامت کے دن مُردے اپنی قبروں سے زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

(۸) یہاں بھی مقصود یہی ثابت کرنا ہے کہ بعث بعد الموت حق ہے، تمام انبیائے کرام نے اپنی قوموں کو یہی بتایا کہ بعث بعد الموت اور روزِ قیامت برحق ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور جو شخص بھی اس کا منکر ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش والوں سے پہلے، قوم نوح نے بھی روزِ قیامت، جزا و سزا اور نوح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا تھا۔ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک انہیں اللہ کی طرف بلاتے رہے، لیکن نوے سے کم لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی۔

اَفَعَبَيْنَا بِالْاٰخِلَاقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ وَاَلَمْ نَخْلُقْنَا الْاِنْسَانَ وَاَعْلَمُوْا مَا تُوَسَّوْسُ بِهٖ نَفْسُهٗۙ
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِمْ مِّنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ؕ اِذْ يَتْلٰكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَنِ الْاَيْمٰنِ وَعَنِ الشَّمٰلِ قَوْعِدًا ؕ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا
لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ؕ

کیا ہم انسانوں کی پہلی تخلیق (۹) سے تھک گئے تھے، بلکہ وہ اپنی نئی (دوبارہ) تخلیق کے بارے میں شبہ میں مبتلا ہیں ﴿۱۵﴾ اور ہم نے انسان کو پیدا (۱۰) کیا ہے، اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کیسے خیالات گذرتے ہیں، اور ہم شبہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں ﴿۱۶﴾ جب عمل جمع کرنے والے دو فرشتے دائیں اور بائیں بیٹھے، تمام اعمال کو جمع کرتے رہتے ہیں ﴿۱۷﴾ آدمی جب بھی کوئی بات اپنی زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے (جو اسے لکھ لیتا ہے) ﴿۱۸﴾

اصحاب الرس سے ایک ایسی قوم مراد ہے جس نے اپنے نبی کو کونوں میں پھینک دیا تھا، بعض کے نزدیک شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے، اور بعض دوسروں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی ایک جماعت، یا اصحاب اُخدود یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایک بڑی آگ جلا کر اس میں اپنی ہستی کے مومنوں کو ڈال دیا تھا۔

قوم ثمود نے صالح علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا، اور بطور معجزہ ظاہر ہونے والی اونٹنی کو ہلاک کر دیا تھا، اور قوم عاد نے ہود علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا، اور اضام پرستی پر اصرار کیا تھا۔ اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کیا تھا۔ اور قوم لوط کے لوگ عورتوں کے بجائے مردوں کے ساتھ بدکاری کر کے اپنی ثبوت پوری کرتے تھے، اور اصحاب ایک نے شعیب علیہ السلام کی دعوت ٹھکرادی تھی، اور ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے، سورۃ الشعراء آیت (۱۷۶) میں تفصیل گذر چکی ہے۔ اور شیخ حمیر کی قوم نے بھی سرکشی کی راہ اختیار کی، اور دین کی صحیح باتوں کو ٹھکرادیا تھا۔ سورۃ الدخان آیت (۳۷) کی تفسیر میں تفصیل گذر چکی ہے۔ ان تمام قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کی اور ان کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کی، تو اللہ کا عذاب ان کے لئے واجب ہو گیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس تفصیل سے مقصود مشرکین قریش کو ڈرانا اور دھمکانا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی حالت نہیں بدلی، اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب سے باز نہ آئے، تو ان پر بھی اللہ کا عذاب انہی قوموں کی طرح نازل ہو گا۔ نیز نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی بھی مقصود ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے تو غم نہ کیجئے، کیونکہ ان سے پہلی قوموں کا بھی یہی وطیرہ رہا ہے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا، اور ان میں سے بہت کم لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک وقت ایسا تھا کہ آسمان وزمین میں کوئی مخلوق نہیں پائی جاتی تھی، ہم نے انہیں پہلی بار پیدا کیا اور جب ہم پہلی بار مخلوقات کو پیدا کرنے سے عاجز نہیں تھے، تو انہیں دوبارہ پیدا کرنے سے کیسے عاجز ہیں گے۔

اور مشرکین مکہ جب اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ نے ہی تمام مخلوقات کو پہلی بار پیدا کیا ہے تو پھر وہ اس کا کیوں انکار کرتے ہیں کہ وہ انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ان کی کور مغزی کی وجہ سے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ مرنے کے بعد جب انسان کے اعضاء کھھر جائیں گے اور گل سڑ کر مٹی میں مل جائیں گے، تو اللہ ان اعضاء کو دوبارہ اکٹھا کرے گا، اور اس کی قدرت سے ان میں زندگی آجائے گی۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ قادر مطلق کے لئے یہ کام بہت ہی آسان ہے۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝

اور موت کی بے ہوشی (۱۱) برحق خبر لے کر آگئی، یہی وہ حقیقت ہے جس کے اعتراف سے تو راہ فرار اختیار کرتا تھا ﴿۱۹﴾ اور صور پھونک (۱۲) دیا گیا، عذاب الہی کے وعدے کا یہی دن ہے ﴿۲۰﴾ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا (۱۳) اور دوسرا گواہی دینے والا فرشتہ ہوگا ﴿۲۱﴾ (اس سے کہا جائے گا) تم یقیناً اس دن سے غافل (۱۳) تھے، تو آج ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے، پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے ﴿۲۲﴾

(۱۰) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض قدرتوں کا ذکر فرمایا ہے، باری تعالیٰ نے انسان کو اپنی عقل سے پیدا کیا ہے، اور اس کا علم اس کے تمام امور کو محیط ہے، یہاں تک کہ وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کا اس کے دل میں کھٹکا ہوتا ہے، اور وہ اپنے بندے سے شیر رگ سے زیادہ قریب ہے، وہ اس کے تمام احوال سے بغیر فرشتوں کے واسطہ کے غایت درجہ باخبر ہے، اس کے ساتھ فرشتوں کا پایا جانا، اور ان کے ذریعہ اس کے اعمال کا ریکارڈ میں لایا جانا محض اتمام حجت کے لئے ہے۔ حسن، قنادر اور مجاہد کہتے ہیں: ہر انسان کے ساتھ اللہ نے دو فرشتے لگادئے ہیں جو اس کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں اور اس کے حسنت و سیئات کو لکھتے رہتے ہیں۔ مجاہد کا ایک دوسرا قول ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو رات کے اور دو دن کے فرشتے لگادئے ہیں، جو اس کے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں۔“

انسان جو نبی اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے، اس پر متعین فرشتے فوراً اسے اس کے نامہ اعمال میں لکھ لیتے ہیں، دائیں طرف کا فرشتہ اس کے نیک اعمال کو، اور بائیں طرف کا اس کے بُرے اعمال کو درج کر لیتا ہے۔ اور وہ فرشتے انتہائی چوکنا اور ہر آن تیار رہتے ہیں، اپنی ذمہ داری سے کبھی غافل نہیں ہوتے ہیں۔

(۱۱) بلاآخر دنیا سے اس کے رخصت ہونے کا وقت آجاتا ہے، اور موت کی سختی اس پر طاری ہو جاتی ہے، اور بعثت بعد الموت اور روز قیامت کے جزا و سزا کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، اور جن حقائق کا وہ انکار کرتا تھا، اُن سے پردہ اُٹھ جاتا ہے، اور اس وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ یہی وہ موت ہے جس سے تم راہ فرار اختیار کرتے تھے۔

(۱۲) جس دن اسرافیل علیہ السلام بعثت بعد الموت کا صور پھونک دیں گے، اور سارے لوگ گھبرا کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے، وہی کافروں کے عذاب کا دن ہوگا۔ اور اگرچہ وہ دن مومنوں کے ساتھ کئے گئے وعدہ جنت کی تکمیل کا بھی ہوگا، لیکن کافروں کے لئے تیار کئے گئے عذابِ جہنم کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے صرف عذاب کا ذکر آیا ہے۔

(۱۳) نفعِ صورت کے بعد ہر آدمی کے پیچھے دو فرشتے لگ جائیں گے، ایک اُسے میدانِ محشر کی طرف ہانکے گا، اور دوسرا فرشتہ اس کے نیک اور بُرے اعمال کی گواہی دے رہا ہوگا۔ حسن، قنادر اور مجاہد کا یہی قول ہے۔ اور ضحاک کہتے ہیں کہ ہانکنے والا تو فرشتہ ہوگا، اور شاہد اس آدمی کے ہاتھ پاؤں ہوں گے۔

(۱۴) اُس دن جنوں اور انسانوں سے کہا جائے گا کہ تم سب یومِ آخرت اور اس کی ہولناکیوں سے غافل، اور دنیا اور اس کی لذتوں میں مشغول تھے، تو آج ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا ہے، اب تم ہر چیز کو اپنے سامنے عیاں پارہے ہو۔ مجاہد نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ آج تمہاری نظر تمہارے میزبانِ عمل پر ایسی لگی ہے کہ ہنٹی نہیں ہے، تمہاری بینائی میں تیزی آگئی ہے،

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَتِيدٍ ۗ أَلْقِيَٰ فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَتِيدٍ ۗ مَنَّٰهُ الْغَيْرِ مُعْتَبِدٍ مُّهِيبٍ ۗ الَّذِي جَعَلَ مَعَ
اللّٰهِ الْاٰخِرَ الْاَلَمِيَّةِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۗ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطَعَيْتُكَ وَلَا كُنَّا فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ۗ

اور وہ فرشتہ (۱۵) جو دنیا میں اس کے اعمال لکھتا تھا، کہے گا، میرے پاس جو کچھ تھا یہ دیکھو حاضر ہے ﴿۲۳﴾ اور دونوں فرشتوں! تم ہر سرکش کافر (۱۶) کو جہنم میں ڈال دو ﴿۲۴﴾ جو بھلائی سے روکنے والا (۱۷) حد سے تجاوز کرنے والا، شک کرنے والا تھا ﴿۲۵﴾ جس نے اللہ کے ساتھ ایک دوسرا معبود (۱۸) بنا رکھا تھا، پس تم دونوں اسے سخت عذاب میں ڈال دو ﴿۲۶﴾ اس جہنمی کا شیطان ساتھی کہے گا (۱۹) اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا، بلکہ یہ خود ہی گمراہی میں بہت دور چلا گیا تھا ﴿۲۷﴾

بڑے غور سے دیکھ رہے ہو کہ تمہاری نیکیوں کا پلڑا کہیں ہلکا تو نہیں ہو رہا ہے۔

(۱۵) قرین سے مراد یا تو وہ فرشتہ ہے جو ہر آدمی کے ساتھ دنیا میں لگا ہوتا ہے، اور اس کے نیک و بد اعمال لکھتا رہتا ہے، تو آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ وہ فرشتہ اللہ سے کہے گا کہ یہ ہے وہ آدمی اور اس کے اعمال جس کے پیچھے تو نے مجھے لگایا تھا۔ اور اگر ”قرین“ سے مراد وہ شیطان ہے جسے دنیا میں اس کا ساتھی بنا دیا گیا تھا تاکہ اسے گمراہ کرے، تو تفسیر یہ ہوگی کہ وہ شیطان رب العالمین سے کہے گا کہ یہ ہے وہ آدمی جسے گمراہ کرنے کے لئے تو نے مجھے اس کے پیچھے لگا دیا تھا، میں نے اسے گمراہ کر کے جہنم کے لئے تیار کر دیا ہے۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی مخلوقات کے درمیان نہایت عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور جب کافر کا حساب ہو چکے گا، تو اللہ تعالیٰ سائق و شاہد دونوں فرشتوں سے کہے گا کہ پکڑو اس اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کا انکار کرنے والے سرکش کافر کو، اور اسے جہنم میں ڈال دو۔

(۱۷) اسے اللہ نے مال دیا تھا تو اس پر سانپ بن کر بیٹھ گیا تھا، اس میں اللہ اور اس کے محتاج بندوں کا حق یکسر بھول گیا تھا، لوگوں پر زبان اور ہاتھ دونوں سے زیادتی کرتا تھا، انہیں گالیاں دیتا تھا، ان کی عزت پر حملے کرتا تھا، اور طاقت کے نشے میں ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا، اور کثرت دلائل کے باوجود دین اسلام کی حقانیت اور رسول اکرم (ﷺ) کی صداقت میں شبہ کرتا تھا۔

(۱۸) اور اس کی سب سے بدترین صفت یہ تھی کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی پرستش کرتا تھا، اس لئے اسے سائق و شاہد فرشتوں سے جہنم کی اس کھائی میں ڈال دو جس کا عذاب بہت ہی شدید ہے۔

(۱۹) وہ شیطان جسے دنیا میں اس کافر کا ساتھی بنا دیا گیا تھا، اُس دن اس سے اپنی براءت کا اعلان کر دے گا، اور کہے گا کہ اے ہمارے رب! اسے میں نے گمراہ نہیں کیا تھا، درحقیقت یہ خود ہی راہ حق سے بہت دور تھا، اگر یہ توحید کی راہ کو چھوڑ کر شرک باللہ کی راہ پر نہ چل پڑا ہوتا، اور گناہوں کے ذریعہ اپنی فطرتِ سلیمہ کو مسخ نہ کر لیا ہوتا، تو میرے نرغے میں نہ آتا اور میرے دوسوں کو قبول نہ کرتا۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ یہاں کافر کے شیطان ساتھی کی بات اس لئے نقل کی گئی ہے تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن کفار اور ان کے شیاطین ساتھی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔

قَالَ لَا تَخْضَعُوا لِدَعْوَىٰ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۖ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۗ يَوْمَ نَقُولُ لِبَنَاتِكُمْ هَلْ أَمْتَلَكْنَ وَتَقُولُنَّ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ۖ وَأَنزَلْنَا الْجَنَّةَ لِّلْمُتَّعِينَ غَيْرِ يَعْبُدُونِ ۖ

اللہ تعالیٰ کہے گا، تم سب میرے سامنے جھگڑا (۲۰) نہ کرو، میں نے تو عذاب کی دھمکی تمہیں پہلے ہی دے دی تھی ﴿۲۸﴾ میرے فیصلے (۲۱) بدلے نہیں جاتے، اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا ﴿۲۹﴾ جس دن ہم جہنم سے کہیں گے، کیا تو بھرگئی (۲۲) اور وہ کہے گی: کیا اور جہنمی ہیں ﴿۳۰﴾ اور جنت پر ہیزگاروں کے بالکل قریب (۲۳) کر دی جائے گی ﴿۳۱﴾ (۲۰) رب العالمین کفار اور ان کے شیاطین ساتھیوں کو آپس میں جھگڑا دیکھ کر کہیں گے کہ اب تم لوگ میرے پاس نہ جھگڑو، اس کا کوئی فائدہ نہیں، میں نے دنیا میں اپنی کتاب میں، اور اپنے رسول کی زبانی یہ بات واضح کر دی تھی کہ جو شخص اللہ کا انکار کرے گا، اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنائے گا، اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اس لئے آج کے دن تم دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۲۱) ابلیس نے آدم و حوا کو سوسہ میں ڈال کر جب جنت سے نکلوا دیا تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا تھا: ﴿يَا مَلَأْنِ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ ﴿۳۱﴾ ”میں جہنم کو یقیناً جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا“۔ (ہود: ۱۱۹)۔ اسی فیصلہ کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے کافروں اور رسولوں کی نافرمانی کرنے والوں کے بارے میں جو فیصلہ کر دیا ہے، وہ ہرگز نہیں بدلے گا، اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کروں گا کہ مطیع و فرمانبردار کو عذاب دوں، یا کافر و نافرمان کو جنت میں داخل کروں۔

مفسر قاشانی نے ﴿وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ کی تفسیر یہ کی ہے کہ ”میں نے بندوں کو قبول حق کی استعداد دی، انہیں خیر و شر سے آگاہ کیا، اور راہ حق کی طرف ان کی رہنمائی کر دی، اس لئے میں نہیں، بلکہ وہ خود ہی اپنے حق میں ظالم ہیں کہ روشی اور نور کو چھوڑ کر ظلمت و تاریکی کو اختیار کرتے ہیں، اور دائمی نعمت یعنی جنت کو نظر انداز کر کے فانی یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔

(۲۲) واحدی نے مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے جو بات کہی تھی کہ میں جنوں اور انسانوں کے ذریعہ جہنم کو بھر دوں گا، اس کے مطابق جب جہنم بھر جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا تم بھرگئی؟ تو جہنم کہے گی کہ ہاں میں بالکل بھرگئی اور اب کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ عطاء، مجاہد اور مقاتل بن سلیمان نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔

امام بخاری اور حافظ ابن کثیر وغیرہم نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق جہنم میں جنوں اور انسانوں کو ڈالتا جائے گا، اور جہنم مزید جہنمیوں کا مطالبہ کرتی رہے گی، یہاں تک کہ رب العزیز اس میں اپنا قدم ڈال دے گا، تو وہ سکز جائے گی اور کہنے لگے گی کہ بس بس، تیری عزت و بخشش کی قسم۔ بخاری اور مسلم نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، جس کا مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(۲۳) قیامت کے دن کافروں کا حال بیان کئے جانے کے بعد اب مومنوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس دن جنت متقیوں کے بالکل قریب کر دی جائے گی، اتنی قریب کہ میدانِ محشر سے ہی اس کا نظارہ کریں گے، اور ان نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے جنہیں دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا تھا، نہ کسی کان نے سنا تھا، اور نہ کسی انسان کے دل نے ان کا تصور کیا تھا۔

هَذَا مَا تَوَعَدُونَ لَكُنْ أَكْرَبَ حَفِیْظًا ۖ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۖ ادْخُلُوا جَنَّاتٍ مِنْ دُونِهَا لَا يَدْخُلُونَهَا إِلَّا الْأَنْبِيَاءُ وَالصَّالِحُونَ ۚ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَحْجُوحِينَ ۝

اور اُن سے کہا جائے گا، یہی ہے وہ جنت جس کا تم سے وعدہ (۲۴) کیا جاتا تھا، ہر اُس شخص سے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا، اس سے کئے گئے عہد و پیمان کی حفاظت کرنے والا تھا ﴿۳۲﴾ جو رحمن سے، اُسے بن دیکھے ڈرتا (۲۵) تھا، اور اس کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا ہے ﴿۳۳﴾ تم لوگ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ دن اُن کے لئے بیشکلی کا ہو گا ﴿۳۴﴾ اُس میں انہیں اپنی مرضی کی ہر چیز ملے گی، اور ہمارے پاس اُن کی خواہش سے زیادہ نعمتیں ہیں ﴿۳۵﴾ اور ہم نے کفار مکہ سے پہلے کتنی ایسی قوموں (۲۷) کو ہلاک کر دیا جو ان سے قوت و جبروت میں زیادہ تھیں، پس انہوں نے شہروں میں چھان مارا کہ انہیں کوئی جائے پناہ مل جائے ﴿۳۶﴾

(۲۴) اہل جنت جب جنت اور اس کی نعمتوں کو میدانِ محشر سے ہی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا، اور کہا گیا تھا کہ ہر شخص جو دنیا میں گناہوں سے منہ موڑ کر اللہ کی بندگی کرے گا اور اس کے فرض کردہ اعمال و احکام کو بجالائے گا اور امانتوں کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

(۲۵) اہل جنت کے جو اوصاف اوپر کی آیت میں بیان کئے گئے ہیں، انہی کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ سے اس حال میں بھی ڈرتے ہیں جب انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہو تا ہے، وہ اس دنیا میں اس یقین کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں کہ اگرچہ کوئی انسان انہیں نہیں دیکھتا ہے، لیکن اللہ تو انہیں ہر جگہ اور ہر حال میں دیکھ رہا ہے، اور ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ ہر دم اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں، اور جن کاموں کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے ان کے قریب نہیں پھٹکتے ہیں۔

(۲۶) مذکور بالا اوصاف سے تصفِ متقیوں سے اُس دن کہا جائے گا کہ اب تم لوگ جنت میں ہمیشہ کے لئے پورے امن و سکون کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہاں تمہیں نہ ماضی کا غم ہو گا، اور نہ مستقبل کا خوف، بڑے چین و سکون کی زندگی ہو گی، محن و ملال کا سایہ بھی ان کے دلوں پر نہیں پڑے گا۔ اور جس چیز کی بھی خواہش کریں گے وہ چیز چشمِ زدن میں ان کے پاس ہو گی، اور ان تمام نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت یہ ہو گی کہ باری تعالیٰ اپنا چہرہ انور ان کے سامنے کر دے گا، جس کا وہ نظارہ کریں گے۔ امام مسلم نے صحیبِ رومی رضی اللہ عنہ سے ﴿وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ کی یہی تفسیر روایت کی ہے۔

(۲۷) اقوامِ گذشتہ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اُسے سنا کر اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مشرکین سے پہلے بہت سی قومیں گذر چکی ہیں، جو ان سے قوت میں زیادہ تھیں، جیسے عاد و ثمود کی قومیں اور فرعون موسیٰ وغیر ہم، اور انہوں نے مختلف ممالک کی سیر بھی خوب کی، لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کیا انہوں نے زمین میں کوئی ایسی جگہ پائی جہاں بھاگ کر چلے جاتے اور عذاب سے بچ جاتے؟ یا جب ان کی موت کا وقت آیا تو کیا اس سے راہ فرار اختیار کر سکے؟ یہی حال مشرکین مکہ کا بھی ہو گا، کہ اگر

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسْنَأْمِنَ لُغُوبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ وَ مِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ النُّجُودِ ۝

بے شک اس میں اس آدمی کے لئے عبرت و نصیحت (۲۸) ہے جس کے پاس دل ہے، یا کان لگا کر سننے در انحالیکہ اس کا دماغ حاضر ہو ﴿۳۷﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا (۲۹) کیا ہے، اور ہمیں کوئی تھکن نہیں ہوئی ﴿۳۸﴾ پس وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، اُس پر آپ صبر ﴿۳۰﴾ کیجئے، اور طلوع آفتاب سے پہلے، اور غروب کے پہلے اپنے رب کی حمد و ثنا کے لئے تسبیح پڑھئے ﴿۳۹﴾ اور رات میں اس کی پاکی بیان کیجئے، اور سجدوں کے بعد بھی ﴿۴۰﴾

یہ لوگ یونہی مسلسل نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرتے رہے، تو اللہ کا عذاب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا، اور اس سے راہ فرار اختیار نہیں کر سکیں گے۔

(۲۸) اقوام گذشتہ کے ان واقعات سے وہ لوگ نصیحت حاصل کریں گے جو عقل سے بہرہ ور ہوں گے، جس سے کام لے کر کفر سے تائب ہوں گے، اور اپنے کان سے اُن کی خبریں سن کر، جو کنادول و دماغ کے ساتھ سوچیں گے کہ اگر ہم نے کفر پر اصرار کیا تو ہمارا انجام انہیں کافر تو مومن جیسا ہو گا جن کے واقعات یہاں بیان کئے گئے ہیں۔

(۲۹) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے مقصود بعثت بعد الموت کا اثبات اور اس کی تاکید ہے، اس لئے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور ان کی تخلیق سے اسے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی، وہ یقیناً اور بدرجہ اولیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ سورۃ الاحقاف آیت (۳۳) میں آیا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ يَدْرَأُونَ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَغْنَىٰ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور ان کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، وہ یقیناً مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ ہاں، وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے“۔

قائدہ کہتے ہیں: یہود کہا کرتے تھے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر ساتویں دن یعنی ہفتہ کے دن آرام کیا، اور اپنے اسی باطل عقیدہ کے سبب وہ لوگ ہفتہ کے دن کو آرام کا دن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس افترا پر دازی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا مَسْنَأْمِنَ لُغُوبٍ﴾ ”ہمیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی“۔

(۳۰) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین اگر بعثت بعد الموت اور توحید و رسالت کا انکار کرتے ہیں، تو آپ رنجیدہ نہ ہوا کیجئے، صبر و تحمل سے کام لیجئے، اور اپنے رب کی حمد و ثنا اور تسبیح کے ذریعہ توت حاصل کیجئے۔ تسبیح سے مراد یا تو ظاہری تسبیح ہے، یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنا، یا اُس سے مراد نماز ہے۔ دوسری صورت میں طلوع آفتاب سے قبل کی نماز سے مراد فجر کی نماز، غروب سے قبل کی نماز سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے، اور رات کی نماز سے مراد عشاء اور تہجد کی نماز، اور ﴿أَدْبَارَ النُّجُودِ﴾ سے مراد وہ نوافل ہیں جو فرض نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ معراج سے پہلے فرض نماز دور کعت طلوع آفتاب سے قبل فجر کے وقت تھی، اور دور کعت

وَأَسْمَعُ يَوْمَ يُنَادِلُ النَّادِ مَنْ كَانَ قَرِيبًا ۗ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۗ إِنَّا نَحْنُ مُعْجِبُونَ وَإِنَّا
 الْمَهِيضُونَ ۗ يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سَرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا أَيْدِيَهُمْ ۗ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ
 فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَيَعْلَمُ ۗ

اور اُس دن کی آواز کو سنئے (۳۱) جب پکارنے والا قریب سے ہی پکارے گا ﴿۳۱﴾ جب لوگ فی الحقیقت چیخ کو
 سنیں گے، وہی دن ہوگا جب مُردے قبروں سے نکلیں گے ﴿۳۲﴾ بے شک ہم ہی زندہ (۳۲) کرتے ہیں اور مارتے
 ہیں، اور ہمارے پاس ہی سب کو لوٹ کر آنا ہے ﴿۳۳﴾ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور لوگ قبروں سے
 نکل کر تیزی کے ساتھ دوڑنے لگیں گے، اُن کو اس طرح جمع کر دینا ہمارے لئے بہت آسان ہے ﴿۳۴﴾ اہل کفر
 جو کچھ کہتے ہیں، ہم اُسے خوب جانتے (۳۴) ہیں، اور آپ کا کام انہیں (ایمان لانے پر) مجبور کرنا نہیں ہے، پس
 آپ قرآن کے ذریعہ اس آدمی کو نصیحت کرتے رہئے جو میری دھمکی سے ڈرتا ہے ﴿۳۵﴾

غروب آفتاب سے قبل عصر کے وقت تھی، اور قیام اللیل نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں پر ایک سال تک فرض تھا، پھر امت کے لئے
 اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اور معراج کی رات پانچ نمازوں کے ذریعہ گذشتہ نمازیں منسوخ ہو گئیں، لیکن فجر اور عصر کی نمازیں
 باقی رہ گئیں۔

(۳۱) نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی روز قیامت کے جو احوال بتائے جا رہے ہیں، انہیں غور سے
 سنئے، جس دن اسرافیل دوسرا صور پھونکیں گے، اور قیامت برپا ہو جائے گی، اور ہر مُردہ زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ
 پڑے گا۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اسرافیل صور پھونکیں گے، اور جبرئیل محشر والوں کو پکاریں گے کہ حساب کے لئے چلو، اور
 یہ آواز اتنی قریب ہوگی کہ میدانِ محشر کا ہر فرد اسے سنے گا۔

آیت (۳۲) میں گذشتہ بات کی ہی صراحت کر دی گئی ہے کہ جس دن لوگ قبر سے اٹھائے جانے اور میدانِ محشر میں
 جمع ہونے کے لئے اسرافیل کے صور کی آوازیں سنیں گے، وہ قبر سے نکلنے کا برحق دن ہوگا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

(۳۲) اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کو ایک اٹل حقیقت بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم ہی تمام مخلوقات
 کو پہلی بار پیدا کرتے ہیں، اور مرنے کے بعد دوبارہ انہیں زندہ کریں گے، اور انہیں دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے زیادہ آسان ہے۔
 اور سب کو دوبارہ زندہ ہو کر ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، اور اپنے کئے کی انہیں جزایا سزا پائی ہے۔

(۳۳) اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کے بعد زمین پھٹ پڑے گی، اور تمام مُردے زندہ ہو کر اُدھر دوڑ پڑیں گے جدر
 سے آواز آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کی قبروں سے نکال کر میدانِ محشر میں جمع کرنا ہمارے لئے بہت ہی آسان ہے۔

(۳۴) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین مکہ کی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف افتراء پر دازی اور بعث بعد الموت کا
 انکار اللہ کو خوب معلوم ہے، اور وہی اُن سے اس کا حساب لے گا۔ آپ کا کام تو انہیں ہمارا پیغام پہنچانا ہے۔ انہیں ایمان لانے پر
 مجبور کرنا آپ کا کام نہیں ہے، آپ قرآن کریم کی تلاوت کر کے ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہئے جو میرے عذاب و عقاب
 سے ڈرتے ہیں یعنی آپ کا وعظ اور آپ کی نصیحت تو سب کے لئے ہے، لیکن اس سے فائدہ صرف وہی اٹھائیں گے جو آخرت پر
 اور جنت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔



وَالذَّرِيَّاتِ ذُرُوءًا ۖ وَالْحَمَلِكِ وَقُرْآنًا ۖ وَالْحَرِيرِ يُنْزَلُ ۖ فَالْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا ۖ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۖ وَإِنَّ الذِّينَ لَوَاقِعُهُ

سورة الذاریات مکی ہے، اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
 اُن ہواؤں کی قسم (۱) جو گرد اُڑاتی ہیں ﴿۱﴾ اُن بادلوں کی قسم جو بارش کا پانی ڈھوئے پھرتے ہیں ﴿۲﴾ اُن سفینوں کی قسم جو سمندروں میں آرام کے ساتھ چلتے رہتے ہیں ﴿۳﴾ اُن فرشتوں کی قسم جو اللہ کے حکم کے مطابق روزی تقسیم کرتے ہیں ﴿۴﴾ بے شک تم سے جس بات کا وعدہ (۲) کیا جا رہا ہے، وہ بالکل سچ ہے ﴿۵﴾ اور بے شک روزِ جزا ضرور آئے گا ﴿۶﴾

تفسیر سورة الذاریات

نام: پہلی آیت کا پہلا کلمہ "وَالذَّرِيَّاتِ" ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔
 زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ تمام علمائے تفسیر کے نزدیک اس کا زمانہ نزول مکی دور ہے، ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔

(۱) ابن جریر، ابن ابی خاتم، حاکم اور بیہقی وغیرہم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کوفہ کی مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، تو ابن الکواء نامی شخص نے ان سے اس سورت کی چار ابتدائی آیتوں کا معنی دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ﴿وَالذَّرِيَّاتِ ذُرُوءًا﴾ سے مراد تیز ہوا ہے جو اُڑاتی ہے، اور ﴿فَالْحَمَلِكِ وَقُرْآنًا﴾ سے مراد بادل ہے، جو بارش کا پانی اٹھائے پھرتا ہے، اور ﴿فَالنَّجَارِيَّاتِ يَنْسُرْنَ﴾ سے مراد کشتیاں ہیں جو سمندروں میں ہوا کے سہارے سبک رومی کے ساتھ چلتی رہتی ہیں اور ﴿فَالْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم کے مطابق اس کی مخلوقات کے درمیان بارش، روزی اور دیگر اسباب زندگی تقسیم کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے "الذَّرِيَّاتِ، النَّحْمَلَاتِ، النَّجَارِيَّاتِ، الْمُقْسِمَاتِ" چاروں سے ہوائیں مراد لی ہیں، یعنی بعض ہوا غبار اُڑاتی ہے، بعض بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھائے پھرتی ہے، اور بعض بارش کو تقسیم کرتی ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ رائے بہت ہی کمزور ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مذکور بالا مخلوقات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ لوگو! تم سے جس قیامت کا وعدہ کیا گیا ہے، اور جس بعث بعد الموت کی تمہیں خبر دی گئی ہے، وہ بات بالکل سچ ہے۔ اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ جزا و سزا کا ایک دن مقرر ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ چکائے گا، اچھوں کو اچھا اور بُروں کو بُرا بدلہ دے گا۔

شوکانی کے نزدیک مذکور بالا آیتوں کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ جو رب ذوالجلال اُن باتوں پر قادر ہے جن کا ذکر اوپر آیا ہے، وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور قیامت برپا کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

وَاللَّهُ ذَاتُ الْجَبَلِ ۗ إِنَّكُمْ لَعِنِّي مُتَّخِيفٍ ۗ يُؤْتِكُمْ عَنْهُ مِنْ لَدُنْهُ قَبْلَ الْخُرُوجِ ۗ الَّذِينَ هُمْ فِي عَمْرٍو سَاهُونَ ۗ يَسْكُونُونَ إِيَّانَ يَوْمِ الدِّينِ ۗ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۗ

اور اُس آسمان کی قسم (۳) جس میں راہداریاں بنی ہیں ﴿۷﴾ تم حقیقت کے خلاف باتوں میں پڑ گئے ہو ﴿۸﴾ اُس دن پر ایمان لانے سے وہی شخص پھیر دیا جاتا ہے جو خیر کی توفیق سے پھیر دیا گیا ہے ﴿۹﴾ بے دلیل و بے سند بات کرنے والے ﴿۱۰﴾ ہلاک کر دیئے گئے ﴿۱۰﴾ جو جہالت میں پڑے، اللہ کو بھولے ہوئے ہیں ﴿۱۱﴾ وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا ﴿۱۲﴾ یہ اُس دن آئے گا جب وہ (کفار) آگ میں جلانے جائیں گے ﴿۱۳﴾

(۳) حافظ ابن کثیر نے "ذات الحبک" کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "ذات الجمال والبهاء والحسن والاستواء" نقل کی ہے، اور کہا ہے کہ یہی قول مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور قتادہ وغیر ہم کا بھی ہے، یعنی حسین و جمیل اور ستاروں سے مزین آسمان کی قسم۔ اور ضحاک نے اس کی تفسیر "ذات الطوائف" کی ہے، یعنی اس آسمان کی قسم جس میں لہریں اور دھاریاں بنی ہوئی ہیں، جیسے موتی اور ہیرے سے مزین کپڑے میں دھاریاں بن جاتی ہیں۔ حسن بصری کا ایک قول ہے کہ "ذات الحبک" سے مراد ستارے ہیں، یعنی ستاروں سے مزین آسمان کی قسم۔

ان تمام اقوال کا خلاصہ ایک ہی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آسمان کی قسم کھائی ہے جو بڑا ہی حسین و جمیل اور ستاروں سے مزین ہے۔ اور ایسی قسم اہل مکہ کے کردار کی شاعت و قیامت بیان کرنے کے لئے کھائی ہے، کہ اے کفار مکہ! تم قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی عداوت میں کس قدر اخلاقی گراؤ میں مبتلا ہو گئے ہو کہ جو چاہتے ہو ہمارے نبی ﷺ پر اتہام دھرتے ہو، کبھی انہیں شاعر کہتے ہو، کبھی ساحر کہتے ہو، اور کبھی مجنون اور پاگل کہتے ہو، جیسے آسمان میں جگمگاتے ستاروں سے مختلف لہریں اور دھاریاں بنی معلوم ہوتی ہیں، ویسے ہی تم ہمارے نبی کے بارے میں متناقض اور بے بنیاد باتیں کرتے رہتے ہو۔

آیت (۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قرآن پر ایمان لانے سے وہی شخص محروم کیا جاتا ہے جو اللہ کی تقدیر کے مطابق ایمان سے محروم، گم گشتہ راہ اور فکر و فہم سے عاری ہوتا ہے۔ امام شوکانی نے ﴿يُؤْتِكُمْ عَنْهُ مِنْ لَدُنْهُ قَبْلَ الْخُرُوجِ﴾ کی ایک تفسیر یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں متناقض اور بے بنیاد باتیں کرنے سے وہی شخص بچتا ہے جسے اللہ اپنی توفیق سے ایسی کافرانہ باتوں سے بچاتا ہے۔

(۴) کفار مکہ نے قرآن کریم، اور نبی کریم ﷺ کی واضح اور صریح نبوت کا انکار دلائل و براہین کی بنیاد پر نہیں، بلکہ محض ظن و تخمینہ کی بنیاد پر کیا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹوں پر لعنت بھیج دی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ "قتل" کی اضافت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے، تو اس سے مقصود "لعنت" ہوتی ہے، یعنی اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے۔ ان کی جہالت و نادانی کا حال یہ ہے کہ جو قرآن ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہے، اس سے یکسر غافل، اپنی جسمانی لذتوں اور شہوتوں کی تکمیل میں منہمک ہیں، اور اگر کبھی قیامت کے بارے میں پوچھتے بھی ہیں تو نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑانے کے لئے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۱۳) میں ان کے اس استہزاء آمیز سوال کا جواب یہ دیا کہ قیامت اُس دن آئے گی جب کفار مکہ جہنم کی آگ میں جلانے جائیں گے۔

ذُو قُوٰفٍ فَبُنِيَ لَهُمْ هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۗ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّتٍ وَّ عِيُوْنٍ ۗ اِخْذِيْنَ مَا آتٰهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا قٰبِلِيْنَ ۗ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۗ كَانُوْا قٰبِلِيْنَ لِمَنْ اَلَيْلَ مَا يَهْجَعُوْنَ ۗ وَاِلَّا نَشَارَهُمْ لَيَسْتَغْفِرُوْنَ ۗ وَفِيْ اَنْفُوْلِ الرَّحْمٰنِ حَقِّيْ السَّآئِلِ وَالْمَرْهُومِ ۗ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۗ

اُن سے کہا جائے گا کہ چکھو اپنا عذاب نار (۵) یہی ہے وہ آگ جس کی تم جلدی کرتے تھے ﴿۱۳﴾ بے شک پر ہیر نگار لوگ (۶) باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۱۵﴾ اُن کا رب انہیں جو دے گا اُسے لے رہے ہوں گے، بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) نیک کام کرنے والے تھے ﴿۱۶﴾ وہ راتوں میں کم سوتے تھے ﴿۱۷﴾ اور صبح کے وقت اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے تھے ﴿۱۸﴾ اور اُن کے مال میں مانگنے والے اور نعمتِ دنیا سے محروم کا حق ہوتا تھا ﴿۱۹﴾ اور زمین (۷) میں اللہ پر یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۲۰﴾

(۵) اُن جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ اب چکھو اس عذاب کا مزہ جس کا تم بطور استہزاء مطالبہ کیا کرتے تھے، بلکہ وقت سے پہلے اس کے آنے کی تم جلدی مچاتے تھے۔

(۶) قرآن کریم کے عام قاعدہ کے مطابق ترہیب کے بعد ترغیب اور اہل جہنم کا بدترین انجام بیان کرنے کے بعد اب جنت اور اہل جنت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس سے ڈرنے والے ایسے باغات اور چشموں کے درمیان ہوں گے جن کی خوبیاں الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی ان بخششوں اور نوازشوں سے انہیں اس لئے نوازے گا کہ وہ اپنی دنیا کی زندگی میں بڑے ہی اچھے لوگ تھے، اپنے رب کے اوامر کی پابندی کرتے تھے، اور نواہی سے بچتے تھے، راتوں کو کم سوتے تھے، یعنی رات کا اکثر حصہ نماز تہجد میں گزارتے تھے، اور جب صبح کے وقت اٹھتے تھے تو نیند کی قلت اور نماز تہجد کی کثرت کے باوجود، انہیں احساس ہوتا تھا کہ جیسے ان کے گناہ اور جرائم بہت ہیں، اسی لئے توبہ اور استغفار میں لگ جاتے تھے، اور اپنے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاجوں اور فقیروں کا حق سمجھتے تھے۔

قائدہ کہتے ہیں کہ ”سائل“ سے مراد وہ محتاج ہے جو ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے، اور ”محروم“ سے مراد وہ ہے جو کسی سے اپنی حاجت بیان نہیں کرتا ہے، اس لئے لوگ اسے مالدار سمجھ کر کچھ نہیں دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اہل تقویٰ فرضِ زکاۃ ادا کرنے کے بعد بھی اپنے مال میں محتاج و محروم مسلمانوں کا حق سمجھتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، میزبانی کرتے ہیں، اور پریشان حال لوگوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

(۷) آیت (۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کفار کہہ دلائل و براہین پر غور نہیں کرتے ہیں، محض ظن و تخمین سے کام لیتے ہیں، حالانکہ اگر آسمان و زمین میں پھیلی ہوئی نشانیاں پر غور کرتے تو ایمان و یقین تک پہنچ جاتے۔ اسی مذکور بالا بات کی مزید تاکید کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی بنائی زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، اگر آدمی ان میں فکر و تدبیر سے کام لے تو وہ ایمان و یقین کی دولت سے لالامال ہو جائے۔ یہ پہاڑ، یہ نہریں، یہ کھیتیاں، رنگ برنگ کے چھل اور پھول، بھانت بھانت کے لوگ اور انواع و اقسام کے بہائم اور حیوانات، اور دیگر تمام چیزیں جو زمین میں پائی جاتی ہیں، خالق کائنات کے وجود اور اس کی وحدانیت کا پتہ دیتی ہیں، لیکن ان نشانوں سے حقیقت میں فائدہ وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں، یہ لوگ جب کائنات میں پھیلی

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا نُوْعُدُونَ ۝ فَوَرَبُّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَكَفِي قَسَلِ مَا أَنْتُمْ تَتَّبِعُونَ ۝ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ ضَلِيفٌ إِذْ هَمَّ الْكُفْرَيْنُ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْكَ فَقَالُوا إِسْلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ۝ فَرَأَى إِلَى آهْلِ بَيْتِهِ يَجْعَلُ سَمِيمًا ۝ فَقَرَّبَ إِلَهُهُمُ قَالَ أَلَا إِنَّمَا كُنُّنَ ۝ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۝ قَالُوا لَا مَفْئِدَ وَبَشَرٌ رُوْهُ يُغْلَبُونَ عَلَيْهِمْ ۝

اور لوگو! خود تمہارے وجود (۸) میں نشانیاں ہیں، کیا تم غور سے دیکھتے نہیں ہو ﴿۲۱﴾ اور آسمان ہی میں تمہاری روزی (۹) ہے، اور وہ سب کچھ ہے جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۲۲﴾ پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم! (۱۰) بے شک روز جزا ویسے ہی برحق ہے جیسے تمہارا بات کرنا برحق ہے ﴿۲۳﴾ اے میرے نبی! کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر (۱۱) پہنچی ہے ﴿۲۴﴾ جب وہ اُن کے پاس آئے، تو انہوں نے سلام کیا، ابراہیم نے سلام کا جواب دیا، اور دل میں کہا کہ یہ انجانے لوگ ہیں ﴿۲۵﴾ پھر خاموشی کے ساتھ اپنے گھر والوں کے پاس دوڑ کر گئے، پھر ایک بھٹنا ہوا موٹا پچھڑالے کر آئے ﴿۲۶﴾ پھر اُسے مہمانوں کو پیش کیا، ابراہیم نے کہا، آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں ﴿۲۷﴾ پس وہ اُن سے اپنے دل میں خائف ہو گئے، مہمانوں نے کہا: آپ ڈرئیے نہیں، اور اُنہوں نے ابراہیم کو ایک ذی علم لڑکے کی خوشخبری دی ﴿۲۸﴾

ہوئی نشانیاں میں غور کرتے ہیں، تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور عمل کے باب میں دوسروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔

(۸) انسان کی تخلیق میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں، جن میں غور و فکر آدمی کو خالق کائنات کے وجود اور اس کی وحدانیت کے اعتراف پر مجبور کرتا ہے۔ باپ کا نطفہ رحم مادر میں قرار پاتا ہے، پھر مختلف مراحل سے گذر کر بچہ پیدا ہوتا ہے، پھر بڑا ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، اور ایک دن دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قوت گویائی، قوت سماعت، قوت بینائی اور قوت عقل و احساس سے نوازا ہے، اس کے جسم کا ہر عضو الگ الگ کام کرتا ہے۔ اور پھر انسانوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، رنگ و زبان اور عقل و فکر کے اعتبار سے دنیا میں بے شمار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں میں فکر و تدبیر آدمی کو اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ ان کا خالق ضرور ہے جو قادر مطلق اور وحدہ لا شریک ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ عرش بریں پر مستوی ہے، اور اپنے علم و قدرت کے ذریعہ آسمان و زمین کے تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ بارش جو تمام پھلوں، پھولوں اور غذائے انسانی کی پیدائش کا سبب ہے، آسمان کی جانب سے نازل ہوتی ہے۔ خیر و شر اور رحمت و عذاب کے فیصلے آسمان میں ہوتے ہیں۔ لوح محفوظ، جس میں ہر چیز کی تفصیل پائی جاتی ہے وہ بھی آسمان میں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”رزق“ کی تفسیر بارش اور ﴿وَمَا تُوْعَدُونَ﴾ کی تفسیر جنت کی ہے۔ مجاہد نے ﴿وَمَا تُوْعَدُونَ﴾ سے مراد جنت و جہنم لیا ہے۔ اور کلبی نے اس کی تفسیر خیر و شر کی ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ ﴿وَمَا تُوْعَدُونَ﴾ سے یہ ساری چیزیں مراد ہیں، کیونکہ اعمال کی جزا و سزا، قضا و قدر اور جنت و جہنم سب آسمان میں ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کفار کہہ کر یقین دلانا چاہا ہے کہ قیامت، بعثت بعد الموت اور جزا و سزا امر یقینی ہے، اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، جیسے تمہیں اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ و کلمات پر یقین ہوتا ہے کہ وہ الفاظ تمہاری زبان سے نکلے ہیں، اسی طرح وقوع قیامت اور جزا و سزا کے لئے حساب کا ہونا یقینی ہے۔

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَظَةٍ فَصَدَّتْ وَجْهَهَا وَكَأَلَتْ مَجْجُورًا عَقِيمًا ۝ قَالَ أَكُنْ لِي رُبًّا إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝

پس اُن کی بیوی بلند آواز سے بولتی ہوئی آگے آئی، پھر اپنا چہرہ پینے لگی، اور کہنے لگی، میں تو ایک بانجھ بوڑھی عورت ہوں ﴿۲۹﴾ مہمانوں نے کہا، آپ کے رب نے کہا ہے کہ ایسا ہی ہوگا، بے شک وہ بڑی حکمتوں والا، ہر بات سے باخبر ہے ﴿۳۰﴾

(۱۱) قیامت اور بعث بعد الموت کی یقین دہانی کے بعد، اب اُن قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے کفار مکہ سے پہلے رسولوں اور بعث بعد الموت کی تکذیب کی تھی۔ اس ضمن میں یہاں پہلا واقعہ قوم لوط کا ہے، اس کا ذکر اس سے پہلے سورہ ہود اور سورہ الحجر میں گذر چکا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ کلمہ "استفہام" "ہل" کے ذریعہ اس واقعہ کی ابتدا اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے سے اس کی خبر نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انہیں اس کی اطلاع دی تھی۔ یہاں اس کی ابتدا یوں ہوئی ہے کہ ایک دن ابراہیم علیہ السلام کے پاس کچھ ایسے فرشتے آئے جن کا اللہ کے نزدیک بڑا مقام تھا، جب وہ ابراہیم کے پاس پہنچے تو انہوں نے سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا جواب دیا، اور کہا کہ میں آپ لوگوں کو نہیں پہچانتا ہوں، اپنا تعارف کرایئے تاکہ معلوم ہو کہ آپ لوگ کون ہیں۔ ابتدائی تعارف کے بعد، ابراہیم علیہ السلام فوراً ہی مہمانوں سے بتائے بغیر اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچے، تاکہ ان کی میزبانی کا انتظام کریں، اور جیسا کہ سورہ ہود آیت (۶۹) میں آیا ہے: ﴿بِعَجَلٍ حَنِيفًا﴾ "ایک بھٹا ہوا ٹھنڈا ان کے سامنے لے کر آئے" اور اُسے مہمانوں کے قریب کیا، لیکن انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، تو اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں، اور دل ہی دل میں ڈرنے لگے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی نیت ہمارے بارے میں اچھی نہیں ہے، اسی لئے ہمارا کھانا نہیں کھا رہے ہیں، جیسا کہ سورہ ہود (۷۰) میں آیا ہے: ﴿فَلَمَّا رَأَىٰ اٰیٰتِنَا بِاَيْدِيهِمْ لَا تَحْصِلُ اِلَيْهِ نَكَرَ هُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً﴾ "جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں، تو ان سے اجنبیت محسوس کرنے لگے اور اندر ہی اندر ان سے ڈر گئے۔"

جب اُن فرشتوں نے دیکھا کہ ابراہیم اندر ہی اندر کسی انہونی شر سے ڈر گئے ہیں، تو انہیں اپنی حقیقت کی اطلاع دے دی، اور ایک لڑکے کی خوشخبری دی جو بڑا ہو کر صاحب علم و فضل ہوگا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک اس لڑکے سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں، جیسا کہ سورہ ہود آیت (۷۱) میں اس کی صراحت آگئی ہے: ﴿فَبَشِّرْنَا هَا بِاِسْحٰقَ﴾ "ہم نے سارہ علیہا السلام کو اسحاق کی خوشخبری دی"۔ اور سورہ الصافات آیت (۱۱۲) میں آیا ہے: ﴿وَبَشِّرْنَا هَا بِاِسْحٰقَ﴾ "ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی"۔ سارہ علیہا السلام نے (جو بوڑھی ہو چکی تھیں) جب یہ بات سنی تو مارے حیرت کے ان کے منہ سے چیخ نکل گئی، اور اپنا چہرہ پینے لگیں، اور کہنے لگیں کہ میں تو بوڑھی ہوں اور بانجھ ہوں، مجھے کیسے بچہ ہوگا؟! تو فرشتوں نے کہا کہ جیسا ہم نے آپ کو خبر دی ہے ویسا ہی اللہ نے فرمایا ہے، اس لئے اس بارے میں کوئی شبہ نہ کیجئے، اللہ نے جو چاہا ہے وہ ہو کر رہے گا (اُس وقت سارہ ننانوے سال کی اور ابراہیم علیہ السلام سو سال کے تھے) اللہ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ اپنے اقوال و افعال میں بڑا حکیم اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

قَالَ قَمَا خَطَبَكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۖ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۗ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ جَارًا مِّن طِينٍ ۗ مُّسَوِّمَةً ۖ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۖ فَانْخِرْنَا مَن كَان فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۖ وَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۗ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ۖ فَتَوَلَّىٰ ظُرُوبِهِ وَقَالَ لِسُورٍ أَوْجَحُونَ ۖ

ابراہیم نے کہا، پھر اے رسولو! تمہاری مہم (۱۲) کیا ہے ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنگر برسادیں ﴿۳۳﴾ جن پر آپ کے رب کے نزدیک حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے نشان پڑے ہوئے ہیں ﴿۳۴﴾ پس اُس بستی سے ہم نے مومنوں کو باہر کر دیا ﴿۳۵﴾ تو ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہیں پایا ﴿۳۶﴾ اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی (۱۳) چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ﴿۳۷﴾ اور موسیٰ کے واقعہ (۱۴) میں بھی عبرت ہے، جب ہم نے انہیں فرعون کے پاس ایک صریح معجزہ دے کر بھیجا ﴿۳۸﴾ تو وہ اپنے ملک اور طاقت کی وجہ سے اعترافِ حق سے روگردانی کر بیٹھا، اور کہنے لگا یہ آدمی جادو گریا مجنون ہے ﴿۳۹﴾

(۱۲) ابراہیم علیہ السلام کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ ان فرشتوں کے آنے کا کوئی اور بھی مقصد ہے، اسی لئے جب ان کا خوف جاتا رہا، اور بیٹے کی خوشخبری بھی مل گئی، تو اُن سے پوچھا کہ تمہاری آمد کا اور کیا مقصد ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم ایک مجرم قوم (قوم لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں، تاکہ ہم ان پر سخت مٹی کے پتھروں کی بارش کر دیں جن میں سے ہر پتھر پر ایک ایک مجرم کے نام آپ کے رب کی جانب سے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا، تاکہ وہ عذاب کی لپیٹ میں نہ آئیں۔ کہتے ہیں کہ وہ صرف تین افراد تھے، لوط اور ان کی دو بیٹیاں، ان کی بیوی مسلمان نہیں تھی اسی لئے ہلاک کر دی گئی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ لوط علیہ السلام اور ان کی دونوں بیٹیوں کے علاوہ دیگر دس مسلمان بھی تھے۔

ان مسلمانوں کو آیت (۳۵) میں مومن، اور آیت (۳۶) میں مسلم کہا گیا ہے، اس لئے کہ وہ لوگ مومن بھی تھے اور مسلم بھی۔ کیونکہ ہر مومن مسلم ہوتا ہے، اور ہر مسلم مومن نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ ممکن ہے وہ بظاہر اسلام کے شعائر کی پابندی کرتا ہو، لیکن دل میں پختہ مومن نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے صحیحین میں مروی ایک مشہور حدیث میں اسلام اور ایمان دونوں کی تشریح کر دی ہے، فرمایا: ”اسلام کلمہ‘ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ‘ کی شہادت، اقامتِ صلاۃ، ادا سیگی زکاۃ، حج بیت اللہ اور صوم رمضان کو کہتے ہیں۔ اور ایمان یہ ہے کہ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اور اچھی بُری تقدیر پر ایمان رکھا جائے۔ اس حدیث سے اسلام اور ایمان کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بعض جگہ اسلام اور ایمان کو ایک دوسرے کے معنی میں لغوی اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے، شرعی اعتبار سے دونوں میں وہی فرق ہے جو مذکورہ بالا حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی ہلاکت کے آثار زمین پر باقی رہنے دیا، تاکہ بعد میں آنے والی قومیں جو وہاں سے گذریں اُن آثار

فَاخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۵﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۱۶﴾ مَا تَذَكَّرْنَا مِنْ شَيْءٍ
 آتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلْنَاهُ كَالرِّيمِ ﴿۱۷﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۸﴾ فَتَوَاعَنَ أَمْرًا رَبَّهُمْ ﴿۱۹﴾ وَأَخَذْنَا لَهُمُ الضُّعْفَةَ
 وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۲۰﴾ فَبَا سَطَّاعُوا مِنْ قِيَامِ رَبِّهِمْ فَمَا كَانُوا مُتَعَبِرِينَ ﴿۲۱﴾

پس ہم نے اُسے اور اس کی فوج کو پکڑ لیا (۱۵) پھر اُن سب کو سمندر میں پھینک دیا، در انخالیکہ فرعون قابل ملامت تھا ﴿۳۰﴾ اور قوم عاد کے واقعہ (۱۶) میں بھی عبرت ہے، جب ہم نے اُن پر ہر بھلائی سے خالی ایک ہوا بھیج دی ﴿۳۱﴾ جس چیز پر بھی وہ ہوا گذر گئی اُسے مانند ریزہ بنا دیا ﴿۳۲﴾ اور قوم ثمود کے واقعہ (۱۷) میں بھی عبرت ہے، جب اُن سے کہہ دیا گیا کہ تم لوگ ایک وقت مقرر تک لطف اندوزی کر لو ﴿۳۳﴾ پس انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی، تو وہ دیکھتے رہے، اور کڑک نے انہیں جالیا ﴿۳۴﴾ پھر وہ اُٹھ بھی نہ سکے، اور نہ آپ اپنی مدد کر سکے ﴿۳۵﴾

کودیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ اب ان بستیوں کی جگہ کالا بدو دراپانی بہتا ہے، جسے آج کل ”بحر میت“ کہتے ہیں۔ بے شک ان آثار کو دیکھ کر ان لوگوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے جو اللہ کے دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

(۱۳) جس طرح قوم لوط کی بستی کے باقی ماندہ آثار کفار مکہ اور دیگر قوموں کے لئے نشان عبرت ہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کی ہلاکت بھی اپنے اندر بہت سی نشانیاں لئے ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عَصَا دے کر فرعون کے پاس بھیجا، تاکہ وہ اسے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیں، لیکن فرعون نے تکبر کے ساتھ اُن سے اور اُن کی دعوت سے منہ پھیر لیا، اور ان کے بارے میں اپنی قوم سے کہنے لگا یہ آدمی یا تو جادوگر ہے، یا اسے جنون لاحق ہو گیا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس ملعون کا مقصد اپنی قوم کو بیوقوف بنانا اور دھوکہ دینا تھا، ورنہ اس نے خوب سمجھ لیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں جن معجزوں کا ظہور ہوا ہے وہ کسی ساحر کا کارنامہ نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی کوئی جمنون ایسے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے یہاں پر موسیٰ اور فرعون کے واقعات کو مختصر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اس کی سرکشی انتہا کو پہنچ گئی، اور اس کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو سمندر میں ڈبو دیا، در انخالیکہ اس کے سارے کروت قابل ملامت تھے۔ اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا، اللہ کا انکار کیا، اور سرکشی اور کبر و غرور کی آخری حدوں کو پہنچ گیا۔

(۱۶) قوم عاد، یعنی قوم ہود علیہ السلام کی ہلاکت بھی اپنے اندر نشان عبرت رکھتی ہے۔ جب اُن کی سرکشی حد سے متجاوز ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے کے لئے ایک ایسی تیز و تند ہوا کو اُن پر مسلط کر دیا جس میں کسی طرح کی کوئی خیر نہیں تھی، یعنی اللہ نے وہ ہوا چلائی ہی تھی صرف قوم عاد کو ہلاک کرنے کے لئے۔ چنانچہ وہ ہوا جس روح اور جس چیز کو بھی لگی، وہیں ڈھیر ہو گئی، تمام لوگ ہلاک ہو گئے، ان کے مویشی مر گئے، اور ان کے سارے اسباب زندگی تباہ و برباد ہو گئے۔

(۱۷) قوم ثمود، یعنی قوم صالح علیہ السلام کی ہلاکت میں بھی کفار مکہ اور دیگر قوموں کے لئے بہت سی عبرت و موعظت کی باتیں ہیں۔ جب ان کی بھی سرکشی حد سے بڑھ گئی، صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں رہنے کے لئے تین دن کی مہلت دی، جیسا کہ سورہ ہود آیت (۶۵) میں آیا ہے:

﴿تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ﴾ ”تم لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں مزے کرو“، لیکن انہوں نے سرکشی کی ہی راہ

﴿وَهُمْ نُوحٌ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا الْمُوسِعُونَ ﴿۱۸﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ لِلْمَهْدُونَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا ذُرِّيَّتًا وَعَلَّمْنَاكُمْ تَذَكُّرُونَ ﴿۲۰﴾ فَذُرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ فِي ذُرِّيَّتِي مُبِينٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا تَجْعَلُوا أَعْمَارَكُمْ لِقَاءَ الْآخِرَةِ إِنِّي لَكُمْ فِيهَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۲۲﴾

اور ان سب سے پہلے نوح کی قوم (۱۸) کو ہم نے ہلاک کیا تھا، بے شک وہ گناہ گار لوگ تھے ﴿۳۶﴾ اور ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا (۱۹) ہے، اور ہم یقیناً بڑی طاقت والے ہیں ﴿۳۷﴾ اور ہم نے زمین کو بچھایا ہے، پس ہم بہت عمدہ بچھانے والے ہیں ﴿۳۸﴾ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۳۹﴾ پس لوگو! تم سب اللہ کی جناب میں پناہ لو (۲۰) میں بے شک اس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ اور تم لوگ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، میں بے شک اس کی جانب سے تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿۵۱﴾

اختیار کی، اور اپنے رب کا حکم ماننے سے انکار کر دیا، تو عذاب الہی نے دن دھاڑے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، اور موت ان میں سے ایک ایک کو اچھکنے لگی در انحالیکہ وہ اپنے گھٹنوں کے بل اوندھے منہ زمین پر پڑے تھے۔ اور وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، نہ اپنی مجلسوں سے اٹھ سکے، اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کے لئے آیا جو انہیں عذاب سے بچا لیتا۔ (۱۸) فرعون، قوم عاد اور قوم ثمود سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی سرکشی کی راہ اختیار کی اور اللہ کی طاعت و بندگی کا انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔ بے شک ان کی ہلاکت میں بھی ان کے بعد آنے والی قوموں کے لئے عبرت و مواعظت ہے۔

(۱۹) مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے مظاہر بیان کر کے گویا یہ کہنا چاہا ہے کہ جو ایسی عظیم ترین قدرت کا مالک ہے، بے شک وہی ہر چیز کا رب اور اپنے تمام بندوں کا معبود واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا ہے اسے اونچا بنایا ہے، اور شمس و قمر اور ان گنت ستاروں کے مزین کیا ہے۔ اور ہم ہر چیز کو جتنا پھیلاتا چاہیں اسے پھیلانے کی قدرت رکھتے ہیں، اور ہم نے زمین کو فرش کی طرح پھیلا دیا ہے، تاکہ بندے اس سے مستفید ہو سکیں، ہم ہی اسے اچھی طرح پھیلانے والے ہیں، یعنی ہمارے سوا کوئی اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔

آیت (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے، کوئی چیز اس دنیا میں فرد نہیں ہے، آسمان و زمین، لیل و نہار، شمس و قمر، بحر و بر، ظلمت و روشنی، ایمان و کفر، موت و حیات، نیک و بد، جنت و جہنم، حتیٰ کہ حیوانات و نباتات سبھی جوڑے ہیں، صرف اللہ کی ذات و وحدہ لا شریک ہے۔ اور انسان و جن اور حیوانات و بہائم میں مذکر و مؤنث ہونا، اور ان کی نسلوں کی بقاء کے لئے بظاہر بے جان نطفہ میں جان ڈالنا، اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ اللہ قادر مطلق مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اسی لئے آیت کے آخر میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ آیا ہے۔ یعنی تاکہ تم لوگ غور و فکر کر کے اس نتیجے پر پہنچ سکو کہ تمہاری عبادت کا مستحق صرف رب ذوالجلال ہے جس نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے، یعنی یا تو انہیں مذکر و مؤنث بنایا ہے، یا ایک

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۱۳﴾ أَتَوَا صَوَابَهُمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۱۴﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ﴿۱۵﴾ وَذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ نَفْعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۱۷﴾

اسی طرح ان سے پہلی قوموں کے پاس جب بھی کوئی رسول (۱۳) آیا، تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ جادو گر یا مجنون ہے ﴿۱۴﴾ کیا کفار تکذیب انبیاء کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے ہیں، بلکہ وہ تھے ہی سرکش لوگ ﴿۱۵﴾ پس آپ ان سے منہ پھیر لیجئے، اب آپ قابلِ ملامت نہیں ہیں ﴿۱۶﴾ اور آپ لوگوں کو نصیحت (۱۷) کرتے رہئے، اس لئے کہ نصیحت یقیناً مومنوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے ﴿۱۸﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا (۱۹) کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ﴿۲۰﴾

دوسرے کا مخالف بنایا ہے، جیسے آگ پانی کا، موت زندگی کا، ایمان کفر کا اور جنت جہنم کی مخالف ہے۔

(۲۰) مشرکین مکہ سے نبی کریم ﷺ کی زبانی کہا جا رہا ہے کہ جب دلائل و براہین سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے در کے سوا کوئی در نہیں، اس کی ذات کے سوا کوئی جادو ماویٰ نہیں، تو اسے مشرکین مکہ! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، کہ تم اس پر ایمان لے آؤ، اس کی طاعت و بندگی کرو، اس لئے کہ اس کے عذاب سے بچنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ اس کی بندگی کی جائے، اور دیکھو! میں اس کے عذاب سے تمہیں بہت ہی صراحت کے ساتھ ڈرا رہا ہوں، اگر تم نے اپنی حالت نہیں بدلی تو تم پر بھی کوئی ویسا ہی عذاب نہ نازل ہو جائے جیسا ان قوموں پر نازل ہوا تھا جن کے قصے تم ابھی سن آئے ہو۔ مزید تاکید کے طور پر مشرکین مکہ سے کہا گیا کہ تم لوگ اللہ کے عقاب سے بچنے کے لئے اس کی وحدانیت کا اقرار کرو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور دیکھو میں تمہیں بہت ہی صراحت کے ساتھ اس کے عذاب سے ڈرائے دے رہا ہوں، تاکہ تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

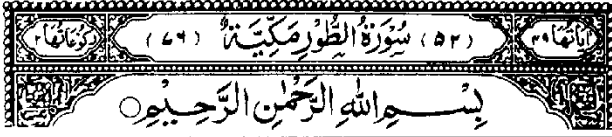
(۲۱) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی قوم اگر آپ کو ساحر و مجنون کہتی ہے، تو اس سے دل برداشتہ نہ ہوں، کیونکہ کافر قوموں کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے کہ جب بھی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا تو اسے جادو گر اور پاگل کہا۔ آیت (۵۳) میں اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے اہل کفر کی حالت پر اظہارِ تعجب کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تمام اہل کفر ایک دوسرے کو یہ بات سکھاتے آئے ہیں کہ جب بھی کوئی نبی آئے تو اسے ساحر و مجنون کہا جائے، گویا سب کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ آیت کے دوسرے حصہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اہل کفر کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی ہے، جیسا تو انہوں نے ہمارے رسول کے بارے میں اتنی بُری بات کہی ہے۔ درحقیقت ان کی فطرت خمیشت ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی زبان سے اتنی فحش و شنیع بات کہی ہے۔

اسی لئے آیت (۵۴) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نصیحت کی کہ آپ ان کے ساتھ نہ الجھئے، آپ نے اپنا کام کر دیا، اب آپ عند اللہ قابلِ ملامت نہیں ہیں، اس لئے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

امام شاکرانی لکھتے ہیں کہ یہ حکم آیت جہاد کے ذریعہ منسوخ ہو چکا ہے۔

(۲۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ مشرکین کے ساتھ بغیر الجھے اور بغیر ٹکر اؤ پیدا کئے قرآن پڑھ کر انہیں نصیحت کرتے رہئے، تاکہ جن کی قسمت میں ایمان لانا لکھا ہے اُس سے مستفید ہوں، اور وہ لوگ بھی مستفید ہوں

مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ فَإِنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا
مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجَلُونَ ۝ قَوْلِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝



میں نہ ان سے روزی (۲۳) مانگتا ہوں، اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں ﴿۵۷﴾ بے شک اللہ ہی روزی رسال ہے، زبردست طاقت والا ہے ﴿۵۸﴾ پس بے شک ظالموں کے لئے عذاب کا حصہ (۲۵) ہے، اُن کے ساتھیوں کے حصہ کے مانند، پس وہ لوگ جلدی نہ کریں ﴿۵۹﴾ سو کافروں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی اُس دن جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۶۰﴾

(سورۃ الطور مکی ہے، اس میں انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

جو ایمان لائے ہیں۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ میں انہیں اپنی عبادت کا حکم دوں، ورنہ مجھے ان کے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ اوپر کی آیت میں نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم پڑھ کر نصیحت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اسی کی تائید میں یہ بات کہی گئی ہے، یعنی چونکہ انسانوں کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت کرنا ہے، اس لئے آپ بہر حال انہیں نصیحت کرتے رہے، اور ان کی تخلیق کا یہ مقصد مشرکین مکہ سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ آپ کی نصیحت قبول کریں۔

(۲۴) رب ذوالجلال نے اپنی عظمت و کبریائی بیان کی ہے کہ اس کا مقام اپنے بندوں کے مقابلے میں وہ نہیں ہے جو دنیا کے آقاؤں کا ان کے غلاموں کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ دنیا کے آقا اپنے غلاموں کے ایک گونہ محتاج ہوتے ہیں، ان کے آقا ان سے خدمت اور تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کا مطالبہ کرتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے بندوں سے بندگی کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ وہ غنی ہے، وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، وہی سب کو روزی دیتا ہے، اور اس کی قوت ایسی زبردست اور ناقابل شکست ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی چیز اسے عاجز نہیں بنا سکتی ہے۔

(۲۵) جن مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب اور کفر و شرک اور فساد و سرکشی پر اصرار کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، وہ لوگ گذشتہ زمانوں میں ہلاک کی جانے والی قوموں کی طرح بڑے عذاب کے سزاوار ہو گئے ہیں، وہ جلدی نہ کریں، اسے ضرور آتا ہے، اور وقت مقرر پر آتا ہے، اللہ نے اپنی معلوم حکمت کی وجہ سے اسے مؤخر کر رکھا ہے۔ جب اس کا وقت آجائے گا تو اسے کوئی نال نہ سکے گا، اور وہ بڑا ہی دردناک عذاب ہوگا، اسی لئے آیت (۶۰) میں کہا گیا ہے کہ جس عذاب کے دن کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے وہ کافروں کے لئے ہلاکت و بربادی کا دن ہوگا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یا تو روزِ قیامت ہے، یا غزوہ بدر جب مشرکین مکہ کے کشتوں کے پستے لگ گئے تھے۔ مفسر ابوالسعود نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۝ فِي رَقٍ مَّنشُورٍ ۝ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝ وَالشَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝

طور (پہاڑ) کی قسم (۱) اور ایک لکھی کتاب کی قسم (۲) ایک کھلے کاغذ میں (۳) اور آباد گھر کی قسم (۴) اور اونچی چھت (یعنی آسمان کی) قسم (۵) اور موزن سمندر کی قسم (۶)

تفسیر سورۃ الطور

نام: اس سورت کا پہلا لفظ "الطور" ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی لکھتے ہیں کہ سب کے نزدیک یہ سورت مکی دور میں نازل ہوئی تھی، یہی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ الطور مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) مندرجہ ذیل چھ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چند مخلوقات کی قسم کھا کر سننے والوں کے ذہنوں میں اس بات کی اہمیت بٹھانی چاہی ہے جس پر قسم کھائی ہے اور جس کا ذکر آیت (۷) میں آیا ہے، یعنی عذاب جہنم، جو یقینی امر ہے، اور جو لوگ اس کے حقدار ہوں گے ان پر وہ عذاب ضرور نازل ہوگا، یہ ایک ایسی بات ہے، جس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

"طور" سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، اور بالعموم اس کا اطلاق ہرے بھرے پہاڑ پر ہوتا ہے۔ صحرائے سیناء کے جس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام رب العالمین سے ہم کلام ہوئے تھے، اُسے "طور سینا" کہا جانے لگا ہے، اور جو تجلی الہی کی تاب نہ لا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

﴿وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ﴾ سے مراد یا تو قرآن کریم ہے، یا لوح محفوظ یا تمام آسمانی کتابیں۔ "رَقٍ" اس باریک چمڑے کو کہتے ہیں جسے قدیم زمانے میں کاغذ کے طور پر لکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور ﴿وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ﴾ سے مراد وہ گھر ہے جو ساتویں آسمان پر پایا جاتا ہے، اور جسے نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات میں دیکھا تھا، اور دیکھا تھا کہ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں، اور دوبارہ اس سے باہر لوٹ کر نہیں آتے ہیں۔ فرشتے اس گھر کا اسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح اہل زمین خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر اسی بیت معمور سے نیک لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ اور یہ بیت معمور بالکل کعبہ کے سامنے ہے۔ اور اسی طرح کا ایک گھر ہر آسمان پر پایا جاتا ہے، جس کے ارد گرد اس آسمان پر رہنے والے عبادت کرتے ہیں۔ آسمان دنیا کے گھر کا نام "بیت العزۃ" ہے۔

بعض لوگوں نے ﴿وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ﴾ سے مراد خانہ کعبہ لیا ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق وہ گھر فرشتوں کی عبادت سے آباد ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق حج اور عمرہ کرنے والوں، طواف کرنے والوں، اعکاف کرنے والوں، اور دیگر عبادت گزاروں سے آباد رہتا ہے۔

صاحب محاسن التنزیل نے دوسری تفسیر کو سورۃ السین کی دوسری اور تیسری آیات ﴿وَطُورٍ سِينِينَ ۝ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ کی روشنی میں ترجیح دی ہے۔ یعنی وہاں طور سینا کے ساتھ بلد امن "مکہ مکرمہ" کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہاں بھی طور کے ذکر کے بعد "بیت معمور" سے مراد خانہ کعبہ ہے جو مکہ میں ہے، کیونکہ قرآن کریم کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۚ مَأَلَهُ مِنْ دَافِعٍ ۚ يَوْمَ تُثَوِّرُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۚ وَسَيُرَدُّ الْجِبَالُ سُيْرًا ۚ قَوْلٌ يُؤْمِنُهُ الْمَلَائِكَةُ بِئِنَّ
الَّذِينَ هُمْ فِي حَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۚ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ تَارِحِهِمْ دَعْوًا ۚ هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكْفَرُونَ ۚ فَسَخَّرَ
هَذَا أَمْرًا تَنْتُمُ لَا تَبْجُرُونَ ۚ

آپ کے رب کا عذاب (۲) یقیناً واقع ہونے والا ہے ﴿۷﴾ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ﴿۸﴾ جس دن آسمان (۳) شدت کے ساتھ ہلنے لگے گا ﴿۹﴾ اور پہاڑ تیزی کے ساتھ چلنے لگیں گے ﴿۱۰﴾ پس اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے بربادی ہوگی ﴿۱۱﴾ جو کفر و باطل کی باتوں (۴) میں مشغول اُچھل کود رہے ہیں ﴿۱۲﴾ جس دن وہ جہنم کی آگ کی طرف دھکے (۵) دے کر لے جائے جائیں گے ﴿۱۳﴾ (ان سے کہا جائے گا) یہی وہ آگ (۶) ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے ﴿۱۴﴾ تو کیا یہ جادو ہے، یا تمہیں کچھ نظر آتا ہی نہیں ﴿۱۵﴾

"سقف مرفوع" سے مراد آسمان ہے، اور چونکہ وہ زمین کے لئے چھت کے مانند ہے، اس لئے اسے چھت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور "بحر مسجور" سے مراد یا تو پانی سے بھرا ہوا سمندر ہے، یا یہ کہ جب قیامت آئے گی تو سمندروں کا پانی آگ بن جائے گا۔

"مسجور" کے کئی دیگر معانی بھی بیان کئے گئے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ وہ "فارغ" یعنی خالی کے معنی میں ہے۔ بعض نے اس کا معنی "مفجور" کیا ہے، یعنی سارے سمندر پھٹ پڑیں گے، بیٹھاپانی کھارے پانی میں مل جائے گا۔ امام شوکانی نے دوسرے معنی کو ترجیح دیا ہے، یعنی اللہ نے اس سمندر کی قسم کھائی ہے جس کا پانی قیامت کے دن آگ ہو جائے گا۔ (۲) یہی وہ بات ہے جس کی اہمیت لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مذکورہ بالا مخلوقات کی قسم کھائی ہے، اور کہا ہے کہ اے میرے نبی! آپ کے رب کا عذاب ان لوگوں پر ضرور نازل ہوگا جو آپ کو، قرآن کریم کو اور بعث بعد الموت کے عقیدے کو جھٹلاتے ہیں، اور اس عذاب سے کوئی بھی انہیں بچانہ سکے گا۔ یعنی بعث بعد الموت اور روز قیامت برحق ہے، جس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو جہنم کا مزہ چکھائے گا۔

(۳) اُس روز قیامت کی بعض نشانیاں یہ ہیں کہ اُس دن آسمان نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگے گا، اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹ جائیں گے، بادلوں کی طرح چلنے لگیں گے، اور غبار بن کر اڑنے لگیں گے۔ اور جس دن آسمانوں اور پہاڑوں کی یہ کیفیت ہوگی، وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کے قرآن کی تکذیب کرنے والوں کے لئے بڑی ہی ہلاکت و بربادی کا دن ہوگا، یا جہنم میں اُن کا ٹھکانا "ویل" نام کی وادی ہوگی۔

(۴) یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں باطل کی تائید کرتے تھے، روزِ آخرت کے حساب و عقاب سے غافل بہو و لعب میں مشغول رہتے تھے، اور نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ﴿فِي حَوْضٍ يَلْعَبُونَ﴾ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا کے عیش و آرام میں منہمک اور فکرِ آخرت سے یکسر غافل رہتے تھے۔

(۵) انہیں نہایت بے دردی اور سختی کے ساتھ دھکا دے کر جہنم میں پہنچا دیا جائے گا، مقاتل کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ اور ان کے سر ان کے قدموں کے ساتھ باندھ دیئے جائیں گے، پھر چہروں کے بل جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

إِصْلَاحَهَا قَاصِبِرًا أَوْ لَا تَصْبِرُوا ۖ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُحْزِنُوكُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَدِّبٍ وَنَعِيمٍ ۗ
فَالَّذِينَ يَمَّا أَنَّهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَّهُمْ رَبُّهُمُ عَذَابِ الْحَجِيمِ ۗ كُلُّوْا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ مُتَّكِنِينَ عَلَى
سُرُرٍ مَّقْصُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَابْتَعْتَهُمْ دُرِّيَّةً ۗ أُولَئِكَ فِي آيَاتِنَا الْحَقْنَابِهُمُ دُرِّيَّةَهُمْ وَمَا كُنْتُمْ
مِنْ عَمَلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ كَلَّ امْرِئِي بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۗ

تم سب اس میں جھلتے (۷) رہو، اور صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لئے برابر ہے، جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے اسی کا تمہیں بدلہ دیا جا رہا ہے ﴿۱۶﴾ بے شک اللہ سے ڈرنے والے لوگ (۸) جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے ﴿۱۷﴾ اُن کا رب انہیں جو نعمتیں دے گا ان سے لطف اندوز ہوں گے، اور اُن کا رب انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا ﴿۱۸﴾ (اُن سے کہا جائے گا) تم لوگ دنیا میں جو نیک اعمال کرتے تھے اُن کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو ﴿۱۹﴾ وہ ایک دوسرے سے ملے قطار میں بچے تختوں پر نیک (۹) لگائے ہوں گے، اور ہم اُن کی شادی کشادہ اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے ﴿۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان (۱۰) لائے، اور ان کی اولاد نے ایمان لا کر راہ راست پر چلنے میں اُن کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) اُن سے ملا دیں گے، اور اُن کے نیک اعمال میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے، ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے گروں ہوگا ﴿۲۱﴾

(۶) اُن سے جہنم پر مامور فرشتے کہیں گے کہ یہی وہ نارِ جہنم ہے جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کی تذلیل و اہانت میں اضافہ کرتے ہوئے کہے گا کہ یہ نارِ جہنم جس کا تم اب مشاہدہ کر رہے ہو، کیا یہ جادو اور افسانہ ہے جیسا کہ تم دنیا میں ہمارے رسولوں کو جادو گر اور ہماری کتابوں کو جادو اور افسانہ کہا کرتے تھے، یا تم اندھے ہو، اور نارِ جہنم کو دیکھ نہیں پا رہے ہو، جیسا کہ تم دنیا میں دل کے اندھے تھے اور راہِ حق کو نہیں دیکھ پا رہے تھے۔

(۷) اب تو وہ حقیقت جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب جہنم میں داخل ہو جاؤ، اور اس کے عذاب کی سختیوں کو چھیلو، صبر کرو یا نہ کرو، دونوں ہی حال برابر ہے۔ بہر حال اب نارِ جہنم سے چھٹکارا نہیں ہے، تم نے اپنے رب کا انکار کیا تھا، اور زمین کو گناہوں سے بھر دیا تھا، تو یہ عذاب تمہاری انہی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔

(۸) قرآن کریم کے عام قاعدہ کے مطابق، اہل جہنم کا انجام بد بیان کئے جانے کے بعد اب اہل جنت کے لئے تیار نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں شرک و معاصی سے بچنے والے قیامت کے دن جنتوں اور باغوں میں ہوں گے، اور ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتیں ہوں گی، وہاں وہ اللہ کی طرف سے عطا کی گئی نعمتوں سے خوب راحت و لذت پائیں گے۔ اور ایک بہت بڑی نعمت یہ ہوگی کہ اُن کا رب جہنم سے اُن کی آزادی کا اعلان کر دے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم جو اعمال صالحہ کرتے تھے، ان کے سبب اب اس جنت کی بے مثال نعمتوں میں سے جو چاہو کھاؤ، پیو، یہاں تمہارے عیش و آرام میں کوئی خلل نہیں ڈالے گا، اور نہ تمہیں اب موت لاحق ہوگی۔

(۹) ان جنتوں میں اہل جنت صفوں میں لگے گاؤں کیوں پر نیک لگا کر بیٹھیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کی شادی بڑی آنکھوں والی حوروں

وَأَمْدَدْنَهُمْ بِفَالِهَةٍ وَوَجْهِ رَبِّائِشْتَهُونَ ﴿۱۳۸۰﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأَنَّمَا لَا أَلْعُوفُ فِيهَا وَلَا تَأْتِيكُمْ ﴿۱۳۸۱﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ زُلْمَانُ
لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُكُلٌ مَّكْنُونٌ ﴿۱۳۸۲﴾

اور ہم انہیں اُن کی رغبت و خواہش کے مطابق خوب میوے (۱۳۸۱) اور گوشت دیں گے ﴿۱۳۸۲﴾ وہاں وہ لوگ بڑھ کر ایک دوسرے سے شراب کے پیالے لیں گے، جس کے زیر اثر نہ وہ بے ہودہ گوئی کریں گے، نہ ہی کوئی گناہ ﴿۱۳۸۲﴾ اور اُن کے سامنے سے ان کے لئے خاص کئے گئے خدمت گزار لڑکے گذرتے رہیں گے، جو سیپ میں بند موتیوں کے مانند خوبصورت ہوں گے ﴿۱۳۸۲﴾

سے کر دے گا۔ یعنی وہاں کی زندگی ایسے آرام و راحت اور ٹھاٹھ ہاتھ کی ہوگی جسے اس دنیا میں نہ کسی نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی دل نے کبھی اس کا تصور کیا ہے۔

(۱۰) اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کی کوئی انتہا نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ انہی بے شمار کرم فرمایوں میں سے ایک یہ بھی ہوگا کہ ان کی جو اولاد دنیا میں ایمان لائے گی، عمل صالح کرے گی، اور سینات و معاصی سے بچے گی، وہ اگر اپنے اعمال کی بدولت جنت کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکے گی جو ان کے نیک باپ ماں کا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ ان کے والدین کی خوشی میں مزید اضافہ کرنے کے لئے، اُن کے درجات بلند کرے، ان کے والدین کے مقام تک پہنچا دے گا، سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر روایت کی ہے۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جن اہل جنت کی اولاد ایمان لائے گی اور اللہ کی بندگی کرے گی، انہیں اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی بدولت جنت میں داخل کر دے گا، اور اُن کے چھوٹے بچے اُن کے پاس جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے، ابن جریر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ انہیں خوش کرنے کے لئے ان کی اولاد کے ساتھ جو کرم فرمائی ہوگی، اس کے سبب اُن کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان اپنا عدل و انصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کسی کا مواخذہ کسی دوسرے کے گناہوں کی وجہ سے نہیں کرے گا۔ ہر آدمی صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا، اس پر کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں لادا جائے گا، چاہے اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر آیات (۳۹/۳۸) میں فرمایا ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۖ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِيْنِ﴾ ”ہر جان اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے، مگر دائیں طرف والے“ (۱۱) اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کی بخششوں کی بارش ہر دم ہوتی رہے گی، اللہ تعالیٰ ان کے پاس انواع و اقسام کے پھل اور اُن کے پسندیدہ گوشت پہنچاتا رہے گا، وہ لوگ ایک دوسرے کو شراب سے بھرے جام دیں گے، جسے پی کر بد مست نہیں ہوں گے، نہ زبان سے نازیبا اور فحش کلمات نکالیں گے، اور نہ ہی اُسے پی کر بھکیں گے اور نہ گناہ کا ارتکاب کریں گے، جیسا کہ دنیا والے دنیا کی حرام شراب پی کر بھکتے ہیں، فحش بکتے ہیں، اور دوسروں کی عزت پر دست درازی کرتے ہیں۔

اور ان کی خدمت کے لئے اُن کے ارد گرد خدم و حشم پھرتے رہیں گے، اور انہیں کھانے کے لئے پھل اور پینے کے لئے شراب کے جام بھر بھر کر پیش کرتے رہیں گے، اور وہ ایسے خوبصورت ہوں گے جیسے سیپ میں بند موتی ہوتے ہیں، جنہیں اب

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۖ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۖ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَذَابَ التَّمْوِيرِ ۖ
 إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ۖ فَذَكَرْنَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ يَا كَاهِنٌ وَلَا جُنُونٌ ۖ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُّ
 بِهِ رَبِّبِ الْمُتُونِ ۖ قُلْ نَتَرَبَّصُّوْا وَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَزِعِينَ ۝

اور وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آکر (۱۲) حالات دریافت کریں گے ﴿۲۵﴾ وہ کہیں گے کہ ہم لوگ اس اخروی زندگی سے پہلے، اپنے بال بچوں میں عذابِ آخرت سے ڈرتے رہتے تھے ﴿۲۶﴾ تو ہم پر اللہ نے احسان کیا، اور ہمیں بدن کو جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا ﴿۲۷﴾ ہم لوگ اس سے پہلے اسی کو پکارتے تھے، وہ بے شک بڑا احسان کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۸﴾ پس اے میرے نبی! آپ نصیحت (۱۳) کرتے رہئے، اس لئے کہ اپنے رب کی نعمت (یعنی رسالت) پکا کر، نہ تو آپ کا ہن ہیں اور نہ مجنون ﴿۲۹﴾ کیا کفار کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر (۱۴) ہے جس کے لئے ہم حادثاتِ زمانہ کا انتظار کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ آپ کہہ دیجئے کہ انتظار کر لو، بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿۳۱﴾

تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہو۔

(۱۲) اہل جنت آپس میں ایسی باتیں کریں گے جن سے مقصود جنت میں رب العالمین کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر اور ان پر اس کا شکر ادا کرنا ہوگا۔ پہلے ان حالات کا ذکر کریں گے جن سے وہ دنیا میں طاعت و بندگی کی راہ میں دوچار ہوئے، اور ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں اللہ کے عذاب سے کتنے خائف رہتے تھے تو اللہ نے آج ہم پر کیسا احسان کیا ہے کہ ہمیں جہنم کی آگ سے نجات دے دی ہے۔ ہم روز قیامت آنے سے پہلے دنیا میں صرف اسی کی عبادت کرتے تھے، اسی کے سامنے گڑبگڑاتے تھے کہ ارحم الراحمین تو ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے دے، اور جنت میں داخل کر دے، تو اس نے ہماری دعا قبول کر لی، اس لئے کہ جو اے پکارتا ہے، وہ اس کی ضرور سنتا ہے، اور اس پر ضرور احسان کرتا ہے، اور جو صرف اسی کی عبادت کرتا ہے، اور اس کے عذاب سے خائف رہتا ہے، اس پر رحم کرتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ضرور دیتا ہے۔

(۱۳) اس آیت کریمہ سے مقصود مشرکین مکہ کے اس قول کی تردید ہے کہ محمد یا تو کابن ہے جو غیب کی خبریں لانے کا دعویٰ کرتا ہے، یا اسے جنون لاحق ہو گیا ہے جس کے سبب یہ بھی باتیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کو قرآن کریم پڑھ کر ان کے رب کی طرف بلا تے رہئے۔ آپ پر آپ کے رب کا بڑا انعام ہے کہ اس نے آپ کو نبوت، عقل راجح اور عظیم اخلاق کریمانہ سے نوازا ہے، آپ کا ہن اور مجنون کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ تو جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے، اور بندوں کے لئے اس کا پیغام ہوتا ہے، جسے آپ بلا کم و کاست اُن تک پہنچاتے ہیں۔

(۱۴) مشرکین مکہ کبھی کہتے کہ محمد ایک شاعر ہے، جیسے بلادِ عربیہ میں بڑے بڑے شعراء گزر چکے ہیں۔ یہ بھی چند سالوں تک ہمیں اپنی شاعری سنا تا رہے گا، پھر عمر طبعی کو پہنچ کر مر جائے گا، اور قصہ تمام ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی ان کی کور مغزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے، پھر تم میری موت کا

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۱۵﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَقُولُ بَلْ لَأَيُّومُونَ ﴿۱۶﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلَهُ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾ أَمْ حَرَّفُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ ﴿۱۸﴾ أَمْ حَكَفُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَأَيُّومُونَ ﴿۱۹﴾

کیا ان کی عقلیں انہی باتوں کا حکم (۱۵) دیتی ہیں، یا وہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں ﴿۳۲﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد نے گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ ایمان نہیں لانا چاہتے ہیں ﴿۳۳﴾ پس اگر وہ سچے ہیں تو قرآن جیسا کلام لا کر دکھائیں ﴿۳۴﴾ کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا (۱۶) ہو گئے ہیں، یا انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہے ﴿۳۵﴾ کیا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا (۱۷) کیا ہے، بلکہ وہ یقین کی دولت سے محروم ہیں ﴿۳۶﴾

انتظار کرو، اور میں بھی تمہارے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کرتا ہوں۔

(۱۵) قریش کے سادات بڑی عقل والے مانے جاتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ محمد نہ کاہن ہے نہ مجنون، بلکہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں، لیکن محض کبر و عناد کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں متضاد باتیں کہتے تھے، کبھی انہیں کاہن کہتے جو ان کے خیال میں بڑا ذہین و فطین ہوتا تھا، اور کبھی انہیں مجنون کہتے جو عقل سے عاری ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا ان کی عقل و دانش جو ان کی صفت بتائی جاتی ہے، انہیں ایسی ہی متضاد بات کرنے کا حکم دیتی ہے؟ پھر اللہ نے فرمایا کہ نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی ہے، اور حق ظاہر ہو جانے کے باوجود محض کبر و عناد کی وجہ سے وہ ایسی متضاد باتیں کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی سرکشی تو بہت زیادہ آگے بڑھ گئی ہے، کہتے ہیں کہ قرآن محمد کا کلام ہے، اس نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، بلکہ بات اس سے بھی آگے جا چکی ہے، دراصل یہ متضاد باتیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں، نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ رسول کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں، اسی لئے اس طرح کی افتراء پر دازی کرتے ہیں۔

آیت (۳۴) میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو چیلنج کیا کہ اگر وہ اپنے زعم میں سچے ہیں کہ قرآن محمد (ﷺ) کا کلام ہے، تو پھر اس جیسا کلام لا کر دکھائیں جو حسن بیان، اسلوب بدیع اور فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اس لئے کہ قرآن عربی زبان میں ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ فصاحت و بلاغت کی حدود کو چھو رہے ہیں۔

(۱۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے خلاف حجت قائم کرنے کے لئے ایک ایسا طرز استدلال اختیار کیا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں باری تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لینا چاہئے، ورنہ بصورت انکار، ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ ان کا اعتقاد مشرکانہ دین اور عقل سب کے خلاف ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان کا عقیدہ انکار توحید و رسالت اس دعویٰ کو مستلزم ہے کہ انہیں اللہ نے نہیں پیدا کیا ہے۔ اور ایسا دعویٰ کرنا تین حالتوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہے: یا تو وہ یہ کہیں کہ انہیں کسی خالق نے پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ از خود وجود میں آ گئے ہیں، اور یہ بات عین محال ہے۔ یا یہ کہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی پیدا کیا ہے، یہ بھی محال ہے، اس لئے کہ ایسا ممکن نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو پیدا کرے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں ناممکن ہوئیں، تو تیسری بات ثابت ہو گئی کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ صرف وہی ذات برحق عبادت کا مستحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۱۷) اس آیت کریمہ میں استفہام، نفی کے معنی میں ہے، یعنی انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ اللہ کے

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رِزْقِكَ أَمْ لَهُمُ الْمَضْيَعُونَ ﴿١٨﴾ أَمْ لَهُمْ سُلُبُكُمُ الْمُنْتَفَعُونَ ﴿١٩﴾ أَمْ لَكُمْ أَعْيُنٌ تُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ لَكُمْ أَعْيُنٌ تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ أَمْ لَكُمْ أَعْيُنٌ تُبْصِرُونَ ﴿٢٢﴾

کیا آپ کے رب کے خزانے (۱۸) اُن کے ہاتھ میں ہیں، کیا اُن پر اُنہی کا تسلط ہے ﴿۳۷﴾ کیا اُن کے پاس کوئی سیڑھی (۱۹) ہے جس پر چڑھ کر وہ آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں، پس اُن میں سے جو شخص آسمان کی باتیں سننے والا ہے، وہ اس کی صریح دلیل پیش کرے ﴿۳۸﴾ کیا اللہ کے لئے بیٹیاں (۲۰) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں ﴿۳۹﴾ اے میرے نبی! کیا آپ اُن سے (دعوت و تبلیغ کا) کوئی معاوضہ (۲۱) طلب کرتے ہیں جس کے بوجھ تلے وہ دبے جا رہے ہیں ﴿۴۰﴾ شریک بن جائیں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے، لیکن مشرکین ”یقین“ کی نعمت سے محروم ہیں، اسی لئے انہیں توحید باری تعالیٰ سے متعلق شرعی اور عقلی دلائل سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

(۱۸) مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اللہ نے مکہ و طائف کے بڑے بڑے رؤساء کو چھوڑ کر محمد کو کیسے نبوت دے دی۔ اسی کا فریاد بات کی تردید کی جا رہی ہے کہ کیا آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ان کے اختیار میں ہیں کہ وہ جسے چاہیں دیں، اور جسے چاہیں محروم کر دیں۔ اسی لئے وہ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ کو کیوں نبوت دے دی، حالانکہ وہ تو اللہ کی نگاہ میں نہایت ہی حقیر و ذلیل لوگ ہیں، ان کے اختیار میں تو ان کا اپنا نفع و نقصان بھی نہیں ہے۔ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اللہ کی بادشاہی اور اس کے اختیارات پر قابض نہیں ہو گئے ہیں کہ ایسی بات کرتے ہیں، وہ تو نہایت ہی محتاج اور عاجز لوگ ہیں۔

(۱۹) اس آیت میں بھی استفہام، نفی کے معنی میں ہے، یعنی کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعہ وہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، اور فرشتوں کی وہ باتیں سن لیتے ہیں جو انہیں بذریعہ وحی معلوم ہوتی ہیں، اور اس طرح انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اور اگر وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں، تو اپنی صداقت پر دلیل پیش کریں۔ اور وہ دلیل کیسے پیش کر سکیں گے، غیب کی خبریں تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہ کسی کو بھی ان پر مطلع نہیں کرتا ہے، سوائے اس رسول کے جسے وہ اپنی پیغام رسانی کے لئے پختن لیتا ہے، تو اُسے جتنی باتوں کی چاہتا ہے خبر دیتا ہے۔ اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، جنہیں اُس نے اپنی توحید اور دین اسلام کی صداقت کی خبر دی ہے، اور مشرکین مکہ نادان، گمراہ اور کبر و عناد میں مبتلا ہیں، جن کے پاس آسمان سے کوئی خبر نہیں آتی ہے، تو بھلا کس کی بات مانی جائے، ان کی یا محمد ﷺ کی جن کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔

(۲۰) مشرکین مکہ سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا تمہارے گمان کے مطابق اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں، اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے خلاف یہ کیسی جرأت بے جا ہے، کہ تم اپنے لئے تو بیٹا پسند کرتے ہو، اور اس کے لئے بیٹیاں ثابت کرتے ہو۔ کیا رب العالمین کی اس سے بھی بڑھ کر کوئی عیب جوئی ہو سکتی ہے۔

(۲۱) یہاں بھی استفہام، نفی کے معنی میں ہے، یعنی اے میرے نبی! کیا آپ اُن تک میری پیغام رسانی کے بدلے اُن سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں، جس کے بوجھ تلے وہ دبے جا رہے ہیں، اور اسلام قبول کرنے سے معذور ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ تو بلا معاوضہ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ وہ دائرہ اسلام میں آجائیں، بلکہ آپ اپنے پاس سے انہیں مال دیتے ہیں، تاکہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے۔

أَمْرٍ عِنْدَهُمُ الْغَيْبِ فَمَنْ يَكْتُمُونَ ۗ أَمْ يَرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الْمَكِيدُونَ ۗ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَنِ الْيَشْرِكُونَ ۗ وَإِنْ تَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يُغْوُوا السَّحَابَ فَرُكُومًا ۗ فَذَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۗ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۗ

کیا ان کے پاس غیب کی باتیں (۲۲) آتی ہیں، جنہیں وہ لکھ لیتے ہیں ﴿۳۱﴾ کیا وہ کوئی چال چلانا (۲۳) چاہتے ہیں، تو (جان لیں کہ) جو لوگ کفر کرتے ہیں درحقیقت وہی فریب خوردہ ہیں ﴿۳۲﴾ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی دوسرا معبود (۲۴) ہے، اللہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور کفار اگر آسمان کا ایک ٹکڑا (۲۵) بھی گرتا ہوا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ تہ بہ تہ جما ہوا ایک بادل ہے ﴿۳۴﴾ پس آپ انہیں چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جب وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے ﴿۳۵﴾ جس دن ان کی سازش ان کے کسی کام نہیں آئے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۳۶﴾

(۲۲) کیا مشرکین مکہ کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں، جنہیں وہ لکھ لیتے ہیں، اور اس طرح انہیں وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ کو خبر نہیں ہوتی ہے اور جن کی بنیاد پر وہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ تو بڑے ان پڑھ اور گمراہ لوگ ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس غیب کی ایسی خبریں آتی ہیں جو ان کے سوا کسی مخلوق کے پاس نہیں آتی ہے۔ اس لئے ان کا دعویٰ باطل ہے، اور نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم برحق اور صادق ہے۔

(۲۳) کیا مشرکین مکہ آپ میں اور آپ پر نازل کردہ قرآن میں عیب لگا کر دین اسلام اور آپ کے خلاف کوئی چال چل رہے ہیں؟ تو جان لیں کہ ان کی سازش انہی کے گلے کا چند ابن جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، کافروں نے نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کو زک پہنچانے کے لئے ایک کسر نہیں چھوڑی، لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی، اور اللہ نے اپنے رسول کی مدد کی، ان کے دین کو غالب بنایا، اور کافروں کو ذلیل و رسوا کیا؟

(۲۴) کیا مشرکین مکہ کا کوئی دوسرا معبود ہے جو پکارے جانے کا مستحق ہے، جس سے نفع کی امید لگائی جاسکتی ہے اور جس کی ضرر رسائی سے ڈرا جاسکتا ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے، اللہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے، نہ اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ ہی اس کی وحدانیت و عبودیت میں۔ اور یہی وہ مقصود اعظم ہے جس کے اثبات کے لئے آیت (۳۵) سے لے کر (۳۳) تک متعدد الا انواع دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۲۵) مشرکین مکہ کی سرکشی حد سے تجاوز کر چکی ہے، انہوں نے باطل کو اپنے گلے سے اس طرح لگا لیا ہے کہ حق کی تائید میں چاہے کوئی بھی دلیل پیش کر دی جائے، اسے قبول نہیں کریں گے، اور کبر و عناد سے باز نہیں آئیں گے۔

اگر کھلی نشانی کے طور پر ان پر عذاب کے بڑے بڑے توڑے توڑے بھی برسا دیئے جائیں، تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل کے ٹکڑے ہیں، اور اس نشانی سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ان کافروں کی دو عذاب و عقاب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۵) میں فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ انہیں روز قیامت تک ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اور خوب مزا اڑانے دیجئے۔ قیامت کے دن انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا، جب ان کی تمام سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں گی، اور کوئی ان کی مدد کے لئے نہیں آئے گا۔

وَإِنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا عَادُوا بَادُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ وَأَصْدُرُ لَكُمْ رَبِّكَ وَأَنْتَ كَمَا بَدَأْنَا وَسَيَعْبُدُكَ رَبُّكَ
حِينَ تَقُومُ ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۳۸﴾

اور بے شک ظالموں کے لئے اُس (عذابِ آخرت) سے پہلے ایک عذاب (۳۷) ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ﴿۳۷﴾ اور اے میرے نبی! آپ اپنے رب کے فیصلے کا صبر کے ساتھ انتظار کیجئے ﴿۳۷﴾ آپ بے شک ہماری نگاہوں میں ہیں، اور جب آپ اُٹھئے تو اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے ﴿۳۸﴾ اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے، اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی ﴿۳۸﴾

(۳۷) جو لوگ کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ روزِ قیامت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب دیتا ہے، اور اس سے مراد یا تو عذابِ قبر ہے، یا قحطِ سالی، یا دیگر حوادث و مصائبِ زمانہ جو ان کی جان اور مال کو لاحق ہوتے ہیں، لیکن اُن میں سے اکثر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہیں کہ اُن جیسے اہل فسق و فجور کے بارے میں ہمیشہ سے اللہ کی یہی سنت رہی ہے، اسی لئے ٹھوکریں لگنے کے باوجود اپنے کفر و شرک پر جسے رہتے ہیں۔

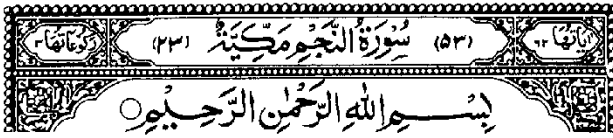
(۳۷) قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں کفار مکہ کی جب تمام افترا پر دازیوں کی دلائل و براہین کے ذریعہ تردید کی جا چکی، تو اب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کافروں کی زیادہ پرواہ نہ کیجئے، اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اسے پورے صبر و استقامت کے ساتھ ادا کرتے رہئے اور اپنے بارے میں اندیشہ نہ کیجئے، آپ کا اللہ آپ کی حفاظت کر رہا ہے، اور جب رات میں بیدار ہوئے تو اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے۔

امام احمد، بخاری اور اصحابِ سنن نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو بیدار ہو اور کہے "لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا اِلهَ اِلاَّ اللهُ، وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللَّهِ" پھر اپنے لئے دعا کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور اگر اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھے، تو اس کی نماز قبول کی جاتی ہے۔
مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ کو قیام اللیل (تہجد کی نماز) کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے ﴿حِينَ تَقُومُ﴾ سے مراد "حِينَ تَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ الْخَمْسِ" مراد لیا ہے، یعنی پانچویں نمازیں پابندی سے ادا کیجئے اور اُن میں اللہ کی خوب تسبیح بیان کیجئے۔ امام مسلم نے اپنی کتاب "الصحيح" میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ (ابتداءً نماز میں) "سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا اِلهَ غَيْرُكَ" پڑھا کرتے تھے۔
www.KitaboSunnat.com

ان حضرات نے اپنی اس رائے کی تائید میں آنے والی آیت (۳۷) پیش کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رات میں بیدار ہو کر، اور رات کے آخری حصہ میں اپنے رب کی تسبیح بیان کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی اس سے معلوم ہوا کہ اوپر والی آیت (۳۸) میں ﴿حِينَ تَقُومُ﴾ سے مراد بچوتہ نماز ہے۔

مجاہد نے ﴿حِينَ تَقُومُ﴾ سے مراد ہر مجلس سے اٹھنا لیا ہے۔ مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے، اور کثرت سے اونچی آواز میں بات کرے، اور اٹھنے سے پہلے کہے: "سُبْحَانَكَ اللهُمَّ"



وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝

سورۃ النجم کی ہے، اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ستارے کی قسم (۱) جب وہ گرتا ہے ﴿﴾ تمہارے ساتھی (یعنی رسول اللہ ﷺ) نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں ﴿﴾ ۲ ﴿﴾
وبحمدک، أشهد أن لا إله إلا الله استغفرك وأتوب إليك "تو اللہ تعالیٰ اس کے اس مجلس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ﴿﴾ إِذْ بَانَ النَّجْمُ ﴿﴾ یعنی رات کے بالکل آخری حصہ میں اللہ کی تسبیح بیان کرنے میں فجر کی نماز بھی داخل ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ﴿﴾ إِذْ بَانَ النَّجْمُ ﴿﴾ سے مراد نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں۔ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ کسی نفل نماز کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ النجم

نام: اس سورت کا پہلا لفظ "النجم" ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: جمہور علمائے تفسیر کے نزدیک پوری سورت مکی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ النجم مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پہلی سورت جس میں "سجدہ" نازل ہوا تھا، سورۃ النجم ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سجدہ کیا، اور تمام لوگوں نے سجدہ کیا، صرف ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ اس نے ایک مٹھی مٹی لے کر اس پر سجدہ کر لیا۔ تو میں نے اس کے بعد دیکھا کہ وہ شخص حالت کفر میں قتل کر دیا گیا، وہ شخص اُمیہ بن خلف تھا۔ بعض روایتوں میں اس کا نام عقبہ بن ربیعہ بتایا گیا ہے۔

بعض محدثین (مثلاً اسود بن یزید، ابواسحاق اور زہیر بن معاویہ) نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکور بالا روایت میں، اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ سورۃ النجم پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے مجمع عام کے سامنے پڑھی تھی، اور جب آپ ﷺ نے آخر میں سجدہ کیا تو کفار بھی سجدہ میں چلے گئے صرف ایک شخص نے سجدہ نہیں کیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

(۱) پہلی آیت سے آیت (۱۸) تک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق و تائید فرمائی ہے۔ اور اس کی ابتدا ان ستاروں کی قسم کھا کر کی ہے جو رات کے آخری پہر میں گرتے نظر آتے ہیں بعض لوگوں نے یہاں "النجم" سے مراد "نویا" ستارہ لیا ہے، لیکن زیادہ تر مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے عام ستارے مراد ہیں۔

وَمَا يَطِّقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَوْحٌ يُّؤْتِي ۗ عَلَيْكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۗ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۗ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۗ
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۗ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۗ

اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی (۲) میں بات نہیں کرتے ہیں ﴿۳﴾ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے ﴿۴﴾ انہیں زبردست قوت والے فرشتہ (۳) (جبریل) نے سکھایا ہے ﴿۵﴾ وہ فرشتہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے کمال کو پہنچا ہوا ہے، پھر وہ نمودار ہوا ﴿۶﴾ در انحالیکہ وہ آسمان کے بالائی افق میں تھا ﴿۷﴾ پھر وہ قریب (۳) ہوا، پھر جھک گیا ﴿۸﴾ پس وہ دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ﴿۹﴾

اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت پر ستاروں کی قسم کھانے میں ایک عجیب مناسبت یہ ہے کہ جس طرح ستارے آسمان کی زینت ہیں، اسی طرح وحی الہی سے زمین کو زینت ملتی ہے، اس لئے کہ اگر انبیاء کے ذریعہ یہ علم الہی زمین والوں کو نہ ملتا تو زمین اندھیری رات سے بھی زیادہ تاریک ہوتی۔

اتنی بڑی قسم کھانے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کو خطاب کر کے کہا کہ تمہارے ساتھی یعنی میرے نبی محمد (ﷺ) گم گشتہ راہ نہیں ہو گئے ہیں، اور اپنے رب کے صراطِ مستقیم سے بھٹک نہیں گئے ہیں۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ اے اہل قریش! جاہِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے تو تم ہو کہ میرے نبی کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہو، وہ تمہارے درمیان پیدا ہوئے، پلے بڑھے، ان کی صداقت، امانت، راست بازی، پاکدامنی اور اخلاق عالیہ سے ان کا متصف ہونا تم سب کو معلوم ہے، تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور جب چالیس سال کی عمر کے بعد انہوں نے تمہیں بتایا کہ ان پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، تو تم نے ان کا مذاق اڑایا، ان کو جھٹلادیا، اور قرآن کریم کے وحی الہی ہونے کا انکار کر دیا۔

(۲) میرے نبی ﷺ نہ گم گشتہ راہ ہیں، اور نہ اس قرآن کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑ لیا ہے، اور نہ دیگر احکام الہیہ کو جنہیں وہ قرآن کی تفسیر و توضیح کے طور پر بیان کرتے ہیں، اپنی خواہش نفس کے مطابق لاتے ہیں، بلکہ وہ سب اللہ کی وحی ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ نے سورۃ النساء آیت (۱۱۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ”اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت یعنی قرآن و سنت دونوں نازل کیا ہے“۔ صاحب ”فتح البیان“ لکھتے ہیں یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت وحی ہوتی تھی جو آپ کے دل میں ڈال دی جاتی تھی۔

(۳) جبریل علیہ السلام کو وہ تعلیمات اللہ سے ملتی تھیں، اور جبریل نبی کریم ﷺ کو سکھادیتے تھے۔ آیت میں ﴿شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جبریل علیہ السلام ہیں، جیسا کہ سورۃ السکوٰر آیات (۲۰، ۱۹) میں آیا ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۖ﴾ ”یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے، جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے“۔

اور وہ فرشتہ بڑا ہی صاحب عقل و دانش اور صاحب الرائے ہے، وہ محمد ﷺ کو تعلیم دینے کے بعد آسمان میں اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ بعض لوگوں نے ”فناستوی“ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ وہ فرشتہ نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی اصلی شکل میں آیا، دھیہ کلبی کی شکل میں نہیں، جن کی شکل میں عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا کرتا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے ﴿فَاسْتَوَىٰ ۗ وَهُوَ

فَأَوْسَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْسَىٰ ۖ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۗ أَفَتَسْمُرُونَ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۙ

تب اُس نے اللہ کے بندے پر وہ وحی (۵) نازل کی جو اُس نے (اُس وقت) نازل کی ﴿۱۰﴾ رسول اللہ نے جو کچھ دیکھا (۶) اُن کے دل نے اُس کی تکذیب نہیں کی ﴿۱۱﴾ کیا تم لوگ اُن سے اُس بارے میں جھگڑتے ہو جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ﴿۱۲﴾

بِالْأَفْهَقِ الْأَعْلَىٰ ۖ ﴿۱۰﴾ کا معنی حسن، مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس سے نقل کیا ہے کہ جبریل اُفقی کی بلندیوں میں ظاہر ہوئے۔ (۳) جبریل علیہ السلام پھر نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے، تاکہ اُن تک اللہ کی وحی پہنچائیں، اور اُفقی کی بلندیوں سے اُن کی طرف جھکے، اور اُن سے اتنا قریب ہو گئے کہ ان کا درمیانی فاصلہ صرف دو گز کے برابر یا اس سے بھی کم رہ گیا۔ ام المؤمنین عائشہ، ابن مسعود، ابوذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ امام بخاری نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چہ سو پر تھے۔ ضحاک نے ﴿ذُنُفًا فَنَدَسْنَا﴾ کا فاعل نبی کریم ﷺ کو قرار دیا ہے، یعنی آپ ﷺ جب اپنے رب کے بہت ہی قریب پہنچ گئے تو جودہ میں گر گئے۔ اس قول کے مطابق ﴿فَهَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ کا مفہوم یہ ہو گا کہ آپ ﷺ اپنے رب سے صرف دو گز یا اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گئے۔ (۵) جبریل علیہ السلام جب نبی کریم ﷺ کے اتنے قریب آ گئے تب انہوں نے آپ ﷺ تک اللہ کی وحی پہنچائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندے جبریل علیہ السلام کو وحی کی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندے محمد ﷺ کو وحی کی، یعنی بذریعہ جبریل وحی کی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میں "وحی" کو مبہم رکھا گیا ہے، یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کیا بات تھی جس کی وحی کی گئی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اپنی طرف سے اس کی تفسیر نہ بیان کی جائے، البتہ اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کوئی بڑی ہی ذی شان بات تھی جو احاطہ بیان سے باہر ہے۔

(۶) نبی کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام اُن کے پاس اُن کے رب کی وحی لے کر آئے، اور ان کے دل نے بھی اس کی تصدیق کی، اور یقین کر لیا کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتہ جبریل ہیں جو اللہ کی وحی لے کر آئے ہیں، یہ کوئی شیطانی خیال نہیں ہے۔ یعنی کان، آنکھ، اور دل تینوں اس پر متفق تھے کہ جبریل ہیں جو وحی الہی لے کر آئے ہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں مراد اللہ کی وہ عظیم الشان نشانیاں ہیں جن کا مشاہدہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات میں کیا تھا اور جن کا ان کے دل نے بھی یقین کر لیا تھا۔

اور بعض نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا، اور ہم کلام ہوئے تھے، لیکن صحیح یہی ہے کہ آیت میں مراد جبریل علیہ السلام کی رویت ہے۔ آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا تھا۔ پہلی بار بعثت کے کچھ ہی دنوں کے بعد آسمان دنیا کے نیچے اُفقی کی بلندیوں میں دیکھا جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے، اور جو آیات (۹/۸) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے، جبریل علیہ السلام کو آنکھوں سے دیکھا۔ اور دوسری بار شب معراج میں ساتویں آسمان پر دیکھا، جس کا ذکر آیت (۱۳) کی تفسیر میں آئے گا۔

آیت (۱۲) میں مشرکین مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ میرے نبی نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا، اس میں تم کیوں شبہ کرتے ہو،

وَلَقَدْ رَاَهُ نُزْلًا أُخْرَى ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۖ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ۖ إِذْ يَخْشَى الْيَسْدَةَ مَا يَعْشَى ۝
 اور انہوں نے اُس فرشتہ کو دوسری بار (۷) بھی دیکھا ﴿۱۳﴾ سدرۃ المنتہی (۸) کے پاس ﴿۱۴﴾ جس کے قریب ہی جنت الماویٰ (۹) ہے ﴿۱۵﴾ جب اُس سدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اُسے ڈھانک رہی تھی ﴿۱۶﴾

اور جو بات تمہارے فہم و تصور سے بالاتر ہے، اس کے بارے میں تم اُن سے کیوں جھگڑتے ہو۔ امام بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے چہ سو پر تھے۔ جبریل علیہ السلام کو آنکھوں سے دیکھنا نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے، دوسرے لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں تو بس نبی کریم ﷺ کی بات پر یقین کر کے ایمان لے آنا چاہئے کہ واقعی آپ ﷺ نے جبریل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

(۷) نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دوسری بار شب معراج میں ساتویں آسمان پر دیکھا تھا۔ بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کو اپنے دل کی آنکھوں سے دوسری بار شب معراج میں دیکھا تھا، لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے۔ اور اس کی تائید ابو ذریضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے مسلم نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: ”ایک نور تھا، اللہ کو کیسے دیکھ سکتا تھا“۔ مشہور تاحی مسروق سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جو شخص تم سے کہے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے رب کو دیکھا تھا، اس نے اللہ پر بہت بڑی افترا پردازی کی۔ انہوں نے جبریل کو دیکھا تھا، ان کی اصلی صورت میں آپ ﷺ نے انہیں صرف دو بار دیکھا تھا۔ دوسری بار سدرۃ المنتہی کے پاس، اور پہلی بار ”اجیاد مکہ“ میں جب انہوں نے چہ سو پروں کے ساتھ اُفق کو ڈھانک رکھا تھا۔ (ترمذی، تفسیر سورہ نجم)۔

البتہ اتنی بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا۔ امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرا رب میرے پاس آج کی رات سب سے اچھی صورت میں آیا“۔ الحدیث۔ اور یہ خواب آپ نے مدینہ میں دیکھا تھا۔

(۸) ﴿سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى﴾ ایک عظیم درخت ہے، جو ساتویں آسمان پر پایا جاتا ہے (مسلم)۔ ایک صحیح روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے۔ اور اس کا نام ﴿سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى﴾ اس لئے ہے کہ زمین سے جو کچھ اوپر چڑھتا ہے، اس کی انتہا وہی درخت ہے، اس کے باوراء کیا ہے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ گویا پیری کا وہ درخت اس جگہ ہے جہاں مخلوقات کے علم، شہداء کی روحوں، اور زمین سے اوپر چڑھنے والے تمام اعمال کی انتہا ہے، یعنی وہ جگہ تمام آسمانوں اور زمین کے اوپر ہے، وہاں مخلوقات کی بلندی کی انتہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں اسی ﴿سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى﴾ کے پاس جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، جس کے قریب شیطان نہیں پھٹک سکتا تھا۔

(۹) اس درخت کے پاس ایک جنت ہے جس کا نام ﴿جَنَّةُ الْمَأْوَى﴾ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں پائی جاتی ہیں، اور جو اس کے مقرب بندوں کی روحوں کی جگہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ بے شمار روحوں اور فرشتے اُس درخت پر ٹوٹے پڑے

مَا ذَا عِزِّ الْبَصَرِ وَمَا طَعْنِي ﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ﴾ وَمِنَ الثَّلَاثَةِ الْآخَرَى ﴿

نہ اُن کی نگاہ نے خطا^(۱۰) کی، اور نہ حد سے متجاوز ہوئی ﴿۱۷﴾ انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں^(۱۱) دیکھیں ﴿۱۸﴾ اے کفار مکہ! کیا تم نے لات و عزیٰ^(۱۲) کے بارے میں غور کیا ہے ﴿۱۹﴾ اور منات پر غور کیا ہے جو ایک تیسرا بت ہے ﴿۲۰﴾

تھے، اور اُس کے ارد گرد منڈلاتے پھرتے تھے۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ کو اُس وقت جو کچھ دکھایا گیا، اُس سے آپ ﷺ کی نظر نہ ادھر ادھر ہوئی، اور نہ اس منہائے مقصود سے ذرا بھی آگے بڑھی۔ یعنی اتنا ہی کیا جتنے کا انہیں حکم دیا گیا اور اسی پر قناعت کی جو انہیں دیا گیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے انتہائے ادب کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ آپ اس مقام پر رعایتِ ادب کے ساتھ تکلفی لگائے رہے، اور جو کچھ انہیں دکھایا گیا، اسے ہی دیکھتے رہے، ذرا بھی کسی دوسری طرف ملتفت نہیں ہوئے اور نہ آپ کی آنکھیں اس تجلی کی دید سے تھکیں۔

(۱۱) آپ ﷺ نے اس رات اپنے رب کی ایسی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کیا جو حدِ وصف سے باہر تھیں۔ بعض کے نزدیک عظیم ترین نشانی سے مراد ”سبز کپڑا“ ہے جس نے افق کو ڈھانک رکھا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد جبریل ہیں جنہوں نے سبز لباس میں آسمان وزمین کی درمیانی مسافت کو ڈھانک رکھا تھا، اور ان کے چہ سو پر تھے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں یہی تشریح آئی ہے۔ اور دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ ”الکعبری“ ”آیات“ کی صفت ہے، اور اس سے مراد اللہ کی وہ تمام عظیم ترین نشانیاں ہیں، جن کا آپ ﷺ نے اُس رات ”سَبْدَرَةَ الْمُنتَهَى“ کی طرف جاتے ہوئے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے مشاہدہ کیا تھا۔

(۱۲) مذکورہ بالا آیتوں میں دین اسلام اور نبی کریم ﷺ کی صداقت، وحی الہی، اور توحید باری تعالیٰ کا ذکر کئے جانے کے بعد اب مشرکین مکہ کی بُت پرستی، اور ان کے جھوٹے معبودوں کی حیثیت بیان کی جا رہی ہے کہ وہ تو مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے بُت ہیں جن کے تم نے مختلف نام رکھ لئے ہیں، اور جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، کیا تم اندھے ہو گئے ہو کہ تم انہیں اس اللہ کے برابر سمجھتے ہو جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے!؟

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے تین مشہور بتوں کے نام لئے ہیں، جو اہل عرب میں بڑے مشہور تھے، اور جن کے وہ بڑے معتقد تھے، اور اللہ کے ناموں سے ان کے نام اخذ کرتے تھے، کہتے تھے کہ اللہ سے ”اللات“ اور العزیز سے ”العزی“ ماخوذ ہے، جو ”الاعز“ کا مؤنث ہے، اور جو ”العزیزة“ کے معنی میں ہے۔ اور ”المنان“ سے ”مناة“ ہے۔ اس طرح وہ اپنے ان بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، اور ان کی پرستش کرتے تھے۔

الصالح میں ہے کہ ”اللات“ بنی ثقیف کے ایک بُت کا نام تھا، جو طائف میں تھا، اور ”العزی“ قریش اور بنی کنانہ کا ایک بُت تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا، جس کی لوگ عبادت کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید کو بھیج کر اُسے کٹوا دیا تھا۔ بعض کی رائے ہے کہ ”بطن نخلہ“ میں ایک شیطانہ تھی جو ہر سال تین موسموں میں آیا کرتی تھی۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ”العزی“ ایک سفید پتھر تھا جس کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے۔ ”مناة“ بنی ہلال کے بُت کا نام تھا۔ اور ابن ہشام کا خیال ہے کہ وہ ہذیل و خزاعہ کے بت کا نام تھا۔ صاحب محاسن التنزیل نے لکھا ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان،

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُ الْاُتْمَىٰ ۗ تِلْكَ اِذَا قِسْمَةٌ صِيْرَىٰ ۗ اِنَّ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدٰى ۗ اَمْ لَئِذَا اُنْسَانَ مَا تَسْمٰى ۗ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاَوَّلٰى ۗ

کیا تمہارے لئے بیٹے (۱۳) ہیں، اور اللہ کے لئے بیٹیاں ﴿۲۱﴾ یہ تو ایک غیر منصفانہ تقسیم ہے ﴿۲۲﴾ یہ بت تو محض نام (۱۳) ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، وہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور اپنی خواہش نفس کی، حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے ﴿۲۳﴾ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی (۱۵) ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے ﴿۲۴﴾ پس آخرت اور دنیا دونوں کا مالک اللہ ہے ﴿۲۵﴾

تقدید کے پاس مشکل میں ایک چٹان تھا، جس کی خزاعہ اور اوس و خزرج والے زمانہ جاہلیت میں تعظیم کرتے تھے، اور وہیں سے حج بیت اللہ کے لئے تکبیر کہنا شروع کرتے تھے۔ امام بخاری نے عاکشہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت کی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جزیرہ عرب میں مذکورہ بالا بتوں کے علاوہ بھی طواغیت یعنی جھوٹے معبود تھے، جن کی اہل عرب خانہ کعبہ کی طرح تعظیم کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا بتوں کا ذکر ان کے زیادہ مشہور ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ (۱۳) تم عدل و انصاف سے کس قدر دور ہو کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہو، اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے ہو، اور جن لڑکیوں کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو، انہیں اللہ کے لئے ثابت کرتے ہو، کہتے ہو کہ فرشتے اور تمہاری یہ دیویاں اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

آیت کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ لات و عزریٰ اور منات جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، انہیں مؤنث بتاتے ہو، حالانکہ تم مؤنث کو حقیر جانتے ہو، اور گوارہ نہیں کرتے ہو کہ تمہارے گھر بچیاں پیدا ہوں، اور تمہاری طرف ان کی نسبت کی جائے، تو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جن جھوٹے معبودوں کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو، انہیں مؤنث بتاتے ہو۔

(۱۴) تمہارے یہ جھوٹے معبود جنہیں تم نے اور تم سے پہلے تمہارے آباء و اجداد نے اللہ کے ناموں سے مشتق نام دے رکھے ہیں، ان میں معبود بننے کی کوئی بھی صفت موجود نہیں ہے، تم نے محض اپنی طرف سے ان کے ایسے نام رکھ دیئے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور جن کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے۔ تم محض اپنے وہم و گمان اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آچکی ہے کہ یہ بت اس لائق نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ عبادت تو صرف اُس اللہ کے لئے خاص ہے جو ہر چیز کا خالق اور آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے۔

(۱۵) مشرکین مکہ کے لئے ان کے رب کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ جو ہدایت آئی، اس سے انہوں نے منہ پھیر لیا، اور اپنی من مانی تمناؤں سے رشتہ جوڑ لیا، اور اس خیال باطل کو اپنے دل میں جگہ دے دی کہ ان کے بت ان کے لئے سفارشی بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دنیا میں آدمی کی مرضی اور خواہش کے مطابق معاملات انجام نہیں

وَكَمْ مِنْ مَلَكَ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى ۗ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيْسُوا مِنَ الْمَلَائِكَةِ تَسْبِيحًا ۗ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَكْفُرُونَ إِلَّا الظَّنُّ ۗ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۗ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۗ ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعُلُوفِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَىٰ ۗ

اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش (۱۶) کچھ کام نہیں آئے گی، مگر اللہ کی اجازت کے بعد، جس کے لئے وہ چاہے گا اور سفارش کو پسند کرے گا ﴿۲۶﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان (۱۷) نہیں رکھتے ہیں، وہ فرشتوں کو عورتوں کا نام دیتے ہیں ﴿۲۷﴾ حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے، وہ لوگ صرف وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں، جبکہ وہم و گمان حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ﴿۲۸﴾ پس اے میرے نبی! آپ اُس آدمی سے الگ (۱۸) ہو جائیے جس نے میری یاد سے منہ پھیر لیا ہے، اور اُس کا مقصود دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں ﴿۲۹﴾ اُن کے علم کی یہی انتہا (۱۹) ہے، بے شک آپ کا رب اس آدمی کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے، اور اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو راہِ راست پر ہے ﴿۳۰﴾

پاتے ہیں۔ بلکہ تمام امور کا تعلق اللہ کی مرضی اور اس کی مشیت سے ہے، اس لئے انہوں نے کیسے سمجھ لیا ہے کہ ان کے جھوٹے معبود اُن کی مرضی کے مطابق ان کی سفارش کریں گے۔ یقیناً ان کی یہ بہت بڑی جرأت بے جا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ آمدہ یقین کو چھوڑ کر اپنے ظنِ باطل کی پیروی کر رہے ہیں، اور اللہ کی شریعت سے آزاد ہو کر اپنی خواہش نفس کی پیروی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومن آیت (۷۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ ”اگر دینِ شریعت ان کی خواہش کا نام ہو جاتا تو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جاتی۔“ (۱۶) بتوں کے پجاریوں کی زجر و توبخ کی گئی ہے کہ وہ اپنے پتھر کے بنے ذلیل و حقیر معبودوں سے کیسے سفارش کی امید لگاتے ہیں، جبکہ اللہ کے معزز و مکرم فرشتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی کے لئے شفاعت کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر نہیں لاسکتے ہیں۔

(۱۷) مشرکین مکہ جو بعثت بعد الموت اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، ان کا ایک بہت بڑا جرم یہ ہے کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے ہیں۔

آیت (۲۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی زبان سے ایک ایسی بات کہتے ہیں، جس کا انہیں کوئی علم نہیں ہے، اس لئے کہ نہ انہوں نے انہیں دیکھا اور جانا ہے، اور نہ اُن کے پاس اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی خبر آئی ہے، یہ بات انہوں نے محض اپنے وہم و گمان اور جہالت و گمراہی کی بنیاد پر کہی ہے۔ اور معلوم ہے کہ حقیقت کا ادراک وہم و گمان کے ذریعہ نہیں، بلکہ یقینی دلائل کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی کہ آپ ان کافروں سے پہلو تہی کر لیجئے جو ہماری یاد سے غافل ہیں، اور جن کا منہ ہائے مقصود دنیاوی لذتوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَىٰ ۗ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ
كَبِيرَ الْأَثْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّامُورَ إِن رُبَّمَا وَاسِعَ الْمَعْفُورِ ۗ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذَا أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا أَنْتُمْ أُمَّةٌ
فِي بَطُونٍ أَمْهَاتِكُمْ فَلَا تَزْكُوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اللہ کا ہے (۲۰) تاکہ وہ برا عمل کرنے والوں کو اُن کے عمل کا بدلہ دے، اور اچھا عمل کرنے والوں کو اچھا بدلہ (یعنی جنت) دے ﴿۳۱﴾ جو لوگ بڑے گناہوں (۲۱) اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، سوائے کچھ چھوٹے گناہوں کے، بے شک آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا ہے، وہ تمہیں اُس وقت سے خوب جانتا ہے جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں پلتے ہوئے بچے تھے، پس تم لوگ اپنی پاکی نہ بیان کرو، وہ اُس شخص سے خوب واقف ہے جو اس سے ڈرتا ہے ﴿۳۲﴾

(۱۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کا منتہائے علم بھی دنیاوی اغراض و مقاصد ہیں، اس کے سوا انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ اور جس کا مبلغ علم دینائے دنی اور اس کی لذتیں ہوں، اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ راہِ حق پر کون گامزن ہے اور ضلالت کی وادیوں میں کون بھٹک رہا ہے، اور وہ روزِ قیامت ہر ایک کو اس کے اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ دے گا۔ (۲۰) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لئے ہے، اور ان دونوں کے درمیان جتنی بھی مخلوقات ہیں سب اسی کی مملوک ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اُن میں تصرف کرتا ہے۔ اس کی تقدیر اُن میں نافذ ہوتی ہے، اور اس کی شریعت اُن پر جاری ہوتی ہے۔ وہ انہیں حکم دیتا ہے، اور منع کرتا ہے، اور وہ گناہ گار کو سزا دیتا ہے، اور فرمانبردار کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اور سب سے اچھا بدلہ اللہ کی رضا اور حصولِ جنت ہے۔

(۲۱) اُن اچھے لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ اُن واجبات کو ادا کرتے ہیں جن کا چھوڑنا بڑا گناہ ہے، اور بڑے حرام کاموں سے بھی بچتے ہیں، مثلاً زنا، شراب نوشی، سود خوری، قتل نفس اور اسی طرح کے دیگر بڑے بڑے حرام کام۔ البتہ اُن سے کبھی کبھار بعض چھوٹے چھوٹے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔

"لم" کا لغوی معنی "قلیل وصغیر" ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ "لم" وہ گناہ ہے جس کا ارتکاب انسان سے کبھی کبھار ہو جاتا ہے، اور اس پر اصرار نہیں کرتا ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی مثال بوسہ، اشارہ کرنا اور دیکھنا بتایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ آدمی گناہ کے قریب جائے، پھر توبہ کر لے۔

اس قسم کے چھوٹے گناہوں کے ارتکاب سے آدمی اچھوں کی صف سے نہیں نکل جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیتا ہے، اس لئے کہ اس کی رحمت بہت ہی وسیع ہے، جس کے اندر وہ اپنے ایسے تمام بندوں کو ڈھالک لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت (۳۱) میں فرمایا ہے: ﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبِيرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ "اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے باز ہو گے، تو ہم ضرور تمہارے (چھوٹے چھوٹے) قصور معاف کر دیں گے۔" اور نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے: "بجگانہ نمازیں، اور جمعہ سے جمعہ تک، اور رمضان سے رمضان تک، ان کے درمیان کے

اَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ۖ وَاعْتَصَىٰ قَلِيلًا ۙ وَالْأَكْثَىٰ ۗ اَعْتَدْنَا لَهُ عِلْمَ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ۗ اَمَلَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۙ وَاَنْبِئِهِمُ الَّذِي وُقِيَ ۙ اَلَا تَزِدُّوا زُرَّارَةً وَّزُرَّ اٰخَرَىٰ ۙ وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسِعٌ ۙ وَاَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يَرَىٰ ۙ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْاَوْفَىٰ ۙ وَاَنْ اِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۙ

اے میرے نبی! کیا آپ نے اس شخص (۲۲) کو دیکھا جس نے اللہ کی راہ سے منہ پھیر لیا ﴿۳۳﴾ اور تھوڑا سادیا، پھر دینا بند کر دیا ﴿۳۴﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے پس وہ دیکھ رہا ہے (کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال ختم ہو جاتا ہے) ﴿۳۵﴾ کیا اسے اُس بات کی خبر نہیں دی گئی ہے جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے ﴿۳۶﴾ اور اس ابراہیم کے صحیفہ میں ہے جس نے (اپنے رب کے ساتھ) وفا کی ﴿۳۷﴾ کہ (قیامت کے دن) کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ﴿۳۸﴾ اور یہ کہ انسان کو صرف اس کے اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ اس کا عمل اسے دکھایا جائے گا ﴿۴۰﴾ پھر اسے پورا بدلہ دیا جائے گا ﴿۴۱﴾ اور یہ کہ ہر ایک کو بالآخر آپ کے رب کے پاس ہی جانا ہے ﴿۴۲﴾

گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، جب تک آدمی بڑے گناہوں سے بچتا رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسانو! تمہارا رب تمہاری کمزوریوں سے اس وقت سے خوب واقف ہے جب اس نے تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں پرورش پا رہے تھے۔ وہ جانتا ہے کہ تمہارے اندر نیکی کرنے کے جذبے کے ساتھ گناہ کرنے کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے، جب گناہ کا سبب پایا جائے گا تو تمہاری کشش اس کی طرف بڑھ جائے گی۔ اسی لئے وہ اپنے فضل و کرم سے تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیتا ہے، اور خاص طور پر اپنے ان بندوں کے چھوٹے گناہوں کو جو ہر دم اپنے مولائے حقیقی کی رضا کی طلب میں لگے رہتے ہیں، اور کبھی کبھار کوئی چھوٹا گناہ ان سے سرزد ہو جاتا ہے۔

اس لئے لوگو! تم اپنی پاکی نہ بیان کرو، اور یہ نہ کہو کہ ہم تو گناہوں سے بالکل پاک صاف ہیں۔ اللہ کو تمہارے بیان کے بغیر خوب معلوم ہے کہ اس سے ڈرنے والا کون ہے۔

احمد، مسلم اور ابوداؤد نے زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اُن کا نام "برۃ" یعنی پاکیزہ رکھا گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ اپنی پاکی نہ بیان کرو، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ پاکیزہ کون ہے۔ اس کا نام "زینب" رکھو"۔ اور صحیحین میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کی نبی کریم ﷺ کے سامنے تعریف کی، تو آپ نے بار بار فرمایا کہ "تمہارا بڑا ہو، تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی، اگر کسی کی تعریف کرنی ضروری ہو، تو یوں کہو کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں، اور اللہ اس کے حال سے خوب واقف ہے، اور میں اللہ کے علم کے ہوتے ہوئے کسی کی پاکی نہیں بیان کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فلاں آدمی ایسا ہے۔"

(۲۲) مجاہد، ابن زید اور مقاتل کا قول ہے کہ یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، اس نے پہلے اسلام کو قبول کر لیا تھا، لیکن بعض مشرکین نے اُسے اپنا آبائی دین چھوڑنے کی عار دلائی، تو اسلام سے پھر گیا، اور دوبارہ مشرکوں میں شامل ہو گیا۔ ابن جریر کی روایت ہے کہ جس شیطان قرشی نے اسے مرتد ہونے پر ابھارا تھا، اس نے اس سے کہا کہ اگر تمہیں قیامت کے دن کے عذاب کا خوف ہے تو مجھے روزانہ اتنا مال دو، میں تمہاری طرف سے عذاب کا بوجھ اٹھا لوں گا، چنانچہ اس نے اسے

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۖ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۖ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزُّجُجَيْنِ الذَّكْرَ وَالْأُنثَىٰ ۖ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْلَىٰ ۗ

اور یہ کہ وہی ہنساتا (۲۳) ہے اور رُلا تاتا ہے ﴿۲۳﴾ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندگی دیتا ہے ﴿۲۳﴾ اور یہ کہ وہی تراور مادہ کے جوڑے پیدا کرتا ہے ﴿۲۵﴾ ایک قطرہ نطفہ سے جب وہ (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے ﴿۲۶﴾ روزانہ مال دینا شروع کیا، اور پھر ایک مدت کے بعد بند کر دیا۔

اسی شیطان قرشی کے ہارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت (۳۵) میں فرمایا کہ کیا اس کے پاس علم غیب ہے، جس کے ذریعہ اسے معلوم ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کی طرف سے عذاب جمیل لے گا۔ یہ اس کی افترا پر دازی ہے۔ کیا جو کچھ صحفِ موسیٰ یعنی تورات میں اور صحفِ ابراہیم میں آیا ہے، اسے اس کی خبر ہے۔ ان صحیفوں میں تو یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھا سکے گا۔ اور ہر انسان کو صرف اس کے اپنے عمل کا بدلہ ملے گا۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ بعض دیگر آیات اور احادیث کے ذریعہ اس عموم کی تخصیص ہو چکی ہے۔ جیسے سورۃ الطور آیت (۲۱) میں آیا ہے: ﴿أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ”ہم ان جنتیوں کے پاس ان کی اولاد کو پہنچادیں گے“۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انبیاء اور فرشتوں کی شفاعت قبول کرے گا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ زندہ آدمی مردہ کے لئے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے گا۔

حافظ ابن کثیر نے آیت (۳۹) کے ضمن میں لکھا ہے کہ امام شافعی اور ان کے شاگردوں نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ قرأتِ قرآن کا ثواب مُردوں کو نہیں پہنچتا ہے، اس لئے کہ وہ ان کا اپنا عمل نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو نص یا اشارہ کسی طرح بھی اس کی ترغیب نہیں دلائی ہے، اور نہ صحابہ کرام نے ایسا کیا۔ اگر یہ کام اچھا ہو تا تو صحابہ کرام نے ضرور کیا ہوتا۔ ثواب کے کاموں میں نص پر اکتفا کیا جاتا ہے، ان میں قیاس اور رائے پر عمل نہیں ہوتا ہے۔

البتہ دعا اور صدقہ کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے، کیونکہ یہ نص سے ثابت ہے۔ امام مسلم نے اپنی کتاب "الصحیح" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، صرف تین ذریعوں سے اس کو ثواب ملتا رہتا ہے: نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے، صدقہ جاریہ اور علم جس سے لوگ نفع حاصل کریں۔ اس لئے کہ درحقیقت یہ تینوں کام اس کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہیں، اور اس کے عمل کا ایک حصہ ہیں، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں آیا ہے جسے نسائی نے روایت کی ہے، کہ سب سے پاکیزہ روزی وہ ہے جو آدمی کی اپنی کمائی ہو، اور اس کا بیٹا اس کی کمائی ہے، اور صدقہ جاریہ جیسے وقف وغیرہ اس کے اپنے عمل کا حصہ ہے۔ اور جس علم کو وہ لوگوں میں پھیلاتا ہے وہ بھی اس کے عمل کا حصہ ہے۔

(۲۳) صحائفِ موسیٰ و ابراہیم میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ رب العالمین کی ذات ہے جس نے انسان میں ”ہنسنے اور رونے“ کی قوت ودیعت کی ہے۔ یا آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اہل جنت کو جنت میں بھیج کر ہنسیا، اور اہل جہنم کو جہنم میں ڈال کر رلایا، یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے دنیا میں جسے چاہا خوشی دے کر ہنسیا، اور جسے چاہا غم دے کر رونے پر مجبور کیا۔

اور باری تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا موت کے گھاٹ اتار دیا، اور جسے چاہا مردہ نطفہ میں زندگی ڈال کر پیدا کیا۔ اور اسی نے مردوزن کو ایک قطرہ نطفہ سے پیدا کیا جو کو داتا ہوا رحم مادر میں جا کر قرار پاتا ہے۔

وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّهْيَةَ الْأُخْرَىٰ ۗ وَأَنَّهُ هُوَ أَعْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۗ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَىٰ ۗ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۗ وَتَمُودًا فَمَا أَبْقَىٰ ۗ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمًا أَظْلَمَ وَأَطْعَىٰ ۗ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۗ فَغَشَّاهُمَا نَجَمِي ۗ فَجَاءَ بِكَ تَمَّارِي ۗ

اور یہ کہ بے شک وہی دوبارہ سب کو زندہ (۲۳) کرے گا ﴿۳۷﴾ اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے، اور محتاج بناتا ہے ﴿۳۸﴾ اور یہ کہ وہی شعری ستارے کا رب ہے ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ اسی نے عا و اول (۲۵) کو ہلاک کر دیا تھا ﴿۵۰﴾ اور قوم ثمود کو بھی، پس اس نے ان کا وجود ختم کر دیا ﴿۵۱﴾ اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا تھا، بے شک وہ لوگ بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے ﴿۵۲﴾ اور اُس نے (قوم لوط کی) اُلٹی ہوئی بستیوں کو زمین پر وے مارا ﴿۵۳﴾ پھر اُن بستیوں کو اُس (پتھر پانی) نے ڈھانک لیا جس نے انہیں ڈھانک لیا ﴿۵۴﴾ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک (۲۶) کرو گے ﴿۵۵﴾

(۲۳) وہ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور وہی جسے چاہتا ہے مالدار بناتا ہے، اور جسے چاہتا ہے فقیر و محتاج بنا دیتا ہے۔ سورۃ الرعد آیت (۲۶) میں آیا ہے: ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ غَيْرِ قَدَرٍ﴾ ”وہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو بڑھا دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے“۔ آیت کا دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہی مالدار بناتا ہے، اور وہی ذخیرہ اندوزی کے لئے مال دیتا ہے۔ اور وہی شعری ستارے کا رب ہے۔ اور اس آیت سے مقصود خزاعہ اور ان لوگوں کی تردید ہے جو اس ستارے کی پوجا کرتے تھے، ورنہ باری تعالیٰ تو ہر چیز کا رب ہے۔ یعنی شعری ستارہ اللہ کی مخلوق ہے، اسے لوگ معبود بنا کر کیوں پوجتے ہیں۔

(۲۵) اور وہی ہے جس نے عا و اول کی قوم کو ہلاک کر دیا تھا، انہیں "عاد و اول" اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کا زمانہ قوم ثمود سے پہلے کا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قوم ہود ہے، اور عاد آخر قوم ارم کو کہتے ہیں۔ اور اسی نے قوم ثمود کو ہلاک کر دیا، یعنی اللہ نے جس طرح قوم عاد کو ہلاک کر دیا، اسی طرح قوم ثمود کو بھی ہلاک کر دیا، دونوں قوموں میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔ اور اسی نے ان دونوں قوموں سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر دیا تھا جو عاد و ثمود سے بھی زیادہ ظالم اور سرکش ہو گئی تھی۔

اور اسی نے قوم لوط کی بستیوں کو الٹ دیا تھا، اور جبریل کے ہاتھوں اوپر لے جا کر زمین پر دے مارا تھا، پھر ان پر پتھروں کی بارش کر کے انہیں ڈھانک دیا تھا، جیسا کہ سورۃ الحجر آیت (۷۳) میں آیا ہے: ﴿فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمَا سَافِلِينَ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّحَارِبًا مِّن سَجِيلٍ﴾ یعنی ”بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کر دیا، اور ان لوگوں پر کنگروا لے پتھر برسادیئے“۔ (۲۶) مذکورہ بالا امور کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرک و کافر انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ کی کن کن نعمتوں میں شبہ کرو گے، اور کن کن کی تکذیب کرو گے اور کہو گے کہ یہ نعمتیں اللہ کی عطا کردہ نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا امور میں سے بعض تو ظاہری طور پر بھی اللہ کی نعمتیں ہیں، اور بعض اگرچہ اللہ کا گذشتہ قوموں پر عذاب تھا، لیکن چونکہ اُن سے انسانوں کو عبرت و نصیحت ملتی ہے، اسی لئے انہیں بھی نعمت کہا گیا ہے۔ اور انہیں اس لئے بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں سے انتقام لیا تھا، اور انبیاء و صالحین کی نصرت و تائید فرمائی تھی۔

هَذَا نَذِيرٌ مِنَ النُّذُرِ الْأُولَى ۚ أَرَأَيْتَ الْأَرْفَقَةَ ۗ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۗ أَفَئِنُّ هَذَا الْحَدِيثُ تَعْجَبُونَ ۗ
وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۗ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ۝

یہ (نبی یا قرآن) پہلے ڈرانے والے انبیاء یا صحائف کی طرح ایک ڈرانے والا (۲۷) ہے ﴿۵۶﴾ آنے والی گھڑی (۲۸) (یعنی قیامت) قریب آچکی ہے ﴿۵۷﴾ اُسے اللہ کے سوا کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ہے ﴿۵۸﴾ کیا تم لوگ اس قرآن (۲۹) کو سن کر تعجب کرتے ہو ﴿۵۹﴾ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو ﴿۶۰﴾ اور غفلت میں مبتلا ہنس کھیل رہے ہو ﴿۶۱﴾

(۲۷) اس آیت کریمہ میں "نذیر" سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ محمد (ﷺ) گذشتہ رسولوں کی طرح تمہارے لئے ایک رسول ہیں، جن کی بعثت کا مقصد تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہے، جس طرح ان رسولوں نے اپنی قوموں کو ڈرایا تھا۔ ابن جریر اور محمد بن کعب وغیرہا کا یہی قول ہے۔ اور قتادہ کے نزدیک "نذیر" سے مراد قرآن کریم ہے، اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگو! یہ قرآن تمہیں اسی عذاب سے ڈرا رہا ہے جس سے گذشتہ آسمانی کتابوں نے قوموں کو ڈرایا تھا۔ اور بعض مفسرین نے آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں گذشتہ سرسش قوموں کی ہلاکت کے جو قصے سنائے گئے ہیں، ان سے مقصود امت محمدیہ کو ڈرانا ہے کہ اگر اس نے بھی اللہ کی نافرمانی کی تو اس پر بھی عذاب الہی آسکتا ہے۔

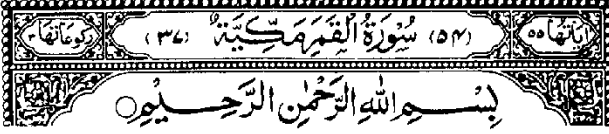
(۲۸) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قرب قیامت کی خبر دی ہے، تاکہ اس دن کے عذاب سے بچنے کی تیاری کریں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ القمر آیت (۱) میں صراحت کے ساتھ یوں کہا ہے: ﴿اَفْتَرَبَتِ السَّاعَةَ﴾ کہ "قیامت بالکل قریب ہے"۔ اور اس کا وقت موعود اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے، جیسا کہ سورۃ الأعراف آیت (۱۸۷) میں آیا ہے: ﴿لَا يَجْلِيهَا لَوْ قَتَبْتَهَا إِلَّا هُوَ﴾ یعنی "جب اس کا وقت آجائے گا تو وہی اسے ظاہر کرے گا"۔ آیت (۵۸) کا ایک دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ دن آجائے گا تو اللہ کے سوا کوئی اس کے شہد اور ہوال کو ٹال نہیں سکے گا۔

(۲۹) مشرکین مکہ سے زجر و توبخ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اللہ سے تمہاری دوری اور روز قیامت کی تیاری سے تمہاری غفلت کس قدر بڑھ چکی ہے کہ تم قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہو، اور اس کا مذاق اڑاتے ہو، حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ کافروں اور مشرکوں کے لئے اس میں مذکور و عید شدید کو سن کر تم روتے، اور ماضی میں تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں انہیں یاد کر کے اپنے رب کے سامنے گریہ و زاری کرتے، جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جو قرآن کریم کے وحی الہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الإسراء آیت (۱۰۹) میں ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَيَخْرُونَ لِلَّذِينَ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾ "یعنی جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی ٹھڈیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع و خضوع کو بڑھا دیتا ہے"۔

آیت (۶۱) میں "سامدون" کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "گانا" کیا ہے، یعنی کفار مکہ جب رسول اللہ ﷺ کو قرآن پڑھتے سنتے تو گانے لگتے اور کھیل تماشا کرنے لگتے تھے۔ سدیی نے اس کی تفسیر "یستکبرون" کیا ہے، یعنی جب وہ لوگ قرآن سنتے تو مارے تکبر کے اُن کی گردنیں اکڑ جاتی تھیں۔

حافظ سیوطی نے "الإكليل" میں لکھا ہے، اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم پڑھتے وقت رونا مستحب ہے، اور

قَابَسِدُوْا لِلّٰهِ وَاَعْبُدُوْا ۝



اِقْرَبِي السَّاعَةَ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرَ ۝ وَاَنْ تَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمَرٌّ ۝ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا اَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ۝

پس تم لوگ اللہ کے سامنے سجدے (۳۰) میں گر جاؤ، اور اس کی عبادت کرو ﴿۲۲﴾

سورۃ القمر کی ہے، اس میں بیچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے قیامت قریب (۱) آگئی، اور چاند پھٹ گیا ﴿۱﴾ اور کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے ﴿۲﴾ اور انہوں نے جھٹلایا، اور اپنی خواہشات کی پیروی کی، اور ہر کام کو ایک انجام پر پہنچانے ہے ﴿۳﴾

ہنسنا، گانا، لہو لعب اور غفلت میں مبتلا ہونا مذموم ہے۔

(۳۰) مشرکین مکہ کی زجر و توبیح کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے کہا ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ، اور اپنے اللہ کا سجدہ کرو، اس لئے کہ سجدہ ہی مقصود عبادت ہے، اسی کے ذریعہ بندہ اپنے خالق و مالک کے سامنے حقیقی خشوع و خضوع کا اظہار کرتا ہے، عبادت کی یہی وہ کیفیت ہے جس میں بندہ اپنے جسم کا سب سے معزز عضو، یعنی اپنی جبین نیاز زمین پر رکھ کر اپنے رب کے سامنے اظہار عاجزی کرتا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ نے انہیں عموم عبادت کا حکم دیا، جو ہر اس قول و عمل کو شامل ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے۔

چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے کفار قریش کے مجمع عام کے سامنے اس سورت کی تلاوت کی اور آخر میں سجدہ کیا، تو کفار بھی سجدہ میں گر گئے، جیسا کہ اس سورت کی تفسیر کی ابتدا میں لکھا جا چکا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ القمر

نام: پہلی آیت ﴿اِقْرَبِي السَّاعَةَ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرَ﴾ میں لفظ "الْقَمَرُ" آیا ہے۔ یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ زمانہ نزول: اس کا زمانہ نزول مکی دور ہے، اس میں "شق القمر" کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو محدثین و مفسرین کے نزدیک ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل پیش آیا تھا۔

(۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی خبر دی ہے۔ ایک تو یہ کہ قیامت قریب ہو چکی ہے۔ اور دوسری یہ کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اور دونوں ہی باتوں کی تائید نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔

قرب قیامت کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے دوسری کئی آیتوں میں بھی خبر دی ہے۔ سورۃ النحل آیت (۱) میں آیا ہے:

﴿آتَىٰ أَمْرًا لِّلَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ ”اللہ کا حکم آچکا ہے، پس تم لوگ اس کی جلدی نہ مچاؤ“۔ اور سورۃ الانبیاء آیت (۱) میں آیا ہے: ﴿اَقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ ”لوگوں کے حساب کا وقت آچکا ہے، اور وہ غفلت میں پڑے دین حق سے منہ پھیر رہے ہیں“۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں لوگوں کو قرب قیامت کی خبر دے کر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ دنیا عنقریب فنا ہو جائے گی، اس لئے قیامت کی ہولناکیوں سے نجات پانے کی تیاری کرنی چاہئے۔

امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، اور آفتاب عصر کے بعد غروب ہونے کے قریب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا سے گزر چکے ہیں، ان کی عمروں کے مقابلے میں تمہاری عمریں اتنی ہی باقی رہ گئی ہیں جتنا ابھی دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اور امام احمد نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں دنیا میں اُس وقت مبعوث کیا گیا ہوں جب قیامت اس قدر قریب ہے جتنی میری یہ دونوں انگلیاں، اور آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

دوسری بات یعنی ”انشقاقِ قمر“ کے بارے میں جمہور علمائے امت کی رائے ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مکی دور میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل نبی کریم ﷺ کے ایک عظیم معجزہ کے طور پر چاند دو ٹکڑے ہو کر جبلِ حراء کے دونوں طرف ہو گیا تھا اور بیچ میں پہاڑ آگیا تھا۔ قاضی عیاض نے مفسرین اور اہل سنت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس مضمون کی حدیثیں متواتر ہیں۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ”تائیل مختلف الحدیث“ میں لکھا ہے کہ نظام معزلی نے ان احادیث کا بغیر دلیل انکار کیا ہے۔ زحمری، بیضاوی اور ابوالسعود نے عطاء سے بھی اس طرح کا قول نقل کیا ہے، نظام نے کہا ہے کہ چاند قیامت کے دن پھٹے گا، اس رائے کی نیاد انکار سنت پر ہے۔

بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ سے اپنے نبی ہونے کی نشانی کا مطالبہ کیا، تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے، یہاں تک کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر، اور دوسرا اس کے نیچے آگیا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ”دیکھو یا گوہر ہو“۔ اور مسلم و ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اسی معجزہ کے ظہور کے بعد آیت ﴿اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ نازل ہوئی تھی۔

اور امام احمد، ترمذی اور حاکم و غیر ہم نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے عہد میں تھے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا، ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر، اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر، تو لوگ کہنے لگے کہ محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر اس نے تمہیں مسح کر دیا ہے تو وہ تمام لوگوں کو مسح نہیں کر سکے گا۔ یعنی اگر تمہارے علاوہ دوسروں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے تو تمہاری بات صحیح نہیں ہوگی کہ اس نے تم پر جادو کر دیا ہے، بلکہ یہ اس کا معجزہ ہوگا۔

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے آیت (۲) میں بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اس معجزے کا مشاہدہ کر لیا تو بجائے اس کے کہ

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۖ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ۖ فَمَا تُغْنِ التُّذُرُ ۗ قَالُوا عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ ۖ
شُكْرًا ۖ حَسْمًا أَبْصَاهُمْ يُعْرَضُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۖ فَنُهِطَ عَلَيْنَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكٰفِرُونَ
هَذَا آيَةٌ عَسِيرٌ ۖ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ۖ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا لَوَاعِبُونَ ۖ وَأُزْجِرٌ ۖ فَدَعَا رَبًّا أَنِّي مَغْلُوبٌ ۖ فَأَنْتَحِرُ ۖ

اور اُن کے پاس (اقوام گذشتہ کی) ایسی خبریں (۲) آچکی ہیں جن میں ان کے لئے ڈانٹ اور جھڑکی ہے ﴿۳﴾ یہ اللہ کی بلیغ حکمت ہے، مگر مختلف طریقوں سے ڈرانا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ﴿۵﴾ پس اے میرے نبی! آپ ان سے الگ (۳) ہو جائیے، جس دن پکارنے والا (یعنی اسرافیل) ہولناک چیز کی طرف بلائے گا ﴿۶﴾ وہ لوگ جھکی نگاہوں کے ساتھ قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے چاروں طرف پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوں ﴿۷﴾ پکارنے والے کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑ رہے ہوں گے، کفار کہیں گے کہ یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے ﴿۸﴾ اُن سے پہلے قوم نوح (۴) نے بھی جھٹلایا تھا، پس انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی، اور کہا کہ یہ تو پاگل ہے، اور اسے جھڑکا گیا ﴿۹﴾ تو انہوں نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں، اس لئے تو میری مدد فرمایا ﴿۱۰﴾

ایمان لے آتے، استنکار میں آکر اسے ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ تو بڑا ہی زبردست جادو ہے جو محمد نے ہم پر کر دیا ہے۔ اور آیت (۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اس کی نشانیوں کا انکار کر دیا، اور اپنی خواہش نفس کی اتباع کرتے ہوئے حق سے منہ پھیر لیا، لیکن انہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ کا فیصلہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہتا ہے، نبی کریم ﷺ کا دین غالب ہو کر رہے گا، اور اللہ ان کی ضرور مدد فرمائے گا، اور اُن کے منکرین کو ضرور ذلیل و رسوا کرے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ یا عام کافروں کے لئے قرآن کریم میں اقوام گذشتہ کے بہت سے عبرتاک واقعات بیان کر دیئے ہیں، جو ان کی عبرت و نصیحت کے لئے کافی ہیں، اگر وہ چاہتے تو ان میں غور و فکر کر کے نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لے آتے، اور غفلت اور لہو و لعب کی زندگی چھوڑ کر آخرت کی فکر میں لگ جاتے، لیکن انہیں اس کی توفیق نہیں ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حکمت بالغہ سے خوب واقف ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جس کے لئے وہ بدبختی لکھ دیتا ہے، اور اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ اگر کفار مکہ کو لہو و لعب چھوڑ کر فکر آخرت کی توفیق نہیں ہو رہی ہے، تو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اور اُس دن کا انتظار کیجئے جب انہیں دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر میں حساب و کتاب کے لئے اکٹھا کیا جائے گا، اور وہ گھڑی ان کے لئے بڑی ہی مشکل ہوگی، اُن کی آنکھیں ذلت و رسوائی کے مارے نیچے جھکی ہوں گی۔ اور جب اللہ تعالیٰ یا فرشتہ انہیں پکارے گا، تو وہ اپنی قبروں سے ٹڈی ڈل کی طرح نکل کر چاروں طرف پھیل جائیں گے، اور تیزی کے ساتھ پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑ پڑیں گے، اور کفار اپنے اعمال کو یاد کر کے، اور اس دن کے حقائق و مناظر اور میدانِ محشر کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس بات کی نسبت کافروں کی طرف کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دن مومنوں کے لئے سخت نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر آیات (۱۰۶-۹) میں فرمایا ہے: ﴿فَذٰلِكَ يَوْمًا كَثِيرًا عَسِيرًا عَلَى الْكَٰفِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ ”پس وہ دن بڑا سخت دن ہوگا، جو کافروں پر آسان نہ ہوگا“۔

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَبِرٍ ۖ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۗ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَّاجِ وَدُسِّرَ ۗ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرًا ۖ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۗ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ ۝

پس ہم نے موسلا دھار بارش (۵) کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے ﴿۱۱﴾ اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے، پس یہ سارا پانی اس کام کے لئے جمع ہو گیا جو مقدر ہو چکا تھا ﴿۱۲﴾ اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں سے بنی (ایک کشتی) پر سوار (۶) کر دیا ﴿۱۳﴾ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، جس کی نافرمانی کی گئی تھی، اس کی طرف سے بدلہ تھا ﴿۱۴﴾ اور ہم نے اس واقعہ کو ایک نشانِ عبرت (۷) بنا کر چھوڑ دیا، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ﴿۱۵﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب، اور میری ڈرانی والی باتیں ﴿۱۶﴾ اور ہم نے قرآن (۸) کو یقیناً نصیحت کے لئے آسان بنا دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ﴿۱۷﴾

(۳) آیت (۳) میں جن اقوام گذشتہ کی خبروں کا ذکر آیا ہے، انہی میں سے بعض کی تفصیل بیان کر کے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نوح کا ذکر فرمایا کہ اہل قریش سے پہلے قوم نوح نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی۔ انہوں نے ہمارے بندے نوح کی تکذیب کی، انہیں پاگل کہا، اور سب دشتم اور مختلف قسم کی ایذا رسانیوں کے ذریعہ انہیں دعوت و تبلیغ سے روکا۔

نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے، اور کفر پر ان کا اصرار اور سرکشی حد سے متجاوز ہو گئی، تو انہوں نے ان پر بددعا کر دی، اور اللہ سے کہا کہ اے میرے رب! میری قوم نے اپنے تمبر دوسرکشی کے ذریعہ مجھے مغلوب و عاجز بنا دیا ہے، اور مجھے تبلیغ رسالت سے سختی کے ساتھ روک دیا ہے، اب تو ہی ان سے نمٹ، اور ان پر اپنا عذاب بھیج دے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور ان کی قوم کو سزا دینے کے لئے آسمان سے موسلا دھار بارش کے تمام دروازے کھول دیئے، اور زمین کے ہر گوشے سے اس طرح پانی اُبل پڑا کہ گویا ساری زمین چشموں میں بدل گئی، اور دونوں جہت کا پانی قوم نوح کو ہلاک کرنے کے لئے اکٹھا ہو گیا۔

(۶) نوح علیہ السلام اس کشتی پر سوار ہو گئے جو انہوں نے اسی دن کے لئے اللہ کے حکم سے کشادہ تختوں اور بڑی بڑی کیلوں کی مدد سے بنایا تھا۔ وہ کشتی طوفان میں اللہ کے حفظ و امان میں چلتی رہی۔ اور یہ جو کچھ ہوا تا شکر وہ ان کے کفر کا بدلہ دینے کے لئے ہوا، اس لئے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت ان کے لئے اللہ کی ایک عظیم نعمت تھی، جس کی انہیں قدر دانی کرنی چاہئے تھی، لیکن انہوں نے ناشکری کی تو اللہ نے نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا اور باقی پوری قوم کو طوفان کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کی ہلاکت کے قصے کو آنے والی نسلوں کے لئے ایک نشانِ عبرت بنا دیا، جس سے لوگوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہئے، اور سوچنا چاہئے کہ جب قوم نوح نے اللہ سے سرکشی کی تو عذاب الہی نے کیسا انہیں گرفت میں لے لیا، تو یہی حال دیگر کافرو مشرک قوموں کا بھی ہو سکتا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي وَنُذُرٌ ۖ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۖ تَنْزِعُ النَّاسَ لَأَنفُسِهِمْ أَمْجَازًا تَلَفًا ۖ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي وَنُذُرٌ ۖ وَلَقَدْ يَمُرُّنَا الْقُرْآنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيُذَكَّرُوا فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي وَنُذُرٌ ۖ فَقَالُوا ابْشِرُوا بِنَارِكُمْ ۖ إِنَّا إِذَا نَفَخْنَا صَوْلًا وَمُسْغَرًا ۖ

قوم عاد^(۹) نے بھی جھٹلایا، پس کیسا تھا میرا عذاب، اور میری ڈر آنے والی باتیں ﴿۱۸﴾ ہم نے باقی رہنے والی نحوست کے دن اُن پر ایک تیز و تند ٹھنڈی ہوا بھیج دی ﴿۱۹﴾ جو لوگوں کو اکھاڑ پھینکتی تھی، جیسے وہ اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں ﴿۲۰﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب اور میری ڈر آنے والی باتیں ﴿۲۱﴾ اور ہم نے قرآن کو یقیناً نصیحت کے لئے آسان^(۱۰) بنا دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ﴿۲۲﴾ قوم ثمود^(۱۱) نے بھی ڈر آنے والی باتوں کی تکذیب کی تھی ﴿۲۳﴾ پس انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی ہی قوم میں سے ایک آدمی کی پیروی کرنے لگیں، تب تو ہم یقیناً گمراہ اور مجنون کہلائیں گے ﴿۲۴﴾

(۸) قوم نوح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے قرآن کریم کا حفظ کرنا، اور اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا آسان بنا دیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ آسانی سے یاد ہو جاتا ہے، اور اس میں بیان کردہ مثالوں اور قصص و واقعات سن کر (جیسے قوم نوح کا قصہ) آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کے حق میں مجرم ہوگا، اس کا انجام ماضی میں گناہوں کے سبب ہلاک کی جانے والی قوموں کے جیسا ہو سکتا ہے، اور جو انبیاء و صالحین کی راہ اختیار کرے گا، اسے اللہ غالب کرے گا اور دنیا و آخرت میں اسے اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازے گا۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو قرآن کریم پڑھنے، کثرت سے اس کی تلاوت کرنے، اور اسے سیکھنے میں جلدی کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

(۹) قوم نوح کے بعد، قوم ہود کا ذکر کیا گیا ہے، جسے قوم عاد کہتے ہیں، ان لوگوں نے بھی اللہ کے رسول ہود علیہ السلام کو جھٹلایا، اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو پھر جس عذاب کا ہم سے وعدہ کرتے ہو، جلد لے آؤ۔ تو عذاب الہی نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، اور اس عذاب کو لوگوں کی تنبیہ کا ذریعہ بنایا گیا! اور وہ عذاب تیز و تند ٹھنڈی ہوا کی شکل میں تھا، اور وہ دن اُن کے لئے بڑا برا ثابت ہوا، جس دن یہ عذاب اُن پر مسلط کیا گیا۔ وہ ہوا اس وقت تک چلتی رہی جب تک ان کا ایک ایک فرد ہلاک نہ ہو گیا۔ وہ اُن کے ایک ایک فرد کو اوپر فضا میں لے جاتی، یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا، وہاں سے اسے سر کے بل گرائی، تو وہ زمین پر اتنی سختی کے ساتھ گرتا کہ اس کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا۔ اس طرح انہوں نے اور دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ اللہ کے عذاب نے انہیں کس طرح اپنی گرفت میں لے لیا، کس طرح اُس بدترین عذاب کو لوگوں کی تنبیہ کا ذریعہ بنایا گیا۔

(۱۰) قوم ہود کی ہلاکت و بربادی کا قصہ قرآن کریم میں بیان کئے جانے کے بعد، دوبارہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کردہ ان واقعات کے ذریعہ نصیحت حاصل کرنے کو آسان بنا دیا ہے، یعنی جو کوئی ان واقعات میں غور و فکر کرے گا، وہ اللہ کی توفیق سے گناہوں سے تائب ہو کر اپنے رب کی طرف رجوع کرے گا۔ تو کوئی ہے جو ان واقعات سے عبرت حاصل کرے؟

ءَأَلْقَى إِلَيْنَا آيَاتِهِ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَخَلْفَهُمْ أَمْ أَبْصَرْتُمْ بَصِيرَتَهُ أَمْ يَسْمَعُونَ أَسْمِعًا ۖ سَيَعْلَمُونَ ۚ عَدَا أَمِينٍ ۚ الْكَذَّابُ الْكَثِيرُ ۚ إِنَّمَا تُرْسِلُوا النَّافِقَاتِ فَيَنْتَهُنَّ لَهُمْ فَاذْنَبْتُهُمْ ۚ وَاصْطَلَبُوا ۚ وَبَدَّ لَهُمْ مِنَ الْمَاءِ ۚ قَسَمُهُمْ بَيْنَهُمْ كُلَّ شَرْبٍ مُخْتَصِرًا ۚ فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ۚ فَكَيْفَ كَانَ عَدَاؤِي وَنُذْرِي ۚ إِنَّمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيِّغَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخْتَطِرِ ۚ وَاقْتَدِرْنَا يُتْرَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۚ

کیا ہم میں سے اسی پر (۱۲) وحی اُتاری گئی ہے، بلکہ وہ بڑا جھوٹا اور خود پسند آدمی ہے ﴿۲۵﴾ وہ لوگ کل کے دن عنقریب جان (۱۳) لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے ﴿۲۶﴾ ہم اونٹنی (۱۴) کو ان کے لئے آزمائش بنا کر بھیج رہے ہیں، پس اے میرے نبی! آپ ان کے انجام کا انتظار کیجئے اور صبر سے کام لیجئے ﴿۲۷﴾ اور آپ انہیں خبر کر دیجئے کہ پانی کو ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم (۱۵) کر دیا گیا ہے، پانی کا ہر حصہ اس کے حقدار کے لئے ہے ﴿۲۸﴾ پس انہوں نے اپنے (قدار نامی) ساتھی (۱۶) کو بلایا، جس نے اونٹنی کو نقصان پہنچانے کی ذمہ داری لی، پھر اُسے ہلاک کر دیا ﴿۲۹﴾ تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری ڈرانے والی باتیں ﴿۳۰﴾ ہم نے ان پر ایک چیخ مسلط کر دی، پس وہ باڑ بنانے والے کی ٹوٹی پھوٹی گھاس پھوس کے مانند ہو گئے ﴿۳۱﴾ اور ہم نے قرآن کو یقیناً نصیحت کے لئے آسان بنا دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ﴿۳۲﴾

(۱۱) قوم ٹموندنے بھی رسولوں کی تکذیب کی، اس لئے کہ صالح علیہ السلام کی تکذیب گویا سارے انبیاء کی تکذیب تھی، یا ان نشانیوں کی تکذیب کی جنہیں پیش کر کے صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت توحید دی تھی۔

انہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی ہی قوم کے ایک فرد کو رسول مان لیں، اور پوری جماعت کو چھوڑ کر اس کی پیروی کرنے لگیں، اللہ کے رسول کو تو انسانوں سے اعلیٰ جنس یعنی فرشتہ ہونا چاہئے۔ اس لئے اگر ہم صالح کی بات مان کر اس کی پیروی کرنے لگیں گے تو حق سے دور اور مجنونوں کی صف میں آجائیں گے۔

(۱۲) صالح میں کون سی بڑائی اور خوبی پائی جاتی ہے کہ اللہ نے ہمارے بڑے بڑے سرداروں اور مالداروں کو چھوڑ کر اسے اپنا نبی بنا لیا ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ وہ بڑا جھوٹا اور متکبر ہے، اور اس کے کبر و غرور نے اس پر ابھارا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرے، اور ہمیں اپنی پیروی کا حکم دے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ کل جب یہاں دنیا میں اُن پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، اور پھر قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے تو انہیں خوب معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا، حق سے اعراض کرنے والا، اور کبر و نخوت میں مبتلا کون تھا۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ وہ لوگ آپ سے آپ کے نبی ہونے کی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ہم سخت چٹان کے سچ سے ایک اونٹنی نکال کر انہیں دکھاتے ہیں، جو آپ کی صداقت کی نشانی اور ان کی آزمائش کا ذریعہ ہوگی، یعنی اگر انہوں نے اس معجزے کا انکار کر دیا تو ان کے لئے بڑی خطرناک بات ہوگی، پس آپ اونٹنی ظاہر ہونے کا انتظار کیجئے اور دیکھئے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کو ان سے دعوت کی راہ میں تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کیجئے، کیونکہ یہ راہ ہی ایسی ہے جس کا مسافر بغیر صبر

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالَّذِينَ إِذَا أُرْسِلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَعْرِ رَبِّنَا كَذَلِكَ نُجَزِي مَنْ
شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالَّذِينَ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابَ
إِنِّي ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَذُوقُوا عَذَابَ إِنِّي وَنُذِرٌ ۝ وَلَقَدْ يَسْرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُكِّدٍ

قوم لوط (۱۷) نے بھی ڈرانے والی باتوں کو جھٹلایا تھا ﴿۳۳﴾ ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی تھی، سوائے آل لوط کے، انہیں ہم نے صبح کے وقت بچالیا تھا ﴿۳۳﴾ یہ ہمارا اُن پر احسان تھا، ہم شکر کرنے والے کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور لوط نے انہیں ہماری گرفت (۱۸) سے ڈرایا تھا، مگر انہوں نے اُن ڈرانے والی باتوں میں شبہ کیا تھا ﴿۳۶﴾ اور انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو مانگا، تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹادیا، اور کہا کہ تم لوگ میرے عذاب اور میری دھمکیوں کا مزہ اچکھو ﴿۳۷﴾ اور صبح کے وقت ایک نہ ٹلنے والے عذاب نے انہیں آلیا ﴿۳۸﴾ پس تم لوگ میرے عذاب اور میری دھمکیوں کا مزہ اچکھو ﴿۳۹﴾ اور ہم نے قرآن کو یقیناً نصیحت کے لئے آسان بنا دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ﴿۴۰﴾

واستقامت آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

(۱۵) اللہ نے فرمایا: آپ انہیں یہ بتادیتے ہیں کہ جس کنویں کا پانی وہ لوگ پیتے ہیں، اب وہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک دن اونٹنی پئے گی، اور دوسرے دن وہ لوگ پیئیں گے۔ ہر باری والا صرف اپنی باری کے دن آئے گا، اور اپنے حصے کا پانی پئے گا۔

(۱۶) انہوں نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی، اور قدار بن سالف نامی شخص کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر ابھارا جو قوم ثمود کا بڑا ہی بُرا انسان تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے تیرے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا، پھر اُس پر تلوار سے حملہ کر کے اس کے دونوں پاؤں کو مزید زخمی کر دیا، پھر اُسے ذبح کر دیا۔ اور اس طرح پوری قوم اللہ کے عذاب کا حقدار بن گئی، جس کا ذکر آیت (۳۱) میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے ان کے درمیان ایسی سخت تیغ پیدا کی کہ ان کے دل پہلووں سے الگ ہو گئے، اور مرکز اپنے گھروں میں ایسا ڈھیر ہو گئے جیسے کمریاں پالنے والا، باڑے میں اپنی بکریوں کے لئے خشک گھاس کا ڈھیر لگایا کرتا ہے۔

آیت (۳۲) میں، سہ بارہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کردہ ان واقعات کے ذریعہ نصیحت حاصل کرنے کو آسان بنا دیا ہے، تو کوئی ہے جو ان واقعات سے عبرت حاصل کرے؟

(۱۷) قوم لوط نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اس لئے کہ لوط علیہ السلام کی تکذیب گویا سارے رسولوں کی تکذیب تھی۔ یا ان نشانیوں کی تکذیب کی جنہیں پیش کر کے لوط علیہ السلام نے انہیں دعوت توحید دی تھی۔

گذشتہ کئی سورتوں میں قوم لوط کا ذکر آچکا ہے کہ سدوم اور عمور یہ بستیوں کے رہنے والوں میں، مردوں کے ساتھ لواطت کا گناہ پھیل گیا تھا۔ اللہ نے انہیں اس فعل منکر سے تائب ہونے اور راہِ راست پر چلنے کے لئے لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کے پاس بھیجا جو ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہارن کے بیٹے تھے، لیکن وہ اپنے گناہوں پر مصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کو الٹ دیا، اور پھر فرشتہ یا تیز و تند ہوا کے ذریعہ ان پر پتھروں کی ایسی بارش کر دی کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے، صرف لوط

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذِيرُ هَكَذَا بُولِيًّا لِيَتَّكِلُهَا فَأَخَذْتَهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ﴿۳۱﴾

اور فرعونیوں (۱۹) کے پاس بھی بہت سی ڈرانے والی چیزیں آئیں ﴿۳۱﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کی تکذیب کی، تو ہم نے اس طرح پکڑ لیا جس طرح زبردست قدرت والا پکڑتا ہے ﴿۳۲﴾

علیہ السلام، ان کی دونوں بیٹیاں اور چند وہ لوگ بچ گئے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے حکم سے رات کے آخری پہر میں ان بستیوں سے نکل گئے۔ ان مومنوں پر اللہ نے اپنا فضل و کرم کیا کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے انہیں وہاں سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے نیک اور شکر گزار بندوں کو ان کے نیک اعمال کا اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتا ہے۔

(۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اچانک عذاب میں مبتلا نہیں کر دیا، بلکہ لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ کے عذاب شدید سے بہت ڈرایا، اور پوری کوشش کی کہ وہ راہِ راست پر آجائیں، لیکن انہوں نے ہمیشہ ہی لوط علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑایا اور سمجھتے رہے کہ لوط کی باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے، اور جس عذاب کی وہ دھمکی دے رہا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انہوں نے لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں اپنے نووارد خود بصورت مہمانوں کے ساتھ بد فعلی کی اجازت دے دیں۔ وہ مہمانانِ دراصل فرشتے تھے جو انسانوں کی شکل میں مجرموں کی آزمائش کے طور پر بھیجے گئے تھے۔ لوط علیہ السلام کی بڑھاپا بیوی جو مجرمین کے ساتھ ملی ہوئی تھی، دوڑی گئی اور مجرمین کو خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع دے دی، تھوڑی ہی دیر میں تمام مجرمین لوط علیہ السلام کے پاس جمع ہو گئے اور کہا کہ وہ اپنے مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ لوط علیہ السلام نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے منت و سماجت کی کہ وہ ان کے مہمانوں کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کر کے انہیں ذلیل و رسوا نہ کریں، لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ سنی، اور زبردستی ان کے گھر میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا بنا دیا، اور وہ مہمانوں کو نہ دیکھ سکے، اور اللہ نے ان سے کہا کہ اب تم لوگ میرے عذاب کا حزا اچھکو۔ چنانچہ صبح کے وقت ایک دائمی اور کبھی نہ ہٹنے والے عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، جس کے سبب دنیا میں ذلت و رسوائی کی موت مرے، اور عالم برزخ میں بھی وہ عذاب ان پر مسلط رہے گا، یہاں تک کہ انہیں جہنم میں پہنچا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت کہے گا کہ تم لوگ میرے عذاب کا حزا اچھکتے رہو۔

آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے چوتھی بار کہا کہ اس نے قرآن کریم میں بیان کر دہ ان واقعات کے ذریعہ نصیحت حاصل کرنے کو آسان بنا دیا ہے۔ تو کوئی ہے جو ان واقعات سے عبرت حاصل کرے؟ اور اس نکرار سے مقصود بندوں کو ماضی میں کافر اقوام کی ہلاکت کی یاد دلا کر، عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی رغبت دلانا ہے، تاکہ فکرِ آخرت سے غافل نہ ہو جائیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونوں کے پاس موسیٰ اور ہارون کو نبی بنا کر بھیجا، تاکہ وہ انہیں آسمان وزمین کے خالق الہ واحد کی بندگی کی طرف بلائیں۔ اور اللہ نے انہیں اپنی صداقت کے اثبات کے لئے نو نشانیاں دیں، جن کا ذکر گذشتہ سورتوں کی تفسیر میں کئی بار آچکا ہے۔ موسیٰ اور ہارون نے ایک ایک کر کے وہ تمام نشانیاں پیش کر دیں، لیکن فرعون اپنے کبر و غرور کے نشے میں ان سب کا انکار کرتا چلا گیا، اور اللہ کی وحدانیت اور اس کی عبودیت کا اقرار کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوئی۔ بالاخر اللہ تعالیٰ نے اُس کی ایسی سخت گرفت کی جس سے دنیا کی کوئی طاقت اسے بچانہ سکی، اس لئے کہ اللہ کی قادرِ مطلق ہستی پر کون غالب آسکتا ہے۔

الْكَافِرُ خَيْرٌ مِّنْ أَوْلِيكُم مَّا كَفَرَ فِي الْذُرِّيَّةِ ۚ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ ۗ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۗ
بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرٌ ۗ إِنَّ الْإِنجِرِّمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۗ يَوْمَ يُسْعَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ
وُجُوهِهِمْ مُّذَوِّقُوا مَسَّ سَقَرَ ۗ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۗ

(اے اہل قریش!) کیا تمہارے کفار اُن قوموں سے زیادہ بہتر^(۲۰) ہیں، یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں براءت و نجات لکھ دی گئی ہے ﴿۳۳﴾ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب^(۲۱) آنے والی ہے ﴿۳۴﴾ عنقریب وہ جماعت شکست کھائے گی، اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ﴿۳۵﴾ بلکہ ان کا وقت مقرر قیامت کا دن ہے، اور قیامت کی گھڑی بڑی سخت اور کڑوی ہوگی ﴿۳۶﴾ بے شک مجرمین^(۲۲) گمراہی اور جنون میں مبتلا ہیں ﴿۳۷﴾ جس دن وہ لوگ آگ میں اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے، اُن سے کہا جائے گا کہ جہنم کی لپٹ کا مزا چکھو ﴿۳۸﴾ ہم نے ہر چیز کو ٹھیک اندازے^(۲۳) کے مطابق پیدا کیا ہے ﴿۳۹﴾

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے کفار قریش سے کہا ہے کہ جن قوموں کا ابھی ذکر ہوا، اور جن پر ہمارا غضب نازل ہوا، کیا تم اہل کفران سے بہتر ہو کہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے مامون و محفوظ سمجھتے ہو، یا اللہ نے اپنی کسی آسمانی کتاب میں تمہاری براءت نازل کر دی ہے کہ تم چاہے جو کر تے رہو تمہاری گرفت نہیں ہوگی؟ واقعہ یہ ہے کہ دونوں ہی باتیں صحیح نہیں ہیں، بلکہ تمہیں ڈھیل دے دی گئی ہے تاکہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو گے، یا پھر اللہ کا عذاب تم پر نازل ہو جائے گا۔

(۲۱) اگر کفار قریش اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کی جماعت اتنی کثیر اور طاقتور ہے کہ کوئی اُن پر غالب نہیں آسکتا؟ تو سن لیں کہ ان کی شکست ہو کر رہے گی، چاہے وہ کفار قریش ہوں یا عام کفار عرب، اور وہ میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر ایسا بھاگیں گے کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ اور معاملہ یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتا ہے، بلکہ ان کا اصل موعود تو یومِ آخرت ہے، جو بڑی ہی کٹھن گھڑی ہوگی اور جس کے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، اور جو دنیا کے عذاب سے بہت ہی زیادہ سخت ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ میدان بدر میں بدترین شکست سے دو چار ہوئے، اور کفر و شرک کے بڑے بڑے سرداران مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعہ گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ دیئے گئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے، اس لئے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، جس میں یہ غیبی خبر دی گئی تھی کہ کفار قریش کی شکست ہوگی اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگیں گے، اور اس کی تصدیق ۲ھ میں غزوہ بدر کے ذریعہ ہوئی۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میدان بدر میں پورے الحاح کے ساتھ اپنے رب سے مسلمانوں کی کامیابی کے لئے دعا کی، پھر اپنے خیمے سے جست لگا کر اس سورت کی یہی دونوں آیتیں پڑھتے ہوئے نکلے۔

(۲۲) اللہ کے جو سرکش بندے، دنیا میں جرائم و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ دنیا میں راہِ حق سے برگشتہ ہیں، اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس کی آگ اُن کے جسموں میں بھڑک اُٹھے گی۔ اور اس آگ میں انہیں ان کے چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا، انہیں نہیں معلوم ہوگا کہ وہ کہاں لے جائے جا رہے ہیں۔ اور ان کا ذہنی کرب و الم بڑھانے کے لئے اُن سے کہا جائے گا کہ

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۖ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۖ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌّ ۖ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهْرٍ ۖ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۖ

اور ہمارا حکم (۲۳) آنکھ کی چھپک کی طرح صرف ایک بار ہوتا ہے ﴿۵۰﴾ اور ہم تم جیسے کافروں کو پہلے ہلاک (۲۵) کر چکے ہیں، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ﴿۵۱﴾ اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اعمال ناموں میں نوشتہ ہے ﴿۵۲﴾ اور ہر چھوٹی بڑی بات لوح محفوظ میں موجود ہے ﴿۵۳﴾ بے شک پر ہیز گار لوگ (۲۶) باغوں اور نہروں میں ہوں گے ﴿۵۴﴾ صدق و صفا کی مجلس میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس ﴿۵۵﴾

اب جہنم کی سختیوں اور اس شدت عذاب کو جھیلے رہو۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے ان کا پورا علم تھا، اور ان کی تقدیر لکھ دی تھی۔ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی سابق تقدیر اور علم کے بغیر وجود میں نہیں آتی، ہر چیز کا علم اس کے واقع ہونے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ اسی تقدیر الہی میں یہ بھی ہے کہ وہ مجرمین کو سزا دینے کے لئے جہنم پیدا کرے گا، اور صالحین کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دینے کے لئے جنت پیدا کرے گا۔ چنانچہ اس نے جنت و جہنم پیدا کیا، اور قرآن کریم میں وعدہ و وعید کے طور پر ان کا ذکر فرمایا۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت (۲) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ مَقْدِيرًا﴾ "اُس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کی ایک تقدیر مقرر کر دی ہے۔"

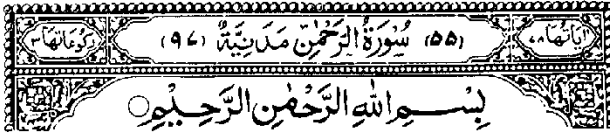
امام احمد، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین قریش نبی کریم ﷺ کے پاس آکر تقدیر کے بارے میں بحث و مناظرہ کرنے لگے، تو اس سورت کی آیات (۳۷، ۳۸، ۳۹) نازل ہوئیں۔

(۲۴) جس طرح اللہ کی تقدیر اس کے بندوں میں نافذ ہوتی رہتی ہے، کوئی چیز اُسے روک نہیں سکتی ہے، اسی طرح اس کی مشیت بھی اس کی مخلوقات کے سلسلے میں نافذ ہوتی ہے، کوئی شے حائل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہی بات بیان فرمائی ہے کہ کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے اس کا ایک حکم کافی ہے، پھر وہ چیز پلک جھپکتے وجود میں آجاتی ہے۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ نے کفار قریش سے کہا ہے کہ ہم نے ماضی میں تمہارے ہی جیسے کافروں کو ان کے جرائم کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ تو کیا تم میں کوئی ہے جو ان کے عبرتاک انجام سے نصیحت حاصل کرے، اور وقت گزر جانے سے پہلے اپنی حالت بدل لے، گناہوں سے تائب ہو جائے، اور اپنے معبود حقیقی کے سامنے سجدہ کے لئے سر جھکادے۔

آیت (۵۲) میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مزید تنبیہ کے لئے فرمایا کہ لوگوں کے تمام چھوٹے بڑے اعمال فرشتوں کے ذریعہ نامہ ہائے اعمال میں لکھے جا رہے ہیں۔ آیت (۵۳) میں بھی یہی بات بطور تاکید کہی گئی ہے کہ انسان کا حقیر سے حقیر عمل بھی نہ گم ہوتا ہے اور نہ فرشتے اسے بھولتے ہیں۔ سورۃ الکہف آیت (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ يَوْمَ لَقِنَا مَا لِهَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾ "اس دن مجرمین کہیں گے، ہائے ہماری خرابی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا (گناہ) بغیر گہرے کے باقی ہی نہیں چھوڑا ہے۔"

اور امام احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، اے عائشہ! اُن گناہوں سے بچو جنہیں معمولی اور حقیر جانا جاتا ہے، اللہ کی جانب سے اُنہیں ریکارڈ میں لانے والے موجود ہیں۔



الرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۙ

سورة الرحمن مدنی ہے، اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

نہایت مہربان ^(۱) اللہ ہے ﴿۱﴾ جس نے قرآن سکھایا ﴿۲﴾

(۲۶) قرآن کریم اپنے معبود طریقہ کے مطابق مجرمین کا انجام بیان کرنے کے بعد جس کا ذکر آیات (۴۷) سے (۵۳) تک ہوا ہے، اب مومنین متقین کو خوشخبری دے رہا ہے کہ وہ اللہ کی بنائی جنتوں میں ہوں گے، جن کے آس پاس نہریں جاری ہوں گی، اور وہ اپنے مالک الملک اور قادر مطلق رب کے پاس، اس کی بنائی جنت میں ہوں گے جہاں کوئی نقو، بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں کرے گا، یعنی انہیں اپنے رب کا قرب، اعلیٰ ترین مقام اور جنت کا نہایت پاکیزہ ماحول ملے گا۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة الرحمن

نام: اس سورت کا پہلا لفظ "الرحمن" ہے۔ یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اور اس کا سبب صاحب محاسن التویل نے مفسر مہابہ کی حوالے سے یہ بتایا ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر آیا ہے، جن کا منبع ذات باری تعالیٰ کی صفت "رحمت" ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، حسن، عروہ بن زبیر، بکرہ، عطاء اور جابر کا یہی قول ہے، بخاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور ابن مردویہ نے عبد اللہ بن زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور امام احمد اور ابن مردویہ نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کی طرف رخ کر کے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ پڑھی اور مشرکین آپ کی قرأت کو سن رہے تھے۔

اور ابن اسحاق نے عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ یہی وہ سورت ہے جسے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اہل قریش کو قرآن سنانے کے لئے مقام ابراہیم کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھی تھی، اور انہوں نے انہیں مار مار کر لہو لہان کر دیا تھا۔ اور قرآن کریم کی یہ واحد سورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جن و انس دونوں کو مخاطب کر کے اپنی قدرتوں اور اپنے کمالات و احسانات کا ذکر کیا ہے، اور انہیں شکر بجالانے کی رغبت دلائی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا اپنے نام "الرحمن" سے کی ہے جو اس کی بے انتہا رحمتوں، بے شمار احسانات اور بے حدود حساب نعمتوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور پھر اپنی بے پایاں دینی، دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

ان نعمتوں میں عظیم ترین دینی نعمت قرآن کریم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ ان تمام باتوں کو بیان فرمادیا ہے جن سے وہ خوش ہوتا ہے، یا جن سے وہ ناراض ہوتا ہے، تاکہ انسان اپنے رب کی خوشی کے کام کرے، اور ان کاموں سے دور رہے جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۖ عَلَيْهِ الْبَيَانُ ۖ الذَّمُّ وَالنَّحْمُ وَالشُّعْرُ يُسْجَدُونَ ۖ وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ
الْمِيزَانَ ۖ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۖ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْفِرُوا الْمِيزَانَ ۖ

اس نے انسان کو پیدا کیا ﴿۲﴾ اسے قوت گویائی دی ﴿۳﴾ آفتاب و ماہتاب ﴿۴﴾ ایک مقرر حساب کے پابند ہیں ﴿۵﴾ اور تیل بوئے اور درخت ﴿۶﴾ اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں ﴿۷﴾ اور اللہ نے آسمان ﴿۸﴾ کو اونچا کیا، اور ترازو بنایا ﴿۹﴾ تاکہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو ﴿۸﴾ اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولا کرو، اور وزن میں کمی نہ کرو ﴿۹﴾

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے دیگر ناموں کے بجائے "الرحمن" کے ذکر سے مقصود، مشرکین مکہ کی تردید ہے جو باری تعالیٰ کے اس نام کا انکار کرتے تھے، اور ان کے اس زعمِ باطل کی بھی تردید ہے کہ محمد ﷺ کو اس قرآن کریم کی تعلیم کوئی انسان دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو رحمن کا کلام ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ کو سکھایا ہے۔

(۲) باری تعالیٰ نے انسان کو سب سے اچھی شکل و صورت میں پیدا کیا ہے، اور اسے قوت گویائی دے کر تمام حیوانات سے ممتاز کیا ہے۔ اگر اسے یہ قوت نہ دی جاتی تو اس میں اور دیگر حیوانات میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔ وہ بھی دیگر حیوانات کی طرح محض گوشت پوست اور خون اور چمڑے کا مجموعہ ہوتا، اور انہی کی طرح زمین پر چلتا پھرتا اور پھر مر جاتا۔ انسان کے جسم میں دھڑکتا دل، عقل و ہوش اور قوت گویائی ہی ہے جس نے اسے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے۔

(۳) آفتاب و ماہتاب اللہ کی مخلوقات میں سے ہیں۔ اس نے انہیں انسانوں کے فائدے کے لئے ایک خاص حساب و نظام کا پابند بنادیا ہے، اور ان کی رفتار کے لئے منزلیں متعین کر دی ہیں۔ دونوں اللہ کے مقرر کردہ حساب و نظام کے مطابق اپنی منازل میں چلتے رہتے ہیں، اور کسی حال میں بھی ان سے تجاوز نہیں کرتے ہیں۔ اور ان کے اسی متعین و محدود رفتار کی وجہ سے اوقات اور موسم میں تبدیلی آتی رہتی ہے، اور لوگ گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب معلوم کرتے رہتے ہیں۔ یہ قمری اور شمسی نظام بھی اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔

(۴) زمین پر اُگنے والے پودے اور درخت، تمام ہی اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے کے کلی طور پر تابع ہیں، اور جس طرح مومن آدمی اپنے رب کے حضور سجدہ کرتا ہے، اسی طرح ان پودوں اور درختوں کا اپنے خالق کی مشیت و ارادے کا تابع فرمان رہنا گویا ہر دم اس کے حضور سر بسجود رہنا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اجرام سماویہ میں سے ہیں، اور پودے اور درخت زمین میں ہوتے ہیں۔ اس لئے آفتاب و ماہتاب کے بعد، پودوں اور درختوں کا ذکر بطور تقابلی مناسب رہا، کہ سبھی اپنے خالق کی مشیت و ارادے کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

بعض لوگوں نے "نجم" سے مراد آسمان کے تارے لئے ہیں۔ اور ان کا اپنے رب کے حضور سجدہ، ان کا طلوع ہونا ہے، اور درخت کا سجدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق پھل دیتے ہیں، جنہیں اس کے بندے استعمال کرتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے زمین میں پائی جانے والی مخلوقات کے لئے آسمان کو چھت بنا کر اونچا رکھا ہے، جو اللہ کی مرضی کے تابع ہے، اور مخلوقات کے سردوں پر نہیں گرتا ہے۔

اور اس نے اپنے بندوں کے درمیان تمام اقوال و افعال میں عدل و انصاف کو واجب قرار دیا ہے۔ آیت میں "میزان"

وَالْأَرْضُ وَصَمَّاءُ الذَّكَاوَرُ ۖ فِيهَا قَاكِهَةٌ مِّنَ النَّخْلِ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۗ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالزَّيْتَانُ ۗ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۱۳﴾

اور اس نے زمین (۶) کو مخلوقات کے لئے بنایا ﴿۱۰﴾ اُس میں میوے اور خوشوں میں لپٹے کھجور ہیں ﴿۱۱﴾ اور بھوسا والے دانے اور خوشبودار پھول ہیں ﴿۱۲﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں (۷) کو جھٹلاؤ گے ﴿۱۳﴾

سے مراد صرف ترازو ہی نہیں ہے، بلکہ ہر وہ پیمانہ مراد ہے جس سے کسی چیز، زمین، مقدار اور دنیا میں پائی جانے والی دیگر مادی اور معنوی اشیاء اور حقائق کی پیمائش کی جاتی ہے، اور جن کے ذریعہ بنی نوع انسان آپس میں عدل و انصاف قائم کرتے ہیں، اور ان میں نقص و زیادتی کر کے عدل و انصاف کو پامال کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ آیت میں "میزان" سے مقصود "عدل" ہے، اور اس کی دلیل آیت (۸) ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے میزان کو اس لئے نازل کیا ہے تاکہ لوگ حقوق و معاملات میں حد سے تجاوز نہ کریں، ورنہ فساد کے دروازے کھل جائیں گے، کیونکہ جب کسی سوسائٹی سے عدل و انصاف ختم ہو جاتا ہے، تو ہر طرف انار کی پھیل جاتی ہے اور زندگی کے ہر گوشے میں فتنہ و فساد عام ہو جاتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور مزید تاکید آگے کی آیت (۹) میں فرمایا کہ لوگو! وزن کرتے وقت عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو، اور میزان کو برابر رکھو، کم نہ تولو۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے میزان کو برابر رکھنے کا حکم دیا، پھر زیادہ تول کر اور ترازو کو جھکا کر حد سے تجاوز کرنے سے روکا، اور پھر کم اور ناقص وزن کرنے سے منع فرمایا، گویا ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) آیت (۷) میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے آسمان کو چھت بنا کر اوپر اٹھار کھا ہے، اور اس آیت میں کہا ہے کہ اس نے زمین کو پانی پر پھیلادیا ہے، اور اس پر بلند و بالا پہاڑوں کا کھونٹا گاڑ کر اسے ثابت بنا دیا ہے تاکہ اس کی نوع بہ نوع مخلوقات اس پر زندگی گذار سکیں۔

آیات (۱۲/۱۱) میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس نے زمین میں مختلف قسم کے پھل پیدا کئے ہیں، اور بالخصوص کھجور، جو غلافوں میں لپٹے ہوتے ہیں، اور مختلف قسم کے دانے پیدا ہوتے ہیں، جو پتوں اور خوشوں میں لپٹے ہوتے ہیں۔ دانے انسانوں کی خوراک بنتے ہیں، اور بھس ان کے جانور کھاتے ہیں۔

(۷) مذکورہ بالا آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جن وانس کے لئے اپنی گونا گوں نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد، اس آیت کریمہ میں انہیں مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ ان گنت نعمتیں تم سے تقاضا کرتی ہیں کہ اس کے احسانات کا دل سے اعتراف کرو اور زبان و عمل سے اس کا شکر ادا کرتے رہو۔

امام شوکانی نے قسیمی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کا ذکر کرنے کے جن وانس کو ان کی یاد دلائی ہے، اور ہر دو نعمت کے ذکر کے درمیان آیت ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ یعنی "اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" کے ذریعہ بار بار اپنی نعمتوں کو یاد دلا کر ان کی تنبیہ کرنی چاہی ہے، ویسے ہی جیسے ایک آدمی کسی شخص پر مسلسل احسان کرتا رہتا ہے، اور وہ شخص مسلسل احسان فراموشی کرتا رہتا ہے، تو وہ آدمی اس سے کہتا ہے کہ کیا تمہیں یاد نہیں

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۖ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ ۖ فَأَيُّ الْآئِرِكَمَا كَذَّبْتُمْ رَبُّ الشُّرَاقِيْنَ وَرَبُّ الْمَعْرِيْنَ ۗ فَأَيُّ الْآئِرِكَمَا كَذَّبْتُمْ رَبُّ الْمَعْرِيْنَ ۗ مَرِجَ الْبَعْرِيْنَ يَلْتَقِيْنَ ۗ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْنَ ۗ فَأَيُّ الْآئِرِكَمَا كَذَّبْتُمْ رَبُّ الْمَعْرِيْنَ ۗ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللَّوْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۗ فَأَيُّ الْآئِرِكَمَا كَذَّبْتُمْ ۗ

اللہ نے انسان کو سڑی مٹی (۸) سے پیدا کیا ہے، جو ٹھیکرے کی طرح تھی ﴿۱۳﴾ اور اُس نے جن کو آگ کے ایک شعلہ سے پیدا کیا ہے ﴿۱۵﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۱۶﴾ وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا رب (۹) ہے ﴿۱۷﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۱۸﴾ اس نے دو ایسے سمندروں (۱۰) کو جاری کیا ہے جو بظاہر آپس میں مل جاتے ہیں ﴿۱۹﴾ لیکن اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتے ہیں ﴿۲۰﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۱﴾ اُن دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ﴿۲۲﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۳﴾

ہے کہ تم محتاج و فقیر تھے تو میں نے تمہیں پیسے دے دے کر مالدار بنا دیا تھا، کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟ کیا تمہیں یاد ہے کہ تمہارے پاس سواری نہیں تھی تو میں نے تمہیں سواری دی تھی، کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟ حسین بن فضیل کا قول ہے کہ اس آیت کے تکرار سے مقصود بندوں کو تنبیہ کرنی اور ان کی غفلت دور کرنی ہے، تاکہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں، اور ہر حال میں اس کے شکر گزار رہیں۔

امام بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اکتیس بار ڈہرائی گئی ہے، اور اس تکرار سے مقصود بندوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانی ہے کہ یہ نعمتیں اللہ نے دی ہیں، اور وہ ان کے مقابلے میں ان کی جانب سے ذکر و شکر کا مستحق ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو پیدا کر کے اور ان میں گونا گوں صلاحیتیں ودیعت کر کے، اُن پر بڑے احسانات کئے ہیں، جن کا تقاضا تھا کہ وہ دونوں اپنے خالق کے شکر گزار بندے بننے، لیکن انہوں نے ناشکری کی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایسی مٹی سے پیدا کیا ہے جو پہلے عام مٹی تھی، پھر گل سز کر کچڑ بن گئی، پھر سوکھ کر ٹھیکرا بن گئی۔ اسی لئے قرآن نے بھی کہا ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے، کبھی کہا ہے کہ اس کی پیدائش سڑی مٹی سے ہے، اور کبھی کہا ہے کہ اس کی تخلیق ٹھیکرے والی مٹی سے ہوئی ہے۔

اور سب سے پہلے جن کو اللہ تعالیٰ نے آگ کے انگارے سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

(۹) اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا رب ہے جس پر آفتاب و ماہتاب، اور دیگر روشن ستارے طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ اور ان کے طلوع و غروب ہونے میں جن و انس کے لئے بے شمار فائدے ہیں، جیسے موسموں کا بدلنا، اور ہر موسم میں پائی جانے والی نعمتیں۔ تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے ٹیٹھے اور کھارے پانی کے دو سمندروں کو ایک ساتھ جاری کیا ہے، دونوں ایک ساتھ بہتے رہتے ہیں، اور کیا

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْتَزِعَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۚ فَيَأْتِي الْأَرْضَ رَيْكُمَا تَكْتَدِبِينَ ۚ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَإِنَّ ۚ وَيَبْقَى وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۚ فَيَأْتِي الْأَرْضَ رَيْكُمَا تَكْتَدِبِينَ ۚ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۚ فَيَأْتِي الْأَرْضَ رَيْكُمَا تَكْتَدِبِينَ ۚ

اور اسی کے لئے وہ جہاز^(۱۱) ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کے مانند اونچے دکھائی دیتے ہیں ﴿۲۳﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۵﴾ ہر چیز جو زمین پر ہے ختم^(۱۲) ہو جانے والی ہے ﴿۲۶﴾ اور آپ کے رب کی ذات باقی رہ جائے گی جو جلال اور عزت والا ہے ﴿۲۷﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اسی سے مانگتے^(۱۳) ہیں، وہ ہر وقت ایک شان میں ہے ﴿۲۹﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۰﴾

مجال کہ دونوں ایک دوسرے سے مل جائیں، اور ایک دوسرے کی خاصیت و خوبی کو زائل کر دیں۔ ایک کاپانی بیٹھا ہوتا ہے جسے انسان بیٹھا ہے، اور اپنے درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔ اور دوسرے کاپانی کھارا ہوتا ہے جس سے ہوا خوشگوار ہوتی ہے، اور مچھلیاں، موتی اور مرجان پیدا ہوتے ہیں۔ اور موتی اور مرجان اگر چکھارے سمندر سے نکلتے ہیں، لیکن چونکہ دونوں سمندروں کے امتزاج اور آپس میں ملنے کا ان کے پائے جانے میں دخل ہے، اسی لئے کہا گیا کہ موتی اور مرجان دونوں سمندروں سے نکلتے ہیں۔ تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے سمندروں کو اس طرح مسخر کر دیا ہے کہ انسانوں کی بنائی ہوئی بلند و بالا پہاڑ جیسی کشتیاں ان سمندروں کا سینہ چیرتی ہوئی ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک جاتی رہتی ہیں، اور اپنی پیٹھ پر انسانوں اور ان کی ضروریات زندگی کو لاد کر پہنچاتی رہتی ہیں۔ تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!؟

(۱۲) زمین پر حرکت کرنے والے جتنے حیوانات ہیں، سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے، مخلوقات میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، صرف باری تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی عظمت و بلندی اور بڑی کبریائی والا ہے، اور جس کا فضل و کرم بحر و بر میں رہنے والے اس کی تمام مخلوقات کے لئے عام ہے۔

اور چونکہ تمام مخلوقات کے فنا ہو جانے کے بعد ہی قیامت آئے گی اور سب دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے، حق و ناحق کا فیصلہ ہوگا، اور اچھوں کو اللہ تعالیٰ جنت دے گا، اور گناہ گاروں کو سزا دے گا۔ اور اللہ کا یہ فیصلہ یقیناً اس کی بڑی نعمت ہوگی کہ وہ اپنے عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دے گا، اور اپنے نیک بندوں کو جنت اور اس کی نعمتوں سے نوازے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مفسرین نے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں مندرجہ ذیل نوآئد کا ذکر کیا ہے:

- ۱- جب زندگی کے ایام محدود ہیں تو اے اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہئے۔
- ۲- دنیا کی ہر نعمت زوال پذیر ہے، اس لئے اللہ سے ہی لو لگانے میں ہر بھلائی ہے۔
- ۳- تکلیف و مصیبت میں صبر کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہاں کی خوشی اور غم دونوں عارضی ہیں۔
- ۴- اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو معبود نہ بنایا جائے، اس لئے کہ زائل و فانی معبود نہیں ہو سکتا۔

سَنَفَرُغُ لَكُمْ أَيُّهُ الشَّعَلِينَ ۚ فَإِنِّي الْآدِرُ بِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ بِنِي ۚ يَبْعَثُ الرَّجِينَ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ
 أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنْفُذُوا إِلَّا بِأَسْطِنِ ۚ فَإِنِّي الْآدِرُ بِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ بِنِي ۚ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِيرَ مِن نَّارٍ
 وَنُحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ۚ فَإِنِّي الْآدِرُ بِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ بِنِي ۚ

اے جنو اور انسانو! ہم عنقریب تمہارا حساب لینے کے لئے فارغ^(۱۳) ہونے والے ہیں ﴿۳۱﴾ پس اے انسانو اور جنو!
 تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۲﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے
 کناروں سے نکل کر بھاگ^(۱۵) سکتے ہو، تو بھاگ جاؤ، مگر تم بغیر قوت و غلبہ کے نہیں بھاگ سکو گے ﴿۳۳﴾ پس اے
 انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۴﴾ اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے تو تم پر آگ کا شعلہ^(۱۶)
 اور شعلے کا دھواں چھوڑ دیا جائے گا پس تم غالب نہ آسکو گے ﴿۳۵﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن
 نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۶﴾

(۱۳) آسمانوں اور زمین میں اللہ کی جتنی مخلوقات ہیں، سب اسی کے محتاج ہیں، اور وہ ذات واحد غنی اور بے نیاز ہے، سب اس کی
 رحمت کی امید لگائے رہتے ہیں، اسی کو پکارتے ہیں، اسی کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے ہیں، اور وہی سب کے دامن مرادوں
 سے بھرتا ہے، وہ قادرِ مطلق کا نجات میں اپنی مشیت کے مطابق تصرف کرتا ہے، زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، روزی دیتا ہے اور
 فقیر بناتا ہے، عزت و ذلت دیتا ہے، بیماری اور شفا دیتا ہے، کسی کو دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا، اور کسی کو معاف کرتا ہے اور کسی کو سزا
 دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس آسمان و زمین میں اسی کی بادشاہی ہے، اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کی تمام ضرورتیں
 پوری کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!؟

(۱۴) واحدی نے مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں جن و انس کے لئے زبردست دھمکی ہے۔ اور قاسمی
 نے شہاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں صرف وعید ہی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے نیک بندوں کے لئے ثواب کا
 وعدہ بھی ہے۔ اس لئے کہ ﴿سَنَفَرُغُ لَكُمْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اے جن و انس! قیامت کے دن ہم تمہارا حساب لیں گے، اور تم
 میں جو اچھے ہوں گے انہیں ان کے نیک اعمال کا اچھا بدلہ دیں گے، اور جو بُرے ہوں گے انہیں سزا دیں گے اور جیسا کہ
 آیت (۲۶) کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے، یہ بھی اللہ کی نعت ہے کہ وہ اپنے عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ظالموں کو سزا
 دے گا، اور نیکوں کو جنت اور اس کی نعمتوں سے نوازے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن
 نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!؟

(۱۵) آیت (۳۱) میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو ان کے اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔ اسی
 مناسبت سے اس آیت کریمہ میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ باری تعالیٰ اس دن مجرمین کو ان کے بُرے اعمال کی سزا دینی چاہے گا،
 تو وہ ہرگز اس سے بچ کر کہیں نہیں بھاگ سکیں گے، اس لئے کہ بغیر قوت و غلبہ اور قہر و جبروت کے یہ ممکن نہیں کہ کوئی آسمانوں
 اور زمین کی وسعتوں سے نکل کر کہیں اور چلا جائے اور اللہ کو عاجز بنادے، اور یہ قوت و جبروت و دنیا اور آخرت میں اللہ کے سوا کسی
 کو حاصل نہیں، اس لئے اس کے قبضہ قدرت سے نکل کر نہ دنیا میں کہیں کوئی بھاگ سکتا ہے، اور نہ آخرت میں۔

وَأَذَانُكُمْ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۷﴾ فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۸﴾ يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۳۹﴾ فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۴۰﴾

پھر جب (قیامت کے دن) آسمان (۱۷) پھٹ کر سرخ چمڑے کے مانند گلابی رنگ ہو جائے گا ﴿۳۷﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۸﴾ سو اُس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ (۱۸) کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا ﴿۳۹﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۴۰﴾ مجرمین اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے، پھر انہیں پیشانیوں اور قدموں کے ساتھ پکڑ لیا جائے گا ﴿۴۱﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۴۲﴾

اور یہ تحذیر اور تہدید یقیناً اللہ کی ایک نعمت ہے، کہ اللہ کا فرمانبردار بندہ طاعت و بندگی میں مزید کوشاں ہوتا ہے، اور نافرمان اپنی نافرمانی سے باز آجاتا ہے، حالانکہ وہ اگر چاہتا تو گناہ گاروں پر اچانک عذاب نازل کر دیتا، اور توبہ کی مہلت نہ دیتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۱۶) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیات (۳۳) اور (۳۵) میں جو بات کہی گئی ہے، اس کے مخاطب قیامت کے دن کفار و مشرکین ہوں گے۔ یعنی میدانِ محشر میں فرشتے تمام جن وانس کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے، کوئی وہاں سے بھاگ نہیں سکے گا، اور کفار جب جہنم کو دیکھ کر بھاگنا چاہیں گے، تو فرشتے انہیں انکاروں سے مار مار کر واپس کریں گے، اور ان پر بہتا ہوا تانبا ڈالیں گے، اور ان سے کہیں گے کہ اب تم کہیں بھاگ نہ سکو گے، اور کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے گا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”طریق الہر تین“ میں ان آیات کی تفسیر میں یہ بات لکھی ہے، اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ جب کفارِ جہنم کے چنگھاڑنے کی آواز سنیں گے، تو مارے دہشت کے بھاگیں گے، لیکن جدھر جائیں گے فرشتوں کو صفیں باندھے پائیں گے، تو اپنی پہلی جگہ پر لوٹ آئیں گے۔

اور یہ تحذیر و تہدید بلاشبہ ایک نعمت ہے کہ آدمی اس میں غور و فکر کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ نیز یہ بھی اللہ کی نعمت ہے کہ وہ قیامت کے دن کافروں سے انتقام لے گا اور اپنے فرمانبردار بندوں کو جنت جیسی نعمت سے نوازے گا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!؟

(۱۷) جب قیامت واقع ہوگی، تو آسمان پھٹ پڑے گا، اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور پگھل کر تیل کے مانند بننے لگے گا اور اس کا رنگ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح سرخی مائل گدلا ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ المعارج آیت (۸) میں آیا ہے: ﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالرَّغِيمِ﴾ ”جس دن آسمان تھٹ کے مشابہ ہو جائے گا“۔ اور قیامت کی یہ منظر کشی یقیناً ایک نعمت ہے کہ آدمی اُس دن کی ہولناکیوں کو یاد کر کے اپنی اصلاح کی کوشش کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۱۸) جب قیامت واقع ہوگی، اور مردے اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف دوڑیں گے، اس دن کسی جن وانس سے اس کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، کیونکہ سب اپنی اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذَّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۲۳﴾ يَطُوفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ أُبُيُنِ حَمِيمٍ إِنَّ ﴿۲۴﴾ فَإِنِ الْآذَانَ لَرَبِّكَمَا لَتُكَذِّبَنَّ ﴿۲۵﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَمَنْ جَعَلْتُمْ سِقَاتِكُمْ الَّتِي تَسْقَوْنَ يُقَالُونَ ذُوَاتِ الْأَعْنَاقِ وَالْأُفْئَانِ ﴿۲۶﴾ فَإِنِ الْآذَانَ لَرَبِّكَمَا لَتُكَذِّبَنَّ ﴿۲۷﴾ فِيهَا مَن يُكَذِّبُ بِاللَّهِ الَّذِي أَنشَأَهُ عَيْنًا وَجَعَلَ لَكَ الْإِبْرَاهِيمَ نَذِيرًا ﴿۲۸﴾ فِيهَا مَن يُكَذِّبُ بِاللَّهِ الَّذِي أَنشَأَهُ عَيْنًا وَجَعَلَ لَكَ الْإِبْرَاهِيمَ نَذِيرًا ﴿۲۹﴾ فِيهَا مَن يُكَذِّبُ بِاللَّهِ الَّذِي أَنشَأَهُ عَيْنًا وَجَعَلَ لَكَ الْإِبْرَاهِيمَ نَذِيرًا ﴿۳۰﴾

یہی وہ جہنم (۱۹) ہے جسے مجرمین جھٹلاتے تھے ﴿۲۳﴾ وہ اُس جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گردش کھاتے رہیں گے ﴿۲۴﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۵﴾ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینے سے ڈرتا (۲۰) ہے، اس کے لئے دو باغ ہیں ﴿۲۶﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۷﴾ وہ دونوں باغ ہری ٹہنیوں والے ہوں گے ﴿۲۸﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۲۹﴾ اُن دونوں باغوں میں دو بہتے چشمے ہوں گے ﴿۳۰﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۱﴾ اُن دونوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی ﴿۳۲﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۳۳﴾

سورہ آل عمران آیت (۱۰۶) میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ تَنبُضُ وُجُوهُهُ وَتَسْوَدُ وُجُوهُهُ﴾ ”جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ“۔ اور یہاں آیت (۳۱) میں فرمایا ہے کہ اُس دن مجرمین اپنی خاص نشانیوں کے ذریعہ پہچانے جائیں گے، اور فرشتے ان کی ٹانگوں کو ان کی پیشانیوں سے ملا کر باندھ دیں گے، اور گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔

اور جہنم اور جہنمیوں کی یہ دو لفظی منظر کشی یقیناً ایک نعمت ہے کہ آدمی جہنم کی ہولناکیوں کو یاد کر کے اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۱۹) جو مجرمین دنیا میں اللہ کے وعدہ و وعید کی تکذیب کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ جنت و جہنم کی کوئی حقیقت نہیں ہے، جب انہیں ان کی ٹانگوں اور پیشانیوں کے بل گھسیٹ کر جہنم کی بھڑکتی آگ کے قریب لایا جائے گا، تو ان سے فرشتے کہیں گے کہ یہی ہے وہ جہنم جس کی کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والے مجرمین تکذیب کیا کرتے تھے، تو آج اس کا مزہ چکھیں، اور جہنم کے مختلف طبقوں میں پھرتے رہیں، اس کے انگاروں میں جلتے رہیں، اور انتہائی گرم پانی میں غوطے لگاتے رہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جہنمی کبھی گرم پانی میں غوطے لگائیں گے، اور کبھی جہنم میں جلیں گے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "اِنَّ" جہنم کی ایک ایسی وادی ہے جس میں اہل جہنم کا خون اور پیپ جمع ہوتی ہے، جہنمی اس وادی میں غوطے لگائیں گے جہنم کے یہ خوفناک مناظر یقیناً انسانوں کو دعوت ایمان و عمل دیتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۲۰) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان اور جنوں کو اپنی بہت ساری دینی اور دنیوی نعمتوں کی یاد دلائی ہے، اور اب مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں اپنی بعض ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے جلتی بندوں کو آخرت میں دے گا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مجرمین کا انجام بیان کیا جا چکا، تو اب ان اہل تقویٰ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو دنیا میں اپنی زندگی اللہ سے ڈرتے ہوئے گذارتے ہیں۔

مُفَكِّينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَّانَتُهَا مِنْ اسْتَبْرَقٍ وَجَنَّاتٍ مُجْتَمِعِينَ دَائِبَةً ۖ قِيَامُهَا لِيَوْمِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي ۝

اہل جنت ایسے بچھونوں^(۲۱) پر ٹیک لگائے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور دونوں بانگوں کے پھل زمین کی طرف جھکے ہوں گے ﴿۵۳﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۵۵﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص روزِ حساب، اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے، اس لئے فرائض کی پابندی کرتا ہے، اور گناہوں سے بچتا ہے، اسے اس کا رب دو جنتیں دے گا، ایک ترکِ معاصی کے بدلے، اور دوسری عملِ صالح کے بدلے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک کا نام جنتِ عدن ہے، اور دوسرے کا جنتِ نعیم۔

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ۙ﴾ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کا رب اس کے احوال کی خبر رکھتا ہے، اور اس کے اقوال و افعال پر مطلع ہے، اسے آخرت میں دو جنتیں ملیں گی۔ پس جن وانس اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کریں گے!؟

اور ان دونوں جنتوں میں لمبی ڈالیوں والے انواع و اقسام کے درخت اور قسم قسم کے پھل ہوں گے۔ تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

اور ان دونوں جنتوں میں سلسیل اور تسنیم نام کی دو نہریں جاری ہوں گی۔ عطیہ کا قول ہے کہ ایک میں صاف شفاف پانی جاری ہوگا جو کبھی خراب نہیں ہوگا، اور دوسری میں شراب جاری ہوگی جو انتہائی لذیذ ہوگی۔ اور ان دونوں میں پہلے کی دو تسنیم ہوں گی، اور ہر ایک کا حزا جداگانہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک قسم تازہ ہوگی، اور دوسری خشک، اور دونوں لذت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گی۔

امام بخاری نے عبد اللہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو باغ ایسے ہوں گے جن کے برتن اور تمام اسباب چاندی کے ہوں گے، اور دو باغ ایسے ہوں گے جن کے برتن اور تمام اسباب سونے کے ہوں گے۔ اور اہل جنت اور اللہ کی دید کے درمیان جنتِ عدن میں اس کے چہرے پر کبریائی کی چادر حائل ہوگی۔“

قرآن کریم میں ان نعمتوں کا ذکر بلاشبہ سننے والوں کو عملِ صالح کی ترغیب دلاتا ہے، اور بُرائی سے ڈراتا ہے۔ اور یہ چیز اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ پھر ان سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا جنہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں ان نعمتوں سے نوازے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!؟

(۲۱) اہل جنت کے بستروں کا وہ حصہ جو زمین سے لگا ہوگا جب وہ پیش بہا اور نازک ترین ریشم کا بنا ہوگا، تو پھر اس کے ظاہری حصہ کا کیا عالم ہوگا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جب اہل جنت کے بستروں کا نچلا حصہ اعلیٰ ترین دیباچ و حریر کا بنا ہوگا، تو پھر ان کا ظاہری حصہ کیسا ہوگا؟ تو انہوں نے کہا کہ سورۃ السجدہ آیت (۱۷) ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قَدْرَةِ غَيْبٍ﴾ ”کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے“ میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ان دونوں جنتوں کے پھل ہر جنتی کے بالکل قریب ہوں گے۔ کہا جاتا ہے کہ جنتی جب کوئی پھل توڑنا چاہے گا، تو درخت اس کے قریب آجائے گا۔

فِيهِمْ فَصِرَتُ الظَّرْفِ لَمْ يَطْمِئِنَّ رِئْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ۖ فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَ
 المَرْجَانُ ۖ فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۖ فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ وَمِنْ
 دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۖ فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ مُدَاهَقَتَيْنِ ۖ فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ ۖ
 فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۖ فَيَأْتِي الآدْرَبِيكُمَا تُكْذِبِينَ ۖ

اُن جنتوں میں نیچی نگاہ والی حوریں^(۲۲) ہوں گی جنہیں اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن
 نے ﴿۵۶﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۵۷﴾ وہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے
 یاقوت اور موتی ﴿۵۸﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۵۹﴾ نیک عمل کا بدلہ
 احسان (یعنی جنت) کے سوا اور کیا ہے ﴿۶۰﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۶۱﴾
 اور مذکور بالا دونوں باغوں کے سواد اور باغ^(۲۳) ہوں گے ﴿۶۲﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن
 نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۶۳﴾ یہ دونوں باغ نہایت سرسبز ہوں گے ﴿۶۴﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن
 کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۶۵﴾ ان دونوں باغوں میں دو اُپلتے ہوئے چشمے ہوں گے ﴿۶۶﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم
 اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۶۷﴾ ان دونوں میں پھل اور کھجور اور انار ہوں گے ﴿۶۸﴾ پس اے انسانو
 اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۶۹﴾

(۲۲) اور ان دونوں میں ایسی حوریں ہوں گی جن کی نظریں ان کے شوہروں سے کبھی نہیں نہیں گی، یعنی اُن کے شوہر انتہائی
 خوبصورت ہوں گے، جن سے غایت محبت کی وجہ سے انہیں دوسروں پر نگاہ ڈالنے کا خیال بھی ان کے دلوں میں نہیں آئے گا۔ اور
 یہی حال ان کے شوہروں کا ہوگا، یعنی وہ بیویاں اتنی خوبصورت ہوں گی کہ ان کے شوہر ان سے غایت درجہ محبت کریں گے، اور
 دوسری عورتوں پر نگاہ ڈالنے کا ان کے دل میں خیال بھی نہیں گذرے گا۔

اور ان بیویوں کی ایک صفت یہ بھی ہوگی کہ سب باکرہ ہوں گی، ان اہل جنت شوہروں سے پہلے کسی انسان یا جن نے ان
 کے ساتھ ہمبستری نہیں کی ہوگی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿لَمْ يَطْمِئِنَّ رِئْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بیویاں
 مباشرت کے بعد ہر بار باکرہ ہو جایا کریں گی۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اور اس سورت کی بہت سی آیتیں دلیل ہیں کہ جو جن
 اللہ پر ایمان لائیں گے فرانس کی پابندی کریں گی، اور گناہوں سے باز آئیں گے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور وہ بیویاں حسن
 و جمال میں یاقوت و مرجان کی مانند ہوں گی، یعنی ان کے رنگ نہایت سرخ و سفید ہوں گے۔

آیت (۶۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں نیک عمل کریں گے، عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ انہیں اچھا
 بدلہ دیا جائے۔ یعنی گذشتہ آیتوں میں اہل جنت کے لئے جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا ایسا ہی تقاضا تھا
 کہ ان کے نیک اعمال کا انہیں اتنا اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

اور چونکہ جنت کی مذکور بالا نعمتوں کی یاد دہانی سننے والوں کو نیک عمل پر ابھارتی ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اے جن وانس!

فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَانٌ ۖ فَيَأْتِي الْأَزْوَاجَ كَالَّذِينَ ۖ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْبِيَارِ ۖ فَيَأْتِي الْأَزْوَاجَ كَالَّذِينَ ۖ لَمْ
يَطْبُقْنَهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۖ فَيَأْتِي الْأَزْوَاجَ كَالَّذِينَ ۖ مُتَّكِنِينَ عَلَى رُفُوفٍ خَضِرٍ وَعَبَقَرِي
حَسَانٌ ۖ فَيَأْتِي الْأَزْوَاجَ كَالَّذِينَ ۖ

اُن جنتوں میں خوب سیرت (۲۳) اور خوب صورت عورتیں ہوں گی ﴿۷۰﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی
کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۷۱﴾ یعنی بڑی اور کشادہ آنکھوں والی حوریں، جو خیموں میں اقامت پذیر ہوں گی ﴿۷۲﴾
پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۷۳﴾ اُن حوروں کو اہل جنت سے پہلے نہ
کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے ﴿۷۴﴾ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو
جھٹلاؤ گے ﴿۷۵﴾ اہل جنت سبز قالینوں اور عمدہ اور نادر فرشوں پر ٹیک (۲۵) لگائے ہوں گے ﴿۷۶﴾ پس اے انسانو
اور جنو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ﴿۷۷﴾

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۲۳) آیت (۳۶) میں جن دونوں جنتوں کا ذکر آیا ہے، اور جن کے نام بعض مفسرین نے جنت عدن اور جنت نعیم بتائے ہیں،
ان کے علاوہ بھی دو جنتیں ہوں گی، جو پہلی دونوں سے درجے میں کم ہوں گی، پہلی دونوں عرش کے زیادہ قریب ہوں گی، اور اللہ
کے مقرب بندوں کو ملیں گی، اور دوسری دونوں اصحاب الیمین کے لئے ہوں گی، اور ان دونوں کے نام جنت الفردوس اور جنت
المرآوی بتائے گئے ہیں۔ ان دونوں جنتوں کے درخت بہت ہی گھنے ہوں گے، اور ان پر ایسی ہریالی چھائی ہوگی کہ ان کا رنگ مائل
بہ سیاہی ہوگا۔

اور ان میں دو چشمے ہوں گے جن سے فوارے کی شکل میں پانی پھوٹ رہا ہوگا، اور ان میں مختلف الانواع پھل ہوں گے،
اور ان پھلوں میں کھجور اور انار بھی ہوں گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر ان کی اہمیت و فضیلت کے پیش
نظر کیا گیا ہے۔

اور چونکہ جنت میں موجود مذکور بالا نعمتوں کی یاد دہانی سننے والوں کو عمل صالح کی ترغیب دلاتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ
نے ہر نعمت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!؟

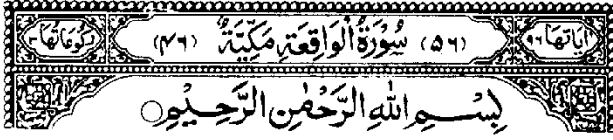
(۲۴) ان دونوں جنتوں میں نیک سیرت اور خوبصورت حوریں ہوں گی جو موتی سے بنے محلوں میں ہر دم اپنے شوہروں کے
لئے تیار ہوں گی، جن کے ساتھ پہلے نہ کسی انسان نے مباشرت کی ہوگی اور نہ کسی جن نے۔

جنت کی یہ ساری نعمتیں سننے والوں کو عمل صالح کی رغبت دلاتی ہیں، اور اس رغبت کا پیدا ہونا یقیناً ایک نعمت ہے، اسی
لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۲۵) اہل جنت، جنت میں سبز رنگ کے گاونگیوں اور نہایت قیمتی، گداز، خوبصورت اور زرق برق مندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے
ہوں گے۔ یعنی ان کی زندگی نہایت ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت والی ہوگی۔

دین و دنیا اور آخرت کی جن نعمتوں کا ذکر اوپر آیا ہے، ان میں سے ہر ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس کی اہمیت کو الفاظ میں

تَبْرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ



إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ بِوَقْعَتِهَا كَذِئْبَةٌ ۝

بہت ہی بابرکت (۲۶) ہے آپ کے اس رب کا نام جو جلال اور عزت والا ہے ﴿۷۸﴾

سورۃ الواقعہ کئی ہے، اس میں چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

جب قیامت (۱) واقع ہو جائے گی ﴿۱﴾ تو کوئی چیز اس کے وقوع پذیر ہونے کو جھٹلانے والی نہیں ہوگی ﴿۲﴾

بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے!؟

(۲۶) سورت کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات اس لائق ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اور اس کی تعظیم اس کا تقاضا کرتی ہے کہ کسی حال میں بھی اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اور اس کی نکریم کی جائے، اور اس کی نکریم اس کا مطالبہ کرتی ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اور اس کا شکر ادا کیا جائے، اور شکر گذاری کا کمال یہ ہے کہ کسی حال میں بھی اس کی ناشکری نہ کی جائے، اور اسے ہر دم یاد کیا جائے، اور اس کی یاد میں اخلاص تام یہ ہے کہ اسے کبھی بھی نہ بھولا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الواقعہ

نام: سورت کی پہلی آیت میں موجود لفظ "الواقعة" اس کا نام رکھ دیا گیا ہے، جو روز قیامت کا نام ہے۔ مہاجری کے حوالے سے قاسمی نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ سورت قیامت میں رونما ہونے والے واقعات کے بیان سے بھری پڑی ہے، اسی لئے اس کا نام "الواقعة" یعنی روز قیامت رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: حسن، مکرّم، جابر اور عطاء وغیرہم کے نزدیک یہ سورت کئی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے "دلائل" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ الواقعہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

ترندی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ بوڑھے ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ہود، الواقعہ، المرسلات، عم یسّاء لون اور اذا انقضت کوترت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ترندی نے اسے (حسن غریب) کہا ہے۔

اور امام احمد نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری ہی طرح نماز پڑھتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی نماز ہلکی ہوتی تھی، اور آپ ﷺ نماز فجر میں "الواقعہ" اور اسی جیسی سورتیں پڑھتے تھے۔

اس سورت کی فضیلت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہر رات سورۃ الواقعہ کی تلاوت کرتا رہے گا، اسے کبھی محتاجی لاحق نہیں ہوگی"۔ اسے ابو یعلیٰ اور بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں روایت کی ہے، اور محدث البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۖ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۖ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا ۖ فَكَانَتْ هَبًا مُتَّبِعًا ۖ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۖ
فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَأَصْحَابُ الشُّمُوكِ مَا أَصْحَابُ الشُّمُوكِ ۖ وَالسَّيْقُونِ الشَّقِيْقُونَ ۖ أُولَٰئِكَ
الْمُقَرَّبُونَ ۖ فِي جَنَّتِ التَّعْوِيْمِ ۖ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۖ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۖ

وہ کسی کو نیچا اور ذلیل کرنے والی (۲) اور کسی کو اونچا اور معزز بنانے والی ہوگی ﴿۳﴾ جس دن زمین پوری شدت کے ساتھ ہلادی (۳) جائے گی ﴿۴﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ﴿۵﴾ پس وہ غبار بن کر اڑنے لگیں گے ﴿۶﴾ اور لوگو! تم تین جماعتوں (۴) میں بٹ جاؤ گے ﴿۷﴾ ایک جماعت دائیں والوں کی ہوگی، کیا ہی خوش قسمت ہوں گے دائیں والے ﴿۸﴾ دوسری جماعت بائیں والوں کی ہوگی، کیا ہی بد قسمت ہوں گے بائیں والے ﴿۹﴾ اور نیکیوں میں سب سے سبقت کر جانے والے تو سب سے آگے ہی ہوں گے ﴿۱۰﴾ وہی لوگ اللہ کے مقرب بندے ہوں گے ﴿۱۱﴾ وہ نعمتوں والی جنتوں میں رہیں گے ﴿۱۲﴾ سبقت کرنے والوں (۵) کا ایک بڑا گروہ انگوٹوں میں سے ہوگا ﴿۱۳﴾ اور ان کی تعداد پچھلوں میں سے کم ہوگی ﴿۱۴﴾

(۱) ”الواقعة“ روز قیامت کا نام ہے، جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس دن کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور عربی قاعدہ کے اعتبار سے کلمہ ”إِذَا“ کا ماضی کے صیغہ ”وقعت“ کے پہلے آتا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت کے دن کے آنے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔

دونوں آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ جب بعث بعد الموت کے لئے اسرائیل علیہ السلام آخری صورت پھونکیں گے، تو پھر اس کے بعد قیامت کا جھلانا ناممکن ہو جائے گا۔ حسن و قنادہ اور زجاج نے ﴿لَيْسَ لَوْ قَعَّتْهَا كَاذِبَةٌ﴾ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جب قیامت آجائے گی تو کوئی اسے روک نہیں سکے گا۔

(۲) عزت دینے والا اور ذلیل کرنے والا تو اللہ ہے، لیکن یہاں دونوں باتوں کی نسبت روز قیامت کی طرف اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کچھ ایسی قوموں کو بلند و بالا مقام دے گا جن کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں تھی، اور کچھ ایسوں کو ذلیل و رسوا کرے گا جو دنیا میں بڑے بننے تھے اور مومنوں کو حقیر جانتے تھے۔

(۳) مفسرین لکھتے ہیں کہ زمین شدت کے ساتھ ہلنے لگے گی، جیسے بچہ پالنا میں ہلتا ہے، اور اس کے اثر سے زمین پر پائی جانے والی ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کے مانند فضا میں بکھر جائیں گے۔ بعض مفسرین نے ﴿وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا﴾ کا معنی یہ کیا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹا کر کھیں اور لے جائے جائیں گے، جیسا کہ سورۃ النبا آیت (۲۰) میں آیا ہے: ﴿وَسَنِّيَرَتِ الْجِبَالُ﴾ کہ ”پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جائیں گے“۔

(۴) قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے تین جماعتوں میں بٹ جائیں گے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک جماعت عرش کے دائیں جانب ہوگی، اور ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ سدی کا قول ہے کہ یہ عام جنتی لوگ ہوں گے، اور دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہوگی، اور ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور یہ جہنمی لوگ ہوں گے۔ اور تیسری جماعت اللہ کی رضا کے کاموں کی طرف سبقت کرنے والوں کی ہوگی، اور یہ انبیاء و رسل اور صدیقین

عَلَى سُرْرٍ قَوْضُوتَةٍ ۝ مُنْكِبِينَ عَلَيْهَا مُتَقِيبِينَ ۝ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَدَّدُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا هَؤُلَاءِ حَتَّىٰ يَخْرُجُوا إِلَيْكُمْ وَإِذَا خَرَبْتُمْ عَنْهُمْ الصَّلَاةَ فَخُذُوا عَلَيْكُمْ زِينًا وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ الَّتِي بَدَلْتُمْ بِهَا نَفْسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

وہ لوگ سونے کے تاروں سے بئے تختوں (۶) پر آرام فرما ہوں گے ﴿۱۵﴾ اُن پر ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿۱۶﴾ اُن کے سامنے ایسے لڑکے (۷) پھرتے رہیں گے جو ہمیشہ ایک ہی جیسے رہیں گے ﴿۱۷﴾ اُن کے ہاتھوں میں پیالے اور جگ اور شراب سے لبریز جام ہوں گے ﴿۱۸﴾ جسے پی کر نہ ان کے سر میں گرانی ہوگی، اور نہ ہی ان کی عقل متاثر ہوگی ﴿۱۹﴾ اور انہیں اپنی پسند کے بہت سارے پھل ملیں گے ﴿۲۰﴾ اور اپنی خواہش و رغبت کے مطابق پرندوں کے گوشت ملیں گے ﴿۲۱﴾

و شہداء ہوں گے، اور ان کی تعداد دائیں طرف والی جماعت سے کم ہوگی۔

اصحاب الہمین نہایت ہی راحت و سعادت اور فرحت و شادمانی میں، اور اصحاب الشمال بہت ہی زیادہ دکھ، تکلیف اور حزن و الم میں ہوں گے۔

اور جن لوگوں نے ظہورِ حق کے بعد ایمان و بندگی کی طرف سبقت کی، اس راہ میں تکلیفیں اٹھائیں، پہاڑ جیسی مصیبتوں پر صبر کیا، اور ہر حال میں اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی کی دعوت دیتے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس دن جنت نعیم میں بلند ترین مقام سے نوازے گا، اور اس پر مستزاد یہ کہ انہیں اللہ اپنی قربت سے نوازے گا۔

(۵) ایمان و بندگی کی طرف سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب بندوں کی ایک بڑی تعداد ان اقوام سے ہوگی جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ کی بعثت تک گزر چکی ہیں۔ اور ان سے کم تعداد امت محمدیہ سے ہوگی۔ یعنی مقرب بندوں کی تعداد امت محمدیہ میں سے بھی بڑی ہوگی، لیکن گذشتہ امتوں کے مقابلے میں ان کی تعداد کم ہوگی، اس لئے کہ آدم سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیاء آئے، اور انہیں بہت بڑی تعداد نے دیکھا، ان کی صحبت اختیار کی، اور عمل صالح کے ذریعہ اللہ کے مقرب بندے ہو گئے۔

شوکالی لکھتے ہیں کہ یہ قول صحیح مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے قوی امید ہے کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی ایک چوتھائی ہوگی۔ پھر فرمایا: ایک تہائی۔ پھر فرمایا: تمہاری تعداد اہل جنت کی آدھی ہوگی۔ اس لئے کہ آیت میں اللہ کے مقرب ترین بندوں کا ذکر آیا ہے، اور حدیث میں عام اہل جنت کا ذکر ہے، جنہیں قرآن میں ﴿أَصْحَابُ الْيَمِينِ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی امت محمدیہ کے اصحاب الہمین اور اللہ کے مقرب بندوں کی مجموعی تعداد اہل جنت کی آدھی تعداد ہوگی۔

(۶) اللہ کے یہ مقرب بندے ایسے تختوں پر بیٹھے ہوں گے جن میں ہیرے، موتی اور جواہر بڑے ہوں گے، اور سب ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، تمام کے مرتبے برابر ہوں گے، اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوگا۔

(۷) ان کی خدمت کے لئے ہر دم ان کے ارد گرد ایسے لڑکے موجود ہوں گے جو نہ بوڑھے ہوں گے، اور نہ ان کی شکلیں بدلیں گی، اور نہ وہ مریں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے ہوں گے جو کوئی عمل صالح کرنے سے پہلے ہی مر گئے تھے بعض کا خیال ہے کہ وہ مشرکین کے بچے ہوں گے۔ اور تیسرا قول جو بعید از امکان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں

وَحُورٌ عِينٌ ۖ كَأَمْثَالِ النُّوْرِ الْمَكْنُونِ ۖ جَزَاءً لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْيِيبًا ۗ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۗ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۗ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۗ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۖ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ۖ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۖ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۖ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۖ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۖ

اور بڑی آنکھوں والی حوریں (۸) ملیں گی ﴿۲۲﴾ جو سیپ میں بند موتی کے مانند خوبصورت ہوں گی ﴿۲۳﴾ یہ دنیا میں ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا ﴿۲۴﴾ وہاں وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات ﴿۲۵﴾ صرف سلام سلام کی آوازیں سنیں گے ﴿۲۶﴾ اور دائیں والے لوگ (۹) کیا ہی خوش قسمت ہوں گے دائیں والے لوگ ﴿۲۷﴾ وہ بے کانٹے والی بیڑیوں کے درختوں میں ہوں گے ﴿۲۸﴾ ان کے لئے تہ بہ تہ کیلے ہوں گے ﴿۲۹﴾ اور لمبے پھیلے ہوئے سائے ہوں گے ﴿۳۰﴾ اور بہتے ہوئے پانی کے جھرنے ہوں گے ﴿۳۱﴾ اور بہت سارے پھل ہوں گے ﴿۳۲﴾ جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ وہ ان سے کبھی روک دیئے جائیں گے ﴿۳۳﴾

اہل جنت کی خدمت کے لئے پیدا کرے گا۔ واللہ اعلم۔

وہ بچے اللہ کے ان مقرب بندوں کو انواع و اقسام کے پیالوں میں مختلف قسم کی مشروبات اور شراب بھر بھر کر پیش کریں گے جن سے ان کے کام و دہن غایت درجہ لطف اندوز ہوں گے، جن کے پینے سے انہیں نہ کوئی تکلیف ہوگی، نہ نشہ آئے گا اور نہ ہی ان کی عقل متاثر ہوگی۔ اور وہ بچے انہیں ان کے پسندیدہ پھل پیش کریں گے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، یہ آیت دلیل ہے کہ آدمی کے لئے پھل پچن پچن کے کھانا جائز ہے اور اس کی تائید عکراش رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ٹرید آیا، تو عکراش برتن کے ہر جانب سے لے کر کھانے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا، عکراش ایک جگہ سے کھاؤ۔ پھر آپ کے لئے کھجور لائی گئی تو عکراش اپنے سامنے سے کھانے لگے، اور رسول اللہ ﷺ پلیٹ سے پچن پچن کر لینے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے عکراش! جہاں سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ ساری کھجوریں ایک طرح کی نہیں ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کی ہے، اور اسے غریب کہا ہے۔

اور وہ بچے ان کی رغبت اور خواہش کے مطابق انواع و اقسام کی چیزوں کا ٹھکانا اور پکا ہوگا گوشت پلیٹ بھر بھر کر پیش کریں گے۔

(۸) اور اللہ کے ان مقرب بندوں کو بڑی بڑی، کشادہ اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ملیں گی، جو سیپ میں بند موتیوں کے مانند بے داغ اور سفید ہوں گی، اور یہ حوریں انہیں ان نیک اعمال کے سبب ملیں گی جو دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر کرتے رہے تھے۔ اور ان جنتوں میں وہ کوئی غیر مفید گفتگو اور کجواس نہیں سنیں گے، وہاں وہ صرف اچھی اور عمدہ باتیں سنیں گے اور ایک دوسرے کو خوشخبری دیں گے کہ اب تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے ہر رنج و الم اور غم و اندوہ سے سلامتی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ اہل جنت آپس میں بہت ہی پاکیزہ گفتگو کریں گے، جس سے آپس میں مظلوم ہوں گے اور کسی کی دل آزاری نہیں ہوگی۔ ربّ ذوالجلال والاکرام سے دعا ہے کہ وہ ہم پر بھی کرم فرماتے ہوئے جنت میں داخل کر دے۔

(۹) اب اہل جنت کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ﴿أَصْحَابُ الْيَمِينِ﴾ کہا ہے، جنہیں عرش کے دائیں جانب جگہ

وَفُرْشٍ تَرْفُوعَةٍ ۞ إِنَّا أَنشَأْنَهُمْ إِنْسَاءً ۞ فَبَعَلْنَهُمْ آبْنَكَارًا ۞ عُرُوبًا أَسْرَابًا ۞ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۞ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأُولِينَ ۞ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۞

اور اُن کے لئے اونچے فرش (۱۰) ہوں گے ﴿۳۴﴾ ہم نے ان حوروں (۱۱) کو بطور خاص پیدا کیا ہے ﴿۳۵﴾ انہیں کنواری بنایا ہے ﴿۳۶﴾ انہیں اپنے شوہروں کو محبت دینے والی اور اُن کی ہم عمر بنایا ہے ﴿۳۷﴾ یہ سب کچھ دائیں والوں کے لئے ہے ﴿۳۸﴾ اُن کا ایک بڑا گروہ (۱۲) اگلوں میں سے ہوگا ﴿۳۹﴾ اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے بھی ہوگا ﴿۴۰﴾ ملے گی، اور جن کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دائیں جانب والوں کا کیا پوچھتے ہو، وہ تو بڑے اونچے لوگ ہوں گے، اور ان کی سعادت و نیک بنتی اوج ثریا کو پہنچی ہوگی۔

ان کے لئے ایسی بیریں ہوں گی جو کانٹوں اور نقصان دہ شاخوں اور پتوں سے یکسر صاف ہوں گی۔ اور کیلے ہوں گے، اوپر سے نیچے تک پھلوں سے بھرے ہوں گے۔ سدی نے لکھا ہے کہ جنت کے کیلے دنیا کے کیلے کے مشابہ ہوں گے، لیکن وہ شہد سے بھی زیادہ میٹھے ہوں گے۔ اور حد نگاہ تک پھیلے ہوئے سائے ہوں گے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوں گے، ربیع بن انس کا قول ہے کہ وہ عرش کا سایہ ہوگا۔ اور ہر طرف بہتی ہوئی نہریں اور چشمے ہوں گے، جن کا پانی کبھی بھی خشک نہیں ہوگا، اور نہ اپنی تازگی کھوئے گا۔ اور انواع و اقسام کے بہت سارے پھل ملیں گے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوں گے، اور جب چاہیں گے ان کے سامنے موجود ہوں گے، برخلاف دنیاوی پھلوں کے، جو اگر سردی کے زمانے کے ہیں تو گرمی میں نہیں ملتے، اور اگر گرمی کے زمانے کے ہیں تو سردی میں نہیں ملتے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ موسم آکر گذر جاتا ہے اور درختوں میں پھل نہیں لگتے۔

(۱۰) ان کے لئے تختوں پر حیر و دیباچ کے بنے نہایت قیمتی اور اعلیٰ قسم کے بستر لگے ہوں گے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ "فُرْشٍ" سے مراد جنت میں پائی جانے والی عورتیں ہیں، جو حسن و جمال میں یکتا ہوں گی، اہل جنت کی لطف اندوزی کے لئے عالی شان بستروں پر جلوہ افروز ہوں گی۔ جیسا کہ سورہٴ یس آیت (۵۶) میں آیا ہے: ﴿هُنَّ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَكِفُونَ﴾ "وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔"

(۱۱) ان حوری صفت عورتوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں دوبارہ اس حال میں پیدا کرے گا کہ وہ عفتوان شباب میں ہوں گی، اور باکرہ ہوں گی، کسی نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہوگا، اور ہمیشہ باکرہ رہیں گی، یعنی جب ان کے شوہر ان کے ساتھ جماع سے فارغ ہوں گے تو وہ پہلے کی طرح باکرہ ہو جائیں گی۔

اور وہ حوری صفت بیویاں اپنے حسن و جمال، طرز گفتگو، چال ڈھال، گداز جسم اور آواز کی شیرینی کی وجہ سے ہر دم اپنے شوہروں کو ایسی شاداں و فرحان رکھیں گی جس کی تعبیر انسانی الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ اور وہ ساری بیویاں ہم عمر ہوں گی۔ سدی لکھتے ہیں کہ وہ سب اخلاق کریمانہ میں ایک جیسی ہوں گی، آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں گی، اور بغض و حسد سے سوس دور ہوں گی۔

یہ بیویاں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن اہل جنت کو ملیں گی جنہیں روز قیامت عرش کے دائیں جانب جگہ ملے گی، اور ان کی ہم عمر ہوں گی۔

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ فَمَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ فِي سُمُورٍ وَحَمِيمٍ ۖ وَظِلِّ قَرْنٍ يَحْمُومٍ ۖ لَا بَارِدٌ وَلَا كَرِيمٌ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصْرُفُونَ عَلَى الْغَنِيِّ الْعَظِيمِ ۖ وَكَانُوا يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا مَنَا وَكُنَّا ثَرَابًا وَعِظًا ۖ مَا إِنْ لَكُم بَعُوثُونَ ۖ أَوْ آبَاءُ كُنَّا الْأَوَّلُونَ ۖ

اور بائیں والے لوگ (۱۳)، کتنے بد نصیب ہوں گے بائیں والے لوگ ﴿۳۱﴾ وہ شدید گرم ہو اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے ﴿۳۲﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے ﴿۳۳﴾ جو نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ آرام دہ ﴿۳۴﴾ وہ لوگ بے شک اس سے پہلے دنیا میں عیش پرست (۱۳) تھے ﴿۳۵﴾ اور بڑے گناہوں کے ارتکاب پر اصرار کرتے تھے ﴿۳۶﴾ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے، تو کیا ہم واقعی دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۳۷﴾ اور کیا ہمارے ماضی میں گزرے ہوئے باپ دادے بھی اٹھائے جائیں گے ﴿۳۸﴾

(۱۲) اور ان ﴿أَصْحَابُ النِّمِينِ﴾ میں ایک جماعت ان مومنوں کی ہوگی جو حضرت آدم سے لے کر نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے تک اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کر کے اپنے رب کی رضا حاصل کی، اور ایک جماعت امت محمدیہ کی ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم کی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت کی آدمی تعداد امت محمدیہ سے ہوگی۔ اس کا ذکر آیت (۱۳/۱۳) کی تفسیر کے ضمن میں گذر چکا ہے۔

ابوالعالیہ، مجاہد، عطاء اور شحاک وغیرہم کا خیال ہے کہ ﴿ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ﴾ سے مراد امت محمدیہ کے دور اول کے لوگ ہیں، اور ﴿وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ﴾ سے مراد وہ نیک لوگ ہیں، جو دور اول کے بعد آئے، اور وہ تمام صالحین امت محمدیہ ان میں شامل ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔

(۱۳) ان اہل جہنم کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آیت (۹) میں ﴿أَصْحَابُ الْعِشَاءِ﴾ کہا ہے، اور اس آیت میں انہیں ﴿أَصْحَابُ الشِّمَالِ﴾ کہا ہے، یعنی وہ اشرار اور بد بخت لوگ جنہیں عرش کے بائیں جانب جگہ ملے گی، اور جن کے نامہائے اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، وہ بڑے ہی بد قسمت لوگ ہوں گے، اس لئے کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس کی تپش، اور کھولتا ہو پانی ان کی جانوں کو ہر لمحہ بے چین اور مضطرب رکھے گا اور ان کے سروں پر آگ اور سیاہ دھواں کا سایہ ہوگا، جس میں نہ ٹھنڈک ہوگی اور نہ ہی کوئی دوسری اچھائی، اس لئے کہ وہ نار جہنم کا دھواں ہوگا جو نہایت وحشت ناک اور کرب انگیز ہوگا۔

(۱۴) اُن کا یہ انجام بد اس لئے ہوگا کہ وہ دنیا کی زندگی میں جسمانی لذتوں اور شہوتوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور کبر و غرور اور شرک و معاصی ان کا چلن تھا، وہ لوگ بڑے بڑے گناہ کرتے تھے، اور ان پر نادم ہو کر اللہ کے حضور ان سے تائب نہیں ہوتے تھے۔ حسن، شحاک اور ابن زید وغیرہم نے ﴿الْجَنَّةِ الْعَظِيمِ﴾ سے شرک مراد لیا ہے، یعنی وہ لوگ شرک کا ارتکاب کرتے تھے، اور اس سے تائب نہیں ہوتے تھے۔

اور وہ لوگ بعث بعد الموت کو بعید از عقل سمجھتے تھے، کہتے تھے، یہ ممکن نہیں کہ جب ہم مرکز مٹی میں گل سڑ جائیں گے اور ہماری صرف ہڈیاں رہ جائیں گی تو ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ جیسا کہ سورۃ النحل آیت (۳۸) میں آیا ہے: ﴿وَأَقْسَمُوا

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٥٤﴾ لَجِبُوا عُونًا إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا الطَّاغُوتُ الْهٰكِنَةُ بُونَ ﴿٥٦﴾ لَأَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِّن زُقُومٍ ﴿٥٧﴾ فَمَا لَوْ كُنْ مِنْهَا الْبَطُونُ ﴿٥٨﴾ فَتَأْرَابُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَيْمِ ﴿٥٩﴾ فَتَأْرَابُونَ شَرْبَ الْهَيْمِ ﴿٦٠﴾ هَذَا نَزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿٦١﴾

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اگلے (۱۵) اور پچھلے سب (۴۹) ایک متعین دن کے وقت ضرور جمع کئے جائیں گے ﴿۵۴﴾ پھر اے گمراہو! (۱۶) اور جھٹلانے والو! ﴿۵۱﴾ تمہیں زقوم کا درخت ضرور کھانا ہوگا ﴿۵۲﴾ تم اسی سے اپنے پیٹ بھر لو گے ﴿۵۳﴾ پھر اوپر سے شدید گرم پانی پیو گے ﴿۵۴﴾ پس تم بیمار پیا سے اونٹ کی طرح پیو گے ﴿۵۵﴾ قیامت کے دن یہی اُن بایں والوں کی میزبانی (۱۷) ہوگی ﴿۵۶﴾

بِاللَّهِ جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْنَعُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ﴿٦٢﴾ وہ اللہ کے نام کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ جو آدمی مر جائے گا اللہ اُسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

اور وہ لوگ اپنے آپ سے زیادہ اپنے ان باپ دادوں کے زندہ کئے جانے کو بعید از عقل سمجھتے تھے جن کو مرے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا تھا۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ وہ ان کے شبہ کی تردید میں یہ کہیں کہ آدم کی تمام اولاد جو گذشتہ زمانوں میں دنیا میں پائی گئی اور جو اب موجود ہیں، جن میں تم بھی ہو، اور وہ تمام لوگ جو رہتی دنیا تک پیدا ہوں گے، سب کے سب میدان محشر میں جمع کئے جائیں گے، ایک فرد بشر بھی کہیں جان نہیں سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود آیت (۱۰۳) میں فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لُّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾ ”وہ دن جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے، اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کئے جائیں گے۔“

(۱۶) اُس دن تم گمراہوں کو اور اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کو کھانے کے لئے شجر زقوم کا پھل ملے گا، جو نہایت ہی بد نما، بد ذائقہ اور بدبودار ہوگا، لیکن بھوک کی شدت سے تم اسے کھاتے چلے جاؤ گے، یہاں تک کہ اپنا پیٹ بھر لو گے۔ پھر تمہیں شدید پیاس لگے گی، جسے بھاننے کے لئے تمہیں نہایت ہی گرم اُبلتا ہوا پانی ملے گا، جسے تم اس بیمار اونٹ کی طرح پیتے چلے جاؤ گے جو کبھی سیراب نہیں ہوتا ہے۔ ضحاک، ابن عبیدہ، انخفش اور ابن کيسان کہتے ہیں کہ "ہیم" ریتیلی زمین کو کہتے ہیں، جو پانی کو چیتی جاتی ہے اور اوپر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ چہنچی بھی پیاس کی شدت سے کھولتا ہوا پانی پیتے چلے جائیں گے، اور انہیں سیرابی حاصل نہیں ہوگی۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ﴿اَصْحَابُ الشَّمَالِ﴾ کی جہنم کی کھائی میں یہی میزبانی ہوگی جس کا اوپر ذکر ہوا۔ عربی زبان میں "نزل" اس ہلکے ہلکے کھانے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کی آمد کے بعد فوراً پیش کیا جاتا ہے، پھر اُس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ پُر تکلف کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ گویا اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب جہنمیوں کے لئے ابتدائی عذاب وہ ہوگا جس کا بیان اوپر گذرا، تو اس عذاب کی شدت کا کیا عالم ہوگا جو انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جسموں پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا نَصَبُ قُورٍ • أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ • ؕ ؕ أَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ • نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ • ؕ عَلَىٰ أَنْ تُبْكَدَ أَمْثَالُكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ • وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّفْثَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ • ؕ

ہم نے تمہیں پیدا (۱۸) کیا ہے، پس تم ہماری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے ﴿۵۷﴾ کیا تم نے غور کیا کہ منیٰ کا جو قطرہ تم پکاتے ہو ﴿۵۸﴾ اُسے تم پیدا کرتے ہو، یا ہم اُس کے پیدا کرنے والے ہیں ﴿۵۹﴾ تمہارے درمیان موت (۱۹) کو ہم نے مقدر کیا ہے، اور کوئی ہم سے سبقت نہیں لے گیا ہے ﴿۶۰﴾ اس بارے میں کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے ہی جیسے دوسروں کو لے آئیں، اور تمہیں کسی ایسی شکل میں پیدا کریں جسے تم نہیں جانتے ﴿۶۱﴾ اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کی تو خبر ہے، پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے ﴿۶۲﴾

(۱۸) اہل قریش بعث بعد الموت کی تکذیب کرتے تھے، اور کہتے تھے، یہ ناممکن ہے کہ جب ہم گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے اور صرف ہماری ہڈیاں رہ جائیں گی، تو دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ٹھنڈے شہ کی تردید کے لئے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس وقت پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے، تو جو ذرات تمہیں پہلی بار پیدا کرنے پر قادر تھی، کیا تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گی؟ دوبارہ پیدا کرنا تو زیادہ آسان ہے۔ تمہاری عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی ہے؟

آیت (۵۸) میں ان کے شہ کی مزید تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی بیویوں سے مباشرت کے ذریعہ منیٰ کے جس قطرے کو ان کے رحم تک پہنچاتے ہو، نو ماہ اور کچھ دنوں میں تخلیق کے مراحل سے گزار کر، کون اُسے ایک زندہ انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر نکالتا ہے؟ یقیناً وہ اللہ کی ذات ہے جس نے زن و شو میں شہوت پیدا کی، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کشش ڈالی، اور مجامعت و مباشرت کی طرف ان کی رہنمائی کی، اور منیٰ کے قطرے کی رحم مادر میں پرورش کی، اسے گوشت پوست اور ہڈی کا ڈھانچہ دیا، اسے دھڑکتا دل دیا، اس کے لئے آنکھ، کان اور ناک بنایا، اور وہاں جب اس کا نمو مکمل ہوا تو رحم مادر کو حکم دیا کہ اسے دھکا دے کر باہر نکالے۔ تو جو باری تعالیٰ اس پر قادر ہے وہ یقیناً اس انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (۱۹) مندرجہ ذیل تین آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی حقیقت کو ہی ایک دوسرے پیرائے میں باور کرایا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے موت کو حتمی قرار دیا ہے، جو اس بات کی خبر دیتی ہے کہ تم ہمارے قبضہ سے باہر نہیں ہو، اور یہ کہ تم بے کار پیدا نہیں کئے گئے تھے، اور نہ یہ بات صحیح ہے کہ تم مرکز مٹی میں مل جاؤ گے اور دوبارہ اٹھائے نہیں جاؤ گے، بلکہ تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، اور تمہارے اعمال کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے عاجز نہیں ہے کہ وہ تمہیں ہلاک کر کے تمہارے جیسے دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لے آئے، اور تمہیں دوسری شکلوں اور صورتوں میں پیدا کرے۔ حسن کہتے ہیں کہ وہ تمہیں بندروں اور سوروں کی شکل میں پیدا کرے۔ تو جو ذرات ان سب باتوں پر قادر ہے، وہ آخرت میں تمہیں دوبارہ زندہ کرنے سے کیسے عاجز و ماندہ رہے گی!؟

اور اہل قریش! تم اپنی پہلی تخلیق کو کیوں بھول جایا کرتے ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے منیٰ کے ایک قطرہ کو رحم مادر میں پہنچایا، پھر اسے نجد خون بنایا، پھر اسے گوشت کا لوتھڑا بنایا، اور پھر ایک مکمل انسان بنا کر رحم مادر سے باہر نکالا، تو تم اپنی تخلیق غانی کو

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۱۵۲﴾ ؕ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۱۵۳﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا أَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿۱۵۴﴾ إِنَّا لَمُعْرِضُونَ ﴿۱۵۵﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۱۵۶﴾ أَفَرَأَيْتُمْ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿۱۵۷﴾ ؕ أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿۱۵۸﴾

کیا تم نے اُس بیج (۲۰) کے بارے میں غور کیا ہے جسے تم بوتے ہو ﴿۱۵۳﴾ اُسے پودے کی شکل میں تم اگاتے ہو، یا اسے ہم اگانے والے ہیں ﴿۱۵۳﴾ اگر ہم چاہتے تو اُسے بھس بنا دیتے، پھر تم حسرت ہی کرتے رہ جاتے ﴿۱۵۵﴾ اور کہتے کہ ہم یقیناً خسارے میں پڑ گئے ہیں ﴿۱۵۶﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں ﴿۱۵۷﴾ کیا تم نے اُس پانی (۲۱) کے بارے میں غور کیا ہے جسے تم پیتے ہو ﴿۱۵۸﴾ اُسے بادل سے تم نے اُتارا ہے، یا ہم اُتارنے والے ہیں ﴿۱۵۹﴾

تخلیق اول پر قیاس کیوں نہیں کرتے، کیوں تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ جو قادر مطلق ذات تمہیں پہلی بار ایک حقیر قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر تھی، وہ تمہیں دوبارہ آسانی پیدا کرے گی۔ اس میں حیرت و استعجاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے بعض احسانات کی یاد دلا کر، انہیں اپنی وحدانیت کے اعتراف، اور اپنی بندگی کی دعوت دی ہے، نیز بعث بعد الموت پر استدلال کیا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ تم زمین کو کاشت کے لئے تیار کر کے اس میں دانے تو جھینٹ دیتے ہو، لیکن ان دانوں کو پودوں کی شکل میں تم اگاتے ہو، یا ہم؟ جو اب ظاہر ہے کہ انہیں ہم اگاتے ہیں۔ تو جس طرح ہم مردہ زمین میں بارش کے ذریعہ جان ڈال دیتے ہیں، اور بے جان دانوں سے لہلہاتے ہوئے پودے نکالتے ہیں، اسی طرح ہم تمہیں بھی قیامت کے دن دوبارہ زندہ کریں گے۔

اور ان پودوں کو مختلف مراحل سے گزار کر، ان میں موجود دانوں کو تمہاری غذا کا سامان بناتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو انوں کے پختہ ہونے سے پہلے ہی انہیں خشک کر دیتے، اور بھس بنا کر اڑا دیتے، اور پھر تم اپنی کوشش کے رائیگاں جانے پر کفِ افسوس ملتے اور کہتے کہ ہم نے جو کچھ خرچ کیا تھا سب ضائع ہو گیا، بلکہ کہتے کہ ہم تو اپنی روزی سے محروم ہو گئے، ہمارے اور ہمارے بچوں کے لئے کچھ بھی نہ رہا۔ یعنی تم اپنی بے بسی کا اظہار کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، لیکن اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ وہ ان دانوں کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ پختہ ہو کر غذا کے قابل بن جاتے ہیں، اور انسان انہیں اپنے گھر میں لا کر اپنے اور اپنے بچوں کے لئے ذخیرہ کر لیتا ہے۔ اس کی یہ مہربانی بندوں سے تقاضا کرتی ہے کہ اس کی وحدانیت کا اعتراف کریں، اور صرف اسی کی بندگی کریں۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیٹھ پانی جسے تم پیتے ہو، اور اپنی بیاس بجاتے ہو، اسے بادل سے بارش کی شکل میں زمین پر تم برساتے ہو، یا ہم؟ جو اب ظاہر ہے کہ اسے ہم برساتے ہیں۔ جب تمہیں اس کا اعتراف ہے، تو پھر باری تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف کیوں نہیں کرتے ہو، اور اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ وہ قادر مطلق قیامت کے دن تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

آیت (۷۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ چاہتا تو پانی جیسی عظیم نعمت کو تم سے چھین لیتا، اسے اتنا کھارا بنا دیتا کہ تم اس کا ایک گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہ اتار سکتے، اور نہ اس کے ذریعہ اپنی زمینوں اور کھیتوں کو سیراب کر سکتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اس لئے کہ وہ ذاتِ برحق اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔ اور اس کی یہ مہربانی بندوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ ہر دم اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَابًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿۴۰﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿۴۱﴾ إِنَّهَا تَأْتِيكُمْ شَجَرَةً تَسْرُبُهَا أُمَمٌ مِّنَ الْمُتَشَكِّمِينَ ﴿۴۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقِيمِينَ ﴿۴۳﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۴۴﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ الْبُجُورِ ﴿۴۵﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَدَّاعُوا لَكُمْ عَلِيمًا ﴿۴۶﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿۴۷﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿۴۸﴾

اگر ہم چاہتے تو اسے کھا رہا بنادیتے، پھر تم شکر کیوں نہیں ادا کرتے ہو ﴿۴۰﴾ کیا تم نے اُس آگ (۲۲) کے بارے میں غور کیا ہے جسے تم ہرے درخت سے نکالتے ہو ﴿۴۱﴾ اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے، یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں ﴿۴۲﴾ ہم نے اُسے باعث نصیحت اور صحراء میں سفر کرنے والوں کے لئے فائدے کی چیز بنایا ہے ﴿۴۳﴾ پس اے میرے نبی! آپ اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کیجئے ﴿۴۴﴾ میں ستاروں کے گرنے کے مکان و زمان کی قسم (۲۳) کھاتا ہوں ﴿۴۵﴾ اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک عظیم قسم ہے ﴿۴۶﴾ بے شک یہ معزز قرآن ہے ﴿۴۷﴾ جو لوح محفوظ میں موجود ہے ﴿۴۸﴾

(۲۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ آگ جسے تم ہرے درخت پر چمقاؤ یا پھر رگڑ کر روشن کرتے ہو، اس آگ والے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے؟ جواب ظاہر ہے کہ اسے ہم نے پیدا کیا ہے۔ عربوں کے نزدیک ”مرخ و غفار“ نام کے درخت مشہور ہیں، جن میں ایک کی ہری ڈالی کو دوسرے کی ہری ڈالی سے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ ہرے درخت سے آگ نکالنے پر اللہ کی ذات قادر ہے، تو پھر اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ انسانی جسم کے ٹوٹ پھوٹ جانے اور مٹی میں مل جانے کے بعد، وہ قادرِ مطلق اسے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

آیت (۴۳) ﴿نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ہرے درخت سے آگ نکال کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ ہم نے جہنم کی آگ بھی پیدا کی ہے، جسے یاد کر کے انہیں اس سے نجات کی فکر کرنی چاہئے۔ بخاری و مسلم اور امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جہنم کی تیش دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور اس تفسیر کے تمام قارئین پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے۔

﴿وَمَتَاعًا لِّلْمُقِيمِينَ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ آگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مختلف الانواع فائدے رکھے ہیں۔ جو لوگ صحراء میں سفر کرتے ہیں، وہ بالخصوص اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ کھانا پکاتے ہیں، اور تمام ہی انسان اس سے اپنی مختلف ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اگر آگ نہ ہوتی تو آدمی کو کبھی چیزیں کھانی پڑتی، اور ان صنعتوں اور ایجادات کے دروازے نہیں کھلتے جن میں خام مادوں کو آگ سے ہی پگھلا کر مشینیں، اسلحے اور محیر العقول آلات بنائے جاتے ہیں۔ مذکور بالا نعمتوں کا ذکر کئے جانے کے بعد، آیت (۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو، اور ان کے واسطے سے عام مومنوں کو رب العالمین کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا، جس کی ذات عظیم ہے، اور جس کے احسانات بے شمار ہیں۔

(۲۳) ذیل کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے منازل اور ان کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہوں کی قسم کھا کر اس بات کی یقین دہانی کرانی چاہی ہے کہ یہ قرآن بہت ہی قابل احترام کتاب ہے، جو لوح محفوظ میں ہر تغیر و تبدیلی سے محفوظ ہے، اور اسے صرف

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۲۳﴾

اسے صرف بہت ہی پاک لوگ چھوتے ﴿۲۳﴾ ہیں ﴿۷۹﴾

پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے منازل و مواقع کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کاش تم اس بات کو جان لیتے کہ یہ ایک عظیم قسم ہے۔ اور یہ قسم اس لئے عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ آسمان میں پائے جانے والے شمس و قمر اور ان گنت ستاروں کو ایک مضبوط و محکم اور نہایت دقیق نظام کا پابند بنا رکھا ہے، جس کے مطابق شمس و قمر اور دیگر تمام ستارے اپنے مدار میں چلتے رہتے ہیں، اور کسی حال میں بھی اپنے منازل سے تجاوز نہیں کرتے ہیں۔

"مواقع النجوم" کی ایک دوسری تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کے حصے ہیں، یعنی پورا قرآن شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ پھر وہاں سے جبریل علیہ السلام نے تیس سال کی مدت میں نبی کریم ﷺ پر نازل کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت و بزرگی بیان کرنے کے لئے اس کی کیفیت نزول کی قسم کھائی ہے۔

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے شوکانی نے لکھا ہے کہ قرآن اللہ کی وہ معزز و مکرم کتاب ہے جس کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ جادو، کہانت یا کسی کی افترا پر دازی ہو۔ واحدی نے لکھا ہے کہ وہ کریم اس لئے ہے کہ اس میں بیان کردہ دلائل میں غور و فکر سے آدمی بہت سی بھلائیاں حاصل کرتا ہے۔ ازہری نے لکھا ہے کہ "کریم" اسے کہتے جس کی تعریف کی جائے۔ تو قرآن اس لئے لائق تعریف ہے کہ وہ رشد و ہدایت اور علم و حکمت کا خزانہ ہے۔

﴿كِتَابٌ مَّكْنُونٌ﴾ سے مراد جماعت کثیر کے نزدیک لوح محفوظ ہے۔ عکرمہ نے اس سے مراد "تورات و انجیل" لیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کتابوں میں قرآن اور صاحب قرآن (نبی کریم ﷺ) کا ذکر جمیل موجود ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے اس سے مراد وہ مصحف لیا ہے جو دنیا میں موجود ہے۔

(۲۳) اس آیت کریمہ کے معنی و مفہوم میں علماء کے کئی اقوال ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "مس" سے مراد ہاتھ سے چھونا ہے، یا اس پر مطلع ہونا، یا اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور "مطہرون" سے مراد فرشتے ہیں یا اہل تقویٰ، یا نجاست و حدث اکبر و حدث اصغر سے پاک لوگ۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ "مطہرون" سے مراد فرشتے ہیں، اور "مس" سے مراد اس پر مطلع ہونا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کفار قریش کہتے تھے کہ یہ قرآن شیاطین کا نازل کردہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی اور کہا: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ کہ "اس پر تو صرف فرشتے مطلع ہوتے ہیں"، شیاطین کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء آیات ﴿۲۱۰﴾، ﴿۲۱۱﴾، ﴿۲۱۲﴾ میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ وَمَا يَتَّبِعِي لَهُمْ مَآسٍ يَسْتَطِيعُونَ﴾ ﴿۲۱۰﴾، ﴿۲۱۱﴾، ﴿۲۱۲﴾ "اس قرآن کو شیطانوں نے نہیں اتارا ہے، وہ تو اس کام کے لائق ہی نہیں ہیں، نہ وہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں، بے شک شیاطین سننے سے یکسر محروم کر دیئے گئے ہیں۔"

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۱﴾ أَفِي هَذِهِ الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ﴿۸۰﴾ وَتَجْعَلُونَ رُسُلَكُمْ أَنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۸۲﴾

یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ (۲۵) ہے ﴿۸۰﴾ کیا تم اس کلام الہی کے سلسلے میں (کافروں کے ساتھ) نرم رویہ اختیار کرتے ہو ﴿۸۱﴾ اور تم نے اپنی روزی یہ بنالی ہے کہ تم قرآن کو جھٹلاتے ہو ﴿۸۲﴾

۳۲ نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اس سے صرف اہل ایمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ محمد بن الفضل کا بھی یہی قول ہے۔ ایسے تمام لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے اس پر استدلال صحیح نہیں ہے کہ جنسی، حائضہ، نساء، اور حدیث اصغر والے کے لئے قرآن کو چھونا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس پر اجماع ہے کہ حدیث اکبر والے آدمی کے لئے قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں کی رائے ہے کہ "مطہرون" سے مراد جنابت و حدیث سے پاک لوگ ہیں، اور مقصود مصحف کو ان حالتوں میں چھونے کی ممانعت ہے۔ ان حضرات نے محمد بن عمرو بن حزم کی روایت "لا یمس القرآن إلا الطاهر" "قرآن کو صرف پاک آدمی چھوئے" سے استدلال کیا ہے۔ جسے امام مالک نے روایت کی ہے۔ نیز دارقطنی کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کی بہن نے ان سے کہا تھا کہ وہ ناپاک ہیں، اور قرآن کو صرف پاک لوگ چھوتے ہیں۔ علی، ابن مسعود، عطاء، زہری، نخعی، مالک، شافعی اور حنابلہ وغیرہم کی یہی رائے ہے۔ لیکن یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحیثمی میں، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں، اور شوکانی نے "نیل الأوطار" میں دونوں کے کمزور ہونے کے اسباب و وجوہ کی وضاحت کر دی ہے، اس لئے یہ دونوں حدیثیں لائق استدلال نہیں ہیں۔ اور نہ قرآن کریم کی اس آیت سے اس پر استدلال صحیح ہے کہ جنسی، حائضہ، نساء اور حدیث اصغر والا آدمی قرآن کو نہیں چھوئے گا، اس لئے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ آیت میں "مطہرون" سے مراد ملائکہ اور "مس" سے مراد اس پر مطلق ہونا یا اس کے فوائد و برکات سے مستفید ہونا ہے۔

البتہ اس پر اجماع امت ہے کہ حدیث اکبر والے آدمی کے لئے قرآن کا چھونا جائز نہیں ہے۔ باقی رہا وہ آدمی جو حالت وضو میں نہ ہو، تو اس کے بارے میں امام ابن حزم نے اپنی کتاب "المحلی" میں امام ابن القیم نے "البیان فی اقسام القرآن" میں اور امام شوکانی نے "نیل الأوطار" میں اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ وہ مصحف کو چھو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی ممانعت کی کوئی صحیح اور صریح دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ ابن عباس، سلمان الفارسی رضی اللہ عنہم، شععی اور ابو حنیفہ وغیرہم کی یہی رائے ہے۔ (۲۵) اس آیت کا تعلق آیت (۷۷) سے ہے، بایں طور کہ یہ قرآن کریم کی دوسری صفت ہے، آیت (۷۷) میں اس کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ معزز و مکرم کتاب ہے، اور یہاں دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

آیت (۸۱) میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ لوگو! کیا تم ایسی معزز و مکرم کتاب اور رب العالمین کی بات کو جھٹلاتے ہو، اور اس کی تصدیق نہیں کرتے ہو، عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "مدہنون" کی تفسیر "مکذوبون غیر مصدقین" نقل کی ہے۔ عربی زبان میں "إدهان" کا معنی تکذیب، کفر اور نفاق بیان کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے بھی آیت کا معنی یہ ہو گا کہ لوگو! کیا تم منافقین کی باتوں میں اگر اللہ کے کلام کو جھٹلاتے ہو، اور اس کا انکار کرتے ہو؟! حالانکہ یہ عظیم کتاب تم سے تقاضا کرتی ہے کہ تم اس پر ایمان لے آؤ اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کر لو۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۖ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۖ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۖ تُرْجَعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقْرَبِينَ ۖ فَوَسَّوْا رِيحَانًا ۖ وَجَعَلْتُمْ نَعِيمًا ۖ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ فَسَلَّمُوا لَكَ مِنَ الْأُصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَلَّفِينَ بَيْنَ الضَّالِّينَ ۖ فَانزِلْ مِنْ حَمِيمٍ ۖ وَتَصَلِّبُهُ تَجْدِيدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَهُ وَحْيٌ الْيَقِينِ ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۖ

پس جب کسی کی روح (۲۶) حلق تک پہنچ جاتی ہے ﴿۸۳﴾ اور اُس وقت تم اسے (مجبور محض بن کر) دیکھ رہے ہوتے ہو ﴿۸۴﴾ اور تمہارے بہ نسبت ہم اُس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، لیکن تم مجھے دیکھ نہیں پاتے ہو ﴿۸۵﴾ پس اگر تم کسی کے تابع فرمان نہیں ہو ﴿۸۶﴾ اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو، تو اس کی روح کو واپس کیوں نہیں لے آتے ﴿۸۷﴾ پھر اگر وہ مرنے والا اللہ کے مقرب (۲۷) بندوں میں سے ہے ﴿۸۸﴾ تو اس کے لئے آرام اور عمدہ روزی اور نعمتوں والی جنت ہے ﴿۸۹﴾ اور اگر وہ دائیں والوں میں سے ہے ﴿۹۰﴾ تو اس سے کہا جائے گا کہ اے اصحابِ یمنین کے گروہ کے آدمی تیرے لئے سلامتی ہے ﴿۹۱﴾ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے ﴿۹۲﴾ تو اس کی میزبانی کے لئے گرم پانی ہے ﴿۹۳﴾ اور جہنم میں جلا یا جانا ہے ﴿۹۴﴾ بے شک یہ ساری باتیں یقینی طور پر برحق ہیں ﴿۹۵﴾ پس اے میرے نبی! آپ اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کیجئے ﴿۹۶﴾

آیت (۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ اس نے تمہیں روزی دی ہے، اور گونا گوں نعمتوں سے نوازا ہے، اس کا تقاضا تھا کہ تم اس کا شکر ادا کرتے، لیکن تم نے ناشکری کی، اُن نعمتوں کی نسبت اس کے سوا دوسروں کی طرف کر دی، اور احسان و انعام کا بدلہ کفر و شرک کے ذریعہ دیا۔ اس سے بڑھ کر احسان فراموشی کیا ہو سکتی ہے کہ جو احسان کرے اس کے ساتھ بدسلوکی اور ایذا رسانی کا برتاؤ کیا جائے۔

(۲۶) ذیل کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی بے بسی کو بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ وہ اپنے خالق کی مرضی و منشا کے سامنے یکسر مجبور و مقہور ہے۔ اور اس کی دلیل اس کی جان کنی کا عالم ہے کہ جب فرشتے آکر اس کی جان نکالتے ہیں، اور اس کی روح حلق تک پہنچ جاتی ہے، اور نکلنے ہی والی ہوتی ہے، اس وقت وہ اور اس کے سارے اقارب و احباب جو اس کے ارد گرد ہوتے ہیں، کتنے مجبور ہوتے ہیں کہ اس کی روح نکل رہی ہوتی ہے، وہ اپنی پھیٹی پھیٹی نگاہوں سے سب کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے ارد گرد سب لوگ اس کے حال پر رحم کھا رہے ہوتے ہیں، لیکن کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا کہ اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دے۔ اس وقت اللہ کے فرشتے مرنے والے سے اس کے رشتہ داروں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لیکن لوگ ان فرشتوں کو دیکھ نہیں پاتے ہیں، یا مرنے والا جو کچھ اُس وقت جھیل رہا ہوتا ہے اس راز سر بستہ سے لوگ بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

آیات (۸۷/۸۶) میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی بے بسی اور مجبوری کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر تم واقعی سچے ہو کہ تم اللہ کی ذاتِ برحق کے مخلوق نہیں ہو، تو مرنے والے کی روح کو لوٹا کیوں نہیں دیتے ہو، اور موت کا اس سے چچھا کیوں نہیں چھڑا دیتے!؟

(۲۷) آیت (۷) اور مابعد کی آیتوں کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اعمال کے اعتبار سے تین جماعتوں میں



سورۃ الحديد مدنی ہے، اس میں اُن تیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے

بٹ جائیں گے: سابقین اولین، اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ اور اُن آیتوں میں تینوں جماعتوں کا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔ انہی تینوں جماعتوں کا وہی مذکور بالا انجام اللہ تعالیٰ نے یہاں مزید تاکید اور ترغیب و ترہیب کے طور پر بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مرنے والا آدمی اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے ہمیشہ کے لئے آرام دے دے گا، اس پر اپنی رحمتیں نازل کرے گا، اور اس کے قلب و روح کو سکون و راحت پہنچائے گا، اور جنت میں اُسے نہایت لذیذ روزی عطا کرے گا، اور اس جنت نعیم میں داخل کرے گا جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی انسان کے دل نے اس کا تصور کیا ہے۔

اور اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہوگا، تو فرشتے اسے سلام کریں گے، اور خوشخبری دیں گے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہیں قیامت کے دن عرش کے دائیں جانب جگہ ملے گی، اور بالآخر ان کا مقام جنت ہوگا۔

اور اگر وہ اصحاب الشمال میں سے ہوگا، یعنی ان لوگوں میں سے جو دنیا میں روز قیامت کی تکذیب کرتے تھے، اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے تھے، تو اس کی میزبانی (ز قوم سے پیٹ بھرنے کے بعد) کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی جو اس کے شکم کی ہر چیز کو پکھلا کر باہر نکال دے گا، اور اسے جہنم کی آگ میں جلا یا جائے گا۔

آیت (۹۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تینوں جماعتوں کا جو انجام بیان کیا گیا ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب ”الاکلیل“ میں انہی آیات سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ ابن آدم کی روح جسم سے جدا ہونے کے بعد، یا تو سکون و راحت میں ہوتی ہے، یا اُسے عذاب دیا جاتا ہے، اور یہ کہ مومن و حوں کا ٹھکانا جنت اور کافر و حوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ سورت کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کرتے رہیں، اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہیں، اور مشرکوں کی افترا پر دایوں کی تردید کرتے رہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الصحيح“ کے آخر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر تو ہلکے ہیں، لیکن قیامت کے دن میزانِ عمل میں وہ بڑے بھاری ہوں گے، اور رحمن کو وہ بڑے پیارے ہیں: ”سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم“ ”اللہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، اور ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں، عظمتوں والا اللہ تمام عیوب سے پاک ہے“۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الحديد

نام: آیت (۲۵) میں ﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ﴾ آیا ہے۔ اسی سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے۔

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ، يُجْبَىٰ وَمُجِيبٌ ، وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲﴾

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہیں، سب اللہ کی تسبیح^(۱) بیان کرتے ہیں، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی^(۲) اسی کی ہے، وہ زندہ کرتا ہے، اور مارتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲﴾

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ نقاش کا بھی یہی قول ہے۔

امام احمد، ترمذی، نسائی اور بیہقی نے شعب الایمان میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے مسجات (المدید، الحشر، القف، الجمعہ اور التفاین) پڑھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے صحیح الترمذی میں اسے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ آیت (۳) - واللہ اعلم - ﴿هُوَ الْبَاطِنُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ہے۔

(۱) آسمانوں اور زمین میں جتنے حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں سب اللہ کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، اور اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ ذات برحق ہر قسم کے ساجھی اور اولاد وغیرہ سے پاک ہے، اور اکیلا ہے، اور ہر قسم کی عبادت کا تہا حقدار ہے۔ ربوبیت، الوہیت، علم، قدرت اور مخلوقات کی تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اپنے اپنے حسب حال اپنے رب کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ کوئی اپنی زبان سے تسبیح پڑھتا ہے، جیسے فرشتے اور جن و انس، اور کسی کی ہیئت و حالت سے آشکارا ہوتا ہے کہ اس کا خالق تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، جیسے آسمان و زمین، درخت، نباتات اور پہاڑ وغیرہ۔ زجاج کہتے ہیں کہ نباتات و جمادات بھی زبانِ قال سے ہی تسبیح پڑھتے ہیں، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں پاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء آیت (۲۳) میں فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَا يَسْبُحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ کہ ”ہر چیز اپنے خالق کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے ہو“۔ اور سورۃ الانبیاء آیت (۷۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ﴾ کہ ”ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا، جو ان کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے“۔ زجاج کہتے ہیں کہ اگر پہاڑ اپنی زبانِ قال سے تسبیح نہ پڑھتے، بلکہ مقصود یہ ہوتا کہ ان کی خلقت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا خالق تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، تو اس کے ذکر کرنے میں داؤد علیہ السلام کے لئے کوئی خصوصیت نہ ہوتی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ وہ پہاڑ اپنی زبانِ قال سے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے جسے وہ سمجھتے تھے۔

آیت میں اللہ کی دو صفات ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ بیان کی گئی ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بڑا قوی ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز پر غالب ہے، اور اس نے تمام موجودات کو اپنی جانی بوجھی حکمت کے مطابق منظم و مرتب کیا ہے، جس سے کوئی بھی چیز سر موخرا ف نہیں کر سکتی ہے۔

(۲) آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، ان سب کا مالک اللہ ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے، اس کے سوا کسی کی مرضی نہیں چلتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے صوفیاء کے اس جموٹے اور باطل عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣٠﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُعَلِّمُ مَا يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا وَمَا يُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرِضُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا أَنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

وہی اول ہے (۳۰) اور آخر ہے، اور ظاہر ہے، اور باطن ہے، اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے ﴿۳۰﴾ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (۳۱) میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اور جو اُس سے نکلتی ہے، اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے، اور جو اس میں چڑھتا ہے، اور تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو، وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہوتا ہے ﴿۳۱﴾

اُن کے فرضی غوثوں اور قطبوں میں بانٹ دی ہے، اب وہی ان کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔ اور اللہ تو - العیاذ باللہ - تعطل کا شکار ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی جسے چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے مارتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ یہ محال ہے کہ وہ کسی چیز کو چاہے اور وہ وجود میں نہ آئے۔ وہ کسی کو مارتا چاہے اور اسے موت نہ آئے، یا کسی کو زندہ رکھنا چاہے اور کوئی اسے مار دے۔

(۳) وہ آسمانوں اور زمین کے ہر موجود سے پہلے تھا، اسی نے ہر چیز کو ایجاد کیا ہے، اور جب ہر چیز فنا ہو جائے گی تو صرف اسی کی ذات رہ جائے گی، اور وہ ہر چیز کے اوپر ہے، کوئی چیز اس کے اوپر نہیں ہے، اور اس کا وجود دلائل وبراہین کے ذریعہ بالکل ظاہر ہے، اور اس کی ذات و ماہیت انسانوں کی آنکھوں اور عقولوں سے پوشیدہ ہے، کوئی اس کی ذات کے بھید کو نہیں پاسکتا ہے، اور وہ ہر چیز کے بھید سے واقف ہے۔

امام احمد، مسلم، ترمذی، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ایک خادمہ کی ضرورت کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے انہیں نصیحت کی کہ وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھا کریں:

"الْهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مَنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ. أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ، فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ يَا غَنَّا مِنَ الْفَقْرِ" اس مبارک دعا میں نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی بڑی عمدہ تفسیر فرمادی ہے، کہ تو ہی اول ہے کوئی تجھ سے پہلے نہیں، اور تو ہی آخر ہے کوئی تیرے بعد نہیں، اور تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں، اور تو ہی باطن ہے کوئی تجھ سے زیادہ پوشیدہ نہیں۔

(۳) اس آیت کی مفصل تفسیر کے لئے دوبارہ سورۃ الأعراف آیت (۵۳) یونس آیت (۳) الفرقان آیت (۵۹) اور السجدہ آیت (۳) کی تفسیر دیکھ لیجئے۔ مذکورہ بالا آیتوں کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا، یعنی اپنی تمام مخلوقات کے اوپر، اور ایسا استواء جو اس کے جلال کے لائق ہے۔

وہ اپنی ان تمام مخلوقات کی تعداد اور ان کی جزئیات کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں۔ بارش کے قطرات، حیوانات،

لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَهُوَ عَلِيمٌ
بِدَاتِ الصُّدُورِ ۝

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی (۵) اسی کی ہے، اور تمام امور اللہ کی طرف ہی لوٹتے ہیں ﴿۵﴾ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور وہ سینوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے ﴿۶﴾

دانے، مروے اجسام اور دیگر تمام اشیاء جو زمین کی تہوں میں ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔ وہ ان تمام دانوں، اور پھولوں اور پھولوں کی تعداد اور جزئیات کو بھی جانتا ہے جو زمین سے باہر نکلتی ہیں۔ اور اُسے ان تمام چیزوں کی تعداد اور جزئیات کی بھی خبر ہے جو آسمانوں سے نازل ہوتی ہیں، جیسے بارش، برف، اولے، مخلوق کی تقدیر و قسمت، ان کی روزی اور وہ تمام احکام الہی جنہیں فرشتے لے کر اترتے ہیں، اور جن کا اس کے حکم سے زمین میں نفاذ ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے ان تمام چیزوں کی تعداد اور جزئیات معلوم ہیں جو زمین سے آسمان کی طرف چڑھتی ہیں، جیسے فرشتے جو مختلف دنیاوی ذمہ داریوں کے لئے مکلف ہیں، بندوں کے اچھے اور بُرے اعمال، روحیں، مظلوم کی آہ، اور بندوں کی دعائیں۔

اللہ کا علم آسمانوں اور زمین میں وقوع پذیر ہونے والی تمام چیزوں کو محیط ہے، ایک ذرہ بھی کہیں اُس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ اپنے علم کے ذریعہ ہر جگہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے، محرور کے جس گوشے میں بھی ہوں، وہ ان کے اعمال و حرکات اور ان سے متعلق ہر چیز سے واقف ہے، جیسی تو وہ انہیں روزی پہنچاتا ہے، ان کی نگہداشت کرتا ہے، اور جب ان کی زندگی کے ایام پورے ہو جاتے ہیں تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

شیخ الإسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”شرح حدیث النزول“ میں لکھا ہے کہ سورۃ الحدید اور سورۃ الجدلہ میں وارد ”معیت“ کی علمائے سلف کے نزدیک تفسیر یہ ہے کہ ”اللہ اپنے بندوں کے ساتھ اپنے علم کے ذریعہ ہے“، امام ابن عبد البر اور دیگر ائمہ نے صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، مقاتل بن حیان، سفیان ثوری اور احمد بن حنبل وغیرہم سے یہی تفسیر مروی ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ اللہ عرش پر ہے، اور اس کا علم ان کے ساتھ ہے۔

(۵) آیت (۲) کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، اُن سب کا مالک اللہ ہے، وہ اُن میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اور تمام مخلوقات کے معاملات کا تعلق صرف اللہ سے ہے، وہی ان کی تدبیر کرتا ہے، اسی کے فیصلے اُن پر نافذ ہوتے ہیں، کوئی نہیں جو اس کے فیصلوں کے آڑے آسکے۔

(۶) وہی رات کو دن میں، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، یعنی ایک کو چھوٹا کر کے اُس کے گھنٹوں کو دوسرے میں داخل کرتا ہے تو کبھی دن چھوٹا ہوتا ہے، اور رات لمبی ہو جاتی ہے، اور کبھی رات چھوٹی ہو جاتی ہے تو دن بڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو اس نظام الہی میں ذرہ برابر بھی مداخلت کر سکے۔ مزید تفصیل کے لئے سورۃ آل عمران آیت (۲۷) سورۃ الحج آیت (۶۱) سورۃ لقمان آیت (۲۹) اور سورۃ فاطر آیت (۱۳) کی تفسیر دیکھ لیجئے۔

وہ علام الغیوب اپنے بندوں کے سینوں میں پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے، وہ ان تمام خیر و شر سے بھی واقف ہے جن کے کر گزرنے کی انسان نیت کرتا ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْفِيْنَ فِيْهِۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلِۙ يَدْعُوْكُمْ لِيُوْثِقُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَعَوْدٌ رَّحِيْمٌ ۝

لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اس مال میں سے خرچ کرو، جس کا اس نے تمہیں وارث بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا، ان کے لئے بڑا اجر ہے ﴿۷۷﴾ اور لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر ایمان (۸) نہیں لاتے ہو، حالانکہ رسول اللہ تو تمہیں بلا رہے ہیں، تاکہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، اور اُس نے تو تم سے اس بات کا عہد بھی لیا ہوا ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو ﴿۸﴾ وہی اپنے بندے پر صریح اور واضح آیتیں (۹) نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے نکال کر روشنی تک پہنچا دے، اور بے شک اللہ تمہارے لئے بڑا ہی رافت و رحمت والا ہے ﴿۹﴾

(۷) اس آیت کریمہ میں بندوں کو اللہ اور اس کے رسول پر ایسا یقینی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اثر ان کے عمل میں ظاہر ہو، اور اللہ کے عطا کئے گئے مال و دولت سے اس کی راہ میں خرچ کرنا نفس پر گراں نہ گذرے۔

ابن آدم کے پاس جو مال ہوتا ہے، اس میں جائز طور پر تصرف کرنے کے لئے وہ اللہ کی جانب سے خلیفہ اور نائب ہوتا ہے، ہاں معنی کہ مال کا حقیقی مالک اللہ ہے، اور انسان کو اس میں تصرف کرنے کے لئے خلیفہ بنایا گیا ہے۔ یا یہ کہ مال کسی اور کا ہوتا ہے، اور اس کے دنیا سے گذر جانے کے بعد، اس مال کا مالک اس کے ورثہ بن جاتے ہیں۔ دونوں ہی صورتوں میں مقصود انسان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر ابھارنا ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا ہی دیا ہوا مال ہے، اس لئے اس کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ آیت کے آخر میں ایسے اہل ایمان اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو اجر کبیر یعنی جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

(۸) بنی نوع انسان سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن کے ذریعہ کفر و شرک پر باقی رہنے کے تمام اسباب دور ہو گئے، اب ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے ہو، جبکہ رسول اللہ ﷺ دعوت کا ہر اسلوب اختیار کرتے ہیں اور ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ تم لوگ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، اور اللہ تعالیٰ نے روز ازل تم سے عہد بھی لیا تھا کہ جب اس کے آخری رسول دنیا میں تشریف لائیں گے تو تم ان پر ایمان لے آؤ گے، پھر کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے ہو!؟

﴿وَقَدْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل دی ہے، اور توحید باری تعالیٰ اور ایمان باللہ کے وجوب پر بے شارد لاکل قائم کر دیا ہے، اور تمہاری فطرت میں خالق و رازق پر ایمان لانے کی رغبت و خواہش کو ودیعت کر دی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے آکر تمہاری اس فطرت کو جگا بھی دیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایمان لانے سے گریزاں ہو“!؟

(۹) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایمان کی دعوت دینے کے لئے جب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا، تو اس دعوت کو قوت پہنچانے اور

وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيٰ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلًا ^ع _{۱۷} اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنٰى وَاللَّهُ بِمَا نَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ (۱۰) نہیں کرتے، حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث صرف اللہ کے لئے ہے۔ تم میں سے کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا جس نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ لوگ درجہ میں ان سے زیادہ اونچے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، اور اللہ نے ہر ایک سے جنت کا وعدہ کیا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۱۰﴾

اس کی تائید کے لئے آپ کو بہت سے معجزات عطا کئے، جن میں سب سے بڑا اور اہم معجزہ قرآن کریم تھا، تاکہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر اور قرآن کریم کو سن کر ایمان لے آئیں، اور کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکل کر نورِ ایمان سے اپنے دلوں کو منور کر لیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے بڑا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے، اسی لئے اس نے ان کی حالت پر رحم کرتے ہوئے، ان کی ہدایت کے لئے کتاب بھیجی اور رسول مبعوث کیا، تاکہ وہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہو کر جنت کے حقدار بنیں، اور جہنم کی آگ کو اپنے آپ پر حرام بنائیں۔

(۱۰) مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ اس سورت کا مرکزی مضمون، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلانا ہے، اسی لئے کئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب میں انفاق فی سبیل اللہ، اس کی اہمیت، اور اس کا اجر عظیم بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی زبرد و توجیح کی ہے جو محتاجی کے ڈر سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں، حالانکہ یہ مال اس نے دیا ہے جو آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک ہے، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اور اسی نے سورہ سبا آیت (۳۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّٰزِقِيْنَ﴾ ”تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اللہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے“۔ اس لئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کترانا، قوت ایمان کے منافی بات ہے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں جس کی ابتدا ﴿لَا يَسْتَوِيٰ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ﴾ سے ہوتی ہے، اللہ نے ان لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جنہوں نے فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور جہاد کیا تاکہ حق کی آواز بلند ہو۔ ان سابقین اولین کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور اُس وقت جہاد کیا جب اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ التوبہ آیت (۱۰۰) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَالسَّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ”جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں، اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیروکار ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے“۔

اور بخاری و مسلم نے فضائل الصحابہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اگر تم میں کا

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ وَأُولَئِكَ نَجْزِيهِمْ ۖ وَيَوْمَ تَكْفُرُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتُ يَسْعَى
نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ بِشْرِكِكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ ذَٰلِكَ هُوَ
الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ۝

وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض (۱۱) دے، پس وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اس کے لئے بہت عمدہ اجر (یعنی جنت) ہے ﴿۱۱﴾ جس دن آپ مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور (۱۲) ان کے آگے، اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، (اور ان سے فرشتے کہیں گے) آج تمہیں ایسی جنتوں کی خوشخبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں ہیں، تم ان جنتوں میں ہمیشہ رہو گے، یہی درحقیقت عظیم کامیابی ہے ﴿۱۲﴾

کوئی شخص اُحد پہاڑ کے مانند بھی سونا خرچ کرے گا تو ان کے مدد اور آدھے مدد کے برابر نہیں ہوگا۔ حافظ سیوطی نے ”الإکلیل“ میں لکھا ہے، یہ آیت دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے مختلف مراتب تھے، اور ان میں جو لوگ جتنا پہلے اسلام لائے، اسی اعتبار سے ان کو فضیلت حاصل ہے۔ نیز یہ آیت اس کی بھی دلیل ہے کہ لوگوں کو ان کے حسب مراتب مقام ملنا چاہئے۔

اور صحابہ کرام میں اس فرق مراتب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سب کو جنت کا وعدہ کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿وَكَلَّا وَعَدَدَا اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ اسی لئے فرمایا ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ متاخرین صحابہ کرام کسی تعریف کے لائق نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی نگاہ میں تمام صحابہ کرام لائق ستائش ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا اجر و ثواب، بعد کے صحابہ کرام کے مقابلے میں اس لئے زیادہ رکھا کہ اُسے ان کے کامل خلوص نیت، غایت للہیت، اور اس بات کا خوب علم تھا کہ انہوں نے کس تنگی اور پریشانی کے زمانے میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا۔ نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ کا ایک درہم دوسروں کے ایک لاکھ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور یہ بات سب اہل ایمان جانتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس آیت میں مذکور فضیلت کے سب سے زیادہ حقدار تھے، اس لئے کہ انہوں نے محض اللہ کی رضا کے لئے اپنا سارا مال خرچ کر دیا تھا۔

(۱۱) مفسر ابو السعود لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا، پھر ان لوگوں کی زبردستی کی جو بخل کی وجہ سے اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، پھر اس کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے درجات بتائے، اور اب اس آیت میں ایک مخصوص انداز میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے، کہ جو شخص اس کی راہ میں خرچ کرے گا گویا کہ وہ اسے قرض دے گا، جس کا معاوضہ اسے بہر حال ملنا ہے۔

آیت میں "قرض حسن" سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ خرچ کرنے والے کی نیت اچھی ہو، اللہ کی راہ میں سب سے عمدہ مال خرچ کرے، اور کوشش کرے کہ سب سے اچھی جگہ خرچ کرے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت سے مقصود جہاد کے لئے خرچ کرنا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مقصود مال بچوں پر خرچ کرنا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ آیت کا مفہوم عام ہے، یعنی ہر کار خیر میں خرچ کرنا مقصود ہے۔ آیت کے

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُوا نَفْسِنَا مِنْ نُونِكُمْ، قِيلَ اجْمَعُوا وَاَرَاءَكُمْ فَاَلْتَسَوُّونَا وَاَفَضْرَبَ بَيْنَهُمْ يَمُورًا لَهَا بَابٌ مُبْتَلِئٌ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرَةٌ مِنْ قَبْلِهَا الْعَذَابُ ۝

جس دن منافق مرد اور عورتیں مومنوں سے کہیں گے (۱۳) کہ ذرا ہمارا انتظار کر لو، تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم پیچھے واپس جاؤ، کوئی اور نور تلاش کرو، پھر دونوں جماعتوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس کا ایک ہی دروازہ ہوگا، اس کے اندر رحمت ہوگی، اور اس کے باہر کی طرف عذاب ﴿۱۳﴾

دوسرے حصہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں اپنا بہترین مال خلوص نیت کے ساتھ خرچ کرے گا، اللہ اسے ایک کے بدلے کئی گنا دے گا، اور بہت عمدہ بدلہ دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے جو جزا ملے گی وہ مقدار میں کئی گنا زیادہ اور عمدہ ہوگی۔ (۱۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی فضیلت بیان کی ہے، اور بتایا ہے کہ قیامت کے دن کس طرح ایمان اہل ایمان کی رہنمائی کرتا ہوا انہیں جنت تک پہنچا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ روز قیامت آپ دیکھئے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں طرف آجائے گا، اور انہیں کشاں کشاں جنت تک پہنچا دے گا۔
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قتادہ وغیرہمانے یہاں "نور" سے حقیقی اور حسی نور مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ اُس دن ہر شخص کا نور اس کے عمل کے مطابق ہوگا، کسی کا پہاڑ کے مانند، کسی کا کھجور کے درخت کے مانند، کسی کا آدمی کے قد کے برابر، اور کسی کا اس سے بھی کم، حتیٰ کہ بعض کا نور صرف اس کے دونوں قدموں کے درمیان ہوگا۔

اور ضحاک، مقاتل اور ابن جریر وغیرہم کا خیال ہے کہ اس سے مراد مجازی اور معنوی نور ہے، یعنی ایمان اور عمل صالح کا ثواب، جو اہل جنت کے سامنے آکر ان کی نجات کا سبب بنے گا، اور ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا نامہ اعمال ہوگا۔ اور فرشتے ہر جانب سے آکر انہیں ان جنتوں کی خوشخبری دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اس سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے، اور نہ اس کی نعمتیں کبھی ختم ہوں گی، اور ایک مومن کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔

(۱۳) اُس دن منافق مرد اور عورتیں جب مومنوں کے آگے اور دائیں نور دیکھیں گے، اور دیکھیں گے کہ وہ نور انہیں جوق در جوق جنت کی طرف لے جا رہا ہے، اور وہ اپنے نفاق کی تاریکیوں میں غلطاں و پچھال ہوں گے تو اہل جنت کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ذرا ایک نظر ہماری طرف دیکھ لو، تاکہ تمہارے نور کی روشنی ہماری طرف بھی ہو جائے اور ہم بھی اس طرف چل پڑیں جدھر تم جا رہے ہو۔

ابن جریر نے "انظرونا" کا معنی "انتظرونا" کیا ہے، یعنی جب اہل جنت تیزی کے ساتھ جنت کی طرف جا رہے ہوں گے، تو منافقین ان سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کر لو اور ہمارے لئے بھی سفارش کر دو، تاکہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلے جائیں۔ ان کی یہ بات سن کر فرشتے یا مومنین انہیں دھتکریں گے اور کہیں گے کہ جاؤ، وہاں نور ڈھونڈو جہاں سے ہمیں ملا ہے، یعنی میدانِ محشر میں۔ یا مفہوم یہ ہے کہ یہ تو ایمان کا نور ہے جو دنیا میں ہمیں ملا تھا، اس لئے تم دنیا میں واپس جا کر وہاں سے

يُنَادُوهُمْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَضْتُمْ الْأَمَاثِي حَتَّىٰ جَاءَ
 أَمْرُ اللَّهِ وَعَزَّوَكُم بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُخَذُّ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَا أُولَئِكَ إِلَّا رِجْسٌ
 مَوْلَانَا وَمِنْ أَلْسِنَةِ الْفٰسِقِينَ ۝

منافقین اہل جنت کو پکاریں گے (۱۳) کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، تو وہ کہیں گے کہ ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو نفاق میں مبتلا کیا، اور مسلمانوں کے سلسلے میں کسی آفت کا انتظار کرتے رہے، اور شک میں پڑے رہے، اور جھوٹی امیدوں نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی تمہاری موت) آ گیا، اور شیطان تمہیں اللہ کے معاملہ میں (آخر وقت تک) دھوکہ ہی دیتا رہا ﴿۱۳﴾ پس آج کے دن تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے، تمہارے لئے وہی لائق ہے، اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ﴿۱۵﴾ یہ نور حاصل کرو۔ یا مفہوم یہ ہے کہ خائب و خاسر بیچھے جاؤ، اور اپنے لئے کوئی اور نور تلاش کرو۔

اس گفتگو کے بعد مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک موٹی دیوار حائل ہو جائے گی جو منافقوں کو مومنوں کے نور سے بالکل دور کر دے گی، اور ان کی تاریکی زیادہ گہری ہو جائے گی۔ اور اُس دیوار میں ایک دروازہ جنت کی جانب کھلے گا جس سے اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور منافقین انہیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ جائیں گے، اُس دروازے کے اندر جنت اور اس کی نعمتیں ہوں گی، اور اُس کے باہر جہنم ہوں گے، گھٹا ٹوپ تاریکی ہوگی اور عذابِ نار ہوگا۔ (۱۴) جب مومنوں اور منافقوں کے درمیان موٹی دیوار حائل ہو جائے گی، تو منافقین شدت حسرت و یاس کے ساتھ پھر اہل ایمان کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ کیا ہم تمہاری ہی طرح بظاہر مومن نہیں تھے؟ تمہاری مسجدوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور تمہاری ہی طرح دوسرے نیک اعمال نہیں کرتے تھے، پھر آخر آج ہمارا یہ حشر کیوں ہو رہا ہے؟!

تو مومنین انہیں جواب دیں گے کہ ہاں تم دنیا میں ہمارے ساتھ تھے، بظاہر ہماری ہی طرح مومن تھے، اور نیک اعمال کرتے تھے، لیکن فی الحقیقت نہ تم مومن تھے، نہ ہی تمہاری نیت صحیح تھی، اور نہ تمہارے اعمال میں اخلاص و لہیبت تھی، تم لوگ کفر و نفاق کی بیماری میں مبتلا رہے، اور شہوتوں اور لذتوں کی بندگی کرتے رہے، اور ہر لمحہ نبی کریم ﷺ اور مومنوں کے لئے برا ہی سوچتے رہے، اور جھوٹی تمناؤں سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا اور مخلص مسلمانوں کی طرح ہم بھی جنت میں جائیں گے۔

﴿وَعَزَّيْتُمْ الْأَمَاثِي﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم (منافقین) یہی تمنا کرتے رہے کہ ایک دن مسلمان ضرور کمزور ہو جائیں گے۔ اور تم اسی دھوکے میں پڑے رہے، یہاں تک کہ موت نے تمہیں آدو بوجا اور تمہیں توبہ کی توفیق نہیں ملی، یا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کی، اپنے دین کو غالب کیا، اور تمہاری تمنا خاک میں مل گئی کہ مسلمان کمزور ہو جائیں گے۔ اور اللہ کے حکم اور اس کی جانب سے مہلت دینے جانے کا تم نے غلط مطلب نکالا، شیطان کے بہکاوے میں آ گئے، اور کفر و نفاق پر مصر رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔

آیت (۱۵) میں مومنوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ منافقو! آج اگر تم زمین بھر کر بھی سونا پیش کرو گے تاکہ

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۗ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

کیا ایمان (۱۵) والوں کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ اُن کے دل اللہ کی یاد سے اور جو حق (یعنی قرآن) نازل ہوا ہے، اُسے نہ کر نرم ہو جائیں، اور اُن لوگوں کے مانند نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی، پھر اُن پر ایک لمبی مدت گزر گئی، اس لئے اُن کے دل سخت ہو گئے، اور (آج) اُن میں سے اکثر فاسق ہیں ﴿۱۵﴾

تمہاری جان عذابِ نار سے نجات پالے تو ایسا نہیں ہوگا، اور آج تمہارے ساتھ یہی انجامِ اہل کفر کا بھی ہوگا۔ تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا، تم سب کو جہنم پیٹ لے گی، جو تم سب کے لئے بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہوگا۔

(۱۵) شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ آیت مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، انتہی اور اس سے مقصود ایمان والوں کو یہ رغبت دلانی ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، یا اللہ تعالیٰ کا ذکر آئے تو صداقتِ ایمانی کا تقاضا ہے کہ ان کے دلوں میں رقت و خشوع پیدا ہو۔ حسن بھری کہتے ہیں کہ صحابہ کرام اللہ کی نگاہ میں محبوب ترین لوگ تھے، اور وہ اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے، اور ان کے دلوں پر قرآن سن کر بہت زیادہ رقت و خشوع طاری ہو جاتا تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اس آیت میں کہا ہے کہ ذکرِ الہی سے ان کے دلوں پر کما حقہ خشوع طاری نہیں ہوتا، تو پھر دیگر مسلمانوں کو تو زیادہ ڈرتے رہنا چاہئے اور قرآن سن کر خشوعِ قلب کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میں "ذکر" سے مراد اللہ تعالیٰ کا نام، یا قیامت کے دن کا اس کا وعدہ و وعید ہے، اور ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ میں "حق" سے مراد قرآن کریم ہے۔ بعض نے "ذکر" اور "حق" دونوں سے قرآن کریم مراد لیا ہے۔

آیت کے دوسرے حصہ ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ﴾ الایۃ میں مومنوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح ہو جانے سے منع کیا گیا ہے، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی طرح تورات و انجیل نازل فرمایا، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ان کتابوں سے ان کا رشتہ کمزور ہوتا گیا، اور وہ انبیاء کی تعلیمات کو فراموش کرتے گئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں سے خشیتِ الہی جاتی رہی، اُن میں سختی پیدا ہو گئی، اور انہوں نے تورات و انجیل کو بدل ڈالا، اور ان کے احکام پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مومنوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند ہو جانے سے منع فرمایا گیا ہے جنہوں نے مرور زمانہ کے ساتھ معمولی دنیادی فائدوں کے لئے اللہ کی کتاب کو بدل دیا، اسے پس پشت ڈال دیا، انسانوں کے خود ساختہ اقوال کو دین، اور اپنے علماء و احبار کو معبود بنالیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل سخت ہو گئے، اور اللہ کے کلام کو بدل دینا ان کی عادت بن گئی۔ اسی لئے اللہ نے مومنوں کو کسی بھی معاملے میں ان کی مشابہت سے روکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودی کی حالت کو بیان کرتے ہوئے سورۃ المائدہ آیت (۱۳) میں فرمایا ہے: ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوْا بِهِ﴾ الایۃ "پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت بھیج دی، اور اُن کے دل سخت کر دیئے (جس کے نتیجے میں) وہ اللہ کے کلام میں تحریف پیدا کرنے لگے، اور انہیں جو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔"

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ الْمُضْتَلِينَ وَالْمُضْتَلِّينَ
وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضْعَفَ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ
وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَهَنَّمَ ۖ

جان لو کہ بے شک اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ (۱۶) کر دیتا ہے، ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو ﴿۱۷﴾ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں (۱۷) اور جو لوگ اللہ کو اچھا قرض دیتے ہیں، اُن کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا، اور اُن کے لئے بہت عمدہ اجر (یعنی جنت) ہے ﴿۱۸﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان (۱۸) رکھتے ہیں، وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں، انہیں اُن کا اجر اور نور ملے گا، اور جو لوگ کفر کرتے ہیں، اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہی جہنمی ہیں ﴿۱۹﴾

(۱۶) جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین میں بارش کے قطروں کے ذریعہ زندگی ڈال دیتا ہے، اسی طرح وہ روز قیامت مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے، اور دنیا میں سخت دلوں کو دلائل و براہین کے ذریعہ نرم کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کی قدرت رکھتا ہے، وہ اس پر قادر ہے کہ انسانوں کے بند دلوں کے دروازے کھول دے اور ان میں ایمان و ہدایت کا نور داخل کر دے، ان کی سختی کو نرمی سے اور ضلالت و گمراہی کو ہدایت سے بدل دے، وہ مولائے کل جو چاہے کرے، جسے چاہے ہدایت دے دے۔

(۱۷) اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلانا ہے، چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ کثرت سے صدقہ کرتے ہیں، چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں، اور خیر اور بھلائی کے مختلف کاموں میں اپنا مال خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا کئی گنا بڑھا کر بدلہ دیتا ہے، بسا اوقات دس گنا سے سات سو گنا تک، بلکہ کبھی اس سے بھی زیادہ بڑھا کر دیتا ہے، اور سب سے بڑا بدلہ انہیں آخرت میں ”جنت“ دے گا، جس کے عیش و آرام اور جس کی نعمتوں کا کوئی آدمی اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا ہے۔

(۱۸) آیات (۱۹/۱۸) میں امت مسلمہ کے تین قسم کے لوگوں کا ذکر آیا ہے۔ پہلی قسم کا ذکر اوپر آچکا ہے، یعنی وہ لوگ جو غایتِ اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور ان کا اجر بھی بیان کیا جا چکا۔ اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور ایمان کا مفہوم اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ دل سے ایمان لایا جائے، اور زبان سے اس ایمان کا اقرار کیا جائے، اور پھر دل، زبان اور اعضاء و جوارح کے عمل کے ذریعہ اس کی تصدیق کی جائے۔ امت محمدیہ کے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صدیق کا لقب دیا ہے۔ بعض مفسرین نے ”صدیق“ کی تعریف میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جس نے ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ اور اس کے رسول کو نہ جھٹلایا ہو۔ اس اعتبار سے اس لقب کے مستحق ابو بکر صدیق، آل فرعون کے مردِ مؤمن، اور وہ مردِ مؤمن ہوئے جن کا ذکر سورہٴ یس میں آیا ہے۔ اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، انہیں ان کے رب کی طرف سے اجر خاص اور نور ملے گا، جو ان کے ساتھ خاص ہو گا۔ ابن عباس، امین جریر اور ابن کثیر وغیر ہم کی یہی رائے ہے۔

بعض مفسرین کرام نے اس آیت میں ”الشهداء“ اور ”الصديقون“ دونوں کو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کا لقب قرار دیا ہے، اس رائے کے مطابق امت محمدیہ کے تمام مخلص اہل ایمان صدیقین اور شہداء ہیں، اور انہیں ان کے رب کی طرف سے اجر خاص اور نور ملے گا۔ آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور ان کے اچھے انجام کا

إِعْلَمُوا أَنَّهَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ فِيهَا زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ
أَعْجَبَ الْكُفَّارَ بِنَاتِهِ ثُمَّ يَحِيضُ فَتَرَهُ مُصْفًى ثُمَّ يَكُونُ حُطًا كَمَا وَفَى الْأَخْرَجَ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ
رِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لِمَتَاعٍ الْغُرُورِ ۝

تم سب جان لو کہ بے شک دنیا کی زندگی (۱۹) کھیل، تماشہ، زیب و زینت، آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا، اور مال و دولت اور اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا ہے، اس کی مثال اُس بارش کی ہے جس سے اُگنے والا پودا کافروں کو خوش کر دیتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتا ہے، پھر زرد ہو جاتا ہے، پھر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اور آخرت میں (بروں کے لئے) سخت عذاب ہے اور (اچھوں کے لئے) اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے ﴿۲۰﴾

ذکر فرمایا، اور دوسرے حصہ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ الایۃ میں ان بد بختوں کا ذکر کیا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور ان کا انجام یہ بتایا کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

مفسر علامہ عبد الرحمن سعدی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے چار قسم کے بندوں کا ذکر کیا ہے: مصدقین، صدیقین، شہداء اور اہل جہنم۔ اور سورہ فاطر آیت (۳۲) میں پانچویں قسم "مقتصدون" کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے واجبات ادا کئے، محرمات سے بچے رہے، لیکن ان سے اللہ اور اس کے بندوں کے حق میں بعض کوتاہیاں ہوئیں۔ ان لوگوں کا انجام اللہ تعالیٰ نے جنت بتایا ہے، اگرچہ ان میں سے بعض کو ان کے بعض گناہوں کے سبب سزا بھی ملے گی۔

(۱۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے ثباتی بیان فرمائی ہے، اور مومنوں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ یہ دنیا لہو و لعب سے عبارت ہے جس میں لوگوں کے قلوب اور ابدان سبھی مشغول ہو جاتے ہیں، پوری زندگی گزار دیتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد اور روز قیامت کے وعدہ و وعید سے غافل ہوتے ہیں، اور زیب و زینت، لباس، کھانے پینے، عالی شان مکانات، عمدہ ساریوں اور دنیاوی جاہ و حشمت سے بلند ہو کر آخرت کے بارے میں انہیں سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی، اور ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنا اپنا حسب و نسب بیان کر کے اور کثرت مال و اولاد کا ذکر کر کے فخر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کی ان عارضی چیزوں کی مثال بارش کی ہے جس کی وجہ سے زمین کے پودے لہلہا اٹھتے ہیں، اور ان پودوں کو دیکھ کر کاشتکار خوب خوش ہوتے ہیں، ویسے ہی جیسے کفار دنیا کے زیب و زینت سے خوش ہوتے ہیں، پھر وہ پودے خشک ہو کر زرد ہو جاتے ہیں، پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھس بن جاتے ہیں، اور زمین ایسی ویران ہو جاتی ہے کہ جیسے وہاں کبھی ہرا پودا تھا ہی نہیں۔ یہی حال دنیا کا ہے، یہاں کی ہر چیز آنی جانی ہے، اور ہر نعمت فانی ہے۔ اور جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ نیک اعمال ہیں، جو بندے کے ساتھ آخرت تک جائیں گے، اور عذاب نار سے اس کی نجات کا سبب بنیں گے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں جس کی ابتدا ﴿وَفِي الْأَخْرَجَ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آخرت کو فراموش کر کے دنیا کے لہو و لعب میں مشغول ہونے والے کا انجام یہ بتایا کہ قیامت کے دن ایسے نافرمانوں کو وہ عذاب شدید میں مبتلا کرے گا، اور جو لوگ آخرت کی فکر کریں گے اور اللہ کے حقوق ادا کریں گے، ان کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور ان کا رب ان سے راضی ہو جائے گا۔

سَابِقًا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا عَرْضُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي
أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لَّيْسَ كَلِمَاتُكَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَّا تَقْرَهُوا بِمَا
أَنْتُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

لوگو! تم اپنے رب کی مغفرت (۲۰) کی طرف دوڑو، اور اُس جنت کی طرف جس کی کشادگی آسمان وزمین کی کشادگی کی مانند ہے، اُن کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ﴿۲۱﴾ جو مصیبت (۲۱) بھی زمین پر نازل ہوتی ہے، یا تمہاری جان پر، تو وہ لوح محفوظ میں، قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں لکھی ہوئی ہے، بے شک ایسا کرنا اللہ کے لئے آسان ہے ﴿۲۲﴾ (یہ بات تمہیں اس لئے بتادی گئی) تاکہ جو چیز تمہیں نہیں ملی ہے، اس کا افسوس نہ کرو، اور جو نعمت اس نے تمہیں عطا کی ہے اُس پر خوش نہ مٹاؤ، اور اللہ ہر اُس آدمی کو پسند نہیں کرتا ہے جو اترانے والا فخر کرنے والا ہوتا ہے ﴿۲۳﴾

آیت کا آخری حصہ ﴿ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُورِ ﴾ مذکور بالا مضمون کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ دنیا دھوکے کی ٹٹی ان کے لئے ہے جو فکرِ آخرت سے غافل ہوتے ہیں، اور جو لوگ فکرِ آخرت میں مشغول رہتے ہیں، اُن کے لئے یہ دنیا کی متاع ہے جو اُسے اس سے بہترین نعمت یعنی جنت تک پہنچانے میں مدد کرتی ہے۔ (۲۰) دنیا اور اس کی نعمتوں کی حقارت اور بے ثباتی بیان کرنے کے بعد، اس آیت کریمہ میں آخرت کی بیش بہا اور دائمی نعمتوں کے حصول کی رغبت دلائی گئی ہے۔ بندوں کو اللہ کی مغفرت، اس کی رضا اور جنت کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اور یہ چیزیں صدق دل سے توبہ، طلبِ مغفرت، گناہوں سے دوری، عملِ صالح اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔

(۲۱) ذیل میں مذکور دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ان سے متعلق تمام امور کو مقدر کر دیا تھا۔ چنانچہ اگر زمین کو یا انسانوں کو کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے، تو وہ لوح محفوظ میں پہلے سے نوشتہ ہے۔ اور جو بات اس کے علم میں پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، اس کا واقع ہونا امر محتمم ہے، اور اگرچہ عقلِ انسانی ان باتوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے، لیکن اللہ کے لئے یہ باتیں بہت ہی آسان ہیں، اس لئے کہ اُس کا علم اور اس کی قدرتِ کاملہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بات اس لئے بتائی ہے تاکہ یہ قاعدہ کلیہ ان کے ذہنوں میں مثبت ہو جائے، اور خیر و شر جو بھی انہیں پہنچے اس کے بارے میں انہیں یقین رہے کہ یہ تو اللہ کی تقدیر تھی جسے بہر حال وقوع پذیر ہونا ہی تھا، تاکہ جو چیز انہیں نہیں ملی ہے اس کا غم نہ کریں، اور جو نعمت انہیں ملی ہے اس پر اترانے نہ لگیں، بلکہ اپنے اس مولیٰ کا شکر ادا کریں جس نے انہیں اس نعمت سے نوازا ہے۔ اسی لئے آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ وہ تکبر اور خود مستائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، جو اللہ کی نعمتوں کو اپنی عقل و صلاحیت اور جاہ و حشمت کی طرف منسوب کرتا ہے، اور غایت سرکشی میں آکر کہتا ہے کہ ﴿ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلِ هِيَ فَتْنَةٌ لَّيْسَ لِي حِمْزٌ مِّمَّنْهُنَّ ﴾ یہ تو مجھے حیمز میرے علم کی وجہ سے دیا گیا ہے، حالانکہ وہ نعمتیں اُسے بطور آزمائش دی گئی ہیں۔“

الَّذِينَ يَخْتَفُونَ بِيَمِينِكُمْ وَيَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ يُنْفَخُونَ الْإِنشَاءَ وَالْأَشْجَارَ إِلَّا الْبَيْتَ
وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۵﴾

یہی وہ لوگ ہیں جو بخیل (۲۲) کرتے ہیں، اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو شخص (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) روگردانی کرے گا، تو بے شک اللہ بے نیاز، تمام تعریفوں والا ہے ﴿۲۳﴾ ہم نے یقیناً اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں (۲۳) کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتابیں اور میزان اتارا، تاکہ لوگ عدل و انصاف قائم کریں، اور ہم نے لوہا پیدا کیا اُس میں بزاز اور لوگوں کے لئے بہت سے فوائد ہیں، اور تاکہ کون (جہاد کر کے) بن دیکھے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، بے شک اللہ قوت والا، زبردست ہے ﴿۲۵﴾

(۲۲) جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، اس سورت کا مرکزی مضمون اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلانا ہے، اسی لئے گذشتہ کئی آیتوں میں اور مختلف انداز میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلانے کے بعد، اب اس آیت کریمہ میں بخل کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ مال کی شدید محبت کی وجہ سے بخل کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اس رذیل کام کا حکم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے، اور ان کے لئے قیامت کے دن شدید وعید ہے، آیت کے آخری حصہ ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ فِئْتَانِ الْمَلَأَ اللَّهُ الْغَنِيَّةُ الْحَمِيدُ﴾ میں ان کے اسی انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ کی یاد اور اس کے اوامر سے اعراض کرے گا، تو اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ تو بے نیاز ہے، اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ اسے بندوں کے مال و دولت کی ضرورت نہیں ہے، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ بندے اس کا حکم بجالائیں، تاکہ دنیا اور آخرت میں خود ان کا بھلا ہو۔

(۲۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی بعثت کی غرض و غایت، اور ان تین چیزوں کو بیان کیا ہے، جو ان انبیاء کی تائید و تصدیق کے لئے نہیں دی گئی تھیں۔ پہلی چیز جو ان کی تائید کے لئے دی گئی، دلائل و معجزات تھے، اور دوسری چیز کتاب الہی تھی، جس میں مخلوق کے دین و دنیا کی بھلائی کی ہر بات بیان کر دی گئی تھی، اور تیسری چیز کو اللہ تعالیٰ نے "میزان" سے تعبیر کیا ہے، جس کی تفسیر مجاہد اور قتادہ وغیرہ نے "عدل" کے ذریعہ کی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ حق ہے جس کے حق ہونے کی گواہی وہ سبھی لوگ دیتے ہیں جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔

اور ان تمام چیزوں کے ساتھ انبیاء کی بعثت کی غرض و غایت یہ تھی کہ جس دعوت حق کو پھیلانے کے لئے اللہ نے انہیں مبعوث کیا ہے، لوگ اسے قبول کریں، صرف اللہ کی بندگی کریں، اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے نازل کردہ قانون عدل و انصاف کو نافذ کریں، جس کی تفصیل اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں موجود ہے۔ قانون جنایات، قصاص، حدود، احکام میراث، اور دیگر حقوق انسانی، سب اسی ضمن میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے تقاضا ہے کہ وہ ان تمام قوانین و احکام کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کریں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے، اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فوائد ہیں“۔ اس جملے کا جملہ سابقہ سے تعلق یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل و خرد سے نوازا ہے، وہ کتاب الہی کی آیات

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُتَقِدٌ، وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَيَقْتُونُ ۗ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَابْنِ مَرْيَمَ ۗ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۗ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۗ

اور ہم نے یقیناً نوح اور ابراہیم (۲۴) کو رسول بنا کر بھیجا، اور ان دونوں کی اولاد میں انبیاء پیدا کئے اور کتابیں نازل کیں، پس ان میں سے بعض نے ہدایت قبول کی، اور ان میں سے اکثر فاسق ہو گئے ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے ان کے پیچھے اپنے دوسرے رسول (۲۵) بھیجے، اور ان سب کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اور ہم نے انہیں انجیل دیا، اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں نرمی اور رحمت ڈال دی۔ اور جس ”رہبانیت“ کی بدعت انہوں نے پیدا کی، اُسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کی چاہت میں ایسا کیا تھا، پھر انہوں نے کماحقہ اُسے نہیں نباہا، پس ان میں سے جو لوگ ایمان پر قائم رہے، ہم نے انہیں ان کا نیک اجر دیا، اور ان میں سے بہت سارے فاسق ہو گئے ﴿۲۷﴾

سننے ہی ان پر عمل کرنے لگتے ہیں، اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف کو قائم کرنے لگتے ہیں، اور جو عام لوگ ان کے مخلص پیروکار ہوتے ہیں، ان پر جب قوانین شریعت کا نفاذ ہوتا ہے، تو انہیں قبول کر لیتے ہیں، اور نظام عدل جاری ہو جاتا ہے، اور جو لوگ سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور نظام عدل کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں، انہیں حکومت کی طاقت نظام عدل کی پابندی پر مجبور کر دیتی ہے۔

لوہے میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ تمام جنگلی آلات و اسلحہ اسی سے بنتے ہیں مختلف انواع صنعتیں، برتنوں کی قسمیں اور کھیتی کے آلات اسی سے تیار ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ انسانی زندگی میں استعمال ہونے والی شاید ہی کوئی ایسی چیز ہے جس میں لوہے کا کسی نہ کسی طرح استعمال نہ ہوتا ہو۔

آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ لوہے کی تخلیق کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے جہاد میں استعمال ہونے والے ہتھیار تیار ہوں، جنہیں مجاہدین فی سبیل اللہ استعمال کریں، اور اللہ کے سامنے یہ بات کھل کر آجائے کہ کون اس کی رضا کی خاطر محض غیبی امور پر ایمان رکھتے ہوئے اس کی راہ میں لوہے سے بنے اسلحہ کا استعمال کرتا ہے اور اللہ کے دین کو غالب بنانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔

اور اللہ تو بڑی قوت والا، اور ہر چیز پر غالب ہے، وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے، اس نے تو بندوں کو جہاد اسلامی کا اس لئے حکم دیا ہے تاکہ اس کی اطاعت کر کے اس کی رضا اور اس کی جنت کے مستحق بنیں۔

(۲۴) انبیاء کرام کا عمومی ذکر کئے جانے کے بعد، اس آیت میں ان دو خاص انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے بعد آنے والے تمام انبیاء انہی کی نسل سے ہوئے۔ نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء ہوئے سب انہی کی نسل سے ہوئے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنی بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، اور جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، سب انہی کی اولاد کی نسل سے تھے، اور جن لوگوں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رِزْقِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَعْفُوْكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (۲۶) اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، تو وہ تمہیں اپنی رحمت کا دو گنا حصہ دے گا، اور تمہیں ایک نور عطا کرے گا، جس کی مدد سے تم آگے چلو گے، اور تمہیں معاف کر دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۸﴾

کی ہدایت کے لئے وہ انبیاء آئے، وہ دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے، کچھ لوگوں نے تو ان کی دعوت قبول کی، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اور عمل صالح کی زندگی اختیار کی، اور اکثر و بیشتر نے سرکشی کی راہ اختیار کی، اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، اس میں تحریف کی، اور اپنے علماء اور راہبوں کے اقوال و آراء کو دین بنالیا۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کا یہ تسلسل قائم رکھا، موسیٰ، الیاس، داؤد، سلیمان اور دیگر انبیاء آتے رہے، یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ جو ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے تھے، اس لئے کہ ان کی ماں مریم علیہا السلام آل ابراہیم سے تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کیا تھا تاکہ وہ اس کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کریں، اور اس نے ان کے حواریوں یعنی اولین پیروکاروں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے اور اپنی عام مخلوق کے لئے نرمی اور محبت ڈال دی تھی، اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب تک زندہ رہے، انہیں نصیحت کرتے رہے کہ وہ یہودیوں کی طرح نہ بنیں جن کے دل اللہ تعالیٰ نے سخت بنادئے تھے، بلکہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت و محبت اور حلم و بردباری کا برتاؤ کریں۔ ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دل نرمی اور محبت کے خوگر ہو گئے، اور قساوت قلبی سے نفرت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ آیت (۸۲) میں ان کی اسی نرمی کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرَهْبَانَانَا أَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ ﴿۸۲﴾ ”یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے، اور ایمان والوں سے سب زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لئے کہ ان میں علماء اور عبادت کے لئے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں، اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ہیں“۔

﴿ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا ﴾ ﴿۸۳﴾ ایسی تبیین عیسیٰ علیہ السلام مذکور بالا خوبیوں کے ساتھ، ایک خرابی میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے دین عیسوی میں ایک بدعت ایجاد کر لی جسے قرآن کریم نے ”رہبانیت“ کا نام دیا ہے، اور جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا سے کنارہ کشی اختیار کر لے، اور گوشہ عزلت میں بیٹھ کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو جائے، لیکن عملی طور پر وہ لوگ کما حقہ اس کی پابندی نہ کر سکے، بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ دین عیسیٰ سے دور ہوتے گئے، اور دنیا دار بادشاہوں کی مرضی کے مطابق، اللہ کی کتاب (انجیل) کو بدل ڈالا، اور اس رہبانیت کو چھوڑ دیا جسے انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا، صرف کچھ ہی لوگ صحیح دین پر باقی رہے، جن کا ذکر قرآن کریم نے آیت کے آخری حصہ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ ﴿ فَاتَّبِعْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ﴾ جو لوگ شرک و بدعت سے بچے رہے، اور عیسیٰ علیہ السلام

لَعَلَّكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ الْآيِقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

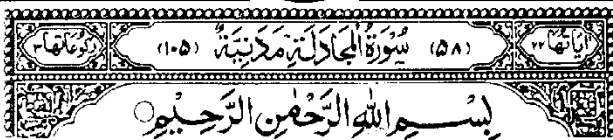
تاکہ اہل کتاب جان لیں (۲۷) کہ وہ اللہ کے فضل و کرم کے کسی حصہ میں تصرف کرنے کی کوئی قدرت نہیں رکھتے، اور یہ کہ فضل و کرم صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ فہل العظیم والا ہے ﴿۲۹﴾

کے صحیح دین پر قائم رہے، اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد ان پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اجر عظیم سے نوازا۔ (۲۶) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کیا ہے جو گذشتہ انبیائے کرام پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے، اور انہیں ان کے دعویٰ کے مطابق اہل ایمان کا خطاب دے کر اللہ سے ڈرنے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس کے مطابق عمل کیا تو انہیں دو گنا اجر ملے گا، ایک اجر گذشتہ نبی پر ایمان لانے کا، اور دوسرا اجر نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا۔ بخاری و مسلم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ان میں پہلا اہل کتاب کا وہ آدمی ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا، اور جھ پر ایمان لایا، الحدیث سعید بن جبیر کہتے ہیں، جب اہل کتاب نے فخر کیا کہ انہیں دوہرا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت امت محمدیہ کے بارے میں نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا: ﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ﴾ ”قیامت کے دن تمہیں ایک نور ملے گا جس کی مدد سے نل صراط پار کر جاؤ گے“۔ جیسا کہ سورۃ التحریم آیت (۸) میں آیا ہے: ﴿نُورٌ هُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ ”ان کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوگا“۔ بعض مفسرین نے ﴿نُورًا تَمْشُونَ بِهِ﴾ کی تفسیر ”دین کا واضح راستہ“ کیا ہے۔

سورۃ الأنفال آیت (۲۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تم کو فرقان دے گا“ یعنی تمہارے لئے حق کو واضح کر دے گا۔

(۲۷) اس آیت کریمہ کا تعلق اوپر والی آیت سے ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اے اہل ایمان! اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور اپنے رسول پر ایمان لاؤ گے، تو وہ تمہیں وہ فرقان دے گا جس کا ذکر اوپر کیا گیا، تاکہ وہ اہل کتاب جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں، جان لیں کہ اللہ کا وہ فضل جو اس نے بطور خاص مسلمانوں کو دیا ہے، ان کے اختیار کی چیز نہیں ہے کہ اس میں سے جو چاہیں اپنے لئے خاص کر لیں اور کہیں کہ اللہ نے انہیں تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ بلکہ تمام فضل صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اور اس نے اس میں سے امت محمدیہ کو وہ فضل دیا ہے جو انہیں نہیں دیا ہے، یعنی نبوت، جس سے اللہ نے محمد ﷺ کو سرفراز کیا، اور مومنین ان پر ایمان لائے اور اجر عظیم کے مستحق ہوئے۔ وباللہ التوفیق۔



قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِي نَجَّادُكَ فِي دُؤُوبِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُذَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۵۸﴾

سورۃ المجادلہ مدنی ہے، اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے اس عورت کی بات سن (۱) لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی، اور اللہ سے اپنے حال زار کا شکوہ کر رہی تھی، اور اللہ آپ دونوں کی بات چیت سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، بڑا دیکھنے والا ہے ﴿۵۸﴾

تفسیر سورۃ المجادلہ

نام: اس کا نام "المجادلہ" پہلی آیت کے لفظ "تجادلک" سے ماخوذ ہے۔
زمانہ نزول: قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ سورت بھوں کے نزدیک مدنی ہے۔

(۱) مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ خولہ بنت ثعلبہ انصاریہ اور ان کے شوہر اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اوس بن صامت نے غصہ میں آکر ان سے کہہ دیا تھا کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہو۔ اور ان دونوں کو ظہار "کو طلاق مانا جاتا تھا۔ اور ان دونوں کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، اور دونوں کی عمر زیادہ ہو چلی تھی۔ اس لئے خولہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، اور سارا ماجرا سنایا، اپنی، اپنے شوہر اور اپنے بچوں کی پریشان حالی بیان کی۔ ایک صحیح روایت میں ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اوس میری جوانی کھا گئے، اور میں نے اپنا پیٹ ان کے لئے پھیلایا، اور جب میری عمر زیادہ ہو گئی، اور بچہ ہوتا بند ہو گیا، تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں مجھ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔ خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہر چیز کے بارے میں آپ پر وحی نازل ہوئی ہے، اور صرف یہی معاملہ رہ گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، بات ویسی ہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ تو خولہ نے کہا کہ میں اللہ سے شکوہ کرتی ہوں، اس کے رسول سے نہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام احمد اور امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ جھگڑنے والی عورت (خولہ) نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، اور بات کرنے لگی، اور میں گھر کے ایک گوشے میں تھی، لیکن اس کی بات نہیں سن پارہی تھی، تو اللہ عزوجل نے ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ الایۃ نازل فرمایا۔

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ان کا شکوہ قبول کیا، اور اس کا جواب دیا۔ ﴿وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ظہار کی وجہ سے خولہ کو اپنے، اور اپنے شوہر اور بال بچوں کے بارے میں جو فکر اور پریشانی لاحق ہو گئی تھی، اس کا اظہار اپنے رب کے سامنے کر رہی تھیں، اور دعا کرتی تھیں کہ وہ ان کی یہ پریشانی دور کر دے۔

﴿تَحَاوُذُكُمْ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خولہ کی بات سن کر کہتے کہ تم اپنے شوہر پر حرام ہو گئی۔ تو وہ کہتیں: اللہ

الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْكُمْ مَنْ نَسَاهُمْ فَأَهْنُ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الْآلُ وَكَذُتْهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نَسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيزُ رَبِّكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ سَأَاؤُكُمْ تَوْعَظُون بِهِ ۖ وَاللَّهُ مَاتِعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ سَأَاؤُكُمْ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار (۲) کر لیتے ہیں (یعنی انہیں اپنی ماں سے تشبیہ دے دیتے ہیں) وہ بیویاں ان کی مائیں نہیں ہو جاتی ہیں، ان کی مائیں صرف وہی عورتیں ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے، بے شک وہ لوگ سخت ناپسندیدہ بات اور جھوٹ بولتے ہیں، اور بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، مغفرت فرمانے والا ہے ﴿۲﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع (۳) کرنا چاہیں تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانا چاہیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، مسلمانو! تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے ﴿۳﴾ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اور جو شخص اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ حکم اس لئے ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۳﴾

کی قسم! اس نے طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، میں اپنی محتاجی، فاقہ کشی اور بے بسی کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر ان کو اس کے پاس چھوڑ دیتی ہوں تو وہ سب ضائع ہو جائیں گے، اور اگر اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکے رہیں گے، اور اپنے سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگیں کہ اے اللہ! میں تجھ ہی سے شکوہ کرتی ہوں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنی بیویوں سے کہہ دیتے ہیں کہ تم ہم پر ہماری ماں کی پیٹھ کی مانند ہو گئیں، یعنی ہماری ماں کی طرح ہم پر حرام ہو گئیں، تو ایسا کہہ دینے سے ان کی وہ بیویاں ابدی حرمت میں ان کی ماؤں کی طرح نہیں ہو جاتیں، مائیں تو وہ ہوتی ہیں جو انہیں جنتی ہیں، اس لئے حرمت میں ان کی بیویاں ان کی ماؤں کی مانند نہیں ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے آگے ان کی اس بات پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا کہنا بہت ہی بُری بات ہے جسے عقلمند لوگ گوارا نہیں کرتے، اور شریف النفس لوگ اپنی زبان پر ایسی بات نہیں لاتے۔ اور اس کا حکم بیان فرماتے ہوئے کہا کہ ظہار ایک امر باطل ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کی زبان سے ایسی بُری بات نکل جائے، اور پھر اپنی غلطی پر نادم اور تائب ہوں تو اللہ ان کے اس گناہ کو معاف کر دے گا، کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا، اور مغفرت فرمانے والا ہے۔

(۳) اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے لئے حکم بیان کیا گیا ہے جو ظہار کرنے کے بعد اپنے فعل پر نادم ہوتے ہیں، اور جماع کر کے انہیں دوبارہ اپنے لئے حلال بنانا چاہتے ہیں۔ ان پر جماع کرنے سے پہلے واجب ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کریں، اور اگر یہ میسر نہ ہو، یا اس کی قیمت زیادہ ہو تو مسلسل دو ماہ کا روزہ رکھیں، اور اگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كَيْتُومًا كَمَا كَيْتَتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَ
لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ يَوْمَ يُبْعَثُكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمُ بِمَا عَمِلْتُمْ أَتُحْصِيهِ اللَّهُ وَسُوءُ مَا وَاللَّهُ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت (۴) کرتے ہیں، وہ ذلیل کر دیئے گئے جیسے وہ لوگ ذلیل کر دیئے گئے جو ان سے پہلے تھے، اور ہم نے صاف اور صریح آیتیں نازل کر دی ہیں، اور کافروں کے لئے رسوا کن عذاب ہے ﴿۵﴾ جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا ﴿۵﴾ پھر انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا، اللہ نے ان کے اعمال کو گن رکھا تھا، اور وہ بھول گئے تھے، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ﴿۶﴾

امام احمد، ابوداؤد، طبرانی اور بیہقی نے یوسف بن عبداللہ بن سلام سے اور انہوں نے خولہ بنت ثعلبہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کی قسم! سورۃ المجادلہ کی ابتدائی آیتیں میرے اور میرے شوہر اوس بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ پھر ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ﴾ سے ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ تک چار آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ میں اوس کو ایک غلام آزاد کرنے کو کہوں۔ تو میں نے کہا، یا رسول اللہ! وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے، تو آپ نے کہا: پھر وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! وہ تو بوڑھے ہیں، روزہ رکھنے کی ان میں کہاں طاقت ہے۔ تو آپ نے کہا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو (ایک وستن بھجور) کھانا کھلائے۔ الحدیث۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ یعنی ظہار کا حکم اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کے حکم پر عمل کرو، اس لئے کہ ایمان اعتقاد، قول اور عمل تینوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ (۴) یہ آیت غزوہ خندق سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس میں اللہ نے اپنے رسول کو بشارت دی ہے کہ قریش والے چاہے جتنی بھی فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کے لئے آجائیں، انہیں بہر حال منہ کی کھانی پڑے گی، اور اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی کفار قریش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اور ان سے دشمنی کرتے ہیں، وہ ذلیل و رسوا کئے جائیں گے، ان گذشتہ کافر قوموں کی طرح جنہوں نے اللہ کے انبیاء سے دشمنی کی۔ اس لئے کہ ہم نے تو قرآن کریم میں ایسی واضح اور صریح آیتیں نازل کر دی ہیں جو ہمارے رسول کی نبوت اور ان کی دعوت کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں اس کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے، اور اللہ کے حدود کو پامال کریں گے، ہم انہیں دنیا میں ذلیل و رسوا کریں گے، اور آخرت میں ایسے کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے ﴿يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ قوانین و حدود کے سوا دیگر قوانین ایجاد کرتے ہیں یا انہیں پسند کرتے ہیں“۔ اتنی۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اس میں ان ملوک اور اُمراء کے لئے شدید وعید ہے جو اسلامی شریعت کے خلاف قوانین وضع کرتے ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ جو قانون شریعت اسلامیہ کے ان نصوص کے مخالف ہو جن میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں بلاشبہ کفر و گمراہی ہے۔ ایسے قوانین کی وہی لوگ تائید کرتے ہیں جو اللہ اور رسول کے منکر اور ملت اسلام سے خارج ہوتے ہیں۔ (۵) اس آیت کا تعلق اوپر والی آیت سے ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَافِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آذَنٍ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ الْجُبَىٰ ثُمَّ يُعَوِّدُونَ لِمَا نُهَوُا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْآثِمِ وَالْعُدُوِّ ۖ إِنَّ مَعْصِيَتَ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحِبَّكَ بِهِ اللَّهُ ۖ وَ يَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُكُمْ جَهَنَّمُ يَصَلُّونَهَا فَيَنْسُ الْمَصِيدُ ۝

اے میرے نبی! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ ان تمام چیزوں کو جانتا (۶) ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، جب بھی تین اشخاص آپس میں سرگوشی کرتے ہیں تو وہ چوتھا ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور جب پانچ اشخاص ایسا کرتے ہیں، تو وہ چھٹا ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور چاہے اس سے کم افراد ہوں یا زیادہ، اور جہاں کہیں بھی ہوں، وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، پھر قیامت کے دن وہ ان کے اعمال کی انہیں خبر دے گا، بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۷﴾ اے میرے نبی! کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو سرگوشی (۷) سے روک دیئے گئے تھے، پھر انہیں جس بات سے روک دیا گیا تھا وہی دوبارہ کرنے لگتے ہیں، اور گناہ، ظلم اور رسول اللہ کی نافرمانی کے لئے سرگوشی کرتے ہیں، اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا ہے، اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا ہے، ان کے لئے جہنم کافی ہے جس میں وہ جلتے رہیں گے، پس وہ بُرا ٹھکانا ہے ﴿۸﴾

والوں کو اللہ دنیا میں رسوا کرے گا، اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا، جب اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، اور انہیں ان کے کئے کی خبر دے گا۔ انہوں نے دنیا میں ان گناہوں کا ارتکاب کیا، اور بھول گئے، لیکن اللہ نہیں بھولا تھا، اس نے تو ایک ایک ذرہ کو لکھ رکھا ہے، کوئی خیر اس کے احاطہ علم سے خارج نہیں ہے۔

(۶) اوپر جو بات بطور اجمال بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، یہاں نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے اسی کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ اے میرے رسول! کیا آپ جانتے نہیں ہیں، کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چھوٹی اور بڑی بات کو جانتا ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ اس کے احاطہ علم کا تو حال یہ ہے کہ اگر تین آدمی آپس میں سرگوشی کرتے ہیں، تو ان کے ساتھ چوتھا ہوتا ہے، اور اگر سرگوشی کرنے والے پانچ ہوتے ہیں تو وہ چھٹا ہوتا ہے، یا وہ لوگ اس سے کم ہوں یا زیادہ، اور جہاں کہیں بھی ہوں، وہ ہر حال میں ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور ان کی تمام سرگوشیوں پر مطلع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت (۷۸) میں فرمایا ہے: ﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ ﴿۷۸﴾ ”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے، اور اللہ غیب کی باتوں سے باخبر ہے“۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، بہت سے لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ”اللہ کے بندوں کے ساتھ ہونے“ سے مراد اپنے علم کے ذریعہ ان کے ساتھ ہونا ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ وہ اپنی قوت سماع اور اپنی قوت دید کے ذریعہ بھی اپنے بندوں کو محیط ہے، یعنی وہ ان سے پوری طرح باخبر ہے، کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْأَلْسِنِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبُرُودِ
التَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۰﴾ إِنَّهَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ
بِضَارِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِالَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی (۸) کرو، تو گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اللہ کی نافرمانی کے لئے سرگوشی نہ کرو، بلکہ نیکی اور تقویٰ کے لئے سرگوشی کرو، اور اُس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ﴿۹﴾ بے شک سرگوشی شیطانی کام ہے، تاکہ ایمان والے مغموم بنیں، حالانکہ یہ چیز اللہ کے حکم کے بغیر انہیں قطعی نقصان نہیں پہنچائے گی، پس مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۱۰﴾

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت آئے گی تو وہ انہیں ان کے تمام کرتوتوں سے باخبر کرے گا، اور ان کا انہیں بدلہ چکائے گا، کیونکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

(۷) مفسرین نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودِ مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور ابن زید کا قول ہے کہ بعض منافقین نبی کریم ﷺ سے اس طرح سرگوشی کرتے تھے کہ مومنین ڈر جاتے تھے کہ شاید کسی جنگ کی بات ہو رہی ہے، یا کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ بعض دیگر روایتوں میں آتا ہے کہ جب مسلمان یہود و منافقین کے پاس سے گذرتے، تو وہ آپس میں سرگوشی کرنے لگتے تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ وہ ان کے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں، یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے نقصان پہنچایا ہے جس کی خبر ان کے پاس ہے۔ مسلمان ان باتوں سے خوف زدہ ہو جاتے تھے، اور ان کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان رعب پھیلائیں۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس بات کا احساس ہوا تو آپ نے لوگوں کو سرگوشی کرنے سے منع فرمایا۔

امام احمد، بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم تین ہو، تو دو الگ ہو کر سرگوشی نہ کریں، اس لئے کہ یہ چیز تیسرے آدمی کو غمگین بنا دیتی ہے“، لیکن یہود و منافقین اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کا پردہ فاش کیا کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اور آپس میں مسلمانوں کے خلاف ظلم و عدوان اور نبی کریم ﷺ کی عدم اطاعت کے بارے میں سرگوشی کرتے ہیں۔ اور ان کا نجیب باطن اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ جب یہ نبی کریم ﷺ کے پاس آتے ہیں تو ”السلام علیکم“ کے بجائے ”السلام علیکم“ کہتے ہیں، یعنی تمہیں موت آجائے۔ امام احمد اور مسلم و غیر ہمانے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ کو ”السلام علیکم“ کہتے تھے، ان کا مقصد آپ کو گالی دینا ہوتا تھا۔ پھر اپنے دل میں کہتے کہ: ﴿لَوْلَا يَعْزُبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ﴾ کہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا ہے؟! تو ﴿وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ﴾ الایۃ نازل ہوئی، اتھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استعجاب کا یہ جواب دیا کہ وہ عذاب انہیں قیامت کے دن ملے گا، جب انہیں جہنم میں طے کے لئے ڈال دیا جائے گا، جو بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہوگا۔

(۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و منافقین کی طرح، ظلم و عدوان اور نبی کریم ﷺ کی عدم اطاعت کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفْتَحُوا فِي الْمَجْلِسِ فَأَفْسَحُوا يَفْسَحَ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا وَانْشُرُوا
يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں (۹) میں (دوسروں کو) جگہ دو، تو انہیں جگہ دیا کرو، اللہ تمہارے
لئے کشادگی پیدا کرے گا، اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو، تو اٹھ جاؤ، اللہ تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم
کے درجات بلند کرے گا، اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۰﴾

بارے میں سرگوشی سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ مومن کی شان کے خلاف بات ہے، اور انہیں نصیحت کی ہے کہ اگر وہ سرگوشی کریں تو
ایسی باتوں کے لئے جن میں اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہو، اور اللہ کی بندگی اور اس کے رسول کی اطاعت کی بات ہو۔

آیت (۱۰) میں مومنوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں یعنی یہود و منافقین کی
سرگوشیوں سے پریشان نہ ہوں۔ انہیں شیطان سرگوشیوں پر ابھارتا ہے تاکہ مسلمانوں کو غم و فکر لاحق ہو، لیکن انہیں ان سرگوشیوں
سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، الّا یہ کہ اللہ کی یہی مشیت ہو، اس لئے مومنوں کو دشمنوں کی سرگوشیوں سے غمگین نہیں ہونا چاہئے، اور
اپنے رب کی نصیحتوں پر عمل پیرا رہنا چاہئے، اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو دشمن کی چالیں ناکام ہو جائیں گی،
اور انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔

(۹) اس آیت کریمہ کا گذشتہ سے ارتباط واضح ہے، اس لئے کہ جب لوگوں کو سرگوشی سے منع کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ انہیں
محفلوں اور مجلسوں میں بیٹھنے کی اجازت تو ہے، لیکن مجالس کے کچھ آداب ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔

قائدہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کی مجالس تعلیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ کچھ لوگ جب کسی کو آتدیکھتے، تو
اسے جگہ دینے سے کتراتے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی کہ وہ ایک دوسرے کے لئے وسعت پیدا کریں۔ اور اس کا اجر و ثواب
یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ، روزی اور سینوں میں کشادگی دے گا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ایسا اس لئے ہو گا کہ جزا ہمیشہ عمل کے
مشابہ ہو تاکہ، جیسا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں آیا ہے جسے بخاری نے روایت کی ہے کہ ”جو اللہ
کے لئے مسجد بنائے گا، اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا، اور جو کسی تنگ دست کے ساتھ سہولت برتے گا، اللہ تعالیٰ دنیا
و آخرت میں اس کے لئے آسانیاں پیدا کرے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا
رہتا ہے۔“ اس قسم کی آیتیں اور حدیثیں بہت ہیں۔

آیت کے دوسرے حصہ ﴿وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَاَنْشُرُوا وَيَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا
الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنوں! جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں کشادگی
پیدا کرنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ، یا نبی کریم ﷺ کی مجالس سے تمہیں اٹھ جانے کے لئے کہا جائے تاکہ تم اپنی طویل بیٹھک
سے انہیں پریشان نہ کرو۔ تو تمہیں فوراً بات مان لینی چاہئے۔ اور اس کا اجر و ثواب اللہ نے یہ بتایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان لائیں گے، یعنی ان کی اطاعت کریں گے، اور اللہ کے احکام کا علم حاصل کر کے ان کے مطابق عمل کریں گے، اللہ دنیا اور
آخرت دونوں جگہ ان کے درجات بلند کرے گا۔

شوکانی نے آیت کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ مومنوں کو غیر مومنوں پر، اور اہل علم کو غیر اہل علم پر کئی گنا فوقیت دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جِئْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدْتُم مَّوَابِينَ يَدِي مَجْزُوعَةً صَدَقَةٌ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرٌ
فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۳۰ أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدِي مَجْزُوعَةً صَدَقَةٌ فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا وَ
تَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۱۳۱

اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ سے سرگوشی (۱۰) کرنا چاہو، تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو، یہ چیز تمہارے لئے بہتر اور تمہارے دلوں کو زیادہ پاک کرنے والی ہے، اور اگر صدقہ کے لئے مال نہ ہو، تو بے شک اللہ بڑا مغفرت فرمانے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۳۰﴾ کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ سرگوشی سے پہلے تمہیں صدقات دینے ہوں گے، پس جب کہ تم نے ایسا نہیں کیا، اور اللہ نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے، تو نماز کو قائم کرو، اور زکاۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۳۱﴾

تو جو شخص ایمان اور علم دونوں سے بہرہ ور ہو گا، اسے اللہ تعالیٰ ایمان کی وجہ سے کئی درجات دے گا، اور پھر علم کی وجہ سے کئی درجات عطا کرے گا۔

(فائدہ) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ لوگ مجلسوں میں دیگر آنے والوں کے لئے وسعت پیدا کریں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا نہیں چاہئے۔ امام احمد اور بخاری مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی آدمی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے، بلکہ تم لوگ دوسروں کے لئے کشادگی پیدا کرو“۔

حافظ ابن کثیر نے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جائز ہے، اور بخاری کی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے صحابہ کرام کو اٹھنے کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ ”تم لوگ اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو“ اور بعض نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اگر کوئی سفر سے آیا ہو، یا حاکم جب اپنی مجلس میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ وہ اٹھ کر ان کا استقبال کریں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی یہ عادت بنا لیتا ہے تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لئے اٹھ جایا کریں، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۱۰) حسن بصری کا قول ہے کہ یہ آیت بعض مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو نبی کریم ﷺ سے بار بار خلوت میں بات کرتے تھے تو دوسرے صحابہ پر اس کا بڑا اثر پڑتا تھا، وہ سوچتے تھے کہ ہمارا درجہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا، تاکہ آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے والے کم ہو جائیں۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ ایسا یہود و منافقین کرتے تھے، اور آپس میں کہتے تھے کہ محمد کان کا کچا ہے، ہر ایک کی بات پر کان دھر لیتا ہے، اور کسی کو اپنے ساتھ سرگوشی کرنے سے نہیں روکتا ہے۔ اور مخلص صحابہ کرام پر اس کا بڑا اثر پڑتا تھا، شیطان ان کے دلوں میں شک ڈال دیتا تھا کہ شاید انہوں نے مسلمانوں کے کسی دشمن فوج کی بات کی ہے جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت (۹) نازل فرمائی، لیکن یہود و منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آئے، تو اللہ نے یہ آیت

الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِمَّا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا يَتُوبُونَ عَلَيْهِمْ وَالْكُذِبُ عَلَيْهِمْ وَيَعْلَمُونَ ۖ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۗ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ وَأَتَّخِذُوا أَنْبَاءَهُمْ حُتُوفًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَهُمْ عَادَابُ اللَّهِ ۗ كُنْتُمْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۶﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایک ایسی قوم سے دوستی (۱۱) کر لی، جن پر اللہ ناراض ہو چکا ہے، نہ وہ لوگ تم میں سے ہیں، اور نہ ان میں سے، اور جانتے ہوئے جھوٹی بات پر قسم کھاتے ہیں ﴿۱۳﴾ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، وہ بے شک بہت بُرے کام کرتے تھے ﴿۱۵﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا، پس انہوں نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، اس لئے ان کے لئے رُسوا کن عذاب ہے ﴿۱۶﴾ ان کا مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں انہیں کچھ بھی کام نہیں آئے گی، وہ جہنمی لوگ ہیں، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۷﴾

نازل فرمائی جس میں آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ یہود و منافقین مخلص نہ ہونے کی وجہ سے اور مال کی محبت میں سرگوشی کرنے سے رُک گئے، لیکن غریب مسلمانوں پر یہ حکم شاق گذرا۔ وہ نبی کریم ﷺ سے ضروری مسائل پوچھنا چاہتے اور صدقہ کے لئے مال نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ سے بات نہ کر پاتے۔ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد صدقہ دینے کا حکم منسوخ ہو گیا، اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے بات کرتے وقت ان کا غایت درجہ احترام کریں، اور پاس ادب ملحوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْمَئِنَّ﴾ یعنی ”نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینا تمہارے لئے ہر طرح بہتر ہے“ تمہیں اس کا کئی گنا اجر و ثواب ملے گا، اور تمہارے غریب مسلمان بھائیوں کا بھلا ہوگا۔ پھر اللہ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اگر صدقہ کے لئے تمہارے پاس مال نہ ہو، تو کوئی حرج کی بات نہیں“۔ آیت (۱۳) میں ان بعض مسلمانوں کی زبردستی کی گئی ہے جو فاقہ اور محتاجی کے ڈر سے صدقہ کرنے سے کتراتے تھے اس لئے کہ اللہ کا تو وعدہ ہے کہ وہ اس کی راہ میں خرچ کرنے والے کو کئی گنا بڑھا کر بدلہ دیتا ہے۔

﴿فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ الایۃ میں یہ حکم بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینا اب امر واجب نہیں، بلکہ مستحب رہ گیا، اس لئے اب جو شخص صدقہ نہ کر سکے اس کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن وہ اخلاص کیساتھ اپنی نمازوں کی حفاظت کرے، زکاۃ ادا کرے، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سستی نہ کرے، تاکہ صدقہ کے لئے مال نہ ہونے کی کمی پوری ہوتی رہے، اور اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا رہے۔

(۱۱) جن دنوں یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی، ان دنوں منافقین کا نفاق انتہاء کو پہنچ چکا تھا، رات دن وہ لوگ یہودیوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، اور انہیں نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں انہی منافقین کا پردہ فاش کیا گیا ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں، اور نہ وہ یہودیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر آیت (۱۱) میں بھی منافقوں کی اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے، اور کہا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ﴾ الایۃ ”کیا آپ نے منافقوں کو نہیں

يَوْمَ يَبْعَثُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُحْضِرُونَ لَهُ كَمَا يَحْضِرُونَ لَكُمْ وَمَسْبُورًا عَلَيْهِمْ عَلَى شَيْءٍ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۸﴾
 اسْتَعْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ إِلَّا إِنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾

جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا (۱۸) تو وہ اُس کے آگے اسی طرح قسم کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں، اور سمجھیں گے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ فائدہ پہنچا سکیں گے، آگاہ رہے کہ وہی لوگ پکے جھوٹے ہیں ﴿۱۸﴾ شیطان اُن پر مسلط (۱۹) ہو گیا ہے، اور ان کے دل سے اللہ کی یاد بھلا دی ہے، وہی لوگ شیطان کے گروہ کے افراد ہیں، آگاہ رہے کہ شیطان کا گروہ ہی خسارہ اٹھانے والا ہے ﴿۱۹﴾

دیکھا کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ اور سورۃ النساء آیت (۱۳۳) میں فرمایا ہے: ﴿مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ﴾ ”وہ درمیان میں ہی معلق ڈنگارے ہیں، نہ پورے اُن کی طرف، نہ صحیح طور سے ان کی طرف“۔

﴿وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذِّبِ﴾ کی تفسیر ابن جریر طبری نے یہ بیان کی ہے کہ منافقین رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، حالانکہ وہ اپنی گواہی میں جھوٹے ہوتے تھے، یعنی وہ جانتے تھے کہ صدق دل سے یہ گواہی نہیں دے رہے ہیں۔ آیات (۱۵) سے (۱۹) تک انہی منافقین کا حال و انجام بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ان کے لئے بہت ہی شدید عذاب تیار کر رکھا ہے، اس لئے کہ اُن کے کرتوت بہت ہی بُرے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں بچانے کے لئے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا لیا، اور لوگوں کو درپردہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے روکتے رہے۔

آیت (۱۶) میں ﴿فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ جھوٹی قسموں کی وجہ سے اپنے بارے میں اللہ کے حکم یعنی قتل سے بچتے رہے، لیکن آخرت میں وہ اللہ کے رُسوا کن عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔ آیت (۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس دن اُن کے اموال اور ان کی اولاد انہیں اللہ کے مقابلے میں کوئی کام نہ آئے گی، اور ان کا ٹھکانا ہمیشہ کے لئے جہنم ہوگا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا، تو نفاق میں اپنی مہارت اور رُسوخ کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اپنی صداقت و اخلاص ثابت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانے لگیں گے جس طرح دنیا میں جھوٹی قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو ہار کراتے تھے کہ وہ بھی مخلص مسلمان ہیں، اور بھول جائیں گے کہ وہ آخرت میں جھوٹی قسمیں اُس علام الغیوب کے سامنے کھارے ہیں جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ ان کی جھوٹی قسمیں انہیں کچھ فائدہ پہنچا جائیں گی۔ آیت کے آخر میں اُن کے عمل کی شاعت بیان کرنے کے لئے اللہ نے کہا: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ان سے بدترین جھوٹا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعہ علام الغیوب کو اپنے سچے ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے دل و دماغ پر شیطان مسلط ہو گیا ہے، جس کے سبب جھوٹ بولنا اُن کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے، دنیا کی رنگینیوں اور عارضی لذتوں میں ڈوب گئے ہیں، اور اللہ کی یاد سے یکسر غافل ہو گئے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ جو اوصافِ رذیلہ اور صفاتِ خبیثہ اوپر بیان کی گئی ہیں، ان سے متصف لوگ ہی دراصل شیطان کی جماعت

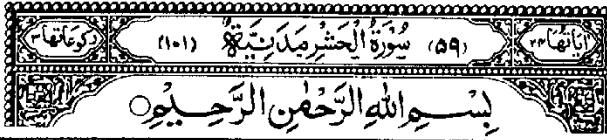
إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذْيَانِ ۗ كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبِينَ ۗ أَنْ أَوْرُسِلِي ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۗ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۗ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحِهِ ۗ وَمِنَهُ يَدْخُلُهُمُ الْجَنَّةُ ۗ يُجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۗ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۗ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت (۱۳) کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین قوموں میں سے ہیں ﴿۲۰﴾ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ یقیناً میں اور میرے پیغمبران ہی غالب رہیں گے، بے شک اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان (۱۵) رکھتے ہیں، انہیں آپ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے نہیں پائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی ہوں، یا ان کے خاندان والے ہوں، انہی لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے، اور ان کی تائید اپنی نصرت خاص سے کی ہے، اور اللہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اس سے راضی ہو گئے، وہی اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں، آگاہ رہے کہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۲۲﴾

کے لوگ ہیں جو سر زمین میں فساد پھیلانے میں اس کی پیروی کرتے ہیں، لیکن انہیں جان لینا چاہئے کہ شیطان ان کے کام نہیں آئے گا، اور وہ دونوں جہان کی سعادتوں سے محروم رہیں گے۔

(۱۳) آیت (۵) کی تفسیر میں ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ کی تفسیر گذر چکی ہے۔ وہاں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا، اور یہاں بھی ایسے لوگوں کا تقریباً ویسا ہی انجام بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلیل ترین لوگ ہیں، انہیں کبھی بھی عزت نہیں مل سکتی، اور بہر حال غالب اللہ اور اس کے رسول ہی رہیں گے، اور ذلیل و رسوا شیطان کے پیروکار ہوں گے، اس لئے کہ اللہ سب سے زیادہ قوی اور زبردست ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

(۱۵) اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کا ذکر کرنے جانے کے بعد، اب ان اہل ایمان کا ذکر کیا جا رہا ہے جو کسی بھی حال میں اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے ہیں، اس لئے کہ ایمان باللہ اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ اور مقصود اس آیت کریمہ سے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی دوستی سے ممانعت میں مبالغہ ہے، یعنی مومن کو کافروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ اختلاط سے بالکل اجتناب کرنا چاہئے اور اس معاملے میں مومن کے دل میں ذرا سی بھی لچک نہیں پیدا ہونی چاہئے۔ اسی بات کو مبالغہ کی حد تک ذہن نشین کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چاہے وہ اللہ کے دشمن تمہارے باپ، بیٹے، بھائی یا دیگر قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ایمان مومن سے تقاضا کرتا ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھا جائے۔



سورة الحشر مدنی ہے، اس میں چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

سورة آل عمران آیت (۲۸) میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرْكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ ”مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔ اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے“۔

حافظ ابن کثیر نے سعید بن عبد العزیز وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت ابو عبیدہ بن الجراح کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے میدان بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اس دن اپنے بیٹے عبد الرحمن کو قتل کر دینا چاہا تھا، اور مصعب بن عمیر کے بارے میں جنہوں نے اس دن اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا، اور عمر بن خطاب کے بارے میں جنہوں نے اس دن اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا، اور حمزہ، علی اور عبیدہ بن الجراح کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اس دن عقبہ، شیبہ اور ولید بن عقبہ کو قتل کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے مومنوں کے بارے میں فرمایا کہ اس نے ان کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے، اور دنیا میں انہیں اپنی نصرت خاص سے نوازا ہے، یعنی ان کے دشمنوں کو مغلوب کیا ہے۔

آیت میں "روح" سے بعض لوگوں نے اللہ کی خاص مدد مراد لی ہے، بعض نے نور قلب، بعض نے قرآن، بعض نے جبریل، اور بعض نے ایمان مراد لیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے راسخ ایمان لوگوں کو دنیا میں ضائع نہیں ہونے دیتا، اس کی نصرت و تائید ان کے ساتھ ہوتی ہے، اور آخرت میں ان کا مقام جنت ہوگا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان کا اللہ ان سے راضی ہو جائے گا، ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کرے گا، اور وہ مومنین اپنے رب کی گونا گوں نعمتیں پا کر اس سے خوش ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں یہی لوگ اللہ کی جماعت کے افراد ہیں، اس کے اوامر کی اتباع کرتے ہیں، اس کے دشمنوں سے قتال کرتے ہیں، اور اس کے دوستوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہی دنیا اور آخرت میں سعادت اور کامیابی پانے والے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة الحشر

نام: سورت کی دوسری آیت: ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾
الایۃ میں حشر کا لفظ آیا ہے۔ یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی کا قول ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ ”سورۃ بنی نضیر“ ہے، یعنی یہ سورت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

اس سورت کی تفسیر کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن القیم کی زاد المعاد، طبقات ابن سعد اور سیرت ابن ہشام وغیرہ کی مدد سے مدینہ کے قبائل اوس و خزرج اور ان کے قرب و جوار میں رہنے والے یہودیوں کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

مدینہ کے قرب و جوار میں تین مشہور قبائل یہود رہتے تھے: بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ یہ لوگ ۶۳۲ء میں رومیوں کے مظالم سے تنگ آ کر فلسطین سے بھاگ کر حجاز آ گئے تھے، اور ایلہ، مقنا، جماع، وادی القریٰ، فدک اور خیبر وغیرہ کے سرسبز علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔

اُن کے تقریباً تین صدی کے بعد قبائل اوس و خزرج، یمن کے سیلاب عظیم کی وجہ سے وہاں سے بھاگ کر یثرب میں آباد ہو گئے۔ رفتار زمانہ کے ساتھ بنی قینقاع قبیلہ خزرج سے، اور بنی قریظہ اور بنی نضیر قبیلہ اوس سے قریب ہوتے گئے۔

یہود اپنی سود خوری اور چالاک دھیماری کی وجہ سے یثرب اور آس پاس کے علاقوں کے اقتصاد پر قابض ہوتے گئے، اور اپنی ساکھ دھاک باقی رکھنے کے لئے اوس و خزرج کو ہمیشہ لڑاتے رہے، تاکہ کہیں یہ لوگ متحد ہو کر انہیں دبانہ دیں۔

نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو اوس و خزرج اور مہاجرین مکہ کو ملا کر مسلمانوں کی ایک وحدت قائم کی، اور قبائل یہود سے امن اور مدینہ سے دفاع کا متحدہ معاہدہ کر لیا، لیکن یہود نے اس معاہدہ کی پابندی نہیں کی، اور اسلام اور مسلمانوں کی روز بروز کی بڑھتی ہوئی طاقت نے ان کے دلوں میں حسد کی آگ بڑھادی، انہوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لئے ہر ناپاک چال چلی شروع کر دی۔

اوس و خزرج کی پرانی دشمنی کو ان کے درمیان ابھارنے لگے، اور جنگ بدر کی کامیابیوں کے بعد تو ان کے بغض و حسد کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔ بنی نضیر کے سردار کعب بن اشرف نے مکہ جاکر قریظہ کو دوبارہ جنگ کرنے پر اکسایا اور وہاں سے واپس آ کر اس نے مسلمان عورتوں کے نام لے لے کر عشقیہ شاعری شروع کر دی۔ بالاخر نبی کریم ﷺ نے اس سے تنگ آ کر محمد بن مسلمہ انصاری کے ذریعہ اس کو قتل کروادیا۔

بنی قینقاع شہر یثرب میں قبیلہ خزرج کے آس پاس رہتے تھے، اور آہن گری کا کام کرتے تھے۔ اُن کو اپنی طاقت اور اپنے سات سو جوانوں پر بڑا ناز تھا۔ ایک دن انہوں نے دن دھاڑے ایک مسلمان عورت کو بازار میں بنگا کر دیا، جس کے نتیجے میں ایک مسلمان اور ایک یہودی کا قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد نبی کریم ﷺ ان کے پاس گئے، انہیں معاہدہ یاد دلایا، اور شرافت کے دائرے میں رہنے کی نصیحت کی، لیکن انہوں نے اُلٹا جواب دیا اور کہا کہ ہم قریظہ کے لوگ نہیں ہیں، جنہیں تم نے میدان بدر میں شکست دے دی، ہم سے سابقہ بڑے گا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مرد کے کہتے ہیں؟

ان کے اس جواب سے رسول اللہ ﷺ نے جان لیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ جاکر اُن کے محلے کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی صرف پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ انہوں نے آپ سے جان کی امان مانگ لی۔ آپ نے اس شرط پر ان کی جان بخشی کر دی کہ وہ اپنا تمام مال و اسلحہ اور سامانِ حرفت

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُونَ وَقَدَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ۝

آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، سب اللہ کی تسبیح^(۱) بیان کرتی ہیں، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱﴾ اسی نے اہل کتاب^(۲) کافروں کو ان کے گھروں سے نکال کر ان کے پہلے حشر (یعنی پہلی جلاوطنی) کی جگہ پہنچا دیا۔ مسلمانو! تم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ (مدینہ سے) نکل جائیں گے، اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے، پس اللہ کا عذاب ان پر ایسی جگہ سے آیا جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، چنانچہ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں خراب کرنے لگے، پس اے آنکھوں والے! تم لوگ عبرت حاصل کرو ﴿۲﴾

و صنعت چھوڑ کر مدینہ سے نکل جائیں گے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب داخل کر دیا کہ صدیوں سے بے بسائے گھروں کو پورے سامان کے ساتھ چھوڑ کر وہاں سے خیبر کی طرف چلے گئے۔ اس واقعہ کے بعد باقی یہود مدینہ کچھ دن تک تو خائف رہے، لیکن جنگِ احد کے ایام میں منافقین کے اکسانے پر، اور خود اپنی فطری خباثت کی وجہ سے، مدینہ سے دفاعی معاہدہ کا پابند نہیں رہے۔ اور جنگِ احد کے بعد جب نبی کریم ﷺ بنی نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے تاکہ وہ بنی عامر کے ساتھ معاہدے کے مطابق ایک مقتول کی دیت ادا کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون کریں، تو انہوں نے موقع کو غنیمت جان کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کی سازش کرنی اور طے کیا کہ آپ کے سر پر دیوار کے اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت بذریعہ وحی آپ کو اس کی اطلاع دے دی، چنانچہ وہاں سے فوراً صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے، اور انہیں خبر بھیج دی کہ وہ دس دن کے اندر اپنی بستی چھوڑ دیں، لیکن انہوں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کی شہ پاکر ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ربیع الاول ۳ھ میں اس کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر چند ہی دنوں کے محاصرے کے بعد اس شرط پر اپنی بستی چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ ہو گئے کہ وہ اسلحہ کے علاوہ جو کچھ بھی اپنے اونٹوں پر لے جائیں لے جائیں۔ ان میں سے صرف دو آدمی یامین بن عمر بن کعب اور ابوسعید بن وہب مسلمان ہو گئے، اور باقی خیبر، اور ان میں سے بعض شام چلے گئے۔ بنی نضیر کی اسی جلاوطنی کو قرآن کریم نے "اول حشر" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لوگ دوسری بار عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خیبر سے جلاوطن ہو کر شام چلے گئے جو ان کا "حشر ثانی" تھا، اور تیسرا حشر قیامت کے دن ہو گا جس کے بارے میں بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ سرزمینِ شام میں ہی ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے چھوڑے ہوئے اموال و اسباب کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ بنی نضیر کی جلاوطنی کا مذکور بالا واقعہ ہی اس سورت کا مرکزی موضوع ہے۔ اب آئیے ہم سورت کا مطالعہ کریں۔

(۱) سورۃ الحدید کی آیت (۱) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں، سب

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَائِدَ لَعَدَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور اگر اللہ نے ان کی قسمت میں جلاوطنی (۳) نہ لکھ دی ہوتی، تو انہیں دنیا میں ہی عذاب دیتا، اور آخرت میں ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے ﴿۳﴾ ان کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۴﴾

اللہ کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، اور اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ ذات برحق اپنے لئے کسی قسم کے ساجھی اور اولاد وغیرہ سے پاک ہے، وہ اکیلا ہے، اور ہر قسم کی عبادت کا تمنا حقدار ہے۔ ربوبیت، الوہیت، علم، قدرت اور مخلوقات کی تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۲) آیت میں مذکور اہل کتاب کافروں سے مراد بنی نضیر ہیں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اور رومانیوں کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ چلے آئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا انتظار کرتے تھے۔ جب آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ سے دشمنی کرنے لگے، اور نوبت بایں جا رسید کہ آپ نے انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا، جسے اس آیت میں "أول حشر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابن العربی نے لکھا ہے کہ ان کا پہلا حشر مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن ہونا تھا، اور دوسرا حشر خیبر سے شام کی طرف ان کی جلاوطنی تھی، اور آخری حشر قیامت کے دن ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ سرزمین شام ہی میدان حشر بنے گی۔ عکرمہ کا قول ہے کہ جسے قیامت کے دن سرزمین شام کے میدان حشر بننے میں شبہ ہو وہ اس آیت کو پڑھے۔

بنی نضیر کے قلعے بڑے مضبوط تھے، اور وہ اپنی حفاظت کے لئے ہر طرح کا ساز و سامان بھی رکھتے تھے، اس لئے صحابہ کرام کے شان و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ اپنے محلات اور قصور چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ انہوں نے اپنی جلاوطنی قبول کر لی، اور صدیوں سے جے جمائے گھروں اور مال و دولت کو چھوڑ کر وہاں سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے۔

﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ الایۃ کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ جب انہیں اپنی جلاوطنی کا یقین ہو گیا تو سوچا کہ اب ان گھروں پر مسلمان قابض ہو جائیں گے، اس لئے انہوں نے شدتِ حسد میں آکر ان گھروں کو اندر سے خراب کرنا شروع کر دیا، اور مسلمان انہیں مزید تکلیف پہنچانے کے لئے ان گھروں کو باہر سے خراب کرنے لگے، اور ان کے گھور کے درختوں کو کاٹنے لگے۔

زہری، ابن زید اور عروۃ بن زبیر کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ان کے اس طلب پر راضی ہو گئے کہ وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جائیں، تو اپنے گھروں سے لکڑیوں اور کھبوں کو نکال کر اپنے اونٹوں پر لادنے لگے، اور جو حصہ باقی بچا اسے مسلمانوں نے خراب کر دیا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت کی ہے کہ زمین میں فساد پھیلانے والوں پر کس طرح اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، اور اللہ کے وعدہ نصرت و تائید اور اپنے دشمنوں کے لئے انجام بد کی وعید، دونوں میں کتنی صداقت ہوتی ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ نَرَكْتُمْهَا قَابِلَةً عَلَىٰ اَصْوِلِهَا فَاِذِنَ اللّٰهُ وَبِخَيْرِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا آفَاةُ اللّٰهِ
عَلٰى رُسُلِهِمْ مِنْهُمۡ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ خَيْلٍ وَّلَارِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاَللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَا آفَاةُ اللّٰهِ عَلٰى رُسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقُرْبٰى وَاَللّٰهُ وَلِيُّ الْقُرْبٰى وَاَلْبٰتِغٰى وَا
السّٰكِنِيْنَ وَاَبْنِ السَّبِيْلِ ۝ لٰكِي لَا يَكُوْنُ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِالرُّسُوْلِ فُجُوْرَةٌ وَمَا
يَهْلِكُمْ عَنْهُ فَاَتَتْهُمُ السَّيْطٰنُ وَاَتَقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

تقریباً

تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے (۳) یا جن درختوں کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ کام اللہ کے حکم سے ہوا، اور اس لئے ہوا تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے ﴿۵۹﴾ اور اللہ نے ان کا جو مال بھی اپنے رسول کو دلویا (۵) تو مسلمانو! تم نے اس کے لئے نہ کوئی گھوڑا دوڑایا اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۶۰﴾ اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے جو مال دلویا، تو وہ اللہ کے لئے ہے، اور رسول کے لئے، اور رشتہ داروں، اور یتیموں، اور مسکینوں، اور مسافروں کے لئے ہے، تاکہ وہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ گھومتا رہ جائے، اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اُس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۶۱﴾

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان کی قسمت میں پہلے سے جلا وطنی نہ لکھ دی گئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ بنی قریظہ کی طرح انہیں بھی دنیا میں قید و بند اور قتل کی سزا دیتا، اور آخرت میں جہنم کی آگ تو ان کا انتظار کر ہی رہی ہے۔ اور وہ اس دنیاوی اور اخروی سزا اور عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور نقض عہد کیا۔ اور جن کے کر توت ایسے ہوتے ہیں اللہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا ہی سخت عذاب دیتا ہے۔

(۴) محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان، قنادر اور مقاتل بن حیان کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا تو انہیں ذلیل و رسوا کرنے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بعض صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کی کھجوروں کے بعض درخت کاٹ ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے بعض درخت کاٹ ڈالے، تو بنی نضیر نے رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ تم تو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے ہو پھر درختوں کو کاٹنے کا کیسے حکم دیتے ہو؟! تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے فعل کو جائز قرار دیا، بلکہ یہ کہا کہ جو کچھ ہو اللہ کے حکم سے ہوا، اور اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے۔

(۵) بعض صحابہ نے چاہا کہ بنی نضیر کے چھوڑے ہوئے اموال دیگر اموال غنیمت کی طرح ان کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں، حالانکہ وہ اموال غنیمت نہیں تھے، اس لئے کہ اس کے لئے صحابہ کو جنگ نہیں کرنی پڑی تھی، اور نہ دور دراز کا سفر کرنا پڑا تھا، بلکہ صرف دو میل کی مسافت پیدل چل کر بنی نضیر کے محلات تک پہنچ گئے اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اس لئے بغیر کسی مزاحمت کے صرف چند دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر وہاں سے کوچ کر گئے۔ ایسے مال کو فقہ اسلامی کی اصطلاح میں ”مال فئے“ کہا جاتا ہے۔ اور وہ مال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا، بلکہ نبی کریم ﷺ کو اختیار

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَ
يَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

وہ مال اُن فقیر مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مال و دولت سے نکال (۶) دیئے گئے، وہ لوگ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار تھے، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے تھے، وہی لوگ سچے تھے ﴿۸﴾ تھا کہ وہ جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں۔

آیت (۷) میں آیت (۶) کی تشریح کی گئی ہے، اسی لئے دونوں کے درمیان حرف عطف نہیں استعمال کیا گیا ہے، اور ﴿أَهْلِ الْفُرَى﴾ سے مراد بنی نضیر کے یہود ہیں۔ اور اس مال کا حکم یہ ہے کہ یہ اللہ، اس کے رسول، رسول اللہ کے رشتہ داروں، قبیلوں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے، ایسا نہیں ہے کہ اسے بھی مال غنیمت کی طرح تقسیم کر دیا جائے تاکہ مالدار مزید مالدار بن جائیں، اور فقراء صحابہ کی محتاجی دور نہ ہو۔

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دور جاہلیت میں یہ نظام تھا کہ اموال غنائم صرف مالداروں میں تقسیم ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے رسم جاہلی کو توڑنے کے لئے آیت کا یہ حصہ نازل فرمایا اور بتایا کہ اموال غنیمت میں تمام مجاہدین کا حق ہے، اور ”مال فی“ میں رسول اللہ ﷺ اپنی مرضی کے مطابق تصرف کریں گے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے جسے ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ سورۃ الحشر کی یہ آیت مجمل ہے جس کی تفصیل سورۃ الأنفال کی آیت (۴۱) ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ میں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ قنادہ کا قول ہے کہ سورۃ الحشر کی یہ آیت سورۃ الأنفال کی مذکور بالا آیت کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے، یعنی ”مال فی“ اب کوئی چیز نہیں ہے، سب پر مال غنیمت کا ہی اطلاق ہوگا، اور اموال غنیمت پہلے پانچ حصوں میں تقسیم کئے جائیں گے، چار حصے مجاہدین کے لئے، اور پانچواں حصہ پھر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے، ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے رشتہ داروں کے لئے، ایک حصہ یتیموں کے لئے، ایک حصہ مساکین کے لئے، اور ایک حصہ مسافروں کے لئے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو ملے اس پر راضی رہنا چاہئے اور اگر آپ ﷺ انہیں کچھ نہ بھی دیں تب بھی ان کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے۔ اس میں اموال غنیمت، اموال فی اور دیگر تمام چیزیں داخل ہیں۔ علماء نے اسی آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہر صحیح حدیث قرآن کے حکم میں داخل ہے۔

(۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مال فی میں جن لوگوں کا گذشتہ آیت میں حق بتایا گیا ہے، اُن میں سب سے زیادہ اہتمام اور ہمدردی کے مستحق وہ مہاجر فقراء ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا اور اس کے دین کی مدد کے لئے اپنا گھربار چھوڑ دیا، اور مدینہ اس حال میں پہنچے کہ اُن کے پاس نہ کھانے کے لئے روٹی تھی اور نہ تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا۔ اور چونکہ ان کے اخلاص عمل کے ذریعہ اُن کے دعوئے ایمان کی تصدیق ہوتی تھی، ان کا انگ انگ بتا رہا تھا کہ انہوں نے سب کچھ صرف اللہ کے لئے لٹایا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ”صادقین“ کے لقب سے نوازا۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُبْتَغُونَ مِنْ هَاجِرِ الْيَهُودِ وَلَا يُعَدُّونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٩﴾
 وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٠﴾

اور (وہ مال) اُن لوگوں کے لئے ہے، جو مہاجرین مکہ کی آمد سے پہلے ہی مدینہ میں مقیم (۷) تھے اور ایمان لا چکے تھے، وہ لوگ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، اور اُن مہاجرین کو جو مال غنیمت دیا گیا ہے، اس کے لئے وہ اپنے دلوں میں تنگی اور حسد نہیں محسوس کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں، اور جو لوگ اپنے نفس کی تنگی اور بخل سے بچا لئے جائیں وہی کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۶۰﴾ اور (وہ مال) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو مہاجرین و انصار کے بعد دائرہ اسلام میں داخل (۸) ہوئے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں معاف کر دے، اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی معاف کر دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ پیدا کر۔ اے ہمارے رب! تو بے شک بڑی شفقت والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾

(۷) اللہ تعالیٰ نے ان کے دینی بھائیوں، یعنی انصار کو بھی کیا ہی خوب بنایا تھا، اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے کیسا نواز تھا کہ اس نے اس آیت کریمہ میں ان کے لئے ایمان صادق، اپنے مہاجر بھائیوں سے سچی محبت، اور جذبہ ایثار و قربانی کی گواہی دی اور فرمایا کہ جو مومنین دارالہجرت (مدینہ) میں پہلے سے آباد ہیں، اور مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان و ایقان کی شمع ان کے دلوں میں روشن ہو چکی ہے، وہ تو اپنے مہاجر بھائیوں سے بڑی محبت کرتے ہیں، اور چاہے مہاجرین کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو کچھ بھی دے دیا جائے وہ لوگ اپنے دل میں ذرا بھی تنگی نہیں محسوس کرتے ہیں، اور اپنے گھروں میں حاجت اور فاقہ کشی ہونے کے باوجود ہمیشہ سبکی چاہتے ہیں کہ ان کے مہاجر بھائی آرام سے رہیں، اور ان کے بال بچوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور ان کے انہی صفات عالیہ اور اخلاقی فاضلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ ان کے دلوں سے مال کی غیر شرعی محبت نکال دی گئی ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ذرا بھی نہیں کتراتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ انہیں دونوں جہان کی سعادت و نیک بخشی سے نوازے گا۔

"شمع" عربی زبان میں بخل کو کہتے ہیں۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ یہاں اس سے مقصود لوگوں کا مال ناحق کھا جانا ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس کا معنی "حرام مال کھانا، اور زکاۃ نہ دینا ہے" ابن زید کہتے ہیں کہ جس نے مال حرام نہیں لیا، اور اللہ نے جو دینے کا حکم دیا ہے اسے نہیں روکا، وہ "شمع نفس" سے بچ گیا۔

انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کی شہادت کے مطابق اس ایمانی اور اخلاقی بیماری سے پاک تھے۔ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو "مہاجرین اولین" کے حقوق کی حفاظت اور ان کا احترام ملحوظ رکھنے کی وصیت کرتا ہوں، اور انصار کا خیال رکھنے کی نصیحت کرتا ہوں جو دارالہجرت (مدینہ) میں پہلے سے آباد ہیں اور جو مہاجرین کی آمد کے قبل سے ہی اپنے دلوں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَخُرُوجِنَ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۰﴾

کیا آپ نے منافقین (۹) کو نہیں دیکھا، وہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم پر جنگ مسلط کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں ﴿۱۰﴾

میں ایمان کی شمع جلائے بیٹھے ہیں۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ﴿وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر ایک بھوکے مسافر کی اپنے گھر میں دعوت کی، اپنے بچوں کو بھوکا سلا دیا، اور چراغ بجھا کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا کھانا رسول اللہ ﷺ کے اُس بھوکے مہمان کو کھلادیا تھا۔

(۸) ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مدینہ ہجرت کر کے اُس وقت آئے جب اسلام قوی ہو چکا تھا، یعنی اُن مہاجرین اولین کے بعد آئے جنہیں اُن کے گھروں سے اسلام کی وجہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے ان سے مراد وہ تمام مومنین لئے ہیں جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے بعد قیامت تک دنیا میں آئیں گے۔ اس دوسری رائے کی مصداق سورۃ التوبہ کی آیت (۱۰۰) ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ﴾ ”اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں، اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے“۔

مہاجرین اولین اور انصار مدینہ کے بعد آنے والے مومنوں کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو اپنے ساتھ اپنے تمام گذشتہ مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صفت ایمان میں مشارکت کی وجہ سے مومنین ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے ہیں، اسی لئے تو دعا کے دوسرے حصہ میں ”دل میں کھوٹ“ کی نفی کی گئی ہے، جس کی ضد ”آپس میں محبت“ ہے۔

صحابہ کرام کے ذکر کے بعد دعائیں ﴿الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ کا قول اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت میں مذکور مومنوں سے مراد وہ اہل سنت و جماعت ہیں جن کا ایمان و عقیدہ صحابہ کرام جیسا ہوتا ہے، اور جو صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں، اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

جو لوگ صحابہ کرام سے نفرت کریں گے، ان کے خلاف دل میں بغض و کینہ رکھیں گے، ان سے اللہ کبھی بھی راضی نہیں ہوگا، اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے محروم کر دیئے جائیں گے، چاہے وہ رافضی شیعہ ہوں یا دوسرے طہدین جو صحابہ کرام کی دل سے قدر نہیں کرتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اسی آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ جو رافضی صحابہ کرام کو گالی دیتا ہے اس کے لئے مال فی میں کوئی حصہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس آیت میں مذکور مومنین کی کوئی صفت ان میں نہیں پائی جاتی ہے۔

امت اسلامیہ کے یہی تینوں قسموں کے مومنین ہیں جو مال فی کے حقدار ہیں، اور جنہیں مال دینا درحقیقت اسلام کو نفع

لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُوهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُؤْتُوا الْأَذْيَانَ لَئِنْ بَصُرْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲﴾ لَا يَقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا وَلَا فِي قَرْيٍ مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقَلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾

اگر وہ نکال دیئے گئے، تو منافقین اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر انہیں جنگ کرنی پڑی تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑیں گے، پھر اُن کی کسی جانب سے مدد نہیں کی جائے گی ﴿۱۲﴾ مومنو! منافقین کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہارا خوف ہے، ایسا اس لئے ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں ﴿۱۳﴾ یہود و منافقین اکٹھے ہو کر تم مسلمانوں سے جنگ (۱۰) نہیں کریں گے، مگر قلعہ بند بستیوں میں چھپ کر یا دیواروں کی آڑ سے، اُن کا آپس کا اختلاف شدید ہے، آپ انہیں ایک ساتھ سمجھتے ہیں، حالانکہ اُن کے دل ایک دوسرے سے الگ ہیں، ایسا اس لئے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں ﴿۱۳﴾

پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل کر دے۔ آمین، یارب العالمین۔

(۹) اس آیت کریمہ کا تعلق آیت (۲) میں مذکور بنی نضیر کے محاصرہ اور پھر اُن کی جلاوطنی سے ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا تو سردارانِ منافقین نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم لوگ ثابت قدم رہو، اور اپنے قلعوں سے نہ نکلو، ہم لوگ تمہیں مسلمانوں کے حوالے نہیں ہونے دیں گے، اور اگر جنگ کی نوبت آئے گی تو تمہارے شانہ بہ شانہ جنگ کریں گے، اور اگر تمہیں مدینہ سے جانا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔

چنانچہ بنی نضیر منافقین کے اس جھوٹے وعدے کی وجہ سے کچھ دنوں تو ڈٹے رہے، لیکن جب انہوں نے ان کی طرف سے کوئی عملی اقدام نہیں دیکھا تو اللہ کا ایسا کرنا ہوا کہ ان پر مسلمانوں کا شدید رعب اور دبدبہ طاری ہو گیا، اور فوراً رسول اللہ ﷺ کو خبر کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، بلکہ یہاں سے انہیں نکل جانے کی اجازت دے دی جائے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے اونٹوں پر تھیار کے علاوہ جتنا سامان لے جا سکیں لے جائیں۔

آیت (۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی کذب بیانی، افترا پردازی اور نفاق و بزدلی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے کب اپنے وعدوں کی پابندی کی ہے کہ وہ بنی نضیر کا ساتھ دیتے، ان کے ساتھ قتال کرتے، اور اگر بالفرض انہیں مجبوراً قتال میں ان کا ساتھ دینا بھی پڑتا تو وہ کبھی بھی ثابت قدم نہیں رہتے، بلکہ انہیں میدانِ جنگ میں تباہ چھوڑ کر بھاگ پڑتے۔

آیت (۱۳) میں مسلمانوں کو یہود و منافقین کی بزدلی اور اُن کے میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہاری تلواروں کی کاٹ سے زیادہ ڈرتے ہیں، انہوں نے اللہ کا مقام سمجھایا نہیں، اسی لئے اُن کے دل اللہ کے بجائے لوگوں کے ڈر سے کانپتے ہیں جو کسی بھی نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتے۔ حقیقی سمجھ تو یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کے مقام و مرتبہ کو سمجھے، اسی سے ڈرے، اسی سے امید رکھے، اور اس کی محبت کو شخص اور ہر چیز کی محبت پر مقدم رکھے۔

(۱۰) اس آیت کریمہ میں یہود اور منافقین کی بزدلی اور مسلمانوں سے اُن کی معروبیت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانو! اُن میں تم سے آنے سامنے برس برس پیکار ہونے کی جرأت نہیں ہے، وہ تم پر دیواروں کی آڑ لے کر یا بند قلعوں کے اندر سے ہی حملہ کرنے کی

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذُاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۖ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝

وہ بھی انہی (یہود بنی قبیقاع) کی طرح ہیں جو ان سے کچھ ہی مدت قبل اپنے بُرے کرتوتوں کا مزہ اچھک (۱۱) چکے ہیں، اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا ﴿۱۵﴾ وہ لوگ شیطان کے مانند (۱۲) ہیں، جب اس نے انسان سے کہا کہ کفر کرو، اور جب اُس نے کفر کیا، تو کہا کہ میں تم سے بری ہوں، میں بے شک اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ﴿۱۶﴾ چنانچہ ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں ہی جہنم رسید ہوئے، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں کی یہی سزا ہے ﴿۱۷﴾

کوشش کریں گے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی قوت و ہمت والے ہیں، تو وہ اس کا مظاہرہ آپس میں لڑتے وقت کرتے ہیں، لیکن جب ان کا سابقہ مسلمانوں سے پڑے گا تو ان کی ساری قوت جاتی رہے گی، اس لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتا ہے، اللہ اسے بزدل و ذلیل بنا دیتا ہے۔

اے میرے نبی! ان کا حال تو یہ ہے کہ آپ انہیں بظاہر متفق و متحد دیکھتے ہیں، لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے مختلف اور بیگانہ ہیں، اس لئے کہ وہ عقل و خرد سے محروم ہیں، جسبی تو ایمان نہیں لاتے ہیں جو حقیقی محبت و اتحاد اور جمعیت کا ذریعہ ہے۔ صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ مذکور بالا تینوں آیتوں میں مومنوں کو یہود و منافقین سے جنگ پر ابھارا گیا ہے، اور انہیں خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ ان سے جب بھی جہاد کریں گے، اللہ کی تائید سے انہیں ان پر فتح حاصل ہوگی۔

(۱۱) بنی نضیر کے یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کا جو فوری عذاب دنیا میں نازل ہوا، تو اس بارے میں ان کی مثال ان کفار قریش کی ہے جن پر میدان بدر میں اللہ کا عذاب نازل ہوا، یا بنو قبیقاع کے یہودیوں کی مثال ہے جنہیں ابھی کچھ ہی دنوں قبل ان کی بدعہدی اور شرارتوں کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا ہے۔ بنی قبیقاع کی بدعہدی اور پھر ان کی جلا وطنی کی تفصیل اس سورت کی تفسیر کے مقدمہ میں گذر چکی ہے۔

(۱۲) جن منافقین نے بنی نضیر کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا، ان سے جھوٹا وعدہ کیا کہ وہ ان کا ساتھ دیں گے، اور اگر مدینہ چھوڑنے کی نوبت آئی تو وہ بھی ان کے ساتھ نکل جائیں گے، ان کی مثال شیطان کی ہے جس نے انسان کو دھوکہ دیا اور کہا کہ تم اللہ کا انکار کر دو، اور میری پیروی کرو، اور جب وقت آئے گا تو میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔ اور جب انسان نے اس کی باتوں میں آکر اللہ کا انکار کر دیا، تو اس ڈر سے کہ کہیں اللہ اسے بھی عذاب میں شریک نہ کر دے، فوراً اس آدمی اور اس کے الحاد و کفر سے اپنی براءت کا اعلان کر دیا، اور کہنے لگا کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے تمہاری مدد کی تو وہ میری گرفت کرے گا، لیکن نہ شیطان کو اس کی براءت کام آئی، اور نہ ہی کافر کو وعدہ شیطان۔ اور دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیئے گئے۔ آگے فرمایا کہ اللہ اور اس کے بندوں کے حق میں ظلم کرنے والوں کا انجام ہمیشہ سے ایسا ہی ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا نَفْسَ مَا قَدَّمْتُمْ لِغَيْبٍ وَأَتَقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفٰلِحُونَ ﴿۲۰﴾ لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (۱۸) اور ہر آدمی دیکھ لے کہ اس نے کل (یعنی روز قیامت) کے لئے کیا تیاری کی ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۸﴾ اور تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا، تو اللہ نے انہیں ان کی ذات کی طرف سے غافل کر دیا، وہی لوگ فاسق ہیں ﴿۱۹﴾ اہل جہنم اور اہل جنت برابر (۲۰) نہیں ہو سکتے، اہل جنت ہی کامیاب لوگ ہیں ﴿۲۰﴾ اگر ہم اس قرآن (۱۵) کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے، تو آپ اُسے (اللہ کے حضور) ٹھک کا ہوا، اور اُس کے خوف سے پھٹا ہوا پاتے، اور ہم یہ مثالیں انسانوں کے لئے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں ﴿۲۱﴾

(۱۳) مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ ”حاسبہ نفس“ کے باب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے اس میں نصیحت کی ہے کہ وہ ظاہر و پوشیدہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں، فرائض و واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کریں اور محرمات و ممنوعات سے بچتے رہیں، اور ہر وقت اپنی آخرت کی سدھار کی کوشش میں لگے رہیں، اور ہر دم یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، اور انہیں ریکارڈ میں لارہا ہے، کوئی چیز اس کے علم سے مخفی نہیں ہے۔

آیت (۱۹) میں اللہ نے مومنوں کو نصیحت کی کہ وہ دنیا کی شہوتوں اور لذتوں میں مشغول ہو کر، اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں، ورنہ وہ انہیں یہ سزا دے گا کہ انہیں روحانی رفعت و بلندی کے حصول پر دھیان دینے سے غافل کر دے گا، اور وہ اپنے جسموں کے آرام و آسائش کو ہی اپنا مطمح نظر بنالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَطْعَمْنَ مِنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ ”اور آپ اس کا کہنا مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔“

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ دین اسلام کی حدود کو پھیلا گئے، اللہ کے ساتھ بد عہدی کی، اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور غداری کی، وہی لوگ درحقیقت اللہ کی بندگی سے روگردانی کرنے والے ہیں۔

(۱۴) اہل جہنم اور اہل جنت ہرگز ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ حکم عام ہے، اس لئے اہل جہنم میں اللہ کی یاد سے غافل اور اہل جنت میں اُسے یاد کرنے والے اور اُس سے ڈرنے والے بدرجہ اولیٰ داخل ہیں، اس لئے کہ آیتوں کا سیاق و سباق انہی دونوں قسموں کے بارے میں ہے۔ اور اس حکم عام کے بعد، اللہ تعالیٰ نے صراحت کر دی کہ حقیقی کامیابی و کامرانی تو صرف اہل جنت کے لئے ہے کہ انہیں ہر مصیبت و تکلیف سے نجات مل جائے گی، اور ہر راحت و نعمت سے سرفراز کئے جائیں گے۔

(۱۵) اہل جنت اور اہل جہنم کا فرقی مراتب بیان کئے جانے کے بعد، اب قرآن کریم کی عظمتِ شان بیان کی جا رہی ہے، اور کہا جا رہا ہے کہ یہ وہ کتابِ عظیم ہے جسے سُن کر لوگوں کے دلوں میں اللہ کی خشیت پیدا ہونی چاہئے، اور ان پر رعایت درجہ کی رقت

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّبُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

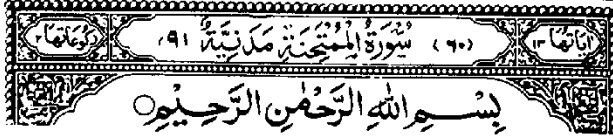
وہ اللہ ہے (۱۶) جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غائب و حاضر ہر چیز کا جاننے والا ہے، وہ نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۲﴾ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (۱۷) نہیں ہے، وہ شہنشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن و سکون عطا کرنے والا ہے، سب کا نگہبان ہے، زبردست ہے، ہر چیز پر غالب ہے، شان کبریائی والا ہے، اللہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے ﴿۲۳﴾ وہ اللہ پیدا (۱۸) کرنے والا ہے، ہر مخلوق کو اس کا وجود دینے والا ہے، اس کی صورت بنانے والا ہے، تمام پیارے نام اسی کے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی ہر چیز اسی کی پاکی بیان کرتی ہے، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲۴﴾

طاری ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم پہاڑوں کو قرآن کی عظمت و جلال کا ادراک دے دیتے اور انہیں اس میں موجود امر و نواہی کا پابند بنا دیتے، تو وہ اللہ کی عظمت و کبریائی کے لئے ہر دم ٹھکے رہتے، اور اس کے شدتِ خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ لیکن انسان اپنی حقیقت کو فراموش کر گیا کہ وہ منی کے ایک حقیر قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے، اور وہ اللہ کی قدرت کے سامنے نہایت کمزور و ناتواں ہے۔ اور کبر و غرور میں مبتلا ہو گیا، اس لئے اس کا دل سخت ہو گیا۔ تو اللہ نے اس پر رحم کرتے ہوئے پہاڑ کی نم کو ہر بالا مثال دی تاکہ اس میں غور کر کے اپنی حالت بدلے، کبر و غرور سے باز آئے، اور اللہ کی کبریائی کا تصور کر کے اس سے ہر دم خائف و ترسلا رہے۔

(۱۶) ذیل میں مذکور تینوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کبریائی کے اوصاف بیان کر کے، انسانوں کو مزید تنبیہ کی ہے کہ ان کے دل باری تعالیٰ کی خشیت سے کیسے خالی ہوتے ہیں، اُن پر کبھی کیوں طاری نہیں ہوتی، وہ تو وہ معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تو غائب و حاضر سب کچھ کا جاننے والا ہے، اس کی رحمتِ عام و خاص تو سارے جہان کی مخلوقات کو ڈھانکے ہوئی ہے۔ (۱۷) اللہ کی ذات تو وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، وہ تو شاہِ بے نیاز ہے، جس کا ہر کوئی محتاج ہے، اسی کا نظام اور اسی کا حکم ہر چیز پر نافذ ہے، وہ ہر عیب و نقص سے یکسر پاک ہے، اسی سے امن و سلامتی کے سوتے پھوٹتے ہیں، اس کی مخلوق اس کے علم سے قطعی امان میں ہے، وہی یقین و ایمان کی دولت سے سرفراز بندوں کو قیامت کے دن سکون و اطمینان سے نوازنے والا ہے، وہ ہر چیز پر مطلع، ہر چیز پر غالب، اور اپنی تمام مخلوق کی حفاظت کرنے والا ہے، وہ زبردست اور ایسا قوی ہے جسے کوئی مغلوب نہیں بنا سکتا۔ اس کی مشیت ہر شخص اور ہر چیز پر نافذ ہوتی رہتی ہے، اور اُس پر کسی کی مشیت نافذ نہیں ہوتی اور کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے خارج نہیں ہے۔ اس کی شان کبریائی تو ایسی ہے کہ اس کی ذات کے مقابلے میں ہر چیز حقیر ہے، اور ہر عظمت و کبریائی صرف اُسی کی ذات کے لئے ہے، وہ شہنشاہِ دو جہاں ہے، اور سب اس کے بندے اور مملوک ہیں۔

(۱۸) وہ تو وہ ہے جس نے تمام چیزوں کو اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق پیدا کیا ہے، انہیں عدم سے وجود میں لایا ہے، اور پوری



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ
مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِنَّا لَكُمُ أَن تَتُومِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَ
إِنِّي عَدُوٌّ لِّلْمُضِلِّينَ فَتُتْرَكُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَإِنَّا لَعَلَّمُوكُم مَّا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ
مِثْلُكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

سورة المتحنه مدنی ہے، اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست (۱) نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے
ہو، حالانکہ وہ دین برحق کا انکار کرتے ہیں جو تمہیں ملا ہے، انہوں نے رسول اللہ کو اور تمہیں صرف اس وجہ سے
(مکہ سے) نکال دیا ہے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری
خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلے ہو، تو پھر ان سے چپکے چپکے دوستی کیوں کرتے ہو، میں تو وہ
سب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو، اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے، وہ (اللہ کی) سیدھی راہ
سے بھٹک جاتا ہے ﴿۱﴾

کائنات کی جیسی چاہی تصویر گیری کی ہے۔ تمام اچھے اور پیارے نام صرف اسی کے لئے ہیں، اور اسی کو زیب دیتے ہیں، اور آسمانوں
اور زمین میں پائے جانے والی تمام مخلوقات اسی کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ وہ بڑا ہی زبردست، اور بڑی حکمتوں والا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنی سے متعلق سورۃ الاعراف آیت (۱۸۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ
فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ﴾ ”اور اچھے اور پیارے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، پس تم لوگ اُسے
انہی ناموں سے پکارو، اور ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں“۔ مزید تفصیل کے لئے اس
آیت کی تفسیر دیکھ لیجئے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ المتحنه

نام: آیت (۱۰) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ﴾
سے ماخوذ ہے۔ اور یہ نام حرف ”حاء“ کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ المتحنه (بکسر الحاء) (امتحان لینے
والی) اس اعتبار سے ہے کہ اس سورت نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آنے والی نئی مسلمان عورتوں کے ایمان
کا امتحان لیا، اور المتحنه (فتح الحاء) (وہ عورت جس کا امتحان لیا گیا) اس عورت کے اعتبار سے ہے جس کے بارے میں
یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور جس کے ایمان کا امتحان لینے کا اس سورت میں حکم دیا گیا تھا، اُس کا نام اُمّ کلثوم بنت عقیبہ بن ابی معیط تھا،

جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔ ابھی پہلی آیت کے شان نزول کے سلسلے میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا ذکر آئے گا، جو صلح حدیبیہ کے بعد ادر فسخ مکہ کے قبل کا ہے۔ اس سے اس سورت کے زمانہ نزول کی تحدید ہو جاتی ہے کہ یہ فسخ مکہ کے قبل نازل ہوئی تھی۔

(۱) اس بات پر تمام محدثین و مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیتوں کا سبب نزول حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو مہاجرین اولین اور بدری صحابیوں میں سے ہیں۔

امام احمد، بخاری و مسلم اور محمد بن اسحاق نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ اس بارے میں جو روایتیں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عروہ بن الزبیر اور دیگر علمائے سیرت و تاریخ سے نقل کی ہیں، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب اہل مکہ نے معاہدے کی پابندی نہیں کی تو رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کرنے کا پختہ عزم کر لیا، اور مسلمانوں کو ایک غزوہ میں شرکت کے لئے تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ اور یہ بات چند ہی صحابہ کرام کو بتائی کہ اُن کا ارادہ فسخ مکہ کا ہے۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مکہ کے رہنے والے نہیں تھے، وہ کہیں دوسری جگہ سے آکر وہاں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حلیف کی حیثیت سے اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ وہ خود تو ہجرت کر کے آگئے تھے، لیکن ان کی اولاد اور ان کے بھائی اور چچا وغیرہ ابھی مکہ میں ہی تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسلمانوں نے مکہ پر حملہ کیا تو دوسرے مہاجر صحابہ کے خاندان والے وہاں موجود ہیں جو مکہ میں موجود ان کے بال بچوں کو قتل ہونے سے بچالیں گے، اُن کے خاندان والے وہاں نہیں ہیں، اس لئے اگر وہ بعض اعیان قریش کو نبی کریم ﷺ کے ارادے سے مطلع کر دیں گے تو وہ ضرورت کے وقت اُن کے بچوں اور رشتہ داروں کو قتل ہونے سے بچالیں گے۔

اسی لئے انہوں نے نبی عبدالمطلب کی سارہ نامی ایک مشترکہ لونڈی کو خط لکھ کر مکہ روانہ کیا (جو نبی کریم ﷺ کے پاس مالی مدد کے لئے آئی تھی) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی۔ آپ نے فوراً علی، ابو مرثد اور زبیر بن العوام تین مشہور گھوڑسواروں کو اس سے خط چھین لینے کے لئے روانہ کیا، اور فرمایا کہ وہ عورت تمہیں (روضہ خانہ) میں مل جائے گی۔ اگر وہ تمہیں خط دے دے تو اُسے چھوڑ دینا، ورنہ اُسے قتل کر دینا۔ انہوں نے اُسے (روضہ خانہ) میں جالیا، اور بڑی دھمکیوں کے بعد اُس نے وہ خط اپنے بال کے جوڑے سے نکال کر دیا، جس میں حاطب نے بعض مشرکین مکہ کو نبی کریم ﷺ کے ارادے کی خبر دی تھی۔

آپ ﷺ نے حاطب سے پوچھا کہ ایسا تم نے کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے، پھر انہوں نے خط لکھنے کا اصل سبب بیان کیا، اور کہا کہ میں کافر نہیں ہو گیا ہوں، اور اپنے دین سے پھر نہیں گیا ہوں۔

آپ نے صحابہ سے کہا کہ یہ سچ کہہ رہا ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: حاطب غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ بدری صحابیوں کے دلوں سے خوب واقف تھا، اس لئے فرمایا "اعملوا ما شئتم، فقد غفرت لکم" "اے اصحاب بدر اب تم چاہے جیسا عمل کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا"۔ نبی کریم ﷺ کی بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔

إِنْ يَتَّقُوا لَكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَسْطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ بِالشُّؤْرِ وَذُؤًا وَكَافِرُونَ ۖ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصَلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳﴾

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے دشمن (۲) بن جائیں، اور اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں سے تمہیں ایذا پہنچائیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر بن جاؤ ﴿۲﴾ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار (۳) کام آئیں گے، اور نہ تمہاری اولاد، (اُس دن) تمہارے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا، اور وہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۳﴾

اسی حادثہ کے بعد اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم لوگ اُن کافروں اور مشرکوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں۔ تم انہیں نبی کریم ﷺ کے جنگی اسرار بتاتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دین حق کے منکر ہیں، اور انہوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا تھا، حالانکہ تمہارا اس کے سوا کوئی قصور نہیں تھا کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے تھے۔ یہ ظالم کفار اس لائق نہیں ہیں کہ تم انہیں اپنا دوست بناؤ۔ اگر تم مکہ سے میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا کی جستجو میں نکلے تھے تو تمہیں ان کافروں کو دوست نہیں بنانا چاہئے جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں۔

تم اُن سے اظہار دوستی کے لئے خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کی خبریں اُن تک پہنچانا چاہتے ہو، حالانکہ میں تو تمہارے تمام ظاہر و باطن کو جانتا ہوں۔ اور تم نے دیکھ لیا کہ میں نے اپنے رسول کو اس خطی اطلاع دے دی جو تم نے مشرکین مکہ کو بھیجا تھا۔ آیت (۱) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ تم میں جو شخص مشرکوں کو اپنا دوست بنائے گا وہ دین اسلام کی سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے: سورۃ المائدہ آیت (۵۱) میں فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ ”مومنو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ“ اور سورۃ النساء آیت (۱۳۳) میں فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ“۔ اور سورۃ آل عمران آیت (۲۸) میں فرمایا ہے: ﴿لَا يَتَّخِذُ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”مومنوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بنائیں“۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی حالت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے زبردست دشمن ہیں، اگر یہ تمہیں پالیں اور تم پر اُن کی گرفت مضبوط ہو جائے، تو تمہیں کبھی نہ چھوڑیں، اپنی زبانوں سے بھی تمہیں ایذا پہنچائیں اور اپنے ہاتھوں سے بھی، یعنی گالیاں دیں، ماریں اور قتل کریں، ان کی تودلی تمنا ہے کہ تم سب اسلام سے برگشتہ ہو جاؤ اور دوبارہ کفر کو قبول کر لیتے۔

(۳) تم نے جن اولاد اور رشتہ داروں کی وجہ سے کافروں سے دوستی کرنی چاہی، وہ قیامت کے دن عذابِ جنہم سے تمہیں نہیں بچا سکیں گے، اُس دن سب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے، کوئی کسی کا پُرساں حال نہیں ہوگا، تو پھر کیوں دوسروں کی وجہ سے اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کی نگاہ سے تمہارا کوئی عمل اوجھل نہیں ہے، اس لئے اس سے ڈرتے رہو، اور وہی کام کرو جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ الْإِكْرَامُ
قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَسْتَ عَالِمٌ لِيَ وَلَكِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتَ رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْكُومِينَ
أَنْبَأْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

مسلمانو! یقیناً تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ (۴) ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم لوگ تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بری ہیں جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، ہم تمہارے دین کا انکار کرتے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض کی ابتدا ہو چکی ہے، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ، البتہ ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ بات کہی تھی کہ میں آپ کے لئے ضرور دعائے مغفرت کروں گا، اور میں آپ کے لئے اللہ کی جانب سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے، اور تیری ہی طرف رجوع کیا ہے، اور تیری ہی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے ﴿۴﴾ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے آزمائش کا ذریعہ (۵) نہ بنا، اور اے ہمارے رب! تو ہماری مغفرت فرمادے، بے شک تو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۵﴾

(۴) مشرکوں سے اعلانِ براءت کی مزید تاکید فرماتے ہوئے اللہ نے کہا کہ ابراہیم اور ان کے مومن ساتھیوں کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے، کہ انہوں نے اپنی قلت و ناتوانی اور دشمنوں کی کثرت و قوت کے باوجود، اللہ کے دشمنوں سے اظہارِ براءت میں ذرا بھی تاثر سے کام نہیں لیا، اور کسی رشتہ داری کا خیال نہیں کیا، اور پوری قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم لوگوں سے اور تمہارے بتوں سے دور اور بے تعلق ہیں، ہم تمہارے دین اور معبودوں کا انکار کرتے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان اب کھلی دشمنی پیدا ہو گئی، اس لئے کہ ہم موحد ہیں اور تم لوگ مشرک ہو، اور یہ عداوت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہیں لاؤ گے۔

اور ابراہیم نے اپنے باپ سے جو کہا تھا کہ میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا اور میں اس سے زیادہ کا مالک نہیں ہوں، تو اے اہل ایمان! ان کی یہ بات تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے، اس لئے کہ جب ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ ان کا باپ ایمان نہیں لائے گا، اور اس کی موت کفر پر ہوگی، تو دعا کرنا چھوڑ دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سورۃ التوبہ آیت (۱۱۳) میں بیان فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَيَّرَ مِنْهُ﴾ ”جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو اُس سے اعلانِ براءت کر دیا“۔

مشرکوں سے اظہارِ براءت کے ساتھ، اللہ نے مومنوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ وہ اپنے رب سے ہمیشہ دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ! ہمارا توکل تجھ ہی پر ہے، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں، اور ہمارا ایمان ہے کہ ہر چیز کا مرجع و ماویٰ تو ہی ہے، تو اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔

(۵) اے ہمارے رب! تو کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دے کہ وہ ہمیں آزمائش میں ڈال دیں، اور دوبارہ ہمیں کفر میں واپس لے جانے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَكَّلْ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَمِيدُ ۝ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لَا يَهْتَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَهْتَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تُوَلُّوهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

مسلمانو! یقیناً وہ لوگ (یعنی ابراہیم اور ان کے ساتھی) تم میں سے اُن لوگوں کے لئے اچھے نمونہ (۶) ہیں جو اللہ کی ملاقات اور روزِ آخرت کی امید رکھتے ہیں، اور جو شخص منہ پھیر لے گا، تو بے شک اللہ بڑا بے نیاز، تمام تعریفوں کا سزاوار ہے ﴿۶﴾ امید ہے کہ اللہ تمہارے اور اُن کے درمیان دوستی (۷) پیدا کر دے جن سے تمہاری دشمنی رہی ہے، اور اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بڑی مغفرت فرمانے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۷﴾ اللہ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک (۸) اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۸﴾ اللہ تمہیں ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، اور تمہیں شہر بدر کرنے میں تمہارے دشمنوں کی مدد کی، اور جو ان سے دوستی کرے گا، تو وہی لوگ ظالم ہیں ﴿۹﴾

کی کوشش کریں، اور اس زعمِ باطل میں مبتلا ہو جائیں کہ وہی حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں، اور ان کا کفر اور بڑھ جائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دے، اور اُن پر ہمارا مواخذہ نہ کر۔ تو بڑا ہی زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے۔ (۶) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں (سارہ اور لوط علیہما السلام) کے نقش قدم پر چلنے کی دوبارہ تاکید کی جا رہی ہے، اور مشرکین سے علیحدگی اور براءت پر پھر سے ابھارا جا رہا ہے، اس لئے کہ اہل فساد سے دوستی اور تعلق دینِ حق اور اس کے ماننے والوں کے لئے ہر طرح نقصان دہ ہے۔ اُن کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ دین کی جڑوں کو کمزور کریں، ضعیف الایمان لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کریں، اور دعوت کی راہ میں روڑے اٹکائیں، اور مومنوں کو آزمائش میں ڈالیں۔ اسی لئے تو اللہ کے دشمنوں سے نفرت کرنا ایمان کا ایک درجہ ہے، کیونکہ جب تک اہل حق حق کے لئے متعصب نہیں ہوں گے، اور متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کریں گے، حق کو قوت نہیں مل سکتی ہے۔

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿لَمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیم اور ان کے مومن ساتھیوں کو اپنا پیشوا بنا کر عقیدہ ہے، اسی لئے اس کے بعد کہا گیا: ﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ ”جو شخص ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس حکم سے روگردانی کرے گا، اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائے گا، تو وہ خود نقصان اٹھائے گا، اللہ تو اس کے ایمان و بندگی سے بے نیاز ہے“۔

(۷) اس آیتِ کریمہ میں مومنوں کو خوشخبری دی گئی ہے کہ آج تم اپنے جن کافر رشتہ داروں سے محض اللہ کی خاطر اظہارِ بیگائی کر رہے ہو، اُن میں بہت سے لوگ مستقبلِ قریب میں ایمان لے آئیں گے، اور پھر تمہاری عداوت، دوستی اور محبت میں بدل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهْجِرَاتٍ فَاْمْتَحِنُوهُنَّ إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ
فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَأَنفُسُهُنَّ أَنْفُقًا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
أَنْ تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْنَ الْمُؤْمِنَاتُ أَجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُوفَارِ وَسَأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفُقُوا
ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت (۹) کر کے آئیں، تو تم انہیں آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں، تو انہیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجو، وہ مسلمان عورتیں کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ وہ کفار مرد ان مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں، اور ان کافروں نے (شادی میں) جو خرچ کیا ہے، انہیں واپس کر دو، اور تمہارے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ ان عورتوں کا مہر دے کر ان سے نکاح کر لو، اور تم لوگ اپنی کافر بیویوں کو اپنے پاس نہ رکھو، اور تم نے (نکاح پر) جو خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کرو، اور کافروں نے جو خرچ کیا تھا، اس کا وہ مطالبہ کریں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۰﴾

جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفار قریش نے، فتح مکہ کے بعد جو حق درجہ صفا پہاڑی پر آ کر نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مومنوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

(۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو اپنے ان رشتہ داروں اور اہل تعلق کے ساتھ دوستی اور صلہ رحمی کی اجازت دی گئی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کی، اور انہیں ان کے گھروں سے نہیں نکالا۔

اور آیت کا سبب نزول اگرچہ مشرکین مکہ ہیں، لیکن یہ حکم تمام کافروں کے لئے عام ہے۔ ابن جریر اور قرطبی وغیرہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اور اس رائے کو مرجوح قرار دیا ہے کہ یہ حکم ﴿فَاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾ ”مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو“ کے ذریعہ منسوخ ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ امام احمد اور بخاری و مسلم نے اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ان کی ماں (قتیلہ) صلح حدیبیہ کے بعد تحفے اور ہدیے لے کر ان سے ملنے کے لئے آئی، اور ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھی، تو انہوں نے اسے اپنے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرک رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی اجازت دی، جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کی تھی اور انہیں ان کے گھروں سے نہیں نکالا تھا۔ اور ان صدائید قریش مشرکوں سے قطع تعلق کا حکم دیا جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تھا، اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا تھا۔ اور آیت (۹) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی کہ جو شخص ایسے کافروں سے دوستی کرے گا، اور ان سے تعلق قائم کرے گا، وہ اپنے حق میں ظلم کرے گا، اور اللہ کے غضب کا مستحق بنے گا۔

(۹) صلح حدیبیہ کی شرائط میں یہ بات تھی کہ اگر کوئی کافر مکہ سے بھاگ کر یعنی مسلمان ہو کر مدینہ آجائے گا، تو رسول اللہ ﷺ اسے مکہ واپس بھیج دیں گے، اور اگر کوئی مشرک مدینہ سے مکہ چلا جائے گا تو کفار مکہ اسے واپس نہیں کریں گے، لیکن اللہ کی حکمت

وَلَا تَنكِحُوا الْمُكْفَرِينَ حَتَّىٰ يَخْرُجُوا إِلَىٰ الْكُفْرِ فَعَاقِبْتُمْ فَانكِحُوا الَّذِينَ دَهَبْتَ أَزْوَاجَهُمْ قَبْلَ مَا نَفَقُوا وَأَتَقُوا اللَّهَ
الَّذِينَ آمَنُوا بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ۝

اور اگر تمہاری بعض بیویاں (۱۰) کافروں کے پاس رہ جائیں، پھر تم نے ان کافروں کو (کسی جنگ میں) سزا دی، تو جن مسلمانوں کی بیویاں چلی گئی ہیں، انہیں ان کا خرچ کیا ہو مال دے دو، اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ﴿۱۱﴾

دیکھئے کہ اس میں ان مسلمان عورتوں کے بارے میں کوئی بات نہیں تھی جو ہجرت کر کے مدینہ آجائیں گی۔ چنانچہ اُم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، سیدہ اسمیہ اور اُمیہ بنت بھر وغیرہا مسلمان عورتیں جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آگئیں، تو آیات (۱۱-۱۰) نازل ہوئیں، جن کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ واپس نہیں بھیجا۔ اُم کلثوم کے دو بھائی عمار اور ولید اس غرض سے مدینہ آئے، لیکن آپ نے انہیں واپس نہیں کیا۔

آیت (۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کے ایمان کا امتحان لیں۔ حقیقت حال کا جاننے والا تو صرف اللہ ہے، لیکن قرآن و شواہد سے اگر ان کا ایمان ثابت ہو جائے، تو انہیں کافر شوہروں کے پاس واپس نہ بھیجا جائے، اس لئے کہ مومنہ عورت مشرک کے لئے اب حلال نہیں رہی، ایمان نے اس کا رشتہ اس کے کافر شوہر سے ختم کر دیا۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب کوئی عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی، تو آپ ﷺ اس سے قسم لیتے کہ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر نہیں آئی ہے، یا مدینہ میں اقامت پذیر ہونے کی غرض سے، یا کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں آئی ہے، بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنا گھریا اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر آگئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ اگر ان مسلمان عورتوں کے شوہر اس مال کا مطالبہ کریں جو انہوں نے بطور مہر خرچ کیا تھا تو انہیں وہ مال دے دو، اور چاہو تو انہیں مہر دے کر ان سے نکاح کر لو، اگرچہ ان کے شوہر زندہ ہوں، اس لئے کہ اسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک نیا حکم بیان کیا کہ جس طرح مومنہ عورت کا نکاح کافر سے باطل ہو گیا، اسی طرح اب کافرہ عورت کا نکاح بھی مسلمان مرد سے باطل ہو گیا۔

ابن جریر نے ﴿وَلَا تَنْسَبُوا بِعَصْمِ الْكُفْرَانِ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا ہے کہ اب وہ اپنی کافر بیویوں سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیں، اور آئندہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کریں۔ اسی کے بعد مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی ان کافر بیویوں کو طلاق دے دیں جو مکہ میں کافر کے ساتھ رہ گئی ہیں۔

امام زہری سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو کافرہ بیویوں کو، اور طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی کو طلاق دے دی جو مکہ میں رہ گئی تھی، اور اُمیہ بنت بشر انصاریہ جو ثبیت بن دحداحہ کی بیوی تھیں جب مسلمان ہو کر اپنے کافر شوہر کے پاس سے بھاگ کر مدینہ آگئیں، تو آپ ﷺ نے ان کی شادی سہل بن حنیف سے کر دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جو عورتیں مرتد ہو کر مشرکوں کے پاس چلی جائیں، تو جو مال بطور مہر ان کے مسلمان

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبِيغُنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَلْيَبِغُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾

اے میرے نبی! اگر آپ کے پاس مومن عورتیں، آپ سے اس بات پر بیعت (۱۱) کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑا ہوا کوئی بہتان نہیں لائیں گی، اور کسی بھلائی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیجئے، اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾

شوہروں نے انہیں دیا تھا، اس کا مطالبہ ان کے کافر شوہروں سے کرو، اسی طرح جو مسلمان عورتیں اپنے مشرک شوہروں کو چھوڑ کر مکہ سے مدینہ آجائیں، ان کا مہران کے کافر شوہروں کو واپس کر دو۔ اور آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اوپر جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اللہ کا حکم ہے، اور اس کی اجاب میں ہی سب کے لئے خیر و مصلحت ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے، اور کسی کافر سے شادی کر لے، اور وہ کافر شوہر اس کا مہر اس کے پہلے مسلمان شوہر کو واپس نہ کرے، اور بعد میں مسلمانوں کی ان کافروں سے جنگ ہو جائے، جس میں مسلمانوں کو مالی غنیمت حاصل ہو، تو اس مسلمان شوہر کو اس میں سے وہ مال دے دیا جائے گا جو اس نے بطور مہر ادا کیا تھا۔

قائدہ کہتے ہیں کہ جن اصحاب رسول کی بیویاں مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جاتی تھیں، اور پھر مالی غنیمت حاصل ہوتا تھا، تو ان لوگوں کو مجموعی مالی غنیمت سے مہر کی رقم ادا کر دی جاتی تھی، پھر باقی مالی غنیمت کی تقسیم عمل میں آتی تھی۔ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اے اہل ایمان! تم لوگ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر ایمان لائے ہو، یعنی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو۔

(۱۱) اس آیت کریمہ کو "بیعة النساء" والی آیت کہتے ہیں، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے وقت اپنے رسول ﷺ کو عورتوں سے بیعت لینے کی اجازت دی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر بیٹھ کر ان عورتوں سے بیعت لی جو آپ ﷺ کے پاس جوق در جوق آکر اسلام میں داخل ہو رہی تھی۔

بخاری، ترمذی اور دیگر محدثین نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ مسلمان عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں، آپ ﷺ ان کے ایمان کا امتحان لیتے تھے، اور جب آپ ﷺ کو ان کے ایمان کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تھا، تو ان سے کہتے کہ میں نے تم سے بات کے ذریعہ بیعت لے لی ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کا ہاتھ کسی بیعت کرنے والی عورت کے ہاتھ سے کبھی مس نہیں کیا، آپ ﷺ ان سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔

نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم نے امیر بنت زرقیہ سے روایت کی ہے کہ وہ کچھ عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیعت کے لئے آئیں، تو بیعت کرتے وقت کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں کریں گے؟ تو آپ نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَسُؤُوا مِنَ الْأَخْرَجَةِ كَمَا يَسُؤُا الْكُفَّارَ مِنَ

أَصْحَابِ الْقُبُورِ ۝

اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی (۱۲) نہ کرو جس سے اللہ ناراض ہے، وہ لوگ آخرت کی آمد سے اس طرح ناامید ہیں جس طرح اہل کفر قبر میں مدفون مردوں کے زندہ ہونے سے ناامید ہیں ﴿۱۳﴾

فرمایا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں۔ الحدیث۔

شوکانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ کی عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لئے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ ان عورتوں سے مندرجہ ذیل امور پر بیعت لیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں۔

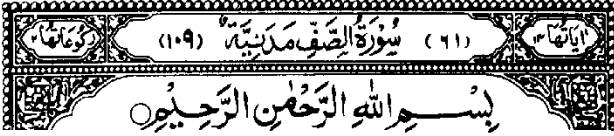
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قتل کی ممانعت، بچہ کے وجود میں آجانے کے بعد، اور ولادت سے قبل جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے، دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ اتنی۔ اور اپنے شوہروں کی طرف دوسروں کی اولاد کو منسوب نہ کریں۔ قرآن کریم نے اس افتراء پر دازی کو اُس بہتان کا نام دیا ہے جسے عورت اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے درمیان گھڑتی ہے، اس لئے کہ اس کا پیٹ جس میں بچہ کو ڈھوتی ہے اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے، اور وہ شرمگاہ جہاں سے بچہ کو جنتی ہے، اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہوتی ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ وہ آپ کے اوامر و نواہی کی نافرمانی نہ کریں۔ ان امور پر آپ اُن سے بیعت لیجئے، اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے، وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔

اس کے بعد شوکانی لکھتے ہیں کہ بیعت میں اسلام کے ارکانِ خمسہ کا ذکر اس لئے نہیں آیا ہے کہ یہ چیزیں بدرجہ اولیٰ بیعت میں داخل ہیں۔ آیت میں اُن گناہوں کا بطور خاص ذکر آیا ہے جن کا ارتکاب بالعموم عورتیں کرتی ہیں۔ (۱۲) اس سورت کی یہ آخری آیت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مرکزی مضمون کی مزید تاکید فرمائی ہے اور مومنوں کو تنبیہ کی ہے کہ تمہارا ایمان تم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ تم اہل کفر کو اپنا دوست نہ بناؤ جن سے اللہ ان کے کفر کے سبب غضبناک ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو یہود کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اس لئے کہ یہاں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ان پر غضب نازل ہو چکا ہے، اور یہود ہی وہ لوگ ہیں جن کی قرآن کریم کی دوسری آیتوں میں یہ صفت بتائی گئی ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ پہلا قول راجح اور اولیٰ ہے، اس لئے کہ اللہ تمام اہل کفر سے حالتِ غضب میں ہوتا ہے۔

ان کافر قوموں کی دوسری صفت یہ ہے کہ انہیں آخرت پر ذرہ برابر ایمان نہیں ہے، جیسے اُن سے پہلے کافروں کا آخرت پر ایمان نہیں تھا، جیسی تو سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جن سے اللہ غضبناک ہو، اور جو آخرت کے منکر ہوں، ان سے دوستی کرنی مسلمانوں کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں، اس لئے کہ وہ بظاہر دوست بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گہری سازش کرتے رہیں گے، اور اُن کی حتیٰ الامکان یہی کوشش ہوگی کہ مسلمان بھی انہی کی طرح طہد و کافر ہو جائیں۔ وباللہ التوفیق۔



سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

سورۃ القف مدنی ہے، اس میں چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، سب اللہ کی تسبیح^(۱) بیان کرتی ہیں، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے^(۲) ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو﴾ ﴿۲﴾ یہ بات اللہ کو بہت ہی زیادہ ناپسند ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو ﴿۳﴾

تفسیر سورۃ القف

نام: آیت (۴) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ سَفَاكًا نَّهُُمْ بُنْيَانٍ مَّرْصُوْمٍ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے صف بندی کا ذکر آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ زمانہ نزول: ماوردی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ اور اس کی قوی دلیل اس کی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے پر ابھارا گیا ہے، اور معلوم ہے کہ جہاد مدنی دور میں شروع ہوا تھا۔ (۱) یعنی یہی آیت سورۃ الحشر کی پہلی آیت ہے۔ اور سورۃ الحدید کی بھی پہلی آیت یہی ہے، صرف اس میں ﴿وَصَافِي الْاَرْضِ﴾ کے بجائے "وَالْاَرْضِ" ہے۔

دونوں سورتوں کی اس پہلی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں، سب اپنے رب کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ کوئی اپنی زبان سے تسبیح پڑھتا ہے جیسے فرشتے اور جن وانس، اور کسی کی ہیئت و حالت سے آشکار ہوتا ہے کہ اس کا خالق تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، جیسے آسمان و زمین، درخت، نباتات اور پہاڑ وغیرہ۔ زجاج کہتے ہیں کہ نباتات و جمادات بھی زبانِ قال سے ہی تسبیح پڑھتے ہیں، لیکن ہم اُسے سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ کی دو صفات: ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ کا ذکر آیا ہے، جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بڑا ہی قوی ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز پر غالب ہے، اور اُس نے تمام موجودات کو اپنی جانی بوجھی حکمت کے مطابق منظم و مرتب کیا ہے، جس سے کوئی بھی چیز سر موخرا ف نہیں کر سکتی ہے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ "سَبَّحَ" کا لفظ کئی سورتوں کی ابتدا میں آیا ہے۔ کہیں ماضی کا صیغہ آیا ہے، اور کہیں مضارع کا اور کہیں امر کا صیغہ آیا ہے، اور اس سے مقصود بندوں کو یہ تعلیم دینا ہے کہ اللہ کی پاکی اور بڑائی ہر حال میں بیان کرنی ہے۔

(۲) ابن المنذر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کچھ مسلمان جہاد فرض ہونے سے پہلے کہتے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے تو ہم اسے کرتے، تو اللہ نے بذریعہ وحی اپنے

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِنِيَّ إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ
مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا إِسْعَزُ مُبِينٌ ﴿۱۶﴾

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہارے لئے اللہ کا رسول (۵) بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے جو تورات آچکی ہے، اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا، پس جب عیسیٰ بنی اسرائیل کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے ﴿۱۶﴾

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا لوگو! تم میری مخالفت کر کے مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو، حالانکہ تمہیں میرے ظاہر و باہر معجزات کے ذریعہ علم یقین حاصل ہو چکا ہے کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔

اللہ نے فرمایا کہ جب انہوں نے زلیغ و ضلال پر اصرار کیا تو اللہ نے ان کے دلوں کو راہ حق سے برگشتہ کر دیا، اور قبول حق کی توفیق چھین لی، اس لئے کہ وہ اہل فسق کو ہدایت کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔

(۵) اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت سے ہے، اور اس سے مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی ہے، اور یہ بیان کرنا ہے کہ بنی اسرائیل نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی، اور ان کی اذیت کا سبب بنے، اسی طرح انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی بھی نافرمانی کی اور ان کی تکذیب کی۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے یہودیوں سے کہا: اے بنی اسرائیل! (یعنی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کی اولاد) میں نبی بنا کر اور انجیل دے کر تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں، اور میں وہی دعوت لے کر آیا ہوں جو تورات کی دعوت تھی، یعنی ایک اللہ کی بندگی، اور غیروں کی عبادت کا انکار۔ اور میرے ذریعہ تورات کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ تورات میں میری بعثت کی خبر موجود ہے، اور اب میں مبعوث ہو چکا ہوں تو ثابت ہوا کہ تورات اللہ کی سچی کتاب ہے اور میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہوگا۔

اور جب میرے ذریعہ تورات کی تصدیق ہو رہی ہے، اور میں ایک نئے رسول کی بشارت دے رہا ہوں، تو تمہیں مجھ پر ایمان لانا چاہئے، نہ کہ میری تکذیب کرنی چاہئے۔

محمد بن اسحاق نے اسناد جید کے ساتھ اصحاب رسول ﷺ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ اپنے بارے میں ہمیں بتائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں، اور جب میری ماں حمل سے ہوئیں تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ اُن کے جسم سے ایک نور نکلا ہے جس نے سر زمین شام میں بصری کے محلوں کو روشن کر دیا ہے۔

انجیل یوحنا، باب (۱۳) میں آیا ہے: میں باپ سے طلب کروں گا، تو وہ تمہیں ایک "فار قلیط" دے گا۔ صاحب انظہار الحق نے لکھا ہے کہ "فار قلیط" کا معنی محمد یا احمد ہے۔ اور انجیل برناباس میں نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل صریح عبارتوں میں آیا ہے اور کہا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہوں گے۔

یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اُن کی تکذیب کر دی، اور کہا کہ یہ جو کچھ ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے کھلا جادو ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۲﴾
يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۳۳﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۴﴾

اور اس سے بڑا ظالم (۳۲) کون ہو گا جو اللہ کے خلاف جھوٹ بہتان باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۳۳﴾ کفار اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بھگانا ﴿۳۴﴾ چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے، چاہے کفار کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گذرے ﴿۳۵﴾ اسی نے اپنے رسول کو منع ہدایت (قرآن) اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب بنائے، چاہے مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گذرے ﴿۳۶﴾

بعض مفسرین نے ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ میں ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ کو مانا ہے، ایسی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ جب نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ کے سامنے اپنی نبوت اور قرآن کی صداقت کے دلائل پیش کئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے، جس کے ذریعہ محمد ہمیں مسحور کرنا چاہتا ہے، جیسے فرعون نے موسیٰ سے، اور بنی اسرائیل نے عیسیٰ سے کہا تھا۔

(۶) اس آیت کریمہ میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک پر شدید نکیر کی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اسلام جیسا دین برحق دے کر دنیا میں بھیج دیا، جس نے حق و باطل کو واضح کر دیا ہے، اب اگر کوئی اس سے آنکھ بند کر لے اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرے تو اس سے بڑا ظالم کون ہو گا، جیسا کہ مشرکین قریش کا حال ہے کہ وہ اللہ کے لئے بیٹا اور شریک ٹھہراتے ہیں، اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال، اور حلال چیزوں کو حرام بناتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو ہم بتوں کی پرستش نہ کرتے، نیز قرآن کریم کو جادو، اور نبی کریم ﷺ کو جادو گر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا جو واضح اور صریح حق کا انکار کرتے ہیں۔

(۷) انہی اعدائے دین، یہود و نصاریٰ اور مشرکین قریش کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے چراغ کو اپنے پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، قرآن کریم کو جادو، اور میرے نبی ﷺ کو جادو گر کہتے ہیں، تو جان لیں کہ یہ کافروں کی خواہش کے علی الرغم اُن کی خام خیالی ہے، اللہ کے نور کو شیخ کی مانند پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکتا ہے، یہ تو وہ نور ہے جسے اللہ پوری دنیا میں پھیلا کر رہے گا۔

آیت (۹) میں اللہ تعالیٰ کے گذشتہ فیصلے کی مزید تاکید آئی ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو قرآن اور دین اسلام کے ساتھ بھیجا ہے، اور اس کا فیصلہ ہے کہ وہ دین اسلام کو مشرکین کی خواہش کے علی الرغم دنیا کے تمام ادیان و مذاہب پر غالب بنائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ نزول عیسیٰ کے وقت دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دین نہیں ہو گا۔

مذکورہ بالا دونوں آیتیں چند حروف کے فرق کے ساتھ سورۃ التوبہ میں بھی آئی ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آیات (۳۳/۳۲) میں فرمایا ہے: ﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّأ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْفِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۖ تَوَمَّنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ يَعْرِضُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۗ وَآخِرَىٰ تُجِبُونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَكَبَشَّرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت (۸) بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی ﴿۱۰﴾ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ گے، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کرو گے، اگر تم جانو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے ﴿۱۱﴾ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جنات عدن کی عمدہ رہائش گاہوں میں ٹھہرائے گا، یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۱۲﴾ اور ایک دوسری نعمت دے گا جسے تم پسند کرتے ہو، یعنی اللہ کی نصرت و تائید اور قریب ہی حاصل ہونے والی فتح و کامرانی، اور اے میرے نبی! آپ مومنوں کو بشارت دے دیجئے ﴿۱۳﴾

دونوں کا معنی تقریباً وہی ہے جو اس سورت کی دونوں آیتوں کا ہے۔ سورۃ التوبہ کی دونوں آیتوں کی تفسیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے دیکھ لینا مناسب ہو گا۔

(۸) اوپر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گذر چکی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے اللہ کی نظر میں سب سے اچھے عمل کو جاننا چاہا، تاکہ اُسے کریں تو اس سورت کی کئی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں سے یہ آیت بھی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ کو اموالِ تجارت سے تشبیہ دیا ہے، اس لئے کہ جس طرح تجارت سے نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اعمالِ صالحہ و دخولِ جنت اور عذابِ نار سے نجات کا سبب ہوتے ہیں۔

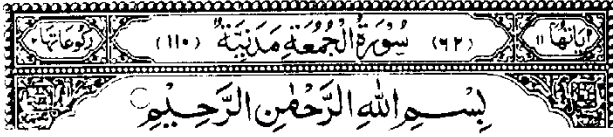
آیت (۱۱) میں اللہ نے اپنے ساتھ مومنوں کی مذکورہ بالا تجارت کی صراحت کر دی کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان رکھیں گے، اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کریں گے، تو ان کے یہ کام مال و انجام کے اعتبار سے اُن کے لئے بہت ہی نافع ہوں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور انہیں اُن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور بلند و بالا مکانات عطا کرے گا جن میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اور درحقیقت ایک انسان کی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اس کا رب اس کے گناہوں کو معاف کر دے اور اسے جنت میں داخل کر دے۔

اور مذکورہ نعمتوں کے علاوہ، ایک اور نعمت دے گا جسے وہ پسند کرتے ہیں، یعنی وہ مکہ کو فتح کریں گے، اور اس کے بعد آس پاس کے دیگر شہروں اور علاقوں کو بھی فتح کریں گے، اور اللہ کی نصرت و تائید اُن کے ساتھ ہوگی۔

صاحبِ محاسن التذریل لکھتے ہیں، آیت (۱۳) دلیل ہے کہ یہ سورت فتح مکہ سے کچھ ہی دن قبل نازل ہوئی تھی، اور مقصود مومنوں کو اُن کے دشمنوں کے خلاف قتال پر ابھارنا، اُن کی ہمت افزائی کرنی، اور میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرنی تھی۔ اسی لئے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ اللہ نے ان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّنَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ
الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَدَتْ ظَلِيفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ ظَلِيفَةٌ فَأَيُّدُ الَّذِينَ آمَنُوا
عَلَى عَدُوِّهِمْ فَاصْبِرُوا ظَاهِرِينَ ۝



اے ایمان والو! اللہ کے مددگار^(۹) بن جاؤ، جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا کہ دعوت الی اللہ کی راہ میں میری کون مدد کرے گا، حواریوں نے کہا، ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں، پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی، اور دوسری جماعت کافر ہوگئی، تو ہم نے ایمان والوں کی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی، پس وہ غالب ہو گئے ﴿۱۳﴾

سورة الجمعة مدنی ہے، اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

(۹) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنی جانوں، اموال، اقوال اور افعال کے ذریعہ اس دین حق کی مدد کرتے رہیں جسے اللہ نے اپنی طاعت و بندگی کے لئے نازل کیا ہے۔ اور جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا، دعوت الی اللہ کے کام میں ان کا ساتھ دیا، اور اُن سے اپنی جانوں کی قربانی دینے کا وعدہ کیا، اسی طرح وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا ہر طرح ساتھ دینے کے لئے تیار رہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کی دعوت لوگوں تک پہنچانے کے لئے ہم آپ کی مدد کریں گے، تو انہوں نے انہیں اسرائیلیوں اور یونانیوں کے پاس توحید کی دعوت کے ساتھ بھیجا۔ ہمارے رسول ﷺ بھی حج کے دنوں میں اسی طرح کہا کرتے تھے کہ کون ہے جو مجھے پناہ دے، تاکہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں، اس لئے کہ قریش نے مجھے اس کام سے روک دیا ہے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی مدد کے لئے مدینہ کے اوس و خزرج والوں کے دلوں کو مسخر کر دیا، انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ کی مدد کی، اور کہا کہ اگر آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں گے تو ہم ہر طرح آپ کا دفاع کریں گے۔ اور جب آپ ﷺ دیگر مہاجرین کے ساتھ ہجرت کر کے وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اسی لئے اللہ اور اس کے رسول نے انہیں ”انصار“ کا لقب دیا، جو ان کا نام بن گیا۔

اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے ایمان والی جماعت کی اُن کے دشمنوں یعنی یہودیوں اور بُست پرست رومیوں کے مقابلے میں مدد کی، اور انہیں غلبہ حاصل ہوا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں مومنوں کو ان کے رب کی جانب سے نصرت و تائید اور فتح و کامرانی کی خوشخبری دی گئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دین حق کی سر بلندی کے لئے متحد ہو کر کوشش کریں، اور نزاع و اختلاف سے یکسر دور رہیں۔ وباللہ التوفیق۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں، سب اس اللہ کی پاکی (۱) بیان کرتی ہیں جو بادشاہ ہے، ہر نقص و عیب سے یکسر پاک ہے، زبردست ہے، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱﴾ اسی نے اُن پڑھ (۲) لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، اور انہیں (کفر و شرک کی آلائشوں سے) پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں، بے شک وہ لوگ اُن کی بعثت سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے ﴿۲﴾

تفسیر سورۃ الجمعہ

نام: آیت (۹) ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ بیہقی نے اپنی کتاب "الذلائل" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ الجمعہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ اور المنافقون کی تلاوت فرماتے تھے۔

(۱) سورۃ الحدید اور سورۃ الحشر کی آیت (۱) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں، سب اللہ کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، کوئی اپنی زبان سے تسبیح پڑھتا ہے، جیسے فرشتے اور جن و انس، اور کسی کی بیت و حالت سے آشکارا ہوتا ہے کہ اس کا خالق تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، جیسے آسمان و زمین، درخت، نباتات اور پہاڑ وغیرہ۔ زجاج کہتے ہیں کہ نباتات و جمادات بھی زبانِ قال سے ہی تسبیح پڑھتے ہیں، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں پاتے ہیں۔

وہ شہنشاہ و دو جہاں ہے، آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، وہ تمام عیوب و نقائص سے یکسر پاک ہے۔ وہ زبردست ہے، وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "أُمِّيُونَ" سے مراد تمام عرب ہیں۔ چاہے وہ پڑھنا جانتے ہوں یا نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم سے پہلے اُن کو کوئی آسانی کتاب نہیں دی گئی تھی۔ اور نبی کریم ﷺ کا "أَنْ يُّرْزَقَ" ہونا ان کے صدق نبوت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اپنا احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اس نے عربوں کے لئے (جو اُن پڑھتے تھے) انہی جیسا ایک اُن پڑھ نہی سمجھتے فرمایا، جو اُن پڑھنے کے باوجود اللہ کی آیتیں پڑھ کر انہیں سناتے تھے، اُن کے جسموں کو گندگیوں اور آلائشوں سے، اور ان کی روحوں کو غلط عقائد اور خبیث اخلاق سے پاک کرتے تھے، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل عرب نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی ہی شدید گمراہی میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور اخلاقی عالیہ اور آدابِ حسنہ سے یکسر بے بہرہ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک نبی مرسل کے ذریعہ ہدایت

وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَبَأَ يَلْعَقُوا إِبْهَمَهُ وَهُوَ الْعَرِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ سُخِّدُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ كَفَرُوا بِهَا كَمَثَلِ الْجِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفِلًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

اور اللہ نے اس نبی کو ان میں سے ان دوسرے لوگوں (۳) کے لئے بھی بھیجا ہے جو اب تک عرب مسلمانوں سے نہیں ملے ہیں، اور وہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳﴾ یہ (پیغمبری یا دین اسلام) اللہ کا فضل (۴) ہے، وہ جسے چاہتا ہے یہ نعمت دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ﴿۳﴾ اُن لوگوں کی مثال (۵) جنہیں تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے، بڑی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلادیا، اور اللہ ظالم قوم کو راہِ راست نہیں دکھاتا ہے ﴿۵﴾

در ہنمائی کے شدید محتاج تھے۔ اُس وقت اللہ نے ان پر کرم کیا اور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا عربوں میں پیدا ہونا، اس بات کے منافی نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأعراف آیت (۱۵۸) میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ ”اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں“۔ اور سورۃ الأنعام آیت (۱۹) میں فرمایا ہے: ﴿لَأَنْذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ ”تاکہ اس قرآن کے ذریعہ میں تمہیں اور اُن سب کو اللہ سے ڈراؤں جن تک میرا پیغام پہنچے“۔

(۳) اس آیت میں "آخرین" آیت (۲) کے کلمہ "الْأَمَمِينَ" پر معطوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اُن عربوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا جو عہد رسالت میں موجود تھے، اور ان عربوں کے لئے بھی جو صحابہ کرام کے بعد قیامت تک پیدا ہوں گے۔ بعض مفسرین نے ﴿وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ﴾ سے اہل عجم مراد لیا ہے جو اسلام میں داخل ہوئے اور قیامت تک داخل ہوتے رہیں گے، اور کہا ہے کہ کئی مسلمان اگرچہ عرب نہیں تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد انہی میں سے ہو گئے، اور ایک امت بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت (۱۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ ”مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہوتے ہیں“۔ امام احمد اور بخاری و مسلم وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ سورۃ الجمعہ نازل ہوئی، آپ ﷺ نے جب لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور ﴿وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ تک پہنچے، تو ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں جو اب تک ہم سے ملے نہیں ہیں، تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کے جسم پر رکھ کر فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا، تو اُسے اس کی قوم کے کچھ لوگ پالیں گے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، اور رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

(۴) نبی کریم ﷺ کی بعثت، آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے عظیم نعمت تھی، جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا اور جس کے ذریعہ اللہ نے آپ کی امت کو عزت و شرف بخشا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنْكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا يَتَمَتَّعُونَ إِلَّا بِمَا قَدْ مَتَّ أَيْدِيَهُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ قُلْ إِنْ الْمَوْتُ الَّذِي تُنْفِذُونَ مِنْدُفَاءُكُمْ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، اے قوم یہود! اگر تمہارا خیال (۶) ہے کہ تمام لوگوں کے سوا، صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو تو اپنی موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو ﴿۶﴾ اور وہ کبھی بھی اپنے مرنے کی تمنا (۷) نہیں کریں گے، اُن بد اعمالیوں کے سبب جو وہ کر چکے ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۷﴾ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، بے شک وہ موت (۸) جس سے تم راہ فرار اختیار کرتے ہو، وہ تم سے ضرور آٹلے گی، پھر تم اس (اللہ) کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو غائب و حاضر تمام باتوں کا علم رکھتا ہے، پھر وہ تمہیں ان تمام اعمال کی خبر دے گا جو تم (دنیا میں) کرتے رہے تھے ﴿۸﴾

صاحب محاسن التزیل لکھتے ہیں کہ یہود مدینہ کو نبی کریم ﷺ کے نبی ہونے کا پورا یقین تھا، لیکن محض حسد و عناد کی وجہ سے انکار کر دیا کہ یہ عزت و شرف اُن کے بجائے عربوں کو کیوں مل گیا۔

(۵) یہود نے تورات کو پڑھا اور اُسے یاد کیا، لیکن اُس پر عمل نہیں کیا، بایں طور کہ اُس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر دی گئی تھی، آپ ﷺ کی علامتیں بیان کی گئی تھیں، اور آپ پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی تھی، اور انہیں یقین کامل تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں، لیکن محض حسد و عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں گدھوں سے تشبیہ دی جن کی پیٹھوں پر علوم و فنون کی بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں، جن کا وہ گدھے بوجھ تو محسوس کرتے ہیں اور ان کے نیچے دبے جاتے ہیں، لیکن ان میں موجود حقائق و معارف سے بے بہرہ اور اُن پر عمل کرنے سے محروم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن یہود نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی ہے، اُن کی بڑی ہی بُری مثال ہے، یعنی اُن کا حال اُن گدھوں جیسا ہے جن پر کتابیں لدی ہوں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اعلام الموقعین“ میں، اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مثال اگرچہ یہود کے لئے بیان کی گئی ہے، لیکن یہ ہر اُس حامل قرآن پر چسپاں ہوتی ہے جو اس پر عامل نہیں ہوتا، اور اس کا مکالمہ حق ادا نہیں کرتا۔

(۶) یہود کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، جیسا کہ سورۃ المائدہ آیت (۱۸) میں آیا ہے: ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اسی دعویٰ کی نبی کریم ﷺ کی زبانی تکذیب کی ہے کہ اگر تمہارا گمان صادق ہے، تو اللہ کے سامنے اپنی تمنا کا اظہار کرو تاکہ وہ تمہیں جلد ہی آخرت میں پہنچا دے، اور جنت میں داخل کر دے تاکہ تم دنیا اور اس کے نعموں سے نجات پا جاؤ۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنی موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے، اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ انہوں نے جو گناہ کئے ہیں وہ جہنم میں پہنچانے والے ہیں، اور اللہ کو ان کے جرائم کی زیادہ خبر ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی خبر دی ہے کہ اے یہود! تم اپنی زبان سے جس موت کا نام لینے سے بھی ڈرتے ہو کہ وہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹﴾ وَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الْآلِهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان (۹) دی جائے، تو تم اللہ کو یاد کرنے کے لئے تیزی کے ساتھ لپکو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، اگر تم سمجھتے ہو تو ایسا کرنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ﴿۹﴾ جب نماز پڑھ لی جائے تو تم لوگ زمین میں پھیل (۱۰) جاؤ، اور اللہ کے فضل (یعنی روزی) کی تلاش میں لگ جاؤ، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۱۰﴾ اور اے میرے نبی! لوگ جب کوئی تجارت (۱۱) یا تماشا دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو (منبر پر) کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، آپ بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس جو اجر و ثواب ہے وہ لہو و لعب اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے ﴿۱۱﴾

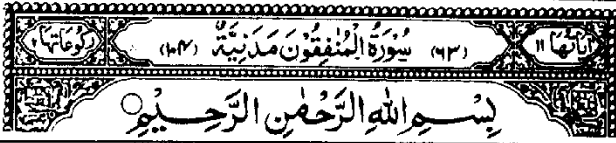
کہیں تمہیں آنہ دیو پے، اور کیفر کردار تک نہ پہنچا دے، اُس سے تم بچ نہیں سکو گے، اور قیامت کے دن غائب و حاضر کے جاننے والے اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے، جو تمہیں تمہارے کالے کر تو توں کی خبر دے گا، اور اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(۹) مفسرین نے لکھا ہے کہ بعض اہل مدینہ ”بقيع الزبير“ میں جمعہ کی اذان ہونے کے بعد بھی خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کریں، اور اذان ہونے کے بعد اپنے کاروبار چھوڑ کر مسجد کی طرف چل پڑیں، تاکہ خطبہ اور نماز کے فضائل و برکات سے مستفید ہو سکیں اور مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ کاروبار دنیا چھوڑ کر جمعہ کی نماز کے لئے جانے ہی میں تمہارے لئے ہر بہتری ہے، کاش تم اس بات کو سمجھ جاؤ۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی معاملات میں مزید رہنمائی فرماتے ہوئے کہا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے کاروبار میں لگ جاؤ، اور تلاش رزق کے لئے ہر ممکن کوشش کرو، اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو، جس نے تمہاری ہر گام پر رہنمائی کی ہے، کبھی اس کی یاد سے غافل نہ ہو، کیوں کہ ہر کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔

(۱۱) اس آیت کریمہ کے سبب نزول کے بارے میں بخاری و مسلم وغیرہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ کھانے پینے کا سامان لے کر مدینہ پہنچا، صحابہ کرام کو جب خبر ہوئی تو ایک ایک کر کے مسجد سے باہر جانے لگے یہاں تک کہ صرف بارہ آدمی رہ گئے، جن میں میں اور ابو بکر و عمر بھی تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابوداؤد نے ”کتاب المراسیل“ میں مقاتل بن حیان سے روایت کی ہے کہ مدنی زندگی کی ابتدا میں نبی کریم ﷺ جمعہ کی نماز، عیدین کی طرح خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور کہا کہ دحیہ بن خلیفہ تجارتی مال لے کر آیا ہے، یہ سنتے ہی لوگ ایک ایک کر کے مسجد سے باہر چلے گئے، صرف چند افراد رہ گئے۔



سورة المنافقون مدنی ہے، اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

قافلہ کی آمد کے بعد صحابہ کرام سے جو غلطی ہوئی، اسی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں عتاب فرمایا کہ جب یہ لوگ کوئی تجارتی قافلہ یا سامان لہو و لعب دیکھ لیتے ہیں، تو تیزی سے اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو منبر پر تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ انہیں بتا دیجئے کہ آپ کا خطبہ سننے اور اس سے مستفید ہونے کا جو اجر و ثواب ہے، وہ لہو و لعب اور تجارتی نفع سے زیادہ بہتر ہے۔ اور آپ انہیں یہ بھی بتا دیجئے کہ اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے، اس لئے انہیں اس خیر و برکت کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہئے جو اللہ کے پاس ہے، اور روزی کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے۔

فوائد:

- ۱- فخر الدین رازی نے آیت جمعہ کا گذشتہ آیتوں سے تعلق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہود موت سے دنیا کی لذتوں سے متمتع ہونے کے لئے بھاگتے تھے، اور اہل ایمان بھی خرید و فروخت حصول متاع دنیا کے لئے ہی کرتے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ وہ جب جمعہ کی اذان سنیں تو اللہ کی یاد یعنی نماز کے لئے جلدی کریں جو متاع آخرت ہے، تاکہ یہود کی مشابہت سے بچیں۔
- ۲- یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ جو بھی جمعہ کی اذان سنے گا، اُس پر نماز جمعہ واجب ہوگی۔ اور یہ ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عورتوں پر جمعہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ آیت میں خطاب مردوں سے ہے۔
- ۳- ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ کا وقت نماز سے پہلے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا ہے۔
- ۴- ﴿وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن کی تعطیل کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد تلاش رزق کے لئے کوشش کرنے کا حکم دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة المنافقون

نام: پہلی آیت کا پہلا فقرہ ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ ہے، اسی سے اس کا نام ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن مردویہ اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة المنافقون مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سورت شعبان ۵ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر راستہ میں یا مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی تھی۔

اس سورت کی تفسیر سمجھنے کے لئے، مذکور بالا اجمال کی تھوڑی سی تفصیل جان لینا ضروری ہے، جسے امام بخاری، ابن

اسحاق اور ابن جریر کی روایات کی مدد سے یہاں لکھا جا رہا ہے۔

ہجرت نبوی سے پہلے اوس و خزرج کے قبائل اپنی طویل خانہ جنگیوں سے تنگ آکر بلاخراس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ قبیلہ خزرج کے مشہور سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا ہادشاہ بنالیں، اور اس کی قیادت و سیادت میں سب مل کر پرسکون زندگی گذاریں، لیکن جب مسلمانانِ مدینہ نے ہجرت سے پہلے مکہ جا کر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جسے تاریخ بیعت عقبہ کے نام سے جانتی ہے، اور جس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کو مدینہ آجانے کی دعوت دے دی، اور آپ مدینہ تشریف لے آئے، اور تمام انصارِ مدینہ آپ کے گرد جمع ہو گئے، اور عبداللہ بن ابی کا خواب ادھر وارہ گیا، تو اس کے دل میں آپ ﷺ اور اسلام کے خلاف عداوت بیٹھ گئی۔ اسی لئے اگرچہ اس نے حالات کے تقاضے کے مطابق بظاہر اسلام کو قبول کر لیا، لیکن درپردہ یہود اور کفار کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ اور اسلام کے خلاف سازش کرتا رہا۔ جنگ بدر کے بعد جب یہود بنی قینقاع کی صرت بد عہدی پر آپ ﷺ نے اُن پر چڑھائی کر دی تو یہ شخص ان کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ جنگ اُحد کے موقع پر بھی اس نے صرت بخاری کی، اور عین وقت پر اپنے تین سوساقتیوں کو لے کر میدانِ جنگ سے واپس آ گیا۔ ۳ھ میں جب نبی کریم ﷺ نے یہود بنی نضیر پر چڑھائی کی، اور ان کے علاقے کا محاصرہ کر لیا، تو اس نے ان یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ تم ڈٹے رہو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور اگر مدینہ سے نکل جانے کی نوبت آئے گی تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔

ان واقعات کے بعد عام مسلمانانِ مدینہ کو اس کے منافق ہونے کا یقین ہو گیا تھا، لیکن حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اسے چھیڑا نہ جائے، تاکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام داخلی دشمنوں کے ساتھ نہ الجھ جائیں، اور خارجی دشمنوں کو مدینہ پر چڑھ دوڑنے کا موقع نہ مل جائے۔

شعبان ۵ھ میں جب غزوہ بنی المصطلق واقع ہوا تو عبداللہ بن ابی بھی منافقین کی ایک جماعت کے ساتھ مجبوراً شریک ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ میں کافروں پر فتیابی کے بعد ”المربیع“ نامی کنواں کے پاس پڑاؤ ڈال رکھا تھا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خادم حجابہ غفاری اور ستانہ بنی حلیف بنی عوف بن الخزرج کے درمیان جھگڑا ہو گیا، اور بات بڑھ گئی۔ نجیبی نے انصار کو پکارا، اور حجابہ نے مہاجرین کو۔ عبداللہ بن ابی تاراض ہوا، اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، انصار اور منافقین سے کہنے لگا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے۔ تم نے اپنے ملک میں ان لوگوں کو جگہ دی، ان پر اپنے مال تقسیم کئے، یہاں تک کہ اب یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی حریف بن گئے۔ ہماری اور قریش کے ان کنگالوں کی حالت پر پیشہ و پیشہ صادق آتی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو تا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔ تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو یعنی ان پر خرچ کرنا بند کر دو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں۔ اللہ کی قسم! مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔

زید بن ارقم صحابی جو ایک کم عمر لڑکے تھے، انہوں نے یہ ساری باتیں سن لی تھی، رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر من وعن نقل کر دیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ عباد بن بشر کو حکم دیجئے کہ وہ عبداللہ بن ابی کو قتل کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمر، ایسا نہیں کرنا چاہئے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔“

عبداللہ بن ابی کو جب معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو اس کی فتنہ انگیزیوں کا پتہ چل گیا ہے، تو دوڑا ہوا آپ کے پاس آیا اور سر اسر جھوٹ بولا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی ہے۔ اس حادثہ کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں سے فوراً روانہ ہو گئے، راستہ میں

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ كَذِبُونَ ﴿١﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾ ذَلِيقَ يَأْتِيهِمْ آمَنُؤُهُمْ ثُمَّ كَفَرُوا فَطَمِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَأَتَيْتَهُمْ لَآئِقَهُمْ ﴿٣﴾

اے میرے نبی! جب آپ کے پاس منافقین (۱) آتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بے شک اس کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین بے شک پکے جھوٹے ہیں ﴿۱﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے، وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اُن کے کر توت یقیناً بہت ہی بُرے ہیں ﴿۲﴾ وہ لوگ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ وہ (بظاہر) ایمان (۲) لے آئے، پھر کفر پر ہی قائم رہے، تو اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اس لئے وہ بالکل نہیں سمجھتے ہیں ﴿۳﴾

آپ نے اُسید بن حذیر رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات بتائی، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر آپ چاہیں گے تو اسے مدینہ سے نکال دیجئے گا۔ اللہ کی قسم! وہ ذلیل ہے، اور آپ عزت والے ہیں۔

رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی، اور اُن میں عبد اللہ بن اُبی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہونے لگا تو عبد اللہ بن اُبی کے صاحبزادے جن کا نام عبد اللہ تھا، تلوار سونت کر باپ کے آگے آگئے اور بولے ”تم نے کہا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزت تمہاری ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی۔ اللہ کی قسم! تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ ﷺ تم کو اجازت نہ دے دیں۔“ رسول اللہ ﷺ کو جب خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا، عبد اللہ کو کہو، اپنے باپ کو گھر آنے دے۔ تب عبد اللہ نے اپنے باپ کو گھر آنے دیا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد یہ سورت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے منافقین اور ان کے سردار عبد اللہ بن اُبی بن سلول کے حالات بیان کئے، اور ان کے نفاق کا پردہ فاش کیا۔

اب آئیے، ہم اس سورت کا مطالعہ کریں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! جب عبد اللہ بن اُبی بن سلول اور دیگر منافقین آپ کی مجلس میں آتے ہیں، تو اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے ہیں، اور آپ کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے کہا: اللہ جانتا ہے کہ آپ اُس کے رسول ہیں، چاہے منافقین اس کی گواہی دیں یا نہ دیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین اپنی گواہی میں جھوٹے ہیں، اُن کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق نہیں ہے۔

آیت (۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قید و بند اور قتل سے بچاتے ہیں۔ خود اسلام پر دل سے عمل پیرا نہیں ہوتے ہیں اور مدینہ کی سوسائٹی میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کے خلاف شکوک و شبہات پھیلا کر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، اور جو اسلام میں داخل ہو گئے ہیں، انہیں جہاد میں جانے اور نیکی کے دیگر کاموں سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہ سارے کر توت بڑے ہی گھٹاوانے ہیں۔

(۲) اُن کی بد اعمالی اور بد سلوکی، ان کے نفاق کا نتیجہ ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا زبان سے اقرار کیا، پھر شک و شبہ

وَاِذَا رَاٰنَهُمْ تَعْجَبًا اَجْسَامُهُمْ مَوْتَانٌ يَقُولُوْنَ اَسْمِعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشْبٌ مُّسَدَّدٌ ۗ وَيَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعُدُوْۤءُ فَاَحْذَرْتَهُمْ فَتَاَهُمْ اللهُ اَنْ يُّؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللهِ قَالُوْۤا رُدُّوْۤا سَهْمَهُمْ وَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اور آپ جب انہیں دیکھتے (۳) ہیں تو ان کے جسم آپ کو بہت اچھے لگتے ہیں، اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ ان کی گفتگو غور سے سنتے ہیں، وہ عقل و فہم اور خیر کی توفیق سے ایسے بے بہرہ ہیں جیسے دیوار سے ٹیک لگائی گئی لکڑیاں۔ ہر چیخ پر انہیں یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ انہی کے خلاف ہے، وہی لوگ حقیقی دشمن ہیں، آپ ان سے بچتے رہئے، اللہ انہیں ہلاک کر دے، وہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ﴿۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت (۴) طلب کریں، تو وہ اپنے سرموڑ لیتے ہیں، اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۵﴾ ان کے حق میں برابر ہے، آپ چاہے ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، بے شک اللہ نافرمان قوم کو راہ راست نہیں دکھاتا ﴿۶﴾

میں مبتلا ہو کر منافق بن گئے۔ اور اس نفاق کی اللہ نے انہیں پہلی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں پر مہر لگادی، ان سے فہم و تدبر کی صلاحیت چھین لی، اور ان کے دلوں کی طرف جانے والے ایمان کے سارے راستے بند کر دیئے۔

(۳) عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین کی حالت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ جب آپ ان منافقین کو دیکھتے ہیں تو بظاہر ان کی شکل و صورت بڑی اچھی لگتی ہے، ان کے اجسام خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اور ان کی چرب زبانی کی وجہ سے ان کی باتیں بھی آپ کو اچھی لگتی ہیں، لیکن وہ فہم و تدبر اور ہر قسم کے روحانی فائدے سے ایسے ہی عاری ہیں جیسے وہ لکڑی جسے دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جاتی ہے، نہ وہ کسی عمارت میں لگی ہوتی ہے، اور نہ ہی کسی اور چیز کو سہارا دیتی ہے، یعنی بے کار محض ہوتی ہے۔ بعینہ یہی حال منافقین کے اجسام کا ہے جو حقیقی روح اور زندگی سے خالی ہیں۔

اور چونکہ ہر وقت انہیں خوف لاحق ہوتا ہے کہ نہ جانے کب اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر وحی نازل کر کے ان کا پردہ فاش کر دے، ان کے قید و بند اور قتل کا حکم دے دے، اور ان کے اموال اور ان کی اولاد کو ان کے لئے حلال بنا دے، اس لئے ہر سرسراہٹ پر ان کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں، اور چونکہ اٹھتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں اللہ کا حکم آ تو نہیں گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ اے میرے نبی! یہ منافقین آپ کے پکے دشمن ہیں، یہ لوگ دل سے آپ کے دشمنوں کے ساتھ ہیں، اور ہر آن انتظار میں ہیں کہ کب آپ پر اور مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر مار ہو، راہ حق سے کیسے دور ہوتے جا رہے ہیں، قرآن نازل ہو رہا ہے، رسول اللہ ﷺ لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں، اور دعوتی کوششوں کے اچھے آثار مومنوں کے اقوال و افعال اور اخلاق و افکار پر ظاہر ہو رہے ہیں، لیکن دل کے ان اندھوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے۔

(۴) عجمہ غفاری اور سنان انصاری کے درمیان ”مربیع“ کنواں کے پاس جھگڑے کے بعد، عبد اللہ بن ابی نے نبی کریم ﷺ اور مہاجرین صحابہ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، اُس کی اطلاع جب نبی کریم ﷺ کو ہوئی، تو کچھ لوگوں نے عبد اللہ بن ابی کو مشورہ دیا

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا ۚ وَ لِلَّهِ خِزَانُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُولُوْنَ لَيَنْبَغِيَ عَلٰى الْمَدِيْنَةِ اَنْ يَخْرُجْنَ اِلَآءَ مِنْهَا الْاَذٰنُ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ ۚ وَ لِرَسُولِهِ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں ان پر خرچ (۵) نہ کرو، تاکہ وہ الگ ہو جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ کی ملکیت ہیں، لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں ﴿۷﴾ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو زیادہ عزت والا وہاں سے زیادہ ذلت والے کو نکال (۶) دے گا، حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے، اور اس کے رسول کے لئے ہے، اور مومنوں کے لئے ہے، لیکن منافقین یہ بات نہیں جانتے ﴿۸﴾

کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائے، معافی مانگے اور آپ ﷺ سے درخواست کرے کہ آپ اس کے لئے اللہ سے طلب مغفرت کی دعا کریں، تو اس نے کبر و غرور کے ساتھ اپنی گردن پھیر کر کہا کہ ”تم لوگوں نے مجھے ایمان لانے کو کہا، میں ایمان لے آیا، زکاۃ دینے کو کہا، میں نے زکاۃ دی، اب تو محمد کو صرف سجدہ کرنا ہی باقی رہ گیا ہے“ تو ذیل کی چاروں آیتیں نازل ہوئیں، جن میں منافقین کے اس سردار اور اسی جیسے دیگر منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

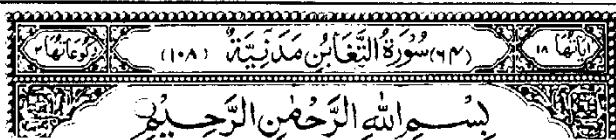
آیت (۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس آکر معذرت پیش کرو، تاکہ وہ تمہارے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں، تو وہ تکبر کے ساتھ اپنی گردنوں کو جھٹک کر آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں، اور آپ ﷺ کے پاس جانے سے انکار کر دیتے ہیں۔

آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کفر و استکبار کا نتیجہ یہ بیان فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ چاہے ان کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، اس لئے کہ وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ اور منافقین اپنی سرکشی اور گناہوں کے سبب بدرجہ اولیٰ فاسق ہیں، بالخصوص عبداللہ بن ابی جوحوٹا ہے اور جس کے انگ انگ سے نفاق اور شرارت پھوٹی ہے۔

(۵) عبداللہ بن ابی نے غفاری اور خزرجی کے جھڑپے کے بعد انصار سے کہا تھا کہ ”تم لوگ مکہ کے ان کنگالوں پر خرچ کرنا بند کر دو، تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں گے“ اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس جیسے دیگر منافقین کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ کی ملکیت ہیں، وہی جسے چاہتا ہے روزی دیتا ہے، پھر یہ منافق کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ اگر وہ صحابہ کرام پر خرچ نہیں کرے گا، تو سب بھوک سے پریشان ہو کر محمد کے پاس سے تتر بتر ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرض نفاق کی وجہ سے اُن کے دل اندھے ہو گئے ہیں، اسی لئے اتنی ظاہر و باہر بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

(۶) اسی رئیس المنافقین نے کہا تھا: ”اللہ کی قسم! مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں جو عزت والا ہے، وہ ذلیل کو نکال دے گا“۔ اور اس منافق کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ نبی الحقیقت عزت و غلبہ اور سر بلندی تو اللہ، اس کے رسول، اور مومنوں کے لئے ہے، لیکن منافقین اپنی کور مغزی کے سبب اس حقیقت کا اور اک کرنے سے قاصر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۹۹﴾
وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ لَّفَاصِدًا
وَإِن كُنَّ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۱﴾



اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد، تمہیں اللہ کی یاد سے غافل (۷) نہ بنا دے، اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی لوگ حقیقت معنوں میں گھانا اٹھانے والے ہیں ﴿۹۹﴾ اور لوگو! ہم نے تمہیں جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرو اس کے قبل کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے، تو وہ کہنے لگے کہ میرے رب! تو نے کچھ مدت کے لئے میری موت ٹال کیوں نہیں دی، تاکہ میں خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں سے بن جاتا ﴿۱۰۰﴾ اور جب کسی شخص کی موت کا وقت آجائے گا تو اللہ اُسے ہرگز مہلت نہیں دے گا، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿۱۰۱﴾

سورۃ التغابن مدنی ہے، اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(۷) گذشتہ آیتوں میں منافقین کے اُن بُرے عادات و خصائل کا ذکر ہوا جن کے نتیجے میں وہ لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے تھے، اور اب مومنوں سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو تم اُن کی طرح نہ ہو جاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اولاد کی اندھی محبت میں اس طرح نہ کھو جاؤ کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاؤ، جو دنیا و آخرت میں ہر خسروان و ہلاکت کا سبب اول ہے۔

آیت (۱۰) میں کارہائے خیر کے لئے مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ مسلمانو! ہم نے تمہیں جو روزی دی ہے، اُس میں سے خیر کے کاموں میں خرچ کرتے رہو، قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے، اور تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ، اور اُس وقت تمنائے مستحیل کرتے ہوئے کہنے لگو کہ اے رب! تو مجھے تھوڑی سی مہلت دیدے تاکہ صدقہ خیرات کر لوں اور نیکو کاروں میں سے ہو جاؤں۔

آیت (۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کی یہ تمنا ہرگز پوری نہیں ہوگی، اس لئے کہ اللہ کا نظام ازلی ہے کہ کسی کی موت ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹالی جاتی۔ آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ لوگو! اللہ تمہارے کارناموں سے اچھی طرح واقف ہے، اس لئے قیامت کے دن وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

مفسر الکلیا الہر ۴۳ سی نے لکھا ہے: ﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ الآیۃ دلیل ہے کہ زکاة واجب ہو جانے کے بعد فوراً ادا کرنا ضروری ہے۔ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس کے پاس مال ہو اور وہ حج نہیں کرے گا، یا زکاة واجب ہو جانے کے بعد ادا نہیں کرے گا، تو وہ موت کے وقت دوبارہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی۔ وباللہ التوفیق۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي
خَلَقَكُمْ فِينَكُمْ كَأَقْرَابٍ وَرَبُّكُمْ مُؤْمِنٌ ۝ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جتنی چیزیں زمین میں، سب اللہ کی پاکی (۱) بیان کرتی ہیں، اسی کی (سارے جہان میں) بادشاہی ہے، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱﴾ اسی نے تم سب کو پیدا (۲) کیا ہے، تو تم میں سے بعض کافر ہے، اور بعض مومن، اور تم جو کچھ کرتے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے ﴿۲﴾

تفسیر سورۃ التغابن

نام: آیت (۹) ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ سے ماخوذ ہے، یعنی وہ سورت جس میں "التغابن" کا لفظ آیا ہے۔

زمانہ نزول: اکثر کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ البتہ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مکہ ہے، اور کلبی کا قول ہے کہ اس کی کچھ آیتیں مکہ اور کچھ مدنی ہیں۔ نحاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "سورۃ التغابن" مکہ میں نازل ہوئی تھی، صرف آخر کی چند آیتیں عوف بن مالک اٹھمی کے بارے میں مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کی بدسلوکی کا ذکر کیا تھا، تو ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن مِّنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ﴾ سے آخر سورت تک نازل ہوئی تھی۔

(۱) سورۃ الحمدید، سورۃ الحشر اور سورۃ الجمعہ کی پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں، سب اللہ کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، کوئی اپنی زبان سے تسبیح پڑھتا ہے، جیسے فرشتے اور جن و انس، اور کسی کی ہیبت و حالت سے آشکارا ہوتا ہے کہ اس کا خالق تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، جیسے آسمان و زمین، درخت، نباتات اور پہاڑ وغیرہ۔

وہ شہنشاہ و جہاں ہے، آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، تمام تعریفوں کا وہ تہما سزاوار ہے، اور اس کی طاقت و قدرت لامحدود ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲) مفسر ابوالسعود نے اس کی تفسیریوں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سب سے اچھی شکل میں پیدا کیا، ان میں علمی اور عملی کمالات کو قبول کرنے کی صلاحیت ودیعت کی، لیکن ان میں سے بعض نے اپنی خلقت کے تقاضے کے خلاف کلمہ حق کا انکار کر کے کفر کو اختیار کر لیا، اور بعض نے اپنی خلقت کے تقاضے کے مطابق ایمان باللہ کی راہ اختیار کی، اور اس پر چل پڑے۔ ان کی تخلیق کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سب کے سب صرف ایمان کو ہی اختیار کرتے، اور اپنے خالق و موجد کی نعمتِ خلق اور اس کی دیگر نعمتوں کا شکر ادا کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ مختلف گروہوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے۔

مفسرین لکھتے ہیں، مومن سے پہلے کافر کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ کئی زندگی میں کفار ہی اکثریت میں تھے، اور اس لئے بھی کہ مقامِ جزر و توجیح اس کا تقاضا کرتا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے، ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، اور وہ ضرور تمہیں تمہارے ان اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِدَاتِ الصُّدُورِ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ
فَدَأَوْا وَيَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَعَالُوا الْبَشْرُ
يُهْدُونَ وَأَنَّا لَكَافِرُونَ ۝ وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے مطابق پیدا (۳) کیا ہے، اور اس نے تمہاری شکلیں بنائیں تو انہیں نہایت خوبصورت بنائیں، اور سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۳﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ ان تمام کو جانتا (۴) ہے، اور تم جو کچھ چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، وہ ان سب کو جانتا ہے، اور اللہ سینوں میں چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے ﴿۴﴾ کیا تم تک ان لوگوں کی خبریں (۵) نہیں پہنچی ہیں جنہوں نے پہلے زمانوں میں کفر کیا، تو انہوں نے اپنے کئے کی سزا چکھی، اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۵﴾ یہ اس لئے کہ ان کے پیغامبران کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آتے تھے، تو وہ کہتے تھے کیا ہماری رہنمائی انسان کریں گے، پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا، اور اللہ نے ان کی پرواہ نہیں کی، اور اللہ بڑا بے نیاز اور تمام تعریفوں کا سزاوار ہے ﴿۶﴾

(۳) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مخصوص غرض و غایت کے لئے پیدا کیا ہے، انہیں بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔ اور انسانوں کی تخلیق تو اس نے سب سے اچھی شکل و صورت میں کی ہے، انہیں نہایت ہی معتدل مزاج عطا کیا، عقل، قوت گویائی، اور قوت سماع سے نوازا، اور مخلوقات میں تصرف کرنے اور ان سے مستفید ہونے کی صلاحیت دی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کو سورہ عافرا آیت (۶۳) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ ”اور اس نے تمہاری شکل و صورت بنائی، تو تمہیں بہت ہی اچھی صورت عطا کی، اور بطور روزی تمہیں عمدہ چیزیں دیں۔“ اور سورہ الاستین آیت (۴) میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ ”ہم نے انسان کو سب سے اچھی شکل و صورت میں پیدا کیا ہے۔“ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہر صورت قیامت کے دن سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، جب وہ انہیں ان کے ایمان و کفر اور اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ دے گا۔

(۴) وہ ذات باری تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام مخفی اور ظاہر اور تمام غائب و حاضر چیزوں کی خبر رکھتا ہے، بلکہ وہ علم الغیب تو انسانوں کے دلوں میں پوشیدہ اسرار اور اچھی اور بُری نیتوں کو بھی جانتا ہے، یعنی اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کائنات و جہاں کی کوئی شے اُس سے مخفی نہیں ہے۔

اس لئے بندوں کو چاہئے کہ وہ اپنا باطن بُرے اخلاق سے پاک رکھیں، اور اُن اخلاقِ حسہ کو اپنائیں جن سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اہل کفر و فجور کو مخاطب کر کے بطور زجر و توبیح فرمایا کہ ماضی میں جن قوموں نے کفر کی راہ اختیار کی، کیا تمہیں ان کے انجام کی خبر نہیں ملی ہے، جیسے نوح، عاد، ثمود اور لوط کی قومیں، کس طرح اللہ نے زمین سے اُن کا وجود ختم کر دیا، اور جب قیامت آئے گی تو وہ انہیں دردناک عذاب دے گا۔

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتَأْتُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۶۴﴾ قَالُوا يَا اللَّهُ وَإِنَّ رَبَّنَا لَأَنَّ اللَّهَ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۶۵﴾

کفار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے (۶) نہیں جائیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ ہاں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمہارے اعمال کی ضرورتہیں خبر دی جائے گی، اور ایسا کرنا اللہ کے لئے آسان ہے ﴿۶۵﴾ تم ایمان (۷) لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جسے ہم نے نازل کیا ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۶۸﴾

اور یہ سب ان کے ساتھ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس اللہ کے پیغامِ صریح اور واضح نشانیاں لے کر آتے تھے، تو اسکیبار میں آکر انہیں جھٹلا دیتے تھے، اور اُن کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ انہیں دیکھو، یہ ہمارے ہی جیسے انسان ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ہادی و مُرشد ہیں۔ پھر انہوں نے اللہ کے پیغامِ حق، دین اور رسول کا انکار کر دیا، اور سرکشی کی راہ اختیار کر لی، تو اللہ نے بھی اُن کے ایمان اور اُن کی بندگی سے اظہار بے نیازی کرتے ہوئے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس لئے کہ اللہ اپنی تمام مخلوقات اور اپنے بندوں کے ایمان و عمل سے یکسر بے نیاز ہے، وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اور ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اور تمام حمد و ثناء کا وہ تہاسز اوار ہے، اور ہر مخلوق بہر حال اور بہر کیف اسی کی تعریف بیان کرتی رہتی ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کبر و عناد اور ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر اُن کے زعمِ باطل کی تردید کریں، اور ان کے دل و دماغ میں یہ بات اتارنے کی کوشش کریں کہ قیامت ضرور آئے گی اور وہ دوبارہ بھینٹا اٹھائے جائیں گے اور انہیں اُن کے کرتوتوں کی خبر دی جائے گی۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لئے نہایت آسان ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قرآن میں یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بعثت بعد الموت کی یقین دہانی کے لئے اپنے رب کی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ پہلی آیت سورہ یونس (۵۳) ﴿وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلٌّ أَمْ لِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ﴾ ہے، جس کا ترجمہ ہے ”اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذابِ آخرت واقعی سچ ہے۔ آپ فرماد دیجئے کہ ہاں، قسم ہے میرے رب کی، وہ واقعی سچ ہے“ اور دوسری آیت سورہ سبا (۳) ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ﴾ ہے، جس کا ترجمہ ہے: ”اور کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ کہہ دیجئے کہ ہاں، میرے رب کی قسم! وہ تم پر بھینٹا آئے گی“۔

(۷) جب قیامت کا آنا، تمام انسانوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا اور جزاء و سزا یقینی ہے، تو لوگو! تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہے کہ اللہ، اس کے رسول، اور قرآن کریم پر ایمان لے آؤ جس کی روشنی و کفر و جہالت کی تاریکیوں کو یکسر ختم کر دیتی ہے، اور جس کی بدولت انسان اس راہِ راست پر بے دھڑک چلتا جاتا ہے جو اُسے جنت الفردوس تک پہنچا دیتی ہے۔

اور دنیا میں اس یقین کے ساتھ زندہ رہو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، اس لئے قیامت کے دن کے عذاب سے نجات کی یہی ایک صورت ہے کہ ایمان باللہ اور عملِ صالح کی راہ اختیار کرو۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِرْ بِاللَّهِ وَعَمَلِ صَالِحٍ لْيَكْفُرْ عَنْهُ سَيَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ
جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَتَبِّهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْقَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَأُولَئِكَ الْمَصِيدُ ۝

جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع (۸) کرے گا، وہ ہار جیت کا دن ہوگا، اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا، اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے ﴿۹۹﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنمی ہوں گے، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بڑا بڑا ٹھکانا ہے ﴿۱۰۰﴾

(۸) اس آیت کریمہ کا تعلق اوپر والی دونوں آیتوں سے ہے، جن میں بیان کیا گیا ہے کہ روز قیامت انسان کو اس کے اعمال کی خبر دی جائے گی۔ قیامت کی مزید تفصیل یہاں بیان کی گئی ہے کہ اُس دن اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کرے گا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے ختم ہونے تک دنیا میں پائے گئے۔ اور اُس دن کی ایک صفت یہ ہوگی کہ اہل جنت، جنت میں اپنے مقامات کے علاوہ، ان مقامات کو بھی پائیں گے جو اہل جہنم کے لئے مخصوص تھے اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتے۔ اور اہل جہنم، جہنم میں اپنی جگہوں کے علاوہ، ان جگہوں میں بھی عذاب دیئے جائیں گے جو اہل جنت کے لئے مخصوص تھے، اگر وہ - العیاذ باللہ - اہل جہنم میں سے ہوتے۔

نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ جب کوئی بندہ جنت میں داخل کیا جائے گا تو اُسے اس کی جہنم میں مخصوص جگہ دکھائی جائے گی، جس میں اگر وہ بُرے اعمال کرتا تو داخل کیا جاتا تاکہ اللہ کا مزید شکر ادا کرے۔ اور جب کوئی بندہ جہنم میں داخل کیا جائے گا تو اُسے اس کی جنت میں مخصوص جگہ دکھائی جائے گی جس میں اگر وہ اچھے اعمال کرتا تو داخل کیا جاتا، تاکہ اس کی حسرت و یاس میں اضافہ ہو۔

روز قیامت کی یہی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے اسے یہاں "یوم تغابن" کہا گیا ہے، یعنی ایسا دن جس میں لوگ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں گے جیسے دنیا میں اہل تجارت ایک دوسرے کو خسارہ میں ڈالتے ہیں۔

آیت کے دوسرے حصہ: ﴿وَمَنْ يُؤْمِرْ بِاللَّهِ وَعَمَلِ صَالِحٍ لْيَكْفُرْ عَنْهُ سَيَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَتَبِّهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اُن جنتوں میں اہل جنت ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی وہ کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کامیابی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ اہل جنت جہنم سے نجات پا جائیں گے جس میں داخل ہونے سے بڑھ کر انسان کی کوئی بدبختی نہیں ہو سکتی۔

آیت (۱۰) میں روز قیامت کافروں کی شقاوت و بدبختی کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کفر کی راہ اختیار کریں گے اور اللہ کی آیتوں کو کبر و عناد کی وجہ سے جھٹلائیں گے، آخرت میں اُن کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بہت ہی بڑا ٹھکانا ہوگا۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَىٰ رُسُولِنَا ۚ الْبَلْغَةُ الْمُبِينُ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن مِّنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عُدَّةَ أَلِكُمْ فَأَحْذَرُوا هُمًّا ۚ وَإِن تَعَفَوْا وَتَصَفَّهُوا وَتَعَفَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ كَرِيمٌ ۝

آدمی کو کوئی مصیبت (۹) اللہ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچتی، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اللہ اس کے دل کو صبر و استقامت کی راہ دکھاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ﴿۱۱﴾ اور لوگو! تم اللہ کی اطاعت (۱۰) کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اگر تم منہ پھیر لو گے، تو ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو پوری صراحت کے ساتھ پہنچادیں ﴿۱۲﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود (۱۱) نہیں، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (۱۲) ہیں، پس تم ان سے بچ کر رہو، اور اگر تم معاف کر دو گے اور درگزر کرو گے اور بخش دو گے تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۱۳﴾

(۹) مفسرین نے اس آیت کریمہ کا سبب نزول کفار مکہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کا دین برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیاوی مصیبتوں میں گرفتار نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ مصیبت چاہے کوئی بھی ہو، کسی بھی انسان کو اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہی لاحق ہوتی ہے، اس بارے میں اچھے اور بُرے سبھی برابر ہیں، لیکن جو بندہ مومن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسے جو مصیبت لاحق ہوئی ہے وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت کے مطابق ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان بڑھا دیتا ہے اور اسے سکون قلب عطا فرماتا ہے، اور روز قیامت اُسے اجر عظیم عطا فرمائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت (۱۰) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”صبر کرنے والوں کو بے حد و حساب اجر دیا جائے گا۔“ لیکن جو بندہ صبر کا دامن چھوڑ دے گا، اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوگا اور جزع و فزع کرے گا، اسے اللہ اس کے نفس کے حوالہ کر دے گا، اور قیامت کے دن اسے کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے، کائنات میں کوئی چیز اس کی اجازت اور اس کے علم کے بغیر وجود میں نہیں آتی۔ اور یہ بات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی تقدیر پر راضی رہا جائے، اور اس کی مشیت کے آگے ہر دم سر تسلیم خم رکھا جائے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں، اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اس لئے کہ دنیا اور آخرت کی ہر کامیابی اور نیک بختی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اور اگر کوئی اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے، تو اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا، اللہ کے رسول پر اس کی ذمہ داری نہیں آتی، اس کا کام تو پیغام رسانی تھی جو اس نے انجام دے دیا۔

(۱۱) اوپر کی آیتوں میں جس باری تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کے سوا کوئی لاحق بندگی نہیں ہے، اس لئے مومنوں کو ہر حال میں صرف اسی قادر مطلق ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقِ شَرَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور جان لو کہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد ایک آزمائش (۱۳) ہے، اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے ﴿۱۵﴾ تم سے جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے (۱۳) رہو، اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنی بھلائی کے لئے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہو، اور جو شخص اپنے نفس کے نکل سے بچالیا جائے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۶﴾

(۱۲) مکہ کے بعض افراد نے اسلام لانے کے بعد ہجرت کی نیت کی تو ان کی بیویوں اور بال بچوں نے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بال بچوں سے بچ کر رہیں، اور ان کی خواہش کے مطابق اللہ کی مرضی کے کاموں سے نہ رکھیں۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے مذکور بالا حصہ کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مسلمان اپنے بال بچوں کی جانب سے ہجرت سے روکا جاتا تو انہیں دھمکی دیتا کہ انہوں نے اُسے روکا تو وہ انہیں سزا دے گا تو آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَلَا يَنْ تَعَفُوا وَتَصَنَّفُوا﴾ الآیة نازل ہوا۔ جس میں انہیں عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی، اس لئے کہ اللہ بڑا عفو و درگزر کرنے والا ہے، اور وہ عفو و درگزر کرنے والے کو پسند کرتا ہے، اور اس کے بدلے میں اجر عظیم عطا کرتا ہے۔

(۱۳) ابن جریر نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد اپنی بیویوں، بچوں اور باپ ماں کو چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کے پاس چلے جاتے، تو ان کے خاندان والے اللہ کا واسطہ دے کر انہیں سب کو چھوڑ کر چلے جانے سے منع کرتے، جس سے بعض لوگ متاثر ہو کر ہجرت کرنے سے رُک جاتے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

لیکن تفسیر کے عام قاعدہ کے مطابق آیت کا حکم عام ہے، اور اس کے ذریعہ تمام ہی مومنوں کو اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ انہیں اپنے بال بچوں کی محبت اور ان کی خواہش کی پیروی میں اللہ کی طاعت و بندگی اور ہجرت و جہاد سے نہیں رکنا چاہئے۔ (۱۴) جب مومنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مال و اولاد کے فتنہ میں نہ پڑیں، اور ان کی محبت پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ترجیح دیں، تو یہ بتا دینا بھی اُن کے مناسب حال رہا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی طاقت سے زیادہ ڈرنے اور عمل صالح کا مطالبہ نہیں کرتا، اور یہ کہ وہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! تم جتنی طاقت رکھتے ہو اتنا اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ کے اوامر کو خوب اچھی طرح سمجھو اور اُن پر عمل کرو، اور اللہ نے تمہیں جو مال و دولت دیا ہے، اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرو، اسی میں تمہارے لئے خیر و فلاح ہے۔ اور جان رکھو کہ آخرت میں فلاح و نجات پانے والے صرف وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ مال و دولت کی شدید لالچ، اس کی بندگی اور نکل کی بیماری سے بچالے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے فقہائے اسلام استدلال کرتے ہیں کہ ہر وہ عمل واجب جس کے کرنے سے بندہ عاجز ہو جائے اس کا کرنا اس سے ساقط ہو جاتا ہے، اور جس عمل کے بعض حصہ کی اسے قدرت ہو اور بعض حصہ کے کرنے سے عاجز رہے، تو وہ صرف اپنی طاقت و قدرت کے مطابق عمل کا ہی مکلف ہوگا، اور باقی اُس سے ساقط ہو جائے گا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”میں جب تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو“۔

إِنْ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يَضْعَفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَكِّيَّةٌ (۶۵) سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (۹۹) نَوَاظِرُهَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۝ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَايِبَةٍ مُبَيَّنَةٍ ۝ مَوْلَاكَ حُدُودُ اللَّهِ ۝ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۝ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝

اگر تم اللہ کو اچھا قرض (۱۵) دو گے تو وہ اُسے تمہارے لئے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدر دال، بڑا بردبار ہے ﴿۱۷﴾ غائب و حاضر کا علم رکھنے والا، زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۱۸﴾

سورة الطلاق مدنی ہے، اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق (۱) دو تو ان کی عدت کی ابتدا میں طلاق دو، اور عدت کو گن لیا کرو، اور اس بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ اپنے گھروں سے خود نکلیں، مگر یہ کہ وہ کسی کھلی بُرائی کا ارتکاب کر بیٹھیں، اور یہ احکام اللہ کے حدود ہیں، اور جو شخص اللہ کے حدود کو تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ آپ نہیں جانتے، شاید اللہ اس (طلاق) کے بعد کوئی نئی سبیل پیدا کر دے ﴿۱۷﴾

(۱۵) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی مزید ترغیب دلاتے ہوئے لوگوں سے کہا گیا کہ تم اس کی راہ میں جو حلال مال بھی خرچ کرو گے گویا اُسے قرض دو گے، جسے کئی گنا بڑھا کر تمہیں لوٹا دیا جائے گا، اور مزید برآں تمہارے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ "شکوک" ہے، اپنے بندے کے تھوڑے عمل کے عوض اجر کثیر دیتا ہے، اور وہ "حلیم" ہے، گناہوں پر جلد مواخذہ نہیں کرتا، بلکہ توبہ کی مہلت دیتا ہے، اور وہ غائب و حاضر تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے، اس لئے کوئی عمل خیر اس کے نزدیک ضائع نہیں ہوتا۔ اور وہ بڑا ہی زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اس کے تمام اوامر و نواہی حکمتوں سے پُر ہیں جنہیں وہی جانتا ہے۔

تفسیر سورة الطلاق

نام: آیت (۱) میں دوبار طلاق کا لفظ آیا ہے، اور پوری سورت کا موضوع طلاق کے احکام ہیں، اسی لئے اس کا نام "سورة الطلاق" رکھ دیا گیا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اسے "چھوٹی سورة النساء" بھی کہا ہے۔
زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة الطلاق مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) ابن ابی حاتم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضور رضی اللہ عنہما کو طلاق دے دی، تو

وہ اپنے باپ ماں کے پاس چلی گئیں تب یہ آیت نازل ہوئی، اور آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ حصہ کو واپس لے لیں، اس لئے کہ وہ روزہ دار اور تہجد گزار ہیں اور جنت میں آپ کی بیویوں میں سے ہوں گی۔ ہشٹی نے مجمع الزوائد (۳۶۴/۳) میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو یزید اور ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے، اور ابو یعلیٰ کی سند کے رُداۃ صحیح بخاری کے رُداۃ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی کریم ﷺ اور پھر آپ کی امت کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ مسلمانو! جب تم کسی ضروری امر کی وجہ سے اپنی بیویوں کو طلاق دینی چاہو، تو اس بارے میں اللہ کے اوامر کا لحاظ کئے بغیر فوراً ہی طلاق نہ دے دو، بلکہ مشروع طریقہ کے مطابق طلاق دو، یعنی ایسے "طہر" میں طلاق دو جس میں تم نے اُن کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، تاکہ اُن کی عدت کی مدت واضح اور معلوم رہے۔ اس لئے کہ اگر تم انہیں حالت حیض میں طلاق دو گے، تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا، اور اُن کی عدت کا زمانہ طویل ہو جائے گا، اسی طرح اگر تم انہیں ایسے "طہر" میں طلاق دو گے، جس میں ان کے ساتھ جماع کیا ہے، تو ممکن ہے کہ حمل قرار پا جائے، اور معلوم نہ ہو سکے گا کہ اس کی عدت کے لئے ماہواری کا اعتبار ہو گا یا وضع حمل کا۔

اور مسلمانو! اپنی مطلقہ بیویوں کی عدت کا زمانہ ٹھیک سے یاد کر لو، اگر عورت ایسی ہے جسے ماہواری آتی ہے تو تین ماہواری کے ذریعہ، اور اگر ماہواری بند ہو چکی ہے تو مہینوں کے شمار کے ذریعہ، یا حاملہ ہے تو وضع حمل کے ذریعہ۔ اس لئے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حق، طلاق دینے والے شوہر کے حق اور اس مرد کے حق کی حفاظت ہوتی ہے جو اُس عورت سے آئندہ شادی کرنا چاہے گا، نیز مطلقہ عورت کے حق نان و نفقہ کی حفاظت ہوتی ہے۔

اور مسلمانو! اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، اور ان مطلقہ عورتوں کو اُن گھروں سے نکل جانے پر مجبور نہ کرو جن میں طلاق کے وقت وہ رہائش پذیر تھیں، اس لئے کہ زمانہ عدت میں اس کی رہائش کی ذمہ داری شوہر پر ہے، اور اُن عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ وہاں سے نکل کر کہیں اور چلی جائیں، اس لئے کہ زمانہ عدت میں وہ شوہر کی زوجیت میں ہی باقی رہتی ہیں۔

البتہ اگر مطلقہ عورت زانیہ کسی ایسے بُرے قول یا فعل کا ارتکاب کر بیٹھتی ہے جو اہل خانہ کی ذلت و رسوائی کا سبب ہو تو ایسی صورت میں اس گھر سے اس کا نکال دینا جائز ہوگا، کیونکہ شریعت نے "رہائش" کو شوہر کے ذمہ اس کی رعایت کرتے ہوئے واجب قرار دیا تھا، اور جب وہ خود کوئی ایسی حرکت کر بیٹھی جو شوہر اور اس کے گھر والوں کے لئے پریشانی کا سبب بن گئی، تو اس کا وہاں سے نکال دینا جائز ہوگا۔

اگر مطلقہ بائنا ہے، تو اس کے لئے رہائش واجب نہیں ہے، اس لئے کہ رہائش نان و نفقہ کے تابع ہے۔ اور نفقہ مطلقہ رعویہ کے لئے ہے، نہ کہ بائنا کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مسلمانو! اوپر جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ اللہ کے حدود ہیں، ان سے تجاوز کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اس صراحت کے باوجود اگر کوئی شخص ان حدود سے تجاوز کرتا ہے تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور جلدی یا دیر سے اللہ کی سزا کا حقدار بنتا ہے۔ مسلمانو! تمہیں معلوم نہیں کہ زمانہ عدت سے متعلق جو احکام اوپر بیان کئے گئے ہیں، اُن میں اللہ نے کیا حکمتیں مضمر رکھی ہیں؛ ممکن ہے کہ شوہر کے دل میں اللہ تعالیٰ مطلقہ کی محبت دوبارہ ڈال دے، اور اسے واپس کر لے اور پھر سے عمدہ ازدواجی زندگی گزارنے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ طلاق کا سبب بیوی کی جانب سے رہا ہو، اور زمانہ عدت میں وہ سبب زائل ہو جائے، اور شوہر اسے واپس لے لے۔ اور ایک ظاہر حکمت یہ بھی ہے کہ زمانہ عدت کے ختم ہونے تک یقین ہو جاتا ہے کہ عورت

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذُوَى عَدْلِ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرَةِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۗ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالْعُمْرَةِ الْقُدْسِ الَّذِي كَفَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

پس جب وہ مطلقہ عورتیں اپنی عدت (۲) کی انتہاء کو پہنچنے لگیں، تو تم انہیں نیک نیتی کے ساتھ روک لو، یا انہیں خوش اسلوبی کے ساتھ جدا کر دو، اور تم اپنے لوگوں میں سے دو لائق اعتبار آدمی کو گواہ بنا لو، اور تم اللہ کی رضا کے لئے گواہی دو، ان باتوں کی نصیحت اُسے کی جاتی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے راستہ پیدا کر دیتا ہے ﴿۲﴾ اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کو کافی ہوتا ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے ﴿۳﴾

کارم طلاق دینے والے شوہر کے بچہ سے پاک و صاف ہے۔

﴿فَطَلَّقُوهُنَّ إِعْدَتِهِنَّ﴾ کی جو تفسیر اور بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ طلاق ایسے "طہر" میں دی جائے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا گیا ہو۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ فقہاء نے اسی سے استفادہ کرتے ہوئے طلاق کی تین قسمیں بتائی ہیں؛ پہلی "طلاق سنت" ہے یعنی آدمی اپنی بیوی کو ایسے "طہر" میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، یا وہ حاملہ ہو جس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔ دوسری "طلاق بدعت" ہے یعنی شوہر اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں یا ایسے "طہر" میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع کیا ہو۔ اور تیسری قسم "نہ طلاق سنت ہے نہ طلاق بدعت" یعنی مطلقہ نابالغہ ہو، یا بوڑھی ہوگی، یا جو ابھی اپنے شوہر سے نہ ملی ہو۔

طلاق بدعی کے بارے میں علمائے اسلام کی دورائے ہے: جمہور کا خیال ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی، اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ان کے شاگرد امام ابن القیم اور اکثر محدثین کی رائے ہے کہ طلاق بدعی حرام ہے، اور واقع نہیں ہوتی ہے، نیز ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دے گا تو صرف ایک ہی واقع ہوگی، اس لئے کہ جس طرح حیض میں اور ایسے "طہر" میں طلاق دینا جائز ہے جس میں شوہر نے جماع کیا ہو، اور طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی حرام ہیں اس لئے صرف ایک ہی واقع ہوگی، باقی دو طلاقیں لغو قرار دے دی جائیں گی۔

(۲) مطلقہ عورت کی عدت کا زمانہ جب ختم ہونے کے قریب ہو، تو شوہر اُسے یا تو اس کے تمام حقوق کے ساتھ لوٹالے، یا اس کے حقوق ادا کر کے بغیر اختلاف و نزاع پیدا کئے اور اس کے لئے مشکلات کھڑی کئے بغیر، اسے اس کے حال پر چھوڑ دے، یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، اور بانسہ ہو کر اپنے خویش و اقارب کے پاس چلی جائے۔

﴿وَأَشْهِدُوا ذُوَى عَدْلِ مِنْكُمْ﴾ الآیۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق دینے والے رجوع کرنے اور ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے، دونوں ہی حالتوں میں، دو دیانت دار و امانت دار مسلمان کو گواہ بنائیں، تاکہ آئندہ اختلاف و نزاع کا دروازہ بند ہو جائے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو واپس لے لیتا ہے تو اب اس کے پاس دو طلاقیں باقی رہ جائیں گی،

وَالَّذِي يَخْتَفِي مِنَ الْمَخِيسِطِ مَنْ تَسَاءَلَكُمْ إِنْ أَنْتُمْ فَعَدْتُمْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالَّذِي يَخْتَفِي مِنَ الْأَحْمَالِ أَجْلَهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ الْيَقِينُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفُرْ عَنْهُ سُبُلَاتِهِ وَيُعْظَمْ لَهُ أَجْرًا ۝

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض (۳) سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تم (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ میں پڑ جاؤ تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور ان عورتوں کی بھی جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو، اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے بچے جن دیں، اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے معاملات کو آسان کر دے گا ﴿۳﴾ یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور اُسے بڑا اجر دیتا ہے ﴿۵﴾

اور اگر اُسے واپس نہیں لیتا، اور اس کی عدت گزر جاتی ہے تو وہ ایک طلاق کے بعد بائند ہو جائے گی، اور اب اسے اختیار ہے، چاہے تو اسی سے دوبارہ شادی کر لے یا چاہے تو کسی دوسرے سے کر لے۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ لِلَّهِ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ رجعت یا طلاق کے سلسلہ میں جو بھی گواہی ہو، اُسے گواہان محض اللہ کی رضا کے لئے ادا کریں، شوہر یا مطلقہ کی خاطر اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کریں۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ابتدائے سورت سے یہاں تک جو احکام بیان کئے گئے ہیں، ان سب پر عمل وہ شخص کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، کیونکہ اللہ کے عقاب سے ایسا ہی آدمی ڈرتا ہے، اس لئے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ﴾ سے آیت (۳) کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نصیحت کی ہے کہ جو شخص اللہ کے عذاب و عقاب سے ڈرتے ہوئے اس کے اوامر کی پابندی کرے گا، تو وہی سے بچے گا، اور اس کے حدود کا پاس و لحاظ رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے شداوند و محن سے نکلنے کے لئے راستے بنا دے گا، اور اس کے لئے ایسی جگہ سے روزی کا سامان کر دے گا جو اس کے شان و گمان میں بھی نہیں تھا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت کا مفہوم عام ہے، جس میں سنت کے مطابق طلاق دینے والا شخص بدرجہ اولیٰ داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ یا تو اس کے دل میں مطلقہ بیوی کو واپس لے لینے کی بات ڈال دے گا، یا عدت گزر جانے کے بعد اس کے لئے دوبارہ اس سے شادی کرنے کی گنجائش باقی رہے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے تمام امور میں صرف اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اور اس کے فرائض و واجبات کو ضائع نہیں کرتا اللہ ہر حال میں اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ جو ارادہ کرتا ہے، اُسے بہر حال واقع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی عاجز نہیں بنا سکتا، اور اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا مکان و زمان مقرر کر دیا ہے، جس سے وہ آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتا، اور نہ اس میں کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے اس لئے مومن کو اس کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے۔

(۳) اس آیت کریمہ میں بوزھی، تاباخذ اور حاملہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے کہ جن عورتوں کی ماہواری بند ہوگئی ہو، اُن

اسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تَضْرِبُوا رُءُوسَهُنَّ لِتُضْطَبِقُوا عَلَيْهِنَّ ۖ وَإِنْ كُنَّ أَوْلَاتٍ حَمَلٍ
فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُوهُنَّ بِأَجْوَرِهِنَّ ۚ وَالْأَيْمُؤُا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ
تَعَاَسَرْتُمْ فَسْتَرْضِعْ لَهُنَّ أُخْرَىٰ ۝

مسلمانو! تم مطلقہ عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ^(۳) جہاں تم اپنی مقدور کے مطابق خود ٹھہرتے ہو، اور تم انہیں تکلیف نہ دو
تاکہ ان کا جینا دو بھر کر دو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کا خرچ دو یہاں تک کہ وہ بچے جنم دیں، پس اگر وہ تمہارے
بچوں کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو، اور (دودھ پلانے کے بارے میں) تم آپس میں نیک نیتی کے ساتھ
مشورہ کر لو، اور اگر معاملہ طے کرنے میں تمہارے درمیان مشکل پیش آئے، تو اس کے بچہ کو کوئی دوسری عورت
دودھ پلائے گی ﴿۱﴾

کی عدت تین ماہ ہے، اور جو نابالغہ ہوں، ان کی عدت بھی تین ماہ ہے، اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ صحیحین میں ام سلمہ
رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ اسمیہ نے اپنے شوہر کے انتقال کے صرف چالیس دن کے بعد بچہ جنم دیا، تو نبی کریم ﷺ
نے اس کی شادی کر دی۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص طلاق اور دیگر امور میں اللہ کے احکام کی پابندی کرے گا، اللہ اس کے
لئے آسانیاں پیدا کرے گا۔ آیت (۵) میں فرمایا کہ مذکورہ بالا آیتوں میں طلاق، رجعت اور عدت کے جو احکام بیان کئے گئے
ہیں، وہ سب احکام الہی ہیں جنہیں اللہ نے اس لئے نازل فرمایا ہے تاکہ بندے ان پر عمل کریں۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس
کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اسے اجر عظیم سے نوازے گا، یعنی اسے جنت میں داخل کر دے گا۔

(۳) آیت (۱) میں مطلقہ رجعیہ کو گھر سے نکالنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں اسی حکم کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا
کہ اُسے ایسے گھر میں رکھو جس میں اس حیثیت کی عورت اور مرد رہتے ہیں، اور اُسے رہائش، نان و نفقہ اور دیگر امور میں پریشان
نہ کرو تاکہ تنگ آکر گھر چھوڑ کر چلی جائے پر مجبور ہو جائے۔ اور یہ حکم حاملہ اور غیر حاملہ دونوں قسم کی مطلقہ رجعیہ کے لئے ہے یعنی
جب تک عدت کا زمانہ ختم نہیں ہو جاتا انہیں ان کی رہائش سے نکالنا جائز نہیں ہے۔

اور اگر مطلقہ کو تیسری طلاق دی جا چکی ہے، اور وہ حاملہ ہے، تو اسے رہائش اور نان و نفقہ دینا ہو گا جب تک وہ بچہ جنم
نہیں دیتی۔ بچہ کی ولادت کے بعد دونوں (ماں اور باپ) کو اختیار ہے، چاہے تو وہ ماں متعین اجرت پر بچہ کو دودھ پلائے، اور
چاہے تو باپ کسی دوسری عورت سے یہ کام لے۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو نصیحت کی ہے کہ مفاہمت کرتے
وقت دونوں ایک دوسرے کو درگزر کرنے اور بچے کی خیر خواہی کی نیت کریں تاکہ بچہ ماں سے جدا نہ ہو، اور باپ پر اس کی
طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

اور اگر دودھ پلائی کی اجرت کے سلسلہ میں دونوں ایک بات پر متفق نہ ہوں تو پھر باپ کسی دوسری دودھ پلانے والی کا
انتظام کرے گا، اور ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کرے گا، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں ماں کے لئے ایک قسم کا عتاب ہے کہ
اس نے ماں ہوتے ہوئے بچہ کی خاطر اجرت میں کمی برداشت نہیں کی، تو پھر اس سے بچہ لے لیا جائے گا، اور کسی دایا کے حوالے

لِيَنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا
 اتَّهَمَ سَيِّعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ وَكَأَيُّنَ مِّن قَرْبَةٍ عَتَتْ عَن أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا حَسَابًا
 شَدِيدًا وَعَدَّبْنَاهَا عَذَابًا ثَكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا
 شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

مناسب یہ ہے کہ صاحبِ مقدر اپنی مقدر کے مطابق خرچ (۵) کرے، اور جو تنگ دست ہو تو اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اُسے دیا ہے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی دے گا ﴿۷﴾ اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم کی نافرمانی (۶) کی، تو ہم نے ان کا بڑا سخت محاسبہ کیا، اور انہیں بہت بُرے عذاب میں مبتلا کیا ﴿۸﴾ انہوں نے اپنی بد عملی کی سزا چکھ لی، اور ان کی بد عملی کا انجام سراسر خسارہ ہوا ﴿۹﴾ اللہ نے ان کے لئے (قیامت میں) شدید عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اے عقل والے مومنو! اللہ سے ڈرو، اللہ نے تمہارے لئے قرآن (۷) نازل کیا ہے ﴿۱۰﴾

کر دیا جائے گا۔ اور باپ کے لئے بھی عتاب ہے، اس نے باپ ہوتے ہوئے اپنے بچہ کی خاطر اجرت میں کچھ اضافہ نہیں کیا، تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ بچہ اپنی ماں سے جدا ہو جائے گا، اور دایا کے پاس چلا جائے گا۔

(۵) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ دودھ پلانے والی ماں کے بارے میں باپ کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ مالدار ہے تو بچہ کی ماں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے، بلکہ ماں اور بچہ دونوں پر فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرے، اور اگر تنگ دست ہے تو اپنے حسبِ حال خرچ کرے۔ نفقہ ہو یا اور کوئی عمل، اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ کام کھٹ نہیں بناتا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے تنگ دستوں کو خوشخبری دی ہے کہ وہ اُن کی پریشانی اور تنگ حالی کو عنقریب دور کر دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ”بے شک تنگ دستی کے ساتھ آسانی ہے“۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ صحابہ کرام کے لئے سچ کر دکھایا کہ ان کی تنگ دستی دور کرنے کے لئے اللہ نے انہیں روم اور فارس کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ البتہ عام مسلمانوں کے لئے اللہ نے تقویٰ کی شرط لگا دی ہے، جیسا کہ ابھی آیات (۳/۲) میں گذر چکا ہے کہ جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے راستے نکال دے گا، اور ایسی جگہ سے اُسے روزی دے گا جو اس کے شان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اور آیت (۳) میں فرمایا: اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے معاملات کو آسان بنا دے گا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے اوامر و احکام کی مخالفت سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ گذشتہ زمانوں میں بہت سی قوموں نے اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کی، تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کا اُن سے بڑا شدید حساب لیا، اور انہیں بدترین عذاب سے دوچار کیا اور خسارہ اور ہلاکت و بربادی کے سوا انہیں کچھ نہ ملا، اس لئے کہ جنت اور اس کی نعمتوں پر انہوں نے دنیا کی متاع حقیر کو ترجیح دیا۔

آیت (۱۰) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان عقل والوں کو تنبیہ کی کہ جب اللہ کی نافرمانی کا انجام وہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا تو تمہیں اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذارنی چاہئے اور اس کے اوامر کے بجالانے میں کو تا ہی نہیں کرنی چاہئے۔

رَسُوْلًا يَتْلُوَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّخُرْجِ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظّٰلِمٰتِ اِلَى النُّوْرِ . وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللّٰهِ وَعَمَلٍ صٰلِحًا يَدْخُلْهُ جَنَّتٌ مُّجْرِيٍّ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكَ رِزْقًا ۗ وَاللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوٰتٍ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدَّ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝



ایک رسول بھیجا ہے جو تمہارے سامنے اللہ کی کھلی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، ظلمتوں سے نکال کر روشنی تک پہنچادیں، اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے انہیں اچھی روزی دے دی ہے ﴿۱۱﴾ وہ اللہ ہے جس نے سات آسمان پیدا (۸) کئے ہیں، اور انہی کی مانند زمین۔ ان (آسمانوں اور زمینوں) کے درمیان اللہ کا حکم اترتا رہتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور یہ کہ بے شک اللہ اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے ﴿۱۲﴾

سورۃ التحريم مدنی ہے، اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(۷) ﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ لِيُنَبِّئَكُمْ ذٰلِكَ﴾ میں "ذکر" سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک "قرآن کریم" ہے۔ اور آیت (۱۱) میں "رسولا" فعل محذوف "اُرسلنا" کا مفعول ہے، اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ اور مقصود مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم یاد دلانا ہے کہ اس نے ان کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا، اور نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا جو قرآن کی صریح آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، ان کا مفہوم و معنی بیان کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو کفر و شرک اور معاصی کی ظلمتوں سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لاکھڑا کر دیں۔ آیت (۱۱) کے دوسرے حصہ میں جس کی ابتدا ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صٰلِحًا﴾ سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہاں انہیں بہت ہی عمدہ روزی عطا کرے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔

(۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے سات آسمان، سات زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو پیدا کیا، دینی احکام و شرائع نازل کئے، اور پوری کائنات کو چلانے کے لئے ضابطے اور قوانین بنائے، اور ان تمام کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بندے اُسے پہچانیں، اور اس بات کا یقین کر لیں کہ اس کا علم اور اس کی عظیم قدرت تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئی ہے۔ اور اس علم و یقین کا نتیجہ یہ ہو کہ تمام انسان صرف اسی کی بندگی کریں، اسی سے محبت کریں اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ وباللہ التوفیق۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ تَبِعَنِي مَرْضَاتُ أَوْلِيَائِكَ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ
إِيمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام (۱) بناتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿۱﴾ مومنو! اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ ادا کرنے کی اجازت دے دی ہے، اور اللہ تمہارا آقا اور مالک ہے، اور وہ سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۲﴾

تفسیر سورۃ التحریم

نام: پہلی ہی آیت میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ ہمیں سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس کا ایک دوسرا نام "سورۃ النبی" بھی ہے۔
زمانہ نزول: قرطبی کہتے ہیں کہ سب کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ نخاس اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ التحریم مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اس آیت کریمہ کے شان نزول میں دو قسم کی حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہضہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن ان کے گھر میں، اپنی لوٹھی ماریہ قطیہ سے مباشرت کر لی۔ اُس وقت ہضہ اپنے سینے چلی گئی تھیں۔ واپس آنے کے بعد جب انہیں اس کا اندازہ ہوا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے میری باری کے دن میرے گھر میں وہ کام کیا ہے جو کسی دوسری بیوی کے ساتھ آپ نے کبھی نہیں کیا۔ تو آپ نے کہا، کیا تم یہ پسند نہیں کر دو گی کہ میں اب کبھی اس کے قریب نہ جاؤں۔ ہضہ نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا، اور کہا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا، لیکن ہضہ نے عائشہ کو بتادیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دی، اور یہ آیت نازل فرمائی۔

دوسرا واقعہ شہد پینے کا ہے۔ بخاری و مسلم کی عائشہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ آپ زینب بنت جحش کے پاس دیر تک رہتے اور شہد پیتے تھے اس لئے عائشہ اور ہضہ رضی اللہ عنہما نے آپس میں طے کیا کہ ہم دونوں میں سے جس کے پاس رسول اللہ ﷺ پہلے آئیں، آپ سے کہے کہ آپ کے منہ سے "مغافیر" کی بو آرہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب آپ اُن دونوں میں سے ایک کے پاس گئے تو انہوں نے ویسا ہی کہا۔ تو آپ ﷺ نے کہا کہ نہیں، میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے۔ اب میں کبھی نہیں بیوں گا، میں نے قسم کھالی۔ اور تم کسی کو یہ بات نہ بتانا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہضہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا، اور ان کے پاس ٹھہرے رہے۔ تو عائشہ نے سودہ اور صفیہ کے ساتھ مل کر آپ ﷺ سے "مغافیر" پینے والی بات کی تھی۔ مغافیر ایک میٹھا گوند ہوتا ہے جو "عرفط" نامی درخت سے نپکتا ہے، اور بدبودار ہوتا ہے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی واقعات صحیح ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ یہ آیت دونوں ہی واقعات کے بعد نازل ہوئی ہو، دونوں ہی واقعات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے واقعہ کے بارے میں اپنی بعض بیویوں سے بات کی اور کہا کہ وہ کسی دوسرے کو

وَأَذَانُ النَّسِيِّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ۚ فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا ۚ قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ۚ إِنَّ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلٌ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيْرُهُ

اور جب نبی نے اپنی بعض بیویوں کو ایک بات خفیہ طور (۲) پر بتادی، تو جب اس (بیوی) نے وہ بات (دوسری بیویوں کو) بتادی، اور اللہ نے نبی کو اس کی خبر کردی، تو انہوں نے اس وحی کا کچھ حصہ اس بیوی کو بتادیا، اور کچھ نہیں بتایا، جب انہوں نے اس (بیوی) کو اس کی اطلاع دی، تو اس نے کہا، آپ کو کس نے یہ خبر دی ہے، انہوں نے کہا، مجھے اس (اللہ) نے بتایا ہے جو ہر چیز کا جاننے والا، ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۳﴾ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ (۳) کرو گی (تو بہتر ہوگا) اس لئے کہ تمہارے دل (حق سے) مائل ہو گئے ہیں، اور اگر تم دونوں ان کے خلاف سازش کرو گی، تو بے شک اللہ ان کا مولیٰ ہے، اور جبریل اور نیک مؤمنین ان کے مولیٰ ہیں، اور اس کے بعد فرشتے ان کے مددگار ہیں ﴿۳﴾

نہ بتائے۔ آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال بنایا ہے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اُسے کسی کی مرضی کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لے۔ آیت میں اس بات کی بھی صراحت کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اس لغزش کو درگزر فرمادیا، اُن پر رحم فرمایا، اور مسلمانوں کے لئے ایک شرعی حکم نازل کیا کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھالے تو اس کا کفارہ کیا ہے، جس کی تفصیل سورۃ المائدہ آیت (۸۹) میں آئی ہے: ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِّنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيِّمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ ”اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا اُن کو کپڑا دینا، ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے، اور جس کے پاس مقدور نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھاؤ“۔

اس لئے جو شخص بھی کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا، چاہے وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا کوئی لونڈی ہو، یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے گا، پھر قسم توڑنا چاہے گا، اس پر مذکور بالا کفارہ واجب ہوگا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہارا مولیٰ ہے، دینی اور دنیاوی امور میں تمہاری عمدہ تربیت کرنی چاہتا ہے اور تمہیں بُری باتوں سے دور رکھنا چاہتا ہے، اسی لئے اس نے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب قرار دیا ہے، تاکہ تم اس سے بری الذمہ ہو جاؤ۔ اور اللہ بڑا جاننے والا اور بڑی حکمتوں والا ہے، اسی لئے اس نے ایسے احکام واجب کئے ہیں جو تمہارے حالات کے مناسب، اور تمہارے لئے مفید ہیں۔

(۲) بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں بعض زوجات نبی سے مراد حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور "حدیثا" سے مراد ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا یا شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ تحریم ماریہ یا تحریم شہد کی جو بات میں نے تم سے بتائی ہے، وہ کسی اور کو نہ بتانا، لیکن انہوں نے یہ بات عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دے دی کہ آپ کا ازرازنہ رہا، حفصہ نے عائشہ کو بتادیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کو کچھ بات بتائی اور کچھ اُن کا خیال

عَلَى رُبِّهَا إِنْ طَلَقْتُمْ أَنْ يُبْدِلَهُ أَنْزِلُوا إِجْرًا خَيْرًا مِمَّا كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ إِنَّ عَذَابَهُ لَشَدِيدٌ ۝

اگر وہ تم کو طلاق (۴) دے دیں گے، تو امید ہے کہ ان کا رب (تمہارے بدلے) انہیں تم سے زیادہ اچھی بیویاں دے دے، جو مسلمان ہوں گی ایمان والی ہوں گی، طاعت گزار ہوں گی، توبہ کرنے والی ہوں گی، عبادت کرنے والی ہوں گی، روزہ رکھنے والی ہوں گی، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہوں گی ﴿۵﴾ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ ﴿۵﴾ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، اس پر ایسے فرشتے متعین ہیں جو سخت دل اور بے رحم ہیں، اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں ﴿۶﴾

کر کے نہیں بتایا۔ حصہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی ہے کہ میں نے عائشہ کو بات بتادی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی خبر اس عظیم و خیر نے دی ہے جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔

(۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خاطر ناراضگی کا اظہار کیا ہے کہ حصہ نے آپ کا راز عائشہ کو کیوں بتادیا اور دونوں نے ایسا کام کیوں کیا جس سے آپ کا سکون و درہم برہم ہو گیا، یہ تو ایسا گناہ ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم دونوں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ ادب و احترام نہیں کیا جو ان کا حق ہے، تمہیں اپنے اس گناہ سے توبہ کرنا چاہئے تاکہ اللہ تمہاری توبہ قبول کر لے، اور اگر تم دونوں کسی ایسی بات پر اتفاق کرو گی جو نبی کریم ﷺ کی تکلیف کا باعث ہو، تو جان لو! کہ نبی کا مولیٰ اللہ ہے، اور جبریل ہیں، اور نیک اہل ایمان ہیں، اور ان سب کے بعد فرشتے آپ کی مدد کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اس لئے کوئی اُن کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ تم دونوں تو بھلا عورتیں ہو، اللہ، جبریل اور فرشتوں کے مقابلے میں تمہاری کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے عظیم ترین شرف و عزت کا بیان، اور آپ کی مذکورہ دونوں بیویوں کے لئے تنبیہ اور دھمکی ہے۔

(۴) اس آیت کریمہ میں حصہ، عائشہ اور دیگر امہات المؤمنین کو مزید دھمکی دی گئی ہے اور انہیں ڈر لایا گیا ہے کہ اگر تم میرے نبی کو اذیت پہنچاؤ گی تو ممکن ہے وہ تم سب کو طلاق دے دیں، اور اُن کا رب تمہارے بدلے انہیں تم سے اچھی بیویاں عطا کرے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن پر کرم کیا اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تمام امہات المؤمنین نے آپ ﷺ کو راضی کیا، آپ کا غایت ورجہ ادب و احترام کیا، اور بہترین مسلمان عورتیں بن گئیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق نہیں دی، بلکہ آپ ﷺ جب تک دنیا میں رہے، وہ سب آپ کی بیویاں رہیں، اور آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فصاحت کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان والوں کو اس عظیم اور خطرناک آگ سے بچائیں جس کا ایندھن انسان اور پتھر کے وہ بُت ہوں گے جن کی دنیا میں بُت پرست عبادت کرتے تھے۔ اور اس سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ وہ ان گناہوں سے تائب ہوں جو اللہ کی ناراضگی اور عذابِ آخرت کا سبب بنتے ہیں، اور اس کے ادا کر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَدُوا الْيَوْمَ إِنَّا كُنَّا بِكُمْ عَصَافَةً وَأَنتُمْ لَكَاةٌ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ تَوْبَةً كَثُورًا وَلَا تَجْرُوا بِأَعْيُنِكُمْ حَتَّى تَبْغُوا مِنَ اللَّهِ حَافِظَةً ۗ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكَ كِبَاؤُكَ وَلَا حَمْلُكَ ۗ يَوْمَ يُكْفَرُ عَنْكُمْ كُفْرًا وَسَيُكَفَرُ عَنْكُمْ بِسَبَابِكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ فِي النَّارِ لِمَ كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۗ

اے کافرو! آج کوئی عذر (۶) نہ پیش کرو، تم جو کچھ (دنیا میں) کرتے تھے (آج) اسی کا بدلہ دیئے جاوے گا ﴿۷﴾ اے ایمان والو! تم اپنے رب کے حضور صدق دل سے توبہ (۷) کرو، امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جس دن اللہ نبی کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑتا رہے گا، وہ لوگ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کر دے، اور ہمیں معاف کر دے، تو بے شک ہر چیز پر قادر ہے ﴿۸﴾

کو بجالاتیں اور نواہی سے بچیں۔ اور اہل و عیال کو نارِ جہنم سے اس طرح بچایا جاسکتا ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیم دیں اور اس پر عمل کرنے پر مجبور کریں۔ آدمی کے لئے اس مہیب آگ سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ وہ خود اسلام و شریعت کا پابند بنے، اور اپنے ماتھوں کو بھی ان پر عمل کرنے پر مجبور کرے۔

آگ کی یہ صفت بیان کی گئی کہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، تو اس سے مقصود تہدید و تحویف ہے تاکہ اس کی ہیبت ناک تصور کر کے بندے اپنے رب کی طاعت و بندگی کی طرف مائل ہوں، اور جرائم و معاصی سے پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو فرشتے جہنم کے دار و نذر اور پہرہ دار ہوں گے وہ انتہائی درجہ ترش رو اور سخت گیر ہوں گے، اُن کی آواز کِخت ہوگی، اور اُن کا منظر نہایت بھیانک ہوگا، وہ اپنی قوت و جبروت کے ذریعہ جہنمیوں کو ذلیل و رسوا کریں گے، اور ان کے سلسلہ میں اللہ کے اوامر کی تنفیذ میں ذرہ برابر نرمی اور تاخیر سے کام نہیں لیں گے۔ وہ فرشتے اپنے رب کے غایت درجہ مطیع و فرمانبردار ہوں گے، اور انہیں جو حکم دیا جائے گا اُسے سرگڈرنے میں ہرگز تاخیر نہیں کریں گے۔

(۶) قیامت کے دن اہل ناری کو توبیح کرتے ہوئے اُن سے کہا جائے گا کہ اے کافرو! اب تمہاری کوئی معذرت قابل قبول نہیں، معذرت کرنے کا وقت دنیا میں تھا جو گذر گیا، اور اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ یہ تو قیامت کی گھڑی ہے جہاں بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور تم نے تو دنیا میں اللہ کا انکار کیا، اس کی آیتوں کی تکذیب کی، اور اس کے رسولوں اور مومنوں کے خلاف جنگ کی، اس لئے تمہارا انجام معلوم ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے دوسری نصیحت یہ کی کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے صدق دل کے ساتھ ایسی توبہ کریں جس میں رب العالمین سے یہ عہد و پیمان ہو کہ وہ اب کبھی بھی اُن گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ اور ایسی توبہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اُن کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور انہیں اُس دن اپنی جنتوں میں داخل کرے گا جب اللہ اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی اور مومنوں کو رسوا نہیں کرے گا، جس دن مومنوں کا نور ان کی رہنمائی کے لئے اُن کے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ اور جب وہ منافقین کا نور بجھتا ہوا دیکھیں گے، تو اپنے رب سے دعا کریں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب!

يَأْتِيهَا النَّبِيُّ جَاهِدًا وَالْمُتَّقِينَ وَاغْلَظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَيَسَّ الْمَصِيدُ ۝ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَاتٍ نُّوحٍ وَامْرَأَاتٍ لُّوطٍ كَانَا نَحْتًا عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَكَانَتْهُمَا فَلَئِمْنِيَا
عَهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ۝ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَاتٍ فَرَعُونَ ۚ اِذْ قَالَتْ
رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فَرَعُونَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ
الَّتِي أَحْصَدَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا وَكَانَتْ مِنَ الْغَنِيِّينَ ۝

اے نبی! آپ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد^(۸) کیجئے، اور اُن پر سختی کیجئے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ﴿۹﴾ اللہ نے کافروں کے لئے مثال^(۹) دی ہے نوح کی بیوی کی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، ان دونوں (عورتوں) نے ان دونوں (نیک بندوں) کے ساتھ خیانت کی، تو وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے، اور اُن سے کہا جائے گا کہ تم دونوں آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ ﴿۱۰﴾ اور اللہ نے مومنوں کے لئے مثال دی ہے فرعون کی بیوی کی، جب اس نے کہا، میرے رب! تو میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے، اور مجھے فرعون اور اس کی بد اعمالیوں سے نجات دے دے، اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے ﴿۱۱﴾ اور مریم بنت عمران کی مثال دی ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی، اور مریم نے اپنے رب کی شریعت اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ طاعت گزار بندوں میں سے تھی ﴿۱۲﴾

ہمارے نور کو باقی رکھ اور اُسے مزید بڑھادے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرے گا، اور انہیں اُن کے نور کی رہنمائی میں اپنے جوار میں جنتِ نعیم تک پہنچا دے گا۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرنے، اور اُن پر شدت کے ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حکم جہاد زبانِ قلم اور شمشیر و سنان سب کے ذریعہ جہاد کرنے کو شامل ہے۔ جہاد کا پہلا مرتبہ حکمت اور دانائی اور نرم اسلوب کے ساتھ اللہ کی بات کو لوگوں کے سامنے رکھنا ہے، انہیں دلائل و براہین کے ذریعہ قائل کرنا ہے۔ اور اگر یہ اسلوب کار آمد نہیں ہوتا، اور دشمنانِ دین اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں تو ہتھیار اٹھالینا واجب ہوگا، اور میدانِ کارزار میں انہیں شکست دے کر اسلام کو غالب بنانا ہوگا۔

کافروں اور منافقوں کا یہ انجام یعنی اُن سے جہاد کیا جانا دنیا میں ہوگا، اور آخرت میں اُن کے کفر و نفاق کی وجہ سے اُن کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جو بڑا ہی بُرا ٹھکانہ ہوگا۔

(۹) آیات (۱۲/۱۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کی حالت بیان کرنے کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ کسی کافر کی مومن سے قربت، کفر کے ساتھ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اور کسی مومن کا کسی کافر سے اتصال اگر وہ ایمان باللہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو تنبیہ کی گئی ہے، اور انہیں ارشادِ حکیم سے

خوف دلایا گیا ہے، اور خبر دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی نیت اور اپنا عمل درست نہیں کریں گی تو نبی کریم ﷺ سے ان کا اتصال انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے کافروں کے لئے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان کی ہے، ان دونوں کے شوہر یعنی نوح و لوط علیہما السلام اللہ کے نیک بندے اور نبی تھے، لیکن ان دونوں بیویوں نے دین میں اپنے شوہروں کے ساتھ خیانت کی یعنی ان کے لائے ہوئے دین کو قبول نہیں کیا، تو انبیاء سے ان کا اتصال انہیں قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچانہ سکا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم دونوں ان جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ جن کا انبیاء سے کوئی اتصال نہیں رہا ہے۔

آیت میں ”خیانت“ سے مراد ان انبیاء کے دین کو قبول نہ کرنا ہے، عزت و ناموس میں خیانت ہرگز مراد نہیں ہے، اس لئے کہ کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوئی، اور یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ کسی نبی کی بیوی زانیہ ہوتی۔

آیت (۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے (ان کا نام آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا تھا) انہوں نے دعا کی کہ میرے رب! تو میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے، اور مجھے فرعون، اس کے بُرے اعمال اور ہر ظالم کے فتنہ و آزمائش سے محفوظ رکھ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ اس دعا کے بعد وہ جب تک دنیا میں زندہ رہیں، ایمان کامل اور سکون قلب کے ساتھ زندہ رہیں، اور آزمائشوں اور فتنوں سے محفوظ رہیں۔

آیت (۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اہل ایمان کے لئے مریم بنت عمران کی مثال بھی بیان کی ہے، جنہوں نے فجور و زنا سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، اور عفت و پاکدامنی کی اعلیٰ ترین مثال بن کر دنیا میں رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے جسم میں اپنی روح پھونک دی، یعنی جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، تو اس کا اثر ان کے جسم کے اندر سرایت کر گیا، جس کے زیر اثر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ مریم نے اپنے رب کی جانب سے نازل شدہ صحائف اور کتابوں کی تصدیق کی، ان کا علم حاصل کیا، اور ان کے مطابق عمل کیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ان صفات کا ذکر کر کے ان کی تعریف کی، نیز فرمایا کہ وہ اللہ کی بڑی نیک بندی تھیں، ہر وقت اپنے رب کی بندگی میں لگی رہتی تھیں، اور ہر آن اپنے رب کے لئے ان پر خشوع و خضوع طاری رہتا تھا۔

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں بہت سے لوگ باکمال ہوئے، لیکن عورتوں میں صرف تین عورتیں باکمال ہوئیں: فرعون کی بیوی آسیہ، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد، اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام انواع و اقسام کے کھانوں پر۔ وباللہ التوفیق۔



تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

سورة الملك مکی ہے، اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

بے حساب برکتوں (۱) والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (سارے جہان کی) بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱﴾ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے، اور وہ زبردست، بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۲﴾

تفسیر سورة الملك

نام: پہلی آیت میں کلمہ "الملك" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اس کا نام تبارک، الواقعہ، المنجیۃ اور الماتعہ بھی آیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ تبارک (الملك) مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

فضائل: حافظ ابن کثیر اور امام شوکانی وغیرہ نے اس سورت کی فضیلت سے متعلق کئی روایات نقل کی ہیں۔ ایک حدیث امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں تیس آیتیں ہیں، اس نے ایک آدمی کے لئے سفارش کی، یہاں تک کہ اسے بخش دیا گیا۔ ایک دوسری حدیث ترمذی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ رات میں جب تک "الم تنزیل" اور "تبارک الذی بیدہ الملک" نہیں پڑھ لیتے تھے سوتے نہیں تھے۔

(۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کبریائی بیان فرمائی ہے، اور اپنی ذات کو ملک و سلطنت، قدرت و علم اور حکمت جیسی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ عظمت و بزرگی والا ہے، اس کی خیر و برکت عام اور اس کا احسان تمام مخلوقات کو شامل ہے۔

اس کے عظیم ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہی عالم بالا اور عالم زیریں کا شہنشاہ ہے، اسی نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اور وہی جہان میں تصرف کرتا ہے۔

اس کے عظیم ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے اپنے کمال قدرت کے ذریعہ آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفْوُوتٍ ۗ فَإِذْ جَاءَ الْبَصَرَ هَل تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۗ
لُورُوجِ الْبَصَرِ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيدٌ ۗ وَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِصَوَابٍ وَجَعَلْنَاهَا
رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُم عَذَابَ السَّعِيرِ ۝

جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے^(۲) ہیں، آپ رحمن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھئے گا، آپ نظر ڈال لیجئے، کیا آپ کو کوئی شکاف نظر آتا ہے ﴿۳﴾ پھر آپ بار بار نظر ڈال لیجئے، وہ عاجز ہو کر آپ کی طرف تھکی ہوئی واپس آجائے گی ﴿۳﴾ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا^(۳) ہے، اور ان (چراغوں) کو شیاطین کے مارنے کے لئے بنایا ہے، اور ہم نے ان کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۵﴾

اس کے عظیم ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے، وہی جسے چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی اس پر قادر نہیں۔ اس نے انسانوں کو زندگی دے کر دنیا میں بھیجا، اور انہیں خبر دی کہ ان کو موت لاحق ہوگی، اور وہ دار فانی سے کوچ کر کے دارِ آخرت کو سدھاریں گے۔ تو جو کوئی اس دار فانی میں اللہ کے اوامر کو بجالائے گا، اور نواہی سے بچے گا، اسے اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں اچھا بدلہ عطا کرے گا، اور جو کوئی یہاں اپنی شہوتوں کا غلام بن کر زندہ رہے گا اور اللہ کے اوامر کو پس پشت ڈال دے گا، اسے بدترین بدلہ ملے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بزاز بردست ہے، ہر عزت و بڑائی اسی کے لئے ہے، اور تمام مخلوقات کی گردنیں اُسی کے لئے ٹھکی ہوئی ہیں۔ اور وہ اپنے توبہ کرنے والے اور اپنی طرف رجوع کرنے والے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا، اور ان کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔

(۲) باری تعالیٰ نے اپنی مزید تعریف بیان فرماتے ہوئے کہا کہ اس نے سات آسمان پیدا کئے ہیں، جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں، لیکن ایک دوسرے سے چپکے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ ہر دو آسمانوں کے درمیان ہوا اور پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان آسمانوں کو عاقبت درجہ حسین و خوبصورت اور معظم و مرتب بنایا ہے، اُن میں کوئی ظلل اور نقص نہیں پایا جاتا۔ اور آسمانوں کے اسی حسن و جمال اور کمال ترتیب و انتظام کو بیان کرنے اور انسانوں کو دعوتِ فکر و نظر دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں غور سے دیکھو، ان میں تمہیں کوئی نقص و ظلل نہیں ملے گا۔ اور چاہے تم جتنی بار غور کر دو گے تمہاری نگاہیں تھک ہار کر واپس آجائیں گی، اور اُن میں تمہیں کوئی ظلل، کوئی شکاف اور کوئی نقص نہیں نظر آئے گا۔

(۳) جن آسمانوں کے بارے میں اوپر بیان ہوا کہ ان کی تخلیق میں کوئی نقص و ظلل نہیں پایا جاتا ہے، اُنہی کے بارے میں یہاں مزید تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو کوکب اور ستاروں کے ذریعہ زینت بخشی ہے۔ اُن ستاروں سے روشنی پھونتی ہے، اسی لئے انہیں یہاں "مصا بیح" کہا گیا ہے، یعنی جس طرح چراغ سے روشنی ملتی ہے اُسی طرح یہ ستارے بھی روشنی دیتے ہیں۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ بعض ستارے آسمان دنیا کے اوپر والے آسمانوں میں پائے جاتے ہیں، لیکن وہ ایسے نظر آتے ہیں جیسے آسمان دنیا پر ہی ہوں، اس لئے کہ اجرام سماویہ اتنے صیقل اور شفاف ہیں کہ اوپر کے آسمانوں میں موجود کوکب کی روشنی اُن سے چھن کر نیچے تک آتی رہتی ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَسَاءَ الْمَصِيرُ ۚ إِذَا الْقَوَا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهيقًا وَهِيَ تَفُورٌ ۖ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۚ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۚ قَالَ أُوَلَّي قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝

اور جو لوگ اپنے رب کے منکر^(۴) ہیں، ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بڑا برا ٹھکانا ہے ﴿۶﴾ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی ایک خوفناک دھاڑ سنیں گے، دراصل ایک وہ (گرمی کی شدت سے) جوش مار رہی ہوگی ﴿۷﴾ مارے غیظ و غضب^(۵) کے وہ پھٹی جا رہی ہوگی، جب بھی اس میں ایک گروہ کو ڈالا جائے گا، اس کے نگران (فرشتے) ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا ﴿۸﴾ وہ کہیں گے، ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، تو ہم نے جھٹلادیا تھا، اور کہا تھا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، تم بڑی گمراہی میں پڑ گئے ہو ﴿۹﴾

اور بعض ستاروں کے ذریعہ ان شیاطین کو مارا جاتا ہے جو چھپ کر فرشتوں کا کلام سننے کی کوشش میں آسمان دنیا کے قریب ہونا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ شیاطین ان ستاروں کے ذریعہ نہیں مارے جاتے جو آسمانوں میں ثابت ہیں، بلکہ ان سے انکارے نکلے ہیں جو شیاطین کا پیچھا کرتے ہیں۔ قنادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ستاروں کی تخلیق کے تین فوائد بتائے ہیں: وہ آسمانوں کو زینت بخشتے ہیں، ان کے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے، اور وہ بحر و بر میں سفر کرنے والوں کے لئے نشانِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ اتنی۔

اللہ تعالیٰ نے نے سورۃ الصافات آیات (۶) سے (۱۰) تک میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَكِبِ ۖ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۚ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ وَيَنْفَذُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُخُورًا لَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۚ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ ۖ﴾ ”ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا، اور سرکش شیطان سے اس کی حفاظت کی، عالم بالا کے فرشتوں (کی باتیں) سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے۔ ہر طرف سے بھگانے کے لئے انہیں انگاروں سے مارا جاتا ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے، مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو فوراً ہی اس کے پیچھے دکھتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔“

(۴) اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو مارنے کے لئے ستاروں سے پھوٹنے والے انگارے بنائے ہیں، اور اللہ سے سرکشی اور اس کے بندوں کو گمراہ کرنے کے سبب آخرت میں انہیں آگ کا عذاب دیا جائے گا، اور جو کفار دنیا میں ان کی پیروی کریں گے، ان کے لئے بھی اللہ نے جہنم کا عذاب تیار کیا ہے، اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہوگا جس میں جہنمیوں کو عاقبت درجہ ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جہنمی جب جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بہت ہی بڑی اور خطرناک آواز سنیں گے، اور اس کی آگ جہنمیوں کے جسوں کے ساتھ اس طرح کھول رہی ہوگی جیسے ہانڈی میں جوش مارتا ہو پانی کھولتا ہے۔

(۵) جہنم کی حالت کافروں کے خلاف شدتِ غیظ و غضب سے ایسی ہوگی کہ جیسے وہ ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے، تو

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۚ فَاعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ ۚ فَمَسَّاهُمُ اللَّيْلُ بِالسَّعِيرِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۚ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۚ وَأَسْرُرُوا لَهُمْ وَأُجْرُوا لَهُمْ ۚ إِنَّكَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۚ أَلَا يَعْلَمُونَ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۚ

اور وہ (جہنمی) کہیں گے، اگر ہم نے (رسولوں کی) بات سنی (۶) ہوتی، یا عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم (آج) جہنمیوں میں نہ ہوتے ﴿۱۰﴾ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں گے، جہنمیوں پر لعنت ہے ﴿۱۱﴾ بے شک جو لوگ اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے (۷) ہیں، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر و ثواب ہے ﴿۱۲﴾ اور لوگو! تم چاہے اپنی بات پوشیدہ طور پر کہو (۸) یا ظاہر کر کے، بے شک وہ (اللہ) سینوں میں چھپی باتوں کو جانتا ہے ﴿۱۳﴾ کیا اسے علم نہیں ہو گا جس نے (سب کچھ) پیدا کیا ہے، اور وہ نہایت باریک بین اور بڑا باخبر ہے ﴿۱۴﴾

پھر ان کافروں کا کیا حال ہو گا جو اس غضبناک جہنم کی گرفت میں ہوں گے۔ جب بھی کوئی گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا تو داروغہ ہائے جہنم ان سے زبرد توخ کے طور پر پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا کہ آج تم اس جہنم میں ڈالے گئے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں، ہمارے پاس ڈرانے والے ضرور آئے تھے، لیکن ہم نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلادیا تھا، اور ان کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ نے اپنی طرف سے کوئی چیز انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل نہیں کی ہے، اور تم بہت بڑی گمراہی میں جھٹلا ہو۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے زمانے کے نبی کو جھٹلایا اور گزشتہ تمام انبیاء اور کتابوں کو بھی جھٹلایا، اور اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تمام رسولوں کو بڑی گمراہی کے ساتھ متہم کیا۔

(۶) جہنمی اعتراف کریں گے کہ ہم نے زُشد و ہدایت کے سارے راستے خود ہی اپنے آپ پر بند کر لئے تھے، نہ ہم نے اللہ کی نازل کردہ آیتوں کو غور سے سنا، اور نہ اپنی عقل کو کام میں لا کر انہیں سمجھنے کی کوشش کی، اور دنیا میں اس طرح دندناتے پھرے، اور گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے کہ جیسے ہمیں موت نہیں آئے گی اور ہمیں اللہ کے سامنے حاضر نہیں ہونا ہوگا، لیکن اس اعتراف کا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اور اعلان کر دیا جائے گا کہ جہنمی اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے، اب اُن کے لئے کوئی خیر نہیں ہے۔ (۷) کافروں کے برخلاف یقین و ایمان والوں نے اللہ کی نازل کردہ آیتوں کو غور سے سنا، انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کیا، اور اپنے رب سے جلوت و خلوت میں ڈرتے رہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا جس سے مراد جنت اور اس کی بیش بہا نعمتیں ہیں، اور ان سب سے عظیم تر نعمت رب العالمین کی خوشنودی اور اس کی رضا ہے جو ہر جہت میں نصیب ہوگی۔ (۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ دلوں میں چھپی باتوں تک کو جانتا ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، اس کے لئے ظاہر و باطن یکساں ہے، وہ تو ان نیتوں اور ارادوں تک کو جانتا ہے جو سینوں میں چھپے ہوتے ہیں تو پھر وہ اُن اقوال و افعال کو کیسے نہیں جانے گا جو سنے اور دیکھے جاتے ہیں۔

آیت (۱۳) میں اپنے علم کے کمال و شمولیت پر استدلال کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے اسے اپنی مخلوقات کی خبر کیسے نہیں ہوگی، وہ تو اپنے بندوں کے دلوں میں چھپی باتوں تک کو جانتا ہے، اور اُن کے تمام اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامشوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهَا وَإِلَيْهَا النُّشُورُ ؕ أَمْ أَمِنْتُمْ مَن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورٌ ؕ أَمْ أَمِنْتُمْ مَن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ ؕ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمُكِبِّمْ فَكَيْفَ كَانَ لَكِبْرٍ ؕ

اسی نے زمین کو تمہارے لئے نرم و ہموار^(۹) بنا دیا ہے، پس تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو، اور اللہ کی روزی میں سے کھاؤ، اور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے پاس جانا ہے ﴿۱۵﴾ کیا تم اس ذات کی طرف سے مطمئن^(۱۰) ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، پھر وہ یکبارگی لرزنے لگے ﴿۱۶﴾ یا تم اس کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھروں اور کنکروں سے بھری آندھی بھیج دے، تب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے ﴿۱۷﴾ اور جو لوگ اُن سے پہلے گزر چکے ہیں، انہوں نے بھی جھٹلایا تھا، تو کتنا سخت تھا میرا عذاب ﴿۱۸﴾

(۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ اس نے زمین کو ان کے لئے نرم بنایا ہے، اور اس میں آسان راستے بنائے ہیں، تاکہ انسان بسہولت اپنی ضرورتیں پوری کر سکے، چنانچہ آدمی زمین میں پودے لگاتا ہے، مکان بناتا ہے، کھیتی کرتا ہے، اور راستہ پر چل کر دروازے، علاقوں، شہروں اور ملکوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! تم طلب رزق اور اپنی دوسری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے زمین میں پائے جانے والے راستوں پر چلو، اور اس میں جو روزی اس نے تمہارے لئے پیدا کی ہے، اُسے حاصل کرو، اور اُس سے فائدہ اٹھاؤ۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دنیا کی زندگی پوری کر لینے کے بعد، یہاں سے اٹھالے جاؤ گے، اور جب قیامت آئے گی تو دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، اور اپنے رب کے سامنے جمع کئے جاؤ گے، تاکہ وہ تمہیں تمہارے نیک و بد اعمال کا بدلہ دے۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ یتھینا اس پر قادر ہے کہ وہ کافروں کو اُن کے کفر کی وجہ سے ہلاک و برباد کر دے، لیکن مخلوق کے ساتھ اپنے لطف و کرم اور رحمت و مہربانی، اور غایتِ حلم و بردباری کی وجہ سے ان سے عذاب کو ٹال دیتا ہے، اور انہیں توبہ کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس آیت کے زیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ذکر کر کے اپنے نافرمان بندوں کو دھمکی دی ہے کہ وہ اللہ جو اپنی مخلوقات سے بلند و بالا اور عرش پر مستوی ہے، اس کی گرفت سے تمہیں بے خوف نہیں ہو جانا چاہئے، وہ تو اس پر قادر ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، اور زمین اتنی شدت سے ہلنے لگے کہ وہ تمہارے اوپر آجائے اور تم اس کے اندر پلٹا کھاتے رہو، اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں ہلاک کرنے کے لئے ایک تیز و تند ہوا بھیج دے، جو کنکریوں اور پتھروں کی تم پر بارش کر دے اور تم یکسر ہلاک ہو جاؤ، اور تب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ عذاب کیسے آتا ہے جس سے تمہیں ہمارے انبیاء ڈر لیا کرتے تھے۔

آیت (۱۸) میں مذکور بالا دھمکی کی تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موجودہ دور کے کافروں سے قبل بھی جب کسی کافر قوم نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی، تو اللہ نے اس کے کفر و تکذیب کو قبول نہیں کیا، اور اُسے ہلاک کر دیا۔ اس لئے اے وہ لوگو جو اپنے رب کی نافرمانی کر رہے ہو، اور کفر کی راہ پر چل پڑے ہو! تم اپنے کفر و سرکشی سے باز آ جاؤ، کہیں تمہیں بھی اللہ کا عذاب اپنی گرفت میں نہ لے لے۔

اَوْ كَرِهُوا إِلَى الظَّيْرِ فَوَقَّعْتُمْ صَلْبَهُمْ وَيَقْبِضُنَّ مَا مَسَّكُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ يُكَلِّمُ مَن يَشَاءُ بِصَوْتٍ ۗ أَكْفَرُ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ
لَكُمْ يَصْرُوكُمْ كَمَا قَرَّبْنَا مِنَ الْكُفْرَانِ إِلَّا فِي عُرْوَةٍ ۗ أَكْفَرُ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَلْ لَجُّوا
فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۗ أَكْفَرُ يَمْنِي كَيْبًا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَهْنٌ يَمْنِي سَوِيًّا عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ

کیا انہوں نے اپنے اوپر اڑتی ہوئی چیزوں (۱۱) کو پر پھیلائے ہوئے اور سیڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، انہیں رحمن کے سوا کوئی نہیں تھا ہے ہوئے ہوتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ﴿۱۹﴾ وہ کون سا تمہارا لشکر ہے جو رحمن کے مقابلے میں تمہاری مدد (۱۲) کرے، کافر محض (شیطان کے) دھوکے میں پڑے ہیں ﴿۲۰﴾ وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے، اگر اللہ اپنی روزی روک لے، بلکہ کفار سرکشی اور راہ حق سے فرار پر اصرار کر رہے ہیں ﴿۲۱﴾ کیا جو شخص اپنے چہرے کے بل اوں دھا (۱۳) چل رہا ہو، راہ راست پر زیادہ چلنے والا ہے یا جو سیدھا ہو کر سیدھی راہ پر چل رہا ہو ﴿۲۲﴾

(۱۱) جو مشرکین اللہ کی صفت "رحمن" کا انکار کرتے تھے، انہی کی تردید کی گئی ہے کہ یہ چیزیں جو ان کے سروں پر فضا میں اپنے پروں کو پھیلائے اڑتی رہتی ہیں، اور کبھی انہیں سمیٹ بھی لیتی ہیں، دونوں ہی حالتوں میں انہیں فضا میں کون روکے رکھتا ہے؟ یقیناً وہ "رحمن" کی ذات ہے، جس کی رحمت ہر چیز کو ڈھانکنے ہوئی ہے حتیٰ کہ وہ چیزیں جو فضا میں تیرتی رہتی ہیں انہیں بھی گرنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے اس کی رحمت ہی بچائے رکھتی ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر چیز اس کی نظر میں ہے، اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال، اس کی ضرورت اور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق اپنی رحمت کا حصہ عطا کرتا ہے۔

(۱۲) جو لوگ حق سے اعراض کرتے ہیں، اور اللہ سے سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان سے بطور زبرد تو توجیح کہا جا رہا ہے کہ اگر رحمن تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے، تو اس کی ذات کے سوا کون ہے جو تمہاری مدد کرے، اور اس مصیبت سے تمہیں نجات دلاوے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے کافروں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اس نے ان کی نگاہوں میں اعمالِ شرک کو خوبصورت بنا دیا ہے، اور اس فریب میں مبتلا کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد نہ کوئی دوسری زندگی ہے اور نہ حساب و کتاب اور اگر بالفرض کوئی دوسری زندگی ہوگی تو ان کے معبود اللہ کے حضور ان کے سفارشی نہیں گئے، اور انہیں نجات دلا دیں گے۔

آیت (۲۱) میں انہی سرکشوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے بارش کو روک دے، اور تم پر اپنی روزی کے دروازے بند کر دے تو تمہیں پانی کون پلائے گا، اور روزی کون دے گا۔ مخلوق کا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو روزی رسائی کی قدرت نہیں رکھتی تو دوسروں کو کیسے پہنچائے گی۔

لیکن سرکشوں کو ان آیتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، بلکہ ان کا استکبار اور بڑھ جاتا ہے، اور حق سے مزید دور ہوتے جاتے ہیں، اور اس عقیدہ پر اصرار کرتے ہیں کہ ان کے معبود ہی انہیں مصیبتوں سے بچاتے ہیں، اور انہیں روزی دیتے ہیں۔

(۱۳) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے موحدین و مشرکین اور ہدایت یافتہ اور گمراہوں کے درمیان ایک مثال کے ذریعہ فرق واضح کیا ہے۔ فرمایا کہ جو آدمی گمراہی میں بھٹک رہا ہو، کفر میں ڈوبا ہوا ہو، اور اس کی عقل ایسی ماری گئی ہو کہ اس کے نزدیک حق باطل اور باطل حق بن گیا ہو، وہ راہ حق پر ہے، یا وہ شخص جو راہ حق کی خبر رکھتا ہو، اس پر گامزن ہو، اور اپنے تمام اقوال

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَالْيَوْمَ تُحْشَرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ فَلَمَّا كَاوَتْ زُلْفَةً سَيئَمَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اسی نے تمہیں پیدا (۱۴) کیا ہے، اور اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے ہیں، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ﴿۲۳﴾ آپ کہہ دیجئے، اسی نے تمہیں زمین میں پھیلا یا ہے، اور اسی کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ﴿۲۴﴾ اور کفار کہتے ہیں، مسلمانو! اگر تم سچے ہو تو (قیامت کا) یہ وعدہ کب پورا ہو گا ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، اور میں تو صرف کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۲۶﴾ جب کفار اسے قریب دیکھ (۱۵) لیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا یہی ہے وہ عذاب جس کا تم مطالبہ کرتے تھے ﴿۲۷﴾

واعمال میں حق کی ہی اتباع کرتا ہو؟ یقیناً جواب معلوم ہے کہ اللہ کا موحد بندہ ہی حق پر ہے، اور کافر و مشرک گمراہی کی وادیوں میں بھٹک رہا ہے۔

(۱۴) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہی تمہا معبود حقیقی ہے، اس لئے بندوں کو اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی کا شکر بجالانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ لوگوں کو بتادیں کہ تہذبات باری تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے، ان کی تخلیق میں کوئی اس کا معاون و مددگار نہیں تھا، اور نہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت تھی۔ اسی نے ان کے کان، آنکھیں اور دل بنائے جو ان کے جسموں کے اہم ترین اعضاء ہیں، اور انہیں سب سے اچھی شکل و صورت میں پیدا کیا۔ ان نعمتوں کا تقاضا تھا کہ لوگ اس مہم حقیقی کے شکر گزار بننے، لیکن ان میں سے بہت ہی کم لوگ اپنے رب کے شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ بھی بتادینے کا حکم دیا کہ اسی نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا، اور تمہیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازا جن سے تم اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہو، اور جب تمہاری دنیاوی زندگی کے ایام پورے ہو جائیں گے تو وہ تمہیں یہاں سے اٹھالے گا، اور پھر قیامت کے دن زندہ کر کے اپنے سامنے اکٹھا کرے گا۔

لیکن منکرین بعث بعد الموت، انبیاء کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تمہاری بات سچی ہے تو ذرا ہمیں اس کی آمد کا وقت تو بتادو۔ گویا قیامت کی آمد کا وقت بتادینا کافروں کے نزدیک انبیاء کی صداقت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو انہیں یہ کہنے کا حکم دیا کہ اس کی آمد کا وقت تو صرف اللہ کو ہی معلوم ہے۔ اور اس بات کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ بات سچی نہیں ہے۔ بات یقیناً سچی ہے، اور قیامت کی آمد میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس کی بہت سی نشانیاں اور دلائل بیان کر دیئے ہیں، جن میں غور و فکر کرنے والوں کے دلوں میں اس کی صداقت کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

(۱۵) کفار و مشرکین دنیا میں قیامت اور بعث بعد الموت کی تکذیب کرتے ہیں، لیکن جب قیامت واقعی آجائے گی، اور وہ دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد میدان محشر میں جمع کر دیئے جائیں گے، اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اُس وقت ان کی آنکھیں پتھر جائیں گی، ان کے چہرے مارے خوف و ہشت کے سیاہ ہو جائیں گے، اور فرشتے ان سے بطور زبرد توخ کہیں گے کہ یہی ہے

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي أَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ الْبُيُوتِ ۗ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ
أَعْلَمُ بِأَعْمَارِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۗ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ
يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ سَوِيٍّ ۗ

آپ کہہ دیجئے، تمہارا کیا خیال ہے، اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک (۱۶) کر دے، یا ہم پر رحم کرے، کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے، وہ نہایت مہربان ہے، ہم اسی پر ایمان (۱۷) لے آئے ہیں، اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، تم عنقریب جان لو گے کہ کھلی گمراہی میں کون پڑا ہوا ہے ﴿۲۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارا پانی (۱۸) زمین کی تہ میں چلا جائے، تو کون ہے جو تمہارے لئے صاف پھر پانی لائے ﴿۳۰﴾ وہ جہنم جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ قیامت کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اب تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور تمہارے لئے اس سے نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

(۱۶) نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے اور آپ کی دعوت کو ٹھکرانے والے، آپ سے شدید بغض و عداوت کی وجہ سے اپنے دلوں میں تمنا کرتے تھے کہ کاش یہ شخص مر جاتا، اور اس کے ساتھی بھی ہلاک ہو جاتے تو ایمان و اسلام کی باتوں سے ہمیں نجات مل جاتی اور آئے دن کا جھگڑا ختم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کے اس جھٹ کو واضح کر دیا اور نبی کریم ﷺ سے انہیں یہ بتانے کا حکم دیا کہ اے کفار قریش! اگر اللہ مجھے اور میرے اہل ایمان ساتھیوں کو اس دنیا سے اٹھالیتا ہے، تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، کیونکہ تمہارا کفر اللہ کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے، اور تم اس کے عذاب کے مستحق بن چکے ہو، اور جب اس کا عذاب تم پر نازل ہو گا اور تم جہنم رسید ہو گے تو کوئی نہیں ہو گا جو تمہیں اس کے دردناک عذاب سے بچا سکے گا۔

(۱۷) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ وہ لوگ حق پر ہیں، اور محمد گمراہ ہو گیا ہے، اسی لئے ہمیں بھی باتیں کرتا ہے۔ اس بات کو وہ ہمیشہ دہراتے رہتے تھے، اور نبی کریم ﷺ اور اولین صحابہ کرام سے جدال و مناقشہ کرتے تھے، اور نوبت بایں جا رسید کہ انہوں نے حق کی آواز کو خاموش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور مسلمانوں سے جنگیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ انہیں اپنے ایمان اور ان (مشرکوں) کے کفر سے باخبر کر دیں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ حق پر کون ہے اور ضلالت و گمراہی نے کن کے دلوں پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ انہیں بتا دیجئے کہ ہم رحمن کی ذات پر ایمان لے آئے ہیں، اور عملی طور پر اس ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، اور ہم ہر حال میں اسی کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ نہ تم ”رحمن“ پر ایمان لائے ہو، اور نہ اس کی ذات پر تمہارا بھروسہ ہے۔ اس لئے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم راہ حق پر گامزن ہیں، اور ضلالت و گمراہی تمہاری قسمت میں آئی ہے۔

(۱۸) آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی مشرکین کو یہ بات بتائی کہ تمام نعمتیں بندوں کو اسی ذات واحد کی طرف سے ملی ہیں، بالخصوص پانی جس کے ذریعہ اللہ نے تمام زندہ چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پانی کو زمین کی آخری تہ میں پہنچا دے، تو اس کے سوا کوئی ہے جو تمہیں صاف و شفاف پانی عطا کرے؟ جو اب معلوم ہے کہ کوئی نہیں ہے۔ اور جب بات ایسی ہے تو پھر اس اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو کیوں پوجتے ہو، کیوں دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو؟! واللہ التوفیق۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَّبِّكَ إِذْ بَعَثْتَ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا يُدْرِكُ مَنُونًا ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ
 عَظِيمٍ ۝

سورة القلم کی ہے، اس میں باون آیتیں اور دور کوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
 ن (۱) قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے فرشتے لکھتے ہیں ﴿۱﴾ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں ﴿۲﴾ اور
 بے شک آپ کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے ﴿۳﴾ اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں ﴿۴﴾

تفسیر سورة القلم

نام: پہلی آیت: ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اس سورت کو "سورة ن" اور "سورة القلم" دونوں
 ہی کہا جاتا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت حسن، عکرمہ اور جابر کے نزدیک مکی ہے۔ اور ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ ابتدائے سورت سے
 آیت (۱۶) ﴿سَنَسِمْهُ عَلَىٰ الْخُرطوم﴾ تک مکی ہے، اور وہاں سے آیت (۵۰) ﴿مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ تک مدنی ہے، اور
 اس کے بعد کی دو آیتیں مکی ہیں، اور نحاس، ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ "ن"
 مکی ہے۔ اور ابن جودویہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت کی ہے۔

(۱) قرآن کریم میں موجود دیگر حروف مقطعات کی طرح حرف "ن" بھی ایک حرف مقطع ہے، جس کا حقیقی معنی و مفہوم صرف
 اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اور گذشتہ کئی ایسی سورتوں کی ابتدا میں لکھا جا چکا ہے کہ ممکن ہے اس سے مقصود اہل عرب کو چیلنج کرنا ہو
 کہ یہ قرآن بھی انہی حروف سے مرتب ہے جن سے تمہارا کلام بنتا ہے، تو اگر یہ قرآن کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا
 لا کر دکھاؤ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس قلم کی قسم کھائی ہے جسے اللہ نے پہلے پیدا کیا اور اسے لکھنے کا حکم دیا تو اس نے کہا
 کہ کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے تمام کو لکھ ڈالو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان تمام اشیاء کی قسم کھائی ہے
 جنہیں فرشتے لوح محفوظ سے نقل کر کے لکھتے ہیں، اور بندوں کے ان تمام اعمال کی بھی قسم کھائی ہے جنہیں اللہ کے مکرم فرشتے
 یعنی "کراما کا تبین" لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر نبی کریم ﷺ سے کہا ہے کہ واقعی آپ کو آپ کے رب نے نبوت کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے،
 اور آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، جس کے زیر اثر لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ کفار و مشرکین محض شدتِ حسد سے آپ کو
 مجنون کہتے ہیں، آپ مجنون نہیں، بلکہ عظیم الشان نبی ہیں، اور اسلام کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے میں آپ جو تکلیف اٹھا رہے
 ہیں، اور اس کا جو عملی نمونہ اپنے کردار کے ذریعہ پیش کر رہے ہیں، اس کا اجر و ثواب آپ کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔

فَسُبُّسُرٍّ وَيُنْصَرُونَ ۗ يَا أَيُّهَا الْمَثُورُونَ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۗ
 فَلَا تَطْعَمُ الْمَكْتُبِينَ ۗ وَذُؤَالُو ذَهَبٍ يَفْذَهُنَّ وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ خَلَافٍ مَهِينٍ ۗ هَذَا مَثَلٌ بِمَثَلٍ ۗ
 مَثَلٌ لِّلْخَيْرِ مَعْتَدٍ أَيُّمٍ ۗ عَتَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَنْبِئِهِ ۗ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۗ إِذَا نُتِلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ
 أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۗ سَنَسِفُهُ عَلَىٰ الْحُرُوفِ ۗ

آپ عنقریب دیکھ (۲) لیں گے اور وہ لوگ بھی دیکھ لیں گے ﴿۵﴾ تم میں سے کون دیوانہ ہے ﴿۶﴾ بے شک آپ کا رب ان کو اچھی طرح جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں، اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہِ راست پر ہیں ﴿۷﴾ آپ جھٹلانے والوں کی بات (۳) نہ مانیں ﴿۸﴾ وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے (۳) پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ﴿۹﴾ اور آپ ہر زیادہ قسم کھانے والے ذلیل انسان کی بات نہ مانیں ﴿۱۰﴾ جو عیب جوئی کرنے والا چغلی کھانے والا ہے ﴿۱۱﴾ بھلائی کے کاموں سے روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، بدکار ہے ﴿۱۲﴾ بد مزاج اکھڑ ہے، ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے ﴿۱۳﴾ ایسا اس وجہ سے ہے کہ وہ صاحبِ مال و اولاد ہے ﴿۱۴﴾ جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں ﴿۱۵﴾ ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے ﴿۱۶﴾

مفسرین لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں مشرکین مکہ کی اس افترا پر دازی کی تردید کی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۶) ﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ میں بیان کیا ہے، جس کا ترجمہ ہے: ”اور مشرکوں نے کہا کہ اے وہ شخص (یعنی محمد) جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے، تو یقیناً پاگل ہے۔“
 اور اللہ تعالیٰ نے اس بات پر بھی مذکور بالا قسم کھائی ہے کہ آپ ﷺ عظیمِ اخلاق کے مالک ہیں۔ امام مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن تھا، یعنی آپ کے اخلاق وہی تھے جس کی قرآن نے شہادت دی ہے۔
 مفسرین لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہایت عالی اخلاق، بلند کردار، فصاحت تامہ اور عقل کامل کے مالک تھے، آپ ہر عیب سے پاک اور ہر خوبی کے ساتھ متصف تھے، اور جو شخص ان صفات کے ساتھ متصف ہو گا، اسے مجنون اور پاگل کہنا جنون کی بات ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی کہ آپ اپنے اخلاقی کریمانہ کے ساتھ دعوت کی راہ میں آگے بڑھتے رہئے، اور اس راہ میں جو بھی تکلیف اٹھانی پڑے اسے برداشت کیجئے۔ عنقریب ہی وہ دن آنے والا ہے جب آپ کو اور ان لوگوں کو جو آپ کو جنون کے ساتھ متہم کرتے ہیں معلوم ہو جائے گا کہ مجنون و مفتون کون ہے!

آیت (۷) میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے، اور دعوتِ اسلامی کی راہ میں جو تکلیف پہنچے، اس پر صبر کرنے کی نصیحت کی ہے، نیز اس میں ان مشرکین کے لئے دھمکی ہے جو آپ کو جھٹلاتے تھے۔

(۳) جب یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ حق پر ہیں، اور آپ کی قوم کفر و شرک کی دادیوں میں بھٹک رہی ہے، تو آپ کے لئے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ اللہ، اس کے رسول اور دینِ اسلام کی تکذیب کرنے والوں کی بات مانئے، وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۗ وَلَا يَسْتَنْبِئُونَ ۗ فَطَانَ عَلَيْهِمُ الطَّاعِنَاتُ
مَنْ رَزَقَتْ وَهُمْ نَكَابُونَ ۗ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۗ

ہم نے ان (اہل مکہ) کو آزمائش (۵) میں ڈال دیا ہے، جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا تھا، جب انہوں نے قسم کھالی تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی اس کا پھل توڑ لیں گے ﴿۱۷﴾ اور انہوں نے استثناء نہیں کیا تھا ﴿۱۸﴾ اس لئے اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھیرا کرنے والی بلا پھر گئی، درانحالیکہ وہ ابھی سوئے تھے ﴿۱۹﴾ چنانچہ وہ باغ کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا ﴿۲۰﴾

آپ ان کے معبودوں کی عیب جوئی نہ کریں اور ان کی بے بسی بیان نہ کریں تاکہ وہ بھی آپ کو گالی نہ دیں اور اذیت نہ پہنچائیں۔ (۳) کافروں کی بطور عام بات ماننے سے منع کرنے کے بعد، اب بطور خاص مکہ کے بعض بڑے اشرار کی بات نہ ماننے کی نصیحت کی جا رہی ہے، جیسے ولید بن مغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ ہر اس آدمی کی بات نہ مانئے جو باطل کو غالب کرنے کے لئے کثرت سے قسمیں کھاتا ہے، اور جو حقیر اور عاجز و قاصر ہے، ہمیشہ دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے، لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے چغلی کھاتا ہے، بڑا ہی بخیل ہے، یا جو لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتا ہے، لوگوں کی جانوں اور ان کے مال و دولت پر زیادتی کرتا ہے، یعنی ظلم و زیادتی کا خوگر ہے، اور کثرت سے گناہ کرتا ہے، غلیظ الطبع، سخت گیر اور بد خو ہے، اور ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ، وہ قریشی بھی نہیں ہے، بلکہ ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

آیات (۱۵/۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مال و جاہ اور اولاد کے غرور نے اُسے اللہ کی آیتوں کی تکذیب اور اس افترا پر دازی پر ابھارا ہے کہ یہ قرآن گذشتہ قوموں کے محض قصے اور حکایات ہے۔

آیت (۱۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کی پیشانی پر ایسا برا نشان ڈال دیں گے کہ وہ جب تک زندہ رہے گا اس نشان کے ذریعہ پہچانا جائے گا، جیسے وہ شخص ہوتا ہے جس کی ناک کاٹ دی جاتی ہے، جو بھی اسے دیکھتا ہے اس کے ناگوار منظر سے متاثر ہوتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اخنس بن شریق ہے، جو دراصل قبیلہ ثقیف کا تھا، لیکن اُسے بنی زہرہ سے ملا دیا گیا تھا۔ ایک دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے، اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کا دعویٰ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ میدان بدر میں اس کی ناک پر ایک کاری ضرب لگی تھی جس کا گہرا نشان زندگی بھر اس کی ناک پر باقی رہا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ﴿سَنَسِبُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ﴾ کا تعلق روز قیامت سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اُس دن اس کی پیشانی پر ایک ایسا فیج النظر نشان پیدا کر دے گا کہ وہ دیگر کافروں سے بالکل الگ پہچانا جائے گا، اس لئے کہ اس نے دنیا میں نبی کریم ﷺ سے تمام کافروں سے بڑھ کر عداوت کی تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنی نعمتیں دے کر آزمانا چاہا، انہیں ان کی خواہش کے مطابق مال و دولت، اولاد اور لمبی عمر دی، اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، اس لئے نہیں کہ وہ ہمارے بڑے محبوب بندے تھے، بلکہ ان کی رستی ڈھیل دی، اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوا، اور کفر و عناد میں بڑھتے چلے گئے، جیسے اہل کتاب یا حبشہ کے وہ لوگ جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد ایک باغ کے وارث ہوئے تھے۔ جب اس کا پھل پک گیا، تو انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ صبح

فَتَنَادُوا مُصِيبِينَ ۖ إِنَّ آغِدُوا عَلَىٰ حَزَبِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَارِمِينَ ۖ فَأَنطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۗ إِنَّ لَا يَدَ خَلَقَهَا
 الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۗ وَغَدَا عَلَىٰ حَزْبٍ قَادِرِينَ ۗ فَلَنَارَاكُوهَا قَالُوا إِنَّا لَصَالُونَ ۗ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۗ
 قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسْمِعُونَ ۗ قَالَ وَسُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۗ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ
 بَعْضٍ يَتَلَآؤُمُونَ ۗ قَالُوا يَا بَنِي آدَمَ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۗ

صبح ہوتے ہی (۱) انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا ﴿۲۱﴾ اگر تم پھل کاٹنا چاہتے ہو تو سویرے ہی اپنے کھیت میں پہنچ جاؤ ﴿۲۲﴾ وہ چل پڑے در انحالیکہ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے ﴿۲۳﴾ کہ آج باغ میں تمہارے پاس کوئی مسکین نہ داخل ہو جائے ﴿۲۴﴾ اور وہ تیز تیز اس گمان کے ساتھ چل پڑے کہ وہ صدقہ نہ دینے پر قادر ہیں ﴿۲۵﴾ جب انہوں نے اسے دیکھا (۷) تو کہنے لگے کہ ہم یقیناً راستہ بھول گئے ہیں ﴿۲۶﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں ﴿۲۷﴾ ان میں سب سے بہتر آدمی نے کہا (۸) کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم اپنے رب کی پائی کیوں نہیں بیان کرتے ہو ﴿۲۸﴾ کہنے لگے، ہمارا رب تمام عیوب سے پاک ہے، ہم نے بے شک اپنے آپ پر ظلم کیا ہے ﴿۲۹﴾ تب وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ﴿۳۰﴾ کہنے لگے، ہائے ہماری شامت! ہم یقیناً (اپنے رب سے) سرکشی پر آمادہ ہو گئے تھے ﴿۳۱﴾

سویرے جا کر کسی آدمی کے جاگنے سے پہلے اس کے پھل کاٹ لیں گے، تاکہ کوئی فقیر و مسکین آکر ان سے صدقہ نہ مانگے۔ وہ اس گمان میں مبتلا ہو گئے کہ اب اس باغ کے پھل کا حصول امر یقینی ہو گیا ہے، کوئی چیز اس راہ میں حائل نہیں ہے، اور بھول گئے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر وہ کسی چیز پر قادر نہیں ہیں، انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا کہ اگر اللہ چاہے گا تو ہم اپنے باغ کا پھل کاٹ لیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب رات ہی میں اس باغ پر نازل ہوا، اور سارا باغ جل کر اندھیری رات کی طرح کالا اور خاکستر ہو گیا، اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔

(۶) باغ کے انجام سے بے خبر، انہوں نے صبح سویرے ایک دوسرے کو پکارا، اور کہا کہ اگر تمہیں اپنے باغ کا پھل حاصل کرنا ہے تو جلد ہی وہاں چلے چلو۔ چنانچہ وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے، تاکہ کوئی فقیر و محتاج جان نہ جائے اور ان کے ساتھ لگ نہ جائے جیسا کہ ان کے باپ کے زمانے میں ہوتا تھا۔ یعنی ان کی نیت خراب ہو گئی، انہوں نے اس مال سے اللہ کا حق ادا کرنا نہیں چاہا۔ آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ باغ کی طرف تیزی، غصہ اور اس پختہ ارادہ کے ساتھ چلے کہ فقیروں کو ہرگز نہیں دینا ہے۔ وہ اپنے خیال کے مطابق باپ کے مرنے کے بعد اس بات پر قادر ہو گئے تھے کہ اس میں سے اللہ کے نام کا کوئی حصہ نہیں نکالیں گے۔

(۷) جب انہوں نے باغ کو جلا ہوا پایا، تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہے، ہم راہ بھٹک کر کہیں اور پہنچ گئے ہیں، لیکن حقیقت کو کب تک جھٹلاتے، انہیں یقین تو ہو ہی گیا تھا کہ ان کا باغ جل گیا ہے، اب انہیں فوراً یہ احساس ہوا کہ ہماری بدبختی اور مساکین کا حق نہ دینے کے برے ارادہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی نعمت سے محروم کر دیا ہے، اور ہمارے باغ کا یہ حال ہو گیا ہے۔ ہمارے باپ، اللہ کے شکر کے طور پر ہر سال باغ کے پھل سے فقیروں کا حق نکالتے تھے، اور ان میں تقسیم کرتے

عَلَىٰ ذُنُوبِهِمْ أَن يُبَدِّلَ كَيْدًا مِنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُعْتَبِرُونَ ﴿۹﴾ كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَالْعَذَابُ الْأَخْرَقَ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾
 إِنَّ الْمُنْفِقِينَ إِعْنَادًا لِّبُيُوتِهِمْ جَاءَتْهُمْ مِنَ النَّارِ ﴿۱۱﴾ أَفَتَجْعَلُ الْمُتَّبِعِينَ كَالْمُتَّبِعِينَ ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۳﴾ أَمْ
 لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۱۴﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۱۵﴾ أَمْ لَكُمْ آيْمَانٌ عَلَيْنَا بِاللَّغَةِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ
 لَبَأْسًا خَلَكُونَ ﴿۱۶﴾ سَأَلْتُمُ اللَّهَ بِذَلِكَ زَعِيمًا ﴿۱۷﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ﴿۱۸﴾ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۱۹﴾

امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب اس سے اچھا^(۹) باغ ہمیں دے گا، ہم اپنے رب کی رضا کے لئے پوری طرح راغب ہیں ﴿۳۲﴾ اللہ کا عذاب^(۱۰) اسی طرح آجاتا ہے، اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش کہ لوگ اس بات کو جان لیتے ﴿۳۳﴾ بے شک متقیوں^(۱۱) کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے ﴿۳۴﴾ کیا ہم مسلمانوں کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کریں گے ﴿۳۵﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسا فیصلہ کرتے ہو ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو ﴿۳۷﴾ کیا اس میں تمہارے لئے وہی کچھ ہے جو تم پسند کرتے ہو ﴿۳۸﴾ کیا تم نے ہم سے تمہیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک چلتی رہیں گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم اپنے لئے فیصلہ کرو گے ﴿۳۹﴾ آپ ان سے پوچھئے کہ قیامت کے دن ان باتوں کا کون ضامن ہے ﴿۴۰﴾ کیا ان کے لئے اللہ کے شرکاء ہیں، اگر وہ سچے ہیں تو پھر اپنے شرکاء کو سامنے لائیں ﴿۴۱﴾

تھے، تو اللہ تعالیٰ ان کے باغ کی حفاظت کرتا تھا۔

(۸) اُن بھائیوں میں جو زیادہ صاحب تقویٰ اور صاحب عقل تھا، اپنے دوسرے بھائیوں سے مخاطب ہو اور کہا کہ میں نے تم سب کو نصیحت کی تھی کہ تم لوگ اپنی بدینتی سے توبہ کرو، اللہ کی یاد سے غافل نہ بنو، اور اس کے حق کو فراموش نہ کرو، اور یاد رکھو کہ اللہ مجرمین سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر ہے۔ چنانچہ سب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اللہ کے حضور تائب ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا رب تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ اگر ہم نے مساکین کو ان کے حق سے محروم کرنے کی بڑی نیت نہ کی ہوتی اور اللہ کی قدرت کو بھول کر اپنی قدرت کا اظہار نہ کیا ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ ہائے افسوس کہ ہم غفلت و جہالت میں پڑ کر اللہ کے حدود سے تجاوز کر گئے تھے۔

(۹) انہوں نے جب اپنے گناہ سے توبہ کر لی، اور آئندہ کے لئے اللہ سے عہد کر لیا کہ اب ایسی غلطی نہیں کریں گے، تو اپنے رب سے اچھی امید کر لی، اور کہنے لگے امید ہے کہ اللہ ہمیں اپنی رحمت سے محروم نہیں کرے گا، اور اس سے اچھا باغ ہمیں عطا کرے گا۔ ہم اپنے رب سے یہی امید رکھتے ہیں۔

(۱۰) کفار قریش کا حال بھی باغ والوں کے حال کے مشابہ ہے۔ انہیں اللہ نے نعمت دی، پھر ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے اسے سلب کر لیا، تو کیا اہل مکہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں گے اور اللہ کے حضور اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر اس کے نیک بندے بن جائیں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے، اور دوبارہ اپنی نعمتوں سے نوازے؟

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں اور سرکشوں کو اللہ کا عذاب اسی طرح اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، اور آخرت میں انہیں جو عذاب دیا جائے گا وہ تو بڑا ہی دردناک ہو گا۔ کاش اہل مکہ اس بات کو سمجھ لیتے، اور اپنے گناہوں سے تائب

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۱۲﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَآئِلُونَ ﴿۱۳﴾

جس دن پنڈلی کھول (۱۲) دی جائے گی اور (کفار و مشرکین کو) سجدے کے لئے کہا جائے گا، تو وہ سجدہ نہ کر پائیں گے ﴿۱۳﴾ اُن کی نظریں جھکی ہوں گی، اور ان پر ذلت کی چادر پڑی ہوگی، اور دنیا میں جب وہ صحیح سالم تھے تو انہیں سجدے کے لئے کہا جاتا تھا (لیکن وہ سجدہ نہیں کرتے تھے) ﴿۱۳﴾

ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔

(۱۱) جب کافروں اور سرکشوں کا قیامت کے دن وہ انجام ہو گا جو اوپر بیان کیا گیا، تو اب قرآن کریم کے عام قاعدہ کے مطابق اہل صلاح و تقویٰ کا انجام بیان کیا جا رہا ہے، نیز یہاں ان مشرکین کی تردید بھی کی گئی ہے جو غریب مسلمانوں کے فقر و فاقہ کا مذاق اُڑانے اور اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے کے لئے کہا کرتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت آئے گی تو ہمارا اللہ ہمیں آخرت میں بھی ان بھوکوں اور تنگوں سے اچھی حالت میں رکھے گا، جیسا کہ اس نے ہمیں یہاں مال و دولت سے نوازا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرنے والے مسلمانوں کو قیامت کے دن اُن کے رب کے پاس ایسی جنتیں ملیں گی جن میں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی عقل کے اندھے کفار و مشرکین یہ کیسے سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کی بندگی کے لئے سرجھکانے والے مسلمانوں کو ان مجرمین کے مانند بنادیں گے جو شرک اور کبارِ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اے کفار مکہ! تمہارے پاس کون سی طاقت ہے، اور تم کس دلیل کی بنیاد پر ایسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس میں یہ فیصلہ درج ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بھی مومنوں سے اچھی حالت میں رہو گے؟ کیا اس کتاب میں وہ بات ہے جسے تم اپنے لئے پسند کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس اللہ کی جانب سے قسموں کے ذریعہ پختہ کئے گئے وعدے ہیں، جو قیامت تک نہیں ٹوٹیں گے کہ تمہیں قیامت کے دن وہی ملے گا جس کا تم اپنے لئے فیصلہ کر چکے ہو، یعنی تم مومنوں سے بہتر حالت میں ہو گے۔ اے میرے نبی! آپ ذرا ان سے پوچھئے تو سہی کہ آخر ان کا وہ کون سا ایڈ رہے جس نے انہیں ان کے فیصلہ کی ضمانت دے رکھی ہے، یا ان کے لئے اللہ کے کچھ شرکاء ہیں جنہوں نے انہیں اس فیصلہ کی ضمانت دے رکھی ہے، اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو ان شریکوں کو سامنے لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکور بالا باتوں میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے جس سے ان کے جھوٹے دعویٰ کی تائید ہو۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ کبر و عناد اور فسادِ عقل پر مبنی ہے، جو روزِ قیامت ان کے انجام بد کو نہیں بدل سکے گا۔

(۱۲) اوپر کی آیتوں میں قیامت کے دن مومنوں اور مشرکوں کا مال و انجام بیان کیا گیا ہے، اور آیت (۳۱) میں مشرکین مکہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر اُن کے پاس اللہ کے ایسے شرکاء ہیں، جنہوں نے انہیں ضمانت دے رکھی ہے کہ قیامت کے دن وہ مومنوں سے بہتر حالت میں ہوں گے، تو پھر ان شرکاء کو انہیں اُس دن سامنے لانا ہوگا، جب حالات کی ہولناکی انتہاء کو پہنچی ہوگی، اور رب العالمین مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ان کے سامنے آئے گا، اور حالات کی سنگینی کے اظہار کے لئے باری تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دے گا، تو ہر مومن مرد و عورت سجدہ میں گر جائیں گے، اور منافقین مردوں اور عورتوں کی پٹھنیں تنختہ کے مانند ہو جائیں گی اور ہزار کوشش کے باوجود سجدہ نہ کر سکیں گے، اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی میں اللہ کے لئے اخلاص کے ساتھ کبھی سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اور امام مسلم نے کتاب الایمان میں ابو سعید

فَذُرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبْ هَذَا الْكَلِمَةَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۱۴﴾
 أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرُورٍ مُثْقَلُونَ ﴿۱۵﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۱۶﴾

اے میرے نبی! مجھے اور اس کلام کی تکذیب (۱۳) کرنے والے کو چھوڑ دیجئے، ہم انہیں کشاں کشاں (جنہم کی طرف) اس طور پر لے جائیں گے کہ وہ جان بھی نہیں سکیں گے ﴿۱۴﴾ اور میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں، بے شک میری تدبیر مضبوط ہے ﴿۱۵﴾ کیا آپ ان سے (تبلیغ و دعوت کی) اجرت (۱۶) مانگتے ہیں کہ وہ بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں ﴿۱۶﴾ یا انہی کے پاس غیب کی خبریں ہیں جنہیں وہ لکھ لیتے ہیں ﴿۱۷﴾

خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اُس دن منافق مردوں اور عورتوں کی نظریں شدت خوف سے نیچے جھکی ہوں گی، اور وہ ذلت و رسوائی کے بوجھ تلے دبے ہوں گے۔ یہ لوگ جب دنیا میں صحت مند تھے، اور ان سے سجدہ کرنے کو کہا جاتا تھا تو کفر اور شدت استکبار کی وجہ سے ان کی گردنیں اللہ کے سامنے نہیں جھکتی تھیں۔

امام ابن حزم نے اپنی کتاب "المفصل" میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے روز قیامت کے بارے میں خبر دی ہے کہ اللہ عزوجل اس دن جب اپنی پنڈلی کھولے گا، تو مومن مرد و عورت سجدہ میں گر جائیں گے۔ اس کی تائید قرآن کریم کی آیت: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ﴾ سے ہوتی ہے۔ اتنی۔

اسی آیت کریمہ اور صحیحین کی مذکور بالا حدیث کے پیش نظر محدثین نے اللہ تعالیٰ کے لئے "ساق" یعنی پنڈلی کو ثابت کیا ہے، اور اس کی تاویل کرنے سے احتراز کیا ہے۔

(۱۳) مشرکین مکہ کے حق میں جب کوئی بھی دھکی کار گر نہیں ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ جو لوگ اس قرآن کو جھٹلا رہے ہیں ان کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے، مجھے معلوم ہے کہ ان کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، اور میں ان سے انتقام لینے کی ہر طرح قدرت رکھتا ہوں۔ اور ہم ان کی رستی ڈھیل دیں گے، اور انہیں صحت و عافیت دیں گے اور ڈھیر ساری نعمتیں دیں گے، اور انہیں کشاں کشاں ہلاکت کے دہانے تک پہنچا دیں گے، اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوگا۔

اور میں ان کی رستی خوب ڈھیل دوں گا، انہیں عذاب دینے میں جلدی نہیں کروں گا، یہاں تک کہ وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ وہ اللہ کے پیارے بندے ہیں جبھی تو اس نے انہیں اتنی ساری نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس وقت میں انہیں اپنی شدید گرفت میں لے لوں گا۔ اور یہ اللہ کی ان کے خلاف ایسی سخت ترین تدبیر ہوگی جس کو وہ برداشت نہ کر پائیں گے۔

(۱۴) مشرکین مکہ آپ کی اور قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں، تو کیا آپ دعوت حق کا ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں جس کے بوجھ تلے وہ دبے جا رہے ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی دعوت قبول کرنے سے کتراتے ہیں؟ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ یا لوح محفوظ اُن کے سامنے کھلا پڑا ہے، اور علم غیب سے سارے پردے اُن کے لئے اٹھادیئے گئے ہیں، جس سے استفادہ کر کے وہ خود ہی جان لیتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مقام اہل ایمان سے ارفع اور اعلیٰ ہے، اور انہیں آپ پر نازل کردہ وحی اور دین کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْأُخْتِ إِذْ كَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۗ لَوْلَا أَن تَدْرِكَهُ نِعْمَةُ رَبِّهِ لَنَذَرَ
بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۗ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ
بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَأَعُوا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ لِيَأْكُلُوا مِن لَّدُنكَ لَعَلَّيُنَّ ۝

پس آپ اپنے رب کے فیصلے تک صبر (۱۵) کیجئے، اور مچھلی والے (یونس بن مثنیٰ) کی طرح نہ ہو جائیے، جب انہوں نے
پکارا در انحالیکہ وہ غم سے بھرے تھے ﴿۳۸﴾ اگر ان کے رب کا فضل ان کو جانہ لیتا تو وہ چھیل میدان میں پھینک
دیئے جاتے، اس حال میں کہ وہ قابل ملامت ہوتے ﴿۳۹﴾ پس اُن کے رب نے انہیں چین (۱۶) کیا، پھر انہیں نیک
لوگوں میں سے بنا دیا ﴿۵۰﴾ اور کفار جب آپ سے قرآن (۱۷) سنتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مارے غیظ و غضب
کے آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے، اور کہتے ہیں یہ دیوانہ آدمی ہے ﴿۵۱﴾ حالانکہ قرآن سارے جہان کے
لئے نصیحت کے سوا کچھ نہیں ہے ﴿۵۲﴾

(۱۵) اس لئے اے میرے نبی! آپ اپنی دعوت کے ساتھ آگے بڑھتے رہئے، ان کے کبر و عناد اور اُن کی تکذیب کی پرواہ نہ
کیجئے، اور مچھلی والے یونس بن مثنیٰ کی طرح نہ ہو جائیے، جنہوں نے اپنی قوم کی اذیتوں سے تنگ آکر صبر کا دامن چھوڑ دیا تھا اور
انہیں چھوڑ کر وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔ اور جب مچھلی نے انہیں نگل لیا، اور حزن و ملال سے ان کا دل بھر آیا، تو مچھلی کے پیٹ
میں ہی انہوں نے اپنے رب کو پکارا اور کہا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”میرے رب! تیرے
سوا کوئی معبود نہیں، تو بریب و نقص سے پاک ہے، اور بے شک میں اپنے آپ پر ظلم کرنے والا تھا“۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ
قبول کر لی اور ان پر رحم کرتے ہوئے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ساحلِ سمندر پر اُگل دے، چنانچہ مچھلی نے ایسا ہی کیا، در انحالیکہ وہ
اپنے رب کے مقبول و محمود بندہ تھے۔ اگر اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی، اور اللہ ان کی توبہ قبول نہ کرتا، تو مچھلی انہیں کسی
دیران جگہ پر پھینک آتی، در انحالیکہ وہ اپنی غلطی کی وجہ سے لائق سرزنش اور مذموم ہوتے۔

(۱۶) اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اپنا برگزیدہ بندہ بنا لیا، اور مقامِ نبوت پر سرفراز کر کے نبیوں کی والوں کے بجائے
اُن کی اپنی قوم کے لئے نبی بنا کر بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ یونس علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ
سورۃ الانبیاء، سورۃ یونس اور سورۃ الصافات میں گزر چکا ہے، اُن آیات کا دوبارہ مطالعہ کر لیا جائے۔

(۱۷) کفار قریش اور دیگر کفار عرب نبی کریم ﷺ سے شدید بغض و عداوت رکھتے تھے، آپ جب بھی قرآن کی تلاوت کرتے تو
وہ لوگ آپ کو ایسی عداوت اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے کہ اگر اللہ آپ کی حفاظت نہ کرتا تو آپ ان کی بُری نظر کے زیر
اثر بہار ہو جاتے، لیکن اللہ کا فضل ہمیشہ آپ کے شامل حال رہا۔ مشرکین کہتے کہ محمد کو جنوں لاحق ہو گیا ہے اسی لئے ایسی بہکی
بہکی باتیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کافرانہ بات کی تردید کی اور کہا کہ محمد مجنون نہیں ہیں، بلکہ وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں، ان کو اللہ
نے اس لئے مبعوث کیا ہے تاکہ وہ سارے جن و انس تک اللہ کا آخری پیغام پہنچادیں۔ وباللہ التوفیق۔



الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا أُدْرِكُ مَا الْحَاقَّةُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأهْلِكُوا بِالطَّاغُوتِ ۝
وَأَمَّا عَادٌ فَأهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝

سورۃ الحاقۃ مکی ہے، اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
وہ برحق دن (۱) کیا ہے وہ برحق دن (۲) اور آپ کو کیا معلوم کہ کیا ہے وہ برحق دن (۳) ثمود اور عاد نے کھر کھڑا
دینے والے دن (۲) کو جھٹلادیا (۳) اس لئے قوم ثمود کے لوگ چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے (۵) اور
قوم عاد کے لوگ ایک تیز و تند آندھی کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے (۶)

تفسیر سورۃ الحاقۃ

نام: اس سورت کی ابتدائی تین آیتوں میں کلمہ "الحاقۃ" آیا ہے۔ یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے؛ بعض نے اس کا نام
"السلسلۃ" اور "الداعیۃ" بھی بتایا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ تمام کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے یہی روایت کی ہے۔

(۱) "الحاقۃ" سے مراد روز قیامت ہے، اس لئے کہ اس سے متعلق تمام غیبی خبریں اس دن ثابت و متحقق ہو جائیں گی، اور خود
قیامت کا وجود متحقق ہو جائے گا، اور بندوں کے اعمال کا بدلہ اُس دن واجب و ثابت ہو جائے گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ عرب جب مخاطب کے دل میں کسی اہم چیز کے جاننے کا شوق پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو پہلے اس کا
مجمّل طور پر ذکر کرتے ہیں، پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ پہلے اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ جس چیز کا ذکر ہو رہا
ہے وہ کوئی مہتمم باشان چیز ہے، پھر اس کا تفصیلی ذکر کیا جائے تاکہ اس کا تصور اس کے دل و دماغ میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ یہاں
بھی قیامت کا ذکر پہلے اجمالی طور پر پھر تفصیل طور پر اسی مقصد کے لئے آیا ہے۔

(۲) "القارعة" بھی قیامت کا نام ہے، اس لئے کہ وہ اپنی ہولناکیوں کے ذریعہ لوگوں کو جھنجھوڑے گی اور اُن کے دلوں پر
کچکی طاری کر دے گی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اس کی آیتیں پڑھ کر
لوگوں کو ڈراتے تھے، اور انہیں خوابِ غفلت سے جھنجھوڑتے تھے، لیکن پہلا معنی ہی راجح ہے۔

کفارِ قریش کی طرح قوم ثمود اور قوم عاد نے بھی روزِ قیامت کو جھٹلایا، تو قوم ثمود کے لوگ ایک شدید ترین چیخ کے
ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ قوم شام و حجاز کے درمیان "حجنو" نام کی جگہ پر آباد تھی، جسے آج کل مدائن صالح کے نام سے
جانا جاتا ہے، اور جو سعودی عرب کے شہر "العلا" سے صرف چند میل کے فاصلہ پر ہے۔

اور قوم عاد ایک شدید ترین ٹھنڈی اور تیز و تند آندھی کے ذریعہ ہلاک کر دی گئی، یہ لوگ "أحقاف" میں آباد تھے جو

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ آيَاتٍ مُّحْسُومَاتٍ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أُعِجَازٌ نَّخْلٌ خَاوِيَةٌ ۗ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۗ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ بِالْخَاطِئَةِ ۗ فَعَصَا رَسُولُ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۗ إِنَّ الْمَاطِفَةَ كَأَنَّهَا كَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۗ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكُرَةً وَتَعِبَهَا أِذُنٌ ذَائِعَةٌ ۗ

اللہ نے اسے ان پر لگا تارسات رات اور آٹھ دن کے لئے مسلط (۳) کر دیا تھا، آپ انہیں اُس آندھی میں اس طرح کھچڑے دیکھتے کہ جیسے وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں ﴿۷﴾ کیا آپ ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہیں ﴿۸﴾ اور فرعون (۴) اور ان قوموں نے جو اس سے پہلے گذر چکی تھیں، اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں، ان سب نے خطائیں کیں ﴿۹﴾ ان سب نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی، تو اللہ نے ان کی انتہائی شدید گرفت کی ﴿۱۰﴾ جب پانی (۵) خوب چڑھ گیا تو بے شک ہم نے ہی تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تھا ﴿۱۱﴾ تاکہ اس واقعہ کو ہم تمہارے لئے ایک یادگار بنادیں، اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں ﴿۱۲﴾

غمان اور حضرموت (یمن) کے درمیان ریگستانی علاقہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں کے لئے مسلط کر دیا تھا، جو مسلسل چلتی رہی، اور ان کو بیخ و بن سے ختم کرتی رہی۔ چنانچہ ان کی لاشوں کے اس طرح ڈھیر لگ گئے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین پر گرے پڑے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ القمر آیت (۲۰) میں آیا ہے: ﴿كَأَنَّهُمْ أُعِجَازٌ نَّخْلٌ مُنْقَعَةٌ﴾ ”گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں“۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اس قوم کو ختم کر دیا، ان کا ایک فرد بھی باقی نہ رہا۔ دنیا سے ان کی نسل مٹ گئی۔ یحییٰ بن سلام کہتے ہیں: کلمہ ”الخواویۃ“ میں اشارہ ہے کہ ان کے اجسام رحوں سے اس طرح خالی تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے درخت ہوتے ہیں۔

(۴) عاد و ثمود کی طرح اس سرزمین پر دوسری سرکش قومیں بھی پائی گئیں۔ ملک مصر میں فرعون پیدا ہوا۔ جس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو بہت سے معجزات دے کر مبعوث کیا، لیکن اس نے کفر کی راہ اختیار کی، اور فرعون مصر سے پہلے بھی ایسی قومیں پائی گئیں جنہوں نے اپنے زمانے کے رسولوں کی تکذیب کی۔ اور قوم لوط کی بستیاں پائی گئیں جن کے باشندوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا۔ اُن تمام کافر قوموں نے اپنے رب کے رسولوں کو جھٹلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شدید ترین گرفت کی۔

(۵) ان کافر و سرکش قوموں میں قوم نوح کے لوگ بھی تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے سمندر میں ڈبو دیا۔ جب طوفان کا پانی زمین پر ہر طرف پھیل گیا، اور نشیبی اور بالائی زمین میں کوئی فرق نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے نوح اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ کشتی میں سوار لوگوں کے سوا سب ہلاک ہو گئے، اور کشتی باقی ماندہ لوگوں کے لئے عبرت و موعظت کا سبب بن گئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے رسولوں کی مدد کرتا ہے، اور اپنے دشمنوں کو برباد کر دیتا ہے۔ نیز یہ واقعہ ہر ذی عقل و دہوش کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ سے سرکشی کرنے والی قوم کا انجام کیا ہوتا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۗ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۗ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ
الْوَاقِعَةُ ۗ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَسَمَى يَوْمَئِذٍ قَاهِيَةً ۗ وَالْمَلِكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ
يَوْمَئِذٍ كُنُوزًا ۗ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۗ فَأَمَّا مَنْ أَدْبَرَ كِبِيْرَهُ فَيَقُولُ هَذَا مَا مَرَرْتُ
بِهِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْكٌ حَسْبَابِيَةً ۗ

جب صور میں ایک پھونک (۱) ماری جائے گی ﴿۱۳﴾ اور زمین اور پہاڑ اوپر اٹھائے جائیں گے، اور یکبارگی ٹکرا کر
ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ﴿۱۴﴾ اُس دن واقع ہو جانے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ
پڑے گا، وہ اُس دن کمزور بھڑ بھڑا ہو جائے گا ﴿۱۶﴾ اور فرشتے اس کے اطراف و جوانب میں ہوں گے، اور اُس دن
آٹھ فرشتے اپنے اوپر آپ کے رب کا عرش اٹھائے ہوں گے ﴿۱۷﴾ اُس دن تم پیش (۷) کئے جاؤ گے، تمہاری کوئی
پوشیدہ بات اس سے مخفی نہیں رہے گی ﴿۱۸﴾ جس شخص کو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ (۸) میں دیا جائے گا وہ
(بڑھ کر) کہے گا، یہ لو، میرا نامہ اعمال پڑھو ﴿۱۹﴾ مجھے یقین تھا کہ میں اپنا حساب ضرور پاؤں گا ﴿۲۰﴾

(۶) قیامت کی تکذیب کرنے والوں کی ہلاکت و بربادی کے قصے بیان کرنے کے بعد، اب اس کی آمد کی کیفیت بیان کی جا رہی
ہے۔ سب سے پہلے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، جس کے زیر اثر تمام روحیں اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی، اور
سب لوگ رب العالمین کے سامنے حاضری کے لئے کھڑے ہو جائیں گے، اور زمین اور پہاڑ اوپر اٹھا کر ایک دوسرے سے اس
طرح ٹکرا دیئے جائیں گے کہ آن واحد میں پوری دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی، اور پوری زمین ایک چھیل میدان بن جائے گی، اور
قیامت واقع ہو جائے گی۔

اور آسمان پھٹ پڑے گا، اس کا رنگ بدل جائے گا، اور نہایت کمزور اور ڈھیلا ڈھالا ہو جائے گا، اور فرشتے آسمان کے
کناروں پر پناہ لیں گے۔ ضحاک کا قول ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا، تو فرشتے اس کے کناروں پر پناہ گزیر
ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین پر اترنے کا حکم دے گا، تو وہ اتر کر زمین اور اس پر رہنے والوں کو اپنے گھیرے
میں لے لیں گے۔

اُس دن آٹھ فرشتے اپنے سروں پر عرش کو اٹھائے ہوں گے بعض نے کہا ہے کہ لاتعداد فرشتے آٹھ صفوں میں بٹے
ہوئے عرش کو اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ”عرش“ سے مراد یا تو ”عرش عظیم“ ہے، یا وہ
عرش جو قیامت کے دن فیصلہ کے لئے زمین پر رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ قیامت کے دن تم سب اپنے رب کے سامنے حساب اور جزا و سزا کے
لئے پیش کئے جاؤ گے، اور وہ پیشی اس لئے نہیں ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال کو جانے جن کی اُسے خبر نہیں تھی، بلکہ اس
سے مقصود تمہیں آزمانا اور تمہاری جزو و توبخ ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ ”تم اپنے رب کے
سامنے پیش کئے جاؤ گے، دراصل ایک تمہارے کر تو توں میں سے کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہوگی“۔

(۸) اُس دن جس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کامیاب ہوگا، اور مارے خوشی کے اپنے آس پاس کے

فَهَوِّنِي عَيْشَتِي خَاصِيَةً ۞ فِي جَنَّةٍ عَلِيَةٍ ۞ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۞ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ
 الْخَالِيَةِ ۞ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابًا بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يُكْتَبُ لِي كِتَابِي ۞ وَلَمْ أَدْر مَا حِسَابِي ۞ يُكْتَبُ لَهَا
 كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۞ مَا أُعْطِيَ عَنِّي مَالِيَةَ ۞ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَةَ ۞ خُدُوهُ فَعُلُوهُ ۞ نُمْرُ الْجَحِيمِ صَلْوُهُ ۞
 نُمْرٌ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۞

وہ ایک خوشگوار زندگی (۹) میں ہوگا ﴿۲۱﴾ اونچے بلند جنت میں ہوگا ﴿۲۲﴾ اس کے پھل بالکل قریب ہوں گے ﴿۲۳﴾ (ان سے کہا جائے گا) تم لوگ آج مزے میں کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کے بدلے میں جو تم نے گذشتہ دنوں میں کئے تھے ﴿۲۴﴾ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ (۱۰) میں دیا جائے گا، وہ کہے گا، اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا گیا ہوتا ﴿۲۵﴾ اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے ﴿۲۶﴾ اے کاش! میری موت نے ہمیشہ کے لئے میرا قصہ تمام کر دیا ہوتا ﴿۲۷﴾ میرا مال (۱۱) میرے کسی کام نہ آیا ﴿۲۸﴾ پھر حکومت و سلطنت بھی مجھ سے جاتی رہی ﴿۲۹﴾ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو (۱۲) پھر اس کی گردن میں طوق ڈال دو ﴿۳۰﴾ پھر اسے جہنم میں جھونک دو ﴿۳۱﴾ پھر اسے ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں پر دو ﴿۳۲﴾

لوگوں سے کہے گا کہ ذرا میرا صحیفہ لو، اور اسے پڑھو تو سہی، اس سے تو روشنی پھوٹ رہی ہے، اس میں گناہوں کی سیاہی نہیں نظر آ رہی ہے۔ مجھے دنیا میں اس بات کا یقین تھا کہ قیامت کے دن مجھے اپنے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا، اسی لئے میں نے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اس دن کے لئے تیاری کی تھی، اور گناہوں سے بچا تھا، اور اگر کبھی نادانی کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا اور اس گناہ سے تائب ہوا، تو وہ گناہ میرے نامہ اعمال میں درج نہیں کیا گیا۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے ایسے نیک انسان کا انجام یہ بتایا کہ اسے جنت کے بالا خانوں میں خوشیوں اور راحتوں سے بھری زندگی ملے گی۔ اس جنت کے پھل ہر حال میں اس سے قریب ہوں گے، وہ جب بھی ان میں سے کوئی پھل کھانا چاہے گا اس کے قریب آجائے گا۔ اور اُن سے بطور عزت افزائی کہا جائے گا کہ تم سب خوش و خرم رہو اور جو چاہو کھاؤ، اور جو چاہو پیو، یہ جنت اور اس کی ساری نعمتیں تمہیں اُن اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ملی ہیں جو تم نے دنیا کی زندگی میں کئے تھے۔

(۱۰) اور اُس دن جس کا صحیفہ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ بد بخت اور نامراد ہوگا، اور شدتِ حزن و ملال کی وجہ سے کہے گا کہ اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا گیا ہوتا، اور مجھے میرا حساب معلوم نہ ہوتا۔ اے کاش! دنیا میں جو مجھے موت آئی تھی، اس کے بعد میں زندہ نہ کیا جاتا۔

(۱۱) جہنمی اپنی حسرت و نامرادی کا مزید اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ میرا مال آج مجھے عذابِ الہی سے بچانہ سکا، اور میری بادشاہی، لشکر، آلاتِ حرب، اور میری قوت اور میرا جبروت، میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ سب معدوم ہو گئے، اور حزن و ملال اور درد و الم کے سوا اب میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔

(۱۲) تب اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے کہے گا کہ اسے پکڑ لو، اور اس کے ہاتھ گردن سے لگا کر باندھ دو، پھر اسے جہنم کے انکاروں پر جلاؤ اور اُلٹو پلٹو، پھر اسے جہنم کے گرم زنجیروں میں سے ایک زنجیر میں اس طرح پر دو کہ اس کے دُبر سے داخل کرو اور

إِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ ۝ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسَلِينَ ۝ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝ فَلَا أَقْسِمُ بِمَا تُبْصَرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصَرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وہ عظیم اللہ پر ایمان (۱۳) نہیں رکھتا تھا ﴿۳۲﴾ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دلاتا تھا ﴿۳۳﴾ آج اس کا یہاں کوئی مخلص دوست (۱۴) نہیں ہے ﴿۳۵﴾ اور جنہیوں کی پیپ کے سوا (اس کے لئے) کوئی کھانا نہیں ہے ﴿۳۶﴾ اُسے صرف گناہ گار لوگ ہی کھاتے ہیں ﴿۳۷﴾ میں قسم (۱۵) کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو ﴿۳۸﴾ اور ان چیزوں کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو ﴿۳۹﴾ بے شک یہ (قرآن) ایک معزز رسول کا قول ہے ﴿۴۰﴾ اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو ﴿۴۱﴾ اور نہ یہ کسی کابن کا قول ہے، تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو ﴿۴۲﴾ (یہ تو) سارے جہان کے رب کا نازل کیا ہوا ہے ﴿۴۳﴾

منہ سے نکال دو، تاکہ اس میں لٹکارے۔ اَعَاذَنَا اللهُ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ .

(۱۳) وہ بد بخت و شقی اس بدترین انجام کا اس لئے مستحق بنا کہ وہ صاحبِ عظمت و جلال اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ خود کو دیتا تھا اور نہ غیر کو، خود انتہائی درجہ کا بخیل تھا اور دوسروں کو بھی اللہ کے لئے مسکینوں کو کھانا کھلانے سے روکتا تھا، مفسرین لکھتے ہیں کہ سعادت و نیک بختی کا دار و مدار اللہ کے لئے اخلاص اور مخلوق کے ساتھ احسان پر ہے، اور وہ بد بخت ان دونوں صفات سے محروم تھا۔

(۱۴) اس بد بخت جنہی کا مزید حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج (یعنی قیامت کے دن) اس کا کوئی رشتہ دار یا دوست نہیں ہوگا، جو اس کے لئے سفارشی بنے، اور اسے اللہ کے عذاب سے بچالے۔ سورہ عاقر آیت (۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَنْذَرْتَهُمْ يَوْمَ الْأَرْزَاقِ إِذْ يَقُولُ لِذِي الْقُلُوبِ لَدَى الْحَنَافِرِ كَاطْمِئِنَّا لِلْغَاطِمِينَ مَا لِلْغَاطِمِينَ مِنَ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾ "اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی (قیامت) سے آگاہ کر دیجئے، جبکہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے"۔ اور اُس بد بخت کو کھانے کے لئے جنہیوں کے خون اور پیپ کے سوا کچھ بھی نہ ملے گا۔ یہ بدترین کھانا صرف اہل کفر اور وہ مجرمین کھائیں گے جو اللہ کے اوامر و نواہی کو پس پشت ڈال دیتے تھے اور تصدِ اعماسیٰ اور جرائم کا ارتکاب کرتے تھے۔

(۱۵) مشرکین کہہ کی تردید کی گئی ہے جو قرآن کے کلام الہی ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! میں اُن تمام چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جنہیں تم دیکھتے ہو، اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو، یعنی تمام مخلوقات کی اور اپنی ذاتِ اقدس کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے رسول (ﷺ) سچے ہیں، اور انہوں نے یہ قرآن اپنے رب کی جانب سے لوگوں کو سنایا ہے، یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے جیسا کہ تم لوگوں میں جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم دلوں پر ایمان سے محروم ہو۔ اگر تم مومن ہوتے، اور نبی کریم ﷺ کے اوصاف و اخلاق میں غور و فکر کرتے، تو تمہارے لئے روشن آفتاب کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی کہ وہ واقعی اللہ کے رسول

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿١﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٢﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٣﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٤﴾ وَإِنَّهُ لَكُنْزٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٥﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿٦﴾ وَإِنَّهُ لَكُنْزٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧﴾ وَإِنَّ لِسْعَ الْيَقِينِ ﴿٨﴾ فَسُبْحَانَ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩﴾

اور اگر (میرے نبی) بعض باتیں گھڑ (۱) کر میری طرف منسوب کر دیتے ﴿۲﴾ تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے ﴿۳﴾ پھر ہم ان کی شر رگ کاٹ دیتے ﴿۴﴾ پھر تم میں سے کوئی ہمیں روکنے والا نہ ہو تا ﴿۵﴾ اور بے شک قرآن اللہ سے ڈرنے (۱۷) والوں کے لئے نصیحت ہے ﴿۶﴾ اور ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلانے والے ہیں ﴿۷﴾ اور بے شک یہ کافروں کے لئے (قیامت کے دن) باعثِ حسرت ہو گا ﴿۸﴾ اور بے شک یہ یقینی طور پر برحق ہے ﴿۹﴾ اس لئے اے میرے نبی! آپ اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح پڑھتے رہئے ﴿۱۰﴾

ہیں، اور جو قرآن لے کر وہ معبوث ہوئے ہیں وہ کلامِ الہی ہے۔

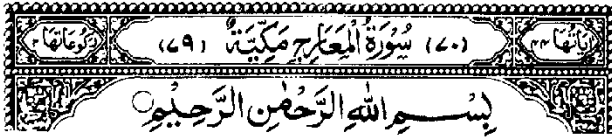
اور یہ قرآن کسی کا ہن کا کلام بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعض مشرکین عرب کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ فکر و نظر کی نعمت سے یکسر محروم ہو اور نہ تمہیں یہ بات یقیناً سمجھ میں آجاتی کہ قرآن کسی کا ہن کا کلام نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن حق و صداقت لے کر نازل ہوا ہے، جبکہ کہانت کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ کے شبہات کی تردید کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن رب العالمین کا کلام ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کلام کی عظمت، اس کا جلال اور دل و دماغ پر پڑنے والا اس کا غیر معمولی اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا شکم وہ اللہ ہے جو عظمت و جلال اور کبریائی والا ہے۔

(۱۶) اگر محمد ﷺ جیسا کہ مشرکین مکہ افترا پر دازی کرتے ہیں، ہماری طرف جھوٹ باتیں منسوب کرتے، تو ہم انہیں بڑی سخت سزا دیتے، اور دل کی طرف جانے والی ان کی رگ کو کاٹ دیتے، اور وہ ہلاک ہو جاتے، اور تم میں سے کوئی ہمیں ایسا کرنے سے نہ روک سکتا، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اس نے اپنے رسول ﷺ کے معجزات کے ذریعہ تائید کی، قرآن نازل کر کے ان کی صداقت کی دلیل پیش کی، دشمنوں کے خلاف ان کی مدد فرمائی، اور ان کے ممالک کا آپ کو مالک بنا دیا، یہ ساری باتیں دلیل ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے قرآن میں ایک کلمہ کا بھی اضافہ نہیں کیا، بلکہ قرآن کا ایک ایک کلمہ کلامِ الہی ہے۔

(۱۷) یہاں قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان کی ہے کہ اہل تقویٰ اس سے دین و دنیا کے ہر معاملہ میں روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں، مسلمانوں میں بڑے بڑے ربانی علماء اور ائمہ پیدا ہوتے ہیں جو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں مومنوں کی دینی رہنمائی کرتے ہیں۔

آیت (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! ہمیں پوری خبر ہے کہ تم میں سے بعض لوگ دنیاوی فائدے کی خاطر اور خواہش نفس کی پیروی میں اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں، تو ہم انہیں ایسے ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ قرآن کریم سے اس اعراض کا انہیں ضرور بدلہ دیں گے۔ اور آیت (۵۰) میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب کفار دیکھیں گے کہ قرآن کریم پر



سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَقِيعٍ ۗ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۗ مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۗ

(سورة المعارج کی ہے، اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ایک سوال^(۱) کرنے والے نے اس عذاب کے جلد آنے کا سوال کیا ہے جو واقع ہونے والا ہے ﴿۱﴾ وہ کافروں کے لئے ہے، اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے ﴿۲﴾ وہ بلند درجات والے اللہ کی جانب سے ہے ﴿۳﴾

ایمان لانے والے نوازے جارہے ہیں، اور انہیں جنت کی طرف لے جایا جا رہا ہے، تو ان کی حسرت انتہائی شدید ہوگی۔ اور آیت (۵۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم اللہ کی برحق کتاب ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کرنے کے لئے "سبحان ربی العظیم" کا ورد کرتے رہئے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة المعارج

نام: آیت (۳) ﴿مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اسے سورة "سائل سائل" بھی کہا جاتا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔

(۱) نسائی اور حاکم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیت کریمہ میں "سائل" یعنی پوچھنے والے سے مراد نضر بن حارث ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے کافروں سے وعدہ عذاب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر تیری جانب سے یہی بات حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے، یا کوئی دردناک عذاب ہم پر نازل کر دے۔ نضر بن حارث کے اس قول کو اللہ تعالیٰ نے سورة الانفال آیت (۳۲) میں بیان کیا ہے: ﴿اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنَّا فَإِنَّا عَلَىٰ أَصْحَابِنَا حَرَامٌ وَإِن جَاءَ بِهَذَا حَرَابٌ نَّبْنِي بِنَارٍ وَإِن يَأْتِ بِهَذَا لُجُجٌ نَّبْنِي بِنَارٍ وَإِن يَأْتِ بِهَذَا سُلُوبٌ نَّبْنِي بِنَارٍ وَإِن يَأْتِ بِهَذَا حَرَابٌ نَّبْنِي بِنَارٍ وَإِن يَأْتِ بِهَذَا حَرَابٌ نَّبْنِي بِنَارٍ وَإِن يَأْتِ بِهَذَا حَرَابٌ نَّبْنِي بِنَارٍ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی آیت (۲۱) میں اس کی بات کا جواب دیا کہ ایک پوچھنے والے نے اُس عذاب کے بارے میں پوچھا ہے جس کا واقع ہونا یقینی ہے، اور وہ عذاب کافروں کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے ہے، اور اس کا فیصلہ اللہ کی جانب سے ہو چکا ہے، اب اسے کوئی ٹال نہیں سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورة الحج آیت (۴۷) میں فرمایا ہے: ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ﴾ "اور مشرکین مکہ آپ سے عذاب لانے کی جلدی کرتے ہیں، اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا"۔ چنانچہ صحیح روایت میں ثابت ہے کہ نضر بن حارث میدان بدر میں بری طرح مارا گیا۔

"ذی المعارج" اللہ کی صفت ہے، یعنی وہ عذاب اس اللہ کی جانب سے ہے جو "معارج والا" ہے۔ مفسرین نے اس کلمہ کے تین معانی بیان کئے ہیں: ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی "ذی السماوات" مروی ہے، یعنی

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۗ إِنَّهُمْ
يُرَوُّنَهُ بُعِيدًا ۙ وَأُولَئِكَ قَرِيبًا ۗ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالرَّهْلِ ۗ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۗ

فرشتے اور روح^(۲) (جبریل) اس کے پاس چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ﴿۱﴾ اے میرے نبی! آپ صبر جمیل^(۳) سے کام لیجئے ﴿۵﴾ بے شک کفار اسے دور سمجھے ہیں ﴿۶﴾ اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ﴿۷﴾ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کے مانند ہو جائے گا ﴿۸﴾ اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی^(۴) کی مانند ہو جائیں گے ﴿۹﴾

آسمانوں والا، اس لئے کہ فرشتے اُن آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ دوسری روایت قنادر سے ہے کہ اس کا معنی "ذی الفواضل والنعمة" ہے یعنی وہ اللہ جو نعمتوں اور احسانات والا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ "معارج" سے مراد جنت کے دو درجہ جات ہیں جو اللہ کی طرف سے اس کے اولیاء اور صالحین کو ملیں گے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں "روح" سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، جو ملائکہ میں شامل ہیں، لیکن اللہ کے نزدیک ان کے خصوصی مقام کی وجہ سے ان کے نام کی صراحت کی گئی ہے۔

ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ فرشتے اور جبریل اللہ عزوجل کی جانب عروج کرتے ہیں، ہاں طور کہ ایک دن میں ساتویں زمین کی آخری تہ سے ساتویں آسمان کے اوپر تک اُن کے چڑھنے کی تیزی رفتار دوسری مخلوقات کے پچاس ہزار سال کی رفتار کے برابر ہوتی ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ فرشتے اور جبریل اللہ تعالیٰ کی جانب اُس دن چڑھیں گے جس دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ تیسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ آیت میں (دن) سے مراد "قیامت کا دن" ہے۔ یعنی وہ دن کافروں کے لئے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ اسے مومنوں کے لئے آسان بنا دے گا۔ اور مجاہد کا قول ہے کہ آیت میں دنیا کی عمر پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے، لیکن معلوم نہیں کہ کتنی مدت گذر چکی ہے، اور کتنی باقی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی ہے کہ دعوت کی راہ میں مشرکین کی جانب سے آپ کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر صبر جمیل سے کام لیجئے، لوگوں کے سامنے پریشانی اور ناراضگی کا اظہار نہ کیجئے، اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے ان تکلیفوں کا شکوہ نہ کیجئے۔ مشرکین چونکہ یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اس لئے بعث بعد الموت اور قیامت کے دن کے عذاب کو اپنی بدبختی کی وجہ سے بہت دور سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک تو اس کا دن بہت ہی قریب ہے، اس لئے کہ اس کا آنا یقینی ہے، اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے۔ ہم اپنی صفت رحمت اور حلم کی وجہ سے ان پر عذاب لانے میں جلدی نہیں کر رہے ہیں۔

(۴) اس دن کی ہولناکیوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کے مانند بہہ پڑے گا، اور پہاڑ ٹکڑے ہوئے اُون کے مانند بالکل ہلکا ہو کر چاروں طرف اڑنے لگے گا، اور ہر چیز فنا کے گھاٹ اُتار دی جائے گی۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ تمام جنوں اور انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور سب ننگے پاؤں ننگے بدن میدانِ محشر میں اکٹھا ہو جائیں گے۔ جب اُن عظیم اجرامِ ارضیہ کا یہ حال ہوگا، تو اس دن ضعیف و ناتواں انسان کا کیا حال ہوگا جس نے گناہوں

وَلَا يَسْأَلُ حَيْمُومٌ حَيْمًا ۖ يُبْصِرُونَ نَهْمَ يَوْمِ الْجُحْرِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بَيْنِيَهُ ۖ وَصَاحِبَتِهِ
وَأَخِيهِ ۖ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيِّتُهُ ۖ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْفِخُهُ ۖ كَلَّا إِنَّهَا لَأَنْظِلُ نَزَاةً لِلشَّوْمَى ۖ
تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ۖ وَجَمَعَ قَاوِمِي ۖ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ

اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا ﴿۱۰﴾ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے (۵) جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے ﴿۱۱﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کا فدیہ دے دے ﴿۱۲﴾ اور اپنے اس خاندان اور کنبے کا فدیہ دے دے جو (دنیا میں) اسے پناہ دیتا تھا ﴿۱۳﴾ اور زمین میں پائے جانے والے تمام لوگوں کو بطور فدیہ پیش کر دے، پھر اس کی یہ تدبیر اسے (عذاب سے) نجات دلا دے ﴿۱۴﴾ ہرگز نہیں، بے شک وہ آگ کا شعلہ (۶) ہو گا ﴿۱۵﴾ وہ دوسرے کے چمڑے اُدھیڑ ڈالے گا ﴿۱۶﴾ وہ ہر اس شخص کو پکارے گا جس نے حق سے منہ موڑا تھا اور پیٹھ پھیر لی تھی ﴿۱۷﴾ اور مال جمع کیا تھا اور اسے سنبھال رکھا تھا ﴿۱۸﴾ بے شک آدمی جزع فزع کرنے والا اور حریص پیدا کیا گیا ہے ﴿۱۹﴾

کے بارگراں کے ذریعہ اپنے کندھوں کو نہایت بوجھل بنا رکھا ہو گا۔ یقیناً اس کا دل اپنی جگہ چھوڑ دے گا، اور اپنی نجات کی فکر میں ایسا پریشان و مضطرب ہو گا کہ اپنی ذات کے سوا سب کو بھول جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس آیت (۳۷) میں فرمایا ہے: ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ اُن میں سے ہر ایک کو اُس دن فکر دامن گیر ہوگی جو اس کے لئے کافی ہوگی، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے یہاں یوں فرمایا ہے کہ ”کوئی رشتہ دار اور دوست اپنے کسی رشتہ دار اور دوست کو نہیں پوچھے گا“۔

(۵) اس دن ایک دوسرے کو نہ پوچھنا اس لئے نہیں ہو گا کہ اُن کے درمیان کوئی حجاب حائل ہو گا، بلکہ دوسروں کے بارے میں سوچنے کے لئے کسی کے دل میں اس دن گنجائش ہی نہیں ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”لوگوں کو اُن کے خویش واقارب یاد دلائے جائیں گے، اور اُن سے اُن کی پہچان کرائی جائے گی“ لیکن ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا۔

اُس دن کافر تمنا کرے گا کہ کاش! کوئی ایسی صورت نکل آتی کہ وہ اپنی اولاد، بیوی، بھائی، سارا خاندان اور سارا عالم دے کر اپنی نجات کر لیتا، یعنی وہ ایسی گھڑی ہوگی کہ جن سے وہ دنیا میں بے انتہا محبت کرتا تھا، اُن کی بھی قربانی دے کر صرف اپنی جان چھڑا لینا چاہے گا۔

(۶) لیکن اس دن نہ کوئی رشتہ داری کام دے گی، اور نہ ہی کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔ ہر آدمی کے پاس صرف اُس کا اچھا برا عمل ہو گا اور اس کے نتائج کا اسے سامنا ہو گا۔ اور وہ آگ ہوگی جس کا بحر موموں سے وعدہ کیا گیا تھا، اس کے شدید ترین انگارے ہوں گے جو سر اور ہر عضو کے چمڑے کو اُدھیڑ کر الگ کر دیں گے، جس کے الگ کرنے سے آدمی مرتا نہیں، لیکن انتہائی تکلیف و مصیبت میں ہوتا ہے۔

اُس دن جہنم اپنی طرف ہر اُس کافر و مکش کو پکارے گی جس نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے روگردانی کی تھی، اور اسے پس پشت ڈال دیا تھا۔ اور مال اکٹھا کر کے تجوروں میں تہ تہ بند کرتا رہا، نہ اس کی زکاۃ ادا کی اور نہ اُس میں سے صدقہ و خیرات کیا۔ اور جسے جہنم پکارے گی، اُسے دکھتے دے کر اس میں پہنچا دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الطور آیت (۱۳)

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْغَيْمُ مُنُوعًا ۗ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۗ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۗ
وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ۖ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۗ وَالَّذِينَ يُصَلُّونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ
عَنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۗ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۗ إِلَّا
عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۗ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْعَادُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِنَتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ
صَلَاتِهِمْ حَافِظُونَ ۗ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۗ

جب اُسے کوئی تکلیف (۷) پہنچتی ہے تو فوراً گھبرانے لگتا ہے ﴿۲۰﴾ اور جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو بڑا بخیل بن جاتا ہے ﴿۲۱﴾ سوائے اُن نمازیوں (۸) کے ﴿۲۲﴾ جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ﴿۲۳﴾ اور جن کے مال میں معلوم حق ہے ﴿۲۴﴾ سائل اور محروم کے لئے ﴿۲۵﴾ اور جو قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں ﴿۲۶﴾ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں ﴿۲۷﴾ بے شک اُن کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے بے خوف رہا جائے ﴿۲۸﴾ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۲۹﴾ سوائے اپنی بیویوں اور مملوکہ عورتوں کے، ایسی صورت میں وہ لوگ لائق ملامت نہیں ہیں ﴿۳۰﴾ جو لوگ اس کے سوا کچھ اور چاہیں گے، وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ﴿۳۱﴾ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا خیال رکھتے ہیں ﴿۳۲﴾ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ وہی لوگ جنتوں میں معزز و مکرم رہیں گے ﴿۳۵﴾

میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَذْعُونُ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً﴾ ”جس دن وہ دھکے دے کر آتش جہنم کی طرف لائے جائیں گے۔“ (۷) انسان طبعی طور پر ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اسے کوئی بیماری مصیبت لاحق ہوتی ہے تو دامن صبر اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، داویلا کرنے لگتا ہے، اور انتہائی بے چینی اور اضطراب کا اظہار کرنے لگتا ہے، اور جب اللہ کی جانب سے مال و دولت سے نوازا جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل بن جاتا ہے، اپنے اوپر اللہ کے احسانات کو بھول جاتا ہے، اور اپنوں اور غیروں پر اس میں سے ایک پیسہ خرچ کرنے کے تصور سے اس کی جان نکلنے لگتی ہے۔

(۸) اس بیماری کا اللہ تعالیٰ نے جو انسان کا خالق ہے، ایک ہی علاج بتایا ہے کہ بندہ اس دنیا میں اللہ کا ہو کر رہے، اس نے جو فرائض عائد کئے ہیں انہیں پابندی سے ادا کرے، اور جن بُرے افعال و اخلاق سے اس نے منع کیا ہے، اُن سے اجتناب کرے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے اندر ایسی روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو جزع فزع میں مبتلا نہیں ہوتا، بلکہ اس ایمان و یقین کے ساتھ اسے برداشت کرتا ہے کہ رب العالمین کی تقدیر میں ایسا ہی ہونا لکھا تھا، اس لئے ہمت و عزیمت کے ساتھ صبر کرتا ہے اور اللہ سے دعا کرتا ہے کہ رحم الرحیمین اسے اس کے سر سے ٹال دے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اسے دولت سے نوازتا ہے تو اس کا شکر ادا کرتا ہے، کبر و غرور میں مبتلا نہیں ہوتا، آپے سے باہر نہیں ہو جاتا، اور اس مال میں اللہ اور بندوں کا جو حق ہوتا ہے، اُسے نہایت خوش دلی سے ادا کرتا ہے، بلکہ اس کی جو مالی حیثیت ہوتی ہے اس

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ ۖ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ۝

ان کافروں کو کیا (۹) ہو گیا ہے کہ وہ آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں ﴿۳۶﴾ دائیں اور بائیں سے گروہ درگروہ ﴿۳۷﴾ اعتبار سے غریبوں، محتاجوں، بے کسوں، یتیموں اور بیواؤں پر ہمیشہ خرچ کرتا رہتا ہے۔

آیات (۲۲) سے (۳۵) تک اللہ تعالیٰ نے جزع فزع اور شدت حرص و طمع سے شفا پانے کے اسی نسخہ کیمیا کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں بیماریوں سے اللہ تعالیٰ ان کو شفا دے گا:

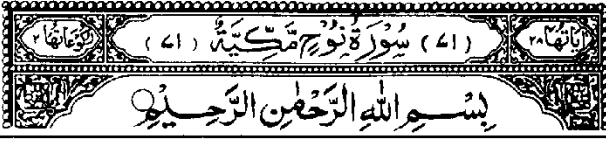
- ۱- جو اپنی نمازیں پابندی کے ساتھ اور ان کے ارکان و شروط اور سنن کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں۔
- ۲- ان کے مال میں اللہ نے مانگنے والوں اور محروموں کا جو حق مقرر کیا ہے، اُسے بطیب خاطر ادا کرتے ہیں۔
- ۳- بعث بعد الموت، روز قیامت اور اس دن کے جزا و سزا پر ایمان رکھتے ہیں۔
- ۴- جب وہ شیطان کے زغے میں آکر کوئی فعل واجب چھوڑ دیتے ہیں، یا کسی فعل حرام کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، تو اللہ کے عذاب کا تصور کر کے ان کے جسموں پر کچلی طاری ہو جاتی ہے، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کا عذاب کسی کو بھی اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ اس سے بے خوف ہو کر کافر و منافق ہی زندہ رہتا ہے، مومن اپنے رب کے خوف سے ہر وقت کا پتہ رہتا ہے۔
- ۵- وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی زنا اور لواطت سے بچتے ہیں، اور شوہر و بیوی اور اپنی لونڈی کے سوا کسی کے سامنے اپنی شرمگاہ نہیں کھولتے البتہ اگر وہ اپنی بیویوں سے جماع کرتے ہیں، یا ان لونڈیوں سے جنہیں اسلامی جہاد یا شرعی طور پر خرید کر حاصل کیا تھا، تو وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان دونوں طریقوں کے سوا کسی اور طریقہ سے عورت کو حاصل کرتا ہے اور اس سے جماع کرتا ہے، تو وہ اللہ کے مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے والا قرار دیا جائے گا۔
- ۶- اور وہ لوگ امانتوں اور عہدوں و مواعظ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور سب سے اہم امانت اور سب سے پختہ میثاق بندے کا اپنے رب سے یہ عہد و میثاق ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے گا اس کی بندگی کرتا رہے گا، اور اس کے رسول کی بات کو سب کی بات پر مقدم رکھے گا۔
- ۷- اور وہ لوگ اپنے پاس موجود شہادتوں کو نہیں بھپاتے، بلکہ جب ان کی ضرورت پڑتی ہے تو حکام کے سامنے انہیں بے کم و کاست ادا کرتے ہیں۔

۸- اور وہ لوگ اپنی بھنگانہ نمازیں، شروط و ارکان کا التزام کرتے ہوئے، خشوع و خضوع، طہانیت اور رکوع، سجدہ اور قیام میں اعتدال کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے مقرر و محدود اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میں نمازوں کے اہتمام کا ذکر دو بار آنا، نماز کی فضیلت اور دیگر اعمال صالحہ کے مقابلہ میں اس کی عظمت و اہمیت کی دلیل ہے، اللہ کے جو مومن بندے ان اوصاف کے حامل ہوں گے، اللہ کے فضل و کرم سے، آیت (۱۹) میں مذکور نفسیاتی بیماری سے وہ محفوظ رہیں گے، اور جب دنیا سے رخصت ہو کر اپنے رب کے پاس پہنچیں گے، تو اللہ انہیں عزت و اکرام کے ساتھ جنتوں میں جگہ دے گا۔

(۹) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں پائے جانے والے کفار و مشرکین ہر روز آپ کو دیکھتے تھے، آپ کے ذریعہ صادر ہونے والے معجزات کا مشاہدہ کرتے تھے، اور ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تھی، لیکن ان تمام چیزوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا،

فَذَرَهُمْ خَوْضًا وَيَلْبُؤًا حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَ الَّذِي يُوعَدُونَ ۖ يَوْمَ يُخْرِجُونَ مِنَ الْجِبَالِ فِي سُرْعَا كَأَنَّهُمْ
إِلَى نَصِيبٍ يَوْمِضُونَ ۖ خَاشِعَةً أَبْصَالُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ



اے میرے نبی! آپ انہیں بے کار باتوں اور لہو و لعب میں مشغول چھوڑ (۱۲) دیجئے یہاں تک کہ وہ اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۲۲﴾ جس دن وہ اپنی قبروں سے اتنی تیزی کے ساتھ نکلیں گے (۱۳) کہ گویا وہ بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں ﴿۲۳﴾ درانحالیکہ ان کی نظریں جھکی ہوں گی، اُن پر ذلت و رسوائی چھائی ہوگی، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۲۴﴾

سورۃ نوح کئی ہے، اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے، ہاں، ضرور کریں گے، ہم تو قادر ہیں کہ ہم اُس کی پور پور تک درست کر دیں۔“ (۱۲) جب ثابت ہو گیا کہ قیامت آئے گی، لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور مشرکین مکہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی دعوت کو ٹھکرا کر تکذیب قیامت پر مصر ہیں، تو اے میرے نبی! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، دنیا میں فاسد عقائد اور باطل چہ میگوئیوں میں مشغول رہیں، کھائیں پیئیں اور مزے اڑائیں، اور شرک و معاصی کا ارتکاب کرتے رہیں، یہاں تک کہ قیامت کا وہ دن آجائے جس دن اُن سے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(۱۳) اُس دن اُن کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنی قبروں سے نکل کر، پکارنے والے کی آواز کی طرف اس طرح تیزی کے ساتھ دوڑیں گے کہ جیسے کوئی گم گشتہ راہ نشان راہ کو دیکھ کر اس کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے۔ اُن کی نگاہیں ذلت و رسوائی سے ٹھکی ہوں گی، اور اُن کا پورا وجود ذلت کے بوجھ تلے دبا ہوگا، آنکھیں جھکی ہوں گی، جسم و جان کی ہر حرکت بند ہوگی، اور زبان گنگ ہوگی، اور ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ دن ہے جس کا اُن سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ نوح

نام: پہلی آیت میں ہی نوح علیہ السلام کا نام آیا ہے، نیز اس سورت میں نوح علیہ السلام کی دعوت کا تفصیلی ذکر ہے، اسی لئے اس کا نام سورۃ نوح رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت سب کے نزدیک کئی ہے۔ ابن مردویہ وغیرہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهَا نُوْحًا﴾ کہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورۃ مبارکہ میں صرف نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ واحد نبی تھے جو ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے رہے، اور انہیں شرک سے ڈراتے رہے۔

ان کی مدت نبوت کا ذکر سورۃ العنکبوت آیت (۱۳) میں گزر چکا ہے۔ ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ قَالَ يَقَوْمِ لِمَ نَذِيرٌ
مُهَيَّبٌ ۖ إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَانْتَفِعُوا بِالْقُوَّةِ وَالنَّوَّةِ ۖ وَالطَّيِّعُونَ ۖ يَغْفِرْ لَكُمْ مَن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ
إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۖ فَكَلَّمَهُ بَرْدَهُمْ دُعَاؤِي إِلَّا فَرَادًا ۖ وَإِنِّي
كَلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِيُغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أُصْأَبَهُمْ فِي إِذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَرُوا ۖ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا (۱) (اور ان سے کہا) کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیے قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب نازل ہو ۱ انہوں نے کہا، اے میری قوم! میں تمہارے لئے پوری صراحت کے ساتھ ڈرانے (۲) والا آیا ہوں ۲ کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو، اور اس سے ڈرتے رہو، اور میری اطاعت کرو ۳ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دے گا، بے شک اللہ کا وقت مقرر جب آجائے گا تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا، کاش کہ تم یہ بات سمجھ جاتے ۴ نوح نے کہا، میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت (۳) دی ۵ لیکن میری دعوت نے ان کے فرار کو زیادہ کر دیا ۶ اور میں نے جب بھی انہیں دعوت دی تاکہ تو ان کو معاف کر دے، تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ڈال لیں، اور انہوں نے اپنے کپڑے اوڑھ لئے، اور باطل پر اصرار کیا، اور نہایت تکبر کا اظہار کیا ۷

وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نوح کو رسول بنا کر مبعوث کیا تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک اللہ کی طرف بلاتے رہے، اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے، یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد کثیر ہو گئی اور چاروں طرف پھیل گئے۔

(۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے نوح کو، ان کی قوم پر رحم کرتے ہوئے، رسول بنا کر مبعوث کیا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو دعوت توحید دیں، شرک سے ڈرائیں، اور انہیں بتائیں کہ اگر وہ شرک سے باز نہیں آئیں گے تو اللہ کا دردناک عذاب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

(۲) نوح علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی فوراً تعمیل کی، اور اپنی قوم سے کہا کہ میں اللہ کی جانب سے تمہیں کفر و شرک سے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری دعوت واضح ہے، اور تمہارا کفر و شرک ظاہر ہے، اور اللہ کے عذاب سے تمہیں کیسے نجات ملے گی وہ بھی میں تمہیں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں۔

میری دعوت یہ ہے کہ تم سب صرف اللہ کی بندگی کرو، اس کی عبادت میں غیروں کو شریک نہ بناؤ، اور ہر حال میں اس سے ڈرتے رہو، اور جس کام کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، اور جس سے منع کرتا ہوں، ان سب میں میری اطاعت کرو، اس لئے کہ میں اللہ کا پیغامبر ہوں، میں اسی کے حکم کے مطابق تمہیں کسی کام کا حکم دیتا ہوں اور کسی کام سے روکتا ہوں۔

اگر تم میری دعوت کو قبول کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں تمہاری مقرر عمر تک زندہ رہنے دے گا یعنی عذاب دینے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اور یاد رکھو کہ جب تمہارے عذاب کا وقت آجائے گا، تو اسے ٹالا نہیں جائے گا۔ کاش کہ تم ان باتوں کو سمجھتے تو اللہ کی طرف رجوع کرتے، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور اس سے طلب مغفرت کرتے!

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهْرًا ۖ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۗ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا ذُنُوبَكُمْ إِنِّي كَانُ غَفَّارًا ۗ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ تِدَارًا ۖ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَأَبْنَاءٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۗ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۗ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۗ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۗ

پھر میں نے انہیں بر ملا دعوت (۳) دی ﴿۸﴾ پھر میں نے ان کے سامنے علی الاعلان اپنی دعوت پیش کی، اور ان کو پوشیدہ طور پر بھی سمجھایا ﴿۹﴾ میں نے ان سے کہا کہ تم سب اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ بے شک بڑا مغفرت کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾ وہ آسمان سے تمہارے لئے موسلا دھار بارش بھیجے گا ﴿۱۱﴾ اور تمہیں مال و دولت اور لڑکوں سے نوازے گا، اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا، اور تمہارے لئے نہریں نکالے گا ﴿۱۲﴾ تمہیں کیا (۵) ہو گیا ہے کہ تم اپنے رب کی عزت و وقار سے نہیں ڈرتے ﴿۱۳﴾ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے ﴿۱۴﴾ کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کس طرح (۶) تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کئے ہیں ﴿۱۵﴾

(۳) لیکن ان کی قوم نے ہزار کوشش کے باوجود ان کی دعوت قبول نہیں کی، تو انہوں نے اپنے رب کے حضور شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے پروردگار، میں اپنی قوم کو دن رات توحید اور عمل صالح کی طرف بلا رہا ہوں، لیکن وہ حق سے دور ہی ہوتے گئے، اور میری دعوت حق کا ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ میں نے جب بھی انہیں ایمان باللہ کی دعوت دی، تاکہ تو ان کی مغفرت فرمادے، تو ان کی نفرت اور ان کا استکبار بڑھتا ہی گیا، اور انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ڈال لیں، تاکہ حق کی آواز کہیں ان پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ اور انہوں نے مجھ سے اور میری دعوت سے شدت نفرت کی وجہ سے اپنے چہروں پر کپڑے ڈال لئے، تاکہ مجھ پر ان کی نگاہ نہ پڑے، اور انہوں نے محض عناد کی وجہ سے اپنے کفر و شرک پر اصرار کیا، اور استکبار میں آ کر حق کا انکار کر دیا، یعنی میں نے جو انہوں نے اپنی دعوت تیز کر دی، ان کا شر بڑھتا گیا، اور خیر کو قبول کرنے کی ان کی صلاحیت و قابلیت کھٹی گئی۔

(۴) میرے پروردگار! میں نے انہیں بر ملا توحید کی دعوت دی، اور شرک سے روکا، میں نے ان کے ساتھ دعوت کے مختلف اسالیب اختیار کئے، کبھی سب کو اکٹھا کر کے اپنی دعوت کا اعلان کیا، اور کبھی ایک ایک سے مل کر خفیہ انداز میں ان کے سامنے اپنی دعوت رکھی، اور ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے گزشتہ گناہوں سے صدق دل کے ساتھ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور اپنے حضور توبہ کرنے والوں کی خطاؤں کو بڑا معاف کرنے والا ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمہاری زمینوں پر خوب بارش برسائے گا، تمہاری کھیتیاں لہلہا اٹھیں گی، خوب اناج پیدا ہوگا، اور تمہاری روزی میں خوب برکت ہوگی۔ اور وہ تمہارے مال اور اولاد میں کثرت دے گا، اور تمہیں باغات دے گا، اور ان باغوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے نہریں جاری کر دے گا۔

(۵) نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان تمام نصیحتوں کا ان کی قوم پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑ رہا ہے، تو اندازِ سخن بدلتے ہوئے کہا کہ تم کتنے خراب لوگ ہو کہ تمہارے دلوں میں اللہ کی عظمت و قدرت اور اس کی کبریائی کا کوئی اثر نہیں ہے، حالانکہ تمہارا رب وہی ہے جس نے تمہیں مختلف اطوار سے گزار کر پیدا کیا ہے، اس لئے وہی تمہارا عبادت کا مستحق ہے۔

(۶) نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ارض و سادات اور شمس و قمر کی تخلیق سے استدلال کرتے ہوئے کہا، لوگو! کیا تم

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۚ وَاللَّهُ أَنْتَبَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ بِآبَائِكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُغْفِرُ لَكُمْ إِنْ تَرْجُونَ ۚ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ سَاطِعًا ۚ لَتَسْلُكُنَّ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۚ قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَأَتَّعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خُسَارًا ۚ وَمَكْرُوهًا مَكْرًا كَبِيرًا ۚ وَقَالُوا الْاِكْتِرَارُ أَهْتِكُمْ وَلَا تَذَكُرُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ سَاءَ لِمَا لَا يَعْقِلُونَ وَيَعْتَوِجُونَ النَّسْرًا ۚ

اور اس نے اُن آسمانوں میں ماہتاب (۷) کو رکھا ہے جو روشنی دیتا ہے، اور آفتاب کو رکھا ہے جو چراغ ہے ﴿۱۶﴾ اور اللہ نے تمہیں زمین (۸) سے پودے کی طرح اگایا ہے ﴿۱۷﴾ پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دے گا، اور دوبارہ تمہیں (اسی میں سے) نکالے گا ﴿۱۸﴾ اور اللہ نے زمین (۹) کو تمہارے لئے فرش کی طرح بنایا ہے ﴿۱۹﴾ تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں پر چل پھر سکو ﴿۲۰﴾ نوح نے کہا، میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی (۱۰) کی ہے اور ان لوگوں کی پیروی کرنے لگے ہیں جن کے مال اور اولاد نے ان کے خسارے میں اضافہ کر دیا ہے ﴿۲۱﴾ اور ان لوگوں نے بڑی زبردست سازش کر لی ہے ﴿۲۲﴾ اور کہا ہے کہ لوگو! تم اپنے معبودوں (۱۱) کو ہرگز نہ چھوڑو، اور تم ”وڈ“ کو نہ چھوڑو، اور نہ ”سواع“ کو، اور نہ ”یعوث“ اور ”یعوق“ اور ”نسر“ کو ﴿۲۳﴾

دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر قبۃ کے مانند پیدا کیا ہے جس بصری کا قول ہے کہ اللہ نے سات آسمانوں کو سات زمینوں کے اوپر پیدا کیا ہے، ہر دو آسمان اور ہر دو زمین کے درمیان مخلوق ہے اور وہاں اللہ کا حکم نافذ ہے۔ (۷) اور اللہ تعالیٰ نے ماہتاب کو آسمان دنیا میں رکھا ہے جس کی روشنی سے زمین روشن رہتی ہے۔ اور آفتاب کو اہل زمین کے لئے چراغ کی حیثیت دی ہے، تاکہ لوگ دن کی روشنی میں حصول معاش کی کوشش کریں۔

(۸) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے، یعنی تمہاری اصل مٹی ہے، آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، اور نطفہ بھی اس غذا سے تیار ہوتا ہے جو مٹی میں پیدا ہوتی ہے اور تمہاری تخلیق پودوں سے بالکل مشابہ ہے، اسی طرح تمہیں زندگی ملتی ہے، تمہاری نشوونما ہوتی ہے، پھر مر جاتے ہو تو اسی میں دفن کر دیئے جاتے ہو، اور جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے دوبارہ اسی مٹی سے باہر نکالے گا۔

(۹) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش کے مانند برابر بنایا ہے، تاکہ تم اس پر زندگی گزار سکو، اور اس میں بنے ہوئے کشادہ راستوں پر بسہولت چل سکو۔ اگر اللہ تعالیٰ زمین کو برابر نہ بناتا تو اس پر زندگی گزارنا ناممکن ہوتا۔ کھیتی کرنا، پودے لگانا، مکانات تعمیر کرنا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا اور انسانی زندگی کے دیگر امور کو برتنا ناممکن ہوتا۔

(۱۰) نوح علیہ السلام کی داعیانہ تقریر اور ان کی وعظ و نصیحت کا ان کی کافر قوم پر کچھ بھی اثر نہ پڑا، اور ان کا عناد بڑھتا ہی گیا۔ تو انہوں نے اپنے رب سے ان کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے رب! میں نے انہیں جتنی باتوں کا حکم دیا، ان سب میں انہوں نے میری نافرمانی کی، اور اُن عیش پرستوں اور مالداروں کی پیروی کی جن کے مال و دولت اور ان کی اولاد نے انہیں خسارے کے سوا کچھ بھی نہیں دیا، یعنی ان کے کفر و کسری میں اضافہ ہی ہو تا گیا، اور حق کی مخالفت و عداوت میں ان کی سازش حد انتہا کو پہنچ گئی۔

(۱۱) قوم کے اُن سرغونوں نے عوام الناس کو شرک پر ابھارتے ہوئے کہا کہ جن معبودوں کی ہمارے اور تمہارے آباء پرستش کرتے

وَقَدْ أَصَلُوا كَبِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۖ وَمَا خَطِيبَتُهُمْ إِلَّا عُرْفُوا فَأَدْخَلُونَا آيَةً فَلَمَّا بَعَدُوا آلَهُمْ
مِن دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۖ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَتَنذِرُنَّ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دِيَارًا ۖ إِنَّكَ إِنَّ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا
عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا أَفْجَارًا كٰفِرًا ۖ

اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ (۱۲) کر دیا ہے، اور میرے رب! تو ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کر دے ﴿۲۳﴾ چنانچہ وہ تمام کے تمام اپنے گناہوں کے سبب ڈبو (۱۳) دیئے گئے، پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے، پس انہوں نے اللہ کے سوا مددگاروں کو نہیں پایا ﴿۲۵﴾ اور نوح نے کہا (۱۴) میرے رب! تو سر زمین پر کسی کافر کا گھر نہ رہنے دے ﴿۲۶﴾ اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور گناہ گار بڑے کافر کے سوا کچھ نہ جنیں گے ﴿۲۷﴾

آئے ہیں، انہیں ہرگز نہیں چھوڑو، اور ان کی عبادت پر سختی کے ساتھ جبر رہو۔ تم لوگ اپنے معبود وڈ، سواع، یفوث، یعوق اور نسر کو کسی حال میں فراموش نہ کرو۔

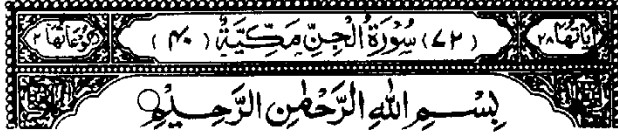
امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قوم نوح جن معبودوں کی پرستش کرتی تھی، عربوں نے بھی ان کی پرستش کی۔ وڈ، سواع، یفوث، یعوق اور نسر قوم نوح میں نیک لوگوں کے نام تھے، جب وہ لوگ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کے بیٹھنے کی جگہوں پر ان کے ناموں کے مجسمے بنا کر گاڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور جب وہ لوگ مر گئے، اور ان کے درمیان سے علم اٹھ گیا، تو ان مجسموں کی عبادت کی جانے لگی۔

(۱۲) ان مالداروں اور عیش پرستوں نے اپنی اس گمراہ کن دعوت کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی سرکشی، ان کا طغیان، اور ان کا کفر و شرک اللہ کے سامنے بیان کرنے کے بعد، ان پر بددعا بھیج دی اور کہا، اے میرے رب! اب ان ظالموں کو تو مزید گمراہ کر دے، اس لئے کہ صلاح و تقویٰ کی قابلیت ان کے اندر سے معدوم ہو چکی ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر لی، اور ان کی قوم کو طوفان کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ اور ان کا یہ انجام ان گناہوں کے سبب ہوا جن کے انجام بد سے نوح علیہ السلام نے انہیں ڈر لیا تھا، لیکن انہوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی، تو اللہ کے عذاب نے انہیں گھیر لیا، اور سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے، اور ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہو گئے، اور اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی نہ بچا سکا۔

(۱۴) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جس کے سبب طوفان آیا اور تمام اہل کفر ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے کہا، میرے رب! اب خشک زمین پر کسی بھی کافر کو نہ رہنے دے، اس لئے کہ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور انہیں توحید کی راہ سے ہٹا کر شرک کی راہ پر لگا دیں گے، اور ان کی نسل میں بھی کافر و فاجر لوگ پیدا ہوں گے۔ نوح علیہ السلام نے یہ بات اپنی قوم کا طویل تجربہ کرنے کے بعد کہی تھی، انہیں ان کے اخلاق و کردار کی پوری خبر تھی، اور یقین ہو گیا تھا کہ اب یہ قوم ہرگز نہیں سدھرے گی، اور نہ ان کی نسل میں اچھے لوگ پیدا ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور تمام کافروں کو ہلاک کر دیا، اور نوح اور ان کے مومن ساتھیوں کو نجات دے دی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝



قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۚ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝

میرے رب! تو مجھے معاف (۱۵) کر دے اور میرے ماں باپ کو بھی، اور ان مومن مردوں اور عورتوں کو بھی جو میرے گھر میں داخل ہوں، اور ظالموں کے لئے صرف تباہی و بربادی میں اضافہ کر ﴿۲۸﴾

سورة الجن کی ہے، اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے، میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا (۱) پھر انہوں نے (دوسرے جنوں سے) کہا کہ ہم نے ایک بہت ہی عجیب قرآن سنا ہے ﴿۱﴾ جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور ہم اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے ﴿۲﴾

(۱۵) کافروں پر بددعا کرنے کے بعد نوح علیہ السلام نے آخر میں اپنے لئے، اپنے ماں باپ کے لئے، اور ان تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت کی دعا کی جو ان کے گھر میں داخل ہوں۔ اور آیت کے آخر میں پھر کافروں پر بددعا کی اور کہا کہ اے اللہ! تو ظالموں اور کافروں کی ہلاکت و بربادی اور نقصان و خسارہ میں اضافہ ہی کرتا رہ۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی بددعا قیامت تک ہونے والے ہر کافر کو شامل ہے، جیسا کہ ان کی نیک دعا قیامت تک آنے والے ہر مومن مرد و عورت کو شامل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة الجن

نام: پہلی آیت میں "جن" کا لفظ آیا ہے، نیز اس سورت میں ایمان کی تعریف اور کفر کی مذمت سے متعلق جنوں کے تفصیلی اقوال آئے ہیں، اسی لئے اس کا نام "سورة الجن" رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ اور سیوطی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة الجن مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن مردویہ نے عائشہ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے۔

سورة الاحقاف آیات (۲۹) سے (۳۲) تک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا، اور آپ کی تلاوت سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا، اور اپنی قوم کے پاس واپس جا کر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ مذکورہ بالا آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے میں نے وہاں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ جنوں نے کب کب آپ ﷺ سے قرآن سنا اور وہ کون جن تھے جنہوں نے وادیِ نخلہ میں آپ کو عشاء کی نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے

وَأَنَّهُ تَعَلَّى جَدًّا رَبًّا مَّا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۗ وَأَنَّهُ كَانَ يَفْقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۗ وَكَانَ طَائِفًا مِّنَ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ
تَقُولُ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ

اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بڑی اونچی (۲) ہے، اس نے اپنی نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ لڑکا ﴿۳﴾ اور یہ کہ ہمارا بیوقوف آدمی اللہ کی شان میں زیادتی کرتا تھا ﴿۴﴾ اور ہم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولیں گے ﴿۵﴾

ساتھا۔ مناسب ہو گا کہ سورۃ الاحقاف کی ان چاروں آیتوں کی تفسیر دوبارہ پڑھ لی جائے۔

(۱) امام احمد، بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف روانہ ہوئے (جو اس زمانہ میں مکہ سے قریب ہی ایک بازار تھا) اُس وقت شیاطین کو چھپ کر آسمان کی خبر سننے سے روک دیا گیا تھا، اور اس کی کوشش کرنے والے شیاطین کو انگاروں سے مارا جانے لگا تھا۔ جب شیاطین بے مراد واپس آئے، تو اُن کے ساتھیوں نے اُن سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اب ہمیں آسمان کی خبر سننے سے قطعی طور پر روک دیا گیا ہے، اور ہمیں انگاروں سے مارا جانے لگا ہے۔ شیاطین نے کہا: ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے جس کے سبب ہمیں آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔ اس لئے تم مشرق و مغرب میں ہر طرف جاؤ اور حقیقت حال کا پتہ لگاؤ۔

چنانچہ جو شیاطین تہامہ کی طرف گئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس وادی نخلہ میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ سوق عکاظ جانا چاہتے تھے، اور اُس وقت صحابہ کرام کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جنوں نے آپ کی تلاوت غور سے سننے کے بعد کہا کہ یہی وہ قرآن ہے جس نے ہمیں اب آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا ہے اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جب وہ جن اپنی قوم کے پاس آئے تو اُن سے کہا، اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اسی موقع سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر ﴿قُلْ أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ نازل فرمایا۔

ماوردی نے لکھا ہے :

- ۱- بظاہر جنوں نے آپ کی زبانی قرآن سنتے ہی اسلام کو قبول کر لیا تھا۔
- ۲- نبی کریم ﷺ انسانوں کی طرح جنوں کے لئے بھی رسول بنا کر مبعوث ہوئے تھے۔
- ۳- قریش کو بتایا گیا ہے کہ جنوں نے قرآن سن کر اس کی معجزانہ شان کا اعتراف کر لیا، اور رسول کریم ﷺ پر فرور آیمان لے آئے۔
- ۴- انسانوں کی طرح جن بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔
- ۵- جن ہماری باتیں سنتے ہیں، اور ہماری زبانیں سمجھتے ہیں۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے جنوں کو (قرآن سننے کے بعد) توحید و ایمان کی توفیق دی، اور ایمان لانے سے پہلے عقیدہ توحید کے خلاف جن غلطیوں میں پڑے تھے، ان کا انہیں احساس ہوا، اور معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کسی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد، تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور عظمت بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہمارا رب عظمت و جلال والا ہے، وہی سب

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۗ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَاذِبِينَ أَن لَّنْ يُبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۗ

اور یہ کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جنوں کے بعض افراد کی پناہ (۳) لیتے تھے، تو انہوں نے ان جنوں کے کبر و سرکشی کو اور بڑھا دیا ﴿۱۶﴾ اور یہ کہ انہوں نے بھی گمان (۴) کر لیا تھا، جیسا تم نے گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا، یا کسی کو اپنا رسول بنا کر نہیں بھیجے گا ﴿۱۷﴾

کا سچا پانہا ہے، اور سارے پاکیزہ نام اسی کے لئے ہیں، اس نے اپنے لئے نہ کوئی بیوی بنائی ہے، اس لئے کہ بیوی کا محتاج کمزور اور عاجز انسان ہوتا ہے، تاکہ اپنے جسم میں اُبھرتی ہوئی شہوت کو اس کے ساتھ اتصال کے ذریعہ پوری کر سکے، اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے، کیونکہ اولاد زن و شو کے شہوانی اتصال کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی نہیں۔

نیز کہنے لگے کہ ہم میں سے جو نادان افراد ہمیں گمراہ کرتے تھے، وہی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی بات مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ جھوٹ بات کرتے تھے کہ اس کی بیوی اور اولاد ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن سننے سے پہلے تک ہم یہی سمجھتے رہے تھے کہ جن اور انسان اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔

(۳) جنوں نے اپنی قوم کے افراد سے یہ بھی بتایا کہ اسلام آنے سے پہلے انسانوں میں سے کچھ لوگ، جنوں کے کچھ افراد کے ذریعہ پناہ مانگتے تھے، اور ان جنوں کے گناہ اور اللہ سے ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیتے تھے۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض آدمی جب کسی وادی میں رات گزارتے تو کہتے: میں اس وادی کے زبردست جن کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں۔ تو یہ چیز جنوں کے گناہ اور اللہ سے ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیتی تھی۔ اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب لوگ کسی وادی میں پڑاؤ ڈالتے، تو کہتے کہ ہم اس وادی کے سردار کے ذریعہ اس میں موجود بُرائی سے پناہ مانگتے ہیں، تو ان کی یہ بات جنوں کو بہت زیادہ پسند آتی۔ اتنی۔

آیت کریمہ میں زمانہ جاہلیت کے اسی اعتقاد کی طرف اشارہ ہے کہ وادیاں جنوں کے رہنے کی جگہیں ہیں، اور ان کے سردار ان میں پڑاؤ ڈالنے والوں کو دیگر جنوں سے بچاتے ہیں۔

ابن زید کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جب کوئی آدمی کسی وادی میں پڑاؤ ڈالتا تو کہتا: میں اس وادی کے سردار کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں۔ جب اسلام آ گیا تو لوگ اللہ کے ذریعہ پناہ مانگنے لگے، اور جنوں کو چھوڑ دیا۔

امام مسلم نے ”کتاب الذکر والدعاء“ میں خولہ بنت حکیم کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو کہے: ”أعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق“ ”میں اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعہ اس کی مخلوقات کے شر سے پناہ مانگتا ہوں“ تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی، یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کر جائے۔

اس حدیث سے مذکور بالا آیت کریمہ کی تفسیر پر روشنی پڑتی ہے کہ انسانوں کا جنوں کے ذریعہ پناہ مانگنا شرک ہے۔ (۴) ان جنوں نے اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ انسان بھی تمہاری ہی طرح اس گمان میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنا رسول بنا کر لوگوں کو توحید کی دعوت دینے اور انہیں شرک سے ڈرانے کے لئے نہیں بھیجے گا۔ آیت کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ انسان

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۗ وَإِنَّا لَنَافِعُهَا مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلنَّاسِ فَمَنْ يَسْتَعِجِ
الآن يَجِدُهَا بُهْرًا صَدًا ۗ وَإِنَّا لَنَدْرِي أَشَرُّ لِيَوْمِنَا فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۗ وَإِنَّا لَمِنَ
الطَّالِعِينَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنُوزٌ لِّكَ أَطْرَاقٌ قَدِيدَةٌ ۗ وَإِنَّا ظَنُنَّا أَن لَّنَّ نُعْجِزَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَلَكِن نُّعْجِزُ هَرَبًا ۗ وَإِنَّا
لِنَاسِعُونَ الْهُدَىٰ أَمْ كَرِهَ فَمَنْ يُّؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَمْحَوَنَّ بِغُصَا وَلَا رَهَقًا ۗ

اور یہ کہ ہم نے آسمان میں جستجو (۵) کی تو اسے اس حال میں پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور انگاروں سے بھرا ہوا تھا ﴿۸﴾ اور یہ کہ ہم پہلے آسمان کی کئی جگہوں میں سننے کے لئے کان لگا کر بیٹھتے تھے، تو اب جو کوئی کان لگائے گا وہ اپنے لئے ایک انگارے کو گھات لگائے ہوئے پائے گا ﴿۹﴾ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے، زمین میں رہنے والوں کے لئے کسی شر (۶) کا ارادہ کیا گیا ہے، یا ان کے رب نے (خیر کی طرف) ان کی رہنمائی کرنی چاہی ہے ﴿۱۰﴾ اور یہ کہ ہم میں سے کچھ لوگ نیکو کار (۷) ہیں، اور کچھ ان سے مختلف ہیں، ہم مختلف ٹولیوں میں بنے ہوئے تھے ﴿۱۱﴾ اور یہ کہ اب ہمیں یقین ہو گیا تھا، ہم اللہ کو نہ تو زمین میں عاجز (۸) بنا سکتے ہیں، اور نہ کہیں بھاگ کر ہی اسے عاجز کر سکتے ہیں ﴿۱۲﴾ اور یہ کہ ہم نے جب ہدایت کی بات (۹) سنی تو اس پر ایمان لے آئے، پس جو کوئی اپنے رب پر ایمان رکھے گا، اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہو گا اور نہ ظلم کا ﴿۱۳﴾

بھی تمہاری ہی طرح اس گمان میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

(۵) انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم نے آسمان سے قریب ہو کر فرشتوں کی باتیں سنی چاہی، تو اسے نگرانی کرنے والے بہت ہی قوی فرشتوں سے بھرا ہوا پایا، اور انگاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ہم پہلے اپنی مخصوص جگہوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اب حال یہ ہے کہ جو کوئی ٹھپ کر سنا چاہے گا، اسے انگاروں کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے جلانے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

(۶) جب جنوں کے لئے چھپ کر آسمان کی باتیں سننا ممکن نہ رہا، تو انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور زمین پر واقع ہونے والے کسی عظیم حادثہ کا فیصلہ کیا ہے، چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔ اسی لئے انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے لئے کوئی بڑا فیصلہ کیا گیا ہے، یا ان کے رب نے خیر کی طرف ان کی رہنمائی کرنی چاہی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں: ان مسلمان جنوں کا اپنے رب کے ساتھ یہ حسنِ تدابیر تھا کہ انہوں نے ”شر“ کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا، اور جب خیر کا ذکر آیا تو اسے اس کی طرف منسوب کیا۔

(۷) جنوں نے اپنی قوم کے بارے میں یہ خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن کریم سننے کے بعد ہم میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض حالتِ کفر پر باقی رہے۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد ہم میں سے بعض نیک اور پابند شریعت مسلمان ہیں، اور بعض کا ایمان کمزور ہے اور عمل میں کوتاہ ہیں۔ اور ہمارے درمیان مختلف مذاہب و نظریات کے ماننے والے ہیں۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ ان میں مسلمان، یہودی، نصرانی اور مجوسی سب ہیں۔ اور حسن بصری کا قول ہے کہ ان میں قدریہ، مروجیہ، خوارج اور رافضی شیعہ ہوتے ہیں۔

وَأَكَا مِمَّا السُّلُوبُونَ وَمِمَّا الْعَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا شَرًّا ۖ وَأَنَا الْفَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۚ وَإِنْ لَوْ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ مَاءً عَذْقًا ۚ لِنَفْسِهِمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسُدَّ لَهُ عَذَابًا بِأَصْعَدًا ۗ

اور یہ کہ ہم میں سے بعض مسلمان (۱۰) ہیں، اور بعض ظالم و کافر، پس جن لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا، انہوں نے راہ ہدایت کو اپنا لیا ﴿۱۳﴾ اور ظالم و کافر لوگ جہنم کا ایندھن بن گئے ﴿۱۵﴾ اور اے میرے نبی! آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر وہ راہ راست (۱۱) پر ثابت قدم رہتے تو ہم ان کے لئے موسلا دھار بارش بھیجتے ﴿۱۶﴾ تاکہ ہم اس (نعمت) کے ذریعہ انہیں آزمائیں، اور جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے گا، وہ اسے المناک عذاب میں مبتلا کرے گا ﴿۱۷﴾

(۸) جنوں نے یہ بھی کہا: اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور ہم محض عاجز و بے بس ہیں، ہماری پیشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں، ہم زمین پر کسی حال میں اُسے عاجز نہیں بنا سکتے، اور اُس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔

(۹) اور ہم نے جب اس قرآن کو سنا جو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو ہمیں فوراً یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ کتاب ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے گا، اس کی نیکیوں میں قیامت کے دن کوئی کمی نہیں کی جائے گی، بلکہ اسے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور اس کے نامہ اعمال میں کوئی ایسا گناہ نہیں بڑھا دیا جائے گا جس کا اس نے دنیا میں ارتکاب نہ کیا ہو۔

(۱۰) جنوں نے اپنی قوم کے افراد کے بارے میں دوبارہ یہ بات کہی کہ ہم میں سے بعض مسلمان ہو گئے ہیں، اور بعض اب تک جاوہ اسلام سے دور ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے۔ پس جن لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے، اور اپنی گردن اللہ کے لئے جھکا دی ہے، وہ اُس راہِ حق پر گامزن ہو گئے ہیں جو انہیں جنت اور اس کی نعمتوں تک پہنچا دے گا۔ اور جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے جس طرح کافر انسان جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

(۱۱) یہ آیت جنوں کے کلام کا حصہ نہیں ہے، بلکہ پہلی آیت میں: ﴿أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ پر معطوف ہے، اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر یہ وحی بھی نازل ہوئی ہے کہ اگر مشرکین مکہ حق و انصاف کی راہ پر چلیں گے تو ہم ان کے لئے خوب بارش برسائیں گے، جس کے نتیجے میں اُن کا مال بڑھے گا اور اُن کی روزی میں کشادگی ہوگی، پھر ہم ان کا امتحان لیں گے کہ وہ ہمارا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے اپنا یہ مشروط وعدہ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت (۹۶) میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ ءَامَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَا هُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے، اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے اُن کے اعمال کی وجہ سے اُن کو پکڑ لیا۔“ اور سورۃ نوح آیات (۱۲۰/۱۱۰) میں فرمایا ہے: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۖ يُؤَسِّلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۖ وَيُمَدِّدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ﴾ ”پس میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے، وہ تمہارے لئے آسمان سے خوب بارش برسائے گا، اور تمہیں مال و دولت اور اولاد سے نوازے گا۔“

آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”اے میرے نبی! اگر کفار کہ اپنے کفر و شرک پر اصرار کریں گے، تم ہم اُن کی رستی ڈھیل دیں گے، اور ان کی روزی میں خوب وسعت دے دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت (۴۲) میں فرمایا

وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿۱۲﴾ وَأَنَّكَ لَمِنَ قَامِعِ عَبْدِ اللَّهِ بِرُءُوسِهِ كَادُوا أَنْ يَكُونُوا عَلَيْهِ لَبَدًا ﴿۱۸﴾ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِزِيَني مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحِدًا ﴿۲۱﴾ إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ﴿۲۲﴾

اور یہ کہ مسجدیں (۱۲) اللہ کی عبادت کے لئے ہوتی ہیں، پس تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ جب اللہ کے بندے (محمد) کھڑے ہو کر اسے پکارنے (۱۹) لگے، تو قریب تھا کہ جن ان کے گرد بھیڑ لگا دیتے ﴿۱۹﴾ آپ کہہ دیجئے میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا (۲۰) ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا ہوں ﴿۲۰﴾ آپ کہہ دیجئے، میں تمہارے لئے کسی نقصان یا نفع کا مالک نہیں ہوں ﴿۲۱﴾ آپ کہہ دیجئے، مجھے اللہ کے عذاب سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اور میں اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں پاتا ﴿۲۲﴾ میرا کام تو صرف اللہ کے احکام اور اس کے پیغاموں کو پہنچانا ہے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۳﴾

ہے: ﴿ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴾ ﴿۱۹﴾ پھر جب وہ لوگ اُن چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھلوا کر دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو اُن کو طے تھی وہ خوب اترانے لگے تو ہم نے ان کو دُفعتاً پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس رائے کی تائید آیت (۱۶) میں اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿ لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ﴾ سے ہوتی ہے، جس کا معنی ہے ”تاکہ ہم اس کے ذریعہ ان کا امتحان لیں“۔

آیت (۱۷) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی قرآن کریم اور اس کی دعوت سے روگردانی کرے گا، اور شرک اور دیگر بُرے اعمال سے نہیں بچے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ذلت و رسوائی اور فقر و فاقہ میں مبتلا کرے گا، اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جہاں اسے شدید عذاب دیا جائے گا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر یہ وحی بھی نازل ہوئی ہے کہ مسجدیں اللہ کی بندگی کے لئے خاص ہیں، اس لئے جب تم اس میں داخل ہو تو اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو۔ اس آیت کریمہ میں مشرکین قریش کے احوال واقعی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ مسجد حرام میں (جو صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا) اصنام و تماثیل رکھ کر ان کی پرستش کرتے تھے، اور اہل کتاب کی طرف بھی اشارہ ہے جو اپنی عبادت گاہوں میں عزیر اور عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ مسجدیں تو اس لئے بنائی جاتی ہیں کہ وہاں صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ اسی لئے علمائے حنابلہ نے لکھا ہے کہ اللہ کے دین میں مسجد اور قبر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، ان میں سے جو بھی بعد میں بنے گی اسے گرادیا جائے گا۔

(۱۳) اور اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر یہ وحی بھی نازل ہوئی ہے کہ جب اللہ کے بندے اور رسول محمد ﷺ بطن نخلہ

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَيَسْئَلُونَ مَنْ أضعفنا صرًا وَاقلُّ عَدَدًا ۖ قُلْ إِنْ أَدْرِيٓتُمْ أَقْرَبُٓ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۗ عَلَيْهِمُ الغَيْبُ فَلَا يُظهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۗ إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَانَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۗ

(مشرکین شرک سے باز نہیں آئیں گے) یہاں تک کہ جب وہ اُس عذاب (۱۵) کو دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا تب وہ جان لیں گے کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور ہیں اور کن کی تعداد زیادہ کم ہے ﴿۲۳﴾ آپ کہہ دیجئے، میں نہیں جانتا کہ جس عذاب (۱۶) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرا اب اس کے لئے ایک لمبی مدت مقرر کر دیتا ہے ﴿۲۵﴾ وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا ﴿۲۶﴾ سوائے اس کے جسے وہ بطور رسول چن لیتا ہے، تو اس کے آگے اور پیچھے پہرہ دار لگا دیتا ہے ﴿۲۷﴾ میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی عبادت کرنے لگے، یعنی نماز پڑھنے لگے، تو ان کا طرزِ عبادت دیکھ کر، اور قرآن کریم کی تلاوت سے متاثر ہو کر، جن ان کے ارد گرد ٹوٹ پڑے، اور شدید ازدحام پیدا کر دیا۔

بعض مفسرین نے آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مشرکین مکہ کے طریقہ عبادت کے خلاف صرف ایک اللہ کی بندگی کرنے لگے تو مشرکین مکہ آپ کی عداوت میں جب آپ کو نماز پڑھنے دیکھتے، آپ کے ارد گرد جمع ہو کر ایذا پہنچانے کی کوشش کرتے۔

(۱۳) آیات (۲۰) سے (۲۳) تک کا سبب نزول یہ ہے کہ کفارِ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ تم نے ایک بڑی بات کا دعویٰ کر دیا ہے، اور اپنے لئے تمام لوگوں کی عداوت خرید لی ہے، تم اپنی اس دعوت سے باز آ جاؤ، اور ہم لوگ تمہاری حفاظت کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ باتیں کہنے کا حکم دیا جن کا ذکر ان آیات میں آیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اور صرف اسی کو پکارتا ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا ہوں۔ اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے سبب تم سب میری عداوت پر متشفق ہو گئے ہو۔

اے میرے نبی! آپ کفارِ قریش سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں نہ تمہیں نقصان پہنچانے پر قادر ہوں، نہ ہی میں تمہیں راہِ راست پر لا سکتا ہوں۔ ایسی قدرت تو صرف اللہ کو حاصل ہے، اس لئے تم لوگ مجھ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ نہ کرو۔ اور اے میرے نبی! آپ ان کافروں سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مجھے تکلیف دینا چاہے، تو کوئی مجھے بچا نہیں سکتا، اور اگر وہ مجھے ہلاک کرنا چاہے تو مجھے کوئی جانے پناہ نہیں ملے گی۔

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اللہ کا پیمانبر اور اس کا رسول ہوں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا، اس کا ٹھکانا نارِ جہنم ہوگا، جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔ (۱۵) اہل جہنم قیامت کے دن جب اللہ کے وعدہ کے مطابق عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اُس وقت انہیں خوب معلوم ہو جائے گا کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون لوگ زیادہ کمزور ہیں، اور کن کے مددگاروں کی تعداد زیادہ کم ہے، محمد اور ان کے اہل ایمان صحابہ کرام کی، یا مشرکین مکہ کی جو زندگی بھر اللہ اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔

لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْقَاؤُا رِسَالَتِي رَحْمَةً وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا

تاکہ وہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات (۱۷) پہنچا دیئے، اور اللہ نے ان تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے جو ان رسولوں کے ارد گرد ہیں، اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے ﴿۲۸﴾

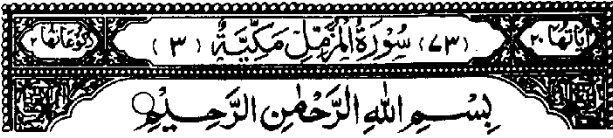
(۱۶) مشرکین مکہ بطور استہزاء و تکذیب، نبی کریم ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا، جس عذاب کا تم سے اللہ کی طرف سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کا وقت قریب ہے، یا میرے رب نے مستقبل بعید میں اس کا کوئی وقت مقرر کر رکھا ہے، غیب کا علم تو صرف اسی کے پاس ہے، وہ اپنے غیب کی خبر کسی کو نہیں دیتا، سوائے اپنے اس رسول کے جسے وہ اپنی پیغام رسانی کے لئے پسند کر لیتا ہے۔ چاہے وہ رسول فرشتوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ ایسے رسول کو وہ بعض ایسی غیبی خبریں بتاتا ہے جن کا تعلق اس کی پیغام رسانی سے ہوتا ہے، جیسے وہ معجزات جو نبی کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں، احکام شرعیہ، اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ، اور بعض احوال آخرت۔ جن غیبی امور کا تعلق اس کی رسالت سے نہیں ہوتا، جیسے قیامت کی آمد کا وقت، ان کی خبر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھی نہیں دیتا۔ واحدی کا قول ہے: یہ آیت دلیل ہے کہ جو کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ علم نجوم کے ذریعہ غیب کی خبریں جان لیتا ہے، وہ قرآن کا منکر ہو جاتا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ جو لوگ علم نجوم کے ذریعہ غیب کی خبروں کا دعویٰ کرتے ہیں، اور جو لوگ ننگری مارتے ہیں، ہاتھ کی لکیریں پڑھتے ہیں، اور مٹی پھینک کر غیبی امور کی خبریں بتاتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کے برگزیدہ رسول نہیں ہیں، بلکہ وہ کافر باللہ ہیں اور اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں۔

﴿فَإِنَّهُ يَسْأَلُكُم مِّن بَيْن يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾ آیت (۲۷) کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب وہ اپنے رسول پر وحی نازل کرتا ہے، تو اس وحی کے آگے اور پیچھے (یعنی ہر چہرہ جانب سے) نگہبان فرشتوں کی ایک جماعت کو لگا دیتا ہے جو شیاطین سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، یہاں تک کہ وحی کا وہ حصہ رسول تک بلا کم و کاست پہنچ جاتا ہے۔ ابن زید نے "رَصَدًا" کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ نگہبان فرشتے، نبی کریم ﷺ کو جنوں اور شیطانوں کی مداخلت سے ہر چہرہ جانب سے بچاتے ہیں۔

(۱۷) اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نگہبان فرشتوں کی ایک جماعت کو وحی کی حفاظت کے لئے اس لئے لگا دیتا ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی کھل کر بات سامنے آجائے) کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام بحفاظت تمام اس کے رسول تک پہنچا دیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے "تاکہ محمد ﷺ جان لیں کہ جبریل اور ان کے ساتھی فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام بحفاظت تمام ان تک پہنچا دیا ہے۔"

تیسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے "تاکہ محمد ﷺ جان لیں کہ گزشتہ انبیاء نے بھی انہی کی طرح اپنے رب کا پیغام اپنی قوموں تک پہنچا دیا تھا۔"

﴿وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ اور نگہبان فرشتوں، یا اللہ کی جانب سے پیغام رسانی کرنے والے فرشتوں کے تمام احوال سے اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر رہتا ہے، ان کا کوئی حال اللہ کے احاطہ علم سے خارج نہیں ہوتا۔ ﴿وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ اور اللہ کے پاس چیزوں کا جمالی علم نہیں، بلکہ مخلوقات کے ہر فرد کا الگ الگ تفصیلی علم ہے۔ وباللہ التوفیق۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿٣﴾ سُورَةُ الْمُزْمِلِ مَكِّيَّةٌ ﴿٣﴾

سورة المزمل مکی ہے، اس میں بیس آیتیں، اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے چادر^(۱) اوڑھنے والے ﴿۱﴾ آپ رات میں نماز کے لئے قیام کیجئے، سوائے تھوڑے وقت کے ﴿۲﴾ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیجئے ﴿۳﴾ یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے ﴿۴﴾

تفسیر سورة المزمل

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "المزمل" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: ماوردی کے قول کے مطابق، پوری سورت حسن، مکرّم اور جابر کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردودیه اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "سورة المزمل" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور نحاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "سورة المزمل" مکہ میں نازل ہوئی تھی، سوائے آخری آیت ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ﴾ کے، جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) بخاری و مسلم اور ترمذی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی، اور غار حرا سے گھر واپس آتے ہوئے جبریل علیہ السلام کو فضاء میں دیکھا، تو آپ پر کچھ طاری ہوئی، اور گھر پہنچتے ہی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا "زمکونونی وادئونی" کہ مجھے نور اکبل اڑھاؤ۔ اتھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ازراہ لطف و محبت آپ کو "المزمل" اور سورة المدثر میں "المدثر" کا خطاب دیا۔

بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ ابتدائے وحی میں جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آتے، تو وحی کے رعب سے آپ پر کچھ طاری ہو جاتی اور آپ کبل اوڑھ لیتے، اسی لئے آپ کو "المزمل" کا خطاب دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد یہ کیفیت ختم ہوئی، اور اللہ نے آپ کے دل کو ثبات عطا کیا۔

تیسری رائے یہ ہے کہ "مزمل" کا معنی "نبوت کا بارگراں اٹھانے والا" ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ پر آخری رسالت کا بارگراں ڈالا گیا تھا، اسی لئے اس بڑی ذمہ داری کا احساس دلانے کے لئے آپ کو اس خطاب کے ساتھ پکارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی کریم ﷺ کو پہلے نماز کا، پھر دعوت کی راہ میں اپنی قوم کی طرف سے آنے والی اذیتوں کو برداشت کرنے کا حکم دیا ہے، اور آخر میں یہ حکم دیا کہ آپ اپنی دعوت لوگوں کے سامنے اب علی الاعلان پیش کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے کبل اوڑھنے والے (نبی)! آپ رات کے وقت نماز پڑھا کیجئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ پر پہلے تہجد کی نماز فرض تھی، اور پنجگانہ نمازوں کے فرض ہونے کے بعد آپ کے لئے تہجد کی نماز واجب ہوئی، اور آپ کی امت کے لئے سنت ہوئی۔

إِنَّا سَأَلْنِي عَلَيْكَ قَوْلًا تَقِيلًا ۖ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا ۗ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۗ
وَإِذْ كَرَأْسُ رَبِّكَ وَتَبَكَّلَ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۗ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۗ إِلَٰهُ الْإِلَٰهِ ۗ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۗ وَأَصِدْرٌ عَلَىٰ مَا
يَقُولُونَ ۗ وَاهْجُرْمُمْ هُجْرًا جَمِيلًا ۗ

ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری کلام^(۲) نازل کریں گے ﴿۵﴾ بے شک رات کا اٹھنا^(۳) نفس کو خوب کچل دیتا ہے، اور قرآن سمجھنے کے لئے زیادہ مناسب وقت ہے ﴿۶﴾ بے شک دن کے وقت آپ کی بڑی مصروفیات ہوتی ہیں ﴿۷﴾ اور آپ اپنے رب کا نام^(۴) لیتے رہے، اور اس کی طرف ہمہ تن اور یکسو ہو کر متوجہ ہو جائیے ﴿۸﴾ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس آپ اسی کو اپنا کارساز بنا لیجئے ﴿۹﴾ اور کفار جو کچھ (آپ کے بارے میں) کہتے ہیں، اس پر صبر کیجئے، اور اچھے ڈھنگ سے ان سے الگ ہو جائیے ﴿۱۰﴾

﴿۱۱﴾ اقلیلًا ﴿۱۲﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کچھ وقت کے علاوہ ساری رات نماز پڑھتے رہے، لیکن ﴿۱۳﴾ نَصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۱۴﴾ میں تشریح کر دی گئی ہے کہ آدھی رات تک نماز پڑھئے یا اس سے تھوڑا سا کم وقت یعنی تہائی رات تک، یا آپ اگر چاہئے تو دو تہائی رات تک نماز پڑھئے، مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ یا تو آدھی رات تک نماز پڑھئے یا اس سے زیادہ یا اس سے کم۔

آیت (۴) کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نصیحت کی کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت اطمینان کے ساتھ کیجئے بایں طور کہ تمام حروف و کلمات اور حرکات و سکنات واضح ہوں، قرآن کے معانی قلب میں اترتے چلے جائیں۔ (۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہے کہ ہم آپ پر قرآن نازل کرنے والے ہیں جس کا آپ کے جسم و جان پر بڑا بھاری اثر پڑے گا۔ امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ ”آپ پر سخت سردی کے زمانے میں بھی وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی“۔

قائد نے "قول ثقیل" کی یہ تشریح کی ہے کہ اللہ کی قسم! قرآن میں مذکور فرائض و حدود کو نباہنا انسان کے لئے بڑا بھاری کام ہے۔ مجاہد نے اس سے قرآن میں مذکور "حلال و حرام" مراد لیا ہے۔ فرماتے ہیں اس سے مراد بھاری بھر کم کلام مراد لیا ہے، یعنی قرآن کریم ہلکا اور سہل کلام نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ہمارے رب کا کلام ہے۔

(۳) اس آیت کریمہ میں قیام اللیل اور اس میں قرآن کریم کی پُر سکون انداز میں قرأت کا فائدہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ رات کے وقت نماز پڑھئے اور اس میں قرآن کی تلاوت کیجئے، اس لئے کہ رات کے وقت ماحول پُر سکون ہوتا ہے، مخلوق سوئی ہوتی ہے اور ساری آوازیں خاموش ہوتی ہیں، اُس وقت کان، آنکھ، دل اور زبان کے درمیان پورا توافق ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے وقت میں جب آپ نماز کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت کیجئے گا تو آپ کی قرأت زیادہ حضور قلب کے ساتھ ہوگی اور آپ کے دل دماغ پر اس کا گہرا اثر پڑے گا۔

حافظ سیوطی نے جاحظ سے اس آیت کا مفہوم یہ نقل کیا ہے کہ "ناشِئَةَ اللَّيْلِ" سے مراد وہ معانی و مطالب ہیں جو تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت سے دل پر منکشف ہوتے ہیں، وہ مطالب و معانی زیادہ صحیح ہوتے ہیں، اور ان کا اثر آدمی پر زیادہ واضح ہوتا ہے۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النُّعْمَةِ وَهُمْ قَلِيلًا ۝ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غَضَّةٍ وَعَذَابًا لِيَامًا ۝
يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَغُيْبٍ قَهِيمًا ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا لَا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا
أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْدًا وَبَيِّنًا ۝

اور آپ خوشحال^(۵) جھلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے، اور انہیں ذرا مہلت دے دیجئے ﴿۱۱﴾ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم ہے ﴿۱۲﴾ اور گلے میں انک جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے ﴿۱۳﴾ جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے، اور پہاڑ بھر بھرے ریت کے ٹیلے بن جائیں گے ﴿۱۴﴾ بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول^(۶) بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے، جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا ﴿۱۵﴾ پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی، تو ہم نے اس کی بہت ہی سخت گرفت کی ﴿۱۶﴾

آیت (۷) میں آپ ﷺ کے لئے وجوب تہجد کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ دن میں آپ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر مختلف کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لئے آپ کو رات کے وقت نماز پڑھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ہر وقت اپنے رب کی یاد میں مشغول رہئے۔ تسبیح و تہلیل، تکبیر و تہجد باری تعالیٰ، نماز، تلاوت قرآن کریم، اور لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے میں لگے رہئے، اور اپنے نفس کو آلائشوں سے پاک کر کے، پورے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی یاد میں لگے رہئے، جو مشرق و مغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور اپنے تمام امور میں صرف اسی پر بھروسہ کیجئے، اس کے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ مانئے۔ وہ آپ کے لئے کافی ہوگا، اور ہر حال میں آپ کا حامی و ناصر ہوگا، اور دعوت کی راہ میں کفار قریش کی جانب سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو جو اذیت پہنچتی ہے، اُس پر صبر کیجئے اور اُن کی باتوں کا جواب نہ دیجئے۔

(۵) مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت (۱۱) ان دس قریشیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے میدان بدر میں لشکر کفار کو کھانا کھلایا تھا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا ہے کہ مکہ کے ارباب عیش و عشرت کافروں کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے، آپ ان کی فکر نہ کیجئے۔ ان سے نمٹنے کے لئے میں آپ کی طرف سے کافی ہوں، اور میں آپ کا انتقام اُن سے ضرور لوں گا۔ حاکم اور بیہقی نے (دلائل میں) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے کچھ ہی دنوں کے بعد جنگ بدر واقع ہوئی تھی۔

شوکانی نے ﴿وَمَهْلَهْمُ قَلِيلًا﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ”مرنے کے وقت تک آپ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیجئے“ اور اسے راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیتوں میں عذابِ آخرت کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ جو لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اُن کے لئے آخرت میں ہمارے پاس لوبے کی بیڑیاں ہیں، جہنم کی دکتی ہوئی آگ ہے، اور کھانے کے لئے زقوم کا درخت ہے جو کھانے والے کے حلق میں انک کر رہ جائے گا، اور ان کے لئے یواہی دردناک عذاب ہے۔ اور ان کا یہ انجام اس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ پوری شدت کے ساتھ ہلنے لگیں گے، اور پہاڑ ریت کے تودے بن کر پانی کی طرح بہہ پڑیں گے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْيَوْلَانِ شَيْبًا ۗ السَّمَاءُ مَطْفُورَةٌ كَأَن كَانَ وَعْدُ مَفْعُولًا ۗ إِنَّ هَذَا مِنْ ذِكْرِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۗ إِنْ رَبُّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ اللَّيْلِ مَعَكَ ۗ وَاللَّهُ يَقْدِرُ اللَّيْلَ وَالتَّهَارُ عَلِيمٌ ۚ إِنَّ لَكَ لِمُنْصُوعَةً فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۚ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنْهُ ۗ وَأَوْسُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۗ وَمَا تُقْرِضُوا اللَّهَ مِنْ خَيْرٍ يُغْفِرْ لَهُمْ خَيْرَ تَجَدُّدٍ ۗ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ ۚ أَوْ اعْظَمُوا أَجْرًا ۗ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ ذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۗ

اگر تم نے کفر کی راہ (۷) اختیار کی تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو دن بچوں کو بوڑھا بنا دے گا ﴿۱۷۷﴾ جس دن آسمان پھٹ جائے گا، اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ﴿۱۸﴾ بے شک یہ نصیحت کی باتیں ہیں، تو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اپنائے ﴿۱۹﴾ یقیناً آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات اور آدھی اور تہائی (نماز میں) کھڑے (۸) رہتے ہیں، اور ان مسلمانوں کا ایک گروہ جو آپ کے ساتھ ہیں، اور اللہ رات اور دن کا صحیح اندازہ رکھتا ہے، اسے معلوم ہو گیا کہ تم وقت کو صحیح طور پر شمار نہیں کر سکتے، اس لئے اس نے تم پر مہربانی کی، پس جتنا آسان ہو قرآن پڑھا کرو، اسے معلوم ہو گیا کہ تم میں سے کچھ لوگ مریض ہوں گے، اور کچھ دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے، اللہ کی روزی تلاش کریں گے، اور بعض دوسرے اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اس لئے جتنا آسان ہو قرآن پڑھ لیا کرو، اور نماز کی پابندی کرو، اور زکاۃ ادا کرو، اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو، اور تم جو نیکی اپنے لئے آگے بھیج دو گے، اُسے اللہ کے پاس زیادہ بہتر اور اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑا پاؤ گے، اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ﴿۲۰﴾

(۶) نبی کریم ﷺ کو کفارِ قریش کی اذیتوں پر صبر کی تلقین کے بعد، فرعون موسیٰ کا ذکر اس مناسبت سے ہے کہ جس طرح فرعون اپنے کبر و غرور کی وجہ سے اللہ پر ایمان نہیں لایا اور ہلاک کر دیا گیا، مجرمین مکہ کا انجام بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی حق کو جاننے اور پہچاننے کے بعد اللہ پر ایمان نہیں لارہے ہیں، اور اس کے نبی کی ایذا رسانی کے درپے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اہل مکہ! ایسے کفارِ عرب! ہم نے محمد ﷺ کو تمہارے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے، اور قیامت کے دن ہم تمہاری بد اعمالیوں کی گواہی دیں گے، اور تب تمہارا انجام بہت ہی برا ہو گا۔ جس طرح ہم نے فرعون کے پاس موسیٰ کو نبی بنا کر بھیجا تھا، اور فرعون نے ان کی بات نہیں مانی تھی، تو ہم نے فرعون اور فرعونینوں کی بڑی سخت گرفت کی تھی، اور ان تمام کو سمندر میں ڈبو دیا تھا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے کفر پر باقی رہو گے، اور دینِ حق کو قبول نہیں کرو گے تو روزِ قیامت کے عذاب سے کیسے بچو گے، جس کی ہولناکی اتنی شدید ہوگی کہ وہ بچوں کو بوڑھا بنا دے، اور آسمان مارے رعب و دہشت کے پھٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حتیٰ وعدہ ہے، اسے پورا ہوتا ہے، اور قیامت کو ضرور واقع ہوتا ہے، اس لئے اے اہل قریش! تم اس دن کے عذاب سے بچنے کی تدبیر ضرور کر لو، اور وہ تدبیر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور دائرۃ اسلام میں داخل ہو جانا

ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۱۹) میں فرمایا کہ یہ آیتیں جن میں قیامت کے دن کے وعید شدید کی خبر دی گئی ہے، باعث عبرت و موعظت ہیں، اس لئے جو شخص قیامت کے دن کے عذاب سے نجات چاہتا ہے وہ شرک و معاصی سے تائب ہو کر اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔

(۸) ابتدائے سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو نصف رات، یاد و تہائی، یا ایک تہائی رات تک نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور احکام شرعیہ میں عام حالات میں آپ ﷺ کی امت آپ کے تابع ہوتی ہے۔ اور سورت کی اس آخری آیت میں اللہ نے خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے حکم کا پورا اہتمام کیا، اور آپ ﷺ کی اتباع میں صحابہ کرام نے بھی نماز تہجد پڑھنا شروع کر دیا، لیکن چونکہ مقررہ وقت کی پوری تحدید کے ساتھ پابندی مسلمانوں کے لئے مشقت کا باعث تھی، اس لئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ نماز تہجد کی ادائیگی کو اس نے اب آسان کر دیا۔ رات اور دن کے اوقات، ان کے گزرے ہوئے اور باقی ماندہ حصوں کو وہی جانتا ہے، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تہجد کے وقت کی تحدید، بغیر کی اور زیادتی کے تمہارے لئے مشکل امر ہے، اسی لئے اب اس نے نماز تہجد کے معاملے کو تمہارے لئے آسان بنا دیا ہے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ تم سے جتنی دیر ہو سکے نماز تہجد پڑھو اور قرآن کی تلاوت کرو، اب وقت کی تحدید باقی نہیں رہی۔ آدمی جب تک نشاط محسوس کرے نماز پڑھے، اور جب تھک جائے، یا نیند آنے لگے تو آرام کرے، تاکہ فجر کی نماز کے وقت سستی نہ محسوس کرے۔

﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ﴾ سے اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کے اوقات میں تخفیف کے بعض اسباب بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُسے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ مریض ہوں گے، ان کے لئے آدھی رات، یاد و تہائی رات یا ایک تہائی رات تک نماز پڑھنا بہت ہی تکلیف کا باعث ہوگا، اس لئے اس سے جتنا ہو سکے، اتنا ہی پڑھے، اور اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں تکلیف محسوس ہو تو بیٹھ کر پڑھے، بلکہ اگر نوافل پڑھنے میں اسے پریشانی ہو تو نہ پڑھے، اور اسے ان نوافل کا ثواب ملے گا جو وہ حالتِ صحت میں پڑھا کرتا تھا۔

اسے معلوم ہے کہ بعض لوگ تجارتی کاموں کے لئے سفر کرتے ہیں تاکہ مخلوق کے محتاج نہ رہیں۔ ایسے مسافروں کے احوال و ظروف کا تقاضا ہے کہ شریعت ان کے لئے سہولت پیدا کرے، اسی لئے ان کے لئے فرض نمازوں میں تخفیف کر دی گئی، چار رکعت والی نمازیں ان کے لئے دو رکعت کر دی گئیں، اور دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا جائز کر دیا گیا۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ بعض مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کر دروازہ علاقوں میں جاتے ہیں، اور ان کے احوال و ظروف کا بھی تقاضا ہے کہ شریعت ان کے لئے سہولت پیدا کرے، چنانچہ مجاہدین نبی سبیل اللہ بھی اپنے حالات کے مطابق نوافل کا اہتمام کریں گے، اور اگر حالات نامساعد ہوں گے تو تہجد کی نماز عارضی طور پر چھوڑ دیں گے۔

﴿فَأَقْرَعُوا مَا تَسْرَمْنَ مِنَ الْفُرَاءِ﴾ اور ﴿فَأَقْرَعُوا مَا تَسْرَمْنَ مِنْهُ﴾ کے ضمن میں امام شافعی رحمہ اللہ نے نماز تہجد کے عدم وجوب پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ سے صرف یہی ثابت ہے کہ پانچ فرض نمازوں کے سوا کوئی دوسری نماز فرض نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیام اللیل کا وجوب نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت دونوں کے لئے منسوخ ہو گیا ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ امت کے حق میں نماز تہجد کا وجوب منسوخ ہو گیا اور آپ ﷺ کے حق میں اس کا وجوب باقی رہا۔

شوکانی لکھتے ہیں: راجح یہی ہے کہ قیام اللیل کا وجوب آپ ﷺ اور آپ کی امت سب کے حق میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اس کی دلیل صحیحین کی وہ حدیث ہے جس میں ایک سائل نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا بخگانہ نمازوں کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی نماز فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں، الا یہ کہ تم نقلی نمازیں پڑھو۔ اور نبی کریم ﷺ سے اس کے وجوب کے ساقط ہو جانے کی دلیل سورۃ الاسراء کی آیت (۷۹) ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ ہے، ”آپ رات کے وقت تہجد کی نماز پڑھئے جو آپ کے لئے نفل نماز ہوگی“۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ﴿فَأَقْرءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْءَانِ﴾ میں نماز کو ”قرأت“ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الاسراء آیت (۱۱۰): ﴿وَلَا تَجْهَرُوا بِهَا لَعَلَّكُمْ تُكَلِّمُونَ﴾ میں قرأت کو نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر قرآن کی ایک آیت بھی پڑھ لے تو کافی ہوگی۔ اور انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں صحیحین میں مروی اس حدیث کو پیش کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے اس صحابی سے جسے نماز پڑھنا نہیں آتا تھا، کہا تھا: ”ثم اقرءوا ما تيسر من القرآن“ ”پھر تم کو قرآن کا جو حصہ یاد ہو اسے پڑھو“۔

جمہور محدثین نے ان کی رائے کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت سے استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ”قرأت“ سے مراد ”صلاة“ ہے، اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جتنی رکعتیں آسانی کے ساتھ پڑھ سکو، پڑھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ”ما تيسر“ کی تشریح شارع علیہ السلام نے اپنی صحیح احادیث کے ذریعہ فرمادی، جن کا ذکر سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے، انہی میں سے ایک حدیث صحیحین میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر سورۃ الفاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی۔

حافظ ابن کثیر ﴿وَأَخْرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بلکہ پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی، جب جہاد فرض نہیں ہوا تھا، اس لئے یہ نبی کریم ﷺ کی صداقت کی اہم دلیل ہے کہ جو حکم جہاد آئندہ آنے والا تھا اس کی خبر اس میں دی گئی ہے۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو دو اہم عبادات نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ نماز کے بغیر دین کی بنیاد گر جاتی ہے، اور زکوٰۃ دینا ایمان کی دلیل ہے، اسلام کا یہی وہ رکن ہے جس کے ذریعہ فقر اور مساکین کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صدقہ و خیرات اور ہر فعل خیر کی ترغیب دلائی، اور کہا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کو قرض دو جو ایک نیکی کا سات سو گنا تک بدلہ دیتا ہے، اور اس یقین کے ساتھ خرچ کرو، اور دیگر نیک اعمال کرو کہ تمہارا کوئی عمل صالح ضائع نہیں جائے گا، بلکہ قیامت کے دن سیکڑوں گنا بڑھا کر تمہیں اس کا اجر دیا جائے گا۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرتے رہو، تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، اس لئے کہ بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ وباللہ التوفیق۔



يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۗ قُمْ فَأَنْذِرْ ۗ وَرَتِّقْ فَكْرَكَ ۗ وَيُبَاكِ فُطُورَكَ ۗ وَالرُّجُزَ فَأُجْرُكَ ۗ وَلَا تَمَنَّ أَنْ تَنْتَكِرَ ۗ
وَلِرَتِّقِكَ فَاصِدُ ۗ

سورة المدثر کی ہے، اس میں چھتین آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے چادر اوڑھنے والے (۱) ﴿۱﴾ اٹھئے اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیے ﴿۲﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ﴿۳﴾ اور اپنے کپڑے پاک رکھئے ﴿۴﴾ اور بتوں سے کنارہ کش ہو جائیے ﴿۵﴾ اور احسان اس لئے نہ کیجئے کہ اس سے زیادہ حاصل کیجئے ﴿۶﴾ اور اپنے رب کے لئے صبر کیجئے ﴿۷﴾

تفسیر سورة المدثر

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "المدثر" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "سورة المدثر" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ جمہور علماء کے نزدیک، نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلی وحی ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ نازل ہوئی، اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا نزول موقوف ہو گیا، پھر سورة المدثر نازل ہوئی۔

بخاری و مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا، میں نے نبی کریم ﷺ کو وحی کے بارے میں بات کرتے سنا، آپ نے فرمایا کہ میں پیدل چل رہا تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، سر اٹھایا تو اسی فرشتہ کو جو عار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا دیکھا۔ میں اس منظر سے شدید مرعوب ہو گیا، گھر واپس آ گیا، اور کہا: مجھے کبل اوڑھاؤ، مجھے کبل اوڑھاؤ۔ تو گھر والوں نے مجھے کبل اوڑھا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل کیا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ کی یہی روایت محفوظ ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے آپ پر وحی نازل ہو چکی تھی، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس میں فرمایا ہے: میں نے آسمان وزمین کے درمیان اسی فرشتہ کو کرسی پر بیٹھے دیکھا جو میرے پاس عار حرا میں آیا تھا۔

(۱) سورة المرسل کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "المزمل" کا خطاب ازراہ لطف و محبت دیا ہے۔ "المدثر" کے بارے میں بھی یہی بات صحیح ہے، یعنی یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس خطاب سے ازراہ لطف و محبت نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اے کبل اوڑھنے والے۔ "اب راحت و آرام کو چھوڑ دیجئے، اور پوری اہمیت و نشاط کے ساتھ مکہ کے مشرکین کو عذاب نار سے ڈرائیے۔"

اور اپنے رب کی عظمت و کبریائی بیان کیجئے، اور مشرکین سے کہئے کہ اللہ سب سے بڑا ہے، اس لئے تم اس کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکو، اور کسی کے سامنے دست سوال نہ پھیلاؤ۔

فَإِذَا نَقَرْتُمْ فِي النَّاقُورِ ۖ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيبٌ ۗ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝

جب صور میں پھونک (۲) مار دی جائے گی ﴿۸﴾ تو وہ دن بڑا ہی سخت ہو گا ﴿۹﴾ کافروں کے لئے کسی صورت آسان نہیں ہو گا ﴿۱۰﴾

”اور اپنے کپڑوں کی پاکیزگی کا خیال رکھئے“۔ اس آیت میں کپڑوں سے مراد تمام اعمال ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نصیحت کی کہ آپ اپنے تمام اعمال کو نام و نمود، ریاکاری، نفاق، کبر و غرور اور غفلت و کاہلی سے پاک و صاف رکھئے، اور کپڑوں کو پاک رکھنا اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے، اس لئے کہ اعمال کی پاکیزگی میں یہ بھی داخل ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ کپڑوں سے مراد کپڑے ہی ہوں، اور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ہر وقت تمام نجاستوں سے اپنے کپڑوں کی پاکی کا خیال رکھئے، بالخصوص جب آپ نماز پڑھئے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپ کو ظاہری پاکیزگی کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو باطنی پاکیزگی بدرجہ اولیٰ مطلوب ہے۔

اور جن بتوں کی عبادت آپ کی قوم کرتی ہے، ان کے قریب بھی نہ جائیے، اس لئے کہ وہ ناپاک اور پلید ہیں۔ سورۃ الحج آیت (۳۰) میں آیا ہے: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ ”پس تم لوگ رِجس یعنی بتوں سے بچو“۔ عربی زبان میں ”رِجس“ اور ”رِجس“ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، یعنی قبیح اور گندی چیز۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ”رِجس“ سے مراد تمام برے اقوال و افعال ہوں، یعنی آپ تمام چھوٹے بڑے اور ظاہر و باطن گناہوں سے قطعی طور پر الگ رہئے، مکارم اخلاق کو اپنائیے، اور مشرکوں کے اخلاق سے دور رہئے۔

نبی کریم ﷺ ”رِجس“ اور ”رِجس“ کے دونوں ہی مفہوم سے بالکل پاک تھے، اس لئے مقصود یا تو دوسروں کو اس کی نصیحت کرنی ہے، یا آپ ﷺ کو یہ نصیحت کرنی ہے کہ آپ بتوں سے اور تمام گناہوں اور بُرے اخلاق سے کنارہ کشی پر دوام برتتے۔ اور لوگوں کے ساتھ دینی یا دنیوی احسان کر کے اُسے جتائیے نہیں، اور آپ کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ آپ نے فلاں پر بڑا احسان کیا ہے، بلکہ جتنا ہو سکے بھلائی کئے جائیے، اور اُسے بھول جائیے، اور اس کے اجر و ثواب کی امید اللہ رب العالمین سے رکھئے، گویا آپ کا حال ایسا ہو کہ جس پر احسان کیا ہے، اور جس پر نہیں کیا ہے، دونوں ہی آپ کی نظر میں برابر ہوں۔ بعض مفسرین نے ﴿وَلَا تَمُنُّنَ تَسْتَكْبِرُنَّ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کسی کو کوئی چیز اس نیت سے نہ دیجئے کہ وہ آپ کو اس کے بدلے اس سے زیادہ دے۔ اس اعتبار سے یہ حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہو گا۔

اور دعوتِ اسلامیہ کی راہ میں آپ کو مخالفین کی جانب سے جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر اپنے رب کی رضامندی کی نیت سے صبر کیجئے۔

مذکورہ بالا آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جن باتوں کا حکم دیا، ان تمام پر آپ نے عمل کیا۔ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرایا، قرآنِ کریم کی صریح اور واضح آیتیں پڑھ کر اُن کے سامنے تمام مقاصدِ الہیہ کو بیان کیا، اللہ کی عظمت و کبریائی بیان کی، اور مخلوق کو رب العالمین کی تعظیم کی دعوت دی، اپنے ظاہری اور باطنی تمام اعمال کو گندگیوں اور آلودگیوں سے یکسر پاک رکھا، بتوں، گناہوں اور بُرے اخلاق سے ہمیشہ دور رہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ نے لوگوں پر احسانِ عظیم کیا، اور اُن سے کسی بدلہ کی امید نہیں رکھی، اور آپ ﷺ نے اپنے رب کی رضا کی خاطر زندگی بھر اس کی بندگی کی، گناہوں سے پرہیز کیا، اور دعوت کی راہ

ذُرِّي وَمَنْ خَلَقْتَ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتَ لَهُ مَالًا مَقْمُودًا ۝ وَبَيْنَ شُهُودًا ۝ وَفَعَلْتَ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ رِيَطَةً ۝ أَنْ
أَرِيدُ ۝ كَلَامًا إِنَّهُ كَانَ لِأَيْتَانِ عَيْنِدَا ۝ سَأَرْفَعُهُ صَعُودًا ۝

آپ مجھے اور اس آدمی کو چھوڑ دیجئے (۳) جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے ﴿۱۱﴾ اور میں نے اسے کافی مال دیا ہے ﴿۱۲﴾ اور لڑکے دیئے ہیں جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے ہیں ﴿۱۳﴾ اور میں نے اس کے لئے سیادت کی راہ ہموار کر دی ہے ﴿۱۴﴾ پھر وہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے زیادہ دوں ﴿۱۵﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے ﴿۱۶﴾ میں عنقریب اسے ایک بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا ﴿۱۷﴾

میں جو تکلیف بھی پہنچی اسے برداشت کیا، اور اس باب میں اولوالعزم انبیاء و رسول پر فوقیت لے گئے۔

(۲) اوپر کی آیت سے اس آیت کا تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی نصیحت کی، اور کہا کہ عنقریب وہ ہیبت ناک دن آنے والا ہے جس دن انہیں اپنے کئے کا بدلہ مل جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب صور پھونکا جائے گا، تمام مخلوق قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑی ہوگی، اور انہیں میدانِ محشر کی طرف ہانکا جائے گا، وہ دن اپنی ہولناکیوں کی وجہ سے بڑا ہی کٹھن ہوگا، اور کافروں کے لئے تو وہ دن انتہائی مشکل ہوگا، اس لئے کہ نجات کی امید یکسر منقطع ہو جائے گی اور اپنی ہلاکت و بربادی کا انہیں قطعی یقین ہو جائے گا۔

(۳) مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جس کا دین حق سے عناد، اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت حد سے تجاوز کر گئی تھی۔ اس واقعہ کو محمد بن اسحاق نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے جو بڑی عمر کا آدمی تھا، اہل قریش سے کہا کہ حج کا موسم آ رہا ہے، قبائل عرب کے وفود آئیں گے، اور محمد کے دعوائے نبوت کی خبر ان کو پہنچ چکی ہے۔ اس لئے تم سب کسی ایک بات پر متفق ہو جاؤ جو اس کے بارے میں تم لوگ وفود عرب سے کہو گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ محمد کو کاہن بتائیں گے، تو اس نے موافقت نہیں کی، لوگوں نے کہا ہم اسے مجنون کہیں گے شاعر کہیں گے اور جادوگر کہیں گے، اس نے کسی رائے سے اتفاق نہیں کیا، بلا آخر اس نے خود ہی کہا کہ مناسب تر بات یہی ہے کہ ہم اسے جادوگر کہیں گے، جو اپنے جادو کے ذریعہ آدمی، اس کے باپ، اس کے بھائی، اس کی بیوی، اور اس کے خاندان والوں کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ چنانچہ سب اسی رائے پر متفق ہو گئے، اور قبائل عرب میں سے کوئی قبیلہ ان کے پاس سے گذرنا تو اسے کہتے کہ محمد کی بات نہ سنا، وہ جادوگر ہے، وہ تمہیں مسحور کر دے گا۔ تو ولید کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی مذمت بیان کی جیسی کسی کی نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ جو بھی حق سے عناد رکھے گا اور اس کی مخالفت کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ دنیا میں رسوا کرے گا، اور آخرت میں اسے بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! جس شخص کو میں نے اس کی ماں کے بطن میں تہا پیدا کیا، نہ اس کے پاس مال تھا اور نہ اولاد تھی اس کو میرے لئے چھوڑ دیجئے، اس سے آپ کا انتقام لینے کے لئے میں کافی ہوں۔ اور جب پیدا ہوا تو میں نے اس کی پرورش کی، اُسے مال کثیر دیا، اور زرینہ اولاد سے نوازا جو ہر وقت اس کے پاس رہتے ہیں، انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اُن سے اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے، اور اپنے کاموں میں مدد لیتا ہے۔ میں نے اس کے لئے تمام دنیاوی اسباب مہیا کر دیئے، یہاں تک کہ اس کی تمام ضرورتیں اور خواہشات پوری ہونے لگیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ولید کے دس لڑکے تھے، ان میں سے خالد، عمار اور

إِنَّهُ فَكَرَّ وَقَدَّرَ فَقَتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۖ ثُمَّ قَاتَلَ كَيْفَ قَاتَلَ ۖ ثُمَّ نَظَرَ ۖ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۖ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۖ
فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سَعْدٌ يُؤْتِرُ ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۖ مَا ضَلِيهَ سَقَرًا ۖ وَمَا أَذْرِكْ مَا سَقَرًا ۖ لَا بُدَّ لِي وَأَنَا كَافِرٌ ۖ
لِلْبَشَرِ ۖ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۖ

اس نے غور^(۴) کیا اور ایک بات (دل میں) طے کر لی ﴿۱۸﴾ پس وہ ہلاک ہو، اس نے کسی بات سوچی ﴿۱۹﴾ وہ پھر ہلاک ہو، اس نے کسی بات سوچی ﴿۲۰﴾ پھر اُس نے دیکھا ﴿۲۱﴾ پھر اس نے پیشانی سکیڑی اور براسا منہ بنایا ﴿۲۲﴾ پھر اُس نے پیٹھ پھیر لیا اور تکبر کیا ﴿۲۳﴾ پھر کہنے لگا، یہ محض ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے ﴿۲۴﴾ یہ محض کسی انسان کا قول ہے ﴿۲۵﴾ میں عنقریب اسے جہنم^(۵) میں ڈال دوں گا ﴿۲۶﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ جہنم کیا ہے ﴿۲۷﴾ نہ وہ کسی چیز کو باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی ﴿۲۸﴾ وہ تو کھال کو جلا ڈالنے والی ہوگی ﴿۲۹﴾ اس پر انیس^{۱۹} فرشتے مقرر ہیں ﴿۳۰﴾

ہشام نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے ”الإصابة“ میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ خالد اور ہشام نے اسلام قبول کیا، اور عمار حالت کفر میں مرا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان تمام دنیاوی نعمتوں کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ میں اُسے آخرت کی نعمتوں سے بھی نوازوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا، اس کی یہ خواہش ہرگز پوری نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے ہماری آیتوں کی صداقت کا یقین کرنے کے بعد ان کا انکار کر دیا، اور حق کو پہچاننے کے بعد اُسے قبول نہیں کیا۔ میں اُسے بدترین عذاب سے دوچار کروں گا۔ ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اسے جہنم میں آگ کے پہاڑ پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا، جب بھی چڑھنے کی کوشش کرے گا گر جائے گا، اور وہ ہمیشہ اسی حال میں رہے گا۔

(۴) ولید بن مغیرہ کے لئے اور جس وعید کا بیان ہوا ہے، اسی کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے بڑا غور و فکر کیا، اور اپنے دل میں وہ بات طے کر لی جو اُسے نبی کریم ﷺ کی ذات پر اتہام دھرنے، اور قرآن کریم کی آیات کے ابطال کے لئے اہل قریش کے سامنے پیش کرنی تھی۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو، اس نے کیسے اس افترا پر دازی کو اپنے دل میں جگہ دی، اور وہ بات گھڑی جسے خود اس کے ضمیر نے قبول نہیں کیا، اللہ کی اس پر بار بار لعنت ہو، اس نے کیسے ایسی افترا پر دازی کی جرأت کر لی۔

پھر اُس ملعون نے اُس جھوٹی بات کے بارے میں غور کر کے خوب اطمینان کر لیا کہ اہل قریش اور دیگر مشرکین عرب اسے مان جائیں گے۔ پھر اُس لئیم نے کبر و غرور اور رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم سے بغض و عناد کے سب اپنی پیشانی سکرالی، اور اس کے چہرے پر حسد و کینہ کی سیاہی پھیل گئی، پھر اس نے حق سے منہ پھیر لیا، اور استکبار میں آکر قرآن برحق پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، اور کہنے لگا کہ یہ قرآن جادو کے سوا کچھ نہیں جسے محمد و سرور سے سیکھتا ہے، یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ کسی انسان کا گھڑا ہوا کلام ہے۔

(۵) چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کے خلاف ولید بن مغیرہ کی بات بہت بڑی افترا پر دازی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہاں اپنے نبی ﷺ کو خبر دی کہ وہ قیامت کے دن بہت شدید عذاب کا مستحق ہوگا، میں اُسے جہنم میں جلاؤں گا۔ اور

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَكْفُرَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وَيُزَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ قُرْصُونَ
وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ
إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ ۝

اور ہم نے جہنم کی نگرانی کے لئے فرشتے (۶) مقرر کئے ہیں، اور ہم نے ان کی تعداد کو کافروں کے لئے فتنہ بنایا ہے، تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں (کہ یہ رسول برحق ہے) اور تاکہ ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے، اور اہل کتاب اور مومنین (قرآن کی صداقت میں) شبہ نہ کریں، اور تاکہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اور کفار کہیں کہ اللہ نے یہ مثال دے کر کیا چاہا ہے۔ اللہ اسی طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یہ باتیں محض لوگوں کی نصیحت کے لئے بیان کی گئی ہیں ﴿۳۱﴾

اے میرے نبی! آپ کو کیا معلوم کہ جہنم کسے کہتے ہیں، یہ تو ایسی خطرناک دہشت ناک آگ ہے جو نہ گوشت کو چھوڑے گی اور نہ پٹھے اور ہڈی کو، جہنمی کے جسم کے ہر عضو کو جلا کر خاکستر اور چھڑے کو سیاہ بنا دے گی۔

"لَوْ اِحْتَالَ لِلْبَشَرِ" کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جہنم کافر انسانوں کو جلائے گی، اور انہیں شدید دائمی عذاب میں مبتلا رکھے گی۔ اور جہنم پر انہیں فرشتے بطور داروغہ مقرر ہیں، جو نہایت سخت دل اور بے رحم ہیں، انہیں اللہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرتے، اور نہ اس میں کوئی کمی کرتے ہیں۔

(۶) ابن جریر اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب ابو جہل نے "علیہا تسعة عشر" سنا، یعنی جہنم کے انیس داروغے ہیں، تو قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں، محمد تمہیں خبر دیتا ہے کہ جہنم کے داروغے انہیں ہیں، حالانکہ تمہاری تعداد بہت بڑی ہے۔ کیا تم میں ہر دس شخص ایک داروغہ جہنم کو زیر نہیں کر سکے گا۔

اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ابو لؤہب نے کہا کہ تم لوگ جہنم کے داروغوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو میں تم سب کی طرف سے ان سے نمٹ لوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً﴾ نازل کیا، اور بتایا کہ جن کے ذمہ جہنم کی نگرانی اور ان میں داخل ہونے والوں کو عذاب دینا ہے، وہ سب فرشتے ہیں، ان پر کون غالب آسکتا ہے کہ کفار ان پر غالب آنے کی بات کرتے ہیں۔

آیت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے جہنم کے داروغے فرشتے مقرر کئے ہیں، یعنی انہیں جنوں اور انسانوں میں سے نہیں بنایا ہے، کہ مبادا اپنے ہم جنس کے لئے ان کے دلوں میں رحم نہ پیدا ہو جائے۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی مخلوقات میں سے فرشتے اللہ کا حق ادا کرنے میں زیادہ جلدی کرتے ہیں، اور اس کی نافرمانی پر زیادہ غضبناک ہوتے ہیں، اور زیادہ قوی اور سخت گرفت کرنے والے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم کا ذمہ دار بنایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جہنم پر مامور فرشتوں کی جو تعداد یہاں بتائی ہے، اس سے مقصود کافروں کی آزمائش

كَلَّا وَالْقَمَرَ ۖ وَالنَّيْلَ إِذْ أَدْبَرَ ۖ وَالصَّبْرَ إِذَا اسْفَرَ ۖ إِنَّهَا لِأَحَدَى الْكُبْرَى ۖ نَذِيرٌ لِلْبَشَرَةِ ۖ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقَكَ مَا أَوْتَيْنَاكَ ۝

ہرگز نہیں (کفار مکہ فرشتوں کو زیر نہیں کر سکیں گے) چاند کی قسم (۷) ﴿۳۲﴾ اور رات کی قسم جب وہ پیچھے چلی جائے ﴿۳۲﴾ اور صبح کی قسم! جب وہ روشن ہو جائے ﴿۳۲﴾ بے شک جہنم بڑی خطرناک چیزوں میں سے ایک ہے ﴿۳۵﴾ وہ لوگوں کے لئے بڑی ڈرانے والی چیز ہے ﴿۳۶﴾ تم میں سے ہر اس آدمی کو ڈرانے والی ہے جو بھلائی کی طرف قدم بڑھانا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے ﴿۳۷﴾

ہے، تاکہ جو لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، ان پر اللہ کا غضب نازل ہو، اور ان کا عذاب کئی گنا بڑھا دیا جائے۔ اور مذکور بالا عدد کے ذکر کرنے سے مقصود یہ بھی ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی کریم ﷺ اور قرآن کی صداقت پر یقین کر لیں، اس لئے کہ جہنم پر مامور فرشتوں کی یہی تعداد تورات و انجیل میں بھی مذکور ہے۔ نیز یہ بھی مقصود ہے کہ جب امت محمدیہ کے مومنوں کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم کی یہی بات تورات و انجیل میں بھی موجود ہے، تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوگا۔

مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اہل کتاب کے دل میں اسلام کی صداقت کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے، کیونکہ یہی بات ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے، اور تاکہ مومنوں کا ایمان بڑھ جائے۔ اور فرشتوں کی تعداد انیس بتانے سے مقصود یہ بھی ہے کہ کفار عرب اور مستقبل میں مدینہ منورہ میں پائے جانے والے منافقین نفاق و کفر کی وادیوں میں بھٹکتے رہیں اور اللہ اور قرآن کا مذاق اڑاتے رہیں کہ اس عجیب و غریب مثال کے ذریعہ اللہ نے کیا بتانا چاہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و ضلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ اسی طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کے رب کی فوجوں کی تعداد کو (چاہے وہ فرشتے ہوں یا غیر فرشتے) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہنم کے ذمہ دار فرشتے انیس ہیں، اور ان کے ساتھ کام کرنے والے دیگر فرشتے بے شمار ہیں جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت (۳۱) میں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ جہنم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جہنم پر مامور فرشتوں کی تعداد بتانے کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان اس سے عبرت حاصل کریں، اور جہنم کے عذاب سے ڈرتے رہیں۔

(۷) ابن جریر نے لکھا ہے کہ یہاں کفار قریش کے زعم باطل کی تردید ہے کہ وہ جہنم کے دار و نحوں کا مقابلہ کریں گے اور ان پر غالب آجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چاند کی قسم اور رات کی قسم جب وہ طلوع فجر کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے، اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہوتی ہے، تم ان فرشتوں پر ہرگز غالب نہ آسکو گے۔

آیت (۳۵) میں اللہ تعالیٰ نے جہنم کے بارے میں خبر دی کہ وہ تو نہایت خطرناک اور ہیبت ناک مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے، اور اس بیان سے مقصد لوگوں کو ڈرانا ہے، اس لئے کہ جہنم ہے ہی ایسی جگہ جس سے لوگوں کو ڈرا یا جائے۔ اور آیت (۳۷)

كُنْ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينًا ۖ إِلَّا اصْحَابَ الْيَمِينِ ۗ فِي جَنَّةٍ نَّاسًا لَّوْنٌ ۖ عَنِ الْجَبَرِيْنَ ۖ مَا سَأَلْتُمْ فِي سَفَرٍ ۖ قَالُوا لَوْ زَكَّ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۖ وَلَوْ نَكَ نَطَعُمُ الْمُسْكِيْنَ ۖ وَكُنَّا نَحْوُضٍ مَعَ النَّابِضِيْنَ ۖ وَكُنَّا نَكْتُبُ بِوَجْهِ الدِّينِ ۗ حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِيْنَ ۗ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ۗ فَمَا لَهُمْ عَنِ الشُّكْرِ كِرَةً مُّعْرِضِيْنَ ۗ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۗ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۗ

ہر شخص اپنے کئے کے بدلے گردی (۸) ہے ﴿۳۸﴾ سوائے دائیں طرف والوں کے ﴿۳۹﴾ یہ لوگ جنتوں میں ہوں گے، پوچھیں گے ﴿۳۰﴾ مجرمین سے ﴿۳۱﴾ تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچا دیا ﴿۳۲﴾ وہ کہیں گے، ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿۳۳﴾ اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ﴿۳۴﴾ اور (اسلام کے خلاف) بات بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی بات بنایا کرتے تھے ﴿۳۵﴾ اور ہم قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے ﴿۳۶﴾ یہاں تک کہ ہماری موت آگئی ﴿۳۷﴾ پس (اس وقت) شفاعت (۹) کرنے والوں کی شفاعت ان کے کام نہیں آئے گی ﴿۳۸﴾ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں ﴿۳۹﴾ جیسے کہ وہ بد کے ہوئے گدھے (۱۰) ہیں ﴿۴۰﴾ جو شیر کے خوف سے بھاگ پڑے ہیں ﴿۴۱﴾

میں خبر دی ہے کہ یہ ان لوگوں کو ڈرانے والی ہے جو اللہ کی طاعت و بندگی میں دوسروں پر سبقت لے جانا اور جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور ان کو بھی ڈرانے والی ہے جو اللہ کی طاعت و بندگی سے پیچھے ہٹا اور ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہیں۔ یعنی جہنم کا ذکر کر کے مومن و کافر دونوں کو ڈرانے کا کام ہو چکا۔

(۸) روز قیامت اور اس کے جزا و سزا کی یقین دہانی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن ہر شخص اپنے عمل کا مذمہ دار ہوگا، اگر اچھا عمل کیا ہوگا تو اس کی نجات ہو جائے گی، اور اگر بُرا عمل کیا ہوگا تو وہ اسے ہلاک کر دے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿۱۰﴾ اَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۱۱﴾ کہ جن کے اعمال اچھے ہوں گے، اُن کی گردنیں عذاب سے آزاد کر دی جائیں گی، جیسے کوئی رہن رکھنے والا قرض ادا کر کے اپنا رہن چھڑا لیتا ہے۔

وہ اصحاب الیمین اُس دن ایسی جنتوں میں ہوں گے جن کی نعمتوں، راحتوں اور آسائشوں کا ادراک کوئی شخص اس دنیا میں نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے آپس میں باتیں کریں گے، یہاں تک کہ بات اُن مجرمین تک پہنچ جائے گی جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کے باغی تھے، اور جن کی موت کفر و شرک پر ہوئی تھی۔ تو جنتی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیوں نہ جہنم میں جھانک کر اُن کا حال معلوم کیا جائے، چنانچہ انہیں بیچ جہنم میں شدید عذاب کی حالت میں پائیں گے، اور اُن سے پوچھیں گے کہ تمہارے کس کر توت نے تمہیں جہنم میں پہنچا دیا ہے؟ تو وہ جہنمی کہیں گے کہ ہم دنیا میں اللہ کے لئے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مسکینوں کے لئے اپنے مال کی زکاۃ نہیں دیتے تھے، دین اسلام، قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش کرنے والوں کا ساتھ دیتے تھے، اور قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے، ہمارا یہی حال رہا یہاں تک کہ موت نے ہمیں آدبوچا، اور آج ان حقائق کا مشاہدہ کر لیا جن کا دنیا میں ہم انکار کرتے تھے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے انہی مجرمین کے بارے میں فرمایا کہ اگر بفرض محال کوئی نبی یا فرشتہ اُس دن ان کے لئے سفارش بھی کرے گا،

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنشَرَةً ۗ كَلَّا بَلْ لَا يَمْلِكُونَ الْخِزْيَةَ ۗ كَلَّا إِنَّهُ تَدَكَّرُ فَسَنُشَاءُ
ذِكْرَهُ ۗ وَمَا يَذُكُرُونَ إِلَّا أَنْ يُشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَعْرِفَةِ ۗ

بلکہ ان میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسے کھلی کتابیں (۱۱) دی جائیں ﴿۵۲﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں ہیں ﴿۵۳﴾ ہرگز نہیں، بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہی نصیحت (۱۲) ہے ﴿۵۴﴾ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے ﴿۵۵﴾ اور جب تک اللہ نہیں چاہے گا وہ نصیحت نہیں حاصل کریں گے، وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے، اور وہی ہے مغفرت کرنے والا ﴿۵۶﴾

تو وہ ان کے کام نہیں آئے گی، دوسرے لفظوں میں، وہ شفاعت کے اہل نہیں ہوں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کسی نبی یا فرشتہ کو ان کے لئے سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں دے گا، اس لئے کوئی ایسی سفارش نہیں پائی جائے گی جو انہیں نفع پہنچائے۔

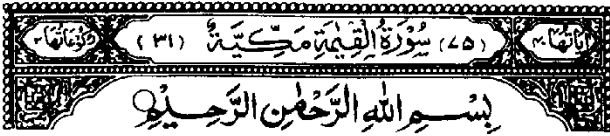
(۱۰) اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی حالت پر اظہار حیرت کرتے ہوئے فرمایا: انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس قرآن سے اعراض کر رہے ہیں جس میں ان کے لئے عبرت و نصیحت ہے، اور قرآن سننے سے اس طرح بدکتے ہیں جیسے خوفزدہ گدھے جو جنگل میں شیروں کو دیکھ کر مارے خوف و دہشت کے بے تحاشہ دوڑنے لگتے ہیں، اور انہیں کہیں قرار نہیں ملتا۔

(۱۱) مفسرین نے لکھا ہے: کفار قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آنی چاہئے جس میں مذکور ہو کہ تم اس کے رسول ہو، تو ہم تم پر ایمان لانے کے بارے میں غور کریں گے، لیکن وہ اپنی اس بات میں قطعی طور پر جھوٹے تھے، اس لئے کہ قرآن کریم میں بہت سی آیتیں نازل ہو چکی تھیں جن سے حق واضح ہو چکا تھا، اگر ان میں خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی، تو کب کے ایمان لے آئے ہوتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کہا: ہرگز نہیں، ہم ان کی خواہش پوری نہیں کریں گے، ان کا مقصد ہمارے رسول کو عاجز و درماندہ بنانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں آخرت کا ڈر نہیں ہے، اگر انہیں آخرت میں نجات کی فکر ہوتی، تو ایسی بات نہیں کرتے، بلکہ ایمان لے آتے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا کہ یہ عبرت و نصیحت کا خزانہ ہے، اس میں موجود اللہ کے اوامر و نواہی سے جو چاہے فائدہ اٹھائے، اور اپنی عاقبت سدھارے، لیکن اس سے وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جسے اللہ توفیق دے گا، اس کی توفیق کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

آیت (۵۶) کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کی ذات ہی وہ ذات ہے جس سے بندوں کو ڈرنا چاہئے، اور جسے راضی کرنے کے لئے عمل صالح کرنا چاہئے، اور وہی ارحم الراحمین مومنوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ﴿هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا: ”لوگو! تمہارا رب کہتا ہے کہ میں ہی وہ ہوں جس سے ڈرنا چاہئے، پس میرے ساتھ کسی کو معبود نہ بناؤ۔ تو جو شخص مجھ سے ڈرے گا اور میرے ساتھ کسی کو معبود نہیں بنائے گا، میں اُسے معاف کر دوں گا۔“ وباللہ التوفیق۔



لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۗ أَحْسَبُ الْإِنْسَانَ أَنْ تُجْمَعُ عِظَامُهُ ۗ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ
نَسُوهُ بَنَانَهُ ۗ بَلَىٰ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۗ

سورة القیامہ مکی ہے، اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
میں روز قیامت کی قسم (۱) کھاتا ہوں ﴿۱﴾ اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ﴿۲﴾ کیا انسان یہ
سمجھتا (۲) ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے ﴿۳﴾ ہاں، ہم تو اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوروں
کو درست کر دیں ﴿۴﴾ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ آگے بھی گناہ کرتا رہے ﴿۵﴾

تفسیر سورۃ القیامہ

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "القیامہ" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے بعض روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
مردی اس کا نام "سورۃ لا أقسم" بھی آیا ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت بلا تفاق مکی ہے۔ ابن مردویہ نے اور بیہقی نے (دلائل میں) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی
ہے کہ سورۃ القیامہ اور ایک روایت کے مطابق "سورۃ لا أقسم" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن مردویہ نے عبداللہ بن زبیر
رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کی ہے۔

(۱) آیات (۲۱) کی ابتدا میں موجود "لا" کے بارے میں بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ زائد ہے، اور "لا أقسم" کا معنی
"أقسم" بتایا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ "لا" زائد نہیں ہے، بلکہ نفی کے معنی میں ہے، اور اس کے ذریعہ مشرکین کے
"بعث بعد الموت" کے بارے میں غلط عقیدے کی نفی کی گئی ہے، اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بات ویسی نہیں ہے جیسی مشرکین کہتے
ہیں کہ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن کے جزا و سزا کا تصور صحیح نہیں ہے۔ میں بعث بعد الموت کے عقیدے کے صحیح ہونے
پر قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، اور آدمی کے "نفس لوامة" کی قسم کھاتا ہوں، جو ہمیشہ اللہ کی جناب میں تقصیر پر آدمی کو
ملامت کرتا رہتا ہے، اُسے بھلائی پر اکساتا ہے، اور بُرائی سے روکتا ہے، اس لئے کہ اُسے یقین ہوتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی،
بنی نوع انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور انہیں ان کے اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

دونوں آیتوں میں جس بات پر اللہ نے قسم کھائی ہے وہ یہ ہے کہ کافر! تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، تم سے ضرور
تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا، اور تمہیں سزا دی جائے گی۔ چونکہ یہ بات سیاق و سباق سے واضح تھی، اسی لئے آیت میں اس
کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وہی بات بصرحت کہی ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے اس نے اوپر کی دونوں آیتوں
میں قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا کافر و لحد یہ سمجھتا ہے کہ وہ مر کر گل سڑ جائے گا، اس کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا،

يَسْئَلُ إِن كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۖ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۖ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۖ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْزُ ۖ كَلَّا لَا وَزَرَ ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۖ يُنْبِئُكَ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۖ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بِصِيرَةٍ ۖ وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادِيرَ كُ ۖ

وہ پوچھتا (۳) ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا ﴿۶﴾ پس جب آنکھ پتھرا جائے گی ﴿۷﴾ اور ماہتاب بے نور ہو جائے گا ﴿۸﴾ اور آفتاب و ماہتاب جمع کر دیئے جائیں گے ﴿۹﴾ اُس دن انسان کہے گا، کہاں ہے بھاگنے کی جگہ ﴿۱۰﴾ ہرگز نہیں، کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی ﴿۱۱﴾ اُس دن آپ کے رب کے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہوگی ﴿۱۲﴾ اُس دن انسان کو ان تمام اعمال کی خبر دی جائے گی جو اس نے آگے بھیجا، اور جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا ﴿۱۳﴾ بلکہ انسان اپنے آپ سے خوب باخبر ہے ﴿۱۴﴾ چاہے وہ اپنی معذرتیں پیش کرے ﴿۱۵﴾

اور ہم اس کی ہڈیاں زمین سے نکال کر انہیں جمع کر کے اسے دوبارہ زندہ نہیں کریں گے؟ یہ اس کی خام خیالی ہے، ہم یقیناً اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی ہڈیوں کو جمع کریں، بلکہ ہم تو اس سے بڑی بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو اونٹ اور گدھے کی کھری مانند یکجا کر دیں، تاکہ اُن سے وہ دقیق و باریک کام نہ لے سکے جو وہ اپنی انگلیوں کو ذریعہ لیتا ہے۔

آیت (۴) کا دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم تو انسان کی انگلیوں کو بنانے پر قادر ہیں جو چھوٹی اور نازک ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے الگ اور حرکت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، تو پھر اس کے جسم کی بڑی ہڈیوں کو دوبارہ بنانے پر کیوں نہیں قادر ہوں گے، جبکہ پہلی بار ہم نے ہی انہیں بنایا تھا۔

آیت (۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر و ملحد انسان، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا اس لئے انکار نہیں کرتا ہے کہ اس کے پاس اس کی دلیل نہیں پہنچی ہے اور اس کا وہ دل سے معترف نہیں ہے، بلکہ اس کی نیت فاسد ہوتی ہے، وہ محض استکبار کی وجہ سے چاہتا ہے کہ انکار آخرت پر اس کا اصرار باقی رہے، اور حقیقت کا اعتراف نہ کرے۔

(۳) بعث بعد الموت اور قیامت کا منکر بطور استہزاء پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئے گی، اس لئے کہ وہ وقوع قیامت کو بعید از عقل بات سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس استہزاء آمیز سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہاں، جب قیامت آئے گی تو آدمی کی آنکھیں شدتِ خوف و وحشت سے پتھرا جائیں گی، اور حرکت کرنے سے رُک جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم آیت (۴۲) میں فرمایا ہے: **إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ** ﴿۴۲﴾ ”اللہ تعالیٰ انہیں اُس دن تک مہلت دیئے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی“۔

اور اُس دن ماہتاب ہمیشہ کے لئے اپنی روشنی کھو دے گا، اور آفتاب و ماہتاب دونوں اکٹھا کر دیئے جائیں گے، دونوں کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ اور رات اور دن کا ایک دوسرے کے بعد آتا بند ہو جائے گا، اُس دن انسان مارے دہشت کے ہر چہرہ جانب بھاگنے کی کوشش کرے گا، لیکن اسے کوئی جائے فرار نہیں ملے گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كَلَّا لَا وَزَرَ** ﴿۱۰﴾ ہرگز نہیں، اب کوئی جائے پناہ نہیں ہے، اب تو سبھی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہیں، اور اپنے بارے میں اس کے فیصلے کے منتظر ہیں، کہ جنت کا فیصلہ ہوتا ہے یا جہنم کا۔ اُس دن ہر آدمی کو اس کے اچھے اعمال کی خبر دی جائے گی جو اس کی نجات کا سبب بنیں گے، اور اُن اعمال کی بھی جن کی ادائیگی میں اس نے تفریط و تقصیر سے کام لیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خبر انسان کو اعمال کے وزن کے وقت

لَا تُحْزِنُكَ بِهٖ لِسَانُكَ لِتَعْجَلْ بِهٖ ۝ اِنْ عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنُهُ ۝ وَاذْاَقْرَانُهُ فَاَتَيْتَهُ قُرْآنُهُ ۝ ثُمَّ اِنْ عَلَيْنَا اٰيَاتُهُ ۝

اے میرے نبی! آپ (نزولِ وحی کے وقت) اپنی زبان نہ ہلایئے^(۳) تاکہ اسے جلد یاد کر لیں ﴿۱۶﴾ بے شک اس کا جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارا کام ہے ﴿۱۷﴾ اس لئے جب ہم اس کی قراءت پوری کر لیں تو آپ اُسے پڑھ لیا کیجئے ﴿۱۸﴾ پھر یقیناً اس کی تفسیر و توضیح بھی ہمارا ہی کام ہے ﴿۱۹﴾

دی جائے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خبر اسے موت کے وقت دی جائے گی۔ قرطبی کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔

آیت (۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ انسان کے اعضاء و جوارح اس کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، جیسا کہ سورۃ النور آیت (۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَنْزُلُتْهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿۱۸﴾ ”جس دن کافروں کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے“۔

حسن بصری نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اُس دن ہر آدمی اپنے عیوب و نقائص سے خوب واقف ہوگا، اگرچہ عذاب سے بچاؤ کی ناکام کوشش میں جھوٹے اعذار پیش کرے گا، لیکن اس کا کوئی فائدہ اسے نہیں پہنچے گا۔

(۴) بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ہونٹ ہلانے لگتے۔ آپ سے کہا گیا کہ آیتوں کو یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلایئے، یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم انہیں آپ کے سینے میں محفوظ کر دیں تاکہ نزولِ وحی ختم ہونے کے بعد آپ انہیں پڑھیں۔ اس لئے جب ہم پوری وحی نازل کر چکیں، تب آپ پڑھئے۔ پھر اس کے بیان کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر ہے۔ بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبریل وحی لے کر آتے تو آپ غور سے سنتے، اور جب جبریل چلے جاتے، تو آپ ویسے ہی پڑھتے جس طرح جبریل نے پڑھا تھا۔ اتنی۔ سورۃ ط آیت (۱۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ اِنْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُقَضَىٰ اِلَيْكَ وَحْيُهُ﴾ ”آپ وحی ختم ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے“۔

حافظ ابن کثیر نے شعی، حسن بصری، قتادہ، مجاہد اور ضحاک وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان آیات کے نزول کا سبب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وحی کا علم حاصل کرنے کی کیفیت سکھائی ہے۔ اتنی۔

مفسرین نے ذکر قیامت کے درمیان، ان آیتوں کے آنے کی کئی مناسبتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک مناسبت یہ ہے کہ جب یہ سورت ﴿وَلَوْ اَنْفَقَىٰ مَعَاذِ بَرٍّ﴾ تک نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ اسے جلد یاد کر لیں، اور زبان ہلانے لگے تاکہ اس کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تُحْزِنُكَ بِهٖ لِسَانُكَ لِتَعْجَلْ بِهٖ﴾ سے ﴿ثُمَّ اِنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ﴾ تک نازل فرمایا۔ پھر قیامت سے متعلق کلام مکمل کیا۔

﴿ثُمَّ اِنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ﴾ کے ضمن میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی تیسیس سالہ نبوت کی زندگی میں قرآن کریم کی تشریح و توضیح کے لئے جو کچھ کہا اور کیا، اور جتنی باتوں کی تائید کی اور جتنی باتوں سے منع فرمایا، جسے اسلام کی زبان میں ”حدیث“ کہا جاتا ہے، وہ پورا ذخیرہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی کا حصہ تھا، اور اگرچہ قرآن نہیں تھا، لیکن قرآن کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ربانی وعدے کے مطابق، وہ ذخیرہ قرآن کی تشریح اور اس کا بیان تھا، اور امت کے لئے آسمانی وحی کی حیثیت سے واجب الإلتزام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم آیات (۴۳) میں اسی بات کی تائید میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۖ وَتَذُرُونَ الْآخِرَةَ ۗ وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۗ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۗ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۗ تَكْفُرُونَ ۗ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۗ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الْمَرَاتِقَ ۗ وَقِيلَ لَهَا مَنِّ رَاقٍ ۗ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۗ وَالتَّكْتِبُ السَّاقِ ۗ بِالسَّاقِ ۗ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِ ۗ

ہرگز نہیں، لوگو! بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی چیز (۵) (دنیا) کو پسند کرتے ہو ﴿۲۰﴾ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو ﴿۲۱﴾ کچھ چہرے اُس دن شاداب (۶) ہوں گے ﴿۲۲﴾ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے ﴿۲۳﴾ اور کچھ چہرے اُس دن بے رونق (۷) ہوں گے ﴿۲۴﴾ انہیں یقین ہو جائے گا کہ انہیں کسی بھاری مصیبت میں گرفتار کیا جائے گا ﴿۲۵﴾ ہرگز نہیں، جب جان (۸) اہلی تک پہنچ جائے گی ﴿۲۶﴾ اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ﴿۲۷﴾ اور بیمار کو یقین ہو جائے گا کہ جدائی کی گھڑی آگئی ﴿۲۸﴾ اور پنڈلی پنڈلی سے چپک جائے گی ﴿۲۹﴾ اُس دن آپ کے رب کی طرف روانگی ہوگی ﴿۳۰﴾

الْمُهْوَىٰ ۖ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۳۰﴾ ”اللہ کے نبی اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔“

(۵) چار معترضہ آیتوں کے بعد، جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وحی کا علم حاصل کرنے کی تعلیم دی ہے، پھر آخرت، اس کی نعمتوں اور اس کے عذاب کا ذکر آ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو فکرِ آخرت کی نصیحت کی ہے، اور کہا ہے کہ تم دنیا، اس کی لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے دوڑتے ہو، اور فکرِ آخرت سے غافل ہو گئے ہو، اس لئے کہ دنیا کی لذتیں فوراً حاصل ہو جاتی ہیں، اور آخرت کی نعمتیں نگاہوں سے اوجھل ہیں، حالانکہ اگر تم عقل و خرد سے کام لیتے، دائمی انجام پر تمہاری نگاہ ہوتی، تو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے، اور قیامت کے دن تمہیں ایسی دائمی خوشی ملتی جس کے بعد کبھی بدبختی اور دکھ اور مصیبت تمہارے قریب نہ پہنچتی۔

(۶) جو لوگ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں، قیامت کے دن ان کے چہرے شاداب، پُر رونق اور پُر نور ہوں گے، اور جنت اور اس کی بے بہا نعمتوں کو پا کر شادال و فرحال ہوں گے۔ اور انہیں سب سے بڑی نعمت یہ ملے گی کہ ان کا رب ان کے سامنے جلوہ افروز ہوگا، جسے دیکھ کر انہیں ایسی خوشی ملے گی جس کی تعبیر الفاظ میں نہیں کی جاسکتی، اور جس کے بعد وہ جنت کی ساری نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان اہل جنت میں شامل کر دے۔

(۷) اور جو لوگ دنیا اور اس کی عارضی لذتوں کو جنت اور اس کی دائمی خوشیوں پر ترجیح دیتے ہیں، قیامت کے دن ان کے چہرے غم و الم کے مارے نہایت بے رونق اور اُداس ہوں گے، اُن پر کرب و اذیت کے سبب سیاہی چھائی ہوگی، اس لئے کہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ آج ان کے لئے کوئی خیر نہیں، انہیں ایسی سزا دی جائے گی جو ان کی ریڑھ کی ہڈی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی، یعنی وہ انتہائی شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

(۸) اس آیت کریمہ میں بھی آیات (۳۱/۲۱) کی طرح مشرکین کے بعث بعد الموت کے بارے میں غلط عقیدے کی نفی کی گئی ہے، اور حضرت انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ بات ویسی نہیں جیسی تم سمجھتے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی، اور تم دوبارہ زندہ

فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى وَلَا كَذَبَ وَتَوَلَّى ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْكُطُ ۗ أَوَّلَىٰ لَكَ قَاوِلٌ ۗ ثُمَّ أَوَّلَىٰ لَكَ قَاوِلٌ ۗ
 اِيْحَسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۗ أَلَمْ يَكُنْ نَظْفَةً مِّنْ مَّيْمَنِي يُنْمِي ۗ ثُمَّ كَانَ عِلْقَةً فَنَحَاقَ فَسَوَىٰ ۗ
 فَبَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۗ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُعْجِزَ الْمَوْتَىٰ ۗ

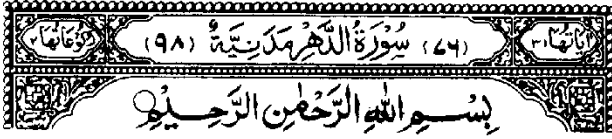
پس اس نے نہ تصدیق (۹) کی اور نہ نماز پڑھی ﴿۳۱﴾ بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ﴿۳۲﴾ پھر وہ اپنے بال بچوں کی طرف اکڑتا ہوا چل دیا ﴿۳۳﴾ تیرے لئے خرابی ہی خرابی ہے ﴿۳۴﴾ پھر تیرے لئے خرابی ہی خرابی ہے ﴿۳۵﴾ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اُسے بیکار (۱۰) چھوڑ دیا جائے گا ﴿۳۶﴾ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جسے (رحم مادر میں) پڑکایا جاتا ہے ﴿۳۷﴾ پھر وہ ایک لوتھڑا تھا، تو اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر اسے دُرست بنایا ﴿۳۸﴾ پھر اس نے اس کی نر اور مادہ دو قسمیں بنائیں ﴿۳۹﴾ کیا وہ اللہ اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے ﴿۴۰﴾

نہیں کئے جاوے، تم ضرور زندہ کئے جاوے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے طور پر فرمایا: جب تمہاری روح حلق کی ہڈی تک پہنچ جائے گی، اور تمہارے خویش واقارب تمہارا حال زار دیکھ کر بے بسی میں پکار اٹھیں گے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعہ اس کی بیماری اور کرب و اذیت کو دور کر دے، اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اب تم اپنے اہل و عیال اور خویش واقارب کو چھوڑ کر دنیا سے کوچ کر جاوے گے، اُس دن تم آخرت کی طرف سدھار جاوے گے۔ تمہارا جسم مٹی میں دفن کر دیا جائے گا، اور تمہاری روح تمہارے رب کے پاس پہنچادی جائے گی، تاکہ قیامت کے دن وہ تمہیں زندہ کر کے تمہارے انجام کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔

(۹) انسان روزانہ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتا ہے کہ لوگ بے بسی کے عالم میں مر جاتے ہیں، اور کوئی انہیں بچا نہیں پاتا۔ ان کی رو میں جسدِ خاکی سے نکل کر اپنے خالق کے پاس چلی جاتی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انسان موت کے ان مناظر سے عبرت حاصل کرتا، اور آخرت میں عذابِ نار سے بچنے کی تدبیر کرتا، لیکن اس کی شومی قسمت کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ ایسے ہی کافر و متکبر اور غافل انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی، اس کی نعمتوں کا انکار کیا، اپنی زندگی میں اس نے نمازوں کا اہتمام نہیں کیا، دین حق کو جھٹلایا اور طاعت و بندگی کی راہ پر نہیں چلا، اور ان تمام گناہوں کے ارتکاب کے باوجود اس کا دل مطمئن رہا، اور اللہ سے ڈر کر کبھی توبہ کی نہیں سوچی، بلکہ استکبار کے ساتھ اکڑتا ہوا اپنے گھروالوں کے پاس چلا گیا۔

واحدی نے مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کا ہاتھ پکڑا، پھر کہا کہ تمہارے لئے بربادی ہی بربادی ہے تو ابو جہل نے کہا، تم مجھے کس چیز کی دھمکی دیتے ہو، تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، میں اس وادی کا معزز ترین آدمی ہوں۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تائید میں اس کافر و متکبر انسان کا انجام بتا دیا کہ اس کے لئے ہلاکت و بربادی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ لفظ "اَوَّلَىٰ" کو چار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس کے لئے ہلاکت و بربادی زندگی میں ہے، اور مرنے کے بعد بھی ہے اور جس دن وہ دوبارہ اٹھایا جائے گا، اور جب جہنم میں ڈالا جائے گا۔

نسائی، حاکم، طبرانی، ابن المنذر اور ابن جریر وغیرہ نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿اَوَّلَىٰ لَكَ فَاَوَّلَىٰ﴾ کے بارے میں پوچھا، کیا رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کو یہ بات اپنی طرف سے کہی تھی یا اللہ نے حکم دیا تھا؟ تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے اپنی طرف سے کہا تھا، پھر اللہ نے اسے قرآن میں نازل کر دیا۔ اس روایت کو حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔



هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ مِيثًا لَّنَا كُوْرًا ۝

سورۃ الدہر مدنی ہے، اس میں آئیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کیا انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت گذرا^(۱) ہے جب وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھا جس کا کہیں کوئی ذکر رہا ہو ﴿﴾

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق بے غرض و غایت نہیں کی ہے، اس نے اُسے اپنی طاعت و بندگی کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے وہ یہ نہ سمجھے کہ اسے اس دنیا میں جانوروں کی طرح آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، بلکہ اللہ نے اسے اوامر و نواہی کا مکلف بنایا ہے، اور قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا، اور اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق اسے جزا یا سزا دی جائے گی۔

آدمی اگر اپنی تخلیق کی ابتدا پر غور کرے تو ایمان لے آئے کہ باری تعالیٰ یقیناً اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے خوب معلوم ہے کہ وہ مٹی کا ایک حقیر قطرہ تھا جسے اس کے باپ کی بیٹھ سے نکال کر اس کی ماں کے رحم میں پٹکایا گیا، پھر کچھ دنوں کے بعد وہ قطرہ مٹی خون بن گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا بنایا اور اعضاء و جوارح بنا کر اس ٹکڑے میں جان ڈال دی، پھر اس قطرہ مٹی سے پیدا کردہ انسانوں کو اللہ نے (مردوزن) دو قسم کے انسان بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے بنی نوع انسان! جو اللہ قطرہ مٹی کو مختلف مدارج و مراحل سے گذار کر تمہیں پیدا کرنے پر قادر ہے، کیا وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟! وہ یقیناً اس پر قادر ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الدہر

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "الدہر" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا دوسرا نام "سورۃ الإنسان" ہے۔ اور اسے "سورۃ الأمشاج" اور سورۃ "هل أتى" بھی کہتے ہیں۔

زمانہ نزول: جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ اور ابن النخاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور ابن مردیہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ابتدائے سورت سے آیت (۲۲) تک مدنی ہے، اور اس کے بعد سے آخر سورت تک مکی ہے۔

امام مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں "المسجدہ" اور ﴿هل أتى على الإنسان﴾ پڑھتے تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ضعیفی اور خفارت یاد دلائی ہے، کہ اس کا باپ (آدم) چالیس سال تک مٹی کا ایک مجسمہ بنا پڑا رہا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ایک سو بیس سال تک، مٹی، گارے اور ٹھیکرے کے مراحل سے گذرنا رہا، جب جا کر اللہ تعالیٰ نے اس میں روح ڈالی۔ اس پوری مدت میں وہ مٹی کا ایک تودہ رہا، اللہ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس تودہ کا کیا ہوگا، اور اس کا کیا نام ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی اور اُسے انسان بنایا۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَعَلَدُ نَوْمًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۝ إِنَّ الْأَكْثَرَ لَا يُشْرِكُونَ مِنْ كَائِسٍ كَانَ مِرْجَاهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا اشْرَبَ بِهَا عِبَادَ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُؤْفُونَ بِالْكَذِبِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَتْ شِرْهُهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حَيْثُ مَسْكِينَتَاؤَيْبِنَمَا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لِأَتُرِيدُوا مِنْكُمْ جَزَاءً وَكُلْهُنَّ ۝

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ (۲) سے پیدا کیا ہے، تاکہ ہم اسے آزمائیں، پس ہم نے اُسے خوب سننے والا، اچھی طرح دیکھنے والا بنایا ہے ﴿۲﴾ بے شک ہم نے راہِ راست کی طرف اس کی رہنمائی کر دی ہے، چاہے تو وہ شکر گزار بنے اور چاہے تو ناشکری کرے ﴿۳﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں (۳) اور طوق اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿۴﴾ بے شک نیک لوگ (جنت میں) ایسے جام (۳) سے پیئیں گے جس میں کافور ملا ہوگا ﴿۵﴾ وہ ایک چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے بندے پیا کریں گے، اسے (جب اور جہاں چاہیں گے) جاری کر لیں گے ﴿۶﴾ اللہ کے وہ بندے اپنی نذریں (۵) پوری کرتے ہیں، اور روزِ قیامت سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیل جانے والا ہوگا ﴿۷﴾ اور اپنے لئے کھانے کی ضرورت ہوتے ہوئے، اسے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں ﴿۸﴾ (ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلا رہے ہیں، ہم نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی کلمہ شکر ﴿۹﴾

(۲) اللہ تعالیٰ نے پھر آدم کی اولاد کو گندے اور حقیر پانی کے ایک مخلوط قطرہ سے پیدا کیا۔ "امشاج" سے مراد وہ مخلوط ہے جو مرد اور عورت دونوں کی منی سے بنتا ہے۔ مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے، اور عورت کی منی پیلی اور پتلی ہوتی ہے، دونوں کے امتزاج سے آدمی کی تخلیق ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کو احکام و شرائع کا پابند بنایا تاکہ اسے آزمائے اور دیکھے کہ وہ اپنے رب کا مطیع و فرمانبردار بندہ بنتا ہے یا نافرمانی کرتا ہے، اور اسے سننے اور دیکھنے کی قوت دی، اور عقل سے نوازا تاکہ وہ خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کے درمیان تمیز کرے، اور راہِ ہدایت پر چل کر یا تو اللہ کا شکر گزار بندہ بنے، یا اس سے روگردانی کر کے ناشکری کرے، اور ہلاکت و بربادی کی راہ پر چل پڑے۔

(۳) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کی خبر دی ہے جو اُس نے کافروں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں، بیڑیاں اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ سورۃ المؤمن آیات (۷۱، ۷۲) میں فرمایا ہے: ﴿إِذَا الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ﴾ ﴿فِي الْحَمِيمِ﴾ ﴿ثُمَّ فِي لِنَارٍ يَسْجُرُونَ﴾ "جب اُن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور زنجیریں ہوں گی، گھیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں، پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے"

(۴) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کی خبر دی ہے جو اُس نے مومنین صالحین کے لئے تیار کر رکھی ہے، فرمایا کہ ایسے لوگ نہایت لذیذ شراب پیئیں گے جس میں کافور ملا ہوگا، تاکہ اسے ٹھنڈا کر دے اور اُس کی تیزی کو زائل کر دے۔ اور یہ کافور نہایت ہی لذیذ ہوگا، اور دنیاوی کافور کی خرابیوں سے پاک ہوگا۔

اور وہ لذیذ شراب کبھی ختم نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ ہمیشہ جاری رہنے والا چشمہ ہوگا، جسے اہل جنت اپنی مرضی اور خواہش

إِنَّا نَحْنُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَسَىٰ أَنْ يَمُوتَ يَوْمًا ۖ فَوَقَّهْمُ اللَّهُ تِلْكَ الْيَوْمَ وَلَقَّهْمُ نَصْرًا وَسُرُورًا ۖ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۖ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرْبَابِ لَا يُرَدُّونَ فِيهَا نِسْمًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۖ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَتَذَلَّلُ ۖ

ہم اپنے رب کی جانب سے اس دن سے ڈرتے^(۶) ہیں جو بڑا ہی ادا اس بنانے والا ہوگا، اور جس کی تیوری چڑھی ہوگی ﴿۱۰﴾ تو اللہ نے انہیں اس دن کی برائی^(۷) سے بچالیا، اور انہیں چہرے کی شادابی اور فرحت عطا کی ﴿۱۱﴾ اور ان کے صبر کے بدلے انہیں جنت اور ریشمی لباس دیا ﴿۱۲﴾ اس جنت میں وہ اونچی مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں نہ وہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی ﴿۱۳﴾ اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوں گے، اور اس کے پھل ان کے بالکل قریب کر دیئے جائیں گے ﴿۱۴﴾

کے مطابق جب اور جہاں چاہیں گے جاری کر لیں گے۔ ادھر اُن کا ارادہ ہوگا، اور ادھر چشمِ زدن میں اُن کے سامنے جاری ہو جائے گا۔

(۵) اہل جنت کو یہ نعمتائے بے بہا اس سبب سے ملیں گی کہ وہ جن اعمالِ صالحہ کو اپنے اوپر واجب کر لیتے تھے، انہیں ضرور پورا کرتے تھے، اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وہ اللہ کی جانب سے واجب کردہ اعمالِ صالحہ کو بدرجہ اولیٰ پورا کرتے تھے۔ اور اُس دن کے عذاب سے ڈرتے تھے جس کا شَرِّ زمین و آسمان کو بھر دے گا، اور اسی خوف کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ہر اُس بُرے عمل سے کنارہ کشی کر لی تھی جو قیامت کے دن عذاب کا سبب بنتا۔

اور وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے تھے، باوجودیکہ اُن کے پاس کھانا کم ہوتا تھا یا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور اس کی محبت حاصل کرنے کے لئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے تھے۔ اس مفہوم کی تائید اس کے بعد والی آیت (۹) سے ہوتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے والوں کی بات نقل کی ہے کہ وہ جنہیں کھانا کھلاتے ہیں اُن سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لئے تمہیں کھانا کھلا رہے ہیں، ہم کو تم سے اس کا نہ کوئی بدلہ چاہئے، اور نہ اس کے لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہماری تعریف کرتے پھرو۔

(۶) وہ اہل جنت دنیا میں یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اپنے رب کی طرف سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو اپنی ہولناکیوں کے سبب بڑا ہی شدید اور ناقابل برداشت ہوگا۔

(۷) اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا نیکیوں کے سبب انہیں اُس دن کے عذاب سے بچالے گا، اور فرشتے آگے بڑھ کر اُن سے کہیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کا غایت درجہ اکرام کرے گا، ان کے چہرے کو شادابی، اور ان کے دلوں کو فرحت و شادمانی عطا کرے گا، یعنی انہیں ظاہری اور باطنی تمام نعمتوں سے نوازے گا۔

اور چونکہ وہ صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کی بندگی کرتے رہے، گناہوں سے پرہیز کرتے رہے، دعوتِ الی اللہ کا کام کرتے رہے، اور اس راہ کی اذیتوں کو برداشت کرتے رہے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں جنت دے گا، اور پہننے کے لئے ریشم کے کپڑے دے گا، جسے انہوں نے دنیا میں اللہ کا حکم مانتے ہوئے نہیں پہنا تھا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَّةٍ مِنْ فَضْلَةٍ وَالْكَوَابِ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۖ قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ قَدَرُهَا تُقَدَّرُ ۖ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ بَرَاهِمًا رَنْجَبِيلًا ۖ عَيْنًا فِيهَا تُسْقَى سَكْسَبِيلًا ۖ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنثورًا ۖ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ۖ

اور ان کے سامنے چاندی کے برتنوں (۸) اور شیشے کے پیالوں کا دور چلے گا ﴿۱۵﴾ وہ شیشے چاندی کے ہوں گے، جن کو خادمانِ جنت نے بہت ہی مناسب انداز میں بھرا ہو گا ﴿۱۶﴾ اور جنت میں انہیں ایک ایسا جام (۹) بھی پلایا جائے گا جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی ﴿۱۷﴾ جنت میں وہ ایک چشمہ ہو گا جس کا نام سلسبیل ہو گا ﴿۱۸﴾ اور ان کی خدمت کے لئے ہمیشہ نابالغ رہنے والے لڑکے (۱۰) گھومتے رہیں گے، آپ جب انہیں دیکھیں گے تو انہیں بکھرے ہوئے موتی کے دانے سمجھے گا ﴿۱۹﴾ اور آپ جدھر بھی دیکھیں گے نعمتیں ہی نعمتیں (۱۱) اور ایک بڑی بادشاہت دیکھیں گے ﴿۲۰﴾

وہ اہل جنت اُن جنتوں میں گاؤں کیوں پر ٹیک لگائے نہایت اطمینان و راحت کے ساتھ بیٹھے ہوں گے، وہاں نہ وہ آفتاب کی تمازت کو دیکھیں گے اور نہ سخت سردی کو، بلکہ ہر وقت ان کے سروں پر گھٹا راحت بخش سایہ ہو گا۔ اور وہاں کے درخت ہر وقت اُن پر سایہ لگن رہیں گے، اور اُن کے پھل ہمہ وقت اور ہر حال میں ان کے دسترس میں ہوں گے، کوئی چیز ان کے ہاتھوں کو اُن تک پہنچنے سے نہیں روکے گی۔

(۸) جب اہل جنت کو پینے کی خواہش ہوگی تو چھوٹی عمر کے بچے اور خدمت گار، چاندی کے برتن لئے ان کے پاس پہنچ جائیں گے، ان کے ہاتھوں میں شیشے کے پیالے ہوں گے، اور وہ شیشے چاندی کے بنے ہوں گے، یعنی وہ چاندی شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہوگی۔ اور وہ برتن اور پیالے اسی حجم و شکل کے ہوں گے جس کی وہ خواہش کریں گے، نہ اس سے بڑے ہوں گے اور نہ چھوٹے، یعنی ان کے ذوق و خواہش کی پوری رعایت ہوگی، تاکہ پیتے وقت ان کے کام و دہن انتہائی لذت و سرور پائیں۔

(۹) اہل جنت کو جنت میں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل ملی ہوگی۔ عرب کے لوگ زنجبیل کی خوشبو سے متعجب ہونے کے لئے اسے شراب میں ملا کر پینا پسند کرتے تھے، اور یہ زنجبیل ملی شراب جنت میں ایک سلسبیل نامی چشمہ سے جاری رہے گی، جس کی شراب نہایت لذیذ ہوگی۔

(۱۰) اہل جنت کی خدمت کے لئے ہمہ وقت ان کے ارد گرد چھوٹی عمر کے بچے ان کے اشاروں کے منتظر رہیں گے۔ وہ بچے ہمیشہ خوبصورت اور شاداب رہیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں ہی پیدا کرے گا، نہ وہ عمر رسیدہ ہوں گے، نہ ہی ان کا حسن و جمال کبھی بدلے گا۔ جب اہل جنت کی اُن پر نظر پڑے گی تو وہ غایتِ حسن و جمال اور چہروں کی بے انتہا شادابی کی وجہ سے ایسے لگیں گے جیسے صاف صاف فرش پر بکھرے موتی کے دانے ہوں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان بچوں کو بکھرے ہوئے موتیوں سے اس مناسبت سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اہل جنت کی خدمت کے لئے ہر طرف منتشر ہوں گے، اور تیزی کے ساتھ ان کی خدمت کر رہے ہوں گے۔ برخلاف ”حور عین“ کے جو سیپ میں بند موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہیں، اس لئے کہ وہ خدمت کے لئے نہیں، بلکہ اہل جنت کے تلمذ کے لئے ہوں گی۔

عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَاسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوْا اَسْوَدٌ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَمُ رُبُهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۗ اِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا ۙ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيْلًا ۙ فَاصْبِرْ بِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَطِعْ مِنْهُمْ اِيْمًا اَوْ كُفُوْرًا ۙ وَاذْكُرْ اِسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَاَصِيْلًا ۙ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ ۙ لَيْلًا طَوِيْلًا ۙ

اہل جنت کی اوپر کی پوشاک سبز باریک (۱۲) اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے، اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا ﴿۲۱﴾ (ان سے کہا جائے گا) بے شک یہ (اللہ کی طرف سے) تمہارے لئے بدلہ ہے، اور تمہاری کوشش قبول کر لی گئی ہے ﴿۲۲﴾ بے شک ہم نے آپ پر قرآن (۱۳) کو بتدریج نازل کیا ہے ﴿۲۳﴾ پس آپ اپنے رب کے فیصلے کے لئے صبر سے کام لیجئے، اور کافروں میں سے کسی بدکار اور ناشکر گزار کی بات نہ مانئے ﴿۲۴﴾ اور آپ اپنے رب کا نام صبح و شام لیتے رہئے ﴿۲۵﴾ اور رات میں اس کے لئے سجدہ کیجئے، اور دیر تک اس کی پاکی بیان کیجئے ﴿۲۶﴾

(۱۱) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ جب جنت اور اہل جنت پر نگاہ ڈالیں گے تو وہاں لاتعداد نعمتیں اتنے وسیع و عریض علاقے میں پھیلی ہوئی دیکھیں گے جس کی وسعتوں کا آپ اندازہ نہیں لگا پائیں گے۔ جہنمی کے لئے الگ الگ خوبصورت محلات و قصور، سرسبز و شاداب باغات، لذیذ ترین میوہ جات، بہتی نہریں، چھبھاتی چڑیاں، اور پری و ش بیویاں ہوں گی، اور ان کے ارد گرد پھیلے ہوئے غلمان ہوں گے، جو خدمت کے لئے ان کے اشاروں کے منتظر رہیں گے۔ اور ان تمام نعمتوں سے بڑی نعمت اہل جنت کو یہ ملے گی کہ ان کا رب ان سے راضی ہوگا۔ انہیں اس کا قرب حاصل ہوگا، اور وہ جنت سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔

(۱۲) اہل جنت ایسے لباس زیب تن کئے ہوں گے جو سبز باریک ریشم کے بنے ہوں گے، اور کچھ دوسرے دیز ریشم کے بنے ہوں گے، اور وہ چاندی کے کنگن پہنے ہوں گے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اہل جنت چاندی کے کنگن پہنے ہوں گے، اور سورہ فاطر آیت (۲۳) میں فرمایا ہے کہ وہ سونے کے کنگن پہنے ہوں گے، اور سورہ الحج آیت (۲۳) میں فرمایا ہے کہ وہ سونے اور موتی کے بنے کنگن پہنے ہوں گے، تو ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کے کنگن تینوں طرح کے ہوں گے، اور اپنی خواہش کے مطابق پہنا کریں گے۔

اور اہل جنت کو ان کا رب ایک دوسری قسم کی شراب بھی پلائے گا، جس کا نام "مشروب طہور" ہوگا، جو نہ دنیا کی شراب کی مانند ناپاک ہوگی، اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کثافت و کدورت ہوگی۔

جب اہل جنت ان تمام نعمتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اور ان سے متعجب ہونے لگیں گے، تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ سب کچھ تمہارے ایمان و تقویٰ کا بدلہ ہے، اور تمہارے عمل صالح کو اللہ نے ضائع نہیں کیا ہے۔

(۱۳) امام شوکانی نے مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت (۲۳) میں "أَمْثَلًا" سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور "كفورا" سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ تم لوگوں کو دعوت اسلام دینا بند کر دو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے، اور اپنی خوبصورت ترین عورتوں سے تمہاری شادی کر دیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ ۙ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ﴾ اور اس کے بعد کی آیتیں نازل فرمائیں۔

إِنَّ هَؤُلَاءِ يُجِبُّونَ الْعَاقِلَةَ وَيَذُرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا نَفِيكًا ۖ مَنَعْنُ خَلْقَهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا هُنَّ بَاكِنَاتٌ
أُمَّنَّاهُمْ تَبْدِيلًا ۗ إِنَّ هَذَا تَذَكُّرٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۗ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

بے شک کفار جلد حاصل ہونے والی (دنیا کو) پسند (۱۳) کرتے ہیں، اور ایک بھاری دن کو اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں ﴿۲۷﴾ انہیں ہم نے پیدا (۱۵) کیا ہے اور ان کے جسمانی بندھنوں کو مضبوط بنایا ہے، اور ہم جب چاہیں، ان جیسے دوسرے لوگوں کو لے آئیں ﴿۲۸﴾ بے شک یہ قرآنی آیتیں نصیحت (۱۶) ہیں، تو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے ﴿۲۹﴾ اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے ﴿۳۰﴾

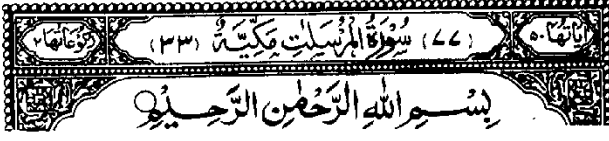
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قرآن کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، اسے آپ نے نہیں گھڑا ہے جیسا کہ مشرکین آپ پر اتہام دھرتے ہیں، اس لئے آپ اپنے رب کی پیغامبری کی ذمہ داریوں کو قبول کیجئے، اور اسے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچائیے، اور مشرکین قریش میں سے ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ جیسے گناہگاروں اور ولید بن مغیرہ جیسے نافرمانوں اور ناشکروں کی بات نہ مانئے، اور اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہئے، اور اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے، تسبیح و ذکر میں مشغول رہئے، اور ہاتھ پھیلا کر اس کے سامنے گریہ و زاری کیجئے، اور راتوں میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھئے، اور دیر تک اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہے۔ نماز اللہ کی مدد حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی یا کوئی اہم معاملہ پیش آتا، تو آپ فوراً نماز پڑھنے لگتے سورۃ البقرۃ آیت (۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ اور صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد طلب کرو۔ اور سورۃ ق آیت (۳۰) میں فرمایا ہے: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ﴾ ”اور رات کے کچھ حصے میں اللہ کی تسبیح کیجئے، اور نمازوں کے بعد بھی“۔ رات میں اللہ کی تسبیح کرنے سے مراد تہجد کی نماز ہے۔

(۱۳) کفار مکہ اور دیگر کافروں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ لوگ دنیا کے عارضی فائدوں کو پسند کرتے ہیں، اور انہی کے حصول کے لئے ان کی ساری تنگ دوہے، اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو بھول بیٹھے ہیں، دنیا کی طرف ایسی دوڑ لگا رہے ہیں کہ آخرت کی طرف پیچھے مڑ کر دیکھتے بھی نہیں، گویا کہ دنیا کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں، اور انہیں موت نہیں آئے گی۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں ہم نے پیدا کیا ہے، اور ان کے جسموں میں اعصاب، رگیں، ریشے، اور ہڈیاں پیدا کر کے انہیں مضبوط بنایا ہے۔ اور جب ہم نے انہیں پہلی بار ایسا بنایا ہے، تو یقیناً ہم انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں، تاکہ ان کے اعمال کا انہیں بدلہ دیں، اور ہم جب چاہیں، اس پر بھی قادر ہیں کہ انہیں ہلاک کر دیں، اور ان کی جگہ انہی جیسی دوسری قوم کو لے آئیں، یا ان کی صورتوں کو مسخ کر کے انہیں غایت درجہ بد شکل بنا دیں۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے عبرتوں اور نصیحتوں سے بھری اس سورت کے خاتمہ میں فرمایا کہ مذکورہ بالا آیتیں عبرتوں سے پڑھیں، اب جو چاہے ایمان اور بندگی کی راہ پر چل کر اپنے رب کو راضی کر لے تاکہ آخرت میں سُرخ رُو ہو، اور عذابِ نار سے بچ جائے۔

يَدْخُلُ مِنْ يَمِينِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا



وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۚ وَالْعَصْفُ عَصْفًا ۚ وَالْأَشْرَارُ نَشْرًا ۚ وَالْفَرْقُوتُ فَرْقًا ۚ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِ الَّذِي كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ لِآؤُنْذَارًا ۚ

وہ جسے چاہتا (۱۷) ہے اپنی رحمت کی آغوش میں جگہ دیتا ہے، اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۱﴾

سورة المرسلات کی ہے، اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
 اُن ہواؤں کی قسم (۱) جو پے در پے چلتی ہیں ﴿۱﴾ پھر اُن ہواؤں کی قسم جو آندھی کی طرح چلتی ہیں ﴿۲﴾ اور اُن ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلا دیتی ہیں ﴿۳﴾ پھر اُن فرشتوں کی قسم جو حق و باطل میں فرق کر دیتے ہیں ﴿۴﴾ پھر اُن فرشتوں کی قسم جو وحی لے کر آتے ہیں ﴿۵﴾ تاکہ حجت قائم کر دیں یا ڈرا دیں ﴿۶﴾

آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! اصراطِ مستقیم پر چلنے کی تمہاری مشیت، اللہ کی مشیت کے تابع ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دینا چاہے گا، اور تمہیں خیر کی توفیق دے گا، تبھی تم اس راہ پر چل سکو گے۔
 (۱۷) مذکور بالا بات کی مزید تاکید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے اس کی مشیت میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا، اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے، اس کے فیصلوں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اس لئے بندوں کو چاہئے کہ وہ اپنے رب سے اس کی رحمت کا سوال کریں، اس سے خیر کی توفیق، اور آخرت کے عذاب سے نجات مانگیں۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة المرسلات

نام: پہلی آیت میں ہی "المرسلات" کا لفظ آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا دوسرا نام "سورة العرف" بھی ہے، لفظ "العرف" بھی پہلی ہی آیت میں آیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت مکی ہے۔ قتادہ نے صرف آیت (۲۸) ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ﴾ کو مدنی کہا ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة المرسلات مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ بخاری و مسلم وغیرہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے، تو سورہ "وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا" نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ پڑھتے جاتے تھے، اور میں ان سے حاصل کرتا جاتا تھا۔ الحدیث۔

(۱) جمہور مفسرین کا قول ہے کہ "وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا" سے مراد "خوشگوار ہوا" ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد "فرشتے" ہیں، اور بعض نے "انبیاء" مراد لیا ہے۔ پہلے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن ہواؤں کی قسم کھائی ہے، جنہیں اللہ دنیا

إِنبَاءُ تُوَعَّدُونَ لَوْ أَقْبَعُ ﴿۱﴾ وَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُفَّتْ ﴿۴﴾ وَإِذَا الرَّسُلُ أُنقِضَتْ ﴿۵﴾

بے شک جس قیامت کا تم سے وعدہ (۲) کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہوگی ﴿۷﴾ جب ستارے (۳) مٹائے جائیں گے ﴿۸﴾ اور جب آسمان میں شکاف ڈال دیا جائے گا ﴿۹﴾ اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے ﴿۱۰﴾ اور جب رسولوں کے لئے وقت مقرر کر دیا جائے گا (تو قیامت آجائے گی) ﴿۱۱﴾

میں اپنے بعض اوامر نافذ کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو وحی الہی اور دیگر اوامر و نواہی کے ساتھ دنیا میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور تیسرے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کی قسم کھائی ہے جنہیں وہ اپنے بندوں کے پاس پیغام رسانی کے لئے بھیجتا ہے۔

"عَوْفًا" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کار خیر کے لئے بھیجتا ہے، یا مفہوم یہ ہے کہ اللہ انہیں پے در پے بھیجتا ہے۔ "العاصفات" سے مراد تیز و تند ہوائیں ہیں۔ اور "الناشرات" سے مراد یا تو ہوائیں ہیں جو بادل اور بارش کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم آیت (۴۸) میں فرمایا ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي يُنَسِّلُ الْوَيْحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَنْسِطُهُ فِي السَّمَاءِ﴾ "اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے، جو بادل کو بکھیر دیتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے"۔ یا اس سے مراد فرشتے ہیں جو زمین میں احکام شریعت، علم و حکمت اور نبوت و ہدایت کو پھیلا دیتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کے نزدیک راجح یہی ہے کہ المرسلات، العاصفات، اور الناشرات تینوں سے مراد ہوائیں ہیں، جن کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

"الفارقات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو وحی لے کر حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان تفریق کرنے کے لئے آسمان سے زمین پر آتے ہیں، یا وہ قرآنی آیات ہیں جو حق و باطل کے درمیان تفریق کرتی ہیں، یا وہ ہوائیں ہیں جو بادل کو چاروں طرف بکھیر دیتی ہیں۔

"الملقیات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی اس وحی کو انبیاء کرام تک پہنچاتے ہیں، جن سے مقصود انسانوں کے لئے دین حق کی وضاحت کر دینی ہوتی ہے، تاکہ ضلالت و گمراہی کے لئے کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے، نیز مقصود انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرا دینا ہوتا ہے، تاکہ اللہ کی نافرمانی نہ کریں۔

(۲) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار قسم کی مخلوقات کی قسمیں کھانے کے بعد، اس آیت کریمہ میں وہ بات بیان کی ہے جس کی حقانیت و صداقت لوگوں کے دلوں میں بیٹھانے کے لئے اتنی ساری قسمیں کھائی ہیں۔ فرمایا کہ جس قیامت کی آمد کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، یقیناً وہ آکر رہے گی۔ سورۃ الذاریات آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ﴾ "اور بے شک قیامت ضرور آئے گی"۔

(۳) جب قیامت واقع ہو جائے گی تو ستارے بکھر جائیں گے اور اپنی روشنی کھودیں گے، اور آسمان پھٹ جائیں گے، اور اس کے اطراف و جوانب ٹھک جائیں گے، اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور غبار بن کر فضا میں اڑنے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ط آیت (۱۰۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا﴾ "وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا"۔ اور اس و انبیاء و رسل کے لئے مقرر کیا ہوا وقت آجائے گا، تاکہ ان کے اور ان کی امتوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۔

لَا يَوْمَ يُؤْمَرُ بِحُجَّتِكَ ۖ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۖ وَمَا أَذْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۖ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ أَلَمْ نُضَلِّكَ
 الْأَوَّلِينَ ۖ ثُمَّ نُنْبِئُهُمُ الْآخِرِينَ ۖ كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۖ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ أَلَمْ
 تَخْلُقْنَا مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ۖ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۖ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۖ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِيرُونَ ۖ وَيَلَّ
 يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ

اُن کی حاضری کس دن (۳) کے لئے مؤخر کر دی گئی ہے ﴿۱۲﴾ فیصلے کے دن کے لئے ﴿۱۳﴾ اور اے میرے نبی! آپ کو کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیسا ہوگا ﴿۱۴﴾ اُس دن جھلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۱۵﴾ کیا ہم نے گذشتہ کافر قوموں کو ہلاک (۵) نہیں کیا ﴿۱۶﴾ پھر ہم دوسری آنے والی کافر قوموں کو ان کے پیچھے لگا دیں گے ﴿۱۷﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں ﴿۱۸﴾ اس دن جھلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۱۹﴾ کیا ہم نے تم سب کو حقیر پانی (۶) سے پیدا نہیں کیا ہے ﴿۲۰﴾ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام پر بٹھرا دیا ﴿۲۱﴾ ایک معین مدت کے لئے ﴿۲۲﴾ پھر ہم نے (اس کے اعضاء کا) مناسب اندازہ لگایا، تو ہم بہت ہی بہتر اندازہ لگانے والے تھے ﴿۲۳﴾ اُس دن جھلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۲۴﴾

(۳) انبیاء و رسل کے لئے فیصلے کا مقرر کیا ہوا وقت، ایک بہت ہی ہیبت ناک اور خطرناک دن تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جب کافروں کو رسوا کیا جائے گا، اور وہ شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے، اور مومنوں کی نکریم ہوگی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا، اور اُس دن آخرت سے متعلق وہ تمام باتیں کھل کر سامنے آ جائیں گی جن سے انبیائے کرام اپنی قوموں کو ڈرایا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے ﴿لَا يَوْمَ يُؤْمَرُ بِحُجَّتِكَ﴾ میں استفہام کا اسلوب، اُس دن کی ہیبت ناک کی اظہار کے لئے، اختیار کیا ہے، اور پھر کہا ہے: ﴿لِيَوْمِ الْفَصْلِ﴾ یعنی انبیاء و رسل کے لئے مقرر کیا ہوا وقت، اُس دن تک مؤخر کر دیا گیا ہے جس دن تمام مخلوقات کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، اور پھر اس دن کی مزید ہیبت دل میں بیٹھانے کے لئے فرمایا: ﴿وَمَا أَذْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کا وہ دن کیسا (ہیبت ناک اور خطرناک) ہوگا۔ یعنی وہ نہایت ہی خطرناک دن ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں اُس فیصلے کے دن کو جھلاتے ہیں، ان کے لئے اس دن ہلاکت و بربادی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے سورۃ المطففين آیات (۱۱۰-۱۱۱) میں فرمایا ہے: ﴿وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بَيْنَوْمِ الدِّينِ ﴿۱﴾ "اس دن جھلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی، جو قیامت کے دن کو جھلاتے ہیں۔"

(۵) مندرجہ ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافر قوموں کا ذکر کیا ہے جو ماضی میں اپنے گناہوں کے سبب ہلاک کر دی گئیں۔ فرمایا: کیا ہم نے ان قوموں کو ہلاک نہیں کر دیا جنہوں نے ماضی میں ہمارے رسولوں کی تکذیب کی، اور ہماری آیتوں کا انکار کیا، جیسے قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود۔ اُن کے بعد آنے والی جن قوموں کا بھی وہی دطیرہ رہا، ہم نے انہیں بھی نہیں چھوڑا۔ اور ہم بحرین کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ کرتے آئے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ان آیات میں بحرین قریش کے لئے بہت بڑی ہتھی تھی، کہ اگر انہوں نے اپنی حالت نہیں بدلی تو کیا تعجب ہے کہ انہیں بھی ہلاک کر دیا جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۱۹) میں فرمایا کہ ہلاکت و بربادی ہے ان بحرین کے لئے

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۗ أَحْيَاءُ وَأَمْوَاتًا ۗ وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَادٍ وَسَيْبًا ۗ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ۗ وَيْلٌ لِّقَوْمٍ ذِينَ الْآلِفِ ۗ

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی (۷) نہیں بنایا ہے ﴿۲۵﴾ زندوں اور مردوں کو ﴿۲۶﴾ اور ہم نے زمین میں بڑے اونچے پہاڑ بنائے ہیں، اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا ہے ﴿۲۷﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۲۸﴾ جو اللہ کے رسول اور اس کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(۶) ان آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اس کی حقیقت یاد دلائی ہے، جس کا تقاضا تھا کہ وہ کبر و غرور کے بجائے تواضع اختیار کرتا اور اللہ کی عظیم قدرت اور اس کے اتھاہ علم کا اعتراف کرتا، نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے دل و دماغ میں عقیدہ بعث بعد الموت کو اتارنا چاہا ہے، کہ جس قادرِ مطلق نے تمہیں پہلی بار ایک قطرہ حقیر سے پیدا کیا ہے، وہ یقیناً تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگو! کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی کے ایک قطرہ سے پیدا نہیں کیا ہے، ہم نے اس قطرے کو رحمِ مادر تک پہنچایا جہاں جا کر وہ فرار پا گیا، اور وہاں ایک مدت معلوم تک ٹھہرا رہا، اس میں نمو ہو تا رہا یہاں تک کہ وہ ایک مکمل ذی روح بچہ بن کر باہر نکل آنے کے قابل بن گیا۔ اللہ نے فرمایا: وہ اللہ تھا جس نے اس قطرہ منیٰ کو رحم کی تاریکیوں میں مختلف مراحل سے گزارا، اور اس میں روح پھونک کر اسے باہر نکالا، وہ برحق اللہ ہی زبردست قدرت والا ہے، اور وہی تمام تعریفوں کا تہا حقدا رہے۔ اس لئے ہلاکت و بربادی ہے ان مجرمین کے لئے جو اللہ کے قادرِ مطلق اور علام الغیوب ہونے کا انکار کرتے ہیں، یا اس بارے میں شبہ کرتے ہیں کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(۷) ان آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنی بعض نعمتیں یاد دلائی ہیں جن کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے رب کا شکر و ذاکر بندہ بننا۔ اللہ نے فرمایا: لوگو! کیا ہم نے زمین کو تمہارے زندوں اور مردوں کے لئے جائے سکونت نہیں بنایا ہے، تمہارے زندے زمین پر بے منازل و مسکن میں پناہ لیتے ہیں، اور تمہارے مردہ افراد کو زمین اپنے اندر جگہ دیتی ہے، انہیں اپنے آپ سے چمٹا لیتی ہے، جس طرح مصلات و قصور اللہ کی نعمت ہیں، اسی طرح قبریں بھی اس کی نعمت ہیں، جن میں مردے دفن کر دیئے جاتے ہیں، تاکہ جانور اور دوسری چیزیں ان کی اہانت نہ کریں۔ دفن میت کی اسی اہمیت کے پیش نظر حافظ ابن عبد البر نے امام مالک کے شاگرد ابن القاسم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹ لینا شروع ہے، انہوں نے انسی آیت سے استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ قبر کی حیثیت مردہ کے لئے ویسی ہی ہے جیسی زندہ کے لئے گھر کی۔

آیت (۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگو! کیا ہم نے زمین پر بڑے اونچے پہاڑوں کے کھونٹے نہیں گاڑ دیئے ہیں، تاکہ اس میں حرکت نہ پیدا ہو، اور تم اس پر بسہولت زندگی گزار سکو۔ اور کیا ہم نے تمہیں میٹھا صاف پانی نہیں پلایا ہے۔ ان تمام سوالوں کا جواب ایک ہے کہ ہاں، یقیناً یہ ساری نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ تو پھر اے کافرو! تم کیوں اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہو، کیوں اسکے رسول اور اس کی کتاب کی تکذیب کرتے ہو، یا رکھو کہ قیامت کے دن ہلاکت و بربادی ہے ایسے جھٹلانے والوں کے لئے۔

إِنطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تَكذِّبُونَ ۗ إِنطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي شُعَبٍ ۗ لَا ظِلِّ لِي وَلَا يُغْنِي مِنَ
الْهَبِّ ۗ إِنَّمَا تَرَىٰ بِرُؤُوسِ الْقَصْرِ ۗ كَأَنَّهُ جِمْلَتٌ صُفْرٌ ۗ وَيَلُومُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِإِنطَلِقُونَ ۗ وَلَا
يُؤذِنُ لَهُمْ فَيَعْتَدُونَ ۗ

(اُن سے کہا جائے گا) اُس جہنم کی طرف چلو (۸) جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ﴿۲۹﴾ دُھواں کے اس سائے کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے ﴿۳۰﴾ وہ سایہ نہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہوگا، اور نہ وہ آگ کی تپش سے بچائے گا ﴿۳۱﴾ جہنم محل کے مانند بڑے بڑے انگارے پھینکے گی ﴿۳۲﴾ وہ انگارے گویا کہ زرد سیاہ اونٹ ہوں گے ﴿۳۳﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۳۴﴾ یہ وہ دن (۹) ہوگا جب وہ لوگ بات نہ کر سکیں گے ﴿۳۵﴾ اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی تاکہ کوئی عذر پیش کر سکیں ﴿۳۶﴾

(۸) جو لوگ دنیا کی زندگی میں آخرت اور عذابِ نار کو جھٹلاتے تھے، قیامت کے دن ان سے جہنم پر مامور فرشتے کہیں گے کہ جس جہنم کی تم تکذیب کرتے تھے، اُس میں داخل ہو جاؤ، تم لوگ جہنم کے دُھواں کے اس سائے کی طرف بڑھتے چلے جاؤ، جو اوپر اٹھتا چلا گیا ہے اور اوپر جا کر اپنی شدت سوزش کی وجہ سے تین مہیب شعلوں میں بٹ گیا ہے۔ وہ سایہ کسی درخت یا دیوار کے سائے کے مانند نہیں ہوگا جو آدمی کو دُھوپ کی تمازت سے بچاتا ہے، اس لئے وہ جہنمی کو آگ کی تپش سے نہیں بچائے گا، وہ آگ ایسی ہوگی جس سے محلات و قصور کی مانند عظیم انگارے چھوٹے رہیں گے، جو اپنی سیاہی اور زردی کی وجہ سے زردی مائل کالے اونٹوں کے مانند ہوں گے یعنی وہ انگارے نہایت ہی ہمیت ناک ہوں گے۔ سورۃ الزمر آیت (۱۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ ”جہنیوں کے لئے اُن کے اوپر سے آگ کے شعلے مثل سائبان کے ہوں گے، اور ان کے نیچے سے بھی ویسے ہی آگ کے شعلے مثل سائبان کے ہوں گے“۔ اور سورۃ الاعراف آیت (۴۱) میں فرمایا ہے: ﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ ”جہنیوں کے لئے جہنم کی آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا“۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہلاکت و بربادی ہے ان کے لئے جو دنیا میں روزِ آخرت، جنت، جہنم، اور اللہ کے رسول اور اس کے قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔

(۹) اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے والوں کے لئے وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ خوف و دہشت کے مارے اُن کی زبانیں گنگ ہوں گی، ایک کلمہ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل موقف کئی حالات سے گذریں گے، بعض حالات میں وہ بات کریں گے بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے، جیسا کہ سورۃ الزمر آیت (۳۱) میں آیا ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ﴾ ”پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے پاس ایک دوسرے سے جھگڑو گے“۔ اور بعض حالات میں مارے دہشت کے ان کی زبان سے ایک کلمہ بھی نہیں نکلے گا، جیسا کہ یہاں آیا ہے، اور بعض حالات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کے منہ پر مہر لگادی جائے گی۔ جیسا کہ سورۃ یس آیت (۶۵) میں آیا ہے: ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ﴾ ”ہم آج کے دن اُن کے منہ پر مہر لگادیں گے“۔

اور اُن جھٹلانے والوں کو اس دن عذر پیش کرنے کی اجازت ہی نہیں دی جائے گی، تاکہ وہ اپنا عذر پیش کریں سورۃ النحل

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۷﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْتُمْ وَالْأَوْلَىٰ ﴿۳۸﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَلْيُكِيدُوا ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۰﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ﴿۴۱﴾ وَقَوَاكِبٍ وَمَنَائِشْتَهُونَ ﴿۴۲﴾ كَلُوا وَأَشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ إِنَّكَ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۵﴾ كَلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ فَجْرٌ مُّؤَنٌ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۷﴾

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۳۷﴾ یہی فیصلے کا دن (۱۰) ہے، ہم نے تمہیں اور اگلی قوموں کو جمع کر دیا ہے ﴿۳۸﴾ پس اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہے تو اُسے میرے خلاف کر گذرو ﴿۳۹﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۴۰﴾ بے شک متقی لوگ (۱۱) کساہوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۴۱﴾ اور انہیں اپنی خواہش کے مطابق پھل ملا کریں گے ﴿۴۲﴾ (ان سے کہا جائے گا) تم دنیا میں جو نیک اعمال کرتے تھے، ان کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پو ﴿۴۳﴾ بے شک ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں ﴿۴۴﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۴۵﴾ تم لوگ چند دن تک خوب کھاپی لو (۱۲) اور مزے اڑالو، تم یقیناً مجرم لوگ ہو ﴿۴۶﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۴۷﴾

آیت (۸۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ لَا يَأْتُونَ الْبَلْدِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾ ”پھر کافروں کو (معذرت پیش کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ اُن سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا“۔

(۱۰) اُس دن آخرت کی تکذیب کرنے والے کافروں سے کہا جائے گا کہ یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، آج ہم نے میدانِ محشر میں تمہیں اور تم ہی جیسے ماضی میں یومِ آخرت کی تکذیب کرنے والوں کو جمع کر دیا ہے۔ اگر اپنی نجات کے لئے کوئی بھی تدبیر کر سکتے ہو تو میرے عذاب سے بچنے کے لئے کر ڈالو۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس انداز کلام سے مقصود جہنمیوں کو روحانی عذاب دینا ہوگا، جو جسمانی عذاب سے زیادہ سخت ہوگا، ورنہ معلوم ہے کہ اُس دن جہنمی بے یار و مددگار ہوں گے، اُن کے دل و دماغ پر حسرت و ناامیدی کا ایک کثیف بادل چھایا ہوگا، اور اپنی نجات سے قطعی طور پر ناامید ہو چکے ہوں گے۔

اُس دن ہلاکت و بربادی ہوگی اُن کافروں کے لئے جو اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور روزِ آخرت کو جھٹلاتے ہیں۔ (۱۱) قرآن کریم اپنے معبود طریقے کے مطابق جھٹلانے والے کافروں کا انجام بیان کرنے کے بعد، اب اللہ سے ڈرنے والوں کا ذکر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ اللہ کی گرفت سے ڈرتے ہوئے، فرائض کو ادا کرتے ہیں، اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں، وہ گھنے درختوں کے سائے میں ہوں گے، اور اُن درختوں کے درمیان سے نہریں جاری ہوں گی، اور وہ جن پھلوں کی خواہش کریں گے اپنے سامنے پائیں گے، اور ان کی غایت تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم لوگ دنیا میں کئے گئے اپنے اعمالِ صالحہ کے بدلے جو چاہو کھاؤ اور پیو اور راحت و آسائش کی زندگی گزارو۔ ہم اپنے رب سے ڈرنے والوں اور ایمان و عمل صالح والی زندگی گزارنے والوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

لیکن اُس دن ہلاکت و بربادی ہوگی ان کافروں کے لئے جو اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، اور روزِ آخرت

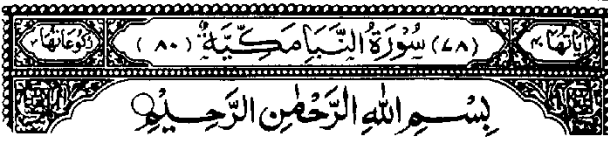
وَلَا إِقْبَالُ لَهُمْ أَرْكَعُوا وَلَا يَرْكَعُونَ ﴿۱۳﴾ وَيَلُوكُ يَوْمَئِذٍ أَلْبَانًا ﴿۱۴﴾ فَآتَىٰ حَذِيبًا بَعْدَ مَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵﴾

اور ان سے جب کہا جاتا تھا کہ تم لوگ (نماز کے لئے) رکوع (۱۳) کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے تھے ﴿۳۸﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی ﴿۳۹﴾ پس اب کفار قرآن کے بعد کس کلام (۱۴) پر ایمان لائیں گے ﴿۵۰﴾ کو جھٹلاتے ہیں۔

(۱۲) مشرکین مکہ سے بطور دھمکی کہا جا رہا ہے کہ اے بحرین اکھاؤ پیو اور تھوڑے دنوں کے لئے خوب عیش کر لو، عنقریب تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔ چنانچہ اکثر صنادید قریش میدان بدر میں مارے گئے۔ اور قیامت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ہلاکت و بربادی ہوگی تم جیسوں کے لئے جو اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور روزِ آخرت کو جھٹلاتے ہیں۔

(۱۳) ان مجرمین مکہ سے جب کہا جاتا تھا کہ تم لوگ دین حق کو قبول کر لو، اللہ کے لئے نماز پڑھو، اور اس کے لئے خشوع و خضوع اختیار کرو، تو ان کی گردنیں اکڑ جاتی تھیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ہلاکت و بربادی ہوگی اس دن ان جیسوں کے لئے جو اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، اور روزِ آخرت کو جھٹلاتے ہیں۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار قریش نے جب اس قرآن کو جھٹلادیا ہے، جس کے اللہ کی کتاب ہونے کے دلائل روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، تو پھر وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے۔ یعنی اگر وہ اس کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے تو کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہیں گے، یہاں تک کہ موت انہیں آدبوچے گی، اور ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہو جائیں گے۔ اور ایک انسان کی اس سے بڑھ کر بُھسی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی موت کفر پر ہو، اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانا جہنم ہو۔ اَعَاذُ بِاللَّهِ مِنْ فِرَاقِهِمْ۔
وبالله التوفيق۔



عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿۲﴾

(سورۃ النبا کی ہے، اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے اہل کفر کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں ﴿۱﴾ اس عظیم خبر سے متعلق ﴿۲﴾ جس کے بارے میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں ﴿۳﴾

تفسیر سورۃ النبا

نام: دوسری آیت میں لفظ "النبا" آیا ہے، جس سے مراد "روز قیامت" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ زمانہ نزول: یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن مردویہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔ (۱) امام شوکانی نے واحدی کے حوالے سے مفسرین کا قول نقل کیا ہے، کہ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، کفار مکہ کے سامنے توحید باری تعالیٰ اور بعث بعد الموت کی بات کی، اور ان حقائق سے متعلق قرآنی آیات کی تلاوت کی، تو وہ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ محمد کس روز قیامت کی بات کر رہا ہے، اور یہ کیسا کلام پیش کرتا ہے؟! تو اللہ تعالیٰ نے ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ﴾ نازل فرمایا اور استفہامی طریقہ تعبیر استعمال کر کے پہلے مشرکین مکہ کے ذہنوں کو اس بات کی اہمیت کی طرف مبذول کر لیا جس کا ذکر ابھی آنے والا ہے، پھر کہا ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ یعنی جس بعث بعد الموت اور قیامت کے بارے میں وہ آپس میں باتیں کرتے ہیں، وہ تو بڑا ہی عظیم دن ہوگا، اور اس کی خبر بڑی ہی عظیم خبر ہے۔

مجاہد وغیرہ نے "نبا عظیم" سے مراد قرآن کریم لیا ہے، اور اس پر استدلال آیت (۳) ﴿الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ﴾ سے کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کے بارے میں ہی اختلاف کیا تھا، کسی نے اسے جادو، کسی نے شعر، کسی نے کہانت، اور کسی نے اسے اقوام گذشتہ کے قصے کہا تھا۔ ان دنوں "بعث بعد الموت" کے انکار پر تو تمام کفار متفق تھے۔ شوکانی لکھتے ہیں کہ "نبا عظیم" سے مراد قرآن کریم ہونے کی دلیل سورہ ص کی آیات (۶۸/۶۷) ہیں جن میں قرآن کریم کو "نبا عظیم" کہا گیا ہے۔

جن لوگوں نے "نبا عظیم" سے مراد "بعث بعد الموت" لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا ہی وہ بات تھی جس کا مشرکین انکار کرتے تھے، اور جسے ان کی جاہلانہ عقل قبول نہیں کرتی تھی۔ نیز یہود و نصاریٰ بعث بعد الموت کی کیفیت میں اختلاف کرتے تھے، اور کفار عرب میں سے بعض اس کا قطعی انکار کرتے تھے، اور بعض کو اس میں شبہ تھا۔

تیسری رائے یہ ہے کہ بعث بعد الموت کے بارے میں پوچھنے والے مومنین اور کفار سبھی تھے، مومنین نبی کریم ﷺ سے مزید دینی بصیرت اور یقین حاصل کرنے کے لئے سوال کرتے تھے، اور کفار نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کا مذاق اڑانے کے لئے

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥١﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مَهْدًا ﴿٥٢﴾ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٥٣﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿٥٤﴾ وَجَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٥٥﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿٥٦﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿٥٧﴾

ہرگز نہیں، وہ عنقریب جان لیں گے ﴿۵۰﴾ دوبارہ ہرگز نہیں، وہ عنقریب جان لیں گے ﴿۵۱﴾ کیا ہم نے زمین (۳) کو ان کے لئے فرش نہیں بنایا ﴿۵۲﴾ اور پہاڑوں کو (زمین کے قرار کے لئے) کھونٹے نہیں بنائے ﴿۵۳﴾ اور ہم نے تمہیں جوڑے پیدا کئے ﴿۵۴﴾ اور تمہاری نیند کو ہم نے باعثِ راحت بنایا ﴿۵۵﴾ اور ہم نے رات کو لباس بنایا ﴿۵۶﴾ اور دن کو ہم نے روزی کمانے کا وقت بنایا ﴿۵۷﴾

پوچھتے تھے کہ وہ بعث بعد الموت جس کی تم بات کرتے ہو آخر وہ کب ہو گا؟

(۲) آیات (۵۴) (۵۳) دلیل ہیں کہ بعث بعد الموت کے بارے میں پوچھنے والے وہ کفار تھے جو اس کا انکار کرتے تھے، اس لئے کہ ان دنوں آیتوں میں موجود دھمکی اور وعید شدید صرف کافروں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی روح نکلتے وقت تکذیب بعث بعد الموت اور انکار توحید و رسالت کا انجام اچھی طرح جان لیں گے۔ اور جب اپنی قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور جہنم کی طرف بھیجے جائیں گے تو انہیں اپنے کفر و انکار کا نتیجہ خوب معلوم ہو جائے گا۔

(۳) ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، علم اور رحمت کے مظاہر بیان کئے ہیں، جن میں غور و فکر کرنا باری تعالیٰ کی وحدانیت اور عقیدہ بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگو! کیا ہم نے زمین کو تمہارے لئے فرش نہیں بنایا ہے، جس پر تم کھیتی کرتے ہو، آرام سے زندگی گزارتے ہو، اور اس پر موجود راستوں پر چل کر دور دراز کا سفر کرتے ہو۔ اور کیا ہم نے پہاڑوں کو زمین کے لئے کھونٹا نہیں بنایا ہے، تاکہ اس میں حرکت نہ پیدا ہو، اور تم اس پر راحت و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکو۔ زمین کو ثابت و ساکن رکھنے کے لئے پہاڑوں کی حیثیت وہی ہے جو خیموں کے لئے لکڑیوں کی ہوتی ہے، جس طرح خیمے کی لکڑیاں اسے ہر چار جانب سے کھینچ کر رکھتی ہیں، اسی طرح پہاڑ زمین کے کناروں کو کھینچ کر رکھتے ہیں، ورنہ زمین اپنے داخلی ماڈوں میں جوش و خروش کی وجہ سے ہر وقت ہتی رہتی، اور مخلوق اس پر زندگی نہ گزار سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے تمہیں مذکر و مؤنث بنایا ہے، تاکہ تمہارے درمیان انس و محبت پیدا ہو، اور تاکہ زندگی کے مسائل حل کرنے اور نسل انسانی کی افزائش اور اس کی تعلیم و تربیت میں تم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ تخلیق انسانی اور ان کا مذکر و مؤنث ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے علم، اور اس کی حکمت و رحمت کے مظاہر ہیں۔

اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہاری راحت و سکون کا سبب بنایا ہے۔ اگر نیند نہ آتی تو آدمی کا بدن تھک کر چور ہو جاتا، اس کا سکون چھن جاتا، اور اسے جنون لاحق ہو جاتا۔ نیند اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس کے ذریعہ آدمی کی کھوئی ہوئی طاقت واپس آ جاتی ہے، اور وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ کاروبارِ حیات میں سرگرم ہو جاتا ہے۔

اور ہم نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا ہے، جس طرح لباس آدمی کے جسم کو ڈھانک لیتا ہے، اسی طرح رات کی تاریکی اسے ڈھانک لیتی ہے، اور اسے سکون و راحت پہنچاتی ہے۔

اور ہم نے دن کو تلاشِ معاش کا وقت بنایا ہے۔ انسان دن کی روشنی میں اپنی اور اپنے بال بچوں کی روزی حاصل کرنے

وَبَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۖ وَجَعَلْنَا بَرَايَآ وَهَآجًا ۖ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْرَابِ مَاءً نَّجَاجًا ۖ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۖ وَجَدَّتْ الْقَوَاقِبُ ۖ إِنَّ يَوْمَ الْقَصْفِ كَانَ مِيقَاتًا ۖ يَوْمَ نَبْفَعُ فِي الصُّورِ فَنَاتُونَ أَفْوَاجًا ۖ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۖ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۖ

اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان^(۴) بنائے ﴿۱۲﴾ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا ﴿۱۳﴾ اور ہم نے بادلوں سے موسلا دھار بارش برسایا ﴿۱۴﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعہ دانے اور پودے اگائیں ﴿۱۵﴾ اور گھنے باغات پیدا کریں ﴿۱۶﴾ بے شک فیصلے کا دن^(۵) مقرر ہو چکا ہے ﴿۱۷﴾ جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی، تو لوگو! تم سب گروہ درگروہ چلے آؤ گے ﴿۱۸﴾ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو بہت سے دروازے بن جائیں گے ﴿۱۹﴾ اور پہاڑ چلائے جائیں گے، تو سراب بن جائیں گے ﴿۲۰﴾

کے لئے ہاتھ پاؤں چلاتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے، اور مشاغل زراعت و تجارت میں لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ پھر رات آجاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں باری تعالیٰ کی قدرت، اس کے علم، اور اس کی حکمت و رحمت کے مظاہر ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے مزید مظاہر قدرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں جن کی ساخت بہت ہی محکم اور مضبوط ہے، زمانے کی گردش اُن میں اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔ جب سے اللہ نے انہیں بنایا ہے، اب تک اُن میں کوئی سوراخ یا شکاف نہیں پیدا ہوا ہے۔ جوں کے توں ہیں اور رہیں گے، یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو وہ اللہ کے حکم سے زوال پذیر ہو جائیں گے۔

اور ہم نے آفتاب کو پیدا کیا ہے جو دنیا والوں کو دن کی روشنی دیتا ہے، اور اس میں تہمت و حرارت ہے جس کے سبب پھل پکتے ہیں اور دیگر کئی منافع ہیں۔

اور ہم بادلوں سے موسلا دھار بارش برساتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ گیہوں، جو، باجرہ، چاول اور دیگر دانے نکالیں جنہیں انسان کھاتے ہیں، اور ان پودوں کو نکالیں جنہیں ان کے مویشی کھاتے ہیں، اور گھنے درختوں کو پیدا کریں جن کی ڈالیاں آپس میں گتھی ہوتی ہیں، اور جن سے مختلف الانواع پھل پیدا ہوتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں دلیل ہیں کہ ان کا خالق ایسی قدرت والا ہے جس سے بڑھ کر کوئی قدرت نہیں، اور ایسا علیم ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اور ایسا حکیم ہے جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، اور ایسا رحیم ہے جس کی رحمت اس کی تمام مخلوق کے لئے عام ہے، جو اللہ ایسی قدرت، ایسے علم، اور ایسی حکمت و رحمت والا ہے، اس کے بارے میں نادان منکرین آخرت کیسے گمان کرتے ہیں کہ وہ انسانوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، اور انہیں ان کے اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ نہیں دے گا، یہ کیسی نامعقول سی بات ہے کہ ظالم و مجرم اس دنیا میں دندناتے پھریں، جو چاہیں کریں، اور کوئی دوسری زندگی نہ ہو جہاں انہیں ان کے کرتوتوں کا بدلہ ملے۔ یقیناً ایک دوسری زندگی ہے، جس میں انسانوں کا خالق و مالک ان سے حساب لے گا، اور انہیں جزا و سزا دے گا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کے امکان پر اپنے مظاہر قدرت کے دلائل پیش کرنے کے بعد، ذیل کی آیتوں میں کائنات میں ہونے والے ان حادثات و انقلابات کا ذکر فرمایا ہے جو وقوع قیامت کے وقت رونما ہوں گے، نیز ان انسانوں کا انجام بیان

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا لِلطَّغْيِينِ مَانًا ۖ لِيُؤْيُوا فِيهَا أَنْقَابًا ۖ لَا يَدُورُونَ فِيهَا يَوْمَئِذٍ وَلَا يَسْتَرْجِعُونَ ۖ إِلَّا حِمِيمًا ۖ وَغَسَاكًا ۖ جَزَاءً وِفَاكَ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجِعُونَ حِسَابًا ۖ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۖ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۖ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۖ

بے شک جہنم گھات (۶) میں ہے ﴿۲۱﴾ وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے ﴿۲۲﴾ اس میں وہ مدتوں ٹھہرے رہیں گے ﴿۲۳﴾ اس میں نہ وہ ٹھنڈک پائیں گے اور نہ پینے کی کوئی چیز ﴿۲۴﴾ سوائے کھولتے پانی اور پیپ کے ﴿۲۵﴾ (یہ ان کی بد اعمالیوں کا) پورا پورا بدلہ ہو گا ﴿۲۶﴾ وہ لوگ روزِ حساب پر یقین (۷) نہیں رکھتے تھے ﴿۲۷﴾ اور ہماری آیتوں کو بری طرح جھٹلاتے تھے ﴿۲۸﴾ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر گن رکھا تھا ﴿۲۹﴾ پس اب تم مزا بچکھتے رہو، ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے ﴿۳۰﴾

کیا ہے جنہوں نے دنیا میں اپنے رب سے سرکشی کی تھی۔

فرمایا کہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کا دن، اللہ کی جانب سے سب کے لئے مقرر ہے، اُس دن اللہ کے وعدے کے مطابق سب اپنے اعمال کا ثواب اور عقاب پائیں گے۔ یہ وہ دن ہو گا جب اسرافیل دوسرا صور پھونکیں گے، تو تمام روحیں اپنے جسموں میں لوٹ جائیں گی، اور لوگ میدانِ محشر کی طرف مختلف جماعتوں اور گروہوں کی شکل میں دوڑ پڑیں گے۔ اور آسمان پھٹ کر اس طرح گلوے گلوے ہو جائیں گے کہ اُن میں بے شمار دروازے بن جائیں گے، اور پہاڑ اپنی جگہوں سے اکھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، اور ہوا میں غبار کی طرح بکھیر دیئے جائیں گے، جسے دیکھ کر لوگ سراب تصور کریں گے۔

(۶) اُس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور جہنم کی آگ تیز کر دی جائے گی جو سرکشوں کے شدید انتظار میں تھی، اور جو ان کا ٹھکانا بنے گی، اور جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ جب ایک زمانہ گزرے گا تو دوسرا زمانہ شروع ہو جائے گا، اور ان کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو گا۔ واحدی نے حسن بصری سے "أحقاباً" کی یہی تفسیر روایت کی ہے۔ اور جہاں انہیں کوئی ایسی ٹھنڈی چیز نہیں ملے گی جو آگ کی گرمی کو کم کر سکے، اور نہ کوئی ایسی پینے کی چیز ملے گی جو ان کی پیاس بجھا سکے، انہیں پینے کے لئے شدید گرم پانی اور اہل جہنم کے جسموں کی پیپ ملے گی۔ انہوں نے دنیا میں جو جرائم اور برے اعمال کئے تھے، ان کا انہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اللہ ان پر ظلم نہیں کرے گا، بلکہ وہ اپنے حق میں خود ہی ظالم تھے۔

(۷) انہوں نے اپنے آپ پر ظلم اس طرح کیا تھا کہ انہیں آخرت پر یقین نہیں تھا، وہ سمجھتے تھے کہ حساب اور جزا سزا کا کوئی دن آنے والا نہیں ہے، اسی لئے انہوں نے آخرت میں نجات پانے کے لئے کوئی کار خیر نہیں کیا، ہماری آیتوں کی تکذیب کی، اور ہمارے انبیاء جو نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے ان کا انکار کیا، لیکن ہم ان کے چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو ریکارڈ کرتے رہے۔ اس لئے مجرمین آج یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان پر ظلم کر رہے ہیں، اور انہیں ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں۔ ہم تو ایک ایک ذرہ کو ضبط تحریر میں لاتے رہے ہیں۔ سورۃ الکہف آیت (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَا لِهَذَا الْكِتَابِ لَا يَغْدِرُ صَغِيرٌ وَلَا كَبِيرٌ إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظُنُّ رَبُّكَ أَحَدًا ۝﴾ "اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے، پس آپ دیکھیں گے کہ گناہگار

إِنَّ الْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۖ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۖ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۖ وَكَأَسَدًا مُّهَابًا ۖ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذْبًا ۗ جَزَاءً لِّمَن تَرَكَ عِطَابًا ۗ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَبْذُلُهُنَّ مِنْهُ خَطَابًا ۗ يَوْمَ يَقُومُ الزُّوْمُ وَالْمَلَائِكَةُ صُفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَكَانَ صَوَابًا ۗ

بے شک اہل تقویٰ (۸) کے لئے کامیابی ہے ﴿۳۱﴾ باغات اور انگور ہیں ﴿۳۲﴾ اور نوجوان ہم عمر بیویاں ہیں ﴿۳۳﴾ اور شراب سے بھرے جام ہیں ﴿۳۴﴾ اہل جنت اس میں نہ کوئی لغوبات سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹ ﴿۳۵﴾ یہ سب کچھ آپ کے رب کی طرف سے ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا، اور داد و دہش کی فراوانی ہوگی ﴿۳۶﴾ جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا رب (۹) ہے، جو نہایت مہربان ہے، اس سے بات کرنے کی انہیں جرأت نہیں ہوگی ﴿۳۷﴾ جس دن روح الامین اور دیگر فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے، لوگ بات نہیں کریں گے، سوائے اس کے جسے ”رحمن“ اجازت دے گا، اور جو سچی بات کہے گا ﴿۳۸﴾

اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے، اور کہہ رہے ہوں گے، ہائے ہماری خرابی، کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے کے باقی ہی نہیں چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر ظلم و ستم نہیں کرے گا۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مجرمین سے ان کا ذہنی کرب و الم بڑھانے کے لئے کہے گا کہ اب جہنم کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو، اب تو ہم تمہارے عذاب میں اضافہ ہی کرتے رہیں گے، اب تمہارے لئے جہنم و آرام کہاں ہے۔ جب بھی تمہارے چمڑے جل جائیں گے، ہم انہیں بدل دیں گے، اور جب بھی آگ دھیمی ہوگی، ہم اس کی تیزی کو بڑھادیں گے۔ (أَجَارَنَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ)۔

(۸) اوپر کی آیتوں میں مجرمین اور سرکشوں کا انجام بد بیان کئے جانے کے بعد، اب اہل تقویٰ اور نیک لوگوں کا مال خیر بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ اپنے رب کی رضا کی خاطر اس کی بندگی کریں گے، اور گناہوں سے بچیں گے، وہ نار جہنم سے نجات پائیں گے، اور جنت کی نعمتیں پا کر فائز المرام ہوں گے، اُس جنت میں ان کے لئے انواع و اقسام کے پھلدار درخت ہوں گے، انگوروں کے گچھے ہوں گے، نونیز ہم عمر بیویاں ہوں گی جن کی عمر تیس سال سے متجاوز نہیں ہوگی، اور نہایت لذیذ شراب سے بھرے پیالے ہوں گے۔

اہل جنت ان جنتوں میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، اور نہ وہ کوئی ایسی بات کریں گے جس پر ایک دوسرے کو جھٹلائیں۔ سورۃ الواقعة آیت (۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيهَا إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا﴾ ﴿﴾ ”نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات، صرف سلام ہی سلام کی آواز آئے گی“۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کے سچے بندوں کو دنیا میں بے ہودہ جھوٹی باتوں سے بہت لذت ہوتی ہے، اسی لئے جنت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں ایسی لذت ناک فعل و کیفیت سے دور رکھے گا، اور یہ ساری نعمتیں انہیں ان کے رب کی طرف سے ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگی، اور دراصل یہ سب کچھ ان کے رب کا اُن پر احسان عظیم ہوگا کہ اُس نے انہیں دنیا میں نیک عمل کی توفیق دی جو اللہ کے فضل و کرم کا بہانا بنا۔

ذَلِكَ الْيَوْمِ الْحَقِّ فَمَنْ شَاءَ اخْتَدِ إِلَىٰ رَبِّهِ مَا يَابَا ۝ اِنَّا اَنْذَرْنٰكَ عَذَابًا قَرِيْبًا اَلَّذِي يَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا قَدِمْتَ يَدُوًّا
يَقُوْلُ الْكَفْرِيْلِيْنِيْ كُنْتُ تَرِيْبًا ۝

اُس دن کا اتنا برحق (۱۰) ہے، پس جو شخص چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے ﴿۳۹﴾ بے شک ہم نے تم سب کو ایک قریب کے عذاب سے ڈرا (۱۱) دیا ہے، جس دن ہر آدمی اپنے اعمال کو دیکھے گا، جو اس نے آگے بھیج دیا تھا، اور کافر کہے گا، کاش میں مٹی ہو جاتا ﴿۳۰﴾

(۹) اُن کے جس رب نے اُن پر یہ احسانات کئے، وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، اسی نے انہیں پیدا کیا ہے، وہی ان کا نگران و محافظ اور مدبر و کار ساز ہے، اور وہ ”رحمن“ ہے، اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور وہی سب کا پالنے والا ہے۔

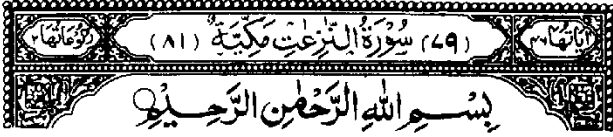
اور وہ شہنشاہ و دو جہاں قیامت کے دن جب مخلوق کا حساب لینے کے لئے فارغ ہوگا، تو ساری مخلوق اس کے سامنے اس کی عظمت و جلال سے ایسی مرعوب ہوگی کہ کسی کو اس کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوگی، ایک مدت کے بعد صرف وہ لوگ دوسروں کی شفاعت کے لئے اللہ سے بات کریں گے جنہیں وہ تیار و جہازت کرنے کی اجازت دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت (۳۸) میں فرمایا ہے کہ جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے، تو کوئی کلام نہ کر سکے گا، مگر جسے رحمن اجازت دے دے، اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ میدانِ محشر میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بات کریں گے، عرش کے نیچے جہدے میں گر جائیں گے، اور اللہ کی ایسی تعریفیں کریں گے جو اللہ ان کے دل میں اسی وقت ڈالے گا۔ تب اللہ عزوجل ان سے کہے گا: ”اپنا سراٹھائیے، مانگئے آپ کو دیا جائے گا، اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی“۔

آیت (۳۸) میں ”روح“ سے مراد (قول راجح کے مطابق) جبریل علیہ السلام ہیں، جنہیں سورۃ البقرہ کی آیات (۸۷) اور (۲۵۳) میں، سورۃ المائدہ کی آیت (۱۱۰) میں اور سورۃ النحل کی آیت (۱۰۲) میں ﴿رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت، اس دن کے وعدہ و وعید، اور جزا و سزا کا ذکر کرنے کے بعد، مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ جس روز قیامت کا ذکر اوپر ہوا، اس کا اتنا مرتبہ ہی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے جو شخص اس دن سرخرو ہونا چاہتا ہے، وہ اللہ، اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لا کر گناہوں سے بچے، اور عمل صالح کر کے رب العالمین سے قربت حاصل کرے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے ازراہِ کرم اپنے بندوں کو سورت کی آخری آیت میں مکرر وارننگ دے دی کہ لوگو! ہم نے تمہیں اُس عذاب سے ڈرا دیا ہے، جس کی گھڑی سر پر کھڑی ہے، موت آتے ہی وہ گھڑی آجائے گی اور قیامت بھی قریب ہی ہے، اس لئے کہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے۔ اُس دن ہر آدمی اپنے اچھے اور بُرے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، اور اچھے کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا، اور بُرے کو جہنم کی آگ کی طرف۔ تب کافر پر حسرت و یاس کا گہرا بادل چھا جائے گا، اس کی آنکھیں مارے رعب و ہشت کے پتھر جاگیں گی، اور کچھ بھی نہ بن پڑے گا تو کہنے لگے گا، کاش! میں بھی جانوروں کی طرح مٹی ہو گیا ہوتا، تاکہ اس عذابِ نار سے بچ جاتا، لیکن ان حسرتوں کا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اور جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ (أَعَاذَنَا اللهُ مِنَ النَّارِ)۔



وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ۚ وَالنَّيْطِطِ نَشْطًا ۚ وَالسَّيِّئَاتِ سَبًّا ۚ وَالشَّقِيقَاتِ سِقًّا ۚ فَأَلْهَمْنَ الْإِنسَانَ مَا كَانَ عَلَّمَهُ ۚ وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ۚ وَالنَّيْطِطِ نَشْطًا ۚ وَالسَّيِّئَاتِ سَبًّا ۚ وَالشَّقِيقَاتِ سِقًّا ۚ فَأَلْهَمْنَ الْإِنسَانَ مَا كَانَ عَلَّمَهُ ۚ وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ۚ

(سورة النازعات مکی ہے، اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے ان فرشتوں کی قسم (۱) جو (کافر کے جسم میں) ڈوب کر روح کو سختی سے نکالتے ہیں ﴿۱﴾ اور ان فرشتوں کی قسم جو (مومن کی روح کو) نرمی سے نکالتے ہیں ﴿۲﴾ اور ان فرشتوں کی قسم جو (آسمان و زمین میں) تیرتے رہتے ہیں ﴿۳﴾ پھر ان فرشتوں کی قسم جو (حکم الہی کی تعمیل میں) سبقت کرتے ہیں ﴿۴﴾ پھر ان فرشتوں کی قسم جو (اپنے رب کے حکم سے) تمام امور کی تدبیر کرتے ہیں ﴿۵﴾ (تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) جس دن کانپنے (۲) والی (یعنی زمین) کانپنے لگے گی ﴿۶﴾ اس کے بعد دوسرا زلزلہ ہوگا ﴿۷﴾

تفسیر سورة النازعات

نام: پہلی آیت میں لفظ "النازعات" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے مفسرین نے اس کا نام "الساهرة" اور "الطامة" بھی بتایا ہے۔ "الساهرة" آیت (۱۴) میں، اور "الطامة" آیت (۳۴) میں آیا ہے۔ زمانہ نزول: یہ سورت بلا تفاق مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن مردویہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورة النازعات مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی پانچ ابتدائی آیتوں میں (قول راجح کے مطابق) فرشتوں کی قسم کھائی ہے، اور ان کے پانچ قسم کے کاموں اور اوصاف کی وجہ سے انہیں پانچ قسم کے فرشتے قرار دیا ہے۔ اور جس بات کو انسانوں کے ذہن میں بٹھانے کے لئے قسم کھائی ہے وہ محذوف ہے۔ اس لئے ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے: ان فرشتوں کی قسم جن کے اوصاف اوپر بیان کئے گئے، تم لوگ دوبارہ ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان فرشتوں کی قسم! جو کافر انسانوں کی روجوں کو پوری قوت و شدت کے ساتھ نکالتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم! جو مومنوں کی روجوں کو تیزی اور نرمی کے ساتھ نکالتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم! جو آسمانوں سے اللہ کے احکام و اوامر لے کر زمین کی طرف آتے ہیں، گویا کہ وہ تیرتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم! جو اللہ کی وحی کی طرف لپکتے ہیں، اور شیاطین سے سبقت کر کے اسے اللہ کے رسولوں تک بحفاظت پہنچاتے ہیں، تاکہ شیاطین انہیں چوری چھپے نہ لیں، اور ان فرشتوں کی قسم جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالم بالا دوزیوں کے بہت سارے کام سپرد کر رکھے ہیں، جیسے بارش برسانا، پلوے آگانا، ہواؤں، سمندروں، حیوانات، رحم مادر میں بچوں کی نگہداشت، اور جنت و جہنم وغیرہ کا انتظام و انصرام۔ ان پانچوں قسموں کے فرشتوں کی

قُلُوبٌ يُّؤْمِنُ بِوَاحِفَةٍ ۖ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۖ يَقُولُونَ ۖ إِنَّا كَسَدُودٌ وَدُونَ فِي الْخَافِرَةِ ۖ عَرَاذًا كُنَّا عِظَامًا مَّخْرُورَةً ۖ
كَأُولَٰئِكَ إِذَا كُرُوا خَاسِرَةٌ ۖ وَكَانَ هَمِّي زَجْرَةً وَوَاحِدَةً ۖ وَقَدْ أَهْمُرُ بِالسَّاهِرَةِ ۖ

اس دن بہت سے دل دھڑکنے (۳) والے ہوں گے ﴿۸﴾ اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی ﴿۹﴾ کفار کہتے ہیں کیا ہم واقعی (زندہ کر کے) پہلی حالت میں لوٹا (۴) دیئے جائیں گے ﴿۱۰﴾ کیا جب ہم گلی سڑی ہڈیاں ہو جائیں گے ﴿۱۱﴾ کہنے لگے، تب تو وہ لوٹنا گھاٹے والا ہو گا ﴿۱۲﴾ بے شک وہ ایک ڈانٹ (۵) ہو گی ﴿۱۳﴾ یکدم سب کے سب میدان محشر میں ہوں گے ﴿۱۴﴾

قسم، تم دوبارہ ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

(۲) جب اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے، تو اُس کے زیر اثر تمام مخلوق مر جائے گی، پھر جب وہ دوسرا صور پھونکیں گے تو سارے لوگ زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ دونوں صورتوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہو گا۔ پہلے صور کو "راجفة" اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی خطرناک اور ہیبت ناک چیخ ہو گی جس سے سارا عالم اضطراب میں مبتلا ہو جائے گا، اور سب پر ایک کچکی طاری ہو جائے گی، پھر سب مر جائیں گے۔ اور دوسرے صور کو "رادفة" اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ پہلے صور کے بعد ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت (۶۸) میں فرمایا ہے: ﴿وَنَفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نَفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ﴾ "اور صور پھونک دیا جائے گا، پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، مگر جسے اللہ چاہے گا، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔"

(۳) اُس دن تمام انسانوں کے دل ترساں، ہر اسماں اور خوفزدہ ہوں گے، اور نظریں مارے خوف و دہشت کے جھکی ہوں گی۔ (۴) جو مشرکین مکہ بعثت بعد الموت کا انکار کرتے تھے، ان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، تو انہیں اس بات سے شدید حیرت ہوتی ہے، اور کہتے ہیں، یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ مرنے سے پہلے ہماری جو حالت تھی، مرنے کے بعد دوبارہ پھر اسی حال میں لوٹا دیئے جائیں گے، یعنی زندہ کئے جائیں گے۔

انہوں نے بعثت بعد الموت کا مزید مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گی، تو کیا وہ دوبارہ جمع کی جائیں گی، اور پھر نئے سرے سے ہڈیاں بنا دی جائیں گی، اگر بفرض محال ایسا ہو گا تو یہ بڑے خسارے کی بات ہو گی۔

مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ آیات (۱۲/۱۱) میں اُن کے کفر مکرر کو بیان کیا گیا ہے، یعنی دوسری زندگی کے انکار اول کے بعد انہوں نے دوبارہ اس حقیقت کا انکار کیا، جسے ان دونوں آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس کفر مکرر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کہتے نادان ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو خالق ارض و سادات ہے، اس بات کو مشکل سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے، ارے! وہ تو صرف ایک چیخ ہو گی، جس کے بعد تم سب زندہ ہو کر زمین پر ظاہر ہو جاؤ گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت (۱۳) میں دوبارہ زندہ کئے جانے کو "الساهرة" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۖ إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزُولَ ۖ وَاهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۖ فَارَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۖ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۖ ثُمَّ أَدْبَرَ سَعْيَىٰ ۖ

کیا آپ کو موسیٰ کے واقعے کی خبر (۱) آئی ہے ﴿۱۵﴾ جب ان کے رب نے انہیں مقدس وادی طویٰ میں پکارا ﴿۱۶﴾ آپ فرعون کے پاس جائیے، وہ سرکش ہو گیا ہے ﴿۱۷﴾ پھر اُس سے کہئے، کیا تو چاہتا ہے کہ (کفر و شرک سے) پاک ہو جائے ﴿۱۸﴾ اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تاکہ تو اس سے ڈرنے لگے ﴿۱۹﴾ پھر موسیٰ نے اُسے سب سے بڑا معجزہ (۷) دکھایا ﴿۲۰﴾ تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کر بیٹھا ﴿۲۱﴾ پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا (فساد پھیلانے کی) کوشش کرنے لگا ﴿۲۲﴾

اس لفظ کا معنی جاگنے کے ہے، اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد لوگوں کو پھر کبھی نیند نہیں آئے گی۔

(۶) یہاں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ ذکر کرنے سے مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی ہے کہ اگر آپ کی قوم، قوم قریش کے لوگ آپ کی اور آپ کی دعوت توحید کی تکذیب کر رہے ہیں، تو فرعون اور فرعونوں نے بھی موسیٰ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا تھا، اور اللہ نے انہیں غرقاب کر دیا تھا، تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل قریش کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرے اور انہیں ہلاک کر دے۔

www.KitaboSunnat.com

اور استغہامی طرز تعبیر سے مقصود یا تو نبی کریم ﷺ کو موسیٰ اور فرعون کا واقعہ سننے کی ترغیب دلانی ہے، اگر آپ ﷺ کو ان آیات کے نزول سے پہلے اس واقعہ کی خبر نہیں تھی، اور اگر خبر تھی تو مقصود یاد دہانی کرانی ہے کہ آپ کو موسیٰ اور فرعون کے واقعہ کی تو خبر ہے ہی، اسے یاد کر کے اپنے دل کو تسلی دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! کیا آپ کو موسیٰ بن عمران کے واقعے کی خبر ہے، جب انہوں نے پاک اور مقدس وادی (طویٰ) میں اپنے رب کو پکارا، تو ان کے رب نے انہیں بتایا کہ اس کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں، اور انہیں صرف اپنی عبادت کا حکم دیا، پھر انہیں حکم دیا کہ وہ شاہِ مصر (فرعون) کے پاس جائیں جس نے سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے، اور اللہ کے بندوں کو اپنی بندگی پر مجبور کر دیا ہے، اور اس سے کہیں کہ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ظلم و سرکشی اور شرک باللہ سے تائب ہو جاؤ، اور میں تمہارے رب کی راہ دکھاتا ہوں، تاکہ تم اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس پر ایمان لے آؤ، فرائض کو بجالاؤ، اور گناہوں سے بچو۔

(۷) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اپنے دو بڑے معجزوں (ید بیضاء اور عصائے موسیٰ) کا اظہار کیا۔ اُن کی لاشیٰ سانپ بن کر زمین پر دوڑنے لگی، لیکن فرعون نے ان کے پیش کردہ معجزات کی تکذیب کی، انہیں جادو گر کہا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور کبر و غرور کا اظہار کرتے ہوئے مجلس سے اُٹھ کر چل دیا، اور دل میں ٹھان لیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزوں کا شیطانی سازشوں اور حیلوں کے ذریعہ مقابلہ کرے گا۔

﴿ثُمَّ أَدْبَرَ سَعْيَىٰ﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب اس نے لاشیٰ کو سانپ بن کر دوڑتے دیکھا تو اس پر شدید دہشت طاری ہو گئی، اور پیچھے مُڑ کر تیزی کے ساتھ بھاگا۔

فَحَسْرَةً فَنَادَى تَسْتَفْتَى ۖ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى ۗ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخْرِقِ وَالْأُولَى ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِمَنِ يَخْتَلَى ۗ
 إِنَّ تَمَّ أَشَدُّ حَلَقًا أَمْ السَّمَاءُ بِذُحَاهَا ۗ رَفَعَهَا فَنسَوَهَا ۗ وَاعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُلْحَمَهَا ۗ وَالْأَرْضُ
 بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۗ

پھر اس نے لوگوں کو جمع (۸) کیا، پھر پکارا ﴿۲۳﴾ اور کہا کہ میں ہی تمہارا رب سے بڑا رب ہوں ﴿۲۳﴾ پس اللہ نے اُسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا ﴿۲۵﴾ بے شک اس واقعے میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے ﴿۲۶﴾ کیا تمہاری تخلیق (۹) زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی، اُسے اللہ نے بنایا ﴿۲۷﴾ اس کی چھت کو اونچا اٹھایا، پھر اسے ہر طرح سے دُرسٹ کیا ﴿۲۸﴾ اور اُس کی رات کو تاریک بنایا، اور اُس کے دن کو نکالا ﴿۲۹﴾ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا ﴿۳۰﴾

(۸) پھر اس نے اپنی قوم اور اپنی فوج کو جمع کیا، اور ان کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ توحید باری تعالیٰ کا انکار اور اپنے معبود ہونے کا یوں اعلان کیا کہ لوگو! میں ہی تمہارا رب سے بڑا معبود ہوں۔ سورۃ القصص آیت (۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دعویٰ الوہیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي﴾ ”لوگو! مجھے معلوم نہیں کہ میرے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود ہے۔“

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ جب فرعون نے لامحیٰ کو سانپ بن کر دوڑتے دیکھ لیا، اور اپنی ذلت و رسوائی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی، تو اس کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ ایسی بات نہ کرتا۔ اس کی یہ بات دلالت کرتی ہے کہ جب اس نے عصائے موسیٰ کو اپنے سامنے دوڑتا دیکھا تو اس پر جنونی کیفیت طاری ہوگئی، اور اس کا کفر و عناد بڑھتا ہی گیا، اور انجام سے بے خبر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی دعوت کے خلاف ہر ممکن تدبیر کرتا رہا، یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے ظلم سے تنگ آکر بنی اسرائیل کو لے کر جب راتوں رات مصر سے روانہ ہوئے تو اس نے اپنی فوج کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی فوج کو سمندر میں ڈبو دیا، اس کے اسی انجامِ بد کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۵) میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ نے دنیا میں یہ عذاب دیا کہ اسے اور تمام فرعونوں کو بحرِ قلزم کے حوالے کر دیا، اور آخرت میں اُسے آگ کا عذاب دے گا۔

بعض مفسرین نے ﴿نَكَالَ الْأَخْرِقِ وَالْأُولَى﴾ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے سامنے اپنے معبود ہونے کا دوبارہ اعلان کیا۔ پہلی بار اس نے ابتدائے دعوتِ موسیٰ میں کہا کہ میں نے ملک کا ایک ایک چپہ ڈھونڈ لیا ہے، مجھے میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ملا، اور اس کے چالیس سال کے بعد اس نے دوبارہ اپنی قوم اور اپنے لشکر کے سامنے اس کا اعلان کیا کہ میں ہی تمہارا رب سے بڑا معبود ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ان دونوں طاغوتی دعووں کی پاداش میں اسے ہلاک کر دیا، اور اس کی ذلت و رسوائی اور ہلاکت کو رہتی دنیا تک کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا۔

(۹) یہاں خطاب قریش کے اُن لوگوں سے ہے جو بعثتِ بعد الموت کو نہیں مانتے تھے، کہ جو قادرِ مطلق آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے، جس نے رات اور دن بنائے ہیں، زمین سے پانی کے چشمے جاری کئے ہیں، نباتات پیدا کئے ہیں، اور پہاڑوں کو زمین پر جمایا ہے، اس کے لئے تمہیں اور تم جیسوں کو دوبارہ پیدا کرنا بہت ہی آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بنی نوع انسان! تمہاری تخلیق بڑی بات ہے، یا عظیم و قوی اور بلند و بالا آسمان کی، جسے اللہ نے بنایا

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ۖ وَالْجِبَالُ أَرْسَاهَا ۖ مَتَاتًا لَكُمْ وَلَأَنفَامِكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى ۖ
يَوْمَ يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى ۖ وَمُنْزَتِ الْجَحِيمِ لِمَنْ يُرَى ۖ فَأَتَمَّنْ طَعَى ۖ وَأَثَرَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ
الْبَأْوَى ۖ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْبَأْوَى ۖ

اُس سے اُس کا پانی^(۱۰) اور اُس کا چارہ نکالا ﴿۳۱﴾ اور پہاڑوں کو اس کے اوپر (کھونٹے کے طور پر) گاڑ دیا ﴿۳۲﴾ یہ سب چیزیں مفید ہیں تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے ﴿۳۳﴾ جب سب سے بڑی آفت^(۱۱) (قیامت) آجائے گی ﴿۳۴﴾ اُس دن آدمی (دنیا میں) اپنے کئے کو یاد کرے گا ﴿۳۵﴾ اور جہنم دیکھنے والوں کے سامنے کر دی جائے گی ﴿۳۶﴾ جس نے سرکشی^(۱۲) کی ﴿۳۷﴾ اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ﴿۳۸﴾ تو بے شک جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا ﴿۳۹﴾ اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہش کی اتباع سے روکا ﴿۴۰﴾ تو بے شک جنت اس کا ٹھکانا ہوگا ﴿۴۱﴾

ہے، اُسے اونچا اٹھایا ہے، اور اسے اتنا مضبوط و محکم بنایا ہے کہ انسانی عقل ہمیشہ سے محو حیرت رہی ہے، اور رہے گی، اور اس نے رات کو تاریک بنایا ہے، جس کی تاریکی آسمان وزمین کو ڈھانک لیتی ہے، اور اس نے آفتاب کی روشنی کے ذریعہ دن کو ظاہر کیا ہے تاکہ لوگ کاروبار حیات انجام دیں، اور اس نے زمین کو پھیلا دیا ہے تاکہ لوگ اس پر زندگی گزار سکیں، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر سکیں۔

سورہ یس آیت (۸۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ ”کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ انسانوں جیسا دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے“۔ اور سورہ غافر آیت (۵۷) میں فرمایا ہے: ﴿لَخَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ ”یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش آدمی کی تخلیق سے بڑی بات ہے“۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی مزید نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی قادر مطلق نے زمین سے جتنے جاری کئے ہیں، اور اسی نے زمین سے دانے، پھل، پودے اور درخت اگائے ہیں، جو انسانوں اور حیوانات کے کام آتے ہیں۔ جو قادر مطلق اللہ مذکورہ بالا اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے، وہ یقیناً اس کی قدرت رکھتا ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کو دوبارہ زندہ کر کے انہیں میدانِ محشر میں جمع کرے اور ان کے اعمال کا انہیں بدلہ دے۔

(۱۱) گذشتہ آیات میں بعث بعد الموت پر متعدد دلائل پیش کرنے کے بعد، اب قیامت کے دن ان لوگوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے جو ایسی ظاہر و بین حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ عظیم ترین آفت رونما ہو جائے گی جس کا نام قیامت ہے، اور جس کا کفار قریش انکار کرتے ہیں، تو ہر انسان کے سامنے اس کے تمام اعمال پیش کر دیئے جائیں گے، اور وہ اپنے ایک ایک عمل کو یاد کرنے لگے گا، اور کافر کو یقین ہو جائے گا کہ یہی وہ دن ہے جس کا وہ انکار کرتا تھا، اور جہنم تمام اہل محشر کے سامنے لائی جائے گی، جو جہنمیوں کو اپنا لقمہ بنانے کے لئے اپنے رب کے حکم کی منتظر ہوگی، اور جسے دیکھ کر اہل جنت اپنے رب کے احسان کا شکر ادا کریں گے، اور اہل جہنم کا غم اور

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا ۖ فَيَقِمْ أَنتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۗ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ ۗ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُتَذَكِّرِينَ ﴿۱۳۲﴾
 كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبُثُوا إِلَّا عَشِيَةً أَوْ ضُفًى ۗ

کفار آپ سے قیامت (۱۳) کے بارے میں پوچھتے ہیں، اس کے وقوع پذیر ہونے کا کون سا وقت ہے ﴿۱۳۲﴾ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق ہے ﴿۱۳۳﴾ اُس کی خبر تو صرف آپ کے رب کو ہے ﴿۱۳۴﴾ آپ تو صرف ڈرانے (۱۳) والے ہیں ان لوگوں کو جو اُس (روز قیامت) سے ڈرتے ہیں ﴿۱۳۵﴾ کفار جب اس دن کو دیکھ لیں گے، تو ان کا حال ایسا ہوگا جیسے وہ دنیا میں صرف ایک شام یا صرف ایک صبح رہے تھے ﴿۱۳۶﴾

نجات سے اُن کی ناامیدی حد سے تجاوز کر جائے گی۔

(۱۳) اُس دن حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا، اہل مشرکوں و کافروں میں منقسم ہو جائیں گے، اور جنت و جہنم کے سوا کوئی تیسرا ٹھکانا نہیں ہوگا۔

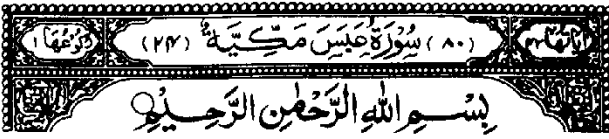
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے اس دنیا میں اللہ سے سرکشی کی ہوگی، کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا، دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی، اس کی ساری کوششیں اسی کے حصول کے لئے رہی ہوں گی، اور آخرت کو بھول گیا ہوگا، اُس دن اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

اور جس نے اللہ کے خوف کو اپنے دل میں جگہ دی ہوگی، اور اس ایمان کے ساتھ دنیا میں زندگی گذاری ہوگی کہ اُسے اپنے رب کے سامنے میدانِ محشر میں کھڑا ہونا ہوگا، اور اس ایمان کے زیر اثر، اُس نے اپنے آپ کو خواہشِ نفس کی اتباع سے دور رکھا ہوگا، اُس دن اس کی جائے رہائش جنت ہوگی، جس کی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی انسان کا دل اس کا تصور کر سکتا ہے۔

(۱۳) انسانوں کو روز قیامت کی ہولناکی اور ہیبت ناکی کا مزید احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ منکرین قیامت آپ سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ ہماری اور مشکل دن کب آئے گا؟ حالانکہ آپ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ہیں، اس کی آمد کا وقت تو صرف آپ کے رب کو معلوم ہے، اُسے ہی معلوم ہے کہ وہ سفینہ کب گھاٹ لگے گا، جو لوگوں کو ان کی دنیاوی زندگی سے منتقل کر کے آخری زندگی میں پہنچا دے گا۔ سورۃ الاعراف آیت (۱۸۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ ”یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی۔ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہیں کرے گا۔“

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کا کام پیغامِ رسائی ہے، آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو قیامت کی آمد کا یقینی وقت بتائیں، اس کا علم تو صرف آپ کے رب کو ہے۔

آیت (۱۳۶) میں قیامت کی ہولناکی کا بار بار احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منکرین قیامت جب اپنی آنکھوں سے اس دن کا مشاہدہ کر لیں گے، تو مارے رعب و دہشت کے انہیں ایسا لگے گا کہ وہ دنیا میں یا اپنی قبروں میں محض ایک شام یا ایک صبح رہے تھے۔ وباللہ التوفیق ولہ الحمد والمنة۔



عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۖ اِنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۙ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكٰى ۙ اَوْ يَدَّكُرُ فَنَنْفَعُهُ الَّذِیْ كَرٰى ۙ اَتَاَمِنَ اسْتَعْنٰی ۙ فَاَنْتَ لَكَ تَصَدٰى ۙ وَمَا عَلٰیكَ الْاٰیٰتِی ۙ

(سورہ عیس کی ہے، اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے
نبی ترش رو^(۱) ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا ﴿۱﴾ کہ ان کے پاس اندھا (ابن ام مکتوم) آ گیا ﴿۲﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید اس کی اصلاح ہو جاتی ﴿۳﴾ یا نصیحت کی بات سنتا تو وہ نصیحت اُسے کام آتی ﴿۴﴾ لیکن جو شخص بے پرواہ ہوتا ہے ﴿۵﴾ اس پر آپ توجہ دیتے ہیں ﴿۶﴾ حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا ﴿۷﴾

تفسیر سورہ عیس

نام: پہلا لفظ "عبس" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا نام "السفرة" اور "المصاحبة" بھی آیا ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ عیس مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن مردویہ نے ابن زبیر سے بھی یہی روایت کی ہے۔

(۱) ترمذی، ابن المنذر، ابن حبان، حاکم اور ابن مردویہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ﴾ ابن ام مکتوم (ناپینا) کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یہ صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور آپ سے کہنے لگے، یا رسول اللہ! آپ مجھے کچھ رشد و ہدایت کی بات بتائیے، اور آپ کے پاس (اس وقت) سردارانِ مشرکین مکہ بیٹھے تھے، اس لئے آپ اُن سے منہ پھیرنے لگے، تو یہ سورت نازل ہوئی۔

عبد الرزاق، عبد بن حمید اور ابو یعلیٰ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب عبد اللہ بن ام مکتوم آپ کے پاس آئے تو آپ ابی بن خلف سے بات کر رہے تھے، اس لئے آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، تو ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ﴾ اُن جَاءَهُ الْاَعْمٰی ﴿۱﴾ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ اس کے بعد ابن ام مکتوم کی عزت کرنے لگے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ یہ ناپینا صحابی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے، اور کئی دور کی ابتدا میں ہی اسلام لائے تھے، اور مدنی دور میں نبی کریم ﷺ اکثر غزوات کے وقت اُن ہی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ناپینا صحابی کے لئے اپنا چہرہ سکیڑ لیا، اُس سے منہ پھیر لیا، اور اس سے بات کرنا گوارا نہیں کیا، کہ کہیں ایسا نہ ہو، اس کی طرف توجہ دینے سے وہ صنادید قریش بُرمان جائیں جن کے سامنے آپ ﷺ ایمان و اسلام کی تفریح فرما رہے تھے، آپ کا یہ اعراض دعویٰ نظر نگاہ سے مفید نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اخلاص و رغبت کے ساتھ قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے آیا تھا، اس کی خواہش تھی کہ آپ سے علم حاصل کر کے اپنی روح کا تزکیہ کرے، بُرے اخلاق سے اجتناب کرے، اور اخلاقِ حمیدہ کو اپنائے، یا آپ سے نصیحت کی باتیں سن کر اُن سے مستفید ہو۔ اور جو شخص اپنی دولت اور قوم میں اپنے

وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۖ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۖ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۖ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۖ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْتَهُ ۖ

اور جو آدمی آپ کے پاس دوڑتا (۲) ہوا آتا ہے ﴿۸﴾ اور اپنے رب سے ڈرتا ہے ﴿۹﴾ تو آپ اس کی طرف سے بے رخی برتتے ہیں ﴿۱۰﴾ ہرگز نہیں، بے شک قرآن ایک نصیحت (۳) ہے ﴿۱۱﴾ جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے ﴿۱۲﴾

جاہ و منزلت کی وجہ سے گردن اکڑائے ہوئے ہے، اور ایمان و اسلام اور وحی و رسالت کی بات سننے کے لئے تیار نہیں، اسی کی طرف آپ لپکے جا رہے ہیں، اور اسی پر اپنی پوری توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں، حالانکہ اگر وہ منکبر اسلام کو قبول نہیں کرتا، اور اس کا تزکیہ نفس نہیں ہوتا، تو آپ کا کیا نقصان ہوگا، آپ کی ذمہ داری تو صرف پیغام رسائی ہے، اس لئے جو کفار اسلام سے اظہار استغناء کرتے ہیں آپ ان کی فکر نہ کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مزید عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص خوفِ الہی اور تقویٰ کے زیر اثر آپ کے پاس تیزی کے ساتھ آیا ہے، تاکہ آپ اسے دین کی تعلیم دیں، اور اسے اپنی پیغمبرانہ نصیحتوں سے نوازیں، اس سے آپ نے منہ پھیر لیا ہے، اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہیں جو کبر و غرور میں مبتلا ہیں اور آپ کی باتوں پر دھیان نہیں دے رہے ہیں۔

حافظ سیوطی نے اپنی کتاب ”اللاطیل“ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کی دل دہی، ان کی ضروریات پوری کرنے اور مجالس علم میں ان کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دلائی ہے۔ اتنی، اسی لئے سفیان ثوری کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی مجلس میں فقراء، امراء بنے ہوتے تھے۔

یہ آیات دلیل ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی غیب کی جو بات بھی بتائی، اُسے انہوں نے اپنی امت سے نہیں چھپایا۔ علمائے سلف کہا کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی کا کوئی حصہ چھپاتے، تو اپنے بارے میں اللہ کے اس عتاب کو ضرور چھپا دیتے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا مذکور بالا برتاؤ کوئی گناہ کی بات نہیں تھی، اس لئے کہ آپ کے پاس حنادید قریش موجود تھے، اور آپ اس لالچ میں کہ شاید وہ لوگ مسلمان ہو جائیں، تھوڑی دیر کے لئے ایک مسلمان کو یہ سوچ کر نظر انداز کر رہے تھے کہ بعد میں اس کے سوال کا جواب دے دیں گے، تاکہ وہ کفار اٹھ کر چلے نہ جائیں۔ بظاہر دعوتِ اسلامی کا یہی تقاضا تھا، اور عام دُعا اہل اللہ کے لئے ایسا ہی کرنا مناسب تھا، لیکن اللہ کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ اپنے صحابہ کے ساتھ اس سے ارفع و اعلیٰ ہونا چاہئے تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب کیا، یعنی عتاب کا سبب ترکِ اولیٰ تھا، نہ کہ ارتکابِ معصیت۔ (۳) نبی کریم ﷺ سے دوبارہ بطور تاکید کہا جا رہا ہے کہ اب کبھی آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ مسلمان فقراء و مساکین سے منہ پھیر کر کبر و غرور والے کافروں کی طرف یکسر متوجہ ہو جائیں، چنانچہ اوپر اُنس رضی اللہ عنہ کی روایت گذر چکی ہے کہ اس واقعے کے بعد آپ ﷺ ابن ام مکتوم کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

اس واقعے میں دوسروں کے لئے عبرت ہے کہ جب ایسے برتاؤ پر اللہ نے آپ ﷺ کو عتاب فرمایا، جن کا عظیم مقام اللہ کے نزدیک سب کو معلوم ہے تو پھر دوسرے اگر ایسا کریں گے تو ان کا انجام کیا ہوگا۔ بعض مفسرین کرام نے ﴿إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ میں ”ہا“ کا مرجع ان آیات میں موجود اس نصیحت کو مانا ہے کہ دُعا اہل اللہ کو لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں مساوات کا خیال رکھنا چاہئے۔ آیت (۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی جانب سے یہ ایک بہت بڑی نصیحت ہے، جس سے جو چاہے، اس پر عمل کر کے

فِي صُغْبٍ مُّكْرَمَةٍ ۖ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۖ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۖ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۖ قِيلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرُ ۗ مِنْ أَبِي شَيْءٍ ۖ
حَلَقَهُ ۗ مِنْ لُطْفَةٍ ۖ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ۗ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرَهُ ۗ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۗ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشُرَهُ ۗ كَلَّا لَئِنَّا
يَقْبِضُ مَا أَمْرُهُ ۖ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَالِهِ ۗ أَتَا صَبَبَنَا الْمَاءَ صَبًّا ۗ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شِقَاقًا ۗ وَابْتَنَيْنَا فِيهَا
حَبًّا ۗ وَعِنَبًا ۗ وَقَضْبًا ۗ وَزَيْتُونًا ۗ وَنَخْلًا ۗ وَحَدَّاقًا ۗ وَغُلًّا ۗ وَفَاكِهِتًا ۗ وَآبَا ۗ مُتَاعًا لَّكُمْ ۗ وَلَا نَعَامِكُمْ ۗ

وہ باعزت صحیفوں میں لکھا^(۳) ہے ﴿۱۳﴾ وہ صحیفے بلند مقام اور پاکیزہ ہیں ﴿۱۳﴾ وہ ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں ﴿۱۵﴾ جو معزز اور نیک ہیں ﴿۱۶﴾ لعنت ہو انسان ﴿۱۵﴾ پر، کتنا شکر ہے ﴿۱۷﴾ اللہ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا ہے ﴿۱۸﴾ اس نے اُسے لطفہ سے پیدا کیا، پھر اُسے درست بنایا ﴿۱۹﴾ پھر اس کے لئے (رحم مادر سے نکلنے کے) راستے کو آسان بنایا ﴿۲۰﴾ پھر اُسے موت دے دی، اور اسے قبر میں پہنچا دیا ﴿۲۱﴾ پھر جب وہ چاہے گا اسے زندہ کرے گا ﴿۲۲﴾ ہرگز نہیں، اس نے وہ ذمہ داری پوری نہیں کی جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا ﴿۲۳﴾ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانے ﴿۲۶﴾ کی طرف دیکھے ﴿۲۳﴾ ہم نے خوب پانی برسایا ﴿۲۵﴾ پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح چھاڑ دیا ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے اُس میں دانہ اُگایا ﴿۲۷﴾ اور انگور اور ترکاری اُگائی ﴿۲۸﴾ اور زیتون اور کھجور اُگائے ﴿۲۹﴾ اور گنجان باغات اُگائے ﴿۳۰﴾ اور پھل اور چارہ اُگایا ﴿۳۱﴾ یہ سب تمہارے لئے اور تمہارے چوپایوں کے لئے فائدہ مند ہیں ﴿۳۲﴾ فائدہ اٹھالے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف آیت (۲۹) میں فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ ”جو

چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے“ یعنی جو چاہے ایمان لا کر اپنی عاقبت سداہار لے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں موجود نصیحت کی عظمت و اہمیت بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ تو ان معزز و مکرم صحیفوں میں مکتوب ہے جن کا ان میں موجود علوم اور حکمتوں کی وجہ سے اللہ کے نزدیک بڑا اونچا مقام ہے، اور جنہیں صرف پاک فرشتے ہی ہاتھ لگاتے ہیں، اور جنہیں اللہ کے رسولوں تک ایسے فرشتے پہنچاتے ہیں جو اپنے رب کے نہایت فرمانبردار اور سچے بندے ہیں۔ یعنی وہ صحائف لوح محفوظ سے انبیائے کرام تک بڑے قوی و تقی فرشتوں کے ذریعہ پہنچتے ہیں، جو وحی الہی میں اپنی طرف سے کسی قسم کا تصرف نہیں کرتے، اور نہ ہی شیاطین اس میں کوئی تصرف کر پاتے ہیں۔

(۵) اوپر کی آیتوں میں ضابطہ قریش کے کبر و غرور کا حال بیان کرنے کے بعد، اب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کافروں کے حال پر حیرت و استعجاب کی دعوت دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر انسان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے، اسے کبر و غرور پر کون سی بات اُجھارتی ہے، کیا اسے اپنی حقیقت معلوم نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ایک لطفہ حقیر سے پیدا کیا ہے، اور مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی ہو جائے گا، اور وہ زندگی بھر اپنے جسم میں گندگی ڈھوتا پھر تا ہے۔ اگر وہ اپنی حقیقت پر غور کرے تا تو کبر و غرور میں مبتلا نہ ہوتا، اور قادرِ مطلق خالق کے وجود اور حشر و نشر پر ایمان لے آتا، اور عمل صالح کر کے آخرت میں جنت کا حقدار بنتا۔

(۶) گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی تخلیق اور حیات و موت کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ اپنی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تصور کر کے اس پر اور روزِ آخرت پر ایمان لے آئیں۔ اب یہاں انہیں اپنی روزی کے

فَإِذَا جَاءتِ الطَّلَاحَةُ ۖ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُمِّيهِ وَأَبْنَيْهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۖ وَوَجُوهُهُمُ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۖ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۖ وَوُجُوهُهُمُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۖ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرَةُ الْعَجْرَةُ ۖ

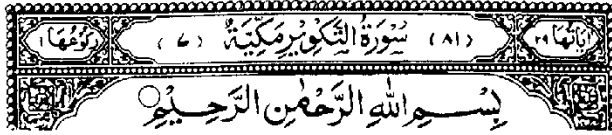
پھر جب کانوں کو بہرا کرنے والا صور (۷) برپا ہو جائے گا ﴿۳۳﴾ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا ﴿۳۴﴾ اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھاگے گا ﴿۳۵﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ﴿۳۶﴾ اُس دن ان میں سے ہر شخص کا ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے بے خبر کر دے گا ﴿۳۷﴾ اُس دن کچھ چہرے چمکدار (۸) ہوں گے ﴿۳۸﴾ ہنسنے والے اور خوش ہوں گے ﴿۳۹﴾ اور اُس دن کچھ چہرے غبار آلود ہوں گے ﴿۴۰﴾ اُسے سیاہی ڈھانکنے ہوگی ﴿۴۱﴾ وہ کفار و بدکار لوگ ہوں گے ﴿۴۲﴾

بارے میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ ذرا سوچیں تو سہی، اللہ نے اسے ان کے لئے کن مراحل سے گزار کر مہیا کیا ہے تاکہ وہ اپنے رب کے شکر گزار بندے بنیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان اپنے کھانے کے بارے میں غور کرے جسے وہ ہر روز کئی بار کھاتا ہے، کہ ہم نے اسے کن مراحل سے گزار کر صالح اور مفید غذا بنائی ہے۔ پہلے ہم نے زمین پر بارش برسایا، پھر اسے زراعت کے قابل بنایا، پھر اُس سے مختلف قسم کے دانے اُگائے، جیسے گہوں، جو، باجر اور دیگر دانے، انگور اور سبزیاں اگائیں جیسے مگڑی اور کبیرے، زیتون اگایا جس کا پھل کھایا جاتا ہے، اور جس کا تیل لگایا جاتا ہے، کھجور اگایا جسے تازہ اور خشک کھایا جاتا ہے، باغات اگائے جن کے درخت آپس میں ایک دوسرے سے گھٹتے ہوتے ہیں، نیز دیگر قسم کے پھل اگائے جنہیں آدمی کھاتا ہے، اور گھاس اگائی جسے اس کے جانور کھاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ ساری چیزیں ہم نے تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے پیدا کی ہیں، ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے رب کی عظیم قدرت، اور یوم آخرت پر ایمان لے آؤ، اس کے شکر گزار بندے بنو، اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرو۔ (۷) مذکورہ بالا آیتوں میں انسان کی تخلیق اور اس کی دنیاوی زندگی پر روشنی ڈالی گئی تھی، اور اسے غور و فکر کی دعوت دی گئی تھی، اب اس کی آخری زندگی اور اس کے اچھے اور بُرے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت آجائے گی جس کے صورت کی آواز اتنی تیز اور کڑھتی ہوگی کہ لوگوں کے کان بہرے ہو رہے ہوں گے، تو رعب و دہشت کے مارے ہر آدمی اپنے حال میں ایسا پریشان ہوگا، اور ہر ایک کو اپنی نجات کی ایسی فکر ہوگی کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو بھی میدانِ محشر میں دیکھ کر راہ فرار اختیار کرے گا، یا تو اس ڈر سے بھاگے گا کہ کہیں کوئی اس سے کسی حق کا مطالبہ نہ کر دے، یا اس لئے کہ کوئی اس کی پریشانی اور بے چینی کو نہ دیکھ لے، یا اس لئے کہ اسے معلوم ہوگا کہ آج کوئی اس کے کام نہیں آئے گا، تو پھر اس کی طرف التفات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۸) اُس دن لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے، جو نیک بخت ہوں گے اور جن کے لئے رب العالمین جنت کا فیصلہ کر دے گا، ان کے چہرے مارے خوشی کے دمک رہے ہوں گے، اور جن اشقیاء اور بدبختوں کے لئے رب العالمین جہنم کا فیصلہ کر دے گا، ان کے چہرے پر حسرت و یاس کی وجہ سے ہوائی اُڑ رہی ہوگی، اور ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔ اور یہ بدترین انجام ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے کفر و سرکشی اور فسق و فجور کی زندگی گزار لی ہوگی، اور بغیر توبہ کئے اسی حال میں موت نے انہیں آدبوچا ہوگا۔



إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۖ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۖ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۖ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُضِرَتْ ۖ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۖ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۖ وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّتَتْ ۖ يَا أَيُّ ذُنُوبِ قَتِيلَةٍ ۖ وَإِذَا الصُّعْفُ نُشِرَتْ ۖ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۖ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُنزِلَتْ ۖ عَلِمْتَ نَفْسٌ بِمَا أَحْضَرْتَ ۖ

(سورۃ التکویر کی ہے، اس میں اُن تیس آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے جب آفتاب پلیٹ^(۱) دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے اور جب سمندروں میں آگ بھڑکادی جائے گی اور جب جانوں کو (جسموں کے ساتھ) جوڑ دیا جائے گا اور جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا وہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی اور جب اعمال نامے پھیلا دیئے جائیں گے اور جب آسمان کو کھول دیا جائے گا اور جب جہنم بھڑکادی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا عمل لایا ہے

تفسیر سورۃ التکویر

نام: پہلی آیت میں لفظ "كُوِّرَتْ" آیا ہے اسی سے اس کا نام "التکویر" ماخوذ ہے۔
زمانہ نزول: ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ" مکہ میں نازل ہوئی تھی، ابن مردویہ نے عائشہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت کی ہے۔

(۱) روزِ آخرت اور جزا و سزا کا عقیدہ ہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانے بغیر کسی بھی فرد یا سوسائٹی کی اصلاح ناممکن ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے جا بجا مختلف پیرائے میں اس کی وضاحت کی ہے، اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔

اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو باور کرانا چاہا ہے، اور انسانوں کے دل و دماغ میں اسی عقیدہ بعث بعد الموت کو اتارنا چاہا ہے، تاکہ اس پر ایمان لاکر لوگ اپنی آخرت کی فکر میں لگ جائیں، اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کریں، چنانچہ آیات (۱) سے (۱۳) تک بارہ حادثات و واقعات کا ذکر بطور شرط بیان کئے جانے کے بعد، اسی حقیقت کو بطور جواب بیان کیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ قیامت سے پہلے اور اس کے بعد جب بھی حادثات و وقوع پزیر ہوں گے، تو ہر فرد اس دن یقیناً طور پر جان لے گا کہ وہ دنیا سے اپنے ساتھ کیسے اعمال لے کر آیا ہے، جن کا آج اسے بدلہ چکایا جائے گا۔

ان بارہ حادثات میں سے چھ وقوعِ قیامت سے پہلے یا اس کے بعد فوراً ظہور پزیر ہوں گے:

۱- آفتاب اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا، اور اس کی روشنی غائب ہو جائے گی۔

- ۲- ستارے ٹوٹ کر زمین پر کھڑے جائیں گے۔
- ۳- شدید لرزش اور زلزلہ کے زیر اثر پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور غبار بن کر فضا میں اڑنے لگیں گے۔
- ۴- لوگ شدتِ رعب و خوف سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں سے غافل ہو جائیں گے جو عربوں کے نزدیک سب سے اچھی اور قیمتی دولت ہوتی ہے، تو پھر دوسری چیزوں سے ان کی غفلت کا کیا حال ہوگا۔ یعنی لوگ نہایت پریشان و بد حال ہوں گے، انہیں اپنی جان کے بچاؤ کے سوا کسی چیز کی فکر نہیں ہوگی۔
- ۵- شدتِ زلزلہ اور ٹوٹ پھوٹ کے زیر اثر زمین پر پائے جانے والے تمام وحشی جانور اپنے چھپنے کی جگہوں سے نکل کر مارے رعب و ہشت کے اکٹھے ہو جائیں گے اور انسانوں کے قریب آکر پناہ لینے کی کوشش کریں گے، اور پھر مرکزِ ڈھیر لگ جائیں گے۔
- ۶- تمام سمندروں کا پانی اُبل پڑے گا اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک ہو جائیں گے، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سمندروں کا پانی غائب ہو جائے گا، اور اس کی جگہ آگ بھڑکنے لگے گی۔ فقال کا قول ہے کہ ممکن ہے جہنم سمندروں کی تہوں میں ہو، اور جب دنیا کی مدت ختم ہو جائے گی تو اس کی آگ بھڑک کر اوپر آجائے گی۔
- باقی چھ قیامت کے دن ظہور پذیر ہوں گے:
- ۷- اللہ تعالیٰ انسانی جسموں کو دوبارہ پیدا کر کے، ان کی روحوں کو ان میں داخل کر دے گا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تمام نیکو کار جنت میں، اور تمام بدکار جہنم میں اکٹھا کر دیئے جائیں گے۔ عطاء کا قول ہے کہ مومنوں کی شادی حوروں سے کر دی جائے گی، اور کفار شیاطین کے ساتھ جہنم میں اکٹھا کر دیئے جائیں گے۔
- ۸- بعض قبائل عرب کا دستور تھا کہ جب کسی کے گھریبی پیدا ہوتی تو عمار سے بچنے کے لئے اُسے زندہ درگور کر دیتے۔ یہ ایک بہت بڑا مجرمانہ فعل تھا، جس کا وہ اپنی شدید جہالت و نادانی کے سبب ارتکاب کرتے تھے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شدید غضبناک ہوگا۔ اور شدتِ غیظ و غضب کی وجہ سے ان کی طرف سے منہ پھیر لے گا، اور ان زندہ درگور کی گئی بچیوں سے پوچھے گا کہ ان ظالموں نے تمہیں کس جرم کی پاداش میں زندہ درگور کر دیا تھا۔ یعنی تم نے تو کوئی جرم نہیں کیا تھا، اس لئے آج ان ظالموں کو ہم شدید ترین عذاب دیں گے۔
- حافظ سیوطی نے اپنی کتاب "الإکلیل" میں لکھا ہے، یہ آیت دلیل ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا گناہِ عظیم ہے۔
- ۹- قیامت کے دن لوگوں کے نامہ ہائے اعمال حساب کے لئے کھول کر ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے، اور ہر شخص اپنے اچھے اور بُرے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے گا۔
- ۱۰- اُس دن آسمان اپنی جگہوں سے اس طرح الگ کر دیئے جائیں گے جس طرح مذبوح جانوروں کے چمڑے اُدھڑ دیئے جاتے ہیں۔
- ۱۱- اُس دن جہنم کی آگ اللہ کے دشمنوں کے لئے پوری طرح تیز کر دی جائے گی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ اللہ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں کے سبب بھڑک اٹھے گی۔
- ۱۲- جنت ایمان و تقویٰ والوں سے بالکل قریب کر دی جائے گی۔ ابن زید نے "أزلفت" کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جنت متقیوں کے لئے سنواری اور خوبصورت بنائی جائے گی۔
- اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حادثات بطور شرط بیان کرنے کے بعد، آیت (۱۳) میں ان کا جواب بیان فرمایا کہ جس دن یہ

فَلَا أُقِيمُ بِالنَّفْسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۝ وَالْيَلِيلِ إِذَا عَسَعَسَ ۝ وَالضُّبَيْرِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝

میں قسم (۲) کھاتا ہوں پیچھے بیٹنے والے ستاروں کی ﴿۵﴾ چلنے پھرنے والے چھپ جانے والے ستاروں کی ﴿۶﴾ اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگتی ہے ﴿۷﴾ اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لینے لگتی ہے ﴿۸﴾ بے شک قرآن معزز رسول کا قول ہے ﴿۹﴾ وہ رسول قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مقام والا ہے ﴿۱۰﴾ وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے، امانت دار ہے ﴿۱۱﴾

حادثات رونما ہوں گے اس دن ہر آدمی کو دنیا میں اپنے کئے کا علم ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے نیکیاں کی ہوں گی، اُن کو اپنی نیکیوں کا علم ہو جائے گا اور وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، اور جنہوں نے بُرے اعمال کئے ہوں گے، اُنہیں اپنی بُرائیوں کا علم ہو جائے گا، اور وہ جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ سورہ آل عمران آیت (۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا﴾ ”جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں اور بُرائیوں کو اپنے سامنے پائے گا“۔

مسند احمد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص قیامت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے، وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشقت﴾ پڑھے۔

(۲) بعث بعد الموت اور قیامت کے دن جزا و سزا کا جو عقیدہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، جب تک کوئی شخص قرآن کریم کے کلام الہی ہونے پر ایمان نہیں لائے گا، اُس عقیدہ بعث بعد الموت کو بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتوں میں متحرک و جامد اور ظاہر و پوشیدہ ستاروں کی نیز رات اور صبح کی قسم کھا کر انسانوں کو یہ باور کرایا ہے کہ یہ قرآن جس میں بعث بعد الموت کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے، وہ کسی انسان کا نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے جسے جبریل امین نے خاتم النبیین پر اتارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن ستاروں کی قسم جو دن کے وقت چھپ جاتے ہیں، مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ پانچ مشہور ستارے؛ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ یہ پانچوں ستارے آفتاب نکلنے کے بعد اس طرح چھپ جاتے ہیں جس طرح ہرنیاں غاروں میں چھپ جاتی ہیں۔ لغت کی کتاب ”الصحاح“ میں ”الخنس“ تمام ہی ستاروں کو کہا گیا ہے، اس لئے کہ دن کے وقت بھی چھپ جاتے ہیں۔ یہ ستارے آفتاب و ماہتاب کے ساتھ چلتے رہتے ہیں، اور آفتاب کی روشنی کے نیچے چھپ بھی رہتے ہیں۔

اور رات کی قسم جب وہ دن کو چھپے چھوڑ کر آگے آ جاتی ہے، اور ہر چیز پر اپنی سیاہ چادر ڈال دیتی ہے، اور صبح کی قسم جس کی روشنی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ پورا دن نکل آتا ہے۔

بے شک وہ قرآن جو انسانوں کے سامنے بعث بعد الموت کا عقیدہ پورے شرح و وسط کے ساتھ پیش کرتا ہے، اسے اللہ کے معزز و مکرم رسول جبریل روح الامین نے اپنے رب کی جانب سے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا ہے، وہ جبریل امین جنہیں ان کے رب نے ایسی زبردست قوت عطا کی ہے کہ کوئی انسان یا جن ان کے پاس موجود وحی ان سے نہ چھین سکتا ہے، اور نہ ہی اس میں کوئی نقص و اضافہ کر سکتا ہے، جیسا کہ سورۃ النجم آیت (۵) میں آیا ہے: ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى﴾ ”آپ ﷺ کو پوری قوت والے فرشتے نے سکھایا ہے“ اور وہ روح الامین فرشتہ عرش والے کے نزدیک بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں، اور آسمانوں میں رہنے والے

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۗ وَقَدْ رَأَىٰ بِالْأَفْقِ الْمُبِينَ ۗ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۗ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۗ فَاَيْنَ تَذْهَبُونَ ۗ اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ ۗ لِيَمُنَّ سَاءَ مِنْكُمْ اَن يَّسْتَقِيْمَ ۗ وَمَا تَسْأَلُوْنَ اِلَّا اَن يُّسَاءَ لَكُمُ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۗ

اور تمہارے ساتھی (محمد) باولے (۳) نہیں ہیں ﴿۲۲﴾ اور انہوں نے اس رسول کو آسمان کے کھلے آفاق میں دیکھا (۴) بھی ہے ﴿۲۳﴾ اور وہ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل بھی نہیں ہیں ﴿۲۴﴾ اور وہ کسی مرد و شیطان کا قول نہیں ہے ﴿۲۵﴾ پس تم لوگ کدھر (۵) چلے جا رہے ہو ﴿۲۶﴾ وہ تو سارے جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے ﴿۲۷﴾ تم میں سے ان لوگوں کے لئے جو راہ راست پر چلنا چاہیں ﴿۲۸﴾ اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے جو سارے جہان کا رب ہے ﴿۲۹﴾

سبھی ان کی بات مانتے ہیں، اور وہ اپنے رب کی وحی اور اسرار رسالت کے بڑے ہی امانت دار ہیں۔ (۳) اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر محمد ﷺ جن پر ہم نے تمہارے لئے وہ قرآن کریم نازل کیا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا، وہ جاگل اور دیوانہ نہیں ہیں، یعنی یہ قرآن دیوانے کی بونہی نہیں ہے، جیسا کہ تمہارا باطل گمان ہے۔

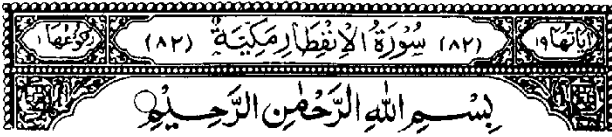
یہاں نبی کریم ﷺ کا ذکر ”صاحب اہل قریش“ کے لفظ کے ساتھ اس طرف اشارہ کرنے کے لئے آیا ہے کہ اے اہل قریش! وہ تو تمہارے ہی ایک فرد ہیں، تمہارے ہی درمیان پلے بڑھے ہیں، اس لئے تمہیں خوب معلوم ہے کہ انہیں جنون یا کوئی بیماری لاحق نہیں، بلکہ تم سب سے زیادہ عقل مند اور ہوش مند ہیں، اس لئے انہیں جنون کے ساتھ متہم کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں چھ سو پوروں کے ساتھ مشرق کی جانب آسمان کے آفاق میں پہلی بار بائیں طور دیکھا کہ پورا آسمانی آفاق ان کے وجود سے بھر گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: بظاہر یہ سورت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی، اس لئے کہ اس میں صرف اسی پہلی روایت کا ذکر آیا ہے۔ دوسری روایت جبریل کا ذکر سورۃ النجم میں آیا ہے جو سورۃ الاسراء کے بعد نازل ہوئی تھی۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَنزَلْنَا اٰخِرٰیۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰیۙ عِنْدَ مَا جَنَّتِ الْمُنٰوٰیۙ﴾ ”آپ ﷺ نے جبریل کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا، سدرۃ المنتہی کے پاس، اسی کے پاس جنت المادوی ہے“۔ اور

یہاں جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور ان سے اللہ کی وحی اور اس کا کلام حقیقی معنوں میں اور یقینی طور پر لیا، اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جو بیش بہا وحی حاصل کی، اسے پوری وسعت قلبی کے ساتھ بے کم و کاست امت تک پہنچا دیا، اس بارے میں ذرا بھی بغل سے کام نہیں لیا، بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ اسے امت کے لئے بیان کر دیا۔ اگر آپ کا ہن ہوتے تو کافروں کی طرح بغیر اجرت لئے اُسے دوسروں کو نہ بتاتے، اس لئے اے اہل قریش! تمہارا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ محمد کا ہن ہیں، اور قرآن کسی مرد و شیطان کا کلام ہے جسے وہ محمد کو سکھاتا رہتا ہے۔

(۵) اے اہل قریش! تم نے میرے نبی، اور میرے قرآن پر جتنے اتہامات دھرے، سب کی نفی ہو چکی اور سب کی تردید کی جا چکی۔ اس کے بعد بھی اگر تم حق کو قبول نہیں کرتے، تو تمہارے لئے ضلالت و گمراہی کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس لئے



إِذِ السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۙ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَضَرَتْ ۙ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۙ عَلِمْتَ نَفْسٌ ۙ مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۙ

(سورۃ الانفطار مکی ہے، اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے جب آسمان پھٹ^(۱) جائے گا ﴿۱﴾ اور جب ستارے (نوٹ کر) بکھر جائیں گے ﴿۲﴾ اور جب سمندر پوری شدت کے ساتھ بہ پڑیں گے ﴿۳﴾ اور جب قبریں بکھیر دی جائیں گی ﴿۴﴾ اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل آگے بھیجا تھا، اور کیا پیچھے چھوڑ دیا تھا ﴿۵﴾

تم ہٹ دھری سے باز آ جاؤ اور حق کو قبول کر لو، اور قرآن پر ایمان لے آؤ جو سارے عالم کے لئے عبرت و موعظت کا خزانہ ہے، لیکن اس خزانے سے وہی مستفید ہو گا جو راہ حق پر چلنا چاہے گا، اور اس حق کو وہی قبول کرتا ہے اور اس راہ پر وہی چلتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اس کی توفیق دیتا ہے۔

سورت کے آخر میں مشیتِ الہی کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ بندہ ہر حال میں رب العالمین کا محتاج ہے، اور یہ کہ اس کی قدرت و مشیت کے بغیر بندہ بالکل عاجز و درماندہ ہے، اس لئے اسے چاہئے کہ ہر نیک کام کی توفیق اسی سے مانگتا رہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے بندوں کی رہنمائی سورۃ الفاتحہ میں کی ہے، اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الانفطار

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "انفطرت" آیا ہے، جو "الانفطار" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی پھٹنا ہے۔ چونکہ اس سورت میں روزِ قیامت آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے، اسی لئے لفظ "الانفطار" اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔

(۱) اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی عقیدہ "بعث بعد الموت" کی وضاحت کی ہے، اور انسانوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ آیات (۱) سے (۴) تک چار حادثات کا ذکر کیا، جن میں سے تین کا ظہور قیامت سے پہلے دنیا میں پہلے صورت کے بعد ہوگا، اور چوتھے کا ظہور یعنی قبروں سے مردوں کے زندہ نکالے جانے کا دوسرے صورت کے بعد آخرت میں ہوگا۔ ان چاروں حادثات کا بطور شرط ذکر کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے بطور جواب یہ بیان فرمایا کہ جب یہ حادثات ظہور پذیر ہوں گے، اس وقت ہر آدمی یقینی طور پر جان لے گا کہ اس نے دنیا میں کیسے اعمال کئے تھے۔ نیک آدمی کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا عمدہ زادِ آخرت اپنے لئے پہلے بھیج دیا تھا، اور گناہ گار کو بھی خوب معلوم ہو جائے گا کہ کن گناہوں کے ارتکاب کے سبب

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۗ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۗ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ ۗ
كَلَّا بَلْ يَحْكُمُ بِآيَاتِنَا ۗ وَلَنْ عَلَيْكُمْ لِحْفَظِنَا ۗ كَرَامًا كَاتِبِينَ ۗ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۗ

اے انسان! تجھے تیرے رب کریم (۲) سے کس چیز نے بہکا دیا ﴿۶﴾ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست بنایا، پھر تجھے معتدل انسان بنایا ﴿۷﴾ اس نے جس شکل میں چاہا تیرے جسم کی ترکیب کی ﴿۸﴾ ہرگز نہیں، بلکہ تم قیامت کے دن (۳) کو جھٹلاتے ہو ﴿۹﴾ اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں ﴿۱۰﴾ وہ معزز لکھنے والے ہیں ﴿۱۱﴾ تم جو کچھ کرتے ہو اسے وہ جانتے ہیں ﴿۱۲﴾

اسے آج ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن آسمان پھٹ پڑے گا، جیسا کہ سورۃ الفرقان آیت (۲۵) میں آیا ہے: ﴿وَيَوْمَ تَشْقُقُ
السَّمَاءُ بِالنِّعْمَانِ﴾ ”اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا“

اور جب ستارے گر کر بکھر جائیں گے، جیسے ہارنوٹ جاتا ہے تو موتی کے دانے زمین پر بکھر جاتے ہیں۔ اور جب کھارے سمندروں کا پانی بیٹھے دریاؤں کے پانی کے ساتھ مل جائے گا، یعنی زمین اتنی شدت کے ساتھ بٹے گی، اور ایسا مہیب زلزلہ واقع ہوگا کہ ہر چیز نوٹ پھوٹ جائے گی، اور زمین پر موجود پانی ایک دوسرے کے ساتھ مل جائے گا، اور قبریں اُلٹ دی جائیں گی، اور تمام مردے زندہ ہو کر اوپر آجائیں گے۔

جس دن یہ حادثات رونما ہوں گے، اُس دن ہر آدمی کو دنیا میں اپنے کئے کا علم ہو جائے گا۔ ان نیک و بد اعمال کا علم ہو جائے گا جو اس نے دنیا کی زندگی میں کئے تھے، اور اُن اچھے اور بُرے طور طریقوں کا بھی جنہیں وہ دنیا میں جاری کر آیا تھا اور جن پر لوگ اس کے بعد عمل پیرا ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا، اسے اس کا گناہ ملے گا اور ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کریں گے، اور جو شخص کوئی بُرا طریقہ جاری کرے گا، اسے اس کا گناہ ملے گا اور ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔

(۲) یہاں خطاب ان تمام کافر و فاسق انسانوں سے ہے جو دنیا میں معصیت کی زندگی گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان! تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ تو اپنی فطرت سے منحرف ہو گیا ہے اور اپنے رب کی نافرمانی کر رہا ہے جو عظیم و جلیل اور کامل و قادر ہے، اور جس نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ تمہیں کامل المخلقت انسان بنایا ہے، عقل و حواس اور اپنی گوناگوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ تم کچھ بھی نہیں تھے، تو اس نے تمہیں ایک نطفہ حقیر سے پیدا کیا، ایک مکمل آدمی بنایا، کان، آنکھ اور عقل جیسی نعمت دی، ہاتھ اور پاؤں دیئے، سینے میں دھرتا ہوا دل دیا، اور ہر طرح سے ایک مکمل آدمی بنایا۔ اور اس کا کمال قدرت دیکھو کہ اس نے تم میں سے کسی کو گورا کسی کو کالا بنایا، کسی کو لمبا اور کسی کو نانا بنایا، اور پھر تم میں سے کسی کو مذکور اور کسی کو مؤنث بنایا۔ یہ سب اس کی قدرت کی کارگیری اور اس کی کمال صناعی ہے، جس کا تقاضا ہے کہ تم اپنے رب کی نافرمانی نہ کرو، ہر دم اسی کی بندگی میں لگے رہو، اور کسی حال میں بھی اس کے احکام سے سرتابی نہ کرو۔

(۳) حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز نہیں جو تمہیں تمہارے رب کی جانب سے دھوکے میں ڈالے، اور تمہیں تمہاری فطرت سے منحرف

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۖ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۖ يَصَلُّونَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۖ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۖ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۖ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَ لِلَّهِ ۖ

بے شک نیک لوگ (۳) نعمتوں میں ہوں گے ﴿۱۳﴾ اور بے شک بدکار جہنم میں ہوں گے ﴿۱۴﴾ اس میں وہ قیامت کے دن داخل ہوں گے ﴿۱۵﴾ اور وہ اس سے کبھی بھی غائب نہیں ہوں گے ﴿۱۶﴾ اور اے میرے نبی! آپ کو کیا معلوم (۵) کہ قیامت کا دن کیا ہے ﴿۱۷﴾ پھر دوبارہ کہتا ہوں، آپ کو کیا معلوم قیامت کا دن کیا ہے ﴿۱۸﴾ اس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کچھ بھی نہ کر سکے گا، اور اس دن تمام امور اللہ کے اختیار میں ہوں گے ﴿۱۹﴾

کر دے، بلکہ تمہارے رب کے بے پایاں احسانات تو تمہاری اس جانب رہنمائی کرتے ہیں کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے تاکہ تمہارے نیک و بد اعمال کا تمہیں بدلہ دیا جائے، لیکن تم محض کبر و عناد کی وجہ سے بعث بعد الموت اور روز قیامت جزا و سزا کا انکار کرتے ہو، اور کفر و ظلم اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ ہم نے تمہارے اعمال کی گنتی اور انہیں ریکارڈ کرنے کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو تمہارے ایک ایک عمل کو لکھ رہے ہیں۔ تم پوشیدہ یا ظاہر میں جو کچھ بھی اچھے یا برے اعمال کرتے ہو، وہ فرشتے ان سب کو جانتے ہیں، تمہارے کسی قول و عمل سے وہ غافل نہیں ہیں، اور وہ سارے نیک و بد اعمال روز قیامت اچانک تمہارے سامنے آجائیں گے۔ سورۃ ق آیات (۱۸/۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَنِ النَّيْمِينَ وَعَنِ الشَّمَالِ قَعِيدًا ۖ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ "ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ انسان جوں ہی منہ سے کوئی لفظ نکالتا ہے، اس کے پاس موجود نگہبان اسے محفوظ کر لیتا ہے۔"

(۳) جب یہ ثابت ہو گیا کہ بندوں کے تمام اعمال ریکارڈ میں لائے جا رہے ہیں، تو اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ روز قیامت مومن و کافر اور نیک و بد ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کریں گے، گناہوں سے اجتناب کریں گے، اور صلاح و تقویٰ کی زندگی اختیار کریں گے، وہ جنت کی نعمتوں کے مستحق بنیں گے۔ اور جو لوگ اللہ کے اوامر کی مخالفت کریں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس میں وہ جزا و سزا کے دن ڈال دیئے جائیں گے، اس کی گرمی، اس کا عذاب اور اس کی سختی جھیلنے رہیں گے، نہ مریں گے اور نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔ سورۃ الشوریٰ آیت (۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ "ایک گروہ جنت میں ہوگا، اور ایک گروہ جہنم میں۔"

(۵) روز قیامت کی ہیبت ناکی اور سختی بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ اُس دن کی سختی و ہیبت ناکی کو پوری طرح نہیں جانتے، حالانکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کا صحیح علم حاصل کرنا نہایت ہی اہم ہے۔ اس کی خطر ناکی کا اس سے اندازہ لگائیے کہ اس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے ہرگز کام نہیں آئے گا، اُس دن اللہ کے سوا کوئی ایک ذرہ کا بھی مالک نہیں ہوگا، اس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی سفارش کرے گا، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نافر آیت (۱۶) میں فرمایا ہے: ﴿لَمَنْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ "آج کسی کی بادشاہی ہے؟ صرف ایک اللہ کی جو قہار ہے۔" وباللہ التوفیق۔



وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكَالُوا كَالْوَهُمِ ۖ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

سورة المطففين مکی ہے، اس میں چھتیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ ہلاکت و بربادی ہے ناپ تول میں کمی (۱) کرنے والوں کے لئے ﴿۱﴾ وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں ﴿۲﴾ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں ﴿۳﴾

تفسیر سورة المطففين

نام: پہلی آیت میں ہی "المطففين" کا لفظ آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: ابن مسعود، ضحاک اور مقاتل کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ نجاش اور ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کی ہے۔ اور نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگوں کا حال ناپ تول میں بہت برا تھا، تو اللہ نے ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ نازل فرمایا۔ صاحب محاسن التنزیل لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ سورت مکی ہے، اس کا سابق اور بالخصوص اس کی آخری آیتیں بتاتی ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے جو ناپ تول میں لوگوں کے ساتھ بے ایمانی کرتے ہیں، ان کے لینے کا پیمانہ اور ہوتا ہے، اور دینے کا اور۔ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پیمانے کو خوب بھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناپ تول کرتے وقت آدمی کو پورا دینا چاہئے، اور جب لوگوں کو دیتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ پیمانہ لبالب نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہی صحیح پیمائش ہے۔

حافظ سیوطی نے "الإکلیل" میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ناپ تول میں کمی اور خیانت کی شدید مذمت آئی ہے، اس لئے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کا مال ناحق کھایا جاتا ہے، اور اس مال کی مقدار اگرچہ تھوڑی ہوتی ہے، لیکن ایسا کرنے والے کی دناعت و خباثت پر دلالت کرتی ہے، اور اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اگر اسے موقع ملتا تو لوگوں کا مال کثیر بھی بطور حرام کھانے سے گریز نہیں کرتا۔ اتھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کئی دیگر آیتوں میں بھی پورے ناپ تول کا حکم دیا ہے، سورۃ الاسراء آیت (۳۵) میں آیا ہے: ﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ "اور جب ناپنے لگو تو بھر پور پیمانے سے ناپو، اور سیدھے ترازو سے تولا کرو، یہی بہتر ہے، اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے"۔ اور سورۃ الرحمن آیت (۹) میں آیا ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ "اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک

الْاِيْقَانُ اُولٰٓئِكَ اَنْهَمُ مُبْعُوْتُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ كَلَّا اِنْ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّيْنٍ ۙ وَمَا اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ ۙ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۙ وَيَلْوِيْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِيْنَ الَّذِيْنَ يَكْتٰبُوْنَ يَوْمَ الْاٰدِيْنَ ۙ وَمَا يَكْتٰبُ بِهٖ اِلَّا كُلُّ مَعْتَدٍ ۙ اِذْ اُنْتَلٰى عَلَيْهِ الْاِيْتَانُ الْاُولٰٓئِكَ ۙ

کیا ایسے لوگ یقین (۲) نہیں رکھتے کہ وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ﴿۳﴾ ایک عظیم دن کے لئے ﴿۵﴾ جس دن لوگ سارے جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے ﴿۶﴾ ہرگز نہیں، بے شک بدکاروں کا نامہ اعمال سجین (۳) میں رہتا ہے ﴿۷﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ ”سجین“ کیا ہے ﴿۸﴾ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ﴿۹﴾ اُس دن ہلاکت و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لئے ﴿۱۰﴾ جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں ﴿۱۱﴾ اور اُسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے تجاوز کرنے والا بدکار ہوتا ہے ﴿۱۲﴾ جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو گذشتہ قوموں کے قصے ہیں ﴿۱۳﴾

رکھو، اور تول میں کی نہ دو“۔ اور شعیب علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے اسی گناہ کے سبب ہلاک کر دیا کہ وہ لوگ ناپ تول میں لوگوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے۔

(۲) ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مذکور بالا بری صفت کے ساتھ متصف لوگوں کو دھمکی دی ہے کہ کیا انہیں اس کا یقین نہیں ہے کہ اپنی قبروں سے زندہ اٹھائے جائیں گے، اور قیامت کے خطرناک اور مہیب دن میں تمام لوگوں کے ساتھ رب العالمین کے سامنے نہایت ہی ذلت و انکساری کے ساتھ کھڑے ہوں گے، اور اپنے بارے میں اس کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ناپ تول میں خیانت کی شاعت بیان کرنے کے بعد ان آیتوں کے لانے سے مقصود اس گناہ سے ممانعت میں مبالغہ اور اس کی خطرناکی بیان کرنا ہے۔

(۳) لفظ ”کلا“ کے ذریعہ ان لوگوں کی زجر و توبیح کی گئی ہے جو ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں، اور لوگوں کے حقوق کی ادا کیگی میں کمی کرتے ہیں۔ اُن سے کہا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارے یہ اعمال لکھے نہیں جا رہے ہیں، تمہارا ان پر محاسبہ نہیں ہوگا، اور تمہیں روز قیامت ان کا بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ قیامت کا دن ضرور آئے گا، اور تمہارے نامہ ہائے اعمال تمہارے سامنے ضرور پیش کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فاجروں کے نامہ ہائے اعمال سجین میں ہوں گے، اور سجین کی تفسیر یہ بیان کی کہ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے، یعنی ایسی کتاب جس میں شیاطین، کفار، فاسقوں اور فاجروں کے برے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ قتادہ، سعید بن جبیر، مقاتل اور کعب کا قول ہے کہ ”سجین“ ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے، جس کے نیچے فاجروں کے نامہ ہائے اعمال دبا دیئے جاتے ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ الحفش، مرد، اور زجاج وغیرہ نے ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّيْنٍ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ فجار جس دوام اور شدید تنگی میں ہیں، یعنی روز قیامت وہ نہایت ہی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُس دن اللہ، اس کی آیتوں اور روز قیامت کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہوگی یا انہیں جہنم کی وادی وویل میں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

كَلَّا بَلْ مَرَّانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَأَكَانُوا يَسْمُونَ ﴿۱۴﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَجْهُونٌ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۱۷﴾

ہرگز نہیں (۱۴) بلکہ ان کی بد اعمالیوں کی سیاہی ان کے دلوں پر چڑھ گئی ہے ﴿۱۴﴾ ہرگز نہیں، بے شک وہ لوگ اُس دن اپنے رب کی دید سے روک دیئے جائیں گے ﴿۱۵﴾ پھر وہ لوگ جہنم (۱۵) میں داخل ہوں گے ﴿۱۶﴾ پھر کہا جائے گا، یہی ہے وہ (جہنم) جسے تم جھٹلاتے تھے ﴿۱۷﴾

مفسرین لکھتے ہیں کہ ناپ تول میں خیانت کرنے والے اس وعید میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں، اس لئے کہ اس گناہ کے ارتکاب پر ان کا اصرار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بعث بعد الموت پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔

آیات (۱۳/۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز قیامت کی تکذیب وہی شخص کرتا ہے جو اللہ کے حدود سے تجاوز کرنے والا اور انواع و اقسام کے جرائم و معاصی کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے، اور اس کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ جب اس کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتا ہے کہ یہ تو گذشتہ قوموں کے قصے اور افسانے ہیں، یہ وحی الہی نہیں ہے۔

(۳) یہاں لفظ "كَلَّا" اس زعم باطل کی تردید کے لئے ہے کہ قرآن کریم گذشتہ قوموں کے قصے اور واقعات ہیں، کہا گیا کہ یہ تو اللہ کی برحق اور کھلی کتاب ہے جس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا روحانی امراض کے لئے شافی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفر و معاصی نے اُن کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے جس کے سبب وہ معرفت حق سے محروم ہو گئے ہیں اور اللہ کی کتابِ عظیم کے بارے میں ایسی غلط بات اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ اور ان کے کفر و معاصی کی ایک دوسری سزا انہیں یہ طے گی کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کی دید سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ سورۃ القیامہ آیات (۲۳/۲۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْوِئَةٌ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۖ﴾ "اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے"۔ معلوم ہوا کہ مومنین اپنے رب کو دیکھیں گے، اور کفار اس نعمت سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے مقصود ان کی ذلت و رسوائی کی مثال بیان کرنی ہے، اس آدمی کے مانند جسے بطور اہانت بادشاہ کے دربار میں جانے سے روک دیا جاتا ہے۔ قنود اور ابن ابی ملیکہ نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا، اور ان پر نظرِ رحمت نہیں ڈالے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اعزاز و اکرام سے یکسر محروم کر دیئے جائیں گے۔

(۵) ان مجرمین کو ان کے کفر و معاصی کی تیسری سزا یہ طے گی کہ وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے "بدائع الفوائد" میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دو قسم کے عذاب دے گا، عذابِ حجاب اور عذابِ نار۔ عذابِ حجاب (یعنی اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھنے) سے ان کے دلوں اور ان کی روحوں کو نہایت شدید تکلیف ہوگی، اور عذابِ نار سے ان کے اجسام جلتے رہیں گے۔ اور اپنے محبوب بندوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنی قربت اور اپنی دید سے نوازے گا، اور جنت کی بیش بہا نعمتوں، حور عین اور دیگر بے شمار نعمتوں سے نوازے گا، جیسا کہ سورۃ الدھر آیت (۱۱) میں آیا ہے: ﴿وَلَقَاهُمْ نَضْرَةٌ وَسُورَةٌ ۖ﴾ "اللہ تعالیٰ انہیں تازگی اور خوشی پہنچائے گا"۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَعِزٌّ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عَلَيْكَ ۖ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۖ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۖ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَعِزُّ نَعِيمٍ ۖ عَلَى الْأَرْبَابِ يَنْظُرُونَ ۖ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۖ يُسْقُونَ مِنْ رِجْحِيقِ لَحْتَمٍ ۖ خِتْمُهُ مِسْكٌ ۖ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۖ

ہرگز نہیں، بے شک نیک لوگوں کا نامہ اعمالِ علیین (۶) میں ہوگا ﴿۱۸﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ علیوں کیا ہے ﴿۱۹﴾ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ﴿۲۰﴾ اس کے پاس مقرب فرشتے رہتے ہیں ﴿۲۱﴾ بے شک نیک لوگ نعمتوں (۷) میں ہوں گے ﴿۲۲﴾ اونچی مسندوں پر بیٹھے دیکھتے رہیں گے ﴿۲۳﴾ آپ اُن کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی کو پہچان لیجئے گا ﴿۲۴﴾ انہیں سر بہر نفیس شراب پلائی جائے گی ﴿۲۵﴾ اس کی مہر مشک کی بنی ہوگی، پس سبقت کرنے والوں کو ان نعمتوں کے حصول کے لئے سبقت کرنی چاہئے ﴿۲۶﴾

آیت (۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مجرمین کی مزید زجر و توبیح اور انہیں مزید ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا کرنے کے لئے اُن سے کہا جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے جسے تم لوگ دنیا کی زندگی میں جھٹلایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ انسان کے لئے یہ غایت درجہ کی تکلیف کی بات ہے کہ جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس سے کوئی کہے کہ تم جو کچھ جھگت رہے ہو تمہارے کرتوتوں کا پھل ہے۔

(۶) آیت (۷) اور اس کے بعد کی آیتوں میں فاجروں کے نامہ ہائے اعمال کی جگہ بتائی گئی تھی، یہاں نیکو کاروں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ بلاشبہ ان کے نامہ ہائے اعمال "علیین" میں ہوں گے۔ اور علیین کی تفسیر یہ کی گئی کہ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں اہل خیر، اہل تقویٰ اور صالحین کے اچھے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ واحدی نے مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ وہ جگہ ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔ ضحاک، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ "علیین" ساتویں آسمان پر وہ جگہ ہے جہاں مومنوں کی روحیں رکھی جاتی ہیں۔ قتادہ کا ایک دوسرا قول ہے کہ "علیین" ساتویں آسمان کے اوپر عرشِ الہی کے دائیں پائے کے نزدیک جگہ ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد "جنت" ہے۔ آیت (۲۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مقدس کتاب کا مشاہدہ صرف مقرب فرشتے کرتے ہیں۔ یا مفہوم یہ ہے کہ اس کتابِ عظیم میں صرف اللہ کے مقرب فرشتوں، انبیاء، صدیقین اور شہداء کی روحوں کے تذکرے ہیں، یعنی ان کا مقام ان کے رب کے نزدیک بہت ہی اونچا ہے۔

(۷) جن اہل تقویٰ اور اہل خیر کے نامہ ہائے اعمال "مقام علیین" میں ہوں گے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں نعمتوں والی جنت میں جگہ دے گا، اور وہ گاؤں کیوں پر ٹیک لگائے آرام کریں گے، اور ان کا رب انہیں جن نعمتوں سے نوازے گا، اور جو عزت بخشے گا، اس کے بارے میں سوچ سوچ کر دل ہی دل میں نہایت خوش ہوں گے، اور ان پیش بہا نعمتوں کی وجہ سے خوشی کے آثار ان کے چہروں پر عیاں ہوں گے۔ اور انہیں خالص شراب پلائی جائے گی جس میں تلخ کا نام و نشان تک نہیں ہوگا، اور وہ شرابِ خالص ایسے برتنوں میں ہوگی جو سر بہر ہوں گے، یعنی پہلے سے اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔ اور وہ مہر مشک کے ذریعہ لگائی گئی ہوگی، اس مٹی کی مانند جس کے ذریعہ شیشیوں اور برتنوں کو سر بہر کیا جاتا ہے، یعنی وہ مشک اتنا تازہ اور نرم ہوگا کہ وہ مہر کے اثر کو قبول کر لے گا بعض مفسرین نے ﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جنتی جب اس شرابِ طہور سے لذت کا دم وہ دن حاصل

وَمِرْجَاهُ مِنْ تَنِيمٍ ۚ عَيْنَا يُشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ أَنَاؤُا يُضَاكُونَ ۗ وَ
 إِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَرُونَ ۗ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۗ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُونَ ۗ وَ
 مَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۗ

اور اُس میں تنیم کا پانی (۸) ملا ہوگا ﴿۲۷﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس کا پانی اللہ کے مقرب بندے پیئیں گے ﴿۲۸﴾ بے شک جو لوگ جرم (۹) کرتے تھے وہ ایمان والوں پر ہنستے تھے ﴿۲۹﴾ اور جب وہ ان کے پاس سے گذرتے تھے تو ان کی طرف آنکھیں مار کر اشارہ کرتے تھے ﴿۳۰﴾ اور جب اپنے بال بچوں کی طرف واپس جاتے، تو ان کا مذاق اڑاتے ہوئے واپس جاتے ﴿۳۱﴾ اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے کہ یقیناً یہ لوگ گمراہ (۱۰) ہو گئے ہیں ﴿۳۲﴾ اور وہ کفار مکہ ان مومنوں پر نگرال بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ﴿۳۳﴾ کریں گے، تو آخر میں مکہ کی نہایت عمدہ خوشبو محسوس کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی ان نعمتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں اس کی طاعت و بندگی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے، یہی تو وہ نعمتیں ہیں جن کے حصول کے لئے آدمی کو پوری جانفشانی اور محنت کرنی چاہئے۔

(۸) اس شراب طہور کی تیاری میں جنت کے "تسنیم" نامی چشمے کا صاف شفاف پانی ملا ہوگا۔ اور وہ پانی اللہ کے ان مقرب بندوں کے لئے خاص ہوگا جو جنت کے اعلیٰ ترین مقام میں ہوں گے۔

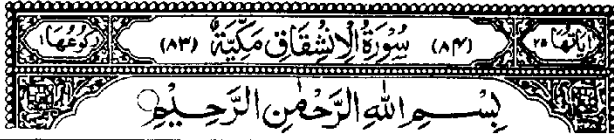
(۹) کفار و مجرمین اور صالحین اور اہل تقویٰ کا انجام اور ہر ایک کی جزا و سزا ایمان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور انہی جیسے دیگر مجرمین قریش کے ظلم و طغیان کا ذکر کیا کہ قیامت کے دن ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہی وہ مجرمین ہیں جو دنیا میں ان مومنوں کی ہنسی اڑاتے تھے جو ایک اللہ پر ایمان لے آئے تھے، محمد ﷺ کو اس کا رسول مان لیا تھا، اور اپنے آباء و اجداد کے مشرکانہ طور طریقوں سے تائب ہو گئے تھے۔ اللہ کے یہ نیک بندے جب مکہ کی سڑکوں اور گلیوں میں ان کے پاس سے گذرتے تھے تو کبر و غرور میں آکر ان کا مذاق اڑاتے تھے، اور آپس میں ان کے بارے میں ایک دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے، اور جب اپنی مجلسوں سے اٹھ کر اپنے گھروں اور بال بچوں کی طرف چلتے تھے تب بھی مومنوں کا مذاق اڑاتے تھے، ان کی عیب جوئی کرتے تھے، اور خوب ہنچارے لیتے تھے۔

(۱۰) مجرمین قریش جب مسلمانوں کو دیکھتے تو ان کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیا ہے، اور محمد کا دین قبول کر کے راہ حق سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حالانکہ وہ مجرمین ان مومنوں کے محافظ و نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے کہ ان کے اعمال پر نظر رکھتے، اور ان کی ہدایت و گمراہی کی گواہی دیتے۔

مفسر ابوالسعود نے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ﴾ کو انہی مجرمین کا قول قرار دیا ہے، وہ کہتے تھے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے یہ لوگ یقیناً گمراہ ہو گئے ہیں، اور یہ ہم پر نگرال اور محافظ نہیں مقرر کئے گئے ہیں کہ ہمیں شرک سے روکیں اور اپنے اسلام کی طرف بلائیں۔

بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۸۴﴾ عَلَىٰ الْأَرْبَابِ مُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ هَلْ تُؤْتَوْنَ الْكُفَّارَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۸۶﴾



پس آج اہل ایمان کفار پر ہنس (۱۱) رہے ہیں ﴿۳۳﴾ مسندوں پر ٹیک لگائے، اُن کا حال دیکھ رہے ہیں ﴿۳۵﴾ یقیناً آج کافروں کو ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل گیا ﴿۳۶﴾

سورۃ الانشقاق مکی ہے، اس میں پچیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں مومنوں کا مذاق اڑانے کا، قیامت کے دن کافروں اور مجرموں کو یہ بدلہ ملے گا کہ مومنین ان کی ذلت و رسوائی دیکھ کر خوش ہوں گے اور گادہ تکیوں پر بیٹھے اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں کو دیکھ رہے ہوں گے، اور اس عذابِ جہنم کو بھی دیکھ رہے ہوں گے جس میں مجرمین مبتلا ہوں گے، تب رب ذوالجلال مومنوں کو مخاطب کر کے کہے گا: کیا اب تم نے دیکھ لیا کہ ہم نے کافروں کو ان کے کفر و ظلم اور ان کے دیگر برے اعمال کا کیا بدلہ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون آیات (۸/۱۰۹، ۱۱/۱۱۰، ۱۱۱) میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿قَالَ اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُون﴾ ﴿۱﴾ إِنَّهُ كَانَ قَرِيبًا مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۲﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سُخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوَكُم ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۳﴾ إِنِّي جَزَيْتَهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿۴﴾ "اللہ تعالیٰ (جہنمیوں سے) کہے گا، تم سب پھٹکارے ہوئے سبیل پڑے رہو، اور مجھ سے بات نہ کرو، میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے، لیکن تم ان کا مذاق ہی اڑاتے رہے، یہاں تک کہ (اس مشغلے نے) تمہارے دل سے میری یاد بھی بھلا دی، اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے۔ میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ اپنی مراد (جنت) کے حصول میں کامیاب ہو چکے ہیں۔"

تفسیر سورۃ الانشقاق

نام: پہلی آیت میں "انشققت" لفظ آیا ہے، جو انشقاق کا فعل ماضی ہے، اسی لئے اس سورت کا نام "الانشقاق" رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ نے ابورافع سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو ہریرہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، انہوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ پڑھی اور سجدہ کیا، اور کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے، اس لئے سجدہ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اُن سے جا ملوں۔

إِذَا التَّمَاكُ انْشَقَّتْ ۖ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۖ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۖ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِمٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَذًّا مَّا قُلَّ قَبِيهُ ۖ

جب آسمان پھٹ (۱) جائے گا ﴿۱﴾ اور وہ اپنے رب کا حکم مان لے گا، اور یہی اس کے لائق ہے ﴿۲﴾ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ﴿۳﴾ اور اپنے اندر چھپی ہر چیز کو باہر نکال دے گی اور خالی ہو جائے گی ﴿۴﴾ اور اپنے رب کا حکم مان لے گی، اور یہی اس کے لائق ہے ﴿۵﴾ اے انسان! تیری ساری تنگ و دو (۲) تجھے تیرے رب کی طرف لے جا رہی ہے، بالآخر تو اس سے ملنے والا ہے ﴿۶﴾

(۱) آیات (۱) سے (۵) تک اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی حقیقت کو باور کرانا چاہا ہے، اور کہا ہے کہ جب آسمان اپنے رب کا حکم سنتے ہی پھٹ جائے گا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، ستارے بکھر جائیں گے اور شمس و قمر کی روشنی غائب ہو جائے گی، اور جب زمین تیزی کے ساتھ ہلنے لگے گی، اس پر موجود پہاڑ، مکانات، اور دیگر تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور زمین ایک چمیل میدان بن جائے گی، جیسا کہ سورۃ طہ آیات (۱۰۶/۱۰۷) میں آیا ہے: ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا ۖ وَلَا أَمْتًا ۖ﴾ ”اللہ تعالیٰ زمین کو بالکل ہموار اور صاف میدان بنا دے گا، جس میں آپ نہ کہیں موز توڑ دیکھیں گے اور نہ اونچ نیچ“۔

اور زمین اپنے تمام خزانوں اور مردوں کو باہر نکال پھینکے گی، اور ان سے بالکل خالی ہو جائے گی، اس کے اندر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، اور زمین اپنے رب کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی، اور اسے ایسا ہی کرنا تھا، اس لئے کہ رب العالمین کے حکم سے کون سر تابی کر سکتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ﴿وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ کے تکرار سے مقصود انسانوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھانی ہے کہ آسمان وزمین ہر دو رب ذوالجلال کی قدرت و مشیت اور اس کے قہر و جلال کے دائرے سے ایک لمحہ کے لئے بھی خارج نہیں ہے۔

جس دن آسمان وزمین کی یہ حالت ہو جائے گی، اُس دن انسانوں کا کیا حال ہوگا، وہ بیان سے باہر ہے، یا اُس دن ہر آدمی یقینی طور پر جان لے گا کہ اس نے دنیا میں کیسے اعمال کئے تھے، جن کا آج اُسے بدلہ چکایا جائے گا۔

(۲) بعث بعد الموت کی صداقت کی مزید تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری زندگی جہد و عمل سے عبارت ہے، تم جب تک زندہ رہو گے، دن رات کوئی نہ کوئی کام کرتے رہو گے، چاہے وہ کام اچھا ہو یا بُرا اور ساتھ ہی ساتھ تمہاری ہر سانس تمہیں موت سے قریب کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن تمہاری موت آہی جائے گی، اور تم اپنے خالق حقیقی سے جا ملو گے، اس لئے تمہاری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ تمہارا عمل ایسا ہو جو تمہیں رب العالمین کی ناراضگی سے بچائے، ورنہ تم روز قیامت ہلاک ہو جاؤ گے۔ بعض مفسرین نے ﴿فَمَلَأْتِيهِ﴾ میں ”ہ“ ضمیر غائب کا مرجع ”كذح“ کو مانا ہے، جس کا معنی جہد و عمل ہے۔ ایسی صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ اے انسان! امر نے کے بعد تم اپنے عمل سے ضرور ملو گے، چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا۔ اس لئے تم ایسا عمل کرنے کی کوشش کرو کہ رب العالمین تم سے راضی ہو جائے تاکہ تم ہلاک نہ ہو جاؤ۔

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حَسَابًا يَسِيرًا ۖ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ
وَدَاخِرَةً ۖ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۖ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۖ إِنَّكَ كَانَتْ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ إِنَّكَ ظَنَنْتَ أَنْ لَنْ يَحْضُرَ ۖ بَلَىٰ ۗ إِنَّ
رَبَّهُ كَانَ بِهٖ بَصِيرًا ۖ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۖ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۖ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۖ لِتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۖ

پس جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ (۳) میں دیا جائے گا ﴿۷﴾ تو اس کا حساب آسان ہوگا ﴿۸﴾ اور وہ اپنے اہل کے پاس خوشی خوشی لوٹ جائے گا ﴿۹﴾ اور جس کا نامہ اعمال اس کے پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا ﴿۱۰﴾ تو وہ موت کو بلانے لگے گا ﴿۱۱﴾ اور وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا ﴿۱۲﴾ وہ اپنے اہل و عیال میں خوش (۳) تھا ﴿۱۳﴾ سمجھتا تھا کہ وہ (اپنے رب کے پاس) لوٹ کر نہیں جائے گا ﴿۱۴﴾ ہاں، اس کا رب اُسے خوب دیکھ رہا تھا ﴿۱۵﴾ میں شفق (شام کی سرخی) کی قسم (۵) کھاتا ہوں ﴿۱۶﴾ اور رات کی، اور ان چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لیتی ہے ﴿۱۷﴾ اور ماہتاب کی قسم جب وہ مہ کامل بن جاتا ہے ﴿۱۸﴾ تم ضرور مختلف حالات و شدائد سے گزرو گے ﴿۱۹﴾

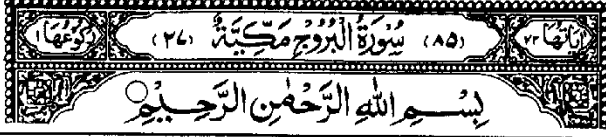
(۳) روز قیامت لوگوں کا کیا حال ہوگا، اس کی منظر کشی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن جن نیک بختوں کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، رب العالمین ان کا حساب آسان کر دے گا، ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا، اور وہ اپنے اہل و عیال اور خویش و اقارب کے پاس، یا انہی جیسے نیک لوگوں کے پاس بے پایاں خوشی کے ساتھ آئیں گے، اس لئے کہ انہیں جہنم سے آزادی کا پروانہ مل چکا ہوگا، اور جنت میں حوروں، اپنی نیک بیویوں اور صالح اولاد کے ساتھ جا ملیں گے۔ سورۃ الطور آیت (۲۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچادیں گے۔

اور جن بد بختوں کے نامہ ہائے اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ان کی پیٹھ کی طرف سے دیئے جائیں گے، رب العالمین ان سے شدید ناراض ہوگا، اور شدت غضب کی وجہ سے ان کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ ان بد بختوں کو جب اپنی حرماں نصیبی کا یقین ہو جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ ان کے لئے جہنم کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، تو دھاڑیں مار مار کر میدان محشر میں روئیں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری بلاکت و بربادی، پھر وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ کے لئے جلتے رہیں گے۔

(۴) آیات (۱۳/۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس برے انجام کا سبب بیان فرمایا کہ یہ اہل جہنم دنیا کی زندگی میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوب عیش پرستی کرتے رہے، انہوں نے قیامت اور جنت و جہنم کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا، انہوں نے اپنے پیٹ اور اپنی شہوت رانی کے سوا کسی دوسری بات کے بارے میں کبھی بھی غور نہیں کیا، یہ لوگ رب العالمین کی بندگی سے یکسر غافل رہے، یہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ بٹ بعد الموت اور اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب دینے سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں۔

آیت (۱۵) میں ان جنہیوں کے اس بیمار فکر کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سراسر غلطی پر ہو، تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، اور تمہارا رب تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے، وہ تمہیں ضرور ان کا بدلہ دے گا، اور تم ضرور جہنم رسید ہو گے۔

فَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۗ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِكَذُوبُونَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۗ فَكَيْتَرُهُمْ بِعَدَابِ الْعَذَابِ ۗ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۗ



انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان (۱) نہیں لاتے ہیں ﴿۲۰﴾ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ بلکہ کفر کرنے (۲) والے تو (الثا) جھٹلاتے ہیں ﴿۲۲﴾ اور اللہ خوب جانتا ہے ان بُرے اعمال کو جنہیں یہ جمع کر رہے ہیں ﴿۲۳﴾ پس آپ انہیں دردناک عذاب (۸) کی خوشخبری دے دیجئے ﴿۲۴﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا، ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے ﴿۲۵﴾

(سورة البروج مکی ہے، اس میں بائیس آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(۵) مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد آدمی مٹی میں گل سرسخت ہو جاتا ہے، اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے شفق، رات اور چاند کی قسم کھا کر حضرت انسان کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ موت کے بعد تم ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاؤ گے، بلکہ بلاشبہ تم کئی احوال و اطوار سے گزر دو گے۔ موت کے بعد تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، پھر میدان محشر میں اکٹھا کئے جاؤ گے، پھر تمہارا حساب ہوگا، اور پھر تم اپنے نیک و بد اعمال کے مطابق بدلہ دینے جاؤ گے، اگر تم نے دنیا کی زندگی میں نیک اعمال کئے ہوں گے تو جنت اور اس کی نعمتوں سے نوازے جاؤ گے، اور اگر کفر و شرک اور دیگر معاصی سے تمہارے نامہ ہائے اعمال بھرے ہوں گے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۶) جب قیامت کا آنا یقینی ہے، اُس دن نیک و بد اعمال کی جزا و سزا یقینی ہے اور جنت و جہنم وہم و خیال نہیں بلکہ امر واقع اور موجود ہے، تو پھر ان مشرکین قریش کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے، اور اپنے گناہوں سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو جاتے، اور انہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو رب العالمین کے لئے بجز واکساری کا اظہار کرتے ہوئے سجدے میں نہیں گر جاتے۔

(۷) مشرکین قریش قرآن پر ایمان لانے کے بجائے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان کی یہ تکذیب اس بنا پر نہیں تھی کہ قرآن کریم کے کلام الہی ہونے کے دلائل ناکافی تھے، قرآن کریم نے ان کے دلوں کے بند دروازوں کو ضرور کھولا، اور اس کی آوازان کے خمیر کی گہرائیوں تک ضرور پہنچی، اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کلام الہی ہے، لیکن محض کبر و غرور کے سبب وہ ایمان نہیں لائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۳) میں فرمایا ہے کہ ان کے دلوں میں کفر و افترا پر دمازی، بغض و حسد اور کبر و غرور نے گھر کر لیا ہے، جس کے سبب اللہ نے انہیں ایمان کی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ ان منکبر کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے،

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۗ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۗ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۗ قِيلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۗ أَلَمْ يَكُنْ ذَاتِ الْوَقُودِ ۗ إِيَّاهُمْ عَلَيْهَا قُوعُودٌ ۗ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۗ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۗ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۗ

قسم (۱) ہے آسمان کی جو بُرجوں والا ہے ﴿۱﴾ اور قسم ہے اس روزِ قیامت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿۲﴾ اور قسم ہے شاہد و مشہود (یعنی جمعہ اور روزِ عرفہ) کی ﴿۳﴾ ہلاک ہو گئے خندقوں والے ﴿۴﴾ یعنی ایندھن والی آگ سلگانے والے ﴿۵﴾ جب وہ لوگ اس کے کنارے بیٹھے تھے ﴿۶﴾ اور مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے ﴿۷﴾ اور ان کی دشمنی ان مومنوں سے صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ لوگ اُس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے، تمام تعریفوں کا سزاوار ہے ﴿۸﴾ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھے ہوئے ہے ﴿۹﴾

البتہ اُن میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، انہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پورے اجر و ثواب سے نوازے گا، انہیں جنت دے گا جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ البروج

نام: پہلی آیت میں ہی "البروج" کا لفظ آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ نیز امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز میں ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) باری تعالیٰ نے تین آیتوں میں چار چیزوں کی قسم کھا کر "أَصْحَابِ الْأُخْدُودِ" پر لعنت بھیجی ہے جنہوں نے اللہ کے نیک بندوں کو صرف اس لئے آگ میں ڈال دیا تھا کہ وہ رب العالمین پر ایمان لے آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آسمان کی قسم جس میں شمس و قمر اور نجوم و کواکب کے منازل پائے جاتے ہیں، جن میں وہ اپنے خالق کی مقرر کردہ نہایت دقیق تنظیم و ترتیب کے مطابق چلتے رہتے ہیں، اور اُن سے سرمواخراف نہیں کرتے ہیں۔

اور اس روزِ قیامت کی قسم! جس میں اللہ نے اپنے بندوں کے درمیان فیصلے صادر کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور جو پورا ہو کر رہے گا۔ اور یومِ جمعہ اور یومِ عرفہ کی قسم۔ صاحبِ محاسن التذریل نے ﴿وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ﴾ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ ہر اس مخلوق کی قسم! جس کے اندر حس ہے، جس کے ذریعہ وہ محسوس و مشاہدہ کرتی ہے، اور ہر اس مخلوق کی قسم! جسے بذریعہ حس محسوس و مشاہدہ کیا جاتا ہے، یعنی ان تمام مخلوقات کی قسم جن کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ امام شوکانی نے احادیث و آثار کی بنیاد پر پہلی تفسیر (یعنی شاہد سے مراد یومِ جمعہ اور مشہود سے یومِ عرفہ) کو ترجیح دی ہے۔

تمام مذکورہ بالا چیزوں کی قسم! کہ اصحاب اخذ و اللہ کی لعنت کے مستحق بن گئے، جنہوں نے ایک بہت بڑی آگ سلگائی، اور ان مومنوں کو اس کے پاس لے کر آئے جنہوں نے شرک سے تائب ہو کر توحید کی دعوت قبول کر لی، اور ان سے کہا کہ یا تو تم دوبارہ کافر ہو جاؤ، یا تمہیں اس آگ میں ڈال دیا جائے گا، تو انہوں نے کفر کے بجائے آگ میں ڈالنا جانا قبول کر لیا۔

اصحاب اخذ و کے بارے میں مسلم، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے صہیب رضی اللہ عنہ سے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک کاہن تھا۔ اس نے کہا: مجھے ایک ذین و فطین لڑکا دیجئے جسے میں اپنے مرنے سے پہلے اپنا علم سکھا دوں، بادشاہ نے ایک لڑکا چن کر اس کے پاس بھیج دیا، وہ لڑکا اس کے پاس جانے لگا۔ اس کے راستہ میں ایک گر جا تھا، جس میں ایک راہب (عابد و زاہد) رہتا تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی جانے لگا، کچھ دنوں کے بعد راہب نے اسے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، لڑکا اس کے پاس دیر تک رہنے لگا، اور کاہن کے پاس جانے میں دیر کرنے لگا، کاہن نے اس کے گھر والوں کو خبر بھیج دی کہ وہ دیر سے آیا کرتا ہے، اور میرے پاس بہت کم وقت رکھتا ہے، جب لڑکے نے راہب کو یہ بات بتائی تو اس نے کہا: کاہن کو کہہ دیا کرو کہ گھر میں تھا، اور گھر والوں سے کہہ دو، میں کاہن کے پاس تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک شیر نے لوگوں کی راہ روک رکھی ہے۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اسے مارا کہ اے اللہ! اگر کاہن کی بات صحیح نہیں ہے تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں اس شیر کو قتل کر دوں، اور اگر کاہن کی بات صحیح ہے تو شیر اس پتھر سے نہ مرے، چنانچہ شیر مر گیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر لڑکے کے علم و عرفان کا اعتراف کر لیا۔ ایک اندھا اس لڑکے کے پاس آیا، اور کہا کہ اگر تمہارے ذریعہ میری بصارت واپس آجائے گی تو میں تمہیں ایسا ایسا بدلہ دوں گا۔ لڑکے نے کہا: مجھے تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں چاہئے، سوائے اس کے کہ تم اس اللہ پر ایمان لے آؤ جو تمہاری بصارت لوٹا دے گا۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ لڑکے نے دعا کی اور اس کی بینائی واپس آگئی تو وہ اللہ پر ایمان لے آیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے راہب، سابق نابینا اور لڑکا، تینوں کو اپنے دربار میں بلایا، اور راہب اور سابق نابینا کو آڑے سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے اونچے پہاڑ سے نیچے گرا دیا جائے۔ جب لوگ اسے لے کر پہاڑ پر پہنچے تو اللہ کی قدرت سے ایک ایک کر کے سبھی نیچے گر کر ہلاک ہو گئے، اور لڑکا واپس آگیا۔ بادشاہ نے دوبارہ حکم دیا کہ اسے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ لوگ اسے لے کر سمندر میں گئے، اللہ کا ایسا کرنا ہوا کہ سب ڈوب گئے اور لڑکا بچ گیا۔ تب اس نے بادشاہ سے کہا کہ تم مجھے ایک ہی صورت میں مار سکتے ہو کہ مجھ پر تیر چلا تے وقت "بسم اللہ ربّ هذا الغلام" کہو یعنی "اس اللہ کے نام سے اسے مارنا چاہتا ہوں جو اس لڑکے کا رب ہے"۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تو لڑکا مر گیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو بیک آواز سب کہنے لگے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ لوگ گروہ درگروہ ایمان لارہے ہیں، تو اس نے ایک آگ جلائی اور تمام لوگوں کو اس کے پاس جمع کیا، اور ہر اس شخص کو اس میں ڈالنے لگا جو اپنے نئے دین سے نہیں پھرتا تھا۔ صہیب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ﴿قَتِلْ أَصْحَابُ الْاِثْمِ خُدُودِ﴾ سے ﴿الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ تک تلاوت کی، اور کہا کہ ان آیتوں میں یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

آیت (۵) میں اسی آگ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بڑی بھیاں آگ تھی۔ اور آیات (۷) میں بتایا کہ وہ بحر میں اتنے سخت دل تھے کہ اس آگ کے کنارے بیٹھ کر مومنوں اور مومنات کے جسموں کے جلنے کا نظارہ کرتے تھے۔

آیات (۹/۸) میں فرمایا کہ ان کافروں کے نزدیک ان مومنوں کا جرم اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور تمام تعریفوں کا تہا سزاوار ہے، اور جو آسمانوں اور زمین کا تہا مالک اور بادشاہ ہے، اور جو اپنے بندوں

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۗ إِنَّ الَّذِينَ
أْمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۗ

بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو آزمائش (۲) میں ڈالا، پھر توبہ نہیں کی، تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور ان کے لئے آگ کا عذاب ہے ﴿۱۰﴾ بے شک جو لوگ ایمان (۳) لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے ﴿۱۱﴾

کے ہر قول و عمل پر مطلع ہے، آسمانوں اور زمین کے درمیان ایک ذرہ بھی اس کے علم سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ اور وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ان اعمال کا بدلہ دے گا۔

اللہ جل جلالہ کے ان صفات کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس پر ایمان لائیں اسی کی طاعت و بندگی کریں، اسی سے محبت کریں اور اسی سے ڈریں، نہ کہ کفر کی راہ اختیار کریں، اور اس کے مومن بندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائیں، جیسا کہ اصحابِ اخدود نے اپنے زمانے کے اہل ایمان کے ساتھ برتاؤ کیا کہ انہیں بے دردی کے ساتھ دھکتی آگ میں ڈال دیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سورت مکی دور میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی ہمت افزائی اور انہیں صبر کی تعلیم دینے کے لئے نازل ہوئی تھی، کہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں اصحابِ اخدود کے ظلم و ستم پر اس عہد کے مومنوں نے صبر کیا، اور آگ میں جلا یا جانا برداشت کر لیا لیکن اپنے ایمان سے دست بردار نہیں ہوئے، اسی طرح نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کو بھی اہل مکہ کے ظلم و ستم پر صبر کرنا چاہئے اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مکہ کے کفار مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے اور بے دردی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک اصحابِ اخدود کی طرح لعنت کے مستحق ہیں۔

(۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ اخدود کا انجام بیان فرمایا ہے جنہوں نے اللہ پر ایمان لانے والے اس کے نیک بندوں اور بندیوں کو آگ میں ڈال دیا، اور اپنے گناہ سے تائب ہو کر دائرۃ اسلام میں داخل نہیں ہوئے کہ قیامت کے دن ان کے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کا عذاب دے گا، اور مومنوں کو آگ میں جلانے کے سبب انہیں دوہرے عذابِ نار میں مبتلا کرے گا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ پہلے انہیں جہنم میں زہریہ یعنی شدید ترین ٹھنڈک کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا، پھر آگ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ اصحابِ اخدود نے جو آگ جلائی تھی، اس نے خندق سے باہر نکل کر بادشاہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو جلا دیا تھا۔

(۳) اس آیت کریمہ میں ان مومنوں کا بہترین انجام بیان کیا گیا ہے جو آگ میں ڈال دیئے گئے تھے، اور اللہ کا یہ وعدہ ہر دور میں اس کے تمام نیک بندوں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، ان کو اللہ ایسی جنتیں دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور یہی وہ عظیم کامیابی ہے جس کے برابر اور کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ انہیں جہنم سے نجات مل جائے گی اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت (۱۸۵) میں فرمایا ہے: ﴿هَمَّزٌ زُحْرَجَ عَنِ النَّارِ وَأَدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ نَزِمَا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لِامْتِنَاعِ الْغُرُوبِ ۗ﴾ ”جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا وہ کامیاب ہو جائے گا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے“۔

إِنْ بَطَّسَ رَبُّكَ كَسْبِيذًا ۖ إِنَّهُ هُوَ بِيَدِي وَيُعِيدُ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۖ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۖ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۖ
هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۖ فِرْعَوْنٌ وَثَمُودُ ۖ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۖ وَاللَّهُ مِنْ وَآلِهِمْ مُّحِيطٌ ۖ

بے شک آپ کے رب کی پکڑ (۳) بڑی سخت ہے ﴿۱۲﴾ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے، اور دوبارہ زندہ کرے گا ﴿۱۳﴾ اور وہ بڑا معاف کرنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے ﴿۱۳﴾ وہ عرش والا، بڑی عظمت والا ہے ﴿۱۵﴾ وہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے ﴿۱۶﴾ کیا آپ کو لشکروں کی خبر (۵) پہنچی ہے ﴿۱۷﴾ یعنی فرعون و ثمود کی خبر ﴿۱۸﴾ بلکہ کفر کرنے والے جھٹلا رہے ہیں ﴿۱۹﴾ اور اللہ نے انہیں (چہار جانب سے) گھیر رکھا ہے ﴿۲۰﴾

(۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ظالموں اور سرکشوں کے لئے آپ کے رب کی گرفت بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ مفسر ابوالسعود کہتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ جو مشرکین قریش نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو اذیت پہنچانے میں پیش پیش ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی شدید گرفت کرے گا، اس لئے کہ ان جیسے ظالموں کو اللہ بڑا ہی شدید عذاب دیتا ہے، جیسا کہ سورہ ہود آیت (۱۰۲) میں آیا ہے: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ ”آپ کے رب کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ ان بستیوں والوں کی گرفت کرتا ہے جن کے رہنے والے ظلم کرنے لگتے ہیں۔ بے شک اس کی گرفت دردناک اور شدید ہوتی ہے۔“

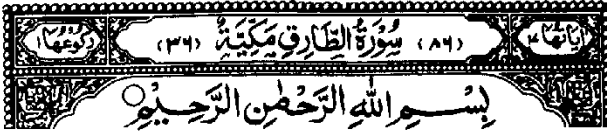
اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ اس کے لئے ظالموں کی گرفت کرنا کوئی بڑی بات نہیں، اس لئے کہ وہ بے پایاں قدرت کا مالک ہے، وہ جب بھی کوئی چیز چاہتا ہے، پلک جھپکتے وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اس کی قدرت بے پایاں کا مظہر یہ بھی ہے کہ وہ ہر چیز کو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے، اور اس کے ہلاک ہونے کے بعد وہ جب چاہے گا اسے دوبارہ وجود میں لے آئے گا، کوئی چیز اس کی مشیت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔

اور وہی اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا، اور وہ اپنے مخلص و محبت بندوں سے بڑی محبت کرنے والا ہے۔ اور وہ عرش پر مستوی شہنشاہ دو جہاں ہے، اور وہ عظمت و کبریائی والا ہے، اور وہ مالک دوسرا جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی نہیں جو اس کی مرضی کی راہ میں حائل ہو۔ اس لئے وہ جب چاہتا ہے کافروں اور سرکشوں کو ہلاک کر دیتا ہے، اور اپنے مخلص بندوں کی مدد کرتا ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر و خشکیبائی کی تلقین کی جا رہی ہے کہ آپ کو فرعونیوں اور قوم ثمود کے عناد اور ان کی سرکشی کی خبر دی جا چکی ہے، اور ان کے پاس بھیجے گئے رسولوں کے صبر و ضبط کی بات بھی بتائی جا چکی ہے کہ انہوں نے ہر تکلیف برداشت کی، اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجئے اور میرا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہئے، اور یہ جان لیجئے کہ جو لوگ آپ کی تصدیق نہیں کریں گے اور آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، ان کا انجام انہی فرعونیوں اور قوم ثمود کی طرح ہلاکت و بربادی ہوگا۔

آیت (۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کی قوم کے کفار انکارِ حق میں فرعونیوں اور قوم ثمود سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں، کہ قرآن و اسلام کی حقانیت پر روشن اور واضح دلائل آجانے اور فرعونیوں اور قوم ثمود کا انجام معلوم ہونے کے باوجود اپنے کفر و شرک پر اصرار کر رہے ہیں۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝



وَالْمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ النَّاقِبُ ۝ إِنَّ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝

بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن (۶) ہے ﴿۲۱﴾ لوح محفوظ میں مکتوب ہے ﴿۲۲﴾

سورۃ الطارق مکی ہے، اس میں سترہ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

قسم (۱) ہے آسمان کی، اور رات کو آنے والے کی ﴿۱﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے ﴿۲﴾ وہ

چمکدار ستارہ ہے ﴿۳﴾ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر نگراں مقرر نہ ہو ﴿۴﴾

آیت (۲۰) میں کفار قریش کو مزید دھمکی دیتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ وہ ان کے کاربائے بد کو ایک ایک کر کے لکھ رہا ہے،

ان کی کوئی حرکت اور ان کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں ہے، وہ لوگ ہر وقت اور ہر حال میں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں، اس سے بھاگ کر ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔

(۶) مشرکین مکہ کی تردید کی گئی ہے جو قرآن کریم کو کبھی گزشتہ قوموں کے افسانے، کبھی نبی کریم ﷺ کی جانب سے اللہ تعالیٰ

پر افترا پردازی، کبھی شاعری اور کبھی جادو کہتے تھے، اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن

وہ نہیں ہے جو تم اس کے بارے میں کہتے ہو، بلکہ یہ اللہ کی نازل کردہ ایک نہایت معظم و مکرم کتاب ہے جس کی مانند دنیا میں کوئی

کتاب نہیں، اور وہ کتاب عظیم لوح محفوظ میں شیطین اور دیگر خلاق کی دسترس سے محفوظ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الطارق

نام: پہلی اور دوسری آیت میں لفظ "الطارق" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ احمد، طبرانی اور امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں خالد العدوانی سے

روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثقیف کے بازار میں ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ پڑھی تھی، اور انہوں نے زمانہ جاہلیت

میں ہی اسے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کر لیا تھا۔

(۱) مفسرین نے لکھا ہے کہ سورتوں کی ابتدا قسم کے ذریعہ کرنے سے مقصود، سننے والے کو رغبت دلانا ہے کہ جو بات اس قسم کے

بعد کئی جا رہی ہے اسے غور سے سنے، چنانچہ یہاں ابتدائی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور روشن ستارے "زُحَل" یا ثیاب، یا

ہر چمکدار ستارے کی قسم کھا کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے لئے ایک محافظ فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو اس

کے خیر و شر تمام اقوال و اعمال کو محفوظ کرتا رہتا ہے۔ کسی انسان کا کوئی عمل بھی گم نہیں ہو جاتا۔ بعض مفسرین نے "حافظ" سے

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۗ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۙ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۗ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۙ
يَوْمَ تَبْيَضُّ الشُّرُوبُ ۗ فَأَمَّا هُوَ مِنْ فَوْقٍ وَكَانَ صَاحِدٌ ۗ وَالتَّمَاءُ ذَاتَ الرَّجْعِ ۗ وَالْأَرْضُ ذَاتَ الصَّدْعِ ۗ إِنَّهُ لَكَلِمٌ
فَصَلِّ ۗ وَمَا هُوَ بِالْمُهْزَلِ ۗ إِنَّهُمْ يُكَيِّدُونَ كَيْدًا ۗ وَآكِيدٌ كَيْدًا ۗ فَمَهْلِكِ الْكَافِرِينَ أَهْمِلَهُمْ زُرُودًا ۗ

پس انسان غور (۲) کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ﴿۵۵﴾ وہ ایک ٹپکائے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ﴿۶﴾ جو باپ کی پیٹھ اور ماں کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ﴿۷﴾ وہ یقیناً اُسے دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے ﴿۸﴾ جس دن چھپی باتوں کو جانچا جائے گا ﴿۹﴾ اس کی نہ خود کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی کوئی مددگار ہوگا ﴿۱۰﴾ اور قسم (۳) ہے بارش والے آسمان کی ﴿۱۱﴾ اور قسم ہے پھٹنے والی زمین کی ﴿۱۲﴾ بے شک قرآن قول فیصل ہے ﴿۱۳﴾ اور وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے ﴿۱۳﴾ بے شک کفار سازش کرنے میں لگے ہیں ﴿۱۳﴾ اور میں بھی تدبیر (۴) کر رہا ہوں ﴿۱۶﴾ پس آپ کافروں کو مہلت دے دیجئے، انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیجئے ﴿۱۷﴾

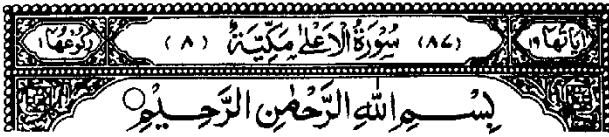
اللہ مراد لیا ہے، جو ہر انسان کا مراتب کرتا رہتا ہے، اور اس کے خیر و شر اعمال کو فرشتوں کے ذریعہ نامہ اعمال میں درج کرتا رہتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت (۵۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ عَاقِبًا ۖ﴾ "اللہ ہر چیز کا نگران و نگہبان ہے"۔ امام شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے اچھے اور بُرے اقوال و افعال کو "کروا ما کانتین" فرشتوں کے ذریعہ محفوظ کر رہا ہے، اور جب قیامت آئے گی تو سب مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ چکایا جائے گا۔ اس امر کی صداقت میں جو کافر شبہ کرتا ہے، اسے اپنی تخلیق کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر مٹی کے ایک قطرہ سے پیدا کیا ہے جو مرد کی ریزہ اور عورت کے سینے کے درمیان سے نکلتا ہے، وہ یقیناً اس پر قادر ہے کہ اُسے دوبارہ زندہ کرے۔ اور میدانِ محشر میں جمع کر کے اس کے کرتوتوں کا اس سے حساب لے۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے آیات (۹/۸) میں یوں بیان فرمایا ہے کہ وہ رب ذوالجلال جو تمام انسانوں کا نگران و محافظ ہے، وہ یقیناً انہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، اور یہ بحث و نشور اور حساب و کتاب اس دن ہوگا جب دلوں کی تمام چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی، لوگوں کے صحیح اور غلط عقائد اور نیتیں کھل کر سامنے آجائیں گی۔ اور کافر انسان کے پاس نہ خود کوئی قوت ہوگی جس کے ذریعہ اللہ کے عذاب کو ٹال سکے، اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا جو آگے بڑھ کر اُسے عذاب سے نجات دلا سکے گا، اس کی بے بسی انتہا کو پہنچی ہوگی، اور انتہائے بے چارگی میں اپنے بُرے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔

(۳) ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت و حقانیت پر اس آسمان کی قسم کھائی ہے جس سے وہ انسانوں اور دیگر حیوانات کی زندگی اور بقا کے لئے بارش بھیجتا رہتا ہے، اور اس زمین کی قسم کھائی ہے جس میں وہ مختلف الانواع پودے اُگاتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک قرآن کریم اس کا کلام ہے جو حق و باطل کے درمیان تفریق کرتا ہے، اور برملا اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور قیامت کی آمد امر یقینی ہے۔ مزید تاکید کے طور پر اللہ نے فرمایا کہ یہ قرآن کوئی باطل اور لٹوکلام نہیں ہے جس کی کوئی غرض و غایت نہ ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے بارے میں فرمایا جو قرآن کریم کی تکذیب کرتے تھے، اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی دعوت کے



سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ

سورۃ الاعلیٰ کی کمی ہے، اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے میرے نبی! آپ اپنے برتر و اعلیٰ رب کے نام کی تسبیح^(۱) پڑھتے رہئے ﴿۱﴾

خلاف سازشیں کرتے تھے، کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، اور پھونکوں سے اس کے چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں تو وہ جان لیں کہ اللہ بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہے، اور انہیں جہنم تک پہنچانے کے لئے ان کی رستی ڈھیل دی ہے، تاکہ کفر و معصیت میں آخری حدوں کو پہنچ جائیں۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، اور ان کے عذاب کے لئے جلدی نہ کیجئے، انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیجئے، بالآخر اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ آیت (۲۱) میں فرمایا ہے: ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنْأَوْرُسُنْبُلِي إِنْ أَلَّ اللَّهُ قَوْبِي عَزِيزٌ﴾ "اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے پیغامبر یقیناً غالب ہوں گے۔ یقیناً اللہ قوت والا، زبردست ہے۔" چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا، اور چند ہی سال کے اندر مکہ سے کفر و شرک کا خاتمہ ہو گیا، تمام بتوں کو وہاں سے نکال پھینکا گیا اور وہاں صرف ایک اللہ کی بندگی کی جانے لگی۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ الاعلیٰ

نام: پہلی آیت میں لفظ "الأعلى" آیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے، اس کے مکی ہونے کی دلیل براء بن عازب کی حدیث ہے جسے بخاری نے روایت کی ہے، کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ آئے تو اہل مدینہ آپ کی آمد پر اتنا خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کسی بات سے اتنا خوش نہیں ہوئے تھے، یہاں تک کہ میں نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ جب آپ آئے تو میں نے ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ اور اسی جیسی دوسری سورتیں پڑھیں۔

مسند احمد میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سورت کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور صحیح مسلم میں نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدین میں اور جمعہ کے دن ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ اور ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ اور اگر عید اور جمعہ ایک دن اکٹھا ہو جاتے تو انہیں دونوں میں پڑھتے۔ اور ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابی بن کعب اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر میں ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ اور ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب کی پاکی بیان کریں، اعلان کریں کہ باری تعالیٰ اولاد، بیوی اور ہر شریک سے پاک ہے، اس کا کوئی سا جہمی نہیں، اور نہ اس کا کوئی ہم نام ہے۔ اس کا نام کسی گندی جگہ پر نہ لیا جائے، اور جب

الَّذِي خَلَقَ فَسُوَّىٰ ۖ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۖ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۖ فَجَعَلَ عِشَاءَ آخُوٓى ۖ سَنَفَرُكَ ۖ وَلَا تَتَّسَىٰ ۖ

جس نے پیدا (۲) کیا اور نہایت درست بنایا (۲) اور جس نے ہر چیز کا اندازہ لگایا، پھر رہنمائی کی ﴿۳﴾ اور جس نے تازہ گھاس نکالی ﴿۳﴾ پھر اُسے خشک سیاہ بنا دیا ﴿۵﴾ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا (۳) دیں گے، پھر آپ اسے نہیں بھولے گا ﴿۶﴾

بھی اس کا نام لیا جائے تو غایت اجلال و احترام کے ساتھ، کیونکہ وہ اپنی تمام مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہے، اور سب اس کے نیچے ہے۔ وہ ہر چیز پر قاہر و غالب ہے، اور سب پر اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ سورۃ الصافات آیت (۱۸۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ "اے میرے نبی! آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے، وہ ہر اس بات سے پاک ہے جو مشرکین اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں"۔ سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور حاکم وغیرہ نے ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر وغیرہم سے روایت کی ہے کہ جب یہ حضرات نماز میں ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ پڑھتے تو اس کے بعد "سبحان ربی الیٰ اعلیٰ" کہتے۔ اور قنادہ کہتے ہیں، ہمیں یہ بات بتائی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ پڑھتے تو "سبحان ربی الیٰ اعلیٰ" کہتے۔ اتنی۔ یعنی اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ارفع و اعلیٰ رب کی پاکی بیان کریں، اس کو فوراً بجالاتے ہوئے کہتے کہ میرا اعلیٰ و ارفع رب تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ (۲) اس اعلیٰ و ارفع رب کی ایک صفت یہ ہے کہ اس نے تمام مخلوقات کو پہلی بار پیدا کیا، اور ہر مخلوق کو اس کے حسب حال مناسب شکل و صورت دی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب حکیم و عظیم باری تعالیٰ کی صناعتی اور کاریگری ہے جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اور باری تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس نے کتابِ تقدیر میں تمام اشیاء اور تمام خیر و شر کو مقدر فرمایا، اور ہر مخلوق کے لئے جو کچھ مقدر فرمایا اسے پانے کے لئے اس کی رہنمائی فرمائی، چنانچہ وہ اس کے معین زمان و مکان میں اسے پا کر رہتا ہے۔ انسان کی ان تمام اشیاء کی طرف رہنمائی کی جو اس کے لئے مفید ہیں، اور ان سے استفادہ کا علم دیا۔ جانوروں اور چوپایوں میں مذکر و مؤنث بنایا، اور مذکر کو مؤنث کے ساتھ جفت کرنا سکھایا۔ انسانوں اور جانوروں کی روزی فراہم کی، اور ہر ایک کو اس تک پہنچنے، اس سے استفادہ کرنے اور اس سے اپنا پیٹ بھرنے کی طرف رہنمائی کی تاکہ ان کی نسلیں باقی رہیں، اور اپنے خالق کی حکمت و مصلحت کے تقاضوں کو پوری کرتی رہیں۔

اور باری تعالیٰ نے زمین میں مختلف قسم کی گھاس پیدا کی جو جانوروں کے لئے چارہ بنتی ہے، اور وہ ہری گھاس کچھ دنوں کے بعد اپنی ترد تازگی کھودیتی ہے اور خشک ہو کر ایسی ہلکی پھلکی اور سیاہ ہو جاتی ہے کہ ہوائیں اُسے اُڑائے پھرتی ہیں۔ (۳) گذشتہ آیتوں میں انسانوں اور دیگر تمام مخلوقات کی عام رہنمائی کے تذکرے کے بعد، اب نبی کریم ﷺ کی خاص ہدایت و رہنمائی کی بات آئی ہے کہ اسے میرے نبی! آپ کو بشارت دی جاتی ہے، جو قرآن کریم بذریعہ جبریل آپ پر نازل ہوتا ہے، اُسے آپ ہرگز نہیں بھولیں گے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ابدی کلام ہے جسے رہتی دنیا تک باقی رہنا ہے، تاکہ انسانیت اس سے روشنی حاصل کرتی رہے۔

ابتدائے اسلام میں جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اسے یاد کر لینے کے لئے جلدی کرتے، تو اللہ نے آپ کو

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۗ وَيُخَوِّفُ لِمُنْجَىٰ ۗ فَذَكِّرْ إِنَّ نُفْعَتَ الْذِكْرِ ۗ سَيَذَكِّرُ مَنْ
يَخْفَىٰ ۗ وَيَتَجَبَّهَأَ الْأَشْفَىٰ ۗ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۗ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۗ

مگر جو اللہ چاہے گا (۳) وہ تو بے شک ظاہر اور پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے ﴿۷﴾ اور ہم آپ کو آسان شریعت (۵) کی معرفت کی توفیق دیں گے ﴿۸﴾ پس آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع بخش ہو ﴿۹﴾ جو آدمی اللہ سے ڈرے گا وہ نصیحت قبول کرے گا ﴿۱۰﴾ اور اس سے بد بخت انسان دور رہے گا ﴿۱۱﴾ جو بڑی آگ میں داخل ہو گا ﴿۱۲﴾ پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا ﴿۱۳﴾

اطمینان دلایا کہ یہ قرآن آپ کے دل پر نقش ہو جائے گا، آپ اسے ہرگز نہیں بھولیں گے، اس لئے جلدی نہ کیجئے اور جب تک جبریل آپ پر وحی اتارتے رہیں، آپ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اسے سنتے رہئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ بات کئی دیگر آیتوں میں بھی کہی ہے۔ سورۃ القیامہ آیت (۱۷۱/۱۷۲) میں ﴿لَا تَحْزَنْ بِهِ لِسَانُكَ لِنَتَّعَلَّ بِهٖ ۗ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ ”اے میرے نبی! آپ قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے، اس کا جمع کرنا اور آپ کی زبان پر اسے جاری کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔“ اور سورۃ طہ آیت (۱۱۳) میں آیا ہے: ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ﴾ ”اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کر دی جائے۔“

(۳) ﴿إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ آپ کے دل سے وحی کی کسی بات کو بھلانا چاہے گا تو آپ بھول جائیں گے۔ فراء کا قول ہے: لیکن اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ آپ وحی کا کوئی حصہ بھول جائیں۔ اس سے مقصود شخص اللہ کی قدرت و مشیت کو ثابت کرنا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء مجازی ہے جو قلت کے معنی میں ہے، اور اس سے مقصود نفی ہے، یعنی آپ ﷺ وحی کا کوئی بھی حصہ ہرگز نہیں بھولیں گے۔ فخر الدین رازی اور زخسری نے اپنی تفسیروں میں فراء کے قول کی بھرپور تائید کی ہے اور کہا ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے دل سے وحی کا کوئی حصہ بھلا دینا نہیں چاہا۔ اس بات پر ہمارا قطعی ایمان ہے۔

آیت کے دوسرے حصہ ﴿إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں ہے، وہ ظاہر و پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ اس کے بندوں کی مصلحت کس امر میں ہے۔ اور اسی ضمن میں اس کا یہ ازلی علم بھی ہے کہ وہ ان کی ہدایت کے لئے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کرے گا، جس کے ذریعہ انہیں کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکال کر دین اسلام کی وسعتوں اور پہنائیوں میں پہنچا دے گا۔

(۵) اور اے میرے نبی! آپ کو یہ بشارت بھی دی جاتی ہے کہ جو شریعت اسلامیہ آپ کو دی گئی ہے اس کی بنیاد سہولت و آسانی پر ہے، اس میں تکلیف مالا یطاق والی کوئی بات نہیں ہے۔ سورۃ الحج آیت (۷۸) میں آیا ہے: ﴿وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ”اور اللہ نے دین میں تمہارے لئے کوئی مشکل بات نہیں رکھی ہے۔“

اور اے میرے نبی! آپ لوگوں کے سامنے اللہ کی شریعت اور اس کی آیتوں کو بیان کرتے رہئے، چاہے اس سے سارے لوگ نفع اٹھائیں یا نہ اٹھائیں، آپ کا کام تو دین کی تبلیغ کرتے رہنا ہے۔ جو لوگ اس سے نفع اٹھائیں گے وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے برائیوں سے بچیں گے اور اچھائیوں کی طرف سبقت کریں گے۔ اور جو اس سے نفع نہیں اٹھائیں گے وہ شریعت اسلامیہ اور آپ

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۖ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۖ بَلْ تُؤَوتُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ وَالْآخِرَةَ خَيْرًا ۚ إِنَّ أَقْبَلَ ۖ هَذَا الْبَيْتَ الضَّعْفَ الْأَوَّلِي ۖ صُحُفَ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۖ



یقیناً وہ شخص کامیاب (۶) ہوگا جو (کفر و شرک سے) پاک ہو گیا ﴿۱۳﴾ اور اپنے رب کا نام لیتا رہا، پھر اس نے نماز پڑھی ﴿۱۵﴾ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح (۷) دیتے ہو ﴿۱۶﴾ حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ﴿۱۷﴾ بے شک یہ بات اگلے صحیفوں (۸) میں موجود تھی ﴿۱۸﴾ یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ﴿۱۹﴾

(سورة الغاشية مکی ہے، اس میں چھبیس آیتیں، اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کی نصیحتوں سے دوری اختیار کریں گے، اور جس کے نتیجے میں وہ قیامت کے دن جہنم کی خطرناک آگ میں ڈال دیے جائیں گے جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی، اور جس میں جہنمی کو نہ موت آئے گی اور نہ وہ زندہ رہے گا، یعنی ہر وقت دردناک عذاب میں مبتلا رہے گا۔ سورہ فاطر آیت (۳۶) میں آیا ہے: ﴿لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِنَا﴾ ”نہ تو ان کی قضایا آئے گی کہ وہ مر جائیں، اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا“۔

(۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندہ مؤمن کو کامیابی و کامرانی کی خبر دی ہے جو اپنے نفس کو شرک و معاصی سے پاک کرتا ہے، ہر وقت اپنے رب کو یاد کرتا رہتا ہے، اور عمل صالح کرتا رہتا ہے، اور بالخصوص نماز کی پابندی کرتا ہے جو ایمان کی کسوٹی ہے۔

یہاں نوز و فلاح سے مراد جہنم سے نجات اور رحمت میں داخل ہونا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت (۱۸۵) میں فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ”پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا وہ کامیاب ہو جائے گا“۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیکن اے بنی نوع انسان! تم وہ نہیں کرتے جو آخرت میں تمہاری کامیابی و کامرانی کا سبب بنے، بلکہ دنیا کی فانی لذتوں کے لئے سرگرداں رہتے ہو، حالانکہ آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے، اس کی نعمتیں لازوال ہیں، اور دنیا دار فانی ہے۔ مالک بن دینار کا قول ہے کہ اگر دنیا فنا ہو جانے والے سونے کی بنی ہوئی، اور آخرت لازوال ٹھیکرے کی، تو لازوال ٹھیکرے کو فانی سونے پر ترجیح دینا واجب ہوتا ہے، چہ جائیکہ آخرت لازوال سونے کی بنی ہوئی ہے، اور دنیا فانی ٹھیکرے کی۔

(۸) ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ سے ﴿خَيْرٌ وَأَبْقَى﴾ تک یہ بیان کیا گیا ہے کہ کامیابی ان کے لئے ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں، اپنے رب کو یاد کرتے ہیں، اور عمل صالح کرتے ہیں، اور یہ کہ لوگ دنیا کی فانی لذتوں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت کی نعمتیں بہتر اور لازوال ہیں۔ یہ باتیں صحائف ابراہیم (جن کی تعداد دس تھی) اور صحیفہ موسیٰ یعنی تورات میں بھی مذکور تھیں۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد وہ تمام باتیں لی ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، وباللہ التوفیق۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۖ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۖ عَابِلَةٌ تَأْتِيهَا النَّاصِبَةُ ۖ تَصْلِي نَازِلًا حَاقِمِيَةً ۖ تَسْفِي مِنْ عَيْنِ
أَنِيَّةٍ ۖ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيرٍ ۖ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۖ

اے میرے نبی! آپ کو اس قیامت کی خبر (۱) پہنچ چکی ہے جس کی ہولناکی ہر چیز کو ڈھانک لے گی ﴿۱﴾ اُس دن کچھ چہرے ذلت و رسوائی کے مارے جھکے (۲) ہوں گے ﴿۲﴾ وہ (جہنم میں) مشقت اٹھانے والے اور تھک کر چور ہوں گے ﴿۳﴾ وہ لوگ انتہائی گرم آگ (۳) میں داخل ہوں گے ﴿۳﴾ انہیں ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا ﴿۵﴾ اُن کا کھانا سوائے خشک کانٹے کے کچھ نہ ہو گا ﴿۶﴾ وہ نہ انہیں موٹا کرے گا اور نہ ان کی بھوک ہی دور کرے گا ﴿۷﴾

تفسیر سورة الغاشية

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "الغاشية" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ سورة الغاشية مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

سورة الأعلیٰ کی تفسیر میں مسند احمد اور صحیح مسلم کے حوالے سے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ میں ﴿سَبَّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ میں سورة الجمعة کے ساتھ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے قیامت کے بعض حالات بیان کئے ہیں، اور اس کی ابتدا لفظ "هل" سے کی ہے جو یہاں تحقیق کے معنی میں ہے، یعنی اے میرے نبی! آپ کے پاس قیامت سے متعلق یقینی خبریں آگئیں۔ اور قیامت کو لفظ "الغاشية" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس دن کے مہیب و خیف حالات و شدائد لوگوں کو ہر چہرہ جانب سے گھیر لیں گے۔ (۲) جو لوگ دنیا میں دین حق کا انکار کرتے ہیں، قیامت کے دن اُن کے چہرے ذلت و رسوائی کے مارے جھکے ہوں گے، اور دائمی طور پر بہت ہی شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور آگ میں انہیں ان کے چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا، دراصل انہیں وہ زنجیروں اور بھاری بیڑیوں میں بندھے ہوں گے اور ان کو گھسیٹنے سے وہ نہایت ہی مشکل میں ہوں گے اور ان کی جان کے لالے پڑے ہوں گے۔

﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾ کی ایک دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل کفر دنیا میں باطل عقائد و نظریات کو اپنانے اور بدعات و خرافات پر عمل کرنے کے سبب تھکے ہوں گے، لیکن یہ سب کچھ آخرت میں ان کے کام نہیں آئے گا اور جہنم کی کھائیوں میں اپنے ہاتھوں پاؤں اور گردنوں میں بندھی ہو جھل بیڑیاں گھسیٹنے رہیں گے۔ امام شوکانی اور کئی دیگر مفسرین نے پہلی تفسیر کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ یعنی ﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾ میں قیامت کے دن اہل کفر کا حال بیان کیا گیا ہے۔

(۳) بد نصیب اہل کفر قیامت کے دن شدید گرم آگ میں جلتے رہیں گے جو انہیں ہمہ وقت ہر چہرہ جانب سے گھیرے رہے گی،

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ لَّنَاعِمَةٌ ۖ لَّسَعِبَهَا رَاضِيَةٌ ۖ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۖ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاجِيَةً ۖ وَفِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۖ وَفِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۖ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۖ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۖ وَزُرَّابٌ مِّبْتُونَةٌ ۖ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِّتْ ۖ

اُس دن کچھ چہرے بارونق (۳) ہوں گے ﴿۸﴾ (دنیا میں) اپنی کوشش سے خوش ہوں گے ﴿۹﴾ وہ بلند و بالا جنت میں ہوں گے ﴿۱۰﴾ اس میں وہ کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے ﴿۱۱﴾ اس میں چشمہ (۵) جاری ہوگا ﴿۱۲﴾ اس میں اونچے تخت ہوں گے ﴿۱۳﴾ اور پیالے رکھے ہوں گے ﴿۱۴﴾ اور قطار میں لگے گا دیکھتے ہوں گے ﴿۱۵﴾ اور عمدہ بچھونے بچھے ہوں گے ﴿۱۶﴾ کیا وہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے (۶) کہ وہ کیسی عجیب شکل میں پیدا کئے گئے ہیں ﴿۱۷﴾ اور وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح اوپر اٹھادیا گیا ہے ﴿۱۸﴾ اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ہیں ﴿۱۹﴾ اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح بچھادی گئی ہے ﴿۲۰﴾

اور انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا۔ سورۃ الکہف آیت (۲۹) میں آیا ہے: ﴿وَإِنْ يَسْتَفِئِفُوا أَيُّعَاثُوا بِنَاءِ عَاكَلْمُهَلِّ يَسْتَنُوِي الْمَوْجُوهُ﴾ ”اگر وہ فریادری چاہیں گے تو ان کی فریادری ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلمچٹ جیسا ہوگا جو چہروں کو بھون ڈالے گا“۔

اور ان کا کھانا ایک کانٹے دار درخت کا خشک پھل ہوگا جو نہایت بدبودار، نہایت بد شکل، نہایت بد مزہ اور نہایت زہریلا ہوگا، جسے عرب والے "شبرقی" اور اہل حجاز "ضریع" کہتے ہیں، جسے اونٹ بھی نہیں کھاتا ہے، اور جس سے نہ ان کے جسم فرہ ہوں گے اور نہ ہی ان کی بھوک ہی ختم ہوگی۔

(۳) اُس دن خوش قسمت اہل جنت کے چہرے اللہ کی گونا گوں نعمتوں کے زیر اثر شاداب اور دکتے ہوئے ہوں گے، اور دنیا کی زندگی میں انہوں نے جو نیک اعمال کئے ہوں گے، اور حصولِ رضائے الہی کے لئے انہوں نے وہاں جو جدوجہد کی ہوگی، اُسے یاد کر کے وہ نہایت شاداں و فرحاں ہوں گے، اور اپنے رب کی بنائی ہوئی بلند و بالا جنتوں میں آرام کریں گے، اور وہاں وہ کوئی فضول اور لغو بات نہیں سنیں گے جس سے ان کی راحت و آسائش متاثر ہو، بلکہ ہمہ وقت ان کے کانوں تک اہل جنت اور فرشتوں کی اچھی باتیں، اللہ کی نعمتوں کا ذکر، اور اللہ کی یاد کے لئے استعمال شدہ پاکیزہ الفاظ و کلمات پہنچتے رہیں گے۔

(۵) جنت میں ایسی نہریں ہوں گی جنہیں اہل جنت اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جہاں اور جب چاہیں گے جاری کر لیا کریں گے۔ اور وہاں اہل جنت کے لئے اونچے عالی شان بستریں ہوں گے، جن پر لیٹے ہوئے وہ جنت کی دیگر تمام نعمتوں کا نظارہ کرتے رہیں گے، اور ان کے سامنے سونے اور چاندی کے پیالے ہوں گے جو انواع و اقسام کی لذیذ شرابوں سے بھرے ہوں گے، اور ریشم و دیباچ کے بنے نئے نئے بستروں اور رہائش کی جگہوں پر قطار در قطار لگے ہوں گے، جن پر وہ جب چاہیں گے ٹیک لگا کر آرام کریں گے، اور ہر طرف بیش بہا قالینیں چبھی ہوں گی۔

مذکورہ بالا آیتوں میں جنت اور اس کی نعمتوں کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے، تاکہ اللہ کے بندے انہیں پانے کے لئے دنیا میں مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے خالق سے جا ملیں۔

(۶) مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی دعوتِ توحید اور عقیدہ بعثت بعد الموت کا انکار کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ أَسْتَأْذِنُكُمْ بِمُضَيِّطٍ ۚ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكُفِرَ ۚ فَيَعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۚ إِنَّ
إِلَيْنَا آيَاتُهُمْ ۚ ثُمَّ إِنَّا عَكَبْنَا حِسَابَهُمْ ۚ

پس آپ دعوت و تبلیغ (۷) کا کام کرتے رہئے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں ﴿۲۱﴾ آپ لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں ہیں ﴿۲۲﴾ مگر جو شخص منہ پھیرے گا اور کفر کی راہ اختیار کرے گا ﴿۲۳﴾ تو اللہ اسے سب سے بڑا عذاب دے گا ﴿۲۴﴾ بے شک انہیں ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے ﴿۲۵﴾ پھر ہمیں ہی ان کا حساب لینا ہے ﴿۲۶﴾

اپنی بعض مخلوقات کا ذکر کر کے انہی مشرکین کو دعوت و فکر و نظردی ہے اور کہا ہے کہ جو باری تعالیٰ ان مخلوقات کی تخلیق پر قادر ہے وہ قیامت کے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر یقیناً قادر ہے، اور بلاشبہ وہی تنہا معبود برحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ بعث بعد الموت اور جنت و جہنم کے منکر ہیں، کیا وہ غور نہیں کرتے کہ اس نے اونٹ کو کیسی عجیب شکل میں پیدا کیا ہے، اور کس طرح اسے انسانوں کے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ اس کا دودھ پیئیں، اس پر سواری کریں، اور اس کا گوشت کھائیں۔

اور کیا وہ لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ اس نے اسے بغیر ظاہری ستونوں کے قائم کر رکھا ہے، اور اسے شمس و قمر اور کواکب کے ذریعہ زینت بخشی ہے۔ اور کیا وہ لوگ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مہیب چٹانوں کی زمین پر میخ گاڑ رکھی ہے، اور کس طرح اس نے زمین کو پھیلا دیا ہے تاکہ اس کے بندے اس پر بسوالت زندگی گزار سکیں، اس پر چل پھر سکیں، بھیتی کر سکیں، مکانات بنا سکیں، اور دیگر امور زندگی کو پورا کر سکیں۔

باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے یہ مظاہر ذی ہوش انسانوں کو اس ایمان و ایقان پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ قادر مطلق گلی سڑی ہڈیوں کو جمع کر کے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

(۷) ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ان کی ذمہ داری یاد دلائی ہے کہ آپ کا کام محض تبلیغ و دعوت ہے، اسے آپ پورا کرتے رہئے، کسی کو ایمان لانے اور راہ راست اختیار کرنے پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حق آیت (۳۵) میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرْنَا الْقُرْآنَ مِنْ خِيفَةٍ وَعَيْدٍ﴾ "اور آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں، پس آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو سمجھاتے رہئے جو میرے وعید سے ڈرتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کی دعوت توحید جسے پہنچ گئی، اور اس نے اسے قبول نہیں کیا، بلکہ کفر و سرکشی کی راہ اختیار کی، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آیت (۲۳) میں دھمکی دی ہے کہ ہم انہیں قیامت کے دن شدید عذاب میں مبتلا کریں گے، اور ہم سے بھاگ کر وہ کہیں نہیں جاسکتے، موت کے بعد انہیں بہر حال ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ اس دن ہم دنیا میں ان کے کئے کا ان سے حساب لیں گے، اور اس کا انہیں بدلہ چکائیں گے۔ "إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا وَإِنْ شَرًّا فَشَرًّا" جس نے اچھے اعمال کئے ہوں گے اسے ہم اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کر دیں گے، اور جس نے کفر و شرک کی راہ اختیار کی ہوگی اور گناہوں کا انبار لئے ہمارے حضور آئے گا، اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے۔ وباللہ التوفیق۔



وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالنَّيْلِ إِذَا يَسِرُّ

سورۃ الفجر مکی ہے، اس میں تیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
فجر کے وقت کی قسم (۱) ﴿۱﴾ اور (ذی الحجہ کی ابتدائی) دس راتوں کی قسم ﴿۲﴾ اور ہر جوڑے اور فرد مخلوق کی
قسم ﴿۳﴾ اور رات کی قسم جب وہ گذر رہی ہوتی ہے ﴿۴﴾

تفسیر سورۃ الفجر

نام: پہلی آیت میں حرف قسم "و" کے بعد کلمہ "الفجر" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ
"والفجر" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ابتدائی چار آیتوں میں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پہلی چیز "فجر" ہے، جس سے مراد اکثر لوگوں کے نزدیک
ہردن کی فجر کا وقت ہے۔ قتادہ نے اس سے محرم کی پہلی تاریخ مراد لی ہے، مجاہد نے قربانی کا دن، اور ضحاک نے ذی الحجہ کا پہلا دن
مراد لیا ہے۔

دوسری چیز "دس راتیں" ہیں۔ ضحاک نے اس سے رمضان کے آخری دس دن، اور بعض نے اس سے محرم کے ابتدائی
دس دن مراد لئے ہیں، لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے ذی الحجہ کے دس ابتدائی دن مراد ہیں۔ بخاری و مسلم اور ترمذی
وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کوئی ایام ایسے نہیں جن میں نیک عمل کرنا اللہ کے نزدیک ذی الحجہ کے دس
ابتدائی ایام سے زیادہ محبوب ہو۔

تیسری چیز "شفع" اور "وتر" ہے۔ شوکانی نے اس کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، اور کہا ہے کہ
ان میں سے اکثر اقوال کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ کلام عرب میں ان سے جو مراد ہے، اسے ہی اختیار کیا
جائے۔ اور عربی زبان میں "شفع" جوڑے کو، اور "وتر" فرد کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے آیت میں "شفع" اور "وتر" سے
وہ تمام مخلوقات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جوڑا یا فرد پیدا کیا ہے۔

مجاہد اور عطیہ عوفی نے ﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ سے مخلوق اور خالق مراد لیا ہے، اور کہا ہے کہ اللہ نے ہر مخلوق کو جوڑا
پیدا کیا ہے۔ سورۃ الذاریات آیت (۳۹) میں آیا ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ جَعَلْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ "ہم نے ہر
چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے، تاکہ تم عبرت حاصل کرو"۔ آسمان وزمین، بحر و بر، جن و انس، شمس و قمر، کفر و ایمان، سعادت و شقاوت،
ہدایت و ضلالت اور لیل و نہار، سب جوڑے ہیں۔

اور "وتر" اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو ایک اور تھا کے معنی میں ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنی ذات اور اپنی مخلوق کی

هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حُجْرٍ ۗ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۗ ﴿١﴾ إِرْمَادَاتِ الْعِمَادِ ۗ الَّتِي لَمْ يُخَلِّقْ مِثْلَهَا فِي الْعَالَمِ ۗ ﴿٢﴾
 کیا عقل (۲) والے کے لئے اس میں کوئی (بڑی) قسم ہے؟ ﴿۱﴾ اے میرے نبی! آپ نے دیکھا (۳) نہیں کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا سربارتاؤ کیا ﴿۱﴾ یعنی قوم ارم کے ساتھ جو قوت اور دراز قد والے تھے ﴿۱﴾ جن کے جیسے ملکوں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے ﴿۸﴾

قسم کھائی ہے۔

چوتھی چیز ”رات“ ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم کھائی ہے، جو چلتی رہتی ہے یہاں تک کہ گذر جاتی ہے، اور پھر لوٹ کر آتی ہے۔ رات اور دن کی یہ گردش اللہ تعالیٰ کے کمالی قدرت پر دلالت کرتی ہے، اور بندوں کو ان عظیم نعمتوں کی یاد دلاتی ہے جو اس گردش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً دن میں آدمی تلاش معاش میں سرگرداں رہتا ہے، اور جب رات آتی ہے تو نیند کی گود میں چلا جاتا ہے اور اس کی ساری تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مذکور بالا قسموں کا جواب قسم محذوف ہے، یعنی مذکورہ بالا چیزوں کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

(۲) اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے مذکورہ بالا قسموں کی عظمت کا احساس دلایا ہے، اور کہا ہے کہ جو بھی صاحب عقل آدمی ہو گا وہ جان لے گا کہ یہ عظیم قسم ہے، اور جس بعث بعد الموت کی یقین دہانی کے لئے یہ قسم کھائی گئی ہے، اس کی آمد میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے کفار و مشرکین کو ڈرانے کے لئے قرآن کریم میں بارہا گزشتہ کافر قوموں کی سرکشی اور پھر ان کے انجام بد کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات سے بھی مقصود کفار قریش کو خوف دلانا ہے کہ اگر تم بھی اپنے کفر و عناد پر اصرار کرو گے تو بعید نہیں کہ تمہارا انجام بھی عاود ثمود جیسا ہو۔

ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ کیا آپ نے قرآن کریم میں مذکور تاریخی جھروکوں سے جھانک کر دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے قوم عاد کا کیا حال بنایا، جن کا لقب ”إرم“ تھا، اور جن کے اجسام بہت لمبے ہوتے تھے، اور جنہیں اللہ نے بڑا قوی اور تو مند بنایا تھا، اور جن کے گھروں کے ستون ان کے اجسام کے طویل ہونے کے سبب خمیوں کے ستونوں کے مانند لمبے ہوتے تھے۔ بعض مفسرین نے ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ وہ لوگ خیمہ زن مسافروں کی طرح ہریالی والی جگہوں کی تلاش میں رہتے تھے، اور جہاں ایسی جگہ مل جاتی وہیں خیمہ زن ہو جاتے تھے، اور باقی ایام میں اپنے اصلی مقام ”أحقاف“ میں واپس آ جاتے تھے جو حضرموت میں واقع تھا۔

بہر کیف وہ لوگ جسمانی قوت و جبروت میں دوسری قوموں سے بہت بڑھے ہوئے تھے، اور عزت و شرف میں بھی اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے، اور کبر و نخوت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جب ہو علیہ السلام کو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کیا تو انہوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرایا اور کفر کی راہ اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حم السجود آیت (۱۵) میں ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿فَمَا عَادَانَا سَتَكْبَرُونَ﴾
 الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ﴿۸﴾ ”عاد نے بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے

وَتَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَةَ بِالْوَادِ ۖ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۗ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۗ فَاكْثُرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۗ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَهَ الْوَاصِدُ ۗ

اور قوم ثمود^(۳) کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جنہوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا تھا ﴿۹﴾ اور میمون والے فرعون^(۵) کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ﴿۱۰﴾ جو ملکوں میں سرکش ہو گئے تھے ﴿۱۱﴾ اور ان میں بہت فساد پھیلارکھا تھا ﴿۱۲﴾ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ﴿۱۳﴾ بے شک آپ کا رب گھات^(۶) میں ہے ﴿۱۴﴾

زور آور کون ہے۔ ”کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت ہی زیادہ زور آور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت تیز و تند بادِ صرصر کے ذریعہ انہیں ہلاک کر دیا، اور دنیا سے ان کا وجود ختم کر دیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور میرے نبی! آپ نے قوم ثمود کا حال نہیں دیکھا، جنہیں ہم نے براہی قوی بنایا تھا، جو پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر مکانات بناتے تھے۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہم نے صالح کو نبی بنا کر مبعوث کیا۔ انہوں نے انہیں اللہ کی طرف بلایا، اور ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے ان کی دعوت کو حید و ایمان کا انکار کر دیا۔ چنانچہ انجام کار ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔

قوم ثمود کے لوگ ”اصحابِ حجر“ کہلاتے ہیں، ان کا علاقہ مدینہ منورہ کے شمال میں ”مدائن صالح“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، یہ لوگ بہت ہی قوی الاجسام تھے، اور چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بنایا کرتے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے ایک ہزار سات سو شہر تھے، سب کے سب پتھروں کے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں سورۃ الشعراء آیت (۱۴۹) میں فرمایا ہے: ﴿وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ﴾ ”اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پُر تکلف مکانات بنا رہے ہو۔“ اور سورۃ الحجر آیت (۸۲) میں فرمایا ہے: ﴿وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمْنِينَ﴾ ”یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے، بے خوف ہو کر۔“

(۵) اللہ نے فرمایا: اور میرے نبی! آپ نے فرعون کا حال نہیں دیکھا جس نے سرزمین میں سرکشی کی اور اللہ کے بندوں کو قتل کیا اور انہیں نوع بہ نوع عذاب سے دوچار کیا، جو شخص اس کی نافرمانی کرتا اور اسے وہ قتل کرنا چاہتا اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں لوہے کی کھونٹیاں ٹھوکی دیتا تھا اور پھر اسے قتل کر دیتا تھا۔ جب اس کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی اور اس کے خلاف حجت تمام ہو گئی تو اللہ نے اسے سمندر میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے اسے دنیا میں جو سخت عذاب دیا، وہ آخرت کے عذاب کے مقابلے میں ایک کوڑے کی مانند تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے اشارہ اس عذاب کی سختی کی طرف ہے جو اللہ نے اس پر نازل کیا تھا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کا رب ہر کافر و سرکش اور ظالم و جابر کے گھات میں بیٹھا ہوا ہے، ان کے اعمال بد کو اکٹھا کر رہا ہے، تاکہ انہیں دنیا میں سزا دے اور آخرت میں انہیں جہنم رسید کرے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مقصود بندوں کو اس کتابِ معاصی سے ڈرانا اور انہیں طاعت و بندگی کی رغبت دلانی ہے۔ اور یہ بات آیت سے بالکل واضح ہے۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۲﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تَشْكُرُونَ ﴿۳﴾ وَلَا تَمْشُؤْنَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ ﴿۴﴾ وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لِّئَلَّا تُؤْخَبُونَ لِمَا لَمْ يَخْبَأْ جَنَّاثُ ﴿۵﴾

لیکن انسان کو جب اس کا رب آزماتا (۴) ہے، پس اسے عزت دیتا ہے اور اسے نعمت سے نوازتا ہے، تو کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا ہے ﴿۱﴾ اور جب اس کو آزماتا ہے پس اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے، میرے رب نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے ﴿۲﴾ ہرگز نہیں (۸) بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو ﴿۳﴾ اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں ابھارتے ہو ﴿۴﴾ اور وراثت کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ﴿۵﴾ اور تم لوگ مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو ﴿۶﴾

(۷) لیکن اکثر و بیشتر لوگوں کی نگاہوں میں دنیا ہی سب کچھ ہوتی ہے، اور آخرت سے یکسر غافل ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ جب انہیں مال و جائداد دے کر آزماتا ہے، تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے قول و عمل کے ذریعہ رب العالمین کا شکر ادا کریں اور اس کے لئے تواضع اور انکساری میں جھک جائیں، خوشی میں آپے سے باہر نکل جاتے ہیں، اور اترانے لگتے ہیں، اور لوگوں سے کہنے لگتے ہیں کہ ہم اللہ کے نزدیک باعزت ہیں جیسی تو اس نے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا ہے۔ انہیں یہ بات سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ رب العالمین انہیں آزماتا ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں بطور آزمائش فقر و فاقہ سے دوچار کر دیتا ہے، تو فوراً شکوہ کرنے لگتے ہیں کہ اللہ نے محتاجی میں مبتلا کر کے ہمیں ذلیل و رسوا کر دیا۔

دولت و مالداری اور فقر و محتاجی دونوں ہی حالتوں میں ان کی سوچ مریض اور ان کی فکر کج ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت دی تو اس لئے کہ وہ اس کے شکر گزار بنیں اور محتاجی میں مبتلا کیا تو اس لئے کہ وہ اللہ کی اس تقدیر پر راضی رہیں، صبر کریں، اور تنگدستی کے باوجود حرام ذرائع سے روزی حاصل کرنے کی نہ سوچیں۔

(۸) اوپر جو بات کہی گئی ہے کہ دونوں ہی حالتوں میں ان کی تفکر صحیح نہیں ہوتی، اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں لفظ "کلا" سے اشارہ کیا گیا ہے، یعنی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کو ہم نے دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے وہ ہمارا چہیتا ہے، اور ہر وہ آدمی جس پر ہم نے روزی کا دروازہ تنگ کر دیا ہے، اسے ہم نے ذلیل کر دیا ہے۔ بلکہ دونوں ہی حالتوں سے مقصود بندوں کو آزمانا ہے کہ کون شاکر و صابر ہوتا ہے اور کون ناشکر گزار اور بے صبر ہوتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہی انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری فکر و نظر کی جو خرابی اوپر بیان کی گئی ہے، اس سے بڑھ کر قبیح تمہارا یہ عمل ہے کہ تمہیں اپنی ذات سے بالاتر ہو کر دوسروں کے لئے بھلائی سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ تمہاری خود غرضی، مادہ پرستی اور حسد نفس کا عالم یہ ہے کہ تم یتیموں کا بالکل خیال نہیں کرتے، انہیں تم اپنا مال کیا دو گے کہ ان کا مال بھی کھا جاتے ہو، اور غایت درجہ کے بخل اور حب دنیا کی وجہ سے فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کی تم ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دلاتے ہو، اور وارث بچوں اور عورتوں کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر پورا ہڑپ جاتے ہو اور ذکر بھی نہیں لیتے ہو۔ ابن زید کا

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكَّادًا ۖ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا ۖ وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ
الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۗ يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۖ

ہرگز نہیں (۹) جب زمین کوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی جائے گی ﴿۲۱﴾ اور آپ کا رب آئے گا، اور فرشتے صف باندھے ہوں گے ﴿۲۲﴾ اور اُس دن جہنم سامنے لائی جائے گی، اُس دن آدمی نصیحت حاصل کرے گا، اور تب نصیحت اسے کیا فائدہ پہنچائے گی ﴿۲۳﴾ وہ کہے گا، اے کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لئے نیک اعمال پہلے بھیج دیا ہوتا ﴿۲۴﴾

قول ہے کہ کفار قریش عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت کا حصہ نہیں دیتے تھے۔ پھر انہوں نے سورۃ النساء آیت (۱۲۷) پڑھی ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي نِسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كَتَبَ لَهُنَّ وَتَوَعَّبُونَ أَن تَنْكُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ﴾ ”آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے، اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو، اور کمزور بچوں کے بارے میں“۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ تم مال سے شدید محبت کرتے ہو، اسی لئے تو اسے تجوریوں میں تہ بہ تہ جما کر رکھتے ہو، اور غریبوں، یتیموں اور بے کسوں پر خرچ نہیں کرتے ہو۔

(۹) ابن آدم کی جو حالت اوپر بیان کی گئی ہے، اس پر تکبیر کی گئی ہے کہ اسے اپنے رب کا احسان فراموش، ناشکر گزار بندہ اور جزع فزع کرنے والا نہیں ہونا چاہئے، نہ ہی اسے یتیموں کا مال ہڑپ جانا چاہئے، اور نہ غایت درجہ بخیل اور مال سے شدید محبت کرنے والا ہونا چاہئے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ ”كَلَّا“ کے ذریعہ اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ان مذموم صفات کے ساتھ متصف ہو گا وہ روز قیامت کف افسوس طے گا جبکہ ایسا کرنا اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ فرمایا گیا کہ جب زمین پوری شدت کے ساتھ اس طرح ہلا دی جائے گی کہ اس پر موجود پہاڑ پاش پاش ہو جائیں گے، اور اس کی سطح برابر ہو جائے گی، اور رب العالمین اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے سامنے آجائے گا، اور ظہور قیامت میں اونٹی سا بھی شبہ باقی نہیں رہے گا، اور آسمانوں پر موجود تمام فرشتے اپنے رب کے سامنے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ قطار در قطار کھڑے ہو جائیں گے، اور اس دن فرشتے جہنم کو زنجیروں کے ذریعہ کھینچ کر مخلوق کے سامنے لائیں گے، اسے سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اور کافر کو یقین ہو جائے گا کہ یہی اس کا ٹھکانا ہے۔ سورۃ النازعات آیت (۳۹) میں گزر چکا ہے: ﴿وَبُورَاتِ النَّجْمِ لِمَنْ يَدَىٰ﴾ ”اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی“۔

اس دن ہر آدمی دنیا میں کی گئی کوتاہیوں کو یاد کرے گا، اور اپنے رب کی طاعت و بندگی اور اعمالی صالحہ میں سستی اور تقصیر کو سوچ سوچ کر حسرت و ندامت میں ڈوبا جائے گا، اور اپنے آپ سے کہے گا، اے کاش! میں نے اپنی اس آخرت کی زندگی کے لئے

فِيَوْمِذَٰلِكَ عَذَابُ أَحَدٌ ۖ وَلَا يُوثِقُ وَنَاقَةُ أَحَدٌ ۖ يُأَيِّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۗ اٰرْجِعِيْ اِلَىٰ رَبِّكَ
رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً ۗ فَاَدْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ۗ وَاَدْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۗ



پس اُس دن کوئی شخص اللہ کے عذاب (۱۰) جیسا عذاب نہیں دے گا ﴿۲۵﴾ اور کوئی شخص اس کے باندھنے جیسا نہیں باندھے گا ﴿۲۶﴾ اے (ایمان کی وجہ سے) مطمئن جان (۱۱) ﴿۲۷﴾ تو اپنے رب کے پاس لوٹ چل در انحالیکہ تو اس سے راضی ہے، اس کے نزدیک پسندیدہ ہے ﴿۲۸﴾ پس تو میرے مقبول بندوں میں شامل ہو جا ﴿۲۹﴾ اور میری جنت میں داخل ہو جا ﴿۳۰﴾

سورۃ البلد کی ہے، اس میں بیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

دنیا میں اچھے کام کئے ہوتے، لیکن ان حسرتوں اور ندامتوں کا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اسی بات کو سورۃ الفرقان آیات (۲۸/۲۷) میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيِّنُنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۗ وَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْتَبِي لِمَ اتَّخَذْنَا خَلِيلًا ۗ﴾ "اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چاچا کر کے کہے گا، ہائے کاش! میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی، ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔"

(۱۰) قیامت کے دن اہل کفر کے لئے عذاب اور قید و بند کی سختی بیان کی گئی ہے کہ اس دن اللہ جل جلالہ انہیں ایسا سخت عذاب دے گا جس کی نظیر انہوں نے دنیا میں نہیں دیکھی ہوگی، اور انہیں آگ کی زنجیروں کے ذریعہ باندھ کر چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا، اور وہ دائمی طور پر اسی حال میں رہیں گے۔

(۱۱) اور جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کیا ہوگا، ان کا انجام اُس دن اچھا ہوگا، انہیں رب العالمین آواز دے گا اور کہے گا کہ اے وہ پاکیزہ روح جس نے دنیا میں اپنے رب کو یاد کیا، اس سے محبت کی، اور اس کی طاعت و بندگی کے ذریعہ سکون و اطمینان حاصل کیا، تو آج اس کے جوار میں چلی جا، در انحالیکہ تو اس کی عطا کردہ نعمتوں سے راضی رہے، اور وہ اب تجھ سے ہمیشہ کے لئے راضی ہو گیا۔

اے پاکیزہ روح! تو آج میرے ان بندوں میں شامل ہو جا جنہیں نہ کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ کوئی محن و ملال، اور تو ان کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بات ان سے موت کے وقت اور قیامت کے دن کہی جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورۃ البلد

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "البلد" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۖ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۖ وَالْوَالِدُ وَمَا وَلَدٌ ۚ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَبٍ ۚ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْكَ أَحَدٌ ۚ يَقُولُ أَهْلَكُمَا مَا لَأُبْدَأُ ۚ أَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَرِكْ أَحَدٌ ۚ

میں اس شہر (مکہ) کی قسم (۱) کھاتا ہوں ﴿۱﴾ درانحالیکہ آپ اس شہر میں اقامت پذیر ہیں ﴿۲﴾ اور میں قسم کھاتا ہوں ہر باپ (۲) اور ہر اولاد کی ﴿۳﴾ بے شک ہم نے آدمی کو مشقت و مصیبت (۳) کے لئے پیدا کیا ہے ﴿۳﴾ کیا وہ گمان کرتا ہے کہ کوئی اس پر قدرت نہیں رکھتا ہے ﴿۵﴾ وہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سارا مال خرچ کر ڈالا ﴿۶﴾ کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے دیکھا نہیں ہے ﴿۷﴾

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ سورہ ﴿لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) متعدد گذشتہ آیتوں میں "لَا أَقْسِمُ" کی تفسیر گزر چکی ہے، اور بتایا جا چکا ہے کہ لفظ "لا" "زائد ہے۔ اور یہاں "البلد" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور قسم کو اس حال کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس شہر میں موجود ہیں، جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ مکہ کی قسم اس لئے کھائی جا رہی ہے کہ آپ وہاں موجود ہیں، یعنی آپ کا وہاں رہنا مکہ کے لئے باعث شرف ہے، لیکن اس حقیقت کو اہل مکہ نے نہیں سمجھا، اور آپ کو وہاں سے نکال دینے کا فیصلہ کیا۔

بعض نے ﴿وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ کا معنی اہل مکہ کے حال پر اظہار تعجب بیان کیا ہے کہ جس شہر میں کبوتر کا شکار حلال نہیں وہاں نبی کریم ﷺ کا احترام نہیں کیا جا رہا ہے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کو فتح و کامرانی کی خوشخبری دی گئی ہے کہ عنقریب یہاں آپ بحیثیت فاتح داخل ہوں گے اور مشرکین میں سے کچھ کو قتل کریں گے اور کچھ کو قید کر لیں گے۔ اور یہ استثنائی حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، مکہ مکرمہ نہ آپ سے پہلے کسی کے لئے حلال بنایا گیا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔

امام بخاری نے کتاب المغازی میں مجاہد سے روایت کی کہ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہو اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، اور میرے لئے بھی دن کی صرف ایک گھڑی کے لئے حلال بنایا گیا۔" ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اسی گھڑی میں ابن حنظل کو قتل کیا گیا درانحالیکہ وہ کعبہ کی چادر پکڑے لٹکا ہوا تھا۔

(۲) ﴿وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدٌ﴾ کا عطف ﴿هَذَا الْبَلَدِ﴾ پر ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد آدم اور ان کی ذریت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ابراہیم اور ان کی ذریت ہے۔ ابن جریر کے نزدیک اس سے مراد والد و مولود ہے، اس لئے کہ آدم یا ابراہیم کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

(۳) ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَبٍ﴾ گذشتہ قسم کا جواب قسم ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ جب سے آدمی بصورت حمل اپنی ماں کے پیٹ میں قرار پاتا ہے، مختلف قسم کی تکلیفیں اٹھاتا رہتا ہے، پیدائش کے بعد دنیا میں، پھر برزخ میں پھر یوم حساب۔ اس لئے عقل و ہوش کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں ایسا نیک عمل کرے جس کے ذریعہ آخرت میں اس کے لئے ان شدا کا خاتمہ ہو جائے اور دائمی فرحت و شادمانی والی جنت میں جگہ مل جائے۔

دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے آدمی کو بہت ہی اچھی شکل و ہیبت میں بنایا ہے اور اسے ہاتھ پاؤں اور دیگر جسمانی

اَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۗ وَهَدَيْنَا لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ۗ فَاِذَا اَقْبَمَ الْعُقَبَةَ ۙ وَاٰذْرَاكَ مَا الْعُقَبَةُ ۙ
فَاِنَّ رُبَّمَا ۙ اَوْ اٰطَعَمُوْا فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ يَتِيْمًا اِذَا مَقْرَبَةٌ ۙ اَوْ مَسْكِيْنًا اِذَا مَثْرَبَةٌ ۙ

کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں (۴) نہیں بنائی ہیں ﴿۸﴾ اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے ہیں ﴿۹﴾ اور ہم نے اس کو دونوں راستے دکھادیئے ﴿۱۰﴾ پس وہ دشوار گزار گھائی میں داخل نہیں ہوا ﴿۱۱﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھائی (۵) کیا ہے ﴿۱۲﴾ کسی گردن کو آزاد کرانا ہے ﴿۱۳﴾ یا کسی فاقے کے دن کھانا کھلانا ہے ﴿۱۴﴾ کسی رشتہ دار یتیم کو ﴿۱۵﴾ یا مٹی میں پڑے کسی مسکین کو ﴿۱۶﴾

اعضاء کو حرکت دینے کی پوری صلاحیت دی ہے، اور مشکل ترین کاموں کو انجام دینے کی اسے قدرت دی ہے۔ ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ کا شکر گزار بندہ بنتا، لیکن اس کے برعکس وہ کبر و غرور، اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ اب وہ ہمیشہ ایک حال پر باقی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَيْحَسِبْ اَنْ لَّنْ يَفْعَدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴾ یعنی وہ اپنے دل کی بیماری اور اس کی قسامت کی وجہ سے سمجھے لگا کہ قیامت نہیں آئے گی اور کوئی ذات اسے مغلوب کرنے پر قادر نہیں ہے، اور بطور فخر و مباہات لوگوں سے کہنے لگا کہ میں نے تو اپنی شہوتوں کی تسکین پر لاکھوں اور کروڑوں خرچ کر دیا ہے۔ اور وہ یہ بھی گمان کر بیٹھا کہ اللہ اسے نہیں دیکھ رہا ہے اور ہر چھوٹے اور بڑے گناہ پر اس کا محاسبہ نہیں کرے گا۔

یہ اس کی خام خیالی ہے، قیامت ضرور آئے گی، اور رب ذوالجلال ہر چیز پر غالب ہے، اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا، وہ قیامت کے دن اس کے ایک ایک عمل کا حساب لے گا، اور جس دولت کو اپنی شہوتوں کی تسکین کے لئے پانی کی طرح بہاتا تھا، اس پر ضرور اس کا مواخذہ کرے گا۔ اس دن کوئی بھی اس سے راہ فرار نہیں اختیار کر سکے گا۔

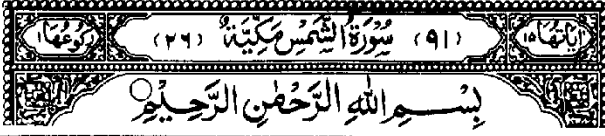
(۳) باری تعالیٰ نے حضرت انسان کو باور کرانا چاہا ہے کہ وہ یقیناً نہیں دوبارہ زندہ کرنے اور ان کا حساب لینے پر قادر ہے، وہ تو وہ ہے جس نے اسے بے شمار بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے، اس نے اسے دو آنکھیں دی ہیں جن کے ذریعہ وہ دیکھتا ہے، اور زبان اور دو ہونٹ دیئے ہیں جنہیں حرکت دے کر وہ بولتا ہے، اور جن کے ذریعہ وہ اپنے منہ کا اندرونی حصہ اور دانتوں کو چھپاتا ہے، تاکہ اس کی شکل و صورت اچھی لگے۔

اور آخرت کی کامیابی کے لئے اس نے اسے خیر و شر دونوں راہیں دکھادی ہیں، اور ان میں سے ایک راہ کو اختیار کرنے کی صلاحیت دے دی ہے۔

ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے رب کا شکر گزار بندہ بنتا، اور انہیں ارتکابِ معاصی کے لئے استعمال نہ کرتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا رہا، اور نیکی و تقویٰ کی دشوار گزار راہ پر چل کر منزل کو پانے کی کوشش نہیں کی، یعنی نفس اور شیطان کی نافرمانی کر کے اللہ کی طاعت و بندگی میں نہیں لگا اور اس راہ کی کٹھنائیوں سے کتر اتار رہا، اور حصولِ جنت کی کوشش نہیں کی۔

(۵) اس گھائی اور دشوار گزار راہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی کہ وہ کسی کی گردن سے طوقِ غلامی اتار چیکنے میں مدد کرنی ہے، یعنی اسے خرید کر آزاد کروینا، یا جزدوی طور پر اس کام میں اس کی مدد کرنا ہے۔ اسی ضمن میں کافروں کے ہاتھ سے مسلمان قیدی کا آزاد

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالضَّرِّ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَا بَلِيغَتَا هُمَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۗ عَلَيْهِمُ نَارُ نُورٍ ۗ



پھر وہ اُن میں سے ہو جو ایمان (۱) لائے، اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (راہِ حق میں) صبر کی نصیحت کی، اور رحم دلی کی نصیحت کی ﴿۱۷﴾ وہی لوگ (روزِ قیامت) دائیں طرف والے ہوں گے ﴿۱۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (۲) وہی لوگ بائیں طرف والے (بد نصیب) ہوں گے ﴿۱۹﴾ اُن کے اوپر آگ ہوگی جس کے تمام راستے باہر سے بند کر دیئے جائیں گے ﴿۲۰﴾

سورة الشمس کی ہے، اس میں پندرہ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کرانا بھی آتا ہے۔

یاجب لوگ سخت تخط سالی میں مبتلا ہوں، شدید بھوک سے دوچار ہوں اور غذا کے بغیر لوگوں کی جانیں ہلاک ہو رہی ہوں، اُس وقت کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی نہایت غریب و نادار کو کھانا کھلانا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ داد و دہش اور دیگر مالی تعاون و مدد میں رشتہ دار محتاجوں کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے۔

(۶) جنت کی راہ میں واقع دشوار گھاٹی کو عبور کرنے کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ وہ طالبانِ جنت اللہ پر دل سے ایمان لاتے ہیں اور اپنے اعضاء و جوارح کے ذریعہ عمل صالح کرتے ہیں، اور اللہ کی بندگی اور دعوتِ الی اللہ کی راہ میں انہیں جو صعوبتیں لاحق ہوتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں، اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و رحمت کی نصیحت کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح آیت (۲۹) میں صحابہ کرام کی تعریف میں فرمایا ہے: ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ ”وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں“۔

جو لوگ مذکورہ بالا پانچوں باتوں پر عمل پیرا ہوں گے، وہی گھاٹی عبور کر جائیں گے، جہنم سے نجات پا جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(۷) اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کریں گے، نہ ایمان لائیں گے، اور نہ عمل صالح کریں گے، اور جذبہ رحمت سے محروم ہونے کے باعث نہ اللہ کے بندوں پر رحم کریں گے، وہ بد بختوں میں سے ہوں گے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں ان کے داخل ہو جانے کے بعد اس کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے جائیں گے۔ اس سے کبھی نہیں نکل پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے کمزور و ناتواں جسموں پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے۔ آمین۔

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۖ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۖ وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا ۖ وَاللَّيْلُ إِذَا غَشَّهَا ۖ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ۖ وَالْأَرْضُ وَمَا
كُتِبَ عَلَيْهَا ۖ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۖ فَالْهَمَّهَا نُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۖ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَزَقَهَا ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۖ

آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم (۱) اور ماہتاب کی قسم جب وہ آفتاب کے بعد نکلتا ہے اور دن کی قسم جب وہ آفتاب کو پورے طور پر ظاہر کر دیتا ہے اور رات کی قسم جب وہ آفتاب کو چھپا دیتی ہے اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا اور روح انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے پیدا کیا پھر اس کی برائی اور اس کی پرہیزگاری کا اسے الہام کر دیا اور یقیناً وہ شخص کامیاب ہو گا جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کیا اور یقیناً وہ شخص گھائے میں پڑ گیا جس نے اسے گناہوں تلے دبا دیا۔

تفسیر سورۃ الشمس

نام: پہلی آیت کا پہلا لفظ "الشمس" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک کی ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن مردودہ نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا﴾ کہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں باری تعالیٰ نے اپنی چند مخلوقات کی قسم کھائی ہے، جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ اور جو اب قسم کے بارے میں علمائے تفسیر کے کئی اقوال آئے ہیں کسی نے "لتبعثن" محذوف مانا ہے، اور مفہوم یہ ہو گا کہ مذکورہ بالا مخلوقات کی قسم! تم لوگ دوبارہ زندہ کر کے ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ اور کسی نے جو اب قسم یہ محذوف مانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دے گا۔ اور زجاج وغیرہ نے آیت (۹) ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَزَقَهَا﴾ کو جو اب قسم مانا ہے، تب مفہوم یہ ہو گا کہ مذکور چیزوں کی قسم، کامیاب و با مراد وہ ہو گا جس نے اپنے نفس کو پاک بنایا، اور خائب و خاسر وہ ہو گا جس نے اسے گناہوں تلے دبا دیا۔ امام شوکانی نے تیسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا: آفتاب کی قسم! اور زمین پر اس کی ضیا باریوں کی قسم! جس کے سبب رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے اور دن نکل آتا ہے۔ اور ماہتاب کی قسم! جب وہ چودہویں رات کو غروب آفتاب کے بعد ماہ کامل بن کر طلوع ہوتا ہے، اور پوری دنیا پر اس کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ اور دن کی قسم جب وہ آفتاب کو پورے طور پر ظاہر کر دیتا ہے، اور تاریکی رخصت ہو جاتی ہے، اور رات کے پردے میں چھپی تمام چیزیں آشکارا ہو جاتی ہیں۔ اور رات کی قسم! جب وہ آفتاب کو چھپا دیتی ہے، یا آفاقی عالم کو یا زمین کو ڈھانک لیتی ہے۔ اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم! ایا آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم جو اپنی فحمت و ضخامت کے سبب اپنے بنانے والے کی عظیم قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ اور زمین اور اس کے بنانے والے کی قسم، یا زمین اور اس کی بناوٹ کی قسم، جسے اللہ نے ہر چہار جانب پھیلا دیا ہے، تاکہ اس کی مخلوقات اس پر زندگی گزار سکیں۔ اور روح انسانی اور اس کے پیدا کرنے والے کی قسم، جس نے اسے بہترین شکل و ہیئت میں پیدا کیا، پھر اس کے لئے خیر و شر کو بیان کر دیا تاکہ نیک عمل کرے اور گناہ سے بچے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ۖ وَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۖ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِهِ فَغُرِقُوا ۖ هَٰؤُلَاءِ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ سُنْبُلٍ أَعْيُنُكُمْ وَأَلْسِنُكُمْ عَلَيْكُمْ ذَلِيلٌ مُّذَمِّمٌ ۖ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّاسِ إِذْ أَنزَلَ فِيهَا سُلْبُ الْبِاقَرِ ۖ وَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۖ قَدْ ضَلَّ لَكُمُ الْبَصِيرُ ﴿١٤٥﴾

ثمود (۲) نے اپنی سرکشی کے سبب (صالح کو یا عذاب کو) جھٹلادیا ﴿۱۴۵﴾ جب ان میں کا بد بخت ترین آدمی اٹھا ﴿۱۴۶﴾ تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا، تم لوگ اللہ کی اونٹنی کو نہ چھیڑو اور پانی پینے کی باری سے اسے نہ روکو ﴿۱۴۷﴾ لیکن انہوں نے ان کو جھٹلادیا اور اس کی کوچیں کاٹ دیں، تو ان کے رب نے ان کے اس گناہ کے سبب انہیں ہلاک کر دیا، اور عذاب کو (سب کے لئے) عام کر دیا ﴿۱۴۸﴾ اور وہ عذاب کے انجام کے سبب کسی سے خائف نہیں ہے ﴿۱۴۹﴾

مذکورہ بالا بھاری قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور جواب قسم فرمایا کہ کامیاب و بامراد وہ انسان ہو گا جو اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرے گا، عمل صالح اور ذکر الہی کے ذریعہ اسے زینت بخشے گا، اور خائب و خاسر وہ ہو گا جو اپنے نفس کو گناہوں کے بوجھ تلے دبا دے گا، چھپا دے گا، اور حصول رضائے الہی کے لئے اسے اوپر اٹھنے نہیں دے گا۔

(۲) کافروں کے خائب و خاسر ہونے کی مثال قوم ثمود کی ہلاکت و بربادی کا قصہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلادیا اور اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اللہ کے عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔
مفسرین لکھتے ہیں کہ ان آیات کریمہ میں مندرجہ ذیل باتیں بتائی گئی ہیں:

۱- گناہوں کا ارتکاب دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا داعی اور سبب ہوتا ہے۔
۲- کفار مکہ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی تکذیب ان کی ہلاکت و تباہی کا سبب بن سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کی تکذیب کے سبب ہلاک کر دیا تھا۔

۳- محمد ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں، اور قریش کی تکذیب کا کوئی معنی اور اعتبار نہیں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بعثت بعد الموت اور قیامت کے دن جزا و سزا کا دلائل سے ثابت ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم پر دلالت کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قوم ثمود نے اللہ کے نبی صالح کو اپنے طفیان اور سرکشی کی وجہ سے جھٹلادیا، یا قوم ثمود نے اس عذاب کو جھٹلادیا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور اس عذاب کو "طغوی" اس لئے کہا گیا کہ وہ سختی میں حد سے متجاوز تھا۔

یہ طفیان و سرکشی یا عذاب کا جھٹلایا جانا اس وقت وقوع پذیر ہوا جب سردارانِ قبیلہ نے اپنے بد بخت ترین آدمی "قدار بن سالف" کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اونٹنی کو ہلاک کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے جب قوم ثمود کی طلب کے مطابق صالح علیہ السلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر پہاڑ سے اونٹنی نکال دی، تو صالح علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی کہ کوئی آدمی اسے ایذا نہ پہنچائے، یہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہے گی جائے گی، اور اپنی باری کے دن کواں سے پانی پئے گی اسے تکلیف پہنچاتا یا اس کی باری کے دن اسے پانی پینے سے روکنا، اللہ کے عذاب کو بلانا ہے۔
لیکن انہوں نے صالح علیہ السلام کی بات نہیں مانی، اور اونٹنی کو ایذا پہنچانے کی صورت میں عذاب کی بات کو جھٹلادیا، اور قدار بن سالف نے ان کے ایماء پر اونٹنی کو قتل کر دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کے سبب پوری قوم کو ہلاک کر دیا، ان میں سے ایک فرد بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُسے ان کی ہلاکت و بربادی کے سبب کسی کا خوف نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سب کا مالک اور سب کا رب ہے، وہ اپنے بندوں پر



وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۖ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۖ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۗ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝

سورة اللیل کی ہے، اس میں اکیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

قسم (۱) ہے رات کی جب وہ (دن کو) ڈھانک لیتی ہے ﴿۱﴾ اور قسم ہے دن کی جب وہ پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے ﴿۲﴾ اور قسم ہے اس اللہ کی جس نے مذکر اور مؤنث کو پیدا کیا ہے ﴿۳﴾ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہوتی ہیں ﴿۴﴾ غالب و قاہر ہے، کوئی نہیں جو اس کے فیصلوں پر اعتراض کر سکے۔

سورة الشعراء آیات (۱۵۵/۱۵۶/۱۵۷/۱۵۸) میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿قَالَ هَذِهِ نَافِثَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ يُومِ عَظِيمٍ ۖ فَعَقَرُوها فَأَصْنَبْحوأ نَادِمِينَ ۖ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ﴾ ”صالح نے کہا: یہ اونٹنی ہے، پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقرر دن کی باری پانی پینے کی تمہاری ہے۔ خبردار اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تمہاری گرفت کر لے گا۔ پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، پس وہ پشیمان ہو گئے، اور عذاب نے انہیں آدو بچا“۔ وباللہ التوفیق۔

تفسیر سورة اللیل

نام: پہلی آیت کا پہلا لفظ "واللیل" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت جمہور کے نزدیک مکی ہے۔ نحاس اور تہمتی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن مردویہ نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ "واللیل إذ ایغشی" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اس سورت کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لیل و نہار اور اپنی ذات کی قسم کھا کر حضرت انسان سے کہا ہے کہ لوگو! تمہارے اعمال مختلف قسم کے ہوتے ہیں، کچھ تو اچھے ہوتے ہیں جو دنیا و آخرت میں تمہاری راحت و سعادت کا سبب بنتے ہیں، اور کچھ ایسے بُرے ہوتے ہیں جو دونوں جہان میں تمہاری شقاوت و بدبختی کا سبب ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ میں باری تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اس حیثیت میں کھائی ہے کہ اس نے مردوزن اور دیگر تمام مذکر و مؤنث کو پیدا کیا ہے، اور اس قسم کی عظمت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام حیوانات کو مذکر و مؤنث بنایا جنہیں دنیا میں باقی رکھنا چاہا، اور ہر دو کے اندر شہوت و دلچسپی کی اور انہیں اتصال و مباشرت کا فطری طریقہ سکھایا، تاکہ ان حیوانات کی نسلیں رہتی دنیا تک باقی رہیں۔ ہر حیوان میں مذکر و مؤنث پیدا کرنا، اور اس نسل کی بقا کے لئے مذکور بالا تدبیر کرنا یقیناً باری تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگو! رات کی قسم جب وہ اپنی تاریکی کے ذریعہ دن کو ڈھانک لیتی ہے، اور دن کی قسم جب وہ پورے

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۖ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۖ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۖ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ۖ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۖ

پس جس نے (اللہ کے لئے اپنا مال) دیا (۲) اور تقویٰ کی راہ اختیار کی ﴿۵۵﴾ اور (اللہ کی طرف سے) اچھے بدلے پر یقین رکھا ﴿۶﴾ تو ہم عنقریب اس کے لئے کار خیر کی راہ کو آسان بنا دیں گے ﴿۷﴾ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے نیازی برتی ﴿۸﴾ اور (اللہ کی طرف سے) اچھے بدلے کو جھٹلایا ﴿۹﴾ تو ہم عنقریب اس کے لئے تنگی کی راہ کو آسان بنا دیں گے ﴿۱۰﴾ اور اس کا مال اس کے کام نہیں آئے گا جب وہ جہنم میں نیچے گرتا چلا جائے گا ﴿۱۱﴾

طور پر ظاہر ہو جاتا ہے، اور اس کی روشنی سارے عالم کو منور کر دیتی ہے، اور اس اللہ کی قسم جس نے تمام مذکورہ مومن کو پیدا کیا ہے، تمہارے اعمال اور تمہاری کوششیں مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ تو نیکیاں ہوتی ہیں جو تمہاری سعادت و نیک نیتی کا سبب بنتی ہیں، اور کچھ گناہ اور معاصی ہوتے ہیں جو تمہاری ہلاکت و بربادی کا سبب ہوتے ہیں۔

سورۃ السجدہ آیت (۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ﴾ ”کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو“۔ اور سورۃ الجاثیہ آیت (۲۱) میں فرمایا ہے: ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ ”کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، کہ ان کا مرنا اور جینا یکساں ہو جائے، برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں“۔

(۲) مومن و کافر، صالح و طالح اور نیک و بد کے انجام میں جو فرق ہے، اور جسے اوپر بیان کیا گیا ہے، اسی کی مزید تشریح کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے مال پر عائد کردہ حقوق کو ادا کیا، زکوٰۃ ادا کی، اللہ کی راہ میں صدقہ کیا اور دیگر خیر کے کاموں میں اسے خرچ کیا، اور تقویٰ کی راہ اختیار کی، اللہ پر ایمان لایا، اس کی بندگی کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا، محرمات و معاصی سے بچتا رہا، اور اس بات پر یقین رکھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی راہ میں مال خرچ کرنے والے کو اس کا عوض اور بدلہ دنیا میں بھی دیتا ہے، جیسا کہ امام بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! تو اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو اس کا عوض اور بدلہ دے دے۔ اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! تو اپنی راہ میں خرچ نہ کرنے والے کا مال ضائع کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں ایسے آدمی کے لئے ان نیک کاموں کو آسان بنا دیتے ہیں جو ہماری رضا اور خوشنودی کا سبب ہوتے ہیں، اور آخرت میں اسے جنت میں داخل کر دیں گے۔

اور جو اپنے مال سے اللہ کے عائد کردہ حقوق کو ادا نہیں کرتا اور صدقہ و خیرات نہیں کرتا، اور اپنے مال و اولاد اور چاہ و حشمت کے نشے میں، نیک اعمال کر کے ہماری قربت حاصل نہیں کرتا، اور اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ ہماری راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کا عوض اور بدلہ ہم دنیا میں بھی دیتے ہیں، تو ہم اسے ان بڑے اعمال کی راہ پر لگا دیتے ہیں جو دنیا میں ہماری ناراضگی کا سبب ہوتے ہیں، اور آخرت میں اسے جہنم میں داخل کر دیں گے۔

آیت (۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بخل کی وجہ سے ہماری راہ میں مال خرچ نہیں کرے گا، طلبِ رضائے الہی کی

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۗ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۚ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۗ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۗ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۗ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۗ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا إِتِنَاءُ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۗ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۗ

بے شک ہماری ذمہ داری (۳) ہے راہ دکھانا ﴿۱۲﴾ اور بے شک آخرت اور دنیا کے مالک ہم ہیں ﴿۱۳﴾ پس لوگو! میں نے تمہیں آگ سے ڈرا دیا ہے جو دکھتی رہے گی ﴿۱۴﴾ اس میں صرف وہ داخل ہوگا جو براہی بد بخت ہوگا ﴿۱۵﴾ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ﴿۱۶﴾ اور اس سے وہ شخص بچا لیا جائے گا جو اللہ سے بڑا ڈرنے والا ہوگا ﴿۱۷﴾ جو شخص اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ اپنے نفس کو پاک کرے ﴿۱۸﴾ اور کسی آدمی کا اس پر کوئی احسان (۳) نہیں ہوتا جس کا بدلہ چکایا جائے ﴿۱۹﴾ مگر وہ اپنے ارفع و اعلیٰ رب کی رضا چاہتا ہے ﴿۲۰﴾ اور وہ عنقریب راضی ہو جائے گا ﴿۲۱﴾

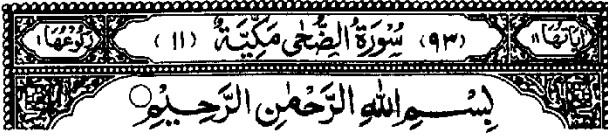
کوشش نہیں کرے گا، اور ہماری راہ میں خرچ کردہ مال کے عوض کا یقین نہیں رکھے گا، جب وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا، اس وقت وہ مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا، اور سر کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا تو راہ حق کی طرف ان کی رہنمائی بھی کی۔ چنانچہ اس نے ابتدائے آفرینش سے انبیاء مبعوث کئے، کتابیں نازل فرمائیں، عقل و خرد سے نوازا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کی قوت عطا کی۔

آیت (۱۳) میں فرمایا کہ آخرت اور دنیا کی تمام چیزوں کا وہی تہما مالک ہے، اور وہی اُن میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے، ساری مخلوق عاجز و درماندہ اور محتاج و فقیر ہے، ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے دنیا و آخرت کی کوئی بھی بھلائی صرف اسی سے مانگی جانی چاہئے، اور طغیان و سرکشی کرنے والے کو اس کے عقاب و عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

اسی لئے آیات (۱۳) سے (۱۸) تک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرانے دے رہا ہوں جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی، کبھی سرد نہیں پڑے گی۔ اور اس میں نہایت بد نصیب آدمی داخل ہوگا جو رب العالمین کے دین حق کی تکذیب کرے گا، اور کفر و عناد کے سبب اس سے روگردانی کرے گا۔ اور اس بھڑکتی آگ سے وہ مرد مومن بچا لیا جائے گا جو اپنے رب سے غایت درجہ ڈرتا ہو از ندگی گزارے گا، اور اپنے نفس کو نخل اور دیگر معاصی سے پاک کرنے کے لئے اپنا مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا رہے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیتیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ بعض نے مفسرین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان نیک لوگوں میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں جن کی صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ اس لئے کہ وہ صدیق تھے، تقی تھے، کریم تھے، اور اپنا مال اپنے رب کی خوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت و تائید کے لئے خرچ کرتے تھے۔ انہوں نے محض اپنے رب کریم کی رضا کی خاطر بہت سارے اموال خرچ کئے، لوگوں کا ان پر کوئی احسان نہیں تھا جسے چکانے کے لئے وہ ایسا کرتے تھے۔ بہت سے سرداران عرب پر بھی ان کے احسانات تھے۔ اسی لئے سردار ثقیف عروہ بن مسعود نے ان سے صلح حدیبیہ کے دن کہا تھا: اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا جس کا بدلہ میں نے تمہیں نہیں چکایا ہے، تو میں تمہاری تلخ باتوں کا جواب ضرور دیتا۔ اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دو جوڑے اللہ کی راہ میں خرچ کئے، اسے جنت کے تمام داروغے



وَالضَّحِيِّ ۝ وَالنَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

سورة الضحیٰ مکی ہے، اس میں گیارہ آیتیں، اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

قسم (۱) ہے چاشت کے وقت کی ﴿۱﴾ اور قسم ہے رات کی جب تاریکی گہری ہو جاتی ہے ﴿۲﴾ آپ کے رب نے آپ کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور نہ آپ کو مغفوض جانا ہے ﴿۳﴾ اور یقیناً آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے ﴿۴﴾ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو دے گا تو آپ خوش ہو جائیں گے ﴿۵﴾

پکاریں گے، اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ زیادہ بہتر ہے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! جو لوگ ان میں سے الگ الگ دروازوں سے پکارے جائیں گے، وہ تو پکارے ہی جائیں گے، کیا کوئی شخص ان میں سے ہر ایک دروازے سے پکارا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ انہی میں سے ہوں گے۔

(۲) ان آیات کا تعلق بھی اوپر کی آیات سے ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ وہ بندہ مومن اپنا جو مال بھی خرچ کرتا ہے، وہ محض اپنے رب کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ ایسا نہیں کہ کوئی شخص اس پر احسان کئے ہو تا ہے جس کا بدلہ چکانے کے لئے وہ اسے اپنا مال دیتا ہے۔ اور جب بات ایسی ہے کہ وہ محض اپنے رب کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے تو اسے اپنے رب کی طرف سے ایسا بدلہ ملے گا جس سے وہ خوش ہو جائے گا، یعنی رب العالمین اسے جنت میں داخل کر دے گا۔

یہ بات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پورے طور پر صادق آتی تھی، جیسا کہ ان کے بارے میں تفسیر ابن کثیر کی عبارت کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ اور چونکہ قرآن کریم میں عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا، اس لئے جس مرد مومن کے اندر بھی وہ صفات پائی جائیں گی جن کا ذکر آیات (۱۷) سے (۲۱) تک میں آیا ہے، وہ اس خوشخبری کا مستحق ہو گا جو ان آیات میں دی گئی ہے، یعنی جہنم کی بھڑکتی آگ سے دور کر دیا جائے گا۔

تفسیر سورة الضحیٰ

نام: پہلی آیت لفظ "والضحیٰ" ہے۔ یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "والضحیٰ" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے چند بجلی سے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ بیمار پڑ گئے، اس لئے دو یا تین راتیں تہجد کی نماز نہیں پڑھ سکے، تو آپ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: اے محمد! میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تمہیں

الْحَمْدُ لَكَ يَتِيمًا كَأَوْيٍّ ۖ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَيْتَنِي ۖ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَيْتَنِي ۖ

کیا اس نے آپ کو یتیم (۲) نہیں پایا تو آپ کو پناہ دی ﴿۶﴾ اور اس نے آپ کو (رشد و ہدایت سے) غافل پایا تو آپ کی رہنمائی کی ﴿۷﴾ اور اس نے آپ کو فقیر و محتاج پایا تو آپ کو مالدار بنا دیا ﴿۸﴾

چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے وہ تمہارے قریب نہیں آیا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ﴿وَالضُّحَىٰ ۖ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۖ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ نازل فرمایا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔

ابن جریر، سعید بن منصور اور طبرانی وغیرہ نے جناب سے روایت کی ہے کہ کچھ دن جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس نہیں آئے، تو مشرکین کہنے لگے کہ محمد کو چھوڑ دیا گیا۔ تب آیت ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! صبح کی قسم جب اس کی روشنی پھیل جاتی ہے، اور رات کی قسم جب اس کی تاریکی گہری ہو جاتی ہے، آپ کے رب نے ہمیشہ آپ کی دیکھ بھال کی ہے، آپ کا خیال رکھا ہے، ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو نظر انداز نہیں کیا ہے، اور نہ آپ کو مغفوض جانا ہے، بلکہ آپ سے غایت درجہ محبت کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کا زیادہ خیال رکھے گا، ہر آنے والادان آپ کے لئے گذشتہ دن سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے درجات اللہ کی نگاہ میں بلند ہوتے رہے، آپ کے دشمن مغلوب ہوتے گئے، اور آپ کا دین غالب ہو تا گیا، اور دن بہ دن آپ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات بڑھتے ہی گئے، اور آپ کا مقام اونچا سے اونچا ہو تا گیا، یہاں تک کہ آپ اپنے رب کے نزدیک اس مقام پر فائز ہو گئے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

اور آخرت میں آپ کو جو مقام ملے گا، اور جن نعمتوں سے آپ نوازے جائیں گے، ان کی تعبیر انسانی الفاظ میں ممکن نہیں، اسی لئے اللہ نے کہا: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ ﴿۱﴾ اور عنقریب آپ کا رب آپ پر اپنے انعامات کی بارش کرے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے۔“

(۲) یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر اپنے تین احسانات کا ذکر فرمایا ہے، تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ کا رب آپ کے ساتھ ہے، نہ اس نے ماضی میں آپ کو چھوڑ دیا تھا اور نہ مستقبل میں کبھی چھوڑے گا، اور تاکہ مشرکین جان لیں کہ آپ کا رب ہر دم آپ کے ساتھ ہے، اور ان کی شامت اور خوش ہونے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو آپ کے رب نے یتیم پایا تو آپ کو پناہ دی۔ آپ کے والد (عبداللہ) کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں چھ ماہ کے تھے۔ جب آپ چھ سال کے تھے تو والدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ انہوں نے آپ کی دیکھ بھال کی اور ہر طرح خیال رکھا یہاں تک آپ بڑے ہو گئے۔ اور نبی ہونے کے بعد جب آپ نے اپنی دعوت اہل مکہ کے سامنے پیش کی اور انہوں نے آپ کو اذیت پہنچانی شروع کی تو ابوطالب نے جان و مال کے ذریعہ آپ کا ساتھ دیا۔

اور آپ کو آپ کے رب نے رشد و ہدایت سے غافل پایا، تو آپ کی رہنمائی کی اور دنیا والوں کے لئے آپ کو امام بنا دیا۔ آپ بھی دیگر اہل مکہ کی طرح علم شریعت سے آگاہ نہیں تھے، اور ایمان و اسلام کی کوئی بات نہیں جانتے تھے (اگرچہ آپ نے کبھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ آیت (۵۲) میں فرمایا ہے: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

پس آپ یتیم پر سختی (۳) نہ کیجئے ﴿۹۹﴾ اور آپ مانگنے والے کو نہ جھڑکے ﴿۱۰۰﴾ اور اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہئے ﴿۱۱﴾

وَلَا إِلِيمَانُ ﴿۱﴾ ”آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ ایمان کی کوئی بات جانتے تھے“۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول بنا لیا اور اپنی پیغامبری کے لئے آپ کو جن لیا۔

اور آپ کو آپ کے رب نے محتاج و فقیر پایا، تو آپ کی محتاجی دور کر دی۔ آپ کے والد کا ترکہ (اُمّ ایمن) باندی اور چند اونٹوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اللہ نے آپ کو قناعت دی، چنانچہ آپ نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا لیا۔ اور جب بڑے ہوئے تو اللہ نے آپ کی شادی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کرا دی جنہوں نے اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں رکھ دی۔ اور جب نبی ہوئے اور مدنی زندگی میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو اموال غنائم، زکاۃ و خراج اور اموال جزیہ کے ذریعہ اللہ نے آپ کی اور آپ کے صحابہ کی غربت و محتاجی دور کر دی۔

(۳) ان نعمتوں کا تقاضا تھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے رب کا شکر ادا کرتے، اس لئے اللہ نے آپ کو شکر کی تعلیم دی اور کہا کہ آپ یتیم کے ساتھ برابر تاؤ نہ کیجئے، اس سے تنگ دل نہ ہوئے، نہ اسے ڈانٹئے، بلکہ اس کا خیال کیجئے اور اس کے ساتھ ایسا چھابرا تاؤ کیجئے جیسا آپ چاہیں گے کہ آپ کی وفات کے بعد دوسرے آپ کی اولاد کے ساتھ کریں۔

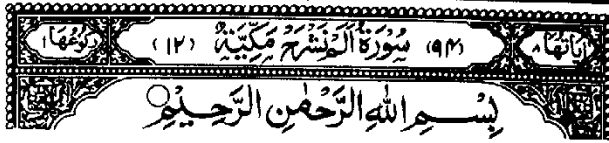
اور مانگنے والے محتاج و مسکین کے ساتھ سخت کلامی کے ساتھ نہ پیش آئیے، بلکہ جو میسر ہو اسے دے دیجئے، یا اچھے انداز میں اس کو واپس کر دیجئے۔

بعض لوگوں نے "سائل" سے دین کا علم طلب کرنے والا مراد لیا ہے، نبی کریم ﷺ کے پاس ہر قسم کے لوگ علم دین حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ ان میں بادیہ نشین اور سخت زبان لوگ بھی ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیے، جیسا کہ سورہ عبس میں اللہ نے نابینا صحابی کے ساتھ بے اعتنائی پر آپ کی تنبیہ کی۔

اور آپ کے رب نے آپ پر جو احسانات کئے ہیں، ان کا ذکر کر کے اپنے رب کی خوب تعریف بیان کیجئے، اور قول و فعل کے ذریعہ ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہئے، تاکہ رب العالمین آپ کو مزید نعمتوں سے نوازے، آپ سے خوش ہو اور آپ سے محبت کرے۔

مجاہد اور کلثبی نے یہاں "نعمت" سے قرآن کریم مراد لیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت تھی۔ اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو اسے پڑھ کر سناتے رہئے۔ مجاہد کا ایک دوسرا قول ہے کہ یہاں "نعمت" سے مراد "نبوت" ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ زجاج کا بھی یہی قول ہے، اور مفہوم یہ ہوگا کہ آپ کو اللہ نے جو پیغام دے کر مبعوث کیا ہے اسے لوگوں تک پہنچاتے رہئے۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو روکا ہے، ان کا تعلق آپ کی امت سے بھی ہے، یعنی امت کے ہر فرد کو ان سے منع کیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔



اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنَّا وِزْرَكَ ۙ الَّذِي اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۙ

(سورہ الم نشرح کی ہے، اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول (۱) نہیں دیا ہے ﴿۱﴾ اور ہم نے آپ کے دل سے آپ کا بوجھ اتار دیا ہے ﴿۲﴾ جو آپ کی پیٹھ کو توڑ رہا تھا ﴿۳﴾ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا نام اونچا کر دیا ہے ﴿۴﴾

تفسیر سورہ الم نشرح

نام: پہلی آیت کا پہلا حصہ ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ﴾ ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک کی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) سورہ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر اپنے تین احسانات کا ذکر فرمایا تھا۔ اس سورت میں تین دوسری نعمتوں کا ذکر کر کے آپ پر احسان بتایا ہے:

فرمایا کہ کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا ہے، اور اس میں وسعت نہیں پیدا کر دی ہے، تاکہ آپ وحی الہی کو آسانی قبول کریں، اخلاق حسنة کو اپنائیں، اور دعوت اسلامیہ کی راہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچے اسے برداشت کریں اور نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کا بار اٹھائیں۔ جیسا کہ سورہ الزمر آیت (۲۲) میں آیا ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِاِسْلَامٍ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَبِّهٖ﴾ ”کیا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے، پس وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی میں ہے (اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل تنگ ہو)۔“

اور ہم نے آپ کے دل سے اس بوجھ کو ہٹا دیا ہے جو آپ کی پیٹھ کو توڑ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اگرچہ نبوت سے پہلے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بت کی پرستش نہیں کی اور شراب نہیں پی، لیکن آپ کے دل میں ہر دم یہ شدید احساس رہتا تھا کہ آپ نے نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی میں اپنے رب کی عبادت نہیں کی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی واضح عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ آپ کے دل سے اس بوجھ کا ازالہ کر دیا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ الفتح آیت (۲) میں یوں فرمایا ہے: ﴿لَيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ ”تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف کر دے۔“

اور ہم نے آپ کا مقام اونچا کر دیا ہے، آپ کا ذکر خیر ہر جگہ عام کر دیا ہے، آپ کی رسالت کے اعتراف کو قبول ایمان کی شرط قرار دے دی ہے۔ قیادہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت دونوں جگہ آپ کا مقام اونچا کر دیا ہے۔ چنانچہ اذان، اقامت اور خطبے میں: ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ“ پکارا جاتا ہے۔ اور جب تک دنیا باقی رہے گی، آپ

﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۚ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝﴾

پس بے شکنگی (۲) کے ساتھ آسانی ہے ﴿۵﴾ بے شکنگی کے ساتھ آسانی ہے ﴿۶﴾ جب آپ فارغ (۳) ہو جائیے تو (عبادت میں) محنت کیجئے ﴿۷﴾ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیے ﴿۸﴾

کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا رہے گا۔

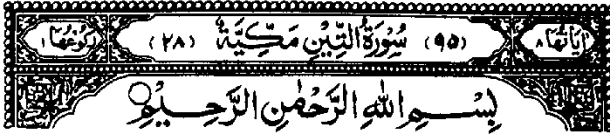
اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے رہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ "اے ایمان والو! نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجتے رہو"۔ (الاحزاب: ۵۶)۔

اور نبی کریم ﷺ نے اللہ کی طرف سے خبر دی ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس بار درود بھیجے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی اطاعت کے ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا۔ فرمایا: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ "مسلمانو! اللہ کی بات مانو، اور رسول اللہ کی بات مانو"۔ (النساء: ۵۹)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ "مسلمانو! تمہیں جو کچھ رسول دیں اسے لے لو، اور جس سے روکیں رک جاؤ"۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذکر جمیل سے آسمانوں اور زمینوں کو بھر دیا، اور جو شہرت و مقام آپ کو حاصل ہوا، وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ "یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے اپنا فضل دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے"۔ (الحمد: ۲۱)۔ اللہم صل وسلم وبارک علی رسولک محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

(۲) ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ابتدائے بعثت میں نبی کریم ﷺ کو بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، پھر آہستہ آہستہ حالات بہ سے بہتر ہوتے گئے، حتیٰ کہ اللہ نے آپ کا شرح صدر فرمایا، آپ کے دل پر جو بار گراں تھا اسے دور کر دیا، اور آپ کا ذکر جمیل سارے عالم میں پھیلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی نظام حیات ہے کہ وہ تنگی کے بعد آسانی لاتا ہے۔ آدمی جب اپنی فکر و نظر استعمال کر کے مشکلات سے ٹکنا چاہتا ہے، اور پھر اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھتا جاتا ہے اور ہمت نہیں ہارتا، تو طوفان رُک جاتا ہے، آندھیاں بند ہو جاتی ہیں، اور بالآخر سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہی حال نبی کریم ﷺ کا تھا۔ ابتدائے نبوت میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ حالات نے پلٹا کھایا اور تنگی آسانی میں بدلتی چلی گئی۔

ابن جریر، عبد الرزاق، حاکم اور بیہقی نے حسن بصری سے (مرسلًا) روایت کی ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ گھر سے بہت خوش نکلے اور فرمایا کہ ایک تنگی دو آسانیوں کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ﴾ "بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے"۔

طبرانی، حاکم اور بیہقی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیٹھے تھے، اور آپ کے سامنے ایک سوراخ تھا۔ آپ نے فرمایا: "اگر تنگی اس سوراخ میں داخل ہوگی تو آسانی آئے گی اور اس میں داخل ہو کر اسے نکال دے گی"۔ تو اللہ تعالیٰ نے ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ﴾ نازل فرمایا۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن مفسرین نے اس آیت کی جو تفسیر بیان کی ہے اس سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔



وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۖ وَطُورِ سِينِينَ ۖ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۚ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۚ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

سورۃ التین مکی ہے، اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
قسم (۱) ہے انجیر کی اور زیتون کی ﴿۱﴾ اور قسم ہے طور سینا کی ﴿۲﴾ اور قسم ہے اس امن والے شہر کی ﴿۳﴾ یقیناً ہم نے آدمی کو سب سے اچھی ہیئت میں پیدا کیا ہے ﴿۳﴾ پھر ہم نے اُسے تمام نچوں سے نیچے درجے میں لوٹا دیا ﴿۵﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا، تو ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے ﴿۶﴾
(۳) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فصاحت کی کہ جب آپ جہاد اور دیگر امور دنیا سے فارغ ہو جائیں، اور یکسوئی حاصل ہو جائے، تو اپنے رب کی عبادت کے لئے کھڑے ہو جائیے، اور نماز، دعا اور تسبیح و استغفار میں خوب محنت کیجئے، اور تمام علاقہ دنیا سے الگ ہو کر صرف اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگ جائیے۔ اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیے جو فراغت کے اوقات لہو و لعب میں گزارتے ہیں، اور اپنے رب کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

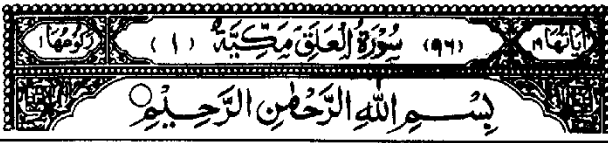
تفسیر سورۃ التین

نام: پہلی آیت کا پہلا لفظ "والتین" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ ابن مردویہ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی تھی، لیکن قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ پہلے قول کی تائید آیت (۳) ﴿وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ سے ہوتی ہے، جس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔
(۱) ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انجیر، زیتون، طور سینا اور بلد امین (مکہ مکرمہ) کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ ہم نے انسان کو سب سے اچھی شکل و صورت میں پیدا کیا ہے، لیکن اس نے اللہ کی اس نعمت کا اور دیگر بے شمار اور بیش بہا نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا، اور اپنی زندگی لہو و لعب میں لگا دی، تو وہ اللہ کی نگاہ میں گرتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس کا ٹھکانا جہنم کی آخری کھائی میں بنا دیا گیا۔

البتہ اس بدترین انجام سے وہ لوگ بچا لئے جائیں گے جن پر اللہ نے یہ احسان کیا کہ انہیں ایمان، عمل صالح اور اخلاق حسنہ کی توفیق دی۔ انہیں اللہ تعالیٰ جہنم سے دور کر دے گا، اور جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے گا جس کی نعمتیں اور خوشیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

اکثر مفسرین کے نزدیک لفظ "التین" سے مراد انجیر ہے جسے لوگ کھاتے ہیں۔ اور "الزیتون" مشہور پھل ہے

فَمَا يَكْفُرُ بِكَ بَعْدُ يَا دِينَ ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝



پس اے انسان! یہ سب باتیں جاننے کے بعد کون سی چیز تمہیں روز جزا کی تکذیب (۲) کی دعوت دیتی ہے ﴿۷﴾ کیا اللہ تمام حاکموں سے زیادہ انصاف پرور حاکم (۳) نہیں ہے ﴿۸﴾

سورة العلق کی ہے، اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انجیر کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ وہ گھٹلی سے خالی ہونے کے سبب جنت کے پھل سے زیادہ مشابہ ہے۔ بہت سے اطباء کا خیال ہے کہ انجیر انسانی جسم کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہے۔ اسی طرح زیتون میں بھی بہت سے فوائد ہیں، اسے کھایا جاتا ہے، اس کا تیل استعمال کیا جاتا ہے، اور مختلف دواؤں میں اہم ترین جزء کے طور پر ڈالا جاتا ہے۔ اور ﴿وَطُورِ سِينِينَ﴾ فلسطین میں وہ سینا پہاڑ ہے جہاں انسانی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ پیش آیا تھا، بنی اسرائیل کے عظیم نبی موسیٰ بن عمران سے اللہ تعالیٰ اس پہاڑ کے دامن میں کئی بار ہم کلام ہوا تھا، اور رب العالمین کی تجلی سے ایک بار وہ پہاڑ چمکانا چور ہو گیا تھا۔

اور ﴿الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ سے مراد ام القریٰ (مکہ مکرمہ) ہے، جہاں اللہ کا گھر ہے، اور جس کے ارد گرد کو اللہ تعالیٰ نے "حرم" بنا دیا ہے۔ اور اُسے "بلد آمین" اس لئے کہا گیا ہے کہ وہاں انسان نہیں چڑھا اور جانور میں امن میں ہوتے ہیں۔ دوسری جگہ: طور سینا ہے، جہاں اللہ نے موسیٰ بن عمران سے بات کی تھی۔ اور تیسری جگہ مکہ ہے، جو بلد امین ہے جس میں داخل ہو جانے والا امن میں آ جاتا ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا تھا۔

(۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافر انسان کو مخاطب کر کے بطور زجر و توبیخ فرمایا ہے کہ رب العالمین کی قدرت و علم اور رحمت و حکمت کے بے شمار دلائل و براہین کے باوجود تم کیسے بعث بعد الموت اور قیامت کے دن جزا و سزا کا انکار کرتے ہو۔ جب تمہارا وجود تمہارے لئے اس بات کی دلیل فراہم کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے، تو کیا وہ قادر مطلق تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوگا، پھر وہ کون سی عقلی یا نقلی دلیل ہے جو تمہیں بعث بعد الموت کے انکار پر ابھارتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبر و عناد کے سوا تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی عدل و انصاف والا نہیں۔ اس لئے یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں لوگ اعمال میں مختلف ہوں، کوئی زندگی بھر صلاح و تقویٰ کی راہ پر گامزن رہے، اور کوئی معصیت و سرکشی اور فسق و فجور میں ڈوبا رہے، اور مرنے کے بعد ثواب و عقاب کے اعتبار سے دونوں برابر ہو جائیں۔ یہ تو سراسر ظلم ہوگا اور اللہ عز و جل صفت عدل و انصاف کے بالکل منافی ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَفْرٍ ۝ أَنْ رَأَاهُ اسْتَعْجَلَىٰ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْوَجْعَىٰ ۝ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ كَلَّمْ يَعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝

اے پیغمبر! آپ پڑھے اپنے رب کے نام کے نام^(۱) سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے ﴿۱﴾ اس نے آدمی کو غلیظ نجد خون سے پیدا کیا ہے ﴿۲﴾ پڑھے ﴿۲﴾ اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے ﴿۳﴾ جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا ﴿۳﴾ اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ﴿۴﴾ ہرگز نہیں، بے شک آدمی سرکش ﴿۳﴾ بن جاتا ہے ﴿۶﴾ جب دیکھتا ہے کہ وہ دو تلمذ ہو گیا ﴿۷﴾ بے شک آپ کے رب کے پاس ہی سب کو لوٹ کر آتا ہے ﴿۸﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روکتا ہے ﴿۹﴾ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ﴿۱۰﴾ آپ کا کیا خیال ہے، اگرچہ وہ (بندہ) سیدھی راہ پر ہے ﴿۱۱﴾ یا اگرچہ وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے ﴿۱۲﴾ آپ کا کیا خیال ہے، اگرچہ وہ (روکنے والا) جھٹلاتا ہے اور دین اسلام سے منہ موڑتا ہے ﴿۱۳﴾ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے ﴿۱۳﴾

تفسیر سورۃ العلق

نام: دوسری آیت میں لفظ "علق" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے، اور قرآن کریم کی پہلی سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔ بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس حق آیا، یعنی جبریل امین آئے جب آپ عارِ حراء میں تھے، اور آپ سے کہا: پڑھے آپ نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور اتنا زور سے بھینچا کہ مجھے تھکا دیا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا: پڑھے، میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور اتنا زور سے بھینچا کہ مجھے تھکا دیا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا: پڑھے، میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ تو انہوں نے مجھے تیسری بار پکڑ لیا اور اتنا زور سے بھینچا کہ میں تھک گیا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ اس کے بعد آپ ﷺ وہاں سے اس حال میں واپس آئے کہ آپ کے دل پر لکھی طاری تھی۔

(۱) یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان پر جو قرآن کریم بذریعہ وحی نازل ہوتا ہے، اس کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کریں۔ نیز انسان کو خبر دی ہے کہ تمام مخلوقات کا خالق وہی تھا ہے۔ اور اس نے انسان کو لو تھڑے یعنی ایک غلیظ نجد خون سے پیدا کیا ہے، جو چالیس دن تک رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں رہتا ہے، پھر نجد خون کا ایک لوتھڑا بن کر رحم مادر سے چپک جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر یا تو امر الہی کے مطابق اس کی تخلیق مکمل ہو جاتی ہے، یا رحم سے گوشت کے ایک ٹکڑے کی شکل میں باہر نکل جاتا ہے۔

(۲) چونکہ نبی کریم ﷺ جبریل علیہ السلام کو اچانک اپنے سامنے پا کر گھبرا گئے تھے، اسی لئے بطور تاکید آپ سے کہا گیا کہ آپ

كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْكُحْهُ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۗ نَاصِيَةٌ كَذَابَةٌ مَخْاطِبَةٌ ۗ فَلَئِنْ كُنَّا لَهُ سِنْدًا لَرَبَّائِنَا ۗ

ہرگز نہیں، اگر وہ باز^(۳) نہ آیا تو ہم اسے اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے ﴿۱۵﴾ ایسی پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے ﴿۱۶﴾ پس وہ بلا لے اپنی مجلس کے لوگوں کو ﴿۱۷﴾ ہم بھی جہنم کے داروغوں کو بلا لیں گے ﴿۱۸﴾

پڑھے۔ اور چونکہ نبی کریم ﷺ نے پڑھنے سے معذرت کی تھی اور کہا تھا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا، اس لئے آپ سے کہا گیا کہ آپ کا وہ رب آپ کو پڑھنے کا حکم دے رہا ہے جو بے پایاں کرم و احسان والا ہے، جس کے جو دود عطا کی کوئی انتہا نہیں، جس نے پڑھنا لکھنا سکھا کر انسان پر احسان عظیم کیا ہے، اور جس نے قلم کے ذریعہ اسے وہ سب سکھایا جو وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا۔

(۳) آیت (۶) سے آخر سورت تک ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی، احمد، مسلم، نسائی، ابن جریر اور بیہقی وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ابو جہل نے پوچھا، کیا محمد تم لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ زمین پر رکھتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے اس طرح نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اس کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا، اور اس کا چہرہ مٹی میں رگڑ دوں گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آیا جب آپ نماز پڑھ رہے تھے، تاکہ آپ کی گردن کو کچل دے، لیکن جب وہ آپ کے قریب ہوا تو فوراً پیچھے ہٹنے لگا، اور ہاتھ کے ذریعہ اپنے آپ کو بچانے لگا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میرے اور اس کے درمیان آگ سے بھرا خندق اور کوئی نہایت ڈراونی چیز ہے جس کے پر ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ مجھ سے قریب ہو تو تفرشتے اسے چیر پھاڑ کر اس کا ایک ایک عضو اچک لے جاتے۔ اسی حادثہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ﴾ سے آخر سورت تک نازل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو انسان ایمان اور معرفت الہی کی دولت سے محروم ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت اور حکومت و سلطنت سے نوازتا ہے، تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب وہ کسی کا محتاج نہیں، اور رب العالمین کو یکسر بھول جاتا ہے۔ ظغیان و سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، کبر و ظلم اس کی صفت بن جاتی ہے، کمزوروں کو حقیر سمجھتا اور دوسروں کا مذاق اڑاتا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔

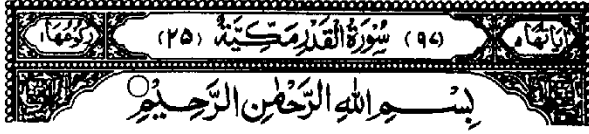
آیت (۸) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابو جہل ہو یا اور کوئی ظالم و سرکش، بہر حال اسے لوٹ کر آپ کے رب کے پاس ہی آنا ہے، اور ہم اس سے ضرور انتقام لیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابو جہل کی بدسلوکی پر شدید اظہارِ تعجب کرتے ہوئے کہا کہ کتنا برا اور لائقِ نفرت ہے وہ انسان جو اللہ کے بندے (محمد) کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ کیا اللہ کے لئے نماز پڑھنا کوئی جرم ہے، نماز پڑھنے سے اس مجرم کو کیا تکلیف پہنچتی ہے کہ وہ آپ کو روکتا ہے۔

وہ نبی جو راہِ ہدایت پر قائم ہے، اور دوسروں کو صلاح و تقویٰ کی دعوت دیتا ہے، اس کی مخالفت کرنا اسے ایذا پہنچانا، اور طرح طرح کی اسے دھمکی دینا، اللہ کو ہرگز گوارا نہیں۔

وہ کافر و مجرم انسان جو میرے بندے اور رسول کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، ایمان و اسلام سے روگردانی کرتا ہے، اور بعثت بعد الموت اور حساب و جزا کا انکار کرتا ہے، اس کا اس دن کیا حال ہو گا جب وہ میدانِ محشر میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو گا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کرتوتوں سے باخبر ہے، اور آپ کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے وہ جو بھی

کَلَّا لَا تَطْمَعُ وَالسَّبْدُ وَاقْتَرَبَ ۞



ہرگز نہیں، آپ اس کی بات نہیں مانئے، اور اپنے رب کے سامنے سجدہ کیجئے، اور اس کا قرب حاصل کیجئے ﴿۱۹﴾

سورة القدر مکی ہے، اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

حکمتیں کرتا ہے اس سے اچھی طرح واقف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ابو جہل ہمارے رسول کی ایذا رسانی سے باز نہیں آیا اور انہیں مسجد حرام اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنے کی دوبارہ کوشش کی تو ہم اسے اس کی جھوٹی اور گناہوں میں ملوث پیشانی سے پکڑ لیں گے، اور گھینٹے ہوئے جہنم میں پہنچادیں گے۔ اس وقت اگر وہ اپنی مجلس اور قوم کے ان لوگوں کو بلانا چاہے تو بلا لے جن کے بل بوتے پر وہ آپ کو نماز سے روکنا چاہتا ہے، ہم بھی جہنم کے داروغوں کو بلا لیں گے۔ ترمذی وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل آیا اور کہنے لگا: کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں تھا؟ تم خوب جانتے ہو کہ مجھ سے زیادہ دوست اور مددگار کسی کے پاس نہیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ﴾ سنندعو الزبانية ﴿﴾ نازل فرمائی۔

وہ مجرم اپنی ان حرکتوں سے باز آجائے، اور یقین کر لے کہ آئندہ وہ ہمارے رسول کو ایذا نہیں پہنچا سکے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ابو جہل نے اس کے بعد آپ کے ساتھ بدزبانی یا ہاتھ سے ایذا پہنچانے کی جرأت نہیں کی۔ آیت (۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے بطور تنبیہ فرمایا کہ آپ ابو جہل کی بات ہرگز نہ مانئے اور مسجد حرام میں نماز پڑھتے رہئے، اور دیگر عبادات کے ذریعہ اپنے رب کی قربت حاصل کرتے رہئے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے، اس لئے تم لوگ سجدہ میں کثرت سے دعا کرو“۔

نیز صحیح مسلم میں ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشقت﴾ میں سجدہ کیا۔ اسی لئے امام شافعی کے نزدیک اس سورت کا سجدہ اہم سجدوں میں سے ہے، اور قاری اور سننے والے کے لئے اس کی قرأت کے بعد سجدہ کرنا مسنون ہے۔

تفسیر سورة القدر

نام: پہلی آیت میں ہی لفظ "القدر" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: ماوردی کا قول ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اور ثعلبی نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ واقدی کا قول ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ ابن مردویہ نے ابن عباس، ابن الزبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنزِيلُ الْمَلَكِ وَ
الزُّجُورِ فِيهَا يَأْتُونَ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ سَلَامٌ وَسُكُونٌ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ

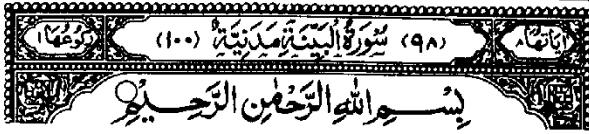
بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر یعنی باعزت اور خیر و برکت والی رات میں نازل (۱) کیا ہے ﴿۱﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر (۲) کیا ہے ﴿۲﴾ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ﴿۳﴾ اس رات میں فرشتے اور جبریل روح الامین اپنے رب کے حکم سے حکم لے کر اترتے ہیں ﴿۴﴾ وہ رات سلامتی (۳) والی ہوتی ہے طلوع فجر تک ﴿۵﴾ (۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے قرآن کو ایک باعزت اور خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔ پورا قرآن لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، پھر وہاں سے جتہ جتہ ضرورت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوتا رہا، اور تیس سال میں اس کے نزول کی تکمیل ہو گئی۔

ان آیات میں قرآن کریم کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ ہم نے قرآن کی عظمت و اہمیت کے پیش نظر اسے ایک نہایت ہی معظم و مکرم اور بابرکت رات میں نازل کیا ہے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدخان آیت (۳) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مَبْرُكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾ ﴿۱﴾ بے شک ہم نے قرآن کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے، بے شک ہم ڈرانے والے تھے۔ اور یہ رات ماہ رمضان میں تھی، جس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت (۱۸۵) میں فرمادی ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ ”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا“۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی عظمت و اہمیت کو بیان کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ایسے ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں کوئی لیلۃ القدر نہ ہو، یعنی ایک لیلۃ القدر تیرا اسی سال اور چار ماہ سے بہتر ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں فرشتے اور جبریل علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے آسمان سے زمین پر اترتے ہیں در انحالیکہ ان کے پاس آنے والے سال سے متعلق رب العالمین کے تمام فیصلے اور احکام ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الدخان آیات (۵۴/۵۵) میں آیا ہے: ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۖ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ ”اسی رات میں ہر برکت کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم ہو کر، ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے“۔

(۳) لیلۃ القدر سراسر سلامتی اور خیر ہی خیر ہوتی ہے، اس میں کوئی شر نہیں ہوتا۔ اور یہ خیر و سلامتی غروب آفتاب سے طلوع فجر تک باقی رہتی ہے بعض لوگوں نے سلامتی والی رات کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مومنین اس رات کو شیاطین کے شر سے محفوظ رہتے ہیں، یا یہ کہ فرشتے مومنوں اور مومنات کو سلام کرتے ہیں۔

لیلۃ القدر کی تعیین کے بارے میں علماء کے چالیس سے زیادہ اقوال ہیں۔ سب سے قوی روایت یہ ہے کہ یہ رات ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں آتی ہے، بخاری و مسلم اور احمد و ترمذی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو“۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ ان دس راتوں میں عبادت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، اعتکاف کرتے تھے، اور عبادت کے لئے خود بھی جھگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔



لَمْ يَكُنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۗ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً ۚ فِيهَا كُتِبَ قِسْمَةٌ ۚ

سورة البینہ مدنی ہے، اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ^(۱) اختیار کی، وہ کفر سے چھٹکارا پانے والے نہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آجائے ﴿۱﴾ یعنی اللہ کے رسول جو پاک صحیفے (قرآن) پڑھ کر سناتے ہیں ﴿۲﴾ ان (صحیفوں) میں سچی خبریں اور درست احکام ہیں ﴿۳﴾

دیگر صحیح احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ طاق راتوں میں سے کوئی رات ہوتی ہے۔ ابی بن کعب سے زہر بن حبیش نے شب قدر سے متعلق پوچھا تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ وہ ستائیسویں رات ہے بصنف ابن ابی شیبہ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انہوں نے کہا کہ عمر، حدیفہ، اور دیگر بہت سے صحابہ کو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے، نیز معاویہ، ابن عمر، اور ابن عباس وغیرہم سے اس بارے میں جو روایات آئی ہیں ان کے پیش نظر علمائے سلف کی ایک بڑی تعداد نے ستائیسویں رات کو ہی لیلۃ القدر سمجھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال لیلۃ القدر سے متعلق احادیث کا مطالعہ کرنے سے اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان کی زندگی میں اس رات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، اس لئے اسے پانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، اور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں رمضان کی آخری دس راتوں میں عبادت کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، اعتکاف کرنا چاہئے، اور اپنے بال بچوں کو بھی ان راتوں میں عبادت کے لئے جگانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

تفسیر سورۃ البینہ

نام: پہلی آیت کا آخری لفظ "البینة" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اسے سورۃ القیامہ، سورۃ المنفقین اور سورۃ البریہ بھی کہتے ہیں۔

زمانہ نزول: جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ بعض لوگوں نے اسے مکہ کہا ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ "لم یکن" مدینہ میں نازل ہوئی تھی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ سورۃ "لم یکن" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ بخاری و مسلم وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پڑھوں۔ ابی نے پوچھا: کیا اللہ نے میرا نام لے کر آپ سے کہا ہے؟ آپ نے کہا: ہاں۔ تو ابی رونے لگے۔

(۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور بتوں کے پجاری کفر و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے رہے،

وَمَا تَفْرَقُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۗ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
 الدِّينَ ۗ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْ
 الْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۗ

اور اہل کتاب (۲) ٹولیوں میں نہیں بٹے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آگئی ﴿۳﴾ اور انہیں صرف یہی حکم (۳) دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے، یکسو ہو کر، اور وہ نماز قائم کریں، اور زکاۃ دیں، اور یہی نہایت درست دین ہے ﴿۵﴾ بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر (۴) کیا اور مشرکین، وہ سب جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہی لوگ بدترین مخلوق ہیں ﴿۶﴾

اور مردِ زمانہ کے ساتھ ان کا کفر بڑھتا ہی گیا، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے دلیل واضح اور بُرہانِ ساحط آ گیا، یعنی نبی کریم ﷺ بحیثیت نبی و رسول مبعوث ہوئے، اور ان پر اللہ کی کتاب نازل ہوئی۔ تب انہوں نے حق کو پہچانا، اور ان میں سے کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور کچھ کفر پر ہی باقی رہے، یہاں تک کہ ان کی موت آگئی۔ آیت (۲) میں "رسول" سے مراد نبی کریم ﷺ، اور ﴿صُحُفًا مُطَهَّرَةً﴾ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور آیت (۳) میں ﴿كُتُبًا قَيِّمَةً﴾ سے مراد قرآن کریم میں موجود سچی خبریں، اللہ کی نشانیاں، اس کے احکام اور اوامر و نواہی ہیں۔

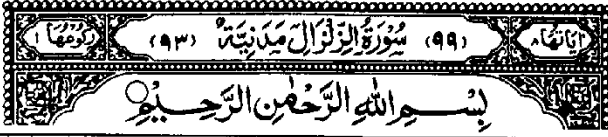
(۲) اس آیتِ کریمہ میں ان اہل کتاب کی زبردستی کی گئی ہے جو رسول کریم ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ اللہ نے کہا کہ اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے حق کو نہیں پہچانا، بلکہ حق واضح ہو جانے کے بعد انہوں نے کفر کو ترجیح دیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ تمام یہود و نصاریٰ بعثتِ نبوی سے پہلے، خاتم النبیین کی آمد کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ مبعوث ہو گئے، اس کے بعد آپ پر ایمان لانے میں اختلاف کر بیٹھے، بعض لوگ ایمان لے آئے، اور بعض نے انکار کر دیا۔ سورہ آل عمران آیت (۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا تَفْرَقُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۗ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْ مُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۗ﴾ اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد، محض سرکشی اور حسد کی بنا پر اختلاف کیا۔

(۳) یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف کی ان کے پاس کوئی عقلی یا شرعی دلیل موجود نہیں تھی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم نے انہیں جس بات کی دعوت دی، وہی دعوتِ موسیٰ اور عیسیٰ نے دی تھی، اور وہی بات تورات و انجیل میں نازل ہوئی تھی۔ یعنی سب کا دین ایک تھا اور سب نے بنی نوع انسان کو اسی بات کا حکم دیا کہ وہ صرف ایک اللہ کی بندگی کریں، تمام عبادتوں سے مقصود صرف اسی کی رضا ہو، اور تمام باطل ادیان کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو جائیں جس کے سوا اللہ کے نزدیک کوئی صحیح دین نہیں، اور نماز پڑھیں اور زکاۃ دیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ توحید اور تمام عبادتوں کو صرف اللہ کے لئے خاص کرنا ہی اللہ کا صحیح دین ہے، جو آدمی کو اللہ کی جنت تک پہنچا دیتا ہے، اور اس کے سوا تمام راستے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔

(۴) جو اہل کتاب اور مشرکین نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان نہیں لائے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا کہ وہ لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں، بندروں اور سوروں سے بھی بدتر ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا جس میں وہ لوگ ہمیشہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۗ جَزَاءُ لَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۗ



بے شک جو لوگ ایمان (۵) لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں ﴿۷﴾ ان کا بدلہ ان کے رب کے نزدیک ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی (۶) ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ اجر اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ﴿۸﴾

(سورۃ الزلزال مدنی ہے، اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

چلتے رہیں گے۔

(۵) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور انہوں نے دین اسلامی کے مطابق عمل صالح کیا، فرائض کو ادا کیا اور نواہی سے بچتے رہے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا کہ وہ اللہ کی بہترین مخلوق ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنے رب کو پوجا، اس کی عبادت کی، اور شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے کے سبب ان کی روح کو بالیدگی ملی اور بلند اخلاق و کردار سے انہیں حظ وافر ملا۔ اور موت کے بعد جب وہ اپنے رب سے ملیں گے تو رہائش کے لئے انہیں باغاتِ عدن ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے کبھی نہیں نکلیں گے اور نہ انہیں موت آئے گی اور وہاں انہیں ایسا آرام ملے گا جس سے زیادہ آرام و راحت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) ان کے ایمان اور طاعت و بندگی کے سبب اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ان پر جو فضل و کرم ہو گا اور انہیں جو جنت، اور اس کی بیش بہا نعمتیں ملیں گی، اس کے سبب وہ بندگانِ نیک بھی اپنے رب سے راضی ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ یہ جزائے عظیم اس بندے کو ملے گا جو دنیا میں اپنے رب سے ڈرتا رہے گا، اس کی نافرمانی نہیں کرے گا، اور اس کی طاعت و بندگی میں اپنی زندگی گزارے گا یہاں تک کہ اس کی موت آجائے۔

تفسیر سورۃ الزلزال

نام: پہلی آیت کے لفظ "زلزالها" سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کے نزدیک مدنی ہے۔ اور ابن مسعود و جابر رضی اللہ عنہم اور عطاء کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿إِذَا زُلْزِلَتْ﴾ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

ترمذی، ابن مردویہ اور بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ﴿إِذَا زُلْزِلَتْ﴾ پڑھے گا، اسے نصف قرآن کا ثواب ملے گا، اور جو ﴿قُلْ هُوَ لِلَّهِ أَخَذَ﴾ پڑھے گا، اسے ایک تہائی قرآن کا ثواب

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۖ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۖ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۗ لَبِئْسَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَصُدُّونَ النَّاسَ لِيُرَوِّا أَعْمَالَهُمْ ۗ

جب زمین انتہائی سختی کے ساتھ ہلادی (۱) جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی ﴿۲﴾ اور انسان کہے گا، اسے کیا (۳) ہو گیا ہے ﴿۳﴾ اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی ﴿۴﴾ اس لئے کہ آپ کا رب اسے یہ حکم دے گا ﴿۵﴾ اس دن لوگ (قبروں سے نکل کر) مختلف جماعتوں میں چل پڑیں گے، تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں ﴿۶﴾

طے گا، اور جو ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ پڑھے گا، اسے رُبع قرآن کا ثواب ملے گا۔

(۱) اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو زمین کا کیا حال ہوگا، اور کس طرح لوگ گروہ درگروہ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدانِ محشر میں جمع ہوتے جائیں گے تاکہ دنیا میں کئے گئے اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وقوعِ قیامت کے وقت زمین انتہائی سختی کے ساتھ ہلادی جائے گی، اس پر موجود تمام مکانات منہدم ہو کر زمین بوس ہو جائیں گے، پہاڑ بڑھ بڑھ ہو جائیں گے، تمام ٹیلے برابر کر دیئے جائیں گے، اور پوری زمین ایک چمیل میدان بن جائے گی، نہ اس میں کوئی کچی رہے گی اور نہ کوئی اونچی نیچی جگہ۔

اور زمین کے اندر جتنے خزانے ہوں گے، وہ سب پہلے صور کے بعد باہر آ جائیں گے، اور جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو ہمارے مُردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔

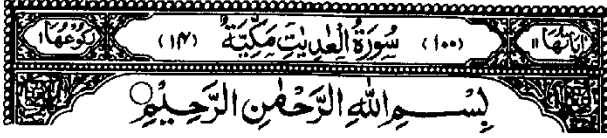
(۲) کافر انسان جو بعثت بعد الموت اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا تھا، جب زمین کو نہایت شدت کے ساتھ ہلتا دیکھے گا، تو مارے حیرت و دہشت کے کہے گا کہ آج اسے کیا ہو گیا ہے۔ لیکن مومن انسان ایسا سوال نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کا تو ایمان تھا کہ جب قیامت آئے گی تو زمین نہایت شدت کے ساتھ ہلادی جائے گی۔

اس دن زمین پر انسانوں نے جو بھی عمل خیر و شر کیا ہوگا، زمین اس کی گواہی دے گی، اور ایسا وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں کرے گی، اور اس کی ہرگز نافرمانی نہیں کرے گی۔

احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ پڑھا اور کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندے اور بندی کے بارے میں ان اعمال کی گواہی دے گی جو اس نے زمین پر کیا تھا۔ یہی اس کی خبریں ہیں۔

(۳) جس دن زمین کی وہ حالت ہوگی جو اوپر بیان کی گئی، اُس دن لوگ اپنی قبروں سے نکل کر مختلف جماعتوں میں میدانِ حساب کی طرف دوڑ پڑیں گے تاکہ وہ اپنے اعمال کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ لوگ میدانِ حساب سے اپنی اپنی حالتوں اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم کی طرف چل پڑیں گے، کوئی مطمئن ہوگا اور کوئی خائف، اہل جنت کا رنگ سفید ہوگا اور اہل جہنم کا سیاہ، اور بعض لوگ دائیں طرف جائیں گے اور بعض دوسرے بائیں طرف، یعنی اپنے عقائد و اعمال کے اختلاف کے مطابق ان کی حالتیں مختلف ہوں گی۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۗ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۗ



وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۖ وَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ۖ وَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۖ فَأَأْتِيْنَ بِهِنَّ نَاقًا ۖ فَتُسَبِّحُنَّ بِهٖ جُمُعًا ۖ

پس جو شخص ایک چھوٹی چبوتی کے برابر بھلائی (۳) کئے ہو گا وہ اسے دیکھ لے گا ﴿۷﴾ اور جو شخص ایک چھوٹی چبوتی کے برابر بُرائی کئے ہو گا، وہ اسے دیکھ لے گا ﴿۸﴾

سورة العاديات مکی ہے، اس میں گیارہ آیتیں، اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
گھوڑوں کی قسم (۱) جو (دشمن کی طرف تیزی کے ساتھ) پھنکارتے ہوئے دوڑتے ہیں ﴿۱﴾ پھر ان گھوڑوں کی قسم جو (اپنے کھروں کی رگڑ سے) راہ کے پتھروں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں ﴿۲﴾ پھر ان گھوڑوں کی قسم جو صبح کے وقت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں ﴿۳﴾ پھر اپنی دوڑ کے ذریعہ غبار اڑاتے ہیں ﴿۴﴾ پھر اُس کے ذریعہ دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں ﴿۵﴾

(۳) انسان اس دنیا میں جو عمل بھی کرتا ہے اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے، اس کا کوئی عمل بھی ضائع نہیں ہوتا، اور وہ اسے قیامت کے دن اپنے سامنے پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ایک چھوٹی چبوتی کے برابر بھی کوئی اچھا کام کئے ہو گا، اس کا ثواب اسے آخرت میں ضرور ملے گا، اور جو شخص ایک چھوٹی چبوتی کے برابر بھی کوئی بُرائی کئے ہو گا، تو اسے اس کا بدلہ مل کر رہے گا، لہٰذا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے۔

بعض لوگوں نے "ذرہ" کا معنی وہ باریک ترین غبار کیا ہے جو کھڑکی کے سوراخ سے داخل ہونے والی شعاع میں نظر آتا ہے۔ یعنی اس باریک ترین غبار کے برابر بھی کسی کا عمل خیر و شرگم نہیں ہو گا، اور اس کا بدلہ اسے ضرور ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت (۴۰) میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ "بے شک اللہ ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا ہے"۔ اور سورۃ آل عمران آیت (۳۰) میں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمِمَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا﴾ "جس دن ہر شخص اپنی ہی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی ہی ہوئی بُرائیوں کو موجود پائے گا، تمنا کرے گا کہ کاش، اس کے اور بُرائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔"

تفسیر سورۃ العاديات

نام: پہلی آیت کا پہلا لفظ "والعاديات" ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت ابن مسعود، جابر، حسن، عکرمہ اور عطاء کے نزدیک مکی ہے۔ اور ابن عباس، انس بن مالک اور قتادہ کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ "والعاديات" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ وَإِنَّكَ عَلَىٰ ذِكْرِ لَشَهِيدٌ ۝ وَإِنَّكَ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝ أَفَلَا يَعْلَمُونَ إِذَا بُعِثُوا فِي الْقُبُورِ ۖ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۖ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝

بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا (۲) ہے ﴿۶﴾ اور وہ بے شک اپنی ناشکری پر خود شائبہ (۳) ہے ﴿۷﴾ اور وہ بے شک مال و دولت سے شدید محبت کرتا ہے ﴿۸﴾ کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں مدفون تمام مردے باہر بکھیر (۴) دیئے جائیں گے ﴿۹﴾ اور سینوں میں جو بھی (خیر و شر) چھپا ہو گا باہر نکال دیا جائے گا ﴿۱۰﴾ بے شک اُن کا رب اُس دن ان (کے ظاہر و باطن تمام اعمال) سے خوب باخبر ہو گا ﴿۱۱﴾

(۱) اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی حقیقت کے اظہار کے لئے قسم کھائی ہے، جس سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کی بڑی ناشکری کرتا ہے۔ مصیبتوں کو ٹوگتا رہتا ہے، اور نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے جن میں فی الواقع اللہ کی بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں، اور جن میں انسان کے لئے بہت سارے فوائد و منافع ہیں۔ اور گھوڑے کی ان حالتوں کی قسم کھائی ہے جن میں دیگر حیوانات اس کے شریک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُن گھوڑوں کی قسم جو نہایت شدت کے ساتھ دشمن کی طرف دوڑتے ہیں، جس کے سبب ان کے سینے سے ایک خاص آواز نکلنے لگتی ہے۔ اور اُن گھوڑوں کی قسم جن کے تیز دوڑنے کے سبب ان کے کھروں کی رگڑ سے راہ کے پتھروں سے چنگاریاں اڑنے لگتی ہیں اور اُن گھوڑوں کی قسم جو صبح کے وقت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں۔ تاکہ انہیں اچانک جالیا جائے، اور انہیں دفاع کرنے یا بھاگنے کا موقع نہ دیا جائے، ورنہ دشمن کے خلاف فوج کشی اور گھوڑوں کے ذریعہ ان پر حملہ کسی بھی مناسب وقت میں کیا جاسکتا ہے۔

اور وہ گھوڑے اپنی تیزی رفتار اور دشمن پر حملے کی شدت کے سبب فضا کو غبار آلود بنا دیتے ہیں، اور مجاہدین اسلام کو لے کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں، اور انہیں ٹہس ٹہس نہس کر دیتے ہیں۔ (۲) اُن گھوڑوں کی قسم جن کا اوپر ذکر ہوا، آدمی اپنے رب کی بڑی ناشکری کرتا ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو چیخ پڑتا ہے، اور اپنے رب کے سارے احسانات و انعامات کو بھول جاتا ہے۔

(۳) اور اللہ کا یہ ناشکر گذار بندہ اپنی ناشکری اور احسان فراموشی پر شائبہ ہوتا ہے، اس کا دل گواہی دیتا رہتا ہے کہ وہ اپنے رب کا ناشکر گذار بندہ ہے، اور اس ناشکری کے آثار بھی اس کی ذات پر عیاں ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کے مطابق ﴿وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ﴾ میں "إِنَّهُ" کی ضمیر انسان کے لئے ہوگی، دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ناشکر گذاری اور احسان فراموشی پر گواہ ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے اس میں اللہ کی جانب سے زبردست دھمکی ہے کہ رب العالمین اس کی احسان فراموشی کو دیکھ رہا ہے، اور قیامت کے دن اسے اس کا مزہ اچھکائے گا۔ اس اعتبار سے "وَإِنَّهُ" کی ضمیر اللہ کے لئے ہوگی۔

امام شوکانی کے نزدیک پہلا مفہوم ہی راجح ہے، کیونکہ اس کے بعد آیت ﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ میں "إِنَّهُ" کی ضمیر انسان کے لئے ہے، اور معنی یہ ہے کہ انسان مال و دولت سے بے انتہاء محبت کرتا ہے، اور اس کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اپنی جان جو کسم میں ڈال دیتا ہے۔

(۴) کافر و ناشکر گذار انسان کی زجر و توبیح کی گئی ہے، اور اسے آخرت میں اپنے انجام پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ گناہوں



القَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَذْرِكُ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ
الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ
مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمَةٌ هَاطِيَةٌ ۝ وَمَا أَذْرِكُ مَا هِيَ ۝ نَارُ حَامِيَةٍ ۝

سورة القارعة مکی ہے، اس میں گیارہ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دینے والی قیامت (۱) ﴿۱﴾ کیا ہے سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دینے والی قیامت ﴿۲﴾ اور آپ کو
کیا معلوم، کیا ہے جھنجھوڑ دینے والی قیامت ﴿۳﴾ جس دن لوگ (میدانِ محشر میں) بکھرے کیڑوں کے مانند
ہوں گے ﴿۴﴾ اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے ﴿۵﴾ پس جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری
ہوں گے ﴿۶﴾ وہ پسندیدہ زندگانی میں ہوگا ﴿۷﴾ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے ﴿۸﴾ اس کا ٹھکانا ”ہادیہ“
ہوگا ﴿۹﴾ اور آپ کو کیا معلوم، وہ کیا ہے ﴿۱۰﴾ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے ﴿۱۱﴾

سے تائب ہو کر اپنے رب کی طرف رجوع کرے، اپنی اصلاح کرے، اور آخرت کو کامیاب بنانے کی فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
کیا مغرور انسان کو معلوم نہیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ قبروں سے تمام مردوں کو باہر نکال دے گا، اور انسانوں کے سینوں میں جو بھی
خیر و شر چھپا ہوگا، وہ تمام باہر کر دیے جائیں گے، کوئی چیز چھپی نہیں رہے گی، اس دن ان کا رب ان کے ظاہر و باطن تمام اعمال سے
خوب باخبر ہوگا، اور ان اعمال کا انہیں پورا پورا بدلہ چکائے گا۔

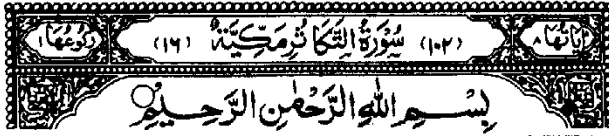
مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اعمال سے ہر وقت باخبر ہے، لیکن قیامت کے دن بطور خاص اس
کے باخبر ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اس دن وہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اپنے علم کی بنیاد پر دے گا، اور ان کا کوئی عمل اُس سے چھپا
نہیں رہے گا۔

تفسیر سورۃ القارعہ

نام: ابتدا کی تین آیتوں میں لفظ "القارعة" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ القارعہ
مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) "القارعة" قیامت کا ایک نام ہے۔ اور اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کو نہایت سختی کے ساتھ جھنجھوڑ
دے گی، اور اللہ کے دشمنوں کو شدید عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ آسمان پھٹ جائے گا، آفتاب اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے،
زمین میں بھونچال آجائے گا، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔



سورة التكاثر کی ہے، اس میں آٹھ آیتیں، اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اسی قیامت، بعثت بعد الموت اور عقیدہ جزا و سزا کو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اس دن کی کامیابی کے لئے کوشش کریں۔ اور پہلی اور دوسری آیت میں "استفہام" سے مقصود قیامت کے دن کی ہولناکی کو بیان کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: قیامت کا دن جو اپنی ہولناکیوں اور دمشتوں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو نہایت سختی کے ساتھ جھجھوڑ دینے والا ہوگا، آپ کو کیا معلوم کہ وہ کیسا دن ہوگا!؟

اُس دن لوگ کیڑوں اور ٹڈیوں کی مانند پریشان اور مضطرب ہوں گے۔ "فراش" ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو رات کے وقت شمع اور چراغ کی روشنی کے گرد اڑتے اور گرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن لوگ پریشان اور مضطرب ہوں گے، شدت ازدحام اور پریشانی کے سبب ایک دوسرے پر گریں گے، جیسے کہ وہ اپنی عقل کھو چکے ہوں، اور ان پر جنونی کیفیت طاری ہو۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر دُھنی ہوئی روٹی کی مانند فضا میں بکھر جائیں گے۔

اُس دن جب لوگ قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے، اور ان کے نامہ ہائے اعمال رب العالمین کے سامنے پیش ہوں گے، تو جس کی نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، وہ جہنم سے نجات پا جائے گا، اور اسے جنت میں دائمی خوشگوار زندگی مل جائے گی۔ اور جس کی نیکیاں کم ہو جائیں گی اور گناہ زیادہ ہو جائیں گے، یا اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی جیسے کافر و مشرک، اس کا ٹھکانا جہنم کی کھائی ہوگی جس میں وہ سر کے بل ڈال دیا جائے گا۔

آیات (۱۰۱-۱۱۰) میں جہنم کی ہولناکیوں اور اس کے عذاب کی سختی کا احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کو کیا معلوم کہ وہ "ہاویۃ" کیا ہے؟ پھر خود ہی اس کا جواب دیا کہ وہ تو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے، جس کی گرمی دنیا کی آگ کی گرمی سے ستر گنا زیادہ ہوگی، جیسا کہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! تمہاری یہ آگ جسے ابن آدم سلاگاتا ہے، جہنم کی آگ کے ستر حصے کا ایک حصہ گرم ہے۔ اللھم اِنَّا نَسْتَجِیْرُبِكَ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ.

تفسیر سورة التكاثر

نام: پہلی آیت میں لفظ "التكاثر" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردودہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿اِنَّهَا كُنْ التَّكَاثُرُ﴾ کہ میں نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری نے اسے مدنی کہا ہے، اور دلیل میں ابی بن کعب کی روایت پیش کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قول "لَوَ اَنَّ لَابْنَ اَدَمَ وَاَدِيْبِيْنَ مِنْ مَّالٍ لَتَمَنَّى وَاَدِيْبَانَا لَنَا، وَاَيْمَلُاجُوفِ ابْنِ اَدَمَ اِلَّا التَّرَابَ" "اگر ابن آدم کے پاس دو وادی بھر کر مال ہوتا، تو وہ تیسری وادی کی تمنا کرتا، ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی سے بھرے گا" کو قرآن کا حصہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ ﴿اِنَّهَا كُنْ التَّكَاثُرُ﴾ نازل ہوئی۔ یہ روایت اس سورت کے مدنی ہونے

أَلْهَمَكُمُ التَّكْوِيْنَ حَتَّىٰ نُرِيَنَّكَ الْبِقَابِ ۖ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ
الْيَقِيْنِ ۖ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۖ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۖ

لوگو! تمہیں کثرت کی چاہت (۱) نے اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے ﴿۱﴾ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے ﴿۲﴾ ہرگز نہیں (۲) تم عنقریب جان لو گے ﴿۳﴾ پھر ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لو گے ﴿۴﴾ ہرگز نہیں، اگر تم علم یقینی کے طور پر جان لیتے (تو تم کثرت کی چاہت میں نہ پڑتے) ﴿۵﴾ (ہماری عزت و جلال کی قسم) تم جہنم (۳) کو یقیناً دیکھو گے ﴿۶﴾ پھر تم جہنم کو بالکل یقینی طور پر دیکھ لو گے ﴿۷﴾

کی دلیل اس طرح بنتی ہے کہ ابی بن کعب مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے، لیکن راجح یہی ہے کہ یہ سورت کمی ہے، اور ابی بن کعب کی روایت کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جو صحابہ مدینہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، جب انہوں نے پہلی بار نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ سورت سنی تو سمجھے کہ یہ ابھی مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ کا خطاب ان لوگوں سے ہے جو فخر و مباہات اور نام و نمود کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرتے ہیں، اللہ کی یاد سے یکسر غافل، اور عمل صالح کی توفیق سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

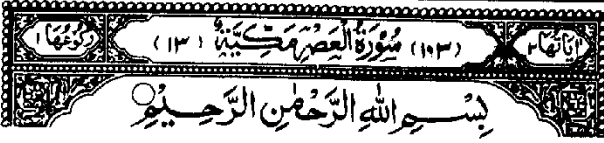
اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ایسے لوگوں کی زبردستی کی ہے، اور انہیں جہنم کی آگ سے ڈرایا ہے۔ فرمایا ہے: لوگو! تمہیں کثرت اور زیادتی کی چاہت نے اللہ اور اس کی محبت سے غافل کر دیا ہے۔ یہاں صرف کثرت اور زیادتی کی چاہت کا ذکر کیا گیا، اور ان چیزوں کا ذکر نہیں آیا جن میں آدمی نام و نمود کی خاطر زیادتی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس لئے اس تکاثر میں ہر وہ چیز داخل ہوگی جس میں کثرت کی خواہش فخر و مباہات کے لئے ہوتی ہے، چاہے وہ مال ہو یا اولاد، فوج و لشکر ہو یا دیگر اسباب قوت و ہیبت یا نوکر چاکر ہوں یا جاہ و حشمت۔ ہر وہ چیز جس میں طلب کثرت سے مقصود طلب رضائے الہی نہ ہو، اس میں داخل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لوگو! تم اللہ کی یاد اور فکر آخرت سے یکسر غافل رہو گے، یہاں تک کہ تم قبر میں پہنچ جاؤ گے، اس وقت تمہاری آنکھوں کا پردہ ہٹ جائے گا، اور حقیقت تمہارے سامنے کھل کر آجائے گی، لیکن اس وقت ایمان و یقین کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(۲) مفسرین نے لکھا ہے کہ لفظ "کَلَّا" اس بات پر تنبیہ کے لئے ہے کہ دنیا کی حرص و ہوس والے اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، ورنہ قیامت کے دن وہ اس کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ آیت (۳) میں اسی تنبیہ و وعید کا اعادہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ محب دنیا اور فخر و مباہات میں لگے رہے اور اللہ کی یاد سے غافل رہے تو عنقریب روز قیامت اپنا برا انجام دیکھ لیں گے۔

آیت (۵) میں اللہ تعالیٰ نے دنیا پرستوں کو مزید دھمکی دی ہے، اور کہا ہے کہ موت کے بعد جن حالات کا تم سامنا کرنے والے ہو، اگر اس کا یقینی علم تمہارے دلوں کو چھو لیتا، تو تم دنیا کے حرص و ہوس میں نہ پڑتے، بلکہ زہد و تقویٰ اور عمل صالح والی زندگی کو اپنالیتے۔ تمہاری یہ دنیا طلبی بعث بعد الموت اور آخرت پر عدم ایمان کا نتیجہ ہے۔

(۳) یہ دونوں آیتیں محذوف قسم کا جواب ہیں، اور مقصود گذشتہ وعید اور دھمکی کی مزید تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہماری عزت اور ہمارے جلال کی قسم! تم لوگ جہنم کو قیامت کے دن ضرور دیکھو گے، مشرک اسے دیکھے گا اور اس میں ڈال دیا جائے گا، اور مومن اسے دیکھے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسے اس سے نجات دے دے گا۔ آگے فرمایا: تمہارا جہنم کو دیکھنا ایسی یقینی بات ہے جس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے، اسے سامنے لایا جائے گا، اور تمام اہل موقف اسے دیکھیں گے۔ جیسا کہ سورۃ الکہف

قُرْآنٌ لِّلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالنَّبِيِّينَ



وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَغِيّ خُسْرٍ

پھر تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے (۳) جاؤ گے ﴿۸﴾

(سورۃ العصر کی ہے، اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

زمانے کی قسم (۱) ﴿۱﴾ بے شک انسان گھائے میں ہے ﴿۲﴾

آیت (۵۳) میں آیا ہے: ﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾
”اور گناہگار جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں، اور اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔“

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! جس دن تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، اس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اللہ نے تمہیں دنیا میں دیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”النعیم“ سے مراد صحت و عافیت اور قوت سماع و بصر لیا ہے۔ کسی نے اس سے صحت و فراغت، کسی نے ماکولات و مشروبات، اور کسی نے صحت و امن مراد لیا ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں: اولیٰ یہ ہے کہ اس سے اللہ کی تمام نعمتیں مراد لی جائیں، جن سے بندے دنیا میں مستفید ہوتے ہیں۔

نعمتوں کے بارے میں بندوں سے سوال یہ کیا جائے گا کہ انہوں نے ان پر اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کیا یا نہیں، تو جس نے دنیا میں اس کا شکر ادا کیا ہو گا وہ نجات پا جائے گا، اور جس نے ناشکری کی ہوگی وہ اس کی گرفت میں آجائے گا۔

تفسیر سورۃ العصر

نام: پہلی آیت ”والعصر“ ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

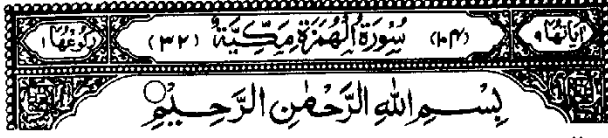
زمانہ نزول: جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی تھی، اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ بالعموم انسان خسارے میں ہے، سوائے اس آدمی کے جس کے اندر وہ چار صفات پائی جائیں جن کا ذکر آیت (۳) میں آیا ہے۔

اور زمانے سے مراد ”لیل و نهار“ ہے جس کی گردش سے تاریکی اور روشنی پیدا ہوتی ہے، اور جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے، اور وہ ایک ہے۔ ”عصر“ کے مفہوم کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، لیکن شوکانی کے نزدیک راجح وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زمانے کی قسم!! انسان گھائے میں ہے، اس لئے کہ وہ دنیا میں جب تک زندہ رہتا ہے، اسے کوئی نہ کوئی

أَلَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالحَقِّ لَهُ وَتَوَّصُوا بِالصَّابِرِ



وَيَلْ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٌ ۝

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان (۲) لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، اور ایک دوسرے کو (ایمان اور عمل صالح کی) نصیحت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی ﴿۳﴾

(سورۃ الہمزہ مکی ہے، اس میں نو آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
جہنم کی وادی ویل یا ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو کسی کی اس کے منہ پر برائی (۱) کرتا ہے، اور جو پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے ﴿۴﴾

پریشانی لاحق ہوتی رہتی ہے، اور اگر کفر پر موت ہو جاتی ہے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے، اور اپنی عزیز تر جان کو بھی کھو بیٹھتا ہے یعنی جہنم میں جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے اس کی جان عذاب میں مبتلا رہے گی۔

(۲) اس خسارے اور گھٹائے سے صرف وہی لوگ بچیں گے جن کے اندر چار صفات پائی جائیں گی:

- ۱- اللہ تعالیٰ نے جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ان پر ایمان لائیں۔
- ۲- عمل صالح کریں، یعنی بھلائی کے جتنے کام ہیں، ان کو بجالائیں، چاہے ان کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہو، یا بندوں کے حقوق سے، اور چاہے وہ واجب ہوں یا مستنون یا مستحب۔
- ۳- جس ایمان اور عمل صالح کی باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں، ان کی وہ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کریں اور ان پر عمل کی رغبت دلائیں۔

۴- اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی بجالانے، اور نواہی سے اجتناب میں جو تکلیف اور زحمت اٹھانی پڑے، اس پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں، نیز ان دیگر تکلیفوں اور مصیبتوں پر بھی ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں جو اللہ کی تقدیر کا نتیجہ ہوتی ہیں، اور جنہیں اللہ کے سوا کوئی نال نہیں سکتا۔

جس بندے میں یہ چاروں صفات پائی جائیں گی وہ خسارے سے بچا رہے گا، اور دونوں جہان میں فوزِ عظیم کا حقدار بنے گا۔

تفسیر سورۃ الہمزہ

نام: پہلی آیت میں لفظ "ہمزۃ" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿وَيَلْ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٌ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۗ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۗ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۗ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۗ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۗ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۗ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۗ فِي عَمَلٍ مُّمْدُودَةٍ ۗ

جو مال جمع (۲) کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے ﴿۲﴾ وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے بیٹھگی کی زندگی دے دے گا ﴿۳﴾ ہرگز نہیں، وہ حطمہ (آگ جو نیست و نابود کر دے گی) میں ڈال دیا جائے گا ﴿۳﴾ اور آپ کیا جانتے کہ کیا ہے حطمہ ﴿۳﴾ وہ اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہوگی ﴿۷﴾ جو دلوں تک پہنچ جائے گی ﴿۷﴾ وہ آگ اُن پر بند ﴿۳﴾ کر دی جائے گی ﴿۸﴾ وہ لوہے کے طویل کھبوں کے ساتھ باندھ دیئے جائیں گے ﴿۹﴾

(۱) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وادی ویل، یا ہلاکت و عذاب کی دھمکی ہر اس شخص کو دی ہے جو لوگوں کی عیب جوئی اور منہ پر یا پینٹ پیچھے غیبت کرتا پھرتا ہے۔ "ہمزة" سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی کی اس کے منہ پر برائی بیان کرتا ہے۔ اور "لمزه" اس کو کہتے ہیں جو کسی کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ "ہمزة" وہ ہے جو اپنے عمل اور اشارہ کے ذریعہ کسی کی عیب جوئی کرتا ہے۔ اور "لمزه" وہ ہے جو اپنی زبان کے ذریعہ کسی کی عیب جوئی کرتا ہے۔

مشرکین مکہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جن میں خاص طور سے یہ بڑی صفت پائی جاتی تھی، جیسے احنس بن شریق وغیرہ۔ یہ لوگ جب مسلمانوں کو دیکھتے تو کبھی زبان سے اور کبھی اشارے سے ان کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن آیت کا حکم عام ہے، اور ہر اس آدمی کو شامل ہے جس کے اندر کسی بھی زمان و مکان میں یہ بڑی صفت پائی جائے گی۔ اور قرآن کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور کے مجرموں کے اندر بالخصوص یہ صفت پائی جاتی رہی ہے۔ سورۃ المطففین آیت (۳۹/۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۖ وَإِذَا مَدَّوْا إِلَيْهِمْ يَنْتَفِمُونَ﴾ "گناہ گار لوگ ایمانداروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے"۔

(۲) ایسے غیبت گو اور عیب جو انسان کی دوسری صفت یہ ہوتی ہے کہ زندگی میں مال جمع کرنے اور اسے گنتے رہنے کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ وہ حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر مال جمع کرتا رہتا ہے، اور صلہ رحمی اور دیگر کارہائے خیر میں سے خرچ کرنے کی کبھی نہیں سوچتا۔ سمجھتا ہے کہ ہر عزت و شرف مال جمع کرنے میں ہے، جوں جوں اس کا مال بڑھتا جاتا ہے، اس کا کبر و غرور بڑھتا جاتا ہے، اور لوگوں کا مذاق اڑاتا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔ ایسا شخص دولت کے نشے میں موت اور اس کے بعد کے انجام کو بھول جاتا ہے اور گمان کرنے لگتا ہے کہ اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور وہ ہمیشہ دنیا میں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا گمان غلط ہے، اسے موت آئے گی اور اس عارضی زندگی کے بعد دائمی زندگی آئے گی جس میں اسے اپنے بُرے اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی، اور قیامت کے دن اس آگ میں اسے ڈال دیا جائے گا، جو اس کے اندر ڈالی جانے والی ہر چیز کو نیست و نابود کر دے گی۔

(۳) جہنم کی خطرناکی اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: آپ کو کیا معلوم کہ وہ "حطمہ" یعنی جہنم کیا چیز ہوگی؟ پھر کہا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ ہوگی جس کا بندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، اور جو اپنی شدت اور تیزی کے سبب جسموں کے راستے دلوں تک پہنچ جائے گی، یعنی اس کی تکلیف اور سختی دلوں کو ہمہ دم بے چین اور مضطرب رکھے گی۔



الْمُتْرَكِينَ فَعَلَّ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ الْيَوْمَ جَعَلْنَا كَيْدَهُمْ فِي تَضَلُّلٍ ۝ وَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِيَ ۝

(سورة الفیل کی ہے، اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں (۱) کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ﴿۱﴾ کیا اس نے (خانہ کعبہ کے خلاف) ان کی سازش کو ناکام نہیں بنادیا ﴿۲﴾ اور ان پر پرندوں کے جھنڈے جھنڈے بھیج دیئے ﴿۳﴾ جو ان پر پتھریلی مٹی کی کنکریاں برساتے تھے ﴿۴﴾ پس اللہ نے انہیں کھائے ہوئے بھس کے مانند بنادیا ﴿۵﴾

(۳) اور وہ بد بخت جہنمی اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے، اسی میں انہیں بند کر دیا جائے گا، اس سے نکلنے کی امید ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گی۔ انہیں لوہے کے طویل کھمبوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا۔ بعض نے لکھا ہے کہ بند دروازوں کو ہمیشہ کے لئے بند رکھنے کے لئے باہر سے ان پر لہے لہے ستون ٹھوک دیئے جائیں گے، تاکہ اس سے کبھی نہ نکلیں۔ نعوذ باللہ من ذلك، ونسأله العفو والعافية۔

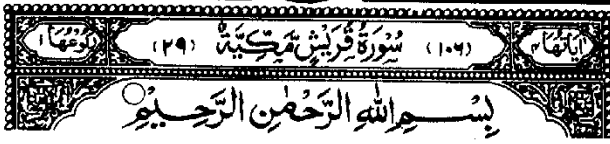
تفسیر سورۃ الفیل

نام: پہلی آیت میں لفظ "الفیل" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت تمام کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردودہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اصحابِ فیل کی ہلاکت کا واقعہ یاد دلایا ہے، جو اپنی قوت و جبروت کے نشے میں یمن سے خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے آئے تھے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح قریش کے ظالموں اور سرکشوں کو بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ اس لئے اے میرے نبی! آپ صبر سے کام لیجئے، اور ہمارے فیصلے کا انتظار کیجئے۔

اصحابِ فیل کا واقعہ متواتر روایتوں سے ثابت ہے۔ اہل مکہ نے اسے اس کی شہرت اور اہمیت کے پیش نظر اپنی تاریخ کی ابتدا بنالی تھی۔ ابن ہشام اور دیگر اہل تاریخ و سیر نے اس واقعے کی جو تفصیل بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہہ حبشی نے جو نجاشی کی طرف سے یمن کو گورنر تھا۔ صنعاء میں ایک گرجا بنایا تاکہ لوگوں کو خانہ کعبہ کے بجائے اس کے طواف و زیارت کی دعوت دے۔ ایک قریشی یہ سن کر بڑا متاثر ہوا، اور رات کے وقت اس نے اس گرجا میں داخل ہو کر پاخانہ کر دیا اور اس کی دیواروں میں لگا دیا۔ ابرہہ یہ سن کر شدید ناراض ہوا، اور ایک بہت بڑی فوج لے کر (جس میں تیرہ ہاتھی بھی تھے) خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب مکہ کے قریب پہنچا تو عبدالمطلب نے اس کو ہر طرح سمجھایا لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ تب عبدالمطلب نے



لَا يَلْبَسُ قُرَيْشٌ ۙ الْفِطْرَةَ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۗ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۗ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ
مِّنْ جُوعٍ ۖ وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۗ

(سورہ قریش کی ہے، اس میں چار آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

(ہم نے ابرہہ اور اس کی فوج کے ساتھ جو کچھ کیا) قریش کو مانوس (۱) بنانے کے لئے کیا ﴿۱﴾ انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس بنانے کے لئے کیا ﴿۲﴾ پس (اس نعمت کے شکر کے لئے) انہیں چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں ﴿۳﴾ جس نے انہیں بھوک دور کرنے کے لئے کھانا دیا، اور خوف سے امن دیا ﴿۴﴾

لوگوں سے کہا کہ ہم سب پہاڑوں پر چڑھ جائیں اور جس اللہ کا گھر ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کر لے گا۔

چنانچہ جب ابرہہ اپنی طاقت کے نشے میں چور آگے بڑھا، تو اللہ کے حکم سے چھوٹی چھوٹی ابا تیل چڑیاں اپنی چونچوں اور پنجوں میں نکلنے آئیں، اور اس کو اور اس کی فوج کو مارنے لگیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ان کنکروں کی چوٹ سے ان کے جسم میں کھلی ہونے لگی، اور کھجالتے ہی ان کے جسموں کا گوشت گرنے لگا اور سب وادی حُمر اور اس کے آس پاس ہلاک ہو گئے۔ ابرہہ جان بچا کر بھاگا، لیکن وہ بھی یمن پہنچنے کے بعد مر گیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ اور اہل مکہ کو بچالیا، اور یہ واقعہ رہتی دنیا تک کے لئے تازیانہ عبرت بن گیا۔ اس کے بعد سے آج تک پھر کسی نے ابرہہ جیسی جرأت نہیں کی، اور وہاں کے امن و سکون میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ واللہ الحمد۔

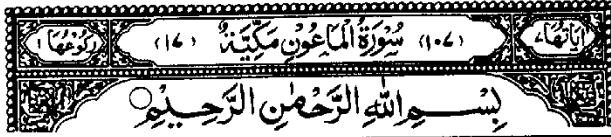
اللہ تعالیٰ نے اہل قریش پر احسان جتاتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: کیا آپ نے اللہ کی قدرت، اس کی عظمت شان، بندوں پر اس کی رحمت، اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی صداقت کے دلائل کا احصاءِ فیل کے واقعے میں نظارہ نہیں کیا، کہ اس نے خانہ کعبہ کے خلاف اصحابِ فیل کی سازش کو کس طرح ناکام بنا دیا، اور ان کو ہلاک و برباد کرنے کے لئے پرندوں کے جھنڈے کے جھنڈے بھیج دیئے جو سمندر کی طرف سے آئے تھے، اہل مکہ نے (جو پہاڑوں کی چونچوں پر چڑھ گئے تھے) انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابرہہ کی فوج کے اوپر آئے اور اپنی چونچوں اور پنجوں میں موجود کنکریوں کو ان پر برسائے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، اور وہ کھائی ہوئی بھوسی کی طرح ہو گئے۔

تفسیر سورہ قریش

نام: پہلی آیت میں لفظ "قریش" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اور ضحاک اور کلبی نے کہا ہے کہ یہ مدنی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ "ایلاف" مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) عربی زبان میں "ایلاف" کا معنی کسی چیز کا عادی ہونا ہے۔ بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ "ایلاف" میں جار و مجرور کا تعلق



سورة الماعون کی ہے، اس میں سات آیتیں، اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اس سے پہلی والی سورت یعنی سورة الفیل سے ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اصحاب فیل کے ساتھ جو کچھ کیا، اس لئے کیا تاکہ اہل قریش یمن و شام کے سفر کے عادی رہیں، اور بے خوف و خطر سفر کرتے رہیں، قریش پر ہمارا یہ احسان تھا۔ چنانچہ اہل قریش جب تجارت کے لئے مکہ سے باہر جاتے تو کوئی قبیلہ ان پر حملہ نہیں کرتا تھا، قبا ل عرب کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ کے گھر والے ہیں۔ انہیں چھیڑ کر کوئی اللہ سے عداوت نہ کرے۔ اور ان کے اس عقیدے کی توثیق اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے واقعے سے کر دی کہ جب ابرہہ حبشی خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے آیا تو اللہ نے اسے ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں قریش کو انہی نعمتوں کی یاد دلوائی ہے، اور کہا ہے کہ ہم نے ابرہہ اور اس کی فوج کے ساتھ ایسا اس لئے کیا تاکہ اہل قریش تجارت کے لئے بے خوف و خطر شام و یمن کا سفر کرتے رہیں اور کوئی ان پر حملہ نہ کرے۔ قریش کے لوگ سال میں دو بار تجارتی سفر کرتے تھے، سردی کے زمانے میں یمن، اور گرمی میں شام جاتے تھے۔ اور اپنا تجارتی مال بیچ کر وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں لاتے تھے، اور سال بھر آرام سے مکہ مکرمہ میں زندگی گزارتے تھے۔

اسی لئے آیت (۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ان پر اللہ کے انعامات کا شمار نہیں کیا جاسکتا، اور ان میں سے ہر نعمت ان سے شکر کا تقاضا کرتی ہے، لیکن سردی اور گرمی کے زمانے میں شام و یمن کی طرف ان کا سفر کرنا تو اتنی بڑی نعمت ہے کہ اسے یاد کر کے انہیں ضرور ہی رب کعبہ کی عبادت کرنی چاہئے، جس نے ان اسفار کے ذریعہ ان کی روزی کا انتظام کیا، اور اہل حرم ہونے کے سبب انہیں خوف و ہراس سے نجات دی، نہ کوئی ان پر حملہ کرتا ہے اور نہ ہی کوئی ان سے قتال کی سوچتا ہے۔

ابن زید کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ ایک دوسرے پر چھاپہ مارتے تھے، اور ایک دوسرے کو قیدی بنا لیتے تھے۔ اہل حرم کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں حرم کی عزت ان پر حملہ کرنے سے باز رکھتی تھی۔ پھر انہوں نے سورة القصص کی آیت (۵۷) پڑھی ﴿أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُحْبِسُوا فِيهِ فُجَرَاءَ كُلِّ نَسَبٍ﴾ ”کیا ہم نے انہیں امن و امان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی، جہاں تمام اقسام کے پھل چلے آتے ہیں“۔ نیز سورة العنکبوت کی آیت (۶۷) پڑھی: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ ”کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو پر امن بنا دیا ہے حالانکہ اس کے ارد گرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں“۔

تفسیر سورة الماعون

نام: آخری آیت میں لفظ "الماعون" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے دو نام اور ہیں: سورة الدین اور سورة الیتیم۔

زمانہ نزول: عطاء اور جابر کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ایک قول ہے۔ اور قتادہ اور دیگر

أَرَعَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالذِّينِ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۚ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْيَتِيمِ ۚ فَوَيْلٌ
لِّلْمُصَلِّينَ ۚ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ ۚ

اے میرے نبی! کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھا جو جزا و سزا کے دن (۱) کو جھٹلاتا ہے ﴿۱﴾ پس یہ وہ ہے جو یتیم کو
دھکے دیتا ہے ﴿۲﴾ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دلاتا ہے ﴿۳﴾ پس ویل یا ہلاکت ہے ان نمازیوں (۲) کے
لئے ﴿۴﴾ جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں ﴿۵﴾ جو لوگوں کو دکھاتے ہیں ﴿۶﴾

علماء کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالذِّينِ﴾
مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) مقاتل اور کلبی کا قول ہے کہ یہ سورت عاص بن وائل السہمی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور سدی کا قول ہے کہ ولید بن
مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور ضحاک کہتے ہیں کہ عمرو بن عائد کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔
ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار مکہ کے سلوک پر نکیر کی ہے، اور انہیں قیامت کے دن کے عذاب کی دھمکی دی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! وہ آدمی لائق صد حیرت ہے جو قیامت کے دن کے جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے، اور کہتا ہے کہ
موت کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے جس میں انسانوں کو ان کے اچھے اور بُرے اعمال کا بدلہ چکایا جائے گا۔
اور وہ آدمی سنگ دل اور بے رحم ہے، یتیموں کو بُری طرح ڈانٹتا ہے، انہیں دھکے دے کر بھگا دیتا ہے اور ان کا حق
ہڑپ جاتا ہے۔

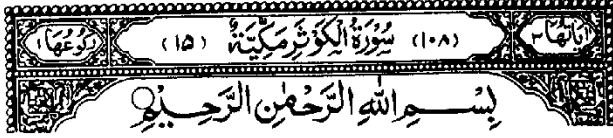
اور چونکہ اس کا آخرت اور جزا و سزا پر ایمان نہیں، اسی لئے نہ وہ خود مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے، نہ ہی دوسروں کو اس کی
ترغیب دلاتا ہے۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو لوگوں کے سامنے تو نماز پڑھتے ہیں، اور تنہائی میں نہیں
پڑھتے۔ اور مسروق وغیرہ کا خیال ہے کہ وہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں جیسا کہ "للمصلین" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ
نمازوں کو ان کے متعین اوقات میں نہیں پڑھتے۔ اور عطاء بن یسار کا قول ہے کہ وہ لوگ نمازوں کو اوقات میں نہیں پڑھتے
بلکہ ہمیشہ یا اکثر و بیشتر آخری وقت میں پڑھتے ہیں، یا نماز پڑھتے وقت اس کے ارکان و شروط کا خیال نہیں رکھتے، یا اس میں خشوع
و خضوع کا خیال نہیں رکھتے۔ ﴿عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ کے الفاظ ان تمام ہی صورتوں کو شامل ہیں۔ تو جس شخص میں ان
میں سے ایک صفت پائی جائے گی، اس کے اندر اسی حساب سے نماز سے غفلت پائی جائے گی، اور جس کے اندر مذکورہ بالا تمام
صفتیں پائی جائیں گی، وہ مکمل عملی نفاق میں مبتلا ہوگا۔ جیسا کہ صحیحین کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ منافق کی نماز
ہے، وہ منافق کی نماز ہے، وہ منافق کی نماز ہے۔ بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ شیطان کی دو سیٹگوں کے
درمیان پہنچ جاتا ہے تو چار بار گھر مار لیتا ہے، اللہ کو اس میں کم ہی یاد کرتا ہے۔"

آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی حقیقت کھول دی کہ ان کی نماز لوگوں کے دکھاوے کے لئے ہوتی ہے، چونکہ
وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اس لئے وہ اپنی اس نماز سے نہ ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ عذاب و عقاب کا خوف۔

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت (۱۳۲) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ

وَيَمْنَعُونَ الْبَاغُونَ ۝



إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَامْحَرْهُ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

اور برتنے والی چیز (۳) لوگوں سے روکتے ہیں ﴿۷﴾

(سورۃ الکوتر کی ہے، اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔
بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا (۱) کیا ہے ﴿۱﴾ پس آپ صرف اپنے رب کے لئے نماز (۲) پڑھئے اور صرف
اسی کے لئے قربانی کیجئے ﴿۲﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا (۳) ہے ﴿۳﴾

خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يُذَكِّرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱﴾
(۳) ان منافقین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب کوئی مخلص مسلمان ان سے گھر میں برتنے والی کوئی چیز عارضی استعمال کے لئے
مانگتا ہے جس سے دینے والے کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اور مانگنے والے کی عارضی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، جیسے ڈول، کلبھاری
اور ہانڈی وغیرہ، تو وہ مسلمانوں سے حسد کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں، نہیں چاہتے کہ مومنوں کو ان کی کسی چیز سے فائدہ پہنچے۔ اور
چونکہ آخرت پر ان کا ایمان نہیں ہوتا، اس لئے انہیں ثواب کی لالچ بھی نہیں ہوتی۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مندرجہ ذیل امور کی ترغیب دلائی ہے:

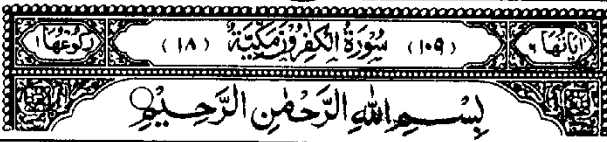
- ۱- تیبوں اور مسکینوں کو خود کھانا کھلانا اور دیگر مسلمانوں کو اس کی ترغیب دلانا۔
- ۲- ہجرت نمازوں کو ان کے متعین اوقات میں پورے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا۔
- ۳- تمام اعمال حسد کی ادائیگی میں رضائے الہی کی نیت کرنا، اور ریاکاری اور نام و نمود سے قطعی طور پر دور رہنا۔
- ۴- زندگی میں کاخیر کرتے رہنا، اور اپنے پڑوسیوں اور مسلمان بھائیوں کو اپنی چھوٹی چیزوں سے فائدہ پہنچاتے رہنا، اس لئے
کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کی خدمت بیان کی ہے۔

تفسیر سورۃ الکوتر

نام: پہلی آیت میں لفظ "الکوتر" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت ابن عباس، کلثبی اور مقاتل کے نزدیک مکی ہے، اور حسن، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کے نزدیک مدنی ہے۔
ابن مردویہ نے ابن عباس، ابن الزبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی ہے کہ سورۃ الکوتر مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کفار مکہ کی بدسلوکیوں کے بارے میں تسلی اور خیر کثیر کی خوشخبری دی ہے۔
محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان سے روایت کی ہے کہ عاص بن وائل کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو کہتا، اس کی



سورۃ الکافرون کی ہے، اس میں چھ آیتیں، اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

بات نہ کرو، وہ تو ایسا آدمی ہے جس کی جڑکٹی ہوئی ہے، اس کی کوئی زینہ اولاد نہیں ہے، جب مر جائے گا تو اس کا نام مٹ جائے گا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

عطاء کہتے ہیں کہ یہ سورت ابو لہب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا تو مشرکین سے کہنے لگا کہ رات محمد کی جڑکٹی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ شمر بن عطیہ کا قول ہے کہ یہ سورت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ﴿إِن شَأْنَنَا عَلَيْكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ ان تمام کفار کو شامل ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسی کوئی بات کہی۔ انتہی۔ اور جب تک دنیا رہے گی رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا اس آیت کے حکم میں داخل ہوگا۔

عربی زبان میں "کوثر" کا اطلاق ہر چیز کی کثرت پر ہوتا ہے، چاہے وہ کثرت تعداد میں ہو یا قدر و منزلت میں یا کسی اور اعتبار سے۔ یہاں اس سے مراد خیر کثیر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن و حکمت، نبوت، دین حق اور رشد و ہدایت کا حظ وافر دیا ہے۔ واحدی نے اکثر مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ عطاء نے کہا ہے کہ کوثر نبی کریم ﷺ کے حوض کا نام ہے جو میدانِ محشر میں آپ کو ملے گا۔ احمد ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ لگ گئی، پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور فرمایا: مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے سورۃ الکوثر آخر تک پڑھی اور کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: وہ جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے دی ہے۔ الحدیث۔

ابن جریر نے ابو بشر سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے "کوثر" کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ اس سے مراد "خیر کثیر" ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیا تھا، تو میں نے کہا: ہم سنتے آئے ہیں کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے؟ تو سعید نے کہا: وہ نہر بھی اس "خیر کثیر" میں داخل ہے جو اللہ نے آپ کو دی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خیر کثیر عطا کرنے کی جو خوشخبری دی ہے اس آیت میں آپ کو اس پر شکر ادا کرنے کی نصیحت کی ہے اور کہا ہے کہ آپ صرف اپنے رب کی خوشنودی اور اس کی رضا کے حصول کے لئے نماز پڑھتے رہئے اور صرف اسی کے نام سے قربانی کیا کیجئے۔ اور نماز اور قربانی کا بطور خاص ذکر دونوں کی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا۔

(۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے ہر دور اور ہر جگہ ذلیل و خوار ہوں گے، انہی کی نسل باقی نہیں رہے گی، اور انہی کا نام دنیا سے مٹ جائے گا۔ اور نبی کریم ﷺ تو تمام صفات و کمالات میں ان حدوں کو چھو چکے تھے جو خاتم النبیین کے لئے اللہ نے مقرر کر دیا تھا، ان کے ذکر جمیل نے سارے عالم کو بھر دیا تھا اور ان کے انصار و مددگار اور ان کے پیروکار پوری دنیا میں پھیل گئے تھے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۚ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۚ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۚ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ۚ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۚ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے (۱) اے کافرو! ﴿۱﴾ میں ان بتوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿۲﴾ اور نہ تم اس اللہ کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ﴿۳﴾ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے ﴿۴﴾ اور نہ تم اس اللہ کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ﴿۵﴾ تمہارے لئے تمہارا دین ہے، اور میرے لئے میرا دین ﴿۶﴾

تفسیر سورۃ الکافرون

نام: پہلی آیت میں لفظ "الکافرون" آیا ہے، یہی اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

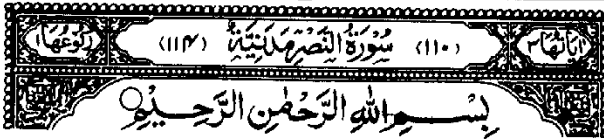
زمانہ نزول: یہ سورت ابن مسعود، حسن اور عمرؓ کے نزدیک مکی ہے، اور قتادہ اور ضحاک کے نزدیک مدنی ہے، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ایک قول ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ مکہ میں نازل ہوئی تھی، اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ طواف کی دونوں رکعتوں میں پڑھی۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں فجر کی دو رکعتوں میں پڑھی۔ اور طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ اور احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے معاویہ اجمعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں سکھایا کہ جب تم بستر پر جاؤ تو ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ پڑھ کر سوجاؤ، اس سورت میں شرک سے براءت ہے۔

(۱) محمد بن اسحاق نے سعید بن مینا سے روایت کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور کہا، اے محمد! آؤ، ہم تمہارے معبود کی پرستش کریں اور تمہارے معبودوں کی پرستش کرو، تو اللہ تعالیٰ نے سورہ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت اور سورۃ الزمر کی آیات (۶۳/۶۵/۶۶) ﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّبِعُونَ ۚ أَعْبُدُ إِلَٰهِيهَا النَّجَافِلُونَ ۚ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِن أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ بَلِ اللَّهُ فَعْبُدُوهُ كُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے میرے نبی! آپ ان کافروں سے جو آپ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کی پرستش کیجئے اور وہ آپ کے معبود کی عبادت کریں، کہہ دیجئے کہ میں اس وقت ہرگز تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کروں گا، اور نہ تم میرے اللہ کی پرستش کرو گے، تمہارے بارے میں اللہ کا ایسا ہی فیصلہ ہے، اور میں مستقبل میں بھی ہرگز تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کروں گا، اور نہ تم میرے اللہ کی مستقبل میں پرستش کرو گے، اس لئے کہ میرے رب کا تمہارے بارے میں تمہاری نیت اور عمل کے فساد کے سبب یہی فیصلہ ہے کہ تمہاری موت کفر پر ہو، تاکہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

ان آیات میں تکرار سے مقصود تاکید ہے، تاکہ جن کافروں نے آپ ﷺ کو بتوں کی پرستش کا مشورہ دیا تھا وہ قطعی طور پر



إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۗ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۗ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۗ
كَانَ تَوَّابًا ۗ

سورۃ النصر مدنی ہے، اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اے میرے نبی! جب اللہ کی مدد (۱) آگئی ہے، اور مکہ فتح ہو گیا ہے ﴿۱﴾ اور آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ گروہ درگروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں ﴿۲﴾ تو آپ اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے، اس کی حمد و ثنا کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ﴿۳﴾

اس بات سے ناامید ہو جائیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے بتوں کی عبادت کریں گے۔

حافظ ابن کثیر نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ سے مراد فعل کی نفی ہے، اس لئے کہ یہ جملہ فعلیہ ہے، اور ﴿وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ﴾ سے مراد بتوں کی عبادت کو قبول کرنے کی قطعی نفی ہے، اس لئے کہ جملہ اسمیہ کے ذریعہ نفی زیادہ قوی اور موکدہ ہوتی ہے، گویا آپ ﷺ نے بتوں کی عبادت واقع ہونے کی نفی کر دی اور کسی بھی صورت میں اس کے امکان کی بھی نفی کر دی۔

آخری آیت ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کافروں کے ایمان لانے سے قطعی طور پر ناامید کر دیا ہے جن کے ایمان لانے کی آپ ﷺ خواہش رکھتے تھے، اور ان کافروں کو جنہوں نے آپ ﷺ کو بتوں کی پرستش کا مشورہ دیا تھا، اس بات سے قطعی طور پر ناامید بنا دیا ہے کہ آپ ﷺ ان کی فاسد و باطل رائے کو مان کر کبھی ان کے بتوں کی پرستش کریں گے۔ چنانچہ وہ مشرکین جنہوں نے آپ ﷺ کو بتوں کی پرستش کا مشورہ دیا، سب کی موت کفر پر ہوئی، کوئی میدان بدر میں مارا گیا، اور کوئی مکہ میں ہی حالت کفر میں ہلاک ہوا، اور اللہ کی بات ان کے بارے میں صادق ہوئی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

تفسیر سورۃ النصر

نام: پہلی آیت میں لفظ "نصر" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا دو سرانام سورۃ التودیع بھی ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت سب کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی، اور ابن ابی شیبہ، بزار، ابویعلیٰ اور بیہقی وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورت جتہ الوداع میں، وسط ایام تشریق میں منیٰ میں نازل ہوئی، تو آپ نے سمجھ لیا کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے میرے نبی! اب جبکہ آپ اپنے دشمنوں کے خلاف ہر معرکے میں غالب آنے لگے ہیں اور مکہ کو فتح کر لیا ہے، اور وہ دارالکفر سے دارالاسلام بن گیا ہے، اور قبائل عرب گروہ درگروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، ابتداءً اسلام کی طرح نہیں جب لوگ کافروں کے ڈر سے یگانگہ اسلام میں داخل ہوتے تھے، جب یہ



تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۗ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَاكْسَبَتْهُ سَيْصِلٰی ۙ تَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۗ وَامْرَاَتُهُ حَمٰلَةٌ
الْحَطْبِ ۗ فِيْ حَيْدٍهَا حَبْلٌ مِّنْ قَسَدٍ ۗ

سورۃ اللہب کی ہے، اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہے

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ابو لہب ہلاک و برباد (۱) ہوا اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا (۲) اس کا مال اور اس کی اولاد و جاہ اس سے عذاب کو ٹال نہیں سکے (۳) وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہو گا (۴) اور اس کی بیوی، جو لوگوں کے درمیان آگ لگاتی پھرتی تھی (۵) اس کی گردن میں مونج کی ایک رسی ہوگی (جس کے ذریعہ جہنم میں گھسیٹی جائے گی) (۶) (۷)

سب نعمتیں حاصل ہو گئیں، تو آپ اپنے رب کا شکر بجالانے کے لئے اس کی پاکی اور اس کی حمد و ثانیان کیجئے، اور اس سے مغفرت طلب کرتے رہئے، بعض ان کو تائبوں کے لئے جن کا احساس آپ کو خود ہی ترک اولیٰ کے سبب ہو تا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے بندوں کی توبہ کو بہت جلد قبول کرتا ہے، ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور ان کے حال پر رحم کرتا ہے۔
فائدہ:

اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے لئے ایک خوشخبری ہے، اور جب وہ خوشخبری ظاہر ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کے رب کی طرف سے ایک حکم ہے، ایک بات کی طرف اشارہ ہے، اور ایک تنبیہ ہے:

خوشخبری یہ ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد کرے گا، مکہ مکرمہ فتح ہو گا، اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے۔ حکم یہ ہے کہ آپ مذکور بالا نعمتوں پر اپنے رب کا شکر ادا کریں، اس کی پاکی اور حمد و ثانیان کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں۔ اس میں دو اشارے ہیں: ایک یہ کہ اللہ دین اسلام کی ہمیشہ مدد کرتا رہے گا، اور اس کا شکر ادا کرنے اور اس کی حمد و ثانیان لگے رہنے سے اس کی نصرت و تائید میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان قرآن و سنت کی راہ پر گامزن رہے، ان کو اللہ کی نصرت و تائید ہمیشہ حاصل ہوتی رہی، یہاں تک کہ اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔ دوسرا اشارہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔

اور تنبیہ یہ ہے کہ چونکہ دنیا سے آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہو چکا ہے اس لئے آپ ﷺ کو چاہئے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس کی یاد میں لگائیں، تاکہ عمر کا آخری حصہ اس کی یاد میں گزرے۔ امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ سورۃ النصر کے نازل ہونے کے بعد، رسول اللہ ﷺ ہر نماز میں "سبحانک ربنا وبحمدک، اللہم اغفر لی" پڑھنے لگے۔

تفسیر سورۃ اللہب

نام: اس سورت کا نام "اللہب" ہے، اسے سورۃ السد بھی کہتے ہیں۔ جو آخری آیت کے آخری لفظ "مسد" سے ماخوذ ہے۔
زمانہ نزول: یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے۔ ابن مردود نے ابن عباس، ابن الزبیر اور عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

روایت کی ہے کہ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ ﴿مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

(۱) بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب سورۃ الشعراء کی آیت (۲۱۴) ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ ﴿اے میرے نبی! آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیے﴾ نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ گھر سے نکل کر صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش کے خاندانوں کو آواز دی: اے بنی فہر! اے بنی عدی! یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے۔ بعض لوگ جو خود نہیں آسکے، انہوں نے اپنا نمائندہ بھیج دیا، تاکہ معلوم کرے کہ ماجرا کیا ہے؟ چنانچہ ابو لہب اور اہل قریش آگئے۔ آپ ﷺ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم لوگ مجھے سچا سمجھو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، ہمارا تجربہ تمہارے بارے میں یہی ہے کہ تم سچ بولتے ہو۔ آپ نے کہا: تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ ابو لہب نے کہا: تم پورا دن خسارہ ہی اٹھاتے رہو، کیا تم نے ہمیں اسی بات کے لئے جمع کیا تھا؟! تو یہ سورت نازل ہوئی۔

ابو لہب کا نام: عبد العزیٰ تھا، عبد المطلب بن ہاشم کا لڑکا اور نبی کریم ﷺ کا چچا تھا، آپ سے اور آپ کی دعوت سے بڑی سخت عداوت رکھتا تھا۔ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا، اپنے بدلے کسی اور کو بھیج دیا تھا، لیکن جب اسے قریش کی بری شکست کا حال معلوم ہوا تو غم کی تاب نہ لاسکا اور کچھ ہی دنوں کے بعد ہلاک ہو گیا۔

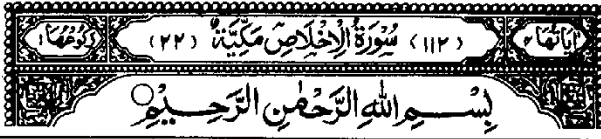
اس کی بیوی ام جمیل کا نام: اروی تھا، وہ حرب بن امیہ کی بیٹی، ابوسفیان کی بہن اور معاویہ کی چھوٹی چھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے زبردست دشمنی رکھتی تھی، آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتی تھی، اور کفر و عناد اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنے میں اپنے شوہر ابو لہب کا ساتھ دیتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اسی ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے بارے میں نازل فرمائی ہے، تاکہ رہتی دنیا تک ان لوگوں کی مثال قائم ہو جائے جو شیطان اور خواہش نفس کی اتباع میں اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابو لہب ہلاک و برباد ہوا، شقاوت و بدبختی نے اسے گھیر لیا، اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ اس نے جو مال جمع کیا اور جو اولاد اور جاہ و دولت حاصل کیا، اس سے اس تباہی اور عذاب کو نہیں ٹال سکا جو اللہ کی جانب سے اسے لاحق ہوا۔ اور وہ اسلام اور رسول اسلام کی عداوت کی وجہ سے عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اس کی بیوی (ام جمیل) جو زبردست چغل خورتھی، لوگوں کے درمیان آگ لگاتی پھرتی تھی، جیسا کہ مجاہد عمرہ اور قتادہ نے کہا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتی تھی، قیامت کے دن اس کی گردن میں مونج کی رتی بندھی ہوگی جس کے ذریعہ اسے جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔

ضحاک کہتے ہیں کہ ام جمیل نبی کریم ﷺ کو غریبی اور محتاجی کا عار دلاتی تھی اور خود اپنی گردن میں رتی باندھ کر لڑکیاں ڈھونڈتی تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن گھونٹ دی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اور آخرت میں اس کی گردن میں آگ کی ایک رتی بندھی ہوگی۔ مجاہد اور عروہ بن الزبیر کہتے ہیں کہ وہ آگ کی ایک زنجیر ہوگی جو روز قیامت اس کے منہ سے داخل کی جائے گی اور اس کی سُرین سے نکال دی جائے گی۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ام جمیل کے پاس ایک قیمتی ہار تھا، اس نے کہا کہ لات و عڑی کی قسم! میں اسے ضرور محمد کی دشمنی پر خرچ کروں گی قیامت کے دن اس ہار کے ذریعہ اسے عذاب دیا جائے گا۔

جب یہ سورت نازل ہوئی، اس وقت ابو لہب اور اس کی بیوی دونوں زندہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر



(سورة الإخلاص مکی ہے، اس میں چار آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

دی کہ وہ ضرور جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے، یعنی وہ اسلام نہیں لائیں گے اور ان کی موت کفر پر ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، دونوں حالت کفر میں ہلاک ہو گئے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے کہ علام الغیوب نے اس سورت میں ان کے بارے میں جیسی خبر دی ویسا ہی ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

تفسیر سورة الإخلاص

نام: چونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی خالص توحید بیان کی گئی ہے، اسی لئے اس کا نام "الإخلاص" رکھا گیا ہے۔ زمانہ نزول: یہ سورت ابن مسعود، حسن، عطاء، عکرمہ اور جابر کے نزدیک مکی ہے۔ اور قتادہ، ضحاک اور سند بنی اور ایک قول کے مطابق ابن عباس کے نزدیک مدنی ہے۔

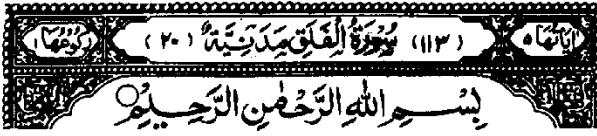
احمد، بخاری (تاریخ میں) اور ترمذی وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا، اے محمد! تم اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ نازل فرمائی۔ اور ابن ابی حاتم اور بیہقی نے "کتاب الأسماء والصفات" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہود کعب بن اشرف اور حنیی بن اخطب کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، اور کہا، اے محمد! تم اپنے اس رب کی صفت بیان کرو جس نے تمہیں مبعوث کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ نازل فرمایا۔

ان دونوں روایتوں کے علاوہ بھی روایتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسی طرح کا سوال دوسرے لوگوں نے بھی کیا، اور ہر بار اس کا جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہی سورت تلاوت کرنے کا حکم دیا۔

معلوم ہوا کہ یہ سورت پہلی بار مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد جب بھی کسی نے اللہ کی صفت بیان کرنے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ نازل فرمایا، اور آپ کو حکم دیا کہ سائل کو یہ سورت سنادیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ سورت پہلی بار مکہ میں نازل ہوئی، اس کے بعد مدینہ منورہ میں جب بھی کسی یہودی یا نصرانی نے مشرکین مکہ جیسا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نئے سرے سے نازل فرمایا۔

فضیلت: اس سورت کی فضیلت کے بارے میں امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو ایک فوجی دستہ کا سردار بنا کر بھیجا۔ وہ شخص جب بھی نماز پڑھتا تو اپنی قرأت ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھ کر ختم کرتا۔ واپسی کے بعد صحابہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بتائی تو آپ نے کہا: "تم لوگ اس سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا تھا"۔ لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا: اس سورت میں رحمن کی صفت بیان کی گئی ہے اس لئے میں اسے پڑھنا چاہتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے"۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْهُ وَكَمْ يُولَدُ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝



اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے (۱) کہ وہ اللہ ایک ہے ﴿۱﴾ اللہ بے نیاز ہے ﴿۲﴾ اس نے کسی کو پیدا نہیں کیا ہے، اور نہ وہ پیدا کیا گیا ہے ﴿۳﴾ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے ﴿۴﴾

(سورۃ الفلق مدنی ہے، اس میں پانچ آیتیں، اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اور احمد اور بخاری وغیرہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے“۔ اتھی۔ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی توحید بیان کی گئی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! جو شخص آپ سے اللہ کے بارے میں پوچھے، اس سے کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، تمام کمالات میں منفرد ہے، تمام اچھے اور پیارے نام، کامل و اعلیٰ صفات، اور مقدس افعال اسی کے لئے ہیں، اور وہ بے نظیر و بے مثال ہے۔

سب کی حاجتیں وہی پوری کرنے والا ہے، اس کے در کے سوا کوئی در نہیں، سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی صفات میں کامل ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس کا جلم اس کے غضب پر غالب ہے، اس کی رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ اسی طرح وہ اپنی تمام صفات میں کامل ہے، اس میں کوئی نقص و عیب نہیں۔ وہ کامل و بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے، اور نہ اس کا کوئی مد مقابل ہے اور نہ کوئی اس جیسا ہے۔ اس لئے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، اس کے سوا کوئی بھی کسی عبادت کا سزاوار نہیں۔

تفسیر سورۃ الفلق

نام: پہلی آیت میں لفظ "الفلق" آیا ہے، یہی اس سورت کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: یہ سورت حسن، عکرمہ، عطاء اور جابر کے نزدیک کی ہے، اور عبد اللہ بن زبیر اور قتادہ کے نزدیک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق مدنی ہے، اور یہی دوسرا قول راجح ہے، اس لئے کہ مسلم، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز مجھ سے فرمایا: ”مجھ پر آج کی رات ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں، جن کی مانند میں نے کبھی نہیں دیکھی: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾“ اور عقبہ بن عامر مدینہ منورہ میں اسلام لائے تھے۔

ان دونوں سورتوں کی فضیلت کے بارے میں کئی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل احادیث

ملاحظہ کیجئے:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے (۱) میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ﴿۱﴾ تمام مخلوقات کے شر سے ﴿۲﴾ اور رات کی بُرائی سے جب اس کی بھیانک تاریکی ہر جگہ داخل ہو جاتی ہے ﴿۳﴾ اور ان جادوگر عورتوں سے جو دھاگے پر جادو پڑھ کر پھونکتی ہیں اور گرہیں ڈالتی ہیں ﴿۴﴾ اور حاسد کے حسد سے جب وہ اپنا حسد ظاہر کرتا ہے ﴿۵﴾

۱- احمد، نسائی، بغوی اور بیہقی نے ابن عابس جعفی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ”اے ابن عابس! کیا میں تمہیں سب سے اچھی چیز بتاؤں جس کے ذریعہ لوگ پناہ مانگتے ہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے کہا: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ یہ دونوں معوذتین ہیں۔

۲- اور ترمذی اور بیہقی وغیرہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگتے تھے۔ جب سورۃ المعوذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں، تو آپ نے انہی دونوں کو اپنالیا، اور ان کے سوا باقی کلمات کو چھوڑ دیا۔

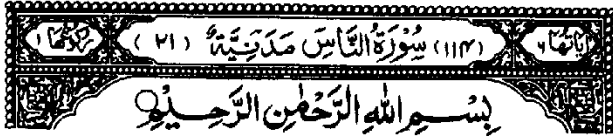
۳- اور امام مالک نے موطائیں (عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ) روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتین پڑھ کر اپنے جسم پر پھونکتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آپ کی تکلیف بڑھ گئی تو میں آپ کے جسم پر یہ دونوں سورتیں پڑھ کر پھونکتی تھی اور آپ ﷺ کا ہاتھ حصول برکت کے لئے آپ کے جسم پر پھیرتی تھی۔ اسی حدیث کو بخاری و مسلم نے صحیحین میں امام مالک کی مذکور بالا سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

۴- اور امام بخاری نے کتاب الطب، باب السحر میں اور امام مسلم نے کتاب السلام، باب السحر میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اور امام احمد نے مسند میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ جب لبید بن اعصم منافق نے (جو قبیلہ بنی زریق کا تھا اور یہودیوں کا حلیف تھا) رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا، تو جبریل علیہ السلام آپ کے پاس یہی دونوں سورتیں لے کر آئے، اور آپ کو خبر دی کہ لبید بن اعصم نے آپ کی کٹنگھی اور کٹنگھی کے دانٹوں میں جادو کر کے ایک کنواں میں پانی کے نیچے دبا دیا ہے۔ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ اسے نکال کر لے آئے، اور رسول اللہ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور گرہ کھلتی گئی، یہاں تک کہ آخری گرہ بھی کھل گئی، اور آپ اس طرح نشاط محسوس کرنے لگے جیسے کہ ان کا بندھا ہوا جسم کھول دیا گیا ہو۔

جبریل علیہ السلام نے آپ کو خود بھی پھونکا جس کے کلمات یہ تھے: "بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ حَاسِدٍ وَعَيْنٍ، اللَّهُ يَشْفِيكَ"۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: اے میرے نبی! آپ کہئے کہ میں صبح کے رب کی جناب میں پناہ لیتا ہوں، یا میں تمام مخلوقات کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، جن دانس اور دیگر تمام مخلوقات کے شر سے، چاہے وہ حیوانات ہوں یا عبادات یا اللہ کی کوئی بھی مخلوق ہو۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے ذریعہ رات سے، جب اس کی بھیانک تاریکی ہر جگہ داخل ہو جاتی ہے، اور چاند کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں، جب اس کی روشنی مدہم ہو جاتی ہے۔

ترمذی اور نسائی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چاند کی طرف دیکھا اور کہا: ”اے عائشہ!



قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ
فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْإِثْمِ وَالْغَيْبِ ۝

(سورۃ الناس مدنی ہے، اس میں چھ آیتیں اور ایک رکوع ہے)

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے
اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے (۱) میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ﴿۱﴾ انسانوں کے حقیقی بادشاہ کی پناہ
میں ﴿۲﴾ انسانوں کے تنہا معبود کی پناہ میں ﴿۳﴾ وسوسہ پیدا کرنے والے، چھپ جانے والے شیطان کے شر
سے ﴿۴﴾ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے ﴿۵﴾ چاہے وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ﴿۶﴾
اللہ کے ذریعہ اس کے شر سے پناہ مانگو، یہی غاسق ہے جب اس کی روشنی دھیمی ہو جاتی ہے۔ انتہی۔ اس لئے کہ رات کے وقت
جنوں اور انسانوں کے شیاطین چاروں طرف پھیل جاتے ہیں، اور اس وقت کفر و فسق، شر و فساد، چوری، خیانت اور دیگر معاصی کا
ارتکاب زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مشرکین، اہل نجوم اور جادوگر چاند کی عبادت کرتے ہیں، اسے وسیلہ بناتے ہیں، اور بے شمار
جادو اور کفریہ باتوں کا تعلق چاند سے جوڑتے ہیں۔

اور میں اُن جادوگر عورتوں سے پناہ مانگتا ہوں جو دھاگے پر جادو پڑھ کر پھونکتی ہیں، اور ان میں گرہیں ڈالتی ہیں۔ نسائی اور
ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے گرہ ڈال کر اس میں پھونکا، اس نے
جادو کیا، اور جس نے جادو کیا اس نے شرک کیا، اور جس نے کسی چیز سے (اللہ کے سوا) اپنا تعلق جوڑا، اسے اسی چیز کے سپرد کر دیا گیا۔“
اور میں پناہ مانگتا ہوں حاسد کے حسد سے، جب وہ اپنا حسد ظاہر کرتا ہے تاکہ محسود کو نقصان پہنچائے۔ بعض مفسرین نے
لکھا ہے کہ حاسد کے مفہوم میں وہ آدمی بھی داخل ہے جس کی نظر لگ جاتی ہے، اس لئے کہ جو آدمی حاسد، بد طینت اور
خبیث النفس ہوتا ہے اسی کی نظر بڑی ہوتی ہے۔ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا قول ہے: میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو
مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا، یعنی حسد کے سبب ظالم ہوتا ہے، لیکن نعمت سے محرومی کے سبب مظلوم معلوم ہوتا ہے۔
شوکانی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی کریم ﷺ کو بالعموم تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے، اس کے
بعد تین بُرائیوں سے بالخصوص پناہ مانگنے کی نصیحت کی ہے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا۔ اس لئے کہ یہ برائیاں بہت زیادہ خطرناک ہیں،
اور ان کا نقصان بہت بڑا ہے۔

تفسیر سورۃ الناس

نام: اس سورت میں "الناس" بار بار آیا ہے، اسی لئے اس کا نام "سورۃ الناس" رکھ دیا گیا ہے۔
زمانہ نزول: سورۃ الفلق کے زمانہ نزول کے بارے میں علمائے تفسیر کی جو دو رائے بیان کی گئی ہیں، وہی رائے اس سورت کے
نزول کے بارے میں بھی ہیں، اس لئے کہ دونوں سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں، اور دونوں کی فضیلت و اہمیت اور شان نزول

بھی ایک ہی ہے جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو سورۃ الفلق کی فضیلت کے بیان میں گزرجی ہیں۔

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سینوں میں وسوسہ پیدا کرنے والے شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ اور یہ چیز ان چاروں چیزوں سے زیادہ خطرناک ہے جن کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم سورۃ الفلق میں دی گئی ہے، اس لئے کہ شیطان ہی (چاہے وہ جنوں کا شیطان ہو یا انسانوں کا) تمام بُرائیوں کی جڑ اور ان کا منبع ہے۔ وہی لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، ان کی نگاہوں میں بُرائیوں کو خوبصورت بنا دیتا ہے، اور ان کو کرگزرنے کے لئے ان کے ارادوں کو ہمبیز لگاتا ہے۔ اور بھلائی کے کام کرنے سے ان کی ہمت کو پست بناتا ہے، اور نیکی کے کاموں کو ان کی نگاہوں میں بد شکل بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور شیطان اپنے اس کام میں ہر وقت لگا رہتا ہے، ہم دم وسوسہ پیدا کرتا رہتا ہے، اور جب بندہ مومن اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس کے ذریعہ شیطان کے وسوسہ سے پناہ مانگتا ہے تو شیطان فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے مدد اور شیطان کے وسوسے سے اس کی پناہ مانگتا رہے، جو تمام انسانوں کا رب ہے، ان کا حقیقی بادشاہ ہے، اور ان کا تہا معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں، اور نہ اس کے سوا کوئی بادشاہ ہے اور نہ کوئی معبود حقیقی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی جناب میں پناہ لیتا ہوں، لوگوں کے شاہِ حقیقی کی جناب میں، لوگوں کے تہا معبود کی جناب میں، لوگوں کے سینوں میں وسوسہ پیدا کرنے والے شیطان کے شر سے۔ اور اس شیطان کی صفت یہ ہے کہ آدمی جب اپنے رب کی یاد سے غافل ہوتا ہے، تو وہ اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، اور جب غفلت سے چوکنہ ہوتا ہے اور اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو وہ شیطان فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے۔ اور وہ شیطان جنوں میں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا ساتھی شیطان لگا رہتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ ہوتا ہے؟ آپ نے کہا: ”ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے، اس لئے وہ مجھے صرف بھلائی کا حکم دیتا ہے۔“

اور صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُمّ المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی آپ کے اعکاف کی جگہ میں زیارت کی۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ رات کے وقت نکلے تاکہ انہیں ان کے گھر تک پہنچادیں۔ راستے میں دو انصاری سے ملاقات ہو گئی۔ دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر تیز تیز چلنا شروع کیا، تو آپ نے کہا: ”ٹھہرو! یہ صفیہ بنت حبشی ہے۔“ دونوں نے کہا: سبحان اللہ، یا رسول اللہ! تو آپ نے کہا: ”شیطان، ابن آدم کے خون کے ساتھ اس کی رگوں میں دوڑتا رہتا ہے، اور مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ تم دونوں کے دلوں میں کوئی بُرائی نہ ڈال دے۔“

اور امام احمد نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا، تو آپ نے فرمایا: ”اے ابوذر! کیا تم نے نماز پڑھی؟“ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے کہا: ”اٹھو اور نماز پڑھو۔“ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے اٹھ کر نماز پڑھی پھر بیٹھ گیا۔ تو آپ ﷺ نے کہا: ”اے ابوذر! انسانوں اور جنوں کے شیاطین کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں۔“

اور حسن بصری کا قول ہے: جنوں کا شیطان لوگوں کے سینوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، لیکن انسانوں کا شیطان تو مکمل کر سامنے سے آتا ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ شیاطین جنوں میں بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی، پس تم جنوں اور انسانوں کے شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگتے رہو۔

والحمد لله رب العالمين أولاً وآخره وأظاهراً وباطناً. اللّٰه رب العالمين کا شکر ہے کہ محض اس کی توفیق سے آج بروز جمعرات بوقت صبح مطابق ۸ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔

اے میرے اللہ! تو نے جس طرح مجھے اس کی تکمیل کی توفیق ارزانی بخشی ہے، مجھ پر یہ بھی احسان کر کہ اسے قبول فرمائے، اے میرے لئے ذخیرہ آخرت بنا دے، اور اس کی تحریر و تالیف میں میں نے جو محنت و مشقت اٹھائی ہے، اس کا دونوں جہان میں مجھے اچھا سے اچھا بدلہ دے۔ آمین۔

میرے اللہ! تو میری اس تفسیر کو قبول عام عطا فرمایا، اور جب تک آفتاب و ماہتاب گردش میں رہیں، تو اسے مسلمانوں کے درمیان مفید و نافع بنا کر باقی رکھ۔

میرے مولیٰ! تو اس نیک کام کو محض اپنی رضا کے لئے بنا دے، اور اگر میرے دل میں کبھی کوئی ایسی بات گذری جو اخلاص کے خلاف تھی، یا اس تفسیر میں میرے قلم نے کوئی ایسی بات لکھ دی ہے جو تیری مراد کے مطابق نہیں ہے، تو مجھے معاف کر دے، میں نے وہی لکھا ہے جسے حق سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اسے تو معاف کر دے، اور اسے قبول فرمائے۔ اے خالق کون و مکان! میں تیری ان گنت تعریف بیان کرتا ہوں اور اس احسان عظیم پر تیرا بے شمار شکر ادا کرتا ہوں۔ اور درود و سلام بھیجتا ہوں تیرے رسول پر، ان کی آل پر، اور ان کے اصحاب کرام پر۔

اللہ کا شکر ہے کہ آج بروز جمعہ بعد نماز عصر مطابق ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ بمقام حرم مکہ کی اس کی طباعت کی تصحیح کا کام بھی مکمل ہو گیا۔

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

رموزِ اوقاف

اہل زبان کہیں زیادہ، کہیں کم ٹھہرتے ہیں۔ کہیں باتیں ملا کر کہتے ہیں، کہیں ایک بات کہہ کر ٹھہر جاتے اور دوسری نئے سرے سے شروع کرتے ہیں۔ سمجھ کر پڑھنے کے لئے بھی یہ جاننا ضروری ہے کہ وصل کہاں کرنا ہے، وقف کہاں۔ پھر وقف کی صورت میں خیال رکھنا چاہیے کہ زیادہ وقف کن کن مقامات پر کرنا ہے، کم کہاں کہاں۔ قرآن مجید کی صحیح اور با فہم قرأت کے لئے خاص خاص علامتیں مقرر ہیں۔ جنہیں ”رموزِ اوقاف“ کہتے ہیں۔ ان رموز کی مفصل کیفیت درج ذیل ہے:-

- مطلق آیت کی علامت ہے، جہاں فقط یہی علامت ہو، وہاں وقف کیا جائے۔ اگر آیت پر لا ہو، تو ترک وقف اولیٰ ہے، ہاں ضرورۃً ٹھہرا جائے، تو مضائقہ بھی نہیں۔ قاریوں میں یہی مشہور ہے کہ نہ ٹھہرا جائے۔ اگر آیت پر لا کے سوا کوئی اور رمز وقف ہو تو وقف وصل کے لئے اسی علامت کا اعتبار ہوگا۔
- م وقف لازم کی علامت ہے، اسے ترک کر دینے سے معنوں میں خلل پڑ جاتا ہے۔ یہاں ٹھہر جانا نہایت ضروری ہے، ورنہ عبارت کا مطلب منشاء الہی کے خلاف ہو جائے گا۔
- ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ چونکہ اس وقف پر ماقبل اور مابعد کو ملا کر پڑھنے کی وجہ نہایت ضعیف بلکہ ناپید ہوتی ہے، بلکہ احسن یہی ہے کہ یہاں وقف کر کے مابعد سے ابتدا کی جائے۔
- ج وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں وقف اور وصل دونوں روا ہیں۔ لیکن ٹھہر جانا بہتر، نہ ٹھہرنا جائز ہے۔
- نر وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہاں وقف کی وجہ بھی موجود ہوتی ہے، وصل کی بھی۔ لیکن وصل کی جہت زیادہ قوی و واضح ہوتی ہے۔ نہ ٹھہرنا بہتر ہے، یہاں سے گزر ہی جانا چاہیے۔
- ص وقف مرخص کی علامت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں دو باتوں کا باہمی تعلق ہے۔ ہاں معنوں کے لحاظ سے ہر بات مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں چاہیے تو ملا کر پڑھنا، لیکن پڑھنے والا اگر تھک کر ٹھہر جائے تو

رضت ہے، وقت مرض میں جہت وقف ضعیف ہوتی ہے۔

قَدَّ قِيلَ (کہا گیا ہے) یا قَدَّ قِيلَ عَلَيْهِ الْوَقْفَ (کہا گیا ہے کہ اس مقام پر وقف ہے) کی علامت ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ٹھہر جانا جائز ہے۔ لیکن یہ علامت ضعف وقف کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

لا لا وَقْفَ عَلَيْهِ (اس مقام پر کوئی وقف نہیں) کی علامت ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قاری یہاں ہرگز وقف نہ کرے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر وقف ہو جائے تو اعادہ واجب ہے۔

قف (۱) یوقف عَلَيْهِ (اس مقام پر ٹھہرا جاتا ہے) کی علامت ہے۔

(۲) جہاں یہ گمان ہو کہ پڑھنے والا وصل کر لے گا، وہاں قَفَّ (ٹھہر جا) کی علامت لکھی جاتی ہے۔

س یا سکتہ سانس لئے بغیر تھوڑا سا ٹھہر جانا۔ پڑھنے والا یہاں ذرا سا ٹھہر جائے، سانس نہ توڑے۔ وقفہ لے سکتے کی علامت ہے، یعنی، جتنی دیر میں سانس لیتے ہیں۔ پڑھنے والا اس سے کم ٹھہرے۔ علم قرأت کی اصطلاح میں سکتہ اور وقفہ قریب المعنی ہیں۔ لیکن سکتہ وصل سے قریب تر ہوتا ہے اور وقفہ وقف سے۔

صل قَدَّ يُوصَلُّ (کبھی کبھی ملا کر پڑھا جاتا ہے) کی علامت ہے، یعنی پڑھنے والا کبھی اس جگہ ٹھہر جاتا ہے، کبھی نہیں ٹھہرتا۔ یہاں ترک وصل اولیٰ اور وقف کرنا احسن ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کی علامت ہے۔ یعنی ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔ جہاں ایک سے زیادہ علامتیں ہوں وہاں اوپر کی علامت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک سے زیادہ علامتیں ایک سیدھ میں ہوں تو آخری علامت کا اعتبار ہوگا۔

۵ یہ اس کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفین کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کرے تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

••• اگر کوئی عبارت تین تین نقطوں کے درمیان گھری ہوئی ہو، تو پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کر لے یا پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کرے۔ اس قسم کی عبارت کو معانقہ یا مراقبہ کہتے ہیں۔



فہرست سُوْرِ قرآن بترتیب تلاوت

| نمبر شمارہ | نمبر صفحہ | کئی یا مدنی | نام سورہ | نمبر شمارہ |
|------------|-----------|-------------|-----------|------------|
| ۲۰ | ۱۱۱۶ | مکیہ | العنکبوت | ۲۹ |
| ۲۱ | ۱۱۳۶ | مکیہ | الروم | ۳۰ |
| ۲۱ | ۱۱۵۱ | مکیہ | لقمان | ۳۱ |
| ۲۱ | ۱۱۶۳ | مکیہ | السجدة | ۳۲ |
| ۲۱ | ۱۱۷۲ | مدنیہ | الأحزاب | ۳۳ |
| ۲۲ | ۱۲۰۲ | مکیہ | سبا | ۳۴ |
| ۲۲ | ۱۲۲۲ | مکیہ | فاطر | ۳۵ |
| ۲۲ | ۱۲۳۶ | مکیہ | یس | ۳۶ |
| ۲۳ | ۱۲۵۱ | مکیہ | الصافات | ۳۷ |
| ۲۳ | ۱۲۷۱ | مکیہ | ص | ۳۸ |
| ۲۳ | ۱۲۸۹ | مکیہ | الزمر | ۳۹ |
| ۲۴ | ۱۳۱۱ | مکیہ | المؤمن | ۴۰ |
| ۲۴ | ۱۳۳۲ | مکیہ | حم السجدة | ۴۱ |
| ۲۵ | ۱۳۵۲ | مکیہ | الشوری | ۴۲ |
| ۲۵ | ۱۳۶۷ | مکیہ | الزخرف | ۴۳ |
| ۲۵ | ۱۳۸۵ | مکیہ | الدخان | ۴۴ |
| ۲۵ | ۱۳۹۵ | مکیہ | الجاثیہ | ۴۵ |
| ۲۶ | ۱۴۰۵ | مکیہ | الأحقاف | ۴۶ |
| ۲۶ | ۱۴۱۸ | مدنیہ | محمد | ۴۷ |
| ۲۶ | ۱۴۳۱ | مدنیہ | الفتح | ۴۸ |
| ۲۶ | ۱۴۴۶ | مدنیہ | الحجرات | ۴۹ |
| ۲۶ | ۱۴۵۶ | مکیہ | ق | ۵۰ |
| ۲۶ | ۱۴۶۷ | مکیہ | الذاریات | ۵۱ |
| ۲۷ | ۱۴۷۶ | مکیہ | الطور | ۵۲ |
| ۲۷ | ۱۴۸۶ | مکیہ | النجم | ۵۳ |
| ۲۷ | ۱۴۹۸ | مکیہ | القمر | ۵۴ |
| ۲۷ | ۱۵۰۸ | مدنیہ | الرحمن | ۵۵ |
| ۲۷ | ۱۵۱۹ | مکیہ | الواقعة | ۵۶ |

| نمبر شمارہ | نمبر صفحہ | کئی یا مدنی | نام سورہ | نمبر شمارہ |
|------------|-----------|-------------|-------------|------------|
| ۰۰ | ۹ | مکیہ | الضاححة | ۱ |
| ۱ | ۱۵ | مدنیہ | البقرة | ۲ |
| ۳ | ۱۶۳ | مدنیہ | آل عمران | ۳ |
| ۴ | ۲۳۲ | مدنیہ | النساء | ۴ |
| ۶ | ۳۲۱ | مدنیہ | المائدة | ۵ |
| ۷ | ۳۸۶ | مکیہ | الأنعام | ۶ |
| ۸ | ۴۵۳ | مکیہ | الأعراف | ۷ |
| ۹ | ۵۱۷ | مدنیہ | الأنفال | ۸ |
| ۱۰ | ۵۴۸ | مدنیہ | التوبة | ۹ |
| ۱۱ | ۶۰۱ | مکیہ | یونس | ۱۰ |
| ۱۱ | ۶۳۱ | مکیہ | هود | ۱۱ |
| ۱۲ | ۶۶۸ | مکیہ | یوسف | ۱۲ |
| ۱۳ | ۷۰۲ | مدنیہ | الرعد | ۱۳ |
| ۱۳ | ۷۲۱ | مکیہ | ابراهيم | ۱۴ |
| ۱۳ | ۷۳۸ | مکیہ | الحجر | ۱۵ |
| ۱۴ | ۷۵۵ | مکیہ | النحل | ۱۶ |
| ۱۵ | ۷۹۲ | مکیہ | بني اسرائيل | ۱۷ |
| ۱۵ | ۸۳۲ | مکیہ | الكهف | ۱۸ |
| ۱۶ | ۸۶۵ | مکیہ | مریم | ۱۹ |
| ۱۶ | ۸۸۸ | مکیہ | طه | ۲۰ |
| ۱۷ | ۹۱۷ | مکیہ | الأنبياء | ۲۱ |
| ۱۷ | ۹۳۳ | مدنیہ | الحج | ۲۲ |
| ۱۸ | ۹۶۹ | مکیہ | المؤمنون | ۲۳ |
| ۱۸ | ۹۸۹ | مدنیہ | النور | ۲۴ |
| ۱۸ | ۱۰۱۹ | مکیہ | الفرقان | ۲۵ |
| ۱۹ | ۱۰۳۸ | مکیہ | الشعراء | ۲۶ |
| ۱۹ | ۱۰۶۸ | مکیہ | النمل | ۲۷ |
| ۲۰ | ۱۰۹۲ | مکیہ | القصص | ۲۸ |

| نمبر شمارہ | نمبر صفحہ | کئی یا مدنی | نام سورہ | نمبر شمارہ |
|------------|-----------|-------------|----------|------------|
| ۳۰ | ۱۷۲۴ | مکیہ | الطارق | ۸۶ |
| ۳۰ | ۱۷۲۶ | مکیہ | الأعلى | ۸۷ |
| ۳۰ | ۱۷۲۹ | مکیہ | الغاشیة | ۸۸ |
| ۳۰ | ۱۷۳۳ | مکیہ | الضجر | ۸۹ |
| ۳۰ | ۱۷۳۸ | مکیہ | البلد | ۹۰ |
| ۳۰ | ۱۷۴۱ | مکیہ | الشمس | ۹۱ |
| ۳۰ | ۱۷۴۴ | مکیہ | اللیل | ۹۲ |
| ۳۰ | ۱۷۴۷ | مکیہ | الضحی | ۹۳ |
| ۳۰ | ۱۷۵۰ | مکیہ | الشرح | ۹۴ |
| ۳۰ | ۱۷۵۲ | مکیہ | التین | ۹۵ |
| ۳۰ | ۱۷۵۳ | مکیہ | العلق | ۹۶ |
| ۳۰ | ۱۷۵۶ | مکیہ | القدر | ۹۷ |
| ۳۰ | ۱۷۵۸ | مدنیہ | البینة | ۹۸ |
| ۳۰ | ۱۷۶۰ | مدنیہ | الزلزال | ۹۹ |
| ۳۰ | ۱۷۶۲ | مکیہ | العادیات | ۱۰۰ |
| ۳۰ | ۱۷۶۳ | مکیہ | القارعة | ۱۰۱ |
| ۳۰ | ۱۷۶۵ | مکیہ | التکاثیر | ۱۰۲ |
| ۳۰ | ۱۷۶۷ | مکیہ | العصر | ۱۰۳ |
| ۳۰ | ۱۷۶۸ | مکیہ | الهمزة | ۱۰۴ |
| ۳۰ | ۱۷۷۰ | مکیہ | الذیل | ۱۰۵ |
| ۳۰ | ۱۷۷۱ | مکیہ | قريش | ۱۰۶ |
| ۳۰ | ۱۷۷۲ | مکیہ | الماعون | ۱۰۷ |
| ۳۰ | ۱۷۷۴ | مکیہ | الکوثر | ۱۰۸ |
| ۳۰ | ۱۷۷۵ | مکیہ | الکافرون | ۱۰۹ |
| ۳۰ | ۱۷۷۷ | مدنیہ | النصر | ۱۱۰ |
| ۳۰ | ۱۷۷۸ | مکیہ | الأنهـب | ۱۱۱ |
| ۳۰ | ۱۷۸۰ | مکیہ | الإخـلاص | ۱۱۲ |
| ۳۰ | ۱۷۸۱ | مدنیہ | الفلق | ۱۱۳ |
| ۳۰ | ۱۷۸۳ | مدنیہ | الناس | ۱۱۴ |

| نمبر شمارہ | نمبر صفحہ | کئی یا مدنی | نام سورہ | نمبر شمارہ |
|------------|-----------|-------------|-----------|------------|
| ۲۷ | ۱۵۳۲ | مدنیہ | الحديد | ۵۷ |
| ۲۷ | ۱۵۳۹ | مدنیہ | المجادلة | ۵۸ |
| ۲۷ | ۱۵۵۹ | مدنیہ | الحشر | ۵۹ |
| ۲۸ | ۱۵۷۱ | مدنیہ | المتحنة | ۶۰ |
| ۲۸ | ۱۵۸۰ | مدنیہ | الصف | ۶۱ |
| ۲۸ | ۱۵۸۵ | مدنیہ | الجمعة | ۶۲ |
| ۲۸ | ۱۵۹۰ | مدنیہ | المنافقون | ۶۳ |
| ۲۸ | ۱۵۹۵ | مدنیہ | التغابن | ۶۴ |
| ۲۸ | ۱۶۰۲ | مدنیہ | الطلاق | ۶۵ |
| ۲۸ | ۱۶۰۸ | مدنیہ | التحریم | ۶۶ |
| ۲۹ | ۱۶۱۵ | مکیہ | المک | ۶۷ |
| ۲۹ | ۱۶۲۳ | مکیہ | القلم | ۶۸ |
| ۲۹ | ۱۶۳۱ | مکیہ | الحاقة | ۶۹ |
| ۲۹ | ۱۶۳۷ | مکیہ | المعارج | ۷۰ |
| ۲۹ | ۱۶۴۳ | مکیہ | نوح | ۷۱ |
| ۲۹ | ۱۶۴۸ | مکیہ | الجن | ۷۲ |
| ۲۹ | ۱۶۵۶ | مکیہ | المزمل | ۷۳ |
| ۲۹ | ۱۶۶۲ | مکیہ | المدثر | ۷۴ |
| ۲۹ | ۱۶۷۰ | مکیہ | القیامة | ۷۵ |
| ۲۹ | ۱۶۷۵ | مدنیہ | الدهر | ۷۶ |
| ۲۹ | ۱۶۸۱ | مکیہ | المرسلات | ۷۷ |
| ۳۰ | ۱۶۸۸ | مکیہ | النبي | ۷۸ |
| ۳۰ | ۱۶۹۴ | مکیہ | النازعات | ۷۹ |
| ۳۰ | ۱۷۰۰ | مکیہ | عبس | ۸۰ |
| ۳۰ | ۱۷۰۴ | مکیہ | التکویر | ۸۱ |
| ۳۰ | ۱۷۰۸ | مکیہ | الانفطار | ۸۲ |
| ۳۰ | ۱۷۱۱ | مکیہ | المطففين | ۸۳ |
| ۳۰ | ۱۷۱۶ | مکیہ | الانشقاق | ۸۴ |
| ۳۰ | ۱۷۱۹ | مکیہ | البروج | ۸۵ |

فہرست مضامین بترتیب سور قرآن

| صفحہ | فہرست مضامین | صفحہ | فہرست مضامین |
|-------|---|------|--|
| ۱۰ | عبادت و استعانت دونوں اللہ کے لئے خاص ہیں..... | ۱ | سورۃ الفاتحہ |
| | توحید کی تین قسمیں: | ۱ | کئی ہے یاد دہنی..... |
| ۱۱ | توحید ربوبیت، توحید الوہیت، توحید اسماء و صفات..... | ۱ | اس کے کئی نام ہیں..... |
| ۱۲ | ہدایت اور صراط مستقیم کا معنی و مفہوم..... | ۲ | اس کی فضیلت..... |
| ۱۳ | صراط مستقیم کی تفسیر..... | ۳ | نماز میں وجوب قرأت فاتحہ..... |
| ۱۳ | وہ کون ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا..... | ۴ | اعوذ باللہ کا معنی و مفہوم..... |
| ۱۳ | وہ کون ہیں جو گمراہ ہو گئے..... | | قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان مردود کے شر سے |
| ۱۳ | ”آمین“ کا معنی..... | ۵ | پناہ مانگنے کا حکم..... |
| | ”آمین“ جہری نمازوں میں باوازا بلند اور سری نمازوں میں | ۶-۵ | بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کریم کی ایک آیت ہے..... |
| ۱۳ | آہستگی سے کہا جائے..... | ۶ | بسم اللہ باوازا بلند پڑھی جائے یا آہستہ..... |
| ۱۵ | پارہ-۱ | ۷ | بسم اللہ کی فضیلت..... |
| ۱۵ | تفسیر سورۃ البقرہ | ۷ | بسم اللہ کا معنی..... |
| ۱۵ | سورۃ البقرہ مدنی ہے..... | ۸ | اللہ کے اسماء و صفات پر ایمان لانا ضروری ہے..... |
| ۱۵ | اس کی فضیلت..... | ۹ | تفسیر سورۃ الفاتحہ |
| ۱۶ | حروف مقطعات کی تحقیق..... | ۹ | حمد کا معنی و مفہوم..... |
| ۱۶ | تقویٰ کا مفہوم..... | ۹ | الرب کا معنی..... |
| ۱۸-۱۷ | ”ھدیٰ“ کے معنی و مفہوم کی تحقیق..... | ۹ | العالمین کا معنی..... |
| ۱۷ | ”غیب“ کا معنی و مفہوم..... | | اللہ تعالیٰ صفتِ خلق و تدبیر عالم اور صفتِ کمال بے نیازی |
| ۱۷ | ”اقامت صلاۃ“ کا معنی..... | ۱۰ | میں منفرد ہے..... |
| ۱۸ | ”رزق“ کا معنی و مفہوم..... | ۱۰ | اللہ کی صفت ربوبیت اور صفت رحمت میں فرق..... |
| ۱۸ | ”آخرت“ سے مراد کیا ہے..... | ۱۰ | قیامت کے دن صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی..... |
| ۱۹ | قرآن کریم کی طرح سنت نبوی بھی وحی الہی ہے..... | ۱۰ | عبادت کا مفہوم..... |
| ۱۹ | دلوں پر مہر لگنے کا مفہوم..... | ۱۰ | استعانت کا مفہوم..... |

- ۳۲-۳۱ سجدہ آدم سے مقصود کیا تھا
- ۳۲ سجدے کا سب سے پہلا منکر ابلیس تھا
- ۳۵-۳۴ حضرت آدم کو ابلیس نے کس طرح بہکایا
- ۳۵ ابلیس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے
- ۳۵ وہ جنت کہاں تھی جس سے آدم نکالے گئے
- ۳۶ جن ثواب و عقاب میں انسانوں کے مانند ہیں
- ۳۶ یہود مدینہ کو دعوت اسلام
- ۳۶ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا ذکر
- ۳۶ بنی اسرائیل سے اللہ کے عہد میں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا
- ۳۷ بھی شامل تھا
- ۳۸ نماز باجماعت کے وجوب کی دلیل
- ۳۹ امت محمدیہ بلاشبہ یہودیوں سے افضل ہے
- ۳۹ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت مومنوں کے لئے ثابت ہے
- ۴۰ مصر میں نسل بنی اسرائیل کی افزائش
- ۴۰ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش و بعثت
- ۴۰ بنی اسرائیل کا عذاب فرعون سے نجات پانا
- ۴۲ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جاسکتا
- ۴۲ من و سلوئی کی تحقیق
- ۴۴ بنی اسرائیل کے جرائم کا ذکر
- ۴۵ یہود کی بدعہدی اور حیلہ سازی کا ذکر
- ۴۶ یہود کی کج روی کا ذکر
- ۴۷ پھر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں
- ۴۷ منافقین اہل کتاب کا حال
- ۴۹ یہود کے زعم باطل کی تردید کہ وہ جہنم میں تھوڑی مدت کے لئے داخل ہوں گے
- ۵۰ عمل صالح کی شرطیں
- ۵۰ والدین کے ساتھ احسان و اکرام کا سلوک
- ۵۱ یتیم اور مسکین کی تعریف
- ۱۹-۲۰ مدنی زندگی میں منافقین کے وجود کا پس منظر
- ۲۰ قلب انسانی کو لاحق ہونے والے امراض
- ۲۰ قلب سلیم اور قلب مریض
- ۲۱ گناہ گناہ کو کھینچتا ہے
- ۲۱ نفاق سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں
- ۲۲ منافقین صحابہ کرام کو بطور تحقیر سفیہ کہتے تھے
- ۲۲ منافقین کے گفتار و کردار میں تناقض
- ۲۳ منافقین کے پاس قیامت کے دن کوئی نور نہیں ہوگا
- ۲۳ منافقین ایمان دے کر دنیا خریدتے ہیں
- ۲۴ اللہ تعالیٰ مثالوں کے ذریعہ بہت سے حقائق واضح کرتا ہے
- ۲۵ منافقین مدینہ کی حقیقت اور ان کی بدترین مثال
- ۲۵ منافقین مدینہ پر نزول قرآن کا رعب و خوف
- ۲۵ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی گونا گوں نعمتوں کا ذکر
- ۲۶ تخلیق انسانی سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال
- ۲۷ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت پر عقلی دلیل
- ۲۷ قرآن کریم کی صداقت پر عقلی دلیل
- ۲۷ نبی کریم ﷺ کی عبدیت پر دلیل
- ۲۷ جنت و جہنم اللہ کی مخلوق ہے
- ۲۸ مومن قرآن کریم میں بیان کردہ مثالوں پر ایمان رکھتا ہے
- ۲۸ منافق ان مثالوں کو سن کر مزید گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے
- ۲۹ اللہ تعالیٰ سے رشتہ استوار کرنے کی تاکید
- ۲۹ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک دوسری دلیل
- ۲۹ تمام چیزوں کے بارے میں اصل حکم اباحت و طہارت ہے
- ۳۰ استوئی علی العرش کا معنی و مفہوم
- ۳۰ حضرت آدم کی فضیلت کا بیان
- ۳۱ یہود مدینہ کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت
- ۳۱ تمام نبی امور کا علم صرف اللہ کو ہے

- ۷۸ پارہ ۵-۲
- ۷۸..... تاریخ تحویل قبلہ
- ۷۸..... تحویل قبلہ کے وقت یہود و منافقین کا موقف
- ۷۹..... امت محمدیہ امت وسط ہے
- ۷۹..... امت محمدیہ کا امت وسط ہونا "اجماع" کے حجت ہونے کی دلیل ہے
- ۸۰..... فرقہ ناجیہ اہل سنت کی جماعت ہوگی
- ۸۰..... اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں
- ۸۲..... نبی کریم ﷺ کی صفات تورات و انجیل میں موجود ہیں
- ۸۳..... تحویل قبلہ کے وقت یہود و منافقین کا موقف
- ۸۳..... ذکر الہی کی تعریف
- ۸۶..... صبر کی تین قسمیں ہیں
- ۸۶..... اللہ تعالیٰ کی "معیت" سے مراد کیا ہے
- ۸۶..... برزخ کی زندگی کی دلیل
- ۸۷..... صبر کرنے والوں کی اہم صفت، اور ان کا اجر عظیم
- ۸۹..... اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھپانے والوں کے لئے وعید شدید
- ۸۹..... اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی اجمالی دلیل
- ۹۰..... اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے تفصیلی دلائل
- ۹۲..... اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم بات کرنے کا مفہوم
- ۹۲..... قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی بات ماننا شدید گمراہی ہے
- ۹۳..... کافر جانور کے مانند ہوتا ہے
- ۹۳..... طہیات و خبائث کی تشریح
- ۹۳..... جن چیزوں کا کھانا حرام ہے
- ۹۳..... سمندر کے مردوں کا حکم
- ۹۶..... نیکو کار لوگ کون ہیں
- ۹۷..... حدِ قصاص اور اس کی عظیم حکمت
- ۵۲..... یہود کی ذلت و رسوائی کا سبب
- ۵۳..... روح القدس سے مراد جبریل ہیں
- ۵۴..... بعثت نبوی سے پہلے یہود مدینہ کا آپ کی بعثت کا انتظار
- ۵۵..... بعثت کے بعد حسد کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار
- ۵۶..... یہود مدینہ کو دعوتِ مہابله
- ۵۷..... یہود جبریل سے عداوت رکھتے ہیں
- ۵۹..... نقض عہد یہود کی فطرت میں داخل ہے
- ۶۰..... جادو کی حقیقت کی دلیل
- ۶۰..... جادوگر کے کفر کی دلیل
- ۶۱..... جمہور کے نزدیک قرآن وحدیث میں نسخ واقع ہوا ہے
- ۶۳..... بلا ضرورت کثرت سوال کی ممانعت
- ۶۳..... قبولیت عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ سخت رسول اللہ کے مطابق ہو
- ۶۵..... مسلمانوں کی گمراہیوں کا سبب سنت سے دوری ہے
- ۶۶..... مساجد میں کافروں کو داخل نہیں ہونے دیا جائے گا
- ۶۶..... مساجد کی تعمیر و صفائی ایمان کی دلیل ہے
- ۶۶..... جہت قبلہ معلوم نہ ہو تو اجتہاد کرنے کے بعد جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھی جائے گی، صحیح ہوگی
- ۶۸..... قرآن و سنت کو نظر انداز کرنا یہود و نصاریٰ کی صفت ہے
- ۶۹..... امتحان ابراہیم
- ۷۰..... امامت ابراہیم
- ۷۰..... مقام ابراہیم
- ۷۱-۷۲..... دعائے ابراہیم بروقت بنائے کعبہ
- ۷۲..... نبی کریم ﷺ دعائے ابراہیم کا شرہ تھے
- ۷۲..... ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو دین اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی
- ۷۳..... یہود و نصاریٰ کے پستہ کی تاریخ

- ۱۲۳..... مدت حیض میں عورت کے ساتھ کیسے رہا جائے۔
- ۱۲۳..... انقطاع حیض کے بعد عورت کے ساتھ جماع کرنا کب جائز ہے۔
- ۱۲۵..... عورت کی پچھلی شرمگاہ (ذیر) میں جماع کرنا حرام ہے۔
- ۱۲۶-۱۲۵..... قسم کھانے کے احکام۔
- ۱۲۵..... ایلاء یعنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھانا۔
- ۱۲۷-۱۲۷..... طلاق و خلع کے احکام۔
- ۱۳۳-۱۳۳..... مسئلہ رضاعت کا بیان۔
- ۱۳۶-۱۳۵..... وفات کی عدت کا بیان۔
- ۱۳۷..... ایسی عورت کا حکم جس کے ساتھ اس کے شوہر نے مباشرت نہیں کی ہے۔
- ۱۳۷..... فرض نمازوں کے اہتمام کی تاکید۔
- ۱۳۸..... ”صلاة وسطیٰ“ کی تحدید۔
- ۱۳۸..... حالہ جنگ میں نماز کی کیفیت۔
- ۱۳۹..... بیوی کے میراث کا حکم۔
- ۱۴۰..... مال اور بدن کے ذریعہ جہاد کی ترغیب۔
- ۱۴۱..... تابوت بنی اسرائیل کا ذکر۔
- ۱۴۳-۱۴۱..... واقعہ طاہوت و جالوت۔
- ۱۴۳..... امت اسلامیہ کے لئے جہاد سے متعلق کچھ نصیحتیں۔
- ۱۴۵..... پارہ ۵-۳
- ۱۴۵..... نبی کریم ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔
- ۱۴۶..... آیۃ الکرسی قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے۔
- قیامت کے دن کی شفاعت صرف اللہ توحید کے لئے ہوگی۔
- ۱۴۷..... اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔
- ۱۴۷..... صفات الہیہ کے بارے میں سلف کا عقیدہ۔
- ۱۴۸..... اسلام کے دین کامل ہونے کی دلیل۔
- ۹۷..... قتل کی تین قسمیں۔
- ۹۸..... اسلام میں وصیت کا حکم۔
- ۹۹..... فرضیتِ صوم کا بیان۔
- ۱۰۰..... ماورضان کی فضیلت۔
- ۱۰۱..... روزوں کے احکام کا بیان۔
- ۱۰۲..... قبولیتِ دعا کی شرطیں۔
- ۱۰۳..... رمضان کے روزوں سے متعلق چند اہم مسائل۔
- ۱۰۴..... قاضی کے غلط فیصلے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا۔
- ۱۰۶..... نزولِ حکم جہاد۔
- ۱۰۶..... واقعہ صلح حدیبیہ۔
- ۱۰۷..... جہاد چھوڑ دینا ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔
- ۱۰۸-۱۱۲..... احکام حج کا بیان۔
- ۱۱۱..... دعا کی فضیلت کا بیان۔
- ۱۱۳-۱۱۲..... منافقین کی صفات۔
- ۱۱۳..... مومنوں کی صفات۔
- اسلام کو اس کے تمام جزئیات و تفصیل کے ساتھ قبول کرنا ضروری ہے۔
- ۱۱۴..... صفات پاری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت کا موقف۔
- ۱۱۷..... اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا امتحان لیتا ہے۔
- ۱۱۷..... اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم۔
- ۱۱۸..... نزولِ حکم جہاد۔
- ۱۱۹..... حرمت کے مہینوں میں جہاد کا حکم۔
- ۱۲۰..... شراب کی حرمت۔
- ۱۲۱..... یتیم کے مال کا حکم۔
- مشرک اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت۔
- ۱۲۲..... مومنہ عورت کا نکاح مشرک کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں۔

- ۱۷۷..... دنیا کی سب سے بہتر عورت مریم اور خدیجہ تھیں
- ۱۷۲..... ذکر مریم علیہا السلام
- ۱۷۸..... ذکر عیسیٰ علیہ السلام
- ۱۷۹..... معجزات عیسیٰ علیہ السلام
- ۱۸۰..... تمام انبیاء کی دعوت کی بنیاد توحید باری تعالیٰ رہی ہے
- ۱۸۱..... قتل عیسیٰ علیہ السلام کی سازش
- ۱۸۳..... عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ نصاریٰ کی تردید
- ۱۸۳..... آیت مہبلہ اور اس کی تشریح
- ۱۸۴..... بغیر دلیل شرعی "استحسان" کی دین میں کوئی حیثیت نہیں
- ۱۸۶..... یہود کی سازشوں کا ذکر
- ۱۸۷..... یہود خائن ہوتے ہیں
- ۱۸۸..... عیسیٰ علیہ السلام ایک انسان تھے
- ۱۸۹..... عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا
- جو علماء قرآن و سنت سے ہٹ کر فتوے دیتے ہیں، وہ
- اپنی عبادت کر داتے ہیں
- ۱۸۹..... اسلام کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں
- ۱۹۱..... مرتد کا انجام اور اس کی توبہ
- پارہ - ۴
- ۱۹۳..... صدقہ و خیرات کی فضیلت و اہمیت
- ۱۹۴..... سرزمین پر اللہ کا پہلا گھر خانہ کعبہ ہے
- ۱۹۶..... مسلمانوں کو یہود کی سازش سے بچنے رہنا چاہئے
- مسلمانوں کے درمیان حقیقی اتحاد صرف قرآن و سنت پر
- عمل کے ذریعہ پیدا کیا جاسکتا ہے
- ۱۹۷..... اختلاف امت رحمت نہیں ہے
- ۱۹۸..... امت مسلمہ کی فضیلت
- ۲۰۰..... یہود پر فتح و نصرت امت مسلمہ کا نصیب ہے
- ۲۰۰..... ذلت و رسوائی یہود کی قسمت میں لکھ دی گئی ہے
- ۱۳۸..... قتل مرتد کی حکمت
- ۱۳۹..... بائبل کے بادشاہ نمرود کا ذکر
- ۱۵۰..... نمرود کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ
- ۱۵۰..... بحث بعد الموت کی ایک عظیم دلیل
- ۱۵۱..... بحث بعد الموت کی دوسری عظیم دلیل
- ۱۵۱..... راہ اللہ میں خرچ کرنے کی ترغیب
- ۱۵۳..... اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی تین قسمیں
- ۱۵۳..... اللہ کی راہ میں کون سا مال خرچ کیا جائے
- ۱۵۵..... صدقہ کو چھپانا افضل ہے
- ۱۵۷..... سود اور دیگر حرام اموال کا ذکر
- قرض کے احکام
- ۱۶۰..... رہن اور اس کے احکام
- ۱۶۱..... سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت
- ۱۶۲..... تفسیر سورہ آل عمران
- ۱۶۳..... سورہ آل عمران کی فضیلت
- ۱۶۴..... حکم اور مشابہ آیتوں کی تفسیر
- ۱۶۵..... واقعہ جنگ بدر کا ذکر
- ۱۶۷..... اسلام کے سوا اللہ کے نزدیک کوئی دین قابل قبول نہیں
- ۱۶۹..... یہود کا انبیاء کرام کو قتل کرنا
- ۱۷۰..... یہود نے قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کا انکار کیا
- ۱۷۱..... نبی کریم ﷺ آل ابراہیم میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں
- ۱۷۱..... مومنوں کے لئے کافروں کو دوست بنانا حرام ہے
- ۱۷۲..... طریقہ محمدی کی مخالفت کفر ہے
- ۱۷۳..... انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں
- ۱۷۴..... مریم علیہا السلام اور ان کی ماں کا ذکر
- ۱۷۴..... اللہ کے دوستوں کے ذریعہ کرامات کا ظہور ہوتا ہے
- ۱۷۵..... ذکر یا اور ان کے بیٹے یحییٰ علیہما السلام کا ذکر
- ۱۷۶.....

| | |
|--|--|
| ۲۳۵..... حقوق والدین..... | ۲۰۱..... وہ چند یہود جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے |
| ۲۳۵..... یتیموں کے حقوق..... | ۲۰۲..... مسلمان یہودیوں اور کافروں کو اپنا زرداں نہ بنائیں |
| ۲۳۷..... تعدد ازواج کی حکمت..... | ۲۰۳..... مسلمان کافروں سے مدد نہ لیں |
| ۲۳۸-۲۳۷..... منکرین تعدد ازواج کی تردید..... | ۲۰۴..... واقعہ جنگ احد کا بیان |
| ۲۳۹..... مال کی حفاظت کی ترغیب..... | اللہ کے سوانہی کریم ﷺ کی ذات کچھ بھی موثر |
| ۲۴۰..... یتیموں کا مال ان کے سپرد کب کیا جائے گا..... | نہیں ہے |
| ۲۴۰..... احکام میراث..... | کسی بندے کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی کی قسمت کا |
| ۲۴۶-۲۴۳..... احکام میراث کی تفصیل..... | فیصلہ کرے |
| ۲۴۷-۲۴۶..... زانی مرد اور زانیہ عورتوں کے احکام..... | ۲۰۶..... سود کا بیان |
| ۲۴۷..... توبہ کب قبول ہوتی ہے اور کب رد کر دی جاتی ہے..... | ۲۰۷..... صفات اہل جنت..... |
| ۲۴۹-۲۴۸..... اسلام میں عورت کا مقام..... | ۲۰۸..... جنگ احد کی بعض تفصیلات..... |
| ۲۵۰..... محرمات نکاح کا بیان..... | ۲۱۰-۲۱۶..... نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کا ذکر |
| ۲۵۱-۲۵۰..... رضاعی محرمات کا بیان..... | ۲۱۸..... خیانت اور اس کا برا انجام..... |
| ۲۵۲..... <u>پارہ ۵</u> | ۲۲۹..... نبی کریم ﷺ انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے |
| ۲۵۳..... نکاح متہ کی تردید..... | گئے تھے |
| ۲۵۴..... لوٹڑی سے شادی کے جواز کی شرط..... | ۲۲۰..... جنگ احد میں حکمت ان کے کروت کا نتیجہ تھا |
| ۲۵۵..... کبیرہ گناہ کی تعریف..... | ۲۲۱..... شہید حقیقی معنوں میں زندہ ہوتا ہے |
| ۲۵۶..... حسد کی حرمت..... | ۲۲۳..... حسبنا اللہ و نعم الوکیل کی فضیلت..... |
| ۲۵۸..... وراثت کے حقدار صرف رشتہ دار ہوتے ہیں..... | ۲۲۴..... زکاۃ دینے والوں کے لئے وعید شدید..... |
| ۲۵۸..... مرد عورت پر حاکم و نگران ہوتا ہے..... | ۲۲۶..... صبر و ثبات قدمی ایمان کا تقاضا ہے..... |
| ۲۵۹..... اسلام میں عورت کا مقام..... | ۲۲۷..... صحیح احادیث کو چھپا دینا یہود و نصاریٰ کی صفت ہے..... |
| ۲۶۰..... والدین کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت..... | دعا سے مقصود اللہ کے لئے کمال خشوع و خضوع کا |
| ۲۶۰..... یتیموں، مسکینوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور | ۲۳۱..... اظہار ہے |
| غلاموں اور لوٹڑیوں کے ساتھ حسن سلوک..... | ۲۳۲..... اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے |
| ۲۶۱..... منافقین کے رویہ پر نکیر..... | ۲۳۳..... نجاشی کی نماز جنازہ |
| ۲۶۲..... قیامت کی ہولناکیوں اور پریشانیوں کا ذکر..... | ۲۳۴..... تفسیر سورۃ النساء |
| ۲۶۳..... حرمت شراب کی ابتدا..... | ۲۳۵..... صلہ رحمی کی اہمیت |

- ۲۹۹..... اسلام میں عورت کا مقام
- ۳۰۰..... شوہر اور بیوی کے درمیان صلح بہر حال بہتر ہے
- ۳۰۱..... بیویوں کے درمیان عدل و مساوات
- ۳۰۲..... منافقین اور یہود کا مزید ذکر شر
- ۳۰۵..... مجالس شرکین میں جانے کی ممانعت
- ۳۰۷..... نماز میں سستی کرنا منافق کی نشانی ہے
- ۳۰۷..... کافر کی دوستی حرام ہے
- ۳۰۹..... پارہ ۶
- ۳۰۹..... گالی گلوچ، بغیبت، بد زبانی اور فسق و فجور اللہ کو پسند نہیں
- ۳۱۲..... یہود کا ذکر شر
- ۳۱۳-۳۱۳..... عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۳۱۵..... اللہ کے لئے صفت کلام کا ثبوت
- ۳۱۷..... عیسائیوں نے اللہ کے دین کو بدل دیا
- ۳۱۸..... عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا معبود بنا لیا
- بہت سے مدعیان اسلام نے نبی کریم ﷺ کو
- ۳۱۸..... مقام الوحیت تک پہنچا دیا
- ۳۲۰..... کلام کے میراث کی تفصیل
- ۳۲۱..... تفسیر سورۃ المائدہ
- ۳۲۲..... عقود و عہود کا پاس و لحاظ
- ۳۲۲..... جانوروں کے گوشت کی حلت
- ۳۲۵-۳۲۲..... کچھ جانوروں کی حرمت
- ۳۲۳..... محرم کے لئے، اور حدود حرم میں شکار کی حرمت
- ۳۲۳..... غیر محرم کے لئے اور غیر حرم میں شکار کی حلت
- ۳۲۷..... طیب اور حلال چیزوں کا ذکر
- ۳۲۸..... شکار کردہ جانوروں کا حکم
- ۳۲۹..... اہل کتاب کے کھانوں کا حکم
- ۳۲۹..... اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کا حکم
- ۲۶۳..... جنبی کے لئے مسجد میں جانا ممنوع ہے
- ۲۶۴..... تیمم کے احکام
- ۲۶۵..... اللہ تعالیٰ شرک کو بغیر توبہ محاف نہیں کرتا
- ۲۶۵..... یہود و نصاریٰ کی خدمت
- ۲۶۶..... یہود اللہ کی لعنت کے مستحق کیوں بنے
- ۲۶۸..... ادائے امانت کی تاکید
- ۲۶۹..... رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مستقل ہے
- ۲۷۱..... مبدعہ کی قرآن کریم میں تحریف معنوی
- ۲۷۲-۲۷۱..... رسول اللہ کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے
- ۲۷۳..... جنت میں رسول کریم ﷺ کی رفاقت کے حاصل ہوگی؟
- ۲۷۵..... جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید
- ۲۷۹-۲۷۸..... منافقین کا ذکر شر
- ۲۸۰..... شفاعت حسنہ کی فضیلت
- ۲۸۱..... اسلام کا جواب مسلمان اور کافر سب کو دینا واجب ہے
- ۲۸۳-۲۸۲..... منافقین کا مزید ذکر شر
- ۲۸۶-۲۸۳..... قتل عمد اور قتل خطا کے احکام
- ۲۸۷..... کلمہ لا الہ الا اللہ کی اہمیت
- ۲۸۸..... عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے
- ۲۸۹..... دار الکفر سے ہجرت کرنا واجب ہے
- ۲۸۹..... ہجرت کی فضیلت
- ۲۹۰..... حالت سفر میں نماز کا حکم
- ۲۹۰..... حالت خوف میں نماز کا حکم
- ۲۹۳..... کسی کے گناہ کا وبال صرف اسی کے سر ہوتا ہے
- رسول اللہ ﷺ کی مخالفت آدمی کو کفر تک
- پہنچا دیتی ہے
- ۲۹۶..... خصی کرنا، گودنا کرنا، اضافی بال جوڑنا حرام ہے
- ۲۹۸..... دین اسلام کی تمام ادیان پر فضیلت

| | | | |
|--------------|--|--------------|--|
| ۳۶۰..... | عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ نصاریٰ کی تردید | ۳۳۰..... | وضو کے احکام |
| | اللہ کے بارے میں عیسائیوں کے عقیدہ | ۳۳۱..... | جنسی کے احکام |
| ۳۶۱..... | ”اقائم ثلاثہ“ کی تردید | ۳۳۳..... | تیم کے احکام |
| ۳۶۲..... | مریم بنت عمران نبی نہیں تھیں | ۳۳۳-۳۳۳..... | بنی اسرائیل کی بعض خیانتوں کا بیان |
| ۳۶۲..... | عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں مریم دونوں انسان تھے | ۳۳۵..... | نصاری کے نقص عہد کا بیان |
| ۳۶۳..... | دین میں غلو جائز نہیں ہے | | نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے یہود و نصاریٰ |
| ۳۶۳..... | بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت بھیجی جائز ہے | ۳۳۷..... | کے خلاف قیام حجت |
| ۳۶۴..... | امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت | ۳۳۹-۳۴۰..... | واقعہ ہاتل و قاتل |
| ۳۶۴..... | یہود اور مشرکین مسلمانوں کی عداوت میں زیادہ سخت ہیں | ۳۴۱..... | کسی کو ناحق قتل کرنا جرمِ عظیم ہے |
| ۳۶۵..... | نصاری مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں | ۳۴۲..... | احکامِ محاربہ |
| ۳۶۵..... | نصاری مسلمانوں کے دشمن ہیں | ۳۴۴..... | توسل اور وسیلہ کی تشریح |
| ۳۶۵..... | نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے حالات | ۳۴۴..... | حدِ سرقہ |
| ۳۶۷..... | پارہ - ۷ | ۳۴۶..... | علمائے یہود کا ذکر شر |
| | اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو وہ | ۳۴۸..... | گذشتہ شریعتیں اور ان کے احکام |
| ۳۶۸-۳۶۷..... | چیز حرام نہیں ہو جاتی | ۳۴۸..... | احکامِ قصاص |
| ۳۶۹..... | غلو قسم پر مواخذہ نہیں | ۳۴۹..... | قرآن کریم کی فضیلت و اہمیت |
| ۳۶۹..... | قسم نہ توڑنا افضل ہے | ۳۵۱..... | انسانوں کے وضع کردہ احکام کی اتباع کفر ہے |
| ۳۶۹..... | شراب اور جو اکی حرمت کا بیان | ۳۵۲..... | یہود و نصاریٰ سے دوستی حرام ہے |
| ۳۷۰..... | نشہ پیدا کرنے والی ہر چیز حرام ہے | ۳۵۲..... | غیر مسلموں سے مدد لینے کا حکم |
| ۳۷۱..... | حالاتِ احرام میں شکار یا کسی جانور کو قتل کر دینے کا حکم | ۳۵۴..... | دین اسلام کا مذاق اڑانے والا کافر ہے |
| ۳۷۲..... | سمندر کی مردہ مچھلیوں کا کھانا حلال ہے | ۳۵۵..... | یہود کا ذکر شر |
| ۳۷۴..... | کثرتِ سوال کی ممانعت | ۳۵۷..... | اسلام تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے |
| ۳۷۴..... | غیر ضروری سوال کی ممانعت | ۳۵۷..... | اللہ کی بندگی روزی میں وسعت کا سبب ہے |
| | ان جانوروں کا بیان جنہیں اہل عرب بتوں کے نام | | رسول اللہ ﷺ نے دین کا کوئی حصہ خفیہ طور پر کسی خاص |
| ۳۷۶..... | پر چھوڑ دیتے تھے | ۳۵۸..... | شخص کو نہیں بتایا |
| | حالتِ سفر میں جب کسی کی وفات کا وقت آجائے تو | ۳۵۸..... | رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ضمانت اللہ نے لے لی تھی |
| ۳۷۸..... | کس طرح وصیت کرے | ۳۶۰..... | تاریخ بنی اسرائیل |

- ۳۱۵..... ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کا مقام
- ۳۱۵..... لڑکیوں کی اولاد آدمی کی ذمیت میں داخل ہے
- نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے
- ۳۱۷..... تعلیم قرآن، تلاوت قرآن اور قرآن پڑھ کر دم کرنے کا ہدیہ لینا جائز ہے
- ۳۱۷..... نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے
- ۳۱۸..... موت کے وقت کافر روحوں کا حال
- ۳۱۹..... میدان محشر میں بنی نوع انسان کا حال
- ۳۲۰..... باری تعالیٰ کی قدرت تخلیق کی مثالیں
- ۳۲۲-۳۲۰..... اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے
- ۳۲۲..... دنیا میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے
- ۳۲۵..... اللہ کے ساتھ عاقبت تادب کی تعلیم
- ۳۲۷..... پارہ - ۸
- حق کو پانے والے اور اس پر قائم رہنے والے ہمیشہ ہی کم رہے ہیں
- ۳۲۹..... کثرت حق کی دلیل نہیں
- جانوروں اور دیگر چیزوں پر حلال و حرام کا حکم لگانے والا اللہ ہے
- ۳۳۰-۳۳۳..... جو جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح نہ کیا جائے، اس کا حکم
- ۳۳۳-۳۳۱..... اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے
- ۳۳۵..... انبیاء و رسل صرف انسانوں میں ہوئے ہیں
- ۳۳۷..... منکرین بعث بعد الموت کی تردید
- ۳۳۸..... مشرکین عرب کی گمراہیوں کا بیان
- ۳۳۹-۳۳۰..... معجزات عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر
- ۳۸۰..... نزول مائدہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و صداقت کی قطعی دلیل تھی
- ۳۸۱..... عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طلب پر آسمان سے نزول مائدہ
- ۳۸۲-۳۸۳..... عیسیٰ علیہ السلام کو موت لاحق نہیں ہوئی
- ۳۸۴..... تفسیر سورۃ الانعام
- ۳۸۶..... بعث بعد الموت کے انکار کی تردید
- ۳۸۷..... کفار مکہ کے شدت انگیز کا بیان
- ۳۸۹..... بت پرستی کی تردید
- ۳۹۱..... نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق اور مشرکین مکہ کی تردید
- ۳۹۳..... مشرکین مکہ کا قرآن کریم کی تکذیب
- ۳۹۴..... اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے
- ۳۹۸..... اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کبھی تکلیف کے ذریعہ اور کبھی نعمتوں کے ذریعہ آزما تا ہے
- ۳۹۹..... کلمہ وحی قرآن و سنت دونوں کو شامل ہے
- ۴۰۱..... اللہ کی نگاہ میں کمزور صحابہ کا مقام
- ۴۰۲..... کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں کرنے والوں کی تردید
- ۴۰۵..... مصیبتوں سے نجات دینے والا صرف اللہ ہے
- ۴۰۶..... ایسی مجلسوں میں شرکت کا حکم جن میں قرآن و سنت اور دین اسلام کا مذاق اڑایا جائے
- ۴۰۸-۴۰۹..... دوبارہ تخلیق انسانی کی دلیل
- ۴۱۰..... آزر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تھا
- ۴۱۱..... ابراہیم علیہ السلام کا آیات و دلائل کے ذریعہ وجود باری تعالیٰ پر استدلال
- ۴۱۱-۴۱۳.....

- ۳۶۸..... اصحاب اعراف کون لوگ ہوں گے
- ۳۷۰..... آسمان وزمین کی تخلیق کتنے دنوں میں ہوئی
- ۳۷۰..... معلوم نہیں
- ۳۷۱..... قبولیت دعا کی دو شرطیں
- نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور موسیٰ علیہم السلام
- ۳۸۱-۳۷۳..... قصے
- ۳۷۸..... لوطی کی سزا
- ۳۸۰..... پارہ - ۹
- ۳۸۲..... ہلاک کی جانے والی قوموں کی قلت ایمانی کا حال
- ۵۰۵-۳۸۳..... موسیٰ، فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعات
- اسلام نے بت پرستی کے تمام چور دروازوں کو بند
- ۳۹۱..... کر دیا ہے
- ۳۹۳..... مؤمنین اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے
- ۵۰۰-۳۹۳..... نبی کریم ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں
- نبی کریم ﷺ کی صفات تمام انسانی کتابوں میں بیان
- کی گئی ہیں
- ۳۹۹..... اسلام نے تورات کے بہت سے مشکل احکام کو منسوخ
- کر دیا ہے
- ۳۹۹..... بنی اسرائیل کی اخلاقی پستی
- ۵۰۳-۵۰۱..... حیلہ سازی یہودیوں کی خصلت ہے
- ۵۰۳..... ذلت و رسوائی یہودیوں کی قسمت بنا دی گئی
- ۵۰۹..... دعا عبادت کا مغز ہے
- ۵۰۹..... اللہ تعالیٰ کے کاموں کو گناہنا حرام ہے
- ۵۰۹..... اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تعداد
- حق پر قائم رہنے والی جماعت قرآن و سنت پر کسی چیز کو
- مقدم نہیں کرتی
- ۳۲۱..... جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں مشرکین
- کے خود ساختہ احکام کی تردید
- ۳۳۲..... وہ چوپائے جن کا کھانا حلال ہے
- ان چار اشیاء کا ذکر جنہیں اللہ نے بندوں کے لئے
- حرام بنایا ہے
- ۳۳۳..... جن اشیاء کی حرمت سنت سے ثابت ہے وہ بھی
- حرام ہیں
- ۳۳۳..... دس اہم ترین محرمات کا ذکر
- ۳۳۸-۳۳۶..... امت اسلامیہ کا اتحاد صرف اتباع قرآن و سنت کے ذریعہ
- ممکن ہے
- ۳۳۸..... یہود و نصاریٰ دین ابراہیمی پر قائم نہیں ہیں
- ۳۵۲..... تفسیر سورۃ الاعراف
- ۳۵۳..... اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کو قرآن و سنت کی اتباع کا
- حکم دیا ہے
- ۳۵۳..... قیامت کے دن میزان عمل قائم کیا جانا برحق ہے
- ۳۵۵..... آدم کا سب سے بڑا دشمن ابلیس ہے
- ۳۵۶..... قصہ ابلیس و آدم
- ۳۵۹-۳۵۶..... انسان شیطان کو کبھی دیکھ سکتا ہے
- ۳۶۱..... مقلدین اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہوتے ہوئے
- لوگوں کے اقوال و آراء کی اتباع کرتے ہیں
- ۳۶۲..... بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرنے کی تردید
- ۳۶۳..... پورا علم طب قرآن کی آدمی آیت میں موجود ہے
- ۳۶۳..... زینت اختیار کرنا امر مرغوب ہے
- ۳۶۳..... اساسی محرمات اور بنیادی گناہوں کی حرمت کا بیان
- ۳۶۷..... کینہ و حسد اور بغض و عداوت جنتی کی صفت نہیں ہے
- ۳۶۷..... جنت عمل صالح کے بدلے نہیں ملے گی، بلکہ وہ ایک
- سبب ہو گا
- ۳۶۷.....

- ۵۳۹..... یہود بنو قریظہ کا ذکر شر
- ۵۳۹..... ایک بہت ہی اہم جنگی اصول کا ذکر
- ۵۳۱-۵۳۰..... مسلمانوں کو جنگی تیاریوں کا حکم صریح
- ۵۳۲..... اللہ تعالیٰ اکیلا اپنے نبی ﷺ کے لئے کافی تھا
- ۵۳۳..... مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جنگ پر ابھارنے کا حکم
- ۵۳۴..... غزوہ بدر کی بعض تفصیلات
- ۵۳۴..... جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلام کا حکم
- ۵۳۶..... کافروں سے دوستی کی ممانعت
- اسلام میں وراثت کی تقسیم صرف قرابت، آبائی
- نسب اور سرسالی رشتوں کی بنیاد پر ہوتی ہے..... ۵۳۷
- ۵۳۸..... تفسیر سورۃ التوبہ
- ۵۳۸..... مشرکین مکہ سے اعلان برأت کی تاریخ
- ۵۵۲..... تاریخ فتح مکہ
- ۵۵۳..... دوستی اور دشمنی کی بنیاد صرف اللہ کی محبت ہونی چاہئے
- ۵۵۵..... جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب
- ۵۵۶..... مسجد کو صرف مسلمان آباد کرتے ہیں
- ۵۵۷..... جہاد فی سبیل اللہ دین کا سب سے اونچا عمل ہے
- ۵۵۷..... مشرکوں سے دوستی کی ممانعت
- ۵۵۸..... اللہ کی محبت کو ہر شے پر مقدم رکھنا واجب ہے
- ۵۵۹-۵۵۸..... غزوہ حنین کا واقعہ
- ۵۶۱..... جزیہ کی تعریف اور اس کے احکام
- ۵۶۲..... عیسائیوں نے اپنے عالموں کو اپنا معبود بنا لیا
- ۵۶۲..... علمائے سوء یہود و نصاریٰ کے مانند ہیں
- ۵۶۳..... زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے وعید
- ۵۶۵..... حرام کے چار مہینوں میں قتال کا حکم
- ۵۶۵..... اسلام میں شرعی احکام کا تعلق عربی مہینوں سے ہے
- ۵۱۰..... قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے
- ۵۱۱..... رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا
- ۵۱۳..... بتوں کی عاجزی و درماندگی
- ۵۱۴..... نبی کریم ﷺ کو اعلیٰ اخلاقی قدروں کی تعلیم
- ۵۱۵..... نبی کریم کا ہر قول و عمل وحی کے مطابق ہوتا تھا
- ۵۱۵..... قرآن کریم دل کی آنکھوں کو کھولتا ہے
- ۵۱۵..... نماز میں وجوب قرأت سورہ فاتحہ
- ۵۱۶..... ذکر الہی کے آداب
- ۵۱۷..... تفسیر سورۃ الانفال
- ۵۱۸..... مومنین صادقین کی صفات
- ۵۱۹..... مومن کا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے
- ۵۲۰..... واقعہ جنگ بدر کی تفصیلات
- ۵۲۳..... میدان جہاد چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے
- ۵۲۵..... جہاد اسلامی مسلمانوں کی زندگی کا راز ہے
- ۵۲۷..... اسلام سے پہلے عربوں کا حال
- ۵۲۸..... اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کا مفہوم
- دارالندوہ مکہ میں نبی کریم ﷺ کے قتل
- ۵۲۹-۵۲۸..... کی سازش
- ۵۳۰..... استغفار ذریعہ امان ہے
- تالیان اور سیٹیاں بجا کر اللہ کی قربت حاصل کرنے
- والے مشرکین مکہ کے مانند ہیں..... ۵۳۱
- ۵۳۵..... اہل کفر و شرک سے جہاد کا حکم
- ۵۳۳..... پارہ - ۱۰
- ۵۳۳..... مال غنیمت اور مال فنی کی تعریف
- ۵۳۳..... مال غنیمت کے مستحقین
- ۵۳۷-۵۳۳..... غزوہ بدر کا ذکر
- ۵۳۵..... چند اہم جنگی تعلیمات

| | | | |
|--------------|--|--------------|---|
| ۶۰۳..... | آفتاب و ماہتاب کے فوائد | ۵۹۶-۵۶۶..... | غزوہ تبوک کی تفصیلات |
| ۶۰۴..... | اللہ کے وجود پر اس کی مخلوقات سے استدلال | ۵۶۷..... | مقام ابو بکر |
| ۶۰۹-۶۰۴..... | مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمیاں اور ان کی تردید | ۵۶۷..... | جہاد فی سبیل اللہ کا صریح حکم |
| ۶۰۹..... | دنیا کی بے ثباتی پر استدلال | ۵۷۳-۵۶۹..... | منافقین کے بعض حالات |
| ۶۱۱-۶۱۰..... | قیامت کے دن اہل جنت اور اہل جہنم کے حالات | ۵۷۰..... | مدینہ میں منافقین کی ابتدا |
| ۶۱۳..... | نبی کریم کی صداقت اور وحی الہی کی حقانیت | ۵۷۳..... | مستحقین زکاۃ کا ذکر |
| ۶۱۳..... | قرآن کے سلسلے میں مشرکین عرب کو تین مراحل میں چیلنج | ۵۷۷-۵۷۵..... | احوال منافقین |
| ۶۱۵..... | قیامت کی ہولناکیوں کی منظر کشی | ۵۷۸..... | حکم جہاد |
| ۶۱۵..... | رسول اللہ ﷺ، یا کسی دلی یا کسی نیک بندے کو مصیبت کے وقت پکارنا شرک اکبر ہے | ۵۸۴-۵۸۰..... | احوال منافقین |
| ۶۱۶..... | رسول اکرم ﷺ نے اللہ کے نام کی قرآن میں تین جگہ قسم کھائی ہے | ۵۸۶..... | پارہ - ۱۱ |
| ۶۱۷..... | قرآن کریم کی عظمت | ۵۸۶..... | غزوہ تبوک اور منافقین کا کردار |
| ۶۱۸..... | دلی کی تعریف | ۵۸۸..... | سابقین اولین کی تفسیر |
| ۶۱۹..... | نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے اظہار برأت | ۵۸۹..... | منافقین مدینہ کا ذکر شر |
| ۶۲۱..... | موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ عقیدہ توحید کے بارے میں مناظرہ | ۵۹۰..... | توبہ اور صدقہ و زکاۃ کی ترغیب |
| ۶۲۱..... | موسیٰ، فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعات کی تفصیل | ۵۹۰-۵۹۶..... | وہ تین مخلص مسلمان جو سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے |
| ۶۲۲..... | اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا بیان | ۵۹۱..... | قباقی مسجد ضرار |
| ۶۲۷..... | بندہ اپنے اختیار و ارادہ سے کافر یا مومن ہوتا ہے | ۵۹۱..... | مسجد قبا کی فضیلت |
| ۶۲۸..... | یونس علیہ السلام کا ذکر خیر | ۵۹۱..... | جن جگہوں میں اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہو، انہیں جلا دیا جائے |
| ۶۳۱..... | تفسیر سورہ ہود | ۵۹۳..... | مشرکین و منافقین سے کنارہ کشی دینی ضرورت ہے |
| ۶۳۱..... | قرآن کریم کی دو صفتوں کا بیان | ۵۹۹..... | قرآن کی تلاوت ایمان بڑھاتی ہے |
| ۶۳۳..... | کفار مکہ کا نبی کریم کی دعوت سے شدید اعراض | ۵۹۹..... | نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی امت مسلمہ پر اللہ کا احسان عظیم ہے |
| ۶۳۳..... | پارہ - ۱۲ | ۶۰۰..... | تفسیر سورہ یونس |
| ۶۳۵..... | مومن کا صبر و شکر | ۶۰۱..... | عرش الہی کی تعریف |
| | | ۶۰۲..... | بعث بعد الموت کی عقلی دلیل |
| | | ۶۰۳..... | |

- شیطان کے مکرو فریب سے انبیاء بھی محفوظ نہیں رہے۔ ۶۷۲.....
- واقعہ یوسف کی تفصیلات۔ ۶۷۵-۶۷۱.....
- یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی عظیم دلیل۔ ۶۷۶-۶۷۵.....
- عورتوں کی سازش شیطان کی سازش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ۶۷۷.....
- یوسف علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز دعوتِ توحید سے کیا۔ ۶۸۱.....
- شاہِ مصر کا خواب اور اس کی تعبیر۔ ۶۸۲.....
- یوسف سچائی، پاکیزگی، اخلاق اور طہارت طبع کا بہترین نمونہ تھے۔ ۶۸۳.....
- پارہ - ۱۳۔ ۶۸۶.....
- یوسف کی عفت و پاکدامنی کا اعتراف زلیخا کی زبانی۔ ۶۸۶.....
- صبر و استقامت اور عفت و طہارت عزت و سربلندی کا سبب ہوتی ہے۔ ۶۸۶.....
- انسان کی تدبیر اللہ کی تدبیر کو ٹال نہیں سکتی۔ ۶۹۰.....
- یوسف اور ان کے بھائی بنیامین کی ملاقات۔ ۶۹۲.....
- یوسف کی جدائی میں ان کے باپ یعقوب کا حال زار۔ ۶۹۳.....
- یوسف کی اپنے سوتیلے بھائیوں سے ملاقات۔ ۶۹۶.....
- یعقوب کے دردِ عالم کا دور ختم ہوتا ہے۔ ۶۹۷.....
- شرکِ خفی کی تفصیل۔ ۷۰۱.....
- اللہ کا کوئی نبی نہ بدوی ہوا نہ جن اور نہ کوئی عورت۔ ۷۰۲.....
- تفسیر سورۃ الرعد۔ ۷۰۳.....
- مخلوقات کے ذریعہ اللہ کی قدرت و خالقیت پر استدلال۔ ۷۰۶-۷۰۷.....
- دعا اور عبادت کی تمام قسمیں اللہ کے لئے خاص ہیں۔ ۷۱۰.....
- ایمان والوں کی صفات۔ ۷۱۳.....
- غیر مومن بندوں کی ناصبری و ناشکری۔ ۷۳۵.....
- قرآن کریم کا عربوں کو پہنچنا۔ ۷۳۷.....
- اخلاص فی العمل کی اہمیت۔ ۷۳۸.....
- طالبِ آخرت کا حال۔ ۷۳۸.....
- نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ ۷۳۷-۷۳۷.....
- ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ ۷۵۰-۷۴۷.....
- صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ ۷۵۲-۷۵۰.....
- لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ ۷۵۶-۷۵۲.....
- ایراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام کا ذکر خیر۔ ۷۵۶-۷۵۲.....
- اولادِ زینہ اللہ کی نعمت ہے۔ ۷۵۳.....
- سلام کا جواب دینا سنتِ ابراہیمی ہے۔ ۷۵۳.....
- بیوی آدمی کے اہل بیت میں داخل ہے۔ ۷۵۳.....
- شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم اہل مدین کا واقعہ۔ ۷۶۵-۷۶۰.....
- موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ۔ ۷۶۱-۷۶۰.....
- دین برحق پر ثبات قدمی کا حکم۔ ۷۶۳.....
- نماز کی تاکید۔ ۷۶۵.....
- نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ ۷۶۵.....
- حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے، ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ ۷۶۶.....
- تفسیر سورۃ یوسف۔ ۷۶۸.....
- قرآن کریم دنیا کی اشرف کتاب ہے جو اشرف زبان میں اشرف رسول پر نازل ہوئی۔ ۷۶۹.....
- یوسف علیہ السلام کا خواب اور اس کی تعبیر۔ ۷۶۹.....
- ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لڑکا اس سے اچھا ہو۔ ۷۷۰.....
- بھائی اور دیگر رشتہ دار حسد کرتے ہیں۔ ۷۷۰.....
- یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دینا نبی کریم ﷺ کی صداقت کی دلیل تھی۔ ۷۷۰.....

- غیر اہل ایمان کی صفات..... ۷۱۲
- قرآن کریم کے بعض فضائل کا ذکر..... ۷۱۹
- تفسیر سورہ ابراہیم..... ۷۲۱
- قرآن و سنت نور الہی ہے..... ۷۲۲
- نزول قرآن کے ذریعہ عربوں پر اللہ کا احسان عظیم..... ۷۲۳
- موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۷۲۳-۷۲۶
- میدان محشر میں کافر ایک دوسرے سے جھگڑیں گے..... ۷۲۹
- کلمہ طیبہ کی مثال لہلہاتے خوبصورت درخت کی ہے..... ۷۳۰
- کلمہ خبیثہ کی مثال بد باطن درخت ہے..... ۷۳۰
- قیامت کے دن اہل تقویٰ ایک دوسرے کے دوست ہوں گے..... ۷۳۲
- مکہ کے لئے دعائے ابراہیمی..... ۷۳۳
- مقام دعا مقام سکوت و ترک دعا سے اعلیٰ وارفع ہے..... ۷۳۴
- ابراہیم علیہ السلام کی مختلف دعائیں..... ۷۳۳-۷۳۵
- دین اسلام اور نبی کریم کی حمایت کا صریح وعدہ..... ۷۳۷
- تفسیر سورہ الحجر..... ۷۳۸
- پارہ ۱۳-..... ۷۴۰
- دین اسلام کے غالب آنے کی بشارت..... ۷۴۰
- کفار مکہ کا کبر و غرور..... ۷۴۱
- قرآن اللہ کا کلام ہے..... ۷۴۱
- اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال..... ۷۴۲
- اللہ تعالیٰ نے آسمان کو مردود شیطان کی رسائی سے محفوظ رکھا ہے..... ۷۴۳
- اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کا بیان..... ۷۴۳-۷۴۴
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی عزت افزائی..... ۷۴۵
- جہنم کے متعدد طبقات اور ان کے نام..... ۷۴۶
- اہل جنت کے سینے تمام ناخوش گوار جذبات سے پاک ہوں گے..... ۷۴۷
- ابراہیم اور لوط علیہما السلام کا ذکر خیر..... ۷۴۸
- قوم لوط کی ہلاکت کا واقعہ..... ۷۵۰
- علم فراست کی دلیل..... ۷۵۰
- علم فراست کی تعریف..... ۷۵۰
- قوم شعیب کا واقعہ..... ۷۵۱
- قوم صالح کا واقعہ..... ۷۵۱
- سورہ الفاتحہ اور قرآن کریم جیسی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی ہر شے حقیر ہے..... ۷۵۲
- نبی کریم ﷺ کو علی الاعلان دعوت اسلام کا حکم..... ۷۵۳
- نماز اور دوسری عبادتیں صرف حالت عقل میں واجب ہیں..... ۷۵۴
- تفسیر سورہ النحل..... ۷۵۵
- وحی الہی کی صداقت کے بارے میں شبہ کا ازالہ..... ۷۵۶
- مظاہر قدرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال..... ۷۵۶
- خچر اور گدھے کے گوشت کا حکم..... ۷۵۷
- اللہ تعالیٰ کے گونا گوں احکامات کا ذکر..... ۷۵۷-۷۵۹
- نمرود بن کنعان کا ذکر شر..... ۷۶۲
- جنت کی صفات..... ۷۶۳
- ہجرت کرنے والوں کا دنیاوی اور اخروی اجر..... ۷۶۶
- صبر اور توکل علی اللہ داعی الی اللہ کی صفت ہے..... ۷۶۷
- تمام انبیاء انسان مرد تھے، فرشتہ یا عورت نہیں..... ۷۶۷
- تقلید شخصی کے ایک شبہ کا ازالہ..... ۷۶۷
- ”اہل الذکر“ سے مراد اہل قرآن و سنت ہیں..... ۷۶۷

- اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ”فوقیت اور علو“ کا ثبوت.... ۷۶۹
- مشرکین کی انتہائی حماقت کہ جمادات و شیاطین کو پوجتے تھے..... ۷۷۰
- فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں ہیں..... ۷۷۱-۷۷۰
- اللہ تعالیٰ وحی و رسالت کے ذریعہ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے..... ۷۷۳
- اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر..... ۷۷۳
- شہداء اس کے اقسام اور فوائد..... ۷۷۴
- انسان کی تخلیق سے متعلق عجائب کا بیان..... ۷۷۶-۷۷۵
- اللہ اور پتھر کے بُت برابر نہیں ہو سکتے..... ۷۷۷
- آدمی کی تخلیق توحید باری تعالیٰ کی دلیل ہے..... ۷۷۸
- چڑیوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے..... ۷۷۸
- اللہ تعالیٰ کی گونا گوں نعمتوں کا ذکر..... ۷۷۹
- قرآن کریم میں ہر ضروری اور بنیادی بات بیان کر دی گئی ہے..... ۷۸۱
- نبی کریم ﷺ اخلاق عالیہ کا حکم دیتے تھے..... ۷۸۱
- اسلام قسموں کی حفاظت کا حکم دیتا ہے..... ۷۸۲
- نسخ آیات سے متعلق شبہ اور اس کا ازالہ..... ۷۸۵
- اس مسلمان کا حکم جو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا ہو..... ۷۸۷
- نبی کریم ﷺ کی بددعا سے مکہ میں شدید قحط پڑتا..... ۷۸۸
- اللہ کے سوا کوئی حلال و حرام کرنے والا نہیں..... ۷۹۰
- یہود و نصاریٰ دین ابراہیمی پر نہیں ہیں..... ۷۹۱
- سورۃ النحل کی آخری آیتوں کو یاد رکھنے کی نصیحت..... ۷۹۳
- پارہ-۱۵..... ۷۹۳
- تفسیر سورۃ بنی اسرائیل..... ۷۹۳
- لفظ ”سبحان“ کے معنی کی وضاحت..... ۷۹۴
- رسول اللہ ﷺ کی سب سے اچھی صفت اللہ کا بندہ ہونا ہے..... ۷۹۵
- معراج کی رات آپ ﷺ کو گھر سے لے جایا گیا..... ۷۹۵
- مسجد حرام سے..... ۷۹۵
- معراج کی غرض و غایت..... ۷۹۵
- معراج ہجرت سے ایک سال پہلے واقع ہوا..... ۷۹۵
- معراج جسم و روح دونوں کے ساتھ ہوا..... ۷۹۵
- ذکر موسیٰ علیہ السلام..... ۷۹۶
- ذکر نوح علیہ السلام..... ۷۹۶
- بنی اسرائیل زمین میں فساد پھیلانے لگے..... ۷۹۷
- تاریخ بنی اسرائیل کی کچھ تفصیلات..... ۷۹۷
- سلیمان علیہ السلام کے ایک بیٹے نے بتوں کی عبادت کو جائز قرار دیا..... ۷۹۸
- بخت نصر کے ہاتھوں مملکت بنی اسرائیل کا تباہ ہونا..... ۷۹۸
- بنی اسرائیل کبھی سکون سے نہ رہے..... ۷۹۸
- مسجد اقصیٰ کی تعمیر پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے اور دوبارہ دلدید بن عبد الملک نے کرائی..... ۷۹۸
- قرآن کریم کی ایک بڑی خوبی کا بیان..... ۷۹۹
- رات دن اور آفتاب و ماہتاب اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیاں ہیں..... ۸۰۰
- قرآن کریم کی عظمت کا بیان..... ۸۰۰
- دنیا داروں کا مصلعائے مقصود دنیا طلبی ہوتی ہے..... ۸۰۲
- توحید کا انجام جنت اور شرک کا انجام جہنم ہے..... ۸۰۳
- والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم..... ۸۰۳
- رشتہ داروں، فقیروں اور مسافروں کا خیال کرنے کی نصیحت..... ۸۰۵
- فضول خرچی کی ممانعت..... ۸۰۵

- لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی نصیحت..... ۸۰۵
- بخیل کی مذمت..... ۸۰۶
- قتل اولاد کی حرمت..... ۸۰۶
- زنا کی حرمت..... ۸۰۶
- بے گناہ کے قتل کی حرمت..... ۸۰۷
- یتیم کے مال کی حفاظت..... ۸۰۷
- ناپ تول میں کمی بیشی کی ممانعت..... ۸۰۷
- ایسی بات کہنے کی ممانعت جس کی صداقت کا آدمی کو علم نہ ہو..... ۸۰۸
- کبر و غرور کے ساتھ اکر کر چلنے کی ممانعت..... ۸۰۸
- فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں ہیں..... ۸۰۹
- اس حقیقت پر استدلال کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں..... ۸۰۹
- سلامت قرآن کریم کے سبب اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو کافروں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا تھا..... ۸۱۰
- کفار و مشرکین اپنے کفر و شرک کی وجہ سے قرآن کریم سے استفادہ نہیں کر پاتے تھے..... ۸۱۱
- بعث بعد الموت سے متعلق شبہات کا ازالہ..... ۸۱۱
- زبور میں نبی کریم ﷺ کی صفات کا ذکر..... ۸۱۳
- عزیر، عیسیٰ اور مریم کی عبادت کی تردید..... ۸۱۳
- اہل مکہ نے صفا پہاڑی کو سونا میں بدل دینے کا مطالبہ کیا..... ۸۱۴
- ذکر قوم صالح..... ۸۱۴
- ذکر معراج..... ۸۱۵
- ذکر صلح حدیبیہ..... ۸۱۵
- شجر زقوم شجر ملعون ہے..... ۸۱۵
- واقعہ ابلیس لعین..... ۸۱۶
- اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت کی چند نشانیاں..... ۸۱۷
- اصحاب الحدیث قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کے نام سے پکارے جائیں گے..... ۸۱۹
- نبی کریم ﷺ کافروں کی طرف ایک لمحہ کے لئے بھی مائل نہیں ہوئے..... ۸۱۹
- دعوت اسلام کی راہ میں نبی کریم ﷺ کی پریشانیوں کا ذکر..... ۸۲۰
- نماز کی اہمیت کا بیان..... ۸۲۰
- نماز تہجد کا ذکر..... ۸۲۱
- ہجرت مدینہ کی بشارت..... ۸۲۱
- فتح مکہ کی بشارت..... ۸۲۲
- قرآن کریم مومنوں کے لئے شفا و رحمت ہے..... ۸۲۲
- قرآن کریم کے ذریعہ قلبی اور بدنی تمام بیماریوں سے مکمل شفا ملتی ہے..... ۸۲۲
- ”روح“ کا مفہوم..... ۸۲۳
- قرآن کریم اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے..... ۸۲۳
- دنیا کی کوئی طاقت قرآن کریم جیسا کلام نہیں لاسکتی..... ۸۲۳
- بندوں کی بدایت کے لئے انہی جیسے انبیاء و رسل بھیجتا ہی عقل سے لگتی بات تھی..... ۸۲۵
- قیامت کے دن کافروں کو ان کے چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا..... ۸۲۶
- بعث بعد الموت سے متعلق شبہ کا ازالہ..... ۸۲۷
- مومن و کافر انسانوں کے درمیان فرق..... ۸۲۷
- موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی نو نشانیاں..... ۸۲۸
- فتح مکہ کی بشارت..... ۸۲۹
- قرآن کریم کے بتدریج نازل ہونے کی حکمت..... ۸۳۰
- اہل کتاب مسلمانوں کا ذکر خیر..... ۸۳۰
- اللہ تعالیٰ کے حمد و ثنا کی تعلیم..... ۸۳۱
- تفسیر سورۃ الکہف..... ۸۳۲
- آپ ﷺ کی اہم ترین صفت اللہ کا بندہ ہونا تھا..... ۸۳۳

- ۸۵۸..... ذوالقرنین کی تحقیق
- ۸۵۹..... ذوالقرنین نبی تھے یا مرد صالح
- ۸۶۰..... ذوالقرنین نے لوگوں کو دین ابراہیمی کی دعوت دی تھی
- ۸۶۱-۸۶۰..... یاجوج ماجوج کے علاقہ کی تحقیق
- ۸۶۲..... یاجوج ماجوج کی تحقیق
- ۸۶۳..... اہل جہنم کی صفات
- ۸۶۴..... اہل جنت کا حال و مال
- ۸۶۴..... اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے
- ۸۶۵..... اعمال کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں: شریعت
محمد کے مطابق ہو، اور اس سے مقصود صرف اللہ کی
خوشنودی ہو
- ۸۶۵..... تفسیر سورہ مریم
قرآن کریم میں مریم علیہا السلام کا نام تیس بار دہرایا
گیا ہے
- ۸۶۵..... نجاشی کے دربار میں سورہ مریم کی تلاوت کا واقعہ
- ۸۶۹-۸۶۶..... ذکر زکریا و یحییٰ علیہما السلام
- ۸۶۹..... واقعہ مریم علیہا السلام
- ۸۷۳-۸۷۲..... عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں بات کرنا
- ۸۷۲..... عیسیٰ علیہ السلام کا اعتراف کہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا
- ۸۷۳..... یسوع کا مریم علیہا السلام کو زنا کے ساتھ متہم کرنا
- ۸۷۴..... قیامت کے دن موت کو ذبح کر دیا جائے گا
- ۸۷۵..... ابراہیم علیہ السلام اور ان کے باپ آزر کا واقعہ
- دعوتِ ربانی اللہ میں نری اور محبت کا اسلوب مفید
ہوتا ہے
- ۸۷۵..... بے پرستی کی تردید
- ۸۷۶..... داعیِ ربانی اللہ کو ربائی کا جواب بھلائی سے دینا چاہئے
- ۸۷۷..... خاندانِ ابراہیمی کی فضیلت
- ۸۳۳..... قرآن کریم کا مشن
- ۸۳۳..... دنیا دارا لکھن ہے، دارالقرآن نہیں
- ۸۴۰-۸۳۴..... واقعہ اصحاب کھف
- واقعہ اصحاب کھف سے عبادت کے لئے عزت نشینی
پر استدلال صحیح نہیں ہے
- ۸۳۶..... واقعہ اصحاب کھف سے ثبوتِ کرامت پر استدلال
- ۸۳۷..... واقعہ اصحاب کھف سے بحثِ بعد الموت پر استدلال
- ۸۳۸..... مجلسِ دعوت و ارشاد سے غریب مسلمانوں کے اخراج
کی ممانعت
- ۸۴۱..... انگوروں کے دوباغ والے اسرائیلی کافر کا واقعہ
- ۸۴۳..... کفر و شرک اور کبر و نخوت کی مذمت
- ۸۴۳..... بحثِ بعد الموت پر استدلال
- ۸۴۳..... دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے ثباتی کی مثال
- ۸۴۶..... آخرت کے کچھ احوال کا بیان
- شیطان آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کا سب سے بڑا
دشمن ہے
- ۸۴۷..... قرآن کریم کا اسلوبِ دعوت
- ۸۴۹..... نافرمان قوموں کی ہلاکت کا سبب ان کا کفر و طغیان تھا
- ۸۵۰..... واقعہ خضر و موسیٰ
- ۸۵۵-۸۵۱..... خضر اللہ کے ولی تھے
- ۸۵۲..... خضر کا انتقال ہو چکا ہے
- انبیاء کرام کے سوا کسی کو علمِ لدنی حاصل نہیں ہوتا
جو ظاہری شریعت سے مختلف ہوتا ہے
- ۸۵۳..... دلی نبی سے افضل نہیں ہوتا
- ۸۵۳..... پارہ ۱۶-۱۷
- ۸۵۶..... باپ کی نیکی اولاد کی جانی اور مالی حفاظت کا سبب بنتی ہے
- ۸۵۷..... واقعہ ذوالقرنین

- ۸۹۴..... موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور پرورش و پرداخت..... ۸۷۷
- دعوتِ ربی اللہ کے لئے نرم اسلوب اختیار کرنے..... ۸۷۸
- ۸۹۶..... کی نصیحت..... ۸۷۹
- اللہ تعالیٰ داعیِ ربی اللہ کے ساتھ ہوتا ہے..... ۸۸۰
- ۸۹۷..... موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گفتگو..... ۸۸۰
- ۸۹۸..... موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیاں..... ۸۸۱
- ۹۰۰..... موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ..... ۸۸۲
- ۹۰۱..... جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا..... ۸۸۲
- ۹۰۳..... بنی اسرائیل کا بحرِ قلزم میں غرق ہونا..... ۸۸۳
- ۹۰۳..... بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات..... ۸۸۳
- بنی اسرائیل کا سامری کے فتنہ میں پڑ کر پھڑے..... ۸۸۳
- ۹۰۴..... کی پرستش کرنا..... ۸۸۳
- صوفیاء کا مذہب بے کاری، جہالت اور گمراہی کا..... ۸۸۵
- مجموعہ ہے..... ۸۸۵
- ۹۰۶..... سامری کا انجام بد..... ۸۸۶
- ۹۰۷..... قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر..... ۸۸۶
- ۹۰۸..... غیر مومنوں کے لئے کوئی شفاعت نہیں ہوگی..... ۸۸۷
- ۹۰۹..... فاسقوں کے حق میں شفاعت کا ثبوت..... ۸۸۷
- ۹۱۰..... زیادتی علم کی دعا کی تعلیم..... ۸۸۸
- ۹۱۱..... قصہ ابلیس و آدم..... ۸۸۸
- ۹۱۳..... فجر اور عصر کی نمازوں کی اہمیت..... ۸۸۸
- ۹۱۵..... دنیا کی لالچ نہ کرنے کی نصیحت..... ۸۸۹
- نزولِ قرآن اور بشتِ رسول کے بعد اب کسی..... ۸۹۰
- کافر و مشرک کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا..... ۸۹۰
- ۹۱۷..... پارہ-۱۷..... ۸۹۰
- تفسیر سورۃ لآئینا..... ۸۹۱
- ۹۱۷..... ابن آدم ہر دن قیامت سے قریب ہوتا جاتا ہے..... ۸۹۱
- ذکر موسیٰ بن عمران علیہ السلام..... ۸۷۷
- ذکر اسماعیل بن ابراہیم..... ۸۷۸
- ذکر اور یس علیہ السلام..... ۸۷۹
- نماز کو ضائع کرنے والوں کا برا انجام..... ۸۸۰
- ذکر جنت عدن..... ۸۸۰
- اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور اس کا کوئی شبیہ نہیں..... ۸۸۱
- بعثت بعد الموت پر استدلال..... ۸۸۲
- جہنم میں ہر شخص کے ورد سے کیا مراد ہے..... ۸۸۲
- اللہ تعالیٰ کافروں کی رشتی ڈھیل دیتا ہے..... ۸۸۳
- ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے..... ۸۸۳
- عاص بن وائل کا انکار قیامت..... ۸۸۳
- قیامت کے دن اہل تقویٰ کی تکریم..... ۸۸۵
- قیامت کے دن مومنین ایک دوسرے کی سفارش کریں گے..... ۸۸۶
- باری تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت بدترین گناہ ہے..... ۸۸۶
- اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے محبت کرتا ہے..... ۸۸۷
- تفسیر سورۃ طہ..... ۸۸۸
- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر سورۃ طہ کا اثر..... ۸۸۸
- صفات باری تعالیٰ پر بغیر تاویل و تحریف ایمان لانا..... ۸۸۹
- اوپچی آواز سے ذکر الہی کی ممانعت..... ۸۹۰
- موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے ہم کلام ہونا..... ۸۹۰
- بے نمازی اللہ کو یاد کرنے والا نہیں کہلاتا..... ۸۹۱
- قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں..... ۸۹۱
- موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر..... ۸۹۱-۸۹۲
- دعوت میں کامیابی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی دعا..... ۸۹۳
- ذکر الہی کی فضیلت..... ۸۹۳
- موسیٰ علیہ السلام پر انعامات الہی کا ذکر..... ۸۹۴

- ۹۳۳..... لوط علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۴..... نوح علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۵..... داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۵..... داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور چڑیاں سیج پڑھتی تھیں
- ۹۳۵..... داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا
- ۹۳۵..... سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں اور ہواؤں کی تسخیر
- ۹۳۶..... ایوب علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۶..... اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۷..... یونس علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۷..... زکریا علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۸..... زکریا علیہ السلام کی ولد صالح کے لئے دعا
- ۹۳۸..... دعا کرنے کے آداب
- ۹۳۸..... مریم علیہا السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۹..... بعثت بعد الموت امر یقینی ہے
- ۹۴۰..... خروج یا جوج و ماجوج قرب قیامت کی علامت ہوگی
- ۹۴۰..... مشرکین اور ان کے معبود سب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے
- ۹۴۰..... جہنمیوں کا حال زار
- ۹۴۱..... اہل جنت کی نیک بختیاں
- ۹۴۱..... وقوع قیامت کے وقت زمین اور آفتاب دماہتاب کا حال
- ۹۴۲..... نبی کریم ﷺ دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے
- ۹۴۳..... توحید باری تعالیٰ اللہ کی رحمت ہے
- ۹۴۴..... کفار مکہ کے خلاف دعاء نبوی اور اس کا انجام
- ۹۱۸..... کفار مکہ کی خام خیالی کہ اللہ کے رسول کو فرشتے ہونا چاہئے
- ۹۱۸..... کفار مکہ کا ظن باطل کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے
- ۹۱۸..... اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور اولاد ہونا امر محال ہے
- ۹۱۸..... فرشتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں
- ۹۱۹..... تقلید شخصی کے جواز پر استدلال اور اس کا ابطال
- ۹۲۰..... قرآن کریم کا نزول عربوں کے لئے باعث عزت و شرف تھا
- ۹۲۰..... شعیب بن مہدم نامی نبی کا ذکر جو یمن سے تعلق رکھتے تھے
- ۹۲۲..... چند معبودوں کا ہونا عقلی طور پر محال ہے
- ۹۲۳..... فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں
- ۹۲۴..... اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت کے چھ آفاقی دلائل
- ۹۲۴..... مشرکین مکہ کی حاقہ اند خواہش کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد دعوت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا
- ۹۲۵..... جہنم کی ہولناکیوں کا بیان
- ۹۲۷..... بتوں کی بے بسی
- ۹۲۷..... قیامت کے حالات
- ۹۲۸..... دس انبیائے کرام کے واقعات
- ۹۲۹..... ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۳۰..... ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا
- ۹۳۰..... ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کی بے چارگی پر اپنی قوم سے مکالمہ
- ۹۳۱..... ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالا جانا
- ۹۳۲..... چھٹکی کا آگ میں پھونک مارنا
- ۹۳۲..... چھٹکی زہریلی اور برص والی ہوتی ہیں
- ۹۳۳..... نیک اولاد کے لئے دعا کرتا سنت ابراہیمی ہے

تفسیر سورۃ الحج

- ۹۶۳..... عنودر گذر کی ترغیب
- ۹۶۳..... ۹۶۳..... اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی نشانیوں کا بیان
- نزل قرآن کے بعد تمام سابقہ شریعتیں منسوخ ہو گئیں
- ۹۶۵..... ہر دور کے اہل کفر نے قرآن کریم کو سنا گوارہ نہیں کیا
- ۹۶۶..... عبادت صرف انبیاء کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کرنا لازم ہے
- ۹۶۷..... نماز اور دیگر کار خیر کا حکم
- ۹۶۸..... جان و مال اور زبان کے ذریعہ جہاد کا حکم
- ۹۶۸..... دین اسلام آسان دین ہے
- ۹۶۸..... ابراہیم علیہ السلام مسلمانوں کے باپ ہیں
- ۹۶۸..... امت مسلمہ معتدل اور صاحب خیر امت ہے
- ۹۶۹..... پارہ ۱۸-۱۸
- ۹۶۹..... تفسیر سورۃ المؤمنون
- مومن کی وہ چھ صفات جو دخول جنت کا سبب بنتی ہیں
- ۹۷۱-۹۶۹..... انسانی تخلیق کے مدارج
- ۹۷۱..... آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی نشانی ہے
- ۹۷۱..... پانی اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے
- ۹۷۲..... نوح علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۹۷۳..... قوم نوح کے شبہات اور ان کی تردید
- ۹۷۳..... قصہ ہود علیہ السلام
- ۹۷۵..... قوم ہود کا انکار بعث بعد الموت
- ۹۷۶..... موسیٰ دہردن علیہا السلام اور فرعون کا واقعہ
- ۹۷۷..... مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہا السلام کا واقعہ
- ۹۷۷..... ۹۷۷..... قرب قیامت وقوع زلزلہ
- ۹۷۵..... بعث بعد الموت کا انکار تمام خرابیوں کی جڑ ہے
- ۹۷۶..... بعث بعد الموت کی دلیلیں
- ۹۷۷-۹۷۶..... گمراہ کن علم کے دعویداروں کا حال
- ۹۷۸..... منافقین کا ذکر شر
- ۹۷۸..... یہود، مشرکین اور منافقین کا ذکر شر
- ۹۷۹..... قرآن کریم کی مدح سرائی
- ۹۵۰..... صاحبین اور مجوس کا بیان
- ۹۵۰..... باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان
- ۹۵۰..... مسجد حرام پر تمام مسلمانوں کا حق برابر ہے
- ۹۵۲..... مکہ مکرمہ کی زمینوں اور عمارتوں کی خرید و فروخت کا حکم
- ۹۵۲..... ابراہیم و اسماعیل نے اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی
- ۹۵۳..... حج بیت اللہ کی غرض و غایت
- ۹۵۳..... حج کے بعض احکام کا بیان
- ۹۵۴..... جانوروں کے گوشت کی حلت و حرمت کا بیان
- ۹۵۵..... قربانی کے جانور کیسے ہوں؟
- ۹۵۵..... اللہ تعالیٰ کے لئے جانوروں کی قربانی کا حکم تمام قوموں کو دیا گیا
- ۹۵۶..... بندہ مومن کی صفات کا بیان
- ۹۵۶..... قربانی کا گوشت تین حصوں میں کر دینا چاہئے
- ۹۵۷..... مشروعیت جہاد کی تاریخ
- ۹۵۸..... مشروعیت جہاد کی حکمت
- ۹۵۸..... ہلاک شدہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنا مطلوب ہے
- ۹۵۹..... قصہ غرانتق جمونا اور من گھڑت ہے
- ۹۶۲-۹۶۱..... ظلم و زیادتی کی قباحت
- ۹۶۳.....

- عیسائی راہبوں کے جمونے زہد و تقویٰ کی تردید..... ۹۷۸
- تمام انبیاء کا دین ایک تھا..... ۹۷۸
- دو چار صفات جن کے سب آدمی خیرات و برکات کا حقدار بنتا ہے..... ۹۷۹
- قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی عظمت و اہمیت..... ۹۸۱
- کفار قریش کا باطن سیاہ تھا..... ۹۸۲
- بعث بعد الموت برحق ہے..... ۹۸۲
- اللہ کی وحدانیت پر قطعی دلیل..... ۹۸۳
- مسلمانوں کو آپس میں غم و درگزر کا حکم..... ۹۸۵
- وہ دعاء جس کے پڑھنے سے شیطان نیند کی حالت میں نہیں ڈراتا..... ۹۸۶
- میدان محشر میں لوگوں پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار..... ۹۸۷
- جہنمیوں کا حالت زار..... ۹۸۸
- دنیا کی چند سالہ زندگی کا عیش و آرام مومن کے لئے نہیں ہے..... ۹۸۸
- تفسیر سورۃ النور..... ۹۸۹
- سورۃ النور کے اہم موضوعات..... ۹۸۹
- زانی اور زانیہ کا حکم..... ۹۹۰
- حد زانیہ نافذ کرنے کے فوائد..... ۹۹۱
- زانی مرد و عورت کی شادی کا حکم..... ۹۹۲-۹۹۱
- پاکدامن مرد و عورت کی شادی کا حکم..... ۹۹۲
- توبہ کے بعد زانی کی شہادت کا حکم..... ۹۹۲
- بیوی پر زانیہ کی تہمت لگانے والا کس طرح قسم کھائے گا..... ۹۹۳
- واقعہ انگ..... ۹۹۳
- مسلمان آپس میں بھائی بھائی اور عورتیں ان کی بہنیں ہیں..... ۹۹۶
- مسلم سوسائٹی میں اخلاقی انارکی پھیلانا کافروں اور منافقوں کا کام ہے..... ۹۹۷
- عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی کی قرآنی شہادت..... ۹۹۹
- کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا سخت ممنوع ہے..... ۱۰۰۰
- ہوٹل، دکانوں اور تجارتی جگہوں میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز ہے..... ۱۰۰۱
- نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم..... ۱۰۰۱
- نگاہ نیچی رکھنے کے دس فوائد..... ۱۰۰۱
- مومن عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے، شرمگاہ کی حفاظت اور عدم اظہار زینت کا حکم..... ۱۰۰۲
- عورت کن لوگوں سے پردہ نہیں کرے گی..... ۱۰۰۳
- مسلمان عورت مشرک عورت کے سامنے اظہار زینت نہیں کرے گی..... ۱۰۰۳
- مسلمان عورت غیر محرموں سے اپنے زیورات کی آواز بھی چھپائے گی..... ۱۰۰۳
- اسلام شادی کرنے کا حکم دیتا ہے..... ۱۰۰۴
- شادی کرنے سے محتاجی دور ہوتی ہے..... ۱۰۰۴
- نکاح متعہ کی حرمت پر استدلال..... ۱۰۰۴
- مکاتب غلام کی مالی مدد کا حکم..... ۱۰۰۵
- لوٹھیوں کو بدکاری پر مجبور کرنا حرام ہے..... ۱۰۰۵
- قرآن کریم کی عظمت و اہمیت..... ۱۰۰۶
- اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا نور ہے..... ۱۰۰۶
- ”اللہ نور السموات والارض“ کی مفید تفسیر..... ۱۰۰۶-۱۰۰۷
- مومن و کافر کے اعمال کی مثال..... ۱۰۰۸
- آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں..... ۱۰۰۹
- مظاہر قدرت الہیہ کا ذکر..... ۱۰۰۹-۱۰۱۰
- منافقین کی صفات کا بیان..... ۱۰۱۱

- ۱۰۲۳..... کفار مکہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کا استہزاء
- ۱۰۲۵ پارہ ۱۹.....
- ۱۰۲۵..... مشرکین مکہ کا غایت کبر و نخوت
- ۱۰۲۵..... میدان محشر میں کافروں کی محرومی کا حال
- ۱۰۲۶..... مظاہر قیامت اور منکرین آخرت کا حال
- ۱۰۲۶..... ان لوگوں کے لئے دھمکی جو روزانہ قرآن کی تلاوت نہیں کرتے
- ۱۰۲۶..... تمام انبیاء کا بحر میں قوم میں سے کوئی بڑا دشمن ہوتا تھا
- ۱۰۲۷..... قرآن کریم کے بتدریج نازل ہونے کی حکمت
- ۱۰۲۸..... موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر خیر
- ۱۰۲۸..... نوح علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۰۲۸..... قوم عاد، قوم ثمود اور اصحاب الرّس کا مختصر ذکر
- ۱۰۲۹..... مشرکین مکہ کا رسول کریم ﷺ کا استہزاء
- ۱۰۳۰..... مشرکین کو راہ راست پر لانا بڑا ہی مشکل کام ہے
- ۱۰۳۱-۱۰۳۰..... توحید باری تعالیٰ کے پانچ دلائل
- ۱۰۳۲..... نبی کریم ﷺ تمام جن دانس کے لئے نبی تھے
- ۱۰۳۳..... اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل
- ۱۰۳۳..... نبی کریم ﷺ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے
- ۱۰۳۳..... جو اللہ سے ہدایت مانگتا ہے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے
- ۱۰۳۳..... نبی کریم ﷺ کو نصیحت کہ وہ تمام امور میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں
- ۱۰۳۴..... ”استوئی علی العرش“ کی تفسیر
- ۱۰۳۴..... ”الرحمن“ اللہ کا ایک عظیم نام ہے
- ۱۰۳۴..... اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کا بیان
- ۱۰۳۷-۱۰۳۶..... اہل جنت بندگان اللہ کی توصفات
- ۱۰۳۸..... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عبادت کا محتاج نہیں ہے
- ۱۰۱۱..... منافقین قرآن و سنت سے اعراض کرتے ہیں
- ۱۰۱۱..... مؤمنین قرآن و سنت کو ہر بات پر مقدم رکھتے ہیں
- ۱۰۱۲..... ہر بھلائی نبی کریم ﷺ کی اتباع میں ہے
- ۱۰۱۳..... اللہ کا وعدہ کہ وہ امت مسلمہ کو زمین کا وارث بنائے گا
- ۱۰۱۳..... وہ اوقات جن میں افراد خانہ بغیر اجازت کمروں میں داخل ہو سکتے ہیں
- ۱۰۱۳..... بوڑھی عورتیں اپنے سر کی اوڑھنی یا برقعہ اتار سکتی ہیں
- ۱۰۱۵..... بے پردہ اور بے حیا عورتوں کے لئے وعید
- ۱۰۱۵..... معذور آدمی کا اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کے گھروں سے بغیر اجازت کھانے کا حکم
- ۱۰۱۶..... آدمی اپنی اولاد کے گھروں میں بغیر اجازت کھا پی سکتا ہے
- ۱۰۱۶..... بیوی کے گھر میں بغیر اجازت کھانا جائز ہے
- ۱۰۱۶..... آدمی کو اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہئے
- ۱۰۱۶..... صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت چلے جانے کی ممانعت
- ۱۰۱۷..... مسلمان اپنے امام کی مجلس سے بغیر اجازت نہ جائے
- ۱۰۱۷..... مسلمان کے تمام امور نبی کریم کی سنت کے مطابق ہونا چاہئے
- ۱۰۱۸.....
- ۱۰۱۸..... اللہ اور اس کے رسول کا ”امر“ و ”حکم“ کے لئے ہوتا ہے
- ۱۰۱۹.....
- ۱۰۱۹..... تفسیر سورۃ الفرقان
- ۱۰۱۹..... قرآن کریم حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہے
- ۱۰۲۰..... نبی کریم ﷺ تمام انس و جن کے لئے پیغمبر تھے
- ۱۰۲۰..... اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا بیان
- ۱۰۲۱..... منکرین رسالت کے شبہات کی تردید
- ۱۰۲۲..... نبی کریم ﷺ پر کفار مکہ کے اتہامات
- ۱۰۲۳..... دنیا نبی کریم ﷺ کے لئے عیش و آرام کی جگہ نہیں تھی
- ۱۰۲۳..... جہنمیوں کا حال زار

- تفسیر سورۃ الشعراء
- ۱۰۳۸ صالخ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۵۷
- ۱۰۳۹ کفار مکہ کا کفر و عناد اور ان کی ہٹ دھرمی..... ۱۰۵۹
- ۱۰۳۹ کفار مکہ کو اللہ کی قدرت تخلیق میں غور و فکر کی دعوت..... ۱۰۶۱-۱۰۵۹
- ۱۰۴۰ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر..... ۱۰۶۱
- ۱۰۴۱-۱۰۴۲ مکالمہ فرعون و موسیٰ..... ۱۰۶۱
- ۱۰۴۲ معجزہ عصا وید بیضاء..... ۱۰۶۲
- ۱۰۴۵ موسیٰ اور جادو گردوں کا مقابلہ..... ۱۰۶۳
- ۱۰۴۶ جادو سے چیزوں کی حقیقت نہیں بدلتی..... ۱۰۶۳
- ۱۰۴۶ جادو گردوں کا اسلام لانا..... ۱۰۶۳
- ۱۰۴۷ موسیٰ اور بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت..... ۱۰۶۳
- ۱۰۴۸ فرعون اور فرعونوں کی ہلاکت..... ۱۰۶۳
- ۱۰۴۸ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۶۳
- ۱۰۴۹ دینی امور میں تقلید کے باطل ہونے کی دلیل..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۰ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے رب کے ساتھ انتہائے ادب..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۰ دعائے ابراہیمی..... ۱۰۶۳
- قیامت کے دن جنت نیک بختوں کے قریب کر دی جائے گی..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۱ قیامت کے دن بد بختوں کا حال زار..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۱ ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب دعوت داعیان اسلام کے لئے نمونہ ہے..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۲ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۳ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ..... ۱۰۶۳
- کمزوروں اور غریبوں نے ہمیشہ اللہ کے دین کو گلے سے لگایا..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۳ قوم نوح کی ہلاکت..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۵ ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۶۳
- ۱۰۵۶ ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ..... ۱۰۶۳
- صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۵۷
- لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۵۹
- لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ..... ۱۰۶۱-۱۰۵۹
- شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ..... ۱۰۶۱
- شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ..... ۱۰۶۱
- قوم شعیب پر تین قسم کا عذاب مسلط کیا گیا..... ۱۰۶۲
- قرآن کریم اللہ کی عظیم کتاب ہے..... ۱۰۶۳
- گذشتہ آسمانی کتابوں میں قرآن کا ذکر..... ۱۰۶۳
- نبی کریم ﷺ کی بشارت آسمانی صحائف میں..... ۱۰۶۳
- کفار مکہ کو انکار قرآن پر شدید دھمکی..... ۱۰۶۳
- قرآن کریم رب العالمین کا کلام ہے..... ۱۰۶۵
- قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام..... ۱۰۶۶
- نبی کریم ﷺ کو مومنوں کے ساتھ نرمی کی نصیحت..... ۱۰۶۶
- نبی کریم ﷺ کو کافروں سے اعلان براءت کا حکم..... ۱۰۶۶
- قرآن شیطان کا کلام نہیں..... ۱۰۶۶
- نبی کریم ﷺ شاعر نہیں..... ۱۰۶۷
- شعراء بالعموم جاہل حق سے دور ہوتے ہیں..... ۱۰۶۷
- اللہ کے دین کا دفاع کرنے والے شعراء عام شاعروں کے حکم سے مستثنیٰ ہیں..... ۱۰۶۷
- تفسیر سورۃ النمل..... ۱۰۶۸
- قرآن کریم کی تین صفات کا بیان..... ۱۰۶۹
- مگر آخرت کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کو خوبصورت بنا دیتا ہے..... ۱۰۶۹
- موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر، ان کی مدین سے روانگی..... ۱۰۷۰
- موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونا..... ۱۰۷۰
- انبیاء کرام سے بعض چھوٹے گناہوں کا صدور..... ۱۰۷۱

- ۱۰۹۰..... نفعِ صورت سے متعلق بعض تفصیلات
- ۱۰۹۱..... شہر مکہ اور حرم کی کا ذکر خیر
- ۱۰۹۲..... **تفسیر سورۃ القصص**
- ۱۰۹۳..... قصہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام
- ۱۰۹۴..... موسیٰ علیہ السلام کی پرورش و پرداخت
- ۱۰۹۵..... موسیٰ علیہ السلام کے عہدِ جوانی کی تفصیلات
- ۱۰۹۸-۱۰۹۷..... موسیٰ علیہ السلام کی مدین میں رہائش اور شادی
- ۱۱۰۰..... باپ اپنی بیٹی کی شادی کے لئے پیکش کر سکتا ہے
- ۱۱۰۰..... موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا
- ۱۱۰۱..... ہارون علیہ السلام کا نبی ہونا
- ۱۱۰۲-۱۱۰۱..... فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ
- ۱۱۰۲..... فرعون اللہ کے وجود کا منکر تھا
- ۱۱۰۳..... تورات کی صفات کا بیان
- ۱۱۰۴..... قرآن کریم کے وحی الہی ہونے کی دلیل
- ۱۱۰۵..... کفار قریش کا کفر و عناد
- ۱۱۰۶..... قرآن کریم سرِ پر رحمت ہے
- مومنین اہل کتاب کی صفات جو اسلام میں داخل ہو گئے
- ۱۱۰۷..... ابو طالب کے لئے دعاءِ نجات کرنے سے رسول اللہ ﷺ
- ۱۱۰۷..... کار وک دیا جانا
- ۱۱۰۸..... مشرکین قریش کا خوف کہ ان کا اسلام لانا دنیائے عرب کو
- ۱۱۰۸..... ان کا مخالف بنا دے گا
- ۱۱۰۹..... میدانِ محشر میں مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی ڈانٹ پھینکار
- ۱۱۱۰..... بندوں سے خلق و اختیار کی نفی
- ۱۱۱۱..... اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل
- ۱۱۱۱..... بندوں سے خلق و اختیار کی دلیل
- ۱۱۱۲..... قارون کون تھا؟
- ۱۰۷۲..... داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر خیر
- ۱۰۷۹-۱۰۷۳..... سلیمان علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۰۷۳..... مالِ باپ پر احسان گویا اپنے پر احسان کرنا ہے
- ۱۰۷۳..... مرد مومن کی انتہائے کامیابی آخرت کی کامیابی ہے
- سلیمان علیہ السلام کی دعا کہ اللہ انہیں قیامت کے دن
- ۱۰۷۳..... نیک بندوں میں شامل کر دے
- ۱۰۷۳..... امام شوکانی کی دعا
- ۱۰۷۳..... صاحب تیسیر الرحمن کی دعا
- ۱۰۷۴..... سلیمان علیہ السلام کی بندہ چڑیا سے گفتگو
- ۱۰۷۴..... ملکہ یمن بلقیس کا ذکر
- ۱۰۷۹..... ملکہ یمن بلقیس کا ایمان لانا
- ۱۰۷۹..... صالح علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۰۸۰-۱۰۷۹..... صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ
- ۱۰۸۰..... قوم ثمود کی ہلاکت
- ۱۰۸۰..... لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ
- دعوتِ نبوی اللہ کے لئے تقریر و تحریر کا آغاز حمد و ثنا
- اور درود و سلام سے ہونا چاہئے
- ۱۰۸۲.....
- ۱۰۸۳.....
- ۲۰-۲۰
- ۱۰۸۵-۱۰۸۳..... مشرکین سے الٹی سوالات
- ۱۰۸۳..... وہ دعا جو شاید ہی رد کی جاتی ہے
- ۱۰۸۷..... اللہ تعالیٰ کے عظامِ الغیوب ہونے کی دلیل
- ۱۰۸۸..... قرآن کریم کی کرشمہ سازی
- ۱۰۸۸..... قیامت کی نشانیوں کا ظہور
- ۱۰۸۸..... وہ جانور جو قربِ قیامت ظاہر ہوگا
- قرآن کریم کی تکذیب کرنے والوں کا قیامت کے
- ۱۰۸۹..... دن انجام
- ۱۰۸۹..... منکرین قیامت کو دعوتِ فکر و نظر

- قارون، ہامان اور فرعون بنی اسرائیل کے رؤساء کفر تھے۔ ۱۱۱۲
- قارون کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ ۱۱۱۳
- دین اسلام سرپا رحمت ہے۔ ۱۱۱۶
- اللہ تعالیٰ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ۱۱۱۶
- تفسیر سورۃ العنکبوت ۱۱۱۶
- دین اسلام بہر حال غالب ہو کر رہے گا۔ ۱۱۱۷
- اللہ کی راہ میں مسلمانوں کی آزمائش لازم ہے۔ ۱۱۱۷
- مومن کے نزدیک اللہ کا دین ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔ ۱۱۱۸
- والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ ۱۱۱۹
- اللہ تعالیٰ کی طاعت ہر چیز پر مقدم ہے۔ ۱۱۱۹
- منافق تکلیف سے گھبرا کر دوبارہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ۱۱۱۹
- کفار مکہ نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ۱۱۲۰
- نوح علیہ السلام اور ان کی کافر قوم۔ ۱۱۲۰
- ابراہیم علیہ السلام اور اہل بابل۔ ۱۱۲۱
- بعثت بعد الموت پر استدلال۔ ۱۱۲۲
- بُت پرست اپنے بتوں کے بارے میں اعتقاد نہیں رکھتے۔ ۱۱۲۳
- کہ وہ واقعی معبود ہیں۔ ۱۱۲۳
- روز قیامت کفار و مشرکین ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ ۱۱۲۴
- توحید کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازا۔ ۱۱۲۴
- لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ ۱۱۲۵
- شعیب علیہ السلام اور اصحاب مدین کا واقعہ۔ ۱۱۲۶
- ہود علیہ السلام اور ان کی قوم، قوم عاد کا واقعہ۔ ۱۱۲۶
- قارون، فرعون اور ہامان کا ذکر شر۔ ۱۱۲۷
- انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد ایک اللہ کی عبادت کی دعوت۔ ۱۱۲۸
- مظاہر قدرت میں غور و فکر کی توفیق اہل ایمان کو ہوتی ہے۔ ۱۱۲۸
- پارہ-۲۱ ۱۱۲۹
- مومنوں کو قرآن کریم کی تلاوت کی نصیحت۔ ۱۱۲۹
- اقامت نماز سے مراد کیا ہے۔ ۱۱۲۹
- اللہ کی یاد ہر چیز سے بڑی ہے۔ ۱۱۲۹
- دعوت الی اللہ کے لئے نرم انداز گفتگو کی نصیحت۔ ۱۱۲۹
- قرآن کریم نے بہت سے اہل کتاب کے دلوں کو متور کر دیا۔ ۱۱۳۰
- قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔ ۱۱۳۰
- نبی کریم ﷺ کی صداقت کی دلیل۔ ۱۱۳۰
- قرآن کریم کا توام عالم کو چیلنج۔ ۱۱۳۰
- قرآن کریم پوری دنیا کے لئے رحمت ہے۔ ۱۱۳۱
- کفار مکہ کا انتہائے کبر و عناد۔ ۱۱۳۲
- اللہ کے لئے ہجرت ہر دور اور ہر جگہ کے لئے عام ہے۔ ۱۱۳۲
- مومن وطن اور رشتہ داروں کی محبت سے بالاتر ہو کر آخری زندگی کی کامیابی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ ۱۱۳۳
- مہاجرین کا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عظیم مقام۔ ۱۱۳۳
- دنیا کی حقارت اور اس کی بے ثباتی۔ ۱۱۳۴
- مشرکین کے قول و عمل میں تضاد۔ ۱۱۳۴
- اہل مکہ پر اللہ کا احسان۔ ۱۱۳۵
- اللہ کی خاطر نفس، شیطان اور دشمنان دین سے جہاد کی اہمیت۔ ۱۱۳۵
- تفسیر سورۃ الروم ۱۱۳۶
- بعثت نبوی کے بعد روٹیوں کے ہاتھوں اہل فارس کی شکست۔ ۱۱۳۷

- مسلمانوں کے ہاتھوں کفار مکہ کی شکست کی بشارت..... ۱۱۳۷
- بعث بعد الموت پر استدلال..... ۱۱۳۸
- اقوام گذشتہ کی ہلاکتوں سے عبرت و موعظت
- کی نصیحت..... ۱۱۳۸
- کفار و مشرکین کا قیامت کے دن انجام بد..... ۱۱۳۹
- نماز و حج گناہ حصول جنت اور عذاب جہنم سے نجات
- کا ذریعہ ہے..... ۱۱۳۹
- بعث بعد الموت کے دلائل..... ۱۱۳۹-۱۱۴۰
- شرک کی تردید ایک مثال کے ذریعہ..... ۱۱۴۳
- دین اسلام و دین فطرت ہے..... ۱۱۴۳
- کفار و مشرکین کے سلوک و کردار میں تضاد..... ۱۱۴۴
- اہل ایمان پریشانی میں صبر کرتے ہیں اور نعمت پا کر شکر گزار
- ہوتے ہیں..... ۱۱۴۵
- نکل اور تنگ دلی مومن کی صفت نہیں..... ۱۱۴۵
- نود کی حرمت..... ۱۱۴۵
- ہدیہ دینا جائز ہے..... ۱۱۴۵
- بحر و دریا کا سب سے بڑا فساد شرک باللہ ہے..... ۱۱۴۶
- اسلام ہی لوگوں کے لئے راہ نجات ہے..... ۱۱۴۷
- ہو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور قدرت مطلقہ کی دلیل ہے..... ۱۱۴۷
- مومنوں کے لئے اللہ کا وعدہ کہ وہ انہیں عزت و غلبہ
- دے گا..... ۱۱۴۸
- بعث بعد الموت پر بارانِ رحمت کے ذریعہ استدلال..... ۱۱۴۹
- کافر و مشرک کی مثال اندھوں کی ہے..... ۱۱۴۹
- تخلیقِ امین آدم کے ذریعہ بعث بعد الموت پر استدلال..... ۱۱۵۰
- تفسیر سورہ لقمان..... ۱۱۵۱
- قرآن کریم میں مثالوں کے ذریعہ توحید، رسالت اور
- بعث بعد الموت کی توضیح..... ۱۱۵۱
- نبی کریم ﷺ کو دعوتِ الی اللہ کی راہ میں صبر و استقامت
- کی نصیحت..... ۱۱۵۱
- قرآن کریم کی عظمت و اہمیت کا بیان..... ۱۱۵۲
- نماز، زکوٰۃ اور آخرت پر ایمان کی اہمیت..... ۱۱۵۲
- نکیر آخرت سے غفلت کا انجام..... ۱۱۵۳
- لہو و لعل، موسیقی اور گانا نکیر آخرت کے منافی ہے..... ۱۱۵۳
- اللہ تعالیٰ کے چار مظاہر قدرت..... ۱۱۵۴
- لقمان نبی نہیں بلکہ ایک حکیم و دانا انسان تھے..... ۱۱۵۵
- حکمتِ لقمان سے کیا مراد ہے..... ۱۱۵۵
- شرک باللہ ظلم عظیم ہے..... ۱۱۵۵
- ماں اور باپ کے ساتھ حسن سلوک..... ۱۱۵۶
- مدتِ رضاعت دو سال ہے..... ۱۱۵۶
- آدمی کا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں..... ۱۱۵۷
- نماز، امر بالمعروف، نبی عن المنکر اور صبر کی اہمیت..... ۱۱۵۷
- کبر و غرور کی مذمت..... ۱۱۵۸
- میانہ روی کی فضیلت..... ۱۱۵۸
- کرخت آواز میں بولنے کی مذمت..... ۱۱۵۸
- مشرکین مکہ کی مذمت..... ۱۱۵۸
- اللہ کے کلام کی کوئی انتہاء نہیں ہے..... ۱۱۶۰
- بعث بعد الموت کی یقین دہانی..... ۱۱۶۱
- رات اور دن اور آفتاب و ماہتاب کے ذریعہ اللہ کی عظیم
- قدرت پر استدلال..... ۱۱۶۱
- مہیب سمندر میں جہازوں کا رواں دواں رہنا اللہ کی
- عظیم قدرت کی نشانی ہے..... ۱۱۶۲
- مشرکین کے حالات میں تاقص..... ۱۱۶۲
- پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں..... ۱۱۶۳

| | | |
|--|------|--|
| غزوہ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے حالات و واقعات..... ۱۱۷۸-۱۱۷۶ | ۱۱۶۳ | تفسیر سورۃ السجدہ |
| غزوہ احزاب کی خطرناکی..... ۱۱۷۸ | ۱۱۶۴ | قرآن کریم رب العالمین کی کتاب ہے..... |
| غزوہ احزاب میں منافقین کی بدکرداری..... ۱۱۸۱-۱۱۷۹ | ۱۱۶۵ | استواء علی العرش کا مفہوم..... |
| نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی مومنوں کے لئے بہترین نمونہ ہے..... ۱۱۸۱ | ۱۱۶۵ | تمام آسمانوں اور زمینوں میں صرف اللہ کا حکم نافذ ہے..... |
| غزوہ احزاب میں مومنوں کا صبر و ثبات..... ۱۱۸۲ | ۱۱۶۶ | انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی دلیل ہے..... |
| غزوہ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد..... ۱۱۸۳ | ۱۱۶۶ | بعث بعد الموت کی یقین دہانی..... |
| غزوہ احزاب کے موقع سے یہود بنی قریظہ کی خیانت اور بد عہدی..... ۱۱۸۴ | ۱۱۶۷ | مکرمین قیامت کا میدان محشر میں حال زار..... |
| نبی کریم ﷺ کا ایک ماہ کے لئے اہمات المومنین سے الگ ہو جانا..... ۱۱۸۴ | ۱۱۶۸ | مومنین مخلصین کی صفات..... |
| اہمات المومنین کی فضیلت..... ۱۱۸۵-۱۱۸۴ | ۱۱۶۸ | نماز تہجد کی اہمیت کا بیان..... |
| پارہ-۲۲..... ۱۱۸۶ | ۱۱۶۹ | جنت کی بیش بہا نعمتوں کا ذکر..... |
| اہمات المومنین کے لئے جنت کی بشارت..... ۱۱۸۶ | ۱۱۶۹ | قرآن کریم کی آیتوں کا مسکر ظالم و مجرم ہے..... |
| اہمات المومنین دیگر مسلمان عورتوں سے اعلیٰ وارفع ہیں..... ۱۱۸۶ | ۱۱۷۰ | قرآن کریم رب العالمین کا کلام ہے..... |
| اہمات المومنین "اہل بیت" میں شامل ہیں..... ۱۱۸۷ | ۱۱۷۰ | قرآن و سنت سے انحراف مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا سبب..... |
| علی، فاطمہ اور حسن و حسین "اہل بیت" میں شامل ہیں..... ۱۱۸۷ | ۱۱۷۰ | گذشتہ کافرا توام کی ہلاکتوں سے دعوت حصول عبرت و نصیحت..... |
| مسلمان عورتیں بھی مردوں کی طرح جنت کی حقدار ہیں..... ۱۱۸۸ | ۱۱۷۱ | بارش کے ذریعہ پودوں کی زندگی بعث بعد الموت کی دلیل ہے..... |
| مسلمان مردوں اور عورتوں کی صفات..... ۱۱۸۸ | ۱۱۷۱ | بعث بعد الموت کی یقین دہانی..... |
| منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا..... ۱۱۸۸ | ۱۱۷۲ | تفسیر سورۃ الاحزاب |
| زید بن حارثہ اور زینب بنت جحش کی شادی..... ۱۱۸۹ | ۱۱۷۲ | اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اعتراف..... |
| زینب اور زید کے طلاق و فراق کا واقعہ..... ۱۱۸۹ | ۱۱۷۳ | منہ بولا بیٹے کی روانج کی تردید..... |
| اللہ تعالیٰ نے زینب کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی..... ۱۱۹۰ | ۱۱۷۴ | نبی کریم ﷺ اور اہمات المومنین کی قدر و منزلت..... |
| | ۱۱۷۴ | صرف اہل قربت و راشت کے حقدار ہیں..... |
| | ۱۱۷۵ | انبیائے اولوالعزم کا ذکر خیر..... |

| | |
|---|---|
| پردہ کے وجوب میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی | انبیائے کرام نے دعوت کی راہ میں کسی طعن و تشنیع |
| ۱۱۹۷..... اللہ کی طرف سے تائید | ۱۱۹۰..... کی پردہ نہیں کی |
| امہات المؤمنین سے دوسرے مسلمانوں کی شادی | ۱۱۹۱..... منجگانہ نماز کی اہمیت کی دلیل |
| ۱۱۹۷..... حرام کر دی گئی تھی | ۱۱۹۲..... نبی کریم ﷺ کی بعض صفات کریمانہ کا ذکر |
| ۱۱۹۷..... جن رشتہ داروں سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے | ۱۱۹۳..... مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق دینی جائز ہے |
| ۱۱۹۸..... چچا اور ماموں باپ کے برابر ہیں | ۱۱۹۳..... نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی |
| ۱۱۹۸..... امہات المؤمنین کے لئے پردہ کرنے کی سخت تاکید | ۱۱۹۳..... مباشرت سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں عورت |
| ۱۱۹۸..... درود و سلام کا حکم | ۱۱۹۳..... پر کوئی عدت نہیں ہے |
| ۱۱۹۹..... اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے | ۱۱۹۳..... ایسی عورت کا مہر مقرر ہو تو نصف مہر، اور مہر مقرر نہ ہو |
| ۱۱۹۹..... مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا پہنچانا حرام ہے | ۱۱۹۳..... تو کچھ مال دیدیا جائے گا |
| انصار کی عورتیں کالی چادر اوڑھ کر قضاے حاجت | ۱۱۹۳..... مباشرت سے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت |
| ۱۲۰۰..... کے لئے نکلتی تھیں | ۱۱۹۳..... وفات کی عدت گزارے گی |
| ۱۲۰۰..... منافقین کی ریشہ دوانیاں | ۱۱۹۴..... نبی کریم ﷺ کی شادی کے اقسام |
| ۱۲۰۱..... قیامت اور نبوت محمدی کے منکرین کو جہنم کی دھمکی | ۱۱۹۴..... مسلمانوں کے لئے بیک وقت چار سے زیادہ شادی جائز |
| ۱۲۰۱..... رد تقلید شخصی کی ایک بڑی دلیل | ۱۱۹۴..... نہیں ہے |
| ۱۲۰۱..... موسیٰ علیہ السلام کسی جسمانی عیب میں مبتلا نہیں تھے | ۱۱۹۴..... مہر، گواہان اور ولی کے بغیر شادی جائز نہیں ہے |
| ۱۲۰۲..... بنی اسرائیل کی موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی | ۱۱۹۴..... لوطی اسے کہتے ہیں جو غزوہ کے بعد گرفتار کر لی گئی ہو |
| ۱۲۰۲..... منافقین اور مشرکین و کفار کی نبی کریم ﷺ کو ایذا رسانی | ۱۱۹۴..... نبی کریم ﷺ کے لئے بیویوں کے درمیان باری کی |
| ۱۲۰۲..... موسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے نزدیک بلند مقام | ۱۱۹۴..... تقسیم کا وجوب منسوخ ہو گیا تھا |
| ۱۲۰۲..... نبی یادی کا وسیلہ اختیار کرنا عقیدہ توحید کے منافی ہے | ۱۱۹۴..... آخر حیات میں نبی کریم ﷺ کو نو بیویاں کے علاوہ |
| ۱۲۰۲..... صرف عمل صالح کا وسیلہ جائز اور صحیح ہے | ۱۱۹۵..... عورتوں سے شادی کرنے سے روک دیا گیا تھا |
| ۱۲۰۳..... ہر حال میں سچی بات کہنے کی نصیحت | ۱۱۹۶..... امہات المؤمنین کا بلند مقام |
| ۱۲۰۳..... دین اسلام کی عظمت و اہمیت | ۱۱۹۶..... پردہ کو واجب کرنے والی آیت |
| ۱۲۰۴..... امانت کی اہمیت | ۱۱۹۶..... بغیر دعوت کسی کے دسترخوان پر کھانا جائز نہیں ہے |
| ۱۲۰۴..... تفسیر سورہ سبأ | ۱۱۹۶..... کھانا کھانے کے بعد میزبان کے گھر بیٹھے رہنا |
| آسمان وزمین میں تمام تعریفوں کا مستحق صرف | ۱۱۹۷..... جائز نہیں |
| ۱۲۰۴..... اللہ ہے | ۱۱۹۷..... امہات المؤمنین کے ساتھ ادب و احترام |

- ۱۴۱۹..... مشرکین مکہ کا انکار رسالت و قرآن کریم
- ۱۴۰۵..... اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے
- نہی کریم ﷺ کفار عرب میں بڑی عقل اور بے مثال
- ۱۴۰۷..... بعث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۴۲۰..... ہو شندی والے مشہور تھے
- ۱۴۰۶..... قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے
- ۱۴۲۰..... دنیا دار داعی الی اللہ کی بات میں اثر نہیں ہوتا
- ۱۴۰۶..... انکا آخرت اور نبی کریم ﷺ کے استہزاء کا انجام
- ۱۴۲۲..... میدان محشر کا ایمان کسی کے کام نہیں آئے گا
- ۱۴۰۷..... بعث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۴۲۲..... تفسیر سورہ فاطر
- ۱۴۰۸..... داؤد علیہ السلام کو دیئے گئے معجزات
- ۱۴۲۳..... فرشتوں کے انواع اور ان کی ذمہ داریاں
- ۱۴۰۷..... پہاڑوں اور چڑیوں کا ان کے ساتھ تسبیح پڑھنا
- ۱۴۲۳..... صرف اللہ تعالیٰ شکر اور بندگی کا مستحق ہے
- ۱۴۰۸..... سلیمان علیہ السلام کو دیئے گئے معجزات
- ۱۴۲۳..... آخرت کی کامیابی کے لئے کوشش کی نصیحت
- ۱۴۰۹..... اللہ کا شکر ادا کرنا واجب ہے
- ۱۴۲۳..... شیطان اور انسان کا نفس امارہ برے اعمال کو نگاہوں
- ۱۴۰۹..... جن غیب کی باتیں نہیں جانتے
- میں خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے
- ۱۴۰۹..... قوم سبا کی تاریخ
- بارش کے ذریعہ پودوں کے اُگنے سے بعث بعد الموت
- ۱۴۰۹..... ایلیس کو انسان پر نہ کوئی مادی قوت حاصل ہے
- ۱۴۲۳..... پر استدلال
- ۱۴۱۱..... اور نہ معنوی
- ۱۴۲۵..... دار اندوہ مکہ کے کافر سازشیوں کو سخت عذاب
- ۱۴۱۲..... بتوں اور بت پرستی کی مذمت
- ۱۴۲۵..... کی دھمکی
- روز قیامت شفاعت کون کرے گا اور کس کے لئے
- ۱۴۲۶..... تخلیق انسانی سے بعث بعد الموت پر استدلال
- ۱۴۱۲..... کرے گا
- ۱۴۲۶..... دو مختلف الانواع سمندروں کا ایک ساتھ بہنا اللہ تعالیٰ
- ۱۴۱۳..... اہل محشر کا خوف دہراس
- ۱۴۲۶..... کی عظیم قدرت کی دلیل ہے
- ۱۴۱۳..... مشرکین سے اعلان براءت
- دن اور رات کی آمد و رفت اللہ کی عظیم قدرت کی
- ۱۴۱۳..... معبودان مشرکین کے جھوٹے ہونے کی دلیل
- نشانی ہے
- ۱۴۱۳..... نبی کریم ﷺ تمام انسانوں کے لئے رسول تھے
- ۱۴۲۷..... قیامت کے دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا
- ۱۴۱۶..... میدان محشر میں کفار و مشرکین کا آپس میں جھگڑنا
- ۱۴۲۸..... مومن و کافر کے درمیان فرق کی مثالیں
- ۱۴۱۶..... عیش پرستوں اور فاسق و فاجر لیڈروں نے ہمیشہ ہی
- ۱۴۲۹..... مومنوں کی کچھ صفات کا بیان
- ۱۴۱۶..... آخرت کا انکار کیا
- ۱۴۳۰..... قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کا بیان
- ۱۴۱۶..... روزی میں تنگی اور وسعت اللہ کی ناراضگی یا خوشنودی
- ۱۴۳۱..... اُمت محمدیہ کے تین طبقے اور قیامت کے دن ان سب پر
- ۱۴۱۷..... کی دلیل نہیں ہے
- ۱۴۳۲..... اللہ کا فضل و کرم
- ۱۴۱۷..... مال و اولاد کی کثرت اللہ کی رضا کی دلیل نہیں ہے
- ۱۴۳۲..... جہنمیوں کے درد و الم اور شدت عذاب کا حال
- ۱۴۱۸..... قیامت کے دن فرشتوں کا اپنی عبادت کرنے والوں
- ۱۴۱۸..... سے اظہار براءت

- ۱۲۳۶..... قیامت اچانک آجائے گی
- ۱۲۳۳..... کرہ ارض پر کسی کو دوام حاصل نہیں ہے
- ۱۲۳۳..... قرب قیامت پہلے اور دوسرے صور
- ۱۲۳۳..... شرک باللہ کی تردید
- ۱۲۳۶..... آسمان وزمین اللہ کی عظیم قدرت کی دلیل ہیں
- ۱۲۳۶..... اہل جنت اور اہل جہنم کے حالات
- ۱۲۳۶..... نبی کریم ﷺ کے خلاف کفار قریش کی
- ۱۲۳۸..... شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے
- ۱۲۳۴..... گھناؤنی سازشیں
- ۱۲۳۹..... تخلیق انسانی سے بعث بعد الموت پر استدلال
- ۱۲۳۴..... ہلاک شدہ قوموں کا ذکر کر کے کفار قریش کو
- ۱۲۳۹..... چوپایوں کی تخلیق اللہ کی قدرت کی نشانی ہے
- ۱۲۳۵..... دعوت غور و فکر
- ۱۲۳۹..... پانی کے ذریعہ درختوں کی پیدائش بعث بعد الموت کی
- ۱۲۳۶..... تفسیر سورہ لیس
- ۱۲۵۱..... دلیل ہے
- ۱۲۳۶..... نبی کریم ﷺ کی نبوت کی توثیق
- ۱۲۵۱..... آسمانوں اور زمین کی تخلیق بعث بعد الموت کی دلیل ہے
- ۱۲۳۷..... مشرکین قریش کے کفر و عناد کی تفصیلات
- ۱۲۵۲..... تفسیر سورہ الصافات
- ۱۲۳۸..... دعوت و تبلیغ کا طریقہ کار
- ۱۲۵۲..... فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی طرح صف باندھتے ہیں
- ۱۲۳۸..... آدمی کا ہر عمل اس کے صحیفہ اعمال میں درج کر لیا
- ۱۲۵۲..... جس طرح مسلمان نماز کے لئے صفیں باندھتے ہیں
- ۱۲۳۸..... جاتا ہے
- ۱۲۵۲..... آسمان وزمین اور شمس و قمر کا مکمل نظم و نسق اللہ کی
- ۱۲۳۹..... صادق، مصدوق اور شلوم تین انبیائے کرام کا واقعہ
- ۱۲۵۳..... ربوبیت و وحدانیت کی دلیل ہے
- ۱۲۳۹..... مرد صالح حبیب بن موسیٰ نجار کا تینوں رسولوں کی دعوت
- ۱۲۵۳..... ستاروں کی قسمیں اور ان کے فوائد
- ۱۲۴۰..... توحید سے دفاع
- ۱۲۵۳..... شیاطین وحی الہی کو ہرگز نہیں سن پاتے
- ۱۲۴۱..... پارہ - ۲۳
- ۱۲۵۶-۱۲۵۵..... بعث بعد الموت امر یقینی ہے
- ۱۲۴۱..... حبیب نجار کا حکیمانہ اسلوب میں دعوت توحید
- ۱۲۵۵..... منکرین آخرت کا انجام بد
- ۱۲۴۱..... حبیب نجار کا دعوت توحید کی راہ میں قتل کیا جاتا
- ۱۲۵۶..... قیامت کے دن شیاطین اور سرداران کفر کا اعتراف جرم
- ۱۲۴۱..... دعاۃ الی اللہ کی ایذا رسانی قیامت کے دن ندامت کا
- ۱۲۵۶..... اور ان کا انجام بد
- ۱۲۴۲..... سب ہوگی
- ۱۲۵۷..... موحدین کے لئے جنت اور اس کی نعمتوں کا وعدہ
- ۱۲۴۲..... بارش کے ذریعہ بعث بعد الموت پر استدلال
- ۱۲۵۸..... اہل جہنم کی بد بختیاں
- ۱۲۴۳..... دن رات کے ذریعہ بعث بعد الموت پر استدلال
- ۱۲۵۹..... ذمہ تقلید پر دلالت کرنے والی سب سے مشہور آیت
- ۱۲۴۳..... آفتاب و ماہتاب کی یومیہ گردش کے ذریعہ
- ۱۲۶۰..... نوح علیہ السلام کا ذکر خیر، اور اپنے رب سے ان کی دعا
- ۱۲۴۳..... بعث بعد الموت پر استدلال
- ۱۲۶۰..... ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر، اور ان کی دعوت توحید
- ۱۲۴۴..... سمندروں کے ذریعہ بعث بعد الموت پر استدلال
- ۱۲۶۱..... ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو پاش پاش کرنا
- ۱۲۴۵..... یہود و کفار کا کفر و عناد اور اللہ کے خلاف جرأت

- ۱۲۷۵..... داؤد علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۲۷۶..... داؤد علیہ السلام پر اللہ کی نعمتوں کی بارش
- داؤد علیہ السلام کا دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ، اور
- ۱۲۷۷..... اسرائیلی رائے کی تردید
- ۱۲۷۸..... تخلیق انسانی بے مقصد نہیں ہے
- ۱۲۷۹..... آخرت اور جنت و جہنم برحق ہے
- ۱۲۷۹..... سلیمان علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۲۸۰..... سلیمان علیہ السلام پر نعمتوں کی بارش
- ۱۲۸۰..... سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر جسم ڈالے جانے کی تحقیق
- ۱۲۸۱..... سلیمان علیہ السلام کے لئے ہواؤں اور جنوں کی تسخیر
- ایوب علیہ السلام کا ذکر خیر اور ان سے متعلق
- ۱۲۸۲..... بعض تفصیلات
- ۱۲۸۳..... ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا ذکر خیر
- ۱۲۸۳..... اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا ذکر خیر
- ۱۲۸۴..... اہل جنت کی خوش بختیوں کا ذکر
- ۱۲۸۵-۱۲۸۴..... اہل جہنم کی بد بختیوں کا ذکر
- اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور ربوبیت و عبادت میں
- ۱۲۸۶..... لاشریک ہے
- ۱۲۸۶..... قرآن کریم کی عظمت و اہمیت
- ۱۲۸۷..... فرشتوں کا تخلیق آدم پر اللہ تعالیٰ سے جھگڑنا
- ۱۲۸۷..... ابلیس کا قیاس فاسد
- ۱۲۸۷..... ابلیس کا آدم کے خلاف حقد و حسد
- ۱۲۸۸..... نبی کریم ﷺ کی صداقت کی دلیل
- ۱۲۸۹..... تفسیر سورۃ الزمر
- ۱۲۸۹..... قرآن کریم منزل من اللہ ہے
- ۱۲۶۱..... ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں پھینکا جانا
- جہاں دشمنان اسلام کی کثرت ہو جائے وہاں سے ہجرت
- ۱۲۶۲..... کرنا واجب ہے
- ۱۲۶۲..... مکہ میں ہاجرہ و اسماعیل کا قیام
- ۱۲۶۲..... اسماعیل علیہ السلام کا ذبح کیا جانا اور قربانی کی سنت
- ۱۲۶۲..... کا اجراء
- ۱۲۶۳..... بڑھاپے میں ابراہیم کو اسحاق کی بشارت
- ۱۲۶۳..... ذبح اسماعیل تھے نہ کہ اسحاق
- ۱۲۶۳..... موسیٰ و ہارون کا ذکر خیر اور فرعون کا ظلم و استبداد
- ۱۲۶۵..... الیاس علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۲۶۶..... لوط علیہ السلام کا ذکر خیر اور لوطیوں کی ہلاکت
- ۱۲۶۷..... یونس علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۲۶۷..... کثرت نماز، تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت اللہ کی
- رحمت کا سبب ہے
- ۱۲۶۷..... فرشتوں کا اللہ کے لئے اپنی عبودیت کا اعتراف
- ۱۲۶۹..... بعض قبائل عرب کی افتراء پر دازی کہ اللہ نے جنوں
- کے ساتھ رفتہ از دواج قائم کر لیا ہے
- ۱۲۶۸..... اللہ کی ذات بیوی اور اولاد سے یکسر منزہ ہے
- ۱۲۶۸..... مشرکین عرب کی جھوٹی تمنا کہ اگر اللہ نے ہمارے
- پاس رسول بھیجا تو ہم ضرور ایمان لائیں گے
- ۱۲۷۰..... تفسیر سورہ ص
- ۱۲۷۱..... ابو جہل اور دیگر دوسرے قریش کا ابو طالب کو موت
- کے وقت اسلام لانے سے روکنا
- ۱۲۷۲..... شرک دل کی آنکھوں کو اندھا بنا دیتا ہے
- ۱۲۷۲..... مشرکین قریش کا شرک پر اصرار اور نبی کریم ﷺ
- سے بغض و حسد
- ۱۲۷۳..... نبی کریم ﷺ کو فتح و کامرانی کی بشارت
- ۱۲۷۵.....

- جو لوگ غیر اللہ کو سفارشی بناتے ہیں اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا..... ۱۲۹۰
- اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے..... ۱۲۹۰
- قدرت، ربوبیت اور الوہیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ۱۲۹۰
- اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل..... ۱۲۹۱
- اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے..... ۱۲۹۱
- مشرکین کی صفات میں تضاد..... ۱۲۹۲
- مومنین کی بعض خوبیاں..... ۱۲۹۲
- تقویٰ کے فوائد..... ۱۲۹۳
- ظلم و استبداد کی جگہ سے ہجرت کا حکم..... ۱۲۹۳
- نبی کریم ﷺ کی دعوت کی بنیادی باتیں..... ۱۲۹۳
- عذاب جہنم کی ہولناکی..... ۱۲۹۳
- اہل جنت کے لئے جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان..... ۱۲۹۵
- اہل جہنم کے لئے عذاب ناری دھمکی..... ۱۲۹۵
- دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے ثباتی..... ۱۲۹۶
- اسلام سے حقیقی انشعاب بغیر توحین الہی ممکن نہیں ہے..... ۱۲۹۶
- قرآن کریم کی بعض صفات کا ذکر..... ۱۲۹۷
- قیامت کے دن کفار و مشرکین کی بدبختی..... ۱۲۹۷
- قرآن کریم میں مثالوں اور گزشتہ قوموں کے واقعات کے ذریعہ حق کی وضاحت..... ۱۲۹۸
- مشرک و موحد کے درمیان امتیاز کی وضاحت غلام و آقا کی مثال کے ذریعہ..... ۱۲۹۸
- موت برحق ہے..... ۱۲۹۹
- بعض صحابہ کی فکر کی تصحیح کہ آپ ﷺ کو موت لاحق نہیں ہوگی..... ۱۲۹۹
- پارہ-۲۳..... ۱۳۰۰
- نبی کریم ﷺ کے لئے ان کے رب کی حمایت کا اعلان..... ۱۳۰۰
- ہو د علیہ السلام کا ذکر خیر..... ۱۳۰۱
- نافع و ضار صرف اللہ ہے..... ۱۳۰۱
- رات کو سونے سے پہلے بستر جھاڑنا سنت ہے..... ۱۳۰۳
- موت و حیات اور روح کا قبض کیا جانا اللہ کی بڑی نشانیاں ہیں..... ۱۳۰۳
- مشرک توحید کی بات سے تنگ دل ہو جاتا ہے..... ۱۳۰۳
- عذاب آخرت کی شدت و ہولناکی..... ۱۳۰۴
- مشرک کے کردار میں تضاد ہوتا ہے..... ۱۳۰۵
- مشرک کے لئے اللہ کی نعمت فتنہ و آزمائش ہوتی ہے..... ۱۳۰۵
- اللہ تعالیٰ کی رحمت و وسیع اور اس کی مغفرت عظیم ہے..... ۱۳۰۵
- قیامت کے دن اہل جہنم کا حال زار..... ۱۳۰۷
- قیامت کے دن اہل جنت دنیا کے غموں کو بھول جائیں گے..... ۱۳۰۷
- تمام خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں..... ۱۳۰۷
- مشرک تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے..... ۱۳۰۸
- اللہ تعالیٰ کی عظیم قدر و منزلت کا تصور موحد کرتا ہے..... ۱۳۰۸
- صور چار بار پھونکا جائے گا..... ۱۳۰۸
- میدان محشر کا حال..... ۱۳۰۹
- قیامت کے دن کافروں کا حال..... ۱۳۱۰
- قیامت کے دن مومنوں کا حال..... ۱۳۱۰
- تفسیر سورۃ المؤمن..... ۱۳۱۱
- قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے..... ۱۳۱۲
- کافر کی دنیاوی نعمتوں اور صحت و عافیت سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے..... ۱۳۱۲
- فرشتے اہل ایمان کے لئے دعا کرتے ہیں..... ۱۳۱۳

۱۳۳۱..... قرآن کریم کی تکذیب کرنے والوں کا انجام بد

انبیائے کرام بغیر حکم الہی معجزات کو ظاہر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے..... ۱۳۳۲

اللہ کی نعمتوں میں دعوتِ فکر و نظر..... ۱۳۳۲

اقوامِ گزشتہ کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت..... ۱۳۳۳

تفسیر سورہ حم السجدہ..... ۱۳۳۳

قرآن کریم ہر جسمانی اور روحانی مرض کے لئے دوائے شافی ہے..... ۱۳۳۵

قرآن کریم میں تمام چیزوں کی تفصیلات ہیں..... ۱۳۳۵

مشرکین مکہ نے ہمیشہ ہی قرآن کریم کا استہزاء کیا..... ۱۳۳۶

مشرکین مکہ کو عذابِ الہی کی دھمکی..... ۱۳۳۶

آسمانوں اور زمین کی تخلیق..... ۱۳۳۷

قوم عاد و ثمود کی ہلاکت کے اسباب..... ۱۳۳۸

قیامت کے دن اعھائے انسانی کا بات کرنا..... ۱۳۴۰

عذابِ جہنم کی شدت و ہولناکی..... ۱۳۴۱

اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کے ساتھ خبیث شیاطین کو لگا دیتا ہے..... ۱۳۴۱

مشرکین مکہ کالوگوں کو قرآن سننے سے روکنا..... ۱۳۴۱

فرشتے اہل ایمان کو دنیا میں، یا موت کے وقت، یا دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت جنت کی بشارت دیدیتے ہیں..... ۱۳۴۲

فرشتے دونوں جہان میں اہل ایمان کا ساتھ دیتے ہیں..... ۱۳۴۳

نبی کریم ﷺ سب سے اچھے داعیِ ربی اللہ تھے..... ۱۳۴۳

داعیِ ربی اللہ کی بات سب سے اچھی بات ہوتی ہے..... ۱۳۴۳

اچھا اور بُرا عمل برابر نہیں ہو سکتا..... ۱۳۴۴

داعیِ ربی اللہ برائی کا جواب اچھائی سے دے..... ۱۳۴۴

لیلِ دنہار اور شمس و قمر اللہ کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں..... ۱۳۴۵

اہل کفر عذابِ آخرت کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ لوٹنا چاہیں گے..... ۱۳۱۳

اہل کفر کے حال پر رحم کرتے ہوئے دنیا میں ہی انہیں دعوتِ ایمان..... ۱۳۱۵

مومنوں کو ایمان پر ثباتِ قدمی کی نصیحت..... ۱۳۱۶

قیامت کے دن کی ہولناکی..... ۱۳۱۷

خیانتِ نظر کی تشریح..... ۱۳۱۷

گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت..... ۱۳۱۸

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے سامنے ان کی دعوتِ توحید..... ۱۳۱۸

موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش اور سر زمین مصر سے ان کی ہجرت..... ۱۳۱۹

قوم موسیٰ کاہر و مومن اور اس کی دعوتِ توحید..... ۱۳۲۰

بنی اسرائیل نے ہمیشہ ہی انبیاء کی مخالفت کی..... ۱۳۲۱

فرعون جاہل اور کم فہم انسان تھا..... ۱۳۲۲

مرد مومن کا انکارِ شرک..... ۱۳۲۳

عذابِ قبر کی دلیل..... ۱۳۲۴

اہل جہنم کا جہنم کے اندر آپس میں جھگڑنا..... ۱۳۲۴

جہنمیوں کا اعترافِ جرم..... ۱۳۲۵

داعیِ ربی اللہ کا شیوہ ہر دم استغفار، دعا، نماز اور تسبیح و تہلیل ہونا چاہئے..... ۱۳۲۶

مشرکین مکہ نے محض حسد کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا..... ۱۳۲۶

بعث بعد الموت کے منکرین کی تردید..... ۱۳۲۷

تلقوات میں غور و فکر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا متقاضی ہے..... ۱۳۲۸-۱۳۲۹

تخلیقِ انسانی میں غور و فکر کا نتیجہ اللہ اور بعث بعد الموت پر ایمان لانا ہے..... ۱۳۳۰

- ۱۳۵۷..... دین اسلام پر ثابت قدم رہنے کی نصیحت
اہل کفر تمنا کرتے ہیں کہ مسلمان اسلام سے
- ۱۳۵۸..... برگشتہ ہو جائیں
۱۳۵۸..... بحث بعد الموت کی یقین دہانی
۱۳۵۹..... شرک باللہ کا شدید انکار
۱۳۶۰..... اہل جنت کے لئے وعدہ جنت کی تجدید
۱۳۶۰..... قرآن کریم اللہ کا کلام ہے
۱۳۶۳-۱۳۶۱..... اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے مظاہر
۱۳۶۳..... اہل جنت کی دس صفات
۱۳۶۵..... روز قیامت اہل جہنم کا حال زار
۱۳۶۶..... کافرا شکر اور مومن شکر گزار ہوتا ہے
۱۳۶۶..... بندہ مومن اللہ کی تقدیر پر راضی رہتا ہے
انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اللہ کے سامنے آکر
۱۳۶۷..... اس سے ہم کلام ہو
۱۳۶۷..... الہام و وحی کی مختلف کیفیتیں
۱۳۶۷..... تفسیر سورۃ الزخرف
۱۳۶۸..... قرآن کریم کی قدر و منزلت
۱۳۶۹..... اللہ تعالیٰ کی عظیم قدر توں کا بیان
پارش اور زمین کی مثال کے ذریعہ بحث بعد الموت
۱۳۷۰..... پر استدلال
۱۳۷۰..... اللہ کی طرف لڑکیوں کی نسبت جرأت کا فراموش ہے
۱۳۷۲..... فرشتوں اور جنوں کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں
۱۳۷۲..... ابراہیم اور ان کی قوم کا واقعہ
۱۳۷۳..... ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید
اللہ تعالیٰ نے کسی دنیا دار آدمی کو منصب رسالت
نہیں دیا
۱۳۷۳.....
- ان باطل فرقوں کی تردید جو قرآن کی من مانی
تفسیر کرتے ہیں
۱۳۳۶.....
قرآن کریم اللہ کی برحق کتاب ہے، کوئی اس
میں حذف و اضافہ نہیں کر سکتا
۱۳۳۶.....
اللہ نے نبی کریم ﷺ کو گذشتہ انبیاء کے واقعات سنا کر
ہمیشہ تسلی دی
۱۳۳۶.....
قرآن باعث ہدایت اور دلوں کے امراض کا علاج ہے
۱۳۳۷.....
قرآن کریم سے اہل کفر کو فائدہ نہیں پہنچتا
۱۳۳۷.....
پارہ-۲۵
۱۳۳۹.....
قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں
۱۳۳۹.....
قیامت کے دن تمام جھوٹے معبود مشرکوں کو جانے سے
انکار کر دیں گے
۱۳۳۹.....
کافرانسان اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے
۱۳۵۰.....
کافر دولت ملنے کے بعد اللہ کا منکر ہو جاتا ہے
۱۳۵۰.....
مال و دولت آدمی کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے
۱۳۵۰.....
نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو فتح و نصرت کی بشارت
۱۳۵۱.....
تفسیر سورۃ الشوریٰ
۱۳۵۲.....
قرآن وحی الہی ہے
۱۳۵۲.....
شرک حیرت و استعجاب کا سبب ہے
۱۳۵۲.....
تمام امور میں قرآن اور حدیث رسول ﷺ ہی
فیصل ہے
۱۳۵۳.....
باری تعالیٰ کی صفات اور اس کی قدر توں کا بیان
۱۳۵۵.....
تمام اولوالعزم انبیاء نے توحید باری تعالیٰ کی تعلیم
دی ہے
۱۳۵۵.....
یہود و نصاریٰ اور کفار قریش کا انکار نبوت
۱۳۵۶.....

- ۱۳۸۷..... نبی کریم ﷺ سارے عالم کے لئے اللہ کی رحمت تھے۔
- ۱۳۸۷..... نبی کریم ﷺ کی دعا کے زیر اثر مکہ میں قحط سالی.....
- ۱۳۸۸..... سورت میں مذکور ”ذہواں“ کی تحقیق.....
- ۱۳۸۹..... فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ.....
- ۱۳۹۱..... بنی اسرائیل کی موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی قوموں پر فضیلت.....
- ۱۳۹۱..... بعث بعد الموت کی یقین دہانی.....
- ۱۳۹۲..... جہنم کے بدترین عذاب کا بیان.....
- ۱۳۹۲..... جہنم کا ملعون درخت.....
- ۱۳۹۳..... ابو جہل کے لئے خرابی و بربادی کا بیان.....
- ۱۳۹۳..... اہل جنت اور جنت کی نعمتوں کا ذکر.....
- ۱۳۹۴..... موت کو جنت و جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا.....
- ۱۳۹۴..... قرآن کریم کا سمجھنا اللہ نے آسان بنا دیا ہے.....
- ۱۳۹۵..... تفسیر سورۃ الجاثیہ
- ۱۳۹۵..... قرآن کریم اللہ کا کلام ہے.....
- ۱۳۹۶..... مظاہر قدرت کے ذریعہ توحید باری تعالیٰ پر استدلال.....
- ۱۳۹۶..... جہنم کی وادی ویل کا ذکر.....
- ۱۳۹۷..... قرآن شیعہ رشد و ہدایت ہے.....
- ۱۳۹۸..... گوناگوں نعمتیں اللہ کے شکر کا تقاضا کرتی ہیں.....
- ۱۳۹۸..... دعوت الی اللہ کی راہ میں عنود و رگدڑ مطلوب ہے.....
- ۱۳۹۹..... تورات میں نبی کریم ﷺ کی نشانیاں.....
- ۱۳۹۹..... بنی اسرائیل کے لئے دینی نعمتیں.....
- ۱۴۰۰..... گامزن رہیں.....
- ۱۴۰۱..... مومن و کافر کا انجام ایک نہیں ہو سکتا.....
- ۱۳۷۴..... مالدار کی اور فقیر کی اللہ کی رضا اور ناراضگی کی دلیل نہیں.....
- ۱۳۷۴..... دنیا اللہ کی نگاہ میں حقیر چیز ہے.....
- قرآن کریم کی اتباع نہ کرنے والے کے پیچھے اللہ تعالیٰ
- ۱۳۷۵..... ایک شیطان کو لگا دیتا ہے.....
- ۱۳۷۶..... کفار قریش کی حق کو قبول کرنے کی عدم توفیق.....
- ۱۳۷۷-۱۳۷۸..... موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ.....
- ۱۳۷۹..... جدال کی راہ گمراہی تک پہنچا دیتی ہے.....
- ۱۳۸۰..... عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانی ہے.....
- ۱۳۸۰..... عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام.....
- ۱۳۸۱..... یہود و نصاریٰ کو روز قیامت عذاب کی دھمکی.....
- ۱۳۸۱..... یہود و ہنود اور نصاریٰ اللہ سے یکسر غافل ہیں.....
- ۱۳۸۱..... اللہ کے لئے دوستی دنیا و آخرت دونوں جگہ مفید ہے.....
- ۱۳۸۲..... جنت کی نعمتوں کا ذکر.....
- ۱۳۸۳..... عذاب جہنم کی ہولناکی.....
- ۱۳۸۳..... کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے.....
- اہل جہنم کا خازن جہنم کو پکارنا کہ اس کا رب
- ۱۳۸۳..... انہیں مار ڈالے.....
- ۱۳۸۴..... اللہ کیلئے اولاد نہ ہونے کی قطعی نفی.....
- ۱۳۸۴..... صرف اللہ کی ذات ہی عبادت کے لائق ہے.....
- قیامت کے دن معبودان باطل کسی کے لئے سفارش
- ۱۳۸۵..... نہیں کریں گے.....
- ۱۳۸۵..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں.....
- ۱۳۸۵..... تفسیر سورۃ الدخان
- ۱۳۸۶..... قرآن کریم کی قدر و منزلت.....
- قرآن کریم شبہ قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے
- ۱۳۸۶..... بیت العزہ تک نازل ہوا.....

- ہوئے نفس کے بندے کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں
 ۱۳۰۱..... بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے
- ۱۳۰۲..... بعث بعد الموت کا انکار محض گمانِ باطل ہے
- ۱۳۰۳..... انسان کا ہر عمل لکھا جاتا ہے
- ۱۳۰۴..... اللہ تعالیٰ کی جہنمیوں سے شدید نفرت
- ۱۳۰۴..... اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا تقاضا ہے کہ بندے اس کی حمد و ثنائیاں کرتے رہیں
- ۱۳۰۵..... پارہ ۲۶-
- ۱۳۰۵..... تفسیر سورۃ الاحقاف
- ۱۳۰۵..... قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے
- ۱۳۰۵..... انسانوں کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے
- ۱۳۰۶..... شرک کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے
- ۱۳۰۶..... جھوٹے مجبوروں کا شرکین سے اعلانِ براءت
- ۱۳۰۷-۱۳۰۸..... قرآن کریم کلامِ ربّانی ہے
- ۱۳۰۷..... آخرت میں نبی کریم ﷺ کا مقام جنت ہوگا
- ۱۳۰۹..... شرکین مکہ کا کبر و غرور
- ۱۳۱۰..... عقیدہ توحید کے بعد ہی عمل صالح کا اعتبار ہوتا ہے
- ۱۳۱۰..... کم سے کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے
- ۱۳۱۰..... مدتِ رضاعت دو سال ہے
- ۱۳۱۰..... مومن آدمی ماں باپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہے
- ۱۳۱۰..... کافر آدمی ماں باپ سے تنگ دل ہوتا ہے
- ۱۳۱۲..... کافروں کے لئے زسواکن عذاب
- ۱۳۱۲..... ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا واقعہ
- ۱۳۱۲..... ہود علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۳۱۳..... قوم عاد کی بستی کا محل وقوع
- ۱۳۱۳..... قوم عاد کی ہلاکت و بربادی
- ۱۳۱۵..... بت پرستی کی تردید
- ۱۳۱۶-۱۳۱۵..... جنوں کا نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن سننا
- ۱۳۱۵..... ادا و نواہی اور ثواب و عقاب میں جن و انس برابر ہیں
- ۱۳۱۷..... انبیائے کرام کی سیرت داعیانِ حق کے لئے نمونہ ہے
- ۱۳۱۸..... تفسیر سورۃ محمد
- ۱۳۱۹..... قرآن پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور ممکن نہیں
- ۱۳۲۰..... میدانِ بدر کے قیدیوں کا ذکر
- ۱۳۲۰..... جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلام کا حکم
- ۱۳۲۱..... مجاہدین اسلام سے فتح و کامرانی کا وعدہ
- ۱۳۲۳..... جنت کی نعمتوں کا ذکر
- ۱۳۲۳..... منافقین مدینہ نبی کریم ﷺ کا خطبہ سن کر غائبانہ مذاق اڑاتے تھے
- ۱۳۲۳..... نبی کریم ﷺ کا بشتِ قیامت کی نشانی ہے
- ۱۳۲۵..... نبی کریم ﷺ کو استغفار کی نصیحت
- ۱۳۲۶..... حکمِ جہاد منافقین پر بجلی بن کر گرا
- ۱۳۲۷-۱۳۲۸..... منافقین مدینہ کے احوال
- ۱۳۲۹..... حالتِ کفر میں مرجانے والا دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا
- ۱۳۳۰..... دنیاوی زندگی محض دھوکہ ہے
- ۱۳۳۰..... بخل کی مذمت
- ۱۳۳۱..... تفسیر سورۃ الفتح
- ۱۳۳۲..... صلح حدیبیہ کے مفید نتائج
- ۱۳۳۲..... صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات
- ۱۳۳۳..... اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے تھے

- ۱۳۵۵ ایمان صادق اور مومن حقیق کی تشریح
- ۱۳۵۶ تفسیر سورہ ق
- ۱۳۵۷ سورہ ق کی فضیلت
- ۱۳۵۸ عقیدہ بحث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۳۵۹ بحث بعد الموت حق ہے
- ۱۳۶۰ اصحاب الراس کون تھے
- اللہ تعالیٰ انسانوں سے ان کی شرک سے بھی زیادہ
- ۱۳۶۱ قریب ہے
- ۱۳۶۱، ۱۳۶۱ اسرافیل علیہ السلام اور نفع صور
- ۱۳۶۳ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر و شر کی تمیز دے دی ہے
- ۱۳۶۳ اہل جہنم اور اہل جنت کے حالات
- ۱۳۶۳ اہل جنت کی صفات
- ۱۳۶۵ معراج سے پہلے اور بعد میں نماز حج گانہ کی رکعتیں
- ۱۳۶۷ تفسیر سورہ الذاریات
- ۱۳۶۹ اہل جہنم کا انجام بد
- ۱۳۶۹ اہل جنت کا اچھا انجام
- ۱۳۶۹ سائل و محرم کی تعریف
- ۱۳۶۹ مظاہر قدرت میں غور و فکر کا نتیجہ ایمان باللہ ہوتا ہے
- ۱۳۷۰ انسان کی تخلیق میں بہت سی نشانیاں ہیں
- ۱۳۷۰ بحث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۳۷۲ پارہ ۲
- ۱۳۷۱ فرشتے جو مہمانانِ ابراہیم بنے
- ۱۳۷۲ مومن و مسلم کی تعریف
- ۱۳۷۳ واقعہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام
- ۱۳۷۳ قوم ثمود و قوم عاد کے واقعات
- ۱۳۳۲ مسلمانوں کے لئے دخول جنت کی بشارت
- ۱۳۳۵ جہاد اسلامی کی ایک حکمت
- ۱۳۳۶-۱۳۳۹ بیعت رضوان کی کچھ تفصیل
- مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل
- ۱۳۳۸-۱۳۳۷ کانفاق
- اندھے، لنگڑے اور مریض جہاد سے مستثنیٰ ہیں
- ۱۳۳۹ یہود خیبر کی سازشیں
- ۱۳۴۰ غنائم خیبر
- ۱۳۴۱-۱۳۴۰ صلح حدیبیہ سے متعلق تفصیلات
- ۱۳۴۲-۱۳۴۳ نبی کریم ﷺ کی مدح سرائی
- ۱۳۴۵ صحابہ کرام کی تعریف
- ۱۳۴۵ تفسیر سورہ الحجرات
- ۱۳۴۶ نبی کریم ﷺ کا فیصلہ سب کے فیصلوں پر مقدم ہے
- ۱۳۴۶ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت
- ۱۳۴۶ نبی کریم ﷺ کی حدیث پر کسی دوسرے کے قول کو مقدم کرنے کی ممانعت
- ۱۳۴۷ کوئی خبر پھیلانے سے پہلے تحقیق کر لینے کا حکم
- ۱۳۴۹ عبد اللہ بن ابی بن سلول کا نبی کریم ﷺ سے اظہار نفرت
- ۱۳۵۰ باغی جماعت سے قتال کرنے کا حکم
- ۱۳۵۰ مسلمانوں کی دو تجارت جماعتوں کے درمیان صلح کا حکم
- ۱۳۵۱ بدظنی، غیبت اور تجسس کی ممانعت
- ۱۳۵۳ انسان کی حفاظت کا اہتمام امر مطلوب ہے
- ۱۳۵۴ مسئلہ کفو پر بحث

- ۱۳۹۵..... قراءت قرآن کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچتا ہے
- ۱۳۹۵..... دعا اور صدقہ کا ثواب مردوں کو ملتا ہے
- ۱۳۹۶..... اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان
- ۱۳۹۷..... قرب قیامت کی خبر
- ۱۳۹۷..... قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے
- ۱۳۹۸..... سجدہ ہی مقصود عبادت ہے
- ۱۳۹۸..... تفسیر سورۃ القمر
- ۱۳۹۸..... قرب قیامت کی خبر
- ۱۳۹۹..... نئی کریم ﷺ کے معجزہ کے طور پر چاند و گلڑے ہو گیا تھا
- ۱۵۰۰..... فکر آخرت کی ترغیب
- ۱۵۰۱..... نوح علیہ السلام کی اپنی کافر قوم کے لئے بددعا
- ۱۵۰۲..... قرآن کریم کی کثرت تلاوت کی ترغیب
- ۱۵۰۲..... قوم ہود کی ہلاکت کا واقعہ
- ۱۵۰۳..... قوم ثمود کی سرکشی اور پھر ان کی ہلاکت کا واقعہ
- ۱۵۰۴-۱۵۰۵..... قوم لوط کی ہلاکت کا واقعہ
- ۱۵۰۶..... نبی کریم ﷺ کی صداقت کی دلیل
- ۱۵۰۷..... انسانوں کے تمام اعمال لکھے جاتے ہیں
- ۱۵۰۸..... تفسیر سورۃ الرحمن
- ۱۵۰۸..... قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے
- ۱۵۰۹-۱۵۱۰..... اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کا بیان
- ۱۵۱۱..... جن وانس کی تخلیق کس چیز سے ہوئی
- ۱۵۱۳..... تمام مخلوق اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے
- ۱۵۱۵..... قیامت کے دن نیک و بد سب اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے
- ۱۳۷۴..... اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے
- ۱۳۷۶..... رب ذوالجلال کی عظمت و کبریائی
- ۱۳۷۶..... تفسیر سورۃ الطور
- ۱۳۷۷..... بیت المعمور کی تشریح
- ۱۳۷۸..... روز قیامت کی نشانیاں
- ۱۳۷۹..... اہل جہنم کا انجام بد اور اہل جنت کا نیک انجام
- ۱۳۸۰..... اہل جنت کی جنتی اولاد ان کے ساتھ ہوگی
- ۱۳۸۰..... جنت کی نعمتوں کا ذکر
- ۱۳۸۲..... کفار قریش کی سرکشی کا حال
- ۱۳۸۲..... عقیدہ توحید و رسالت پر عقلی استدلال
- ۱۳۸۳..... اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں ہیں
- ۱۳۸۵..... نبی کریم ﷺ کو نماز تہجد اور صبح کا حکم
- ۱۳۸۶..... مجلس سے اٹھنے کے بعد طلب مغفرت کی دعا
- ۱۳۸۶..... تفسیر سورۃ النجم
- ۱۳۸۷..... نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق
- ۱۳۸۷..... قرآن کریم کی تصدیق
- ۱۳۸۷..... جبریل علیہ السلام کا ذکر خیر
- ۱۳۸۷..... نبی کریم ﷺ نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا تھا
- ۱۳۸۹-۱۳۸۵.....
- ۱۳۸۹..... نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا
- ۱۳۸۹..... سدرۃ المنتہیٰ کی تشریح
- ۱۳۹۰..... نبی کریم ﷺ کا اپنے اللہ کے ساتھ غایت ادب
- ۱۳۹۰..... لات و عزریٰ اور منات بتوں کی تشریح
- ۱۳۹۳..... اہل جنت کی بعض صفات کا ذکر
- ۱۳۹۴..... اپنی پاکی بیان کرنا ممنوع ہے

- ۱۵۳۸-۱۵۳۷..... اتفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اجرِ عظیم
- ۱۵۳۸..... صحابہ کرام کی فضیلت
- ۱۵۳۹..... ایمان کی فضیلت
- ۱۵۳۹..... مومنوں کا وہ نور جو روزِ قیامت ان کے آگے دوڑتا رہے گا
- ۱۵۳۰..... منافقوں کی اس نور سے محرومی
- ۱۵۳۰..... مخلص مسلمانوں کے دل قرآن کریم سن کر خشوع و خضوع سے بھر جاتے ہیں
- ۱۵۳۱..... یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے ممانعت
- ۱۵۳۲..... صدقہ و خیرات کی فضیلت
- ۱۵۳۳..... دنیا کی بے ثباتی کا بیان
- ۱۵۳۳..... مخلوقات کے وجود سے پہلے ہی ہر بات لوح محفوظ میں لکھ دی گئی تھی
- ۱۵۳۴..... بخل کی مذمت
- ۱۵۳۵..... وہ تین چیزیں جو انبیائے کرام کو دی گئیں
- ۱۵۳۶..... لوہے کے نواںد کا بیان
- ۱۵۳۶..... تمام انبیاء نوح اور ابراہیم کی نسل سے ہوئے
- ۱۵۳۷..... مریم علیہا السلام آل ابراہیم سے تھیں
- ۱۵۳۷..... عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا ذکر
- ۱۵۳۷..... دین عیسوی میں بدعت رہبانیت کی ایجاد
- ۱۵۳۸..... یہود و نصاریٰ کو دعوتِ ایمان
- ۱۵۳۹..... پارہ-۲۸
- ۱۵۳۹..... تفسیر سورۃ المجادلہ
- ۱۵۳۹..... بیوی سے ظہار کرنے کا حکم
- ۱۵۳۹-۱۵۴۰..... اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ذلت و رسوائی کا سبب ہوتی ہے
- ۱۵۱۵..... جہنم اور جہنمیوں کی دلفگار منظر کشی
- ۱۵۱۸-۱۵۱۶..... جنت کی بیش بہا نعمتوں کا ذکر
- ۱۵۱۷..... جنت کی حوروں کا ذکر
- ۱۵۱۹..... تفسیر سورۃ الواقعة
- ۱۵۲۰..... روزِ قیامت کی یقین دہانی
- ۱۵۲۰..... قیامت کے دن لوگوں کا تین جماعتوں میں تقسیم ہو جانا
- ۱۵۲۱..... اہل جنت کی آدھی تعداد امتِ مسلمہ کی ہوگی
- ۱۵۲۳-۱۵۲۲..... غلمان جنت اور جنت کی دیگر نعمتوں کا ذکر
- ۱۵۲۵-۱۵۲۴..... جہنم اور اہل جہنم کا بیان
- ۱۵۲۶..... تخلیقِ انسانی اللہ کی قدرتِ مطلقہ کا مظہر ہے
- ۱۵۲۷..... اللہ تعالیٰ کے بعض احسانات کا ذکر
- ۱۵۲۸-۱۵۲۷..... اللہ تعالیٰ کے بعض مظاہر قدرت کا بیان
- ۱۵۲۹..... قرآن کریم کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے
- ۱۵۳۰..... قرآن کریم کا چھوٹا کس کے لئے جائز ہے
- ۱۵۳۱..... جان کنی کے وقت انسان کی بے بسی
- ۱۵۳۱..... اصحابِ الہدین، اصحابِ الشمال اور سابقین اولین کا انجام خیر
- ۱۵۳۲..... تفسیر سورۃ الحدید
- ۱۵۳۲..... تمام مخلوقات ارض و سماء اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں
- ۱۵۳۳..... صوفیاء کے اس جھوٹ کی تردید کہ آسمان و زمین کی بادشاہی غوثوں اور قطبوں میں بانٹ دی گئی ہے
- ۱۵۳۳..... اللہ نے چھ دنوں میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا
- ۱۵۳۴..... اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے
- ۱۵۳۵..... اللہ تعالیٰ کی صفت ”معیت“ کی تشریح

- ۱۵۶۹..... محاسبہ نفس کا حکم
- ۱۵۶۹..... ذکر الہی کی نصیحت
- ۱۵۶۹-۱۵۷۰..... قرآن کریم کی عظمت
- ۱۵۷۰..... اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان
- ۱۵۷۱..... تفسیر سورۃ المستحٰنہ
- ۱۵۷۳..... حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ
- ۱۵۷۳..... مومن کا فرد مشرک کو دوست نہیں بناتا
- ۱۵۷۴..... ابراہیم علیہ السلام کا اپنے کافر باپ سے اظہارِ ابراعت
- ۱۵۷۴..... ابراہیم اور ان کے مومن ساتھیوں کو پیشوا نہ بنانا
- ۱۵۷۵..... بد عقیدگی ہے
- ۱۵۷۶..... ان کافر رشتہ داروں سے تعلق رکھنے کی اجازت جو مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرتے
- ۱۵۷۶..... ان مسلمان عورتوں کا حکم جو اسلام کے بعد شوہر سے الگ ہو جائیں
- ۱۵۷۷..... نو مسلموں کی کافر بیویوں کا حکم
- ۱۵۷۸..... مرتد بیویوں کا حکم
- ۱۵۷۸..... عورتوں سے بیعت لینے کی اجازت اور اس کا طریقہ
- ۱۵۷۹..... مسلمان کافر سے کبھی دوستی نہیں کرتا
- ۱۵۸۰..... تفسیر سورۃ الصّٰف
- ۱۵۸۰..... تمام مخلوقات ارضی و سماوی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں
- ۱۵۸۱..... وعدہ وفا کرنا واجب ہے
- ۱۵۸۱..... اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے
- ۱۵۸۱..... مومن مخلص نبی کریم ﷺ کی اذیت کا سبب نہیں بنتا
- ۱۵۸۲..... عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی نبی کریم ﷺ کی بشارت
- ۱۵۵۱..... خود ساختہ قوانین کے نفاذ پر وعید شدید
- ۱۵۵۱..... اللہ تعالیٰ اپنے علم، سبب اور بصیرت کے ذریعہ تمام بندوں کو محیط ہے
- ۱۵۵۲..... تین میں سے دو آدمی کی سرگوشی کی ممانعت
- ۱۵۵۳..... مجلس کے بعض آداب کا بیان
- ۱۵۵۴..... کسی کو اس کی جگہ سے ہٹا کر بیٹھنے کا حکم
- ۱۵۵۵..... نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کا حکم
- ۱۵۵۶-۱۵۵۷..... منافقوں کی حقیقت
- ۱۵۵۷-۱۵۵۸..... اہل ایمان اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے ہیں
- ۱۵۵۸..... تفسیر سورۃ الحشر
- ۱۵۵۹..... یہود مدینہ کی مدینہ آنے کی تاریخ
- ۱۵۶۰..... یہود مدینہ کی فطری خباثیوں کا ظہور
- ۱۵۶۱..... بنو قریظہ اور بنو نضیر کا نقص عہد
- ۱۵۶۱-۱۵۶۰..... بنو نضیر کی مدینہ سے جلا وطنی
- ۱۵۶۲..... بنو نضیر کی خیبر سے جلا وطنی
- ۱۵۶۳..... خیبر کے مال نے کی تقسیم
- ۱۵۶۳-۱۵۶۴..... خیبر کے مال نے میں مہاجرین کا حصہ
- ۱۵۶۴..... انصار مدینہ کا اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے ایثار
- ۱۵۶۵..... انصار مدینہ بخل جیسی مذموم صفت سے پاک تھے
- ۱۵۶۵..... مومنوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کھوٹ نہیں ہوتی
- ۱۵۶۶..... صحابہ کرام کے خلاف دل میں بغض و کینہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے
- ۱۵۶۶..... راضی شیعہ کے لئے مال نے میں کوئی حصہ نہیں ہے
- ۱۵۶۶..... منافقین مدینہ کا یہود بنو نضیر کے ساتھ گٹھ جوڑ

- ۱۵۹۷ ہوئی ہے
- ۱۵۹۸ منکرین بے بعد الموت کی تردید
- قرآن کریم کی تین آیتوں میں اللہ نے اپنی ذات کی قسم
- ۱۵۹۸ کھا کر بے بعد الموت کی یقین دہانی کرائی ہے
- ۱۶۰۰-۱۵۹۹ حصول جنت کا سبب ایمان اور عمل صالح ہے
- ۱۵۹۹ روز قیامت کافروں کی شقاوت و بدبختی
- دنیاوی مصیبتوں میں گرفتار ہونا اللہ کی ناراضگی کی
- دلیل نہیں
- ۱۶۰۰ بال بچوں کی محبت ہجرت سے مانع نہیں ہونا چاہئے
- ۱۶۰۱ ہر وہ عمل جس کے کرنے سے بندہ عاجز ہو جائے، وہ ساقط ہو جاتا ہے
- ۱۶۰۱ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب
- ۱۶۰۲ تفسیر سورۃ الطلاق
- ۱۶۰۳ مشروع طریقہ سے طلاق دینے کا حکم
- ۱۶۰۳ طلاق سے متعلق تفصیلات
- ۱۶۰۳ عدت گزارنے کی حکمت اور اس کے احکام
- ۱۶۰۴ طلاق سنت اور طلاق بدعت
- ۱۶۰۵ بوڑھی، نابالغہ اور حاملہ عورتوں کی عدت
- ۱۶۰۶ مطلقہ رجوعی گھر سے نہیں نکالی جائے گی
- ۱۶۰۶ مطلقہ بائنہ حاملہ کا حکم
- ۱۶۰۶ مطلقہ بائنہ کے بچہ کی رضاعت کا حکم
- ۱۶۰۸ تفسیر سورۃ التحریم
- ۱۶۱۰ حلال چیز کو حرام بنانے کا حق کسی بندے کو حاصل نہیں
- ۱۶۱۰ قسم کا کفارہ
- ۱۶۱۱ نبی کریم ﷺ کے عظیم ترین شرف و عزت کا بیان
- ۱۵۸۳ اللہ کے نور کو چھوٹوں سے نہیں بچھایا جاسکتا ہے
- ۱۵۸۳ اعمال صالحہ اموال تجارت کے مانند ہیں
- جان، مال، اور قول و عمل کے ذریعہ دین حق کی مدد
- ۱۵۸۵ کا حکم
- ۱۵۸۶ تفسیر سورۃ الجمعہ
- ۱۵۸۶ تمام مخلوقات ارضی و سماوی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں
- نبی کریم ﷺ کا امی ہونا ان کے صدق نبوت کی
- دلیل ہے
- ۱۵۸۶ نبی کریم ﷺ مومنوں کا تزکیہ کرتے تھے
- ۱۵۸۶ نبی کریم ﷺ ساری دنیا کے لئے نبی تھے
- ۱۵۸۷ یہود محض حسد کی وجہ سے رسول کریم ﷺ پر ایمان نہیں لائے
- ۱۵۸۸ قرآن کریم پر عمل نہ کرنے والے یہود کے مانند ہے
- ۱۵۸۸ یہود کا دعویٰ کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں
- ۱۵۸۹ نماز جمعہ کے اہتمام کا حکم
- ۱۵۹۰ تفسیر سورۃ المنافقون
- ۱۵۹۱ عبد اللہ بن ابی بن سلول کا نفاق
- ۱۵۹۲ منافقین مدینہ کا نفاق
- ۱۵۹۳ نفاق چھپانے کے لئے منافقین کی حرب زبانی
- ۱۵۹۳ عبد اللہ بن ابی کی شرانگیزی
- ۱۵۹۳ عبد اللہ بن ابی کا مہاجرین سے اظہار حقارت
- ۱۵۹۵ کافر خیر میں خرچ کرنے کی ترغیب
- ۱۵۹۶ تفسیر سورۃ التخابن
- ۱۵۹۶ تمام مخلوقات ارضی و سماوی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں
- انسان کی تخلیق سب سے اچھی شکل و صورت میں

| | | | |
|-----------|---|------|--|
| ۱۶۲۳ | تفسیر سورۃ القلم | ۱۶۱۱ | رسول کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی |
| | نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت پر باری تعالیٰ کا | ۱۶۱۲ | اہل ایمان کو نارجنہم سے بچنے کی نصیحت |
| ۱۶۲۳ | قسم کھانا | ۱۶۱۲ | اہل ایمان کو توبہ کرنے کی نصیحت |
| | نبی کریم ﷺ کے صاحب خلق عظیم ہونے پر باری تعالیٰ | ۱۶۱۳ | جہاد زبان و قلم اور ہمسیر و شان سب سے ہوتا ہے |
| ۱۶۲۴ | کا قسم کھانا | | کافر کی مومن سے رشتہ داری قیامت میں کام نہیں |
| | دعوت اسلامی کی راہ میں صبر کی نصیحت | ۱۶۱۴ | دے گی |
| ۱۶۲۵ | اخضس بن شریق کی خدمت اللہ کی زبانی | ۱۶۱۴ | کسی نبی کی بیوی نے عزت و ناموس میں خیانت نہیں کی |
| | اس باغ کا قصہ جو مالکان کی ناشکری کے سبب خاکستر | ۱۶۱۴ | آسیہ اور مریم علیہما السلام کا ذکر خیر |
| ۱۶۲۶ | ہو گیا | ۱۶۱۵ | پارہ-۲۹ |
| ۱۶۲۸ | قیامت کے دن اہل تقویٰ کا انجام | ۱۶۱۵ | تفسیر سورۃ الملک |
| ۱۶۲۹-۱۶۲۸ | قیامت کے دن کی ہولناکی | ۱۶۱۵ | سورۃ الملک کی فضیلت |
| ۱۶۲۹ | اللہ تعالیٰ سرکشوں کے لئے رشتی ڈھیلی کر دیتا ہے | ۱۶۱۵ | اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل |
| ۱۶۲۹ | شرکین مکہ کی مذمت | | آسمان و زمین اور کواکب و نجوم سے متعلق |
| ۱۶۳۰ | یونس بن متی کا واقعہ | ۱۶۱۶ | بعض تفصیلات |
| | شرکین مکہ کا نبی کریم ﷺ سے شدید | ۱۶۱۶ | ستاروں کی تخلیق کے فوائد |
| ۱۶۳۰ | بغض و عداوت | ۱۶۱۷ | جہنم اور جہنمیوں کے حالات |
| ۱۶۳۱ | تفسیر سورۃ الحاقۃ | ۱۶۱۸ | جنت کی نعمتوں کا ذکر |
| ۱۶۳۱ | مدائن صالح کی جائے وقوع | ۱۶۱۹ | زمین کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مناسب حال بنایا ہے |
| ۱۶۳۲ | قوم نوح کا واقعہ | ۱۶۲۰ | اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ”رحمان“ کا اثبات |
| ۱۶۳۳ | دعوت قیامت کی ابتدا | | موحد و مشرک کے درمیان ایک مثال کے ذریعہ |
| ۱۶۳۴ | قیامت کے دن اصحاب الہمسین کی خوشیاں | ۱۶۲۰ | تمیز و تفریق |
| ۱۶۳۵-۱۶۳۴ | قیامت کے دن اہل جہنم کی بدبختیاں | ۱۶۲۱ | نبی نوع انسان کا تھا خالق اللہ ہے |
| ۱۶۳۵ | نبی کریم ﷺ کی صداقت پر باری تعالیٰ کا قسم کھانا | | اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قیامت کی بہت سی نشانیاں |
| ۱۶۳۶ | قرآن کلام الہی ہے | ۱۶۲۱ | بیان کر دی ہیں |
| ۱۶۳۶ | قرآن کا ایک ایک کلمہ کلام الہی ہے | ۱۶۲۲ | پانی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے |

| | | | |
|----------------|--|----------------|---|
| ۱۶۵۶ | تفسیر سورۃ المرزبل | ۱۶۳۷ | تفسیر سورۃ المعارج |
| ۱۶۵۶..... | آپ ﷺ کے منزل و مدثر لقب کی تشریح | ۱۶۳۸..... | جریل اور دیگر فرشتوں کا ذکر خیر |
| ۱۶۵۶..... | نبی کریم ﷺ کے لئے نماز تہجد واجب تھی | ۱۶۳۸..... | نبی کریم ﷺ کو دعوت کی راہ میں صبر کی تلقین |
| ۱۶۵۷..... | تلاوت قرآن سکون و اطمینان کے ساتھ کرنے کا حکم | ۱۶۳۹-۱۶۳۸..... | قیامت کی ہولناکیوں کا بیان |
| ۱۶۵۷..... | سکون کے ساتھ قرآن کی تلاوت کا فائدہ | ۱۶۴۰..... | ایمان باللہ کی خیر و برکت اور اس کے فوائد |
| ۱۶۵۸..... | آپ ﷺ کو اللہ کی یاد میں ہر دقت مشغول رہنے کا حکم | ۱۶۴۱..... | جزع فزع و حرص و طمع سے نجات پانے کا نسخہ کیسیا |
| ۱۶۵۸..... | نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کا آخرت میں | ۱۶۴۲..... | کافروں کی قساوت قلبی اور شقاوت و بدبختی |
| ۱۶۵۸..... | بدترین انجام | ۱۶۴۲..... | بعث بعد الموت کی یقین دہانی |
| ۱۶۵۹..... | روز محشر کی ہولناکی | ۱۶۴۳..... | قیامت کے دن کافروں کی حیرانی و پریشانی |
| ۱۶۶۰..... | نماز تہجد جتنی دیر ہو سکے پڑھے | ۱۶۴۳..... | تفسیر سورۃ نوح |
| ۱۶۶۰..... | نماز تہجد میں تخفیف کے بعض اسباب | ۱۶۴۴..... | نوح علیہ السلام کی عمر |
| ۱۶۶۰..... | نماز تہجد کے عدم وجوب کی دلیل | ۱۶۴۴..... | نوح علیہ السلام کی دعوت |
| ۱۶۶۰..... | آیت "فاقرعوا ما تنیسر من القرآن" | ۱۶۴۵-۱۶۴۷..... | قوم نوح کی سرکشی اور ہلاکت |
| ۱۶۶۰..... | سے حنفیہ کا عدم وجوب قراءت فاتحہ پر استدلال صحیح | ۱۶۴۷..... | قوم نوح کے بتوں کے نام |
| ۱۶۶۱..... | نہیں ہے | ۱۶۴۸..... | تفسیر سورۃ الجن |
| ۱۶۶۱..... | اسلام میں نماز و زکاۃ کی اہمیت | ۱۶۴۹-۱۶۴۸..... | جنوں کی جماعت کا قرآن سننا اور اسلام لانا |
| ۱۶۶۱..... | جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت | ۱۶۵۰..... | جنوں سے کیسے پناہ مانگی جائے |
| ۱۶۶۲..... | تفسیر سورۃ المدثر | ۱۶۵۰..... | جنوں میں بھی انسانوں کی طرح مختلف ادیان و مذاہب |
| ۱۶۶۲..... | نبی کریم ﷺ کو پوری ہمت و نشاط کے ساتھ | ۱۶۵۱..... | کومانے والے ہیں |
| ۱۶۶۲..... | دعوت الی اللہ کا حکم | ۱۶۵۲..... | حق و انصاف کی راہ پر چلنا اور اللہ کا شکر ادا کرنا کشادگی |
| ۱۶۶۲..... | نبی کریم ﷺ کو ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل کرنے | ۱۶۵۳..... | رزق کا سبب ہے |
| ۱۶۶۲..... | کا حکم | ۱۶۵۳..... | مسجد اور قبر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں |
| ۱۶۶۳..... | آپ ﷺ کو مکارم اخلاق کا حکم | ۱۶۵۴..... | علم نجوم، کنکری مارنا، ہاتھوں کی لکیریں پڑھنا اللہ پر |
| ۱۶۶۵-۱۶۶۳..... | دشمن اسلام و ولید بن مغیرہ کی مذمت | ۱۶۵۵..... | بہتان ہے |
| ۱۶۶۷-۱۶۶۶..... | جنم کی ہولناکی کا بیان | | |

- ۱۶۸۰..... نماز اللہ کی مدد حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔
- ۱۶۸۰..... دنیا کے عارضی فائدوں کے لئے کافروں کی تنگ دود۔
- ۱۶۸۱..... تفسیر سورۃ المرسلات
- ۱۶۸۲..... بحث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۶۸۳..... روز قیامت کی ہیبت ناکی
- ۱۶۸۳..... بحرین قریش کے لئے عذاب کی دھمکی
- ۱۶۸۳..... ابن آدم کی ضعیفی اور حقارت
- ۱۶۸۳..... زمین زندہ اور مردہ سب کے لئے نعمت ہے۔
- ۱۶۸۵..... جہنم کی ہولناکی
- ۱۶۸۵..... کافروں کا قیامت کے دن ایک دوسرے سے جھگڑنا۔
- ۱۶۸۶..... قیامت کے دن کافروں کا بدترین انجام
- ۱۶۸۶..... قیامت کے دن اللہ سے ڈرنے والوں کا انجام
- ۱۶۸۷..... بحرین مکہ کا کبر و عناد
- ۱۶۸۸..... تفسیر سورۃ الدنيا
- ۱۶۸۹..... بحث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۶۸۹..... مظاہر قدرت میں غور و فکر بحث بعد الموت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔
- ۱۶۸۹..... مخلوقات ارضی و سماوی اللہ کی عظیم قدرت اور بے پناہ علم کی دلیل ہیں۔
- ۱۶۹۰..... وہ حادثات جو قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے۔
- ۱۶۹۱..... عذاب جہنم کی شدت
- ۱۶۹۱..... انکار آخرت بے عملی کا سبب اول ہے۔
- ۱۶۹۲..... جنت کی نعمتوں کا ذکر خیر
- ۱۶۹۳..... میدان محشر میں نبی کریم کی شفاعت
- ۱۶۹۳..... روز قیامت کی یقین دہانی
- ۱۶۶۶..... جہنم پر مامور فرشتوں کی تعداد
- ۱۶۶۸..... اصحاب الیمین اہل جنت کا ذکر خیر
- ۱۶۶۸..... جہنم میں لے جانے والے گناہوں کا ذکر
- ۱۶۶۹..... مشرکین قریش کا عناد ان کے کفر کا سبب بنا۔
- ۱۶۷۰..... تفسیر سورۃ القیامہ
- ۱۶۷۰..... بحث بعد الموت کی یقین دہانی
- ۱۶۷۱..... کافر دلہ صرف کبر کی وجہ سے بحث بعد الموت کا انکار کر دیتا ہے۔
- ۱۶۷۱..... وقوع قیامت کے وقت کے حالات
- ۱۶۷۲..... قیامت کے دن آدمی کے اعضاء گواہی دیں گے۔
- ۱۶۷۲..... نزول وحی کے بعد قرآن کی آیتیں نبی کریم ﷺ کے دل میں ثبت کر جاتی تھیں۔
- ۱۶۷۲..... حدیث نبوی بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔
- ۱۶۷۳..... بنی نوع انسان کو فکر آخرت کی نصیحت
- ۱۶۷۳..... موت کے وقت بنی نوع انسان کی بے بسی کا منظر
- ۱۶۷۴..... ابو جہل کے لئے بربادی کی خبر
- ۱۶۷۵..... تفسیر سورۃ الدھر
- ۱۶۷۵..... انسان کو اس کی ضعیفی اور حقارت کی یاد دہانی
- ۱۶۷۶..... کافروں کے لئے شدید عذاب آخرت کی خبر
- ۱۶۷۶..... مومنوں کے لئے بیش بہا نعمتوں کی خبر
- ۱۶۷۷..... ان اعمال صالحہ کا ذکر جو دخول جنت کا ذریعہ بنیں گے۔
- ۱۶۷۸-۱۶۷۹..... جنت کی نعمتوں کا ذکر
- ۱۶۷۸..... نبی کریم ﷺ کو دعوت اسلام بند کر دینے کے لئے لالچ دینا
- ۱۶۷۹..... قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔

| | | |
|---|------|--|
| نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت | ۱۶۹۴ | تفسیر سورۃ النازعات |
| میں دیکھا تھا..... ۱۶۹۴ | ۱۶۹۴ | بعث بعد الموت کی یقین دہانی..... |
| قرآن عبرت و موعظت کا خزانہ ہے..... ۱۶۹۵ | ۱۶۹۵ | صور اسرافیل کی تفصیل..... |
| تفسیر سورۃ الانفطار ۱۶۹۵ | ۱۶۹۵ | کفار قریش کا انکار بعث بعد الموت..... |
| بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی دعوت..... ۱۶۹۶ | ۱۶۹۶ | واقعہ فرعون و موسیٰ کا بیان..... |
| قیامت کے قریب آسمان و زمین کے حالات..... ۱۶۹۸ | ۱۶۹۸ | اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کا بیان..... |
| تخلیق انسانی میں غور و فکر ایمان باللہ کی دعوت دیتی ہے ۱۶۹۸ | ۱۶۹۸ | جہنم کے شدید عذاب کا بیان..... |
| ابن آدم کے تمام اعمال لکھے جاتے ہیں..... ۱۶۹۹ | ۱۶۹۹ | قیامت کی آمد کا علم صرف اللہ کو ہے..... |
| روز قیامت کی سختی اور مصیبت ناکی..... ۱۷۰۰ | ۱۷۰۰ | تفسیر سورۃ عبس |
| تفسیر سورۃ المطففین ۱۷۰۰ | ۱۷۰۰ | نبی کریم ﷺ کی دعوتی تربیت..... |
| ناپ تول میں خیانت کی شدید مذمت..... ۱۷۰۱ | ۱۷۰۱ | نبی کریم ﷺ نے اپنی امت سے وحی کی کوئی بات |
| سختیوں کی تشریح..... ۱۷۰۱ | ۱۷۰۱ | نہیں چھپائی..... |
| کفر و معاصی سے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے..... ۱۷۰۲ | ۱۷۰۲ | انسان کی حقیقت اسے تو واضع اور کس نفسی کی دعوت |
| کافر اللہ کے دید سے محروم کر دیا جائے گا..... ۱۷۰۲ | ۱۷۰۲ | دیتی ہے..... |
| کافر کے لئے عذاب حجاب اور عذاب نار..... ۱۷۰۳ | ۱۷۰۳ | خدائے انسانی میں غور و فکر آدمی کو ایمان باللہ کی دعوت |
| علیین کی تشریح..... ۱۷۰۳ | ۱۷۰۳ | دیتی ہے..... |
| نعمتہائے جنت کا ذکر..... ۱۷۰۳ | ۱۷۰۳ | میدان محشر میں انسانوں کی حیرانی دہ پریشانی..... |
| قیامت کے دن بعض اکابر مجرمین مکہ کا حال..... ۱۷۰۴ | ۱۷۰۴ | تفسیر سورۃ التکویر |
| قیامت کے دن مسلمانوں کا مذاق اڑانے والوں کا حال..... ۱۷۰۴ | ۱۷۰۴ | بعث بعد الموت کی یقین دہانی..... |
| تفسیر سورۃ الاشقاق ۱۷۰۴ | ۱۷۰۴ | دو حادثات جو وقوع قیامت سے پہلے ظہور پذیر |
| بعث بعد الموت کی یقین دہانی..... ۱۷۰۴ | ۱۷۰۴ | ہوں گے..... |
| ابن آدم کو عمل صالح کرنے کی نصیحت..... ۱۷۰۵ | ۱۷۰۵ | دو حادثات جو قیامت کے دن ظہور پذیر ہوں گے..... |
| روز قیامت اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا حال..... ۱۷۰۶ | ۱۷۰۶ | قرآن کلام الہی ہے..... |
| انکار آخرت دخول جہنم کا سبب ہوگا..... ۱۷۰۷ | ۱۷۰۷ | نبی کریم ﷺ مجنوں نہیں تھے..... |
| آدمی مرنے کے بعد دوبارہ ضرور زندہ کیا جائے گا..... ۱۷۰۷ | ۱۷۰۷ | |

| | | | |
|------|---|-----------|---|
| ۱۷۲۹ | آخرت میں نیک کامیابی کے اسباب | ۱۷۱۹ | مشرکین قریش نے قرآن کا انکار محض کبر و عناد کی وجہ سے کیا |
| ۱۷۲۹ | دنیا کی لذتیں اور آخرت کی نعمتیں لازوال ہیں | ۱۷۲۰ | تفسیر سورۃ البروج |
| ۱۷۳۰ | تفسیر سورۃ الغاشیہ | ۱۷۲۱-۱۷۲۰ | اصحاب اُخدود کا واقعہ |
| ۱۷۳۰ | سورۃ الہدٰی کی فضیلت | | ان کافروں کا انجام جنہوں نے مومنوں کو جلانے کے لئے آگ جلائی تھی |
| ۱۷۳۰ | آخر رسدین حق کا انکار کرنے والوں کا انجام | ۱۷۲۲ | ان مومنوں کا حال جو آگ میں ڈالے گئے |
| ۱۷۳۱ | آخر میں اہل جنت کے لئے گونا گوں نعمتیں | ۱۷۲۳ | اللہ کی گرفت بہت ہی سخت ہوتی ہے |
| ۱۷۳۲ | بوند الموت پر استدلال | ۱۷۲۳ | دعوت کی راہ میں صبر و ہلکی بانی انبیاء کی سنت ہے |
| | نہیم ﷺ کی دعوت توحید کا انکار کرنے والوں کا | | قرآن کے بارے میں مشرکین مکہ کی افتراء پر دایوں کی تردید |
| ۱۷۳۲ | ۲۱ | ۱۷۲۳ | تفسیر سورۃ الطارق |
| ۱۷۳۳ | تفسیر سورۃ الفجر | ۱۷۲۳ | دہ محافظ فرشتہ جو آدمی کے اقوال و اعمال کو محفوظ کرتا رہتا ہے |
| ۱۷۳۳ | اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو جوڑا پیدا کیا ہے | ۱۷۲۴ | اللہ تعالیٰ ہر انسان کو قیامت کے دن اس کے عمل کا بدلہ دے گا |
| ۱۷۳۳ | اللہ تعالیٰ ہر انسان کو قیامت کے دن اس کے عمل کا بدلہ دے گا | ۱۷۲۵ | قوم عاد کا حال، جن کا لقب (ارم) تھا |
| ۱۷۳۳ | قوم عاد کا حال، جن کا لقب (ارم) تھا | ۱۷۲۵ | قوم ثمود کا حال، جنہیں اصحاب حجر کہا جاتا ہے |
| ۱۷۳۵ | قوم ثمود کا حال، جنہیں اصحاب حجر کہا جاتا ہے | ۱۷۲۵ | فرعون کا حال |
| ۱۷۳۵ | فرعون کا حال | ۱۷۲۵ | فرعون بنی اسرائیل کو کس طرح عذاب دیتا تھا |
| ۱۷۳۵ | فرعون بنی اسرائیل کو کس طرح عذاب دیتا تھا | ۱۷۲۵ | اللہ تعالیٰ دولت و مال داری اور فقر و فاقہ دونوں کے ذریعہ آزماتا ہے |
| ۱۷۳۶ | اللہ تعالیٰ دولت و مال داری اور فقر و فاقہ دونوں کے ذریعہ آزماتا ہے | ۱۷۲۶ | کفار قریش عورتوں اور چھوٹے بچوں کو دراشت نہیں دیتے تھے |
| ۱۷۳۶ | کفار قریش عورتوں اور چھوٹے بچوں کو دراشت نہیں دیتے تھے | ۱۷۲۶ | اللہ تعالیٰ کی کارگیری اور صناعی پر مظاہر قدرت سے استدلال |
| ۱۷۳۶ | قیامت کے دن جہنم زنجیروں کے ذریعہ کھینچ کر لائی جائے گی | ۱۷۲۷ | اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن نبی کریم ﷺ کے سینہ میں محفوظ کر دیا تھا |
| ۱۷۳۶ | قیامت کے دن ہر آدمی اپنی کوتاہیوں پر افسوس کرے گا | ۱۷۲۸ | دین اسلام کی بنیاد سہولت و آسانی پر ہے |
| ۱۷۳۸ | کرے گا | | |

| | |
|---|--|
| اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے والے کو عذاب | اہل جہنم زنجیروں سے باندھ کر جہنم میں گھسیٹے |
| ۱۷۴۵..... جہنم کی دھمکی | ۱۷۳۸..... جائیں گے |
| ۱۷۴۶..... طفیان دوسرے کئی پر بھڑکتی آگ کی دھمکی | ۱۷۳..... قیامت کے دن پاکیزہ دعوں کی خوش بختی |
| ۱۷۴۶..... ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفات حسنة کا ذکر | ۱۷۱..... تفسیر سورۃ البلد |
| ۱۷۴۷..... تفسیر سورۃ الضحیٰ | ۱۷..... مکہ مکرمہ کی ابدی حرمت |
| نبی کریم کا مقام اولین و آخرین میں سے کسی کو حاصل | ۱۷..... مکہ مکرمہ نبی کریم ﷺ کے لئے ایک گھڑی کے لئے |
| ۱۷۴۸..... نہیں ہوا | ۳۹..... حلال بنا دیا گیا تھا |
| ۱۷۴۸..... آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے تین احسانات کا ذکر | نیک انسان کے لئے موت کے بعد تمام شدائد کا |
| ۱۷۴۹..... یتیم، محتاج اور مسائل کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم | ۱۷۳۹..... خاتمہ ہو جائے گا |
| ۱۷۵۰..... تفسیر سورۃ الم نشرح | ۱۷۴۰..... انسان کی خام خیالی کہ قیامت نہیں آئے گی |
| ۱۷۵۰..... کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات کا ذکر | ۱۷۴۰..... اللہ نے خیر و شردوں کو راستے دکھادیے ہیں |
| اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل سارے عالم میں | بعض بڑے اعمال صالحہ کا ذکر جنہیں قرآن نے گھائی |
| عام دیا..... | عبور کرنے سے تعبیر کیا ہے |
| ۱۷۵۱..... نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی فضیلت | ۱۷۴۱..... تفسیر سورۃ الشمس |
| ۱۷۵۲..... ذکر الہی رد عاواستغفار کی ترغیب | کامیاب وہ ہو گا جو اپنے نفس کو گناہوں سے پاک |
| ۱۷۵۲..... تفسیر سورۃ التین | کرے گا |
| انجیر، زیتون اور طور سینا کی تحقیق..... | ۱۷۴۳..... گناہوں کا ارتکاب دنیا و آخرت میں عذاب کا سبب |
| ۱۷۵۳..... بعث بعد المون کی یقین دہانی | ہوتا ہے |
| ۱۷۵۳..... تفسیر سورۃ الملق | محمد ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں |
| سورۃ اقراء کا زمانہ نزول..... | ۱۷۴۳..... قوم ثمود کا واقعہ |
| ۱۷۵۴..... قرآن کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم | ۱۷۴۴..... تفسیر سورۃ الليل |
| ۱۷۵۴..... انسانی تخلیق کے مراحل | بقائے نسل انسانی اللہ کی عظمت و قدرت کا لمحہ کی |
| ۱۷۵۵..... ابو جہل کا ذکر شر | دلیل ہے |
| | ۱۷۴۵..... مومن و کافر اور نیک و بد برابر نہیں ہو سکتے |

| | | | |
|------|--|------|---|
| ۱۷۶۵ | قیامت کی ہولناکیوں اور دہشتوں کا ذکر | ۱۷۵۶ | بندہ حالت سجدہ میں اپنے رب سے سب سے زیادہ |
| ۱۷۶۵ | مومن و کافر کا انجام | ۱۷۵۶ | قریب ہوتا ہے |
| ۱۷۶۵ | جہنم کی آگ کی گرمی کا بیان | ۱۷۵۶ | تفسیر سورۃ القدر |
| ۱۷۶۵ | تفسیر سورۃ الحاکم | ۱۷۵۷ | قرآن کریم کی فضیلت |
| ۱۷۶۶ | ابن آدم کے حرص و طمع کا بیان | ۱۷۵۷ | سیلۃ القدر کی فضیلت |
| ۱۷۶۶ | مال کی کثرت اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے | ۱۷۵۷ | سیلۃ القدر کی تعیین |
| ۱۷۶۶ | فخر و مباہات کے لئے مال دنیا کی کثرت طلب خطرے | ۱۷۵۸ | تفسیر سورۃ البینہ |
| ۱۷۶۶ | کی مخفی | ۱۷۵۸ | نبی کریم ﷺ کی بعثت سے حق و باطل کے درمیان |
| ۱۷۶۶ | دنیا پرستی کی مذمت | ۱۷۵۹ | تمیز ہو گئی |
| ۱۷۶۷ | قیامت کے دن ہر نیک و بد جہنم کو اپنی آنکھوں سے | ۱۷۵۹ | یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کی بعثت کا انتظار کرتے تھے |
| ۱۷۶۷ | دیکھے گا | ۱۷۵۹ | تمام انبیاء کی دعوت ایک تھی |
| ۱۷۶۷ | تفسیر سورۃ العصر | ۱۷۵۹ | کفار اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں |
| ۱۷۶۸ | دنیا پریشانیوں کی جگہ ہے | ۱۷۶۰ | اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں |
| ۱۷۶۸ | وہ چار صفات جن کی بدولت آدمی دنیا و آخرت میں | ۱۷۶۰ | تفسیر سورۃ الزلزال |
| ۱۷۶۸ | خسارے سے بچا رہے گا | ۱۷۶۱ | دور قیامت کے وقت زمین کا حال |
| ۱۷۶۸ | تفسیر سورۃ الہمزہ | ۱۷۶۱ | زمین بندوں کے اعمال کی گواہی دے گی |
| ۱۷۶۹ | عیب جوئی اور غیبت گوئی ہلاکت و عذاب کا سبب ہے | ۱۷۶۲ | میدان حساب میں لوگوں کے مختلف احوال |
| ۱۷۶۹ | ہر دور کے مجرمین دعا اور صالحین کا مذاق | ۱۷۶۲ | تفسیر سورۃ العادیات |
| ۱۷۶۹ | اڑاتے ہیں | ۱۷۶۲ | مصیبت پر تلملاہٹ اور نعمتوں کی ناشکری آدمی کا |
| ۱۷۶۹ | دنیا دار مال کو ہی ہر عزت و شرف کا ذریعہ سمجھتا ہے | ۱۷۶۳ | خاصہ ہے |
| ۱۷۶۹ | قیامت کے دن کی یقین دہانی | ۱۷۶۳ | کافرونا شکر انسان کی زجر و توبخ |
| ۱۷۶۹ | جہنم کی خطرناکی و ہولناکی | ۱۷۶۳ | قیامت اور جزا و سزا کی یقین دہانی |
| ۱۷۷۰ | تفسیر سورۃ النقیل | ۱۷۶۳ | تفسیر سورۃ القارعہ |
| ۱۷۷۰ | اصحاب فیل کی ہلاکت کا واقعہ | ۱۷۶۵ | قیامت اور جزا و سزا کی یقین دہانی |

- ۱۷۷۸ تفسیر سورۃ اللہب
- ۱۷۷۹ سورۃ اللہب کا شان نزول
- ۱۷۷۹ ابو لہب اور اس کی بیوی اُمّ جمیل کا ذکر شر
- ۱۷۷۹ ابو لہب اور اُمّ جمیل کا انجام بد
- ۱۷۸۰ تفسیر سورۃ الاِخلاس
- ۱۷۸۰ سورۃ الاِخلاس کی فضیلت
- ۱۷۸۱ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا بیان
- ۱۷۸۱ تفسیر سورۃ الفلق
- ۱۷۸۱ اس سورت کی فضیلت و اہمیت
- ۱۷۸۲ اس سورت کا شان نزول
- جنوں، انسانوں اور دیگر اشیاء کے شر سے پناہ مانگنے
- ۱۷۸۳ کی تعلیم
- ۱۷۸۳ تفسیر سورۃ الناس
- ۱۷۸۳ اس سورت کی فضیلت و اہمیت
- ۱۷۸۳ اس سورت کا شان نزول
- دوسرے پیدا کرنے والے شیطان کے شر سے پناہ مانگنے
- ۱۷۸۳ کی تعلیم
- ہر آدمی کے ساتھ اس کا ساتھی شیطان لگا رہتا ہے
- ۱۷۸۳ نبی کریم ﷺ کا قرین شیطان مسلمان ہو گیا تھا
- ۱۷۸۳ شیاطین جنوں اور انسانوں دونوں میں ہوتے ہیں
- تکمیل ترجمہ و تفسیر پر اللہ کا شکر اور اس کی بارگاہ
- ۱۷۷۱ اصحابِ نبیل کا واقعہ تاقیامت تا زیارتہ عبرت
- ۱۷۷۱ اہل قریش پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم
- ۱۷۷۱ تفسیر سورۃ قریش
- ۱۷۷۲ اہل قریش پر اللہ تعالیٰ کا احسان
- ۱۷۷۲ اہل قریش کے شام و یمن کی جانب اسفار
- ۱۷۷۲ تفسیر سورۃ الماعون
- ۱۷۷۳ اہل مکہ کے انکار قیامت پر نکیر
- ۱۷۷۳ تیبیوں اور مسکینوں کا خیال رکھنا مومن کی صفت ہے
- ۱۷۷۳ نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے
- ۱۷۷۴ گھر میں برتنے والی چیز کسی کو نہ دینا منافق کی صفت ہے
- ۱۷۷۴ تفسیر سورۃ الکوشر
- ۱۷۷۵-۱۷۷۴ سورۃ الکوشر کا سبب نزول
- ۱۷۷۵ کوشر کی تحقیق
- ۱۷۷۵ نبی کریم ﷺ کو خیر کثیر کی خوشخبری
- ۱۷۷۵ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے ہردور
- ۱۷۷۵ میں ذلیل و خوار ہوں گے
- ۱۷۷۶ تفسیر سورۃ الکافرون
- ۱۷۷۶ سورۃ الکافرون کی فضیلت
- ۱۷۷۶ موحد کبھی بتوں کی عبادت نہیں کرتا
- ۱۷۷۷ تفسیر سورۃ النصر
- فتح و کامرانی پر نبی کریم ﷺ کو شکر اور حمد و ثنا
- ۱۷۷۸ کی صیحت
- ۱۷۷۸ فتح مکہ اور انتشار اسلام کی خوشخبری
- ۱۷۷۸ اللہ تعالیٰ ہمیشہ دین اسلام کی تائید فرمائے گا
- ۱۷۷۸ نبی کریم ﷺ کے قرب و فوات کی طرف اشارہ

